
نمل
نمرہ احمد
علم و عرفان پبلشرز

انتساب!

مجھے قرآن پڑھانے، تفسیر سمجھانے اور تدبر سکھانے والی

میری استاذہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی کے نام!

جو آج بھی مجھے بار بار قرآن کی طرف واپس لے آتی ہیں...

پیش لفظ

سب تعریف اور سارا شکر اللہ کے لیے ہے۔

شاہ زیب خان قتل کیس اور نیب آفیسر کامران فیصل قتل کیس سے متاثر ہو کر لکھے جانے والا ناول "نمل" جو تین سال پہلے ایک ایک حرف کاغذ پہ اتارنے سے شروع ہوا تھا' آج ایک مجسم حقیقت بن کے آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ "خون" اور "دل" سے جڑے نور اور انہی دونوں سے جڑے گناہوں کی کہانی ہے۔ نمل میں آپ کو مختلف اقسام کے لوگ ایک جگہ جمع نظر آئیں گے اور وہ سب ہماری زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان سب میں برائیاں اور اچھائیاں دونوں موجود ہیں۔ نمل کے اچھے کردار اتنے اچھے نہیں ہیں اور برے مکمل طور پہ برے نہیں ہیں۔ آپ نے ان سرمئی کرداروں کی اچھائیوں کو اپنانا ہے اور ان کی برائیوں سے سبق سیکھنا ہے۔ ان کے دکھوں سے اپنا کتھارسس کرنا ہے اور ان کی کامیابیوں سے اپنے لیے راہ متعین کرنی ہے۔ کہانیوں میں دل دکھا دینے والے واقعات کی منظر کشی اس لیے کی جاتی ہے تاکہ زندگی میں آگے بڑھتے قاری کے سینے میں جو دل برف بنتا جا رہا ہے' اس کو کلہاڑا مار کے توڑا جا سکے۔ وہ ٹوٹے گا تو اندر روشنی اور تپش داخل ہو گی' پھر ہی وہ پگھل کے نرم پڑے گا اور جذبوں کو پرانی شدت سے محسوس کرے گا۔ اگر ہم ایسا نہ لکھیں اور ایسا نہ پڑھیں تو دنیا کے دھکے' دکھ اور تکالیف ہمیں سرد مہر اور بے حس بناتی چلی جائیں گی۔ نمل کو بھی میں نے اسی لیے لکھا ہے تاکہ آپ اپنے دل کے امراض کی شفا بھی پہچانیں' اور اپنے خون کے رشتوں کے ساتھ واپس بھی جڑ جائیں۔

اس کتاب کو لکھنے کے لیے مجھے بہت سے پیارے لوگوں کا بھرپور ساتھ حاصل رہا۔

میری ڈائجسٹ ایڈیٹر امت العبور جن کی راہنمائی اور تعاون کے بغیر کوئی بھی قسط مکمل کرنا مشکل تھا۔ انہوں نے میری پہلی کہانی قابل اشاعت قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ دس سال بعد وہ میری تحاریر کو ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے دیکھیں گی۔ آج اس بات کو پورے دس سال ہو چکے ہیں۔ دسمبر 2006 سے دسمبر 2016 کی یہ لمبی مسافت میں کبھی بھی نہ کاٹ سکتی اگر امتل ہر قدم پہ میرے ساتھ نہ ہوتیں۔ انسان صرف کوشش کر سکتا ہے۔ اس کی تحریر کی خامیوں کا پردہ رکھ کے اسے کامیابی اللہ دیتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ناکامیوں سے سبق سیکھنے اور کامیابیوں پہ غرور نہ کرنے کی توفیق دے۔

لیلیٰ خان... نمل اس کا بھی ناول ہے۔ وہ نمل کی پہلی قاری' پہلی مداح اور پہلی نقاد ہے۔ ہر ماہ سب سے پہلے وہی نمل پڑھتی اور

اسے کمپوز کرتی اور اس کے ایک ایک زاویے سے مجھے اس کی خامیاں اور خوبیاں بتاتی۔ خلوص والے لوگ تو بہت مل جاتے ہیں مگر لیلیٰ جیسا خلوص اور سادگی بہت کم ملتی ہے۔ تمہارا شکریہ لیلیٰ۔۔۔ تم نہ ہوتیں تو میں کیا کرتی؟

اور یہی خلوص اور سادگی میری ٹیم کے دوسرے دو موتیوں میں بھی ویسی ہی موجود ہے۔ عاصمہ انجم۔۔۔ جو نمل کی "کیئر ٹیکر" رہی ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی بات اور بڑے سے بڑے کام کے لیے وہ ہر وقت حاظر ہوتیں۔ مجھے علم بھی نہ ہو پاتا اور وہ میرے کندھوں سے نامحسوس انداز میں اتنا ڈھیر سارا بوجھ اٹھا لے جاتیں۔ آپ کا شکریہ عاصمہ!

اور پھر ہم سب کی پیاری۔۔۔ اقرا بنت سلیم۔ نمل کی کتاب کا ٹائٹل ڈیزائن کرنا ایک طرف۔۔۔ اقراء کا ساتھ جو اس عرصے میں مجھے حاصل رہا وہ خوش نصیبی ہے میری۔ وہ لیلیٰ اور عاصمہ کے ساتھ مل کے نمل کی ایک ایسی مضبوط ٹیم بنی رہی جس نے مجھے کسی موقعے پہ اکیلا نہیں رہنے دیا اس کا احسان میں کبھی نہیں اتار سکتی۔

عائشہ ثاقب اور میرے فیس بک پیج کے تمام ممبرز کا شکریہ جو مجھے شاعری کے چناؤ میں میری مدد کرتے رہے۔ یہ میرا شعبہ کبھی نہیں رہا تھا مگر آپ سب کی اور بالخصوص عائشہ کے بغیر یہ اتنے اچھے طریقے سے میں شاید کبھی سرانجام نہ دے پاتی۔

ایڈووکیٹ سامعہ اقبال اور ایڈووکیٹ آمنہ آفتاب کا بے حد شکریہ جن کی راہنمائی میرے ساتھ ہر وقت رہی۔ اور ان تمام لوگوں کا بھی شکریہ جن کی جاب کی حساسیت کی وجہ سے میں ان کا نام نہیں لکھ سکتی لیکن ان کے بغیر میں نمل شروع بھی نہ کر پاتی شاید۔

اپنے ناشر محترم گل فراز صاحب (علم و عرفان پبلشرز) کی میں بے حد ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف میری اس کتاب کو اشاعت کا شرف بخشا بلکہ ہر مرحلے پہ میری رائے اور پسند، ناپسند کو ترجیح دی۔ بہت کم پبلشرز اتنی پروفیشنل سوچ رکھتے ہیں اور میں گل فراز صاحب کی دل سے بہت ممنون ہوں کہ انہوں کسی بھی موقعے پہ چاہے وہ ٹائٹل کا معاملہ ہو یا کتاب کو ایک جلد میں لانے کا مسئلہ، ہمیشہ میری رائے کا احترام کیا۔

یہاں میں بک پائیریسی کا بھی ذکر کرنا چاہوں گی کہ کس طرح وہ ہمارے ادارے اور رائٹرز کے لیے زہر قاتل ثابت ہو رہی ہے۔ خاص طور پر کراچی اور حیدرآباد کے قارئین سے گذارش ہے کہ وہ کتاب اپنے مستند بک سیلر سے خریدیں اور اس بات کی تصدیق کریں کہ کتاب اصل ہو۔

نمرہ احمد

6 فروری 2017

آئینہ

کتابِ اوّل

نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا

باب 1:

ہمارا سعدی

اور خدا نے انعام کیا
نوح علیہ السلام پر
اور ان کے بیٹوں پر
اور ان سے فرمایا
آباد رہو اور پھیلتے جاؤ
اور زمین کو بھر دو
تمہارا خوف اور تمہاری ہیبت
ہوگی زمین کے ہر درندے پر
آسمانوں کے ہر پرندے پر
مٹی پہ رینگنے والی ہر شے پر
اور سمندر کی تمام مچھلیوں پر
تمہارے ہاتھوں میں وہ پہنچائی جائیں گی
ہر زندہ متحرک شے تمہاری غذا ہوگی
اور جیسے میں نے تمہیں عطا کیے ہیں
سرسبز پودے
ویسے ہی میں تمہیں ہر شے عطا کروں گا
مگر...!
تم ماس کو اس کی جان کے ساتھ نہیں کھاؤ گے

اور اس کی جان اس کا خون ہے
اور تمہاری جان کے خون کا
میں حساب لوں گا
ہر درندے اور ہر انسان سے
اور میں یقیناً حساب لوں گا ہر انسان سے
اس کے ساتھی انسان کی
جان کا!
(عہد نامہ قدیم۔ تورات)

نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا

صحن تاریک تھا اور طویل برآمدہ نیم روشن۔ فجر کی دو اذانیں دی جا چکی تھیں اور آسمان گہرا جامنی تھا۔ برآمدے کے آگے کوٹھڑیاں در کوٹھڑیاں تھیں جن کے دروازے سلاخ دار تھے اور جن کی میلی دیواروں پہ لکیریں، نشان، نام سے لکھے تھے۔ کچھ قیدی سو رہے تھے۔ کچھ جاگ رہے تھے۔

یہاں زندگی دو انتہاؤں کے درمیان لٹکتی تھی۔

سیاہ دھاری، سفید دھاری سے مکمل الگ ہو چکی تو فجر کی تیسری اذان گونجنے لگی۔ ہواؤں نے مؤذن کی آواز کو اپنے پروں پر اٹھایا اور صحن میں پھیلا دیا۔

''اللہ سب سے بڑا ہے.... اللہ سب سے بڑا ہے۔''

ایسے میں برآمدے میں دو پہرے دار ٹہلتے ٹہلتے ایک ستون کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے بیڑی سلگائی اور دوسرے کو پیشکش کی، جسے دوسرے نے مسترد کر کے پھر سے اس حوالاتی قیدی کی کوٹھڑی کو دیکھا۔ جس کے سامنے وہ کھڑے تھے۔

پہلے سپاہی عبدالشکور نے بھی گردن موڑی، پھر استہزائیہ مسکرا کر سر جھٹکا۔

''محمد دین! بار بار اس بدمزاج آدمی کو نہ دیکھا کر۔ اس کا دماغ پہلے ہی خراب رہتا ہے۔ تیری ہمدردی سے وہ اور شیر ہو جائے گا۔'' لبوں سے دھواں چھوڑتے اس نے تنبیہ کی۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔'' مؤذن کی صدا برابر آ رہی تھی۔

محمد دین تاسف سے اسی کوٹھڑی کو دیکھتا رہا۔ جس میں سفید لباس میں ملبوس قیدی نماز کا کپڑا بچھاتا نظر آ رہا تھا۔

''کیا یوں نماز پڑھنے سے اللہ معاف کر دیتا ہے؟'' محمد دین نے مایوس آواز میں پوچھا۔

قیدی اب آستینیں کلائیوں تک برابر کر رہا تھا جو اس نے وضو کے لیے اوپر چڑھائی تھیں۔ اس کی پشت ان دونوں کی جانب تھی۔

''قتل کبھی معاف نہیں ہوتا اور جو اس کی طرح اپنی بیوی اور سگے بھائی کو قتل کر دے۔ وہ تو کبھی معاف نہیں ہوگا۔'' بیڑی کا بڑا سانس اندر کھینچتے عبدالشکور نے فتویٰ دیا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''
''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

''مگر اس کی بیوی اور اس کے بھائی کے تعلقات تھے۔ اس نے غیرت میں قتل کیا تھا۔ یہی سننے میں آیا ہے۔ تب ہی تو چار سال سے جیل میں ہے۔''

محمد دین ستون سے ٹیک لگائے ترحم سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نماز کی طرف آؤ' نماز کی طرف آؤ۔''

قیدی اب کپڑے کے سرے پہ کھڑا تکبیرات پڑھتا رفع یدین کر رہا تھا۔ برآمدے کی مدھم روشنی میں اس کا نیم رخ واضح تھا۔ سفید شلوار' سفید کرتا' بالکل کفن جیسا۔ اب گردن جھکی تھی۔ ہاتھ سینے پہ تھے۔ قدرے لمبے بال دو انچ کی پونی میں بندھے تھے۔ اس کا عمومی تاثر صاف ستھرے' اونچے' مضبوط جسم اور خوبصورت نقوش والے مرد کا پڑتا تھا۔

''فلاح کی طرف آؤ' فلاح کی طرف آؤ۔''

اذان ہواؤں میں ترنم گھولتی سنائی دے رہی تھی۔

''تو بیوی کو طلاق دے دیتا' بھائی سے تعلق توڑ لیتا' قتل کرنا ضروری تھا؟ اور لوگ نماز توبہ کے لیے نہیں پڑھتے' ان کو رہائی چاہیے ہوتی ہے۔'' تلخی سے کہہ کر اس نے ایک اور کش کھینچا۔

''مگر ایک بات ماننے کی ہے۔ اس کے غصے کے علاوہ یہ بندہ برا نہیں تھا۔ تجھے پتا ہے۔ اس کا انٹیلی جنس میں اونچا عہدہ تھا۔ اچھا خوبصورت جوان تھا۔ مگر بیوی ایسی نکلی کہ.... چچ چچ.... زندگی برباد ہو گئی فارس غازی کی۔''

اندر فارس غازی اب رکوع میں جھک رہا تھا۔

''نماز نیند سے بہتر ہے۔ نماز نیند سے بہتر ہے۔''

فضا میں تیرتی آواز ملائمت سے ستونوں سے ٹکرا رہی تھی۔

''ہاں تو اپنا کیا سامنے آتا ہے۔ اب یہ بچے گا تھوڑی ہونہہ....'' لاپروائی واستہزا سے سر جھٹک کر عبدالشکور جانے کو پلٹا۔ تب ہی محمد دین کسی سحر کے زیراثر بولا۔

''مگر وہ کہہ رہا تھا' یہ رہا ہو جائے گا۔''

عبدالشکور نے حیرت سے رک کر اپنے ساتھی کو دیکھا۔

''یہ.... فارس غازی' رہا ہو جائے گا؟ یہ کس نے کہا؟''

وہی.... وہ لمبا.... خوبصورت.... گھنگھریالے بالوں والا لڑکا جو اس سے ملنے ہر ہفتے آتا ہے۔'' محمد دین کی نگاہیں ہنوز اس پہ مرکوز تھیں۔ فارس غازی اب سجدے میں سر رکھے ہوئے تھا۔

''وہ اس کا بھانجا؟ کیا نام ہے اس کا؟ اور اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟''

''اس کی بات ہمیشہ سچ ہو جاتی ہے۔ پہلے اس نے کہا تھا ہفتہ وار پیشی ہوا کرے گی۔ ایسا ہی ہوا۔ پھر اس روز وہ کہہ گیا کہ اس ہفتے یہ رہا ہو جائے گا۔''

''تو اس کا بھانجا یہ سب تجھے کیوں بتا رہا ہے؟''

عبدالشکور بیڑی لبوں سے ہٹائے مشکوک نظروں سے محمد دین کو دیکھ رہا تھا۔

''اسے مجھے کہاں.... اسی کو بتا رہا تھا' میں نے یوں ہی سن لیا۔''

''اللہ سب سے بڑا ہے.... اللہ سب سے بڑا ہے۔''

اذان اب دھیمی پڑ رہی تھی۔

''چھوڑ یار... یہ نہیں رہا ہونے والا۔'' اس نے تلخی سے کہہ کر بیڑی پھینکی اور پھر سلگتے بجھتے انگارے کو دیکھنے لگا۔

''اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔''

آواز دم توڑ گئی۔ فضا میں سکوت چھا گیا۔ پھر بلبل نے صدا لگائی' درختوں نے پتے جھکائے اور ساری مخلوق اپنی عبادت میں مشغول ہوگئی۔

قیدی سلام پھیر کر اٹھا۔ جائے نماز کا کونا موڑا' کف کلائی پہ موڑے اور چلتا ہوا سلاخوں تک آیا۔ اس کا چہرہ ٹیوب لائٹ کی روشنی میں واضح ہوا۔ اس کی آنکھیں سنہری تھیں۔ انہیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے اس نے انگلی سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

محمد دین میکانکی انداز میں قریب آیا۔ عبدالشکور اتنا متاثر نہ تھا۔ مگر اس نے بھی پیروی کی۔

''اپنے کان صاف کر کے دھیان سے سنو۔'' وہ تیز نگاہوں سے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بولا۔

''پہلی بات وہ میرا سگا نہیں' سوتیلا بھائی تھا۔ دوسری بات میرے بھانجے کا نام سعدی یوسف ہے اور آخری بات' اگر آئندہ تم مجھے میری ملاقات کے اوقات میں اپنے قریب پھٹکتے نظر آئے تو اگلے دن یہاں پہرہ دینکل چیر پہ دو گے۔ سمجھ میں آیا؟''

''تجھے تو میں ابھی....'' عبدالشکور غصے سے آگے بڑھا۔ مگر محمد دین نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دھکیلتے ''چھوڑ' جانے دو'' کہہ کر اسے روکا اور واپس لے گیا۔

''کیا... ہاں؟ ابھی کیا؟'' سلاخیں تھامے' فارس نے بھینچے جبڑے اور غصیلی آنکھوں سے پکارا۔ مگر محمد دین بمشکل سمجھا بجھا کر اسے دور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

فارس نے سر جھٹکا اور واپس ہولیا۔ صبح کی سفیدی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

.... ※ ※ ※ ....

میں زخم زخم ہوں پھر بھی دکھائی نہ دوں گا

ٹھیک اسی وقت اسلام آباد کے دوسرے حصوں پر بھی فجر ایسے ہی طلوع ہو رہی تھی۔ اس اپر مڈل کلاس کالونی میں ایک گھر کی کھڑکیاں نیلے اندھیرے میں روشن تھیں۔

چھوٹے سے لان کے سامنے' لاؤنج کی کھڑکی نظر آتی' مگر گھر کی بغلی گلی سے اندر جاؤ تو پہلے کچن کا بند دروازہ آتا اور پھر ایک بیڈ روم کی کھڑکی جس سے چہرہ لگا کر دیکھو تو اندر لیمپ جل رہا تھا اور کارپٹ پہ ایک لڑکی نماز پڑھ کر سلام پھیر رہی تھی۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے جلتے لیمپ کے ساتھ موبائل' پانی اور چند دوائیاں رکھی تھیں۔ ایسی دوائیاں جو گردے کا وہ مریض استعمال کرتا ہے جس کو ڈونر گردہ (کسی دوسرے کا) لگا ہو۔

وہ نماز ختم کر کے بنا دعا مانگے اٹھی' جائے نماز اسی میز کے خانے میں رکھ دی۔ دوپٹہ اتار کر بال آزاد کیے۔ پھر پلٹ کر سائڈ ٹیبل تک آئی تو اس کا چہرہ سامنے آیا۔

وہ صاف مگر قدرے زرد رنگت کی دراز قد' دبلی پتلی سی تھی۔ نقوش متناسب' آنکھیں بادامی رنگ کی' گھنی بھوری پلکیں مڑی ہوئی اور ناک میں ہیرے کی ننھی سی لونگ' بالکل مونگ کے دانے جتنی۔ وہ بہت خوبصورت نہیں تھی۔ مگر اس کے بال خوبصورت تھے۔ گہرے بھورے سرے کان تک سیدھے اور پھر موٹے موٹے curls کی صورت گھنگھریالے ہو جاتے۔ وہ اسٹیپس میں تھے۔ سامنے سے ٹھوڑی تک' پھر کندھوں تک اور پیچھے کمر تک آتے۔

اس نے الماری کھول کر ایک فائل نکالی اور بے دھیانی میں ایک ڈبے پر جھکا دیا۔ جس سے اخبار کے چند تراشے پھسل کر باہر گرے
مگر چونکہ اس نے دیکھا نہیں تھا۔ سو اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی اور فائل کھول لی۔

اخبار کے تراشے اس کے قدموں میں گرے رہے۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ وہ ٹھیک سے پڑھے نہ جاتے تھے۔ مگر پھر کھڑکی کے باہر صبح پھیلتی گئی اور روشنی اندر بھرتی گئی اور ان کی تحریر واضح ہوگئی۔

ان تراشوں کی سرخیاں کہہ رہی تھیں۔

"اسسٹنٹ ڈائریکٹر نیب وارث غازی پراسرار طور پہ کمرے میں مردہ پائے گئے۔ پولیس نے موت کو خودکشی، عزیز واقارب نے قتل قرار دے دیا۔ کمرے سے لیپ ٹاپ اور اہم ڈاکومنٹس بھی غائب..."

اسلام آباد کے پوش علاقے میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ایک خاتون جاں بحق، ایک زخمی، جاں بحق خاتون کچھ روز قبل مبینہ طور پر خودکشی کرنے والے نیب ڈائریکٹر کے بھائی کی اہلیہ تھیں۔"

"زخمی خاتون کے دونوں گردے فائرنگ کے نتیجے میں ضائع ہو چکے ہیں' نیز ان کا تعلق...."

"نیب ڈائریکٹر کے قتل کا معمہ حل' پولیس نے سوتیلے بھائی فارس غازی کو گرفتار کر لیا۔ پولیس کے مطابق اپنی بیوی اور رشتہ دار خاتون پہ فائرنگ کے پیچھے بھی اسی کا ہاتھ..."

دو ہاتھوں نے تیزی سے وہ کاغذ سمیٹے اور ان کو ڈبے میں ڈالتے ہوئے الماری بند کی۔ پھر سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی۔

وہ تیار ہو چکی تھی اور اب گیلے گھنگھریالے بال برش کر رہی تھی۔ فجر بیتے کافی دیر ہو چکی تھی اور باہر ہر طرف سنہری روشنی تھی۔

اس کی کھڑکی کے باہر تنگ گلی میں واپس چلتے جاؤ تو اب چلتے کچن کا دروازہ کھلا تھا اور جالی سے باتیں کرنے کی آوازیں اور ناشتے کی خوشبو آ رہی تھی۔ ملازم لڑکا کھڑا چائے دم پہ رکھ رہا تھا۔ ساتھ ایک ہی گلی اس کے طبقے کی عورت کھڑی تھی۔

"دے صداقت! اماں کا سارا پیغام سمجھ میں آ گیا نا؟ اب میں تسلی سے گرائیں چلی جاؤں؟" وہ جیسے کوئی لمبی چوڑی بات سمیٹ رہی تھی۔ لڑکے نے "ہاں نا چاچی!" کہہ کے تشفی کروائی۔ چاچی نے جیسے فراغت سے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ تو اپنی باجی کا ناشتہ بنا رہا ہے؟" اس نے مالکن کی بابت استفسار کیا۔

"ہاں... اور صاحب کا بھی... باجی کے ابو... دو لوگ ہی تو ہیں گھر میں۔"

"نا تو تیری باجی کی شادی وادی نہیں ہوئی؟"

"صاحب نے بوو دوہت پہلے۔" انڈا توڑتے ہوئے "بہت" کو بہت کھینچا۔

"باجی کی منگنی کی تھی' شادی بھی ہونے والی تھی' مگر پھر بازار میں فائرنگ ہوئی اور باجی کو بھی گولی لگ گئی۔ بس دونوں گردے ضائع ہو گئے۔ کسی انگریز عورت نے گردہ تو دے دیا اور لگ بھی گیا' پر منگنی ٹوٹ گئی۔ پھر باجی نے شادی نہیں کی۔"

"چچ چچ.... بیچاری... ستائیس اٹھائیس کی تو ہوگی؟"

"ارے.... تینتیس چونتیس سے کم کی نہیں ہیں باجی' لگتی چھوٹی ہیں۔" صداقت نے فخر سے کہتے ہوئے انڈا تیل پہ ڈالا۔ شرشر کی آواز آئی اور تیل میں بلبلے بننے لگے۔

"تجھے کیسے پتا اس کی عمر؟" چاچی نے مشکوک نظروں سے لڑکے کو دیکھا۔

"عمر کا نہیں' سالگرہ کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ ہر سالگرہ پہ سعدی بھائی کارڈ اور پھول جو لے آتا ہے۔"

"سعدی بھائی کون؟"

"لے... تجھے سعدی بھائی کا نہیں پتا؟" صداقت نے انڈا پلٹتے ملامتی نظروں سے چاچی کو دیکھا۔ "باجی کا بھتیجا ہے۔ بڑے صاحب کا پوتا۔"

"دیکھ... ایسے ہوتے ہیں بھتیجے اور تو گرائیں آتا ہے تو مجال نہیں کہ چاچے چاچی کو شکل بھی دکھا دے۔" ساتھ ہی لڑکے کی پشت پہ دھموکا جڑا۔ وہ بلبلا کر رہ گیا۔ "اسی لیے تو باجی اپنے بھتیجے سے بڑا پیار کرتی ہوگی۔"

"کہاں؟" برا منہ بنائے صداقت نے اسی انداز میں کہا۔ "وہ تو سعدی بھائی سے بات بھی نہیں کرتی' ملتی بھی نہیں ہے' وہ تب ہی گھر آتا ہے جب وہ نہیں ہوتی۔ وہ اس سے ناراض ہے۔"

"آئے ہائے کیوں؟"

"پرانی ناراضی ہے' باجی کو جو گولی لگی تھی' وہ سعدی بھائی کے ماموں نے ماری تھی۔ بس تب سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔" وہ سر جھکائے کام کرتے ہوئے تبصرہ کیے جا رہا تھا۔ چاچی نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

"تو اسی لیے باجی کے بھائی کا خاندان ان کے ساتھ نہیں رہتا۔"

"اوہ نہیں چاچی! وہ تو ہمیشہ سے الگ رہتے تھے۔ پھر خاندان میں اور ہے بھی کون؟ باجی کے ایک ہی بھائی تھے۔ سعدی کے ابو عرصہ ہوا فوت ہو چکے۔ ان کی وفات سے بھی سالوں پہلے سے انہوں نے گھر الگ کر لیا تھا۔ ان کی بیوی کی اپنی ساس' مطلب باجی کی مرحومہ امی سے نہیں بنتی تھی' پھر بھی باجی بڑا خیال کیا کرتی تھیں اپنے بھتیجوں کا' سعدی بھائی لوگ تین بہن بھائی ہیں' یہ تو بس اب کچھ سالوں سے ان کی بول چال..."

"صداقت! اگر آپ ہمارے شجرہ نسب پہ روشنی ڈال چکے ہو تو ناشتہ ٹیبل پہ لگا دو گے؟"

صداقت کے ہاتھ سے چمٹا گرتے گرتے بچا۔ چچی' بھتیجا گھبرا کر پلٹے۔ وہ کوٹ بازو پہ ڈالے دوسرے ہاتھ میں پرس لیے چوکھٹ پہ کھڑی تھی اور یہ فقرہ اس نے بنا کسی غصے یا طنز کے' بہت سادگی و نرمی سے ادا کیا تھا۔

"لایا باجی بس....." وہ جیسے کرنٹ کھا کر ایک دم تیز تیز کام کرنے لگا۔ چاچی نے بھی خفیف سا سلام کیا۔ وہ اسی نرمی مگر سنجیدگی سے جواب دے کر راہداری میں آگے چلتی گئی اور ہیل کی فرش سے ٹکراتی آواز گونجتی گئی۔

راہداری کے سامنے بڑا سا لونگ روم تھا۔ اس کا آدھا حصہ صوفوں سے آراستہ ٹی وی لاؤنج تھا۔ باقی نصف میں ڈائننگ ٹیبل بچھی تھی۔ سربراہی کرسی کی جگہ پہ ایک معمر صاحب ڈھیل چیئر پہ بیٹھے عینک ناک پہ جمائے اخبار دیکھ رہے تھے۔

وہ دائیں ہاتھ کی پہلی کرسی پہ آ بیٹھی' چیزیں ایک طرف رکھیں' پلیٹ اٹھائی' کانٹا اس میں رکھا۔

"آج گھر کب آؤ گی؟"

"جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔"

وہ بہت ٹھہرے ہوئے نرم انداز میں بولتی تھی اور اس کے فقرے ایک روانی میں لبوں سے ادا ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ بات ختم کر کے سانس لیا کرتی تھی۔ اس کے باوجود ہر لفظ واضح اور کلیئر ہوتا تھا۔

"زمر!" انہوں نے پکارا۔ زمر نے جواب میں صرف "ہوں" کہا۔

"کل کی تاریخ یاد ہے؟" "کیا تھا؟"

"کوئی کرکٹ میچ تھا؟" زمر نے اسی اطمینان سے پوچھتے ہوئے نیپکن گود میں بچھایا۔

"سعدی کی سالگرہ تھی۔ وہ پچیس سال کا ہو گیا ہے۔"

اس کے ہاتھوں کی حرکت سست ہوئی' بھوری آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔ وہ ایک دم چہرہ موڑ کر صداقت کی طرف متوجہ ہوگئی جو لوازمات میز پہ رکھ رہا تھا اور زمر سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔ بڑے ابا بھی اخبار کو ہی دیکھ رہے تھے۔

صداقت اندر چلا گیا تو انہوں نے کہا' "کیا تمہیں یہ یاد ہے کہ تم کیا' کیا بھولنے لگی ہو؟ چار سال سے اس کے گھر جانا بھول گئی ہو' ڈیڑھ سال سے اس کی شکل دیکھنا بھول چکی ہو۔"

زمر نے میز کے وسط میں رکھے گلدان کو دیکھتے ہوئے کپ لبوں سے لگایا' بولی کچھ نہیں۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"وہ تمہاری کوئی سالگرہ نہیں بھولتا۔"

"میں اسے کال کروں گی۔"

"کال کرنا' پروا کرنے کے مترادف نہیں ہوتا۔"

زمر نے سنجیدگی سے بڑے ابو کا چہرہ دیکھا جو اب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"وہ میرا بھتیجا ہے' میں اس کی پروا کیوں نہیں کروں گی؟"

"تو پھر اس سے ناراضی ختم کیوں نہیں کرتی ہو؟"

"میں اس سے ناراض نہیں ہوں' سعدی میرے لیے کیا ہے' آپ جانتے ہیں اور کوئی بھی چیز اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔"

"تو پھر اس سے ملتی کیوں نہیں ہو؟"

"ٹھیک ہے' آپ ہمارا ناشتہ spoil (خراب) کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔" پیالی پرچ پہ رکھ کر وہ مکمل طور پہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ "وہ مجھ سے کیوں نہیں ملا جب میں بیمار تھی؟ ابا! میرے گردے ضائع ہوگئے تھے۔ ایک اجنبی عورت مجھے گردہ دے سکتی ہے' مگر میرا بھتیجا مجھ سے ملنے نہیں آسکتا کیونکہ اس کی پڑھائی زیادہ ضروری تھی۔ ابا! وہ میرا بیٹا تھا۔ میرا بھائی تھا۔ میرا سب سے اچھا دوست تھا۔ مگر وہ میرے پاس نہیں تھا' جب مجھے اس کی ضرورت تھی۔ وہ انگلینڈ چلا گیا اور ہاں وہ وہاں سے مجھے کال کر لیتا تھا۔ مگر کال کرنا پروا کرنے کے مترادف تو نہیں ہوتا نا۔"

"تم اس کی یہ بات درگزر کر دیتیں۔ اگر اس نے یہ نہ کہا ہوتا کہ فارس بے گناہ ہے اور....."

زمر رک گئی۔ اس کے تاثرات بدلے' آنکھوں میں گہرا کرب' تکلیف' غصہ ابھرا۔

"فارس غازی کا نام میرے سامنے مت لیا کریں' اس شخص نے میرے ساتھ کیا کیا' آپ بھول گئے ہیں تو میں یاد کرا دیتی ہوں۔"

اس کا جیسے ناشتہ حرام ہو چکا تھا۔ لبوں کو نیپکن سے تھپتھپا کر بال کان کے پیچھے اڑسے اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"وہ.... آپ کی بہو کا بھائی.... اس نے چار سال پہلے میری زندگی برباد کر دی تھی۔ اس نے اپنی بیوی اور مجھے ایک جگہ بلا کر' ہم دونوں کو شوٹ کر دیا' تاکہ میں اصل ٹارگٹ سمجھی جاؤں۔ ان تین گولیوں نے جو مجھے کمر میں لگی تھیں کہ اس شخص نے میری پشت پہ ہی تو حملہ کیا تھا۔ میرے صرف گردے نہیں چھینے' ہر چیز چھینی اور سعدی.... اس نے تب بھی کہا تھا' اب بھی کہے گا کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے' گریٹ!"

دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے جیسے کسی نادیدہ ہستی کو شاباش دی۔ اس کا رنگ نچڑ چکا تھا اور وہ شدید ڈسٹرب نظر آ رہی تھی۔

"اس نے سعدی کے بڑے ماموں اور اپنی بیوی کو مارا۔ یہ ان کا اپنا معاملہ ہے' مگر اس نے مجھے بھی مارنا چاہا تھا اور یہ میرا معاملہ ہے۔ مگر ابا! اس کے باوجود میں فارس غازی کے کیس کو ٹالو نہیں کر رہی' میں خود کو ڈیڑھ سال سے اس کیس سے الگ کر چکی ہوں' اپنا بیان بھی واپس لے چکی ہوں' کیونکہ جب اس واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے' مجھے نئے سرے سے تکلیف ہوتی ہے۔ پلیز مجھے کم از کم ناشتے کی میز پہ یہ تکلیف مت دیا کریں۔"

بہت دکھ سے کہتے ہوئے اپنی چیزیں سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑے ابا نے خاموش تاسف سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر اس کی آدھی چائے کی پیالی کو۔

ہر "سعدی...." سے شروع ہو کر "فارس" پہ ختم ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں چائے' ناشتے اور کھانے یوں ہی ادھورے رہ جاتے تھے۔

....

پھر حشر کے ساماں ہوئے ہیں

فجر کو قضا ہوئے کئی ساعتیں بیت چکی تھیں اور سورج ابھی تک ٹھنڈا تھا۔ شہر کے مضافات میں ایک پوش علاقے میں زندگی اتنی صبح بھی یوں بیدار اور چاق و چوبند تھی جیسے کبھی سوئی نہ ہو۔

وہ ایک بلند اور عالیشان محل نما گھر تھا۔ باہر سیکورٹی چیک پوائنٹس' مسلح گارڈز' کرنٹ سے لبریز تار بنی تھیں۔ اندر عمارت سبزہ زار کے درمیان میں کھڑی تھی اور آگے پیچھے اونچی نیچی پہاڑیوں کی مانند لان کہیں نشیب میں جاتا' کہیں اوپر اٹھ جاتا۔

لان میں باوردی ملازم جو کسی سے کام نپٹا رہے تھے۔ کسی بڑے ایونٹ سے پہلے ہونے والی پلاننگ۔

ایک سنہرے باب کٹ والی لڑکی جو دو دھیا رنگت اور دلکش نقوش کی مالک تھی' ہاتھ سے مختلف جگہوں پہ اشارہ کرتی' ایونٹ آرگنائزر کو ہدایات دے رہی تھی۔ جسے آرگنائزر مستعدی سے سر ہلاتا' ڈائری پہ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

دور سے ایک فلپینو ملازمہ جو خوش شکل اور بااعتماد تھی اور سفید بلاؤز' اسکرٹ اور ٹائٹس میں ملبوس تھی' چلتی ہوئی آئی اور اس لڑکی کے سامنے مسکرا کر سر کو خم دے کر پوچھا۔

"کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے مس شہرین؟"

شہرین آرگنائزر کو بتا رہی تھی کہ اسے پھول کیسے اور کدھر چاہئیں' اس نے رک کر بیزار نظر اس پہ ڈالی۔

"صرف اتنا فیونا کہ تم ہر دو منٹ بعد آ کر مجھ سے یہ سوال مت پوچھو۔" اور ناک سکوڑ کر مڑ گئی۔

فیونا کی مسکراہٹ پھر بھی برقرار رہی۔ سر کو خم دے کر وہ وہاں سے چلی آئی۔ یقیناً وہ عملے کی سپروائزر تھی' تبھی بہت تمکنت سے تھوڑی دور ایجنسی کی طرف سے آئی فاضل میڈز کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

"سب ٹھیک جا رہا ہے؟" اس نے تحکم سے جائزہ لیا۔

"پرفیکٹ.... ویسے ابھی پارٹی میں ایک ہفتہ ہے۔ ہم کچھ جلدی تیاری نہیں کر رہے؟"

"اونہوں.... یہاں ہر کوئی وقت سے پہلے کام کرنے کا عادی ہے اور یہ ہاشم کاردار کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ کوئی عام بات نہیں۔" فیونا نے قدرے فخر سے جتایا۔ ملازمہ نے مڑ کر بے اختیار شہرین کی سمت دیکھا۔

"یہ ہاشم کاردار کی بیوی ہے نا؟ ان ہی کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔"

"ہاں مگر ان کی علیحدگی ہو چکی ہے' یہ یہاں نہیں رہتیں' پارٹی کے لیے آئی ہیں۔"

"اور ادھر کون رہتا ہے؟" ملازمہ کو دلچسپی ہوئی تو اس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں لان ڈھلوان میں جا کر ختم ہوتا تھا' پوچھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی عام سی عمارت تھی جیسے انیکسی ہو۔

"وہ.... وہ تو فارس غازی کا پورشن ہے۔" فیونا نے برا سا منہ بنایا۔

"وہ کون ہے؟"

"ہاشم صاحب کی پھپھو کا بیٹا ہے مگر وہ گھر مقفل ہوتا ہے۔ کیونکہ فارس جیل میں ہے۔" پھر دھیمی آواز کی۔ "اس نے اپنے سوتیلے بھائی مطلب اپنے باپ کی پہلی بیوی کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا اور اپنی بیوی کو بھی۔"

"اوہ!" ملازمہ کی آنکھیں حیرت و تجسس سے پھیلیں۔ "تو اس کے مقتول بھائی کا خاندان یہاں نہیں رہتا؟"

"بتایا تو ہے وہ اس کے باپ کا بیٹا تھا۔ ہاشم صاحب اس کی ماں کی طرف سے کزن ہوئے تو ان سوتیلے رشتہ داروں کا یہاں سے کیا تعلق؟" گپ کا لطف ختم ہوا تو وہ منہ بنا کر اندر مڑ گئی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اس کی کروفر بھری چال میں عاجزی آ گئی۔ اس نے لونگ روم پار کیا جس میں سیڑھیاں اوپر جاتی دکھائی دیتیں اور گھر کی چار منزلیں ختم ہونے کے بعد چھت آتی۔ یوں لونگ روم بہت عالی شان تاثر دیتا۔ پھر وہ ڈائننگ روم میں آئی اور سربراہی کرسی اوپر سے کھینچی۔ یہاں سے لونگ روم نظر آتا تھا اور اسے اپنی مالکن بھی آتی نظر آ رہی تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی باریک ہیل سے تیز تیز چلتی آ رہی تھی۔ ٹانگوں پہ انگریزی طرز کا بغیر آستین کے گھٹنوں سے اوپر آتا لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکے بھورے ڈائی بال سیدھے اور کمر پہ تھے اور شیرنی جیسی آنکھیں تھیں چہرہ خوبصورت و ملائم۔ وہ یقیناً کافی عمر کی تھی مگر بے حد اسمارٹ اور تروتازہ۔

"گڈ مارننگ مسز جواہرات!"

"مارننگ....!"

مسکرا کر جواب دیتی وہ سربراہی کرسی پہ ملکہ کی شان سے بیٹھی۔ نیپکن گود میں بچھایا اور باادب کھڑی فیونا کو شیریں لہجے میں مخاطب کیا۔

"میرے بیٹے کدھر ہیں؟"

"ہاشم تیار ہو رہے ہیں اور نوشیرواں ابھی نہیں اٹھے۔"

جواہرات نے جواب دیے بنا پلیٹ اپنے قریب کی۔

"میم... آپ کی فلر ٹریٹمنٹ کی اپائنٹمنٹ آج شام کی ہے۔ آپ نے ریمائنڈ کروانے کو کہا تھا۔"

"اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسی باتیں آواز مدھم رکھ کر کیا کرو۔" اسی شیریں مسکراہٹ سے اس نے فیونا کو دیکھ کر کہا" اور اپنا میک اپ کم کرو مجھے اسٹاف کی بے ربطگی بالکل پسند نہیں۔"

"سوری میم!" فیونا کی مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی۔ اس نے جلدی سے رومال سے لپ اسٹک رگڑی۔ جواہرات اب ناشتہ پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

سیڑھیوں کے اوپر پہلے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر اے سی کی خنکی اور مردانہ پرفیوم کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ کوٹ قریب ہی ٹنگا تھا۔ بال ماتھے پہ پیچھے کو سیٹ کیے وجیہہ نقوش شاندار شخصیت اور پرکشش سیاہ آنکھیں بالکل جواہرات کے جیسی۔

وقفتاً فوقتاً درمیان میں چھوڑ کر اس نے وقت دیکھا اور موبائل اٹھا کر چند بٹن دبائے پھر ایک کال ملائی۔

"باجوہ صاحب! ابھی آپ کو ایک ای میل بھیجی ہے۔ اس کو دیکھنے کے بعد آپ مجھ سے یقیناً بات کرنا چاہیں گے۔" اگلے کی بات سنے بغیر مسکرا کر فون بند کیا اور رکھ دیا۔ ٹائی کی ناٹ باندھ چکا تو فون بجا اور پھر بجتا گیا۔ چھ سات کالز آئیں۔ مگر اس نے نہیں اٹھایا۔ ذرا خاموشی ہوئی تو اس نے ایک اور نمبر ملایا۔

"خاور... کام ہو گیا ہے۔ اس لڑکی جو بھی نام ہے اس کا... اس کو غائب ہونے کو کہہ دو... اب وہ باجوہ سے نہیں ملے گی اور دوپہر تک میری سیکرٹری اس کی پے منٹ کلیئر کر دے گی۔" کال کاٹی ہی تھی کہ پھر سے باجوہ صاحب کی کال آنے لگی۔ اس نے مسکرا کر ریس کیا اور آئینے میں دیکھتے ہوئے خود پہ پرفیوم چھڑکتے ہوئے بولا۔

"کیسا لگا میرا تحفہ؟ اگر تم نہیں چاہتے کہ میں اس پہ تمہاری بیٹیوں کی رائے لوں تو آج بورڈ کے اجلاس میں تم میری قرارداد کے حق میں ووٹ دو گے۔ ورنہ میں کتنا بے رحم ہوں، تم جانتے ہو۔" دوسرے کا غصہ، احتجاج، درخواست کچھ بھی سنے بغیر اس نے فون رکھ دیا۔ خود پہ دو تین اسپرے مزید کیے۔ کف لنکس لگائے، کوٹ پہنا اور باہر نکلا۔ راہداری میں موجود باوردی ملازم نے فوراً اندر جا کر اس کا بریف کیس اٹھا لیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو جواہرات جوس گھونٹ گھونٹ پیتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے قریب آ کر اس کا ماتھا چوما، پھر دائیں ہاتھ کی کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔

"میرا خیال تھا مسز کاردار اب تک آفس جا چکی ہوں گی۔" ساتھ ہی ہاشم نے ابرو سے فیونا کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً غائب ہو گئی۔

"تمہاری ایکس وائف صبح سویرے آ گئی تو میں کیسے جاتی؟"

"شیری کیوں آئی ہے؟" ہاشم نے توس پہ اسپریڈ لگاتے ہوئے غیر دلچسپی سے پوچھا۔ جواہرات نے نزاکت سے شانے اچکائے۔

"سونیا کی سالگرہ ہم نے اسے اس کے گھر نہیں کرنے دی، تو وہ ہفتہ پہلے سے تیاری شروع کر کے انتقام لے رہی ہے۔"

"سونیا کو ساتھ لائی ہے؟"

جواہرات نے نفی میں گردن ہلائی۔

"ائی ڈیئر باجوہ کا ووٹ میرے پاس ہے۔ یوں آج عبدالصمد کو ہم ووٹ آؤٹ کر دیں گے۔"

جواہرات کھلے دل سے مسکرائی۔

"یہ تم نے کیسے کیا؟"

ہاشم مسکراتے ہوئے شانے اچکا کر بولا۔ "ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔"

"سوائے اس گھر کے اسٹاف کے۔ مطلب کوئی کام کا بندہ ہے یہاں؟ کبھی کوئی میری کار مار دیتا ہے۔ کبھی میرا سوٹ برباد ہو جاتا ہے۔ حد ہو گئی۔"

آواز پہ دونوں نے اس طرف دیکھا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں نوشیرواں بستر سے اٹھ کر آیا تھا اور بہت بگڑے موڈ میں آیا تھا۔

"اور اب کیا ہوا ہے؟" ہاشم نے چھری کانٹے سے ٹکڑا توڑتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میرا سوٹ برباد کر دیا اس جاہل ریاض نے۔ آپ اس کی پے سلپ اس کے حوالے کر دیں ممی... میں نے اسے فارغ کر دیا ہے۔" سیب اٹھا کر اس میں دانت گاڑتے ہوئے وہ خفا خفا سا بولا۔ وہ چوبیس پچیس سال کا خوش شکل نوجوان تھا۔ ہاشم جتنا نہیں مگر اچھا تھا۔ فرنچ کٹ اور بالوں کی الجھی بکھری اسپائکس... آنکھوں میں بیزاری اور لاپروائی... جواہرات نے ناپسندیدگی سے اس کی بات سنی۔

"تم کب بڑے ہو گے؟ جب ہاشم تمہاری عمر کا تھا تو وہ اتنا چھوٹا ہرگز نہیں تھا۔"

ہاشم نے ماں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے ٹوکا۔ "میں سمجھا دوں گا نا۔" اور پھر نوشیرواں کی طرف متوجہ ہوا۔ "آج تمہیں آفس

میں نظر آنا چاہیے۔"

"آؤں گا بھائی! مگر اپنے وقت پہ۔" اس نے اب مسکرا کر بے نیازی سے کہا۔ ہاشم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ اسے نوشیرواں پہ بہت کم غصہ آتا تھا۔

"صبح ہو چکی ہے شیرو! اب تم بالکل نہیں سوؤ گے اور تیار ہو کر آفس آؤ گے۔"

"اوکے!" وہ لاپروائی سے کہہ کر سیب کھانے لگا۔ ہاشم کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے جوس کا گھونٹ بھرا اور موبائل کان سے لگایا۔

"ہاشم کاردار؟" نسوانی آواز نے استفسار کیا۔

"آگے بولو۔" اس کا لہجہ بے لچک اور سپاٹ ہو گیا۔

"میں کامران حیات کے آفس سے بات کر رہی ہوں۔ پلیز لائن پہ رہیے گا' کامران صاحب بات کریں گے۔"

"اپنے باس کو بولو کہ میں سیکرٹریز سے بات نہیں کرتا۔ اسے مجھ سے کام ہو تو مجھے خود کال کیا کرے۔" بے نیازی سے کہہ کر اس نے موبائل بند کر دیا۔

جواہرات اور نوشیرواں نے اپنی خفگی بھلا کر مسکراتی' مگر فخریہ نگاہوں کا تبادلہ کیا۔ ہاشم کا موبائل پھر سے بار بار بجنے لگا تو شیرو کو کہنا پڑا۔

"اٹھائیں بھائی! بے چارے کی کال۔"

"شام کو اٹھاؤں گا۔ اسے پورا دن خوار ہونے دو۔ کام ہو تو ہاشم کاردار یاد آ جاتا ہے۔" وہ ناشتہ ختم کر کے اب اٹھ رہا تھا۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کورٹ جا رہے ہو؟"

"پہلے آفس پھر کورٹ..... جنرل نوید کے بیٹے والا مسئلہ' وقت پہ نہ گیا تو زمر سینئل منٹ سے انکار ہی نہ کر دے۔ اس مغرور عورت کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

"زمر کو میرا سلام کہہ دینا۔" جواہرات نے دلچسپی سے کہا۔

"شیور....." ہاتھ صاف کر کے اس نے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ وہ پھر سے بجا۔ ہاشم نے "ہاں خاور بولو" کہہ کر عجلت میں کال ریسیو کی تھی۔ مگر دوسری طرف جو کہا جا رہا تھا' اسے سن کر وہ بالکل رک گیا۔ آنکھیں سکیڑیں اور آہستہ آہستہ واپس بیٹھ گیا۔

"ہوں..... اچھا..... خیر..... پچھلے دو مہینے میں وہ کس کس سے ملا ہے' اپنے وکیل کے علاوہ' مجھے ایک ایک ملاقات کی تفصیل دو۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔" سرد لہجے میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو وہ دونوں اسی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ اس نے صرف ایک لفظ کہا۔ "فارس!"

جواہرات کے ہاتھ سے سیب کی قاش پھسلی۔ آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"فارس..... کا کیا ذکر؟"

"اس کا کیس..... آج اس کا فیصلہ متوقع ہے۔" وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

جواہرات سانس لینا بھول گئی۔

"اور تمہیں اب پتا چل رہا ہے؟"

ہاشم کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔

"میں اراضی کے مقدمات میں پھنسا تھا۔ اس طرف دھیان نہیں گیا۔ مجھے عجیب لگ رہا ہے کہ اس کا فیصلہ اچانک سے آنے والا ہے۔"

ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ جواہرات کی مسکراہٹ اب غائب تھی۔ وہ بالکل یک ٹک ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"ڈونٹ وری! وہ رہا نہیں ہوگا۔" ہاشم کو کہنا پڑا۔

"اسے رہا ہونا بھی نہیں چاہیے اور تم اس بات کو یقینی بناؤ گے ہاشم!" وہ بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔

"میں سنبھال لوں گا ممی!"

"ہمارے اس کزن کے رہا ہونے کا مطلب ہے کہ عدالت کے نزدیک وہ قاتل نہیں ہے۔ یقیناً اگلا سوال یہ ہوگا کہ پھر قاتل کون ہے؟" نوشیرواں نے سیب کھاتے ہوئے کہا۔ دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کا چلتا منہ رک گیا۔

"یوں ہی کہہ رہا تھا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"یہ بات میں دوبارہ تمہارے منہ سے نہ سنوں شیرو!" جواہرات نے بمشکل غصہ ضبط کیا' پھر ہاشم کو دیکھا۔ جیسے خود بھی وہی سوال پوچھ رہی ہو۔ اس کی شیرنی جیسی آنکھوں میں تپش تھی۔

ہاشم نے ذرا سے کندھے اچکائے۔ "فیصلہ اس کے خلاف ہی آئے گا' ڈونٹ وری۔ وہ باہر نہیں آئے گا۔ اور آ بھی جائے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" تب ہی اس کا فون پھر بجا۔ اس نے فوراً کال وصول کی۔

"ہاں خاور... ہوں... اچھا..." سنجیدہ' سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ سنتا رہا' پھر فون رکھ دیا۔

"سعدی! سعدی یوسف!" اس نے ہولے سے کہا۔ "سعدی ہے اصل مسئلہ۔"

نوشیرواں کا چہرہ یوں ہو گیا جیسے اس نے زہریلا سیب نگل لیا ہو۔

.... ٭٭٭ ....

مت چھیڑو ہم اہل جنوں کو

زمر نے جب گاڑی سگنل سے تیزی سے گزاری تو بتی زرد تھی اور اس کے نکلتے ہی وہ سرخ ہو گئی۔ اس نے بے اختیار سائیڈ مرر میں دیکھا۔ ٹریفک سارجنٹ اس کو اشارہ کر رہا تھا۔ گہری سانس لے کر سر جھٹکتے اس نے کار سائیڈ پہ کی۔ انجن بند نہیں کیا۔ بٹن دبایا' شیشہ نیچے گرتا گیا۔ اس نے سن گلاسز اوپر کر کے گھنگھریالے بالوں پہ لگائے اور اسٹیئرنگ پہ دونوں ہاتھ رکھ کر منتظر سی نظر آنے لگی۔

"بی بی... آپ نے سگنل توڑا ہے۔" وہ کھڑکی تک آیا اور کھردرے لہجے میں بولا۔

"سگنل میرے گزرنے کے بعد ریڈ ہوا تھا۔" اس نے گردن ذرا اٹھا کر بے نیازی سے جواب دیا۔

"نہیں جی... آپ نے لال بتی کراس کی ہے' چالان بنتا ہے۔" وہ بک کے صفحے پلٹتے معمول کے مطابق کہہ رہا تھا۔

"آپ اسے سنبھال کر رکھیں۔ کیونکہ ہم دونوں کو پتا ہے کہ میں نے سگنل نہیں توڑا۔"

"بتی زرد تھی۔"

"تو آپ کو معلوم ہوگا کہ زرد کے بعد بتی لال ہوتی ہے۔ آپ کو نہیں گزرنا چاہیے تھا۔" وہ قلم کھول رہا تھا۔

"پھر آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ آپ کے سگنل کا ٹائمر خراب پڑا ہے۔" اس نے سگنل کی جانب اشارہ کیا۔ "تو مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کتنے سیکنڈ بعد بتی سرخ ہونی ہے۔"

"بی بی! آپ بحث کیوں کر رہی ہیں؟ چالان دیں اور جائیں۔" وہ اکتا کر بولا۔

زمر نے اثبات میں گردن ہلائی' چابی گھمائی اور کار بند کر دی۔ پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں تو چالان نہیں دوں گی' کیونکہ میری غلطی نہیں ہے۔ اور آفیسر آپ مجھ سے اونچی آواز میں کافی بدتمیزی سے بات کر رہے ہیں۔ اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں کار ادھر سائیڈ پہ لگاؤں گی' پھر ڈسٹرکٹ بار فون کروں گی۔ آدھے گھنٹے میں یہاں بار کے نمائندے اور دو مخالف میڈیا چینلز کے کیمرے ہوں گے۔ اور میں اسی جگہ پریس کانفرنس کر کے ان کو بتاؤں گی کس طرح ٹاؤن ٹریفک پولیس اپنے ٹائم ٹیبل کروانے کی بجائے خواتین کو روک کر ان سے بدتمیزی کر رہی ہے۔ اور جب سارا میڈیا آئی جی ٹریفک کو لائن پہ لے کر ان کی کارکردگی پہ سوال اٹھائے گا تو وہ یقیناً سب سے پہلے اس آفیسر کا نام جاننا چاہیں گے جس نے ایک خاتون کو غلط روک کر نہ صرف اسے سماعت پہ وقت پہنچنے سے بھی روکا' کیونکہ میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف ہوں اور اگر میں پانچ منٹ بھی لیٹ ہوئی اور اس سے کیس پہ ذرا سا بھی اثر پڑا تو میں اس امر کو یقینی بناؤں گی کہ آپ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال عدالت کے دھکے کھاتے ہوئے گزاریں گے۔ میں جن لوگوں سے روزانہ ڈیل کرتی ہوں وہ قاتل' چور اور rapists ہوتے ہیں۔ اس لیے میری کار سے ہاتھ ہٹائیں۔ جا کر اپنی ڈیوٹی کریں اور مجھے میری ڈیوٹی کرنے دیں۔"

اس نے گلاسز واپس آنکھوں پہ لگائے۔ چابی گھمائی' ایکسیلیٹر پہ پاؤں بڑھایا۔ آفیسر بے اختیار پیچھے ہٹا اور وہ زن سے کار آگے لے گئی۔

"اللہ ان عورتوں کو زبان نہ دے' یا پھر وکیل نہ بنائے۔" وہ غصے اور بے بسی سے بڑبڑاتے ہوئے اپنی جگہ پہ واپس جا رہا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

اس شہر دل نواز کے آداب دیکھنا

"سعدی؟ فارس کا بھانجا؟" جواہرات نے اچنبھے سے ابرو اٹھائیں۔ نوشیرواں نے بیزاری سے سیب رکھ دیا۔ اس کا کھانا حرام ہو چکا تھا۔

"وہ ہر ہفتے فارس سے ملنے آتا ہے۔" ہاشم گہری سوچ میں ڈوبا آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

"اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔"

"مگر... وہ مجھے بھی اپنے آس پاس نظر آیا ہے۔ ایک دو دفعہ بالکل رینڈم جگہوں پہ۔ جہاں اس کا کوئی کام نہیں تھا۔ یہ لڑکا کچھ ڈھونڈ رہا ہے۔" ہاشم پہلے سے زیادہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

"ہاشم... مجھے اس سارے مسئلے کا حل بتاؤ۔" وہ مضطرب اور بے چین سی بولی۔

"ممی! بھائی سنبھال لے گا نا۔"

ہاشم نے سنا ہی نہیں۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے قیوٹ کو آواز دی اور اسے دو دعوت نامے لانے کو کہا۔

"بہت عرصہ ہوا' میں اس سے نہیں ملا۔ شاید ڈیڑھ سال ہو گیا ہے۔ اب اسے میری پارٹی میں آنا چاہیے۔" وہ جیسے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے کر بول رہا تھا۔

"اوہ پلیز... اگر وہ آئے گا تو میں پارٹی میں نہیں ہوں گا۔ میں اسے اپنے گھر میں نہیں برداشت کر سکتا۔" نوشیرواں کا موڈ بگڑ چکا تھا۔

"یونیورسٹی کے پانچ سال میں نے اسے برداشت کیا ہے۔ اب اور نہیں۔" پھر یکایک اس کے تاثرات بدلے۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ جواہرات نے لاؤنج کی سمت دیکھا۔ شہرین ادھر ہی آ رہی تھی۔ نوشیرواں کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا۔ جواہرات نے مسکرا کر گہری سر نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"آپ کب آئیں؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" نوشیرواں کو اپنے رف حلیے پہ جیسے شرمندگی ہوئی تھی۔

"بدقسمتی سے شہری میری بیٹی کی ماں ہے اور اس کی سالگرہ کی تیاری کے لیے یہ یقیناً ارلی مارننگ ہی آئی ہوگی۔" ہاشم مسکرا کر کہتے ہوئے اٹھا اور مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ بیزاری سے نظرانداز کر کے جواب دیے بنا جواہرات کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں نے سیٹنگ ارینجمنٹ فائنل کر دی ہے۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔" پھر نوشیرواں کو دیکھ کر تکلفاً مسکرائی۔ ہاشم تب تک باہر نکل چکا تھا۔

"لسٹ میں دو نام اور بھی ایڈ کرنے ہیں۔ سعدی یوسف اور زمر یوسف۔" جواہرات نے اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ نشاندہی کی۔ شہرین ذرا چونکی۔

"سعدی؟ وہ... فارس کا بھانجا؟"

"آپ اسے جانتی ہیں؟" نوشیرواں کو برا لگا۔ وہ ابھی تک کھڑا تھا۔

"ہوں۔ کچھ زیادہ نہیں۔" وہ سنبھل کر بے نیاز نظر آنے لگی۔ پھر جب جانے کے لیے پلٹی تو جواہرات نے آواز دی۔

"کیا تم شام میں آؤ گی؟"

"نہیں..." وہ باہر جا چکی تھی۔ جواہرات نے مسکرا کر نوشیرواں کو دیکھا اور نزاکت سے ایئررنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

"وہ ایک دن میں بھی دوسری دفعہ اس گھر میں آنا پسند نہیں کرتی۔"

نوشیرواں چونکا' پھر خفیف سا سر جھٹکا اور کھڑا ہو گیا۔

"یہ سعدی لوگوں کا ریسٹورنٹ وہیں ہے نا؟" بات بدلنے کو اس نے پوچھا یا پھر وہ واقعی اسی نہج پہ سوچ رہا تھا۔ جواہرات نے شانے اچکا کر گلاس لبوں سے لگا لیا۔

............❖❖❖............

ہوا کی زد پہ بھی دو اک چراغ روشن ہیں

صبح ابھی تازہ تھی اور سفیدی سنہرے پن میں نہیں بدلی تھی۔ کاردارز کے گھر گو کہ ناشتہ ختم ہو چکا تھا' فجر کی آئی شہرین واپس' نوشیرواں دوبارہ سونے اور ہاشم کورٹ کے لیے نکل چکا تھا۔ مگر اکثر گھروں میں ناشتے' اسکول' کالج کی تیاری ابھی چل رہی تھی۔ اس سیکٹر کے درمیانے درجے کے گھروں میں ایک وہ چھوٹے باغیچے والا گھر بھی تھا جس کی بیرونی تختی پہ ذوالفقار یوسف (مرحوم) لکھا تھا۔ گھر کے اندر جاؤ تو کمروں سے کمرے نکلتے تھے۔ دو منزلہ گھر چھوٹا سا تھا۔ اسی لیے کچن میں پکتے ناشتے کی مہک اور دھواں سارے میں پھیلا تھا۔ ایک فربہی مائل خاتون پراٹھا توے پہ پلٹتے ہوئے غصے سے زور زور سے آوازیں بھی دیے جا رہی تھیں۔

"اسامہ... حسنین... اٹھ جاؤ... وین آنے والی ہے۔"

"کیا امی... میں کب کا تیار بھی ہو چکا ہوں۔" ایک تیرہ برس کے لڑکے نے ناراضی سے کہتے کچن میں جھانکا۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھا اور برش سے گیلے بال سنوار رہا تھا۔ اس کے بال گہرے بھورے اور گھنگھریالے تھے۔ اپنی زمر پھپھو کی طرح۔

ندرت نے عجلت میں مڑ کے اسے دیکھا۔ "اچھا شاباش... اور حنین کدھر ہے؟"

"کنو بیگم ابھی تک سو رہی ہے۔"

"کتنی دفعہ کہا ہے سیم کہ بڑی بہن کو ان ناموں سے مت پکارا کرو۔"

"گن کر بتاؤں کتنی دفعہ امی؟"

اس سے پہلے کہ وہ جوتا اتارتیں' وہ بھاگ چکا تھا۔

ایک کمرے میں آ کر وہ رکا۔ وہاں دو پلنگ مخالف دیواروں سے لگے تھے۔ ایک کی سائیڈ پہ اسامہ کا بیگ رکھا تھا۔ دوسرے پہ لحاف

منہ تک لیے وہ سو رہی تھی۔

"حنین...حی ی ی ی ن..." اس کے نام کو لمبا کھینچ کر پکارا۔ "گنو بیگم اٹھ جاؤ۔" پھر غصے سے اس کا لحاف میں دبکا بازو ہلایا۔ اندر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ اسامہ کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں میں شرارت چمکی...وہ پائنتی کی طرف آیا۔ وہاں ایک نسوانی پیر لحاف سے باہر تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے پیر کے نیچے گدگدی کی۔

پیر تیزی سے اندر کھینچا گیا۔ ساتھ ہی لحاف اتار کر وہ دھاڑی۔

"بدتمیز...الو...میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔"

جھک کر بیڈ کے آس پاس جوتا تلاش کیا، مگر وہ بھاگ کر چوکھٹ کے باہر چھپ گیا تھا۔ پھر کچھوے کی طرح گردن اندر کر کے بولا۔

"وین آنے والی ہے۔ آج میں تمہیں چھٹی نہیں کرنے دوں گا گنو بیگم۔" جوتا اڑتا ہوا اس تک آیا مگر اسامہ اڑن چھو ہو چکا تھا۔

"میں چھٹی کر بھی نہیں رہی، پیپر ہے میرا۔ مگر مجال ہے جو یہ دس منٹ زیادہ سونے دے۔" وہ منہ بسورتی، پیر فرش پہ مارتی اٹھی۔ "کیا یار...روز صبح صبح اٹھنا پڑتا ہے۔" پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ لپک کر راہداری میں آئی اور زور سے چلائی۔

"موٹے آلو اب آنا تم میرے پاس کاپی پہ کور چڑھوانے یا نوڈلز بنوانے۔"

غصہ نکال کر اندر آئی۔ گھڑی دیکھی۔ "اوہ نو..." وہ بھاگ بھاگ کر تیار ہونے لگی۔ الماری کھولی تو کپڑوں کا ڈھیر باہر کو گرا۔ بمشکل اس ڈھیر کو ہاتھ سے روک کر اندر سے ایک سوٹ کھینچا۔ ڈھیر کو واپس دھکیلا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

باہر آئی تو جلدی جلدی جوتے پالش کیے، کپڑے کوئی خاص استری نہ تھے۔ ساتھ ساتھ امی کی صلواتیں۔

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ رات کو کام کر کے رکھا کرو۔ جس دن میں نہ کروں، تم دونوں کوئی کام نہیں کرو گے۔" وہ راہداری کے سرے پہ گول میز پہ ناشتہ رکھتے افراتفری میں ڈانٹ بھی رہی تھیں۔ "ایک میرا سعدی ہے۔ کبھی مجھے تنگ نہیں کیا۔ بغیر کہے ہر کام کرتا ہے۔"

وہ جوتے پالش کر رہی تھی، ایک دم رکی۔ "امی...بھائی کہاں ہے؟"

"ریسٹورنٹ پہ ہے۔ آج کل آفس سے چھٹی لے رکھی ہے۔ مگر فجر کے بعد آفس کا کام لے کر ریسٹورنٹ چلا جاتا ہے۔ کالونی کی مسجد میں فجر بھی آج اسی نے پڑھائی تھی۔ امام صاحب بیمار ہیں نا اور ایک تم دونوں ہو، جس دن جوتے نہیں کھاؤ گے، نماز کے لیے نہیں اٹھو گے۔"

"اللہ...بھائی بھی نا، چھٹی لے کر بھی کام کرنا نہیں چھوڑے گا۔" وہ جوتے پہن کر اٹھی۔ یہ بات کہتے ہوئے انداز میں فخر در آیا تھا۔

تب ہی وین کا ہارن سنائی دینے لگا۔

"جاؤ موٹے، جا کر بیٹھو۔ انکل کو تسلی ہو۔" اسامہ نے فوراً ہدایت پہ عمل کیا اور "اچھا گنو بیگم" کہتا باہر بھاگا۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ برش لیے جلدی سے ماں کے قدموں میں آ بیٹھی اور گردن اونچی کی۔ وہ تیز تیز اس کی فرنچ چوٹی بنانے لگیں۔

"امی دعا کیجیے گا۔ بس آج کا پیپر اچھا ہو جائے۔ پھر تین رہ جائیں گے، جان چھٹے گی۔" وہ سر اونچا کیے کہہ رہی تھی۔ وہ بیس اکیس سال کی دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ رنگت گندمی تھی اور نقوش معمولی۔ خوبصورت تو بالکل نہیں تھی، مگر اچھی لگتی تھی۔ درمیانی سی، بال سیاہ اور سیدھے تھے۔ کندھوں سے ذرا نیچے آتے اور ماتھے پہ برابر کٹے تھے۔ امی نے فرنچ چوٹی بناتے ہوئے ماتھے والے چھوڑ دیے تھے اور پچھلوں کو گوندھ کر ربر بینڈ لگا دیا۔

بیگ اٹھا کر دوپٹا کندھے پہ برابر کر کے، باہر نکلتے نکلتے حنین نے ایک دم مڑ کر ندرت کو پکارا۔

"امی.... بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ آج فارس ماموں رہا ہو کر گھر آ جائیں گے۔ امی! کیا وہ واقعی آ جائیں گے؟" اس کی آواز میں امید بھی تھی اور آس ٹوٹنے کا خوف بھی۔

"تمہارے بھائی نے کب اپنا وعدہ پورا نہیں کیا؟" ندرت نم آنکھوں سے مسکرائیں تو وہ بھی مسکرا دی۔ وین کا ہارن پھر بجا تو وہ بوکھلا کر باہر بھاگی۔

اسامہ اگلی سیٹ پہ انکل کے ساتھ بیٹھا تھا اور پچھلی نشستوں پہ لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ حنین کے بیٹھتے ہی وین چل پڑی۔ اس کی کلاس فیلو رافعہ نے ذرا منہ بنا کر کہا۔ "حنین! جلدی آیا کرو۔"

اسامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"رافعہ باجی.... جب آپ لوگ تھرٹی ون اسٹریٹ میں رہتے تھے اور آپ کو ہم سے بعد میں انکل پک کرتے تھے تو ہم بھی آپ کا اسی طرح انتظار کرتے تھے۔"

رافعہ ہونٹ سکیڑ کر خاموش رہی۔ حنین نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور اپنا بیگ آگے اسامہ کی طرف بڑھایا جسے اس نے اپنے قدموں میں رکھ لیا۔ رافعہ اور بچی نے بھی اپنے اپنے بیگ اسی نیت سے اٹھائے کہ ذرا زیادہ آرام سے بیٹھ سکیں۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے بیگ آگے پاس کرتیں، حنین نے بازو بڑھا کر اسامہ کی گردن کی نبض محسوس کی۔ پھر لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے ایکسائیٹڈ سی بولی۔

"ابھی سانس لے رہا ہے۔ ایسا کرو تم سب اپنے بیگز دے دو تا کہ بچے کا سانس صحیح سے تو بند ہو۔"

بیگز آگے بڑھاتے ہاتھ فوراً رکے اور منہ بنا کر واپس ہو گئے۔ حنین کے چہرے کے تاثرات بدلے اور وہ تنبیہی نظروں سے ان سب کو دیکھ کر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ اسامہ نے گردن ذرا موڑ کر مسکراہٹ چھپاتے اسے دیکھا اور ایک آنکھ دبائی۔ حنین نے بھی بے ساختہ امڈ کر آتی مسکراہٹ روک لی۔

گھر کی مرغی اور باہر کی دال میں واضح فرق تھا۔

....

اسلام آباد پہ صبح کا دودھیا پن زرد ہو کر خشتہ پڑ گیا اور سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو سارے درخت پسینے میں نہا گئے۔ مگر لندن میں ابھی صبح تازہ تھی۔ ٹھنڈی سی چھایا میں گھرے ہلٹن ہوٹل کے اندر لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔

ایک کارنر میں ایک فربہی مائل، سونڈ بونڈ صاحب کے ساتھ ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان کھڑا تھا۔ وہ صاحب جیسے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً نوجوان نے گھڑی دیکھتے ہوئے ان کو مخاطب کیا۔

"کانفرنس شروع ہونے میں خاصا وقت ہے۔ ڈاکٹر عطا! کیوں نہ ہم اندر چل کر بیٹھیں؟"

"بس تھوڑی دیر اور خضر۔"

"آپ کی واپسی کب ہے اسلام آباد کی؟"

"کانفرنس اٹینڈ کر کے نکل جاؤں گا شام کو۔ تم لوگ کب تک ہو؟" مگر پھر خضر کا جواب سنے بغیر ہی وہ جیسے دور کسی کو دیکھ کر شناسا سا مسکرائے تو خضر نے اس جانب دیکھا۔

"آپ ڈاکٹر سارہ کا انتظار کر رہے تھے؟"

"آؤ.... تمہیں ملواتا ہوں۔" وہ اسے لیے انٹرنس تک چلے آئے۔ جہاں سے وہ چلتی آ رہی تھی۔ وہ گوری گلابی نیلی سبز آنکھوں والی تھی۔ عمر تیس سے پینتیس کے درمیان، مگر کافی دبلی پتلی۔ خوبصورت نہیں تھی، پیاری تھی۔ مسکراتی تو آنکھوں کے گرد لکیریں پڑتیں۔ بال فرنچ

ناٹ میں باندھ رکھے تھے۔ مجموعی طور پر اس کے چہرے پہ ایک سادہ اور پرخلوص سا تاثر تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر شناسائی سے سر کو خم دیتی قریب آئی۔ ہاتھ میں فائل فولڈر، بیگ، بہت کچھ اٹھا رکھا تھا۔

''سوری ڈاکٹر عطا... مجھے دیر تو نہیں ہو گئی؟ بیٹیوں کو اسلام آباد چھوڑ کر آئی ہوں۔ آپ کو پتا ہے نا ان سے تفصیلی بات نہ کرلوں تو مجھے تسلی نہیں ہوتی۔'' بہت سادہ اور معذرت بھرے انداز میں بولی۔

''بالکل ایسا ہی ہے۔ اچھا ان سے ملیں۔ یہ خضر ہیں۔ پلاننگ کمیشن میں شاید تم نے کبھی ان کو دیکھا ہو۔ اور خضر! یہ ڈاکٹر سارہ غازی ہیں۔ کیمیکل انجینئر ہیں۔ تھر کول پاور پروجیکٹ کی پروجیکٹ ڈائریکٹر۔ پراسس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی پاکستانی اور آج کی انٹرنیشنل انرجی ایجنسی کے اس سیمینار میں ہمارے ملک کی نمائندگی کریں گی۔ مختصراً یہ ایک راکٹ سائنٹسٹ ہیں۔'' بات ختم کر کے انہوں نے فخر سے اس عہدیدار کے تاثرات دیکھے۔

''سر مجھے میڈم کے کریڈینشلز سننا اچھا لگ رہا تھا' ورنہ ہماری بہت اچھی ملاقات ہے۔ میڈم کا پلاننگ کمیشن میں روز کا آنا جانا ہے۔'' خضر نے تب بتایا جب وہ سب کہہ چکے۔ سارہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔ ڈاکٹر عطا بے حد محظوظ نظر آنے لگے۔

''میں بڑوں کو نہیں ٹوکتی ورنہ مجھے اپنے کریڈینشلز سننا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔'' پھر خضر کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''اور سنائیں خضر! پلاننگ کمیشن والے ٹھیک ہیں؟''

''سنائیں گی تو آپ میم.... آپ لوگوں نے انٹرنیشنل کورٹ میں آئی ایم ایف کے خلاف کیس جیتا ہے۔ جتنی مبارک دوں' کم ہے۔''

''جی خضر صاحب.... اس کا تو گورنر صاحب کو کریڈٹ جاتا ہے جنہوں نے اپنے خرچ پہ کیس لڑا تھا۔'' وہ ابرو اٹھا کر سادگی اور خوشی سے کہہ رہی تھی۔

''کوئی شک نہیں۔'' ڈاکٹر عطا نے تائید کی۔ پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ پوچھنے لگے۔ ''ڈاکٹر سارہ.... کل ہی کسی نے مجھ سے پوچھا تو سوچا آپ سے معلوم کرلوں گا۔ آپ کے ہزبینڈ کے مرڈر کیس کا کیا بنا؟''

سارہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ آنکھوں میں سائے لہرائے۔ اس نے خفیف سا سر جھٹکا۔ پلاننگ کمیشن کے عہدیدار نے سوالیہ ڈاکٹر عطا کو دیکھا۔

''سارہ کے ہزبینڈ.... وارث غازی نیب آفیسر تھے۔ تین چار سال پہلے ان کا مرڈر ہوا تھا۔ ان کے بھائی نے ہی کیا تھا۔ سارہ! کیا اسے سزا ہوئی؟'' وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اوہ.... بہت افسوس ہوا۔'' خضر کو جیسے شرمندگی ہوئی۔

''میں نہیں جانتی کہ ان کے بھائی نے قتل کیا بھی تھا یا نہیں ڈاکٹر عطا! سب کہتے تھے کیا تھا تو شاید کیا ہو۔ مگر میں اس کیس کو فالو نہیں کرتی۔ انتقام' قصاص' بدلہ' ان سب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ میرا کل اثاثہ میری بیٹیاں ہیں۔ اور وہ ابھی بہت چھوٹی ہیں۔ سو میں کسی ایسے معاملے میں نہیں انوالو ہونا چاہتی جو ان کی سیفٹی کو خطرے میں ڈالے۔'' بھری محفل میں کسی کے دکھ کا ذکر چھیڑ دینا' بری نیت سے ہو یا اچھی نیت سے' دل ہمیشہ ایک طرح سے ہی دکھاتا ہے۔ وہ بھی افسردہ ہو گئی تھی۔

''میم.... آپ سے کچھ ڈاکومنٹس مانگے تھے میں نے۔ آپ نے کہا تھا میل کروا دیں گی مگر مجھے ملے نہیں ابھی تک۔'' خضر نے جیسے بات بدلی۔ وہ ابھی تک لابی میں کھڑے تھے اور ماحول خاصا سوگوار ہو گیا تھا۔ لمحے بھر میں وہ تینوں اردگرد سے کٹ گئے تھے۔ سارہ زبردستی مسکرائی۔ ''آئی ایم سوری خضر! میرا اسسٹنٹ انجینئر چھٹی پہ ہے کچھ دنوں کی۔ میں شام میں اسلام آباد واپس جا رہی ہوں۔ جاتے ہی اس کو

یاد کروادوں گی۔ وہ آپ کو میل کردے گا۔"

"اوہ ہاں.... میں پوچھنے لگا تھا۔ آپ کا سینئر انجینئر آپ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے ہمیشہ' آج نظر نہیں آرہا۔"

"وہ کسی ذاتی کام میں مصروف ہے۔" کہتے ہوئے اس کی زبردستی کی مسکراہٹ قدرتی مسکان میں بدلنے لگی۔

خضر نے ماتھے کو چھوا۔

"میں اس کا نام ہمیشہ بھول جاتا ہوں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ میں اس کی میل مس کردوں۔"

"سعدی.... سعدی یوسف!" سارہ نے یاد دلایا۔ پھر چہرے پہ دوبارہ بشاشت لاتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔ "اندر چلتے ہیں۔ آج ہمارے پاس توانائی کی دنیا کو دکھانے اور بتانے کے لیے بہت کچھ ہے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھی تو دونوں اس کے ساتھ ہو لیے۔ البتہ ڈاکٹر عطا ابھی تک یہ موضوع چھیڑنے پہ پشیمانی محسوس کر رہے تھے۔ اور خضر یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بالکل.... سعدی یوسف.... بہت ہی competent لڑکا ہے۔ میں ایک دفعہ ملا تھا۔" وہ دور ہوتے گئے اور راہداری کی گھما گھمی میں ان کی آوازیں مدھم پڑتی گئیں۔

............❖❖❖............

گرفتہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا

اسلام آباد میں دوپہر تیز شعاعوں کے ساتھ گویا برس رہی تھی۔ ایسے میں سنہری روشنی میں نہائے چھوٹے باغیچے والے گھر سے آگے مین روڈ پہ نکلیں تو مرکز شروع ہو جاتا' جہاں ایک قطار میں دکانیں تھیں اور قطار کے کونے پہ آخری دکان میں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ تھا۔ اوپر بڑے سے بورڈ پہ جلی حروف میں لکھا تھا۔ "Foodily Everafter"

یقیناً یہ پریوں کی کہانیوں کے اختتامی happily everafter کی اشتہا انگیز نئی شکل تھی۔

ریسٹورنٹ کے برآمدے میں بچھی کرسیاں خالی تھیں۔ قریب ہی پھولوں کا اسٹال لگائے کم عمر پٹھان بچہ موجود تھا۔ ریسٹورنٹ کی سڑک کے سامنے کی دیوار شیشے کی تھی۔ جس سے اندر جھانکو تو سب سونا پڑا تھا۔ ابھی لنچ ٹائم نہیں ہوا تھا۔ سو سوائے ویٹرز کے جو کام نپٹاتے پھر رہے تھے' وہاں کوئی گاہک موجود نہ تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ سوائے شیشے کی دیوار سے لگی میز کے۔ اس پہ لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ایک کھلی فائل اور دو موبائلز.... ساتھ کافی کا مگ جس سے وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ جبکہ اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ اسکرین پہ جمی تھیں۔ وہ کافی سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ جینز پہ بٹنوں والی شرٹ جس کی آستینیں پیچھے موڑ رکھی تھیں۔ اسکرین پہ جمی آنکھیں گہری بھوری اور پرکشش تھیں۔ رنگت بہت صاف اور نقوش کافی ہینڈسم.... بال پیچھے کی طرف برش کر رکھے تھے۔ سامنے سے دیکھو تو سیدھے لگتے۔ پیچھے سے دیکھو تو گھنگھریالے تھے۔ بالکل زمر جیسے۔ اس کی مجموعی شخصیت ذہن پہ ایک صاف ستھرا' خوشگوار سا تاثر چھوڑتی تھی۔

لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ گاہے بگاہے ایک نظر ان فونز پر بھی ڈال لیتا۔ قریب سے گزرتا ویٹر بھی ان ہی فونز کو دیکھ رہا تھا۔

"سعدی بھائی؟" ویٹر نے رک کر اسے مخاطب کیا۔

"ہوں؟" وہ مصروف سا پڑھتا رہا۔

"اس موبائل کا مالک ابھی تک نہیں آیا؟"

"اس کے ابو کو اطلاع تو کر دی ہے' آجائے گا۔" وہ پڑھتے پڑھتے نچلا لب دبائے بولا۔ اس کی آواز بھاری اور صاف تھی۔ اردو کا لہجہ کسی بھی علاقائی زبان کے اثر میں نہیں تھا۔

''بڑا کوئی لاپرواہ لڑکا تھا۔ اتنا قیمتی موبائل میز پہ چھوڑ گیا۔ آپ نہ دیکھتے تو کوئی چرا کر لے جا چکا ہوتا۔''
سعدی کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ گردن ہلائے بغیر صرف نگاہیں اٹھا کر ویٹر کو دیکھا۔
''کسٹمر تو اس کے بعد آئے ہی نہیں۔ میں نہ ہوتا تب بھی تم، دونوں پھر تو رہے ہو۔ پھر کون چرا کر لے جاتا؟''
ویٹر جھینپ گیا۔ ''مطلب.... گم سکتا تھا.... گر سکتا تھا۔ شکر آپ نے دیکھ لیا۔ میڈم کی طرح آپ بھی بہت دیانت دار ہیں بھائی۔''
''تھوڑا سا مکھن کریم سوپ کے لیے بچا رکھو جنید!'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نرم سی تنبیہ کرتا وہ اب کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جنید گڑبڑا کر وہاں سے اٹھ گیا۔
وفعتاً اس نے موبائل اٹھایا اور کال ملائی۔ یہ اس کا اپنا موبائل تھا۔
''سعدی یوسف بات کر رہا ہوں، تھرکول سے۔ جی.... جی....'' اس نے رک کر سنا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر بولا۔
''جی میں نے وہ رپورٹ دیکھ لی ہے۔ مگر جو چیز میں نے آپ سے مانگی تھی، وہ مکمل نہیں ہے۔ میں آپ کو اپنی ڈیمانڈ لکھ کر میل کر رہا ہوں۔ اگلے ہفتے ہمیں فیلڈ پہ جانا ہے، تب تک....'' وہ دھیمے مگر قطعی لہجے میں بات کرتا رہا تھا۔ اتنے میں باہر سے پھولوں والا پٹھان لڑکا آ کر اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
''ہاں.... گل خان.... کیسے ہو؟'' فون بند کر کے اس نے پھر سے ٹائپ کرتے ہوئے اس کو مخاطب کیا۔
''یار سعدی بھائی! تمہارے شہر کا لوگ بڑا خراب ہے۔'' بڑے ہی بگڑے موڈ میں کہتے ہوئے ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور ناک سے مکھی اڑائی۔
''اچھا.... اب کیا کر دیا ہے میرے شہر کے لوگوں نے؟''
''وہ جو سڑک کے دوسری طرف بیٹھا ہے نا'' اشارے پہ سعدی نے اس طرف دیکھا۔ جہاں دور پھولوں کا ایک اور اسٹال لگا تھا۔ جس کو گل خان سے ذرا بڑا بچہ چلا رہا تھا۔
''وہ خانہ خراب کا بچہ ہمارا پھول چرانے کے پیچھے ہوتا ہے۔''
''اچھا۔ تم اسی لیے یہاں آ کر بیٹھ گئے ہو تا کہ اسے چرانے میں مشکل نہ ہو۔'' سعدی نے سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا۔
''یار سعدی بھائی! مذاق نہ کیا کرو ہمارے ساتھ۔ وہ ہماری نظر کے نشانے پہ ہے۔'' پھر آگے ہو کر بولا۔ ''بھائی.... تمہارا نام سعد ہے نا؟ مطلب پیار سے سعدی کہتے ہیں؟''
''نہیں.... مجھے غصے سے بھی سب سعدی ہی کہتے ہیں۔ سعد نہیں ہے یہ۔ سعدی ہی ہے۔ شیخ سعدی سے۔'' وہ بچے کو دیکھے بغیر کام کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
''تمہارا ابو کیسا ہے؟ صبح نماز پہ نہیں تھا۔''
''بس اب بابا ہماری طرح تھوڑی ہے کہ پہلی اذان پہ اٹھ جائے۔'' اس نے گردن اکڑا کر کہا۔
''ہاں اور پھر مسجد میں آ کر سجدے میں سو جائے۔ دیکھ رہا تھا میں تمہیں آج....''
گل خان برا سا منہ بنا کر سیدھا ہوا۔ ''یار! تمہارا ایک آنکھ پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ کبھی تو معاف کر دیا کرو۔ تم اتنا لمبا سورت پڑھتا ہے ہمیں نیند آ جاتا ہے۔'' پھر کچھ یاد آنے پہ تاثرات بدلے۔ دلچسپی سے مزید آگے کو ہوا۔ ''بھائی! تم نے اتنا اچھا قرآن پڑھنا کدھر سے سیکھا؟''
''میرے اسکول کے ایک قاری....'' وہ بتاتے بتاتے رکا۔ جیسے کچھ یاد آیا۔ سر اٹھا کر جنید کو پکارا۔ ''اسکول کا آرڈر تیار ہو گیا؟'' ساتھ ہی وال کلاک دیکھا۔

''کون سا آرڈر بھائی؟'' جنید' سفیان دونوں بھاگے آئے۔

سعدی نے اچنبھے سے دونوں کو دیکھا۔ ''کیا مطلب... فہیم نے نہیں بتایا؟ کل میں ادھر تھا جب فون آیا تھا۔ پکنک کا آرڈر تھا۔ فہیم کو بتا کر گیا تھا میں۔'' وہ کہتے ہی کھڑا ہوا تھا' جیسے الارم سا بج رہا ہو کہیں۔

''فہیم تو بیمار تھا۔ آج آیا ہی نہیں ہے۔ اس نے تو کوئی آرڈر نہیں کیا بھائی۔''

''یا اللہ... دو گھنٹے تک ڈیلیوری کرنی ہے اور یہاں کام بھی نہیں شروع ہوا۔'' وہ اٹھتے ہوئے چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس کا ارادہ بھانپ کر دونوں بوکھلا گئے۔

''بھائی! آپ رہنے دیں۔ ہم کر لیں گے۔''

''ان کی کال میں نے اٹھائی تھی۔ آرڈر میں نے نوٹ کیا تھا۔ جب انہوں نے نام پوچھا تو میں نے سعدی یوسف بتایا تھا۔ میں نے ان کو زبان دی ہے کہ آج سہ پہر تک آرڈر تیار ہو گا تو اب وہ میرے بھروسے آئیں گے۔ سو آرڈر بھی مجھے ہی پورا کرنا ہے۔'' قطعیت سے کہتا وہ لیپ ٹاپ بند کر کے میز کے پیچھے سے نکلا۔ گل خان نے اس کا کپ اٹھا کر کافی چکھی۔ سعدی کے خود کو دیکھنے پہ مسکرایا۔

''ہم پہ تو پرائے گھر کا پانی بھی حرام ہے۔ مگر تم تو اپنا بھائی ہے۔'' دو گھونٹ اور بھرے۔ سعدی اس کا کندھا تھپک کر ریسپشن تک آیا۔ ایک دم گل خان ''او خانہ خراب'' کہتا کپ چھوڑ کر بھاگا۔ ان تینوں نے مڑ کر دیکھا۔

سڑک پہ مقابل والا لڑکا پھول اٹھائے بھاگ رہا تھا۔ گل خان اس کے پیچھے لپک رہا تھا۔ ایک سفید گاڑی قریب آتی دکھائی دے رہی تھی۔

سعدی واپس رجسٹر کی طرف متوجہ ہوا' مگر ذہن میں جیسے کچھ اٹکا۔ سفید گاڑی؟ اس نے تیزی سے گردن موڑی۔

وہ سفید رولز رائس تھی اور اس کے مالک کو تو وہ لاکھوں میں پہچانتا تھا۔

''نوشیرواں کاردار!'' وہ بے اختیار گلاس ڈور کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''تو ٹھہر تو سہی...'' دونوں لڑکے آگے پیچھے بھاگتے سڑک پہ آئے۔ رولز رائس نے ایک دم بریک لگائے۔ ٹائر چرچرائے۔ دوسرا تو بھاگ گیا تھا' گل خان ٹھٹک کر سر پہ ہاتھ رکھے سڑک پہ بیٹھ گیا۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر سرخ چہرہ لیے نوشیرواں تیزی سے باہر نکلا۔

''اندھے... ایڈیٹ... تمہارے باپ کی سڑک ہے؟ چلنے کی تمیز نہیں ہے۔ ابھی میری گاڑی کہیں لگ جاتی تو کیسے نقصان پورا کرتے؟ اپنے ماں باپ کو بیچ کر؟'' اس کا جیسے بس نہیں چل رہا تھا لڑکے کو دو تھپڑ لگا دے۔ ڈریس پینٹ شرٹ اور بنا آستین کے ویسٹ میں ملبوس وہ آفس کی تیاری میں لگ رہا تھا۔

سعدی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم قدم چلتا باہر آیا اور ریسٹورنٹ کا سبزہ عبور کر کے سڑک کے کنارے آ رکا۔

''اور اگر تمہاری گاڑی سے اس بچے کو چوٹ لگ جاتی تو تم کس کو بیچ کر نقصان پورا کرتے؟''

نوشیرواں جو بگڑے تیوروں کے ساتھ گاڑی کی طرف پلٹ رہا تھا' بے اختیار پلٹا۔ سعدی کو دیکھ کر غصہ جیسے کم ہوا' مگر آنکھوں میں تپش اور کینہ بڑھ گیا۔ گل خان لپک کر سعدی کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''اچھا... میں سمجھ گیا۔'' نوشیرواں نے طیش کو دبا کر طنزیہ مسکرانے کی کوشش کی۔ ''یہ شاید تمہارا مین بزنس ہے۔ ان آوارہ لڑکوں کو چوٹیں لگواؤ اور پھر گاڑیوں کے مالکان سے رقم وصول کرو۔ گڈ گڈ۔ کیا یہ کرنے سے ریسٹورنٹ کا کرایہ پورا ہو جاتا ہے؟''

سعدی آنکھیں سکیڑے خفیف سے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''میرا اصل بزنس تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر تمہارا موڈ خراب نہ ہو تو میں دہراؤں کہ میں کس پروجیکٹ پہ کام کر رہا ہوں؟''

نوشیرواں کے چہرے پہ پھر سے سرخی بڑھنے لگی۔ لب بھینچ کر بمشکل ضبط کیا۔

''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے سعدی کہ میں تمہارے آفس کی روداد سن سکوں۔ میرے پاس میری ایک کمپنی ہے جہاں جانے کے لیے میں اس تمہارے اسسٹنٹ کی وجہ سے لیٹ ہو رہا ہوں۔'' اس نے حقارت سے بچے کی طرف اشارہ کیا جو سعدی کے بازو کی اوٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا۔ تم آفس جا رہے ہو۔ ویری گڈ.... لیکن میرا جغرافیہ اگر درست ہے تو میرا ریسٹورنٹ تمہارے گھر سے آفس کے راستے میں نہیں پڑتا۔ سو میری چھٹی حس مجھے یہ بتاتی ہے کہ یقیناً تمہارے اردگرد آج کسی حوالے سے میرا ذکر ہوا ہوگا اور تم حسب معمول غصے میں بے قابو ہو کر مجھے چیک کرنے آئے ہو۔ سو.... اب تم دیکھ ہی چکے ہو کہ میں وہی سعدی ہوں۔''

کندھے ذرا سے اچکا کر سعدی نے بہت آرام سے کہا۔ ویٹرز جنید' سفیان' گل خان کا باپ اور ایک راہگیر اب جمع ہوئے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ضبط کی شدت سے نوشیرواں کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

''میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کون ہو''

''میں بھی جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں ایک یتیمی میں بڑا ہونے والا مڈل کلاس لڑکا ہوں۔ میری ماں یہ چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہے اور میرا گھر اس سے بھی چھوٹا ہے۔ میں انگلینڈ پڑھنے بھی اسکالرشپ پہ گیا تھا اور میں نے زندگی میں وہ دن بھی دیکھے ہیں جب پیسے نہ ہونے کے باعث ہمیں چٹنی سے روٹی کھانی پڑتی تھی۔ آج میں ایک کیمیکل انجینئر ہوں۔ ایک سائنسدان۔ اور آج بھی میری تنخواہ بہت زیادہ نہیں ہے۔ اپنے خاندان' اپنے گھر' اپنی مالی حیثیت' مجھے کسی چیز کے بارے میں سچ بتانے سے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ میں سعدی یوسف خان ہوں اور یہاں سب مجھے جانتے ہیں۔ کیا اب تم بھرے مجمع میں اپنا تعارف کروا سکتے ہو؟''

نوشیرواں کا غصہ ٹھنڈا اور آنکھوں کی تپش مزید بھڑک چکی تھی۔ وہ خاموش رہا تو سعدی نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''اگر نہیں.... تو بہتر ہے کہ تم اپنی قیمتی کار کو ٹھیک سے ڈرائیو کرنا سیکھ لو.... کیونکہ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب تم غلط ڈرائیو کر رہے ہو۔ اور اگر تمہارا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے تو پھر گاڑی آگے پیچھے کر لو تاکہ ہمارے کسٹمرز کو تکلیف نہ ہو۔'' اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ واپس پلٹ گیا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اندر آیا تو باہر نوشیرواں گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کر رہا تھا۔

گل خان بھی اس کے ساتھ اندر آیا تھا اور اب خاصی مضبوطی سے کھڑا تھا۔

''تو سعدی بھائی.... کتنے کی ہوگی اس کی ڈبہ گاڑی جس پہ اتنا اکڑ رہا تھا؟''

سعدی نے ہلکا سا مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''زیادہ نہیں....بس چار.... ساڑھے چار کروڑ روپے کی۔''

گل خان کا منہ مارے شاک کے کھل گیا۔ سعدی آستینیں فولڈ کرتا کاؤنٹر تک آیا۔ مگر اس کا فون بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر اس نے تیزی سے کال لی۔ ایڈووکیٹ خلیجی کالنگ۔

''جی خلیجی بھائی.... کیا بنا؟ سماعت ہوگئی؟'' پوچھتے ہوئے اس کے چہرے پہ لمحے بھر کو ڈر اور امید کا ملا جلا تاثر ابھرا۔ پھر جواب سن کر وہ تاثر مسکراہٹ میں ڈھلتا گیا۔

''ریئلی....! آپ کو یقین ہے ماموں بری ہو جائیں گے؟ او کے میں دعا کر رہا ہوں!'' فون رکھ کر اس نے فوراً باہر دیکھا۔

نوشیرواں کی کار جا چکی تھی۔ اس کی دھول تک وہاں نہیں تھی۔

سعدی نے پرعزم مسکراہٹ کے ساتھ دور آسمان کو دیکھا۔

"یہ خبر سن کر آپ کی شکل کیسی ہوگی' میں دیکھنا چاہتا ہوں ہاشم بھائی...!" اور پھر عملے کی طرف مڑ گیا۔
"کم آن بوائز....ہمارے پاس ابھی وہ گھنٹے ہیں۔"

.................❖❖❖.................

کمرۂ عدالت میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ گرمی اپنے جوبن پہ تھی۔ اونچی کھڑکیوں سے گرم ہوا کے تھپیڑے اندر آ رہے تھے۔ ایسے میں استغاثہ اور دفاع کے نچ پہ تناؤ زدہ سی خاموشی تھی۔ جج صاحب کاغذ سے پڑھ کر اپنا طویل فیصلہ سنا رہے تھے اور سب متوجہ ہو کر سن رہے تھے۔
ایسے میں صرف دفاع کی کرسیوں پہ بیٹھا وہ سفید کرتے اور کسی ہوئی پونی والا مرد تھا جو ہر ایک سے لاپرواہ اور بے نیاز بھی ایکسرسائیز کے انداز میں گردن کو دائیں اور بائیں کندھے کی طرف جھکاتا۔ کبھی انگلیاں چٹخاتا۔ کبھی کان کی لو مسلنے لگتا۔ کبھی ہلکی ہلکی سی شیو سے بال نوچتا۔ غرض وہ بور ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ منہ میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔ اس کے اپنے وکیل خلجی صاحب بھی وقتے وقفے سے اس کو دیکھتے تھے۔ ان کو اپنی طرف نگاہیں پھیرتے دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکراتا اور پھر چہرہ کسی اور طرف موڑ کر بالکل سپاٹ سے تاثرات بنا لیتا۔ خلجی صاحب سر جھٹک کر رہ جاتے۔ فارس غازی ان کو اسی طرح کبھی کبھی عاجز کر دیتا تھا۔
"عدالت نے سرکار بنام فارس غازی میں تمام گواہوں' پولیس اور مقتول کے اہلِ خانہ' سب کے بیانات اور دیگر شواہد کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے فارنزک رپورٹ اور پوسٹ مارٹم رپورٹ' اور پولیس کی تفتیش کو بھی بہت توجہ سے دیکھا ہے۔"
جج صاحب کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ ایسے میں فارس خلجی صاحب کی طرف جھکا اور سرگوشی کی۔
"یہ کتنی دیر تک اور بولے گا؟"
خلجی صاحب نے ایک برہم نگاہ اس پہ ڈالی۔ "غازی' تھوڑا صبر کرو۔ یہ تمہاری زندگی کا اہم ترین دن ہے۔ چار سال سے تم قید میں پڑے ہو۔ آج تم یا تو رہا ہو جاؤ گے یا پھانسی چڑھو گے۔ اس لیے فی الوقت دعا کرو۔"
"اچھا!" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔ "لیکن یہ ابھی کتنی دیر اور بولے گا؟"
خلجی صاحب نے گہری سانس لی۔ "جتنی دیر بھی بولے گا' تمہیں اس کو سننا ہوگا۔" فارس گہری سانس لے کر پیچھے ہو گیا۔
"گواہوں کے اپنے ہی بیانات سے پھر جانے اور بہت سے گواہان کے پیش نہ ہونے کے باعث عدالت کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا ہے۔" جج صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ عینک ناک پہ دھرے چہرہ جھکائے نکات پڑھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔ "ناکافی گواہیوں اور عدم ثبوت کے باعث فارس غازی پہ لگے الزامات میں شک پیدا ہو گیا ہے۔ استغاثہ کے ثبوت گو کہ اپنی جگہ ٹھوس ہیں لیکن وہ کسی بھی صورت reasonable doubt سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس لیے عدالت ہمیشہ کی طرح شک کا فائدہ ملزم فارس طہیر غازی کو ہی دینے جا رہی ہے۔"
فارس اب منہ میں مسلسل کچھ چباتا کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سنہری آنکھیں روشنی کی کرنوں کے باعث جلتے بجھتے دیوں جیسی لگ رہی تھیں۔
"اس ضمن میں فارس غازی ولد طہیر غازی' اپنی بیوی زرتاشہ غازی اور سوتیلے بھائی وارث غازی کے قتل کے کیس میں مجرم ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے معزز عدالت فارس غازی کے اوپر لگے تمام چارجز مسترد کر کے پولیس کو ان کی باعزت رہائی کا حکم جاری کرتی ہے۔ نیز اس کیس سے اور ان الزامات سے ہمیشہ کے لیے ملزم کو بری کرتی ہے۔"
خلجی صاحب اور ان کے ساتھی وکلاء بے اختیار کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ استغاثہ کے نچ پہ ایک بے زاری سی تھی۔ وہ حیران بھی تھے اور بددل بھی۔ خاموشی مجروح ہوئی تھی۔ جج صاحب فیصلہ سنا کر اٹھ کے جا رہے تھے۔ آوازیں بلند ہو

رہی تھیں۔ ایسے میں خلجی صاحب نے ایک دم اسے ڈھونڈنا چاہا تو دیکھا' وہ چپ چاپ کمرہ عدالت سے باہر جا رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لپکے۔ ان کا چہرہ فرط جذبات سے تمتما رہا تھا۔

راہداری میں انہوں نے اسے جا لیا۔ وہ سپاہیوں کی معیت میں جا رہا تھا مگر اس کو ہتھکڑی نہیں لگائی گئی تھی۔

"غازی۔ مبارک ہو۔" وہ اس سے گلے ملے۔ پھر الگ ہوئے۔ "سعدی نے بہت محنت کی تمہارے کیس کے لیے۔ تمہیں بہت مبارک ہو کہ تم رہا ہو گئے ہو۔ ڈبل جیوپرڈی کے قانون کے تحت اب کبھی بھی ان دو قتلوں کا مقدمہ تمہارے اوپر نہیں چلایا جائے گا۔"

"افسوس۔" فارس نے بولنے سے سر جھٹکا۔ اس کے چہرے پہ سادگی سی تھی۔ "صبح ہی پولیس والوں سے جھگڑا ہوا میرا۔ ابھی ان کو سبق سکھانا تھا۔ لیکن اب رہا ہو گیا ہوں۔ یہ نہیں ہو سکے گا۔ کچھ دن مل جاتے تو ان کی طبیعت اچھے سے صاف کرتا۔"

خلجی صاحب نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "تمہیں جیل نے کیا بنا دیا ہے فارس غازی۔ سوائے لڑائی جھگڑے کے تم ہر چیز بھولتے جا رہے ہو۔ تمہاری زبان بھی سی کلاس قیدیوں والی ہو گئی ہے۔"

"لے! سی بلاک میں ہی تو تھا۔" اس نے شانے اچکائے۔ خلجی صاحب نے بہت سے سخت الفاظ اندر روکے۔

"لیکن اب تم رہا ہو گئے ہو۔ اب تم نے اپنی زندگی میں کوئی جلد بازی' اور بے وقوفی نہیں کرنی۔ اب یہ بدمعاشوں والے کام چھوڑ دو۔ شریف آدمی بن کر رہو۔ جیسے سوسائٹی میں رہا جاتا ہے۔ تمہارے خاندان نے بہت بھاگ دوڑ کی ہے تمہارے لیے۔ اب ان کو اپنی طرف سے پریشان نہ کرنا۔"

"اچھا۔" وہ لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ چہرہ بے تاثر سا تھا۔

"اب یہاں سے نکل کر کوشش کرنا کہ اچھی جاب ڈھونڈو۔ اچھی سی لڑکی سے شادی کرو۔ اور ایک پرسکون زندگی گزارو۔ اپنے غصے کو کنٹرول کرنا سیکھو۔ باہر کی دنیا جیل جیسی نہیں ہے غازی۔ اس میں تم بات بات پہ لوگوں کی ہڈی پسلی نہیں توڑ سکتے۔ اب تمہیں اپنی زندگی کو سنجیدہ لینا ہو گا۔" پھر رک کر اسے دیکھا۔ "کچھ پوچھو گے نہیں اپنے کیس کے بارے میں؟" فارس نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"فیس مل گئی آپ کو ابھی یا نہیں؟"

خلجی صاحب نے گویا برا مان کر اس کا چہرہ دیکھا جو بالکل سپاٹ تھا' جیسے کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے انہوں نے یکایک کچھ محسوس کیا۔ جیسے ایک لمحے کے لیے کچھ بدلا تھا۔ فارس کی نگاہوں کا رخ۔ وہ ان کے کندھے کے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں کی ساری کیفیت بدل گئی تھی۔ خلجی صاحب نے پلٹ کر دیکھا۔ راہداری میں بہت سے لوگ چلتے جا رہے تھے۔ ان میں وہ بھی تھی۔ گھنگھریالے بالوں والی پراسیکیوٹر جس کی ناک میں ہیرے کی ایک لونگ دمک رہی تھی۔ وہ دو عورتوں کے ہمراہ چلتی سیدھ میں دیکھتی آگے جا رہی تھی۔ فارس کے قریب سے گزری تو نگاہ اٹھی۔ اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ ایک ثانیے کو بھوری آنکھیں سنہری آنکھوں سے ملیں' پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ فارس غازی کا چہرہ اس ایک پل میں بالکل بدل گیا تھا۔ جیسے وہ کوئی اور انسان ہو۔ لیکن اگلے ہی پل وہ واپس ویسا ہی ہو گیا' اور سر جھٹک کر دوسری سمت میں ہو لیا۔

خلجی صاحب نے بہت دفعہ ان دونوں کو راہداریوں اور برآمدوں میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے دیکھا تھا۔ ہر دفعہ یہ ایک لمحہ ضرور آتا تھا۔

اس کی رہائی کی خبر ہاشم کو جب ملی تو وہ کوریڈور میں کھڑا کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔ اس نے کمال ضبط سے اپنے گڑبڑاتے ہوئے تاثرات چھپا لیے۔ وہ ابھی اتنا مصروف تھا کہ ایک دم ری ایکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ اس نے خود سے عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے حساب دینا ہو گا۔ اور توجہ زمر کی طرف مبذول کر دی جو سامنے سے فائل کے صفحے سرسری انداز میں پلٹتی تیز تیز اس طرف آ رہی تھی۔ ایک

معمر خاتون اور ایک دوپٹہ اوڑھے نوجوان لڑکی بھی اس کے ہمراہ تھی۔ ہاشم کوریڈور کے سرے پہ اسے ملا تھا۔ زمر اس کے سلام کا مختصر جواب دے کر آگے ہو لی۔ وہ بنا کچھ کہے ساتھ چلنے لگا۔ ایک کریوکٹ والا نوجوان اس کی بائیں جانب تھا۔

کورٹ روم تک کی یہ واک خاموشی سے کٹ جاتی اگر ہاشم کی کسی بات کے جواب میں وہ نوجوان بگڑے تاثرات سے یہ نہ کہتا۔

"انہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں رقم ادا کر رہا ہوں۔ ورنہ کورٹ میں یہ مجھے rapist (عزت لوٹنے والا) ثابت نہیں کر سکتے۔" ساتھ ہی دبے دبے غصے سے اس لڑکی کو دیکھا۔

ہاشم نے نظروں سے تنبیہہ کی مگر زمر کے قدم ایک دم رکے تھے۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی اور سنجیدہ مگر تیکھی نگاہوں سے اس کو دیکھا۔

"آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔ ورنہ اگر ہم ٹرائل پہ جاتے تو آپ کو معلوم ہے کیا ہوتا؟"

ہاشم نے ابرو اٹھا کر لڑکے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ جو پہلے ہی بہت برے موڈ میں تھا' اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

"میں باعزت بری ہو جاتا اور مجھے یہ پیسے نہ دینے پڑتے اور میری جاب....."

مدعی لڑکی کی ماں تلخی سے کچھ بڑبڑائی تھی۔ ہاشم نے لڑکے کو ہاتھ اٹھا کر خاموش کیا اور زمر کو دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

"میڈم پراسیکیوٹر..... میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ٹرائل پہ جانے کے بعد کیا ہوگا؟"

الفاظ کی سنجیدگی کے باوجود ہاشم کی مسکراہٹ برقرار تھی۔ "بارہ سال..... کم سے کم بھی بارہ سال کیس عدالت میں چلے گا اور کچھ ثابت نہیں ہوگا۔ ثنا نے فرید کو خود وہاں بلایا تھا۔ میرے پاس ان کے ٹیکسٹ میسجز کا ریکارڈ ہے۔ اور اس بات سے ثنا انکار نہیں کر رہی کہ ان کا چھوٹا موٹا سہی' مگر افیئر تھا تو۔ نہ صرف میں عدالت میں اس افیئر کے ثبوت پیش کروں گا' بلکہ دس ایسے لوگوں کو بھی لاؤں گا جن کو اس لڑکی نے زندگی میں کبھی دیکھا بھی نہیں ہوگا اور وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ یہ ان کے ساتھ بھی یہی کر چکی ہے۔ میں اس کو عدالت میں پیشہ ور عورت ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ اس کا خاندان اور محلہ اس کو ڈس اون کر دے گا۔ کوئی اس سے شادی نہیں کرے گا اور بارہ سال بعد آخری پیشی پہ جب یہ ہار جائے گی تو اس کے پاس نہ شوہر ہوگا اور نہ بچے۔ اس لیے آپ کو واقعی ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔"

فرید نے فخریہ مسکرا کر ہاشم کو دیکھا۔ ثنا کی ماں نے لبوں میں کوئی بددعا بڑبڑائی۔ ثنا کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

"دراصل میں ہوگا یہ ہاشم! کہ جب کیس ٹرائل پہ جائے گا تو میں اسے ٹرائل تک نہیں رکھوں گی۔ پہلے مہینے میں ہی میں پوری اسٹوری میڈیا پہ لیک کر دوں گی۔ یہ شام کے اخبار کی سرخی بنتا کیس نو بجے کی خبروں میں آئے گا۔ آٹھ اور دس بجے والے ٹاک شوز اس پہ بات کریں گے۔ ثنا کو مارننگ شوز پہ بلایا جائے گا جہاں یہ میل شاونسٹ قسم کی خواتین کے ساتھ بیٹھ کر ظلم کی پوری داستان سنائے گی۔ این جی اوز اس کے لیے واک کریں گی۔ یہ انٹرنیشنل سیمینارز پہ مدعو ہوگی۔ اینٹی آرمی طبقہ اس کو فرید کی ثنا کے ساتھ نہیں' بلکہ ایک جرنیل کے بیٹے کی ایک مظلوم لڑکی کے ساتھ زیادتی بنا دے گا اور تمہارا۔" فرید کی طرف رخ کرتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی۔ "سوشل سرکل تمہیں آؤٹ کر دے گا۔ تمہارا باس تمہاری رپورٹ پہ مشکوک الفاظ لکھے گا۔ کوئی بھی لڑکی تم سے شادی کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچے گی' کیونکہ قاتل کو لوگ قبول کر لیتے ہیں' بدکار کو نہیں۔ میں ثنا کو ایک اسٹار بنا دوں گی اور بارہ سال بعد تم کیس جیت بھی جاؤ تو تم بہت کچھ ہار چکے ہو گے۔ اور وہ ہارے ہوئے رشتے تمہیں یہ تمہارا پچاس ہزار کے ہیئر کٹ اور ڈھائی لاکھ کے سوٹ پہنے کھڑا وکیل واپس نہیں لا کر دے گا۔ سو اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو پراسیکیوٹر کے سامنے اپنے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ کو روک لیتی۔"

مسکراہٹ معدوم تھی اور ایک تیکھی نظر ان دونوں پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی۔ فرید کا چہرہ اب ثنا سے مختلف نہ تھا۔ ہاشم پہ البتہ کوئی اثر

نہ ہوا تھا۔ وہ کندھے ذرا سے اُچکا کر اس کے پیچھے ہو لیا۔

❖❖❖

اس نے پیپر مکمل کر لیا تھا اور ابھی امتحانی دورانیہ ختم ہونے میں پندرہ منٹ تھے۔ تب تک ممتحن ٹیچرز نے اسے وہیں بیٹھے رہنے کو کہا تھا۔ حنین پرچہ الٹا رکھ کر بیٹھی لکھ لکھ کر دکھتی انگلیوں پہ جن پہ کہیں کہیں انک لگ گئی تھی' کو سہلا رہی تھی۔ اسے پیپر کر کے پڑھنے کی عادت نہیں تھی اور بعد میں باہر لڑکیوں کے گروپ میں کھڑے ہو کر ایک ایک جواب ملانے سے تو وہ بھاگتی تھی۔ آدھے جواب تو وہیں غلط نکل آتے تھے۔

''بس تین پرچے مزید اور پھر بی اے ختم۔ شکر...'' اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ لڑکیاں سر جھکائے دھڑا دھڑ لکھے جا رہی تھیں۔ امتحانی عملے کی خواتین کڑی نظروں سے دیکھتی ٹہل رہی تھیں۔ حنین کی نظریں روشن دان تک گئیں۔ تین' تین' تین' ایک' نو' ٹل ہوئے دن... وہ اسی طرح کھڑکیاں' دروازے' سڑک کنارے درخت گنا کرتی تھی اور وہ بھی دس دس کے گروپ بنا کر پھر سے شروع کرتی۔

سارے دروازے گن کر اس نے ایک خشک سیاہی والا قلم نکالا اور اس کی نب کو کرسی کے بازو پہ رگڑ کر ان دیکھے الفاظ لکھنے لگی۔ وہ عموماً پھول بناتی تھی یا تکون۔ اور پھر اپنا نام لکھنا شروع ہو جاتی۔ Haneen Yousuf حنین یوسف.... حنین.... حنین.... اور لاشعوری طور پہ اس کے بنا سیاہی کے قلم نے لکھنا شروع کر دیا۔

''ہاشم کاردار.... ہاشم.... ہاشم۔''

وہ ایک دم چونکی۔ پھر قدرے گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ چہرے کا رنگ تھوڑا سرخ ہوا۔ بے چینی سے ماتھے پہ گرے بال ٹھیک کیے۔ جو بات کبھی کسی سے نہ کہی ہو وہ اچانک باہر نکل آئے' جیسے بھرا ہوا گلاس چھلک جاتا ہے' تو انسان اپنے ہی ہاتھوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ اس نے قلم رکھ دیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔

نظروں کے سامنے وہ چند لمحات' چند گھڑیاں گزریں.... جب اس نے کبھی ہاشم کو دیکھا تھا یا اس سے ملی تھی۔ خاندانی دعوتیں.... تہوار.... وہ ان کی ماں کے سوتیلے بھائی کا فرسٹ کزن تھا۔ ہر وقت مسکراتا ہوا.... بہت شاندار اور متاثر کن.... مگر ایک دور کا رشتہ دار.... اس کے قریب کھڑے ہو کر اس کو دیکھنا ایسے تھا جیسے بندہ آئفل ٹاور کے نیچے ہجوم میں کھڑا ہو۔

مگر اب آئفل ٹاور تک گئے بھی کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ خاندان میں دور.... دور تک کوئی ایسی تقریب ہی نہیں ہوئی جس میں اس کی ایک جھلک بھی نظر آ جاتی۔ پتا نہیں کب دوبارہ وہ اسے دیکھے گی؟

اس نے بے دلی سے سوچا اور خشک نب سے پھر سے تکونیں بنانے لگی.... پھر پھول.... پھر حنین.... اور پھر سے ہاشم....

❖❖❖

ہاشم نے دروازے پہ دستک دی اور پھر ہینڈل پکڑ کر دھکیلا۔

اندر آفس میں پُر سکون خاموشی تھی۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھی تھرماس سے پیالی میں چائے انڈیل رہی تھی۔ قریب ہی فائلز اور موٹی سیاہ جلد والی کتابیں کھلی رکھی تھیں۔ زمر نے بس ایک نظر اسے دیکھا' پھر خاموشی سے چینی دان اٹھایا۔

''اونہوں.... مجھے پھیکی چائے پسند ہے۔'' ہاشم نے مسکرا کر کہتے منع کیا.... دروازہ بند کر کے اندر آیا۔ کرسی کھینچی.... ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا.... کوٹ کا بٹن کھولا اور اس کے آگے سے پیالی اٹھا کر لبوں سے لگائی۔

زمر نے ابرو اُچکا کر چینی دان واپس رکھ دیا اور فائل کے صفحے پلٹنے لگی۔

دو تین گھونٹ بھر کر ہاشم نے پیالی میز پہ رکھی.... پھر خوشگوار مسکراہٹ سے اس کو دیکھ کر بولا۔ ''سو.... ہم اب ٹھیک ہیں آپس میں؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' وہ فائل پہ چہرہ جھکائے سنجیدگی سے بولی۔

''شاید نہیں... کیونکہ جس طرح ابھی باہر آپ میرے جیئر کٹ اور سوٹ کو درمیان میں لائیں...'' ہاشم نے ذرا سے شانے اُچکائے۔''اس پہ میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔''

اس نے نگاہیں اٹھا کر سنجیدگی سے ہاشم کو دیکھا۔''اگر اگلی دفعہ آپ نے کسی کو یوں میرے سامنے ہراساں کرنے کی کوشش کی... تو ہم اس کے بعد ٹھیک نہیں ہوں گے! از دیٹ کلیئر؟''

''کرسٹل!'' ہاشم نے پیالی سے دوبارہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے گھنگھریالے بال کیچر میں آدھے بندھے تھے۔ ناک کی لونگ چمک رہی تھی اور سکیڑی ہوئی آنکھوں میں ٹھنڈی سی بے رحمی تھی۔

''میں اپنی جاب کر رہا تھا' پھر بھی معافی مانگتا ہوں۔''

''آپ کو مانگنی بھی چاہیے۔'' وہ پھر سے فائل کی طرف متوجہ ہو گئی۔ چند لمحے کے لیے ہاشم کچھ نہ بولا تو زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مجھے یقین ہے آپ صرف سوری کرنے نہیں آئے۔ آپ کو کوئی فیور چاہیے۔'' فائل بند کر کے وہ پیچھے ہو کر بیٹھی۔''کہیے! میں سن رہی ہوں۔''

ہاشم نے مسکرا کر ایک پیپر بیگ سامنے رکھا۔ زمر نے اسے کھولا۔ اندر سے ایک کارڈ نکلا۔

''کیا آپ دوبارہ شادی کر رہے ہیں؟'' اسی سرد انداز میں مسکرا کر زمر نے کارڈ سامنے کیا۔ وہ ہلکا سا ہنسا۔

''اونہوں... میری بیٹی سونیا کی چھٹی سالگرہ ہے اور آپ انوائٹڈ ہیں۔''

زمر نے کارڈ دیکھا۔ وہ مستطیل ڈبے میں رکھا تھا۔ کسی شیلڈ کی طرح۔ سب سیاہ تھا اور سامنے سنہرے ربن سے وہ بناؤ ڈھکن کا ڈبہ بند ہوتا تھا۔ اندر ایک چھوٹا آر ایس وی پی کارڈ بھی رکھا تھا۔ جس کی ایک سطر میں شرکت کرنے کی ہامی اور دوسرے میں معذرت تھی اور دونوں کے آگے خالی خانے بنے تھے۔

''تھینک یو ہاشم... میں کوشش کروں گی' وعدہ نہیں کرتی۔ مگر انویٹیشن اور فیور میں فرق ہوتا ہے۔'' اس نے کارڈ بے نیازی سے میز پہ ڈال کر اسی ٹھنڈے پر سکون انداز میں پوچھا۔

ہاشم نے ابرو سے پیپر بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ زمر نے دیکھا اس میں ایک اور کارڈ بھی تھا۔ اس نے وہ نکالا۔ اس پہ درج تھا۔

''سعدی یوسف اینڈ فیملی۔''

ہاشم نے غور سے زمر کے بدلتے تاثرات دیکھے۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ چہرے پہ مضطرب سا احساس نمایاں ہوا۔ پھر وہی خاموشی چھا گئی۔ اس نے بے تاثر آنکھوں سے ہاشم کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''آپ اسے کوریئر کر دیں یا ہینڈ ڈلیور۔''

''نہ وہ میرے کوریئر کرنے سے آئے گا نہ خود بلانے سے۔ مگر آپ کہیں گی تو وہ آئے گا۔''

زمر نے دھیرے سے شانے اُچکائے۔''میں اسے بھجوا دوں گی۔ کہلوا بھی دوں گی۔ مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ آپ کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتے نا۔'' وہ پہلے جیسے انداز میں بول رہی تھی۔ مگر سمندر میں پتھر پھینکنے کے بعد کے بنتے دائرے ابھی تک پھیل رہے تھے۔

''نہ میں آج پیدا ہوا ہوں نہ آپ۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ آپ کا کہا نہیں ٹالے گا۔'' ہاشم ذرا آگے ہوا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔''سعدی کو میری پارٹی میں ہونا چاہیے۔ کسی بھی طرح۔ آپ اسے وہاں لائیں گی۔''

زمر نے جواب نہیں دیا۔ وہ بس کارڈ کو دیکھتی رہی۔ ہاشم کپ رکھ کر واپس پیچھے ہوا اور اس کے چہرے کو مسکرا کر پڑھتے ہوئے نرمی

سے پوچھا۔ ''وہ کیا کر رہا ہے آج کل؟''

ہوں... جاب۔'' وہ کسی سوچ میں تھی۔

ہاشم خاموش رہا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے پھر بھی آخری گھونٹ اندر انڈیلا اور ذرا آواز سے پیالی رکھی۔

زمر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''آپ ابھی تک یہیں ہیں یعنی آپ کو کوئی اور بھی فیور چاہیے۔''

ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور بولنے کے لیے لب کھولے کہ...

''میرا جواب انکار ہے۔''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ابھی میں نے کچھ کہا ہی نہیں۔''

''میں جانتی ہوں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' دائرے اب پھیل پھیل کر مٹ چکے تھے اور وہ سنبھل چکی تھی۔ ''آپ کو سرکار بنام عبدالغفور حیدر میں سیٹلمنٹ چاہیے۔ مگر نہیں... ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔''

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس نے واقعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔ ''لیکن یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا۔ غلطی ڈرائیور کی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ دیت دینے کو تیار ہے۔''

''وہ ایک سولہ سال کی لڑکی تھی جو اس ایکسیڈنٹ میں مر گئی ہے ہاشم۔ ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔''

اگر لڑکی کا خاندان دیت لینے پہ راضی ہو گیا تب پراسیکیوٹر کا کیا خیال ہوگا؟''

''تب پراسیکیوٹر اپنی جیب سے دیت جتنی رقم ادا کر کے متاثرہ خاندان کو مجبور کر دے گا کہ وہ ٹرائل پہ جائیں۔''

اوہ... آپ خود یہ رقم ادا کریں گی ان کو؟'' اس نے مصنوعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔

زمر پہلی دفعہ پورے دل سے مسکرائی۔

''میں نے کہا ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں میں نہیں۔ سوری مگر آپ کو شاید معلوم نہیں یہ کیس میں پلیڈ نہیں کر رہی۔ یہ پراسیکیوٹر بصیرت کا کیس ہے۔''

وہ ایک لمحے کے لیے بالکل خاموش رہ گیا۔ بھنویں سکیڑ کر اس نے واقعتاً اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

''پچاس ہزار کا ہیئر کٹ اور ڈھائی لاکھ کا سوٹ۔ آپ واقعی ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔'' بظاہر مسکراتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ نے جان بوجھ کر یہ کیس انہیں دے دیا کیونکہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ ڈیفنس میں ہاشم کا کردار ہے تو وہ کبھی اسے سیٹل نہیں کریں گے۔ گڈ ویری گڈ۔'' زمر نے مسکرا کر ابرو اچکائے۔

''میں معاف نہیں کیا کرتی ہاشم! اینی ویز... کیا میں اب بھی آپ کی پارٹی میں انوائٹڈ ہوں؟''

''بالکل! اور آپ سعدی کو بھی لائیں گی۔ ہمارے ذاتی تعلقات اس سب کی وجہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔'' وہ مسکرا کر اٹھا۔ کوٹ کا بٹن بند کیا۔ بار بار بجتا موبائل سائلنٹ کیا۔ پھر اسی رسان سے بولا۔ ''میں اس کیس کو سیٹل کروا لوں گا۔ ہاشم سب سنبھال لیتا ہے یو نو ڈیٹ۔ باوجود اس کے کہ بصیرت صاحب کے پاس آج کے بعد بہت وقت ہوگا۔'' اس نے سمندر میں دوسرا پتھر پھینکا۔

''کیوں؟ آج کیا ہوا ہے؟'' اس نے دوبارہ سے فائلز کھول لیں۔

''ان کے کیس کا فیصلہ جو آ گیا ہے۔''

''کس کیس کا؟'' وہ اب ایک سطر کو انڈر لائن کر رہی تھی۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ زمر نے دوسری سطر انڈر لائن کی۔ پھر ایک دم

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

''کس... کس کیس کا؟'' اب کے سوال کی نوعیت مختلف تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ شاک اور اضطراب تھا اور چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ جیسے سنہرے صحرا میں اچانک سے برف باری ہو جائے۔

''اوہ... آپ کو نہیں معلوم تھا؟ مجھے بھی ابھی پتا چلا۔'' ہاشم کو جیسے بہت افسوس ہوا تھا۔

''کیا فیصلہ آیا؟'' اس نے اگلی سانس میں پوچھا۔ وہ جگہ سے بھی نہیں اٹھی۔ گردن اٹھا کر ہاشم کو دیکھتی وہ بالکل ساکن تھی۔

''ناٹ گلٹی۔ ہر الزام سے بری۔'' ہاشم نے ہمدردی سے سر جھٹکا۔ ''آئی ایم سوری۔'' پھر دوبارہ سے بجتے موبائل کی طرف متوجہ ہوتا باہر نکل گیا۔ کوریڈور میں آ کر اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس کے آفس کے بند دروازے کو دیکھا۔

''میں بھی معاف نہیں کرتا ونظل بچ!'' اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

اندر زمر ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھی۔ صحرا میں برف باری ہنوز جاری تھی۔

.... ❁ ❁ ❁ ....

یہی جنوں کا یہی طوق و دار کا موسم

دوپہر سہ پہر میں بدل گئی۔ مگر اس جیل کا آہنی گیٹ ویسا ہی تپ رہا تھا۔ باہر نکل کر اس نے سنہری آنکھوں کی چلیاں سکیڑ کے ادھر ادھر کسی کو تلاش کیا اور پھر وہ اسے نظر آ گیا۔ دور گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا سعدی۔ اسے آتا دیکھ کر سعدی بھی مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ دونوں نے قدم قدم فاصلہ عبور کیا اور آمنے سامنے آئے۔ فارس اپنے بھانجے سے دو انچ لمبا تھا۔

اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ یوں بڑھایا جیسے آرم ریسلنگ کے لیے پنجہ بڑھاتے ہیں۔ سعدی نے جوابی پنجہ اس کے ہاتھ سے ملایا۔ فتح کا نشان! سعدی مسکرا رہا تھا۔ فارس سنجیدہ تھا۔

''کہاں چلیں؟'' کار میں بیٹھ کر پہلا سوال سعدی نے پوچھا۔ ''ہمارے گھر یا کاردارز کی طرف؟''

''قبرستان۔''

سعدی نے ہوں کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ فارس نے ایک نظر دونوں کی سیٹوں کے درمیان گیئرز کے ساتھ خانے میں رکھے سعدی کے موبائل کو دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''میں آؤں؟'' قبرستان کے سرے پہ گاڑی روک کر سعدی نے پوچھا۔

''مجھے تنہائی کی عادت ہے، وقت لگے گا۔'' یہ واضح منع تھا۔ کہہ کر وہ نکل گیا۔

سعدی خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کا موبائل اب خانے میں نہیں پڑا تھا۔

قبرستان میں ان دو قبروں پہ فاتحہ پڑھ کر وہ اٹھ گیا۔ پھر ایک درخت کی اوٹ میں آیا جہاں سے سعدی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور اس کے موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔

''ہاں اجنبی... غازی بول رہا ہوں۔'' بات کرتے ہوئے عادتاً کان کی لو کو دو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔ ''ہاں میں باہر آ گیا ہوں۔ بات سنو دھیان سے۔ مجھے کچھ چیزیں چاہئیں۔ کل شام تک تیار ہوں۔ میری گن، میرا چاقو۔ ایک بلیو پاسپورٹ۔ دو مختلف شناختی کارڈ میری تصویر اور میرے نام کے ہوں مگر گورنمنٹ ایشوڈ ہوں اور اس کے علاوہ...'' وہ جدید اسلحے کے چند نام گنواتا گیا۔ پھر رک کر جیسے اکتاہٹ سے اس کی بات سنی۔

''جو کہا ہے وہ کر کے دو۔ زیادہ سوال مت کرو۔'' کال بند کر کے ریکارڈ مٹایا اور ایک آخری نظر ان دو قبروں پہ ڈالی۔ ذرتاشہ فارس

گاڑی وارث غازی۔ چند لمحے وہ وہاں ٹھہرا رہا۔ پھر ان دونوں سے کچھ بھی کہے بغیر واپس آ گیا۔

کار میں سعدی اِدھر اُدھر ہاتھ مارتا کچھ تلاش کر رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"پتا نہیں موبائل کدھر رکھ دیا۔"

"یہ... تمہاری سیٹ کے پیچھے گرا ہے۔" سعدی نے چونک کر دیکھا۔ اس کا موبائل پچھلی نشست کے نیچے گرا تھا۔ جیسے اگلے خانے سے سلپ ہو کر پیچھے گر گیا ہو۔ سعدی نے شکر کرتے ہوئے فون اٹھایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"کیا تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ جج نے مجھے رہا کر دیا؟" فارس کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ سعدی نے شانے اُچکائے۔

"آپ نے وہ قتل نہیں کیے، میں جانتا ہوں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے؟ پوری دنیا تو یہی سمجھتی ہے۔ اور وہ جج... وہ اتنی آسانی سے کیسے مانا... مجھے حیرت ہے۔" کہتے ہوئے مڑ کر غور سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"اگر تمہارا اس میں کوئی ہاتھ ہے سعدی تو کہہ دو۔ میں سن رہا ہوں۔"

"میرا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے؟ میری بات جج سنے اور مانے گا بھی کیوں؟" اس نے لاپروائی سے پھر شانے اُچکائے اور ڈرائیو کرتا رہا۔

فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مگر تم نے میری بات کی تردید نہیں کی۔ ٹھیک ہے۔" اور کھڑکی کے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔ سعدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموش رہا۔

"تم بولو گے یا میں کسی دوسرے طریقے سے تمہیں بلواؤں؟" اب کے فارس نے ذرا دھیمے لہجے میں سخت بات کی تو سعدی نے بے زاری سے موڑ کاٹا۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ جو ہوا ہے قدرت نے کیا ہے۔"

"اچھا اور تمہاری قدرت نے کیا کیا ہے؟"

"وہی جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ ہامان کو فرعون کے خلاف کھڑا کر دو۔"

"کیا؟" فارس نے ابرو تان کر اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔

"میرے پسندیدہ قصوں میں سے ایک ہے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ۔ وجہ پھر کبھی بتاؤں گا لیکن اگر آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھنے کی زحمت کی ہو جو کہ جیل میں آپ نے نہیں کی ہو گی، دوسروں کی ہڈیاں اور دانت توڑنے سے فرصت جو نہیں ملتی ہو گی تو آپ کو معلوم ہوتا کہ ہامان فرعون کا ایک وزیر تھا۔ بہت دانا بہت زور آور۔ فرعون کا دایاں ہاتھ۔ اس کا ہر حکم بجا لانے والا۔ یہ سارے فرعون اپنے ہامانوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر ہم ہامان کو اپنی مٹھی میں کر لیں تو بہت سے کام نکل آتے ہیں۔ میں نے بھی بس یہی کیا تھا۔" وہ مبہم سی بات کر کے پھر سے خاموش ہو گیا تھا۔ فارس سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں رقم تھیں۔

⁂

دل کو لہو کریں کہ گریباں رفو کریں

اس بلند و بالا عمارت کے ٹاپ فلور کا وہ کشادہ اور پُرتعیش انداز میں آراستہ آفس مکمل روشن تھا۔ پارٹیشن پہ جواہرات ٹنگے لگے تھے۔ نمی اور نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کرسی پہ بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

پیچھے نوشیرواں مضطرب، جھنجھلایا ہوا سا ٹہل رہا تھا۔ کسی پنڈولم کی طرح۔ دائیں سے بائیں اور واپس دائیں۔
''مجھے وضاحت چاہیے ہاشم!'' جواہرات نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ''تم اتنے بے خبر کیسے ہو سکتے ہو کہ اس کے رہا ہونے سے پہلے تمہیں معلوم بھی نہ ہو سکے۔''
''میں اراضی کے مقدمات میں مصروف تھا اور یہ سب اچانک ہوا ہے۔'' ہاشم نے فون رکھ کر کندھے ذرا جھٹک کر کہا۔ ''جسٹس اسکندر کے تاثرات میں نے دیکھے تھے۔ وہ ذہن بنا کر آیا تھا۔ یقیناً اسے اس کام کے لیے پہلے سے راضی کر لیا گیا تھا۔''
''ان لوگوں کی اتنی حیثیت نہیں کہ اس بااثر جج کو خرید سکیں۔''
''ججز صرف خریدے نہیں جاتے' ان کو مجبور کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔''
نوشیرواں گھوم کر ہاشم کے سامنے آیا۔ ''اور اگر کسی نے اس جج کو بلیک میل کیا ہے بھائی! تو وہ اس سعدی کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔''
''پلیز شیرو،... کیا ہم سعدی سے ہٹ کر کوئی بات کر سکتے ہیں؟'' مسکراتی ہوئی جواہرات کی آنکھوں میں سخت تنبیہ ابھری۔
''اس نے وہاں دس لوگوں کے سامنے میری بے عزتی کی اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے بھول جاؤں؟'' حسب عادت نوشیرواں بھڑک اٹھا۔
''تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔'' مگر وہ ہاشم کی بات نہیں سن رہا تھا۔
''وہ مجھے جتا رہا تھا کہ وہ میرے چالان کے متعلق جانتا ہے جو انگلینڈ میں ہوا تھا۔ وہ خود کو سمجھتا کیا ہے؟ ممی میں آپ کو بتا رہا ہوں' آپ اسے پارٹی میں انوائیٹ نہیں کر رہیں۔ میں اس کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا۔''
''میں کارڈ دے چکا ہوں.... سوری....!'' ہاشم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔
''شیرو....! سعدی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ پارٹی میں آئے گا تو میں اسے دیکھ لوں گی۔ اپنے بیٹے کی بے عزتی کا بدلہ کیسے لینا ہے' مجھے معلوم ہے۔'' کہتے ہوئے آگے ہو کر نرمی سے اس نے شیرو کا ہاتھ دبایا۔ وہ ذرا ڈھیلا پڑا۔
''مسئلہ فارس ہے۔ میں اسے اپنے اردگرد برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے بتاؤ ہاشم! تم اس معاملے کو حل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہو؟''
ہاشم اب کاغذ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ یقیناً وہ بھی ڈسٹرب تھا۔ مگر کمپوزڈ نظر آ رہا تھا۔
''میں نے اسے ایک دفعہ اندر کروایا تھا۔ دوسری دفعہ بھی کروا سکتا ہوں۔''
''وہ ایک دفعہ باہر آ سکتا ہے تو دوسری دفعہ بھی آ جائے گا۔ سو بہتر ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا کھیلو۔ وہ نہیں جانتا کہ قتل کس نے کیے تھے اور اس کے نزدیک ہم اس کی واحد فیملی ہیں۔'' جواہرات مطمئن نہیں تھی۔
''وہ ہمیں کبھی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔'' نوشیرواں اکتا کر کہتا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔
''اس لیے بہتر ہے کہ وہ ہم سے دشمنی نہ رکھے۔ کیونکہ باہر آنے کے بعد وہ سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ وہ سب کس نے کروایا تھا۔''
''ہاشم سنبھال لے گا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟'' ہاشم بہت اعتماد اور اطمینان سے پیچھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے تب بھی جو کچھ کیا' اپنی فیملی کے لیے کیا۔ اب بھی اپنی فیملی کو پروٹیکٹ کرنے کے لیے مجھے جو بھی کرنا پڑا' میں کروں گا۔ اپنی فیملی کے لیے کچھ بھی کرنا جرم نہیں ہوتا۔ اگر میں وارث غازی کو رستے سے نہ ہٹاتا تو وہ ہمارے خلاف کیسز کھول کر ہمیں تباہ کر سکتا تھا۔ اور وہ زرتاشہ میں اس کو نہ مرواتا تو

اس قتل کو بھی آنر کلنگ کی شکل نہ دے سکتا۔ مجھے اس کے لیے افسوس ہے' مگر میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ پھر جب قتل ہوتا ہے تو کسی کو تو جیل جانا پڑتا ہے۔ مجھے فارس سے ہمدردی ہے۔ اس کے چار سال ضائع ہوئے' مگر وہ ایک انٹیلی جنس آفیسر تھا۔ اگر وہ اندر نہ جاتا تو قاتل کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا۔ اپنے خاندان کو محفوظ رکھنے کے لیے میں نے اسے بزی رکھا' تو کیا غلط کیا؟ وہ زندہ سلامت ہے' اس کا تو کچھ بھی نہیں گیا۔ اپنوں کو تو سب کھوتے ہیں۔ ہم نے بھی ڈیڈ کو کھویا تھا۔ بے شک نیچرل ڈیتھ سے ہی سہی۔ مگر ہماری زندگیوں میں بھی دکھ ہیں' پریشانیاں ہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ ان سب کے لیے۔ مگر زمر کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے اسے گواہی کے لیے زندہ چھوڑ دیا۔ وہ ٹھیک ہے۔ زندگی گزار رہی ہے۔ پرفیکٹ تو نہیں ہو سکتی نا اب زندگی۔"

ہاشم نے بات کرتے ہوئے ذرا سے شانے اچکائے۔

"بہت سے لوگوں کی زندگی اگر دو چار کی قربانی سے بچ جاتی ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ میں فارس کو سنبھال لوں گا۔ اسے آنے دیں... ممی... وہ کچھ نہیں کر سکتا... اوکے۔ وہ ایک جذباتی' غصے میں پاگل ہو جانے والا آدمی ہے۔ نہ اس میں عقل ہے' نہ اس میں کوئی دور اندیشی ہے۔ جیل میں رہ کر وہ کتنا بدلا ہوگا؟ ویسا ہی بددماغ ہوگا۔ ایسے دشمن کو تو انسان تھکا تھکا کے ہی مار دیتا ہے۔"

پھر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب ہم تمہارے پروجیکٹ کے بارے میں بات کر لیتے ہیں شیرو!"

اور نوشیرواں نے جیسے کڑوی گولی نگل لی۔ وہ بے دلی سے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"اور میرے پروجیکٹ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے بھی کون ہیں بھائی؟ سعدی اور ان کی نانی۔"

ہاشم بے اختیار ہنس دیا۔ "یار یہ تمہارا اور سعدی کا کسی لڑکی پہ جھگڑا تو نہیں ہے؟"

جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا اور بغور شیرو کے تاثرات دیکھے جو مزید خفا لگنے لگا تھا۔

"شیری... سونیا کو کب گھر لاؤ گے؟" جواہرات نے اسی کو دیکھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ شیرو ایک دم کوئی فائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ البتہ اس کی گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی واضح محسوس ہوئی تھی۔

"اس وقت اس کا کیا ذکر؟" ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی اور کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

❖❖❖

جو رنجشیں تھیں جو دل میں غبار تھا' نہ گیا

اس درمیانے درجے کے بنگلے کے لاؤنج کی بڑی سی کھڑکی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ شیشہ آئینہ بنا لان کا عکس دکھا رہا تھا۔ کھڑکی سے چہرہ لگا کے دیکھو تو اندر وہ تھکی تھکی سی چیزیں اٹھائے' داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ درمیان سے مانگ نکال کر گھنگھریالے بال کیچر میں ہاف باندھے' وہ جھولتی لٹ کان کے پیچھے اڑستی کچن کے دروازے تک گئی۔

"صداقت! کھانا تیار ہے؟"

"جی باجی... بس روٹی ڈال رہا ہوں۔"

"پھر کھانے کے بعد... سعدی کی طرف جانا' ایک کام ہے۔"

لاؤنج میں وہیل چیئر پہ کتاب پڑھتے بڑے ابا نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ وہ اب واپس آ رہی تھی۔

"دن کیسا گزرا تمہارا؟" انہوں نے معمول کا سوال کیا۔

"بس روزمرہ کے کام تھے۔" وہ صوفے پہ بیٹھ کر جوتوں کا اسٹریپ کھولتے ہوئے بولی۔

"سماعت کیسی رہی؟"

"ہاشم کاردار کا کلائنٹ تھا۔ کیسی ہو سکتی تھی؟" ابا کے کتاب پہ جھکے چہرے پہ ناگواری ابھری۔

"ہر کرپٹ اور گناہ گار آدمی اسی کا کلائنٹ کیوں ہوتا ہے؟"

"وہ ایک اچھا ڈیفنس لائر ہے ابا! اسے گناہوں کی جسٹی فکیشن دینا آتی ہے۔" وہ کیچر اتار کر بال جوڑے میں باندھنے لگی۔

"مجھے وہ سخت ناپسند ہے۔ انتہائی جھوٹا اور مکار آدمی ہے۔"

"سب تو ہے۔" زمر نے تائید کی۔

بڑے ابا نے کتاب پرے کر کے اس کا چہرہ دیکھا۔ "سعدی سے کیا کام ہے؟"

"ہاشم نے اپنی بیٹی کی سالگرہ کا کارڈ دیا تھا سعدی کے لیے۔ وہی دینا ہے۔" وہ سرسری سا بتا کر ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگی۔

"تو تم دے آؤ۔" انہوں نے ایک دم اتنی امید اور اتنی منت سے کہا کہ زمر نے بے اختیار ان کو دیکھا۔

"میں نہ بھی جاؤں تو فرق نہیں پڑتا۔ میں اس سے ناراض نہیں ہوں ابا!"

"تو پھر چلی جاؤ۔ اس کی سالگرہ پہ ہی وش کر دینا۔"

زمر نے ان کی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ اداس نظر آ رہی تھیں۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"وہ چھوٹا ہے۔ تم تو بڑی ہو۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو تم معاف کر دو۔ وہ تمہاری بیماری میں تمہارے ساتھ نہیں تھا۔ واقعی یہ اس کی خطا تھی۔"

"میں کب کا معاف کر چکی۔ میں اس کے خلاف برا نہیں سوچ سکتی۔ وہ میرا بیٹا ہے ابا!"

"تو کارڈ تم خود دے آؤ۔ زندگی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کون کب چلا جائے اور دوسرے کو تا زندگی پچھتاوا ہی رہے۔"

وہ بنا کچھ کہے اٹھ گئی۔ ابا دکھ سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ انہوں نے پھر کتاب نہیں اٹھائی۔ وہ کمرے میں جاتے صداقت کو آواز دے گئی۔ "میری روٹی مت بنانا۔" اور وہ مزید دکھی ہو گئے۔ اب اس کا موڈ بگڑ چکا تھا اور وہ کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند ہو جائے گی۔

دس پندرہ منٹ بعد وہ کپڑے بدل کر فریش ہو کر کمرے سے نکلی تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کھانا نہیں کھاؤ گی؟"

"کیا آپ کا پوتا مجھے کھانا بھی نہیں پوچھے گا؟" عام سے انداز میں سنجیدگی سے کہہ کر اس نے میز سے کارڈ اٹھائے اور پرس کندھے پہ ڈالا۔

ابا جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ آنکھوں میں تحیر، بے یقینی ابھر کر معدوم ہوئی اور اس کی جگہ خوشگوار تذبذب نے لے لی۔ جیسے کوئی خواب میں آنکھ کھلنے کے ڈر سے صحیح سے خوش بھی نہ ہو پائے۔ ایک دم ان کا چہرہ بجھا۔

"کیا تمہیں پتا چل چکا ہے کہ فارس رہا ہو چکا ہے؟"

وہ جیسے ٹھنڈی سانس لے کر دروازے سے پلٹی۔ "اگر آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں سعدی سے یہ پوچھنے جا رہی ہوں کہ فارس کیسے رہا ہوا تو ایسا نہیں ہے۔ میں اتنی اسٹریٹ فارورڈ ہوں کہ اگر مجھے اس سے کچھ بھی پوچھنا ہو تو میں چار منٹ کی کال کر کے بغیر تمہید کے بھی پوچھ سکتی ہوں۔ ابھی مجھ سے ہاشم نے ایک فیور مانگا ہے اور میں اسے وہی دینے جا رہی ہوں۔" اسی سنجیدگی سے کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

ابا کے چہرے پہ خوشگوار حیرت ابھر آئی۔ صداقت بھی بھاگ کر چوکھٹ میں آ کھڑا ہوا تھا اور اب ان ہی حیران مگر مسرت آمیز تاثرات کے ساتھ ان کو دیکھ رہا تھا۔

کبھی ہے جبر کبھی ہے اختیار کا موسم

حنین اور اسامہ تب سے فارس کے گرد بیٹھے تھے جب سے وہ آیا تھا۔ سعدی خاموشی سے گول میز پہ ان کے مقابل بیٹھا تھا۔

"ماموں۔۔۔! کیا وہ دوبارہ تو آپ کو۔۔۔نہیں لے جائیں گے؟" حنین نے جھجکتے ہوئے انجانے خوف کے زیرِ اثر سوال کیا۔ فرنچ چوٹی اور ماتھے پہ کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ اب گھر کے لباس میں تھی۔

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ "نہیں۔" ساتھ ہی سعدی کو دیکھا۔ سعدی نرمی سے مسکرا دیا اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگا۔

"اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گے نا؟" سیم نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میرے لیے اچھا ہوگا اگر میں اپنا گھر کھولوں۔"

"کیوں جاتے ہو ادھر؟ یہیں رہو نا۔" ندرت نے ناراضی سے کہتے میز پہ مٹر قیمہ کا ڈونگا رکھا' کھانا بس لگ ہی چکا تھا۔

"مجھے بہت سے کام کرنے ہیں آپا! مگر آتا جاتا رہوں گا۔" وہ سنجیدگی بھرے سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ عموماً جیسا بولتا تھا' چھوٹے چھوٹے فقرے' لیکن غصہ چڑھنے پہ آواز بلند ہو جاتی تھی۔

ندرت نے تازہ چپاتی لا کر رکھی ہی تھی کہ فارس ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گیا۔ ویسے بھی وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ جینز کے اوپر بٹنوں والی شرٹ' بال اسی طرح پونی میں مقید۔ سعدی نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"ماموں! آپ کو ہیر کٹ کی اشد ضرورت ہے۔"

"نہیں۔ ماموں اس ہیر سٹائل میں زیادہ اچھے لگ رہے ہیں۔" حنین نے فوراً مخالفت کی۔ ساتھ ہی وہ پلیٹ سے کھیرے اٹھا رہی تھی۔ اسامہ نے اس کے ہاتھ کو پرے کیا۔ اس نے غصے سے اسامہ کو دیکھا۔ "کیا ہے؟"

"ابھی کھانا شروع نہیں ہوا۔ تم کیوں کھا رہی ہو؟"

"تمہارے حصے کا تو نہیں کھا رہی۔ زیادہ لو کا مت کرو ورنہ تمہاری دم باندھ دوں گی۔"

"میری کوئی دم نہیں ہے۔" وہ غصے سے کہتا کھڑا ہوا۔

"بس!" سعدی نے ایک دم سنجیدگی سے کہا۔ بس ایک لفظ' اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

"کتنی دفعہ کہا ہے مت لڑا کرو آپس میں' مگر مجال ہے جو۔" ندرت کی بات گھنٹی کی آواز نے کاٹ دی۔ فارس اسی وقت واپس آتا دکھائی دیا تھا۔ اسامہ بھاگ کر دروازے پہ گیا اور اس کے ساتھ کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھا۔

"کون ہے اسامہ؟" سعدی نے بیٹھے بیٹھے پوچھا' مگر اسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس وہیں کھڑا رہا۔

"اسامہ! کون ہے؟" ندرت نے سوال دہرایا۔ فارس بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ اسامہ آہستہ سے ان کی طرف پلٹا۔

"پھول لائی ہیں۔"

"کون؟"

"پھپھو۔ زمر پھپھو آئی ہیں اور پھول لائی ہیں۔"

چند لمحے کے لیے راہداری میں سناٹا چھا گیا۔ جیسے سانس آنا بھی بند ہو گیا ہو۔ ندرت چلنیں لگاتی رک گئیں۔ حنین کا کھیرا اٹھاتا ہاتھ رکا' چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا۔ البتہ سعدی تیزی سے دروازے کی طرف گیا۔ فارس نے باری باری سب کو دیکھا۔

"سعدی!" اس نے بے اختیار اسے روکا۔ "میں کمرے میں ہوں۔" ساتھ ہی نگاہوں سے اشارہ کیا' جیسے نہ ملنا چاہتا ہے' نہ اس کی آمد کی خبر کی جائے۔ سعدی نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔

باب 10:

عقد

وہ خائن وقت کی کچھ بے دیانت ساعتیں ہوں گی
میرے اندر کا ''میں'' محبوس کر ڈالا گیا پس بجول زنداں میں!
بڑا ہی لاابالی وقت تھا
جو ہو گیا ایک مشتعل بچہ!
در زنداں میں مقفل کر کے چابی قلزم لولاک میں پھینکی
کہیں تو وسعت افلاک میں پھینکی
وہ چابی اب نہیں ملتی!
مقفل در نہیں کھلتا!

مجھے تو خود سے ملنا تھا۔۔

میں کب تک وسعتِ افلاک چھانوں گا؟
کہاں تک دھند میں کھوئے ہوئے آفاق چھانوں گا؟
(سید نصیر شاہ)

سبزہ زار پہ میری انجیو کھڑی ابھی تک سعدی سے بات کر رہی تھی۔ جواہرات بیٹے پہ بازو لپیٹے چلتی قریب آئی تو آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

''میرا خیال ہے بلکہ جتنا تمہارے بیٹے کے کینسر کو میں نے ریسرچ کیا ہے وہ آپریشن کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ بیماری کا جلد علم ہو جانا تو اچھی بات.....'' وہ اسے تسلی دیتے مڑا تو جواہرات اور شیرو چلتے ہوئے آتے دکھائی دیے۔ سعدی نرمی سے مسکرایا اور سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''مسز کاردار! آپ کو پہلے سے بہتر دیکھ کر خوشی ہوئی۔''

''ان دنوں میں اتنی دفعہ دیکھ چکے ہو فرق تو نظر آیا ہو گا۔'' وہ بظاہر مسکرائی اور عین اس کے سامنے آرکی۔ سعدی کو..... کچھ محسوس ہوا۔ نگاہیں جواہرات کے کندھے کے پیچھے شیرو تک گئیں جو تنفر سے اسے گھور رہا تھا۔

''پوچھ سکتی ہوں میری ملازمہ سے کیا بات ہو رہی تھی؟'' وہ اب بھی مسکرا رہی تھی مگر آنکھوں سے شعلوں کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر باہر کو

آتی تھیں۔

"میری نے مجھے بتایا تھا اپنے بیٹے کے کینسر کے بارے میں۔ میں نے اس کو انٹرنیٹ پہ سرچ کیا تو..."

"یہ ہاشم کو بتانے والے مسئلے ہیں میری انجیز یا گھر آنے والے ہر دوسرے شخص کو؟" مسکراتی مگر سلگتی آنکھوں سے میری کو گھورا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑا۔ وہ سوری کہتی ندامت سے سر جھکائے الٹے قدموں مڑ گئی۔ سعدی کی مسکراہٹ گئی۔ اچنبھے سے جواہرات کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری' مسز کاردار' میں آپ کی خیریت پوچھنے آیا تھا' اور..."

"خیریت پوچھنے یا یہ معلوم کرنے کہ اورنگزیب وصیت میں تمہاری بہن کے نام کچھ چھوڑ کر تو نہیں گئے؟"

سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "جی؟" اس نے بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"میرے بیٹے کے خلاف اس کے باپ کے کان بھرتے وقت تمہاری بہن نے ذرا احساس نہیں کیا کہ یہ صدمہ اورنگزیب کی جان لے سکتا ہے؟ بلکہ صرف وہی کیوں تم دونوں شامل تھے نا اس ڈرامے میں! کیا سوچا تھا؟ اپنے بیٹے کو ڈس اون کر کے اپنی جائیداد تم لوگوں کے نام لکھ جائے گا وہ؟" مسکراہٹ ہنوز لبوں پہ تھی مگر آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

"مسز کاردار' آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" سعدی نے ناگواری سے انہیں ٹوکا۔ جواہرات کی آنکھوں کی نگیں گلابی پڑنے لگیں۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ دو قدم مزید آگے آئی۔

"کیا تھا اگر تم، تمہاری بہن اور نگزیب کے بجائے مجھے یا ہاشم کو تنہائی میں وہ سب بتا دیتے؟ مگر تم نے ذرا اس شخص کا احساس نہیں کیا؟ اس کو اندر ہی اندر یہ غم کھا گیا سعدی' اور وہ اس حالت میں مرا کہ اپنے بیٹے سے ناراض تھا' اور اس سب کے ذمہ دار تم ہو۔" اس بات پہ سعدی نے فوراً سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جی ہاں' بالکل' اپنے آپ کو اغوا بھی میں نے کیا تھا اور جھوٹ بول کر باپ سے پیسے بھی میں نے مانگے تھے نا۔" وہ تنے ابرو کے ساتھ ناگواری سے بولا تو جواہرات لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

"اے... میرے باپ کا نام بھی نہ لینا۔" نوشیرواں نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "تم لوگوں نے ان کو میرے خلاف ورغلایا تھا' اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"میں معافی مانگ بھی نہیں رہا۔ میں صرف مسز کاردار کی طبیعت پوچھنے آیا تھا۔" وہ بمشکل ضبط کر پایا۔

"میری طبیعت' دیکھ لی تم نے؟ میرا شوہر اس حالت میں مرا کہ وہ شیرو کو ڈس اون کرنے والا تھا۔ دیکھ لیا کہ تم کتنی اذیت میں ہیں؟" نوشیرواں نے قدرے چونک کر ماں کو دیکھا۔ وہ سعدی کو دیکھتی تکلیف اور برہمی سے کہہ رہی تھی۔

"اس سے پہلے بھی تم شیرو کی زندگی تنگ کرتے رہے ہو' مگر اس دفعہ تم لوگوں نے حد کر دی سعدی!" یہ آخری فقرہ شیرو کو دیکھ کر ادا کیا جس پہ اس کا غصہ مزید بڑھا' اور اس نے نفرت سے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

سعدی نے ایک ناپسندیدہ نظر دونوں پہ ڈالی۔ سر کو خم دیا (بہت اچھا)۔ دو قدم پیچھے ہٹا' اور پھر نوشیرواں کو مخاطب کیا۔

"تم نے کبھی وہ کچرے کے ڈبے دیکھے ہیں نوشیرواں جو سڑک کنارے نصب ہوتے ہیں۔ ان پہ لکھا ہوتا ہے Use Me۔ تم نے بھی خود پہ یہی حروف لکھوا رکھے ہیں۔ جو بھی آئے' اپنا کچرہ صاف کرنے کے لیے تمہیں استعمال کرے (جواہرات پہ تیز نظر ڈالی) اور چلا جائے۔ سو میں مزید آپ کی ان گیمز کا حصہ نہیں بن سکتا۔ اللہ حافظ!"

وہ مڑا اور مخالف سمت چلتا گیا' اور جب تک نوشیرواں کو اس کا طنز سمجھ آیا' وہ دور جا چکا تھا۔

"الو کا..." وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ "اگر یہ دوبارہ ادھر آیا نا ممی تو..."

حنین پیچھے ہو کر بیٹھ گئی بھنویں کھنچ گئیں' چہرے پہ خفگی چھا گئی۔

دروازہ کھلنے پہ باہر کھڑی زمر نے سر اٹھایا۔ گھنگھریالے بال ہاف باندھے' وہ زرد چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ بازوؤں میں سوسن کے پھولوں کا بوکے تھا۔ بدقت مسکرائی۔ اسی پل ناک کی لونگ چمکی۔ آنکھیں بھی چمکیں۔

''سالگرہ مبارک ہو سعدی!'' پھول اس کی طرف بڑھائے۔ سعدی ابھی تک سکتے میں تھا۔ پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ آنکھوں میں بے پناہ حیرت اتر آئی۔

''تھینک۔ تھینک یو پھپھو۔ آئیں نا اندر!'' کسی معصوم بچے کی طرح خوش ہوتا سعدی ہٹا اور راستہ دیا۔ زمر کی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔ نرم تاثرات والے چہرے کے ساتھ متذبذب سی اندر داخل ہوئی۔ جس گھر میں چار سال تک قدم نہ رکھا تھا' وہاں چار قدم بھی مشکل سے پڑ رہے تھے۔

''زمر... کیسی ہو؟'' ندرت فرط مسرت سے نہال اس سے آ کر ملیں۔ پھر ڈائننگ چیئر پیش کی۔ زمر نے ایک لمحے کو گول میز کو دیکھا جہاں کھانا چنا تھا۔ گن کر پلیٹیں رکھی تھیں۔ ایک فیملی کھانا کھانے ہی والی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

سعدی نے اصرار کیا' ''تھوڑا سا لے لیں۔'' مگر وہ وہاں نہیں بیٹھی۔

''میں کھانا کھا چکی ہوں۔'' شائستگی' تکلف' تذبذب' حنین کی آنکھوں میں ناراضی گہری ہوئی۔ بہرحال اس نے اٹھ کر ڈرائنگ روم کم لاؤنج کا دروازہ کھولا۔

''کیسی ہو حنین؟''

حنین جیسے اس سوال پہ ڈسٹرب ہوئی تھی مگر پھر سپاٹ چہرے کے ساتھ ''ٹھیک'' کہہ کر اندر صوفے کی طرف ہاتھ کیا۔ ''بیٹھیں۔''

زمر اسی تکلف سے صوفے کے کنارے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی تو اسامہ آ کر ملا۔ وہ جیسے اب ذرا کھل کر مسکرائی۔ اس کا گال چوما۔ پھر پیشانی سے گھنگھریالے بال نرمی سے ہٹا کر بولی۔'' کیسے ہو اسامہ؟''

چوکھٹ میں کھڑے سعدی کی مسکراتی آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ ایک پرانا منظر ان میں جھلملایا۔

اسکول یونیفارم میں گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بینچ کے پاس کھڑا تھا۔ اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے یونیفارم میں ایک لڑکی بیٹھی تھی اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کس نے مارا ہے؟ مجھے بتاؤ۔ میں ابھی اس کو دیکھتی ہوں۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ ہمارے سعدی کو مارے؟ ادھر دیکھو۔ روؤ مت۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ تمہاری سپورٹ اور پروٹیکشن کے لیے۔'' وہ فکرمندی اور غصے سے کہہ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ؟'' اسامہ کی شرماتی آواز پہ وہ چونکا۔ پھر سامنے آ کر بیٹھ گیا اور پھولوں کو میز پہ رکھ کر بولا۔

''آپ کو یاد تھا مجھے سوسن پسند ہیں۔''

زمر نے سر کو خم دیا' بولی کچھ نہیں۔ ندرت کھانے پہ اصرار کرنے لگیں' پھر چائے پہ' وہ بس ایک کپ کے لیے راضی ہوئی۔ حنین سعدی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی' شکوہ آمیز نظروں سے پھپھو کو دیکھتی' مگر خاموش۔

''مجھے یہ کارڈ دینا تھا۔ ہاشم نے دیا ہے۔ تمہارے لیے۔'' کہتے ہوئے اس نے کارڈ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی تو چونکا ہی' حنین زیادہ چونکی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ اس نے بہت اصرار کیا تھا تو میں نے تمہاری طرف سے ہامی بھر لی۔ مجھے امید تھی کہ تم لوگ آؤ گے۔''

حنین سعدی کے کندھے پہ سے جھک کے کارڈ دیکھنے لگی۔ سعدی کے تاثرات وہ نہیں رہے تھے۔ اس نے بالکل خاموشی سے سیاہ

کارڈ پہ سنہری عبارتیں پڑھیں۔ پھر کارڈ حنین کی طرف بڑھا دیا۔

"ہاشم بھائی مجھے اپنی پارٹی میں کیوں دیکھنا چاہیں گے پھپھو؟"

"تم اس کے رشتہ دار ہو۔"

سعدی پھیکا سا مسکرایا۔"ہاشم بھائی کے ذہن میں ہر کام کی کوئی خاص وجہ ضرور ہوتی ہے۔ بہرحال آپ ان سے معذرت کر لیجئے گا۔ ہم نہیں آ سکیں گے۔"

کارڈ پڑھتی حنین نے بے اختیار سعدی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ایک دم بجھا تھا۔

"گھر کی بات ہے سعدی! پہلے بھی تو جاتے رہے ہو ان کے گھر تو...."

"گھر میں ہے فنکشن؟" سعدی نے چونکنا سا ہو کر بات کاٹی اور تیزی سے کارڈ لے کر جیسے تصدیق کی۔ آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ پھر وہ سنبھل گیا۔

"اوکے.... ہم.... آئیں گے۔" وہ نارمل انداز میں مسکرایا۔

حنین ساری ناراضی بھول کر دوبارہ کارڈ دیکھنے لگی۔ اسامہ بھی آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"بلیک اور گولڈ تھیم ہے۔ مطلب ہم صرف سیاہ یا سنہری لباس پہن سکتے ہیں۔" وہ اسامہ کو بتانے لگی۔ پھر ایک دم اس نے سعدی کے ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے کی چین پکڑی ہوئی تھی۔ زمر بھی وہی دیکھنے لگی۔ اور سعدی نے بھی گردن جھکا کر اسے ہی دیکھا۔

دو تین چابیوں کے ساتھ رنگ میں ایک تین انچ کا سیاہ مصنوعی ڈائمنڈ سا پڑا تھا۔ وہ دو انچ موٹا تھا اور اوپر سے گول' نیچے سے تکون تھا۔ کسی ہیرے کی طرح وہ روشنی منعکس کرتا تھا۔ اس پہ سنہری حروف میں لکھا تھا۔

Ants Everafter

(ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں)

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ ابھری۔

"تم ابھی تک چیونٹیوں پہ یقین رکھتے ہو؟"

"میں انہی چیزوں کے لیے جیتا ہوں جن پہ یقین رکھتا ہوں۔" اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہتے سعدی نے سیاہ ہیرے کو دیکھا۔

چائے آئی اور ساتھ کباب' کیک اور دو ایک چیزیں۔ مگر ندرت کے اصرار کے باوجود زمر نے صرف پیالی اٹھائی اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

"یہ.... کارداراز کرتے کیا ہیں؟ ان کا بزنس کس چیز کا ہے؟" کارڈ میں محو حنین نے پوچھا۔ اس کی نظریں نیچے لکھے ہاشم کے نام اور ساتھ درج موبائل نمبر پہ جمی تھیں۔

ایک دم سے بجلی چلی گئی اور ہر روشنی کے بجھ جانے کی خاموش آواز سنائی دی۔ پھر یو پی ایس پہ ٹیوب جلی اور پنکھا گڑگڑ کرتا گھومنے لگا۔ سعدی ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔

"وہ ایک آئل کارٹیل کے سربراہ ہیں۔"

"کارٹیل کیا ہوتا ہے؟" حنین نے بے اختیار پوچھا۔ پھر جیسے اپنی کم علمی پہ پھپھو کے سامنے شرمندہ ہوئی۔

"ایسے سمجھو جیسے مارکیٹ میں بڑی بڑی تین کمپنیاں ہوں۔" زمر نے نرمی سے کہنا شروع کیا۔ "اور دو کمپنیاں پچاس کا برگر بیچیں اور ایک چالیس کا۔ تو زیادہ کس کے بکیں گے؟"

"چالیس والے کے۔" حنین کے لبوں سے پھسلا۔ وہ ساری ناراضی بھول گئی تھی۔

"بالکل! اگر کم قیمت کے باعث چالیس والا بھی منافع زیادہ نہیں کما سکے گا۔ اور باقی دونوں ویسے ہی نقصان میں رہیں گے۔ سو یہ تینوں یوں کریں گے کہ مل کر ایک گروپ یعنی ایک Cartel بنالیں گے اور یہ طے کرلیں گے کہ تینوں دکانیں ایک ہی قیمت پہ برگر بیچیں گی۔ یوں تینوں کو کاروبار ملے گا۔"

"اور تینوں جب چاہے قیمت اکٹھی بڑھا دیں۔ لوگوں کے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوگا تو وہ مہنگا خریدنے پہ بھی مجبور ہوں گے۔" سعدی نے مسکراتے ہوئے اضافہ کیا۔ "اور ہاشم بھائی یہی کرتے ہیں۔ وہ ملک کی تمام آئل کمپنیز کے کارٹیل کو لیڈ کرتے ہیں۔ اور یہ تیل سے بجلی بنا کر حکومت کو بیچتے ہیں۔ اور ان کا جب دل کرتا ہے' یہ بجلی کی قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ اور پھر یہ ہونا ہے!"

اس نے ابرو سے پنکھے کی طرف اشارہ کیا جو یو پی ایس پہ چل رہا تھا۔ زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔

"میرا نہیں خیال کہ انرجی کرائسز کی وجہ آئل کمپنیز ہیں۔"

"یہ تھرکول پراجیکٹ کے سائنس دانوں اور آئل کمپنیز کے مغرور اور امیر ایگزیکٹیو کی جنگ نہیں ہے پھپھو! یہ کوئلے اور تیل کی جنگ ہے۔ مجھے یقین ہے ہاشم پارٹی میں سنہری رنگ پہنے گا۔ ایک بچی کی سالگرہ کو بلیک اور گولڈ کا تھیم دے کر وہ لوگ صرف دنیا کو اپنے مضبوط اعصاب دکھانا چاہتے ہیں۔ سیاہ اور سنہرا یعنی کوئلہ اور تیل۔"

وہ نرمی سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"اینی ویز اب میں چلتی ہوں۔" اس نے جیسے کسی بات میں دلچسپی نہیں لی۔ بس اٹھنے کی تیاری کرنے لگی۔ حنین نے کارڈ چھوڑ دیا۔ چہرہ پھر سے بجھ گیا۔ سعدی چپ ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اس کی صاف گوئی نے اسے ناراض کر دیا تھا۔

"کچھ دیر تو بیٹھو!" ندرت اصرار کرنے لگیں مگر اس کا کہنا تھا کہ اگلے ہفتے تفصیل سے پارٹی پہ ساتھ بیٹھیں گے۔ سعدی اسے دروازے تک چھوڑنے گیا۔ واپس آیا تو حنین اکیلی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

"چار سال بعد آئیں اور چالیس منٹ بھی نہیں بیٹھ سکیں!" وہ بڑبڑائی۔

"ایسے نہیں سوچتے حنین!" وہ جیسے ہرٹ ہوا تھا۔

"مگر میں تو ایسے ہی سوچتی ہوں بھائی! آپ کا دل بہت بڑا ہے۔ آپ بھول سکتے ہیں مگر مجھے یاد ہے۔ پھپھو نے ہمیں تب چھوڑا جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ ہمارے ماموں بے گناہ تھے مگر پھپھو نے ان کو گناہ گار مانا۔ اور اس لیے آپ بھی زیر عتاب آئے۔ مگر یہ لڑائی تو آپ کی ماموں اور پھپھو کی تھی' میں نے تو کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا کیا قصور تھا؟ مجھے کیوں چھوڑا؟" بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سعدی کا دل بے حد دکھا۔

"انہوں نے بہت کچھ لوز کیا ہے اس سب میں۔ ان کی صحت' ان کی شادی' ان کی زندگی' سب ختم ہو گیا۔"

"تو کیا میں نے کچھ لوز نہیں کیا؟ میں نے پھپھو کو لوز کیا ہے بھائی۔ ان چار سالوں میں کتنے ایسے دن آئے جب مجھے ان کی ضرورت تھی۔ پھپھو نہ ماں ہوتی ہے نہ بہن۔ وہ ان دونوں سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ میری تو کوئی بہن بھی نہیں تھی۔ میرا بھی دل چاہتا تھا میں ان سے بہت کچھ شیئر کروں۔ وہ میری بات سنیں۔ مگر وہ اب ہماری پروا نہیں کرتیں۔ انہوں نے ہمیں تب چھوڑا جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ یو نو واٹ بھائی! اب ہم بڑے ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی۔ میں وہ حنین نہیں ہوں جو ان کے جانے کے بعد دیر تک کھڑکی سے ان کی راہ تکتی تھی کہ شاید وہ کچھ بھول گئی ہوں تو واپس آئیں۔ میں بھی اب ان کی پروا نہیں کرتی۔"

[illegible] نے کچھ کہنا چاہا' پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ابھی بیچ راہداری میں تھا کہ کسی احساس کے تحت واپس آیا

اور دھیرے سے لاؤنج کے اندر جھانکا۔
حنین کھڑکی کا پردہ سرکائے باہر دیکھ رہی تھی، دور سڑک پہ جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ کسی کے بھول کے واپس آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

سعدی کی آنکھوں میں اداسی اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ راہداری میں واپس چلتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔

ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔
ہوٹل کی لابی زرد روشنیوں میں چمک رہی تھی۔ چار پانچ سوٹ میں ملبوس افراد خوشگوار انداز میں ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ ان میں ایک ہاشم کاردار بھی تھا جو کسی سے مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ ہاشم کے پیچھے اس کی سیکریٹری کھڑی تھی جس نے ایک ہاتھ میں ہاشم کا لیپ ٹاپ اٹھا رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ پہلو میں گرا ہوا تھا۔ وہ بھی سامنے مسکراتے ہوئے میٹنگ کے لیے آئے افراد کو دیکھ رہی تھی۔
دور سے جینز شرٹ اور پی کیپ میں ملبوس سعدی چلتا ہوا آیا۔ اس کا سر جھکا تھا۔ وہ اسی طرح سیکریٹری کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ سیکریٹری وہیں متوجہ رہی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ گزرنے کے بعد لیپ ٹاپ کے سائیڈ کے ساکٹ میں ایک فلیش ڈرائیو لگ چکی تھی۔

سعدی ایک قریبی میز پہ جا بیٹھا۔ کندھے سے بیگ اتارا۔ اندر سے ٹیبلٹ نکالا اور اس پہ مختلف جگہیں انگلی سے پریس کرنے لگا۔ اسکرین پہ پیغام آ رہا تھا۔

"آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے۔ کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟"
سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا۔
"پاس ورڈ داخل کریں۔"
"او نہیں یار....." اس نے بے بسی سے مڑ کر دیکھا جہاں وہ لوگ ابھی تک کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ اسے کیوں خیال نہیں آیا کہ ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ پاس ورڈ ہو سکتا ہے۔
وہ جلدی سے سب سمیٹ کر اٹھا، سر جھکائے ان کے قریب سے گزرا اور سیکریٹری سے ٹکرا گیا اور خفیف سا سوری کہتا آگے بڑھ گیا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر دور تک سوچتی نگاہوں سے اس کا تعاقب کیا۔
"چلی گئیں؟" فارس کی آواز پہ سعدی چونکا۔ اس کے سامنے فارس کھڑا تھا۔
"ہوں!" اس نے کارڈ بڑھایا جیسے پھپھو کے آنے کا مقصد بیان کیا ہو۔ فارس نے سرسری سا دیکھا اور پھر کرل میز تک آ گیا۔ حنین اسامہ سب واپس آ گئے۔ ذرا سی ہلچل کے بعد زندگی جیسے پھر نارمل روٹین پہ آ گئی تھی۔

..................☆☆☆..................

اب نہ فرصت ہے نہ احساس ہے غم سے اپنے
آسمان پہ سیاہی پھیل رہی تھی۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ نوٹز پھیلائے بیٹھی تھی۔ ہلکی سی آہٹ نے اسے سر اٹھانے پہ مجبور کیا۔ ابا وہیل چیئر کھینچتے اندر آ رہے تھے۔ وہ بے اختیار کھڑی ہو گئی۔
"آپ کے بلانے پہ آتی جو آپ خود آ گئے؟" رسان سے شکوہ کر کے وہ وہیل چیئر پیچھے سے تھامے سامنے لائی اور پھر خود مقابل صوفے پہ پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ بڑے ابا منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا اس نے کھانا نہیں پوچھا جو شام میں تم نے واپس آ کر کھایا؟"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں کھا کر آؤں گی۔ کھانا میٹر نہیں کرتا۔" گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اس نے جواب دیا۔

"کیا وہ خوش تھا؟"

"آپ کو دن میں دو دفعہ تو فون کرتا ہی ہے' پوچھ لیجیے گا۔"

پھر دونوں کے بیچ کھڑکی کے باہر پھیلی رات جیسی خاموشی چھا گئی۔ ابا فکرمندی و تاسف سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"پھر بات آپ نے شروع کرنی ہے یا میں نے؟ اور اگر آپ نے کی تو کتنے فقروں کی تمہید باندھیں گے؟" اس نے اطمینان سے پوچھا۔

"زمر... شادی کر لو۔" وہ آزردہ سے بولے۔

"آج آپ نے تمہید ہی نہیں باندھی۔" اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا۔

"کب تک اس ٹوٹے رشتے کا سوگ مناؤ گی میری بچی! میری موت آسان کر دو اب بس کر دو۔"

"آپ جانتے ہیں میں جذباتی بلیک میلنگ میں نہیں آیا کرتی۔ جب مجھے کرنا ہوگی' میں بتا دوں گی۔ ویسے بھی اب میں بوڑھی ہو رہی ہوں۔ کون کرے گا مجھ سے شادی؟"

"وہ چار سال میں واقعی بوڑھی لگنے لگو گی۔ میں اس تکلیف کے ساتھ نہیں مرنا چاہتا۔"

"اوکے ابا' صاف بات کرتے ہیں۔" اس نے کشن پرے رکھا' پیر نیچے کیے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور گہری سانس لی۔ وہ واپس ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے روپ میں چلی گئی تھی۔

"آپ میری شادی کسی بھی ایکس وائی زیڈ سے کرا دیں' میں کر لوں گی۔ پھر چند دن میں مزید بددل ہو جاؤں گی۔ زیادہ بیزار اور تلخ۔ وہ مجھ سے توقعات باندھے گا جو میں پوری نہیں کروں گی۔ میں ایسی ہی رہوں گی۔ وہ شروع میں برداشت کرے گا' کہے گا ماضی بھلا دو۔ میں کہوں گی شادی جب کی' تب بھی اس اس فیز سے نہیں نکلی تھی' ابھی وقت لگے گا۔ وہ صبر کر لے گا۔ مگر پھر جلد ہی صبر کھو دے گا۔ غصہ کرے گا' ہاتھ اٹھائے گا' نفرت کرے گا' تین ماہ میں گھر سے نکال دے گا' اور میں یہیں آ کر بیٹھی ہوں گی۔ اب بتائیں آپ کے لیے کیا زیادہ تکلیف دہ ہوگا؟"

ابا نے دکھ سے اسے دیکھا۔ "کیا تم اپنی شادی کو کامیاب بنانے کی کوئی کوشش نہیں کرو گی؟"

"اس فیز سے نکلی ہی نہیں تو کیسے کروں گی؟"

"کب نکلو گی اس فیز سے؟"

"آپ مجھے جانتے ہیں۔ جب میرے اوپر کچھ طاری ہو جائے تو میرے لیے اس کو جھٹکنا ناممکن ہوتا ہے۔ میں اسی کو اپنی زندگی بنا لیتی ہوں۔ اور جب آخری دفعہ ہم نے یہی بحث کی تھی تو دو دن تک ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔ اس دفعہ کتنے دن کا ارادہ ہے؟"

ابا نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ "مگر تم کوشش تو کرو گی نا اس فیز سے نکلنے کی؟"

"میں چار سال سے کوشش کر رہی ہوں۔ میں بہت ٹراما سے گزری ہوں۔ میرے گردے ضائع ہو گئے' تیار شادی کینسل ہو گئی' وہ حماد مجھے چھوڑ کر چلا گیا' بیماری کے عالم میں' وہ وقت بہت برا تھا ابا! میں آگے بڑھ نہیں سکتی جب تک اس وقت کو بھلا نہ دوں۔ مجھے کچھ ٹائم دیں۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔ زمر دکھ سے ان کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی مگر وہ خود بھی بے بس تھی۔

............✤✤✤............

رات کا سیاہ پردہ سارے گناہ سارے عیب ڈھانپ چکا تھا۔ ایسے میں کاردارز کے اونچے گھر کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ جواہرات باریک ہیل سے تیز تیز چلتی ڈائننگ ہال میں آئی تو قطار میں کھڑے ملازم جیسے اسی کے منتظر تھے۔

فیونا نے آنکھ سے ایک سر جھکائے کھڑی فلپائنی ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔ جواہرات مسکراتی ہوئی اس کے قریب گئی تو اس فلپائنی میری انجیلو نے سر اٹھایا۔ پھر ندامت سے جھکا لیا۔

"کیا تم اس جوہری سے میرا نیکلس لے آئی ہو جس کو تم نے وہ بیچا تھا؟" سرد سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پوچھا۔

میری نے سرخ متورم آنکھیں اٹھائیں۔ "یس میم!" اور ڈبہ آگے کیا۔ پھر کھولا۔

جواہرات نے دو انگلیوں پہ وہ نیکلس اٹھا کر دیکھا۔ ہیروں کا نازک نیکلس ویسا ہی تھا۔

"اور تمہاری چوری کا علم ہونے پر میں نے تم سے کیا کہا تھا؟" وہ انگلیوں میں مسل کر نیکلس کو دیکھ رہی تھی۔

"یہی میم... کہ اگر میں نیکلس واپس لا دوں تو آپ میری ایجنسی کو نہیں بتائیں گی اور میں باعزت طریقے سے اپنے ملک واپس جا سکوں گی۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

جواہرات نے شیرنی جیسی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تو پھر خوش ہو جاؤ۔ کیونکہ میں تمہاری ایجنسی کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکی ہوں۔ کل تمہیں یہاں سے ڈی پورٹ کر دیا جائے گا اور تم دوبارہ زندگی بھر یہ نوکری نہیں کر سکو گی۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی اہمیت یہ تھی۔" کہتے ہوئے جواہرات نے نیکلس اچھال دیا۔ وہ اڑ کر ایک مصنوعی پودے کے گملے میں جا گرا۔

"وفاداری سے بڑھ کر کسی چیز کی اہمیت نہیں ہوتی میری! اب تم جا سکتی ہو۔"

اس نے تمکنت سے فیونا کو اشارہ کیا۔ جو شاکڈ اور صدمے سے چور میری کو وہاں سے لے جانے لگی۔

کسی ملازم میں ہمت نہیں تھی کہ گملے میں گرے نیکلس کو دیکھ بھی لیتا۔ جواہرات اسی طرح چلتی ہوئی ہال کراس کر کے لاؤنج میں آئی اور چہرے پہ معصوم معذرت خواہانہ مسکراہٹ سجائے فارس کو مخاطب کیا جو ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر بہت اچھا لگا فارس... تم ٹھیک تو ہو؟" وہ اس کی طرف پلٹا تو جواہرات نے اس کے کندھوں کو تھام کر کسی بچے کی طرح اسے اپنے سامنے کیا۔

"اوہ... تم کتنے کمزور ہو گئے ہو۔ اپنی رنگت تو دیکھو۔"

وہ جو بے نیازی سے اسے دیکھ رہا تھا' ذرا سا سر جھٹکا۔ "ٹھیک ہوں۔ میرے پورشن کی چابی..."

"آف کورس۔ وہ میرے پاس ہے۔ میں اس کی صفائی کرواتی رہتی ہوں۔ مگر تم دیکھ رہے ہو پارٹی قریب ہے اور سارا اسٹاف مصروف ہے۔ مجھے جیسے ہی تمہاری آمد کا پتا چلا' میں نے گیسٹ روم سیٹ کروا دیا۔"

"آنی... میں اپنے گھر میں جانا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے بیزاری کو ظاہر نہ کرتے ہوئے کہا۔ جواہرات مسکرا کر اس کو بازو سے تھامے آگے بڑھنے لگی۔ وہ خاموشی سے ساتھ چلتا آیا۔

"کیا تم مجھے صرف ایک ہفتے کے لیے اپنی مہمان داری کا حق بھی نہیں دو گے؟ تم جانتے ہو تمہاری رہائی کے لیے میں نے اور ہاشم نے بہت کوشش کی۔ مگر میری جان! ہم کیا کرتے۔ یہ عدالتی نظام بہت خراب ہے۔ آئی ہوپ تم ہم سے خفا نہیں ہو گے۔"

"نہیں... ایسی بات نہیں ہے۔" وہ رواداری میں آ کر رکا۔ جواہرات نے مسکراتے ہوئے فیونا کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً دروازہ کھولا۔ اندر سجا سجایا کمرہ تیار تھا۔

"پارٹی کے بعد تمہارا پورشن تیار کروا دوں گی۔ اب تم آرام کرو ڈیئر۔" مسکرا کر کہتی وہ وہیں کھڑی رہی۔ فارس خاموشی سے اندر

چلا گیا۔ وہ شاید خود بھی اپنے گھر سے بچنا چاہتا تھا۔ دروازہ بند کر دیا۔ جواہرات کی مسکراہٹ تھمی۔ آنکھوں میں اضطراب ابھرا اور گردن۔ وہ پلٹی تو بیرونی دروازے سے ہاشم آ رہا تھا۔ پیچھے ایک سوٹ میں ملبوس ملازم بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔

جواہرات تازگی سے مسکرا کر تیزی سے اس تک آئی۔ ہاشم نے دروازہ بند ہونے سے قبل فارس کو دیکھ لیا تھا۔ تبھی تاثرات برہم ہوئے۔ ماں کے قریب آ کر دبی دبی آواز میں غرایا۔

''یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟''

''مجھے اسے پارٹی میں دیکھنا ہے اور تب تک اسے یہاں روک کر رکھنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے۔'' پھر مسکرا کر ہاشم کا شانہ تھپکا۔ ''اور مجھے اس کے یہاں ہونے سے کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں ہاشم سنبھال لے گا۔'' مگر ہاشم کو تسلی نہیں ہوئی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

''بابا...'' سیڑھیاں بھاگ کر اترتی فراک میں ملبوس چھوٹی سی بچی ادھر آ رہی تھی۔ کوٹ کے بٹن کھولتا ہاشم بے اختیار مڑا۔ آنکھوں میں بے پناہ پیار امڈ آیا۔ وہ جھکا اور دوڑتی ہوئی بچی کو اٹھا لیا۔

''بابا کی جان... کب آئی ہو؟'' باری باری اس کے گال چومتا وہ پوچھ رہا تھا۔ جواہرات نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

❖❖❖

تلخی کام و دہن کب سے عذاب جان ہے

رات ذرا گہری ہوئی تو اس چھوٹی سی مارکیٹ کی دکانیں بند ہونے لگیں۔ اب فقط چند بتیاں روشن تھیں۔ وہ ایک درخت کی اوٹ میں چھوٹی سی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈیش بورڈ پہ ایک خاکی پھولا ہوا لفافہ رکھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سعدی نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور پھر پیچھے دیکھا۔ ارد گرد کوئی نہیں تھا۔

تب ہی اس کا موبائل بجا۔ اس نے اسے سامنے کیا تو نیلی روشنی چہرے پہ پڑنے لگی۔ ''بلاکڈ نمبر کالنگ'' لکھا آ رہا تھا۔

سعدی نے اٹھا کر احتیاط سے ہیلو کہا۔ پھر دوسری جانب سے آواز سن کر جیسے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ ''جی باس... کیسی رہی کانفرنس؟''

''تم نے ایک بہت اچھی چیز مس کی ہے۔ اس سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا تمہارے لیے۔'' فون میں سے ہلکی سی نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سعدی کا چہرہ تاریکی میں نیم واضح تھا۔ اس نے زخمی سا مسکراتے پھر پیچھے دیکھا۔

''کچھ بہت اہم تھا یہاں۔ خیر... کانفرنس کا سنائیں۔''

''تم جانتے ہو آدھا وقت تو ان کو یہ واضح کرنے میں گزر جاتا ہے کہ ٹھیک ہے ہمارا اولڈ اینتھر اسائٹ نہیں ہے مگر ہم نہ بھی کہیں رہے کہ وہ اینتھر اسائٹ ہے۔ میں مان رہی ہوں کہ وہ لگنائٹ ہے اور ہمارے علاقے میں صدیوں سے دبے fossils اس سے بہتر کوئلے میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔ ویسے بھی... اور اگر...'' وہ روانی سے بولتے ہوئے رکی۔ ''پتا ہے سعدی! آج مجھ سے کسی نے وارث کے کیس کے بارے میں پوچھا۔ اس کا کیا بنا؟ فارس کو سزا ہو گئی؟ میں نے تو اتنے عرصے سے تم سے پوچھا ہی نہیں۔''

''آپ اتنی بہادر نہیں ہیں کہ اس کیس کو فالو اپ کریں۔ سو مجھ پہ چھوڑ دیں۔''

''مگر...''

''جو بھی بنا ہو گا کیس کا میں خود دیکھ لوں گا خالہ! میں نے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا کہ ماموں کو مارنے کے بعد ان کے لیپ ٹاپ

اور فائلز کو جس نے بھی چرایا تھا' میں وہ آپ کو واپس لا دوں گا۔ بس میں اس بندے کے لیپ ٹاپ تک پہنچ جاؤں ایک دفعہ پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ ماموں کو کیوں قتل کیا گیا۔"

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟"

"ایک الزام نے فارس غازی کی زندگی کے چار سال لے لیے۔ میں بنا ثبوت کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہتا۔ ثبوت کے بعد بتاؤں گا۔"

"اتنے سال ہو گئے سعدی! کیوں پڑے ہو اس کیس کے پیچھے؟ ختم کرو۔ اللہ کے حوالے کر کے چھوڑ دو۔"

"اونہوں.... کیسے چھوڑ دوں؟ میرے خاندان کے دو لوگ مارے گئے۔ میری پھپھو کی زندگی برباد ہو گئی۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو قتل کو معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ اور میرے خاندان کے باقی لوگوں کی زندگی قصاص میں ہی ہے۔ میں تو برابر کا بدلہ لوں گا۔ جس نے یہ کیا ہے وہ جان سے جائے گا۔ بس....! اچھا مجھے جانا ہے بائے۔"

ایک دم سے اس نے فون بند کیا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک فربہی مائل ادھیڑ عمر شخص اندر بیٹھ رہا تھا۔ سعدی خاموشی اور سنجیدگی سے سامنے دیکھنے لگا۔ اس شخص نے تلخی سے سعدی کو دیکھا۔

"میں نے اسے بری کر دیا ہے۔ اب وہ دو جو تم نے دینا تھا۔"

سعدی نے خاموشی سے ڈیش بورڈ سے خاکی لفافہ اٹھا کر انہیں تھمایا۔ جسٹس سکندر نے اندر جھانکا۔ چہرے پہ مزید کڑواہٹ پھیلی۔ کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ "میرے بارے میں اگر یہ گند.... باہر نکلا تو...." غم و غصے سے آواز کانپنے لگی۔ سعدی نے گردن موڑ کر ان کو دیکھا۔

"اگر آپ مجھے جانتے ہوتے تو اندازہ لگا لیتے کہ میں ایک شخص کی زندگی بچانے کے لیے آپ کے خاندان کے پانچ افراد کی زندگی برباد نہیں کروں گا۔ میں اس حد تک بھی نہ جاتا اگر آپ میری بات سن لیتے۔ میں آیا تھا آپ کے پاس جسٹس صاحب۔ میں نے آپ کی منت کی تھی کہ فارس غازی بے قصور ہے۔ مگر آپ نے میری نہیں سنی تھی۔ ہاشم کا پیسہ ہر جگہ بول رہا تھا۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ سوری....!" کندھے اچکا کر بے نیازی سے سوری کہا۔

"بکواس مت کرو۔ مجھے بتاؤ تمہارے پاس اس کی کوئی کاپی ہے یا نہیں؟"

"ہو سکتا ہے میرے پاس کاپی ہو۔ کیونکہ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ فارس غازی کو دوبارہ اس کیس میں پھنسایا جائے۔ آپ اپنے اینڈ پہ خیال رکھیے گا۔ میں اپنے اینڈ پہ رکھوں گا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ تو جیسے رکنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ سر پہ ٹوپی اور گردن کا مفلر درست کیا تا کہ شناخت نہ ہو پائے اور باہر نکل گئے۔ سعدی نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور کار اسٹارٹ کر دی۔

..................☆☆☆..................

قصر کاردار پہ رات کی تاریکی سیاہ بادلوں کی طرح اتری ہوئی تھی جو گہرے پراسرار رازوں سے لدے ہوں۔ ایسے جیسے بس ابھی برسنے کو تیار ہوں۔ اور نہ برسیں تب بھی ان کی خوفناک گرج دور دور تک سنائی دیتی ہو۔ ایسے میں فارس غازی سبزہ زار پہ انیکسی کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ جگہ ہاشم کے کمرے کی عقبی بالکونی سے صاف دکھائی دیتی تھی۔ دو منزلہ انیکسی جو بالکل خاموش ویران سی کھڑی تھی۔ باہر سے ہر سال پینٹ ہوتی تھی۔ خوشنما اور نئی سی لگتی تھی۔ مگر اندر سے بنجر ہو چکی ہوگی وہ جانتا تھا۔

چابی اس کے پاس نہیں تھی۔ اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ قدم قدم چلتا برآمدے میں آیا۔ داخلی دروازے پہ رکا۔ مڑ کر ایک نظر خاموش اور اندھیر سبزہ زار پہ ڈالی۔ کاردار اس وقت گھر پہ نہ تھے۔ اور جو تھے وہ سو رہے تھے۔ وہ واپس گھوما اور جھک کر پنجوں کے بل زمین پہ

بیٹھا۔ جیب سے ہاتھ باہر نکالا تو اس میں پتلی سی تار تھی۔ اس نے تار لاک کے اندر ڈالی اور اسے مختلف زاویوں پہ گھماتا رہا۔ ون ٹو تھری فور فائیو سکس..کلک...آواز سی آئی اور لاک کھل گیا۔ وہ تار جیب میں ڈال کر اٹھا اور دروازہ دھکیلا۔

انیکسی اندھیر پڑی تھی۔ فارس اندر آیا۔ اس نے کوئی بتی نہیں جلائی۔ قدم قدم چلتا آگے آتا گیا۔ درودیوار میلے سے لگتے تھے۔ ویران اور مکڑی کے جالوں سے پر۔ صوفوں پہ چادریں پڑی تھیں۔ فضا میں گرد کی بیز تہہ تھی۔ وہ اندھیرے میں وہیں کھڑا رہا۔ یونہی گردن موڑ کر ویران نظروں سے بیرونی برآمدے کو دیکھنے لگا جو کھلے دروازے کے باعث نظر آرہا تھا۔

''فارس غازی آپ کو وہرے قتل کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔'' یہیں اسی برآمدے میں کھڑے انہوں نے اسے ہتھکڑی لگائی تھی۔ اس نے گردن موڑی۔ یہیں اسی گھر میں وہ بنفس کھڑی لڑکی بھاگتی نظر آتی تھی۔ زرتاشہ۔ اور یہیں اس گھر میں وہ اس رات ٹہلتا رہا تھا بے چینی میں، کرب سے جب وارث غازی کو مارا گیا تھا۔ تب ادھر...اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ادھر قصر میں ایک تقریب جاری تھی۔ روشنیاں تھیں رات کو منور کیے ہوئے تھے.... وہ تکلیف دہ یادیں تھیں۔ فارس نے سر جھٹکا۔ جیسے بہت کچھ ذہن سے بھی جھٹکا ہو۔ اور پھر تیزی سے باہر نکل آیا۔ دروازہ زور سے بند کیا۔ لاک کلک ہو کر خود بخود مقفل ہو گیا۔ وہ اب لمبے لمبے ڈگ بھرتا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

..............❖❖❖..............

نشتر چھپے ہوئے تھے رگ جاں کے آس پاس

صبح جب سورج کی روشنی بادلوں کے کناروں کو سرخ اور جامنی رنگ میں دہکا رہی تھی تو شہر کے کاروباری علاقے میں اس نے سیاہ پینٹ پہ بٹنوں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال بہت چھوٹے کٹوا لیے تھے۔ فوجیوں کی طرح۔ گویا استرا پھیرنے کے دو چار دن بعد کے انچ بھر بال ہوں۔ وہ ہفتے قبل رہا ہونے والے فارس سے وہ بہتر لگ رہا تھا۔

دھات کا ڈیٹیکٹر داخلے کے سامنے کھڑا تھا۔ لوگ اس میں سے گزر کر اندر جا رہے تھے۔ وہ سائیڈ سے نکل کر چلا گیا تو گارڈز چونکے۔ کسی نے اسے آواز دی۔ فارس نے بغیر ریسپشن پہ لمحے بھر کو رکا۔

''ہاشم کاردار کا آفس؟'' ابرو اٹھا کر اکھڑے انداز میں پوچھا۔

''پانچویں فلور پہ....مگر آپ....'' ریسپشنسٹ کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ گارڈز بے اختیار پیچھے آئے۔ لفٹ میں داخل ہو کر اس نے ان کے آنے سے پہلے بٹن دبا کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ گارڈ گھبرا کر وائرلیس پہ اطلاع دینے لگا۔

پانچویں فلور پہ جب لفٹ کا دروازہ کھلا تو وائرلیس پکڑے ایک گارڈ اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ فارس نظر انداز کر کے راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ اسے غالباً آفس یاد تھا۔ فلور ذہن سے نکل گیا تھا۔

''ہاشم اندر ہے؟'' سیکرٹری سے بس سرسری سا پوچھا۔ وہ ''جی'' کہتی حیران سی اٹھی۔ گارڈ دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ''سر....مسٹر کاردار مصروف ہیں۔ آپ اندر نہیں جاسکتے۔'' وہ دروازے کی طرف آیا تو گارڈ سامنے آگیا۔

''سر....آپ یوں اندر نہیں جاسکتے۔ آپ نے نیچے سیکورٹی کو....''

''میرے منہ نہ لگو!'' تیوری چڑھائے فارس نے ہاتھ سے اس کے کندھے کو پیچھے دھکیلا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ گارڈ حواس باختہ سا پیچھے بھاگا۔

اندر ہاشم اپنی سیٹ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا سامنے موجود دو افراد سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس اچانک افتاد پہ سر اٹھا کر دیکھا۔ فارس سے گارڈ تک نظروں نے سفر کیا۔

''ان کو بھیجو۔ مجھے بات کرنی ہے۔''

فارس نے تیسری کرسی کھینچی اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ ہاشم کے لب بھینچ گئے۔ آنکھوں میں ابھرتی ناگواری کو اس نے ضبط کر لیا۔

"سر! میں ان کو منع کر رہا تھا مگر یہ....."

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ میں نے ہی بلایا ہے۔" نازو دم ہو کر مسکراتے ہاشم نے ان کو جانے کا اشارہ کیا۔

وہ نکلے تو ہاشم پیچھے ہو کر بیٹھا اور خاموشی سے فارس کو دیکھا۔

"کیوں بلایا ہے؟" اس نے ابرو اٹھا کر اکھڑے اکھڑے انداز سے پوچھا۔

ہاشم اٹھا اور دیوار تک گیا۔ وسط دیوار میں ایک پینٹنگ لگی تھی۔ ہاشم نے پینٹنگ کو سلائیڈنگ ڈور کی طرح دائیں طرف سلائیڈ کیا۔ اندر دیوار میں نصب سیف تھا۔ اس نے کچھ نمبرز ڈائل کر کے سیف کھولا۔ اس کی پشت اب فارس کے سامنے تھی اور وہ پاس ورڈ یا اندر سے سیف نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ہاشم سیف بند کر کے پلٹا اور میز پہ کچھ ڈاکیومنٹس اور ایک پلاسٹک بیگ رکھا۔ شفاف بیگ کے اندر زیورات دکھائی دے رہے تھے۔

"تمہاری امانت..... تمہارے گرفتار ہونے کے بعد پولیس بار بار گھر آتی رہی تھی۔ اس لیے ممی نے پہلے ہی تمہاری تمام قیمتی اشیاء وہاں سے نکال لی تھیں۔ چیک کر لو۔" واپس بیٹھتے ہوئے اس نے دوستانہ مگر محتاط انداز میں کہا۔ فارس نے بس ایک نظر اس سب کو دیکھا اور پھر ابرو تان کر ہاشم کو۔

"ٹھیک..... اور کچھ؟"

"تمہاری رہائی کے لیے میں نے بہت کوشش کی تھی۔ جسٹس سکندر کو بہت فورس دیے ہیں اور اب جبکہ میں اس سے مایوس ہو چکا تھا' اس نے تمہیں رہا کر ہی دیا۔ بہر حال..... تم اب باہر ہو۔ نئی زندگی شروع کرنے....."

"تمہید کاٹو اور مطلب کی بات پہ آؤ۔" فارس نے اس کی بات بیزاری سے کاٹی۔ ہاشم نے گہری سانس باہر کو خارج کی اور ذرا سے شانے اچکائے۔

"تمہیں جاب چاہیے ہو گی اور میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھی پوسٹ ہے۔"

"نہیں چاہیے..... اور کچھ؟" وہ کھڑا ہوا اور اپنی چیزیں اکٹھی کیں۔ ہاشم نے سر اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

"تم لڑ رہے ہو یار..... تمہاری پرابلم میری بھی پرابلم ہے۔"

"مگر میری بیوی تمہاری بیوی نہیں تھی۔" فارس کی آواز بلند ہوئی' آنکھوں میں غصہ اترا' کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ "تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں کس طرح تم اس کو میرے خلاف اکسایا کرتے تھے۔"

"اوہ خدا۔" ہاشم نے جھکے ہوئے..... انداز میں سر جھٹکا۔ "تم اپنی اس غلط فہمی کو دور کیوں نہیں کر لیتے ایک دفعہ..... وہ میری بہن کی طرح تھی۔ اس بات پہ تم مجھ سے کوئی مقدس صحیفہ اٹھوانا چاہتے ہو تو اٹھوا لو۔ میں ایک ایماندار آدمی ہوں۔"

فارس شک و شبے سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے اس رویے کے باوجود میں نے تم پہ شک نہیں کیا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ تم نے وہ قتل کیے ہوں گے۔ مجھے تمہاری بیگناہی پہ یقین تھا۔ مگر تمہیں مجھ پہ یقین نہیں ہے۔" وہ ہرٹ نظر آ رہا تھا۔

فارس کے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ مگر وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔ ہاشم اب اٹھا۔ دونوں کے درمیان میز حائل تھی۔

"اور مجھے تمہاری فکر ہے۔ کیا کرنا چاہو گے اب؟"

"جس کے خاندان کے دو فرد مار دیے گئے ہوں، اسے کیا کرنا چاہیے؟ سوائے ہر ذمہ دار شخص کا گریبان پکڑنے کے؟"

کمرے میں جیسے کاربن مونو آکسائیڈ بھر گئی تھی۔ ہاشم کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھ سے اچھا وکیل تمہیں نہیں ملے گا جو اس کیس کو دوبارہ سے زندہ کر کے اصل قاتلوں کو سامنے لائے۔ اس لیے جاب نہیں کرنی یہاں، مت کرو۔ مگر جب اور جیسے تمہیں کچھ معلوم ہو تم سب سے پہلے مجھے آ کر بتاؤ گے۔ رائٹ؟!"

ہاشم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ فارس اکھڑا اکھڑا سا دیکھتا رہا۔ پھر متذبذب سا ہاتھ ملا لیا۔ ہاشم مسکرا دیا۔

فارس باہر نکلا تو جواہرات چوکھٹ پہ دکھائی دی۔ اس کے چہرے پہ اضطراب تھا۔ تیزی سے ہاشم تک آتے اس نے پوچھا۔

"یہ کیوں آیا تھا؟" ساتھ ہی دروازہ بند کیا۔ "جب بھی اس کو آزاد دیکھتی ہوں تو مجھے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑی نظر آتی ہے۔"

ہاشم نے اس کی فکر و پریشانی کو صاف نظر انداز کیا۔

"میں نے بلایا تھا۔ جاب آفر کی مگر نہیں مانا۔"

"جاب کیوں؟ اچھا۔ تاکہ وہ مصروف رہ کر کسی بھی انتقامی کارروائی سے باز رہے؟"

ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ جواہرات نے ٹھنڈی سانس اندر اتاری۔

"اسے تم پہ شک تو نہیں ہے نا؟" اس کے خدشے بڑھتے جا رہے تھے۔

"اگر ہوتا تو اس طرح آرام سے نہ چلا جاتا۔ وہ ہاتھوں سے بات کرنے کا عادی ہے۔ اور اوکار تو بالکل نہیں ہے۔" ان کا فون پھر بجا تو اس نے جھنجھلا کر کال ریسیو کی۔

"جی.... جی.... سر میں آپ کے آفس پہنچ گیا ہوں۔ بس لفٹ میں ہوں۔ آ رہا ہوں۔" بہت سرعت سے جھوٹ بول کر کال کاٹی۔ پھر بریف کیس میں ضروری چیزیں ڈالنے لگا۔ "کام سے جا رہا ہوں۔ شام کو ملتے ہیں۔"

"ہوں....!" جواہرات بدقت مسکرائی۔

.... ❖❖❖ ....

وہ اس نفاست اور خوبصورتی سے آراستہ بنگلے کا اسٹڈی روم تھا جہاں وہ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی کام کر رہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور سبز آنکھیں سکیڑے، لبوں سے بال پین کا کنارہ دبائے وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ پھر سر جھکا کر فائل پہ کچھ لکھنے لگی۔ دفعتاً اس نے کھڑکی پہ نگاہ دوڑائی تو رک گئی۔ دو جڑواں بچیاں اپنے ہم عمر دو تین بچوں کے ہمراہ باہر جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

سارہ پین چھوڑ کر بے اختیار باہر لپکی۔ لاؤنج میں زرینہ بیگم بیٹھی سلائیوں پہ کچھ بن رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ لگے ٹی وی پہ بھی نظر ڈال لیتیں۔ "سارہ یہ ترک ڈرامے دیکھ دیکھ کر ہم کچھ بے حیا نہیں ہوتے جا رہے؟" انہوں نے تائید چاہی۔ مگر وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"امی.... آپ نے بچیوں کو پھر پارک بھیج دیا۔ میں نے منع کیا تھا نا۔" بھنویں سکیڑے وہ بے بسی سے کہتی ان کے سر پہ کھڑی تھی۔ زرینہ بیگم نے خفگی سے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔

"بس کرو بی بی.... تم تو ایسے پریشان ہو رہی ہو جیسے اکیلا بھیج دیا ہو۔ آس پاس کے بچے بھی تھے اور کرنل خورشید کی ملازمہ بھی۔ ابھی گھنٹے بھر میں آ جائیں گی۔"

"آپ بھی نا کمال کرتی ہیں۔" وہ ناراضی سے کہتی ان کے ساتھ بیٹھی، مگر نشست کے بالکل کنارے پہ۔ "پتا ہے نا امی! حالات کتنے خراب ہیں، پھر بھی ان کو باہر بھیج دیتی ہیں۔"

"اچھا تمہاری بیٹیاں ہیں تو میری نواسیاں بھی ہیں۔ دشمن نہیں ہوں میں ان کی۔ گھر میں قید کر کے رکھوں تو بزدل اور ڈری سہمی سی بن جائیں گی۔ بالکل تمہاری طرح۔" انہوں نے اسے ذرا خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی سلائی جاری رکھی۔

"میں نہیں ہوں بزدل۔ وہ سعدی بھی ہر وقت یہی کہتا رہتا ہے۔" وہ خفا بھی تھی اور پریشان بھی۔ "وارث کی موت بھول گئی آپ کو؟ کیسے ان کو مار دیا گیا تھا۔ جب کسی خاندان میں کوئی قتل ہو جائے تو خاندان والے پہلے جیسے نہیں رہتے رہ ہی نہیں سکتے۔"

"سچ... تم نے بتایا ہی نہیں فارس کے رہا ہونے کا۔ مجھے عزیز بھائی کی بیوی نے بتایا۔" وہ سلائی روک کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اس کی ساری باتیں نظر انداز کر دیں۔ سارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"فارس... وہ تو رہا نہیں ہوا... وہ... کیا مطلب؟"

"تمہیں نہیں پتا؟" وہ الٹا حیران ہوئیں۔ "جب تم لندن میں تھیں تب ہی تو رہا ہوا تھا۔"

"سعدی کو بھی پتا نہیں ہوگا پھر تو۔ ورنہ وہ ذکر تو کرتا۔" وہ حیران سی بیٹھی تھی۔

"لو... وہی تو اسے لینے گیا تھا۔ اسے کب کسی بات کا نہیں پتا ہوتا؟"

"مگر... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اچانک سے؟" وہ الجھ سی گئی۔ "اور سعدی نے بھی نہیں بتایا۔" پھر چونک کر ماں کو دیکھا۔ "اور کیا بتایا آنٹی نے؟"

"یہی کہ اپنے ماموں کے گھر رہ رہا ہے۔ جواہرات کے پاس۔ اپنا گھر نہیں کھولا۔ اور ندرت کے پاس بھی نہیں رہ رہا۔ مگر اچھا ہی ہوا۔ مجھے تو کبھی بھی وہ قصوروار نہیں لگا تھا۔ شکر کہ بچے کی جان بچ گئی۔" انہوں نے پھر سے سلائیاں اٹھالیں۔

"ہوں... سعدی بھی یہی کہتا تھا۔ فارس ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ مگر ایک ہفتہ ہو گیا اور مجھے پتا ہی نہیں۔" وہ اچنبھے میں تھی۔ پھر بے اختیار گھڑی دیکھی اور فون کی طرف بڑھی۔

"کس کو کرنے لگی ہو؟"

"کرنل خورشید کی میڈ کا نمبر ہے میرے پاس۔ اس کو کہتی ہوں کہ انہیں جلدی گھر لائے۔ پورے پندرہ منٹ ہو گئے ہیں۔"

فکرمندی سے کہتی وہ کارڈلیس اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ زرینہ بیگم ماتھا چھو کر بڑبڑائیں۔ سارہ کا کوئی علاج نہ تھا۔

رات جب ان کے بنگلے پہ اتر آئی تو دیواروں نے دیکھا، سارہ اپنے بیڈ میں لحاف تانے لیٹی تھی اور اس کے دائیں بائیں دو ننھی پیاری سی بچیاں لیٹی تھیں۔ ایک چت ہو کر چھت کو تکے جا رہی تھی، دوسری ماں کے کانوں پہ پھسلتی لٹوں پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

"اہل... نور... مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" سارہ نے چھت کو دیکھتے ہوئے گم صم سے انداز میں بات کا آغاز کیا۔

"کیا ہوا ماما؟"

"آپ لوگوں کو شاید یاد نہ ہو مگر آپ کے بابا کے ایک بھائی تھے۔" رکی۔ "ہیں۔" گہری سانس لی۔ "کچھ وجہ تھی وہ یہاں سے چلے گئے تھے مطلب کہ ان کو جیل ہو گئی تھی، اس لیے..."

"مگر فارس چاچو تو رہا ہو گئے ہیں نا۔" اہل ایک دم بولی۔ سارہ دنگ رہ گئی۔

"تمہیں وہ... یاد ہیں؟"

"جی ماما۔" اہل نے الٹا اسے حیران ہو کر دیکھا۔ "میں نے خود سنا ہے نانی بتا رہی تھیں فون پہ کسی کو کہ وہ اب باہر آگئے ہیں۔ تو اب ہم ان سے ملنے کب جائیں گے؟"

"نہیں اہل۔" اس کے لہجے میں سختی آگئی۔ "ہم نے ان سے دور رہنا ہے۔ ان کے ساتھ مسئلے ہیں بہت۔ ان کے پیچھے برے لوگ

لگے ہیں۔ سو ہم ان کے قریب جائیں گے تو وہ برے لوگ ہمارے پیچھے بھی لگ جائیں گے۔ اس لیے اب ہم ان سے زیادہ قریب نہیں ہوں گے۔" نور نے سر ہلا دیا۔ وہ ماں کے بالوں سے مسلسل کھیل رہی تھی۔ مگر امل نے اتنی ہی سمجھداری سے پوچھا۔

"او کے ماما لیکن ہم ان سے ملنے کب جائیں گے؟"

سارہ اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ "میں نے کہا نا' ہم ان سے ملنے نہیں جائیں گے۔ بے شک وہ بہت اچھے ہیں لیکن ان کے ساتھ رہنے سے ہمیں بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے اب میں تم دونوں کے منہ سے ان کا ذکر نہ سنوں۔ او کے!" درشتی سے کہہ کر وہ ذرا فکر مندی اب لیپ بجھا رہی تھی۔ نور نے بتی بجھتے ہی فوراً سے آنکھیں بند کر لیں مگر امل کی آنکھیں پوری کھلی تھیں۔

.... ❁ ❁ ❁ ....

سینٹورس مال میں رنگوں اور روشنیوں کا سیلاب جگمگا رہا تھا۔ تیسرے فلور کے ایک بوتیک کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ وسط میں مخملیں صوفے بچھے تھے۔ کپڑوں کے ریکس کونوں میں تھے۔ وہیں ایک قد آور آئینے کے سامنے شہرین کھڑی تنقیدی نگاہوں سے اپنا پہنا ہوا گولڈن گاؤن دیکھ رہی تھی۔ جس کی ایک آستین نہیں تھی اور دوسری کلائی تک آتی تھی۔ اس نے دائیں اور بائیں دونوں طرف سے ترچھی ہو کر عکس دیکھا۔ شہرے باب کٹ بالوں کو دو انگلیوں سے پیچھے کیا اور بیزاری سے منہ بنایا۔

"فال اتنی اچھی نہیں ہے جتنی میں نے کہی تھی۔"

قریب کھڑی لڑکی اسے جلدی جلدی وضاحت دینے لگی۔ جسے اس نے گویا سنا ہی نہیں۔ وہ خود کو ہر زاویے سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے عکس میں پیچھے صوفے پہ بیٹھی سونیا اور ساتھ مستعد کھڑی ملازمہ بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ سونیا بور سی ہو کر بار بار پاؤں قالین سے رگڑ رہی تھی۔

عکس میں دکان کا دروازہ بھی نظر آ رہا تھا اور وہ جو بگڑے موڈ سے مینیجر کو کچھ کہنے لگی تھی' دروازے کو دیکھ کر بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر اس نے تھوک نگلا۔

چوکھٹ پہ سعدی کھڑا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

شہری نے مڑ کر صوفوں کی سمت دیکھا۔

"ثمینہ..... سونیا کو لے کر اوپر فوڈ کورٹ جاؤ۔ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔"

پھر مینیجر سے مخاطب ہو کر بولی۔ "میں آپ سے ذرا ٹھہر کر بات کرتی ہوں۔" وہ تو سر ہلا کر چلی گئی۔ البتہ ثمینہ نے بچی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پس و پیش کی تھی۔

"میم اوپر کس جگہ؟"

"ثمینہ!" اس نے تیز نظروں سے گھورا تو وہ فوراً سونیا کی انگلی تھامے باہر نکل گئی۔

شہرین پھر سے آئینے میں دیکھتے ہوئے گاؤن کا فال والا گلا انگلیوں سے ادھر ادھر کرنے لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"تو آپ گولڈن پہن رہی ہیں۔ گڈ! میں بلیک پہن رہا ہوں۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ مڑے بغیر آئینے میں اس کو دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔ سعدی نے مصنوعی حیرت سے شانے اچکائے۔

"یہ ایک مال ہے اور یہاں لوگ شاپنگ کرنے آتے ہیں۔"

"مجھے گھر سے فالو کر رہے تھے یا فون سے ٹریس کیا ہے؟"
"کیا آپ یہ نہیں مان سکتیں کہ ہم اتفاق سے ملے ہیں؟"
"ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔"
سعدی نے جواباً اثبات میں سر ہلایا۔
"اوکے... آپ کے فون سے ٹریس کیا ہے۔"
شہرین اس کی طرف پلٹی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
"ہمیں اس طرح ایک ساتھ نہیں نظر آنا چاہیے۔"
"اسی لیے آپ نے ان کو بھیج دیا؟"
"وہ ہاشم کو بتا دے گی۔" اس نے گویا جھڑک دیا۔
"اتنی ناقابل اعتبار ملازمہ؟" وہ حیران ہوا۔
"وہ نہیں... سونیا... میری بیٹی... وہ اپنے باپ کو ہر بات بتاتی ہے۔" تلخی سے کہہ کر وہ کان میں پہنے سیاہ نگوں والے آویزے اتارنے لگی۔
"آپ اتنا ڈرتی ہیں ہاشم بھائی سے؟"
"سعدی!" شہرین نے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔ "میں اس سے نہیں ڈرتی۔ مگر وہ سونیا کو مجھ سے لے سکتا ہے اگر میں اس کے خلاف گئی۔ اور یو نو واٹ' تمہارے یہاں آنے کا مطلب ہے کہ تمہیں ہاشم کے خلاف میری مدد چاہیے اور میں ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والی۔"
"جب آپ نے مجھ سے مدد مانگی تھی تو میں نے بھی کیا ایسے ہی منع کیا تھا؟" وہ اب بہت سنجیدہ تھا۔ شہری ایک ثانیہ کو خاموش رہ گئی۔
"وہ اور مسئلہ تھا۔" اس کی آواز دھیمی پڑی۔ سعدی جواباً بے نیازی سے اس کو دیکھتا رہا۔ وہ بھی اسے دیکھتی رہی' پھر سر جھٹکا۔
"کیا چاہیے؟"
وہ ہلکا سا مسکرایا اور اندرونی جیب سے ٹیبلٹ نکال کر میز پر رکھے شہرین کے پرس میں ڈال دیا۔ سب اتنی پھرتی سے کیا کہ وہ ابھی تک کھڑی رہ گئی۔
"میرا نیب آپ کل مجھے پارٹی میں واپس کریں گی۔ اتنا سا کام۔"
"مگر تم یہ خود بھی لے کر جا سکتے ہو پارٹی میں۔" وہ حیران ہوئی۔
"سیکورٹی پروٹوکول سخت ہے۔ موبائلز وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔ مگر آپ تو فیملی ہیں نا۔"
"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"
"آپ دوسرا کام کرنے کی ہامی بھریں... میں بتا دوں گا۔"
"اور کیا ہے وہ دوسرا کام؟" اس نے بہت ضبط سے سینے پہ بازو لپیٹتے ہوئے پوچھا۔
"مجھے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ ہر صورت میں۔"
"تم... اف..." اس کا صبر جواب دینے لگا۔ "تم پارٹی میں نہ ہی آؤ سعدی! تم ہم دونوں کو مشکل میں ڈالو گے"

''میں ایک ہفتے سے جب سے ہاشم بھائی نے بالخصوص میرے لیے کارڈ بھجوایا تھا' اس پارٹی کی تیاری کرر ہا ہوں۔ اور میں آپ پہ اعتبار کرر ہا ہوں۔ آپ کو ہاشم بھائی سے اپنے تمام دکھوں اور اذیتوں کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو پھر آپ کو میرے ساتھ کھڑے ہونا ہوگا۔ چاہے آپ پسند کریں یا نہ کریں۔ آپ مجھے ہاشم بھائی کا پاس ورڈ لا کر دیں گی۔'' اس نے سنجیدگی اور مضبوطی سے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

شہرین کے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ اس نے تذبذب' امید اور خدشات سے بھری آنکھوں سے سعدی کو دیکھا۔

''تم کیا کرنے جا رہے ہو؟''

وہ اداسی سے مسکرایا۔ ایک زخمی سی مسکراہٹ۔

''جو انہوں نے ہم سے چرایا تھا' میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔''

باب 2:

فریب کار

اور ابلیس کا ساتھی مامون بھی تھا۔
جنت سے نکالے جانے والی ایک کمتر روح
کہ وہاں بھی اس کی نگاہ اور سوچ نیچے جھکی رہتی اور زیادہ سراہتی سونے کی بنی جنت کی روش کو۔
یہ منظر اسے کسی بھی دوسرے سے زیادہ مزا دیتا ہے۔
اسی نے سکھایا بنی نوع انسان کو
اپنے ناپاک ہاتھوں سے دھرتی ماں کے بطن کو کھود کر لوٹنا
ان خزانوں کو جو چھپے بہتر تھے
جلد ہی اس کی فوج نے جہنم کی پہاڑی میں ڈالا ایک وسیع چھید۔
اور کھود ڈالیں سونے کی پسلیاں
نہ ہو کوئی حیران اس بات پہ کہ سونا اگتا ہے اندھیر جہنم میں
کہ شاید مٹی ہی قابل ہے۔ اس قیمتی بلا کے....
(ماخوذ از: ملٹن۔ جنت گم شدہ)

حسن و عشق کا سوز تعلق سمتوں کا پابند نہیں ..... اکثر تو خود شمع کا شعلہ بڑھ کے گیا پروانے تک

ہاشم کاردار کی بیٹی سونیا کی سیاہ سنہری سالگرہ آج یعنی ہفتے کی شام کو تھی۔ شاید اسی لیے ہفتے کی صبح بھی چمکیلی سنہری طلوع ہوئی تھی۔ ذوالفقار یوسف کے گھر میں ناشتہ کا دھواں، ندرت کی ڈانٹ بھری تاکیدیں، حنین کی بھاگم بھاگ تیاری سب ایک ساتھ چل رہا تھا۔ سعدی آج بھی صبح سویرے ریسٹورنٹ چلا گیا تھا۔

سیم اب یونیفارم میں تیار، گول میز کے گرد بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ حنین اپنے سیاہ کوٹ شوز پالش کر کے جب آئی تو توس کی پلیٹ کو دیکھ کر منہ بن گیا۔

"امی..... میں نے نہیں کھانا ڈھکن ٹوسٹ۔ یہ موٹا آلو میرے لیے بریڈ کا پہلا اور آخری توس ہی بچاتا ہے ہمیشہ!" وہ ماتھے سے بالوں پہ برش پھیرتی وہیں سے چلائی۔ کچن سے ندرت کا ڈپٹا ہوا جواب فوراً آیا۔

"ہزار دفعہ کہا ہے کھانے کی چیزوں کے نام مت رکھا کرو۔"

اس نے منہ میں بڑبڑاتے ہوئے آگے ہو کر سیم کا آدھا پراٹھا توڑ لیا۔ خلاف معمول سیم نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ چپ چاپ کھاتا

رہا۔

وہ ناشتہ کر کے اٹھی تھی کہ سیم نے پکارا۔ "حنہ!"

"حنہ...؟" اس نے گھور کر اسے دیکھا۔ "تاریخ گواہ ہے کہ تم نے مجھے بغیر کام کے حنہ کبھی نہیں کہا۔"

"آج کا لنچ میری طرف سے ہے۔" ہاتھ جھاڑتے اس نے مزید سنجیدگی سے اطلاع دی۔

حنین نے بیگ کندھے پہ ڈالا فائل اٹھائی اور استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

"مجھے گیس کرنے دو کہ کیا منگوایا ہو گا تم نے ہاں ہوں گے سموسے ساتھ میں چرغہ اور آلو کے چپس۔" اور جیسے ان سب اشیاء پہ

لعنت بھیج کر وہ دروازے کی طرف بڑھی جہاں باہر وین والا ہارن دیے جا رہا تھا۔

"اسپرنگ رولز بہاری کباب اور بیکڈ ہوئے آلو۔" سیم نے عقب میں بڑے سکون سے کہا۔ حنین کے قدم زنجیر ہوئے آنکھیں بے

یقینی سے پھیلیں۔ یکدم مڑی کہنی سے دبوچ کر اسے سامنے کھڑا کیا۔

"پھر ساتھ میں ہو گی پودینے کی چٹنی؟" اور مشکوک نظروں سے گھورا۔

"اونہوں۔ تمہاری فیورٹ مایونیز والی ساس!"

حنین کے لب بھرپور مسکراہٹ میں پھیل گئے۔ آنکھوں میں شرارت چمکی۔ بازو چھوڑا اور چلنے کا اشارہ کیا۔

"اب کام بتاؤ۔"

"رات ہاشم بھائی کی بیٹی کی سالگرہ میں نہیں نے بھی جانا ہے۔" وہ دونوں ساتھ چلتے باہر آئے تو باغیچہ کراس کرتے ہوئے سیم نے

کہا۔

"سعدی بھائی نے کہا تھا کہ امی نہیں جا رہیں تو میں گھر میں رہوں۔"

"ہوں۔ تمہارے پاس بلیک سوٹ ہے؟"

"ہاں وہی جو بھائی نے برتھ ڈے پہ دیا تھا۔"

"تو پھر اس کو جو بٹن لگوا لو ہوا لگوا لو اور استری کروا لو۔" وہ گیٹ بند کر کے وین کی طرف بڑھتے ہوئے بڑے سکون سے بولی۔ سیم

نے خوشگوار بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"مگر تم بھائی کو کیسے مناؤ گی کتو... سوری... حنہ!"

"سیم یوسف! یہ جو آج تم مجھ پہ اپنی پاکٹ منی جھونک رہے ہو نا یہ اس لیے ہے کہ تمہیں پتا ہے اس کام کے لیے صحیح بندی میں ہی

ہوں۔ اس لیے اپنے سوٹ کی فکر کرو بس!" کہہ کر وہ وین میں چڑھ گئی۔

اندر رافعہ اور خدیجہ بری طرح دہرائی کرنے میں مگن تھیں۔ جبکہ ناعمہ کتاب کھولے کچھ لکھ رہی تھی۔ آج ان کا آخری پیپر تھا۔

"کیسی تیاری ہے؟" اس نے امتحان کی صبح کا مخصوص سوال دہرایا۔

"یار! کچھ نہیں آتا۔ سب کچھ مکس اپ ہو گیا۔" رافعہ نے ہراساں نفی میں سر ہلاتے ہوئے مخصوص جواب دیا۔

حنین نے اپنی فائل کھولی اور سرسری سی نگاہ دوڑانے لگی۔ پھر کسی احساس کے تحت ناعمہ کو دیکھا... وہ ڈیسک پہ کچی پنسل سے کچھ لکھ

رہی تھی۔ نقل کے یہ طریقے ان کو جانے سوجھتے کہاں سے تھے۔

"اگر پکڑی گئیں تو؟" حنین نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

''تو کری گرمی کرتے اس سے پسینہ پونچھ لوں گی۔ سارے ثبوت ختم!'' اس نے شانے اچکا دیے تو حسین سر جھٹک کر ناپڑھنے لگی۔

سیم کھڑکی سے باہر دیکھتا اپنے سوٹ اور ان دوستوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کو اس نے سوموار کی پارٹی کی تفصیلات دینا تھیں۔ ذہن میں وہ فقرے ترتیب دے رہا تھا۔

''پتا ہے ہمارے ایک انکل ہیں... انہوں... کزن ہیں ہاشم بھائی ان کا گھر پتہ ہے کیسا ہے....'' سیم کو یہ سوچ کر ہی مزہ آ رہا تھا کہ کتنے مزے سے اپنے دوستوں کو سارے قصے سنائے گا۔

............☆☆☆............

تو نے کیا کیا اے زندگی دشت و در میں پھرایا مجھے ...... اب تو اپنے در و بام بھی جانتے ہیں پرایا مجھے

کاردار خاندان کے قصر کے سبزہ زار میں ملازموں کا عملہ اور فاضل ڈیکوریٹرز پارٹی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اندر لاؤنج میں بھی صفائی ستھرائی کا عمل جاری تھا۔ شہرین متوازن قدموں سے زینے چڑھتی اوپر جا رہی تھی۔

ہاشم کا کمرہ سنسان پڑا تھا۔ وہ آگے بڑھی۔ نوشیرواں کے کمرے کا داخلی دروازہ کھلا تھا اور آگے بالکونی کا بھی۔ وہ بالکونی میں بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ گود میں کانوں میں ایئرفونز۔ شہرین وہیں کھڑی رہی یہاں تک کہ نوشیرواں نے چونک کر اس طرف دیکھا تو وہ سر جھٹک کر جانے لگی۔

''آپ کب آئیں؟ آئیے۔'' شیرو جلدی سے ایئرفونز نکالتے ہوئے اٹھا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اس روز کی نسبت آج درست حلیے میں تھا۔ وہ اسے پسند کرتا تھا' کوئی اندھا بھی بتا سکتا تھا۔ اور شہرین اندھی نہیں تھی۔ البتہ اسے معلوم تھا کہ وہ کہنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ شہرین نے پریشانی میں نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں تم بیٹھو....'' پھر رکی۔

''ہاشم.... ہے یا؟'' اس نے نوشیرواں کے بھائی کا نام لیا۔ وہی بھائی جس کے ڈر کے باعث شیرو کبھی نہیں کہہ سکے گا۔

''بھائی کا آف تھا مگر وہ شاید شہلا آنٹی کے کیس کے لیے کہیں گئے ہیں۔ ان کے ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ کر دیا تھا کسی کا۔'' وہ ابھی تک منتظر کھڑا تھا۔ شہرین کی آنکھوں میں مایوسی ابھری۔

''خیر وہ ہوتا بھی تو میرا کام نہیں ہونا تھا۔ اٹس اوکے۔ جانے دو۔'' وہ کہہ کر پلٹنے لگی۔

''کیا کام؟ مجھے بتائیں۔'' وہ قدم قدم اٹھاتا اس تک آیا۔

''چھوڑو تم سے نہیں ہوگا۔''

''ڈیل! اگر آپ نے اپنے کام کا ذکر مجھ سے کیا ہے تو یقیناً آپ کو لگتا ہوگا کہ میں کر سکتا ہوں' تو بتائیں۔'' وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں تھا۔ شہرین تھکے انداز سے مسکرائی۔

''سونیا.... وہی ہے اصل مسئلہ.... اس کو میری اور ہاشم کی پکچرز چاہئیں' ہنی مون کی۔''

''تو آپ کے پاس نہیں ہیں؟!'' نوشیرواں کو اندر سے شاید خوشی ہوئی۔

''میں تکلیف دہ یادوں کو سنبھال کر نہیں رکھتی۔'' اس نے سنہرے بالوں میں ہاتھ پھیر کر ان کو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ہنوز بالکنی پہ کھڑے تھے۔

''شادی کی تو میرے پاس بھی ہوں گی۔''

''مگر ہنی مون والی ہاشم کے لیپ ٹاپ میں ہوں گی اور میں تمہارے بھائی کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔'' اس نے بہت ہی لاپروائی سے لیپ ٹاپ کا ذکر کیا۔

''نو پرابلم۔ میں کاپی کر دیتا ہوں۔ بھائی آفس نہیں گئے تو لیپ ٹاپ گھر پہ رکھ کے گئے ہوں گے۔'' وہ چلتا ہوا ساتھ والے کم میں آیا۔ بتی آن کی۔

''جلدی کرنا۔ میں اس کمرے میں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتی۔'' اس نے فلیش ڈرائیو بڑھاتے ہوئے کہا۔ نوشیرواں نے ڈ پکڑتے ہوئے نظر بھر کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں۔'' وہ جواباً زخمی سا مسکرائی۔

نوشیرواں نے ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور آن کیا۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی ہو کر دیکھنے لگی۔ ساتھ ہی وہ لب کاٹ رہی تھی اور انگلیاں بھی مروڑ رہی تھی۔

''اوہ.... پاس ورڈ؟ اب یہ کیا ہے؟'' سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے جب پاس ورڈ مانگا گیا تو نوشیرواں کراہ کر رہ گیا۔ شہرین ماتھے پر بل پڑے۔

''میں نے کہا تھا نا تم سے نہیں ہوگا' جانے دو۔'' وہ مڑنے لگی۔

''ایک منٹ.... ٹھہریں تو!'' اس نے موبائل نکال کر ہاشم کو کال ملائی۔

''میرا نام لے لینا تاکہ وہ بالکل بھی اپنا پاس ورڈ نہ دے۔'' وہ تلخی سے بولی۔ نوشیرواں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بہت اور سمجھدار نظر آنے کی سعی کر رہا تھا۔

''ہاں شیرو! بولو۔'' وہ مصروف تھا۔

''بھائی یار! آپ کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ کیا ہے؟''

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' اپنی تمام تر مصروفیت کے باوجود وہ چونکا تھا۔

''کچھ پکچرز چاہئیں تھیں سونیا کے لیے۔''

''کون سی پکچرز؟'' وہ ہاشم تھا' کھٹک گیا۔

''بھائی دے رہے ہو یا میں کچھ اور کروں؟'' اس کا موڈ بگڑنے لگا۔ پھر ''ہوں.... اچھا'' کہہ کر سر ہلا کر فون بند کیا اور مسکر ہوئے کی بورڈ کے بٹن دبائے۔ اس کے کندھے سے جھانکتی شہرین نے ان کو حفظ کیا (گو کہ اس کی ضرورت نہ تھی) اور پھر لاپروائی سے اُدھر دیکھنے لگی۔ (یہ لفظ تو اس کو ازبر تھا' آنکھیں بند کر کے بھی ٹائپ کر سکتی تھی)

''آپ بتاتی جائیں' کون کون سی چاہیے۔''

ان کی ہنی مون' شادی اور دیگر مواقع کی تصاویر کھلتی جا رہی تھیں۔ مقصد پورا ہونے کے بعد شہرین کو جانے کی جلدی تھی اور وہ دیکھ کر سینے میں کچھ چبھنے لگا تھا۔ احساس زیاں' تہی دامنی۔

''یہ والی.... اور یہ تینوں....'' وہ انگلی سے اسکرین پہ اشارہ کرتی بتانے لگی۔ نوشیرواں نے کاپی کرتے ہوئے اس کے چہر دیکھا۔ وہ ضبط کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس نے افسوس' ہمدردی' ترحم سب محسوس کیا تھا۔

سوائے فریب کی بو کے۔

..........❖❖❖..........

میں تو لب کھول کے پابند سلاسل ٹھہرا ..... تیری اور بات ہے تو صاحب محفل ٹھہرا

کمرہ امتحان میں معمول کا سناٹا چھایا تھا۔ وہ ممتحن خواتین کرسیوں کی قطاروں کے بیچ ٹہل رہی تھیں۔ لڑکیاں سر جھکائے دھ

لکھے جا رہی تھیں۔ حنین نے بالآخر درد کرتی انگلیوں کو سہلاتے ہوئے سر اٹھایا اور پھر گردن کو ریلیکس کرتے ہوئے دائیں طرف دیکھا۔ کمرے کی ایک دیوار کھڑکی سے ڈھکی تھی۔ اور سامنے سڑک اور بنگلوں کی قطار نظر آ رہی تھی۔ جس لاء کالج کو ان کا امتحانی مرکز بنایا گیا تھا' وہ دراصل ایک بڑا سا بنگلہ تھا۔ اور یہ کمرہ یقیناً ڈرائنگ ڈائننگ کے طور پہ استعمال کے لیے بنایا گیا ہوگا۔ اس نے سوچا۔

نیچے لان تھا اور وہاں سے ان ادھیڑ عمر وکیل صاحب کی کار نکلتی دکھائی دے رہی تھی جو ہائی کورٹ کے وکیل تھے' اس لاء کالج کے مالک تھے اور ہر پیپر میں بار بار امتحانی کمروں کا چکر لگا کر اپنی خراب انگریزی میں لڑکیوں کو نقل کرنے کے نتائج سے ڈرانے کی کوشش کرتے تھے۔ شکر کہ اب وہ نہیں جا رہے تھے اور اگلے ڈیڑھ گھنٹے سر پہ سوار نہیں ہوں گے۔ اس نے مسکراہٹ دبا کر سوچا اور دوبارہ پرچے پہ جھک گئی۔

''شش!'' ناعمہ نے پیچھے سے اسے ٹہوکا دیا۔ اس نے جھنجلا کر ممتحن کو دیکھا جس کی ان کی طرف پشت تھی اور پھر پیچھے مڑی۔

''کیا ہے؟''

''رافعہ کو دو!'' اس نے ٹشو آگے کیا۔ حنین نے جلدی سے ٹشو پکڑا جیسے کوئی جلتا ہوا انگارہ ہو اور رافعہ کی کمر پہ چٹکی چبھا کر اسے متوجہ کیا۔ ممتحن اب چلتی ہوئی آگے جا رہی تھیں۔ قطار ختم کر کے ہی وہ مڑتیں اور اس سے پہلے ہی اس نے رافعہ کو وہ دے دینا تھا۔

مگر رافعہ یا تو ڈر گئی تھی یا اس سے سمجھنے میں غلطی ہوئی یا ممتحن غلط وقت پہ مڑیں' اسے ٹہوکا دے کر ٹشو پکڑاتی حنین کے ہاتھ سے ٹشو گرا۔ وہ فوراً پیپر پہ جھکی۔ اس کی گھبراہٹ نے سب واضح کر دیا۔ ممتحن خاتون تیز تیز اس طرف آئیں۔ جھک کر ٹشو اٹھایا۔ اسے کھولا۔ حنین نے سر جھکائے اگلا لفظ لکھنے کی کوشش کی' مگر ہاتھ نم ہو گئے' پرچہ نم ہو گیا' سیاہی پھیلنے لگی۔

''آپ نقل استعمال کر رہی تھیں؟ کہاں سے آیا یہ آپ کے پاس؟ چھوڑیں پیپر!'' دو ہاتھوں نے اس کا پرچہ کھینچا۔ دو ٹیچرز مزید اس طرف آئیں۔ وہ ہکا بکا سی بیٹھی رہ گئی۔

''یہ میرا نہیں ہے میم! مجھے نہیں پتا اس میں کیا ہے؟''

''جھوٹ مت بولو۔ میں نے خود تمہیں اسے پکڑتے دیکھا ہے۔''

''یہ ناعمہ نے دیا تھا' رافعہ کو دینے۔'' اس نے پچھلی اور اگلی دونوں کو گھسیٹا' کہ وہ کوئی اس کی اچھی دوستیں نہ تھیں جن کو وہ بچاتی۔

''میرا نام کیوں لے رہی ہو؟''

''مجھے نہیں پتا یہ کیا کہہ رہی ہے؟'' دونوں لاتعلق ہو گئیں۔ کمرے میں تماشا لگ گیا۔ سب سر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ ٹیچرز اسے اٹھا رہی تھیں کہ وہ اپنی چیزیں لے کر آفس میں آ جائے۔ اس کا پرچہ ختم۔

''آپ پہ کیس بنے گا اور تھانے میں درج ہوگا۔ تین سال تک آپ پیپرز نہیں دے سکتیں۔'' ان کے الفاظ حنین یوسف کی روح قبض کر رہے تھے۔

زمین و آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔ آج تو ویسے بھی آخری پرچہ تھا۔ یہ ایک دم سے سب کیسے غلط ہونے لگ گیا تھا؟

کچھ لڑکیاں واپس لکھنے میں مصروف ہو گئیں۔ کچھ اسے چیزیں سمیٹتے دیکھ رہی تھیں۔

''میم! یہ میرا نہیں ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا اس میں کیا لکھا ہے۔'' وہ خشک حلق کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

کسی نے اسے ٹشو ''پاس'' کرتے نہیں دیکھا تھا۔ سپرینٹنڈنٹ نے ٹشو اس کے ''پاس'' دیکھا تھا اور اگلی پچھلی انہیں دم کٹی لومڑی کا شکار لگی تھیں۔ صرف اسے اٹھایا گیا۔ وہ منت کرتی رہی۔ کبھی غصے سے زور سے بھی بولتی مگر کوئی اثر نہیں... میڈم اسے دو کمروں سے گزار کر ایک آفس نما کمرے میں لے آئیں۔ اسے کرسی پہ بٹھا دیا۔ پرچہ پیپر ویٹ تلے رکھ دیا۔ اور ایک دوسری ٹیچر کو یونیورسٹی کی انسپکشن ٹیم کو کال کرنے کا

کہا۔ مقدمے کا پرچہ انہوں نے ہی آ کر بنوانا تھا۔ میم شہر کے کسی دوسرے امتحانی مرکز کے دورے پہ تھیں۔ ان کو آنے میں کچھ وقت لگنا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک حنین کے اعصاب پہ ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ وہ سفید چہرہ لیے حواس باختہ پریشان سی بیٹھی تھی۔ مگر خاموش نہیں تھی۔ وہ بار بار احتجاج کر رہی تھی۔

"میم! میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ پچھلی لڑکی کا تھا...."

اگر آپ نے ایک لفظ مزید بولا تو میں اس پہ ابھی سرخ کاٹا پھیر دوں گی۔" انہوں نے غصے سے جھڑکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے سر جھکا دیا۔

مگر وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔ وہ سعدی یوسف کی بہن تھی.... اوہ.... بھائی کو کتنی شرمندگی ہو گی اس پر؟ حنین چیٹنگ کرتے پکڑی گئی؟ تھانے میں مقدمہ؟ وہ لرز کر رہ گئی۔ بھائی کبھی اس پہ دوبارہ اعتبار کر سکے گا کیا؟

سپرنٹنڈنٹ کو ایک ٹیچر نے بلوا لیا۔ ایک دوسرے کمرے میں کچھ لڑکیاں کوئسچن پیپر پہ لکھ رہی تھیں۔ ان کی لاپرواہی نے ان کو بھی پھنسا دیا۔ ابھی پچھلے پیپر میں اسی جگہ ایک پوری قطار جو کوئسچن پیپر پہ پوائنٹس لکھ رہی تھی' اور اس قطار میں نہلی متحن' دونوں پہ پرچہ کیا تھا انسپکٹر نے۔ اور ابھی وہی جلاد صفت انسپکٹر پھر آنے والا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ غصے سے باہر نکلیں۔ حنین کمرے میں تنہا رہ گئی۔ گھڑی کی ٹک ٹک ہر سو گونجنے لگی۔

میز پہ سپرنٹنڈنٹ کے پرس کے ساتھ ان کا موبائل رکھا تھا۔ حنین نے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا اور لمحے بھر میں فیصلہ کیا۔ اسے مدد پکارنا تھا۔ مگر کون آئے گا؟

موبائل اچک کر اس نے دھڑکتے دل سے نمبر ملایا۔ پہلے سعدی کا' پھر مٹا دیا۔ بھائی کے سامنے شرمندگی؟ نہیں۔ پھر پھپھو کا.... دو ہندسوں کے بعد ہی مٹا دیا۔ کبھی بھی نہیں' ہونہہ۔ اور ماموں کا تو کوئی نمبر ہی نہ تھا۔ پھر کیسے کرے؟ وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی۔ وہ تاریک سرنگ میں کھڑی تھی۔ اور ایسے میں اچانک سے سنہری رنگ سے لکھے گیارہ ہندسے جگمگانے لگے۔ بنا سوچے سمجھے اس نے نمبر ڈائل کیا۔ یہ پہلی دفعہ تو نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کو فیور زدے رہے تھے۔

"ہیلو؟" ہاشم نے تیسری گھنٹی پہ فون اٹھایا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا تھا اور ایکسیڈنٹ میں مرنے والی لڑکی کی فیملی سے مل کر واپس آ رہا تھا۔ گو کہ نمبر انجان تھا' مگر ہاشم ہر انجان کال اٹھایا کرتا تھا۔

"ہاشم بھائی؟ ہاشم بھائی میں حنین بول رہی ہوں۔" منہ پہ ہاتھ رکھے وہ دبی دبی سی آواز سے بولی۔ خوف زدہ نظریں دروازے پہ لگی تھیں۔

"آ.... کون.... حنین؟" وہ یاد کرنے لگا تھا۔ حنین کے گرد اندھیرے بڑھنے لگے۔ نقل کرنے پہ ایک پرچہ' امتحانی مرکز میں موبائل کے استعمال پہ دوسرا پرچہ....

"میں.... ندرت کی بیٹی' فارس کی بھانجی' زمر کی...."

"سعدی کی بہن؟" ہاشم چونکا تھا۔ "ہاں حنین! بولو بیٹا' کیا ہوا؟ خیریت؟" اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"ہاشم بھائی! انہوں نے مجھے چیٹنگ کے جرم میں پکڑا ہے۔ پرچہ ہو گا۔ پلیز کچھ کریں۔ میں...."

"تم.... کدھر ہو تم؟ مجھے ایڈریس بتاؤ اور فون کہاں سے کر رہی ہو؟"

اس نے جلدی جلدی ایڈریس بتایا تھا کہ باہر سے بولتی سپرنٹنڈنٹ کی آواز قریب آنے لگی۔

"سپرنٹنڈنٹ آ گئیں۔ کال بیک مت کیجیے گا۔" گھبرا کر اس نے فون رکھا۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر آ گئیں۔

حنین نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا۔ دونوں ٹیچرز اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔ اسے تو وہ کنارے لگا ہی چکی تھیں۔ اب پوری پانچ لڑکیوں کے کوئسچن پیپر کا معاملہ آ گیا تھا۔ انسپکشن ٹیم آئے گی تو یہ پنڈورا باکس بھی کھلے گا۔ وہ لوگ سخت غصے میں تھیں۔

کسی نے بھی موبائل کی سمت نہ دیکھا کہ ان کو بلا اجازت خود بھی موبائل استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔

حنین اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ہاشم سے بات کر کے تسلی ہوئی تھی۔ یہ اے کا لج تھا۔ ہو سکتا ہے ہاشم ان خراب انگریزی والے پرنسپل کو جانتا ہو۔ وہ انہیں فون کرے اور معاملہ ختم ہو جائے۔ ہاشم تو سب کو جانتا ہے۔ اور یہ تو سب کو پتا تھا کہ کام کے وقت ہاشم کاردار کو ہی پہلی کال کی جاتی ہے۔ اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔

وہ انگلیاں مروڑتی خود کو ریلیکس کر رہی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی سے نیچے گیٹ کو دیکھنے لگی۔ یہاں سے گیٹ صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ وکیل پرنسپل کب آئیں گے؟ اف۔

کتنا وقت گزرا سپرینٹنڈنٹ کی کتنی کڑوی کسیلی سنی، کچھ پتا نہیں۔ پتا اس وقت چلا جب اس نے گیٹ کے پار سیاہ چمکتی کار رکتی دیکھی۔ پچھلا دروازہ کھول کر وہ نکلا۔ سیاہ سوٹ ٹائی، سن گلاسز ہاتھ میں سرخ کور کی فائل۔ گلاسز اتارتے ہوئے اس نے گیٹ پار کیا۔ حنین کا سانس رک گیا۔

بہت عرصے بعد دیکھا تھا مگر وہ پہچان گئی تھی۔ وہ ہاشم تھا۔ ہاشم خود آیا تھا؟ حنین کے لیے؟ وہ ساکت تھی۔

وہ وکیل لگ رہا تھا یا اس کی شخصیت ایسی تھی، اسے کسی ملازم نے نہیں روکا۔ وہ کسی سے امتحانی کمرے کا پوچھ کر اوپر آیا، راہداری عبور کی اور سپرینٹنڈنٹ کے آفس کے سامنے رکا۔

حنین بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں امید اور خوف، دونوں سمٹے تھے۔

"سپرینٹنڈنٹ آپ ہیں؟" ہاشم نے سنجیدگی سے سپرینٹنڈنٹ کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں خواتین پزل سی ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

"جی میں ہی ہوں۔ مگر یہ امتحانی مرکز ہے۔ یہاں غیر متعلقہ افراد کا داخلہ؟" اس کی شخصیت کے رعب میں وہ ذرا جھجکی سی کہنے لگیں۔

"تو پھر آپ ان کو یہاں سے بھیج دیں کیونکہ مجھے اور آپ کو تنہائی میں بات کرنی ہے۔" ہاشم نے کرسی کھینچی، ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا اور سنجیدگی سے دوسری ممتحن کی جانب اشارہ کیا۔

سپرینٹنڈنٹ پریشان ہوئیں، مگر دوسری ٹیچر خود ہی جلدی سے باہر نکل گئیں۔

"حنین! بیٹا دروازہ بند کرو۔" اس نے اطمینان سے دوسرا حکم صادر کیا۔ سپرینٹنڈنٹ چونکیں۔ وہ اس بچی کا جاننے والا تھا، مگر.....؟

حنین نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ پھر واپس آ کر کھڑی رہی۔ ٹانگوں سے جان نکلنے کو تھی مگر بیٹھی نہیں۔ ہاشم نے ابھی تک اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"دیکھیں! آپ اس طرح کیسے اندر آ گئے ہیں؟ یہ کوئی طریقہ کار نہیں۔" اب کے ان کو غصہ چڑھنے لگا تھا۔

"میں ہاشم کاردار ہوں۔ حنین یوسف کا وکیل۔ اور طریقہ کار میں ابھی آپ کو سمجھائے دیتا ہوں۔"

مگر اس کے نام کا سپرینٹنڈنٹ پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسے نہیں جانتی تھیں۔

"اس بچی نے نقل کی ہے۔ یہ نقل کی بوٹی (ٹشو پیپر لہرایا) ہم نے اس کے پاس سے پکڑی ہے اور ابھی انسپکٹرز آ کر اس پہ پرچہ کاٹنے لگے ہیں۔ اس لیے میں یہاں آپ کی کوئی سفارش نہیں سننے والی ہوں۔"

"جی..... یہ نقل کی بوٹی اس کے پاس تھی، بالکل تھی!" ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا تو حنین نے کرنٹ کھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''اور یہ بوٹی اسے آپ نے پہنچائی تھی میڈم سپرینٹنڈنٹ!''

میڈم کا منہ کھل گیا۔ آنکھوں میں حیرت اور پھر غصہ ہلکورے لینے لگا۔ مگر اب ہاشم نے اسے بولنے کا موقع نہیں دینا تھا۔

''یہ آپ ہی نے پہنچائی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پچھلے چند سالوں میں آپ نے اپنی تین رشتہ دار بچیوں اور ایک دوست کی بچی کو نقل پہنچائی تھی۔ ان چار، ہاں لڑکیوں کے بیان حلفی، نقل کے عمل کا طریقہ، ان امتحانی مراکز کی تفصیلات اور شناختی کارڈز کی کاپی، سب اس فائل میں موجود ہیں۔ اور جب میں یہ فائل یونیورسٹی انتظامیہ اور کنٹرولر امتحانات کو دکھاؤں گا اور جب وہ ان میں سے ایک بچی کے منہ سے سب سنیں گے، کیونکہ وہ بچی بعد میں مدرسے چلی گئی تھی اور اب اسے اپنی نقل کی کمائی گئی ڈگری پہ بے حد ندامت ہے، تو آپ کا کیا بنے گا؟''

سپرینٹنڈنٹ کا تو رنگ سفید پڑا ہی، حنین الگ منہ کھولے ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو سرخ فائل لہرا کر سب کہہ رہا تھا۔

''یہ جھوٹ ہے۔ میں نے کبھی کسی کو نقل نہیں کروائی۔''

''وہ میرا مسئلہ نہیں ہے، یہ بچی میرا مسئلہ ہے۔ آپ اسے پیپر واپس دیں اور اس کا جو ٹائم.... کتنا ٹائم ضائع ہوا ہے؟'' رک کر حنین کو دیکھا۔ وہ جو ہکا بکا اسے دیکھے جا رہی تھی، گڑبڑا کر گھڑی دیکھی۔ ''چالیس منٹ۔''

''اس کے جو چالیس منٹ ضائع ہوئے ہیں، وہ اس کو ایکسٹرا دیں۔ اس کا پیپر بغیر سرخ نشان کے لیا جائے اور اسے عزت سے جانے دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو آپ کی یونیورسٹی کے وی سی کا نمبر میرے فون میں ''آر'' کی لسٹ میں ہے (ساتھ ہی موبائل اسکرین دکھائی) کنٹرولر امتحانات کا ''ایس'' کی لسٹ میں اور آئی جی کا ''ٹی'' میں۔ سو میرے آر ایس ٹی دبانے سے پہلے اس بچی کو اس کا پیپر واپس مل جانا چاہیے۔'' وہ سپرینٹنڈنٹ کی آنکھوں میں دیکھ کر بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

''یہ سب بکواس ہے۔ اور ہم انسپکشن ٹیم کو کال کر چکے ہیں، وہ آتے ہی ہوں گے۔'' وہ بے چین، مضطرب، غصے میں تھیں۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ میں یہ فائل ان ہی کو پیش کر دوں گا اور مجھے لگتا ہے ابھی تک آپ کو ان لڑکیوں کے بیانات کی نزاکت کی سمجھ نہیں آئی۔ حنین بیٹا! یہ لو اور پہلا بیان ان کو پڑھ کر سناؤ۔'' ہاشم نے سپرینٹنڈنٹ کو ہی دیکھتے ہوئے فائل اس کی طرف بڑھائی۔ حنین کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے فائل کھولی اور پہلا صفحہ سامنے کیا۔

کاردار اینڈ سنز پریزنٹیشن، ہاشم کاردار کے پوائنٹس۔ وہ اندھوں کی طرح صفحے کو اوپر نیچے دیکھ رہی تھی۔ یہ تو ہاشم کے آفس کی کوئی فائل تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے ہاشم کا چہرہ دیکھا۔ (کیا وہ غلط فائل اٹھا لایا تھا؟)

''پڑھو حنین!'' اب کے ہاشم نے اسے دیکھ کر کہا۔ پھر ترچھا ہو کر خود فائل کو دیکھا۔

''ہوں.... پہلا کیس تو آپ کی بہت قریبی عزیز بچی کا ہے۔ اور یہ واقعہ بھی اسی سیکٹر کے ایک کالج میں پیش آیا....'' وہ جیسے پڑھتے ہوئے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ وہ غلط فائل نہیں اٹھا کر لایا تھا۔ حنین بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم جھوٹ بول رہا تھا۔

''بس!'' سپرینٹنڈنٹ کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ہاتھ اٹھا کر سختی سے روکا۔ ہاشم نے فائل لے کر بند کر دی۔ سپروائزر نے پیپر اٹھایا اور حنین کو دیا۔

''جاؤ جا کر پیپر کرو۔'' حنین نے میڈم کو دیکھا۔ وہ ضبط سے لب کاٹتی اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسی پل دروازہ کھول کر پرنسپل وکیل داخل ہوئے۔ ہاشم نے گردن ترچھی کر کے مسکرا کر دیکھا۔ پھر اٹھ کر ملا۔ وہ خوشگوار حیرت سے اس سے ملے۔

''کاردار صاحب! آپ ادھر کیسے؟'' وہ اسے جانتے تھے۔ خیر اب تو سپرینٹنڈنٹ بھی اسے جان گئی تھیں۔

''دراصل یہ میری کزن کی بیٹی ہیں۔ خاندان میں ایک بزرگ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ مجھے ان کو پک کرنا تھا۔ مگر یہ خبر سن کر پریشان ہو

گئیں اور آدھا پونا گھنٹہ ضائع ہو گیا۔ بمشکل پیپر مکمل کرنے پہ راضی کیا ہے میڈم نے۔ اور ایکسٹرا ٹائم بھی دیں گی۔ ان کی مہربانی!'' کہتے ہوئے اس نے مسکرا کر سپرنٹنڈنٹ کو دیکھا جنہوں نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

''نہیں' بس تھوڑا سا رہ گیا تھا۔ میں پندرہ بیس منٹ میں کر لوں گی۔'' حنین پیپر دبوچے کھڑی ہوگئی۔

''جی بالکل آپ آرام سے کریں۔'' پرنسپل صاحب نے گرم جوشی سے کہا۔ پھر ہاشم کی طرف متوجہ ہوئے۔'' آیئے نیچے آفس میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ بڑا عرصہ ہوا ملاقات نہیں ہوئی تھی آپ سے۔'' ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا' پھر گھڑی دیکھی۔ اس کا وقت بہت قیمتی تھا۔ مگر پھر بھی اس نے حنین سے کہا۔'' پیپر دے کر آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔''

''اوہ میڈم! انسپکشن ٹیم پہنچنے والی ہے۔ آپ نے ان کو کس سلسلے میں بلایا تھا؟'' پرنسپل صاحب نے جاتے جاتے ایک دم پوچھا۔ حنین کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ اس نے ہراساں سی ہو کر ہاشم کو دیکھا جا گہری سرد نظروں سے سپرنٹنڈنٹ کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ ہال نمبر تھری میں لڑکیاں کو کیشن پیپر پہ لکھ رہی تھیں تو.....''

''او کے او کے....'' وہ سر ہلا کر ہاشم کو باہر لے گئے۔ حنین بھی پیپر کسی متاع عزیز کی طرح پکڑے وہاں سے نکل گئی۔

بیس نہیں' اسے پچیس منٹ لگے۔ جلدی جلدی پیپر ختم کر کے وہ شعلہ بار نظروں سے خود کو گھورتی سپرنٹنڈنٹ سے نگاہ ملائے بغیر نیچے آئی تو ہاشم پرنسپل کے آفس (جو پورچ کے ساتھ تھا' کہ وہ کالج بنگلہ ہی تھا) سے نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشگوار سا مسکرایا۔

''ہاشم بھائی.... تھینک یو سو مچ!'' وہ قریب آ کر بولی تو آواز بھرا گئی۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔

''شکریہ کس چیز کا؟ سعدی اور تم نے ہم پہ ایک احسان کیا تھا' اس کو اسی کا بدل سمجھ لو۔ خیر! میں نے پرنسپل سے کہہ دیا ہے۔ وہ اس امر کو یقینی بنائے گا کہ تمہارا پیپر بغیر سرخ کانٹے کے سیل ہو جائے۔''

''ان کو.... خبر نہیں ہوئی سارے معاملے کی؟''

''ضرور ہو گی مگر تب تک تمہارا پیپر جا چکا ہو گا۔ بے فکر رہو۔ میں نے سب سنبھال لیا ہے۔'' اس نے اعتماد سے کندھے اچکائے۔

''مگر.... وہ فائل.... اس میں میڈم کی تفصیلات تو نہیں تھیں؟''

ہاشم نے ہنس کر سر جھٹکا۔

''مجھے تو اس عورت کا نام بھی نہیں معلوم!''

''مگر.... وہ سب آپ نے کیسے کہا؟''

''میں نے اندازہ لگایا۔ کم از کم چار دفعہ تو اس نے یہ کام کیا ہو گا۔''

''لیکن اگر وہ ایماندار ٹیچر ہوتیں تو؟''

''بہر حال وہ ایماندار نہیں تھی۔''

''اور اگر وہ فائل دیکھ لیتیں؟''

''مجھے پتا تھا وہ نہیں دیکھے گی۔ اپنا اعمال نامہ کوئی بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' اس نے کلائی پہ گھڑی دیکھی۔'' چلو تمہیں ڈراپ کر دوں۔'' اور سعدی یوسف کی بہن بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔'' نہیں' ذین آ گئی ہو گی۔ اور اگر آپ نے چھوڑا تو سب کو پتا چل جائے گا۔ ہاشم بھائی! پلیز سعدی بھائی کو مت بتایئے گا۔'' وہ یکدم خوفزدہ اور شرمندہ نظر آنے لگی۔

''کیا یہ کہنے کی بات ہے؟'' الٹا وہ حیران ہوا۔ حنین نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

''آج پھر پارٹی پہ آ رہے ہو؟ زمر نے آر ایس وی پیز کنکٹ کر کے بھیج تو دیے تھے۔''

"جی، پھپھو خود کارڈ دینے آئی تھیں۔ ہم سب آئیں گے۔"

"اچھا زمر خود گئی تھیں؟ گڈ!" ہاشم مسکرا دیا۔ پھر دوبارہ گھڑی دیکھی۔ اس کو جانا تھا، سو مہذب انداز میں اجازت چاہی۔

حنین کی نگاہوں نے اس کے کار میں بیٹھنے تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کا پرفیوم ہنوز اس کے اردگرد پھیلا تھا۔ وہ جادوگر تھا۔

ساحر....

وہ مڑ گئی... ابھی اسے رافعہ اور ناعمہ کی بھی خبر لینی تھی۔

.... ❊ ❊ ❊ ....

سارے گل بوٹے مصنوعی..... رنگ، نمو، خوشبو دھوکا ہے

قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی تھی۔ بھرپور سجاوٹ، سیاہ اور سنہری اسپرے پینٹ شدہ اصلی گلاب، روشنیاں، قہقہے۔

وہ سب گول میزوں کے گرد کھڑے تھے۔ وہ گول میزیں اتنی اونچی تھیں کہ سینے تک آتیں۔ کرسیاں ندارد۔ ایک میز پہ ٹیگ لگا تھا "Yousufs" اور اس کے گرد وہی چاروں تھے۔ صرف حنین کا فراک سنہری تھا۔ باقی سعدی اور سیم سیاہ سوٹ میں تھے اور زمر کو تو سیاہ کی عادت تھی۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی سامنے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ لمبی قمیض، کندھوں پہ سیاہ ہی دوپٹہ۔ بال کھلے تھے۔ حنین کے بال مگر فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور وہ مسلسل ارد گرد سے گزرتی لڑکیوں کے پیر دیکھ رہی تھی۔ (امیر لڑکیوں کی شکلیں جیسی بھی ہوں، پاؤں بلا کے حسین ہوتے ہیں) وہ چہرہ رگڑ لے بہت ہے۔ پیروں کا خیال دعوتوں میں ہی آتا۔ اس نے اپنے پاؤں فراک کے گھیر کے اندر سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے سوچا۔

سیم کافی پرجوش آیا تھا۔ حنین نے یہ کہہ کر کہ "امی کو بڑے ابا کے پاس چھوڑ دیتے ہیں، کیوں پھپھو؟" زمر کی تائید لی تو سعدی انکار نہ کر سکا۔ سیم کو سب سے زیادہ خوشی سوموار کو اپنے دوستوں کو اپنے امیر رشتہ داروں کی دعوت کی تفصیل بتانے کی تھی۔ اس لیے رستے میں بار بار وہ دبی آواز میں اپنا اور کاردار کا رشتہ پوچھتا آیا تھا۔

"ہاشم بھائی ہمارے کیا لگتے ہیں؟"

"دیکھو سیم! ہمارے نانا نے دو شادیاں کی تھیں۔" حنین نے پہلی دفعہ تفصیل سے سمجھایا۔ "پہلی بیوی سے امی اور وارث ماموں تھے جن کی بیوی سارہ خالہ ہیں۔ پتا ہے نا ان کا؟" سیم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اور دوسری بیوی سے فارس ماموں تھے۔ اب یہ جو دوسری نانی تھیں نا، ان کے بھائی اورنگزیب کاردار تھے۔ ہاشم بھائی کے ابو۔"

"یعنی فارس ماموں اور ہاشم بھائی فرسٹ کزن ہوئے؟"

"بالکل! مگر ہماری امی کے فرسٹ کزن نہیں ہیں ہاشم بھائی۔ ہمارے وہ کچھ بھی نہیں لگتے ویسے۔"

"تو پھر وہ ہمیں کیسے جانتے ہیں؟"

"اف سیم....! خون کا رشتہ نہیں ہے مگر امی کی سوتیلی ماں کے بھتیجے ہوئے تو رشتے دار تو لگے نا۔ اب دوبارہ مت پوچھنا۔"

"مگر پھر وہ زمر پھپھو کو کیسے جانتے ہیں؟"

"ہاشم بھائی اور پھپھو وکیل ہیں۔ ایک ساتھ کام کرتے رہے ہوں گے، اسی طرح شاید۔"

"تو ہاشم بھائی نے سارہ خالہ کو کیوں نہیں بلایا؟"

"اف مجھے کیا پتا؟ سارہ خالہ تو ویسے بھی اب کسی سے زیادہ ملتی جلتی نہیں ہیں اور ہمیں بھی کبھی کبھی ہی بلاتے ہیں۔"

"پہلے کب بلایا تھا؟ میں تو کبھی نہیں گئی۔" سیم کو تو غم لگ گیا۔

"بس چند ایک بار گئے تھے ہم ان کی طرف۔ بھائی اور میں۔ اب چپ کر کے بیٹھو!" اس نے بات ٹال دی اور... بمشکل سیم کو خاموش کروادیا۔ مگر پارٹی میں آ کر وہ واقعی خاموش ہو گیا تھا۔ یہ اس کی دنیا سے مختلف دنیا تھی اور اسے بالکل بھی مزہ نہیں آ رہا تھا۔

"سنو..." اس نے حنین کے قریب سرگوشی کی۔ "یہ ہاشم بھائی..." وہ دور کسی سے ہنس کر باتیں کرتے ہاشم کی طرف اشارہ کیا۔ "کتنے آرٹیفیشل لگتے ہیں نا؟"

"الو... اشارے مت کرو!" اس نے جلدی سے سیم کا ہاتھ دبایا۔ البتہ چہرے کے رنگ بدل گئے۔ وہ ہاشم کو دیکھ بھی نہ پا رہی تھی۔ دل میں خوف الگ۔ اگر کسی کو پتا چل گیا تو؟

قصر کاردار کے باہر... چند کلومیٹر کے فاصلے پہ... ایک ویران سڑک پہ دو کار رکی کھڑی تھی۔ چاندنا، اسٹریٹ پول کی فلی جلی مدھم روشنی میں، دیکھو تو ڈرائیونگ ڈور سے ٹیک لگائے فارس غازی کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو دلپیٹ رکھے تھے اور سر جھکائے جوگر زمین پہ رگڑ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اپنی سنہری آنکھیں متلاشی انداز میں دائیں بائیں گھمائیں۔ وہ گویا کسی کا منتظر لگتا تھا۔

اس نیم اندھیر جگہ پہ بھی اس کا چہرہ شفاف سا لگتا تھا۔ جیل والی پونی اب کٹ چکی تھی اور بال بہت چھوٹے ہو چکے تھے گویا استرا پھیر دیا ہو۔ پوری آستین کی سرمئی شرٹ پہن رکھی تھی۔ وجیہہ چہرے پہ بےزاری سی تھی۔ سنہری آنکھیں اور ستواں مگر مغرور ناک اس کو مزید پرکشش بناتی تھیں۔ وہ واقعی ایسا مرد تھا کہ جس کو راہ چلتے بھی لوگ مڑ کر ایک دو دفعہ تو ضرور دیکھتے تھے۔ مگر وہ عام خوبصورت مردوں کی طرح اس بات سے لطف اندوز نہیں ہوتا تھا۔

شاید اب نہیں ہوتا تھا۔

اب اس کے چہرے پہ ہر وقت ایک چڑچڑا پن چھایا رہتا تھا۔ بےزاری اور غصہ۔

بالآخر سامنے سے کار آتی دکھائی دی۔ تیز ہیڈ لائٹس کے باعث فارس نے آنکھیں چندھیا کر منہ پھیر لیا۔ ہیڈ لائٹس مدھم ہوئیں۔ انجن بند ہوا۔ بتیاں بجھیں۔ سڑک پہ پھر اندھیرا چھا گیا۔ دروازہ کھلا اور ایک نوجوان باہر نکلا۔ یہاں سے اس کی پشت دکھائی دیتی تھی۔ سر کے بال سیاہ تھے اور نیچے رف سی جینز شرٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں ایک بیگ پکڑ رکھا تھا۔

"غازی!" اس نے گلے ملنے کو بازو آگے بڑھائے اور فارس نے بیگ لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ وہ رک گیا۔

"مبارک تو دینے دے یار۔"

"میرا سامان آشفی!" وہ خشک لہجے میں بولا۔ مگر آواز خشک نہیں تھی۔

نوجوان نے افسوس سے سر جھٹکا۔ "میں تمہارا واحد دوست ہوں۔ جیل کا ساتھی رہا ہوں۔ اور تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ اگر تمہیں باہر لانے میں سعدی کا ہاتھ ہے تو دو چار انگلیاں میری بھی ہیں۔ بندہ دوستی کا ہی لحاظ کر لیتا ہے۔" بیگ ساتھ ہی تھماتے وہ بہت ناراضی سے بولا تھا۔

"سامان پورا ہے؟" اس نے زپ کھول کر دیکھا۔ تفتیشی مشکوک نگاہوں سے ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کیا۔ اندھیرے کے باوجود وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ سب پورا تھا۔

"جان پہ کھیل کر لایا ہوں یہ سب۔ ویسے تم اس کا کیا کرو گے؟"

"اپنی حفاظت کے لیے ہے اور کیا کرنا ہے۔" وہ اب بیگ کو کار کی پچھلی سیٹ پہ رکھ رہا تھا۔

"اسلحہ اپنے لیے بھی رکھو تو چلانا دوسرے پہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ کو مانو غازی۔ ابھی تم جیل سے نکلے ہو ابھی سے یہ کام..."

"تمہارا شکریہ۔ میں چلتا ہوں۔" وہ سپاٹ سا کہتا ڈرائیونگ ڈور کی طرف بڑھا۔ اسٹینی چند لمحے کے لیے ہکا بکا رہ گیا۔

"اور میرے پیسے؟ کیا تم بھول گئے کہ میں اس شہر کے سب سے مہنگے کنسلٹنٹس consultants میں سے ایک ہوں۔"

"اچھا؟ ابھی تو تم نے کہا کہ تم میرے دوست ہو۔" اس نے تعجب سے کہا اور اندر بیٹھ گیا۔

"مگر میرے پیسے لگے ہیں یار۔ وہ کون ادا کرے گا۔" وہ چیخا تھا۔ فارس نے ہاتھ ماتھے تک لے جا کر اسے سلام کیا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر کار آگے بڑھا دی۔ وہ وہیں کھڑا خفگی سے بڑبڑاتا رہا۔

قصر کاردار کے اندرونی لان میں پارٹی کی رونق جاری و ساری تھی۔

سعدی جوس کے گلاس سے گھونٹ بھرتا گہری نظروں سے بائیں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہاں شہرین کھڑی کسی سے مل رہی تھی۔ اس نے وہی سنہرا گاؤن پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں کلچ کے ساتھ ٹیب اٹھا رکھا تھا۔ پھر سعدی کو دیکھ کر ان کی طرف آئی۔

"ہیلو ڈی اے!" زمر کو وہ اسی طرح پکارتی تھی۔ ڈی اے یعنی ڈسٹرکٹ اٹارنی۔ پھر سعدی پر ایک سرسری نظر ڈالی۔

"ہیلو سعدی! ٹھیک ہو تم؟" رسمی سا حال احوال پوچھا۔

زمر نے محض سر کے خم سے جواب دیا۔ وہ اسی طرح مڑ گئی' مگر سعدی کے قریب سے۔ اور سعدی نے بے حد مہارت سے ٹیب پکڑ کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ شہرین مڑ کے جا دور ہوتی گئی۔ سعدی نے گہری سانس لی۔ آدھا کام ہو گیا تھا' مگر پاس ورڈ......

"زمر نے وعدہ پورا کیا۔ سعدی بالآخر آ گیا۔"

ہاشم نے مسکرا کر اس کے کندھے کو تھپکا تو وہ سنبھل کر سیدھا ہوا۔ ہاشم ابھی ادھر آیا تھا۔ حنین اپنے جوتوں کو دیکھنے لگی۔

زمر نے ذرا سے شانے اچکائے۔ اور خاموشی سے اسے سعدی سے بات کرتے دیکھتی رہی۔

"کیا کر رہے ہو آج کل؟" وہ بالکل بڑے بھائیوں کے انداز میں پوچھنے لگا۔ سعدی سادگی سے مسکرایا۔

"آپ کو علم نہ ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں' یہ میں نہیں مان سکتا۔"

ہاشم ہنس دیا مگر اس کی سرد آنکھیں سعدی کے اندر تک اتر رہی تھیں۔

"یہی تو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"گڑے مردے اکھاڑ رہا ہوں۔"

ہاشم کی برف آنکھوں میں تپش ابھری' مگر مسکراہٹ پھیکی نہ ہوئی۔

"کوئی مدفن ملے تو مجھے بھی خبر کرنا!"

"سب سے پہلے آپ ہی کے پاس آؤں گا' وعدہ رہا۔" سعدی کے لہجے میں عزم تھا۔ ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور سعدی کے کالر سے نادیدہ گرد جھاڑی۔

"میں انتظار کروں گا۔" پھر دوسروں کی طرف پلٹا۔ "کیسی ہو حنین؟"

حنین نے چہرہ اٹھایا' پلکیں لرزیں۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ نرم مسکراہٹ سے اس کو دیکھتا۔ مکمل کلر کے سوٹ میں ملبوس' اندر سیاہ شرٹ۔ سب سے مختلف۔ حنین کا اعتماد بڑھا۔ کسی کو کچھ علم نہیں ہو گا۔ ہاشم کسی کو نہیں بتائے گا۔

"جی... ٹھیک!"

وہ بیم کو دیکھے بنا زمر کی جانب متوجہ ہوا۔ "کیا میں نے آپ کو بتایا کہ مجھے سرکار بنام عبدالغفور میں سٹیلمنٹ مل گئی ہے؟"

زمر کی گھنگھریالی لٹ لپیٹتی انگلی ساکت ہوئی۔ آنکھوں میں حیرت' شاک' کچھ بھی نہ ظاہر ہوا۔ بس سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"واقعی؟ پراسیکیوٹر بصیرت کیسے مانے؟"

"جیسا کہ میں کہتا ہوں پیسہ بولتا ہے۔" وہ محظوظ ہوا تھا۔ "ویسے آپ کو لاعلم دیکھ کر حیرت ہوئی۔ میرا خیال تھا میری جیت کا آپ کو علم ہوگا!"

"مجھے واقعی علم نہیں تھا کہ آپ جیت گئے ہیں۔" اس نے بے نیازی سے ابرو اچکائے۔ "اینی ویز مبارک ہو۔ آپ نے ایک قاتل کو ازل سے محفوظ کرالیا۔"

"یہ صرف ایک ایکسیڈنٹ تھا!" ہاشم نے یاد کروایا۔ پھر اینٹرنس کی طرف دیکھا اور "میں آتا ہوں" کہہ کر اپنے دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔

زمر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر رخ موڑا تو سعدی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ کس جیت کی بات کر رہے تھے؟ اور یہ کارپوریٹ Litigation سے کریمنل کیسز کی طرف کیوں آجاتے ہیں بار بار؟ ذرا مرائز کر کے بتائیں۔" اس کی بات پہ زمر نے کہنا شروع کیا۔

"ویل.... ہاشم کی ماں کی دوست مسز شہلا ارشاد کے ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ میں ٹین ایج لڑکی ماردی اور ہاشم اپنا آفس چھوڑ کر ف عزیزواقارب کو فیورز دینے ڈی اے کے آفس آتا رہتا ہے۔ سو وہ معاملہ سیٹل کرنا چاہتا تھا۔ مگر پراسیکیوٹر بصیرت کے پاس کیس ہونے کی وجہ سے یہ مشکل تھا۔ بہرحال اس نے دیت کی رقم جتنا اماؤنٹ اوپر بھی خفیہ طور پر ورثا کو دے دیا اور معاملہ سیٹل۔"

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "صرف بیس منٹ۔"

زمر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"ابا پہلی دفعہ جب مجھے آپ کے پاس لے کر گئے تھے تب میری عمر بیس منٹ تھی۔ سو سوائے ان بیس منٹ کے باقی کے پچیس سال ا، سات دن میں آپ کے قریب رہا ہوں اور ان بیس منٹ کی کمی میری آپ کو سمجھنے کی صلاحیت پہ اثرانداز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ آپ نے ہاشم ے کہا آپ اس کی جیت سے بے خبر تھیں۔ اور اس کو ڈی کوڈ کروں تو آپ کو خبر تھی۔ مگر جیت کی نہیں کیونکہ وہ شاید جیتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے و آپ نے ابھی سمرائز کر کے بتایا ہے اسے ڈمرائز کر کے بتائیں۔"

"ڈمرائز کروں؟ اچھا...." وہ ہلکا سا ہنسی اور اتنے عرصے بعد یہ پہلی دفعہ ہوا۔ وہ مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا اور حنین بے دلی سے سن رہی تھی۔ اس کا دھیان بار بار بھٹک رہا تھا۔

"قانون اندھا ہوتا ہے مگر پراسیکیوٹر کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ مجھے کیس دیکھ کر پتا چل گیا تھا کہ ایکسیڈنٹ مالکن نے کیا ہے اور ڈرائیور قربانی کی بھیڑ ہے۔ مگر ثبوت تھا نہ گواہ۔ تو میں نے ہاشم کو پراسیکیوٹر بصیرت کا رستہ دکھایا۔ کیونکہ ہاشم اپنی انا کے لیے مسز شہلا سے بڑی رقم نکلوا سکتا تھا۔ جب لڑکی کے باپ نے بتایا کہ بڑی رقم مل گئی ہے تو میں نے بصیرت صاحب کو ڈیل کے لیے قائل کرلیا۔ بہرحال یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا اور میں صرف اس فیملی کی مدد کرنا چاہتی تھی۔"

مسکرا کر بتاتے اس نے دور کسی سے بات کرتے ہاشم کو دیکھا۔ حنین بے دلی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ البتہ سعدی نے صحیح انجوائے کیا تھا۔

"آپ نے ہاشم کو کیوں نہیں بتایا کہ وہ نہیں جیتا؟"

زمر نے جواباً سعدی کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ہمارے اسکول میں ایک جادوگر شو کرتا تھا۔ کبھی ٹوپی سے کبوتر نکالتا، کبھی کان سے ۔ میں نے ایک دن پوچھا اس ٹرک کا راز تو بتائیں۔ وہ بولا، جس دن بتادیا وہ میرے شو کا تمہارے اسکول میں آخری دن ہوگا۔"

''صحیح! اور یہ ڈرائیور کو قربان کرنے کا مشورہ بھی ہاشم بھائی کا ہوگا۔''

''کیا پتا انہیں معلوم نہ ہو کہ جرم مالکن نے کیا ہے۔'' حنین کو برا لگا تھا۔

''معلوم؟ ہاشم کبھی بھی اپنے کلائنٹ سے نہیں پوچھے گا کہ اس نے جرم کیا ہے یا نہیں۔ اس کا کام دفاع کرنا ہو تو وہ دفاع کرے گا۔ پراسیکیوٹ کرنا ہو تو پراسیکیوٹ کرے گا۔''

حنین زمر کو دیکھ کر رہ گئی۔ ہاشم نے اس سے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اس نے نقل کی تھی یا نہیں۔

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ وکیل کا کام پوچھنا اور موکل پہ اعتبار کرنا نہیں ہوتا۔ اسے خود تفتیش کر کے سچ ڈھونڈنا اور اسے چھپانا یا بڑھانا ہوتا ہے۔''

''ہاشم بھائی کو لازمی پتا ہوگا کہ مالکن نے جرم کیا ہے۔ اپنے جیسے کرمنلز کو وہ اچھے سے جانتے ہیں۔'' سعدی نے اضافہ کیا تو زمر نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

''سعدی! میں ہاشم کو پسند نہیں کرتی اور قابل اعتبار تو قطعاً نہیں سمجھتی۔ مگر کرمنلز کا دفاع کرنے کے باعث ہم اس کو کرمنل نہیں کہہ سکتے۔''

سعدی خاموش ہو گیا۔ بس ایک نظر زمر پہ ڈالی۔ ''اگر جو پھپھو کو پتا چل جائے کہ وہ ہاشم کو اتنا بھی نہیں جانتیں تو؟''

جواہرات جب ابھر آئی تو تنہا نہیں تھی۔ ساتھ دو تین خواتین بھی تھیں۔ تازہ بوٹوکس کا اثر تھا۔ وہ سیاہ سنہری دھاریوں والے گاؤن میں دمک رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے سعدی کا کالر نزاکت سے جھاڑا۔

''کیا یہ دوستی ہے تمہاری نظر میں کہ شکل بھی نہیں دکھاتے؟'' بڑی نزاکت اور مان سے کہا۔

سعدی نرمی سے مسکرا دیا۔

''اب آپ کے پاس خود پہلے جیسا وقت نہیں ہوتا مسز جواہرات!'' جواہرات بس مسکرا کر اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کروانے لگی۔ ایک تو شاید زمر کو جانتی بھی تھی۔

''اوہ آپ زمر ہیں! مجھے یاد ہے۔ پہلے بھی ملاقات ہوئی تھی۔'' اس نے البتہ زمر کا نام غلط تلفظ سے بولا تھا۔ رے کے اوپر زبر کے ساتھ۔ ''اف''

''اٹس زمر... زو... مر... زے کے اوپر پیش ہے۔'' اس نے توڑ توڑ کر بتایا۔ وہ خاتون ''اچھا اچھا'' کہہ کر سر ہلانے لگیں۔ قدرے فاصلے پہ کھڑا نوشیرواں تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے ماں کے وعدہ پورا کرنے کا انتظار تھا۔

اب جواہرات نے ساتھی خواتین سے سعدی کا تعارف کروایا۔

''یہ سعدی یوسف ہے، ہمارا رشتہ دار اور بہت اچھا دوست۔ اپنا مکمل تعارف اور شجرہ نسب بتانا سعدی کو پسند ہے۔ سو بتاؤ نا سعدی!''

سعدی ذرا سا چونکا۔ پھر سنبھل کر مسکرایا... سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ (تو نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتارا جا رہا تھا) اس نے بس ایک نظر سامنے کھڑے شیرو پہ ڈالی جس کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ سعدی کھنکھارا۔

''مسز جواہرات نے چونکہ شجرہ نسب کا ذکر کیا ہے تو ہم پٹھان ہیں اور ہمارا قبیلہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا ہے' یوسف علیہ السلام کی اولاد سے۔ اسی لیے سعدی یوسف خان نام ہے میرا۔ یوں میں' میرے مڈل کلاس والدین' ہم سب بنی اسرائیل سے ہیں۔''

کہہ کر اس نے معصومیت سے جواہرات کو دیکھا۔ جہاں شیرو کا چہرہ سیاہ پڑا' وہیں جواہرات بھی بجھ گئی۔ وہ یقیناً یہ سب اس انداز میں نہیں کہلوانا چاہتی تھی۔ اگر جو وہ اس روز نوشیرواں کے سامنے جھاڑی گئی تقریر یہاں دہراتا تو کتنا مزہ آتا۔ مگر اب وہ تینوں خواتین ستائشی

نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ نوشیرواں سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ جواہرات نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ "آسٹریلیا کب جا رہی ہو آمنہ؟"

"اسی ہفتے' حماد اور کرن کے ساتھ۔"

زمر چونکی۔ سعدی بھی۔ حنین تک نے ان کو دیکھا۔ جواہرات مسکراتے ہوئے نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے پاس بدلہ لینے کے بہت سے طریقے تھے۔

"کرن کیسی ہے؟"

"جڑواں بیٹے ہوئے ہیں اس کے۔ خوش ہے۔" وہ کرن کی خالہ تھیں۔ اور یہ تو سب کو علم تھا کہ زمر کے منگیتر کا رشتہ جواہرات کے جاننے والوں میں ہی ہوا تھا۔

وہ خواتین وہاں سے ہٹیں تو جواہرات اس طرف مڑی۔ ایک معصوم نظر سعدی کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی۔ پھر زمر کو دیکھا جو سپاٹ کھڑی تھی۔ پھر ایک دم آنکھوں میں ملال ابھرا۔

"اوہ آئی ایم سوری ہنی! مجھے حماد کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا نا۔" نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ جیسے بے حد شرمندہ تھی۔

حنین نے لب کاٹتے ہوئے پھپھو کو ہمدردی سے دیکھا۔ اسے اپنے پچھلے رویے پہ شرمندگی ہوئی۔ بے چاری پھپھو۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔" اسے فرق پڑا تھا' مگر وہ رخ موڑ گئی۔ اور وہیں انٹرنس سے وہ چلا آ رہا تھا۔ سیاہ سنبر نے لوگوں میں وہی منفرد تھا۔ نیلی جینز اور سفید شرٹ' چھوٹے سنہرے بال' کندھے پہ بیگ لٹکائے۔ ویٹر نے کچھ کہا۔ اس نے "اونہوں" کرتے بیزاری سے اسے پرے کیا اور برآمدے کی جانب بڑھ گیا۔

زمر کی آنکھوں میں کرب ابھرا۔ نفرت' غم' غصہ۔ لب بھنچ گئے۔ جواہرات نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

"وہ رہا ہو گیا ہے اور یہ اس کے ماموں کا گھر ہے۔ اس کو رہنے سے روک نہیں سکتی۔ فارس کو کوئی بھی کچھ کرنے سے روک نہیں سکتا۔" جواہرات نے زمر کا ہاتھ دبائے گویا معذرت کی' مگر دھیرے سے۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

"آئی ایم سوری ریئلی!"

"یو شڈ بی!" سعدی نے سرد لہجے میں کہا۔ جواہرات نے نرمی سے اسے دیکھا۔ اس کی کہنی کو بچے کی طرح تھپکا اور ایکسکیوز می کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

حنین' سیم' سعدی تینوں خاموش تھے اور زمر کے ردعمل کے منتظر تھے۔ مگر وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ نے وہ کتاب پڑھی جو میں نے گفٹ کی تھی؟" سعدی نے کھنکھار کر کہا۔

"کون سی کتاب؟" زمر نے آنکھوں میں اتری نمی کو اندر اتار لیا مگر لہجے میں لرزش تھی۔ "ہاں وہ.... تیرہویں صدی کا مسلم اسکالر نان فکشن؟ نہیں میں نہیں پڑھ سکی۔ میں آتی ہوں ابھی' ہوں!" وہ معذرت کر کے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"پھپھو ہرٹ ہوئی ہیں۔" سیم نے کہا۔ وہ دونوں چپ رہے۔

فارس اندر آیا اور سیدھا گیسٹ روم کی طرف بڑھ گیا اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کیا اور بیگ بیڈ پہ رکھا۔ پھر خود بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ سر ہاتھوں میں لیے کتنی ہی دیر بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب ملال در آیا تھا۔ لوگوں میں گھری

کھڑی اس سیاہ لباس والی لڑکی کی بھوری آنکھوں کی تپش گویا اندر تک اتر گئی تھی۔ جیسے اس نے اس کے سارے اندر کو جلا ڈالا ہو۔ وہ بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ مدھم زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ باہر کے شور اور رونق سے بالکل کٹ کر یہ کمرہ خاموش سا تھا۔

پھر وہ اٹھا اور دھیرے دھیرے چلتا کھڑکی تک آیا۔ پردہ ذرا سا سرکایا۔ سامنے ہی لان میں وہ کھڑی تھی۔ بددلی سے وہ سعدی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اپنی تمام تر خشک مزاجی اور تلخی کے باوجود اس کی آنکھوں میں اتری گہری اداسی کو وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتا تھا۔ جیسے وہ اندر کی ساری ویرانیوں کو چھپانے کے لیے خود پہ کرختگی کا ملمع چڑھائے ہوئے تھی۔ اس پہ نظریں جمائے وہ یونہی کھڑا رہا۔ انگلیوں سے پردے کو اسی طرح تھامے رکھا۔ وہ منظر میں تھی اور فارس کی نگاہیں وہیں جمی تھیں۔ ذہن میں بہت سے پرانے منظر گھوم رہے تھے۔

"جی ہاں میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ ملزم فارس غازی نے مجھے ریسٹورانٹ بلایا تھا اور پھر مجھ پہ گولی چلائی تھی۔" برسوں پہلے وہ عدالتی کٹہرے میں کھڑی تھی اور گردن اٹھائے سپاٹ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "نہیں میں نے اسے گولی چلاتے نہیں دیکھا تھا مگر میں نے اس کی آواز سنی تھی۔ میں گواہ ہوں اس بات کی کہ مجھ پہ اور زرتاشہ غازی پہ حملہ کرنے والا ملزم فارس غازی ہی تھا۔"

فارس نے پردہ چھوڑ دیا۔ کپڑا لہرا کر اپنی جگہ پہ آن گرا۔ باہر کا منظر چھپ گیا۔ اس کا دل برا ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں ناگواری ابھر آئی تھی۔ وہ سر جھٹک کر واپس بیڈ کی طرف آیا۔ تیز سفید بتی جلائی اور پھر بیگ کھولنے لگا۔ کچھ دیر پہلے کھڑکی کے پاس کھڑے شخص والا کوئی تاثر اس کے چہرے پہ نہیں تھا۔ وہاں صرف سنجیدگی تھی اور سپاٹ پن۔

اب وہ بیگ کی تمام اشیاء کو ایک ایک کر کے دیکھ رہا تھا۔ چیک کر رہا تھا۔

باہر کیک کٹ رہا تھا۔ ہاشم اور شہرین بچی کے ارد گرد مسکراتے ہوئے موجود تھے۔ مصنوعی قہقہے، کھوکھلی خوشیاں۔ پھر شہرین نے کیک کے ٹکڑے کرنا شروع کیے۔ وہ فونڈنٹ کا تین منزلہ کیک تھا جیسے اصلی گڑیا چھوٹے فراک کے ساتھ کھڑی ہو۔ وہ فروزن کی ایلسا تھی۔ مگر اس کا لباس نیلا نہیں برفیلا گلابی تھا۔ چند کیکس اس کے علاوہ بھی مرکزی میز پہ رکھے تھے جن کے اب فیونا ٹکڑے کر رہی تھی۔ ایلسا والے کیک پہ ایلسا نے ایک دل اٹھا رکھا تھا جس پہ Soniya لکھا تھا۔

شہرین نے وہ دل سونیا کی پلیٹ میں ڈالا مگر جب کیک سرو کیا جانے لگا تو اس نے وہ دل ایک اور ڈش میں کیک کے اوپر رکھ کر فیونا کو دیا۔

"یہ ذی اے کی ٹیبل پہ لے جاؤ۔"

فیونا اسے فوراً وہاں لے آئی۔ ذی اے (زمر) تو نہیں تھی مگر سعدی نے یہ سب بہت غور سے دیکھا اور پھر شہرین کو۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کو دیکھتے پا کر مہمانوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔ یعنی سعدی خود سمجھ لے تو سمجھ لے وہ بس کنارے کنارے رہ کر ہی مدد کرے گی۔

زمر اندر آئی تو وہاں بھی مہمان بکھرے تھے۔ امیروں کی عورتیں سارا گھر ہی کھول کر رکھ دیتی ہیں۔

"گیسٹ باتھ روم کس طرف ہے؟" زمر نے گزرتے ویٹر کو روکا۔ وہ کسی کام سے آیا تھا سو باتھ کی بجائے گیسٹ روم کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ سیدھی ادھر چلی آئی۔ وہ آنسو جو باہر مضبوطی کے خول نے بہنے نہیں دیے تھے، وہ اندر اترنے کے باوجود آنکھوں کو سرخ کر گئے تھے۔ اس نے گیسٹ روم کا دروازہ دھکیلا کہ باتھ روم جا کر منہ دھوئے مگر......

بیڈ پہ بیگ کھلا پڑا تھا۔ ایک مشین گن، دو پستول، گولیاں اور خود وہ بیڈ کے کنارے پہ جوگر رکھے پنڈلی کے ساتھ چاقو باندھ رہا تھا۔

آہٹ پہ چونک کر سر اٹھایا۔ پھر وہیں رک گیا۔ سیدھا بھی نہ ہوا۔

چوکھٹ پہ کھڑی زمر کا سانس رک گیا تھا۔ اس کی نگاہیں اسلحے سے ہوتی فارس کے چہرے تک گئیں۔ پھر ان میں اترا غم غصے میں

بدلا۔ جبڑے کی رگیں تن گئیں۔ وہ پیچھے ہوئی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ اب اسے مزید فریش ہونے کی خواہش نہ تھی۔ وہ تیز تیز چلتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

حنین کے کپڑوں پہ کیک کا ٹکڑا گرا تھا۔ وہ سیم کو لیے اندر آ گئی۔ کیک کے بعد سب بکھر گئے تھے۔ کھانے میں ابھی وقت تھا۔ حنین کو یاد تھا کہ گیسٹ باتھ روم کدھر ہیں۔ داخلی رستے میں سے، دروازہ کھلا تھا اور اندر شیشے کی دیوار کے ساتھ قطار میں بیسن تھے۔

"کچھ لوگوں کے چہرے کو دیکھ کر لگتا ہے ان کو بھڑوں نے کاٹا ہے۔ مگر نوشیرواں بھائی کے بالوں کو دیکھ کر مجھے یہی لگتا ہے۔" راہداری سے گزر کر اندر جاتے شیرد کو دیکھ کر سیم نے تبصرہ کیا۔ حنین کو شدید ہنسی آئی مگر اس نے زور سے سیم کے چٹکی کاٹی۔

"اپنی کنٹری بند رکھو۔" وہ نل پہ اوپر نیچے ہاتھ مارنے لگی۔ وہ کھل نہیں رہا تھا۔

چونکہ دروازہ کھلا تھا اور ہر گزرتا شخص دکھائی دے رہا تھا، تب ہی ہاشم نے چوکھٹ پہ رک کر پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے بچو؟"

حنین نے خوشگوار حیرت سے سر اٹھایا۔ وہ ان کو دیکھ کر بالخصوص رکا تھا۔ سب سے ہٹ کر بھی اس سے ملاقات ممکن تھی؟ پھر جھینپ گئی۔

"یہ نل نہیں کھل رہا۔"

"آہستہ سے اس کے نیچے ہاتھ لے کر جاؤ۔" ہاشم نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔ حنین نے آہستہ سے نل تلے ہاتھ کیے۔ پانی کی دھار بہہ پڑی۔

"اوہ۔" وہ جھینپ گئی۔ ہاتھ دھو کر ہٹائے۔ دھار غائب۔ آٹو میٹک۔ اسے کیوں بھول گیا؟

سیم اندر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ حنین پیپر ناول سے ہاتھ خشک کر کے چوکھٹ تک آئی۔

"تو کیا سبجیکٹس ہیں تمہارے؟" ہاشم نے بات کا آغاز کیا۔

"لٹریچر!" وہ نگاہیں جھکا کر جھینپ کر مسکرائی۔

"اوہ.... میں سمجھا شاید...." وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے چہرے پہ سایہ گزرا۔ ہاشم نے اسے غور سے دیکھا اور بات بدل دی۔ "تو کیا لٹریچر میں بھی نقل ہو سکتی ہے؟"

"نقل ہر سبجیکٹ میں ہو سکتی ہے مگر آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے نقل کی تھی یا نہیں؟"

"میں یہ کبھی نہیں پوچھتا۔" وہ مسکرایا۔ "مگر یہ ضرور پوچھوں گا کہ تمہارے گلاسز کہاں گئے۔ تم تو چشمش ہوتی تھیں نا۔"

"اتر گئے۔ بھائی نے لیزر کروا دیا تھا۔" اس نے قدرے اعتماد سے ہاشم کو مسکرا کر دیکھا۔

"آپ کو میری عینک یاد ہے مگر صبح آپ نے پوچھا کون حنین؟" وہ ہلکا پھلکا سا شکوہ کر گئی۔

"کیونکہ میرے جاننے والوں میں دو اور حنین بھی ہیں۔ ایک اپنے نام کے دونوں N کے درمیان آئی لگاتی ہے اور دوسری ڈبل ای۔ تم کیا لگاتی ہو؟"

"ڈبل ای۔"

"گڈ! خیر آتی جاتی رہا کرو۔ سونیا، ممی سب سے ملتی رہو.... یا بھائی سختی کرتا ہے؟" ہاشم نے مسکرا کر پوچھا مگر وہ بہت گہرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"سونیا اور آپ کی ممی میری عمر کی نہیں ہیں۔ اور بھائی سے اچھا میرے لیے دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" وہ بھی مسکرا کر بولی مگر بھائی کا ذکر اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ ہاشم مزید کچھ کہتا مگر کان میں کوئی آواز آئی۔ وہ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا۔ پھر کان میں موجود آلہ انگلی

سے دبا کر بولا۔

''ہاں خاور بولو!''

''سر! آپ وہیں رکیے۔ میں آ رہا ہوں'' خاور لان میں تھا اور ادھر آ رہا تھا۔ ہاشم وہیں رک گیا مگر پھر کوئی اور مل گیا تو وہ ان کا حال احوال پوچھنے کھڑا ہو گیا۔ خاور منتظر سا کھڑا رہا۔ وہ فارغ ہو کر اپنے چیف سیکیورٹی آفیسر کی طرف مڑا۔

''کیا ہوا؟'' استفسار میں سختی تھی۔

''آپ کو یہ دیکھنا چاہیے۔'' خاور نے ٹیبلٹ آگے کیا۔ اس کی اسکرین پہ پانچ کیمروں کی فوٹیج آ رہی تھی۔ خاور نے ایک پہ انگلی رکھ کر اسے بڑا کیا۔ ہاشم نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ وہ اس کے کمرے کے بند دروازے کا منظر تھا۔ خاور نے اسے تیزی سے ریوائنڈ کیا اور پھر چلنے دیا۔

سیڑھیوں سے دو چار لوگ اترتے چڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں ایک سیاہ سوٹ اور گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بھی تھا جو سر جھکائے زینے پھلانگتا اوپر گیا۔ ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر دروازہ بند کیا۔

ہاشم کو لگا اس کے منہ پہ کسی نے دروازہ دے مارا ہو۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ابھری' مٹھیاں بھینچ گئیں۔

''یہ کتنی دیر پہلے کی ہے؟''

''تیرہ منٹ!''

اور تیرہ منٹ قبل جب وہ ہاشم کے کمرے میں آیا تو اس نے لیپ ٹاپ میں فلیش لگانے میں تین سیکنڈ بھی نہ لگائے تھے۔ لیپ ٹاپ بند رہا مگر فلیش کی بتی چمکنے لگی۔ اس نے پنجوں کے بل کارپٹ پہ بیٹھے تیزی سے ٹیب کھولا۔

''آپ کی ڈیوائس کا رابطہ ایک ہارڈ ڈرائیو سے ہو چکا ہے۔ کیا آپ تمام ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟''

''بہت خوشی کے ساتھ!'' دھڑکتے دل سے اس نے یس دبایا۔ پاس ورڈ اس نے ''سونیا'' ٹائپ کیا۔ ہر اسٹنل سعدی نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

ڈیٹا کاپی ہونے لگا۔ دس فیصد' بیس فیصد... چالیس... وہ بار بار مضطرب نظروں سے بند دروازے کو دیکھتا... پچپن فیصد... ساٹھ...

نیچے کھڑے ہاشم نے شعلہ بار نظروں سے خاور کو دیکھا۔

''تیرہ منٹ سے وہ میرے کمرے میں ہے اور تم اب بکواس کر رہے ہو؟'' وہ دبا دبا سا گرجا۔ خاور تھوک نگلتے پیچھے ہوا۔

''سر! آپ کسی سے بات کر رہے...''

''دو بندوں کو لے کر میری بالکونی پہ جاؤ۔ میں ادھر سے جاتا ہوں'' ساری شائستگی' مہمان نوازی دفعان کر کے وہ تیز تیز زینے تک آیا...

''ستر فیصد... تہتر... پچھتر۔'' سعدی بے چینی سے انگلیاں مروڑ رہا تھا۔

ہاشم کوٹ کا بٹن کھولتے زینے پھلانگ رہا تھا۔ کسی آندھی طوفان کی طرح۔ وہ جیسے ابھی جا کر سعدی کو گریبان سے دبوچ لینا چاہتا تھا' اس الو کے پٹھے نے ''ہاشم بھائی'' کو ابھی بہت انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا۔

''پچاسی... نوے۔'' سعدی نے فلیش انگلیوں سے پکڑ رکھی تھی۔ گنتی ختم ہو اور وہ اسے کھینچ لے۔ ماتھے پہ پسینہ تھا۔

ہاشم نے دھاڑ سے دروازہ کھولا۔ غصے سے بھری اس کی نگاہیں آگے پیچھے دوڑیں۔

کمرا خالی تھا۔ سعدی وہاں نہیں تھا۔ البتہ... بستا ہوا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ بالکونی کا دروازہ پورا کھلا تھا۔

وہ اندھا دھند باہر بھاگا۔ بالکونی میں بھی وہ نہ تھا۔ وہ تیزی سے بیرونی زینے اترنے لگا۔ اس طرف لان خالی اور نیم اندھیرا تھا۔ گارڈ اور دو سوٹ پہنے آدمی بھاگتے ہوئے ابھر آرہے تھے۔ ہاشم کا ماتھا بھنکنے لگا۔ وہ کہاں گیا؟

اندر خالی کمرے میں حرکت ہوئی۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر سعدی آہستہ سے نکلا اور اسی آہستگی سے کمرے سے باہر آکر دروازہ بند کر دیا۔

"کیا ہے ہاشم بھائی! کہ آج کل کے بچے تھوڑے سے زیادہ اسمارٹ ہیں۔" کان کھجاتے ہوئے اس نے معصومیت سے خود کلامی کی اور اسی اعتماد سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

داخلی دروازے کے قریب دیوار پہ بہت سے ڈیجیٹل فوٹو فریم آویزاں تھے۔ ان میں تصاویر سلائیڈ شو کی صورت حرکت کر رہی تھیں۔ حنین اور سیم باتیں کرتے ہوئے کافی شوق سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ ہاشم' نوشیرواں وغیرہ کی تصاویر۔ بچپن' یونیورسٹی۔

سعدی ابھی سیڑھیاں اتر کر آیا ہی تھا کہ۔

"ہے سعدی!" نوشیرواں جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک مجسمے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا' پکار کر بولا۔ سعدی گھوما۔

وہ عام سا بغیر کوٹ کے سنہری شرٹ پہ سیاہ ویسٹ میں ملبوس تھا اور استہزائیہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"اپنے بہن بھائی کو لے آیا کرو نا کبھی ادھر۔ دیکھو کتنے ایکسائٹڈ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے شاید ایسی چیزیں پہلے نہیں دیکھی ہیں۔" سعدی نے ایک نظر دور کھڑے دونوں پہ ڈالی۔ "ہاں! انہوں نے تم جیسی چیزیں کم ہی دیکھی ہیں۔" مگر نوشیرواں نے جیسے نہیں سنا۔

"مگر ان کا قصور نہیں ہے۔ غربت اور چھوٹا خاندان بہت بڑی مصیبت ہے۔" تاسف سے کہتے اس نے سر ہلایا۔

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھڑک کر تمہارے اوپر حملہ کروں اور تم سب میں میرا تماشا بناؤ تو ایسا نہیں ہوگا۔ میں مہمان ہوں۔ آداب مہمانی مجھے آتے ہیں۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ مڑ گیا۔ اس کا رخ داخلی دروازے کی سمت تھا۔

"تمہاری بہن کافی بڑی ہوگئی ہے۔" نوشیرواں نے پھر پکارا۔ اب کے حملہ مختلف نوعیت کا تھا۔

سعدی کے قدم زنجیر ہوئے۔ اس نے گردن موڑی۔ آنکھوں میں سرخی ابھری' لب بھینچے' مگر اس سے پہلے کہ وہ جھپٹ کر بھنچی ہوئی مٹھی کو نوشیرواں کے چہرے تک لے کر جاتا۔

"اے... کیا بولا ہے؟ کس کی بہن کی بات کی ہے ہاں؟" فارس برہمی سے بولتا تیز تیز قدم اٹھاتا ادھر آرہا تھا۔ ایسے کہ وہ جو سعدی سے دو انچ لمبا تھا' سعدی کے آگے آکر نوشیرواں کی طرف بڑھا۔

نوشیرواں واقعی گڑبڑا گیا تھا۔ اس نے فارس کو آتے نہیں دیکھا تھا۔ مگر لاپروائی سے شانے جھٹکے۔

"ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟" وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

"بکواس مت کرو... میری بہن کی بیٹی کا نام مت لینا آئندہ... ورنہ ہاتھ پاؤں سلامت نہیں رہیں گے تمہارے۔ بات سمجھ میں آئی یا نہیں ہاں؟" گھورتے ہوئے انگلی سے اس کے سینے کو دھکیلا۔ تب ہی ہاشم نے آکر تیزی سے دونوں ہاتھوں سے دونوں کو دور کیا۔ وہ ابھی ابھی سیڑھیاں اترتا ابھر آیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہوا ہے؟" صلح جو انداز میں اس نے فارس کا کندھا تھاما۔ مگر فارس نے جھٹکے سے چھڑایا اور طیش بھری نگاہوں سے ہاشم کو دیکھا۔

''اپنے بھائی کو سمجھا لو۔ اس طرح کی بکواس آئندہ کی تو میں زبان سے جواب نہیں دوں گا۔'' ارد گرد موجود لوگ دیکھنے لگ گئے تھے۔ دور کھڑے حنین اور زمر بھی متوجہ ہو گئے۔ ماموں اور نوشیرواں مدمقابل تھے۔

''اچھا... ٹھیک ہے.... میں معذرت کرتا ہوں.... تم ٹھنڈے ہو جاؤ۔''

کہتے ہوئے وہ بار بار سرد نگاہوں سے سعدی کو بھی دیکھتا۔ فارس ''ہونہہ'' کہہ کر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ اور سعدی ہاشم سے نگاہ ملائے بغیر اپنے بہن بھائی کی طرف چل دیا۔

''میرا قصور نہیں تھا بھائی.... میں نے....''

''تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔'' ہاشم نے اس سے اور خاور سے سختی سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

''وہ مجھے چکمہ دے کر نکل گیا۔ میری ناک کے نیچے وہ میرے کمرے میں گھسا اور....'' اس نے غصے سے کہتے کاؤچ کو ٹھوکر ماری۔ خاور کمرے کی ہر شے چیک کر رہا تھا۔ کمروں کے اندر کیمرے نہیں تھے' سو اس کے آنے کا مقصد واضح نہ تھا۔

''مگر وہ اندر کیوں آیا تھا؟'' نوشیرواں ہکا بکا رہ گیا۔ پھر حیرت کی جگہ طیش نے لے لی۔

''میں اس کو چھوڑوں گا نہیں۔ اس کی اتنی ہمت۔'' وہ غصے سے کھولتا دروازے کی طرف بڑھا۔ ہاشم نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

''چپ کرو.... فارس اور تم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اس کی طرح ہر وقت ہاتھ کی زبان مت استعمال کیا کرو۔''

''مگر سر! وہ اندر کیوں آیا تھا؟''

''کچھ لینے آیا تھا یا کچھ رکھنے۔ پورے کمرے کو ڈی بگ کرو۔ مائیکروفون' کیمرہ سب ڈھونڈو.... اگر وہ جاسوس ہے تو اب تحمل سے تماشا دیکھے گا۔ اور اگر وہ چور ہے تو سب سے پہلے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔'' ہاشم تیز تیز چیزیں الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ ڈسٹرب تھا۔ غصے میں تھا۔ مگر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''وہ جیسے ہی ایگزٹ پہ پہنچے' تم اسے روکو گے۔ مجھے ایسے مت دیکھو۔ جو کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔'' خاور کو جھڑک کر وہ کہنے لگا۔

''اور ڈی اے؟''

''بھاڑ میں گئی ڈی اے۔''

وہ باہر آیا تو فیونا ٹرے اٹھائے جا رہی تھی۔

''میری ایجیو سے نیکلس لے کر تم نے کہاں پھینکا تھا؟'' وہ اس کا راستہ روک کر بولا۔ فیونا ایک دم رک گئی۔

''اسی گملے میں۔ کسی نوکر کی ہمت نہیں ہوئی کہ....''

''میرا ایک کام کرو۔'' وہ جلدی جلدی اسے سمجھا رہا تھا۔ فیونا سر ہلاتی الرٹ سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پہ پسینہ تھا اور رنگ بھی زرد تھا۔ ہاشم ٹھیک نہیں تھا۔

............❖❖❖............

ہم گھوم پھر کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں

''بس اب گھر جا رہے ہیں۔'' دونوں کو ساتھ لے کر لان کی طرف جاتے سعدی نے بتایا۔ تب ہی پیچھے سے آتی ملازمہ اس سے ٹکرا گئی۔ ٹرے گری' برتن بکھر گئے۔

''آئی ایم سوری.... سوری.... پلیز۔'' فیونا بوکھلاتے ہوئے معذرت کرتی برتن سمیٹنے لگی۔ سعدی نے ''اٹس اوکے'' کہہ کر کوٹ ذرا سا جھاڑا اور آگے بڑھ گیا۔

"ابھی چلے جائیں؟ مگر ابھی تو کھانا بھی نہیں لگا؟" حنین نے لان میں اپنی میز تک آ کر دبا دبا سا احتجاج کیا۔ سیم خاموش رہا۔ وہ دونوں وجہ سے لاعلم تھے۔ مگر لاؤنج کا جھگڑا دیکھ چکے تھے۔

"کھانا کسی اچھے ریسٹورنٹ سے کھائیں گے۔ بس چلو یہاں سے۔" سعدی نے زمر کو دیکھا۔ وہ اکیلی کھڑی تھی اور وہ جلد بھلا دینے والوں میں سے کبھی نہیں تھی۔ سو فوراً راضی ہو گئی۔ وہ اس ماحول سے فرار چاہتی تھی۔

"ہاں چلو..... بڑے ابا نے بھی جلد آنے کو کہا تھا۔"

جواہرات سے اسی نے اجازت لی۔ اس کے اصرار اور حیرت کے باوجود۔ وہ واپس آئی اور چلنے کا اشارہ کیا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پہ کھڑا ہاشم ان ہی کو دیکھ رہا تھا۔ کان کا آلہ انگلی سے دبایا۔ "اس کو بغیر تلاشی کے مت جانے دینا۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"رائٹ سر!" ایگزٹ پہ سونڈ بونڈ کھڑے ریٹائرڈ کرنل خاور نے سن کر سر ہلایا۔ پھر ان کی طرف مڑا جو زمر کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ زمر سنجیدگی سے آگے بڑھ جاتی مگر خاور نے کھنکھار کر متوجہ کیا۔

"میم..... سر..... ذرا زحمت ہو گی آپ کو..... پلیز....." زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ سعدی کا حلق خشک ہوا۔ گڑبڑ.....

"کیا ہوا؟"

"دراصل..... مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہو گیا ہے اور....." خاور کی سمجھ میں نہیں آیا وہ ڈی اے (ڈسٹرکٹ اٹارنی) سے کیا کہے۔ ڈی اے کو ادھورے فقرے سمجھنے میں دیر نہیں لگتی تھی۔

"اچھا..... مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہوا ہے اور اب آپ ہماری تلاشی لینا چاہتے ہیں؟"

"نہیں میم..... دراصل..... جو لوگ گھر کے اندر گئے تھے ان کو....."

"مگر ہم تو ہاتھ دھونے گئے تھے۔" حنین نے ایک دم روہانسی ہو کر کہا۔ خاور نے بات سنبھالنی چاہی مگر زمر کے تو سر پہ لگ چکی تھی۔

"اچھا.....! آپ کا مطلب ہے کہ میرے بچے چور ہیں؟"

"میم..... سعدی صاحب اندر گئے تھے تو میرے پاس فوٹیج....."

"ایک منٹ پہلے حنین اور سیم چور تھے۔ اب سعدی ہو گیا اور اگلے منٹ میں، میں ہوں گی؟ اور اب آپ ہمیں چوروں کی طرح لائن میں کھڑا کر کے ہماری تلاشی لینا چاہتے ہیں؟"

"نہیں..... آپ کی نہیں۔"

"میری فیملی کے بچے ہیں یہ..... ان کی تلاشی لینے سے پہلے آپ کو میری تلاشی لینا ہو گی۔ مگر اس اندھیرے کونے میں نہیں، وہاں ان اعلیٰ مہمانوں کے سامنے وہاں جا کر تلاشی۔ تاکہ ان کو بھی پتا چلے کہ آپ لوگ عزت سے بلا کر عزت سے کیسے رخصت کرتے ہیں۔" وہ بری طرح بگڑ گئی تھی۔

ہاشم اچنبھے سے ان کو دیکھتا اس طرف آ رہا تھا۔

"زمر.....! سعدی.....! کھانا لگنے والا ہے۔ آپ لوگ اتنی جلدی کیسے جا رہے ہیں؟" زمر نے چہرہ گھما کر تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

"میں بہت زیادہ سراہوں گی اس بات کو ہاشم! اگر آپ اپنی اداکاری پس پشت ڈال دیں۔ کیونکہ میں نہیں مان سکتی کہ آپ کا گارڈ آپ کے کہے بغیر ہمیں یوں روک سکتا ہے۔"

"مگر..... کیا ہوا ہے؟ خاور؟" ہاشم نے حیرت اور الجھن سے خاور کو دیکھا جو نفی میں سر ہلاتا کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

"آپ کی ممی کا نیکلس چوری ہوا ہے۔ ہماری تلاشی لینی ہے۔" حنین نے بے بسی سے کہا۔

"تلاشی... واٹ؟" ہاشم نے بے یقینی سے خاور کو دیکھا۔ سعدی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب قدرے اطمینان سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ خاور اس کے مکرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ گڑبڑا گیا۔

"سر! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" جلدی سے سنبھل کر بولا۔

"یہ میرے مہمان ہیں خاور!" وہ دبا دبا سا اس پہ برسا۔ زمر نے سر جھٹکا۔

"اپنی وضاحتیں محفوظ رکھیں ہاشم! آپ میرے بھتیجے کو فارس کا بھانجا ہونے کی سزا نہیں دے سکتے۔"

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا اور ہاشم نے بھی۔ زمر نے اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔

"نہ میں آج پیدا ہوئی ہوں نہ آپ... سعدی فارس کے لیے کوشش کر رہا تھا۔ سو جب وہ رہا ہوا تو اتنے عرصے بعد آپ کو سعدی کو انوائٹ کرنے کا خیال آ گیا۔ آپ کو جاننا تھا کہ فارس کیسے رہا ہوا یا پھر سعدی کو اس بات کی سزا دینی تھی۔ مقصد جو بھی تھا' آپ میرے بھتیجے کو یوں بے عزت نہیں کر سکتے۔ آپ کے اور فارس کے خاندانی جھگڑوں سے ہمارا تعلق نہیں ہے۔"

"میری بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ رہی ہوں' چلو۔"

زمر کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ حنین اور سیم جھٹ پیچھے ہو لیے۔ سعدی آخر میں نکلا اور پھر مڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم بالکل بدلی ہوئی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ سعدی جلدی سے پلٹ گیا۔

"سر...!" خاور نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھا جو یقیناً کچھ لے کر گیا تھا۔

"جانے دو اسے۔ آج جانے دو۔" وہ کڑواہٹ سے کہتا پلٹ گیا۔ پیچھے کھڑے نوشیرواں نے تلملاہٹ سے یہ سب دیکھا تھا۔

"آپ اس کی پھپھو سے ڈر گئے؟ اس کو کیوں جانے دیا؟"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ آگے موقع آئے گا۔"

"اور اس کو بتایا کیوں نہیں کہ اس کی بہن نے صبح کیسے آپ سے مدد مانگی تھی؟" نوشیرواں اس کے ساتھ چلتا کھولن سے کہہ رہا تھا۔ اس کے دل میں سعدی کی رقابت کے انگارے دہکنا کم نہیں ہوئے تھے۔

"بتاؤں گا۔ جب اس کے منہ پہ تھپڑ مارنا ہو گا تب بتاؤں گا۔" وہ تلخی سے بڑبڑاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

"مگر بھائی..."

"مہمانوں سے بھرا پڑا ہے گھر۔ میں کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتا ابھی۔" اس نے ساری بات ہی ختم کر دی۔

.................❖❖❖.................

اپنے ہی ہوتے ہیں جو دل پہ وار کرتے ہیں محسن
غیروں کو کیا خبر دل کس بات پہ دکھتا ہے

سڑک تاریک تھی۔ مگر سنسان نہیں۔ ٹریفک چل رہی تھی۔ سعدی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور سیم پچھلی سیٹ پہ آنکھیں موندے پڑا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ ہاشم اس حد تک جا سکتا ہے۔" زمر ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی تلخی سے بولی تھی۔ بھنویں ابھی تک ناراضی سے بھنچی تھیں۔

"پھپھو... ان کے گارڈ کی غلطی پہ ان کو بلیم مت کریں۔ اس سب میں ہاشم بھائی کا کوئی قصور نہیں ہے۔" پیچھے بیٹھی حنین تیزی سے آگے ہوئی۔

"حنین! ملازم مالک کے اشارے کے بغیر اتنا بڑا کام نہیں کیا کرتے اور ہاشم کے ملازم تو کبھی بھی نہیں۔"

"پھپھو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہاشم بھائی ہمیں بے عزت کرنا چاہتے تھے۔" سعدی نے کہتے ہوئے کار روکی۔

"میرا ریسٹورنٹ جانے کا دل نہیں ہے سعدی! کچھ ٹیک اوے کر لیتے ہیں۔" زمر اکتائی ہوئی بول رہی تھی۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے حنین کو اشارہ کیا کہ وہ پچھلی سیٹ پہ پڑے اس کے کوٹ سے والٹ نکال دے۔ ادھر حنین نے کوٹ اٹھایا' ادھر زمر نے پرس کھولا۔

"پھپھو! میں دے رہا ہوں۔ حنہ! والٹ دو میرا۔" اب کے سعدی کو درشتی سے کہنا پڑا کیونکہ حنین والٹ نہیں دے رہی تھی۔ حنین نے والٹ نکالا بھی نہیں تھا۔ اس نے کچھ اور نکالا تھا۔

کسی احساس کے تحت زمر اور سعدی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دو انگلیوں میں جگمگاتا نیکلس اٹھائے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ زمر کی نگاہیں وہیں ٹھہر گئیں۔ سانس رک گیا اور سعدی کو تو اپنے ارد گرد ہر آواز آنا بند ہو چکی تھی۔

"یہ... کوٹ میں تھا..." حنین نے الجھن و پریشانی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"یہ مسز کاردار کا ہے۔ میں اسے پہچانتی ہوں۔" سرد آواز میں وہ بولی اور ان ہی برفیلی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

"یہ ادھر کیسے...؟" اور تب ہی حیران پریشان سعدی یوسف نے چونک کر زمر کے تاثرات دیکھے۔ "نہیں پھپھو! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"سعدی! گاڑی چلاؤ۔" وہ سیدھی ہو گئی۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

"پھپھو! آپ کو لگتا ہے کہ یہ میں نے چرایا ہے؟ میں چور ہوں؟" ہکا بکا سعدی کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا۔

"سعدی! گاڑی چلاؤ۔"

"یہ ہاشم نے مجھ پہ پلانٹ کیا ہے۔ اس نے مجھ پہ سیٹ اپ کیا ہے۔ میں آپ کو سب بتاؤں گا مگر مجھ پہ اعتبار تو کریں۔"

"اعتبار؟" زمر نے دکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "اور اگر وہاں تمہاری تلاشی لی جاتی اور یہ تمہارے پاس سے نکلتا تو کیا میں اس شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہتی سعدی؟ میں نے تمہیں یہ سب نہیں سکھایا تھا۔ تم وہ سعدی نہیں ہو جس کو میں جانتی تھی۔"

سعدی نے بے بسی سے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔

"میں نے اگر یہ چرایا ہوتا تو کیا کوٹ اتار کر یوں پھینک دیتا؟ میں ایسا کر سکتا ہوں کیا؟"

"بھائی چوری نہیں کر سکتا۔ کبھی بھی نہیں۔ یہ کسی نے بھائی کی جیب میں ڈالا ہو گا۔" حنین سے مزید برداشت نہیں ہوا تھا۔

"کسی نے نہیں' ہاشم نے۔ یہ سب اس کا کیا دھرا ہے۔"

"سعدی! مجھے گھر ڈراپ کر دو۔ ابھی اور اسی وقت۔" وہ رخ موڑ کر شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب کہ آپ کو ڈراپ کر دوں؟ آپ مجھے اتنے کرائسز میں یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتیں زمر۔"

جذبات کی انتہا تھی کہ اس کے لبوں سے "زمر" نکلا۔ وہ جو کیس بھر "زمر" رہی تھی اور پچھلے چار سال کی سرد مہری کی دیوار کے بعد "پھپھو" بنی تھی' اس کو یہ لفظ چابک کی طرح لگا۔ بہت تڑپ کر اس نے سلگتی نظروں سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"اور میرے کرائسز میں تم میرے ساتھ تھے؟ یہ تو ایک چوری ہے۔ تم اچھا وکیل کر لو تو دنیا کی کسی بھی عدالت میں خود کو بے گناہ

ثابت کروا دو گے۔ یہ کرائسز نہیں ہے۔ کرائسز وہ تھا جس میں تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔ تمہیں پتا ہے سعدی! جب کسی کی نرچیر کر گھر وہ نکالا جائے تو کیسی تکلیف ہوتی ہے؟ تم کبھی بھی وہ تکلیف نہیں سمجھ سکتے اور بات کرتے ہو کرائسز کی۔"

سعدی بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ حنین کو لگا وہ نیلا پڑ جائے گا۔ مگر وہ نہیں پڑا۔ ہر زہر نیلا نہیں کرتا۔

"آپ نے آج کہہ ہی دیا۔"

زمر نے سر جھٹک کر رخ موڑ لیا۔ اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ پڑ رہی تھیں۔

"ڈراپ می!" اس کو دیکھے بنا دو لفظ بولے۔ حنین بس اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔

"آئی ایم سوری! میں آپ کے پاس نہیں تھا۔ میرا امتحان تھا پھپھو! اور میں فیل نہیں ہونا چاہتا تھا۔" حنین کو لگا سعدی کی آنکھوں میں آنسو ہیں یا شاید اس کی اپنی آنکھیں نم تھیں۔ وہ دل گرفتہ سی پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"اٹس اوکے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

زمر نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ گھر آیا تو وہ خاموشی سے گاڑی سے اتر گئی اور امی ابتدا اتنی خاموشی سے آ کر نہیں بیٹھی تھیں۔ ان کے پاس سوال تھے۔ کیا رہا؟ کون کون ملا؟ کھانے میں کیا تھا؟ مگر حنین اور سعدی کے پاس ان کے جواب نہ تھے۔

سعدی نے حنین کو پہلے ہی کچھ بتانے سے منع کر دیا تھا کہ امی دل کی مریض تھیں۔

نیم دنیا، مافیا سے بے خبر نیم دراز سو رہا تھا۔

.... ☆☆☆ ....

ان کے جلووں کو زندگی کہہ کر ...... اپنی نظر کا وقار کھو بیٹھے

کنٹرول روم میں اندھیرا تھا۔ صرف بڑی اسکرینز کی روشنیاں ان کے چہروں کو چمکا رہی تھیں۔ ہاشم ٹانگ پہ ٹانگ جمائے مٹھی لبوں پہ رکھے پارٹی کی فوٹیج دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں جیبوں میں ہاتھ ڈالے دیوار کے ساتھ کھڑا تھا اور جواہرات بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

خاور کنٹرول پہ بٹن دباتا ویڈیوز آگے پیچھے کر رہا تھا۔

"سارا گھر ڈی بگ کروا لیا ہے۔ اس نے کچھ نہیں رکھا۔ میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہاری پوری فوج کی موجودگی میں وہ ہاشم کے کمرے میں داخل کیسے ہوا؟" وہ ضبط کھو کر خاور پہ برس پڑی۔

"اس نے کچھ نہیں رکھا۔ وہ کچھ لے کر گیا ہے۔" ہاشم غور سے اسکرین کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور ڈی اے اس کے ساتھ ملی ہوئی تھی؟" نوشیرواں کو اپنے علاوہ ہر ایک پہ شک تھا۔

"ناممکن...." پھر ایک دم ہاشم سیدھا ہوا۔ "اسے...... اسے پیچھے کرو۔"

خاور نے ریوائنڈ کیا۔ کیک ٹیبل پہ شہرین کیک کاٹ رہی تھی۔ پھر اس نے سونیا کی پلیٹ سے دل نکال کر ایک ڈش پہ رکھا۔ اب وہ فیونا سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر فیونا ڈش اٹھائے سعدی کی ٹیبل تک گئی۔ نظروں کے تبادلے۔ ہاشم کے لب بھنچ گئے۔

"یہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" جواہرات کو حیرت ہوئی۔ حالانکہ وہ اس کے سامنے کئی دفعہ ملے تھے۔

"وہ اتنے سال میری بیوی رہی ہے اور سعدی فارس کا بھانجا ہے۔ وہ یقیناً ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" ہاشم اکتا کر بولا۔ نگاہیں ابھی تک ان پہ تھیں۔

"اس دل پہ سونیا لکھا ہوا تھا نا؟ اس نے یہ سعدی کو کیوں بھجوایا؟"

”یوں ہی مہمان نوازی کر رہی ہوگی۔“ نوشیرواں نے حمایت کرنے کی سعی کی۔ جواہرات نے خاموشی سے اسے گھورا۔ وہ چپ ہو گیا۔

ہاشم ایک دم اٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ بمشکل ایک منٹ بعد وہ اسی طرح واپس آیا۔

”خاور! باہر جاؤ۔“ تحکم سے کہا تو خاور فوراً باہر نکل گیا۔

”میرا لیپ ٹاپ باہر کیوں نکالا پڑا ہے؟ کس نے نکالا تھا؟“ پھر اس نے چونک کر نوشیرواں کو دیکھا۔ ”تمہیں میرا پاس ورڈ کیوں چاہیے تھا؟“

”وہ... شہری کو آپ کے ہنی مون کی پکچرز...“

”تم نے اس کے سامنے میرا پاس ورڈ ڈالا؟“ وہ غم و غصہ سے غراتا ہوا اس کے سر پہ پہنچا... نوشیرواں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

”جی مگر...“

”اس مطلب پرست عورت کے پاس سب تصویریں ہیں۔ اس نے تمہیں استعمال کیا میرا پاس ورڈ لینے کے لیے اور یہ... یہ تمہاری شہری نے اس گھٹیا آدمی کو میرا پاس ورڈ دے دیا... یہ۔“ وہ ہذیانی انداز میں چلاتا اسکرین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

”نہیں... شہری ایسا نہیں کر سکتی۔“ نوشیرواں شاکڈ تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کیوں چھوڑا تھا میں نے اسے؟ وہ ایک مطلب پرست عورت ہے۔ مکار اور خود غرض... اس نے سعدی کے لیے تمہیں استعمال کیا اور اس نے پتا نہیں میرا کمپیوٹر کھول کر کیا کیا دیکھا ہوگا۔“ ہاشم کا سر چکرا کر رہ گیا۔

”شہری ایسا نہیں کر سکتی بھائی! آپ کو...“

”بکواس بند کرو!“ ہاشم نے اسے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگایا اور سرخ ابلتی آنکھیں اس کی ششدر آنکھوں میں گویا گاڑ کر بولا۔ ”میں نے اگر کسی چیز کو اگنور کیا ہے تو اس لیے کہ شاید تمہیں خود ہی عقل آجائے۔ وہ تم سے شادی کرے یا کسی سے بھی، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا، لیکن اچھا ہوگا اگر تم خود اس بے وقوفوں کی جنت سے باہر نکل آؤ۔“

جھٹکے سے اس نے دم بخود کھڑے نوشیرواں کا گریبان چھوڑا۔ پھر بالوں میں ہاتھ پھیرتا چلتا ہوا خود کو پرسکون کرنے لگا۔ جواہرات اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

”وہ جانتی ہے تم اسے پسند کرتے ہو۔“ اب کے وہ بولا تو لہجہ نسبتاً نرم تھا۔ ”اور وہ اتنی خود غرض ہے کہ تمہیں دھوکا دینے میں اس نے لو نہیں لگایا اور وہ بھی اس سعدی کے لیے۔ پتا نہیں اس نے تیرہ چودہ منٹ میں کیا کیا دیکھا ہوگا۔“ وہ تھک ہار کر کرسی پہ بیٹھ گیا۔

”تم نے... اتنے اہم ڈاکومنٹس لیپ ٹاپ میں کیوں رکھے تھے؟“

”اچھا اب میں اپنی رگوں سے خون بھی نکال لوں اس ڈر سے کہ کوئی خنجر نہ گھونپ دے؟ اور بہت کم ڈاکومنٹس ہیں لیپ ٹاپ میں اور وہ بھی سیکیورٹی کی تہوں میں۔“

نوشیرواں نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ اسے یقین آگیا تھا اور اسی لیے اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ جواہرات نے اس کی کہنی کو نرمی سے چھوا۔

”اس سب میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ دس پندرہ منٹ میں وہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا۔“

ہاشم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”یہ تمہاری غلطی نہیں ہے شیرو! جاؤ جا کر سو جاؤ۔ اور رہی شہرین تو تم اس سے کوئی رشتہ جوڑنا چاہتے

ہو تو جوڑ لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس سوچ سمجھ کر کرنا جو بھی کرنا۔ جاؤ... شاباش' آرام کرو۔"

وہ بڑے بھائی سے باپ بننے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔ "سوری بھائی۔" اس سے نگاہ ملائے بغیر شیرو نے بہت سی باتوں کی معذرت ایک ساتھ کی اور کمرے سے نکل گیا۔ جواہرات حیران نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کیا لگا تھا؟ میں نہیں جانتا؟"

"مجھے یہ لگ رہا ہے کہ شاید میں ہی تمہیں نہیں جانتی۔" وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔ پھر اس نے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر دبایا۔

"وہ کل کا بچہ... وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا... اور اگر کچھ کیا بھی تو میرے پاس اس کا حل ہے۔ جاؤ چینج کرو اور سو جاؤ۔"

ہاشم نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

"تم حساب دو گے سعدی۔"

.... ☆☆☆ ....

سب نے ملائے ہاتھ یہاں تیرگی کے ساتھ ...... کتنا بڑا مذاق ہوا روشنی کے ساتھ

اتوار کو سوائے سورج کے سب کچھ ہی سستی سے طلوع ہوا تھا۔ زمر فجر کے بعد سوئی تو پھر دیر سے اٹھی۔ اور اس کی آنکھیں ابھی تک سرخ تھیں۔ گھنگھریالے بال ہاتھوں سے سمیٹتے وہ سرہانے پڑے فون کی طرف متوجہ ہوئی جو بجے جا رہا تھا۔ گہری سانس لے کر اس نے کال لے لی۔

"کہیے ہاشم!"

وہ جو اپنے گھر کے اندرونی جم میں ٹریڈمل پہ بھاگ رہا تھا' بے اختیار رکا۔ ہینڈز فری کان میں پکا کیا اور تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے بولا۔

"میں اپنے ملازم کی بے وقوفی پہ معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ جو ہوا اس میں میرا قصور نہیں تھا۔"

زمر کی آنکھیں پھر سے جلنے لگیں۔ سعدی کا آخری چہرہ یاد آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کو پالا تھا' بڑا کیا تھا۔ اس کو دکھ میں دیکھ کر دکھ بڑھ جاتا تھا۔ ایک غلطی پہ اتنا تو نہ سناتی۔

وہ خاموش رہی۔

ہاشم نے تولیے سے گردن کی پشت رگڑتے ہوئے دوبارہ کہا۔ "اور میں کسی بھی ایسے واقعے کی وجہ سے اپنے اور آپ کے ورکنگ ریلیشن شپ کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

پھر جوس کی بوتل اٹھائی اور منہ سے لگائی۔ تمتماتے چہرے پہ تناؤ تھا' احتیاط تھی۔

زمر نے پیر بیڈ سے اتارے۔ فون کندھے اور کان کے درمیان رکھا۔ پونی میں بال جکڑے۔

"میرا اور آپ کا ورکنگ ریلیشن شپ دن' تو تھری پہ چلتی ہے ہاشم! ون' ہم ایک دوسرے کو اچھے سے جانتے ہیں۔ ٹو' ہم ایک دوسرے کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ اور تھری' اس سب کے باوجود' ہم بہت عزت سے ایک دوسرے کے کام آتے رہتے ہیں۔ سو اس تعلق کو قائم رکھنے کے لیے بہتر ہے کہ ہم ظاہر کریں کل کچھ بھی نہیں ہوا۔" چپل پہن کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"درست!" وہ ذرا سا مسکرایا۔

"مسز جواہرات کا نیکلس مل گیا؟" اس نے ذرا ٹھہر کر پوچھا۔

اور ہاشم کی آنکھوں میں بہت کچھ جھلکتی ہوئی مسکراہٹ اتری۔

''میری طرف سے وہ نیکلس جہنم میں چلا جائے۔''

''گڈ...'' زمر نے فون بند کیا تو وہ مسکراتے ہوئے مڑا۔ نوشیرواں جم میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ رات والے لباس میں تھا، بکھرا مضمحل، جیکٹ، شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس ہاشم کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ ایک پرسکون نیند کے بعد جاگا ہے۔

''بھائی! مجھے معاف کر دیں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔'' وہ قریب آیا تو اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ ہاشم نے ہینڈز فری کان سے نکالتے ہوئے نرمی سے اسے دیکھا۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ شہری نے تمہیں استعمال کیا ہے۔''

یہ نام سن کر نوشیرواں کی آنکھوں میں ملال ابھرا۔ اس کی چوٹ ''صدمے'' سے ''غم'' کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ اس سے اگلا مرحلہ غصہ اور پھر انتقام تھا۔

''وہ مجھے یوں ایکسپلائٹ کرے گی' میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔'' وہ ایک دن میں جمع تعظیم کے صیغے سے واحد غیر تعظیم پہ گرا دی گئی تھی۔

''یہ بات تمہیں مجھ سے نہیں' اس سے کہنی چاہیے۔ میں سونیا کو ڈراپ کرنے ابھر جا رہا ہوں۔ چینج کرو اور میرے ساتھ آؤ۔'' ہاشم نے اس کا کندھا تھپکا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر بڑے بھائی کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔

''اور وہ سعدی' اس کی کیا سزا ہوگی؟''

''اس کی سزا شروع ہو چکی ہے۔ وہ پکڑا گیا ہے۔ زمر نے نیکلس اس کی جیب سے برآمد کر لیا ہے۔ ابھی کال کی تھی اس نے۔''

''ڈی اے (ڈسٹرکٹ اٹارنی) نے خود بتایا؟'' وہ حیران ہوا۔

''اس کے لہجے نے بتایا۔ اس نے خود نیکلیس کا پوچھا۔ اس کی آواز سے پتہ چل رہا تھا کہ سعدی اپنا اعتبار کھو چکا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔'' نوشیرواں کے شانے کو تھپتھپا کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ادھر زمر کے گھر میں صداقت بڑے ابا کی چائے لیے ان کے کمرے تک آیا تو دیکھا وہ فون پہ بات کر رہے تھے۔ چہرہ جھکا تھا اور آواز تھکی سی لگتی تھی۔ صداقت چائے رکھ کے خاموشی سے چلا گیا۔ ادھر وہ فون پہ کہہ رہے تھے۔

''کیا واقعی ایسا ہوا؟''

تم لمحے بھر کے لیے یہاں سے دور واقع چھوٹے باغیچے والے گھر میں آؤ تو! ونج میں حنین صوفے پہ بیٹھی فون کان سے لگائے برہمی سے کہہ رہی تھی۔

''ابا زمر پھپھو نے بھائی کی بہت انسلٹ کی۔ ان کو اس کا حق نہیں تھا۔''

''وہ نیکلیس آیا کہاں سے؟''

''کسی نے ڈال دیا ہوگا بھائی کی جیب میں۔ میرا بھائی کوئی چور تھوڑا ہی ہے۔''

''ہاشم۔'' ابا نے سر جھٹکا۔ ''مجھے وہ ہمیشہ ناپسند رہا ہے۔ مگر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ گھر آئے مہمانوں کے ساتھ یہ کرے گا۔''

''ہاشم بھائی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ ترنت بولی تھی۔ ''زمر پھپھو کا قصور ہے۔ وہ فارس ماموں کی رہائی کا بدلہ بھائی سے لے رہی ہیں۔ ان کو ماموں سے.....بہت...بہت...'' دور اندر حنین کے اندر کچھ ڈوب کر ابھرا۔ سمجھ نہیں آیا کون سا لفظ استعمال کرے اور اسے کیا تعبیر دے۔ پھر لہجہ سخت کر کے بولی۔ ''ان کو ماموں سے بہت نفرت ہے۔ اس لیے وہ ایسا کرتی ہیں۔''

''اس نے فارس کے خلاف گواہی تک واپس لے لی تھی حنین۔ اور وہ کیا کرے؟''

''مگر کیا ایسے ماموں کی زندگی کے چار سال واپس آجائیں گے؟! آپ ملے ان سے؟ نہیں نا۔ دیکھا ہے کیسے اکھڑے اکھڑے زندگی سے بےزار لگتے ہیں۔ پہلے تو جو کس بھی کرتے تھے۔ مزے کی باتیں کرتے تھے۔ کم گو تھے مگر جب بھی بولتے مزا آتا تھا۔ اب صرف دل دکھتا ہے۔'' وہ آزردگی سے کہہ رہی تھی۔

''زمر کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھو تو وہ حق بجانب ہے۔ اس کو جو جس طرح دکھایا گیا وہ کیسے یقین نہ کرتی؟''

''بات یہ ہے بڑے ابا کہ ماموں ان سے زیادہ حق بجانب ہیں۔'' یہ وہ آخری بات تھی جو حنین نے کہی تھی۔ ''اور آپ کب تک پھپھو کے پگھلنے کا انتظار کریں گے؟ میرا بھائی کہتا ہے کہ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھنا توکل نہیں سستی ہوتا ہے۔ کچھ تو کرنا پڑتا ہے ابا۔ بھائی کی آنکھوں میں آنسو دیکھے میں نے کل رات۔ کیا وہ اب کبھی بھائی سے اچھے سے بات نہیں کریں گی؟ بہت محبت کرتا ہے... بھائی ان سے... صرف بھائی...'' آخری الفاظ کہتے ہوئے اس نے خود سے بھی نظریں چرائی تھیں۔ ابا نے خاموشی سے فون رکھ دیا تھا۔

اب ان کو کچھ کرنا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

خوشی کی بات نہیں ہے کوئی فسانے میں ..... وگرنہ عذر نہ تھا آپ کو سنانے میں

زمر کال ختم کر کے باہر آئی تو بڑے ابا لاؤنج میں اخبار پڑھ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھی۔ بڑے ابا نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں اور ناک گلابی پڑ رہی تھی۔ صداقت نے چائے لا کر رکھی تو وہ سر جھکائے چینی ملانے لگی۔

''پارٹی کیسی رہی؟ تم رات بنا بات کیے اندر چلی گئی تھیں۔''

''کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کے پوتے یا پوتی نے سویرے ہی فون کر کے ساری بات نہیں بتائی؟'' اس کی آواز بھاری تھی۔ شاید وہ رات کو روئی تھی۔ وہ کسی کے سامنے نہیں روتی تھی۔ وہ مضبوط تھی۔ بڑے ابا کو ہر مضبوط انسان پہ اب ترس آتا تھا۔

''حنین نے بتایا ہے سب۔ مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔''

زمر کپ لبوں سے لگا کر ٹی وی کی سمت دیکھنے لگی۔ اس کا رنگین شور جاری تھا۔ لاؤنج میں پھر بھی خاموشی محسوس ہوتی تھی۔ دونوں منتظر تھے۔ پھر وہی بول اٹھی۔

''اس کو پیسے چاہیے تھے تو مجھ سے مانگتا۔ کوئی مسئلہ تھا تو مجھے بتاتا.... مگر....'' شدت ضبط سے آنکھوں میں گلابی لکیریں ابھرنے لگیں۔

''تمہیں لگتا ہے اس نے چوری کی ہے؟''

''وہ نیکلس اس کے پاس سے ملا ہے۔ وہ اندر کمروں میں بھی گیا تھا۔ وہ اسی لیے آنے پہ راضی ہوا تھا کہ پارٹی گھر پہ ہے۔ ورنہ پہلے صاف انکار کر دیا تھا۔ مجھے اس کے بعد کیا لگنا چاہیے سوائے اس کے کہ اس نے مجھے دھوکا دیا۔''

بڑے ابا تھک کر اثبات میں سر ہلانے لگے۔ ''ہاں وہ بڑا ہو گیا ہے۔ دھوکے دینے لگ گیا ہے۔ فریب کار بن گیا ہے۔ ایسا ہی ہے بالکل۔''

زمر کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔ ''فریبی؟ اور سعدی؟'' کچھ اندر تڑپا تھا۔

''ایسے مت کہیں، طنز میں بھی نہیں۔''

''نہیں... طنز نہیں، سچ ہے یہ۔ وہ کتنے آرام سے سب کو دھوکا دے دیتا ہے نا اور تمہیں تو پہلی دفعہ دھوکا نہیں دیا اس نے۔''

وہ جو دو انگلیوں سے کنپٹی مسل رہی تھی' چونک کر ان کو دیکھنے لگی۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟"

"وہ دھوکے باز ہے۔ اس سے فریب کی ہی توقع کرو زمر!" ان کی آواز بلند ہونے لگی۔ الفاظ کی نسبت لہجہ مختلف تھا۔ عجیب تھا۔ چونکا دینے والا تھا۔

"مت کہیں' کچھ مت کہیں۔" اور وہ متوحش ہو کر ان کو روکنا چاہتی تھی۔ وہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔

"تم نے اس سے کہا وہ تمہاری تکلیف نہیں سمجھ سکتا۔ ظاہر ہے وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اس نے تو تب بھی تمہیں دھوکا ہی دیا تھا۔"

زمر کے لب ادھ کھلے رہ گئے۔ ٹوٹے کانچ سے اس کا دل زخمی کیا جا رہا تھا۔ بڑے ابا اپنی جگہ سے آگے ہوئے۔ ذرا جھکے۔ زمر کی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگے۔

"یاد ہے وہ یورپین عورت جس نے تمہیں گردہ دیا تھا؟"

زمر نے سر بھی اثبات میں نہ ہلایا۔ وہ بس ان کو دیکھ رہی تھی۔

"زمر! اس عورت نے گردہ نہیں دیا تھا۔ تمہیں وہ گردہ سعدی نے دیا تھا۔"

وہ ایک دم کھڑی ہوئی.... پھر مڑی۔ کھڑکی کے پٹ زور سے دھکیلے۔ تازہ ہوا میں دمے کے مریض کی طرح منہ کھول کر آنکھیں بند کر کے سانس لینے کی کوشش کی۔

"وہ لڑکا کتنا چھوٹا ہے نا۔ اس نے تم سے جھوٹ بولا۔ دھوکا دیا۔ سب اس نے پلان کیا تھا۔ اس کا خون گروپ سب تمہارے جیسا تھا۔ مگر وہ تم سے بڑا تھا۔ وہ کہتا تھا یہ میرا انسیسٹ ہے۔ میں تیمارداری کر کے نمبر بنالوں یا پڑھائی کے بہانے نظروں سے غائب ہو کر اپنا فرض ادا کروں۔ اور اگر برا بننا ہے تو بن جاؤں۔ مگر اس نیسٹ میں فیل نہیں ہونا چاہیے مجھے۔ کمر کو کاٹ کر گردہ نکالنے کی تکلیف کیا ہوتی ہے زمر! اس کو پتا ہے۔ وہ لڑکا آج ایک گردے پہ ہے۔ جب تم ہسپتال میں تھیں تو وہ بھی قریبی کمرے میں ایڈمٹ تھا۔ مگر اسے تو ہمدردی بھی نہیں ملی۔ وہ چار سال سے خاموشی سے تمہاری سرد مہری برداشت کرتا آرہا ہے۔ اور تم کہتی ہو وہ تمہاری تکلیف نہیں سمجھتا؟"

اس نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔ شاید اب وہ نیلی پڑنے والی تھی۔ صرف دمے سے ہی رنگ نیلا نہیں پڑا کرتا۔

"مجھے.... کیوں نہیں بتایا؟" رک رک کر الفاظ نکلے۔ اس سے سانس نہیں لیا جا رہا تھا۔ وہ کھڑکی کو پکڑے کھڑی تھی۔ تھکن سے آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

"بہت خوددار ہے میرا بیٹا زمر! میں نے کتنی منت کی تھی اس کی۔ مگر وہ کہتا تھا' اگر پھپھو کو پتا چلا کہ یہ میرا گردہ ہے تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ پھپھو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ میں ان کا بھائی بھی ہوں' دوست بھی' بیٹا بھی۔ وہ مجھے تکلیف سے نہیں گزرا سکتیں۔ ایسے وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوں گی۔ میں آج بھی نہ بتاتا اگر تم رات اس کو یہ نہ جتاتیں۔"

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ گردہ کٹنے کی تکلیف زیادہ بڑی تھی یا دل کٹنے کی؟ اس سوال کو تو جواب کی ضرورت ہی نہ تھی۔

وہ پژمردہ نحیف چہرے کے ساتھ اس کی پشت دیکھ رہے تھے۔

"اگر آج تمہارے پاس ایک گردہ ہے تو اس کی وجہ سعدی ہے۔"

وہ دھیرے سے پلٹی۔ اس کی آنکھوں کی گلابی لکیریں سرخ پڑ چکی تھیں۔ شاید ان میں نمی بھی تھی۔ بھلے وہ انہیں نہ گرنے دے' مگر وہ بہرحال آنسو تھے۔

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آج اس کے پاس ایک گروہ ہے تو اس کی وجہ میں ہوں؟''
اور یہ سوال نہیں تھا۔ سو اس کا کوئی جواب بھی نہ تھا۔ وہ نم آنکھوں سے اس کو دیکھتے رہے۔ جواب کا انتظار اسے بھی نہ تھا۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
کھڑکی اب پوری کھل چکی تھی اور تازہ ہوا بہت امید افزا تھی۔

............☆☆☆............

الفت کے سودے کون کرے نفرت کی جھولی کون بھرے ...... ہم کاروباری دنیا میں بیگانے ہی بیگانے ہیں

سیاہ بی ایم ڈبلیو اس بنگلے کے پورچ میں رکی۔ شوفر نے فوراً دروازہ کھولا۔ ہاشم باہر نکلا اور سونیا کی انگلی پکڑ کے اسے بھی باہر لایا۔ پھر گلاسز اتار کر گریبان میں اٹکاتے ہوئے داخلی دروازے کو دیکھا جہاں شہرین کھڑی تھی۔ وہ ابھی اٹھی تھی مگر باب کٹ بال بالکل سیٹ تھے۔
''ہائے بابا!'' سونیا سے ملنے کو وہ جھکا تو اس نے باپ کے دونوں گال چومے۔ پھر پیچھے اترتے نوشیرواں کو ہاتھ ہلایا۔
''ہائے شیرو!'' وہ جو خشمگیں نگاہوں سے صرف شہرین کو دیکھ رہا تھا' بدقت مسکرا کر سر کو خم دیا۔ سونیا بھاگتی ہوئی ماں کے گلے لگ گئی جو اس کے لیے جھکی تھی۔ ان دونوں سے قطعاً بے نیاز۔
''میرا بے بی!'' آنکھیں موندے بچی کو ساتھ لگائے وہ بڑبڑائی۔ ہاشم ایک ہاتھ جیب میں ڈالے مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہا تھا۔
''بتایا ہے مجھے سونیا نے رستے میں کہ اسے کتنی خواہش تھی ہمارے ہنی مون کی تصاویر دیکھنے کی۔''
شہرین بے اختیار سیدھی ہوئی۔ نگاہیں پھسل کر جو کو چبھتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے شیرو پہ ٹکیں۔ اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔
''تو...؟'' وہ بظاہر لاپروا تھی۔ سونیا کو سر کے اشارے سے اندر بھیجا۔
''تو تمہیں لگتا تھا تم مجھے بے وقوف بنا لو گی؟'' وہ مسکراتے ہوئے آگے آیا۔ اس کے بالکل مقابل کھڑا ہوا اور آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ اکتائی۔
''شہرین! انسان میں اتنے گٹس ہونے چاہئیں کہ اپنے عمل کی ذمہ داری لے۔ تم سے اچھا تو سعدی نکلا۔ وہ ہاتھ لگائے میرے گارڈ نے تو سب بک دیا کہ کس طرح تم نے اسے پاس ورڈ دیا۔ اور ہاں' وہ بھی میری ہی بچی کے کیک پہ۔ تم اچھی جاسوس بن سکتی ہو ویسے۔ تم نے آئی ایس آئی کے لیے اپلائی کیوں نہیں کیا؟''
شہرین کے ابرو حیرت سے اٹھے۔ ''سعدی نے...؟''
''اوہ... تمہیں لگتا تھا وہ نہیں بتائے گا۔''
شہرین کی آنکھوں میں غصہ اور بیزاری ابھری۔ ''میں تم سے اتنی اکتا چکی ہوں کہ تمہارے خلاف مدد مانگنے والے کو انکار نہیں کر سکتی اور کسی اچھے دوست کو تو بالکل نہیں۔''
''اوہ... اچھا دوست... کیا تم نے نوٹ کیا؟'' مڑے بغیر نوشیرواں سے سوال کیا۔
اور اس کو دوسری دفعہ صدمہ ہوا تھا۔ ابھی تک امید تھی کہ شاید... مگر اب نہیں۔ غم غصے میں بدلنے لگا۔ وہ بھائی کے عقب سے نکل کر آگے آیا۔
''کیا تمہیں میں ہی ملا تھا استعمال کرنے کے لیے؟'' بھنویں بھینچے وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ بھی اس لوزر سعدی کے لیے؟ اس کو تو

میں چھوڑوں گا نہیں اور بدلہ تو میں تم سے بھی لوں گا۔"

گو کہ ہاشم یہی چاہتا تھا' مگر نوشیرواں کا پارہ کی طرح تیز چڑھتا غصہ قابو کرنے کے لیے اسے اس کی کہنی تھامنا پڑی۔ نوشیرواں سر جھٹک کر رخ موڑ گیا۔ شہرین بس ضبط سے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"آئندہ میرے خلاف کسی کی مدد کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ پھر تمہیں ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل نہیں دیکھنے دوں گا۔ اور اگر کوئی شک ہو تو پہلی قسط تم تین دن بعد تب دیکھو گی جب تم چھٹیوں پہ وہیں اکیلی جاؤ گی۔ سونیا کو اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ دو دن گزار لو ان کے ساتھ۔"

شہرین کے تاثرات بدلے۔ بے چینی' پریشانی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ہاشم! سونیا میرے ساتھ جائے گی۔ یہی طے ہوا تھا۔"

"طے کرنے والا میں تھا' منسوخ بھی میں کر رہا ہوں۔" مسکراہٹ غائب تھی اور وہ درشتی سے چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ "خلع کے وقت اپنی بیٹی میں نے تمہارے حوالے کی کہ تم ماں تھیں۔ سو میں نے تم پہ احسان کیا تھا۔ تب سے ہفتے میں دو دن اپنی بیٹی کو لے کر جاتا ہوں۔ باقی وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ تمہیں میری طرف سے کوئی پریشانی نہیں ملتی۔ اور اس سب کا صلہ تم نے میری پشت پہ وار کر کے دیا۔" اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔ نوشیرواں اب ذرا کم غصے سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ اندر سے پریشانی بھی تھی شہری بیٹی کے بغیر کیسے رہے گی؟

"میں سونیا کے بغیر کیسے رہوں گی؟ تم یہ نہیں کر سکتے۔" اس کا سارا طنطنہ جھاگ بن کر بیٹھ گیا۔

"یہ تو پہلے سوچنے والی بات تھی۔ دو دن گزارو اور تیسرے دن میری بیٹی کو واپس چھوڑ جاؤ۔ اور یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ میری بیٹی کو میری مرضی کے بغیر تم دنیا کے کسی ملک لے جانا تو کیا' اس ملک سے بھی نہیں نکال سکتیں۔"

"اس نے صرف پاس ورڈ مانگا تھا۔ اسے وہ واپس چاہیے تھا جو تم نے اس سے لیا تھا۔ مجھے نہیں پتا وہ کس چیز کی بات کر رہا تھا۔ تم میرے ساتھ یوں مت کرو ہاشم۔"

ہاشم چونکا۔ پھر سر جھٹکا۔ "نہیں پتا تھا تو اس کی مدد کیوں کی؟ تمہاری بیٹی کا باپ ہوں میں اور یہ تمہاری بیٹی کا چچا ہے جس کو تم نے یوز کیا۔ سو اب تم سونیا کو نہیں لے کر جا رہیں۔" قطعی انداز میں کہہ کر وہ مڑ گیا۔ دونوں تیز تیز کار تک واپس آئے۔ دروازے جھٹ کھولے گئے۔ شہری کھڑی رہی' بے بسی' پریشانی سے لب کاٹتی۔

"میں نے سعدی کو انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا۔" ہاشم بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔ نوشیرواں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"مطلب؟"

"کیا تم سن نہیں رہے تھے؟ اسے وہ چاہیے تھا جو میں نے اس سے لیا تھا۔ وارث کے لیپ ٹاپ کے ڈاکومنٹس۔ وہ میرے پاس تھے۔" کہتے ہوئے شوفر کو اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔

"مگر پندرہ منٹ میں وہ کتنے ڈاکومنٹس پڑھ سکتا ہے؟"

"شاید ایک بھی نہیں۔ مگر پندرہ منٹ میں وہ ان سب کو کاپی ضرور کر سکتا ہے۔" کہہ کر ہاشم جیسے ساری دنیا پہ لعنت بھیج کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

نوشیرواں خاموش ہو گیا۔ اسے شہری کی حالت دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔ شہری کا قصور نہیں تھا۔ یہ سعدی تھا جو ہر چیز کے درمیان آیا تھا۔ اس کا قصوروار ہمیشہ سعدی نکلتا تھا۔

ہم نہیں تھے ہماری طرح کے اور بھی لوگ ..... عذاب میں تھے جو دنیا سے سوچتے تھے الگ

صبح کی شہری سفیدی میں گرمی کی حدت بڑھتی جا رہی تھی۔ مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں چلتے ایئرکولر نے ٹی وی والے کمرے کو قدرے ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ ندرت ادھر ادھر بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ راہداری کی گول میز پہ بیٹھے حنین اور اسامہ کو لیکچر بھی جاری تھا۔

''اتنا نہیں ہوتا کہ جو چیز اٹھاؤ اسے جگہ پہ رکھو۔''

''امی! میں سب کچھ جگہ پہ واپس رکھتا ہوں۔'' سیم نے احتجاج کیا۔

''جی... مگر کسی اور کی جگہ پہ...'' حنین نے بات مکمل کی۔ وہ ساتھ چائے بھی پی رہی تھی۔

''تم تو جیسے سب ٹھیک رکھتی ہو نا۔ ابھی تمہاری الماری کھولوں تو کپڑوں کا ماؤنٹ ایورسٹ نیچے گرے گا۔''

''اور جیسے تم اس ماؤنٹ ایورسٹ تلے دب کر زخمی ہو جاؤ گے۔'' اس نے سکون سے دوسرا گھونٹ بھرا۔ آج فرنچ چوٹی بنانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ کھلے بال سیدھے مگر ذرا بکھرے ہوئے تھے۔

ندرت مزید ان دونوں کو کچھ کہے بغیر راہداری سے گزر کر سعدی کے کمرے تک گئیں۔ اتنا تو وہ دیکھ چکی تھیں کہ وہ فجر تک کام کرتا رہا تھا۔ پھر سو کر نو بجے اٹھ بھی گیا۔ بیڈ پہ بیٹھا جوگرز کے تسمے باندھ رہا تھا۔ ندرت نے پیار سے اسے دیکھا۔ وہ بڑا ہو گیا تھا اور لمبا بھی، مگر اس کے چہرے پہ ایک نوعمر لڑکوں والی سادگی اور معصومیت اب بھی تھی۔ وہ سیدھا ہوا تو ماں کو کھڑے پایا۔ تھکی ہوئی آنکھوں سے مسکرایا۔

''کیا باتیں ہوئیں بڑے ابو سے؟'' وہ اٹھ کر لیپ ٹاپ بیگ میں سمیٹنے لگا۔

''وہی ان کی پرانی فکر۔ زمر کی شادی۔'' انہوں نے تھکی ہوئی سانس کھینچی۔ سعدی خاموشی سے چیزیں سمیٹتا رہا۔

''وہ اس کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں مگر وہ نہیں مانتی۔ سعدی! تم سمجھاؤ نا۔ اب تو تمہاری بات چیت ہوتی ہے پھپھو سے۔ اور تمہاری بات تو وہ ہمیشہ مانتی ہے۔''

سعدی نے بیگ کا اسٹریپ کندھے پہ ڈالا۔ چہرے پہ چھپائے حزن کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کچھ کہنے لگا تھا کہ فون بج اٹھا۔ جیسے جان بچ گئی۔ ندرت بات بھول کر واپس چلی گئیں اور اس نے انجانا نمبر اٹھا لیا۔

''ملنا ہے مجھے اسی وقت۔ کدھر آؤں؟'' فارس کے الفاظ بھی اسی کی طرح ہوتے تھے۔ ٹھک ٹھک۔

''میں تو نکل رہا تھا... آ... ریسٹورنٹ آ جائیں۔'' اس نے درمیان کا راستہ نکالا۔

''آدھے گھنٹے تک۔'' اور فون بند۔

''یہ ماموں بھی نا... آگے پیچھے کی بات نہیں کریں گے کبھی۔'' اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ پھر ندرت کی باتیں یاد آئیں۔ پھپھو کیا اب بھی اس کی مانتی تھیں؟ اوں ہوں۔

وہ باہر آیا تو حنین ہاتھ ہلا کر پرجوش سی سیم سے کہہ رہی تھی۔

''اور اتنے بڑے بڑے کھلے لانز... سیم! تمہارا دل نہیں چاہتا کہ ہمارا بھی اتنا... بڑا گھر ہو اور خوب دولت ہو ہمارے پاس بھی۔ نہیں، یہ نہیں ہے کہ ہمارا چھوٹا گھر مجھے برا لگتا ہے، یہ سب بھی اچھا ہے۔ مگر زیادہ بڑا گھر... سوچو سیم!''

سیم نے پیچھے سے سعدی کو آتے دیکھ لیا تھا۔ سو جواب نہیں دیا۔ اس کو صحیح جواب معلوم ہی نہ تھا۔

''تم تو ہو ہی کنویں کے مینڈک۔ تمہیں کیا پتا۔ لیکن...'' وہ افسردہ ہوئی۔ ''اگر میں یہ بات اپنی کسی دوست سے کرتی تو وہ کہتی کہ لالچ بری بلا ہے۔ کیا زیادہ پیسے کی خواہش ہونا بری چیز ہے؟''

"بالکل بھی نہیں۔" عقب سے آتے سعدی نے کہتے ہوئے اس کا کپ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔

حنین چونکی' مگر بھائی کو دیکھ کر مزید پرجوش سی پوچھنے لگی۔ "مگر کیسے بھائی؟"

"ہر کسی کا دل چاہتا ہے کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہو مگر لوگ یہ اعتراف کرنے سے ڈرتے ہیں' کہیں ان کو غلط یا لالچی نہ سمجھا جائے۔ ورنہ مال کی محبت بری بات نہیں ہے۔ زندگی میں اونچے گول ہونے چاہئیں۔ یہ انسان کو متحرک رکھتے ہیں۔ بس ان کو حاصل کرنے کے لیے غلط طریقہ نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی تو اللہ کی یاد کے لیے مال کی محبت اختیار کی تھی نا۔"

حنین کھلے دل سے مسکرا دی۔ وہ ایسا بھائی تھا جس سے با آسانی سب کہا جا سکتا تھا اور وہ آپ کو بالکل جج نہیں کرتا تھا۔

❖❖❖

نہ تکلف نہ احتیاط نہ زعم...... دوستی کی زبان سادہ تھی

ریسٹورنٹ نیم ویران تھا۔ ان کا کاروبار ویسے بھی کوئی بہت فائدے میں نہیں تھا۔ پھر بھی گزارہ ہو جاتا تھا۔ اس نے اپنی مخصوص میز پہ بیگ رکھا ہی تھا کہ فون بجنے لگا۔

"سنڈے کو بھی لوگوں کو چین نہیں آتا۔" کہتے ہوئے جب نمبر دیکھا تو الرٹ سا ہو گیا۔

"سعدی! شہرین بات کر رہی ہوں۔" وہ بیزار مگر ضبط سے بول رہی تھی۔

"جی...... میرے پاس ہے آپ کا نمبر۔ سوری میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکا۔"

"اب اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہاشم ابھی ابھی یہاں سے نکلا ہے۔ وہ سونیا کو میرے ساتھ چھٹیوں پہ نہیں جانے دے رہا۔"

"مگر کیوں؟"

"یہ تو تم بتاؤ گے۔ کیا اس لیے مجھ سے مدد مانگی تھی کہ پکڑے جانے پہ سارا ملبہ مجھ پہ گراؤ؟" وہ تیزی سے بولی۔ سعدی کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"کیا....؟"

"تم نے ہاشم کے سامنے میرا نام کیوں لیا؟"

"میں نے..... ہاشم کے سامنے...... کس نے کہا یہ آپ کو؟" وہ شاکڈ تھا۔ چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔

"کیا ہاشم کے گارڈز نے جب تم پہ تشدد کیا تو تم نے میرا نام نہیں اگل دیا؟"

"کیا؟ یہ ہاشم..... اف....." وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ "اس آدمی کو کوے کیوں نہیں کاٹتے۔ اس کے جھوٹ پہ یقین کر کے آپ نے اعتراف کر لیا؟ اف لکم (اف ہے آپ کے لیے)" اس کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔ "میں نے کچھ بتایا نہ مجھے کسی نے چھوا۔ اس سے زیادہ میں اپنی صفائی نہیں دوں گا۔"

شہرینا نے گہری سانس لی۔

"مجھے تم پہ یقین ہے۔ وہ واقعی جھوٹ بول رہا تھا۔ بہر حال وہ جانتے ہیں کہ اس میں تمہارا ہاتھ ہے اور نوشیرواں مجھے سنگین نتائج کی دھمکی دے کر گیا ہے۔"

"نوشیرواں کیوں؟" وہ چونکا۔

"میں نے اس کے ذریعے پاس ورڈ لیا تھا۔"

سعدی چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ اسے کچھ برا لگا تھا۔

"آپ کو نوشیرواں کو یوز نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"او کے.... ساری غلطی میری.... مجھے تمہاری مدد ہی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ ایک تو میں نے اتنا خطرہ مول لے کر تمہارا کام کیا' صرف اس لیے کہ تم مجھے فیور دے سکو' چھپے ہو اور آگے سے تم مجھے اخلاقیات کی تلقین کر رہے ہو؟" وہ تلخی سے بلند آواز سے کہے جا رہی تھی۔

"میں نوشیرواں کو پسند نہیں کرتا اور اس کی بالکل بھی عزت نہیں کرتا۔ مگر اس قصے میں وہ ڈائریکٹ انوالو نہیں تھا۔ اس لیے اسے استعمال کرنے پہ مجھے افسوس ہوا ہے' بس یہی ساری بات ہے۔"

"اور یہ سارا قصہ ہے کیا؟" شہرین نے پوچھا۔ سعدی خاموش ہو گیا۔

"خیر.... جو بھی ہے' مجھے میری بیٹی چاہیے سعدی۔ تمہاری وجہ سے وہ اسے میرے ساتھ نہیں جانے دے گا۔"

"آپ اس کی ماں ہیں۔ اسے خاموشی سے لے کر نکل جائیں۔"

"تاکہ وہ اگلے چوبیس گھنٹے میں میرے سر پہ پہنچ کر میری بیٹی چھین لے اور کبھی مجھے اس کی شکل بھی نہ دیکھنے دے؟ میں اس کو لے کر دنیا کے کسی بھی حصے میں چلی جاتی اگر مجھے یقین ہوتا کہ وہ وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اور پھر میں کیوں بھاگوں؟ میری زندگی یہاں سیٹل ہے۔ دوست' ماں باپ' سب یہاں ہیں۔ اور میں اس روٹین میں خوش تھی' مگر...." اس کا گلا تھک گیا۔ وہ سانس لینے کو رکی۔

"آئی ایم سوری۔"

"سوری کافی نہیں ہے۔ تم ہاشم سے بات کرو۔ تم نے اس کا جو چرایا ہے' اسے واپس کر دو۔"

"یہ تو میں کبھی نہیں کروں گا۔ لیکن اگر آپ نوشیرواں سے ایکسکیوز کر لیں تو شاید وہ کچھ کر سکے۔"

"تم کیوں کچھ نہیں کر سکتے؟"

"میں آپ کو جھوٹی تسلی نہیں دینا چاہتا۔ ایمانداری سے بتا رہا ہوں۔ میری بات ہاشم نہیں مانے گا۔ آپ شیرو نہیں تو سونیا کو راضی کریں۔ وہ ضد کرے گی تو ہاشم مان جائے گا۔"

وہ کرسی پہ بیٹھا گلاس وال کو دیکھتے کہے جا رہا تھا۔ یکدم کوئی جھلک دکھائی دی۔ گہرے بھورے گھنگھریالے بال۔ اس نے چونک کر گردن موڑی۔ پھر عجلت سے خدا حافظ کہہ کر فون رکھتا کھڑا ہوا۔

وہ اس کو دیکھتی ہوئی آ رہی تھی۔ آنکھوں کا گلابی پن اب مدھم تھا۔ سعدی سانس روکے کھڑا تھا۔

وہ خوفزدہ تھا' پر امید تھا۔

وہ پریشان تھا' خوش تھا۔

زمر خاموشی سے کرسی پہ بیٹھی۔ چہرہ بنا تاثر تھا۔ بال جوڑے میں تھے۔ ایک لٹ گردن کو چھو رہی تھی۔

"بھابی نے بتایا تم ادھر ملو گے۔" سعدی کو دیکھتے ہوئے وہ متوازن لہجے میں بولی۔

(تو زمر گھر گئی تھیں؟ ایک ہفتے میں دوسرا چکر؟) سعدی بھی سر ہلاتا بیٹھا۔

"چھٹی پہ ہوں آج کل۔ کام وغیرہ ادھر لے آتا ہوں۔"

"آگے کا کیا ارادہ ہے؟" زمر لمحے بھر کو بھی اس سے نظریں نہیں ہٹا رہی تھی۔

"کچھ عرصے بعد پی ایچ ڈی کے لیے جاؤں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ حنین کی کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے' پھر امی اور سیم کو ساتھ لے جاؤں گا۔" وہ احتیاط سے بول رہا تھا۔ زمر کا کوئی بھروسہ نہیں' کس بات سے رات والے واقعے کا ذکر چھیڑ دے۔

''اور تمہاری شادی؟''

سعدی نے مسکرانے کی سعی کی۔ مگر زمر کی خود کو اندر تک دیکھتی پرسکون نگاہیں ڈرا رہی تھیں۔

''وہ تو امی اور آپ ہی طے کریں گی' جس سے بھی کر دیں۔'' سر جھٹک کر سعدی اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ پھر چہرہ اٹھایا تو وہ ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کہہ دیں پھپھو جو کہنے آئی ہیں۔''

''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' اس کی آنکھوں میں پھر سے گلابی لکیریں ابھرنے لگیں۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں چور نہیں ہوں۔ یوں دھوکا نہیں دے سکتا۔ ان کے گھر سے کچھ لیا ہے میں نے۔ اسی کو تلاش کرنے کے لیے وہ میری تلاشی لینا چاہتے تھے۔ مگر وہ مسز جواہرات کا نیکلس نہیں۔''

سعدی رک گیا۔ زمر کی بھیگی نگاہیں اس پہ ویسے ہی مرکوز تھیں۔ سعدی نے آنکھیں سکیڑیں۔ زمر کو دیکھتا رہا' دیکھتا رہا' یہاں تک کہ ایک دم اس کو جیسے دھکا لگا۔ آنکھوں میں شاک سا پھیلا۔ زمر چوری کی بات نہیں کر رہی تھی۔

''امی نے... یا حسین؟'' وہ قصوروار کا نام جاننا چاہتا تھا۔

''بڑے ابا نے۔'' زمر نے بھیگے لہجے میں تصحیح کی۔ سعدی کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ لب بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔ پھر سر ہلایا۔

''میں ان کو اس کے لیے معاف نہیں کروں گا۔'' وہ بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ زمر کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ اندھیرے میں لڑے شخص پہ کسی نے فلڈ لائٹس روشن کر دی تھیں۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا سعدی؟ مجھے کیوں دھوکے میں رکھا؟'' صرف سعدی کے سامنے وہ رو سکتی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔ سعدی نے کاؤنٹر پہ کھڑے لڑکوں کو اشارہ کیا۔ ان سب نے فوراً شکلیں کچن میں گم کر لیں۔

''اگر مجھے پتا ہوتا تو تمہیں ایسے کبھی نہ کرنے دیتی۔ کیوں نہیں بتایا؟ کیوں نہیں جتایا؟ ایک دفعہ تو کہا ہوتا۔ غصے سے کہہ دیتے۔ لڑ کر کہا ہوتا۔ ہمارے درمیان تو بہت ہوتی تھی۔''

''میں جتانے والا نہیں ہوں۔'' اس نے مجرم کی طرح سر جھکا لیا۔

''اپنا کیوں نہیں سوچا؟ اس عمر میں کوئی گردہ دیتا ہے کیا؟ آگے لمبی زندگی پڑی ہے تمہاری۔ شادی کرو گے' بچے ہوں گے۔ ایک گردے کے ساتھ کیسے رہو گے؟'' اس کا دل بری طرح دکھا ہوا تھا۔

''وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ واک کرتا رہوں' شوگر وغیرہ نہ ہو تو سب ٹھیک رہے گا۔'' جھکے ہوئے سر سے سادہ وضاحت دی۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں تمہیں یہ کبھی نہ کرنے دیتی۔ یہ گردہ تو کیا پتا اسی وقت ضائع ہو جاتا۔ کیا پتا کچھ سال بعد ضائع ہو جائے۔ میں واپس اسی اسٹیج پہ آ جاؤں گی۔ اپنے لیے تمہاری صحت کے ساتھ اتنا بڑا نقصان میں تمہیں کبھی نہ کرنے دیتی سعدی۔''

''اسی لیے نہیں بتایا۔'' اس نے گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔ زمر کا چہرہ آنسوؤں سے گیلا تھا۔ وہ چار سال پہلے والی زمر تھی۔ وہ ''پھپھو'' سے واپس زمر بن گئی تھی۔

''میں ہم دونوں میں سے پہلا دھوکے باز نہیں ہوں زمر! کیا آپ نے کبھی مجھے دھوکے میں رکھ کر کچھ نہیں کیا؟ کیا میرے لیے اپنا مال... کے لیے آپ نے کچھ نہیں کیا؟ یاد ہے جب ہم اسکول میں تھے' میں...''

''سعدی۔'' اس نے روکنا چاہا۔

''نہیں' مت روکیں۔سنیں.....میں چھوٹا تھا۔آپ مجھ سے آٹھ سال بڑی تھیں۔آٹھ کلاس آگے تھیں۔ہمارا ایک ہی اسکول تھا۔ا
اور دادی کی نہیں بنتی تھی۔ہم الگ رہتے تھے۔ابو کے حالات اچھے نہیں تھے۔مگر خوددار تھے۔بڑے ابا کو ہوا نہیں لگنے دیتے تھے۔پھر میں ا
ہی کا بیٹا تھا۔ان سے اسکول لے جانے کو پیسے نہیں مانگتا تھا۔امی اور ابو اپنے مالی مسائل میں اتنے الجھے ہوتے تھے کہ خود سے دینے کا خیال
نہ آتا۔میں گھر سے آدھی چیزوں کے بغیر آتا تھا۔مگر اسمبلی سے کلاس میں واپس آتا تو میری جیومیٹری باکس میں پنسل' ربڑ' شارپنر' رولر اور وہ
تھا ہاں''ڈی''(پروٹیکٹر)وہ سب پورا ہوتا تھا۔آپ بنا بتائے روز صبح میرا بیگ چیک کر کے چیزیں رکھ جاتی تھیں۔اور آپ اسمبلی سے لیٹ
ہو جاتیں۔اسی لیے ڈانٹ بھی کھاتیں۔مگر زمر آپ ہمیشہ سے بہت determined(مستقل مزاج)رہی ہیں۔جو ٹھان لی اسے کر
ہے۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔اسے یوں سر جھکا کر بولتے سننا اچھا لگ رہا تھا۔

''اور ہر بریک میں مجھے ساتھ لے جاتیں۔تب دو روپے کا سموسہ اور ایک روپے کی ٹمکو ہوتی تھی۔آپ کہتیں' میں تین روپے لائی
ہوں۔میں''چیز''لے کر کھالوں گی' تم میرا لنچ کھالو۔ان دنوں میں نہ لنچ لاتا تھا' نہ پیسے۔آپ کہتیں امی نے جو کباب دیا ہے وہ مجھے نہیں پسند
تم لے لو۔اور میں یقین کر کے کھالیتا۔بہت دن بعد خیال آیا کہ کباب تو آپ کو بہت پسند تھے۔بہت سالوں بعد خیال آیا کہ کبھی آپ کو کینٹین
سے کچھ خرید کر کھاتے نہیں دیکھا۔''

زمر نے ہتھیلی سے آنسو رگڑے۔پھر اداسی سے مسکرائی''ان دنوں بڑے ابا کی نوکری چلی گئی تھی۔ہمارے حالات بھی اچھے نہیں
تھے۔دونوں باپ بیٹے خوددار تھے۔میں دونوں کا بھرم رکھنا چاہتی تھی۔''

''ہاں.....میں.....بہت دیر سے سمجھا کہ آپ پیسے نہیں لاتیں۔میرے لیے آپ سارا دن بھوکی رہتی تھیں۔جب امی نے کاروبار
سوچا تو میں نے کہا کہ ریسٹورنٹ کھولیں۔کسی کو کھانا کھلانے سے بڑا احسان بھی کیا ہوگا؟''

''سب اپنے گھر کے بچوں کے لیے یہ کرتے ہیں۔اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔''مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

''میں چھٹی کے بعد کلاس فیلوز کے ساتھ''برف پانی''کھیل رہا تھا۔جس لڑکے کی باری تھی' اس نے مجھے برف کر دیا اور اس سے
پہلے کہ کوئی مجھے پانی کرتا' کسی بات پہ دو تین لڑکوں نے مجھے بہت مارا۔میں کمزور تھا۔چھوٹا تھا۔وہ بڑے تھے۔مجھے مار مار کر گرا دیا۔میرے
کپڑوں پہ خون اور مٹی لگی تھی۔آپ پتا نہیں کہاں سے آ گئیں۔آپ نے مجھے اٹھایا' میرا چہرہ صاف کیا۔اپنی یونیفارم کی پٹی سے خون صاف
کیا۔پھر پکڑ کر بنچ پہ ساتھ بٹھایا اور پوچھا''ان لڑکوں کا نام بتاؤ۔کلاس اور سیکشن۔''میں ڈر گیا۔کہا کہ جانے دیں۔مگر آپ تو شروع سے
پراسیکیوٹر تھیں۔آپ تو ڈٹ گئیں۔''دو کوئی اور لوگ ہوتے ہیں جن کے سعدی کو کوئی مار جائے اور وہ چپ کر کے بیٹھ جائیں۔میں تو غلط چیز پہ
چپ نہیں رہوں گی۔ہمارے سعدی کو کس نے مارا ہے؟''آپ مجھے اسی طرح کہا کرتی تھیں''ہمارا سعدی۔''اور اس وقت آپ کے یہی
الفاظ تھے۔نام' کلاس' سیکشن۔مجھے بتانا پڑے۔تب مجھے پتا چلا' آپ کتنی مستقل مزاج ہیں اور ہیڈ اسٹرانگ بھی۔آپ ان لڑکوں کے پاس
گئیں۔ان کو کچھ نہیں کہا۔صرف پیار سے ان کے ماں باپ کے پتے پوچھے۔پھر اللہ جانے کیسے آپ نے ان کے والدین کو اسکول بلایا۔ا
لڑکے' مجھے' ٹیچرز' پرنسپل' سب کو ایک کمرے میں اکٹھا کیا اور پھر آپ نے وہ لمبی تقریر کی۔وہ شرمندہ کیا ان کو کہ مجھے یقین ہے گھر جا کر ان لڑکوں
کو مجھ سے زیادہ مار پڑی ہوگی۔''

زمر ہنسی سے ہنسے جا رہی تھی۔سعدی نے عرصے بعد اسے یوں ہنستے دیکھا تھا۔

''میں دس سال کا تھا جب آپ کی منگنی ہوئی تھی۔پہلی منگنی۔''اس کے اگلے الفاظ نے زمر کی ہنسی بکھیر دی۔

وہ سر جھکا کر کہنے لگا''ان کو شادی کی جلدی تھی۔بڑے ابا نے سارا جہیز جمع کر لیا تھا۔آپ نے انٹر کے بعد پڑھائی بھی بس کر دی۔

شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ دادی نے سارا سامان اسٹور میں رکھا تھا۔ کپڑے، فرنیچر سب اوپر نیچے ٹھسایا تھا۔ میں اور آپ وہاں بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ آپ مجھے بہت شوق سے اپنی چیزیں دکھا رہی تھیں۔ میں نے زندگی میں کبھی دوبارہ آپ کو اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا تب دیکھا تھا۔"

"چھوڑو اس بات کو۔" اس نے تکلیف سے پہلو بدلا۔

"مجھے تو وہ سب یاد ہے۔ آپ چلی گئی تھیں۔ میں اکیلا تھا۔ میں نے کچھ جلایا تھا' یا پتا نہیں کیا' میں باہر آ گیا۔ مگر آگ نہیں بجھی۔ سارا اسٹور جل کر راکھ ہو گیا۔ اگر وہ اسٹور الگ نہ بنا ہوتا تو سارا گھر جل جاتا۔ بڑے ابا کے پاس جہیز دوبارہ بنانے کی رقم نہ تھی۔ لڑکے والوں کے پاس مہلت دینے کا ظرف نہ تھا۔ آپ کی منگنی ٹوٹ گئی۔ دادی کو شک تھا کہ اس میں میرا ہاتھ ہے۔ مگر آپ نے سب سے کہا یہ آپ سے ہوا ہے۔ آپ نے مجھ تک بات نہ آنے دی۔" میں نے پوچھا کہ کیوں جھوٹ بول رہی ہیں؟ تو آپ نے کہا۔ "سعدی! میں تمہیں پروٹیکٹ کر رہی ہوں۔ میں ہمیشہ تمہیں پروٹیکٹ کروں گی۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں تھا۔"

"تھا... اور آپ کی دوسری منگنی ختم ہونے میں بھی میرا قصور تھا۔ میں نے آپ کو مجبور کیا تھا۔ وارث ماموں کے کیس کے لیے۔ میں نے آپ کو اس میں پھنسایا تھا۔ کیا اس سب کے بعد بھی اور دوسری ان گنت قربانیوں کے بعد بھی جو آپ نے ہمارے لیے دیں، میں آپ کے لیے اتنا سا بھی نہیں کر سکتا تھا؟"

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "کچھ بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا۔ یہ میری قسمت تھی۔ میں چار سال غلط وجہ سے تم سے خفا رہی یا شاید میں انکار کرتی رہی کہ تم خود...... تم نے بھی تو میری موجودگی میں آنا چھوڑ دیا تھا۔"

"میں چاہتا تھا ہم ناراضی میں کم سے کم سامنا کریں۔ مجھے پتا تھا ایک دن ہماری صلح ہو جائے گی۔ خون کے رشتوں میں صلح ہو ہی جاتی ہے۔ مگر میں درمیان کی تکلیف سے بچنا چاہتا تھا۔"

زمر نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا جو سر جھکائے لب کاٹتا کہہ رہا تھا۔ یہ وہی بچہ تھا جس کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ یہ اتنا بڑا کب ہوا؟

"کیا آپ کل رات کے لیے ابھی بھی ناراض ہیں؟" سعدی نے سر اٹھا کر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں کل بھی ناراض نہیں تھی۔ بس اپ سیٹ تھی۔"

"نکلنے سے پہلے ان کی نوکرانی مجھ سے ٹکرائی تھی بری طرح۔ اسی نے میرے کوٹ میں ڈالا ہوگا' مجھے یقین ہے۔"

"ہوں... ہو سکتا ہے اس نے چرایا ہو۔ مگر پکڑے جانے کے خوف سے ایسا کیا ہو۔" وہ ٹشو سے آنکھوں کے کنارے پونچھتے اندازہ لگا رہی تھی۔

"زمر! ملازم مالک کے کہے بغیر اتنا بڑا اسٹیپ نہیں لیتے۔ یہ سب ہاشم نے کروایا ہے۔" مگر زمر جو کل ہاشم سے بدگمان ہو رہی تھی' اب وہ "بدگمانی" زائل ہو چکی تھی۔

"ہاشم کو نیکلس چاہیے تھا۔ اس لیے وہ تلاشی لینا چاہتا تھا۔ شاید مجھ سے کوئی بھولا بسرا بدلہ بھی اتارنا چاہتا ہو۔ مگر وہ اتنا برا نہیں ہے۔ یہ خود رکھواتا۔ ورنہ وہ صبح مجھے فون کر کے معذرت نہ کرتا۔" وہ رسان سے سمجھا رہی تھی۔ "اس کو پتا تھا کہ نیکلس تمہاری جیب میں ہے مگر پھر بھی اس نے تمہیں جانے دیا۔ اس نے تمہیں بے عزت نہیں ہونے دیا۔ میں اس کے اس عمل کی قدر کرتی ہوں۔ خیر... اب تم وہ کیسے واپس کرو گے؟"

''خود جاؤں گا اور دے کر آؤں گا۔ اور چونکہ وہ اتنے برے نہیں ہیں تو میرے اس عمل کی قدر کریں گے۔'' بظاہر سعدی نے نرمی سے کہا کہ وہ متنازع موضوع کو زمر کے ساتھ چھیڑ کر تازہ تازہ مندمل ہوتے زخم پھر سے نہیں کریدنا چاہتا تھا۔

ریسٹورنٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ سعدی چونکا۔ پھر بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ زمر نے گردن موڑی۔ فارس وہیں رک گیا تھا۔ زمر نے رخ واپس موڑ لیا تھا۔ ٹشو سے آنکھیں تھپتھپا کر صاف کیں اور اٹھی۔

بوجھل سی خاموشی نے سب کو گھیرے میں لے لیا۔

''پھر ملیں گے۔'' نرمی سے اس نے سعدی کا کندھا تھپکا اور مڑ گئی۔ فارس تیکھی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے مڑنے پہ شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

وہ متناسب چال چلتی دروازے تک آئی۔ فارس ہٹ گیا۔ زمر نے بس ایک سرد نفرت آمیز نگاہ اس پہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ فارس کی پیشانی پہ بل پڑے۔ اس نے اکھڑے تاثرات کے ساتھ اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹک کر آگے آیا۔

''آئیں... بیٹھیں...'' سعدی نے احترام سے اشارہ کیا۔ مگر وہ کھڑے کھڑے تنے ابرو کے ساتھ اسے گھورتا رہا۔

''ایک دفعہ پوچھوں گا۔ سچ نہ بتایا تو اگلوانے کے سارے طریقے آتے ہیں مجھے۔''

''کیا ہوا؟'' سعدی حیران ہوا۔

''جس روز میں رہا ہوا تھا اس رات تم میرے کیس کے جج سے کیوں ملے تھے؟''

سعدی نے کچھ کہنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ وہ واقعی شاکڈ تھا۔ بے یقین تھا۔

''میں... آپ کو کیسے پتا چلا میں اس سے ملا تھا؟''

فارس نے گہری سانس لی۔

''تو تم واقعی اس سے ملے تھے۔ میرا اندازہ ٹھیک تھا۔''

اور سعدی کو ایک دم اپنی بیوقوفی کا احساس ہوا۔ ظاہر ہے اگر اس نے جج کو مجبور کیا تھا تو فیصلے والی رات کو ہی ملا ہو گا۔ اف....

''انکار مت کرنا۔ اب دیر ہو چکی ہے۔'' فارس نے کرسی کھینچی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ افراتفری پھیلا کر اس نے سعدی کو گڑبڑا دیا تھا۔

''کیا دیا ہے اس کو مجھے رہا کروانے کا؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''آپ بے گناہ تھے۔''

''میں نے پوچھا کیا دیا ہے؟'' اس کی آنکھوں میں سختی بڑھی۔

''ان کے کچھ خفیہ راز معلوم تھے مجھے۔ ان کو ایکسپوز کرنے کی دھمکی دی۔ وہ مان گئے۔'' فارس ان ہی سخت تیوروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔''

''مجھے بھی قانون سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ایک بے گناہ کو پھانسی تک دھکیلے گا۔ میرے پاس جج کو دینے کے لیے لمبی چوڑی رقم نہیں تھی۔ یہ میرا ادھدا آپشن تھا۔ جو قانون روٹی نہیں دے سکتا وہ ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتا۔ اور وہ جج اتنا معصوم نہیں تھا۔ اس نے پھانسی صادر کرنے کے لیے پیسے لے رکھے تھے۔ میں نے اس کو اسی شے سے روکا۔ کبھی کبھی اچھے کو برا کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ برے کو سزا دلوا سکے۔'' اس نے مشہور مقولہ دہرایا۔ پھر اضطراب سے فارس کا چہرہ دیکھا۔

''کس نے پیسے دیے تھے جج کو؟'' وہ پتلیاں سکیڑ کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی نے سوچا کہہ دے ہاشم کاردار نے' مگر اول تو اس کے پاس ثبوت نہ تھے۔ دوم فارس یقین کیونکر کرتا؟ کیونکہ گرفتاری کے بعد سے اب تک ہاشم نے منہ زبانی ہمیشہ بظاہر فارس کا ساتھ دیا تھا۔ اور فارس اسے جتنا ناپسند کرتا ہو' وہ ہاشم کو اپنے بھائی اور بیوی کا قاتل نہ مانتا۔ اور اگر مان بھی لے تو اس کا غصہ جو نگیل جنس کی ذکری نے دبا دیا تھا' جیل کے چار سال واپس لے آئے تھے۔ ادھر فارس کو یقین آتا' ادھر جا کر وہ ہاشم کا گریبان پکڑ لیتا۔ کیا اتنی جلدی یوں اسے ہاشم کو خبردار کر دینا چاہیے؟ یا سب تیاری کر کے ایک ہی دفعہ حملہ کرنا چاہیے؟ وہ فائلز ابھی تک ڈی کوڈ نہیں ہوئی تھیں۔ سعدی نے فیصلہ کرنے میں لمحے لگائے۔

''جج نے نہیں بتایا۔ مگر میں پتا کروا لوں گا۔'' وہ نگاہ ملائے بغیر لڑکوں کو آوازیں دینے لگا۔ ''کیا لیں گے آپ؟''

''سنو سعدی۔'' پھر اسے سختی سے سمجھایا۔ ''یہ میرے مسئلے ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ ان کو میں خود ہینڈل کروں گا۔ آئندہ تم ان معاملوں سے خود کو دور رکھو گے۔ بات سمجھ میں آئی ہے یا نہیں؟''

''مگر کافی تو لیں گے نا آپ؟'' وہ اتنی ہی معصومیت سے بولا تھا۔

''لے چکا میں سب۔'' فارس نے ناک سے مکھی اڑائی اور اٹھ گیا۔

''ماموں..... رکیں..... بڑے ابا نے آپ سے ملنا ہے۔''

فارس جاتے جاتے مڑا۔ ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔ شیشے کی دیوار پہ نظر ڈالی۔ وہ کب کی جا چکی تھی۔

''کل ان کے گھر چلیں گے۔''

''گھر؟'' اس نے ناگواری سے ابرو اٹھائی اور دوبارہ شیشے کی دیوار کو دیکھا۔

''وہ اس وقت گھر پہ نہیں ہوں گی۔ ان کی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ ہے۔ آپ نے انکار کیا تو بڑے ابا کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

فارس نے لب کھول کر بند کیے۔ متذبذب سا سر جھٹکا۔ ''اچھا کل دیکھیں گے۔ اور ہاں وہ موضوع ابھی ختم نہیں ہوا۔'' تنبیہ کر کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

سعدی نے گہری سانس لے کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔

..................☆☆☆..................

پیر کی صبح ہر دوسرے آفس کی طرح وہاں بھی کاموں کی افراتفری پھیلی تھی۔ جواہرات باریک ہیل سے کوریڈور میں چلتی آ رہی تھی۔ گزرتے لوگوں کے سلام کا مسکرا کر سر کے خم سے جواب دیتی وہ ہمیشہ کی طرح دمک رہی تھی۔ راہداری کے سرے پہ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر کھول کر اندر آئی تو راستے بھر کی مصنوعی مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس کی جگہ تشویش نے لے لی۔

لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرتے ہاشم نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر واپس ٹائپ کرنے لگا۔ اس کا کوٹ اسٹینڈ پہ لٹکا تھا اور وہ مصروف لگ رہا تھا۔

''خیریت؟''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ دو لڑکا دو دن سے تمہارا سارا ڈیٹا لے کر بیٹھا ہے اور تم اتنے سکون سے کام کر رہے ہو۔'' میز پہ ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے وہ تشویش سے بولی۔ ''پہلی بات میرے ڈاکومنٹس سیکورٹی کی تہوں میں تھے جنہیں وہ نہیں توڑ سکتا۔ میں ابھی چار بندوں کے ہاتھ اس کے گھر پہ دھاوا بول سکتا ہوں۔ اس کے سارے کمپیوٹرز اور فائلز نکال سکتا ہوں۔ مگر میں اس کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا کہ اس کے پاس میری کوئی کمزوری ہے۔'' کرسی گھما کر ماں کو دیکھتے ہوئے ہاشم تحمل سے کہہ رہا تھا۔ ''اور مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ اتنی جلدی میرا اتنا سارا ڈیٹا کاپی بھی کر

سکتا ہے۔ خیر جو بھی ہو وہ میرے پاس سب سے پہلے آئے گا۔ اور بالفرض اس کے پاس کچھ ہے بھی تو اس کو خاموش کروانے کے ایک سو ایک طریقے آتے ہیں مجھے۔ اب اپنی پریشانی کی دوسری وجہ بتائیں مجھے۔"

جواہرات نے گہری سانس لی۔ انگلی سے بال پیچھے کیے اور کرسی پہ بیٹھی۔

"تمہارا بھائی کہاں ہے؟"

"وہ آج پھر نہیں آیا؟ خیر! گھر پہ سو رہا ہوگا۔"

"وہ گھر پہ نہیں ہے۔ دوستوں کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے۔"

ہاشم نے موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

"ہاں... شیرو کدھر ہے؟ اسے ڈھونڈ کر خبر دو مجھے۔" اور فون میز پہ ڈال کر ماں کو دیکھا۔ "مل جائے گا۔ آخر کہاں جانا ہے اس نے؟"

"وہ ڈسٹرب ہے شہری کی وجہ سے۔ اسے سمجھاؤ ہاشم!"

"میں سنبھال لوں گا۔ کیوں فکر کرتی ہیں؟"

"سعدی کو بھی تمہیں سنبھالنا ہوگا۔ کیونکہ جب تک سعدی کو سزا نہیں ملے گی شیرو کا غصہ ہلکا نہیں ہوگا۔ مجھے ڈر ہے وہ کچھ غلط نہ کر بیٹھے۔"

"ممی! کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم شیرو کو اس کا غصہ نکالنے کی بجائے غصہ کم کرنا سکھائیں؟"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ تم سعدی کا کچھ کرو۔ وہ ویسے بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جتنا سعدی اس کا راستہ کاٹے گا' اتنا ہی شیرو ہائپر ہوگا۔" ہاشم کچھ کہنے لگا تھا... مگر موبائل بجا۔ اس نے کال اٹھائی۔ "ہوں... ٹھیک ہے۔" پھر ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"وہ شوٹنگ کلب گیا ہے۔ اور وہ ٹھیک ہے۔ میں مل لوں گا اس سے۔ بے فکر رہیں۔" نرمی سے مسکرا کر وہ آگے جھکا اور جواہرات کا ہاتھ دبایا۔ وہ بدقت مسکرائی۔ ہاشم پھر سے کام کی جانب متوجہ ہو گیا۔

.... ✤ ✤ ✤ ....

دوست ہیں دل میں ذہن میں دشمن ...... کوئی بھی مجھ سے دور نہیں ہے

سعدی نے گلاس ڈور کھولا۔ اندر آفس میں سارہ کرسی پہ براجمان گردن ترچھی کیے ایک فائل پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بس نگاہیں اٹھا کر اسے آتے دیکھا اور واپس لکھنے لگی۔ بال جوڑے میں بند تھے اور رخسار سرخ گلابی ہو رہے تھے۔

"ڈاکٹر سارہ! میں نے یہ کام مکمل کر لیا ہے۔ فیلڈ رپورٹ تیار ہے۔"

اس نے سلام کے بعد کہتے ہوئے کاغذوں کا بنڈل میز پہ رکھا۔

"آپ کی تعریف؟" سارہ نے لکھتے ہوئے پوچھا۔ سعدی نے "اچھا" والے انداز میں ابرو اٹھائی۔

"آپ اکثر کرتی رہتی ہیں۔" کہہ کر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

سارہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر انگلی سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پہلے سیدھا ہوا' پھر کھڑا ہو گیا۔ سارہ نے قلم کی پشت لبوں سے لگائے اسے دیکھ کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کی شکل دیکھی بھالی ہے۔ اوہ... جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ اس پروجیکٹ کے سینئر انجینئر ہیں۔"

"جی میم! اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے ایک چھٹی کی درخواست دی تھی جواب دہی بھی ہوئی تھی۔"

''تو آپ نے چھٹی ختم ہونے سے پہلے آنے کی زحمت کیوں کی؟''

''پہلے میں بیٹھ جاؤں؟'' اس نے پوچھا۔ وہ اسی طرح خفگی سے اسے دیکھتی رہی۔ سعدی پھر سے بیٹھا اور بنڈل اس کی طرف دھکیلا۔

''آپ کا کام وقت سے پہلے کر دیا ہے۔ فیلڈ پہ جانے کی ساری تیاری بھی مکمل کر لی ہے۔ اب آپ وہ شکایت بتائیں جو آپ کو مجھ سے ہے۔''

سارہ نے فائل بند کی۔ ٹیک لگائی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے سعدی! تھر کے اس فیلڈ پہ ہزاروں لوگ کام کر رہے ہیں۔ اور ان سب کے اوپر اس عہدے پر پہنچنے والی میں واحد عورت ہوں۔ اور اس کی وجہ معلوم ہے کیا ہے؟''

''میرے جیسے ذہین اور قابل سینئر انجینئر کا ساتھ ہونا؟'' سعدی کی زبان پھسلی۔

''اپنے کام سے کمیٹڈ ہو کر رہنا اور بلاوجہ کے ناغوں سے پرہیز کرنا۔''

''آپ کو پتا ہے میں بلاوجہ چھٹیاں نہیں کرتا۔ اب بھی کئی کام تھے تو...'' وہ خاموش ہو گیا اور سنجیدہ بھی۔

''اتنے اہم کام کہ تم نے مجھے فارس کے رہا ہونے کا نہیں بتایا؟''

''آپ نے پوچھا ہی نہیں۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔

''پوچھا تھا میں نے۔ تم نے تو بات ٹال دی تھی۔''

''اچھا نا...اب تو پتا چل گیا آپ کو۔'' وہ خوشگوار انداز میں گفتگو کی نوعیت بدلنے لگا۔ سارہ اب فکرمندی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''تم بہت پراسرار ہوتے جا رہے ہو۔ اب تو کچھ بتاتے ہی نہیں ہو۔''

''ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ میں نے کہا تھا نا اس بندے کے لیپ ٹاپ تک پہنچ جاؤں۔ پھر...''

''کون ہے وہ؟ کیا اسی نے وارث کو....'' سارے شکوے بھول کر سارہ نے آگے ہوتے احتیاط سے پوچھا۔ سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بس تھوڑا سا انتظار کر لیں اور یہ سب مجھے سنبھالنے دیں۔'' مسکرا کر بشاشت سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سارہ کی آنکھوں میں شکایت پھر سے عود کر آئی۔

''اوکے...تم اگلے ماہ مجھے فیلڈ پہ اپنے ساتھ چاہیے ہو۔ تیاری کر لو۔''

''راجر...باس....'' مسکرا کر ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا اور جانے کو مڑ گیا۔

سارہ نے بمشکل مسکراہٹ دبائے سر جھٹکا۔ ''یہ سعدی بھی نا۔''

.... ❖❖❖ ....

یہ ہیں اہل دنیا کے دلچسپ دھوکے ..... کسی کو کسی سے محبت نہیں ہے

نوشیرواں شوٹنگ پوائنٹ پہ کھڑا تھا۔ اس کی لین میں ایک پتلا پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پستول پکڑے بازو سیدھے کیے۔ ایک آنکھ بند کیے نشانہ باندھا۔ کانوں پہ پہلے ہی ہیڈ فون ٹائپ ایئر پروٹیکشن پہنے ہوئے تھا اور آنکھوں پہ زرد گلاسز۔ تاک کر اس نے فائر کیا۔ ایک، دو، تین، چار.....سب دل کے آس پاس لگے۔ دل ٹوٹنے اور چھلنے سے بچا رہا۔

''ہاتھ سیدھا رکھو۔ کندھے مت جھکاؤ۔ اس پوائنٹ کو دیکھو'' اپنے قریب ہاشم کی مدھم آواز سن کر وہ چونک کر مڑا۔ گلاسز لگائے

کیپ پہنے ہاشم اس کو دیکھے بنا آگے ہو کر اس کے ہاتھ کو سیدھا کر رہا تھا۔ نوشیرواں نے ہولے سے سر جھٹکا۔ بیزاری ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ مگر چونکہ وہ ہاشم کی آمد سے بیزار نہیں ہوا تھا' سو ناکام رہا۔ اس کا بازو سیدھا کر کے ہاشم پیچھے ہٹا۔

''ہوں... اب نشانہ لو... پوری یکسوئی سے۔'' اس کے کندھے کے پیچھے کھڑے ہوئے وہ پتلے کو دیکھ کر بولا۔ نوشیرواں نے پتلے کو دیکھا۔ پلکیں سکیڑیں۔ گہری سانس اندر کھینچی اور فائر کیا۔

دل اب بھی نہیں پھٹا۔

وہ اکتا کر سر جھٹکتا ایک طرف ہو گیا۔ مشین نے وہ پتلا پیچھے کر کے فریش پتلا سامنے کیا۔ ہاشم اس کی جگہ پہ آ کھڑا ہوا۔ پستول کا اوپری حصہ پیچھے کر کے لوڈ کیا۔

''شہرین نہ اتنی خوبصورت ہے نہ اتنی متاثر کن کہ تم ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں نکلے۔'' دونوں ہاتھوں میں پکڑا پستول تاک کر نشانے پہ رکھتے وہ بولا۔

''وہ آپ کی بیوی رہی ہے۔'' شیرو سر جھکا کر جوتے سے فرش مسلنے لگا۔ وہ اس موضوع سے بچنا چاہ رہا تھا۔

''مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تم بتاؤ' تمہاری وہ پسند تھی' محبت تھی یا عشق تھی؟'' سامنے دیکھتے ہوئے ہاشم نے فائر کیا۔

گولیوں کی تڑتڑاہٹ شوٹنگ رینج کے اس اندرونی کمرے میں گونجی۔ یکے بعد دیگرے دو گولیاں پتلے کے دونوں ہاتھوں پہ لگیں۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' شیرو نے بیزاری سے شانے اچکائے۔

''فرق پڑتا ہے۔ اگر یہ پسندیدگی تھی تو شام تک تمہیں ٹھیک ہو جانا چاہیے۔'' کہتے ہوئے اس نے پھر فائر کیا۔ دونوں آنکھوں کے بیچ گولی نے سوراخ کر دیا۔

''اگر محبت تھی تو کچھ دن لگیں گے۔'' زوردار گونج کے ساتھ اگلی گولی پیشانی پہ ماری۔

''اور اگر عشق تھا تو...'' پتلے کا نشانہ لیے نظروں کے سامنے سرخ رومال سا لہرایا۔ ریڈ۔ سرخ۔ ''تو پھر یہ لاعلاج ہے۔'' آخری گولی دل پہ ماری۔ دل پھٹ گیا۔ ہاشم نے گلاسز اتارے۔ آنکھیں سکیڑ کر تنقیدی نگاہوں سے پتلے کا جائزہ لیا جسے اب پیچھے لے جایا جا رہا تھا۔ علامتی طور پہ پستول کی نالی پہ پھونک ماری۔ اسے پینٹ کی پچھلی جیب میں اڑسا اور پرسکون سا نوشیرواں کی طرف مڑا۔

''پسند سے زیادہ' محبت سے کم۔'' وہ جوتے سے مسلسل فرش مسل رہا تھا۔

''یا شاید شہرین کے تمہیں استعمال کرنے سے زیادہ صدمہ تمہیں سعدی کے نہ بنے پہ استعمال کیے جانے پہ ہوا ہے۔''

نوشیرواں کے جھکے چہرے پہ مارے اہانت کے سرخیاں دوڑنے لگیں۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہاشم نے بہت غور سے اسے دیکھا۔

''سعدی کو دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے' معلوم ہے؟''

نوشیرواں نے سلگتی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''ڈی اے زمر سے؟''

ہاشم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اور اس کی نظر میں ہم اسے گرا چکے ہیں۔ ان کے خراب تعلقات نیکلس برآمدگی کے بعد مزید خراب ہو جائیں گے۔ جلد سعدی میرے پاس آئے گا اور میں اپنے طریقے سے اس کو سنبھال لوں گا۔ اگر وہ میرے لیے کام کرنے لگ جائے تو سوچو ہمارا غلام بن کر ہمیں کتنا فائدہ دے گا۔''

''وہ کبھی ہمارا غلام نہیں بنے گا۔ ناممکن!'' اور اتنا تو نوشیرواں اسے جانتا ہی تھا۔

''میں اسے ان دیکھی زنجیروں میں جکڑ لوں گا شیرو! ایک دن وہ میرے لیے کام کرے گا۔ اس کا ٹیلنٹ ہمارے حق میں استعمال

ادا نا چاہیے۔"

"مطلب آپ کو ابھی بھی سعدی کی فکر ہے؟" نوشیرواں کے اندر غصے کی نئی لہر دوڑی۔ "وہ ساری زندگی مجھ سے مقابلہ کرتا آیا ہے۔ ہر جگہ مجھے پیچھے کر کے خود لوگوں کی تحسین بٹورتا آیا ہے۔ اس کے سامنے کبھی میں کچھ نہیں ہوتا۔ ہر کوئی اس کا معترف ہوتا ہے۔ آخر کیوں؟"

"کیونکہ وہ ایک خود دار اور ذہین نوجوان ہے۔ اس میں وقار ہے اور وہ رشتوں کا پاس کرنا جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے لیے اچھا سوچتا ہے اور مشکل میں ان کی مدد کرتا ہے۔ انسان کو عزت کرانی پڑتی ہے۔ اور یونو واٹ' میں یہاں کھڑا ہو کر سعدی کی صلاحیتوں پہ دو گھنٹے مزید بھی بول سکتا ہوں۔ مگر مجھے تمہاری فکر ہے۔ کیونکہ میرے بھائی تم ہو۔ اس لیے اس شہرین ڈراما سے نکلو۔ آج پورا دن اس کا سوگ مناؤ اور کل صبح تم مضبوط اعصاب کے ساتھ واپس آفس میں نظر آؤ۔ اور اس بارے میں' میں مزید ایک لفظ نہیں سنوں گا۔"

سختی و درشتی سے اس نے کہا تو شیرو کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھا۔ اس نے جی کہہ کر سر جھکایا۔ ہاشم اس کے برابر سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں نے گلاس اب ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ دنیا اب ذرا واضح نظر آ رہی تھی۔

.... ٭٭٭ ....

اب تو سیل ورد تھم جائے' سکوں دل کو ملے ...... زخم دل میں آ چکی ہے اب تو گہرائی بہت

لاؤنج کی چوڑی کھڑکی کے باہر دھوپ پگھل رہی تھی۔ کچن میں تلتے کبابوں کی خوشبو یہاں تک آ رہی تھی۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا بہت محبت واپنائیت سے صوفے پہ سر جھکائے فارس کو دیکھ رہے تھے۔ قریب ہی سعدی کھڑا ان کی فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

"اونہوں...." نفی میں سر ہلاتے سعدی نے ان کا دوائیوں کا باکس کھول کر دیکھا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے میں کتنی گولیاں چھوڑ کر گیا تھا۔ آپ نے دو ہفتے میں صرف گیارہ روز کی دوا کھائی ہے۔"

فارس نے خاموشی سے بس نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ البتہ انہوں نے مسکراتے ہوئے تفتیش کرتے لڑکے پہ نظر ڈالی۔

"وہ ختم ہو گئی تھیں۔ یہ نئی منگوائی ہیں۔ صداقت سے پوچھ لو۔"

"بیٹے اور غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔"

"میرا پوتا آتا جاتا ہے' اس سے اچھی دوا کیا ہو گی میرے لیے؟" انہوں نے سعدی کا بازو چھو کر فارس سے تائید چاہی۔ فارس جو آگے کو ہو کر الرٹ سا بیٹھا تھا' زبردستی مسکرایا۔ پھر وہی سنجیدگی طاری کر لی۔ وہ بے آرام سے بیٹھا تھا۔

"میں اس بات کو ابھی ٹال رہا ہوں' ختم نہیں کر رہا۔" سعدی تنبیہہ کرتے ہوئے کھڑکی تک آیا اور باہر دیکھنے لگا جہاں پورچ میں اس کی کار کھڑی تھی۔ دوسری کمپنی کا رتھی۔ زمر میڈیکل چیک اپ کے لیے گئی تھی اور اس کو آتے آتے بھی دو تین گھنٹے لگ جانے تھے۔ سو وہ بے فکر تھا۔

"آگے کیا کرو گے فارس؟" وہ اب نرمی سے اسے دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

"پرانی نوکری واپس لینے کی کوشش کروں گا۔" وہ نرمی سے انداز میں بتانے لگا۔

"اگر کوئی مدد....." فارس نے ہلکا سا ہاتھ اٹھایا۔

"میرے پاس کچھ سیونگز ہیں۔ بہت ہے میرے لیے۔ آپ نے پہلے ہی بہت احسان کیے ہیں مجھ پہ۔ مزید نہ دوں گا نہ لیتے اچھا لگوں گا۔" بنا کسی تاثر کے وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میں جانتا تھا تم رہا ہو جاؤ گے۔ جج کو تمہاری بے گناہی کا یقین آ جائے گا۔"

فارس نے ترچھی نظروں سے باہر دیکھتے سعدی کو دیکھا۔''جی! سعدی بھی جانتا تھا۔''
جیبوں میں ہاتھ ڈالے چیونگم چباتے سعدی نے مزے بنا کہا۔''میں نے سنا نہیں۔ کیا کسی نے میرا نام لیا؟''
اور''کسی'' نے سر جھٹک کر چہرہ واپس موڑ لیا۔
''مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ اچھا لگ رہا ہے تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر۔''
''اوہ!'' سعدی نے بے اختیار چیونگم اگلی اور ڈسٹ بن میں پھینکی۔ پھر گھبراہٹ سے باہر دیکھا۔ نیلی کار اس کی کار کے پیچھے رکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل رہی تھی۔ گھنگھریالے بال ہاف بندھے تھے اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے وہ ایک جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔
''آپ نے تو کہا تھا وہ دو بجے سے پہلے نہیں آئیں گی؟'' سعدی ہلکا سا بول پڑا۔
فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ مگر اسے یہاں سے وہ نہیں نظر آ رہا تھا جو سعدی دیکھ رہا تھا۔
زمر اس کی گاڑی کے پاس رکی۔ پھر اچنبھے سے لاؤنج کی کھڑکی کو دیکھا۔ سعدی ادھر کھڑا نظر آیا کہ وہ شیشے کے بہت قریب کھڑا تھا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی اور آگے بڑھ آئی۔ سعدی مسکرا بھی نہ سکا۔
وہ راہداری میں داخل ہوئی تھی کہ ٹرالی لاتا صداقت اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔
''باجی! آپ اتنی جلدی؟''
''ہاں... اپائنٹمنٹ کینسل ہوگئی۔ ڈاکٹر کو کہیں جانا تھا۔ سعدی آیا ہے؟'' وہ سیدھی ڈرائنگ روم کی طرف آ رہی تھی اور اس کی آواز پہلے ہی ادھر پہنچ گئی تھی۔ بڑے ابا نے بے اختیار سعدی کو دیکھا۔
فارس ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔
''آج تو ہمارا سعدی اتنے عرصے بعد...'' چوکھٹ پہ زمر کے الفاظ ٹوٹ گئے۔
فارس سامنے کھڑا تھا۔ ابا وہیل چیئر پہ' سعدی کھڑکی کے ساتھ۔ فارس کو دیکھ کر اس کی بھوری آنکھوں میں پہلے بے یقینی ابھری' پھر صدمہ اور آخر میں شدید غصہ۔ اس کے لب بھنچ گئے۔ اتنی سختی سے کہ گردن کی نسیں ابھرنے لگیں۔ تیز نگاہوں سے سعدی کو دیکھ کر جیسے جواب مانگا۔
فارس تیزی سے اس کے پاس سے گزر کر باہر کی طرف بڑھا۔
''یہ آدمی میرے گھر میں کیا کر رہا ہے؟'' وہ ابھی نکلا بھی نہ تھا جب وہ جواب طلب نظروں سے بڑے ابا کو دیکھ کر اونچی آواز میں بولی تھی۔
فارس لمحے بھر کو رکا' پھر تیزی سے نکلتا گیا۔
''اسے میں نے بلایا تھا زمر!'' بڑے ابا نے ملال سے اسے جاتے دیکھا۔
''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟''
وہ بے یقینی' حیرت و صدمے سے اتنا بلند بول رہی تھی کہ صداقت راہداری میں ہی تھم گیا۔
''وہ بے گناہ ہے۔''
''اور میں بے گناہ نہیں تھی؟ آپ کو اس سارے معاملے میں' میں معصوم نہیں لگتی؟''
''زمر...'' سعدی نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم تو بالکل خاموش رہو!" انگلی اٹھا کر اسے چپ کرایا۔ سعدی نے سر جھکا لیا۔

مرکزی دروازہ کھول کر بند ہونے کی آواز آئی۔

"اگر آئندہ یہ آدمی میرے گھر میں داخل بھی ہوا تو میں یہاں نہیں رہوں گی ابا۔"

فارس پورچ عبور کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اہانت اور ضبط سے اس کے کان سرخ ہو گئے تھے۔ بڑے ابا کا دل بری طرح دکھا۔

"وہ میرے اصرار پہ آیا تھا۔ اس کا کیا قصور؟"

"یہ... یہ... سب..." زمر نے پرس سے رپورٹس کے لفافے نکال کر زور سے میز پہ اچھالے۔ وہ سب بکھر کر نیچے لڑھک گئے۔ "یہ سب اس کا قصور ہے۔ آپ کے دو بچے ایک ایک گردہ کھو چکے ہیں تو اس آدمی کی وجہ سے۔ اور آپ اسے اپنے لاؤنج میں بٹھا رہے تھے؟ ابا! اس نے مجھے گولی ماری تھی۔ یہ وہی آدمی ہے۔"

"تم نے اسے یہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا... تم..."

"مجھے پتا ہے یہ وہی تھا۔ مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ گلابی سرخ آنکھوں کے ساتھ پھٹے دل سے واپس پلٹ گئی۔

صداقت سر جھکائے ٹرالی اندر لے آیا۔ سعدی نے گہری سانس بھری۔ آگے آیا۔ کباب اٹھایا۔ صوفے پہ براجمان ہوا اور اسے چکھا۔

"مزے کا ہے۔ آپ بھی لیں نا۔"

وہ ابھی تک دل مسوس کر بیٹھے تھے۔ گردن دائیں طرف گرائے۔ زرد رنگت کے ساتھ۔

"وہ کیا سوچتا ہوگا۔ اور تم بھی اسے لے کر نہیں گئے۔ بے چارہ ٹیکسی پہ گیا ہوگا۔"

"او چھوڑیں بڑے ابا! وہ بہت رف اینڈ ٹف ہیں۔ چار سال جیل میں چکی پیس کر آئے ہیں۔ ٹیکسی پہ جا کر گھل نہیں جائیں گے۔" اس نے اٹھ کر دوسرا کباب اٹھا رہا تھا۔

"وہ میرا مہمان تھا۔ گھر آنے کے ساتھ کوئی ایسے کرتا ہے؟ اور وہ تو تھا بھی معصوم۔"

"آپ ایسا کریں۔" اس نے کباب توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "پھپھو کی شادی کرا دیں۔"

بڑے ابا نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں کرا سکتا ہوں؟"

سعدی نے چباتے ہوئے آنکھیں سکیڑ کر سوچا۔ "تھیوریٹیکلی ہاں۔ hypothetically شاید اور پریکٹیکلی تو بالکل بھی نہیں۔" امید سے شروع کی ہوئی بات کے آخر میں جھرجھری لے کر اس نے سر جھٹکا۔

بڑے ابا وہیل چیئر کے پہیے چلاتے اس کے قریب آنے لگے۔

"پڑھی لکھی لڑکیاں جب تیس عبور کر جائیں اور ان کے پاس نہ ختم ہونے والے دلائل ہوں تو ان کو کوئی شادی کے لیے مجبور نہیں کر سکتا اور..." غم زدہ مسکراہٹ سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔ "اور وہ تو اسے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی، زندگی میں کیسے کرے گی؟"

کباب میں کوئی ہڈی تھی شاید جو سعدی کے حلق میں پھنس گئی۔ وہ بے اختیار آگے جھک کر کھانسا۔ پھر چہرہ اٹھا کر اڑی رنگت کے ساتھ ان کو دیکھا۔

"میں نے... یہ تو نہیں... کہا۔"

"چھ فٹ کا پوتا پچیس سال کا ہو کر باہر سے ڈگری لا کر سمجھتا ہے کہ وہ دادا کی دوائیوں کی پرچی پڑھ سکتا ہے اور دادا اس کا ذہن نہیں پڑھ

سکتا۔"

سعدی نے بوکھلا کر دروازے کو دیکھا۔
"آہستہ بولیے۔ میں عاق کر دیا جاؤں گا۔"
بڑے ابا اداسی سے مسکرائے۔ "یہ میری بھی خواہش ہے، ہمیشہ سے تھی۔ مگر وہ کبھی نہیں مانے گی۔"
سعدی بالکل چپ ہو گیا۔ تب ہی راہداری سے قدموں کی آواز آئی۔ سعدی نے جلدی سے کبابوں کی پلیٹ واپس رکھی اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔
"جاب پہ نہیں جا رہے ہو آج کل؟" زمر اندر آئی۔ سامنے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی۔ لباس بدل کر فریش اور سنبھلی ہوئی تھی۔
"منڈے تک آف لیا ہے۔ کچھ کام نپٹانے تھے۔" وہ بظاہر سرسری لہجے میں کہتے ہوئے گا ہے بگا ہے محتاط نظر اس پہ ڈالتا۔
"اگر تمہیں میرا رویہ برا لگا ہے تو میں معذرت کرتی ہوں، مگر مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ اگر تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو تو تمہیں میں حق بجانب نظر آؤں گی۔" نہایت ٹھنڈے لہجے میں وہ شروع ہوئی۔ "میری زندگی کے کچھ اصول ہیں۔ میں جن کو پسند نہیں کرتی، ان سے بھی مل لیتی ہوں۔ مگر جن سے نفرت کرتی ہوں بالخصوص کسی ایسے شخص سے جس نے مجھے نقصان دیا ہو تو اس کو میں اپنے ارد گرد برداشت نہیں کر سکتی۔ اس بارے میں مجھے اپنے جذبات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔" آخر میں ہلکے سے شانے اچکائے۔
سعدی نے سر ہلایا۔ وہ جذبات نہیں، مگر ڈھیروں کرب چھپا کر آئی تھی۔
"آئندہ کچھ بھی ایسا نہیں ہوگا جو آپ کو تکلیف دے۔ زمر! اور جو دے چکے ہیں، وہ ضرور بھگتیں گے۔"
"مجھے ان کے بھگتنے سے غرض نہیں ہے۔"
"مگر آپ تو انصاف، قصاص پہ یقین رکھتی تھیں۔"
"معاف میں نے ابھی بھی نہیں کیا سعدی! مگر میں زندگی میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔ میں خود کو مزید تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "ابا! آپ کو اس سے ملنا ہے تو ضرور ملیں۔ مگر میری موجودگی میں یہ مت کیا کیجیے۔"
"ہم نے تو یہی سمجھا تھا نا۔" سعدی نے بمشکل خود کو کہنے سے روکا۔
"سعدی چاہتا ہے ہم کل رات اس کی طرف کھانا کھائیں۔" بڑے ابا نے بات بدل دی۔ نہ تائید کی، نہ انکار کیا۔
زمر نے سعدی کو دیکھا جو متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی۔
"شیور! ہم ضرور آئیں گے۔"
سعدی کی رنگت واپس آئی۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا۔
"ہم سب انتظار کریں گے۔"
زمر کی مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

تم جسے نورِ صبح کہتے ہو...... میں اسے گردِ شام بھی نہ کہوں

رات کی سیاہ افشاں پورے شہر پہ جھلملا رہی تھی۔ کاردارز کے عظیم الشان قصر کے سامنے لان نشیب میں جاتا تو آگے انیکسی تھی۔ فارس دروازے پہ کھڑا چابیوں کے گچھے سے ایک لگا رہا تھا۔ جینز پہ بٹنوں والی شرٹ پہنے کف کلائی پہ موڑے اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

دروازہ کھلا۔ اس نے اندر قدم رکھا۔ بنا دیکھے دیوار پہ ہاتھ مارا اور سیدھا دوسرا بٹن دبایا۔ داخلی حصے کی بتی جل اٹھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اندر آیا۔ گردن گھما کر چھت' کھڑکیوں' دیواروں کو دیکھتا وہ راہداری سے گزر رہا تھا۔

گھر باہر سے پینٹ شدہ تھا' کیونکہ کاروار زاپنا گھر پینٹ کرواتے تو اس کا بھی بیرونی حصہ کرواتے تھے کہ ان کے لان سے وہ دکھائی دیتا تھا۔ البتہ اندر سے گھر معمولی تھا۔ نارمل فرنیچر' چپس کا فرش' دیوار اور چھت کے ملنے کی جگہ پہ اکھڑا پینٹ۔

وہ آگے بڑھتا گیا۔ جواہرات نے یہاں کی صفائی کروادی تھی۔ آج وہ صاف ستھرا سا پڑا تھا۔ مگر پھر بھی پرانا اور معمولی لگتا تھا۔

لاؤنج چھوٹا سا تھا۔ اس کے ایک طرف کھانے کی گول میز رکھی تھی۔ ڈرائنگ روم الگ تھا۔ سیڑھیاں اوپر جاتیں۔ ایک طرف دروازہ تھا جہاں سے سیڑھیاں بیسمنٹ میں جاتیں۔ بیسمنٹ تہہ خانے کی طرح تھی۔ پورے گھر کے رقبے پہ پھیلا کمرہ جس میں ستون تھے مگر دیواریں ندارد..... اس تہہ خانے میں کاٹھ کباڑ تھا۔ فارس ادھر نہیں گیا۔ وہ اوپری منزل پہ آیا۔ آگے ٹیرس بھی تھا اور اندر دیوار پہ ایک تصویر تھی۔

تصویر میں وہ ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔ بالکل ہلکا سا۔ ایش گرے ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔ بال اب جیسے تھے۔ ساتھ ایک ساڑھی میں ملبوس لڑکی کھڑی تھی۔ اسٹیپ میں کٹے بال' بڑے جھمکے' جاذب نظر۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

فارس پلٹ گیا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ باتھ روم میں آکر اس نے نل کھولا اور آستین موڑ کر وضو کرنے لگا۔

ٹیرس سے باہر روشنی میں نہایا قصر دکھائی دے رہا تھا۔ اندر ملازموں کی چہل پہل جاری تھی۔ جواہرات سربراہی کرسی پہ براجمان نزاکت سے چھری کانٹے سے اسٹیک کا ٹکڑا توڑ رہی تھی۔ دائیں ہاتھ بیٹھا ہاشم پلیٹ پہ جھکا کھانے میں مگن تھا۔ اس کے موبائل کی میسج ٹون وقفے وقفے سے بج رہی تھی۔ جواہرات کے دوسرے ہاتھ بیٹھا نوشیرواں بے دلی سے کانٹا پلیٹ میں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔

"تم آج پھر آفس نہیں آئے۔" جواہرات نے کانٹا چلاتے بس نگاہیں اٹھا کر شیرو کو دیکھا۔ اس نے بیزاری سے چہرہ اٹھایا۔

"آپ لوگ مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے؟"

"ممی!" ہاشم نے نگاہوں میں جواہرات کو تنبیہہ کی۔ اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"میرا خیال تھا تم اب تک اپنے بھائی کو سمجھا چکے ہو گے۔ مگر یہ ہنوز اس عورت کے غم میں ہے جو اس کو گدھا سمجھ کر استعمال کر کے چلی گئی۔"

"آپ چاہتی ہیں میں ٹیبل سے اٹھ جاؤں؟" اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"شیرو! بدتمیزی مت کرو۔ وہ ہماری ماں ہیں۔"

اور جس طرح ہاشم نے صرف نگاہ اٹھا کر سختی سے کہا تھا' نوشیرواں نے گردن جھکالی۔ جواہرات نے گہری سانس لے کر گلاس لبوں سے لگایا۔

"میں اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب تمہیں احساس ہو گا کہ تمہاری ماں اور تمہارا بھائی تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لیے کیا کیا کرتے ہیں۔ اور یہ پورا ہفتہ ہم نے تمہارا خوامخواہ کا غصہ برداشت کیا ہے۔ تم ہمیں ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہو؟ اگر سعدی نے (اور اس نام پہ نوشیرواں کی نڈیاں بھینچنے لگیں) کچھ برا کیا بھی ہے تو تمہارے بھائی کے ساتھ۔ اور جب وہ کہہ رہا ہے کہ وہ اسے سنبھال لے گا تو تم کیوں اپنا خون جلا رہے ہو؟"

نوشیرواں نے کانٹا رکھ دیا۔ بس کھا چکا تھا وہ۔

"فارس چلا گیا؟" ہاشم نے دانستہ ماں کو دیکھتے ہوئے موضوع بدلا۔ وہ ابھی..... ٹھنڈے انداز میں شیرو کی مزید کلاس لے سکتی تھی مگر

ہاشم کے مسلسل نگاہوں سے تنبیہہ کرنے پہ گہری سانس لے کر بولی۔

"مہمان سے چار دن بعد بو آنے لگتی ہے۔ سو آج اس کا گھر تیار کروا دیا تھا۔"

نوشیرواں اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر بہر حال اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ بڑے بھائی اور ماں کے سامنے سے یوں اٹھ جائے۔

ہاشم کا موبائل پھر بجا۔ اس نے ایک ہاتھ سے کانٹا لبوں تک لے جاتے دوسرے سے فون کان سے لگایا۔ "جی.... جی.... آپ کا کام ہو گیا تھا۔ میں صبح تک کیس فائل آپ کو بھجوا دوں گا۔ جی بالکل۔" اس نے پلیٹ پرے کی اور دوسرا نمبر ملانے لگا۔ ہاشم کے ہر وقت بجتے فون کے وہ عادی تھے۔

"جی زمر! کیسی ہیں آپ؟"

ان دونوں نے چونک کر اسے فون پہ کہتے سنا۔

"میں نے آپ کو ایک کیس فائل کا کہا تھا۔ او کے۔ وہ کاپی ہو گئی؟ اچھا۔ میں ڈرائیور کو بھیج دیتا ہوں۔ آپ کے گھر سے پک کر لے گا۔" اس نے رک کر سنا۔

"آپ کدھر ہیں؟ خیریت؟ سعدی کی طرف؟ اچھا۔" ہاشم بات دہرانے کا عادی نہ تھا مگر چونکہ یہ اس کے لیے بھی غیر متوقع تھا، سو دوہراتا گیا۔ نگاہ اٹھا کر شیرو کو دیکھا۔ وہ بھنویں بھینچے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"چلیں جب آپ واپس آئیں۔ اچھا۔ صبح وہیں سے کورٹ جائیں گی؟ او کے۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ آ.... سعدی قریب ہے تو میری بات کروا دیں۔" وہ کہتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ جواہرات بھی نیپکن سے لب تھپتھپاتی ادھر ہی متوجہ تھی۔

"کیا حال ہے سعدی؟" وہ بولا تو آنکھوں میں سرد مہری در آئی۔ نوشیرواں نے "ہونہہ" کہہ کر استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ ایسا ہے کہ صبح میری سیکرٹری تمہیں کال کر کے کل کی اپائنمنٹ دے گی۔ ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گا۔" کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

"پھر آیا آپ نے اسے ڈی اے کی نظروں سے کہ وہ ایک دفعہ پھر فیملی بن گئے؟"

"وہ کل آئے گا۔ میں اس سے بات کروں گا اور میں سب سنبھال لوں گا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سعدی یوسف obsession (آسیب) سے نکل آؤ۔" ہر فقرہ توڑ توڑ کر تحمل سے ادا کیا۔

"نوشیرواں.... ریلیکس۔" جواہرات نے اب کے نرمی سے شیرو کا ہاتھ دبایا۔ اس نے بظاہر خود کو نارمل کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بہر حال تاثرات چھپانے میں ماں اور بھائی جیسا ماہر نہ تھا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ بڑی بات تب ہوتی اگر سعدی کے ہاتھ کچھ ایسا لگتا جو ہمیں نقصان دے۔"

"میں سمجھ گیا۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ اپنا موبائل نکالتے ہوئے اٹھ گیا۔ جواہرات نے قدرے تشویش سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"سرمد وغیرہ نے باہر کھانے کا پروگرام بنایا تھا۔ پہلے انکار کر دیا اب چلا ہی جاتا ہوں۔ موڈ اچھا ہو جائے گا۔ ورنہ جب تک یہ سعدی یوسف زندہ ہے میری زندگی مسائل کا شکار ہی رہے گی۔" سر جھٹک کر کہتا وہ نکلنے لگا۔ پھر جیسے اپنی ہی بات نے سوچ کا ایک نیا در دکھایا۔

"مر کیوں نہیں جاتا یہ سعدی آخر! اتنے تو بم بلاسٹ ہوتے ہیں روز۔" وہ تو کہہ کر نکل گیا مگر ہاشم بے اختیار سانس روکے اس کو دیکھنے لگا۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو!" اس نے عقب سے قدرے برہمی سے پکارا۔ شیرو نے مڑے بغیر "بائے" کا ہاتھ ہلایا اور آگے بڑھتا

گیا۔

”مجھے یقین نہیں ہے وہ دوستوں کے پاس جا رہا ہے۔“

”اگر آپ اسی طرح ہر وقت اس کو منفی رخ دکھاتی رہیں تو وہ واقعی کسی کے پاس جانے کے قابل نہیں رہے گا۔“

”تمہارے خیال میں میں اس کی بھلائی نہیں چاہتی؟“

”کیا ہم سکون سے کھانا کھا سکتے ہیں؟“ ہاشم واپس پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

”شیورا!“ جواہرات نے نزاکت سے شانے اچکائے۔ انگلی سے سامنے گرے بال پیچھے کیے اور گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگی۔

❖❖❖

باب 3:

پہلا تاثر، پہلا تعارف

''پہلا تاثر۔ پہلا تعارف۔''
محبت صابر ہوتی ہے۔
محبت مہربان ہوتی ہے۔
یہ حسد نہیں کرتی، شیخی نہیں بگھارتی۔
مغرور نہیں ہوتی۔
یہ ترش نہیں ہوتی، خود شناس ہوتی ہے۔
جلد غصہ نہیں کرتی، غلطیوں کا حساب نہیں رکھتی۔
بدی میں خوش نہیں ہوتی، صرف سچ میں تسکین پاتی ہے۔
ہمیشہ حفاظت کرتی ہے، ہمیشہ بھروسہ کرتی ہے۔
ہمیشہ امید رکھتی ہے، ہمیشہ ثابت قدم رہتی ہے۔
محبت کبھی ناکام نہیں ہوتی۔
مگر جو پیش گوئیاں ہیں۔
وہ ختم ہو جائیں گی۔
جو زبانیں ہیں۔
وہ خاموش کرا دی جائیں گی۔
اور جو علم ہے....
وہ دم توڑ جائے گا....
(عہد نامہ جدید/انجیل مقدس)

مرحوم ذوالفقار یوسف کے چھوٹے باغیچے والے گھر میں اس رات کسی تہوار کی طرح رونق بکھری تھی۔ گول میز کے گرد سعدی
والدہ اور بہن بھائی کے علاوہ وعدے کے مطابق پھپھو اور دادا بھی تھے اور وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ بڑے ابا ندرت کو خاندان میں ک
قصہ سناتے ہوئے اس بات کو اپنے ماضی کی کسی یاد سے جوڑتے پیچھے چلے گئے تھے اور اب کوئی لمبی سی مثال دے رہے تھے۔
''بڑے ابا اصل میں امتحانی پرچوں میں دی گئی اس ہدایت پہ عمل کرتے ہیں جو کہتی ہے مندرجہ بالا تصویر کی مثالوں

واضح کریں۔"

وہ ساتھ ساتھ ان کی ہر بات پہ تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ بڑے ابا نے تو کوئی توجہ نہ دی۔ زمر البتہ مسکراہٹ دبائے کھانا کھاتی رہی۔ حنین قدرے لاتعلق بیٹھی (صرف زمر سے) کھا رہی تھی۔ (ہونہہ جب پتا چلا کہ بھائی نے گرہ دیا ہے تو آ گئیں۔ اب بھائی اچھا ہو گیا) اور سیم اپنے بھائی کے کھانے اور بولنے کے انداز کی بھرپور نقالی کی کوشش میں پرجوش سا لگ رہا تھا۔

"پھپھو! میں اس دفعہ سیکنڈ آیا تھا امتحان میں۔" مہمان کے سامنے تو وہ آواز کو اتنا معصوم اور شرمیلا بنا لیتا تھا کہ حنین نے تعجب سے گھورا۔ مگر وہ کہے جا رہا تھا۔ "اور جونز کا تھرڈ آیا' وہ مجھ سے آگے بیٹھا تھا اور پرچی بنا کر مجھ سے پچھلے والے کو نقل کروا رہا تھا۔ اور میں نے اسے....."

"سیم یوسف!" حنین نے اضطراب سے پہلو بدلتے ٹوکا۔ "اگر آپ ہمیں اپنی باتوں سے مزید مستفید نہ کریں تو کتنا اچھا ہو۔" راز پرانے ہونے کے ساتھ وزنی ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے کندھوں پہ دھرا بوجھ اور بھی بڑھ گیا۔

سیم نے اداسی سے منہ لٹکا لیا۔ پھر زمر کو دیکھا۔ وہ کھانا ختم کر چکی تھی اور باوقار انداز میں پیچھے ہو کر بیٹھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ سیم کی آنکھوں میں امید جھلکی۔

"پھپھو میں بولتا رہوں؟"

"ہاں تم بولتے رہو۔" زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ وہ زیادہ پرجوش ہو کر وہی قصہ دہرانے لگا۔

حنین سر جھٹک کر پانی پینے لگی۔ اس کا انداز کھنچا کھنچا سا تھا۔ یہ زمر نے پہلے بھی محسوس کیا تھا اور اب تو سب نے ہی کیا' مگر سعدی نے نظرانداز کر دیا۔ اور زمر تو ویسے بھی متحمل مزاج اور میچور تھی۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے محسوس ہی نہ کیا ہو۔ اور سیم کے ماتھے کے بال نرمی سے سنوارتی مسکرا کر اس کو سننے لگی۔

سیم کو اب پچھلی بات بھول گئی تھی۔ اسے نئی فکر نے آن گھیرا تھا۔

"پھپھو! بھائی جب چھوٹا تھا' تو کیسا تھا؟"

سعدی فرج کے دروازے کو کھولے کھڑا پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔ اس سوال پہ فوراً پلٹا۔ "سعدی جیسا کوئی نہیں ہے پھپھو کے لیے۔" اس نے واضح سیم کو چڑایا۔

"ہاں مگر سیم کی اپنی جگہ ہے۔" زمر نے سیم کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بھائی جیسا کوئی کیوں نہیں ہے؟"

"اس لیے سیم کہ جب سعدی تم جتنا تھا' تو میں حنین جتنی تھی۔ اور ہم بہترین دوست تھے۔ ہمارا اسکول بھی ایک تھا۔ اور اسکول جانے سے پہلے اپنے اپنے گھر سے ہم ایک ہی کارٹون دیکھ کر نکلا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں صبح سات بجے پی ٹی وی پہ کارٹون لگا کرتے تھے۔"

سعدی بوتل ہاتھ میں لیے واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ حنین خاموشی سے ندرت کے ساتھ برتن اٹھوانے لگی۔ کھانا کھایا جا چکا تھا اور وہ مزید ان کے قریب نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔

"اور ہمیں گیمز بھی ایک ہی طرح کی پسند تھیں زمر!" سعدی یاد کر کے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔ "ہم برف پانی' اونچ نیچ' پکڑن پکڑائی' نیڈو ایکسپریس کھیلا کرتے تھے۔ اور ہاں کنگ اور ڈارک روم اور کونا کونا بھی۔"

"اور وہ ویڈیو گیم یاد ہے بطخ والی سعدی؟ ڈک ہنٹ؟ ہم پستول سے ٹی وی اسکرین پہ فائر کیا کرتے اور اڑتی ہوئی بطخیں گر جاتیں۔" حنین نے ایک دم سر اٹھایا۔ میز صاف کرتے ہاتھ رکے۔

"وہ پستول ابھی بھی پڑی ہے ہمارے پاس!" بے اختیار وہ کہہ اٹھی۔ اس پہ زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ ایک دم جلدی جلدی اپنا کام ختم کرنے لگی۔

"اور اس میں سپر ماریو بھی تھی اور ٹیکنس والی ایک گیم بھی۔ اور پھپھو یاد ہے ہم گھٹنوں بیٹھ کر monopoly کھیلا کرتے تھے۔ مگر میں مونوپلی میں ہمیشہ یوالیہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ پھپھو اتنی اچھی پلاٹز تھیں کہ ساری بہترین زمینیں خرید لیتیں اور میں ٹھہرا جذباتی اور ناکام پلانر، میری گوٹ جیل میں ہی پھنسی رہتی۔"

"اور سعدی! وہ ایک کارڈ گیم بھی تو ہم کھیلتے تھے۔ رنگ برنگے کارڈز جن پہ نمبر لکھے ہوتے تھے۔" زمر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ حنین جو واپس آ بیٹھی تھی، پھر سے خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔ بنا سوچے سمجھے بولی۔

"وہ اونو (ONO) تھی۔ ہمارے پاس ابھی بھی پڑی ہے۔"

"اچھا واقعی؟ تمہیں وہ بہت پسند تھی حنین، مجھے یاد ہے۔ اور تمہیں ییو پچو! از بلونا پ کی گیمز بھی بہت پسند تھیں۔" زمر اب رخ بالکل حنین کی طرف موڑ کر بولی تو حنین کے لبوں پہ ایک بھولی بسری مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"اور آپ کو عینک والا جن بہت پسند تھا۔"

"خیر مجھے تو نستور پسند تھا۔ اور نستور کے بارے میں میں اپنی فیلنگز چھپانے کی بالکل قائل نہیں ہوں۔"

حنین کی مسکراہٹ اور بھی بڑھی۔ "اور آپ کو دھواں ڈرامہ بھی بہت پسند تھا۔ ہمارے پاس کیسٹس تھیں اس کی۔ اور آپ ہر دفعہ اذان کے مرنے کے سین پہ اٹھ کر چلی جایا کرتی تھیں۔"

"او حنین میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈرامہ نگار اسی کردار کو کیوں مار دیتا ہے جس کو ہم بہت پسند کرتے ہیں۔"

"اونہوں!" حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ "انہیں جس کردار کو مارنا ہوتا ہے، وہ آپ کو پسند کرنے پہ مجبور کر دیتے ہیں۔"

"پھپھو! مجھے بھی ONO کھیلنی آتی ہے۔ کیا ہم کھیلیں؟" سیم سے زیادہ دیر نظر انداز ہونا برداشت نہیں ہوا۔ حنین چونکی۔ پھر مسکراہٹ ویسی ہی ہوئی۔ ذرا پیچھے ہو کر بیٹھی۔ وہ کس خوشی میں اتنا بولے جا رہی تھی بھلا؟ خود کو ڈانٹا۔

"ہاں! تو کھیلتے ہیں۔" سعدی نے اس کو بغور دیکھتے درمیان کا راستہ نکالا۔

"جاؤ حنہ اونو لے آؤ۔ مگر کارڈز میں shuffle کروں گا۔ یاد ہے پھپھو! حنہ اپنے گھٹنے کے نیچے ڈرا فور کے چاروں کارڈ پہلے ہی چھپا لیتی تھی۔ اس لیے میں کبھی بھی نہیں جیتا تھا۔ مجھے آج احساس ہو رہا ہے کہ میں یہ سارے گیم ہمیشہ ہار جاتا ہوں۔ اس لیے حنہ! تم اپنی چیٹنگ کرنے کی صلاحیتوں سے باز رہنا۔" مصنوعی ناراضی سے اس نے حنین کو دیکھتے ہوئے کہا مگر.....

حنین ذوالفقار یوسف خان۔ بالکل ساکت رہ گئی۔ سعدی کو بے یقینی سے دیکھتی اس کی نگاہیں پتھرا گئیں۔ رنگت سفید پڑی جیسے وہ کوئی برف کا مجسمہ ہو۔

"میں..... چیٹنگ نہیں کرتی بھائی۔" اس نے اتنی بے یقینی سے اسے دیکھتے کہا تھا کہ سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ حنین ایک دم کھڑی ہوئی۔ زمر نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں کارڈز لاتی ہوں۔" وہ مڑ گئی۔ سعدی فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

"آئی ایم سوری۔ میں نے..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سعدی کے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی جب وہ اس کے سامنے آیا۔ حنین سر ہلا کر جھک کر دراز کھولنے لگی۔

"مجھے پتا ہے تم کبھی چیٹنگ نہیں کر سکتیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا۔"

''آئی نو۔'' اس نے کارڈ نکالے اور دراز بند کر کے سیدھی ہوئی۔ وہ اسی طرح فکرمندی سے اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا جس کی رنگت زرد سفید تھی۔

''حنین! ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے اور وہ ہم شخص ہم خود ہوتے ہیں۔''

''مجھے پتا ہے بھائی!'' اس نے سر ہلا کر پھیکا سا مسکرانے کی کوشش کی۔ پھر مڑی تو ایک دم قدم زنجیر ہوئے۔

سعدی کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔ زمر کے آنے سے قبل وہ جو کام کر رہا تھا' وہ یونہی رکھا تھا۔ اسکرین پہ نمبرز چل رہے تھے۔ اوپر نیچے۔ حنین کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ اس نے چہرہ ذرا آگے کیا۔

ایک ہاتھ نے جھپ سے لیپ ٹاپ اسکرین کو کی بورڈ پہ گرا دیا۔ اس نے چونک کر بھائی کو دیکھا۔

''اوئو کو دیر نہیں کراتے۔ گناہ ملتا ہے۔'' مگر وہ یونہی سعدی کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن' شک' سب کچھ تھا۔

''بھائی! آپ کیا کر رہے ہیں؟''

مگر زمر ادھر ہی آ رہی تھی۔

''سعدی.... ہاشم!'' کہتے اس نے فون پکڑایا۔ سعدی نے گڑبڑا کر فون تھاما۔ چہرے سے وہ خوشگوار تاثرات غائب ہوئے اور ان کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔

''جی.... اوکے۔'' اس نے فون بند کیا تو حنین تیزی سے بولی۔

''کیا کہہ رہے تھے' مطلب اس دن کے لیے معذرت کر رہے تھے؟''

سعدی لمحے بھر کو رکا۔ ہاشم نے کہا تھا کہ اس کی سیکرٹری صبح کال کر کے اسے ملاقات کا وقت دے دے گی۔ چونکہ ان کا فی الحال ہاشم سے ملنے کا کوئی ارادہ نہ تھا' اس لیے اس نے ہاں کہہ کر بات ختم کر دی۔

''آپ گیم شروع کریں۔ میں آتی ہوں۔'' وہ وہاں سے نکل آئی۔ اپنے پیچھے اسے سعدی اور زمر باتیں کرتے راہداری میں آگے جاتے محسوس ہوئے' مگر وہ اپنے اور ندرت کے مشترکہ کمرے میں آئی (جہاں آج پھپھو اور ات رہنا تھا) دروازہ بند کیا۔ الماری کھولی۔ کپڑوں کا ماؤنٹ ایورسٹ آج نہیں گرا کیونکہ صبح امی نے الماری جمائی تھی۔ وہ جوتوں کے خانے پہ جھکی۔ چند ڈبے باہر نکالے۔ پھر ہاتھ ڈال کر کونے میں رکھا ایک ننھا مخملیں ڈبا نکالا۔

سنہری مخمل کا وہ ڈبہ کھولنے سے پہلے اس نے بہت دیر سوچا' اتنی دیر کہ ہاتھ شل ہو گئے۔ اور پھر اس نے کھول ہی دیا۔

اندر سنہرے مخمل پہ ایک سنہری چین والا لاکٹ رکھا تھا۔ مگر کسی سونے چاندی کی جگہ اس زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا اسٹون پڑا تھا جس کے اوپر سنہری حروف میں ''اسمٹس ایوب آفنر'' کندہ تھا۔ یہ سعدی کے کی چین کا جڑواں تھا۔

اس نے زنجیر کو ہولے سے چھوا مگر پھر ہاتھ ہٹا لیا' جیسے کرنٹ کے ننگے تار کو چھو لیا ہو۔ سر جھٹک کر ڈبہ بند کیا۔ اسے پھینکنے والے انداز میں نچلے خانے میں ڈالا۔ جوتوں کے ڈبے اندر رکھے اور زور سے الماری بند کی۔ گہری سانس لے کر وہ اٹھی تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھائی کو ہاشم والی بات بتا دے گی۔ آخر ہاشم بھائی ہی تو تھے نا' کوئی غیر تو نہیں تھا۔ بھائی سمجھ جائے گا' اس لیے وہ بتا دے گی۔

مگر کب؟ یہ حنین نے ابھی طے نہیں کیا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

دشت طلب بھی کیا کوئی شہر طلسم ہے

جواہرات کا اندازہ ہمیشہ کی طرح درست تھا۔ نوشیرواں دوستوں کی طرف نہیں گیا تھا۔ وہ اس پر رونق مارکیٹ میں آ گیا تھا جہاں

رات میں بھی دن کا سماں تھا۔ جو نیٹو کنٹینرز آج کل لوٹے جا رہے تھے' ان کا سامان یہاں کوڑیوں کے بھاؤ بک رہا تھا۔ پٹھان اور مقامی دکاندار اس بات سے قطعاً بے نیاز کہ وہ جو بیچ رہے ہیں وہ بے حد قیمتی' برانڈڈ اشیاء ہیں' بہت مزے سے بھاؤ تاؤ میں مصروف تھے۔

نوشیرواں نے کار کہیں دور کھڑی کی تھی اور اب وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے فٹ پاتھ پہ چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی متلاشی نگاہیں آس پاس چہروں کو کھوج رہی تھیں۔ اسی تلاش میں وہ آگے چلتا گیا۔ کافی دیر بعد ڈرائی فروٹ کی ایک سامنے سے کھلی دکان کے سامنے وہ رکا۔ چند ثانیے پتلیاں سکیڑ کر دکاندار کو دیکھتا رہا جو صافی سے اشیاء جھاڑ رہا تھا۔ اور پھر آگے آیا۔

"جی صاب! تازہ ڈرائی فروٹ ہے....." دکاندار اس کو دیکھ کر کپڑا رکھتا جلدی جلدی اپنی اشیاء کی خصوصیات گنوانے لگا۔ نوشیرواں نے پہلے دو فقرے تو بیزاری سے سن لیے' پھر بات کاٹ کر بولا۔

"چالیس گرام چاہیے۔"

"بس؟ مگر کون سا.....؟"

"تمہیں پتا ہے مجھے کیا چیز چالیس گرام چاہیے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر درشتی سے بولا تو دکاندار کے الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی مگر رنگت متغیر ہوتی گئی۔

"صاب! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم ایسے کام نہیں کرتا۔"

"میں پولیس والا نہیں ہوں۔ مال دو تو میں جاؤں۔" وہ بگڑے سے تاثرات سے بولا۔

"صاب! میں نے بتایا نا' میں....."

"دیکھ بھائی! میری ایک جیب میں پستول ہے اور دوسری میں بٹوہ۔ میں تجھے کون سی جیب دکھاؤں جو تو میری بات سنے گا؟"

کہتے ساتھ اس نے شرٹ کا کنارہ ترچھا کیا اور پہلی جیب میں اڑسا پستول ذرا سا جھلکا۔ دکاندار نے ہاتھ اٹھا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"گلابی والے قائداعظم چلیں گے۔ اندر آؤ اور بتاؤ کون سا چاہیے۔"

نوشیرواں استہزائیہ مسکرایا اور اس کے پیچھے اندر چلا گیا۔

جس وقت وہ گھر واپس آیا' ہاشم لاؤنج میں نیم دراز تھا۔ یوں کہ پاؤں میز پر رکھے تھے اور سونیا اس کے سینے پہ سر رکھے ترچھی لیٹی ہاتھ میں آئی پیڈ پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے سونیا کے نرم سیاہ بال سہلاتا' دوسرے میں پکڑے مگ سے گھونٹ بھرتے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"بابا! میرا گیم دیکھیں نا۔" وہ خفا خفا سی بولی۔ ہاشم نے ایک نظر اسکرین پہ ڈالی۔

"اتنی دیر سے تو ان لمبی ناکوں والے پرندوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اب تو مجھے ان کی شکل بھی یاد ہو گئی ہے۔" مسکراہٹ دبا کر کہتا وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

"آپ کو میرا کوئی گیم سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ مسلسل اسکرین پہ انگلیاں چلاتی کہہ رہی تھی۔

"میں اس طرح کے گیم نہیں کھیلا کرتا سونی! اور جو میں کھیلتا ہوں' وہ میں ہمیشہ جیتتا ہوں۔"

"شیرو میرے ساتھ سب گیم کھیلتا ہے۔"

"ہاں' شیرو اور تمہاری عمر میں زیادہ فرق ہے بھی نہیں۔" ہاشم نے ٹی وی کو ہی دیکھتے جھک کر اس کے بال چومے۔

"کیا سونی کو پتا ہے وہ ماما کے ساتھ چھٹیوں پہ نہیں جا رہی؟"

"ہوں!" وہ گیم میں مصروف تھی۔

"گڈ! میرے دو ایک کام ختم ہو جائیں' پھر بابا اور سونی چھٹیوں پہ جائیں گے۔ ٹھیک؟"

"اور شیرو بھی جائے گا؟ اور ماما بھی؟ اور ممی بھی؟"

"ماما کے علاوہ سب جائیں گے۔ ماما کے ساتھ سونیا سردیوں میں چلی جائے گی۔"

"او کے۔" اس نے سر ہلا دیا۔ گیم مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ تبھی ہاشم کی نگاہ اندر آتے شیرو پہ پڑی جو نگاہ ملائے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاشم نے اسے پکارا۔

"ہو سکتا ہے کل سعدی آئے۔ میں چاہوں گا کہ تم میرے ساتھ ہو تب۔"

نوشیرواں پہلے زینے پہ رکا' مڑا نہیں۔ آہستہ سے کہا۔

"او کے۔"

"کیسا ہے سرمد؟ اور اس کے بھائی کے کیس کا کیا بنا؟" بغور اسے دیکھتے ہوئے مگ سے گھونٹ بھرا۔ اسے بھی جواہرات کی طرح یقین تھا کہ شیرو دوست کے پاس نہیں گیا۔

"پتا نہیں۔ میں نے پوچھا نہیں۔" وہ نگاہ ملائے بغیر سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ ہاشم نے بھی بحث نہیں کی۔

اندر آ کر اس نے دروازہ لاک کیا اور سائیڈ ٹیبل تک آیا۔ جیب سے پیکٹ نکال کر میز پہ رکھا۔ اس میں عجیب سے ننھے ننھے ٹکڑے تھے۔ کرسی کھینچ کر بیٹھتے اس نے دراز سے خالی سگریٹ نکالا۔ اس میں پیکٹ میں رکھی منشیات مسل کر بھرنے لگا۔ یہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں ذرا سی لرزش تھی۔ پیشانی پہ پسینہ بھی تھا۔

لائٹر جلا کر سگریٹ کے کنارے کو سلگایا اور دوسرا کنارہ لبوں سے لگایا۔ سانس اندر کھینچی۔ آنکھیں بند کیں۔ کڑوا مادہ اندر اترتا گیا۔ سانس باہر خارج کی تو دھوئیں کے مرغولے ہر طرف بکھر گئے۔ اس کا دماغ ہلکا ہوتا گیا۔ ہر شے سے ہلکا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

ناشتے کے بعد تیاری کی افراتفری پورے گھر میں پھیلی تھی۔ سیم بھاگ بھاگ کر اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سعدی آفس اور زمر ارٹ کے لیے۔ واپسی پہ اس نے بڑے ابا کو لے کر اپنے گھر جانا تھا' سو وہ سب سے زیادہ سکون سے بیٹھے تھے۔ حنین ان کے قریب بیٹھی اخبار میں سے کچھ سناتی ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیے جا رہی تھی' جب زمر ادھر آئی۔ حنین کی بولتی ذرا دھیمی ہوئی۔ الرٹ سی ہو کر بیٹھی۔ زمر بھی ساتھ آ بیٹھی۔ حنین نے اسے نظر انداز کیا۔

"ماسٹرز کس سبجیکٹ میں کرنے کا ارادہ ہے حنین؟" جھک کر جوتے کے اسٹریپ بند کرتی وہ ساتھ بیٹھی نرمی سے پوچھنے لگی۔ حنین کے تنے تاثرات قدرے نرم ہوئے۔

"لٹریچر میں یا عربی میں۔ ابھی فیصلہ نہیں کیا۔" پھر رکی اور اضافہ کیا۔ "بیچلرز میں بھی لٹریچر رکھا تھا نا۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ تم اتنی ذہین ہو' کچھ بھی کر لو گی۔" وہ اب جھکی ہوئی دوسرا جوتا بند کر رہی تھی۔ حنین ذرا سا مسکرائی۔ ساتھ ہی وہ اخبار کے کونے کو عادتاً ناخن کے اندر رگڑ رہی تھی۔

"مگر مجھے یاد ہے تم نے ایف ایس سی میں بورڈ میں پوزیشن لی تھی اور انٹری ٹیسٹ میں بھی بہت اچھے نمبر تھے۔ ٹاپ میرٹ بنتا تھا تمہارا۔ پھر انجینئرنگ میں کیوں نہیں لیا ایڈمیشن؟"

حنین کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ اس نے سر اٹھا کر زمر کو دیکھا۔ وہ اسٹریپ بند کر کے اٹھ رہی تھی۔ لوگوں کو پتا بھی نہیں چلتا اور وہ

گردن دبا جاتے ہیں۔

''اچانک سے دل پلٹ گیا تو بی اے میں داخلہ لے لیا۔ دل تو کبھی بھی پلٹ جاتا ہے نا پھپھو!''

اس کا اخبار کا کنارہ رگڑتا ناخن مزید تیز ہو گیا۔ سر جھکا کر وہ بڑے ابا کو کوئی دوسری خبر سنانے لگی۔ البتہ اب کے انداز سست تھا۔

زمر نے جاتے جاتے مڑ کر اسے دیکھا۔ یہ آخری فقرہ کہتے اس کی آواز میں نہ طنز تھا نہ تلخی۔ بس عجیب سی اداسی تھی۔

وہ راہداری سے گزر کر سعدی کے کمرے کے دروازے تک آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا نظر آ رہا تھا۔ کالر اکڑے ہوئے اوپر کھڑے تھے، اور وہ ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔ زمر ذرا سا مسکرائی۔ دروازہ ہولے سے بجایا۔

''تو تمہارا کوئی آفس بھی ہے؟''

گرہ کھینچ کر اوپر لے جاتے وہ خفگی سے پلٹا اور کالر درست کیے۔

''دو سال میں پہلی دفعہ چھٹی لی، وہ بھی صرف دو ہفتے کی۔ اور ہاں سے چپڑاسی تک ہر بندہ گزرتے گزرتے طعنہ دے جاتا ہے۔ آپ تو ایسے مت کریں۔''

''اوہ! اور اتنی لمبی چھٹی کیوں لی؟''

سعدی چپ ہو گیا۔ (جج پہ آخری دنوں میں پریشر ڈالنا تھا' ماموں کو نکلوانا تھا' ہاشم بھائی کا لیپ ٹاپ ہیک کرنا تھا' جس کا موقع آپ کے توسط سے مل ہی گیا اور اب ان فائلز کو کھولنا ہے مگر چھٹی ختم) یہ سب صرف سوچا۔ جب بولا تو محض اتنا۔

''کچھ ریسرچ ورک کر رہا تھا اسی کو مکمل کرنا تھا۔''

''چلو پھر ویک اینڈ پہ ملنے کا پلان کرتے ہیں۔''

''جی آپ تو شادی میں نہیں آئیں گی نا؟'' اس نے سرسری سا ذکر چھیڑا۔ وہ جو مڑنے لگی تھی' چونک گئی۔

''کس کی شادی؟''

''اب پورا رشتہ معلوم نہیں۔ مگر جس لڑکے کی شادی ہے وہ ہمارا بھی رشتہ دار ہے اور اس حماد کا بھی۔ حماد اور کرن اس لیے تو آئے ہوئے ہیں آسٹریلیا سے۔ وہ بھی ہوں گے شادی پہ۔ اور کرن کا ردار خاندان کو بالخصوص بلوائے گی۔ وہ سب بھی ہوں گے۔ سو ادھر آپ حماد کا سامنا نہیں کر سکیں گی' مجھے پتا ہے۔ اس لیے آپ کا کارڈ ادھر آیا تو میں نے امی سے کہا کہ پھپھو کو نہ بھیجیں۔ وہ نہیں آئیں گی۔''

زمر کے لب بھینچے اور آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ سینے پہ بازو لپیٹ کر اسے تندی سے دیکھا۔ ''اور تمہیں کیوں لگا کہ میں اس کا سامنا نہیں کر سکتی؟''

''آپ نہیں کر سکتیں۔ تبھی تو خاندان میں کسی تقریب پہ نہیں جاتیں۔ خیر آپ نے نہیں جانا تو کوئی بات نہیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔'' بہت سمجھداری سے اس نے کہا۔

''میں اس لیے نہیں جاتی کیونکہ وقت نہیں ملتا اور.....''

''ویک اینڈ پہ وقت ہو گا پھر؟'' وہ تیزی سے بولا۔

زمر نے بے دھیانی سے ''ہاں'' کہا تو اس نے تیزی سے پوچھا۔ ''مطلب آپ چلیں گی؟''

''میں.... دیکھوں گی۔'' وہ رک کر بولی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اسے اب چلنا تھا۔ وہ نکلی تو سعدی مکمل تیار ہو کر نکھرا نکھرا سا باہر نکلا۔

لاؤنج میں بس بڑے ابا تھے۔ حنین سونے چلی گئی تھی۔ انہوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ تقریب پہ جانے کے لیے مان گئی؟''

"بالکل!" مسکرا کر کہتے اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور سامنے بیٹھا۔ بڑے ابا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم نے کیسے راضی کیا اسے؟ میں کہتا تو کبھی نہ مانتی۔"

"اب آپ کے پاس سعدی یوسف جیسا دماغ تھوڑی ہے۔" گھونٹ بھرتے وہ مسکرایا۔ پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز لگائی۔

"امی! آپ ناشتہ لاہور سے لا رہی ہیں یا کچن سے؟"

"کچن سے میں نے جوتا پھینکنا ہے تمہارے قد کا لحاظ کیے بغیر۔" وہ ٹرے اٹھائے مصنوعی خفگی سے بولتی آ رہی تھیں۔ سعدی نے افسوس سے دادا کو دیکھا۔

"کوئی مانے گا کہ یہ خاتون میرے پیچھے میرے بہن بھائی کو میری مثالیں دیتی ہیں؟"

"مجھے پتا ہے اچھے سے۔ جلدی جلدی کا شور اس لیے مچاتے ہو کہ ناشتہ آدھا کرنا پڑے۔ اب اگر تم نے یہ ختم نہ کیا نا سعدی تو مجھے امی نہ کہنا۔" وہ سامنے بیٹھتے ہوئے اس کی شکایت دادا سے لگا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بس سن رہے تھے۔

سعدی نے حسب عادت بس تھوڑا سا کھایا۔ پھر ہاتھ صاف کرتا اٹھا اور بہت متانت سے ماں کو مخاطب کیا۔

"اچھا ندرت بہن! اللہ حافظ۔" اور اس سے پہلے کہ وہ واقعی اس کے قد کا لحاظ کیے بغیر ایک ہاتھ جڑ دیتیں وہ باہر نکل چکا تھا۔

❖ ❖ ❖

سارہ آفس کے لیے تیار کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب گیٹ کی گھنٹی بجی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ گیٹ اونچا تھا۔ یہاں سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ باہر کون ہے۔ وہ چابی دروازے میں چھوڑ کر بیگ کار کی چھت پہ رکھ کر گیٹ تک آئی اور اسے کھولا۔ آدھا دروازہ کھلتے ہی ہاتھ منجمد ہو گئے۔

باہر فارس کھڑا تھا۔ ٹی شرٹ جینز چھوٹے کٹے بال سنجیدہ گہری نظریں اور سپاٹ چہرہ۔ سارہ نے باقی دروازہ سست روی سے کھولا۔

"فارس؟" کوئی نادیدہ لٹ کان کے پیچھے اڑستی وہ ایک طرف ہٹی۔ چہرے پہ تذبذب سا در آیا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" سرسری سا سوال کیا۔ البتہ اس کو دیکھ گہری نظر سے رہا تھا۔ وہ "ہوں" میں سر ذرا سا ہلا کر مزید ایک جانب ہوئی۔

"میرا اتنی صبح آنا اچھا نہیں لگا آپ کو؟" اس کی ہچکچاہٹ کے باعث وہ ذرا سر د سا بولا۔ سارہ کے چہرے پہ شرمندگی ابھری۔

"ایسا نہیں ہے۔ آؤ۔"

"بچیوں سے ملنے آیا تھا میں۔" وہ وہیں کھڑا رہا۔ سارہ بھی ادھر ہی کھڑی رہی مگر اس سے نگاہ نہیں ملائی۔

"وہ اسکول کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔ بس ہم نکلنے ہی والے تھے۔" ساتھ ہی اس نے گھڑی دیکھی جیسے جلدی میں ہو۔

"یعنی کسی اور وقت آؤں؟" اس کے چہرے کے بدلتے رنگ بغور دیکھتے وہ خشک انداز میں کہہ رہا تھا۔ سارہ نے اضطراب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم آ سکتے ہو فارس۔"

"مگر... زیادہ نہیں ہوں؟" وہ اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ "تو آپ کے خیال میں وارث کو میں نے قتل کیا تھا؟"

"ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں پھنسایا گیا تھا۔ یقیناً تمہارے دشمن بہت ہوں گے اور...."

"اور میرا ادھر آنا آپ کے خاندان کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ آئندہ دور رہوں گا۔" سر ہلا کر وہ یوں کہہ رہا

تھا جیسے واقعی سمجھ گیا ہو۔ سارہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"فارس! آئی ایم سوری۔ مگر میں پہلے ہی بہت مشکل زندگی گزار رہی ہوں۔ میرے پاس میری بیٹیوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ میں ان کو کسی بھی خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ تم پلیز مجھے غلط مت لینا۔"

"کہا نا سمجھ گیا۔ اب مل لوں یا جاؤں؟"

"نہیں۔ آؤ پلیز۔" وہ اب کے واقعی پیچھے ہٹی اور اندر کی طرف بڑھی۔ وہ چند لمحے ضبط سے اسے آگے جاتے دیکھتا رہا، پھر سر جھٹک کر پیچھے ہولیا۔

فارس سین

.... ❊ ❊ ❊ ....

ہر حقیقت فریب لگتی ہے ...... جب کوئی اعتبار کھو بیٹھے

اسٹڈی روم میں خاموشی پھیلی تھی۔ نوشیرواں بھی اسی خاموشی کا حصہ بنا لبوں پہ مٹھی رکھے میز کے اس طرف بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہا تھا جو بہت انہماک سے فائل کے صفحے کو پڑھ رہا تھا۔ اسے آج آفس دیر سے جانا تھا۔ اس لیے وہ رات والے لباس میں تھا۔

"تیسری دفعہ پوچھ رہا ہوں سعدی کب آئے گا؟" وہ اب بیزار ہونے لگا تو مقدس خاموشی کو توڑا۔

"ہوں!" ہاشم نے صفحہ پلٹا۔ پھر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا اس کے انتظار میں تم تمام رات نہیں سوئے؟"

اس نے شیرو کی ہلکی گلابی آنکھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ شیرو کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ رنگت ذرا پھیکی ہوئی۔

"سویا تھا، مگر بہت دیر سے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔ پھر بغور ہاشم کے تاثرات دیکھے۔ وہ پھر سے فائل میں مصروف ہو گیا تھا۔ اا کھ شاطر سہی اتنی جلدی ہاشم کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ پھر سے ڈرگز پہ آ گیا ہے۔

موبائل بجا۔ ہاشم نے انگلی سے بٹن دبایا اور بولو کہتے ہوئے فائل کا دوسرا صفحہ پلٹا۔ اس کے پاس اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ موبائل کان سے لگاتا۔ اس کی سیکرٹری کی آواز گونجی۔

"سر! میں نے سعدی یوسف کو کال کی تھی۔" وہ رک گئی۔ ہاشم نے پین سے اس صفحے میں کچھ انڈر لائن کیا۔

"حلیمہ! میں اگلے کتنے منٹ تمہارے بولنے کا انتظار کروں گا؟"

"سوری سر! انہوں نے کہا کہ وہ مصروف ہیں۔ ان کو اپنا شیڈول دیکھنا پڑے گا۔ آج تو ناممکن ہے۔ اگلے ہفتے میں ان کو دوبارہ کال کر کے پوچھوں، اگر...." وہ رکی مگر پھر جلدی سے بولی۔ "اگر ہاشم بھائی کو مجھ سے ملنے کا اتنا ہی شوق ہے تو۔"

"اوکے۔" ہاشم نے بٹن آف کیا اور صفحے پہ دو الفاظ کے گرد دائرہ لگایا۔ وکالت سارا الفاظ کا کھیل ہی تھا۔

شیرو کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"اینٹی نیوڈ دیکھا آپ نے اس کا؟ بدتمیز انسان.... خود کو سمجھتا کیا ہے؟"

ہاشم نے تھکاوٹ سے سرنفی میں ہلا کر شیرو کو دیکھا۔ "تم کب بین السطور پڑھنا سیکھو گے نوشیرواں؟"

وہ جو بپھرا ہوا آگے ہو کر بیٹھا، کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا، حیرت سے رکا۔

"اس کی اس بات کا اور کیا مطلب؟"

"کیا تم سعدی کو نہیں جانتے؟ وہ بدتمیزی نہیں کر رہا، وہ مجھ سے ملاقات کو ٹال رہا ہے۔"

''مگر.... وہ کیوں تالے گا؟''

''جب اس کو کوئی مدفن ثبوت ملے گا تو وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے گا۔ صاف بات ہے اس سے میری فائلز نہیں کھلیں۔ بغیر ثبوت کے وہ میرا سامنا نہیں کرنا چاہے گا اور فائلز کو کھولنے کے لیے اسے وقت چاہیے۔''

''اور اگر اس نے فائلز کھول لیں؟''

''نہیں کھلیں گی۔'' ہاشم نے اطمینان سے کہتے ہوئے وہ فائل اسٹینڈ پہ رکھے پلندے پہ ڈالی اور لیپ ٹاپ اپنے قریب کیا۔

''سعدی کبھی بھی کمپیوٹرز کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ میرے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈرائیو کو وہ اپنی کسی ڈیوائس سے Remotely ریموٹلی ایکسس (access) تو کرسکتا ہے' مگر فائلز پہ لگے تالے کھولنے کے لیے وہ ایسے پروگرامز استعمال کرے گا جو تالا توڑ نہیں سکتے' مگر اس میں باری باری ہزاروں چابیاں لگا کر دیکھتے ہیں کہ شاید کوئی چابی لگ جائے۔ اور جب آدھے سفر میں بھی تالا نہیں کھلتا تو فرسٹریشن کا شکار شخص زور زور سے چابی گھماتا ہے اور اس کے بعد پتا ہے کیا ہوتا ہے شیرو؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''غلط چابی تالے میں ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ٹوٹی چابی والا لاک پھر صحیح چابی سے کھلنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اور اگر تمہاری گلستان سعدی ختم ہو چکی ہے تو میں کام کرلوں؟''

شیرو ہاتھ پہ ٹیک لیے اٹھا۔ میز پہ دھرا اپنا موبائل بھی اٹھایا۔ ادھر اس نے اپنے موبائل کو دیکھا' ادھر ہاشم نے اس کی نگاہوں کو۔

پھر ہاشم نے سنجیدگی سے ہاتھ بڑھایا۔ ''فون دو۔''

شیرو نے ناسمجھی سے فون اسے پکڑایا۔ ہاشم نے اسکرین کو چند دفعہ دبایا۔ ''یہ سعدی کا نمبر ہے۔'' اسکرین شیرو کو دکھائی اور فون پھر اپنے سامنے کرلیا۔ ''اور یہ ہو گیا سعدی کا نمبر ڈیلیٹ۔'' دوبارہ اسکرین لہرائی۔ نوشیرواں کا منہ کھل گیا۔

''بھائی.... مگر۔''

''تم میری اسٹڈی سے نکل کر اسے کال کرنے اور اس پہ غصہ کرنے کا سوچ رہے تھے نا' بالکل بھی ایسا مت کرنا۔ اور مجھے معلوم ہے تم اس کا نمبر کہیں سے دوبارہ بھی لے سکتے ہو۔ مگر میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر تم نے سعدی کو چھیڑ کر میرے لیے کوئی مصیبت کھڑی کی تو میں تمہارے ساتھ کتنی سختی سے پیش آسکتا ہوں۔'' اس کا فون اپنی دراز میں ڈالتے ہوئے وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ شیرو نے خفگی سے اسے دیکھا۔ پھر او کے کہہ کر مڑ گیا۔

''اور ناشتے کے لیے جاتے ہوئے فیونا سے کہہ دینا کہ آج کے سارے کھانے تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچائے۔ کیونکہ آج کے دن تم گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔'' وہ کوئی دوسری کتاب کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شیرو جھٹکا سا پلٹا۔

''میں پچیس سال کا ہوں بھائی!'' اس نے احتجاجا' بار سا کہا۔

''اور میں پینتیس کا۔ کیا مجھے دوبارہ دہرانے کی ضرورت ہے کہ تم آج کے لیے (grounded) گراؤنڈڈ ہو؟'' ابرو اٹھا کر ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالتے ہاشم نے پوچھا۔ شیرو کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''سوری بھائی! میں اسے اپروچ نہیں کروں گا۔''

اور میں اس بات پہ کل صبح یقین کروں گا۔ فیونا سے کہو میرا ناشتہ یہیں پہنچا دے۔ میں آفس دیر سے جاؤں گا۔''

شیرو نے منہ بنا کر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرا کر سر جھٹکا۔

''یہ کب بڑا ہو گا؟''

واپس کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے وہ لمحے بھر کو رکا۔ چہرہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسٹڈی کے ریکس' کتابیں' لیمپس۔ ایک عجیب سے تو سلیجیا نے ہاشم کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ کتاب پرے کر کے اس نے پیچھے ٹیک لگائی اور قلم ہاتھوں میں گھماتے ان در و دیوار کو

دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

پھر اس نے اپنا موبائل نکالا اور جیسے ریت میں، یا کوئی گم گشتہ صندوق ڈھونڈ رہا ہو، سعدی کا نمبر تلاش کیا۔ فون کان سے لگا کر وہ گھنٹی جاتے سنتا رہا۔

"جی ہاشم بھائی!" وہ آج بھی اس کی کال رجیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاشم کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

"تم نے آنے سے انکار کیوں کر دیا؟" وہ دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ "آج آفس، دوبارہ اسٹارٹ کیا ہے تو ابھی نکلنا مشکل ہوگا۔"

"تم چاہو تو میں تمہارے آفس آجاتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔

"آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟"

"کیونکہ مجھے لگتا ہے تم بدل گئے ہو۔"

"وقت بدل گیا ہے۔" وہ محتاط سا بول رہا تھا۔ ہاشم نے دو انگلیوں سے آنکھیں مسلیں۔ ناک کی ہڈی کو چٹکی میں لیا۔ پھر گہری سانس لی۔

"وقت بھی وہی ہے، میں بھی وہی ہوں اور تم بھی... شاید ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی آگئی ہے۔ میں وہ دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔" اسے تو یقین تھا۔ ہاشم خاموش ہو گیا۔ چند لمحے اسٹڈی کی خاموشی ان دونوں کو بولنے پہ مجبور کرتی رہی، مگر دونوں چپ رہے۔

"سعدی! کیا ہم واپس جا سکتے ہیں؟ اچھے وقتوں میں واپس؟ جب ہمارے درمیان یہ ذومعنی باتیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ تم رات کے ایک بجے بھی میری ایک کال پہ چلے آتے تھے۔ جب تم مجھے ہاشم بھائی کہا کرتے تھے تو دل سے کہتے تھے۔ کیا کوئی راستہ بچا ہے سعدی؟"

"شاید نہیں۔"

ہاشم نے موبائل بند کر کے میز پہ ڈال دیا۔ اسٹڈی کے در و دیوار پھر سے بولنے لگے۔ اس کی سماعتوں میں اچھے وقتوں کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ بمشکل ان سب کو ذہن سے جھٹکتا ہاشم سیدھا ہوا اور کتاب پھر سے کھول لی۔

دوسری طرف اپنے آفس میں لیپ ٹاپ کے سامنے سوچ میں گم بیٹھا سعدی ابھی تک موبائل کو تک رہا تھا۔ پھر وہ بھی ہر چیز کو ذہن سے جھٹکتا سیدھا ہوا اور لیپ ٹاپ قریب کیا۔ گردن اونچی کر کے آگے پیچھے کا جائزہ بھی لے لیا اور پھر اپنا پروگرام دیکھا جو ابھی تک چل رہا تھا۔ ناکامی در ناکامی۔ اسے شدید فرسٹریشن ہوئی۔ مضطرب سے انداز میں چند ایک کیز دبائیں۔ پروگرام سے ایک ساتھ دو تین کام کروانے کی کوشش کی اور... اور... اسکرین پہ چلتا بجھتا نشان جگمگانے لگا۔ اس نے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی اور... پروگرام کریش ہو گیا۔

پارٹی کی ساری محنت ضائع چلی گئی۔ چابی لاک میں ٹوٹ گئی تھی۔ سب برباد ہو گیا۔

فائلز پرج ہو چکی تھیں اور اب کوئی بھی چیز ان کو ریکور نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ واقعی کمپیوٹرز کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اور وہ بغیر ثبوت کے کسی سے مدد بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔

اب وہ کیا کرے؟ اس نے سر اٹھا کر اپنے آفس کو اجنبی نظروں سے پھیکی پڑتی رنگت کے ساتھ دیکھا۔ دوبارہ سے ہاشم کا کمپیوٹر...؟ ناممکن۔ اب تو ہاشم اس کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔

"اور ایک وقت تھا جب........." اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اچھے وقتوں کی ساری کہانیاں فضا میں آج بھی ان مٹ روشنائی سے لکھی تھیں۔

❖❖❖

سات سال پہلے

عشرت رفتہ کو آواز دیا کرتی ہیں ..... ہر نئے لمحے کی دہلیز پہ جا کر یادیں

کانٹریکٹ لاء کی کلاس میں مخصوص خاموشی تھی۔ باہر اترتی شام کی سرسراہٹوں میں اندر کاغذ پہ قلم گھسیٹنے کی آواز مدغم ہو رہی تھی۔ تمام طلبا غور سے سننے یا سننے کی اداکاری کرتے لیکچرر کی جانب متوجہ تھے جو لیکچر کا اختتام کرتے ہوئے حسب عادت کہہ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے میری اتنی لمبی تقریر آپ میں سے بہت سوں کی سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ اور اگر میرا خیال درست ہے تو چند ایک کی سمجھ میں نہیں بھی آئی ہو گی۔ اس لیے وہ چند ایک ابھی یا امتحانات سے قبل میرے پاس فارغ وقت میں آ کر اپنی کنفیوژن کلیئر کر لیں۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اپنے رزلٹ کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری صرف آپ کے کندھوں پہ ہو گی۔ رائٹ؟"

نرمی سے مسکرا کر کہتی زمر یوسف کی آنکھیں پوری کلاس پہ مرکوز تھیں۔ اور اس نرمی میں بھی رعب پنہاں تھا۔ آدھے کیچر میں بندھے گھنگھریالے بال، شفاف جلد، ناک میں سونے کی بالی کی طرح ننھا ونگ اور ہاں، ابھی آنکھوں کے گرد ایک دو جھریاں بھی نہیں پڑی تھیں۔

چند ایک طلبہ و طالبات نے ہاتھ بلند کیے۔ کنفیوژن کلیئر کی۔ وہ تحمل سے جواب دیتی رہی اور ایسا کرتے ہوئے اس کی نگاہ ہال کے ایک ایک چہرے سے گزرتی اس اجنبی شناسا سے چہرے پہ ٹھہر گئی۔ لبوں پہ مبہم سی مسکراہٹ والا وہ شخص اس ایوننگ کلاس میں چار روز سے آ رہا تھا اور ہر دفعہ اسے دیکھ کر لاشعور میں کوئی احساس جاگزیں ہوتا جیسے وہ اسے کہیں دیکھ چکی ہے۔ مگر وہ شعور اس چہرے کو کسی نام کے ساتھ فٹ نہیں کر پا رہا تھا، سو وہ نظر انداز کر کے کلاس برخاست کرنے لگی۔ اسٹوڈنٹس یکے بعد دیگرے اٹھ کر جانے لگے۔ زمر نے میز سے اپنی چیزیں سمیٹیں۔ ان کو ترتیب سے بیگ کے مختلف خانوں میں رکھا۔ نفاست سے فائل اور کتابیں جوڑیں۔ بیگ کندھے سے لٹکایا اور سر اٹھایا تو وہ شخص سامنے کھڑا تھا۔

"کہیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" وہ سر جھکا کر بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی۔ میز کی چمکتی سطح میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ لمبا چوڑا، کافی اسمارٹ، اٹھائیس انتیس سال کے لگ بھگ، ہلکی آنکھوں اور چھوٹے کٹے بالوں والا وہ شخص....

"میں کر دوں آپ کی مدد؟" اس نے نرمی سے کہا مگر لاپروائی کا عنصر غالب تھا۔ زمر نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا۔

"سوری؟"

"میں مائیگریٹ ہو کر ادھر آیا ہوں۔" انگلی سے کان کی لو مسلتا وہ ادھر اُدھر دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز غصہ نہیں دلاتا تھا۔ ورنہ کوئی ایسے بات کرتا تو شاید اس کے سر پہ لگ جاتی۔

"تو؟"

"تو چار دن سے آپ مجھے دیکھ کر ذرا..." (ہاتھ سے اشارہ کیا) "ذرا کنفیوزڈ ہیں۔ یو نو deja vu فیلنگ۔"

زمر نے بمشکل تعجب چھپایا۔ "آئی ایم سوری، مجھے یاد نہیں اگر ہم پہلے مل چکے ہیں۔ ابھی تک میرے رجسٹر میں آپ کا نام بھی نہیں آیا۔"

"شاید کئی سال پہلے، اب تو یاد بھی نہیں..." پھر ذرا سے شانے اچکائے۔ زمر بھنویں سکوڑے اس کو دیکھتی رہی تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"میں فارس غازی ہوں۔ سعدی کا ماموں!"

زمر کے بھنچے ابرو ڈھیلے پڑے۔ لب "اوہ" میں سکڑے۔ چہرے پہ پہلے حیرت اور پھر شرمندگی ابھری۔ "اوہ... آئی ایم سوری.... میں نے واقعی نہیں پہچانا۔ میں شاید آپ سے ملی بھی نہیں کبھی۔ مگر آپ کو کیسے پتا میں سعدی کی....؟"

"سمپل!" اس نے کندھے جھٹکے۔ "سعدی نے بتایا تھا کہ آپ شام میں ادھر پڑھاتی ہیں اور صبح سعود رانا کے چیمبر میں ہوتی ہیں۔"

''اوہ... مگر اس نے مجھے نہیں بتایا۔ میرا مطلب ہے آپ سعدی کے وہی ماموں ہیں ناجو...'' وہ گڑبڑا کر رکی۔

''جی وہی جو سوتیلا ہے۔'' وہ پھر ذرا سا مسکرایا۔ زمر کے رخسار گلابی ہوئے۔

''نہیں' میرا مطلب تھا وہ جو آئی بی (انٹیلی جنس) میں ہوتے ہیں اور کہیں سندھ وغیرہ میں پوسٹڈ تھے۔ کیونکہ سعدی کے ننھیال والے ماموں سے تو اکثر ملاقات ہو جاتی ہے۔''

''جی میں کئی سال سے ادھر تھا۔ اسی ہفتے آیا ہوں۔''

کلاس قریباً خالی ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ راہداری میں ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر زمر نے اس کی طرف رخ کرتے پوچھا۔

''تو آپ میری کلاس میں کیسے؟ ڈونٹ ٹیل می ہماری کلاس میں آپ کسی کی جاسوسی واسوسی کرنے آئے ہیں۔''

اس بات پہ فارس ہنس پڑا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

''میں جاسوس نہیں ہوں۔ جاسوسوں کا ڈیپارٹمنٹ الگ ہوتا ہے۔ میں یوں ہوں جیسے پولیس آفیسرز ہوتے ہیں۔ ہم مختلف کیسز پہ کام کرتے ہیں۔ ہاں ادھر پڑھنے آیا ہوں میں۔'' وہ گردن ذرا جھکا کر عادتاً ناخن سے کان رگڑتا کہہ رہا تھا۔ ساتھ میں شاید وہ چیونگم بھی چبا رہا تھا۔

''تو کیا نوکری چھوڑ دی؟''

''ڈگری کے لیے تو پڑھ رہا ہوں۔ پہلے زیادہ پڑھ وڑھ نہیں سکا تھا۔ چھوٹی پوسٹ پہ بھرتی ہوا تھا۔ اب ترقی تو ملتی رہی ہے مگر لاء کی ڈگری ہمارے لیے بہت اچھی ہوتی ہے۔ ترقی کے چانسز بڑھتے ہیں۔'' پھر رک کر زمر کا چہرہ جیسے جانچا۔ ''کیا آپ کے والد نے نہیں بتایا کہ کس طرح وہ ڈگری اور نوکری سے پہلے میری مدد کرتے رہے تھے؟''

''آ... نہیں بالکل نہیں۔ میرے ابو گرو کے لوگوں کو خاموش محسنوں کی عادت ہے شاید۔'' زمر نے مسکرا کر گہری سانس لی۔

''برے وقتوں میں انہوں نے قرض دیا مجھے' احسان تھا ان کا۔''

''ان فیکٹ مجھے یاد آ رہا ہے۔ سعدی کے سوتیلے' سوری چھوٹے ماموں' آپ کی امی تو کافی ویل آف سی تھیں۔ مجھے باقی آپ کا فیملی ٹری بالکل یاد نہیں۔ یہ بھی ندرت بھابی نے شاید کبھی ذکر کیا تھا۔''

''جی! اور تنگزیب کاروار... میرے ماموں۔ وہ ویل آف ہیں' میری امی نہیں۔ کچھ نہیں چھوڑا میرے لیے سوائے نصیحتوں کے۔'' پھر سے بے نیازی سے شانے اچکا کر ہنسا۔ زمر بھی ساتھ ہی ہنس دی۔ پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''او کے فارس! اچھا لگا آپ سے مل کر۔ آپ کو پڑھائی یا یونیورسٹی میں کسی بھی قسم کی مدد چاہیے ہو تو آپ مجھے ہمیشہ اپروچ کر سکتے ہیں۔ اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔'' وہ اب رخصت چاہ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی' فارس نے عجلت میں پکارا۔

''کیا آپ ہاشم کی شادی میں آئیں گی؟'' زمر جاتے جاتے واپس ہوئی۔ ناسمجھی سے ابرو اٹھائے۔ ''سوری' کون ہاشم؟''

''اوہ کیا ندرت آپا نے نہیں بتایا؟ میرا کزن ہاشم۔ اس کی اگلے ہفتے شادی ہے۔ انہوں نے سعدی لوگوں کی پوری فیملی کو بلایا ہے' آپ سمیت۔''

زمر نے چند لمحے سوچا' پھر کندھے اچکائے۔ ''میں بالکل بھی نہیں جانتی آپ کے کزن کو۔ لیکن اگر وہ بلائیں گے تو دیکھیں گے۔''

فارس نے سر ہلا کر گویا جانے کی اجازت دے دی۔ وہ ایک الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ مڑ گئی۔

فارس وہاں کھڑا تب تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ راہداری کے دوسرے سرے پہ گم نہ ہو گئی۔ پھر ایک دم چونکا اور خفیف سا ہو

کر سر جھٹکا۔

''وہ خوبصورت تو نہیں تھی پھر بھی اچھی کیوں لگ رہی تھی؟ سعدی کی پھپھو تھی' اس لیے شاید۔'' وہ خود کو مطمئن کر کے غیر مطمئن کرتا وہاں سے پلٹ گیا۔

........❖❖❖........

خدا ہے محبت' محبت خدا ہے

مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں باتوں کا شور' ٹی وی کی آواز اور رات کے کھانے کی مہک ہر سو پھیلی تھی۔ لاؤنج کے تھری سیٹر صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی زمر دوسرے سرے پہ موجود ندرت سے کہہ رہی تھی۔

''آپ مجھے بتا ہی دیتیں کہ آپ کا بھائی آ رہا ہے۔ میں امیگریشن اور دوسرے کاغذی معاملات میں اس کی مدد ہی کر دیتی۔ بہت مشکل ہوئی ہوگی اسے تو۔''

''بس اس کی اچانک پوسٹنگ ہوئی۔ ادھر آیا اور گھر کھولا۔ ویسے اپنے اورنگزیب ماموں کی انیکسی میں رہتا ہے۔ وہ اس کی ماں کے حصے میں تھی نا۔''

''آپ ذکر ہی کر دیتیں۔ اور تم تو ادھر آؤ ذرا۔ میرا سارا بائیو ڈیٹا اپنے ماموں کو دے دیا اور مجھے آگاہ بھی نہیں کیا۔ کتنی شرمندگی ہوتی مجھے اگر میں اس کو ڈانٹ دیتی۔'' کمرے سے نکلتے سعدی کو خفگی سے پکارا۔ وہ سیب کھا رہا تھا۔ کھاتے کھاتے کندھے ذرا سے اچکائے اور مسکراتا ہوا سامنے کشن پہ آ بیٹھا۔

''سوری' میں بھول گیا۔''

''اور ہاں' اس نے کسی کزن کی شادی کا بھی ذکر کیا تھا۔'' زمر نے یاد کرتے ہوئے ندرت کو دیکھا۔ انہوں نے سر ہلایا۔ ''ہاں ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔''

''کون ہاشم؟'' سعدی نے سیب پہ دانت گاڑتے رک کر پوچھا۔

''فارس کے ماموں کا بڑا بیٹا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے۔ میں نے بھی عرصہ پہلے دیکھا تھا۔ اصل میں زمر' فارس ادھر ہوتا جو نہیں تھا۔ تو اس سے جڑے بہت سے لوگوں سے بچوں کا تعارف نہیں ہے۔ خیر اب تو وہ آ گیا ہے تو اس کی وجہ سے وہ ہمیں بھی بلائیں گے۔''

ندرت بات کرتے ہوئے مسلسل چھ سالہ سیم کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اس کو میز کی چیزیں اٹھانے سے روک رہی تھیں۔ اور وہ عادتاً ہر شے اٹھا کر پھینکنا چاہتا تھا۔

''اس پہ نظر رکھو' میں ذرا روٹی اتار لوں۔ کھانا کھا کر جانا زمر!'' سعدی اور اسے ایک ساتھ مخاطب کرتے وہ اٹھیں تو زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''اوہو۔ امی منتظر ہوں گی۔ دیر ہو جائے گی۔ ویسے پکا کیا ہے؟''

''مٹر قیمہ۔'' ندرت بھی مسکرائیں اور سعدی بھی۔

''اب پڑ گئیں نا پھپھو سوچ میں۔''

''سوچنے والی بات ہی نہیں ہے۔ مجھے جلدی جانا ہے تو یہاں کھا نہیں سکتی' مگر پیک تو کروا سکتی ہوں۔''

ندرت مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں تو وہ سعدی کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''اسکالرشپ کے لیے ناموں کا اعلان ہو گیا؟''

''اونہوں۔ مگر اسی ہفتے ہونا ہے۔'' پھر وہ ذرا مایوس ہوا۔ ''مجھے نہیں لگتا مجھے اسکالرشپ ملے گا۔ میں تو نارمل سا اسٹوڈنٹ ہوں۔ مجھ

سے بہتر امیدوار ہوں گے وہاں۔"

"مگر مجھے یقین ہے کہ تمہیں اسکالرشپ مل جائے گا۔"

سعدی کا چہرہ امید سے چمکا۔ "اچھا! آپ کو کیسے یقین ہے؟"

"یہ یقین ہے، ریاضی کا سوال نہیں جو اس کی کوئی لاجک بھی ہو۔ بس ہے تو ہے۔" اس نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"چلیں سب نام لکھوائیں۔ ہم پارٹی کر رہے ہیں۔"

اندر سے تیرہ سالہ حنین بولتی ہوئی آئی۔ اس کے ماتھے پہ کٹے ہوئے بال گرے تھے، ناک پہ چشمہ تھا اور لبوں پہ شرگیں مسکراہٹ جو صرف زمر کو دیکھ کر آتی تھی۔ زمر بھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔ حنین نے ایک فہرست سامنے رکھی اور ہاتھ میں پین پکڑے بہت سمجھداری سے اعلان کیا۔

"سوموار کی شام ہم پارٹی کریں گے۔ میں دہی بھلے لاؤں گی اور سیم! تم برگرز لاؤ گے۔" تحکم سے سیم سے کہا۔ وہ جلدی جلدی سر اثبات میں ہلانے لگا۔ (سیم کی چیز ہمیشہ امی لاتی تھیں)

"اور پھپھو آپ؟" زمر کو دیکھ کر پوچھتے اس کی آنکھوں میں وہی شرگیں مسکان پھر سے جھلملانے لگی۔

"میں لزانیہ لاؤں گی۔"

"اور امی آپ؟" حنین نے زور سے آواز دی۔ کچن سے آواز واپس آئی۔ "میں فروٹ چاٹ لاؤں گی۔"

اب سب نے سوالیہ نظروں سے سعدی کو دیکھا تو وہ ایک گال کھجاتا ہوا بولا۔ "میں برتن لاؤں گا۔"

حنین نے بھنویں ناراضی سے بھینچیں۔ فوراً پھپھو کو پکارا۔ "پھپھو! بھائی کو کہیں کہ یہ سموسے لائیں گے۔"

"اتنا کچھ تو ہے۔ پہلے تم وہ تو کھاؤ گٹو۔"

"کوئی بہانہ نہیں سعدی، تم سموسے لاؤ گے۔" زمر نے مسکراہٹ دبا کر اسے تنبیہہ کی۔ وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کر سر جھٹک کر رہ گیا۔ حنین کے ناراض تاثرات نارمل ہوئے۔ اس نے بڑے جوش سے سعدی کا نام لسٹ میں لکھ لیا۔ پھر باری باری سب سے سائن کروائے۔ تب ہی امی نے پکارا تو وہ پھپھو کا باکس لینے کچن میں بھاگی۔ زمر نے پانی مانگا تو سعدی بھی پیچھے ہی گیا۔

زمر نے پرس سے سن گلاسز نکالے اور آہستہ سے صوفے کے نیچے کارپٹ پہ رکھ دیے۔ پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ندرت ڈبا لے آئیں تو وہ سب اسے چھوڑنے دروازے تک آئے۔ حنین فوراً واپس آ کر لاؤنج کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی۔ زمر اور سعدی کار کے پاس کھڑے تھے۔ زمر اندر بیٹھنے لگی، پھر کسی احساس کے تحت بیگ کھولا۔ ادھر ادھر دیکھا۔

حنین چونکی، پھر فوراً صوفے تک آئی۔ چیزیں ادھر ادھر کیں، اوپر نیچے دیکھا۔ گلاسز نیچے گرے پڑے تھے۔

"اوہ پھپھو پھر کچھ بھول گئیں۔" فاتحانہ خوشی سے کہتی وہ عینک اٹھا کر دروازے کی طرف بھاگی۔ زمر واپس آ رہی تھی۔ ادھر اس نے دروازہ کھولا، ادھر حنین نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ گلاسز والا ہاتھ بڑھایا۔

"میں شاید اپنے گلا.... اوہ....." زمر کا سوال مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ حنین کو دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے عینک پکڑی اور ہولے سے حنہ کا گال تھپتھپایا۔

"میری زندگی میں ہونے کے لیے شکریہ حنہ۔" اب کے وہ گئی تو حنین واپس صوفے پہ آ بیٹھی۔ اسے دوبارہ کھڑکی میں نہیں کھڑا ہونا تھا۔ کیونکہ زمر بھول صرف ایک دفعہ کرتی تھی۔ حنین امید صرف ایک دفعہ لگاتی تھی۔

اس نے میز سے لسٹ اٹھائی تو فوراً سے مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی۔ وہاں سعدی کے نام کے آگے لکھا سموسے کاٹ کر برتن

تھا۔ اور بھائی خود غائب تھا۔ حنین نے غصے سے چلانے کے لیے منہ کھولا، مگر پھر خود ہی ہنس پڑی اور برتن کو دوبارہ مسو سے کر کے لاؤنج کے لونے میں رکھی کمپیوٹر ٹیبل پہ آ گئی۔ ادھر اس نے کمپیوٹر آن کیا ادھر سیم ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھا۔ وہ گیم کھیلے گی تو وہ دیکھے گا۔ یہی دستور تھا' یہی معمول تھا۔

...........❖❖❖...........

ڈائننگ ٹیبل پہ کریلے گوشت کے قریب مٹر قیمہ بھی ایک چھوٹے ڈونگے میں رکھا تھا اور فرحانہ بیگم اس میں سے چمچ سے سالن نکالتی کہہ رہی تھیں۔

''مرچیں ندرت ہمیشہ سے تیز ڈالتی ہے۔ اب اگر نہیں دینا ہی تھا تو وہ سالن دیتی جس میں مسالہ کم ہو مگر نہ جی۔'' سربراہی کرسی پہ براجمان بڑے ابا روٹی کا نوالہ توڑ رہے تھے۔ اور دائیں ہاتھ بیٹھی زمر پانی کا گھونٹ بھر رہی تھی۔ دونوں نے نہیں سنا۔

''اصل میں پتا ہوتا ہے نا اس کو کہ ہم دونوں بوڑھوں نے بھی کھانا ہے اور مرچیں ہمیں کتنا نقصان کریں گی۔'' اب کی بار یوسف خان نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

''بوڑھوں کی فہرست آپ خود تک محدود رکھیے بیگم! میں ابھی اس میں شامل نہیں ہوا ہوں۔''

زمر نے مسکراتے ہوئے منہ میں موجود لقمہ چبایا اور پھر ان کو متوجہ کیا۔

''پتا ہے آج کل میری کلاس میں کون آ رہا ہے؟'' کہہ کر اس نے دوسرا لقمہ منہ میں رکھا اور لب بند کیے بہت نفاست سے اسے چباتی رہی اور وہ دونوں اس کو دیکھتے رہے۔ جب نگل چکی تو بولی۔

''فارس غازی... ندرت بھابی کا سوتیلا بھائی جو انٹیلی جنس میں ہوتا ہے۔''

فرحانہ حیران ہوئیں' پھر مشکوک۔

''تمہاری کلاس میں وہ کیا کر رہا ہے؟''

''ہاں زمر! اس نے مجھے بتایا تھا کہ ایل ایل بی کر رہا ہے۔ اس سے اس کو ترقی کے چانسز زیادہ ملیں گے۔ یہ لڑکے بھی نا' پڑھائی سے بھاگنے کے لیے فورسز میں جاتے ہیں اور پھر وہاں پڑھتے بھی ہیں اور بھاگتے بھی ہیں۔''

''کیا ندرت نے ذکر کیا تھا پہلے؟'' ان کو نظر انداز کیے فرحانہ تیزی سے بولیں۔

''کیا ہوتا تو میں تبادلے میں اس کی مدد ہی کروا دیتی۔'' وہ سلاد کی پلیٹ اٹھا کر کانٹے سے کچھ کھیرے اپنی پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

''اب تم زیادہ اچھی نہ بننا کہ اس کے سوتیلے بھائی کو فیور دینے لگ جاؤ۔''

زمر نے گلاس سے گھونٹ بھرا۔ گیلے لب نیپکن سے تھپتھپائے اور سر اٹھا کر امی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''امی! ایک چیز ابھی سے کلیئر کر لیتے ہیں۔ یونیورسٹی مجھے ایوننگ کلاسز لینے کا ایک معقول معاوضہ دیتی ہے اور اس معاوضے کو حلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میں یونیورسٹی کے ساتھ کیے گئے اپنے معاہدے کو پورا کروں' جس کے تحت میں ہر اسٹوڈنٹ کی غیر مشروط مدد کرنے کی پابند ہوں۔ اور اس لیے میں ذاتی تعصب کی بنا پہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتی ہوں اور نہ ہی ذاتی تعلق کی بنا پہ غیر ضروری فائدہ دے سکتی ہوں۔ پھر چاہے بھابی کا بھائی ہو یا سلیم درزی کا بیٹا' جو بھی میرے پاس مسئلہ لے کر آئے گا' مجھے اسے حل کرنا ہوگا۔''

بہت نرمی اور رسان سے اس نے کہا مگر عام حالات میں شگفتہ رہنے والی فرحانہ ندرت کے ذکر پہ خفا سی ہو کر برتن اٹھانے لگیں۔

''ہاں ہاں' میں تو کہہ کر پھنس جاتی ہوں۔''

''پھنس تو آپ اچھا کھانا بنا کر بھی جاتی ہیں۔ کیونکہ ہم ٹیچرز شاید اگلے ماہ ون ڈش رکھیں تو اس میں بھی مجھے ایسا ہی کریلے گوشت بنا

کردیجیے گا۔ کیونکہ ماؤں کے ہاتھ کے کریلے بھی کڑوے نہیں ہوتے۔"

"ہاں تو بُرا کھانا بنایا ہے میں نے کبھی؟" اب کے ناراضی مصنوعی تھی۔ ان کے جاتے ہی یوسف صاحب فوراً زمر کی طرف مڑے۔

"فارس کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔ کوئی بھی ضرورت ہو تو اس کی مدد ضرور کرنا۔"

"جیسا کہ میں نے ابھی کہا' بلا ضرورت کوئی فائدہ دوں گی نہ بے وجہ کوئی نقصان۔" وہ کندھا اچکا کر ٹوتھ پک نکال رہی تھی۔

"ویسے آپ کا ذکر کر رہا تھا وہ۔" سرسری سا کہا۔ بڑے ابا چونکے۔ کچن کو دیکھا' پھر اس کو۔

"اچھے لوگوں کی اچھی عادتوں میں سے ایک دوسروں کو اچھے لفظوں میں یاد رکھنا بھی ہوتی ہے۔"

"آپ یہ کہنے کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں کہ آپ نے کبھی اس کی کوئی مدد نہیں کی۔"

"تم سے کس نے کہا ہے؟"

"جب آخری دفعہ میں نے چیک کیا تھا تو میرے اوپر وحی تو اترتی نہیں تھی۔" وہ بہت اطمینان سے نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ "پھر کیا مدد کی تھی آپ نے ان کی؟"

"تم...." تلملا کر پھر سے کچن کو دیکھا۔ "تم میرے گھر کا ماحول خراب کرنے پہ تلی ہو۔"

"اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں یہی سوال تھوڑی دیر بعد گرما گرم چائے کے ساتھ دہراؤں گی۔" اب وہ ہتھیلی پہ چہرہ ٹکائے مسکرا کر ان کو دیکھ رہی تھی۔

"اتنا بھی نہیں کیا کچھ خاص' جتنا وہ یاد رکھتا ہے۔ وہ زیادہ پڑھ نہیں سکا تھا۔ ماں نے تھوڑا بہت روپیہ پیسہ چھوڑا۔ اس سے چھوٹی عمر میں کاروبار کرنے کی کوشش کی تو سب ڈوب گیا۔ اوپر سے قرضہ بھی چڑھ گیا۔ اس کے ماموں کافی امیر آدمی ہیں مگر ان سے مانگتے اس کی ناک آڑے آئی تھی۔ اس لیے میں نے اس کی مدد کی تھی قرضہ اتارنے میں۔ اور پھر ایجنسی میں نوکری کے لیے بھی تھوڑی بہت کوشش کی۔ حالانکہ وہ میرٹ پہ سلیکٹ ہوا مگر اس کو بھی میرے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ اب تو سارا قرضہ لوٹا بھی چکا ہے' پھر بھی بھولتا نہیں ہے۔"

"تو اچھی بات ہے نا۔ زندگی بن گئی اس کی' اس لیے یاد رکھتا ہے۔"

وہ کہنیاں میز پہ ٹکائے اب پھر سے پانی پی رہی تھی۔ بڑے ابا نیپکن ہٹا کر اٹھے اور کونے میں لگے سنک کے اوپر کھڑے ہاتھ دھونے لگے۔ زمر گھونٹ گھونٹ پانی پیتی مسکرا کر اپنے ابا کو دیکھتی رہی جو واقعی ابھی بوڑھوں اور معذوروں کی فہرست میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

..................❖❖❖..................

دروازہ زور زور سے بجا۔ ایک' دو' تین۔ سعدی نے "آرہا ہوں" کہتے راہداری پار کی۔ دوبارہ دستک ہوئی۔ بیل بھی بجی۔ "او ہو!" اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے فارس کھڑا تھا۔

"یار ماموں! میں کھول ہی رہا تھا۔ آپ...." گڑبڑا کر وہ چپ ہوا۔ فارس نے آنکھ سے اشارہ کیا اور پیچھے مڑ کر کہا۔

"آیئے ماموں!" سعدی کے لب کھل گئے۔ مطلب ماموں کے ماموں؟ وہ دیکھے بغیر اندر بھاگا۔ امی کچن میں شام کی چائے کو دم لگا رہی تھیں۔ وہ ان کے سر پہ جا پہنچا۔

"امی.... ماموں کے.... ماموں آئے ہیں۔ مطلب' انوہ۔"

"کیا؟" پہلے تو امی کو سمجھ نہیں آیا اور جب آیا تو جلدی سے باہر آئیں۔ فارس راہداری سے ہوتا ہوا ان کو لا رہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' باریک تراشیدہ سفید' سرمئی مونچھوں والے' کافی بارعب' مگر ہینڈسم آدمی تھے۔ آنکھوں میں ایک سخت سا تاثر تھا' گردن میں سریا۔ امی کے

سلام کا سر کے خم سے جواب دیا۔ تنے ابرو کے ساتھ کرّ و فر سے بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھے۔

"بہت اچھا لگا کہ آپ آئے۔" امی اپنی ابتدائی بوکھلاہٹ پہ قابو پاتی' کہتے ہوئے صوفے کے کشن برابر کر رہی تھیں۔ شکر کہ لاؤنج صاف پڑا تھا۔ پھر بھی نظر گھما کر دیکھا اور جب فارس پہ نگاہ ٹھہری تو ندرت نے "بتایا کیوں نہیں؟" والے انداز میں اسے گھورا مگر وہ ذرا سے شانے اچکا کر سنگل صوفے پہ جا بیٹھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے سعدی۔" امی سامنے کھڑی تعارف کروانے لگیں۔ سعدی نے مسکرا کر سلام کیا۔ انہوں نے بنا مسکرائے مگر شائستگی سے جواب دیا۔ وہ کشن لے کر کارپٹ پہ بیٹھ گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کمپیوٹر ٹیبل پہ بیٹھی حنین مسلسل کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ ندرت نے بظاہر مسکراتے ہوئے مگر گھور کر کہا۔

"حنہ! سلام کرو۔" تو وہ ذرا سی مڑی' سلام کیا اور واپس۔ اورنگزیب کاردار نے تو شاید سنا ہی نہیں۔ پُرتکلف سے بیٹھے تھے۔ "آپ کو عزت بخشی ہے" والا انداز۔

راہداری کا دروازہ پھر بجا۔ جیسا سا جیسے کسی نے انگلی کی پشت سے ناک کیا ہو۔ سعدی فوراً اٹھا تو کاردار صاحب بولے۔

"میرا بیٹا ہوگا۔ کال سننے رک گیا تھا۔" سعدی راہداری میں آیا تو وہ ادھر کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس نے ٹائی اور ویسٹ بھی اتار رکھی تھی' بس کوٹ نہیں تھا۔ ٹائی پن' کف لنکس' جوتے' ہر شے اپنی قیمت آپ بتاتی تھی اور اس سے زیادہ بیش قیمت اس کی مسکراہٹ تھی۔

"میں ہاشم ہوں' ہاشم کاردار۔ میرے ڈیڈ غالباً اندر ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اپنائیت سے بولا تھا۔ سعدی جلدی سے اس تک آیا۔

"جی وہ اندر ہیں۔ میں سعدی یوسف ہوں۔" اس نے بھی مسکرا کر بتایا۔ اندر آنے کا راستہ دیا۔

ہاشم ندرت سے بھی اسی مسکراہٹ کے ساتھ ملا۔ پھر اپنے باپ کے ساتھ صوفے کے دوسرے سرے پہ جا بیٹھا۔ سعدی کو محسوس ہوا کہ وہ ہمیشہ اپنی گہری آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے مسکراتے رہنے کا عادی تھا۔ جو بھی تھا' وہ اسے اچھا لگا تھا۔

"ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔ ولیمہ کا کارڈ مل گیا آپ کو؟" اسی سنجیدگی سے اورنگزیب کاردار نے ندرت کو مخاطب کیا۔ وہ سامنے سنگل صوفے پہ ٹکی تھیں' سر ہلانے لگیں۔

"جی جی' ہم ضرور آئیں گے۔" (حالانکہ اس سے پہلے آنے کا ارادہ نہ تھا)

"ہاشم اور میں آفس سے نکلے تھے تو فارس مل گیا۔" ہاتھ سے ذرا سا اشارہ کیا اس کی طرف جو بے نیاز سا دوسرے سنگل صوفے پہ بیٹھا موبائل پہ کچھ کر رہا تھا۔ "تو سوچا اس کے رشتہ داروں کو ذاتی طور پہ مدعو کر دیں۔ باقی آپ کے دوسرے رشتہ دار....." نظر بھر کر ہاشم کو دیکھا۔ "وہ سب ہاشم سنبھال لے گا۔" ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب اورنگزیب کاردار کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھتے خاموش بیٹھے تھے۔

بہرحال ان کی مہربانی تھی کہ وہ چلے آئے۔ ورنہ مزاج کے تو وہ اسی طرح سخت اور غصہ ور مشہور تھے' ندرت نے سوچا۔

خاموشی کا وقفہ ذرا بڑھا تو ہاشم نے دوستانہ انداز میں کارپٹ پہ کشن کے سہارے بیٹھے اٹھارہ سالہ سعدی کو مخاطب کیا۔

"کیا پڑھ رہے ہو تم؟"

"یونیورسٹی آف لیڈز میں کیمیکل انجینئرنگ کے لیے اپلائی کیا ہے مگر ابھی اسکالرشپ کا حتمی فیصلہ نہیں آیا۔"

"تو کتنی امید ہے کہ انجینئر بن جاؤ گے؟"

سعدی ذرا جھینپ کر ہنسا۔ "میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"پھر بھی گھر میں ایک بچہ ایسا ہوتا ہے جس کے بارے میں ماں باپ کو بچپن سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ سب سنبھال سکتا ہے۔ (مسکرا کر باپ کو دیکھا اور ندرت کی طرف متوجہ ہوا) وہ جو ضرور کسی قابل بن جائے گا۔ تو آپ کے بچوں میں سے ایسا کون ہے؟"

پھر سعدی کو دیکھا۔

''کیا وہ تم ہو؟''

''ہم تینوں میں سے بھی ایک کا سب کو پتا ہے کہ اس نے انجینئر ضرور بننا ہے۔ باقیوں کا کوئی پتا نہیں۔ اور وہ ایک میں نہیں
بالکل بھی۔''

ہاشم نے شاید اس جواب کی توقع نہیں کی تھی تبھی تعجب سے ابرو سوالیہ اٹھائی۔

''تو؟''

کمپیوٹر چیئر گھومی۔ ماتھے پہ کٹے بالوں والی لڑکی سامنے ہوئی اور ہاشم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔ ''وہ میں ہوں حنین ذوالفقار
یوسف خان۔''

(عرف حنہ عرف گوبیگم) سعدی اتنا آہستہ بڑبڑایا کہ اپنے سوا کسی کو آواز نہیں آئی۔

''ہوں... گڈ!'' ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ بے نیازی سے واپس گھوم گئی۔

''حنین تو انجینئر بن ہی جائے گی۔ یہ سارہ خالہ کی طرح پڑھائی میں بہت اچھی ہے۔''

''کیا... فارس کی کوئی اور بہن بھی ہے؟''

اورنگزیب کاردار نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر ہاتھ مسلسل چلاتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔ وہ وارث کی بیوی ہے۔ اصل میں سارہ میری فرسٹ کزن بھی ہے' تو بچے بچپن سے خالہ بولتے ہیں۔ بعد میں اس کی
شادی میرے بھائی سے ہو گئی تو ان کی ممانی بھی بن گئی۔'' ندرت نے تفصیل سے بتایا۔ مگر سعدی کو اس نامکمل تعارف پہ بے چینی ہوئی۔

''وہ یو کے گئی ہوئی ہیں پی ایچ ڈی کرنے۔ اور وہ پراسس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی خاتون ہیں۔'' ہاشم نے مسکرا کر
سر ہلایا۔ اورنگزیب پھر سے گھڑی کو دیکھنے لگے۔ سعدی کو لگا کوئی متاثر نہیں ہوا۔ اس نے ہاشم سے پوچھا۔

''آپ نے کہاں سے پڑھا ہے؟''

''اسٹین فورڈ سے۔ میں لائیر ہوں۔''

سعدی کے لب ''اوہ'' میں سکڑے۔ ''تو آپ وکیل ہیں۔ میری پھپھو بھی وکیل ہیں۔''

''انہوں نے کہاں سے پڑھا ہے؟'' وہ اسی نرم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

''یہیں پاکستان سے۔'' سعدی کے لہجے میں فخر تھا۔

ندرت چائے کے لیے اٹھیں تو اورنگزیب منع کرنے لگے۔ ان کو جانے کی عجلت تھی۔ ان کا وقت بے حد قیمتی تھا۔ مگر ندرت بلا
اصرار چلی ہی گئیں۔

''تم میرے ساتھ روف کی طرف آؤ گے؟'' انہوں نے ہاشم کو مخاطب کیا۔

''جی۔ مگر میں وہاں سے جلدی اٹھ جاؤں گا۔ شہری نے کوئی نئی مووی لی تھی۔ ہمارا ساتھ دیکھنے کا پروگرام تھا۔'' اورنگزیب صاحب
نے ہوں میں سر کو خم دیا۔ ایک دفعہ پھر گھڑی دیکھی۔ اس سے پہلے کہ وہ فارس سے کہتے کہ اپنی بہن کو فضول کی خاطر داری سے منع کرنے کہ
چیئر کے پہیے گھومے۔ حنین سامنے ہوئی۔

''کون سی مووی دیکھنے جا رہے ہیں آپ؟'' ہاشم نے بے اختیار اسے دیکھا۔

''ایک نئی امریکی مووی آئی ہے۔''

"آپ نام بتائیں' میں نے دیکھ رکھی ہوگی۔"

"یہ...." وہ متذبذب ہوا۔ "ابھی کچھ عرصہ پہلے ریلیز ہوئی ہے۔ بورن الٹی میٹم۔"

"اوہ.... بورن سیریز۔" حنین نے منہ بنایا۔ "اس کا صرف پہلا پارٹ اچھا تھا۔ مگر یہ والا پارٹ کافی ڈریگ کیا گیا ہے۔ بورن آئی ڈینٹیٹی Bourne Identity والی بات نہیں ہے اس میں۔"

ہاشم نے مسکراتے ہوئے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم بورن سیریز کے ناولز کی بات نہیں کر رہیں؟"

"آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں ناول پڑھ کر ظاہر کر رہی ہوں کہ میں نے مووی بھی دیکھ رکھی ہے؟ شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ ریزان ناولز' پہ صرف Loosely Based ہے۔ اور جب آپ یہ نیا پارٹ دیکھیں اور اکثر جگہوں پہ کیمرہ بری طرح ہلتا ہوا محسوس ہو اور لگے جیسے کیمرہ مین کو رعشہ لاحق ہے' تو جان لیجیے گا کہ آپ سے پہلے یہ فلم دیکھنے والی حنین یوسف سچ کہہ رہی تھی اور میں اس فلم کو مزید ڈسکس کرتی' لیکن مجھے اس طرح کی فلمیں زیادہ پسند نہیں۔ سو بات ختم!"

ہاشم نے صرف مسکرا کر سر ہلایا مگر اورنگزیب کاردار آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔

"تو تمہیں کس طرح کی فلمیں پسند ہیں؟" وہ ابھی بھی پرتکلف اور سرد آواز میں پوچھ رہے تھے مگر توجہ پوری اس کی طرف تھی۔

سعدی نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا' جیسے کچھ کہنے کی تاب اس میں نہیں تھی۔ حنین نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"فلم کا اچھا ہونے کے لیے کسی خاص طرح کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ پلاٹ اور کرداروں کو اچھا ہونا چاہیے۔ اور کسی بھی کہانی کے اچھا ہونے کا مطلب حقیقت سے قریب ہونا نہیں' کنوینسنگ ہونا ہے۔ مجھے ایسی امریکی فلمیں نہیں پسند جن میں ہیرو مار کھا کھا کر بھی نہیں مرتا۔ مگر ڈائی ہارڈ مجھے بہت پسند ہے۔ مجھے ہارر فلمیں بھی سخت ناپسند ہیں مگر "دی رنگ" بہت اچھی ہے۔ جادوئی فینٹسی تو مجھے زہر لگتی ہے مگر ہیری پوٹر اور لارڈ آف دی رنگز کی کیا بات ہے۔ سائنس بھی بہت بور کرتی ہیں مجھے مگر "آئی روبوٹ" میں بار بار دیکھ سکتی ہوں۔ سائیکو تھرلرز سے تو لگتا ہے' مگر سائلنس آف دی لیمب میری فیورٹ ہے۔ پیریڈ فلمیں بھی بعض اوقات بہت مصنوعی ہو جاتی ہیں مگر گلیڈی ایٹر' پیٹریاٹ اور بریو ہارٹ میں میری جان ہے۔"

وہ تب خاموش ہوئی جب چائے آئی اور اورنگزیب صاحب نے کپ پکڑ بھی لیا اور گھونٹ بھر بھی لیا۔ دیکھ ابھی تک وہ اسی کو رہے تھے۔

"تو پھر تمہیں آخر پسند کس طرح کی انگریزی فلمیں ہیں؟"

"کس نے کہا مجھے انگریزی فلمیں پسند ہیں؟ ہالی ووڈ کی ہر فلم اب ایک جیسی لگنے لگی ہے۔ میں تو ایرانی' کورین' چائنیز' تائیوانی اور ہسپانوی فلمیں دیکھتی ہوں زیادہ شوق سے۔ اور ہسپانوی بھی وہ جو اسپین کی نہیں بلکہ کولمبیا کی ہسپانوی زبان میں بنی فلمیں ہوں۔"

ہاشم نے باپ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "اور ایک لائق اسٹوڈنٹ کو فلمیں دیکھنے کا فارغ وقت کیسے مل جاتا ہے؟"

"کس نے کہا کہ میں اپنا فارغ وقت صرف موویز پہ لگاتی ہوں؟ مجھے تو کمپیوٹر گیمز زیادہ پسند ہیں۔ میں نے اب تک کال آف ڈیوٹی میں پتا ہے کتنے...."

"حنین اگر تم ابھی کے ابھی خاموش ہو کر ہمیں شکریے کا موقع دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کل تمہارے لیے چھ عدد تکہ کباب لا دوں گا۔"

سعدی نے بس ہاتھ نہیں جوڑے' لہجہ ورنہ ایسا ہی تھا۔ حنین نے سنجیدگی سے ذرا مڑ کر اسے دیکھا۔

"چھ نہیں بارہ۔ اور ساتھ میں مایونیز والی ساس بھی۔" اور واپس گھوم گئی۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔" سعدی نے جھلا کر گویا جان چھڑائی۔ اورنگزیب صاحب آدھی چائے پی چکے تھے۔ باکس آفس ختم ہوا تو

باقی چائے کی امید بھی دم توڑ گئی۔ وہ اٹھ گئے۔

"فنکشن میں آنا اور اس بچی کو بھی ساتھ لانا۔" دروازے تک جاتے انہوں نے ندرت سے بس اتنا کہا۔ سعدی اور
چھوڑنے باہر تک آئے۔ فارس وہیں بیٹھا تھا۔

"جب تک تمہارا اسکالرشپ فائنل نہیں ہوتا تم میرے گھر آجایا کرو۔ میری اسٹڈی تمہیں ضرور متاثر کرے گی اور تم وہاں بیٹھ
کچھ پڑھ بھی سکو گے۔" ہاشم نے کار کے ساتھ کھڑے سعدی کو جب یہ بات کہی تو اس نے اسے ازراہ مروت کی جانے والی پیشکش سمج
آخری خدا حافظ سے پہلے جب ہاشم نے یہ دہرایا تو سعدی نے بھی مسکرا کر آنے کا وعدہ کر لیا۔ گو کہ اسے بالکل بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ کار دوبارہ
جائے گا۔

اسے غلط لگتا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

زمر فون کان سے لگائے لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شدید اضطراب رقم تھا۔ دوسری جانب
رہی تھی۔

دفعتاً وہ رکی۔ "جی میں زمر بات کر رہی ہوں۔ جی بالکل.... میں نے طلبا کی فہرست معلوم کرنے کے لیے کال کی تھی جو اسکا
کے لیے نامزد ہوئے ہیں۔"

ایک گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی بظاہر نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔

"آپ مجھے وہ پانچ نام پڑھ کر سنا سکتے ہیں؟ جی.... جی ہوں۔" وہ لب آپس میں پیوست کیے ٹہلتی ہوئی سنتی گئی۔ چہرے پہ تناؤ
گیا۔ ایک، دو، پانچ....

"کیا یہی تمام نام ہیں؟ آر یو شیور؟" آہستہ آہستہ آنکھوں میں امید کی جوت بجھتی گئی۔

"او کے.... مگر کیا آپ کا نفرم چیک کر سکتے ہیں؟ اس فہرست میں واقعی کسی سعدی یوسف کا نام نہیں ہے؟" ایک آخری امید۔
جس پہ سب کی دنیا قائم ہے۔ مگر جواب سن کر ساری دنیا ڈوبتی گئی۔

"او کے۔" اسے اپنی آواز مدھم سی سنائی دی۔ آہستہ سے فون رکھا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔ کمرے سے فرحانہ کے دروازہ کھو
آواز آئی۔ لحاف کا بنڈل بنا کر اٹھائے وہ اسٹور روم کی طرف جا رہی تھیں۔ اسے زرد شکل سا بیٹھے دیکھ کر رکیں۔

"کیا ہوا؟" وہ چونکی۔ پھر پھیکا سا مسکرائی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" اور یہی تو صدمہ تھا کہ کچھ نہیں ہوا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

آج کمپیوٹر چیئر خالی تھی کیونکہ حنین صوفے پہ بیٹھی تھی۔ گود میں پلیٹ تھی اور وہ ابھی تک کھا رہی تھی۔ ان کی "ون ڈش" پار
ہو چکی تھی۔

زمر بڑے صوفے پہ بیٹھی ٹشو سے نفاست سے لب تھپتھپا رہی تھی۔ سعدی امی کے ساتھ برتن اٹھوا رہا تھا۔ سیم باقی ماند
پی رہا تھا۔

"ہاں میں نے پتا کیا تھا۔" ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے زمر نے سعدی کے سوال کا جواب دیا اور پھر اس کی طرف د
سکون سے بولی۔ "ناموں کا اعلان ابھی نہیں ہوا۔ شاید دو تین دن مزید لگیں۔"

"اوہ۔" سعدی کا جوش‘ امید‘ خوف سب ٹھنڈا ہوا۔ وہ آخری پلیٹ ندرت کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں رکھ کر زمر کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھا۔ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے آگے کو جھک کر بیٹھے وہ مایوس لگ رہا تھا۔

"سعدی! تمہیں اسکالرشپ مل جائے گا۔ بعض دفعہ لوگ میرٹ پہ اسکالرشپ نہیں بانٹتے‘ بلکہ ناانصافی کر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔" اس نے سعدی کے کندھے کو تھپکا۔

وہ "ہوں" کہہ کر مسکرا دیا۔ مگر وہ بددل زیادہ تھا۔ تب ہی جب گھنٹی بجی تو اس نے کہا۔

"سیم موٹے آلو! جاؤ جا کر دروازہ کھولو۔ کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو۔"

سیم نے فوراً تعمیل کی۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے پیچھے فارس تھا۔ چوکھٹ پہ وہ ذرا رکا‘ کو جھجکا۔ زمر بھی اسے دیکھ کر ذرا سیدھی ہوئی۔

"سوری میں غلط وقت پہ آ گیا۔ وہ جو چیزیں کہی تھیں آپا سے‘ وہی لینے آیا تھا۔" اور وہ بالکل بھی نادم نہیں نظر آ رہا تھا۔

"ونس اوے ماموں‘ آئیں۔ ہم بس پارٹی ختم کر چکے تھے۔" سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہوں... میں بھی بس نکلنے والی تھی۔ اور آپ ٹھیک ہیں؟" زمر اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اسے دیکھ کر ذرا سا تکلفاً مسکرائی۔ فارس نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا‘ اور میز کی حالت کو۔ پارٹی واقعی ختم ہو چکی تھی۔

(صبح آپا نے تو کہا تھا کہ زمر اور بچوں نے شام کو پارٹی کرنی ہے۔ میں لیٹ ہو گیا یا ان کے چھ جلدی بج گئے؟) اس نے سوچا۔ پھر سر جھٹکا۔ اسے کیا‘ وہ تو اپنی چیزیں اٹھانے آیا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے‘ اسے کل صبح لینی تھیں وہ چیزیں‘ لیکن اگر جلدی آ گیا تو کیا ہوا ہاں؟"

"یا... ایم فائن۔" اس نے کندھے اچکائے۔ پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز دی۔ "آپا! میرا بیگ دے دیں تو میں جاؤں۔"

"اوہ تم ابھی آ گئے۔ میں سمجھی کل آؤ گے۔" ندرت ہاتھ صاف کرتی حیرت سے ادھر آ گئیں۔ "اچھا بیٹھو‘ میں لاتی ہوں۔"

زمر نے اپنی چیزیں سمیٹ لی تھیں۔ صرف کار کی چابیاں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھیں۔ اب اسے اٹھنا تھا‘ مگر حنین سامنے بیٹھی بہت ہی دل جمعی سے پنجر سے بوٹی الگ کرتی کھا رہی تھی۔ زمر نے اسے دیکھا تو وہ ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ گھر کا سب سے پُراعتماد بچہ پھپھو کے دیکھنے پہ شرما جاتا تھا۔ مسکرا کر کھانے لگی۔ زمر بھی مسکرا دی اور فارس کو دیکھا جو ابھی تک کھڑا تھا۔ سعدی نے سنگل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھ جائیں۔ یہ کاٹتا نہیں ہے۔"

مگر وہ نظر انداز کر کے آپا کی طرف بڑھ گیا جو اندر سے اس کا بیگ لا رہی تھیں۔

"کیا بس یہی بھجوایا ہے سلیم انکل نے؟" اس نے بیگ کو ہاتھوں میں لے کر تولا‘ جیسے وزن چیک کیا۔

"ہاں۔ ایک دفعہ دیکھ کر تسلی کر لو‘ سب کچھ پورا ہے۔" وہ بیٹھ گیا۔ بیگ کی زپ کھولی۔ زمر بھی بے اختیار دیکھنے لگی۔ باقی سب تو شاید بچا تھا کہ اندر کیا ہے۔

فارس نے ہاتھ ڈال کر بندوق نکالی۔ لمبی نالی والی antique گن۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اندر موجود گولیاں چیک کیں۔ ہوں‘ سب پورا تھا۔

"یہ ہمارے ابو کے ایک دوست تھے‘ ان کو شکار کا بہت شوق ہے۔ فارس کو ان کی کوئی گن اچھی لگی تو انہوں نے اس کے لیے بھجوا دی۔ مگر اس کو ضد تھی کہ یہ خریدے گا‘ تحفہ نہیں لے گا۔ یوں کرتے کرتے ان کو باہر جانا پڑ گیا تو پے منٹ ملنے کے بعد میری طرف ڈراپ کروا دی۔" ندرت نے زمر کو دیکھتے ہوئے وضاحت دی۔ فارس نے زپ بند کر کے سر اٹھایا تو وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو گنز پسند ہیں؟" تعجب سے اس نے ابرو اٹھائی۔ فارس نے دو تین سیکنڈ اس کی آنکھوں میں دیکھا‘ پھر ابرو اچکا کر بولا۔

"بہت زیادہ۔ کیونکہ گنز انسانوں کو نہیں مارتیں' انسان انسانوں کو مارتے ہیں۔"

"آ..... میرا یہ مطلب نہیں تھا.... اور آپ کی پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے؟" اس نے بات بدلی۔ صوفے کے کنارے ٹکی وہ بس جا...
کی تیاری میں تھی۔

"ہوں۔ مگر....." اسے دیکھتے ہوئے فارس ٹھہرا۔ "آپ نے جو پچھلے ہفتے ہینڈ آؤٹ فوٹو کاپی کروا کر کلاس میں دیا تھا' وہ مجھے
نہیں ملا۔"

"اوہ.... مگر وہ تو آپ کے آنے کے بعد دیا گیا تھا۔"

"شاید ابھی میری کوئی اہمیت نہیں ہے وہاں۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ زمر فکر مند ہوئی۔

"پھر تو آپ کو وہ تینوں ٹاپکس سمجھ میں نہیں آئے ہوں گے۔"

"سب اوپر سے گزر گیا۔" ہاتھ سے سر کے اوپر اشارہ کیا۔ "اگر آپ کے پاس وقت ہو تو؟"

"جی' بالکل' میں کل' نہیں پرسوں۔" ٹھوڑی پہ انگلی رکھے اس نے سوچا۔ "ہاں پرسوں آپ میرے پاس آئیے گا کلاس سے پہلے
میں تب تک آپ کے لیے وہ نوٹس دوبارہ کاپی کروا دوں گی۔"

"شیور' تھینکس۔" اس نے بس اتنا کہا۔ حنین اب ہاتھ دھونے کچن میں جا چکی تھی۔

زمر جانے کے لیے اٹھ گئی۔ مگر اٹھنے سے پہلے اس نے چابیاں کشن کے پیچھے رکھیں اور ان کو دیکھے بنا کھڑی ہوئی۔ فارس نے بیگ
کندھے پہ ڈالتے ہوئے کن انکھیوں سے یہ دیکھا تھا۔ اسے چھوڑنے باہر گیا۔ حنین واپس آئی تو وہ جا چکی تھی۔ وہ ایک دم کھڑکی کے پاس جا ک...
کھڑی ہو گئی اور پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی۔

فارس پتلیاں سکیڑ کر اب بغور حنین کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونکی۔ چہرے پہ سارے زمانے کی خوشی در آئی۔ "پھپھو پھر بھول گئیں۔"
اور جلدی سے صوفے تک آئی۔ اوپر نیچے ہاتھ مارا۔ کشن پرے کیا۔ "یہ رہا چابیوں کا گچھا۔" اس نے فاتحانہ انداز میں وہ اٹھایا اور راہداری کی
طرف لپکی۔ فارس کو یہاں تک آوازیں آ رہی تھیں۔ زمر اور سعدی واپس آئے تھے۔

"پھپھو چابی بھول گئیں۔" سعدی نے پکارا۔

حنین ان کو چابی دے رہی تھی۔ زمر کچھ کہہ رہی تھی.... ہر دفعہ کا معمول.... سعدی ہر دفعہ حیران ہوتا۔ پھر کبھی ہنس دیتا۔ اب بھی ہنس
دیا۔ وہ چلی گئی اور گھر خاموش ہو گیا۔ حالانکہ وہ تو اتنا بولتی بھی نہیں تھی۔ خاموشی ساتھ لاتی تھی' خاموشی چھوڑ جاتی تھی۔

حنین واپس آئی تو اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ بڑی فرصت سے اس نے پلیٹ اٹھائی اور کچن میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جب فارس ان کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا تو گاڑی میں بیٹھتے ہی بیگ پچھلی سیٹ پہ پھینکا۔ ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا۔ ادھر
ادھر چیزیں پلٹیں۔ پھر وہ مل گیا۔

فوٹو کاپی شدہ نوٹس۔

وہ اسے اٹھائے باہر نکلا۔ سڑک کنارے ایک کوڑے کے بڑے سے ڈبے کے اوپر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں میں اسے پکڑ تے
اس کے چار ٹکڑے کیے اور اندر پھینک دیا۔ پھر دور آسمان کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

"اب منہ سے نکل جائے کچھ تو بندہ کیا کرے؟"

شانے اچکا کر وہ واپس ہو لیا۔

❖❖❖

کاردارز کا قصر اپنی پوری آب و تاب سے اس سبزہ زار پہ کھڑا تھا۔ لان میں باوردی ملازموں کی آمد و رفت جاری تھی۔ سارے بقیہ ماندہ کام جلدی جلدی نمٹائے جا رہے تھے۔ شادی میں دو دن نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔

سعدی یوسف نے مین ڈور کے سامنے کھڑے ہو کر چند گہرے گہرے سانس لیے۔

"ایک آدمی... مروت میں پیشکش کرے اور میں فوراً سے پہنچ جاؤں' کیا یہ اچھا لگتا ہے؟" ابھی جب وہ فارس سے ملا تھا تو اس نے پوچھا تھا۔

"اچھا لگتا ہو یا برا' میں نکل رہا ہوں۔ اب تم ادھر بیٹھ کر فنی وی دیکھو' دیواروں سے باتیں کرو یا ہاشم سے مل آؤ' تمہاری مرضی۔" وہ چابی اور والٹ اٹھاتے ہوئے بولا تو سعدی نے تندی سے اسے دیکھا۔

"ایسا سلوک کرتا ہے کوئی مہمان کے ساتھ؟"

"مہمان کون؟" فارس نے سر اٹھا کر واقعی تعجب سے پوچھا۔

"چھوڑیں یار..." وہ بددل ہوا۔ "اچھا آپ جائیں۔ مگر... وہ جو مجھے پہچانے ہی نہ تو؟"

"لو... ہاشم بھی کچھ بھولتا ہے؟" فارس نے سر جھٹکا۔ اس کے انداز پہ سعدی نے غور سے اسے دیکھا۔

"آپ کی اپنے کزن سے نہیں بنتی کیا؟ اس دن بھی آپ نے ان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"دیکھو یار..." فارس نے ہاتھ اٹھا کر دوٹوک کہنا شروع کیا۔ "وہ ہوگا اچھا آدمی۔ میرا سارا ننھیال ہوگا اچھا۔ مگر وہ میرے جیسے لوگ نہیں ہیں۔ ہم تم تو ذرا نیور ہوٹل پہ ماش کی دال کھا کر میٹھی چائے پی کر وہیں چارپائی پہ لیٹ جانے والے بندے ہیں۔ مگر یہ اور طرح کے لوگ ہیں۔ ممی ڈیڈی ٹائپ۔ میں ان سے کبھی گھل مل نہیں سکا' نہ سکتا ہوں۔ اب تم جا رہے ہو یا تمہیں اندر لاک کر جاؤں؟"

اور وہ اب دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ بجایا بھی نہیں تھا مگر اندر سے جیسے اسے دیکھ لیا گیا تھا۔ دروازہ کھلا اور فلپائنی ملازمہ میری انجیو مسکراتی ہوئی کھڑی تھی۔

"گڈ ایوننگ!"

"تھینکس... میں آ... ہاشم گھر پہ ہیں؟" ماموں کے کزن کو کیا کہہ کر پکارنا چاہیے' سمجھ میں نہیں آیا۔

"اور آپ کون؟"

"میں سعدی ہوں۔ اصل میں انہوں نے کہا تھا کہ..."

"سعدی یوسف خان' فارس صاحب کے بھانجے؟ مسٹر کاردار نے آپ کے بارے میں اطلاع کر دی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ان کے احکام کے مطابق میں آپ کو اسٹڈی میں لے جاتی۔ لیکن چونکہ وہ وہیں اس لیے آپ ادھر آ جائیے۔"

میری نے اتنی خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے ادب سے اندر آنے کا اشارہ کیا کہ وہ واقعی حیران ہوا۔ بہرحال اس کا اعتماد بڑھا۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں گھما کر اونچے اور عالیشان لونگ روم کا جائزہ لیا۔ اور پھر جو کہتا ہے کہ اسے خوبصورتی متوجہ نہیں کرتی' وہ اس دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے اور متاثر تو وہ بھی ہوا (کتنا بڑا اور پیارا گھر ہے) مگر اتنا ہی کہ اللہ ان کو نصیب کرے۔ آمین اور بس۔

میری کے عقب میں قدم اٹھاتا وہ لاؤنج کے وسط میں آیا۔ ایک لمبے سے چیز لونگ کے کنارے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے مگ سے گھونٹ بھرتی وہ بیٹھی تھی جو یہاں کی مالکن لگتی تھی۔ سیدھے بھورے بال' گوری' نازک' ہاشم سی سیاہ آنکھیں۔ دو انگلیوں سے لاکٹ میں پرو دیا تار چھیڑتی۔ آہٹ پہ سر اٹھایا۔ مسکرائی اور سوالیہ نظروں سے میری کو دیکھا۔

"ہاشم صاحب کے مہمان ہیں یہ۔ بیٹھیے میں ان کو اطلاع کرتی ہوں۔" وہ سیڑھیوں کے لیے مڑی تو جواہرات نے مسکراتے ہوئے

سعدی کو دیکھا۔ البتہ آنکھیں بالکل سرد تھیں۔

"میں فارس کا بھانجا ہوں' سعدی یوسف۔" وہ ذرا سنجیدگی سے بولا۔ اپنے یہاں آنے کے فیصلے پہ پھر سے سوچا' کہیں غلطی تو نہیں کی؟

"آئی سی!" جواہرات نے اثبات میں سر ہلایا۔ تاثرات نہیں بدلے۔

میری ابھی سیڑھیوں کے وسط میں تھی جب ہاشم کمرے سے نکلتا دکھائی دیا۔ عجلت میں کوٹ پہنتا' سعدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے وہ زینے اترنے لگا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم آئے ہو۔"

"آپ شاید جلدی میں ہیں ہاشم بھائی!" بس یہی منہ سے نکلا اور یہی طے ہو گیا۔

ہاشم اتر آیا تھا۔ مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

"میں واقعی جلدی میں ہوں اور مجھے واقعی بہت ضروری کام ہے۔ مگر تمہیں میں اپنی اسٹڈی دکھانا چاہوں گا اور یہ میں اپنی خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔" پھر ماں کو دیکھا۔

"کیا تعارف ہو چکے؟" اپنے سوال کا جواب خود ہی سمجھ کر "آؤ" کہتا اسے اوپر لے آیا۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ پہنچ کر سعدی نے نگاہ موڑی۔

نیچے جواہرات ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے آنے پہ خوش ہے یا غصے میں ہے' اس کے تاثرات یہ بتانے سے قاصر تھے۔ وہ سر جھٹک کر ہاشم کے پیچھے ہولیا۔

وہ وسیع اور طویل اسٹڈی تھی۔ کتابوں کے سلائیڈنگ ریکس' ان کے پیچھے مزید ریکس' شیلف' ٹیبلز' سعدی نے ستائش سے آگے پیچھے گردن گھمائی۔

"واؤ' آپ تو واقعی پڑھنے والے آدمی لگتے ہیں۔" ہاشم کا دوستانہ رویہ اس کو مزید پُراعتماد کر رہا تھا۔ اس کی بات پہ ہاشم ہنس دیا۔

"تم آج کی شام میری کتابوں کے نام کرو۔ مجھے ایک کال کرنی ہے' پھر نکلنے سے قبل میں خدا حافظ کرنے آؤں گا۔ مگر تم کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گے۔"

"نہیں' اٹس او کے' میں....." وہ شرمندہ ہوا۔ مگر ہاشم مسکراتا ہوا پلٹ چکا تھا۔ ساتھ ہی وہ موبائل پہ نمبر بھی ڈائل کر رہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ بہت اعتماد سے ایک ہی وقت بہت سے محاذوں کو نمٹانے والا۔

نیچے جواہرات مگ کے آخری گھونٹ بھر رہی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے ہاشم کو اسٹڈی سے نکل کر اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو مگ رکھ کر کھڑی ہوئی۔ باریک ہیل سے چلتی وہ لاؤنج کے سرے پہ بنے اپنے کمرے تک آئی۔

اندر قدآدم آئینے کے سامنے کھڑے اورنگزیب ٹائی کی ناٹ درست کر رہے تھے۔ ایک سوٹ میں ملبوس ملازم ان کے کوٹ کے کندھے سے ہلکا سا برش کر کے پیچھے ہو کر تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا تم مجھے میرے شوہر کے ساتھ تنہا چھوڑو گے؟" مسکرا کر کہتی جواہرات آئینے کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ ملازم سر ہلا کر فوراً سے باہر نکل گیا۔ کف لنکس اٹھاتے اورنگزیب نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

"کیا ہاشم تیار ہو گیا؟"

"پہلے وہ تمہارے بھانجے کے رشتہ داروں کی خاطر مدارات تو کر لے۔ ویسے اس کام کے لیے کیا تم بہت نہیں تھے؟" مسکرا ہی

اور لبوں پہ تھی مگر آنکھیں سلگ رہی تھیں۔

''فارس کے رشتہ دار جب چاہیں ابھر آسکتے ہیں۔ اس کو اس کی ماں کا جائز حصہ میں نے کبھی نہیں دیا تمہارے لیے۔ اب اور کیا چاہتی ہو؟''

''اور انیکسی؟''

''وہ اس کے حصے سے بہت کم ہے، تم جانتی ہو۔'' تنگی سے کہتے وہ ٹائی پن لگا رہے تھے۔

''تمہارے بس میں ہوتا تو اسے اور بھی بہت کچھ دے دیتے مگر وہ خود ہی کچھ لینے میں انٹرسٹڈ نہیں۔''

''کتنا اچھا ہو اگر تم اپنی شکل مجھے کم سے کم دکھایا کرو۔'' وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ماتھے پہ بل لیے بولے تھے۔ جواہرات کی مسکراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ بمشکل اس نے ضبط کیا۔

''میں جا رہی تھی مگر تم سے مخاطب ہونے کی تکلیف میں نے صرف اس لیے اٹھائی کہ اگر ہم تینوں جا رہے ہیں تو فارس کا رشتہ دار میرے گھر میں اکیلا کیوں ہے؟''

''کیا تمہارا دوسرا بیٹا اپنے کمرے میں اپنی ناکامی کا سوگ نہیں منا رہا؟''

وہ جو میز سے پرس اٹھانے آئی تھی رکی۔ جھپٹ کر پرس اٹھایا اور گھوم کر اس کے سامنے آئی۔

''اسے ناکام مت کہو اورنگزیب۔ وہ اگر پہلے نمبر پہ نہیں آتا تو دوسرے نمبر سے نیچے بھی نہیں جاتا۔ اگر وہ اسٹین فورڈ یا ہارورڈ نہیں جا سکا تب بھی تین بہترین یونیورسٹیز اسے اپروو کر چکی ہیں۔ اور ایک دفعہ تم اس کا ڈی این اے ٹیسٹ کیوں نہیں کرا لیتے تاکہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے کہ وہ تمہارا ہی بیٹا ہے اور شاید پھر تم اس کی قدر کرنا شروع کر دو۔'' شیرنی بپھر چکی تھی۔ اورنگزیب اب کالر درست کر رہے تھے۔

''وہ میرا بیٹا ہے۔ مجھے عزیز ہے۔ اس لیے جہاں اسے دیکھنا چاہتا ہوں وہ وہاں نہیں ہے۔ اچھا ہوتا صرف ہاشم جیسا ہوتا نہیں تو۔ وہ فارس کی بہن کے بچے..... وہ مجھے زیادہ قابل لگتے تھے۔''

جواہرات شعلہ بار آنکھوں سے انہیں گھورتی رہی۔ پھر تیزی سے پلٹ گئی۔ باہر آ کر اس نے متکوب کھڑی میری کو روکا۔

''فارس کے رشتہ دار کو چائے وغیرہ بھجوا دینا۔ پھر رات کا کھانا کھلائے بغیر مت جانے دینا۔ اور اس پہ نظر بھی رکھنا۔'' گہری نظروں سے گھور کر کہا۔ میری نے سر ہلایا۔

اوپر ہاشم اپنے کمرے سے نکل کر اسٹڈی میں جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

اندر سعدی ایک کرسی پہ بیٹھا کسی کتاب کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ جب ہاشم اس کے قریب آیا تو بھی نہیں ہلا۔ بس پڑھتا رہا۔ ہاشم نے گردن ترچھی کر کے کتاب کا سرورق دیکھا۔

''یہ کہاں سے نکال لی تم نے؟ میں تو اسے بھول بھی چکا تھا۔''

سعدی چونکا۔ پھر اسے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا۔

''اوہ.... میرا خیال تھا آپ جا چکے ہیں۔ بلکہ آپ جائیے ہاشم بھائی۔ ورنہ مجھے لگے گا کہ میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔''

ہاشم نے جواب دیے بنا کتاب اس کے ہاتھ سے لی۔ الٹی پلٹی۔ پہلے صفحے پہ قلم سے لکھا تھا۔ ''ہاشم کاردار کے نام۔ شاید کبھی ضرورت پڑے۔ فقط محمد اولی۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''محمد اولی اور محمد ثانی' یہ دو جڑواں بھائی تھے میرے ساتھ لا سکول میں۔ محمد اولی نے مجھے یہ کتاب دی تھی۔ وہ خود کسی ٹراما سے گزرا تھا تو اس کو شاید اس کتاب نے ٹھیک ہونے میں مدد کی تھی۔ واٹ ایور' مجھے تو یاد بھی نہیں ٹھیک سے۔'' وہ اس کی پشت کو پڑھنے لگا۔ ''یہ تیرھویں

صدی کے کسی مسلمان عالم کی لکھی گئی کتاب ہے۔ میں نے تب پڑھی تھی۔ اچھی تھی مگر اب بھول چکا ہوں۔ کیا تمہیں پسند آئی؟'' اس نے چ
اٹھا کر سعدی کو دیکھا۔

''بہت زیادہ۔ عجیب چارم ہے اس میں۔ جیسے میں شیخ کے زمانے میں واپس چلا گیا ہوں۔''

ہاشم نے کتاب میز پہ رکھی۔ جھک کر کھڑے ہوئے، قلم نکال کر پہلے صفحے پہ محمد اولی کے دستخط تلے لکھا۔

"For the reading pleasure of Saadi Yousuf"

نیچے اپنے سائن کیے۔ تاریخ ڈالی اور کتاب بند کر کے اسے تھمائی۔

''پہلی دفعہ میرے پاس سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔''

''ارے... تھینک یو... مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ شرمندہ ہوا۔

''ضرورت مجھے بھی نہیں تھی۔ مگر تم ذہین لڑکے ہو۔ اور میں ذہین لوگوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ میں صرف ذہین جمع محنتی لو
سے متاثر ہوتا ہوں اور تم وہ بھی ہو۔ کھانا کھا کر جانا۔'' کندھا تھپک کر بالکل کسی بڑے بھائی کی طرح وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا مڑ گیا اور
باہر نکل گیا۔

''کیا بندہ ہے۔'' سعدی نے ستائش سے سوچا تھا۔

❖❖❖

میڈم رمشہ کے آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ میز کے دونوں سروں پہ چائے کے کپ دھرے تھے۔ میڈم کی طرف والا تو آدھ
تھا۔ مگر زمر کی چائے بالائی کی تہہ تلے چھپی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ تنی ہوئی گردن اور اس سے زیادہ تنے ہوئے نقوش کے ساتھ سامنے
خاتون کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟ کھل کر کہیں زمر۔'' انہوں نے بہت سکون سے کہا۔ زمر نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''میں کھل کر بات کرنے ہی آئی تھی۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے مسز رمشہ بلگرامی کہ آپ نے میرٹ پہ اسکالرشپ دینے کی بجا
امیدواروں کو دیے ہیں جن کے تعلیمی اداروں یا خود انہوں نے آپ کو اس کام کے لیے کمیشن دیا ہے۔ اور مجھے ایسے مت دیکھیں، کیونکہ
یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اور میں زمر یوسف ہوں۔ اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں آپ کے ادارے کے خلاف ایک چارج شی
کروں گی اور پچھلے دس سال کے ریجیکٹ ہوئے امیدواروں کو تلاش کر کے سامنے لاؤں گی جن کا حق بالکل سعدی کی طرح مارا گیا تھا۔
ان کا موازنہ ان بچوں سے کروں گی جن کو آپ نے اسکالرشپ دیے ہیں۔ اور نہ صرف یہ موازنہ میڈیا پہ آئے گا، بلکہ آپ کے اثاثوں او
بیلنس کی تمام تفصیل سمیت میں کورٹ میں جاؤں گی جس کے نتیجے میں آپ کو اپنی جاب چھوڑنی پڑے گی۔ آپ کا گھر، بچے سب متا
گے۔ اس لیے آپ ہر اس بچے کا نام لسٹ سے خارج کریں جس کو ناجائز اسکالرشپ دیا گیا ہے۔''

وہ خاموش ہو کر پیچھے ہوئی تو میڈم رمشہ نے سر ہلایا۔ تحمل سے جیسے ایک گہری سانس خارج کی اور اسی اطمینان سے اسے دیکھا۔

''آپ نے کہہ لیا زمر؟''

''اور اب میں آپ کے کہنے کی منتظر ہوں۔'' اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

میڈم رمشہ جھکیں۔ دراز سے ایک فائل نکالی۔ سیدھی ہو کر اس کے آگے رکھی اور بولیں۔ ''اس کے پہلے صفحے پہ سعدی کا
ریکارڈ اور تمام کوائف ہیں اور اگلے صفحوں پہ ان پانچ بچوں کے۔ اسے ایک نظر دیکھ لیجیے۔ اس کے بعد آپ جس کا نام کہیں گی میں نکال
کا ڈال دوں گی۔''

زمر نے تندی سے ان کو دیکھتے فائل اٹھائی، کھولی اور پہلا صفحہ سامنے کیا۔ سعدی کے کوائف پڑھتے گردن مزید اونچی ہوئی۔ آنکھوں میں فخر در آیا۔ ابرو اٹھا کر ان کو جتاتی نظروں سے دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا کر صفحہ پلٹا۔

تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ وہ پڑھتی گئی۔ صفحے الٹتی گئی۔ آہستہ آہستہ نقوش ڈھیلے ہوئے، کندھے ذرا ڈھلکے، بھنویں خفگی مگر پسپائی سے بھنچیں۔ فائل ختم کر کے وہ کتنی ہی دیر اس کو دیکھتی، لب کاٹتی رہی۔

"اب ان میں سے کس کا نام آپ نکلوانا چاہتی ہیں زمر؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔ زمر نے خاموشی سے ان کو دیکھا اور فائل آہستہ سے میز پہ ڈال دی۔

"زمر! اپنے بچے ہم سب کو پیارے ہوتے ہیں، چاہے وہ پیارے نہ بھی ہوں۔ وہ ہم سب کو قابل لگتے ہیں، چاہے وہ قابل نہ بھی ہوں۔"

"آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ سعدی مستحق نہیں تھا؟"

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کچھ بچے سعدی سے زیادہ مستحق تھے۔"

زمر نے آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلی۔ وہ بے حد تھکاوٹ کا شکار لگ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری! مگر اس سے زیادہ قابل اور غریب بچے تھے وہ پانچ۔ میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ بھی یہی فیصلہ کرتیں۔"

زمر نے بند آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ ابھی کچھ دیر وہ آنکھیں نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ خواب ٹوٹ چکا تھا۔ نیند کھل چکی تھی۔ مگر وہ کچھ دیر اور اسی خواب میں رہنا چاہتی تھی۔

"کیا اس نے کسی اور اسکالرشپ پروگرام میں اپلائی نہیں کیا؟"

زمر نے آنکھیں کھولیں۔ سارے خواب ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ کر چکا ہے۔ وہاں بھی نہیں ملا۔"

"آئی ایم سوری!" وہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اور زمر بھی ان کو دیکھتی کچھ سوچ رہی تھی۔ ذہن منتشر تھا، سوچیں بھٹک رہی تھیں مگر وہ نقطہ سامنے تھا جس پہ اسے پہنچنا تھا۔ ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔

"مسز رمشہ! کیا آپ مجھے ایک فیور دیں گی؟"

.... ٭٭٭ ....

کتاب ہاتھ میں لیے وہ پڑھتے پڑھتے بالکونی میں جا بیٹھا تھا۔ باہر شام ابھی ہلکی نیلی تھی۔ دور تک پھیلا سبزہ زار اور وہاں سے نظر آتی فارس کی انیکسی۔

لائبریری کی بالکونی کے دائیں طرف ہاشم کی بالکونی تھی اور اس کے مزید پرے ایک اور بالکونی۔ البتہ وہ ایک دوسرے سے جدا تھیں۔ کسی دوسری بالکونی تک جانے کے لیے آپ کو اندر سے ہی جانا پڑتا۔ سعدی اس سب سے بے خبر رہتا اگر اسے وہ آواز نہ آتی۔ ایسی آواز جیسے کوئی دم گھٹنے کی کیفیت میں کھانسنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ہاشم کی بالکونی سے پرے ایک دوسری بالکونی کے کمرے کے کھلتے دروازے پہ وہ بیٹھا تھا۔ گھٹنوں میں تقریباً سر نیہوڑائے کھانستا، قے کرنے کی کوشش کرتا وہ کم عمر نوجوان لگتا تھا۔ نہ وہ کمرے کے اندر تھا، نہ باہر۔ نہ ہوش میں، نہ بے ہوش۔ درمیان میں تھا کہیں۔

کتاب پھینک کر وہ اندر بھاگا۔ لائبریری سے نکل کر ریلنگ کے اوپر آیا۔ بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر نیچے جواہرات کے

صوفے پہ اسی کے انداز میں میری بیٹھی مگ سے کافی پی رہی تھی۔ باقی سب سنسان پڑا تھا۔

"سنو! اوپر آؤ جلدی۔" اس نے پکارا۔ میری گڑبڑا کر اٹھی۔ پھر سنبھل کر سیڑھیوں تک آئی۔ سعدی تب تک آگے جا کر ہاشم

ساتھ والے کمرے کا ہینڈل گھمانے لگا تھا۔ وہ لاکڈ تھا۔

"کھانا تیار ہے۔ میں آپ کو بلانے ہی لگی تھی۔" وہ زینہ بہ زینہ چڑھتی اوپر آئی۔

"اس کمرے میں کون ہے؟"

"آ... یہ نوشیرواں ہیں مگر۔" وہ اسے دروازے سے زور آزمائی کرتے دیکھ کر رک گئی۔

"اسے کھولو... وہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اب دروازے کو دھکا دے رہا تھا۔

میری کی حالت پہ غصہ غالب آنے لگا۔ وہ تیزی سے اس کے سامنے آ گئی۔

"وہ آرام کر رہے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ اس دوران اگر کسی نے ان کو تنگ کیا تو وہ بہت برے پیش آئیں گے۔ اس لیے بہت

کہ آپ میرے ساتھ ڈائننگ ہال..."

"اگر وہ لڑکا مر گیا تو تمہارے مالک تمہاری جان لینے میں کتنے سیکنڈ لگائیں گے، ہاں؟" وہ اس کی طرف مڑ کر اتنے غصے میں بو

میری چپ ہو گئی۔

"اوکے۔ میں چابی لاتی ہوں۔ یہ ایسے نہیں کھلے گا۔"

وہ اب کے ذرا تیز رفتاری سے نیچے گئی۔ اس کے واپس آنے تک سعدی مسلسل دروازے کو زور زور سے ٹھڈے مار رہا تھا۔ ج

تو وہ پیچھے ہوا۔ دروازہ کھلا تو بالکونی کا منظر دوسرے زاویے سے سامنے آیا۔ چوکھٹ پہ تقریباً اوندھا گرا لڑکا' منہ سے نکلتا جھاگ' حلق ۔

عجیب آوازیں... سعدی تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ "ہا" میری کا منہ کھل گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ سنو! ادھر دیکھو۔" وہ جلدی جلدی لڑکے کو سیدھا کرتا اسے جگانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی رنگت متغیر ہو رہی

آنکھیں کھل بند ہو رہی تھیں۔

"تم فکر مت کرو۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ ہم تمہیں ہاسپٹل لے جا رہے ہیں۔ تم سونا نہیں۔ جاگنے کی کوشش کرو۔"

اس کا چہرہ تھپتھپاتا وہ پریشانی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ نوشیرواں نے ادھ کھلی آنکھوں سے دھندلا سا منظر دیکھا۔ اس پہ ج

چھوٹے گھنگھریالے بال... پریشان آواز... اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا گیا۔

"گاڑی تیار کرواؤ اور ملازموں کو ادھر بھیجو۔ اسے اٹھانا ہے۔ دیکھ کیا رہی ہو، جلدی کرو۔" وہ میری کو ہکا بکا کھڑے دیکھ کر چیخ

"میں مسز کاردار..."

"ان کو بعد میں اطلاع کرنا۔ پہلے گاڑی نکلواؤ۔ جاؤ۔"

میری ہٹپٹا کر باہر بھاگی۔ یہ سب اس کے لیے بہت اچانک اور غیر متوقع تھا۔

❖❖❖

لاؤنج میں ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا۔ بڑے ابا عینک لگائے صوفے پہ بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ زمر نے چائے کے

میز پہ رکھے اور خود سامنے جا بیٹھی۔ الائچی اور دار چینی کی مہک۔ انہوں نے عینک کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر کپوں کو دیکھا اور پھر اسے۔

"مہینے کا آخر چل رہا ہے اور تم خود کماتی ہو۔ اس لیے دو تین ہزار سے اوپر مانگنے کا سوچنا بھی مت۔" دوبارہ سے پڑھتے پڑھتے

دی۔

''میں کچھ اور مانگنے آئی ہوں۔'' اپنا کپ لے کر اس نے ٹیک لگائی۔ پھر گھونٹ بھرتے ہوئے بڑے ابا کو دیکھنے لگی۔

''اور اس وقت آئی ہو جب تمہاری ماں گھر پہ نہیں ہے۔ اس لیے اگر موضوع گفتگو ندرت کے رشتہ دار کی شادی میں جانا ہے تو بھی صاف انکار ہے۔''

''آپ نے نئے ایرپورٹ کے قریب جو عرصہ ہوا پلاٹ لے رکھا تھا میرے نام سے اُس کے کاغذات آپ کے پاس ہیں؟'' جتنی سنجیدگی سے اس نے پوچھا' وہ اتنا ہی چونکے۔ عینک اتاری' اخبار رکھا اور اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیوں نہیں ہوں گے؟ وہ پلاٹ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ تمہارے اور زلفی کے نام جو تھوڑا بہت جوڑا تھا' اس میں سے زلفی نے اپنا حصہ نوکری کے دوران ہی لے لیا تھا۔ کاروبار میں بھی لگایا اس نے۔ مگر کاروبار میں تو پیشانی کا لکھا چلتا ہے۔ اس کا پیسہ کم ہوا' بڑھا نہیں۔ تمہارے حصے سے یہ پلاٹ میں نے ان وقتوں میں خریدا تھا اور اب وہ اچھا خاصا مہنگا ہو چکا ہے۔ اس کو بیچ کر میں تمہاری شادی کروں گا اور بہت دھوم دھام سے کروں گا۔''

''مگر فی الحال تو.... میری شادی کا کوئی سلسلہ نہیں چل رہا۔''

''مگر جلد چلے گا۔ کچھ تمہاری پڑھائی' کچھ اس کم عمری میں ٹوٹی منگنی کے باعث ہم زیادہ ہی پروٹیکٹو ہو گئے تھے۔ ورنہ تمہاری شادی میں کر بھی چکا ہوتا۔ اب بھی رشتے دیکھ رہا ہوں' مگر.... زمر! تم بے وجہ ایسے ذکر نہیں چھیڑ رہیں.... تو؟'' سوالیہ ابرو اٹھائی۔

زمر چند لمحے بالکل خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی۔ خاموشی دُنیا کا سب سے بڑا اقرار' سب سے بڑی سزا۔

''ابا.... سعدی کو اسکالرشپ نہیں ملا۔''

وہ بالکل چپ ہو گئے۔ آنکھوں میں رنج و ملال ابھرا۔

''انا للہ.... مگر شاید کسی اور جگہ سے۔''

''اب وقت نہیں ہے۔ وہ نہیں پڑھنے جا سکتا ماسوائے اس کے....'' وہ رکی۔ ایک وقفہ دیا' مگر ابا کی آنکھوں سے نگاہ نہیں ہٹائی۔ ''کہ ہم اس کی فیس بھر دیں۔''

مگر ہم اتنی مہنگی یونیورسٹی افورڈ نہیں' الفاظ لبوں میں ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دم شاکڈ سے اس کو دیکھنے لگے۔ ''ایک منٹ.... تم کہہ رہی ہو کہ....''

''میں بالکل یہی کہہ رہی ہوں۔ ہم وہ پلاٹ بیچ دیتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' شاک کی جگہ غصے نے لے لی۔ ''وہ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ وہ تمہارا حق ہے۔ تمہاری شادی' زیور' سب اس سے بنے گا۔ اور بقیہ رقم تمہارا بینک بیلنس ہوگی۔ وہ تمہارا فیوچر ہے۔''

''سعدی ہمارا فیوچر ہے۔''

''پانچ سال کی پڑھائی' ہر سال کی لاکھوں روپے کی فیس.... نہیں زمر! میں یہ نہیں کر سکتا۔''

''یعنی آپ کو سعدی سے بالکل محبت نہیں ہے۔''

''مجھے ایموشنل بلیک میل مت کرو۔ یہ حربے مجھ پہ اثر نہیں کرتے۔'' وہ تلخی سے اس کی بات کاٹ کر بولے۔ ''مجھے وہ بہت پیارا ہے۔ اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ مگر مجھے حنین اور اسامہ بھی پیارے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر' مجھے تم پیاری ہو۔ میں ندرت کے گھر کا آدھے سے زیادہ خرچ اٹھاتا ہوں۔ کل کو حنین بڑی ہوگی' اور پھر تمہاری شادی جس وجہ سے ایک دفعہ ٹوٹی' وہ دوبارہ نہیں دہرا سکتا میں۔''

''میری فکر مت کریں۔''

''تمہارے کہنے سے میں فکر کرنا چھوڑ تو نہیں سکتا۔ میں باقی سب کو نظر انداز کر کے سارا پیسہ سعدی پہ خرچ نہیں کر سکتا۔''

''جب وہ پڑھ کر آئے گا تو اتنی اچھی جاب ملے گی کہ چند سال میں سب بنا لے گا۔ پھر میں بھی تو کماتی ہوں۔'' وہ بہت سکون
کہہ رہی تھی۔

''لعنت ہے مجھ پہ اگر میں اپنی بیٹی کو پیسہ کمانے کے لیے ضائع کر دوں۔''

''اور اگر پوتا ضائع کر دیا تو؟'' وہ لمحے بھر کو چپ ہوئے مگر دلائل ختم نہیں ہوئے تھے۔

''وہ پاکستان میں بھی تو پڑھ سکتا ہے۔'' زمر بہت بیزار ہوئی۔

''ابا! یہ بات مت کہیے گا دوبارہ۔ کسی لوکل یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف لیڈز سے پڑھنے میں کتنا فرق ہے ہم دونوں جانتے ہیں

''وہ پیسہ ہماری سیکورٹی ہے۔''

''سعدی ہماری سیکورٹی ہے۔''

بڑے ابا نے جھنجھلاہٹ سے اسے دیکھا۔ اب کے ان کی آنکھوں میں گہرا رنج تھا۔

''زمر! امت کرو اپنے ساتھ ایسا۔ وہ پیسہ تمہارا حق ہے۔ میں تمہاری خوشیوں کا راستہ خراب کر کے سعدی کا کیریئر نہیں بنا سکتا۔

''دولت کسی شادی کی ضمانت ہوتی تو سب سے زیادہ خوش بادشاہوں کی بیٹیاں ہوتیں۔ اور پتا ہے ابا! سب سے زیادہ
شاہزادیاں ہی رہتی تھیں۔''

بڑے ابا نے تھک کر کپ اٹھایا۔ ان کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ الائچی، دار چینی کی مہک سب زائل ہو چکا تھا۔

''میں نہیں چاہتا کل کو تم اس بات پہ پچھتاؤ۔''

''کیا آپ کبھی مجھ پہ خرچ کر کے پچھتائے ہیں؟'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ انہوں نے نفی میں گردن کو جنبش دی۔

''کبھی بھی نہیں۔ مگر میرا دل نہیں مانتا۔ اور سعدی بھی تو نہیں مانے گا۔''

''اسے کون بتائے گا؟ میں نے میم رمشہ سے بات کر لی ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ وہ اسکالرشپ پہ جا رہا ہے۔ کیونکہ اگر اسے
پیسے آپ دے رہے ہیں تو وہ کبھی نہیں لے گا۔''

''میں نہیں دے رہا، تم دینا چاہ رہی ہو۔ مگر میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ بالکل بھی نہیں۔'' وہ پھر سے مزاحمت
لگے تھے۔ زمر نے آخری گھونٹ لیا۔ کپ میز پہ رکھا۔ ہاتھ گویا جھاڑ کر کھڑی ہوئی۔

''ایسا ہے یور آنر کہ بات شروع کرنے سے پہلے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے پاس کاغذات ہیں یا نہیں۔ تو جناب، وہ کا
میرے پاس ہیں۔ اور میں پراپرٹی ڈیلر سے پہلے ہی بات کر چکی ہوں۔ اس لیے اگر آپ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں آپ پہ مقد
ہوں۔ اور کم از کم میرے حلقۂ احباب میں تو کوئی اچھا وکیل میرے خلاف آپ کا کیس لڑے گا نہیں۔ اور اگر کوئی مل بھی گیا آپ کو تو
اگلے سات سال تو میں آپ کو کورٹ کے چکر ضرور لگواؤں گی۔ اس لیے فی الحال آپ کے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی آپشن نہیں

اور بہت ملال میں گھرے بڑے ابا ہولے سے ہنس دیے مگر پھر ملال لوٹ آیا۔ وہ چائے کے برتن اٹھا کر واپس جا رہی تھی
نے اسے پکارا۔

''اس سے اتنی محبت نہ کیا کرو۔ اللہ ورنہ بہت آزمائشیں ڈال دیتا ہے۔''

زمر گہری سانس لے کر پلٹی اور ان کو دیکھتے ہوئے رسان سے بولی۔

''عمر بن خطابؓ نے فرمایا تھا۔ ''محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔'' یہ میرے بس میں نہیں ہے ابا۔'' وہ آزردگی سے مسکر

وہاں سے چلی گئی۔

وہ فکر مند اور پریشان بیٹھے رہ گئے۔ ان کو آج احساس ہو رہا تھا کہ اس کی شادی میں غیر ضروری دیر کر کے انہوں نے غلطی کر دی۔ ان کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

.... ❁ ❁ ❁ ....

اسپتال کی مرمریں راہداری میں ہیل سے بھاگتے قدموں کی آواز پہ سعدی نے سر اٹھایا۔ جواہرات اپنے شوہر کے آگے تیز تیز آ رہی تھی۔ اپنے سارے میک اپ اور تیاری کے باوجود اس کا سفید پڑا پریشان چہرہ کسی سے چھپا نہیں تھا۔ سعدی کے پاس وہ رکی۔ متوحش نظروں سے بند دروازے کو دیکھا اور پھر اسے۔

''شیرو کیسا ہے؟''

''وہ ٹھیک ہے۔''

''ہاشم کہاں ہے؟'' اورنگزیب قریب آئے۔

سعدی نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ اندر ہیں۔ آپ کے چھوٹے بیٹے کو ہوش آ گیا ہے۔ اس کو فوڈ پوائزننگ ہو گئی تھی۔''

اورنگزیب آگے بڑھ گئے مگر جواہرات وہیں کھڑی مضطرب سلگتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا تھا شیرو کو؟''

سعدی نے ایک نظر اورنگزیب پہ ڈالی جو کمرے کا دروازہ کھول رہے تھے۔

''میرے سوال نظر انداز نہیں کیے جاتے جو بھی نام ہے تمہارا۔'' وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔ ''میں اپنا اکیلا گھر تمہارے اوپر چھوڑ کر گئی تھی۔ اگر میرے بیٹے کی اس حالت کے ذمہ دار تم ہو تو تم بھگتو گے۔''

''مسز کاردار! آپ کے اکیلے گھر کے ڈھائی درجن ملازمین اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کے بیٹے کی طبیعت خراب تھی اور میں اسے صرف اسپتال لانے کا قصوروار ہوں۔'' وہ شام میں اسے ملنے والے لڑکے سے زیادہ سنجیدہ اور سمجھدار لگ رہا تھا۔ مگر جواہرات کے تنے تاثرات ہنوز ویسے ہی تھے۔

''کس قسم کی چیز سے فوڈ پوائزننگ ہوئی اسے؟'' وہ مشتبہ غصے بھری نظروں سے اسے دیکھتے پھر سے غرائی۔ ''اس نے دوپہر کو وہی کھایا جو ہم سب نے کھایا تھا۔''

''اسے فوڈ پوائزننگ نہیں ہوئی۔''

جواہرات کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں۔ ''کیا مطلب؟ تم نے ابھی کہا.....''

''میں نہیں چاہتا تھا کہ کاردار صاحب کو یہ بات اس سے پہلی دفعہ ملنے سے پہلے پتا چلے۔'' جیب سے ایک پیکٹ نکال کر اس کے سامنے کیا۔ ''یہ ڈرگز مجھے اس کے پاس سے ملی تھیں اور خالی سگریٹ بھی۔ آپ کے بیٹے نے منشیات کی اوور ڈوز لے لی تھی جس سے اس کی جان بھی جا سکتی تھی۔''

جواہرات کی حالت یوں ہو گئی جیسے سانپ نے ڈنک مار دیا ہو۔ سفید چہرے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس نے سعدی کے چہرے سے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ تک کا سفر کیا۔

''تم.....تم یہ کہہ رہے ہو کہ میرا بیٹا..... ایڈکٹ ہے؟''

''صرف میں نہیں ڈاکٹرز نے بھی یہی بتایا ہے۔ یقیناً وہ کچھ عرصے سے ڈرگز لے رہا تھا۔''

جواہرات نے بولنے کی کوشش کی مگر سارے الفاظ حلق میں کانٹے بن کر اٹک گئے۔ اس کا اندر باہر زخمی ہو گیا۔ آنکھوں میں نمی اتری مگر وہ بے چینی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میرا بیٹا... وہ چوبیس گھنٹے میرے سامنے رہتا ہے۔ مجھے کبھی کیوں نہیں لگا کہ وہ ڈرگز لیتا ہے؟"

"آج کل کے لڑکوں کو پتا ہوتا ہے کہ انہیں کتنی مقدار لینی ہے۔ اور بہت مہارت سے وہ یہ فن سیکھ جاتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی خود کو نارمل کیسے ظاہر کرنا ہے۔ اور پھر ساتھ بیٹھے شخص کو بھی علم نہیں ہو سکتا کہ یہ لڑکا منشیات کے زیر اثر بیٹھا ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر نے کہا ہے۔"

جواہرات نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ تنے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کندھے بھی ڈھلک چکے تھے۔

"مگر وہ زندہ ہے مسز کاردار! اور زندگی سے اہم کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ اس کو محبت سے سمجھایئے گا۔ وہ پلٹ آئے گا۔ آپ نے سنا تو ہو گا کہ amor vincit omnia (محبت فاتح عالم) مجھے گھر جانا ہے، چلتا ہوں۔" وہ کہہ کر مڑنے لگا تو جواہرات تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

"کیا تم... اس سے ملو گے نہیں؟"

"اس کی فیملی اس کے پاس ہے اور میری فیملی میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"

وہ ذرا سا مسکرا کر کہتا پلٹ گیا۔ جواہرات یک ٹک اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے غائب ہو گیا تو وہ تیزی سے پرائیویٹ روم کے دروازے تک آئی۔

.........❖❖❖.........

شام کا آسمان ہلکا سرمئی تھا۔ سورج نے بادلوں کے نارنجی کناروں کو دہکا رکھا تھا اور لائبریری کی کھڑکی اس منظر کو واضح دکھا رہی تھی۔ اندر ایک کونے میں لمبی میز بچھی تھی۔ ایک سرے پہ تین لڑکیاں بیٹھی کتابوں میں مگن تھیں۔ دوسرے سرے پہ دو متصل کرسیوں پہ وہ دونوں بیٹھے تھے۔ زمر سر جھکائے گردن ترچھی کیے کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی اور فارس قریب بیٹھا بور سا ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"چلیں یہ ٹاپک تو ختم ہوا۔ سب کلیئر تھا نا؟" آخری لفظ لکھ کر صفحہ اس کے سامنے کرتے ادھر زمر نے سر اٹھایا ادھر فارس نے فوراً سنجیدہ (اور سیدھے) ہوتے بہت توجہ سے اس کاغذ کو پڑھا۔

"جی بالکل!"

"اوکے۔ اب آگے چلتے ہیں۔" وہ نوٹس کے صفحے پلٹ کر اگلے موضوع پہ آئی۔ پھر قلم والے ہاتھ کو عادتاً ہلاتی روانی سے سمجھانے لگی۔ فارس نوٹس کو دیکھتا ذرا ذرا دیر بعد سر اثبات میں ہلا دیتا۔ براہ راست اس کے چہرے پہ صرف دو ایک بار نگاہ ڈال سکا، پھر سر جھکا لیا۔

زمر کا فون بجا تو وہ رکی۔ نمبر دیکھا اور موبائل کان سے لگایا۔

"جی سر! میں نے ہی وہ شیٹ آپ کو بھجوائی تھی۔" وہ رک کر سننے لگی۔ "جی بالکل، میں نے تمام اسٹوڈنٹس کی حاضری درج کی ہے سوائے حبیبہ وقار کے۔ میں نے دانستہ طور پہ اس کا خانہ خالی چھوڑا ہے۔" وہ گھنگھریالی لٹ کو انگلی پہ رول کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے ترچھی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"سر! صاف بات ہے، امتحان میں بیٹھنے کے لیے ساٹھ فیصد حاضری ضروری ہے اور اس بچی کی حاضری چالیس فیصد ہے۔ مگر چونکہ وہ ڈاکٹر طاہر اکرم کی بھانجی ہے، اس لیے ڈاکٹر صاحب نے مجھے کال کر کے اس چالیس کو ساٹھ بنانے کا کہا ہے۔ سو میں نے یہ خانہ خالی چھوڑ دیا ہے کیونکہ میرا قلم تو اس کو ساٹھ نہیں کرے گا۔ آگے آپ کی مرضی۔ آپ اس کو ساٹھ کریں یا ڈے۔ میں بری الذمہ ہوں۔"

سادگی سے ساری بات کہہ کر وہ ان کی سننے لگی۔ پھر الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھا اور کتاب کی طرف متوجہ ہوئی۔

''خیریت میم؟''

زمر نے جھکے چہرے کے ساتھ ذرا مسکرا کر سر جھٹکا۔ ''ہوں۔ یہ سب تو چلتا رہتا ہے۔ کوئی بھی نوکری پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔'' وہ کتاب دوبارہ کھولنے لگی۔ فارس نے اب کے ذرا غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' زمر نے سوالیہ نظریں اٹھائیں تو وہ کندھے ذرا اچکا کر ٹھوڑی سے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے میں عادتاً ذرا ذرا مسلتا ہوا بولا۔

''یونہی خیال آ گیا۔ اس دن جو آپ نے کیا سعدی کے گھر... جان کر چابیاں بھولنا...''

زمر کے لیے یہ جملہ غیر متوقع تھا۔ وہ لمحہ بھر کو بالکل دھک سے رہ گئی۔ پھر چہرے پہ سرخی سمٹ آئی۔ سر جھٹک کر اس نے کچھ کہنا چاہا' وہ ذرا رک گئی۔ چند ثانیے خاموشی میں گزر گئے۔ اگر وہ جان چکا تھا تو یہ زمر کی عادت نہیں تھی کہ وہ انکار کرتی۔

''مجھے نہیں پتا آپ کو سعدی کتنا عزیز ہے' مگر ہمارے لیے وہ خاندان کا پہلا بچہ تھا۔ اور بچے برابر پیارے ہوتے ہیں مگر جو توجہ پہلے کو ملتی ہے وہ دوسروں کے آنے تک ہم اس مقدار میں دینے سے قاصر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسامہ چھوٹا ہے مگر حنین... وہ میرے ہر وقت کے ''ہمارا سعدی ہمارا سعدی'' کرتے رہنے سے مجھ سے کافی shy (شرمائی) رہنے لگی ہے۔ عرصہ پہلے میں واقعی کچھ بھول گئی تھی ایک دو دفعہ لیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ ہر دفعہ کھڑکی میں میرا انتظار کرنے لگی ہے۔ وہ بہت ذہین ہے اور دنیا ذہین لوگوں کو تنہا کر دیتی ہے۔ اسے مجھ سے امید ہوتی ہے کہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑوں گی' سو میں خود اسے ہر دفعہ یہ امید نئے سرے سے تھما آتی ہوں۔''

قدرے توقف سے وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ہو سکتا ہے آپ کو یہ غلط لگے۔ مگر میرے نزدیک کسی عزیز شخص کو اپنے قریب رکھنے کے لیے کوئی بہانہ کرنے میں کوئی برائی نہیں۔''

فارس نے بے اختیار ان تازہ فوٹو کاپی شدہ نوٹس کو دیکھا اور پھر زمر کو۔ ''بالکل! میرے نزدیک بھی نہیں۔''

وہ اسی سنجیدگی سے ادھورا چھوڑا موضوع واپس کھولنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد فارس ذرا کھنکھارا۔

''بتانے کا شکریہ۔ حنین کو نہیں بتاؤں گا۔ سیریسلی۔''

زمر نے صرف ایک کڑی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مجھے اس بات کی بالکل فکر نہیں۔ کیونکہ اتنا تو آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ میرا اعتبار توڑ کر آپ کبھی بھی بچ نہیں سکتے۔'' پھر نوٹس اس کے سامنے رکھے اور سلسلہ کلام وہیں سے جوڑ لیا جہاں سے توڑا تھا۔

فارس اپنے چہرے پہ زمانے بھر کی بوریت سجائے خاموشی سے سنتا رہا۔

.... ❖❖❖ ....

مسز رمشہ کے آفس میں ایک دفعہ پھر چائے کے دو کپ میز کے مخالف کناروں پہ رکھے تھے۔ اس دفعہ سعدی کی طرف والا کپ بھرا خالی تھا اور مسز رمشہ کا ان چھوا۔ وہ ساری بات سعدی کو بتا کر اب بالکل خاموشی سے اس کا ردعمل دیکھ رہی تھیں۔

وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''آپ یہ کہہ رہی ہیں میم کہ آپ نے میرے ڈاکومنٹس ایک پرائیویٹ اسپانسر کو بھجوائے ہیں اور انہوں نے مجھے اسپانسر کرنے کی ہامی بھر لی ہے؟ اور وہ ہر سال میری فیس جمع کرواتے رہیں گے؟'' وہ واقعی بے یقین تھا۔

''فیس جمع اخراجات۔ جتنی رقم ہم دے رہے تھے' وہی رقم وہ دیں گے۔''

''آ... تھینک یو... مجھے نہیں پتا مجھے کیا کہنا چاہیے۔'' وہ خوش تھا اور خوشی آتی تھی کہ اس میں ٹھیک سے کوئی تاثر بھی نہیں دے پا رہا

تھا۔" مگر وہ ہیں کون؟"

میڈم نے خاموشی سے سامنے رکھے ڈیکور باسکٹ میں سے ایک کرسٹل بال نکالی اور اسے انگلیوں میں گھماتے ہوئے نظریں سعدی کے چہرے سے ہٹائے بنا بولیں۔

"ہے کوئی جس کا دل بہت امیر ہے اور آپ پہ خرچ کرنے کو پیسہ بھی بہت ہے۔" پھر ذرا سنبھل کر گویا ہوئیں۔ "ایک چیریٹی بزنس مین ہیں۔ بہت سے اسٹوڈنٹس کو پرائیویٹ طور پر اسپانسر کرتے ہیں۔ آپ کے کوائف ان کو اچھے لگے اور سب سے اچھی بات یہ لگی کہ آپ نے ترجیحات میں اپنے خاندان کو پہلے نمبر پہ رکھا۔"

"جی مگر کیا میں ان کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟ مطلب اگر میں ان سے ملنا چاہوں تو....."

کرسٹل بال گھماتے ان کے ہاتھ رکے۔ وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے ہو کر بیٹھیں۔

"بالکل بھی نہیں سعدی! میرے کچھ اصول ہیں۔ میں اسپانسر کی کوئی تفصیل آپ کو فراہم نہیں کر سکتی۔"

"اگر میں اصرار کروں تو بھی نہیں؟ میں صرف ان کا شکریہ....."

"کچھ سوالوں کے جواب جاننا ضروری نہیں ہوتا۔ میں آپ کا شکریہ پہنچا دوں گی ان تک۔"

"اچھا..." وہ اداس ہوا۔ "آپ میری زمر پھپھو کو جانتی ہیں نا؟ آپ نے ان کو بتایا یہ سب؟"

ذرا پرجوش ہو کر وہ آگے ہوا۔ میڈم نے جواب دینے سے پہلے بہت دیر تک اس کا تمتماتا چہرہ دیکھا۔

"کیا آپ چاہتے ہو کہ میں ان کو بھی خبر کر دوں؟"

"نہیں نہیں۔ پلیز آپ مت بتایئے گا۔ میں خود ان کو سرپرائز دوں گا۔ تھینک یو سو مچ۔ میں چلتا ہوں۔" جلدی جلدی اجازت مانگ شکریہ ادا کرتا دوبارہ آنے کا کہتا وہ دروازے کی طرف لپکا۔

"سعدی! آپ کی پھپھو آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ ان کے لیے کبھی کوئی قربانی دینی پڑے تو پیچھے مت ہٹنا۔" وہ جاتے جاتے مڑا۔

"جی بالکل۔ اچھا آپ مت بتایئے گا۔ میں خود بتاؤں گا۔" اور وہ باہر تھا۔ میڈم نے سر جھٹک کر گہری سانس اند اتاری اور سوچا محبت ایک بہت سادہ اور بہت پیچیدہ شے ہے۔

.....❖❖❖.....

حنین سعدی کے ساتھ آئی تھی۔ اور جتنی دیر وہ مسلسل جوش سے بولتا دادی اور پھپھو کو اپنے اسکالرشپ کی تفصیل بتاتا رہا حنین ا کیک کے تین ٹکڑے کھا چکی تھی جو سعدی نے راستے سے لیا تھا۔

"یعنی کہ تمہاری ساری پڑھائی مفت؟ اور اخراجات بھی؟ واہ بھئی۔ یہ تو کمال ہو گیا۔"

بڑی امی بہت خوش تھیں۔ بار بار سعدی کے سر اور کندھے پہ ہاتھ پھیر کر کہتیں۔ پھر فوراً اضافہ کرتیں۔

"ندرت سے امید نہیں تھی کہ بچوں کو پڑھا پائے گی۔ اصل میں تمہارا باپ بہت لائق تھا۔ تم اور حنہ اسی پہ گئے ہو۔"

اور سعدی اور حنہ کے لیے یہ باتیں بے اثر تھیں۔ بڑی امی کے پاس ایک پوری فہرست تھی کہ فلاں صدی میں فلاں کے گھر ند نے مجھے یوں اور یوں کہا اور ندرت کے پاس بھی ایسی ہی ایک چارج شیٹ ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔ اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں سعدی کرتا تھا۔

"ہر شخص کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ اللہ نے مرد کو دو کان اس لیے دیے کہ ایک سے سن کر دوسرے سے نکال دے۔ اور عورتوں کو دو

لیے تاکہ دونوں سے سن کر منہ سے نکالیں۔"

اور زمر خاموشی سے مسکرائی ٹیک لگا کر بیٹھی اسے سن رہی تھی جو تب سے بولے جا رہا تھا۔

"میم نے مجھے ان کا نام تک نہیں بتایا۔ میرا بہت دل تھا کہ میں ان سے ایک دفعہ مل کر ان کا شکریہ ہی ادا کر سکوں۔" وہ یاد کر کے پھر سے اداس ہوا۔ حنین نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے آگے ہو کر چوتھا ٹکڑا نکالا' پیچھے ہوئی اور پوری دل جمعی سے کھانے لگی۔

"زمر!" سعدی لحظہ بھر کو چونکا۔ "آپ تو میڈم کو جانتی ہیں نا؟ آپ ان سے پتا کروا دیں نا کہ مجھے اسپانسر کس نے کیا ہے؟"

زمر ہنوز مسکرا رہی تھی۔ مطمئن اور پر سکون۔ سعدی کی بات پہ چند لمحے کے وقفے سے وہ بولی۔

"ٹھیک ہے' میں پتا کروا دوں گی۔ اگر انہوں نے نہ بتایا تو میرے اتنے ذرائع ہیں کہ میں وہ نام ڈھونڈ لوں گی' لیکن ....." وہ لحظہ بھر کو رکی۔ "سعدی! احسان کا بدلہ کیا احسان کے سوا بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے' مگر تمہیں نہیں لگتا کہ اگر کوئی تم پہ پیسہ لگا رہا ہے اور بدلے میں صرف اس کی اتنی خواہش ہے کہ وہ بے شناخت رہے تو تمہیں اس خواہش کا احترام کرنا چاہیے؟"

سعدی کے لب "اوہ" میں سکڑے۔ حنین نے اب پانچواں ٹکڑا اٹھایا۔

"یہ تو..... میں نے سوچا ہی نہیں۔"

"ہاں زمر ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس آدمی کے پاس ہو گا فالتو کا پیسہ۔ یہ نہ ہو کہ تمہارے ایسے قدم سے ناراض ہو کر فیس دینے سے انکار کر دے۔" بڑی امی بہت سمجھداری سے کہنے لگیں۔ زمر کی مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ سعدی نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ پھر یاد آنے پہ پوچھا۔

"سچ' جب ہم داخل ہوئے تو وہ کھوکھر صاحب باہر نکل رہے تھے۔ یہ وہ پراپرٹی ڈیلر ہیں نا جن کے پاس آپ نے مجھے بھیجا تھا جب ہم گھر بدلنے کا سوچ رہے تھے؟"

زمر کی مسکراہٹ صرف لمحے بھر کو ہلکی ہوئی۔ پھر وہ دوبارہ مسکرا دی۔ بڑی امی نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں۔ ان کی جائیداد کا کیس میں ڈیل کر رہی تھی۔ اصل میں ان کی بہو کی اپنی ساس سے بالکل نہیں بنتی' تبھی بیٹا حصہ مانگ رہا ہے۔ میرا تو خیال ہے وہ بہو کافی سمجھدار لڑکی ہے اور سارا قصور ساس کا ہی ہو گا' مگر....." کن انکھیوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے وہ سانس لینے کو رکی کہ بڑی امی کافی جوش میں آگے ہو کر کہنے لگیں۔

"کیوں؟ تمہیں کیا پتا وہ ساس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے جب....."

"چھوڑیں نا' ہمیں کیا بڑی امی! آپ یہ کیک کھاتے ہیں۔" سعدی جلدی جلدی کہتا میز کی طرف رخ موڑ کر بیٹھا تو.....

کیک نفاست سے کٹا آدھا بچا تھا اور دوسری طرف صوفے پہ حنین یوسف بالکل صاف ہاتھ منہ کے ساتھ ہتھیلی پہ ٹھوڑی جمائے علامہ اقبال کی طرح خلا میں گھور رہی تھی۔ سعدی نے اسے گھورا اور زمر نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ سعدی کو نظر انداز کر کے زمر کو دیکھ کر شرمیلا سا مسکرائی۔

"میرا اندازہ تھا کہ آج تم لوگ آؤ گے۔ اس لیے میں نے بہاری کباب بھی منگوا لیے تھے۔ پہلے وہ کھاتے ہیں پھر کیک۔"

زمر کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حنین کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سعدی بس سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اس نامعلوم شخص کی وجہ سے اتنا ملول تھا کہ گھر جا کر ابا کو حنین کا بتانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اور چوکھٹ میں ذرا اوٹ میں کھڑے بڑے ابا نے تاسف اور فکر مندی سے زمر کے چہرے کو دیکھا جو بہت طمانیت سے مسکراتی ہوئی کچن کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں کوئی پچھتاوا' کوئی ملال نہیں تھا۔ ملال تو ان کے دل میں بھی نہیں تھا' مگر ذہن میں پریشانی ضرور تھی۔

سعدی اب بڑی امی سے پوچھ رہا تھا کہ وہ اس کے ماموں کے کزن کی شادی میں آئیں گی یا نہیں؟ اور بڑے ابا گہری سانس لیتے اندر چلے آئے۔ ابھی انہیں سعدی کا سرپرائز پہلی دفعہ سن کر اس پہ پہلا تاثر دینا تھا۔

❖❖❖

کاردار خاندان کا قصر موسم گرما میں بھی بہار کے پھولوں سے سجا تھا۔ ولیمہ کی دعوت کا تھیم "پھول" تھے اور وہ جگہ جگہ بکھیرے گئے تھے۔ لان میں مستطیل میزوں کے گرد صوفے تھے اور مہمان کہیں بیٹھے کہیں چل پھر رہے تھے۔ ان سب میں مرکز نگاہ وہ جوڑا تھا جس کے اعزاز میں وہ سب جمع تھے۔ ہاشم کا سوٹ سیاہ تھا اور شہرین کا گاؤن موتی جیسا سفید۔ سر پہ باریک کامدار دوپٹا کندھوں کے پیچھے گرتا تھا اور وہ ہاشم کی کہنی کو تھامے ہنستی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ کافی دیر سے وہ دونوں آگے پیچھے مہمانوں میں گھوم رہے تھے۔ ان کو دیکھتی نگاہوں میں حسد' رقابت' خوشی' خلوص' غرض ہر طرح کے لوگوں کا ہر طرح کا جذبہ موجود تھا۔ صرف ایک شخص کی نگاہ مختلف تھی۔

سعدی اور حنین کی میز پہ موجود وارث بہت خاموش اور تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود فارس سے ذرا بڑا' صاف رنگت اور گلاسز والا خوش شکل سا مرد تھا۔ اس کے انداز میں اس خاندان کے لیے قدرے ناپسندیدگی تھی اور وہ شاید صرف فارس کے مدعو کرنے پہ آیا تھا۔

"خالہ اور بچوں کے بغیر کیسی گزر رہی ہے ماموں؟" ساتھ بیٹھے سعدی نے مخاطب کیا تو وارث نے ہاشم سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔ سعدی اپنے اکلوتے سوٹ میں جو اس پہ ذرا کھلا تھا' بڑا بڑا لگ رہا تھا۔

"بس اب تو صرف تین سال رہ گئے ہیں۔" وہ دھیما سا مسکرایا۔

"آپ ہماری پارٹی میں کیوں نہیں آئے؟" سامنے ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے بور ہوتی بیٹھی حنین نے ناراضی سے پوچھا۔

"کیا اس کو بیگم کو کھانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا سعدی؟"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" انگریزی فلموں کے مارے بااعتماد اور ترنت جواب حنین کو یاد تھے۔

"میں مصروف تھا۔ اور پھر جس پارٹی پہ تم لوگ اپنی پھپھو کو بلاتے ہو اس پہ میرا آنا نہیں بنتا۔ اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" حنین چپ ہوگئی۔ پھر بور ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تب ہی دولہا اپنی دلہن کے ہمراہ ان کی میز تک آیا۔ وہ تینوں اس کے لیے کھڑے ہوگئے۔

"بس.... باقی سب کہاں ہیں؟" ہاشم نے شہرین سے تعارف کروا کر حیرت سے سعدی کو دیکھ کر پوچھا۔

"سیم کو بخار تھا تو امی اس کے پاس رک گئیں۔ بڑے ابا کی فیملی کو کہیں اور جانا تھا اور فارس ماموں...." کہتے ہوئے سعدی نے نان کے انگلی چیک پوائنٹ کو دیکھا۔ "وہ دعوت کے شروع میں تھے۔ مگر پھر وہ ایوننگ کلاس کے لیے چلے گئے۔"

(جبکہ فارس نے بس سرسری سا پوچھا تھا' تمہارے دادا کی فیملی نہیں آئے گی؟ سعدی نے بتایا "نہیں" تو وہ بس دس منٹ رکا اور پھر اٹھ گیا۔ وارث بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہتا تھا' مگر سعدی اور حنین کی وجہ سے وہ پابند ہو کر رہ گیا تھا۔)

"اس دن کے لیے دوبارہ شکریہ۔" اس نے پھر سے سعدی کا کندھا تھپک کر کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا اور بات بدلنے کو ماموں کی طرف مڑا۔

"میں اس دن جو سارا خالہ کے بارے میں بتا رہا تھا' وہ ان کی وائف ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ہاشم نے مسکرا کر سر ہلایا۔ شہرین پلٹ کر کسی اور سے باتیں کرنے میں محو تھی۔ "اور وارث! کیا کر رہے ہو آج کل؟"

جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے وارث نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"کچھ گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

ہاشم نے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ "میری مدد کی ضرورت ہو تو بتانا۔"

"ہوں... ضرور بتاؤں گا۔"

ہاشم مسکرا کر جانے کو مڑا' پھر حنہ کو دیکھ کر رکا۔

"میں نے اتنا shaky کیمرہ ورک آج تک نہیں دیکھا۔" اس کی تعریف کر کے وہ پلٹ گیا تو حنین نے شانے جھٹکے۔

"پتا نہیں پہلی دفعہ میں کوئی میرا یقین کیوں نہیں کرتا۔"

"کیا شاندار بندے ہیں یہ ہاشم بھائی۔" واپس بیٹھتے ہوئے سعدی نے بہت فخر سے کہا تو وارث نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون ہے؟"

"جی یہ بہت اچھے وکیل ہیں۔"

"بہت اچھے وفاعی وکیل ہیں وہ بھی کرمنلز کے۔ اور کرمنل کے وفاعی شخص کو میں کرمنل سے الگ نہیں سمجھتا۔"

"ماموں!" سعدی بہت سنجیدگی سے اس کی طرف مڑا۔ "ہوسکتا ہے آپ ان کو پسند نہ کرتے ہوں اور شاید ان کی عزت بھی نہ کرتے ہوں۔ اور ہوسکتا ہے ان کی کمپنی کرپشن میں بھی ملوث ہو مگر اس سب کے باوجود ہم ان کو کرمنل نہیں کہہ سکتے۔ میں ان کو جانتا ہوں۔ وہ بہت اچھے ہیں۔"

وارث چپ ہو گیا۔ اگر سعدی کو پتا چل جائے کہ وہ ہاشم کو اتنا نہیں جانتا تو...؟

میری اینجو مسکراتے ہوئے آئی اور سعدی کے کان کے قریب جھکی۔

"مسز کاردار آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ چونکا۔ پھر ان سب سے معذرت کرتا اٹھ آیا۔

باہر نیلی شام میں سیاہی گھلنے لگی تھی مگر اندر روشنیوں کا سورج جوبن پہ تھا۔ پھول ہی پھول' روشنی ہی روشنی۔ لاؤنج میں رک کر سعدی نے گردن اٹھائی۔ سیڑھیوں سے اوپر ہاشم کے کمرے کے سامنے ریلنگ پہ کہنی ٹکائے دوسرے ہاتھ میں نیکلس کا موتی گھماتی وہ کسی ملکہ کی شان سے کھڑی تھی۔ سرخ لمبا گاؤن' سرخ لپ اسٹک کے ساتھ' آنکھوں میں گہرا کاجل اور گہرا اضطراب تھا۔

سعدی قدم قدم چڑھتا اوپر آیا۔ بالکل جواہرات کے مقابل۔

"آپ کا چھوٹا بیٹا کیسا ہے؟" سعدی نے کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔ جواہرات مضطرب سی' مسکرانے کی سعی کی مگر آنکھوں میں نمی در آئی۔

"وہ تیار ہے۔ کمرے میں ہے۔ بھائی کے لیے دعوت میں شامل ہو بھی جائے گا مگر... خوش نہیں ہوگا۔" مسکراتے ہوئے سر جھٹکتے لمحے میں ضبط سے آنکھیں گلابی ہوتی گئیں۔ سعدی نے پتلیاں سکیڑ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"یعنی... کاردار صاحب کو علم ہو گیا؟" جواہرات نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اور نگزیب نے اسے بہت جھڑکا ہے۔ وہ اپ سیٹ ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں مسز کاردار؟" وہ نرمی سے بولا۔

"ہر پریشانی میں ایک ہی خیال ہوتا ہے' ہاشم سنبھال لے گا۔ مگر آج ہاشم کا بڑا دن خراب نہیں کر سکتی' ورنہ سنبھال تو وہ اب بھی لیتا۔"

اس نے نرمی سے سعدی کی کہنی پہ ہاتھ رکھا۔ "کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟"
سعدی نے گردن موڑ کر شیرو کے کمرے کو دیکھا۔
"مجھے کوشش کرنے دیں۔" اس نے دروازے پہ دستک دی۔ جواہرات ایک طرف ہٹ گئی۔ سعدی نے دروازہ دھکیلا۔
بیڈ کے کنارے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سوٹ، جوتے، ٹائی سب تیار تھا، مگر خود بجھا بجھا سا تھا۔ سعدی کو دیکھ کر وہ پھیکا سا مسکرایا۔
"میں سعدی.... تمہارا کزن...."
"آئی نو.... بھائی نے بتایا تھا۔ آؤ۔"
سعدی چند قدم اندر آیا۔ دروازہ واپس دھکیلا تو وہ چوکھٹ سے تین انچ کے فاصلے پہ جا ٹھہرا۔ باہر کھڑی جواہرات کی مضطرب سماعتیں وہیں لگی تھیں۔
"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ سامنے کھڑے کھڑے احتیاط سے پوچھنے لگا۔ شیرو نے سر جھکا۔
"بتایا تھا ممی نے کہ تم نے مجھے بچانے کی کوشش کی تھی۔ تھینکس۔ مگر کاردار صاحب کو علم ہو گیا۔"
"میں نے تمہیں بچانے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ وہ فکر مند تھے۔ میں نے ان کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہا تھا۔" جواہرات نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ شیرو بھی چونکا تھا۔
"وہ میرے لیے.... کبھی پریشان نہیں ہو سکتے۔" پھر رکا۔ "کیا وہ واقعی پریشان تھے؟"
"بہت زیادہ۔ اس لیے تمہیں نیچے جا کر ان کو ان کے بیٹے کی شادی کی مبارک باد دینی چاہیے۔"
نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں خفگی در آئی۔ "کیا تمہیں لگتا ہے وہ مجھے معاف کر دیں گے؟" آواز بلند ہونے لگی۔
"میں ہارورڈ نہیں جا سکا۔ کولمبیا نہیں جا سکا۔ میں ان کے آفس میں دلچسپی بھی نہیں رکھتا۔ میں ڈرگز لینے لگ گیا تھا اور اس روز ڈرگز کے باعث میں نے خود کو اسپتال پہنچا دیا۔ ان کو اتنا مایوس کیا خود سے۔ اس سب کے بعد وہ مجھے کیا سمجھتے ہوں گے؟"
"صرف اپنا بیٹا۔"
وہ جو غصے سے بولے جا رہا تھا، جھٹکا کھا کر رکا۔ تنے تاثر ڈھیلے پڑے۔ یک ٹک سعدی کو دیکھے گیا۔
"اور معافی، شکریہ اور اظہار محبت، ان تین چیزوں کی خون کے رشتوں میں کبھی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف رویہ درست کرنا ہوتا ہے اور سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔"
"اور.... اور اگر انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا؟" وہ اندر سے ڈرا ہوا تھا۔
"میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں نوشیرواں!" سعدی نے سر جھکائے جوتے سے لکڑی کا فرش مسلتے کہنا شروع کیا۔
"میں ایک لڑکے کو جانتا ہوں جس کا باپ اسکول ٹیچر تھا۔ تنخواہ کم تھی اور گزارہ مشکل سے ہوتا۔ مگر وہ لڑکا کبھی بھی اپنے باپ کے سامنے خواہشات کی فہرست نہیں رکھتا تھا۔ اسکول لے جانے کو پیسے بھی نہ مانگتا۔ مگر جب وہ تیرہ سال کا تھا تو اسکول فنکشن کے لیے اسے نئے جوتوں کی ضرورت پڑی۔ بلکہ ضرورت نہیں، صرف خواہش تھی۔ کیونکہ اس کے دوستوں نے نئے جوتوں کی نمائش کی تھی، وہ جن میں رنگ برنگی لائنیں لگی ہوتی ہیں۔ اس روز اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے بھی وہی جوتے چاہئیں۔ باپ کچھ دیر کو چپ ہوا تو وہ سمجھا کہ باپ نہیں لے کر دے گا۔ وہ باپ سے ناراض ہو گیا۔ اس نے باپ سے بات کرنا بھی ترک کر دی۔ رات اس کے سرہانے اس کا باپ آیا اور کہا کہ وہ اسے کل جوتے لا دے گا۔ بالکل وہی جوتے۔ مگر وہ لڑکا ناراض رہا اور آنکھیں بند کر کے سوتا بن گیا۔
صبح اس کا باپ اسکول سے جلدی چھٹی لے کر جوتوں کی اس مہنگی دکان پہ گیا۔ جانے کہاں سے پیسے جوڑ کر اس نے وہ جوتے

ٹریڈ ے۔ اور جب وہ سڑک عبور کر رہا تھا تو ایک بس نے اسے ٹکر ماردی۔'' لمحے بھر کو نیچے دیکھتا سعدی خاموش ہوا۔

''جب لوگ اس کے باپ کی لاش کو گھر لائے تو ساتھ خون میں نہایا جوتوں کا ڈبا بھی تھا۔ جوتے آگئے نوشیرواں! باپ چلا گیا۔ اگر تم اس لڑکے کو کہو کہ اس شرط پہ کہ اس کی زندگی پانچ منٹ بعد لے لی جائے گی' اس کا باپ اس کے سامنے آجائے اور ان پانچ منٹ میں صرف اس کو ڈانٹنے اور وہ ساری ڈانٹ سن کر صرف معافی مانگ سکے تو اس لڑکے کو وہ پانچ منٹ کی زندگی بھی قبول ہوگی۔ کیونکہ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال میں اس نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ باپ کا کوئی replacement نہیں ہوتا۔''

نوشیرواں کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔ وہ ایک دم اٹھا اور باہر نکل گیا۔ جواہرات پیچھے ہوئی' مگر اسے دیکھے بغیر وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے لاؤنج میں اورنگزیب کھڑے کسی ملازم کو ہدایات جاری کر رہے تھے۔ شیرواں کے قریب رکا' جھجکا' پھر ان کو کچھ کہتے ہوئے ان کے گلے لگا۔ شاید وہ ہاشم کی شادی کی مبارک باد دے رہا تھا۔

اورنگزیب نے سن کر اسے خود سے الگ کیا۔ خفگی سے کچھ کہتے کوٹ کا بازو جھاڑا جیسے شکن پڑ گئی ہو۔ مگر اب ان کے چہرے پہ وہ سختی نہ تھی اور شیرو کا چہرہ دمک رہا تھا۔ جواہرات نے آنکھیں بند کیں۔ ساری نمی اندر اتاری اور پھر پلٹ کر کمرے میں آئی۔

سعدی ویسے ہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ آہٹ پہ سر اٹھاتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہلکا سا مسکرایا۔

''تھینکس!'' وہ کچھ بول نہیں پارہی تھی۔ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''کیا واقعی... اورنگزیب اس دن شیرو کے لیے پریشان ہوا تھا؟''

''اور کیسے پریشان ہوا جاتا ہے؟'' اسے الٹا تعجب ہوا۔ جواہرات نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''شاید میں بھی شیرو کی طرح کبھی کبھی اس کو سمجھ نہیں پاتی۔ وہ ایک سخت گیر باپ ہے' مگر... اسے صرف ہاشم سنبھال سکتا ہے۔ خیر... کبھی کبھی آجایا کرو۔ تم سے بات کر کے اچھا لگتا ہے۔''

''میں لیڈز چلا جاؤں گا جلد۔ مجھے اسکالرشپ مل گیا ہے۔ کیمیکل انجینئرنگ۔''

''شیرو بھی... انجینئرنگ پڑھے گا۔''

''مگر وہ تو مانچسٹر جائے گا' ہاشم بھائی نے بتایا تھا۔''

جواہرات نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی اور ایک شیرو کے کمرے پہ۔

''نہیں' اس نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔''

(اچھا؟ سعدی کو حیرت ہوئی۔ ہاشم بھائی تو بالکل شیور تھے۔)

''کیا تم مجھے اپنی فیملی سے نہیں ملواؤ گے؟'' وہ مسکرا کر خود کو کمپوز کرتی اس کے ساتھ باہر آئی۔ سعدی نے بھی مسکرا کر سر ہلایا۔

وہ دونوں ہمراہ چلتے جب سیڑھیوں کے وسط میں تھے تو جواہرات نے رک کر اسے دیکھا۔

''اگر اس لڑکے کے والد آج زندہ ہوتے تو اس پہ بہت فخر کرتے۔''

سعدی نے جواب نہیں دیا۔ بس اداسی سے مسکرا کر زینے اترنے لگا۔

❖ ❖ ❖

شام مغرب میں ڈھل چکی تھی اور فارس لائبریری کے کونے والی میز پہ بیٹھا بور سا ہو کر بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ سامنے نوٹس اور کتابیں بھی منتظر سی پڑی تھیں۔ دفعتاً وہ آتی دکھائی دی۔ کندھے پہ بیگ' ہاتھوں میں کتابیں' بال جوڑے میں بندھے۔ تھکے تھکے انداز میں کرسی کھینچی۔ بیگ رکھا۔ فارس فوراً سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"مجھے نماز میں دیر ہوگئی۔" اس کو دیکھے بنا وہ بیٹھ کر کتاب کھول رہی تھی۔ فارس نے سر کو خم دیا' پھر لگا کوئی اور بھی سامنے کھڑا ہے۔ چونک کر چہرہ اٹھایا تو ساتھ والی کرسی کھینچ کر جمشید افضل بیٹھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ فارس ناگواری سے اسے روکتا کہ بھائی تم کدھر؟ زمر نے کہا۔

"جمشید کو بھی یہی ٹاپک سمجھانا تھا۔ بیٹھیے جمشید۔ یہ آج ہم کور کر لیں گے۔" کتاب کے صفحے پلٹتے اشارہ کرتی وہ بہت مصروف لگ رہی تھی۔ تھکی ہوئی بھی۔

عینک لگانے والا وہ دبلا پتلا تھیبا اسٹوڈنٹ تابعداری سے سامنے بیٹھا۔ فارس نے تند نگاہوں سے اسے گھورا اور ضبط سے رخ پھیر لیا۔ وہ شدید بدمزہ ہوا تھا۔ خود اسے بھی معلوم نہیں کہ کیوں۔

زمر اب بال پین ہاتھ میں پکڑے باری باری دونوں کو دیکھتی سمجھا رہی تھی۔ جمشید جلدی جلدی رجسٹر پہ نوٹس لینے میں مگن تھا اور فارس لگا ہے بگا ہے ایک اکھڑی اکھڑی سی نظر اس پہ ڈال لیتا۔" ہونہہ..... یہ بنیں گے وکیل۔ جج نے ایک پھونک مارنی ہے اور اس نے اڑ جانا ہے۔"

دس منٹ بعد وہ لڑکا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ وہ کچھ پوچھ رہا تھا اور زمر دوبارہ اسے وہی بات سمجھا رہی تھی۔ فارس کی بیزاری بڑھنے لگی۔ تب ہی زمر کا فون بجا۔ کال ضروری تھی وہ معذرت کرتی اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اس نے اب بہت فرصت سے پتلیاں سکیڑ کر اس چشمش کو دیکھا۔ پھر اس کے سامنے انگلی سے میز بجائی۔ رجسٹر پہ لکھتے لڑکے نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ کتاب پکڑانا۔" تحکم سے میز کے دوسرے سرے پہ رکھی کتاب کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تابعداری سے سر ہلاتا جیسے ہی اٹھا' فارس نے اس کی کتابوں کے ساتھ رکھا اس کا موبائل اچک کر اپنی جیب میں رکھا۔ لڑکا واپس آیا' کتاب سامنے رکھی اور رجسٹر پھر سے کھول لیا۔ فارس نے ہتھیلی اس کے سامنے کی۔

"ذرا فون دینا اپنا۔ میرا کریڈٹ نہیں ہے۔ ایک کال کرنی ہے۔"

لڑکے نے مسکرا کر اپنی کتاب ہٹائی' پھر رجسٹر ہٹایا' پھر نوٹس ایک طرف کیے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ پریشان سا چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ پھر جیب تھپتھپائے۔

"نہیں دینا تو نہ دو۔" وہ بگڑے موڈ سے بولا۔

"نہیں' ابھی تو میرے پاس تھا۔ آپ بیل دیں گے ذرا؟"

"لو.... میرا کریڈٹ ہوتا تو تم سے کیوں مانگتا۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔" ویسے آخری دفعہ کہاں استعمال کیا تھا فون؟"

"وہ.... ہاں.... ڈاکٹر عبدالباری کے آفس کے سامنے۔"

"وہ تو دو بلاکس دور ہے۔ راستے میں گرا ہو گا۔ اب تک تو کوئی لے اڑا ہو گا۔ یوں کرو واپس جاؤ اور راستے کا ایک ایک پتھر اٹھا کر دیکھو۔ شاباش۔" ساتھ ہی اس کا شانہ تھپتھپایا۔ وہ سنگل پسلی ہل کر رہ گیا۔ پھر جلدی جلدی چیزیں سمیٹتا وہاں سے بھاگا۔

زمر جب آئی تو چیونگم چباتا فارس اکیلا وہاں بیٹھا تھا۔ اس نے تعجب سے خالی کرسی کو دیکھا۔

"یہ کہاں گیا؟"

"پتا نہیں۔ کچھ کھو بیٹھا تھا۔ اتنی جلدی میں بھاگا کہ موبائل بھی چھوڑ گیا۔" لاپروائی سے میز پہ رکھے موبائل کی طرف اشارہ کیا جس کو وہ آف کر چکا تھا۔ زمر ناگواری سے سر جھٹکتے واپس بیٹھی۔

"یہ نان سیریس اسٹوڈنٹس بھی نا۔"

"نہیں! آپ اصرار کرتی ہیں تو اس کا انتظار کر لیتے ہیں۔ آدھا پون گھنٹہ ہی لگے گا اسے۔" بہت ہی خیر خواہی سے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ درشتی سے کہتی کتاب کھولنے لگی۔ وہ سر ہلا کر بہت انہماک سے اسے سننے لگا۔ اب وہ بہت اچھا محسوس کر رہا تھا۔

❖❖❖

اس اونچے اور نفیس لاؤنج میں نہ پھول تھے نہ اس دن کی رونق۔ ایک کنارے پہ قد آور کھڑکی کے ساتھ دو کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں۔ ان کے درمیان چھوٹی میز پڑی تھی۔ ایک کرسی پہ جواہرات ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' گردن ذرا ترچھی کیے بائیں ہاتھ پہ بیٹھے سعدی کو مسکرا کر سن رہی تھی جو آگے کو ہو کر بیٹھا اپنے ہاتھوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"پھر ابو کے ایکسیڈنٹ کے بعد امی نے ٹیچنگ شروع کر دی۔ اب تو وہ ریٹائر ہونے والی ہیں۔ صحت بہت اچھی نہیں ہے ان کی۔" وہ کافی دیر سے بولتا اب خاموش ہوا۔

جواہرات نے مسکرا کر ابرو اچکائے۔ "اچھا لگا تمہیں سن کر۔ اس سے بھی زیادہ اچھا یہ کہ تم میری ایک کال پہ چلے آئے۔ آتے جاتے رہا کرو۔"

"اب اگلے سال چھٹیوں پہ ہی آؤں گا۔ ہاں کوشش کروں گا کہ کبھی تھیرو سے مانچسٹر میں ملاقات ہو جائے۔"

"کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ بھی تمہاری ہی یونیورسٹی میں جا رہا ہے؟" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"مگر....." وہ چپ ہو گیا۔

"میں جس سعدی یوسف کو جانتی ہوں وہ کافی صاف گو ہے۔ تو تم بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہیں کیا برا لگا ہے؟"

"آئی ایم سوری..... مگر..... آپ نے اسے اپنا فیصلہ بدلنے پہ کیوں مجبور کیا ہے؟"

"میں نے صرف خواہش کی اور وہ مان گیا۔"

"مگر..... کیوں؟"

"تم درست سوچ رہے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے بیٹے کے ساتھ رہو۔"

سعدی نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "مسز کاردار! اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کا خیال رکھوں تو میں بے بی سٹر نہیں ہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کو ہر وقت نصیحتیں کرتا رہوں تو میں مبلغ بھی نہیں ہوں۔ اور اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں اس کے پل پل کی خبر آپ کو دوں تو میں جاسوس بھی نہیں ہوں۔"

"میں یہی سب چاہتی ہوں مگر بے بی سٹر' مبلغ یا جاسوس کی حیثیت سے نہیں۔ ایک دوست بن کر۔"

"ہماری پہلے ہی اچھی دوستی ہو چکی ہے اور دوست بن کر میں یہ سب کر سکتا ہوں۔ لیکن جتنا میں آپ کے بیٹے کو سمجھا ہوں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "اگر اسے یہ علم ہوا کہ آپ نے میری وجہ سے..... اونہوں..... وہ بہت خفا ہوگا۔"

"سعدی! میرا بیٹا ڈرگز پہ تھا' باپ سے نالاں تھا۔ اب وہ وعدہ کر چکا ہے خود کو بدلنے کا' مگر کیا مجھے اس کا یقین کر لینا چاہیے یا اس کی فکر کرنی چاہیے؟ مجھے اس کی صحت کی فکر اس کی یونیورسٹی سے زیادہ ہے۔ اور مجھے لگا کہ میں تم پہ بھروسہ کر سکتی ہوں۔ کیا تم میرے دوست نہیں ہو؟"

معدی نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔

''اوکے۔ مگر میں اس کی پشت پہ کبھی بھی کچھ ایسا نہیں کروں گا جس پہ وہ مجھ سے خفا ہو۔ خیر! آپ بتائیں ہاشم بھائی کیسے ہیں؟ ان کے ہنی مون پہ جانے کے بعد آپ تو ان کو بہت مس کر رہی ہوں گی۔''

جواہرات نے شانے اچکائے۔ ''اس کی غیر موجودگی میں تو یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔''

''وہ اپنی بیوی کے ساتھ واپس آئیں گے تو پھر رونق ہو جائے گی۔''

''محبت اندھی ہوتی ہے۔ مگر امید ہے کہ شادی آنکھیں کھول دے گی۔ اسے جلد علم ہو جائے گا کہ اس لڑکی نے صرف اس کے اسٹیٹس کی وجہ سے اس سے شادی کی ہے۔''

معدی کو اس بات کی امید نہیں تھی۔

''اگر... ایسا تھا تو آپ نے ان کو روکا کیوں نہیں؟''

''میں روکتی تو وہ نہ کرتا۔ زیادہ بہتر ہے کہ وہ تجربہ کر کے سیکھے۔'' پھر ہاتھ اٹھا کر پانچ انگلیاں اسے دکھائیں۔ ''پانچ سال بھی نہیں چلے گی اس کی یہ شادی۔ تم یہ بات کسی ڈائری میں لکھ کر رکھ لینا۔''

''اچھا۔ مجھے تو وہ اچھی لگ رہی تھی ان کے ساتھ۔'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''وہ اس لیے کہ تم اچھے ہو۔ اور تمہیں ایک بات کہوں؟'' چونکہ وہ ان کے بائیں طرف بیٹھا تھا تو جواہرات ترچھی ہو کر اس کی طرف مڑی۔ ''معدی کا مطلب ہوتا ہے خوش قسمت۔ اور بہت اچھے لوگ کبھی بھی خوش قسمت نہیں ہوتے۔''

''یہ منحصر ہے کہ آپ خوش قسمتی کسے کہتی ہیں۔ غم کا ملنا بد قسمتی نہیں ہے۔ خوشی کا ملنا خوش قسمتی نہیں ہے۔''

جواہرات نے مسکرا کر گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

وہ جب اوپر شیرو کے کمرے میں آیا تو وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

''آؤ بیٹھو'' اس نے اسکرین پہ نظریں مرکوز کیے اپنے پیچھے سے ایک کشن نکال کر معدی کی طرف اچھالا۔ معدی نے کشن اس کے قریب رکھا اور وہیں بیٹھ گیا۔

''تمہاری ممی نے بتایا کہ تم بھی لیڈرز جا رہے ہو۔''

''ہاں انہوں نے بتایا تھا کہ تمہارا بھی وہیں داخلہ ہوا ہے۔'' وہ بہت انہماک سے گیم کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دم برا سا منہ بنا کر کیز زور سے دبائیں اور پھر ''اف'' کر کے میز پہ مکا مارا۔ گیم اوور۔

''تم ابھی اس کے چالیسویں راؤنڈ پہ ہو؟'' معدی نے تعجب سے اسکرین کو دیکھا۔ ''میری بہن تو ایک سودس راؤنڈز کر چکی ہے۔'' شیرو بے یقینی سے اس کی طرف مڑا۔ ''میں مان ہی نہیں سکتا۔ سو سے اوپر پوری دنیا میں صرف تین لوگ گئے ہیں اور ان کا نام ٹاپ اسکورر کی فہرست میں ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔'' اسے جیسے معدی کی اس بڑھک کو جلد سے جلد غلط ثابت کرنا تھا۔ فوراً بٹن دباتا گیا کھولتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک فہرست سامنے آئی۔ معدی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''یہ دیکھو! اس گیم میں آج تک صرف یہی لوگ....'' نوشیرواں بولتے بولتے ہکلا گیا۔

فہرست کا دوسرا نام جگمگاتے ہوئے اس کے سامنے تھا۔ حنین یوسف۔

''یہ میری بہن ہے۔'' معدی نے بنا کچھ جتائے اشارہ کیا۔ نوشیرواں بالکل پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس دس افراد کی فہرست کو دیکھ رہا تھا... نیز اپنے نام سے ذرا آگے تک نمبر بھی رکھے ہوئے تھے۔ اگر حنین کا کوئی اور نک ہوتا تو وہ معدی کو جھوٹا قرار دے دیتا۔

''خیر! پہلے پتہ تو وہ پھر بھی نہیں ہے۔'' شیرو نے بظاہر لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ سعدی کی نظریں فہرست کے سب سے اوپر والے نام تک اٹھ گئیں۔ اس نے ذرا آگے ہو کر پڑھا۔ وہ تک نیم تھا "Ants Everafter"

''یہ کون ہے؟'' بہت دفعہ حنین نے اسے یہ فہرست دکھائی تھی، پھر بھی اس نے نوٹ شاید اب کیا تھا۔ شیرو نے مذکورہ شخص کی پروفائل پہ کلک کیا۔

''کوئی امریکن لڑکی ہے۔ اس سے زیادہ معلومات نہیں اوپن کر رکھیں۔ کیا تم میرے ساتھ کھیلنا چاہو گے؟'' وہ نئی گیم شروع کرنے لگا تھا۔

''نہیں۔'' سعدی بور سا ہو کر پیچھے ہوا۔

''میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں شیرواں! کہ میں کوئی بھی گیم نہیں جیت سکتا۔ میرے پاس پھپھو، حنین یا ہاشم بھائی جیسا دماغ نہیں ہے۔''

..................❖ ❖ ❖..................

باب:4

انسان دوست

اگر تم حوصلہ مجتمع رکھ سکو جب ارد گرد
سب حوصلہ کھو رہے ہوں اور تم کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہوں
اگر تم خود پہ بھروسہ کر سکو جب سب تم پہ شک کریں
مگر ان کو شک کی اجازت بھی دو
اگر تم انتظار کر سکو اور انتظار سے تھکو نہیں
یا تم سے جھوٹ بولا جائے مگر تم نہ بولو
یا تم سے نفرت کی جائے مگر تم نفرت کو راستہ نہ دو
اور پھر بھی نہ تم بہت اچھے لگو، نہ بہت عقلمند
اگر تم خواب دیکھ سکو اور خوابوں کو اپنا آقا نہ بناؤ
اگر تم سوچ سکو مگر سوچوں کو اپنا مقصد نہ بناؤ
اگر تم "فتح" اور "تباہی" دونوں سے مل سکو
اور ان دونوں بھوکے بازوں سے ایک جیسا سلوک کر سکو
اگر تم اپنے بارے بولا گیا سچ سننے کی ہمت کر سکو جسے نادانوں کو بہکانے کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے
یا جن چیزوں کو تم نے اپنی زندگی دے ڈالی، ان کو ٹوٹا ہوا دیکھ سکو
اور پھر جھک کر ان کو گھسے پٹے اوزاروں سے دوبارہ تعمیر کر سکو
اگر تم ہجوم سے بات کرو اور اپنے اندر کی اچھائی بھی برقرار رکھو
یا بادشاہوں کے ساتھ چلو اور اپنا عام ہونے کا احساس بھی نہ کھو سکو
اگر نہ دشمن، نہ دوست تم کو دکھ دے سکیں
اگر تم بے رحم منٹ کو بھر سکو، ساٹھ سیکنڈ جتنے فاصلے کی دوڑ سے
تب..... ہاں تب
تمہاری ہو گی یہ زمین اور جو اس میں ہے

اور سب سے بڑھ کر
تب تم بنو گے ایک "انسان" میرے بچے!

(کپلنگ کی نظم "اگر")

………… ❖❖❖ …………

تم ناحق ٹکڑے چن چن کر دامن میں چھپائے بیٹھے ہو ...... شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کیا آس لگائے بیٹھے ہو

گھر آکر سعدی نے سب سے پہلے حنین کے کمرے میں جھانکا۔ پھر یاد آیا وہ اس وقت ٹیوشن اکیڈمی گئی ہوتی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آکر پیکنگ کرتا رہا۔ جب مغرب کے قریب لاؤنج سے باتوں اور ٹی وی کی آوازیں بلند ہوئیں تو وہ باہر آیا۔ حنین بیگ صوفے پہ رکھ کر (یعنی پھینک کر) کچن میں گھس گئی تھی۔ وہ چوکھٹ پہ جا کھڑا ہوا۔

"ایک بری خبر ہے۔" مسکراہٹ دبائے بات کا آغاز کیا۔ وہ فریج سے کھانا نکالنے میں مصروف تھی' مصروف ہی رہی۔

"میں نے آج نوشیرواں کے گھر تمہاری گیم کے ہائی اسکوررز کی فہرست دیکھی۔ معذرت کے ساتھ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اب آپ پہلے نمبر پہ نہیں ہیں۔"

"ڈنر خراب نہ کرو بھائی! مجھے پتا ہے میں ہی ٹاپ پہ ہوں۔" وہ خفگی سے اسے دیکھ کر پلیٹ لیے لاؤنج میں چلی آئی۔ کمپیوٹر چیئر کھینچی' آن دبایا' ساتھ ہی لقمہ توڑا۔

"آخری دفعہ کب چیک کیا تم نے؟" وہ بھی ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"پرسوں۔ آپ کو پتا ہے میں دو دن ٹیسٹ کی تیاری میں رہی۔ اس لیے کھول نہیں سکی تو آپ مجھے بنا رہے ہیں۔" ایک ہاتھ سے کھاتے' دوسرے سے ماؤس چلاتے وہ ای میل کھول رہی تھی۔ پھر لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔ انگلی سے عینک پیچھے کی۔

"کاردار صاحب کی ای میل آئی ہے۔" سعدی نے بھی آگے ہو کر پڑھا۔ حنین نے ان کو چار پانچ روز قبل مووینز کی ایک فہرست بھیجی تھی جو ان کو دیکھنی چاہئیں جس کے جواب میں انہوں نے "تھینکس" لکھ کر بھیجا تھا۔ ساتھ ایک سمائل بھی تھی۔

حنین مسکرا کر اپنی گیم والی سائٹ کھولنے لگی۔ پھر سب سے پہلے فہرست سامنے لائی۔ اپنا نام ڈھونڈا' مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ پلیٹ رکھ کے آگے ہوئی۔ وہ دوسرے نمبر پہ تھی اور پہلے پہ کوئی اور تھا۔

"یہ کون ہے؟ اور اس نے کب؟" وہ حیران اور ذرا غصے میں اس کی پروفائل کھول کر دیکھنے لگی۔ مونث' اور تعلق امریکہ سے' اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں تھا۔

"آنٹس ایور آفٹر Ants ever after اس کا کیا مطلب ہوا؟"

بمشکل مسکراہٹ روکے سعدی نے شانے اچکا دیے۔ حنین اب نچلا لب دبائے بے چینی سے ادھر ادھر صفحے کھول رہی تھی۔ وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ بہنوں کو تنگ کرنے سے زیادہ لطف بھی ہوتا ہے کسی چیز میں بھلا؟

"آخر اس نے جیلی والا راؤنڈ کیسے پار کیا؟ اور ایک دم سے ٹاپ پہ کیسے آ گئی؟"

سعدی اسے تنگ کر چکا تھا' سو مسکرا کر کچن میں امی کے پاس چلا گیا۔ وہ اب بھی ویسے ہی لب کاٹ رہی تھی۔ پھر کچھ دیر سوچتی رہی اور اس کو پیغام بھیجا۔ کھانا وانا سب بھول گیا تھا۔

"ہائے!"

''ہیلو!'' اگلے ہی منٹ جواب آیا۔ حنین کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے اسکرین کو دیکھتی ٹائپ کر رہی تھی۔

''آپ نے جیلی والا راؤنڈ کیسے پار کیا؟''

ذرا توقف سے جواب چمکا۔ ''نارملی ہم بات کا آغاز حال احوال پوچھنے سے کرتے ہیں۔''

''میں نارمل نہیں ہوں۔ میں حنین ہوں۔ اب بتاؤ تم نے وہ راؤنڈ کیسے پار کیا؟''

''محنت کی' بار بار کوشش اور ہو گیا۔ تو تم حنین ہو پاکستان سے؟''

''ہاں! اور تم کون ہو امریکہ سے؟'' وہ ابھی بھی متعصب انداز میں خفگی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں پہلے مسکراتا ہوا نشان اور پھر پیغام۔

''میں علیشا (Alicia) ورجینیا سے اور میرے آباؤ اجداد فرانسیسی ہیں۔''

''(فرنچ امریکن؟) حنین نے مشکوک نظروں سے اسکرین کو گھورا۔ ''میں کیسے یقین کروں کہ تم وہی ہو جو تم کہہ رہی ہو؟''

''اوکے میں کیمرہ آن کر دیتی ہوں۔ مجھے اس ہائی اسکورر سے بات کر کے اچھا لگے گا جس کا ریکارڈ میں نے توڑا ہے۔''

اور اس نے کیمرہ چیٹ آن بھی کر دی۔ حنین کے لیے اتنی جلدی یہ غیر متوقع تھا پھر بھی اس نے کانوں پہ ہیڈ فون چڑھا لیے کیمرہ مگر آن نہیں کیا۔ (ورنہ امی نے کچن سے جوتا پھینکنا تھا) کانوں میں خوبصورت سی آواز گونجی۔ ''کیا تم مجھے دیکھ سکتی ہو؟''

اسکرین پہ چوکھٹا بنا تھا جس میں ایک چھوٹا سا بیڈ روم نظر آ رہا تھا۔ علیشا کی پشت پہ دیوار پہ شیشہ تھا جو کمپیوٹر ٹیبل کا عکس دکھاتا تھا واقعی امریکی لڑکی تھی۔ سترہ اٹھارہ برس کی۔ بال سیاہ تھے' شولڈر کٹ' بہت گوری' بڑی بڑی آنکھیں کسی ہلکے رنگ کی اور بہت پیاری مسکراہٹ اسکرین پہ اس نے ہاتھ ہلایا' وہ بھی اتنا مسکرا کر کہ حنین کے ناراض اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ذرا پُر جوش سی ہو کر آگے ہوئی' بات کرنے لگی

''تو تم فرنچ امریکن ہو؟''

''ہاں' مگر میں خود کو امریکن کہلوانا زیادہ پسند کرتی ہوں۔'' وہ پھر ہنسی۔ اسے ہنسنے کی عادت تھی۔

''لیکن تم اپنے نام سے کیوں نہیں آتیں اور تمہارے اس نک نیم کا کیا مطلب ہوا؟''

''اوہ! وہ...'' اس نے لاپروائی سے شانے اچکاتے ہوئے جھک کر دراز سے کچھ نکالا۔

''وہ تو ایک عبارت ہے جو میری کی چین پہ لکھی ہوئی ہے۔'' ساتھ ہی سیاہ پتھر والی کی چین لہرائی اور پھر میز پہ رکھ دی۔ ''مجھے بھی اس کا مفہوم نہیں پتا۔''

''اچھا وہ جیلی والا راؤنڈ۔'' حنین کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''ایک دو ٹپس بتا سکتی ہوں میں۔'' علیشا دائیں ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے آگے ہو کر بیٹھی بولنے لگی۔ حنین بہت غور سے سن رہی تھی جب سعدی وہاں سے گزر کر کمرے میں جانے لگا' اسکرین دیکھ کر رستے میں رکا۔ اشارے سے پوچھا کہ کون ہے؟ حنین نے مائیک پہ ہاتھ رکھ کر بتایا ''میری نئی دوست'' اور فوراً دوبارہ وہیں متوجہ ہو گئی۔

وہ ابرو اچکا کر کمرے کی طرف چلا گیا۔

فون کی گھنٹی بجی تو سعدی چونکا اور ادھر ادھر اجنبی نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ سات سال گزر چکے تھے اور سب کچھ بدل چکا تھا۔

تکان سے سر جھٹک کر اس نے فون اٹھایا جو ابھی تک ہاشم کی کال کے بعد سے گرم تھا۔

''جی میں آپ کو بھیجتا ہوں۔'' آفس میں سے کسی کی کال تھی۔ وہ سر ہلا کر کہتا لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھ رہا تھا جہاں اس نے غلط کو

اسے گرا کے ڈیٹا کو کرپٹ کر دیا تھا۔ اب دوبارہ سے ہاشم کی فائلز وہ کیسے لے گا؟ اف!

اس نے فون رکھ کر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ ذہن خالی خالی سا تھا۔

............☆☆☆............

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام ..... چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

بینکوئٹ ہال میں اندھیری شام اس پل خوب روشن تھی۔ موسیقی' قہقہے' رنگ' اسٹیج پہ دولہا دلہن کے ساتھ رش لگا تھا۔ تصویریں اتر رہی تھیں۔ گروپ فوٹوز' ہیپی اینڈنگز' فیری ٹیلز۔

دوسری جانب کھانا کھل چکا تھا۔ بوفے اسٹینڈ کی طرف جانے والوں میں حنین اور سیم بھی تھے۔ حنین ہلکی گلابی لمبی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی اور سیم کا کرتا شلوار تھا۔ وہ قد میں حنہ کے کان تک آتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ چلتے وہ ذرا آگے نکلنے لگا تو بہن نے کالر سے پکڑ کر قریب کیا اور تفتیشی انداز میں گھورا۔

''موٹے آلو... ایک منٹ۔ شادی میں کھانے کے تین اصول یاد ہیں نا؟''

''بالکل!'' وہ مڑا اور اس کو دیکھتے ہوئے انگلیوں پہ گنوانے لگا۔ ''پہلا اصول' وہ چیزیں نہیں کھانی جو صرف معدہ بھرتی ہیں جیسے دال روٹی اور سلاد۔ دوسرا جو عام طور پہ کھاتے رہتے ہیں جیسے مرغی اور بیف' ان پہ زیادہ قیمتی گوشت کو ترجیح دینی ہے جیسے مٹن اور پراونز۔ تیسرا اور آخری اصول' یہ سب اپنا آخری کھانا سمجھ کر کھانا ہے۔''

''درست!'' اس نے رعب سے سر کو خم دیا اور پھر دونوں ساتھ ساتھ آگے آئے۔ پلیٹیں اٹھائیں۔ تنقیدی نگاہ سے دور تک بوفے کا جائزہ لیا۔ پھر باربی کیو کو دیکھ کر حنین کی آنکھیں چمکیں۔ دونوں پُراعتماد چال چلتے اس طرف آئے۔

زمر بھی وہیں کھڑی تھی۔ نفاست سے پلیٹ میں ذرا سا کھانا ڈالتی۔ آج بھی سیاہ رنگ پہنا تھا۔ گھنگھریالے بال بھی ویسے ہی آدھے بندھے تھے۔ حنین اسے نظر انداز کر کے اپنی پلیٹ بھرنے لگی۔

زمر نے سر اٹھایا تو وہ ساتھ کھڑی تھی۔ وہ لوگ اکٹھے ہی آئے تھے اور تب سے دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ زمر ذرا مڑی اور میز پہ رکھے مایونیز کے بھرے پیالوں میں سے ایک اٹھا کر حنین کی طرف بڑھایا۔

حنین نے یوں ظاہر کیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ کھانا ڈال کر اس میز کی طرف آئی۔ ایک اور پیالہ اٹھایا اور دوسری طرف مڑ گئی۔ زمر کی قرابت پھیکی پڑی۔ پیالہ ہاتھ میں رہ گیا۔

''پھپھو! یہ میں لے لوں۔'' سیم نے جلدی سے اس کو شرمندگی سے بچایا۔

حنین نے سن لیا تھا مگر سنجیدگی سے پلیٹ میں کچھ یوں ڈالتی رہی۔ چمچ رکھا تو ایک مہندی والے ہاتھ نے ڈش اٹھا لیا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں اٹھیں۔

وہ کرن تھی۔ کامدار لباس' زیور' میک اپ' ذرا بھری بھری سی' ہنستی مسکراتی۔ ساتھ میں اس کی کوئی کزن بھی تھی۔ وہ اس سے بات کرتے ہوئے کھانا ڈال رہی تھی۔ حنین کی نگاہ مزید پیچھے گئی۔ قریب ہی ایک میز پہ اس کی ساس تھیں' نوکرانی تھی' جڑواں بچے تھے جن کو بہروز رک رک کر جھک جھک کر پیار کر رہا تھا۔

حنین نے بے اختیار مڑ کر زمر کو دیکھا۔ وہ دیکھ چکی تھی اور اب سنجیدگی سے رخ موڑ گئی تھی۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے کسی کے پاس وہ دیکھنا جو آپ سے چھینا گیا ہو۔ حنین پیچھے مڑی کہ پھپھو کے ہاتھ سے مایونیز کا پیالہ تھام لے مگر وہ اب سیم کے پاس تھا۔ اب دیر ہو چکی تھی۔

''حماد!'' اس نے نام کی پکار پڑتی سنی تو ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اپنی ماں کی میز پہ جھک کر کسی سے مل رہا تھا۔ گلا سز لگائے ہوئے' اچھی

شکل کا تھا مگر اس وقت وہ اسے زہر لگ رہا تھا۔ ذرا دبے دبے غصے سے وہ کھانا نکال کر زمر کے برابر آ کھڑی ہوئی۔ امی اور بھائی دور کسی ٹیبل پہ تھے مگر وہ تینوں یہیں کھڑے رہے۔

"یہ کرلی بالوں والی پراسیکیوٹر تھی نا حماد بھائی کی ایکس فیانسی؟" کرن کی کزن نے اونچی سی سرگوشی کی۔ ان دونوں کی طرف ان کی پشت تھی مگر آواز کا راستہ کون روک سکا ہے بھلا۔

کرن نے ترچھے ہو کر دیکھا اور پھر شانے اچکا کر کھانا نکالتے ہوئے بولی۔

"تھی نہیں، وہ اب بھی پراسیکیوٹر ہے۔ کیریئر وومن یو نو۔"

"تو اس کی شادی نہیں ہوئی؟ سچ گردے ضائع ہو گئے تھے نا؟"

"گردے کا کیا ہے؟ وہ تو مل گیا تھا۔ کوئی فرنچ عورت کسی آوارہ بھٹکتی روح کی طرح اچانک سے آئی اور گردہ دے گئی۔ سو فلمی ہے نا!"

حنین کا رنگ سفید پڑا۔ پلیٹ پہ جمے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوئی۔

"گردے کا بہانہ ہے۔ جو عورتیں کیریئر کے پیچھے پڑ جاتی ہیں پھر ان کے گھر کہاں بستے ہیں۔ اسی لیے ہمارے دین میں بھی گھر اور خاندان کی کتنی اہمیت ہے۔"

بے نیازی سے لٹ پیچھے کرتے کرن کی آواز اتنی "دھیمی" تھی کہ آس پاس کے چند ایک لوگ تو سن ہی چکے تھے۔ حنین نے کن انکھیوں سے زمر کو دیکھا۔ وہ کانٹے میں مچھلی کا ٹکڑا پھنساتی سنجیدہ، سپاٹ نظر آ رہی تھی۔

"کیا کہہ سکتے ہیں، دہشت گردی اتنی بڑھ گئی ہے۔"

"یار! انسان کو خود سمجھ ہوتی ہے ساری۔ اب کس نے کہا ہے کہ عورتیں قتل کے کیسز میں پڑیں؟ اسی لیے ہمارے دین میں....." یہاں سب کا اپنا اللہ اور اپنا دین تھا۔

"ہیلو کرن!" کسی نے کرن کو مخاطب کیا تو اس کی مسلسل چلتی زبان رکی۔

زمر اب کسی دوسرے اسٹینڈ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ آواز پہ لمحے بھر کو رکی، پھر چلتی گئی۔ اور حنین کی تو ساری دنیا ہی اس آواز پہ رک جاتی تھی۔ وہ جو ذرا ترچھی ہوئی تھی، پوری پیچھے مڑ گئی۔

اور مڑی تو کرن بھی تھی، بہت خوشگوار حیرت سے۔

"ارے ہاشم، آپ!" وہ ایک ہاتھ میں کانٹا اور ایک میں پلیٹ لیے مسکراتا ہوا کھڑا تھا۔ بنا ٹائی کے شرٹ، اوپر گرے کوٹ۔ مسکراتے ہوئے کرن کے رسمی کلمات کا جواب دیا۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ آپ آئے۔ کیا آپ کی ممی بھی آئی ہیں؟" اس نے ہاشم کے عقب میں دور مجمع میں تلاشنا چاہا۔ وہ ان کی کمپنی کے ایک عہدے دار کی بیٹی تھی اور وہ لوگ اس کے باس تھے۔ چند لمحے پہلے کی رعونت، تمکنت سب غائب ہو گیا۔ خوش اخلاقی عود کر آئی۔

"کیسی ہو تم؟ اور یہ تمہاری آنکھوں کے نیچے اتنے حلقے کیوں پڑ گئے ہیں؟" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا مگر لہجہ اتنا ٹھنڈا تھا کہ کرن کے ہاتھ نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو چھوا۔

"اپنی صحت کا خیال رکھا کرو کرن! کیونکہ اگر کسی کا ریکارڈ ہو خرابی صحت کی بنا پہ کسی عورت کو چھوڑ دینے کا، تو میں سوچتا ہوں اگر موجودہ عورت کی بھی ٹانگ، بازو کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تو اس کا کیا ہوگا؟ ہیلو حنین!"

وہ کہہ کر حنین کو مخاطب کرتا آگے بڑھ آیا۔ کرن بالکل ہکا بکا سی کھڑی تھی مگر حنین اب اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ اس کے لب

لگ گئے۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ سر کے خم سے جواب دیتی وہ وہاں سے ذرا دور ہٹی ایسے کہ ہاشم بھی ساتھ ہی چلتا آیا۔ کرن
گئی۔

مرد ار ٹیبل پہ سیم سعدی اور ندرت کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

"پیر لرنے کی۔" کہتے ہوئے حنین نے دور زمر کو دیکھا۔ "کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے زمر کے لیے نہیں کیا اور تمہیں یہ معلوم ہے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں شانے ذرا اچکا کر پلیٹ میں چاول ڈال رہا تھا۔

"آپ بس اتنا سا لیں گے؟" اس نے پہلے ہاشم کی پلیٹ کو دیکھا، پھر اپنی۔

"ان میں بھی بہت کیلوریز ہیں جس کا مطلب ہے ایکسٹرا ورک آؤٹ۔ میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ سمجھا کرو۔" حنین ہنس کر سر جھٹکتی
کھانے لگی۔ ہاشم نے کانٹے میں پھنسا ٹکڑا منہ میں رکھتے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرے حلقہ احباب میں کوئی دوسری حنین نہیں ہے۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "یعنی آپ نے واقعی مجھے نہیں پہچانا تھا؟"

"ہاں، کیونکہ جس حنین کو میں جانتا تھا، وہ اتنی گھبرائی ہوئی پریشان سی نہیں ہوتی تھی۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کچھ عرصے سے؟"

وہ بالکل ٹھہر گئی۔ کیا وہ واقعی اتنا بدل گئی تھی کہ ہاشم تک نے محسوس کر لیا؟

"میں تو ویسی ہی ہوں اور آپ سے تو اب تقریبات میں ہی ملاقات ہوتی ہے۔ (ایفل ٹاور) آپ کو کیا پتا میں کیسی ہوں؟"

وہ سنبھل کر مسکرا دی مگر ہاشم نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

"اور تم چاہتی ہو کہ میں اس وضاحت پہ یقین کر لوں۔ او کے کر لیا۔"

حنین ذرا سر جھکا کر کھانے لگی۔ دفعتاً کسی احساس کے تحت اس نے چہرہ گھما کر دیکھا۔ دور جواہرات کے ساتھ نوشیرواں کھڑا تھا اور
اسے گھور رہا تھا۔ بگڑے تاثر، بھنچی بھنوؤں کے ساتھ۔ وہ سیدھی ہوئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" ہاشم نے گویا اسے تسلی دی۔ وہ اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ اس نے ابرو اچکا دیے۔

"آپ کا بھائی ابھی بھی مجھے اسی طرح دیکھ رہا ہے۔ اس دن آپ کے گھر بھی اس نے مجھے دیکھتے ہوئے بھائی اور ماموں سے کچھ
کہا تھا۔ وہ ابھی تک مجھ سے عداوت رکھتا ہے۔"

"آئی ایم سوری! میں اس کی طرف سے معذرت کرتا ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا اور پھر شیرو کو گھور کر تنبیہا دیکھا۔ وہ دوسری
طرف دیکھنے لگا۔ حنین اثبات میں سر ہلا کر ڈش سے کباب نکالنے لگی۔ اس کا چہرہ اب ذرا سنجیدہ اور بجھا بجھا سا تھا۔ ہاشم معذرت کر کے آگے
بڑھا، پھر ایک دم رک کر اسے دیکھا۔ کچھ کلک ہوا تھا اچانک سے۔

وہ ٹھہر گیا۔ لمحے بھر کو ساری دنیا ٹھہر گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی تکلیف ابھری۔ بمشکل وہ چہرے پہ مسکراہٹ لایا، سر اثبات
میں ہلایا۔

"آئی ایم سوری حنین! آئی رئیلی ایم! میں پہلے یہ نہیں کہہ سکا۔ تم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے واقعی بہت... آئی ایم سوری!"

حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں درد تھا، تکان تھی۔ اس کے ذہن کے پردے پہ ایک بھولا بسرا لمحہ ابھرا۔ تب بھی اس
کی آنکھوں میں ایسا ہی درد تھا۔ حنین نے سر جھٹکا۔ وہ لمحے بھر میں شادی کی تقریب میں واپس آئی مگر اب ہاشم جا چکا تھا۔

وہ اپنی میز تک خالی الذہنی کے عالم میں واپس آئی۔ زمر کھا چکی تھی۔ ٹشو سے لب تھپتھپاتی وہ سعدی سے آہستہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔
سعدی بے دھیانی سے سنا۔

"کیا تم نے وہ اسے واپس کر دیا؟"

"کر دوں گا جلد ہی۔" سعدی نے مختصراً کہا۔ حنہ چونکی۔ بھائی نے کب نیکلس واپس کرنا ہے آخر؟ مگر پھر اس کے ذہن کی رو بھٹک گئی۔ ہاشم کی معذرت... ڈیڑھ سال بعد اس نے وہ شکوہ دور کر دیا جو حنین کو اس سے تھا ہی نہیں۔

"سیم! کپڑوں پہ مت گراؤ۔" ندرت کی توجہ ادھر نہیں تھی۔ وہ حسب معمول سیم کو لتاڑ رہی تھیں۔ وہ بھی آگے سے حنین اور سعدی بھائی تھا۔

"امی! داغ تو اچھے ہوتے ہیں۔"

حنین واپس آ چکی تھی مکمل طور پہ۔ تنک کر اسے دیکھا۔

"یہ خود بھی ہمارے خاندان پہ کسی داغ سے کم نہیں ہے۔"

"مت تنگ کرو اسے۔" ندرت نے دبا دبا سا گھورا۔ وہ فوراً چمک کر بولی۔

"یہ شروع کرتا ہے ہمیشہ۔ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔"

"مگر تھپڑ ایک ہی سے پڑتا ہے اور گھر جا کر پڑتا ہے۔"

ان دھمکی پہ وہ بڑبڑا کر سر جھکائے کھانا کھانے لگی۔

سعدی اٹھ کر گیا تو ندرت نے زمر کے قریب ہو کر کہا۔ "یہ جو نیلے کپڑوں والی جا رہی ہے نا' یہ حمیرا کی بیٹی رانیہ ہے۔ انجینئرنگ مکمل کی ہے اسی سال۔ مجھے یہ سعدی کے لیے پسند ہے۔"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا اور کافی دلچسپی سے۔

"یہ تو بہت پیاری ہے۔ پھر کب مانگ رہی ہیں آپ رشتہ؟" اس کے چہرے پہ جو کہ ان کی باتوں سے اضطراب سا تاثر چھایا تھا وہ زائل ہو کر مسرت میں بدلنے لگا۔

حنین نے ایک اچٹتی نگاہ اس دراز قد لڑکی پہ ڈالی جو لمبے فراک میں ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ اور چونکہ اس کے لیے یہ خبر نئی نہیں تھی اس لیے سر جھٹک کر کھانے لگی۔

"ابھی بڑے ابا سے مشورہ کرنا ہے پھر ہی کوئی بات شروع ہو گی۔" یہ کہتے ہوئے بھی بلکہ صرف سوچتے ہوئے بھی ندرت کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

"اور امی! اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟" سیم نے اپنے تئیں بہت بڑوں والا سوال پوچھا تھا اور ندرت کا ہاتھ بس جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

"کیوں انکار کریں گے وہ ہمارے سعدی کو؟ کوئی وجہ بنتی ہے کیا؟" زمر نے مسکراہٹ دبائے اس سے پوچھا۔ وہ جواباً مسکرا کر رہ گیا مگر....

حنین کا چمچ لبوں تک لے جاتا ہاتھ رکا۔ سر اٹھایا' سنجیدگی سے زمر کو دیکھا اور پھر دیکھتی رہی یہاں تک کہ زمر نے بھی اس کو دیکھا۔ ندرت سویٹ ڈش لینے اٹھ گئیں تب حنین بولی۔

"بغیر وجہ کے بھی انکار ہو جاتے ہیں پھپھو! کسی اچھے بھلے آدمی کو بھی اپنے زعم میں جنگلی' جاہل' غصہ ور کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔"

زمر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ "سوری؟" اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"میں تو آپ کی میموری ری فریش کر رہی تھی۔ کیوں؟ کیا آپ نے بھی کبھی کسی فارس ماموں کے رشتے کو انکار نہیں کیا تھا؟" اور سر

بھوکا کچھ درمیان میں روکا چمچ منہ میں ڈال لیا۔ پھر رخ پھیر کر سویٹ ڈش کے لیے اٹھ گئی۔

اور زمر... وہ جہاں تھی' وہیں رہ گئی۔ ساکت جامد۔ سانس تک بند ہو گیا۔ جیسے اندھیرے میں سیڑھیاں اترتے آخری زینے کے بعد یہ سمجھ کر پاؤں اتارا جائے کہ ابھی ایک زینہ اور باقی ہے اور دو لمحے بھر کو پاؤں کا ہوا میں معلق ہو کر زمین کو لگنا... وہ لمحے بھر کا شاک... وہ دل کی بے ترتیب دھڑکن... وہ وقت کی رفتار کو تھا دیتی ہے... بالکل خاموش... رکا ہوا وقت۔

.... ❀❀❀ ....

موجودہ دن سے پانچ سال قبل

کچھ زخم صدیوں بعد بھی تازہ رہتے ہیں فراز . . . وقت کے پاس بھی ہر مرض کی دوا نہیں ہوتی

حنین کے کمرے میں فل پنکھا چل رہا تھا۔ کارپٹ پہ جائے نماز بچھائے زمر تشہد میں بیٹھی تھی۔ نظریں ہاتھوں پہ مرکوز' چہرے کے گرد دوپٹہ' لب ہلتے ہوئے۔ پھر اس نے دائیں بائیں سلام پھیرا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ تب ہی نگاہ الماری سے کچھ نکالتی حنین پہ پڑی۔ زمر مسکرائی' اور وہ جو کسی بات پہ جھنجلائی کھڑی تھی' پھیکا سا مسکرا دی اور پھر سے چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔

زمر ہاتھوں میں دیکھتی زیر لب دعا مانگتی رہی۔ پھر چہرے پہ ہاتھ پھیر کر اٹھی تو حنین پلنگ کے کنارے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بجھا بجھا سا' دماغ کہیں اور اٹکا ہوا لگ رہا تھا۔ کوئی پریشانی تھی شاید' مگر کون پوچھے اور کون بتائے؟ ان کا رشتہ اتنا پر تکلف تھا کہ دو سال سے سعدی کی غیر موجودگی نے بھی ان کو قریب نہیں کیا تھا۔ بس مسکراہٹ سے مسکراہٹ تک کا رشتہ۔

"کیا میں اسے بچھا رہنے دوں حنہ؟" اس نے جائے نماز اٹھانے سے قبل پوچھا۔

حنین نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ابھی امی دو چار صلواتیں مزید سنائیں گی تب وہ وضو کرنے جائے گی' زمر کو معلوم تھا۔ حنین چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے بیٹھی رہی۔

"پھپھو! آپ تو ساری نمازیں پڑھتی ہیں نا؟ میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟" وہ الجھن بھرے انداز میں اس طرح پوچھنے لگی جیسے ریاضی' سائنس یا معاشرتی علوم کے سوال ڈسکس کرنے ہمیشہ اس کے پاس آتی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کبھی کچھ نہیں ڈسکس کرتی تھی۔

"پوچھو!" وہ نرمی سے کہتی واپس جائے نماز پہ بیٹھ گئی۔

"کیا آپ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے؟"

"ہاں ہے۔" زمر کے لیے جواب آسان تھا۔

"کیسے؟ میرا مطلب ہے آپ اس محبت کی تعریف کیسے کریں گی؟"

زمر چند لمحے پرسوچ نگاہوں سے اس کا کم عمر چہرہ تکتی رہی۔ پھر ذرا سے شانے اچکائے۔

"میرا نہیں خیال کہ میں اس محبت کو ڈیفائن کر سکتی ہوں۔"

"اوکے۔ میری ایک کرسچن دوست نے پوچھا تھا' اسی لیے میں پوچھ رہی تھی۔" وہ سر ہلا کر اٹھ گئی۔

زمر نے گردن موڑ کر اسے باہر جاتے دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال اور باقی بال ہیئر بینڈ میں جکڑے کندھوں سے نیچے گرتے تھے۔ چہرے پہ پچھلی الجھن اب بھی وہیں تھی۔ کوئی مسئلہ تھا۔ مگر خیر اس نے گھڑی دیکھی۔ اب اسے گھر جانا تھا ورنہ ابا خفا ہوں گی۔

جب حنین نماز پڑھ کر آئی تو زمر جا چکی تھی۔ چونکہ حنین سامنے نہیں تھی اس لیے وہ آج کچھ نہیں بھولی' نہ دعا کو یاد رہا۔ وہ بس بیزاری سے کمپیوٹر کے سامنے آ بیٹھی اور اسے آن کیا۔ ڈیسک ٹاپ کی گھڑی اس نے علیشا کی ریاست کے مقامی وقت کے مطابق سیٹ کر رکھی تھی۔ وہاں صبح ہو چکی تھی اور علیشا آن لائن تھی۔

چوکھٹے میں علیشا صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ دو سال پہلے کی نسبت اب ذرا بڑی لگتی تھی' یہی کوئی بیس برس کی۔ دوسرے چوکھٹے میں حنین تھی۔ اداس اور خفا خفا سی۔ اس کے گھر والوں کو علیشا کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ سارا وقت بھی حنین کا کیمرہ آن رہتا تو کسی کو مسئلہ نہ ہوتا۔

''تم اداس لگ رہی ہو۔'' علیشا اس کا چہرہ دیکھتے ہی بوجھ گئی۔ حنین نے گردن دائیں بائیں ہلائی مگر آنکھوں میں وہی اداسی چھائی رہی۔

''میں فورم پہ تمہارے سوال کا جواب پوسٹ کرنے لگی تھی۔'' ساتھ ہی وہ کیز دبائے جا رہی تھی۔ علیشا نے چیک کیا۔ پھر اس کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

''حنین! مجھے لگتا ہے تم نے غلط جواب لکھ دیا ہے۔ میرا سوال تھا کیا آپ کو خدا سے محبت ہے؟ تم نے جواب میں پتا نہیں لکھ دیا ہے۔''

''یہ سچ ہے۔ مجھے واقعی پتا نہیں ہے۔''

''مگر....'' علیشا چپ ہو گئی۔ حنین اب مٹھی پہ ٹھوڑی گرائے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مگر تم اور میں' ہم زیادہ تر دین کی باتیں کرتے ہیں' ایک دوسرے کو اپنے اپنے دین کے بارے میں بتاتے ہیں۔ اور تم بھی میری طرح اپنی کتاب بہت پڑھتی ہو' پھر؟''

''بہت نہیں' میں ہفتے میں ایک دو دفعہ ہی پڑھ پاتی ہوں۔ جب بھائی تھا تو ہم روز پڑھتے تھے مگر اب مجھے وقت نہیں ملتا۔'' حنہ نے شانے اچکائے۔

''دیکھو علیشا! میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں وہ ناولز اور ڈرامے جن میں ہیرو یا ہیروئن بہت ہی گنہگار ہوتے ہیں اور پھر کسی بڑے واقعے کے بعد وہ بالکل مذہبی ہو کر اللہ کی محبت میں سب گناہ چھوڑ دیتے ہیں۔ میں ایسی کہانیوں کی بہت قدر کرتی ہوں مگر میں خود کو ان سے ریلیٹ نہیں کر سکی کبھی۔ میں اس کا شکر ادا کرتی ہوں' احترام بھی کرتی ہوں' دعا بھی مانگتی ہوں۔ اسے معبود تسلیم کرتی ہوں۔ میں امی' اپنے بھائیوں' ابو اور (مڑ کے دیکھا' زمر جا چکی تھی کب کی) اور کچھ دوسرے رشتے داروں سے بہت محبت کرتی ہوں' اسی لیے میں کہہ سکتی ہوں۔''

ذرا توقف کر کے وہ چہرہ ہتھیلی سے ہٹا کر پیچھے ٹیک لگاتے ہوئے صاف گوئی سے کہنے لگی۔

''تمہاری ساری تقریر ایک طرف.... ابھی تم کس بات پہ پریشان ہو؟ میں صرف اتنا کہوں گی کہ جو بھی مسئلہ ہے' اس کو حل کرنے کی کوشش کرو۔''

''ہاں ایک اسکول کا مسئلہ ہے۔ خود ہی حل ہو جائے گا۔'' وہ تلخ ہوئی۔ علیشا نے لب بھینچ کر نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں فکر مندی تھی۔

''مسئلے خود حل نہیں ہوتے' کرنے پڑتے ہیں اور اس کے دو طریقے ہیں۔ یا تو خود میں ہمت تلاش کرو یا زیادہ ہمت والے کو تلاش کرو۔'' اور پھر وہ عادتاً ہنسی۔ یہ اس کا انداز تھا۔

(زیادہ ہمت والا؟) حنین نے مڑ کر دروازے کو دیکھا۔ پھر نفی میں سر جھٹک کر سیدھی ہوئی۔

''کیا تم نے پریزن بریک کا یہ سیزن ختم کر لیا؟'' ساتھ ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ حنین نے بیزاری سے دور پڑے فون کو بجتے دیکھا۔

امی اور سیم زمر کے جاتے ہی سونے چلے گئے تھے۔ اسے ہی اٹھنا پڑے گا۔

''نہیں' ابھی چھٹی قسط پہ ہوں۔ یار! اس بار مزا نہیں آ رہا۔ ویسے مجھے مائیکل سے زیادہ لنکن پسند ہے۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ اس

وقت میری ایک رشتے دار آنٹی کا فون ہوتا ہے عموماً اور وہ لمبی بات کرتی ہیں۔"

وہ الوداعی کلمات کہتی سائن آف کرنے لگی۔ پھر بھاگ کر مسلسل بجتا فون اٹھایا۔ سی ایل آئی پہ نمبر انجانا تھا' مگر پھر بھی کہیں دیکھ رکھا تھا۔

"ہیلو؟ جی حنین بات کر رہی ہوں۔ اوہ.... جی جی شیور۔ ابھی؟ ابھی نہیں مگر شام میں ماموں آئیں گے ہماری طرف تو میں ان کے ساتھ آجاؤں گی۔ شیور اورنگزیب انکل۔" مسکرا کر اس نے فون رکھا۔ چہرے پہ آئی ساری کلفت' بیزاری زائل ہو گئی۔ وہ امی کو بتانے بھاگی۔ اورنگزیب صاحب کو کام تھا اور انہوں نے اسے بلایا تھا۔ واہ۔

..........✤ ✤ ✤..........

اب احتیاط کی کوئی صورت نہیں رہی ...... قاتل سے رسم و راہ سوا کر چکے ہیں ہم

لیڈز میں سرمئی صبح اپنے اندر نمی سموئے اتر رہی تھی۔ سارہ کے کچن کی کھڑکی سے بادلوں سے ڈھکا آسمان صاف نظر آتا تھا۔ وہ نئے لیے سے ساس پین اتار کر گرم دودھ کپ میں انڈیل رہی تھی۔ پیچھے کرسی پہ ذکیہ بیگم بیٹھی پھل کاٹ کر سعدی کے سامنے رکھتی جا رہی تھیں۔ وہ ب سے آیا تھا خاموش بیٹھا تھا۔

"کتنے دنوں بعد آئے ہو۔ اتنا نہیں ہوتا کہ چکر لگا لو۔ وہ بھی میرے وارث کو شکایت کرنے پہ کہ ندرت آیا سے کہیں سعدی کی خبر لیں تم آئے ہو۔ پی ایچ ڈی میں کر رہی ہوں یا تم؟"

اپنے ازلی سادہ انداز میں ایڈوکیٹز سے بولتی ہوئی وہ ابھر آئی۔ ٹرے میز پہ رکھی۔ باری باری ہر مگ میں چمچ ہلایا۔ پھر سب کے سامنے مگ رکھے۔ ذکیہ بیگم نے مگ اٹھاتے ہوئے بغور سعدی کو دیکھا۔

"آج سعدی نے آتے ساتھ ہی بچیوں کا نہیں پوچھا۔"

وہ چونک کر سنبھلا۔ ذرا سا مسکرایا۔ "نہیں تو۔ میں بس۔"

"ویسے تو امی! یہ آج بہت بجھا بجھا لگ رہا ہے۔ کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔" اپنا کپ لے کر سامنے بیٹھتی وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔

"اصل میں.... میرا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا ایک دوست ہے' اس کا مسئلہ ذرا پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"او کے۔" سارہ نے توجہ سے سنتے ہوئے کپ لبوں سے لگایا۔

"اس لڑکے کی ممی کافی.... کافی پوزیسیو ہیں اور کیئرنگ بھی۔ وہ ابھر آیا بھی اس لیے کہ اس کی ممی اس کو میرے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں تاکہ میں اس کا خیال رکھوں اور اس پہ نظر بھی رکھوں۔ وہ ڈرگز پہ چلا گیا تھا پہلے۔"

"اوہ.... تو کیا اس نے ڈرگز چھوڑ دیں؟" ذکیہ بیگم نے ذرا فکر مندی سے پوچھا۔ سعدی کے چہرے پہ بے بسی در آئی۔

"یہی تو مسئلہ ہے۔ میرے اور اس کے سبجیکٹ الگ ہیں' ڈیپارٹمنٹ الگ ہیں۔ کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے۔ اس کی ممی کی ہر میل کے جواب میں میں سب اچھا ہے کی رپورٹ دیتا تھا مگر ابھی کچھ دن لڑکوں سے مجھے پتا چلا ہے کہ وہ پھر سے ڈرگز پہ چلا گیا ہے۔ شاید کوئی لڑکی چھوڑ گئی ہے اسے۔ ایک تو اسے بھی ہر مہینے سچی محبت ہو جاتی ہے۔" آخر میں وہ جل کر بولا۔ ذکیہ اور سارہ ہنس پڑیں۔

"اس دن اس نے گاڑی کہیں ماری ہے۔ جرمانہ بھی ہوا' مطلب چالان۔ شکر ہے وہ اس وقت ڈرگز پہ نہیں تھا ورنہ معاملہ بگڑ جاتا۔ اس کی ممی کو نہیں معلوم یہ بات۔ اب میں کیا کروں؟ دوست کی شکایت لگاؤں یا اس کے عیب چھپاؤں؟"

"دیکھو سعدی!" سارہ کپ رکھ کر سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ایک ماں ہونے کی حیثیت سے میرا حق ہے کہ مجھے اپنے

بچے کے ہر کام کی رپورٹ ملے۔ اگر تم اس کے سچے دوست ہو تو اس کی ماں کو ضرور بتاؤ تا کہ وہ اس کی اصلاح کر سکے۔ اگر اس کی جگہ ہم یہ کر
تو تم یہی چاہتے کہ تمہاری امی کو خبر دی جائے۔ ہے نا؟''

''اوہ!'' سعدی کے لب سکڑے۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔

''سارہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس کی ماں کو بتاؤ تا کہ وہ جوتے لگائے وہ اس کو۔'' ذکیہ بیگم کی ساری ممتا جاگ اٹھی تھی۔ وہ مسکرا
کر رہ گیا۔

''تھینک یو آپ دونوں کا۔'' پھر کپ اٹھاتے ہوئے موضوع بدلا۔ وارث ماموں ٹھیک ہیں؟ صرف ایک سال رہ گیا ہے نا آپ
پروگرام کا؟''

''صرف؟ پورا ایک سال پڑا ہے۔'' سارہ گھونٹ بھرتے ہوئے اداسی سے مسکرائی۔ ''اور پھر ہم بالآخر ایک فیملی ہوں گے اور فیملی کی
طرح رہیں گے۔ بہت خوار کر دیا ہے ان پڑھائیوں نے۔''

''واقعی!'' ذکیہ بیگم بھی سارہ کو دیکھتے ہوئے مغموم سی مسکرا دیں۔ صرف ایک سال.... پورا ایک سال....رہ گیا تھا۔

سعدی مسکرا کر گھونٹ بھرنے لگا۔

❖❖❖

ہمیں نے روک لیا پنجہ جنوں ورنہ ..... ہمیں اسیر یہ کوتاہ کمند کیا کرتے

لاؤنج کی قد آدم کھڑکی کے ساتھ جواہرات کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی اور ہاتھ میں جکڑے موبائل
پہ سعدی کی تازہ ای میل کھلی تھی۔ موبائل اتنی دیر سے یوں پکڑ رکھا تھا کہ اسکرین پسینے سے نم ہو گئی تھی۔

میری انجیو قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی۔ مئودب سا پکارا۔

''مسز کاردار! آپ کی تمام پیکنگ مکمل ہو گئی ہے۔ رات کے لیے لیڈیز کی فلائیٹ بھی بک کروا دی ہے اور مسز شہرین نے کہا ہے
وہ بھی چلیں گی۔''

جواہرات نے ابرو سے ''ہوں'' کا اشارہ کیا تو وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ تب ہی اورنگزیب سیڑھیاں اترتے دکھائی دیے۔ جواہرات
آہٹ پہ بھی بدستور باہر دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ پیچھے ایک صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھ گئے۔

''اچانک ہی تم نے انگلینڈ جانے کا پروگرام بنا لیا؟''

''میں شیرو کو مس کر رہی تھی اور اس بہانے شہرین اور سونیا کا بھی دل بہل جائے گا۔ ہاشم کے پاس تو اتنا وقت نہیں ہوتا۔''

''یعنی کہ تم نے اسے ایک مکمل فیملی ٹرپ کی شکل دے دی ہے۔ وری گڈ! اور میرے ڈاکومنٹس؟'' وہ بہت ضبط سے اسے دیکھ کر
بولے۔ جواہرات نے مڑ کے بنا ذرا سے کندھے اچکائے۔

''کیا میں دو دن سے کئی دفعہ بتا نہیں چکی کہ میرا لیپ ٹاپ خراب ہو گیا ہے اس لیے وہ فی الوقت ری کور نہیں ہو سکتے' نہ ان
ڈرافٹ تیار ہو سکتا ہے۔''

''اور چونکہ اب تم باہر جا رہی ہو تو ایک مہینے کے لیے یہ کام ملتوی ہو گیا۔ تب تک تو میری سماعت کی تاریخ بھی گزر جائے گی اور
کا سب سے زیادہ فائدہ تو تمہیں ہی ہو گا۔''

اس طنزیہ لہجے پہ بھی جواہرات سکون سے کھڑکی باہر دیکھتی رہی۔ دفعتاً خاور اندر آیا۔ سوٹ میں ملبوس' تراشیدہ مونچھوں والا
چونتیس پینتیس برس کا آدمی تھا۔

''جی سر؟''

''آیئے خاور صاحب! اور ذرا وضاحت کیجیے کہ آپ جیسا ایکسپرٹ میری بیوی کا ایک لیپ ٹاپ کیوں نہیں ٹھیک کر سکا؟''

خاور نے ذرا کی ذرا جواہرات کو دیکھا اور پھر اورنگزیب کو۔ دو نا خداؤں کا ہونا بھی عذاب تھا۔

''سر! میں نے کوشش کی مگر مسئلہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر آپ کہیں تو کسی پروفیشنل کے پاس لے جاؤں؟ یا آفس سے کسی کو بلا کر....''

جواہرات تیزی سے اس کی طرف مڑی۔

''میرے لیپ ٹاپ میں ہماری کمپنی کے کتنے خفیہ ڈاکومنٹس ہیں' معلوم ہے تمہیں؟ میں کیسے اسے کسی دوسرے کے حوالے کر سکتی ہوں؟''

''میری بیوی کو یہی خوش فہمی ہے کہ میں کسی اور کو لیپ ٹاپ نہیں دے سکتا' جبکہ میں دے سکتا ہوں۔ میری!'' انہوں نے خشمگیں نگاہ دونوں پہ ڈال کر میری کو آواز دی۔ جواہرات نے مضطرب سی ہو کر خاور کو دیکھا اور خاور نے ذرا پریشانی سے اورنگزیب کو۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ اورنگزیب یہ نہیں کرے گا مگر۔

''مگر سر....!'' اورنگزیب نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرایا۔ میری سامنے آئی تو انہوں نے اسے صرف اشارہ کیا۔ وہ پہلے سے مطلع کر دی گئی تھی سو سر کو خم دیتی باہر نکل گئی۔

جواہرات گویا سنگ کر دواپس باہر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پہ شدید اضطراب پھیلا تھا۔ یہ آدمی ناقابل برداشت تھا۔ شدید ناقابل برداشت۔

............❖❖❖............

دلبری ٹھہرا زبان خلق کھلوانے کا نام ...... اب نہیں لیتے پری رو زلف بکھرانے کا نام

انیکسی کے اندر چھوٹا سا لونگ روم تھا جس میں ٹی وی چل رہا تھا اور سامنے بیٹھی حنین چینل بدل رہی تھی۔ اس نے ماتھے والے بال چھوڑ کر باقی پونی میں باندھ رکھے تھے اور ذرا بے چین سی لگ رہی تھی۔ ندرت اور فارس خاموش سے بیٹھے تھے۔

''تم نے اورنگزیب انکل کی طرف نہیں جانا؟ انہوں نے بلایا جو تھا۔'' ندرت نے اسے پکارا۔

''ان کی نوکرانی نے ہمیں آتے دیکھ لیا تھا۔ جب بلانا ہوگا خود بلا لیں گے۔''

''اچھا اٹھ کر ہمارے لیے چائے تو بنا دو۔ کوئی کام نہیں کرتیں تم۔''

''امی! آپ سیدھے سیدھے کہہ دیں کہ حنہ تم باہر چلی جاؤ' ہمیں بات کرنی ہے تو میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ریموٹ رکھ کر برا سا منہ بناتی اٹھ گئی۔ فارس خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''اب کہاں جا رہی ہو؟'' ندرت نے پھر پکارا۔

''وارث ماموں کے پاس۔ وہ کال سننے باہر گئے تھے وہیں رہ گئے۔'' وہ داخلی دروازے سے باہر نکل آئی اور دروازہ ذرا سا کھلا چھوڑ دیا۔ پھر باہر اس کے ساتھ کھڑے ہو کر کان لگا کر سننے لگی۔ آنکھوں میں شرارت اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''جی کیا بات کرنی تھی آپ کو؟'' فارس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''ایسا ہے فارس کہ سلیم بھائی نے اپنی بیٹی زرتاشہ کے لیے اشاروں کنایوں میں بات کی ہے۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بات شروع کروں؟'' وہ اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گئیں اور بڑی آس سے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔

''کیا ززتاشہ ہی ہے خاندان میں واحد لڑکی؟'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی اور بیزاری سے ادھر ادھر دیکھا۔

''اچھا تم بتاؤ۔ جہاں کہو گے میں رشتہ لے کر چلی جاؤں گی۔''

حنین چہرہ دروازے پہ جھکائے لب شرارت سے دبائے سن رہی تھی۔

فارس چند لمحے ندرت کو دیکھتا رہا۔

''آپ کی نند... اس کا بھی تو ابھی کہیں رشتہ نہیں ہوا'' بہت ہی کوئی سرسری انداز میں کہا۔ ندرت چونکیں۔ پھر آنکھوں میں خوشگواری ابھری۔

''ہاں اس کا بھی...'' پھر رک گئیں۔ آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ فارس نے غور سے ان کے تاثرات دیکھے۔

''میں اس کے قابل نہیں یا وہ میرے؟''

''نہیں اصل میں میری ساس... وہ اتنی آسانی سے نہیں مانیں گی۔''

''نہیں مانتیں تو نہ مانیں۔ ایک دفعہ بات کر لیجیے گا بس۔'' اس کے تاثرات ذرا سخت ہو گئے۔ ندرت نے جلدی سے بات سنبھالی۔

''نہیں میں پوری کوشش کروں گی۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ اس کا ایک اور رشتہ بھی آیا ہوا ہے آج کل۔ میں پھر اسی ہفتے جا کر بات کرتی ہوں۔''

اور باہر دل پہ ہاتھ رکھے کھڑی حنین حیران' خوش' ایکسائٹمنٹ' غرض ہر جذبے سے گزر رہی تھی۔ تب ہی کسی نے اس کو کان سے پکڑ کر دوسری طرف کھینچا۔ وہ گڑبڑا کر گھومی۔ وارث سامنے کھڑا تھا۔

''ماموں... میں آپ کی طرف ہی آ رہی تھی۔''

''مگر میں نے سوچا کہ... کن سوئیاں لینے میں بھی ہرج نہیں ہے۔'' اس نے حنین کا فقرہ مکمل کیا۔ وہ ابھی تک کان رگڑ رہی تھی، جھنجھلا کر اسے دیکھا۔

''آپ کدھر رہ گئے تھے؟ گرمی میں اتنی دیر سے کھڑے ہیں۔''

''وہ گاڑی ہٹا کر اپنی سامنے کر رہا تھا۔'' اس نے فارس کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ حنین کا کان رگڑتا ہاتھ رکا۔ آنکھوں میں کچھ چمکا۔ اس نے وارث کے ہاتھ سے چابی چھینی اور گاڑی کی طرف بھاگی۔ جلدی سے دروازہ کھولا۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی اور ڈیش بورڈ کے خانے کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔ وارث ذرا حیران سا اس طرف آیا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''جب ماموں ہمیں پک کرنے آئے تھے تو... مجھے دیکھ کر جلدی سے کچھ اس میں ڈالا تھا۔ مل گیا۔ بلکہ مل گئی۔'' سیاہ مخملیں ڈبی ہاتھ میں لیے حنین نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور پرجوش سی ہو کر ڈبی کھولی۔

''اوہ گاڈ' ننھو! واپس رکھو فوراً۔ یہ فارس کی پرسنل چیزیں ہیں۔''

''دیکھنے تو دیں۔'' وارث نے ہاتھ بڑھا کر ڈبی لینی چاہی مگر اس نے ہاتھ دور کر لیا۔ ڈبی کھل چکی تھی اور وہ جو ٹاپس یا انگوٹھی کی توقع کر رہی تھی' خود بھی ٹھہری سی گئی۔

سیاہ مخمل پہ ہیرے کی ننھی سی لونگ تھی' بالکل مونگ کی دال کے دانے جتنی۔

''واپس رکھو اسے۔'' دروازے کے ساتھ کھڑے وارث نے اب سختی سے کہا تو اس نے ڈبی بند کر کے احتیاط سے واپس رکھ دی۔ پھر خود بھی باہر نکل آئی۔ چہرے پہ مسکراہٹ تھی' آنکھوں میں چمک۔

"یہ نوز پن (ناک کی لونگ) تھی۔"

"فارس نے لی ہوگی کسی کے لیے۔ اب مت چھیڑنا اسے۔"

"آہا.... مجھے پتا ہے کس کے لیے۔ میری پھپھو ناک کی لونگ پہنتی ہیں۔"

وارث کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔

"عقل کدھر ہے تمہاری؟ دوبارہ یہ بات مت کرنا۔"

"کیوں؟ میں نے کیا کہا ہے؟"

"میری بات سنو غور سے۔" وہ سنجیدگی سے اس کے سامنے کھڑا کہنے لگا۔ "مجھے بھی پتا ہے کہ تمہاری پھپھو ناک میں لونگ پہنتی ہیں۔ اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم اندر سے کیا سن کر آ رہی ہو۔ فارس نے پہلا مشورہ مجھ سے کیا تھا۔ یہ باتیں حنین! ہمارے خاندانوں میں پسند نہیں کی جاتیں۔ ڈیڑھ دو سال پہلے تک وہ اس کا اسنو بٹ بھی رہا ہے۔ اگر اس نے تب یہ بات نہیں کی تو اس لیے کہ خاندان میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا کوئی.... افیئر رہا ہے۔ اب یہ والی بات...." سختی سے ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کسی کے سامنے نہیں دہرانی تم نے۔ ندرت آپا کے سامنے بھی نہیں۔"

"اچھا۔" حنین نے منہ بنا کر گردن پھیر لی۔ سارے ایڈونچر کا ان احتیاط پسند ماموں نے بیڑا غرق کر دیا تھا۔ تب ہی میری انجیو اس طرف آتی دکھائی دی۔ حنین بے اختیار سیدھی ہوئی۔

"کاردار صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

حنین سر ہلا کر جانے لگی تو وارث کار لاک کر کے آگے آیا۔ "ٹھہرو! اکیلی مت جاؤ۔ میں ساتھ آ رہا ہوں۔"

اس کے چہرے پہ کافی سختی سمٹ آئی تھی۔

* * *

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری ...... تنہا پس زنداں کبھی رسوا سر بازار

ہاشم کے کمرے کی کھڑکی کا رخ انیکسی کی طرف تھا۔ اس لیے وہاں سے یہ منظر صاف نظر آتا تھا۔ ہاشم ایک سرسری نظر ان پہ ڈال کے پلٹا۔ سامنے بیڈ پہ کھلا بیگ رکھا تھا اور شہرین الماری سے ہینگرز نکال نکال کر ڈھیر کر رہی تھی۔ وہ بھینچے ہوئے ابرو کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

"کچھ عرصے سے تمہارے انگلینڈ کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے؟"

ہینگر سے شرٹ اتارتے شہرین کے ہاتھ تھمے۔ پھر اسے کھینچ کر اتارا۔ تین تہیں لگائیں۔ بیگ میں رکھا اور سنہری بال کان کے پیچھے اڑسے۔ سیدھی ہوئی۔

"مسز کاردار نے پیشکش کی تھی اور وہاں میری خالہ بھی رہتی ہیں۔ اچھا ہے اس بہانے ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ تمہارے پاس وقت ہوتا تو ہم ایک فیملی کی طرح جاتے۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم شاید میرے بغیر وہاں زیادہ خوش رہتی ہو۔" وہ تلخی سے کہتا آنکھیں سکیڑ کر اسے کپڑے تہہ کرتے دیکھ رہا تھا۔

"تم جھگڑے کے موڈ میں ہو؟" اس نے بیزاری سے کہتے ہوئے ڈریسر سے ایک ڈبا اٹھایا اور اس میں چیزیں بھرنے لگی۔

"جھگڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہاں جا کر بھی تم نے میری بیٹی ملازموں پہ چھوڑ دینی ہے۔ اس کا بخار پچھلے ہفتے ٹھیک ہوا ہے مگر ظاہر! تمہارے پاس نہ ادھر اس کے لیے وقت ہوتا ہے نہ ادھر ہوگا۔"

"تم وقت نکالنا شروع کرو۔ میں پیروی کروں گی۔" وہ لپ اسٹک اٹھا اٹھا کر بیگ میں ڈال رہی تھی۔ ہاشم تلخی سے سر جھٹک کر رہا ہے

نکل گیا۔

راہداری کے دوسرے سرے پہ ایک کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ وہ نرسری تھی اور ادھر کاٹ کے ساتھ ایک ملازمہ کھڑی نظر آ رہی تھی۔ ہاشم کی آنکھوں میں افسوس ابھرا۔ پلٹ کر ایک ملامتی نظر اپنے کمرے پہ ڈالی اور سیڑھیاں اترنے لگا۔

بیچ سیڑھیوں کے وہ رک گیا۔ ابرو بھنچ گئے۔ پھر تیزی سے آخری زینے تک آیا۔

''تمہارا بھائی ملا تھا مجھے پچھلے سال۔ کہہ رہا تھا جب بھی کمپیوٹر خراب ہوتا ہے وہ تمہیں کال کرتا ہے۔'' اورنگزیب صوفے پہ براجمان کہہ رہے تھے۔ سامنے والے صوفے کے کنارے حنین ٹکی تھی اور بار بار کبھی ساتھ کھڑے وارث کو دیکھتی' کبھی کھڑکی کے ساتھ موجود خود کو سلگتی نظروں سے گھورتی جواہرات کو۔

''بھائی کمپیوٹرز میں اچھا نہیں ہے۔ اس لیے'' وہ ذرا تذبذب سے بولی۔ پھر دوبارہ جواہرات کو دیکھا۔ جواہرات اب سینے پہ بازو لپیٹے تندہی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ عام حالات میں پُراعتماد رہنے والی حنین گڑبڑا رہی تھی۔ ہاشم بمشکل ضبط کر کے وہیں کھڑا رہا۔

''یہ لیپ ٹاپ....'' اورنگزیب نے میز کی طرف اشارہ کیا' ''چل نہیں رہا۔ ویسے تو میں کسی کو بھی بلا لیتا مگر.... تمہارا امتحان بھی آج لے لیتے ہیں۔''

حنین نے ایک نظر وارث کو دیکھا جس پہ اورنگزیب نے دوسری نظر بھی نہیں ڈالی تھی اور پھر لیپ ٹاپ اٹھا کر گود میں رکھا۔ اسے کھولا۔ آن کیا۔ اب وہ جواہرات کو دانستہ طور پہ نہ دیکھنے کی سعی کر رہی تھی۔

اسکرین پہ کچھ حرف لکھے آ رہے تھے۔ حنین نے چند کیز دبائیں۔ پھر نگاہ اٹھائی تو آخری سیڑھی پہ کھڑا ہاشم بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بالکل سانس روکے۔ مضطرب۔

کارداروں کے چہروں کی تاب لانا مشکل تھا۔ وہ سر جھکا کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔ چند بٹن مزید دبائے۔ سسٹم چلنے لگا۔

''غالباً یہ آن ہو گیا ہے۔ تو پھر حنین! کیا مسئلہ تھا اس میں؟'' اورنگزیب نے ایک استہزائیہ مسکراہٹ سے بیوی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ حنین نے چہرہ اٹھایا۔ ہاشم سے نظر ملی۔ ہاشم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''انہوں کچھ منفی مت بتانا۔''

اس نے اورنگزیب کو دیکھا۔ وہ منتظر تھے۔ وہ کسی فیملی وار کے درمیان پھنس گئی تھی۔ نارمل حالات میں اسے.... ایک منٹ۔ وہ نارمل نہیں تھی۔ وہ حنین تھی۔ اس نے تن کر گردن سیدھی کی۔ لیپ ٹاپ کا رخ ان کی طرف پھیر کر اسے میز پہ واپس رکھا اور بالکل سیدھی کھڑی ہو گئی۔

''اس میں کوئی بھی مسئلہ نہیں تھا۔ اسٹارٹ اپ کا مسئلہ بھی خود ساختہ تھا۔ شاید آپ نے یا کسی اور نے'' معصومیت سے مسز کاردار کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کوئی شرارت کی تھی اس کے ساتھ۔'' گردن اورنگزیب کی طرف موڑ لی۔ مسکرائی۔ وہ بھی سر کو خم دے کر ہلکا سا مسکرائے۔ ہاشم نے ''اف'' کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ ''یہ بچے بھی نا''

''میں اس لڑکی کو یاد رکھوں گا'' اورنگزیب نے بلند آواز میں کہا تھا۔ حنین اور وارث جانے کے لیے مڑے۔

''کیا کھانا کھا کر نہیں جاؤ گی؟'' جواہرات ذرا مسکرا کر سرد آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔ ہم جلدی میں ہیں۔'' وارث نے اسے اشارہ کیا۔

''بہت عرصے سے تم نے مجھے موویز کی فہرست نہیں بھیجی؟'' اورنگزیب نے اسی سخت اور بارعب لہجے میں پوچھا تھا۔ شاید ان کا سب سے نرم انداز یہی تھا۔ حنین نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔

''میں اب موویز نہیں دیکھتی۔ وہ دو تین گھنٹے میں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر دل کرتا ہے بالکل اس جیسی مووی اور بھی دیکھی جائے' مگر

نئی مووی نہیں ملتی۔ سو میں اب امریکی ٹی وی شوز دیکھتی ہوں۔ لمبے لمبے سیزن.... بار بار کی انجوائے منٹ۔"

یہ دو آخری بات تھی جو اس نے کہی۔ پھر خدا حافظ کہہ کر وہ نکل آئے۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وارث نے ایک خاموش مگر گہری نظر البم پر ضرور ڈالی تھی۔

"میں تمہیں ایک نصیحت کروں گا۔ کاردارز سے فاصلہ رکھنا۔ یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ سبزہ زار عبور کر رہے تھے جب اس نے کہا۔ حنین نے الٹا تعجب سے اسے دیکھا۔

"میں تو دو سال سے ان کے گھر بھی نہیں آئی۔ کاردار صاحب کو آخری میل سال پہلے کی تھی شاید۔ یہی بھجواتے ہیں ہر ماہ باسکٹ۔ تم کو یہ بھی نہیں پتا کہ ان کا بزنس کیا ہے؟"

"باسکٹ؟" اس سوال پہ حنین دل کھول کر ہنسی۔

"ہاشم بھائی کی بیٹی چھ مئی کو پیدا ہوئی تھی۔ سو ہر ماہ کی چھ تاریخ کو چاکلیٹس اور برانڈ ڈ سوینئرز سے بھری باسکٹ سب رشتے داروں کے گھر آتی ہے کہ بھئی اب سونیا اتنے ماہ کی ہو گئی اب اتنے کی۔ جب تک وہ دو سال کی نہیں ہو جائے گی' یہ ہوتا رہے گا۔ امیروں کے چونچلے۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے دور ہوتے جا رہے تھے۔

ہاشم نے کھڑکی سے ان کو جاتے دیکھا۔ آنکھوں میں گہری سوچ تھی مگر پھر باپ کی آواز نے چونکایا۔

"ہاشم! مجھے ڈرافٹ نکال کر دو تاکہ میں پیپرز بنواؤں۔ اور یہ کام تمہاری ناقابل اعتبار ماں کے جانے سے پہلے ہو جانا چاہیے۔"

ہاشم کے ابرو تن گئے۔ خاور کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ چلا گیا تو وہ سامنے آیا۔ صوفے پہ براجمان باپ کے بالکل سامنے۔

"میری ماں کو ملازموں کے سامنے بے عزت مت کیا کریں۔"

وہ کھڑے ہوئے۔ ایک خشمگیں نگاہ اس پہ ڈالی اور دوسری جواہرات پہ جس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ رہے تھے۔ آنکھوں میں مسرت چمکی۔

"جو کہا ہے وہ کرو' مجھے مت سمجھایا کرو۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کا دروازہ بند ہوتے ہی جواہرات تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"کیا تم نے دیکھا وہ ہمیشہ کس ہتک سے ملازموں کے سامنے۔"

"ممی! میرے ساتھ میرے باپ کے خلاف بات مت کیا کیجیے۔" جواہرات رک گئی۔ نگاہیں یک ٹک ہاشم کے چہرے پہ ٹھہر گئیں۔ وہ غصے میں لگ رہا تھا۔

"آئندہ آپ ان سے غلط بیانی نہیں کریں گی۔ زمین نہیں بیچنی تو مجھے بتائیں۔ ہاشم ہر مسئلہ سنبھال سکتا ہے۔ خود غلط قسم کے اقدام مت لیا کریں۔"

جواہرات نے اس کو دیکھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔ ہاشم ایک طرف سے گزر کر باہر نکل گیا۔

برآمدے کے اونچے ستونوں کے ساتھ خاور چوکس مودب کھڑا تھا۔ وہ برہمی سے کہتا اس کے سامنے آیا۔

"تم میری ماں کے لیے کام نہیں کرتے۔ میرے باپ کے لیے بھی کام نہیں کرتے۔ تم میرے لیے کام کرتے ہو۔ آئندہ ان دونوں کا کوئی بھی ایسا حکم مت ماننا جو ان کے درمیان کسی جھگڑے کا سبب بنے۔ کیا میں دہراؤں یا تم سمجھ گئے ہو؟" خاور نے سر جھکا لیا۔

"سوری سر! مسز کاردار نے مجھے دھمکی.... اوکے۔ میں احتیاط کروں گا۔"

ہاشم نے گہری سانس لے کر گردن موڑی۔ یہاں سے انیکسی نہیں نظر آتی تھی۔ وہ پچھلی طرف تھی مگر اسے پچھوان دیکھا نظر آیا تھا۔

"یہ آدمی.... فارس کا بھائی وارث غازی' اس پہ نظر رکھو خاور! فون ٹیپ کرو' آفس بگ کرو' جو بھی کرو۔ میں نے سنا ہے یہ پیٹرولیم درآمدات کی ڈیلنگز کی رپورٹ تیار کر رہا ہے۔ بظاہر کوئی خطرے کی بات نہیں ہے مگر جس طرح یہ مجھے دیکھ رہا تھا ابھی.... سمجھ گئے ہو نا؟" اس کا کندھا تھپتھپا کر پوچھا۔ خاور نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"گڈ!" ہاشم واپس مڑ گیا اور کاردار قصر پہ اترتی نیلی شام آہستہ آہستہ سیاہی میں بدلتی رہی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری تحقیر ہوتی ہے ..... میں مسجود ملائک ہوں' مجھے انسان رہنے دو

ذوالفقار یوسف کے گھر کا لاؤنج آج زیادہ ہی پُر رونق لگ رہا تھا۔ زمر رات ان کے پاس ٹھہرنے کو آئی تھی۔ ندرت خوشی خوشی اسٹور سے صاف تولیے اور لحاف وغیرہ نکال رہی تھیں۔ حنین البتہ قدرے مضمحل سی زمر کے سامنے والے صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ زمر نے بہت دفعہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھا مگر پھر خاموش رہی۔

حنین کا چہرہ اسکول سے آتے ساتھ ہی ایسا تھا۔ جس بات کو وہ اتنے دنوں سے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی' وہ آج زیادہ بھیانک طریقے سے سامنے آ گئی تھی۔ اس کی اس بدتمیز' مغرور اور نالائق کلاس فیلو سبرینہ جاوید کی والدہ یاسمین جاوید جو اسکول کی وائس پرنسپل بھی تھیں' نے اسے آج اپنے آفس میں بلایا تھا۔

"آپ نے نائنتھ میں بورڈ ٹاپ کیا تھا حنین! کیونکہ آپ کے نوٹس بہت اچھے ہوتے ہیں۔"

"جی.... میم!" اس نے محتاط نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ کرسی پہ بہت تمکنت اور رعب سے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اور سبرینہ کافی دن سے آپ سے نوٹس مانگ رہی ہے۔ نہ نوٹس آپ نے دیے نہ ہی اس کی پریکٹیکل نوٹ بک بنا کر دی۔"

"میم! وہ نوٹس میں لیکچر کے دوران لیتی ہوں۔ انگریزی کے خط' مضمون وغیرہ میں جن کتابوں سے تیار کرتی ہوں وہ میرے بھائی اور پھپھو کی پرانی کتابیں ہیں۔ وہ میں کیسے کسی کو دے سکتی ہوں؟ اور میں اس کو کیوں نوٹ بک بنا کر دوں؟"

"آپ کو پتا ہے نائنتھ کا بورڈ ٹاپ تب میٹر کرے گا جب آپ دسویں میں بھی ٹاپ کریں۔ ملا کر رزلٹ آئے گا نا؟ سو آپ سبرینہ کی مدد کیا کریں۔ اگر نہیں کریں گی تو اس بات کو ذہن میں رکھیے گا کہ وائس پرنسپل چاہے تو آپ کا داخلہ بھی نہ بھیجے' چاہے تو ایسے کمنٹس لکھ کر اسکول سے خارج کروا دے کہ اگلے تین سال تک کوئی اسکول ایڈمیشن دینے کا اہل نہ رہے۔ منڈے تک سبرینہ کی نوٹ بک تیار ہونی چاہیے۔ آپ جا سکتی ہیں۔"

اور وہ بے بسی' غصہ' یہاں تک کہ ذہر جذبے میں گھری واپس آئی اور تب سے ایسے ہی تھی۔

"امی.... میرے براؤن جوتے نہیں مل رہے لنڈے والے۔" سیم کو پھپھو کی موجودگی میں تازہ تازہ خریدے جوتوں کو دکھانے کی جلدی تھی' اس لیے کافی دیر سے آوازیں لگا رہا تھا۔ حنین چونکی۔ پھر اٹھ کر اندر گئی جہاں وہ الماری کھولے کھڑا تھا اور اسے زور کی چٹکی کاٹی۔

"کتنی دفعہ امی نے بتایا ہے لنڈا نہیں کہتے' ایل شاپ کہتے ہیں۔"

"اچھا!" اور پھر سے حلق پھاڑ کر چلایا۔ "امی امی! میرے ایل شاپ والے جوتے نہیں مل رہے جو لنڈے سے لیے تھے۔"

"اف!" وہ کراہ کر باہر نکل آئی۔ زمر بمشکل مسکراہٹ روک کر بیٹھی تھی۔ حنین پھیکا سا مسکرائی۔

"باہر ہوا ہے۔ اوپر ٹیرس پہ بیٹھتے ہیں۔" زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سیم جوتے ڈھونڈ کر فوراً باہر آیا اور آنکھیں پھیلائے تعجب سے

اسے دیکھا

"پھپھو! اس وقت باہر نہیں جانا چاہیے گا۔ ہمارے لان کا درخت ٹیرس تک جاتا ہے۔ اس پہ جن ہوتے ہیں۔"

زمر نے گہری سانس لی۔ جنات.... جن کے بارے میں سنانے کو ہر شخص کے پاس ایک کہانی ضرور ہوتی ہے۔

"اور پتا ہے پھپھو! میرے دوست کے گھر کے قریب ایک قبرستان ہے جہاں۔" سیم پُرجوش سا سنانے لگا۔ وہ اس عمر میں داخل ہو گیا تھا جب بچے اسکول سے آ کر "میری ٹیچر اور میرا دوست" کے اقوال زریں سارا وقت سناتے ہیں۔ زمر نے نرمی سے اس کے ماتھے سے بال ہٹائے۔

"میں تمہیں اس سے بہتر کہانی سناتی ہوں۔ مگر پہلے اوپر چلو۔" سیم کی پریشانی نظر انداز کر کے وہ اوپر آ گئے۔ حنین بھی بجھی بجھی سی ان کے ساتھ تھی۔

اوپر والا پورشن کسی دوسری فیملی نے کرائے پہ لے رکھا تھا۔ البتہ ٹیرس کی طرف بیرونی لوہے کا زینہ جاتا تھا اور وہاں یہ لوگ بھی بیٹھ جایا کرتے تھے کبھی کبھار۔ باغیچے کا درخت ٹیرس کے ایک حصے پہ گھنا سایہ کرتا تھا۔ وہ درخت سے دور وسط میں بچھی کرسیوں پہ جا بیٹھے۔

"تو اسامہ یوسف خان جنات سے ڈرتا ہے؟" سیم کو بازو کے حلقے میں لے کر اپنے ساتھ بٹھائے وہ کن انکھیوں سے سامنے بیٹھی حنین کو دیکھتے ہوئے بولی۔ سیم نے تذبذب سے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ.... ڈراؤنے ہوتے ہیں نا۔"

"اور یہ تو تمہیں پتا ہے کہ انسان فرشتوں اور جنوں سے زیادہ اشرف ہے۔ یعنی کہ زیادہ نوبل ہے۔"

"مجھے پتا ہے۔" اس نے دینیات میں پڑھ رکھا تھا۔ اشرف المخلوقات۔

"تو انسان زیادہ نوبل اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ ہم وہ بھی کر سکتے ہیں جو جن نہیں کر سکتے۔"

"جن غائب ہو سکتے ہیں پھپھو!"

"ہاں! اور ہمیں چھپنے کے لیے غائب ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ آرام سے پریشانی اور اندر کا خوف دوسروں سے چھپا کر خود کو نارمل ظاہر کر لیتے ہیں۔" زمر نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ حنین چونکی تھی۔

"مگر وہ اڑ بھی سکتے ہیں۔" سیم کو جنوں کی تحقیر پسند نہیں آ رہی تھی۔

"اور ہمیں اوپر جانے کے لیے پروں کی ضرورت نہیں۔ ہمارا کردار ہمیں بلند کرتا ہے۔ ہم زیادہ مضبوط ہیں کیونکہ ہم اپنی فیملی کا مشکل اور پریشانی میں ہاتھ تھامتے ہیں۔"

"مگر...." سیم ذرا کی ذرا درخت کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا مگر زمر اسے سمجھا بھی نہیں رہی تھی۔

"میں تمہارے دوست سے زیادہ اچھی جنوں کی کہانی سناتی ہوں تمہیں۔" وہ سیم کو مخاطب کر کے اس کے بال سہلاتی کہہ رہی تھی۔ حنین بھی ذرا آگے ہو کر غور سے سننے لگی۔

"صدیوں سے جن آسمانوں کا سفر کرتے فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے۔ پھر ایک دن اچانک انہوں نے آسمانوں کو بند ہوا تو اسے ثبت پایا۔ وہ کان لگانے گئے تو ان پہ شعلے برسنے لگے۔ وہ اس وقت نہیں جانتے تھے کہ ان کے رب نے انسان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے یا برائی کا۔ تو وہ زمین میں پھیل گئے تاکہ خبر لیں کہ کیا غیر معمولی واقعہ پیش آ رہا ہے جو آسمان پہ اتنے پہرے لگ گئے ہیں۔"

کہتے ہوئے اس نے آسمان کو دیکھا۔ وہ تاریک تھا۔ چاند کے بغیر صرف تاروں سے ڈھکا۔ پُراسرار خاموش اور گہرا۔

"پھلتے پھلتے ان میں سے کچھ وادی نخلہ پہ جا پہنچے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو قرآن اتر رہا تھا۔ نماز کا قرآن۔ جب انہوں نے سنا تو ان کے دل بدل گئے۔ وہ فوراً اپنی قوم اپنے خاندانوں کی طرف گئے اور ان کو بتایا کہ ہم نے ایک عجیب

قرآن سنا ہے جو راہنمائی دیتا ہے۔ تو سیم یوسف... تمہارے دوست کا دوست جو بھی کہے، مجھے تو قرآن میں جنات کا ذکر بہت پیار سے بیان کیا ملا ہے۔ مجھے تو وہ بہت نوبل لگے۔ انہوں نے سچائی جان لی تو اسے چھپایا نہیں۔ اپنے لوگوں میں واپس جا کر ان تک حق پہنچایا۔ یہ تو انسانوں کی اچھائی ہے نا؟ سچ کے لیے اسٹینڈ لینا۔ کیا اب بھی تم جنوں سے ڈرتے ہو؟"

سیم جو بالکل مسحور ہو کر سن رہا تھا، استفسار پہ چونکا۔ ذرا سے شانے گرائے۔

"نن... نہیں تو۔"

"جنوں سے نہ ڈرا کرو سیم! ایٹم بم نہ انہوں نے بنائے تھے، نہ برسائے تھے۔ انسان زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

حنین یک ٹک مبہوت سی سن رہی تھی۔ زمر اب سیم کو نیچے سے کچھ لانے کے لیے بھیج رہی تھی۔ جب وہ چلا گیا تو اس نے زمر کو اپنی طرف رخ کرتے دیکھا۔

"اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم ڈرنا چھوڑ دو حنہ! انسان کو انسان بننے کے لیے بہادر بننا ہوتا ہے۔" نرمی سے مسکرا کر کہا۔ تاریک رات، گھنا درخت، بے بسی کی تنہائی، حنین کے اندیشے، خوف سب اس کی آنکھوں کی نرمی میں زائل ہوتا گیا۔ زمر نہیں پوچھے گی، یہ تو طے تھا۔ وہ صرف سوال کا اعتماد دے کر فیصلہ دوسرے پہ چھوڑ دے گی۔

حنین اٹھی اور سیم کی جگہ پہ اس کے قریب آ بیٹھی۔ اب سر جھکا کر انگلیاں مروڑتے ہوئے بات کا آغاز کرنا چاہا مگر الفاظ حلق میں پھنس گئے۔ زمر نے غور سے اس کا جھکا چہرہ دیکھا۔

"میں ایک بہت پر اعتماد لڑکی کو جانتی ہوں جو ہر بات کا ترنت جواب دے کر سب کو ہنسا دیتی ہے۔ آج کیا وہ گھر پہ نہیں ہے؟ میں جب سے آئی ہوں، مجھے نظر نہیں آئی۔"

حنین ہلکا سا ہنس دی۔ سر اٹھایا۔ ہنسی گئی۔ آنکھوں میں اضطراب ابھرا۔

"علیشا کہتی ہے، میری امریکن دوست کہ مسئلوں کے دو حل ہوتے ہیں۔ یا خود میں ہمت تلاش کر دیا زیادہ ہمت والے کو۔"

"اور...؟"

"میری کلاس فیلو سبرینہ..." "پہلا قدم مشکل ہوتا ہے۔ پھر اگلے قدم تو خود بخود اٹھنے لگ جاتے ہیں جیسے برسوں کی عادت ہو۔ ساری بات سن کر زمر نے سنجیدگی سے کہا۔

"پہلی بات تمہیں اسکول میں bully کیا جا رہا ہے، بلکہ یہ ہراسمنٹ ہے اور یہ جرم ہے۔ حنہ! کبھی بھی زندگی میں ظلم کے اوپر خاموش نہیں رہنا، او کے؟"

حنین نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔

"دوسری بات، یہ مسئلہ تو میں دو دن میں حل کر سکتی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسا پلان ہے جس کے بعد وہ نیچر دوبارہ تمہیں دھمکانے کی جرأت نہیں کر سکیں گی۔"

"واقعی؟" حنین کی آنکھوں میں حیرت، خوشی، غرض ہر مثبت جذبہ چمکنے لگا۔

"ہاں۔ تم دیکھتی جاؤ میں کیا کرتی ہوں۔"

حنین کا چہرہ گویا دمکنے لگا۔ الفاظ دنیا بناتے ہیں۔ الفاظ دنیا بکھیرتے ہیں۔ صرف الفاظ نے ہی اسے اتنا مطمئن کر دیا تھا۔ وہ پرسکون سی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر جلدی سے سیدھی ہوئی۔

"اوہ۔ امی نے ٹرائفل بنا کر رکھا تھا فرج میں۔ آئیں نیچے چلتے ہیں ورنہ موٹا آلو سب کھا جائے گا۔"

زمر ہلکا سا ہنس دی مگر وہ نیچے نہیں گئی۔ اس نے حنہ کے جانے کا انتظار کیا۔ ساتھ ہی چہرے کا پُرسکون تاثر غائب ہوا۔ اس کی جگہ مضطرب سوچ نے لے لی۔ اس نے موبائل نکالا۔ فون بک اوپر نیچے کی۔ ایک نمبر پہ رکی۔

اس نے چوتھی گھنٹی پہ اٹھا لیا تھا۔

"فارس! میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

وہ جم سے آ رہا تھا۔ سانس ابھی تک پھولا ہوا تھا۔ "نہیں میم! بتایئے۔"

"میری ایک فرینڈ کا کیس ہے۔ مقابل ایک اسکول کی وائس پرنسپل ہیں۔" تاریک رات میں سرگوشی نما آواز میں وہ کہہ رہی تھی۔ "اور وہ خاتون ہاتھ نہیں آ رہیں۔ تو ان کو ڈیل کرنے کا کوئی پلان ہے آپ کے پاس؟"

زمر نے گہری سانس لی۔ نیچے سے حنین اور اسامہ کے پھر کسی بات پہ لڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ سماعت کی حد سے دور تھے۔

"نہیں۔ لیکن اگر میں یہ اس فرینڈ کو ابھی کہہ دیتی تو وہ کبھی دوبارہ اپنا مسئلہ لے کر میرے پاس نہیں آئے گی۔ سچ بتاؤں تو مجھے نہیں پتا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"اوکے۔ آپ ان خاتون کا کوئی نمبر، پتا وغیرہ، سی وی۔ ان کی بیک گراؤنڈ فائل تیار کر کے آپ کو بھجوا دوں گا۔ کچھ تو مل جائے گا ان کے خلاف استعمال کرنے کو۔"

"تھینک یو سو مچ فارس! بس یہ ہمارے درمیان رہے۔"

"ٹھیک! اور کوئی مسئلہ؟" وہ ذرا رکا۔ مگر زمر نے دوبارہ سے شکریہ کر کے فون رکھ دیا۔ اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

بے چارے پرانے اسٹوڈنٹس کتنی عزت کرتے ہیں۔ کاش میڈم یاسمین بھی عزت کروانا جانتی ہوتیں۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

............❁❁❁............

کبھی کبھی آرزو کے صحرا میں آ کے رکتے ہیں قافلے سے

صبح حنین حسب عادت بھاگم بھاگ اسکول کے لیے تیار ہوئی تھی۔ زمر اور سیم بالکل تیار اس کے انتظار میں دروازے پہ کھڑے تھے۔ ادھر وہ آئی، ادھر گھنٹی بجی۔ زمر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ ایک نوجوان باہر کھڑا تھا۔ سوٹ میں ملبوس۔ سن گلاسز لگائے۔ ہاتھ میں لمبا سا ڈبا۔

"حنین یوسف؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی ایک طرف ہوئی۔

"کاردار صاحب نے بھجوایا ہے۔" وہ ان کا کوئی ملازم تھا۔ پیکٹ حوالے کر کے مؤدب سا پلٹ گیا۔ باہر اس کی کار کھڑی تھی۔

حنین قدرے حیران، قدرے الجھی ہوئی ڈبا لے کر اندر آئی۔ گول میز پہ اسے رکھا۔ سب اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ اس نے ذرا تذبذب سے ڈھکن اٹھایا اور پھر..... وہ سانس لینا بھول گئی۔

نیا نکور لیپ ٹاپ، آئی پیڈ، آئی فون، آئی پوڈ۔ ہر جدید آلہ الگ الگ ڈبے میں تھا۔ اور ان کے اوپر ایک نوٹ۔

"میں کسی کا احسان نہیں بھولتا۔ اور شکریہ۔"

زمر نے نوٹ پڑھا۔ ندرت نے آہستہ سے اسے بتایا کہ وہ کون ہیں۔ (فارس کا وہ کزن ہاشم جس کا سعدی اکثر ذکر کرتا ہے؟ اوکے!) وہ حنین کے تاثرات دیکھنے لگی۔ جو ابشاک سے نکل کر خوشی خوشی سب کھولنے لگی۔ ندرت البتہ چپ ہو گئیں۔

"اتنے مہنگے مہنگے تحفے۔ یہ ہمیں نہیں رکھنے چاہئیں۔"

زمر سیم کو لے کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ان کی اتنی ذاتی سی گفتگو میں مخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ نکلتے ہوئے اس نے حنین کی آواز سنی۔

"امی یار! کیا ہے؟ میں نے ان کا لیپ ٹاپ ٹھیک کیا۔ وہ شکریہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ ایسے کیسے واپس..." وہ باہر آ گئی۔

جب حنہ کار میں آ کر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو اپنی امی کا موبائل کان سے لگائے بات کر رہی تھی۔ زمر کو معلوم تھا کس کی کال ہو گی۔

"اس کی آ بھی رات ہو گی حنہ!" اس نے مسکرا کر کہتے کار اسٹارٹ کی مگر وہ سنے بغیر پرجوش سی تفصیلات بتا رہی تھی۔

"لیپ ٹاپ سلور کلر کا ہے اور آئی پوڈ۔"

"میری بات سنو حنہ! تم یہ سب واپس کر دو۔" وہ نیند سے اٹھ چکا تھا اور اب مکمل الرٹ تھا۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔ زمر نے ڈرائیو کرتے ایک نظر اس پہ ڈالی۔

"یہ سب میں تمہیں لے دوں گا۔"

"اور اگر تب میں آپ کو واپس کر دوں تو آپ کو کیا لگے گا بھائی؟ انہوں نے کوئی غریب رشتے دار سمجھ کر ترس کھا کر نہیں دیا۔ میں نے ان کا کام کیا تھا۔ انہوں نے شکریہ ادا کیا ہے۔ اگر میں تحفوں کی لالچی ہوتی تو جب وہ کبھی کبھار پوچھتے ہیں کہ فلاں ملک جا رہا ہوں تمہیں کچھ چاہیے' تو ہر دفعہ یہ کہہ کر انکار نہ کرتی کہ سوری انکل! میں بغیر وجہ کے تحفے نہیں لیتی۔"

"اوہ اچھا!" وہ واقعی سمجھ گیا۔ "او کے تم رکھ لو۔ اب مجھے سونے دو۔"

حنین نے فون رکھ دیا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ پھر قدرے الجھتے ہوئے زمر کو دیکھا۔

"اگر آپ کو کوئی ایسے تحفہ دے تو آپ رکھ لیں گی؟"

وہ اپنے عمل کی صفائی چاہ رہی تھی۔ زمر کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے گیئر کے پچھلا خانہ کھولا اور کچھ نکال کر اس کی گود میں رکھا۔ سیاہ مخملیں ڈبی اور ایک تہہ شدہ کاغذ۔ حنین یوسف سن رہ گئی۔

"کل صبح یہ کسی نے مجھے کوریئر کیا تھا۔ پڑھو۔"

حنین کا چہرہ فق ہوا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے زمر کی شکل دیکھی۔ وہ پرسکون ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل سے کاغذ اٹھایا۔ جیولری تک ٹھیک تھا۔ ماموں سے لو لیٹر کی توقع نہیں تھی۔ کاغذ کی تہیں کھولیں۔

"پہلے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کلاس میں کبھی۔ یہ آپ پہ اس سے زیادہ سوٹ کرے گی جو آپ پہنتی ہیں۔"

(اسے لو لیٹر کہتے ہیں؟ اس سے اچھا لو لیٹر تو سکن برو زلکھ لیتا) ماموں کی لکھائی وہ صاف پہچان گئی۔ خوف زائل ہوا۔ الجھن سے سر اٹھایا۔

"کیا آپ یہ نوز پن رکھیں گی؟"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تم نے تو ابھی اسے کھولا ہی نہیں۔"

"اس میں... لکھا ہے کہ یہ آپ پہ سوٹ نہیں کرتا۔" ناک کو انگلی سے چھوا۔ "اگر کسی کا اتنا سینس ہے تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ نوز پن زیادہ اچھی لگے گی۔ اب دیکھیں میرا گیس ٹھیک نکلتا ہے یا..." کہتے ساتھ ڈبی کھولی۔ ہیرے کی لونگ سامنے تھی۔ حنین نے فاتحانہ دیکھا' کہ کر شانے اچکائے۔

"کیا آپ کو معلوم ہے یہ کس نے بھیجا ہے؟" ذرا احتیاط سے پوچھا۔

"اتنے جیجز پڑھائے ہیں' سینکڑوں اسٹوڈنٹس گزرے۔ مگر بہت کم لڑکیوں کو میرے گھر کا پتا معلوم ہے۔ انہی میں سے کوئی

ہوگی۔“

”ہوگی؟“ حنین کا حلق تک کڑوا ہوگیا۔

”تو...اب آپ کیا کریں گی؟“

”اس کوریئر کمپنی پر جا کر واپسی کا پتا لینے کی کوشش کروں گی۔ آخر انہوں نے بھی کیسے ڈائمنڈ جیولری کوریئر ہونے دی۔ پھر اس کو واپس کردوں گی۔ کیونکہ میں اسٹوڈنٹس سے تحفے نہیں لیتی۔ یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے۔“

”تو پھر میں بھی کاردار صاحب کو یہ سب واپس کردیتی ہوں۔ میرے بھی کچھ اصول ہونے چاہئیں۔ بات ختم۔“ حنین نے ذرا خفگی سے کاغذ ڈبی میں رکھا۔ ڈبی واپس رکھی اور باہر دیکھنے لگی۔

زمر نے گہری سانس لی۔ حنین اور اپنے درمیان تازہ تازہ تکلف کی خلیج میں آنے والی کمی کو ایک اصول کے پیچھے...؟ اونہوں۔ اصولوں میں ترمیم ہوسکتی ہے۔ اپنوں کے لیے سب ہوسکتا ہے۔

”اوکے۔ میں اسے رکھ لیتی ہوں۔“ حنین محض سر ہلا کر باہر دیکھتی رہی۔ زمر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

”تم کیوں مسکرا رہی ہو؟“

اس نے گڑبڑا کر جبڑا سیدھا کیا اور گردن دائیں بائیں گھمائی۔ ”نہیں تو۔“ اور مزید رخ پھیر لیا۔

اسکول میں وہ دونوں ایک ستون کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ نگاہیں گیٹ پہ مرکوز تھیں۔ ”ہمیں صرف ان کا ایڈریس چاہیے یا کوئی مری کا نٹیکٹ انفارمیشن۔“

”وہ رہی سبرینہ۔“ اس نے اندر آتی لڑکی کی طرف اشارہ کیا، پھر بے چینی سے زمر کو دیکھا۔

”مگر آپ اس کا نمبر پتا کیسے حاصل کریں گی؟ اس کے لیے تو آپ کو ریکارڈ روم میں جانا ہوگا یا اسکول کے ڈیٹا میں سسٹم....کہاں جا رہی ہیں آپ؟“

وہ جو ستون کی اوٹ سے نکل کر جانے لگی تھی، حنین کے بڑبڑانے پہ رک کر اسے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی۔

”سبرینہ سے اس کا پتا لینے۔“ اور ہکابکا کھڑی حنین کو چھوڑ کر وہ آگے آئی۔ تب تک سبرینہ برآمدے تک آچکی تھی۔ حنین فوراً گھوم گئی۔ سماعت وہیں لگی تھی۔

زمر سبرینہ کے پاس سے گزرنے لگی، پھر اس کا چہرہ دیکھ کر رکی اور خوشگوار حیرت سے اسے پکارا۔

”ارے سبرینہ....میڈم یاسمین کی بیٹی ہو نا آپ؟ کیسی ہو؟ میڈم کیسی ہیں؟“

سبرینہ رکی۔ ذرا الجھا الجھا سا مسکرائی۔

”جی میں سبرینہ....آپ؟“

”ڈونٹ ٹیل می! تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ بچپن میں تم کتنی میلی سی تھیں مگر اب زیادہ پیاری ہوگئی ہو۔ امی کدھر ہیں؟ ابھی جاب کررہی ہیں؟“

”آ....جی امی وائس پرنسپل۔“

”کتنی آؤٹ آف ٹچ ہوگئی ہوں۔ میں بھی دوبئی چلی گئی تھی نا۔ ابھی بھتیجی کے ایڈمیشن کے لیے آئی تھی۔ ایسا کرو مجھے اپنا نمبر دے دو۔“ کندھے پہ ٹنگے پرس سے جلدی جلدی نوٹ بک اور قلم نکال کر اسے تھمایا۔ ”لینڈ لائن بھی دینا اور ایڈریس بھی دے دو۔ میں میڈم سے ملنے آؤں گی کسی دن۔“ سبرینہ کو سوچنے کا زیادہ وقت نہیں ملا۔ وہ کاغذ پہ الفاظ گھسیٹنے لگی۔

جب وہ دور چلی گئی تو زمر ستون تک واپس آئی۔ کاغذ حنین کے سامنے لہراتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی متحیر کھڑی تھی۔

"تم نے ابھی میری یہ والی سائیڈ دیکھی نہیں تھی حنہ!"

"واقعی زبردست پرفارمینس تھی۔" پھر وہ حیران پریشان اسمبلی کے لیے بھاگی۔ مگر ٹھہر کر مڑی۔ "یہ...." ناک پہ انگلی رکھی۔ "آپ پہ واقعی اتنی سوٹ نہیں کرتی۔" اور بھاگ گئی۔

زمر نے کار میں واپس بیٹھتے ہوئے لمحے بھر کو آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ سونے کی بالی جیسی نتھ کیا واقعی اس پہ سوٹ نہیں کرتی؟ اونہوں.... اس کو مایوسی ہوئی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا ...... وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

شام کی ٹھنڈی ہوا میں درختوں کے پتے سرسراتے ہوئے موسیقی بکھیر رہے تھے۔ سعدی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس خوبصورت گھر کے سامنے رکا۔ بنگلے کا چھوٹا سا گیٹ دھکیل کر کھولا اور سبزہ زار پہ آگے چلتا آیا۔

کھلا سالان' اس طرف پورچ' وہاں سے دیوار خم دار مڑتی۔ وہ موڑ مڑ کر داخلی حصے کی طرف آیا تو ایک دم ٹھٹک کر رکا۔ ہاشم کی بیوی شہرین وہاں کھڑی تھی۔ سعدی کی طرف پشت' داخلی دروازے پہ نگاہ رکھے وہ جھنجھلائی ہوئی موبائل پہ بات کر رہی تھی۔

"ہاشم کو پہلے ہی مجھ پہ شک ہے اور اب تو اس کی ماں بھی ادھر ہے۔ میں روز روز تم سے ملنے نہیں آسکتی۔ کزن ہو تو کزن بن کر رہو۔ میں۔"

بس چند سیکنڈ ہی تھے۔ سعدی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مڑے یا آگے چلتا جائے اور تب ہی شہرین کسی احساس کے تحت پلٹی۔ فر فر چلتی زبان رکی۔ چہرہ فق ہوا۔ ایک دم کان سے لگا ہاتھ فون سمیت پہلو میں گرا دیا۔

"السلام علیکم۔" وہ سر جھکا کر سرسری سلام کرتا دروازے کی طرف بڑھا۔

"وعلیکم.... میں بہن سے بات کر رہی تھی۔" وہ مضطرب سی بولی۔ وہ انجانا بن کر سوری کہتا رکا۔ شہرین چپ ہو گئی۔

"مسز جواہرات اندر ہیں؟"

"ہاں۔" جلدی سے آگے آئی' دروازہ کھولا اور حلق کے بل چلائی۔ "میری.... میری۔"

میری انجیو دوڑتی آئی۔ شہرین نے اشارہ کیا۔ وہ فوراً سعدی کو اندر لے گئی۔ شہرین ذرا سٹیپ پہ کھڑی اب بے چین سی اس کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ فام ہاؤس کیپر نکلتے دکھائی دی تو اس نے اسے روکا۔

"سنو! یہ لڑکا کون ہے؟"

"یہ سعدی ہے۔ نوشیرواں کا دوست۔"

اوہ۔ فارس کا بھانجا۔ ہاشم ذکر کرتا تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر ادھر چکر کاٹنا۔ جواہرات اسٹڈی میں ہیں۔ اسٹڈی میں تھی لاؤنج کی بجائے۔ یعنی اس لڑکے کو انہی نے بلوایا تھا۔ او خدا اگر اس نے کچھ بک دیا تو؟

وہ فکرمندی سے اسٹڈی کے دروازے تک آئی۔ لکڑی کا ساؤنڈ پروف دروازہ بند تھا۔ وہ دونوں اندر تھے۔ اب؟

پھر ایک خیال ذہن میں لپکا۔ وہ گھر سے باہر آئی۔ عمارت کے اطراف سے گھوم کر اسٹڈی کی کھڑکی کے ساتھ رکی۔ لیوں

مسکراہٹ آٹھہری۔ اندازہ درست تھا۔ جواہرات کھڑکی کھول کر بیٹھنے کی عادی تھی اور اس وقت بھی وہ کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سعدی اس کے مقابل کرسی پہ تھا۔ دونوں کے درمیان میز تھی جس پہ تازہ پھولوں کا گلدستہ تھا۔ جواہرات انگریزی طرز کے لباس میں ملبوس کہنی کرسی کے ہتھ پہ ٹکائے، دو انگلیوں سے لاکٹ کا ہیرا چھیڑتی مسکرا کر اس کو سن رہی تھی۔

شہرین دیوار کے ساتھ لگی قریب سرک آئی۔ کان گفتگو پہ لگے تھے۔ اپنا نام سننے کے خوف میں۔

"ہمارے ڈیپارٹمنٹس الگ ہیں۔ میں اس کا زیادہ دھیان نہیں رکھ پاتا۔ مگر پچھلے دنوں کچھ دوستوں سے یہ سب پتا لگا تو میں نے سوچا" ساتھ ہی شانے اچکا دیے۔

"میں آ گئی ہوں۔ سب سنبھال لوں گی۔" جواہرات نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ "میں صرف تمہارے منہ سے سب سننا چاہتی تھی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس نے گھر میں بھی ڈرگز رکھی ہوں گی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ شاید کمرے میں ہوں۔ میں یہاں کم ہی آتا ہوں۔ مگر... آپ اسے پیار سے سمجھایئے گا۔" وہ فکرمند بھی تھا۔ جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"کہتے ہیں خدا نے آسمانوں سے چار کتابیں اتاریں اور پھر پانچواں ڈنڈا اتارا۔ جو ان سے نہیں مانتا وہ اس سے مانے گا۔"

"پھر بھی... اچھا میں شیرو سے مل لوں۔" وہ اجازت چاہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے اسی تمکنت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اس کا خیال رکھتے ہو۔"

شہرین قدرے حیران سی وہاں سے ہٹی۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر سنائی دیے مگر اپنا ذکر نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی سوچتی رہی پھر اندر واپس آ گئی۔

اب شیرو کے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں۔ دروازہ آدھا کھلا تھا۔ قریب ایک شوکیس دیوار سے لگا تھا۔ وہ وہیں کھڑے ہو کر ایک شہرین بظاہر الٹ پلٹ کرنے لگی۔

وہ اندر کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔ بار بار گھڑی دیکھتا۔ دونوں ابھی یونیورسٹی کی باتیں کر رہے تھے۔ نوشیرواں گھر کے کپڑوں میں ہمیشہ کی طرح بے نیاز سا لگ رہا تھا۔

"کیا تم ممی سے ملے؟" ازلی لاپروائی سے کہتے شیرو نے روم فریج سے سافٹ ڈرنک کے دو کین نکالے۔ ایک اس کی طرف اچھالا اور دوسرے میں خود دانت گاڑ دیے۔ سعدی نے کیچ کر کے سائیڈ پہ رکھ دیا۔ اسے جلد واپس جانا تھا۔

"ہاں انہوں نے ہی بلایا ہے۔ پچھلی دفعہ ان کے آنے پہ میں ملنے نہیں آ سکا تھا تو ان کا شکوہ بنتا ہے۔" اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

"ممی بھی نا بڑی پوزیسو ہیں۔" شیرو نے گردن پیچھے پھینک کر گھونٹ بھرا۔ پھر سیدھا ہوا۔ "لونا"

"اونہوں میں چلتا ہوں۔" سعدی کی نظر کمپیوٹر اسکرین پہ پڑی۔ "اوہ شیرو! تم اور حسنین اس گیم کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟"

"ہفتے بعد لگائی ہے۔ سارا دن پڑھ پڑھ کر دماغ خالی ہو جاتا ہے۔"

سعدی نے مڑ کر دروازے کو دیکھا۔ یہاں سے آدھا لاؤنج نظر آتا تھا۔ شہرین نہیں دکھائی دیتی تھی۔

"یہ تمہاری بھابی تھیں نا' بلونڈ بالوں والی؟"

باہر کھڑی شہرین کے اعصاب تن گئے بھنویں بھنچ گئیں۔

"لو... کوئی بلونڈ نہیں ہے وہ۔ بال ڈائی کرواتی ہے۔ ہر تیسرے مہینے یہاں سے پانچ سو پونڈ کا ہیئر ڈو کروا کر جاتی ہے۔" وہ پھر

سے ہنسا۔

''کس طرح کی ہیں تمہاری بھابی؟'' سرسری سا پوچھا۔

''صبح صبح اتنا میک اپ کر کے کمرے سے نکلتی ہے۔ پھر سارا شہر گھومتی ہے۔ بھائی کا پیسہ بے تحاشا جھونکتی ہے۔ سونیا کا خیال بھی نہیں رکھتی۔ بھائی سے اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ تمہیں کیسی لگی؟'' گردن پیچھے کر کے گھونٹ بھر کے وہ کہہ رہا تھا۔

''ہوں' اچھی ہیں۔'' وہ جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ تب تک شہرین اپنے کمرے میں غائب ہو چکی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ بستر کے کنارے آ بیٹھی۔ چہرہ احساس ہتک سے سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں اضطراب' پریشانی' غصہ سب تھا۔ وہ بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹتی رہی۔

پھر کافی دیر بعد باہر نکلی تو گھر میں خوب شور مچا تھا۔

''میں نے تم پہ اعتبار کیا مگر تم اس قابل نہیں تھے۔ بالکل اپنے باپ پہ گئے ہو۔ وہی مزاج' وہی غصہ' وہی عادتیں۔ ایک وہ فارن کم تھا تمہارے باپ کی کاپی! اسے گنز کا شوق ہے اور تمہیں.... تمہیں اس کا۔''

شہرین حیران مگر محتاط سی قدم قدم چلتی شیرو کے کمرے کے دروازے تک آئی۔ وہ پورا کھلا تھا۔ اندر شیرو شاکڈ' شرمندہ بوکھلایا سا کھڑا تھا اور بار بار ماں کو روک رہا تھا جو بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ایک ایک دراز کھول کر چیزیں باہر پھینک رہی تھی۔

شہرین نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے اور ذرا سکون سے دیکھنے لگی۔

''ممی پلیز میں....''

''میرا دل چاہ رہا ہے ابھی پولیس کو فون کروں اور کہوں کہ اس ڈرگ ڈیلر کو آ کر لے جائیں میرے گھر سے۔ یہ میرا گھر ہے' سنا تم نے؟ یہ میرا گھر ہے۔'' وہ چلاتی ہوئی وارڈ روب سے کپڑے نکال نکال کر فرش پہ ڈال رہی تھی۔ وہ سفید سرمئی بوٹیوں والے پیکٹ بھی باہر آ گرے۔ شیرو نے سر جھکا دیا۔

''میرے بغیر تم کیا ہو؟ میرے بغیر تمہارا باپ کیا تھا؟ یہ اس کی مارٹن جانیداد.... یہ میری عطا کی ہوئی ہے۔ یہ سب میرا باپ چھوڑ کر مرا تھا۔ تمہارا باپ لے کر پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور تم....'' کسی دراز کی پشت پہ بازو لمبا کر کے ہاتھ ڈالا اور وہ پیکٹ باہر نکال کر زور سے شیرو کے چہرے پہ پھینکے۔ ''تمہیں آج میں اس گھر سے باہر نکال دوں تو کہاں جاؤ گے؟ سڑکوں پہ سوؤ گے اور وہیں بھیک مانگو گے۔ اور اگر تمہارے باپ کو یہ سب بتا دیا تو وہ تمہارا کیا حال کرے گا معلوم ہے؟''

کمرا سارا بکھر چکا تھا۔ شیرو جز بز سا کھڑا تھا۔ غصہ' پشیمانی' بے بسی' سب جذبات مل گئے۔ ممی کو ایک دم کیسے....'

''یہ ہے اوقات ہے تمہاری؟'' جواہرات نے جھک کر سفید پیکٹ اٹھایا اور زور سے شیرو کو دے مارا۔ وہ اس کے سینے سے لگ کر پیروں میں جا گرا۔ ''یہ فیوچر ہے تمہارا؟'' وہ جھکی۔ میز سے اپنا موبائل اٹھایا۔ چہرے کے سامنے لائی۔ کیمرے کے کلک کلک پہ تو شیرو اس نے بڑبڑا کر سر اٹھایا۔ وہ تصویریں اتار چکی تھی۔

''ممی... آپ کیا...''

''ممی مت کہنا مجھے۔'' شیرنی غرائی۔ ''اگلے آدھے گھنٹے میں بغیر کسی ملازم کی مدد کے تمہارے کمرے کی ایک ایک چیز درست جگہ پہ نہ گئی اور یہ ساری ڈرگز تم نے آتش دان میں نہ جھونکیں تو میں یہ تصویریں تمہارے باپ اور بھائی کو ای میل کر رہی ہوں۔ آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس۔ سنا تم نے؟'' وہ ہیل والی سینڈل سے گری چیزوں کو ٹھوکر مار کر شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی دروازے کی طرف بڑھی۔ شہرین فوراً پیچھے ہو گئی۔ اور تو شیرو دن چکرا گیا۔

''کیا آدھا گھنٹہ؟ میں اتنی جلدی....؟''

جواہرات ایڑیوں پہ واپس گھومی۔ ''اب تمہارے پاس بیس منٹ ہیں۔ ایک لفظ مزید منہ سے نکالو اور یہ دس منٹ میں بدل جائیں گے۔'' سختی سے گھور کر وہ باہر نکلی اور دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔

نوشیرواں نے سر دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ پھر بے اختیار چہرہ اٹھا کر گھڑی دیکھی۔ اوہ نو۔ جلدی سے وہ زمین پہ گری چیزیں اٹھانے لگا۔

تم ممی کو شک کیسے ہوا؟ اتنی اچانک؟

.... ❖❖❖ ....

یوں بہار آئی ہے امسال کہ گلشن میں صبا ...... پوچھتی ہے گزر اس بار کروں یا نہ کروں

بڑے ابا کے لونگ روم میں خاموشی کا وقفہ بس چند لمحے کو آیا تھا۔ ندرت اپنا مدعا بیان کر کے قدرے بے بسی سے باری باری سب کو دیکھنے لگیں۔ بڑے ابا چپ سے ہو گئے۔ پہلے فرحانہ بیگم کی طرف دیکھا جو الگے ہی پل قطعیت سے نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔

''یہ ناممکن ہے۔ ہماری طرف سے انکار سمجھو ندرت!''

''فرحانہ!'' بڑے ابا نے تنبیہی انداز میں ان کو دیکھا مگر کچھ معاملات میں ان کا زور اپنے شوہر پہ بہت چلتا تھا اور یہ انہی میں سے ایک تھا۔

''نہیں بھئی یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم تمہارے بھائی کو نہیں جانتے۔ ایسے کیسے کسی کو اپنی بیٹی دے دیں۔'' وہ اپنی ناگواری ضبط کر رہی تھیں۔

''مگر بڑے ابا اس کو جانتے ہیں۔ اور آپ وارث سے پوچھ سکتی ہیں۔ وہ....''

''لو.... وہ بھی تو تمہارا ہی بھائی ہے۔ طرف داری ہی کرے گا۔''

''ہم سوچ کر بتائیں گے ندرت!'' وہ ذرا بلند آواز میں بولے تو فرحانہ خاموش ہوئیں۔ ندرت پھیکا سا مسکرائیں۔ قدرے دل سے ساس کی بڑبڑاہٹ دیکھی اور اپنا پرس وغیرہ سمیٹنے لگیں۔ وہ مایوس تھیں اور بڑی امی طیش میں۔ ان کے جانے کی دیر تھی کہ وہ بڑے ابا پر برس پڑیں۔

''ندرت کی ہمت کیسے ہوئی اپنے بھائی کا رشتہ زمر کے لیے مانگے۔''

''جیسے ہماری ہمت ہوئی تھی آپ کی بیٹی کے بھائی کا رشتہ ندرت کے لیے مانگنے کی۔'' وہ بھی بڑے ابا تھے۔ تحمل اور سکون سے جواب دیا۔ وہ مزید تلملا گئیں۔

''تب مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ ایسی نکلے گی۔ بچوں کو بھی اپنی طرح کا بنا دیا ہے۔ زبان دراز۔''

''وہ یتیم بچے ہیں فرحانہ! یتیموں کو نڈر بننا چاہیے۔ وہ بدتمیز نہیں ہیں۔''

''بہر حال! ہم ندرت کے بھائی کی طرف رشتہ نہیں دیں گے۔ وہ فضیلہ کے بیٹے میں آخر کیا برائی ہے۔ ادھر ہاں کر دیتے ہیں۔ کب سے وہ جواب مانگ رہے ہیں۔''

''فضیلہ بھی تو ندرت کی رشتہ دار ہے۔ اس کا بیٹا فارس سے اچھا نہیں ہے۔''

''رہنے بھی دیں۔ فضیلہ میری امی کی طرف سے بھی رشتہ دار لگتی ہے ہاں۔'' وہ مزید بگڑ گئیں۔

''آپ زمر سے پوچھ لیجیے فرحانہ! دونوں رشتے بتا دیجیے جو اس کا فیصلہ ہو۔'' خلاف معمول بڑی امی اس تجویز پہ خاموش ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کچھ مت کہیے گا۔ میں خود زمر سے بات کرلوں گی۔ اگر اس نے فارس کے لیے انکار کر دیا تو پھر آپ حماد کے لیے انکار نہیں کریں گے۔"

بڑے ابا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ البتہ وہ متفکر اور متذبذب تھے۔ کیوں ان کی خود بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

............❖❖❖............

جو فرقِ صبح پہ چمکے گا تارا، ہم بھی دیکھیں گے

وہ شام بہت سہانی اتر رہی تھی۔ زمر نے وسطی کالونی میں کار روکی اور گردن موڑ کر حنین کو دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے تم میرے ساتھ آنا چاہتی ہو؟" آج زمر کے دو دن کا وقت تمام ہوا تھا اور وہ تیار تھی۔

"پازیٹو!" وہ گردن اکڑا کر بولی۔ ماتھے پہ کٹے بال چھوڑ کر باقی فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور عینک کے پیچھے جھانکتی آنکھوں میں بلا کا اعتماد تھا اور مسکراہٹ بھی۔

"یہ لونگ اچھی لگ رہی ہے آپ پہ۔" ساتھ ہی اس نے جلدی سے جبڑا سیدھا کر لیا۔

زمر نے "تھینکس" کہہ کر ڈیش بورڈ سے پھولا ہوا خاکی لفافہ اٹھایا۔ کار بند کی اور باہر نکل آئی۔

گھنٹی بجا کر دونوں منتظری گیٹ پہ کھڑی تھیں۔ زمر حنین سے دراز قد تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں بندھے تھے اور سنجیدہ چہرے پہ وہ لونگ واقعی اچھی لگ رہی تھی۔ پُرسکون ٹھنڈے تاثرات۔ حنین البتہ پُرجوش تھی۔

خراماں خراماں چلتے وہ صاحب گیٹ تک آئے۔ "جی؟"

"میں ڈسٹرکٹ کورٹ سے آئی ہوں زمر یوسف۔ مسز یاسمین سے ملنا ہے۔"

انہوں نے باہر جھانکا۔ "کس سلسلے میں؟"

"اگر آپ اگلے تیس سیکنڈ میں مجھے عزت سے اندر نہ لے کر گئے تو میں یہ ورٹ آرڈر (خاکی لفافہ لہرایا) واپس جج کے پاس لے جاؤں گی اور کہوں گی کہ آپ نے کورٹ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ کل آپ کو جسٹس صدیقی کے پاس حاضر ہونا پڑے گا توہین عدالت کے زمرے میں اور.... آپ دروازہ کھول رہے ہیں یا میں جاؤں؟"

صاحب کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ البتہ دروازہ انہوں نے پھر بھی قدرے تذبذب سے کھولا۔ اندر بیٹھک نما ڈرائنگ روم میں بیرونی دروازے سے لے آئے۔ انہوں نے پائیدان پہ جوتے اتارے تھے۔ اندر نرم قالین تھا۔ زمر نے پائیدان کو دیکھا اور پھر اپنے جوتوں سمیت چلتی اندر آئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر سنگل صوفے پہ بیٹھی۔ حنین بھی آنے لگی۔ پھر نگاہ ڈرائنگ روم کی دیوار پہ اعلیٰ اکیڈمک شیلڈز پہ پڑی۔ اس نے رک کر پائیدان پہ جوتے اتارے اور زمر کے قریب دوسرے صوفے پہ آ گئی۔

"میرے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔ مسز یاسمین کو بلائیے۔" زمر نے گھڑی دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں صاحب کو مخاطب کیا۔ وہ فوراً اندر چلے گئے۔ مسز یاسمین جلد ہی ان کے ہمراہ آئیں۔ زمر کو دیکھ کر کچھ الجھی ہوئی استقبالیہ مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا اور بیٹھتے ہوئے حنین پہ نظر پڑی جو ان کی آمد پہ کھڑی ہو گئی تھی تو چونکیں۔ دوبارہ زمر کو دیکھا۔

"یہ میری بھتیجی ہے۔" وہ سرد آنکھوں کے ساتھ ان کو دیکھتے ہوئے بولی۔ میڈم نے اب کے ذرا سنجیدگی سے حنین کو گھور کر دیکھا۔ اب گھٹنے ملا کر بیٹھی تھی البتہ گردن ویسے ہی تنی ہوئی تھی۔

"آپ کس سلسلے میں....؟"

مگر زمر نے ان کو سوال پورا نہیں کرنے دیا۔ وہ صاحب واپس جا رہے تھے۔ اس نے ان کو پکارا۔

''آپ کدھر جارہے ہیں محمود الرحمن جاوید صاحب! ساری بات آپ کے سامنے ہی ہوگی۔'' وہ متذبذب سے واپس آ بیٹھے۔ بیوی کو دیکھا۔ وہ مشتبہ نظروں سے زمر کو دیکھ رہی تھیں۔

''پاکستان پینل کوڈ پڑھا ہے کبھی آپ نے؟''

''جی؟''

''extortion ایک جرم ہے۔ آرٹیکل 384' تین سال قید یا پھر جرمانہ یا دونوں۔ بلیک میل کرنا بھی جرم ہے۔ آرٹیکل 387' سات سال قید یا جرمانہ یا دونوں۔ اس وقت آپ یہ دونوں کر رہی ہیں اور بالکل بھی مجھے درمیان میں مت ٹوکیے گا کیونکہ میری بھتیجی کے ساتھ یہ دونوں جرائم کرنے پہ آپ پہ سزا واجب ہوئی ہے۔ آپ اس کو فورس کر رہی ہیں کہ یہ آپ کی بیٹی کے لیے نوٹس بنائے ورنہ آپ اسے اسکول سے نکال دیں گی... اوہ شاید آپ نے اپنے شوہر کو نہیں بتایا۔'' محمود الرحمن صاحب اچنبھے سے باری باری دونوں کو دیکھتے۔

''یہ سراسر جھوٹ ہے۔ آپ میرے ہی گھر میں آ کر مجھ پہ ہی الزام کیسے لگا سکتی ہیں؟''

زمر نے خاکی لفافہ اٹھایا۔ کاغذ نکالے' شرٹ سے سامنے رکھے۔

''محمود صاحب! آپ سیف جی الیون میں ایک پلاٹ پہ ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔'' مسز یاسمین جو ضبط طیش میں ابھی بہت کچھ بولنے کا ارادہ رکھتی تھیں' ایک دم سناٹے میں رہ گئیں۔ محمود صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''آپ کے خلاف فیصلہ آیا تھا اور آپ نے فیصلے پر اسٹے آرڈر لے لیا تھا۔ اور یہ جو دوسرے کاغذات ہیں' یہ میں کل عدالت میں جمع کرواؤں گی جس کے بعد آپ کا اسٹے آرڈر کینسل ہو جائے گا۔ آگے جو ہوگا وہ آپ جانتے ہیں۔''

''یہ بھی جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔'' وہ پھر سے عالم طیش میں آ کر بولنے لگیں۔ محمود صاحب یکے بعد دیگرے کاغذات کو دیکھ رہے تھے اور رنگت اڑتی جا رہی تھی۔

''کیا ثبوت ہے اس کے پاس کہ میں نے ایسا کہا ہے؟''

اپنے ہاتھوں کو دیکھتی حنین نے سر اٹھایا اور آئی فون کی سیاہ اسکرین ان کے سامنے کی۔

''میم... اس دن کی ہماری اسٹاف روم کی گفتگو میں نے اس میں ریکارڈ کر لی تھی۔'' بڑے ادب سے گزارش کی۔ میم کو ایک دم سانپ سونگھ گیا۔ بالکل چپ ہو گئیں۔

''آپ بالکل بھی نہیں چاہیں گی کہ ہم یہ گفتگو پرنسپل صاحبہ کو سنوائیں۔ رائٹ؟'' زمر نے سادگی سے سوال کیا۔ وہ دونوں خاموش تھے۔

''چائے تو نہیں پلوائیں گے آپ؟'' اگلا سوال مزید سادگی سے پوچھا۔

''دیکھیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ...'' اگلے پانچ منٹ وہ ان کو ہاتھ اٹھا کر سمجھاتے رہے۔ معذرت' یقین دہانی۔ مسز یاسمین بالکل خاموش بیٹھی رہیں۔

گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کر کے زمر نے سوچتی نظروں سے حنین کو دیکھا جو سیٹ بیلٹ باندھ رہی تھی۔

''یہ فون تو تمہیں کاردار صاحب نے میم سے آخری گفتگو کے بعد نہیں دیا تھا؟''

حنین نے شرارت سے لب دبائے نظریں اٹھائیں۔

''پھپھو! میری بھی ایک سائیڈ ایسی ہے جسے آپ نہیں جانتیں۔''

وہ ہنس کر کار اسٹارٹ کرنے لگی۔

''ویسے آپ میری پرنسپل سے بھی تو بات کر سکتی تھیں' ہے نا؟'' اسے ابھی خیال آیا۔

''میں نے مسئلہ حل کرنے کا وعدہ کیا تھا' مسز یاسمین کو تمہارا دشمن بنانے کا نہیں۔''

حنین کے لب ''اوہ'' میں گول ہوئے۔ پھر مسکرا دی۔ ''تھینکس!''

تمہارے فارس ماموں کا آج شام تمہاری طرف آنا ہوگا؟ وہ عموماً ویک اینڈز پہ آتے ہیں نا۔ مجھے ان سے کچھ بات کرنی تھی۔ اسی لیے سوچا ملاقات ہو جائے تو اچھا ہے۔'' حنین نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ وہ پرسکون سی ڈرائیو کر رہی تھی۔

''وہ... شام میں آئیں گے' کہا تو تھا۔ آپ تھوڑا سا گھر چل کر ویٹ کر لیں گی نا؟''

''شیور!''

حنین سامنے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ انگلیاں بھی مروڑتی رہی۔ پھر ذرا کی ذرا زمر کو دیکھا۔ ''یہاں روک دیں۔ پودینہ لے لوں میں۔''

''پودینہ کیوں؟'' وہ مارکیٹ کے قریب کار لے گئی۔

''جب چٹنی بناؤں گی تو امی کو لازمی پکوڑے بنانے پڑیں گے۔ سمجھا کریں نا۔''

وہ سبزی کی دکان کی طرف آئی اور ذرا اوٹ میں کھڑی ہوئی کہ دور پارکنگ میں موجود زمر اس کو نہ دیکھ پائے۔ جلدی سے موبائل پہ (جس میں امی کی سم تھی) کال ملائی۔

''ماموں! آپ اسی وقت ہمارے گھر آ سکتے ہیں؟''

''نہیں۔'' وہ مصروف تھا۔

حنین نے فون کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

''امی پکوڑے بنا رہی ہیں۔''

''میں ڈائٹنگ پہ ہوں۔''

''افوہ! پھپھو آئی ہوئی ہیں۔ ان کو کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ آپ نے نہیں آنا تو نہ آئیں۔ میں کہہ دیتی ہوں کہ وہ آپ سے فون پہ ہی بات کر لیں۔'' وہ جل کر بولی۔ امید تھی کہ اب وہ فوراً ہامی بھر لے گا مگر.....

''شیور! ان کے پاس میرا نمبر ہے۔ اب میں کام کر لوں؟''

''نہیں نہیں..... ایک منٹ..... رکیں۔'' وہ گھبرا کر بولی۔ ''میں نے پھپھو سے کہا ہے کہ ان کا پیغام دے چکی ہوں اور آپ نے حامی بھر لی ہے۔ اب مجھے جھوٹا ثابت کرنا ہے تو مرضی ہے۔ بائے۔'' جلدی سے فون بند کر دیا اور سبزی والے کو پیسے دینے لگی۔

❖ ❖ ❖

ہاں جرم وفا دیکھیے کس کس پہ ہے ثابت ...... وہ سارے خطاکار سر دار کھڑے ہیں

شہرین نے دروازہ کھٹکھٹایا پھر دھکیل دیا۔

شیرو کا وَجَ پہ آڑا ترچھا لیٹا تھا۔ نگاہیں پھیر کر بگڑے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا جو چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ باب کٹ سنہرے بال چونچ کی طرح دونوں اطراف میں آگے کو آتے۔ آنکھوں میں ہمدردی تھی۔

''مجھے افسوس ہے جو تمہارے ساتھ ہوا۔''

''بہت شکریہ۔'' اس نے تلخی سے کہہ کر چہرہ پھیر لیا۔ پھر چونک کر واپس دیکھا۔ ''بھائی کو تو نہیں پتا؟''

"میں بالکل بھی ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کی پشت پہ اس کی شکایت لگاتے ہیں۔ مسز کاردار نے بتادیا ہو تو وہ الگ بات ہے..." وہ انگلیاں بالوں میں اوپر سے نیچے لاتے ہوئے سوچ کر کہنے لگی۔ "ان کو ایک دم کیسے پتا چل گیا کہ ڈرگز تمہارے کمرے میں ہی ہوں گی؟"

"لو... ممی کے لیے چہرے پڑھنا کیا مشکل ہے۔"

"تمہارا چہرہ تو آتے ساتھ ہی پڑھ چکی تھیں کئی دفعہ۔ میں تو یہ سوچ کر حیران ہوں کہ وہ ٹھیک بیٹھی تھیں اسٹڈی میں، پھر اچانک..." وہ الجھا دیا۔ "تمہارے دوست کے جاتے ہی ان کو کیا ہو گیا۔"

نوشیرواں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "سعدی کے جاتے ہی؟"

"ہاں، وہی تمہارا دوست۔ کافی دیر بیٹھا رہا ممی کے ساتھ۔ اچھی گپ شپ ہے اس کی تمہاری ممی سے۔ وہاں بھی اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ ممی کا تو آنے کا پروگرام بھی نہیں تھا۔ یہ تو ہم شام کی چائے پی رہے تھے جب ممی کو کوئی میسج آیا۔ شاید اسی کا تھا۔ تو انہوں نے فوراً آنے کا پلان بنالیا۔ شاید کوئی ضروری بات ہوگی جس سے ممی کو مطلع کرنا ضروری ہوگا۔" بہت سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتی وہ واپس پلٹی۔ پھر ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں سکیڑ کر، کافی ہمدردی سے۔ "شیرو! تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں اپنے جیسوں سے دوستی کرنی چاہیے۔ کہاں تم کہاں وہ۔" اور باہر چلی گئی۔

نوشیرواں الجھا الجھا سا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم اٹھا۔

شہرین نے کچن سے جھانک کر دیکھا۔ وہ ممی کے کمرے کی طرف جارہا تھا۔ وہ پرسکون سا مسکرا دی۔ شیرو کے دوست کا داخلہ تو اس گھر میں بند ہوا کہ ہوا۔

نوشیرواں اندر آیا۔ جواہرات باتھ روم میں تھی۔ موبائل بیڈ سائیڈ پہ پڑا تھا۔ اس نے احتیاط سے باتھ روم کے دروازے کو دیکھتے موبائل اٹھایا اور پیغامات کھولے۔ سعدی کے نام سے اکا دکا پیغام تھے۔ وہ سر جھٹکتا فون رکھنے لگا۔ پھر کسی خیال کے تحت رکا۔

باتھ روم کا دروازہ اب بھی بند تھا۔ وہ فون ہاتھ میں لیے چمکتی اسکرین پہ چند بٹن اور دبانے لگا۔ جی میل کھولی۔ جواہرات کی میلز سامنے تھیں۔ ذرا سا صفحہ اوپر کیا اور یہ رہا سعدی کی میلز کا تھریڈ۔ اوپر نیچے تمام گفتگو۔ گویا مکالمہ تھا۔

"شیرو کیا کر رہا ہے آج کل؟ ڈرگز تو نہیں لے رہا؟ کس سے دوستی ہے؟ ڈرگز تو نہیں لے رہا؟ پڑھائی کیسی جارہی ہے؟ ڈرگز تو نہیں لے رہا؟" جواہرات کے طویل سوال اور سعدی کے مختصر جواب۔ مگر جواب بہرحال جواب ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے پرانے پیغام کھلتے گئے، اس کا بادامی رنگ سرخ ہوکر چہرے پہ آتا گیا۔ لب بھنچ گئے۔

وہ تولیے سے بال تھپتھپاتی باہر نکلی تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ شیرو کا لال بھبھوکا چہرہ موبائل کی لائٹ میں دہک رہا تھا۔ وہ تولیہ پھینک کر قریب آئی۔ نرمی سے اسے پکارا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

اس نے شعلہ بار نگاہیں اٹھائیں۔ اسکرین سامنے لہرائی۔ جواہرات نے اسکرین کو نہیں دیکھا۔ وہ بے چینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"وہ میری جاسوسی کرتا تھا آپ کے لیے؟"

"شیرو! تم دوبارہ ڈرگز نہیں لوگے۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔" اس نے شیرو کا بازو تھاما۔

"نہیں لوں گا، نہیں لوں گا۔ کتنی دفعہ بتاؤں؟ مگر اسے میں نہیں چھوڑوں گا۔" موبائل بیڈ پہ پھینکا اور بازو غصے سے چھڑاتا باہر

نکل گیا۔

جواہرات نے فوراً فون اٹھایا اور سعدی کا نمبر نکالا۔ کال بٹن پہ ہاتھ رکھا' پھر رک گئی۔ وہ ذرگز نہیں لے گا' یہ تسلی تھی تو دوستوں کے آپس کے معاملے میں اسے پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اونہوں۔

شانے ذرا اچکا کر اس نے فون پرے ڈال دیا۔

.... ❖❖❖ ....

اب نہ وہ میں ہوں' نہ تو ہے' نہ وہ ماضی ہے فراز ...... جیسے دو سائے تمنا کے سرابوں میں ملیں

گرما گرم پکوڑوں کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ زمر اپنے مخصوص صوفے پہ بیٹھی تھی۔ سیم اس کے پیروں کے قریب کارپٹ پہ بلاکس جوڑ توڑ رہا تھا۔ حنین کافی پرجوش سی برتن لگا رہی تھی۔ زمر کو دیکھتی تو شرما کر مسکرا دیتی۔ وہ بھی مسکرا دیتی۔

فارس ابھی ابھی آیا تھا اور سوائے سلام کے کچھ نہیں بولا تھا۔ سلام میں بھی وقفہ دیا کہ زمر کی لوننگ دیکھ کر وہ ذرا سا رکا تھا' پھر ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگا۔ آفس سے آیا تھا' کوٹ ٹائی سب ہٹ تھا۔

"یہ.... اچھی لگ رہی ہے۔" ندرت کچن سے ابھر آئیں تو صوفے سے تکیہ اٹھاتے ہوئے زمر کی بدلی ہوئی لوننگ دیکھی۔ حنین نے ذرا بلند آواز میں تبصرہ کرتے پلٹیں لگائیں۔

"یہ پھپھو کوان "کی" کسی پرانی اسٹوڈنٹ نے گفٹ کی ہے۔ ساتھ میں ایک نوٹ بھی تھا۔ میں نے بھی پڑھا وہ نوٹ۔ ویسے.... پھپھو! آپ نے اس کی لکھائی نہیں پہچانی؟ ماموں لیں نا' ساتھ ہی ماموں کو پلیٹ پکڑائی۔ اس نے بنا کسی تاثر کے سنجیدگی سے پلیٹ لے کر سائیڈ پہ رکھ دی۔ پکوڑے ابھی کڑاہی میں تھے۔

"نہیں۔ اتنا پیپر ورک ہوتا ہے' پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔" زمر سادگی سے ندرت کو قدرے آہستہ آواز میں بتا رہی تھی۔ ندرت دوبارہ کچن میں آئیں تو حنین ساتھ چلی آئی اور کچن کا لاؤنج میں کھلتا دروازہ بند کر دیا۔ کڑاہی میں پکوڑا اڈالتی ندرت نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"دروازہ کیوں بند کیا؟"

(تاکہ ہیرو ہیروئن سے اپنے پروپوزل پہ تبادلہ خیال کرلے اور آپ درمیان میں انٹری نہ دیں۔)

"دھواں لاؤنج میں جا رہا تھا۔" ایکزاسٹ چلا کر آستین موڑتی وہ چٹنی بنانے کھڑی ہو گئی۔

"آج تم اس موئے کمپیوٹر اور علیشا کو چھوڑ کر کچن میں گھسی ہو' حیرت ہے۔" امی کی شکایت نظر انداز کر کے وہ سر جھکائے مسکراتے ہوئے چٹنی کوٹنے لگی۔

لاؤنج میں ٹی وی کا شور تھا یا سیم کی خود سے کی جانے والی باتیں۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی فارس!" قدرے تذبذب سے اس نے آغاز کیا۔ ریموٹ رکھ کر رخ اس کی طرف کیا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کس سلسلے میں؟"

"ایک کیس کے سلسلے میں۔"

وہ ذرا چونکا۔ اس نے سمجھا تھا شاید.... اونہوں' یہ کوئی اور معاملہ تھا۔

"آپ کو تو پتا ہے بعض دفعہ ایک وکیل استغاثہ میں ہوتا ہے اور جج ایسا فیصلہ سنا دیتا ہے جو دوسرے فریق کے لیے خوشگوار نہیں ہوتا۔"

رک رک کر الفاظ ادا کیے۔ فارس نے سر ہلا کر ساری بات ذہن کو دی۔

''یعنی آپ کی وجہ سے کسی کو سزا ہو جاتی ہے۔ ہوں' پھر؟''

وہ ذرا دیر کو چپ ہوئی۔ ''میرے ایک کیس کا فیصلہ اسی طرح ہوا تھا۔ مجرم کا بھائی اس سے خوش نہیں تھا اور وہ اس کا اظہار بھی کر رہا ہے۔''

''یعنی اس نے آپ کو دھمکیاں وغیرہ دی ہیں۔ ہوں' آگے؟''

''آ.... جی.... آپ جانتے ہیں ہمارے خاندان میں....''

''آپ معاملہ گھر تک نہیں لے جانا چاہتیں' باہر ہی باہر حل کرنا چاہتی ہیں۔'' اس دفعہ فقرہ ہی نہیں پورا ہونے دیا۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

''میں چاہتی ہوں کہ یہ معاملہ میں....'' وہ رک گئی۔ بات لپیٹ کر کرنے کا فائدہ نہ تھا۔ وہ شخص اسکول کی ٹیچر نہیں تھا جس سے وہ پرانا امونس سے پیچھا چھڑا سکتی تھی۔

''اگر میں آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں اس کی شکایت درج کرواؤں تو اس شخص کی ہراس منٹ روکنے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟''

''کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ پیچھے ہو کر بیٹھا۔ کان کی لو رگڑتے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ ''میں ڈائریکٹر سے بات کر لوں گا۔ ایف آئی اے اسے پک کرے گی۔ دو چار ہاتھ لگیں گے تو دماغ درست ہو جائے گا اس کا۔''

زمر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں پلیز۔ میں تشدد پہ یقین نہیں رکھتی۔ یہ مسئلہ بات چیت سے حل ہو سکتا ہے۔ سب کے اندر اچھائی کا عنصر ہوتا ہے۔ ہمیں صرف اسے باہر لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''آپ دو گھنٹے کے لیے اسے میرے لڑکوں کے حوالے کر دیں۔ ساری اندر کی اچھائی باہر آ جائے گی۔'' پھر اس کے تاثرات دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے یہ ذکر ہی بھول جانے کا کہہ دیتی' وہ قدرے نرمی سے بولا۔

''ٹھیک ہے۔ بات کر لیتے ہیں پھر۔ میں مل لوں گا اس سے۔ مرد کا بات کرنا اور ہوتا ہے۔''

''اوکے!'' اس نے سر ہلایا۔ ذرا تسلی ہوئی۔ ''وہ آدمی آج کل کورٹ آتا ہے روز ڈاخیل کے چکر میں۔ اگر آپ صبح آ جائیں تو میں ملوا دوں گی۔''

''شیور!'' قدرے ٹھہر کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''کوئی اور مسئلہ؟''

''نہیں' بس یہی تھا۔ تھینکس!'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔ فارس نے گھڑی دیکھی اور آواز دی۔

''حنین! ڈارتی ہو یا میں جاؤں؟''

''نہیں! رہنے دیں۔ آپ جائیں۔'' وہ ڈش اٹھا کر آتی ہوئی بڑے موڈ میں بولی۔ آج وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

خالی ہاتھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز ...... کس طرح لوگ لکیروں سے نکل جاتے ہیں

پکوڑے ختم ہو گئے۔ زمر چلی گئی۔ امی نماز پڑھنے کمرے میں گئیں تو فارس ان کے پاس چلا گیا۔ اب حنین تھی اور آن لائن ہوئی علیشا۔

''میرا مسئلہ حل ہو گیا۔'' اس نے چہکتے ہوئے اطلاع دی۔ علیشا عادتاً ہنسی۔

''ہمت کی یا زیادہ ہمت والا ڈھونڈا؟''

''زیادہ ہمت والی کو ڈھونڈ کر کچھ ہمت کر لی۔'' پھر خیال آنے پہ سیل فون اٹھا کر دکھایا۔

''یہ دیکھو.... مجھے گفٹ ملا۔''

''واؤ۔ برینڈ نیو؟'' وہ بھی پرجوش سی آگے ہو کر دیکھنے لگی۔

''ہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔ ایک امیر سے انکل ہیں ہمارے احباب میں۔'' وہ کالر جھاڑ کر بولی۔

''واقعی؟ اور وہ کون ہیں؟''

''میرے انکل کے انکل۔ یہ پیچیدہ رشتہ داریاں تم نہیں سمجھو گی۔ اچھا مجھے ایک بات بتاؤ، تم نے اس جیولر والی گیم میں....'' لینڈ لائن فون کی گھنٹی پہ وہ بد مزا ہوئی۔ آگے بڑھ کر نمبر دیکھا۔ بڑے ابا کے گھر سے تھا۔ دوسری گھنٹی پہ فون خاموش ہو گیا۔ امی نے اندر سے اٹھا لیا ہو گا۔ وہ مطمئن سی ہو کر بات کرنے لگی۔ پھر ایک دم رکی۔ جلدی سے علیشا کو بائے کہا اور آہستہ سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

حسب توقع بڑی امی ہی تھیں۔ وہ چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سننے لگی۔

''میں نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا زمر نہیں مانے گی۔ اس نے تو صاف انکار کر دیا ہے۔''

''مگر.... میں خود بات کر کے دیکھوں، شاید....'' ندرت کو اب بھی آس تھی۔

''بھئی جب اس نے انکار کر دیا تو کیا گنجائش رہ گئی۔ دیکھو برا نہ ماننا، مگر وہ اسے جانتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مزاج کا بہت سخت اور غصے والا ہے، وائلڈ سا۔ اس کے ساتھ کیسے گزارہ کرے گی وہ؟''

حنین نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ بارہ بج گئے تھے اور سنڈریلا کی سواری جس پہ وہ اڑتی جا رہی تھی، بدصورت کدو میں بدل کر زمین بوس ہوئی تھی۔ وہ بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھی رہی۔

ندرت کو عموماً ایکسٹینشن سے دوسرا فون اٹھائے جانے کا پتا چل جاتا تھا کہ آواز ہلکی ہو جاتی، مگر آج نہیں چل سکا۔ انہوں نے بے بسی سے سامنے بیٹھے فارس کو دیکھا جو بغور ان کے تاثرات پڑھ رہا تھا اور ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا۔

''انکار کر دیا؟''

''میں زمر سے خود بات کروں گی۔ وہ اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتی۔ وہ....''

''کس طرح کی بات؟ کہہ دیں۔ میں برا نہیں مانوں گا۔''

''یہی، غصہ اور مزاج کی سختی۔ مگر تم اس بات کو انا کا مسئلہ نہ بنانا۔ مجھے ایک دفعہ مزید....''

''نہیں، کوئی ضرورت نہیں۔ انکار ہو گیا، بات ختم۔''

''فارس! صرف ایک دفعہ مجھے....'' وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپا! بندہ عزت سے رشتہ مانگتا ہے اور عزت سے نہ ملے تو قصہ تمام۔ میں دس سال کا تھا جب میرا باپ فوت ہوا تھا۔ عمر گزر چکی ہے رشتہ داروں کی سیاستیں دیکھتے دیکھتے۔ یہ سوتیلے کا لفظ تب آ کر ختم ہوا جب ہم نے ایک دوسرے کو سمجھنا شروع کیا، شاید دس بارہ سال پہلے۔ ورنہ اس سے قبل وارث ہو، آپ ہوں یا آپ لوگوں کے رشتہ دار، میں سب کے لیے دوسری بیوی سے ہونے والا سوتیلا بیٹا ہی تھا اور آپ میں سے کوئی مجھے پسند نہیں کرتا تھا۔ میں یہ سب آپ کا دل دکھانے کے لیے نہیں کہہ رہا۔ ان باتوں کی اب کوئی اہمیت نہیں۔ بس اتنا بتانا ہے کہ میں آپ کے رشتہ داروں میں اگر شادی کرتا تو عزت سے کرتا، ورنہ نہیں۔ اس لیے اب دوبارہ ان سے بات مت کیجیے گا۔''

ندرت نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ اس کو سمجھ سکتی تھیں۔

❖❖❖

ستم گر تم سے امید کرم ہو گی جنہیں ہو گی ...... ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

اے سی کی ہوا نے آفس میں خنک سا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ زمر نے بات کا آغاز کرنے سے پہلے تمام فائلز اوپر تلے کر کے ایک طرف رکھیں۔ پھر کرسی پہ پیچھے ہو کر بیٹھی اور گہری سانس لے کر میز کی دوسری جانب موجود اس ہینڈسم آدمی کو دیکھا جو ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا تھا' گردن ذرا جھکائے' ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتا' جیل لگے بال پیچھے کو سیٹ کیے' تنے ابرو۔ سعدی نے جو اس کا ذکر کر کے تاثر دیا تھا' وہ کسی بہت خوش اخلاق اور عاجز آدمی کا تھا۔ یہ آدمی اس سے مختلف لگا تھا زمر کو۔

''تو آپ سعدی کی پھپھو ہیں؟'' بنا جذبات' سرد سپاٹ سا پوچھا۔ ابھی تک ٹائپ کر رہا تھا۔

''جی کاردار صاحب!'' اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ اس لحاظ سے میں یہ سمجھتی ہوں کہ آپ کچھ پروفیشنل کرٹسی کا مظاہرہ کریں گے۔''

''آپ کے کلائنٹ نے میرے ڈرائیور کو لوٹنے کی کوشش کی' پھر اسے گولی مار دی....''

''گولی چل گئی۔'' اس نے ضبط سے تصحیح کی۔

''اور پھر اس نے پولیس کے سامنے اعتراف بھی کر لیا۔''

''جی۔ جب اس نے خود پولیس کو بلایا تاکہ وہ زخمی ڈرائیور کو اسپتال لے جاسکیں' تب اس نے اعتراف کر لیا۔''

''آپ ایک چور اور قاتل کی حمایت کر رہی ہیں؟'' ہنوز گردن جھکائے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔

''میں اپنے کلائنٹ کی حمایت کر رہی ہوں۔'' ذرا دیر کو رکی۔ ''کیا ہم اس معاملے کو سیٹل کر سکتے ہیں؟''

''ایک دفعہ غور سے مجھے دیکھیں اور بتائیں کیا مجھے آپ کی دیت چاہیے ہو گی؟''

زمر نے سر سے پاؤں تک اس کو دیکھا۔ ہزاروں روپے کا ہیئر کٹ' ڈھائی تین لاکھ کا سوٹ' اتنی ہی مالیت کے جوتے' اوہ اور گھڑی۔

''پروفیشنل کرٹسی کاردار صاحب!'' اس نے یاد دلایا۔ ہاشم نے موبائل رکھا اور نظر اٹھا کر بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''بی بی! میں آپ کو ایک فیور دوں گا۔ آپ اپنے کلائنٹ کو کٹہرے میں لے آئیں۔''

''کبھی بھی نہیں۔''

''آپ اس کو کٹہرے میں لا کر جج کے سامنے testify کرنے دیں۔ مجھے اس کی دیت نہیں چاہیے' مجھے اس کی شرمندگی چاہیے۔ آپ ایسا کریں' میں کم سے کم سزا کا مطالبہ کروں گا۔''

وہ چند لمحے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''کتنے سال؟'' ہاشم کے سنائے گئے سال اسے قبول تھے۔

''اوکے!'' اس نے ہامی بھر لی۔ وہ اٹھا۔ کوٹ کا بٹن بند کیا۔ ہلکا سا مسکرایا' سر کو خم دیا اور باہر نکل گیا۔

اس نے موبائل چیک کیا۔ فارس کی کوئی کال' کوئی پیغام نہ تھا۔ وہ قدرے متذبذب سی بیٹھی رہی۔ پھر اسے فون کیا۔

''آپ نے کہا تھا کہ آپ صبح آئیں گے۔ میں انتظار کر رہی تھی۔''

وہ ایک لمحے کو بالکل خاموش ہو گیا۔ ''میں آ رہا تھا۔'' زمر کو تسلی ہوئی۔ اس آدمی کو ابھی آدھا گھنٹہ پہلے اس نے کاریڈور کے دوسرے سرے پہ واقع ایڈووکیٹ مشہود کے چیمبرز میں گم ہوتے دیکھا تھا۔ روز ہی وہ آتا۔ ہر دفعہ اسے گزرتے گزرتے کوئی سخت بات کہہ جانا' کوئی معنی خیز اشارہ.... اف! وہ تنگ آ گئی تھی۔

باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا تو اسی وقت فارس نے اسے کھولنے کو ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں رہ گیا۔ پھر اس نے پیچھے کر

لیا۔ایک پر سوچ نظر زمر پہ ڈالی۔اس کے چہرے پہ اسے آتے دیکھ کر اطمینان آیا تھا۔لونگ مزید مکنے لگی۔

"رانا صاحب میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ مجھے دیر ہو جائے گی۔آپ خود اس سے بات کر لیں گے نا؟" وہ تسلی کرنا چاہ رہی تھی۔

وکلا کے چیمبرز کے آگے یہ راہداری تھی۔ بالکونی نما' جس کے دوسری طرف سے نیچے موجود مارکیٹ' گاڑیوں کا شور' نانبائی کا ٹھیلا' سب نظر آتا تھا۔وہ دونوں وہیں کھڑے تھے۔

"ہوں۔کدھر ہے وہ؟" جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے فارس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔آج وہ جینز پہ راؤنڈ نیک والی شرٹ میں ملبوس تھا جس کی آستین کلائی سے بالشت بھر پیچھے تک آتی تھی۔وہ اپنے نزن سے بہت مختلف تھا۔

"یہ ارشد فیاض موچھوں والا۔" زمر نے ابرو سے اشارہ کیا۔وہ شخص اب چیمبر سے نکل رہا تھا۔فارس نے چند لمحے غور سے اسے دیکھا۔پھر بہت سکون سے زمر کی طرف گھوما۔

"آپ جائیں۔میں نرمی سے سمجھا دوں گا۔وہ صبح آ کر آپ سے معافی مانگے گا۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت ابھری' پھر فکر مندی۔"مگر....فارس آپ اسے...."

"ڈونٹ وری۔ میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔" ہاتھ جیبوں سے نکال کر اٹھا دیے۔وہ ذرا مسکرا کر سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

فارس وہیں کھڑا رہا جب تک کہ وہ چلی نہ گئی۔پھر وہ ارشد نامی اس شخص کے پیچھے چلنے لگا۔وہ دو پلازوں کے درمیان رش سے بھری جگہ میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔فارس فاصلہ رکھ کر اس کے عقب میں تھا۔جب سڑک قریب آنے لگی تو وہ اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے منہ میں کچھ چباتا تیز چلنے لگا۔یہاں تک کہ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔

"کیا حال ہیں ارشد صاحب! گھر میں سب ٹھیک ہے؟"

ارشد نے چونک کر گردن موڑی۔وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"کون؟"

"مجھے پہچان جاؤ گے۔اتنی جلدی کیا ہے۔آؤ اس طرف۔" سڑک کنارے کھڑی وین کی طرف اشارہ کیا۔ارشد نے بگڑے تیور سے اسے دیکھا۔

"او کون ہو تم؟"

"آرام سے بھائی صاحب۔اس طرف آیئے۔آپ سے کچھ حساب کتاب کرنا ہے۔" وہ وین کے قریب تھے۔ارشد نے وہیں سے گزر کر آگے جانا تھا اور وہ ابھی کچھ سخت کہنے کو منہ کھول ہی رہا تھا کہ وین کا دروازہ سلائیڈ ہو کر کھلا۔دو نوجوان باہر نکلے۔ایک نے قریب آ کر اس کے کندھے پر بڑے جوش سے "السلام علیکم" کہتے ہاتھ رکھا۔سرنج ہاتھ میں ہی تھی۔سوئی اندر گئی۔ارشد جو اس افتاد پہ غصے میں اگلے کو جتانے لگا تھا' بالکل ساکت ہوتا گیا۔دونوں نے بازوؤں سے پکڑ کر اس بے جان ہوتے وجود کو وین میں ڈالا۔دروازہ بند کیا۔سب کچھ اتنی پھرتی سے ہوا کہ آس پاس کسی نے نوٹس نہیں لیا۔

فارس گھوم کر فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھا اور جھک کر ایک خانہ کھولا۔

"غازی! چلیں؟" ڈرائیور نوجوان نے پوچھا۔

"ہوں!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی۔پھر اسے دیکھا۔وہ اس خانے سے دستانے نکال رہا تھا۔

"یہ کیوں؟"

فارس نے چیونگم چباتے پتلا سا وہ دستانہ ہاتھ پہ چڑھایا اور پیچھے کو کھینچا۔

"زبان کا پکا ہوں۔ وعدہ کیا تھا اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" اب وہ دوسرا دستانہ پہن رہا تھا۔ ڈرائیور نوجوان نے ہنس کر سر جھٹکا اور ...نگ گھمانے لگا۔

تقریباً چار گھنٹے بعد ایک نسبتاً سنسان سڑک پہ وہی وین رکی۔ دروازہ سلائیڈ ہو کر کھلا۔ ارشد کو نیچے اتارا گیا۔ اس کے چہرے پہ کسی ...نشان نہ تھا البتہ وہ سفید نقاہت زدہ سا تھا۔

فارس نے اترے بغیر ذرا جھک کر اس کا کالر پکڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

"تمہارا چہرہ اس لیے چھوڑا ہے تاکہ جس کو تم اذیت دے رہے تھے اسے علم نہ ہو سکے۔ صبح جا کر تم اس سے معافی مانگو گے۔ اور دوبارہ اس کو شکل مت دکھانا اپنی۔ اور ہاں اگر ہمارے ڈرائنگ روم کی سیر کا سفرنامہ اسے بتایا یا دوبارہ اس کو ہراس کرنے کی کوشش کی تو طالبان ...لگا دوں گا تمہارے اوپر۔ امریکی انگلی فائنٹ سے لے جائیں گے اور ساری عمر تمہارا خاندان تمہاری شکل کو ترسے گا۔ بات آئی ہے ...ہی میں یا نہیں۔" کالر کو جھٹکے سے چھوڑا۔

ارشد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر گہرے سانس لیے۔ سر بار بار اثبات میں ہلایا۔ ابھی وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ فارس نے ایک آخری نظر اس پہ ڈالی پیچھے ہوا دروازہ زور سے بند کیا اور وین زن سے آگے بڑھ گئی۔

..........٭٭٭..........

کوئی آج تک نہ سمجھ سکا یہ اصول گلشن زیست کا ..... وہی پھول نذر خزاں ہوا جسے اعتبار بہار تھا

آج بھی دروازہ میری نے کھولا۔ وہ مسکرائی بھی مگر پھر بھی نوشیرواں کے گھر میں عجیب فضا چھائی تھی یا شاید سعدی کو ایسے محسوس ہو رہا تھا۔ بہر حال اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور اندر آیا۔ مسز کاردار کا پوچھا۔ وہ گھر پہ نہیں تھیں۔ چلو اچھا ہے۔ اس کا کل ایگزام تھا۔ شیرو نے بس کسی کام کے لیے بلایا ہے وہ نپٹا کر وہ جلدی سے واپس پہنچنے کی کرے گا۔

شیرو کے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ شہرین شاہانہ انداز میں لونگ روم میں صوفے پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ سنہری لٹ انگلی پہ لپیٹتی وہ مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ فضا میں گھات لگائے جانے کا احساس بڑھ گیا۔

سعدی نے دروازہ کھولا۔ نوشیرواں کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ آنکھیں گلابی تھیں۔ ڈرگز سے نہیں غصے سے۔

"خیریت؟ تم نے اتنی جلدی میں بلایا؟" سعدی نے سرسری سا پوچھا۔ وہ کھڑا ہوا۔ کڑے تیوروں سے اسے گھورتا سامنے آیا۔

"کب سے جاسوسی کر رہے ہو میری؟" سعدی نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔

"اگر تمہارا اشارہ میرے....."

"بکواس مت کرو۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا کہ تمہاری سنوں۔"

"ہاں تم نے مجھے اس لیے بلایا ہے تاکہ مجھے بے عزت کر کے گھر سے نکال سکو۔"

"تم ہوتے کون ہو میری ماں کے لیے میری جاسوسی کرنے والے؟ تم ہو کون ان کو میرے ڈرگز لینے کے بارے میں بتاتے ہو؟" غصے سے اس کے چہرے کے نقش بگڑ گئے۔

"میں تمہارا دوست ہوتا ہوں۔"

"تم نے مجھے میری ماں کی نظروں سے گرانا چاہا۔ تم نے....."

"اگر گرانا ہوتا تو میں ان کو تمہارے چالان کے بارے میں بھی بتاتا جو گاڑی غلط ڈرائیو کرنے پہ ہوا تھا۔ میں ان کو تمہارے اس لڑکی

کے منگیتر سے مار کھانے کا بھی بتا تا جس کو تم مسلسل کا لز کر رہے تھے۔ اور بھی بہت کچھ بتا سکتا تھا مگر میں نے تمہارا بھلا چاہا۔"

"اوہ شٹ اپ۔" وہ غصے سے چلایا۔ "تم مت چاہو میرا بھلا۔ جو تمہارا احسان تھا میرے اوپر' آج وہ بھی ختم ہوا۔ آئندہ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کروں گا۔"

"میں جا رہا ہوں نوشیرواں! کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ہم ایک دوسرے کو ایسی باتیں کہہ دیں جن پہ ہمیں پچھتانا پڑے۔" وہ مزید بے عزت نہیں ہو سکتا تھا۔ شیرو کو چیختا چلاتا چھوڑ کر دروازہ بند کرتا باہر نکلا' پھر ٹھٹک کر رکا۔

شہرین اسی تمکنت سے بیٹھی اس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم اس دن میرے برادران لاء سے پوچھ رہے تھے کہ میں کیسی عورت ہوں۔ اب پتا چل گیا میں کیسی عورت ہوں؟" ہاتھ بالوں میں اوپر سے نیچے لے جاتے معصومیت سے پوچھا۔

سعدی تلخی سے مسکرایا۔ نفی میں گردن ہلائی' سامنے آیا اور اس کے مقابل پڑی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے رکا۔

"میں نے یہ سوال اس لیے نہیں پوچھا تھا کہ میں نے آپ کو پورچ میں ایسی باتیں کرتے سنا تھا جن کے کھلنے کا آپ کو ڈر تھا۔ میں نے یہ سوال اس لیے پوچھا تھا کیونکہ میں نے آپ کو اسٹڈی کی کھڑکی کے باہر کھڑے ہو کر اپنی اور مسز کاردار کی وہ باتیں سنتے دیکھا تھا' جن کے کھلنے کا مجھے کوئی ڈر نہیں تھا۔" چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔ شہرین کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ گردن میں ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی دکھائی دی۔

"دوستی میرے نزدیک ایک ہی چیز ہے۔ وفاداری اور صرف غیر مشروط وفاداری۔ مسز ہاشم کاردار! وہ دوبارہ ڈرگز لے گا' میں دوبارہ اس کی ماں کو بتاؤں گا۔ کیونکہ میری آپ کے خاندان میں آمدورفت کی وجہ صرف شیرو سے دوستی نہیں ہے۔ یقیناً اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کیسا دوست ہوں۔" وہ کہہ کر مڑ گیا۔ شہرین تلملا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

"ایڈیٹ۔"

❖❖❖

ہاشم ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے' دوسرے میں موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتا راہداری میں چلتا جا رہا تھا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ بپھری ہوئی سی تیز تیز پیچھے آئی۔ دائیں طرف سے نکل کر گھوم کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ رکا۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟" زمر دبا دبا سا غرائی تھی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا کیا میں نے؟" اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کم سے کم سزا کا مطالبہ کریں گے۔ اور ابھی آپ نے سزائے موت کا مطالبہ کر دیا؟"

"میں نے وعدہ کیا تھا؟ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ کوئی کاغذ؟ کوئی دستخط؟" زمر کے اندر جوار بھاٹا پکنے لگا۔ بمشکل ضبط کر کے نفرت سے اس کو دیکھا۔

"آپ نے مجھے زبان دی تھی۔"

"نہیں' میں نے آپ کو سبق دیا تھا کہ کبھی استغاثہ کے ساتھ بغیر تحریری کاغذ کے ڈیل نہیں کیا کرتے۔" وہ پرسکون تھا۔ دوبارہ فون پہ ٹائپ کرنے لگا۔

"میں۔ میں آپ کے کہنے پہ..... میں اس کو کٹہرے میں لے آئی اور آپ نے کیا کیا میرے ساتھ؟ آپ کو اندازہ ہے یہ کیس رانا صاحب کے لیے کتنا اہم تھا؟ ان کی ریپوٹیشن کا سوال تھا۔"

"اور شاید آپ کی ملازمت کا بھی۔ اس بے وقوفی کے بعد آپ یقیناً ان کے چیمبر میں دوبارہ داخل ہونے کی ہمت نہیں کریں گی۔

recommendation کا خط چاہیے ہو تو میں لکھنے کو تیار ہوں۔" وہ محظوظ ہوا تھا۔

زمر نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں سمجھی تھی آپ سعدی کے رشتہ دار ہیں تو....."

"میں جب صبح سات بجے گھر سے نکلتا ہوں تو ساری رشتے داریاں پیچھے چھوڑ کر آتا ہوں۔ بزنس از بزنس۔" اس کا فون بجنے لگا تو ہیلو کہتا آگے بڑھ گیا۔ زمر وہیں کھڑی رہ گئی۔ ہاشم نے دور جاتے ہوئے فون کان سے ہٹا کر مڑ کر اسے دیکھا اور ذرا آواز دی۔

"اگلی دفعہ میرے ساتھ ڈیل کرتے وقت اپنا دماغ حاضر رکھیے گا۔" اور پلٹ گیا۔ وہ بے بسی بھرے غصے میں کھولتی مخالف سمت میں آگے ہو گئی۔ وہ کسی کے سامنے نہیں رویا کرتی تھی' سوائے سعدی کے۔ البتہ اس وقت دل کر رہا تھا کہ بھری کچہری میں زمین پہ بیٹھ کر رونا شروع کر دے۔

فارس ابھر آیا تو وہ باہر سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ بظاہر لگتا وہ کسی کی منتظر ہے' مگر اس کا چہرہ... زرد یا سیت بھرا سا تھا۔ وہ آخری سیڑھی کے سامنے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھنے لگا۔

"میں گزر رہا تھا تو.... آپ ٹھیک ہیں؟"

زمر نے نگاہیں اٹھائیں۔ پھر دھوپ کے باعث پلکیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ آس پاس ابھی بھی خاصا رش تھا۔

"کیا وہ صبح آیا تھا؟" ذرا احتیاط سے پوچھا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"جی۔ آپ نے اسے کیسے سمجھایا؟ وہ بہت دھیما ہو گیا تھا۔ معافی بھی مانگی اور یہ بھی کہا کہ واپس دوبئی جا رہا ہے۔ وہ دوبارہ ہراساں نہیں کرے گا۔" وہ ابھی تک اس کا یا پلٹ پہ حیران تھی۔

"اور بھی کچھ کہا؟" وہ غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس سب کا شکریہ فارس!" پھیکی مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی۔ بجھا بجھا سا چہرہ جھک گیا۔

"کوئی اور مسئلہ ہے؟"

"میری جاب چلی گئی۔ چھوڑنی تو ویسے بھی تھی' کہیں اور اپلائی کر رکھا تھا۔ مگر اس طرح چھوڑنے کا نہیں سوچا تھا۔" نہ اس نے ہاشم کا نام لیا' نہ فارس نے وجہ پوچھی۔ دونوں کو یہی مناسب لگا۔

"کیا آپ کی ای آپ سے میرا ذکر کیا تھا پچھلے ہفتے؟" ذرا ٹھہر کر بولا۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر نا سمجھی سے نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں.... کیوں؟" اور فارس بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

"یونہی۔ آپ کے ابو سے ملنا تھا تو۔ میرا خیال ہے وہ مجھے پسند نہیں کرتیں۔ خیر جانے دیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔" فارس نے اس بات کو جانے دیا' اور زمر نے اسے۔ وہ مڑ گیا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے دور ہوتا گیا۔ وہ نیچے سر جھکائے خالی خالی نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

..........❖❖❖..........

ایک نگاہ برفیلی، ایک بول پتھر سا...... آدمی نہیں مرتا صرف خون بہنے سے

کھانے کی میز پہ روٹی کا ڈبہ، ڈونگے، سلاد سب حسب معمول سجا تھا اور وہ لقمہ توڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں یقین نہیں کر سکتی ابا کہ سعدی جس آدمی کی اتنی تعریفیں کرتا تھا، وہ اتنی چھوٹی حرکت کر سکتا ہے۔'' لقمہ چبا کر گلاس لبوں سے لگایا۔ پھر باری باری دونوں کو دیکھا۔ ''میں نے سعدی کو بھی فون کر کے کہہ دیا۔ دوبارہ اپنے ہاشم بھائی کا ذکر بھی مت کرنا میرے سامنے۔''

''اس نے کیا کہا آگے سے؟'' بڑے ابا سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

''وہ تو خود حیران تھا۔ مگر اسے لگا کہ یہ کوئی غلط فہمی ہے۔ میں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ اس کا دل کیوں خراب کروں اپنے ہاشم بھائی کے لیے۔''

فرحانہ نے گہری سانس لے کر سلاد کی پلیٹ اٹھائی۔

''فارس کا کزن جو ہوا۔''

بڑے ابا نے ایک ملامتی نظر ان پہ ڈالی اور ایسی ہی دوسری نظر زمر پہ اور سر جھٹک کر کھانے لگے۔ زمر نوالہ سالن میں ڈبو رہی تھی، نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں امی! فارس تو بہت اچھا ہے۔ بہت ڈیسنٹ اور میرڈ۔ ہمیشہ ٹو دی پوائنٹ بات کرے گا۔ کبھی آپ کو نقصان پہنچانے والی حرکت نہیں کرے گا۔''

بڑے ابا کا نوالہ حلق میں اٹک گیا۔ چونک کر زمر کو دیکھا، پھر فرحانہ کو۔ ان کی رنگت ذرا پھیکی پڑی۔ فوراً یہ کھول کر رو دیا ما لگیں۔

''یہ پوری ہو جائیں گی یا مزید بتا دوں؟''

''یو نو واٹ ابا'' زمر کا ہاشم پہ غصہ کم ہو چکا تھا اور اسے فارس اور اس کا فرق واضح نظر آ رہا تھا۔ ''صرف اس لیے کہ میں فارس کی بات کر رہی ہوں، اس نے پچھلے ایک ڈیڑھ ہفتے میں مجھے دو تین فیورز اکٹھے دیے اور ایک دفعہ بھی نہیں جتایا۔ یہ سعدی لوگ اکثر کہتے ہیں ہمارے ماموں بہت غصے والے ہیں، مگر میرا خیال ہے وہ بہت سوبر ہے۔ اور ہاشم..... اف۔'' جھرجھری لے کر سر جھٹکتے اس نے اگلا نوالہ توڑا۔

بڑے ابا کا کھانا حرام ہو چکا تھا۔ وہ نیپکن سے ہاتھ رگڑ کر صاف کرنے لگے۔ زمر نے کھانا ختم کیا اور پلیٹیں اکٹھی کر کے کچن میں لے گئی تو فرحانہ بھی ساتھ ہی آ گئیں۔ اس نے فریج کھولا تو مٹھائی کا ٹوکرا اندر رکھا تھا۔

''یہ کہاں سے آیا امی؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب جامن اٹھایا اور منہ سے توڑا۔

''حماد کے گھر سے۔ وہ لوگ آج آئے تھے۔ ہم نے ان کو ہاں کر دی ہے۔ بتایا تھا نا۔'' وہ سالن ڈبوں میں ڈالتی فریج میں رکھ رہی تھیں۔

''ہوں۔ اچھی ہے۔'' گلاب جامن اندر تک گھل گئی۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

فرحانہ باقی برتن اٹھانے واپس آئیں تو بڑے ابا ہنوز سر براہی کرسی پہ بیٹھے تھے۔ نظر اٹھا کر دیکھا۔ افسوس، ملامت، دو ہرٹ ہوئے تھے۔

''آپ نے زمر سے نہیں پوچھا تھا؟'' وہ آہستہ سے بولے۔

''پوچھ بھی لیتی اور وہ مان بھی جاتی تب بھی میں ندرت کے بھائی کو اپنی بیٹی کا رشتہ نہ دیتی یوسف صاحب۔ کبھی بھی نہیں۔ ندرت چاہتی ہے کہ میں جھک کر رہوں تو ایسا نہیں ہوگا۔'' تیز لہجے میں کہتیں برتن اٹھا کر چیخ کرنے لگیں۔

''آپ نے زمر سے نہیں پوچھا تھا؟'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرحانہ نے فکر مندی سے انہیں جاتے دیکھا۔ وہ زا

طرف نہیں گئے تھے اپنے کمرے میں گئے تھے۔ ان کو یک گونہ اطمینان ہوا۔ شکر یہ معاملہ تو ختم ہوا۔ جیسے بھی سہی۔

.... ❀ ❀ ❀ ....

میں کہ واقف تھا ترے ہجر کے آداب سے بھی ...... رو پڑا ہوں تو کوئی بات ہی ایسی ہو گی

وارث نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ دوپہر کا اندھیرا چھایا تھا۔ پنکھا بند۔ صوفے پہ اکڑوں بیٹھی حنین جو ناراضی سے خلا میں گھور رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "گرمی میں کیوں بیٹھی ہو؟" احتیاط سے پکارتا قریب آیا۔ گردن ٹیڑھی کر کے اس کے تاثرات دیکھے۔ اس نے خفگی سے آنکھیں اٹھائیں۔

"بجلی نہیں ہے۔ ایک سے دو جاتی ہے۔ پھر شام کو چار سے پانچ جائے گی۔" وارث ہنس پڑا۔

"پاکستان کا کوئی دماغ ایسا نہیں ہے جس میں بجلی کی آمد و رفت کا حساب نہ ہو۔" حنین نہیں ہنسی۔ اسی طرح سامنے دیکھتی رہی۔ وہ مقابل صوفے پہ بیٹھا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"ابھی پھپھو آئی تھیں۔ ٹیلر سے امی کچھ کپڑے پک کیے تھے وہی دینے۔ میں نے بھی آج ان کو کوئی موڈ نہیں دیا۔ سوچتی تو ہوں گی کہ یہ ناراض ہے۔ ان کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی۔ شاید حیران تھیں۔ واٹ ایور!"

اور وہ حیران نہیں تھی، بس ذرا پھیکی پڑ گئی تھی۔ آج "بھول" کر جانے والی چابیاں حنین اٹھا تو لائی مسکرائی بھی، مگر وہ پچھلے دنوں کی بے تکلفی والا شگاف پھر سے بھر چکا تھا۔ فاصلہ پھر سے آ گیا تھا۔

"اور تم نے یہ کیوں کیا؟"

"آپ کو نہیں معلوم؟ انہوں نے ماموں کے رشتے سے انکار کر دیا۔"

"تو؟"

"تو؟" حنین نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "آپ کو افسوس نہیں ہوا؟"

"میرے افسوس سے کیا ہوتا ہے؟" "یہ ہر انسان کا حق ہے۔ انہوں نے کچھ سوچ کر فیصلہ کیا ہو گا۔"

"آپ جو بھی کہیں، میں ان سے بالکل بالکل بھی اب محبت نہیں کرتی۔ نہ کبھی کروں گی۔" وہ بے بسی بھرے طیش سے وارث کو دیکھ کر بولی۔ وہ لبوں پہ مٹھی رکھے خاموشی سے سنتا گیا۔

"مجھے ابو سے بھی محبت نہیں ہے۔ وہ ہمیں اس وقت چھوڑ کر چلے گئے جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ ان کو چاہیے تھا وہ سڑک پہ احتیاط سے چلیں۔ ان کو ہمارا سوچنا چاہیے تھا۔" وہ سر جھکا کر کہہ رہی تھی اور اس کی آواز میں نمی تھی۔ "میں پھپھو کو جب بھی دیکھتی تھی مجھے ان میں ابو نظر آتے تھے۔ مجھے لگتا تھا ہم کبھی دوست نہیں بن سکتے۔ میں اور پھپھو۔ کبھی بھی نہیں۔ اگر ہم قریب آئے تو وہ مجھ سے چھن جائیں گی۔ مگر پچھلے کچھ دنوں میں مجھے لگنے لگا کہ ایسا نہیں ہو گا۔ پھر ایسا ہی ہو گیا۔ اب میرا کوئی بھی فرینڈ نہیں ہے۔ میں دوبارہ کبھی ان کے پاس کوئی بھی مسئلہ لے کر نہیں جاؤں گی۔" سر جھکائے اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

"فارس کے رشتے کو انکار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تم سے کم محبت کرنے لگی ہیں۔"

"آپ جو بھی کہیں۔ ہم کبھی دوست نہیں بن سکتے۔"

"اچھا۔ کہیں باہر چل کر کچھ کھاتے ہیں۔" وہ چابی اٹھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے نہیں کھانا کچھ۔" غصے سے سر جھٹکا۔ ہنوز ناراض تھی شاید ساری دنیا سے۔

"چلو خیر، میں تو چاہ رہا تھا کہ اس بولان ریسٹورنٹ میں جا کر مٹن کڑاہی بنواتے ہیں (حتین نے جھٹکے سے گیلا چہرہ اٹھایا) ساتھ میں تندور والی روٹی، سلاد۔ مگر..... خیر چھوڑ دو۔ تم نے تو کچھ نہیں کھانا۔"

"مٹن کڑاہی کچھ میں نہیں آتی، اچھا!" جلدی جلدی چہرہ رگڑتی وہ پیروں میں چپل گھسیٹتی اٹھ کر اندر بھاگی۔ ساتھ ہی آوازیں بھی دے رہی تھی۔

"امی.....امی..... ماموں کہہ رہے ہیں ہم کھانے پہ باہر....."

وہ مسکرا کر کار اسٹارٹ کرنے باہر نکل گیا۔

............❖❖❖............

یہ سانپوں کی بستی ہے ذرا دیکھ کر چل وصی ...... یہاں کا ہر شخص بڑے پیار سے ڈستا ہے

ایرپورٹ سے گھر تک سارا راستہ دونوں خاموش رہی تھیں۔ جب کار کاردار قصر کے سامنے رکی تو جواہرات نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"تم باہر جاؤ۔"

شہرین نے جو اترنے کی تیاری میں تھی، چونک کر اسے دیکھا۔ سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائے۔ ڈرائیور اتر گیا تو جواہرات نے مسکرا کر گردن اس کی طرف موڑی۔

"اگلی دفعہ نوشیرواں کو مجھ پہ شک کروانے یا میرے کاسمیٹکس کے خلاف بھرنے سے پہلے ایک سو ایک دفعہ سوچنا۔ کیونکہ یہ آخری موقع ہے جب میں نے نظر انداز کیا ہے، وہ بھی صرف اس لیے کہ تم دو ایک سال سے زیادہ اس گھر میں ٹکتی مجھے نظر نہیں آ رہی ہو۔ سو یہ مختصر وقت میں تمہارے لیے ناخوشگوار نہیں بناؤں گی، نہ تم میرے لیے بنانا۔ میں چاہتی تو ہاشم کو بتا دیتی کہ تم اپنی خالہ کے گھر اتنا کیوں جاتی ہو۔ مگر میں اپنے بیٹے کی مختصر سی شادی شدہ زندگی خراب نہیں کرنا چاہتی۔ اس لیے نہیں بتاؤں گی کہ تمہاری خالہ کے بیٹے کے ذکر پہ تمہارا رنگ کس طرح سفید پڑتا ہے، جیسے ابھی پڑ رہا ہے۔ کلیئر؟"

مسکرا کر ٹھنڈے برف لہجے میں کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑی۔ شہرین نے تھوک نگلا، پھر گردن تان کر کہنے کی کوشش کی۔

"ہاشم جانتا ہے وہ میرا دوست تھا۔"

"بالکل! ہاشم بھی جانتا ہے کہ وہ تمہارا دوست ..... تھا شہری!" مسکرا کر کہتی وہ باہر نکل گئی۔ شہرین نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

(بوٹوکس کی ماری بڑھیا) اور خود بھی مسکراہٹ چہرے پہ لاتی باہر آ گئی۔

............❖❖❖............

بے اعتبار شخص تھا وہ وار کر گیا ..... لیکن میرے شعور کو بیدار کر گیا

کچہری میں معمول کی چہل پہل تھی۔ ہاشم نے موبائل پہ بات کرتے ہوئے اس آفس کا دروازہ کھولا اور اندر آیا۔ آس پاس کی میزوں کو نظر انداز کرتا آخری ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔

"ہاں تم مجھے کام ختم کر کے اطلاع کر دو۔ دو گھنٹے تک۔ لازمی۔" موبائل بند کر کے کرسی کھینچی، سامنے دیکھا۔ اور..... رک گیا۔

وہ کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں بندھے تھے۔ صرف ایک لٹ گال کو چھو رہی تھی۔ ہاشم کی نظریں بے اختیار میز پر رکھی نیم پلیٹ پہ جھکیں۔

"میں تعارف خود ہی کروا دیتی ہوں۔ پبلک ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف خان۔ دو ہفتے پہلے میری تقرری ہوئی ہے۔ اور شاید ایک ماہ قبل آپ سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ بھولے تو نہیں ہوں گے آپ مجھے۔"

ہاشم بے اختیار ہنس دیا۔ ہنستے ہنستے نفی میں سر ہلا دیا اور بہت محظوظ ہونے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''یعنی میری وجہ سے آپ کو نئی جاب مل گئی۔ گڈ!''

''تو پھر کس کیس کے سلسلے میں آپ آئے ہیں کاردار صاحب؟'' وہ مسکرا کر کہتی ہاتھ ملا کر میز پہ رکھے آگے ہوتی۔

''میرا خیال ہے مستقبل میں ہمیں بہت سے کیسز یونہی بیٹھ کر طے کرنے ہوں گے۔ اس لیے.... کیوں نہ پہلے آپ مجھے اچھی سی چائے پلوائیں۔ بغیر شوگر کے۔'' وہ ابھی تک لطف اندوز ہو رہا تھا۔ زمر سرد سا مسکرائی۔

''شیورا میرے ڈیسک پہ چائے کا سامان ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ آپ کو اب یہاں خود چائے بنانے کی عادت ڈالنی ہو گی، مگر آج رہنے دیں۔ کیونکہ پہلی چائے میں آپ کے لیے بنا دوں گی۔ بغیر شوگر کے۔'' کہہ کر وہ اٹھی اور کیتلی اٹھائی۔ ہاشم کہنی کرسی کے ہتھے پہ رکھے گردن اٹھا کر اسے چائے بناتے دیکھتا رہا۔

''اب کیس پہ بات کر لیتے ہیں کاردار صاحب!'' کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے زمر نے چینی دان سے دو چمچ نکالے، اس کو دکھا کر چائے میں انڈیلے اور چمچ پرچ پہ رکھ دیا۔ پھر کرسی پہ آ بیٹھی اور بولی۔ ''یقین کیجیے میرا دماغ آج بالکل حاضر ہے۔''

ہاشم پھر سے ہنس دیا۔ دل ہی دل میں تلملاتے ہوئے۔

پانچ سال بعد بھی وہ اسی طرح ہونے نمبلو کے ساتھ کھڑا ہنس کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اور بے خیالی میں اس کو دیکھتی زمر ذرا چونکی۔ اور زرو شادی کا فنکشن جو ماضی کی دھول میں دھندلا ہو گیا تھا، اب واضح ہونے لگا۔

اس نے ایک ہاتھ سے کنپٹی مسلی اور کرب سے آنکھیں بند کیں۔ حنین میٹھا لینے جا چکی تھی، مگر جو کڑوا وہ کہہ گئی تھی، اس کا اثر اب بھی باقی تھا۔ یہ رشتہ کب مانگا گیا، کب انکار ہوا، اسے پتہ نہیں معلوم تھا، مگر ایک بات صاف نظر آنے لگی تھی۔

وہ جو چار سال سے یہ سوچتی رہی کہ فارس نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا، تو اس کا جواب مل گیا تھا۔ اس نے انتقام لیا تھا۔ ٹھکرائے جانے کا انتقام۔ ''میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا، دل میں..... یہی کہا تھا نا اس نے۔ اسے سب یاد تھا۔ انتقام تھا تو انتقام سہی۔ (میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر صرف ایک گولی) ایک نتیجے پہ پہنچ کر اس نے موبائل پہ کال ملا کر اسے کان سے لگایا۔

''بصیرت صاحب! سوری میں آپ کو غلط وقت پہ تنگ کر رہی ہوں۔ مجھے ایک کیس فائل چاہیے۔ جی.... پبلک ریکارڈز کے علاوہ بھی جو کچھ آپ کے پاس ہو اس کیس سے متعلق، جی سارا باکس بھجوا دیجیے۔ میں اپنے ملازم کو بھیجتی ہوں آپ کی طرف۔''

وہ پوچھ رہے تھے کہ اسے کون سا کیس چاہیے۔ زمر نے گہری سانس لی۔ دور کھڑے کرنل اور حماد کو اپنے جہ وال بچوں اور دلہا دلہن کے ساتھ مسکرا کر فوٹو اتروائے دیکھا اور بولی تو آواز یخ ٹھنڈی تھی۔

''سرکار بنام فارس غازی۔''

اس نے فون بند کیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ چہرہ اب سپاٹ تھا اور ذہن قدرے مجتمع تھا۔

دور حنین سویٹ ڈش ٹیبل پہ پلیٹ میں کچھ نکال رہی تھی۔ کن اکھیوں سے وہ قریب کھڑے ہاشم کو کسی سے بات کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نکالتی رہی یہاں تک کہ ہاشم کا مخاطب مڑ گیا تو وہ اس تک آئی۔ وہ اسے دیکھ کے بس ہلکا سا مسکرایا۔

''مجھے.... آپ سے یہ کہنا تھا کہ....'' اپنے پیالے میں چمچ ہلاتے اور چمچ کو دیکھتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ ''کہ مجھے بھی بہت افسوس ہے۔ آپ نے فادر کی ڈیتھ کا۔ مجھے ان کے جنازے پہ آنا چاہیے تھا مگر میں نہیں آ سکی۔ آئی ایم سوری ہاشم بھائی!'' نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے سر کے خم سے تعزیت وصول کی۔

''اٹس او کے۔ مگر تمہیں آنا چاہیے تھا حنین! سعدی تو آیا تھا۔ اس وقت نہ سہی، بعد میں آنا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے بعد تم لوگوں نے ہماری طرف.... آنا چھوڑ دیا بالکل۔'' آخری الفاظ ادا کرتے ہاشم کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ گردن میں ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی، آنکھوں میں

چونک جانے کا احساس۔ حنین اگر متوجہ ہوتی تو محسوس کر لیتی۔

"آئی ایم سوری!" وہ سر جھکائے کہہ کر مڑ گئی۔ واپس بیٹھنے کی جگہ پہ آئی تو سعدی وہاں کھڑا تھا آہستہ سے بولا۔ "ہاشم بھائی کیا کہہ رہے تھے؟"

اس نے اداس آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "میں ان سے معذرت کر رہی تھی کہ میں ان کے والد کی وفات پہ نہیں آ سکی۔ مجھے آنا چاہیے تھا۔ اور اس سے پہلے انہوں نے بھی معذرت کی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں افسوس ہے۔"

سعدی نے پیالے میں سوفلے کا چمچ الٹتے ہوئے تلخی سے سر جھٹکا۔

"کتنا آسان ہے حنین ڈیڑھ سال بعد ایک شادی کی تقریب میں آ کر کہہ دینا کہ مجھے افسوس ہے۔ ہونہہ۔" حنین نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

"انہیں افسوس ہے۔ واقعی ہے۔"

"اگلی دفعہ جب وہ تمہیں کہیں کہ ان کو افسوس ہے تو ان سے کہنا افسوس کافی نہیں ہوتا۔" وہ سنجیدگی سے کہتا پلٹ گیا۔ وہ اب زمر کی ٹیبل کی طرف جا رہا تھا۔ حنین دل مسوس کر وہیں کھڑی رہ گئی۔ کیا وہ ساری زندگی اسی نقطے پر کھڑی رہے گی؟ کیا وہ بھی پھپھو کی طرح کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گی؟

اس کا ذہن پل بھر کو اپنے اردگرد سے ہٹتا گیا۔ دل و دماغ پر کوئی دھندی چھا رہی تھی۔ سیاہ رات میں سنہری دھند... اس کا ذہن اس دھند میں ڈوبتا گیا... ڈوبتا گیا۔

............❖❖❖............

باب نمبر: 5

بیماری میں اور صحت میں

اے گلاب۔
تم بیمار ہو۔
نادیدہ کیڑا جو رات میں اڑتا ہے۔
برستے طوفان میں۔
اس نے ڈھونڈ لیا ہے تمہارا بستر۔
سرخ لطف کا۔
اور اس کے گہرے خفیہ عشق نے
برباد کر دی ہے
تمہاری زندگی
(ولیم بلیک کی نظم "بیمار گلاب")

موجودہ دن سے چار سال پہلے
(وارث غازی قتل سے تین دن قبل)

ذوالفقار یوسف کے گھر کے چھوٹے سے کچن میں شرارت بھری خاموشی چھائی تھی۔ کاؤنٹر پہ دو ڈشز رکھی تھیں۔ ایک خالی۔ ایک میں تازہ بیک شدہ کیک جس کی لیئرز کاٹ کر اندر کریم بھری گئی تھی۔ اب اس کیک کو دوسری صاف ڈش میں ڈالنا تھا۔ سعدی نے نچلا لب دبائے مسکراتے ہوئے حنین کو دیکھا جو آستین چڑھا کر کیک کے قریب ہاتھ لے جاتی' پھر واپس کھینچ لیتی۔

"میں ڈال دوں حنہ؟"

"خبردار۔ یہ نرم ہے۔ ٹوٹ جائے گا اور اسے ہاتھ بھی مت لگایئے گا۔" وہ غصے سے بولی۔

"انگلی لگاؤں۔" سعدی نے انگلی اس طرف بڑھائی۔ حنہ نے زور سے اس کی انگلی پہ ہاتھ مار کر پیچھے ہٹایا۔

"میں چھت سے نیچے پھینک دوں گی آپ کو۔ پھپھو کی شادی میں پلستر چڑھا ہوگا۔" آج کل حنین کی ہر بات میں دو ہفتے بعد ہونے والی پھپھو کی شادی کا تذکرہ ضرور ہوتا تھا۔

"اول فول نہ بولا کرو۔ ہر وقت۔" ندرت نے اسے گھورتے ہوئے کفگیر دکھایا۔ سعدی دل کھول کر ہنسا۔

"یار حنہ! امی کو ابھی تک ہمارے خلاف کفگیر' جوتے اور چمٹے کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں ملا؟"

ندرت نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیں اور چولہے کی طرف مڑ گئیں۔ حنہ کا کیک ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا اور وہ ڈرتے ڈرتے ہاتھ اس کی طرف بڑھا رہی تھی' تب ہی فون کی گھنٹی بجی۔

ندرت نے سعدی کو پکارا اور سعدی نے حنین کو دیکھا۔ پھر نظروں سے اس کا دروازے سے فاصلہ ناپا۔ "تم قریب ہو' تم اٹھاؤ" اور یہ تو ان کا اصول تھا کہ جو قریب ہوگا وہی کام کرے گا۔ حنین او نہہ کر کے لاؤنج میں گئی۔ جلد ہی واپس بھی آ گئی۔ دوبارہ آستینیں چڑھا لیں۔

"زرتاشہ آنٹی کا فون تھا۔" خود سے دس گیارہ سال بڑی زرتاشہ کو آنٹی کہنا عجیب لگتا تھا مگر پانچ ماہ سے کہہ کہہ کر وہ عادی ہو گئی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" اس نے ندرت کا سوال نظر انداز کیا۔ وہ چمٹے اٹھا کر احتیاط سے کیک تلے لائی۔ اسے اٹھایا اور آہستہ سے دوسری ڈش میں بٹھایا۔ پھر "شکر" کہتی سیدھی ہوئی۔ سعدی ہنوز مسکرا رہا تھا۔

"وہ پوچھ رہی تھیں کہ ہم پرسوں سونیا کی سالگرہ میں آ رہے ہیں یا نہیں؟"

"یہ سونیا کی سالگرہ سال میں کتنی دفعہ ہوتی ہے؟" سعدی کو حیرت ہوئی۔ "میری سالگرہ سے چھ دن بعد ہوتی ہے اس کی اور میری دو ماہ پہلے گزر چکی۔"

"مگر دو ماہ پہلے ہاشم بھائی باہر گئے ہوئے تھے۔ وہیں منا لی۔ پھر واپس آ کر یہاں کا فنکشن کرنے کا وقت اب ملا ہے۔ یہ بھی زرتاشہ آنٹی نے بتایا ہے۔ ہاں مگر میں نہیں جاؤں گی۔"

ندرت نے ہانڈی میں چمچ ہلاتے ہوئے تعجب سے پلٹ کر اسے دیکھا جو اپنے کیک پر کافی بے ڈھنگے انداز میں کریم پھیلا رہی تھی۔ (کب سیکھے گی یہ لڑکی سلیقہ؟)

"کیوں؟"

"کیا فائدہ امیروں کی دعوت میں جانے کا اگر وہ کیمرہ' موبائل ہی اندر نہ لے جانے دیں۔ بندہ پکچرز ہی بنا لیتا ہے۔"

"یہ کوئی وجہ نہیں۔ تم نے جب یہی بات پچھلی دفعہ ہاشم بھائی سے کہی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ تم لے آیا کرو کیمرہ' تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ اور پھر تمہیں پارٹی کی تصویریں بھی ای میل کروا دی تھیں۔"

"بس بھائی کو موقع ملنا چاہیے ان ہاشم بھائی کے دفاع کا۔ بالکل بھی نہیں پسند مجھے مصنوعی مسکراہٹوں والے ہاشم بھائی اور ان کی ممی۔ انکل اچھے ہیں اور وہ بم پھٹے بالوں والا نوشیرواں بھی بہتر ہے۔"

پھر چونک کر سعدی کو دیکھا۔ ذرا قریب کھسک آئی اور سرگوشی کی۔ "آپ کی اس سے صلح ہوئی؟"

"صلح؟ بات تک نہیں ہوتی۔ جب سے ڈرگز والی بات اس کی ممی کو بتائی تھی تب سے مجھے بس غصے سے گھور کر نکل جاتا ہے۔"

"کیا اب بھی ڈرگز لیتا ہے؟" حنین کو تجسس ہوا۔

سعدی نے اسے گھورا۔ "نہیں لیتا میرے خیال سے۔ مگر یہ بات دہرانا نہیں آگے پیچھے۔"

"اب رکھ بھی دو اس کیک کو فرج میں۔ کھانا بننے والا ہے۔ پہلے وہ تو کھاؤ۔" امی نے ڈانٹ کر کہا۔ وہ کریم لگاتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔

"امی! میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ انسان کو خوب مزے سے ہر چیز کھانی چاہیے۔ اور جو منع کرے۔" نظر اٹھا کر ندرت کو گھورا۔ "اسے بھی کھا جانا چاہیے۔"

ندرت کچھ کرارا سنانے کو تھیں مگر ڈور بیل بجی۔ اب کے سعدی قریب تھا۔

''جاؤ سعدی! پھپھو ہوں گی۔'' وہ مسکرا کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ پھر رکا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرے پہ خفگی آئی بھنویں سکیڑیں اور سنجیدگی سے جا کر دروازہ کھولا مگر یوں کہ ہینڈل پکڑے رکھا اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

باہر زمر تھی۔ نکھری نکھری سی۔ سعدی کو دیکھ کر مسکرائی۔ وہ مشکوک نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

''کون ہے سعدی؟'' کوئی آواز نہ آنے پہ ندرت نے پکارا۔

''ایک خاتون ہیں۔ بال گھنگھریالے' آنکھیں بھوری' عمر انتیس سال اور چہرے پہ خوشامدی مسکراہٹ۔'' پھر ذرا وقفہ دے کر زمر کو مخاطب کیا۔ ''جی فرمایئے؟''

وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے بولی۔ ''لارڈ وولڈیمورٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

سعدی ناراضی سے پیچھے ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ ندرت نے کچن سے نکلتے ہوئے یہ منظر دیکھ لیا۔ ہکا بکا رہ گئیں۔ ''پھپھو کو اندر بلاؤ۔''

''رہنے دیں امی! یہ خاتون باہر کھڑی زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔'' منہ دروازے کے قریب کر کے اونچی آواز میں کہا۔ زمر نے مسکراتے ہوئے انگلی سے دروازہ بجایا۔ اس نے دوبارہ دروازہ کھولا۔ اسی سنجیدگی سے پوچھا۔ ''جی؟''

''پروفیسر اسنیپ ٹھیک ہے؟''

سعدی برا سا منہ بنا کر پھر سے دروازہ بند کرنے لگا۔ زمر نے اپنا پاؤں چوکھٹ پہ اڑا دیا اور مصالحانہ انداز میں بولی۔ ''اچھا چلو' تم ہی ولن والی کا کردار لے لو۔ اب خوش؟''

ساتھ ہی ہاتھ میں موجود کاغذوں کا پلندہ لہرایا۔ سعدی مشتبہ نظروں سے اسے گھورتا رہا۔ پھر راستہ چھوڑ دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی۔ کاغذ کے پلندے سے اس کا شانہ تھپکا اور گول میز تک آئی۔

حنین تب ہی باہر آئی۔ زمر کو دیکھ کر مسکرائی۔ سلام کیا۔ فارس کے رشتے کے انکار کو ایک سال بیت چکا تھا اور حنین کی سرد مہری ختم تو نہیں' مگر کم ضرور ہو گئی تھی۔

''آؤ بیٹھو۔ کیسی ہو تم؟'' ندرت ہاتھ پونچھتی ادھر آ گئیں۔ ساتھ ہی سعدی کو لتاڑا۔ ''یہ کیا طریقہ ہے؟ پھپھو کو اندر کیوں نہیں آنے دے رہے تھے؟''

''یہ اس وقت بالکل بھی میری پھپھو نہیں ہیں۔'' وہ جل کر بولا۔ ''یہ صرف پراسیکیوٹر ہیں جو ہیری پوٹر کو سزا دلوانا چاہتی ہیں۔''

(ایک تو یہ مواہیری پوٹر بھی نا.....) ندرت نے سوالیہ ان سب کو دیکھا۔ زمر مطمئن سی مسکراتی ہوئی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

''میرے پرانے کالج میں ایک موک ٹرائل ہے سرکار بنام ہیری پوٹر۔ مجھے پہلے بطور جج مدعو کیا گیا تھا مگر وقاص کے پاس ایک پرانا کیس تھا' اور میری پراسیکیوشن کے اسٹوڈنٹس سے بنتی بہت ہے' سو میں نے جج کے بجائے استغاثہ بننا بہتر سمجھا۔ اب اس کو دونوں سے کہہ رہی ہوں کوئی کردار بن کر گواہی دینے کے لیے آ جائے مگر نہیں۔''

''موک ٹرائل؟'' ندرت نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''موک ٹرائل جس میں کسی فیری ٹیل' جنگی واقعہ یا کسی بھی حقیقی یا فرضی کیس کو لے کر کارروائی کی جائے اور فیصلہ سنایا جائے۔ مقصد صرف طلبا کو سکھانا ہوتا ہے۔'' زمر نے وضاحت کی۔

''سرکار بنام ہیری پوٹر؟'' حنین کو دلچسپی ہوئی مگر جھجکتے ہوئے پوچھا۔ ''ہیری پہ الزام کس چیز کا ہے؟''

''میں بتاتا ہوں۔'' سعدی جو دونوں سے اس ''غیر انسانی'' کیس پہ تپا ہوا تھا' بولنے لگا۔ ''یاد ہے فورتھ بک میں ٹورنامنٹ کے

انتقام پہ ہیری کے ساتھ مقابلے بازلز ۔ کے سیڈرک کو وولڈیموورٹ نے مار دیا تھا؟''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر جب ہیری سیڈرک کی لاش اور ٹورنامنٹ کے کپ کے ساتھ واپس آیا تو پولیس نے اسے گرفتار کر لیا اور اس پہ الزام لگایا کہ اس نے ہی سیڈرک کو قتل کیا ہے۔ اور پچھوا استغاثہ میں ہیں۔ اور ہیری کو قاتل ثابت کروا کر ہی دم لیں گی۔''

زمر نے شانے اچکائے۔ ''فیصلہ کرنا جج کا کام ہے۔ میں تو صرف دلائل دوں گی۔ آخر ہیری اپنے حریف کی لاش کے ساتھ ملا تھا۔''

''مگر آپ کو رون کی گواہی کی ضرورت کیوں ہے؟'' سعدی الجھا۔ ''رون تو ہیری کا دوست ہے۔ وہ تو اس کے حق میں گواہی دے گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ دے دے حق میں گواہی۔'' وہ اب اسے وہ کاغذ نکال کر دے رہی تھی جن میں رون سے متعلق نوٹس تھے۔ چونکہ یہ نان اسکرپٹڈ ٹرائل تھا' اس نے شکل تھا۔ زمر عدالت میں کوئی بھی سوال کر سکتی تھی۔ وہ ذرا متوجہ ہو کر سننے لگا۔

حنین خاموشی سے اٹھ آئی۔ امی کی ہانڈی دم پہ تھی اور وہ سعدی کے کمرے میں اس کی چیزیں جوڑ رہی تھیں۔ وہ ہفتہ پہلے آیا تھا' ڈیڑھ ماہ کے لیے۔ ملنے ملانے میں ہی یہ دن گزر گئے۔ زمر کی شادی سر پہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کوئی چھ ماہ قبل آیا تھا' بھاگم بھاگ چار دن کے لیے۔ بڑے ابا کی وفات پہ۔ سب نے منع کیا کہ ''مت آؤ' ایگزامز قریب ہیں۔'' مگر وہ آ گیا اور چلا بھی گیا۔

حنین امی کو مصروف دیکھ کر پلٹنے لگی۔ پھر سعدی کی اسٹڈی ٹیبل پہ دھرا خالی مگ دیکھ کر سوچا' اگر اسے کچن میں لے جا کر رکھ دے تو امی پہ احسان عظیم ہو جائے گا۔ ویری گڈ۔ وہ قریب آئی مگر مگ اٹھانے سے پہلے سعدی کے بیگ سے نکلی کتابوں تک رک گئی جو اسی میز پہ بکھر رہی تھیں۔ ان میں ایک کتاب کا نام منفرد سا تھا۔ اس نے وہ اٹھائی۔ صفحے الٹ پلٹ کیے۔ ہاشم کے دستخط' نیچے محمد اولی کے۔ بھائی کو غالباً ہاشم بھائی نے تحفے میں دی تھی۔

حنین کرسی پہ بیٹھی اور مزید صفحے پلٹے۔ تیرھویں صدی کے کسی عالم کی لکھی گئی عربی کتاب کا انگریزی ترجمہ۔ اس نے دیباچہ پلٹا' شاید کوئی ناول ہو۔ مگر نہیں۔ وہ نان فکشن تھا۔ وہ نہیں پڑھنا چاہتی تھی مگر پھر بھی پڑھنے لگی۔

کتاب کے صفحے کورے تھے اور ان پہ جگمگاتے الفاظ سیاہ ہیروں جیسے۔ اور قلم سے لکھے الفاظ اگر اللہ چاہے تو صدیوں تک امر ہو جاتے ہیں۔ کتاب اور ان کے درمیان موجود سات سو سال کا فاصلہ ان الفاظ کی طاقت کو روکنے کے لیے ایسا تھا جیسے نور کے چشمے کی راہ میں رکھا کوئی لکڑی کا ٹکڑا' جیسے سنہرا پانی محسوس تک کیے بنا بہتا چلا جائے۔

سات صدیوں کا فاصلہ عبور کرنے کے لیے ایک دروازہ تھا اور حنین اس دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اکیسویں صدی کی حنین' ٹراؤزر اور لمبی قمیص میں ملبوس' آنکھوں پہ چشمہ' بال فرنچ چوٹی میں۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اسے کتاب میں داخل ہونے کے لیے یہ دروازہ کھولنا تھا۔ سو اس نے کھول دیا۔ پٹ وا ہو گئے۔ اندر روشنی تھی۔ تیز روشنی۔ حنین نے اندر قدم رکھے۔ دروازہ پیچھے بند ہو گیا۔

وہ ایک کچے راستے پہ کھڑی تھی۔ یہ تیرھویں صدی عیسوی تھی۔ ہر شے زرد اور پھیکے رنگ کی تھی۔ دمشق کا بازار اور اردگرد سر ڈھانپے گزرتے لوگ۔

وہ احتیاط سے قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی۔ لوگ گزرتے رہے۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایڈونچر اچھا تھا۔ وہ چلتی رہی۔

پھر وہ رکی۔ ایک مسجد نما عمارت کے سامنے مجمع لگا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی۔ پنجے اٹھا کر گردن اونچی کر کے کسی کے کندھے کے اوپر سے جھانکا۔

زمین پہ ایک آدمی اکڑوں بیٹھا تھا۔ مریل اتنا گویا ہڈیوں کا پنجر ہو۔ سرخ متورم آنکھیں' ان میں چھپا کرب۔ وہ خراب حالت میں

حالانکہ نہ اس کا لباس بوسیدہ تھا' نہ کوئی زخم کا نشان تھا مگر مایوسی اور اذیت نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ آنکھ میں کوئی ٹھہرا آنسو تھا جو نہ وہ پیتا' نہ بہاتا۔ اسے کیا ہوا تھا؟

مجمع یکایک چھٹنے لگا۔ وہ بھی پیچھے ہٹ گئی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ لوگ عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بھی پیچھے ہولی۔ عمارت کی نچی دیواروں کے پار دیکھا۔ کچھ لوگ اندر سے کسی کو اپنے ہمراہ لا رہے تھے۔ نفیس' نرم خو دکھتے شیخ معلم۔ وہ لوگ اب شیخ کے ساتھ کھڑے ہو کر سب اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو ان سے بیگانہ تھا۔ یکسر بیگانہ۔

کسی صدا لگانے والے نے صدا لگائی۔

"کیا فرماتے ہیں آئمہ دین ایسے شخص کے بارے میں جس کا دین اور دنیا اس مہلک مرض نے تباہ کر دیا ہو؟ کیا ہے اس مرض کی کوئی دوا۔ شیخ (استاد)؟"

امام شیخ نے گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور بولے تو حنین کو ان کی آواز صاف سنائی دی جیسے دل میں اتر گئی ہو۔

"اللہ نے اتاری ہے ہر مرض کی دوا۔ جو اسے جانتا ہے' وہ اسے جانتا ہے۔ جو اسے نہیں جانتا' وہ اسے نہیں جانتا۔"

"مگر اسے ہوا کیا ہے؟" حنین کے لبوں سے پھسلا۔ پھر زبان دانتوں تلے دبائی۔ بھلا سات صدیاں پہلے گزرے شیخ اسے کیسے سمجھ سکتے تھے؟ نہ اس کے سوال' نہ اس کے جواب۔ مگر شیخ نے دیکھ لیا تھا' اسے بھی اور اس کی آنکھوں میں رقم سوال کو بھی۔ وہ مسکرا کر بولے۔

"اسے مرض عشق ہے۔"

"مرض عشق؟" اس نے تعجب سے دہرایا۔ "عشق مرض ہے؟"

"بلکہ جان لیوا مرض ہے!"

"تو..." اس نے گردن موڑ کر اس اکڑوں بیٹھے شخص کو دیکھا اور پھر شیخ کو۔ "تو کیا مرض عشق کی بھی کوئی دوا ہے؟"

"یہ مگ رکھ کر آؤ کچن میں!" دروازے کی دوسری جانب امی آواز دے رہی تھیں۔ حنین نے شیخ کو دیکھا۔ وہ اس کے ٹھہرنے کے منتظر تھے مگر وہ نہیں ٹھہری۔ وہ مڑ کر پیچھے گئی۔ سنہری دھوپ...... سے بھرے دروازے کو دھکیلا اور واپس۔

اس نے کتاب بند کی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ بھائی کی کرسی پہ بیٹھی تھی اور ندرت سر پہ کھڑی ڈانٹ رہی تھیں۔ اس نے سر جھٹکا۔ اپنی پرانی عادت۔ جو پڑھتی' اس کو تصور کرنے لگ جاتی اور اس زمانے میں پہنچ جاتی۔ صرف ایک پیراگراف نے اتنا متاثر کیا' پوری کتاب تو پاگل کر دے گی۔ ہنا! کبھی نہیں پڑھنی ایسی کتابیں۔ وہ اٹھی۔ کتاب شیلف میں رکھ دی۔ عنوان قدرے مزید واضح ہوا۔

"ایک مکمل جواب اس شخص کے لیے جس نے سوال کیا تھا' شفا دینے والی دوا کے بارے میں!"

"اچھا امی! سن لیا ہے۔" وہ ان کی بار بار کی ڈانٹ پہ چڑ کر بھی مگ اٹھائے باہر نکل آئی۔ گول میز کے گرد پھپھو' بھتیجا ابھی تک الجھ رہے تھے۔ آگے آئی۔ زمر نے اسے دیکھا تو کوئی خیال آیا۔

"تمہاری امریکن دوست نے بھی آنا تھا شادی پہ۔ کب آئے گی؟"

"پرسوں۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "اسے پاکستان گھومنے کا بہت شوق ہے۔ وہ آئے گی تو ہم سب اسکردو جائیں گے۔" اور مسکرا کر برتن لگانے لگی۔ (امی پہ دوسرا احسان)

.............❖❖❖.............

جنگ ہاری نہ تھی ابھی کہ فراز ...... کر گئے دوست درمیان سے گریز

آفس میں عجیب تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ فاطمی صاحب فائل سامنے رکھے تعجب سے ایک کے بعد ایک صفحہ پلٹ رہے تھے۔ متاثر

سے نظر اٹھا کر سامنے بیٹھے وارث کو دیکھا۔

''امیزنگ ورک! میں نے تمہیں اس کیس کا آئی او بنا کر بہت اچھا کیا۔''

وارث ہلکا سا مسکرایا۔ سر کو خم دیا۔ ''تھینکس سر!'' قدرے توقف سے اضافہ کیا۔ ''یہ فائلز کرپشن چارجز کے ثبوت اور شواہد کی ہے اور کرپشن کیس کھڑا کرنے کے لیے کافی ہے۔ مگر یہ فائل۔'' اس نے الگ رکھی سیاہ کور والی فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ وہ چیزیں جو ہاشم کاردار کے خلاف مجھے ملی ہیں' یہ ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ ہم ان کو ایک دوسری ایجنسی میں بھیج سکتے ہیں۔''

''ہاں' میں ایسا ہی کروں گا۔ گڈ جاب غازی!'' انہوں نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھی اور اس کو دیکھا۔ وارث سر کو خم دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہمیں اریسٹ وارنٹ نکلوا لینے چاہئیں۔''

''شیور! میں جلد از جلد یہ کام کروں گا۔''

یہ اختتامیہ جملہ تھا۔ وارث سر ہلا کر دروازے کی طرف آیا۔ پھر باہر جانے سے قبل ایک سوچتی نظر اپنے باس پہ ڈالی۔ ایک واہمہ۔ مگر سر جھٹک کر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی فاطمی صاحب اٹھے۔ دروازہ لاک کیا۔ موبائل نکالا۔ کال ملائی اور فون کان سے لگائے اس سیاہ فائل کے صفحے پلٹنے لگے۔

ہاشم اپنے آفس میں میز پہ فائلز پھیلائے الجھا بیٹھا تھا۔ موبائل کسی فائل تلے رکھا تھا۔ وائبریشن کی زوں زوں پہ اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ موبائل نکالا اور ہیلو کہا۔ قدرے اکتاہٹ سے۔ کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور وہ ویسٹ میں ملبوس تھا۔

''کیا حال ہیں کاردار صاحب؟''

''گڈ! آپ سنائیے۔'' موبائل کان اور کندھے کے درمیان لگائے وہ فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

''اللہ کا کرم۔'' وقفہ۔ ''سنا ہے اورنگزیب کاردار صاحب بائی الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں؟ اگلے الیکشن کی ریہرسل۔''

''جی! ان کے دوستوں نے ان کو سیاست میں دھکیل دیا ہے۔ خیر' گڈ فار ہم۔'' وہ فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے شیلف تک گیا اور وہاں رکھی فائلوں کو باری باری نکال کر چیک کرنے لگا۔ ''اور کوئی نئی بات؟''

''میری بیٹا مجھ سے ذرا خفا ہے۔ اس کے لیے کار امپورٹ کروائی تھی۔ وہ کراچی پورٹ پہ کھڑی ہے ابھی تک۔ میں مصروف تھا۔ میرا ایک اے ڈی ایک کرپشن کیس پہ کام۔''

''میں بالکل سمجھ گیا فاطمی صاحب!'' جھک کر ایک فائل دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور چلتا ہوا میز تک آیا۔ ذرا سا مسکرایا بھی۔ ''ایک اچھے شہری ہونے کا ثبوت دیجیے۔ کسٹم ڈیوٹی ادا کیجیے اور کار کلیئر کروالیں۔ کیونکہ ہم کام کرتے ہیں آئل کا۔ اور تیل اور پانی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ تیل میں کوئی جاندار شے تیر نہیں سکتی۔ جو گرتا ہے' وہ ڈوب جاتا ہے۔ آپ کے اے ڈی نے جو اسکینڈل بنانا ہے' بنالے کیونکہ یہ امریکہ نہیں ہے۔ یہاں لوگوں کا اخلاقیات کا معیار امریکیوں جتنا بلند نہیں ہے۔ یہاں کوئی افیئر کوئی کرپشن چارج کسی سیاستدان کا کیریئر خراب نہیں کرسکتا۔''

''میں بالکل سمجھتا ہوں یہ سب' اس لیے میں نے آپ کو فون کیا پہلے۔ آپ چاہیں تو میں کل ہی اپنے لڑکے سے استعفیٰ مانگ کر کیس بند کرسکتا ہوں۔''

''اسے جاری رکھنے دیں۔ شوق پورا کرلے۔ میرے باپ کے ہاتھ صاف ہیں۔''

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر فاطمی صاحب نے سیاہ فائل کی جلد پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سرسری سا کہا۔

"آپ پچھلے مہینے کی دو تیرہ اور بائیس تاریخ کو پشاور میں ہونے والی میٹنگز میں شامل تھے ہاشم!"

ہاشم کا ڈبہ کو کھولتا ہاتھ رکا۔ بے یقینی سے اس نے سر اٹھایا۔ رنگت پھیکی پڑی۔

"آپ نے درست کہا ہاشم! کرپشن' افیئرز' ڈرگز' یہ پاکستان میں کسی کو تباہ نہیں کر سکتی' مگر ایک چیز کر سکتی ہے۔ علاقہ غیر کے دہشت گردوں کے لیے منی لانڈرنگ کرنا جس کے بدلے وہ آپ کو اپنے علاقوں میں کاروبار کرنے دیتے ہیں۔ اگر آپ ایک دفعہ ملٹری کی بیڈ بکس میں آگئے تو کوئی بھی چیز آپ کو نہیں بچا سکے گی۔"

وہ خاموش' بالکل ساکت کھڑا تھا۔ گردن میں بار بار ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی دکھائی دیتی۔ پھر اس نے تیزی سے جھک کر قلم نکالا۔ نوٹ پیڈ سامنے کیا۔

"کون سی گاڑی ہے؟ ماڈل اور میک؟ اور کس کے نام ہے؟" وہ تیزی سے قلم کاغذ پہ گھسیٹتا تفصیلات لکھتا گیا۔ دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

فون بند کر کے' ڈبہ وہیں چھوڑے' کوٹ کھینچ کر اتارتا وہ باہر بھاگا۔ سیکرٹری گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ تیز تیز کاریڈور میں چلتا لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل پہ کال ملا رہا تھا۔

"خاور! فوراً گھر پہنچو۔ ابھی۔"

.... ❖❖❖ ....

خواب تو روشنی ہیں' نوا ہیں' ہوا ہیں ...... جو کالے پہاڑوں سے رکتے نہیں

کمرہ عدالت میں کارروائی روانی سے جاری تھی۔ معزز جج صاحبان توجہ اور خاموشی سے براجمان کٹہرے میں کھڑے گواہ (لارڈ وولڈیمورٹ) کا بیان سن رہے تھے جس سے استغاثہ کی جانب سے زمر جرح کر رہی تھی۔ وہ سرکار بنام ہیری پوٹر کا عینی شاہد تھا۔ اور پیچھے حاضرین کی نشستوں میں روش کے بائیں جانب بیٹھے لوگوں میں سے ایک سعدی بھی تھا جو خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

"تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس وقت مقتول لڑکا قتل ہوا تب آپ قبرستان میں موجود تھے؟" زمر قلم ہاتھوں میں گھماتی آہستہ آہستہ کٹہرے کے سامنے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔

"جی۔" وولڈیمورٹ نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ایک اسٹوڈنٹ تھا جو موقع کی مناسبت سے سیاہ چغے میں ملبوس تھا۔

"اور جس وقت ملزم ہیری مقتول کے ساتھ ادھر آیا' آپ قبرستان میں کیا کر رہے تھے؟"

"میں جی اپنے والد صاحب کی قبر پہ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔" وہ بڑی ہی مسکینیت سے کہہ رہا تھا۔ سعدی نے کلس کر پہلو بدلا۔ قریب بیٹھی لڑکیوں کا ایک گروپ بمشکل ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ تو جانتی ہیں۔" معصوم لارڈ کہہ رہا تھا۔ "کہ ماشاء اللہ یہ ہیری بچپن سے ہی ماہر عملیات تھا۔ سال بھر کی عمر میں اس نے مجھے تعویذ کر کے آدھا مار ڈالا۔ میں تو تب سے جنگلوں میں در بدر بھٹکتا اور وحشی کی زندگی گزار رہا تھا۔"

"آبجیکشن یور آنر!" دفاع کا وکیل کھڑا ہو کر چلایا۔ جج نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"غیر متعلقہ۔" اس نے وجہ بتائی۔

"منظور۔" جج نے گواہ کو تنبیہہ کی۔ "غیر متعلقہ باتیں مت کریں۔"

زمر نے سر ہلا کر سنجیدگی سے سوال کیا۔ "تو پھر عدالت کو بتائیے کہ اس رات کیا ہوا؟"

"ہاں جی! اس رات میں نے اسے اپنے حریف کھلاڑی کے ساتھ قبرستان میں آتے دیکھا تو میں نے پیار سے کہا کہ بیٹا! اس وقت تمہیں بستر میں ہونا چاہیے۔ مگر اس نے کہا کہ انکل! ہمارے معاملے سے دور رہو۔ اور پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ' اپنے حریف کو قتل کر دیا۔ میں تو تب سے ہی حالت سوگ میں ہوں۔"

اور سعدی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس وولڈیمورٹ کا حشر کر دے۔ سب کو پتا تھا کہ وہی اصل قاتل ہے مگر یہ اہل قانون تو قانون سے زیادہ اندھے تھے۔

اسے بھی کٹہرے میں بلا لیا گیا۔ زمر نے سوالات کا آغاز کیا۔ "کیا یہ درست ہے کہ آپ ملزم ہیری کے بہترین دوستوں میں سے ہیں؟"

"جی یہ بات اتنی ہی درست ہے جتنی یہ کہ ہیری بے گناہ ہے۔" وہ سامنے کھڑی زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ زمر نے سادگی سے اسے واپس دیکھا۔

"یعنی کہ آپ بوقوعہ کے وقت موجود تھے؟"

"آ۔ نہیں۔" وہ گڑبڑایا۔ "مگر ہیری نے مجھے خود بتایا کہ وولڈیمورٹ نے یہ قتل کیا ہے۔"

"آپ یہ اس بنیاد پہ کہہ رہے ہیں جو ملزم نے آپ کو 'بتایا' ہے؟"

"مجھے معلوم ہے وہ سچ کہہ رہا تھا۔"

"یعنی کہ آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت میں کیا سوچ رہی ہوں؟" وہ سنجیدہ تھی۔ سعدی بالکل چپ ہو گیا۔

"اپنے جوابات میں رائے کا عنصر شامل کرنے سے گریز کیجیے۔" جج نے تنبیہ کی۔

زمر دائیں سے بائیں چلتی ہوئی کٹہرے کے سامنے آئی۔ سنجیدگی سے سعدی کو دیکھا۔

"کیا آپ کسی چو چانگ نامی لڑکی کو جانتے ہیں؟"

"جی۔ وہ مقتول لڑکے کی گرل فرینڈ تھی اور۔" وہ بے اختیار چپ ہوا۔

"اور ملزم اسی لڑکی کو پسند کرتا تھا۔ اسی بنا پہ وہ مقتول سے رقابت بھی رکھتا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟"

"آپ اس بات کو غلط رخ۔"

"ہاں یا نہیں مسٹر رون!" وہ نرم سی سختی سے بولی۔ اس نے چار و ناچار کہا۔

"جی ہاں۔"

"اور کیا یہ بھی درست ہے کہ مقتول اور ملزم ایک ہی ٹورنامنٹ جیتنے کے لیے کوشاں تھے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان معمولی ساحریفانہ جذبہ بھی تھا؟"

"جی۔ مگر وہ اتنا کم تھا کہ اس کی بنا پہ ہیری اسے قتل نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور کیا یہ بھی درست ہے کہ جس دن ہیری کا نام مقابلے کے لیے منتخب ہوا تھا اس رات آپ اس سے ناراض ہوئے تھے اور جیلس بھی؟ کیونکہ ہیری کی وجہ سے آپ کی شخصیت ہمیشہ دب جاتی تھی۔"

سعدی کا منہ بے یقینی سے کھلا رہ گیا۔ یہ سب واقعات زمر نے دہرائے تھے رات کو' مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ یوں سوال کرے گی۔

"جی میں صرف جیلس ہو گیا تھا مگر بعد میں ہم ٹھیک ہو گئے اور مجھے اس ذرا سی خفگی کے لیے بھی افسوس ہے۔"

"اور اسی افسوس اور احساسِ جرم کے باعث آپ بار بار ہیری کی حمایت کر رہے ہیں۔"

"نہیں تو۔ میں۔"

"آپ ہیری کی حمایت نہیں کر رہے؟"

"میں۔ اس وجہ سے نہیں کر رہا۔" مگر وہ سے بنا جج کی طرف رخ کیے کھڑی ہوئی۔ سر کو خم دے کر کہا۔ "اتنا کافی ہے یور آنر!" اور

واپس اپنا اپوزیشن کی میز کے پیچھے جا کر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی۔

"میں یقین نہیں کر پا رہا۔ جج کے پینل نے ہیری کو مجرم قرار دے دیا۔ حد ہے۔"

فیصلہ آنے کے بعد کورٹ روم سے نکلتے ہوئے وہ خفگی سے زمر سے بولا تھا۔ زمر مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔

راہداری میں ادھر ادھر گزرتے اسٹوڈنٹس کے سلام کا سر کے خم سے جواب دیتی۔ مطمئن، پرسکون سی۔

"ثبوت اس کے خلاف جاتے تھے اور اس کا دفاع کمزور تھا۔"

"سب کو پتا تھا کہ ہیری بے گناہ ہے زمر!" گھنگھریالے بالوں والا لڑکا ہنوز خفا تھا۔

"جج فیصلے جذبات پہ نہیں کرتا، ثبوت پہ کرتا ہے۔"

"اور آپ نے کیا کیا؟ پہلے مجھ سے وہ باتیں کہلوائیں جو ہیری کے خلاف جاتی تھیں۔ پھر جب دیکھا کہ میری حمایت کا جج پہ اثر

ہو جائے شاید، تو میری کریڈیبلٹی مشکوک کر دی، ہیری سے جیلسی والی بات کر کے۔ میرا تو دل ہی ٹوٹ گیا۔"

زمر نے چلتے چلتے مسکرا کر آنکھیں گھما کر اسے دیکھا۔

"تم انگلینڈ جا کر تھوڑے اسمارٹ نہیں ہو گئے؟" مگر وہ خفا خفا سا چلتا رہا تو زمر نے کاغذات کا رول بنا کر اس کے کندھے پہ دھپ

لگایا۔ وہ ناراضی سے پلٹا۔

"موک ٹرائل ختم ہو چکا۔ حقیقی زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔"

سعدی مسکرا دیا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ (دفع کرو ہیری کو جادوگر کی اولاد نہ ہو تو)

"آپ کی چھٹی منظور ہو گئی؟"

"ہاں۔" وہ گہری مطمئن سانس لے کر بولی۔ وہ راہداری سے نکل کر لان تک آ چکے تھے۔ "اتنے سال کی پڑھائی اور جاب کے بعد

والی چھٹی یوں لگتا ہے جیسے صدیوں کی تھکن اترے گی۔ کوئی تو صبح میں بھی جاگوں آفس جانے کی ٹینشن کے بغیر!"

"ہوں۔ اور ہاشم بھائی کی بیٹی کی پارٹی میں آ رہی ہیں؟" وہ گاڑی تک آتے ہوئے یاد آنے پہ پوچھ بیٹھا۔

"میں بالکل نہ آتی مگر اس دن ابا کورٹ آئے کام سے اور ہاشم مل گیا۔ اس نے خود دعوت دے دی۔ ابا بھرم رکھ لیں گے مگر ان کو بھی

وہ کسی طرح کوئی خاص پسند نہیں آیا۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بتا رہی تھی۔ سعدی "گڈ" کہہ کر بیٹھ گیا۔ ہاشم بھائی کو وہ پسند نہیں کرتی تھی اس لیے وہ

اس بات سے کترا جاتا تھا۔

..................❖ ❖ ❖..................

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن ..... زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

راہداری میں سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آ رہا تھا۔ اندر وہ کھڑا جلدی جلدی ٹائی پہن رہا تھا۔ ابھی مکمل تیار نہیں ہوا تھا اور

[illegible]

صوفے پہ ہی فارس ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' گرے کوٹ اور گول گلے کی سفید شرٹ میں ملبوس بیٹھا بار بار گھڑی دیکھتا' اور کبھی ندرت کو جو جیولری پہننے کے ساتھ ساتھ سیم اور سعدی دونوں کو زور سے ڈانٹ کر جلدی نکلنے کا کہہ رہی تھیں۔ پھر تو یوں کا رخ سامنے بیٹھی خفا خفا سی' گھر کے کپڑوں میں ملبوس حنین کی طرف ہوا۔

''کب تیار ہوگی تم؟ ماموں کب سے لینے آئے بیٹھے ہیں۔''

وہ سر جھٹک کر بڑبڑا کر رہ گئی۔ ''نہیں جانا مجھے کسی پارٹی وارٹی میں۔ بس اتنا کہا تھا کہ مجھے آج شام علیشا سے ملوانے کوئی اس کے ہوٹل لے جائے' مگر نہیں۔''

ندرت نے اسے نظر انداز کیا اور لینڈ لائن فون اٹھا کر ریسیور کان سے لگایا۔ سیٹ گھٹنے پہ رکھا۔ نمبر ڈائل کرتے آواز لگائی۔

''سعدی! جلدی کرو۔ پھپھو لوگ پہنچ گئے ہوں گے۔''

فارس نے چونک کر ندرت کو دیکھا۔ ''وہ لوگ بھی مدعو ہیں؟'' سرسری سا پوچھا۔

(حنین نے کن انکھیوں سے فارس کا بے تاثر چہرہ دیکھا) ''ہوں۔'' ندرت اب ہمسائی خاتون سے فون پہ بات کرنے لگی تھیں۔ میٹھے نرم لہجے میں۔

''السلام علیکم بھابی! جی میں ٹھیک۔ آپ نے صبح کڑھی بھیجی تھی' میں شکریہ ہی نہیں ادا کر سکی۔ جی۔ آپ نے اتنا تکلف کیا۔ ایک منٹ۔'' ریسیور کے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھا' غصے سے حنین کو دیکھ کر چلائیں۔ ''آہستہ کرو ٹی وی کی آواز۔ آگ لگے اس ٹی وی کو۔ میں کیا کہہ رہی ہوں حنین؟ میں ایک دفعہ اٹھ گئی نا' جوتے لگا لگا کر حشر بگاڑ دینا ہے میں نے۔''

حنین نے تنگی سے ریموٹ اٹھا کر زور سے بٹن دبایا۔ آواز بند۔ سارے اداکار گونگے ہو گئے۔ ندرت واپس نرمی سے فون پہ بات کرنے لگیں۔ وہ ان بھولی ماؤں میں سے تھیں جن کو پورا یقین تھا کہ ریسیور کے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھ دینے سے آواز دوسری طرف بالکل نہیں جاتی۔

فارس نے آنکھیں سکیڑ کر حنہ کو دیکھا۔ ''تمہارا موڈ کیسے بہتر ہوگا؟ اٹالین کھانے سے؟''

''اگر اب میں نے اٹالین کھانے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میرا نام حنین نہیں۔'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

''پھر؟''

''علیشا سے ملنا ہے۔ میری دوست۔ مگر سب مصروف ہیں۔''

ندرت نے بات کرتے کرتے جھک کر جوتا اتارنا چاہا' مگر سینڈل کے اسٹریپ بند تھے۔ اب کون کھولے' وہ بھی اس ذھیٹ اولاد کے لیے۔ واپس کڑھی نامہ سنانے لگیں۔

فارس نے موبائل نکالا' کال ملائی۔

''وارث! تم اور سارہ آ رہے ہو نا؟ او کے آپا کی طرف آ کر ان سب کو لے جاؤ۔ میں حنین کو اس کی دوست کی طرف لے کر جا رہا ہوں۔'' موبائل بند کیا اور ہکا بکا بیٹھی حنین کو دیکھ کر ابرو اٹھائی۔

''دس منٹ میں تیار ہو کر آؤ ورنہ میں جا رہا ہوں۔''

ندرت ''ہیں ہیں'' کرتی رہ گئیں اور وہ کرنٹ کھا کر اٹھی۔ بے یقینی سے فارس کو دیکھا۔

''مگر آپ پارٹی میں کیوں نہیں جا رہے؟''

وہ فوراً بھاگی' پھر الٹے قدموں واپس آئی۔ فارس کے کان کے قریب جھک کر معصومیت سے پوچھا۔

''کیا جو ابھی اٹالین کے بارے میں ارادہ ظاہر کیا تھا' وہ واپس لے سکتی ہوں؟''

فارس نے صرف گھورا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر سوری' سوری کہتی اندر بھاگ گئی۔

جلدی جلدی تیار ہوئی۔ عینک اتار کر کانٹیکٹ لینز لگائے۔ (اف آنکھ میں ڈالے نہیں جاتے تھے۔ بار بار پھڑک کر باہر نکل آتے۔ ڈالنے کی عادت نہ تھی۔ پھپھو کی شادی کے لیے خریدے تھے۔) ماتھے پہ کٹے بال چھوڑ کر باقی کے اطراف میں پن لگا کر کھلے رہنے دیے۔ نیا پرس اٹھایا جو تین ماہ قبل انگلینڈ سے واپسی پہ سارہ لائی تھی۔ باہر آئی۔ وارث اور سارہ آچکے تھے۔

وارث کی گاڑی کے قریب فارس اور وہ کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ فارس فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

''تم استعفیٰ نہیں دو گے۔ بھلے آج پہلی دفعہ ہی مانگا ہے' مگر مت دینا۔'' ساتھ ہی حنہ کی طرف چابی اچھالی۔ اس نے کیچ کی۔ فارس کی گاڑی تک آئی۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر شیشہ کھول دیا۔ ان دونوں کی باتوں کی آواز پہنچنے لگی۔

''میں جس کیس کا آئی او ہوں' اس سے متعلقہ لوگوں کے تعلقات ہیں فاطمی سے۔ الیاس فاطمی' میرا باس۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھے بیچ آیا ہے۔'' وارث کے چہرے پہ بظاہر سکون تھا' مگر وہ اضطراب چھپا رہا تھا۔

''تم کس کیس کے آئی او ہو؟''

''ظاہر ہے یہ میں نہیں بتا سکتا۔ یہ کلاسیفائیڈ انفارمیشن ہے۔''

''او کے... مگر...'' ندرت' سعدی' سیم باہر آرہے تھے۔ فارس نے رک کر پریشانی سے وارث کو دیکھا' ''تم بس ابھی کچھ مت کرنا۔ ہم کل اس بارے میں بات کریں گے۔ ابھی مجھے نکلنا ہے۔ مگر تم استعفیٰ نہیں دو گے۔ ٹھیک ہے نا وارث؟'' اس کو تنبیہ کرتا دوبارہ دہراتا وہ اپنی گاڑی کی طرف آیا۔

وارث سر ہلا کر پھیکا سا مسکرایا اور گاڑی کی طرف مڑ گیا۔ فارس اندر بیٹھا' چابی گھمائی' کار ریورس کی۔ حنین نے دیکھا اس کا الجھا ہوا چہرہ بے حد فکرمند تھا۔ ایک لمحے کو اس نے ذہن میں دہرایا۔

''الیاس فاطمی... الیاس فاطمی۔'' پھر علیشا سے ملنے کا خیال ذہن پہ چھاتا گیا۔ لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے۔

وہ مگن سی ونڈ اسکرین دیکھنے لگی۔ سڑک کو کاٹتی سفید دھاریاں وقفے وقفے سے گاڑی تلے آکر غائب ہو جاتیں۔ اس نے گنا۔ تین' تین' تین' ایک' ٹوٹل دس اور پھر سے گنتی شروع۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی' منصف بھی ...... کسے وکیل کریں' کس سے منصفی چاہیں

سونیا کی دوسری سالگرہ کی دعوت قصر کاردار کے لان کی بجائے لونگ روم اور ملحقہ ڈائننگ روم' ڈرائنگ' سن روم وغیرہ میں منعقد کی گئی تھی۔ سارے دروازے سلائیڈنگ تھے۔ دیواروں میں گھسا دیے گئے۔ گھر کا گراؤنڈ فلور کھلا سا کمرہ بن گیا۔ مہمان ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔

شہرین داخلی دروازے پہ مسکرا مسکرا کر مہمانوں کو ریسیو کر رہی تھی۔ فرشی جامنی میکسی میں ملبوس' اپنا اضطراب چھپانے کی کوشش کرتی' ادھر ادھر ہاشم کو تلاش کرتی' پھر مصروف ہو جاتی۔

سیڑھیوں کے اوپر کمروں کے آگے بنی ریلنگ کے ساتھ سیاہ گاؤن میں ملبوس جواہرات کھڑی تھی۔ سرد گہری مسکراہٹ کے ساتھ ایک خاتون سے بات کر رہی تھی۔ بال سمیٹ کر بائیں کندھے پہ ڈالے تھے۔

دفعتاً ہاشم پیچھے سے چلتا آیا۔ کوٹ کا بٹن کھلا تھا۔ لب بھینچے ہوئے اور آنکھوں میں سختی تھی۔ اس نے "مجھے اپنی ماں چاہیے کچھ دیر کے لیے" کہہ کر جواہرات کی کہنی تھامی اور اپنے ہمراہ آگے لے گیا۔ وہ قدرے حیران قدرے چونکتی ساتھ کھنچی چلی آئی۔

"ہاشم.....یہ....."

"ششش....." وہ اسے اسٹڈی میں لایا۔ خاور پہلے سے موجود تھا۔ جواہرات نے تشویش سے اس کے مقابل کھڑے اسے دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو ہاشم؟"

"ابھی؟ بالکل نہیں۔" بالوں میں ہاتھ پھیر کر گہرے سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا۔ تکان سے ماں کو دیکھا۔

"ہم کس کے لیے منی لانڈرنگ کر رہے ہیں وہ جانتے ہیں۔"

جواہرات کا سانس رک گیا۔ "تمہارا باپ جانتا ہے؟"

"اگر وہ جانتے ہوتے تو کیا میں یہاں آپ کو زندہ کھڑا نظر آتا؟" وہ تلخی سے اسے دیکھ کر بولا۔ جواہرات کا سانس بحال ہوا۔

"نیب والے.....وہ ہماری کمپنیز کی تفتیش کر رہے تھے۔ مگر ان کو ہماری دہشت گردوں کے گروپ کے لیے کی گئی منی لانڈرنگ کی معلومات مل گئیں۔ کیس کے سربراہ نے کہا ہے کہ انویسٹی گیشن آفیسر سے استعفیٰ لے لے گا۔ مگر معلوم ہے وہ کون ہے؟"

"کون؟" وہ یک ٹک اسے دیکھتے بولی۔

"فارس کا سوتیلا بھائی وارث۔ آگے آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ ڈیڈ تک میری اور آپ کی ان سرگرمیوں کو پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

جواہرات نڈھال سی ہو کر کرسی پہ گر گئی۔ سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

"مسئلہ یہ ہے میم کہ وارث کا باس وہ کیس فائلز ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔" خاور نے کہنا شروع کیا۔ "وہ خود پہ کوئی آنچ نہیں آنے دے گا۔ ہمیں وارث کو خود چیک کرنا ہوگا۔"

جواہرات نے سر اٹھا کر گلابی پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔

"تو تم نے اسی لیے اپنے باپ سے فارس کے بھائی کو فون کروایا تاکہ وہ پارٹی میں ضرور آئے؟ اور ابھی ابھی میں نے دیکھا وہ ابھی کھڑا ہے نیچے۔"

"ہم تین دن سے اس کو فالو کر رہے تھے میم! وہ ہاسٹل میں رہ رہا ہے۔ بیوی اپنی ماں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کا لیپ ٹاپ فائلز سب ہاسٹل کے کمرے میں ہوتا ہے۔ وہ ادھر ہے اور میں اس کے ہاسٹل جا رہا ہوں۔ ہمیں چیک کرنا ہے کہ اس کے پاس کیا کیا ہے اور اس نے کس کس کو دکھایا ہے وہ سب۔"

"اور تم مجھے یہ سب اب بتا رہے ہو؟" وہ پھٹ پڑی۔ غصے سے دونوں کو دیکھا۔

"کیونکہ کل آپ انگلینڈ سے واپس آئی ہیں اور آپ ابھی مجھے نظر آئی ہیں۔"

جواہرات پھر کر ہاشم کے سامنے کھڑی ہوئی اور غرائی۔ "تم نے کہا تھا کچھ نہیں ہوگا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم سب سنبھال لو گے۔ تو پھر یہ سب کیا ہے؟"

"میں کوئی عادی مجرم نہیں ہوں۔ دو سال بھی نہیں ہوئے مجھے یہ کام کرتے ہوئے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اتنی جلدی نظروں میں آجاؤں گا۔"

مگر جواہرات نفی میں سر ہلاتی اس کو سنے بغیر مضطرب سی بولے جا رہی تھی۔

"ہاشم... ہاشم... اس سب کو ختم کرو۔ اس کا منہ بند کرو۔ کچھ بھی کرو مگر جلدی۔" ایک سخت نظر ان دونوں پہ ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔

ہاشم فوراً خاور کی طرف پلٹا۔

"اس کو بالکل بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس کے ہاسٹل گئے ہو۔ اس کے جانے سے پہلے آ جانا۔ کیونکہ اگر اسے کچھ علم ہوا تو وہ اٹلانٹا میں آ کر ایسی جنگ شروع کرے گا جو میں نہیں چاہتا۔"

"یس سر!" خاور اس کے ساتھ باہر نکلا۔ وہ دونوں سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ تک آئے۔ ہاشم نے نیچے دیکھا۔ داخلی حصے پہ شہرین سارہ سے مل رہی تھی۔ ساتھ میں دو بچیاں بھی تھیں۔ آٹھ سال کی جڑواں' کشمیری سیب جیسے گالوں والی' شرما شرما کر ماں کے پیچھے چھپتی۔ ہاشم نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ آہستہ سے بولا۔

"وارث کو ہرٹ مت کرنا خاور! اس کے بچے چھوٹے ہیں۔"

خاور اثبات میں سر ہلا کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ داخلی دروازے تک پہنچا تو وارث اندر آ رہا تھا۔ اس نے خاور کو روکا۔ وہ رکا' سانس بھی کویا رک گیا۔

"میں سیل فون ساتھ لا سکتا ہوں؟ مجھے ضروری کال کی فکر ہے۔" موبائل کی طرف اشارہ کیا۔ نپا تلا انداز' غور سے خاور کا چہرہ دیکھتا' الجھا تھا' مگر کھنچا کھنچا سا تھا۔

"شیور سر!" خاور سر کو خم دے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

ہاشم گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرتا مسکراتا ہوا نیچے آیا۔ وارث کو نظر انداز کیا۔ وہ تب تک چھپتا تھا جب تک مقابل شک میں ہو۔ اب حقیقت کھل جائے' وہ چھپا نہیں کرتا تھا۔ اعتراف کر لیتا۔ اسی لیے وارث سے کوئی بات نہیں کی۔ سارہ کی طرف آیا۔ وہ زمر کے ساتھ لڑی تھی۔ ازلی سادہ انداز میں کہتی۔

"ڈیڑھ ہفتہ رہ گیا ہے فنکشنز شروع ہونے میں۔ آپ کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

"بالکل بلینک۔" زمر نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔ وہ میرون لمبی قمیض پہ پھول دار دوپٹہ کندھے پہ ڈالے کھڑی تھی۔ گھنگھریالے بال کھلے تھے۔ ہاشم نے پشت سے اس کے بال دیکھے اور گھوم کر سامنے آیا۔

"ہیلو سارہ... اور ہیلو ڈی اے!"

زمر ذرا سا مڑی' مسکرائی' فرصت سے اسے دیکھا۔ "تھینک یو ہاشم! بہت عرصے سے آپ نے مجھ سے کوئی فیور نہیں مانگا۔"

"بہت عرصے سے میرے کسی عزیز کو کرمنل Litigation کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔" زمر نے سر جھٹک کر جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگایا۔ وہ سارہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کب آئیں انگلینڈ سے؟"

"مجھے تین ماہ ہوئے ہیں ہاشم بھائی۔ گھر وغیرہ لینے کے چکر میں سارا وقت گزر گیا۔ جاب ابھی اسی ماہ سے شروع کی ہے۔" وہ خوشگواری سے بتانے لگی۔

"تو گھر میں کب شفٹ ہونا ہے؟"

"بس اگلے ہفتے۔" وہ خوش تھی۔ "اب ہم ایک فیملی ہوں گے۔"

ہاشم نے مسکرا کر بچیوں کو دیکھا۔ ایک کا گال نرمی سے چھوا۔ "ان کے نام؟"

"ادل اور نور۔" سارہ نے اپنے پیچھے چھپتی نور کو سامنے کرنا چاہا مگر وہ راضی نہ تھی۔ ہاشم مسکرا کر رہ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد جواہرات کو ادھر

لے آیا۔

''زمر! یہ میری ممی ہیں اور یہ ہماری پبلک ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف۔'' جواہرات مسکرا کر گال سے گال ملا کر اس سے ملی۔ پھر علیحدہ ہو کر بھرپور اندر تک اترتی نظر ڈالی۔

''سعدی کی آنٹی.....ہوں۔''

پھر جواہرات کو ذرا فاصلے پہ کھڑے بڑے ابا سے ملوانے لے آیا۔ وارث ساتھ ہی کھڑا تھا۔ ہاشم بدستور اسے نظر انداز کرتا رہا۔ وہ اپنی عادت سے برخلاف نہیں جا سکتا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

جائز تھی یا نہیں، تیرے حق میں تھی ..... کرتا تھا جو بھی وہ وکالت تمام شد

لفٹ ہوٹل کے مطلوبہ فلور پہ رکی۔ دروازے کھلے۔ پرجوش سی حنین اور منہ میں کچھ چباتا بے تاثر سا فارس باہر نکلے۔ آگے کمروں کی راہداری تھی۔ دونوں طرف دروازے، خوابیدہ بتیاں روشن تھیں۔ حنین نے بڑے پیار سے ساتھ چلتے فارس کو دیکھا۔

''تھینک یو ماموں! آپ مجھے میری بیسٹ فرینڈ سے ملوانے لائے۔''

''اٹس اوکے۔ تو کیا کرتی ہے تمہاری فرینڈ؟''

حنین چلتے چلتے رکی۔ قدرے چونک کر فارس کو دیکھا۔ ''سوری؟''

''مطلب پڑھتی ہے یا جاب وغیرہ؟'' وہ بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔ علیشا کے کمرے کا دروازہ چند قدم دور تھا۔

''پڑھائی تو چھوڑ دی۔ کالج نہیں جا سکی۔ ٹیوشن فیس افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ اب پتا نہیں کیا کرتی ہے۔''

''اور اس کے پیرنٹس کیا کرتے ہیں؟''

''مجھے نہیں پتا۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ اب کے الجھی تھی۔

''تم نے راستے میں کہا تم اسے تین سال سے جانتی ہو، مگر تمہیں اس کی بنیادی معلومات ہی نہیں معلوم۔''

''میں نے کبھی پوچھی نہیں۔'' وہ دوبارہ چلنے لگے۔ مگر اب کے فارس مضطرب سا تھا اور حنین الجھی ہوئی تھی۔ روم کے باہر آ کر فارس نے کچھ سوچ کر اسے دیکھا۔

''میں اندر آنا چاہوں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہیں درست جگہ لایا ہوں یا نہیں۔''

''شیور!'' حنین نے قدرے ناخوشی سے کہتے ہوئے دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھلا اور کھلتا چلا گیا۔ سیاہ شولڈر کٹ بالوں اور سرمئی سبز آنکھوں والی گوری سی علیشا سامنے ہوئی۔ مسکراہٹ لبوں پہ پھوٹتی تھی۔ سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھی جس کے بازو کہنی تک تھے۔ کھلے سے۔ قدرے شرارت قدرے شرماہٹ سے وہ حنین سے گلے ملی۔ الگ ہوئی۔ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ حنین لب دبائے مسکرا رہی تھی۔

''تم بالکل اپنی ویڈیو جیسی ہو۔'' پھر اس نے فارس کو ہیلو کہا اور اندر آنے کی دعوت دی۔

''یہ میرے انکل۔'' حنین نے تعارف کروایا۔ پھر اندر آئے۔ فارس تیکھی نظروں سے علیشا کو دیکھتا، پھر ادھر ادھر دیکھتا صوفے پہ آ بیٹھا۔

حنین گرم جوشی سے بیٹھی اور باتیں کرنے لگی۔ ابھی راہداری کی گفتگو بھول گئی۔ فارس خاموشی سے بیٹھا ان دونوں کو تیز تیز انگریزی میں بولتے اور ہنستے دیکھنے لگا۔ رات کی مناسبت سے کمرے کی ساری زرد بتیاں روشن تھیں۔ علیشا نے اس دوران اٹھ کر روم سروس کال کی،

ا، ا، یا۔ واپس آ کر بیٹھی تو شائستگی سے فارس سے پوچھا۔

''اور آپ کیا کرتے ہیں؟''

''گورنمنٹ سیکٹر میں جاب۔'' وہ بغور اس کو دیکھتا بولا۔ ''اور آپ کی جاب کیا ہے؟''

علیشا ذرا ٹھٹکی۔ حنین کو دیکھا' پھر فارس کو اور بولی۔ ''میں نیشنل جیوگرافک کے لیے کام کرتی ہوں۔ ہم ایک ڈاکومنٹری بنانے ادھر آئے ہیں۔''

''اور نیشنل جیوگرافک نے آپ کو نوکری دے دی۔ حالانکہ آپ کبھی کالج نہیں گئیں؟''

علیشا نے چونک کر حنین کو دیکھا جس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا' پھر فارس کو۔ مسکراہٹ مدھم ہوئی۔

''اگر میں افورڈ کر سکتی تو ضرور کالج جاتی۔ مگر اس جاب کے لیے ڈگری سے زیادہ میری قابلیت اہم تھی۔''

''اور کیا ڈاکومنٹری بنا رہے ہیں آپ لوگ؟''

''ہم اس شہر کے تاریخی مقامات کو کور کریں گے۔'' وہ گردن اونچی کر کے مسکرا کر بولی۔ فارس نے ابرو اٹھا کر اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''اسلام آباد کے تاریخی مقامات کو؟''

''جی۔''

''ڈیٹس گریٹ! کیونکہ مجھے اپنی زندگی کے تینتیس سالوں میں اسلام آباد میں کوئی تاریخی مقام ملا ہی نہیں۔ کیا آپ کو نیٹ جیو والوں نے نہیں بتایا کہ یہ شہر 60 کی دہائی میں بنایا گیا ایک مصنوعی شہر ہے؟''

علیشا نے تھوک نگلا۔ ''میرا مطلب تھا تاریخی اہمیت کی حامل عمارتیں' جیسے سپریم کورٹ' پارلیمنٹ' پرائم منسٹر ہاؤس وغیرہ۔''

''تو آپ کون سا کیمرہ استعمال کرتی ہیں؟ ہمیں اچھا لگے گا اگر آپ ہمیں اپنے کیمرے دکھائیں۔'' فارس نے ادھر ادھر دیکھا جیسے پلوما تلاشا ہو۔

حنین بالکل چپ سی ہو کر بیٹھی باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ گفتگو کس سمت جا رہی ہے۔

''میں.... دراصل کیمرہ ورک نہیں کرتی۔'' علیشا کی مسکراہٹ بالکل غائب تھی۔ وہ ذرا رکی اور پھر روانی سے بولتی گئی۔ ''میں کمپیوٹرز میں اچھی ہوں۔ مجھے مختلف کمپنیاں اپنی ویب سائٹس چیک کرنے کے لیے ہائر کرتی ہیں۔ یہ ایک فری لانس جاب ہے۔''

''یہ فقرے مجھے آپ کا پہلا سچ معلوم ہوئے ہیں۔'' فارس کے کہنے پہ اس کی رنگت پھیکی پڑتی گئی۔

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں یہ سب گھڑ رہی تھی؟''

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جو آپ گھڑ رہی تھیں' اس میں بہت جھول ہیں۔''

حنین پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ علیشا اور فارس نے بے اختیار اسے دیکھا۔ ''بیٹھو پلیز۔''

''نہیں.... ہمیں پارٹی پہ جانا ہے۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ چلیں ماموں!'' اور پھر وہ علیشا کے اصرار پہ بھی نہیں رکی۔ علیشا نے ایک گفٹ پیک اس کے ساتھ کر دیا۔ اس نے کھولا بھی نہیں۔ لب بھینچے' تندی سے ابر دسکیٹرے راہداری میں چلتی گئی۔

''وہ اچھی لڑکی ہے مگر وہ بہت کچھ چھپا رہی ہے۔ اور یہ نیٹ جیو والی کہانی بالکل...'' فارس سنجیدگی سے ساتھ چلتا کہہ رہا تھا کہ وہ طیش سے اس کی طرف گھومی۔

''تھینک یو سو مچ ماموں! میری بیسٹ فرینڈ کے ساتھ وہ کرنے کا جس کا آپ کو حق نہ تھا۔'' احساس توہین سے اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"میں نے صرف چند سوال کیے تھے۔ مجھے حق ہے کہ میں تمہاری انٹرسٹ فرینڈ کو چیک کر سکوں۔"

"کیا ایسے کیا جاتا ہے مہمانوں کے ساتھ؟ وہ کتنا ہرٹ ہوئی ہوگی۔ اس سے بہتر تھا کہ آپ مجھے لاتے ہی نہ۔"

"وہ جھوٹ بول رہی تھی اور میں اس کا جھوٹ پکڑ رہا تھا۔"

"کیا میں نے کبھی آپ کی باتیں پکڑ کر پھپھو کو بتایا کہ وہ نوز پن آپ نے ان کو بھیجی تھی؟"

شدت جذبات میں جو اس کے منہ میں آیا بولتی چلی گئی اور احساس ہونے پہ... ایک دم چپ ہوئی۔ سانس تک رک گیا۔ فارس نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تعجب بے یقینی حتیٰ کہ صدمہ بھی تھا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا جواب بظاہر خود کو سنبھالے کھڑی اندر سے ڈر رہی تھی۔

"تم کون ہو حنین؟"

..............٭٭٭..............

ہاں تلخی ایام ابھی اور بڑھے گی ..... ہاں اہل ستم مشق ستم کرتے رہیں گے

ہلکا ہلکا میوزک پس منظر میں بج رہا تھا۔ ہاشم گلاس پکڑے مسکراتا ہوا لونگ روم کے اس کونے میں آیا جہاں زرتاشہ کھڑی تھی۔ فون پہ بار بار نمبر ملا کر مایوسی سے بند کرتی' سیاہ ساڑھی میں ملبوس' سیاہ بال بالکل شہرین کے انداز میں کٹے' فون بند کرتے ہوئے گردن اٹھائی تو ہاشم کو سامنے کھڑا دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ اس کی آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں اور رنگت سنہری۔

"پریشان ہو؟"

زرتاشہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "فارس معلوم نہیں کدھر رہ گئے۔" پھر قریب کھڑے سعدی کو پکارا۔ "سعدی!"

وہ جو ہنستے ہوئے زمر سے کچھ کہہ رہا تھا' پلٹا اور تابعداری سے چلتا ادھر تک آیا۔ "جی!"

"فارس؟"

"اوہ ہاں... وہ حنہ کو اس کی فرینڈ کی طرف لے گئے ہیں۔ امی نے منع بھی کیا مگر..." تب ہی کسی نے سعدی کو پکارا۔ وہ مسکرا کر ہاشم بھائی کو دیکھتا واپس چلا گیا۔

"حنہ؟ اوہ... وہ سعدی کی چھوٹی چالاک بہن۔" ہاشم کو یاد آیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے زرتاشہ کے چہرے پہ چھاتا ہوا باغصہ دیکھا۔

"یعنی فارس ایک دفعہ پھر کسی اہم موقع سے غائب ہے؟"

"گھر سے پارٹی کے لیے تیار ہو کر نکلے تھے۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ وہ ہر تقریب پہ تو یوں نہیں کرتے۔"

"ہاں وہ صرف اس تقریب پہ یوں کرتا ہے جہاں یہ ہوتی ہے۔" دھیمے سے کہتے ہاشم نے ابرو سے اشارہ کیا۔ زرتاشہ نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ سعدی اور زمر جواہرات کے ساتھ کھڑے تھے۔ زرتاشہ نے الجھ کر واپس ہاشم کو دیکھا۔

"یہ تو سعدی کی پھپھو ہے۔"

"اور فارس کی پرانی ٹیچر بھی۔ کیا تم ہی نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ زمر کے والد نے جو تمہاری شادی کی دعوت کی تھی اس سے بھی فارس تھوڑی دیر بعد غائب ہو گیا تھا۔ اور جب میں نے تم سب کو زمر سمیت انوائیٹ کرنا چاہا تھا' تو اس نے مجھ سے خود کہا کہ مجھے زمر کو نہیں بلوانا چاہیے' صرف گھر کے لوگ کافی ہیں۔"

"تو؟"

"اوہ! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ فارس نے زمر کا رشتہ مانگا تھا مگر کسی وجہ سے انکار ہو گیا۔ سعدی نے ایک دفعہ ممی کو بتایا تھا۔" ہاشم نے شانے اچکائے۔ زرتاشہ حق دق تکتی رہی۔

"میں نے تو یہ کبھی نہیں سنا۔"

"تمہاری شادی کو ہوئے بھی کتنے دن ہیں؟ صرف پانچ ماہ!"

زرتاشہ نے گردن پوری موڑ کر زمر کو دیکھا۔ زمر اب سارہ سے بات کر رہی تھی۔ نیم رخ دکھائی دیتا۔ گھنگھریالی لٹ گال پہ گرتی۔ مانا ہوا مسکراہٹ سے بھرپور۔ ہیرے کی لونگ اسی طرف تھی۔ زرتاشہ نے تندی اور غصے سے واپس رخ پھیرا۔

"اوکے۔ مجھے تمہیں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ مجھے یقین ہے ان دونوں کے درمیان اب کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک پرانی بات تھی۔" ذرا ملا کر گلاس لبوں سے لگایا پھر بولا۔ "یہ ساڑھی اچھی ہے۔ کیا اسی ڈیزائنر کی ہے جہاں شہری تمہیں لے کر گئی تھی؟"

زرتاشہ کی آنکھوں میں اداسی چھائی۔ گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

"فارس نے کہا وہ افورڈ نہیں کر سکتے تو میں نے آرڈر کینسل کروا دیا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ پے منٹ شہری کے بل میں ہو جاتی۔ تم نے مجھے بتایا ہوتا۔"

"فارس کو اچھا نہ لگتا۔ رہنے دیں ہاشم بھائی۔" وہ اداسی سے رخ موڑ گئی۔

اورنگزیب کاردار گزرتے ہوئے سعدی کے پاس رکے (زمر کو دیکھا تک نہیں) صرف تنے ابرو سے اس سے سوال کیا۔ "تمہاری بہن نہیں آئی؟" چہرے پہ سختی اور سرد مہری تھی۔ سعدی فوراً سے وجہ بتانے لگا۔ وہ "ہوں" کر کے آگے بڑھ گئے۔ سعدی واپس آیا تو زمر سارہ سے بات کر رہی تھی۔ وہ دور سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تب ہی داخلی دروازے سے جگہ چھوڑ کر آتی شہرین پہ نظر پڑی۔ اس نے بھی ایک تیز سخت نظر سعدی پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔ وہ خاموش رہا۔ نوشیرواں انگلینڈ ہی تھا۔ اگر وہ ہوتا تو شاید سعدی پارٹی میں نہ آتا۔

لاؤنج کے کونے میں خاموش کھڑے سب کو باریک بینی سے دیکھتے وارث کا موبائل بجا۔ اس نے فون نکالا اور پیغام دیکھا۔ سسٹم آن کا الرٹ آ رہا تھا۔ وارث اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔ اس کا کمپیوٹر اس کے کمرے میں تھا اور اس کو پیغام بھیج کر بتا رہا تھا کہ کوئی اسے آن کر رہا ہے۔ تو کیا کوئی اس کے کمرے میں تھا؟

اس کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ وہ سارہ کے قریب آیا۔ ہلکی سی سرگوشی کی۔

"میں ایک کال کرنے لان میں جا رہا ہوں۔ زیادہ دیر ہو جائے تو کہہ دینا کہ میں کہیں آگے پیچھے ہوں۔ اگر جلدی نہ آؤں تو فارس تمہیں گھر لے جائے گا۔"

وہ حیران سی مڑی۔ سمجھ کر اچھا کہا اور وارث دھیمی رفتار سے چلتا نکل آیا۔ باہر آ کر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ دل میں عجیب سے خیالات آ رہے تھے۔

ڈائننگ ہال کے کونے میں کھڑے بظاہر کسی سے مسکرا کر بات کرتے ہاشم کو علم تک نہیں ہو سکا کہ وہ کب وہاں سے نکلا ہے۔ وارث اسے خاور دیا کرتا تھا اور خاور نہیں تھا نہ اس کی کوئی کال آئی تھی۔

ہاشم کا بمشکل چھپایا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

..................☆☆☆..................

جینے کے فسانے رہنے دو اب ان میں الجھ کر کیا لیں گے

ہوٹل کے ریسٹورنٹ ایریا میں زرد روشنیوں نے سحر انگیز سا فسوں طاری کر رکھا تھا۔ حنین اور فارس آمنے سامنے بیٹھے تھے یوں کہ حنین

کا سر جھکا تھا۔ وہ گھر نہیں گئے تھے' یہیں آ گئے تھے۔ اب اپنی زبان کی پھسلن پہ حنین شرمندہ تھی۔

''تمہیں کیسے پتا چلی نوز پن والی بات؟'' فارس نے سنجیدگی مگر نرمی سے پوچھا۔ حنین نے خفا خفا سا چہرہ اٹھایا۔

''آپ کی گاڑی میں دیکھی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ وہ پھپھو کو' یوں' بھیجیں گے۔''

''میں نے ''یوں'' نہیں بھیجی تھی۔'' فارس کے ماتھے پہ عادتاً بل پڑے۔ ''صاف بات کرتا ہوں۔ اس وقت مجھے لگا میری ان سے شادی ہو جائے گی اور وہ میری لکھائی پہچان جائیں گی۔ نام اس لیے نہیں لکھا کہ کوئی اور دیکھ کر غلط نہ سمجھ لے۔''

''پھر آپ نے زرتاشہ آنٹی سے شادی کیوں کر لی؟''

''کیونکہ تمہاری پھپھو سے رشتے کا انکار ہو گیا تھا۔ بات ختم۔ آپا کہہ رہی تھیں زرتاشہ سے کر لو' میں نے کر لی۔ میں اس شادی سے خوش ہوں۔''

''مگر میں خوش نہیں ہوں۔ مجھے غصہ ہے پھپھو پہ کہ انہوں نے انکار کیوں کیا؟''

''ان کی والدہ نے انکار کیا تھا۔ ان کو تو معلوم بھی نہیں ہوگا۔''

''میں نہیں مانتی۔''

''واٹ ایور حنہ۔ میں یہ صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔ میرا ان سے کوئی افیئر نہیں تھا۔ اب ان کی شادی ہو رہی ہے۔ کوئی بھی بات ہمارے منہ سے ایسی نہیں نکلنی جو ان کو ہرٹ کرے۔''

''اوکے۔'' حنین نے سر مزید جھکا لیا۔ فارس چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''ان کو کہنا یہ لونگ اب ان پہ سوٹ نہیں کرتی۔ اس کو اتار کر کوئی اور پہن لیں۔''

''میں نے کہا تھا' آپ کی شادی کے اگلے دن ہی کہا تھا مگر وہ کہتی ہیں مجھے اس کی عادت ہو گئی ہے اور میں تبدیلیوں کے ساتھ بہت دیر سے ایڈجسٹ کرتی ہوں' سو اسی کو پہنے رکھوں گی۔''

فارس نے سر ہلایا' پیچھے ہو کر بیٹھا' جوس کا گلاس لبوں سے لگایا اور مسکرایا۔ ''تم سے تو ڈرنا چاہیے حنین!''

ہلکا سا مسکرا کر حنین نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اسی لیے آپ علیشا کی فکر نہ کریں۔ وہ کوئی جھوٹ نہیں بول رہی۔ اب ہم چلتے ہیں۔ پارٹی پہ بھی جانا چاہیے۔'' وہ اٹھ گئی تو فارس والٹ نکالتا کھڑا ہو گیا۔

❖❖❖

وہ آئیں تو سر مقتل' تماشا ہم بھی دیکھیں گے ...... یہ شب کی آخری ساعت گراں کیسی بھی ہو ہمدم

وارث غازی کے ہاسٹل کمرے میں اندھیرا تھا۔ خاور ہاتھوں پہ دستانے چڑھائے کرسی پہ بیٹھا غور سے اسکرین کو دیکھتا لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے ڈاکومنٹس کھلتے جا رہے تھے۔ ڈاکومنٹس encrypted تھے۔ ان کے تالے توڑنے میں وقت لگتا تھا اور ابھی تو بہت سا کام رہتا تھا۔ بار بار محتاط نظروں سے دروازے کو بھی دیکھتا جسے وہ اندر سے بند کر چکا تھا۔

یکا یک باہر جوتوں کی آواز آئی۔ خاور پھرتی سے اٹھا' لیپ ٹاپ آف کیا۔ جو کاپی کر رہا تھا' اس کی فلیش کھینچ لی۔ کھڑکی کی طرف آیا' پھر واپس مڑا۔ اونہوں' کھڑکی نہیں۔ وہ قد آدم الماری میں آ کھڑا ہوا۔ پٹ بند کر دیے۔ تیار' چوکنا۔ ادھر کوئی الماری کھولتا' ادھر وہ اس پہ حملہ کرتا۔

چابی گھمانے کی آواز اسے سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا۔ ڈیم اٹ! یہ وارث ہوگا۔ ہاشم صاحب نے اسے کیوں نہیں بتایا کہ وہ پارٹی

نکل چکا ہے۔ اسے کوفت ہوئی۔

پٹ کی ذرا سی درز کھولے رکھی تھی۔ وارث اندر آیا' کوٹ صوفے پہ پھینکا' جلدی سے کھڑکی چیک کی' وہ اندر سے بند تھی۔ پھر لیپ ٹاپ کی طرف آیا۔ اس کی اسکرین اٹھائی۔ وہ بند تھا۔ وارث نے اس پہ ہاتھ رکھا۔ گرم تھا۔ یعنی کہ کوئی ادھر تھا۔

اس نے لیپ ٹاپ آن کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ساتھ ہی موبائل نکالا۔ کال ملا کر کان سے لگایا۔ خاور نے دروازے کو پکڑے ہوئے آگے ہو کر درز سے جھانکا۔ وارث کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ اتنا قریب تھا کہ خاور اس کے سانس کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ اپنا سانس اس نے منہ پہ دوسرا ہاتھ رکھ کر گویا دبا رکھا تھا۔

"سر! میں جانتا ہوں آپ نے مجھے ہاشم کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔" وارث غصے سے فون پہ کہہ رہا تھا۔ "اس لیے اب آپ چاہیں تو مجھے معطل کر دیں' مگر وہ تمام ثبوت اور ریکارڈز میں ایک دوسری ایجنسی کو بھیج رہا ہوں۔ اب ہم دونوں یہ راز جاننے والے واحد بندے نہیں رہیں گے۔ اب ہاشم اور اس کی ماں کے خلاف انسداد دہشت گردی ایکٹ تلے تفتیش ہونے سے آپ نہیں روک سکتے۔ کیا آپ نے سنا جو میں نے کہا سر!"

اور غصے سے فون بند کر کے میز پہ ڈالا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ غم' غصہ' بے بسی' اس کے وجود سے چھلکتی تھی۔ اب آر یا پار' بس اب وہ جو کرے گا' نا' ساری دنیا دیکھے گی۔

وہ ایک فیصلہ کر کے اب ای میل کھول رہا تھا۔ ای میل کا آپشن کلک کیا۔ فارس کا ایڈریس ڈالا۔ لب بھینچے سوچتے ہوئے وہ اٹیچمنٹس کھولنے لگا اسے کیا کیا بھیجنا تھا؟

خاور کی آنکھیں فکرمندی سے سکڑیں۔ اس نے فارس کے نام کے پہلے حروف پڑھ لیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اس سب کا کیا مطلب ہے۔ بس ایک لمحہ لگا اس نے فیصلہ کرنے میں' اور آندھی طوفان کی طرح پٹ دھکیلے۔ وارث چونک کر پلٹنے لگا مگر اس سے پہلے ہی خاور نے پستول اس کے سر کی پشت پہ دے مارا۔ وہ اوندھے منہ کمپیوٹر ٹیبل پہ جا گرا اور نیچے لڑھک گیا۔ لمحے بھر کو سارے میں سکوت چھا گیا۔

خاور جھکا اور اسے سیدھا کیا۔ اس کی بند آنکھیں کھلیں۔ وہ کراہا بھی تھا' خاور کو بھی دیکھا' آنکھوں میں شدید طیش چھلکنے لگا۔ اس نے خاور کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی۔

"تمہیں ہاشم نے بھیجا ہے نا۔" مگر خاور نے سختی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر مروڑے۔ اسے اوندھے منہ گرایا' کمر پہ گھٹنے سے دباؤ دے کر گرائے رکھا اور ہاتھ پیچھے کر کے پکڑے۔ بمشکل قابو کیے' جیب سے رسی نکالی جو وہ کسی بھی ایسے موقعے کے لیے ساتھ لایا تھا۔ ہاتھ باندھے۔ وارث کی آنکھیں سر میں اٹھتے درد کی ٹیسوں کی شدت سے بند ہوئے جا رہی تھیں مگر وہ خود کو ہوش میں رکھنے اور مزاحمت کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ٹانگ موڑ کر خاور کو دھکیلنا چاہا مگر خاور اس سے زیادہ مضبوط اور ٹرینڈ تھا۔ اس نے سختی سے اسے نیچے دبائے رکھا اور اس کی ایڑیاں ایک ساتھ باندھ دیں۔ پھر کھڑا ہوا' کپڑے جھاڑے' بوٹ وارث کی کمر پہ رکھ کر اسے کروٹ لینے سے روکے' اس نے موبائل نکالا۔

ہاشم ابھی تک مسکرا کر وہیں کھڑا کسی سے بات کر رہا تھا۔ جب موبائل بجا' اس نے خاور کا نام دیکھا' مسکراہٹ سمٹی۔ وہ معذرت کرتا تیزی سے اوپر آیا۔ کمرے میں آ کر دروازہ بند کیا اور موبائل کان سے لگایا۔

"ہاں بولو!"

"آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا کہ وہ وہاں سے نکل چکا ہے۔"

"وہ یہاں سے نکل چکا ہے؟" ہاشم نے بے یقینی سے دہرایا۔

"وہ میرے سر پہ آ گیا۔ مجھے اس کو ڈیل کرنا پڑا۔ وہ فارس کو سارے ڈاکومنٹس ای میل کر رہا تھا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ اس نے تمہیں دیکھ لیا؟" ہاشم دبا دبا سا غرایا۔ چہرہ سفید پڑا تھا۔

"آپ نے یہ فائلز نہیں دیکھی ہیں۔ اس کے پاس سب ثبوت ہیں' گواہ ہیں' ریکارڈز ہیں۔ آپ کے سائن شدہ کاغذات۔ اور اگر میں اس کو نہ روکتا تو وہ یہ سب فارس کو بھیج دیتا۔"

"لعنت ہے تمہارے اوپر خاور! ایک کام تم ڈھنگ سے نہیں کر سکتے۔" ہاشم کمرے میں چکراتا' غصے سے کہہ رہا تھا۔

وارث نے نقاہت سے گردن موڑی' حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"ہاشم سے کہو وہ حساب دے گا۔"

خاور نے کوفت اور غصے میں زور سے اس کی پسلی پہ بوٹ کی ٹھوکر ماری۔ وہ ہلکا سا منمنایا۔

"اب بتایئے میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس کا قصہ ختم ہو جائے تو کوئی ثبوت باقی نہیں رہے گا۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔" وہ بے چینی سے بولا۔ چہرے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ پیشانی پہ ہاتھ رکھے وہ بیڈ کے کنارے بیٹھتا گیا۔ ارد گرد گویا بھما کے ہو رہے تھے۔

"سر! جلدی بتائیں کیا کروں؟"

"ٹھہرو۔ مجھے چند لمحے دو۔ چند لمحے خاور۔" اڑی رنگت اور ویران آنکھوں سے کہتے ہوئے ہاشم نے موبائل کان سے لگائے دروازہ کھولا۔ ریلنگ کے اوپر کھڑے ہو کر دیکھا۔

لاؤنج کے وسط میں سارہ کی بیٹیاں کھڑی تھیں۔ سارہ زمین پہ جھک کر ان میں سے ایک کے جوتے کا اسٹریپ بند کر رہی تھی' ساتھ ہی نرم خفگی سے اس کو کچھ کہہ رہی تھی۔ یقیناً کوئی ایسی بات جو بچپن میں اس کی ماں ان سے کہا کرتی تھی۔ "کھلے تسمہ کے جوتوں سے نہیں بھاگو۔ تسمہ جوتے تلے آیا تو اوندھے منہ گرو گے۔"

وہ یک ٹک' کمزور' نقاہت زدہ سا ان دو معصوم بچیوں کو دیکھتا رہا۔ گردن خود بخود نفی میں ہلی۔ کیا وہ ایسا کر سکتا تھا؟ کیا اس کے پاس یہ سب کرنے کی وجہ ان کی معصومیت سے بھی عظیم تھی؟

اس کی نگاہیں ان سے گزر کر فاصلے پہ کھڑے اورنگزیب کاردار پہ گئیں اور پھر ان ہی پہ ٹھہر گئیں۔ وہ ایک سیاست دان دوست کے ساتھ کھڑے ہنس کر کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ خوش تھے یا سیاست کی ریہرسل کر رہے تھے۔ نیا کیریئر' نیا جواء۔ کیا وہ اس موقع پہ ان کا کوئی اسکینڈل شائع ہونا افورڈ کر سکتا تھا؟ کوئی افیئر ہوتا' کوئی ناجائز اولاد تو بھی چل جاتا۔ مگر قبائلی علاقوں کے دہشت گردوں سے تعلقات؟ کبھی بھی نہیں۔

ہاشم واپس کمرے میں آیا۔ فون ابھی تک کان سے لگا تھا۔ خاور منتظر تھا۔ ہاشم نے خود کو کہتے سنا۔

"خاور! اسے خودکشی لگنا چاہیے۔" اور موبائل بیڈ پہ پھینک دیا۔ کوٹ بھی اتار کر ساتھ ہی ڈالا۔

خاور نے حکم سن کر آنکھیں بند کیں' پھر چند گہرے سانس لیے۔ آنکھیں کھولیں۔ بوٹ وارث کی کمر سے ہٹایا۔ جھک کر اسے اٹھایا۔ وہ نیم جاں سا بمشکل کھڑا ہو پایا۔ آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں اور وہ ان کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم۔ کیا چاہتے۔" خاور نے جیب سے رومال نکال کر اس کے منہ میں ٹھونسا۔ میز قریب کی اور وارث کو اس پہ بٹھایا۔ پھر گردن اٹھا کر پنکھے کو دیکھا۔

اپنے کمرے میں چلتے ہاشم کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ باتھ روم تک آیا۔ چوکھٹ کو ہاتھ سے تھام لیا۔ آنکھیں بند کیں۔ کرب' درد' دم گھٹنے کی کیفیت۔ وہ چند لمحے یونہی کھڑا رہا۔

خاور نے بستر کی چادریں اکٹھی کیں۔ گرہیں لگائیں۔ پنکھے کے گرد پھندا سا لٹکایا۔ وارث اس دوران بمشکل میز پہ بیٹھا تھا۔ یوں کہ گردن بائیں طرف بار بار لڑھکتی اور وہ بار بار اس کو سیدھا کرتا۔ سر کی چوٹ اس زاویے سے لگائی گئی تھی کہ اس کی ساری کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ خاور نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اوپر کھینچا، مگر وہ اپنا پورا زور لگانے لگا۔ خاور نچلا ہونٹ دانتوں سے دبائے مزید قوت سے کھینچنے لگا۔ وارث کا سر اوپر ہوا' آنکھوں کے سامنے پھندا لہرایا۔ اس نے بے یقینی سے خاور کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں خوف نہیں تھا۔ صرف بے یقینی تھی۔ اور شاید دکھ بھی اور صدمہ بھی۔

.................❖❖❖.................

ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ باتھ روم کا دروازہ دھکیلا۔ اندر قدم رکھے۔ گرمائش بڑھی تو خودکار بتیاں خود بخود جل اٹھیں۔ پورا باتھ روم روشن ہو گیا۔

واش بیسن کی جگہ کھلی تھی۔ دو سنک لگے تھے۔ اوپر دیوار گیر شیشہ۔ وہ چوکھٹ چھوڑ کر سلیب تک آیا۔ دونوں ہاتھوں سے اسے تھاما' اور تھامے تھامے جھک گیا جیسے کوئی الٹی کرتے وقت جھکتا ہے۔

.................❖❖❖.................

خاور نے اسے کھڑا کر لیا تھا۔ اس کی گردن کے گرد پھندا کستے ہوئے کافی وقت ہوئی کہ وہ مزاحمت کر رہا تھا' خود کو چھڑانے کی کوشش۔ ایک آخری کوشش۔ آخری امید او ہ۔ زندگی کتنی عزیز ہوتی ہے۔ مگر پھندا کس گیا۔ پکا' زور کا۔ خاور نیچے اترا' ایک طویل اور ٹھنڈی سانس اندر اتاری جو ہڈیوں تک میں گھس گئی' اور پھر۔ زور سے میز کو ٹھوکر ماری۔

.................❖❖❖.................

ہاشم نے آنکھیں اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ وہ سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ وہ جھکا' نل تلے ہاتھ لے گیا۔ پانی کی دھار ابلی۔ ہاتھوں کے کٹورے میں چھپل جمع کی' اسے منہ پہ پھینکا۔ آنکھیں بند کیں۔ بوندیں چہرے سے لڑھکتی گردن پہ ٹپکنے لگیں۔ شرٹ' کف' سب گیلے ہو گئے۔

خاور ٹھوکر مار کر پیچھے ہٹا۔ وارث نے سر ادھر ادھر مارتے خود کو چھڑانے کی کوشش کی' چند ایک جھٹکے اور۔ سانس حلق میں آ پہنچا۔ زندگی کی ڈوری ٹوٹ گئی۔ پنکھے کے پھندے سے جھولتی لاش ساکت ہو گئی۔

خاور نے اس کے ہاتھ کھولے' جلدی جلدی پیر بھی علیحدہ کیے۔ رسی کو پلاسٹک بیگ میں احتیاط سے ڈالا۔ منہ میں ٹھونسا کپڑا نکال کر اسے بیگ میں ڈالا' اسے سیل کیا۔ اور اس کے کاغذات' لیپ ٹاپ وغیرہ سمیٹنے لگا۔

.................❖❖❖.................

ہاشم سیدھا ہوا۔ تولیے سے چہرہ تھپتھپایا۔ بال دوبارہ برش کیے اور کوٹ سیدھا کرتا باہر نکل آیا۔ البتہ اس کے چہرے کا رنگ سفید تھا' چھوں میں لپٹی بے جان ممی جیسا سفید اور پژمردہ۔ آنکھیں گلابی تھیں۔ سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آیا۔ سارہ اور بچیوں کے قریب سے گزر گیا' نگاہ ملائے بغیر۔

خاور کی واپسی تک پارٹی جاری تھی۔ خاور پہنچ گیا اور اسے ترچھی نظروں سے دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ ہاشم نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ خاور کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ جڑ رہا تھا۔

فارس اور حنین وہاں پہنچ گئے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ حنین آ کر سعدی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

"حنین! تمہاری دوست سے ملاقات ہو گئی؟" حنین نے ایک خفا خفا سی نظر دور زرتاشہ سے کچھ کہتے فارس پہ ڈالی اور "جی" کہہ کر

دوسری طرف دیکھنے لگی۔ زمر خاموش ہوگئی۔ وہ اس کھنچے کھنچے رویے کی عادی تھی، پھر بھی۔

زرتاشہ تندی سے فارس کو دیکھ رہی تھی۔

"عین پارٹی والے دن ہی حنین کو کہیں جانا تھا اور آپ کو ہی لے جانا تھا؟" وہ دبے دبے غصے سے فارس کو دیکھ کر بولی۔

"یہ پارٹیز تو ہر ہفتے ہوتی ہیں۔" اس نے حسب عادت شانے اچکائے۔ ادھر ادھر دیکھا۔ حنین ذرا دور تھی، زمر ساتھ تھی۔ اس لیے نگاہیں پھیر لیں۔

"اور آپ صرف ان ہی پارٹیز کو کیوں اٹینڈ نہیں کرتے جن میں پراسیکیوٹر صاحبہ ہوتی ہیں۔"

فارس نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا، پھر بے اختیار حنین کی طرف۔ (کہیں حنہ نے اس سے بھی تو کچھ نہیں کہہ دیا؟) پھر ذرا غصے سے زرتاشہ کو۔ "کیا مطلب ہے اس فضول بات کا؟"

"آپ نے اس کا رشتہ مانگا تھا، نہیں ملا۔ پھر بھی آپ کے دل میں کیا ہے جو آپ اس سے اعراض برتتے ہیں؟" فارس کے ابرو ناگواری سے سکڑے۔

"میں نے اس کا رشتہ؟ یہ کس نے کہا تم سے ہاں؟"

"آپ نے نہیں بتایا تو کیا۔ کوئی اور نہیں بتا سکتا؟"

"تم سے کس نے کہا ہے؟" وہ سختی اور طیش سے دبا دبا سا غرایا۔ زرتاشہ ذرا خفیف ہوئی۔ شوہر کے موڈ کے اتار چڑھاؤ۔ اف۔

"ہاشم بھائی نے بس اتنا..."

فارس نے بغیر پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر گیا، ڈائننگ ہال کی چوکھٹ عبور کر کے دائیں بائیں دیکھا۔ غصے سے کنپٹی کی رگ ابھر آئی تھی۔

دائیں طرف ہاشم پشت کیے کھڑا کسی خاتون سے بات کر رہا تھا۔ فارس تیزی سے ادھر آیا۔ قریب آ کر اس کو مخاطب کیا۔ "خاتون اک دو منٹ دیں، مجھے بات کرنی ہے۔"

ساتھ ہی سخت نظر ہاشم پہ ڈالی۔ خاتون تو فوراً ہٹ گئیں مگر ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا ہوا؟"

"تمہیں لگتا ہے مجھے پتا نہیں چلے گا کہ تم کیا کرتے پھرتے ہو میری پیٹھ پیچھے؟" ہاشم کے حلق میں کچھ اٹکا۔ ویران نگاہوں سے فارس کو دیکھا۔ گلاس پکڑے ہاتھ پہ نمی ابھری۔ اسے کیسے پتا چلا؟

"میں واقعی نہیں سمجھا۔"

"میرے بارے میں میری بیوی سے بکواس مت کیا کرو ہاشم!" وہ جتنے غصے سے بولا، ہاشم کے تنے اعصاب اتنی تیزی سے ڈھیلے ہوئے، رکا سانس بحال ہوا۔ (او تو یہ بات ہے)

"میں اب تک نظر انداز کرتا آیا ہوں جو ہر وقت تم اسے میری اور اپنی مالی حیثیت کا فرق جتاتے رہتے ہو، کبھی میری کسی بات کو نشانہ تنقید بنانا، کبھی کسی کو، مگر اس سے میرا گھر ڈسٹرب ہو رہا ہے۔ آئندہ۔" انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ "آئندہ میری بیوی سے دور رہنا ورنہ میں بہت برا پیش آؤں گا۔"

کہہ کر وہ مڑ گیا۔ ہاشم خلاف معمول خاموشی مگر سکون سے اسے جاتے دیکھتا رہا، پھر واپس پلٹ گیا۔ اندر کا سارا اضطراب چھپائے۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ

تم قتل کرو ہو یا کرامات کرو ہو.....

اگلی فجر ابھی تاریک تھی جب جواہرات کی آنکھ کھلی۔ وہ سیدھی اٹھ بیٹھی۔ گردن موڑ کر دیکھا۔ اورنگزیب کروٹ لیے سو رہے تھے۔ دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس نے تلخی سے سر جھٹکا' جھک کر سلیپر پہنے اور کھڑکی تک گئی۔ باہر سیاہی تھی۔ روشنی سے ذرا پہلے کا اندھیرا۔ عجیب گھٹن تھی فضا میں جیسے کوئی تعفن زدہ لاش کسی نے بیچ چوراہے پہ رکھی ہو اور اس کی بو نتھنوں میں گھس رہی ہو۔ جواہرات کی خوبصورت آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ گاؤن پہنا اور ڈوری کو گرہ لگاتی باہر نکل آئی۔

لاؤنج تاریک تھا۔ بتیاں آٹومیٹک تھیں۔ وہ جس جگہ داخل ہوتی وہاں بتی جل اٹھتی۔ اس نے لاؤنج میں قدم رکھے' بتیاں جلتی گئیں۔ وہ ڈائننگ ہال تک آئی۔ آگے نکل گئی۔ بتیاں ساتھ ساتھ بجھتی گئیں' اگلی جلتی گئیں۔ ڈائننگ ہال سے پرے ایک اور راہداری تھی۔ اس کے آگے ایک کمرے کا دروازہ بند تھا۔ نیچے درز سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ کنٹرول روم تھا۔ جواہرات اچنبھے سے رکی' آہستہ سے قریب آئی۔ ساؤنڈ پروف دروازوں سے سننا ناممکن تھا۔ اس نے ہینڈل پکڑ کر گھمایا۔ دروازہ کھلتا گیا۔ ہاشم مضطرب سا ٹہلتا غصے سے کچھ کہہ رہا تھا اور خاور سامنے کھڑا سر جھکائے سن رہا تھا۔

''میں نے کیا بکواس کی تھی؟ اس کو خودکشی لگنا'' ماں کو دیکھ کر وہ رکا مگر تاثرات نہیں بدلے۔ قریب آیا۔ کہنی سے پکڑ کر حیران و پریشان جواہرات کو اندر کیا۔ دروازہ بند کر کے لاک کیا۔ کرسی کھینچ کر کہا ''بیٹھیں۔''

وہ نہیں بیٹھی۔ سنگینی محسوس کر کے بے چینی سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ ''ہاشم! کچھ غلط ہے' ہے نا؟''

''ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں تھا۔ وارث واحد شخص تھا جس کے پاس ہمارے خلاف ثبوت تھے۔ میں نے خاور کو اوکے کر دیا۔ خاور نے اسے مار دیا ہے۔ اور یہ رہے سارے ڈاکومنٹس' اس کی فائلز' اس کا لیپ ٹاپ۔'' اشارہ کیا ان پرزوں کی طرف۔

جواہرات بے دم سی ہو کر کرسی پہ گر گئی۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ خاور تفصیلات بتاتا رہا۔ آخر میں اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ گلابی ہوتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔

''کیا اس کی جان لینا ضروری تھا؟ کیا اب ہم قاتل بھی ہو گئے ہیں؟''

''اپنے خاندان کی حفاظت کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں میں۔ بہرحال اب یہ سوچنا ہے کہ آگے کیا کرنا ہے؟''

''کیا مطلب؟ اس نے خودکشی کر لی' بات ختم۔ ثبوت ہمارے پاس ہیں۔'' اس کی حیرانی پہ ہاشم نے گھور کر خاور کو دیکھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''خودکشی کب لگے گی وہ۔ اس نے اس کے ہاتھ باندھے۔ اس کے سر پہ چوٹ لگائی۔ کمرے جو تار کھا۔ مزاحمت کے سارے رائی جیسے نشان پوسٹ مارٹم رپورٹ میں پہاڑ بن کر نظر آئیں گے۔ تفتیشی افسر' پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر اور کتنوں کا منہ بند کرنا پڑے گا۔ یہ خودکشی نہیں لگے گی۔'' جواہرات اٹھ کھڑی ہوئی۔ بے چینی سے پھرتی رہی۔ پھر چونک کر ہاشم کو دیکھا۔

''تو ٹھیک ہے۔ یہ قتل بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاکو آئے' سامان لوٹا اور بندے کو مار دیا۔'' اس نے چیزوں کی طرف اشارہ کیا جو خاور ساتھ لایا تھا۔

''آسان نہیں ہوگا۔ فارس کبھی بھی اتنے پہ نہیں بیٹھے گا۔'' ہاشم بے چینی سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ سب خراب ہوتا نظر آ رہا تھا۔

''ہاشم! ڈونٹ وری۔ تم قتل کے وقت پارٹی میں تھے۔ تمہارے پاس alibi (ایلی بائی) ہے۔'' جواہرات اپنی بات پہ خود ہی چونکی۔ ہاشم نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔ خاور نے بھی بے اختیار سر اٹھایا۔

''ایلی بائی!'' ہاشم کسی سوچ میں بھٹک گیا۔ (یعنی کسی شخص کا جرم کے وقت کسی دوسری جگہ پہ موجودگی کی شہادت ہونا)

"مگر..." جواہرات تیزی سے اس کے قریب آئی۔ اس کی آنکھیں امید سے چمکنے لگیں۔ "فارس پارٹی میں نہیں تھا۔ وہ وارث کی واپسی کے بعد ہی آیا۔ اس دوران وہ جا کر قتل کر سکتا ہے اور واپس آ سکتا ہے۔ خاور کے یہاں ہونے کے گواہ ہم دونوں ہوں گے اور ہاشم کی گواہی تو سارے مہمان دیں گے۔"

"فارس...." وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ "فارس پارٹی میں نہیں تھا۔ فارس سوتیلا بھائی ہے۔ فارس قاتل ہو سکتا ہے۔"

"ہمیں یہ سب فارس پہ پلانٹ کرنا ہے۔" جواہرات نے آگے آ کر دائیں بائیں ترتیب سے لگی چیزوں کو دیکھا۔ رسیاں پلاسٹک بیگ میں تھیں۔ "اس پہ وارث کا ڈی این اے ہو گا۔ یہ سب اگر پولیس کو فارس کے گھر سے ملے تو اسے اپنی پڑ جائے گی۔ وہ کیس کے پیچھے ہی نہیں پڑے گا۔"

ہاشم تذبذب سے سنتا رہا جو اسے اس کی ماں چمکتی آنکھوں کے ساتھ بتا رہی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

کہیں نہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا سراغ ...... نہ دست و ناخنِ قاتل نہ آستیں پہ داغ

فجر قضا ہو چکی تھی۔ صبح طلوع ہونے لگی۔ فارس چابی انگلی میں گھماتا ہوا ہاسٹل کی عمارت کے احاطے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ منہ میں گم چباتے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ آج اتوار کی صبح تھی۔ خاموشی چھوئی تھی۔ وہ چلتا گیا چلتا گیا' پھر برآمدے میں رکا۔ وارث کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک دفعہ' دو دفعہ' سہ بار۔

پھر موبائل نکالا۔ کال ملائی۔ فون آف تھا۔ اس نے پھر ملایا۔ ساتھ والے کمرے سے ایک آفیسر نکل رہا تھا۔ فارس نے اسے روکا۔ وارث کا پوچھا۔ وہ فارس کو جانتا تھا۔

"ہاں وہ اندر ہو گا۔ رات کو آ گیا تھا۔ پھر باہر نہیں نکلا۔" فارس نے اب کے ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ نوجوان بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ کھڑے رہے۔

"وارث۔ وارث۔ دروازہ کھولو۔" وہ قدرے فکرمندی سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ آہستہ آہستہ دو چار مزید لوگ اکٹھے ہو گئے۔ فارس نے سارہ کو کال کی۔

"سارہ! وارث کہاں ہے؟" اسے اپنی آواز گھبرائی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

"میری بات نہیں ہوئی رات سے۔ ابھی اٹھی ہوں۔ کال کرنے لگی تھی۔ آج ہم نے..." فارس نے بات سنے بغیر فون جیب میں ڈالا اور زور زور سے دروازہ کو ٹھوکریں مارنے لگا۔ دو آدمی آگے بڑھے۔ زور سے دروازے کو ٹھوکریں ماریں۔ لوگ اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ تماشا سا لگ گیا۔

تیسرے منٹ میں دروازے کا لاک ٹوٹا اور وہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔ پوری قوت سے فارس اندر گرتے گرتے بچا۔ پھر سیدھا ہوا گردن اٹھائی۔ تب اسے لگا وہ کبھی اپنے پیروں پہ کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

پنکھے کے ساتھ وارث کی لاش جھول رہی تھی۔ اس نے چیخ و پکار سنی مگر کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بھاگ کر سب سے پہلے وارث کے پیر پکڑ کر زور اٹھائے۔ گردن کی رسی ڈھیلی ہوئی۔ مگر وہ محسوس کر سکتا تھا یہ ٹانگیں بہت سرد تھیں۔ بے جان۔ فارس پیچھے ہٹا۔ ہاتھوں کو پھیلائے سب کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

"کوئی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔ سب پیچھے۔"

اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا اور وہ اندر داخل ہونے سے سب کو روک رہا تھا۔ سارہ کا فون ابھی تک ہولڈ تھا۔ اسے بہت سے لوگوں کو

ایلی تھی۔ کیسے، وہ نہیں جانتا تھا۔

بس جانتا تھا تو ایک ہی بات.... اسے اپنے جسم سے جان سی نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

سب ختم ہو گیا تھا۔

کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے

جو ٹوٹ گیا سو چھوٹ گیا

تین دن بعد۔

سارہ کی والدہ کے گھر میں سوگواری چھائی ہوئی تھی۔ وارث کے جنازے کو آج تیسرا دن گزر چکا تھا مگر وہاں پھیلی نادیدہ کافوری مہک اور میت کے گھر کی ویرانی برقرار تھی۔ سعدی اندر داخل ہوا تو باہر برآمدے کی ایک کرسی پہ پیر اوپر رکھے حنین بیٹھی تھی۔ گال ہتھیلی پہ جمائے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔ آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سعدی کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ قریب آیا۔

وہ ہنوز سامنے دیکھتی رہی۔ آنسو گرتے رہے۔

"بھائی! وہ ماموں تھے فور گرانٹڈ۔ پیار کرتے تھے، خیال رکھتے تھے۔ سب فور گرانٹڈ تھا۔ ہمارا حق۔ اچھے لگتے تھے۔ عزت کرتی تھی میں ان کی، ٹھیک ہے بات ختم مگر.... تین دن سے میں خود حیران ہوں۔ مجھے آج پتا چلا ہے کہ میں تو ماموں سے بہت محبت کرتی تھی۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں ان کو اتنا مس کروں گی۔ میرا دل ایسے دکھے گا۔ مجھے تو کبھی پتا ہی نہیں تھا بھائی۔ مجھے اٹھتے بیٹھتے ماموں کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ سوتے وقت آخری خیال۔ جاگتے وقت پہلا خیال۔ وارث ماموں۔ بس۔" اس نے بھیگی اجنبی نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ "بس ایک دن چاہیے۔ صرف ایک دفعہ مجھے ماموں سے دوبارہ ملنا ہے اور ان کو بتانا ہے کہ میں ان سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ صرف ایک گھنٹے کے لیے۔ بھائی کیا ہم صرف ایک گھنٹے کے لیے بھی اپنی زندگیوں کو ریورس نہیں کر سکتے۔"

وہ خاموشی سے دیکھتا رہا پھر اٹھ گیا۔ دل ایسے اجڑا تھا کہ لگتا تھا آگے کچھ باقی ہی نہیں رہا دنیا میں۔

وہ اندر آیا۔ کچن میں ندرت کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ ذکیہ بیگم دور بیٹھی آنسو پونچھتی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ سعدی آکر ماں کے ساتھ کھڑا ہوا، کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ندرت نے سر اٹھا کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اردگرد بکھری رشتہ دار خواتین کو یکسر نظر انداز کیے اس سے پوچھا۔

"سعدی! لوگ اس ترتیب سے کیوں نہیں مرتے جس سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹے پہلے کیوں مر جاتے ہیں؟ کیسے واپس لاؤں میں اسے؟"

سعدی کا دل بھر آیا۔ اس نے ماں کے کندھے سے ہاتھ اٹھایا اور مڑ گیا۔

اندر ایک کمرے میں بیڈ پہ سارہ بیٹھی تھی۔ اس کی سعدی کی طرف پشت تھی۔ اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ چوکھٹ پہ رک گیا، پھر دیکھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل کے ساتھ وارث کی بیٹیاں کھڑی تھیں۔ امل چپکے چپکے کہہ رہی تھی۔

"میرے بابا چلے گئے اب میں اپنے بابا کو کیسے بلاؤں گی؟ اب مجھے ناشتا کون کرائے گا؟"

نور فرش پہ چوکڑی مار کر کہنیاں گھٹنوں پہ جمائے گالوں پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ ذرا سا سوچا پھر آنکھیں چمکیں۔ ہاتھ گال سے ہٹائے، سر اٹھا کر بہن کو دیکھا اور چہک کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم بابا کو فون کر لیں گے۔ وہ ہمارا فون ہمیشہ اٹھاتے ہیں۔" امل نے اداسی سے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ سمجھتی تھی اور جو سمجھتی تھی، وہ چھوٹی بہن کو نہیں سمجھا سکتی تھی۔

نور اٹھی اور سارہ کا موبائل اٹھا کر جلدی جلدی بابا کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

''آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔ برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کریں۔''

''کتنی دیر بعد کروں دوبارہ سعدی بھائی؟'' اس نے چوکھٹ پہ کھڑے سعدی کو پکارا۔ سارہ سب سن رہی تھی۔ اس کے نام پہ گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ سر جھکا کر آگے آیا۔

سارہ کے سامنے زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھا۔ سارہ نے بھیگی ویران آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کی ناک اور گال لال ہو رہے تھے۔

''میرا دل چاہتا ہے سعدی! میں اپنی تمام ڈگریوں کو کہیں پھینک آؤں۔ اتنے سال جن کے لیے میں نے ضائع کر دیے۔ وہ سال میں وارث کے ساتھ بھی گزار سکتی تھی۔ کیا ہم زندگی کو ریوائنڈ نہیں کر سکتے؟ صرف ایک دن کے لیے۔ ایک سال کے لیے۔ تھوڑا سا زیادہ وقت۔ تھوڑی سی زیادہ مہلت سعدی۔'' آنکھیں بند کیں۔ ٹپ ٹپ آنسو چہرے پہ لڑھکتے گئے۔

''خالہ!'' اس نے جھکا سر اٹھایا۔ ''ہم ضرور ان کے قاتلوں کو ڈھونڈیں گے اور ان کو سزا دلوائیں گے۔'' اس کے دل کی یاسیت اور اجڑا پن بڑھ گیا تھا۔

''کیا اس سے وارث واپس آ جائے گا؟'' پھر سارہ نے خود ہی نفی میں سر ہلایا۔ سعدی لاجواب ہو گیا۔ اس سوال کا جواب اس کے پاس تب نہیں تھا۔ یہ جواب اسے کئی سال بعد ملا تھا۔

............❖❖❖............

کون گواہی دے گا اٹھ کر جھوٹوں کی اس بستی میں ...... سچ کی قیمت دے سکنے کا تم میں یارا ہو تو کہو

بالکونی میں جواہرات اور ہاشم کھڑے تھے۔ دونوں مضطرب مگر بظاہر سکون سے دور انیکسی کی طرف دیکھ رہے تھے جس کے برآمدے میں پولیس کے چند اہلکاروں کے ساتھ فارس کھڑا کوئی کلیو دے رہا تھا۔ وہ مسلسل بھنویں سکیڑے کچھ کہے جا رہا تھا اور آفیسر سن رہا تھا۔

''تمہیں وہ چیزیں اس کی گاڑی کے بجائے گھر میں پلانٹ کروانی چاہیے تھیں۔'' جواہرات ناگواری سے سامنے دیکھتی بولی۔ ہاشم نے ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں بھول جاتی ہیں کہ اس کا گھر ہماری چار دیواری کے اندر آتا ہے۔ کیا سوچے گا کہ جب کوئی باہر سے اندر سیکورٹی سے گزرے بغیر آ نہیں سکتا تو اس کے گھر تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ گاڑی تو پورے شہر میں گھومتی ہے۔''

مگر جواہرات کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا۔

''کیا اب پولیس اسے گرفتار کر لے گی؟''

''نہیں۔ لیکن اگر اس نے ''خودکشی نہیں قتل، قتل'' کی رٹ نہ چھوڑی تو کرنا پڑے گا۔''

جواہرات تعجب سے اس کی طرف گھومی۔ ''تو یہ سب کیا ہے؟ یہ تلاشی وغیرہ؟''

''صرف ایک وارننگ۔'' ہاشم ہلکا سا مسکرایا، پھیکی مسکراہٹ۔

جواہرات قدرے مضطرب سی واپس ادھر دیکھنے لگی جہاں فارس برآمدے میں کھڑا تھا۔ یہاں تک آواز نہیں آتی تھی۔ وہ صرف اس کی حرکات و سکنات سے اندازہ کر رہی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہے وہ سائیکاٹرسٹ۔'' فارس بمشکل ضبط کر کے غرایا تھا۔ پولیس آفیسر خاموشی سے سنتا گیا۔ ''وارث نہ کبھی اس کے پاس گیا تھا، نہ وہ کبھی اینٹی ڈپریشن دوائیں لیتا تھا۔ یہ سب بکواس ہے۔ یہ ایک قتل ہے اور آپ کو اس کی تفتیش کرنا ہو گی۔''

''پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق۔''

"میں نہیں مانتا اس رپورٹ کو۔ وہ میرا بھائی تھا۔ میں نے اسے غسل دیا ہے۔ اس کے جسم پہ تشدد کے نشان تھے۔"

"اور اس کی وضاحت کیسے کریں گے آپ؟" اس نے شفاف پلاسٹک بیگ میں رکھا موبائل اور رسی دکھائی۔ "ہم نے موبائل کے کال ریکارڈز سے آپ کی گاڑی تک ٹریس کیا اور یہ رسی... یہ سب چیزیں آپ کی گاڑی سے ملی ہیں۔" اس نے زور دے کر دہرایا۔ فارس کے لب بھنچ گئے۔

"تو؟ وہ اس رات ادھر ہی تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اپنا موبائل میری گاڑی میں بھول گیا ہو یا کسی نے اس کو مجھ پہ پلانٹ کیا ہو۔"

"تو پھر کیا ہی اچھا ہو غازی صاحب! کہ یہ ایک خودکشی ہی ہو۔ کیونکہ اگر یہ قتل نکلا تو یہ" پلکٹ لہرایا۔ "آپ کے پاس سے برآمد ہوا ہے۔" فارس نے سمجھتے ہوئے اسے گھورتے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بالکل! یعنی کہ میں اس کیس کو فالو نہ کروں ورنہ یہ میرے اوپر ڈال دیا جائے گا۔ تو پھر جائیں، وہ کریں جو کرنا ہے کیونکہ میں تو اس کو نہیں چھوڑوں گا۔"

باہر جانے کا راستہ بازو سے دکھایا۔ وہ خاموشی سے چلے گئے۔ فارس کھڑا سوچتا رہا۔ اس کا غم اب "غصے" کے مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔

❖❖❖

سعدی سارہ کے کمرے سے باہر آیا تو کچن میں گھنگھریالے بالوں کی جھلک دکھائی دی۔ زمر وہاں کھڑی تھی۔ اس وقت ندرت کو دوا دے رہی تھی۔ وہ روز آ جاتی پھر ان کے ساتھ رہتی۔ سعدی کو دیکھ کر زمی سے تسلی دینے کے انداز میں مسکرائی اور پھر باہر آ گئی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ برآمدے میں آئے۔ وہاں اب حنین نہیں تھی۔ زمر اس کی جگہ پہ بیٹھ گئی۔ سعدی ساتھ کھڑا ہو گیا۔ مایوس، شکستہ، پریشان۔

"ہم یعنی فارس ماموں اور میں پراسیکیوٹر آفس گئے تھے مگر وہاں کوئی بھی اس کیس کو شروع کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں پوسٹ مارٹم رپورٹ اور سائیکاٹرسٹ کی رپورٹ کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔"

زمر نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"سعدی! کیا یہ واقعی خودکشی تھی؟"

"زمر! یہ کیسی خودکشی تھی جس میں ماموں کے ہاتھ پہ رسی باندھنے کے نشان تھے؟ یہ قتل تھا۔ ان کی فائلز غائب ہیں۔ لیپ ٹاپ بھی غائب ہے۔"

"اوکے، میں پراسیکیوٹر بصیرت سے بات کرتی ہوں۔ وہ یقیناً یہ کیس...."

"وہ کیوں زمر؟" وہ چڑ گیا۔ خفگی سے اسے دیکھا۔ "آپ کیوں نہیں؟"

زمر ایک دم رک گئی۔ اچنبھے سے نفی میں ہلایا۔ "میں؟ میں تو چھٹی پہ ہوں۔"

"چھٹی والے دن ہی میرے ماموں قتل ہوئے تھے۔"

"مگر۔ سعدی۔ دیکھو بیٹا۔" وہ ذرا رسان سے کہتی آگے ہوئی۔ "مجھے بہت افسوس ہے، وارث بھائی بہت اچھے انسان تھے۔ بہت پیار دار اور رکھ رکھاؤ والے۔ جس دن سے یہ ہوا ہے، ہم سب اپ سیٹ ہیں۔ مگر میں نے اتنے سال بعد اب بریک لی ہے۔ سعدی! میرے پاس روز اتنے قتل کیس آتے ہیں، میں بہت سوں کو بھگتا چکی ہوں۔ یہ کوئی بھی دوسرا پراسیکیوٹر لے سکتا ہے۔ میرا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

"ہمیں آپ پہ اعتبار ہے، باقیوں پہ نہیں۔" وہ ضد کر رہا تھا۔

''مگر میں ایک ہفتے میں کیا کروں گی؟ پھر شادی کے وقت تو مجھے لازمی چھٹی پہ جانا ہوگا اور....'' وہ سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

''آپ.... آپ شادی کیسے کر سکتی ہیں؟''

زمر ایک دم سے رک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''کیا مطلب؟''

''ہمارا ماموں قتل ہو گیا اور آپ کو اپنی شادی کی پڑی ہے؟''

زمر اٹھ کھڑی ہوئی' سعدی کے بالکل مقابل۔ وہ اب بھی ناسمجھی سے اسے دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''سعدی! میری شادی کل نہیں ہے۔ ابھی آٹھ دن تو ہیں اور یہ تو پہلے سے طے تھا۔ کارڈ بٹ چکے ہیں۔ اب اس ٹریجڈی کے بعد کوئی دھوم دھام نہیں ہوگی۔ شادی سادگی سے ہی ہوگی۔ مگر حماد کی فیملی میں کتنے لوگ باہر سے چھٹی لے کر آئے ہیں۔ سب تیار ہے۔ اب کینسل تو نہیں ہوگا نا بیٹا! جو ہونا ہے وہ ہونا ہے۔''

''اور ہماری فیملی زمر؟ ہم کتنے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہمارے اس غم میں آپ ہمیں یوں چھوڑ کر شادی کرنے جا رہی ہیں۔'' وہ بے یقین تھا اور زمر ابھی تک سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیوں نہیں سمجھ رہا۔

''سعدی! امی نہیں رہیں' ابا میری شادی کے بارے میں بہت دکھی ہو گئے ہیں۔ میں 29 سال کی ہوں۔ میری ایک تیار شادی کینسل ہو گئی تھی۔ امی کی ڈیتھ کی وجہ سے پہلے ہم نے یہ شادی چھ ماہ آگے کی۔ اب دوبارہ تو آگے نہیں ہوگی نا۔''

''آپ اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہیں؟'' وہ صدمے میں تھا۔

زمر متحیر رہ گئی۔ بنا پلک جھپکے اس نے سعدی کو دیکھا۔ ''خود غرض؟'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

''میں خود غرض ہوں سعدی؟''

''کیا آپ ہمارے لیے اس شادی کو آگے نہیں کر سکتیں؟''

مگر وہ ابھی تک یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ خود غرض۔ خود غرض۔ خود غرض۔ پھر لب بھینچ لیے۔

''ہمیں کسی سے صرف اتنی قربانی مانگنی چاہیے جتنی وہ دے سکے۔''

''مجھے نہیں پتا۔'' اسے غصہ آنے لگا۔ ''ہمارے خاندان میں ایک قتل ہوا ہے اور آپ پراسیکیوٹر ہیں۔ کیا آپ ہمارے لیے اتنا سا بھی نہیں کر سکتیں؟ ہمارے غموں کا کیا زمر؟''

اور میری خوشیوں کا کیا؟ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی' کہہ نہ سکی۔ وہ غصے میں آگے بڑھ گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھا اور پھر پرس لے کر باہر نکل آئی۔

گھر آئی تو بڑے ابا قمیص کے کف بند کرتے آئینے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کہیں جا رہے تھے۔ ساری دوپہر وہ بھی سارہ کی طرف تھے۔ شاید آرام کر کے ادھر ہی جا رہے تھے۔ امی کے جانے کے بعد ذرا کمزور ہو گئے تھے مگر مضبوط رہنے کی اداکاری اچھی کر لیتے تھے۔ اسے دیکھ کر مسکرائے' مڑے۔ وہ نہیں مسکرائی' نہ مڑی۔ ان کو دیکھتی رہی۔ ان کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ غور سے اس کو دیکھا۔

''تو پھر تم کتنی بڑی تمہید باندھو گی؟'' معلوم تھا وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔

''آپ فضیلہ آنٹی سے کہہ دیں کہ شادی دو ایک ماہ آگے کر دیں۔''

بڑے ابا کے ابرو سکڑے۔ مزید غور سے اسے دیکھا۔

''کیوں؟''

"سعدی کے ماموں فوت ہوئے ہیں۔ جوان موت ہے۔ کتنی خودغرضی کی بات لگے گی اگر میں...." الفاظ بکھر گئے۔ مگر اسے رونا محسوس تھا۔

خودغرضی؟" وہ اسے دیکھتے آگے آئے۔ بالکل سامنے۔ "اور کدھر سے آرہی ہیں یہ باتیں؟" دروازے کو دیکھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ "تم فوتگی کے گھر سے آرہی ہو؟ مطلب سعدی نے کہا ہے یہ سب؟"

"افوہ! اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں خود کہہ رہی ہوں۔ موت کی وجہ سے شادی آگے کرنی چاہیے۔ نہیں کی تو خودغرضی ہوگی۔"

"اتنا تیز ردعمل زمر یعنی واقعی اسی نے کہا ہے تو پھر بالکل خاموش ہو کر میری بات سنو۔" ذرا سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ "اگلی دفعہ اب سعدی کہے کہ شادی آگے کی جاسکتی ہے تو کہنا جب تمہاری دادی فوت ہوئیں تب میری تیار شادی چھ ماہ آگے کروی تھی۔ اگر وہ کہے ان، بھتیجے وار کی موت پہ کی جاسکتی ہے تو کہنا تمہاری دادی کی وفات کے صرف ایک ماہ بعد فارس نے شادی کی اور ہم نے کچھ نہیں کہا اور اگر وہ کہے تم خودغرض ہو تو اسے بتانا کہ اس کی فیس کون دے رہا ہے۔"

"ابا!" اس نے تڑپ کر غصے سے ان کو دیکھا۔

"وہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ میں یہ کیس لے لوں۔"

"یہ تمہاری مرضی ہے مگر میں شادی آگے نہیں کروں گا۔ ندرت سے بھی بات کر چکا ہوں۔ اس کو کوئی اعتراض نہیں۔ تمہاری شادی پہلے بھی سعدی کی وجہ سے نہیں ہو سکی تھی اور...."

"وہ بچہ تھا۔ اس سے غلطی ہوئی تھی۔"

"وہ اب بھی بچہ ہے۔ اب بھی غلطی کر رہا ہے۔" پھر ذرا دھیمے ہوئے۔ "وہ اپنی طرف سے خلوص نیت سے ہی کہہ رہا ہے مگر وہ بچہ ہے۔ اس کو ان باریکیوں کی سمجھ نہیں۔ یہ موضوع ختم ہوا۔" وہ کالر ٹھیک کرتے باہر نکل گئے۔

زمر ان کو دیکھتی رہ گئی۔ ٹی وی پہ کوئی عورت کسی ڈرامے میں کہہ رہی تھی۔

"سچ کہتے تھے لوگ۔ بھانجوں بھتیجوں کو پیار دو یا قربانی، وہ اپنی اولاد نہیں ہوتے۔" اس نے کوفت سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا، موبائل پہ کال ملائی۔ پھر بولی تو لہجہ سرد تھا۔

"سعدی! صبح مجھے آفس میں ملو۔ ہاں اپنے فارس ماموں یا جس کے ساتھ بھی آؤ، مستغیث جو بھی ہے، تب تک میں کیس کی پیشی پہلے پڑھ لوں گی۔" اور فون بند کر دیا۔ چہرے پہ البتہ ناخوشی تھی۔

زمر خوش نہیں تھی۔ بالکل بھی نہیں۔

.... ❖❖❖ ....

مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا ..... یہ خون خاک نشیناں تھا رزق خاک ہوا

سامنے تین کرسیوں پہ وہ تینوں تھے۔ بے چین سا آگے کو ہو کر بیٹھا اکیس سالہ کم عمر سعدی اس کے بائیں طرف ٹانگ پہ ٹانگ رکھے سوٹ میں ملبوس موبائل پہ ٹائپ کرتا ہاشم۔ تیسری کرسی پہ جینز اور گول گلے کی شرٹ میں ملبوس پیچھے کو ہو کر بیٹھا فارس۔ ہاشم چونکہ ان سے مسلسل تعاون کر رہا تھا اور وہ ایک پریکٹس کرنے والا وکیل تھا، اس لیے اور خود اس کی پیشکش پہ اس کو ساتھ لائے تھے مگر وہ اور فارس آپس میں بات نہیں کر رہے تھے۔

"یہ وہ تصاویر ہیں۔ کندھوں پہ نشان، کمر پہ جوتا یا کسی وزنی چیز سے مارنے کے، سر پہ چوٹ، ہاتھ پاؤں پہ رسی باندھنے کے نشان۔"

فارس ایک ایک چیز پہ انگلی لگا کر تصاویر اسے دکھا رہا تھا۔ زمر خاموشی سے ٹیک لگائے بیٹھی اسے سن رہی تھی۔ جھنجھریالے بال

جوڑے میں بندھے تھے۔ لونگ چمک رہی تھی۔

"اس کا باس اس پہ استعفیٰ کے لیے دباؤ ڈال رہا تھا۔ فاطمی۔" ہاشم نے بنا چونکے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

"میں نے اسے استعفیٰ دینے سے منع کیا تھا مگر وہ پریشان تھا۔ آپ کو اس کے باس سے تفتیش کرنا ہوگی۔ اس کا لیپ ٹاپ' فائلز سب غائب ہیں۔ وہ یقیناً جس کیس پہ تفتیش کر رہا تھا' اس میں ملوث لوگوں نے اسے مروایا ہے۔" فارس کہہ رہا تھا پورے وثوق سے۔

زمر آگے ہوئی۔ سر اثبات میں ہلایا۔ ایک فائل نکال کر اس کے سامنے رکھی' کھولی۔ انگلی سے صفحہ پہ ایک جگہ دستک دی۔

"دو رسیاں' ایک موبائل فون' ایک کپڑا جو داخل تفتیش ہیں' ثبوت نمبر بارہ' تیرہ' چودہ اور پندرہ.... جو کیس کا ریکارڈ ہے' یہ آپ کی گاڑی سے برآمد ہوا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"فارس! اس کیس کو شروع کرنے سے پہلے میں اس بات کا تعین کرنا چاہتی ہوں کہ میں استغاثہ ہوں یا دفاع۔ اس لیے فی الحال ایک اٹارنی کی حیثیت سے میں ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ آپ کا جواب اٹارنی کلائنٹ پریویلج کے تحت محفوظ رہے گا۔"

(اٹارنی کلائنٹ پریویلج یعنی موکل کی بتائی گئی کوئی بات چاہے وہ اعتراف جرم ہی ہو' وکیل کسی کو حتیٰ کہ پولیس کو بھی نہیں بتا سکتا۔ پریویلج توڑنے کی صورت میں وکیل کا لائسنس منسوخ ہو جائے گا اور وہ ساری زندگی وکالت پریکٹس نہیں کر سکے گا۔)

"اوکے!" فارس نے اچنبھے سے اسے دیکھ کر سر ہلایا۔ ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ وہ جانتا تھا گفتگو کدھر جا رہی ہے۔ اس نے سعدی کا کندھا تھپکا۔ "ہم باہر چلے جاتے ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فارس نے زمر کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ سعدی نے ناسمجھی سے سب کو دیکھا۔ زمر آگے ہوئی۔ سنجیدگی سے فارس کو دیکھا۔

"کیا آپ نے اپنے بھائی وارث غازی کا قتل کیا ہے؟ یا کسی بھی طرح آپ اس قتل میں ملوث ہیں؟"

سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔ فارس کے جبڑے بھنچ گئے۔ ہاشم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔

(انتہائی سنسنی خیز)

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" وہ رکا۔ اسے واقعی صدمہ ہوا تھا۔ "آپ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کو مار سکتا ہوں؟"

"فارس! آپ قانون بھی جانتے ہیں اور تفتیش کا طریقہ کار بھی۔ آپ نے بھی بہت سی تفتیش اس طرح شروع کی ہوں گی اور آپ خاموش رہیں۔" اس نے جذباتی ہو کر کچھ کہتے سعدی کو سختی سے ہاتھ اٹھا کر خاموش کرایا مگر وہ چپ ہونے پہ آمادہ نہیں تھا۔

"پھپھو! آپ یہ کیا....."

"میں اس وقت آپ کی پھپھو نہیں ہوں سعدی! میں پراسیکیوٹر ہوں۔ میں بالکل بھی مداخلت برداشت نہیں کروں گی۔ اگر آپ نے دوبارہ ٹوکا تو میں آپ کو باہر جانے کا کہہ سکتی ہوں۔" وہ خاموش ہو کر پیچھے ہو گیا البتہ بار بار فارس کو دیکھتا تھا۔ وہ فارس کی طرف متوجہ ہوئی۔ سنجیدہ' سپاٹ۔

"تو پھر یہ آپ کی کار سے کیوں برآمد ہوئے؟"

"کسی نے مجھے سیٹ اپ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"اوکے۔" زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سو میں اس بات کو سچ سمجھوں کہ آپ اس قتل میں ملوث نہیں ہیں۔"

''وہ میرا بھائی تھا میڈم پراسیکیوٹر! میں اپنے بھائی کو قتل کیوں کروں گا؟''

''کیا بس یہی ڈیفنس (دفاع) ہے آپ کا؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی جیسے مایوس ہوئی ہو۔

فارس خاموش رہا۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ زمر اس کی طرف ہے، خلاف نہیں۔ وہ دھیما پڑا۔

''نہیں۔ میرے پاس alibi (ایلی بائی) ہے۔ میں اس وقت اپنی بھانجی کو اس کی دوست کی طرف لے کر گیا تھا ایک ہوٹل میں۔ ہوٹل کے سی سی ٹی وی کیمرہ میں میرے آنے اور جانے وغیرہ کا وقت ریکارڈ ہوگا۔ اور میں اس لڑکی کو گواہ کے طور پر بھی پیش کر سکتا ہوں۔''

''اب یہ ہے بہتر ڈیفنس!'' زمر نے سر ہلاتے ہوئے نوٹس لیے۔ پھر اسے دیکھا۔ ''آپ کو مجھے اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہوگا۔ میں اس سے ملنے کے بعد ہی کیس plead کروں گی۔''

''اوکے! کل تک اسے ادھر لے آؤں گا یا آپ کو ادھر لے جاؤں گا۔ ڈن!''

''شیور!'' زمر نے چند اور نوٹس لیے۔ پھر سر اٹھا کر سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''پولیس نے آپ کو گرفتار نہیں کیا' گاڑی سے یہ ملنے کے باوجود بھی۔'' ان چیزوں کی تصاویر کی طرف اشارہ کیا۔

''کیونکہ میرا خیال ہے یہ وارننگ تھی کہ میں اسے خودکشی سمجھ کر بند کر دوں ورنہ وہ اسے میرے اوپر ڈال دیں گے۔''

''ہوں! اب ہم کسی سمت بڑھ رہے ہیں۔'' تب ہی ہاشم کھنکھارا۔

''آئی ایم شیور فارس بے گناہ ہے۔'' ساتھ ہی فارس کے تاثرات دیکھے۔ وہ ذرا نرم ہوئے۔ سر کے اثبات سے ہاشم کی بات کی تائید کی اور اٹھ گیا۔

''ہر چیز کے لیے شکریہ میڈم پراسیکیوٹر!'' اور فارس باہر نکل گیا۔ سعدی قدرے بے چین' قدرے الجھا ہوا تھا۔ زمر سے بات کرنے کے لیے لب کھولے مگر پھر رعب چھایا کیا' وہ بغیر کچھ کہے باہر چلا گیا۔

ہاشم سب سے آخر میں اٹھا۔ مسکرا کر زمر کو دیکھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے' کیا فارس بے گناہ ہے؟''

وہ سامنے پھیلے صفحے سمیٹتے ہوئے ذرا شانے اچکا کر بولی۔ ''میری رائے میٹر نہیں کرتی۔''

''کم آن! اب تو ہم دوست ہیں۔''

''نہیں۔ ہم بالکل بھی دوست نہیں ہیں۔'' زمر نے سنجیدگی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''بہرحال میرا خیال ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔''

ہاشم کے گلے میں پھندا سا لگا۔ بہرحال وہ مسکراتا رہا۔ ''اور کس بات سے آپ کو یہ لگا؟''

''قتل کیس میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ قاتل' مقتول اور وجہ قتل۔ اس تکون میں قاتل کی جگہ فارس فٹ نہیں آتا۔ کیونکہ اس کے پاس اپنے بھائی کو مارنے کے لیے کوئی وجہ' کوئی مقصد نہیں ہے۔ وہ کیوں مارے گا وارث غازی کو؟''

''ہوں۔'' سر اثبات میں ہلاتے ہاشم مڑ گیا۔ مڑتے ساتھ ہی چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس کی جگہ تختی نے لے لی۔ خود کو ملامت بھیج کر وہ باہر نکلا۔

''آخر اتنی اہم بات وہ کیسے مس کر گیا؟''

فارس اور سعدی باہر کھڑے تھے۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا ان تک آیا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

''ڈی اے کو تمہاری بات پہ یقین ہے فارس۔ اب تمہیں اس کو اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے بس۔'' ذرا رک کر سوال کیا۔ ''تمہاری

بھانجی کی دوست کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟" وہ ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"وہ امریکن ہے۔ گوری۔ ہوٹل میں رہ رہی ہے۔ کل ملوا دوں گا میڈم سے اس کو۔" وہ ناخوش لگ رہا تھا۔

"کیا نام ہے اس کا؟"

"علیشا۔" سعدی نے جواب دیا۔ وہ اب اداس اور مضمحل سا فارس کے پیچھے جا رہا تھا جو اس ساری کارروائی سے قطعاً خوش نہیں لگ رہا تھا۔

ہاشم لب بھینچے بے تاثر نگاہوں سے اسے جاتے دیکھے گیا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کر غائب ہوئی۔ اس نے ہلکا سا سر جھٹکا گویا کہ نظر انداز کرنے کی کوشش کی، مگر۔ ذہن میں کچھ کھٹک گیا تھا۔ "علیشا۔ امریکن۔"

"ہے سعدی!" اس نے اسے پکارا۔ دور جاتا سعدی پلٹا۔ دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"فارس سے کہو مجھے اپنی ایلی بائی کا نام، ہوٹل کا پتا وغیرہ ٹیکسٹ کرے۔ میں اس کی کریڈیبلٹی چیک کر لیتا ہوں۔ کورٹ میں ہر زاویے سے اسے جج کیا جائے گا۔"

"اوکے!" سعدی مڑ گیا۔ فارس دور جا رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چلتا گیا۔

ہاشم وہیں کھڑا ان کو دیکھتا رہا۔ پھر موبائل نکالا، کال ملائی۔

"خاور! کچھ دیر میں ایک عورت کا نام اور ہوٹل کا پتا ٹیکسٹ کرتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں اتنی معلومات چاہئیں جتنی اس کی سگی ماں کو بھی نہ ہوں۔" کرختگی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

.... ❖ ....

چار سال بعد

حماد اور سعدی کے مشترکہ رشتہ دار کی شادی کے فنکشن میں کھڑا ہاشم بنا کسی کرختگی کے مسکرا کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کے مخاطب نے قہقہہ لگایا تو ماضی میں کھوئی حنین چونکی۔ ارد گرد دیکھا۔ وہ رنگوں اور روشنیوں سے سجے فنکشن میں کھڑی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے پیالے کا ٹھنڈا میٹھا گرم ہو گیا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی واپس اپنی میز تک آئی۔ سست روی سے بیٹھی۔ زمر اب وہاں نہیں تھی۔ حنین نے ذرا کی ذرا گردن موڑی۔ وہ قدرے فاصلے پہ جواہرات کے ساتھ کھڑی تھی۔ حنین کی "رشتے کو انکار کرنے والی بات" پہ ابھی تک اس کے وہی تاثرات تھے۔ شاکڈ، سوچ میں ڈوبی ہوئی۔ حنین نے ہونہہ کر کے رخ موڑ لیا اور سوفلے کھانے لگی۔

"کیا تم یہ سوچ رہی ہو کہ یہاں آ کر تم نے غلطی کی؟" جواہرات نے مسکرا کر نزاکت سے اپنے بال انگلی سے ہٹائے اور ساتھ کھڑی زمر کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ خوبصورت گلے والے لمبے آف وائٹ گاؤن میں ملبوس تھی اور ہمیشہ کی طرح جوان اور تر و تازہ لگ رہی تھی۔ زمر نے دولہا دلہن کو دیکھتے شانے اچکائے۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

"آئی ایم سوری! اس دن سونیا کی سالگرہ پہ بھی میں نے ایسی ہی بات کر کے تمہیں دکھی کر دیا تھا۔" جواہرات نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ زمر پھیکا سا مسکرائی، بولی کچھ نہیں۔

"میں دانستہ طور پہ تمہیں احساس دلانے کو ایسی باتیں کر جاتی ہوں۔ تم خود دیکھو اپنے آپ کو۔ اس شخص کے پیچھے تم خود کو ضائع کر رہی ہو۔ ڈپریشن ایک مرض ہے اور تم اس سے صحت یاب نہیں ہو سکیں۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ زمر پھر سے سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں

ان لب سے تاثرات رقم تھے۔

"تم کبھی آگے نہیں بڑھ سکو گی اگر تم فارس سے انتقام نہ لو۔ وہ اس سب کا ذمہ دار ہے اور وہ آزاد گھوم رہا ہے۔"

"میں نے چار سال انتظار کیا کہ شاید کورٹ اس کو سزا دے، مگر۔ مگر وہ کل بھی سب کی نظر میں بے گناہ تھا' آج بھی وہ بے گناہ ہے۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"تو پھر اب کیا کرو گی؟ خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ گی؟" وہ احتیاط سے زمر کے تاثرات دیکھتی ضربیں لگا رہی تھی۔

"اونہوں۔ اب میں اپنا انتقام خود لوں گی۔" وہ سرد اور سپاٹ سی ہنوز دلہا دلہن کو دیکھ رہی تھی۔ جواہرات کی آنکھیں چمکیں' ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔

"تم کچھ پلان کر چکی ہو۔ میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں اگر تم چاہو تو۔ آخر فارس نے بے وجہ تم پہ اتنا ظلم..."

"وجہ تھی اس کے پاس۔" زمر نے رخ پھیر کر جواہرات کو دیکھا۔ "اس کا رشتہ میرے پیرنٹس نے ٹھکرایا تھا۔ وہ یہی سمجھا کہ میں نے ٹھکرایا ہے سو اس نے مجھے ایسا بنا دیا کہ میں ہمیشہ کے لیے ٹھکرا دی جاؤں۔"

جواہرات نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "آئی ایم سوری۔"

"میں نے اس کی تمام کیس فائلز پراسیکیوٹر بصیرت سے مانگ لی ہیں۔"

جواہرات کے حلق میں کچھ اٹکا۔ بظاہر مسکرا کر اس نے حیرت سے کہا۔ "مگر۔ تم قانون سے مایوس ہو' پھر اس کیس کو ری اوپن کرنے کا فائدہ؟"

"ری اوپن نہیں کرنا' صرف پڑھنا ہے اور دیکھنا ہے کہ اس میں کوئی چنگاری باقی ہے یا نہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ میرے دل کی طرح یہ کیس بھی مردہ ہو چکا ہے۔ یوں میری حجت تمام ہو جائے گی۔"

"اوہ۔ تم خود کو مطمئن کرنا چاہتی ہو کہ انصاف کا راستہ چھوڑ کر انتقام کا رستہ تم نے قانون سے مکمل مایوسی کے بعد اپنایا؟" جواہرات کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ دلچسپی بڑھ گئی۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اردگرد کے لوگوں سے بے نیاز وہ دونوں مدھم آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"تو۔ اس کے بعد تم کیا کرو گی؟"

"مسز کاردار! جب یہ سب ہوا تھا اور میں نے فارس کو اپنا ملزم نامزد کیا تھا' تب کسی نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ اگر کورٹ اس کو سزا دے دیتا تب بھی سعدی' ابا' حنین' سب کو یہ ظلم لگتا۔ کوئی کبھی نہیں مانے گا کہ فارس نے یہ سب میرے ساتھ کیا۔ اس نے مجھے اس جرم کی سزا دی جو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔"

"اور اب تم کیا کرو گی؟"

زمر نے گال پہ آئی گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹی۔ ذرا مسکرا کر جواہرات کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "میں اس کو ایک ایسے جرم کی سزا دلواؤں گی جو اس نے نہیں کیا ہو گا۔ اور میں اس کو اس سب میں اس طرح پھنساؤں گی کہ سعدی' بڑے ابا' سب اسے مجرم مانیں گے۔"

"مگر زمر! کسی کو سیٹ اپ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ تمہیں اس کے لیے فارس کے پل پل کی رپورٹ چاہیے ہو گی۔ اس کے بینک اکاؤنٹس' کریڈٹ کارڈز کا ڈیٹا' کمپیوٹرز' ہر شے تک رسائی چاہیے ہو گی اور سب سے بڑھ کر آخر میں تمہیں خود اس سے نکلنے کا محفوظ راستہ چاہیے ہو گا تاکہ کوئی تم پہ شک نہ کر سکے۔ یہ سب تم کیسے کرو گی؟" جواہرات ذرا الجھی تھی۔ زمر کی مسکراہٹ میں مزید تلخی آ گئی۔

"ہے ایک طریقہ۔ مگر اس پہ خود کو راضی کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے۔"

جواہرات نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیسا طریقہ؟''

وہ جواب میں اتنا آہستہ بولی کہ جواہرات کو بمشکل سنائی دیا۔

"In sickness and in health

Till death do us apart"

(بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے حتیٰ کہ موت ہمیں جدا کردے)

جواہرات بالکل سن رہ گئی۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

''تم۔ ایسا نہیں کرسکتیں۔''

''میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ اسے مجھ سے شادی کرنا تھی جو نہیں ہوئی۔ اور اس نے میرے ساتھ جو کیا وہ پوری دنیا نے دیکھا۔ بس کچھ دن لگیں گے' پھر میں خود کو راضی کرلوں گی اس شادی پہ۔ اور اس کے بعد جو میں اس کے ساتھ کروں گی وہ بھی پوری دنیا دیکھے گی۔''

''تم اپنی زندگی کے ساتھ اتنا بڑا جوا کیسے کھیل سکتی ہو؟''

''میری زندگی تھوڑی سی رہ گئی ہے مسز کاردار۔ چار سال تک تو یہ گردے چل گئے' مگر اب شاید ہی مزید چار سال چلیں۔ اس تھوڑی بہت زندگی میں مجھے بس ایک کام کرنا ہے۔ سعدی اور ابا کو دکھانا ہے کہ میں سچ بول رہی تھی۔ اور فارس کو اس کے کیے کی سزا دلوانی ہے بس۔''

جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''اوہ۔ اور تم یہ سب اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو مجھے نہیں بتا رہیں۔ تمہیں میری مدد چاہیے ہے نا۔''

زمر ہلکا سا مسکرائی۔

''میں آپ کے ساتھ اپنے دل کا بوجھ کیوں ہلکا کروں گی۔ آف کورس مجھے آپ کی مدد چاہیے۔''

.................❖❖❖.................

باب 6:

پانی سے گاڑھا

اور دنیا کے پہلے قاتل کو سزا
سنائی تھی خود منصف اعلیٰ نے
کیا وہ موت تھی؟
نہیں!
بلکہ وہ ''زندگی'' تھی.....
اور کہہ دیا تھا خدا نے کہ.....
اے قابیل!
تم پھرو گے زمین میں
مفرور' بدنصیب' نشان زدہ ہو کر
اور تمہاری پیشانی کے نشان سے پہچان لے گا تمہیں ہر ملنے والا
اور یہ بھی فرمایا کہ
(کوئی قتل نہ کرے قابیل کو' کیونکہ)
جو کوئی قتل کرے گا قابیل کو
میں اسے خود سزا دوں گا
سات گنا زیادہ.....
(ہنری لانگ فیلو کی تحریر ''تھبل ناک'' سے ماخوذ)

جواہرات بالکل سن سی ہوئی زمر کو دیکھ رہی تھی۔ گو کہ وہ یہی چاہتی تھی کہ زمر فارس سے انتقام لے' مگر پھر بھی اتنی تیزی سے ہوتا سب دیکھنا اسے مضطرب کر رہا تھا۔ اس نے بظاہر مسکرا کر سامنے دیکھا جہاں شادی کا فنکشن اور روشنیاں نظر آ رہی تھیں! اور حماد اور کرن بھی۔

''آف کورس! میں تمہاری مدد کروں گی' لیکن یہ انتقام فارس سے ہے یا خود اپنے آپ سے؟''

''اگر پہلا پورا ہو جائے تو دوسرا بھی قبول ہے مجھے۔'' زمر بھی سپاٹ نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

''کیا تم اس کا مقدمہ ری او پن نہیں کر سکتیں؟ اگر عدالت اس کو سزا دے تو زیادہ بہتر.....''

''آپ میری مدد کریں گی یا میں کسی اور کے پاس جاؤں؟ آپ کو یاد ہو گا آپ نے میرے پاس آ کر مجھے پیشکش کی تھی کہ اگر کبھی میرا

ارادہ بدلا تو آپ میرے انتقام میں میری مدد کریں گی۔" اس نے سرد سپاٹ سے انداز میں اسے دیکھا تو جواہرات ذرا مسکرائی۔ آگے بڑھ کر نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"شہورا! میں اپنی بات پہ قائم ہوں۔ یہ سب قدرتی طریقے سے ہوگا۔ وہ بہت جلد تمہارے گھر تمہارا رشتہ لینے آئے گا۔ بس تم اس امر کو یقینی بنانا کہ تمہارے والد انکار نہ کریں۔"

"تھینکس!" زمر کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔ جواہرات خاموشی سے سامنے دیکھنے لگی۔ وہ ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی۔

فنکشن اب اپنے اختتام کی جانب رواں دواں تھا۔ سعدی حنین کے ساتھ خاموشی سے بیٹھا گاہے بگاہے دور کھڑی ہلکی آواز میں باتیں کرتی زمر اور جواہرات پہ نظر ڈال لیتا۔ جواہرات نے اسے خود کو دیکھتا پایا تو نزاکت سے مسکرائی۔ سعدی جبراً مسکرایا اور رخ پھیرا تو حنین پہ نظر پڑی۔ وہ گردن ذرا موڑ کر دور ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں ناپسندیدگی ابھری۔ چہرہ حنین کے قریب کیا۔

"آئندہ ان سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' نہ ہی ان کی کسی بات کا اعتبار کرنا۔" حنین نے چونک کر اسے دیکھا' قدرے دل گرفتی سے۔ "وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے تھے۔ ان کو واقعی افسوس ہے۔" قدرے رکی۔ "ان کو علیشا کے لیے واقعی افسوس ہے۔"

"جانے بھی دو حنین!" وہ بیزار سا پیچھے ہوا۔ پھر وہاں سے اٹھ آیا۔ ہال کے کونے میں کھلتے دروازے پہ وہ رکا۔ وہ مردوں کے لیے مختص ریسٹ روم تھے۔ اندر شیشے سے ڈھکی دیوار اور سامنے لگے بیسن کی قطار اس کے آگے باتھ روم تھے۔

سعدی ایک بیسن کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ نل کھولا' چہرے پہ چھینٹے مارے' نل بند کیا۔ ساتھ رکھے ٹشو اٹھائے' ہاتھ صاف کیے۔ چہرہ اٹھایا تو ٹھٹک کر رکا۔

آئینے میں اپنے عقب میں ہاشم کھڑا نظر آ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے' فخر کوٹ کا بٹن بند' نرمی سے (بلیم مسکراہٹ کے) اسے دیکھتا۔

"تم میرے آفس نہیں آئے۔ میری سیکرٹری نے دوبارہ تمہیں فون کیا مگر تم نے نہیں اٹھایا۔"

"میں مصروف تھا۔" وہ سر جھکائے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ہاشم سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"کیا اس ہفتے آؤ گے؟"

"جی آؤں گا۔ مجھے اور آپ کو بات کرنے کی واقعی ضرورت ہے۔" ٹشو ٹوکری میں پھینک کر سعدی سنجیدگی سے کہتے ہوئے مڑا۔

"تمہارے پاس کچھ ہے سعدی جو میرا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم مجھے وہ پرامن طریقے سے لوٹا دو۔"

"نہیں تو کیا کریں گے آپ؟" سعدی قدم قدم چلتا اس کے سامنے آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

ہاشم یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ سات سال پہلے جس معصوم لڑکے سے وہ ملا تھا' وہ یہ نہیں تھا۔ ہاشم کے ماتھے پہ بل آئے۔

"میں کچھ بھی نہیں کروں گا بچے! سوائے ایک نصیحت کے۔ جس شخص کے خاندان کے دو لوگ قتل ہو چکے ہوں' اس کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ کہیں اگلا نمبر اسی کا نہ ہو۔" سعدی کے چہرے پہ عجیب سا دکھ ابھرا' بھنویں سکیڑ کر اس نے قدرے تعجب سے ہاشم کو دیکھا۔

"کیا آپ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے رہے ہیں؟ کیا آپ میری جان لے سکتے ہیں؟"

ہاشم نے جیب سے ہاتھ نکال کر عادتاً سعدی کا شانہ تھپتھپانے کو آگے بڑھایا مگر جیسے ہی اس کا ہاتھ سعدی کے کندھے کو چھوا' وہ کرنٹ کھا کر ایک قدم پیچھے ہوا۔ دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور بہت ضبط سے ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

"اپنے ان ہاتھوں سے مجھے مت چھوئیے گا۔"

ہاشم کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ پھر اس نے سخت تاثرات کے ساتھ سر کو خم دیا' ہاتھ واپس نیچے کر لیا اور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سعدی

گلی سے باہر نکل گیا۔
ہاشم نے ایک نظر اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا۔ وہ سپید تھا، پتلی انگلیاں، باقاعدگی سے مینی کیور ڈ شدہ۔ اس نے ہلکا سا سر جھٹکا۔ دل میں گہرا کرب اترا۔ کیا وہ دونوں واقعی واپس نہیں جا سکتے تھے؟ اچھے وقتوں میں واپس؟
وہ باہر آیا تو نوشیرواں بیزار سا کھڑا ادور کرسی پہ بیٹھی حنین اور سعدی کو گھور رہا تھا۔ جیسے بس نہ چلتا ہو دونوں بہن بھائی کو گولی مار دے۔
"کیا تکلو اس کی تھی میں نے؟ اس کی بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔" اس نے آکر سختی سے کہا تو شیرو نے گڑبڑا کر بھائی کو دیکھا۔ پھر لاپروائی سے شانے اچکا دیے۔
"مجھے کیا! ہونہہ!" ہاشم نے گھور کر اسے دیکھا۔
"تم ابھی تک اس شہرین ڈرامے سے نہیں نکلے شیرو! بہت ہو گیا۔"
"اس کی وجہ سے میں شہرین کو کبھی نہیں پا سکوں گا۔ پچھلے ایک ہفتے سے یہی سوچ سوچ کر میرا دماغ کھول رہا ہے۔ اور آپ کہتے ہیں بہت ہو گیا۔"
"او و پلیز!" ہاشم نے بیزار سا ہو کر سر جھٹکا۔ "ہمارے پاس اس سے بڑے مسائل ہیں۔"
"اور کیا مسئلہ ہے؟ آپ نے کہا تھا وہ آپ کے ڈاکومنٹس نہیں کھول سکے گا۔ پھر؟" نوشیرواں حیران ہوا۔
"مگر وہ جانتا ہے کہ میرے ہاتھ پہ کس کس کا خون ہے۔" کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں کے ابرو تعجب سے تنے۔
"وہ وارث غازی کی فائلز وغیرہ کے پیچھے تھا، فارس کو باہر لانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اسے یہ کیسے پتا چل سکتا ہے کہ آپ کسی قتل میں ملوث....."
"اسے معلوم ہے شیرو! اور فی الحال یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مگر ہاں، تم اس کو نہیں چھیڑو گے۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ تم کچھ نہیں کرو گے۔" برہمی سے اس کو تنبیہہ کی۔ نوشیرواں نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ "اوکے۔" اور پھر سے ان ہی نظروں سے دور بیٹھے سعدی کو دیکھنے لگا۔
وہ لوگ اب گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ فنکشن ڈھلتے چاند کی طرح دم توڑ رہا تھا۔ آگے اندھیری رات تھی۔

❖❖❖

کب سے ہیں ایک حرف پہ نظریں جمی ہوئی ...... وہ پڑھ رہا ہوں جو نہیں لکھا کتاب میں

زمر شادی کی تقریب سے لوٹی تو اس کی ہدایت کے مطابق صداقت پراسیکیوٹر بصیرت سے کیس فائلز لے آیا تھا۔ وہ ایک بڑا سا باکس تھا جو اس کے کمرے کے فرش پہ رکھا تھا۔ وہ ابا کو سلام اور شب بخیر ایک ہی سانس میں کہہ آئی۔ دروازہ مقفل کیا، پرس پرے پھینکا، پھر الماری کھولی۔ نچلے خانے سے ایک چھوٹا ڈبہ نکالا جس میں سے اخبار کے تراشے اس صبح نکل کر باہر جا گرے تھے جب فارس بری ہوا تھا۔ وہ صبح جب سب کچھ بدل گیا تھا۔ ڈبا اس نے بڑے باکس کے قریب اوندھا کر دیا۔ کاغذ، تراشے، نوٹس کا ڈھیر لگ گیا۔ پھر اس نے باکس کو بھی الٹا دیا۔ جھک کر جوتوں کے اسٹریپ کھول کر انہیں پرے اچھالا۔ گھنگھریالے بالوں کا گول مول جوڑا بنا کر وہ نیچے بیٹھ گئی۔ جلدی جلدی ان چیزوں کو الٹ پلٹ کرتی وہ کچھ تلاش کر رہی تھی۔ ابرو بھینچے ہوئے، لب سختی سے پیوست، آنکھوں میں غصہ۔ پھر ڈھیر تلے سے اس نے ایک تصویر نکالی، پھر دوبارہ ہاتھ مارا۔
"یہ رہی دوسری تصویر۔" ضبط بھری سانس لی۔ تصاویر لے کر اٹھی۔ ننگے پاؤں چلتی، دیوار تک گئی جہاں اونچا اور چوڑا سا گرین بورڈ

آویزاں تھا۔

زمر نے ایک پن اتاری اور پہلی تصویر وہاں سامنے لگائی۔ پھر دوسری بھی۔ قدرے پیچھے ہٹ کر تندی سے ان کو دیکھا۔

زرتاشہ غازی اور وارث غازی۔

یہ اس کا بورڈ تھا اور ابھی اسے یہ بھرنا تھا۔

وہ واپس پلٹ آئی۔ نیچے ڈھیر لگی چیزوں کو اٹھا کر اسٹڈی ٹیبل پہ رکھا۔ ترتیب سے سلیقے سے۔ اندر اٹھتا ابال کچھ کم ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔ مگر پہلے حجت تمام کرنی تھی۔ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا تھا کہ ہاں واقعی ہر راستہ بند ہونے کے بعد میں نے یہ قدم اٹھایا۔ انصاف کے دروازے بند ہوئے تو میں انتقام کی طرف آئی۔

وہ سپاٹ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گئی۔ کاغذات کا پلندہ سامنے رکھا۔ ٹیبل لیمپ آن کیا۔ پہلے صفحے کی پیشانی پہ درج تھا۔

''سرکار بنام فارس غازی''

زمر کی نگاہیں لفظ لفظ عبور کرتی گئیں۔ کھڑکی کے باہر رات گہری تھی اور ہر گزرتا پل اس کو مزید اندھیرا کرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تاریکی کی انتہا کو پہنچ گئی۔ اتنی سیاہ' اتنی سیاہ کہ جیسے ساری روشنیاں دم توڑ گئی ہوں۔

اور پھر پو پھٹ گئی۔ صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی۔ روشنی کو جیسے کوئی روزن مل گیا۔ وہ پھیلتی گئی' قطرہ قطرہ' کرن کرن اور پھر روشنی بھی خوب تیز ہو کر پرانی ہوتی گئی۔

سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس سعدی نے جب زمر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو سورج سوا نیزے پہ تھا۔ اتوار کی سست صبح آج بھی سست تھی۔ اس کو پچھلے اتوار کی صبح یاد آئی جب زمر اس کے ریسٹورنٹ آئی تھی اور اس سے گردے کے بارے میں سوال کیا تھا۔ وہ اداسی سے مسکرایا' پھر سر جھٹکا۔ دروازہ دوبارہ بجایا۔ کوئی جواب نہیں۔

سعدی نے آہستہ سے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر کا منظر واضح ہوا۔ فرش پہ بے شمار کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ تصاویر' فوٹو اسٹیٹ۔ وہ آہستگی سے چلتا اندر آیا۔ تعجب سے سر اٹھا کر دیوار کو دیکھا۔

بورڈ بھرا ہوا تھا۔ اوپر وارث اور زرتاشہ کی تصاویر اور ان کے آگے پیچھے' اوپر نیچے بے شمار تراشے' کاغذات اور sticky notes چسپاں تھے۔ سرکار بنام فارس غازی سے متعلقہ شہادتیں' ثبوت' نامکمل جوابات' ناکافی گواہیاں' سب وہاں مختصراً سجا تھا۔ سعدی نے گردن موڑ کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی فائلز بکھری تھیں اور ایک کھلی فائل پہ سر رکھے وہ سو رہی تھی۔ آنکھیں بند' ناک کی لونگ چمکتی ہوئی اور ڈھیلا جوڑا کھل کر بکھر چکا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا' پھر قریب آیا۔ میز کے کنارے ہاتھ رکھ کر جھکا۔

''پھپھو!'' سعدی نے نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ ''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ میں آپ کا سر دبا دوں؟''

''ہوں۔'' کہہ کر سر اٹھانے لگی تو وہ سیدھا ہو گیا۔ بند آنکھوں سے چہرے سے بال ہٹاتی سیدھی ہو بیٹھی۔ لٹیں کان کے اڑسیں۔ آنکھوں کو پوروں سے مسلا۔ پھر چہرہ موڑ کر گلابی خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی۔

''تم کب آئے؟''

''ابھی۔ مجھے رات کو لگا تھا آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ کچھ پریشان لگ رہی تھیں۔'' ذہن کے پردے پہ جواہرات سے بات کرتی زمر ابھری۔ پھر ایک فکر مند نگاہ بکھرے کاغذوں پہ ڈالی۔

''آپ کیا کر رہی ہیں زمر؟''

''اوہ یہ!'' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''یہ پراسیکیوٹر بصیرت نے بھجوائے ہیں۔'' وہ کسل مندی سے اٹھی اور چیزیں سست روی

سمیٹنے لگی۔

''ڈیڑھ سال پہلے میں بھی یہی کر رہا تھا۔ مگر آپ کو یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' خلافِ توقع زمر نے سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔ سعدی ایک دم چپ سا ہو کر اسی کو دیکھنے لگا۔

''واقعی یہ کیس مردہ ہے۔ کوئی بھی چیز یہ ثابت نہیں کرتی کہ فارس گلٹی ہے۔'' وہ اب فائل میں صفحے ترتیب سے لگا رہی تھی۔

''سوائے آپ کی گواہی کے۔ مطلب...'' وہ احتیاط سے ایک ایک لفظ کہہ رہا تھا۔ ''مطلب جو آپ نے کورٹ میں کہا... یعنی کہ... فائرنگ سے پہلے فارس غازی کے نمبر سے فارس غازی کی آواز میں آپ کو کال کی گئی تھی۔''

''اور تم نے...'' زمر نے پرسکون ٹھنڈی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''اپنے وکیل کے ذریعے کورٹ میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ کال جعلی تھی۔ کوئی سافٹ ویئر یوز کر کے فارس سے مشابہ آواز بنائی گئی تھی۔''

''جی۔ کیونکہ وہ جعلی تھی اور اسی لیے جج نے ماموں کو رہا کر دیا۔''

''یو نو سعدی! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' زمر نے سمجھنے والے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہو سکتا ہے مجھے واقعی سیٹ اپ کیا گیا ہو۔ وہ سب جھوٹ ہو۔ میری غلط گواہی کی وجہ سے فارس (نام لینا بھی اذیت ناک تھا) نے چار سال جیل میں کاٹے۔ یہ کیس مکمل طور پہ پڑھنے کے بعد غیر جانب داری سے مجھے واقعی یہ لگ رہا ہے کہ میں ہی غلط ہوں۔ مجھے نہیں پتا۔ مگر میرا نہیں خیال کہ اب میرے پاس کوئی وجہ باقی رہ گئی ہے تمہارے ماموں کو مورد الزام ٹھہرانے کی۔ اس لیے گو کہ میرا دل پوری طرح صاف نہیں ہوا، مگر میں اپنے الزامات سے پیچھے ہٹتی ہوں۔'' سنجیدگی سے کہتی وہ اب فائل کمرے کی چیزیں اپنی جگہ پہ واپس ٹکا رہی تھی۔ ''اگر میں غلط ہوں اور تم سب ٹھیک ہو اور شاید ایسا ہی ہو تو میں ہار مانتی ہوں۔''

''میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ ہار مانیں۔'' اس کو دکھ ہوا تھا۔

''گڈ! پھر تم مجھے ایک بات بتاؤ۔ فارس نے جو مجھے کال کی تھی، جو تمہارے بقول جعلی آواز تھی... واٹ ایور... اس کی ریکارڈنگ تمہیں کہاں سے ملی؟''

''ریکارڈنگ!'' سعدی کے حلق میں کچھ پھنسا۔

''ڈیڑھ سال پہلے تمہارے وکیل نے وہ ریکارڈنگ عدالت میں پیش کی تھی اور تمہارے ایکسپرٹ گواہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ اس آواز کا وائس پرنٹ فارس کی آواز کے وائس پرنٹ سے مختلف ہے۔ اور اس ریکارڈنگ کا سورس تم لوگوں نے کبھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے وہ تمہیں کہاں سے ملی؟'' اس کی سنجیدہ بھوری آنکھیں سعدی پہ جمی تھیں۔

سعدی نے اس کو دیکھتے ہوئے لب کھولے، پھر بند کیے۔ ذرا سا سوچا، پھر ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

''میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔ اس بنیاد پہ کہ میرا جواب مجھے مرتکبِ جرم ظاہر کر سکتا ہے۔''

''قانونِ شہادت آرٹیکل 15 کے تحت تمہیں یہ استثنیٰ حاصل نہیں ہے کیونکہ ایسے جواب پہ تمہارے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے۔''

''چونکہ ہم کورٹ میں نہیں ہیں اس لیے میں جواب نہ دینے کا حق رکھتا ہوں۔''

''اوکے۔'' زمر گہری سانس لے کر مسکرائی۔ سر کو خم دیا اور باہر آ کر صداقت کو چائے کے لیے آواز دی۔ سعدی الجھا ہوا کھڑا رہا۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

''کیا آپ فارس غازی کو بے گناہ کہہ رہی ہیں؟''

''میں یہ کہہ رہی ہوں کہ میں دوبارہ اس پہ الزام نہیں لگاؤں گی۔'' وہ مطمئن سی کہتی راہداری میں چلتی گئی۔

سعدی نے نظریں موڑ کر بورڈ کو دیکھا جو مختلف کاغذات سے بھرا تھا۔ زمر نے کیس پڑھا' شہادتیں' ثبوت' وہ سب دیکھا جس سے وہ ہمیشہ منہ پھیر کر چلی جاتی تھی اور اسے یقین آگیا کہ فارس بے گناہ ہے۔ سیدھی سی بات تھی۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا۔ مگر پزل کا کون سا ٹکڑا غائب تھا؟ سادہ سی بات میں چھپی کون سی پیچیدگی اسے الجھا رہی تھی۔

سعدی نے کئی سال اس لمحے کا انتظار کیا تھا جب پھپھو تسلیم کرلیں کہ فارس بے گناہ تھا۔

وہ لمحہ آیا اور گزر گیا مگر وہ مطمئن کیوں نہیں تھا؟

کیا اس لیے کہ وہ کئی سال پہلے والا معصوم سعدی نہیں تھا؟ اور آج کے سعدی کا دماغ اسے بتا رہا تھا کہ زمر اتنی آسانی سے مڑنے والی نہیں تھی۔ پھر....؟

وہ خود سے الجھتا باہر آگیا۔ ابھی اسے ایک جگہ اور بھی جانا تھا۔

............❖❖❖............

ہر اک قدم اجل تھا ہر اک گام زندگی ...... ہم گھوم پھر کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں

کار دار قصر پہ وہ اتوار معمول کی چستی اور گہما گہمی کے ساتھ طلوع ہوئی تھی۔ سعدی نے بیچی چار دیواری پہ ہارن دیا۔ اسے دیکھ کر گارڈز نے دروازہ کھول دیا۔ کار مخصوص چیک پوائنٹس سے گزر کر آگے آئی' ڈھلان عبور کی اور وہ رہا سامنے اونچا محل اور اس کے عقب میں چھوٹی سی انیکسی۔

وہ کار اس روش پہ آگے لے گیا جو اونچے نیچے سبزے کے درمیان سے گزر کر انیکسی تک جاتی تھی۔ دفعتاً اس نے رفتار آہستہ کردی۔ ہاشم کی عقبی بالکونی کا منظر سامنے آیا۔ وہ نیچے سبزے پہ کھڑا تھا۔ ٹراؤزر اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ میں ہنستے ہوئے جھک کر اپنے پالتو لیبر ڈار کتے کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ ساتھ بے اختیار ہنستی پر جوش سی سونیا کھڑی تھی۔ وہ دونوں مدھم آواز میں باتیں کرتے ہنستے جا رہے تھے۔

گاڑی کی آواز پہ ہاشم نے سر اٹھایا۔ ایک نظر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سعدی کو دیکھا' دوسری کار کے رخ پہ ڈالی۔ (مطلب وہ انیکسی جا رہا تھا) پھر مسکرا کر سیدھا ہوا۔ ہلکا سا ہاتھ ہلایا۔

سعدی نے جواب میں بنا مسکرائے دایاں ہاتھ اٹھایا۔ پیشانی کے قریب لے جا کر سر کو خم دیا' خاموش سلام (ادب پہلا قرینہ ہے دشمنی کے قرینوں میں) اور کار آگے لے گیا۔ ہاشم سرد سی مسکراہٹ سے اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر سونیا کی طرف متوجہ ہوگیا جو اسے کچھ کہہ رہی تھی۔

سعدی نے کار انیکسی کے قریب کھڑی کی۔ پیچھے دیکھے بغیر برآمدے میں آیا۔ بیل دبائی۔ بجلی نہیں تھی تبھی گھنٹی نہیں بجی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔ اس نے انتظار نہیں کیا۔ چابی اس کے پاس تھی۔ فارس نے جیل کے زمانے سے اسے دے رکھی تھی۔

اندر آیا تو گھر خاموش کھڑا تھا۔ وہ قدرے حیران سا ایک کمرے سے دوسرے تک گیا۔ باہر فارس کی کار تو کھڑی تھی.... پھر؟

''ادھر ہوں نیچے۔'' فارس کی آواز آئی تو وہ چونکا۔ پھر گہری سانس لے کر بیسمنٹ کو جاتی سیڑھیوں تک آیا۔ نیچے پورے گھر کے رقبے جتنا بڑا سا کمرہ تھا جس میں بڑے بڑے ستون تھے۔ اردگرد کاٹھ کباڑ' پرانا فرنیچر' گاڑی کا سامان وغیرہ رکھا تھا۔ ایک دیوار پہ خالی ریکس تھے۔ یہاں کسی زمانے میں فارس کی پستولوں اور بندوقوں کی کلیکشن ہوتی تھی۔ جب پولیس نے اسے گرفتار کیا تو سب لے گئی۔ کچھ بھی واپس نہیں کیا۔

سعدی زینے اترتا تہہ خانے کے فرش تک آیا۔ اندر سفید بلب جل رہے تھے۔ پھر بھی روشنی کم لگتی تھی۔ فارس دیوار سے لگی میز کے آگے کھڑا تھا۔ سعدی کی طرف پشت تھی۔ سر جھکا کر منہ میں کچھ چباتا کچھ کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ مگر سعدی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ میز

نے پیچھے موجود دیوار کو دیکھتا قدم قدم آگے آیا۔

وہاں کوئی بورڈ وغیرہ نہ تھا۔ دیوار پہ ہی تصاویر' کاغذات' کٹنگز' وغیرہ چسپاں تھیں۔ اوپر نیچے' دائیں بائیں' یہ زمر کی دیوار سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔ سعدی کے ابرو فکر مندی سے اکٹھے ہوئے۔ ذرا خفگی سے رخ پھیر کر اسے دیکھا۔

''تو آپ دو ہفتے سے یہ کر رہے تھے؟''

''کوئی اعتراض؟'' وہ پیالے میں رکھی سونف کے دانے اٹھا کر منہ میں رکھتا مزے سے بولا۔ ابھی تک سعدی کو نہیں دیکھا تھا۔

''مگر آپ کر کیا رہے ہیں؟'' وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ آنکھیں سکیڑ کر اس کا داہنا رخ دیکھا۔ چھوٹے کٹے بال اور سنجیدگی سے تکتی سنہری زرد آنکھیں جواب دیوار پہ جمی تھیں۔

''جو ساری زندگی کیا ہے۔ تفتیش۔'' وہ سرخ مارکر لے کر دیوار تک گیا۔ ایک کٹنگ چسپاں کی اور مارکر سے اوپر سوالیہ نشان بنایا۔ پھر واپس مڑ کر سعدی کو سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

''تم کیسے آئے؟''

مگر وہ اب گردن موڑ کر میز کے کنارے پہ رکھے بیگ کو دیکھ رہا تھا جس میں اس کی تازہ تازہ منگوائی گئی گنز تھیں اور گولیاں۔ اور یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے سعدی کو غصہ آنے لگا۔ وہ اس کی بے گناہی کے ثبوت دیتا تھک گیا اور اوھر آ کر کوئی یہ سب دیکھ لے تو...؟''

''کیا یہ آپ کے نام پہ لائسنس شدہ ہیں؟'' ناپسندیدگی سے گنز کو دیکھ کر اس نے مشکوک نظروں سے فارس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں۔ اگر گرفتار کرنا ہے تو کر لو۔'' تلخی سے کہتا وہ میز تک واپس آیا اور کاغذات اٹھا کر دوسری طرف رکھنے لگا۔ سعدی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''ڈیڑھ سال پہلے میں یہی کر رہا تھا۔ مگر یہ تفتیش آپ کو کہیں نہیں لے کر جائے گی۔ اس کے آگے بند گلی ہے۔''

''تو پھر تم مجھے سکھاؤ کہ تفتیش کیسے کرتے ہیں' میں ساری کلاسز اٹینڈ کروں گا۔'' ناک سے مکھی اڑاتا وہ اثر لیے بنا بولا۔ سعدی اف کر کے رہ گیا۔ پھر گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

''اگر آپ کو پتا چل بھی گیا کہ یہ سب کس نے کیا ہے تو آپ نے یہ اسلحہ اس لیے لیا ہے نا تا کہ اس کو جا کر گولی مار دیں۔''

''تم خون کے بدلے خون پہ یقین نہیں رکھتے؟''

''بالکل رکھتا ہوں مگر انتقام لینے کے بھی طریقے ہوتے ہیں۔ آپ اس کو ماردیں گے کل کو اس کے خاندان والے کسی اور کو ماردیں گے اور یہ سائیکل آف ریونج (انتقام کا چکر) کبھی نہیں ختم ہوگا۔'' اس نے فکر مندی سے سمجھاتے ہوئے آہستہ سے فارس کی کہنی تھامی۔

''ماموں! ہم ان کو سزا ضرور دلوائیں گے مگر قانونی طریقے سے۔ اس طرح نہیں۔''

فارس تیکھی آنکھیں کر کے اسے دیکھتا رہا۔

''اور اس ''ان'' میں کون کون شامل ہے' وضاحت کرو گے؟''

سعدی نے کہنی چھوڑی' پیچھے ہوا' تھوک نگلا۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ ''مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟''

''یہی تو پوچھ رہا ہوں۔ جو تمہیں پتا ہے' وہ کیسے پتا ہے؟''

سعدی نے ٹھہر ٹھہر کر' نظر ملائے بنا دیوار کو دیکھتے ہوئے جواباً کہا۔

''میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔ اس بنیاد پہ کہ میرا جواب مجھے مرتکب جرم ثابت کر سکتا ہے۔''

''اوہ کم آن' تمہیں یہ استثنٰی...''

"قانون شہادت آرٹیکل 15 کے تحت حاصل نہیں ہے' وغیرہ وغیرہ۔ مجھے پتا ہے۔" وہ مسکرایا۔ فارس نے واقعی ابرو اٹھا کر تعجب سے اسے دیکھا۔ سعدی نے کندھے اچکائے۔ "زمر پھپھو کا بھتیجا ہوں آخر۔ اتنا قانون تو مجھے بھی آتا ہے۔"

فارس کے تاثرات قدرے پتھرا گئے۔ وہ سنجیدہ سا واپس مڑ گیا۔ سعدی کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ "کیا ہوا؟"

"جو تمہاری پھپھو نے میرے ساتھ کیا وہ میں نہیں بھولا۔ اس لیے بہتر ہے ہم اس طرف نہ جائیں۔ چائے پیو گے؟"

سعدی کا دل بری طرح دکھا مگر اس نے لب کھول کر بند کر لیے۔ پھر سر ہلایا۔ "جی پیوں گا۔" اور کرسی کھینچنے لگا۔

"اوپر کچن میں سامان رکھا ہے' بنا لو۔ دو کپ۔ میرے میں چینی نہ ہو۔"

وہ جو بیٹھنے لگا تھا' رکا' ناراضی سے اسے دیکھا اور "بہت اچھا" کہہ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ فارس بدستور گردن جھکائے کاغذات کھنگال رہا تھا۔

انیکسی کا کچن لاؤنج سے ملحقہ تھا۔ بالکل اوپن۔ اس نے سامان ڈھونڈا۔ چولہا جلایا۔ پانی میں پتی گویا جھونکی۔ پھر کھڑکی کو دیکھا۔ اس پہ کوئی پردہ وغیرہ نہ تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے پہ گفٹ پیپر لگا کر بھونڈی سی بچت کی گئی تھی۔ اور یہ تو سب کو پتا تھا کہ زرتاشہ ایک انتہائی پھوہڑ لڑکی تھی۔

سعدی نے کھڑکی کھولی تو سامنے قصر کا عقبی حصہ نمایاں ہوا۔ ہاشم بال کتے کی طرف اچھالتا' وہ اسے منہ میں کیچ کر کے سونیا کی طرف بھاگتا۔ سونیا ہنس ہنس کے دوہری ہو رہی تھی۔

سعدی کے چہرے پہ زخمی سا تاثر آیا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ زور سے ٹھک۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا' ہاشم کی فائل وہ لے کر بھی بے بسی سے بیٹھا تھا۔ اسے جلد از جلد ثبوت اکٹھے کر کے ہاشم کے پاس جانا تھا تاکہ زمر اور فارس کی آپس کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ ذہن میں آگے کا لائحہ عمل ترتیب دیتا وہ چائے بنا کر نیچے لایا تو فارس اپنی بھری دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ نچلا لب دانت سے دبائے' آنکھیں سکیڑ کر کچھ سوچتا۔

"یہ آدمی!" اس نے الیاس فاطمی کی تصویر پہ انگلی سے دستک دی۔ "یہ وارث کا باس تھا اور اس نے وارث سے استعفیٰ مانگا تھا۔ ہر بند گلی کا سرا اس شخص تک جاتا ہے۔ یہ یقیناً کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔" اس نے تائیدی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔ اس نے شانے اچکائے اور کپ فارس کی طرف بڑھا دیا۔

فارس نے گھونٹ بھرا' پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔

"اس میں چینی ہے۔"

"اوہ میں بھول گیا۔ سوری۔" سعدی نے معصومیت سے معذرت کی۔ کرسی پہ بیٹھا اور اپنے کپ سے گھونٹ گھونٹ بھرنے لگا۔

فارس نے اسے گھور کر سر جھٹکا' پھر دوبارہ دیوار کو دیکھنے لگا۔ وہاں چسپاں تصویریں بلیک اینڈ وائٹ تھیں۔ پھر یکایک ان میں رنگ بھرنے لگے۔ کوئی قوس قزح چھائی اور زرد موسم میں بہار اتر آئی۔

فارس بالکل خاموش سا ان تصویروں کو دیکھتا گیا یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے لگیں' گویا چار سال پہلے کے مناظر ابھی ان کے آس پاس پیش آ رہے ہوں۔

……………❖❖❖……………

شہر ہوا میں جلتے رہنا اندیشوں کی چوکھٹ پر …… رات گئے تک الجھے رہنا بے مفہوم خیالوں میں

چار سال قبل (وارث غازی قتل کے سات دن بعد)

قصرِ کاردار کے لونگ روم کی اونچی کھڑکیوں سے دھوپ چھن کر آ رہی تھی۔ اورنگزیب کاردار بگڑے تاثرات اور خفا آنکھوں کے ساتھ فون پہ بات کر کے بیٹھے اور موبائل پھینکنے کے انداز میں صوفے پہ اچھالا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی، ضبط کرتے ہوئے صوفے کے آگے دو تین چکروں میں ٹہلے۔ بغتہً ہیل کی ٹھک ٹک آتی سنائی دی۔ اورنگزیب نے پلٹ کر خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

راہداری سے جواہرات چلتی آ رہی تھی۔ بند گلے کا سفید لمبا گاؤن پہنے دبلی پتلی اسمارٹ، جوان اور خوبصورت سی۔ یقیناً ابھی کہیں سے لوٹی تھی۔ کہنی پہ لٹکا پرس مسکراتے ہوئے میز پہ رکھا اور قریب آئی۔

"گڈ ایوننگ!" گاؤن کے گلے پہ لگے بٹن کو دو انگلیوں سے چھیڑتی وہ میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اورنگزیب کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ فارس کے بھائی کے قتل کا کیا چکر ہے؟ پولیس میرے گھر کیوں آ رہی ہے؟" وہ سخت نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"تمہارا مطلب ہے" تمہارے "بھانجے کے سوتیلے بھائی کا کیا چکر ہے، اور یہ کہ پولیس تمہارے گھر کی انیکسی میں کیوں آ رہی ہے؟ اوہ سوری، وہ تو تم کئی سال پہلے اپنے بھانجے کو دے چکے ہو۔"

"جواہرات!" وہ بظاہر طیش سے غرائے مگر اس جارحیت میں مدافعانہ سی جھلک تھی۔

"بے فکر رہو، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس کے بھائی کی خودکشی کو قتل قرار دے رہے ہیں اور اس کا الزام فارس پہ لگا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے کہ فارس قتل کے وقت پارٹی میں نہیں تھا..." وہ نرمی سے کہتی آگے آئی۔ کارنر میں نصب ایکوریم تک آ رکی۔ گردن جھکا کر اس میں جھانکا۔ "اور ٹھیک ہے وارث کا موبائل فارس کی کار سے ملا ہے..." دو انگلیوں سے ایکوریم کا شیشہ بجایا، مچھلیوں میں ہلچل سی مچی۔ جواہرات مسکرائی۔ "اور ہاں! وہ رسی جس سے وارث کے ہاتھ پیر باندھے گئے، وہ بھی اس کے پاس سے ملی ہے اور وہ تھا بھی فارس کا سوتیلا بھائی مگر..." سیدھی ہوئی۔ اسٹینڈ میں رکھے جار سے خوراک کی مٹھی بھری اور پانی کے اوپر کھول دی۔ سارے دانے پانی میں گر گئے۔

"مگر اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تمہارے بھانجے کو گنز جمع کرنے کا شوق ہے، استعمال کرنے کا تھوڑی ہے۔ یقیناً یہ ایک خودکشی ہوگی، نا کہ قتل۔" وہ ہاتھ ڈال کر ہاتھ ٹشو سے صاف کرتی چمکتی آنکھوں سے مسکراتی ان کے سامنے آئی۔ "ہے نا؟!" اور غصے سے کچھ کہتے اورنگزیب اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتے، وہ ان کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

تیز تیز چلتی وہ راہداری میں آگے آئی تو مسکراہٹ اضطراب میں تبدیل ہو گئی۔ کنٹرول روم کے دروازے کو کھولا تو اندر موجود خاور اور ہاشم دونوں چونکے۔ وہ دروازہ بند کر کے ہاشم کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سلگتی نظروں سے اسے گھورا۔

"تمہارے باپ کی کیمپین ڈسٹرب ہو رہی ہے اس سب سے، اور وہ خوش نہیں ہے۔"

"دیکھ چکا ہوں۔" ہاشم نے بیزاری سے دیوار پہ نصب اسکرینز میں سے ایک کی جانب اشارہ کیا جہاں لاؤنج کے سی سی ٹی وی کیمرہ کی فوٹیج چل رہی تھی۔ بنا آواز کے ویڈیو۔ باقی اسکرینز پہ دوسرے مناظر تھے۔ (لاؤنج کے علاوہ گیٹ، لان، بیرونی برآمدہ جیسے چند مقامات پہ ہی یہ کیمرے نصب تھے۔)

"میں نہیں چاہتی کہ وہ فارس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ اس لیے جو کرنا ہے جلدی کرو۔"

"ہاشم سنبھال لے گا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟"

وہ مضطرب سا یہ کہہ کر آگے آیا اور خاور کی کرسی کے ساتھ جھک کر لیپ ٹاپ کو دیکھنے لگا جس پہ خاور ٹھک ٹھک کام کیے جا رہا تھا۔

"آج تم سعدی اور فارس کے ساتھ پراسیکیوٹر کے پاس گئے تھے۔ کیا کہا اس نے؟"

"اسے فارس کی بے گناہی کا یقین ہے کیونکہ فارس کے پاس قتل کی وجہ نہیں ہے۔"

"تو تمہیں ہاشم! اسے قتل کروانے سے پہلے وجہ ڈھونڈ کر فارس پہ یہ سب ثابت کرنا چاہیے تھا۔" جواہرات غرائی تھی۔ وہ طیش سے

اس کی طرف مڑا۔

''میں کارپوریٹ لائیر ہوں' کرائے کا قاتل نہیں۔ اور میں نے کچھ بھی پلاننگ سے نہیں کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے یہ ایک غلطی تھی اور مجھے اس کو فکس کرنا ہے۔'' رک کر اس نے غصے سے ماں کو دیکھتے ہوئے ایک دو سانسیں لیں۔ ''اور یہ سب اتنے آرام سے فکس نہیں ہوگا۔ صرف فارس نہیں' خاور بھی قتل کے وقت پارٹی میں نہیں تھا۔'' اسی پل دروازہ رسمی سی دستک کے ساتھ کھلا۔ ہاشم اور جواہرات کرنٹ کھا کر اس طرف گھومے۔ خاور بھی بے اختیار کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوہ آئی ایم سوری' میں... انکل نے بلایا تھا تو...'' وہ زرتاشہ تھی۔ چوکھٹ پہ رک کے واپس جانے لگی تھی۔ ''آپ لوگ بزی ہیں۔ اٹس اوکے۔ میں بعد میں آجاؤں گی۔'' قدرے تذبذب سے معذرت کرتے ہوئے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ باری باری سب کے چہرے دیکھے جو سفید پڑ گئے تھے۔

''نہیں... ہم بس... بات کر رہے تھے۔'' ہاشم نے تھوک نگلا تھا۔ چہرے پہ زبردستی مسکراہٹ لاتا آگے آیا' مگر اڑی رنگت اور آنکھوں میں آتی پریشانی دبا نہیں پا رہا تھا۔

''سوری' میں ایسے ہی آگئی۔'' وہ ذرا شرمندہ' ذرا سوچتی' الجھتی نگاہوں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آپس میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ اسے آتے اسکرینز کی فوٹیج میں نہیں دیکھا۔ اف!

''کوئی بات نہیں۔ ہم ایک ہی خاندان ہیں۔'' جواہرات پھیکا سا مسکرائی۔ اپنی جگہ سے وہ ایک انچ بھی نہیں ہل پا رہی تھی۔ کہیں اس نے کچھ سن تو نہیں لیا۔

''انکل فارس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وارث بھائی کے کیس کی پیش رفت وغیرہ۔ میں یہی آپ سے پوچھنے آئی تھی۔ مجھے تو کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں ہے۔'' کہتے کہتے اس نے ترچھی نظر خاور پہ ڈالی جو بالکل دم سادھے کھڑا تھا۔

سائونڈ پروف دروازے کو کھولتے وقت آخری فقرہ کان میں پڑا تھا۔

''صرف فارس نہیں' خاور بھی اس وقت پارٹی میں نہیں تھا۔''

''آہم...'' ہاشم کھنکھار کر گلا صاف کرتا باہر آیا۔ زرتاشہ بھی چوکھٹ سے ہٹ کر راہداری میں آکھڑی ہوئی۔ ہاشم نے بات شروع کرنے سے قبل ذرا احتیاط سے اسے دیکھا۔ وہ چوبیس پچیس برس کی خوش شکل' سیاہ آنکھوں اور اسٹیپ میں کٹے بالوں والی لڑکی تھی۔ اس وقت ابرو ذرا الجھن سے سکوڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہم سب کو پتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ اس کی گاڑی سے کچھ ملنے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا زرتاشہ۔'' وہ کافی سنبھل کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ ''رہی بات پراسیکیوٹر کی تو وہ خواہ مخواہ فارس پہ شک کر رہی ہے اور اس کو بار بار سوال جواب کے لیے اپنے پاس بلا رہی ہے۔ پراسیکیوٹر زمر یوسف اسعدی کی پچھو۔ ابھی دوپہر کو بھی فارس وہیں تھا۔''

زرتاشہ کی الجھن مدھم ہوئی۔ اس کی جگہ ناگواری سی ابھری۔

''وہ فارس پہ شک کر رہی ہیں؟''

''اس نے فارس کو کہا ہے کہ وہ اسے اپنی alibi لڑکی سے ملوائے۔ اس کو فارس کی بے گناہی کا ثبوت چاہیے۔ اب معلوم نہیں کتنے دن وہ بے چارہ اس کے آفس کے چکر لگاتا رہے گا۔ مگر زمر کو کون سمجھائے؟''

''تو جب تک اس کو یقین نہیں آئے گا' وہ فارس کو اپنے پاس بلواتی رہے گی؟'' وہ تیزی سے اسے دیکھتی بولی۔

''اوہ کم آن!'' ہاشم نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ ''روز کے چند گھنٹے اس کے ساتھ گزار لینے سے ان کے درمیان کوئی پرانی بات

نے نہیں شروع ہو جائے گی۔ بھروسہ کرو اپنے شوہر پر۔"

اور ہاشم کے لیے الفاظ تاش کے پتے تھے۔ آگے پیچھے الٹ پلٹ کر کے ان کو ترتیب دیا' مرضی کے سامنے لایا' مرضی کے چھپا گیا' مرضی کا مطلب نکال لیا۔ زرتاشہ لب بھینچے ضبط سے واپس مڑ گئی۔ وہ فوراً اس کے پیچھے آیا۔

"سنو! تمہیں بھی فارس پہ شک ہے؟ بے شک وہ پارٹی میں اس وقت نہیں تھا مگر..." وہ دونوں ساتھ ساتھ راہداری میں چل رہے تب ہاشم نے پتے پھر سے سجائے' مگر وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

"صرف فارس کیوں؟ خاور بھی تو پارٹی میں نہیں تھا۔ پھر پولیس صرف فارس کے پیچھے کیوں آ رہی ہے؟" اس نے جو سنا تھا' اگل دیا۔

مگر ہاشم تیار تھا اور بظاہر حیرت سے سر اثبات میں ہلایا۔

"واقعی' عجیب بات ہے۔ میں بھی ابھی ممی سے یہی کہہ رہا تھا کہ خاور بھی اس وقت نہیں تھا اور بھی کچھ لوگ نہیں تھے' مگر..."

"اور کون؟" اس نے اسی تیزی سے بات کاٹی۔

"یہی ہمارے کچھ دوست۔ مگر میری پارٹی کوئی ایسا پیمانہ تو نہیں ہے کہ جو اس میں نہیں ہوگا' وہی قاتل ہے لہٰذا اسی پہ شک کیا جائے... یو نو واٹ' یہ فارس پہ شک' پراسیکیوٹر کی اس سے تفتیش' یہ سب جان بوجھ کے کیا جا رہا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ الجھتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ہاشم کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

وہ واپس آیا تو دم سادھے کھڑی جواہرات تب تک نہیں بولی جب تک اس نے دروازہ بند کر کے لاک نہ کر دیا۔ پھر گہری سانس لے کر ان دونوں کی طرف گھوما۔

"اس نے کوئی نقصان پہنچانے والی بات نہیں سنی۔"

"میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں ہاشم!" جواہرات چیخ پڑی۔ "اس سب کو ختم کرو۔ فارس پہ سب الزام ثابت کرواؤ۔ اسے جیل بھجواؤ تاکہ میں سکون کی نیند سو سکوں۔"

"جانتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا خاور کے لیپ ٹاپ تک آیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "کہاں تک پہنچا کام؟"

"ہو گیا ہے سر۔" وہ تابعداری سے اسکرین پہ اسے کچھ دکھانے لگا۔ جواہرات سامنے کھڑی تھی' فکر مند الجھی ہوئی سی ان کو دیکھنے لگی۔

"تم لوگ کیا پلان کر رہے ہو؟"

باہر لان میں زرتاشہ سینے پہ بازو لپیٹے' سر جھکائے کسی عجیب کشمکش میں چلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً آوازوں پہ وہ رکی۔ گردن گھما کر دیکھا۔

لان کے کنارے مصنوعی آبشار تھی۔ وہ اس وقت بند تھی اور اس کے اسٹیپ پہ شہرین بیٹھی تھی۔ ٹائٹس کے ساتھ سرخ کفتان نما شرٹ پہنے وہ چیونگم چباتی سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ زرتاشہ نے لمحے بھر کو سوچا کہ اس کی شرٹ' گردن کی مالا' کلائی کا کڑا' اور اوہ! یہ اینکل شوز... یہ کس کس برانڈ کے ہوں گے؟ مگر پھر... اس نے سر جھٹکا اور اس طرف آئی۔

"شہرین...!" شہرین نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھتے' چہرے پہ سامنے کو آئے سنہری بال پیچھے ہٹائے۔

"ہیلو زرتاشہ!" وہ کروفر سے مسکرائی۔

"کیا تم مجھے سونی کی برتھ ڈے پارٹی کی ویڈیو دے سکتی ہو؟ مجھے اپنی کزنز کو تمہاری ساڑھی دکھانی ہے۔ ایکسٹرا کاپی ہو گی نا

تمہارے پاس؟"

"شیور! خاور نے بہت سی سی ڈیز مجھے دی تھیں۔ میں میری ایجنیو کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔" تفاخرانہ شانے اچکائے۔ زرتاشہ نرمی سے تھینکس کر کے آگے بڑھ گئی۔

.............❖❖❖.............

چلنے ہی کو ہے اک سموم ابھی ...... رقص فرما ہے روح بربادی

"تم ایک تیر سے کتنے شکار کرنا چاہ رہے ہو ہاشم؟ اگر کچھ غلط ہو گیا تو؟"

"پھر سے سن لیں پلان۔ کچھ غلط نہیں ہو گا۔ ہم زمر پہ فائرنگ کریں گے۔ گن فارس کی استعمال ہو گی۔ ہوٹل کے جس کمرے سے گولی چلے گی' وہ بھی اسی کے نام پہ ہو گا۔ گن پہ فارس کے فنگر پرنٹس بھی ملیں گے۔"

"اور اگر وہ مر گئی تو؟" جواہرات کو ہول اٹھ رہے تھے۔

"اس کو نہیں مارنا ہم نے ممی۔ وہ بظاہر فارس سے تفتیش کر رہی ہے' اس پہ شک کر رہی ہے۔ ایسے میں زمر کو یہ حملہ ایک مجرم کو خود کو چھپانے کا حربہ لگے گا۔ وہ یہی سمجھے گی کہ گرفتاری کے خوف سے فارس نے یہ سب کیا ہے۔"

"اور اگر اس نے اسے فارس کے خلاف سازش سمجھا تو؟"

"اونہوں....." ہاشم پہلی دفعہ کھل کر مسکرایا اور خاور کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرایا۔ جواہرات نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"کیا میں کچھ مس کر رہی ہوں؟"

"زمر کبھی بھی نہیں سمجھے گی کہ یہ فارس کے خلاف سازش ہے۔ وہ فارس کو ہی قصوروار سمجھے گی کیونکہ یہ بات اسے فارس خود کہے گا۔"

"او کے۔ اور فارس اسے یہ بات کیوں کہے گا؟" جواہرات اب ذرا اکتانے لگی تھی۔

"وہ اس طرح ممی کہ ہم فارس کی طرف سے زمر کو یہی بات کہلوائیں گے۔"

"ہرگز نہیں ہاشم۔" جواہرات نے کوفت سے سر جھٹکا۔

"زمر کو آج بھی فارس کی بے گناہی کا یقین ہے' کل بھی ہو گا۔"

"ہم اس کو فارس کی طرف سے کال کریں گے۔" کہتے ہوئے ہاشم نے خاور کی طرف اشارہ کیا۔ خاور نے لیپ ٹاپ اسکرین جواہرات کے سامنے کی۔ وہ مشتبہ نظروں سے اسے دیکھتی قریب آئی۔

"کیا تم دونوں وضاحت کرنا پسند کرو گے؟" خاور نے سر کو اثبات میں ہلایا اور اسکرین کو دیکھتے ہوئے مؤدب انداز میں سمجھانے لگا۔

"میں نے اس سافٹ ویئر میں فارس کی تمام ریکارڈنگز ڈال دی ہیں جو میرے پاس ہیں۔ ہم پچھلے ایک ہفتے سے اس کا فون ٹیپ کر رہے تھے۔ اب دیکھیے۔"

وہ چند بٹن دبا کر مزید صفحے کھولنے لگا۔ جواہرات بدستور مشکوک سی اسے دیکھے گئی۔

"میں جو بھی ٹائپ کروں گا' وہ فارس کی آواز میں ابھر کر سامنے آئے گا۔ ہم فارس کے فون سے پراسیکیوٹر کو کال کریں گے۔ اور ہمارا لکھا ہوا اسکرپٹ اس کی آواز میں پڑھا جائے گا۔ وہ یہی سمجھے گی کہ یہ فارس ہے اور اس پہ حملہ کرنے سے پہلے اس کے سامنے اعتراف جرم کر کے اپنے ضمیر کی آخری چبھن نکال رہا ہے اور اس کو ختم کر کے آخری ثبوت بھی مٹانا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ زندہ بچ جائے گی اس لیے وہ اس کال کو فارس کے خلاف استعمال کرے گی۔"

''آف کورس زمر کے پاس یہ ریکارڈنگ نہیں ہوگی۔ لیکن اس کو فارس کے یہ الفاظ ساری زندگی یاد رہیں گے۔ اس بنیاد پہ وہ اسے ذیل بھی بھجوائے گی اور وہ اس کے خلاف سب سے بڑی گواہ ہوگی۔ ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سب سے بڑے دشمن بن جائیں گے۔''

جواہرات قدرے اچنبھے سے، دونوں کے چہرے دیکھنے لگی۔ لب دانت سے کاٹتے ہوئے وہ کافی متفکر نظر آ رہی تھی۔

''ہاشم! اگر کچھ غلط ہو گیا۔ اگر زمر ہماری چال میں نہ آئی اگر اس نے اس سب کو ایک سوچا سمجھا پلان سمجھا تو؟''

''تو پھر ہماری قسمت کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ مگر میں اپنے خاندان کے لیے اچھی امید رکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ شانے اچکا کر سپاٹ سا نظر آنے لگا۔

جواہرات نے بدقت مسکرا کر سر ہلایا مگر وہ ابھی بھی خوش نہیں تھی۔ آنکھوں میں شدید اضطراب تھا' پھر یکایک کسی خیال کے تحت اس نے چونک کر ہاشم کو دیکھا۔

''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر فارس نے واقعی وارث کا قتل کیا ہے اور وہ زمر کے سامنے اپنی کال میں اعتراف جرم بھی کرے گا' تو بھی وجہ قتل کیا ہوگی؟ کم از کم اس سارے پلان میں مجھے وجہ قتل نظر نہیں آ رہی۔''

ہاشم کے تاثرات قدرے سخت ہو گئے۔ اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ اور ان میں ایک عجیب سا جذبہ ہلکورے لینے لگا۔ اس نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے ابھی ابھی زرتاشہ واپس گئی تھی اور پھر دوبارہ ماں کی طرف رخ پھیرا۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز میں زخمی پن سا تھا۔

''وجہ قتل سامنے ہے اور میں اس کو اس سب میں فٹ کر لوں گا۔ بھروسہ رکھیے۔ ہاشم ہر چیز سنبھال سکتا ہے۔'' جواہرات بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ ہاشم سے پوچھے کہ وہ وجہ قتل کیا بنا رہا ہے؟ لیکن پھر اس سے پوچھا نہیں گیا۔ دل پر پڑے بوجھ بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ بے دلی سے اٹھ کر وہاں سے آ گئی۔

باہر آئی تو اورنگزیب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے جواہرات نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ ویسے ہی سجائی اور بڑی تمکنت سے آ کر بڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھی۔ بازو صوفے کے ہتھے پہ جمایا اور مسکرا کر انہیں دیکھنے لگی۔

ان کے تنے تاثرات مزید تن گئے۔ قدرے مدافعانہ جارحیت سے وہ اس کو دیکھ کر بولے۔

''ہاشم سے کہو جلد از جلد یہ معاملہ ختم کرے۔ میں اس وقت اس طرح کا کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا۔'' جواہرات نے مسکرا کر اثبات میں سر کو خم دیا۔ کم از کم اس معاملے میں وہ دونوں متفق تھے۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

رستے دیار دل کے بھی کتنے عجیب تھے ...... سب راہرو تھے کوئی یہاں رہنما نہ تھا

انیکسی کے باہر شام گہری ہو رہی تھی۔ بالائی منزل کے ماسٹر بیڈ روم میں بیڈ کے کنارے بیٹھی زرتاشہ کے چہرے پہ سوچوں کا جال تھا۔ وہ ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے انگلی پہ سامنے کی لٹ لپیٹتی دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ کبھی کبھار وہ گردن موڑ کر اس طرف دیکھتی اور پھر دوبارہ سے خلا میں دیکھنے لگتی۔ اس کا ذہن منتشر تھا۔ ہاشم سے کی گئی باتیں' زمر کا ذکر' فارس کی غیر موجودگی' سب کچھ اسے بہت الجھا رہا تھا۔ اگر خاور کا پارٹی میں موجود نہ ہونا اتنا اہم نہیں تھا تو پھر ہاشم نے بطور خاص اس بات کا ذکر کیوں کیا۔

پھر اس کو آتے دیکھ کر ان کے چہرے اتنے فق کیوں ہو گئے تھے؟ زرتاشہ کے پاس بہت سے سوال تھے' جواب ایک کا بھی نہیں تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ وہ بیزاری سے اٹھی اور گھوم کر سائیڈ ٹیبل تک آئی۔ فارس کا موبائل بج رہا تھا۔ اوپر لکھا آ رہا تھا ''میڈم زمر۔''

زرتاشہ کے لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں عجیب سی ناگواری اُبھری۔ چند لمحے وہ فون کو دیکھتی رہی' پھر جھپٹ کر اٹھایا۔ زور سے بٹن پریس کر کے کان سے لگایا۔

''جی فرمایئے؟''

''میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف بات کر رہی ہوں۔'' زمر کہتے ہوئے ذرا جھجکی۔ ''مجھے فارس سے بات کرنی ہے۔''

''میں فارس کی بیوی بول رہی ہوں۔ آپ کو فارس سے کیا بات کرنی ہے؟'' زرتاشہ کا لہجہ خشک اور سرد تھا۔ زمر لمحے بھر کے لیے چپ ہوگئی۔

''فی الحال تو ٹھیک ہوں۔ لیکن جس طرح آپ میرے شوہر کے ساتھ بی ہیو کر رہی ہیں' مجھے نہیں لگتا کہ اگلی دفعہ ہم اتنی ہی خوشگواری سے بات کر سکیں گے۔'' لائن پہ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔ پھر زمر کی آواز ابھری تو اس میں گہرا تعجب تھا۔

''سوری۔ میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔''

''حالانکہ آپ کو سمجھنا چاہیے تھا کہ میرا شوہر بے گناہ ہے۔ پھر بھی جس طرح آپ میرے شوہر کو بار بار مجرم ثابت کرنے پہ تلی ہیں' اس سب سے مجھے یہی لگتا ہے کہ آپ اس سے کوئی پرانا بدلہ اتار رہی ہیں۔ آخر میرے شوہر نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟'' وہ بمشکل غصہ ضبط کر کے کہے جا رہی تھی۔ اتنے دنوں کا اندر ابلتا لاوا کسی نہ کسی طرح پھٹنا ہی تھا۔ دوسری جانب زمر اچنبھے اور حیرت سے فون کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر اس کے تاثرات بھی سخت ہوگئے۔ آواز سپاٹ ہوگئی۔

''میں بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہی آپ کس طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ میں صرف اور صرف فارس اور سعدی کی مدد کرنا چاہ رہی تھی۔ بہر حال جب فارس مجھ سے بات کرنے کے لیے فارغ ہو جائیں تو انہیں بتا دیجیے گا کہ انہوں نے کل مجھے اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے۔ اور ہاں ان سے کہیے گا کہ اگلی کال وہ ہی مجھے کریں گے کیونکہ میرے پاس فی الحال کرنے کو اور بہت سے کام پڑے ہیں۔'' کھٹ سے فون بند ہوگیا۔

زرتاشہ طیش سے فون کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر زور سے واپس پھینکا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تو وہ چونک کر مڑی۔ فارس باہر نکل رہا تھا' تولیے سے گیلے بال رگڑتا' اس کی آنکھوں اور چہرے پہ شدید اضطراب سا تھا۔ یقیناً اس نے یہ گفتگو نہیں سنی تھی۔ وہ قریب آیا تو زرتاشہ نے بمشکل چہرے کے تاثرات نارمل کیے۔ ہلکا سا مسکرائی۔

''میڈم پراسیکیوٹر کا فون آیا تھا۔ وہ چاہتی ہیں کہ آپ انہیں کال بیک کر لیں۔'' فارس نے ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ آنکھیں سکیڑ کر اس کے تاثرات پہ غور کیا۔

''اور کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ گھوم کر بیڈ کے دوسری طرف چلی گئی اور برش اٹھا کر بالوں میں اوپر سے نیچے پھیرنے لگی۔ البتہ چہرے پہ ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ فارس جیسے آدمی کو دھوکا دینا کم از کم زرتاشہ کے لیے اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ رخ پھیر کر بیٹھی آئینے میں اس کو دیکھتی رہی۔ فارس اب فون ملا کر اسے کان سے لگا رہا تھا۔ پھر پلٹ کر وہ کمرے سے ملحقہ بالکونی میں جا کھڑا ہوا۔ زرتاشہ کی سماعتیں وہیں لگی تھیں۔ بالوں میں ہیر برش پھیرتا ہاتھ رک گیا۔

''جی السلام علیکم! میڈم کیسی ہیں آپ؟ آپ کا فون آیا تھا۔'' اسے فارس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہیر برش رکھ کے دبے قدموں اٹھی اور چوکھٹ میں جا کھڑی ہوئی۔ فارس کی اس کی طرف پشت تھی۔ سامنے لان نظر آتا تھا اور اس کے پار ہاشم کے کمرے کی بالکونی۔ ہاشم کا کمرہ ہمیشہ ہی اونچائی پہ ہوتا تھا اور ان کا کمرہ نشیب میں۔ یہ فرق زرتاشہ کو آج پہلے سے زیادہ محسوس ہوا تھا۔

''جی شیور میم! میں کل آپ کو اس سے ملوا دوں گا۔ نام اور جگہ میں آپ کو ٹیکسٹ کر دیتا ہوں۔''

''اوکے۔'' فارس شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ مگر دوسری جانب سے غالباً خشک لہجے میں کی گئی بات کاٹ دی گئی تھی تبھی وہ خاموش رہا اور پھر فون بند کر دیا۔ جب وہ پلٹا تو زرتاشہ کو وہیں کھڑا پایا۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟'' اس نے بظاہر انجان سی بن کر پوچھا۔ دل البتہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ فارس فون بند کرتا آگے آیا۔ ذرا سے الجھے اچکائے' خود بھی کچھ الجھا ہوا سا تھا۔

''کل مجھے انہیں اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے۔ اس کا بتا رہا تھا۔'' پھر خاموش ہو گیا جیسے اسے بھی زمر کے خشک جواب پہ پہلے سے زیادہ حیرت ہوئی تھی' یا پھر شاید اسے برا لگا تھا۔ کیا واقعی زمر اس کو مجرم سمجھ رہی تھی؟

''کیا آپ کو یہ لگتا ہے کہ ڈی اے آپ کو مجرم سمجھتی ہے؟'' زرتاشہ ذرا کی ذرا احتیاط سے اس کا چہرہ دیکھتی قریب آئی۔ وہ جو بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا تھا' چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ چہرے کے تاثرات ذرا نرم پڑے۔ آخر وہ اس کی بیوی تھی' اس کی سوچ پڑھ سکتی تھی۔ اس نے مبہم سا اثبات میں سر ہلایا۔ ''شاید۔''

زرتاشہ کو ذرا تقویت ملی۔ گردن اٹھا کر پہلے سے زیادہ اعتماد سے وہ قریب آئی۔ اس کے کندھے پہ نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''زمر جو بھی کہے' میں جانتی ہوں آپ نے کچھ نہیں کیا اور میں جانتی ہوں کہ آپ مجرم نہیں ہیں۔ یقیناً کوئی اس میں آپ کو پھنسا رہا ہے۔'' فارس کے تاثرات کی نرمی بڑھتی گئی۔ اس نے ہلکا سا مسکرا کر سر کو خم دیا۔ اس مسکراہٹ جس میں سوگواریت بھی تھی اور زخمی پن بھی۔

''تھینک یو زرتاشہ! تمہاری سپورٹ میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔'' وہ بھی جواباً مسکرا دی۔ البتہ وہ پہلے سے زیادہ مضطرب تھی۔ اس کو کیا چیز تنگ کر رہی تھی؟ ہاشم کا ایک ''بے معنی'' بے سبب سا جملہ؟ کیا اس بھی زرتاشہ کو تنگ کر رہا تھا؟

اس نے سر جھٹکنا چاہا مگر سوچوں کو جھٹکنا اتنا آسان نہ تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں میری انجیو کے ہاتھ بھجوائی گئی ویڈیو ڈی رکھی تھی۔ چونکہ شہرین نے بھجوائی تھی اس لیے خاور کو پتا نہیں چل سکا' اور نہ ہی ہاشم کو۔ اس نے سوچا کہ وہ کل اسے دیکھے گی۔ ہاں کل!

.... ❖ ❖ ❖ ....

لمحوں سے اب معاملہ کیا ہو ..... دل پہ اب کچھ گزر رہا بھی نہیں

جس وقت زمر نے فارس کا فون بند کیا' وہ گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ عجیب سی بیزاری اور قدرے ناگواری تھی۔ موبائل پرس میں رکھتے ہوئے وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی جیسے وہ اس سارے کھڑاک سے تنگ آ رہی تھی' مگر سعدی... صرف سعدی کے لیے اسے یہ سب کچھ عرصہ مزید برداشت کرنا تھا۔ پتا نہیں شادی کے بعد کیا ہوگا؟ اف.....!!

مین ڈور کھول کر وہ راہداری میں آئی۔ پھر ڈرائنگ روم کے قریب سے گزرتی وہ ٹھہری۔ جالی دار پردے کے پار مہمانوں کی باتیں اور چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ ذرا اوٹ میں ہو کر اس نے دیکھا۔ یہاں سے صرف سامنے صوفے پہ بیٹھا حماد دکھائی دے رہا تھا۔ خوش شکل سا نوجوان جس کی آنکھوں پہ گلاسز تھے مگر اس وقت وہ قدرے غیر مطمئن سی صورتحال میں بیٹھا ہوا تھا۔ باقی اس کی والدہ کا چہرہ تو یہاں سے دکھائی نہیں دے رہا تھا' مگر ان کی آواز وہ بہرحال سن سکتی تھی۔ وہ بڑے ابا سے کہہ رہی تھیں۔

''ہمیں بخوبی احساس ہے کہ آپ کے خاندان کی بہت قریبی وفات ہوئی ہے۔ لیکن آپ بھی خیال کیجیے کہ ہمارے کارڈز بٹ چکے ہیں۔ ہمارے سارے مہمان آ چکے ہیں۔ کتنے ہی لوگوں نے باہر سے آنا تھا' وہ چھٹی لے کر آئے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ ٹھہر بھی نہیں سکتے۔ ایسے میں ہم بھی مجبور ہیں۔''

''میں بالکل سمجھ سکتا ہوں آپ کی ساری بات۔ میں آپ کو شادی آگے کرنے کا بھی نہیں کہہ رہا۔ شادی اسی دن ہوگی جو کارڈز پہ لکھا

''میں ایک ریسٹورنٹ کا ایڈریس ایس ایم ایس کر رہا ہوں جہاں پہ اس وقت آپ کے شوہر ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر صاحب کے ساتھ لنچ کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود آ کر دیکھ لیں۔''

غیر شناسا سا آواز میں کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ وہ ''ہیں ہیں'' کرتی رہ گئی۔ پہلے تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا اور پھر سمجھ آنے پر وہ تیزی سے اٹھی۔ چہرے پہ شدید قسم کا طیش' غصہ اور الجھن سی بکھر گئی۔ فارس نے اس سے ملنا ہی تھا یہ تو وہ جانتی ہی تھی' لیکن کسی ریسٹورنٹ میں لنچ' یہ دو الفاظ اس کو بری طرح کھب گئے تھے۔ اور وہ زرتاشہ تھی۔ اسے حقیقت جاننی تھی۔ اس کو اپنے دل میں موجود شک کے کیڑے کو نکالنے کے لیے کچھ کرنا تھا۔

اس نے موبائل اٹھایا اور فارس کو کال ملائی۔ ایک گھنٹی بجی' پھر دوسری۔ اس نے فون اٹھا لیا۔

''ہاں زرتاشہ بولو؟''

''آپ کدھر ہیں؟'' قدرے ہچکچاہٹ سے اس نے پوچھا۔ ساتھ میں اسے خود پہ افسوس ہونے لگا' وہ کیسے کسی اجنبی کی کال پہ اعتبار کر سکتی تھی؟

''میں کام سے آیا ہوا ہوں باہر۔ کوئی کام ہے؟''

''نہیں۔ بس میں آپ کا پتا کرنا چاہ رہی تھی۔ آج آپ نے پراسیکیوٹر سے ملوانا تھا اس لڑکی کو' وہ سب ہو گیا خیر سے؟''

''ہاں مگر میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اور حنین علیشا کے کمرے میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوٹل میں یعنی کہ....؟'' اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ فارس نے ''بائے'' کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ ایک دم کلس کر رہ گئی۔ پھر موبائل رکھ کر ایک نئے ارادے سے اٹھی۔

ہوٹل کے کمرے میں خاور تیار بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں گھڑی کی سوئیوں پہ تھیں۔ اپنے ٹارگٹ کے انتظار میں وہ لمحے گن رہا تھا۔ لیپ ٹاپ پہ ہاشم سے رابطہ فی الحال خاموش تھا۔ یہ نہیں تھا کہ ہاشم دوسری جانب موجود نہیں تھا' ہاشم بس چپ تھا۔ بالکل چپ۔ وہ دونوں منتظر تھے کسی کی زندگی کی تحریر لکھنے کے لیے....

خاور کے ہوٹل کے کمرے سے ملحقہ کمرے میں علیشا قدرے مضطرب سی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے سامنے خاموش بیٹھی حنین اور مقابل مضطرب سے ٹہلتے فارس کو دیکھتی۔ اس کے اپنے چہرے پہ بھی تفکر چھایا تھا۔

''میں عدالت نہیں جاؤں گی۔ میں خود کو کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔'' اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

فارس نے رک کر جیسے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

''کم از کم ابھی کے لیے تمہیں پراسیکیوٹر کے سامنے میری ایلی بائی مضبوط کرنی ہے کیونکہ یہ سچ ہے' میں قتل کے وقت ادھر ہی تھا۔''

''لیکن میں عدالت نہیں جاؤں گی۔''

''وہ بعد کی بات ہے۔''

مگر علیشا بے چین ہو رہی تھی۔

حنین بھی تو تھی اس رات ہمارے ساتھ۔ کیا صرف حنین گواہی نہیں دے سکتی؟'' اسے کوئی چیز بہت زیادہ پریشان کر رہی تھی۔

''میں سولہ سال کی لڑکی ہوں' ان کی رشتہ دار ہوں۔ میں کریڈیبل (قابل اعتماد) گواہ نہیں ہوں۔'' حنین نے پہلی دفعہ گفتگو میں مداخلت کی اور وہ بھی کافی اعتماد سے۔ فارس اور علیشا دونوں نے اسے دیکھا۔ حنین نے شانے اچکائے۔

''ایلی مک بیل' دی گڈ وائف' بوسٹن لیگل وغیرہ' کچھ کر اتنا تو پتا چل ہی جاتا ہے۔''

''وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کہوں گی کیا؟ مجھے سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ کہیں میں تو کسی مسئلے میں نہیں پڑ جاؤں گی؟'' علیشا اب بھی ہچکچا رہی تھی۔ ''کیونکہ اگر میں کسی مسئلے میں پڑی تو میں آپ کو ابھی سے بتا رہی ہوں میں اس سب سے نکل جاؤں گی۔''

''کم از کم آج کے لیے تم اس سب سے کہیں نہیں نکل رہیں۔'' فارس نے کافی سختی سے اس کا چہرہ دیکھ کر کہا جہاں ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ پھر گہری سانس لی۔ سامنے صوفے پہ آ کر بیٹھا اور سمجھانے والے مگر دوٹوک انداز میں بولا۔

''یہ نیٹ جیو والی کہانی پراسیکیوٹر کو مت سنانا۔ تم بس ایک ٹورسٹ کے طور پر یہاں آئی ہو اپنی دوست سے ملنے' بات ختم۔ سمجھ آئی؟''

علیشا کے چہرے پہ ندامت سی پھیل گئی مگر اس نے سر ہلا دیا۔ ''اوکے۔''

فارس بے چینی سے اٹھ کر آگے پیچھے ٹہلنے لگا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ حنین نے اس کی کیفیت دیکھ کر کہا۔

''آپ پھپھو کو کال کر لیں۔'' فارس نے سر ہلا کر فون نکالا۔ کال ملا کر کان سے لگایا۔ گھنٹی جانے لگی۔

ملحقہ کمرے میں موجود خاور کے لیپ ٹاپ پہ سگنل آنے لگا۔ فارس کے نمبر سے کال جا رہی تھی۔ اس نے چند کیز دبائیں' کال کا رستہ کاٹا اور فارس کو فون بند ہونے کا پیغام ملنے لگا۔ اس نے سر جھٹک کر موبائل جیب میں ڈال لیا۔

''یقیناً وہ آ رہی ہوں گی۔'' حنین نے خاموشی سے سر کو خم دیا۔ وہ اس کارروائی میں فارس کا ساتھ ضرور دے رہی تھی' البتہ وہ خوش نہیں تھی۔ اسے زمر کا فارس کے اوپر شک کرنا' علیشا کا اس سارے معاملے میں گھسیٹا جانا' سعدی کی بے چینی' ہر چیز ناخوش کر رہی تھی۔ کتنا ہی اچھا ہوتا اگر زمر صرف اس کی بات کا اعتبار کر لیتی مگر اس نے صاف بے رخی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کیس میں کسی کی رشتہ دار نہیں ہے۔ حنین نے یہ سب یاد کر کے ناگواری سے سر جھٹکا۔ آنکھیں ابھی تک سرخ' متورم تھیں۔ پہلے وارث ماموں کا غم' اور اس کے بعد شروع ہونے والا یہ عجیب سا پولیس' کچہری قانون کا چکر.....

<hr>

مرحلے اور بھی تھے جاں سے گزرنے کے لیے ..... کربلا کس نے پس کرب و بلا بھیجی ہے

زمر نے کار ریسٹورنٹ کے باہر روکی۔ موبائل اور پرس اٹھا کر باہر نکلی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ دروازے کے قریب میز پہ ریزروڈ لکھا یہاں سے بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کا گلاس ڈور کھول کر اندر آئی۔ ویٹر سے اس میز کے متعلق پوچھا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ وہ اسی کے نام ریزروڈ ہے' وہ وہاں بیٹھ گئی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ وہاں ابھی تک کوئی نہیں تھا۔ اس نے کافی آرڈر کی۔ اور پھر انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے انتظار کرنے لگی۔

کیا وہ واقعی ٹھیک کر رہی تھی؟ کیا واقعی اسے فارس کے ایلی بائی سے ملنے یہاں تک آنا چاہیے تھا؟ اصولاً تو فارس کو چاہیے تھا کہ وہ اس لڑکی کو اس سے ملوانے لے کر آتا۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ وہ اپنی حجت تمام کر لے۔ وہ سعدی کو دکھا دے کہ وہ واقعی ان کے ماموں کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ لیکن کیا یہ سب دکھانے کا کوئی فائدہ ہوگا؟ کیا واقعی اس کے اوپر سے خود غرضی کا لیبل اترے گا؟

ان تمام سوچوں سے سر جھٹک کر زمر نے اپنی توجہ ویٹر کی طرف مبذول کی جو اب کافی لا کر سامنے رکھ رہا تھا۔ جب تک اس نے کپ اٹھایا' سامنے سے کوئی آتا دکھائی دیا۔ زمر نے چونک کر ادھر دیکھا۔ وہ زرتاشہ تھی۔ سیاہ لباس پہ سرمئی دوپٹہ گردن میں لپیٹے وہ خاموش نظروں سے دیکھتی قریب آئی۔ کرسی کھینچی' سامنے بیٹھی' کہنیاں میز پہ رکھیں' ہتھیلی پہ ٹھوڑی ٹکائی۔ کافی کینہ توز نظروں سے زمر کو دیکھنے لگی۔ زمر قدرے غیر مطمئن انداز میں کرسی کے کنارے پہ آگے ہوئی۔ مروتاً خم سے سلام کیا اور پوچھا۔

''فارس کہاں ہے؟''

زرتاشہ نے ملکے سے شانے اچکائے اور زمر کو بدستور بنا پلک جھپکے دیکھتے ہوئے بولی...

''یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ کیا آپ نے ابھی ان کے ساتھ لنچ نہیں کیا؟''

''لنچ؟ میں تو کافی دیر سے ان کا انتظار کر رہی ہوں۔ انہوں نے مجھے یہاں بلوایا تھا' مجھے کسی سے ملوانا تھا۔''

''لیکن مجھے تو یہاں کوئی نظر نہیں آرہا۔ آخر کس سے ملوانا تھا ان کو؟''

''اپنی ایلی بائی سے۔ قتل کے وقت وہ جس کے ساتھ تھے۔'' زمر کو اب کچھ بہت برا لگ رہا تھا مگر نہ وہ اپنے محسوسات سمجھ پا رہی تھی نہ زرتاشہ کا رویہ جو عجیب نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے لیے کچھ آرڈر کروں؟'' زمر نے کہتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا۔ وہ قریب آیا تو زرتاشہ نے اس پر سے نگاہ ہٹائے بغیر محض جوس کا آرڈر دیا۔ وہ سر ہلا کر چلا گیا۔ زمر نے دوبارہ گھڑی دیکھی اور پھر موبائل کو۔ آخر فارس کہاں رہ گیا؟ اور آخر اس نے اپنی بیوی کو یہاں پہ کیوں بلا لیا؟ اس کے دل میں تو کوئی گلٹ نہیں تھا' وہ تو اس کا پرانا اسٹوڈنٹ تھا اور کچھ بھی نہیں۔ اور ہاں وہ سعدی کا ماموں بھی تھا۔ مگر پھر بھی زرتاشہ کا انداز کچھ عجیب سا تھا جیسے وہ کوئی ''دوسری'' عورت ہو۔

دوسری جانب زرتاشہ مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اندر ہی اندر کوئی لاوا سا پک رہا تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ فون زمر نے ہی اسے کروایا تھا۔ فارس پہ شک' اور باقی سب وہ صرف فارس کی توجہ کے لیے اس کا گھر خراب کرنے کے لیے کر رہی تھی۔ اسے سامنے بیٹھی گھنگھریالے بالوں والی کافی کا مگ گھونٹ گھونٹ پیتی لڑکی بہت بری لگی۔

''آپ کی اور فارس کی منگنی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی' یہ سچ ہے نا؟'' زرتاشہ نے اچانک سے سوال کیا تھا۔ زمر کو حیرت اور شاک کا ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ کپ میز پہ آواز کے ساتھ رکھا۔

''زرتاشہ؟'' اندر ایک ابال سا اٹھا' حیرت اور غصہ۔ بمشکل وہ ضبط کر پائی۔ ''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔''

''آپ انکار کیوں کر رہی ہیں؟ فارس نے خود اس بات کی تصدیق کی تھی کہ وہ آپ سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔'' ابرو اچکا کر وہ بولی۔ اس کے انداز میں جیلسی تھی' معصوم سی جیلسی۔

زمر بالکل سن رہ گئی۔ اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا۔ اس نے سنا تھا کہ کچھ مرد بیویوں پہ دھاک بٹھانے کو کہتے ہیں کہ خاندان کی فلاں اور فلاں لڑکی مجھ پہ مرتی تھی' وغیرہ وغیرہ۔ مگر فارس سے اس قسم کی بات کی توقع نہ تھی۔ اس کا دل مزید برا ہوا۔

''یہ انتہائی احمقانہ بات ہے۔ ابھی فارس آنے ہی والا ہوگا۔ آپ میرے سامنے یہ بات ان سے پوچھ لیجیے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری شادی تیار ہے۔ ایسے وقت میں اس قسم کی بات آپ کو کرنا اور مجھے سننا زیب نہیں دیتا۔''

وہ شدید برہمی سے بولتی رخ موڑ کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔ وہ دو عورتیں غلط وقت اور غلط موقع پہ غلط موضوع چھیڑ بیٹھی تھیں۔ زرتاشہ نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''جو آپ کہیں۔''

وقت گزرتا جا رہا تھا اور فارس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ زمر نے کوئی دسویں دفعہ گھڑی دیکھی۔ پھر سرد لہجے میں زرتاشہ کو دیکھے بنا بولی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ فارس وقت اور وعدے کا اتنا کچا ہے۔ اس وقت اس کو یہاں پر ہونا چاہیے تھا۔ مجھے ابھی بہت سارے کام کرنے ہیں۔''

''میں نہیں جانتی وہ کدھر ہیں۔'' زرتاشہ اب کے ذرا مدافعانہ انداز میں بولی۔ ''مجھے تو ان فیکٹ پتا بھی نہیں تھا کہ وہ ادھر آرہے ہیں۔ میں تو یہاں شاپنگ کرنے آئی تھی۔ آپ کو دیکھا تو ادھر آ گئی۔''

وہ لمحے بھر کو رکی۔ اب اسے خیال آ رہا تھا کہ اگر فارس ابھر آ گیا اور اسے یہاں دیکھا تو پھر کس طرح وضاحت کر پائے گی؟ کیا پتا زمر نے یہ سب اس کو فارس کی نظروں سے گرانے کے لیے کیا ہو۔ لہجے کو ذرا دھیما کر کے اس نے بات جاری رکھی۔

"کل انہوں نے ذکر کیا تھا کہ انہیں آج آپ سے ملنا ہے اسی لیے میرا خیال تھا کہ وہ یہیں آنے والے ہوں گے۔" زمر نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ وہ اسی طرح نظر انداز کیے دوسری جانب دیکھتی رہی۔ اس کی فضول اور احمقانہ باتوں پہ ابھی تک اسے غصہ آ رہا تھا۔ اگر وہ کوئی مذاق تھا تو بہت برا مذاق تھا۔

اور تبھی فون کی گھنٹی بجی۔ فارس کا نمبر آ رہا تھا۔ زمر نے کال اٹھائی اور خشک لہجے میں بولی۔

"آپ کدھر ہیں فارس؟ میں آپ کا کتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔" چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر آواز ابھری۔

"زمر آئی ایم سوری۔"

ہاشم نے لیپ ٹاپ پہ ابھرتے الفاظ سے اور تھکے تھکے انداز میں سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا.....

"جی؟ آپ نہیں آ رہے؟" زمر نے کہا مگر یوں لگتا تھا وہ سن نہیں رہا۔ وہ کہہ رہا تھا جو اسے کہنا تھا۔ کچھ عجیب تھا اس کے انداز میں۔ رک رک کر بولنا' بے تاثر سا انداز۔ مشینی' آٹومیٹک۔

"میں تمہارے قریب ہی ہوں زمر! لیکن میں یہاں پہ آ نہیں سکتا۔ یہ میری مجبوری ہے۔ مجھے تمہیں اپنی ایلی بائی سے ملوانا تھا کیونکہ صرف تم ہی ہو جسے میرے قاتل ہونے پہ شک ہے۔ مگر میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے۔" زمر دھک سے رہ گئی۔ اس نے بے اختیار فون کو گھورا اور پھر دوبارہ کان سے لگایا۔

"فارس مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" (اسے کب شک تھا فارس پہ؟ وہ سوال جواب تو تفتیش کا حصہ تھے۔ وہ اتنا برا مان گیا تھا؟)

ہاشم میز کا سہارا لیے کرسی سے اٹھا اور پھر اسی کرسی کے قدموں میں اکڑوں بے دم سا بیٹھ گیا۔ میز کی اوٹ میں چھپ کر۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ مگر فارس زمر کی بات سننے کے لیے بھی نہیں رکا۔ وہ کہے جا رہا تھا۔

"اور چونکہ میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ وارث غازی کا قاتل میں ہی ہوں۔ اور میں اسے واقعی نہیں مارنا چاہتا تھا لیکن مجھے ایسا کرنا پڑا کیونکہ وہ میری بیوی کے ساتھ مل کر مجھے دھوکا دے رہا تھا۔" زمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس نے بے یقینی سے سامنے بیٹھی زرتاشہ کو دیکھا جس کا جوس آ گیا تھا اور وہ اسٹرا اس میں گھماتی کچھ مکس کر رہی تھی' مگن سی۔ فارس کی بات پہ اس سے ذرا ذرا جلن کا شکار مگر پھر بھی اس کے چہرے پہ ایک معصومیت تھی' بچکانہ انداز۔

"فارس آپ.... آپ کہاں ہیں؟" اسے لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔

ہاشم اسی طرح بند آنکھوں کو انگلیوں سے مسلتا' سر گھٹنوں میں دیے بیٹھا رہا۔ کرب سا کرب تھا۔

"آئی ایم سوری زمر! مگر میں وہاں ہوں جہاں مجھے ہونا چاہیے۔ مجھے اپنی بیوی اور اپنے بھائی دونوں کو ختم کرنا تھا۔ ایسا کیے بغیر مجھے کبھی بھی سکون نہیں آئے گا۔ اور ہر چیز صحیح جا رہی تھی۔ میں سارا شک وارث کے متعلقہ کیس پہ ڈالنے میں کامیاب ہو رہا تھا مگر مجھے ایسا لگا کہ تمہیں مجھ پہ شک ہے تو میں نے سوچا کہ میں شک کی تصدیق کرا لوں۔ میں تمہیں بتا دوں کہ میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے۔ تم اس کیس کی انکوائری ہو۔ سوائے تمہارے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وارث غازی قتل کیس میں سب سے زیادہ بھاگ دوڑ میں کر رہا ہوں تو میں بے گناہ ہوں۔ سوائے تمہارے کوئی بھی مجھ پہ شک نہیں کر رہا۔ اب ایسی صورت میں جبکہ تم وارث غازی کی متعلقہ فائلز نکلوانے کے لیے کورٹ سے آرڈر لینے جا رہی ہو اگر کوئی تمہیں گولی مار دے تو سب کا شک اس متعلقہ کیس تک جائے گا جس کی وارث تفتیش کر رہا تھا۔ فارس غازی پہ کبھی کوئی شک

نہیں کرے گا اور رہی زرتاشہ تو تم اصل ٹارگٹ بھی جاؤ گی اور وہ صرف کولیٹرل ڈیمیج۔"

"فارس آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ فارس کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟" زمر نے گھبرا کر بمشکل کہنا چاہا۔ اس کے اردگرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔

ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ اسے میز کا اندرونی خلا نظر آ رہا تھا۔ اندھیرا گھٹن۔ اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔ سر مزید اندر کر لیا۔ اوپر رکھے لیپ ٹاپ سے آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔

"زمر میں تمہیں کال کر کے صرف ایک بار معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ میں بالکل بھی ایسا نہیں کرنا چاہتا مگر میں مجبور ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ لیکن تمہیں بالکل تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' صرف ایک گولی۔ دل میں۔ اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

زمر کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ فون کان سے لگائے اس نے بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ زرتاشہ بھی سر اٹھا کر اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ ریسٹورنٹ تقریباً ویران تھا۔ اس کے پار اونچی بلڈنگز تھیں' ہوٹلز تھے۔ یہیں سامنے والے ہوٹل میں تو فارس نے اسے بلایا تھا' پھر اچانک سے چینج آف پلان... اچانک سے سب کچھ... وہ بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اور فارس کہے جا رہا تھا۔

"میں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں یہ میری تم سے آخری گفتگو ہے۔ اور اس آخری گفتگو میں میں تمہیں اپنی حقیقت بتانا چاہتا تھا۔ زرتاشہ اور تمہارے مرنے کے بعد میں جانتا ہوں مجھے سکون نہیں ملے گا' لیکن کم از کم میں اس قانونی کارروائی سے بچ جاؤں گا۔ آئی ایم سوری زمر!"

"فارس تم کدھر ہو؟ پلیز مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔ جس طرح بھی ہوا میں تمہاری مدد کروں گی۔" زمر بے چینی سے جلدی جلدی کہے جا رہی تھی۔ حالات کی نزاکت بھانپ کر اسے جو بھی کرنا تھا' جلدی کرنا تھا۔ "میں تمہارا کیس لڑوں گی۔ تم نے جو بھی کیا' اس سب کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی۔ میں کورٹ میں تمہارے ساتھ کھڑی ہوں گی۔ تم جو بھی مجھے کہہ رہے ہو' یہ سب اٹارنی کلائنٹ پریولج کے تحت محفوظ رہے گا۔ میں تمہاری اٹارنی ہوں فارس! میری بات سنو۔" مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ اسی طرح باتیں کیے جا رہا تھا' بالکل کسی روبوٹ کی طرح۔ جیسے اسے زمر کی کسی بات میں دلچسپی نہ ہو۔

"اپنی جگہ سے ہلنا مت۔ میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں۔ تم بدحواس ہو رہی ہو مگر بالکل بھی مت ہلنا ورنہ تمہیں تکلیف ہوگی۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' دل میں۔ باقی میری بے وفا بیوی کے لیے ہیں۔" خاور نے barrett M95 کی نال میں سے ایک آنکھ بند کیے جھانکا۔ نشانہ سیٹ کیا۔

"فارس پلیز ایسا مت کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔ میں تمہارا کیس لڑوں گی۔ پلیز میری بات سنو۔" اسے لگا وہ منت کر رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں شاید آنسو آئے تھے۔ زرتاشہ بالکل حق دق سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے ڈی اے؟" اس نے پوچھا مگر زمر کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہ اسی طرح کھڑی فون کان سے لگائے فارس کی منت کر رہی تھی۔

"پلیز فارس! میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم ایک اچھے انسان ہو۔ تمہارے اندر اچھائی ہے۔ ہر شخص کے اندر ہوتی ہے' ہمیں صرف اس کو باہر لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہیں یاد ہے یہ میں نے تم سے کہا تھا۔ پلیز میں تمہاری ٹیچر رہی ہوں۔ میری شادی ہونے والی ہے۔" اس نے کبھی زندگی میں کسی کی اتنی منت نہیں کی تھی۔ ایسے کسی کے سامنے نہیں گڑگڑائی تھی۔ مگر وہ اس کی سن ہی نہیں رہا تھا۔

آئی ایم سوری زمر! مگر مجھے ایسا کرنا ہے۔ یہ سب بتانے کے بعد میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ آئی ایم سوری...." اور وہ اس کے ساتھ بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر اب کے زمر اس کو نہیں سن رہی تھی۔ وہ اسی طرح بھیگتی آنکھوں کے ساتھ مسلسل اسے کہے جا رہی تھی۔

"فارس! میں تمہاری ٹیچر رہی ہوں۔ میں سعدی کی پھپھو ہوں۔ میری شادی ہونے والی ہے۔ پلیز میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح مت کرو۔" زرتاشہ ہکا بکا سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زمر فارس سے یہ سب کیوں کہہ رہی ہے۔

"فارس! تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ پلیز میری بات سنو۔ تم یاد کرو میں تمہاری ٹیچر ہوں۔ میں نے تمہیں پڑھایا ہے۔ میں سعدی کی پھپھو ہوں۔ تم میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔ تم میرے پاس آؤ۔ ادھر آؤ۔ میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔ ہم اس بارے میں بات کریں گے۔ جو بھی بات تمہیں کرنی ہے، ہم کریں گے۔ میں تمہارا کیس لڑوں گی۔ میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گی فارس! تم صرف میری بات سنو۔"

لیکن اب فارس کی طرف سے خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہا تھا۔ سانس لینے کی آواز تک نہ تھی۔

خاور نے انگلی ٹریگر پہ رکھے، کان سے لگے ہینڈز فری میں کہا۔ "سر! آر یو شیور آپ اگلے الفاظ سننا چاہتے ہیں؟"

میز کی اوٹ میں زمین پہ بیٹھے ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک ایک لفظ۔" اس کی سختی سے بھینچی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ "کیا تم اس کو دیکھ سکتے ہو خاور؟"

"یس سر۔ ابھی بیس سیکنڈ ہیں۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں ہیں۔ ذرا سی گھبرا گئی ہے۔ مگر وہ ایک بہادر عورت ہے، وہ بھاگے گی نہیں۔ وہ آخری سانس تک فارس کو کنوینس کرنے کی کوشش کرے گی۔"

"اس کے چہرے پہ اس وقت کیا ہے خاور؟" وہ شدت سے کنپٹی مسل رہا تھا۔ سر میں عجیب درد اٹھنے لگا تھا۔

"نہ خوف نہ پریشانی۔ صرف شاک اور بے یقینی۔"

نیچے ریسٹورنٹ میں زمر کے سامنے کھڑی زرتاشہ کو اب فکر ہونے لگی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ آپ فارس سے کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ کدھر ہے؟" مگر زمر کو اس وقت کچھ ہوش نہیں تھا۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ وہ فوراً زرتاشہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے بھاگ جائے مگر دل کو ابھی بھی یقین تھا کہ فارس ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے آخری کوشش کرنی چاہی۔

"فارس پلیز تم کچھ ایسا مت کرنا جس پہ تم پچھتاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہارا کیس بھی لڑوں گی اور میں تمہیں سپورٹ بھی کرواں گی۔ پلیز فارس! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ فارس پلیز میری شادی ہونے والی ہے۔ میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ اپنی بیوی کے ساتھ ایسے مت کرو۔ فارس.... فارس؟"

خاور نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک، دو، تین، چار.... ٹک ٹک ٹک....

اور زمر نے محسوس کیا کہ فون اس کے ہاتھ سے گر گیا ہے۔ وہ فرش پہ جا لگا مگر آواز نہیں آئی۔ زمر کو اس وقت کسی بھی چیز کی آواز نہیں آئی۔

بس یوں لگا کہ کچھ چیر کر نکلا ہے۔ ایک دو تین.... کوئی برچھی تھی جس پہ آگ لگی تھی، کوئی عجیب سا احساس، درد بے پناہ درد۔ اس نے جھک کر میز کے کنارے کو دونوں ہاتھوں سے تھامنا چاہا۔ مگر توازن برقرار نہیں رکھ پا رہی تھی۔ زرتاشہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ زمر نے دیکھا وہ کھڑی تھی۔ زمر کو اب وہ اونچائی پہ لگ رہی تھی کیونکہ وہ خود گرتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا، اس نے زرتاشہ کو گرتے دیکھا۔ وہ اوندھے منہ زمین پہ جا گری۔ اسے ماربل کا فرش اپنے گال سے ٹکراتا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹھنڈا فرش، سخت سے سخت دل جیسا ٹھنڈا۔ اس کے علاوہ زندگی میں ہر احساس ختم ہو چکا تھا۔ ہاں شاید کوئی اس کے آس پاس تھا، کچھ سرخ سرخ سا تھا،

کوئی سرخ سی شے تھی جو اس کی کمر سے نکل کر اس کے اردگرد بکھر رہی تھی۔ سفید ماربل کے فرش پہ اس کے ہاتھوں پہ اس کے چہرے کے قریب وہ بہتی جارہی تھی۔ وہ پانی نہیں تھا' وہ پانی سے گاڑھا تھا۔

ہاشم کے آفس میں اب خاموشی چھائی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں' شکستگی سے اٹھا' تھکا تھکا سا کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ بند کیا اور سست روی سے انٹرکام اٹھا کر بولا۔

''حلیمہ! ایک کپ کافی لاؤ' اور پھر جب تک میں باہر نہ نکلوں' کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ میں کچھ وقت تنہا رہنا چاہتا ہوں۔'' پھر آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

سوگ کی ایک سہ پہر زمر یوسف کے نام! از رتاشہ غازی کے نام!

''تمہیں کسی جنت میں رہنے کا شوق تھا زرتاشہ! تمہاری یہ خواہش بھی فارس کی جگہ میں نے پوری کی۔''

............❖ ❖ ❖............

وقت کے کتنے ہی دھاروں سے گزرنا ہے ابھی ..... زندگی ہے تو کئی رنگ سے مرنا ہے ابھی

ہر شے اندھیر تھی۔ پلکوں پہ بہت بوجھ تھا۔ بمشکل اس نے اس بار کو آنکھوں سے ہٹانا چاہا۔ سفید روشنیوں والی چھت تھی۔ اردگرد لوگ تھے۔ اپنے اوپر سفید چادر تھی۔ کیا یہ زندگی کا اختتام تھا یا پھر ایک نئی زندگی کا آغاز تھا؟

بازوؤں میں سوئیاں تھیں اور اس سے زیادہ چبھتا ہوا احساس دل میں تھا۔ زمر نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکیں۔ کچھ دھندلے سے وجود اپنے سرہانے کھڑے نظر آئے۔ ایک گھنگھریالے بالوں والا لڑکا تھا' ایک عورت تھی قریبی مائل۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کو جاگتے دیکھ کر روتے ہوئے وہ مسکرائی۔ زمر نے مسکرانا چاہا' کچھ کہنا چاہا۔ مگر لبوں سے بس یہی الفاظ نکلے۔ ''فارس کہاں ہے؟''

گھنگھریالے بالوں والے لڑکے نے سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھیں بھی شاید گلابی تھیں جیسے وہ رویا ہو۔ ابھی نہیں' بہت پہلے رویا ہو۔ اب اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ وہ نرمی سے اس کے اوپر جھکا' اس کے ماتھے سے بال ہلکے سے ہٹائے اور آہستہ سے بولا۔

''زمر! کیا آپ مجھے دیکھ سکتی ہیں؟'' اور وہ اس کو دیکھ رہی تھی بنا پلک جھپکے۔ اس نے ہلکی سی آواز میں صرف اتنا پوچھا۔ ''فارس کہاں ہے؟'' کسی نے جواب نہیں دیا۔ شاید آگے پیچھے کوئی اور لوگ بھی تھے۔ ہاں اس کی بائیں طرف ایک لڑکی بھی کھڑی تھی' ماتھے پہ کٹے بال اور گلاسز والی۔ لیکن زمر اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے ہوتے ہوئے وہ اس لڑکی کو کم ہی دیکھا کرتی تھی۔ وہ دوبارہ اس کے اوپر جھکا۔

''آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ کیا آپ کو کہیں تکلیف ہو رہی ہے؟ کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟''

اس نے ہلکا سا پوچھا' اتنا ہلکا کہ لڑکے کو سننے کے لیے کان اس کے چہرے کے قریب لے جانا پڑا۔

''فارس کہاں..... ہے؟''

پھر اندھیرا سا دوبارہ چھانے لگا۔ ساری دنیا کا نور چلا گیا۔ سیاہی پہ سیاہی کے پردے تھے۔ اس کا دماغ پانی پہ بہتے پر کی طرح ہلکا اور کہیں دور اڑتا گیا۔

دوبارہ آنکھ کھولی تو چہرے بدل چکے تھے۔ اب صرف لڑکا کھڑا تھا۔ بائیں طرف شاید کوئی اور بھی تھا' مگر بائیں طرف والوں کو وہ کم دیکھا کرتی تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ کھڑے لڑکے پہ نگاہیں مرکوز کیے لب ہلائے تو وہ پھر سے جھکا۔ اب اس کا لباس بدلا ہوا تھا۔ شاید وہ کوئی اور دن تھا۔

''آپ کیسی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

اس کے لب ہلکے سے پھڑ پھڑائے۔ ”فارس کہاں ہے؟“ لڑکے کے چہرے پہ کرب سا ابھرا۔ اس نے سر جھکا کر اٹھایا۔

”ان کی وائف....“ وہ رکا۔ زمر یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اسے لگا اسے اس سوال کا جواب معلوم ہے۔

”ان کی وائف کو بھی گولی لگی تھی۔ وہ نہیں رہیں۔“ وہ بمشکل بول پایا۔ شاید اس کے گلے میں کوئی چیز اٹکی تھی‘ یا پانی یا کچھ ایسا جو پانی سے بھی گاڑھا تھا۔

”زرتاشہ مرگئی؟“ اس کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔ یک ٹک وہ سعدی کو دیکھتی رہی۔ سعدی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ایسی خبر ان کو اس موقع پہ دینا نہیں چاہتا تھا مگر وہ پھپھو سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتا تھا۔

”فارس کہاں ہے؟“ اس نے پھر پوچھا مگر اندھیرے بڑھتے گئے۔ عجیب سے اندھیرے تھے۔ وہ نہ کچھ سننے دیتے نہ کچھ بولنے دیتے۔ پلکیں بھی اٹھانے نہیں دیتے۔ وہ دوبارہ اسی کھائی میں ڈوبتی چلی گئی۔ پھر آنکھ کھلی تو منظر بدلا ہوا تھا۔ اب کے اس کا چہرہ بائیں طرف تھا۔ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا نجانے کہاں تھا۔ بائیں جانب لڑکی کھڑی تھی‘ گلاسز والی خاموش مگر روئی روئی آنکھوں والی۔ وہ اس کو پہچانتی تھی‘ جانتی تھی یا نہیں یہ اس کو ابھی نہیں معلوم تھا۔ اس نے انہی ویران آنکھوں سے اس کو دیکھا اور لبوں پہ صرف ایک ہی سوال تھا۔ ”فارس کہاں ہے؟“

”وہ آئے تھے آپ کو دیکھنے صبح۔ علیشا بھی آئی تھی۔ ہم اس دن آپ کا انتظار کرتے رہے۔ ہمیں نہیں پتا تھا یہ سب ہو جائے گا۔“ وہ حنین والی تو اس کی آواز مدھم تھی۔ اس میں ہمدردی تھی‘ شاید کہیں پیار بھی تھا۔ زمر بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ لڑکی قریب جھکی۔

”پھپھو آپ....“ وہ رکی‘ ہچکچائی۔ ”آپ ٹھیک ہیں؟ ڈاکٹر کو بلاؤں؟“

”فارس کہاں ہے؟“ اس نے پھر پوچھا۔ اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے رہا تھا۔

”ابھی شاید وہ گھر پہ ہی ہوں۔ وہ بہت اپ سیٹ ہیں۔ بہت زیادہ ٹوٹ گئے ہیں۔“ اور زمر یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اسے سب یاد تھا۔ اندھیری کھائیوں میں یادداشت کی روشنی ہر شے از سر نو زندہ کرا رہی تھی۔ اسے ایک ایک چیز یاد تھی۔ دل میں اٹھتا درد پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ اور پھر اس نے ہلکی سی نگاہ جھکائی۔ اسے اپنے اوپر سفید چادر پڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے نگاہ پھر سے حنین کے چہرے پہ رکھی۔

”مجھے کیا ہوا ہے؟“ حنین خاموش رہی۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے کسی کو دیکھا جیسے کوئی سگنل مانگا ہو۔ شاید جواب نفی میں تھا تبھی وہ واپس زمر کو دیکھنے لگی۔

”میرے گردے ضائع ہو گئے ہیں‘ ہے نا؟“ شاید اس نے خود ہی کچھ سنا تھا‘ شاید نیم بے ہوشی میں اس نے کچھ سنا تھا۔

”آپ کے گردے....“ وہ رکی‘ ”متاثر ہوئے ہیں۔“

اس سے زیادہ مہذب الفاظ اس کو نہیں ملے تھے۔ زمر کے چہرے پہ حیرت نہیں آئی۔ دکھ بھی نہیں ابھرا۔ شاید وہ اپنی حالت بے ہوشی میں ایسا کچھ سن چکی تھی‘ شاید وہ کئی دفعہ سن چکی تھی۔ یقیناً وہ جانتی تھی‘ وہ صرف تصدیق چاہ رہی تھی۔ اب کے اس نے ہلکی سی گردن سیدھی کی۔ ہاں اتنا اسے یاد تھا کہ دوبارہ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے گردن سیدھی کی تھی۔ اب نہ وہ دائیں تھی نہ بائیں‘ درمیان میں تھی‘ معلق۔

سیاہ تاروں جیسی چادر اب کے سر سے سرکی تو وہ پلکیں بہتر طور پہ جھپک پا رہی تھی۔ قریبی مائل خاتون اس کے سرہانے اب کھڑی تھیں۔ اس نے ہلکا سا ہاتھ اٹھانا چاہا تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ بہت محبت سے اس سے پوچھ رہی تھیں کہ وہ کیسی ہے؟ کیا کھانا پسند کرے گی؟ کیا اسے کہیں تکلیف ہے؟ کیا وہ ڈاکٹر کو بلائیں؟ کیا وہ اسے پانی دیں؟ وہ بس ان کو دیکھے گئی اور جب بولی تو سرگوشی میں۔

”فارس کہاں ہے؟“ ندرت کی آنکھوں میں اچنبھا سا ابھرا۔ زمر کا اس سے ایسا کوئی تعلق تھا تو نہیں جو وہ بار بار پوچھتی۔ شاید دماغی چوٹ کی وجہ سے....

بہر حال زبردستی مسکراتے ہوئے قریب آئیں۔

''وہ گھر پہ ہے۔ شام کو آئے گا ادھر تمہیں دیکھنے۔ وہ بھی بہت پریشان ہے اس سب سے۔ بلکہ پریشانی تو ایک بہت چھوٹا لفظ ہے۔'' زمر یک ٹک ان کو دیکھتی رہی۔ ہر بات ہر لفظ اسے یاد تھا اور پھر ایک دم سے وہ چونکی۔ بدقت تمام اس نے گردن ادھر ادھر گھمائی۔ اس نے ان چند دنوں میں.... پتا نہیں کتنے دن تھے وہ' سب کے چہرے دیکھے تھے۔ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا' عینک والی لڑکی' وہ فربہی مائل خاتون۔ صرف ایک چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ بے حد خوف اور وحشت سے اس نے رخ ندرت کی طرف پھیرا۔

''ابا' ابا کدھر ہیں؟'' ندرت کی آنکھوں سے آنسو ابلنے کو بے تاب ہو گئے۔ اسے لگا کہ وہ کوئی اور خبر سننے جا رہی ہے' کوئی ایسی خبر جس کو سننے کے بعد اس کا دل بھی کام کرنا چھوڑ دے گا۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنا چاہا مگر نہیں اٹھ سکی۔ جسم میں درد تھا' شدید درد۔ بے حد کرب سے اس نے دوبارہ پوچھا۔

''بتائیے ابا کہاں ہیں؟ جب تک آپ مجھے سچ نہیں بتائیں گی میرا دل انکار رہے گا۔'' مگر ندرت خاموش تھیں۔ انہوں نے سر جھکا لیا۔ پھر چہرہ موڑا' شاید آنسو پونچھنے کی کوشش کی۔

''کیا ابا بھی مر گئے؟'' اس کے لبوں سے نکلا۔ ندرت نے تڑپ کے رخ اس کی طرف پھیرا۔ آنسوؤں کو ابلنے دیا مگر نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔'' وہ رکیں' ''وہ اب ٹھیک ہیں۔'' پھر چپ ہو گئیں۔

''اب... اب سے کیا مطلب؟ انہیں کیا ہوا تھا؟'' وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ اٹھنا بھی چاہتی تھی مگر اٹھ نہیں سکتی تھی۔ اس کے چہرے پہ تڑپ تھی۔ ایسا لگتا تھا بس وہ کسی طرح سب کچھ چھوڑ کر اس کمرے سے بھاگ جائے' اس اسپتال کے کمرے سے بھاگ جائے۔ مگر وہ جیسے مفلوج سی ہو کر رہ گئی تھی۔

''کدھر ہیں ابا؟'' الفاظ بمشکل حلق سے نکل رہے تھے۔

''ان کو فالج کا اٹیک ہوا تھا مگر اب وہ ٹھیک ہیں۔ وہ گھر پہ ہیں۔ ہم انہیں اسپتال نہیں لا سکتے۔ اب وہ ٹھیک ہیں زمر' تم پریشان مت ہو۔'' ندرت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کو تسلی دی۔ وہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی' بالکل خاموشی سے' جیسے ساری دنیا ختم ہو گئی ہو۔ اوپر اٹھنے کی کوشش ختم کر دی اور سر نڈھال طریقے سے تکیے پہ گرا دیا۔

''میرے ابا مفلوج ہو گئے؟ میرے حادثے کی وجہ سے؟ میرے ابا مفلوج ہو گئے؟'' اس نے ندرت سے سوال نہیں کیا تھا۔ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو دیکھتے خود کو بتایا۔

ندرت کے پاس جواب تھا بھی نہیں۔ زمر کی گردن اب سیدھی تھی۔ ایک دفعہ پھر وہ ندرت تھیں نہ بائیں۔ چند گہری سانسیں لیں' آنکھیں بند کر کے کھول لیں۔ اب چیزیں بہتر نظر آ رہی تھیں۔ ندرت نے آہستہ سے اس کے قریب ہو کر کہا۔

''پولیس والے کب سے چکر لگاتے رہے ہیں۔ باہر بھی موجود ہیں۔ انہیں تمہارا بیان لینا ہے۔'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ تیار تھی۔

''ان کو اندر بھیجیں۔ ایک بیان ہے جو مجھے دینا ہے۔'' اس کی آواز اب بھی درد سے بھرپور اور ہلکی تھی مگر اس کی نوعیت مختلف تھی۔ سخت' منتقم' آگ سے بھرپور۔

.... ❖❖❖ ....

جو تخت و تاج کے مالک ہیں کیا وہ معتبر بھی ہیں ...... شر انگیزی میں ڈوبی حکمرانی کا تماشا کر۔

آفس کا ریڈور روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ علیشا فون کان سے لگائے سبک رفتاری سے چلتے ہوئے بولتی جا رہی تھی۔

''ہاں حسین! تم بالکل بھی فکر مت کرو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا بہتر کرے گا۔ میں آج ہی آؤں گی تمہاری آنٹی سے ملنے۔ اب وہ کیسی ہیں؟'' کاریڈور کا موڑ مڑتے ہوئے اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ پھر دوسری طرف سے ملنے والا جواب سن کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے لفٹ کی طرف آئی۔

''تم بالکل پریشان مت ہونا۔ میں ضرور آؤں گی۔ خدا نے چاہا تو وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ کیا ان کی کڈنیز مکمل طور پر فیل ہو چکی ہیں؟'' لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے اس کے چہرے پہ سوگواریت اتری۔

''آئی ایم سوری حسین! چلو اوکے شام کو ملتے ہیں۔'' موبائل بند کیا اور سامنے دیکھا۔ لفٹ کے دروازے کھل چکے تھے۔ وہ اندر آئی۔ مطلوبہ فلور پہ انگلی رکھی اور گہری سانس لے کر گردن اکڑا کر خود کو جیسے کسی معرکے کے لیے تیار کیا۔ دروازے بند ہونے۔ لفٹ اوپر کی طرف بڑھنے لگی۔ ہر گزرتی منزل علیشا کا اعتماد ڈگمگا رہی تھی۔ اسے لگا اس کا چہرہ سفید پڑ رہا ہے۔ اس نے رخ پھیر کر لفٹ کی دھاتی دیوار میں اپنا عکس دیکھا۔ پھر سیاہ سلکی بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سرمئی آنکھوں کو سکیڑ کر تنقیدی نظروں سے دیکھا کہ کہیں وہ گھبرائی ہوئی تو نہیں لگ رہی مگر نہیں۔ بظاہر وہ پراعتماد لگ رہی تھی۔ سرخ شرٹ، سفید پینٹس اور لمبی ہیل کی سینڈل میں ملبوس کہنی پہ پرس ٹکائے وہ اندر سے جتنی ڈری ہوئی تھی، ویسی لگ نہیں رہی تھی۔

مطلوبہ فلور آن پہنچا تھا۔ دروازے کھلے۔ وہ اسی اعتماد سے چلتی ہوئی راہداری میں آگے بڑھتی گئی۔ کتنے ہی آفسز تراس کیے۔ کتنے لوگوں کے سامنے سے گزری، بغیر نظر ملائے۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کس آفس میں جانا ہے۔ سب سے بڑا آفس سب سے آخر میں تھا۔ علیشا اس کے قریب بس لمحے بھر کو ٹھہری۔ باہر موجود سیکرٹری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' اس نے پکارا۔ علیشا ذرا سا مسکرائی۔

''اورنگزیب کاردار نے مجھے بلایا ہے۔ میری ان سے اپائنٹمنٹ ہے۔''

اس کی بات پر سیکرٹری قدرے اچنبھے سے اپنے نوٹس کھنگالنے لگی۔ علیشا نے گردن پھیر کر بند دروازے کو دیکھا۔ یہاں سے وہ اندر کا منظر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اندر آفس میں کنٹرول چیئر پر اورنگزیب کاردار اپنی مخصوص تمکنت کے ساتھ بیٹھے تنے ابرو کے ساتھ اس نوجوان کو سن رہے تھے جو سامنے لگا ایک پریزنٹیشن دکھا رہا تھا۔ وہ پی کیپ پہنے لاپرواہ سے حلیے والا نوجوان ان کا امیج کنسلٹنٹ بھی تھا اور کیمپین منیجر بھی۔ وہ کافی متانت اور اپنی عمر سے زیادہ سمجھداری سے بولتا ایک ایک چیز سمجھا رہا تھا جسے میز کے مقابل کرسی پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ کام کرتا ہاشم بہت ہی بیزاری سے نظرانداز کیے جا رہا تھا۔

''سر بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آپ کے بھانجے پہ اپنے بھائی کے قتل کا آنے والا الزام آپ کے خلاف جائے گا لیکن....'' کیمپین منیجر نے پین اٹھا کر ڈرامائی انداز میں وقفہ دیا۔ ہاشم نے نگاہ پھیر کر مزید بیزاری سے اسے دیکھا۔ ہونہہ کر کے سر جھٹکا۔ اور دوبارہ سے لیپ ٹاپ پہ ٹاپ کرنے لگا۔ ایک تو اس کنسلٹنٹ سے اسے چڑ تھی۔ وہ لڑکا وہ باتیں بتانے کے پیسے لیتا تھا جو وہ اپنے باپ کو مفت میں بتا سکتا تھا۔

''لیکن سر! ہم اس موقعے کو اپنے مفاد میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔'' اورنگزیب کاردار کے خفا چہرے پہ شکنیں ابھریں۔

''اور وہ کیسے؟''

''آپ جانتے ہیں کہ اس وقت آپ ضمنی انتخابات کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ایسے میں کچھ کی پبلسٹی زرا اپنے مطلوبہ امیدوار اس

کے بجائے آپ کو اٹھتے دیکھ کر آپ کے خلاف استعمال ہونے والا کوئی موقع ضائع نہیں کریں گے۔ اس لیے بجائے اس بات پر مدافعانہ انداز اختیار کرنے کے ہم اس کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں جیسے..." جوش میں کہتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلٹ کو اورنگزیب صاحب کے پاس لایا اور ان کو کچھ دکھانے لگا۔ "یہ وہ بیان ہے جو آپ پریس کے سامنے دیں گے جس سے ایسا لگے گا کہ آپ گو کہ اپنے بھانجے کے اس عمل سے خفا ہیں لیکن اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کیے بغیر اس معاملے کو قانون پر چھوڑ رہے ہیں۔ آپ علی الاعلان یہ کہیں گے کہ بے شک ملزم میرا سگا بھانجا ہی کیوں نہ ہو اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کو قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیے... اور آپ اپنا کوئی بھی اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کو وہاں سے نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایسی صورت میں آپ کو ایک انصاف پسند شخص کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔"

اورنگزیب نے بگڑ کر اس کو دیکھا۔ "یعنی کہ میں فارس کو اس معاملے سے نکالنے کی کوئی کوشش نہ کروں؟" کمپین منیجر احمر شفیع مسکرایا اور چٹکی بجائی۔

"یہی تو ساری گیم ہے سر! آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ اس اسکینڈل پہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ لیکن آپ کے مخالفین کسی بھی صورت آپ کو اس اسکینڈل کو دبانے نہیں دیں گے تو پھر کیا ہی اچھا ہو کہ ہم بھی اسے کور کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ ہم انہی کا داؤ انہی پہ کھیل جائیں۔ دیکھیں..." وہ اب اپنی اس اسٹریٹجی کی مزید مین میخ سمجھانے لگا۔ اورنگزیب بظاہر برے موڈ کے ساتھ لیکن توجہ سے سن رہے تھے۔ ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دوبارہ بے حد بیزاری اور تلخی سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر کی بورڈ پہ ٹائپ کرنے لگا۔ اس کو جس خبر کا انتظار تھا' زمر کے بیان کا' وہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ پانچ دن ہو چکے تھے زمر کو گولی لگے۔ فارس آزاد گھوم رہا تھا' بیوی کی موت کا سوگ منا رہا تھا اور فی الحال کوئی بھی نہیں تھا جو یہ کہہ سکے کہ یہ قتل فارس نے کیا ہے۔ گو کہ ہوٹل کے کمرے سے مخبری کے بعد گن برآمد کر لی گئی تھی مگر فارنزک رپورٹ کو اس نے ابھی روک رکھا تھا۔ فارنزک اور فنگر پرنٹ رپورٹ زمر کے بیان کے بعد آنی چاہیے' یہ پلان تھا' مگر زمر... اگر زمر مر گئی... اف... اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ایک لاش کا مزید بوجھ اپنے کندھوں پر... نہیں!

وہ سر جھٹک کر اپنی ای میل کھولنے لگا۔ خاور نے دو روز پہلے اس کو فارس کی ایلیٹ بائی لڑکی کی تفصیلات بھیج دی تھیں۔ اس کے واہمے درست تھے۔ وہ علیشا ہی تھی۔ مگر اس نے ہاشم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اس سے ملنے ادھر آئی تھی' ہاشم کو معلوم تھا' اسی لیے اس نے بھی علیشا کو نہیں چھیڑا۔ وہ خود چل کر اس کے آفس آئے گی۔ کب؟ وہ منتظر تھا۔ باہر کھڑی علیشا نے سیکرٹری کو نفی میں سر ہلاتے دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ کی کوئی اپائنٹمنٹ ریکارڈ نہیں ہے۔ کیا آپ پھر سے اپائنٹمنٹ لینا چاہیں گی؟" مگر علیشا نے بغیر مڑے اور تیزی سے دروازے کی طرف آئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اسے روک پاتا' اس نے دروازہ کھول لیا۔

سب سے پہلے ہاشم نے چونک کر دیکھا تھا اور پھر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ بالکل سپاٹ سرد سا۔ اورنگزیب نے ہاتھ میں پکڑے ٹیب پہ احمر شفیع کی پریزنٹیشن دیکھتے جیسے سر اٹھایا تو وہ بھی ایک دم بالکل ٹھہر سے گئے۔

وہ دروازے میں کھڑی تھی اور سیکرٹری پیچھے سے آ کر اسے روکتے ہوئے سخت سست سنا رہی تھی۔ اورنگزیب صاحب کے ساتھ جھکے کنسلٹنٹ لڑکے نے باری باری ان دونوں باپ بیٹے کے تاثرات دیکھے اور پھر سیدھا ہوا۔ سیکرٹری کو اشارہ کیا۔ وہ خاموش ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ علیشا دو قدم مزید اندر آئی۔ وہ مسلسل اورنگزیب کار دار کو دیکھ رہی تھی' بنا پلک جھپکے' سپاٹ چہرے کے ساتھ' جیسے تاثرات چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہاشم ایک دم مڑا۔ تختی سے احمر کو دیکھا۔ "باہر جاؤ' فوراً۔"

کنسلٹنٹ لڑکا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا سمجھانے لگا۔

"سر! اگر تو یہ کوئی اسکینڈل ہے تو میرا خیال ہے میرا یہاں موجود ہونا سب سے ضروری ہے۔ کیونکہ میں ہی آگے پیش آنے والی

"۔۔۔ حال کا تجزیہ کر سکتا ہوں اور میں ہی آپ کو بہتر طریقے سے گائیڈ کر سکتا ہوں کہ آپ کو اس سچوایشن کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے کیونکہ میں نے۔۔۔"

ہاشم گھوم کر اس طرف آیا۔ باپ کے ہاتھ سے ٹیب لے کر کنسلٹنٹ کو دے مارنے کے انداز میں تھمایا۔ اسے کہنی سے پکڑا کھینچ کر دروازے تک لے کے گیا اور ہکابکا سے ہمزکو باہر نکال گویا فعان کر کے دروازہ بند کیا۔ پھر واپس مڑ کر علیشا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سخت شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا۔

"کیا چاہیے؟ کس لیے آئی ہو؟"

اورنگزیب بھی اب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے اور تیکھی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ علیشا نے نظروں کا رخ ہاشم کی طرف پھیرا۔ پھر خود کو با اعتماد ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"پیسے چاہئیں۔" ہاشم نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ گھوم کر آگے آیا اور باپ کی کرسی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں ایک سمت تھے اور ان کے مقابل علیشا میز کے دوسری جانب کھڑی تھی۔ اپنے پرس کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑے خود کو مضبوط رکھتے ہوئے۔

"میں بہت پیسے دے چکا ہوں تم ماں بیٹی کو۔ اب کیا چاہیے؟" اورنگزیب بولے تو انداز میں حقارت تھی۔

"جس پیسے کی بات آپ کر رہے ہیں' میں آپ کو یاد دلاتی چلوں وہ میری ماں کے اس علاج پر خرچ ہوئے تھے جو ان کو آپ کی مارپیٹ کی وجہ سے کروانا پڑا۔" وہ جذبات کو قابو میں رکھے ضبط سے ایک ایک حرف ادا کر رہی تھی۔ "آپ کو شاید بھول گیا ہے کہ میری ماں کو چھوڑتے وقت آپ نے اسے بری طرح مارا پیٹا تھا جس کے باعث وہ کئی ہفتے ہسپتال میں رہی تھیں۔ ان کی بیک بون متاثر ہوئی تھی۔ اور ان کے میڈیکل بلز پے کرتے کرتے ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں چھ سال پہلے تھے۔"

اورنگزیب نے استہزائیہ انداز میں ناک سے مکھی اڑائی۔ "تم میرے خلاف کہیں پہ کچھ ثابت نہیں کر سکتیں۔"

علیشا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ تو بالکل درست بات ہے۔ کیونکہ جب میں نے آپ پر سو کرنا چاہا تھا تو آپ کے ماہر وکیل بیٹے نے۔۔۔" ایک زخمی نظر ہاشم پہ ڈالی اور پھر اورنگزیب کو دیکھنے لگی۔ "عدالت میں جیوری کے سامنے یہ ثابت کر دیا تھا کہ نہ صرف میری ماں سیڑھیوں سے اپنی غلطی کی وجہ سے گری تھی' بلکہ وہ دماغی توازن سے محروم عورت ہے۔ شاید اس میں سارا کمال آپ کے بیٹے کا بھی نہیں ہے کیونکہ جس لا فرم نے میرا کیس Pro Bono لیا تھا' اگر وہ میرے وکیل کے طور پہ ایک ناتجربہ کار فرسٹ ایئر ایسوسی ایٹ کو نہ مقرر کرتے تو شاید ہم عدالت میں اتنی بری طرح سے بے عزت نہ ہوتے۔ چاہے یہ ملک ہو یا میرا ملک' قانون وہاں بھی آپ کا تھا' یہاں بھی آپ کا ہے۔ اس لیے میں لمبی بات نہیں کروں گی۔" کہتے ہوئے وہ رکی۔ اندر سے دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو دوبارہ بہادر ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ دونوں باپ بیٹا تندی سے اس کو گھور رہے تھے۔ وہ قدم آگے آئی' میز کے سامنے پڑی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھا اور جی کڑا کر کے پھر سے بولنے لگی۔

"میں ہارورڈ جانا چاہتی ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ میں سارے ٹیسٹ کلیئر کر لوں گی۔ اگر مجھے صرف اتنی امید ہو کہ میری ٹیوشن فیس پے کر دی جائے گی اور چونکہ آپ میرے والد ہیں اور ناجائز ہی سہی' مگر میں آپ کی بیٹی ہوں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ مجھے سپورٹ کریں۔ میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ مجھے کوئی جذباتی اٹیچمنٹ ہے' آپ سے نہ کوئی امید' صرف پیسے چاہئیں۔ آپ کے پاکستانی روپوں میں چند ملین کی بات ہے۔ آپ کے لیے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف چند ملین۔" اس نے رک کر موہوم سی امید سے دونوں باپ بیٹا کو دیکھا۔ پھر ایک کاغذ سامنے رکھا جس پہ اس کی تعلیم پہ اگلے چند سالوں میں خرچ آنے والی رقم کی تفصیل تھی۔

ان کے تاثرات ایک جیسے رہے۔ سخت' سرد۔

''اور تم یہ سب کہنے اس وقت آئی ہو جب میرا باپ الیکشن میں حصہ لے رہا ہے۔ تمہارا خیال تھا کہ ایک اسکینڈل کے خوف سے ہم تمہیں پیسے دے دیں گے اور تم ہنسی خوشی رہو گی؟'' ہاشم نے یہ کہتے ہوئے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہاری جیسی بہت سی لڑکیاں گزری ہیں جنہوں نے آ کر عزت دار لوگوں پہ الزام لگائے۔ مگر یو نو واٹ علیشا! وہ لڑکیاں وہ عورتیں' وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔ آج کسی کو وہ یاد بھی نہیں ہیں۔ لیکن وہ مرد جن پہ انہوں نے الزام لگائے' چاہے سچے چاہے جھوٹے' وہ مرد آج بھی خبروں میں ہیں۔ وہ مرد آج بھی طاقت میں ہیں۔ آج بھی حکومت کر رہے ہیں۔ تمہارا کوئی مستقبل نہیں ہے علیشا۔ تم جہاں سے آئی ہو وہاں چلی جاؤ۔ کیونکہ اگر اس سے زیادہ تم ہمیں ڈسٹرب کرو گی تو میں تمہارے ساتھ بہت برا پیش آؤں گا اور تم یہ بات جانتی ہو۔'' اس کی مسکراہٹ اب سنگین نتائج کی دھمکی میں بدل چکی تھی۔ علیشا کی آنکھوں میں سرخ سی نمی ابھرنے لگی۔ اس کے لب کپکپائے۔

''میں آپ کی بہن ہوں۔''

''تم میرے لیے ایک ایسا مسئلہ ہو جس کو میں کبھی حل نہیں کرنا چاہوں گا۔ تم اور تمہاری ماں میرے باپ کے پیسے پہ happily everafter رہنا چاہتے ہو جبکہ ایسا نہیں ہوگا۔''

''میں وہ بات ساری زندگی یاد رکھوں گی' ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں'... کیس جیتنے اور مجھے خیرات کی طرح ماں کے علاج کی رقم دینے کے بعد آپ نے مجھے یہ کہا تھا۔ میں چیونٹی ہی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ چیونٹیاں کیا ہوتی ہیں مگر شاید آپ خود بھی نہیں جانتے ہاشم!'' وہ تیکھی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ ہاشم پہلی بار استہزائیہ مسکرایا۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں اس بات سے بے خبر تھا کہ تم یہاں پر ہو تو تم غلط ہو۔'' یہ کہتے ہوئے ہاشم آگے آیا۔ اپنے لیپ ٹاپ پہ جھکا' چند بٹن دبائے اور اسکرین اس کی طرف کی۔ یہ خاور کی ای میل تھی جس میں اس نے علیشا کے ٹکٹ کی کاپی اور اس کے ہوٹل میں ٹھہرنے کے دوران دیے گئے تمام کاغذات کی کاپی چند ایک دوسری معلومات کے ساتھ دو روز پہلے بھیجی تھی۔ علیشا نے پہلے اسکرین کو دیکھا پھر چونک کر ہاشم کو۔

''میں تمہارے یہاں آنے کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ تم یہاں پر کسی نیٹ جیوڈا کومنٹری کے لیے نہیں آئی تھیں جیسا کہ تم نے میرے کزن اور میری بھانجی کو بتایا تھا۔ میں جانتا تھا تم یہاں پر ہمارے لیے آئی ہو۔ پیسے مانگنے یا بلیک میل کرنے یا دھمکی دینے' کیونکہ تم خود کو ہمارے خاندان کا حصہ سمجھتی ہو جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے میں تمہارا یہاں پہ انتظار کیوں کر رہا تھا؟'' وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کر کے سیدھا ہوا۔ دوبارہ اس کے سامنے آیا' قد میں اس سے کافی لمبا تھا' گردن جھکا کر سفید پڑتی علیشا کو تندی سے گھورتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

''اس لیے نہیں کہ مجھے تمہیں انکار کرنا تھا یا کوئی دھمکی دینی تھی۔ صرف ایک سوال تھا۔ تم نے میرے خاندان کو ٹارگٹ کیوں کیا؟ میں قطعاً نہیں مان سکتا کہ تم بالکل اتفاق سے میرے کزن کی ایلی بائی ہو۔ تم بالکل اتفاق سے اس کی بھانجی کی دوست ہو۔ میں علیشا' اتفاقات پہ یقین رکھنے والا آدمی بالکل نہیں ہوں۔ اس لیے تم ابھی مجھے بالکل سچ سچ بتاؤ گی کہ تم نے میری بھانجی کو دوست کیسے بنایا؟'' یہ سب علیشا کی توقع سے زیادہ تھا۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ ایک قدم پیچھے ہٹی۔ مدد طلب نظروں سے پاور سیٹ پہ بیٹھے اور تنگزیب کاردار کو دیکھا جو حقارت اور رعونت سے اسے دیکھ رہے تھے' پھر قدرے ہراساں نظروں سے ہاشم کو۔ اس کا سارا اعتماد زائل ہوا تھا۔ اسے یاد تھا چند برس پہلے جب ہاشم اس کے گھر آیا تھا' چیک منہ پہ مارنے کسی خیرات کی طرح اور تب اس نے اسے کہا تھا۔

''تم Happily Ever After رہنا چاہتی ہو۔ ایسا نہیں ہوگا۔ تم Ants Ever After ہو (ہمیشہ چیونٹیاں ہی) تم اور تمہاری ماں ایسے ہی رہو گے۔'' اور اس نے یہ بات لکھ کے رکھ لی تھی۔ اپنے کمرے میں' ڈائریز پہ' الماری کے اندرونی دروازوں پہ' فون وال پیپر

ہیں گی تصویروں کے پیچھے' اپنے کی چین پہ علیشا نے یہ بات ہر جگہ پہ لکھ کے رکھ لی تھی۔ سوائے اپنے دل کے۔ اور آج یہ الفاظ اس کے سینہ سے دل پہ آ کے لگے تھے۔

''حنین میری دوست ہے۔ اس سے زیادہ میں کسی چیز کی وضاحت نہیں دینا چاہتی۔'' ہاشم چند لمحے کے لیے بالکل خاموش ہو گیا۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ میں مستقبل میں کبھی تمہاری کوئی امید پوری کروں تو ہو سکتا ہے تمہارے سچ بتانے سے میں واقعی تمہاری کوئی امید پوری کر سکوں۔'' وہ اب کے بولا تو لہجے میں ذرا نرمی تھی۔ اورنگزیب نے ناگواری سے ہاشم کو دیکھا مگر بولے کچھ نہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ ہاشم یہ سب اس سے کچھ کہلوانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ علیشا کو حوصلہ ہوا۔

''شاید آپ بھول گئے ہیں میں کمپیوٹرز میں اچھی ہوں۔ میں نے آپ کے والد (اس نے ''آپ کے'' پہ زور دیا) کا ای میل ہیک کر رکھا تھا اور میں دیکھتی تھی کہ وہ کس طرح ایک چھوٹی لڑکی کو ای میلز بھی کرتے تھے اس کی میلز کا جواب بھی دیتے تھے اور اس کو سراہتے بھی تھے۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آخر اپنے خون کو چھوڑ کر کسی اور کی بیٹی سے اتنا پیار کوئی کیسے رکھ سکتا ہے؟''

''اور اب تم اس کسی اور کی بیٹی کو نقصان پہنچانا چاہتی ہو؟ رائٹ؟''

ہاشم کے چہرے کی سختی لوٹ آئی۔ وہ ایک قدم مزید آگے بڑھا اور علیشا دو قدم پیچھے ہٹی۔ وہ اب خوف زدہ نظر آ رہی تھی جیسے اسے لگ رہا ہو، ہاشم ابھی اس پہ جھپٹ پڑے گا۔

''تم نے اسے کیسے ٹریپ کیا؟ بالکل سچ سچ بتانا' ورنہ مجھے سچ نکلوانے کے بہت سے طریقے آتے ہیں۔'' علیشا کی گردن خود بخود نفی میں ہلی۔ حلق سوکھ چکا تھا۔ لمحے بھر کی نرمی نے اسے دھوکا دیا تھا۔

''میں نے اسے ٹریپ نہیں کیا۔ میں وہ گیم کھیلنے لگی جو وہ کھیلتی تھی۔ مجھے معلوم تھا وہ مجھے کانٹیکٹ کرے گی اور پھر ہم دوست بن گئے۔'' پھر اس کے چہرے پہ بے چینی ابھری۔ ''ہم واقعی دوست ہیں۔ پلیز اس کو کچھ مت کہنا' پلیز۔''

وہ کمزور پڑ گئی۔ وہ جانتی تھی وہ اس طاقتور اور رعب دار باپ بیٹے کے سامنے کمزور پڑ جائے گی اور بالکل ایسا ہوا تھا۔ ایسا ہی ہونا تھا۔

''میں اس کو بہت پسند کرتی ہوں۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ پلیز میری اور اس کی دوستی کو کسی اور نظر سے مت دیکھو۔'' ہاشم نے گہری سانس لی۔ اثبات میں سر ہلایا۔ اپنی سابقہ کرسی کھینچی' بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور گردن اٹھا کر تمکنت اور رعونت سے علیشا کو دیکھا۔

''اب تمہیں جو کرنا ہے کر لو کیونکہ تمہیں میرے پاس سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملے گی۔ اپنے ملک واپس جاؤ' محنت مزدوری کرو اور پھر جس اسکول میں جانا ہے جاؤ۔ اور نہیں تو کہیں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کرو۔ کوئی نہ کوئی تم پہ ترس کھا کے کچھ دے دے گا۔ لیکن وہ شخص کم از کم میرا باپ نہیں ہوگا۔'' اس کے بعد سختی سے انگلی اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''آؤٹ۔'' علیشا کی آنکھوں میں ابھرتی نمی بڑھنے لگی۔ اس نے تڑپ کر اپنے باپ کو دیکھا۔

''خداوند تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس کا یہاں آنا' اس کا یہاں ٹھہرنا' ان کے پاس آ کے منت کرنا سب بیکار لگ رہا تھا۔

اس کے نکلتے ہی ہاشم کے تاثرات بدلے۔ وہ تیزی سے اٹھا۔ اورنگزیب کے چہرے پہ بھی اب قدرے تفکر تھا۔

''ہاشم!'' انہوں نے پکارا مگر اس سے پہلے ہی وہ ان کی طرف گھوما۔ میز پہ ہاتھ رکھے ان کے سامنے جھکا اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر چبا چبا کر بولا۔ ''میں ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی آپ کا پھیلایا کچرا صاف کر لوں گا کیونکہ ہاشم ہے ہی اس کام کے لیے۔ ہاشم ہر چیز سنبھال سکتا ہے' یہ بھی سنبھال لے گا۔ لیکن میری بات یاد رکھیے گا۔ اگر میری ماں کو اس بارے میں کچھ بھی پتا چلا یا وہ ہرٹ ہوئیں تو میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔''

پھر سیدھا ہوا۔ اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور انہیں گھور کر دیکھتا مڑ کر باہر نکل گیا۔ اورنگزیب غصے سے منہ میں کچھ بڑبڑا کر، سر جھٹک کر رہ گئے۔ ابھی فارس کا مسئلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک اور مسئلہ آن پہنچا تھا۔ برے وقت کی ایک غلطی۔ اُف!

.... ❖❖❖ ....

شیشہ گروں نے اس کی بصیرت بھی چھین لی ..... آنکھیں تھیں اس کے پاس مگر دیکھتا نہ تھا

اسپتال کا ویٹنگ روم یخ ٹھنڈا تھا۔ حنین گھٹنے ملا کر سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔ علیشا ساتھ کھڑی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے تسلی دینے والے فکر مند انداز میں کہہ رہی تھی۔

''آئی ایم سو سوری' جو بھی تمہاری آنٹی کے ساتھ ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کے زخم اتنے گہرے ہوں گے۔ مجھے بتاؤ کیا میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں؟'' وہ بے حد پرملال نظر آ رہی تھی۔ چہرے پہ چند گھنٹے پہلے کی ہاشم کے ساتھ کی گئی ملاقات کا اثر اور شگفتگی ابھی تک برقرار تھی۔ اور وہ حنین کے لیے فکرمند بھی تھی۔

حنین نے سوگواریت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چہرہ اٹھایا۔ عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں بے حد دکھ تھا۔

''میرا نہیں خیال ہم پھپھو کے لیے اب کچھ کر سکتے ہیں۔ میں ان کے لیے پہلے بھی کچھ نہیں کر سکی تھی۔ اب مجھے ہر اس رویے پر شرمندگی ہے جو میں نے ان کے ساتھ رکھا۔''

علیشا اس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھی۔ پرس اپنے قدموں کے قریب رکھا اور پھر سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی۔

''تم پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔ دلوں کے سارے میل دھو ڈالو۔ جن رشتوں کی مشترک شے ''خون'' ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کی طرف پلٹ کے ضرور آتے ہیں۔'' حنین بے دلی سے اس کی ساری باتیں سنتی گئی۔ کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ اس کی پریشان نگاہیں بار بار کوریڈور کی طرف اٹھتی تھیں جس کے پار کمرے میں زمر تھی۔ اس نے بیان دینے کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی اور ابھی پولیس آ گئی تھی۔ تب سے سعدی اور پولیس آفیسرز باہر نہیں نکلے تھے۔

''تمہاری امی کدھر ہیں؟ میں ان سے افسوس ہی کر لیتی۔'' علیشا رکی، پھر وضاحت دینے والے انداز میں بولی۔

''آئی ایم سوری۔ میں پچھلے کچھ دن بہت مصروف رہی' اپنی ڈاکومنٹری کے سلسلے میں۔'' کہتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ قدرے پھیکا پڑا مگر حنین نے نوٹ نہیں کیا۔ علیشا نے شکر ادا کیا۔ اپنی دوستی کو کسی بھی قیمت پہ وہ داؤ پہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

''وہ میرے دادا کے پاس ہیں۔ ان کو گھر شفٹ کر دیا گیا ہے۔ وہ بہت بیمار ہیں۔ پھپھو کے حادثے نے ان پہ بہت برا اثر ڈالا ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ پیش آنے والے تمام حالات بتانے لگی۔ علیشا سنتی گئی۔ ان سے ہٹ کر کوریڈور کے اس پار کمرے میں زمر بستر پہ لیٹی تھی۔ چادر گردن تک ڈالے سرہانے کی طرف سے بیڈ اوپر کو اٹھا تھا اور وہ تکیوں سے ٹیک لگائے سپاٹ چہرے اور خشک ویران آنکھوں کے ساتھ اپنے سینے پہ رکھے باہم ملے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ سعدی اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ بالکل ساتھ۔ دو پولیس والے سامنے موجود تھے۔ بیان قلم بند کیا جا رہا تھا۔

''پھر فارس غازی نے مجھے کال کر کے جگہ کی تبدیلی کا بتایا۔ اس کے کہنے پہ میں اس ریسٹورنٹ گئی جہاں پہ اس نے مجھے بلایا تھا۔''

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ یہ بات فارس یا حنین نے اسے نہیں بتائی تھی۔

''ریسٹورنٹ میں جانے کے بعد کیا ہوا؟'' اے ایس پی سرمد شاہ پوچھ رہا تھا۔ زمر نے جواب دینے کے لیے نگاہیں اٹھائیں۔ پہلے اس کو دیکھا' پھر گردن پھیر کر سعدی کو اور ایک ہاتھ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی اس کا ہاتھ پکڑتے قریب ہوا۔ جیسے کوئی مورل سپورٹ تھی

ں کی اس کو ضرورت تھی۔ اب کے اس نے زیادہ اعتماد سے پولیس آفیسر کو دیکھا اور بولی تو آواز ٹھنڈی تھی۔

"فارس نے مجھے کال کی اور اس نے مجھے کہا کہ اسی نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اور یہ کہ اس کے پاس کوئی ایلی بائی نہیں تھا....."

سعدی نے کرنٹ کھا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالا۔ بے حد بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا جو فارس کے کہے تمام الفاظ من وعن دہرا رہی تھی۔

"زمر؟" اس نے استعجاب سے پکارا۔ زمر رکی۔ اپنے خالی رہ جانے والے ہاتھ کو دیکھا اور پھر سعدی کو۔ یہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ آفیسر پوچھ رہا تھا کہ پھر کیا ہوا اور زمر سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل گنگ تھا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ماموں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

"سعدی میں ادھر تھی۔ فارس نے مجھے کال کیا۔ اس نے یہ سب مجھے کہا۔ یہ سب جو میں نے ابھی لکھوایا ہے۔ اور پھر اس نے کہا کہ وہ مجھے صرف ایک گولی مارے گا، وہ بھی دل میں۔ لیکن اس نے مجھے تین گولیاں ماریں۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے اور مجھے بھی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اس نے شوٹ کیا۔ آپ اس کے گھر جائیں اس کی گنز تلاش کریں۔ اس کے پاس گنز کی ایک بہت بڑی کلیکشن ہے۔ مجھے یقین ہے انہی میں سے کوئی گن اس نے ہمارے اوپر استعمال کی ہوگی۔ میں تو یہ سمجھ نہیں پا رہی کہ وہ ابھی تک آزاد کیوں گھوم رہا ہے۔ سعدی تم میری بات سن رہے ہو؟" آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کا اعتماد کم ہو رہا تھا۔ سعدی بے حد بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹا۔

"زمر! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔" پھر تیزی سے وہ آفیسرز کی طرف مڑا۔

"آپ پلیز اس کو بند کر دیں۔ مجھے اپنی پھپھو سے بات کرنی ہے۔ یہ بیان اس کے بعد بھی لیا جا سکتا ہے۔ پلیز آپ ابھی باہر جائیں۔" وہ ان کو باہر بھیجنا چاہتا تھا۔ زمر کے چہرے کا رنگ بدلا لب بھینچ گئے۔ اس نے قدرے غصے سے سعدی کو دیکھا۔

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اس نے کہا اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا ہے۔ اس نے کہا وہ اپنی بیوی کو اور مجھے قتل کرنے جا رہا ہے۔ اور اس نے ہم پہ گولی چلائی۔ یہ گولی فارس نے چلائی۔ میں اس بات کی گواہ ہوں۔"

"زمر پلیز خاموش ہو جائیں۔ کچھ بھی مت کہیں۔ یہ سب کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ پلیز خاموش ہو جائیں۔" وہ بے حد اندر رندھا سا ہو کر اس کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح پولیس والوں کو وہاں سے نکالے۔

"سعدی میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا دماغی توازن بھی بالکل برقرار ہے۔ میں کسی بھی Duress میں آ کر یہ بیان نہیں دے رہی۔ میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف ہوں۔ میری ایک کریڈیبلٹی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ سب فارس نے کیا ہے۔ اس نے اپنے بھائی کو مارا۔ اس نے ہمیں بھی مارنا چاہا۔ آپ اس کو بلا لیں۔ آپ اس کو میرے سامنے لا کر یہ سب پوچھ سکتے ہیں۔"

"زمر پلیز خاموش ہو جائیں۔" وہ تڑپ کر اس کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن زمر نے دیکھا سعدی کا ہاتھ اب اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اس نے اپنا خالی ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ چہرے کے تاثرات مزید سرد ہو گئے۔ اے ایس پی سرمد آگے بڑھا۔ سعدی کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور تنبیہی انداز میں اس کو دیکھا۔

"آپ باہر چلے جائیں۔ اور اگر آپ نے کال کر کے فارس غازی کو متنبہ کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کو قانون کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے جرم میں گرفتار کر سکتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس کا نقصان صرف اور صرف آپ کے ماموں کو ہوگا۔" دوسرے آفیسر نے دروازہ کھولا۔ وہ سعدی کو باہر جانے کا کہہ رہے تھے۔ وہ پھر بھی اس کو دیکھتی رہی بظاہر سپاٹ سرد نظروں سے لیکن ان میں جیسے بے چینی تھی، امید تھی۔ وہ ابھی آئے گا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہے گا، میری پھپھو سچ کہہ رہی ہیں، میری پھپھو جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ مگر وہ بے یقین حق دق سا زمر کا مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ میرے ماموں ایسا نہیں کر سکتے۔

میں سچ کہہ رہا ہوں میری بات سنیں۔ آپ پلیز یہ بیان روک دیں۔" مگر آفیسر نے اس کی اگلی بات نہیں سنی تھی۔ اس نے بہت عزت اور احترام سے اس کی کہنی کو تھامے اس کو باہر کا رستہ دکھایا اور دروازہ بند کر دیا۔ زمر نے آنکھیں بند کیں' چند گہرے سانس اندر اتارے۔ اور پھر کھولیں تو وہ پہلے سے زیادہ خود کو سمیٹ چکی تھی۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ وہی سب جو اس کے نزدیک سچ تھا اور یہ سب کہتے ہوئے اس کی نظروں کے سامنے اسپتال کے بستر پہ لیٹا اپنا وجود تھا' نہ ہی ارد گرد لگی نالیاں تھیں' مشینز اور فضا میں رچی بسی اسپرٹ کی عجیب سی بو.... ناکارہ گردے.... ڈائلیسز والی زندگی.... کچھ بھی نہ تھا... صرف فالج زدہ بڑے ابا تھے.... صرف وہی۔

بے حد مضمحل اور پریشان سا سعدی باہر آیا۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے وہ ویٹنگ روم کے سامنے رکا' پھر تیزی سے اندر آیا۔ حنہ اور علیشا وہاں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

"حنین!" اس کے انداز پہ حنین بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔ متفکر نگاہوں سے اس کا چہرہ کھوجا۔ "کیا ہوا بھائی؟"

"جب تم اور ماموں اور...." ایک نگاہ ساتھ کھڑی فارن لڑکی پہ ڈالی' پھر حنین کو دیکھا۔ "تمہاری فرینڈ زمر کا انتظار کر رہے تھے ہوٹل میں' کیا تب ماموں نے ان کو کوئی کال کی تھی؟" حنین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ کیسی کال؟"

"حنین! جب تم سب لوگ ساتھ تھے تو کیا ماموں نے زمر کو کسی ریسٹورنٹ میں بلایا تھا؟ انہوں نے انہیں کوئی کال کی تھی؟ جس میں انہوں نے کہا کہ وہ...." وہ رکا۔ یہ الفاظ تو وہ خود بھی ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ بمشکل ہمت مجتمع کر کے بولا۔

"انہوں نے کہا کہ وہ ہی وارث ماموں کے قاتل ہیں اور وہ زمر کو بھی مارنا چاہتے ہیں اور زرتاشہ آنٹی کو بھی۔" حنین کے چہرے پہ پہلے حیرت ابھری اور پھر شدید شاک۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" پھر اس نے علیشا کو دیکھا۔ "علیشا.... ہم سب ساتھ تھے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے ایک دو دفعہ کال کی تھی مگر پھپھو کا فون بند جا رہا تھا" علیشا نے بھی اتنی ہی الجھن سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی لیکن ہم لوگ کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ وہیں پہ رہے۔ میرے ہوٹل کے کمرے میں۔ اور ہم باتیں کرتے رہے تھے یا زیادہ وقت خاموش رہے تھے۔ پھر فون آیا کہ زرتاشہ کو گولی لگی ہے جو حنین کے انکل کی بیوی تھی۔ اس پہ یہ دونوں اکٹھے وہاں سے نکل گئے۔" سعدی اس کی طرف مڑا۔ اس نے ٹھہر کر اس سے پوچھا۔

"کیا جب تم لوگ ساتھ تھے' تم تینوں' تو کسی ایک لمحے کے لیے بھی فارس ماموں تم لوگوں سے الگ ہوئے تھے؟" حنین اور علیشا دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا بھائی۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ کنپٹی دونوں ہاتھوں سے مسلی۔ وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔

"زمر کہہ رہی ہیں کہ ماموں نے انہیں کال کیا اور ماموں نے انہیں کہا کہ وہ ان کو شوٹ کرنے لگے ہیں اور یہ کہ ماموں نے ان کے سامنے اعتراف جرم کیا۔" حنین کے چہرے کا شاک ایک دم ناگواری اور غصے میں ڈھلا۔ وہ تیزی سے آگے آئی۔

"کیا مطلب ماموں نے یہ سب کہا؟ پھپھو جھوٹ بول رہی ہیں۔ ماموں ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ کیا مذاق ہے؟" وہ طیش سے بپھر رہی تھی۔ "زمر اس قسم کی حرکت کیونکر کر سکتی تھی؟ سعدی نے نفی میں گردن ہلائی اور تھکا تھکا سا کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا کیا ہو رہا ہے؟ مگر زمر کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ ماموں پہ الزام لگا رہی ہیں۔ ماموں تو خود اتنے ٹوٹ گئے ہیں۔ انہوں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ سب ہو گا۔ ماموں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ ہے نا حنین؟" اس نے تائید کے لیے سر اٹھا کر حنین کو دیکھا۔ وہ اس کی طرح پریشان نہیں تھی' وہ غصے میں تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا پھپھو ماموں سے کون سا بدلہ اتار رہی ہیں؟ یہ ایک دہشت گردی کی کارروائی تھی۔ وہ اس میں ماموں کو یوں گھسیٹ رہی ہیں؟ انہیں ایسا کرنا بالکل زیب نہیں دیتا۔ مجھے ان سے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔" وہ غصے سے واپس بیٹھی۔ اب چہرے پہ پہلے کی چھائی زمر کے لیے ہمدردی ختم ہو چکی تھی۔ وہاں صرف اور صرف ملال بھری بے بسی تھی۔ علیشا ان دونوں کے سامنے کھڑی لاتعلقی سے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس مسئلے میں پھنستی جا رہی ہے۔

"بھائی آپ ماموں کو کال کریں۔ ان سے پوچھیں کہ پھپھو کیا کہہ رہی ہیں۔" سعدی نے تھکی تھکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتا جو فارس غازی کو مزید مشتبہ بنائے۔ اس بیان کے بعد پولیس ان سے ضرور پوچھ گچھ کرے گی۔ شاید ان کو گرفتار بھی کر لے۔ مجھے واقعی نہیں پتا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں انہیں کال کرنے جا رہی ہوں۔ انہیں پتا ہونا چاہیے کہ پھپھو ان پہ کیا الزام لگا رہی ہیں اور وہ بھی پولیس کے سامنے۔ اوگاڈ!" حنین کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوئی جیسے واقعی کال کرنے جا رہی ہو۔ سعدی نے اسے روکا۔

"نہیں۔ اس وقت چیزوں کو خراب کرنے کی نہیں ان کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔" حنین نے سوالیہ نظروں سے بھائی کا چہرہ تکا۔

"پھر ہم کیا کریں؟ کس کو بتائیں؟ کس سے مدد مانگیں؟"

سعدی نے موبائل نکالا۔ فون بک کھولی، نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگاتے ہوئے حنین سے بولا۔ "تھینک گاڈ ہمارے رشتے داروں میں کوئی ایک شخص تو ایسا ہے جس کے بارے میں میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہر مسئلہ سنبھال سکتا ہے۔" دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔

حنین نے بھنویں سکیڑ کر اچنبھے سے سوچا اور پھر تاثرات ڈھیلے پڑے۔

"اوہ ہاشم بھائی! آپ ہاشم بھائی کو بلا رہے ہیں۔ اوکے!" وہ غیر آرام دہ سی ہو کر کرسی کے کنارے بیٹھ گئی۔ البتہ وہ ابھی بھی بے چین تھی اور ناخوش بھی۔ سامنے کھڑی علیشا کے چہرے پہ ایک رنگ آرہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا۔ اس ساری گفتگو میں ہاشم کا نام سب سے واضح تھا۔ ہاشم۔ پھر ہاشم۔ ابھر بھی ہاشم....

اس نے کھنکھار کے ان دونوں کو متوجہ کیا۔ "میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔ میری ممی کی کال آنے والی ہے۔ وہ ہوٹل میں مجھے اس وقت نہ پا کر پریشان ہو جائیں گی۔ میں رات کو پھر آؤں گی۔ تم پریشان مت ہونا۔" قریب ہو کے حنین کا کندھا تھام کر وہ کہہ رہی تھی۔ سعدی نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اس فارنر لڑکی کو دیکھا جو ان کے لیے بے حد فکر مند لگ رہی تھی۔ اور پھر دوسری طرف جاتی گھنٹی سننے لگا۔

"جی ہاشم بھائی!" رابطہ ملتے ہی وہ بچوں کی سی بے ساختگی سے بولا۔

"پلیز آپ ادھر آجائیں۔ جی ادھر ہی اسپتال میں۔ مجھے نہیں پتا یہاں کیا ہو رہا ہے لیکن پھپھو کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کو تفصیل یہاں آنے پہ بتاؤں گا لیکن وہ ابھی پولیس کو اپنا بیان دے رہی ہیں۔ اور جو وہ بیان دے رہی ہیں وہ ہمارے خاندان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔" اور دوسری طرف کار ڈرائیو کرتے ہوئے کانوں میں ہینڈز فری لگائے ہاشم نے تھک کر آنکھیں بند کیں۔ اور پھر گہری سانس لے کر کھولیں۔ بالآخر وہ بیان آہی گیا تھا جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔

"میں آرہا ہوں سعدی! تم بالکل فکر مت کرو۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔" ہلکی سی مسکراہٹ سے اس نے ہینڈز فری کانوں سے اتارے اور ایکسلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا....

............❁ ❁ ❁............

پولیس آفیسرز زمر کے کمرے سے نکل رہے تھے جب کوریڈور کی دیوار کے ساتھ لگے مایوس اور فکر مند سے کھڑے سعدی نے کوئی

آہٹ سی محسوس کر کے گردن موڑی۔ ریسپشن کی طرف سے ہاشم چلتا ہوا آ رہا تھا۔ بلیک سوٹ میں ملبوس' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتا' دوسرے ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ تیز قدم اٹھاتا قریب آیا۔ تحکم اور رعونت سے ان آفیسرز کو دیکھا۔ دو فوراً سیدھے ہوئے تھے۔ اے ایس پی نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ ہاشم نے محض سر کے خم سے جواب دیا اور ان کو نظرانداز کر کے سعدی کی طرف آیا۔

"مجھے مختصراً بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟" اور اسے تو جیسے ہاشم بھائی کے آنے سے بہت تقویت مل گئی تھی۔ وہ پریشانی سے تیز تیز بولتا اس کو ساری صورتحال سمجھانے لگا۔ ہاشم کے لیے کچھ بھی نیا نہیں تھا مگر بظاہر پوری توجہ سے سن کر اس نے سر ہلایا اور اسے وہیں رکنے کا کہہ کر کمرے کی طرف بڑھا۔

"مجھے زمر سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" اندر موجود ڈاکٹر کو اس نے بس ایک فقرے سے باہر بھیجا' دروازہ بند کیا اور بیڈ کے سامنے آیا۔ قدرے ٹیک لگا کے لیٹی زمر نے اکتا کر ہاشم کو دیکھا اور بیزاری سے منہ پھیر لیا۔

"آپ جس لیے بھی آئے ہیں' کتنا ہی اچھا ہو واپس چلے جائیں کیونکہ میں اس وقت کم از کم آپ سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے فارس کے خلاف بیان دیا ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ زمر نے واپس منہ اس کی طرف کیا اور بگڑے تاثرات سے بولی۔

"آپ کو میرے بیان پہ جو بھی اعتراض کرنا ہے' جو بھی واویلا کرنا ہے' آپ کورٹ میں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ میں اپنی کسی بات سے اک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی۔" ہاشم کے چہرے پہ ملال ابھرا اور بے یقینی بھی۔ وہ قریب آیا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے کتنا ناقابل اعتبار سمجھتی ہیں۔ شوق سے سمجھیے مگر آپ کے بارے میں' میں ایک بات جانتا ہوں کہ آپ جھوٹ نہیں بولتیں اور بلاوجہ کسی کے بارے میں اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتیں۔" وہ جو بیزاری سے اس کو دیکھ رہی تھی' قدرے چونکی۔ چہرے کے تاثرات ذرا نرم ہوئے۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟" آواز میں البتہ وہی بے اعتنائی اور خشکی تھی' جیسے وہ جلد از جلد ہاشم کی کمپنی سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔

"میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں کہ کیا واقعی وہی ہوا تھا جو آپ نے پولیس سے کہا؟ کیا واقعی آپ نے فارس کو اعتراف جرم کرتے سنا؟" کافی توجہ اور دھیان سے اس کو دیکھتا پوچھ رہا تھا جیسے اس کا کہا گیا ایک ایک لفظ اس کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہو۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں نے سب سچ کہا ہے۔ ایک ایک حرف۔" ہاشم نے سمجھنے والے انداز میں "اوکے" کہتے ہوئے کالر سے نادیدہ گرد جھاڑی' کوٹ کا بٹن بند کیا اور۔

"تو پھر آپ مجھے ہمیشہ اپنی حمایت میں پائیں گی۔" کہہ کر مڑ گیا۔

زمر اس کو باہر جاتے دیکھتی رہی۔ اب بھی اس کی نگاہوں میں بیزاری تھی مگر اس کی شدت کم تھی۔

اس نے دروازہ کھولا تو باہر کھڑا سعدی نظر آیا۔ زمر کی نگاہوں میں امید سی جاگی۔ اس نے ذرا گردن اٹھا کے دیکھا مگر سعدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً ہاشم کی طرف پرامید سا بڑھا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ درمیان کا رستہ رک گیا۔ زمر نے سر بے دلی سے تکیے پہ ڈال دیا۔ آنکھ کے کنارے پہ ہلکی سی نمی ابھی تھی مگر اس نے جلدی سے انگلی کی نوک سے اسے صاف کر لیا۔ وہ بیٹھ کے رونے والوں میں سے کبھی بھی نہیں تھی۔ تو پھر آج کیوں؟ اونہہ۔

"کیا آپ نے زمر سے بات کی؟" باہر وہ بے قراری سے ہاشم سے پوچھنے لگا۔ ہاشم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا۔

"تم فکر نہ کرو۔ ہم پولیس سٹیشن چلتے ہیں۔ وہ فارس کو اریسٹ کر کے وہیں لائیں گے۔" سعدی کو جھٹکا لگا تھا۔

"کیا وہ ماموں کو اریسٹ کریں گے؟"

"وہ ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر ہے۔ اور وہ کہہ رہی ہے کہ اس کے اوپر فارس غازی نامی شخص نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ وہ اس کو ضرور اریسٹ کریں گے اس لیے تم فارس کے لیے معاملات بگاڑنے کے بجائے ٹھنڈے طریقے سے چیزوں کو حل کرنے کی کوشش کرو۔ آؤ۔" ہاشم باہر کی طرف بڑھا تو متذبذب سا کھڑا سعدی فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ حنین بھی اب کوریڈور کے سرے پہ آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ حنین تک رکا۔

"تم امی کو فون کر لینا اور ان سے کہنا وہ تمہارے پاس آ جائیں۔" حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ قدرے مشتبہ نظروں سے سامنے جاتے ہاشم کو دیکھا جو اب سعدی کے انتظار میں رک گیا تھا۔ نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے "کیسے ہو بیٹا؟" کہہ کر گویا حال احوال کا فرض نبھایا اور جواب کا انتظار کیے بغیر سعدی کو چلنے کا اشارہ کرتا مڑا اور پھر حنین کے سامنے وہ دونوں تیز تیز باہر نکل گئے۔

حنین تب کافی دیر وہاں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر زمر کے روم کے دروازے تک آئی۔ دستک دینے کو ہاتھ بڑھایا مگر ہاتھ نے دروازے کو نہیں چھوا۔ اس نے ہاتھ گرا دیا۔ کسی بھی چیز کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا۔ کم از کم اس کی زمر سے اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ ایک بے فائدہ گفتگو اس کے ساتھ کر سکے۔ وہ برے دل کے ساتھ واپس پلٹ گئی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

انکار پہ پہرا ہے قانون یہ ٹھہرا ہے ..... جو صاحب عزت ہے وہ شہر بدر ہو گا

پولیس سٹیشن کے اس کمرے میں ایک خالی میز بچھی تھی اور اس کے گرد تین کرسیاں۔ سعدی بے چینی سے کرسی کے کنارے ٹکا میز پہ کہنیاں رکھے سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا تھا۔ اکیس سالہ کم عمر چہرے پہ بے پناہ فکرمندی تھی۔ ساتھ والی کرسی پہ ہاشم ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا موبائل پہ نمبر دبائے جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ نظر اٹھا کے سعدی کو بھی دیکھ لیتا۔ کبھی کبھی کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی آمیز انداز میں تھپک دیتا۔

"میں سب سنبھال لوں گا۔ بے فکر رہو۔"

سعدی نے بدقت مسکرانے کی کوشش کی۔ مگر اس وقت کسی بھی چیز کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کتنی دیر سے فارس غازی سے ملاقات کے لیے بیٹھے تھے مگر کوئی اسے لا ہی نہیں رہا تھا۔

باہر پھیلی سہ پہر رات میں ڈھل چکی تھی۔ سعدی اٹھ کر کمرے میں مضطرب سا چکر کاٹنے لگا۔

یہ خیال کہ فارس ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے حوالات میں بند ہے اس کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ ہاشم اب موبائل پہ نمبر دبائے جا رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا۔ ہاشم نے کافی پرسکون انداز میں اور سعدی نے بے حد بے تابی سے اس طرف دیکھا۔ دو اہلکار فارس غازی کو لیے آ رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ سیاہ جینز پہ راؤنڈ نیک والی گرے شرٹ میں ملبوس جس کی آستینیں کلائی تک آتی تھیں۔ فارس انتہائی غصے بھری بے بسی کی سی کیفیت میں تھا۔ ابرو بھینچے تھے اور ہلکی سنہری آنکھوں میں شدید تلخی تھی۔

ہاشم موبائل رکھ کر فوراً اٹھا۔ ایک کڑی نگاہ اہلکار پہ ڈالی۔

"ہتھکڑی کھولو۔" اس کا انداز اتنا سخت تھا کہ ....

ٹانگ رکھ کے بیٹھا۔ اس کے ماتھے پہ ابھی تک بل تھے۔

''تم ٹھیک ہو؟''

ہاشم مصنوعی ہمدردی سے پوچھتے ہوئے گزر رہا جبکہ سعدی جلدی سے آ کر اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا۔ فارس نے ایک تیکھی نظر ہاشم پہ ڈالی اور استہزائیہ سر جھٹکا جیسے کہہ رہا ہو کہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی تمہیں ہی ہوئی ہوگی۔ ہاشم اس کی سرد مہری محسوس کر کے دروازے کی طرف بڑھا۔

''میں اے ایس پی سے مل کر آتا ہوں۔ تم بات سن لو۔'' سعدی کو اشارہ کر کے وہ باہر نکل گیا۔ اب کے فارس نے ان ہی تاثرات سے اسے دیکھا۔

''کیا واقعی تمہاری پھپھو نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے؟''

اس کی آنکھوں میں شدید غصہ تھا۔ سعدی نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''میں خود سمجھ نہیں پا رہا یہ کیا ہوا ہے۔ کیا آپ نے انہیں کال کی تھی؟ کیا آپ نے ان کو ریسٹورنٹ میں بلایا تھا؟''

''میں نے انہیں کسی ریسٹورنٹ میں نہیں بلایا تھا' ہوٹل میں بلایا تھا۔ حنین تھی' اس کی وہ دوست تھی۔ میں نے انہیں کوئی کال نہیں کی تھی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا میڈم میرے بارے میں ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔ یہ سب جھوٹ ہے' بکواس ہے۔'' اس نے طیش سے کہتے ہوئے میز پہ مکا مارا۔

سعدی پیچھے کو ہوا۔ لب کاٹتے ہوئے سوچنے لگا۔ اب کچھ کچھ صورتحال سمجھ میں آ رہی تھی۔

''مگر انہوں نے کہا آپ نے انہیں کال کر کے کہا ہے کہ آپ نے ہی وارث غازی کا قتل کیا ہے اور یہ بھی کہ....'' سعدی رکا۔ اسے وہ تمام تکلیف دہ الفاظ یاد تھے جو زمر نے اس کے سامنے آفیسر کو بتائے تھے۔

''اور یہ کہ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر' اور اس طرح کی بہت ساری باتیں۔''

وہ واقعی دہرا نہیں پا رہا تھا۔ اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔ آخر زمر اس قسم کی بات کیسے کر سکتی تھیں۔

''میں میڈم سے ایسی بات کیوں کروں گا؟ میرے پاس دو گواہ ہیں۔ حنین اور علیشا۔ ہم سارا وقت ایک ساتھ رہے۔ میں نے کسی سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اور میں اس کو کیسے گولی مار سکتا ہوں؟ میرے پاس تو اس وقت کوئی گن بھی نہیں تھی۔''

''مگر جو گولی پھپھو کو ماری گئی تھی وہ علیشا کے کمرے کے ساتھ والے کمرے کی کھڑکی سے ماری گئی اور جب پولیس نے وہاں پہ چھاپا مارا تو وہاں موجود گن آپ کی تھی۔ اس پہ آپ کے فنگر پرنٹس تھے۔ یہ وہی امریکن گن تھی جو آپ نے بلیک میں پشاور سے خریدی تھی۔ اور آپ کے نشان لگے گلاس اور کنگھی بھی وہاں سے قبضے میں لی گئی ہے۔ فنگر پرنٹس کے رزلٹ آ گئے ہیں۔ وہ کمرہ بھی آپ کے نام بک تھا اور ہوٹل کے اس فلور کے سی سی ٹی وی کیمراز بھی خراب تھے۔ سو آپ علیشا کے کمرے میں گئے یا دوسرے کمرے میں' کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس پہ مستزاد زمر کا یہ بیان۔ میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا' آخر ہو کیا رہا ہے فارس ماموں؟''

وہ ہاشم کی بتائی گئی معلومات جو عین زمر کے بیان کے بعد منظر عام پہ لائی گئی تھیں' دہراتا گیا۔ آخر میں اس کی بے بسی بھی جیسے برہمی میں بدلنے لگی۔ ہاشم واپس آ گیا تھا اور اب خاموشی سے کرسی پہ بیٹھا تھا۔

فارس نے اب کے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں' میں بکواس کر رہا ہوں' ہاں؟''

''میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں.... کیا آپ نے پھپھو کو کال کی تھی؟''

نے پہلے کون بتاتا ہے؟"

اس نے اشتعال سے سر جھٹکا جیسے بس نہ چل رہا ہو اس میز کو اٹھا کر سعدی کے اوپر دے مارے۔ سعدی ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اجنبی، عجیب نظروں سے۔

"میڈم کون؟"

"تمہاری پھپھو اور کون!" فارس اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

"آپ زمر کو میڈم کہتے ہیں رائٹ؟" اس کے ذہن میں جیسے الارم بج رہا تھا۔ قدرے پرجوش سا ہو کر وہ آگے کو ہوا۔

"لیکن زمر نے جو بیان دیا ہے اس میں انہوں نے بتایا کہ آپ نے انہیں 'زمر' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ مگر آپ کبھی پھپھو کا نام نہیں لیتے۔ مجھے یاد ہے آپ ہمیشہ ان کو میڈم کہتے تھے۔"

"اوہ ڈیم!" ہاشم نے کراہ کر گویا آنکھیں بند کیں۔ اسکرپٹ لکھنے میں ذرا سی غلطی کتنی تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔

فارس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ ابھی تک سعدی کی بات کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔

سعدی تیزی سے کھڑا ہوا۔ "میں جانتا ہوں آپ نے کچھ نہیں کیا۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں آپ نے واقعی انہیں کوئی کال نہیں کی۔ آپ فکر مت کریں۔"

اس نے تسلی دینے والے انداز میں فارس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ہاشم بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں باہر انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔" اور باہر نکل گیا۔

"ہاشم بھائی بہت جلد آپ کو یہاں سے نکال لیں گے۔"

"ہاں" فارس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ "ہاشم اور میرے لیے کوشش کرے گا؟ کبھی بھی نہیں۔ وہ جو کر رہا ہے وہ بھی صرف دکھاوے کے لیے ہے۔ میں اس کو جانتا ہوں۔ اپنا مطلب نہ ہو تو وہ کسی کی مدد نہیں کرتا۔" سعدی نے متعجب سا ہو کر اسے دیکھا۔

"وہ ان پہلے لوگوں میں تھے جنہوں نے آپ کی بے گناہی پہ یقین کیا تھا۔ کم از کم ان کے بارے میں آپ کو اتنا منفی نہیں ہونا چاہیے۔ آپ تسلی رکھیں۔ ہاشم بھائی آپ کو بہت جلد رہا کروا لیں گے۔"

فارس شاکی سا کچھ بڑبڑا کر چپ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں پچھلے چند دنوں سے چھایا ملال اور کرب اب شدید غصے میں ڈھل رہا تھا۔ آخر زمر نے اس پر اتنا بڑا الزام کیا سوچ کر لگایا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فارس قتل نہیں کر سکتا، یا شاید وہ کسی اور کی جگہ اس کا نام لے رہی تھی، شاید وہ کسی اور کو کور کر رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے سر جھٹکا۔ سعدی اب باہر جا رہا تھا۔ اسے جلد از جلد پھپھو سے ملنا تھا۔

..................*****..................

جب رات کے پردے سے پھر رات نکل آئے ...... اس وقت کدھر جائے جو اہل نظر ہو گا

ہسپتال کے کمرے میں وہی دوائیوں کی بو پھیلی تھی۔ زمر بدستور اسی طرح لیٹی تھی۔ اس کی ویران نگاہیں چھت پر تھیں۔ ذہن میں جانے کیا چل رہا تھا۔ سعدی جب اندر آیا تو دیکھا زمر کا چہرہ پہلے سے بہت زیادہ مرجھایا ہوا اور رنگت ہلدی کی مانند لگ رہی تھی۔ اس کا ٹوٹا ہوا دل مزید ٹوٹ گیا۔ وہ قریب آیا۔ زمر کی آنکھوں میں کرب اترا اور ساتھ ہی گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی سی نظر آئی۔ سعدی مزید قریب آیا یہاں تک کہ اس کے کندھے کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ زمر اب نگاہیں پوری اٹھا کر اس کو دیکھ رہی تھی۔

"سعدی! اس نے مجھ پہ گولی چلائی۔ میں نے خود سنا۔ تمہیں مجھ پہ یقین ہے نا؟"

چند گھنٹے پہلے پولیس آفیسرز کے سامنے سپاٹ، سنجیدہ اور مضبوط سی پراسیکیوٹر اب بہت کمزور لگ رہی تھی۔ اس کے انداز میں بے بسی

بھی تھی خوف بھی۔ مکڑی کے جالے کا سامان تھا' معلوم نہیں کب ٹوٹ جاتا۔ سعدی نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''فارس غازی نے آپ سے کیا کہا تھا فون پہ؟''

''اس نے مجھے کہا کہ وہ مجھے صرف ایک گولی مارے گا۔''

''نہیں مجھے ان کے الفاظ بتایئے' ایک ایک لفظ۔''

زمر کی آنکھوں میں چمکتی امید مزید گہری ہوئی۔ مکڑی کے جالے کا سامان مضبوط ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ پراعتماد ہو کر بولی۔

''اس نے کہا میں صرف تمہیں ایک گولی ماروں گا زمر دل میں اور.....''

''مگر فارس غازی نے آپ کو کبھی آپ کے نام سے نہیں پکارا۔ وہ ہمیشہ آپ کو میڈم کہتے تھے۔''

وہ ایک دم بالکل رک کر تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

''فارس غازی نے آپ کو کوئی کال نہیں کی تھی۔ آپ کو فارس نے گولی نہیں ماری تھی۔ ان کو سیٹ اپ کیا گیا ہے۔ کچھ تو ہے جو آپ چھپا رہی ہیں۔ پلیز مجھے سب کچھ بتایئے' ایک ایک بات۔''

زمر بالکل متحیر سی اس کو دیکھے گئی' بنا پلک جھپکے جیسے سانس تک رک گیا ہو۔

''سعدی! تم کہہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔''

''صرف اس بنیاد پہ کہ وہ مجھے میرے نام سے نہیں پکارتا تھا؟ اس نے گولی بھی تو مجھ پہ پہلی دفعہ ہی چلائی تھی۔ بہت ساری چیزیں پہلی بار ہی ہوتی ہیں۔''

''وہ جھوٹ نہیں بول رہے۔ انہوں نے آپ کو کوئی کال نہیں کی۔ آپ بتائیں' کچھ ہے جو آپ چھپا رہی ہیں۔ آپ وارث ماموں کے ٹارگٹ کیس کی فائلز نکلوا رہی تھیں۔ کیا آپ کسی کو کور کر رہی ہیں؟ کیا کوئی آپ کو یہ سب کہنے پہ مجبور کر رہا ہے؟'' یہ خدشہ ہاشم نے راستے میں ظاہر کیا تھا' تبھی سرسری سا مگر سعدی کے ذہن میں اس نے جڑ پکڑ لی۔

زمر کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گلابی سی نمی اتری۔ لب بھینچ گئے۔

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''زمر! آپ مجھے سب کچھ سچ کیوں نہیں بتاتیں؟'' اس کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے سعدی وہ کیا تکلیف ہے جو میں نے پچھلے کچھ دنوں میں سہی ہے؟ میرے گردے ضائع ہو گئے ہیں۔ میرا باپ مفلوج ہو گیا ہے۔ میری زندگی کی ساری امیدیں ٹوٹ گئی ہیں۔ میں کبھی نارمل نہیں ہو سکوں گی۔ ایسے وقت میں بھی تمہیں لگ رہا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں' تمہیں فارس زیادہ قابل اعتبار لگ رہا ہے! کیا تم مجھے نہیں جانتے؟'' وہ متحیر' بے یقین تھی۔

''میں آپ کو جانتا ہوں اسی لیے کہہ رہا ہوں آپ کوئی بات مجھے نہیں بتا رہیں۔ آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔ کہیں نہ کہیں کچھ غلط ہے۔ علیشا کہہ رہی ہے' حنین کہہ رہی ہے ماموں ان کے ساتھ تھے' انہوں نے کوئی کال نہیں کی۔ وہ تین لوگ جھوٹ نہیں بول رہے۔'' وہ ناراضی سے اسے دیکھ کر تیزی سے بولا۔

زمر کے ابرو غصے سے اکٹھے ہوئے۔ اس نے کہنی کے بل قدرے اٹھنے کی کوشش کی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ وہ سب سچ بول رہے ہیں۔ ایک میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ تمہیں نہیں کرنا میرا اعتبار' مت کرو۔ لیکن میں دنیا کی ہر عدالت میں جا کر اس کے خلاف گواہی دوں گی۔ میں پوری دنیا کو بتاؤں گی کہ کس طرح اس نے میرے اوپر گولی چلائی' اپنی بیوی کو مارا'

بھائی کو مارا' میری زندگی برباد کر دی۔"

سعدی نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ کو پتا ہے آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے زمر؟ جب آپ کے دماغ کی سوئی ایک بات پہ اٹک جاتی ہے تو پھر وہ وہاں سے نہیں ہٹتی۔ آپ اس کے آگے پیچھے ہر قسم کی سوچ کا دروازہ خود پہ بند کر لیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے؟ تمہیں میرے سچ بولنے میں شک ہے؟" وہ بے یقینی سے غرائی تھی۔

"لیکن زمر! میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ کوئی تیسری چیز بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کیوں ٹھنڈے دل سے اس بات پہ نہیں سوچتیں۔ ایک دفعہ فارس غازی کو بے گناہ تصور کر کے سوچیں۔ ہو سکتا ہے کسی نے انہیں پھنسایا ہو۔ یہ سب ایک سیٹ اپ ہو اور کچھ بھی نہ ہو۔ آپ ایک دفعہ... صرف ایک دفعہ اپنے مفروضات کو پیچھے کیوں نہیں کر لیتیں؟ اگر واقعی آپ کسی کے دباؤ میں نہیں ہیں تو......"

"مفروضات!" وہ چلائی تھی۔ "میں کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں میں نے اس کی آواز سنی ہے۔ اس کا فون آیا تھا مجھے۔ اس نے مجھ پہ گولی چلائی۔ میں فارس کی آواز پہچانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں وہ فارس ہی تھا۔ ہر چیز کی سینس بنتی ہے سوائے اس کے کہ تم میری بات سننا نہیں چاہتے۔ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔ ٹھیک ہے سعدی! مت کرو مجھ پہ اعتبار۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب عدالت اس کو سزا سنائے گی اور جب جرم ثابت ہو گا اور وہ خود اعتراف جرم کرے گا۔ تب میں تم سب کے چہرے دیکھنا چاہوں گی۔ تم' حنین' بھابی' کوئی بھی میری بات پہ یقین نہیں کر رہا میں جانتی ہوں۔ لیکن تم لوگ دیکھو گے' ضرور دیکھو گے۔"

تیز تیز بول کر وہ ہانپنے لگی تھی۔ سر تکیے پہ گرا دیا۔ سعدی خفگی سے پیچھے ہوا۔

"ایک یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے آپ کا۔ آپ کسی دوسرے کی کوئی بات سمجھتی نہیں ہیں۔ آپ سمجھنے کے لیے بات نہیں سنتیں' آپ جواب دینے کے لیے بات سنتی ہیں۔ آپ اپنے خیالات میں اتنی فلکسڈ ہو جاتی ہیں کہ آپ کسی نئے تصور کے لیے اپنا ذہن کھلا نہیں رکھتیں۔ آپ کو خود بھی پتا ہے کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں مگر..." اور زمر کے لیے یہ بہت تھا۔

"نکل جاؤ میرے کمرے سے! ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے چلاتے ہوئے بازو اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ سعدی بھی غصے سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ اتنی ضدی کیوں ہو رہی تھی۔ وہ اس کی بات کیوں نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"آپ کو صرف اس بات کا غصہ ہے کہ میں نے آپ کو یہ کیس لینے کے لیے کیوں کہا۔ یہ کہ اس کیس کی وجہ سے آپ کی شادی ٹوٹی' آپ اس کیس کا غصہ فارس ماموں پہ نکال رہی ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ایک دفعہ پھر وہی کر رہی ہیں۔ ان کی بیوی کا قتل ہوا ہے' ہمارا خاندان تباہ ہو چکا ہے اور آپ اپنی ضد کو لے کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ زمر آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟"

"نکل جاؤ میرے کمرے سے اور دوبارہ مت آنا۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اس وقت۔ جاؤ سعدی!" وہ زور سے چلائی۔

"پانی سے گاڑھا"

"نکل جاؤ میرے کمرے سے اور دوبارہ مت آنا۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اس وقت۔ جاؤ سعدی!!" وہ زور سے چلائی۔

............❖❖❖............

وہ فوراً تیزی سے مڑا دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔

حنین سامنے کھڑی تھی۔ نامکمل بند پٹ کی وجہ سے وہ سب سن چکی تھی۔

"آخر وہ اتنی خودغرض کیسے ہو سکتی ہیں کہ انہیں کسی کا بھی خیال نہ ہو! نہ ماموں کا، نہ سارہ خالہ کا! ان کو صرف اپنا غم یاد ہے۔" وہ شاکی سا کہتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ حنین سست قدموں سے چلتی اس کے قریب آئی۔

"آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

وہ متعجب سا اس کی طرف گھوما۔ "ان کے الزام کی وجہ سے فارس ماموں کو پھانسی ہو جائے گی اور تم کہتی ہو کہ۔۔۔"

"جو بھی تھا آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی، کم از کم آپ کو نہیں!"

وہ کہہ کر مڑ گئی۔ سعدی نے خفگی سے سر جھٹکا۔ منہ میں کچھ بڑبڑایا اور آگے بڑھ گیا۔

حنین چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ ذرا سی درز سے اندر جھانکا۔ زمر اسی طرح لیٹی تھی۔ گردن سیدھی تھی، وہ اوپر دیکھ رہی تھی اور وہ رو رہی تھی، بری طرح! کبھی وہ اپنے ساتھ لگی نالیوں کو دیکھتی کبھی مشینز کو، کبھی سفید چادر کو، کبھی ہاتھ میں لگے کینولا کو، اور آنسو ابل ابل کر آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے، کہیں کوئی ہلکی سی سسکی بھی نکل جاتی تو وہ ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے اسے دبا لیتی، اس کے لیے یہ بہت شرمندگی کی بات تھی کہ کوئی اسے روتا دیکھ لے۔ وہ تو دادی کی ڈیتھ پہ بھی سب کے سامنے نہیں روئی تھی۔ اکیلے کمرہ بند کر کے روئی۔

حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کافی دیر وہیں کھڑی رہی۔ اس کو چھپ کر زمر کو دیکھنے کی عادت برسوں سے تھی۔ مگر روتے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا۔

.... ٭٭٭ ....

کوئی تدبیر نہیں آتی ..... کوئی صورت نظر نہیں آتی

ندرت اور بڑے ابا زمر کے کمرے میں تھے اور سعدی باہر۔ وہ جان بوجھ کر زمر کے پاس اندر نہیں گیا تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا مگر زمر نے اسے اندر بلایا بھی نہیں۔ ایک دفعہ کسی سے پوچھوایا بھی نہیں۔ منایا بھی نہیں۔ وہ خفا خفا سا باہر ہی بیٹھا رہا۔

وہ آج پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ صحت میں نہیں جذباتی کیفیت میں۔ تکیے لگا کر ذرا اٹھ کے بیٹھی۔ گھنگریالے بال پونی میں باندھے، خاموش اور سنجیدہ۔

سامنے وہیل چیئر پہ موجود بڑے ابا کو اس کا ہر انداز اذیت دے رہا تھا۔ وہ دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی بظاہر ان دونوں کو نظرانداز کر رہی تھی۔ ندرت خاموش سی سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھیں۔ زمر لاکھ عزیز سہی، فارس ان کا بھائی تھا۔ اور وہ سعدی کی طرح زمر سے جھگڑا کر کے اس پہ چیخ چلا کر ناراض نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذہن میں بار بار خیال آ رہا تھا آخر وہ بھی تو فرحانہ کی بیٹی ہی نکلی مگر وہ ظاہر نہیں کر رہی تھیں، بالکل چپ، کسی نہ کسی مصالحت کی امید لیے۔

بڑے ابا نے ہاتھ بڑھا کے بیٹی کے ہاتھ کو تھاما، وہ بیڈ کے قریب بیٹھے تھے، ان کی ضد پہ آج انہیں یہاں آنے کی اجازت ملی تھی۔

اس بے بس سے لمس پہ زمر نے چہرہ گھما کے ان کو دیکھا۔ وہ بہت کمزور اور بوڑھے لگ رہے تھے، اداس بھی۔

"بیٹا، میں فارس کو جانتا ہوں وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا، ضرور اس کو پھنسایا جا رہا ہے۔"

"انٹیلی جنس آفیسر کو کون پھنسا سکتا ہے ابا؟!" وہ بےزار ہوئی۔

"کیوں؟ کیا وہ انسان نہیں ہوتے؟ ان کی کمزوریاں نہیں ہوتیں؟ ان انٹیلی جنس آفیسرز کی فائلوں کے انبار ہیں جو بے گناہ ہوتے

"ٹھیک ہے۔ آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں، حالانکہ سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے، میں نے اس کے
الفاظ نے تھے، میں نے اس کی منت کی تھی کہ وہ میرے اوپر گولی نہ چلائے، وہ میری زندگی خراب مت کرے"۔ درد سے پھٹی آواز میں کہتے
ہوئے اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔ "میں نے ابا اس کو اتنا تک کہا کہ میں اس کا کیس لڑوں گی، ہر عدالت میں اس کے ساتھ کھڑی ہوں
گی، وہ میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرے۔ لیکن اس نے پھر بھی مجھ پہ گولی چلائی۔ اگر اس نے میری کوئی خیر قبول نہیں کی تو آپ اس کے لئے مجھ سے
کسی خیر کی توقع مت رکھیں"۔

"میں جانتا ہوں تم جھوٹ نہیں بول رہی، لیکن یہ صرف اور صرف کوئی غلط فہمی۔۔۔" زمر نے بے زاری سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ
سے نکال لیا۔ وہ دل مسوس کر بیٹھے رہ گئے۔

"آپ لوگ پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ جس کو مجرم سمجھنا چاہئے اس کے لئے آپ کے دل میں ہمدردی ہے تو ٹھیک ہے، ہمدردی
لینے کا مجھے بھی شوق نہیں۔ میں جیسی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہوں"۔

"ایسے کیوں سوچتی ہو؟ ہم انتظام کر رہے ہیں، بہت جلد کوئی کڈنی ڈونر مل جائے گا، تمہیں کبھی ڈائلیسس پر نہیں آنا پڑے گا، تم
دوبارہ سے صحت یاب ہو جاؤ گی"۔

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گردن پھیر کر کھڑکی کی طرف دیکھتی رہی۔

ندرت آہستگی سے اٹھیں، اس کے قریب آئیں، اور بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھیں۔ منت بھری بے بسی سے اس کو دیکھا۔

"زمر میرے لئے کیا تم اپنا بیان واپس نہیں لے سکتیں؟ فارس جیل چلا جائے گا، اس کو سزا ہو جائے گی، وہ برباد ہو جائے گا"

اس نے زخمی نگاہوں سے ندرت کا چہرہ دیکھا۔

"اور میں بھابی! میری خوشیاں، میرے غم؟؟ ان کا کیا؟ آپ سب کو لگتا ہے کہ میں اپنی ضد پہ اڑی ہوئی ہوں؟" شکایت آمیز نظر
اپنے باپ پر ڈالی" لیکن آپ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ میرے پاس ضد کرنے کے لئے کچھ بچا نہیں ہے، میں تباہ ہو چکی ہوں! اب فارس برباد ہو
یا آباد، مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے! میں نے اس کی عزت کی ہمیشہ، کیونکہ مجھے انسان کے اندر کی اچھائی پہ یقین ہوتا ہے، مگر میں غلط تھی۔
وہ ویسا ہی ہے جیسا لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے۔ آپ اس کے لئے مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔ کیونکہ میں آپ سب کی نا اعتباری سہہ
سکتی ہوں لیکن فارس کو معاف نہیں کر سکتی"۔

وہ گردن موڑ کر پھر سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ اب وہ لوگ چلے جائیں۔

ندرت شکستگی سے اٹھیں، بڑے ابا کی وہیل چیئر کے پیچھے آئیں، اور انہیں لیے باہر نکل گئیں۔ دروازہ حسب معمول آدھا کھلا رہ
گیا۔

وقفتاً راہداری سے آوازیں آئیں۔ ندرت کسی سے مخاطب تھیں۔۔۔ خاتون کی آواز۔۔۔ فضیلہ آنٹی۔۔۔ حماد کی امی، وہ پہچانتی
تھی۔ وہ آہستگی سے سیدھی لیٹی، تکلیف چہرے پہ نمودار ہوئی۔ اور آنکھیں بند کر لیں، بالکل ایسے جیسے وہ سو رہی ہو۔

واقعی یہ وہ صبحیں تھیں جن میں جاگتے ہوئے اسے آفس جانے کی کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ کون سی خواہش کہاں آ کر پوری ہوئی تھی!

ندرت، فضیلہ آنٹی کو اندر لے آئیں تھیں۔ زمر کی آنکھوں میں فی الحال صرف اندھیرا تھا، مگر وہ آوازیں سن سکتی تھیں۔ فضیلہ آنٹی
یقیناً اس کے بازو کے قریب بیڈ کے ساتھ کھڑی تھیں۔

"بہت زیادہ افسوس ہوا۔ ہم سب بہت پریشان ہیں۔ کوئی یقین بھی نہیں کر سکتا کہ زمر کے ساتھ اس طرح ہوگا وہ بھی اتنے اہم
موقع سے پہلے! ہمارے تو سارے رشتے دار بھی آ چکے تھے۔ اب کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں۔۔۔ حماد کے بہن بہنوئی۔۔۔ پتہ نہیں کتنوں کی

فلائٹس ہیں۔۔۔آگے کروانی پڑیں گی۔۔۔یا شاید کینسل۔۔۔

وہ کہہ ہمدردی سے ہی رہی تھیں، مگر انداز میں کوئی عجلت تھی۔زمر بند آنکھوں سے سنے گئی۔

''دو شادیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔۔حماد کے تایا کے بیٹے کے فنکشنز بھی ساتھ ہی تھے۔ولیمہ تو ہم دے ہی اکٹھا رہے تھے۔اب ظاہر ہے یہ شادی تو ابھی ہو ہی نہیں سکتی۔سجاد کے فنکشنز تو کل سے شروع ہو جائیں گے۔اب آپ تو جانتی ہیں ہماری بھی مجبوری ہے۔''

''سب کی مجبوریاں ہیں، میں جانتی ہوں۔۔۔''ندرت بولیں تو آواز میں پسپائی تھی۔

زمر آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ندرت اب شاید ان کے لیے کوئی جوس نکالنے لگی تھیں مگر وہ منع کرنے لگیں۔

''حماد باہر انتظار کر رہا ہے، ایسا کرتے ہیں ہم وہیں بیٹھتے ہیں، اس کمرے میں تو مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔پتہ نہیں ہسپتالوں میں ایسی گھٹن کیوں ہوتی ہے!''

اور ان کی آواز دور ہوتی گئی۔شاید وہ کمرے سے جا رہی تھیں۔اور پھر دروازہ بند ہو گیا، سناٹا چھا گیا، قبر کی پہلی رات کا سا سناٹا۔۔۔

زمر نے آنکھیں کھولیں۔وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔

کھڑکی کے باہر دوپہر پہلے سی تازہ تھی مگر اب بادل امڈ کر آ رہے تھے، بارش جیسے برسنے کو تھی۔۔۔وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ چت لیٹی چھت کو دیکھنے لگی۔اب کوئی بھی چیز افسوس نہیں دلاتی تھی۔سارے احساسات مر گئے تھے۔اسے پتہ تھا اب کیا ہوگا۔دوسری دفعہ اس کی منگنی ٹوٹ جائے گی۔پھر بھی ایک امید تھی، شاید ایسا نہ ہو۔

..................❖❖❖..................

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے..... کہیں آنکھیں، کہیں چہرہ نہیں ہے

دروازہ اک دم کھلا، وہ چونکی۔سوتی نہیں بن سکتی تھی۔مگر پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آنے والی نفیلہ یا ندرت نہیں تھیں۔

اس کو زمر کے پاس اکیلا چھوڑ دینے کا بہت تحکم سے کہتی، جواہرات کاردار نے اندر قدم رکھا۔

بند گلے کے سبز گاؤن، لمبی سفید ہیل، بالوں کا نفیس سا جوڑا بنائے، جوان، اور اسمارٹ سی جواہرات مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

زمر اسی بے رخی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔

''ہیلو زمر! کیسی ہو؟''

ایک فلپینو ملازمہ اور ایک سوٹ میں ملبوس ملازم پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے لیے پیچھے آئے اور ساری میزوں کو بھر دیا۔

جواہرات نے آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئے۔ساتھ ہی شہرین کاردار اندر آئی۔اس نے لمبی قمیص پہن رکھی تھی اور کندھے پہ لمبی چین کا پرس تھا۔سنہرے باب کٹ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں پیچھے کرتی، مصنوعی سی مسکراہٹ لیے وہ زمر کے قریب رکی اور جیسے تعارف کروایا،

''میں مسز ہاشم کاردار ہوں۔ہم پارٹی میں ملے تھے۔''

زمر نے سر کے خم سے ان دونوں کے رسمی کلمات کا جواب دیا، جیسے وہ شدید کوفت میں مبتلا ہو۔جواہرات نے زمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسے شہرین کو بتایا۔

''زمر یوسف پبلک پراسیکیوٹر ہے۔ہاشم نے یقیناً تم سے ذکر کیا ہوگا۔''

شہرین نے منہ میں کچھ چباتے ہوئے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''جی آئی نو۔ڈی اے ہیں یہ یہاں کی۔''وہ زمر کی طرف مڑی''سو ڈی اے، کیسی ہو تم؟''اس کو جیسے اپنے انداز تخاطب پہ خود ہی لطف آیا تھا۔

زمر نے رکھائی سے "بہت اچھی" کہہ کر نظروں کا رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔ وہاں دوپہر بادلوں سے سیاہ پڑتی جا رہی تھی۔

"آپ بیٹھیے مسز کاردار! میں باہر جاتی ہوں یہاں بور ہو جاؤں گی۔"

شہرین اپنے بالوں کو پھر سے پیچھے جھٹکتی، بے نیازی سے کہتی مڑ کر باہر نکل گئی۔ جواہرات بس مسکرا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھی، کہنیاں کرسی کے ہتھے پہ اور انگوٹھیوں والے ہاتھ باہم ملائے۔

"مجھے بہت افسوس ہے جو تمہارے ساتھ ہوا۔ جس نے بھی کیا وہ۔۔۔۔"

اس نے ٹھٹک کر جواہرات کو دیکھا،

"جس نے بھی کیا، کیا مطلب؟؟ فارس نے کیا ہے یہ سب! اور اگر آپ اس کی وکالت کرنے آئی ہیں میرے سامنے تو پلیز اپنا وقت ضائع مت کیجئے گا۔"

"نہیں میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اس نے یہ کیوں کیا؟! کیا کوئی وجہ بتائی تھی اس نے؟"

اتنی سادگی پہ زمر نے آنکھیں سکیڑ کر مشتبہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ آپ کو میری بات کا یقین ہے؟"

جواہرات نے مسکرا کر شانے ذرا سے جھٹکے۔

"میں جانتی ہوں تم سچ بول رہی ہو۔"

"اور آپ یہ کیسے جانتی ہیں؟ ہم دوسری دفعہ مل رہے ہیں!" وہ سرد سا گھور کر بولی۔ اگر یہ اس سے قریب ہونے کی کوئی کوشش تھی تو وہ ہاشم کی ماں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

"کیونکہ میں اس اذیت کو پہچانتی ہوں جو غلط سمجھے جانے والے صحیح لوگوں کے چہروں پہ ہوتی ہے۔"

زمر کی مشکوک انداز میں ابھری آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"اور آپ مجھ سے دوسری دفعہ ملاقات میں میرا چہرہ کیسے پڑھ سکتی ہیں؟"

جواہرات اٹھی اور قدم قدم چلتے کھڑکی تک گئی۔ باہر بارش کی ننھی ننھی بوندیں زمین پہ گر رہی تھیں۔ وہ چند لمحے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی پھر مڑی تو چہرے سے مسکراہٹ غائب تھی۔

اس کی جگہ افسوس تھا۔

"مجھے واقعی دکھ ہے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا، کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔ کیونکہ اس چیز نے تمہاری زندگی برباد کر دی۔ اور زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ کوئی تمہاری بات پہ یقین نہیں کر رہا۔ ہاشم کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ کہہ رہا ہے اسے تم پہ یقین ہے تو یقیناً ایسا ہوگا۔ لیکن جہاں تک میری بات ہے، میں تمہیں نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے تم جھوٹ بول رہی ہو، ہو سکتا ہے سچ۔ لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ اب کسی کو درست ہوتے ہوئے ناقابل اعتبار سمجھا جائے تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔"

زمر کے تنے تاثرات قدرے ڈھیلے پڑے تھے مگر لہجے کی رکھائی برقرار تھی۔

"کم از کم میری فیلنگز آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ آپ اپنی زندگی میں بہت عیش و آرام سے رہنے والی ایک ملکہ ہیں۔ آپ کی ایک سلطنت ہے۔ آپ کو ہم جیسے لوگوں اور ہمارے مسائل کی سمجھ نہیں آ سکتی۔"

جواہرات تلخی سے مسکرائی۔ اس کی پشت پہ موجود کھڑکی کے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑ تڑ گرنے لگی تھیں۔

"میں واقعی ایک ملکہ ہوں، اس میں کوئی شک نہیں۔ میں اور میرا شوہر اس شہر کے بہترین کپلز میں چوتھے نمبر پہ شمار کیے جاتے

ہیں۔لیکن کیا تم یہ جانتی ہو کہ میں اس کی دوسری بیوی ہوں؟''

زمر نے بری طرح چونک کے اسے دیکھا۔لب'اوہ' میں سکڑے۔

''پہلی بیوی تو مرگئی۔اس کے بعد کتنی آئیں، میں نے حساب رکھنا چھوڑ دیا۔اب یاد ہے تو صرف نفرت جو میں اس سے کرتی ہوں۔ مگر ڈرتی بھی ہوں۔ملکہ بننا بھی آسان نہیں ہوتا۔''

زمر کے چہرے کی ناگواری اب خاموشی میں بدل گئی تھی۔وہ دھیان سے سن رہی تھی۔

''ہم سب اندر سے چکنا چور ہوتے ہیں، میں بہت سی باتیں اپنے شوہر سے کہہ نہیں سکی۔ایک دن آئے گا جب میں کہوں گی'جب میرے اندر کی شیرنی غرائے گی۔لیکن تب تک...''اس نے بارش سے بھیگتے شیشے سے ہاتھ اٹھایا'مڑی اور کرب سے مسکرائی۔

''تب تک مجھے مصنوعی مسکراہٹوں کے ساتھ کھیلتے رہنا ہوگا۔''وہ واپس چلتی ہوئی آئی'کرسی پہ بیٹھی اسی تمکنت اور رعونت سے'اور موتی کے ائیر رنگ پہ انگلی پھیرنے لگی۔

''اور دوسری ملاقات میں تمہیں یہ سب میں کیوں بتا رہی تھی؟ تاکہ یہ سمجھا سکوں کہ اگر تم آج اپنے انتقام کے لیے کھڑی نہ ہوئیں تو کبھی نہیں ہو سکو گی۔اور اگر تم اس سفر میں اکیلی بھی رہ جاؤ میں تب بھی تمہارا ساتھ دوں گی۔''

زمر یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی، چہرے کی ساری تلخی'بے رخی'بےزاری سب غائب تھا۔جواہرات نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی'اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے جانا ہے ایک میٹنگ میں'پھر ملاقات ہوگی۔''

''آپ بیٹھیے نا!''وہ بے اختیار بولی، تو اپنی آواز میں نرماہٹ محسوس ہوئی۔جواہرات نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''کسی کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات کا ایک ٹکڑا توڑ کر اسے دکھانا ہوتا ہے، میں نے یہ کر لیا، مگر تکلیف مجھے بھی ہوئی ہے، اس لیے اب چلوں گی۔''نرمی سے کہتی وہ مڑ گئی۔آنکھ کا ایک کونہ بھیگ گیا تھا۔اورنگزیب، اس کی کی گئی تذلیل، دکھ، بے وفائی، سب یاد آ گیا تھا۔مگر باہر نکلنے تک وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

ڈیننگ روم میں حنین اسی طرح بیٹھی تھی'بال پتا نہیں کب کے برش کیے ہوئے، بددل'مرجھائی ہوئی سی۔سعدی اس کے مقابل اداس سا بیٹھا تھا۔بار بار نگاہیں پھپھو کے کمرے کی طرف جاتی راہداری کی طرف اٹھتیں، پھر سر جھٹک کر بڑبڑا کر خود کو روک لیتا۔

دفعتاً کسی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا، چوکھٹ میں شہرین کھڑی تھی۔سعدی بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے اشارہ کیا۔باہر بلانے کا اشارہ۔حنین اپنی سوچ میں گم تھی۔وہ خاموشی سے اٹھ کر شہرین کے پیچھے آیا۔

وہ راہداری میں کھڑی تھی سینے پہ بازو لپیٹے'فرصت سے اس کو آتے دیکھتی رہی۔

''جی کہیے مسز کاردار؟''

''آئی ایم سوری، میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتی تھی۔میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کر دی تھی۔شیرو اور تمہارے بیچ مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔''سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔پھر آنکھیں چندھیا کر اس کی ذہنی حالت جانچنا چاہی۔

''اٹس اوکے۔''وہ بغور اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''گڈ، یعنی کہ اب ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں؟ ہوں؟''وہ ہلکا سا مسکرائی۔اس کی گال کی ہڈی اٹھی ہوئی تھی جب مسکراتی تو آنکھیں چھوٹی ہو جاتیں۔

''کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''ابھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں ہو۔'' اس نے ابرو اچکائے۔

''آپ بے فکر رہیے، نہ میں نے کچھ سنا تھا نہ میں کسی کو کچھ بتاؤں گا۔'' اس نے پچھلے سال کی اس بھولی بسری بات کی جانب اشارہ کیا۔

''تم بے فکر رہو کیونکہ ہاشم کو پتا چل گیا تھا۔'' سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''یہی کہ میرا اپنے کزن کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔ اور دیکھو اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔'' اس نے کف تان شرٹ کا کھلا آستین اوپر اٹھایا' کندھے کے قریب بازو کی جلد سامنے آئی۔ اس پہ جامنی سیاہ سے نیل تھے، کٹ بھی لگے تھے۔ سعدی بالکل ساکت سا رہ گیا۔

''یہ؟''

''یہ میرے شوہر نے مجھے پیٹا تھا، اب اس بات کو کافی دن گزر چکے ہیں۔ یہ پارٹی کے بعد کی بات ہے۔ اس لئے مجھے بالکل بھی کوئی ڈر نہیں رہا کہ تم کسی کو کچھ بتاؤ گے، چونکہ مجھے کوئی ڈر نہیں ہے تو میرے خیال سے ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔'' آستین نیچے کیا' دوبارہ سے مسکرائی۔ اسکے کندھے کو ہلکا سا تھپکا جیسے ہاشم تھپکتا تھا اور مڑ کر کوریڈور میں آگے چلتی گئی۔ سعدی جز بز سا اسے جاتے دیکھتا رہا، عجیب سی تھی وہ۔ اس نے سوچا۔ اوں ہوں سر جھٹکا۔ اور آگے چلتا آیا۔

............❖❖❖............

کچھ حقیقت تو ہوا کرتی تھی افسانوں میں ..... وہ بھی باقی نہیں اس دور کے انسانوں میں

زمر کے کمرے کے قریب سامنے ندرت' فضیلہ اور حماد کے ساتھ کھڑی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ حماد اکھڑا اکھڑا سا لگ رہا تھا۔ فضیلہ ہی ساری باتیں کر رہی تھیں۔ اور ویل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا بس آس طلب نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ پتا نہیں اب آگے کیا ہوگا؟ پتا نہیں اب آگے کیا ہوگا؟ فضیلہ کی ہر بات میں پریشانی اور کبھی رکھائی سے ایک ہی فقرہ بار بار آتا۔ ان کے تاثرات ہر شخص سمجھ رہا تھا، ان کا بھی قصور نہیں تھا۔

''ہم کوشش کر رہے ہیں، بہت جلد اس کو کڈنی ڈونر مل جائے گا۔ اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔'' بڑے ابا نے امید دلانے کی کوشش کی۔ حماد نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''ڈونیٹڈ کڈنی کتنا عرصہ چلتا ہے؟'' الفاظ تھے کہ چابک۔ بڑے ابا کے منہ پہ لگے۔ وہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئے۔ پھر آہستہ سے بولے۔

''عیسائی جب شادی کرتے ہیں تو ایک حلف اٹھاتے ہیں' کہ غریبی میں اور امیری میں، بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے۔ حتیٰ کہ ہمیں موت جدا کر دے۔ صد شکر کہ ہمارے یہاں یہ حلف نہیں اٹھایا جاتا ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے۔''

حماد بے زاری سے رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ فضیلہ جلدی سے بات بدلنے لگیں، تبھی جواہرات کاردار باہر آتی دکھائی دی۔ سعدی کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرایا۔ اس فیملی کو دیکھ کے کتنی تسلی ملتی تھی۔ جیسے ہر مشکل میں ان کے ساتھ ہوں۔

''مجھے امید ہے کہ آپ کی بیٹی بہت جلد صحت یاب ہو جائے گی اور اگر نہ ہو تب بھی وہ اتنی قیمتی ہے کہ اس کے ساتھ پہ اس کی زندگی کے ساتھی کو فخر ہوگا۔'' ساتھ ہی جواہرات نے حماد کو دیکھا' اس کا حماد سے تعارف نہیں تھا پھر بھی وہ سمجھ گئی تھی۔ یہی ہے بے چارہ منگیتر۔ سعدی اس کا تعارف کروانے لگا۔

''اورنگ زیب کاردار کی بیوی' ہاشم کاردار کی ماں۔'' فضیلہ اور حماد کے تاثرات فوراً بدلے۔ بہت خوشدلی سے ان سے ملے۔ ان کے ملازم دور کھڑے تھے۔ اور پھر اس کا رعب' تمکنت سے اٹھی گردن' گہری آنکھیں اور ان کی مسکراہٹ۔ وہ تو تھی بھی ملکہ۔ سوائے بڑے ابا کے' اسکے آگے بچھنے والوں کی کمی نہ تھی۔

''تم پریشان مت ہو۔'' اس نے نرمی سے حماد کو مخاطب کیا۔ ''وہ ٹھیک ہو جائے گی' اور تم لوگوں کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو گی۔ اور۔۔۔ کیا تم مجھے آفس تک کمپنی دو گے؟ زمر ہماری فیملی ہے' اور اس کے فیانسی سے' دوبارہ ملاقات کا وقت جانے ملے یا نہیں۔'' ساتھ ہی امید افزا نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ وہ مسکرا دیا' یقیناً اب وہ اس کو سمجھائے گی' اور جواہرات تو جواہرات تھی۔ وہ کہے اور کوئی انکار کرے ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ حماد بے ساختہ ''جی بالکل شیور'' کہنے لگا۔ جواہرات آگے چلتی گئی۔ حماد فوراً پیچھے لپکا۔ فضیلہ بیگم نے تذبذب سے ان دونوں کو جاتے دیکھا۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔

باہر بارش اب تھم چکی تھی۔ کار کے قریب آ کر جواہرات نے مسکرا کر ڈرائیور کو کہا۔ ''آفس سے دوسری گاڑی منگوا کر شہرین کو لے جانا اور اب اپنی شکل گم کرو۔'' اور ہتھیلی پھیلائی۔ اس بے چارے نے جلدی سے چابی اس کے ہاتھ پر رکھی اور واقعی وہاں سے گم ہو گیا۔ وہ حماد کی طرف مڑی۔

''آفس کا ایڈریس میں تمہیں سمجھا دوں گی۔ ایسی کار ڈرائیو کرنے کے موقعے کو امید ہے تم ضائع نہیں کرو گے۔'' اور گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ حماد نے چابی دیکھی' اور پھر اس چمکتی ہوئی کار کو' آنکھیں جیسے خیرہ ہو گئیں۔

جواہرات پچھلی نشست کے ساتھ کھڑی ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔ وہ جو پہلے اپنا دروازہ کھولنے لگا تھا' رکا۔ پھر تیزی سے ادھر آیا' اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ تمکنت سے اندر بیٹھی۔ حماد نے دروازہ بند کیا اور واپس ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔

''یہاں سے سیدھا لے لو۔'' اس نے محض اتنا کہا۔ اور وہ خود کو بہت پر اعتماد ظاہر کرتا ڈرائیو کرنے لگا۔

گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔ جواہرات سر جھکائے اپنے موبائل پہ فون بک کھول رہی تھی۔ حماد مرعوب سا' خاموش سا' ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔

''بے فکر رہو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' اس نے کانٹیکٹس کی فہرست آہستہ آہستہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔ حماد نے بیک ویو مرر میں سے دیکھا۔ اور پھر سامنے ونڈ اسکرین کو۔

''جی۔'' بس وہ اتنا کہہ سکا۔

''امید ہے اسے ڈونر کڈنی مل جائے گا۔ سال ڈیڑھ تو چل ہی جائے گا۔ بے کار ہو گیا تو کوئی بات نہیں ڈائلیسز پہ آ جائے گی۔ ہفتے میں دو دفعہ ہی تو کروانا پڑے گا۔ اتنی اچھی لڑکی کے لیے تو تم اتنی قربانی دے ہی سکتے ہو۔'' وہ اے والے نمبرز سے گزرتی بی پہ آ گئی تھی۔

''رہا بچوں کا سوال' تو وہ زندگی کا مقصد تو نہیں ہوتے۔ نہ بھی ہو سکیں تو کوئی بات نہیں' ''اڈاپٹ کر لینا۔'' ہلکے سے شانے اچکاتے ہوئے اس کا انگوٹھا اسکرین کو مسلسل نیچے کیے جا رہا تھا۔ ڈی اور پھر ای' ابھی تک مطلوبہ شخص سامنے نہیں آیا تھا۔ حماد کے چہرے پہ چھایا تفکر بڑھتا گیا۔ البتہ وہ خاموشی سے محض 'جی' کر کے رہ گیا۔ جواہرات اسے زمر کے لیے قائل کر رہی تھی یا اس سے متنفر' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''دیکھو زندگی میں ہر چیز پرفیکٹ تو نہیں ملتی۔ میرا خیال ہے' وہ ایک اچھی لائیر ہے' اور تمہارے ساتھ اسٹریلیا جا کر بھی اپنی پڑھائی اور جاب جاری رکھ سکے گی۔ نہ بھی رکھ سکی تو تم ایک کمانے والے بہت ہو' نہیں؟'' حماد کی آنکھوں میں مزید تناؤ آ گیا۔ اس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اب کہ 'جی' تک نہیں بولا۔ جواہرات کا اسکرین پہ چلتا انگوٹھا ایک دم رکا۔ لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ یہ جے کی فہرست تھی' جیلانی' رقیب جیلانی۔ اس نے اس نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

''میرے آفس کے باہر میرا انتظار کریں۔'' اور فون رکھ کے سر اٹھا کر چمکتی نگاہوں سے حماد کو دیکھا۔ یہاں سے اس کے سر کی پشت، کان اور آدھے چہرے کے تنے تاثرات وہ دیکھ سکتی تھی۔

''آگے کا کیا ارادہ ہے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا' قسمت جس طرف لے جائے۔'' وہ احتیاط سے تول تول کے اتنا ہی کہہ سکا۔

آفس کے سامنے وہ اترے تو جواہرات تیز تیز چلتی آگے بڑھ گئی، حماد تابعداری سے اس کے پیچھے تھا۔ مطلوبہ فلور پہ پہنچ کر بھی وہ اسی طرح آگے ہی چلتی جا رہی تھی۔ اردگرد مؤدب ہو کر رکتے اور سلام کرتے لوگوں کو مسکرا کر سر کے خم سے جواب دیتی وہ آگے بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ایک آفس کے سامنے آ رکی۔ وہاں ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر صاحب بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتے متفکر سے نظر آ رہے تھے۔ جواہرات کو آتے دیکھ کر چہرے پہ چمک آئی۔ آگے بڑھے۔

''میم میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔'' جواہرات نے مسکراتے ہوئے ان سے حماد کا تعارف کروایا۔

''یہ ہمارے عزیز ہیں حماد۔ اور حماد یہ ہاشم کی ایک کمپنی کی طرف سے آسٹریلیا میں ہوتے ہیں، آدھا سال یہاں اور آدھا وہاں بچوں کے پاس ادھر کی نیشنلٹی بھی ہے مگر رہتے یہیں ہیں۔'' پھر اسی شیریں مسکراہٹ کے ساتھ جیلانی صاحب کو دیکھ کر بولی۔

''حماد ایک انجینئر ہے اور آسٹریلیا میں جاب کرتا ہے۔ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوگی۔'' ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''ہاشم میرا انتظار کر رہا ہوگا' میں چلتی ہوں۔'' وہ آگے بڑھی تو خوش دلی سے حماد سے مصافحہ کرتے ہوئے جیلانی صاحب ایکسکیوز کر کے دو قدم جواہرات کے پیچھے آئے۔ حماد وہیں ملے جلے تاثرات میں گھرا کھڑا رہ گیا۔ خوش ہونا چاہیے یا پریشان؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''میں اس لڑکے کا کیا کروں؟ مجھے تو وہاں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' جیلانی صاحب نے آگے بڑھتی جواہرات کے قریب آ کر ہلکی سی سرگوشی کی۔ وہ مسکرا کر ان کی طرف پلٹی، چمکدار آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

''کیا آپ کو اپنی بیٹی کے لئے ایک پڑھے لکھے، خاندانی' اور خوش شکل گدھے کی ضرورت نہیں تھی؟'' جیلانی صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں، سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

''گڈ' تو پھر میں نے اسے ڈھونڈ لیا۔ یو آر ویلکم۔'' ان کے تھینکس کا انتظار کیے بغیر وہ مڑ کر آگے بڑھ گئی۔ جیلانی صاحب اب کے زیادہ گرم جوشی سے مڑے، اور حماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے اپنے ساتھ آگے لے گئے۔

وہ ہاشم کے آفس میں آئی تو وہ ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا' کہنیاں میز پہ رکھے انگلیوں کے پوروں سے آنکھیں مسل رہا تھا۔ کوٹ پیچھے ٹنگا تھا اور شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے۔

''تمہارے اور شہرین کے درمیان کوئی لڑائی ہوئی ہے؟'' آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔

''آپ کو کس نے کہا؟''

''شہرین کے موڈ نے''۔ وہ کہنی پہ لٹکا پرس بے نیازی سے میز پہ رکھتی اس کے سامنے بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور گلے میں پڑی چین انگلی پہ لپیٹتی مسکرا کے گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ہاشم نگاہیں چرا گیا۔

''اگر ہوئی بھی ہے تو کیا؟ میں ہمیشہ کی طرح اس کو معاف کر دوں گا۔ اور اگر معاف نہ کر سکا تو چھوڑ دوں گا۔''

''یعنی تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس کا اپنے کزن سے افیئر تھا۔'' اس نے ایک دم بری طرح چونک کر ماں کو دیکھا۔

''کیا آپ جانتی تھیں؟''

''بالکل''

''تو پھر مجھے کوئی کیوں نہیں بتایا؟''

''بتانے سے تم ناخوش ہو جاتے، اور میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ بہرحال...'' جواہرات نے بات بدلنے کے سے انداز میں سر جھٹکا۔

''فارس کے کیس کا کیا بنا؟'' ہاشم بے زاری سے کرسی پہ پیچھے کو ہوا۔ خود بھی شہرین نامے کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ قلم اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔

''اگر زمر اپنے بیان پہ قائم رہے تو کیس بہت مضبوط ہے۔''

''وہ رہے گی۔'' پھر آنکھوں سے گلاس ڈور کے پار اشارہ کیا۔ ہاشم نے اس طرف دیکھا۔ جیلانی صاحب حماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ہمراہ لئے آہستہ آہستہ مختلف کیبنز کی طرف اشارہ کرتے بتاتے جا رہے تھے۔ وہ کافی آرام دہ لگ رہا تھا۔

''یہ کون ہے؟''

''زمر کا منگیتر۔'' ہاشم نے ایک دم اکتا کر ماں کو دیکھا۔

''ممی آپ کیا کرتی پھر رہی ہیں؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ہر چیز سنبھال رہا ہوں تو پھر یہ سب کیا ہے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا، صرف ایکسیلیٹر پہ پاؤں رکھا ہے، یہ منگنی ویسے ہی ٹوٹ جانی تھی۔ جتنی جلدی ٹوٹے گی اتنا زیادہ زمر اپنے بیان پہ قائم رہے گی۔ ورنہ تم اس کے خاندان کو جانتے ہو، وہ اسے بیان بدلنے پہ مجبور کر سکتے ہیں۔'' ہاشم کے لئے اتنا بہت تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔

''رات کو کھانے پہ ملتے ہیں۔'' کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

کوریڈور سے گزرتے ہوئے جیلانی صاحب نے اسے دیکھ کر گرم جوشی سے حماد سے تعارف کروانے کی کوشش کی۔

''یہ ہاشم...'' مگر وہ ایک نظر بھی ڈالے بغیر سخت تاثرات کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ اورنگ زیب کے آفس کا دروازہ زور سے کھولا۔ وہ اندر اپنی کمپنی کے لوگوں اور ان پی کیپ والے کنسلٹنٹ کے ساتھ مصروف نظر آ رہے تھے۔ ہاشم نے سخت نگاہوں سے صرف ایک اشارہ کیا اور وہ سب اپنی اپنی چیزیں اٹھائے باہر نکل گئے۔ اورنگ زیب قدرے تشویش سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ میز کے سامنے آیا اور بولا۔

''میں علیشا کے معاملے کو سنبھال لوں گا، لیکن پھر آپ کو ایک قربانی دینی پڑے گی۔''

''اور وہ کیا؟''

''وہ فارس کی ایلی بائی ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ لڑکی چپ چاپ یہاں سے چلی جائے تو پھر وہ فارس کے حق میں بیان نہیں دے گی۔ علیشہ کے جانے کا مطلب ہے فارس جیل سے نہیں نکلے گا۔'' اورنگ زیب کاردار ماتھے پہ بل لئے اس کو سنتے رہے۔ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔

''عجیب اتفاق ہے کہ دونوں کیسز میں وہی لڑکی اس کی ایلی بائی ہے۔''

''پھر میں علیشا کو یہاں سے بھیج دوں گا، لیکن آپ فارس کو نکلوانے کی بالکل کوشش نہیں کریں گے۔'' اورنگ زیب کاردار نے ہلکے سے شانے جھٹکے۔

''مجھے اس کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے، یقیناً اس نے علیشا کو کچھ دے کر اس گواہی پہ مجبور کیا ہوگا۔ تو ٹھیک ہے وہ چلی جائے یہ زیادہ بہتر ہے۔''

ہاشم ان کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتا مڑ گیا۔ تیز تیز چلتا باہر آیا۔ باقی لوگ تو بکھر گئے تھے صرف کنسلٹنٹ لڑکا جو وہاں کھڑا تھا فوراً سے اس کی طرف لپکا۔

"اگر ان خفیہ میٹنگز کا تعلق اس لڑکی سے ہے جو اس دن آئی تھی تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں ہمیں اسے کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ ایسی لڑکیاں....."

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتا، ہاشم نے جھپٹ کر اسے گردن سے پکڑا، دیوار سے لگایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر انگلی اٹھا کے، چبا چبا کر بولا۔

"آئندہ میرے مخاطب کیے بغیر مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو تمہیں یہیں پہ گاڑ دوں گا۔ سمجھ آئی؟" ہکا بکا سے لڑکے کی گردن جھٹکے سے چھوڑی، اپنے کوٹ کی نادیدہ شکن درست کی اور اسے گھورتا ہوا واپس مڑ گیا۔ منع کیا تھا اس نے اپنے باپ کو یہ سیاست اور اس کے جھمیلوں میں پڑنے اور پھر اس جیسے تازہ گریجویٹ ہوئے خود کو ماہر اینالسٹ سمجھنے والے لڑکوں کو بھاری تنخواہوں پہ رکھنے سے، مگر نہیں اس کی کون سنتا تھا بھلا۔ یا شاید اسے غصہ بہت آ رہا تھا آج کل۔

وہ کہیں بھی نہیں گیا۔ گاڑی میں بے مقصد ڈرائیو کرتا رہا۔ اور پھر رکا تو سامنے ایک فلورل مارکیٹ تھی۔ ہاشم اترا ایک بڑا سا گلدستہ لے کر اسے فرنٹ سیٹ پہ رکھا اور جب دوبارہ ڈرائیو کرنے لگا تو آنکھوں میں شدید کرب تھا۔

اب کہ وہ اترا تو سامنے قبرستان تھا۔ وہ پھول ہاتھ میں پکڑے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا قبروں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ زرتاشہ غازی، وارث غازی۔ یہ قبریں قریب قریب تھیں۔ کہیں آس پاس زمر کی والدہ کی قبر بھی تھی۔ اور سعدی کے والد کی بھی۔ مگر وہ صرف زرتاشہ کی قبر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جھک کر بہت ادب سے گلدستہ اس کے اوپر رکھا پھر سیدھا ہوا، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے۔ جوتے سے مٹی پہ پڑا کوئی کنکر مسلتے ہوئے وہ کتنی دیر کھڑا لب کاٹتا رہا۔

"آئی ایم سو سوری زرتاشہ، تم بہت پیاری بہت معصوم سی تھیں، میں واقعی ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میری مجبوری تھی۔ بہت سے لوگوں کی خوشیوں کے لیے کسی ایک کو قربانی تو دینی پڑتی ہے۔" ہولے سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے اداس نظروں سے قبر کے کتبے کو پڑھا۔

"مگر شاید تمہارے لیے یہی بہتر تھا۔ تم فارس کے ساتھ خوش نہیں تھیں، تمہیں ایک جنت میں رہنے کی آرزو تھی۔ امید ہے اب وہ پوری ہو گئی ہو گی۔ زیادہ امید ہے کہ فارس بھی جلد تمہیں جوائن کر لے گا۔ تم دونوں ہم سے زیادہ خوش رہو گے۔ تمہارے لیے اچھا ہی ہوا۔" سر اثبات میں ہلاتے اسے جیسے تسلی ہوئی۔

پھر بھی وہ کافی دیر وہاں کھڑا رہا۔ بارش کے بعد کی گیلی ہوئی مٹی کی سوندھی خوشبو اور قبروں کا سناٹا آس پاس خاموشی سے تیرتا رہا۔

..................❖❖❖..................

ہم سے ہمارے حال کی تفصیل پوچھیے ...... ہمدردیوں کے نام پہ سازش بہت ہوئی

ماحول میں عجیب سا تناؤ تھا، سعدی مضطرب اور بے بس سا کھڑا سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ جہاں فارس نفی میں سر ہلاتا دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا اس کے چہرے پہ شدید غصہ تھا جیسے بس نہ چلتا ہو وہ کسی کا گلا دبا دے۔ پھر ایک دم وہ سامنے آیا دونوں ہاتھوں سے سلاخوں کو پکڑ کر اسی طیش سے سعدی کو دیکھا۔

"میں نے نہ کوئی کال کی تھی نہ میں اس دوہرے قتل میں ملوث ہوں۔ اگر تمہاری پھوپھو یہ بات بار بار کر رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ جانتی ہیں یہ سب کس نے کیا۔ اور وہ کسی کو کور کر رہی ہیں۔" گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے چہرے پہ چھائی ندامت میں حزن بھر گیا۔

"پھوپھو جھوٹ نہیں بولتیں، انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کس قسم کی غلط فہمی؟ وہ کہہ رہی ہیں کہ میں نے یہ قتل کیے ہیں اور تم کہہ رہے ہو غلط فہمی؟" اس نے غصے سے سلاخ کو جھٹکا دیا۔ مگر وہ سلاخیں بہت مضبوط تھیں یہ جھٹکے ان کو توڑنے کے لیے ناکافی تھے۔ فارس بے بسی سے سلاخوں سے پشت لگائے کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ اب سعدی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہی اپنے ماموں کا مجرم ہے کیونکہ وہ اس کے سامنے مسلسل زمر کی طرف داری کر رہا تھا۔

"کیا پتا کسی نے پھوپھو کو مجبور کیا ہو؟ ڈرایا ہو، دھمکایا ہو؟ اتنا خوفزدہ کر دیا ہو کہ وہ یہ سب کہنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔" فارس نے اس کی طرف پشت کیے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں نہیں مانتا، کس قسم کی خاتون ہیں وہ جانتا ہوں میں۔ انہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مرضی سے کسی کو کور کر رہی ہیں۔"

"آپ فکر مت کریں ہم اس مسئلے کا حل نکال لیں گے۔ پھوپھو اپنا بیان واپس لے لیں گی۔ میں اور ہاشم بھائی آپ کو...."

فارس پھر کر اس کی طرف مڑا۔ "بھاڑ میں گیا ہاشم۔ مجھے اس کی کسی بات پہ یقین نہیں ہے نہ اسکے کیے گئے وکیل پر نہ اس کے کسی وعدے پر۔ وہ تو سب سے زیادہ خوش ہوگا مجھے یہاں دیکھ کر۔" سعدی کی آنکھوں میں گہرا دکھ ابھرا۔

"آپ ان کے بارے میں ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ سب کزنز کے درمیان رقابتیں جھگڑے چلتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آپ کو یہاں دیکھ کر خوش ہوں۔ وہی آپ کے لیے سب سے زیادہ کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں ہاشم کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، وہ جان بوجھ کر یہاں آتا ہے، تاکہ مجھے یہاں دیکھ کر فاتحانہ مسکرا سکے۔ اگر آج کوئی اٹھ کر یہ کہہ دے کہ میرے بیوی اور بھائی کا قتل بھی ہاشم نے کیا تھا تو میں مان لوں گا۔" غصے میں وہ جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ سعدی بے یقینی اور دکھ سے پیچھے ہٹا۔ اسے اتنا گہرا صدمہ لگا تھا کہ وہ کچھ کہنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ مگر کہنے کی نوبت آئی بھی نہیں۔ کیونکہ چند منٹ کے لیے ان کو چھوڑ کر باہر گیا ہاشم واپس آ گیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" آواز پہ سن سے کھڑے سعدی نے چونک کر سر موڑا اور غصے سے تیز تیز بولتے فارس نے رک کر ادھر دیکھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گرے سوٹ میں ملبوس ہاشم کے چہرے پہ سنجیدگی تھی اور گہرا ملال بھی۔

"بالکل ٹھیک، میں ہی گدھا، الو کا پٹھا ہوں جو اپنے ہزار کام چھوڑ کر تمہارے لیے دن رات ایک کر رہا ہوں۔ میری ماں کبھی ڈی اے کے پاس جاتی ہے اور کبھی اس کے منگیتر کے پاس کہ کسی طرح اس کا یہ رشتہ بچ جائے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی میں پرسکون ہو کے اپنی محرومیوں کا بدلہ تم سے نہ لے۔ اپنی بیوی، اپنی بچی، ان کو کتنے دن سے نظر انداز کر کے میں ادھر تمہارے لیے خوار ہو رہا ہوں اور تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں یہاں مزہ لینے آتا ہوں۔" جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم بہ قدم چلتا وہ سلاخوں کے قریب آیا۔ فارس ابھی تک انہی سنجیدہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سعدی نے پریشانی سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ بہت ہرٹ لگ رہا تھا۔

"مجھے تمہاری کسی بات پہ اعتبار نہیں ہے، سب یاد ہے مجھے کس طرح میری بیوی کو میرے خلاف بہکاتے تھے۔" فارس جواباً غرایا۔

"جیسا کہ میں نے کہا، میں ہی بے وقوف تھا جو اتنے دن سے تمہارے لیے کوششیں کر رہا تھا۔ حالانکہ میرا باپ جس کا تم سے رشتہ مجھ سے زیادہ ہے۔ تم پہ لعنت بھیج کر اپنی کیمپین میں مصروف ہے، اس لیے یو نو وہاٹ فارس؟ تمہاری یہ بلیم گیم دیکھ کر مجھے بھی یقین ہونے لگا ہے کہ تم ہی اس دوہرے قتل کے پیچھے ہو۔ میری طرف سے تم سڑو اس جیل میں، میں جا رہا ہوں۔" دکھ اور برہمی بھری آنکھوں سے اس کو دیکھتا وہ پلٹا اور تیز تیز باہر نکل گیا۔ سعدی تیزی سے سلاخوں کے قریب آیا۔

"آپ کیوں اپنے غصے میں بے قابو ہو جاتے ہیں؟ وہ ہاشم بھائی ہیں۔ آپ کو پتا ہے وہ کتنے دن سے یہاں پہ خوار ہو رہے ہیں

۔۔۔ے ساتھ۔ آپ کے وکیل کی فیس' تمام اخراجات' پولیس آفیسر سے سفارشیں ہر چیز وہی کر رہے ہیں۔ اور آپ پھر بھی انہی کو الزام دے رہے ہیں۔ مائی گاڈ۔" وہ بے حد بے یقین تھا، اور جیسے ہاشم سے زیادہ ہرٹ ہوا تھا۔ فارس نے غصے سے سر جھٹکا۔

"میں کسی پہ الزام نہیں دے رہا، میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔"

"آپ نے کہا کہ وہ اس قتل میں ملوث ہیں، آپ نے ان پہ اتنا بڑا الزام لگا دیا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا، ظاہر ہے وہ اس میں ملوث نہیں ہے۔ ان کا میرے بھائی یا بیوی سے کیا لینا دینا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ مخلص ہے۔ وہ ہاشم کاردار ہے، اگر وہ چاہتا تو میں دو منٹ میں باہر ہوتا' میں باہر اس لیے نہیں ہوں کیونکہ اس نے چاہا ہی نہیں۔" سعدی نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی' کہ میرے ارد گرد کے اتنے صحیح لوگ اتنی غلط باتوں پہ کیوں اڑ چکے ہیں؟" اور گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھتا ہاشم کے پیچھے باہر کو لپکا۔

وہ پولیس اسٹیشن کے باہر اپنی کار کے ساتھ کھڑا تھا' جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور افق کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کوئی سوچ تھی' اذیت بھی تھی۔ لب بھینچے ہوئے تھے، سعدی کو بے پناہ شرمندگی نے آن گھیرا۔ وہ جلدی سے اس کے قریب آیا۔

"میں آپ سے معذرت کرتا ہوں ماموں کی طرف سے۔ وہ غصے میں کہہ گئے جو بھی کہا۔ لیکن آف کورس ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔"

ہاشم نے انہی نظروں سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو قتل کیسے کر سکتا ہے، اسی لیے میں نے سوچا کہ فارس نے یہ نہیں کیا ہوگا۔ بالکل ایسے ہی میں یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کوئی آدمی اپنے بھائیوں جیسے کزن پہ یہ الزام کیسے لگا سکتا ہے۔ مگر رکو۔ کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں فارس کے ساتھ مخلص نہیں ہوں؟ یا اس سب میں میرا ہاتھ ہو سکتا ہے؟؟" سعدی نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آف کورس نہیں، انہوں نے خود بھی کہا کہ ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ غصے میں کہہ گئے۔ پلیز آپ دل پہ مت لیں۔" پھر فکر سعدی سے متذبذب سا بولا۔

"ہمیں آج لائیر کے پاس بھی جانا تھا' ہاشم بھائی آپ وہاں جا رہے ہیں نا؟" اس کے دل کو دھڑکا لگ گیا تھا، ہاشم کے چہرے پہ زخمی مسکراہٹ ابھری۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ فارس کی باتوں کی وجہ سے میں اس کے لیے بہترین وکیل نہیں کروں گا یا وکیل کو فیس دینا یا اس کی سفارشیں کرنا بند کر دوں گا تو تم ہاشم کاردار کو نہیں جانتے۔ آف کورس' ہم ابھی وکیل کے پاس جائیں گے۔ ہم بہترین اسٹریٹجی اپنائیں گے اور چند دن میں فارس باہر ہوگا۔ ڈونٹ وری۔" تکان سے کہتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا۔

"آپ خود بھی تو یہ کیس لڑ سکتے ہیں!؟"

"فارس اور میرا ایک رشتہ بھی ہے جو اتنا اچھا نہیں ہے۔ میں پیسے بچانے کو اس کے لیے شہر کا بہترین وکیل نہ کروں، تو یہ میرے نزدیک غلط ہے۔ میرے ساتھ وہ کبھی بھی آرام دہ ہو کر بات نہیں کرے گا۔ اپنے وکیل سے کر لے گا۔ میں لوگوں کے لیے بغیر کسی صلے کی امید کے فیورز کرتا رہتا ہوں، دکھ صرف اس بات کا ہے کہ جس کزن کے لیے میں اپنی بیوی کو بھی ٹائم نہیں دے پا رہا تھا جس کی وجہ سے وہ مجھ سے لڑ بھی پڑی۔ اس کزن نے مجھے یوں کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔" سر جھٹکتے ہوئے چابی نکالتا، کار کا ڈرائیونگ ڈور کھول رہا تھا۔ سعدی نے ایک دم چونک کے اسے دیکھا۔ نگاہوں کے سامنے اسپتال کا منظر گھوما، بازو سے آستین اوپر کر کے اپنے زخم دکھاتی شہرین، اس کی آنکھوں کا کرب اور اس نے راز کھل جانے کے بعد کی بہادری۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی، ان کی واقعی لڑائی ہوئی تھی۔ مگر فارس کی وجہ سے نہیں، تو پھر۔۔۔ وہ ایک دم

ہاشم کو دیکھنے لگا۔ وہ بالکل مختلف بات کر رہا تھا۔

"چلو" ہاشم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خیال کی دھند ہٹی' تو ہاشم کے چہرے کا ملال نظر آیا وہ ابھی تک فارس کی باتوں پہ افسردہ تھا۔ سعدی ذہن سے تمام سوچوں کو جھٹک کر گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف آیا۔ وہ بھی پتا نہیں کیا سوچنے لگا تھا۔

.... ٭٭٭ ....

وہ کانٹا ہے جو چبھ کر ٹوٹ جائے ..... محبت کی بس اتنی داستاں ہے

حنین بڑے ابا کی وہیل چیر گھسیٹتی اسپتال کی راہداری میں آگے لا رہی تھی۔ وہ افسردہ سے گردن ایک جانب جھکائے بیٹھے تھے۔ زمر کو سمجھایا' منت کی' مان جتایا' مگر وہ ہمیشہ کی طرح ہٹ دھرم اپنی بات پر اڑ چکی تھی۔ چونکہ اس نے کہہ دیا' کہ وہ فارس تھا' تو اب قیامت تک وہ فارس ہی تھا جس نے اسے کال کی تھی۔ وہ ایک انچ بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ چونکہ میڈم رمشہ اس سے ملنے آئیں تھیں' اس لئے انہوں نے حنین سے کہا کہ وہ انہیں باہر لے جائیں۔ اور اب وہ دونوں باہر جا رہے تھے۔ حنین بھی خاموش تھی' اور بڑے ابا بھی۔ پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"بڑے ابا! کیا کبھی چیزیں ٹھیک ہوں گی؟"

انہوں نے گردن اٹھائے بغیر کہا۔ "شاید۔" وہ وہیل چیئر دھکیلتی آگے نکل گئی۔

راہداری میں بینچ پہ سر ہاتھوں میں گرائے سعدی نے پہیوں کی آواز سنی مگر چہرہ نہیں اٹھایا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ اپ سیٹ تھا۔ ندرت اس کو پرامید نظروں سے دیکھتی تھیں کہ وہی پھوپھو کو سمجھائے۔ فارس کا رویہ' ہاشم کی تمام کوششیں' کچھ بھی ان کے حق میں جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ زمر کے بار ہا اپنے بیان پہ ڈٹے رہنے کے بعد ندرت اسپتال نہیں آئی تھیں۔ بہانہ سارہ کا تھا۔ بھائی مرا ہے' بھابی اکیلی ہے' اکی بچیاں' ان کا خیال۔ وہ جانتا تھا' کہ وہ فارس کی وجہ سے پھوپھو سے کھنچ سی گئیں ہیں' مگر اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک تھیں۔ شاید اپنی جگہ زمر بھی ٹھیک تھی۔ مگر ٹھیک تو وہ بھی تھا۔ صرف حالات غلط تھے۔

وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا' یہاں تک کہ میڈم رمشہ باہر نکلیں۔ اس کے قریب آ کے رکیں' کسی احساس کے تحت سعدی نے سر اٹھایا۔ پھر ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر کھڑا ہو۔

"السلام وعلیکم میم!" ادب سے سر کو خم دے کر سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہت افسوس ہوا زمر کا' اللہ اس کو صحت دے۔" سعدی نے افسردگی سے ہاں میں گردن ہلائی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ کتنے سال رہ گئے ہیں؟"

"بس دو۔"

"اور کتنے دن کی چھٹی پہ آئے ہو؟" وہ ساتھ ہی بینچ پہ بیٹھ گئیں' سعدی دوسرے کنارے پہ الرٹ سا ٹک گیا۔ اس بنچ کی تین ہی نشستیں تھیں' اب درمیان کی خالی تھی۔

"بس دو ہفتے رہ گئے ہیں' پھر واپس جانا ہے۔"

"آپ کے ماموں کا بھی ابھی سنا' بہت افسوس ہوا بیٹا۔" وہ شائستگی اور لحاظ سے تعزیت کر رہی تھیں۔ سعدی سنتا گیا' چند ایک تفصیلات بتائیں' کس طرح ہوا؟ کیا ہوا؟ اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی گفتگو کا رخ فارس کی طرف مڑ گیا۔

"کیا آپ زمر کو سمجھا نہیں سکتیں؟ کہ وہ ماموں کے خلاف دیا گیا بیان واپس لے لیں۔ وہ آپ کی بہت مانتی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد سعدی نے قدرے امید و لجاجت سے آگے ہو کر کہا۔ میڈم رمشہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہیں، پھر ہلکا سا کھنکار کر بولنا چاہا۔

"میرا نہیں خیال کہ کسی شخص کو اس کی اٹل رائے سے موڑنا آسان ہوتا ہے۔" سعدی بددل سا ہو کر پیچھے ہو گیا۔ میڈم کی طرف کیا گیا رخ بھی سامنے کو موڑ لیا۔ اب وہ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے سر ہاتھوں پہ گرائے ان سے لاتعلق ہو گیا تھا۔ میڈم رمشہ گہری نظروں سے اس کے ہاتھوں میں آدھے چھپے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتی رہیں۔ پھر خود بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں، گود میں رکھا پرس بنچ کی خالی نشست پہ رکھا اور سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

"میرا بڑا بھائی ایروناٹیکل انجینئر ہے۔ ہم تین سال سے ایک دوسرے سے نہیں ملے، بات بھی نہیں کی، نہ وہ ہمارے بچوں کی شادی پہ آیا نہ ہم اس کی پہ گئے۔ میری فرسٹ کزن میری بچپن کی دوست تھی۔ اونکالوجسٹ ہے، اسی شہر میں رہتی ہے۔ ہم نے سات سال سے ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھی، کوئی فوتگی ہوئی تو چلے گئے۔ زندوں کے لئے نہیں گئے۔ میری سب سے چھوٹی بہن اور میرے دوسرے نمبر کے بھائی کی آپس میں پچھلے ساڑھے پانچ سال سے ناراضگی ہے، دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ میری امی اس ساری صورتحال سے بہت غمزدہ رہتی ہیں۔"

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے ہلکے ہلکے سے کہتی جا رہی تھیں۔ سعدی اسی طرح سر ہاتھوں میں لئے بے بسی سے سنتا گیا۔ اسے لگا شاید وہ خود سے بول رہی ہیں۔

"مگر مجھے امید ہے کہ میری ماں کے مرنے پہ سارے بہن بھائی آ جائیں گے، مل بھی لیں گے۔ کیونکہ ناراض رشتوں کو عموماً کسی کے مرنے کا انتظار ہوتا ہے۔ مگر کیا تم جانتے ہو؟ کہ یہ ساری لڑائیاں یہ ساری ناراضگیاں شروع کیسے ہوئیں تھیں؟"

سعدی نے ہاتھ گرائے، چہرہ اٹھایا، ذرا موڑ کر آنکھوں میں اکتاہٹ بھری پریشانی لئے میڈم کو دیکھا، ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے کہتی گئیں۔

"یہ سب تب شروع ہوا جب ہر ایک فریق نے اپنی صحیح یا غلط بات کے لئے دلیلیں پیش کرنا شروع کیں۔ جب دوسرے کی بات بحث کے لئے سنی گئی، معاملے کو حل کرنے کے لئے نہیں۔ توپ کوئی نہیں چلاتا، پتھر کوئی نہیں مارتا، باتیں... صرف باتیں ہی گھروں میں دراڑیں ڈالتی ہیں، ان کو توڑتی ہیں، رشتے کاٹتی ہیں، صرف باتیں۔"

سعدی پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

"میں سمجھ رہا ہوں، اگر آپ کا اشارہ میری پھوپھو سے کی گئی بدتمیزی یا بحث کی طرف ہے تو پلیز مجھے کلیئر کرنے دیں، یہ کسی کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے، میں صرف....."

"میری ایک دوست تھی، بہت اچھی، بہت قابل۔ عام سی شکل کی تھی۔ مگر اس کی شخصیت میں کوئی ایسی کشش تھی ایسا رعب تھا کہ آس پاس سب مرعوب ہو جاتے۔"

وہ اس کی بات سنے بغیر سامنے دیکھتے ہوئے گویا خود کلامی کے انداز میں کہتی جا رہی تھیں۔ سعدی کو اب بے زاری ہونے لگی۔

"میں اس کے پاس ایک کیس کے سلسلے میں گئی تھی، وہ وکیل تھی۔ بہت اچھی بہت قابل۔ اس نے میرا مسئلہ بھی حل کر دیا۔ اور تب سے کسی بھی قانونی مشاورت کے لئے میں اسی کے پاس جاتی ہوں۔ بہت بھاری فیس لیتی ہے، ایک پائی نہیں چھوڑتی۔ مگر اچھی لڑکی ہے۔ اپنے مسئلوں کے لئے کبھی میرے پاس نہیں آئی، سوائے ایک دفعہ کے جب اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ چاہئے تھا۔"

بے دھیانی سے سنتے سعدی نے ایک دم چونک کر گردن موڑی' استعجاب سے آنکھیں سکیڑ کر میڈم کو دیکھا۔ وہ بدستور سامنے دیوار کو دیکھتی کہے جا رہی تھیں۔

''اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ نہیں مل سکا' نہ وہ اتنا لائق تھا' نہ اتنا غریب کے وہ ہمارے معیار پہ پورا اترتا مگر وہ سمجھی کہ اس کا نام ان وں اسٹوڈنٹس کی لسٹ میں اس لئے نہیں ہے کیونکہ یہ فہرست میں نے کمیشن لے کر تیار کی ہے۔ وہ میرے پاس آئی' ایک لمبی تقریر کی' کہ کس کس طرح وہ مجھے برباد کر سکتی ہے، بدنام کر سکتی ہے، اور ہر قیمت پر اس بات کو یقینی بنا سکتی ہے کہ اس کا بھتیجا وہ اسکالرشپ جیتے۔ میں ہر بات تحمل سے سنتی گئی۔ آخر میں' میں نے اسے بتایا' وہی جو سچ تھا کہ یہ اسکالرشپ اس کے بھتیجے کو کبھی نہیں ملے گا۔''

سعدی یوسف بالکل سن' متحیر سا سنتا جا رہا تھا، اسے اپنے سانس لینے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

''وہ سنتی گئی اور اس کے چہرے کا رنگ نچڑتا گیا، ایسے جیسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ اس کا بھتیجا کسی سے کم ہو سکتا ہے۔ بہت دیر لگی اس کو اپنی اٹل رائے سے ہٹنے میں۔ چاہے وہ غلط تھی مگر وہ کسی کی محبت میں ہی غلط تھی۔ کسی کی محبت میں غلطی کرنا پتا نہیں غلط ہوتا ہے یا نہیں۔ اور پھر زندگی میں پہلی دفعہ میری اس دوست نے مجھ سے ایک فیور مانگا۔ میں جھوٹ نہیں بولتی، بولنا بھی نہیں چاہیے' لیکن اس کے لئے میں نے بول دیا، اسی لڑکے سے۔ وہ میرے پاس آیا تو میں نے کہا اسے کسی دل کے امیر آدمی نے اسکالرشپ کے لئے اسپانسر کر دیا ہے۔ شاید یہ جھوٹ بھی نہیں تھا، مگر اس کی پھوپھو مجھے پابند کر چکی تھی کہ میں اسے نہیں بتاؤں گی کہ وہی اس کی فیس دے رہی ہے۔ بس ایک بات پہ مجھے حیرت ہوئی...''

وہ بولتی جا رہی تھیں اور سعدی سانس روکے ان کو دیکھ رہا تھا۔ ساری دنیا ختم ہو گئی تھی۔ بس باتیں رہ گئی تھیں۔ جو وہ سن رہا تھا، اور جو وہ اس بار ان زمر سے کر آیا تھا۔

''یہی کہ وہ اتنی امیر نہیں ہے، پھر اتنی بھاری فیس کیسے ادا کرے گی؟ میرے اصرار پہ اس نے بتایا' کہ اس کے پاس ایک پلاٹ ہے، جو اس کے والد نے اس کے نام کر رکھا ہے، اس کی شادی' اس کے فیوچر کی ساری سیکیورٹی اس پلاٹ کے اوپر ہے۔ اس نے کہا' وہ اس پلاٹ کو بیچ دے گی۔ نیچرل سی بات ہے، میں نے اسے منع کیا' کہ اگر ایک لڑکا اپنی ذہانت یا محنت کے بل بوتے پر ایک بڑی یونیورسٹی نہیں جا سکتا، تو کیا ضروری ہے اس کے پیچھے اپنی آرام وہ زندگی کی سیکیورٹی کو داؤ پہ لگا دو؟ تب اس نے مجھے ایک بات کہی۔ ساری زندگی تو نہیں مگر چند سال تو میں ضرور یاد رکھوں گی۔ اس نے کہا' ''میرے خاندان کی سیکیورٹی وہ پیسہ نہیں ہے۔ ہماری سیکیورٹی' ہمارے خاندان کا وہ پہلا بچہ ہے جس کو میں نے انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا تھا۔ اب جب وہ بھاگنے کے قریب آیا ہے' تو مجھے اس کے لئے راستہ تو بنانے دیں۔'' اور پھر اس نے وہ پلاٹ بیچ دیا۔ اب وہ مسلسل میرے پاس رقم جمع کرواتی ہے۔ میں اس رقم کو ایک اسکالرشپ ڈونیشن فنڈ کے طور پر اس لڑکے کی فیس کے لئے اس کے حوالے کر دیتی ہوں۔ ذرا سا جھوٹ' اور کسی کی زندگی بن گئی، برا سودا نہیں تھا۔ مگر قربانی تھی۔ کیونکہ محبت ایک بہت سادہ اور ایک بہت پیچیدہ شے ہے۔''

سعدی کا رنگ ایسے سفید ہو رہا تھا' جیسے سانس تک نکل چکی ہو۔ وہ بنا پلک جھپکے بس ان کو دیکھ رہا تھا۔ شاکڈ، حیرت زدہ، متعجب۔

''کیا یہ سچ ہے؟ کیا پھوپھو نے ....'' اس کے الفاظ حلق میں ہی ٹوٹ گئے۔ میڈم رمشہ نے چونک کر اسے دیکھا اور حیرت سے پوچھتے ہوئے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔

''کیا؟ میں نے تو پچھلے پانچ منٹ میں تم سے کوئی بات نہیں کی۔ میں تو کچھ سوچ رہی تھی۔ شاید میں اونچا سوچنے لگ گئی ہوں۔ بوڑھے ہونے والے لوگوں کو یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ کسی دماغی مرض کی وجہ سے کسی انسان کو کانفیڈینشیلٹی توڑنے پر موردِ الزام ٹھہرانا چاہیے، اور یہ اونچا بولنا ایک دماغی مرض ہی تو ہے۔ اونہوں۔'' موبائل پرس میں ڈالتے ہوئے' سرنفی میں ہلاتے' جیسے اپنے نگی

یاددہانی کرتے ہوئے انہوں نے اس کو مسکرا کر خدا حافظ کہا اور آگے بڑھ گئیں۔

وہ آہستہ سے اٹھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کاریڈور میں آگے بڑھتا گیا۔ سفید چہرہ، خالی ویران آنکھیں لیے وہ چلتا رہا، یہاں تک کہ ہسپتال کے دروازے آ گئے۔ باہر لان میں روش پہ بڑے ابا کی وہیل چیئر دھکیلتی حنین نے چونک کر اسے یوں ڈھیلا ڈھیلا سا چلتے دیکھا اور پھر رک کر دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ مخالف سمت چلتا، دور ہوتا گیا۔ کوئی موڑ آیا اور وہ نظروں سے اوجھل تھا۔

حنین کے چہرے پہ فکرمندی در آئی۔ وہ وہیل چیئر کو موڑ کر اسی سمت لے گئی، ساتھ میں بے دھیانی سے بڑے ابا کو سن بھی رہی تھی۔

”اورنگزیب کاردار کو فارس کے اوپر سے ہاتھ یوں کھینچنا نہیں چاہیے۔ ان کو ایک دفعہ ہم سے بات کرنی چاہیے تھی۔“

”وہ زمر پھپھو کے علاج کا سارا خرچہ اٹھا رہے ہیں، یہی بہت ہے۔“ وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی، وہیل چیئر آگے لا رہی تھی۔

”یعنی وہ فارس کو قصوروار سمجھتے ہیں، تبھی مداوا کر رہے ہیں۔“ بڑے ابا افسوس سے سر ہلاتے کہہ رہے تھے۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔

یہاں درخت تھے، بیلوں کی باڑ تھی، اور کونے میں واٹر کولر لگا تھا۔ سبزے میں ٹھنڈا میٹھا پانی۔ حنین کے قدم رکے نہیں، آہستہ ہو گئے۔ آنکھوں میں شدید صدمہ سا اترا۔

کولر کے دائیں طرف درخت تھا، درمیان میں تھوڑی سی جگہ تھی، وہاں سکڑ کر رخ دیوار کی طرف کیے سعدی دوزانو بیٹھا تھا۔ سر گھٹنوں پہ رکھے وہ آہستہ آہستہ رو رہا تھا۔ ساتھ ہی بار بار شرٹ کی آستین سے آنسو صاف کرتا، پھر سے چہرہ جھکائے رونے لگ جاتا۔

حنین کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔ وہ رکنا چاہتی تھی، مگر بڑے ابا کے اسے یوں روتے دیکھنے کا خوف تھا، یا سعدی کے خود کو یوں دیکھے جانے پہ شرمندگی کا ڈر، وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھتی گئی۔ بڑے ابا گردن گرائے افسردہ سے اپنی کہتے گئے۔ حنین کی عینک کے پیچھے آنکھیں گلابی پڑتی گئیں۔ وہ رو رہا ہے۔ بھائی رو رہا ہے۔ مگر کیوں؟

”کیا پھپھو ٹھیک ہو جائیں گی، بڑے ابا؟“ اس نے خود کو کہتے سنا۔ ”بھائی ان کی بیماری پہ بہت اپ سیٹ ہے۔“ وہیل چیئر دھکیلتی وہ کولر کو پیچھے چھوڑ کر دور جا رہی تھی۔ ساتھ ہی آواز بھی مدھم پڑتی گئی۔ بڑے ابا نے جواب میں کیا کہا، درختوں تک آواز نہیں پہنچی۔ وہ دور ہوتے گئے۔

سعدی اکیلا بیٹھا بدستور رو رہا تھا۔

* * *

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں ..... تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

وہ شام سعدی کے دل کی ساری سوگواریت اپنے اندر سموئے اتری تھی۔ وہ سارہ کے گھر کے کچن میں رکھی کرسی پہ خاموش بیٹھا تھا۔ ندرت منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتیں، سامنے کھانا رکھ رہی تھیں۔

”زمر کو خیال کرنا چاہیے تھا۔ جب زرتاشہ کے والد اور وارث کی بیوی فارس کو بے گناہ سمجھتے ہیں، تو وہ کیوں ایسا کر رہی ہے؟“

سعدی سر جھکائے، سنجیدگی سے خالی پلیٹ کو دیکھتا رہا۔ ندرت نے اس کی پلیٹ میں سالن ڈالا، روٹی نکال کر دی۔

”کھاؤ بیٹا۔“ اس نے بے دلی سے روٹی کا لقمہ توڑا۔ پھر نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ وہ پرامید سی، پریشان سی اس کو دیکھ رہی تھیں۔

”تم پھپھو سے بات کرو نا، وہ اپنا بیان واپس لیں۔“ پھر ٹھٹکیں، غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ”تمہیں کیا ہوا؟ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔“

''کچھ نہیں۔فلو ہے۔'' وہ گیلی آواز میں کہہ کر سر جھٹکتا' پلیٹ پہ جھک گیا۔

''میں جوشاندہ بنادوں گی' اس کے بعد پی لینا۔ٹھیک ہو جائے گا۔''

کاش دل کی بیماریوں کا بھی کوئی تریاق ہوتا' گھول کر پی لو اور سب خوش باش ہو جائے۔اس نے تلخی سے سوچا تھا۔

''کیا تم نے دوبارہ پھپھو سے بات کی؟''

''نہیں۔''

''کوشش تو کرو۔فارس میرا بھائی ہے' سعدی ' مجھے اس کی فکر ہے۔''

''زمر میری پھپھو ہیں' اور مجھے ان کی فکر ہے۔''

''اس کا علاج ہو رہا ہے' وہ انشاءاللہ جلد صحت یاب....''

سعدی نے بد دلی سے پلیٹ پرے کر دی۔''ان کے علاج پہ جو خرچہ ہو رہا ہے' وہ اورنگزیب کاردار اٹھا رہے ہیں' ہے نا؟'' ندرت کو تلخی سے دیکھ کر وہ ایک دم پوچھنے لگا۔وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگیں۔

''ہاں' بڑے ابا چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکے۔کیسے کرتے؟ ان کا سب تو زمر کے جہیز اور زیور پہ خرچ ہو گیا۔''

''اور وہ پلاٹ؟ پھپھو کے پاس تھا نا ایک پلاٹ' وہ کہاں گیا؟ شادی کا خرچہ تو بڑے ابا نے مین مارکیٹ میں اپنے نام کی واحد دکان بیچ کر اٹھایا تھا' یہ بھی مجھے پتہ نہ چلتا اگر آپ نہ بتاتیں۔''

''ہاں' وہ زعیم بھائی (ندرت کے کزن) کو بیچی تھی' اس لئے مجھے پتہ چل گیا۔پلاٹ تو زمر نے پہلے ہی بیچ دیا تھا۔'' وہ اب اپنی پلیٹ میں سالن ڈال رہی تھیں۔''کسی مقدمے وغیرہ کے لیے اسے رقم کی ضرورت تھی' تو بیچ دیا۔بڑے ابا نے ایک دفعہ میرے پوچھنے پہ بتایا تھا۔''

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں' پھر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ندرت نے روکا کہ کھانا تو کھالے مگر وہ لاؤنج میں آ گیا۔ وہاں بڑے صوفے کے کنارے سارہ بیٹھی تھی۔پیر اوپر کیے' بھورے رنگ کا دوپٹہ سر پہ لپیٹے' وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے' دیوار کو دیکھ رہی تھی یا شاید اس کے پار۔اسے آتے دیکھ کر چہرہ سیدھا کیا' اداس سا مسکرائی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ مسکرا بھی نہ سکا' بس سامنے کھڑا ہو گیا۔سر جھکائے' بے قصور مجرم۔

''بہتر ہوں۔تم ٹھیک ہو؟'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔

''فارس کیسا ہے؟ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''ان کو ماموں کے قتل کے الزام میں پکڑا گیا ہے' مگر ہم سب جانتے ہیں' یہ سب غلط ہے۔آپ بھی ایسا ہی سمجھتی ہیں نا؟'' ذرا دیر کو وہ ڈرا ہوا لگا۔

''مجھے نہیں پتا سعدی۔تم سب کہتے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔فارس اور قتل....'' اس نے سر جھٹک کر جھرجھری لی۔سعدی کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔پھیکا سا مسکرایا۔

''ہم اصلی قاتلوں کو ضرور سزا دلوائیں گے خالہ!'' اور سارہ کے چہرے کی اذیت بڑھ گئی۔

''اس سے کیا ہو گا؟ وارث واپس نہیں آئے گا۔''

آج پھر سعدی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔لان میں کیاری کے ساتھ اسل بیٹھی گھاس پہ انگلیاں چلاتی کچھ لکھ رہی تھی۔نادیدہ الفاظ' ان کہی باتیں۔

سعدی قدم قدم چلتا اس تک آیا۔ جو گرز امل کے ہاتھوں کے قریب ہوئے' تو اس نے سر اٹھایا' آنکھیں مسکراہٹ سے چمکیں۔ "سعدی بھائی!"

"کیا تم بابا کے لیے دعا کرتی ہو؟" ہر دفعہ کی طرح آج پھر پوچھا۔ امل نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ "روز کرتی ہوں۔"

"گڈ۔" وہ مسکرا کر پلٹ گیا۔ گیراج کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل سے بھی دعا نکلی' مغفرت کی' جنت ملنے اور جہنم سے آزادی کی۔ ایک دم وہ رک گیا۔ امل کو کیا پتا جنت اور جہنم کا؟ معافی اور بخشش کا؟

وہ الٹے قدموں واپس آیا۔ اس کے مقابل پنجوں کے بل بیٹھا' آنکھیں سکیڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم کیا دعا کرتی ہو امل' بابا کے لیے؟"

وہ جو گھاس پہ پھر سے لکھ رہی تھی' نظریں اٹھا کر سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ بابا واپس آ جائیں۔" رک کر پوچھا۔ "وہ واپس آ جائیں گے نا سعدی بھائی؟"

سعدی شل سا اسے دیکھے گیا۔ ہیئر بینڈ میں جکڑے بالوں والی امل امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے خود کو کہتے سنا۔

"وہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے۔ تم دعا کیا کرو کہ وہ جہاں رہیں' خوش رہیں۔" امل چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔ پھر چہرہ رازداری سے قریب کیا۔

"اگر میں بابا کی قبر کھودوں... تو کیا وہ نیچے... ہوں گے؟" ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"ہاں' مگر ان کی جو روح تھی' وہ اوپر چلی گئی ہے' آسمانوں میں۔ مگر وہ قبر میں بھی ہیں۔" وہ سوچ سوچ کر الفاظ چن رہا تھا۔ امل کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"بابا دو ہو گئے ہیں؟" اس نے دو انگلیوں کی وی بنا کر حیرت سے پوچھا۔ سادہ سوال کے پیچیدہ جواب۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دعا کی پھر سے تاکید کی اور گیراج کی جانب بڑھ گیا۔

ایک قتل کتنے خاندان تباہ کر دیتا ہے' کتنی زندگیاں اُجاڑ دیتا ہے۔

ایک قتل سب بدل دیتا ہے۔

❖❖❖

ہم بھی کن جنگلوں میں بستے ہیں ...... بند جن میں تمام رستے ہیں

ہاسپٹل میں وہی باسی پھولوں کی مہک رچی بسی تھی۔ زمر تکیوں کے سہارے قدرے ٹیک لگا کر لیٹی تھی' بال کیچر میں اوپر بندھے' اور چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ خاموش نظروں سے بھی سامنے وہیل چیئر پہ موجود ابا کو دیکھتی' اور کبھی ساتھ کرسی پہ آگے کو ہو کر بیٹھے ہاشم کو جو ایک فائل کھولے کہہ رہا تھا۔

"یہ صرف ایک رسمی کارروائی ہے' آپ کے کڈنی ٹرانسپلانٹ اور اس کے بعد کے بھی تمام میڈیکل بلز اور نگزیب کاردار اٹھائیں گے' اور اگر کل کو فارس غازی بے گناہ ثابت ہو جاتا ہے' تب بھی کوئی اس عمل کو ریورس نہیں کر سکتا۔" چیک اور دوسرے کاغذات اوپر نیچے کر کے موٹی موٹی بات سمجھاتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔ بال جیل سے پیچھے کیے' گرے کوٹ' کف لنکس' ٹائی پن' آنکھوں کی سنجیدگی' وہ ہمیشہ کی طرح اچھے سے تیار تھا۔

"آف کورس ان کو میرے میڈیکل بلز پہ کرنے چاہییں۔ ان کے بھانجے نے میری زندگی برباد کی ہے!" زمر کا انداز خشک تھا۔ ہاشم نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔

''اور جواب میں آپ اورنگزیب کاردار کے بارے میں کسی قسم کا منفی بیان نہیں دیں گی۔''

''عدالت میں؟''

''پریس میں!''

بڑے ابا ناپسندیدگی سے گردن موڑ کر ہاشم کو بات کرتے دیکھتے رہے۔

''شیور مگر۔۔۔'' زمر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

''کیا اس کاغذ پہ یہ لکھا ہے کہ یہ مداوا کاردار صاحب اس لئے کر رہے ہیں کیونکہ ان کے بھانجے نے مجھے نقصان پہنچایا ہے؟''

''بالکل!'' اس نے اٹھ کر فائل اور پین زمر کے سامنے رکھا۔ وہ زرد کاغذ اٹھا کر باریک بینی سے ایک ایک شق پڑھنے لگی۔ پھر قلم کھولا۔ دستخط کیے۔ اور واپس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسی سپاٹ' روکھے انداز میں بولی۔

''مجھے کاردار صاحب سے کوئی گلہ نہیں' لیکن اگر آپ نے کبھی یہ معاہدہ توڑا' اور میرا کوئی میڈیکل بل پے نہ ہوا تو میں بھی ان تمام شقوں کو ردی میں ڈال دوں گی۔''

''شیور میڈم پراسیکیوٹر!'' وہ بہت تحمل سے کاغذ واپس فائل میں لگاتے ہوئے بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ بڑے ابا نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''یہ مداوے سے زیادہ خود کو فارس پہ لگے الزامات کی گرد سے بچانے کا معاہدہ لگ رہا ہے مجھے۔''

''بالکل' ایسا ہی ہے۔'' کافی رکھائی سے کہتے ہوئے اس نے بریف کیس اٹھایا' کھولا' کاغذ اس میں ڈالے۔ بڑے ابا نے کڑواہٹ سے رخ پھیر لیا۔ ہاشم ان کو ویسے بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

''میں چلتا ہوں۔'' بریف کیس بند کر کے وہ اٹھا' ایک رسمی مسکراہٹ سے زمر کو دیکھ کر سر کو خم دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی بڑے ابا نے سنجیدگی سے زمر کو دیکھا۔

''ہمیں ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں تھی۔''

''مجھے تھی۔ باقی آپ کا بینک بیلنس کتنا رہ گیا ہے' میں جانتی ہوں۔'' وہ زیادہ کڑوی ہو رہی تھی۔

''اگر میں معذور نہ ہوا ہوتا' تو میں یہ مداوا قبول نہ کرتا۔''

''یہ ان کا فرض تھا' ان کے بھانجے نے جو میرے ساتھ کیا ہے' اس کے بعد اس کے خاندان کو اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے۔''

''زمر!'' وہ جیسے تھک کر بولے۔ ''تم ایک دفعہ فارس کی بات سن لو۔''

''اس کی جو آخری بات سنی تھی' وہی کافی ہے میرے لئے' تاعمر! موضوع ختم' ابا۔''

دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا حتمی فیصلہ سنا دیا۔ وہ گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ پھر جب حنین آئی تو ان کی وہیل چیئر باہر لے آئی۔ نکلتے وقت اس نے گردن موڑ کر زمر کو دیکھا' وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز' چہرہ موڑ کر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوچ تھی' پیشانی پہ بل تھے۔ ایک دفعہ بھی حنین کو نہیں دیکھا۔ وہ یاسیت سے سر جھٹکتی بڑے ابا کو باہر لے آئی۔

.... ☆☆☆ ....

رخصت جاں کوئی لٹانے ادھر آ بھی نہ سکے ..... اسے مشکل تو نہیں دشت وفا کے جادے

ڈائننگ روم میں سعدی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سر جھکائے' اپنے ہاتھوں کو باہم مسلتا۔ بڑے ابا کو آتے دیکھ کر وہ سیدھا ہوا اور سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں نے ٹیسٹ کروائے تھے۔ ابھی رپورٹس آجائیں گی۔"

"کس چیز کا ٹیسٹ؟" حنین چونکی، بڑے ابا نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

"کڈنی ڈونر نہیں ملا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے، قریبی رشتہ داروں کا گردہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

"بھائی!" حنین کا سانس اٹک گیا۔

"سعدی!" بڑے ابا متحیر رہ گئے، پھر وحشت سے آگے ہوئے۔

"تم نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔"

"ڈاکٹر نے کہا ہے، میں ڈونیٹ کر سکتا ہوں۔ میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔"

وہ آنکھیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے، ابا کو دیکھ کر چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ انہوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیا تم کسی بات پہ خفا ہو؟"

"اس کو چھوڑیں۔ مجھے صرف ایک گارنٹی دیں۔ اگر میرا گردہ میچ کر گیا تو آپ زمر کو نہیں بتائیں گے کہ یہ میں دے رہا ہوں۔"

"بالکل نہیں۔ زمر کبھی تم سے گردہ نہیں لے گی۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔" وہ تڑپ گئے تھے۔ حنین ونیل چیئر تھامے ہنوز شاکڈ سی کھڑی تھی۔

"حنین، کیا تم باہر جا کر سسٹر حسیرا سے پوچھ سکتی ہو کہ رپورٹس آئی یا نہیں؟" وہ سر اٹھا کر سپاٹ انداز میں کہنے لگا۔ حنین نے شل ذہن کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا، اور باہر نکل گئی۔ سعدی نے دوبارہ انہی نظروں سے بڑے ابا کو دیکھا۔

"اس وقت ان کو کڈنی چاہیے، میں دے رہا ہوں، مگر آپ ان کو نہیں بتائیں گے۔" اور ابا کو غصہ چڑھنے لگا۔

"میں تمہیں اوّل تو ایسا کرنے ہی نہیں دوں گا، اور اگر تم نے ضد کی، تو میں زمر کو یہ بات بتا دوں گا، پھر وہ ساری زندگی ڈائیلیسز کرواتی رہے گی، مگر تم سے گردہ نہیں لے گی۔ کوئی اپنے بچوں سے قربانی مانگتا ہے کیا؟"

سعدی نے لب بھینچے، اثبات میں گردن ہلائی، پیچھے ہو کر بیٹھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ میری فیس وہی دیتی ہیں۔"

بڑے ابا کو جھٹکا لگا، بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں؟ کیا وہ نہیں دیتیں؟ کردیں انکار۔"

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئے۔ صدمہ سا صدمہ تھا۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

"دیتی ہیں نا؟" ایک آس پھر سے جوڑی، قدرے گیلی آواز میں، ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ بڑے ابا نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی، سر سمجھنے والے انداز میں ہلایا، نمی اندر اتاری۔

"تھینک یو بڑے ابا، اب اگر آپ نے زمر کو کچھ بتایا تو میں بھی انہیں بتا دوں گا، کہ یہ فیس والی بات آپ نے مجھے بتائی ہے۔"

وہ ہکا بکا رہ گئے۔ "میں نے کب...؟"

"ابھی بتایا ہے نا۔" خود کو سنبھال کر، اطمینان بھری بے نیازی سے کہہ کر وہ پیچھے کو ہو گیا۔ وہ بالکل ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے۔ آج لگا، سعدی بڑا ہو گیا ہے۔ یعنی دوسری بلیک میلر اولاد؟ ایک زمر کم تھی کیا؟

حنین واپس اندر آئی، نفی میں سر ہلایا۔ کچھ کہنے سے فی الحال معذور تھی۔

"مجھے پتہ ہے میرا کڈنی میچ کر جائے گا۔ مگر آپ دونوں میں سے کوئی زمر کو نہیں بتائے گا۔" وہ قطعیت سے باری باری ان کا چہرہ دیکھتا تنبیہہ کر رہا تھا۔

"اور امی؟" بالآخر وہ بولی۔

"ان کو میں سمجھا دوں گا' بے فکر رہو۔"

"مگر زمر کو کیا کہیں گے' کس کا گردہ ہے یہ؟" بڑے ابا کا لہجہ اب کمزور تھا۔

"وہ کون سا دیکھ رہی ہیں؟ کسی سے ملوا دیں گے انہیں' کہیں گے کہ یہ اس کا گردہ ہے۔"

"یہ بات ہمیشہ نہیں چھپے گی سعدی۔ اسے بتانا پڑے گا۔ تم خود بتادو۔ وہ تو اب تک تم سے خفا ہے۔"

"اگر مان گئیں تو پوچھیں گی نہیں کہ میں کدھر ہوں؟ ملنے کیوں نہیں آتا؟ بس انہیں کہیے گا' میں واپس چلا گیا ہوں۔" وہ سب طے کر چکا تھا۔ دو دن سے یہی سوچ رہا تھا۔ بڑے ابا کو افسوس سا لگنے لگا۔

"ایسے وہ دل صاف نہیں کرے گی' میں اسے جانتا ہوں۔"

"میں بھی جانتا ہوں انہیں' وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔" مگر وہ غلط تھا۔

"اسے بتا دو سعدی۔ آپریشن کے بعد بتا دینا بے شک۔" وہ اب نیم رضامند لگ رہے تھے۔

"یہ میرا ٹیسٹ ہے، میں تیمارداری کر کے نمبر بنالوں یا بڑے بھائی کے بہانے نظروں سے غائب ہو کر اپنا فرض ادا کرلوں اور اگر برا بنتا ہوں تو بن جاؤں، مگر مجھے اس ٹیسٹ میں فیل نہیں ہونا!"

"تم اس سے بات تو کر کے دیکھو!"

"نہیں نا! اگر پھپھو کو پتہ چلا کہ یہ میرا گردہ ہے تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ پھپھو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ میں ان کا بھائی بھی ہوں، دوست بھی اور بیٹا بھی۔ وہ مجھے کبھی اس تکلیف سے نہیں گزارنا چاہیں گی۔"

"تو ہم پھپھو کو کیا کہیں گے؟" سوئی سوئی سی حنین جیسے جاگی۔ دماغ کام کرنے لگا۔

"کسی سے ملوا دیں گے' کسی کو راضی کرلیں گے اس کام پہ۔" یہ سعدی کو مسئلہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بار بار بے چینی سے گھڑی دیکھتا۔ اسے رپورٹس کا انتظار تھا۔

"مگر کس سے؟"

سعدی نے اکتا کر حنین کو دیکھا' "یہ بعد کی بات ہے۔" تبھی دروازہ ہلکا سا بجا۔

حنین چونک کر مڑی، چوکھٹ میں علیشا کھڑی تھی۔ مسکراتی ہوئی' سفید ٹراؤزر اور بھوری شرٹ میں۔ کہنی پہ بیگ ٹنگا تھا۔

"میں تمہاری آنٹی کو دیکھنے آئی تھی۔" وہ نرمی سے کہتی آگے آئی۔

حنین نے سعدی کو دیکھا' سعدی نے حنین کو۔ پھر دونوں نے علیشا کو دیکھا۔

"بھائی' کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہی ہوں؟"

"کیا یہ مان جائے گی' تھوڑی سی اداکاری پہ؟" دونوں نے دبی دبی آواز میں فقروں کا تبادلہ کیا۔ علیشا نے باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

"کیا سب ٹھیک ہے؟"

"آف کورس۔" حنین کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا' جلدی سے ایک کرسی سے چیزیں ہٹائیں' اسے جگہ بنا کر دی۔ سعدی اٹھ کر چوکھٹ پہ جا کھڑا ہوا۔ نگاہیں راہداری میں لگے کلاک پہ ٹکی تھیں، بڑے ابا اپنی سوچوں میں الجھے تھے۔

علیشا نزاکت سے بیٹھی' گھٹنے ملا کر، پرس زمین پہ رکھا۔ حنین ساتھ والی کرسی پہ آگے ہو کر بے چین سی بیٹھی۔

''مجھے تم سے ایک کام ہے علیشا، کچھ دیر میں بتاتی ہوں۔'' وہ بھی سعدی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔

''اوکے!'' علیشا نے شانے اچکا دیے۔

''اگر کوئی میچ نہ کیا تو؟'' بڑے ابا نے اپنی ہی سوچ میں سوال کیا۔

''تو پھر کسی اور کو دینا پڑے گا۔''

''مگر کس کو؟'' وہ حنین سے سوال کر کے خود ہی خاموش ہو گئے۔ حنین نے نظریں جھکا کر خود کو دیکھا، پھر اپنے بازو کو۔ آستین ذرا تنگ تھا۔ اس نے دو انگلیاں بیچ بٹن پہ رکھ لیں، جیسے اسے کھول کر آستین اوپر چڑھانے پہ تیار ہو۔ انگوٹھے سے بازو کے اوپر لکیر کھینچی۔ کون سی رگ ہے بھلا جس سے ٹیسٹ کے لیے خون نکالا جاتا ہے۔

''تم نے بتایا نہیں میرا گفٹ کیسا لگا؟'' علیشا موبائل پہ بٹن دباتی پوچھ رہی تھی۔ حنین نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا، پھر پھیکا سا مسکرائی۔

''وہ لاکٹ، اس پہ بھی تمہارے کی چین والی عبارت درج تھی۔'' وارث کے قتل کی رات جب وہ اور فارس علیشا کے کمرے سے نکلے تھے تب اس نے حنین کو جو ڈبہ تھمایا تھا، اس میں سے سیاہ ہیرے کی شکل کا کٹا پتھر جڑا لاکٹ نکلا تھا۔ اس نے بہت دن بعد کھولا۔

''مجھے وہ بہت اچھا لگا۔ مگر اس کا کیا مطلب ہوا؟ ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں؟ (Ants EverAfter)'' وہ انگلی ابھی تک بازو کی رگ پہ رکھے بیٹھی تھی۔

علیشا نے آہستہ سے موبائل رکھا، اسے دیکھ کر تکان سے مسکرائی۔ ''تم نے مجھ سے کوئی کام کہنا تھا؟''

''ہاں... وہ کیا... تم میری آنٹی کو یہ کہہ سکتی ہو کہ تم ان کو اپنی مرضی اور خوشی سے کڈنی ڈونیٹ کر رہی ہو؟ دراصل جو رشتے دار ڈونیٹ کر رہا ہے وہ اس سے لینا نہیں چاہیں گی اور...'' وہ جلدی جلدی ساری بات سمجھاتی گئی۔

''مگر میں تو رات کی فلائٹ سے واپس جا رہی ہوں۔''

''اوہ... کیا تم رک نہیں سکتی؟ کیا تمہارا کام ہو گیا، جس کے لیے تم آئی تھی؟''

''نہیں... وہ تو نہیں ہوا۔ میں بھی کس امید پہ چلی آئی۔'' تلخی سے مسکرا کر خود پہ افسوس کیا۔ حنین بے چینی سے آگے ہوئی۔

''تم بس پانچ منٹ کے لیے آنٹی سے مل لو۔ بعد میں ہم کہہ دیں گے کہ تمہیں دوسرے ہسپتال شفٹ کر دیا گیا ہے۔''

''اوکے!'' وہ متامل تھی مگر شانے اچکا دیے۔ حنین پھر سے مضطرب سی دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

''ٹرانسپلانٹ پہ تو کافی خرچہ آ رہا ہوگا۔'' علیشا نے برائے بات پوچھا۔

''پتہ نہیں وہ سب اورنگزیب انکل کا سر درد ہے۔''

علیشا کا سانس رک گیا۔ بنا پلک جھپکے وہ حنین کو دیکھنے لگی۔

''تمہارے وہی انکل، جن کا تم بہت ذکر کرتی ہو۔''

''ہاں۔ پتہ نہیں، ہماری اکثر باتوں میں ان کا ذکر کیوں نکل آتا ہے؟'' یہ سوال سوچنے کا وقت، ذہین حنین کے دماغ کو کبھی نہیں ملا تھا۔ اب بھی کہہ کر بھول گئی۔ ''وہی علاج کا خرچا اٹھا رہے ہیں۔''

''مگر... کیوں؟'' حیرت زدہ سی وہ بمشکل پوچھ پائی۔ حنین نے شانے اچکائے۔ ابھی تک چوکھٹ کو دیکھ رہی تھی۔

''وہ فارس ماموں کے باپ کی جگہ ہیں، اور پھپھو مسلسل فارس ماموں کو اس سب کا ذمہ دار ٹھہرا رہی ہیں، تو اورنگزیب انکل اپنے بھانجے کی طرف سے مداوا کرنا چاہ رہے ہیں۔''

علیشا سے اگلا سانس نہیں لیا گیا۔ اس نے چہرہ سامنے کو پھیر لیا۔ تھوک نگلی، آنکھوں میں آتی نمی اندر اتاری۔

"ان سے کسی نے رقم نہیں مانگی، وہ پھر بھی دے رہے ہیں، صرف اس لئے کہ وہ فارس کے باپ کی جگہ ہیں، حنین؟ کتنی رحمدلی ہے نا!"

حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ علیشا زخمی سا مسکرائی، سر جھکا کر انگلیوں میں پکڑے کی چین کو دیکھا۔

"کیا تم جانتی ہو حشرات الارض میں سب سے زیادہ زہریلا کیڑا کون سا ہوتا ہے؟"

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ چوکھٹ میں کھڑا اسعدی گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ حنین کے ساتھ بیٹھی، سر جھکائے، کی چین پہ انگلی پھیرتی کہے جا رہی تھی۔

"چیونٹی۔ Maricopa Harvester Ant۔ دنیا کا سب سے زہریلا کیڑا ہے۔ اس کیڑے کو انتقام پہ نہیں اکسانا چاہیے ورنہ اس کے کاٹنے سے طاقتور سے طاقتور انسان بھی مر جائے۔ پتہ ہے ایک دفعہ کسی نے مجھ سے یہ بات کہی تھی۔ کہ تم ساری عمر چیونٹی رہو گی۔ مجھے وہ بات پہلے بہت بری لگی، پھر اچھی لگنے لگی، کیونکہ میں چیونٹی ہی تو ہوں۔ سب کمزور اور بے بس لوگ چیونٹیوں کی طرح ہوتے ہیں۔" حنین بے دھیانی سے سن رہی تھی، وہ خاموش ہوئی تو وہ جلدی سے بولی۔

"کیا تم میری آنٹی سے ملو گی؟ اتنا وقت ہو گا نا تمہارے پاس؟"

علیشا نے سر اٹھایا، مسکرا کر نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"شیور۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ میں کچھ دن مزید ٹھہر سکتی ہوں، اپنا کام بھی مکمل کر لوں گی۔"

حنین کا چہرہ فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔ اس نے خوشی سے علیشا کا ہاتھ دبایا۔

"تھینک یو علیشا۔ تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔ کتنا عجیب اتفاق ہے نا کہ عین ان دنوں میں تم آئی ہو جب ہم اتنے کرائسز میں تھے، مگر تم ہمارے ساتھ رہی۔"

علیشا کا رنگ سفید پڑا۔ حلق میں کچھ اٹکا۔ وہ تو اور نگزیب کاردار کے الیکشن کا سن کر آئی تھی، (اور وہ خود بھی بے خبر تھی کہ اگر یہ الیکشن نہ ہوتے تو وارث کو شاید مہلت دے دی جاتی) مگر یہاں کے الیکشن امریکہ سے بہت مختلف تھے۔ اور حنین اس سب کو ایک اتفاق سمجھ رہی تھی؟

"حنین، میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" مگر سعدی کسی کو آتے دیکھ کر فوراً آگے چلا گیا، تو حنین امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے کھڑی ہو گئی، بازو کی رگ پہ پھر سے دوسرا ہاتھ رکھ لیا۔

"پھر کبھی سہی!" علیشا اس کا دھیان نہ پا کر ڈھیلی سی واپس بیٹھ گئی۔ حنین چوکھٹ تک آئی۔ فکرمندی سے سامنے دیکھا۔ سعدی چند کاغذ کھول کر پڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بازو پہ رکھا اس کا ہاتھ مضبوط ہوتا گیا۔ رگ جیسے کھول لیا۔ اب بس آستین موڑ نا تھا۔ پہلے بلڈ ٹیسٹ ہوتا ہے کیا؟ اسے علم بھی نہیں تھا!

سعدی نے گہری سانس لے کر صفحات نیچے کیے اور لمبی مسافت کی تھکن سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔ پھر سر اثبات میں ہلایا۔

"پازیٹو!"

حنین کا بازو پہ رکھا ہاتھ بے دم سا پہلو میں آ گرا۔ اس نے زرد رنگت کے ساتھ سر کو خم دیا۔ سعدی اب پلٹ کر تیزی سے آگے جا رہا تھا، اسے بہت سے کام کرنے تھے۔

السابقون السابقون۔ اولئک المقربون۔

ہر قربانی کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس وقت کی ایک ایکسپائری ڈیٹ بھی ہوتی ہے۔

.............❖❖❖.............

کیوں داد غم ہمی نے طلب کی برا کیا ..... ہم سے جہاں میں کشتہ غم اور کیا کیا نہ تھے

اور ہسپتال کے کمرے میں، کرسی پہ بیٹھی علیشا کو مشکوک انداز میں گھورتی، تکیوں سے ٹیک لگائے وہ زمر یوسف تھی اور وہ اتنی جلدی مان جاتی' ناممکن تھا۔

''اور آپ مجھے اپنا گردہ کیوں دینا چاہتی ہیں؟'' اس کو ہضم نہیں ہوا تھا اس لیے تفتیش شروع کر دی تھی۔

جواب میں علیشا نے کافی بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''میں اس واقعے کا ذمہ دار خود کو سمجھتی ہوں۔ اگر میں آپ کے آفس آجاتی' تو نہ آپ ادھر جاتیں' نہ دہشت گردی کا نشانہ بنتیں۔ میں نے ٹیسٹ کروائے ہیں، گو کہ مجھے کم عمری سے دمے کی شکایت ہے مگر اس کے علاوہ میں بالکل صحت مند ہوں، اور ڈونیٹ کر سکتی ہوں۔''

''اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اس وجہ پہ یقین کر لوں؟'' زمر نے تیکھی نظروں سے مسلسل اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہ کریں' آپ کی مرضی، مگر میں دوسری وجہ بھی ضرور بتانا چاہوں گی۔'' علیشا ذرا رک' سامنے بے چین سی کھڑی حنین اور قریب بیٹھے مضطرب سے بڑے ابا کو دیکھا' پھر اسی اعتماد سے پراسیکیوٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''مجھے اس قربانی کے عوض آپ کی فیملی ایک اچھی قیمت دے رہی ہے۔ جسے میں واپس جا کر یونیورسٹی فیس کے لیے استعمال کروں گی۔ اپنی زندگی بنانے کا اتنا اچھا موقع میں ضائع نہیں کروں گی۔ اگر مزید پیسے چاہیے ہوئے تو میں اس قربانی کو کسی ٹی وی شو میں اپنی کہانی چھپوا کر کیش کروا لوں گی۔'' آخر میں اس نے بے فکری سے شانے اچکائے۔

حنین کے لب کھل گئے' وہ ہکا بکا سی علیشا کو سن رہی تھی۔ (کیا اس نے فرض کر لیا تھا کہ اداکاری صرف زمر پہ ختم ہو جاتی ہے؟)

''مگر یہ الیگل ہے۔'' زمر کے فقرے پہ وہ سب چونکے۔

''قانون کے مطابق' ڈاکٹر کبھی بھی ٹرانسپلانٹ نہیں کر سکتا' اگر گردہ خون کے رشتے دار کا نہ ہو تو۔ آپ سب لوگ مل کر ایک غیر قانونی کام کیسے کر سکتے ہیں؟'' ابرو بھینچ کر تادیبی انداز میں اس نے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

اور بڑے ابا نے کئی دفعہ کی سوچی گئی خواہش دل میں دہرائی۔ کاش انہوں نے کبھی اس لڑکی کو قانون نہ پڑھایا ہوتا۔

''یہ عورت تو غیر ملکی ہے مگر آپ کو تو قانون کا علم ہونا چاہیے ابا۔''

''ہم نے اس کا حل بھی نکال لیا ہے۔'' حنین ہمت کر کے بولی تو زمر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ ''ہم پیپرز پہ سعدی بھائی کا نام لکھوائیں گے۔''

زمر کے تاثرات بدلے۔ وہ دہل کر رہ گئی تھی۔

''سعدی کا کیوں؟'' وہ ایک دم تڑپ کر متوحش سی بولی' پھر غصے سے ابا کو دیکھا۔ ''سعدی کا نام کڈنی ڈونر کے طور پہ... کبھی بھی نہیں لکھیں گے آپ لوگ۔''

''ٹھیک ہے نہیں لکھتے۔ لیکن اگر یہ فرنچ امریکن عورت نہیں دے گی' بڑے ابا نے علیشا کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ ''تو کسی خون کے رشتے دار کو، دینا پڑے گا۔ فہرست بناتے ہیں' پہلے نمبر پہ میں ہوں' میرا میچ نہ کیا تو پھر سعدی ہوگا' اور پھر حنین' اگر اس کا بھی نہ لگ سکا تو اسامہ تو ہے نا۔''

''ابا!'' اس کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ صدمے سے آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔

''بالکل بھی نہ کہنا زمر کہ تم تندرست نہیں ہونا چاہتی۔ ہر کوئی تندرست ہونا چاہتا ہے۔ تم الگ نہیں ہو۔ اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے تمہارے پاس۔'' زمر بالکل چپ ہو گئی۔ بے بسی سے سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔ دل بہت برے انداز میں دکھایا تھا حنین کی بات نے۔

"مگر..... یہ غیر قانونی ہے۔" اس کی آواز اب کے کمزور تھی۔

"ہاں اور جو تمہارے ساتھ ہوا وہ بھی غیر قانونی تھا۔"

زمر کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ طیش ابھرا۔

"ہوا نہیں، جو میرے ساتھ فارس نے کیا، وہ غیر قانونی تھا!"

"پھپھو! میں ادھر ہی تھی، ماموں نے آپ کو کوئی کال نہیں کی۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔" اس کے بیڈ کے دائیں طرف کھڑی حنین بے بسی سے بولی۔ زمر نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرتے ہوئے، سر جھٹکا اور پیچھے ہوئی۔ اب کے بولی تو آواز سنبھلی ہوئی تھی۔

"مجھے معلوم ہے تم جھوٹ نہیں بول رہی۔ فارس بہت اسمارٹ ہے، اسے تمہیں ڈاج کرنے کے ہزار طریقے آتے ہیں۔"

حنین کو دھچکا لگا۔ بہت بے یقینی سے پھیلی آنکھوں سے اس نے زمر کو دیکھا، جواب اپنا لحاف درست کر رہی تھی۔

"یعنی آپ مجھے جھوٹا نہیں سمجھتیں؟ بلکہ آپ مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں!" یہ صدمہ زیادہ بڑا تھا۔ زمر ان سنا کرتی لحاف ٹھیک کر کے پیچھے کو ہو گئی۔ حنین کے لب بھینچ گئے۔ بڑے ابا کی معذرتی نظروں کو دیکھے بنا، وہ سرد لہجے میں بولی۔

"اوکے پھپھو، ہم سعدی بھائی کا نام لکھوا کر آپ کو ہرٹ نہیں کریں گے۔ ہم حنین یوسف کا نام لکھوا دیں گے۔ اب ٹھیک ہے نا۔" وہ کہہ کر ایک دم مڑی اور گو کہ اس نے دیکھا بھی کہ زمر بے ساختہ زم پڑی تھی، اسے منع کرنے کو کچھ کہنے والی تھی، مگر حنین ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ سعدی کاریڈور میں کھڑا تھا۔ بے ساختہ سیدھا ہوا۔ امید سے اسے دیکھا۔

"کیا انہوں نے یقین کر لیا؟"

"کر لیں گی۔ اپنی صحت کے لئے سب کر لیتے ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔ سعدی کا دماغ کہیں اور الجھا تھا، غور کیے بنا زمر کے کمرے کا بند دروازہ دیکھنے لگا۔

وہ سر جھٹک کر آگے چلتی گئی۔ کاریڈور عبور کر کے ریسیپشن ڈیسک کراس کیا۔ پھر باہر آئی۔ لان میں مریضوں اور ان کے عزیز و اقارب کی چہل پہل ویسی ہی تھی۔ حنین خفگی سے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی، گھاس کے بیچ روش پہ آگے چلتی جا رہی تھی۔ پھر یکایک ٹھہری۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر کون اور کدھر؟ وہ مڑی۔ گھوم کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور تبھی دور ایک بینچ پہ، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، ایک بازو بینچ کی پشت کے پیچھے پھیلائے، بیٹھے ہاشم نے مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔ حنین کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ بہرحال وہ قدم قدم چلتی بینچ کے قریب آئی۔

"سعدی بھائی اندر ہیں۔" اس نے اپنے تئیں ہاشم کو درست سمت دکھائی۔ وہ بس مسکرا کر اسے دیکھے گیا۔

"ابھی مل کر آ رہا ہوں اس سے۔ اس نے بتایا کہ ڈونر کڈنی مل گیا ہے، مگر جس شخص سے خریدا ہے، اس کے بارے میں زمر کو بتانے کی بجائے تمہاری کوئی فرینڈ....." ہاشم نے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ یہ کور اسٹوری صرف ہاشم کے لئے گھڑی تھی۔ سعدی اس پہ لاکھ اعتماد کرتا، مگر یہ اس کے خاندان کا اندرونی معاملہ تھا۔ اور ہاشم کو بتانے کا مطلب تھا، زمر کو کبھی نہ کبھی وہ بتا دے گا۔ اس کو صرف "حنین کی دوست گردہ دے رہی ہے" کہہ کر بھی نہیں ٹال سکتے تھے کہ علیشا اس اداکاری کے لئے دوبارہ مہیا نہیں ہو گی، ہاشم آتا جاتا رہے گا، اگر کھٹک گیا تو کھوج لگائے گا اور پتہ چلنے پہ سعدی سے بد اعتماد ہو جائے گا۔ سو پہلے ہی اسے مطمئن کر دیا۔ وہ ہو بھی گیا۔ اس کی بلا سے گردہ غیر قانونی طور سے ہی خریدا ہو۔ اس کا مسئلہ تو صرف علیشا تھی جس نے اپنی فلائٹ آگے کروالی تھی۔

"میری فرینڈ علیشا... اس نے پھپھو کو کنوینس کر لیا ہے، مگر آپ یہ بات پھپھو کو مت بتائیے گا۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کے سامنے کھڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"کیا یہ کہنے کی بات ہے؟" ہاشم نے حیرت سے پوچھا پھر گردن پھیر کر ہسپتال کو دیکھنے لگا۔

"علیشا... ہوں... کیا تم مجھے اس سے ملوا سکتی ہو؟ ابھی اسی وقت؟"

"آ... او کے!" وہ متذبذب تھی۔

"اور ہاں تم بھی اس کو نہیں بتاؤ گی کہ تم اسے مجھ سے ملوانے باہر لا رہی ہو۔"

"شیور!" پلکیں سکیڑ کر اسے مشتبہ نظروں سے دیکھتی، وہ مڑی اور اندر چلی آئی۔ سعدی اب وہاں نہیں تھا۔ اس نے دروازے سے ہی اندر زمر سے باتیں کرتی علیشا کو اشارہ کیا۔ وہ معذرت کرتی اٹھ آئی۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔" حنین نے کہا تو وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ عینک اور فرنچ چوٹی والی سوچ میں گم حنین اور ساتھ دراز قد کھلے بالوں والی خوبصورت سی علیشا۔ انہوں نے راہداری عبور کی تب علیشا نے پرس سے ان ہیلر نکالا لبوں میں رکھا اور اسپرے اندر کو لیا۔ حنین رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا وہ سب اداکاری نہیں تھی؟"

"سوائے دمے کے سب فرضی تھا۔" مسکرا کر اس نے کہتے ان ہیلر واپس رکھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری آنی نے میرا یقین کر لیا ہوگا؟"

"ان کے پاس کوئی دوسرا آپشن ہے کیا؟" وہ ابھی ابھی تو سامنے متلاشی نظروں سے دیکھتی لان کو دیکھتی باہر آئی۔ ہاشم کدھر گیا؟

"مجھے بہت افسوس ہے جو ان کے ساتھ ہوا۔ کیا حملہ آور ابھی تک نہیں پکڑا گیا؟"

"پکڑا جائے گا۔" وہ اب گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اپنا آپ ایک دم بے وقوف سا لگنے لگا۔ یہ ہاشم اسے بلا کر خود کدھر...؟

"ہیلو اگین علیشا!" وہ دونوں ایک ساتھ گھومیں۔ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے ہاشم مسکراتا ہوا ریسپشن ڈیسک کی سمت سے چلا آ رہا تھا۔ حنین نے گہری سانس لی۔

اور علیشا کا رنگ نچڑ گیا۔ وہ سفید ساکت سی سانس روکے کھڑی تھی۔

"علیشا یہ میرے..." حنین نے تعارف کروانے کو الفاظ تلاشے ہی تھے کہ وہ اسے نظر انداز کر کے گہری سرد نظروں سے علیشا کو دیکھتا قریب آتے ہوئے بولا۔

"دوبارہ مل کر خوشی ہوئی علیشا۔"

علیشا کی خوف سے ساکت آنکھوں میں حرکت ہوئی وہ جلدی سے حنین کی طرف گھومی۔ "حنہ کیا تم اکیلے میں میری بات سن سکتی ہو؟"

"کیوں؟ مجھ سے کیا مسئلہ ہے؟ آخر ہم ایک فیملی ہیں علیشا۔" وہ سرد مسکراہٹ سے کہتا حنین کے الجھے الجھے چہرے کے تاثرات بغور نوٹ کر رہا تھا۔

"حنہ پلیز میری بات سن لو پہلے۔" وہ بے چینی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے دور لے جانے لگی مگر حنین اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ بس تعجب سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

"فیملی؟"

"ہاں حنین علیشا میرے والد کی غیر قانونی امریکی بیٹی ہے۔ اسی لیے تو وہ تمہیں جانتی ہے اور تمہاری اتنی اچھی دوست ہے۔ ابھی اس دن جب علیشا مجھے اور میرے باپ کو دھمکی دینے ہمارے آفس آئی تھی تب ہی تو اس نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اس نے تمہارا اکاؤنٹ

ہیک کیا اور... اوہ سوری... شاید یہ بات علیشا نے تمہیں نہیں بتائی تھی۔" آخر میں افسوس سے اضافہ کیا۔ وہ جو ابھی تک الجھی الجھی سی کھڑی تھی' لفظ 'ہیک' پہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔ بے یقینی سے علیشا کو دیکھا۔ جانے کب ہاتھ سے ہاتھ چھوٹا۔

"اصل میں علیشا میرے ڈیڈ کے بارے میں کافی حساس ہے۔ چونکہ ڈیڈ اس سے مخاطب تک ہونا پسند نہیں کرتے' تو یہ ہر اس شخص کے پیچھے پڑ جاتی ہے' جس سے وہ بات کرتے ہوں جیسے کہ تم حنین۔"

"ہاشم پلیز!" وہ نم ہوتی آنکھوں سے منت کرنے لگی۔ ہاشم کے چہرے کی سختی بڑھی' مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"کیوں؟ کیا یہ جھوٹ ہے؟ کیا تم ہیکر نہیں ہو؟ کیا تم نے میرے ڈیڈ کا اکاؤنٹ ہیک نہیں کر رکھا تھا؟ کیا تم نے ان کی اور حنین کی میلز پڑھ کر حنین کا اکاؤنٹ بھی ہیک نہیں کیا تھا؟ کیا تم نے حنین کی توجہ لینے کے لیے وہی گیم نہیں کھیلنی شروع کر دی جو یہ کھیلتی تھی؟"

"ہاشم' بس کر دو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ بے اختیار حنہ کو دیکھا' جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ارد گرد ریسپشن پہ گزرتے لوگ اس وقت ان تینوں کو نظر نہیں آ رہے تھے۔

"حنین' میں نے یہ سب صرف یہ دیکھنے کے لیے کیا تھا کہ تم کون ہو' ورنہ اس کے بعد ہم واقعی دوست تھے۔ وہ سب حقیقت تھا۔ میں نے تمہیں کبھی نقصان نہیں دیا۔"

"تم نے میرے باپ کے لیے میرے خاندان کی بچی کو ٹارگٹ کیا' اور پھر بھی تم میں اتنے گٹس ہیں علیشا کہ کہہ سکو کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔"

مگر وہ صرف حنین کو دیکھ رہی تھی۔ خوفزدہ' نم آنکھوں سے۔

"حنہ' میں تمہیں سب بتانے والی تھی۔ پلیز' وہ سب ریئل تھا۔ وہ گھنٹوں کی باتیں' وہ ڈرامے ڈسکس کرنا' وہ گیمز' وہ سب ریئل تھا۔"

"تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم نے میری فیملی کی اس بچی سے میرے باپ کے بارے میں کبھی کوئی سوال نہیں پوچھا؟"

علیشا بولتے بولتے لاجواب ہو گئی۔ حنین یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ ہاشم کو اب اس کی مسلسل خاموشی سے کوفت ہو رہی تھی۔ وہ نا محسوس انداز میں حنین کے ساتھ جا کھڑا ہوا' اب وہ دونوں ایک طرف تھے' اور وہ لب آپس میں مس کرتی' پریشان' بھیگی آنکھوں والی علیشا دوسری طرف۔

"علیشا میرے ڈیڈ کو بلیک میل کر کے ان سے پیسے لینے آئی تھی' اس نے تم سے دوستی بھی ڈیڈ کے بارے میں خبریں حاصل کرنے کے لیے کی تھی۔ اپنے دماغ پہ زور دو حنین' کتنی ہی دفعہ تم لوگوں نے بات بہ بات ان کا ذکر کیا ہو گا' ہے نا؟" وہ کٹیلی نگاہوں سے علیشا کو دیکھتا' حنین کو بتا رہا تھا۔

مگر حنین..... وہ بالکل چپ کھڑی تھی۔

"حنہ' پلیز' میری نیت بری نہیں تھی۔ پلیز' میری بات تو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

اور حنین کے پتھر لب ہلے۔

"اس گیم کا کیا' علیشا؟"

"کیا؟" علیشا کے بہتے آنسو رک گئے۔

"میں پانچ ماہ تک اس جیولز والی گیم میں پہلے نمبر پہ تھی۔ ٹاپ اسکورر۔ پھر محض دو دن میں تم پہلے نمبر پہ آ گئی۔ تم نے یہ کیسے کیا علیشا؟"

ہاشم نے بمشکل اکتاہٹ پہ قابو پایا۔ (وہ کہاں سیاست' اسکینڈلز' بلیک میلنگ کی بات کر رہا تھا' اور کہاں ان لڑکیوں کے دماغ سے

گیمز نہیں نکلی تھیں۔)

علیشا ندامت بھرے آنسوؤں سے اسے دیکھتی رہی۔

''وہ کچھ پوچھ رہی ہے.....جواب دو۔''

''میں نے....'' وہ رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی' امید اور خوف سے ملی جلی نظریں ہنوز حنہ کے چہرے پہ تھیں۔''میں نے کچھ Cheat Codes استعمال کیے تھے' اور.....''

''اوہ...اوہ...اوہ...'' حنین نے ایک دم غصے سے سر جھٹکا۔''تو تم چیٹنگ کر کے جیتتی تھیں! اوہ علیشا' مجھے بھی معلوم تھا کہ بے ایمانی کیسے کرنی ہے' مگر میں نے نہیں کی۔صرف محنت کی۔تین سال میں لگی رہی' دوسرے سے پہلے نمبر پہ نہ آسکی مگر چیٹنگ نہیں کی' کیونکہ میں حنین یوسف تھی' بھائی نے مجھے قرآن کے آخری پارہ اور پانچ بڑی سورتیں حفظ کرا رکھی تھیں' کیونکہ میں بنی اسرائیل میں سے تھی' آل یوسف ۔انبیاء کی اولاد۔میں نے بے ایمانی نہیں کی' اور تم ..تم تین سال سے یہی کرتی آئی۔'' درد سے پھٹتے لہجے سے کہتی' غصے سے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔''تم نے مجھے استعمال کیا۔ہم اتفاق سے نہیں ملے۔سب کچھ تم نے پلان کیا۔فارس ماموں ٹھیک کہتے تھے تمہارے بارے میں...'' وہ پیچھے ہٹتی راہداری کے قریب ہو رہی تھی۔علیشا نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔گرم آنسو بہتے رہے۔اعمال کے نتائج ہوتے ہیں اور بھگتنا پڑتے ہیں۔

''لوگ کہتے ہیں علیشا کہ کوئی لڑکا کسی لڑکی کا دوست نہیں ہو سکتا۔آج دل چاہ رہا ہے ان سے پوچھنے کا' کہ کیا کوئی لڑکی بھی کسی لڑکی کی دوست بن سکتی ہے؟'' نفی میں سر ہلاتی' وہ مڑی اور تیز تیز اندر چلی گئی۔

مطمئن سے کھڑے ہاشم نے اب کے رخ پھیر کر فرصت سے علیشا کو دیکھا' جو آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔پھر اسے کہنی سے تھاما' اور دھیرے سے ساتھ لے کر باہر آیا۔ایک کونے میں' نسبتاً سنسان جگہ پہ آ کر اس نے علیشا کی کہنی چھوڑی۔

''آئی ایم ریئلی سوری علیشا۔لیکن اگر تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم ہاشم کاردار کو بلیک میل کر سکتی ہو تو تم غلط تھیں۔''

علیشا نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔دکھ سے اسے دیکھا۔

''وہ میری دوست ہے۔''

''تھی۔اب نہیں رہی۔آئندہ....'' انگلی اٹھا کر تختی سے تنبیہہ کی۔''اگر تم نے اس سے کوئی بھی رابطہ کیا تو میں اس سے بھی زیادہ کر سکتا ہوں تمہارے ساتھ۔''

''تم شیطان ہو!'' وہ نفرت سے اسے دیکھتی رہی۔آنسو اب تھم رہے تھے' غصہ اس کی جگہ لے رہا تھا۔

''تھینک یو اس کامپلیمنٹ کے لیے۔اب تم آنسو صاف کرو' اور جاؤ۔باہر نکل کر پہلی کالی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔وہ تمہیں ہوٹل لے جائے گی' سامان پیک کرو اور ایئر پورٹ جاؤ ورنہ تمہاری آج رات کی فلائٹ کا وقت نکل جائے گا' یہ کچھ رقم اس میں ہے' یہ رکھ لو۔'' کوٹ کی اندرونی جیب سے خاکی لفافہ نکال کر بڑھایا۔علیشا نے تنفر سے اس لفافے کو دیکھا۔

''مجھے یہ خیرات نہیں چاہیے۔یونیورسٹی کی فیس نہیں دے سکتے تو اس کی بھی کیا ضرورت تھی۔''

''دراصل یہ خیرات نہیں ہے۔یہ تمہاری ماں کے ہاسپٹل کے بلز جتنی رقم ہے۔اوہ آئی ایم سو سوری' شاید آج تمہاری اپنی ماں سے بات نہیں ہوئی۔'' وہ ایک دم بہت ہی ہمدردی سے بولا۔علیشا نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ موبائل پہ کچھ نکالنے لگا۔

''میں نے سنا ہے کہ چند گھنٹے قبل تمہاری ماں کو کسی نیم تاریک سڑک پہ ایک کار نے ٹکر ماری تھی۔اتفاق سے اس گلی کے سی سی ٹی وی کیمرا خراب تھے اور موقعے کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔بہرحال جس ہسپتال میں وہ داخل ہے' جہاں ابھی اس کی حالت خطرے سے مکمل طور پہ

باہر نہیں ہے' وہاں کام کرنے والے میرے ایک دوست نے یہ مجھے بھیجا تھا۔" ساتھ ہی نرمی سے مسکراتے ہوئے موبائل اسکرین سامنے کی۔ وہ جو ہم بخوبی شفٹ جا رہی تھی' تیزی سے آگے ہوئی' اسکرین پہ ہسپتال کے بستر پہ اس کی ماں تھی۔ گردن میں کالر' ایک بازو بلستر میں۔ علیشا نے بے اختیار چیخ روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔

"سو علیشا یہ خیرات نہیں ہے' یہ تمہارے کام آئے گا۔" موبائل واپس رکھا' اور وہ لفافہ اس کی کہنی پہ ٹنگے پرس میں گرا دیا' پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک کاغذ اور قلم نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"یہ تمہارا بیان حلفی ہے' جس کے تحت تم ماں کی بیماری کے باعث واپس جا رہی ہو' اور یہ کہ تمہارا فارس غازی کے کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ تم قتل کے وقت اس کے ساتھ تھیں' نہ ہی تم اس کو بے گناہ سمجھتی ہو۔ اور اگر تم یہ سائن نہیں کرو گی تو..... میرا دوست جو اس ہسپتال میں تمہاری ماں کے ساتھ ہے..... وہ بہت کام کا بندہ ہے۔ تم جانتی ہو وہ کیا کیا کر سکتا ہے' مجھے ایسے الفاظ کہنے پہ مجبور نہ کرو۔" بے لچک انداز میں کہتے ہوئے ہاشم نے قلم کھول کر اس کے ہاتھ میں تھمایا' کاغذ سامنے کیا۔

علیشا کے بے بس آنسو بہہ رہے تھے اور اتنی ہی نفرت سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ "میں امریکی شہری ہوں' میں ابھی اپنے سفارت خانے فون کر سکتی ہوں اور اس سب کے بارے میں بتا سکتی ہوں۔"

"بالکل اسی طرح کرو۔ بلکہ یہ کرنے کے لئے میرا فون استعمال کر لو۔" فوراً سے ہاشم نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ "امریکن قونصلیٹ کی فرسٹ سیکرٹری کا نمبر میرے اسپیڈ ڈائل کے پچیسویں نمبر پہ محفوظ ہے۔ میری بہت اچھی جان پہچان ہے اس سے۔ اور شاید تم بھول گئی کہ میں' میرا بھائی' میری ماں' ہم سب بھی امریکی شہری ہیں۔ یہاں کرنے ہیں دستخط!" ساتھ ہی بہت سہولت سے کاغذ پہ اشارہ کیا۔

علیشا بے بسی سے اسے دیکھتی رہی' پھر بائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے' کاغذ دیوار سے لگایا' اور دستخط کرتی گئی۔

"یاد رکھنا ہاشم' تم بھگتو گے۔ خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

یہ کہہ کر وہ آنکھوں میں آنسو لیے پلٹ گئی۔ ہاشم نے قلم بند کیا' کاغذ سمیت جیب میں رکھا' اور اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس لی۔ چلو یہ باب تو ختم ہوا۔

..............❖..............

یہ کون لوگ ہیں جو روشنی پہ ہیں مامور ...... دیے بجھائے ہیں کتنے نئے جلائے نہیں

اگلی صبح ہاشم اور جواہرات' ہشاش بشاش اور خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے' ہسپتال کی راہداری میں چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ حنین نے ویٹنگ روم کے دروازے سے ان کو آتے دیکھا' اور پھر واپس اندر ہو گئی۔ ہاشم نے بھی اسے دیکھ لیا تھا' تبھی جواہرات سے کہا۔

"آپ ٹھہریں' میں آتا ہوں۔" وہ وہیں کھڑی ہو گئی' اور ہاشم متلاشی نظروں سے دیکھتا آگے بڑھتا آیا' یہاں تک کہ ویٹنگ روم کے سامنے آ رکا۔ اندر کرسی پہ حنین بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ گھٹنے ملائے' سر جھکا کر' ویران نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی' وہ بالکل شل تھی۔ علیشا پچھلی رات کی فلائٹ سے واپس جا چکی تھی' اور حنین غالباً ابھی تک شاک میں تھی۔

"حنین۔ بیٹا آپ ٹھیک ہو۔" وہ نرمی سے پوچھتا دو قدم اندر آیا۔ حنین نے چہرہ اٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آئی ایم سو سوری' مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ وہ تمہاری دوست ہے' تو میں تمہیں خبردار کر دیتا۔ مگر پریشان نہ ہو' وہ اب تمہیں ہرگز تنگ نہیں کرے گی۔" تسلی دیتے ہوئے وہ مزید آگے آیا۔

حنین بس آنکھوں میں خاموشی لیے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ ایسی ہی لڑکی ہے۔ ہمیں کافی عرصے سے تنگ کر رہی ہے۔ یقین کرو ڈیڈ اس کو اتنے پیسے دے چکے ہیں مگر اس کا دل نہیں بھرتا۔ وہ محبت لینے ہمارے پاس آتی تو ہم اسے اپنے ساتھ رکھ لیتے، مگر وہ ہمیشہ پیسوں کے لیے آتی ہے۔"

حنین بس اسے دیکھے گئی۔ چپ چاپ۔

"اگر وہ دوبارہ تمہیں کوئی نقصان دینے کی کوشش کرے، تب تم سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی میں اسے سنبھال لوں گا، اوکے بیٹا؟" وہ دل سے ہمدردی سے بتاتا جا رہا تھا، حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ ہاشم چپ ہو گیا۔

تبھی جواہرات وہاں آتی دکھائی دی۔ ہاشم نے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور گردن پھیر کر حنہ سے بولا۔ "یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہے گی، اوکے؟"

جواہرات اب قریب آ چکی تھی۔ اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ بس ہاشم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آؤ، زمر انتظار کر رہی ہوگی۔"

"آپ جائیں، میں نے کل مل لیا تھا۔ بس اسے کہیئے گا کہ اپنا فون مجھے بھجوا دے، پولیس ریکارڈ کے لیے دوبارہ سے چاہیے۔" وہ اس بات کرتے کرتے باہر جانے کو پلٹنے لگا...

"کیا آپ کو معلوم ہے مسز کاردار کہ آپ کے شوہر کی دوسری بیٹی کل یہاں تھی؟"

ہاشم ایک جھٹکے سے مڑا، اور بے یقینی سے حنین کو دیکھا جو تیز نظروں سے اسے گھورتی، اٹھ کر ان دونوں کے مقابل آ کھڑی ہوئی، سینے پہ بازو لپیٹے اور تیکھے انداز میں جواہرات کو مخاطب کیا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ کل ہاشم بھائی نے اسے یہاں سے نکالا تھا۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا تھا، وہ روتے ہوئے جا رہی تھی۔" ہاشم کی معلومات میں اضافہ کیا۔

جواہرات کے تاثرات نہیں بدلے، وہ سرد سا مسکراتی رہی۔ ہاشم نے پریشانی اور غصے سے حنین کو دیکھا اور پھر ماں کو۔

"حنین! یہ کیا طریقہ ہے میری ماں سے بات کرنے کا...؟"

"مجھے سب پتہ ہے بچے۔" جواہرات نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا، ایک کٹیلی نظر ہاشم پہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ وہ بے حد طیش سے اس کی طرف گھوما۔

"یہ کیا تھا؟" مگر وہ بے خوفی اور تندہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ کو بھول گیا تھا تو یاد کرا دوں ہاشم بھائی کہ میں زمر یوسف کی بھتیجی ہوں حنین یوسف، اور میں بھی معاف نہیں کرتی۔ اور میں بالکل بھی سعدی بھائی جیسے لوگوں میں شامل نہیں ہوں جو آپ کی اچھی Looks اور اچھے مینرز کی وجہ سے آپ سے متاثر رہتے ہیں۔ مجھے آپ پہلے بھی ناپسند تھے، اور جو کل جو آپ نے کیا، اس کے بعد تو میں آپ کو زیادہ ناپسند کرنے لگی ہوں۔" چبا چبا کر بولتی اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔ ہاشم غصہ ضبط کیے، لب بھینچے کھڑا رہا۔ "آپ نے مجھے استعمال کیا، اپنا اور علیشا کا جو بھی جھگڑا تھا، اس میں سے اپنا مقصد نکالنے کے لیے۔ آپ کو پتہ تھا وہ میری دوست ہے مگر آپ نے اس وقت نہیں بتایا جب اسے لانے کو مجھے اندر بھیجا تھا۔ میں سعدی بھائی نہیں ہوں جو آپ کی ہر بات کو صحیح سمجھ لوں گی۔" پھر انگلی اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تندہی سے وارننگ دی۔ "آئندہ مجھے بھی استعمال کرنے کی کوشش کی آپ نے تو میں اس سے بھی برا کر سکتی ہوں کیونکہ مجھے اور آپ ابھی جانتے نہیں ہیں۔"

گھور کر اسے دیکھتی، وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گئی، اور ہاشم ضبط سے گہرے سانس لیتا، وہیں کھڑا کھولتا رہا۔ کچھ دیر تک تو اسے یقین نہیں آیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ شاک کے عالم میں نہیں بیٹھی تھی کیا؟ وہ غصے میں بیٹھی تھی؟

پھر تیزی سے اس نے فون نکالا۔ خاور نے پہلی گھنٹی پہ کال اٹھا لی۔

''یس سر؟''

''کیا علیشا کا دوبارہ رابطہ ہوا سعدی کی بہن سے؟''

''نہیں سر، میں مانیٹر کر رہا ہوں۔ وہ علیشا کے کسی میسج کا جواب نہیں دے رہی۔''

''او کے!'' ایک تسلی بخش احساس سا اندر اتر آیا۔

جب وہ باہر آیا تو حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر زمر کے کمرے سے نکال رہی تھی۔ اس نے ایک تیز نگاہ حنہ پہ ڈالی' وہ بھی جواب میں اتنی ہی شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی پلٹ گئی' اور وہیل چیئر دور لے جانے لگی۔ دل اس کا ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کیا اس نے رات سے سوچے گئے سارے پوائنٹس کہہ دیے نا؟ کچھ رہ تو نہیں گیا؟ ہونہہ، آئے تھے مجھے استعمال کرنے۔

ہاشم تیز تیز چلتا دوسری جانب مڑ گیا۔ اسے اب باہر کار میں بیٹھ کر جواہرات کے آنے کا انتظار کرنا تھا۔

جواہرات اندر زمر کے سامنے کرسی پہ بیٹھی، غصے سے کہہ رہی تھی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حماد ایسا کرے گا۔ میں نے تمہیں بتائے بغیر کہ تم اسے عزت نفس کا مسئلہ نہ بناؤ' حماد کو آسٹریلیا میں اپنی کمپنی میں جاب بھی آفر کی' بس شہر بدلنا پڑتا مگر تین گنا زیادہ کما لیتا، اور اس نے کیا کیا۔ جس مینیجر سے اسے ملوایا' اسی کی بیٹی کو پھانس لیا۔'' وہ گویا ابھی تک ورطہ حیرت میں تھی۔

تکیوں سے ٹیک لگائے نیم دراز زمر بس چپ سی اسے دیکھے گئی۔

''تم کہو تو میں اس مینیجر کو ابھی فائر کیے دیتی ہوں۔ اس کو معلوم تھا کہ حماد کی شادی ہونے والی ہے' پھر بھی اس نے اپنی بیٹی کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ دنیا کتنی خود غرض ہے!۔'' جواہرات نے جھرجھری لی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حماد نے درست فیصلہ کیا۔ اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔'' وہ ویران آنکھوں سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔

''مگر تم کیسے اس زیادتی پہ خاموش رہ سکتی ہو۔ وہ تمہارا منگیتر ہے' تمہیں اسٹینڈ لینا چاہیے۔''

''اس نے کچھ غلط نہیں کیا مسز کاردار۔ میں جانتی ہوں' میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی' میری کبھی کوئی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ ایسے میں اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔''

کرسی پہ بیٹھی جواہرات کے چہرے پہ ہمدردی ابھری، دل میں درد سا جاگا۔ ''آئی ایم رئیلی سوری' ہر اس چیز کے لئے جو تمہارے ساتھ کی گئی۔'' ہاتھ بڑھا کر اس کے پیر کو ذرا سا دبایا۔ ''بس تم کسی کو بددعا نہ دینا۔ کرنے والے کو کسی بات نے مجبور کر دیا ہوگا' ورنہ اتنا ظلم کوئی ہنسی خوشی نہیں کر سکتا۔''

زمر نے آنکھیں اٹھا کر تھکان سے اسے دیکھا۔ ''یہی تو سمجھنے سے قاصر ہوں' اتنے دن سے یہی تو سوچ رہی ہوں کہ فارس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ نہ کوئی دشمنی تھی' نہ پرانا بغض۔ میں تو اس کی ٹیچر تھی' میرے کتنے کام کر کے دیتا تھا۔ پھر ایک دم وہ کیسے بدل گیا؟''

جواہرات کی آنکھوں میں چھائی ہمدردی غائب ہوئی' اس کی جگہ بے چینی نے لے لی۔ اس کے پاؤں سے ہاتھ ہٹا لیا۔

''ہو سکتا ہے کوئی پرانا عناد ہو۔ کوئی رشتے وغیرہ کا چکر۔'' وہ احتیاط سے لفظ لفظ ادا کر رہی تھی۔ زمر کی حمایت کسی قیمت پہ نہیں کھونی تھی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں تھا' کبھی بھی نہیں۔'' وہ ناگواری سے تڑخ کر بولی۔ ''وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' بس!'' جواہرات جلدی سے مسکرائی۔

''میں تو محض ایک خیال کا اظہار کر رہی تھی' عموماً قتل تین باتوں پہ ہوتے ہیں۔ زن' زر' زمین۔ یعنی' عشق' دولت' یا اپنی طاقت کا غرور۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وجہ وہ ہو جو وہ کہہ رہا تھا' اپنے پہلے قتل کو چھپانا۔''

''نہیں۔'' وہ لب دانت سے کچلتی نفی میں گردن ہلانے لگی۔ ''صرف یہ بات نہیں تھی۔ اس روز وہ فارس لگ ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے بھی ایسے مجھ سے بات نہیں کی۔ پھر ایک دم سے.... میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' وہ پلکیں سکیڑ کر کھڑکی کو دیکھتی سوچ گئی۔ پھر آنکھوں میں ابھرت ابھری۔ ''کیا معلوم واقعی وہ فارس نہ ہو' کسی نے فارس بن کر مجھ سے بات کی ہو۔ شاید میں ہی....''

جواہرات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''اور اس کے فنگر پرنٹس؟ وارث کے ڈی این اے والی رسی کا اس کی کار سے ملنا؟ اس کی گن' ہوٹل میں اس کے نام کا کمرہ۔ اس سب کی وضاحت کیسے کرو گی؟ اوہ شاید تم اپنے والد اور بھابھی کی باتوں کا اثر لے کر کمزور پڑ رہی ہو۔ میں سمجھ سکتی ہوں' اپنوں کے لئے انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' سمجھنے والے انداز میں جواہرات نے سر کو خم دیا۔

''میں نہ کمزور ہوں' اور نہ کسی کا اثر لے رہی ہوں۔'' وہ ناگواری سے تیزی سے بولی۔ ''میں صرف ان کے مفروضے کو دہرا رہی تھی۔ وہ فارس ہی تھا' اس نے مجھے شوٹ کیا' میں آج بھی اپنے بیان پہ قائم ہوں۔'' شانے اچکا کر وہ خفگی سے رخ موڑ گئی۔

جواہرات کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری' ستائش سے اسے دیکھا۔

''گڈ' تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ تمہیں خاندان والوں کا دباؤ نہیں لینا۔ تمہیں فارس سے اپنا انتقام لینا ہے۔''

''میں پراسیکیوٹر ہوں' انصاف پہ یقین رکھتی ہوں' انتقام پہ نہیں۔ کم از کم تب تک نہیں' جب تک انصاف کی امید باقی رہے۔ میں نے بیان دینا تھا دے دیا' اب اور کچھ نہیں کرنا مجھے۔''

جواہرات کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ ''تم...تم اس کو کورٹ میں پراسیکیوٹ نہیں کرو گی کیا؟''

''نہیں۔ ایک دوسرے پراسیکیوٹر اس کیس کو plead کریں گے۔''

''مگر تمہیں فارس کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس کی وجہ سے تمہاری شادی....''

''میں اپنی مرضی کی مالک ہوں مسز کاردار۔ جیسے خاندان کا دباؤ نہیں لیا' ویسے ہی آپ کا بھی نہیں لوں گی۔ آپ چاہتی ہیں' میں فارس کو سزا دلواؤں' کیونکہ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے' میں جانتی ہوں آپ لوگوں کے جائیداد کے مسئلے ہیں۔ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو ہم اب دوست ہیں۔'' وہ کافی سنجیدگی سے جواہرات کو دیکھ کر کہہ رہی تھی' جو آگے سے پھیکا سا مسکرا دی۔

''اور میں آپ کی جگہ ہوتی' تو یہی کرتی۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ آپ مجھے کیوں بار بار اس کے خلاف کارروائی پہ اکسا رہی ہیں۔ مگر میرا ایک خاندان ہے۔ اور وہ شخص سعدی کا ماموں ہے۔ میں نے بیان دینا تھا' دے دیا۔ اب آگے عدالت جانے اور پولیس۔ فارس کا مجھ سے کوئی ایسا جھگڑا نہیں تھا' اس نے یہ کسی اور وجہ سے کیا' ممکنہ طور پہ وہی جو اس نے بتائی تھی' اس لئے میں ذاتی طور پہ اس کے خلاف کچھ نہیں کروں گی۔''

جواہرات بمشکل مسکرا پائی۔ ''میں سمجھ سکتی ہوں۔ بہت سی چیزوں میں ہم ایک جیسے ہیں زمر۔ خیر تم نے درست فیصلہ کیا۔ اگر تم اس کے خلاف محاذ کھول لیتیں' تو ندرت یا اس کے بچے تمہاری شکل دیکھنے سے بھی رہ جاتے۔ مگر میں امید کرتی ہوں' کہ تم اس کیس کو خود لینے سے احتراز اس وجہ سے نہیں برت رہی کہ تم دور اندر کہیں اس کو بے گناہ سمجھتی ہو۔''

زمر لمحے بھر کو بالکل چپ سی ہو کر جواہرات کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا تم اندر سے اپنے ہی بیان پہ خود مشکوک ہو چکی ہو' مگر چونکہ خود کو غلط ماننے میں تمہاری ناک آڑے آتی ہے سو تم اس پہ ڈٹی ہوئی ہو؟''

''ایسا نہیں ہے۔'' وہ اب کے کافی مضبوطی سے بولی۔ ''کبھی کبھی مجھے متضاد خیالات آتے ہیں' مگر میرا یقین ان کے مقابلے میں زیادہ پختہ ہے۔ وہ فارس ہی تھا' کوئی بھی چیز مجھے اس بیان سے نہیں ہٹا سکتی۔ اپنی ناک عزیز ہے مجھے' مگر بے انصافی کی حد تک نہیں۔ اگر مجھے

لگتا وہ بے گناہ ہے تو میں خاموش رہتی۔ وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا۔ شاید اگر میرے ابا کو فالج نہ ہوا ہوتا تو بھی میں خاموش رہ جاتی' مگر اب نہیں۔"

جواہرات گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی' مسکرا کر اس کے شانے پہ ایک ہاتھ رکھا' دوسرے سے اپنا بیگ اٹھایا۔ "دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو تم مجھے ہمیشہ اپنا دوست پاؤ گی۔"

زمر نے سر اثبات میں ہلایا۔ جواہرات بیگ کندھے پہ لٹکاتی باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو زمر کے تاثرات بدلے۔ سپاٹ چہرے پہ بے پناہ کرب امڈ آیا۔

اس نے مٹھی ہونٹوں پہ رکھی' آنکھیں بند کر کے ضبط کرنا چاہا' مگر آنسو امڈ آ رہے تھے۔ وہ خبر جس پہ وہ سارا وقت ضبط کر کے بیٹھی رہی تھی' وہ پھر سے طمانچے کی طرح آن لگی تھی۔

حماد کی شادی ہو رہی تھی' حماد کہیں اور شادی کر رہا تھا۔ یہ سہنا اتنا آسان نہیں تھا' جتنا اس نے ابھی جواہرات کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ گردن جھکائے' ہاتھ ہونٹوں پہ رکھے' وہ مسلسل بند آنکھوں سے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تبھی دروازہ بجا۔ زمر نے تیزی سے چہرہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا' اور انگلی سے آنکھوں کے گیلے کنارے جلدی جلدی خشک کرنے لگی۔ ذرا کھنکار کر رندھی آواز کا گیلا پن دبانا چاہا اور بولی۔ "آ جائیے۔"

دروازہ کھلنے کی آواز آئی' حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر اندر لا رہی تھی۔ زمر رخ موڑے' سائیڈ ٹیبل پہ کچھ ٹٹولنے لگی' ساتھ بار بار پلکیں جھپک کر ان کا گلابی پن دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا تم سرجری کے لیے تیار ہو؟" پشت سے ابا کی آواز آئی۔ "جی۔" کہتی سنجیدگی سے سیدھی ہوئی۔ آنکھیں اب ہلکی گلابی تھیں۔ حنین خاموشی سے بڑے ابا کی کرسی کے عقب میں کھڑی رہی۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" انہوں نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے تسلی دینا چاہی۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ "مجھے پتہ ہے۔" پھر قدرے بے چینی سے بند دروازے کو دیکھا۔ "سعدی کہاں ہے؟ اسے بھی بلا لیں۔"

بڑے ابا کی مسکراہٹ سمٹی۔ اس کی ذرا اور اگیلی آنکھوں کو غور سے دیکھا' اور پھر ان سے جھلکتی بے تابی کو۔ لب کھولے' مگر بند کر دیے۔

(وہ آ جائے تو میں اس کے سامنے حنین کو بتا دوں گی کہ میں تمہارے ماموں کے خلاف کیس نہیں لڑوں گی' نہ اس کے کیس کو فالو کروں گی۔)

"بھائی انگلینڈ چلا گیا تھا۔ ان کا ٹیسٹ تھا ایک' پھپھو!" سنجیدگی سے حنین نے بتایا۔

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ بالکل یک ٹک' سانس روکے۔

"سعدی..... چلا گیا؟" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔ حلق میں کچھ اٹکنے لگا۔

"ہم تو ہیں نا بیٹا! اس کی مجبوری تھی۔"

مگر وہ ہنوز ششدر سی حنین کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اسے میرے آپریشن کا پتہ تھا؟"

(بھائی سے زیادہ کسے پتہ ہوگا؟) اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زمر کے لب بھنچ گئے۔ ابرو اکٹھے کیے' وہ خفگی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"ندرت بھی آنے والی ہے' ہم سب تمہارے ساتھ ہوں گے سرجری کے دوران۔ سعدی بھی کال کرتا رہے گا۔"

(کال کرنا پراہ کرنے کے مترادف نہیں ہوتا' ابا۔) مگر وہ لب سیے' دوسری جانب دیکھتی رہی۔ حنین ناگواری سے پلٹ گئی۔ اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو رہا تھا۔

وہ باہر آئی تو سعدی منتظر کھڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ دونوں کی پشت دیوار سے لگی تھی' اور نظریں سامنے تھیں۔

''کیا آپ ایک دفعہ ان کو خدا حافظ کہنے بھی نہیں جا سکتے تھے؟''

''میں نے ان سے بہت بدتمیزی کی تھی' اب نہیں سامنے جاؤں گا۔ وہ میری شکل دیکھ کر دل کی بات جان لیں گی۔''

''تو پھر زبان کی بات کا یقین کیوں نہیں کرتیں؟'' پھر ذرا نرمی سے بولی۔

''صرف مل ہی لیں۔'' سعدی نے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

''اونہوں.. مجھے ڈر ہے' ان کے سامنے جا کر میں رونے لگ جاؤں گا۔''

گویا حنین کا دل کسی نے دبا دیا ہو۔ اس نے بے اختیار مڑ کر سعدی کا چہرہ دیکھا۔ وہ اداسی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ جینز پہ آدھے آستین کی میرون شرٹ' چھوٹے کٹے بال جو سامنے سے سیدھے اور سر کی پشت سے گھنگریالے تھے۔ چہرے پہ چھایا ایک معصوم سا تاثر۔

''آپ انگلینڈ جانے کے بعد پہلی دفعہ آئے گھر تو ہم سب نے کہا کہ آپ بدل گئے ہیں' پہلے سے زیادہ اسمارٹ اور عقلمند۔ مگر.... آپ تو آج بھی ویسے ہی ہیں۔'' سعدی نے نظریں پھیر کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''معصوم!'' وہ اداسی سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''معصوم! کیا یہ میرا دوسرا نام ہے؟''

''پہلا کیا تھا؟''

''ہمارا سعدی!'' اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ اداس سے ماحول میں زندگی کی کوئی تال کسی نے چھیڑی تھی۔

''علیشا کا کچھ پتہ چلا؟'' اس سوال پہ حنین کی ہنسی تھمی۔ سر نفی میں ہلایا۔

''میں نے اس کی ساری میلز اور میسجز بغیر پڑھے مٹا دیے۔ ہر جگہ سے اسے بلاک کر دیا۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ میں دوبارہ اس سے کبھی بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''تم نے صحیح کیا۔''

''اور آپ نے دیکھا' کس طرح وہ اپنا بیان بدل کر چلی گئی۔ اس نے میرا غصہ ماموں پہ اتار دیا۔ شاید میں اس کی کال اٹھا لیتی' اگر مجھے یہ نہ پتہ چلتا کہ اس نے اپنی گواہی بدل دی ہے۔ اپنے باپ سے مسئلہ تھا تو ان تک ہی رکھتی۔ مجھے کیوں درمیان میں لائی۔'' وہ سخت رنجیدہ لگ رہی تھی۔

''چلو اب تم دوبارہ ہاشم بھائی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ ان کا اس سے خون کا رشتہ ہے' وہ لوگ ایک دن پھر اکٹھے ہو جائیں گے' ہم درمیان میں کیوں آئیں۔'' وہ نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حنین بے دلی سے سر ہلاتی رہی۔

''اس نے کہا تھا' چیونٹیاں انتقام لینے پہ آئیں تو انہیں کوئی نہیں ہرا سکتا' مگر پھر وہ کیوں ہار گئی بھائی؟ اس کو بغیر پیسے دیے ہاشم بھائی نے بھیج تو دیا نا واپس!'' بس ایک یہی الجھن تھی جو اسے ستا رہی تھی۔

سعدی کچھ دیر کو بالکل خاموش ہو کر سوچتا رہا۔ حنین منتظر تھی۔

''کیا تم سارا وقت ڈرامے دیکھتی رہتی ہو؟ یا قرآن بھی پڑھتی ہو؟ جیسے انگلینڈ جانے سے پہلے ہم اکٹھے پڑھتے تھے۔''

"کیا بھائی پڑھتی ہوں نا۔" ایک دم بہت سستی سے کہتے ہوئے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
"او، کیا تمہیں وہ سورتیں یاد ہیں جو ہم نے حفظ کی تھیں؟"
حنین نے انگلی سے کان کے پیچھے بال کھجائے۔
"جی... یاد ہیں، میں ذرا سا دہرا کر سنا سکتی ہوں۔" (کہیں وہ ابھی کے ابھی سن ہی نہ لے۔)
"بہت اچھا۔" خفگی سے اس کو دیکھا، وہ ایک دم بہت معصومیت سے سر جھکائے اپنی عینک اتار کر شیشے سے پونچھ صاف کرنے لگی تھی۔
"بہر حال ہم نے ایک سورۃ حفظ کی تھی، سورۃ نمل، یاد ہے؟"
"جی بالکل۔" عینک صاف کر کے آنکھوں پہ لگاتے ہوئے اس نے ذہن پہ زور ڈالنا چاہا کہ پہلی آیت کہاں سے شروع ہوتی تھی؟ اُف... یاد کیوں نہیں آ رہا۔
"اور نمل کا مطلب کیا تھا؟"
حنین ایک دم کھل کر مسکرا دی۔ شکر، بھائی نے سورۃ نہیں سنی تھی، یہ سوال تو بہت آسان تھا۔ ہسپتال کا کاریڈور ایک دم خوشگوار لگنے لگا۔
"نمل یعنی چیونٹی!" بہت اعتماد سے مسکرا کر بتایا۔
سعدی نے پہلے تعجب اور پھر خفگی سے اسے دیکھا۔ "یعنی کہ تم نے عرصے سے قرآن نہیں کھولا۔"
حنین ہکا بکا رہ گئی۔ "مگر میں نے صحیح بتایا ہے۔"
"غلط بتایا ہے۔ نمل کا مطلب چیونٹی نہیں ہوتا۔"
"تو پھر کیا ہوتا ہے؟"
"چیونٹی کو 'نملۃ' کہتے ہیں۔ نمل کا مطلب ہوتا ہے 'چیونٹیاں'۔"
حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے، ازرہ ٹھے پن سے بھائی کو دیکھا۔ "وہی نا، ایک ہی بات ہوئی۔"
"اگر ایک بات ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ کا نام نملۃ رکھ دیتا۔ مگر نہیں... چیونٹی اور چیونٹیوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دیکھو، باقی جتنی بھی سورتیں ہیں، حشرات الارض کے نام کی، وہ واحد ہیں۔ العنکبوت یعنی ایک مکڑی۔ نحل یعنی ایک شہد کی مکھی۔ لیکن چیونٹیوں کی سورۃ "جمع" کے صیغے میں ہے۔ پتہ ہے کیوں؟" اس نے ابھی ابھی کی سوچی گئی بات بہت ایکسائٹڈ ہو کر کہی۔
وہ بہت دھیان سے سن رہی تھی، بے تابی سے بولی۔
"کیوں؟"
"کیونکہ اکیلی چیونٹی ہوتی ہی نہیں ہے۔ کبھی دیکھی ہے اکیلی چیونٹی؟ اونہوں۔ چیونٹیاں ہمیشہ اپنی قطار میں، اپنے خاندان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اکیلی ہار جاتی ہے، پیر تلے مسلی جاتی ہے۔ اور جو اکٹھی ہوتی ہیں، وہ کبھی نہیں ہارتیں۔ علیشا اکیلی تھی، اور تم نے بھی اس کی مدد نہیں کی، تو وہ کیسے جیت سکتی تھی۔"
وہ خاموش ہوا تو حنین بالکل چپ سی ہو گئی۔
"اگر وہ مجھ پہ پہلے بھروسہ کرتی تو میں اس کی مدد کرتی۔ مگر اب میں اس سے لاتعلق رہنا چاہتی ہوں۔"
"تمہیں ایسے ہی کرنا چاہیے۔"
دونوں پھر سے خاموش ہو گئے۔

"مگر وہ میری بیسٹ فرینڈ تھی اب وہ نہیں ہے' پھپھو نے بھی مجھے اکیلا کر دیا۔"

"چلو میں بھی تو ہوں نا تمہارا بیسٹ فرینڈ۔" وہ نرمی سے مسکرایا تو حنین بھی مسکرا دی اور ذرا سی بھائی کے قریب کھسک آئی۔ کندھے سے کندھا ملا رحنہ کی چھوٹی انگلی سے اس کی چھوٹی انگلی ٹکرائی۔ ایک تحفظ کا احساس۔ کوئی نہیں ہوگا۔ تب بھی بھائی ہوگا۔ مرتے دم تک۔ آخری سانس تک۔ بھائی ساتھ رہے گا۔

اب پھر سے راہداری میں سے لوگ گزرتے جا رہے تھے اور وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے خاموش کھڑے تھے۔

……………… ☆☆☆ ………………

اتار لیتے ہیں دنیا کو یوں تو شیشے میں ..... اکیلے ہوں تو آئینے سے ڈرتے ہیں

جواہرات کار میں پچھلی سیٹ پہ آ کر بیٹھی تو ہاشم ساتھ براجمان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے موبائل تھمایا اور ڈرائیور کے آنے کا انتظار کیا مگر جب وہ باہر کھڑا رہا تو وہ ہاشم کو دیکھے بنا بے تاثر سا بولی۔

"اس کو چلنے کا کہو ہاشم!"

"ممی... آئی ایم سوری!" اس نے جواہرات کے گھٹنے پہ رکھے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ فکر مند نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے آنکھوں پہ سیاہ گلاسز لگا رہی تھی۔ "ہم بہت دفعہ یہ بات کر چکے ہیں مگر تم آج بھی اپنے باپ کے گناہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتے ہو' حالانکہ تم جانتے ہو کہ مجھے اس کی بیٹی کے بارے میں سب علم ہے۔"

"ممی... آئی ایم سوری!" اس کا دایاں ہاتھ ہنوز جواہرات کے گھٹنے پہ ہاتھ پہ تھا۔

"اور اس لڑکی کی اتنی ہمت ہوگئی کہ وہ میرے شوہر میرے گھر پہنچ جائے مگر تم نے مجھے خبردار تک نہیں کیا۔ میں کیا کر لیتی؟ تماشا لگا دیتی؟ کیا پہلے کبھی کیا؟ ہونہہ۔" تلخی سے اس نے سر جھٹکا۔ "تمہارے باپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں اس کی بیٹی کے بارے میں جانتی ہوں۔"

"ممی... آئی ایم سوری!" وہ مسلسل نگاہیں اس پہ جمائے نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے ہاشم اس لڑکی یا اس کے کسی مسئلے سے فرق نہیں پڑتا' میں عمر کے اس حصے نکل چکی ہوں جب فرق پڑا کرتا ہے۔ مجھے کوئی پروا نہیں اگر وہ تمہارے باپ کے کاروبار یا عزت کے لیے خطرہ نہیں ہے... اگر ہوئی بھی تو تم سنبھال لو گے...."

"ممی... آئی ایم سوری!" وہ زیادہ نرمی اور زیادہ آہستہ سے بولا۔

جواہرات نے ایک ہاتھ سے گلاسز اوپر سر پہ چڑھائے اور آنکھیں گھما کر اسے خفگی اور دکھ کے ملے جلے تاثر سے دیکھا۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ کہ وہ ادھر آئی ہے؟ مجھے بے خبر کیوں رکھا؟ شاید میں جانتی ہوں کیوں۔ تم مجھے ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔" کہتے ہوئے آنکھوں میں دب کی سرخی ابھری۔

"ممی... آئی ایم سوری!" اس نے ذرا سا ماں کا ہاتھ دبایا۔ جواہرات نم آنکھوں سے مسکرا دی اور دایاں ہاتھ ہاشم کے اسی ہاتھ پہ رکھ دیا۔ آنکھوں کی خفگی نرمی میں ڈھل گئی۔

"اٹس اوکے۔ میں تم سے کبھی خفا نہیں رہ سکتی۔"

وہ بھی مسکرا دیا' پھر پیچھے ہو کر ڈرائیور کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے واقعی اس لڑکی سے فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت تو صرف یہی خیال دل کاٹتا ہے کہ ہم دونوں نے زمر کی زندگی برباد کر دی۔''

''مجھے اس کا افسوس ہے' مجبوری نہ ہوتی تو میں ایسا کبھی نہ کرتا۔'' وہ چہرے پہ ایک دم امڈ کر آتی تکلیف کو ضبط سے چھپا کر سیل فون نکالنے لگا۔

''مجھے ہر رات سونے سے پہلے زمر کا خیال آتا ہے۔ وہ اس سب کی مستحق نہیں تھی ہاشم!''

''خیر اگر آپ کبھی عدالت میں اس کے مقابلے پہ ڈیفنس اٹارنی کے طور پہ پیش ہوتیں تو اپنی اس رائے پہ نظر ثانی ضرور کر لیتیں۔'' وہ بظاہر بشاشت سے کہتا مسکرا دیا۔ ڈرائیور دروازہ کھول رہا تھا۔ جواہرات نے گلاسز پھر سے آنکھوں پہ گرائے اور پر سکون سی ہو کر ٹیک لگالی۔

اب ساری دنیا اپنی مرضی کے رنگ میں نظر آ رہی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

ظلم پہ سہی ہوئی' دکھ سے مگر دہکی ہوئی ...... ایسی آنکھوں ہی سے طوفان اٹھا کرتے ہیں

(دو ماہ بعد)

بڑے ابا کے لاؤنج کم ڈائننگ روم میں دوپہر کے کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔ صداقت جو موجودہ دن سے چار سال قبل کافی دبلا پتلا اور کم عمر سا لگتا تھا' تازہ روٹی لا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ رہا تھا۔ سربراہی کرسی کی جگہ بڑے ابا وہیل چیئر پہ براجمان تھے اور دگاہے بگاہے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پہ سر جھکا کر لقمے توڑتی زمر کو دیکھتے تھے۔ کچھ کہنے کے لئے لب کھولتے' پھر خاموش ہو جاتے۔ اس کے آپریشن کو دو ماہ بیت چکے تھے اور اس کی رنگت تب سے اتنی ہی زرد رہتی تھی۔

دفعتاً میز پہ رکھا زمر کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر اسے دیکھا ''سعدی انگلینڈ موبائل کالنگ'' لکھا آ رہا تھا۔ بڑے ابا نے اسکرین نہیں پڑھی' اس کا چہرہ پڑھا' اور کالر آئی ڈی جان لی۔

وہ بے تاثر نگاہوں سے موبائل کو دیکھتی رہی اور پھر دوبارہ لقمے توڑنے لگی۔ ان کو بے چینی ہوئی۔

''فون بج رہا ہے۔''

''میں کھانا کھا رہی ہوں۔'' لقمہ منہ میں رکھ کر' سر جھکائے اگلا توڑنے لگی۔ فون خاموش ہو گیا۔ ذرا سا وقفہ اور پھر بجنے لگا۔ زمر نے پانی کا گھونٹ بھرا اور موبائل اٹھا کر کان سے لگالیا۔ ''ہیلو؟''

''السلام علیکم زمر....'' وہ رکا۔ منہ میں کچھ ہونے کے باعث آواز ذرا فرق لگی تھی۔ ''زمر بول رہی ہیں نا؟''

''جی زمر پھپھو بول رہی ہوں۔'' سنجیدگی سے کہتی فون کان سے لگائے' وہ پانی گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔ بھوری آنکھیں میز پہ رکھے گلدان پہ جمی تھیں۔ چہرہ زرد اور نقاہت زدہ لگتا تھا۔ بڑے ابا بس بے چینی سے اس کو دیکھے گئے۔

''اوہ او کے۔ کیسی ہیں آپ زمر؟'' وہ صبح سویرے کی نیلے اندھیرے میں ڈوبی سڑک پہ واک کرتے ہوئے' موبائل کان سے لگائے' کافی لگاوٹ اور اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟''

''میں.... بالکل ٹھیک۔ آپ کی درد کیسی ہے؟'' وہ سڑک کنارے ایک جگہ کھڑا ہو گیا' کمر پہ ہاتھ رکھ کر کچھ محسوس کرنا چاہا۔

''درد نہیں ہے' یا پھر اب احساس نہیں ہوتا۔'' وہ گلاس رکھ کر روٹی کا نوالہ توڑنے لگی۔

''نہیں' اتنی جلدی تو درد ختم نہیں ہوتا۔'' وہ بے اختیار بول اٹھا۔ ''ابھی تو کچھ وقت مزید لگے گا ناز خم بھرنے میں۔ بہت سے کام

اپ ٹاؤن ہی رکتی ہوں گی۔'' سامنے تیز تیز بھاگ کر جاگنگ کرتے ایک لڑکے کو دیکھ کر وہ بے خود سا ہوا۔!

''ہوں۔''

''اور.... آپ.... کیسی ہیں؟'' اس کے سرد خشک رویے پہ وہ بس اتنا پوچھ سکا۔

''پہلے جیسی ہوں۔ ابھی کھانا کھا رہی تھی۔''

''اوہ ہاں' آپ کی تو دوپہر ہوگی۔ بڑے ابا جلدی کھانا کھا لیتے ہیں نا۔'' وہ خفیف سا ہنسا۔ زمر خاموشی سے نوالہ منہ میں رکھ رہی تھی۔ سعدی چپ ہوگیا۔ پھر دوبارہ کوشش کی۔

''میں... آج مال جا رہا تھا دوست کے ساتھ۔ کچھ چاہیے آپ کو؟''

''صرف سکون۔ اور وہ ادھر سے نہیں ملتا۔''

وہ پھر چپ ہوگیا' مرجھا گیا۔ آہستہ سے بولا۔ ''چلیں آپ کھانا کھائیں میں فون رکھتا ہوں' زمر....'' قدرے وقفے سے اضافہ کیا ''زمر پھپھو!'' تب احساس ہوا کہ بات کے آغاز میں اس نے کیوں یاد کرایا تھا۔ کیس سال' ''زمر'' تھی' اب وہ پھپھو بن گئی تھی۔ بھتیجے نے فون بند کیا۔ زمر نے بھی موبائل میز پہ رکھ دیا۔

''اس سے کیوں ناراض ہو؟'' وہ غور سے اسے دیکھنے لگے۔

''میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ وہ میرا بچہ ہے' بچوں سے کون مقابلہ کرتا ہے؟''

''پھر اس کو یہ کیوں کہا کہ زمر' پھپھو' بول رہی ہوں؟''

''او کے آپ ہمارا کھانا خراب کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔'' پلیٹ پرے ہٹائی' اور سر اٹھا کر سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔ ''وہ اس وقت کہاں تھا جب میں بیمار تھی؟ میرا آپریشن تھا ابا۔ حماد نے منگنی توڑ دی تھی' ایک اجنبی عورت مجھے گر دہ تک دے سکتی ہے' مگر وہ سعدی جس کو میں نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا' وہ ایک دن بھی میرے لیے نہیں رک سکا۔ وہ میرے پاس کیوں نہیں تھا اس وقت جب مجھے اس کی ضرورت تھی؟''

''یہ تب کیوں نہیں کہا جب اس نے فون کیا تھا؟''

اس نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔ بولی کچھ نہیں۔

''تمہیں اصل غصہ اس بات پہ ہے کہ سعدی نے تمہارے مقابلے میں فارس کا یقین کیا۔'' اور اس نام پہ اس کی آنکھوں میں سرخی اتر گئی۔

''اگر آپ بھول گئے ہیں تو میں آپ کو یاد کروا دوں کہ فارس کا نام میرے سامنے مت لیا کریں۔ اس نے مجھ پہ گولی چلائی' اس نے میری زندگی برباد کر دی' اور اب بھی وہ آپ سب کو معصوم لگتا ہے۔'' زور سے نیپکین پرے ہٹایا۔

''تو پھر تم اس کے خلاف کیس کو خود کیوں نہیں لیتی؟ اگر اتنا یقین ہے تمہیں اس کے مجرم ہونے کا؟''

''کیونکہ میں تکلیف میں ہوں اور میں اس تکلیف کو بڑھانا نہیں چاہتی۔ بیان دے دیا' گواہی بھی دوں گی' مگر آگے سرکار جانے اور فارس غازی۔'' تلخی سے' گویا جلے دل سے کہتی اس نے آخر میں بہت دکھ سے ابا کو دیکھا۔ ''اور کیونکہ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ندرت بھابھی کیوں آپریشن کے دن سے آج تک مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔ مجھے بار بار جھوٹا کہلوائے جانے کا شوق نہیں ہے۔''

موبائل اور پرس اٹھایا اور بڑبڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بابا جی ساری عمر کہتے رہے کہ وہ نہیں رکھتا تعلق تو میں کیوں رکھوں' سوچ سوچ کر ایک دن ہم تنہا ہو جائیں گے۔''

''میں تنہا ہو چکی ہوں۔تھینک یو ابا۔'' کاغذات سمیٹے، پرس کندھے پہ لٹکایا اور کرسی پیچھے دھکیلی۔انہوں نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اب کہاں جا رہی ہو؟''

''سعدی کی فیس جمع کروانی ہے۔''

اوہ وہ ایک دم لاجواب سے ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

''مگر تم...تم تو اس پہ غصہ تھیں، زمر!''

''کیا مطلب؟ ہاں، مجھے اس پہ غصہ ہے، لیکن آپ نے کیا سمجھا تھا؟ میں اس کی فیس جمع کروانا چھوڑ دوں گی؟ اوہ ابا۔'' کراہ کر ناگواری سے ان کو دیکھا۔'' وہ بچہ ہے، میں نہیں۔'' اور چیزیں لئے باہر نکل گئی۔

بڑے ابا نے ایک نظر ادھورے کھانے پہ ڈالی۔یہ اگلے چار سال تک کے اکثر ادھورے رہ جانے والے کھانوں کا آغاز تھا۔

کار میں بیٹھنے تک اس نے ایک دو مزید کالز سنیں جو آفس سے تھیں۔اس کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی، لب کاٹتے ہوئے، پر سوچ نظروں سے سامنے دیکھتی رہی۔چہرے پہ الجھن تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاشم کو کیسے ملیں میرے گواہ کی معلومات؟'' اچنبھے سے وہ بڑبڑائی۔کچھ دیر بیٹھی سوچتی رہی، پھر ایک دم چونکی۔ بے اختیار موبائل کو دیکھا۔چہرے پہ تعجب ابھرا۔پھر غصہ۔

ہاشم کا نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

''ہیلو میڈم پراسیکیوٹر۔مجھے کیسے یاد کیا اتنے دنوں بعد؟'' وہ ہمیشہ کی طرح خوشگوار سا ہوا تھا۔

''بہت مبارک ہو۔آپ نے نعمان اکرم بنام افضل کا ٹھیا، اری کو یعنی میرے کیس کو خراب کر دیا، ہاشم!''

''او کے، اور میں نے کیا کیا ہے؟''

''میری سرجری سے پہلے آپ نے مجھ سے میرا فون لیا تھا فارس کی کال ریکارڈز وغیرہ کے لئے، مگر در حقیقت آپ نے اس میں سے میرے گواہ کا نمبر اور پتہ نکالا، اسے ٹریس کیا، اس کا پیچھے یا فیورز دے کر منہ بند کروایا اور گواہی بدلوا دی۔تھینک یو سو مچ ہاشم!'' ضبط کرتے کرتے بھی آواز بلند ہو گئی۔

''آپ کو لگتا ہے کہ آپ اندر آپریشن ٹیبل پہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوں گی اور میں باہر آپ کے فون کا غلط استعمال کر رہا ہوں گا؟''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے میرے فون سے اس کا نمبر نہیں لیا؟''

''نہیں۔میں کہہ رہا ہوں، کہ میں نے ڈاکٹرز کے باہر آ جانے اور آپریشن کی کامیابی کی اطلاع ملنے کے ''بعد'' آپ کا فون کھولا تھا۔'' وہ مزے سے بولا تھا۔

''آہ! آپ کی انسانی ہمدردی!'' تھک کر گہری سانس لی۔'' اور جب آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ کو میری بات پہ یقین ہے تو مجھے لگا کہ آپ بدل گئے ہیں، مگر نہیں، آپ آج بھی ویسے ہی ہیں۔''

''سو تو ہوں۔سی یو ان کورٹ۔تب تک آپ کوئی نیا گواہ تیار کریں۔'' محظوظ سا کہتے ہوئے اس نے کال بند کی اور زمر نے ''اف'' کر کے جھرجھری لی۔ابھی فون رکھا ہی تھا کہ وہ دوبارہ بج اٹھا۔نمبر دیکھ کر زمر کے ابرو تن گئے۔ناگواری سے اس نے کال اٹھائی۔

''جی ایڈووکیٹ محمود؟''

"میڈم آپ سے ایک....."

میرا جواب ناں میں ہے۔ اپنے کلائنٹ فارس غازی سے کہیے کہ بار بار مجھ سے ملاقات کے لئے اصرار نہ کیا کرے۔"

"آپ صرف ایک دفعہ اس سے مل کر تسلی سے اس کی بات سن لیں۔ اس کا پوائنٹ آف ویو بھی تو جاننے کی کوشش کریں۔ ایک وکیل کی حیثیت سے آپ کو کیس کے دونوں پہلوؤں پہ نظر ڈالنی چاہیے۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ میں اس کیس کی وکیل نہیں ہوں۔ نہ پراسیکیوٹر نہ ڈیفینڈر۔ میں اس کیس کی Victim ہوں اور وکٹم کے لئے کوئی دوسری سائیڈ نہیں ہوتی۔"

"او کے لیکن ایک دفعہ اس کی بات سننے میں کیا حرج ہے؟" وہ نرمی سے سمجھانے لگے۔ زمر نے بات کاٹ دی۔

"میں ضرور سنتی اگر وہ کہتا کہ کسی نے اس سے گن پوائنٹ پہ کال کروائی ہے' تب میں اس کو بے گناہ بھی تصور کر لیتی' مگر جب وہ سرے سے ہر چیز سے انکاری ہے' جب وہ مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے' تو میں کیوں سنوں؟"

"مگر ایک وکیل کی حیثیت سے..."

"کیا وکیل وکیل کی رٹ لگا رہے ہیں آپ؟ جب ایک وکیل کی حیثیت سے اس کی منت کی تھی کہ اس کا کیس لڑوں گی اور وہ مجھے نہ مارے' تب اس نے سنی تھی میری بات؟ آئندہ مجھے فون مت کیجئے گا۔"

اور ٹھک سے کال کاٹ دی۔

.................❖❖❖.................

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو ...... کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے

جیل کے اس کمرے میں بچھی میز کے ایک طرف فارس تھا اور دوسری جانب حنین اور ندرت۔ وہ خاموشی سے بیٹھا تھا۔ پہلے والا طنطنہ' اکڑ' غصہ سب ندارد تھا اور وہ اس کے برعکس کافی ڈھیلا لگ رہا تھا۔

"یہاں مت آیا کریں' وہ بھی حنہ کو لے کر۔ کتنی دفعہ بتاؤں' یہ کوئی ماحول ہے آنے والا؟" اس نے خفگی سے ندرت کو مخاطب کیا' مگر انداز میں تھکان تھی۔

"سعدی واپس جا چکا ہے۔ شوہر میرا مر چکا ہے' دوسرا بھائی بھی قتل ہو چکا ہے' اور کیا کروں؟" ندرت روہانسی ہو گئیں۔

"امی آپ یہ میلو ڈرامہ کافی دیر سے کر رہی ہیں' اب بس کر دیں۔" وہ چڑ کر بولی تو دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"اتنی دیر سے سن رہی ہوں میں یہ باتیں۔ بس کر دیں آپ دونوں۔ اور امی' کر لیں نا آپ نے جو باتیں کرنی تھیں۔ اب باہر انتظار کریں۔ مجھے ماموں سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"

"تمیز نام کی چیز میری اولاد کو چھو کر نہیں گزری' تم گھر پہنچو میں بتاتی ہوں۔" آنکھ کا کنارہ صاف کرتیں' ندرت اس کو سخت سست سنا کر چلی گئیں تو وہ اثر لیے بنا سنجیدگی سے فارس کی طرف گھومی۔ دوپٹہ سر پہ لیے عینک لگائے وہ خفا نظر آ رہی تھی۔

"کیا آپ کی پھپھو سے بات ہوئی؟"

"نہیں۔ وہ ملنا نہیں چاہتیں۔" وہ میز پہ رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ حنین اس کو دیکھتی رہی' یہاں تک کہ ایک پرانا منظر آنکھوں کے سامنے سے گزرا۔۔۔

چھوٹی حنین۔۔۔ خفا اور خاموش سی باغیچے کے کونے میں بیٹھی تھی' اور فارس اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

"اور پھر امی نے تمہیں ڈانٹا؟"

''صرف ڈانٹا؟ وہ تب سے مجھے ڈانٹ رہی ہیں، جب سے میں نے گملہ توڑا ہے۔ میرا دل کر رہا ہے میں مر جاؤں۔'' (اس عمر میں اسے مرنے کی بڑی فینٹسی ہوتی تھی۔)

''اور؟''

''اور کیا؟''

''اور کیا دل چاہ رہا ہے تمہارا؟''

''یہی کہ میں جنت میں چلی جاؤں، وہاں میرے پاس بڑا سا گھر ہو۔''

''اور؟'' وہ نرمی سے پوچھتا جا رہا تھا اور وہ بتاتی جا رہی تھی۔۔۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' اس کی آواز پہ حنہ چونکی۔ وہ تکان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیوں نہیں کہتے جو کہنا چاہتے ہیں؟ کب تک اپنی فیلنگز اور سوچ کو اندر دبا کر رکھیں گیں؟ آپ کو پھپھو پہ غصہ ہے نا، تو کہہ دیں۔ جو بھی اندر ہے نکال دیں۔''

''ہاں مجھے غصہ ہے اس پر۔ اس نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ۔۔۔ کہ میں۔۔'' تلخی سے کہتے کہتے وہ رکا۔

''کہ میں؟''

''کہ میں کس تکلیف میں ہوں۔ جو مری ہے' وہ میری بیوی تھی اور مجھے وہ بہت پیاری تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ ہمارے ساتھ کھڑی ہوتی اور میری بیوی کے قاتلوں تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتی' وہ مجھ پہ الزام لگا رہی ہے۔ ہونہہ۔'' مٹھیاں بھینچ کر کہتے اس نے سر جھکا۔

''اور؟''

''اور تمہیں پتہ ہے جیل کیسی ہوتی ہے؟ تاریک اور خالی۔''

''اور؟'' وہ سکون سے پوچھے گئی۔ فارس نے گہری سانس لی، اور پھر سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔

''اور جب رات ہوتی ہے اور بتیاں بجھا دی جاتی ہیں' میں تب بھی سلاخوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں' اس حصے میں جہاں روشنی کی کرن صبح سب سے پہلے گرتی ہو۔ اس اندھیرے میں سب سے زیادہ زرتاشہ یاد آتی ہے۔ اس کو اندھیرے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ رات کو سوتے وقت بھی ڈریسنگ روم اور ٹیرس کی بتیاں جلا دیتی تھی۔'' کہتے ہوئے وہ رکا۔ اب اس کا سر جھکا تھا' اور کہنیاں میز پہ رکھی تھیں۔ دونوں ہاتھوں سے پیشانی مسلتا رہا۔ حنین بس اسے دیکھے گئی۔

''اور؟'' اس نے سر اٹھایا' تھکاوٹ سے چور آنکھوں سے بائیں جانب دیوار کو دیکھنے لگا۔ کچھ یاد آیا' چہرے پہ اداس سی مسکراہٹ ابھری۔ حنین نے عرصے بعد فارس کو مسکراتے دیکھا تھا۔

''وہ بہت پیاری تھی حنہ۔ جب شادی ہوئی' مجھے پسند نہیں تھی وہ۔ امیچور' بچگانہ اور بے وقوف لگتی تھی۔ مگر ایک دفعہ میں بیمار ہوا تو وہ فجر تک جاگی رہی۔ ہاں' تب ہی اس نے اس رات بجھا دی۔ ساری بتیاں۔ کہیں میں ڈسٹرب نہ ہوں۔ اس دن سے وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ حنین جب پولیس مجھ سے پوچھ گچھ کرنے آ رہی تھی' تب بھی وہ میرے ساتھ تھی۔ اسے یقین تھا میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''اور؟''

''اور میں زمر سے مل کر اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ زرتاشہ کو وہاں کس نے بلایا تھا؟ اور یہ کہ اس نے آخری باتیں کیا کہی تھیں؟

لمل وہ ناراض تو نہیں لگ رہی تھی۔ میں کال پہ ان سے ٹھیک سے بات نہیں کر سکا تھا مگر....'' اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ ''مگر ہر وہ فوٹیج جو ہمارے لیے ضروری تھی' وہ غائب ہے۔''

''نہ صرف ریسٹورانٹ کی فوٹیج' بلکہ وارث ماموں کے قتل کی رات ہوٹل انٹری اور ایگزٹ کی فوٹیجز بھی غائب ہیں۔ فائرنگ والے دن اتفاق سے اسی فلور کے کیمرے خراب تھے' کمرہ بھی آپ کے نام تھا' جو ریسپشنسٹ اس وقت ڈیسک پہ تھی جب اس کمرے کی چابی لی گئی' وہ بھی غائب ہے۔ آپ کو بری طرح پھنسایا گیا ہے ماموں اس سب میں۔'' وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے اداسی سے کہہ رہی تھی۔

''مگر زمر ان تمام واقعات کو کیوں نہیں دیکھتیں؟ کیوں میری بات نہیں سنتیں؟ مجھے اس میں پھنسایا جا رہا ہے۔''

''وہ کہتی ہیں' ایک انٹیلی جنس آفیسر کو کون ٹریپ کر سکتا ہے؟''

''کیسے نہیں ٹریپ کر سکتا؟ یہ ہاشم کا سیکیورٹی آفیسر خاور' یہ بھی پہلے ایک ایجنسی میں تھا' پھر کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں نکالا گیا۔ ہاشم نے اس کا کیس لڑا اور اس کو بری کروا کر اپنے پاس لے آیا۔''

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ وہ کافی دیر سے بول رہا تھا' اس لیے اب تھک چکا تھا۔

''آپ کے ایجنسی کے دوست' سینئرز...کوئی نہیں ہے جو ہماری مدد کر سکے؟''

''حنین یہ ایجنسیاں تب تک ساتھ دیتی ہیں جب تک آپ ان میں شامل ہیں۔ جب نکال دیے جاؤ تو سب ختم۔''

''مگر آپ کا کون دشمن ہو سکتا ہے؟ کسی پہ تو شک ہوگا آپ کو۔''

''دشمن تو بہت ہیں۔ کتنے کیسز دیکھے' یاد بھی نہیں۔ مگر یہ میرے دشمن نے نہیں کیا۔ یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اور....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ آنکھوں میں چبھن سی ابھری۔

''اور؟'' حنین نے بغور اس کو دیکھا۔

''مجھے ہاشم پہ شک ہے۔''

''اوہ....'' حنہ گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی۔ ''مجھے معلوم ہے جو آپ نے بھائی سے کہا اور ہاشم بھائی نے سن لیا' وغیرہ وغیرہ۔ ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔ آپ کی جگہ یہاں ہاشم بھائی کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی۔'' اس نے مسکرا کر آنکھیں بند کر کے جیسے مزہ لیا۔ ''مگر ابھی آپ نے کہا کہ یہ سب کرنے والا آپ کا نہیں وارث ماموں کا دشمن ہے۔ تو ہاشم بھائی کی ان سے کیا دشمنی؟ اور ویسے وہ قاتل لگتے تو نہیں ہیں۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہاشم نے قتل کروائے ہیں۔ مگر مجھے اس میں وہ پھنسا سکتا ہے۔ سب سے بڑی بات۔ میری کار میں جو بھی ڈالا گیا' سوڈا!!! گیا' مگر جس صبح میں اور تم علیشا کے پاس ہوٹل گئے تھے' تب پیچھے سے میرے گھر کی بیسمنٹ سے میری گن چرائی گئی۔ نہ کوئی لاک ٹوٹا' نہ دروازہ۔ اتنے گارڈ' سیکیورٹی چیک پوائنٹس اور سی ٹی وی کیمروں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کیسے میرے گھر میں داخل ہو سکتا ہے اگر ہاشم اس کی مدد نہ کرے تو؟''

''خیر جھول تو ہر سیکیورٹی سسٹم میں ہوتے ہیں۔ جب لوگ پینٹا گون پہنچ سکتے ہیں' تو کاردار ز کا قصر کیا چیز ہے؟'' حنین کو بات دل کو لگتی ہوئی نہیں لگتی تھی۔

''اور ہاشم کی بہن؟ وہ کیوں چلی گئی؟''

''بتایا تو تھا' وہ میری وجہ سے گئی۔ میرے پہ غصہ جو تھا' وہ ہی نکالا اس نے۔''

بولتا ہے۔ اب یہ مت کہنا وہ میرے لئے بہترین وکیل مقرر کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بہت مخلص ہے۔ تمہیں پتہ ہے....'' وہ بتاتے بتاتے رکا۔

''کہہ دیں۔ میں سن رہی ہوں۔ میں ہمیشہ سنوں گی۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

فارس نے سر اثبات میں ہلایا اور انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے کہنا لگا۔ ''ہم چھوٹے تھے تو ماموں ہم سب کے لئے کھلونے لائے۔ ہاشم کو نوادرات پستول دیا' مجھے نوادرات رائفل۔ ہاشم میرے پاس آیا اور کہا' تمہاری رائفل تو بالکل اچھی نہیں' اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ڈیڈ کو یہ واپس کر کے اس سے بہتر لے لیتا۔ میں یہ سن کر فوراً گیا اور ماموں کو وہ واپس کر دی۔ ماموں کو میرے رویے سے بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے ایک اور کھلونا مجھے تھما دیا اور وہ رائفل کافی دکھ سے سامنے کر کے پوچھا' کیا کوئی یہ لے گا؟ ہاشم فوراً گیا اور بہت تابعداری سے وہ لے لی۔ بعد میں میں نے پوچھا کہ اگر خود لینے کا دل تھا تو مجھے وہ سب کیوں کہا؟ تو وہ بولا' میں نے تو صبح سے تم سے بات بھی نہیں کی۔ اور آگے بڑھ گیا۔ اس دن میں اپنے ماموں کے دل سے اتر گیا اور ہاشم میرے دل سے۔''

''مگر ہم یہاں اصلی گنز کی بات کر رہے ہیں ماموں۔ ہاشم بھائی بڑے ہوں گے' کرپٹ اور چھوٹے بھی' مگر ان کے پاس یہ سب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کوئی ایک بھی چیز آپ کے ماموں یا ان کے خاندان کو اس سب میں ملوث نہیں کرتی دکھائی دیتی۔ مجھے لگتا ہے' اورنگزیب کاردار کے علی الاعلان آپ سے اظہار لاتعلقی کے باعث آپ ان سے ناراضگی کی وجہ سے ایسا سوچ رہے ہیں۔''

''ہوں۔ شاید۔'' وہ پر سوچ نظروں سے وہ درو دیوار کو دیکھتا نیم قائل ہو گیا۔ یا پھر اب بھی مشکوک تھا۔ اس کو خود نہیں معلوم تھا۔

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ صدا دینے والے نے صدا لگائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ستے چہرے کے ساتھ مسکرا دیا۔

''تھینک یو حنہ۔ دوسری دفعہ میری بات سننے کے لئے۔''

(اور پہلی دفعہ کب تھا؟ حنہ کو یاد آیا۔ وارث ماموں کے قتل والی رات' ہوٹل میں جب اس نے ذکر کیا تھا۔ اس لونگ کا۔)

''میں ہمیشہ سنوں گی۔ چاہے پھپھو نہ بھی سنیں۔'' وہ رکی' ذرا ہچکچائی۔

''جب آپ ان سے ملنا تو ان پہ غصہ نہ کرنا۔ وہ تکلیف سے گزری ہیں' اور شاید ایسی تکلیف سے گزرنے کے بعد میں بھی یہی کرتی۔''

''یہی مسئلہ ہے حنین۔ کہ صرف وہی تکلیف سے نہیں گزریں۔''

''اپنا خیال رکھیے گا۔''

''سنو۔'' وہ جا رہی تھی جب فارس نے پکارا۔ وہ بے اختیار مڑی۔

''جی؟''

وہ چند لمحے دیکھتا رہا' پھر آہستہ سے بولا۔ ''میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ کیا تم لوگ مجھے یہاں سے نکال لو گے؟'' اور بدقت یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں ڈھیروں بے بسی اور کرب در آیا تھا۔ حنین کو دھکا سا لگا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر.....

''کاش میں نجومی ہوتی۔'' کہا اور باہر نکل آئی۔ فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ وہ ایک سرنگ کے اندر کھڑا تھا جہاں دونوں طرف اندھیرا تھا۔ اور دونوں طرف کا منہ بند تھا۔

..........❖❖❖..........

زمر سے بات کر کے ہاشم نے موبائل جیب میں رکھا' اور سامنے دیکھا۔ وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا تھا اور یہاں نشیب میں

والی فارس کا گھر نظر آتا تھا۔

دوسرے ہاتھ میں پکڑے مگ سے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ ریلنگ پہ جھک کر سوچتے ہوئے انیکسی کو دیکھنے لگا۔

"تم پہلے سے زیادہ پرسکون نظر آرہے ہو؟" جواہرات عقب سے چلتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آکھڑی ہوئی۔ ہاشم نے بدستور سامنے دیکھتے ہوئے ذرا سے شانے اچکائے۔

"مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

"اور میرا خوف بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ سارا ڈرامہ اگر کھل گیا تو؟"

"کچھ نہیں ہوگا۔ صرف دو لوگ ہمارے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ فارس اور زمر۔ اب دونوں مصروف ہیں۔ فارس کا وکیل کیس کو لٹکا تا جائے گا۔ پیشی پہ پیشی۔ کمزور دفاع۔ اور اگلے آٹھ دس سال تو فارس جیل سے نہیں نکلنے والا۔" کہتے ہوئے رک کر گھونٹ لیا۔ جواہرات مضطرب سی اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

"رہی زمر۔ تو وہ اپنے علاج میں مصروف رہے گی۔ ہو سکتا ہے جلد ہی اس کی شادی ہو جائے تو وہ منظر سے بالکل آؤٹ ہو جائے۔"

کافی ختم کر کے مگ پیچھے میز پہ دھرا اور ریلنگ سے ٹیک لگا کر سینے پہ بازو لپیٹے ماں کو مسکرا کر دیکھا۔ "اور زرتاشہ کا خاندان تو ویسے ہی فارس کو مجرم گردانتا ہے۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آنے والا۔"

"تم سعدی کو بھول رہے ہو۔"

"سعدی؟ وہ تو چھوٹا معصوم سا بچہ ہے۔ اس نے فارس کو مجھ پہ چھوڑ دیا ہے۔ دو سال تک تو وہ پڑھائی کے لیے انگلینڈ رہے گا۔ پھر وہاں جاب کر لے گا۔ کیا پتہ فیملی کو بھی وہاں بلا لے۔ باہر جا کر کون واپس آتا ہے؟ اس کی کیا فکر کرنی؟" لاپرواہی سے ابرو اچکا کر وہ بولا تھا، جیسے جواہرات کے ان وہموں پہ تعجب ہوا ہو۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اس نے بھی اچھی امید کرنی چاہی۔ پھر دونوں ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے اور ویران انیکسی کو دیکھنے لگے۔

آج، چار سال بعد..... وہ انیکسی اتنی ویران نہیں تھی۔

اس کی بیسمنٹ میں، دیوار پہ لگی تصویروں اور تراشوں کے سامنے فارس کھڑا تھا اور پیچھے کہیں سعدی بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

تراشوں کے اوپر چلتی چار سال پرانی فلم ختم ہوئی تو فارس چونکا۔ پھر ہاتھ میں پکڑے کپ کو دیکھا۔ وہ ہنوز گرم تھا اور وہ اتنا لمبا سفر کر کے واپس بھی آ گیا تھا۔ ذہن کی رفتار روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ تھی۔

"کچھ کھائیں گے یا میں جاؤں؟" اپنا کپ خالی کر کے رکھتا سعدی اٹھا تو فارس چونک کر مڑا۔

جینز، جوگرز اور ٹی شرٹ میں ملبوس دراز قد لڑکا، چار سال قبل کے مقابلے میں زیادہ سنجیدہ، صحت مند اور بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ تول تول کر بولنے والا، مگر اچھا بولنے والا۔

"مرضی تمہاری۔" ایک گھونٹ بھر کر اس نے میٹھی چائے رکھ دی۔ پھر کچھ سوچ کر موبائل اور والٹ اٹھایا۔ "چلو ساتھ چلتے ہیں، آپا سے دو چار دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"جی مگر گھر میں پہلے دن جیسی خاطر نہیں ہوگی۔ جھنڈی بنا رہی تھیں امی۔ اب آپ دو ہفتے پرانے ہو چکے ہیں۔" سوفٹ مسکراہٹ میں بھر کر بچا تکتے ہوئے وہ محظوظ سا کہتا سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ فارس تبصرہ کیے بغیر پیچھے آیا۔

جب کار واپس روش پہ چلاتے ہوئے وہ کار دار قصر کے قریب ہونے لگے تو سعدی نے دیکھا۔

ہاشم اور سونیا اپنے کتے سمیت ابھی تک لان میں کھڑے تھے۔اب گیم کی نوعیت بدل گئی تھی۔

''میں ایک منٹ ہاشم بھائی سے بات کر کے آتا ہوں!'' وہ کار سائیڈ پہ روک کر باہر نکلا تو فارس نے بے زاری سے پیچھے سے پکارا،

''جلدی آنا''

اسے آتا دیکھ کر ہاشم نے سونیا سے کچھ کہا، وہ سر ہلا کر ایک طرف کو چلی گئی۔سعدی قدم قدم چلتا قریب آیا۔

''ہیلو سعدی!'' ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔دونوں میں سے کسی نے مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''بس ایک بات کہنی تھی۔ہاشم بھائی۔'' وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتا کہنے لگا۔''شہرین چاہتی ہے کہ میں آپ سے بات کروں، اس لیے کررہا ہوں۔آپ سونیا کو اس کے ساتھ جانے دیں۔انہوں نے اپنی فلائیٹ بھی آگے کروالی ہے۔''

''او کے، میں اسے جانے دوں گا، ایک شرط پہ۔۔''

سعدی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''اور وہ کیا ہے؟''

''جو تم نے مجھ سے چرایا تھا، وہ واپس کر دو، اور میں سونی کو شہرین کے ساتھ جانے دوں گا۔ڈیل؟'' جیب سے دایاں ہاتھ نکال کر ہاشم نے اس کی طرف بڑھایا۔سعدی نے اس کی سرد مسکراہٹ کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ کو۔فیصلہ کرنے کے لیے بس چند سیکنڈ تھے۔

باب 8:

میں غارت گر

تم ملو گے بہت سے زبردست لوگوں سے.....
بیہانگ، ناقابل برداشت لوگ،
جو زور و شور سے تمہاری زندگی میں
اپنا حق جتاتے ہوئے داخل ہو جاتے ہیں۔
یہ ہے نشانی ایک غارت گر کی....
غارت گر شکار کرتے ہیں نرمی، سکون، امن،
خوش خلقی، اور ہر اس مثبت چیز کا
جو ان کو سونگھنے پہ کمزوری لگے۔
ہر خوش باش، پرسکون شے کو وہ
غلطی سے کمزوری سمجھ لیتے ہیں۔
تمہارا کام ان کو بدلنا نہیں۔
تمہارا کام ان کو دکھانا ہے کہ
تمہاری نرمی اور امن پسندی کمزوری نہیں ہے۔
میں ہمیشہ نازک اور کمزور لگتا ہوں،
مگر بات یہ ہے کہ،
میں نازک اور کمزور ہوں نہیں۔
میں نرم ہوں، مگر میں تمہیں دکھا سکتا ہوں کہ
نرمی میں بھی ایک زہر چھپا ہوتا ہے۔
میں ریشم کی مانند ہوں۔
لوگ ریشم کو کمزور سمجھتے ہیں،
مگر ایک ریشمی رومال بچا لیتا ہے انسان کو

بندوق کی گولی لگنے سے۔
بہت سے لوگ تمہیں کمزور سمجھ کر
تم سے دوستی کے خواہاں ہوں گے
غارت گروں کو درکار ہوتے ہیں ایسے دوست
جن پہ وہ حاوی ہو سکیں'
تاکہ ان کو اپنا آپ مضبوط اور اہم لگے۔
سچ تو یہ ہے کہ غارت گر میں نہ مضبوطی ہے نہ ہمت۔
یہ تم ہو جو مضبوط ہو' اور ہمت والے ہو۔
میں نے بہت سے دوست کھوئے'
بوجہ اس کے کہ جب انہوں نے مجھے چیر پھاڑنا چاہا'
تو وہ ایسا نہیں کر سکے۔
اب وہ مجھے الزام دیتے ہیں دھوکہ دہی کا۔
میں دھوکہ نہیں دے رہا۔
میں تو بنا ہوں ریشم کا۔
وہی غلطی سے شرافت اور نرمی کو کمزوری گردان لیتے ہیں۔
دنیا بھری پڑی ہے غارت گروں سے
سو میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میری طرح
بن جاؤ ریشم!''
(جوائے نیل)

اور وہ سعدی جو ڈیڑھ برس سے ریشم بن چکا تھا' اس نے اپنے اچھے وقتوں کے غارت گر دوست کے بڑھے ہاتھ پہ چبھتی ہوئی نظر ڈالی اور فیصلہ کر لیا کہ اسے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''اور میں نے آپ سے کیا چرایا ہے بھلا؟''

''وہی جو تمہارے خیال میں پہلے میں نے تم سے چرایا تھا۔''

سعدی کا جبڑہ بھینچ گیا' آنکھوں میں سختی در آئی۔

''آپ میرے خیالات کو نہیں جانتے۔ ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔'' کہتے ہوئے وہ مڑنے لگا' پھر ٹھہر گیا۔ دور کار میں بیٹھا فارس اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سعدی نے واپس دیکھا۔ ہاشم نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بدستور بڑھا رکھا تھا۔

''جلد ملتے ہیں۔ آپ کے آفس میں۔'' اس نے ہاتھ ملا لیا' اور فوراً سے واپس کھینچ کر پلٹ گیا۔ کار میں بیٹھتے ہی فارس نے سوال کیا۔

''کیا کہہ رہا تھا ہاشم؟''

اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے اس نے سر جھکائے ذرا سے شانے اچکائے۔

''کچھ خاص نہیں۔ آفس کا ایک کام تھا۔ وہی پوچھ رہے تھے۔'' کار اسٹارٹ کر کے سر سیدھا کیا۔ فارس تو ہوں کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مگر سائیڈ مرر میں ہاشم دور کھڑا مسکراتے ہوئے جیبوں میں ہاتھ ڈالے نظر آ رہا تھا۔ اس نے کار کی رفتار تیز کی تو ہاشم پیچھے رہ گیا۔

(وہی جو تمہارے خیال میں میں نے تم سے چرایا تھا۔ اُف! اور یہ بات اسے کس نے بتائی ہوگی؟) ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے اسٹیرنگ پہ موبائل رکھا' اور شہرین کا نمبر نکالا۔ کچھ غصے بھرا ٹائپ کرنے لگا' پھر ارادہ ترک کر دیا۔ یہ ٹیکسٹ پہ کرنے والی بات نہیں تھی۔

برے موڈ کے ساتھ اس نے اسپیڈ تیز کر دی۔

کار اب دور جا چکی تھی۔ ہاشم آہستہ سے پلٹ آیا۔

لاؤنج میں مرکزی صوفے پہ جواہرات ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ اتوار کے باعث اسے آفس نہیں جانا تھا مگر وہ پھر بھی ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور تیار تھی۔

وہ قریبی صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھ لیے' اور انگلی سے ٹھوڑی مسلتا' پرسوچ نظروں سے سامنے دیکھنے لگا۔

جواہرات نے موبائل سے نگاہ اٹھائی۔

''پریشان لگ رہے ہو۔''

''نہیں تو۔'' وہ چونکا۔

''کچھ تو ہوا ہے۔'' وہ پھر سے موبائل پہ انگلی سے صفحہ اوپر کرنے لگی۔

''نہیں بس.... ابھی سعدی سے ملاقات ہوئی۔ وہ فارس سے ملنے آیا تھا۔''

''اور تمہیں یہ بات ڈسٹرب کر رہی ہے کہ سعدی سب جانتا ہے؟''

''کیا نہیں کرنی چاہیے؟'' اس کا موڈ بگڑا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب ہمارا وہم ہو۔ فارس کے لیے کوشش کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ سب جانتا ہو۔''

مگر ہاشم نے سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''اونہوں۔ وہ جانتا ہے کہ یہ میں نے کیا ہے' مگر چونکہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اس لیے وہ برملا اظہار نہیں کر پا رہا۔ وہ فارس تک کو کچھ نہیں بتا رہا' اس کو دکھانے کے لیے اس نے مجھ سے ہاتھ بھی ملا لیا۔''

جواہرات نے موبائل پرے ڈال دیا اور چہرہ اٹھا کر بے چینی سے ہاشم کو دیکھا۔

''تو اب کیا ہوگا؟''

''سعدی کو میں سنبھال لوں گا' وہ ابھی بھی وہی معصوم بچہ ہے' مگر سوال یہ ہے کہ جب اس کے ہاتھ ثبوت نہیں لگا تو اسے کیسے علم ہوا؟'' الجھ کر کہتے ہوئے اس نے ماں کو دیکھا۔ ''میں پچھلے ایک ہفتے سے' جب سے وہ میری پارٹی پہ میرے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر گیا ہے' یہی سوچ رہا ہوں۔ میں نے بنا جھول کے پلان کیا تھا سب' ہر شے ٹھیک تھی' چار سال پہلے تک اسے نہیں پتہ تھا کچھ۔ پھر دو سال وہ انگلینڈ میں رہا' واپس آیا تب بھی اسے کچھ نہیں پتہ تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا ڈیڈ کی ڈیتھ کو؟''

''ایک سال پانچ ماہ۔'' جواہرات بے اختیار بولی' کرب سا ہر جگہ پھیل گیا۔

''ہوں۔ کل رات جب میں سعدی کی بہن سے بات کر رہا تھا فنکشن پہ' تو مجھے احساس ہوا کہ ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد سے وہ لوگ ہمارے گھر نہیں آئے۔ سونیا کی پچھلی برتھ ڈے پہ بھی نہیں آئے تھے۔ اگر میں اس دفعہ زمر سے نہ کہتا تو وہ اب بھی نہ آتے۔'' جواہرات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''تمہارے باپ کی ڈیتھ سے چند دن پہلے سعدی نے فارس کا وکیل بدل دیا تھا' اور بعد میں اس نے تمہارے باز پرس کرنے پر تم سے کافی بدتمیزی بھی کی تھی' یاد ہے؟ ہوسکتا ہے وہ اس رویے پہ شرمندگی کی وجہ سے نہ آیا ہو۔''

''یا پھر....'' ہاشم ایک دم سیدھا ہوا' وہ بری طرح چونکا تھا۔''یا پھر اس نے وکیل تب بدلا جب اسے ساری حقیقت کا علم ہوگیا تھا۔ کیا وہ....وہ ڈیڑھ سال سے جانتا ہے یہ سب؟'' اسے بے یقینی سی محسوس ہوئی۔

''اگر وہ اتنے عرصے سے جانتا ہے تو اب تک چپ کیوں تھا؟''

''وہ چاہتا تھا پہلے فارس باہر آجائے' اور پھر وہ میرے پیچھے آئے۔ مگر....اسے کیسے پتہ چلا ممی؟'' اور یہاں آکر ہاشم کا سارا دماغ الجھ جاتا۔ وہ چاہ کر بھی اس سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔ کب غلطی ہوئی؟ کدھر غلطی ہوئی اور وہ ریشم بن گیا؟

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے اور پھر سے موبائل اٹھالیا۔''کیا میں نے تمہیں نئی خبر دی؟ زمر فارس کے خلاف کچھ کرنے جارہی ہے۔''

سوچ میں الجھا ہاشم چونکا۔''نئی پٹیشن (مقدمے کی درخواست)؟''

''اونہوں۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔''

وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''اس کا دماغ درست ہے؟''

''وہ اس سے انتقام کے لیے شادی کرنا چاہتی ہے۔''

اور یہ سب اس نے آپ کو کیوں بتایا؟''

''کیونکہ میں ہی اس کی مدد کرسکتی ہوں۔'' جواہرات نے محظوظ انداز میں شانے اچکائے۔ ہاشم کے تاثرات بگڑے۔

''انتقام کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں' اسے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''شاید اس کے منصوبے کے مطابق ان کے درمیان میرج کانٹریکٹ ہونا ضروری ہو۔ خیر میرے لیے یہ بات تشفی کا باعث ہے۔ اب ہمیں فارس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لیے زمر کافی ہے۔''

مگر ہاشم بے چینی سے آگے کو ہوا۔

''اول تو فارس اس سے شادی نہیں کرے گا' اور اگر کرلی تو بھی کیا گارنٹی ہے کہ وہ اس سے انتقام لے گی؟ اگر اسے سب حقیقت معلوم ہوگئی' اور وہ جان گئی کہ فارس بے گناہ ہے تو؟''

''وہ کبھی نہیں جان پائے گی' وہ اس سے نفرت کرتی ہے!''

''اور اگر نفرت مرگئی تو؟....اگر انہیں ایک دوسرے سے محبت ہوگئی' اور وہ مل کر ہمارے خلاف کھڑے ہوگئے تو؟''

جواہرات نے سرد سانس خارج کرکے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں کہ شادیاں محبت سے خالی ہوا کرتی ہیں۔''

ہاشم کی آنکھوں میں چھائی بے چینی' کرب میں بدل گئی۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے آہستہ سے سر ہلایا' اور اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے اسی جبری مسکراہٹ کے ساتھ اسے سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھا' اور پھر ہلکا سا سر جھٹکا۔ آنکھ کا کونہ انگلی کی نوک سے پونچھا۔ موبائل پرے ڈال دیا' اور گردن موڑ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

وہاں اتوار کی صبح اب باسی ہو کر دوپہر میں بدل رہی تھی۔ سبزہ اور ملازموں کی چہل پہل' سب یہاں سے دکھائی دیتا تھا' مگر وہ یہ

ہے نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ اور یاد آ رہا تھا۔

ہاشم نے کہا' سعدی پچھلے ہفتے سونیا کی سالگرہ سے پہلے' آخری دفعہ ان کے گھر ڈیڑھ سال قبل آیا تھا۔

ہاشم نہیں جانتا تھا کہ سعدی نے وہاں آنا کیوں چھوڑا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی' اور یہ بھی کہ وہ ہاشم کو کبھی نہیں بتائے گی۔

جواہرات نے سر جھٹکا۔ ابھی بہت سے کام کرنے تھے۔ یادِ ماضی کسی اور وقت سہی۔

............❖❖❖............

وقت کے کتنے دھاروں سے گزرنا ہے ابھی ..... زندگی ہے تو کئی رنگ سے مرنا ہے ابھی

سعدی کے جانے کے بعد سے اتوار کے ناشتے کے برتن یونہی میز پہ رکھے تھے۔ صداقت نجانے کن کاموں میں مصروف تھا' زمر نے ٹی وی دیکھتے ہوئے اسے آواز دی اور پھر چائے کا کپ اٹھا لیا۔ یکلخت محسوس ہوا' بڑے ابا مسلسل اسے دیکھ رہے ہیں۔ مگر وہ ٹی وی کی طرف دیکھتی رہی۔

''کیسی رہی شادی؟''

نگاہیں اسکرین پہ جمائے' زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''یہ تو چند برس بعد پتہ چلے گا کہ کیسی رہی شادی!''

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ اس کی خوابیدہ آنکھوں کو تفکر سے دیکھ رہے تھے۔

''ہمیشہ سے بہتر۔'' آخری گھونٹ کپ اونچا کر کے اندر انڈیلا اور پھر ان کو دیکھا' ہلکا سا مسکرائی۔

''ایک بات پوچھوں' ابا؟''

''تم کب سے تمہید باندھنے لگیں؟''

''جب سے یہ معلوم ہوا کہ مجھے بہت کچھ معلوم نہیں تھا۔'' مسکراتی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھیں مگر وہ ضبط کر کے ان کی طرف پوری گھوم گئی۔

''ابا کبھی فارس نے میرا رشتہ مانگا تھا؟''

بڑے ابا کے لیے سوال غیر متوقع تھا۔ وہ چونک گئے' کچھ کہنے کی کوشش کی مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ پراسیکیوٹر بھوری آنکھیں سکیڑ کر غور سے ان کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے انکار کیوں کیا؟''

''بس یہی لگا کہ تمہارا اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔''

''کس کو لگا؟ آپ کو یا امی کو؟''

''ہم دونوں کو۔'' احتیاط سے الفاظ کا چناؤ کیا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتی سوال پہ سوال کر رہی تھی

''جب رشتہ نہیں کرنا تھا تو بتانے کا فائدہ؟''

''کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے فارس کو گھر بلا کر انکار کیا تھا' اور بے عزتی بھی کی تھی؟''

''ہرگز نہیں' فرحانہ نے ندرت کو فون پہ انکار کیا تھا' گھر بلانے والی بات کس نے کہی؟'' ان کو شدید حیرت اور صدمے کا جھٹکا لگا۔

زمر کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ آئی۔

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ دونوں نے انکار کیا تھا؟"

بڑے ابا لمحے بھر کو چپ رہ گئے۔ وہ اب تھوڑی ہتھیلی پہ رکھے دلچسپی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ کتنی دفعہ کی کی گئی خواہش انہوں نے دل میں دہرائی۔ کاش اس لڑکی کو وکیل نہ بنایا ہوتا۔

"اب دیر ہو گئی ہے انکار مت کھینچئے گا۔ آپ کی مرضی کے برخلاف انکار کیا امی نے آپ صرف ان کے لئے میرے دل میں کوئی برا خیال نہ لانے کو کہہ رہے تھے۔ کیونکہ آپ مجھ سے ڈسکس کیے بنا کبھی انکار نہ کرتے۔"

"تمہاری امی نے..."

"اچھا فیصلہ کیا میرے لئے، مجھے پتہ ہے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔ بس یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ کیا انہوں نے میرا نام لے کر انکار کیا تھا؟" وہ ریموٹ اٹھا کر اب ٹی وی کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔ بڑے ابا ہنوز تفکر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"حنین نے۔ اس کے خیال میں انکار میں نے کیا تھا۔"

"تم نے تصحیح نہیں کی؟"

"جب خیالات ذہن میں اتنے راسخ ہو چکے ہوں تو محض الفاظ سے ان کی نفی کر دینے کا کیا فائدہ؟" وہ چینل بدلتے ہوئے گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ "میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ فارس شاید اتنا بھی برا نہیں جتنا میں سمجھتی تھی۔"

بڑے ابا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا کوئی بات ہوئی ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ میں فارس کی کیس فائل پڑھ رہی تھی، یہ دیکھنے کے لئے کہ جج نے کیوں اس کو بری کیا؟ مگر جج حق بجانب تھا کوئی بھی چیز اس کو مجرم ثابت نہیں کرتی۔" سرسری سے انداز میں کہتی وہ رک کر کوئی ہیڈ لائن پڑھنے لگی۔

"اور تم پھر بھی اس کو مجرم گردانتی ہو؟"

"ہو سکتا ہے میں غلط ہوں۔ یہ سب ایک سیٹ اپ ہو۔ شاید۔" اس نے جلنے سے شانے اچکائے۔ بڑے ابا حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

"تمہارے خیالات اتنی جلدی نہیں بدل سکتے۔ کوئی اور بات ہے، ہے نا؟"

"میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا ہے ابا۔ وہ مجرم ہے یا نہیں، مجھے فرق نہیں پڑتا اب۔ میں مزید اپنے دکھوں اور محرومیوں کا قصوروار اسے نہیں ٹھہراؤں گی۔ میں سعدی سے دوبارہ ملنے لگی ہوں، خاندان کی تقریبات میں جانے لگی ہوں، آپ یہی چاہتے تھے۔ اور اگلا قدم..." اس نے گردن پھیر کر ان کو سنجیدگی سے دیکھا۔ "آپ کہیں گے کہ میں شادی کر لوں۔"

"میں چار سال سے یہ کہہ رہا ہوں۔"

وہ چند لمحے ان کو تکتی رہی، پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ نرمی سے، امن سے۔

"او کے۔ میں کر لوں گی۔ جب آپ کہیں، جس سے آپ کہیں، لیکن اس دفعہ مجھ سے پوچھے بغیر آپ کسی کو انکار یا اقرار نہیں کریں گے۔"

اور یہ کہہ کر وہ پرسکون سی اٹھ آئی۔ بڑے ابا شل سے بیٹھے رہ گئے۔ کتنی دیر تو ان کا ضعیف دماغ الجھتا رہا، پھر بالآخر حیرت کی دھند چھٹی۔ امید کی کرن چمکی۔

زمر نے بہت لمبے عرصے بعد سہی' ان کی بات مان لی تھی۔ سعدی لوگوں سے "صلح" اس کے لیے خوش آئند ثابت ہوئی تھی۔

وہ خوشگوار سی حیرت میں گھرے ہوئے تھے۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی اپنی خوشی کس سے شیئر کریں۔ پھر جلدی سے فون اٹھایا۔ انہیں ندرت کو بتانا تھا۔

............❖❖❖............

لفظوں کو اس نے جھوٹ سکھایا کچھ اس طرح ..... ساری علامتوں سے معنی بھی لے گیا

اتوار کی وہ دوپہر قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔ سنہری دھوپ نے ندرت کے ریسٹورانٹ کی شیشے کی دیواروں کو چمکا رکھا تھا۔ ندرت کچن میں' آستین چڑھائے' مصروف سی کھڑی' لڑکوں کو ہدایات دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی چولہوں پہ پکتے پکوانوں کو دیکھ لیتیں۔ ان کاموں کے دوران انہوں نے دو فون اٹینڈ کیے تھے۔ ایک سعدی کا کہ وہ فارس کے ساتھ گھر پہنچ چکا ہے' جس پہ ندرت نے کھانا بھجوا دیا' خود وہ کسٹمرز کی وجہ سے جانے سے قاصر تھیں۔ اور دوسرا بڑے ابا کا۔ وہی پرانی بات۔ زمر کی شادی۔ البتہ اب کے ایک شے کا اضافہ ہوا تھا۔ زمر مان گئی تھی اور اب وہ چاہتے تھے کہ ندرت اس سلسلے میں ان کی مدد کریں۔ ندرت تب سے یہی سوچ رہی تھیں۔ رشتہ داروں میں کون سی جگہ بات چلائی جا سکتی ہے؟

تبھی کاؤنٹر والا جنید اندر آیا۔

"آنٹی!" (وہ سب ندرت کو آنٹی کہتے تھے) "کوئی مسز کاردار آئی ہیں' آپ کا پوچھ رہی ہیں۔"

"مسز کاردار؟ اوہو۔" وہ جلدی جلدی ہاتھ دھو کر' کیپ اتارتیں' دوپٹہ درست کرتیں باہر آئیں تو شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سیدھے بھورے بالوں والی جواہرات بیٹھی تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف آئیں۔

"سوری' میں بس کچن میں لگی تھی' آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" وہ اس سے مل کر خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہی تھیں۔ جواہرات اسی تمکنت سے ذرا سی مسکراتی رہی۔ نیوی بلیو لمبی قمیض' اور سفید پینٹ پہنے' وہ بغیر میک اپ کے بھی کافی تروتازہ اور جوان لگتی تھی۔

"کیا آپ گھر گئی تھیں؟ مجھے بتایا ہوتا' میں ادھر ہی آ جاتی۔" ندرت سامنے بیٹھتے ہوئے مزید فکرمند ہوئیں۔ مسز کاردار کی اب وہ کیا خاطر کریں' پہلی دفعہ جو آئی تھی۔

"مجھے کچھ بات کرنی تھی' اس کے لیے یہی جگہ درست تھی۔" کہہ کر وہ پہلے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ سعدی کی جاب' ریسٹورانٹ کا نفع نقصان' مالی مسائل۔ تبھی جنید جوس لے آیا۔ جواہرات نے اسٹرا لبوں سے چھو کر گھونٹ بھرا' پھر سیدھی ہو کر مسکراتے ہوئے ندرت کو دیکھا۔

"فارس ہم سب کی کوششوں سے باہر آ چکا ہے' آپ یقیناً بہت خوش ہوں گی۔"

بات میں صداقت تھی یا نہیں' انداز ایسا تھا کہ ندرت نے احسان کے بوجھ تلے سر تسلیم خم کیا۔

"آپ کے ساتھ کا شکریہ!"

"اب آپ کو اسے نارمل زندگی کی طرف لانا ہوگا۔ دوبارہ شادی' نئی فیملی وغیرہ۔"

"ابھی تو..." ہچکچائیں۔ "ابھی دو ہفتے تو ہوئے ہیں اسے رہا ہوئے۔"

"ہاں مگر زرتاشہ کی ڈیتھ کو تو چار سال ہو چکے ہیں' فارس مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اب تک اس صدمے سے نکل چکا ہوگا۔"

"یہ تو ہے۔"

"آپ کو شاید اب سعدی کی شادی کی فکر ہوگی' اوہ اور ایسا کرتے ہوئے آپ اپنے بھائی کو بھول گئیں۔" مسکرا کر اسٹرا گلاس میں

ہلاتے ہوئے وہ نرمی سے ٹوک گئی تو ندرت کو ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا۔

"نہیں نہیں فارس کی شادی میرے ذہن میں تھی' میں بس چاہتی تھی کہ وہ ذرا سیٹل ہو جائے' اور پھر... وہ مان بھی جائے۔"

"وہ تو مان جائے گا' کون اپنی زندگی کی نئی شروعات نہیں کرنا چاہتا؟ او ہو آئی سی۔ آپ کو یقیناً خاندان والوں کی پریشانی ہوگی۔" سر اثبات میں ہلاتے اس نے ایک اور گھونٹ بھرا۔ ندرت کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

"خاندان والے...؟"

"وہ تو فارس کو قاتل سمجھتے ہیں نا۔ وائف کلر، چچ چچ مگر لوگوں کا کیا ہے' وہ تو زمر کی وجہ سے ایسا سمجھتے ہیں۔ زمر کی اہمیت ہے خاندان میں' اس نے کہا کہ ایسا ہے تو ایسا ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں' کسی زمر جیسی لڑکی سے فارس کی شادی کر دا دیں' سارا مسئلہ حل۔" نزاکت سے شانے اچکا کر وہ اسٹرا گلاس میں گول گول گھما رہی تھی۔ مسکراتی مسکراتی آنکھیں ندرت کے الجھے الجھے چہرے پہ جمی تھیں۔

"زمر جیسی لڑکی؟"

"سامنے کی بات ہے ندرت۔ لوگوں نے زمر کی بات زمر کی کریڈیبلٹی کی وجہ سے مانی۔ آپ کوئی اتنی ہی آن بان اور حیثیت والی لڑکی ڈھونڈیں' لوگوں کو فارس کی بے گناہی کا یقین آجائے گا۔ وہ کہیں گے کہ اگر فارس برا تھا تو یہ رشتہ اس کو کیوں ملتا؟ ایسا نہ کیا تو کل رات فنکشن کی طرح آپ کئی سال لوگوں کو صرف جواب ہی دیتی رہیں گی۔"

ندرت کے چہرے پہ اداسی بکھری۔ کل بھی کتنے لوگوں نے سوال کیا تھا۔ فارس کیا کبھی دوبارہ خاندان میں سر اٹھا کر جی سکے گا؟ ٹھوڑی جھکا کر وہ دل گرفتگی سے بولیں۔

"پتہ نہیں لوگوں کو کب یقین آئے گا کہ فارس بے گناہ تھا۔"

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں' اس کی شادی اور اس کی عزت' دونوں کا سوچیں۔" نرمی سے انگوٹھیوں والا ہاتھ ندرت کے قریبی' کملائے ہوئے ہاتھ پہ رکھا' ندرت نے آنکھیں اٹھا کر تشکر سے اس کو دیکھا۔

"میں بالکل ایسا ہی کروں گی۔ موقع دیکھ کر فارس سے بات کرتی ہوں۔"

"اب آپ کو ہی کچھ کر کے اس کو خاندان والوں کی نظر میں دوبارہ سرخرو کرنا ہے' کیونکہ اب زمر تو ایک ایک سے نہیں کہے گی نا کہ اس کو فارس کی بے گناہی کا یقین آگیا ہے۔" سرسری سا کہتے ہوئے وہ موبائل نکال کر مسڈ کالز چیک کرنے لگی۔ ندرت نے بے حد چونک کر اسے دیکھا۔

"زمر نے...؟ ایسا کب کہا؟"

"ایسا کیا مطلب؟" جواہرات نے الٹا حیرت سے ان کو دیکھا۔ "جج نے اس کو بری کر دیا' زمر قانون سے واقف ہے' وہ بھی کنوینس ہو گئی ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ میرے پوچھنے پہ اس نے خود اعتراف کیا تھا۔ اب فارس پہ شک کرنے کی وجہ کیا رہ جاتی ہے۔"

ندرت نے آدھی بات سمجھتے ہوئے باقی آدھی پہ الجھتے سر ہلا دیا۔ ان کا خیال تھا زمر ابھی تک اپنے بیان پہ قائم ہے مگر شاید وہ بدل رہی تھی۔ جواہرات نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ارے آپ بیٹھیں نا' جنید اسنیکس لا ہی رہا تھا۔" وہ جلدی سے مڑ کر جنید کو پکارنے لگیں' مگر جواہرات نے انہیں روک دیا۔

"میں ڈائٹ پہ ہوں اور ریسٹورانٹس کے کھانے میں ویسے بھی نہیں کھاتی۔ تکلف نہ کریں۔"

ندرت کا جوش ماند پڑ گیا' خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"اس بات کو میرے اور آپ کے درمیان رہنا چاہیے۔ اگر فارس کو علم ہوا تو وہ میری ضد میں مانتے مانتے بھی انکار نہ کر دے۔"

"جی! بالکل!" ندرت سمجھ گئی تھیں اور اب، وہ اسے کارتنگ چھوڑنے باہر جا رہی تھیں۔ ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان ابھرا بھر کرآ رہے تھے۔

زمر جیسی لڑکی؟ زمر جیسی....؟

..........***..........

دل کی بات بھی منہ سے نکل ہی جاتی ہے...... کبھی بھی کوئی جھوٹی خبر سناتے ہوئے

دوپہر اب سہ پہر میں بدل رہی تھی۔ چھوٹے باغیچے والے گھر میں کھانا سیر ہو کر کھا چکنے کے بعد کی غنودہ فضا چھائی تھی۔ حنین لاؤنج میں ڈائجسٹ لے کر صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی تھی اور سیم گول میز سے برتن اٹھاتے ہوئے خفگی سے کہہ رہا تھا۔

"کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو، کنو۔" مگر وہاں سن کون رہا تھا؟ فارس ہاتھ دھو کر ادھر آیا تو حنہ ہنوز رسالہ پڑھنے میں مگن تھی۔

"دروازہ لاک کر لو میں جا رہا ہوں۔ امی کو بتا دینا، پھر آؤں گا۔"

حنہ نے رسالہ رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ پورے آستین کی شرٹ اور جینز میں ملبوس فارس، آنکھوں میں کافی اکتاہٹ لئے بات کرنے کے ساتھ کال بھی ملا رہا تھا۔

"بھائی کہاں ہے، ماموں؟"

"اپنے کمرے میں۔" وہ راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے موبائل کان سے لگا رہا تھا۔ جس وقت وہ باہر نکلا اور حنین دروازہ بند کرنے لگی، فارس کے الفاظ سماعت میں پڑے۔

"یار انچی، کدھر ہو؟ اچھا سنو! ایک بندے کو چیک کر کے...." دروازہ بند ہوا، تو آواز کا راستہ رک گیا۔ وہ لاک کر کے واپس آئی، اور بھائی کے کمرے کے پاس رکی۔ ذرا ہچکچا کر بند دروازے کو دیکھا۔ پھر دستک دی۔

وہ جو کمپیوٹر چیئر پہ بیٹھا موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا، چونک کر سر اٹھایا، اور پھر موبائل رکھتے ہوئے مسکرایا۔

"آؤ حنہ، میں تمہارے پاس ہی آنے لگا تھا۔"

"مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا بھائی۔" انگلیاں مروڑتی حنین نے خشک ہوتے گلے کے ساتھ الفاظ جمع کرنے چاہے۔ کیسا لگے گا کہنا، میں چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔ اور پھر میں نے ہاشم بھائی کو بلا لیا۔ دونوں فقروں میں سے کس فقرے پہ اس کا اعتبار ٹوٹے گا؟

ظاہر ہے پہلے پہ۔ ہاشم کو کسی اور چیز کے لیے بلایا ہوتا تو خیر تھی، مگر چیٹنگ..... وہ کیسے بتائے؟

"ہاں بولو۔" وہ متوجہ ہو کر سن رہا تھا۔ حنین نے لب کھولے، پھر ایک دم خیال آیا۔

"آپ میرے پاس کیوں آنے لگے تھے؟"

"وہ... مجھے ایک کام تھا۔" کہتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھی فلیش ڈرائیو اٹھائی، لبوں پہ زبان پھیری، اور ہمت مجتمع کرتے ہوئے چہرہ اٹھایا، پھیکا سا مسکرایا۔

"یہ کچھ ڈاکومنٹس میں Decrypt کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر..." احتیاط سے تول تول کر الفاظ ادا کیے۔ "...یہ میری قابلیت سے اوپر کی چیز تھی۔ میں اس کو ٹھیک سے آپریٹ نہیں کر پایا، اور فائل کرپٹ ہو گئی ہے۔ کیا تم کسی طرح اسے ری کور کرنے میں میری مدد کر سکتی ہو؟"

حنین بنا پلک جھپکے چند ثانیے فلیش کو دیکھتی رہی، پھر نظریں اٹھائیں۔ آنکھوں میں صدمہ اور خفگی در آئی تھی۔

''حنہ' پلیز' صرف تھوڑی سی ہیلپ کر دو۔''

حنین کی گردن نفی میں ہلی' وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ شکوہ کناں آنکھیں بدستور سعدی پہ جمی تھیں۔

''کسی کے ڈاکومنٹس کو آپ کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں' اس کا تعلق آپ کے آفس سے ہے یا نہیں' مجھے نہیں پتہ' مگر یہ غلط ہے۔ غیر قانونی ہے۔ اور میں ایسے کام نہیں کرتی۔''

سعدی نے گہری سانس خارج کر کے آنکھیں بند کیں۔ پھر کھولیں تو وہ چوکھٹ تک پیچھے ہٹ چکی تھی۔

''ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے' اور وہ ہم خود ہوتے ہیں۔ تم کبھی بھی اس فیز سے نہیں نکلو گی اگر تم اپنی خود مدد نہیں کرو گی۔''

''میں کسی فیز میں نہیں ہوں' میں ٹھیک ہوں' پہلے جیسی۔''

سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔ فلیش رکھی۔ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ ابھی تک ابرو بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم بدل گئی ہو۔ ایک وقت تھا تم ہمارے خاندان کا سب سے پر اعتماد اور بولڈ بچہ تھیں۔ اب تو تم نے خود کو بالکل عام لڑکیوں جیسا بنا لیا ہے۔''

حنین کے چہرے پہ تاریک سایہ لہرایا' مگر وہ گردن کڑا کر بولی۔

''میں نہیں بدلی۔ اور میں اس سب میں آپ کی مدد نہیں کروں گی۔ یہ غیر قانونی ہے۔''

(ہاں' سارے قانون دان میرے ہی خاندان میں پیدا ہونے تھے) وہ سوچ کر رہ گیا' کیونکہ حنہ اب مڑ کر جا رہی تھی۔ اس کے کان سرخ تھے' اور آنکھوں میں شدید بے بسی بھرا غصہ تھا۔ بھائی جانتا تھا وہ اب کمپیوٹر استعمال نہیں کرتی' اس نے ڈیڑھ سال پہلے لاؤنج کی کمپیوٹر چیئر بھائی کے کمرے میں شفٹ کروئی تھی۔ کمپیوٹر اچھے نہیں ہوتے' اور اس کے لیے تو بالکل بھی نہیں' سو وہ کس طرح ایسی بات کہہ سکتا تھا؟

''پتہ ہے آج مجھے زمر نے کیا کہا؟''

وہ جاتے جاتے رکی۔

''یہ کہ انہیں ماموں کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہے۔ وہ اپنے تمام الزامات واپس لیتی ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے خود بھی الجھا تھا۔ کچھ کھٹک رہا تھا۔

حنین جھٹکے سے واپس پلٹی۔

''یہ پھپھو نے کہا؟''

سعدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنین کے لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

''تو آپ نے آگے سے کیا کہا؟''

''میں کیا کہتا؟''

''کم از کم اتنا تو پوچھ سکتے تھے کہ وہ جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟''

''جھوٹ؟'' سعدی کو دھچکا لگا۔

''وہ جھوٹ بول رہی ہیں' وہ اتنی جلدی اور اتنے آرام سے اپنا ذہن نہیں بدلتیں' میں ان کو جانتی ہوں۔''

''زمر جھوٹ نہیں بولتیں۔''

''او کے مگر وہ وکیل ہیں' انہوں نے الفاظ کا محتاط چناؤ کیا ہو گا۔ یقیناً وہ اداکاری کر رہی ہیں۔''

''تم اتنی جلدی ان کے بارے میں اتنی منفی کیوں ہو جاتی ہو حنہ؟ کیا پتہ ان کو واقعی...'' اسے دکھ ہوا تھا۔

"میں ان کو جانتی ہوں۔ وہ بغیر کسی وجہ کے اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتیں۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہی ہیں۔" وہ ناگواری اور غصے سے کہتی باہر نکل گئی۔ سعدی نے افسوس سے سر جھٹکا۔ وہ دونوں اس کو جتنی پیاری تھیں' اتنی ہی وہ ایک دوسرے سے دور تھیں۔ وہ بے دلی سے واپس کرسی پہ ڈھے سا گیا۔ دو انگلیوں میں فلیش اٹھا کر دیکھی۔ آج آٹھواں دن تھا ناکامی کا۔ اب وہ کیا کرے؟ کیسے ثبوت لے کر فارس اور زمر کے پاس جائے؟ اس کے پاس انتقام اور انصاف کا ایک منصوبہ تھا مگر اس کو فارس اور زمر کی مدد چاہیے تھی۔ اکیلی چیونٹی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

باہر حنین بڑبڑاتی ہوئی واپس صوفے پہ دھپ آ بیٹھی۔

"ایسے پٹختی ہو؟ لگتا ہے زلزلہ آ رہا ہے۔" قریب بیٹھے سیم نے رسالے سے سر نکال کر ناگواری سے تبصرہ کیا۔ مگر اس نے بغیر (ہونہہ) سر جھٹکا۔ پھر ذہن کی رو بھٹک گئی۔ غصہ اداسی میں بدل گیا۔

"سیم۔ ایک بات بتاؤ۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے سے پکارا۔ "کیا میں واقعی بدل گئی ہوں؟"

"کب سے؟" وہ حیران ہوا۔

(ڈیڑھ سال پہلے سے۔) اس نے سوچا مگر سیم کو کیا بتائے؟

"جب سے میں نے بی اے میں ایڈمیشن لیا ہے۔"

"آ..." وہ سوچنے لگا۔ "نہیں تو... اب بھی تم اتنا ہی کھاتی ہو' ویسے ہی مذاق کرتی ہو' میرے ساتھ اسی طرح لڑتی ہو' اور جب میرے دوست مجھے کچھ کہیں تو ان سے لڑنے بھی اسی طرح پہنچ جاتی ہو۔ تم تو ویسی ہی ہو۔"

"اچھا۔" وہ ہلکا سا ہنس دی۔ سیم پہ تھوڑا سا پیار آیا' مگر ظاہر کیے بنا اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا' اور ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ رسالہ غائب۔ وہ حیرت اور پریشانی سے اٹھ کر ڈھونڈنے لگی۔ پھر چونک کر سیم کو دیکھا۔

"تم ڈائجسٹ پڑھ رہے ہو؟ کس نے اجازت دی تمہیں' ہاں؟" لپک کر صوفے تلے سے جوتا اٹھایا۔ "آنے دو آج ابی کو میں نے تمہارا حشر نہ کروایا تو دیکھنا۔" اس سے پہلے کہ وہ غصے سے اس پہ جھپٹتی' سیم چھلانگ مار کر چوکھٹ تک گیا اور پھر آگے غائب۔ حنین طیش سے لال سرخ ہوتی' جوتا لیے اس کے پیچھے بھاگی۔

"یہ موٹا آلو آج بچے گا نہیں۔"

❖❖❖

لگا ہو دل تو خیالات کب بدلتے ہیں ..... یہ انقلاب تو اک بے دلی میں ملتے ہیں

شام ایک ٹھنڈی سی چھایا کے ساتھ قصر کاردار پہ اتر رہی تھی۔ لاؤنج کی دیوار گیر فرانسیسی کھڑکیوں سے باہر کا سبزہ زار جھلک رہا تھا۔ کونے میں دو کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں' دونوں کے بازوؤں کے درمیان گلدستے والی چھوٹی میز تھی۔ ایک کرسی پہ جواہرات تھی۔ بال جوڑے میں' کہنی کرسی کے ہتھے پہ' اور چہرے پہ مسکراہٹ لیے وہ اپنی مہمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ مہمانوں کو سامنے بٹھانے کے بجائے برابر کرسی پہ بٹھایا کرتی' اسے گردن بائیں طرف موڑ کر مہمان کو دیکھنا زیادہ پسند تھا۔ پچھلے برسوں میں اس کرسی پہ سعدی اکثر آ کر بیٹھتا تھا۔ اب کبھی کبھی ادھر زمر ہوتی' آج بھی وہی تھی۔

کپ کے منہ پہ انگلی پھیرتی' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سنجیدگی سے بیٹھی تھی۔ بنا مسکراہٹ کے بھوری آنکھیں اور کیچر میں ہاف بندھے گھنگریالے بال جو سمیٹ کر ایک طرف کر دیے تھے' دوپٹہ گردن میں لپیٹ کر' دونوں پلو سامنے کر رکھے تھے۔

"کیا تم پچھتا رہی ہو؟" جواہرات اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

"ہرگز نہیں بلکہ میں ذہنی طور پہ تیار ہوں۔"

''یہ اذیت ناک ہوگا۔ جس سے نفرت کی جائے اس سے شادی!'' جواہرات نے جھرجھری لے کر انگلی سے گال تک آئے بال ہٹائے۔ زمر نے کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

''میں بہت اذیت سے گزری ہوں۔ اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بے اعتباری تھی۔'' کپ نیچے کر کے وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ یہاں سبزہ زار دکھائی دیتا۔ انیکسی عقبی طرف تھی۔ ادھر سے دکھائی نہ دیتی۔

''اس وقت کسی نے بھی میرا اعتبار نہیں کیا۔ مگر اب کریں گے۔''

''تم اپنے رشتے داروں کے دباؤ کی وجہ سے اس کا کیس لینے سے انکار نہ کرتی تو آج وہ جیل میں ہوتا۔''

''بات رشتے داروں کی نہیں ہے۔ میں ایک پبلک پراسیکیوشن میں ذاتی عناد کو نہیں لا سکتی تھی۔ یہ ذاتی جنگ نہیں تھی۔'' وہ کھڑکی سے نظریں ہٹا کر جواہرات کو دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔ ''وہ ایک وائف کلر تھا' سیریل کلر۔ اس نے مجھے استعمال کیا' پہلی دفعہ تب جب مجھ پہ گولی چلائی' دوسری دفعہ ڈیڑھ سال پہلے جب اس نے میرے کندھے پہ پیر رکھ کر رہائی حاصل کرنا چاہی۔ یہ قانونی جنگ تھی۔ صرف ایک تسلی تھی مجھے کہ فارس کا میں نے کچھ نہیں بگاڑا تھا' میں بے گناہ تھی' مگر نہیں۔'' آخری تلخ گھونٹ اندر اتار کر اس نے کپ پرچ میں رکھا۔

''وہ مجھ سے انتقام لے رہا تھا۔ یہ آغاز سے ہی ذاتی جنگ تھی۔ شروع اس نے کی' ختم میں کروں گی۔'' اس نے آگے ہو کر پیالی واپس ٹرالی میں رکھ دی۔

''مگر تم کرو گی کیا؟ شادی کر کے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟''

''نہیں مسز کاردار۔'' زمر نے گہری سانس خارج کی اور نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اور آپ محرم راز نہیں ہیں۔ میں نے مدد مانگی تھی' لائحہ عمل بتانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔'' جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟''

''مدد کی حد تک؟ جی ہے۔ مگر اپنے پلانز میں خود تک ہی محدود رکھتی ہوں۔'' وہ سرد سا مسکرائی۔ جواہرات نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔

''تمہاری مرضی۔ بہر حال' میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ تم نے اس سے شادی کرنی ہے' میں کروا دوں گی۔ اور کل میں تمہارے والد سے ملنے آؤں گی۔''

''شیور!'' اس نے کندھے اچکا دیے۔

''کیا تم جاننا چاہتی ہو کہ میں یہ کیسے کروں گی؟''

''نہیں۔ میں قدرتی طریقے سے حیران ہونا پسند کروں گی۔'' وہ رکی۔ ''آپ کو اس سے کیا ملے گا؟''

''کس سے؟''

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ میری مدد اپنے فائدے کے لیے کر رہی ہیں' اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کبھی میرا ساتھ نہ دیتیں۔'' جواہرات ہلکا سا ہنس دی۔ ''فارس کے قانونی شیئرز ہیں ہماری جائیداد میں۔ جب تک وہ دوسری چیزوں میں الجھا رہے' میرا کاروبار محفوظ رہے گا۔ مگر تم یہ جانتی ہو کہ میں تمہیں استعمال کر رہی ہوں' تو میرا ساتھ کیوں دے رہی ہو؟''

''تاکہ آپ کو واپس استعمال کر سکوں!'' وہ مسکرا کر اٹھی' پرس کی اسٹریپ کندھے پہ لٹکائی۔ ''آخری بات جو مجھے کہنی تھی۔ میں تیار ہوں۔''

''میں بھی!'' ایئر جم پہ انگلی پھیرتے ہوئے جواہرات مسکرائی۔

اس کے جانے کے بعد اسی کرسی پہ بیٹھے جواہرات نے موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔ یوسف خان صاحب۔
"السلام علیکم۔" وہ کافی دیر بعد فون اٹھا پائے۔
"وعلیکم السلام یوسف صاحب۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔"
"اللہ کا شکر ہے۔" وہ چند رسمی فقروں کے بعد کہنے لگی۔
"آپ نے دو ڈھائی ماہ قبل مجھے کال کر کے کہا تھا کہ میں زمر کو سمجھاؤں تاکہ وہ شادی کر لے۔"
"جی۔ میں یہ ہر اس شخص سے کہتا ہوں جو زمر کے قریب ہو۔" وہ سنجیدہ اور قدرے خشک تھے۔ جواہرات کا نا پس کو مسلتا ہاتھ رکا' ارادہ بدلا اور کو اس نے سوچا۔
"اگر آپ میرے گارڈز کی اس نیکلس کے لئے تلاشی والی بات پہ ہم سے خفا ہیں تو میں معذرت کرتی ہوں۔ وہ سب ایک غلط فہمی تھی۔"
"نہیں' کوئی بات نہیں۔"
"او کے۔ تو میں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ کل رات فنکشن میں میری زمر سے بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا ہے۔ امید ہے وہ جلد مان جائے گی۔"
بڑے ابا چونکے۔ "تو آپ نے بات کی تھی زمر سے؟"
"جی۔ میں نے آپ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ بس موقع کل رات ملا۔"
"اچھا۔" ان کے لہجے کی سرد مہری زائل ہونے لگی۔ "زمر نے مجھ سے صبح بات کی تھی' وہ شادی کے لئے رضامند ہے۔"
"گڈ۔ مگر مجھے حیرت نہیں ہے۔ میں ناکام نہیں ہوا کرتی۔"
"آپ کا.... شکریہ مسز کاردار۔"
"مائی پلیژر۔" مسکراتے ہوئے' بدستور ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے' وہ کھڑکی کے پار' دیکھ رہی تھی۔ "کوئی رشتہ ڈھونڈا آپ نے؟"
"نہیں' ابھی تو ندرت سے بات کی ہے۔ وہ شاید کوئی بتائے۔"
"اوکے' میں نے بھی چند ایک لوگوں سے کہہ رکھا تھا۔ دو رشتے ہیں جو دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ تفصیلات جاننا چاہیں گے؟"
"جی بتائیے۔" بڑے ابا بمشکل اپنی آواز کی ضعیف خوشی چھپا رہے تھے۔
"ایک سیشن کورٹ کے جج صاحب کا رشتہ ہے۔ بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے' اور تینوں بچے بورڈنگ میں پڑھتے ہیں۔" ذرا دیر کو وقفہ دیا۔ بڑے ابا کی لائن خاموش تھی۔ "دوسرا رشتہ میری کمپنی کے ایک عہدیدار کا ہے۔ پہلی شادی کم عمری میں ہوئی تھی' وہ بیوی اور اس سے ہوئے دونوں بیٹے گاؤں میں رہتے ہیں۔ وہ صاحب خود اسی شہر میں ہیں' اکیلا اچھا گھر ہے' عمر ذرا زیادہ ہے' پچاس سے اوپر۔ آپ سن رہے ہیں؟"
"جی ہاں۔" ان کی آواز بدقت نکلی تھی اور اس میں بھی تکلیف تھی۔
"یوسف صاحب' حقیقت پسندی سے کام لیجئے۔ آپ کی بیٹی تیس بتیس سال کی ہے' اس کے گردے ضائع ہو چکے ہیں' بیمار ہے' ایسے میں کسی نوجوان خوبصورت لڑکے کا رشتہ ملنا تو معجزہ ہوگا اور معجزے کم ہی ہوا کرتے ہیں۔"
"میں جانتا ہوں مگر...." وہ خود ہی رک گئے۔ کیا کہیں اب؟
"ہاں' ایک شخص اور بھی ہے' ہاشم کی عمر کا ہے' ہینڈسم بھی ہے' پہلی بیوی مر چکی ہے' مگر...."

''مگر کیا؟'' بڑے ابا تیزی سے بولے۔ امید کی کرن چمکی تھی۔

''مگر آپ کی کیا گارنٹی' آپ اس سے شاید رشتہ نہ ہی کریں۔'' اس نے ذرا سا وقفہ دیا۔ بڑے ابا بے چینی سے منتظر تھے۔

''میں فارس کی بات کر رہی ہوں۔''

اور بڑے ابا کو اتوار کے اس گرم دن میں لگنے والا یہ دوسرا جھٹکا تھا۔

''فا.....رس؟'' وہ اٹکے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ندرت آج کل فارس کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں۔ تو آپ اس سے زمر کی بات کیوں نہیں کر لیتے؟ اس سے اچھا آپشن آپ کو نہیں ملنے والا۔''

''مگر.....فارس کے لیے زمر.....''

''کیا زمر؟ اسے عدالت نے بری کیا ہے' اور اب زمر اس کو مورد الزام ٹھہرانا چھوڑ چکی ہے۔ پرانی باتوں کو بھول جایئے۔'' اس نے خفگی سے ٹوکا۔

''مسز کاردار آپ سمجھ نہیں رہیں۔ فارس کا.....وہ ابھی ابھی رہا ہو کر آیا ہے' وہ خود مسئلوں میں گھرا ہے' ایسے میں.....''

''آپ نے پہلے بھی اس کے رشتے سے انکار کر دیا تھا' تب کیا وجہ تھی؟''

وہ چپ سے ہو گئے۔

''آپ شاید اس کو ہمیشہ سے اپنی بیٹی سے کم تر سمجھتے رہے ہیں۔''

''ایسی بات نہیں ہے' مجھے وہ بہت پسند ہے۔ مگر وہ خود نہیں مانے گا' زمر بھی نہیں مانے گی۔''

''آپ مان جائیں تو وہ بھی مان جائیں گے۔''

''زمر کبھی بھی نہیں مانے گی' وہ تو اس کا ہمارے گھر آنا تک برداشت نہیں کر سکتی۔''

''وہ تو شادی کے لیے بھی نہیں مانتی تھی۔ میں نے منا لیا نا۔ بہرحال' میں فارس کے ساتھ دو چار روز میں آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔ آپ تینوں رشتوں کے بارے میں سوچ لیں۔ تین بچوں کا باپ جج' پچپن سالہ کمپنی عہدیدار' یا فارس۔ اور اگر تینوں نہیں قبول تو اس دفعہ اپنی بیٹی کے مجرم آپ ہوں گے۔ ٹیک کیئر۔''

مسکراتے ہوئے فون رکھ دیا اور بہت طمانیت سے کھڑکی کے باہر سبزہ زار کو دیکھنے لگی' جہاں فیونا اپنی نگرانی میں ملازموں سے گملے رکھوا رہی تھی۔

جواہرات کو موسم زیادہ خوشگوار لگنے لگا تھا۔

سب ٹھیک جا رہا تھا۔

..................❖❖❖❖..................

خدایا تیرے دم سے اپنا گھر اب تک سلامت ہے ...... وگرنہ دوست اور دشمن ہمارے ایک جیسے ہیں

رات کھانے کے بعد وہ چھوٹے باغیچے والے گھر سے باہر نکل آیا۔ سڑک کنارے چلتے' کانوں میں سفید ہینڈز فری لگا کر وہ موبائل کو ہاتھوں میں پکڑے نمبر ملا رہا تھا۔

''سعدی.....تمہاری ہاشم سے بات ہوئی؟'' شہرین نے کال اٹھاتے ساتھ پوچھا۔ ایئر فونز میں گونجتی اس کی آواز میں شدید اضطراب تھا۔

"کیوں نا پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کی ہاشم بھائی سے کیا بات ہوئی؟" وہ سختی اور درشتی سے کہتا قدم قدم چلتا جا رہا تھا۔

"میری بات؟ کیا مطلب؟"

"آپ نے ان کو بتا دیا کہ میں نے ان سے وہ چرایا ہے' جو انہوں نے ہم سے چرایا تھا۔"

"میں نے.... ایسے نہیں...." وہ اٹکی۔ "وہ مجھ پہ چلا رہا تھا' مجھے دھمکی دے رہا تھا' مجھے معلوم بھی نہیں کہ میں کیا کہتی گئی.... بلکہ میں نے تو یہ کہا بھی نہیں کہ تم نے...."

"مگر آپ نے میری بات تو دہرا دی نا ان کے سامنے۔" طیش سے اس کی آواز بلند تھی۔

"اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"اس سے یہ ہوتا ہے کہ میں نے پہلی دفعہ آپ پہ اعتبار کر کے غلطی کی۔ بلکہ نہیں' اعتبار تو اس دفعہ بھی نہیں کیا تھا' بس کام کہہ کر غلطی لی۔ اور اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ شہرین بیگم' آج سے آپ اکیلی ہیں۔ مجھے رتی برابر بھی پرواہ نہیں ہے کہ سونیا آپ کے ساتھ جائے یا نہیں۔ اس لیے آپ اپنی تمام جنگیں اکیلے لڑیں گی۔"

"تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تم نے مجھے اس کام میں پھنسایا اور...."

"میں آپ کے اس سے بڑے کام کر چکا ہوں' اور یہ کام میں نے آپ کو اس لیے دیا کہ آپ بھی ہاشم بھائی سے انتقام لینا چاہتی تھیں' کم از کم کہتی تو یہی رہی ہیں آپ۔ لیکن آج سے ہم ایک ٹیم نہیں ہیں۔ اللہ حافظ۔" زور سے سرخ بٹن دبا کر کال کاٹی۔

آنکھوں میں شدید خفگی اور غصہ لیے وہ واپس گھر کی طرف مڑ گیا۔

شہرین کی تین چار کالز آئیں' اس نے سب کاٹ دیں۔ پھر تنگ آ کر فون سائلنٹ پہ لگا دیا۔

واپس اندر آیا تو امی خاموش سی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ حنین پاؤں اوپر کر کے بیٹھی' ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے شوق سے ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اب وہ صرف وہی ڈرامے دیکھتی تھی جو ٹی وی پہ لگ جاتے۔

امی البتہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔

وہ ایئر فونز اتارتے ہوئے ندرت کے ساتھ دھپ سے صوفے پہ گرا۔ وہ پھر بھی نہیں چونکیں۔ سعدی نے پلکیں سکیڑ کر غور سے ان کو دیکھا۔

"ندرت بہن' پریشان لگ رہی ہیں آپ؟" معصومیت سے پوچھا۔ انہوں نے خفگی سے اس کو دیکھا۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہوا ہے۔ بتائیں' میں حل کرتا ہوں ابھی آپ کا مسئلہ۔" وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"میں سوچ رہی ہوں فارس کی شادی کر دینی چاہیے۔"

حنین اور سعدی' دونوں نے چونک کر ان کو دیکھا۔ وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔ حنہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"ماموں کی شادی؟ مگر امی' وہ ابھی تو باہر آئے ہیں' ان کو سانس تو لینے دیں۔"

"حنین ٹھیک کہہ رہی ہے' امی۔ وہ پہلے ہی دوسرے چکروں میں ہیں' ان کو ابھی تنگ نہ کریں۔"

"چپ کرو تم دونوں۔ پتہ چلتا نہیں ہے کسی بات کا اور ماں کو مشورے دے رہے ہو۔" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھ گئیں اور میز پہ رکھے برتن اٹھا کر کچن میں لے گئیں۔ جب واپس آئیں تو وہ دونوں بھول بھال کر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"بڑے ابا کا فون آیا تھا' کہہ رہے تھے...

اثر ہوا ہے۔'' وہ کشن ٹھیک کر کے رکھتی' سرسری انداز میں بتا رہی تھیں۔ حنین اور سعدی نے ایک دم ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اچھی بات ہے نا۔'' ندرت نے فالتو کشن اٹھا کر بیڈ روم کی طرف جاتے پوچھا۔

''جی۔'' حنین بے زاری سے کہہ کر واپس ٹی وی دیکھنے لگی۔

''جی۔'' سعدی البتہ دھیما سا بولا۔ چاہنے کے باوجود وہ خوش نہیں ہو سکا۔ کہیں کچھ غلط تھا۔

..................✤✤✤..................

میں دوستوں کے اک اک امتحان سے گزرا ہوں ...... بکھر گیا ہوں ' کئی راستے بناتا ہوا

قصر کاردار پہ اگلی صبح پہلے سے بھی گرم طلوع ہوئی تھی۔ ہاشم برآمدے کے اسٹیپ اترتا' نیچے کھڑی کار کی طرف جا رہا تھا۔ شوفر کے سلام کا سپاٹ چہرے اور سر کے خم سے جواب دیتا وہ اندر بیٹھا تو شوفر نے دروازہ بند کر دیا۔ جواہرات نے ستون کے ساتھ کھڑے یہ منظر دیکھا' یہاں تک کہ اس کی کار روش پہ چلتی گیٹ پار کر گئی۔

''میم' کار تیار ہے۔'' فیونا نے سامنے کھڑی کار کے بارے میں یاددہانی کراتے ہوئے اسے پکارا' جو گردن میں موتیوں کی لڑی پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ بال جوڑے میں باندھے اور لمبی قمیص پہ سفید فلڈ مِنی کوٹ پہنے وہ سوچ میں گم کھڑی تھی۔ پھر یکایک زینے اترنے لگی۔ فیونا پیچھے آئی تو جواہرات رکی' گھور کر اسے دیکھا فیونا کے قدم منجمد ہو گئے' فوراً سر جھکا کر پیچھے ہو گئی۔

جواہرات زینے اتری۔ سبزہ زار عبور کیا۔ گھوم کر گھر کے عقب میں آئی۔ سبز پہاڑی یہاں نشیب میں ڈھل جاتی۔ وہ قدم قدم اترتی نیچے انیکسی تک آئی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔

چند ہی لمحوں میں وہ کھلا تو فارس نظر آیا۔ وہ ٹراؤزر اور پوری آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ کافی پہلے کا اٹھا ہوا لگتا تھا۔ اسے دیکھ کر آنکھیں سکیڑیں' اچنبھے سے پھر پیچھے ہوا۔'' آیئے۔''

''صبح بخیر۔'' وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ باریک ہیل سے چلتی' راہداری عبور کر کے لونگ روم میں آ گئی جس کے ساتھ اوپن کچن تھا۔ گھوم کر اطراف کا جائزہ لیا۔

''گھر کو کافی رینوویشن کی ضرورت ہے۔ اور صفائی کی بھی۔ تم اجازت دو تو میں فیونا کو بھیج دیا کروں؟'' کچن کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے اس نے فارس کو مخاطب کیا۔

''ضرورت نہیں!'' وہ آگے آیا، چائے تلے آنچ بند کی' اور اوپر کیبنٹ سے شیشے کا گلاس نکالا۔ زرتاشہ کے جہیز کے برتن جن میں سے اکثر ڈبہ پیک تھے۔

گلاس نل سے دھویا اور الٹا کر اسٹینڈ پہ رکھا۔ پھر فریج تک آیا۔ جواہرات سینے پہ بازو لپیٹے' ایک ہاتھ بدستور گردن کے موتیوں پہ پھیرتی مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔

''ایک کام تھا تم سے۔ دوپہر کو مجھے زمر کے گھر لے جاؤ گے؟''

فریج سے جوس کا ڈبہ نکالتا فارس لمحے بھر کو رکا' پھر دروازہ بند کرتا کاؤنٹر تک آیا۔ چہرہ ویسے ہی سپاٹ رہا۔'' کیوں؟ ڈرائیور کہاں گیا آپ کا؟''

''تمہیں میرا ڈرائیور بننے پہ اعتراض ہے کیا؟''

''نہیں۔ مجھے کام سے جانا ہے دوپہر میں۔'' وہ شیشے کے گلاس میں جوس کا ڈبہ انڈیل رہا تھا۔ نارنجی رس سے گلاس بھرتا گیا۔

''کدھر جانا ہے؟''

''ایک دوست سے ملنے۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے جاتے ہوئے مجھے ڈراپ کر دینا اور واپسی پہ پک کر لینا۔'' فارس نے گلاس اسے پیش کیا تو اس نے لیتے ہوئے شانے اچکا کر گویا بات ختم کر دی۔

''بہت اچھا۔'' وہ مڑ کر چولہے تک آیا اور مگ میں اپنی چائے انڈیلنے لگا۔

''میں نے یوسف صاحب کو بتایا تھا کہ تم میرے ساتھ آؤ گے۔ وہ چاہتے ہیں تم اور میں کھانا ان کے ساتھ کھائیں۔ کافی خوش ہوئے تمہارا سن کر۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا اور کیتلی واپس چولہے پہ رکھی۔ ''آپ یوسف صاحب سے ملنے جا رہی ہیں؟''

''ہوں۔'' جوس کا گھونٹ بھر کر مسکرائی۔ ''زمر کے رشتے کے لئے انہوں نے مجھے کہہ رکھا تھا دو پروپوزل ہیں' وہی بتانے ہیں ان کو۔''

وہ مقابل کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا' نظریں چائے پہ جھکائے ایک گھونٹ بھرا۔ بولا کچھ نہیں۔ انداز البتہ سست تھا۔ جواہرات اس کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔

''ایک جج کا ہے' عمر پچاس سال سے اوپر پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے' تین بچے بھی ہیں۔ دوسرا میری کمپنی میں ملازم ہے۔ عمر اس کی بھی اتنی ہی ہے' مگر پہلی بیوی اور بچے گاؤں میں رہتے ہیں۔''

کہہ کر اس نے اپنے حلق میں شیریں گھونٹ انڈیلا اور فارس نے کڑوا گھونٹ۔ دونوں نے اپنے اپنے جام نیچے کیے تو اتنی سی میں خاموشی چھا گئی۔

''تمہیں تو معلوم ہے زمر کے والد بیمار رہتے ہیں' اپنی بیٹی کی بہت فکر ہے ان کو۔ وہ بے بھی گردہ کی مریض۔ جانے کب تک یہ عطیہ شدہ گردہ چل پائے۔''

فارس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک گھونٹ مزید بھرا۔ جواہرات نے قدرے بے چینی سے اس کی آنکھیں دیکھیں۔

''تمہیں شاید میری بات میں دلچسپی نہیں۔ اوہ یہ مت کہنا کہ تم ابھی تک زمر سے پرانا بغض پالے ہوئے ہو۔ اب تو وہ تمہارے خلاف بیان واپس لے چکی ہے' اب تو بھول جاؤ۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ جواہرات نے مصنوعی حیرت خود پہ طاری کی۔

''اوہ۔ تمہیں نہیں معلوم تھا؟ جج نے تمہیں بری کر دیا تو اس نے بھی تمہارے بارے میں کہی ہر بات واپس لے لی۔ اس کے والد' ندرت' سعدی' سب کے آگے کہی اس نے یہ بات' کہ وہ اب تم پہ کوئی الزام نہیں لگائے گی۔''

''اسی لئے اس نے پچھلے ہفتے مجھے اپنے گھر سے نکالا تھا؟'' وہ سنجیدگی سے بولا تو جواہرات لمحے بھر کو چپ ہو گئی۔ پھر لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''یہ انسانی فطرت ہے۔ یقین کے قریب تر ہو کر بھی شک آخری جھٹکا ضرور لگاتا ہے' پوری قوت سے' مگر اس کے بعد امن ہو جاتا ہے۔''

''واٹ ایور!''

چند لمحے مزید خاموشی سے گزر گئے۔ پھر وہ ذرا سا کھنکھاری۔

''تمہارا آگے کا کیا ارادہ ہے؟''

''نہیں میں یہ گھر نہیں چھوڑ رہا، اگر آپ یہ پوچھنے آئیں ہیں تو۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو بنی؟ میں تمہیں یہاں، دیکھ کر سب سے زیادہ خوش ہوں۔ تمہیں یہیں رہنا چاہیے، بلکہ جاب اسٹارٹ کرو کوئی، شادی کرو، زندگی کو سیٹل کرو۔ وہ ایک طوفان تھا، آیا اور گزر گیا۔ اس سب کو بھول جاؤ۔''

''مسز کاردار، طوفان کے گزر جانے سے جڑ سے اکھڑے درخت واپس نہیں لگ جایا کرتے۔''

''تو نئے بیج بوؤ۔ نئے رشتے بناؤ۔ شادی کرلو فارس۔ ورنہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکو گے۔''

''میرے پاس اور بہت کام ہیں۔'' وہ تلخی سے کہتا آخری گھونٹ اندر انڈیلتا مڑ گیا۔

جواہرات نے ذرا جوس بچا کر گلاس کاؤنٹر پہ رکھا' اس کا شانہ تھپکا اور ''دوپہر کو ملتے ہیں'' کہہ کر آگے نکل گئی۔ فارس آنکھوں میں ناپسندیدگی لئے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

❖❖❖

ہر سمت سپیرے ہیں جمائے ہوئے ڈیرے ...... اس شہر میں سانپوں کے خریدار بہت ہیں

دوپہر طلوع ہوئی تو اتنی سنہری کہ ہر چمکتی شے سونا دکھنے لگی۔ یوسف صاحب کا گھر بھی دھوپ میں جھلس رہا تھا جب زمر فائلز اور پرس پکڑے اندر داخل ہوئی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم کے جالی دار پردے کے پاس رکی۔ جالی کے پار صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' جواہرات تمکنت سے بیٹھی نظر آرہی تھی۔ انگلی پہ مسلسل لاکٹ کی چین لپیٹتی' وہ مسکرا کر ابا کو سن رہی تھی جو مقابل وہیل چیئر پہ بیٹھے مدھم آواز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ زمر نے سامنے سے آتے صداقت کو چیزیں تھمائیں اور کھنکھارتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ جواہرات نے مسکرا کر گردن اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سلام کر کے سنگل صوفے پہ ٹک گئی۔ عمروں کے فرق کے باوجود' دونوں عورتوں میں کچھ بہت مشترک سا تھا۔ شاید تنی ہوئی گردن۔ شاید گہری آنکھیں۔

''تمہارے والد نے مجھے اچھی خبر سنائی ہے۔ تم شادی کے لیے رضامند ہو۔''

زمر نے خاموش نگاہ بڑے ابا پہ ڈالی۔ وہ مطمئن اور خوش نظر آرہے تھے۔

''اگر کوئی مجھ سے شادی پہ رضامند ہوا تو شیور!''

''اور تم یہ فیصلہ اپنے والد پہ چھوڑ چکی ہو؟''

''بالکل!'' اس نے شانے اچکائے۔

''واقعی زمر؟'' جواہرات نے تیکھی' مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''وہ جس سے چاہیں تمہاری شادی کروا دیں' یہ بات دل سے کہی یا اوپر اوپر سے؟''

''جب کہہ دی ہے تو پورا کروں گی۔'' وہ بے تاثر تھی۔

''اور اگر تمہارے والد فارس کو منتخب کرلیں تمہارے لئے؟ کیا کرلو گی اس سے شادی؟''

بڑے ابا نے ایک دم پریشان ہو کر جواہرات کو دیکھا' گویا اسے روکنا چاہا' مگر وہ لاکٹ کی چین انگلی پہ لپیٹتی زمر کو مسکرا کر دیکھے جا رہی تھی۔ بڑے ابا نے مجرمانہ انداز میں گردن موڑی۔ زمر لب بھینچے جواہرات کو دیکھ رہی تھی۔ خلاف معمول اس نے اس بات پہ کھڑے کھڑے جواہرات کو گھر سے نہیں نکالا تھا۔

''تمہاری خاموشی سے میں کیا سمجھوں؟ یہی کہ تم نے رضامندی کا اظہار محض اوپر سے کیا تھا؟ درحقیقت تم اپنے والد کو یہ حق نہیں دے رہی۔ کیا یہ تمہارے والد کے ساتھ دھوکہ نہیں ہے؟''

''ایسا نہیں ہے۔'' وہ تیزی سے بولی' پھر چپ ہوگئی۔

''میرا اور تمہارے ابا کا خیال ہے کہ فارس تمہارے لیے بہترین انتخاب ہے۔ پلیز وہ پرانی باتیں مت دہرانا۔ تم خود بھی جانتی ہو ارادی نہیں تھا۔ اب بتاؤ' اپنی زبان پہ قائم ہو؟''

بڑے ابا بے چارگی سے اسے تک رہے تھے۔ مگر خلاف توقع زمر سپاٹ نظروں سے جواہرات کو دیکھتی رہی۔

''قائم ہوں۔ جانتی ہوں' ابا میرے لیے غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔'' ضبط سے الفاظ ادا کیے۔

''تم سوچ لو۔ یہ تو بس ہمارے یونہی خیال میں آیا تو...'' وہ شرمندہ سے وضاحت کر رہے تھے۔

''سوچ چکی سب۔ جو مرضی آئے کریں۔''

''اور ہاں، فارس ابھی مجھے پک کرنے آئے گا۔ اگر تمہارا دوبارہ اس کو گھر سے نکالنے کا ارادہ ہے تو ابھی بتا دو تا کہ میں اسے منع کر دوں۔''

زمر نے بہت ضبط سے خود کو بھڑکنے سے روکا۔ اور آہستہ سے بولی

''میں نے اس دن غلط کیا تھا، مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری ابا۔'' وہ ایک دم اٹھی اور باہر نکل گئی۔ راہداری میں آ کر گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا مگر پرانی باتیں' یادیں سب ابل ابل کر جیسے باہر آ رہا تھا۔ وہ دل پہ ہاتھ رکھے' آنکھیں بند کیے' راہداری کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

اندر جواہرات سہولت سے کہہ رہی تھی۔

''اسے منانا مشکل نہیں تھا۔''

''اسے ماننا نہیں کہتے۔ احتجاج کہتے ہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے افسوس کر رہے تھے۔ جواہرات نے بمشکل ناگواری چہرے سے چھپائی۔

''زمر کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنا اچھا برا سوچ کر ہی جواب دے رہی تھی۔ اسے فارس سے شادی پہ کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' (پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے بول بول کر وہ تھک گئی مگر یہ ابھی وہیں اٹکے تھے۔)

تبھی اس کا موبائل بجا۔ جواہرات نے نہیں اٹھایا' اسی طرح بیٹھی رہی۔

''فارس باہر لینے آیا ہے مجھے۔ آپ یوں کیوں نہیں کرتے کہ باہر دروازے تک چلے جائیں اور اسے اندر لے آئیں؟ میرے کہنے پہ تو وہ کبھی نہیں آئے گا۔''

بڑے ابا نے اثبات میں سر ہلایا' اور وہیل چیئر کے پہیے چلاتے مڑ گئے۔ ساتھ میں صداقت کو آواز بھی دی۔ جب وہ واپس آئے تو فارس ان کے ساتھ تھا۔ (زمر اس دوران اندر جا چکی تھی)۔

وہ آرام دہ نہیں تھا' مگر مجبور تھا۔ خاموشی سے اس سنگل صوفے پہ بیٹھ گیا جہاں سے ابھی زمر اٹھ کر گئی تھی۔

''طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' وہ مدھم آواز میں پوچھ رہا تھا۔ دائیں ٹانگ بائیں گھٹنے پہ رکھے' کہنی صوفے کے ہتھے پہ۔ بس جلدی سے وہ یہاں سے نکل جائے۔

''اچھا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم آئے۔ تمہارا بہت شکریہ فارس۔''

وہ دونوں چند رسمی کلمات کا تبادلہ کر رہے تھے۔ جواہرات نے بور سی ہو کر آنکھیں گھمائیں۔ چند ثانیے مزید سرکے۔ صداقت چائے لا کر سرو کر کے جا چکا تو جواہرات ذرا سا کھنکاری۔ دونوں نے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ ایک اچھا موقع ہے تم سے بات کرنے کا فارس!''

بڑے ابا بری طرح چونکے۔ فارس بھی دھیان سے سننے لگا۔

''یوسف صاحب کا تم کتنا احترام کرتے ہو ان کے تم پہ کتنے احسانات ہیں' کتنے برے وقتوں انہوں نے تمہاری مدد کی' ہم سب اس سے واقف ہیں۔''

زمر چھر سے راہداری میں آ کھڑی ہوئی۔ دھڑکتے دل سے وہ دیوار سے لگی سن رہی تھی۔

''جی!'' فارس نے اچنبھے سے جواہرات کو دیکھتے سر ہلایا۔

''ایسے میں یوسف صاحب کا حق ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی طرح سمجھ کر تم سے ایک سوال کر سکیں۔''

بڑے ابا نے بے چینی سے جواہرات کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ باز رہنے' خاموش رہنے کا اشارہ' یہ سب بہت جلدی ہو رہا تھا' مگر وہ ان کو دیکھے بنا' مسکراتے ہوئے فارس سے کہے جا رہی تھی۔

''میں سن رہا ہوں۔ آپ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''میں تو....'' وہ جلدی سے کوئی بات بنانا چاہتے تھے مگر...

''وہ چاہتے ہیں کہ زمر کا جو رشتہ تم نے چند برس قبل مانگا تھا' اس کا جواب وہ آج دیں' کیونکہ اس وقت کا جواب ان سے پوچھے بنا دیا گیا تھا' اگر ان سے پوچھا جاتا تو ان کا جواب مختلف ہوتا۔''

جواہرات کو روکتے روکتے بڑے ابا خاموش ہو گئے۔ باہر کھڑی زمر کے لب حیرت سے کھل گئے۔ یہ سب یوں نہیں ہونا تھا۔

فارس بالکل رک کر انہیں دیکھنے لگا' جیسے سمجھ نہ آ رہا ہو۔

''یوسف صاحب یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری اور زمر کی شادی ہو جائے۔''

اس کا سانس واقعتاً تھم گیا۔ بے اختیار ابا کو دیکھا۔ انہوں نے بے چارگی سے چہرہ جھکا لیا۔

''کوئی جلدی نہیں ہے' تم سوچ سمجھ کر جواب دینا۔'' جواہرات نے تیزی سے کہا' مبادا وہ انکار ہی نہ کر دے۔ بڑے ابا نے سر اٹھایا۔

''اور کوئی زبردستی بھی نہیں ہے بیٹا۔ بس ایک خیال تھا کہہ دیا۔ تم ناں کہہ دو تب بھی ہمارے تعلقات ویسے ہی رہیں گے۔''

فارس نے بمشکل سر اثبات میں ہلایا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''یوسف صاحب بہت پریشان رہتے ہیں زمر کے لیے' ان کو اپنی زندگی کا بھی کوئی بھروسہ نہیں' وہ اپنے سامنے اپنی بیٹی کو کسی ایسے شخص کو سونپ کر جانا چاہتے ہیں جس پہ وہ اعتبار کرتے ہوں' اور تم وہ واحد شخص ہو فارس۔'' جواہرات نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

''میں.... مجھے کچھ وقت دیں۔'' بدقت وہ کہہ پایا' پھر ایک سلگتی نظر جواہرات پہ ڈالی۔

''میں باہر انتظار کر رہا ہوں آپ کا۔'' اور اٹھ کھڑا ہوا' جیسے مزید وہاں بیٹھنا دوبھر ہو۔ بڑے ابا نے یاسیت سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ ان سے نگاہ ملائے بغیر دھیما سا سلام کہہ کر باہر نکل آیا۔

راہداری میں وہ ٹھٹکا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ زمر کھڑی تھی۔ ساکت' زرد سفید چہرہ لیے' ضبط کی انتہا پہ۔ بس ایک لمحے کو رک کر اس نے زمر کو دیکھا' مگر وہ چہرہ پھیر گئی' وہ بھی نہیں رکا' تیز تیز قدموں سے چلتا دلیز پار کر گیا۔

جواہرات چند ثانیے مزید ابا کو تسلی دیتی رہی' اور جب نکلی تو زمر ہنوز کھڑی تھی۔ اس کا سفید چہرہ اب اہانت سے گلابی پڑتا جا رہا تھا۔

''یہ کیا تھا؟'' وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔ آواز بہت دھیمی رکھی۔ ابا نہیں سن سکتے تھے۔

''تمہارا پچاس فیصد کام ہوگیا۔''

''مگر اسے میرا رشتہ لے کر آنا چاہیے تھا' نہ کہ میرا باپ اس کی منت کرتا۔'' وہ ضبط کے مارے پھٹ بھی نہیں سکتی تھی۔ ''یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔''

''تم نے پلان سنا ہی کب تھا؟'' وہ شانے اچکا کر موبائل پہ بٹن دبانے لگی۔ زمر آنکھوں میں تپش لیے اسے گھور رہی تھی۔ جواہرات نے تھکی ہوئی سانس اندر کھینچی۔

''تم کیوں فکر کرتی ہو؟ شادی کرنی ہے نا' ہو جائے گی۔ چاہے جیسے بھی ہو۔ دیکھو میں زیادہ قرآن نہیں پڑھتی مگر ایک آیت میں بہت خوشی سے ہر جگہ کوٹ کرتی ہوں۔'' ذرا سا مسکرائی۔ ''اور وہ یہ کہ عورتوں کی چالیں بہت عظیم ہوتی ہیں۔'' اس کے گال کو ہونے سے چھو کر وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ زمر انہی سلگتی نظروں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر جیسے ہی جواہرات نے دروازہ بند کیا' فارس نے تیزی سے کار پیچھے کی' گیٹ سے نکالی اور سڑک پہ ڈال دی۔ اس کا چہرہ بھنچا ہوا تھا' وقفے وقفے سے ایک قہر بار نظر جواہرات پہ ڈال دیتا۔

''یہ سب کیا تھا' مسز کاردار؟''

''ایک معذور اور بے بس آدمی تم سے درخواست کر رہا تھا اپنی بیٹی کے لیے۔''

''میں بچہ نہیں ہوں۔ آپ ان کے منہ میں الفاظ ڈال رہی تھیں۔'' اکتاہٹ سے اس نے سر جھٹکا۔ ''صبح آپ میرے پاس آئیں' آپ کو میری شادی کی فکر ہونے لگی' اور اتفاق سے آج ہی یوسف صاحب نے یہ بات کہہ دی۔''

''سامنے کی بات ہے' تم سے بہتر داماد ان کو نہیں ملے گا۔''

''یہ خیال بھی آپ نے ہی ڈالا ہوگا ان کے ذہن میں۔ میں تو جیسے آپ کو جانتا ہی نہیں ہوں۔'' غصے سے بولتا' وہ ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھا رہا تھا۔ کار کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

''مجھے تمہاری فکر ہے فارس!''

''پہلے تو ساری زندگی آپ کو میری فکر نہیں ہوئی۔''

''یہی تو پوائنٹ ہے فارس۔ میں نے یا اورنگزیب نے ساری زندگی تمہاری فکر نہیں کی' مگر جس شخص نے کی' تم پہ اتنے احسان کیے' جو تمہیں اچھی نوکری دلوانے میں مدد نہ کرتا تو آج تم سڑکوں پہ آوارہ پھر رہے ہوتے' اب وہ شخص معذور ہے' اس کی بیٹی بیمار ہے اور وہ تم سے صرف ایک چیز مانگ رہا ہے' کہ اس کی بیٹی سے شادی کر لو' تو تم اسے بھی انکار کر دو گے؟ کیا یہ ہوتا ہے احسان کا بدلہ؟'' تلخی سے اسے دیکھ کر وہ کہہ رہی تھی۔

فارس اسی طرح تیز ڈرائیو کیے گیا۔ البتہ خاموشی کا لمبا وقفہ دونوں کے بیچ حائل ہو گیا۔

''ان کی بیٹی کبھی نہیں مانے گی۔'' بہت دیر بعد وہ بولا۔

''مان جائے گی۔''

''کبھی نہیں۔''

وہ مان چکی ہے یار۔'' جواہرات نے بے زاری سے سر جھٹکا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔

اور فارس غازی نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا' پھر سامنے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کا غصہ ایک نئی سوچ میں ڈھلتا گیا۔ لب کاٹتے' آنکھیں سکیڑے وہ چند منٹ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

''آپ ان سے کہیے میں سوچ کر بتاؤں گا۔'' اب کہ وہ بولا تو آواز مدھم تھی۔ جواہرات نے گہری مطمئن سی سانس خارج کی۔ کام تقریباً ہو گیا تھا۔

فارس نے اسے گھر اتارا اور خود کار سے نکل کر انیکسی کی طرف ہو لیا۔ قصر کی عقبی سمت میں فیونا زینے میں کچھ چیزیں لادے ہاشم کی بالکونی کے بیرونی زینے سے نیچے اتر رہی تھی۔ فارس کار سے اترا، اور وہیں کھڑا رہا۔ جب وہ قریب سے گزرنے لگی تو اسے روکا۔

''اے... بات سنو!'' انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ مودب مگر پراعتماد سی چلتی قریب آئی۔

''یس سر؟''

''تمہاری اتنی ہمت کب سے ہوئی کہ تم میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں داخل ہو؟''

فیونا کا منہ مارے شاک کے کھل گیا۔

''میں تو کبھی بھی نہیں.... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''کیا جب پراسیکیوٹر زمر آئی تھی تو تم اسے میرے گھر نہیں لائی تھی' ہاں؟'' غصیلی آنکھوں سے وہ اسے گھور رہا تھا۔

''کل شام؟ نہیں تو۔ پراسیکیوٹر تو آدھے گھنٹے کے لیے آئی تھیں' سارا وقت وہ مسز کاردار کے پاس بیٹھی رہیں' اور پھر واپس چلی گئیں۔ وہ تو اس طرف آئی بھی نہیں۔'' وہ حیران پریشان سی صفائی دے رہی تھی۔

''سچ کہہ رہی ہو؟''

فیونا نے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا۔

''ہوں ٹھیک ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' وہ مڑنے لگا' پھر رکا۔ ''یہاں پہ میری اینجیو ہوا کرتی تھی' کدھر گئی؟''

''وہ... اس نے مسز کاردار کا نیکلس چرایا تھا' سو اسے نکال دیا۔''

''اور تم نے اس کی جگہ لے لی۔ ہوں؟''

''جی میں اب یہاں کی ہیڈ اسٹاف ہوں۔'' گردن ذرا اکڑا کر بولی۔

''ٹھیک ہے۔ آئندہ میرے گھر کے قریب مت پھٹکنا۔'' انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتا وہ آگے بڑھ گیا۔ چہرے کے تاثرات میں پھر سے غصہ چھلکنے لگا۔

جو اگلوانا تھا فیونا سے وہ اگلوا لیا تھا۔

''تو میڈم پراسیکیوٹر ادھر آئی تھیں اور سارا وقت جواہرات سے باتیں کرتی رہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ فارس اور زمر کی شادی کا خیال کس نے کس کے ذہن میں ڈالا؟ جواہرات نے؟ یا زمر نے؟ یہ کھچڑی کس نے پکائی، ہوں؟'' اس نے سبزہ زار پہ چلتے ہوئے تنفر سے سر جھٹکا۔ ''کیا یہ دونوں عورتیں مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں؟''

اپنے دروازے پہ رک کر اس نے موبائل نکالا اور کال ملا کر کان سے لگایا۔

''جی فرمائیے۔'' سعدی کی مصروف آواز گونجی۔

''کدھر ہو تم؟''

''عموماً اس وقت شریف لوگ اپنے آفس میں ہوتے ہیں' مگر اوہ سوری' آپ کی چونکہ اپنی کوئی جاب ہے نہیں اور چار سال سے آپ بیکار رہیں' تو آپ کو کیا معلوم۔''

''بک بک مت کرو۔ فوراً اپنے دادا کے گھر جاؤ۔''

"جی بالکل! میں تو بیٹھا ہی فارغ ہوں' اور آفس بھی میرے مرحوم ابا جان کا ہے نا' جو میں جب چاہے منہ اٹھا کر نکل جاؤں۔" وہ جلا بھنا بیٹھا تھا۔ آگے پیچھے کاغذوں' فائلوں کا ڈھیر۔ کمپیوٹر پہ کھلے ڈھیروں کام۔ اوپر سے تازہ تازہ پڑی باس سے ڈانٹ۔

"تم جا رہے ہو یا نہیں؟"

"ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے نکلا تو دوبارہ یہ لوگ داخل نہیں ہونے دیں گے' اور جو میری باس ہیں نا' وہ پہلے ہی....."

"تمہارے دادا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری زمر پھپھو سے شادی کر لوں۔ کیوں ہو گئی زبان بند؟ اب امی کو لے کر ان کی طرف جاؤ اور جو بھی مناسب لگے کرو۔" اور دوسری طرف سعدی کی زبان واقعی بند ہو گئی تھی۔ فارس نے فون رکھا اور اندر چلا گیا۔

قدرے فاصلے پہ واقع کاردار قصر کے لاؤنج میں تھکی تھکی سی جواہرات اپنی مخصوص اونچی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سہ پہر میں آس پاس سناٹا سا تھا۔ ہاشم' نوشیرواں' سونیا' کوئی بھی گھر پہ نہ تھا۔ وہ بہت عرصے بعد کسی ویک ڈے میں اس وقت گھر پہ تھی اور یہ سناٹا کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ بجائے آفس واپس جانے کے' وہ ادھر ہی بیٹھی رہی۔ آج کی کارروائی نے اسے تھکا دیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے میں اس نے بار بار ماضی کے کئی ادوار کو ذہن میں دہرایا تھا۔

سات سال پہلے.... جب وہ سب پہلی دفعہ ملے تھے۔

پانچ سال پہلے.... جب وہ خوشی سے ایک دوسرے پہ عنایات کیا کرتے تھے۔

چار سال پہلے.... جب ان کے خاندانوں میں خونی لکیر آ کھنچی تھی۔

مگر ماضی کے ابواب کا آخری حصہ ابھی رہتا تھا۔ اور جواہرات کاردار کے لئے یہی سب سے تکلیف دہ تھا۔

ڈیڑھ سال پہلے کیا ہوا تھا' سعدی اب ان کے گھر کیوں نہیں آتا تھا' اور وہ تمام مسئلے جو ہاشم نہیں سنبھال سکا تھا۔

وہ نہ چاہتے کے باوجود بھی یاد کرنے لگی.....

اس کی نم آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں' اور اس کے شیشے پہ پرانی کہانیاں ابھر ابھر کر ڈوبنے لگیں۔

..........❖❖❖..........

کوئی ہے رنگ ' کوئی روشنی ' کوئی خوشبو ..... جدا جدا ہے تاثر ہر اک لمحے کا

موجودہ دن سے ڈیڑھ سال قبل:

قصر کاردار میں وہ شام بہت سے رنگوں' قہقہوں اور چہل پہل کے ساتھ اتر رہی تھی۔ میری اینجیو ٹرے اٹھائے' مسکراتی ہوئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے عقب میں نیچے کافی آوازیں آ رہی تھیں' جیسے مہمان آئے ہوں۔ وہ اوپر آئی اور ہاشم کے کمرے کے سامنے رکی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے سعدی اور ہاشم کی پشت جھلک رہی تھی۔ سعدی کچھ کہہ رہا تھا' اور ہاشم مسکرا کر سنتا' کف لنکس پہن رہا تھا۔

میری نے دروازہ بجایا۔ وہ دونوں مڑے۔ اس نے ذرا سا سر اندر کیا۔

"سر آپ کو کاردار صاحب نیچے بلا رہے ہیں۔"

"میں بس تیار ہوں۔" اس نے دوسرا کف لنک اٹھا کر پہنتے ہوئے خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ مسکرا کر سر ہلاتی واپس مڑ گئی۔

سعدی نے واپس اسے دیکھا' وہ آفس سے ابھی آیا تھا اور چونکہ سعدی کی پوری فیملی ڈنر پہ مدعو تھی' اس لئے وہ آتے ساتھ ہی جلدی جلدی ڈنر کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ نیچے سب کھانا شروع کرنے کے لئے اس کے منتظر تھے۔ سعدی بلانے آیا اور پھر وہیں کھڑا ہو گیا' یہاں تک

کہ میری کو بھیجا گیا۔

"مجھے ڈنر کا پتہ ہوتا تو میں جلدی آ جاتا۔ شہری بتانا بھول گئی تھی۔" اس نے پرفیوم اٹھا کر کیپ اتارتے' آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے کہا۔ "سو تمہاری بہن نے بورڈ ٹاپ کیا ہے ہوں؟" اس نے ڈنر کی وجہ پھر سے پوچھی۔

"جی مگر وہ تو پرانی بات ہو گئی' اب تو انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ بھی آ گیا ہے' اور جب انکل کو اس کے انجینئرنگ میں ایڈمیشن کا علم ہوا تو انہوں نے ہمیں ڈنر پہ مدعو کر لیا۔" پرفیوم کا اسپرے کرتے ہاشم نے مسکرا کر سعدی کو دیکھا۔ وہ سیاہ کوٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا' بال پہلے سے چھوٹے تھے اور چہرے کی متانت و سنجیدگی بڑھ چکی تھی۔ انداز ابھی بھی معصوم تھا۔

بولتے بولتے سعدی رکا' سانس اندر کو کھینچا' پھر ستائشی انداز میں ہاشم کو دیکھا۔

"کتنا اچھا پرفیوم ہے۔"

"سو تو ہے۔" ہاشم نے مسکرا کر آئینے میں خود کو دیکھتے' گردن پہ ایک اور اسپرے کیا' پھر کیپ اٹھائی' شیشی پہ چڑھائی۔ شیشی کو ڈبی میں ڈالا اور سعدی کی طرف بڑھایا۔

"اب یہ تمہارا ہے۔"

وہ ایک دم بدک کے پیچھے ہوا۔ ہاتھ اٹھا کر جلدی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ "نہیں نہیں ہاشم بھائی' میں اس لئے تو نہیں کہہ رہا تھا۔"

"رکھ لو یار!"

"نہیں' پلیز' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ اتنا شرمندہ تھا کہ حد نہیں۔ "اگر آپ اس طرح کریں گے تو میں دوبارہ کبھی آپ کی کسی چیز کی تعریف نہیں کر سکوں گا۔"

ہاشم نے اس کی پوری بات تسلی سے سنی' پھر سر ہلایا' اور پرفیوم کی ڈبی اس کے کوٹ کی جیب میں ڈال دی۔

"مجھ سے بحث میں تم کبھی نہیں جیت سکتے' سو کوشش کیوں کرتے ہو؟ چلو نیچے' سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس کا کندھا تھپتھپا کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بے حد خفت سے کھڑے سعدی نے خود کو دس دفعہ کوسا' مگر اب وہ تحفہ واپس نہیں کر سکتا تھا' اور پھر کمرے پہ ایک سرسری نظر ڈال کر واپس پلٹا۔ ان چند منٹوں میں بھی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہاں شہرین کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی۔ وہ غالباً مختلف کمروں میں رہ رہے تھے۔ شہرین بتانا نہیں بھولی تھی' وہ ایک دوسرے سے بات تک نہیں کرتے تھے اور یہ سب کو پتہ تھا۔

وہ دونوں اکٹھے سیڑھیاں اتر رہے تھے جب ہاشم نے سرسری سا سوال کیا۔ "فارس کیسا ہے؟ ملاقات ہوئی؟"

"جی' بس ایک دو بار ہی ملنے جیل جا سکا ہوں' آپ کو تو پتہ ہے' انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد ان تین چار ماہ میں میں جاب وغیرہ میں بہت مصروف تھا۔"

"ہوں۔ اس کا کیس کیسا جا رہا ہے؟"

"وکیل سے ملا تھا' وہ تو امید دلا رہا ہے کہ چند ماہ میں ان کو بری کروا لے گا' ہے نا؟" قدرے امید سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ زبردستی مسکرا دیا۔

"بالکل۔" اور دونوں آگے بڑھتے آئے۔

ڈرائنگ روم میں روشنیوں کی برسات تھی گویا۔ فانوس' میز کی موم بتیاں' سب جل رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ اورنگزیب کاردار براجمان تھے۔ دائیں ہاتھ جواہرات تھیں' اور بائیں ہاتھ کی پہلی کرسی خالی تھی۔ ہاشم نے وہی کرسی سنبھالتے ہوئے' اورنگزیب کی سیدھ میں دوسری سربراہی کرسی پہ بیٹھی حنین کو دیکھا' جس کو وہ زمر کے حادثے کے بعد یعنی ڈھائی سال بعد اب دیکھ رہا تھا۔ اس کی عینک' ماتھے پہ کٹے اور

ہاتی ہیئر بینڈ لگے کھلے بال ویسے ہی تھے البتہ قد کافی لمبا ہو گیا تھا اور اعتماد پہلے سے بڑھ گیا تھا۔
"مبارک ہو حنین۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ فوراً پلکیں پھیلانے لگا اسے معلوم تھا حنین کڑوے منہ سے "تھینکس" کہہ کر رخ پھیر لے گی اور ایسا ہی ہوا۔ وہ علیشا والا بغض ابھی تک دل میں رکھے ہوئے تھی۔
"آپ اپنے چھوٹے بیٹے کو نہیں لائیں؟" سعدی بھی بیٹھ گیا تو جواہرات گردن موڑ کر ساتھ بیٹھی ندرت سے پوچھنے لگی۔
"اس کے دوست کی سالگرہ تھی' اس کو وہاں ڈراپ کر کے ہم آئے ہیں۔" ندرت پھیکا سا مسکرا دیں۔ ان کے مقابل بیٹھی شہرین سب سے بے نیاز موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ ساتھ موجود شیرو اس بے زار لگ رہا تھا' گویا زبردستی بٹھایا گیا ہو۔
"تم باہر پڑھنے کیوں نہیں جاتیں' ہوں؟" اورنگزیب نے اپنی سیدھ میں بیٹھی حنین کو مخاطب کیا۔ ملازم اب آخری لوازمات میز پہ رکھ رہے تھے۔
"ماسٹرز کے لیے باہر جاؤں گی۔" وہ اشتہا انگیز چیزوں کو نہ دیکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔
"او کے کھانا شروع کرتے ہیں۔ حنین تم شروع کرو۔" اورنگزیب نے اسے اشارہ کیا۔ وہ لمحے بھر کو رکی۔ امریکی ڈرامے یاد کرنے کی کوشش کی۔ یہ گورا ٹائپ لوگ کھانے کے شروع میں کیا کرتے ہیں؟ ٹوسٹ؟ گریس؟
"حنین کو بہت اچھا قرآن آتا ہے ترجمے کے ساتھ۔" سعدی نے کھنکار کر اسے دیکھا' وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
"حنہ' تم تھوڑا سا قرآن سناؤ اور پھر کھانا شروع کرو۔"
حنین نے پہلے سعدی کو دیکھا' پھر اورنگزیب سمیت منتظر نظروں سے اسے تکتے لوگوں کو۔
"آہم۔ او کے۔ ایک آیت پڑھ دیتی ہوں۔" اس نے دوپٹہ سر پہ جمایا' ایک خفا نظر بھائی پہ ڈالی' اور بظاہر مسکرا کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔
"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سورۃ المرسلت میں' کلوا واشربوا ھنیئاً بما کنتم تعملون۔" (کھاؤ اور پیو خوب مزے سے بعوض ان کے جو اعمال تم نے کیے ہیں۔)" چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیرے۔ اورنگزیب کو ترجمہ معلوم نہ تھا' بس سر ہلا کر "ہوں گڈ" کہا اور کھانے کا آغاز کرنے لگے۔ حنین نے مسکراتی آنکھیں گھما کر بھائی کو دیکھا' جو ضبط سے اُف کر کے رہ گیا۔ (آیات بھی اپنے مطلب کی یاد تھیں کو بیگم کو!) مگر اس کے اُف سے بے نیاز وہ ڈشز میں سے چن کر چیزیں اپنی پلیٹ میں بھر رہی تھی۔
کھانے کے درمیان میں ہی شیرو کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اورنگزیب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ "میں سیر ہو چکا ہوں" کہہ کر لاؤنج کی طرف چلا گیا۔ سعدی نے رک کر اسے دیکھا۔ اس نے جاتے جاتے بھی ایک اکتائی ہوئی نظر سعدی پہ ڈالی تھی۔ سعدی کی نظریں جھکیں' شیرو کی پلیٹ میں ذرا سا سلاد تھا وہ بھی اس نے آدھا کھایا تھا۔ ان دونوں کی آخری دفعہ بات کب ہوئی تھی اسے یاد بھی نہ تھا۔
"اور آج کل تم کیا دیکھ رہی ہو؟"
اورنگزیب کے سوال پہ سعدی نے بے اختیار جیب میں ہاتھ ڈالا' شاید روئی کا کوئی گولہ مل جائے جسے وہ کان میں ٹھونس سکے۔ کیونکہ ابھی کوریا نامہ شروع ہونا تھا۔ حنین نے تسلی سے منہ میں موجود نوالہ ختم کیا اور پھر وہ شروع ہوئی۔
"میرے نزدیک دنیا کا بہترین ڈرامہ ساؤتھ کوریا میں بنتا ہے' کورین فلمیں بھی زبردست ہیں مگر کورین ڈرامے اور ان کے اداکار' ان کی کہانیاں' کیا بات ہے۔ پچھلے ایک سال میں' میں نے ایک سو گیارہ کورین ڈرامے اور فلمیں دیکھی ہیں' پچاس فلمیں اور اکسٹھ ڈرامے۔ Lee Min Ho میرا فیورٹ ہے' اور اس کا ڈرامہ سٹی ہنٹر..." مگر اب میری انچیو میز کے وسط میں croquembouche رکھ رہی تھی۔ گویا گول بالز کا مینار جس کا دل دھانا' جلدی سے چند گیندیں توڑنے لگی مگر..... اخلاقیات! اونہہ۔

"ایک سو گیارہ فلمیں اور ڈرامے دیکھنے کے باوجود تم نے بورڈ کیسے ٹاپ کیا؟" ایک نکڑا توڑتے ہاشم نے یونہی پوچھا تو حنین نے چونک کر اسے دیکھا' پھر چہرے پہ ناپسندیدگی پھیل گئی۔

"میں بہت کچھ ایک ساتھ کرنے میں ماہر ہوں' ہاشم بھائی!"

ہاشم کندھے اچکا کر کھاتا رہا۔ شہرین بس پلیٹ کو دیکھتی کھا رہی تھی۔ جواہرات مضطرب مگر مسکراتی نظروں سے بار بار لاؤنج کی سمت دیکھتی جہاں شیرو غائب ہوا تھا۔ سوائے سعدی کے' وہ کسی کی بات کا اچھے دل سے جواب نہیں دے رہی تھی۔ شیرو اور اورنگزیب کا کسی نہ کسی بات پہ روز جھگڑا ہونا معمول بن گیا تھا۔ صبح بھی نئی گاڑی لینے کی فرمائش پہ اسے جھاڑ پڑی تھی۔ اور پھر سعدی کو برداشت کرنا۔ اس کا جینا محال ہو چکا تھا۔

کھانے کے بعد سب لاؤنج میں آبیٹھے تو وہ وہاں سے بھی اٹھ گیا۔ ٹی وی چلتا رہا' آوازیں' باتیں۔ اورنگزیب صاحب کی کوئی کال آ گئی' وہ اٹھ کر باہر گئے تو سعدی کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی ندرت نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

"کیا تم نے ہاشم سے فارس کے کیس کی بات کی؟"

"ان کا وکیل کر تو رہا ہے نا امی! اب اور کیا کرے۔"

"کیا کر رہا ہے وکیل؟ ڈھائی سال سے چند ماہ' چند ماہ کی رٹ لگا رکھی ہے' ایسے تو اگلے پانچ سال گزر جائیں گے اور فارس باہر نہیں آئے گا۔" وہ اس کو شکوہ کناں' نم آنکھوں سے دیکھ کر بولیں تو سعدی نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

"تو میں کیا کروں امی؟ ہاشم بھائی وکیل کو پیسے دے رہے ہیں' اب تاریخ نہیں ملتی اگلی پیشی کی تو ہم کیا کریں۔"

"تم سعدی اپنے ماموں کو بھولتے جا رہے ہو۔ تم سب اپنی زندگی میں مگن ہو کر اس کو اس کے حال پہ چھوڑ چکے ہو۔"

"امی!" اس کا دل دکھ گیا۔ "ایسے نہیں ہے۔ میں نے جاب شروع کی ہے' چھ بجے تو گھر آتا ہوں' اتنے کام ہیں' میں پھر کر بھی کیا سکتا ہوں؟"

ندرت نے جواب نہیں دیا۔ آنکھ کا کنارہ پونچھتیں' خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ سعدی نے بھی رخ پھیر لیا۔ (اب وہ اور کیا کرے؟ وہ وکیل تو نہیں ہے نا' پر امی کو سمجھ ہی نہیں آتی۔) اس نے چڑ کر سوچا۔ (امی کو تو ہر وقت ایک ہی سوچ پریشان کیے رکھتی ہے کہ.....) اسی وقت ندرت بڑبڑائیں۔

"پتہ نہیں وہ اس وقت کس حال میں ہوگا؟ کھانا بھی کھایا ہوگا یا نہیں؟ نہ جانے کتنے ظلم کر رہے ہوں گے پولیس والے اس پر۔"

(بالکل! یہی سوچ!) وہ تنگ کر رخ پھیر گیا۔ شہرین اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا تو وہ کسی اور جانب دیکھنے لگی۔ ندرت ہنوز وہی سوچ رہی تھیں۔ فارس۔۔۔ اس مظلوم کا اس وقت کیا حال ہوگا؟

* * *

قصر عمر گواہی دے گا کیسے کیسے کرب سہے ...... کیسی کیسی رت گزری ہے ہم پر اتنے سالوں میں

جیل کے برامدے میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں' پہریدار اسی حوالاتی کوٹھی کے باہر جمع تھے' اور وہ اندر کھڑا' سفید کرتے کے آستین موڑے' سلاخیں پکڑے' غصے سے اونچا اونچا کہہ رہا تھا۔

"اے سنگل پسلی' بات دماغ میں فٹ کر لو' آئندہ اس طرف سے۔۔" (کنارے والے کمروں کی طرف اشارہ کیا) "اشرف چیمہ کا کوئی بندہ ادھر آیا نا تو اپنے قدموں پہ واپس نہیں جائے گا۔"

جواب میں اس پیلی سے مونچھوں والے اشرف چیمہ نے چلا کر کچھ کہا تو وہ اور بھی بھڑک گیا۔

''اس کو چپ کرالو محمد دین، ورنہ آج یہ میرے ہاتھوں نہیں بچے گا۔''

''اچھا بس کر دے، تو ہی چپ ہو جا۔۔۔''

''میرے گروپ کے بندے اس کے باپ کے ملازم نہیں ہیں جو اس کے حصے کی مشقت کریں، اس کو آخری دفعہ سمجھا دو، ورنہ۔۔۔''

شور اب بلند ہوتا جا رہا تھا، پھر بمشکل سپاہیوں نے آ کر معاملہ رفع دفع کرایا۔ فارس ہونہہ کرتا سر جھٹکتا واپس زمین پہ آ بیٹھا۔ اس تاریک کمرے میں دوسرے کونے میں کوئی اور بھی بیٹھا تھا۔

''غازی بھائی، یہ سپاہی آپ لوگوں سے ڈرتے کیوں ہیں؟''

''ہم چھوٹ کر چلے جائیں گے، یہ یہیں ڈیوٹی دیتے رہیں گے، اصل قیدی تو یہی ہیں۔'' وہ بے زاری سے بولا، پھر تیکھی نظروں سے اس لڑکے کو دیکھا جس کا چہرہ تاریکی میں تھا۔

''اپنے حصے کا کام وقت پہ ختم کیا کرو، تمہارے باپ کی جیل نہیں ہے یہ۔''

''یو نو، میرے ایک قیدی کی حیثیت سے بھی بہت رائٹس ہیں جن کی وائلیشن کے جرم میں میں گورنمنٹ آف پاکستان کو sue کر سکتا ہوں، اور جب سے میں ادھر آیا ہوں، میرا ایک بھی رائٹ پورا نہیں کیا گیا۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے کو ہوا تو چہرا روشنی میں آیا۔ وہ خوش شکل نوجوان تھا وہ، بال نوعمر لڑکوں کی طرح ماتھے پہ کٹے تھے، اور آنکھوں میں لاپرواہی تھی۔

''جاگ جاؤ، بیٹا، یہ پاکستان ہے!''

''پتہ ہے۔ مگر جتنا وقت آپ جیل میں جھگڑوں اور گروہ بندی پہ لگاتے ہیں نا، اگر اتنا اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے پہ لگا دیتے تو۔۔۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔ زیادہ اسٹوپڈ نہ ہو۔'' وہ چڑ کر رخ پھیر گیا۔

''ویسے آپ نے یہ دونوں قتل کیے تھے؟'' کچھ دیر بعد وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔ فارس نے مڑ کر ترشی سے اسے گھورا۔

''پچھلے چھ گھنٹے سے کتنی دفعہ پوچھ چکے ہو، میں بار بار بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ تم بتاؤ، کس جرم میں آئے ہو؟'' کڑے انداز میں نئے سیل میٹ کی تفتیش شروع کی جو آج کے جھگڑے کے باعث ابھی تک ہو نہیں سکی تھی۔

''میں۔۔۔'' اس نے بے پرواہی سے سامنے کے بال ہٹائے۔ ''کریڈٹ کارڈ فراڈ کے جرم میں۔ حوالاتی قیدی ہوں۔ کیس عدالت میں چل رہا ہے۔''

''تو تم نے جرم کیا تھا؟''

''کیا تو تھا!'' وہ چڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

''لگ بھی رہا ہے۔ پراسیکیوٹ کون کر رہا ہے؟'' یہ سوال وہ اکثر پوچھا کرتا تھا۔

''وہ جو پورے کورٹ میں سب سے سڑی ہوئی پراسیکیوٹر ہے۔ زمر یوسف۔'' اس نے منہ بنایا۔ فارس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''تمہارا وکیل اس کے مقابلے میں کیس جیت جائے گا؟''

''ہا۔۔۔ ایسا دینا۔۔۔ ہاشم کاردار ہے میرا وکیل۔'' اس نے کالر جھاڑے۔ فارس چونکا۔

''اس کو دینے کا پیسہ کہاں سے آیا؟ شکل سے تو تم یتیم خانے سے بھاگے لگتے ہو۔''

''وہ میں، اصل میں اورنگزیب کاردار کا کیمپین مینیجر رہا ہوں، اس لیے انہوں نے زبردستی ہاشم کو میرا وکیل مقرر کر دیا ہے۔'' احمر شفیع ہنس کر بولا۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تو تم اورنگزیب کاردار کے لیے کام کرتے تھے؟''

''جی۔آپ کے ماموں کے لیے۔اور نہیں' میں اتفاق سے آپ کے سیل میں نہیں آیا۔ہاشم نے مجھے ادھر بھجوایا ہے' تاکہ میں آپ کا خیال رکھ سکوں۔'' فارس نے جواباً تیز نظروں سے اسے گھورا۔

''خیال رکھ سکو یا نظر؟''

''ظاہر ہے' نظر!۔'' وہ لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔باہر اندھیرے میں مدھم جلتی بتیوں میں پہریدار ٹہلتے نظر آرہے تھے۔

''کیا کرتے تھے ماموں کے لئے؟'' وہ اس لڑکے کو مسلسل چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''الیکشن اسٹریٹجی' کیمپئن مینجمنٹ' پبلک امیج کنسلٹنسی وغیرہ۔''

''یعنی ان کو ایڈوائز کرتے تھے۔کبھی جیل میں سڑتے بھانجے کو نکلوانے کا مشورہ نہیں دیا؟''

''وہ...'' احمر نے کھسیانے انداز میں تھوڑی کھجائی۔''وہ تو مدد کرنا چاہ رہے تھے آپ کی مگر....''

''مگر؟'' وہ چونکا۔

''دیکھیں ان کے الیکشن کے لیے یہ اچھا نہیں تھا' سو میں نے مشورہ دیا کہ.... وہ خود کو لاتعلق کرلیں آپ سے...بھئی وہ میرے کلائنٹ تھے مجھے ان ہی کا فائدہ دیکھنا تھا نا۔'' وہ جلدی جلدی وضاحت دے رہا تھا اور فارس ایک دم سے اٹھ کر بیٹھا' بس نہیں چلتا تھا کہ اس کی گردن مروڑ دے۔

''تو یہ نیک مشورے دینے والے تم تھے؟'' ضبط بھری کڑی نظروں سے اسے گھورا۔''یوں کرو' اپنا سامان سمیٹ لو اور صبح کسی اور سیل میں اپنی شکل گم کرلینا۔یہاں نہیں رہو گے تم۔'' درشتی سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کر دور چلا گیا۔

احمر نے معصومیت سے گردن سینے پہ گرا دی۔

''سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔''

..................❖ ❖ ❖..................

سب سخن' اس لب سخن کے اسیر ..... سارے موسم گلاب ہیں جیسے

اورنگزیب کال سن کر آگئے تھے۔لاؤنج میں سوائے خاموش بیٹھی ندرت کے' سب باتیں کر رہے تھے۔حنین اور سعدی' ہاشم کی سیاست کے موضوع پہ کی گئی کسی بات پہ بحث کر رہے تھے۔اورنگزیب آکر بیٹھے تو حنین پوچھنے لگی۔

''کیا آپ نے وہ تمام ڈرامے دیکھے جن کے لنکس میں نے آپ کو میل کیے تھے؟''

''اتنا وقت نہیں ہوتا میرے پاس۔ہاں' دس پندرہ سال بعد کبھی فرصت ملی تو دیکھوں گا۔''

''ویسے اگر آپ نے ''کے'' ڈرامے (کورین ڈرامے) نہیں دیکھے...''کے'' پوپ نہیں سنا' تو کچھ دیکھا سنا نہیں ہے۔''

''کیا تمہیں سارے کورین ایک جیسے نہیں لگتے؟ ایک ہی چائنیز شکل والے؟'' اور ان کے اس سوال پہ حنین حسب معمول جذباتی ہوگئی۔

''ہم ساری قوموں کا یہی مسئلہ ہے۔ہمیں دوسری قوم والے ایک جیسے لگتے ہیں۔سیاہ فام بھی ایک سے' اور چائنیز بھی ایک سے۔ورنہ وہ بھی اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں جتنے ہم۔اور خوبصورت بھی بہت ہوتے ہیں....''

حنہ بولے جارہی تھی۔ہاشم آہستہ سے اٹھ کر کچن کی طرف آگیا۔کچن گھر کے آخری کونے میں تھا۔ہاں ہینڈ ٹیبل پہ شیرواں کھانا کھا رہا تھا۔میری انجیو قریب کھڑی تھی۔ہاشم نے چوکھٹ میں کھڑے تھکی ہوئی سانس بھری۔شیرو نے چونک کر اسے دیکھا' پھر شرمندگی سے پلیٹ

ہا ـ کی۔

''کھاؤ' شاباش' میں منع تو نہیں کرنے آیا۔'' مگر وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے بڑبڑایا۔

''میں نہیں کر سکتا اس کو برداشت۔ اور آپ لوگ اس کو فیملی سمیت مدعو کر لیتے ہیں۔''

ہاشم نے میری کو اشارہ کیا۔ وہ باہر نکل گئی۔ پھر وہ قدم بقدم چلتا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''تمہیں ابھی تک یہی غصہ ہے کہ اتنے سال پہلے اس نے تمہاری شکایت ممی کو کیوں لگائی؟''

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟'' وہ بگڑا۔

''کیا تم نے پھر ڈرگز لیں؟''

''نہیں تو۔''

''اور ڈرگز نہ لینے سے تمہاری تعلیم پہ اچھا اثر پڑا' آج تم ایک کامیاب انسان بن چکے ہو۔ اس نے تمہارے لئے ایک اچھا کام کیا' اور تم ناراض ہو؟''

نوشیرواں کے تنے اعصاب ذرا ڈھیلے پڑے۔ ''وہ تو ٹھیک ہے مگر....''

''مگر یہ کہ شیرو' کیا یہ وہی سعدی نہیں ہے جس نے تمہاری جان بچائی تھی' تمہیں بروقت ہسپتال لے جا کر؟''

نوشیرواں چپ ہو گیا۔

''اب اس ناراضگی کو بھول جاؤ۔''

''کیسے بھول جاؤں؟ پانچ سال اس ٹینشن میں گزارے کہ میری ہر موو کو وہ مانیٹر کر رہا ہے۔ جو ممی سے میرے بے عزتی ہوئی' اس کے بعد کتنا عرصہ ممی مجھ سے مجرموں کی طرح سوال جواب کرتی رہیں۔ اور....''

''تمہارا اس سے کسی لڑکی پہ جھگڑا تو نہیں ہے؟'' ہاشم نے مسکراہٹ دبا کے پوچھا۔ اس کا موڈ مزید بگڑ گیا۔

''اتنا لوزر لگتا ہوں میں آپ کو؟'' (اور یہ شکر تھا کہ گئے برسوں میں ایک لڑکی کے منگیتر سے پڑنے والی مار کی بھنک ہاشم کو نہیں پڑی تھی۔ جب وہ مار پڑی تھی' تو سعدی سامنے بیٹھا کیفے میں کافی پی رہا تھا۔ اف!)

''چلو پھر موڈ ٹھیک کرو۔ لاؤنج میں اس کی دو تیز طرار بہن پھر سے بولنا شروع ہو چکی ہے۔ اس کو برداشت کرنے کے لئے مجھے تمہاری مدد چاہیے۔'' نوشیرواں سر جھٹک کر ہنسا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں باہر نکلے تو راہداری میں میری کھڑی' ایک فلپینو لڑکی کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ وہ ذہین سی' مگر ذہین سی لگتی لڑکی تیز تیز سر ہلائے جا رہی تھی۔ ہاشم نے سوالیہ نظروں سے میری کو دیکھا۔

''سر یہ فیونا ہے۔ فی... او... نا۔'' توڑ توڑ کر اس کا نام ادا کیا۔ ''یہ نئی ملازمہ ہے۔ مسز جواہرات نے رکھی ہے۔ آج سے جوائن کیا ہے اس نے۔''

''ہوں۔'' وہ ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالتا آگے نکل گیا۔ شیرو نے تو اسے دیکھا بھی نہیں۔

اندر جب حنین' اور زمر زیب سے بات کر رہی تھی تو شہرین مسلسل سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی' مگر جواہرات سامنے بیٹھی تھی' اور اس کے سامنے شہرین کو خود کو سعدی سے لاتعلق ظاہر کرتی تھی' سو خاموش رہی۔

ہاشم اور نوشیرواں واپس آئے تو حنین کا ڈرامہ نامہ ابھی تک جاری تھا۔

''بیٹا آپ کو پتہ ہے' شیرو کل تائیوان جا رہا ہے۔ ابھی آپ کسی تائیوانی ڈرامے کی بات کر رہی تھی نا۔'' ہاشم نے مسکراتے ہوئے اسے ٹوکا اور سامنے صوفے پہ بیٹھا۔ حنین کی چلتی زبان رکی' سر گھما کر شیرو کو دیکھا۔

''تائیوان میں کیا رکھا ہے؟ جاتا ہے تو ساؤتھ کوریا جائیں۔''

''آفس کے کام سے جا رہا ہوں۔'' شکایتی نظر باپ پہ ڈالی۔''کوریا کئی دفعہ جا چکا ہوں پہلے۔''

''تو دوبارہ چلے جائیں۔ میرے لیے kimchi لے آیئے گا۔'' وہ پرجوش سی ہو کر کہنے لگی۔ سعدی نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا مگر وہ متوجہ نہیں تھی۔ اکھڑے اکھڑے سے بیٹھے شیرو نے کندھے اچکائے۔

''ہاں وہاں بھی ایک دو دن کے لیے چلا جاؤں شاید۔ لے آؤں گا۔''

''واؤ... یو آر لکی۔'' آگے پیچھے تو شیرواں جیسے لوزر کو لفٹ نہ کرانے والی حنین بے اختیار ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

ندرت ہنوز خاموش بیٹھی تھیں۔ ان کو اس ڈنر میں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

..................❖❖❖..................

کچھ بھی کہو' سب اپنی اناؤں پر اڑے ہیں ..... سب لوگ یہاں صورت اصنام کھڑے ہیں

اس سرد سی رات جب فارس اپنے نئے ساتھی قیدی کو سخت سست سنا کر پرے لیٹ چکا تھا، اور ندرت کاردار قصر میں عدم دلچسپی سے بیٹھی تھیں، ان سب سے دور، یوسف صاحب کے گھر میں، صداقت بھاپ اڑاتی کافی زمر کے سامنے رکھ رہا تھا۔

دفعتاً سربراہی جگہ پہ بیٹھے بڑے ابا ذرا کھنکارے۔ وہ بابی اخبار دیکھتے ہوئے چونکی' نظر اٹھا کر ان کو دیکھا۔

''کس بات کی تمہید باندھنا چاہ رہے ہیں؟''

''وہ... فارس کے کیس کی سماعت اسی مہینے ہے نا؟'' اس ذکر پہ اس کے ابرو تن گئے۔ واپس اخبار دیکھنے لگی۔

''آپ یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہیں کہ لاؤنج کی میز پہ رکھا سمن آپ نے نہیں دیکھا جس میں مجھے پیش ہونے کے لیے کہا گیا ہے؟''

''زمر....'' وہ بے بسی سے آگے کو ہوئے۔''کیا تم اس کے خلاف گواہی دو گی؟''

''جو سچ ہے وہی کہوں گی۔'' وہ اخبار پڑھتی رہی۔

''ڈھائی سال ہو گئے اس بات کو' تم ایک دفعہ بھی اس سے نہیں ملیں۔ اس کی بات تو سن لو۔''

''میں جج ہوں' نہ پراسیکیوٹر' نہ ڈیفنڈر۔ میں صرف ایک گواہ ہوں۔ اپنی بات وہ عدالت میں کہے۔ مجھ سے کیوں امید رکھتا ہے؟''

''سعدی سے تو مل لیا کرو۔'' انہوں نے ایک اور کوشش کی۔

''وہ میری موجودگی میں گھر آتا تو مل لیتی۔ نہیں آتا تو میں کیا کروں؟''

''وہ تو تمہارا سعدی ہے' ہمارا سعدی۔ اس کا کیا قصور ہے؟''

''جب مجھے اس کی ضرورت تھی' وہ میرے ساتھ نہیں کھڑا تھا۔ ہسپتال میں رشتہ داروں کی لعن طعن کے وہ تکلیف دہ دن، وہ راتیں جب میں درد کی شدت سے بیدار ہو جاتی تھی، میں نے کیسے گزارے، مجھے یاد ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اکیلی ٹھیک ہوں۔'' صفحہ پلٹا کر اندرونی طرف سامنے کی۔ چہرے پہ سنجیدگی اور سپاٹ پن تھا۔ وہ افسوس سے اسے دیکھے گئے۔

''کیا تمہیں اپنی گواہی پہ خود یقین ہے؟''

''نہ ہوتا تو کبھی گواہی نہ دیتی۔ اور رہی گواہی تو وہ میں پچھلی پیشی پہ دے چکی ہوں۔ اس دفعہ مجھے صرف Cross Examine کرنے کے لیے بلایا جا رہا ہے۔'' ساتھ ہی مگ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

''ندرت کو وریلی وسیل (دل کی نالیوں کی) بیماری ہو گئی ہے۔ اس کا دل ٹھیک کام نہیں کرتا۔ اگر فارس کو سزا ہو گئی تو وہ صدمے سے مر جائے گی۔''

"یہ فارس کو مجھ پہ گولی چلانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" دوسرا گھونٹ بھر کر مگ واپس رکھا۔ نگاہیں اخبار پہ نیچے کی سمت دوڑاتی گئی۔ ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔

"سعدی کے گھر ہی چلی جایا کرو۔"

"ضروری کام ہوا تو چلی جاؤں گی۔ ناراض تھوڑی ہوں میں اس سے۔" ساتھ ہی اس کا فون بجا۔ وہ بات کرنے میں مصروف ہو گئی اور بڑے ابا اپنی ادھوری چائے کو دیکھے گئے۔ آج تو چائے کے ساتھ بات بھی ادھوری رہ گئی تھی۔

❖❖❖

ہم نہ کہتے تھے گھر جاؤ گے ..... کس جگہ پہنچے ہو آخر دیکھو

(یہ حنین کو دیے جانے والے ڈنر سے چار روز بعد کا ذکر ہے۔)

رات کا اندھیرا ہر سو پھیلا تھا۔ سردی مزید بڑھ گئی تھی۔ چھوٹے باغیچے والے گھر میں سعدی کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ کمبل تانے گہری نیند سو رہا تھا۔ یکایک وہ ذرا سا ہلا۔ پھر کمبل ہٹایا تو بکھرے بال اور چہرہ واضح ہوا۔ وہ اچنبھے سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دماغ اتنا سویا ہوا تھا کہ معلوم نہ پڑتا یہ آواز کدھر سے آ رہی تھی۔ ززوں ززوں۔

اس نے تکیہ ہٹایا۔ نیچے دبا موبائل بج رہا تھا۔ آہ۔ وہ نیند سے کراہا۔ موبائل اٹھایا۔ رات کے ڈیڑھ بجے اور ان جان نمبر۔ اکتا کر اس نے فون کان سے لگایا۔ "ہیلو؟" آواز بھاری اور نیند میں ڈوبی نکلی۔

"سعدی ابھی اسی وقت میرے گھر آ سکتے ہو؟"

اس کی نیند میں ڈوبی آنکھیں ذرا سی کھلیں۔ "کو..... کون ہے؟"

"سعدی اٹھو اور میری بات سنو۔" ذرا زور سے کہا گیا تو وہ چونک کر اٹھا۔ "ہاشم بھائی؟ خیریت؟" حیرت سے آنکھیں ملیں۔ ٹیبل لیمپ جلایا۔ گھڑی روشن ہوئی۔ ڈیڑھ بجے۔

"ابھی اسی وقت میرے گھر آؤ اپنی بہن کو لے کر۔ ٹریفک نہیں ہوگا، بیس منٹ لگیں گے۔ تم دونوں آؤ اور اکیسواں منٹ نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا لہجہ، انداز، سعدی فکر مند ہو گیا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟"

"تم ابھی تک بستر سے نہیں نکلے کیا؟ جلدی کرو یار، میں انتظار کر رہا ہوں۔" اور فون بند ہو گیا۔ وہ حیران و پریشان سا بیٹھا رہ گیا، پھر تیزی سے بستر سے نکلا۔ دو تین منٹ بعد وہ منہ پہ چھینٹے مار، کپڑے بدل کر جیکٹ پہنے، کار کی چابی اٹھائے باہر آیا تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔ معلوم تھا وہ جاگی ہوئی ہو گی۔

کمپیوٹر کے سامنے کرسی پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی، ہیڈ فون چڑھائے، ہنستی ہوئی اسکرین کو دیکھتی، ساتھ پیالے سے پاپ کارن اٹھا کر منہ میں رکھتی، حنین روز رات گئے تک یونہی پائی جاتی تھی۔ آہٹ پہ وہ چونکی، پھر بھائی کو آتے دیکھ کر پرجوش سی بتانے لگی۔

"پتہ ہے سوپر جونیئر (کوریا کا ایک بینڈ) ایک شو میں آئے ہوئے ہیں، اور ان کو لوگ اپنے مسئلے بتا رہے ہیں، جیسے ایک لڑکے کا دوست سانپ اور بچھو کھانے لگ گیا ہے تو وہ....." سعدی نے آگے آ کر کمپیوٹر کی تار کھینچی۔

"سویٹر پہنو اور باہر آؤ، میں کار میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"ہا!" وہ ہکا بکا رہ گئی۔ پھر غصے سے ہیڈ فون اتارے۔ "اتنی مشکل سے ویڈیو ڈاؤن لوڈ کی تھی اور....."

"حنین جلدی کرو۔ کوئی وجہ ہے تو کہہ رہا ہوں نا۔" سختی سے کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ کار اسٹارٹ کی تو وہ بھی آ ہی گئی۔ ٹریِن لمبا

اوورکوٹ پہنے (جو تھا تو ایل شاپ کا مگر امی کی تاکید تھی کہ ہر ایک کو کہنا ہے، سارہ لندن سے لائی ہے) اندر سویٹر۔ گردن کے گرد دوپٹہ اور بال ہیئر بینڈ لگا کر کھلے چھوڑے چہرے پہ ڈھیروں ناراضی لیے۔ چپ چاپ فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھی۔ سعدی خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر حنین نے اپنے (اور امی کے مشترکہ) موبائل پہ گانا آن کر لیا۔

Hello Hello You Shiny Boy ساتھ میں سر دھنے لگی۔

''بند کرو اس سوپر جونیئر کے ماماشیتا کو۔''

''یہ ماماشیتا نہیں ہے، سٹی ہنٹر کا گانا ہے، اس میں Lee Min Ho آتا ہے۔ پتہ ہے، اس کے باپ کو گورنمنٹ نے مار دیا ہوتا ہے، تو وہ کئی سال بعد انتقام لینے کوریا کے صدر کا سیکیورٹی آفیسر تعینات ہو جاتا ہے، اور...''

پھر رکی.... ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہاشم بھائی نے بلایا ہے۔ کوئی مسئلہ ہے؟''

وہ حیران رہ گئی۔ ''تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا ہاشم بھائی خود ہر مسئلہ سنبھال نہیں لیا کرتے؟'' اس کی نقل اتار کر سر جھٹکا۔

''میرا خیال ہے، دنیا میں ابھی کچھ مسئلے ہیں جنہیں وہ نہیں سنبھال سکتے۔'' سعدی نے گہری سانس بھر کر شانے اچکائے۔

جب وہ کاردار قصر کے اندرونی دروازے میں داخل ہوئے تو ہاشم سامنے ہی کھڑا تھا۔ سیاہ ٹراوزر پہ گرے ٹی شرٹ پہنے وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ انہوں نے شاید پہلی دفعہ اسے ٹی شرٹ میں دیکھا تھا۔

''اوپر میرے کمرے میں جاؤ، میں آ رہا ہوں۔'' اس نے سعدی کو اشارہ کیا۔ ان کا حلیہ، ساتھ ہی مصروف مگر پریشان انداز۔ اور پھر پلٹ کر لاؤنج میں پریشانی سے ٹہلتی، کچھ بولتی جواہرات۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم اتنی دیر کیوں کر رہے ہو ہاشم؟ ان کو پیسے دو اور میرے بیٹے کو واپس لاؤ....'' دبا دبا غراتی وہ رکی، دونوں بہن بھائی کو دیکھ کر جھٹکا لگا۔ ''ان کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟''

سعدی، حنین کا ہاتھ تھامے فوراً اوپر لے آیا۔ ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل انہوں نے نیچے ہاشم کو کہتے سنا۔

''ممی، آپ آرام سے بیٹھ جائیں، میں کر رہا ہوں نا۔'' اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے وہ سمجھا رہا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو آوازوں کا رستہ رک گیا۔

اندر کمرے کی ساری بتیاں خود بخود جل اٹھیں۔ وہ دونوں خاموش اور غیر آرام دہ سے کاؤچ پہ جا بیٹھے۔ میز پہ ہاشم کا لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ وہ آن تھا، مگر اسکرین اسٹینڈ بائی پہ تھی۔ سیاہ، تاریک۔

''یہ کیا ہو رہا ہے بھائی؟''

''کوئی مسئلہ ہے ان کے گھر میں....'' اور تبھی وہ عجلت سے دروازہ کھولتا اندر آیا۔ سامنے میز کے کنارے آ بیٹھا۔ حنین کے بالکل سامنے۔ سعدی کو دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

''حنین، بچے اب جو میں پوچھوں مجھے سچ سچ بتانا۔''

حنین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر سعدی کو۔

''جی؟''

''کیا تمہارا علیشا سے کوئی کانٹیکٹ ہے؟''

''نہیں۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' ہاشم نے اس کو غور سے دیکھتے پوچھا تو حنین کے ابرو تن گئے۔

''میں آپ سے ڈرتی نہیں ہوں جو جھوٹ بولوں گی۔ نہ اس سے رابطہ رکھنے کے لئے مجھے آپ کی اجازت چاہیے۔''

''حنین۔'' سعدی نے اسے تادیبی انداز میں گھورا مگر وہاں کسے اثر ہونا تھا۔

''او کے۔ مگر کیا تم جانتی ہو وہ ابھی کہاں ہے؟ یا معلوم کر کے دے سکتی ہو؟''

''مگر ہوا کیا ہے؟''

ہاشم نے گہری سانس لی' ترچھے ہو کر لیپ ٹاپ کی کیز کو چھوا۔ اسکرین روشن ہوئی۔

''شیرو کو ڈنا ئیوان سے کوریا گیا تھا۔ واپس نہیں آیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مجھے فیس بک پہ کسی ان جان آئی ڈی کی جانب سے ویڈیو ملی ہے۔ اغوا ان نے لئے۔''

حنین اور سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ نوشیرواں اغوا ہو گیا تھا اور ہاشم نے انہیں بلایا تھا؟

وہ اب ویڈیو کھول رہا تھا۔ اسکرین پہ ایک کمرہ تھا۔ لکڑی کا فرش، پیچھے سلائیڈنگ ڈور۔ کاؤچ۔ الماری۔ چھت۔ پیچھے نظر آتا ایک وائٹ بورڈ۔ وسط میں رکھی کرسی جس پہ نوشیرواں بیٹھا تھا' ہاتھ پیچھے بندھے تھے۔ بکھرے بال' روئی روئی آنکھیں۔ گردن جھکی ہوئی۔ کیمرہ آن ہوا تو اس نے چہرہ اٹھایا۔ وہ شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔

''ڈیڈ... بھائی... یہ لوگ آپ کو ایک اکاؤنٹ نمبر اور ایک رقم ای میل کر رہے ہیں' اور...'' وہ رک کر کیمرے کی سمت دیکھنے لگا' جہاں سے اسے ہدایات مل رہی تھیں۔ یقیناً اغوا کار وہیں کھڑے اسے متنبہ کر رہے تھے۔ چہرے پہ خوف لئے شیرو تھوک نگلتا پھر سے کہنے لگا۔

''آپ چار گھنٹے کے اندر اندر یہ رقم بھجوا دیں' ورنہ یہ مجھے مار دیں گے۔ میں کوریا میں ہوں۔ اگر آپ میں سے کوئی گھر سے بھی نکلا یا یہاں آنے کی کوشش کی' یا کسی کو کال کرنے کی' تو یہ مجھے مار دیں گے۔'' آنسو خوفزدہ' ہراساں شیرو کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ سدا کا ڈرپوک شیرو بلی کا بچہ لگ رہا تھا۔

''بھائی پلیز' مجھے یہاں سے نکال لو۔ اور کسی کو فون مت کرنا۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ مجھے مار دیں گے۔ ان کے پاس آپ کے تمام نمبرز ہیں' یہ ہر چیز مانیٹر کر رہے ہیں۔'' اور اسکرین سیاہ ہو گئی۔

سعدی نے بے یقینی کے عالم میں سر اٹھایا۔ ہاشم تھکا تھکا اور پریشان نظر آ رہا تھا۔

''کیا آپ نے پولیس کو کال کیا؟ آپ کے تو کتنے ہی کانٹیکٹس ہوں گے ایجنسیز میں۔''

''کیا تھا۔ میرے لوگ کورین پولیس سے بات کر رہے تھے جب یہ دوسری ویڈیو موصول ہوئی۔ تمہیں کال کرنے کے دس منٹ بعد۔''

چند بٹن دبائے اور پیغام کھولا۔

وہی کمرہ اور ویسے ہی نڈھال' بندھا ہوا شیرو۔ البتہ اب اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔

''بھائی' انہوں نے منع کیا تھا کسی کو کال کرنے سے' آپ لوگ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے آپ کو؟ ایک مانسٹر کو بھی اپنے بچے سے محبت ہوتی ہے۔ پلیز ان کو رقم دیں اور مجھے یہاں سے نکالیں۔ ورنہ یہ پہلے میرے کان کاٹیں گے' پھر انگلیاں۔''

ویڈیو ختم ہوئی اور ہاشم کے چہرے کی تکلیف بڑھ گئی۔ شیرو کا خون نکلتے دیکھنا بہت اذیت ناک تھا۔ حنین خاموش تھی اور سعدی ہکا بکا۔

''کیا وہ لوگ آپ کے فونز ٹیپ کر رہے ہیں؟''

''میں نہیں جانتا مگر... اب ہم کسی سے رابطہ نہیں کر رہے۔ میں نے سب کو منع کر دیا ہے۔''

''مگر...'' سعدی بے چینی سے آگے ہوا'' یہ خالی خولی دھمکی بھی تو ہو سکتی ہے۔ آپ خفیہ طور پہ کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش...''

''وہ میرا بھائی ہے' میں اس کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔''

''اور... اس سارے معاملے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' حنین پہلی دفعہ بولی۔ دیکھ وہ ابھی تک اسکرین کو رہی تھی۔ (اس لوزر کے کان کی جگہ بال کاٹ دیں وہ تو کتنا اچھا ہو۔ اونہوں نہیں۔ یہ تو آئینہ دیکھتے ہی مر جائے گا۔)

''مجھے شک ہے کہ اس میں علیشا ملوث ہو سکتی ہے۔''

''کبھی نہیں۔'' حنہ نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔'' وہ کمزور اور بزدل سی ہے۔ آپ کے بھائی کو اغوا' ناممکن؟''

''وہ کسی کے ساتھ مل کر یہ کر سکتی ہے۔ میں نے اس کی فیس بک پروفائل چیک کی تھی۔ دیکھو' اس نے کور فوٹو Seoul (کوریا کا ایک شہر) کی لگا رکھی ہے۔'' اس نے اسکرین پہ علیشا کی پروفائیل کھول کر دکھائی۔

''یہ اس نے کوئی چھ ماہ پہلے لگائی تھی اور وہ اس لیے کہ ہم کے ڈرامے اور کے پوپ کے شوقین ہیں۔ ہمیں کے کلچر پسند ہے' میری بھی پروفائل پہ یہی سب ہے' اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں کوریا میں ہوں اس وقت۔''

''مگر اس وا ہمے کی مجھے تصدیق کرنی ہے۔ اگر خاور ہوتا تو وہ یہ سب کر لیتا' مگر وہ دو روز قبل ہی اپنے کسی کام سے ملک سے باہر گیا ہے۔ میں اس کے بغیر بالکل مفلوج ہوں۔'' میز کے کنارے پہ بیٹھا' قدرے بے بسی سے کہتے ہاشم پہ سعدی کو ترس سا آیا۔

''ہاشم بھائی' ہم آپ کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ آپ بتائیں' کیا کرنا ہے۔''

اس بات پہ حنہ نے گھور کر سعدی کو دیکھا' اور پھر ہاشم کو۔ وہ ابھی تک ناگواری محسوس کر رہی تھی۔

''اوکے' حنین سنو' تم ہیکنگ جانتی ہو' تم نے ڈیڈ کو کئی دفعہ بتایا تھا۔ سو تم علیشا کی لوکیشن ٹریس کرو۔ ساتھ میں تم اس ویڈیو بھیجنے والے کی لوکیشن بھی ٹریس کرو۔ پھر اس فارن بینک اکاؤنٹ کو ٹریس کرو کہ یہ کس کے نام ہے' اور اس شخص کی تمام تفصیلات مجھے دو۔ ساتھ ہی شیرو کے موبائل کو ٹریس کرنے کی کوشش کرو کہ آخری دفعہ وہ کب اور کہاں استعمال ہوا تھا۔ فی الحال وہ بند ہے۔ کتنی دیر میں تم یہ سب کر سکتی ہو؟'' وہ سنجیدہ تھا اور حنین نے اتنی ہی سنجیدگی سے سر ہلایا۔

''دس سے بارہ منٹ میں۔''

''واقعی؟'' ہاشم تو ہاشم' سعدی کو بھی جھٹکا لگا۔

''شیور۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مگر آپ نے سیٹ نہیں لگایا ابھی تک۔'' معصومیت سے ادھر ادھر دیکھا۔

''کیا؟'' ہاشم سمجھا نہیں۔

''کیوں؟ ہم ہالی وڈ کے کسی سیٹ پہ ہیں نا' اور میں تو ہوں ہی Nolan Ross جو کھٹ کھٹ کر کے سب کچھ فٹافٹ ہیک کر لوں گی' اور دس منٹ میں مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''حنین!'' سعدی نے اس کے جوتے پہ جوتا رکھ کر دبایا۔

''سوری ہاشم بھائی مگر نولن اور Huck جیسے Horribly Hillariuos Hackers صرف ہالی وڈ میں ہوتے ہیں۔ میں انٹرنیٹ سے کسی بینک کا مین فریم ہیک نہیں کر سکتی۔ نہ ہی ہم فیس بک میسج سے کسی کا آئی پی ایڈریس یا لوکیشن معلوم کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں فیس بک کمپنی سے رابطہ کرنا ہوگا اور اس میں دو ماہ لگیں گے۔''

ہاشم لب بھینچے سلگتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ (بدتمیز لڑکی)

"تو تم کیا کر سکتی ہو؟"

"ایسے مت دیکھیں مجھے۔ خاور بھی یہ نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو ایک کیک چاہیے اور میں دیوار پہ لگی بیکری کے اشتہار کو پھاڑ کر اندر سے کیک نکال لوں' مگر اشتہار کے کاغذ کے پیچھے دیوار ہوتی ہے' بیکری نہیں۔ کیک نکالنے کے لئے ہمیں بیکری کا تالہ توڑنا پڑے گا۔ گھر بیٹھے یہ سب نہیں ہو سکتا۔"

"یعنی کہ تم کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔"

"خیر اب یہ بھی نہیں کہا میں نے۔ میں یہ کر سکتی ہوں کہ علیشا کو ای میل کرتی ہوں' اس کے جواب سے اس کی لوکیشن ڈھونڈتی ہوں۔ ساتھ اس ویڈیو بھیجنے والے کا اکاؤنٹ ہیک کرتی ہوں' شاید اس کے اپنے ان باکس سے کوئی سراغ مل جائے۔ کوئی فون نمبر' کوئی دوسرا ای میل ایڈریس۔"

ہاشم خوش نہیں تھا مگر اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے' تم کام شروع کرو۔"

"ابھی نہیں کر سکتی میں کچھ۔" وہ اس کی بات پہ جاتے جاتے پلٹا۔ سعدی نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔ حنین نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"اصل میں خالی معدے کے ساتھ میرا دماغ کام نہیں کرتا۔ بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ میرا شوگر لیول بھی لو ہو رہا ہے۔"

ہاشم نے گویا جھپٹ کر انٹر کام اٹھایا' اور ضبط کرتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ "میری' اوپر آؤ اور میڈم جو کہیں' ان کو پانچ منٹ میں بنا کر لا دو۔ ہری اپ۔" اور دھاڑ سے دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔

"تم کچھ زیادہ ہی بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔" سعدی نے واقعی غصے سے اس کا بازو جھنجھوڑا۔ "ابھی پاپ کارن نہیں کھا کر آ رہی کیا؟"

"ایک تو اچھا بھلا سوپر جونیئر' بکھر رہی تھی' اوپر سے سردی۔ خواہ مخواہ مجھے اٹھا یا دہ بھی اس انوکھے لاڈلے کے لئے۔ اب بھگتیں۔" وہ ڈھٹائی سے شانے اچکاتی لیپ ٹاپ قریب کرنے لگی۔

چند منٹ بعد لیپ ٹاپ گود میں تھا' ایک ہاتھ میں جوس کا گلاس۔ سامنے پین پڑا۔ نگٹس۔ ساس۔ فرنچ فرائز۔ منہ مسلسل چلاتے ہوئے وہ کیز دبا رہی تھی۔ سعدی چپ چاپ اسے دیکھتا رہا' تو اس نے فرنچ فرائز کی پلیٹ بڑھائی۔

"کھائیں گے؟"

"ان کا بھائی اغوا ہو گیا ہے' سارا گھر پریشان ہے' اغوا کار پچاس کروڑ مانگ رہے ہیں' اور تم کھا رہی ہو؟"

حنین نے جوس کا گھونٹ بھرا' اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "پچاس کروڑ میں کتنے زیرو ہوتے ہیں؟"

"اُف..." وہ کراہ کر اٹھا اور باہر نکل آیا۔ سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ سے جھانکا۔ اورنگزیب پریشانی سے ماتھا مسلتے بیٹھے تھے۔ ہاشم ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا اور جواہرات ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔ "تم لوگ پیسے کیوں نہیں دے رہے؟ وہ شیرو کو مار دیں گے ہاشم!"

آنسو اس کی آنکھوں سے ابلنے کو تیار تھے۔

"ہم پیسے دے دیں گے' بات پیسوں کی نہیں ہے ممی۔ مگر شیرو نے ان کی شکلیں دیکھ رکھی ہوں گی۔ کیا گارنٹی ہے کہ وہ پیسے لے کر اس کو چھوڑ دیں گے۔ ایسے لوگ تاوان لے کر مغوی کو مار دیا کرتے ہیں۔"

"تو تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟" اورنگزیب بھی غصے سے بولے تھے۔

''ان کی لوکیشن' یا ان کے بارے میں کوئی معلومات۔ کوئی لیوریج ہونا چاہیے ہمارے پاس جس کے اوپر ہم ان سے شیر و کو زندہ سلامت واپس لیں۔''

جواہرات نفی میں سر ہلاتی نڈھال سی بیٹھ گئی۔ ہاشم موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ سعدی افسوس سے واپس پلٹ آیا۔ اندر وہ صوفے پہ بیٹھی ہاشم کے ہیڈ فون چڑھائے' چپس کھاتے ہوئے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا کوئی نئی ویڈیو آئی ہے؟'' وہ تیزی سے لپکا۔

''اوہوں۔ میں اس کے اکاؤنٹ کو ہیک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ چند گھنٹے لگیں گے۔ تب تک میں اس ڈرامے کی آخری دو قسطیں دیکھ لوں۔'' بڑے غور سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ وہ جو جوش سے لپکا تھا' جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''پتہ ہے بھائی' اتنا مزے کا ڈرامہ ہے' 49 Days۔ اس میں جو ہیروئن ہے نا...''

''یا اللہ۔ کب شمالی کوریا ایٹم بم بنائے گا اور کب اسے جنوبی کوریا پہ گرائے گا۔ کب جان چھوٹے گی اس ''کے'' کلچر سے۔'' وہ کراہ کر پیچھے کو ہو گیا۔ حنین کے ڈرامے سر چکرا دیتے تھے۔ وہ منہ بنا کر (ہونہہ....) پھر سے دیکھنے لگی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

ویران سرائے کا دیا ہے..... جو کون و مکاں میں جل رہا ہے

اس رات بھی حوالاتی کوٹھڑی کی سلاخوں کا صرف کنارہ روشن تھا' باقی سب تاریکی میں ڈوبا تھا۔ ایک کونے میں فارس اور دوسرے میں احمر.... دور دور چت لیٹے چھت کو دیکھ رہے تھے۔ فارس روشنی والے کونے میں تھا' ٹیوب لائٹ کی مدھم سی کرن اس کی تاریک دنیا کو روشن کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس کی کوشش کے باوجود احمر اس سیل سے نہیں گیا تھا۔ اب اس نے کوشش بھی ترک کر دی تھی۔

''فارس بھائی!'' اس نے ہلکے سے پکارا۔ چت لیٹے' چھت کو تکتے فارس کی پیشانی پہ بل پڑے۔

''کیا تمہیں کسی نے خاموش رہنا نہیں سکھایا؟''

''میں نے سیکھا ہی نہیں۔ ویسے کوئی سکھانے والا تھا بھی نہیں۔'' قدرے توقف کیا۔ ''آپ نماز پڑھتے ہیں؟''

''ہوں۔''

''وہ تو میں نے دیکھا ہی تھا۔ نماز میں بھی ساتھ والی کوٹھڑی سے کیا آوازیں آ رہی ہیں' سب خبر ہوتی ہے آپ کو۔''

''سب کو ہوتی ہے۔ اب سو جاؤ۔'' وہ بےزار ہوا۔

''سنیں نا۔ کیا ہمیشہ سے پڑھتے تھے؟''

''نہیں جیل میں آنے کے بعد شروع کی۔''

''تو آپ کیوں پڑھتے ہیں نماز۔ اپنے سگے بھائی کے قتل کے الزام۔۔۔''

''وہ میرا سوتیلا بھائی تھا' اپنے فیکٹس درست رکھو۔''

احمر نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔ ''مطلب وہ آپ کو پسند نہیں تھا؟''

''صرف تمہاری غلطی درست کر رہا ہوں' زیادہ اسمارٹ نہ ہو (زیادہ چپکو نہیں!)۔''

''تو کیوں پڑھتے ہیں آپ نماز؟''

''مجھے خود نہیں پتہ'' وہ بہت دیر بعد بولا۔ ''کچھ دن پڑھتا ہوں جوش سے' پھر ڈھیلا پڑ جاتا ہوں' اور کئی دن یوں گزر جاتے ہیں

[illegible] پھر کچھ دن پڑھتا ہوں تو اپنا آپ بہت نیک لگتا ہے۔ ہلکا اور پارسا۔ مگر پھر ڈھیلا ہو جاتا ہوں اور

ے۔ نہ پڑھنے کا چکر کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ چاہوں تو ہر وقت پڑھوں، میرے اندر بہت اسٹیمنا ہے۔ مگر میری نماز مجھ پہ کوئی فرق نہیں ڈالتی۔
میرا دل سخت ہو گیا ہے۔"

"اس نے بھی یہی کہا تھا۔" چت لیٹے احمر نے ہولے سے کہا تو فارس چونکا۔

"کس نے؟"

"چڑیل نے۔ پچھلے سال آیا تھا میں، اورنگزیب صاحب کے کہنے پہ آپ کی پیشی دیکھنے۔ تب جب انہوں نے چڑیل کو گواہی کے لیے بلایا تو اس نے بھی یہی کہا۔"

"کون چڑیل؟"

"اوہو، پراسیکیوٹر زمر۔ گھنگریالے بالوں والی چڑیل۔" فارس کے ابرو تن گئے، ناپسندیدگی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"بکومت۔" مگر اس نے نہیں سنا۔ وہ چھت کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"جب استغاثہ نے اس سے اس کی حالت کا پوچھا تو اس نے کہا میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا، میری نماز بھی نہیں۔ کیونکہ اب میں نماز کے آخر میں دعا نہیں مانگتی۔ میرے حادثے نے میرا دل، میری زندگی، میری نماز، ہر شے کو مردہ کر دیا۔"

فارس چپ رہا۔ چہرہ واپس پھیر لیا۔ نگاہیں چھت پہ جا ٹکیں۔

"میں بھی پانچ وقت کی نماز پڑھنا چاہتا ہوں، اچھی اور لمبی نماز، زندہ نماز، مگر مجھ سے یہ نہیں ہوتا۔ کیا کروں؟"

"پراسیکیوٹر سے پوچھو۔" اس بات پہ احمر ہنسا۔ باہر پچھلی سردرات ہر گزرتے پل سیاہ پڑتی گئی۔

"اچھا سنیں۔ آپ کا کیس کیسا جا رہا ہے؟" احمر نے اس سے رخ کروٹ بدلی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پہ کمر کے بل لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔ سفید کرتا اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

"ڈھائی سال میں تین پیشیاں ہوئی ہیں، کیسا جا رہا ہو گا؟"

"اوہ۔ میری تو چند دن میں چار ہو چکی ہیں۔"

"کیونکہ تم اورنگزیب کاردار کے آدمی ہو۔" اس کے اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

"نہ کریں یار۔ کیوں ان سے اتنے خفا ہیں؟ وہ برے نہیں ہیں، بس اپنا فائدہ اوپر رکھا انہوں نے۔"

"اور وہ بھی تمہارے کہنے پہ۔" تلخی سے نگاہ پھیر کر، دور لیٹے احمر کو دیکھا۔ "ویسے اب تک کیا کیا رپورٹنگ کر چکے ہو میرے بارے میں؟"

"ہاشم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، دوبارہ، نہ کسی اور نے کچھ پوچھا۔ اگر پوچھے گا تو بتا دوں گا۔"

"کیا؟"

"اتنا ہی جتنا آپ کے بارے میں سارے جیل کو معلوم ہے۔ جھگڑے، پھڈے، وغیرہ۔" وہ لاپرواہی سے ہنسا۔

"اور اگر میں کہوں کہ مجھے اس کیس میں بھی تمہارے سابقہ باس نے پھنسایا ہے تو ان کو بتاؤ گے؟"

احمر ایک دم کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھا، حیرت اور اچنبھے سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "کاردار صاحب نے؟ وہ کیوں پھنسائیں گے آپ کو؟"

"وہ نہیں۔ ہاشم۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس نے ہی یہ دونوں قتل کروائے ہیں، بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ چاہتا تو آج میں

احمر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں فارس بھائی۔ جن دنوں آپ گرفتار ہوئے تھے میں دن رات کاردار صاحب کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ واقعی آپ کے لیے پریشان تھے' مگر کچھ میری حکمت عملی اور کچھ ان کی اپنی سوچ تھی کہ انہوں نے آپ کے اوپر سے ہاتھ کھینچ لیا۔''

''الیکشن جیتنے کے بعد تو وہ میری مدد کر سکتے تھے نا۔''

''میرا خیال ہے' ان کی نظر میں آپ قصوروار تھے۔ ہاں مگر ہاشم نے تو آپ کے لیے بہت بھاگ دوڑ کی۔ میں ان دنوں وہیں تھا نا۔ ہاشم نے بار بار آپ کو بے قصور کہا' اور ان دنوں وہ آفس' جیل' کچہری کے چکر لگا لگا کر تھکان کا شکار لگتا تھا مگر اس نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ٹھیک ہے آپ اس کو پسند نہیں کرتے' مگر اس کے بارے میں اتنا غلط مت سوچیں۔'' فارس کافی دیر خاموشی سے چھت کو یکتا رہا۔

''شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ شروع میں اس پہ شک تھا مگر پھر اتنے سال اس بارے میں سوچا۔ ہمارے جائیداد کے جھگڑے اتنے بڑے نہیں تھے کہ وہ مجھے اندر کرواتے' جب کہ میں ان سے کچھ مانگ بھی نہیں رہا تھا۔ دوسرا ان کی میرے بھائی سے' بیوی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ کوئی بھی چیز ان کی طرف اشارہ نہیں کرتی' مگر.....''

وہ لحظے بھر کو ٹھہرا۔ احمر دھیان سے اسے سن رہا تھا۔

''مگر آخری فتویٰ دل سے لیا جاتا ہے' اور میرا دل ہاشم کے لیے کبھی اچھا نہیں سوچ سکتا۔''

''آپ کو ان کے بارے میں نہیں' یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''تو کیا کروں؟ جیل توڑ دوں؟'' وہ کوفت زدہ ہوا۔

''اچھا ایک بات تو بتائیں۔'' مگر فارس کو اب احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔ فوراً کروٹ بدل لی۔

''چپ کر کے سو جاؤ۔ زیادہ اسٹیجی نہ ہو۔''

اس کے انداز پہ احمر نے منہ بنایا (ہونہہ) اور برے دل کے ساتھ واپس لیٹ گیا۔

''یونو... میرے بھی کچھ پرزن رائیٹس ہیں' اور ان میں سب سے پہلی چیز صاف ستھری فضا کا ہونا' ہائی جینز والی ڈائٹ کا ہونا' اور.....'' تھوڑی دیر بعد' اسٹیجی' پھر شروع ہو چکا تھا۔

..........❖❖❖..........

مگر یہ قتل کی سازش کہاں سے آ نکلی ...... وہ لوگ تو تھے میرے خاندان کے ہی

ہاشم کے کمرے میں سینٹرل ہیٹنگ سے کافی گرمائش تھی۔ حنین چپس کھاتے کمپیوٹر پہ کام کر رہی تھی۔ صوفے پہ پیچھے کو ٹیک لگائے سعدی کو نیند آنے لگی۔ مگر حنین کی آواز نے جگا دیا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''آئیں ان کی فوٹوز دیکھتے ہیں۔'' وہ دلچسپی سے کہتی ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فولڈرز کھولے جا رہی تھی۔ سعدی نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ ''بری بات ہے حنہ' کسی کی ذاتی چیزیں نہیں دیکھتے۔''

''اوکے' آپ آنکھیں بند کر لیں۔'' اس نے پرانی تصویریں کھول لیں' ہاشم کی اسٹین فورڈ کے دنوں کی۔ تب بھی وہ ایسا ہی تھا' مگر ڈرائنگ۔ شہرین بھی ان میں تھی۔ کلاس فیلو تھی شاید۔ یا جونیئر۔

''یہ آج کہاں ہے؟''

''اپنی امی کے گھر۔ ہاشم بھائی نے بتایا ہے۔'' سعدی نے لبوں پہ مٹھی رکھ کر جمائی روکی۔ حنین تیز تیز تصویریں آگے کرتی جا رہی تھی۔ پھر وہ اس سے بھی بور ہو گئی اور واپس ڈرامہ لگا لیا۔ دفعتاً ہاشم کمرے میں داخل ہوا تو حنین نے جھٹ اسکرین پہ اصل کام والی ونڈو

مانٹ کرلی۔

"علیشا کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اغوا کار کا اکاؤنٹ ہیک کرنے میں ابھی کچھ اور گھنٹے لگیں گے۔" اس نے اطلاع دی۔ ہاشم نے بس سر ہلایا اور الماری کی طرف آیا۔ سعدی یونہی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ الماری سعدی کی پشت پہ تھی۔ ہاشم نے دروازہ کھولا تو خانے سامنے آئے۔ تیسرے خانے میں ایک ڈیجیٹل لاک والا سیف نصب تھا۔ ہاشم نے چند بٹن دبا کر سیف کا دروازہ کھولا۔ اندر دستاویزات، چیک بکس، نوٹ، بہت کچھ نظر آیا۔ وہ چیزیں الٹ پلٹ کر کے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ سعدی نیند میں ڈوبی آنکھوں سے اسے ہمدردی سے دیکھنے لگا۔

اس نے چیک بک نکالی اور کچھ پیپرز۔ اندر سیف میں ہر چیز بکھر چکی تھی۔ اور سعدی واپس گردن موڑنے ہی لگا تھا کہ نگاہ میں کچھ اٹکا۔ جیسے سیاہ رات میں کوئی انگارہ نظر آئے۔ مگر وہ بلاشبہ ایک دہکتا ہوا انگارہ تھا۔

سیف کی دیوار کے ساتھ ایک لفافے سے کچھ جھلک رہا تھا، ایک تصویر کی سفید پشت جس پہ سرخ اور نیلے ننھے ننھے انگوٹھوں کے نشان تھے۔ جیسے پینٹ میں ڈبو کر لگائے گئے ہوں۔ بس ایک جھلک دکھائی دی اور ہاشم نے سیف بند کر دیا، پاسورڈ ڈال کر لاک کیا اور باہر نکل گیا۔

اور سعدی یوسف کی ساری دنیا وہیں ٹھہر گئی۔ نیند کھل چکی تھی۔ وہ سالوں بعد اب جاگا تھا۔

"حنہ۔" اس کو اپنی آواز کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔ "تمہیں یاد ہے جب میں دادی کی ڈیتھ پہ آیا تھا پاکستان، وارث ماموں کی ڈیتھ سے چھ ماہ پہلے شاید۔ تب میں ان کی بیٹیوں کی ایک تصویر لایا تھا جس کی بیک پہ پینٹ میں ڈبو کر ان دونوں کے انگوٹھوں کے نشان ثبت کیے تھے؟"

"جی۔ وہ آپ نے وارث ماموں کو دے دی تھی۔ اور انہوں نے اسے اپنے لیپ ٹاپ کی الٹی طرف کارڈ ہولڈر میں ڈال دیا تھا تاکہ ان کے پاس رہے ہر وقت۔" حنین مصروف سی کیز دباتی کہے جا رہی تھی۔ اس کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گا۔

"وہ۔۔۔ وہ تصویر اب کہاں ہوگی؟"

"کیا ہو گیا ہے بھائی؟" وہ کھٹ کھٹ ٹائپ کرتی بولی۔ "ماموں کے قاتل ان کا لیپ ٹاپ لے گئے تھے، اب تک تو انہوں نے وہ سب تباہ بھی کر دیا ہوگا، سنبھال کر تھوڑی رکھی ہوگی۔"

سعدی کی سرخ سرخ نگاہیں بند الماری پہ مرکوز ہو گئیں۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

"ہاشم! اور میرے لیے کوشش کرے؟ ناممکن!" کہیں ماضی سے فارس کی جھنجھلائی ہوئی آواز گونجی۔

"مجھے ہاشم پہ شک ہے۔ اسی کا ہاتھ ہوگا اس میں۔"

"ہاشم چاہتا تو میں باہر ہوتا۔ میں باہر اس لیے نہیں ہوں کیونکہ اس نے چاہا ہی نہیں۔"

"ماموں کہہ رہے تھے انہیں ہاشم بھائی پہ شک ہے۔ ماموں کو ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔"

"میں فارس کی وجہ سے اپنی بیوی اور بچی کو وقت نہیں دے پا رہا۔"

"ہاشم کو میرے افیئر کے بارے میں پتہ چل گیا، دیکھو کیا کیا اس نے میرے ساتھ۔"

اس کو لگا اس کے ہاتھ کپکپا رہے ہیں۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ وہ بالکل سن سا بیٹھا تھا۔ پلکیں بھی نہیں جھپک پا رہا تھا۔

"وہ تصویر... تمہیں واقعی یاد ہے حنہ کہ ماموں کے لیپ ٹاپ کے کارڈ ہولڈر میں ہی تھی؟"

"جی۔ مگر آپ کو کیوں خیال آیا اچانک؟" وہ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ سنبھل کر پھیکا سا مسکرایا۔

"یونہی۔تمہارا کام کہاں تک پہنچا؟"

"ہو رہا ہے۔ویسے آپ کو یہ بات عجیب نہیں لگی کہ نوشیرواں بھائی کا اغوا انہی دنوں میں کیا گیا جب خاور یہاں نہیں تھا۔اورنگزیب انکل نے بتایا تھا مجھے کہ خاور ان کے آفس اور گھر کا کمپیوٹر مینٹیننس ہے! ویسے یہ کاردارز کا کاروبار کیا ہے؟"

"یہ ایک کارٹیل کو ہینڈل کرتے ہیں۔"

"کارٹیل کیا ہوتا ہے؟"

"فضول سوال مت پوچھو تمہیں پتہ ہونا چاہیے کیا ہوتا ہے۔" وہ ایک دم چڑ کر بولا۔دماغ اتنا الجھا ہوا تھا کہ حنین کی باتیں بے زار کر رہی تھیں۔اس نے جواب میں زور سے ہونہہ کہہ کر رخ پھیرا۔

"میری تو۔جواب آپ سے کچھ پوچھوں یا بتاؤں۔ہونہہ!"

ہاشم کے قدموں کی آواز آئی تو وہ ذرا سنبھل کر بیٹھا۔ہاشم اندر آیا۔وہی پریشان، ٹینس چہرہ لیے۔سعدی کے پیچھے آ کر الماری کھولی۔سعدی نے اب کے گردن نہیں موڑی۔سامنے ڈریسنگ مرر لگا تھا۔وہ آئینے میں ہاشم کو دیکھتا رہا۔اس نے سیف کا کوڈ دبایا۔چار ہندسے۔سعدی نے دماغ میں فیڈ کیے۔سیف کھلا تو اس نے کاغذات واپس رکھے اور اسے بند کیا۔پھر سے کوڈ دبایا۔سعدی نے اب کے پکا یاد کر لیا۔وہ اس کی تاریخ پیدائش تھی۔

وہ چلا گیا اور سعدی کتنی ہی دیر حنین کے ساتھ خاموش بیٹھا رہا۔اس کا کام جاری تھا۔وہ بھائی کے چہرے کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔وہ بس چپ چاپ بیٹھا رہا۔کتنی ہی پرانی باتیں یاد آئیں۔امی کہتی تھیں، ہاشم کا وکیل کیوں ان کو ہر دفعہ ٹال دیتا ہے، کیوں وہ کچھ ٹھوس نہیں کر رہا، اور وہ ہر بات عدالتی نظام پر رکھ دیتا۔تب آنکھوں پہ اعتماد کی پٹی بندھی تھی۔اب اس میں سوراخ ہو رہے تھے۔

کیا پتہ ہاشم نے وہ لیپ ٹاپ وارث کے قاتلوں سے حاصل کر لیا ہو اور وہ تصویر رکھ لی ہو مگر اس نے ہمیں کیوں نہیں بتایا۔کیا پتہ اس میں کچھ ایسا ہو جو فارس کے لیے نقصان دہ ہو۔۔مگر اس نے ہمیں کیوں نہیں بتایا۔۔؟ ہر توجیح کے آخر میں وہ الجھ جاتا۔ہاشم نے کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہو شاید، کچھ تو سوچا ہوگا۔کیا پتہ یہ کوئی اور تصویر ہو، اس کی اپنی بیٹی کی۔مگر نہیں، اس کی یادداشت بہت اچھی تھی۔یہ وہی فوٹو تھی۔

"میں ابھی آئی۔" حنین ایک دم اٹھی اور باہر چلی گئی۔اس نے کچھ نہیں پوچھا۔بس یونہی چپ سا بیٹھا رہا۔پھر ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔۔

وہ کمرے میں اکیلا تھا۔گردن ادھر ادھر موڑی۔پھر آہستہ سے اٹھا اور الماری کی طرف آیا۔

اس کی تربیت، اس کا ایمان، سب کہہ رہے تھے کہ کسی کا لاکر کھولنا گناہ ہے مگر اس کا دل کہہ رہا تھا کہ آخری فتویٰ مجھ سے لو۔میں کہتا ہوں ایسا کر ڈالو تو کر ڈالو۔اور دل سے بحث کا وقت ہی نہیں تھا۔اس نے جلدی جلدی کوڈ ڈالا۔لاکر کھولا۔تصویر والا لفافہ سامنے تھا۔سعدی نے کپکپاتے ہاتھوں سے فوٹو نکالی اور الٹائی۔

اٹل اور نور۔اس کے دل کو دھکا لگا۔یہ وہی فوٹو تھی۔ہاشم کو بچے پسند تھے۔وہ بچوں کی تصویر تباہ نہیں کر سکا تھا۔

وہ جواب تک بے یقینی کے عالم میں تھا، ایک دم سے اس کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی۔لب بھینچ گئے۔مڑ کر دروازے کو دیکھا جس کے پار، نیچے لاؤنج میں ہاشم بیٹھا تھا۔ایک لمحے کو اس کا دل چاہا، ابھی جا کر اس کو گریبان سے پکڑے اور اس سے پوچھے کہ اس نے کیوں کیا ان کے ساتھ ایسا؟ اس کا اس سب میں ہاتھ تھا۔فارس ٹھیک کہتا تھا کیونکہ فارس اس کو جانتا تھا۔اور سعدی اس کو بالکل نہیں جانتا تھا۔

مگر وہ فارس نہیں تھا۔اس کو غصے سے بے قابو ہو کر ہاشم کا گریبان نہیں پکڑنا تھا۔ان کو کچھ اور کرنا تھا۔

اس نے وہ لفافہ نکالا۔اس میں مزید بھی کچھ تصویریں تھیں۔وہ ان کو دیکھتا گیا اور دل ہر ایک پہ ڈوبتا گیا۔

وہ اس ریسٹورانٹ میں فائرنگ کے فوراً بعد کی تھیں۔ خون میں لت پت زمر' ابھی لوگ بھی اکٹھے ہونا شروع نہیں ہوئے
اور..... وہ اوپر سے لی گئی تھیں۔ اوپر ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی سے۔

سعدی کی آنکھوں سے نیند اب تک بالکل غائب ہو چکی تھی۔ وہ ساکت' سانس روکے ایک کے بعد ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ اس نے مانا تھا۔ پیشہ ور قاتل اپنے شکار، اپنی مہارت کی تصاویر اپنے پاس سنبھال کر رکھتے ہیں، اور فخر سے اپنا بے عیب کام دیکھا کرتے ہیں، مگر اسے ن اُن آیا تھا۔

لفافے کی آخری چیز ایک فلیش ڈرائیو تھی۔ سعدی نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پہ کوئی ٹیگ نہیں لگا تھا۔۔۔

باہر نکل کر حنین نے ریلنگ کے اوپر سے جھانکا۔ ہاشم نیچے صوفے پہ بیٹھا' انگلیوں سے پیشانی مسل رہا تھا۔ سر اٹھایا تو حنہ نے اشارہ یا۔ جواہرات مسلسل کچھ بول رہی تھی' اور زنگزیب فون پہ بات کر رہے تھے۔ ہاشم اس کے اشارہ کرنے پہ اٹھ کر اوپر آیا۔ جس وقت سعدی لاکر دوبارہا تھا، وہ دونوں بند دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

"نوشیرواں بھائی کا کمرہ کون سا ہے؟ مجھے چیک کرنا ہے کہ ان کا کمپیوٹر ہیک تو نہیں کیا گیا؟"

"لیپ ٹاپ تو وہ ساتھ لے کر گیا تھا' مگر وہ زیادہ ڈیسک ٹاپ استعمال کرتا ہے۔" ہاشم ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا' تو وہ پیچھے لی. اس نے بتی جلائی' اور کمپیوٹر ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ (عین اس وقت سعدی' دیوار کے پار' لاکر میں سے تصویریں نکال کر دیکھ رہا تھا)

"دیکھ لو جو دیکھنا ہے۔" تکان سے اشارہ کیا۔ وہ فوراً آگے جا کر کرسی پہ بیٹھی' اسے آن کیا۔

"آخری دفعہ آپ کی کب بات ہوئی تھی ان سے؟ اغوا سے پہلے؟"

"اغوا سے شاید چھ سات گھنٹے پہلے بات ہوئی تھی۔ وہ Seoul میں تھا اور شاپنگ کر رہا تھا۔ خوش تھا۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"ہوں۔ اچھا اس کمپیوٹر کا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" ہاشم نے شانے اچکائے۔ تھکا تھکا سا وہ صوفے پہ گر سا گیا۔ دروازہ پورا کھلا تھا۔ نیچے سے جواہرات کے بولنے کی آواز ہوز آ رہی تھی۔

"اوکے جو بھی ہے۔ از ادیتی ہوں۔" ایڈمنسٹریٹر پہ پاس ورڈ نہیں تھا' سو اس نے آسانی سے کمپیوٹر کھول لیا۔ اب وہ خاموشی سے کیز والی کام کرنے لگی۔

"کیا آپ لوگ پیسے دے رہے ہیں؟ میرا مطلب ہے ابھی آپ اپنے لاکر سے کچھ نکال رہے تھے۔"

"ڈیڈو دے رہے ہیں۔ پیسے شیرو سے بڑھ کر نہیں ہیں۔" وہ بند آنکھوں کو مسل رہا تھا۔

"آپ کسی اور سے رابطہ کرنے کی کوشش تو کریں۔ کیا معلوم وہ آپ کے کمپیوٹرز اور فون ٹیپ نہ کر رہے ہوں۔ یہ صرف ایک خالی خولی دھمکی ہو۔ آپ کے تو اتنے کانٹیکٹس ہوں گے۔"

"اونہوں۔ میں اپنے بھائی کی زندگی پہ رسک نہیں لوں گا۔ ایک دفعہ وہ واپس آ جائے، پھر میں ان لوگوں کو دیکھ لوں گا۔"

"آپ لکی ہیں۔ آپ کو اپنے بھائی کو بچانے کا موقع مل گیا۔ کاش ہمیں بھی ملتا' ماموں کو بچانے کا' تو ہم بھی ہر رقم دے دیتے۔" وہ تاپ کر کہہ رہی تھی۔ دوسری جانب خاموشی رہی تو حنین نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ صوفے پہ بیٹھا' اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں اتنی بے بسی اور کرب تھا کہ حنہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"سوری' میرا مطلب آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا۔" مگر ہاشم نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آئی ایم سوری بچے۔ میری ہر اس چیز کے لئے جس نے تمہیں دکھ دیا ہو۔" وہ ایک دم بہت ڈسٹرب نظر آنے لگا تھا۔ "ملیشا کا

معاملہ میں نے غلط طریقے سے ہینڈل کیا' پھر ابھی بھی میں تم پہ غصہ کر گیا۔ مجھے تمہارے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری بیٹا۔" آنکھیں بند کیں' انگلیوں سے پیشانی مسلتا رہا۔ حنین ہاتھ روک کر اسے دیکھے گئی۔

"میں نے جو بھی کہا' پریشانی میں کہا۔ میں اپ سیٹ ہوں۔ میرا بھائی مجھے بہت عزیز ہے۔ میں بہت اپ سیٹ ہوں۔" اب وہ پھر سے بند آنکھوں کو مسل رہا تھا۔ حنین دم سادھے اسے تک رہی تھی۔ پھر ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ بہت امید' بے بسی اور آس سے اسے دیکھا۔ "اگر خاور ہوتا تو میں کبھی ایک چھوٹی بچی سے درخواست نہ کر رہا ہوتا' مگر میں اس وقت بالکل مفلوج ہوں۔ حنین....." مدھم تھکی آواز میں وہ کہتا گیا اور وہ سانس روکے سنے گئی۔ "تم کچھ بھی کرو' بس میرے بھائی کو اذیت دینے والوں کا پتہ کرو' مجھے۔ کرو گی نا؟"

اس نے ہاشم کو پہلی دفعہ اتنا کمزور دیکھا تھا۔ اس نے شاید ہاشم کو دیکھا بھی پہلی بار تھا۔ اس طرح۔ اس نظر سے۔ اور یہ وہ لمحہ تھا جب ہاشم کے لیے حنین ذوالفقار یوسف خان کا دل پلٹ گیا تھا۔

اور یہ وہ لمحہ تھا جب متصل کمرے میں کھڑے' لاکر میں سے تصویریں نکال کر دیکھتے سعدی ذوالفقار یوسف خان کا ذہن ہاشم کے لیے پلٹ گیا تھا۔

ان دونوں کے احساسات سے بے خبر ہاشم اپنی کمزوری' اپنے بھائی کو کسی دوسرے کے ہاتھ پاکر' خود کو بہت بے بس محسوس کرتے ہوئے شیرو کے کمرے کے کاؤچ پہ نڈھال بیٹھا تھا۔

حنین نے آہستگی سے رخ پھیر لیا۔ اس کے اپنے ہاتھ ذرا سے کپکپائے تھے۔ پھر اس نے کچھ پیپرز پرنٹ کیے' کمپیوٹر آف کیا' اور صوفے کی طرف گھومی۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ وہ علیشا نہیں ہے' علیشا ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ وہ ایک کمزور لڑکی ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ مجھ سے ایکسکیوز کریں' آپ بڑے ہیں' آپ نے وہی کیا جو آپ کو ٹھیک لگا۔ مگر ایک دفعہ آپ کو علیشا کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اس کو پیسے دینے سے آپ کی دولت کم نہ ہو جاتی' جیسے اغواکاروں کو دینے سے کم نہیں ہوگی۔" مدھم سا کہہ کر وہ باہر نکل آئی۔ ہاشم نے معلوم نہیں سنا بھی تھا یا نہیں۔

وہ واپس کمرے میں داخل ہوئی تو سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ ہاشم کا لاکر کھولے کھڑا تھا۔ حنین کو پہلے تو جھٹکا لگا' پھر گڑبڑا کر جلدی سے دروازہ بند کرتی قریب آئی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ فلیش چاہیے تھی مجھے۔" جلدی سے وہ لفافہ' جس میں وہ تصاویر ڈال چکا تھا' واپس رکھا' لاکر بند کیا اور اس کی طرف گھوما۔

"مجھے اس کو کاپی کرنا ہے۔ مت پوچھو یہ کیا ہے' بس میرے آفس کی چیز ہے۔ مجھے پتہ ہے یہ غلط ہے مگر تمہارے پاس کوئی ڈیوائس ہے جس پہ میں یہ کاپی کر سکوں؟"

حنین نے سر جھٹکا' اس ایک پرفسوں لمحے کا اثر زائل کیا' اور گہری سانس لے کر' مشکوک نظروں سے بھائی کو دیکھتی آگے آئی۔ ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل کی دراز کھولی' ادھر ادھر ہاتھ مارا اور واپس مڑی تو ہاتھ میں یو ایس بی تھی۔

"کیا یاد کریں گے' کس سخی سے پالا پڑا تھا۔ کاپی کر لیں' کچھ دن بعد آ کر چپ چاپ رکھ دینا۔"

عام حالات میں اس چوری پہ ڈانٹ دینے والے سعدی نے چپ چاپ اسے لیپ ٹاپ میں لگا لیا۔

"اس میں ان کے کارٹیل کے کچھ ڈاکومنٹس ہیں۔ میرے پروجیکٹ کے لیے فائدہ مند ہیں۔"

"کارٹیل کیا ہوتا ہے؟" وہ جو چپس اٹھا کر کھانے لگی تھی' رکی۔ پھر سر جھٹکا۔ "خیر نہیں بتانا بالکل بھی' اب آپ مجھے کچھ نہ بتایا

"ابا، میں بھی نہیں بتاؤں گی کچھ۔"

"سر نہ کھاؤ میرا۔ باہر جا کر مسز کاردار کے پاس بیٹھو۔" وہ اس فلیش کو کاپی کر رہا تھا، جیسے ہی کام ختم ہوا، اس نے اصلی فلیش نکالی، اور فوراً اسے واپس لاکر میں رکھ دیا۔ جب پلٹا تو وہ ہنوز بیٹھی تھی۔ چپس اٹھا اٹھا کر منہ میں رکھتی ہوئی۔

"تم جاؤ بھی! اچھا نہیں لگتا' جب سے آئے ہیں ان کو ایک لفظ تسلی کا نہیں بولا۔"

"او کے!" وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی اٹھی اور باہر آ گئی۔

ہاشم اب سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ حنین نے دروازہ بند کر دیا' اور اس کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ جواہرات اور اورنگزیب مخالف صوفوں پہ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ پوری رات کی ذہنی اذیت نے تھکا دیا تھا۔

"ڈونٹ وری انکل' ایک دفعہ نوشیرواں بھائی بخیریت گھر پہنچ جائیں' تو میں رقم کو ٹریس کر لوں گی۔"

جواہرات نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔ "اور کیا اس میں اسی لڑکی کا ہاتھ ہے؟"

"نہیں' اس کے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ پھر قریب سے گزرتی میری اینجیو کو روکا۔ "سنو! تمہارے فش ابھی تیار نہیں ہوئے ابھی تک؟"

"بس میں لا ہی رہی تھی۔"

"ویسے آج کل میں ایک کورین ڈرامہ دیکھ رہی تھی 49 Days۔ اس کا ایک فلپائنی ورژن بھی عنقریب بننے لگا ہے' کیا تمہارے ملک میں بھی کے کلچر مشہور ہے؟"

"بہت زیادہ۔" میری نے اس کو دیکھا' پھر سلگتی نظروں سے خود کو گھورتی جواہرات کو' اور جلدی سے وہاں سے کھسک لی۔

اندر بیٹھا سعدی اب ہاشم کے لیپ ٹاپ کو کھنگال رہا تھا۔ کچھ تو ملے گا۔ سرسری سا ایک ایک فائل کھولتا، وہ مایوس ہونے لگا تھا، اب۔۔۔ بالآخر چند ڈاکومنٹس ملے جن کے نام نہیں تھے، صرف نمبرز تھے اور وہ لاکڈ تھے۔ انہی میں کچھ تھا۔ اس نے ان کو کاپی کرنے کی کوشش کی مگر یہ ناممکن تھا۔ اب کیا کرے؟ اور تبھی اغواکاروں کا اگلا پیغام آیا۔

پیغام پڑھ کر سعدی تیزی سے باہر ریلنگ پہ آیا۔ نیچے سب بیٹھے تھے۔ حنین بھی ٹانگ پہ ٹانگ رکھے، پاؤں ہلاتی، موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔

"ان لوگوں کا نیا پیغام آیا ہے۔ پیسے مل گئے ہیں' نوشیرواں چار سے پانچ گھنٹے تک پہنچ جائے گا مگر اس کے پہنچنے تک وہ نہیں چاہتے کہ ہم کسی کو خبر کریں۔" وہ لیپ ٹاپ لیے نیچے اترتے ہوئے بتا رہا تھا۔ فلیش جیب میں تھی' اور چہرے پہ گہری سنجیدگی تھی۔ ذہن ابھی تک الجھا تھا۔

سب خاموش رہے۔ سعدی حنہ کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ وہ لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے' پھر سے کام کرنے لگی۔ چونکہ اسکرین حنین کی اپنی طرف تھی تو کانوں میں ایئرفونز لگا دیے اور ڈرامے کی قسط چلا دی۔

"نوشیرو کے آنے تک وہ لوگ بہت دور جا چکے ہوں گے۔" اورنگزیب بے بسی بھرے غصے سے بڑبڑائے۔ جواب میں جواہرات اور ہاشم ایک ساتھ بولنے لگے۔ سعدی نے ہاشم کو دیکھا تو دل نرم پڑنے لگا۔ وہ اتنا پریشان اتنا ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا اور وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا؟ کیسے اس کے لاکر سے کچھ چرا کر لے آیا؟ کیسے کر دیا اس نے یہ سب؟ تبھی اسکرین پہ نظر پڑی۔

"ابھی تو تم کوئی اور ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔" سعدی نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ حنین ایک لمحے کو گڑبڑائی۔

"وہ.... یہ بھی میرا فیورٹ ہے' یونہی دوبارہ دیکھ رہی ہوں۔" وہ خاموش رہا۔ الجھی ہوئی نگاہیں اسکرین پہ رہیں جہاں حنین مناظر

آگے آگے کر کے دیکھ رہی تھی۔

"آ.... ہاشم بھائی...." کوئی گھنٹے بعد سعدی نے اسے پکارا وہ جو درمیان میں اٹھ کر باہر چلا گیا تھا شیرد کے آنے کی تیاری وغیرہ ایئرپورٹ فلائٹس ٹائمنگ چیک کرنے اب آ کر بیٹھا تھا ذرا چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں بولو۔"

"فارس ماموں کا وکیل کہہ رہا تھا کہ ہمیں اگر وارث ماموں کی فائلز مل جائیں تو کسی نہ کسی طرح ہم ان کے اصل قاتلوں تک پہنچ سکتے ہیں؟"

ہاشم ابھی تک شدید پریشانی کا شکار تھا اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"مشکل ہے اب کہاں ملیں گی اس کی فائلز۔ اتنا عرصہ گزر گیا تم کوشش کرلو مگر مشکل لگتا ہے۔ مجھ رہے ہو نا؟"

"جی بالکل سمجھ رہا ہوں اب۔" ذرا سا اثبات میں سر ہلایا ہاتھ سے نامحسوس انداز میں جینز کی جیب کو چھوا جہاں فلیش موجود تھی۔ ہاشم اب موبائل دیکھنے لگا۔ اور سعدی گاہے بگاہے ایک سنجیدہ نظر اس کے چہرے پہ ڈال لیتا۔ بار بار وہ دل میں ہاشم کی طرف صفائی پیش کرتا تھا وہ ساری صفائیاں دم توڑنے لگیں۔ رات کی تاریکی میں اس کے اعتماد کا خون بھی آہستہ آہستہ رسنے لگا اور رس رس کر بالآخر اس نے اعتماد کے لاشے کو ادھ موا کر دیا

.............❖❖❖❖.............

اس کے اپنے گھر کا صفایا دن کو کیسے ہو پایا ...... وہ جو شب بھر شہر کی خود نگرانی کرتا رہتا ہے

صبح سورج نکلنے اور ہر سو روشنی پھیلنے تک وہ لوگ وہیں لاؤنج میں بیٹھے رہے۔ ناشتے کی ٹرالیز اب میری اور رفیعہ لا لے کر جا رہی تھیں جب بیرونی دروازے پہ ہل چل مچی۔ ہاشم شیرد کو ایئرپورٹ سے لے کر آ گیا تھا۔ جواہرات اور اورنگزیب تیزی سے اس کی طرف لپکے۔ سعدی ہنوز خاموش سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا اور حنین وہ جوس کے گھونٹ بھرتی تیکھی نظروں سے دونوں ماں باپ کو اپنے بیٹے کو گلے لگاتے دیکھتی رہی۔ وہ واقعی تھکان کا مارا لگ رہا تھا ماتھے کے زخم پہ بینڈ ایج لگا تھا۔ آنکھیں روئی روئی تھیں۔ زبردستی مسکراتا ماں سے گلے لگ کر الگ ہوا تو ان دونوں بہن بھائی کو بیٹھے دیکھ کر چونکا پھر فوراً ہاشم کی طرف دیکھا۔

"حنین کمپیوٹرز میں اچھی ہے ہم ان لوگوں کو ٹریس کرنے کے لئے اس کی خدمات لے رہے تھے۔" اس نے وضاحت دی۔

"تو کیا آپ نے پیسے واپس حاصل کر لئے۔" وہ حیرت سے پوچھتا صوفے پر بیٹھا۔ اورنگزیب ایک طرف اور جواہرات دوسری طرف بار بار نم آنکھوں کو پونچھتی۔ اورنگزیب گو کہ اپنے تاثرات کو سخت رکھ کر ہی بیٹھے تھے مگر اندر سے وہ نرم پڑ چکے تھے۔

"نہیں!" ہاشم مسکراتے ہوئے (بالآخر) اور واپس آتے اعتماد کے ساتھ سامنے والے صوفے پہ بیٹھا۔ "ہم تمہارے آنے سے پہلے ان کا تعاقب کر کے تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ مگر حنین کہہ رہی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ٹریس کر سکتی ہے۔"

"تو کیا ان دونوں کو کال کرنے پہ انہوں نے مجھے یہ زخم دیا؟" بگڑ کر کہتے اس نے پیشانی کے زخم کی جانب اشارہ کیا۔ اسے سعدی کا یہاں ہونا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ جواہرات نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبایا۔

"ہاشم نے تو بس یونہی ان کو بلا لیا...." ساتھ ہی جتاتی نظر حنین پہ ڈالی اور پھر شیرد کے ماتھے کے بال ہٹا کر بینڈ ایج ٹھیک کرنے لگی۔ وہ ایک دم بہت خفا نظر آنے لگا تھا۔

"آپ لوگوں نے مجھے بچانے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟ جانتے ہیں میرا کیا حال تھا ادھر؟ کتنا خوف میں نے محسوس کیا؟ کیا پیسے مجھ سے زیادہ اہم تھے؟"

"ایسا نہیں ہے شیرو۔" اورنگزیب نے بھی ہولے سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ مگر اس نے کندھا جھٹک دیا۔ حنین نے جوس کا گلاس رکھا، اور کھنکھاری۔

"آپ نے ان کی شکلیں تو دیکھی ہوں گی نوشیرواں بھائی؟"

"ہاں!"

"چلیں یہ اچھا ہوا کیونکہ، نیسے ان لوگوں کو ٹریس کرنا مشکل ہے۔ اصل میں، میری کوریا کے ایک پولیس چیف سے بات ہوئی ہے۔ (سعدی نے چونک کر حنہ کو دیکھا جو پورے اعتماد سے نوشیرواں کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔) ان کو دو لوگوں پہ شک ہے۔ یہ دونوں نامور مجرم ہیں اور دونوں کل رات امریکہ منتقل ہو گئے ہیں۔ افسوس کہ اب نہ ہم ان سے رقم واپس لے سکتے ہیں نہ ہی ان کو پکڑ سکتے ہیں۔ آپ بس ان دونوں کی تصویریں دیکھ کر کنفرم کر دیں کہ آپ کو پکڑنے والے گروہ کا سرغنہ کون تھا۔ حیران مت ہوں ہاشم بھائی، مجھ سے زیادہ کورین لوگوں کو کون جانتا ہے؟" اس نے دو پرنٹ آؤٹ سامنے کیے۔ دو کورین مردوں کے کلوز اپ سب کے سامنے ہوئے۔

ہاشم بے چینی سے آگے ہوا۔ "مجھے بتائے بغیر تم کیسے کسی سے بات کر سکتی ہو؟ اگر وہ شیرو کو نقصان پہنچاتے تو؟"

سعدی نے ایک چبھتی ہوئی نظر ہاشم پہ ڈالی۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ کیا صرف شیرو کی جان اہم تھی؟ اور اس کی اور زمر کے لیے کوئی اہم نہیں تھا؟

"بتاتی ہوں، پہلے شیرو بھائی کنفرم تو کر دیں کہ ان میں سے کون تھا وہ۔" نوشیرواں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے پھر دائیں والے پہ ٹھہرا، آنکھیں سکیڑیں۔

"یہی تھا۔ بالکل یہی تھا۔"

"شیورا!" حنین نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"سو فیصد۔ مگر اب یہ کہاں ہوگا؟"

حنین نے گہری سانس لی، جیسے کندھوں سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ اور پھر مسکرائی۔ شرارت سے، معصومیت سے۔

"یہ آج کل امریکہ میں ہے فلم کی شوٹنگ کے لئے۔ اوہ سوری، شیرو بھائی، مگر یہ Lee Min Ho ہے۔ کوریا کا دوسرا بڑا ایکٹر۔ یہ پہلی تصویر اس کی پلاسٹک سرجری سے پہلے کی ہے، دوسری سرجری کے بعد کی۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ کسی کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ نوشیرواں کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

"نوشیرواں بھائی، آپ خود بتائیں گے یا میں بتاؤں کہ اپنے آپ کو آپ نے خود ہی اغوا کیا تھا۔ اور وہ تاوان کی رقم، وہ بھی آپ کے ہی اکاؤنٹ میں ہے۔" جواہرات کا شیرو کا کندھا مسلتا ہاتھ رک گیا۔ اورنگزیب بے اختیار آگے کو ہوئے، اور ہاشم بالکل ساکت بیٹھا رہ گیا۔

"کیا... بک... واس ہے؟" شیرو ہکلایا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"سارے ذہین لوگوں کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ انہیں لگتا ہے کوئی ان کو بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ اسی لئے میں نے اپنے شک کی تصدیق کا انتظار کیا۔ جو کہ اب ہو گیا۔" تصویریں لہرائیں۔

"یہ مت کہیے گا کہ سارے کورین ایک سے لگتے ہیں تو آپ نے غلط بندے کی تصویر کی تصدیق کر دی۔ کورین بھی اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں جتنے کہ ہم۔"

"تم... کیا کہہ رہی ہو تمہیں خود بھی علم ہے؟" جواہرات دانت پیستی غرائی۔ سعدی بالکل چپ بیٹھا تھا۔

"مجھے ہی تو علم ہے مسز کاردار۔ شیرو بھائی کبھی بھی اچھے کرمنل نہیں بن سکتے کیونکہ انہوں نے چند غلطیاں کر دیں۔ جو پہلی ویڈیو

بھیجی تاوان کی رقم کے لئے' اور دوسری جس میں ماتھے پہ زخم تھا' دونوں میں ان کا رونا مجھے سوری مگر اداکاری لگتا تھا' اور یونو میں اتنے ملکوں اور کلچرز کے ڈرامے دیکھ چکی ہوں کہ اداکاری کو مجھ سے بہتر جج نہیں کر سکتے آپ لوگ۔ سو میں نے ویڈیوز کی تاریخ چیک کی۔ وہ دونوں تین دن پرانی تھیں' زخم والی بھی۔ شیرو بھائی کا اندازہ تھا کہ ہاشم بھائی اپنے جاننے والوں کو فون ضرور کریں گے اس لئے انہوں نے وہ ویڈیوز تیار کر لیں۔ اغوا سے چند گھنٹے پہلے اگر ان کی ہاشم بھائی سے بات ہوئی تھی تو یہ ویڈیوز تو اس سے بھی پہلے کی تھیں۔ سو ظاہر ہوا کہ جعلی تھیں۔ مگر آپ کو یہ ویڈیوز کوریا میں تیار کرنی چاہیے تھیں' کیونکہ...'' ایک اور پرنٹ شدہ صفحہ لہرایا جس میں شیرو کی ویڈیو کا اسٹل امیج تھا۔'' یہ جو آپ کے پیچھے دیوار پہ سوئچ نظر آ رہا ہے' یہ عام پاکستانی سوئچ جیسا ہے' جبکہ کوریا میں سوئچ کھو کھلے ہوتے ہیں' انڈے کے آدھے چھلکے کی طرح'

پلگ ان کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ یہ کورین سوئچ نہیں ہے۔ اور...'' ویڈیو کا ایک اور اسٹل امیج مسکراتے ہوئے سامنے لائی۔'' چھت پہ کوئی فائر الارم نہیں ہے' جبکہ کورین گھروں میں چھت پہ فائر الارم ضرور ہوتا ہے۔ آپ نے لکڑی کا فرش' سلائیڈنگ ڈورز ہر چیز پرفیکٹ رکھی' مگر... ایک سو گیارہ کورین ڈرامے اور فلمیں دیکھنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ سو میں نے آپ کے کمپیوٹر کی ہسٹری چیک کی۔'' ایک اور کاغذ ان کے سامنے میز پہ رکھا۔ اب وہ کھڑے کھڑے' باقی کاغذ ہاتھ میں پکڑے بول رہی تھی اور سب اس کو سن رہے تھے۔ ہکا بکا۔

'' پچھلے ہفتے میں یہ وہ تمام ویب سائٹس ہیں جو آپ نے کھولیں' اپنا Fake اغوا کرنے کے طریقے'' وغیرہ وغیرہ۔ اور آپ نے وہ فیک کڈ نیپ والے بہت سے امریکی ڈرامے اور فلمیں بھی دیکھیں' کیونکہ آج کل یہ امیر ماں باپ کے بگڑے بچے کا خود کو اغوا کر لینا ہر دوسرے امریکی ڈرامے میں ہو رہا ہوتا ہے' یہ رہی ان تمام ڈراموں اور فلموں کی لسٹ جو آپ نے ڈاؤن لوڈ کر رکھے تھے۔ اوہ ہاں' اور وہ اپنا کان کاٹ کر بھیجنے والا آئیڈیا... وہ'' اسکینڈل'' سے تھا نا' اس میں ڈوئیل کی بیٹی نے تو واقعی اپنا کان بھیج دیا تھا' مگر مجھے معلوم تھا' اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ مگر آپ نے صرف وہ قسط' دیکھی' تھی' مجھے تو وہ'' ایک مانسٹر بھی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے'' والا ڈائیلاگ بھی یاد تھا۔''

نوشیرواں دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا جیسے کچھ ڈس گیا ہو اسے۔ اورنگزیب کے لب بھنچ چکے تھے' کنپٹی کی نسیں ابھر آئیں' سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ہاشم ابھی تک سن تھا۔

'' ایسا کچھ نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا بند کرو۔ میرے ہی گھر میں تم میرے بیٹے کے بارے میں کیا بولے جا رہی ہو'' جواہرات غصے سے کانپتی آواز میں بولنے لگی۔'' اگر ایسا کچھ تھا تو تم اسی وقت بتاتی۔''

'' اگر میں یہ سب آپ لوگوں کو تب بتا دیتی تو آپ فوراً شیرو بھائی کو فون کر کے کنفرنٹ کرنا شروع کر دیتے اور یہ واپس ہی نہ آتے! اور ممکن تھا کہ میں ہی غلط ہوتی' تو مجھے تصدیق تو کرنی تھی نا۔ کیوں بھائی؟'' محظوظ ہونے والے انداز میں آنکھیں گھما کر سعدی کو دیکھا۔ وہ ہر شے سے بے نیاز چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اسے کچھ بھی مزید حیران نہیں کر سکتا تھا۔

باقی سب بھی خاموش تھے۔ ہاشم بالکل شل' اورنگزیب ضبط کیے' اور جواہرات بے چین' کبھی ادھر دیکھتی کبھی ادھر۔ نوشیرواں کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ مگر وہ شاک سے نکل آیا تھا۔ بدقت کھڑے ہوتے اس نے چلانے کی سعی کی۔

'' میں... میں تمہارا منہ نوچ لوں گا' تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ مجھ پہ اتنے گھٹیا الزام لگانے کی...''

'' تمیز سے بات کرو' میری بہن ہے۔'' سعدی ایک دم تیزی سے اٹھا۔ سلگتی نظروں سے شیرو کو دیکھا' اور پھر حنہ کو۔'' چلو۔''

'' ابھی سے کیوں؟ ابھی تو شیرو بھائی کی کلاس شروع ہوئی تھی۔'' حنین نے منہ بنایا مگر سعدی دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا' سو اس نے شانے اچکائے' نوشیرواں کو مسکرا کر دیکھتے بال جھٹکے' اور سعدی کے پیچھے ہو لی۔

'' آپ لوگ چپ کیوں بیٹھے ہیں؟ اس پاگل کو کسی نے ٹوکا کیوں نہیں؟ میں اتنی تکلیف سے گزر کر آ رہا ہوں اور...'' نکلتے ہوئے

[illegible] خاموش تھے

برآمدے میں آکر سعدی نیچے چلا گیا تاکہ کار ادھر لے آئے۔ حنین ستون کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ باہر صبح تازہ دم سی اتر رہی تھی۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور دھند بھی پھیلی تھی۔ حنین نے کوٹ کی ہڈ سر پہ گرا دی۔ تبھی عقب میں دروازہ کھلا۔ وہ چونک کر مڑی۔ ایک لمحے کو دل دھڑکا، کہ کہیں ... انکل نہ پوچھنے آ گیا ہو۔ مگر ...

ہاشم آہستہ سے دروازہ بند کرتا باہر آیا۔ اس نے سویٹر تک نہیں پہنا تھا' باہر آنے کے باوجود اس کو سردی نہیں لگ رہی تھی۔ چہرہ سفید اور ... زدہ تھا۔

''تھینک یو بیٹا۔ تم دونوں کا کہ تم لوگ پوری رات ہمارے ساتھ رہے۔'' وہ کس دقت سے بول پا رہا تھا۔ حنین کو اندازہ تھا۔ اس کے ... ہوا۔

''کوئی بات نہیں ہاشم بھائی۔'' شیرو سے آنکھیں تھما تھما کر بات کرتی وہ کوئی اور تھی اور یہ اتنی نرم کوئی اور تھی۔

''مجھے بتاؤ کس طرح تمہارے اس فیور کا بدلہ دے سکتا ہوں؟ کوئی چیز' کوئی کام' کچھ چاہیے تمہیں؟''

اپنے گرد بازو لپیٹے' ہڈ سر پہ گرائے حنہ نے نرمی سے مسکراتے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں' کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے سارے مسئلے خود حل کر لیتی ہوں یا اپنے بھائی کو کہہ دیتی ہوں۔''

''کبھی کبھی انسان اپنے بھائی کو بھی اعتماد میں نہیں لیتا' مجھے آج اندازہ ہوا ہے' اگر کوئی بھی ایسا مسئلہ ہو جو تم سعدی کو بھی نہ بتانا چاہو تو مجھے کال کر لینا۔ جیسے تم لوگ میری ایک کال پہ آئے ہو' میں بھی آؤں گا' اوکے؟'' دھند آلود صبح میں پھر سے وہی فسوں چھانے لگا۔ دور کہیں کسی نے موسیقی کی تان چھیڑی تھی۔ بدقت وہ ہاشم پہ نگاہیں جمائے' مسکرا پائی۔

''اوکے' لیکن اگر میرے کال کرنے پہ آپ نے پوچھا کہ کون حنین؟ تو؟''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' پھر وہ ٹھہرا۔ ''سنو' علیشا سے کہنا' مجھے کال کر لے۔ میں اس کی فیس کی رقم اسے بھجوا دوں گا۔''

وہ ایک دم چونکی۔ ''آپ ... آپ اس کی فیس بھریں گے؟'' خوشی سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''میں اتنا برا بھی نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔'' ستے ہوئے چہرے سے وہ مسکرایا۔

سعدی ہارن دے رہا تھا' وہ ہاشم کو خدا حافظ کہہ کر زینے اترتی نیچے آئی۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی۔ اپنی پرفارمنس یاد کر کے خود ہی ہنسی۔ ''کیا آپ نے دیکھا میں کس طرح بولی؟ تھوڑا سا دل دھڑکا تھا' میرا ہاتھ بھی کانپے مگر جب میں بولی تو واؤ... بالکل ہیروئن لگ رہی تھی میں۔ اور پتہ ہے ہاشم بھائی کہہ رہے ہیں کہ وہ علیشا کی فیس...'' سعدی خاموشی سے ڈرائیو کرتا کار آگے لے گیا...

ہاشم برآمدے میں کھڑا انہیں دیکھتا رہا' سخت سردی اور دھند میں' یہاں تک کہ کار دور چلی گئی۔ پھر وہ واپس اندر آیا۔

''کیا یہ سب سچ تھا؟ تم نے اپنے باپ کو بے وقوف بنایا؟ تم....'' اورنگزیب کھڑے چلا رہے تھے' جواہرات ہنوز پریشان' مضطرب دیکھی تھی' اور نوشیرواں ان کے مقابل کھڑا تھا۔

''آپ لوگوں کو اس پاگل لڑکی کی بات پہ اعتبار ہے' وہ اور سعدی.... یہ لوگ ہمیشہ میرے گھر میں فساد کرتے ہیں' وہ سعدی تو.... ہاشم بھائی آپ نے اس کو دو تھپڑ کیوں نہیں لگائے جب وہ یہ ساری بکواس کر رہی تھی؟'' ہاشم کو آتے دیکھ کر وہ طیش سے چیخا تھا۔

خاموش ہاشم قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا' اس کے مقابل کھڑا ہوا' اندر تک اترتی نگاہوں سے اس کا چہرہ تکتا رہا' اور پھر.... ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا۔

نوشیرواں لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ حیرت سے گنگ' اس نے اپنے سرخ گال پہ ہاتھ رکھا۔

''کاش' میں تمہارا نہیں' سعدی کا بھائی ہوتا۔'' غصہ' ناراضی' صرف دکھ سے ایک ایک حرف ادا کیا' چہرے سے میز کو ٹھوکر ماری' حنین

کے پرنٹ کردہ کاغذات بکھر کر زمین پہ گر گئے۔ اور آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں گال پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے اس کو سیڑھیوں پہ اوپر جاتے دیکھنے لگا۔ پھر رخ موڑا۔ اورنگزیب سرخ چہرہ لئے اسے گھور رہے تھے۔

"ہاں کیا ہے میں نے یہ سب۔" گال سے ہاتھ ہٹا کر وہ غصے سے چلایا۔ "یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ ایسے ہاتھ روک کر پیچھے دیتے ہیں مجھے جیسے میں سوتیلی اولاد ہوں۔ ہاں آپ کا بھی دل چاہتا ہے کہ میری جگہ یہ..... یہ....." دروازے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے حنین نکلی تھی۔ "یہ لڑکی آپ کی بیٹی ہوتی۔ انہی لوگوں کی باتوں پہ زیادہ یقین ہے نا آپ کو؟ یہ سعدی زیادہ پسند ہے نا آپ تینوں کو؟" لال بھبوکا ہوتا بولتا وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"دفعہ ہو جاؤ میرے سامنے سے۔" وہ بھی طیش سے چلائے تھے۔ ہاشم نے گویا کان بند کیے اوپر اپنے کمرے میں قدم رکھا اور دروازہ بند کر لیا۔ شیرو نے بے بسی سے اس کے بند دروازے کو دیکھا۔ آنسو بہنا تیز ہو گئے۔ وہ مڑا اور کف سے آنکھیں رگڑتا سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر دروازہ دھاڑ سے بند کر کے وہ کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے آیا تو اسکرین کو دیکھ کر رکا۔ بند اسکرین پہ ایک Sticky نوٹ چپکا تھا، جس پہ حنین نے لکھا تھا۔

"نقل کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیم اور شیرو بھائی" ساتھ میں زبان چڑاتی سمائیلی بھی تھی۔ اس نے نوٹ جھپٹ کر مٹھی میں مروڑا۔ کف سے دوبارہ سے آنکھیں رگڑیں۔ اب ان میں خون اتر رہا تھا۔ اتنا لمبا ڈرامہ اور سب برباد گیا تھا۔

"آج پھر اسی سعدی نے اپنی بہن کے ذریعے میرے گھر میں فساد ڈالا۔ میں قسم کھاتا ہوں ایک دن میں سعدی یوسف کو اپنے ہاتھوں سے گولی ماروں گا۔" اور ڈیڑھ سال گزر جانے کے بعد بھی نوشیرواں کو اپنی قسم یاد تھی۔

باہر اورنگزیب، جواہرات پہ چلا رہے تھے۔ "ایک لفظ بھی اس کی حمایت میں بولا تو میں سمجھوں گا تم بھی اس کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ اپنے بیٹے سے کہو، صبح دس بجے تک میری ساری رقم میرے اکاؤنٹ میں واپس پہنچا دے ورنہ۔۔"

باہر سورج کی کرنوں نے دھند میں سے راستہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ یہاں سے دور، اس چھوٹے باغیچے والے گھر میں حنین سونے جا چکی تھی اور سعدی اپنے کمرے میں بیٹھا، لیپ ٹاپ پہ وہ فلیش لگا کر دیکھ رہا تھا۔ اس میں وہی تصاویر تھیں جن کی پرنٹ شدہ شکل وہ لا کر میں دیکھ چکا تھا۔ اور دو آڈیو فائلز تھیں۔ ایک میں فارس کہہ رہا تھا کہ اب زمر ہوٹل کی بجائے ریسٹورانٹ آئے۔ دوسری آڈیو طویل تھی۔

سعدی نے پلے کی۔ پہلی دفعہ سنا تو وہ سن رہ گیا۔ زمر ٹھیک کہہ رہی تھی۔ فارس نے اسے واقعی یہ سب کہا تھا۔ تو کیا ہاشم کی طرح فارس بھی اس سے جھوٹ بولتا آیا تھا؟

دوسری دفعہ اسے سنا تو مزید صدمہ لگا۔ فارس یہ سب کیسے اور۔۔۔ کیوں؟

تیسری دفعہ سنا تو بے یقینی گھبراہٹ میں بدلنے لگی۔ کیا اس کے گرد سب جھوٹ بولنے والے موجود تھے؟ پھر سچا کون تھا؟

چوتھی دفعہ پہ کوئی عجیب سا احساس ہونے لگا۔ کچھ غلط تھا۔ چند الفاظ فارس اس طرح نہیں بولتا تھا۔ وہ بار بار آڈیو دہرانے لگا۔ اتنی دفعہ کہ اسے گنتی بھول گئی۔ چہرے پہ بس ایک چونک جانے کا احساس نظر آ رہا تھا۔ وہ فارس نہیں تھا۔ بہت غور کرنے پہ اسے احساس ہوا تھا کہ لہجے میں ہلکا سا، بس ہلکا سا فرق تھا۔ پہلی دفعہ سننے میں اسے بھی وہ فارس لگا تھا۔

اور زمر۔۔۔ وہ چونکا۔۔۔ زمر نے تو وہ آڈیو بس ایک ہی دفعہ سنی تھی! اوہ!

ڈھائی سال سے بکھرے ٹکڑے اب پزل میں جڑنے لگے تھے۔۔۔ اور جو شکل سامنے آ رہی تھی وہ بہت بھیانک تھی۔

وہ ہاشم کی شکل تھی۔

آج دوپہر کے سورج نے دھند کو بہت ہلکا کر دیا تھا۔ روشن دان سے روشنی چھلک کر کمرے کے وسط میں رکھی میز پہ گر رہی تھی، جس کے ایک طرف فارس بیٹھا تھا، اور دوسری جانب سعدی۔ ساتھ میں فارس کا وکیل۔ وہاں اداس کر دینے والی خاموشی تھی جس میں پچھتاوے اور تاسف کی سی ویرانی بسی تھی۔ سعدی نے بہت دیر بعد جھکا سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی، اور بہت ساری شرمندگی۔

"آئی ایم سوری!"

"کس بات کے لئے؟" غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھتے فارس کو اچنبھا ہوا۔

"آپ کو اتنا کم وزٹ کرنے کے لئے۔"

"کوئی بات نہیں، تم جاب کر رہے ہو، مجھے پتہ ہے۔" اس نے سمجھنے والے انداز میں ہلکے سے کندھے جھٹکے۔ سعدی اس طرح اسے دیکھتا رہا۔ فارس سفید کرتے شلوار میں ملبوس تھا۔ ایک زمانے میں چھوٹے کٹے بال اب بڑھ چکے تھے، اتنے کہ انہیں کس کر پونی میں باندھ رکھا تھا۔ شیو ہلکی ہلکی بڑھی تھی، مگر دوسرے قیدیوں کی نسبت وہ کافی صاف ستھرا سا لگتا تھا۔

"اب اس آڈیو کا کیا کرنا ہے؟" فارس نے وکیل کے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری آواز نہیں ہے، مگر مشابہت بہت زیادہ ہے۔ اگر میڈم نے بھی سنی ہے تو ان کو اب میں اپنی بے گناہی کا یقین کبھی نہیں دلا سکتا۔"

وکیل صاحب کھنکھارے۔

"ہم نے اسے ایک ایکسپرٹ کو دکھایا ہے، اس نے یہ ثابت کر کے بتایا ہے کہ یہ converted وائس ہے۔ جعلی ہے۔"

"ہم نے نہیں، میں نے۔" سعدی نے تلخی سے ان کو دیکھا۔ "آپ تو اس کے پاس چلنے تک کو راضی نہیں تھے۔"

"میں ایک اور کیس کے سلسلے میں مصروف تھا۔ اور تمام قانونی پیچیدگیاں آپ کو سمجھا چکا ہوں۔" اس سے پہلے کہ سعدی مزید تلخی سے جواب میں کچھ کہتا، فارس نے بے چینی سے اسے ٹوکا۔

"کیا ہم کورٹ میں یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ میری آواز نہیں ہے؟"

"نہیں، جب تک کہ سعدی اس کا سورس ظاہر نہیں کرتا، کورٹ اس کو کیسے قبول کرے گا۔"

"محمود صاحب میں آپ کو کتنی دفعہ بتا چکا ہوں، یہ آڈیو مجھے میری پھپھو نے نکلوا کر دی ہے اور میں ان کا نام لے کر ان کو incriminate نہیں کر سکتا۔ اور میری اجازت کے بغیر آپ بھی یہ نہیں کر سکتے۔"

"بھئی پھر تو مسئلہ بن جائے گا! یہ ہمارے حق سے زیادہ خلاف جائے گی۔ میں اسے کورٹ میں پیش کرنے کی نصیحت کبھی نہیں کروں گا۔" محمود صاحب ہاتھ جھاڑ کر پیچھے کو ہو بیٹھے۔ سعدی نے ایک تیکھی نظر ان پہ ڈالی، پھر واپس فارس کو دیکھا۔

"ماموں اگر میں آپ کے لیے کوئی فیصلہ لوں تو مجھے اپنی زبان دیں، کہ آپ اعتراض نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا، لیکن..." وہ چونکے سے بولنا چاہ رہا تھا مگر سعدی فوراً محمود صاحب کی طرف گھوما۔

"آپ کو میں فارس غازی کے وکیل کے منصب سے ہٹاتا ہوں۔"

وہ ایک دم سیدھے ہوئے، حیرت سے اسے اور پھر فارس کو دیکھا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ناگواری سے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

"یہی کہ آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔"

"میں فارس غازی کا وکیل ہوں، آپ کا نہیں!" وہ ایک دم چمک کر بولے۔ فارس چند لمحے چپ رہا۔ باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

"میں سعدی کی تائید کرتا ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" سعدی کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس کا مان نہیں ٹوٹا۔ ابھی دنیا سے اس کے اپنے ختم نہیں ہوئے تھے۔

وہ جیسے بہت ضبط کر کے اٹھے۔

"انتہائی بچکانہ رویہ ہے یہ، پیشی سے چند دن پہلے آپ وکیل کو فارغ کر رہے ہیں۔ مجھے ہاشم کاردار نے ان کا وکیل مقرر کیا تھا۔"

"اور انہی سے وصول کیجیے گا اپنے بقایا واجبات کیونکہ میں تو آپ کو اپنے حلال رزق سے ایک پائی بھی نہیں دینے لگا۔" بے نیازی سے انہیں باہر جانے کا رستہ دکھایا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹتے، کوٹ کا بٹن بند کرتے، منہ میں بڑبڑاتے باہر نکل گئے۔

"یہ سب کیا تھا؟" فارس غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟"

"سعدی تم مجھے پریشان کر رہے ہو!" وہ فکرمندی سے کہتا آگے ہوا۔ "یہ آڈیو سن کر بھی زیادہ ری ایکٹ نہیں کیا میں نے، کیونکہ میرے لیے کچھ بھی پریشان کن نہیں ہے سوائے تمہاری شکل کے۔ ہوا کیا ہے تمہارے ساتھ؟"

جینز اور ہائی نیک کے اوپر جیکٹ پہنے بیٹھا لڑکا اداسی سے مسکرایا۔ "میں ریشم کا بن چکا ہوں اور ریشم اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آتی۔ مجھ سے آپ کچھ بھی نہیں اگلوا پائیں گے۔ اس وقت میرا کام آپ کو یہاں سے نکلوانا ہے، اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا کروں گا۔ سوال مت کریں، وہ بتائیں جو میں نے پوچھا تھا۔" اس نے یاد دلایا۔ "جن لوگوں پہ آپ کو شک ہے، ان کی فہرست بنائی آپ نے؟"

"ہاں لکھو۔" وہ بتانے لگا اور سعدی پین نکال کر لکھنے لگا۔ کولیگز، وہ چند لوگ جن کے خلاف اس نے کیسز تیار کیے تھے، وارث کا باس۔۔۔ اور بس۔ سعدی نے بے چینی سے نظریں اٹھائیں۔

"ہاشم بھائی کا نام نہیں لکھوایا آپ نے؟"

فارس کچھ دیر سوچتا رہا، پھر نفی میں سر ہلایا۔ "اونہوں۔ اس کا تعلق نہیں ہے اس سب سے۔"

"مگر آپ نے خود کہا تھا کہ۔۔۔"

"میں نے ڈھائی سال اس بارے میں سوچا ہے، پہلے گرم دماغ سے، پھر ٹھنڈے دل سے۔ اگر ہاشم کے پاس یہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اس نے میرے لیے بھاگ دوڑ بھی کی ہے کافی، سو میں بے شک اسے شدید ناپسند کرتا ہوں، مگر اس کو اس سب میں نہیں گھسیٹوں گا۔ یہ غلط ہے۔"

سعدی نے گہری سانس لے کر اس فہرست کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔

"بھول جائیں اس بات کو۔" کاغذ مروڑ کر مٹھی میں دبا لیا۔ "آپ کا اے ٹی ایم، کریڈٹ کارڈز اور چیک بکس ہاشم بھائی نے امی کو بہت پہلے دے دیے تھے۔ جیولری وغیرہ انہی کے اپنے پاس ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نئے وکیل کے لیے آپ کے اکاؤنٹ کی رقم کافی ہو گی۔"

"جب اتنے سال میں کہتا رہا کہ ہاشم سے پیسے مت لو میرے وکیل کے لیے تب تم نے وہ نہیں کہا جو آج کہہ رہے ہو۔ اب کیا ہوا ہے؟" وہ ابھی تک آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے ان پہ اعتبار نہیں رہا۔" اس کی آواز میں تکلیف تھی۔

"سعدی کیا چھپا رہے ہو؟"

"سوال مت کریں، انتظار کریں۔" اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس متفکر نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

باہر دھوپ اب تیز ہو چکی تھی۔ سڑک پہ معمول کی ٹریفک بہہ رہی تھی۔ کار ڈرائیو کرتے سعدی نے ہینڈز فری کانوں میں لگائے اور موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔ چند گھنٹیوں بعد ہاشم نے پک کر لیا۔

''ہاں بیٹا خیریت؟'' وہ مصروف لگ رہا تھا۔

''جی ایک کام تھا آپ سے۔'' یا تنے دن بعد پہلی دفعہ ہاشم سے بات ہو رہی تھی۔

''ہوں، بولو۔''

''میں نے محمود صاحب کو فائر کر دیا ہے۔ اب مجھے ماموں کے لئے ایک بہتر وکیل کی تلاش ہے۔''

''کیوں؟ فائر کیوں کیا؟'' وہ چونکا تھا۔

''کیونکہ مجھے وہ سست اور نا اہل لگتے ہیں۔ خیر، آپ مجھے پانچ چھ بہترین وکیلوں کے نام ٹیکسٹ کر دیں، جن کو مجھے ہائر کرنا چاہیے۔''

ہاشم چند لمحے کو خاموش ہو گیا۔ پھر بولا تو کافی سوچتے ہوئے۔ ''اوکے کرتا ہوں۔ میرے ریفرنس سے ان سے مل لینا۔ کام ہو جائے گا۔ ویسے سماعت کے اتنے نزدیک آ کر وکیل کو فائر کرنا بے وقوفی ہے سعدی۔''

''اور یہ تو میں جان گیا ہوں کہ میں کتنا بے وقوف ہوں۔''

''کوئی مسئلہ ہے تو میں محمود صاحب سے بات کر لیتا ہوں، مفاہمت تو ہر ایشو پہ ہو سکتی ہے۔''

''مفاہمت کی ہی تو گنجائش نہیں رہی۔ آپ ٹیکسٹ کر دیجئے گا ابھی۔''

اور موبائل فرنٹ سیٹ پہ ڈال دیا۔ چہرے پہ چھائی تلخی میں اضافہ ہو گیا۔ لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں غصہ ابھرا۔ کتنے دن اس کے دل و دماغ میں جنگ جاری رہی تھی۔ ہاشم کے لئے کئی پہیلیاں اکٹھی کیں مگر..... سب بے کار تھا۔ جب آنکھوں سے اندھے اعتماد کی پٹی اتری، تو ہر شے کو نئے زاویے سے دیکھنا شروع کیا۔ پہلے لگا، وہ صرف قاتل کو جانتا ہے، مگر اب آہستہ آہستہ احساس ہوا کہ وہی ہے جو فارس کو باہر نہیں آنے دے رہا۔ اگر ہاشم چاہتا تو فارس باہر ہوتا۔ فارس اور ندرت نے کتنی دفعہ یہ بات اس سے کہی مگر تب سمجھ کیوں نہیں آتا تھا؟ یہ اعتماد کتنی بھیانک شے تھا۔ اندھا کر دیتا ہے۔ بہرا، لنگڑا کر دیتا ہے۔

تبھی موبائل بجا۔ ہاشم نے چند نام اسے ٹیکسٹ کر دیے تھے۔ سعدی نے ان کو اچھے سے ذہن نشین کر لیا۔ یہ وہ وکیل تھے جن کو ہاشم چاہتا تھا وہ ہائر کرے، یعنی یہ وہ تھے جن کو ہاشم خرید سکتا تھا۔ اسے اب معلوم ہو گیا تھا کہ اس فہرست کے وکیل اسے بالکل نہیں ہائر کرنے۔ گڈ!

وہ جب زمر کے گھر کے گیٹ تک آیا تو وہ پورچ میں کار سے اتر رہی تھی۔ دروازہ بند کرتے وہ مڑی تو دیکھا، سعدی نے کار باہر روک دی تھی اور اب قدم قدم چلتا اس کی جانب آ رہا تھا۔ جینز پہ جیکٹ پہنے، چہرے پہ چھائی سنجیدگی، وہ قریب آیا تو احساس ہوا کہ وہ اس سے لمبا ہو گیا تھا، پتہ نہیں کب سے۔

''کیسے ہو؟'' اس نے سپاٹ آنکھوں اور بے تاثر لہجے میں پوچھا۔ وہ ''ٹھیک'' کہتا اس کے ہمراہ لان میں بچھی کرسیوں کی طرف آیا۔

''کچھ کہنے آیا ہوں آپ سے۔''

''مجھے فارس سے نہیں ملنا، نہ ہی اس کی صفائی سننی ہے۔'' وہ کرسی پہ بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ بازو سینے پہ لپیٹے۔ بال ہاف کیچر میں بندھے تھے اور دھوپ کے باعث بے زاریت بھری آنکھوں کو سکیڑ رکھا تھا۔

''پھپھو..... ایک دفعہ دوسری طرف کی کہانی سن لیں۔'' وہ آگے کو ہو کر اس کے مقابل بیٹھا۔

''میں جج نہیں ہوں' نہ ہی اس کو سزا دے سکتی ہوں۔'' اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔ ''میرے سننے کا کیا فائدہ؟''

''اگر... مجھ سے کوئی گلہ ہے تو کہہ دیں۔'' وہ ڈھائی سال سے بتانا چاہتا تھا' ایک دفعہ وہ گلہ کر دے' کہہ دے کہ اس سے بدتمیزی سے بات کرنے کے بعد وہ اس کو چھوڑ کر کیوں چلا گیا؟ سوری کیوں نہیں کہا؟ اس کے آپریشن کے وقت وہ کہاں تھا؟ کیوں اس کی ری کوری کے ان تکلیف دہ دنوں میں وہ اس کے پاس نہیں تھا؟ واپس کیوں نہیں آیا؟ مگر وہ کہتی ہی نہیں تھی۔ اب بھی نظر انداز کر گئی۔

''تم کیا کہنے آئے ہو؟''

''آپ سچ کہہ رہی تھیں۔ واقعی آپ کو کال کی گئی تھی۔ آپ نے جو بتایا واقعی ایسا ہوا تھا۔''

''اچھا! ڈھائی سال بعد یقین آ گیا تمہیں سعدی؟'' وہ تلخی سے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھتی۔ بازو دونوں سینے پہ لپیٹے۔

''مگر وہ کنورٹڈ وائس تھی۔ جعلی آواز۔ یہ سنیں۔'' اس نے موبائل نکال کر چند بٹن دبائے۔ آوازیں ابھرنے لگیں۔ زمر سیدھی ہوئی' آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ بس چند فقرے وہ سن پائی۔

''بند کرو اسے۔'' اور ناگواری سے چہرہ پھیر لیا۔

''کیا یہ سب اسی طرح ہوا تھا؟''

''میرے ہاں یا ناں کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ڈھائی سال پہلے تم لوگوں نے کہا میں جھوٹ بول رہی ہوں' آج کہہ رہے ہو میں سچ بول رہی تھی۔ پانچ سال بعد کہو گے' یہ واقعی فارس کی ہی آواز تھی۔''

''آئی ایم سوری۔ جیسے آپ نے ہماری بات نہیں سنی' ویسے ہی ہم نے بھی آپ کی بات نہیں سنی۔ میں سمجھا آپ کسی کو کور کر رہی ہیں' مگر ایسا نہیں تھا۔''

''ڈھائی سال بعد میرا یقین کرنے کا شکریہ۔'' وہ سارا کرب ضبط کر چکی تھی۔

''لیکن آپ تیسری بات کا امکان ذہن میں رکھ کر سوچیں' پھر سوچیں۔ یہ کال جعلی تھی۔ ہم کورٹ میں یہ ثابت کر سکتے ہیں۔''

''اور یہ تمہیں کیسے ملی؟''

''میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔'' وہ بے اختیار پیچھے ہوا۔

''اس صورت میں یہ میرے لئے قابل قبول نہیں ہے۔''

''اگر آپ اس میں لہجے پہ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ...''

''جب یہ کال مجھے موصول ہوئی' میں ایک Sniper کے نشانے پہ تھی' مجھے لہجے اور آواز کے pitch پہ غور کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس آواز کے ساتھ میری زندگی کی سب سے تکلیف دہ یاد جڑی ہے۔ اس لئے کوئی آج آ کر کہہ دے کہ یہ جعلی ہے تو میں کیسے مان لوں؟'' تیز لہجے میں کہتی وہ اس کو شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ایک دفعہ سوچ کر دیکھیں۔ کوئی تیسرا آدمی بھی اس میں ملوث ہو سکتا ہے۔''

''مثلاً کون؟'' سعدی نے جواب میں تھوک نگلا۔

''مثلاً... مثلاً ہاشم کاردار۔'' ہمت کر کے اس نے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

.... ✦✦✦ ....

''ہاشم کاردار؟'' زمر کو شاک سے نکلنے میں چند لمحے لگے اور پھر ایک دم آنکھوں میں ناگواری در آئی۔ ''اس کا نام کیسے لے سکتے ہو تم؟''

''وہ ان کے کزن ہیں۔ پھر جائیداد کے تنازعے! وہ فارس غازی کو اس میں پھنسا سکتے ہیں۔ اس سے ان کو فائدہ ہو گا نقصان نہیں۔''

''اوکے سعدی بہت ہو گیا۔'' ٹانگ پہ رکھی دوسری ٹانگ سیدھی کی اور درشتی سے کہتی آگے کو ہوئی۔'' میں یہ ڈیفنس اسٹریٹجی بہت دفعہ ...ے میں استعمال کر چکی ہوں۔ جب اپنے دفاع میں کوئی بات نہ ہو تو کسی تیسرے شخص پہ شک دلوا دو۔ مگر کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟''

سعدی کی گردن نفی میں ہلی۔ (کیا اس آڈیو اور ان تصاویر کا ہاشم کے کمپیوٹر سے ملنا ایسا ثبوت تھا جسے وہ پیش کر سکے؟ ہرگز نہیں۔)

''پھر تم کیسے کسی پہ اتنا بڑا الزام لگا سکتے ہو؟ فارس کے خلاف میری گواہی کو چھوڑ دو تب بھی ثبوت ہیں۔ اس کی گن' اس کے فنگر پرنٹس۔ تم مجھے اس سے بڑے ثبوت ہاشم یا کسی اور کے خلاف لا کر دو میں تمہاری بات سنوں گی مگر اس سے پہلے نہیں۔'' تلخی سے بولتی وہ کھڑی ہو گئی۔ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تو آپ ڈھائی سال سے ہماری بات اس لیے نہیں سن رہیں کیونکہ ہم ثبوت نہیں دے رہے؟''

''اگر مجھے جھوٹا کہنے کی بجائے کچھ کہتے تو میں سنتی۔''

''آپ اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔'' سر ہلا کر وہ کھڑا ہوا۔ چند لمحے وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے رہے۔

''آخری بات، پھپھو۔'' وہ ذرا جھجکا۔ ''مجھے کسی ایسے وکیل کا بتائیں' جو ہم افورڈ بھی کر سکیں' اور وہ ہمارے ساتھ مخلص بھی ہو۔ فارس ماموں کے لیے۔'' (اس کے سامنے اب وہ اسے ماموں کہنے سے دانستہ احتراز برتنے لگا تھا۔)

زمر نے سر جھٹکا۔ ذرا توقف کیا۔ تنے اعصاب ڈھیلے جیسے پڑے۔

''خلیجی صاحب سے مل لو۔ نمبر اور پتہ ٹیکسٹ کر دیتی ہوں۔ ان کے پہلے تاثر پہ مت جانا۔ اچھے وکیل ہیں۔'' اور اسی طرح زینے پہ واپس پلٹ وہ مڑ گئی۔ اسے پیچھے آنے کا نہیں کہا۔ چاہے تو وہ اندر آ جائے، چاہے تو نہ آئے۔ سعدی یاسیت سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ ڈھائی سال سے وہ بس اس کی پھپھو تھی۔ زمر نہیں۔

اگر ایک دفعہ، ایک دفعہ وہ شکوہ کر دے تو وہ اسے بتا دے گا، یا شاید نہیں بتائے گا۔ بس ایک دفعہ.....

.............❖❖❖.............

جو زہر پی چکا ہوں تمہیں نے مجھے دیا ..... اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں فل آواز کے ساتھ ٹی وی چل رہا تھا۔ ندرت کبابوں کی ٹکیاں بناتیں، بڑی ڈش میں رکھتی جا رہی تھیں۔ ساتھ ہی صوفے پہ پیر اوپر رکھے حنین موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ بار بار کال ملاتی' پھر کاٹ دیتی۔ بالآخر ہمت کر ہی لی۔ دوسری طرف گھنٹی جاتی رہی۔ پھر ندرت نے اسے کہتے سنا۔

''کیا میں علیشا سے بات کر سکتی ہوں؟'' وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔

''میں حنین ہوں۔ حنہ۔ پاکستان سے۔'' وہ ذرا ہچکچا کر کہہ رہی تھی۔ ''علیشا میری میلز کا جواب نہیں دے رہی۔ وہ کدھر ہے؟ دراصل مجھے اس کو کسی کا پیغام دینا تھا۔''

وہ اب بہت دھیان سے دوسری طرف کی بات سننے لگی تھی۔۔ بالکل چپ۔ خاموش اور ساکت۔ پھر بغیر کچھ کہے فون رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟'' مگر حنہ نے نہیں سنا۔ چپ بیٹھی رہی۔۔

سعدی اندر آیا اور سلام کر کے ماں کے قریب صوفے پہ گر سا گیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''فارس سے ملے؟'' وہ امید سے پوچھنے لگیں۔

''جی اور پھپھو سے بھی۔'' وہ دور خلا میں دیکھتا اپنی سوچ میں گم تھا۔

''کیا وہ اب بھی تمہاری بات سننے کو تیار نہیں؟''

''ان کا قصور نہیں ہے۔ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔''

''تم سے بھی وہی رویہ ہے؟''

''چھوڑیں امی۔'' وہ چہرے پہ بشاشت واپس لاتے سیدھا ہوا' اور ہاتھ بڑھا کر چنے کی دال اور گوشت کے پسے مکسچر کو تین انگلیوں میں اٹھانا چاہا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پہ چپت رسید کی۔

''ہزار دفعہ کہا ہے' مت کھایا کرو درمیان سے۔ بے برکتی ہوتی ہے۔''

مگر ندرت کی ڈھیٹ اولاد کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ سعدی نے مکسچر منہ میں رکھا اور چباتے ہوئے پھر سے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ حنین بدستور سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دفعتاً ان کو خیال آیا۔

''سعدی... بیٹا وہ مرکز کے فرنٹ پہ جو بیکری ہے نا' وہ لوگ جگہ خالی کر رہے ہیں۔ کیوں نا ہم اس کو کرائے پہ لے کر کوئی کام شروع کریں؟''

''آپ نے ابھی تو اسکول کی جاب ختم کی ہے۔ اور آپ کی صحت بھی اتنی اچھی نہیں۔ کیوں خود کو ہلکان کرتی ہیں؟''

''خرچے بہت ہیں' اور تمہاری تنخواہ سے وہ نہیں پورے ہوتے۔ میں آج کل یہی سوچ رہی ہوں۔ بیکری کی جگہ کافی بڑی ہے۔ کپڑوں کا بوتیک شروع کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اگر فارغ بیٹھی رہی تو زیادہ بیمار ہو جاؤں گی۔''

سعدی نے ایک نظر ان کے ہاتھوں کو دیکھا جو مہارت سے کباب کو شکل دے رہے تھے۔ کچھ یاد کر کے وہ مسکرایا۔

''آپ ریسٹورانٹ کھول لیں امی۔ کسی کو کھانا کھلانے سے پیارا احسان کیا ہوگا بھلا؟''

''ریسٹورانٹ؟'' وہ سوچ میں الجھیں۔

''مگر پہلے کسی سے مشورہ کر لیجئے گا۔''

''کس سے کروں؟''

''کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے دو لوگوں سے مشورہ لیتے ہیں امی' ایک وہ جس نے اس کام میں فائدہ اٹھایا ہو' اور ایک وہ جس نے اس میں نقصان اٹھایا ہو۔'' پھر حنہ کو دیکھا جو ابھی تک شل بیٹھی تھی۔

''کونجیکم ریسٹورانٹ بننے سے تمہارے تو دن پھر جائیں گے۔؟'' سعدی نے اسے آواز دی۔ اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا۔

''ہاشم بھائی سے بات ہو تو انہیں بتا دیجئے گا کہ اب علیشا کو ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں رہی۔''

کچے کباب کا ٹکڑا اس کے حلق میں رہ گیا' وہ چونکا۔ ''کیوں؟ کیا ہوا؟''

''اس کو جب پیسے چاہیے تھے' تب انہوں نے نہیں دیے۔ پھر اس نے خود ہی حاصل کرنے چاہے۔'' وہ شاک کے عالم میں بول رہی تھی۔ ''اس نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر چوری کرنے کی کوشش کی۔ وہ کمپیوٹرز میں اچھی تھی' اور قسمت میں بری۔ سب گرفتار ہو گئے۔ اب وہ جیل میں ہے' ایک لمبے عرصے کے لیے۔'' وہ بے یقین تھی' بالکل حق دق۔ پھر ایک دم اٹھ کر اندر چلی گئی۔ سعدی ابھی تک ساکت سا وہاں بیٹھا تھا۔ ندرت افسوس سے کچھ کہہ رہی تھیں مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

اور پھر جب شاک اترا تو ہر طرف تاسف چھا گیا۔

❖❖❖

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ ..... مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

قصرِ کاردار میں ملازموں کی چہل پہل جاری تھی۔ سرما کی وہ دھند آمیز صبح باہر تک محدود تھی۔ اندر سینٹرل ہیٹنگ نے لاؤنج کو گرما رکھا تھا۔ نئی لڑکی فیونا ایک ان ڈور گملے کو پانی دے رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر اورنگزیب کے کمرے کی سمت بھی دیکھ لیتی جہاں دروازہ ادھ کھلا تھا اور وہ آئینے کے سامنے کھڑے تیار ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ فیونا وہاں سے مکمل منظر نہیں دیکھ سکتی تھی' آوازیں بھی مدھم تھیں۔ مگر جھگڑے کی آواز بہرا بھی سمجھ لیتا ہے، وہ تو صرف زبان سے ناآشنا تھی۔

اگر اندر جھانکو تو سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر جواہرات بیٹھی تھی۔ سلگتی آنکھیں اورنگزیب کی پشت پہ جمی تھیں۔

''اگر تم ایک دفعہ شیرو کی بات سن کر۔۔''

''اپنے بیٹے کی سفارش مت کرو میرے سامنے۔ میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ تلخی سے کہتے ٹائی کی ناٹ باندھ رہے تھے۔

''وہ کتنا باپھر ہے تم جانتے ہو۔ اس طرح کا رویہ رکھو گے تو وہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔''

''تو چلا جائے۔ دو دن فٹ پاتھ پہ رہنا پڑے گا تو عقل آ جائے گی۔ اپنے باپ کو بے وقوف بناتا ہے۔''

''اگر وہ گیا نا اورنگزیب تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔'' وہ بمشکل ضبط کر کے بولی تھی۔

''ہر شے کی ذمے دار تم ہو۔ تمہاری بے جا حمایت نے اس کو اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔'' کالر جھٹک کر کوٹ پہنا۔ تنفر بھری نگاہ آئینے میں پیچھے نظر آتی جواہرات پہ ڈالی اور پھر باہر نکل گئے۔ وہ وہیں بیٹھی کلستی رہ گئی۔

لاؤنج میں وہ لمحے بھر کو رکے۔ نوشیرواں سیڑھیوں کے وسط میں کھڑا تھا۔ خاموش' فکر مند سا۔ اورنگزیب نے اس پہ نظر ڈالی اور اتنی جلدی پلٹائی کہ جیسے کوئی ناگوار نظارہ سامنے ہو' مڑے، میری کو آواز دی، اور واپس کمرے میں چلے گئے۔ فیونا جلدی سے پانی رکھ کر میری کو بلانے بھاگی۔ شیرو وہیں زینے پہ بیٹھ گیا۔ گردن جھکالی۔ دونوں ہاتھ میں رہے ندرشتے۔

''کتنے دن تک یونہی بیٹھے رہو گے؟'' شہرین سرسری سا پوچھتی، ہاتھ میں کٹے سیبوں کی پلیٹ پکڑے، اس کے ساتھ زینے پہ بیٹھی تو وہ چونکا' پھر دوبارہ سر جھکا لیا۔

''جب تک وہ مجھے معاف نہیں کر دیتے۔''

''تو تم ان سے معافی مانگ لو نا۔ سمپل۔'' ملازموں کی زبانی وہ سب سن چکی تھی۔

''کتنی دفعہ مانگ چکا ہوں' مگر جواب میں چیخ چلا کر مجھے دفعان کر دیتے ہیں۔''

''اور ہاشم؟'' اس نے پلیٹ سے پھل کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

''وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے۔''

''اور تم نے اسی لیے اسے ایک دفعہ بھی مخاطب نہیں کیا؟ کھاؤ گے؟'' ساتھ ہی پلیٹ بڑھائی۔ نوشیرواں نے بے دلی سے منہ پھیر لیا۔ البتہ اب شہرین سے پہلے کی طرح بے زار نہیں رہتا تھا۔ صرف وہی تھی جس نے سارا قصہ سننے کے بعد اس سے ہمدردی جتائی تھی اور کہا تھا ''بھئی تم نے لانچ میں تو نہیں کیا نا، ایک ایڈونچر تھا یہ، اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟'' اب بھی وہ کندھے اچکا کر کہہ رہی تھی۔

''یوں کرو اوپر جاؤ' اور ہاشم سے معافی مانگ لو۔ بات ختم۔ اس کو صرف تمہاری معافی کا انتظار ہے۔''

''واقعی؟'' اس نے بے چینی سے شہرین کو دیکھا۔ تھپڑ پھر سے یاد آیا۔ بے اختیار گال پہ ہاتھ رکھا۔

''ہاں نا۔ وہ تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتا اور مجھے اپنا فون دے جاؤ۔''

"کیوں؟" وہ فون دیتے دیتے رکا۔ شہرین نے موبائل اس کے ہاتھ سے اچک لیا۔
"وقت ضائع مت کرو' وہ آفس کے لئے نکل ہی نہ جائے۔"
"اچھا۔" وہ فوراً اوپر آیا۔ تھوڑی دیر اس کے کمرے کے باہر رکا رہا، پیچھے سیڑھیوں پہ بیٹھی شہرین نے اس کے موبائل سے سعدی کا نمبر نکالا اور اپنے پہ منتقل کیا۔
شیرو نے بغیر کھٹکھٹائے دروازہ کھولا۔ ہاشم ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا تھا۔ کوٹ ابھی اسٹینڈ پہ تھا' اور وہ کف لنکس پہن رہا تھا۔ آہٹ پہ گردن موڑ کر اسے دیکھا اور واپس کف لنک پہننے لگا۔
"آؤ شیرو۔" انداز نارمل تھا۔ نہ غصہ' نہ پیار۔ وہ سر جھکائے' لب کاٹتا قدم قدم چلتا قریب آیا۔ یہ اس دن کے بعد دونوں کی پہلی بات چیت تھی۔ یہ سوشل بائیکاٹ اس کے لئے بہت سنگین ثابت ہوا تھا۔
"بھائی۔ ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟" نگاہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ہاشم نے ٹائی گردن میں ڈالی اور آئینے میں دیکھتے اس کی گرہ لگانے لگا۔
"کیا میں اسے معذرت سمجھوں؟"
نوشیرواں نے بے چینی سے چہرہ اٹھایا۔
"آئی ایم سوری بھائی۔ میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا۔"
"میں معذرت قبول کرتا ہوں۔ بھول جاؤ سب۔" ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے بھی وہ نہیں مسکرایا۔
"آپ مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟"
"نہیں۔" اس نے ناٹ کسی' کالر درست کیے' اسٹینڈ سے کوٹ اٹھایا اور مڑ کر شیرو کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ "ناراض نہیں ہوں' حیران ہوں۔ اس پہ نہیں کہ میں بے وقوف کیسے بنا۔ اعتبار کرنے والے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اس پہ بھی نہیں کہ تم ایک کرمنل ذہن رکھتے ہو۔ بلکہ صرف اس پہ کہ اگر تمہیں پیسے چاہیے تھے تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟"
"ایڈونچر کرنا... چاہ رہا تھا... بس۔" نوشیرواں نے شرمندگی و خفت سے گردن جھکا دی۔ ہاشم نے کوٹ پہنا' اور اسے دیکھتے ہوئے بٹن بند کیا۔
"تم شیرو میری ایک بات اپنے دماغ میں بٹھا لو۔ تمہارا بھائی تمہارے سب معاملے سنبھال سکتا ہے۔" اس کے کندھے پہ تختی سے ہاتھ جمایا۔
تو نوشیرواں نے شرمندہ چہرہ اٹھایا۔ "تمہیں پیسہ چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کوئی لڑکی چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کسی کی جان چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ مگر تم خود کچھ نہیں کرو گے۔ کبھی بھی نہیں۔ سمجھ آیا؟"
اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ پھر قدرے جھجکا۔ "وہ جو کہا آپ نے کہ کاش وہ... وہ... سعدی آپ کا بھائی ہوتا...."
"وہ ایک اچھا لڑکا ہے' رشتوں کا پاس کرنا جانتا ہے' وہ ہمارا تیسرا بھائی ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی' مگر وہ نہیں ہے۔ اورنگزیب کاردار کے دو ہی بیٹے ہیں' میں اور تم۔ تمہاری نظر میں میری کتنی اہمیت ہے' مجھے واقعی نہیں معلوم' مگر میرے لئے تم اور سونیا برابر ہو۔"
"آپ کو پتہ ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں' کتنا احترام کرتا ہوں آپ کا۔"
"نہیں مجھے نہیں پتہ۔" پرفیوم خود پہ چھڑکتے سنجیدگی سے کندھے اچکائے۔ شیرو روہانسا ہو گیا۔

"پھر اسے ثابت کرو۔ کیونکہ مجھے دوبارہ سے تمہارے تخریبی ذہن پہ اعتبار کرنے میں وقت لگے گا۔" اس کے کندھے کو تھپتھپا کر وہ بال اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اب بھی نہیں مسکرایا۔ نوشیرواں پریشان سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

شہرین اب سیڑھیوں کے وسط میں کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر راستہ دیا۔ ہاشم چند زینے اترا، پھر اس کے قریب رکا۔

"کچھ کاغذات پہ تمہارے دستخط چاہیئے ہیں، دوپہر میں آفس آجانا۔"

"میں خلع لے رہی ہوں، طلاق نہیں چاہی تو یہ لمبی چوڑی رقم اور مراعات نہ بھی دو۔ ضرورت نہیں مجھے تمہارے پیسے کی۔"

"وہ باتیں مت کہو جن کا مطلب تم خود بھی نہیں جانتی۔ جو دے رہا ہوں، اپنی بیٹی کے لیے دے رہا ہوں۔ ماں سے الگ نہیں کر رہا اس کو۔ اب ہٹو سامنے سے۔" وہ مزید سرکی، اور ہاشم نیچے اتر گیا۔ وہ تلملاتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں شدید غصہ اور بے بسی تھی۔

وہ ماں باپ کمرے کے سامنے رکا تو جواہرات ہنوز کاؤچ پہ بیٹھی کلس رہی تھی اور ڈریسر مرر کے سامنے کھڑے اورنگزیب میری اینجیلو کو ہدایات دے رہے تھے۔ وہ چوکھٹ میں آرکا۔

"میں علیشا کی فیس پے کر رہا ہوں۔ کسی کو کوئی اعتراض ہو تب بھی مجھے کچھ کہنے کی زحمت نہ کرے، میرا دماغ آج کل بہت گھوما ہوا ہے۔" اطلاع دی اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ مڑ گیا۔ جواہرات تلملا کر اٹھی، اورنگزیب نے اسے برہمی سے پکارا، مگر وہ باہر جا چکا تھا۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

باہر دھند ابھی تک چھائی تھی۔ وہ برآمدے تک پہنچا تھا جب خاور تیزی سے قریب آتا دکھائی دیا۔ وہ فکرمند لگ رہا تھا۔

"سعدی یوسف نے آپ کے کیس کے وکیل کو فائر کر دیا ہے۔"

"معلوم ہے۔"

"آپ اتنے بے فکر کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"فکر کی کیا بات ہے؟" وہ الٹا حیران ہوا۔ "لوگ وکیل بدلتے رہتے ہیں۔ اگلا بھی ہمارا ہی ہوگا۔ نہیں تو جج تو ہمارا ہی ہے۔"

"مگر مجھے پریشانی ہے۔ ان لوگوں کو وہ آڈیو کہاں سے ملی؟"

"کون سی آڈیو؟" وہ ٹھٹک کر رکا۔ خاور نے محمود صاحب سے جو سنا تھا بتا دیا۔

"ہاں زمر ایسے کام کر سکتی ہے۔ وہ کہہ رہا ہے تو ایسا ہی ہوگا۔" وہ کار کی طرف جا رہا تھا۔ خاور تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہو۔" ہاشم رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آپ نے اسے اور اس کی بہن کو اس رات اپنا لیپ ٹاپ دیا تھا، کہیں اس نے وہ آپ کے پاس سے تو نہیں نکالی؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ بے زار ہوا۔ "وہ آڈیو میرے سیف میں ہے، تم دونوں نے پہلے ہی دیکھی ہے۔ لیپ ٹاپ میں میرے ڈاکومنٹس کا فولڈر لاک ہے، وہ دونوں اتنے بھی اسمارٹ نہیں کہ ہر چیز کھول لیں اور سعدی جھوٹ نہیں بولتا، جو کہہ رہا ہے وہی ہوگا۔ مگر جج ہمارا ہے، پھر کیا مسئلہ ہے؟"

"سر آپ کا اوور کانفیڈینس..." وہ کہتے کہتے رکا۔ ہاشم نے ایک سخت کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی، اور آگے بڑھ گیا۔ خاور نے بے چینی سے تھوڑی کھجائی۔ بظاہر ہاشم ٹھیک کہہ رہا تھا مگر پھر بھی اسے یہ لڑکا کچھ گڑبڑ لگ رہا تھا۔ خیر، ہاشم سعدی کو زیادہ بہتر طور پہ جانتا تھا یقیناً۔ وہ سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

............❖❖❖............

ٹوٹے ہوئے مکاں ہیں مگر چاند سے مکین ..... اس شہرِ آرزو میں اک ایسی بھی گلی ہے

وہ ایک ابتر سا آفس تھا۔ فائلوں کے ڈھیر' بے ترتیب کتابوں سے بھرے ریک' اور میز پہ بکھرا اتنا کچھ' کہ اس سارے میں کرسی پہ بیٹھا سعدی بے حد بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے مقابل' آفس کے مالک کی کرسی پہ موجود ادھیڑ عمر صاحب نیچے جھکے دراز سے کچھ نکال رہے تھے۔ بفضلہ وہ سیدھے ہوئے۔ وہ اڑے اڑے کھچڑی بالوں' موٹی عینک اور شریف چہرے والے انسان تھے۔ سعدی کو ان پہ ترس' خود پہ رحم اور زمر پہ غصہ آیا جس نے اسے یہاں بھیجا تھا۔

سیدھے ہوتے ہی انہوں نے کچھ فائلز دھپ سے میز پہ رکھیں۔ نتیجتاً اوپر تلے رکھی سیاہ کتابیں دھڑام سے سعدی کی طرف لڑھکیں۔

وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا۔ ایک موٹی کتاب پیر پہ جا لگی۔ باقی دو گھٹنوں پہ۔ آؤچ!

"لگی تو نہیں؟" انہوں نے ناک پہ عینک دھکیلتے پوچھا۔

"بالکل نہیں جی۔" (میں کوئی انسان تھوڑی ہوں؟) وہ جھک کر ان کو سمیٹنے لگا۔ پھر میز پہ رکھیں' اسی بے چارگی سے غلجی صاحب کو دیکھا۔

"سر' آپ بے شک ابھی اپنے کام کر لیں' میں پھر آ جاؤں گا۔" وہ کرسی کے کنارے پہ آگے کو ہو گیا۔ بھاگنے کو تیار۔

"نہیں نہیں' میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔" انہوں نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ "کیس بھی دیکھ لیا تھا میں نے۔"

"تو پھر آپ یہ کیس لیں گے؟" بے توجہی سے پوچھتے پیچھے کھڑی الماری پہ نظر ڈالی۔ شیشے کے دروازوں کے پیچھے کتابیں اور فائلیں بھری تھیں۔ اوپر تلے اڑسے کاغذ۔ بے ترتیبی سی بے ترتیبی۔

"دیکھو بیٹے' فارس غازی جیسے بندے کا دفاع کرنا آسان نہیں....."

"خیر ہے آپ رہنے دیں' میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔" وہ شکریہ کہتا جلدی سے اٹھا۔ بس بھاگنے کی دیر تھی۔ یہ اتنا بھی مروت میں بیٹھ گیا۔

اس آدمی کی تو عینک گم جائے یہ نہ ڈھونڈ سکے، فارس کو کیا خاک رہا کروائے گا۔ "مجھے پتہ ہے' فارس غازی کا دفاع آپ کے لئے مشکل ہوگا' کیونکہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ہی قاتل ہے' تو....."

"نہیں۔ میرا خیال ہے وہ بے گناہ ہے۔"

وہ جو بس مڑنے ہی والا تھا' ایک دم ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا۔ "جی؟"

"ہاں نا' گناہگار کا دفاع کرنا زیادہ آسان ہے۔ مگر بے گناہ کا کیس سوچ سمجھ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اگر ایک معصوم آدمی کا تم دفاع نہ کر سکے اور وہ جیل چلا گیا' تو وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔"

وہ آہستہ سے دوبارہ بیٹھا۔ آگے کو جھک کر۔ حیرت اور الجھن سے ان کو دیکھنے لگا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ باوجود پراسیکیوٹر زمر کے بیان کے؟"

"پراسیکیوٹر صاحبہ نے تو یہ بیان دینا ہی تھا۔ وہ سرکار بنام سجاد راؤ کی پراسیکیوٹر جو رہی ہیں۔ ویسے مجھے بڑی حیرت ہے تمہارے پچھلے وکیل نے اس کیس کا ذکر نہیں کیا۔" ابھی ابھی نکالے فائلز کے گٹھے کو اس کی طرف دھکیلا۔ اس سے قبل کہ کتابیں دوبارہ گرتیں' سعدی نے جلدی سے اسے واپس پُش کیا۔ البتہ وہ ان کے چہرے سے اپنی بے چین نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

"یہ کون سا کیس تھا؟"

''یہ وارث غازی قتل سے کوئی پانچ ماہ پہلے ختم ہوا تھا۔ میں اس میں ڈیفینس اٹارنی تھا' اور زمر صاحبہ پراسیکیوٹر۔ ایک آدمی نے اپنی وی پہ گولی چلائی' مگر ایسا کرنے سے قبل اس کے سامنے اعتراف کیا' اس کی پراپرٹی پہ قبضہ کرنے کا' اس کے ساتھ مزید کچھ زیادتیاں کرنے کا۔ ت سے بیوی بچ گئی' اور اس نے پولیس کو بتا دیا۔ سات ماہ زمر لگی رہیں' یہ ان کا پہلا کیس تھا' ریپو بھی بنائی تھی' بہر حال فیصلہ انہی کے حق میں یا۔ میرا خیال ہے' جس نے بھی فارس کے بھائی اور بیوی کا قتل کیا ہے' اس کی ڈسٹرکٹ کورٹ کے کیسز پہ گہری نظر ہو گی' اسے معلوم ہو گا کہ انسان اپنی زبان سے کہی بات میں سب سے اچھا پھنستا ہے۔ پراسیکیوٹر صاحبہ ویسے بہت سمجھدار خاتون ہیں' لیکن وہ یہاں مار کھا گئیں' کیونکہ وہ اس طرح کا ایک کیس پراسیکیوٹ کر چکی ہیں۔''

''یعنی۔۔۔ زمر اپنے حملہ آور کی کال پہ اس لیے یقین کر رہی ہیں کیونکہ وہ آخری منٹ کے اعتراف کے ایسے ہی ایک کیس کو لے کل ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا کرے۔'' ایک دم اسے محسوس ہوا کہ زمر نے اسے صحیح بندے کے پاس بھیجا ہے۔ (ان کے پہلے تاثر پہ مت جاؤ!!)

''بالکل۔ ویسے لوگ یہ کرتے بھی ہیں۔ قتل بڑا بوجھ ہوتا ہے۔ انہیں کسی سے تو بانٹنا ہوتا ہے۔ بہت سے کیسز دیکھے ہیں میں نے جہاں لوگ کسی کو مارنے سے پہلے اپنے پچھلے گناہوں کا اعتراف کر لیتے ہیں۔''

''مجھے پتہ ہے یہ سب کس نے کروایا ہے۔'' وہ ایک دم جوش میں بولنے لگا تو انہوں نے فوراً ہاتھ اٹھا کر روکا۔ ''شش شش۔'' وہ بے اختیار رک گیا۔

''کیا وہ لوگ طاقتور ہیں؟''

''بہت زیادہ۔'' اس کے گلے میں کچھ اٹکا۔

''اور کیا تمہارے علاوہ کوئی اور بھی جانتا ہے کہ وہی اصل قاتل ہیں؟''

''نہیں۔''

''تو پھر اپنا منہ سی لو۔''

''جی؟'' وہ دم بخود رہ گیا۔

''دیکھو بچے' تم ایک بااثر آدمی کو اس میں نہیں گھسیٹ سکتے۔ ایسا کرو گے تو وہ فارس کو جیل میں ختم کروا دیں گے' اور تمہیں جیل سے ماؤ۔ تم جس کو بھی ان کے نام بتاؤ گے ان کی زندگی خطرے میں ڈالو گے۔ تم ان کو گناہگار ثابت مت کرو' صرف فارس کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ ایک دفعہ وہ باہر آ جائے' پھر جو کرنا ہو کر لینا۔''

وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ بات غلط نہیں تھی۔

''کیا ہم ان کو رہا کروالیں گے؟''

''اگر جج ایماندار ہوا تو ہاں۔''

اور اتنے دنوں میں یہ پہلی امید کی کرن تھی جو اسے نظر آئی تھی۔ اندھیری رات کا پہلا تارہ۔ جو سورج نکلنے کی نوید ہوتا ہے۔ ابھی تو صبح ہو گی۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

............❖❖❖❖............

جس کو دیکھو' اس کے چہرے پر لکیریں سوچ کی ...... جیسے ہو جائے' مقدر کسی شے کا مقدر سوچنا

سعدی کورٹ سے واپس اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا جب کسی اجنبی نمبر سے فون آنے لگا۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے

کال لے لی۔

''سعدی؟''

''جی... کون؟''

''شہرین بول رہی ہوں۔'' اس نے موبائل کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

''کہیے کیسے فون کیا مسز کاردار؟''

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟ کسی ایسی جگہ جہاں میرے اور تمہارے گھر والوں کو علم نہ ہو؟''

''جہاں تک مجھے یاد ہے میں تیئیس سال کا ہوں اور آپ کم از کم بھی مجھ سے بارہ سال بڑی ہیں تو...''

''اوہ شٹ اپ، مجھے تمہارے ساتھ ڈیٹ پہ نہیں جانا، تم سے ایک کام ہے۔ مگر ہاشم کو پتہ نہ چلے۔''

''پھر ٹھیک ہے۔ پتہ ٹیکسٹ کرتا ہوں، دوپہر میں آ جایئے گا۔'' اپنی حیرت چھپاتے ہوئے اس نے فون کان سے ہٹایا۔ عرصہ پہلے شہرین نے اس سے صلح کر لی تھی، اس کو تب سے معلوم تھا کہ ایک دن یہ لڑکا اس کے کام آئے گا، اور وہ دن آن پہنچا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے ...... جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

کچھ دیر بعد وہ سارہ کے آفس میں موجود تھا۔ وہ کرسی پہ براجمان' ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔ پھر چہرہ اٹھایا اور تحمل سے اسے دیکھا۔

''یہ تمہاری اس ہفتے میں لی جانے والی دوسری لیو ہے۔ اگر میں یہ دے دوں' تو آفس کے باقی لوگ کیا خیال کریں گے؟''

''مجھے فارس ماموں کے کیس کے لئے کچھ اہم کام کرنے ہیں۔''

''وہ اتوار کو نہیں ہو سکتے کیا؟''

سعدی نے معصومیت سے سرنفی میں ہلایا۔'' اتوار کو پاکستان میں چھٹی ہوتی ہے۔''

سارہ نے سمجھنے والے انداز میں اسے گھورا' پھر کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔

''تمہیں اتنے اہم ادارے میں بطور ایک سائنسدان کام کر رہے ہو تو اپنی ڈگری کی وجہ سے' مگر یہاں سب جانتے ہیں کہ تم میرے بھانجے ہو۔ اگر اسی طرح میں تمہیں فیورز دیتی رہی تو تم یہاں اپنی عزت کھو دو گے۔ پہلے تاثر دائمی ہوتے ہیں سعدی!''

''مگر سچ نہیں ہوتے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔'' خیر' آج کے بعد ایسا نہیں ہو گا۔ بس آج کے لئے...''

''صرف آج کے لئے۔'' تنبیہی نظروں سے اسے دیکھ کر سارہ نے درخواست پہ دستخط کیے۔ پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''آپ کیسی ہیں؟ بہت دن سے کام کے علاوہ آپ سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔'' اس نے دیکھا' سارہ کے چہرے پہ ملال بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔ نیلی آنکھوں اور نرم چہرے والی سارہ اب بھی پہلے کی طرح لگتی تھی' مگر بس صرف لگتی ہی تھی۔ ایک تکان' اداسی' ناامیدی اس کی آنکھوں میں آ کر ٹھہر سی گئی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے۔ میں' امی' بچیاں' ہم سب ایک دوسرے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔'' ذرا توقف کیا۔'' فارس کیسا ہے؟''

''بے گناہ آدمی قید میں رہ کر کیسا ہو سکتا ہے؟ بس' اور غم و غصے سے نڈھال۔ مگر ہم انہیں جلد رہا کروا لیں گے اور اصل قاتلوں کو سزا دلوائیں گے۔''

''اس سے کیا ہو گا سعدی؟ وارث واپس تو نہیں آئے گا۔''

اور وہ اس کے اسی فقرے کا انتظار کر رہا تھا' کہ ایڈووکیٹ خفگی سے ملاقات کے بعد اس کو اس سوال کا جواب مل گیا تھا۔

''ہم قاتل کو سزا مقتول کو واپس لانے کے لئے نہیں دیتے۔ بلکہ اس لئے دیتے ہیں تاکہ وہ کسی اور کو قتل نہ کرے۔ قصاص میں زندگی ہوتی ہیں' مقتول کی نہیں' بلکہ کسی اور کی۔ آپ کی' آپ کے بچوں کی' فارس غازی کی' یا شاید میری اپنی۔''

اب کے سارہ نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ہوئی' ہاتھوں میں قلم گھماتے ہوئے کچھ سوچا۔

''تمہارا انداز پراسرار ہوتا جا رہا ہے۔''

''اونہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اب میں جاؤں؟'' اور وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ آخری دفعہ ہے' سعدی یوسف خان!'' اس نے درخواست کی طرف خفگی سے اشارہ کیا۔

''جی بالکل' اس ہفتے میں آخری دفعہ۔'' کاغذ اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ سارہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی اور پھر سر جھٹک کر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور جس وقت وہ وہاں سے نکل رہا تھا' اسی شہر میں کئی میل دور' ہاشم اپنے آفس میں موجود' فون پہ کہہ رہا تھا۔

''کیسی ہو بچے؟ تمہارا پھر سے شکریہ۔''

اپنے لاؤنج میں صوفے کے ساتھ کھڑی' لینڈ لائن فون کا ریسیور کان سے لگائے حنہ اداسی سے مسکرائی۔ ''انس اوکے ہاشم بھائی۔ ویسے شیرو بھائی نے وہ ویڈیو شوٹ کہاں کی تھی۔''

''اس کا ایک کاٹیج ہے نیو یارک میں' وہیں پہ... خیر... فارس کا کیس کیسا جا رہا ہے؟ اس آڈیو سے کوئی فرق پڑا یا نہیں؟''

''بھائی کہہ تو رہا تھا کہ فرق پڑے گا۔''

''ہوں' ویسے وہ کہاں سے ملی آڈیو؟'' بظاہر سرسری سا پوچھا۔

''زمر پھپھو نے نکلوا کر دی تھی' مگر..... یہ بات آپ کسی کو بتایئے گا نہیں۔ یہ فیملی سیکریٹ ہے۔'' اس نے مدھم سا کہا' وہی جو بھائی نے بتایا تھا۔ ''زمر پھپھو کو بھی نہیں بتایئے گا کہ میں نے بتا دیا ہے۔''

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے کیا؟'' وہ الٹا حیران ہوا۔

اس یقین دہانی پہ وہ مسکرا دی۔ ''ہاشم بھائی' آپ بہت اچھے ہیں۔''

''معلوم نہیں' خیر تمہیں ایک کام کہا تھا؟''

حنین کی مسکراہٹ سمٹتی گئی۔ آنکھوں میں گہرا کرب چھانے لگا۔ ''علیشا کو.....'' اور جو سنا تھا بتاتی گئی۔ وہ دوسری جانب بالکل خاموشی سے سنتا گیا یہاں تک کہ حنین کو لگا' وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے۔ ''ہاشم بھائی' کچھ تو بولیں؟''

وہ چپ رہا' بالکل چپ۔ حنہ کا دل ڈوبنے لگا۔ جیسے نیلے پانیوں میں بحری جہاز ڈوب جاتا ہے۔

''کیا آپ اتنا بھی نہیں کہیں گے کہ آپ کو افسوس ہے؟ کیا آپ کو ذرا سا بھی افسوس نہیں؟'' اس کی آواز بھرا گئی مگر ہاشم نے فون رکھ دیا۔ اس دن کے بعد سے وہ حنہ کے لیے ایفل ٹاور بن گیا۔ گو کہ اس نے چند منٹ انتظار کیا کہ وہ کال بیک کرے گا مگر نہیں' کوئی کال نہیں آئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اب اگلے ڈیڑھ سال وہ اس سے سوائے دور دور سے خاندانی تقریبات پہ ملنے کے' بالکل نہیں مل پائے گی۔ اور یہ بھی کہ دوبارہ وہ ہاشم سے فون پہ بات ڈیڑھ سال بعد تب کرے گی جب وہ امتحانی مرکز میں چیٹنگ کرتی پکڑی جائے گی۔

اگر ہم سب کاہن (نجومی) ہوتے تو زندگی کا سارا تھرل ہی ختم ہو جاتا!

❖❖❖

خود کو بڑھا چڑھا کے بتاتے ہیں یار لوگ ...... حالانکہ اس سے فرق تو پڑتا نہیں کوئی

چھوٹے باغیچے والے گھر سے قدرے فاصلے پہ مین روڈ پہ موجود وہ شاپ اس وقت رینوویشن کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ اندر مستری مزدور لگے تھے۔ پینٹ کی مہک' لکڑی اور سیمنٹ کا جا بجا بکھراؤ' چیزوں کی اٹھا پٹخ۔ ندرت اس شاپ کو چھوٹا سا ریسٹورانٹ بنانے کی تیاریوں پہ نگرانی کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی گاہے بگاہے کونے میں رکھی میز کی جانب بھی دیکھ لیتیں (جو آج ڈیڑھ سال بعد ریسٹورانٹ کے مرکزی سٹنگ ایریا میں شامل تھی) جہاں سعدی کے ساتھ ہاشم کی بیوی بیٹھی تھی اور وہ خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔ ندرت اس طرف نہیں گئی تھیں' سعدی نے بتایا تھا کہ فارس کے کیس کے سلسلے میں اسے شہرین سے کوئی کام تھا' تفصیل کو رہنے دیں اور ندرت نے پھر پوچھا نہیں۔

شہرین ہاتھ باہم پھنسائے' وقفے وقفے سے شانے جھٹک کر اور ابرو اچکا کر مدھم بول رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا آپ ہاشم بھائی سے اتنی عاجز ہیں۔"

"اتنی دیر سے بتا رہی ہوں' کس طرح وہ مجھ پہ ٹارچر کرتا ہے' شک کرتا ہے' مارتا ہے' اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ مجھے عاجز نہیں آنا چاہیے؟" ناگواری سے چیخ کر بولی۔ سعدی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"تو اب کیا آپ ان سے انتقام لینا چاہتی ہیں؟"

"وہ بھی لوں گی' اپنے اوپر کیے گئے ایک ایک ظلم کا حساب لوں گی' لیکن ابھی میں کسی اور کام کے لیے آئی ہوں۔"

"میں ہاشم بھائی کا دوست ہوں' ان کے خلاف آپ میری مدد لیں گی' اتنا اعتبار کیسے ہے مجھ پہ؟"

"میرے تمام آپشنز میں تم سب سے زیادہ بھروسے کے قابل لگے مجھے۔ کسی پروفیشنل کو ہائر کیا تو وہ ہاشم کو بتا دے گا یا مجھے بلیک میل کرے گا۔"

"سو اس کا مطلب ہے آپ سے کچھ غلط ہوا ہے؟" اس نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے شہرین کو دیکھا۔ اس کا رنگ بدلا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے جس میں مجھے ہاشم پھنسا سکتا ہے۔ اب تک تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ مجھے ذلیل کرنے کے لیے کسی حد تک جا سکتا ہے۔"

اور اندازہ تو سعدی کو ہو رہا تھا۔ اس نے پہلے اتنی لمبی رام کہانی صرف اس لیے سنائی تاکہ جو وہ آگے بتانے جا رہی ہے اس میں وہ خود بے قصور لگے۔ خیر وہ سنتا گیا۔

"ہماری طلاق کے بعد بچی کی کسٹڈی مجھے چاہیے اور مجھے ہی ملے گی لیکن اگر ہاشم کو میرے بارے میں کچھ بھی برا معلوم ہوا تو وہ سونی کو مجھ سے چھین لے گا۔ میرے کزن والی بات پرانی ہو گئی اور دب گئی۔ اب ایک اور مسئلہ ہے۔" کہتے کہتے وہ ذرا رکی' بالوں میں ہاتھ پھیرا' انگلیاں مروڑیں۔

"آپ سے کیا ہوا ہے؟"

"گالف کلب میں کچھ عورتیں کارڈز کھیلتی ہیں' آئی سویر میں ان میں شامل نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے وہ صرف ایک کارڈز گیم تھی' مگر میں نے کافی کچھ لوز کر دیا اس میں۔"

"او کے۔ پھر؟"

"ان کے پاس کوئی رجسٹر' کوئی کمپیوٹر کارڈ کچھ نہیں ہوتا' میں نے سارا پیسہ بعد میں پورا کر دیا' مگر اس شام کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کمپیوٹرز میں ہے۔ اور اگر کلب میں کبھی کسی نے وہ ہاشم کو دے دی' گو کہ وہ ایسا نہیں کرتے' مگر میں رسک نہیں لینا چاہتی۔ ہاشم کو نہیں معلوم میں کتنی بڑی رقم ہاری تھی۔ اس کو رقم سے فرق نہیں پڑتا' مگر ہاشم کاردار کی بیوی gambling کرتے ہوئے دکھائی دے..... یہ ایک اسکینڈل

ہے، اس کی کتنی بدنامی ہوگی، اور کوئی بھی اسکینڈل مجھے میری بچی کی شکل دیکھنے سے تاعمر محروم کرسکتا ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟"

"تم اور تمہاری بہن ان چیزوں میں اچھے ہو۔ کلب کے ریکارڈ سے اس دن کی فوٹیج غائب کردو، میں تمہیں کچھ بھی دینے کو تیار ہوں۔"

"اپنی بہن کو ایسے کلب میں لے کر نہیں جانے والا سو میری بہن کا نام آئندہ اس معاملے میں نہیں لیں گی آپ، مگر آپ کا کام کر دوں گا۔ ڈونٹ وری۔"

"کیسے کرو گے؟" وہ متعجب ہوئی۔

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ ویسے، ہاشم بھائی جیسے شاطر آدمی کو دھوکہ کیسے دے لیتی ہیں آپ؟"

"ہر شخص کی ایک کمزوری ہوتی ہے، اس کی بھی ہے۔ اسے لگتا ہے جن لوگوں سے وہ محبت کرتا ہے وہ اس کو کبھی دھوکہ نہیں دے سکتے۔ جیسے اس کی فیملی، جیسے کبھی میں تھی، اور جیسے اب تم ہو۔ وہ تم سے سچ میں بہت محبت کرتا ہے، کہتا نہیں ہے مگر اسے تم شیرو کی طرح ہی پیارے ہو۔" سعدی نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔ شہرین گہری سانس بھر کر پیچھے کو ہو بیٹھی، چہرے پہ آئے بال پرے ہٹائے۔ "اور تم جواب میں کیا لو گے؟"

"آپ کو ہاشم بھائی سے ان کے تمام ظلم وستم کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو بس اس وقت کا انتظار کریں، جب ہم مل کر یہ کام کرسکیں۔"

شہرین نے الجھن سے اسے دیکھا۔ "تم تو ہاشم کے دوست ہو۔ ایسا کیا ہوا تم دونوں کے درمیان؟"

وہ مسکراتے ہوئے کرسی دھکیلتا اٹھا۔

"آپ کے برعکس، میرے آپشنز میں سب سے کم قابل اعتبار آپ ہیں۔"

شہرین نے شانے اچکائے۔ وہ سعدی کی ہر بات سننے پہ مجبور تھی۔

.................❖❖❖❖.................

گئے تھے زعم میں اپنے پر اس کو دیکھتے ہی ...... جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام، بھول گئے

یہ سرما کی ایسی سرد دوپہر تھی جب ذرا سی دھوپ روح تک کو تکور بخشتی۔ ایسے میں عدالت کی عمارت کے گرد کہر کے دائرے میں دھوپ چھید کر کے چوری چھپے داخل ہوگئی تھی۔ مگر کمرہ عدالت کے اندر شکوک شبہات نے ہنوز سب دھندلا رکھا تھا۔

جسٹس سکندر بغور وکیل دفاع خلیجی صاحب کو بولتے سن رہے تھے جو کٹہرے میں کھڑی زمر سے سوال کر رہے تھے۔ سامنے حاضرین کی چند کرسیاں رکھی تھیں، بمشکل ڈیڑھ قطار بھر کرسیاں جو اس ٹی وی اور فلم سے یکسر مختلف اور بدصورت کورٹ روم کو مزید بدنما دکھا رہی تھیں۔ کمرے سے باہر کچہری میں پھرتے بھانت بھانت کے لوگوں کا شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا مگر وہ سب زمر کو سن رہے تھے۔ سعدی خاموشی سے، اور فارس ناگواری سے۔ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ فارس کی تیوری چڑھی تھی۔ آنکھوں میں زمر کو دیکھتے دبا دبا غصہ تھا۔ سفید کرتے کے کف کلائی پہ موڑ رکھے تھے، اور بال پونی میں بندھے تھے۔

البتہ سعدی بالکل چپ چاپ تھا۔ ریشم بننے کے بعد کا نرم مگر بے لچک سا......

زمر بھی اتنی ہی بے لچک لگ رہی تھی۔ سفید لمبی قمیص اور بلیک منی کوٹ۔ دوپٹہ شانوں پہ، اور اعتماد سے اٹھی گردن۔ وہ زمر ہی لگ رہی تھی۔ اور صرف خلیجی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ دیکھ چکی ہیں کہ کس طرح ابھی ایک ایکسپرٹ witness (ماہر گواہ) نے یہ ثابت کر کے دکھایا ہے کہ اس ریکارڈنگ میں

موجودہ فارس غازی کی آواز اصلی نہیں ہے۔"

"الفاظ وہی ہیں جو میں نے سنے تھے۔ ریکارڈنگ کے بارے میں عدالت درست فیصلہ کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے ریکارڈنگ سے اصل آواز نکال کر جعلی ڈالی گئی ہو تاکہ عدالت میں اپنی مرضی کی بات ثابت کی جاسکے۔ آفٹر آل اس ریکارڈنگ کا سورس غیر تصدیق شدہ ہے۔" ذرا سے شانے اچکائے۔

"یہ فیصلہ عدالت پہ چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے۔" خلجی صاحب نے اس کو بے اختیار ٹوکا۔ پھر کٹہرے کے مزید قریب آئے۔ "کیا آپ اب بھی اپنے بیان پہ قائم ہیں؟"

"جو جس طرح ہوا' جو میں نے سنا' میں نے کورٹ اور پولیس کو بتا دیا۔ فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے۔" وہ بے تاثر اور مطمئن کھڑی تھی۔

"اور جب آپ نے سن لیا تھا کہ ایک شخص آپ کو قتل کرنے جا رہا ہے تو آپ بھاگی کیوں نہیں؟"

"وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' میرا رشتہ دار تھا' مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ مجھے مارے گا۔ میں اسے خالی دھمکی سمجھی تھی۔"

"مگر بعد میں آپ کو یقین آ گیا؟"

"مجھے تین گولیاں لگی تھیں' میرے سامنے ایک لڑکی قتل ہوئی' کیا یقین نہیں آنا چاہیے تھا؟" وہ پرسکون ٹھنڈے انداز میں جواب دے رہی تھی۔

"یعنی آپ مانتی ہیں کہ آپ نے اس وقت گولی مارنے والے کی بات کو غلط جج کیا اور نہ بھاگ کر غلطی کی؟"

"بھاگ کر کہاں جاتی؟ سارا ریسٹورانٹ تو اوپن تھا۔ اور اس کے پاس sniper گن تھی۔" ایک کاٹ دار نظر سامنے بیٹھے فارس پہ ڈالی (وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا' چبھتی ہوئی نظروں سے) اور واپس خلجی صاحب کو دیکھا۔ "اس نے ایسی جگہ منتخب کی جہاں بھاگنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔"

خلجی صاحب نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات پہ نظر ڈالی' پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "زمر صاحبہ' آپ کب سے پراسیکیوٹر ہیں؟"

"میرا خیال ہے آپ کے کاغذ اور دماغ دونوں میں تاریخ درج ہوگی' بہرحال' ساڑھے تین سال سے۔"

"میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو مختصر رکھیے۔"

"پھر آپ کو چاہیے کہ آپ مجھ سے ڈبلیو کویسچنز نہ پوچھیں۔" (یعنی کہ کیا' کیوں' کب' کہاں والے سوالات۔) خلجی صاحب نے اثر لیے بنا کاغذات کو پھر سے دیکھا۔ دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا فارس آنکھیں سکوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ اپنے جونیئرز میں ایک سخت گیر پراسیکیوٹر کے طور پہ مشہور ہیں؟"

"بالکل۔ اور کیسا ہونا چاہیے پراسیکیوٹر کو؟" اس نے گردن کڑائی۔ وہ فارس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

"زمر صاحبہ' آپ جانتی ہیں کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے' قانون کے تحت ہم فارس غازی کو presumed innocent کہیں گے' مجرم نہیں۔ کیونکہ آپ اسے مجرم ہی خیال کرتی ہیں۔"

"بالکل۔" سر اثبات میں ہلایا۔ فارس نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

"اور زمر' جب آپ کسی کو پراسیکیوٹ کرتی ہیں' تو اس کو مجرم گردان کر ہی ایسا کرتی ہیں' درست؟"

"ثبوت اور شواہد اس کے خلاف ہوں تو' ہاں!" وہ ٹھنڈی اور پرسکون تھی۔

"میں آپ سے پھر درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو ہاں یا ناں تک محدود رکھیں۔"

''یہ سوال پہ منحصر ہے۔''
خلجی صاحب نے ضبط سے گہری سانس لی۔ پھر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ کمرۂ عدالت میں سناٹا چھایا تھا۔
''پچھلے ساڑھے تین سال میں آپ کے پراسیکیوٹ کیے گئے کیسز میں سے قتل کے سولہ مقدمات ایسے ہیں' جن کے فیصلے آچکے ہیں۔''
''جی!''
''اور ان میں سے سات فیصلے دفاع کے حق میں ہیں۔ یعنی کہ سولہ دفعہ آپ نے کہا کہ یہ شخص قاتل ہے' نو دفعہ عدالت نے کہا کہ ہاں یہ قاتل ہے' مگر سات دفعہ عدالت نے کہا کہ یہ قاتل نہیں ہے۔''
''سات دفعہ شواہد اور گواہیاں اتنی مضبوط تھیں کہ فیصلہ.....'' وہ تصحیح کرنے لگی مگر۔۔
''ہاں یا نہیں' زمر صاحب!'' قدرے بلند آواز سے یاد دہانی کروائی۔ زمر نے گہری سانس بھری۔
''جی ہاں۔''
''یعنی کہ سات دفعہ آپ غلط ثابت ہوئیں۔ سولہ میں سات.... '' انگلیوں پہ گنا۔ ''تقریباً پچاس فیصد تناسب نکلتا ہے۔ یعنی.... آپ نے سات لوگوں کو پھانسی کی طرف لے جانا چاہا' مگر عدالت نے انہیں بے گناہ قرار دے دیا۔ اس تناسب سے آپ جتنے لوگوں کو قصوروار ٹھہراتی ہیں' ان میں سے آدھے تو بے گناہ نکلتے ہیں۔'' زمر کے ابرو تن گئے اور فارس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔
''ہم سب جانتے ہیں کہ آپ الفاظ کے ہیر پھیر سے کام لے رہے ہیں' ورنہ ایسے نہیں ہوتا۔'' وہ چبا کر بولی۔ سعدی اپنے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ناگواری سے خلجی صاحب کو دیکھا۔
''زمر صاحبہ' کیا یہ درست نہیں کہ آپ پراسیکیوشن آفس میں بیٹھ کر دفاع کی جانب سے کان بالکل بند کر لیتی ہیں اور ایک دفعہ کسی کو مجرم گردان لیتی ہیں تو یہ ثابت کرنے کے لیے آخری حد تک جاتی ہیں؟''
''میں بغیر وجہ یا ثبوت کے کسی کو مجرم نہیں گردانتی۔'' چبا چبا کر' سلگتی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر بولی۔ سامنے کھڑے خلجی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ دیکھے۔
''کیا یہ درست ہے کہ وارث غازی قتل سے چند روز قبل آپ نے ایک موک ٹرائل میں حصہ لیا تھا۔ سرکار بنام ہیری پوٹر؟''
اور زمر نے بری طرح چونک کر سامنے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اس نے گردن مزید جھکا دی۔ زمر کی آنکھوں میں بے یقینی' صدمہ' دھچکا' ہر شے ابھری تھی۔
''جی ہاں!'' وہ دوبارہ خلجی صاحب کی جانب مڑی تو جیسے بمشکل غصے کو ضبط کر رہی تھی۔
''اس میں آپ نے ہیری پوٹر کو سیڈرک ڈگوری کا قاتل ثابت کر دیا۔ کیا یہ درست ہے؟''
''وہ ایک موک ٹرائل تھا!'' گلابی پڑتی آنکھوں سے وہ غرائی تھی۔ مگر وہ اثر لیے بنا کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔
''جبکہ ہیری پوٹر کے چوتھے حصے میں درج اس واقعے کی تفصیل کے مطابق ہیری قاتل نہیں تھا۔''
''وہ ایک موک ٹرائل تھا!'' سختی سے کٹہرے کا جنگلہ پکڑے' وہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''زمر' میرا آخری سوال۔'' کاغذ سے چہرہ اٹھا کر انہوں نے سادگی سے پوچھا۔ ''کیا ہیری کو پراسیکیوٹ کرنے سے قبل آپ نے وہ چوتھا حصہ پڑھا تھا؟''
''وہ ایک موک ٹرائل تھا' خلجی صاحب!'' اس کی آواز کانپی۔

''اس چوتھے حصے کے مطابق ہیری بے گناہ تھا یا گناہگار؟''

اور فارس بے چینی سے سعدی کی طرف جھکا۔ ''وکیل کو منع کرو۔ اس کے ساتھ یوں نہ کرے۔ وہ ایک عورت ہے۔''

سعدی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''اتنی ہمدردی تھی تو گولی کیوں ماری؟''

فارس نے جواباً غصے سے اسے گھورا۔

''کیا نہیں ماری تھی؟ تو اگر کوئی یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو کرنے دیں۔'' اور پھر سے قدموں میں دیکھنے لگا۔

''وہ تمہاری پھپھو ہیں۔'' اس نے گویا ملامت کی۔

''اور مجھ سے زیادہ مضبوط ہیں' سہہ لیں گی۔''

اور خلیجی صاحب کہہ رہے تھے۔

''میں آپ سے ایک سادہ سی بات پوچھ رہا ہوں۔ ہیری پوٹر کی چوتھی کتاب کے تحت' ہیری پوٹر' جس کو آپ نے سزا دلوائی تھی' گناہگار تھا یا بے گناہ؟''

لب بھینچے' زمر نے سرخ ہوتی آنکھیں خلیجی صاحب پہ جمائیں' چند لمحے منتظر سی خاموشی چھائی رہی۔

''بے گناہ!''

ایک لفظ بولا' جج نے قلم سے کاغذ پہ کچھ نوٹ کیا' خلیجی صاحب ''دیٹس آل'' کہتے پیچھے کو ہٹے مگر وہ ان سے پہلے پرس کندھے پہ ڈالتی نیچے اتر آئی۔ سعدی کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا' زمر نے ملامتی' کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی اور آگے چلتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ کمرہ عدالت سے باہر تھی۔ کوئی اسے روک کے دکھائے تو اس کی ماں اسے روئے۔

راہداری میں چلتے ہوئے اس کا چہرہ احساسِ توہین سے سرخ پڑ رہا تھا۔ بار بار وہ کنپٹی مسلتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ واپس اپنے آفس آئی اور اندر جو بھی بیٹھا تھا اس کو ''باہر جاؤ فوراً'' کہہ کر بھیجا اور کرسی پہ گر سی گئی۔ آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں' سر درد الگ۔

پتہ نہیں کتنی دیر وہ ادھر بیٹھی رہی' پھر پرس اور چابیاں اٹھا کر باہر نکلی۔ راہداری میں ابھی آگے آئی ہی تھی کہ سامنے سے دو اہلکار' ہتھکڑی لگے فارس کو لے کر آ رہے تھے' اس کے ہاتھوں سے بندھی زنجیریں سپاہیوں کے ہاتھوں سے جڑی تھیں۔ سماعت ختم ہو چکی تھی۔

اسے قریب آتا دیکھ کر وہ رکا' گردن ترچھی کر کے سپاہی کو دیکھا۔

''منظر اسلام' تمہاری بیوی کا نام رخسانہ ہے' چار بچے ہیں تمہارے' سیٹلائٹ ٹاؤن کے پاس گھر ہے تمہارا' اگر تم نے مجھے پراسیکیوٹر سے بات کرنے سے روکا' تو یاد رکھنا' جس دن چھوٹوں گا' سب سے پہلے تمہارے گھر جاؤں گا۔'' ایک کاٹ دار نظر اہلکار پہ ڈالی جو بے بسی سے خشک لبوں پہ زبان پھیر کر رہ گیا۔ وہ چلتی ہوئی قریب آ رہی تھی' اسے دیکھا تو رخ پھیر کر نکلنے لگی مگر۔۔۔

''آپ نے کہا آپ میرے ساتھ کھڑی ہوں گی' میری وکیل بنیں گی۔'' زمر رکی' چونک کر اسے دیکھا۔ وہ وسط راہداری میں' ہتھکڑیوں میں کھڑا' بہت ضبط سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

''اس ریکارڈنگ میں آپ نے کہا' آپ میرا ساتھ دیں گی' حالانکہ آپ کو بتایا جا رہا تھا کہ میں نے وارث کو مارا ہے۔'' وہ چند قدم مزید قریب آیا۔ دونوں اہلکار ساتھ کھنچے آئے۔ راہداری میں سے گزرتے لوگ رک کر دیکھنے لگے۔ زمر لب بھینچے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور سانس تیز ہو رہی تھی۔ وہ دو قدم مزید آگے آیا۔ انہی غصے بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے بولا۔

''بھائی کو مارا تو خیر تھی' بات سننے کو تیار تھیں آپ' مگر آپ کو مارا تو اصول بدل گئے' ہاں؟''

وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ پہلو میں گرے ہاتھ سے پرس کو زور سے بھینچا۔ ضبط سا ضبط تھا۔

"آپ نے کہا، ابھر کٹہرے میں" ہتھکڑی والے ہاتھ سے کمرۂ عدالت کی سمت اشارہ کیا۔ "میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا، سچ کہا مگر آپ کوئی نہیں تھیں، آپ زمر تھیں!" انگلی اٹھا کر، پیچھے ہٹتے، اس نے غصے اور دورد سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا "آپ سے، کم از کم آپ سے مجھے امید تھی کہ آپ مجھے سنیں گی، مگر آپ نے سب سے پہلے میری امید توڑ دی۔" اور وہ پیچھے ہٹتا گیا۔ "میں بے گناہ تھا میڈم زمر، میں بے گناہ تھا!" غصے کی جگہ ان آنکھوں میں دکھ بھر آیا اور پھر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اسے لیے مڑ گئے، مگر اس کی آنکھیں۔۔۔ وہ وہیں نقش تھیں۔۔۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا، ہر رک کر اسے دیکھتے شخص کے اوپر وہی آنکھیں چسپاں تھیں۔۔۔ وہ تیز تیز چلتی دوسری سمت بڑھنے لگی۔ اس کا سانس اب بھی بے ترتیب تھا، اور آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔

گھر آ کر اس نے ابا، صداقت، کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ کمرے میں بند ہو گئی۔ ڈاکٹر کی اپائنٹمنٹ پہ بھی نہیں گئی۔ بس بستر پہ چت لیٹی چھت کو دیکھتی رہی۔ پھر شام ڈھلے اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی، اور کچھ فائلز کو پڑھتی رہی۔ رات دیر تک اس کے کمرے کا یہی منظر رہا۔ کب سر فائل پہ رکھے وہ سو گئی، اسے پتہ بھی نہیں چلا۔

............❖❖❖............

کیا گزرتی ہے بھری دنیا میں تنہا شخص پر ...... ایک لمحے کے لیے خود سے بچھڑ کر سوچنا

رات کا دوسرا پہر تھا شاید جب اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ لیمپ جانے کب بجھ گیا۔ شاید بجلی چلی گئی تھی۔ وہ بال لپیٹتی اٹھی۔ بتی جلائی۔ یو پی ایس نے کمرہ روشن کر دیا۔ وہ قدم قدم چلتی شیلف تک آ رکی۔ وہاں سیاہ جلد والی موٹی موٹی قانون کی کتابیں رکھی تھیں۔ زمر نے ہاتھ اٹھا کر ان کو چھوا۔ آنکھوں میں کرب ابھرا۔ پھر وہ مزید بائیں جانب آئی۔ یہاں الماری تھی۔ اس نے پٹ کھولا۔ جوتوں والے خانے میں ایک ڈبہ رکھا تھا جس میں چند ایک تراشے اور کاغذ پڑے تھے۔

یہ ڈھائی سال قبل اس نے جمع کیے تھے۔ پھر چھوڑ دیے۔ یہ تکلیف دیتے تھے اور وہ تکلیف سے بچنا چاہتی تھی، پھر بھی بچ نہیں پاتی تھی۔ مگر جو تکلیف، ہتک، ذلت آج اٹھانی پڑی تھی..... بھری عدالت میں..... اس نے ڈبے کو چھوئے بنا الماری بند کر دی اور باہر نکل آئی۔

گھر ویران، اندھیر پڑا تھا۔ اور سرد بھی۔ وہ باہر لان میں آ گئی۔ برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھی۔ ایک گال گھٹنوں پہ رکھے دور گھاس اور پودوں کو تکتی، خاموش بیٹھی رہی۔ لمحے چپ چاپ کٹتے رہے، پھسلتے رہے، یہاں تک کہ فجر اترنے لگی، تب زمر اٹھی اور لان کے کنارے تک آئی۔ یہاں پودوں کو پانی دینے کے لیے ٹونٹی لگی تھی۔ اس نے وہی کھولی، ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا اور وہیں گھاس پہ کھڑے نماز کی نیت باندھ لی۔

آخری سجدے کے بعد التحیات پڑھ لیا اور سلام پھیرا تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، مگر پھر گرا دیے۔ چپ چاپ سجدے کی جگہ کے گھاس کو دیکھتی رہی۔ اس پہ انگلی پھیرتی رہی۔ سخت سردی میں بغیر سوئیٹر کے وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی۔۔۔

وہ رات اس حوالاتی کوٹھری میں بھی آنکھوں میں کاٹی گئی تھی۔ وہ ذرا سا کونہ جہاں برآمدے کی بتی کی مدھم روشنی گرتی تھی، آج فارس ادھر نہیں لیٹا تھا۔ وہ دوسری دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اکڑوں، سر دیوار سے ٹکائے، آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے وہ سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ باہر فجر ابھی تک تازہ تھی۔ پہریدار ٹہل رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ چند ایک کوٹھڑیوں میں سے آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ احمر بھائی لیٹا، آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا، پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"غازی بھائی۔ ادھر کیوں بیٹھے ہو؟ سوئے نہیں کیا؟؟"

"اونہوں!" وہ باہر دیکھتا رہا۔ یقیناً وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ احمر لبوں پہ ہاتھ رکھ کر جمائی روکتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ فارس اس سے چند قدم

''کیا بات ہے؟ نماز نہیں پڑھی؟''

''پڑھ لی۔''

''اس نماز کا کیا فائدہ جس کے آخر میں کوئی دعا ہی نہ مانگی جائے؟ چار سجدے کیے اور اٹھ گیا۔'' پھر وہ خود ہی ہنسا، مگر جب فارس نے قہقہے کا جواب نہیں دیا تو وہ چپ ہو گیا۔

''برے حالوں میں لگ رہے ہو آپ۔'' وہ آنکھیں جھپکا جھپکا کر غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر قریب کھسک آیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟ اپنے پرزن رائمنس کے بارے میں؟''

خلاف معمول فارس بے زار نہیں ہوا' ہلکی سی نفی میں گردن ہلائی۔

''پھر کیا چڑیل کے بارے میں؟ کل کورٹ میں پیش ہوئی تھی نا!؟''

''ہوں!'' فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ نے بتایا ہی نہیں کل سے کہ کیا ہوا۔ کیا اس نے وہی کہا جو پہلے کہہ چکی تھی یا کچھ نیا تھا اس میں؟''

''سب پرانا تھا۔''

''تو اتنے اپ سیٹ کیوں ہو؟''

''عدالت نے نو مہینے بعد کی تاریخ دی ہے۔'' تکلیف سے کہتے اس نے گردن پھیر کر احمر کو دیکھا جس کے لب اردو میں سکڑے۔''نو مہینے احمق! نو مہینے میں ایک پیشی کا انتظار نہیں کر سکتا۔''

''مگر... آج تو سب کچھ آپ کے حق میں گیا تھا نا۔''

''مجھے بھی یہی لگا' سعدی کو بھی مگر جب جج نے اگلی تاریخ دی تو میرے وکیل نے بھانپ لیا کہ جج بک چکا ہے۔'' تکان سے کہتے اس نے آنکھوں کے درمیان کی ہڈی مسلی۔''اتنے مہینے کے انتظار جس کی اتنی راتیں' مگر انصاف کی کوئی امید نہیں۔''

احمر نے گردن پھیر کر روشنی والا کونہ دیکھا جو آج خالی پڑا تھا۔

''مجھے بھی لمبی تاریخ مل گئی ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد منہ بسورے بولا تو فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مگر تمہارا وکیل تو ہاشم ہے۔''

''ہاشم اپنے والد کے مجبور کرنے پہ میرے لیے کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے اندر سے مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں' شروع شروع میں اس نے یوں ظاہر کروایا کہ بس میں رہا ہوا کہ ہوا' مگر... اب تک اورنگزیب کاردار مجھے بھولنے لگے ہیں'' پہلی دفعہ وہ بے فکرا اور لاپرواہ نہیں لگا تھا' اسے جیسے اب واقعی فکر ہونے لگی تھی مگر وہ اسے چھپانے کی سعی کر رہا تھا۔

فارس نے کرب سے سر جھٹکا۔

''پھر اب آپ کیا کریں گے؟''

''تم کیا کرو گے؟ بلکہ۔'' وہ ایک دم احمر کو دیکھنے لگا۔'' بلکہ ہم کیا کریں گے؟'' تو وہ جو ہنوز اداس بیٹھا تھا' چونکا' پھر پیچھے کو ہٹا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے؟'' مشکوک انداز میں اسے گھورا۔

فارس کچھ کہے بنا اس کو دیکھتا رہا۔

''نہیں' بالکل نہیں۔'' احمر نے جلدی سے ہاتھ اٹھائے۔''میں وہ نہیں کرنے والا جو آپ سوچ رہے ہیں۔''

''بالکل بھی نہیں، ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے، عدالت پہ یقین رکھیں، بس!'' تگز کر کہتا وہ پرے لیٹ گیا۔ فارس اسے دیکھ رہا تھا، اس نے گھبرا کے کروٹ بھی بدل لی۔

باہر فجر میں ایک ویران صبح کی روشنی گھلتی گئی۔

.... ❖ ....

واجب القتل اس نے ٹھہرایا...... آیتوں سے، روایتوں سے مجھے

جسٹس سکرم کے چیمبرز میں خاموشی چھائی تھی۔ ہیٹر نے ماحول کو گرم اور خنک کر رکھا تھا۔ زمر سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی اور وہ اپنی ناک پہ براجمان عینک کے پیچھے سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے پراسیکیوشن آفس سے استعفیٰ دے دینا چاہیے!'' بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں تکان تھی۔ گھنگھریالی لٹیں دونوں طرف سے گالوں کو چھو رہی تھیں۔ انہوں نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔

''تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے زمر؟''

''یہی کہ میں ایک اچھی پراسیکیوٹر نہیں ہوں۔ میرے خیالات فکسڈ ہو چکے ہیں اور میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔'' وہ ملامت بھری آنکھیں ان پہ جمائے بدقت ایک ایک لفظ ادا کر پائی۔ جسٹس سکرم نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''سب سے برے مریض، ڈاکٹر ہوتے ہیں، اور سب سے برے گواہ خود وکیل بنتے ہیں۔ تم نے یہ ثابت کر دیا۔'' پھر قدرے آگے کو جھکے۔ ''مجھے بلکہ پوری کچہری کو معلوم ہے کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ دفاعی وکیل گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لئے ہر قسم کا ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس وکیل کی بات دل پہ لے لوگی۔''

''وہ میرے راستے میں آیا اور اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کر کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔''

وہ چونکے۔ ''کون؟''

''فارس۔'' وہ کہہ کر چپ ہو گئی۔ چند ثانیے کو چیمبرز میں سناٹا چھا گیا۔

''کیا اس نے یہ پہلی دفعہ تم سے کہا؟''

''میں ڈھائی برس تک اس سے ملنے سے انکار کرتی رہی اس لیے نہیں کہ مجھے تکلیف ہوتی ہے، اس لیے بھی نہیں کہ کوئی مجھے ثبوت کیوں نہیں لا کر دیتا۔ یہ وہ بہانے تھے جو میں بناتی تھی، صرف اس لیے کہ مجھے معلوم تھا، اگر وہ میرے سامنے آیا اور کہا کہ وہ شرمندہ ہے تو میں اسے معاف کر دوں گی۔ مگر کل وہ سامنے آیا تو کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اور میں نے سن بھی لیا۔''

''اور کیا مان بھی لیا؟''

اس بات پہ زمر نے ٹھنڈی سانس بھری اور گردن جھکا کر اپنے ناخن کھرچنے لگی۔

''میں کنفیوزڈ ہو گئی ہوں۔''

''جیسا کہ دفاعی وکیلوں کی خواہش ہوتی ہے اگر کنونس نہ کر سکو تو کنفیوز کر دو۔'' وہ قدرے ناراض نظر آنے لگے۔ زمر نے نفی میں گردن ہلائی۔

''شاید وہ ٹھیک ہیں۔ میں اپنے غم، بیماری اور ٹراما میں خود غرض ہو گئی ہوں۔ میں نے دوسری طرف کی کہانی سننا چھوڑ دی ہے۔ مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔ وہ قاتل تھا یا نہیں، مجھے اس سے ملنا چاہیے تھا۔''

''تمہاری جگہ کوئی ... بھی ... [illegible]''

''مگر میں کوئی دوسری عورت نہیں تھی۔ میں زمر تھی۔ مجھے اپنے جذبات ایک طرف رکھنے چاہیے تھے۔'' انہوں نے جواباً اکتا کر ناک سے مکھی اڑائی۔

''یہ کتابی باتیں ہیں' کوئی بھی انسان اتنا غیر جانبدار نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے دوست وکلاء ہم ججوں کے سامنے پیش ہونے سے یہ کہہ کر معذرت نہ کر لیتے کہ یہاں Conflict Of Interest آ گیا ہے۔ وکیلوں کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔''

''اور بطور ایک جج آپ کو کیا لگتا ہے؟ سرکار بنام فارس غازی میں مجرم کون ہے؟'' وہ بالکل خالی نظروں سے ان کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

''جتنا میں نے اس کیس کے بارے میں سن رکھا ہے' میرا خیال ہے فارس غازی مجرم ہے۔'' عینک کے بازو کا کنارہ دانتوں میں دبائے' وہ کندھے اچکا کر بولے۔

''کیونکہ ثبوت اس کے خلاف ہیں؟ مگر قانون تو یہ کہتا ہے کہ عدالت کا فیصلہ آنے تک ملزم کو ''مجرم'' نہ کہا جائے بلکہ اسے Presumed Innocent سمجھا جائے۔'' وہ بہت تکلیف میں بول رہی تھی۔

''یہ درست ہے۔''

''اور قانون یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ایک طرف ملزم کے خلاف شواہد کا پہاڑ ہو' مگر دوسری جانب اتنا ذرا سا...'' انگوٹھا اور انگشت شہادت قریب کر کے بتایا۔ ''اتنا ذرا سا بھی شک ہو' Reasonable Doubt ہو تو ہمیں ملزم کو بری کر دینا چاہیے کیونکہ سو گناہگاروں کو بری کر دینا ایک معصوم کو سزا دینے سے بہتر ہے۔'' اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحے اسی سناٹے میں پھسل گئے۔

''میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا' اور وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا' سر۔''

عینک کا ہینڈل چباتے ہوئے انہوں نے ہنکارا ابھرا ''ہوں' تو تمہیں کیا ڈر ہے؟''

''اگر میری وجہ سے ایک بے گناہ آدمی کو سزا ہوئی تو میں زندگی میں کبھی دوبارہ لاء نہیں پریکٹس کر سکوں گی۔''

جسٹس مکرم آگے کو ہوئے' سوچتے ہوئے عینک کے کنارے سے میز پہ نادیدہ لکیریں کھینچیں۔

''تو پھر؟ کیا وہ بے گناہ ہے؟''

''میرے پاس بہت کچھ ہے جو اس کو مجرم ثابت کرتا ہے میری نظروں میں' مگر ان کے پاس Reasonable Doubt ہے اور اگر میں ان دونوں کو ان پلڑوں میں رکھوں.....'' میز پہ رکھے ڈیکوریشن ترازو کی سمت اشارہ کیا۔ ''تو رتی بھر شک کا پلڑا ہمیشہ جھک جائے گا۔''

''شک کیا ہے؟''

''وہ آواز جو میں نے سنی' وہ جعلی تھی۔ یہ میرے لیے ماننا بہت مشکل ہے' آپ کے لیے بھی ہو گا' لیکن.....'' وہ بے چینی سے آگے کو ہوئی۔ ''اب دو باتیں ہیں۔ اول' قاتل فارس ہی تھا اور یہ آڈیو ردوبدل کے بعد پیش کی گئی ہے' اسی لیے وہ لوگ اس کا سورس نہیں بتا رہے۔ دوم' (ایک گہری سانس لی) آڈیو اصلی ہے' وہ فارس نہیں تھا' وہ ایک جعلی آواز تھی۔''

''تمہارا دل کیا کہتا ہے؟''

''دل سے آخری فتویٰ لیا جاتا ہے' پہلا نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہی مجرم ہے' اسی نے کیا ہے یہ سب۔ لیکن...'' اور یہیں آ کر اس کا پورا وجود کرب میں مبتلا ہو جاتا۔

''تمہارے دل میں شک آ گیا ہے۔''

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور تم نے اس کا حل یہ سوچا کہ تم فرار ہو جاؤ؟ استعفیٰ دے کر؟"

"میں فرار نہیں ہو رہی۔ میں شاید اس کرسی کی مستحق نہیں ہوں۔ شاید پراسیکیوشن کی کرسی پہ بیٹھ کر میں دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔"

"جب عدالت میں اس وکیل نے یہ کہا کہ تمہارے اتنے کیسز کے فیصلے تمہارے خلاف آئے ہیں تو تم نے اسے سچ کیوں نہیں بتایا؟"

"اور سچ کیا تھا؟" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"یہ کہ ان کیسز میں ملزم بری اس لیے ہوئے تھے کہ کبھی گواہ ڈر گئے یا بک گئے، کبھی جج ہمت نہ کر سکے، کبھی ثبوت نہیں تھے، کبھی شک کا فائدہ دیا گیا۔ میں روز کتنے ہی ایسے کیسز میں لوگوں کو بری کرتا ہوں جہاں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملزم ہی مجرم ہے مگر میرے سامنے اتنے ثبوت ہی پیش نہیں کیے جاتے جو ان کو جیل میں روک سکے۔ پراسیکیوٹر کا کام حقائق اور شواہد سامنے لانا ہوتا ہے، اور تم ایک بہترین پراسیکیوٹر ہو زمر!" پھر گہری سانس لے کر پیچھے ہوئے۔

"رہا فارس غازی کا کیس، تو اس کے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ تم نہ گواہی دیتیں، تب بھی وہ جیل میں ہوتا۔ پھر بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ اس کے بے گناہ ہونے کا ذرا سا بھی چانس ہے، تو تم اپنی گواہی واپس لے لو اور جا کر ایک دفعہ اس کی بات سن لو۔ اگر وہ کہے کہ وہ بے گناہ ہے تو یقین مت کرنا، کیونکہ سب ملزم یہی کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات کہے تو دھیان سے سن لینا۔"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو سر۔ میں بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ میں اپنی گواہی واپس لے لوں گی، گو کہ مجھے ابھی تک خود پہ یقین ہے، مگر اس کیس سے الگ ہونے کے لیے میں یہ ضرور کروں گی۔" کہتے ہوئے وہ پہلی دفعہ قدرے سکون سے مسکرائی۔ وہ واقعی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

.... ❖ ....

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں ..... جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

جیل کے برآمدے میں معمول کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ صحن میں قیدی ادھر ادھر چلتے، پھرتے، کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک کونے میں، سرما کی دھوپ سے بے نیاز، وہ دونوں بھی موجود تھے۔ فارس ٹانگ موڑ کر، دیوار سے ایک پاؤں لگائے کھڑا تھا، اور احمر اس کے سامنے کھڑا، سینے پہ بازو لپیٹے، دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"پریشان ہو اسٹینی!"

"نہیں یار!" احمر نے بے چینی سے سر جھٹکا اور پتلیاں سکیڑ کر دور سفید کپڑوں والے قیدیوں کو دیکھنے لگا۔

"اے!" فارس نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ "مسئلہ ہے کوئی؟"

"ہاشم اس سماعت پہ نہیں آیا۔ ٹالے جا رہا ہے۔ اگلے ہفتے بھی معلوم نہیں آئے یا نہیں۔" اور ان ڈھیر سارے دنوں میں پہلی دفعہ وہ مایوس نظر آنے لگا تھا۔

"ہاشم کے وعدوں پہ رہو گے تو یہی ہوگا۔" پھر ادھر ادھر سرسری سا دیکھا اور احمر کے قدرے قریب ہوا۔ "مجھے یا تمہیں کوئی عدالت یہاں سے نہیں نکالے گی۔ اب بھی وقت ہے، میرے پلان کے بارے میں سوچو۔"

احمر نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ فارس نے ہاتھوں میں پکڑا کاغذ کا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور چباتے ہوئے گردن موڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔ ایک اہلکار اسی طرف آ رہا تھا۔

''تمہاری ملاقات آئی ہے غازی۔'' اس نے فارس کو مخاطب کیا۔

''کون ہے؟'' کاغذ چباتے اکتاہٹ سے پوچھا۔

''پراسیکیوٹر صاحبہ۔''

کاغذ اس کے حلق میں پھنس گیا' ہلتے جبڑے رک کے چونک کر اسے دیکھا' پھر احمر کو۔ وہ بھی ایک دم سیدھا ہوا تھا۔

''چڑیل آئی ہے؟ آپ سے ملنے؟'' شاک اتنا شدید تھا کہ وہ اسے ٹوک بھی نہ سکا۔ بس کاغذ منہ سے اگلا اور خاموشی سے سپاہی کے پیچھے ہولیا۔

جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تو میز کے اس پار کرسی پہ وہ بیٹھی تھی۔ گھنگریالے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' شال کندھوں کے گرد اور بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتی۔ آہٹ پہ نظریں اٹھائیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آیا اور اس کے سامنے بیٹھا۔ بال ویسے ہی پونی میں تھے' اور شیو ہلکی ہلکی سی نظر آتی تھی۔

''لانگ ٹائم میڈم!'' آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

زمر نے سر کو ہلکے سے اثبات میں جنبش دی۔ ''لانگ ٹائم' فارس!''

اور جیکھی نظریں اس پہ مرکوز کر دیں۔ ہاتھ گود میں رکھ لیے تھے' اور مٹھیاں ضبط سے بھینچ لی تھیں۔ ذہن کے پردوں پہ وہی آوازیں گونجنے لگیں۔ (میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر۔ آئی ایم سوری۔) اس نے ان تکلیف دہ یادوں کو ذہن سے جھٹکنا چاہا' مگر یہ آسان نہ تھا۔

''سو؟'' دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا منتظر تھا۔

''میں تمہیں سننے آئی ہوں۔ تم ڈھائی سال سے یہی درخواست کرتے رہے ہو نا۔ تو اب میں یہاں ہوں۔ کہو جو بھی کہنا ہے۔'' فارس کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔

''دیر کی آپ نے آنے میں۔ اب مجھے آپ کے قانون سے کوئی امید نہیں رہی۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

''بتاؤں کیا کہنا ہے مجھے آپ سے؟'' وہ ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے آگے کو جھکا اور چبا چبا کر ہر لفظ ادا کیا۔ ''یہی کہ میری بیوی کی موت کی ذمہ دار آپ بھی ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس کا ہاتھ پکڑتیں اور وہاں سے بھاگ جاتیں۔ آپ کو اسے بچانا چاہیے تھا۔ اس کی حفاظت کرنی چاہیے تھی۔ مگر اپنی دوسروں کو قائل کرنے کی مہارت پہ یقین کر کے آپ نے اسے بھی نقصان پہنچایا اور خود کو بھی۔''

زمر اب کہنی کرسی کے ہتھے پہ رکھے' انگلی تھوڑی تلے جمائے' اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرے پاس اپنے دفاع میں کہنے کو کوئی لمبی چوڑی بات نہیں ہے۔ دل اچاٹ ہو گیا ہے اس قانون سے۔ صرف اتنا کہوں گا کہ تین سال آپ کے شہر میں گزارے' اتنا تو جانتی تھیں آپ مجھے کہ ایک دفعہ میری بات سن لیتیں۔ اتنا تو یاد رکھتیں کہ آپ میری ٹیچر تھیں۔ ایک دفعہ تو تصویر کا دوسرا رخ دیکھتیں۔'' وہ پھر رکا' کہ شاید وہ کچھ بولے مگر وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔ ناک کی لونگ ہنوز دمک رہی تھی۔ فارس نے اس لونگ پہ نظریں جمائیں تو لہجے کی کڑواہٹ زائل ہونے لگی۔ اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔

''مجھے قاتل سمجھتی ہیں تو سمجھیں میڈم' جو دل میں آئے سمجھیں' مگر ایک دفعہ میرے کیس کو ضرور دیکھیں' اور وہ بھی خود دیکھیں۔'' وہ واپس پیچھے ہوا۔ ''کچھ کہیں گی نہیں آپ؟'' اب کے اس کا لہجہ دھیما تھا' نرم تھا۔

''میں کہنے نہیں' سننے آئی تھی۔ کیونکہ اگر کہنے پہ آئی تو آواز باہر تک جائے گی۔'' وہ گہری سانس لیتی' ٹھنڈے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سپاٹ نظروں سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ ''یقیناً تم کہہ چکے ہو جو کہنا تھا' سو ملاقات ختم ہوئی۔'' اور کرسی دھکیل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

فارس نے بے حد تکلیف سے اسے جاتے دیکھا' اور پھر آنکھیں میچ کر گردن جھکا دی۔

جب وہ واپس آیا تو احمر صحن کے اس کونے میں منتظر سا ٹہل رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر بے چینی سے لپکا۔

''کیا کہہ رہی تھی چڑیل؟'' امید اور خوشی سے اس نے پوچھا۔

''وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے آئی تھی' ورنہ اسے اب بھی یقین ہے کہ میں مجرم ہوں۔'' احمر کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''مگر... کہا کیا اس نے؟''

''کچھ نہیں' کیونکہ اگر وہ کچھ کہے گی تو آوازیں باہر تک جائیں گی۔'' وہ دیوار سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا۔ انداز ڈھیلا ڈھیلا سا تھا۔

''لیکن وہ آئی تو سہی نا۔ آہستہ آہستہ ہی انسان پگھلتا ہے۔''

''وہ پھر نہیں آئے گی اسٹوپڈ۔ مجھے ایک موقع ملا اور میں نے وہ بھی گنوا دیا۔ اسے قائل نہیں کر سکا میں۔'' وہ گردن موڑ کر آنکھیں سکیڑے دھوپ کی سمت دیکھنے لگا۔ امید کی کرنیں اب سورج سے بھی نکلنا بند ہو گئی تھیں۔

''لیکن چڑیل کو چاہیے تھا کہ۔۔۔''

''اگر تم نے ایک دفعہ پھر اس کو چڑیل کہا تو میں اپنا ہاتھ تمہارے جبڑے تک لے جانے پہ مجبور ہو جاؤں گا اور اس کے نتیجے میں تم اپنے دو تین دانت گنوا دو گے۔'' وہ جتنے تحمل سے بولا تھا' احمر کی چلتی زبان اسی تیزی سے بند ہوئی۔ پھر ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا۔

.... ❖ ....

سیف انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے!! ...... ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

زمر گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔ حنین آئی ہوئی تھی۔ وہ اسی طرف آ گئی۔ بڑے ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے اور حنہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' ان کو کسی کورین ڈرامے کی کہانی سنا رہی تھی۔ خوب مزے سے' مسکرا مسکرا کر' آنکھیں گھما گھما کر۔ زمر کو چوکھٹ میں دیکھ کر اس کی بولتی بند ہوئی۔ سنجیدہ ہو کر پاؤں اتارے۔ آہستہ سے سلام کیا۔ ابا نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے صوفے پہ آ بیٹھی۔

''تمہیں دیر ہو گئی آج؟'' انہوں نے پوچھا۔ حنین سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

''میں کورٹ سے سیدھی جیل چلی گئی تھی۔ فارس سے ملنے۔''

حنین نے کرنٹ کھا کر سر اٹھایا۔ وہ سرسری سا بتا کر' صداقت کو آواز دینے لگی کہ اس کی چیزیں لے جائے۔

''فارس سے۔۔۔ کیا بات ہوئی؟'' ابا کے بے یقین الفاظ نکلے۔

''وہ چاہتا تھا میں اس کو سنوں' میں نے سن لیا۔'' صداقت اندر آیا تو وہ اسے چیزیں تھمانے لگی۔ حنہ جلدی سے آگے ہوئی' ساری ناراضی بھلا کر تیزی سے پوچھا۔

''اور کیا مان بھی لیا؟''

''اس نے کہا کہ وہ بے گناہ ہے بس اور جیل میں کوئی ایسا شخص مقید نہیں جو یہ فقرہ منتر کی طرح نہ دہراتا ہو۔'' وہ تکان سے کنپٹی مسل رہی تھی۔

''پھپھو میں ان کے ساتھ تھی، میں نے پولیس کو بھی بتایا تھا، وہ بے گناہ ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔ زمر نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، انگلی سے برابر کنپٹی مسلتی رہی۔

''حنہ بچے میں تمہیں کٹہرے میں نہیں کھڑا کرنی چاہتی۔''

''مگر آپ ایک دفعہ مجھ سے تو پوچھیں کہ کیا ہوا تھا؟''

''او کے، حنین یوسف!'' اس نے سر اثبات میں ہلایا، پیچھے ہو کر بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ ''شروع کرتے ہیں پھر۔''

حنین نے کمر سیدھی کر لی۔ بڑے ابا خاموش سی بے بسی سے ان دونوں کو دیکھنے لگے جو آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ اور دونوں کے درمیان بہت سا فاصلہ تھا۔

''اس روز، جب مجھ پہ فائرنگ کی گئی تم ہوٹل کے کمرے میں تھیں۔ ایک سے ساڑھے تین بجے تک تقریباً؟''

''جی!'' اس نے گردن کڑائی۔

''اور اس دوران فارس کہیں نہیں گیا؟'' زمر سنجیدگی سے سوال کر رہی تھی۔

''نہیں، وہ ہمارے ساتھ تھے۔''

''اور اس دوران تم بھی کہیں اٹھ کر نہیں گئی؟''

''جی نہیں۔''

''تم سارا وقت اسی کمرے میں تھی؟''

''جی۔''

''اور اس دوران تم نے فارس سے نظر نہیں ہٹائی؟ فارس اور علیشا کے سوا کسی سے کوئی بات بھی نہیں کی؟''

''نہیں۔''

''پولیس کو بھی تم نے بالکل یہی کہا تھا۔ کیا میں اسے تمہارا حتمی بیان تصور کر لوں؟''

''جی، میم پراسیکیوٹر!'' کافی اعتماد سے گردن کڑائے وہ بولی۔ زمر نے آنکھیں میچیں، گہری سانس لی، اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔ چند لمحے بعد وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں وہی باکس تھا جو وہ الماری میں جوتوں کے خانے میں رکھتی تھی۔

''یہ تمہاری امی کے موبائل کا بل ہے۔ وہ موبائل جو اس روز تمہارے پاس تھا۔''

حنین نے قدرے حیرت سے وہ کاغذ تھاما، اور جب اس پہ نگاہیں دوڑائیں تو اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔

''تم نے پولیس کو بھی کہا کہ تم نے اس دوران کسی سے کوئی بات نہیں کی، یعنی ایک لمحے کو بھی تم فارس سے غافل نہیں تھیں۔ جب کہ اس بل کے مطابق تم نے ڈیڑھ بجے اپنے گھر چار منٹ، اور پونے تین بجے اپنی ایک دوست کو دس منٹ کے لیے کال کی۔'' پھر ایک دوسرا کاغذ اس کے سامنے کیا۔ ''یہ اس ہوٹل کی لابی کے سی سی ٹی وی کیمرے کا ایک اسٹل امیج ہے۔ اس میں تم نیچے ایک شاپ میں کھڑی دکھائی دے رہی ہو اور وقت ہوا ہے دو بج کر سترہ منٹ۔ مگر تم نے کہا تھا کہ تم اس دوران کمرے سے کہیں نہیں گئی۔''

''میں بتانا بھول گئی تھی، اور، اور یہ فائرنگ سے بہت پہلے کا وقت ہے۔'' اس نے بجھے چہرے کے ساتھ وضاحت دینے کی کوشش کی۔

''حنہ، بچے میں نے تم سے اس بارے میں کوئی بات اس لیے نہیں کی کیونکہ میں جانتی تھی، تم ڈھائی گھنٹے ایک کمرے میں ٹک کر نہیں بیٹھ سکتیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے یہ باتیں کیوں نہیں بتائیں، تم فارس کو پروٹیکٹ کرنا چاہتی تھی، مگر حنہ، یہ گواہی کا معاملہ ہے، اور گواہی کے معاملے میں ہمیں اگر کسی کی ایک بات جھوٹ معلوم ہو تو اس کی باقی ساری باتیں بھی سچی نہیں رہتیں۔ میں تھک گئی ہوں، آرام

رنے جارہی ہوں۔ آپ لوگ باتیں کریں۔" وہ نرمی سے کہتی کاغذات واپس ڈبے میں ڈالتی اٹھ گئی۔ حنین چہرہ جھکائے کتنی ہی دیر اسی طرح بیٹھی رہی، اور ابا، وہ بس افسوس سے اسے دیکھتے رہے۔ اگر ان کے خاندان کے سارے لوگ ایک، ان کے لیے اپنی ذہانت پہ بھروسہ کرنا چھوڑ دیں تو کتنا اچھا ہو۔۔

میں چاہتی ہوں مرا عکس مجھ کو لوٹا دے
وہ آئینہ جسے اک بار میں نے دیکھا تھا

اس روز چھوٹے باغیچے والے گھر میں حنین کی چیخ پکار لگی تھی۔ اپنے کمرے کی ساری الماریاں الٹ پلٹ کیے' وہ کاغذات ڈھونڈ رہی تھی۔ میٹرک کی سند' بے فارم' شناختی کارڈ۔ ہمیشہ داخلے کی آخری تاریخ سر پہ آئی کھڑی ہوتی اور اس کے کاغذات نہیں مل رہے ہوتے تھے۔

۲۹

اس تلاش میں کتنے عرصے کی کھوئی ہوئی درجنوں چیزیں مل جاتیں' مگر اصل شے ندارد رہتی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے اپنی چیزیں ترتیب سے جوڑ کر رکھا کرو۔ لوگوں کی بیٹیوں کو دیکھا ہے کبھی' کیسے ہر چیز...." امی کی ڈانٹ پھٹکار (نے سعدی "بیک گراؤنڈ میوزک" کہا کرتا تھا) کچن سے سنائی دے رہی تھی۔ تبھی سیم کمرے میں داخل ہوا۔

"حنہ' یہ تمہارے لئے کوریئر آیا ہے۔ امریکہ سے۔"

وہ جو الماری میں سر دیے بیٹھی تھی' چونکی' پھر سب چھوڑ چھاڑ اس کی طرف آئی۔ سیم اتنا اچھا تو تھا نہیں کہ ڈبہ رکھ جاتا۔ اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ کھول بھی رہا تھا۔ اس نے درشتی سے وہ جھپٹا' اسے کمرے سے بھگایا' اور پھر خود کھولنے لگی۔

اندر ایک چھوٹی ڈبی تھی۔ اس میں ایک کی چین تھا۔ علیشا کا کی چین۔ ساتھ میں تہہ شدہ خط۔ دھڑکتے دل سے حنین نے کاغذ کی تہیں کھولیں۔

"ڈیئر حنین۔

می سے معلوم ہوا کہ ڈھائی سال بعد تمہارا فون آیا ہے۔ سن کر خوشی ہوئی۔ میں اس دور سے نکل چکی ہوں جب ای میل اور ٹیکسٹ کیا کرتی تھی۔ جہاں اس جیل میں مجھے خط لکھنا زیادہ پرسکون لگا' اس لئے لکھ رہی ہوں۔ کم از کم اسے تم پڑھے بغیر مٹا تو نہیں سکو گی۔"

حنین وہیں زمین پہ پھیلی چیزوں کے درمیان بیٹھ گئی' اور گویا سانس روکے پڑھتی گئی۔

"میں اپنا کی چین تمہیں بھیج رہی ہوں۔ یہ میرے انتقام کے عزم کی نشانی ہے۔ جب ہاشم نے تمہارے سامنے مجھے بے عزت کر کے نکالا تو میں نے سوچا تھا' کہ تم بھی اپنی پھپھو جیسی ہو۔ جیسے اس نے فارس کی بات نہیں سنی' ویسے ہی تم نے بھی میری نہیں سنی۔ مگر تم دونوں اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ کافی عرصہ میں نے سوچا' کہ ہاشم سے اس بات کا بدلہ لوں مگر پھر میں نے جان لیا کہ میں اتنی کمزور اور خوفزدہ سی لڑکی ہوں کہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ سو میں نے بدلے کی تمنا کو ترک کر دیا۔ یہ کی چین بھی تمہیں دے رہی ہوں۔ سب لوگوں میں سے صرف تمہیں۔ لاکٹ بھی اسی لئے تمہیں دیا تھا کہ ایک دن ہم محرم راز بن جائیں گے۔ اور تم میرے ساتھ کھڑی ہو گی۔ پھر مجھے میرا حق مل جائے گا۔ مگر وہ دن اب کبھی نہیں آئے گا حنین۔ مایوسی انسان کو تباہ کر دیتی ہے' مجھے بھی کر دیا۔ میں نے ڈرگز میں فرار چاہی۔ جرائم میں چاہی۔ اب لگتا ہے کہ زندگی ضائع کر دی۔ تمہیں یہی بتانے کو خط لکھ رہی ہوں کیونکہ مجھ میں اور تم میں ذہانت کے علاوہ اور بھی کچھ مشترک ہے۔ ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی طبیعت۔ کہتے ہیں ہر انسان کے اندر دو بھیڑیے ہوتے ہیں۔ ایک اچھائی کا' دوسرا برائی کا۔ غالب وہی رہتا ہے جس کو ہم کھلاتے پلاتے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں حنین' میرے اندر کا منفی بھیڑیا غالب آ گیا' اور میں نے وہ کر دیا جسے دنیا جرم کہے' دھوکہ کہے' یا ڈرگز کہ گھٹیا ... "گناہ" اور میں تمہیں بتاؤں' تمہارا بھی بدی کا بھیڑیا جلد یا بدیر غالب آئے گا' اس لئے متنبہ کر

رہی ہوں۔ گناہ مت کرنا۔ کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ کسی کی اچھی نیچر سے فائدہ مت اٹھانا۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گی۔ کیونکہ تم بھی evil جینئس ہو۔ شاید مجھ سے بھی زیادہ۔ تو بس اتنا جان لو حنین' کہ ہر گناہ صرف توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہو جاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ سو کچھ بھی غلط مت کرنا۔ کیونکہ کفارے دیتے تمہاری زندگی بیت جائے گی اور غم کم نہیں ہوگا۔ مجھے اس خط کا جواب مت دینا۔ میں اس قید میں کچھ عرصہ مزید رہنا چاہتی ہوں کسی بھی تعلق کی امید کے بغیر۔ مجھے میری غلطیوں کے لئے معاف کر دینا۔ میں بھی تمہیں تمہاری اچھائیوں کے لئے معاف کرتی ہوں۔ دن کے آخر میں ہم تینوں ایک سے ہیں۔ میں' تم' زمر۔۔۔ کمزور چیونٹیاں جو ہمیشہ اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن بناتی ہیں۔

فقط

علیشا کاردار۔

حنین کا چہرہ سفید تھا اور لب جامد۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں۔ کپکپاتے ہاتھ کاغذ پہ جمے تھے۔ وہ بس شل بیٹھی بار بار ان الفاظ کو پڑھ رہی تھی۔ کسی نے گردن دبوچ کر اسے اپنی ہی ذہانت اور قابلیت کی تاریک سرنگ سے نکال کر حقیقت کے روشن کمرے میں لا کھڑا کیا تھا' اور اس کمرے میں ہر طرف آئینے تھے اور ان میں نظر آتے سیاہ سفید عکس اس کے وجود کو کرچی کرچی کر رہے تھے۔

باہر سے آتی ندرت' اسامہ' ڈی وی' سب کی آوازیں اس کے لئے لایعنی ہو چکی تھیں۔ وہ تمک کا مجسمہ بنی' اس کاغذ کو ہاتھ میں لئے فرش پہ بیٹھی تھی۔ میٹرک' ایف ایس سی کے رزلٹ کارڈ' بہترین طالبہ کے سرٹیفکیٹ' فلاں اور فلاں ایوارڈ' سب اس کے آس پاس ہی بکھرا تھا' اور وہ ان سب جھوٹے کاغذوں کے ڈھیر میں ایک سچے پرچے کو پکڑے بیٹھی تھی۔

زندگی میں پہلی دفعہ حنین ذوالفقار یوسف خان نے خود سے سوال کیا' وہی جو وارث ماموں کے قتل کی رات فارس نے ہوٹل میں تب پوچھا تھا جب اس نے اس لوننگ کا ذکر کیا تھا۔

''تم کون ہو حنین؟''

اور اردگرد لگے آئینوں کی دیواریں کہہ رہی تھیں۔۔

ایک کمزور کا شکار کرنے والی غارت گر۔۔ ایک بے بس انسان کی جان لینے والی حنین!

............❖❖❖............

خود سے بھی کوئی ربط نہیں مرا ان دنوں ...... تجھ سے تعلقات کی تجدید کیا کروں

پبلک پراسیکیوشن آفس کی کھڑکی سے سرما کی دھوپ چھن کر آتی' میزوں پہ رکھی فائلوں کو چمکا رہی تھی مگر موسم سے بے نیاز زمر سنجیدگی سے بصیرت صاحب سے وہ پوچھ رہی تھی جو ان کو الجھا رہا تھا۔

''کیا آپ نے اس کیس میں کسی دوسرے مشتبہ شخص کو چیک کیا تھا؟''

''زمر یہ رکھی ہیں ساری فائلز۔'' انہوں نے جیسے ہاتھ اٹھا دیے۔'' اور آپ جس دن کہیں' میں یہ کیس آپ کو دینے کو تیار ہوں' اوپر بات کر لوں گا میں۔''

''مجھے یہ کیس فائلز نہیں دیکھنی' نہ یہ کیس چاہیے۔'' وہ گویا کسی ناپسندیدہ شے سے دور ہٹی۔ ''میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ کیا آپ نے اس کیس کی ویسے تفتیش کی تھی جیسے آپ کو کرنی چاہیے؟''

''کیا آپ کو فارس کے قاتل ہونے پہ شبہ ہے؟'' وہ حیران تھے۔

''نہیں' مگر میرے خیالات سے فرق نہیں پڑتا۔ میں اس کیس کی پراسیکیوٹر نہیں ہوں' آپ ہیں۔ میں وکٹم ہوں' دوسرا رخ نہیں

دیکھنا چاہتی' مگر آپ کو ہر رخ دیکھنا چاہیے۔ میں یہ پوچھ رہی ہوں' کیا آپ نے کسی دوسرے suspect (مشتبہ شخص) کو چیک کیا تھا؟''

''ظاہر ہے' میں نے کیا تھا۔ ہر اس شخص کو جس کا کیس سے ذرا سا بھی تعلق بنتا تھا۔'' وہ پھر کوئی فائل اٹھانے لگے مگر زمر نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

''مجھے کوئی فائل نہیں دیکھنی' میں نے خود کو اس کیس سے لاتعلق کر لیا ہے۔ مجھے بس زبانی بتا دیں' کیا آپ کو کوئی ایسی چیز ملی جو فارس کو بے گناہ ثابت کرتی ہو؟'' یہ کتنا تکلیف دہ تھا' مگر اسے کہنا تھا۔

''نہیں۔ کوئی بھی چیز کسی بھی دوسرے شخص کی طرف اشارہ نہیں کرتی تھی۔''

وہ چند لمحے لب بھینچے ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''کیا آپ نے ہاشم کاردار کو چیک کیا تھا؟'' چند لمحے سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت زمر کا فون بجا۔ حنین کی ای کا نمبر تھا۔ اس نے عجلت میں کال اٹھائی۔

''پھپھو؟'' وہ حنین تھی۔

''حنین میں ذرا بزی ہوں تھوڑا ٹھہر کر کال کرتی ہوں۔'' اور بصیرت صاحب کو دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہ بولے۔

''وہ ان پہلے لوگوں میں سے تھا جن کو میں نے چیک کیا تھا کیونکہ فارس کا اصرار تھا' یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کی سازش ہے۔ تو ہو سکتا ہے' کہ وارث غازی کے پاس ہاشم کا کوئی کیس ہو' جس کو چھپانے کے لئے ہاشم نے اسے قتل کروایا ہو۔ مگر...'' انھوں نے فائل کھولی اور اس میں رکھے فوٹو اسٹیٹ صفحے کی طرف اشارہ کیا۔ زمر کی نگاہیں اس پہ جھکیں۔

''یہ ان تمام کیسز کی فہرست ہے جو وارث غازی کے پاس تھے۔ ان میں ہاشم یا اس کے باپ کا کوئی کیس شامل نہیں ہے۔''

زمر چند لمحے کو چپ سی ہو گئی۔ وہ مسلسل کچھ سوچ رہی تھی۔

''ہم سب جانتے ہیں بصیرت صاحب کہ ہاشم کتنا کرپٹ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف نیب میں ایک کیس بھی نہ ہو؟''

''آپ غلط سمجھی ہیں۔ غازی کے پاس اس کا کیس نہیں تھا' دوسرے اٹھارہ آفیسرز کے پاس اس کے بیسیوں کیسز زیرِ تفتیش ہیں۔''

''اوہ۔'' اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

''تو میں نے وارث کے موجودہ کیسز سے متعلقہ افراد کو چیک کیا۔ کسی کے خلاف کچھ نہیں ملا۔ میں نے ان تمام آفیسرز سے بھی فرداً فرداً بات کی جو ہاشم کے کیسز دیکھ رہے تھے' اور مجھے یہ معلوم پڑا کہ ہاشم یا اس کے خاندان نے کبھی بالواسطہ ان لوگوں کو کوئی دھمکی نہیں دی۔ سب جانتے ہیں' نیب کیسز کا کچھ نہیں بنتا۔ اور وہ ان کو ڈرا دھمکا کر یا رشوت دے کر ان کا منہ بند نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو کورٹ میں لا کر بہت فخر سے اپنا دفاع کر کے ان کو خوار کیے رکھتا ہے۔ اگر تو ہاشم کا کوئی کیس وارث کے پاس ہوتا تو میں تب بھی فرض کر لیتا کہ ہو سکتا ہے' وارث کو کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہو جو ہاشم کے لئے نقصان دہ ہو' مگر اس کا تو سرے سے کوئی کھاتہ ہی وارث کی طرف نہیں کھلتا۔''

زمر نے فائل بند کر کے پرے کر دی۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

''زمر... فارس غازی نے دو قتل کیے ہیں' اس نے یہ بات خود آپ سے کہی تھی' اس کو نہیں معلوم تھا کہ آپ بچ جائیں گی اور سب کو بتا دیں گی' اس لئے...''

''مگر وہ مجھے ہسپتال دیکھنے آتا رہا تھا' میرے بیان سے پہلے۔ اس نے دوبارہ مجھے مارنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' پتہ نہیں کیوں وہ اس کی طرف سے صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اتنی سکیورٹی اور پولیس کی تعیناتی کے باعث' وہ ایسی کوشش کرنے کی بے وقوفی کیسے کر سکتا تھا؟'' وہ الٹا حیران ہوئے۔ ''کیا آپ

کو وہ بے گناہ لگنے لگا ہے۔؟'

''یہی تو سارا مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک وہ گناہگار ہے' اور میں چاہ کر بھی کوئی ایسی وجہ نہیں ڈھونڈ پا رہی جو اس کو ان جرائم سے بری کر دے۔'' وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

حنین ان کاغذوں کے ڈھیر کے بیچ ہنوز بیٹھی' موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ پہلی دفعہ ہچکچاہٹ سے' پھر بے چینی سے' اور پھر بے قراری سے' اور اب دیوانگی سے' بار بار زمر کو نمبر ملا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اسے لگا وہ چند سال پیچھے چلی گئی ہے' جب چھت پہ اندھیرے میں بیٹھے' زمر نے نرم لہجے میں سیم اور اسے جنات کا قصہ سنایا تھا۔ تب اسے لگا تھا' جنات سے زیادہ طاقتور انسان ہوتا ہے' اور اس کے لئے وہ انسان زمر تھی' جو اس کا ہر مسئلہ حل کر سکتی تھی۔ اب بھی اسے یہی لگ رہا تھا۔ درمیان کے ماہ و سال اور ان کی تلخی کہیں کھو سی گئی تھی۔ صرف زمر تھی جس کو وہ اپنا مسئلہ بتا سکتی تھی۔ اور زمر نے ساتویں کال اٹھا کر بس اتنا کہا۔

''حنین میں بزی ہوں' تمہیں ذرا دیر تک کال کرتی ہوں۔'' اور وہ خاموش آنسوؤں کے ساتھ فون ہاتھ میں لئے بیٹھی رہ گئی۔ کافی دیر بعد وہ بجا۔ اس نے دیکھا' زمر کا نمبر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اترا۔ ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور کال اٹھائی۔

''ہاں حنہ' سوری میں اس وقت.....'' وہ نرمی سے کہنے لگی تھی مگر اس نے درشتی سے بات کاٹی۔

''سوری مجھے کہنا چاہیے' غلطی سے کال کر لی تھی۔ کسی اور کو ملا رہی تھی۔ بائے۔'' اور فون رکھ دیا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے۔ اتنے سال بعد اس نے پہلی دفعہ زمر کو پکارا تھا' مگر وہ مصروف تھی۔ کیا اس کی مصروفیت حنین کی بھیگی رندھی آواز سے زیادہ اہم تھی؟ اس کا دل ٹوٹ سا گیا۔

زمر کی پھر سے کال آنے لگی مگر حنین نے موبائل آف کر دیا۔

علیشا ٹھیک کہتی تھی' وہ جلد یا بدیر کوئی ایسا گناہ ضرور کرے گی جس کا کفارہ اسے پوری زندگی دینا پڑے گا۔ بس علیشا کو یہ معلوم نہیں تھا' کہ حنین وہ گناہ چند ماہ پہلے ہی کر چکی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

ہجر کی رات کاٹنے والے ..... کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

حنین کی ادھوری' ان کہی کال اس کے ذہن میں اٹک سی گئی تھی۔ اس صبح بھی وہ سماعت ختم ہوتے ہی کورٹ روم سے نکلنے کی بجائے کرسی پہ بیٹھ گئی اور ابا کو کال ملانے لگی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی' اور سرد کمرہ عدالت میں صبح بھی بتیاں جلی تھیں۔ جسٹس صاحب اپنے چیمبرز میں دائیں جا رہے تھے' اہلکار احمر شفیع نامی لڑکے کو واپس لے جانے کی تیاری کر رہے تھے' ہاشم پھر نہیں آیا تھا اور سب کا وقت ہی ضائع ہوا تھا۔ وہ اطراف میں نظریں دوڑاتی' ابا کو جاتی گھنٹی سن رہی تھی۔

''آپ نے پوچھا حنہ سے؟'' ان کا سلام سنتے ہی وہ سر جھکائے مدھم سا پوچھنے لگی۔

''میں نے کال کی تھی' وہ جلدی میں تھی' کہہ رہی تھی غلطی سے تمہیں کر دی تھی کال۔ تم پریشان مت ہو' کوئی بات نہیں ہے۔''

''اونہوں۔ کوئی بات تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی۔ آپ دوبارہ پوچھنے کی کوشش کریں۔''

''تم خود اس کے گھر چلی جاؤ۔'' اور ابا کی تان یہیں آ کر ٹوٹا کرتی تھی۔ زمر نے ''رہنے دیں ابا'' کہہ کر کال کاٹی تو احساس ہوا' سپید شلوار قمیض میں کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔ چونک کر سر اٹھایا تو وہ احمر تھا' اہلکار بھی ساتھ تھے۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرہ خالی ہو رہا تھا۔

''میم!'' وہ ملتجی' بے چین سا انگریزی میں کہنے لگا۔ ''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''اپنے وکیل کے بغیر آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیے۔'' نرمی سے کہتی وہ اٹھی۔ پرس کندھے پہ لٹکایا۔

''پراسیکیوٹر بصیرت کہاں ہیں؟ مجھے ان کا پوچھنا ہے۔'' کہہ کر اس نے پھر اہلکاروں سے درخواست کی کہ چند لمحے مزید اس کی بات

رنے دیں۔

''وہ ایک ہفتے کی چھٹی پہ گئے ہیں۔'' وہ موبائل پرس میں ڈالتی جانے کو مڑی۔

''مجھے غازی کے بارے میں بتانا ہے۔ فارس غازی، وہ کچھ غلط کرنے جا رہا ہے۔''

زمر کے قدم منجمد ہوئے۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی۔ آنکھیں سکوڑ کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''پہلے آپ وعدہ کریں کہ کبھی ظاہر نہیں کریں گی کہ یہ آپ کو مجھ سے معلوم ہوا ہے ورنہ فارس مجھے جان سے مار دے گا۔'' پریشانی سے کہتا وہ آگے کو ہوا۔

''میں سن رہی ہوں۔'' وہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔

''اس نے کچھ پلان کیا ہے۔ اسے عدالت سے امید نہیں رہی تو وہ۔۔۔ جیل میں کچھ لوگوں سے انتقام لینے جا رہا ہے۔ وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ جیل میں riots کرنے جا رہا ہے۔ اور اس فساد میں کچھ لوگ جان سے بھی جائیں گے۔''

''کیا فارس نے خود کہا ہے؟''

''جی۔ یہ وہ تمام تفصیل ہے جو مجھے معلوم ہو سکی ہے۔ وہ مجھے بھی اس میں شامل کرنا چاہتا ہے مگر میں نے ابھی اسے حتمی جواب نہیں دیا۔'' ساتھ ہی ایک مڑا تڑا کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔ زمر نے کاغذ پکڑ کر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور آپ مجھے یہ کیوں بتا رہے ہیں؟''

''مجھے پولیس پہ اعتبار نہیں ہے، کسی وکیل کو بتانا زیادہ بہتر لگا مجھے۔ آپ اس کو رنگے ہاتھوں پکڑوا سکتی ہیں۔ اب مجھے جانا چاہیے۔'' جیسے کوئی اضطراب ختم ہوا۔ وہ پرسکون سا سانس لیتا اہلکاروں کے ہمراہ مڑ گیا۔ زمر کاغذ ہاتھ میں لیے کھڑی، سوچتی نظروں سے اس طرف دیکھتی رہی جہاں سے وہ گیا تھا۔

جب وہ اپنی حوالاتی کوٹھڑی تک واپس لایا گیا تو سہ پہر اتر چکی تھی۔ سپاہی نے سلاخوں کا دروازہ کھولا، وہ اندر آیا تو دروازہ مقفل کر دیا گیا۔ احمر قدم قدم چلتا دیوار تک آیا اور پھر فرش پہ اکڑوں بیٹھ گیا۔

فارس چند قدم دور اسی طرح بیٹھا تھا۔ احمر قریب آیا تو اس نے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

''کہاں تھے؟'' گردن موڑ کر اسے دیکھا جو قریب بیٹھا اپنے گھٹنوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کچہری۔''

''معلوم ہے۔ مگر۔۔۔ کچھ اور بھی ہوا ہے کیا؟'' وہ غور سے احمر کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''وہی جو ہونا چاہیے تھا۔''

''بک بھی چکو۔'' وہ اکتا گیا۔

احمر نے ہولے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ''میں نے انہیں بتا دیا کہ آپ جیل میں riots شروع کرنے لگے ہیں۔''

چند لمحے کوٹھڑی میں سناٹا چھا گیا۔ فضا بوجھل ہو گئی۔

''اور؟ اس نے یقین کر لیا؟'' فارس کے پوچھنے پہ احمر مسکرایا۔

''ایک ایک حرف پہ!'' اور اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ دونوں ہلکے سے ہنس دیے۔ یہ وہ ان چند دفعہ میں سے تھا جب احمر نے اسے ہنستے دیکھا تھا۔

''گڈ!'' پھر سے سنجیدہ ہوتے ہوئے فارس نے جیب سے مڑا تڑا کاغذ نکالا' اور سامنے پھیلایا۔ پھر باہر دیکھا۔ اہلکار دور تھے۔ وہ مدھم آواز میں کہنے لگا۔

''جمعرات کی رات فیصلے کی رات ہوگی۔ اگر اس نے یقین کر لیا کہ ہم riots شروع کرنے لگے ہیں' تو وہ لوگ جیل کے شمالی حصے پہ ادھر...'' نقشے پہ ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''اپنی نفری تین گنا بڑھا دیں گے۔ ایسے میں جنوب مشرقی دیوار پہ نفری کم ہو جائے گی۔ ہم فساد نہیں کریں گے' ہم اس طرف صرف آگ لگائیں گے۔ یہ ہمارا diversion ہوگا' اور یوں ہم جنوب مشرقی حصے سے نکل جائیں گے۔''

''جانتا ہوں۔ ہم کوئی تین سو دفعہ اپنا منصوبہ دہرا چکے ہیں۔ اب تو میں خود کو آدھا جیل سے باہر تصور کرنے لگا ہوں۔'' وہ رکا۔ فارس جو کاغذ لپیٹ رہا تھا' قدرے چونکا۔

''ایک منٹ۔ تمہارے چہرے پہ کچھ اور بھی لکھا ہے۔'' اس نے غور سے احمر کو دیکھا۔ ''کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

''وہ... دراصل.....'' وہ اٹکا۔ پھر اٹھ کر چند قدم مزید دور جا بیٹھا (کہ اگلی بات سن کر فارس غازی اس کا گریبان نہ جھپٹ لے) اور کان کھجاتے ہوئے سادگی سے بولا۔ ''پراسیکیوٹر بصیرت چھٹی پہ ہیں۔'' فارس کو شاک لگا۔

''تو تم یہ ساری بکواس کس سے کر کے آئے ہو؟ میں نے کہا تھا پولیس کو نہیں انوالو کرنا۔''

''وہ..... چڑیل... کو بتایا ہے۔''

اور اس کے گویا چودہ طبق روشن ہو گئے۔ ''کیا بک رہے ہو؟ میں نے منع کیا تھا کہ.....'' وہ غصے سے چلانا چاہتا تھا مگر پہریدار قریب آرہے تھے' سو طیش بھری آواز ذرا دبائی۔ ''اس سے کیوں کہا؟''

''اگر آپ اپنا غصہ ایک طرف رکھ کر میری بات سنیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ پوری کچہری میں سب سے زیادہ آپ کو سزا کون دلوانا چاہتا ہے؟ ظاہر ہے چڑیل۔ بصیرت صاحب شاید میری بات پہ کان ہی نہ دھرتے' مگر وہ بھرے گی' اسے اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا آپ کو سزا دلوانے کا۔ اور پھر بصیرت صاحب تھے ہی نہیں' ہفتے بعد آئیں گے اور میں ہفتے بعد ان سے کیسے ملوں گا؟ اگر درخواست کروں ملنے کی تو ان کو شک نہیں ہوگا کیا کہ اتنے علی الاعلان کیوں کر رہا ہوں؟ میرے پاس صرف آج کا دن تھا' اور میں نے وہی کیا جو بہتر لگا۔''

''اس کو استعمال کر کے جیل نہیں توڑنا مجھے۔'' وہ ناگواری سے غرایا۔ ''اس طرح تو وہ ساری عمر سمجھے گی کہ میں مجرم تھا۔''

''جب آپ جیل توڑیں گے تو سب یہی سمجھیں گے۔ پھر مسئلہ کیا ہے؟''

اور فارس چپ ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھاما۔ آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلی۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس کو استعمال نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیوں؟'' دور بیٹھے احمر نے پتلیاں سکیڑ کر اس کا چہرہ تکا۔ ''آپ دونوں کے درمیان کچھ رہا ہے کیا؟''

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ناگواری آئی۔ ''بالکل بھی نہیں۔''

''اچھا سوری' مجھے یونہی لگا۔''

''کیا لگا؟'' اس کا سانس رک گیا تھا۔

''نہیں دراصل.... اتنا کچھ ہو جانے' اتنے سال گزر جانے' آپ سے اتنی نفرت ہونے اور آپ کے خلاف ہر جگہ بیان دینے کے باوجود بھی جب آپ اس کا ذکر کرتے ہیں تو کچھ آتا ہے آپ کے چہرے پہ۔ اور پھر چڑیل بھی' سوری.... زمر بھی ابھی تک آپ کو 'فارس' کہہ کر بلاتی ہے۔ اس نے ہر چیز کے بعد بھی First Name Terms ختم نہیں کیں۔''

''ایسے کسی عورت کا نام نہیں لیتے' ہر وقت فضول بک بک نہ کیا کرو۔ دماغ گھوما ہوا ہے میرا اس وقت۔''

اس نے درشتی سے ڈپٹ کر رخ پھیر لیا۔ احمر کو اب اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا' سو شانے اچکا کر رہ گیا۔

"اچھا سوری۔ غلطی سے کہہ دیا۔ خیر۔" پھر آرام سے لیٹ گیا، بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھا۔ "آپ باہر جا کر کیا کریں گے؟ میں تو امریکہ بھاگ جاؤں گا۔ یہاں تو نوکری کر نہیں سکتا' اور....." وہ بولے جا رہا تھا اور فارس چہرہ موڑے' دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

❖❖❖

آپ لوگوں کے کہے پر اکھڑ جاتے ہیں ..... لوگ تو جھوٹ بھی سو طرح کے گھڑ جاتے ہیں

عین اس وقت جب وہ دونوں اس کوٹھڑی میں یوں بیٹھے تھے' چند میل دور' کاردارز کی کمپنی کے ٹاپ فلور کی راہداری میں زمر ایک جگہ رکی کھڑی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں کافی کے دو ڈسپوزیبل گلاس تھے۔ ایک سے وہ' کچھ سوچتے ہوئے وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہی تھی۔ دوسرے کا ڈھکن بند تھا۔ نگاہیں، راہداری میں گزرتے لوگوں پہ جمی تھیں۔ دفعتاً وہ کھڑی ہوئی' کیونکہ دوسرے جانب سے ہاشم چلتا آ رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس' دوسرے میں پکڑے موبائل پہ بٹن دباتا۔ زمر کے قریب وہ رکا، پہلے اس کے پیر دیکھے' پھر نظریں اٹھائیں۔ وہ بند ڈھکن کا گلاس اس کی طرف بڑھائے ہوئے کھڑی تھی۔ ہاشم کھل کر مسکرایا۔

"بغیر چینی کے؟" گلاس پکڑتے ابرو اٹھائی۔ زمر نے سر کو خم دیا۔

"بغیر چینی کے!" اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"ویسے آپ تو شہر سے باہر گئے ہوئے تھے؟"

"آپ مجھ سے سماعت پہ غیر حاضری کی باز پرس کرنے نہیں آئیں، جانتا ہوں۔ وہ کام بتایئے جو آپ کو ادھر کھینچ لایا؟" وہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ دونوں ہاشم کے آفس کی سمت جا رہے تھے

"کچھ دیر کے لئے میرے ساتھ احمر شفیع کا وکیل بنے بغیر بات کر سکتے ہیں آپ؟"

"میں سن رہا ہوں۔"

"احمر کتنا قابل بھروسہ انسان ہے؟"

"کافی حد تک۔" ہاشم نے شانے اچکائے۔ "میرے والد کے ساتھ اس نے کافی عرصہ کام کیا' گو کہ میں اسے پسند نہیں کرتا' مگر وہ ایک قابل اعتبار انسان ہے۔ کیوں؟" اب غور سے ساتھ چلتی زمر کو دیکھا۔ "کیا اس کی کسی بات پہ بھروسہ کرنے میں آپ کو دقت پیش آ رہی ہے؟"

"ہوں۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔ "تو وہ ایسا شخص ہے جس پہ اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں' وہ اچھا لڑکا ہے' مگر ہوا کیا ہے؟" دونوں اب آفس کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ کافی ختم کیجئے۔" وہ مسکرا کر مڑ گئی تو ہاشم نے پیچھے سے پکارا۔

"میں اس مشورے کے بدلے میں ضرور کوئی فیور مانگوں گا۔"

"آپ کب بدلہ نہیں مانگتے؟" وہ رکے بنا آگے چلتی گئی۔

"وہ ٹیپ آپ کو کہاں سے ملی؟" ہاشم نے عقب میں پکارا۔ زمر بیچ راہداری میں رکی۔ ایڑھیوں پہ گھومی۔ اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کونسی ٹیپ؟"

"آپ کی اور فارس کی کال جو عدالت میں پیش کی گئی۔ سعدی نے بتایا کہ وہ آپ نے نکلوا کر دی تھی۔" گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"یہ سعدی نے کہا؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ ہاشم قدرے چونکا۔ ابرو سکیڑے۔

"کیا آپ نے نہیں نکلوا کر دی؟ کیا اس نے جھوٹ بولا؟"

"وہ جھوٹ کیوں بولے گا؟ ظاہر ہے میں نے ہی نکلوا کر دی ہے اور کہاں سے نکلوائی ہے یہ نہیں بتاؤں گی۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ اس نے آپ کو کیوں بتایا؟ میں نے منع کیا تھا۔" وہ زمر تھی، فوراً سنبھل گئی اور ناپسندیدگی سے بات مکمل کر کے پلٹ بھی گئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اگر زمر کے ہاتھ آڈیو لگی ہے اور اس کے باوجود وہ فارس کو گناہگار سمجھتی ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں، وہ بھی خوامخواہ خاور کی بات پہ ابھی تک اٹکا تھا۔ اونہوں۔ سر جھٹک کر، کافی کا گلاس پکڑے، وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

❖❖❖

فصیلِ جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں ...... حدودِ وقت سے آگے نکل گیا کوئی

وہ رات قصرِ کاردار پہ یوں اتری کہ اپنے اندر ڈھیروں خوفناک بھید چھپائے ہوئے تھی۔ دور جنگل سے جانوروں کے بولنے کی آوازیں، پرندوں کی کبھی ہوئی چہکار، اور پھر ہر سو طاری ہو جانے والا موت کا سناٹا۔ سب اس رات میں گم سا ہو گیا تھا۔

لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا، اور ہاشم صوفے پہ نیم دراز، پیر میز پہ رکھے، ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا اس کے کندھے پہ سر رکھے ترچھی لیٹی، کسی کتاب کے صفحے الٹ رہی تھی۔ شہرین جا چکی تھی اور چند دن تک سونی ادھر ہی تھی۔ اور اب وہ دونوں باپ بیٹی وہاں اکٹھے بیٹھے تھے، اس بات سے یکسر بے خبر کہ ان کے دائیں سمت، اورنگزیب اور جواہرات کے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے کیا ہو رہا تھا۔

کمرے کے اندر مدھم زرد بتیاں جلی تھیں۔ جواہرات نائٹ گاؤن میں ملبوس، بیڈ کے ساتھ کھڑی حیران پریشان سی ایک فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا، اندر تیز سفید روشنی میں اورنگزیب کھڑے شیو بنا رہے تھے۔ (ان کو رات کو شیو بنانے کی عادت تھی۔) بلیڈ گال پہ پھیرتے ذرا وقفہ دیا، اور گردن موڑ کر جواہرات کو دیکھا جو ہنوز شاک کے عالم میں فائل دیکھ رہی تھی۔

"اب اپنا میلوڈرامہ نہ شروع کر دینا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں، اور اسے نہیں بدلوں گا۔"

"اورنگزیب!" اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا اور بے یقینی سے باتھ روم میں کھڑے اپنے شوہر کو دیکھا۔ "تم ایسا کیسے کر سکتے ہو، وہ تمہارا بیٹا ہے۔"

"جس نے مجھے بے وقوف بنا کر پیسے ہتھیانے کی کوشش کی، کم از کم وہ میرا بیٹا کہلانے کے لائق نہیں۔" تنفر سے کہتے ریزر جھاگ لگے گال پہ پھیرا۔

جواہرات کے سفید چہرے میں سرخی ابھری اور پھر شیرنی کی آنکھیں بھی لال انگارہ ہونے لگیں۔ فائل پھینکی اور روندناتی ہوئی باتھ روم کے دروازے تک آئی۔

"تم نے اس کے اکاؤنٹس فریز کر دیے، میں چپ رہی۔ اس سے بات نہیں کر رہے، میں چپ رہی۔ مگر تم اس کی کمپنی اس سے واپس لے رہے ہو، تم اس کو قلاش کر رہے ہو، میں اس پہ چپ نہیں رہوں گی۔" وہ غصے سے پھنکاری تھی۔

"اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر لو۔" آئینے میں خود کو دیکھتے اورنگزیب نے تھوڑی پہ ریزر پھیرا۔ "میں اس کو یہاں سے بھیج رہا ہوں۔ مجھے وہ اپنے اردگرد برداشت نہیں ہے۔"

"وہ تمہارا بیٹا ہے۔" وہ چلائی۔ ساؤنڈ پروف دیواروں نے تمام آوازیں دبا لیں۔ باہر لاؤنج میں بیٹھے ہاشم اور سونیا بے خبری سے ٹی وی دیکھتے رہے۔ باتھ روم کے عین اوپر ہاشم کی بالکونی میں کھڑی، پودوں کو پانی دیتی میری اینجیو بھی بے خبر، گنگناتی ہوئی پانی دیتی رہی۔

"اس لیے اسے اب ایک عرصہ میرے بغیر رہنا ہو گا۔ خود کمائے گا، خود کھائے گا۔"

''یہ سزا ہے یا انتقام ہے۔''

''تم چاہو تو اپنے بیٹے کے ساتھ جا سکتی ہو۔'' اس بات پہ جواہرات نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''تم ہو کون مجھے یہاں سے نکالنے والے؟'' وہ سرخ آنکھوں سے غرائی تھی۔

''میں اس گھر کا مالک ہوں۔''

''تم ایک احسان فراموش' بے حس اور گھٹیا انسان ہو۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ سانس بے ترتیب ہو رہا تھا' اور آنکھیں لال۔

اورنگزیب کے کان سرخ ہوئے' غصے سے اسے دیکھا۔ یہی غصہ جو ورثے میں نوشیرواں اور فارس نے لیا تھا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔ اور اپنے بیٹے سے کہو کہ کاغذات پہ دستخط کر دے' ورنہ مجھے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے۔'' وہ چوکھٹ پہ ہاتھ سختی سے جمائے' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرائی۔ ''ہاشم ایسا نہیں ہونے دے گا۔''

''میں مالک ہوں' ہاشم نہیں۔ تمہارے بیٹے کیا' میں تمہیں بھی ہر شے سے بے دخل کر سکتا ہوں۔''

''تمہاری سوچ ہے!'' نفرت سے انہیں دیکھا۔

''نوشیرواں اب ادھر نہیں رہے گا۔ میری طرف سے وہ آزاد ہے۔ جیسے میں نے محنت کر کے کمایا' وہ بھی کمالے۔''

''محنت؟ ہونہہ' میرے باپ کے ٹکڑوں پہ پلنے والے ہو تم' یہ سب میرے باپ کا تھا' تم اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔'' وہ شدید حقارت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اورنگزیب غصہ ضبط کیے اسے دیکھتے رہے' پھر سر کو اثبات میں ہلایا۔

''میں مزید کیا کر سکتا ہوں' بتاؤں تمہیں؟ میں علیشا کو اس گھر میں لا سکتا ہوں۔ بلکہ اچھا کیا' تم نے فیصلے میں میری مدد کر دی۔ ہاشم تو ویسے بھی اس کی فیس دینے کا سوچ رہے ہے' وہ اس فیصلے سے بہت خوش ہو گا۔'' اس کو مزید اشتعال دلا کر وہ دوبارہ آئینے میں دیکھتے' شیو کرنے لگے' اور چوکھٹ میں کھڑی' نائٹ گاؤن میں ملبوس جواہرات کا پورا جسم جل کر بھسم ہو گیا۔

لب بھینچے' گہرے گہرے سانس لیتی' سرخ دہکتی آنکھیں اورنگزیب پہ جمائے کھڑی اس زخمی شیرنی کے اندر ایک جوار بھاٹا سا پلنے لگا۔ برسوں کا دبا لاوا ابلنے لگا۔ اتنا زیادہ کہ اس کے تیز ہوتے تنفس کی آواز اورنگزیب کو بھی آنے لگی۔ نظریں موڑ کر اسے اسی حقارت سے دیکھا۔

''اپنی بدصورت شکل لے کر تم بھی یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں؟''

''کون کہاں جائے گا' یہ فیصلہ اب میں کروں گی!'' نفرت سے کہتی وہ پیچھے ہٹی۔ ''میں ساری عمر تمہاری ہر بری بات برداشت کرتی رہی' لیکن تم مجھے اور میرے بیٹے کو یہاں سے بے دخل کرنا چاہتے ہو' اب تم دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔'' پیچھے ہٹتی گئی یہاں تک کہ ڈریسنگ ٹیبل تک آ رکی۔ وہاں سامنے' اس کا ہیئر Straightening آئرن راڈ رکھا تھا۔ وہ کوئی عقل و خرد سے بے گانہ لمحہ تھا جب اس نے راڈ اٹھائی' اور کمر کے پیچھے کر لی۔ پھر قدم بقدم چلتی باتھ روم کی چوکھٹ تک آئی۔

اورنگزیب کے آدھے چہرے پہ ابھی فوم تھا۔ گال پہ کوئی کٹ لگا تھا جس کو صاف کرنے کے لیے وہ ٹشو لینے نیچے جھکے' تبھی ان کی بھلی گردن کے پیچھے' آئینے میں جواہرات کا چہرہ ابھرا۔ نفرت اور غضب سے بھری آنکھوں سے پُر چہرہ۔ اورنگزیب ٹشو اٹھا کر سیدھے ہوئے' تو نوٹس لیا۔ مگر.....

جواہرات نے پوری قوت سے آئرن راڈ ان کے سر کی پشت پہ ماری۔ وہ لڑکھڑائے اور دائیں جانب جا گرے۔ ٹائلز کے فرش پہ پہلو کے بل۔ کہنی کے بل۔ ایک کٹ کنپٹی پہ لگا' اور پھر سیدھے ہونے۔ جہاں جواہرات نے مارا تھا' وہ جگہ فرش سے آ لگی۔ خون نکل نکل

کر بہنے لگا۔

جواہرات، ہاتھ میں آئرن راڈ پکڑے، انہی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی، اور وہ اس کے قدموں کے پاس بے یقین سے گرے پڑے تھے۔

"جا.....جوا....." الفاظ اٹک اٹک کر نکلے۔ درد سے بولنے کی کوشش کی، اپنا ہاتھ اٹھا کر بڑھانا چاہا، کہ وہ ان کو تھامے، تھام کر اٹھائے، مگر وہ چوکھٹ پہ کھڑی رہی۔ لب بھینچے، شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھتی۔

غریبی میں، اور امیری میں،

بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے۔

حتیٰ کہ موت ہم کو جدا کر دے۔

اور وہ ان کے ساتھ ہی کھڑی تھی مگر موت ابھی جدا کرنے نہیں آ رہی تھی۔ گہرے گہرے سانس لیتے اورنگزیب کا خون نکلنا رک گیا تھا۔ چوٹ شدید تھی، مگر جان لیوا نہیں، انہوں نے ہتھیلی کے بل اٹھنے کی کوشش کی۔ جواہرات چونکی، پھر فوراً پیچھے ہوئی۔ واپس کمرے میں آئی۔ صوفے پہ رکھا کشن اٹھایا۔ واپس اورنگزیب تک آئی۔ وہ اٹھنے کی ناکام کوشش اور تکلیف کے احساس سے ہانپنے لگے تھے۔ ان کے سر کے قریب، وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور کشن ہاتھ میں پکڑے، ان کے اوپر جھکی۔

"مجھے تمہارے ساتھ یہ بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔" کشن اورنگزیب کے منہ پہ جما کر دبایا، یوں کہ آنکھیں کشن سے باہر تھیں اور ان آنکھوں میں بے پناہ بے یقینی امڈ آئی۔ وہ بے اختیار اپنے بے جان ہاتھوں سے اس کی انگلیاں ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ چیخیں، آوازیں، سب کشن کے اندر دب گیا۔ وہ چہرہ ان کے کان کے قریب کیے کہہ رہی تھی۔

"کیا تم جانتے ہو میں نے اور ہاشم نے تمہارے لیے کیا کچھ کیا؟"

ہولے سے کہتے اس نے کشن مزید زور سے دبایا۔ مزاحمت کرتے اورنگزیب اس کے ہاتھ کو پکڑے، پاؤں ادھر ادھر مار رہے تھے۔

"ہم نے وہ کیا تھا جس کا الزام فارس کو لینا پڑا۔ ہاشم نے مروایا تھا ان دو لوگوں کو۔ کیا تم نے سنا؟ تمہارا بھانجا بے گناہ تھا۔ کیا تم نے سنا؟ ہاشم نے کیا تھا یہ سب۔ اور میں بھی اس میں شامل تھی۔ کیا تم نے سنا؟"

اورنگزیب کے پاؤں ساکت ہو گئے تھے۔ جواہرات کے ہاتھوں کو ہٹاتے ہاتھ بھی ٹھہر گئے تھے۔ جواہرات نے چہرہ اٹھا کر دیکھا ان کی بے یقینی اور دکھ سے پھیلی آنکھیں ساکت تھیں۔ سانس نکل چکا تھا، مگر کیا آخری بات انہوں نے سنی تھی؟ کیا پہلے سانس نکلا تھا یا پہلے دل نے صدمے سے کام کرنا چھوڑا تھا؟

اس نے کشن ہٹایا۔ چونکہ ان کے سر سے نکلتا خون فرش پہ دوسری طرف کو جا رہا تھا، سو جواہرات کے کپڑوں پہ خون کا کوئی نشان نہیں لگا تھا۔ وہ آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ اورنگزیب کی کھلی آنکھیں، کھلے لب، اور بے حس و حرکت وجود، اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسٹریٹنر راڈ، اور دوسرے میں کشن لیے کھڑی جواہرات کے سنگدل چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔ ایک دم چونک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ باتھ روم میں کھڑی تھی، اس نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا تھا، اور اس کا بیٹا چند قدم دور دیوار کے پار موجود تھا۔

"اوہ خدایا!" وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ہراساں نظروں سے اورنگزیب کی لاش کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ پسینہ آنے لگا تھا۔ اوہ خدا.....اب وہ کیا کرے؟

جواہرات سینے پہ ہاتھ رکھے، اپنی بے ترتیب دھڑکنیں سنتی کتنی دیر دیوار سے لگی کھڑی، تیز سانسیں لیتی رہی۔ بمشکل اعصاب بہتر ہوئے تو وہ باتھ روم سے نکلی۔ کمرے کے دروازے تک آئی۔ اسے ذرا سا کھولا۔ درز سے باہر صوفے پہ بیٹھے ہاشم اور سونیا نظر آئے۔ اس نے

جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔ وہ اس کا ہر مسئلہ سنبھال لیا کرتا تھا' مگر آج وہ ہاشم کو نہیں بلا سکتی تھی۔ اسے جو کرنا تھا' خود کرنا تھا۔

کشن اور آئرن راڈ اورنگزیب کی لاش کے ساتھ ہی گرے تھے۔ وہ تیزی سے اندر آئی' خون کے تالاب سے پیر بچاتی وہ دونوں چیزیں اٹھائیں' ڈریسنگ روم کی وارڈروب کھولی' اوپری خانے میں پیچھے کر کے ان کو گھسایا' الماری بند کر کے لاک کی اور پھر مڑی تو بیڈ کنارے زری فائل نظر آئی۔ وہ جو فساد کی جڑ تھی۔ پھرتی سے اس کو بھی دراز میں گھسایا۔ پھر آگے آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

ریشمی گاؤن کندھوں سے ڈھلک رہا تھا' چہرہ سفید تھا' بالکل مردہ اور آنکھیں.....نہیں.....اس کی آنکھیں ناقابل بیان تھیں۔ ان کی کیفیت لکھی نہیں جا سکتی۔

وہ باتھ روم میں داخل ہوئی۔ سنک کے اوپر کھڑے نل کھولا۔ چہرے پہ پانی ڈالا۔ پھر اسے تولیے سے تھپتھپایا۔ قدرے سکون آیا۔ سنک کے مرمریں پتھر پہ ہاتھ رکھے' اس نے نیچے دیکھا۔ اورنگزیب کی کھلی آنکھوں والی لاش ہنوز پڑی تھی۔

اب اسے کیا کرنا تھا؟ یہ.........یہ اس نے نہیں کیا تھا۔ یہ صرف اور صرف ایک حادثہ تھا۔ اور اسے حادثہ کیسے بنانا تھا؟

جواہرات کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس نے پہلے باتھ روم کے دوسرے دروازے کو دیکھا جو پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا۔ اور پھر واپس کمرے میں آئی۔ کمرے کا بھی ایک دروازہ پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا۔ جواہرات نے اس دروازے کی چٹخنی گرا دی اور پھر سے باتھ روم میں آئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا۔

"یہ اس طرح اورنگزیب نے لاک کیا ہوگا' پھر وہ شیو بنانے لگے ہوں گے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے شیو کے سامان کو سنک کے سلیب پہ پھیلایا۔ ریزر اورنگزیب کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا' اس نے وہ اٹھا کر ان کے ٹھنڈے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ ان کا چہرہ دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔

"اور شیو کے دوران انہوں نے نہیں دیکھا کہ یہ ٹونٹی لیک ہو رہی ہے۔" کہتے ہوئے سنک کے نیچے جھکی' وہ نیچے سے کھلا تھا' اس نے پائپ میں ریزر سے ہلکا سا کٹ لگایا۔ پانی دھار کی صورت ٹپکنے لگا۔ وہ اس طرف جا رہا تھا جہاں اورنگزیب کا وجود گرا پڑا تھا۔ "اور پھر اس پانی سے وہ پھسل گئے' سر پہ چوٹ لگی اور....." بڑبڑاہٹ روکی' ان کی لاش کے ایک طرف سے احتیاط سے پھلانگ کر وہ باتھ روم کے دوسرے دروازے تک آئی جو برآمدے میں کھلتا تھا۔

اس نے سوچا کہ ایک آخری نظر مڑ کر اورنگزیب کو دیکھے مگر.....وہ پلٹے بنا دروازہ کھول کر باہر آئی اور اسے احتیاط سے اپنے پیچھے بند کیا۔

باہر سرد ہوا ہر سو چل رہی تھی۔ ریشمی گاؤن کو خود پہ لپیٹتے' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس طرف سی سی ٹی وی کیمرے نہیں تھے۔ آس پاس کوئی ملازم بھی موجود نہیں تھا۔ وہاں اندھیرا اور سردی تھی۔ نیچے فارس کی انیکسی بھی اندھیرے میں ڈوبی دکھائی دیتی تھی۔ جواہرات سے چند قدم کے فاصلے پہ کمرے کا دروازہ تھا' جس کی چٹخنی اس نے اندر سے گرا رکھی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' سر جھکائے' وہ دروازے کی طرف جا رہی تھی' جب "مسز کاردار۔" آواز پہ وہ کرنٹ کھا کر اچھلی' ادھر ادھر دیکھا۔ پھر.....گردن اٹھائی۔ اوپر' ہاشم کی بالکونی میں پودوں کو پانی دیتی میری جھکی کھڑی تھی۔

"آپ اتنی ٹھنڈ میں باہر ہیں۔ کیا میں آپ کو شال لا دوں؟"

وہ فکرمندی سے کہتی پانی کی بکٹ رکھنے لگی۔ جواہرات نے سفید پڑتے چہرے پہ بمشکل مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔

"نہیں' میں اندر جا رہی ہوں۔ یہ پودے دیکھنے آئی تھی۔" برآمدے میں قطار میں رکھے پودوں کی طرف اشارہ کیا۔ خواہ مخواہ کی وضاحت۔

''میں نے ان کو وقت پہ پانی دے دیا تھا۔''

''اوکے۔ تم ایسا کرو' اورنگزیب کے لیے کافی بنا دو۔ وہ ابھی شاور لیں گے' سو پندرہ بیس منٹ تک لے آنا۔'' اور پھر بدقت مسکرائی۔ سانس ابھی تک اٹکا تھا۔ میری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اورنگزیب صرف اس کے ہاتھ کی کافی پیتے تھے۔ جواہرات کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی اور پھر پشت دیوار سے لگا کر آنکھیں بند کیے گہرے سانس لینے لگی۔

میری نے کچھ نہیں دیکھا' میری نے کچھ نہیں دیکھا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آئی۔ اسٹول پہ بیٹھی۔ امل اٹھایا۔ چہرے پہ پاؤڈر کیا۔ آنکھوں میں مسکارا۔ اور ہونٹوں پہ ہلکی سی لپ اسٹک۔ مسکرانے کی کوشش کی۔ کیا وہ بہتر لگ رہی تھی یا اس کی آنکھیں ابھی تک کھوکھلی دکھ رہی تھیں؟

گاؤن کی ڈوری کسی اور موبائل اٹھائے وہ باہر نکلی۔ ہاشم اور سونیا بدستور اسی طرح بیٹھے تھے۔ ٹی وی چل رہا تھا۔

''ہاشم' میرا ای میل نہیں کام کر رہا۔ کیا تم اسے فکس کر دو گے۔'' موبائل فکرمندی سے کہتے اس کی طرف بڑھایا۔ وہ جو ابھی ماں کے چہرے کو دیکھ بھی نہ پایا تھا' نگاہیں موبائل پہ جھکا دیں' اور اسے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''کیا مسئلہ ہے۔'' اسکرین پہ انگلی چلاتا دیکھنے لگا۔ جواہرات اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' انگلیاں باہم ملائیں' گویا ان کی لرزش روکنے کی سعی کی۔

''میلز سینڈ نہیں ہو رہیں۔ اپنے اکاؤنٹ کی طرف کچھ بھیج کر دیکھو۔''

''اوکے۔'' وہ ٹائپ کرنے لگا۔ ''یہ ہاشم ہے مام کے فون سے'' لکھا اور اپنے ای میل پہ بھیجا۔

''چلی گئی۔ شاید کوئی وقتی ایرر ہو۔'' مسکرا کر کہتے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ جواہرات نے بدقت مسکراتے اسے تھاما۔ وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

''تمہاری اپنے ڈیڈ سے کوئی بات ہوئی؟''

''شیرو کے بارے میں؟ نہیں' میں ان کے غصے کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔''

''علیشا کے بارے میں۔'' وہ ذرا توقف کے بعد اٹک اٹک کر کہنے لگی۔ نگاہیں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں۔ ''تم اس کی فیس دیتے رہو' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اپنے ڈیڈ سے ایک دفعہ کھل کر بات کر لو۔ کیا پتہ وہ خود بھی دل سے یہی چاہتے ہوں' اور اسی بہانے شیرو کو معاف کر دیں۔'' بولتے ہوئے اسے لگا اسے گردن پہ پسینہ آ رہا ہے' اور شاید ہتھیلیوں کے اندر بھی۔ دل بھی دھک دھک کر رہا تھا۔

ہاشم آنکھیں ٹی وی پہ جمائے چند لمحے خاموش رہا۔

''اب نہیں دے رہا فیس۔ ضرورت نہیں رہی۔''

وہ چونکی۔ ''کیوں؟''

''اس نے پیسے کے لیے جرم کیا' پکڑی گئی' اب جیل میں ہے اور یونیورسٹی جانے کی ضرورت نہیں رہی۔''

جواہرات دم سادھے اسے دیکھے گئی۔ اسے یوں لگا' آنسو آنکھوں سے ابلنے کو بے تاب تھے' مگر اس نے انہیں نگل لیا۔

''آئی.... آئی ایم سوری!'' ہاشم نے بس سر کو خم دیا اور اسکرین کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ دونوں کچھ نہیں بولے' حتیٰ کہ میری کافی کی ٹرے اٹھائے آئی۔

''سوری مجھے دیر ہو گئی' میرے بیٹے کا فون آ گیا تھا۔'' وہ عادتاً وضاحت دیتی کمرے کی جانب بڑھی۔

''کاردار صاحب سے کہنا' باہر آ جائیں' ہاشم نے ان سے کچھ بات کرنی ہے۔'' جواہرات نے پکارا۔ وہ سر ہلا کر اندر چلی گئی۔ چند

ہی لمحوں بعد باہر نکل آئی۔

''سر باتھ روم میں ہیں، میں نے کافی ٹیبل پہ رکھ دی ہے۔''

جواہرات نے (ہاتھوں کی کی مٹھی میں چھپائے) تعجب سے اسے دیکھا۔

''ابھی تک نکلے نہیں؟ شاید شیو بنانے لگے ہوں۔ او کے تم جاؤ۔'' اور جیسے سر جھٹک کر خود ہی مطمئن ہو گئی۔

''میں ان سے ابھی اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا۔'' کافی دیر بعد وہ بولا۔ دیکھ ہنوز ٹی وی کو رہا تھا۔

''مگر تمہیں کرنی چاہیے۔'' وہ نرمی سے بولی۔ تو ہاشم چپ رہا۔ چند منٹ یونہی بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اٹھا۔

''او کے۔'' پھر اورنگزیب کے کمرے کی جانب بڑھا۔ جواہرات کا میک اپ سے ڈھکا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ زور سے صوفے کی گدی مٹھی میں بھینچی۔ سانس روکے ہاشم کو اندر جاتے دیکھا۔

اس نے دروازہ کھولا۔ کمرہ خالی تھا۔ کافی میز پہ دھری تھی۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ باتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ ہاشم واپس پلٹ آیا۔ چوکھٹ میں ایک دم وہ ٹھہرا۔ جواہرات اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ڈیڈ کتنی دیر سے اندر ہیں؟''

''کیا ابھی تک نہیں نکلے؟'' وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ در آتی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

''وہ اتنی دیر کبھی بھی نہیں لگاتے۔'' ہاشم ایک دم مڑا اور باتھ روم کے دروازے تک آیا۔ اسے کھٹکھٹایا۔ پہلے ہلکا۔ ''ڈیڈ؟'' پھر زور سے ''ڈیڈ؟ ڈیڈی؟ آپ ٹھیک ہیں؟''

جواہرات تیزی سے اس تک آئی۔ ''اورنگزیب؟'' کانپتی آواز میں پکارا۔ ہاشم اب پریشانی سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔

''اس دروازے کی چابی کدھر ہے؟''

''نہیں، وہ چٹخنی چڑھاتے ہیں عموماً۔''

وہ اب زور سے دروازے پہ ہاتھ مارنے لگا۔ ساتھ ان کو پکار بھی رہا تھا۔ شور سن کر میری بھاگی چلی آئی۔

''ڈیڈ دروازہ نہیں کھول رہے میری، تم برآمدے والا دروازہ چیک کرو، وہ کھلا ہے کیا؟'' وہ زور سے دروازے کو بوٹ سے ٹھوکر مارتے بولا۔ میری ہکا بکا آگے بڑھی کہ ''میں وہ دروازہ دیکھتی ہوں، تم شیرو کو بلاؤ۔ جاؤ میری!'' جواہرات کو قدرے چلا کر کہنا پڑا۔ میری کو کچھ نہیں آیا کہ کیا کرے مگر چونکہ جواہرات خود برآمدے کی طرف جانے لگی تھی تو وہ فوراً لاؤنج میں بھاگی۔

جواہرات چند ہی لمحے بعد واپس آ گئی۔

''وہ دروازہ بھی بند ہے۔'' اس نے جھوٹ بولا۔ ہاشم نے سنا بھی نہیں، وہ دیوانہ وار باپ کو پکارتے دروازے پہ لاتیں مار رہا تھا۔

''ڈیڈ۔ آپ اندر ہیں؟ ڈیڈ؟'' اور تبھی شیرو بھاگتا ہوا اندر آیا۔ میری بھی اس کے پیچھے تھی۔

''تمہارے ڈیڈ....'' جواہرات نے اسے صورت حال سمجھانی چاہی مگر آنسوؤں نے گلا بند کر دیا۔ اسے سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''ڈیڈی؟ ڈیڈی؟'' وہ ہاشم کے ساتھ ہی دیوانہ وار انداز میں اونچا اونچا پکارتے دروازے کو دھکا دینے لگا۔

''خاور کہاں ہے؟'' جواہرات کے پوچھنے پہ میری بتانے لگی۔

''وہ تو گھر جا چکا ہے۔ اسے کال کر دوں؟''

''ضرورت نہیں ہے۔''

(اور جو آخری شخص وہ ادھر چاہتی تھی وہ خاور ہی تھا۔)

ڈیڈ.....ڈیڈ.....'' ان کو پکارتے ہوئے ہاشم نے پوری قوت سے دروازے کو ٹھوکر ماری تو چٹخنی ٹوٹی' دروازہ تا ہوا دوسری جانب جا لگا' اور اندر کو لڑھکتا ہاشم گرتے گرتے بچا۔

اور پھر اسے لگا' اس کے جسم سے جان نکل گئی ہے۔

فرش پہ خون تھا۔ اور چت گرے کھلی آنکھوں والے اورنگزیب کاردار۔ ان کی آنکھیں بالکل ساکت تھیں۔ چہرہ بے رنگ۔

نوشیرواں بچوں کی طرح چیختا ان کو پکار رہا تھا' اور ہاشم۔۔ وہ بے دم سا گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ میری نے چیخ روکنے کو دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لیے۔ پھر نگاہیں اٹھیں۔ برآمدے کی طرف کے دروازے کی چٹخنی کھلی تھی۔

''میری.... ہاسپٹل..... ڈاکٹر..... کسی کو کال کرو۔'' آنسو ابل ابل کر جواہرات کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ میری کا لمحے بھر کو کنڈی پہ الجھا ذہن وہاں سے ہٹا اور وہ فوراً باہر بھاگی۔ جواہرات نے سفید' بھیگے' چہرے کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ شیرواں کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔ شاید رو بھی رہا تھا' ان کو بار بار پکار رہا تھا' اور ہاشم بالکل ساکت سا ان کے قریب بیٹھا تھا۔ ان کے بے جان' لڑھکے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

جواہرات قدم قدم چلتی اورنگزیب کے سر کے قریب آ کھڑی ہوئی' اس کے دونوں بیٹے باپ پہ جھکے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ قدم قدم پیچھے ہٹی' جیسے شاک اور بے یقینی سے ہٹ رہی ہو' یہاں تک کہ اس کی پشت پہ برآمدے کا دروازہ آ گیا۔ اس نے نامحسوس انداز میں ہاتھ پیچھے کیا' چٹخنی لگائی (جس کی آواز شیرو کے زور زور سے باپ کو پکارنے کے شور میں دب گئی) اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی اورنگزیب کے سر کے قریب آ گئی۔

''کوئی آ کیوں نہیں رہا؟ ممی کسی کو بلائیں۔ ڈیڈی کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔'' شیرو آستین سے آنکھیں رگڑتا کہہ رہا تھا۔ ''یہ کیا ہوا ہے ڈیڈی کو؟''

''ہی از ڈیڈ شیرو۔'' ہاشم نے بے جان سا کہتے ہوئے باپ کے ہاتھ کو تھاما۔ جیسے ہی ان کی جلد کو مس کیا' ہر سو کرب سا پھیل گیا۔ ''ہم باہر بیٹھے رہے' اتنے قریب' اور وہ اکیلے تھے۔ وہ پھسل گئے.....'' اس نے ارد گرد گرے پانی کو دیکھا۔ ''اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلا۔'' وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے کہتا اٹھا' اور سہارا دے کر باپ کو اٹھانے لگا۔ نوشیرواں نے دوسرے کندھے سے انہیں تھاما۔ اور لوگ اسی دن کے لیے تو بیٹے مانگتے ہیں!

میری واپس آ گئی تھی۔ ہاشم اور شیرو اورنگزیب کو باہر لا رہے تھے۔

میری کی نگاہیں سب سے پہلے برآمدے کے دروازے تک گئیں۔ چٹخنی بند تھی۔ مگر اس نے ابھی تو دیکھا تھا کہ..... لیکن سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔ کیونکہ جواہرات جو بالآخر ہر بوجھ سے آزاد ہو کر' ساری کارروائی کامیابی سے اپنے رنگ میں دکھا کر' نڈھال سی ہو گئی تھی اور شاید اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور گرنے کو تھی۔ کہ میری نے ''مسز کاردار'' چلاتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کو تھاما۔

ہر شے سے بے نیاز' اس کا ذہن بھیانک تاریکی میں ڈوب رہا تھا' اور آنکھوں سے پانی برابر گر رہا تھا۔

اورنگزیب۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔

.... ❖❖❖ ....

بے کراں تنہائیوں کا سلسلہ رہ جائے گا ...... تیرے میرے درمیاں بس اک خلا رہ جائے گا

نیند کی کئی قسمیں ہوتی ہیں' جس قسم میں اس وقت جواہرات ڈوبی تھی وہ بہت تکلیف دہ تھی' اور اس سے جاگنا اس سے بھی زیادہ کرب آمیز۔ آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے بیڈ پہ مخملیں لحاف میں لیٹی تھی۔ پلکیں جھپکا جھپکا کر ارد گرد دیکھتے' وہ کہنیوں کے بل اٹھی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ پہلے لگا وہ سب خواب تھا' مگر نہیں۔ حقیقت لمحے بھر میں ہی سامنے ناچنے لگی۔

وہ کمرے میں تنہا تھی مگر یقیناً گھر میں بہت لوگ جمع تھے۔ اس نے پیر زمین پر رکھے۔ سائیڈ ٹیبل پہ دوائیں دھری تھیں۔ اسے سکون آور انجکشن دے کر ڈاکٹر آفتاب ملک نے سلایا تھا۔ ان کے فیملی ڈاکٹر۔ سرکاری ہسپتال میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ۔ جن کو سب سے پہلے بلایا گیا تھا۔ یہ نام ذہن میں آیا تو جھماکا سا ہوا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

خوف اور وحشت نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ڈاکٹر جو کہا جائے گا کیا؟ شاید نہیں۔

بمشکل قدم قدم چلتی وہ دروازے تک آئی' ذرا سا کھولا تو باہر ہاشم اور خاور کھڑے نظر آئے۔ وہ آپس میں بات کر رہے تھے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی اور میت کے گھر آنے والوں کا انتظام کھلے سبزہ زار میں تھا۔ جواہرات نے دروازے کے پیچھے کان لگا کر سنا۔ خاور کہہ رہا تھا۔

''موت سے پہلے وہ فیروز حیات کی پارٹی سے آئے تھے۔ مجھے ڈر ہے انہوں نے سر کو کچھ ڈرگز نہ پلا دی ہوں۔ ہمیں پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے' تاکہ اگر وہ کسی اور وجہ سے پھسلے ہوں تو وہ سامنے آجائے۔''

''میں اپنے باپ کی لاش کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تھا' آنکھوں میں سختی تھی مگر چہرہ زرد ویران سا تھا۔

''سر وہ اتنے کمزور نہیں تھے کہ گریں تو اٹھ نہ سکیں۔ ڈاکٹر آفتاب خود اصرار کر رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے' تو آپ کو کروانا چاہیے۔''

ہاشم نے اب کی بار انکار نہیں کیا۔ اس کی خاموشی نیم رضامندی تھی۔ جواہرات نے گہری سانس لی اور دروازہ پورا کھولا۔ باہر آئی۔ دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ہاشم فکرمندی سے آگے بڑھا۔

''ممی! آپ ٹھیک ہیں؟'' نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ خاور نے افسوس سے تعزیت کی۔

''اورنگزیب کہاں ہے؟ منع مت کرنا' میں ہوش نہیں کھوؤں گی' کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے بھی اتنی نرمی سے کہا کہ وہ اسے کندھوں سے تھامے راہداری میں آگے لے آیا۔ یہاں ایک بیڈ روم میں ڈاکٹر آفتاب میت کے ہمراہ کھڑے تھے۔ وہ اندر آئی اور ملازموں کو باہر نکل جانے کو کہا۔ ہاشم اور میری سمیت سب نکلے اور دروازہ بند کر دیا تو اورنگزیب کے سرہانے کھڑی جواہرات ڈاکٹر آفتاب کی جانب گھومی۔ وہ دونوں اب اکیلے تھے۔

''تو آپ کہہ رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے؟'' وہ تیکھی نظروں سے انہیں گھورتی' ایک دم پھنکاری تھی کہ وہ جو تعزیت کرنے لگے تھے' تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

''جی' کیونکہ جو زخم ان کے....''

''طوبیٰ یاد ہے کون تھی؟''

ڈاکٹر آفتاب کو گویا لقوہ ہو گیا' ہکا بکا سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے' چبھتی نظروں سے' بکھتی ان کے قریب آئی' بالکل مقابل یہاں تک کہ واضح محسوس ہونے لگا کہ وہ ان سے دراز قد تھی۔

''طوبیٰ آپ کی بیوی کے پہلے شوہر سے ہوئی بیٹی تھی۔ یاد ہے آپ نے کیسے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اور میں نے اسے کور اپ کرنے میں آپ کی کیسے مدد کی تھی؟ آپ کی بہت ساری گفتگو ریکارڈڈ ہے میرے پاس۔ کیا سنوا دوں آپ کے بچوں کو؟''

ڈاکٹر آفتاب نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا' پھر پریشانی سے اس کے قریب آئے۔

''مسز کاردار وہ میرے اور آپ کے درمیان تھا!''

''تو پھر جیسے وارث غازی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آپ نے بدلوائی تھی ویسے ہی یہ رپورٹ بھی میری مرضی کی لکھی جائے گی۔ سمجھا

رہا ہے کہ میں کیا بات کر رہی ہوں؟''

ڈاکٹر آفتاب کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

باہر سب لوگ بکھر چکے تھے۔ ہاشم برآمدے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ سبزہ زار میں بیٹھے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑا دور پہاڑوں پہ طلوع ہوتا صبح کا سورج دیکھنے لگا۔

''ہاشم بھائی!'' وہ کب اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا اسے علم نہیں ہوا۔ سعدی کے پکارنے پہ چونکا۔ وہ جیسے خبر ملتے پہ آفس کے راستے سے ہی ادھر آ گیا تھا۔

''بہت افسوس ہوا مجھے۔ کیسے ہوا یہ سب؟'' وہ تاسف سے پوچھ رہا تھا اور پژمردہ کھڑا ہاشم آہستہ آہستہ بتانے لگا۔

''آئی ایم سو سوری ہاشم بھائی۔ میں سمجھ سکتا ہوں جب آپ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے ہوں گے اور ان کی نعش دیکھی ہو گی تو کیسا محسوس ہوا ہو گا۔ فارس غازی نے بھی ایسا ہی محسوس کیا ہو گا جب وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا تھا اور اس کے بھائی کی لاش پنکھے سے جھول رہی تھی۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔'' اور بہت سادگی سے کہتے اس نے ہاشم کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ ایک دم چونک کر اس کو دیکھنے لگا۔ سعدی کے انداز پہ نہیں چونکا' اس نے تو انداز نوٹ ہی نہیں کیا۔ بس بات دل کے اندر تک چیرتی ہوئی اتر گئی۔ وہ ساری تکلیف پھر سے یاد آ گئی۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''تھینک یو سعدی' آنے کا شکریہ۔ تمہاری بہن نہیں آئی؟'' بات بدلنے کی کوشش کی۔

''نہیں وہ... آفس سے سیدھے ادھر آ گیا۔'' سعدی نے بہانہ گھڑ دیا۔ اب کیا بتاتا کہ جب سے علیشا کا خط ملا تھا حنہ چپ سی ہو گئی تھی۔ نہ کسی سے بات کرتی' نہ ہنستی۔ وہ ذرا ان مسئلوں سے فارغ ہو جائے پھر ان کا مسئلہ بھی دیکھ لے گا۔ ابھرتے سورج کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

....

جانے کس کے لیے وا ہے ترا آغوشِ کرم ...... ہم تو جب ملتے ہیں ایک زخم نیا لیتے ہیں

جیل کی اونچی چار دیواری کے اندر کھلے احاطے میں وہ دونوں کنارے کنارے چل رہے تھے۔ احمر مدھم آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور فارس آنکھیں سکیڑے گردن موڑ کر ایک طرف دیکھ رہا تھا

''آپ نے سوچا ہے یہاں سے نکل کر کیا کریں گے' غازی بھائی؟''

''تم سے مطلب؟''

''تو پھر اتنا پوچھ لیں کہ میں یہاں سے نکل کر کیا کروں گا؟''

''تم وہی کرو گے جو پہلے کر کے ادھر آئے ہو۔ فراڈ اور جعلسازی۔'' اس نے اسی خشک انداز میں کہہ کر سر جھٹکا۔ احمر نے نہایت صدمے سے اسے دیکھا۔

''میں نے صرف ایک...'' انگشت شہادت اٹھا کر دکھائی' ''صرف ایک دفعہ یہ حرکت کی تھی اور دوبارہ کبھی نہیں کروں گا۔''

''تم بالکل کرو گے۔ انسان نہیں بدلا کرتے۔ جو ایک دفعہ کرتا ہے وہ دوبارہ ضرور کرتا ہے۔'' ساتھ ہی جوتے سے کنکر کو ٹھوکر ماری۔

''اشفاق احمد نے کہا تھا' جو اچھا انسان صرف ایک دفعہ گناہ کرے اور پھر توبہ کر لے تو وہ دوبارہ کبھی ایسا نہیں کرتا۔''

''یہ اشفاق احمد نے نہیں کہا' تم نے ابھی گھڑا ہے۔'' اس صاف گوئی پہ احمر نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''اتنے خشک کیوں ہوتے ہیں؟ کاردار صاحب کی موت کا مجھے بھی بہت افسوس ہے مگر...''

''کیا تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتے۔'' وہ جھلا گیا۔ احمر نے ہونہہ کر کے منہ پھیر لیا، پھر لبوں میں کچھ بڑبڑایا۔ پھر زرا کی دیر اس کا چہرہ تکا کہ بڑبڑاہٹ کا کیا ردعمل آیا ہے مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

''آپ کو ان پہ ابھی تک غصہ ہے؟''

''اونہوں۔ صرف افسوس ہے۔ غصے والی اسٹیج منٹ نہیں رہی ان سے بھی۔''

''اور شاید اس بات کا بھی دکھ ہے کہ وہ آپ کی بے گناہی معلوم کیے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔''

''پتہ نہیں۔'' وہ اسی طرح بے زار سا قدم اٹھاتا رہا۔ دونوں تب رکے جب راہ میں ایک سپاہی آن کھڑا ہوا۔

''تمہاری ملاقات ہے۔'' فارس کو اشارہ کیا۔

''کون؟'' وہ چونکا۔

''پراسیکیوٹر صاحبہ۔'' ان دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ احمر کے لب ''اوہ'' میں سکڑے۔

''ایک ہفتے میں دوسری ملاقات؟ یہ چڑیل کو اتنا رحم کب سے آنے لگا؟''

مگر وہ سنے بغیر بے تاثر اور سخت تاثرات کے ساتھ چلتا سپاہی کے پیچھے ہو لیا۔ جب اس کے سامنے آ کر کرسی پہ بیٹھا تو ابرو تنے تھے اور آنکھوں کی سختی میں کمی تھی۔

وہ سفید لمبی قمیص کے اوپر سیاہ منی کوٹ میں ملبوس تھی۔ سفید دوپٹہ شانوں پہ تھا اور بال کیچر میں ہاف بندھے تھے۔ نگاہیں میز پہ رکھے اپنے باہم ملے ہاتھوں پہ تھیں۔ لونگ کی دمک بدستور بعد بھی ویسی ہی تھی۔ وہ بیٹھ چکا تو زمرد نظریں اٹھا کر اس کے چہرے تک لے گئی۔ وہ سپاٹ مگر چبھتی ہوئی نگاہیں تھیں۔

''ایک ہفتے میں دوسری دفعہ؟ اتنا رحم کب سے آنے لگا آپ کو؟'' احمر کے الفاظ (سینسر کر کے) دہرائے۔ آنکھیں اس کی بھوری آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''پہلے سننے آئی تھی اب بولنے آئی ہوں۔ دھیان سے سننا کیونکہ جب میں بولوں گی تو آواز باہر تک جائے گی۔'' الفاظ اس کے لبوں سے ادا ہوئے اور ماحول کا تناؤ بڑھ گیا۔ فارس کی آنکھوں کی نرمی مدھم ہوتی گئی۔

''کہیے۔''

''تم نے کہا میں تصویر کا دوسرا رخ نہیں دیکھتی۔ یہ بھی کہا کہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ کبھی میں تمہاری ٹیچر تھی۔ تم غلط تھے۔''

فارس نے گہری سانس باہر کو نکالی۔ (اسے علم ہو گیا تھا۔) وہ جیسے ڈھیروں غصہ ضبط کرتے اسے گھورتی کہہ رہی تھی۔

''جب وہ تمہارا سائیڈ کک میرے پاس آیا تب میں صرف مشکوک ہوئی تھی مگر فارس میں تصویر کا دوسرا رخ ضرور دیکھتی ہوں سو جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک وفادار انسان ہے تو یہ بھی پتہ چل گیا کہ اپنے سیل میٹ سے دغا کیوں کرے گا؟ تم لوگ جیل میں کوئی riots پلان نہیں کر رہے۔ تم جیل توڑنے جا رہے ہو۔'' اس کی سلگتی نگاہیں فارس کی آنکھوں کے اندر اتر رہی تھیں۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے خاموش رہا۔

''ڈونٹ وری، میں اس ممکنہ جرم کو رپورٹ نہیں کروں گی۔ میرے لیے زیادہ اچھا ہے کہ تم جیل توڑو اور پھر سے وہی جرم کرو جس کے لیے اندر گئے تھے۔ پتہ ہے تم کیا کرو گے؟'' آگے جھکی، میز پہ زور سے ہاتھ مارا، دہکتی آنکھوں سے اسے تنفر سے دیکھا۔ ''دوبارہ شادی کرو گے اور اس بیوی کو بھی مار دو گے، تم سب وائف کلرز کی سائیکی ایک سی ہوتی ہے۔ اس لیے توڑو جیل تاکہ سب جان لیں کہ تم گناہگار تھے اسی لیے بھاگے۔''

[illegible]

''مگر تمہیں یہ پلان کسی اور کے ساتھ مل کر بنانا ہوگا کیونکہ احمر شفیع کے خلاف چارجز پراسیکیوشن ڈراپ کر رہا ہے۔ ثبوت کی عدم موجودگی کی وجہ سے۔ سو وہ جلد رہا ہو جائے گا۔'' فارس نے کوئی ردعمل نہیں دیا۔ بس اسے دیکھتا رہا۔

''معلوم ہے کیا' اتنے سال بعد' پہلی دفعہ میں نے چند دن کے لئے فرض کر لیا تھا کہ تم بے گناہ ہو۔ میں تمہارا کیس خود لینے لگی تھی' میں تمہیں Presumed Innocent خیال کر کے تمہاری طرف کی کہانی کے حق میں ثبوت ڈھونڈنے جا رہی تھی' مگر.....'' اور پھر اس کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ نفرت سے اسے دیکھتی نفی میں گردن ہلائی۔ ''مگر تم نے پھر مجھے استعمال کیا۔ فارس تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ میں تمہاری ٹیچر تھی' سعدی کی پھپھو تھی' یا کوئی بے کار چیز جس کو تم ہمیشہ استعمال کرتے جاؤ؟ میرا یہ حال کر دیا تم نے' کیا یہ کافی نہیں تھا جو تمہیں رہائی بھی میرے کندھے پہ پیر رکھ کر چاہیے تھی؟'' آگے ہو کر ایک ایک لفظ غصے سے بولتی ہوئی زمر کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں اب نمی بھی اترنے لگی تھی۔

''اس حرکت کے لئے کسی بھی پراسیکیوٹر یا پولیس آفیسر کو استعمال کر سکتے تھے تم' کیا مجھے استعمال کرتے ہوئے' اس لڑکے کو میرے لئے پیغام دیتے تمہیں ایک لمحے کو بھی احساس نہیں ہوا کہ تم بار بار ایک عورت کو استعمال کر رہے ہو؟ تم مجھ سے چاہتے کیا تھے؟'' غصے سے بولتے بھی ایک آنسو آنکھ سے لڑھک کر گال پہ جا گرا۔ اسے خود بھی نہیں احساس ہوا کہ کوئی آنسو گرا ہے۔

وہ تب بھی چپ رہا۔

''اور معلوم ہے میں اتنی دیر سے تمہارے سامنے کیوں بیٹھی ہوں؟ تمہارے منہ سے صرف معذرت سننے کے لئے۔ یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس! مجھے دوبارہ استعمال کرنے کے لئے' میری زندگی برباد کرنے کے لئے' میری صحت تباہ کرنے کے لئے کیا تم ایک دفعہ بھی معافی نہیں مانگ سکتے؟'' میز پہ زور سے ہاتھ مار کر وہ آگے کو ہوئی' آنکھیں سرخ' دہک رہی تھیں۔ ''یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس۔'' آئی ایم سوری زمر' بس تین الفاظ تھے' تم ایک دفعہ مجھ سے معافی مانگ کر دیکھتے' تم ایک دفعہ یہ سارے جھوٹ بولنے کی بجائے' کلٹی plead کر کے دیکھتے' میں تمہارے ساتھ کھڑی ہو جاتی۔ مگر جو تم نے اب کیا ہے نا' اس سے تم میرے دل میں موجود اپنا آخری نرم گوشہ بھی کھو چکے ہو۔ تم نے ابھی ابھی اس شخص کو گنوا دیا ہے جسے اگر تمہاری بے گناہی کا یقین ہو جاتا تو وہ تمہاری سب سے بڑی طرف دار بن سکتی تھی' مگر اب.....'' پیچھے ہوتے ہوئے تنفر سے اسے دیکھتے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اب نہیں۔ اب مجھے تمہارے کیس میں نہ گواہ بننا ہے نہ کچھ اور۔ میں نے اپنی گواہی بھی واپس لے لی ہے' اس لئے نہیں کہ تم سے ہمدردی ہے' صرف اس لئے کہ میں تمہارے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں رکھنا چاہتی۔ کیونکہ میرا تم سے کوئی ذاتی جھگڑا تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا تو تم دیکھتے میں کیسے تمہیں انجام دیتی ہوں۔ لیکن نہیں۔'' سر جھٹک کر میز پہ سیدھا ہاتھ مارا' وہ چپ چاپ بند ہونٹوں سے کاغذ چباتے اسے دیکھتا رہا۔ ''میں تو ایک استعمال کی شے تھی جس کے ذریعے جب چاہو تم اپنا مطلب نکالو۔ اور تمہیں ابھی بھی کوئی شرمندگی نہیں؟'' تعجب بھرے صدمے سے اسے دیکھتی وہ نفی میں چہرہ ہلا رہی تھی۔ ''فارس' تم نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں کبھی اپنا گھر بسا سکوں' کبھی ماں تک نہیں بن سکتی میں!'' (اس کا چباتا جبڑا رکا' آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا جسے اگلے ہی پل وہ چھپا گیا۔) ''میرے بھی بچے نہیں ہوں گے' میرا غم لئے میرا باپ وقت سے پہلے مر جائے گا' مگر تم..... کیا تم اب بھی معذرت کے تین لفظ نہیں کہہ سکتے؟ آئی ایم سوری زمر..... یہ تین لفظ بولنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ اس سے کچھ بھی نہیں بدلے گا' میں اب بھی تمہارے ساتھ کھڑے ہونے کا نہیں سوچوں گی لیکن شاید..... تمہارے لئے..... یہ تمہارے اپنے لئے ہو شاید!'' تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ سو خاموش ہو گئی۔ وہ کہہ چکی تھی جو وہ کہنے آئی تھی' اور آواز باہر تک گئی تھی یا نہیں' میز کے پار بیٹھے فارس کے اندر تک ضرور گئی تھی۔

وہ آگے کو ہوا' ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے' اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا' اور پھر جب بولا تو ایک ایک لفظ ٹھہرا ہوا مگر

''مجھے افسوس ہے جو آپ کے ساتھ ہوا۔ مجھے دکھ ہے کہ آپ کے والد آپ کا غم لے کر وقت سے پہلے مر جائیں گے۔ مجھے بہت احساس ہے کہ آپ کی زندگی تباہ ہوئی' بہت صدمہ ہے کہ آپ کبھی اپنی فیملی نہیں بنا پائیں گی' بہت زیادہ ہمدردی ہے کہ آپ کی صحت وقت کے ساتھ بگڑتی چلی جائے گی... مگر...'' ذرا سا رکا' بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ ''مگر میں فارس غازی ہوں' اور فارس غازی کی اپنی نظر میں اس کی بہت عزت ہے' سو میڈم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹنگ اٹارنی صاحبہ' میں.... معافی... نہیں مانگوں گا۔'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ بلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

''آپ نے جو کرنا ہے کر لیں' مگر میں معافی نہیں مانگوں گا۔'' کھڑا ہو گیا۔ جھٹکے سے کرتے کا گریبان ٹھیک کیا' آستین پیچھے فولڈ کیا۔ ملاقات ختم! وہ سُلگتی نظروں سے اسے دیکھتی اٹھی' پرس اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

''اسے بتایا کیوں نہیں کہ آپ نے بصیرت صاحب کو یہ سب کہنے کا کہا تھا' اسے نہیں۔ یہ میری غلطی تھی۔'' جب وہ واپس آیا سیل میں' دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا تو سلاخوں کے قریب کھڑے احمر نے پوچھا۔ اسے اپنی رہائی کا سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی' پلان غارت جانے کا افسوس زیادہ تھا۔ اپنی رہائی والی بات تو مذاق لگی تھی۔

''اور وہ یقین کر لیتی؟''

''کرے یا نہ کرے، بتانا تو چاہیے تھا۔''

''میں ساری زندگی اس کو اپنی صفائیاں نہیں دے سکتا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ جیسی ہے اسے رہنے دو۔ اس نے بھی بہت کچھ کھویا ہے۔''

''کم از کم جیل میں تو نہیں ہے وہ۔'' وہ جل کر بولا۔

''قید کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ اس کی قید اور طرح کی ہے۔ اگر اس قید میں اس کا واحد روزن کسی کو الزام دینا اور رو لیے چلے جانا ہے تو مجھے وہ اس سے نہیں چھیننا چاہیے۔ کم از کم اس کے پاس کوئی ہے تو سہی جس کو وہ الزام دے سکے۔ میرے پاس وہ بھی نہیں اور جب کوئی ایسا نہ ہو تو انسان خود کو الزام دینے لگتا ہے، سو وہ جیسی ہے، اسے رہنے دو۔'' وہ مدھم آواز میں سر جھکائے کہہ رہا تھا مگر احمر نفی میں سر ہلاتا بحث کرنے لگا، لیکن اسے سن کون رہا تھا؟

.... ❖❖❖ ....

موت سے گزر کر یہ کیسی زندگی پائی ...... شاخ شاخ ہوتا ہے وار کا گماں یارو

جواہرات کاردار کے کمرے میں ہیٹر کی گرمائش تھی۔ دوپہر میں بھی بند پردوں کے باعث اندھیرا لگتا تھا۔ وہ گردن تلے پھولے پھولے تکیے رکھے، سیاہ ریشمی لحاف میں لیٹی' ویران اور بیمار دکھتی تھی۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے' حلقوں سے مزین روئی روئی آنکھیں' میک اپ کے بغیر پیلا کمزور چہرہ۔ وہ تھی بھی سیاہ لباس میں اور ویران آنکھوں سے دیکھ بھی پردوں کی سیاہی کو رہی تھی۔

سعدی سامنے کرسی پہ گھٹنے ملا کر بیٹھا' فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طبیعت پوچھنے آیا تھا مگر وہ سوتی جاگتی کیفیت میں بالکل بے گانی دکھائی دیتی تھی۔ دواؤں کا اثر شدید تھا۔

''مسز کاردار' اللہ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ وہ آپ کو سنبھال لے گا۔ بھروسہ کر کے دیکھیں اس پہ' آپ کا ہر مسئلہ وہ حل کر دے گا۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا جب کھڑکی کو دیکھتی جواہرات کے لب پھڑپھڑائے۔

''... احمر نے ... لکھا ہے ''میں غارت گر'' (I , Predator)''؟''

وہ بولتے بولتے رکا۔ ذرا سا الجھا۔ وہ نیشنل جیوگرافک یا ڈسکوری وغیرہ کہاں دیکھتا تھا؟ وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

”نہیں.... میں دراصل....“

”اس دن اس کی ایک قسط تھی' وہ مادہ Predators (غارت گروں) کے بارے میں تھی۔ غارت گروں کی ملکہ۔ مادہ چیتا۔ مجھے اس نے بہت رلایا۔ معلوم ہے کیوں؟“

”آپ بتائیں کیوں۔“ وہ نرمی سے آگے ہو کر سننے لگا۔ وہ گردن موڑے کھڑکی کو دیکھتی بولتی جا رہی تھی' گویا اونچا سوچنے کی کیفیت میں ہو۔

”غارت گر جانتے ہو کیا ہوتے ہیں؟ Predators۔ وہ جانور جو اپنے سے کمزور کا شکار کرتے ہیں۔ تم لوگ سمجھتے ہو وہ بھوک مٹانے یا عادت دہرانے کو ایسا کرتے ہیں' مگر نہیں' مادہ چیتا ایسی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نر چیتا بے وفا جانور ہے' اپنی مادہ کو اولاد کا تحفہ دے کر چھوڑ جاتا ہے۔ مادہ چیتا اپنے بچوں کو تن تنہا پالتی ہے' اور اس روز میں نے دیکھا اس شو میں' کہ مادہ غارت گر ہونا کتنا مشکل ہے۔“ پردے پیچھے اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ آواز رندھنے لگی۔ وہ افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ (وہ اپنے غم کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی' اسی لئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی ہیں۔ اسے یہی لگا۔)

”وہ ایک مادہ چیتا تھی اور اس کے دو ننھے بچے تھے' جن کے لئے شکار اسی کو ڈھونڈ کر لانا تھا۔ جانتے ہو' ہر چیتے کا توانائی کا ذخیرہ ہوتا ہے' ایک شکار پکڑنے کے لئے وہ جتنا بھاگتا ہے' اس کے نتیجے میں اس کی توانائی آدھی رہ جاتی ہے۔ وہ بھی اپنے بچوں کو کچھار میں چھوڑ کر شکار پہ نکلتی ہے' گھات لگاتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے۔ اوہ' مگر خدا کا انظام۔ ہرن جتنا بھاگے' توانائی نہیں کھوتا۔ مگر وہ تیز رفتار مادہ چیتا' ہرن کو دبوچ بھی لیتی ہے' اپنی کچھار میں لے بھی آتی ہے' مگر آدھی توانائی کھو چکی ہوتی ہے۔ نڈھال ہے' بچے بھوکے ہیں' مگر اس سے قبل کہ وہ ہرن کے لاشے کو کھا سکے' ایک ببر شیر آ جاتا ہے۔ ایک بڑا غارت گر!“ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دو آنسو نکل کر گالوں پہ لڑھکے۔

”شیر غراتا ہے' اور وہ مجبور مادہ پیچھے ہٹ جاتی ہے' اگر ایسا نہیں کرے گی تو شیر اس کے دونوں بچوں پہ جھپٹ پڑے گا اور وہ شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے سامنے شیر اس کا شکار کھا جاتا ہے' اور وہ اپنے پنجے چاٹتی رہ جاتی ہے۔“ ستے چہرے کے ساتھ وہ تلخی سے مسکرائی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے اس کہانی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی' صرف مسز کاردار کی حالت غم میں مبتلا کر رہی تھی۔ ہاشم کے ساتھ جو بھی مسئلہ تھا اس کا 'اس میں جواہرات کا تو قصور نہ تھا' وہ تو شاید جانتی بھی نہ ہو کہ ہاشم نے وارث کو قتل کروایا تھا۔ اور پھر وہ تو اس کی دوست رہی تھی' وہ اس کے پاس آ کر اکثر بیٹھتا تھا' باتیں کرتا تھا' اس کی حالت سے وہ اور کیا محسوس کرتا۔

”اب اس کی آدھی توانائی ختم ہو چکی ہے' اسے کل لازمی شکار کرنا ہے' تاکہ وہ توانائی پوری کرے ورنہ مر جائے گی اور بچے اس کے بعد بھوک سے ہی مر جائیں گے۔“ وہ بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ ”سو اگلے روز وہ پھر نکلتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے' اسے جا دبوچتی ہے اور اسے گھسیٹ کر ایک تنہا گوشے میں لے آتی ہے' اپنی ساری توانائی وہ لٹا چکی ہے' اگر یہ ہرن بھی کوئی شیر یا بڑا غارت گر لے گیا تو وہ مر جائے گی اور سب سے تکلیف دہ بات' آج ہرن نہیں بلکہ ہرن کا بچہ شکار کیا ہے' وہ اتنا چھوٹا ہے کہ اسے بچوں کو دے تو اپنے حصے میں چند لقمے ہی آئیں گے' اور وہ مر جائے گی۔ توانائی برابر کرنے کے لیے اسے یہ اکیلے کھانا ہوگا' تو وہ اسے بچوں تک نہیں لے کر جاتی۔ خود کھا لیتی ہے۔“ پلکیں بند کیں۔ آنسو متواتر گر رہے تھے۔

”بچے ابھی بھی بھوکے ہیں۔ اگلے روز وہ پھر شکار کے لئے دوڑتی ہے۔ توانائی کم ہے' کیونکہ کل کا ہرن چھوٹا تھا سو آج وہ ایک بڑا ہرن شکار کرتی ہے۔ بالآخر اب اس کے بچے اور وہ مل کر اسے کھا سکیں گے۔ وہ ہرن کا لاشہ گھسیٹ کر کچھار تک لاتی ہے تو.... تو....“ اس کی آواز کپکپائی۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

بچے hyenas کے نرغے میں ہوتے ہیں۔ وہ قریب آتی ہے۔ حملہ نہیں کرتی۔ جھپٹتی بھی نہیں ہے۔ صرف غراتی ہے۔ یہ hyena کو چال ہے، معلوم ہے کیوں؟ کیونکہ مادہ چیتا کی آنکھوں تلے سیاہ tear lines ہوتی ہیں جو غراتے وقت اسے بہت بارعب اور خوفناک بناتی ہیں۔ اور پھر hyena بھاگ جاتی ہے اور وہ..... وہ اپنے بچوں کو واپس لے آتی ہے۔ اور تم لوگ... تم لوگ سمجھتے ہو مادہ چیتا بھوک کے لئے طاقت کے زعم میں شکار کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا سعدی۔ کوئی اپنی خوشی سے کسی کا خون نہیں کرتا۔ اپنے بچوں کے لئے، اپنی بقاء کے لئے وہ ایسا کرتی ہے۔" اور پھر سر تکیے پہ گرا کے اس نے آنکھیں موند لیں۔ آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سعدی افسوس سے لبوں پہ مٹھی رکھے اسے دیکھتا رہا۔

"جاؤ سعدی مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس نے کروٹ بدلی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ دیر بعد جواہرات نے کروٹ بدلی تو ادھ کھلے دروازے سے باہر کا منظر دکھائی دیا۔ سعدی، میری انجیو کے ساتھ کھڑا کچھ کہہ رہا تھا۔ ان کی باتیں عام نوعیت کی ہیں، وہ نہیں جانتی تھی، صرف میری کی موجودگی ہی اسے بے چین کر گئی۔ وہ کیا کیا بول گئی سعدی کے سامنے اور اگر میری نے کچھ بک دیا تو؟ اگر جو سعدی نے دو جمع دو باتیں بنا لیے تو؟ وہ اٹھنا چاہتی تھی، مگر خواب آور دوا کا اثر گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ ذہن ڈوبتا گیا اور دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔

اس سے بالکل بے خبر سعدی میری سے اس کے مالک کی تعزیت کر رہا تھا۔

خواہش آرزو ہی نہیں حاصل زندگی
حاصل آرزو ہے کیا سوا دام کے ہوا

وہ گھر آیا تو سناٹا سا تھا۔ سیم اسکول گیا تھا اور امی کھانا بنانے بے ریسٹورانٹ۔ حنین نے اس کا نام رکھا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ نام ملایا کی چینی سے متاثر شدہ تھا۔ مگر وہ تھی کہاں؟

اس نے کمرے میں جھانکا تو وہ بیڈ پہ اداس بیٹھی تھی۔ سامنے چند کاغذات پرزہ پرزہ ہوئے پڑے تھے۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں اس کے بے جان وجود سے کاغذوں تک گئیں۔ اسے جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ تیزی سے ان پہ جھپٹا۔ ٹکڑوں کو الٹا پلٹا کر دیکھا۔

"یہ تم نے کیا ہے؟ یہ تو تمہارا ایڈمیشن فارم تھا انجینئرنگ یونیورسٹی کے لئے....." پہلا خیال سیم کی طرف گیا تھا۔ حنہ بے سکت بیٹھی رہی۔ وہ پریشانی سے سامنے بیڈ پہ بیٹھا۔

"حنہ..... یہ تم نے کیا ہے؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ بتاؤ مجھے۔" نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ وہ جو بسنتی چادر کو تک رہی تھی، آنکھیں اٹھائیں۔ بنا عینک کے وہ پھولی لگتی تھیں۔

"میں ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ مجھے نہیں پڑھنا۔" آنسوؤں سے آنکھیں بھر گئیں۔

"حنین بس کرو۔ علیشا نہیں پڑھ سکی تو اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔" اب کے اسے غصہ چڑھا تھا۔

"مجھے نہیں پڑھنا بھائی۔" مگر وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

"وہ علیشا اور ہاشم بھائی کا معاملہ تھا، تم نے کچھ غلط نہیں کیا، تم خود کو مجرم مت سمجھو حنہ۔"

"میں مجرم ہوں۔ میں گناہگار ہوں۔" آنسو ان کے گالوں پہ ڈھلک رہے تھے۔

"حنہ علیشا کو وہ ملا جو اس نے دیا تھا علیشا نے....."

"کیا علیشا علیشا لگا رکھی ہے آپ نے؟ بھاڑ میں گئی علیشا!" وہ ایک دم اتنی زور سے چلائی کہ سعدی بے اختیار پیچھے ہٹا۔ اس کی آواز رونے سے پھٹنے لگی تھی۔ "ہر بات علیشا کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ یہ میں ہوں حنین!" انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دی۔ "یہ میرے گناہ ہیں!"

''کوئی اور بات ہے پھر؟ کیا ہوا ہے حنہ؟'' قدرے الارمڈ سا ہو کر وہ اس کا چہرہ کھوجنے لگا۔ حنین کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

''میں کون ہوں' بھائی؟''

''تم حنہ ہو..... ہمارے گھر کا سب سے پیارا اور ذہین بچہ۔ تم... تم کے کلچر کی دیوانی ہو' اور...'' وہ جلدی جلدی بتانے لگا۔ ''اور تم نے بورڈ ٹاپ کیا ہے' تم نے....'' اس کی آخری بات پہ حنین سر گھٹنوں پہ گرا کر رونے لگی۔

''نہیں کیا میں نے ٹاپ۔ نہیں لی میں نے پہلی پوزیشن!''

''حنین کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ پریشانی سے اس کا سر تھپک رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بھیگا چہرہ اٹھایا' گیلی آنکھوں سے بھائی کو دیکھا۔

''میں نے بورڈ ٹاپ نہیں کیا۔ مجھے غارت کر دیا ان کورین ڈراموں اور فلموں نے۔ میں تو اس سال پڑھی بھی نہیں ٹھیک سے۔'' اس کا سر تھپکتا سعدی کا ہاتھ ٹھہرا۔ حیرت سے اس نے حنہ کو دیکھا۔

''کیا اول فول بولے جا رہی ہو؟''

''میں نے بورڈ ٹاپ نہیں کیا۔''

''پاگل ہو گئی ہو؟ پورا شہر جانتا ہے تم نے بورڈ ٹاپ کیا ہے' تم... تمہارا رزلٹ کارڈ' بورڈ کی تقریب' اخبار میں چھپا رزلٹ' وہ سب سچ تھا۔''

''نہیں تھا وہ سچ۔'' وہ زور سے چیخی۔ ''میں نے چیٹنگ کی تھی۔ سنا آپ نے؟ میں نے پیپرز پہلے سے دیکھ رکھے تھے۔''

اسے گویا بچھو ڈنک مار گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔ نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہوا۔ ''کیا بکواس ہے حنہ؟ کوئی چیٹنگ کر کے ٹاپ نہیں کر سکتا... کوئی پیپرز بھی پہلے نہیں دیکھ سکتا۔ تم میرے ساتھ... تم کوئی پرینک کر رہی ہو؟'' اسے اب بھی لگ رہا تھا وہ ایک دم ہنسنا شروع کر دے گی' مگر' وہ رو رہی تھی۔

''میں نے دیکھے تھے.... سب پیپرز دیکھے تھے' مجھے معلوم تھا ایگزام میں کیا آنا ہے۔'' مگر وہ اب بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم ہیکنگ میں کتنی اچھی کیوں نہ ہو' تم کسی بورڈ کا مین فریم ہیک نہیں کر سکتی۔ تم کہہ کیا رہی ہو؟ پیپرز تو بورڈ کے چیئرمین تک کے پاس نہیں ہوتے' اتنی سخت سیکیورٹی ہوتی ہے۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''پیپر سیٹ کرنے والوں تک کو فائنل پیپر کا علم نہیں ہوتا' بورڈ کا کوئی اہلکار تک پیپرز نہیں دیکھ سکتا سوائے....'' اور یہیں پہ وہ اٹکا۔ بے یقینی سے حنین کو دیکھا۔

''سوائے آفیسر کانفیڈینشل پریس (OCP) کے'' اس نے بھائی کا فقرہ مکمل کیا۔

''تم مذاق کر رہی ہو۔ ہے نا؟'' بالکل دنگ سا کھڑا وہ کپکپاتی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ ''او سی پی ایماندار سے ایماندار شخص کو بنایا جاتا ہے۔

معزز' دیانت دار آدمی' کوئی او سی پی ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے پتہ ہے تمہاری اس دوست کے ابو او سی پی ہیں' جو اسکول میں بھی تمہارے ساتھ' مگر او سی پی تمہیں پیپر نہیں دکھا سکتا۔'' وہ اب بھی ذہنی طور پہ یہ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ حنین نے دکھ بھری بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''کیا آپ جانتے ہیں' انسان اپنے خاندان کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے؟'' اور آنسو پھر سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ سعدی بے دم سا بیڈ کے پرلے کنارے پہ بیٹھا۔ حنین سے کافی دور۔ اس کی شل سی نظریں اس پہ جمی تھیں جو اپنے گھٹنوں کو دیکھتی بتا رہی تھی۔

''حمیرا کے ابو او سی پی ہیں' انہی کی وجہ سے حمیرا ہمارے بورڈ سے امتحان نہیں دے سکتی...

الی۔ امتحانوں سے پندرہ دن پہلے' یہ وہ دن تھے جب میں شدید دباؤ میں تھی۔ آپ باہر تھے' اور میں سارا دن رات کے ذرا سے ونجھتی اور پھر یہ امپریشن ہوتا کہ پڑھ نہیں رہی' مگر کتابوں میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایف ایس سی کے فرسٹ ایئر میں قسم سے میں نے واقعی محنت کی تھی اور بورڈ میں امرے ہائی ایسٹ مارکس تھے میرے۔ اب مجھے پوزیشن لینی تھی۔ اتا تھی یا امی کو خوش کرنا تھا۔ وہ کہتیں اگر تم فیل ہوئی تو تمہارا کمپیوٹر بند کروا دوں گی۔ یہ مائیں غصے میں ہمیں ہماری پیاری چیز سے دور کرنے کی دھمکی کیوں دیتی ہیں ہمیشہ؟'' ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا۔ سر جھکائے وہ بول رہی تھی اور وہ سانس روکے سن رہا تھا۔

''تب ہی حمیرا میرے پاس آئی۔ ساتھ میں اس کے ابو بھی تھے۔ میری کمپیوٹر skills کی شہرت دور دور تک تھی۔ لڑکیاں کام لے کر آتی ہیں' میں کبھی کرتی ہوں' کبھی نہیں۔ بدلے میں کچھ نہیں لیتی۔ بس تعریف بہت ہوتی ہے۔ حمیرا کو بھی کام تھا۔ اس کی بہن کی محلے کے کسی لڑکے سے دوستی ہو گئی تھی' لڑکے کے پاس اس کی ویڈیو تھی' ابو نے وہاں شادی سے انکار کر کے ایک معزز گھرانے میں رشتہ کروایا۔ مہینے بعد اس کی شادی تھی' مگر وہ لڑکا بلیک میل کرنے لگا۔ عین شادی کے روز ویڈیو کی تصاویر بنا کر فنکشن میں بانٹے گا' یہی کہا تھا اس نے۔ حمیرا میرے پاس آئی' درخواست کی کہ اس لڑکے کا سارا کمپیوٹرڈ ڈیٹا مٹا دوں۔ کچھ کروں۔ تو..... میں نے کہا کہ وہ اپنے ابو کو بھیجے' اکیلے۔ اگلی صبح اس کے ابو آئے۔ یہیں ڈرائنگ روم میں۔ امی اسکول تھیں' میں نے انہیں ادھر بٹھایا' ان کی بات سنی' وہ شرمندہ اور بے بس نظر آتے تھے' بولے کہ میں کیا کر سکتی ہوں؟ تو میں نے کہا.....'' اس کے آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا کر دیا۔ اور اس دھند میں سے ایک پرانا منظر ابھرنے لگا.....

ان کا ڈرائنگ روم..... صوفے پہ بیٹھے ادھیڑ عمر مگر معزز اور شریف سے فاروق صاحب' اور ان کے سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی حنین۔ عینک لگائے' بال فرنچ چوٹی میں باندھے وہ سنجیدہ اور پُرسکون نظر آ رہی تھی۔

''میں اس کا موبائل' اور گھر کے تمام کمپیوٹرز وائرس ڈال کر انفیکٹڈ کر دوں گی۔ پھر اس کو پیغام بھیجوں گی کہ جن فلیش اور سی ڈیز میں تم نے وہ سب ڈال کر رکھا ہے' وہ خراب ہو چکی ہیں۔ حیران ہو کر وہ ان کو باری باری چیک کرے گا۔ یوں ہر شے Infected ہو جائے گی۔ چند گھنٹوں میں اس کا تمام ڈیٹا مٹ جائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ میں اس کے کمپیوٹرز تک رسائی حاصل کر کے اس میں موجود اس کی بہنوں وغیرہ کی پکچرز لے لوں گی' پھر ان کے ذریعے اس کو بلیک میل کروں گی کہ اگر نازیہ باجی کے بارے میں کسی سے ایک لفظ بھی کہا تو میں اس کی بہنوں کی تصویریں فوٹو شاپ کر کے اسی کے محلے میں بانٹ دوں گی۔ اس کے بعد اس کی مجال نہیں ہو گی کہ وہ نازیہ باجی کو دوبارہ بلیک میل کر سکے۔''

وہ گویا سانس روکے سن رہے تھے۔ بمشکل سر اثبات میں ہلایا۔

''بیٹا آپ یہ سب کر سکتی ہیں؟ واقعی؟ نارمل لوگ تو.....''

''میں نارمل نہیں ہوں۔ میں حنین ہوں۔'' وہ لمحے بھر کو رکی' ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''مگر آپ نے یہ سوچا ہے کہ اگر میں پکڑی گئی' یہ سائبر کرائم ہے آخر' تو میرا کیا ہو گا؟ بدنام بھی ہوں گی' اور جیل بھی ہو گی۔ زندگی تو برباد ہو جائے گی میری' سو اگر آپ کی بیٹی کے لیے میں اتنا کچھ کرنے جا رہی ہوں تو آپ کو بھی میرے لیے کچھ کرنا ہو گا۔''

''جی بتائیے میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ آگے کو ہوئے۔

''آپ ادی پی ہیں' آپ کے پاس اگلے مہینے ہونے.....''

''ایک لفظ بھی اس سے آگے مت بولنا۔'' وہ لال سرخ ہوتے ایک دم کھڑے ہو گئے۔ ''سوچنا بھی مت کہ میں ایسا کچھ کروں گا۔''

''میں بورڈ ٹاپر ہوں' مجھے پیپرز نہ دکھائیں تب بھی دوسری پوزیشن لے لوں گی۔'' وہ بھی ساتھ کھڑی ہوئی' ان کی آنکھوں میں

''میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔'' انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

''تو پھر کسی اور ایکسپرٹ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ اس لڑکے کا ذہنا مناؤ ے مگر..... میرا ذہنا کیسے منائے گا کوئی؟ آپ شاید بھول رہے ہیں وہ ویڈیو میرے پاس بھی ہے۔''

فاروقی صاحب بے یقینی سے جھٹکا کھا کر دو قدم پیچھے ہٹے۔

''اور اس وقت بھائی مجھے لگا میں نے اس شخص کو آدھا مار دیا ہے۔ ان کو قائل کرنا آسان نہیں تھا مگر وہ مجبور ہو گئے۔ میں نے ان کا کام کر دیا اور انہوں نے میرا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ رزلٹ آنے تک نازیہ کی ویڈیو تلف نہیں کروں گی تا کہ وہ میری مخبری نہ کروا سکیں۔ مجھے پیپرز دے دیے انہوں نے اور میں نے بورڈ ٹاپ کر لیا۔ مجھے کوئی گلٹ نہیں ہوا۔ رزلٹ والے دن ان کو کال کر کے کہا کہ ویڈیو میں نے تلف کر دی ہے انہوں نے جواباً کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔ اتنے مہینے گزر گئے مگر مجھے ایک دفعہ بھی گلٹ محسوس نہیں ہوا۔ جس نے وارث ماموں کو قتل کیا تھا اسے بھی شاید ایک دفعہ تو دکھ ہوا ہوگا' میں تو ان سے بھی بری نکلی کہ مجھے تو لگا میں پیپرز دیکھے بنا بھی دوسری پوزیشن لے سکتی تھی' کوئی جرم نہیں کیا میں نے۔ مگر یہ سچ نہیں تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ یہ سچ نہیں تھا۔ میں اچھے نمبر لے لیتی' مگر کر میرٹ پہ آ جاتی مگر میں ٹاپ کبھی نہ کر سکتی کیونکہ مجھے ان کورین ڈراموں نے پڑھائی سے دور کر دیا تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ میں کتنی بری ہوں۔ تب بھی میں نے سوچا میں فاروقی صاحب سے معافی مانگ لوں گی اور بس۔ سو علیشا کے خط کے بعد میں نے ان کے گھر فون کیا' تو ان کی بیٹی نے بتایا' جس دن میرا رزلٹ آیا تھا اس روز میرا فون بند کرنے کے بعد وہ اسٹڈی ٹیبل پہ گئے' اپنا استعفیٰ لکھا' دستخط کیے اور سر دی میز پہ رکھ دیا۔ حمیرا ان کو بلانے گئی مگر تب تک وہ مر چکے تھے۔ وہ مر گئے بھائی۔ برسوں اس نازک عہدے کی دو دھاری تلوار پہ ایمان داری سے چلے تھے' ان کو میں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ میں نے اس شخص کی جان لے لی۔ میں کون ہوں بھائی؟ میں کون ہوں؟'' دو گھٹنوں پہ سر رکھے رو ئے جا رہی تھی۔

اور وہ سامنے بالکل چپ بیٹھا تھا۔ بہت دیر بعد وہ ذرا سنبھلی۔ سر اٹھایا' ہتھیلی کی پشت سے گیلا چہرہ صاف کیا۔

''میں اب ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ ہر گناہ توبہ سے معاف نہیں ہو جاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ یہ مت کہنا میں دوبارہ امتحان دے دوں۔ میں ان کتابوں کو دوبارہ کھول بھی نہیں سکتی' پڑھنا تو دور کی بات۔'' وہ ان پرزہ پرزہ کاغذوں کے مزید ٹکڑے کرنے لگی۔ پھر نظریں اٹھا کر بھائی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ تھا۔

''کچھ تو کہیں۔''

''مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا۔'' کہتے ہوئے وہ اٹھا' اور بے دم قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ حنین کا سر مزید جھک گیا اور بہتے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے۔۔۔

* * * * *

قصر کاردار پہ سہ پہر سرما کی ٹھنڈ اور خنکی اندر سموئے اتر رہی تھی۔ لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے' باہر کی روشنی نے سارے لاؤنج کو روشن کر رکھا تھا۔ ملازم کاموں میں لگے آ جا رہے تھے۔ ایسے میں اونچی کھڑکی کے آگے جواہرات کھڑی تھی۔ مغربی طرز کا سیاہ گھٹنوں تک آتا لباس اور سیاہ ٹائٹس میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے' دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں کہنی پہ مسلسل دستک دیتی' اس کی شیرنی سی آنکھیں باہر جمی تھیں جہاں سبزہ زار پہ سعدی چل کر آتا دکھائی دے رہا تھا۔

آج اورنگزیب کی وفات کو ساتواں روز تھا اور اس دوران وہ کئی دفعہ جواہرات کا حال پوچھنے آ چکا تھا۔ مگر اس آخری ملاقات میں' وہ جواہرات کا اس کے سامنے اول فول بول دینا' وہ اس کا میری سے بات کرنا' وہ جواہرات کو ابھی تک چبھ رہا تھا۔

اس نے مخاطب کرنے پر رک کر اس سے بات کرنے لگی۔ جواہرات کو الفاظ اتنی دور سے سنائی نہیں دے رہے تھے مگر ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا اس کو اپنے گھر میں چین نہیں جو روز چلا آتا ہے۔'' عقب میں نوشیرواں نے کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پار سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

''اب مجھے برا بھلا مت کہیے گا کہ میں نے آپ کے دوست کی شان میں گستاخی کر دی۔'' ساتھ ہی اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ اٹھائے۔ ''وہ ڈانٹ سننے کے موڈ میں نہیں ہے۔'' جواہرات چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر مڑ کر کھڑکی کو دیکھا۔ نیچے کھڑے سعدی اور میری اینجلو گفتگو تھے۔ میری کچھ کہے یا نہیں، جو وہ اس دن خود اتنا کچھ کہہ چکی، وہ بھی خطرناک تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو اسے یہاں ہر وقت نہیں آنا چاہیے۔ تو پھر کیوں نا اس کا اس گھر میں داخلہ بند کر دوں؟'' چمکتی ہوئی آنکھوں سے مسکرا کر وہ شیرو کی طرف گھومی۔ سات دن بعد وہ بالآخر سنبھلی ہوئی، پرانی والی جواہرات لگ رہی تھی۔

نوشیرواں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''آپ کیا کریں گی؟''

''جو میں کروں گی وہ تمہارے بھائی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ سمجھے؟''

نوشیرواں کو چند لمحے لگے ان کا مطلب سمجھنے میں اور پھر اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ ''سمجھ گیا۔''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ ایڑھیوں پہ گھومی اور تیز تیز قدم اٹھاتی آگے چلتی گئی۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔ شیرو تیزی سے پیچھے لپکا۔

❖❖❖

غیرت ہوتی تو دوبارہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا' اور اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ غیرت والوں میں سب سے زیادہ غیرت والا ہے۔''

جواہرات اذیت سے مسکراتی اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ نوشیرواں کے اندر کی آگ ٹھنڈی ہونے لگی۔ ڈھیلے پڑتے ہوئے اس نے گہری سانس لی اور مڑ نے لگا' پھر یکا یک رکا۔

''وہ آپ نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے کہا تھا نا؟ ڈیڈ مجھے ڈس اون تو نہیں کرنے لگے تھے نا؟'' جواہرات نے پلٹ کر اسے دیکھا جو قدرے متذبذب مگر امید سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جواہرات کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' آنکھوں کی سفیدی گلابی پڑی۔ نم گلابی۔

''نہیں وہ تمہیں..... تمہیں کبھی ڈس اون نہیں کر سکتے تھے۔ یہ میں نے صرف..... بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے کہا تھا۔'' اثبات میں سر ہلا کر تصدیق کی۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔ نوشیرواں پرسکون سا ہو کر آگے بڑھ گیا۔ جواہرات نے ہاتھوں کی نمی چھپانے کے لئے مٹھیاں بند کر لیں۔ پھر گردن موڑ کر برآمدے میں کھڑی میری کو دیکھا۔ اس کا کیا کرے؟ اصل گواہ جو خود بھی اپنی گواہی سے لاعلم تھی' وہ تو ابھی ادھر ہی تھا۔

......................٭٭٭..................

ترک تعلقات کوئی مسئلہ نہیں ..... یہ تو وہ راستہ ہے کہ بس چل پڑے کوئی

سعدی سرخ کانوں اور تنے تاثرات کے ساتھ قصر کاردار کے داخلی گیٹ سے باہر نکلا ہی تھا' تاکہ اپنی کار تک جائے کہ سامنے سے زمر کی کار آتی دکھائی دی۔ وہ قدم قدم چلتا سڑک پہ جا کھڑا ہوا۔

پہاڑی پہ بل کھاتی سڑک ویران تھی۔ ارد گرد کوسوں کے فاصلے پہ اونچے محلات تھے' جو کاردارز کے قصر کی مانند وسیع سبزہ زار میں گھرے تھے سو اس سڑک سے آس پاس کی محض دیواریں دکھائی دیتی تھیں۔ زمر نے کار عین روک دی۔ اسے اشارہ کیا۔ وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھا۔

''آپ ادھر کیسے؟''

''جنازے کے بعد دوبارہ آنٹیں نہیں سکی' سو اب مسز کاردار کے لئے آئی تھی۔ وہ ہسپتال میں مجھے وزٹ کرنے اکثر آتی تھیں' میرا آنا بنتا ہے۔'' مختلف سپاٹ انداز میں ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے وضاحت دی۔ سعدی نے ڈیش بورڈ پہ نظریں جمائے انتظار کیا' کہ وہ شاید کہے (جب تم میرے پاس نہیں تھے تب وہ آتی تھیں) مگر وہ گلہ ہی تو نہیں کرتی تھی۔

''اور تم ادھر کیسے؟'' چہرہ موڑ کر اسے دیکھا تو سعدی نے بھی اس کی جانب گردن پھیری۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں نے عہد کر رکھا تھا کہ دل کی بات نہیں کہنی۔

''مسز کاردار کو دیکھنے آیا تھا اور اب اچھے سے دیکھ چکا ہوں۔ سو واپسی کے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔''

زمر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر نرمی سے کہنے لگی۔

''میں نے معلوم کیا تھا' ہاشم اس کیس میں ملوث نہیں ہے۔ کم از کم بظاہر تو نہیں ہے۔''

''خود معلوم کیا یا کسی اور نے کر کے دیا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا کیونکہ اس کے نزدیک دونوں میں اتنا فرق تھا جتنا پہلے اور ساتویں آسمان میں۔

''خود نہیں کیا مگر..... دوری' بصیرت صاحب نے اسے چیک کیا تھا' اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اس معاملے سے' مگر تم بتاؤ تمہیں

ایسا کیوں لگا کہ ہاشم اس میں ملوث ہو سکتا ہے؟"

"مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگا۔ بس جس کا نام منہ میں آیا بول گیا۔ آئی ایم سوری! مجھے یوں کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔" اس نے سادگی سے معذرت کر لی۔ زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نے اس کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی! میں اتنے دن اس کی پوچھ گچھ کرواتی پھر رہی تھی اور اب تم کہہ رہے ہو کہ تم نے یونہی کہہ دیا تھا؟" شدید غصے کو بمشکل اس نے ضبط کیا۔ تو وہ سارے دن جو اس نے فارس کے حق میں کوئی بھی بات ڈھونڈنے میں صرف کیے، وہ سب ایک مذاق تھا؟

"مجھے سمجھ نہیں آیا کس کا نام لوں۔ بس ان کا لے لیا۔ یہ لوگ..." انگلی سے کاردار قصر کی جانب اشارہ کیا۔ "اب میرے ساتھ پہلے کی طرح برتاؤ نہیں کرتے۔ مجھے شاید اسی بات کا غصہ تھا۔" وہ بمشکل ضبط کرتی اسے گھورتی رہی۔ اس نے ندامت سے سر جھکا دیا۔ ہلکا سا بولا۔ "سوری!"

"اور تم نے ہاشم سے یہ کیوں کہا کہ وہ آڈیو میں نے نکلوا کر دی تھی؟" سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"یعنی انہوں نے آپ سے پوچھا؟ تو پھر کیا کہا آپ نے؟"

"جو مجھے کہنا چاہیے تھا۔"

"معلوم ہے۔ تب ہی یہ کہا تھا۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ سب کچھ ویسے ہی ہوا تھا جیسے اس نے سوچا تھا۔

"میں ان سے خفا تھا، کیونکہ وہ بھی آپ ہی کی طرح فارس ماموں کو قاتل خیال کرتے ہیں اور اب چونکہ میں ماموں کے لیے کوشش کر رہا ہوں تو وہ مجھ سے خفا ہیں۔ مگر مجھے اچھا لگا کہ آپ نے میرا مان رکھا۔ اور آپ ماموں سے ملنے جیل گئیں، اس کے لیے شکریہ۔"

"کیا تمہارے ماموں نے تمہیں یہ بتایا کہ اس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی؟"

سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "کیا مطلب؟"

زمر نے محض چند فقرے تفصیل بتانے پہ ضائع کیے جس کے بعد سعدی کی رنگت زرد پڑتی چلی گئی۔

"آئی ایم شیور پھپھو کوئی غلط فہمی ہوگی ورنہ وہ کبھی ایسے نہیں کر سکتے۔ میں ان سے..."

"سعدی میں تھک گئی ہوں!" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو بولنے سے روکا۔ "میں نے اس کیس سے بھی خود کو الگ کر لیا ہے۔ میں مزید فارس کے مسئلوں میں نہیں الجھنا چاہتی۔ پھر بھی میں دوبارہ الجھی۔ اتنے دن میں نے پہلی دفعہ فرض کرنا شروع کیا کہ وہ بے گناہ ہو سکتا ہے، مگر اس نے پھر وہی کام کیا۔ مجھے مزید مت سمجھاؤ۔ اپنے ماموں کو سمجھاؤ کہ خدا کا اپنے اور دوسروں کے اوپر رحم کرے۔ مجھے مزید مت ستائے۔ میں نے اس کا کیس خود پراسیکیوٹ نہیں کیا، میں اب گواہی بھی واپس لے چکی ہوں، اور کیا چاہتے ہو تم لوگ مجھ سے؟ جب میرا دل کہتا ہے کہ وہی میرا مجرم ہے تو مجھے زبردستی اس کو بے گناہ کہنے پہ مجبور مت کرو۔ میں نے کوشش کی تھی، میں ہر چیز ایک طرف رکھ کر اس کے پاس گئی۔ اس کے لیے ہاشم کو بھی مشتبہ بنا لیا۔ مگر اس نے پھر وہی کیا۔"

وہ کتنی ہی دیر چپ بیٹھا رہا۔ سر جھکائے۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو ان کے پاس جانے کے لیے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ کی تکلیف کا اندازہ کرنا چاہیے تھا۔ آپ کی تکلیف ہم میں سے سب سے زیادہ ہے۔ وہ جیل سے چھوٹ جائیں، تب بھی نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں، آپ نہیں شروع کر سکتیں۔ کم از کم اتنے آرام سے نہیں۔ آئی ایم سوری۔ اب ہم اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔ لیکن..." اس نے چہرہ اٹھا کر امید سے زمر کو دیکھا۔ "مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ ایک دن میں آؤں گا آپ کے پاس ثبوت لے کر، تب آپ کو مجھے سننا ہوگا، اور اگر وہ ثبوت قابل قبول ہوا

تو اسے ماننا بھی ہوگا۔"

"شہیر!" اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "میں تو تم سے ہمیشہ کہتی رہی ہوں، مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جو میں مان بھی سکوں۔ تو میں ضرور مان لوں گی۔" پھر وہ چپ ہوگئی۔ "سعدی میں تم سے پھر کہہ رہی ہوں، اگر کوئی ایسی بات ہے جو فارس کے حق میں جاتی ہو، تو مجھے بتاؤ۔ میں ایک دفعہ پھر اس کی یہ حرکت بھی نظرانداز کر کے اس کے لیے کوشش کرنے کو تیار ہوں۔ اگر کوئی تیسرا شخص ملوث ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"نہیں پھپھو۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ جو سوچتی ہیں، ابھی وہی سوچتی رہیں۔ کچھ ملا مجھے تو آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔ آپ بس اپنا خیال رکھیں۔"

"میرے لیے افسردہ مت ہو بیٹا، میں ٹھیک ہوں۔" اس سے نگاہ ملائے بنا وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر اس کا چہرہ تکتا رہا۔

"آپ کی برتھ ڈے ہے اگلے مہینے، میں نے ایک کتاب آپ کے لیے رکھی ہے۔ کبھی وقت ملے تو اسے پڑھیے گا۔ اس میں دل کی بیماریوں کی شفا ہے۔" خاموشی دوبارہ دونوں کے بیچ حائل ہوگئی۔ پھر زمر نے اسے دیکھا، وہ بھی ذرا سے ہی دیکھ رہا تھا۔ زمر کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہاتھوں پہ پھسلیں اور سیاہ کی چین پہ آ ٹھہریں جو اس نے انگلیوں میں پکڑ رکھا تھا۔ اس پہ سنہرے حروف میں لکھا تھا "Ants Everafter"

"نیا لیا ہے؟" گو کہ اب وہ تعلق نہیں رہا تھا نہ بے تکلفی مگر وہ پوچھ بیٹھی۔ اس نے جواباً گردن جھکا کر کی چین کو دیکھا۔ نفی میں سر ہلایا۔

"اونہوں۔ علیشا نے حنین کو دیا تھا۔ حنین کے لیے اس کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہیں' سو یہ میں نے رکھ لیا۔ آج صبح گھر سے نکلنے سے پہلے یونہی حنہ کے کمرے میں گیا اور اٹھا لایا۔" سیاہ ہیرے نما پتھر پہ انگلی پھیرتے وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔ بالخصوص یہ عبارت۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" اس کی آواز میں قدرے نرمی در آئی تھی۔ پوچھتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کیا یہ وہی بچہ تھا جس کو اس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا؟

"جب میں چھوٹا تھا پھپھو' تو ابو کے ساتھ فجر پڑھنے مسجد جایا کرتا تھا۔ تب وہاں مسجد کی دیوار پہ چھت سے فرش تک چیونٹیوں کی قطار ہوتی تھی۔ ہر موسم میں' ہر گھڑی میں۔ تب ابو کہا کرتے تھے اگر مجھے کچھ ہو جائے سعدی تو تم اپنے خاندان کا خیال رکھنا۔ بڑے ابا ایک کمزور مرد ہیں مگر تمہیں بہادر بننا ہے۔ تم سعدی میرے بعد اس خاندان کے بڑے مرد ہو گے۔ اور تمہارے خاندان کی عورتیں' بوڑھے اور بچے' یہ سب چیونٹیوں کی طرح ہیں، کمزور اور نازک۔ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں' بادشاہ اور چیونٹیاں۔ تم سعدی اپنی چیونٹیوں کو جوڑ کر رکھنا۔ تم سعدی میرے بعد اپنے خاندان کے سربراہ ہو گے۔" کی چین سے نظریں اٹھا کر اس نے اداس مسکراہٹ سے زمر کو دیکھا۔ "اور میں پچھلے کئی برس سے یہی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' اور کرتا رہوں گا۔ آپ' حنہ' اوکی سب ایک جیسے ہیں۔ چیونٹیاں' اور معلوم ہے پھپھو چیونٹیوں میں کیا قدر مشترک ہوتی ہے؟"

وہ کتنا پیارا بولتا تھا' معصوم اور سادہ۔ نگاہیں اس پہ جمائے زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ان کی جانب جھکا اور آہستہ سے بولا۔

"وہ یہ کہ...... ساری چیونٹیاں اندھی ہوتی ہیں۔" اور پھر اس نے لاک کھولا' دروازہ دھکیلا اور سلام کہہ کر باہر نکل گیا۔ زمر اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے کتنی دیر وہیں بیٹھی اسے جاتے دیکھتی رہی۔ لمحے بھر کو اس کا دل چاہا کہ اسے روک لے مگر... روکنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں تھا۔

اگلے ڈیڑھ سال تک اس نے سعدی کو نہیں دیکھا۔ نہ وہ اس کی موجودگی میں آیا نہ وہ ان کے گھر گئی یہاں تک کہ ہاشم نے ایک روز

آکر اس سے کہا کہ وہ سعدی کو سونی کی سالگرہ کا کارڈ دے آئے..... اور چار سال بعد زمر کو وہ بہانہ مل ہی گیا جس کی لاشعوری طور پہ اسے تلاش تھی۔

.... ٭٭٭ ....

شوق اپنے بھی کیا نرالے ہیں ..... آستینوں میں سانپ پالے ہیں

جس وقت زمر اور سعدی باہر کار میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، قصر کے اندر اپنے کمرے میں اونچی کرسی پہ بیٹھی جواہرات' انگلی کی انگوٹھی گھماتے سوچ میں محو تھی۔ کمرے کے کھلے دروازے سے لاؤنج میں نئی فلپینو لڑکی فیونا بکٹ اور موپ لیے سیڑھیاں صاف کرتی نظر آرہی تھی۔

بلاخر جواہرات نے موبائل نکالا اور ایک نمبر ملا کر اٹھی، دروازہ بند کیا اور پھر فون کان سے لگایا۔

''جی ڈاکٹر آفتاب۔ کیا حال ہیں؟ فیملی کیسی ہے آپ کی؟''

''سب... ٹھیک ہیں مسز کاردار۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' وہ پھیکا سا مسکرا کر بولے۔

''ہوں۔ ایم فائن۔'' نخوت سے بولی، ذرا توقف دیا۔ ''پوسٹ مارٹم رپورٹ پڑھ لی تھی میں نے۔ میں مطمئن ہوں۔ اب آپ مجھے بتائیں، کیا کوئی غیر مطمئن تو نہیں؟''

''نہیں۔'' وہ لہجے بھر کو رکے۔ ''ہاشم نے اور ان کے سیکیورٹی آفیسر خاور نے، ان دونوں نے مجھ سے پوچھا تھا، اور نگزیب صاحب کے چہرے کے بارے میں۔''

''کیا پوچھا تھا؟'' اس کا سانس رک گیا۔

''کاردار صاحب کی موت سر کی چوٹ کی وجہ سے نہیں ہوئی، دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اسموورنگ کے باعث ناک اور اس کے اطراف کا حصہ کافی سفید سا پڑ گیا تھا۔''

''تو آپ نے کیا کہا؟'' وہ جلدی سے بولی۔

''یہی کہ کاردار صاحب کا ایستھما بگڑا تھا، وہ اسی وجہ سے گرے تھے اور چوٹ لگی، موت بھی اسی وجہ سے ہوئی۔ وہ دونوں ڈاکٹرز نہیں ہیں، مطمئن ہو گئے تھے کیونکہ بہر حال کاردار صاحب کو شدید دمہ تو تھا ہی۔ ویسے بھی homicidal smothering کی تشخیص بہت مشکل سے ہو پاتی ہے۔ سو میں نے وہ بات سنبھال لی تھی۔ یہ ایک طبعی موت تھی۔''

جواہرات کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند معمول کی باتیں کہہ کر فون رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھولا۔ فیونا صفائی کرتی اب آخری زینے تک آچکی تھی۔ جواہرات نے اسے ہلکے سے آواز دی۔ وہ چیزیں رکھ کر مؤدب سی چلی آئی۔

''ٹھنڈ آرہی ہے، دروازہ بند کر دو۔'' وہ واپس کرسی پہ آن بیٹھی اور مسکراتی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ فیونا سبک رفتاری سے دروازہ بند کر کے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ جواہرات نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ بالوں کی پونی بنائے، پھینے چینی نقوش والی خوش شکل اور کم عمر لڑکی تھی۔

''کام میں دل لگ گیا ہے تمہارا؟''

''جی۔ میری انجیو نے سب سکھا دیا ہے مجھے۔'' قدرے شرما کر بولی۔

''ہوں۔ پیچھے گھر میں کون ہوتا ہے تمہارے؟''

''ماں اور چار بہنیں' ایک بھائی۔ میں سب سے بڑی ہوں۔'' سر جھکائے اس نے لب کچلے۔ آنکھوں میں نمی آئی۔

''تو اس کی تنخواہ سے ان کا گزر بسر اچھا ہوتا ہوگا مگر بھائی کو پڑھانا' عزت دار نوکری دلوانا' یہ سب تو مشکل ہوگا' ہوں؟'' وہ انیر تک پہ

انگلی پھیرتی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ فیونا نے جھکے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''پتہ ہے۔''

''کاش میں تمہاری تنخواہ بڑھا سکتی' مگر میری انجیو ہیڈ اسٹاف ہے اور تم صرف ایک ماتحت میڈ۔ ہاں اگر تم میری انجیو کی جگہ ہوتی تو لاکھوں میں کھیلتی' لیکن....'' فیونا نے جھکی پلکیں اٹھائیں۔ امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے اسے دیکھا۔

''لیکن؟''

''اس کی پوزیشن پہ پہنچنے میں تو تمہیں سات آٹھ سال لگ جائیں گے۔ اس کا اگلے تین سال تک کا معاہدہ رہتا ہے ہمارے خاندان سے۔ اور اس کی رو سے میں اسے بے وجہ نکال نہیں سکتی۔'' وہ رکی۔

فیونا نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جی وہ بہت اچھا کام کرتی ہے۔''

''مگر وہ تمہاری طرح تیز اور پھرتیلی نہیں ہے۔ اس کو اپنے بچے کی فکر کھائے جاتی ہے جس کو وہ فلپائن میں چھوڑ آئی ہے۔ تم اس سے بہتر ہیڈ اسٹاف بن سکتی ہو۔''

''مگر.... یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ اگلے کئی سال تک اسی پوسٹ پہ رہے گی اور آپ اسے نکال بھی نہیں سکتیں۔'' قدرے مایوسی اور بے دلی سے کہتے اس کی آنکھیں پھر جھکیں۔

''میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اسے نکال نہیں سکتی۔ چاہوں تو ابھی نکال دوں۔ کھڑے کھڑے.... مگر اس کے لئے وجہ کا ہونا ضروری ہے۔''

''وجہ؟'' فیونا نے چونک کر اسے دیکھا۔ الجھن سے ابرو سکیڑے۔

''ہاں۔ جیسے چوری۔'' ایئررنگ کو دو انگلیوں سے مسلتے وہ مسکرائی۔

''جس دن اس نے چوری کی وہ ڈی پورٹ کر دی جائے گی۔ اور مجھے معلوم ہے وہ جلد یا بدیر چوری ضرور کرے گی۔ اسے اپنے بچے کے علاج کے لئے پیسے درکار ہیں' تنخواہ سے بھی کئی گنا زیادہ۔ جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ یہ باکس....'' سنگھار میز پہ رکھے ننھے سے جیولری باکس کی جانب اشارہ کیا....''جس کا کوڈ میری تاریخ پیدائش سے کھلتا ہے' اور اس میں میرا ایک قیمتی نیکلیس رکھا ہے تو کیا وہ خود کو روک پائے گی؟ اسے اس بارے میں سوچنا چاہیئے' ہے نا.... فی اونا؟'' ٹھہر ٹھہر کر مسکرا کر اس کا نام ادا کیا۔

زمر کے آنے پہ جب فیونا مسز کاردار کے کمرے سے نکلی تو اس کی آنکھیں ایک انوکھے خیال سے چمک رہی تھیں۔

.............✤✤✤............

جو کھلی کھلی تھیں عداوتیں مجھے راس تھیں ..... یہ جو زہر خند سلام تھے مجھے کھا گئے

ہاشم کاردار کا آفس جس فلور پہ تھا اس کی راہداری سپاٹ لائٹس سے جگمگا رہی تھی جب سعدی کی لفٹ کا دروازہ کھلا۔ نکلنے سے قبل اس نے لفٹ کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا' ذرا رکا' گریبان کا اوپری بٹن کھولا' سویٹر کے آستین پیچھے چڑھائے' ماتھے پہ ہاتھ مار کر بال ذرا بکھیرے' پھر باہر نکلا۔ تیز قدموں سے راہداری پار کی۔ لمحے بھر کو ہاشم کے آفس کے باہر بنے ڈیسک پہ رکا۔

''ہاشم اندر ہیں؟ مس حلیمہ؟'' ڈیسک پہ لگی نیم پلیٹ پہ نظر ڈال کر سنجیدگی سے پوچھا۔ خوبصورت سی سیکرٹری نے ٹائپ کرتے ہاتھ روکے اور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی' مگر وہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس اپائنمنٹ ہے؟''

''ضرورت نہیں ہے۔'' تلخی سے کہہ کر وہ آفس ڈور تک آیا اور دروازہ دھکیلا' اندر داخل ہو گیا۔ حلیمہ ہڑبڑا کر پیچھے لپکی۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' بہت غصے سے وہ اس کی میز تک جا پہنچا۔ ہاشم جو کوٹ پیچھے اتارکا ...

بیٹھا فائل پہ کچھ لکھ رہا تھا اس نے سر اٹھا کر سے دیکھا پھر پیچھے آتی حلیمہ کو آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ رکی اور پھر پلٹ گئی۔ سیٹ پہ پیچھے کو ٹیک لگاتے اس نے اب سنجیدگی سے سعدی کو دیکھا جو غصیلی آنکھوں اور سرخ کانوں کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' بنا کسی غصے یا تلخی کے بھی ہاشم بولا تو آواز سخت تھی۔ اسے سعدی کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔

''یہ تو آپ بتائیں گے۔'' دونوں ہاتھ میز پہ رکھے وہ سامنے کو جھکا۔ ''زمر کو کیوں بتایا جو نوشیرواں نے آپ کو بتایا تھا؟''

''اتنی کیا بڑی قیامت آگئی ہے سعدی کہ تم اپنے مینرز بھول گئے ہو؟'' اب کے اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ قلم میز پہ ڈالا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ٹیک لگائے اس لڑکے کو دیکھا۔

''لعنت بھیجتا ہوں میں مینرز پہ۔ مگر آپ کے مینرز کہاں ہوئے جب حنہ اور میرا اعتماد توڑا؟''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ زمر تم لوگوں کے لیے غیر ہے۔ بتانے کا شکریہ۔ اب میں کام کرلوں؟'' تلخی سے اس کو گھورتے سامنے فائلوں کے ڈھیر کی جانب اشارہ کیا۔ ''اور تم بھول گئے ہو تو یاد دلا دوں کہ میں اہم معاملات میں الجھا ہوں اور اپنی تمام کمپنیز اور کاردار ریکل کی ان دنوں سربراہی کر رہا ہوں کیونکہ میرا باپ سات دن پہلے مرا ہے۔''

''میرا باپ دس سال پہلے مرا تھا' اس لیے کیا ہی اچھا ہو کہ ہم باپوں کو درمیان سے نکال کر بات کریں۔'' اس انداز پہ ہاشم نے لب ''اوہ'' میں سکیڑے' تعجب سے ابرو اٹھائے۔

''تو تم مجھ سے لڑنے آئے ہو؟'' اس نے زور سے فائل بند کر کے پرے کی اور ڈھیروں غصہ ضبط کیا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔

''میری کیا مجال کہ میں آپ سے لڑوں؟ میں صرف آپ کو کنفرنٹ کرنے آیا ہوں اور کنفرنٹ کرنے کے لیے آپ کے آفس سے بہتر جگہ کوئی نہیں تھی۔ سو مجھے بتائیں' کیوں بات کی آپ نے زمر سے؟ انہوں نے مجھ پہ اعتماد کیا تھا' اب کیسے دوبارہ کریں گی؟'' وہ کافی بدتمیزی سے کھڑا بول رہا تھا۔

''کیا میں نے تم سے جواب مانگا تھا جب تم نے میرے کیے وکیل کو فائر کیا تھا؟'' وہ تلخی مگر ضبط سے بولا تو سعدی مزید بھڑک اٹھا۔

''مانگیں جواب۔ میں دوں گا ہر جواب۔'' ساتھ ہی میز پہ زور سے ہاتھ مارا اور اتنے غصے سے وہ اسے گھور رہا تھا۔

''تو کیوں کیا میرے وکیل کو فائر؟''

''کیونکہ وہ وکیل بھی آپ جیسا تھا ہاشم بھائی۔ آپ کی طرح اسے بھی فارس غازی کی بے گناہی کا یقین نہیں تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے' میں بچہ ہوں؟ او نہوں!'' نفرت سے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلایا۔ ''مجھے سب سمجھ آ گیا ہے۔ آپ کو بھی اندر سے یہی لگتا ہے کہ فارس نے قتل کیے ہیں۔ آپ بھی ان کو برا سمجھتے ہیں۔ اوپر سے آپ جو بھی کہیں' اندر سے آپ نے بھی ان کو اکیلا چھوڑ دیا ہے۔''

''بالکل' میں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ پھر؟ کیا کرو گے تم؟'' وہ اب بھی برداشت کر رہا تھا۔

''میں آپ سب پہ ثابت کروں گا کہ یہ قتل انہوں نے نہیں کیے تھے۔ آپ' زمر' سب ایک جیسے ہیں۔ آپ سب نے ان کو اکیلا کر دیا ہے۔ اتنے سال میں آپ ایک دفعہ ان سے ملنے جیل نہیں گئے۔ لوگوں کی باتیں آپ کے دل میں بھی بیٹھ گئی ہیں اور آپ بھی۔ آپ بھی باقیوں کی طرح ہی ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ بے حد ہرٹ اور دکھی سا لگتا پیچھے ہٹا۔ ہاشم تلخی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وکیل کے بدلاؤ پہ باز پرس کرنے پہ تم مجھ سے ایسے بات کرو گے تو میں اس ذکر کو نہ چھیڑتا۔'' ہاشم کا صدمہ اور غصہ' حقیقی تھا۔

''مجھے آپ کی بات سے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ پیچھے ہٹتے مزید بلند آواز میں غصے سے بولا تھا۔ ''آپ کا امیج میری نظروں میں تباہ ہو چکا ہے۔ اس لیے بتا دوں' آپ کے والد کے چہلم کا دعوت نامہ آیا تھا' میں نہیں آؤں گا' میرے گھر سے کوئی نہیں آئے گا۔ آئندہ ہمیں کسی بھی

دعوت پہ بلانے کی زحمت نہیں کیجیے گا' انکار سن کر آپ کو خود شرمندگی ہوگی۔'' تنفر سے جذباتی انداز میں کہتا وہ مڑا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کرتے اسے اندر کا منظر جو نظر آیا اس میں ہاشم غم و غصے اور قدرے صدمے میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔

راہداری میں چلتے سعدی نے گہری سانس لی۔ دانستہ بھڑکائے اور تنے اعصاب کو گویا ڈھیلا کیا۔ ہاتھ اب بھی قدرے لرز رہے تھے اور دل دھڑک رہا تھا۔ لفٹ کے پاس رکا تو اس کے دھاتی دروازے میں اپنا عکس دیکھتے خود کو شاباش دی۔

(اچھی پرفارمنس تھی سعدی! اگر جواہرات یہ نہ کرتی' تب بھی میں نے ان کے گھر نہ جانے کا کوئی تو بہانہ ڈھونڈنا ہی تھا' کہ اب ان کے ساتھ ایک میز پہ کھانا کھانا' ہنس کر بات کرنا' سب عذاب تھا۔ ہر جگہ وارث کا خون نظر آتا۔ سو اچھا کیا تم نے سعدی۔ اب ہاشم بھائی کم از کم یہ نہیں جان سکیں گے کہ میں ان کی اصلیت جانتا ہوں۔ اسے صرف اعتماد ٹوٹنے کا غصہ خیال کریں گے' اگر یہ نہ کرتا تو میرے کھنچے کھنچے رویے سے وہ سمجھ جاتے۔ بہت اچھا کیا سعدی۔ روز ان کی شکل نہ دیکھنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا!) لفٹ میں کھڑے اترائی کا سفر طے کرتے وہ خود کو نارمل کرتا دلاسہ دے رہا تھا۔ دل البتہ ویران سا تھا۔ آنکھوں میں بار بار نمی آتی جسے وہ سویٹر کے آستین سے رگڑ لیتا۔

.... *** ....

جھولنے والا لوٹ تب آیا...... وقت مغرب یا عشاء کا تھا

چھوٹے باغیچے والے گھر میں کچن سے پکتے کھانے کی مہک یوں پھیل رہی تھی جیسے پانی کے گلاس میں نیلا انک کا قطرہ پھیلتا ہے۔ ساری فضا اشتہا انگیز خوشبو سے معطر ہو گئی تھی۔ ایسے میں حنین، سعدی کے خالی کمرے میں بے مقصد کرسی پہ بیٹھی تھی۔ کہنیاں میز پہ ٹکائے' چہرہ ہتھیلیوں پہ گرا دیا۔ عینک اتار کر سائیڈ پہ رکھ دی۔ کچھ دیر انگلی سے میز پہ لکیریں کھینچتی رہی۔ پھر یکایک چونکی۔

قریب میں سفید جلد والی کتاب رکھی تھی۔ ساتھ ریپر اور کارڈ۔ سعدی وہ کتاب کسی کو تحفے میں دے رہا تھا؟ اچنبھے سے اس نے کارڈ اٹھایا۔ سالگرہ کا کارڈ' زمر کے نام۔ اوہ۔ پھپھو کی سالگرہ تھی نا چند دن بعد۔ تو سعدی وہ کتاب زمر کو دینے جا رہا تھا۔ یہ وہی کتاب تھی جو برسوں پہلے اس نے ایک دفعہ یونہی کھول لی تھی۔ اب دوبارہ کھولی تو پہلے صفحے پہ ہاشم کا نام لکھا تھا۔ اس نے نام پہ انگلی پھیری اور مسکرا دی۔ پھر بے مقصد صفحے پلٹتی رہی۔ دفعتاً درمیان میں ایک ورق پہ رکی۔

سات سو برس پہلے کے زرد زمانوں کو جاتا دروازہ سامنے تھا۔ حنین نے رک کر سوچا کہ اندر جائے یا نہیں' پھر بنا مزید کچھ سوچے اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے دھکیلا۔ لکڑی کے قدیم منقش پٹ وا ہوئے۔ وہاں سے ڈھیروں روشنی کا سیلاب امڈ آیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ روشنی قدرے تھمی تو اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ قدیم دمشق کے اس زرد سے مکان کے باہر کھڑی تھی جو مسجد سے ملحقہ تھا۔ ایک زمانے میں اس نے یہاں مجمع میں گھرے ایک ''بیمار'' کو دیکھا تھا۔ آج یہاں ویرانی تھی۔ سناٹا تھا۔ زردی شام اتر رہی تھی۔ روشنی اب ختم ہو چکی تھی۔ مکان کے اندر چراغ جل رہے تھے۔ پاجامے' لمبی قمیص' اور ہیئر بینڈ لگے بالوں والی حنہ اس سارے زرد منظر نامے میں واحد رنگین شے تھی۔ اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بلی کی چال چلتی' پھونک پھونک کر قدم رکھتی مکان کے اندر آئی۔ پہلے کمرے کا پردہ ہٹایا اور سر نیچا کر کے اندر داخل ہوئی۔

اس مطالعاتی کمرے میں جگہ جگہ دیے جل رہے تھے یا چند ایک موٹی موم بتیاں۔ دیوار میں بنے خانوں میں کتابیں رکھی تھیں۔ سامنے فرش پہ دو زانو ہو کر شیخ معلم بیٹھے تھے' اور چوکی پہ دھرے کورے پرچے پہ قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے چوکھٹ میں کھڑی تنقیدی نظروں سے ان کو دیکھنے لگی۔ پھر گردن تر چھی کر کے پکارا۔

''کیا آپ نے اپنی کتاب ختم نہیں کی؟'' وہ سر جھکائے لکھتے رہے۔ حنین نے آنکھیں ناراضی سے سکیڑیں۔ ارد گرد سب زردی مائل تھا' جیسے پرانے زمانے کا پرنٹ ہو اور ایک وہی کلر فل تھی۔ پھر قدم قدم چلتی قریب آئی۔ چوکی کے عین سامنے۔ سر ترچھا کر کے گویا جھانکا۔

"کیا آپ کی کتاب میں واقعی دل کی بیماریوں کا علاج ہے؟" پوچھتے وقت شکل یوں بے نیاز بنائی گویا جواب میں دلچسپی نہ ہو' مگر ساری حسیات جواب پہ ٹکی تھیں۔

"ہر مرض کی دوا ہے۔ جو اسے جانتا ہے' وہ اسے جانتا ہے' اور جو اسے نہیں جانتا' وہ اسے نہیں جانتا۔" سر جھکائے کہتے ہوئے وہ بولے تھے۔

"آہ۔۔۔ آپ کے زمانے کے مرض!" اس نے گویا مایوسی سے ہاتھ جھاڑے۔ پھر سامنے بیٹھی' چوکی پہ کہنی رکھی اور ہتھیلی پہ ٹھوڑی ٹکائی۔ "طاعون' اور دوسرے وبائی مرض ہمارے زمانے میں نہیں ہوتے۔ ہمارے مسئلے اور ہیں' لیکن' مگر نہیں' آپ کو کیا پتہ۔" پھر جیسے اسے غصہ آیا۔ تیوری چڑھا کر بولی۔ "آپ سات سو سال قدیم کے ایک بوڑھے ہیں۔ ایک نائیو (naive) بوڑھے۔ آپ کو تو یہ تک نہیں معلوم کہ ٹیپوز کیا ہوتا ہے' انٹرنیٹ کیا ہوتا ہے' ٹی وی شوز کسے کہتے ہیں۔۔۔ اور وہ زندگی کیسے تباہ کرتے ہیں۔ مگر نہیں۔۔۔ اف!" جیسے کراہ کر سر جھٹکا۔ افسوس سے ان کو دیکھا۔

"آپ کی کتاب میری مدد نہیں کر سکتی کیونکہ اس میں میرے کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

وہ ہنوز قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے' تو زچ ہو کر حنہ ان کے پرچے پہ جھکی۔ گردن ترچھی کر کے پڑھا۔

"اے ایمان والو' بے شک خمر' اور میسر' اور انصاب' اور ازلام شیطان کے گندے کاموں میں سے ہیں' پس ان سے بچو تاکہ تم نجات پاؤ۔" حنہ نے سر اٹھایا' آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے ان کو دیکھا۔

"مجھے پتہ ہے یہ آیت ہے' مطلب بھی پتہ ہے۔ خمر ہوتی ہے شراب۔ میسر ہوتا ہے جوا۔ انصاب ہوتے ہیں بت اور ازلام۔۔۔" آنکھیں میچ کر ذہن پہ زور دیا۔ "ہاں' فال کے تیر وغیرہ' رائٹ؟ مگر اے شیخ! یہ میرے ملک کی میری جیسی مڈل کلاس کی لڑکیوں کا پرابلم نہیں ہوتا۔" نہایت افسوس سے ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ کے زمانے میں ہوتے ہوں گے دمشق میں شراب کے مٹکے۔ وہ جیسے نسیم حجازی کے ناولز میں ہوتے تھے' ہم تو اس مشروب کا نام بھی نہیں لیتے' لینا پڑے تو انگریزی میں الکحل کہہ دیتے ہیں' انگریزی میں چیزیں کم بیہودہ لگتی ہیں۔" رازداری سے آگے ہو کر ان کو اطلاع دی۔ وہ بنا رکے بغیر لکھتے جا رہے تھے۔ "بہرحال' شراب' جوا' بت' پانسے' کسی سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں میرا۔۔۔ سو۔۔۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھی۔ "آپ کی کتاب میرے کسی کام کی نہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا' آپ سات سو برس پرانے ایک نائیو بوڑھے ہیں۔" قدرے مایوسی' قدرے خفگی سے وہ واپس جانے کو مڑی۔

وہ زانو بیٹھے' قلم سے پرچے پہ لفظ اتارتے شیخ نے بولتے تکا دیا۔

"جب شراب حرام کی گئی تھی تو وہ برتن بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔" وہ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے' غالباً لکھتے ہوئے اونچا بول رہے تھے۔ حنین نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"جیسا کہ میں نے کہا' آپ کے اور میرے زمانے کے مسائل مختلف ہیں۔"

قدیم دیوان خانے کی موم بتیاں ہنوز جھلملا رہی تھیں۔ وہ ان کی مدھم روشنی میں راستہ بناتی آگے آئی اور چوکھٹ کا پردہ ہٹا دیا۔ دوسری جانب مہیب تاریکی تھی۔ اس نے تاریکی میں قدم رکھا اور۔۔۔۔

اور کتاب بند کر دی۔ سر اٹھایا تو بھائی کی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ کمرہ سفید ٹیوب لائٹ سے روشن تھا۔ لاؤنج سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ حنہ نے بے دلی سے کتاب واپس رکھی' اٹھی ہی تھی کہ سعدی اندر آ گیا۔ اسے دیکھ کر رکا' پھر نظریں چرا کر الماری کی طرف چلا گیا۔

"ناراض ہیں آپ؟" وہ بے قراری سے اس کے پیچھے آئی۔ چند لمحے وہ یونہی ٹھہرا رہا' پھر اس کی طرف گھوما۔

"نہیں۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔" گہری سانس لے کر بولا۔

''دل سے کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں۔'' وہ اس کے سامنے آیا۔ نرمی سے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھایا اور قریب بیٹھا۔ وہ سر جھکائے اپنے گھٹنوں کو دیکھتی رہی۔

''تم کسی کی موت کی ذمہ دار نہیں ہو حنہ۔ اوسی پی صاحب کا بھی اتنا ہی قصور ہے جتنا تمہارا۔ ان کو تم پہ نہیں اللہ پہ بھروسہ کرنا چاہیے تھا۔ ائی کے پاس جاتے' تمہاری حرکت بتاتے' تو امی تمہیں دو تھپڑ لگا کر ان کا کام بھی کروا تیں اور معافی بھی مانگنے کو کہتیں۔ ان کو پیپر زبھی نہ دینے پڑتے اور کام بھی ہو جاتا۔ مگر انہوں نے بزدلی کا راستہ منتخب کیا۔ یہ ان کی بھی غلطی ہے۔ سو اب بہتر ہے کہ ہم اس واقعے کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں۔'' حنین نے جھکے سر کو نفی میں ہلایا۔

''میں ایڈمیشن نہیں لے رہی۔ میں بی اے کروں گی۔''

''ٹھیک ہے، اب تم انجینئر نہیں بنوگی۔ تم یہ ڈیزرو نہیں کرتی۔ سب کہتے تھے حنہ کو ہر وقت کمپیوٹر کے آگے مت بیٹھنے دیا کرو' بچی بگڑ جائے گی مگر میں نے تمہارا انٹرنیٹ' کمپیوٹر' گیمز' کچھ نہیں روکا کبھی۔ مجھے تم پہ اعتبار تھا۔ تم نے میرا اعتبار توڑا ہے۔ حنہ ایک لفظ کی چیٹنگ بھی آپ کی ڈگری کو 'ناجائز' بنا دیتی ہے۔ جو لوگ چیٹنگ کر کے میڈیکل میں ایڈمیشن لیتے ہیں' وہ ساری عمر مفت علاج بھی کرتے رہیں' تب بھی ان کی کمائی پاک ہو گئی کیا؟ اللہ یہاں کے اصول بدلے نہیں جاتے۔ یونو واٹ حنہ' میں تمہیں اس کے لئے معاف کر رہا ہوں' کیونکہ تم میں اور وارث ماموں کے قاتل میں فرق ہے۔ تم نے کہا ان کو گلٹ محسوس ہوا ہوگا' تمہیں وجہ نہیں ہوا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں، مجھے بھی لگتا ہے ان کو گلٹ ہوا ہوگا، وہ ماموں کی قبر پہ بھی گئی ہوں گے' ان کے نام پہ چیریٹی بھی کی ہوگی' آج بھی ماموں کے قاتل اگر ماموں کی بچیوں کو دیکھیں تو ان کے لیے بہت دکھ محسوس کریں گے' مگر کیا دکھ ہونا کافی ہوتا ہے؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بڑے گناہوں کے کفارے ہوتے ہیں، خالی خولی گلٹ اور دکھ جائے بھاڑ میں۔ ذرا دیر کو زرتاشہ کا سوگ انھوں نے بھی منایا ہوگا' اور پھر؟ کیا اعتراف جرم کیا؟ کیا کفارہ ادا کیا؟ خود کو قانون کے حوالے کیا؟ نہیں! تم ان جیسی نہیں ہو۔ تم نے کفارہ ادا کیا ہے' اور حنہ کفاروں کے بعد گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اوسی پی صاحب کی جان تم نے نہیں ان کی بیٹی اور ان کی بزدلی نے لی ہے۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں مگر مجھے بہت عرصہ لگے گا دوبارہ تم پہ اعتبار کرنے میں اور اب تم جو بھی پڑھنا چاہتی ہو' پڑھو' لیکن تم مجھ سے ایک وعدہ کرو گی۔ ایک پکا عقد۔ کہ تم دوبارہ یہ کام نہیں کرو گی۔ کیونکہ حنہ اگر کبھی مجھے یہ پتہ چلا کہ حنین نے دوبارہ پیپر میں چیٹنگ کی ہے' تو اس دن ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔'' انگلی اٹھا کر سختی سے وہ تنبیہہ کر رہا تھا۔ ''مجھے دوبارہ کبھی یہ سننے مت دینا حنہ کہ تم نے پھر سے یہی کام کیا ہے۔''

حنین نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔ (ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوگا، کبھی بھی نہیں۔ اسے یقین تھا۔)

''مگر حنہ، فی الحال، بی اے کرنا بھی اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ مسئلہ تمہاری ایڈکشن ہے۔ کمپیوٹرز اور ٹی وی ڈراموں کی ایڈکشن۔''

''ایڈکشن؟'' وہ چونکی۔ بری طرح۔ ایک دم سب رک گیا۔ وہ سات صدیاں پہلے کے شیخ معلم کے نیم تاریک دیوان خانے میں بیٹھی تھی، اور دور کہیں سعدی بول رہا تھا۔

''میں بھی دو تین ڈرامے فالو کرتا ہوں۔ پچھلے دو سال سے Suits اور چار پانچ سالوں سے Grey's Anatomy دیکھ رہا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ڈرامے مت دیکھو' فلمیں مت دیکھو' میں یہ کہوں گا تو تم نہیں مانو گی۔ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ حد میں رہ کر دیکھو۔ زیادتی کسی بھی چیز کی ہو' نقصان دیتی ہے۔''

وہ اس کا چہرہ دیکھتی' چپ چاپ سوچے گئی۔

''کیا سوچا پھر تم نے؟''

''خمر شیطان کی گندگی میں سے ہے۔'' وہ ہولے سے بولی تو سعدی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

”کیا مطلب؟“ اسے بات کا موقع محل سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ دور کسی اور زمانے میں بیٹھی بول رہی تھی۔

”شیخ نے ٹھیک کہا تھا۔ ہر شخص کا خمر مختلف ہوتا ہے۔ پتہ ہے الکحل کیوں حرام ہے؟ کیونکہ وہ نشہ کرتی ہے اور لت ڈالتی ہے۔ ہر نشہ والی چیز خمر ہوتی ہے۔ چاہے وہ مشروب نہ ہو یا اس کا رنگ سرخ نہ ہو۔ میرا خمر یہ سب تھا۔ یہ کمپیوٹر، موبائل، انٹرنیٹ، ٹی وی۔ سواب....“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کروں گی۔“ کوئی عزم تھا جو اس لیے کر لیا۔ سعدی نے بے اختیار سمجھانا چاہا۔

”حنہ! کوئی بھی چیز بذاتِ خود اچھی یا بری نہیں ہوتی۔ اس کا استعمال اسے اچھا یا برا....“

”بالکل بھی مت کہیے گا یہ فضول بات جو لوگ دہرا دہرا کر نہیں تھکتے۔“ وہ غصے سے بولی۔ ”ہر چیز کے بارے میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بذاتِ خود اچھی یا بری نہیں ہے۔ کچھ چیزوں کا برا استعمال ان کے اندر برائی کا اثر اتنا راسخ کر دیتا ہے کہ.... کہ ان میں آپ کے لیے اچھائی ختم ہو جاتی ہے۔ جب خمر ممنوع ہوئی تھی تو ان برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔ آپ خمر کے برتن میں آبِ زم زم نہیں پی سکتے بھائی۔“

”خیر! آج کل کے برتنوں کو دھو کر استعمال کیا جا سکتا ہے وہ اس زمانے میں کدو کے برتن ہوتے تھے....“ وہ اسے فتویٰ اور فقہ بتا رہا تھا مگر حنین نے نفی میں سر ہلایا۔

”زمانہ نہیں بدلا بھائی۔ اب بھی مسئلے وہی ہیں جو سات سو سال پہلے کے دمشق میں ہوا کرتے تھے۔ کسی اور کے لیے یہ چیزیں بری نہیں ہوں گی مگر میرے لیے ہیں۔ میں ان کو اب ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔“ نفی میں سر ہلاتی حنین کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔

”لیکن حنہ! الکحل بھی اکٹھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ منع کی گئی تھی۔ تین حصوں میں۔ ایک دم سے ان چیزوں کو زندگی سے نکالو گی تو اپنا ایک حصہ ان ہی کے ساتھ کھو دو گی۔ ایڈکٹڈ آدمی کو ایک دم سے منشیات سے نہیں ہٹایا جاتا۔ ڈوز ہلکی اور مزید ہلکی کی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ چھوڑو۔ خود کو دبا کر، جبر کرو گی تو کتنا عرصہ ضبط ہوگا؟ ایک دن اسپرنگ کی طرح واپس وہیں آ جاؤ گی۔“

”نہیں۔ اگر ابھی نہیں چھوڑا تو کبھی نہیں چھوڑ سکوں گی۔“ وہ نفی میں گردن ہلائے جا رہی تھی۔ سعدی نے مزید سمجھانا چاہا مگر حنہ نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چپ ہو گیا۔ اگر وہ اپنا ضبطِ نفس آزمانا چاہتی تھی تو سعدی کو اسے روکنا نہیں چاہیے۔

اگلے روز ندرت نے جب کچن کی چوکھٹ پہ کھڑے ہو کر لاؤنج میں جھانکا تو دیکھا، وہ کمپیوٹر پیک کر کے سعدی کے کمرے میں شفٹ کر رہی تھی۔ اسمارٹ فون میں سے اس نے پہلے ہی سم نکال کر اسے توڑ پھوڑ کر پھینک دیا اور اپنی سم چھوٹے پرانے نوکیا سیٹ میں ڈال کر انہیں دے دی کہ میں اب یہ نہیں استعمال کروں گی۔ ندرت کو سعدی نے پتہ نہیں کیا کہہ کر سمجھایا تھا کہ وہ پہلے تو چپ رہیں، پھر ڈانٹنے لگیں، انہیں اس کے انجینئرنگ میں ایڈمیشن نہ لینے کا بہت دکھ تھا، مگر وہ بے حس ہی بنی رہی۔ کتنے دن ندرت نے اس کے ساتھ سر پھوڑا، پھر خود ہی تھک کر خاموش ہو گئیں۔ زندگی میں اور بھی غم تھے حنین کے سوا۔

اور اس تنہائی اور خاموشی کی نئی سرنگ میں داخل ہونے کے بعد حنین یوسف کے لیے ایک ہی روزن تھا۔ اپنا عہد! اگلے بورڈ ایگزام میں، (بی اے کے فائنل ایگزام میں) وہ اپنی محنت سے پاس ہوگی، جیسے سیکنڈ ایئر سے پہلے ہر سال ہوتی رہی تھی، اور جس دن ایمانداری کا رزلٹ آئے گا، اس کے دامن پہ لگا بے ایمانی کا داغ دھل جائے گا۔ بھائی اس پہ پھر سے اعتماد کرنے لگے گا۔ اب وہ کبھی بھی اس کو یہ سننے کا موقع نہیں دے گی کہ حنین نے چیٹنگ کی ہے۔ اب حنین ایسا کبھی نہیں کرے گی۔ سعدی نے کہا تھا اگر اسے دوبارہ ایسا کچھ پتہ چلا تو اس دن وہ دونوں الگ ہو جائیں گے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوگا، اسے یقین تھا۔

وہ غلط تھی۔

❖❖❖

یہ عیاں جو آب حیات ہے اسے کیا کروں؟ ...... کہ نہاں جو زہر کے جام تھے مجھے کھا گئے!

جیل کا ملاقاتی کمرہ مایوسی اور ڈپریشن کی فضا سے بوجھل ان دونوں کے گرد موجود تھا۔ فارس پیچھے کو ٹیک لگائے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، منہ میں کچھ چباتا، نظریں آگے پیچھے کی چیزوں پہ دوڑا رہا تھا، جبکہ سعدی دبے دبے غصے اور خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

''اور وہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ نے انہیں استعمال کرنے کی کوشش کی۔''

''بریکنگ نیوز سعدی! ہر بات تمہاری پھپھو کی وجہ سے نہیں ہوتی۔'' اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

''اتنی مشکل سے وہ راضی ہوئیں آپ سے ملنے کے لیے اور آپ نے سب کچھ غارت کر دیا۔'' وہ دبا دبا چلایا تھا۔

''تو کیا کروں؟'' فارس نے برہمی سے سعدی کو گھورا۔ ''مزید ڈھائی سال یہاں گزار دوں؟''

''جب میں نے کہا تھا کہ آپ کو یہاں سے نکال لوں گا تو ...؟ کیا ضروری تھا زمر کو دوبارہ خود سے بدظن کرنا؟'' اس کا غصہ کم ہونے کو ہی نہیں آ رہا تھا۔

''وہ ہمیشہ سے مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ تمہاری ذہین فطین پھپھو (طنز سے اسے دیکھا) اتنا تو پتہ نہیں لگا سکیں کہ فارس غازی بے گناہ ہے!''

اس بات پہ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا، آنکھیں سکیڑ کر چبھتی ہوئی نظروں سے فارس کو گھورا اور پھر چبا چبا کر بولا۔ ''فارس غازی صاحب، میری پھپھو آپ سے کئی گنا زیادہ سمارٹ اور سمجھدار ہیں، آپ کی طرح وہ ہاتھوں سے نہیں سوچتیں، دماغ سے سوچتی ہیں۔ اور ہاں، اگر آپ کی جگہ وہ جیل میں ہوتیں تو ڈھائی سال کیا، ڈھائی دن میں باہر نکل آتیں۔''

''تھینک یو ویری مچ! سعدی۔ میں بہت مرعوب ہوا ہوں۔'' اس نے اتنی ہی برہمی سے سر جھٹکا۔

''آپ کو یہ بات حیران کر رہی ہے کہ اتنی اسمارٹ ہو کر بھی ان کو آپ کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے؟'' کچھ دیر بعد وہ قدرے ہموار لہجے میں بولا۔ فارس کچھ کہے بنا اسے دیکھنے لگا۔ ''ماموں! آپ ایک بات بھول رہے ہیں۔ بات ذہانت یا بے وقوفی کی نہیں ہے۔ امی کو دیکھ لیں۔ امی بالکل بھی ذہین نہیں ہیں۔ دودھ چولہے پہ رکھ کر بھول جاتی ہیں۔ ان سے پوچھو کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پہ حملہ کب ہوا تھا تو ان کو یاد نہیں ہوگا، مگر کہیں گی، تب سعدی فلاں کلاس میں تھا۔ ان کا کیلنڈر ان کے بچوں کی پیدائش، ان کے چلنے، بولنے، یا فلاں کلاس میں ہونے کے مطابق ان کے ذہن میں فٹ ہے۔ بالکل ہی بھولی ہیں امی۔ مگر جب میں نے ان سے کہا کہ ماموں کی جعلی ٹیپ سن لیں تو انہوں نے نہیں سنی، سن لیتیں تب بھی نہ مانتیں۔ اپنی تمام تر سادگی کے باوجود ان کو جتنے ثبوت آپ کے خلاف مل جائیں، وہ آپ کو گناہگار نہیں مانیں گی۔ پتہ ہے کیوں؟''

''کیونکہ ان کو مجھ پہ اعتبار ہے۔ اور...'' وہ ٹھہرا، اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور میڈم زمر کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے!'' بہت سالوں بعد اس کو وہ بات سمجھ آئی تھی۔

''بالکل۔ وہ آپ پہ اعتبار نہیں کرتیں، سو اب آسمان سے فرشتے اتر کر بھی آپ کے حق میں گواہی دیں، وہ تب بھی نہیں مانیں گی کیونکہ ٹوٹا اعتبار جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور وہ کیوں کریں آپ پہ اعتبار؟ وہ آپ کو جانتی ہی کتنا ہیں؟ چند ماہ کے لیے آپ ان کے اسٹوڈنٹ رہے تھے، وہ کبھی بھی آپ سے بے تکلف نہیں تھیں، آپ کام کے علاوہ ان سے کبھی کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کام پڑنے پہ آپ سے رابطہ کر لیتیں یا خاندانی تقریبات میں آپ سے سرسری سی ملاقات ہو جاتی، اور بس۔ وہ آپ کو ویسے نہیں جانتی تھیں جیسے ہم جانتے ہیں۔ جیسے امی جانتی ہیں۔ جس دن وہ آپ کو جاننے لگیں گی، اسی دن اعتبار بھی کرنے لگیں گی، اس لیے پلیز، ان کو دشمن سمجھنا چھوڑ دیں۔'' ایک ایک لفظ پہ زور دیتا وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ ''زمر دشمن نہیں ہیں، زمر وہ واحد انسان ہیں جن کو میں اپنے ساتھ کھڑا کر کے ...

اوں اس جنگ میں، مگر ابھی یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کو الزام مت دیں۔ میں آپ کو باہر نکال لاؤں گا، ٹرسٹ می۔ صرف چند ماہ۔ مجھے چند ماہ کا وقت دیں۔ میں آپ کو یہاں سے نکال لوں گا۔'' بینچ پہ ہاتھ رکھے' آگے جھکے' وہ خفگی سے ہی سہی التجا کر رہا تھا۔ فارس نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ مگر اسے ساتھ ہی تیکھی نظروں سے بھی دیکھا۔

''اور تم کیا کرو گے۔''

سعدی نے گہری سانس لی' پیشانی انگلی سے کھجائی۔

''جو بھی کرنا پڑا۔''

''اے۔۔۔ بات سنو۔'' اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ ''کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرنا، ورنہ چار دن میں ادھر جیل میں بند ہو گے۔'' بے زاری اور غصے کے پیچھے جیسے وہ فکرمند ہوا تھا۔ سعدی لب بھینچے آگے ہوا، جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میری جو مرضی آئے میں کروں گا، جو بھی کرنا پڑا کروں گا۔ زیادہ مسئلہ ہے آپ کو تو مجھے گرفتار کروا دیں۔'' ڈھٹائی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس نے بے بسی بھری برہمی سے اسے گھورا۔

''کچھ غلط کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''میں آپ پہ احسان کرنے جا رہا ہوں، اس امید پہ کہ شاید کبھی آپ بھی ایسا ہی احسان میرے اوپر کرنے کے قابل ہوں۔ اوور اینڈ آؤٹ! ویلم!'' مسکرا کر سر کے خم سے اس کا وہ شکریہ قبول کیا جو اس نے نہ کہا تھا نہ کہنا تھا۔ اور پھر جب وہ مڑا تو اس نے سنا، فارس نے قدرے متذبذب سے لہجے میں کہا تھا۔

''سنو۔ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔''

............❖❖❖............

سمجھتا کیا ہے تو دیوانہ گان عشق کو زاہد! ...... یہ ہو جائیں گے جس جانب اسی جانب خدا ہوگا!

سعدی قدم قدم زینے چڑھتا اوپر آیا۔ راہداری کے سرے پہ عمارت کا فلور نمبر لکھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی چٹ سے پتہ تلی کیا اور ادھر ادھر گردن گھمائی۔ آگے پیچھے فلیٹس کے بند دروازے تھے۔ وہ دائیں طرف کے دوسرے دروازے پہ آیا' اور بیل بجائی۔

''کون ہے؟'' اندر سے مردانہ آواز سنائی دی۔

''مجھے.... مجھے احمر شفیع سے ملنا ہے۔''

دروازہ کھلا' ذرا سی درز سے اس نوجوان نے باہر جھانکا۔ ماتھے پہ بکھرے بال' ٹراؤزر پہ شرٹ پہنے دو سیاہ آنکھوں والا نوجوان تھا۔ اس نے اوپر سے نیچے تک سعدی کا جائزہ لیا جو جینز پہ گول گلے کی سویٹر پہنے کھڑا متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کوئی پیزا آرڈر نہیں کیا۔'' وہ بے زاری سے دروازہ بند کرنے لگا۔ سعدی جلدی سے بولا۔

''میں سعدی ہوں۔ فارس غازی کا بھانجا۔'' (کیا میں دیکھنے میں ڈلیوری بوائے لگتا ہوں؟)

بند کرتے کرتے وہ رکا، پھر دروازہ پورا کھول دیا۔ اب کہ نوجوان نے قدرے غور سے اسے دیکھا' پھر سر ترچھا کر کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ سعدی قدرے ہیجان سے اندر آیا۔

''آپ حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں' ماموں نے بتایا تھا۔'' چھوٹے سے فلیٹ کو طائرانہ نظروں سے دیکھتے' وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا ہوا یہ بات بولا۔ جواب میں احمر نے شانے اچکائے۔

''ہوں۔ میرے وکیل نے سارے ثبوت مٹا دیے اور اس گھنگھریالے بالوں والی چڑیل پراسیکیوٹر کو نتیجتاً چارجز ڈراپ کرنے

پڑے۔" وہ اوپن کچن میں آیا' فریج کھولا۔ دو کوک کے کین نکالے اور مڑا تو سعدی صوفے کے ساتھ کھڑا بالکل چپ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے اسی لاپرواہی سے اشارہ کیا مگر وہ نہیں بیٹھا۔

"وہ گھنگریالے بالوں والی پراسیکیوٹر میری سگی پھپھو ہیں۔"

دانت سے کین کا منہ کھولتے احمر کو ہچکی آئی۔ بمشکل سنبھلتے وہ چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثر لایا۔

"آئی ایم سوری' میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ وہ بہت اچھی ہیں' میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ بیٹھو نا!"

ایک لمحے کو سعدی نے راہداری کو جاتے دروازے کو دیکھا' گویا وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو' مگر یہ تو وہ جان گیا تھا کہ پہلے تاثر سچ نہیں ہوتے' سو سر ہلا کر صوفے پہ بیٹھا۔ احمر نے دوسرا کین اس کی طرف اچھالا جسے اس نے دونوں ہاتھوں میں کیچ کیا۔ (یونہی پتہ نہیں کیوں نوشیرواں یاد آیا۔)

چند منٹ بعد وہ دونوں صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ سعدی گھٹنے برابر رکھے' آگے ہو کر' اور احمر صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک پیر جھلاتا' اپنی سیاہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں' جج فارس غازی کے حق میں فیصلہ دے دے۔ اس کے لیے میں کیا کروں؟ ماموں نے کہا تھا آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

احمر نے کین اونچا کر کے گھونٹ بھرا' پھر اسے نیچے کیا' ابرو اچکائے۔

"وہ سمپل۔ ایک Presentation تیار کرو' اس میں غازی کے حق میں سارے ثبوت ڈالو' اور یہ دکھاؤ کہ وہ کتنا اچھا انسان ہے' پھر اسے ایک فلیش ڈرائیو پہ ڈالو اور وہ ڈرائیو جج کے گھر لے جاؤ' اس سے درخواست کرو کہ وہ یہ دیکھ لے' اس کے کمپیوٹر پہ اسے چلاؤ۔ پھر اس کی خوب منت کرو کہ وہ اسے رہا کر دے۔"

"کیا صرف منت کرنے سے وہ رہا کر دے گا؟"

"ابے نہیں یار!" احمر نے بدمزہ ہو کر ناک سے مکھی اڑائی۔ "جو فلیش تم اس کے کمپیوٹر میں لگاؤ گے' وہ اس کے سسٹم میں ایک mole داخل کرے گی۔ اس کے بعد جج صاحب اس کمپیوٹر پہ جو کچھ لکھیں گے یا دیکھیں گے' اس کی لمحہ بہ لمحہ خبر تمہارے کمپیوٹر پہ جائے گی۔ چند ہفتوں میں تمہیں اچھا خاصا مواد مل جائے گا جج کے خلاف۔ پہلے گمنام طریقے سے اسے بھیجنا۔ اگر وہ ڈر جائے' اور جھانسے میں آ جائے' تو کھلم کھلا بلیک میل کرنا۔ چند مہینوں میں غازی باہر ہو گا۔"

سعدی کا منہ کھل گیا۔ پھر آہستہ سے اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ (واؤ) احمر اب آخری گھونٹ اندر انڈیل رہا تھا۔

"ایک اور کام بھی ہے۔"

"بولو۔" اس نے کین رکھ کر سنجیدہ متوقع نظروں سے سعدی کو دیکھا۔ وہ قدرے متذبذب تھا۔

"ایک معزز خاندان کی لڑکی کی' ایک گالف کلب کے ریکارڈز میں کچھ فوٹیجز ہیں جو....."

"کیسی فوٹیجز؟ جوا؟ ڈرگز؟ یا کچھ اور؟" وہ جو رک رک کر بتا رہا تھا' احمر نے اتنی ہی سادگی سے پوچھا۔

سعدی نے گہری سانس لی۔ قبر پہ اٹھ کر قرآن پڑھنے والوں کو غلط باتیں کرنا زیادہ ہی غلط لگا کرتا ہے۔

"وہ کارڈز کھیل رہی تھیں۔ آف کورس' جوا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"مطلب فوٹیجز غائب کرنی ہیں؟ ہو جائیں گی۔ کلب کا نام کیا ہے؟ ویسے مجھے اندازہ ہے یہ کدھر ہوا ہو گا' بہرحال' نام تاریخ' لڑکی کی تصویر' سب دے دو۔ میں کر لوں گا۔"

"مگر آپ اس کے شوہر کو نہیں بتائیں گے۔" احمر نے اچنبھے سے ابرو سکیڑے۔

"کیا میں اس کے شوہر کو جانتا ہوں؟"

"مسز شہرین کاردار۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

احمر چونک کر سیدھا ہوا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' حیرت سے اسے دیکھا۔ "ہاشم کاردار کی بیوی' اوہ ہو۔ یہ تو کافی شرمناک ہوگا کاردار صاحب کے لئے۔ بیوی کی گیمبلنگ فوٹیج؟ چچ چچ۔ یہ تو اسکینڈل بن سکتا ہے۔" اس نے ماتھے کو چھوا۔ "ہاشم کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ غازی کا کزن ہے، مجھے پسند نہیں ہے مگر وہ ایک عزت دار آدمی ہے۔ اور تم اس سے ناراض تو نہیں غازی کی طرح؟" سعدی کے چہرے پہ اس نام پہ آئی ناپسندیدگی دیکھ کر اس نے وضاحت دی۔ "اس نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی غازی کو نکلوانے کے لیے مگر اس کے والد نے اسے روک دیا' اور انہوں نے بھی اپنے ایڈوائزر کی وجہ سے ایسا کیا۔" گویا ملامتی انداز میں اس نے اپنے سر پہ چپت رسید کی۔ سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کون ایڈوائزر؟ کیا ان کو کسی نے فارس کی مدد نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا؟" پوچھتے ہوئے اس کے ابرو غصے سے تن گئے۔ احمر نے بے اختیار اس کو دیکھا' پھر سینٹر ٹیبل پہ رکھے کانچ کے گلدان پہ نظر ڈالی جو اگر ٹوٹتا تو بہت زور کا لگتا۔ آ۔ چچ!

"آ...... ہاں شاید کسی نے مشورہ دیا تھا۔ پتہ نہیں کون تھا، میں نے تو اڑتی اڑتی سنی ہے!" گڑبڑا کر کہتے اس نے تھوک نگلا۔ سعدی سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اصل کام یاد آیا۔

"تو کیا آپ شہرین کی فوٹیج غائب کر سکتے ہیں؟" وہ بے چینی سے آگے ہوا۔

"ہاں' لیکن وقت لگے گا' کسی اور سے نہیں کروا سکتا۔ خود کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا اس سب پہ وقت کے ساتھ پیسہ بھی لگے گا تو......" کہتے ہوئے سعدی نے جینز کی جیب پہ ہاتھ رکھا گویا بٹوہ نکالنے لگا ہو۔ مگر احمر نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"نہیں' میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔"

"نہیں پلیز' میں آپ کو ہائر کر رہا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو لوگ ایسے کاموں کے لئے ہائر کیا کرتے ہیں' تو ظاہر ہے مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر میں......"

"سنو بچے۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے ہاتھ اٹھا کر سعدی کو مزید بولنے سے روکا۔ "پہلی بات۔ میں تم سے پیسے نہیں لوں گا' اور دوسری بات' جس جیب پہ تم نے ہاتھ رکھا ہے' تمہارا بٹوہ اس میں نہیں' بلکہ دوسری جیب میں ہے۔ شرمندہ مت ہونا' مجھے پتہ ہے تم خودداری کی وجہ سے کہہ رہے ہو' اس لئے سنو' میں بھی اپنی خودداری کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔"

سعدی نے تکان سے ٹھنڈی سانس بھری' اب شرمندہ کیا ہونا؟ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "تھینک یو فری سروس دینے کے لئے۔" اور ہلکا سا مسکرایا۔

"ایک منٹ بھائی ایک منٹ!" احمر اٹھ کر آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "اب یہ نہیں کہا کہ فری کام کر دوں گا۔ تمہارا کام ہو جائے گا' مگر شہرین بی بی سے کہنا میرا چیک تیار رکھیں۔"

"اوہ۔ شیور!" وہ سنبھل کر مسکرایا۔

"بلکہ......" احمر نے ٹھوڑی پہ دو انگلیاں رکھے کچھ سوچا۔ "مسز شہرین سے کیش لینا۔ چیک نہیں۔ اسے یہ نہیں پتہ چلنا چاہیے کہ یہ کام کس نے کروایا ہے۔"

''کیوں؟؟''

''وہ اپنے شوہر کو بتا دے گی۔ اور وہ سارا غصہ مجھ پہ نکالے گا، اسے ویسے ہی میں ناپسند ہوں۔''

''ارے نہیں۔ وہ دونوں علیحدہ ہو چکے ہیں' اور وہ تو خود اسے ہاشم بھائی سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں۔'' اس کی بات پہ احمر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''پتہ ہے عورتوں کا مسئلہ کیا ہوتا ہے؟'' قریب آ کر قدرے رازداری سے پوچھا۔ سعدی نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''وہ کسی نہ کسی کے سامنے کبھی نہ کبھی بول ہی پڑتی ہیں' سو آج نہیں تو دو سال بعد وہ ہاشم کو ضرور بتائے گی۔ Once a Kardar, Always a Kardar اس لئے....'' ابرو اٹھا کر تنبیہ کی۔

''اوکے۔ سمجھ گیا۔'' اور اس کا پھر سے شکریہ کہتا باہر جانے کو مڑا۔

''ویسے غازی کے کیس سے شہرین کاردار کا کیا تعلق؟'' تھوڑی کھچاتے ہوئے اس نے قدرے پرسوچ انداز میں پوچھا۔ سعدی کے قدم تھمے۔ احمر کی جانب پشت تھی' سو تھوک نگل کر قدرے اعتماد سے پلٹا۔

''شہرین والا معاملہ ایک ذاتی فیور ہے۔ اس کا ماموں کے کیس سے کوئی تعلق نہیں۔''

''آہاں۔'' احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا مطمئن ہو گیا ہو۔ اس سے زیادہ اسے دلچسپی نہ تھی۔

..................❖ ❖ ❖..................

یہ حقیقت ہے جہاں ٹوٹ کے چاہا جائے ...... وہاں بچھڑنے کے بھی امکان ہوا کرتے ہیں

شام قصر کاردار پہ گہری سیاہ پھیل چکی تھی جب ہاشم بیرونی دروازہ عبور کر کے لاؤنج میں داخل ہوا۔ ملازم اس کا بریف کیس لئے پیچھے تھا۔

جواہرات اپنی مخصوص اونچی کرسی پہ براجمان تھی' اور نوشیرواں اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں کوئی بات کر رہے تھے' ہاشم کو دیکھ کر خاموش ہوئے۔ خلاف معمول وہ سیدھا اوپر نہیں گیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا' قریبی صوفے پہ آ بیٹھا۔ تھکا تھکا اور کسی سوچ میں لگ رہا تھا۔

''خیریت؟'' جواہرات نے محتاط نظروں سے اس کا چہرہ تکا۔

''سعدی آیا تھا آج۔'' وہ سر تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے' پیر میز پہ رکھے' سامنے دیوار کو دیکھتے سوچتے ہوئے بولا تو جواہرات اور شیرو نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''کیوں؟ کیا کہہ رہا تھا؟'' گردن کی موتیوں کی لڑی پہ خواہ مخواہ ہاتھ پھیرتے وہ سرسری سا بولی۔ آنکھوں میں بے چینی امڈ آئی تھی۔ جواب میں وہ ساری بات اسی سوچ میں گم انداز میں بتاتا گیا' جسے سن کر جواہرات کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے' شیرو نے بھی گہری سانس لی۔

''میں نے وکیل کے بدلاؤ کی بات پہ باز پرس کی تو وہ بھڑک اٹھا۔ اس نے کبھی مجھ سے ایسے بات نہیں کی۔ مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانہ چاہتا تھا۔'' پھر ایک دم چونک کر گردن موڑی۔ فینو نا اسپرے کی بوتل اٹھائے گزر رہی تھی۔ ہاشم نے اسے پکارا تو وہ رکی۔

''سعدی کو جانتی ہو نا؟ کیا وہ آج گھر آیا تھا؟'' فینو نا نے جواب دینے سے قبل ایک ذرا کی ذرا نظر جواہرات پہ ڈالی جو دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی' پھر ہاشم کو دیکھا اور مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''نو سر۔ آخری دفعہ میں نے اسے چار روز قبل ادھر دیکھا تھا۔'' ہاشم نے سر ہلا کر اسے جانے کو کہا۔

''آپ کی بات کو کوئی ... نہیں ہوئی ... ؟'' [illegible] جواہرات کو الجھا انداز میں مخاطب کر [illegible]

"نہیں' کیوں؟ ہمارا کیا تعلق؟"

"نہیں مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانہ ڈھونڈنے آیا تھا۔ کسی اور بات پہ خفا تھا اور غصہ کسی اور طرح نکالا۔" پھر ہولے سے سر جھٹکا۔ "شاید میں زیادہ ہی سوچ رہا ہوں۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ اتنے سال جس لڑکے کے ساتھ میں اتنی شفقت سے پیش آتا رہا' وہ اس طرح کیسے کر سکتا ہے مجھ سے؟" اسے کافی دکھ ہوا تھا۔ شیرو نے بمشکل ناگواری چھپائی۔

"وہ تو اسی طرح کا ہے۔ بدتمیز اور احسان فراموش۔ آپ کو ہی اس کی اصلیت دیر سے پتہ چلی۔ مگر آپ اب بھی اس کے ساتھ وہی بڑے بھائی والا رویہ رکھیں گے' مجھے پتہ ہے۔"

"اب نہیں۔" ہاشم کے چہرے پہ تلخی گھل گئی۔ آنکھوں میں بے پناہ سختی اتر آئی۔ اس کے دل میں سعدی کے لیے گرہ پڑ گئی' سو پڑ گئی۔ "جس طرح وہ آج بدتمیزی سے بولا' میں دوبارہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" پیر نیچے اتارے اور جھک کر بوٹ کا تسمہ کھولنے لگا۔

"یہی بہتر ہے۔" جواہرات نرمی سے مسکرائی اور شیرو کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بھی آرام دہ نظر آنے لگا تھا۔

ہاشم تسمہ کھول کر سیدھا ہوا' اور جیب سے ایک کی چین نکال کر شیرو کی جانب اچھالی' جو اس نے بروقت کیچ کی۔ پھر اسے الٹ پلٹ کر چابیاں دیکھیں۔

"یہ کیا ہے؟"

"تمہاری نئی کار۔" بیٹھے بیٹھے چہرہ اٹھا کر وہ تکان سے مسکرایا۔ نوشیرواں نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور پھر چابیوں کو۔

"نہیں' یہ وہ اسپورٹس کار نہیں ہے جو تم چاہتے تھے۔ اس کی جگہ ایک ایگزیکٹو لگژری کار دے کر میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں نوشیرواں کہ تمہاری کمپنی جو ڈیڈ نے تم سے لی تھی' میں نے تمہیں واپس کر دی ہے' تمہیں ہر وہ چیز نہیں ملے گی جو تم چاہتے ہو بلکہ وہ دی جائے گی جو تمہارے لیے بہتر ہو۔" اور پھر نرمی سے مسکرایا۔

"تھینک یو سو مچ بھائی۔" وہ حیران' خوش' تیزی سے باہر کو بھاگا۔ ہاشم اب اٹھ کر اوپر جا رہا تھا۔ جواہرات مسکراتے ہوئے' سکون اور اطمینان سے دونوں بیٹوں کو جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ لاؤنج میں اکیلی رہ گئی تو میز پہ رکھے شیرو کے فون کی بپ بجی۔ اس نے بنا توقف کے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ شہرین کا میسج تھا۔

کوئی عام سی بات کہی تھی اس نے مگر جواہرات کے ابرو تن گئے۔ پرسوچ انداز میں بیرونی دروازے کو دیکھا جہاں سے شیرو گیا تھا اور پھر..... انگلیوں کو حرکت دی' پیغام مٹایا۔ فون واپس رکھا' اور اسی شان سے اس کرسی پہ بیٹھی رہی جو کسی ملکہ کا خاصا ہوتی ہے۔ تنی گردن' بے نیاز مسکراہٹ اور ایک عظیم الشان سلطنت کے خیال سے چمکتی آنکھیں۔

وہ آزاد تھی۔ اورنگزیب کی غلامی کی زنجیروں سے یکسر آزاد۔ سوا گلا ڈیڑھ برس بہت اچھا گزرا۔ ہاشم نے کاروبار' گھر سب سنبھال رکھا تھا۔ سونی شہرین کے پاس ہوتی' کبھی آ جاتی تو اچھا لگتا۔ شہرین آتی تو اچھا نہ لگتا' مگر وہ اس کو فی الوقت تحمل سے برداشت کیے ہوئے تھی۔ شیرو کا شیری کی جانب بڑھتا رجحان بھی اس کی نظر میں تھا' مگر ابھی اسے برداشت کرنا تھا۔

سعدی اور اس کے خاندان کا داخلہ یہاں اب بند تھا۔ سونی کی اگلی پارٹی پہ (جو اورنگزیب کی وفات کے پانچ ماہ بعد ہوئی) اس نے سعدی کو دعوت نامہ بھجوایا' مگر وہ نہیں آیا۔ ہاشم بھی اب اس کا ذکر نہیں کرتا تھا' سوائے ایک دو دفعہ کے جب اس نے بتایا کہ سعدی اسے اپنے آس پاس نظر آیا ہے' کبھی کسی ہوٹل تو کبھی کسی اور پبلک پلیس پہ' جیسے وہ کسی چیز کے پیچھے ہے' تو جواہرات نے نظر انداز کیا۔ مگر ہاشم زیادہ عرصہ اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ یہ عرصہ بھی اس لیے توجہ نہیں کر سکا کہ باپ کے مرنے کے بعد ٹیک اوور کرنا' ہر شے سنبھالنا' ان سب بکھیڑوں نے اسے مصروف کر دیا تھا۔ ایسے میں کس کے پاس اتنا وقت تھا کہ جیل میں جہنم واصل ہوئے کزن یا اس کے بھانجے کی فکر کرے؟

اسے جس دن سعدی کو چیک کرنے کا خیال آیا فارس اسی دن رہا ہو کر ان کی زندگیوں میں واپس پہنچ گیا اور جیسے پر سکون ندی میں زور سے پتھر آن گرا تھا۔

آج ڈیڑھ سال بعد کی اس خاموش سہ پہر جب جواہرات زمر کے گھر سے فارس کے ہمراہ لوٹی تھی اور اپنے خالی گھر میں اسٹڈی کی کرسی پہ بیٹھی تھی تو اپنے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے نم آنکھوں سے اسے وہ سب یاد آ رہا تھا جو یاد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور ہاں ایک بات وہ بھی جانتی تھی۔ ہاشم اعتراف کرے یا نہیں وہ آج بھی سعدی سے محبت کرتا تھا۔ وہ آج بھی اسے مس کرتا تھا۔

تو پھر... بالآخر..... ہم بھی ڈیڑھ برس قبل کے سرما کے سرد ماضی کی کہانی کو وہیں دفن کر کے مکمل طور پہ "حال" کے موسم گرما کی جانب بڑھتے ہیں، جہاں فارس غازی کی رہائی کے بعد سب کی زندگیاں بدل رہی تھیں۔

.... ☆☆☆ ....

رک گیا میں سزا سے کچھ پہلے ..... اس کو احساس خود خطا کا تھا

یوسف صاحب کے روشن گھر پہ مئی کی گرم شام اتر رہی تھی اور وہ ڈرائنگ روم میں عین اسی جگہ وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے جہاں دوپہر میں تب براجمان تھے جب فارس اور جواہرات ادھر تھے۔ البتہ اب حاضرین بدل چکے تھے۔ ندرت سامنے صوفے پہ بیٹھیں دھیمی آواز سے ابا کو تسلی دے رہی تھیں اور سعدی، وہ جو آفس سے فارس کا فون سن کر گویا بھاگتے ہوئے امی کو لینے ادھر آیا تھا، کھڑکی کے ساتھ کھڑا نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ پھر ان کی جانب مڑا تو چہرے پہ خفگی تھی۔

"آپ کس طرح اپنے منہ سے یہ بات فارس ماموں سے کہہ سکتے ہیں؟ کم از کم امی یا مجھ سے تو بات کرتے۔ وہ کیا سوچتے ہوں گے؟"

"زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے سعدی۔" ندرت خفا ہوئیں۔ "آج کل لڑکی والوں کا کہنا معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اس میں غلط بھی کیا ہے؟ اگر زمر کو اعتراض نہیں تو تم کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو؟"

"یہ جس جگہ آپ بیٹھی ہیں ادھر بالکل ادھر پچھلے ہفتے فارس ماموں بیٹھے تھے جب زمر آئیں اور ان کو کھڑے کھڑے یہاں سے نکال دیا۔" باقاعدہ انگلی سے اس صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ندرت نے بے اختیار پہلو بدلا۔ "ان کی نہیں سکتا میں کہ زمر مان گئی ہیں۔" بہت ہی شدت سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ بڑے ابا نے گردن اٹھائی۔ بے بسی سے اسے دیکھا۔

"وہ مانی نہیں ہے بس اس نے کہا کہ جو میری مرضی ہو میں کر دوں۔"

"یعنی کہ آپ لوگ ان پہ دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ایسا مت کریں بڑے ابا۔" وہ ناراض ہوا۔

"اور اسی جگہ کھڑے ہو کر تم نے پچھلے ہفتے سعدی مجھے کہا تھا کہ میں زمر کی شادی کر دوں فارس سے۔"

وہ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔

"مگر ایسے نہیں کہ وہ زبردستی یہ فیصلہ کریں۔"

"تو پھر جاؤ بیٹے زمر سے بات کرو اس سے پوچھو کہ بغیر جبر کے بتائے وہ کیا چاہتی ہے۔ میں وہی کروں گا جو وہ چاہتی ہے۔"

سعدی کھڑا لب کاٹتا رہا۔ وہ الجھا ہوا تھا خفا بھی تھا۔ کیا چیز غلط تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا مگر کچھ صحیح نہیں تھا۔

"مجھے اس سب میں مسز کاردار کی مداخلت نہیں پسند آئی بڑے ابا۔ وہ کیوں اتنی بے چین ہیں زمر کی شادی کے لیے؟"

"ان کو کہا تھا میں نے کہ زمر کو شادی کے لیے قائل کریں وہ میرے کہنے پہ مداخلت کر رہی ہیں۔" ان کی وضاحت پہ سعدی نے الجھے الجھے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"مجھے نہیں پتہ، مگر مجھے یہ اس طرح ٹھیک نہیں لگ رہا۔" اور اسی متفکر چہرے سے باہر نکل آیا۔

لان میں شام اندھیر ہو چکی تھی۔ وہ برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھا کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر جیب سے موبائل نکالا اور جواہرات کا نمبر ملایا۔ فون کان سے لگائے سنجیدہ آنکھوں اور تنے تاثرات کے ساتھ دوسری جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔

"سعدی! اتنے عرصے بعد فون پہ تمہاری آواز سنی۔ کبھی کبھی ہمارے لئے بھی وقت نکال لیا کرو۔" وہ نرم، خوشگوار انداز میں بولی تھی۔

"آپ یہ گلہ ایسے کرتی ہیں جیسے خود بھی واقف نہ ہوں کہ اب میرے لئے وقت کس کے پاس نہیں ہوتا۔" چاہ کر بھی وہ بے زار نہیں ظاہر کر سکا تھا خود کو۔ ہاشم کی ماں کو ہاشم کے کارناموں سے وہ ہمیشہ الگ رکھتا تھا۔ ہر چیز کے باوجود۔

"اس رات شادی میں بھی تم نے مجھ سے خاص بات نہیں کی۔ سونی کی پارٹی پہ اس نیکلیس والے واقعے کا...."

"مسز کاردار! آج آپ نے کیا کیا ہے؟" اس نے اکھڑے خشک انداز میں بات کاٹی وہ تو ترنت بولی۔ "اور کیا کیا ہے میں نے؟"

"مجھے نہیں معلوم آپ کیوں زمر اور فارس کی شادی کروانا چاہتی ہیں۔ مگر وجہ جو بھی ہو میں نے بڑے ابا کو کہہ دیا ہے کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے سختی سے کہتے گویا بات ختم کی۔

"تیسری دفعہ سعدی؟" وہ محظوظ، مزہ لینے والے انداز میں گویا ہوئی تو وہ الجھا۔

"سوری؟"

"پہلی دفعہ بچپن میں زمر کے جہیز کو آگ لگانا اور دوسری دفعہ چار سال پہلے زمر کو ایک خطرناک کیس میں دھکیلنا۔ دو بار تم نے اس کی شادی نہیں ہونے دی۔ اب تیسری دفعہ رخنہ ڈالو گے؟"

"ایکسکیوزمی؟" بے یقینی سے اس نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"مشکل بات نہیں کی میں نے۔ تم نے خود بتایا تھا، بچپن میں وہ تمہیں اپنی شادی کی چیزیں دکھا رہی تھی، اور پھر وہ چلی گئی اور تم وہیں کھیلتے رہے، پھر کھیل کھیل میں آگ لگ گئی اور اس کا جہیز جل گیا۔"

"میں اس وقت دس سال کا تھا، مسز کاردار!" کچھ دیر پہلے کے تنے تاثرات غائب تھے اور وہ پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ بمشکل بول رہا تھا۔

"اور تم اچھی طرح جانتے تھے کہ تم کیا کر رہے ہو۔" وہ شاید مسکرائی تھی۔ "تم سے کھیل میں آگ نہیں لگی تھی۔ تم نے جان بوجھ کر آگ لگائی تھی۔" اس نے محظوظ سی سرگوشی کی، اور وہ دم سادھے سانس روکے بیٹھا رہ گیا۔

"میں اس وقت دس سال کا تھا، مسز کاردار!" مگر وہ کہے جا رہی تھی۔

"وہ تمہاری بیسٹ فرینڈ تھی، اور وہ شادی کے بعد کراچی چلی جاتی۔ تم جیلس ہو گئے تھے، اور ان سیکیور بھی۔ مجھے جب تم نے بتایا تھا، تب میں نے تمہاری آنکھیں پڑھی تھیں، بچے۔ وہ آگ تم نے خود لگائی تھی۔"

"میں اس وقت دس سال کا تھا، مسز کاردار۔" بدقت کہہ کر اس نے نچلے لب میں دانت پیوست کیے۔ جیسے ڈھیروں ضبط کیا۔ آنکھوں میں نمی آئی تھی۔

"مگر اب تم دس سال کے نہیں ہو۔ اب بڑے ہو جاؤ، اور اپنی پھپھو کو اس کی زندگی گزارنے دو۔ اس کے رشتے میں مداخلت مت کرو۔ کیونکہ جب تم مداخلت کرتے ہو تو وہ صرف نقصان اٹھاتی ہے۔"

"آپ... آپ یہ اس لئے کہہ رہی ہیں تاکہ... تاکہ میں اس معاملے سے خود کو الگ کر لوں اور آپ کا جو بھی مقصد ہے وہ پورا ہو جائے۔" اس نے کمزور لہجے کو مضبوط کرنے کی ناکام جدوجہد کی۔

''ہاں میں اسی لیے کہہ رہی ہوں مگر یہی سچ ہے۔ کیا نہیں ہے؟'' اور لمحے بھر کی خاموشی کے بعد فون بند ہو گیا۔

سعدی کتنی دیر چپ چاپ اس اسٹیپ پہ بیٹھا رہا۔ آنکھیں قدموں میں اگے گھاس پہ جمائے وہ مسلسل لب کاٹ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا جو اہرات اسے ڈسٹرب کرنا چاہتی تھی، مگر اس بات کا علم ہونا ڈسٹرب ہونے سے روک نہیں سکتا۔

.... ٭٭٭ ....

میں ولائل پہ تکیہ کر بیٹھا ..... آہ! وہ وقت التجا کا تھا

کافی دیر بعد جب وہ اٹھ کر اندر آیا تو ندرت اور بڑے ابا مسلسل اسی بات پہ غور و خوض کر رہے تھے۔ وہ اس چہرے کے ساتھ نہیں آیا جس کے ساتھ گیا تھا۔ سو ان کو وہیں چھوڑ کر راہداری میں آگے چلا گیا۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور ملازم لڑکا صداقت اسٹول پہ بیٹھا بہانے چھپتے اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کر شرمندہ سا اٹھنے لگا، مگر سعدی مزید آگے بڑھ گیا۔ زمر کے دروازے پہ دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ فائل پہ جھکا لیمپ جل رہا تھا، اور وہ گردن ترچھی کیے قلم سے کچھ لکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اٹھایا۔ اسے دیکھ کر بھوری آنکھوں میں نرمی آئی اور مسکرائی۔

''آؤ سعدی!'' سامنے کاؤچ کی جانب اشارہ کیا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ وہاں آبیٹھا۔

''اور کیا ہو رہا ہے؟'' فائل بند کرتے ہوئے اس نے اسی نرمی سے پوچھا۔ سعدی نے بدقت مسکرانے کی سعی کی۔

''بس جاب چل رہی ہے۔ آپ.....'' وہ رکا۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔

''ابا نے بھیجا ہے مجھ سے بات کرنے کے لیے؟''

''جی، مگر..... میں آپ سے وہ بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ جو دلائل پہ تکیہ کیے مزید چند فقرے بولنے جا رہی تھی، اپنے ازلی سپاٹ انداز میں بے تاثر سے فقرے، سعدی کی بات نے اسے روک دیا۔ وہ چونک کر ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تو پھر.....؟''

''بڑے ابا نے کہا ہے کہ آپ اس شادی پہ راضی ہیں۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں زمر کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گی، میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔'' سر جھکائے، انگلیاں مروڑتے بجھا بجھا سا کہہ رہا تھا۔ ''آپ بغیر کسی مجبوری یا دباؤ کے فیصلہ کریں، اپنی زندگی کا فیصلہ۔ میں آپ کو سپورٹ کروں گا۔''

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سب کے پیچھے کیا وجہ ہو گی۔ آپ ان سے نفرت کرتی ہیں اور پھر بھی آپ ان سے شادی کرنے جا رہی ہیں۔''

زمر کے بظاہر پرسکون چہرے پہ سایہ سا لہرایا، مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ سر جھکائے وہ کہے جا رہا تھا۔

''آپ کا دل بھی ان کی طرف سے صاف نہیں ہوا، لیکن اس سب کے باوجود بھی آپ ان سے شادی کرنے جا رہی ہیں، تو میں آپ سے صرف ایک چیز چاہتا ہوں۔'' اس نے جھکی نظریں اٹھا کر زمر کو دیکھا جو دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

''کیا آپ مجھ سے وعدہ کرتی ہیں کہ آپ فارس ماموں کو کبھی ہرٹ نہیں کریں گی؟''

زمر نے تھوک نگلا۔ یوں کہ اس کی آنکھیں گھنگریالے بالوں والے خوبصورت لڑکے پہ جمی تھیں۔ اور لب خاموش تھے۔

''کیا آپ مجھ سے وعدہ کریں گی کہ آپ کبھی بھی، ان کو دانستہ طور پہ نقصان نہیں پہنچائیں گی؟'' وہ برے اور بھیانک خوف سے

زیرِ اثر کہہ رہا تھا۔ زمر نے خوادمخواہ چہرہ پھیر کر میز کو دیکھا' پھر لیمپ کو' پھر فائلز کو اور پھر دوبارہ سعدی کو۔ اتنا بڑا دعدہ جو انتقام کے ہر ارادے کو مار ڈالے؟

''میں.... میں اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ آئی پرامس!'' چند لمحے بعد وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی اور دوبارہ تھوک نگلا۔ سعدی نے گہری سانس لے کر بھنوؤں پہ ہاتھ رکھے' سر جھکا دیا۔ گویا تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔ زمر ہنوز پلک جھپکے بنا اسے دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے سر اٹھایا۔ مسکرایا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ جو بھی چاہیں گی' میں وہی کروں گا اور کروا دوں گا۔'' زمر پھیکا سا مسکرائی۔ (اور جب وعدہ توڑے گا تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گا؟)

''ابا چاہتے ہیں' میں اس سے شادی کرلوں' میں کرلوں گی سعدی۔''

''میں نے کہا نا' میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' وہ دروازے تک گیا' پھر رکا۔ مسکراہٹ مدھم ہو کر حزن میں بدلی۔ سر جھکانے' بنا مڑے' پیچھے سے بولا۔

''اور مجھے معاف کر دیجیے گا' میری ہر اس چیز کے لیے جس نے آپ کو نقصان دیا۔ آئی ایم سوری' زمر! میں جان بوجھ کر نہیں کرتا' پھر بھی میری وجہ سے کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے!'' اور پھر رکے بنا باہر نکل گیا۔

زمر نے کنپٹی کو انگلی سے مسلا۔ اسے لگا' انگلیوں میں لرزش ہے۔ چیئر گھما کر رخ دائیں طرف کیا تو سنگھار میز پہ لگا آئینہ سامنے آیا' اور اس کا عکس بھی۔ کرسی پہ بیٹھی' گھنگریالے خوبصورت بالوں والی لڑکی جس کے ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ مگر آنکھیں پریشان تھیں۔

تبھی اس کا فون بجا۔ وہ چونکی۔ غیر شناسا نمبر آ رہا تھا۔ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے' اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو۔''

''پراسیکیوٹر صاحبہ' مجھے تو پہچانتی ہوں گی آپ۔'' اور وہ فارس کی آواز کیسے نہیں پہچان سکتی تھی؟ فکرمند تاثرات بدلے۔ آنکھیں سنجیدہ اور سپاٹ ہو گئیں۔

''جی فارس۔ کہیے۔''

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔ وقت آپ بتائیں' جگہ میں بتاؤں گا۔''

اس نے آنکھیں بھینچ کر بہت سی کڑواہٹ اندر اتاری' اور پھر ہموار لہجے میں بولی۔ ''او کے! کل شام چار بجے مل سکتی ہوں میں۔ مگر کدھر؟''

''اسی ریسٹورانٹ میں جہاں آپ کو بلا کر گولی ماری تھی میں نے۔ کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟''

زمر کی آنکھوں کی سرد مہری مزید بڑھی۔ ''شیور۔'' اور موبائل کا بٹن زور سے دبا کر کال کاٹی۔ اذیت سی اذیت تھی۔

..........❖❖❖..........

عکس چٹخنے میں عمر گزری ہے ...... ایسا ٹوٹا ہے آئینہ مجھ سے

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں ٹی وی کا شور جاری تھا اور حنین لفٹی میں سر ہلاتی ادھر ادھر چکر لگاتی پھر رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکی' اور تندہی سے صوفے پہ بیٹھے سعدی کو گھورا۔

''وہ جھوٹ بول رہی ہیں۔''

"کیا تم چند لمحے کے لئے زمر اور اپنے تمام اختلافات بھلا کر ان کے لئے غیر جانبداری سے نہیں سوچ سکتیں؟" وہ تھک سا گیا تھا۔ حنین نفی میں سر ہلاتی سامنے بیٹھی۔ ہاتھ سے ماتھے پہ کٹے بال ہٹائے جو پھر دوبارہ وہیں گر گئے۔

"وہ اصل بات چھپا رہی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بغیر کسی منفی وجہ کے ماموں سے شادی پہ راضی ہو جائیں۔" وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے وہ بڑے ابا کے کہنے پہ ایسا کر رہی ہیں' اور دل میں ابھی بھی ماموں کے لئے بغض ہوگا۔ شاید وہ بیچ کی تلاش میں ہیں ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے' تاکہ ان پہ شک کرنا چاہیے۔"

"اوہ خدا۔ آپ لوگوں کو کیوں نہیں نظر آ رہا؟" وہ متعجب' حیران پریشان تھی۔ "وہ زمر یوسف ہیں' ان کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ فارس ماموں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں' اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"انہوں نے مجھے اپنی زبان دی ہے کہ وہ فارس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔" وہ ایک ایک حرف بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور ابھی ابھی سی انگلی کا ناخن دانت سے کترنے لگی۔

"مگر..." چند ثانیے بعد انگلی دانتوں سے نکال کر وہ حتمی انداز میں بولی۔ "مگر میں ان پہ یقین نہیں کر سکتی۔"

"بس کرو حنین۔" ندرت کچن سے اکتا کر نکلیں۔ ہاتھ میں کفگیر تھا' گویا حنین کو دے مارنے کا ارادہ ہو۔ ان دونوں کے سامنے کھڑے' کمر پہ ہاتھ رکھے' وہ جب بولیں تو بے زار لگ رہی تھیں۔

"کوئی عقل ہے تم میں؟ وہ فارس کو برا بھلا کہتی تھی تب بھی ہم سب کو شکایت تھی' اب نہیں کہہ رہی' تب بھی تم اس کے پیچھے پڑی ہو۔ جب ایک دفعہ اس نے اپنے الزامات واپس لے لئے تو اسے معاف کر دو اب۔"

"مگر وہ کیسے ہنسی خوشی ماموں سے شادی کر سکتی ہیں؟" حنین اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولی۔ لاشعوری طور پہ کشن پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ادھر امی نے کفگیر گھمایا' ادھر اس نے کشن کو ڈھال بنایا۔

"کیونکہ اس میں تم سے زیادہ عقل ہے۔" وہ بھی گویا تھک گئی تھیں۔ "وہ بیمار ہے بیٹا' اس کے گردے خراب ہیں' اور بڑے ابا پہلے سے زیادہ بیمار رہنے لگ گئے ہیں۔ (حنہ نے آہستہ سے کشن چھوڑ دیا۔) اس کو فارس سے بہتر رشتہ نہیں ملے گا' وہ سمجھ چکی ہے۔ اس لئے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے گزشتہ رویے کا ازالہ کرنے جا رہی ہے۔ تو تم دونوں کیوں مین میخ نکال رہے ہو؟"

"نہیں' مجھے تو اب کوئی اعتراض نہیں۔" سعدی نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے اور احتیاط سے کفگیر کو دیکھا جو ہنوز امی کے کمر پہ رکھے ہاتھ میں تھا۔ حنہ چپ چاپ لب کاٹتی رہی۔ چہرے کی خفگی اب تاسف اور ندامت میں بدل گئی تھی۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔" بس اتنا سا کہا' اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ندرت افسوس سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔

"اسے کیا ہو گیا ہے سعدی؟ یہ پہلے ایسی نہیں تھی۔"

سعدی نے گہری سانس لیتے ریموٹ اٹھا لیا۔

"امی... ہم میں سے کوئی بھی پہلے ایسا نہیں تھا۔"

ندرت کچھ منہ میں بڑبڑاتیں پلٹ گئیں۔ سعدی وہیں بیٹھا رہا۔ پھر ٹی وی چھوڑ کر اپنے کمرے میں آیا۔ سیم اس کے لیپ ٹاپ پہ بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

"آپ کو کمپیوٹر چاہیے بھائی؟" اسے آتے دیکھ کر تابعداری سے پوچھا۔

"اونہوں۔ تم بیٹھو۔" اس نے جھک کر اسٹڈی ٹیبل کے نچلے دراز سے ایک چھوٹا سا باکس نکالا' اور الماری تک آیا۔ پٹ کھول کر

احتیاط سے باکس کا ڈھکن الماری کے اندر کر کے ہٹایا۔ (سیم دور تھا۔ اس طرف اس کا رخ نہیں تھا۔) باکس کے اندر ایک پلیٹینم اور ہیروں کا جھلملاتا نیکلیس رکھا تھا۔ (جواہرات کا نیکلیس جو اسے واپس کرنا تھا۔) اور ساتھ میں سفید رنگ کی فلیش ڈرائیو۔ اس نے ڈرائیو نکالی' ڈبہ الماری کے اندر چھپا کر رکھا اور باہر نکل آیا۔

حنین اپنے بیڈ پہ بیٹھی ایک رسالے کے ورق پلٹ رہی تھی جب سعدی چوکھٹ میں آیا۔

"یہ وہ فائلز ہیں جو مجھ سے نہیں کھلیں۔ کیا تم انہیں کھول دوگی؟"

وہ چونکی۔ سر گھما کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تعجب در آیا۔

"میں..... آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں' میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کرتی اب۔"

"کچھ دن اسے اپنے پاس رکھو۔ اگر موڈ بنے تو کر دینا۔ نہیں تو واپس دے دینا' مگر اسے رکھو' اور سوچو کہ تم میری مدد کرنا چاہتی ہو یا نہیں۔"

وہ فلیش اس کی سمت بڑھائے ہوئے تھا۔ حنین کی آنکھوں میں خفگی تھی' مگر اس نے چپ چاپ وہ پکڑ لی۔ سعدی چلا گیا تو وہ اٹھی' الماری تک آئی' اس کے نچلے جوتوں والے خانے کے برابر بیٹھی۔ ایک بڑا باکس نکالا۔ اس میں وہ لیپ ٹاپ' ٹیبلیٹ اور دوسرے ایسے کئی gadgets رکھے تھے جو اورنگزیب کاردار نے اسے دیئے تھے۔ علیشا کا لاکٹ بھی ادھر ہی تھا۔ حنہ نے وہ فلیش بھی ان ممنوعہ اشیاء کے ساتھ ڈالی اور ڈبہ بند کر کے اندر دھکیل دیا۔

پھر گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سوچنا کیا تھا؟ جو طے کر لیا تو بس کر لیا۔

.... ⁂ ⁂ ⁂ ....

اپنے قاتل کی ذہانت پہ حیران ہوں میں ...... ہر روز ایک نیا طرز قتل ایجاد کرے

مئی کی چلچلاتی سہ پہر پورے شہر کو گویا جھلسا رہی تھی۔ ایسے میں اس پوش علاقے کا وہ ریسٹورانٹ خالی لگ رہا تھا۔ دور کوئی اکا دکا میز پر تھی' ورنہ گرمی نے کاروبار ٹھنڈا کر رکھا تھا۔

گھنگریالے بالوں کو ہاف کیچر میں باندھے' کہنی پہ پرس لٹکائے' سیاہ منی کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس زمر متناسب چال چلتی اندر داخل ہوئی اور سیدھی دروازے کے قریب ایک میز تک چلی آئی۔ گئے برسوں میں ایک روز ادھر زرتاشہ بیٹھی دکھائی دی تھی' اب وہ کرسی خالی تھی۔ بے تاثر چہرے کے ساتھ وہ بیٹھ گئی' اور پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ چار بج چکے تھے۔

ریسٹورانٹ کافی بدل چکا تھا۔ رنگ' فرنیچر۔ شاید مینیو بھی۔ مگر اسے تو ایک ایک تفصیل یاد تھی۔ سو کوشش کی کہ بھوری آنکھوں کو میز پہ رکھے گلدان پہ جمائے' اور ہلائے نہیں۔ ورنہ کچھ اندر تک ہل جاتا تھا۔

"لانگ ٹائم' میڈم!" وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تو زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔ آخری ملاقات کا منظر آنکھوں میں جھلملا دیا۔ جیل کا ملاقاتی کمرہ' اور میز کے پار بیٹھا سفید کرتے شلوار اور کسی ہوئی پونی والا فارس۔ (میں۔۔ معافی۔۔ نہیں مانگوں گا!) پھر منظر بدلا اور چار برس پہلے کی زرتاشہ اسٹرالیوں میں دبائے ادھر بیٹھی نظر آئی' اور اب..... اب وہ پوری آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس' ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے' چھوٹے کٹے بالوں کے ساتھ' ہلکی سنہری آنکھوں کو سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

ان تینوں مناظر میں' زرتاشہ' جیل والا فارس' اب کا فارس' ان سب میں اگر کچھ مشترک تھا تو وہ زمر تھی۔ وہی بال' وہی سیاہ کوٹ' وہی سفید لباس۔ سب آگے بڑھ گئے یا پیچھے رہ گئے' ایک اسی کی زندگی رکی ہوئی تھی۔

"لانگ ٹائم' فارس؟" ویٹر نے آکر مینیو کارڈ سامنے رکھے۔ زمر نے کافی منگوائی۔ فارس نے کچھ نہیں منگوایا۔

"تو کیوں ملنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ٹھنڈا سا بولی۔
"آپ کے والد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے شادی کر لوں۔" اس کے تاثرات دیکھنے وہ رکا۔ زمر نے ہلکے سے اثبات میں سر کو خم دیا۔
"مجھے معلوم ہے۔ انہوں نے مسز کاردار کے کہنے پہ ایسا کیا اور مسز کاردار نے میرے کہنے پہ۔"
فارس نے تعجب سے چہرہ ذرا پیچھے کیا۔ پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے زمر نے ابرو اٹھائی۔
"کیوں آپ کو کیا لگا تھا؟ میں جھوٹ بولوں گی' اداکاری کروں گی' یہ ظاہر کروں گی کہ آپ کو معاف کر دیا ہے یا بے گناہ سمجھتی ہوں اور دل سے اس شادی پہ راضی ہوں؟" ذرا سے استہزاء سے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ مجھے بالکل نہیں جانتے فارس!"
دہ پیچھے ہو کر بیٹھا' کھوجتی مشتبہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی امید نہیں تھی کہ وہ خود ہی ہر شے کا اعتراف کر لے گی۔
"آپ نے مسز کاردار سے ایسا کرنے کے لیے کیوں کہا؟"
"کیونکہ مجھے چند دن پہلے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے میرا رشتہ مانگا تھا اور میری امی نے انکار کیا تھا۔ اس سے پہلے میں اتنے سال یہ سمجھتی رہی کہ آپ نے مجھے صرف استعمال کی شے سمجھ کر استعمال کیا' کولیٹرل ڈیمیج۔ مگر اب مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ ذاتی جنگ تھی۔ میں مظلوم نہیں تھی' انتقام لیا تھا آپ نے مجھ سے۔" دہ خبریں پڑھنے کے انداز میں کہے گئی۔ کافی آ گئی تو اس نے کپ اٹھا لیا۔ جلتا ہوا مائع لبوں سے لگایا۔
"اچھا۔ پھر؟" وہ چبھتی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔
"اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ابا تب سے اب تک میری آپ سے شادی کروانا چاہتے ہیں۔ سو میں نے مسز کاردار سے کہا کہ وہ ایسا کروا دیں۔ میں آپ سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ کافی اچھی ہے۔" سر ہلا کر اس نے کپ واپس دھرا۔
"ہوں۔ اور کس لیے؟" جواب میں زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔
"یہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے میں آپ سے آپ کے جرائم کا اعتراف کروا سکتی ہوں۔ اور مجھے یہی کروانا ہے۔"
"تو اگر آپ مجھ سے انتقاماً شادی کرنا چاہتی ہیں تو مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟"
"کیونکہ آپ کے برعکس میں کمر پہ وار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں آپ کو پہلے سے وارن کر رہی ہوں۔ میں یہ شادی آپ سے اعتراف جرم کے لیے کر رہی ہوں۔ اس لیے آپ چاہیں تو یہ شادی نہ کریں' اور میرے ابا کو انکار کر دیں۔ فیصلہ آپ کا ہے۔" کپ کے منہ پہ انگوٹھا پھیرتی وہ کہہ رہی تھی۔ فارس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔
"اس آپشن کا شکریہ' کیا میں اس پوزیشن میں ہوں کہ جب وہ اپنے منہ سے کہہ چکے ہیں تو ان کو انکار کر دوں؟"
زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "میں نے آپ کو مطلع کرنا تھا' کر دیا۔ مجھ سے شادی کریں گے تو اعتراف جرم کرنا ہی پڑے گا ایک دن۔ آگے آپ کی مرضی۔" کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔ پرسکون' مطمئن آنکھیں فارس پہ جمی تھیں۔
فارس آگے ہوا' میز پہ ہاتھ رکھ کر اس کی سمت جھکا۔ "کیا آپ مجھے چیلنج کر رہی ہیں؟"
"سچائی بتا رہی ہوں!"
"اور یہ سچائی کتنے لوگوں کو مزید بتانے کا ارادہ ہے آپ کا؟"
"اگر آپ نے وہ جرم نہیں کیا تھا تو آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔" کپ پرے کر کے اس نے بیگ کی اسٹریپ کندھے پہ ڈالی۔ سرد سا مسکرائی' "اور اگر آپ کو شادی پہ کوئی اعتراض نہ ہو تو اتنا خیال رکھیے گا کہ میرے بھتیجے اور میرے ابا اس معاملے سے بے خبر رہیں جو ہمارے درمیان ڈسکس ہوا ہے۔ اس سب میں ان کو دکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"شیور!" اس نے تلخی سے گردن کو خم دیا۔

"کوئی اور سوال نہیں ہے تو میں جاؤں؟" اور پرس تھامے اٹھی، کرسی دھکیلی اور جانے کے لیے مڑی۔

"صرف ایک سوال میم!" وہ جیب سے والٹ نکالتے اٹھا۔ سر جھکائے چند نوٹ نکالتے میز پر رکھے اور چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر میرے خلاف اس ساری ان تھک محنت کے بعد آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میں بے گناہ تھا تو کیا کریں گی آپ؟"

زمر جو اس کے مخاطب کرنے پہ رکی تھی پرس پہ ہاتھ رکھے کھڑی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی

"ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ نہیں ہیں!"

پھر مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا یا اس نے جواب سوچا ہی نہیں تھا۔

فارس کان کی لو مسلتا سوچتی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

.... * * * ....

ہو گلہ کسی سے کیوں اپنی مات کا ہی جب ...... شہہ جو ذرا دیں وہ اپنے ہی تو مہرے ہیں

قصر کاردار میں اس رات ڈائننگ ہال میں کھانا چن دیا گیا تھا اور ہاشم خالی سربراہی کرسی کے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پہ بیٹھا نیپکین پھیلا رہا تھا جب اس نے لاؤنج کی سمت سے جواہرات کو آتے دیکھا۔

"کس کا فون تھا؟" جواہرات پہلے سربراہی کرسی پہ بیٹھی لٹ انگلی سے پیچھے کی پھر کہنیاں میز پر رکھے دونوں ہاتھوں کو اوپر تلے رکھ کر ٹھوڑی ان پہ جمائے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ میں ملبوس سر جھکائے پلیٹ اپنی طرف کر رہا تھا۔

"فارس کا۔"

چاول پلیٹ میں نکالتے ہاشم نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

"اتنا برا مت بناؤ۔ اس نے بتایا کہ وہ زمر سے شادی کے لیے راضی ہے اور یہ کہ میں زمر کے والد کو مطلع کر دوں۔"

"کیا اسے یہ اطلاع اپنی بہن کو نہیں دینی چاہیے تھی؟"

"ان کو بھی دے گا۔ مجھے تو بس یہ جتا رہا تھا کہ زمر نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے خود یہ بات شروع کرنے کے لیے مجھے کہا تھا۔"

کانٹے سے چاول لبوں تک لے جاتے ہاشم نے رک کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"زمر نے اسے کیوں بتایا؟"

"اسے مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔ اسے لگا ہو گا کہ میں اس راز کو اس کے خلاف استعمال کر سکتی ہوں اسی لیے بتا دیا۔ مجھے بھی اس کی امید نہیں تھی مگر بہرحال وہ ایک عقلمند عورت ہے۔" گہری سانس لے کر جواہرات نے سلاد کے پیالے سے چمچ بھر کر اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

"انتقام لینے کے ایک ہزار طریقے ہوتے ہیں۔ اسے فارس سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے بالکل بھی یہ سب پسند نہیں آ رہا۔" وہ ناپسندیدگی سے کہتا پلیٹ پہ جھکے کھا رہا تھا۔

"تمہیں کیا برا لگ رہا ہے؟"

"وہ شادی کے بعد ادھر....." ابرو سے کھڑکی کی جانب اشارہ کیا جس کے پار دور سبزہ زار انیکسی کھڑی تھی۔ "ادھر آ کر رہنے لگ جائے گی۔ صبح شام مجھے اس کی شکل دیکھنی ہو گی۔ ناقابل برداشت۔" منہ میں چاول رکھے برہم آنکھوں کے ساتھ چباتا رہا۔

"یہ ہمارے لیے زیادہ اچھا ہے۔ تم دیکھتے جاؤ۔" وہ مسکرائی۔

''شیرو کہاں ہے؟ کل بھی ڈنر پہ نہیں تھا۔'' تھوڑی خاموشی کے بعد ہاشم نے مقابل رکھی خالی کرسی کو دیکھ کر پوچھا۔

''دوستوں کے ساتھ باہر ہے۔ شاید۔''

''آپ نے پوچھا نہیں یہ کون سے نئے دوست نکل آئے ہیں اس کے؟''

''خود ہی تو کہتے ہو اس پہ دباؤ نہ ڈالا کروں۔ سو خاموش ہوں۔''

ہاشم نے نیپکین سے لب تھپتھپائے' اور پھر اسے گویا میز پہ پرے پھینکا۔ جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ برہم نظر آ رہا تھا۔

''وہ ابھی تک شہری کی وجہ سے ایسا ہے؟''

''اس بات کو ڈیڑھ ہفتہ ہی تو ہوا ہے' اتنی جلدی کیسے سنبھلے گا۔ خیر' تم بات کر کے دیکھ لو۔ کیونکہ جب میں بات کروں گی تو پھر ایک ہی دفعہ کروں گی۔'' مسکراتے ہوئے مگر سرد لہجے میں کہہ کر وہ کھانے لگی۔

''پھر کبھی سہی۔'' ہاشم میز سے سیل فون اٹھاتا' کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں ہنوز غصہ اور ناگواری موجود تھی۔

.... ❖❖❖ ....

تُو محبت سے کوئی چال تو چل! ...... ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھ کو!

اپارٹمنٹ بلڈنگ کے اس فلور پہ مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔ سیڑھیاں ویران تھیں' البتہ لفٹ کی بیرونی اسکرین پہ نمبر بدلتا نظر آ رہا تھا۔

دفعتاً لفٹ ابھر کی رکی۔ دروازے 'سس' کی آواز سے کھلے۔ اندر سے اسٹریپ والا بیگ کندھے پہ ڈالے' جینز' ٹی شرٹ اور الٹی پی کیپ والا احمر نکلا۔ ماتھے پہ کٹے بال اب کیپ کے اندر تھے اور لاپرواہ چہرے پہ وہی تاثرات تھے جو ہمیشہ ہوتے تھے۔ لبوں کو گول کیے وہ مدھم سی سیٹی بجاتا اپنے دروازے تک آیا۔ چابی لاک میں گھمائی۔ اسے کھول کر اندر قدم رکھا۔

راہداری میں اسی طرح سیٹی بجاتا آگے آیا۔ لاؤنج کی میز پہ بیگ رکھا اور کیپ اتاری ہی تھی کہ ایک دم کرنٹ کھا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

کچن کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ فارس اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ جمائے' وہ سافٹ ڈرنک کے کین سے گھونٹ بھر رہا تھا۔

''او ایم جی!'' احمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر پلٹ کر راہداری کو اور پھر ہاتھ میں پکڑی چابیوں کو۔ ''کیا تم میرے گھر کا لاک توڑ کر اندر آئے ہو؟''

فارس نے گھونٹ بھرتے بھرتے رک کر چہرہ گھمایا۔ چھوٹے سے فلیٹ کا جائزہ لیا۔

''یہ گھر ہے؟''

''کم از کم جیل نہیں ہے۔'' وہ چل کر کچن کاؤنٹر تک آیا اور خفگی سے اسے دیکھا۔

فارس اسی گرے پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا جو سیم پیئر زمر سے ملاقات میں پہن رکھی تھی۔

''میں نے پوچھا' تم میرے اپارٹمنٹ میں داخل کیسے ہوئے؟''

''اے...تمیز سے... کیا تم مجھے آپ نہیں کہا کرتے تھے؟'' اسے گھور کر دیکھا اور کین اونچا کر کے آخری گھونٹ اندر انڈیلا۔

''تب ہم اتنے بے تکلف نہیں تھے۔'' خود ہی شانے اچکا کر اپنے سوال پہ لعنت بھیجتا' وہ فریج تک آیا' اور کھول کر اندر جھانکا۔ پھر دروازہ بند کر کے برا منہ بنا کر پلٹا۔

"آخری کین تمہیں ہی مبارک ہو غازی۔ اب بتاؤ مزید کتنا اسلحہ چاہیے؟"

دوسرا اسٹول کھینچ کر اس کے ہمراہ بیٹھا اور رخ بھی اس کی طرف پھیر لیا۔ جیل سے نکلتے ہی فارس نے اسے فون کر کے اسلحہ منگوایا تھا جو اس نے ارینج کر کے دے بھی دیا تھا۔

"اسلحہ نہیں چاہیے۔"

"پھر؟"

"میں شادی کر رہا ہوں۔" خالی کین ہاتھ میں گھماتے اس نے چہرہ موڑ کر احمر کو دیکھا۔ احمر کا پہلے تو منہ کھل گیا۔ پھر اس نے بند کر لیا۔ پھر اثبات میں دو تین دفعہ سر ہلایا۔

"گڈ۔ مبارک ہو۔"

فارس نے ابرو اٹھا کر "بس یہی؟" والے انداز میں اسے دیکھا۔

"اور کیا پوچھوں؟" ناراضی سے سر جھٹکا۔ پھر چھت کو دیکھتے ذرا سا سوچا۔

"ویسے کون ہے یہ بیچاری جس سے تم شادی کرنے جا رہے ہو؟"

فارس چند لمحے سوچتا رہا، پھر گہری سانس لی۔ "چڑیل ہے۔"

"نہ کرو بھئی۔" احمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "اب اتنی کوئی بری شکل کی بھی نہیں ہو گی جو اسے چڑیل کہا جائے' پتہ ہے یہ سب لڑکیاں....." بولتے بولتے ایک دم اسے بریک لگی۔ اسٹول سے جھٹکے سے اٹھا۔ نہایت بے یقینی سے فارس کو دیکھا جو ہنوز بیٹھا کین کو ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

"وہ.....وہ چڑیل؟ نہ کرو یار..... وہ پراسیکیوٹر زمر یوسف؟" اس کے کندھے کو جھنجھوڑتا وہ واپس اسٹول پہ بیٹھا۔ آنکھیں ابھی تک بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

"مگر کیوں؟ دماغ تو ٹھیک ہے؟" وہ حیران پریشان سا پوچھے جا رہا تھا' دفعتاً ڈور بیل بجی۔

"کھانا منگوایا تھا۔ لے آؤ۔ پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے کین ڈسٹ بن کی جانب اچھالتے، دروازے کی طرف اشارہ کیا تو احمر کو چار و ناچار اٹھنا پڑا۔

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں لاؤنج کے صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پہ ٹیک اوے کے ڈبے کھلے پڑے تھے اور کھانا ختم ہوا چاہتا تھا۔

"میرا مشورہ مانو تو فوراً شادی سے انکار کر دو۔ ورنہ جوزمر صاحبہ تمہیں برا پھنسائیں گی نا، یاد رکھو گے۔"

فارس نے بےزاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"نہیں کر سکتا انکار۔ اس کے باپ کے احسان ہیں مجھ پہ۔ وہ نہ ہوتے تو میں یہاں نہ ہوتا۔"

"اور ان کی بیٹی نہ ہوتی تو واقعی تم یہاں نہ ہوتے۔"

"بکواس۔" وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا پیچھے ہو کر بیٹھا۔ بازو صوفے کی پشت پہ لمبا سا پھیلا لیا۔ اوپن کچن کی سمت دیکھتے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"ویسے ایک بات سوچنے کی ہے۔ اگر اس کو تم سے....." فارس نے نگاہیں اس کی جانب پھیر کر گھورا۔ احمر رکا۔ "اگر ان کو تم سے..... (تصحیح کرتے بات جاری رکھی) اعتراف جرم کروانا ہے یا تمہیں مجرم ثابت کرنا ہے تو اس کے لیے شادی کرنے کی کیا ضرورت؟ مطلب یہ

کام تو کسی اور طریقے سے بھی ہو سکتا ہے نا۔"

"مجھے معلوم ہے وہ کیوں شادی کرنا چاہتی ہے۔ جب آخری دفعہ وہ جیل میں مجھے ملنے آئی تھی تو اس نے کہا تھا' اچھا ہے جیل توڑو اور باہر جاؤ' دوبارہ شادی کرو اور اس بیوی کو بھی مار دو۔ تم وائف کلرز کی سائیکی.... پتہ نہیں کچھ ایسا ہی بولا تھا اس نے۔" ہلکے سے سر جھٹکا تو احمر کا منہ کھل گیا۔

"تم.... تم ان کے نزدیک وائف کلر ہو اور.... اور بیوی کو قتل کرنے والے ہمیشہ یہی تو کرتے ہیں۔" احمر نے پرجوش انداز میں صوفے کے بازو پہ ہاتھ مارا۔ "وہ پہلے قتل کے الزام سے بچ جائیں تو دوبارہ شادی کرتے ہیں اور دوبارہ قتل کرتے ہیں دوسری بیوی کو۔ وہ سمجھتی ہیں کہ تم انہیں بھی مارنے کی کوشش کرو گے اور پکڑے جاؤ گے۔"

"نہیں۔ اسے اچھے سے پتہ ہے کہ میں اسے نہیں ماروں گا۔ مگر باقی دنیا کو تو نہیں پتہ۔"

"مطلب؟" احمر نے الجھ کر اسے دیکھا۔ وہ دو انگلیوں سے تھوڑی کے بال نوچتے کہہ رہا تھا۔

"وہ مجھے زمر یوسف کے ارادہ قتل کے جرم میں پھنسانا چاہے گی۔ وہ واقعات کو اپنی مرضی سے ترتیب دے گی۔ ایسے کہ دنیا مان لے فارس غازی نے پھر سے زمر کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دفعہ لوگ اس کا یقین کریں گے۔"

احمر دم بخود بیٹھا سن رہا تھا۔ ذرا دیر کو خاموشی چھا گئی' پھر اس نے گویا جھرجھری لی۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم اس سے شادی کر رہے ہو؟ ابھی بھی وقت ہے یار۔ اس کے باپ کو انکار کرو۔ یا یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ۔"

مگر فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کے پاس میرا جرم ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میں اس کو نہیں گنواؤں گا۔ وہ اپنی پوری کوشش کر لے تب بھی مجھے نہیں پھنسا پائے گی۔ پچھلی دفعہ اگر وارث کے قاتل مجھے سیٹ اپ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو وہ میری غلطی تھی۔" وہ انگوٹھے کے ناخن سے تھوڑی مسلتا' میز پہ بکھرے ڈبوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔ "میرا بھائی قتل ہوا تھا تو مجھے زیادہ احتیاط کرنی چاہیے تھی' مگر مجھے لگا تھا...." اس نے تلخی سے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "کہ مجھے کوئی پھنسا نہیں سکتا۔ تب تک میں لوگوں کو گرفتار کرتا آیا تھا' کوئی مجھے کیسے گرفتار کر سکتا تھا؟ مگر اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا اشٹنی۔ اس دفعہ میں تیار ہوں۔" حتمی سنگین لہجے میں کہہ کر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ احمر ابھی تک فکرمندی سے اسے تک رہا تھا۔

"میڈم پراسیکیوٹر کا قصور نہیں ہے۔" فارس نے اب کے نرمی سے اسے گویا تسلی دی۔

"ہاں وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا دے گی' تب بھی کہنا اس کا قصور نہیں ہے۔" وہ تو جان سے جل گیا تھا۔

"اونہوں۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے بھائی کے دشمن اور میرے دشمنوں نے میری وجہ سے مجھے پھنسانے کے لیے اس کو زخمی کیا۔ اگر وہ مجھے مورد الزام ٹھہراتی ہیں تو وہ غلط نہیں ہیں۔" چابی اور فون اٹھا کر وہ راہداری کی جانب بڑھ گیا۔

"مجھے پتہ ہے کیا لگتا ہے؟" عقب سے احمر کی آواز پہ اس کے قدم ٹھہرے۔

"مجھے لگتا ہے یہ سب وہ بہانے ہیں جو تم نے گھڑے ہیں۔ اس کے ابا کے احسان' اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع' اس کے زخموں کی وجہ تمہاری ذات کا ہونا۔ اونہوں۔ سب بہانے ہیں غازی۔" وہ بکھرے ڈبے سمیٹتا سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ فارس نہیں مڑا' وہیں رکا کھڑا رہا۔ آنکھیں بیرونی دروازے پہ لگی تھیں اور گردن میں ڈوب کر ابھرتی گھٹلی واضح دکھائی دی تھی۔ اسے پتہ تھا اشٹنی کیا بکنے والا ہے۔

"تم اسے پسند کرتے ہو اور اسے کھونا نہیں چاہتے۔ یہ پہلی وجہ ہے۔ باقی وجوہات اس کے بعد آتی ہیں۔"

''نحوست!'' وہ بنا چلے مدھم آواز میں بولا' تیز قدموں سے باہر نکلا اور دروازہ وزوردار ''ٹھاہ'' سے بند کیا تو ڈبہ اٹھائے کھڑے تیمر کے ہاتھ سے پکھ گرتے گرتے بچا۔

''آؤچ!'' اس نے خفگی سے راہداری کی سمت دیکھا'' سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا اشٹی۔ اذہبوں۔ امرے'' تاگواری سے تصحیح کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

.............❖❖❖.............

کتنی عجیب بات ہے جو نہ چاہتا تھا میں ..... قسمت سے اس طرح کا مقدر ملا مجھے

یوسف صاحب کا بنگلہ رات کے اس پہر خاموش اور اداس پڑا تھا۔ اوونچ کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو سب تاریک تھا' سوائے یوسف صاحب کی وہیل چیئر کے جسے وہ خود چلاتے راہداری کی سمت لے جارہے تھے۔ سناٹے میں پہیوں کی چیں چیں نے جیسے کوئی مدھم سا نوحہ بلند کیا۔ پھر اس میں زمر کے کمرے کے دروازے کی چرچراہٹ بھی شامل ہوئی جسے دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے۔

وہ جائے نماز پہ بیٹھی دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹے سلام پھیر چکی تھی اور اب دعا مانگنے کی بجائے مخملیں جائے نماز پہ انگلیاں پھیرتی کچھ سوچ رہی تھی۔ آہٹ پہ چونک کر گردن موڑی۔ انہیں دیکھ کر نرمی سے مسکرائی اور رخ ان کی سمت پھیرتے ہوئے اکڑوں بیٹھ کر گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنالیا۔ پھر نرمی سے پوچھا۔

''آپ سوئے نہیں ابھی تک؟'' بڑے ابا نے نم آنکھوں سے اس کا چہرہ تکا۔ سیاہ دوپٹے کے ہالے میں وہ گندمی چہرہ تھا۔ خوبصورت نہیں تھی وہ مگر اچھی شکل کی تھی۔ پرکشش۔ اور کچھ اس کا ٹھنڈا پرسکون انداز تھا جو اسے پرکشش بناتا تھا۔ وہ جھگو جھگو کر اور لپیٹ لپیٹ کر بھی اتنی ٹھنڈے انداز میں مارا کرتی تھی' اور اپنی نرمی اور تلخی کے باوجود وہ ان کو بہت پیاری تھی۔

''تم ناراض ہو کیا؟'' انہوں نے اس کا سوال شاید سنا ہی نہیں۔ بس گیلی آنکھوں سے پھلتے اپنی پوچھے گئے۔

''نہیں ابا۔ میں کیوں ناراض ہوں گی؟''

''تم نے سعدی سے کہا کہ تم شادی کرلوگی فارس سے۔ کیا یہ ناراضی میں کہا؟'' زمر کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں مگر وہ ان کو چھپا کر مسکرادی۔

''زمر سے کوئی زبردستی کروا سکتا ہے کیا؟''

''پھر بیٹے تم کیوں شادی کرلوگی اس سے؟ تم انکار کرنا چاہتی ہو تو کردو۔ میں ساری بات یہیں ختم کردوں گا۔ وہ بھی پتہ نہیں کیسے میں مسز کاردار کی وجہ سے وہ سب فارس سے بول گیا.....'' شکستگی سے نفی میں سر ہلاتے وہ سخت رنجیدہ خاطر لگ رہے تھے۔

''اس روز جس شادی پہ میں سعدی لوگوں کے ساتھ گئی تھی نا' ادھر میں نے حماد کو دیکھا۔ کرن بھی ساتھ تھی اور دو بچے بھی۔'' وہ اداسی سے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

''تب میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے ورنہ میں صرف خود کو اور باقی سب کو نقصان دوں گی۔ اس لیے اب میں اس فیصلے پہ عملدرآمد کرنے جارہی ہوں تاکہ ہم سب کی زندگی میں بہتری آسکے' ہم سب اس ناسور سے جان چھڑا لیں جو چار برس قبل ہماری زندگی میں آیا تھا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تم دل سے فارس سے شادی پہ راضی ہو؟''

''میں اپنی زندگی سے یہ ناسور اکھاڑ پھینکنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہوں ابا! فارس سے شادی تو چھوٹی بات ہے۔'' وہ بہت ضبط سے مسکرا کر اس کا نام لے کر کہہ رہی تھی۔

"اور... تم نے اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر لیا کیا؟" ان کے چہرے پہ امید جاگی تھی پھر بھی ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی زمر نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میرے خیالات اس کے بارے میں بالکل کلیئر ہیں اگر کوئی ابہام تھا بھی تو وہ دور ہو چکا ہے۔ میں اس سے ملی تھی شام میں ہم دونوں نے اس بارے میں بات کی اپنی ترجیحات بتائیں اور وہ میری طرف سے مطمئن تھا۔ جب ہی اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے متعلق میرے دل میں کوئی میل نہیں کوئی بغض نہیں مگر اتنا کہوں گی کہ اس شادی کے بعد کم از کم ہم سب سچائی سے واقف ہو جائیں گے۔" اس نے سچ سچ سب بتا دیا مگر اسے معلوم تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے اور ابا کیا سمجھیں گے۔

"اچھا تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟" انہوں نے قدرے تسلی بخش انداز میں سر ہلاتے ہوئے صرف اپنی خواہش کا مطلب سمجھا۔

"جی بالکل۔ اس نے تحمل سے میری فیلنگز سنیں اور پھر وہ رضامند ہو گیا۔ اور اگر وہ راضی ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میں اس سے شادی کر کے ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہوں گی ابا! اور یہی سفر ہم سب کو حقیقت پسند بنائے گا۔" اور پھر وہ نرمی سے مسکرائی۔ بڑے ابا نے بازو بڑھا کر اس کا دوپٹے میں لپٹا سر تھپکا اور ہلکی سی مسکراہٹ اور ڈھیروں سکون کے ساتھ واپس پلٹ گئے۔ جب ان کی وہیل چیئر باہر نکل گئی تو زمر کی آنکھوں کی نرمی عجیب سی تکلیف میں بدل گئی۔ وہ سست روی سے اٹھی اور دروازہ بند کیا۔ پھر دروازے سے کمر لگا کر چند لمحے کھڑی رہی۔

"قاتلوں کو ہم اس لئے سزا دیتے ہیں ابا تاکہ وہ مزید معصوم لوگوں کی زندگیوں سے نہ کھیلیں۔ اس شخص نے ہمیشہ انہی کو نقصان دیا ہے جو اس کے لئے اپنائیت رکھتے تھے۔ اور اب آپ سب اس کے لئے اپنائیت رکھتے ہیں۔ یہ صرف میرے لئے نہیں ابا۔ یہ ہم سب کے لئے ہے۔ ہمیں فارس غازی نامی ناسور کو اپنی زندگیوں سے اسی طرح نکالنا ہوگا۔" اداسی سے سوچتی وہ دوپٹے کی پنیں چہرے کے گرد سے کھولنے لگی۔

....

اتنا بھی صبر و شکر کا قائل نہیں یہ دل ...... کہ ہر کیفیت میں آپ کے گن گائے جائے گا

اگلی صبح شہر پہ پہلے سے بھی گرم طلوع ہوئی تھی۔ چھوٹا باغیچہ دھوپ میں جھلس رہا تھا۔ گھاس دہک رہا تھا۔ پھول جل رہے تھے۔ ایسے میں گھر کے اندر کولر کی ٹھنڈی نم ہوا نے گرمی کو کم کر رکھا تھا۔ اور وقفے وقفے سے اس کولر سے اڑتے پانی کے چھینٹے کبھی سامنے بیٹھے فارس کو جا چھوتے تو کبھی حنین کو آ لگتے۔

ندرت لینڈ لائن کا ریسیور کان سے لگائے بات کر رہی تھیں اور ٹیک لگا کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا فارس جس کا ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا تھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ مقابل صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی حنین گھٹنوں پہ آم کی پلیٹ رکھے بیزار سی قاشیں کاٹ رہی تھی۔

"جی۔ یہ فارس نے ہی مجھ سے کہا ہے بڑے ابا!" ندرت نے کہنے کے ساتھ فارس کو دیکھا۔

"جی وہ اسی اتوار کی بات کر رہا ہے۔ جی ابا میں نے بھی اسے کہا تھا کہ اتوار میں صرف تین ہی دن ہیں مگر اس کا کہنا ہے کہ وہ دیر نہیں کرنا چاہتا۔ آپ زمر سے پوچھ کر بتا دیں اگر اسے کوئی اعتراض نہیں ہے تو......" وہ رک کر بات سننے لگیں۔ چہرے پہ سکون اور خوشی تھی۔

"جی ابا۔ ٹھیک ہے۔ میں فارس کو بتا دیتی ہوں۔ شکریہ ابا۔" فون رکھ کر وہ اس کی جانب مڑیں۔

"وہ کہہ رہے ہیں نکاح کے لئے اتوار کا دن ٹھیک ہے۔ مان گئے ہیں۔"

فارس نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔ "اپنی بیٹی سے بات کیے بغیر؟"

"ان کا کہنا ہے کہ جب دوسری طرف سے تاریخ مانگی جائے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے دو دفعہ بھی تو یہی ہوا تھا نا۔ اب وہ ڈر گئے

ہیں۔مگر تم مجھے بتاؤ' اتنی جلدی مچانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ فرصت سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"زیادہ دیر کی تو شاید میں اپنا ذہن بدلوں۔" ہلکے سے شانے اچکا کر وہ کولر کی سمت دیکھنے لگا۔

"دو دن میں کیا تیاری ہوگی؟ مانا کہ صرف گھر کے لوگ ہوں گے مگر کچھ تو کرنا ہی ہوتا ہے۔"

"امی میرے کپڑے بھی لینے ہیں۔" حنین نے قاش کھاتے لقمہ دیا۔

"میرے کپڑے بھی۔" اندر سے سیم نے گلا پھاڑ کر پکارا۔

"ہاں' بس زمر کا ڈریس لاؤں یا نہیں' تم لوگوں کی چیزیں پوری ہونی چاہیے۔اٹھو نماز پڑھو۔" جل کر کہتیں، گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھیں اور کمرے کی طرف چل دیں۔

"ابھی بھی وقت ہے' انکار کر دیں' ماموں۔" حنہ نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

"میں سن رہی ہوں حنین۔فضول بکواس مت کیا کرو۔اٹھو نماز پڑھو۔" اندر سے امی کی غصیلی آواز یہاں تک آئی مگر وہ سکون سے آم کی قاش کو دانتوں سے منہ کے اندر لے جاتی رہی۔

"میں انہیں انکار نہیں کر سکتا۔ان کے مجھ پہ احسان ہیں۔" اس نے آواز دھیمی کر لی۔حنین پیلے رس والے ہاتھوں سے چھلکوں کی پلیٹ اٹھائے کھڑی ہوئی اور کچن میں چلی گئی۔جب واپس آئی تو ہاتھ منہ دھلا ہوا تھا۔سنجیدگی سے اسے دیکھتی اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی۔

"امی سے کہہ دیں' وہ انکار کر دیں گی۔" نیا آئیڈیا پیش کیا۔

"کیوں چاہتی ہو میں انکار کروں؟"

"کیونکہ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔آپ غلطی کرنے جا رہے ہیں۔وہ آپ کو پسند نہیں کرتیں' پھر کیسے رہیں گے ان کے ساتھ؟"

"تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں جو انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا؟"

حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔"کیا نہیں بھولے؟"

"چار سال!" فارس نے انگوٹھا اندر کر کے چار انگلیاں اسے دکھائیں۔"چار سال اس عورت نے جو میرے ساتھ کیا' مجھے جس طرح ذلیل کیے رکھا' پوری دنیا کے سامنے مجھے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کی' میرا ساتھ نہیں دیا' وہ سب بھولا نہیں ہوں میں۔" اور یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سختی در آئی تھی۔

حنین بالکل رک کر اسے دیکھنے لگی' پھر چہرہ نفی میں ہلاتی پیچھے ہٹی۔

"تو آپ یہ شادی مجبوری میں' زبردستی نہیں کر رہے؟ آپ ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں؟" اس کی آنکھوں میں بے یقینی پھیلی تھی۔

"نہیں' صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔"

مگر حنہ نے ادنہوں نفی میں گردن ہلائی۔"یو نو وات ماموں' آپ یہ شادی کر لیں۔آپ دونوں ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے ہیں۔" جل کر کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔فارس ہلکا پھلکا سا مسکرایا۔اسے حنہ کی بات نے لطف دیا تھا۔گردن اٹھا کر اسے دیکھا جو پہلے کی طرح اب عینک نہیں لگاتی تھی۔

"عینک والی حنہ کہاں گئی؟" اس کے چہرے پہ کچھ کھوجتے وہ جیسے سوچنے لگا۔

"آپریٹ کروا لی تھیں آنکھیں۔اب تو عینک بھول بھال گئی۔" اس نے نظریں چرائیں۔ادھر ادھر دیکھنے لگی' پھر دوبارہ اسے دیکھا تو ہنوز پرسوچ نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

"ہاشم میں کچھ بدل گیا ہے؟" چند دن لگے تھے مگر اس نے بھی بھانپ لیا تھا۔ اور حنین نے بے اختیار سوچا کہ پچھلا ڈیڑھ برس زیادہ اچھا تھا جس میں اتنے رشتے داروں سے میل ملاپ نہیں ہوا اور کسی نے اس سے یہ بات نہیں کی جوان ڈھائی ہفتوں میں کئی لوگ کہہ چکے تھے۔

"ویسی ہی ہوں۔ اتنا ہی کھاتی ہوں۔ اتنا ہی بولتی ہوں۔ آپ بات کو بدلنے کی کوشش نہ کریں۔" خفگی سے کہتے اس نے ریموٹ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے امی کی چنگھاڑ سنائی دی۔

"سیم حنین میں جوتا اتاروں گی تو تم لوگ اٹھو گے نماز کے لیے؟"

حنین نے پیر پٹخ کر ریموٹ رکھا اور غصے سے بڑبڑائی۔ "پتہ نہیں ان زبردستی کی نمازوں کا کیا فائدہ۔" اور سر جھٹک کر کمرے کی طرف چلی گئی۔

فارس ٹی وی کی اسکرین کو دیکھتا کچھ سوچتا رہا۔

.... ✤ ✤ ✤ ....

ایک شکست کے بدلے مجھ کو سب کے سب الزام نہ دے ..... کچھ کچھ تیری بات ہے سچی لیکن پوری ٹھیک نہیں!

اگلی صبح قصر کاردار پہ سنہرے پر پھیلائے یوں روشن ہوئی کہ برآمدے کے اونچے سفید ستون سونے کی مانند چمکنے لگے۔ ایسے ہی ایک ستون کے ساتھ ہاشم موبائل پہ بٹن دباتا چلا آ رہا تھا۔ گرے پن اسٹرائپ سوٹ میں ملبوس بال جیل سے پیچھے کیے وہ آفس کے لیے تیار تھا۔ ساتھ چلتی جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ کوئی میسج ٹائپ کرتے اوپری زینے پہ رکا تھا۔ نیچے سبزہ زار پہ کار تیار کھڑی تھی۔ ایک ملازم نے بریف کیس اندر رکھ دیا تھا دوسرا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

پیغام بھیج کر اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔ "آپ آرام سے آئیں گی آفس؟"

"ہوں۔ دس بجے تک۔"

"شیرا او کے کرتا ہے گا میں....." فون کی بجتی گھنٹی پہ وہ رکا ایک منٹ کا اشارہ کیا اور فون کان سے لگایا۔ "ہاں بولو۔ اچھا۔ ہاں ٹھیک ہے تم میری انجیو کو وہ دو کام دو وہ سنبھال لے گی۔" فون بند کر کے جواہرات کا گال چومنے آگے بڑھا کہ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ ہاشم پہلے حیران ہوا پھر جواہرات کی بے یقینی سے پھیلی آنکھوں کو دیکھا تو گہری سانس لے کر سر جھکا۔

"مجھے اس سعدی والے معاملے نے مصروف کر دیا ورنہ میں آپ کو بتانے والا تھا۔"

"کیا تم نے کہا میری انجیو؟" وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب تک آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جانا چاہیے۔"

"کیا تم نے کہا میری انجیو؟" وہ مضطرب مگر بلند آواز میں بولی۔

"میں نے اسے ڈی پورٹ نہیں کروایا اس کی ایجنسی سے بھی بات نہیں کی۔ آپ سے کہا تھا کروں گا مگر نہیں کیا۔ مجھے فیکٹری میں کچھ لوگوں کی نگرانی کروانی تھی میری سے بہتر یہ کام کوئی نہیں کر سکتا سو میں نے اسے روک لیا۔"

"تم یہ کیسے کر سکتے ہو ہاشم؟" جواہرات کا اضطراب غصے میں ڈھلنے لگا۔ "کیا تم بھول گئے اس نے میرا نیکلس چرایا تھا۔"

"وہی نیکلس جو ڈیڑھ ہفتے سے سعدی کے پاس ہے؟"

"بات چوری کی ہے! اس نے اعتراف جرم بھی کر لیا تھا۔"

"یہ بات [illegible]

ساتھ وفادار رہی ہے' اس کا بچہ بیمار تھا' اس لیے اس نے یہ کر دیا۔"

"تم کیسے اس کو دوبارہ کام پہ رکھ سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔" وہ اب تک بے یقین تھی۔

"ریلیکس ممی۔ صرف ایک مہینے کی بات ہے' میرا کام ہو جائے' میں اسے واپس بھجوا دوں گا۔"

"وہ پھر کوئی ایسی حرکت کرے گی ہاشم' تمہیں اس پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیوں فکر کرتی ہیں؟ ہاشم سب سنبھال لے گا۔ صرف ایک مہینہ ہی تو ہے ممی۔" اس کے کندھے کے گرد بازو رکھ کر دلاسا دی' اور مسکرا کر الوداعی کلمات کہتا برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ جواہرات سفید پریشان چہرہ لیے کھڑی' اضطرابی انداز میں لاکٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

(ڈیڑھ سال لگا اسے ہاشم کی وفادار ملازمہ کا بھروسہ توڑنے میں' اتنی مشکل سے ایسے اس سے جرم کروایا کہ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ ان کا اصل جرم کیا تھا۔ اور اس سب کے باوجود بھی وہ اتنی شہر میں تھی۔ مگر وہ کھلم کھلا اس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہاشم کو شک ہو گیا تو... نہیں۔) وہ نفی میں سر ہلاتی اندر کی طرف مڑ گئی۔

ہاشم کی کار جب مرکزی گیٹ تک آئی تو ایک دوسری کار اندر داخل ہو رہی تھی۔ ڈرائیونگ اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھی شہرین کا چہرہ دیکھ کر ہاشم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ ایک اشارہ ڈرائیور کو کیا' دوسرا مقابل کار میں موجود شہرین کو۔ ڈرائیور نے کار سائیڈ پہ لگائی اور باہر نکل گیا۔ چند لمحے بعد' پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر شہرین ساتھ بیٹھی۔ وہ صبح کی مناسبت سے سفید بنا آستین کی اونچی قمیض اور بیج ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ سنہرے باب بال چونچ کی صورت چہرے کے اطراف میں آتے' سائیڈ کی مانگ' اور سنہرے چہرے پہ شدید فکر مندی کی کیفیت۔

"میں تمہیں تین دن سے کال کر رہی ہوں' تم اٹینڈ نہیں کر رہے۔" اس کی طرف چہرہ کر کے بیٹھی مضطرب سی کہنے لگی۔ "ہاشم میں سونیا کی ماں ہوں' میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی؟"

وہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا' آخری بات پہ ہاتھ رکا۔ سخت نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں یہاں اس لیے بٹھایا ہے تاکہ ملازموں کے سامنے تماشا نہ بنے۔" (شہرین نے بے اختیار چہرہ موڑ کر دیکھا۔ دور کھڑا ڈرائیور۔ داخلی گیٹ پہ مامور سیکیورٹی اہلکار۔) "تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں جن میں سے دو تم ضائع کر چکی ہو۔ جو کہنا ہے کہو اور چھٹے منٹ سے پہلے تمہیں میری کار سے باہر ہونا چاہیے۔"

"میں نے فلائٹ آگے کروالی ہے۔ سوموار اور منگل کی درمیانی رات کو جانا ہے۔ صرف ایک مہینے کے لئے۔ پلیز سونی کو میرے ساتھ جانے دو۔"

"سونی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ بات ختم۔" تنے ابرو اور خشک لہجے کے ساتھ اس نے کہا تو شہرین کے چہرے کی پریشانی بڑھ گئی۔

"ہاشم ایک ہفتے سے میں نے سونی کو دیکھا تک نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے گھر ہے' میں...."

"وہ اپنے باپ کے گھر ہے اور اب یہیں رہے گی۔"

"میں اس کی ماں ہوں۔"

"یہ بات تمہیں میرے خلاف اس لڑکے کی مدد کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔" تلخی سے کہتے ہاشم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس نے ہاشم اور اپنے درمیان سیٹ کا فیبرک بے بسی سے بھینچا۔

"وہ میرا دوست ہے' وہ میرے کئی کام کر چکا ہے۔ میں صرف اس کا فیور لوٹا رہی تھی۔ وہ تمہارا دوست ہے' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ

تمہارے خلاف کچھ کر رہا ہوگا' میں تو اسے کوئی ایڈونچر سمجھی تھی۔"

"ہر چیز ایڈونچر نہیں ہوتی شہری۔" بدتمیزی سے کہتے اس نے دور کھڑے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔

"اسے کہو جو اس نے میرا چرایا ہے' وہ واپس کر دے تو میں سونی کو تمہارے ساتھ جانے دوں گا' ورنہ نہیں۔"

"وہ تو مجھ سے بات بھی کرنے کا روادار نہیں۔ وہ....."

"تمہارے پانچ منٹ تمام ہوئے۔ اب جاؤ۔" اور موبائل اٹھا کر بٹن دبانے لگا۔ شہرین بے بسی سے اسے دیکھتی رہی' پھر دروازے کی طرف مڑی' اسے کھولا' اور ہیل والا پیر زمین پہ رکھا ہی تھا کہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دباتا ہاشم دھیمے سے بولا۔

"اور وہ میرا دوست نہیں ہے۔ ہاشم کے دل سے جو اتر گیا' سو اتر گیا۔"

شہرین ایک پاؤں روش پر رکھے' دروازہ پکڑے چند لمحے کو بالکل سن سی رہ گئی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا' مگر پھر آنکھوں کی نمی اندر جذب کر کے وہ گردن اکڑا کر باہر نکلی اور دروازہ دے مارنے والے انداز میں بند کیا۔ کار زن سے آگے بڑھ گئی تو وہ مڑی۔ پتھریلی سڑک اوپر جاتی تھی اور اٹھان پہ قصر کاردار تھا' پرعزم آنکھوں سے اس نے اس اونچے محل کو دیکھا' اور قدم قدم اوپر چڑھنے لگی۔ اس گھر میں ابھی ایک اور شخص تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا۔

.... ❁ ❁ ❁ ....

نہ گنواؤ ناوک نیم کش، دل ریزہ ریزہ گنوا دیا ..... جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، تن داغ داغ لٹا دیا

یوسف صاحب کے بنگلے میں وہ صبح پہلے سے زیادہ مصروف طلوع ہوئی تھی۔ لاؤنج میں بڑے ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے بار بار فکرمند نگاہ اٹھا کر زمر کے کمرے کی سمت دیکھتے تھے جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔ فجر کے ساتھ ہی یہ ہلچل شروع ہو چکی تھی اور اب تک جاری تھی۔

"صداقت' یہ باکس پکڑاؤ۔" "صداقت' یہ کتابیں اس کارٹن میں ڈالو۔" "صداقت' یہ گیراج میں رکھ آؤ۔" ساتھ میں زمر کی ہدایات بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بڑے ابا خاموشی مگر بے چینی سے راہداری پہ نگاہیں مرکوز کیے بیٹھے اس دوسرے جوتے کا انتظار کر رہے تھے جو زمر نہیں پھینک رہی تھی۔

دفعتاً وہ آتی دکھائی دی۔ رف کپڑوں میں ملبوس' بالوں کا جوڑا بنائے' دونوں ہاتھوں میں خاکی کارٹن پکڑے اس نے لاؤنج کے فرش پہ کارٹن دھرا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"صداقت۔" کارٹن کا چار ٹکڑوں والا ڈھکن بند کرتے اس نے آواز دی۔ وہ بھاگا آیا۔ ساتھ ہی ڈکٹ ٹیپ اور قینچی اسے تھمائی۔

"اس میں میرے اہم ڈاکومنٹس ہیں' جب فارس صاحب کے گھر جاؤ تو ان کو میرے دوسرے سامان کے اوپر رکھنا' کسی چیز کے نیچے نہ دے دینا۔" ٹیپ سے ڈھکن کو سیل کرتے وہ سادگی سے ہدایات دے رہی تھی۔

"جی باجی۔" وہ تابعداری سے سر ہلا رہا تھا۔ جب کارٹن بند ہو گیا تو اسے اٹھا کر گیراج میں رکھنے چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں واپس جانے لگی کہ ابھی اور بہت کام رہتا تھا۔

"تم یہ کن کاموں میں لگی ہو؟" وہ اکتا چکے تھے۔

زمر گہری سانس لے کر ان کی طرف مڑی۔ "آپ نے خود ہی کہا کہ سنڈے کو میری شادی ہے' تو اپنا سامان پیک کر رہی ہوں۔"

"کیا تمہیں برا لگا ہے؟ اگر کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ' میں...."

"ابا' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پریشان مت ہوں۔ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے جلد شادی سے کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے بس آپ کی فکر ہے۔"

''میں سعدی کے گھر چلا جاؤں گا' یہ گھر مہینے کے آخر تک خالی کر دوں گا۔''

''اور سب کچھ سمیٹنا تو مجھے ہی ہے نا۔'' زمر نے مسکرا کران کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''تم نے اپنے کپڑے نہیں لیے۔'' ان کی پریشانی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''بھابھی نے کہا تھا' وہ شام کو آئیں گی اور ہم اکٹھے جا کر لے لیں گے۔'' وہ نرم آنکھوں سے مسکراتی رسان سے بتا رہی تھی۔ بڑے ابا نے متفکر نظروں سے اس کا چہرہ کھوجا۔

''مگر تم اس جلد شادی سے خوش تو ہو نا؟''

''ابا' جو بعد میں ہونا ہی ہے' تو اسے ابھی کر لینا چاہیے۔ مجھے کوئی پرابلم نہیں۔ اچھا میں اب اپنے کپڑے پیک کر لوں۔'' ان کی تسلی کروا کے وہ آستین فولڈ کرتی راہداری میں آگے چلتی گئی۔ ابا نے بس سر ہلا دیا۔

وہ کمرے میں آئی اور کھلے سوٹ کیس کو دیکھا جس کے ساتھ ہینگرز میں ٹنگے کپڑے پڑے تھے۔ اس نے ان کو ہینگرز سے اتار کر تہہ کرنا شروع کیا۔ تبھی راہداری میں قدموں کی آواز آئی۔

''صداقت' یہ جو شاپرز ہیں' ان کو...'' مصروف انداز میں کہتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو یکدم منجمد ہو گئی۔

چوکھٹ میں صداقت کھڑا تھا۔ سر جھکا تھا۔ ذرا شرماتا' ذرا جھجکتا۔ وہ ہاتھوں میں خاکی لفافے میں لپٹا ہوا کچھ پکڑے کھڑا تھا۔ وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

''باجی... وہ جو میری چاچی آئی تھی نا اس دن گاؤں سے؟ کل وہ پھر آئی تھی۔ اس کو بتایا تھا کہ باجی کی شادی ہونے والی ہے۔ یہ وہ گاؤں سے لائی تھی آپ کے لیے۔'' وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور خاکی لفافے میں لپٹی شے بڑھائی۔

''یہ...'' زمر نے اسے تھاما اور لفافہ ہٹا کر دیکھا۔ اندر شیشوں اور کڑھائی والی شال تھی۔

''ہمارے ہاں جی بیٹیوں کو شادی پہ یہ ضرور دی جاتی ہے۔ تو میں نے چاچی سے کہا کہ ایک باجی کے لیے بھی لے آئے۔'' انگلیاں مروڑ کر سر جھکائے شرما شرما کر صداقت کہہ رہا تھا اور زمر بس ہاتھ میں پکڑی شال کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ بہت خوبصورت ہے صداقت۔'' وہ بمشکل پھیکا سا مسکرائی۔ ''چاچی کو شکریہ کہنا' مگر... تم نے خواہ مخواہ اتنا خرچہ کیا۔ میری شادی...'' حلق میں کوئی پھندا سا لگا۔ ''کوئی عام شادیوں کی طرح تھوڑی ہے؟''

''پر باجی' شادی تو ایک ہی دفعہ ہوتی ہے' جیسے بھی ہو۔'' اس نے کوئی فلسفہ گھڑنا چاہا مگر نہیں گھڑ پایا۔ سو جلدی سے شاپرز اٹھانے لگا۔

''ان کو باہر رکھ آتا ہوں جی۔'' وہ چلا گیا اور زمر کھڑی اس شال کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں کرچیاں سی چبھ رہی تھیں۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔

پھر شال ہاتھوں میں پکڑے وہ ایک دم باہر نکلی۔ راہداری میں وہ ٹھہری۔ ابا ڈنگ چیئر پہ بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

''ابا' میں یہ شادی نہیں کروں گی۔ یہ اصلی شادی نہیں ہے۔ میں صرف اس کو برباد کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اتنا ہلکا بڑبڑائی کہ خود کو بھی سنائی نہ دیا' ابا تو کافی دور تھے۔ پھر یکایک انہوں نے گردن موڑی تو دیکھا' وہ راہداری میں کھڑی' پکٹ ہاتھوں میں پکڑے انہیں دیکھے جا رہی ہے۔

''کوئی بات ہے زمر؟''

وہ ''جی'' میں سر ہلاتی قریب آئی۔ ان کے بالکل مقابل آ کھڑی ہوئی۔ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے' پھر بند کر دیے۔

''ابھی فارس کا فون آیا تھا۔'' وہ اسے خاموش دیکھ کر خود ہی بتانے لگے۔ ''اس نے کہا کہ کاردار خاندان میں سے کسی کو شادی پہ مدعو

بلایا جائے۔ گو کہ میں مسز کاردار کو مدعو کرنا چاہتا تھا' مگر میں نے پھر بھی فارس کی بات مان لی۔ وہ سمجھدار ہے۔ کچھ سوچ کر کہہ رہا ہوگا۔"

"آپ نے وجہ نہیں پوچھی؟" زمر کے چہرے کی فکرمندی اور بے چینی اب قدرے ٹھنڈے تاثرات میں ڈھلنے لگی تھی۔

"کوئی بھی وجہ ہو مجھے فارس پہ بھروسہ ہے۔ وہ غلط فیصلہ کر کے مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" انہیں دوبارہ خیال آیا کہ وہ ادھر کیوں آ کھڑی ہوئی۔ زمر نے گہری سانس لی۔

"جی۔ میں یہ دکھانے آئی تھی۔ دیکھیں صداقت کیا لایا ہے میرے لئے۔" شفقت نے نرم انداز میں کہتی وہ پیکٹ کھول کر ان کو دکھانے لگی۔ صداقت اندر آیا تو وہ دونوں شال کھول کر دیکھتے اس پہ تبصرہ کر رہے تھے۔ وہ شرما کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

..................❖❖❖..................

کوئی تعویذ ہو رد بلا کا ...... میرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

شہرین چیونگم چباتی' آنکھوں پہ ڈارک گلاسز لگائے' گردن کڑا کر چلتی قصر کاردار میں داخل ہوئی تو سامنے لاؤنج کی اونچی کرسی پہ جواہرات کو بیٹھے دیکھا جو ملکہ کی شان سے براجمان گھٹنوں پہ رکھا اخبار کھولے دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے شہرین کھڑی تھی۔

"گڈ مارننگ مسز کاردار۔ سونی کہاں ہے؟" سن گلاسز اونچے کر کے بالوں پہ چڑھاتے اس نے ادھر ادھر دیکھتے پوچھا۔ یہ سعدی کو لیپ ٹاپ کا پاسورڈ دینے کے بعد پہلی دفعہ تھا جب وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی' اور اسی لئے جواہرات سے نگاہیں ملانے سے احتراز کر رہی تھی۔

"اپنے کمرے میں۔ اور یقیناً تم اس بات سے واقف ہو گی کہ سونی کو یہاں سے لے کر نہیں جا سکتی۔" وہ پھر سے اخبار پڑھنے لگ گئی۔

شہرین نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے جیسے بہت ضبط کیا۔

"بالکل۔" ہلکے سے کندھے اچکائے۔ اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ہیل کی ٹک ٹک ہر زینے کے ساتھ اوپر چلتی گئی۔ جواہرات مسکراتے ہوئے اخبار پڑھتی رہی۔

اوپر ریلنگ کے ساتھ کھڑی شہرین نے نیچے دیکھا۔ ذرا سا مسکرائی۔ اور پھر پورے اعتماد کے ساتھ نوشیرواں کے کمرے کے بند دروازے پہ مٹھی سے دستک دی۔ نگاہیں نیچے بیٹھی جواہرات پہ مرکوز تھیں جس نے یقیناً دستک کے محل وقوع کا اندازہ کر لیا تھا مگر کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔

"شیرو۔ دروازہ کھولو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" تیسری دستک کے بعد اس نے پکارا۔ تبھی دروازہ کھل گیا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں' بال اڑے اڑے سے تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ نیند سے جاگا تھا' اور شہری کو دیکھ کر پورا جاگ گیا تھا۔

وہ کچھ کہے بنا اندر چلی آئی' گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لیا اور پھر آرام سے ایک کاؤچ پہ بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' پیر جھلاتے ہوئے شیرو کو دیکھا۔

"فریش ہو کر آجاؤ۔ ہمیں بات کرنی ہے۔" انداز نرم مگر تحکم سے بھرپور تھا۔ وہ جز بز سا اسے دیکھتا باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ "سونا والے معاملے میں' میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ آپ کو مجھ سے امید نہیں رکھنی چاہیے۔" چند منٹ بعد' اس کے سامنے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا ... لہجے کی خشکی زبردستی تھی۔ بار بار وہ نرمی میں ڈھلنے لگتی' اور وہ اسے پھر

سے غصے اور ناگواری میں لپیٹتا۔ گاہے بگاہے نگاہیں اٹھا کر شہرین کے خوبصورت سنہرے چہرے کو بھی دیکھ لیتا۔ وہ اسی اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"ناراض تو مجھے تم سے ہونا چاہیے' مگر تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟"

"جو آپ نے سعدی کے ساتھ مل کر کیا' اسے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں۔" اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہتے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"تم اس قسم کے انسان تو نہیں تھے شیرو کہ شہری کی کوئی بات ہی نہ سنو۔ میں ہاشم کو اصل وجہ نہ بتاؤں' مگر تمہیں اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے پوچھنے پہ میں ضرور بتاتی۔"

"اصل وجہ؟" شیرو نے چونک کر اسے دیکھا۔ شہرین کی آنکھوں میں افسوس اترا۔

"تو کیا تم نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری طرح میں بھی استعمال کی جاسکتی ہوں؟ میں بھی یہ کرنے پہ مجبور ہوسکتی ہوں۔ مجھے تمہاری خود غرضی پہ افسوس ہو رہا ہے۔" اور پھر ایک دم وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "جب تم نے میری مجبوری سمجھی ہی نہیں' تو میرے بتانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ تم نے تو مجھے سخت مایوس کیا ہے شیرو۔"

اور وہ تاسف سے کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔

نوشیرواں بڑبڑا کر اٹھا۔ "نہیں' پلیز۔ آپ جائیں مت۔ مجھے بتائیں تو سہی کہ اصل بات کیا ہے؟" ساری اکڑ' ناراضی' غصہ اڑنچھو ہو گیا۔ اور وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔ سخت نظروں سے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"میں کیوں بتاؤں تمہیں؟ تم کون سا میرا یقین کرو گے؟ تم بھی سعدی کی طرح مجھے ذلیل ہی کرو گے۔" خفگی سے کہتی وہ خود ہی بیٹھ گئی۔ اب کے نوشیرواں اس کے سامنے بیٹھا تو ذرا متفکر ہو کر بیٹھا تھا۔

"سعدی نے آپ کو......؟" الجھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"میں نے اس دن سعدی کو اپنا دوست کہا' جب تم اور ہاشم سونی کو ڈراپ کرنے آئے تھے۔ غلط کہا تھا میں نے۔ اس لیے تاکہ اسے اصل بات نہ بتانی پڑے۔" کہتے ہوئے اس نے گہری سانس خارج کی' تھوڑی تک آتے بالوں کی چونچ نما لٹ انگلی سے پیچھے ہٹائی۔ وہ الجھے مگر توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سعدی میرا دوست نہیں ہے۔ تم مجھے جانتے ہو' میں اور تم ایسے لڑکے کو کیسے اپنا دوست بنا سکتے ہیں؟" اس نے کہتے ناگواری سے ناک سے مکھی اڑائی۔ "اس کے پاس میری ایک ویڈیو تھی۔ ایک پارٹی کی ویڈیو' اب تفصیل مت پوچھنا' بس وہ ویڈیو مجھے اسکینڈلائز کرسکتی تھی۔ میں نے اسے کہا کہ ویڈیو اس کلب کے سسٹم سے مٹادو' مگر وہ اتنی آسانی سے ماننے والا نہیں تھا۔ مجھ سے پانچ لاکھ لیے اس کام کے' اور کہا کہ بدلے میں ایک فیور مانگوں گا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ بدلے میں مجھے تمہیں استعمال کرنے کو کہے گا۔ اونہوں۔" نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں بند کر کے ماتھے پہ انگلیاں رکھیں۔

نوشیرواں بالکل سانس روکے سن رہا تھا۔ دم بخود۔

"میں تو اس سے ملتی بھی نہیں تھی۔ مجھے مال میں جالیا اس نے۔ سونی کی پارٹی کی صبح۔ اور بولا کہ یہ کام کردوں۔ میں نے انکار کیا تو اس نے کہا' کیا میں نے بھی ایسے ہی انکار کیا تھا آپ کا کام کرتے وقت؟ یہ ایک دھمکی تھی اگر میں انکار کروں گی تو میری ویڈیو لیک کر کے میرا اسکینڈل بنوائے گا۔ اس کے بعد سونی کو ہاشم میرے سائے سے بھی دور کرے گا۔ میں تم لوگوں سے کبھی نہیں مل سکوں گی۔" (اور شیرو کے چہرے کو دیکھتی وہ دل گرفتی سے کہہ رہی تھی۔ لفظ "تم لوگوں" پہ نوشیرواں کی آنکھوں میں حیرت' برہمی میں بدلنے لگی۔ اس برہمی میں سعدی کے

لئے نفرت اور شیری کے لئے ہمدردی تھی۔)

"وہ آپ کو بلیک میل کر رہا تھا؟ تو مجھے یا ہاشم بھائی کو کیوں نہیں بتایا؟" حسب عادت وہ بھڑک کر آگے ہوا' گویا لڑنے کو تیار ہو۔

شہرین نے گڑبڑا کر دروازے کو دیکھا جس کے پار نیچے جواہرات اخبار پڑھ رہی تھی۔ اسے لمحے بھر کو ڈر لگا کہ یہ گھامڑ اگر دندناتا ہوا باہر نکل گیا' تو ساری کہانی گئی فلاپ۔

"ہاشم میرا کچھ نہیں لگتا' شیرو۔" اس نے بظاہر بہت ضبط سے کہا مگر بڑی بڑی سبز لینز لگی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "ہاشم میرا شوہر نہیں ہے۔ ایسے لڑکوں سے صرف آپ کے شوہر پروٹیکٹ کرتے ہیں آپ کو اور میرا کوئی شوہر نہیں ہے۔ میں....." سینے پہ انگلی رکھ کر بھرائی آواز میں بولی۔ "میں اکیلی ہوں' بالکل اکیلی۔" سانس ناک کے ذریعے اندر کھینچا' انگلی سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا۔ "مجھے ٹشو لا دو۔ میں پتہ نہیں کیوں ایموشنل ہو رہی ہوں۔" گیلی آواز سے ہنسنے کی ناکام کوشش کرتے اس نے چہرہ پرے پھیر لیا گویا آنسو چھپانا چاہ رہی ہو۔

نوشیرواں فوراً اٹھا اور بیڈ سائیڈ ٹیبل سے ٹشو کا باکس اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔

"آپ....." اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"تھینک یو۔" اس نے آنکھیں تھپتھپا کر صاف کیں' اور چہرہ اس کی طرف پھیر کر مسکرائی۔ "میں تم سے ہمدردی لینے نہیں آئی تھی' نہ اس لئے آئی ہوں کہ تم ہاشم سے سونیا کے لئے بات کرو۔ بلکہ میں تو کہوں گی کہ تم اس سے کوئی بات نہ کرو۔ میں تمہیں مزید تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ بس تم میری طرف سے دل صاف کر لو۔" وہ اٹھ گئی' پرس کی لمبی زنجیر کندھے پہ ڈالی' ہلکا سا نوشیرواں کے کندھے کو تھپتھپایا اور باہر نکل گئی۔ وہ بالکل گم صم سا بیٹھا رہ گیا۔

سونی کے کمرے کی طرف جاتے وہ ریلنگ پہ رکی' چہرہ جھکا کر نیچے جھانکا۔ جواہرات اب ادھر نہیں تھی۔ وہ مسکرائی اور پورے کروفر اور اٹھی گردن کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

قاتل سے عشق بھی' مقتول سے ہمدردی بھی

تو بھلا کس سے محبت کی جزا مانگے گا

ہاشم کاردار کے آفس میں اے سی کی خنکی اور ٹھنڈ پھیلی تھی' اور وہ کوٹ میں ملبوس' پاور سیٹ پہ براجمان' موبائل کان سے لگائے' سامنے رکھی فائل کے صفحے پلٹاتے' کہہ رہا تھا۔

"بڑے ہو جاؤ شیرو۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے' بکواس کر رہی ہے۔" اکتا کر اس نے شیرو کی کہانی درمیان سے کاٹی۔ "وہ اس کی ٹانگ جتنا لڑکا اسے بلیک میل کرے گا؟ پانچ سال گزارے ہیں میں نے اس عورت کے ساتھ' یہی گئی ہو گی اپنے مسئلے اس کے پاس لے کر۔"

"مگر بھائی' وہ سعدی بھی ہے۔" نوشیرواں جس کی شہرین کے لئے نرم آواز سعدی کے نام پہ برہمی سے کانپنے لگتی تھی' مزید کچھ کہنا چاہا مگر ہاشم مصروف تھا' اور بیزار بھی۔

"سعدی کو میں سنبھال لوں گا' تم بس شہری سے دور رہو۔"

"مگر آپ سونیا کو....."

"وہ تمہیں دوسری دفعہ بے وقوف بنا رہی ہے شیرو۔ پہلی دفعہ اس پہ لعنت' دوسری دفعہ تم پہ۔" لہجے میں بیزاری اور غصہ در آنے لگا۔ "اور اب تم اگلے آدھے گھنٹے میں مجھے آفس میں نظر آؤ۔" موبائل بند کر کے میز پہ ڈالا' اور خفگی سے منہ میں کچھ بڑبڑاتے قلم دان سے قلم نکال کر کاغذات پہ دستخط کرنے لگا۔ کام ختم کر کے فائل بند کی اور انٹر کام اٹھایا۔

"حلیمہ' خاور آفس میں ہے؟"

"جی، وہ شاید نچلے فلور پہ ہیں۔"

"اسے میرے پاس بھیجو..." ریسیور رکھتے رکھتے وہ رکا۔ "وہ اس لڑکے سعدی یوسف کا کوئی فون آیا؟"

"سر میں نے دو دن پہلے دوبارہ ان کو کال کی تھی، انہوں نے کہا کہ اگلے ہفتے آئیں گے وہ۔ دن نہیں بتایا۔ میں ان کو کال کروں؟"

"اونہوں۔ وہ خود کرے گا۔ بہر حال، جب کبھی وقت اور دن مت دیکھنا، اسے آنے کا کہہ دینا۔" ریسیور رکھ کر اس نے ٹیک لگائی اور کچھ سوچتے ہوئے اوپر چھت کو دیکھنے لگا۔

خاور اندر داخل ہوا تو وہ سیدھا ہوا۔ سنجیدہ ٹھنڈے تاثرات سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ کوٹ اور پینٹ میں ملبوس اونچا لمبا سا تھا۔ ٹائی نہیں باندھتا تھا۔ بال اور مونچھیں، دونوں سیاہ تھیں۔ رنگت سانولی اور نقش متناسب تھے۔ ہاتھ باندھے سنجیدگی سے چلتا وہ سامنے آیا۔

"وہ ملا جو میں نے تلاش کرنے کے لئے کہا تھا؟"

خاور کی آنکھوں میں مایوسی در آئی، نفی میں گردن ہلائی۔

"نو سر۔ ابھی تک تو اس لڑکے کے بارے میں کوئی dirt نہیں ملا۔"

ہاشم قدرے برہمی سے آگے کو ہوا۔ "تو تم اتنے دنوں سے کیا کر رہے ہو؟ وہ کچھ دن بعد میرے سامنے ادھر کھڑا ہوگا، اور اگر میرے پاس کوئی لیوریج ہی نہیں ہوگا اس کے خلاف تو میں اسے کیسے سنبھال لوں گا؟"

"سر میں نے پوری کوشش کی، مگر وہ ہر طرح سے صاف ہے۔ اپنے خاندان کا وہ فیورٹ ہے، تو دوستوں کا آئیڈیل۔ کسی کو کوئی کام ہو تو سعدی یوسف ہے نا۔" وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ "محلے کا چوکیدار رکھنا ہو، گلی میں اسپیڈ بریکر بنوانا ہو، ہمسایوں کے لڑکے فوراً اسی کے پاس جاتے ہیں، بہترین اسٹوڈنٹ اور، جاب پہ ایک ایماندار اور محنتی ایمپلائی۔ اس کا کوئی ڈرٹی سیکرٹ نہیں ملا مجھے۔ وہ لڑکا گویا فرشتہ ہے۔"

ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ سر و تلخ سی مسکراہٹ۔ نفی میں سر ہلایا اور میز پہ رکھا پین انگلیوں میں گھماتے بولا۔ "میں تمہیں بتاؤں خاور، کوئی بھی فرشتہ نہیں ہوتا۔ سب کے راز ہوتے ہیں۔ تم نے درست جگہ نہیں دیکھا ہوگا۔"

خاور ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آنکھیں سکیڑے کچھ سوچا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ایک جگہ میں نے واقعی نہیں دیکھا۔" پھر سوچتے سوچتے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل، وہ فرشتہ نہیں ہے۔ مجھے ایک دن دیں، اس کی انسانیت دکھاتا ہوں آپ کو۔" ہاشم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا، اور خاور عجلت میں باہر نکل گیا۔

ہاشم نے گہری سانس لے کر خود کو بہتر محسوس کیا، پھر موبائل اٹھایا اور زمر کا نمبر ملا کر کان سے لگایا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ اب لبوں میں کوئی دھن گنگناتے چھت کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

.................❖❖❖.................

میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے ...... تُو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

مال میں وہ پہر کی نسبت سے رش تھا۔ مطمئن، خوش باش، مصروف لوگ اوپر نیچے، آگے پیچھے آ جا رہے تھے۔ ایسے میں دکانوں کی قطار کے سامنے راہداری میں حنین اور سیم بھی چل رہے تھے۔ ایک شاپ کے سامنے وہ رکے، حنین نے سیم کی جانب گھومی، شرارتی چمک دار آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"اب مونے آلو! ونڈو شاپنگ کے دو اصول یاد ہیں؟"

گھنگریالے بالوں والے، دبلے پتلے اور لمبے لڑکے نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل۔ تم ہر چیز مجھے دکھا دکھا کر کہو گی، سیم یہ لے لو اور میں بگڑے بچوں کی طرح ضد نہیں کرتا آگے بڑھ جاؤں گا۔"

''گڈ!'' وہ مسکرائی' پھر اس کی کہنی میں بازو ڈالے شاپ میں داخل ہوئی۔ قدم بہ قدم دونوں ریکس کی جانب آئے۔ حنین نے مختلف کیپس سیم کو دکھانی شروع کیں۔ ''سیم' بچے' دیکھو یہ آپ پہ کتنی پیاری لگے گی۔''

وہ بگڑے انداز میں نفی میں سر ہلاتے بولا۔ ''نہیں ماما' مجھے یہ نہیں چاہیے۔''

''ماما؟'' اس نے تلملا کر ادھر ادھر دیکھا۔ سب سیلز مین انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

''سیم جان!'' وہ جبراً مسکرا کر پیار سے بولی۔ ''بی ہیو یور سیلف، ورنہ ابھی آپ کے پاپا کو شکایت لگاتی ہوں۔''

''مگر ماما' پاپا تو کئی سال سے اوپر ہیں' اکاؤنٹنگ میں۔ (حساب کتاب میں)''

معصومیت سے آنکھیں جھپکا جھپکا کر بولا اور اس سے پہلے کہ وہ سارے شغل پہ لعنت بھیج کر اس کا کان مروڑتی' ہینڈ بیگ میں رکھا موبائل بج اٹھا۔

وہ جلدی سے موبائل نکالتی شاپ سے باہر آئی۔ سیم بھی پیچھے لپکا۔

''کیا امی اور پھپھو نے شاپنگ کر لی؟ کیا وہ بلا رہی ہیں؟'' حنہ موبائل نکال کر دیکھ رہی تھی اور سیم سوال کر رہا تھا۔ یہ زمر کا موبائل تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے حنہ کو اس لیے دیا تھا کیونکہ وہ اور ندرت بالائی فلور پہ نکاح کا جوڑا خرید رہی تھیں' اور سیم اور حنین بک کر نہیں بیٹھ سکتے تھے' ایسے میں ان کو ''آزاد'' کرنے سے قبل زمر نے اپنا فون حنہ کو دے دیا' کہ جب فارغ ہو تو ندرت کے فون پہ بتا دے۔ اب بھی سیم یہی پوچھ رہا تھا مگر حنین بالکل چپ سی ہو کر بجتے فون کی اسکرین دیکھ رہی تھی۔

ہاشم کاردار کالنگ۔ فون پکڑے ہاتھوں پہ پسینہ آنے لگا' دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''اٹھانا مت حنہ' پھپھو کا فون ہے۔'' سیم نے تنبیہہ کی مگر جسے دنیا کا بدترین مرض' احمق ہو جائے' وہ اور کیا کرے؟ اس نے انگوٹھے سے سبز دائرے کو سلائیڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو؟''

''ہیلو۔ زمر؟'' وہ ذرا ٹھٹکا تھا۔

''نہیں' میں حنین۔'' دھڑکتے دل اور بے قابو ہوتی خوشی سے وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ ''اصل میں ہم مال میں ہیں' پھپھو اور امی دور ہیں' سو ان کا فون میرے پاس ہے۔''

''او کے۔ کیسی ہو تم حنین؟'' وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

''میں بالکل ٹھیک۔ آپ کیسے ہیں؟'' وہ بھی اعتماد سے مسکرا کر بولی۔ ایسے میں وہ سیم کی طرف متوجہ نہیں تھی جو خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں ہمیشہ کی طرح بہت اچھا ہوں۔'' اس کے انداز پہ وہ ہلکا سا ہنس دی۔

''تمہارا رزلٹ کب ہے؟'' اگلے سوال پہ حنہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' فوراً سیم کو دیکھا جو بے زار سا کھڑا تھا۔

''اگست میں۔ اور...'' وہ رک گئی' تھوک نگلا۔ سارے لمحات پھر سے آنکھوں میں تازہ ہوئے۔ امتحانی مرکز میں ہاشم کو بلانا' پھر وہ سیاہ اور سنہری پارٹی۔

''ڈونٹ وری' تمہارا رزلٹ بہت اچھا آئے گا' اتنا کچا کام تو نہیں کیا ہوگا نا ہاشم نے۔'' اس کے نرم تسلی دینے والے انداز پہ وہ پھیکا سا مسکرائی مگر پرجوش اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ اور ایفل ٹاور کی روشنیاں بھی ماند پڑنے لگیں۔

''میں پھپھو کو جا کر بتاتی ہوں' وہ آپ کو کال بیک کر لیں گی۔''

"وہ کال بیک نہیں کریں گی۔ میں دس منٹ میں دوبارہ کال کرتا ہوں۔" اور فون بند ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"مجھے خود نہیں پتہ کہ وہ کیا اور کیوں کہہ رہے تھے۔" خود سے الجھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

جب وہ اس آؤٹ لیٹ پہ آئے جہاں زمر اور امی تھیں تو دس منٹ بیت چکے تھے۔ وہ دونوں کاؤنٹر پہ کھڑی تھیں۔ ندرت سادہ سی سرو پٹہ لئے کھڑیں' شاپنگ بیگ میں موجود جوڑے کو چیک کر رہی تھیں۔ کامدار جوڑے کا رنگ آف وائٹ تھا' ذرا سی جھلک سے حنین کو اندازہ ہوا۔ پھر وہ زمر کی طرف آئی' جو بال آدھے کیچر میں باندھے' سر جھکائے' بل کی رسید پرس میں رکھ رہی تھی۔ اس کے "پھپھو" کہنے پہ چہرہ اٹھایا۔ وہ حنین سے دراز قد تھی' ذرا نچ دراز۔ اور زیادہ جاذب نظر بھی۔ بھوری آنکھوں سے حنہ کو دیکھا اور نرمی سے مسکرائی۔

وہ جب ایسے مسکراتی تھی تو حنین گزرے برسوں کی ساری تلخی اور ناراضی بھولنے لگتی۔

"ہاشم بھائی کا فون آ رہا ہے۔" دوبارہ بجتے سیل کو اس کی طرف بڑھایا۔ زمر نے موبائل سامنے کر کے دیکھا' پھر گہری سانس لے کر کان سے لگایا۔

"جی ہاشم' کہیے۔" مصروف سے انداز میں وہ پرس بند کرتی گویا ہوئی۔

"حنین بتا رہی تھی' آپ شاپنگ کر رہی ہیں۔ مجھے گیس (Guess) کرنے دیں' کیا یہ آپ کی شادی کی شاپنگ ہے؟" وہ گویا مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ زمر نے فوراً حنین کو دیکھا' وہ ہاشم کی بات نہیں سن سکتی تھی' مگر جلدی سے بولی۔ "میں نے کال اٹینڈ کر کے بتایا تھا کہ ہم مال میں ہیں۔" ایک دم اپنا آپ مجرم لگنے لگا۔ نظریں فوراً جھکا دیں۔

"ہاشم' آپ نے کیسے فون کیا؟" بے تاثر' ٹھنڈے انداز میں پوچھتی وہ حنین کے ہمراہ چلتی باہر نکلی۔ ندرت اور سیم اگلی شاپ میں سیم کے کپڑوں کے لئے چلے گئے تھے۔ ندرت نے حنہ کو بھی آواز دی مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔

"آپ کو شادی کی مبارک باد دینے۔"

"ایک منٹ!" اس نے فون کان سے ہٹائے بغیر بلند آواز میں حنین کو پکارا۔ "حنہ' اگر یہ صاحب اگلے پانچ منٹ تک فون بند نہ کریں تو تم اونچی آواز میں مجھے پکار کر کہنا کہ بھابھی مجھے بلا رہی ہیں' او کے؟ جی ہاشم' آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

رسان سے کہتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ (حنہ کا تو منہ ہی کھل گیا۔)

وہ جواب میں زور سے ہنسا تھا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا' کہ اگر آپ کو اس روز وہ گولیاں میں نے ماری ہوتیں تو کیا آپ مجھ سے بھی شادی کر لیتیں؟" وہ محظوظ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ میں آپ کو قتل کرنا پسند کرتی' مگر ہزار حصوں میں۔"

"پھر فارس کو ہزار حصوں میں کیوں نہیں مارا؟" وہ مزہ لیتے ہوئے مخاطب تھا۔ "چار سال چپ کیوں رہیں؟"

"اچھا انسان برا کرے تو خاموشی بہتر ہے' لیکن آپ جیسا برا انسان اگر برا کرے تو خاموش نہیں رہنا چاہیے مجھے۔"

وہ جواب میں پھر سے ہنس دیا۔ زمر اور حنہ ہنوز ساتھ ساتھ گیلری میں چل رہی تھیں۔ حنہ کے کان ادھر ہی لگے تھے۔

"اور اس برے انسان کو شادی پہ نہیں بلایا آپ نے؟"

"یہ سوال آپ اپنے کزن سے کریں۔ یہ فیصلے ان کے ہیں۔"

"زمر...." اب کے وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ "آپ غلطی کر رہی ہیں۔ اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے آپ کو۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ہاشم!"

"آپ نے اس کو ذاتی نہیں رہنے دیا جب اسے میری ممی سے ڈسکس کیا۔"

زمر نے تکان سے گہری سانس بھری۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ فارس آپ کے قابل نہیں ہے۔ اس کا جرم بھول بھی جائیں تو اس کی اکھڑ طبیعت' غصہ' لاپرواہی' وہ آپ کی ٹائپ کا آدمی نہیں ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے گویا زمر کو پکارا۔ "کیا سوچ رہی ہیں؟"

"اوہ آپ بالکل بھی نہیں جاننا چاہیں گے جو میں سوچ رہی ہوں۔" اس کے انداز پہ حنہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ دونوں ایک شاپ کے باہر کھڑی ہوگئی تھیں' اور زمر ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ پکڑے' دوسرے سے موبائل کو کان سے لگائے بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

"مثلاً کیا؟"

"میں یہ سوچ رہی ہوں ہاشم کہ مسئلہ میں نہیں ہوں' مسئلہ فارس ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ کو فارس کی ہر بیوی چبھتی ہے۔ وہ جب بھی شادی کرے گا' آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ بطور ایک فرسٹ کزن' آپ کا اس سے ان کہا' لاشعوری سا مقابلہ ہے۔ موازنہ ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ زرتاشہ کی شادی کے روز بھی جب آپ اسٹیج پہ آئے تھے اور میں وہاں تھی' اور فارس وہاں نہیں تھا' تب آپ نے زرتاشہ سے بھی اس کے غصے اور اکھڑپن کا تذکرہ کیا تھا جس کی وجہ سے دلہن کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہی ہوں ہاشم کہ آپ یہ جان بوجھ کر نہیں کرتے۔ لاشعوری طور پہ تب کرتے ہیں جب آپ کو اپنی شادی کی ناکامی یاد آتی ہے۔ سو مسئلہ میں نہیں ہوں' مسئلہ فارس ہے۔"

حنین بس اس کو دیکھے جا رہی تھی' سانس رد کے' شاکڈ۔ اور دوسری جانب ہاشم خاموش ہو گیا تھا۔

"ویل... آپ نے کافی سخت باتیں کہہ دیں۔" جب وہ بولا تو آواز مدھم' مگر بجھی ہوئی تھی۔

"میں معذرت نہیں کروں گی' اگر آپ میری ذاتیات میں دخل دیں گے تو پھر اپنی ذاتیات کے بارے میں بھی آپ کو سننا پڑے گا۔" نرمی سے کہہ کر اس نے ابرو اٹھا کر حنین کو دیکھا۔ وہ گڑبڑا کر اونچا سا بولی۔

"پھپھو' ای بلا رہی ہیں۔" کہہ کر خوب شرمندہ ہوئی۔

"آپ نے سن لیا؟ مجھے جانا ہے۔" اور موبائل بند کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

"بھابھی کدھر ہو گئیں؟" عام سا انداز جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ حنین بالکل چپ ہو گئی۔ اور وہ تب تک نہیں بولی جب تک وہ چاروں شاپنگ سمیت اور فوڈ کورٹ میں ایک ٹیبل پہ بیٹھ نہیں گئے۔ زمر ندرت سے ان کے ریسٹورانٹ کے حوالے سے باتیں کرنے لگی۔ وہ ریسٹورانٹ ان دنوں بنا تھا جب زمران سے قطع تعلق تھی' مگر خون کے رشتے "صلح" کے بعد پرانی باتوں کا ذکر نہیں چھیڑا کرتے۔ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہی چیز خون کو پانی سے گاڑھا بناتی ہے۔

ندرت اور سیم اٹھ گئے تاکہ سیم کے جوتے لے لیں تو حنین جوس میں اسٹرا گھماتی' نگاہیں جھکائے' سرسری سا بولی۔ "ہاشم بھائی نے برا تو مانا ہوگا اتنی سخت باتوں کا۔"

"ہاشم کے برا ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" زمر نے مسکرا کر شانے اچکائے۔ پھر گردن ترچھی کر کے اسے غور سے دیکھا۔ "کسی بات پہ پریشان ہو حنہ؟"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "نہیں... مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں۔" چہرہ نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ ڈیڑھ سال قبل کی چیٹنگ سے اب کی

ابھی تک زمر کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

"آر یو شیور؟ اگر کوئی مسئلہ ہو تو ضرور شیئر کرنا۔" اس نے نرمی سے حنہ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا؟"

"کیونکہ اب تم بہت خاموش رہتی ہو۔ پہلے تم بہت بولا کرتی تھی۔"

حنین کے ابرو بھنچ گئے۔ ایک سخت نظر اپنے ہاتھ پہ دھرے زمر کے ہاتھ پہ ڈالی اور دوسری زمر کی آنکھوں پہ۔

"میں اور آپ پھپھو کبھی بھی ایک دوسرے سے بہت نہیں بولا کرتے تھے۔" اپنا ہاتھ نکالا اور کرسی دھکیلتی اٹھ کر دوسری طرف چلی گئی۔ زمر گہری سانس لے کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اور خون کی سب سے بڑی خوبی اور خامی یہی ہے کہ اگر اسے باہر کی ہوا لگ جائے تو وہ جم جاتا ہے۔ عرب کے اہل زبان اس جمنے کو عقد کہتے ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ جمے خون کو کوئی پگھلائے کیسے؟

............❖❖❖............

دنیا کی وسعتوں میں اسے ڈھونڈتا رہا...... لیکن خدا میری ذات کے اندر ملا مجھے!

چھوٹے باغیچے والے گھر کے باہر ابھی رات کا تیسرا پہر تھا۔ گہرے جامنی آسمان پہ ستارے چمک رہے تھے۔ راہداری کے پہلے دروازے سے اندر جھانکو تو بستر پہ چادر تانے سعدی سو رہا تھا۔ پھر نہ کوئی آہٹ ہوئی، نہ آواز آئی اور وہ آہستہ سے بازو ہٹا کر اٹھا۔ نیند سے بھری آنکھوں کو مٹھی سے مسلا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ فجر میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا۔

دو لبوں میں کوئی دعا پڑھتا بستر سے اترا اور باتھ روم کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ جب باہر نکلا تو کرتے شلوار میں ملبوس تھا، ہاتھ منہ اور پیر گیلے تھے جب وہ راہداری میں دبے قدموں چلتا بیرونی دروازے تک آیا تو ندرت نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ خوابیدہ آنکھیں حیرت سے سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"سعدی؟ ابھی تو اذان بھی نہیں ہوئی۔ تم جلدی کیوں اٹھ گئے؟ کیا الارم جلدی بج گیا؟"

"میں تو الارم نہیں لگاتا امی! آپ کو نہیں پتہ؟" اسے جیسے معصوم سا تعجب ہوا۔

"تو پھر کیسے اٹھے ہو؟"

"میں بس اللہ تعالیٰ سے رات میں کہہ دیتا ہوں کہ مجھے صبح اس وقت جگا دیجیے گا تو اللہ مجھے جگا دیتے ہیں۔" اور سادگی سے مسکرایا۔ "امام صاحب کی طبیعت رات پھر خراب تھی، میں نے کہا کہ صبح میں امامت کراؤں۔ اس لیے جلدی جا رہا ہوں۔"

"اچھا خیر سے جاؤ۔" انہوں نے شاید کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر حنین اور سیم کے کمرے تک گئیں۔ بلند آواز میں ڈانٹنا شروع کیا۔ "کوئی شرم حیا ہے تم دونوں میں؟ اٹھو قرآن پڑھو نماز پڑھو...." سعدی باہر نکل آیا تو آوازیں دم توڑ گئیں۔

کالونی کی سڑک ویران، اندھیر پڑی تھی۔ سعدی نے تازہ ہوا کو محسوس کرتے سر اٹھا کر دیکھا۔ زمین والوں کو آسمان پہ تارے جگمگاتے دکھائی دے رہے تھے اور آسمان والوں کو زمین پہ قرآن پڑھنے والوں کے گھر چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ اندھیرے کی وہ گھڑی تھی جس میں سب سے زیادہ نور پھیلا تھا۔

اس نے ہینڈز فری کانوں میں لگایا، قرآن پین نکالا (ایک سفید پین کی صورت کا آلہ جس کی نوک قرآن کے جس حرف پہ رکھو وہیں سے تلاوت کی ریکارڈنگ چلنے لگتی ہے) اور سورتوں کا کارڈ نکال کر تمام سورتوں کے ناموں پہ سوچتی نظر ڈالی۔ اپنے روز کے فجر کے قرآن میں وہ سورۃ غافر پہ تھا۔ اب اصولاً اس سے اگلی سورۃ پڑھنی تھی، مگر وہ سوچتا رہا۔ پھر جانے کیا سوچ کر اپنی پسندیدہ سورۃ نمل پہ قلم کی نوک رکھ دی۔ سر اٹھا کر ابرو اکٹھے کیے بے بسی سے آسمان کو دیکھا۔

''او کے اللہ تعالیٰ' آئی ایم سوری' مجھے قرآن ترتیب سے پڑھنا چاہیے مگر میں کیا کروں' مجھے یہ سورۃ بہت پسند ہے۔'' پھر مسکرا کر کانوں میں ہینڈز فری پکا کرتے قدم قدم سڑک کنارے چلنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ مجھے آج بھی یاد ہے' جب میں ابو کے ساتھ مسجد آتا تھا تو وہ مجھے چیونٹیوں کی قطار دکھایا کرتے تھے۔ تب میں سوچتا تھا' انسانوں کو کیڑے مکوڑوں سے کیوں ملایا جائے؟ مگر بہت سالوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ نمل کیڑے مکوڑوں کی سورۃ نہیں ہے' یہ ''فیملی'' کی سورۃ ہے۔ خاندان کو کیسے جوڑ کر رکھنا ہے' مجھے آپ نے یہ اس سورۃ سے سکھایا ہے۔''

خاموش اندھیرے میں وہ سر جھکائے' مسکرا کر سرگوشی میں بولتا جا رہا تھا۔

اوپر کالونی میں کسی گھر کی چھت پہ کوئی نوعمر لڑکی فون کان سے لگائے' آنسو بار بار پونچھتی' کسی نائٹ پیکج کے طفیل اپنے بوائے فرینڈ سے سرگوشی میں بات کر رہی تھی۔ سامنے والے ایک اور گھر میں ایک لڑکا بستر میں لیٹا' موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹک ٹک میسج کر رہا تھا اور چہرے پہ وہی مسکراہٹ تھی جو مرضِ عشق میں مبتلا لوگوں کے چہروں پہ اس وقت ہوا کرتی ہے۔ یہ رات کا وہ پہر تھا جب صرف محبوب کے لئے جاگا جاتا ہے۔

''اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔'' سڑک کنارے چلتے گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے کانوں میں لگے ہینڈز فری میں آواز گونجنے لگی۔ ''طس۔ یہ آیات ہیں قرآن کی اور اس کتاب کی جو روشن ہے۔''

ہاتھ میں پکڑے بٹن پہ اس نے پاز کا بٹن دبایا۔

''اوہ اللہ۔'' بے بسی بھری مسکراہٹ سے آسمانوں کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلاتے گردن جھکائے چلتا گیا۔ ''مطلب کہ میں کبھی کبھی حیران ہو جاتا ہوں' یہ ''کتاب مبین'' والی بات آپ نے کتنی دفعہ بتا دی قرآن میں' پھر ہر چند سورتوں کے بعد یہی آیت کیوں لے آتے ہیں آپ اللہ؟ مجھے سوچنے دیں۔'' لب کاٹے' آنکھیں ذرا بھینچ کر وہ واقعی سوچنے لگا۔ ''ہوں۔'' چند لمحے اور سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''ہر دفعہ اس آیت کا مجھے نیا مطلب سمجھ آتا ہے۔ دیکھیں اللہ' اتنا مجھے پتہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا صرف ایک ہی مطلب ہوتا تو یہ قرآن میں بار بار نہ دہرائے جاتے۔ کتاب مبین۔ کتاب روشن۔ یعنی.....'' وہ سڑک کنارے قدم اٹھاتا' سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ ''یعنی آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں کہ آگے جو آیات آپ مجھے دیں گے' وہ اس کتاب کی ہیں' جس کے علاوہ مجھے' دنیا میں کسی چیز سے کوئی روشنی نہیں ملے گی۔ کہیں سکون نہیں ملے گا۔ کہیں خوشی نہیں ملے گی۔ مجھے اس کتاب کے علاوہ کوئی نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ کوئی نہیں انگلی پکڑ کر صحیح فیصلے کرنا سکھائے۔ میرے دل کی بات سمجھ کر اللہ کی بات اور کوئی نہیں سمجھائے گا۔'' مسکرا کر خوشدلی سے بولتے اس کے تاثرات بدلتے گئے۔ آنکھوں میں اداسی در آئی۔ دل بھر سا آیا۔

اپنی زندگی کی پیچیدگیاں' دکھ' خطرات' سب یاد آنے لگے۔ کیا کھویا اور کیا پایا۔ خاموش صبح میں اداسیاں گھلتی گئیں۔

''یہ ہدایت ہے اور خوشخبری ہے' ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں۔'' کانوں میں گھلتی وہ مدھر آواز کہہ رہی تھی۔ وہ سامنے ویران اندھیر سڑک کو اداسی سے دیکھے گیا۔

''اللہ آپ کو کیسے علم ہوتا ہے کہ اس آیت کے بعد میں افسردہ ہو جاؤں گا؟ کیسے آپ فوراً اگلی آیت میں مرہم لے آتے ہیں؟ کیا آپ کو ہر انسان کا اتنا خیال ہوتا ہے یا میں اسپیشل ہوں؟'' افسردگی کو زبردستی دباتے وہ شرارت سے خود ہی ہنس دیا۔ ''خوشخبری....'' اور گہری سانس لی۔ ''تو یہ کتاب پڑھنا اس لئے ضروری ہے کیونکہ یہ ہمیں فیصلہ کرنا سکھاتی ہے' ایسا ہی ہے نا اللہ؟ آپ نے ان آیات کے ذریعے مجھے سکھایا کہ برے دنوں میں انسان کیسے وہ ''آنکھ'' رکھے جو اسے وہ دکھائے جو ابھی پاس نہیں ہے' مگر کبھی تو ملے گا۔ کبھی تو ہم بھی وہ دن دیکھیں گے نا اللہ جس کا وعدہ ہے۔ مگر اللہ... کیا یہ خوشخبری میرے لئے بھی ہے؟ آپ نے کہا' یہ ایمان والوں کے لئے ہے۔ مگر..... مجھے خود بھی نہیں پتہ کہ میں مومن ہوں یا نہیں!؟ اگر خود کو مومن سمجھوں تو خود پسندی ہے'' ''عجب'' ہے' خود کو منافق سمجھوں تو یہ مایوسی ہے۔ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں مومن ہوں؟''

اداسی بڑھنے لگی۔ اردگرد بھیگتی جاگتی رات میں تنہائی بھرا ملال سا چھا رہا تھا۔ دل کی ساری ویرانیاں اس اندھیرے میں رچ بسنے لگیں۔

"ہدایت اور خوشخبری ہے مومنوں کے لئے۔ یہ وہ لوگ ہیں..." وہ ایک دم بالکل ٹھہر کر سننے لگا۔ "جو اپنی نمازوں کو قائم کرتے ہیں..."

اور دل پہ کوئی سل سی بننے لگی۔ "اوہ اللہ... یعنی کہ اگر مجھے قرآن کی خوشخبریوں کی امید رکھنی ہے تو میں کبھی نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ جس دن اللہ میں چھوڑوں گا' اس وقت آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آپ چاہتے ہیں ہم سب نماز پڑھیں' مگر نہیں' نماز صرف "پڑھنے" سے افاقہ نہیں ہوتا۔ نماز قائم رکھنا اصل چیز ہے۔ ہر نماز اپنے وقت پر اور تمام ارکان کے ساتھ پڑھنا۔ میں نماز نہیں چھوڑتا' مگر جس دن یہ سوچوں کہ نہیں چھوڑتا' اس دن ہی کوئی نہ کوئی قضا ہو جاتی ہے۔ میرے بہن بھائی نماز نہیں پڑھتے۔ مجھے صرف یہی بات تکلیف دیتی ہے کہ اگر قیامت کے دن آپ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم اکیلے مسجد کیوں آتے ہو؟ تمہارے بہن بھائی کیوں اس وقت سو رہے ہوتے ہیں' تو میں کیا جواب دوں گا؟"

وزن بڑھتا جا رہا تھا۔ دکھ' بے بسی' فکر مندی نے اس دم توڑتی رات کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

کانوں میں تلاوت وہیں سے جاری تھی۔

"اور وہ جو اپنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔"

"تھینک یو اللہ!" اس نے تھکتے ہوئے سر ہلایا اور خود سے بولا۔ "میں یہ تینوں کام کرتا ہوں' مگر مجھے پھر بھی اپنے اچھے ہونے کا کوئی یقین نہیں۔ شاید یہی بہتر ہوتا ہے۔ جب تک ہمارے گناہوں کا گلٹ ہمارے ساتھ رہے' ہم کم از کم توبہ تو کرتے رہتے ہیں' اپنی عبادتوں پہ غرور تو نہیں آتا۔ پھر بھی' مجھ سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ آس پاس کے لوگ میری نمازیں' دیکھ کر' میرے منہ سے قرآن کی باتیں سن کر مجھے اتنا نیک کیوں سمجھتے ہیں؟" وہ اداسی سے بتا رہا تھا۔ "اللہ جب لوگ مجھے نیک کہتے ہیں تو مجھے بہت گلٹ ہوتا ہے۔ لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ ایک سے نیک آدمی بھی دن میں دس ہزار دفعہ خود کو گناہ کرنے سے روکتا ہے' اور کئی دفعہ نہیں بھی روک پاتا۔ کتنا مزا آتا' ایمان ایک ہی دفعہ مل جاتا اور پھر ساری عمر کی گارنٹی۔ یہ روز روز اپنے آپ سے جنگ' گلٹ' توبہ کا سائیکل تو نہ ہوتا۔ آپ نے زندگی اتنی پیچیدہ کیوں بنائی؟"

اس نے آنکھیں اٹھا کر شکوہ کیا۔ دور صبح کی چڑیاں بولنے لگیں۔ ان کی اپنی تسبیح تھی۔ ہر ایک کی تسبیح مختلف ہوتی ہے۔

"ہاں مگر اللہ مجھے اتنا یقین ہے' کہ ایک دن زندگی اپنی ساری نا تمام خواہشات اور تکالیف کے ساتھ ختم ہو جائے گی' سب اٹھ مر جائیں گے' اور وہ بڑا دن آئے گا' جب ہم اور آپ مقابل کھڑے ہوں گے۔ اور مجھے یہ بھی پتہ ہے' کہ نماز کے بغیر' اور اپنا مال اور ٹیلنٹ لوگوں پہ خرچ کیے بغیر' میں یہ کہوں کہ مجھے آخرت پہ یقین ہے تو جھوٹ ہوگا۔ علم الیقین تو سب کو ہوتا ہے۔ مگر مجھے یہ کام کرتے رہنا ہوں گے۔ آپ کو یقین دلانے کے لئے۔ خود کو یقین دلانے کے لئے۔" وہ سر جھکائے' گہری سوچ میں' دبا دبا بولتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی ساتھ سے گزرتے اسے دیکھتا تو سمجھتا وہ ہینڈز فری لگائے' فون پہ بات کر رہا ہے۔ مگر ہر بات لوگوں کے سمجھنے کی ہوتی بھی نہیں ہے۔

تلاوت کی بارعب' مگر خوبصورت آواز سماعتوں میں ہنوز بکھر رہی تھی۔ "البتہ وہ لوگ جو آخرت پہ ایمان نہیں لاتے' ہم نے ان کے اعمال ان کے لئے خوبصورت بنا کر پیش کر دیے ہیں اور وہ انہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ بے شک ان کے لئے برا عذاب ہے' اور وہ آخرت میں شدید نقصان میں رہیں گے۔"

دم توڑتی رات کا وقت تھا' ماحول کی ہیبت تھی' یا تلاوت کی آواز کا سحر' اسے لگا اس کی جلد کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ کوئی عجیب سا رعب تھا جو ہر جگہ چھانے لگا۔ یہ وہ لمحے تھے جب وہ سب کچھ بھول گیا۔ زمر' فارس' ہاشم۔ اپنی زندگی کی پیچیدگیاں۔ کچھ بھی میٹر نہیں کرتا۔ صرف اپنا اعمال نامہ نظر آتا تھا۔

[illegible]

لے کر کہہ رہا تھا۔ ''جب میں نماز نہ پڑھوں' یا قرآن نہ پڑھوں' یا لوگوں پہ اپنے حصے سے خرچ نہ کروں' تو میرا آخرت پہ ایمان کمزور ہو جائے گا؟ اور.... اور میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو بہت عمل کرنے والے ہوں گے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟'' تعجب سے اس نے پوچھا جواب اسے خود بھی معلوم تھا۔ ''جو چیز مجھے نماز اور قرآن سے دور کرے گی' اللہ کے راستے کے علاوہ جس بے مقصد چیز میں اپنا مال یا اپنا ٹیلنٹ لگاؤں گا' آپ مجھے وہ بے مقصد چیزیں دلچسپ اور خوبصورت بنا کر دکھاتے جائیں گے اور پھر میں انہی میں بھٹکتا رہوں گا؟ کیا صرف ایک نماز کا چھوڑ دینا اتنا مہنگا پڑے گا؟ نماز جاتی جائے گی' بے مقصد چیزیں آتی جائیں گی؟ ایسے چلا جاتا ہے ایمان؟ صرف ایک نماز کے جانے سے؟ ایک جھوٹ بولنے سے؟ ایک دل دکھانے سے؟'' ایک کنارے پہ وہ ٹھہر گیا۔ عجب سا تعجب تھا۔ حیرت سی حیرت تھی۔ سر اٹھا کر اس نے گہرے نیلے پراسرار آسمان کو دیکھا۔ دل بھر سا آیا۔ چند زفری اتار دیے۔

''اللہ تعالیٰ آئی ایم سوری' ہر اس چیز کے لیے جسے میں نے نماز سے اوپر رکھا۔ میں بار بار معافی مانگوں گا۔ آپ بس معاف کرنا مت چھوڑیے گا۔'' اسی طرح خود سے بڑبڑاتا وہ قدم بڑھاتا رہا' یہاں تک کہ مسجد کے دروازے تک آن پہنچا۔ گل خان خلاف معمول دروازے پہ ہی مل گیا۔ سعدی اپنے فجر کے قرآن میں الجھا تھا' اسے نہیں دیکھا۔ لبوں میں مدھم سا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ جوتے اتارتے ہو سا تھ کھڑے گل خان نے حیرت سے اس کا بازو ہلایا۔

''کس سے بول رہے ہو سعدی بھائی؟''

وہ جو اپنی ''دعا'' ختم کر کے دروازے پر جوتے اتارنے کو جھک کر جوتے اتار رہا تھا' پھر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں اللہ تعالیٰ سے بات کر رہا تھا۔'' اور ننگے پاؤں اندر صحن میں قدم رکھا۔ دم توڑتی رات کی ان گھڑیوں صحن کی اینٹیں ٹھنڈی تھیں۔

''توبہ... توبہ....'' گل خان دو انگلیوں سے باری باری دونوں کان چھوتا پیچھے آیا۔

''اللہ سے ایسے بات نہیں کیا جاتا۔ اور (ادھر) مصلے پہ بیٹھ کر ادب سے بات کرتا ہے۔''

''میں ادب سے ہی بات کرتا ہوں' جیسے اپنے بڑوں سے کرتا ہوں۔'' وہ نرمی سے کہتا اندر چلا آیا۔ گل خان کو خوب غصہ آیا۔

''سادی بھائی... ابھی مولوی صاحب دیکھ لیتا تم کو ایسے بات کرتے' تو تمہارے پہ فتویٰ لگ جاتا۔''

''اچھا تم بتاؤ مجھے کہ دعا کیسے مانگتے ہیں؟'' وہ پرسکون سا مسکراتا ہوا جماعت والے مرکزی کمرے میں آگے بڑھ رہا تھا۔

''ادب سے' تمیز سے' اور ادھر مصلے پہ بیٹھ کر دعا مانگا جاتا ہے۔ سر جھکا کر' رو رو کر۔ ہاں!'' ہاتھ ہلا ہلا کر خفگی سے اشارہ کر رہا تھا۔ سعدی نے مسکرا کر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کو دیکھا جو سفید پشاوری ٹوپی پہنے' پائنچے اوپر چڑھائے کھڑا تھا۔

''اللہ ہماری وہی دعا قبول کرتے ہیں گل خان جو ہم نے دل سے مانگی ہوتی ہو۔ دل سے نکلی باتیں نیچرل ہوتی ہیں۔ مصنوعی لفاظی اور رٹی رٹی پہ بیٹھے علماء والی مشکل گاڑھی اردو' نہیں یار....'' اس نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں عام زندگی میں جو سادہ زبان بولتا ہوں' مجھے اسی نیچرل انداز میں اللہ سے بات کرنی چاہیے۔''

''توبہ۔ یہ تم چلتے پھرتے کون سا بات کر رہا تھا' ہاں؟'' اس کے اندر کے مفتی کو ہضم نہیں ہوا' گھور کر مشکوک انداز میں پوچھا۔

''میں فجر کا قرآن سن رہا تھا' ہر آیت کے بارے میں اپنے خیالات اللہ کو بتا رہا تھا' اور اس کے بعد میں ان کو وہ بتا رہا تھا جو میں نے کل کیا' اور جو آج کروں گا۔'' جالی دار ٹوپی سر پہ لیے اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ برآمدے میں لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ کوئی اسے سلام کرنے رکا تو وہ ادھر متوجہ ہو گیا۔ فارغ ہو کر واپس گھوما تو گل خان سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے پہلے بھی نہیں دیکھا ہے بھائی' تم ایسے خود سے بول رہا ہوتا ہے۔ تم کو ایسے اللہ تعالیٰ سے بات کرنا کس نے سکھایا؟''

آہستہ آہستہ لبوں سے غائب ہوئی۔ "اب نہیں مانگتیں۔ لوگ بدل جاتے ہیں۔ دل سخت ہو جاتے ہیں۔" پھر سر جھٹکا۔ بہت سے خیال بھی جھٹکے۔

"تم بتاؤ، آج تمہارے تایا نے کس جگہ تھپڑ مار کر تمہیں نماز کے لیے اٹھایا ہے؟" اب کے اس نے آنکھیں سکیڑ کر گل خان کے چہرے کو ادھر ادھر سے جانچا۔

"ہا!" گل خان نے غصے سے آنکھیں پھیلائیں۔ "ہم ایسا کوئی نشئی ہے جو خود نہیں اٹھ سکتا، ہاں؟" کمر پہ ہاتھ رکھے ناراضی سے اسے گھورا۔ سعدی نے "اچھا؟" والے انداز میں ابرو اٹھائے۔ گل خان اسی طرح گھورتا رہا، پھر قدرے جز بز سا گدی پہ ہاتھ رکھ کر قریب کھسکا۔

"کیا گردن ابھی تک سرخ ہے؟" رازداری سے پوچھا۔ سعدی بے اختیار ہنس دیا، اس کے سر پہ چپت رسید کی اور امامت کی جگہ کی طرف بڑھ گیا۔ گنتی بھر لوگوں کی صفیں ترتیب دی جا رہی تھیں۔ نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

بس گنتی بھر لوگ! السابقون السابقون!

.... ✤ ✤ ✤ ....

موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو ...... پہلے جینے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

اور پھر فجر کی وہ گھڑیاں انسان کو کبھی دوبارہ نہ ملنے کے لیے کھو چکی تھیں۔ روز فجر طلوع ہو گی مگر اس دن کی پھر نہیں آئے گی۔ سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تھا، جب وہ سارہ کے گھر کا گیٹ عبور کرتے اندر آیا۔ آفس کے لباس میں تیار، سیاہ سنہری کی چین انگلیوں میں گھماتے اس نے داخلی دروازہ بجایا تو فوراً کھل گیا۔ سامنے نورا اسکول یونیفارم میں تیار کھڑی تھی۔ وہ اس کو پیار کرتا اندر آیا تو لاؤنج میں ذکیہ بیگم اس کے بال بنا رہی تھیں۔ ایک آنکھ اس کے بالوں پہ اور دوسری ٹی وی پہ شور کرتی کسی عورت پہ تھی۔ اس کے سلام کرنے پہ چونکیں، پھر مسکرا کر خوش دلی سے اسے خوش آمدید کہا۔ ساتھ ہی ملازمہ کو آواز دی کہ ناشتہ لائے۔

"تھینک یو نانی، میں ناشتہ کر کے آ رہا ہوں۔" اپنی ای کی خالہ سے شائستگی سے معذرت کرتے وہ صوفے پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھا۔

"ارے سعدی۔ تم؟" سارہ اندر سے پرس اور بیگ اٹھائے عجلت میں چلی آ رہی تھی، اسے دیکھ کر رکی، حیرت سے سوال کیا، ساتھ ہی دوسرے ہاتھ میں پکڑے کاغذ بیگ میں رکھے۔ وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

"آفس کے راستے میں سوچا، آپ سے ادھر مل لوں۔ پھر وہاں تو وقت ہی نہیں ملتا، باس!"

"کیا ہوا؟ خیریت؟" وہ سامنے آئی۔ بالوں کا فرنچ جوڑا بنائے، لمبی قمیص، دوپٹے اور کانوں میں ٹاپس پہنے سعدی کی پراجیکٹ ڈائریکٹر آفس کے لیے تیار لگ رہی تھی۔

"کل کے پروگرام کا پوچھنا تھا۔ آپ آئیں گی نا؟ زمر اور فارس کا نکاح ہے کل۔" بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتے اس نے احتیاط سے لفظ چنے۔ سارہ کے بیگ میں کاغذ گھسیڑتے ہاتھ ذرا کی ذرا ٹھٹکے پڑے، گردن موڑی۔ ادھر ادھر بھاگتی بچیوں کو دیکھا۔

"اپنے بیگز لو اور گاڑی میں بیٹھو۔ نفاف میں آ رہی ہوں۔" پھر چہرہ اس کی طرف پھیرا۔ ذرا پھیکا سا مسکرائی۔

"ہاں، ندرت آپا نے فون کیا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی سن کر۔ ہاں تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی۔ فارس کو رہا ہوئے ابھی تین ہفتے تو ہوئے ہیں۔ مگر... ضرور یہی اچھا ہو گا۔" سر ہلا کر کہتے اس نے موبائل بیگ کے زپ والے خانے میں رکھا۔

"آپ..... آئیں گی نا؟"

"اصل میں میری پلاننگ کمیشن کے کچھ عہدیداروں کے ساتھ کل میٹنگ ہے۔"

"کل اتوار ہے خالہ!"

"تو لنچ پہ ہے نا میٹنگ۔" (ذکیہ بیگم نے نفی میں تکان سے سر جھٹکا)
"آپ کو پتہ ہے میں پندرہ منٹ میں پلاننگ کمیشن والوں سے لنچ کی تاریخ اور وقت معلوم کر لوں گا۔"
"او کے سعدی!" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "میں نہیں آ سکوں گی۔"
"ہم لوگ آپ کی فیملی ہیں' آپ کو آنا چاہیے۔ میں جتنا سب کو جوڑ کر رکھنا چاہتا ہوں' اتنے ہی سب ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے شاکی نظروں سے سارہ کو دیکھا۔
"تمہیں پتا ہے میں گیدرنگز میں نہیں جاتی۔"
"مجھے یہ پتہ ہے کہ آپ فارس ماموں سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو دور رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" حیرت بھرے دکھ سے وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ قاتل نہیں ہیں' یو نو ڈیٹ!"
"مگر فارس وجہ ہے اس سب کی!" وہ قدرے بلند آواز سے بولی۔ آنکھوں میں درد' بے بسی' نمی' سب ایک ساتھ ابھرا۔ "اس کو پھنسانے کے لئے اس کے بھائی اور بیوی کو مارا گیا۔ فارس کا مطلب ہے "مصیبت" اور میں اپنے بچوں کو ہر قسم کی مصیبت سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جب ایک دفعہ کوئی مرجاتا ہے تو واپس نہیں آتا' بھلے تم اس کے لیے کتنے انتقام لیتے پھرو۔"
سعدی چند لمحے کے لیے خاموش رہ گیا' مگر پھر مضبوطی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ "یو نو واٹ' سب سے زیادہ مصیبت میں کون لوگ پڑتے ہیں؟ جو سب سے زیادہ مصیبتوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سی یو ان آفس۔" اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ ذکیہ بیگم کو سلام کرتا باہر نکل گیا۔
سارہ نے افسوس سے سر جھٹکا' پھر مڑی تو ذکیہ بیگم خفگی سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔
"امی' میں کسی لیکچر کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے کہا ہم نہیں جائیں گے تو نہیں جائیں گے۔" ان سے نگاہ ملائے بغیر وہ بیگ اٹھائے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ جب وہ باہر نکلی تو سعدی کی کار دور جا رہی تھی۔

* * *

قیس تھا لاجواب لیلیٰ بھی ...... جب سوال ایک کی بقا کا تھا

اتوار کی شام یوسف صاحب کے گھر پہ کوئی ایسی دھن فضاؤں نے بکھیر رکھی تھی جس میں نہ آواز تھی' نہ موسیقی' صرف کیفیت تھی۔ خوشی کی کیفیت۔ لاؤنج میں رونق سی لگی تھی گو کہ مہمان کوئی نہیں تھا' سب اپنے ہی لوگ تھے۔ ادھر سامنے صوفے پہ ندرت اور فارس کے کزن' جمال بھائی تھے۔ ان کی بیگم تھیں۔ سارہ کی والدہ ذکیہ خالہ تھیں۔ ان کے ہمراہ شنون کا جوڑا پہنے' عرصے بعد تیار سی ہوئی' ندرت بیٹھی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے ان لوگوں سے محو گفتگو تھیں۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر مقابل صوفوں کی سمت بھی دیکھ لیتیں' جہاں فارس بیٹھا تھا۔ اس نے آف وائٹ کرتا پہن رکھا تھا' تین ہفتے قبل جیل سے رہا ہوتے وقت کے بے حد چھوٹے بال' اب قدرے بڑھ کر اچھے لگ رہے تھے۔ البتہ خاموش تھا' سنجیدہ اور خاموش۔ بس گردن بڑے ابا کی طرف موڑے دھیان سے ان کی کوئی بات سن رہا تھا۔ بڑے ابا خوش تھے' دھیما مسکرا بھی رہے تھے۔ انہوں نے بھی آف وائٹ نئی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ تازہ دم اور صحت مند دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی فارس سے کوئی بات کہتے تو کبھی قریب بیٹھے نکاح خواں قاری صاحب سے۔ ایسے میں سیم ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے سب سے زیادہ اداس بیٹھا تھا۔ اگر ندرت اس کو غلطی سے دیکھ لیتیں تو بنا آواز کے ہونٹ ہلا کر پوچھنے لگ جاتا' "کھانا کب لگے گا؟" اور دو تین دفعہ تو ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔
راہداری سے آگے بڑھتے جاؤ تو زمر کے کمرے کا دروازہ آ جاتا۔ وہ بند تھا۔ اس کے پار اندر بھی گویا مصروف سا انداز لگتا تھا۔ حنین اپنے گلابی لمبے گاؤن میں ملبوس' کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' سر جھکائے' ڈریسنگ ٹیبل پہ کھلا میک اپ کا سامان ٹھیک کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اسی

لی لڑن فرزانہ کھڑی کچھ کہہ رہی تھیں۔ فرزانہ کے شوہر امجد بھائی جو زمر کے بھی کزن ہوتے تھے سعدی کے ہمراہ سامنے کاؤچ پہ بیٹھے تھے۔

سعدی جو بھورے کرتے میں ملبوس تھا' قلم کھولتے ہوئے نکاح کے کاغذات لئے کاؤچ سے اٹھا اور جھک کر انہیں زمر کے گھٹنوں پہ رکھا۔ جو ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھی ان کی طرح رخ کیے ہوئے تھی۔ اس نے ہلکے کام کی سفید لمبی میکسی پہن رکھی تھی۔ نیچے سلک کا پاجامہ ٹخنوں تک جھکے نظر آتا تھا۔ کامدار دوپٹے کے کناروں کی سبز پائپنگ اور کہیں کہیں سبز اسٹونز کے سوا' پورا لباس سفید تھا۔ بال سیدھے کر کے اونچا جوڑا بنا تھا جس پہ دوپٹہ ٹکا تھا' میک اپ ہلکا تھا' کانوں میں اور گردن میں ننھے ہیرے تھے۔ وہ خوبصورت لگ رہی تھی' اور پرسکون بھی۔ کافی سکون سے چہرہ جھکائے نکاح کے کاغذات کے صفحے پلٹائے' پھر کاجل سے گہری کی ہوئیں بھوری آنکھیں اٹھا کر سعدی کو دیکھا' اور سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''یہ کیا ہے؟'' امجد بھائی کی موجودگی کے باعث مسکرا کر پوچھا۔ وہ بھی شرارت سے مسکراہٹ دبائے اتنی ہی معصومیت سے بولا۔

''اسے نکاح نامہ کہتے ہیں۔''

''جی' مگر سعدی.... یہ سیکشن کاٹنے سے میں نے غالباً منع کیا تھا۔'' مسکرا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اشارہ حق طلاق کی جانب تھا۔

''یہ آپ کے والد کی خواہش تھی' جو مجھ جیسے تابعدار پوتے نے پوری کی۔ آپ کو کوئی اعتراض؟''

زمر نے گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''میرے والد سے کہیے' جس طرح میں نے کہا تھا' ویسا ہی نکاح نامہ تیار کر کے مجھے بھجوائیں' میں دستخط کر دوں گی۔'' کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔ سعدی نے مسکرا کر کاغذ کے بجائے اس کا ہاتھ تھاما' اسے آہستہ سے اسٹول سے اٹھایا' اور دروازے تک لے آیا۔ دروازہ کھولا' اور سامنے لاؤنج کا منظر دکھایا۔ یہاں سے بڑے ابا اور فارس نظر آرہے تھے کیونکہ وہ مرکزی جگہ پہ بیٹھے تھے۔

''آپ یہ بات اپنے والد کو خود جا کر کیوں نہیں کہہ دیتیں۔ کتنے خوش ہوں گے وہ سن کر' ہے نا؟'' اسی معصومیت سے سعدی نے زمر کو دیکھا۔ زمر نے اس طرف چہرہ کیا۔ ابا مسکراتے ہوئے فارس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ خوش' پرامید' پہلے سے جوان۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تماشا نہیں کر سکتی تھی۔ زمر نے گھور کر سعدی کو دیکھا۔

''تمہیں پتہ ہے' کسی کی مرضی کے برخلاف ڈاکومنٹ پہ دستخط کروانا کتنا بڑا جرم ہے؟''

''جی۔ تو آپ مجھے اس جرم میں گرفتار کیوں نہیں کروا دیتیں؟'' وہ پھر سے مسکرایا۔ زمر لب بھینچے وہیں کھڑی اسے گھورتی رہی۔ تبھی بڑے ابا کی بات سنتے فارس نے انہیں دیکھنے کے لئے سر اٹھایا' تو.... نگاہ پھسلی۔ راہداری کے سرے پہ کمرے کے کھلے دروازے پہ وہ سعدی کے ساتھ کھڑی تھی۔ نیم رخ نظر آتا تھا۔ دوپٹہ سر پہ ٹکا تھا اور۔ نیچے پاؤں تک گرتا میکسی کا فلیئر۔ وہ سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ فارس نے ایک نظر ادھر دیکھا' پھر فوراً چہرہ موڑ کر ابا کو دیکھنے لگا۔

''میں ابا سے حساب بعد میں لے لوں گی۔ اور یہ مت سمجھنا کہ ایک سیکشن کاٹنے یا نہ کاٹنے سے میرے حقوق پہ کوئی فرق پڑے گا۔'' دروازے میں کھڑے انگلی اٹھا کر دبی آواز میں اسے تنبیہہ کی۔ ''وکیلوں کو ایک ہزار ایک طریقے آتے ہیں اپنی مرضی کے مطابق قانون کو استعمال کرنے کے لئے۔'' خفگی سے اسے دیکھ کر مزنی اور رسمی مسکراہٹ کے ساتھ واپس اسٹول پہ آکر بیٹھ گئی۔ کمرے کے باقی لوگ اونچی آوازوں کے باعث ان کی گفتگو سے یکسر انجان رہے۔ وہ بیٹھی تو سعدی نے نکاح نامہ اس کے گھٹنوں پہ رکھا' اس کے قریب جھک کر اس نے دعائیہ کلمات پڑھے۔ قلم اس کے ہاتھ میں دیا۔

''کیا آپ زمر یوسف ولد یوسف خان' فارس غازی ولد ظہیر غازی کو دس لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں....'' وہ بڑا سنجیدگی سے عقد نکاح کی سطور پڑھ رہا تھا۔ زمر کا سر جھکا تھا' اور قلم انگلیوں کے درمیان تھا۔

"میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا۔ صرف ایک گولی۔ آئی ایم سوری زمر۔"

"قبول ہے۔" اس نے سر ہلا کر ہلکا سا کہا۔

"میں بے گناہ تھا میڈم زمر میں بے گناہ تھا۔"

"قبول ہے۔"

"میں.... معافی.... نہیں مانگوں گا۔"

"قبول ہے۔" آخری دفعہ کہتے اس کی جھکی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔ مگر اس نے وہ سب اندر اتار لی۔ دھڑا دھڑ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کیے۔ قلم اور کاغذات سعدی کی طرف بڑھائے۔ وہ کوئی دعا پڑھتے اٹھا، زمر کے سر پہ ہاتھ رکھا، جھک کر اس کے بال چومے اور کاغذات لئے امجد بھائی کے ہمراہ باہر نکل گیا۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر دیکھا تو حنین اسی طرح کھڑی تھی اور فرزانہ باجی اپنی بیٹی کے ہمراہ اسی طرح بولے جا رہی تھیں، مگر وہ جانتی تھی، کہ اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔

"مبارک ہو پھپھو۔" حنہ نے آہستگی سے نگاہ ملائے بغیر کہا تو زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ رخ واپس ڈریسنگ مرر کی جانب موڑا۔ اپنا عکس دیکھا۔ کامدار لباس میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔

ادھ کھلے دروازے سے باہر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایجاب وقبول کے الفاظ۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے جبرا مسکراتے وہ آوازیں سنیں۔ فرزانہ باجی اور ان کی بیٹی باہر نکل گئیں۔ حنین وہیں کھڑی رہ گئی۔ باہر دعا ہو رہی تھی۔

زمر نے جھک کر ڈریسر کا دوسرا دراز کھولا۔ دو ڈبیاں نکالیں۔ ایک سیاہ مخملیں ڈبی اور دوسری سرخ۔ پہلی ڈبی کھولی تو وہ اندر سے خالی تھی۔ سوائے ننھے سے کارڈ کے، جس پہ فارسی کے لکھے الفاظ کی سیاہی ابھی تک ویسی ہی تھی۔ حنہ نے ذرا چونک کر اسے دیکھا جو ساتھ ہی دوسری نئی ڈبی بھی کھول رہی تھی۔ اس کے اندر وائٹ گولڈ کی ننھی سی نتھ رکھی تھی۔

"دیکھو حنہ۔ ابا نے مجھے شادی کا کیا تحفہ دیا۔" زمر دو انگلیوں سے ناک کی لونگ اتارتے ہوئے بولی۔ یہ واپس رکھنی تھی اور نئی پہننی تھی۔ حنین ایک دم بے چینی سے سیدھی ہوئی۔

"آپ.... یہ مت اتاریں۔" اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے۔

لونگ کھولتے اس کے ہاتھ رکے۔ سوالیہ نگاہوں سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔ "کیوں؟"

"یہ.... یہ اچھی لگ رہی ہے۔ بس آپ یہ نتھ مت پہنیں۔"

"کیوں نہ پہنے؟" آواز پہ دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ ندرت بڑے ابا کی وہیل چیئر لا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے زمر کے قریب آئے، اس کے سر پہ ہاتھ رکھا، مدھم آواز میں کوئی دعا دی۔ حنین اس دوران بے چینی سے انگلیاں مروڑتی رہی۔

"ہاں تو کیوں نہ پہنے میری بیٹی میرا تحفہ؟" انہوں نے مصنوعی خفگی سے حنہ کو دیکھا۔

"کیونکہ.... یہ نتھ مجھے پسند آ گئی ہے۔ پھپھو کے پاس تو اس سے زیادہ قیمتی والی پہلے ہی ہے۔ یہ میں رکھ لوں ابا؟" لپک کر نتھ کی ڈبی اٹھائی اور معصومیت سے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔ بڑے ابا مسکرا دیے۔

"میں نے اپنی بیٹی کے لئے خریدی تھی۔ اب کون سی بیٹی اسے رکھے، یہ تم دونوں خود طے کر لو۔"

کہتے ساتھ انہوں نے زمر کے چہرے کو بھی دیکھا۔ وہ بھی نرمی سے مسکرا دی۔

"شیور حنہ۔ یہ تمہاری ہوئی۔" وہ ڈھیلی کردہ لونگ دوبارہ کسنے لگی۔ اور ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

"تمیز ہے تم میں؟ ابا نے زمر کو شادی کا گفٹ دیا ہے، کسی کا گفٹ لینا کہاں سے سیکھا ہے تم نے؟" غصے سے لال پیلی ہوتیں ندرت

کا بس نہیں چل رہا تھا وہ تھپڑ لگا دیں اسے۔

”تو باقی سب بھی تو ابا نے دیا ہے پھپھو کو۔ اب مجھے اچھی لگ گئی تو کیا ہوا؟“ وہ زور دھیمے پن سے کہتی دل ہی دل میں جز بز سی کھڑی رہی۔

(تم تو گھر پہنچو تمہیں سیدھا کرتی ہوں میں۔) ندرت نے اشارۃً مدعا سمجھا دیا۔ وہ ڈھیٹوں کی طرح دوسری جانب دیکھنے لگی۔ زمر سے ابا سے بات کر رہی تھی۔ پھر وہ مسکرا کر دوبارہ اسے کوئی دعا دیتے ندرت کے ہمراہ باہر کی طرف ہو لیے تو زمر اس کی طرف گھومی۔

”تو تم ناک سنوار رہی ہو؟ اچھا لگے گا تم پہ۔“ مسکرا کر کہتے وہ کھڑی ہوئی۔ ابھی بس چند منٹ میں اسے باہر جا کر مہمانوں کے سامنے بیٹھنا تھا۔ فارس کے ساتھ بیٹھنا تھا، وہ آئینے میں اپنا سراپا جانچتی کندھے سے دوپٹے کی پن درست کرنے لگی۔

حنین ڈلی کھول کر نتھ کو یونہی چھیڑنے لگی۔

اور یہ تبھی تھا جب ان دونوں نے وہ آواز سنی۔ کھلی کھڑکی کے باہر گھر کی چار دیواری تھی اور درمیان کی چار فٹ کی گلی میں سعدی موبائل پہ عجلت میں بات کرتا چلا آ رہا تھا۔ اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

”بس حلیمہ میں سوموار کو یعنی کہ کل صبح دس بجے آنا چاہتا ہوں۔ آ جاؤں۔۔؟“ وہ موبائل کان سے لگائے چہرہ جھکائے کہہ رہا تھا۔ حنین اور زمر بے اختیار اسے دیکھنے لگیں۔ نکاح کے فوراً بعد اتنے مصروف وقت میں بھی وہ کسی کو یوں باہر نکل کر کال کر رہا تھا۔ زمر آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتی کھڑکی کے قریب آئی۔

”او کے۔ پھر میں دس بجے پہنچ جاؤں گا۔ آپ....“ کہتے کہتے نگاہ اٹھائی تو کھڑکی کی جالی کے اندر دلہن بنی زمر کھڑی تھی۔ وہ ”آپ شام کو....“ کے بجائے ”آپ اوپر بتا دیجئے گا“ کہہ کر جلدی سے کال بند کر کے زمر کو دیکھ کر مسکرایا۔

”ہوں۔ تو یہ حلیمہ کون ہے؟“ اس نے شرارتی مسکراہٹ دبائے پوچھا۔ سعدی نے ”اف“ کے انداز میں بھنویں بھینچ کر اسے دیکھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایک میٹنگ کا ٹائم لے رہا تھا۔“

”اور کس سے میٹنگ؟ حلیمہ کے والدین سے؟“

”اللہ زمر۔ آپ بھی نا۔“ اس نے شرمندہ سے ہوتے ہوئے سر جھٹکا۔ ”مجھے واقعی اس کے باس سے ملنا ہے۔“

”اچھا تو کون ہے حلیمہ کا باس؟“ وہ اسی طرح مطمئن پرسکون سی پوچھ رہی تھی۔ سعدی نے سوچتے ہوئے تھوڑی کھجائی۔ کیا جواب دے! سات سالوں کی ساری یادیں اُمڈ کر آنکھوں کے سامنے آئیں اور پھر....

”وہ.... بس کام کا ایک سائنسدان ہے کام کے سلسلے میں ملنا تھا اس سے۔ آپ بھی نا۔“ اور بہت خفگی سے سعدی ذوالفقار یوسف خان نے جھوٹ بول دیا پھر واپس مڑ گیا یہ جانے بغیر کہ آج اس نے اپنی زندگی کی دوسری بڑی غلطی کر دی ہے۔ پہلی اسے کل عین اسی وقت رہی تھی۔

زمر مسکراہٹ دبائے اسے جاتے دیکھتی رہی اور حنین نے گہری سانس لے کر کندھے اچکا دیے۔

وہ دونوں اور لاؤنج میں بیٹھے مسکراتے بڑے ابا اور سنجیدہ سا بیٹھا فارس اور کھانا کھلنے کا انتظار کرتے تیم اور خوشی سے بار بار نم ہوتی آنکھوں کو پونچھتیں ندرت اور کچن میں بھاگ بھاگ کر کام کرتا صداقت وہ سب اس بات سے ناواقف رہے کہ ٹھیک تین گھنٹے اور بارہ منٹ بعد وہ سعدی یوسف کو کھو دیں گے۔

.... ※ ※ ※ ....

"آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا"

باب 11:

کیا میں ہوں اپنے بھائی کا رکھوالا؟

"اور ہابیل تھا بھیڑوں کا رکھوالا،
جبکہ قابیل تھا کھیت کا کسان۔
اور گزرتے وقت کے ساتھ ایسا ہوا کہ،
قابیل لایا اپنے باغ کا پھل (قدرے کم تر پھل)
قربانی کے طور پہ اپنے رب کے لیے،
اور ہابیل لایا اپنے ریوڑ کے اول زاد، صحت مند بھیڑ،
اور خدا نے عزت دی ہابیل اور اس کی قربانی کو،
مگر قابیل اور اس کی قربانی کو عزت نہ بخشی۔
پس قابیل بہت غضبناک ہوا،
اور اس کا چہرہ بجھ گیا۔
تو پکارا خدا نے قابیل کو،
'کہ کیوں ہو تم غصے میں؟ کیوں بجھ گیا ہے تمہارا چہرہ؟
اگر تم (خالص) نیکی کرو گے، تو کیا وہ قبول نہ کی جائے گی؟
اور اگر تم نہیں کرو گے (خالص) نیکی،
تو گناہ تمہاری چوکھٹ پہ گھات لگائے بیٹھا ہے۔
اور تم اس کی خواہش کے تابع ہو گے۔'
اور قابیل بات کرنے لگا اپنے بھائی ہابیل سے،
اور ایسا ہوا کہ جب تھے وہ دونوں کھیت میں،
تو قابیل اٹھ کھڑا ہوا اپنے بھائی ہابیل کے مد مقابل،
اور قتل کر ڈالا اسے۔
پس پوچھا خدا نے قابیل سے،

''کہاں ہے تمہارا بھائی ہابیل؟''
تو وہ کہنے لگا،
''مجھے نہیں معلوم۔ کیا میں ہوں اپنے بھائی کا رکھوالا؟''
اور اس پہ خدا تعالیٰ نے فرمایا
''یہ تم نے کیا کر ڈالا؟
تمہارے بھائی کے لہو کی آواز
مجھے زمین کے اندر سے پکار رہی ہے!
اور اب تم ملعون ہو اس زمین میں
جس نے اپنے لب کھول کر
تمہارے بھائی کا خون
تمہارے ہاتھ سے جذب کرلیا ہے۔
اب جب تم کھیتی باڑی کرو گے،
تو یہ زمین تمہیں نفع نہیں دے گی۔
ایک مفرور اور آوارہ گرد کی طرح
بھٹکتے پھرو گے تم اس زمین پہ''
پس کہا قابیل نے خدا سے،
''میری سزا میری برداشت سے بہت زیادہ ہے!''
(تورات)

عقد نکاح ہو چکا تھا۔ زمر کو اندر سے لایا گیا تو ایک طرف سیم اور دوسری طرف سعدی تھا۔ اس نے سعدی کی کہنی تھام رکھی تھی اور اسی طرح قدم بقدم چلتی، نرم مسکراہٹ کے ساتھ آگے آ رہی تھی۔ وہاں موجود تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ فارس بھی۔ وہ زمر کے چہرے کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں سعدی کی کہنی تک تھیں۔ زندگی پیچیدہ ہو گئی تھی۔

زمر کو اس کے ساتھ بٹھا دیا گیا تو وہ بھی اسی سنجیدگی سے بیٹھ گیا۔ بظاہر وہ ندرت کی طرف متوجہ تھا جو اس سے کچھ کہہ رہی تھیں مگر انکھیوں سے اس کا نیم رخ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دوپٹہ اور پھر گھٹنوں سے نیچے میکسی کا فلیئر درست کرتی، مسکرا کر کسی رشتے دار کی مبارکباد کا جواب دے رہی تھی۔ اس نے میک اپ ہلکا کر رکھا تھا، اور عام حالات میں (اپنی پرکشش شخصیت سے ہٹ کر دیکھو تو) وہ جو محض متناسب شکل و صورت کی مالک تھی، آج واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

اب ندرت جھک کر زمر کو کچھ کہنے لگیں۔ آنکھیں نم تھیں جن کو وہ بار بار پونچھتیں۔ وہ جواب میں نرم مسکراہٹ سے سر اثبات میں ہلاتی رہی۔

مبارک، سلامت، مٹھائی۔ اس مختصر سی تقریب کا آخری جز مکمل ہو چکا تو صداقت دوسرے ملازموں کے ساتھ کھانا لگانے لگ گیا۔ سیم نے صوفے پہ بیٹھے بیٹھے گردن اونچی کر کے آتے جاتے ملازموں کی ٹرے دیکھنی چاہی تو حنین نے ہاتھ دبا کر اسے ٹھنڈا کیا۔
''یہ چاول اور چکن ہے۔ اتنی محنت نہ کرو۔ باربی کیو آخر میں ہے۔ میں پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔'' اطمینان سے اطلاع دی۔ وہ فارس

اور زمر کے صوفے کے قریب بیٹھی تھی۔ درمیان میں صرف بڑے ابا کی وہیل چیئر تھی۔

دفعتاً بڑے ابا حنین کی طرف چہرہ کر کے کہنے لگے۔ ”لڑکی! کیا تم وہ نوز رنگ پہنو گی بھی سہی یا ایسے ہی لے لی میری بیٹی سے؟“

”اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی اس بات پہ غیرت میں آ کر میں وہ نتھ واپس کر دوں گی تو ایسا نہیں ہونے والا۔ میں نارمل نہیں ہوں، میں حنین ہوں۔ پھپھو پہ یہی لونگ سوٹ کرتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ اسے اتاریں۔“ وہ بڑے ابا کی جانب چہرہ جھکا کر، آنکھیں گھما کر بولی، اور فارس نے بے اختیار اس کو دیکھا۔ مگر حنین نے بھرپور کوشش کی کہ وہ فارس کی طرف نہ دیکھے۔ شاید اسے ہنسی آ جاتی۔ شاید ڈھیر سارا رونا۔

ندرت نے بھی سن لیا تھا۔ کافی ملال سے (اور حنہ کو گھورتے ہوئے) اس کی اس ”ڈھٹائی“ کو تفصیل سے بیان کرتے افسوس کرنے لگیں۔ فارس نے اپنے پیر کے انگوٹھے کو دیکھتے پوری بات سنی۔ مگر چپ رہا۔ زمر نری سے اتنا ہی بولی۔ ”حنہ ٹھیک کہہ رہی ہے بھابھی۔ مجھے یہ لونگ بہت پسند ہے، میں اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتی۔“

فارس کا سر جھکا تھا، گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی نمایاں ہوئی۔ حنین بال کان کے پیچھے اڑستی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”یہ کہاں سے بنوائی تھی؟“ فرزانہ باجی زمر کے اس طرف بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”یہ میری ایک اسٹوڈنٹ نے مجھے دی تھی۔ آپ کو پتہ ہے نا، بچیاں اپنی ٹیچرز کو ایسے گفٹس دینے کے لیے کریزی ہوتی ہیں، میں ہمیشہ واپس کر دیتی ہوں، مگر یہ رکھ لی۔“ وہ جو واقعتاً اس لونگ کے حسب نسب سے نا واقف تھی، سادگی سے ان کی طرف چہرہ کیے بتانے لگی۔

کھانا لگ چکا تھا۔ اشتہا انگیز خوشبو ہر سو پھیلی تھی۔ باتوں، مسکراہٹوں کے شور میں فارس بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ نگاہیں سامنے میز پہ جمی تھیں۔ پہلو میں بیٹھی زمر اپنا کامدار دوپٹہ درست کر رہی تھی۔ سیم نے کھانے کے لیے جاتے، اس کے گھٹنوں پہ پھول لا کر رکھے تھے ایک کلی سے اس کے دوپٹے کا کام اڑ گیا تھا۔ وہ الجھے تاروں سے اس کو نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بار بار ٹہنی کو کھینچتی، مگر وہ الگ نہ ہو پاتی۔ وہ بے اختیار گردن جھکا کر دیکھنے لگا۔ وہ غلط سمت سے کھینچ رہی تھی اور مسلسل حرکت پہ فارس کو اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور ٹہنی کھینچ لی۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ نگاہیں ملیں۔ اس کی رسمی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ چہرے پہ برہمی آئی۔

”مجھے آپ کی کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔“ دبی دبی سی وہ بولی اور سختی سے کامدار دوپٹہ چھڑایا۔ ”جب تک زندہ ہیں، یاد رکھیے گا۔“ اور قدرے دوسری طرف سرک گئی۔ چونکہ کھانا ڈال کر اکا دکا لوگ ادھر ہی آ رہے تھے تو وہ اگلے ہی لمحے چہرے پہ پھر سے مسکراہٹ لے آئی۔

فارس نے کچھ نہیں کہا، محض لب بھینچے سامنے دیکھنے لگا، جہاں میز کے گرد کھڑے لوگ جھک کر کھانا نکال رہے تھے۔ منظر تبدیل ہونے لگا۔ فضائیں بدلیں۔ وقت چند سال پیچھے گیا۔ یونیورسٹی کی لائبریری میں اس شام کا منظر نمایاں ہوا۔ اس منظر پہ ایسی زردی چھائی تھی، جیسے پرانی کتابوں میں ملنے والے سوکھے پھولوں پہ چھائی ہوتی ہے.....

لائبریری کی کھڑکی سے باہر اترتی شام گہری ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کونے والی میز پہ گھنگریالے بالوں والی لڑکی بیٹھی، چہرہ جھکائے کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ، پہلی کرسی پہ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا زمر کے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ جھکے چہرے کے باعث ایک گھنگریالی لٹ کاغذ کو چھو رہی تھی۔

دفعتاً ساتھ رکھا چھوٹا، پرانا نوکیا ذرا سا بج کر خاموش ہو گیا۔ زمر نے قدرے کوفت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”ایک تو لوگ صرف مسڈ کال کیوں دیتے ہیں؟“ وہ بڑبڑائی۔ موڈ آف تھا اور تھکن زدہ لگتی تھی۔ موبائل اٹھا کر کال ملائی اور اسے کان پہ لگایا۔ قلم انگلیوں میں گھماتی، منتظر خاموشی سے سنتی گئی۔ پھر کمپیوٹرائزڈ آواز آئی تو اس کی آنکھوں میں ڈھیروں بے زاری اتر آئی، (بیلنس ختم)۔ جھنجھلا کر فون کان سے ہٹایا اور پرس میں ہاتھ ڈالا۔

”انسان کا فون خراب نہ ہو بس!“

''یہ کس کا فون ہے؟'' وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری امی کا۔ پری پیڈ ہے۔'' پرس سے ایک کارڈ نکالا۔ ''میں پوسٹ پیڈ استعمال کرتی ہوں' وہ خراب تھا تو عارضی طور پہ یہی سہی۔'' وہ اتنی لمبی' غیر ضروری بات اس سے نہیں کیا کرتی تھی' یہ اب بھی بس برے موڈ میں بول گئی۔ کارڈ نکالا' اور چہرہ جھکائے' اس کی سلور کوٹنگ' ناخن سے رگڑنے لگی۔ فارس کے ابرو بھینچے۔ قدرے غیر آرام دہ سا وہ آگے ہوا۔

''یہ.....'' اور متذبذب سا رکا۔ زمر نے رگڑتا ناخن روک کر آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی؟''

''یہ ناخن سے نہیں اسکریچ کرتے۔ ادھر لائیے۔'' جیب سے چابی نکالتے ہوئے دوسرا ہاتھ بڑھایا۔ زمر نے ایک نظر اس کے ہاتھ پہ ڈالی' دوسری کارڈ پہ' اور پھر کارڈ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ فارس چابی نکال کر اٹھا اور کارڈ اسکریچ کرتے چند قدم آگے چلتا گیا۔ لائبریرین کی ٹیبل تک رکا' باکس سے دو ٹشو نکالے' اور واپس آیا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ٹشو اس کی طرف بڑھائے۔

''ناخن صاف کرلیں۔ یہ کوٹنگ صحت کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔'' زمر نے ٹشو پکڑ لیے' اور پھر ناخن صاف کرتی اس کو دیکھے گئی۔

وہ اب اس کا موبائل اٹھائے' کارڈ سے نمبر دیکھ کر ٹائپ کر رہا تھا۔ ری چارج کر کے موبائل اس کے سامنے رکھا۔ پھر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ متذبذب سی اسے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ بولی نہیں تو فارس کو کہنا پڑا۔

''اب ملا لیجئے کال!''

زمر نے کچھ کہے بنا پرس میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نکال کر سامنے رکھا۔ فارس نے چونک کر دیکھا۔ وہ پاسٹ میں لپٹے نو کارڈ کی اسٹرپ تھی۔ ان میں سے دسواں کارڈ وہ تھا جو اس نے ابھی ابھی فیڈ کیا تھا۔ کارڈز اٹھاتے ہوئے' چابی دوبارہ جیب سے نکالتے وہ مسکرا دیا' اور زمر..... وہ سر جھٹکتے ہوئے ہنس دی۔

''تھینک یو۔ مجھے یہ..... انگوٹھے کا ناخن اٹھا کر بتایا'' ..... ناخن سے نہیں کرنا۔ جب تک زندہ ہوں' یاد رکھوں گی۔''

زردوزمانوں کی شام وقت کی دھول میں مدھم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ نئے اور رنگین مناظر اطراف میں ابھرنے لگے۔

باتیں' قہقہے' برتنوں کی آواز۔ کھانے کی خوشبو۔ وہ سر جھٹک کر واپس حال میں آیا۔ تقریب جاری و ساری تھی۔

❖ ❖ ❖

کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے ..... رات گئے تک کیوں جاگے ہو؟

قصر کاردار کے اونچے ستون رات میں بھی روشن نظر آتے تھے۔ ایسے میں فینونا لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی اور نوشیرواں کے کمرے کا دروازہ بجا کر کھولا۔ نوشیرواں اندر نہیں تھا' غالباً باتھ روم میں تھا۔ مدھم بتی جل رہی تھی۔ وہ پانی کی بکٹ لئے بالکونی کی سمت باہر نکل آئی۔ باری باری پودوں کو پانی دیا۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر انیکسی کی سمت بھی دیکھ لیتی جہاں سفید پاؤں کو چھوتے لباس والی دلہن کو ایک خاتون ہاتھ سے پکڑ کر گاڑی سے باہر لا رہی تھیں۔ فینونا نے اشتیاق سے گردن اونچی کر کے دیکھنا چاہا مگر دلہن کی پشت تھی۔ وہ مایوس ہو کر اندر آگئی۔

واپس جاتے جاتے اسٹڈی ٹیبل تک ٹھہری۔ وہاں کاغذ کی کھلی پڑیا رکھی تھی۔ اس پہ سفید دانے دار شے رکھی تھی۔ اس نے ٹھٹھک کر اس پڑیا کو دیکھا۔ بے اختیار استعجابیہ ابرو اٹھائی۔ تبھی باتھ روم کا دروازہ کھلا۔ فینونا چونک کر اس طرف دیکھنے لگی جہاں سے وہ آ رہا تھا۔ ملگجے لباس اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بہت ست سا لگ رہا تھا۔ فینونا نہیں ملی' وہیں کھڑی رہی۔ نوشیرواں اسے دیکھ کر چونکا' فوراً سے پڑیا کو دیکھا۔ پھر ابرو تن گئے۔ بے زاری سے سر جھٹکا۔

''جاؤ' جا کر بتا دو ہاشم بھائی کو کہ میں نہ ڈرگز لے رہا ہوں۔''

فیونا نے تھوک نگلا، بظاہر مسکرائی۔

''اگر میں گھر کے ایک فرد کی بات دوسرے کو بتانے والی ہوتی تو مسز کاردار مجھے پہلے دن ہی نکال دیتیں سر۔ میں آپ کی ملازمہ ہوں' آپ نے حکم کی پابند ہوں۔'' تابعداری سے سر جھکا کر وہ بولی تو شیرو مشکوک نظروں سے اسے گھورتا رہا' پھر اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ چابی کے لوہے سے ٹکڑوں کو چورہ چورہ کرنے لگا۔

''سر کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟'' قدرے ہمدردی سے اس نے ڈرگ پیتے شیرو کے ہاتھوں کو دیکھا۔

''مجھے کسی کی مدد کی کیا ضرورت؟'' بے پرواہی سے شانے اچکائے مگر آواز میں اداسیاں گھل رہی تھیں۔ ''میں نوشیرواں کاردار ہوں' بھائی کہتا ہے تم ایک بڑے خاندان میں پیدا ہونے والے بڑے انسان ہو۔ میں کیوں مدد مانگوں گا کسی سے؟'' وہ جیسے خود پہ طنز کر رہا تھا۔ فیونا بکٹ پکڑے فکرمندی سے بھنویں سکیڑ ے دو قدم آگے آئی۔

''آپ کو ایسے نہیں سوچنا چاہیے۔ آپ واقعی ایک بڑے انسان ہیں۔'' فیونا نے بک کر مزید خوبیوں والے سابقے لاحقے جوڑنے کی کوشش کی مگر.... شیرو کی کوئی خوبی یاد نہیں آ رہی تھی۔

''ہونہہ۔'' سر جھکائے' چابی سے پاؤڈر پیتے' اس نے استہزا سے سر جھٹکا۔ ''پتہ نہیں۔ کون تھا سے کون جھوٹا۔ ممی نے میرا نام نوشیرواں رکھا۔ جانتی ہو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟''

فیونا نے نفی میں گردن ہلائی۔

''بادشاہ۔ سپر ہیرو۔ ہونہہ۔'' پھر سر جھٹکا۔ بے اختیار ایک منظر یاد آیا۔

کور با جا کر اغوا کا ڈرامہ کرنے سے چند دن قبل حنین کو دیے جانے والے ڈنر میں جب سب لاؤنج میں بیٹھے تھے تو جواہرات نے ندرت کی کسی بات کے جواب میں کہا تھا۔ ''مجھے نہیں لگتا مجھے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام سے زیادہ کوئی نام پسند ہے۔ نوشیرواں۔ ایک بڑا بادشاہ۔ ایک بڑا ہیرو۔ سپر ہیرو۔'' فخر سے گردن تن کر نوشیرواں کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں مسکرا کے بولی تھی۔ وہ بھی ذرا سا مسکرایا۔

اور وہ تیز طرار لڑکی۔ وہ شدید ارٹی ٹیٹنگ حنین' وہ فوراً سعدی کے قریب جھکی اور کان میں سرگوشی کی۔ ''بھائی' اگر یہ لوزر سپر ہیرو ہے تو میں تو پھر بیٹمین آف نیا کے ہوں۔'' اور سعدی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روک کر اس کو چپ رہنے کو کہا' کیونکہ نوشیرواں قریب ہی بیٹھا تھا۔ اور اس نے سن لیا تھا.....

''میرے نام سے لے کر میری شخصیت تک' میری ہر چیز کا مذاق بناتے ہیں وہ دونوں۔'' چابی زور زور سے پاؤڈر پہ دبا تا وہ کہہ رہا تھا۔ ''یونیورسٹی سے لے کر اب تک وہ سعدی وہ ہمیشہ میرا کمپیٹیشن بنا رہتا ہے۔ ممی کی نظر میں' ہاشم بھائی کی نظر میں' وہ بہت اعلیٰ چیز ہے اور میں کیا ہوں؟ ایک لوزر؟'' اس کی آواز سے اکتاہٹ مفقود ہو کر دکھ میں بدلتی جا رہی تھی۔ فیونا تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''اس نے میرا ہر رشتہ خراب کیا ہے۔ ممی کو میری شکایت لگاتا تھا' تب سے اب تک' ممی میری طرف سے ان سکیور رہتی ہیں۔ ہاشم بھائی کو وہ اغوا والی بات بتائی' وہ آج تک مجھ پہ بھروسہ نہیں کرتے' کبھی میرا فون لے لیتے ہیں' کبھی مجھے جھڑک کر کہتے ہیں کہ شیرو' تم کچھ نہیں کرو گے' جیسے میں تو اب قابل اعتبار رہا ہی نہیں۔ پتہ نہیں کیا کر بیٹھوں۔'' چابی پرے ڈالی اور گہری سانس لے کر ٹیک لگا لی۔ چہرہ اب بالکونی کے دروازے کی طرف تھا' اور وہاں سے آتی روشنی میں اس کی آنکھوں میں کچھ جھلکتا دکھائی دے رہا تھا۔

''اور میرے ڈیڈ... اس نے ڈیڈ اور میرے درمیان اتنا فاصلہ پیدا کر دیا کہ میں ان کی منتیں کرتا رہا وہ مجھے معاف کر دیں' مگر وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتے تھے۔۔۔'' اس نے آنکھیں بند کیں' زخم پھر سے تازہ ہوئے۔ ''اس رات تو میں نے سوچ لیا تھا' آج سونے سے پہلے

میں ان کے پاس جاؤں گا' ان کے گلے لگ جاؤں گا' اور... اور اس دفعہ وہ مجھے معاف کر دیں گے' اور اسی رات فیئو نا میرے ڈیڈ مر گئے۔"

فیئو نا کو احساس ہوا کہ بے خودی کے عالم میں بند آنکھوں سے بولتا شیرو غالباً منشیات کے زیرِ اثر ہے۔ اسٹڈی ٹیبل کے قریب ڈسٹ بن میں خالی پڑیاں تازہ تازہ گرائی نظر آ رہی تھیں۔

"اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ مجھ سے ناراض تھے۔ مجھے لگا سعدی اس سے بڑا نقصان مجھے نہیں پہنچا سکتا۔ مگر....." زرب بڑھا۔ "اس نے پہنچایا۔ وہ لڑکی جسے میں پسند کرتا ہوں' اس نے اسی کو بلیک میل کیا' اور پھر میرے اور اس کے رشتے کو اتنا پیچیدہ کر دیا کہ ہاشم بھائی اور ممی....." آنکھیں کھولیں' نفی میں سر ہلایا۔ "اب وہ کبھی مجھے اس لڑکی کے ساتھ تعلق رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ سعدی نے میرے ہر رشتے کو خراب کیا ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" وہ ست ڈھیلے انداز میں نفی میں سر ہلاتے کھڑکی کو دیکھتے کہے جا رہا تھا۔

"ایک دن میں اس سے انتقام لوں گا۔ ہر چیز کا انتقام۔" ذرا دیر کو ٹھہرا۔ "اب تم جاؤ فیئو نا۔ اور دوبارہ شکل مت دکھانا مجھے۔"

فیئو نا قدرے گڑبڑا کر جی اچھا کہتی باہر نکل گئی۔ نوشیرواں کرسی پہ بیٹھا اسی طرح باہر کی روشنی کو دیکھتا رہا جو کمرے کا اندھیرا دور کرنے کے لئے اب بھی ناکافی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

خود کو بکھرتے دیکھتے ہیں، کچھ کر نہیں پاتے ..... پھر بھی لوگ خداؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

وہ کتنی ہی دیر ادھر بیٹھا رہا۔ پھر مدھم سی دستک ہوئی تو اٹھا۔ انداز پہچانتا تھا' سو سائیڈ ٹیبل سے ماؤتھ فریشنر اٹھا کر منہ میں اسپرے کیا اور چہرے پہ بشاشت لا کر دروازہ کھولا۔

ہاشم کافی کا مگ پکڑے سامنے کھڑا تھا۔

"سعدی نے میری سیکرٹری کو فون کیا ہے۔ وہ صبح آئے گا ہم سے ملنے۔ ہم تینوں کو وہاں ہونا چاہیے۔ ایک خاندان کی طرح، ہوں؟"

مگ سے گھونٹ بھر کر اسے نیچے کرتے ہوئے سنجیدگی سے تاکید کی۔ وہ مطمئن اور پُر اعتماد لگ رہا تھا۔ نوشیرواں نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تیار رہوں گا۔"

"گڈ!" اس کی نگاہوں اور الفاظ کے "عجیب" سے انداز کو وہ محسوس کرتا مگر جیب میں رکھا موبائل بجا۔ وہ پیغام چیک کرتا اپنے کمرے تک آیا۔ مگ اور فون اسٹڈی ٹیبل پہ دھرا اور بالکونی کے دروازے میں کھڑی سونی کو پیچھے سے آ کر بازوؤں میں اٹھایا' اس کا گال چوما اور چہرہ اپنی طرف کیا۔ وہ گردن پیچھے پھینک کر ہنسنے لگی۔

"بابا... ادھر کون آیا ہے؟" چہرہ سیدھا کر کے اس نے چمک دار شرارتی آنکھوں سے پوچھا۔ ہاشم نے بالکونی کے پار دیکھا جہاں رات اتر چکی تھی اور نیچے ایکسی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ ایک کار واپس جا رہی تھی۔ سعدی کی کار۔ اور برآمدے میں سفید کرتے میں کھڑا فارس کار کو جاتے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم مسکرایا۔

"ہماری فیملی میں ایک ناخوشگوار اضافہ۔ صبح ملاقات کریں گے ان سے بھی۔" وہ بھی محظوظ سا ہو کر خود سے بولا اور سونیا کو اٹھائے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا' جہاں لیپ ٹاپ کھلا تھا' اور چند فائلز اس کی منتظر تھیں۔

"بابا اب کام کریں گے اور سونی اب سونے جائے گی' ٹھیک۔" وہ کرسی دھکیل کر بیٹھتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا جب موبائل بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر ہاشم نے بے چینی سے اسے اٹھایا۔

"ہاں خاور۔"

"آپ درست تھے۔ سعدی فرشتہ نہیں ہے۔ مجھے کچھ ملا ہے۔" دوسری طرف خاور بولتا جا رہا تھا اور ہاشم مسکرا کر سنتا گیا۔ پورے جسم و جاں میں گویا سکون سا پھیل گیا۔

"زبردست خاور۔ تم نے ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا کہ تم میرے لیے کتنے اہم ہو۔ کل ہم ایک ساتھ اس لڑکے کو کنفرنٹ کریں گے۔" مسکرا کر اس نے موبائل رکھ دیا۔

دیوار کے پار نوشیرواں اپنے کمرے میں ڈریسنگ روم کے سامنے کھڑا تھا۔ وارڈ روب کھلا تھا۔ ٹائی ریکس، کف لنکس۔ کوٹ۔ ٹراؤزرز۔ اس نے آہستہ آہستہ ہر ریک سے ایک ایک چیز چننی شروع کی۔ ٹام فورڈ کا سوٹ، بیری، وژن کی شرٹ Zegna کی ٹائی۔ لباس کا چناؤ کر کے اسے سامنے لٹکایا۔ پھر اسی خاموشی سے ایک الماری کا پٹ کھولا۔ اندر سیف نصب تھا۔ اس نے کوڈ دبایا تو ننھا دروازہ باہر کو کھلا۔ شیرو نے ہاتھ اندر ڈال کر نکالا تو اس میں ایک Glock کی سیاہ چمکتی پستول (گن) تھی۔ G-41۔ برانڈ تازہ ماڈل۔ اس نے گولیاں نکالیں اور انہیں میگزین میں بھرنے لگا۔

ایک......دو......(تم نے دو کچرے کے ڈبے دیکھے ہیں جن پہ یوزی لکھا ہوتا ہے؟)

پانچ......چھ......(ہاں نوشیرواں میرے بہن بھائی نے تمہارے جیسی چیزیں کم ہی دیکھی ہیں)

دس......گیارہ......(تمیز سے بات کرو میری بہن سے، چلو دفع یہاں سے)

بارہ اور یہ ہوئے مکمل تیرہ۔ بھرا ہوا پستول اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس بھاری ادبے کے ہاتھ میں آ جاتے ہی جسم میں گویا کرنٹ سا دوڑنے لگا۔ گردن مزید اکڑ گئی۔ لبوں پہ تنفر بھری مسکراہٹ آ گئی۔

"نہیں ہاشم بھائی۔ آپ سعدی یوسف کو نہیں سنبھال سکتے۔" پستول پہ نظریں جمائے وہ خود سے بڑبڑایا۔ "یہ وہ مسئلہ ہے جسے میں خود سنبھال لوں گا۔ کل کا دن اس کا اس دنیا میں آخری دن ہوگا۔ بس بہت ہو گیا۔"

ایک مضبوط عزم کے ساتھ اس نے کل کے لباس کے اندر پستول رکھا اور پھر بستر کی طرف چلا گیا۔

..................❊ ❊ ❊..................

یہ قرب کیا ہے کہ تو سامنے ہے اور ہمیں ...... شمار ابھی سے جدائی کی ساعتیں کرنی

جس وقت ہاشم اور نوشیرواں اپنے اپنے ارادوں کو سوچنے میں مصروف تھے انیکسی کے باہر سے سعدی کی کار گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ فارس برآمدے میں کھڑا الوداعی انداز میں ان کو جاتے دیکھتا رہا۔

اندر گھر میں سناٹا تھا۔ اس کا گھر زمر کا سامان برسٹ ترتیب دے کر مارے کام ختم کر کے ندرت جو رخصتی کے ساتھ ہی ادھر آ گئی تھیں اب ان گاڑی میں بیٹھی واپس جا چکی تھیں اور پیچھے گھر بالکل خاموش اور ویران سا ہو گیا تھا۔ لاؤنج میں کھڑے فارس نے گردن اٹھا کر اوپر جاتے لکڑی کے گول زینے کو دیکھا جس کے اختتام پہ دو بیڈ روم تھے۔ ایک وہ جو کبھی فارس اور زرتاشہ کا ہوا کرتا تھا اور دوسرا وہ جس میں اس وقت وہ بیٹھی تھی۔

وہ گہری سانس لے کر قدم قدم زینے چڑھنے لگا۔ لکڑی پیر کے نیچے ہلکی سی چٹخی۔ خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ اوپر آیا۔ "اس" کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر زرد روشنیاں جل رہی تھیں۔ سنگھار میز اور دوسری دو میزوں پہ پھولوں کے تین بو کے رکھے تھے۔ وہ بھی سعدی نے رکھے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی شے ایسی نہ تھی جو سجاوٹ کہلائی جا سکتی تھی۔

چوکھٹ میں کھڑے ہو کر اس نے دیکھا۔

بیڈ خالی تھا۔ نگاہیں آگے پھسلیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھی تھی۔ فارس کی طرف پشت تھی۔ مگر آئینے میں اس کا عکس دکھائی
دیتا تھا اور چوکھٹ میں کھڑا فارس بھی نظر آتا تھا۔ وہ مصروف سی بندے اتار رہی تھی۔ کامدار دوپٹہ سر پہ تھا اور آنکھوں کا کاجل اب بھی تازہ تھا۔
''سب جا چکے ہیں۔'' وہ وہیں کھڑے کھڑے ہلکے مگر سپاٹ انداز میں بولا۔ ''آپ کا سامان میں نے ادھر رکھوا دیا تھا۔ کچن نیچے
ہے اور اس میں تقریباً سب کچھ موجود ہے۔ آپ کی ڈریسنگ ٹیبل پہ اس گھر کی ڈپلی کیٹ چابیاں پڑی ہیں آپ کے لئے۔ سوائے....'' وہ
''نیچے والے کمرے کے۔ اس کے لاک کی چابی میرے پاس ہوگی۔ اس میں میری بیوی کی بہت سی چیزیں ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ان کو کسی بھی
طرح کا کوئی نقصان پہنچے۔ باقی پورا گھر آپ کا ہے۔ جو چاہے کریں۔''
وہ آئینے میں خود کو دیکھتے دوسرا بندہ اتار رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوا تو اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ ''میں نے کچھ بھی نہیں
مانگا۔ آپ اپنے الفاظ ضائع نہ کریں۔'' بندہ اتار کر چہرہ جھکائے اسے جیولری باکس میں رکھا۔
فارس چند لمحے لب بھینچے خاموش کھڑا رہا۔ پھر جانے کو مڑا اور جیسے نہ چاہتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ کو کوئی چیز چاہیے؟''
زمر نے چہرہ سیدھا کیا، اور ٹکا اتارنے لگی۔
''صرف یہی کہ میرے سامنے کم سے کم آیا کریں۔ مجھے بہت کچھ یاد آنے لگتا ہے۔''
فارس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری جو اس نے بمشکل ضبط کی۔ ''ایسے بات مت کیجئے جیسے آپ مجھے جانتی ہیں۔''
ٹکا اتارتے اس کے ہاتھ رکے۔ وہ اسٹول سے اٹھی، اس کی جانب گھومی، آنکھوں میں چبھن لیے اسے دیکھا۔ ''میں جتنا آپ کو جانتی
ہوں، اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔''
''اور پھر بھی آپ نے مجھ سے شادی کر لی؟''
''آپ کو پتہ ہے میں نے آپ سے کیوں شادی کی ہے!'' وہ بھی اتنی ہی بے زاری سے کہہ کر گھوم گئی، اور آئینے میں دیکھتی تکا
اتارنے لگی۔
''مجھے نہیں معلوم تھا آپ اتنی خائف ہیں۔'' چوکھٹ میں کھڑے، سینے پہ بازو لپیٹے، وہ اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا تھا تو زمر نے
بندا اتارتے ہوئے اس کے عکس کو تیز نظروں سے گھورا۔
''آپ اس سب کے حقدار ہیں۔ یہ مت سمجھئے کہ جیل سے نکلنے کے بعد آپ کی سزا ختم ہوگئی ہے!''
''اچھا!'' اس نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''ویسے کیا کریں گی آپ میرے ساتھ، مجھے بھی تو بتایئے۔'' دیوار سے ٹیک لگائے، وہ
اس کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔
''میرا اور اپنا وقت ضائع مت کیجئے، اور جایئے یہاں سے۔ اگر آپ کچھ دیر مزید یہاں ٹھہرے تو خدا کی قسم میں....'' دبے دبے
غصے سے اس نے ایک نظر فارس پہ ڈالی اور دوسری پھلوں کی ٹوکری میں رکھی چھری پہ ''....کچھ کر بیٹھوں گی!''
فارس نے چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ آنکھوں میں افسوس در آیا۔
''گڈ نائیٹ!'' کہہ کر وہ ایک قدم پیچھے ہٹا۔ نظریں ابھی تک اس پہ تھیں۔ وہ ان الفاظ پہ تیزی سے چوکھٹ تک آئی، دروازے کا
ہینڈل پکڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ''گڈ نائٹ فارس۔'' کہہ کر دروازہ زور سے بند کیا۔ لاک کے دو کلک ہوئے اور اندر سے مقفل ہو
گیا۔ فارس نے گہری سرد سانس خارج کی، ہلکے سے سر جھٹکا اور مڑ گیا۔
اپنے کمرے میں آیا تو وہاں مرکزی دیوار پہ آج بھی زرتاشہ اور اس کی تصویر آویزاں تھی۔ وہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھی اور مسکرا
رہی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تمام مناظر لہرائے جب وہ زرتاشہ سے اکھڑے لہجے میں یا غصے سے بات کر جاتا تھا۔ اور ایک یہ عورت تھی..... اس نے دیوار کو دیکھا جس کے پار وہ پھولوں سے مہلتا کمرہ تھا..... اور ایک یہ عورت تھی جس کو کچہری میں لوگ روز منوں کے حساب سے گالیاں دیتے تھے مگر ایک یہی عورت تھی جس پہ اسے غصہ نہیں آتا تھا۔

''آپ اس دن کیا کریں گی میڈم پراسیکیوٹر' جس دن آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فارس غازی سچا تھا؟'' تصویر کو دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا تھا۔

باہر رات اسی طرح بھیگ رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں موجود زمر اب لباس تبدیل کر کے اس اجنبی بیڈ پہ آ بیٹھی تھی۔ زمر کا فرنیچر۔ زمر کا نیا بیڈ کور۔ مگر پھر بھی ہر شے پرائی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے فارس کے سامنے کا بے تاثر چہرہ اب تکلیف کے احساس میں لپٹا تھا۔ وہ اداسی سے بیڈ کور پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''کیا بگاڑا تھا میں نے فارس کا جو اس نے میرے ساتھ یہ کیا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں سے پھسلا۔ مگر اداسی الفاظ تک ہی محدود رہی۔ نہ دل بھر آیا' نہ آنکھ بھیگی۔ وہ زمر تھی' وہ رلا سکتی تھی' مگر وہ روتی نہیں تھی۔

رات مزید گہری ہوتی چلی گئی اور اب چند گھنٹے بعد اس نے ایک ایسے دن کو جنم دینا تھا جو ان دو خاندانوں میں سے کسی کو بھی بھولنے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

یہ لوگ کیسے مگر دشمنی نباہتے ہیں ..... ہمیں تو راس نہ آئیں محبتیں کرنی!

صبح پورے اسلام آباد پہ طلوع ہوئی تو اس میں باسی گلاب کی پتیوں اور کافور کی خوشبو پھیلی تھی۔ دور جنگلوں میں جانور یوں نوحہ بلند کر رہے تھے جیسے رات کی تاریکی میں کوئی غارت گر کسی ننھے بھیڑ کے بچے کو چیر پھاڑ کر چلا گیا ہو۔

قصر کاردار کے سبزہ زار پہ واقع انیکسی کے اندر بھی صبح کی روشنی پھیلی تھی۔ فارس اوپن کچن کی گول میز کے گرد بیٹھا مگ سے چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا جب لکڑی کے زینے پہ باریک ہیل کی آواز نیچے آتی سنائی دی۔ وہ مڑا' نہ مڑا۔ سامنے فریج کے چمکتے دروازے میں عکس دکھائی دے گیا تھا۔

وہ سیاہ مینی کوٹ پہنے بیگ اور فائلز اٹھائے زینے اتر رہی تھی۔ گھنگھریالے بال سمیٹ کر چہرے کے بائیں طرف ڈال رکھے تھے اور موبائل پہ کوئی پیغام ٹائپ کرتے ہوئے نگاہیں جھکی تھیں۔ اسی طرح چلتی آئی اور فریج کے پاس رکی۔ ڈور کھولا۔ ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی۔

''تو آپ آفس جا رہی ہیں؟'' نگاہیں اس پہ جمائے' چائے کا گھونٹ بھرتے وہ ہلکے سے بولا۔ وہ اسٹول پہ بیٹھی اس کی طرف پشت کیے پانی پینے لگی۔ جواب نہیں دیا۔

''ویسے پراسیکیوٹر صاحبہ!'' آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے' کوئی غیر محسوس سی مسکراہٹ دبائے' وہ ہلکے انداز میں گویا ہوا۔ ''آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ اگر میں آپ کے والد کو جا کر اس شادی کی حیثیت بتا دوں تو کیا ہوگا؟''

زمر پانی پی کر کھڑی ہوئی' اٹل سے گلاس دھویا' واپس رکھا' اور اس کی جانب گھومی۔ سنجیدہ' چبھتی ہوئی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''آپ کبھی بھی یہ نہیں کریں گے۔''

''اچھا؟'' فارس نے ابرو اٹھایا۔ ''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں یوسف صاحب کے سامنے جا کر یہ بات ان سے نہیں کہوں گا؟''

زمر کے لبوں پہ ہلکی سی تلخ مسکراہٹ آئی۔ ''کیونکہ سامنے سے وار کرنے کے لیے جو guts چاہیے ہوتے ہیں' وہ آپ میں نہیں ہیں۔ آپ صرف پیچھے سے وار کرنے والوں میں سے ہیں۔'' ٹھنڈے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی تھی۔ فارس کی دبی ہوئی

مسکراہٹ بھی غائب ہوئی' ابرو اکٹھے ہوئے' آنکھوں میں سختی در آئی مگ کے ہینڈل کو زور سے دبایا مٹھی میں بھینچا' گویا ضبط کیا ہو۔

''کیوں؟ غصہ آرہا؟ مجھے بھی آیا تھا۔ مگر اب نہیں آتا۔'' ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈال کر وہ اپنی فائنز سمیٹتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ پھر رکی' اور مڑ کر اسے دیکھا۔ ''مجھ سے مخاطب ہونے کی کم سے کم کوشش کیا کیجیے۔ اور ہاں' آئندہ اس کانٹریکٹ کو شادی مت کہیے گا۔ آپ.....'' حقارت بھری نظروں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ ''آپ میرے شوہر نہیں ہیں۔ صرف میرے باپ کے مقروض ہیں اور اپنا قرضہ اتار رہے ہیں۔''

فارس نے چہرہ موڑ لیا اور مگ سے گھونٹ بھرنے لگا۔ وہ راہداری عبور کر کے دروازے تک آئی ہی تھی کہ وہ بجا۔ زمر نے اسے کھولا۔ وہ بھی بے اختیار اس طرف دیکھنے لگا۔ وہ سامنے سے ہٹی تو باہر کھڑا شخص نظر آیا اور اسے دیکھتے ہی فارس نے بیزاری سے چہرہ پھیر لیا۔

''گڈ مارننگ' مسز غازی!'' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' ہاشم نے مسکرا کر کہا تو زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ آفس کے لیے نکل رہا تھا۔ وجیہہ اور ہشاش بشاش۔ چوکھٹ پہ کھڑا تھا اور پرفیوم کی خوشبو انیکسی کے اندر تک پھیل گئی تھی۔

''مارننگ' کاردار صاحب۔'' وہ جبراً مسکرائی۔

''بہت خوشی ہوئی آپ کو اس..... '' ہاشم نے نگاہیں آگے پیچھے دوڑائیں۔ ''..... گھر میں دیکھ کر۔ آرام سے ہیں آپ؟''

''مجھے بھی بہت خوشی ہوئی آپ کو اپنے ہمسائے میں دیکھ کر۔ امید ہے ملاقات ہوتی رہے گی۔ اب اگر آپ مجھے اجازت دیں'' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''میری آج پیشی ہے اور مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''پہلے میری بات سن لیجیے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آج رات آپ ڈنر ہمارے ساتھ کریں گے۔ تم نے سن لیا' فارس؟'' ساتھ ہی بلند آواز میں پکارا۔

میز پہ موجود فارس نے اکتا کر سر جھٹکا۔ ''میں مصروف ہوں۔''

مگر ہاشم نے توجہ نہیں دی۔ ''مجھے منفی جواب کی عادت نہیں ہے۔ ہم ڈنر پہ آپ کا انتظار کریں گے۔ ٹھیک آٹھ بجے۔'' اپنی کلائی کی گھڑی کے ڈائل پہ انگلی سے دستک دے کر دکھایا۔ زمر نے گہری سانس لے کر سر کو خم دیا۔ ''شیور۔ ہم آئیں گے۔'' وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گیا۔ اس کے نکلنے کے چند لمحے بعد زمر' پیچھے دیکھے بنا' باہر نکلی۔ ہاشم کی کار دور جا رہی تھی۔

وہ انیکسی کے برآمدے کے زینے اترتی سبزہ زار پہ آئی۔ وہاں فارس اور اس کی کاریں کھڑی تھیں۔ اپنی کار کا لاک کھولتے' زمر نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر سرسری سا دیکھا۔ سامنے قصر کاردار کی عقبی بالکونیاں دکھائی دیتی تھیں۔ ایک بالکونی ہاشم کے کمرے کی تھی' اسے اندازہ تھا۔ چابی گھماتے ہوئے اس کی نگاہیں دوسری بالکونی تک گئیں' جس کے شیشے کے دروازے کے پیچھے کمرے میں کوئی کھڑا نظر آ رہا تھا۔ زمر نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ وہ تو نوشیرواں تھا۔ اس کے ہاتھ میں سگریٹ تھا' جو لبوں لگائے ہوئے تھا۔ اس نے بھی غالباً زمر کو دیکھ لیا تھا' فوراً سگریٹ والا ہاتھ پیچھے کرتا مڑ گیا۔ زمر سر جھٹک کر کار میں بیٹھ گئی۔

.... ❖❖❖ ....

قبروں میں نہیں ہم کو کتابوں میں اتارو ..... ہم لوگ محبت کی کہانی میں مرے ہیں!

وہ صبح کافوری مہک لیے' چھوٹے باغیچے والے گھر پہ بھی ویسی ہی پرملال سی طلوع ہوئی تھی۔ ندرت کچن میں کھڑیں ناشتہ بنا رہی تھیں۔ سعدی کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ غالباً وہ تیار ہو رہا تھا۔

راہداری میں آگے جاؤ تو حنین اپنے کمرے کے بیڈ پہ ٹیک لگائے' بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ ہاتھ میں سفید جلد والی کتاب تھی جو کل رات زمر کے سامان میں دیکھ کر وہ اس سے پوچھ کر لے آئی تھی۔ زمر نے نہ وہ پڑھی تھی' نہ پڑھنی تھی۔ اب اس کے صفحوں کے کنارے ناخن سے

رُکی تو وہ سوچے جا رہی تھی۔

"شکر ہے کل نکاح پہ ہاشم بھائی نہیں تھے ان کو دیکھتے ہی امتحانی مرکز والا واقعہ یاد آ جاتا اور بھائی کے سامنے اپنا آپ مجرم لگنے لگتا۔" وہ مدھم آواز میں بڑبڑائی تھی۔ پھر ابرو تفکر سے بھینچے۔ "مگر بھائی کو بتاؤں یا نہیں؟" الجھتے ہوئے اس نے سر جھٹکا۔ پھر نگاہیں کتاب تک گئیں۔ تو تمام خیالوں کو ذہن سے ہٹاتے اسے کھول لیا۔

وہ دروازہ سامنے تھا جو اسے صدیوں پہلے کے زمانوں میں لے جایا کرتا تھا۔

اس نے اسے دھکیلا۔ اونچے پٹ وا ہوئے۔ دوسری جانب چاند کی ٹھنڈی میٹھی روشنی میں ڈوبی رات تھی۔ ایک کھلا میدان اور سامنے.... حنین نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ ایک بلند مضبوط قلعہ جس کے آگے پہریدار چکر کاٹ رہے تھے۔

اس سارے سیاہ سفید منظر نامے میں وہ ماتھے پہ کٹے بالوں اور ہیئر بینڈ والی لڑکی گلابی قمیص اور سفید ٹراؤزر میں ملبوس فریش سی نظر آتی تھی۔ مگر صدیوں پہلے کے لوگ اس کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

وہ آہنی گیٹ عبور کر کے کھلے صحن میں آئی۔ اسے پار کیا تو آگے برآمدہ تھا۔ وہ اندر چلتی آئی۔ اندھیرا بڑھ گیا۔ مگر جیسے جیسے وہ قدم آگے بڑھاتی گئی راہداری کی دیوار پہ قطار میں نصب مشعل دان جلتے گئے۔ جیسے کوئی قدیم زمانوں کا جادو ہو۔

اندھیرا قدرے کم ہوا۔ وہ ایک کوٹھری کے سامنے جا رکی۔ اس کے دروازے پہ زنجیروں میں لپٹے تالے مشعل دان کے پھڑ پھڑاتے زرد شعلوں میں دکھائی دیتے تھے۔ دیوار پہ ایک ابھری ہوئی چوکی تھی۔ حنین دیوار کو پکڑے اس چوکی پہ کھڑی ہوئی تو چہرہ ایک سلاخ دار کھڑکی کے برابر آیا۔ بے چین نگاہوں سے سلاخیں پکڑے اس نے اندر جھانکا اور پھر گہری سانس بھری۔

اس کے شیخ (استاد) سفید خستہ حال لباس میں الجھے بال اور داڑھی کے ساتھ چہرے اور ہاتھوں پہ زخموں کے نشان لئے دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ کھڑکی سے چند ہاتھ دائیں طرف۔

"اے شیخ۔ میں اتنے برسوں بعد آئی ہوں اور آپ کو اس قید خانے میں بند دیکھتی ہوں۔ ایسا کیا کر دیا آپ نے؟ آپ کا خلیفہ مسلمان ہے نا؟" افسوس سے سر ہلاتے اس نے سوال کیا۔

اندر دیوار سے لگے کھڑے شیخ معلم نے تکان مگر سکون سے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔

"شد الرحیل الی قبر الخلیل۔" (سواری کا باندھنا محبوب کی قبر تک جانے کے لئے)

"انہوں نے یہ کہا تو آپ نے کیا کہا؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"بدعت بدعت!"

"اُف!" حنین نے گہرے تاسف سے انہیں دیکھا۔ "ہم سب کو معلوم ہے کہ یہ بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت' کی نیت سے سواری باندھنا بدعت ہے نیت مسجد نبوی ﷺ کی ہونی چاہیے' ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے۔ مگر شد الرحیل الی قبر الخلیل کا انکار آپ کو زنداں میں لے آیا اے شیخ۔" ملامتی نظروں سے وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ "مطلب کیا ضرورت تھی اتنا کھلم کھلا اسٹینڈ لینے کی۔ اور ہاں فائدہ کیا ہوا اس اسٹینڈ کا؟ اب تو ایک دنیا جاتی ہے مدینہ صرف روضہ مبارک کی نیت لے کر جالیوں سے دعاؤں کی پرچیاں تک پھینکتی رہیں عورتیں اب قبر کی نیت اور مسجد کی نیت کا زمین آسمان جتنا فرق کسی کو نہیں سمجھ آتا۔ مجھے بھی بھائی نے ایک زمانے میں بتایا تھا اب تو بھول بھال گیا۔"

شیخ خاموشی سے کھڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھے گئے۔ وہ سیاہ ہو رہے تھے۔ حنین نے چہرہ مزید آگے کر کے اندر جھانکا۔

"آپ کی کتابیں قلم.... کیا سب چھین لئے انہوں نے؟ اُف...." کراہ کر اس نے آنکھیں میچیں۔ "ٹھیک ہے بندہ حق بات کہتا

۔ظالم حکمران کے سامنے مگر یار اتنا بھی کیا کہ اس بات کے پیچھے ساری زندگی برباد کروا لی۔ کتاب تو آپ کی ادھوری رہ گئی۔ اب لکھیں نے لیے؟" آنکھیں کھول کر مزید برہمی سے ان کو دیکھا۔ وہ اپنے سیاہ ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ حنہ ایک دم چونکی۔ فرش پہ چند کوئلے رکھے تھے ا..... اس کی نظریں اوپر اٹھتی چلی گئیں۔ دیواروں پہ جابجا کوئلے سے عبارتیں لکھی تھیں۔ آیات' احادیث' قرآن کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کے بعد کے نکات..... دیواریں بھری پڑی تھیں۔

"جب تک اللہ نہ چھینے' کوئی نہیں چھین سکتا۔" ان کو بالکل ساکت' متعجب پا کر وہ بولے تھے۔ حنین چپ سی ہو گئی۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے۔ چہرے پہ نرمی آئی۔

"اور جب زندگی سب کچھ چھیننے پہ آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟" شاید پہلی دفعہ اس نے کوئی سوال پوچھا تھا۔

"دعا....." وہ ہلکا سا بولے۔

"دعا کیا کرتی ہے؟" سلاخوں سے سر ٹکا کر وہ ان کو دیکھتے کہیں اور گم تھی۔

"آنے والی مصیبت کو روکتی ہے۔ اور جو مصیبت اتر چکی اس کو ہلکا کرتی ہے۔ یہ مومن کا ہتھیار ہے' دین کا ستون ہے' آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

ان کی آواز قید خانے کی اونچی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

حنین گم صم سی کھڑی رہی۔ ہاتھ سلاخوں پہ جمے رہے۔ پھر ہاتھ نیچے چلے آئے۔ اکیسویں صدی کے دماغ نے بحث کے لیے نکتے اٹھائے۔

"آپ کی مصیبتیں ٹلتی ہوں گی دعاؤں سے۔ ہماری تو نہیں ٹلا کرتیں۔"

"دعا مصیبت سے کمزور ہے تو مصیبت حاوی ہو جائے گی۔ دعا مضبوط ہے تو دعا حاوی ہو گی۔"

"اور اگر دونوں ہی ایک جتنی مضبوط ہوں؟ تب؟" وہ ترنت بولی۔

"تو دعا قیامت تک اس مصیبت سے لڑتی رہے گی۔"

"یعنی....." وہ چونکی۔ "اگر دعا چھوڑ دی یا شدت کم کر دی تو مصیبت حاوی آ جائے گی؟"

شیخ معلم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنین کے لب 'اوہ' میں سکڑے۔ ابرو اکٹھے کر کے سوچنے والے انداز میں وہ ان کو دیکھے گئی۔

"اور کیا کرتی ہے دعا؟"

"دعا قدر و قضا کو رد کر سکتی ہے ویسے ہی جیسے نیکی عمر بڑھاتی ہے اور گناہ رزق سے محروم کرتے ہیں۔"

"مگر....." اس کی آنکھوں میں غیر آرام دہ سی الجھن ابھری۔ ایڑھیاں اٹھا کر وہ مزید اونچی ہوئی۔ "میری تو دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"

قدیم قید خانے کی کوٹھے سے تکی دیوار سے ٹیک لگائے بزرگ نے سر جھکائے مسکرا کر نفی میں گردن ہلائی۔

"ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے اگر وہ جلد بازی نہ کرے تو۔"

"جلد بازی مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ تم کہنے لگو' کہ میں نے دعا کی اور بہت دعا کی' مگر میری دعا قبول ہوتی نہیں نظر آ رہی۔ یہ کہنے کے بعد تم اوب جاؤ اور مایوس ہو کر دعا کرنا چھوڑ دیتے ہو۔"

وہ جو ایک ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کترتی' سنتی جا رہی تھی۔ آخر میں بے اختیار انگلیاں لبوں سے نکالیں۔ "یعنی کہ جب یہ کہا تو

دعا قبول نہیں ہوگی، لیکن اگر پہ نہ لیں تب ہو جائے گی؟؟"

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پیچھے ہوا کے جھونکے سے مشعل دان کا شعلہ پھڑپھڑایا۔ رات کی پراسراریت میں اضافہ ہوا۔

"اچھا مگر..." اس کو پھر سے بے چینی ہوئی۔ "کچھ لوگوں کی دعا بہت جلدی قبول ہو جاتی ہے۔ کیا اس لیے کہ وہ بہت نیک ہوتے ہیں؟"

"یہ بھی ہوتا ہے مگر..." وہ لحظے بھر کو رکے۔ حنہ نے ان کی آواز سننے کو مزید کان سلاخوں کے قریب کیا۔ "مگر قبولیت دعا کا اصل راز دعا مانگنے والے کا طریقہ ہوتا ہے۔ وہ کیسے مانگتا ہے اور کتنی شدت سے مانگتا ہے۔"

"وہ راز کے بعد دعائیں قبول ہو جاتی ہیں؟"

"ہاں سب کی سب دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ حنین نے گہری سانس کھینچ کر ماتھا سلاخوں سے لگا دیا۔ آنکھیں موند لیں۔

"میں دعا مانگتی ہوں کہ بھائی مجھے وہ امتحانی مرکز والا قصہ سننے کے بعد معاف کر دے اور مجھ سے ناراض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ سب کچھ ایک دم سے بالکل ٹھیک ہو جائے؟" اس نے کتاب سے ماتھا اٹھایا تو صفحے کھلے پڑے تھے۔ قدیم زمانوں کی مشعلیں وقت کے پانیوں نے بجھا دی تھیں اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ کتاب بند کر کے اس نے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

باہر راہداری میں سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ باہر نکلا تو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ گرے شرٹ پہ سفید سیاہ ترچھی دھاروں کی ٹائی بندھی تھی۔ بال اس نے فجر کے بعد جا کر کٹوا لیے تھے۔ اب سامنے سے جیل لگا کر پیچھے کیے تو سیدھے لگتے۔ اگر مڑتا تو پیچھے سے گھنگریالے نظر آتے۔

ندرت چائے لے کر راہداری میں آئیں تو وہ گول میز کے سرے پہ کرسی کھینچ رہا تھا۔

"آفس کے لیے دیر نہیں ہو رہی تمہیں؟" حیرت سے پوچھتے انہوں نے مگ اسے تھمایا۔

"نہیں آفس نہیں جا رہا۔ کسی اور کام سے جا رہا ہوں۔" وہ بنا عجلت کے آرام سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔ ندرت نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے سوٹ کو دیکھا۔

"یہ اتنا سب سے اچھا سوٹ تو تم آفس بھی نہیں پہن کر جاتے۔ آج کیا خاص ہے؟"

سعدی نے کپ ہٹا کر سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔ "میں بھاگ کر شادی کرنے جا رہا ہوں۔"

انہوں نے دھپ سے اس کے کندھے پہ تھپڑ لگایا اور مصنوعی خفگی سے بڑبڑاتی پلٹ گئیں۔

وہ ناشتہ کر کے اٹھا اور ابھی راہداری کے سرے تک آیا ہی تھا کہ حنین کمرے سے باہر نکلی۔ وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے مضطرب اور بے چین لگ رہی تھی۔

"تمہاری فجر کی اذان اس وقت ہوتی ہے؟"

"نہیں وہ..." اس نے غور نہیں کیا۔ "کیا ہم تھوڑی دیر بات کر سکتے ہیں؟"

سعدی نے غور سے اسے دیکھا جو انگوٹھے سے درمیانی انگلی کا ناخن کھرچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"تم کافی دن سے کہہ رہی ہو کہ تمہیں بات کرنی ہے پھر رک جاتی ہو۔"

حنین کا گلا خشک ہونے لگا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر بند کر دیے۔

"نہیں! آپ جائیں! اتنی خاص بات نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔" ارادہ بدل دیا۔

"شیور؟" سعدی نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ مسکرایا اور خدا حافظ کہتا پلٹ گیا۔ دروازہ بند ہوا تو وہ وہیں بے چین سی کھڑی سوچتی رہ گئی۔

.... ❖❖❖ ....

جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا، فیصلہ ہو گا ...... یہ کیا کم ہے کہ ہمارا اور اس کا سامنا ہو گا!

وہ عمارت سڑک کنارے پوری آب و تاب سے کھڑی تھی۔ بالائی منزل کے کارنر آفس میں خنکی پھیلی تھی۔ چوڑی میز کے پیچھے پاور سیٹ پہ ہاشم ٹیک لگائے بیٹھا، مسکراتے ہوئے کاغذات پلٹتا جا رہا تھا۔ پھر چہرہ اٹھا کر سامنے کھڑے خاور کو دیکھا۔

"یہ بہت زبردست کام ہے خاور!" ستائش سے فولڈر میز پہ ڈالتے اس نے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ کھڑکی کے پاس سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی جواہرات نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"اس کے خلاف ذرا سا کچرا کافی ہے کیا؟ وہ معلوم نہیں ہمارے خلاف کتنی فائلز اور ثبوت لے کر آئے گا۔"

"میم! یقیناً اس نے بھی اب تک بہت کچھ نکال لیا ہوگا مگر ہم اس کے کردار کا توڑ کرنا جانتے ہیں۔"

وہ رخ موڑ کر واپس کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سیاہ لمبے گاؤن اور موتیوں کے آویزوں میں ملبوس بھورے بال کندھے پہ آگے ڈالے وہ ناخوش اور مضطرب لگ رہی تھی۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں ممی؟ ہاشم سنبھال لے گا۔" وہ مطمئن اور پرسکون تھا۔

اور ہاشم کی میز کے عین سامنے دیوار سے لگے صوفوں میں سے ایک پہ براجمان نوشیرواں بالکل خاموش تھا۔ اس کی آنکھیں ہلکی گلابی ہو رہی تھیں اور وہ مسلسل کچھ سوچے جا رہا تھا۔۔۔

اس عمارت کی بیسمنٹ میں عین اسی وقت سعدی اپنی کار پارک کر رہا تھا۔ بیسمنٹ دوپہر کے باوجود اندھیری پڑی تھی۔ کار روک کر وہ چند پل خاموشی سے اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ اسے وہ فلیش ڈرائیو یاد آئی جس میں موجود فائلز وہ کھول نہیں سکا تھا۔ اس کے پاس ہاشم کے خلاف کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک آخری پتے کے۔ اگر یہ وہ ٹھیک سے کھیل گیا تو..... تو سب ٹھیک ہو سکتا تھا۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر اس نے ڈیش بورڈ کھولا اور اپنا قرآن پین نکالا۔ چند بٹن دبانے اور وہیں سے تلاوت لگائی جہاں سے اس روز چھوڑی تھی۔

سعد الغامدی کی پرسوز آواز گاڑی کے اندر گونجنے لگی۔ "میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے!" وہ خاموشی سے سننے لگا۔

"اور آپ سکھائے جاتے ہیں قرآن بڑے حکمت والے، بہت علم والے کی جانب سے۔"

سعدی کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں ابھی یہی سوچ رہا تھا اللہ تعالیٰ کہ میں قرآن میں کیا تلاش کر رہا ہوں اس وقت جب کہ مجھے اوپر ہاشم بھائی کے آفس میں ہونا چاہیے؟ اور دیکھیں، مجھے جواب مل گیا۔ جب میں قرآن پہ غور کرتا ہوں تو گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ یہ قرآن مجھے اللہ کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ اللہ جو نور ہے اور ساری روشنی اللہ آپ سے ہی ملتی ہے۔ مجھے اب سمجھ آیا کہ جو آگ جی مجھے چاہیے جو کسی بھی موسیٰ کو فرعون کے دربار میں جانے کے لئے چاہیے ہوتی ہے، وہ صرف قرآن دے سکتا ہے۔" ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ وہ زیر لب کہہ رہا تھا۔ قاری غامدی اگلی آیت اسی مدھم خوبصورت آواز میں پڑھ رہے تھے۔ "جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ......"

وہ ایک دم چونکا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ (او کے اللہ! میری کیسلی مجھے بھول گیا تھا کہ آگے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ویسے اللہ! آپ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنا کتنا پسند ہے۔ ہر چند آیتوں کے بعد پھر سے فرعون و موسیٰ اور موسیٰ و فرعون۔ مطلب کبھی کبھی میں حیران ہو جاتا ہوں۔ قرآن میں اتنا ذکر کسی کا نہیں جتنا موسیٰ کا! کیوں؟) اس نے بولا نہیں۔ صرف سوچا تھا۔ آیت سماعتوں میں گونج رہی تھی۔

"اور جب موسیٰ نے کہا اپنے گھر والوں سے
کہ میں نے دیکھی ہے ایک آگ۔
میں ابھی وہاں سے آپ کے لئے کوئی خبر لاتا ہوں
یا لے کر آتا ہوں کوئی سلگتا ہوا انگارہ
تاکہ آپ اسے سینکیں۔"

ذرا دیر کو وقفہ آیا تو سعدی نے گہرا سانس لیا۔

"آہ موسیٰ۔" اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ہلکی آواز میں ساتھ ساتھ یہ بولتا رہا۔ "تو اللہ تعالیٰ! آپ نے سورۃ نمل کی تمہیدی آیات کے بعد پہلے قصے کا آغاز ہی موسیٰ علیہ السلام کی "فیملی" سے کیا۔ مجھے اسی لئے یہ سورۃ بہت اچھی لگتی ہے اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ فیملی ویلیوز کی سورۃ ہے۔ دیکھیں نا، موسیٰ علیہ السلام نے جو بات کی، اس میں "آپ" کا صیغہ استعمال کیا۔ حالانکہ اس وقت ان کے ساتھ صرف ان کی اہلیہ تھیں، بے شک وہ امید سے تھیں، مگر سامنے تو صرف وہی تھیں نا ان کے۔ پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان کو "آپ" کہہ کر پکارا۔ جمع تعظیم کا صیغہ۔ ہمارے انبیاء جو ہمارے باپ تھے، کتنے مہذب تھے نا ان میں۔ کتنے نرم اور خوبصورت لوگ تھے وہ۔ کوئی حیرت نہیں مجھے کہ آپ اللہ تعالیٰ قرآن میں ہر چند صفحات بعد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں۔ کتنی پرواہ، کتنا خیال تھا ان کے انداز میں اپنے خاندان کے لئے۔ پھر ہم اپنے گھر والوں کے لیے اتنے نرم کیوں نہیں بن سکتے؟"

کار میں خاموشی چھا گئی۔ پھر وہی پرسوز آواز ابھرنے لگی۔

"پھر جب موسیٰ وہاں (اس آگ کے قریب) آئے،
تو ان کو آواز آئی کہ
بابرکت ہے وہ جو آگ میں ہے
اور جو اس کے آس پاس ہے۔
اور پاک ہے اللہ
جو دونوں جہانوں کا رب ہے۔"

سعدی نے پاز کے بٹن کو دبا کر، بند آنکھوں کے ساتھ چند لمحے لیے ان الفاظ کو اندر جذب کرنے کے لیے۔

"اللہ مجھے نہیں پتہ کہ آپ کی آواز سننا کیسا ہو گا، مگر مجھے اتنا پتہ ہے کہ جب میں قرآن سنتا ہوں، تو میرے لیے وہی آپ کی آواز ہوتی ہے، اور یہ الفاظ بعض دفعہ میری استطاعت سے زیادہ وزنی بن کر میرے دل پہ اترتے ہیں۔ میرے لیے یہ قرآن اور اس سے جڑی ہر شے بابرکت ہے، کیونکہ یہ قرآن مجھے بتاتا ہے کہ اللہ کون ہے۔" وہ ٹھہرا۔ بند آنکھوں سے تکان بھرے الفاظ ادا کرتے آواز ہلکی ہو گئی۔

"اللہ میرا رب ہے، اور میرے ابو نے مجھے بتایا تھا کہ رب کسے کہتے ہیں۔ وہ جس نے ہمیں بنایا ہے، وہ جس کا ہمارے اوپر سب سے زیادہ حق ہے، اور وہ جو ہمارے لیے سارے فیصلے کرتا ہے۔ خالق، مالک، مدبر!"

انگوٹھے کو اسی بٹن پہ رکھ کر دبایا تو آیات کا سلسلہ جڑا۔

''اے موسیٰ

بے شک وہ میں ہوں' اللہ۔

غالب' حکمت والا۔

اور پھینک دو اپنی لاٹھی کو۔

تو جب اس (موسیٰ) نے دیکھا کہ وہ (لاٹھی) حرکت کرتی ہے

گویا کہ جو کوئی سانپ

'تو پیٹھ پھیر کر بھاگا

اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

(تو فرمایا اللہ نے) اے موسیٰ۔

ڈرو نہیں۔

بے شک میرے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔''

سعدی آنکھیں بند کیے' سیٹ سے سر لگائے بیٹھا رہا۔ لبوں کی مسکراہٹ میں اداسیاں گھلتی گئیں۔ ''پیغمبر کون ہوتا ہے اللہ؟ وہ جو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ آپ سارے پیامبروں کے ساتھ ایسے ہی کرتے ہیں نا۔ ان کو اندھیرے میں روشنی کی جھلک دکھاتے ہیں' اور جب اس نور کا پیچھا کرتے وہ اس تک آ پہنچتے ہیں' تو آپ ان کو بتاتے ہیں کہ اللہ کون ہے۔ پھر آپ ان کو کہتے ہیں کہ اپنا عصا سامنے ڈال دو۔ یہاں تو آپ نے 'عصا' کا لفظ استعمال کیا' مگر اپنے اسی قرآن میں ایک اور جگہ آپ نے موسیٰ سے یہ فرمایا کہ ''ڈال دو وہ جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے۔'' تو بات یہ ہے اللہ' کہ سب کے دائیں ہاتھ میں عصا نہیں ہوتا۔ دائیں ہاتھ میں انسان کا ٹیلنٹ ہوتا ہے' کوئی ہنر۔ یا کوئی قیمتی چیز۔ تو اللہ جب آپ کا پیامبر اپنا عصا پھینک دیتا ہے تو اس کا نتیجہ ایک دم سے اتنا خوفناک' اتنا ڈراؤنا اور پر ہیبت ہوتا ہے کہ انسان مڑ کر بھاگے نہ تو کیا کرے؟ فرعون کے ساحر جو بھی گھڑ لائیں میرے' دائیں ہاتھ کی چیز اس کو نگل لے گی' میں جانتا ہوں' اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ کے پاس اس کے پیامبر ڈرا نہیں کرتے' نہ اپنے ماضی سے نہ اپنے مستقبل سے' مگر مجھے فرعونوں کے پاس' ''ڈرنے'' سے ڈر لگتا ہے۔'' اس کا دل بوجھل ہو گیا تھا' گویا پھر سے ہلکا ہونے کے لیے۔ چپن قرآن آف کر کے ڈیش بورڈ میں رکھا۔ کار بند کی۔ چابی' موبائل' والٹ سنبھالتا باہر نکل آیا۔

مطلوبہ فلور پہ جب لفٹ کے دروازے وا ہوئے تو سامنے واک تھرو گیٹ تھا۔ وہ اس سے گزرنے کی بجائے ایک طرف سے نکل کر آگے چلا آیا۔ کسی نے نہیں روکا۔ جب ہاشم کے آفس کے سامنے آیا تو کام کرتی حلیمہ کے اس طرف سیاہ کوٹ میں ملبوس خاور مستعد کھڑا تھا۔

''کاردار صاحب آپ کے منتظر ہیں۔'' سعدی اس بات پہ آگے بڑھنے لگا تو خاور نے ہاتھ راہ میں حائل کر کے اسے روکا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔

''میرے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ چاہیں تو تلاشی لے لیں۔'' مسکرا کر وہ بولا۔ خاور نے سپاٹ چہرے کے ساتھ ان کے لباس کو تھپتھپایا۔ سیل فون نکال کر حلیمہ کی میز کی ٹوکری میں ڈالا۔ اور پھر مطمئن ہو کر پیچھے ہٹا۔ سعدی نے کوٹ کا بٹن بند کیا۔ اوپری جیب میں لگا سلور پین درست کیا' اور آگے بڑھ گیا۔

وہ چاہتا تھا کہ کاسہ خرید لے میرا!

میں اس کے تاج کی قیمت لگا کے لوٹ آیا

اندر آفس میں ایک طرف صوفے پہ نوشیرواں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ سامنے مرکزی میز کے پیچھے ہاشم ٹیک لگائے۔

براجمان تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ جواہرات جواب ہاشم کی کرسی کی پشت پہ کہنی ٹکائے کھڑی تھی، وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

''آؤ سعدی!'' ہاشم نرمی سے کہتے جگہ سے اٹھا اور ہاتھ بڑھایا۔ سعدی آگے آیا ہاتھ ملایا اور پھر سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''کیا لو گے؟ چائے؟ سافٹ ڈرنک؟'' انٹر کام اٹھاتے ہوئے اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''کافی!'' وہ بس اتنا بولا۔ ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا اور ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ ''حلیمہ دو چائے اندر بھیجو۔'' پھر ریسیور رکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں اسے ٹوکا۔ ''اتنی گرمی میں کافی نہیں پینی چاہیے تمہیں۔''

سعدی گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ (اسے ہاشم سے اور کس بات کی توقع تھی؟) اور پھر جیب سے پلاسٹک زپ لاک بیگ میں مقید نیکلیس نکال کر میز پہ رکھا۔

''آپ کی امانت جو غلطی سے آپ کی ملازمہ نے میری جیب میں ڈال دی تھی۔''

نیکلیس میز پہ پڑا رہا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی اسے نہ دیکھا۔ وہ سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''تم کیا کہنا چاہتے تھے سعدی؟'' ہاشم نے اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھتے بات کا آغاز کیا۔ سعدی نے گردن موڑ کر پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے خاور کو دیکھا اور پھر ہاشم کے ساتھ کھڑی جواہرات کو۔

''خاور ہمارا اپنا بندہ ہے' اس کی موجودگی میں بات کرو۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''آئی سی!'' سعدی نے سر اثبات میں ہلایا البتہ اندر سے کچھ ٹوٹا تھا۔ (تو کیا جواہرات بھی.....؟) بہت کچھ سمجھ میں آیا۔ پھر ذرا سا کھنکارا اور ہاشم کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے بولا۔

''ہم جس دین کے ماننے والے ہیں ہاشم بھائی' اس میں مختلف مسئلوں کے لئے مختلف اسکولز آف تھاٹ ہوتے ہیں۔ قتل کے مسئلے پہ بھی دو آراء ہیں۔ (ہاشم اسی طرح مسکرا کر اسے دیکھتا رہا) پہلے مسلک کا کہنا ہے کہ سچے دل سے توبہ کی جائے' یا دیت دی جائے تو قتل معاف ہو جایا کرتا ہے' وہ حدیث میں مروی اس واقعے کو دلیل بناتے ہیں جس میں بنی اسرائیل کے ایک عالم کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ اس نے قتل کی معافی کا پوچھا اور منفی جواب ملنے پہ اس عالم کو بھی قتل کر دیا۔ ایک اور عالم کے پاس گیا تو معافی کی امید مل گئی۔ بہر حال واقعہ آپ کو معلوم ہوگا۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ جواہرات اور ہاشم کی مسکراہٹوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ پیچھے بیٹھا نوشیرواں جو یہاں سے سعدی کی پشت دیکھ سکتا تھا' بے حد کڑوا سا منہ بنائے بیٹھا تھا۔ حلیمہ اندر آئی اور چائے رکھ کر باہر چلی گئی تو وہ پھر سے کہنے لگا۔

''دوسرا مسلک کہتا ہے کہ نہیں' قتل کی کوئی معافی نہیں۔ اگر آپ کو قتل کی سزا یعنی سزائے موت دنیا میں نہیں دی گئی تو پھر دیت یا توبہ سے امید تو کی جا سکتی ہے کہ یہ آپ کو معاف کروا دیں گے مگر اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا جب اللہ' مقتول کے ہاتھ میں قاتل کا سر دے کر کہے گا کہ اپنا بدلہ لے۔ یہ دوسرا مسلک کہتا ہے کہ قرآن میں جب اللہ کسی گناہ کا ذکر کرتا ہے' اور اس کے عذاب کا' تو آخر میں یہ فرما دیتا ہے کہ وہ لوگ عذاب میں رہیں گے' سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور اچھے عمل کیے وغیرہ وغیرہ۔ مگر قتل کی آیات کے آخر میں 'سخت عذاب کی وعید سنانے کے بعد اللہ نے نہیں کہا' سوائے اس کے اور اس کے۔' نہیں۔ اللہ نے قاتلوں کے لئے' وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے' کہہ کر بات ختم کر دی۔ اب بہت سے مسلمان ایک عقیدہ رکھتے ہیں' اور بہت سے دوسرا۔ میں بھی اسی دوسرے مسلک سے تعلق رکھتا ہوں جو کہتا ہے کہ قتل کی کوئی معافی نہیں ہے۔ جان دی ہے تو جان دینی پڑے گی۔ کیونکہ ہر انسان اپنے بھائی کی جان کا رکھوالا ہوتا ہے۔ ایک قتل اس سے جڑے تمام انسانوں کا

قتل ہوتا ہے۔ ایک قتل..... صرف ایک بے گناہ مسلمان کا قتل ہاشم بھائی کعبہ کو ڈھا دینے سے بڑا گناہ ہے۔ اور آپ نے تو میرے خاندان کے دو لوگ مار دیے۔" اس کی آواز بلند ہوئی اور قدرے کپکپائی۔ آنکھوں میں دکھ اور صدمہ اترنے لگا۔

اتنے سال بعد پہلی دفعہ ہاشم کے منہ پہ وہ بول دیا جو ابھی تک دل میں چھپا کر رکھا تھا۔ چند لمحے آفس میں خاموشی چھائی رہی۔ اے سی کی ٹھنڈک جہنم کی تپش میں بدلنے لگی۔ پھر ہاشم نے اسی نرمی سے اسے دیکھتے پوچھا۔

"اور کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ یہ سب میں نے کیا ہے؟"

"صرف میرے دل کی گواہی۔ اور کچھ نہیں۔"

ہاشم اور خاور نے چونک کر اسے دیکھا۔ (اب وہ کھڑکی کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا جہاں سے وہ سعدی کو سامنے سے دیکھ سکتا تھا)۔

جواہرات ہاشم کی کرسی پہ ٹکائی کہنی ہٹا کر سیدھی کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں اچنبھا آیا۔

"تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں؟" ہاشم کو حیرت ہوئی۔

"نہیں۔ میں نے آپ کی فائلز چرائی تھیں اس رات پارٹی میں۔ مگر میں انہیں کھول نہیں پایا۔ وہ کرپٹ ہو گئیں۔ وہ میری قابلیت سے اوپر کی چیز تھی۔"

(خاور کی گردن قدرے فخر سے مزید تنی۔) "میں نے ڈیڑھ سال کوشش کی کہ کوئی ثبوت ڈھونڈ لوں‘ مگر مجھے اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ آپ لوگوں نے بہت پکا کام کیا ہے۔" قدرے تکان اور ستائش سے اس نے خاور کو دیکھا۔

"ڈیڑھ سال؟" ہاشم نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"آپ نے زرتاشہ اور وارث غازی کو قتل کروایا‘ میں ڈیڑھ سال سے جانتا ہوں۔ آپ کے بھائی کی مہربانی سے....." عقب میں بیٹھے شیرو کی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے ایک رات آپ کے گھر گزاری۔ آپ کا سیف جو آپ کی تاریخِ پیدائش سے کھلتا ہے‘ اس میں وارث ماموں کی بچیوں کی تصویر تھی۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھا اور میں جان گیا کہ یہ سب آپ نے کروایا ہے۔"

شیرو کا چہرہ یوں ہو گیا گویا کسی ٹرک نے کچل دیا ہو۔ ہاشم کی مسکراہٹ جاتی رہی۔ اس نے بس ایک سخت ملامتی نظر نوشیرواں پہ ڈالی اور پھر سعدی کی جانب متوجہ ہوا۔

"اور اپنی اس تھیوری کے بارے میں تم نے اور کس کس کو بتایا ہے؟"

"کسی کو بھی نہیں‘ کیونکہ آپ تو ایک وائٹ کالر کرمنل ہیں‘ کوئی کیسے یقین کرے گا کہ آپ یہ سب کروا سکتے ہیں۔"

ہاشم ٹیک چھوڑ کر آگے کو ہو بیٹھا۔ سوچتے‘ الجھتے انداز میں اسے دیکھا۔ "اور تمہارے پاس یہ ثابت کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے؟"

"نہیں‘ مگر مجھے کسی ثبوت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں یہاں آپ کو پولیس کے حوالے کرنے نہیں آیا۔ میں آپ کو اپنے خاندان کے حوالے کرنے آیا ہوں۔"

"مطلب؟" جواہرات اچنبھے سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"میں یہاں آپ کو یہ کہنے آیا ہوں ہاشم بھائی کہ آپ سچائی کا خود اعتراف کریں۔ میرے خاندان کے سامنے جا کر اعتراف جرم کر لیں۔ یوں فارس غازی بری ہو جائے گا ہر الزام سے۔ آپ سارہ خالہ سے معافی مانگیں۔ اور ان کے باپ کی دیت کی رقم ان کی بچیوں کو ادا کر دیں۔ ہم آپ کے خلاف پولیس میں نہیں جائیں گے۔ ہم آپ کو معاف کر دیں گے۔"

اور ہاشم کو پہلا دھچکا لگا‘ وہ سوچتا کہ بارڈر سے لے کر اب تک جو‘ سعدی‘ سعدی [illegible] پریشان ہوا‘ وہ سب سے کار [illegible] تو

ایک بے وقوف' گھامڑ اور معصوم سا بچہ تھا۔ بلکہ یہ تو پورے کا پورا گدھا تھا۔

اور یہ سوچ کر وہ زور سے ہنس دیا۔ جواہرات بھی قدرے سکون سے مسکرائی۔ ہنستے ہنستے ہاشم نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا' گھونٹ بھرا اور پھر اسے ہٹایا۔

"مجھے یہ کہنے دو سعدی' کہ آج تم نے مجھے واقعی مایوس کیا ہے۔ میں ایک سوٹ ایک ہی دفعہ پہنا کرتا ہوں تم نے میرے اس سوٹ کا فرسٹ ویئر ضائع کر دیا۔"

"جی؟" وہ الجھن بھرے انداز میں ہاشم کو دیکھنے لگا۔ "کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے یہ قتل نہیں کیے؟ او کم آن ہاشم بھائی' ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ آپ نے کیا ہے۔"

"میں نے انکار نہیں کیا!" ہاشم نے تازہ دم مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا' "یہ میں نے کیا ہے' وارث میرے راستے میں آ رہا تھا۔ میں نے اسے مروا دیا۔ خاور نے اسے خودکشی کا رنگ دیا۔ مگر یہ کافی نہیں تھا۔ اس کا قتل کور اپ کرنے کے لیے ہمیں زرتاشہ کی قربانی بھی دینی پڑی۔ زمر کو بھی زخمی کرنا پڑا' جس کے لیے مجھے بہت افسوس ہے۔ ہاں ٹھیک ہے سعدی' یہ سب ہم نے ہی کیا ہے۔ ممی' خاور اور میں نے۔"

سعدی کی دکھ بھری نگاہیں ہاشم کی کرسی کے ساتھ کھڑی جواہرات تک گئیں۔ پھر وہاں سے کھڑکی کے آگے کھڑے خاور تک جا پھسلیں۔ تو یہ سب ساتھ تھے؟ شروع دن سے؟

"مگر تم سعدی' تم نے تو آج مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ میرا خیال تھا' تم ثبوت کا کوئی انبار لے کر آؤ گے میرے پاس۔ مگر تم... تم تو وہی معصوم بچے ہو جس سے میں سات سال پہلے ملا تھا۔ تم کس دنیا میں رہتے ہو؟" اب کے ہاشم کو افسوس ہونے لگا۔ آگے ہو کر' ہتھیلیاں باہم ملائے' وہ برہمی سے کہنے لگا۔ "تمہیں کیا لگا تھا' یہ تم قتل کی لمبی سی تقریر یاد کر کے میرے سامنے دہراؤ گے اور میں فوراً جا کر تمہارے خاندان کے پیروں میں گر جاؤں گا اور ان کی منتیں کروں گا کہ وہ مجھے معاف کر دیں؟ مطلب' تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟" غصے اور افسوس سے زیادہ حیرت شدید تھی۔

"تو کیا آپ اب بھی معافی نہیں مانگیں گے؟ کیا آپ اتنے گلٹ کے ساتھ رہ لیں گے؟" سعدی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم اپنا دماغ کہاں چھوڑ کر آئے ہو سعدی؟ تمہیں واقعی لگا تھا کہ ہاشم تمہارے کہنے پہ یہ کر لے گا؟ اُف!" جواہرات کو اس کی ہر بات ناگوار گزر رہی تھی۔

"اور آپ سارہ خالہ کو دیت بھی ادا نہیں کریں گے؟"

"تو بات آخر میں پیسے پہ آ گئی ہے؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہاشم نے ٹیک لگائی۔ "میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گا' کیا کر لو گے تم؟"

"میں..." وہ شدید دکھ کے عالم میں باری باری ان سب کے چہرے دیکھنے لگا۔ "میں زمر اور فارس ماموں کو بتا دوں گا' مجھ پہ کریں گے سب یقین!" مگر خاور کچھ غیر آرام دہ سا سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے اس غصے میں کچھ بناوٹ لگتی تھی یا شاید اس کا وہم تھا۔

"کم از کم زمر تو تمہارا یقین نہیں کرے گی۔" جواہرات نے ناک سکوڑ کر کہا۔ "اس کے دل میں فارس کی نفرت اتنی پختہ ہے کہ وہ اپنی زندگی فارس سے انتقام کے لیے داؤ پہ لگا چکی ہے' تو وہ کیسے مانے گی تمہاری بات؟"

"انہوں نے کسی انتقام کے لیے یہ شادی نہیں کی۔" وہ ایک دم کھڑا ہوا۔ کان سرخ ہوئے' آنکھوں میں غصہ اترا۔ "وہ فارس غازی کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جس مقصد کے لیے آپ ان کی شادی پہ اتنا زور دے رہی تھیں' وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔"

"تمہیں اپنے خاندان کے بارے میں اپنی معلومات اپ ڈیٹ کرنے کی ضرورت ہے سعدی!"

"میں زمر کو ساری حقیقت بتا دوں گا۔"

"تم ایسا نہیں کرو گے۔" ہاشم کا انداز ٹھنڈا تھا۔

"کیوں؟ کیا مجھے بھی مار دیں گے آپ؟" دکھ سے اس نے ہاشم کو دیکھا۔

"اونہوں۔" ہاشم نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔ "میں بس یہ فائل دے دوں گا۔ اعلیٰ عدالتی اور پولیس حکام کو۔ پراسیکیوشن آفس کو۔ میڈیا کو۔" ایک فائل اس کے سامنے ڈالی۔ سعدی نے مشتبہ نظروں سے اس کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"تمہارا اعمال نامہ۔ جو مجھے ڈھونڈنے میں دو دن لگے۔ تمہارے خیال میں مزید چیزیں ڈھونڈنے میں پولیس کو کتنا وقت لگے گا؟"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو میں ڈر جاؤں۔"

"کیا تم نے جج کو بلیک میل نہیں کیا؟ اس فائل میں تمہارے اور جسٹس سکندر کے درمیان تبادلہ کی گئی ای میلز اور ٹیکسٹ میسجز کا ریکارڈ ہے۔ جو ہمیں خود جسٹس صاحب نے مہیا کیا ہے۔ بے شک تمہارا نمبر پرائیویٹ ہے اور ای میل ان جانا لیکن جسٹس صاحب کا نمبر تو اصلی ہے۔ جیسے ہی میں نے یہ فائل پراسیکیوشن آفس بھجوائی فارس غازی پھر سے گرفتار ہو جائے گا۔ اور اس دفعہ تم بھی ساتھ ہی جیل جاؤ گے۔ تمہارا خاندان تمہیں کھو دے گا سعدی!"

سعدی نے گہری سانس لی۔ کرسی کھینچی۔ واپس ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ سنجیدگی سے ہاشم کو دیکھا۔

"اور اگر میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں تو...؟"

اب کے ہاشم کھل کر مسکرایا۔ جواہرات نے بھی مطمئن سی سانس خارج کی۔ نوشیرواں ہنوز خاموش تھا اور خاور... وہ اب بھی غیر آرام دہ سا کھڑا تھا۔ کچھ تھا جو اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ کچھ غلط تھا۔

"میرا خیال ہے ہم ایک معاہدے کو پہنچ سکتے ہیں۔"

ہاشم نے کرسی چائے کا کپ اٹھایا' گھونٹ بھرا اور پھر اسے ہاتھ میں پکڑے بولنے لگا۔

"پاکستان میں ایک انسان کی دیت کتنی ہے؟ یہی کوئی تیس اکتیس لاکھ روپے۔ میں تمہیں تین کروڑ دوں گا۔ دیکھو یہ رشوت نہیں ہے دیت ہے۔ تمہارا حق ہے کہ تم اپنے ماموں کی دیت لو۔ میں تمہیں خرید نہیں رہا۔ کفارہ ادا کر رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے' جو بھی میں نے کیا۔ وہ غلط تھا۔ آئی ایم سوری فار دیٹ!" افسوس سے سر ہلاتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی۔ "لیکن میں بھی تو خوش نہیں ہوں اس کے بعد دیکھو میرا باپ بھی مر ہی گیا' بے شک قدرتی موت تھی' مگر میں نے کسی کو کھونے کا غم اٹھایا۔ (جواہرات کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری) میری شادی ٹوٹ گئی۔ میری بچی ڈسٹرب ہو کر رہ گئی۔ مجھے دوبارہ گھر بسانے کی تمنا ہی نہیں رہی۔ اب میں صرف کام پہ دھیان دیتا ہوں۔ میں نے بھی بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میں اپنی سزا کاٹ رہا ہوں۔ اب تم مجھے مزید کیا سزا دینا چاہتے ہو؟ دیکھو بچے' اگر تم آنکھ کے بدلے آنکھ مانگو گے' تو ساری دنیا اندھی ہو جائے گی۔ تم معاف کرنا سیکھو' درگزر کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ تین کروڑ لو' اپنی فیملی کو باہر سیٹل کرو' میں تمہیں امریکہ میں کسی بہترین کمپنی میں جاب دلا دوں گا' میرا وعدہ ہے' ایسا چاہو تو ہم مل کر نوشیرواں کی کمپنی چلا سکتے ہیں۔ تم پچاس فیصد کے پارٹنر ہو گے۔ جو تم تھر کول میں کر رہے ہو' وہی پرائیویٹ سیکٹر میں کرو۔ تم سائنسدان لوگ سرکاری اداروں میں صرف ضائع ہو جاتے ہو۔ میرے پاس آؤ' میرے ساتھ کام کرو۔" بہت سکون' نرمی اور امید سے ہاشم نے کہا۔ سعدی ہلکی مسکراہٹ سے اسے دیکھے گیا۔

"تین کروڑ دیں گے آپ مجھے؟ میرے خاندان کے ایک مرد کے بدلے میں؟"

"ہوں۔" ہاشم نے سر اثبات میں ہلایا۔ سعدی آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں آپ کو ساٹھ کروڑ دوں گا' مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے اس آدھے مرد جتنے بھائی کا گلا گھونٹ کر اسے پنکھے سے لٹکا دوں اور کہوں کہ یہ خودکشی ہے۔ منظور ہے؟"

کمرے کا درجہ حرارت بدل گیا۔ نوشیرواں کے بدن میں شرارے دوڑے' وہ بھڑک کر کھڑا ہوا (آدھا مرد؟) کہ ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھم جانے کا اشارہ کیا۔ اور خود سعدی کی طرف دیکھا تو چہرے پہ بے پناہ سختی تھی۔

"میرے بھائی سے تمہارا خاندان مقابلہ نہیں کر سکتا' اس لئے کوشش بھی مت کرو۔" ہر بات سے چبا چبا کر وہ بولا۔

ساتھ کھڑی جواہرات بھی آنکھوں میں تپش لئے سعدی کو گھور رہی تھی۔ "تم اپنی بات کرو۔ کیا لو گے اپنا منہ بند رکھنے کے لئے۔"

"منہ بند نہیں رکھوں گا۔ آج ہی جا کر سب کو سچائی بتا دوں گا۔ جرم کیا ہے تو بھگتنا پڑے گا ہاشم بھائی!" وہ بھی اتنی ہی سختی سے بولا تھا۔

ہاشم تاسف سے اسے دیکھے گیا۔

"کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہمیشہ میں نے فیملی کی طرح ٹریٹ کیا؟ کیا تم وہی نہیں ہو جو خود بھی ایک جج کو بلیک میل کرنے کا جرم کر چکے ہو؟"

سعدی ایک دم ہنس دیا۔ ہاشم بھی تلخی سے مسکرایا۔

"اس میں مزاحیہ کیا بات تھی؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے مسکراہٹ دباتے سر جھٹکا۔ "ایک کتاب میں فجر میں روز پڑھتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں اس میں پرانی کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے مگر میں آپ کو بتاؤں، اس کی پرانی کہانیوں میں بہت کچھ ہے۔ اسی میں ایک کہانی میں ایک چرواہے کی بھی ہے' کسی زمانے میں اس چرواہے کو ایک بادشاہ نے ایڈاپٹ کیا تھا' مگر جب برسوں بعد خدا نے اس کو اسی محل کے دربار میں کلمہ حق کہنے بھیجا' تو بادشاہ وقت نے کہا' آپ وہی نہیں ہیں موسیٰ' جو ایک قتل کر کے یہاں سے بھاگ گئے تھے؟ تو مجھے صرف قدرت کی حس مزاح پہ ہنسی آئی۔"

"یہ بہت دلچسپ لیجنڈ ہے مگر میرے پاس وقت کم ہے۔" اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے بات کاٹی۔ "تمہیں میرے پیسے رکھ لینے چاہیے تھے مگر تم نے نہیں رکھے۔ تمہاری مرضی۔ اب سنو۔ اگر..." سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی سنگینی در آئی۔ "اگر تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا تو میں تمہاری فائل آگے کر دوں گا۔ پوری دنیا جان جائے گی کہ تم اور فارس فراڈ ہو اور یہ کہ تمہاری بہن نے کس طرح بورڈ ایگزام میں چیٹنگ کی ہے۔ تم تینوں رات تک تھانے میں بند ہو گے۔"

اور سعدی یوسف کو لگا' ساری کائنات تھم گئی ہے۔ یہ ناممکن... ناممکن... ناممکن تھا کہ ہاشم یہ بات جانتا ہو۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"میری بہن کے بارے میں بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی محنت سے بورڈ ٹاپ کرتی رہی ہے۔" غصے سے وہ غرایا تھا۔

"ہمیشہ کا تو نہیں پتہ مگر دو ہفتے پہلے اپنے آخری پیپر میں جب وہ چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی اور اس نے مجھے وہاں بلایا تھا تو..." ہاشم سرسری انداز میں کہتے اس کے تاثرات دیکھ کر رکا' چہرے پہ ایک دم حیرانی لے آیا۔ "اوہ... اس نے تمہیں نہیں بتایا؟"

سعدی کی آنکھیں غصے اور اچنبھے سے سکڑیں۔ "کیا کہانیاں سنا رہے ہیں آپ مجھے؟"

"سعدی!" جواہرات نے مسکراتے ہوئے اسے پکارا۔ "تمہاری بہن دو ہفتے قبل' سونی کی پارٹی کی صبح اپنے پیپر کے دوران چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی' اور اس نے ہاشم کو مدد کے لئے بلایا تھا۔ تمہیں تو ہاشم کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔"

سعدی کا غصہ بے یقینی میں بدلتا گیا۔ اس نے باری باری ان سب کے چہرے دیکھے۔ "مجھے آپ کی کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔"

ہاشم نے جواب دینے کی بجائے ایک نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا اور موبائل کو ہاتھ میں تھامتے' سعدی کو مسکرا کر دیکھتے دوسری جانب

جانی گھنٹی سننے لگا۔

"جی السلام علیکم کاردار صاحب۔" فون جلدی ہی اٹھا لیا گیا۔

"وعلیکم السلام خواجہ صاحب۔ کیسے مزاج ہیں۔" وہ لبرفون پہ رہا تھا اور دیکھ سعدی کو رہا تھا۔ سعدی خاموش تھا۔ چبھتی، مشتبہ نگاہیں ہاشم پہ ٹکی تھیں۔

"اللہ کا کرم ہے۔ آپ سنائیے؟"

"میں نے اس بچی کے سلسلے میں فون کیا تھا۔ یاد ہے آپ کو آپ کے کالج میں بی اے کے ایگزام میں جو بچی چیٹنگ کرتی پکڑی گئی تھی اور اس نے مجھے بلوایا تھا۔"

"جی، جی! اسپرینڈنٹ صاحب نے مجھے بعد میں تمام صورتحال بتا دی تھی۔ حنین یوسف نام تھا اس کا اور رول نمبر تھا 13051۔ آپ نہ ہوتے تو جناب اس کے پیپر پہ سرخ کاٹا لگنا ہی تھا۔"

سعدی کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ اس کے قدموں سے آہستہ آہستہ جان نکل رہی تھی۔ قطرہ بہ قطرہ۔

"یہ تو آپ کی کرم نوازی ہے جی۔" ہاشم نے اس کا چہرہ دیکھتے تشکر سے سر کو خم دیا۔ "ویسے اب بھی اگر آپ ان کی رپورٹ کر دیں تو اسپرینڈنٹ کی گواہی کافی ہو گی اس کا رزلٹ کینسل کروانے کے لیے؟"

"جی بالکل سر۔ جب اسے اس طرح بچا سکتے ہیں تو رپورٹ بھی کر سکتے ہیں۔ کیا رپورٹ کرنی ہے اس کی؟" وہ رازداری سے بولے۔ ہاشم مسکرایا۔ اور وہ مسکراتے ہوئے بہت چیندسم لگتا تھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو بتاؤں گا۔"

"او کے جی۔ اچھا کاردار صاحب ایف سیون میں میرا جو پلاٹ....."

"کل ڈنر پہ آئیے گا، وہیں بات کریں گے۔" سلسلہ منقطع کر کے اس نے موبائل میز پہ ڈالا۔

"بیٹھ جاؤ سعدی۔ اور ٹھنڈا پانی پیو۔" مسکرا کر نرمی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ مگر وہ کھڑا رہا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں سرخی ابھر رہی تھی۔

"کیا اب یقین آیا کہ تمہاری بہن تم سے زیادہ مجھ پہ بھروسہ کرتی ہے؟"

سعدی کی کنپٹی کی رگیں ابھرنے لگیں۔ سفید رنگت سرخ پڑنے لگی۔ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے وہ غرایا۔

"اس جعلی کال سے مجھے رتی برابر فرق نہیں پڑتا۔ میری بہن ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ صرف مجھ پہ دباؤ ڈالنے کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ یہ آپ کی بھول ہے کہ اس طرح آپ ہمارے خاندان کو توڑ سکتے ہیں۔" اس کے اندر جو طوفان برپا تھے ان کو جن دقتوں سے چھپا کر اس نے بظاہر گردن اکڑا کر کہا، صرف اس کا دل جانتا تھا۔ قدموں میں لرزش تھی، دل ڈوب رہا تھا، مگر وہ سعدی تھا اسے ابھی نہیں ٹوٹنا تھا۔ بس چند منٹ اور.....

"تو جاؤ اپنی بہن سے پوچھ لو۔" ہاشم نے بس افسوس سے اتنا کہا گویا وہ خود بھی اس کے اتنے یقین پہ تلملا رہا تھا۔ سعدی غصے سے اسے دیکھتا میز پہ دونوں ہاتھ رکھے آگے جھکا۔

"میرے..... خاندان..... سے..... دور رہیں، ہاشم بھائی!" خون رنگ ہوتی آنکھوں سے وہ بلند آواز میں غرایا تھا۔ "ورنہ میں وہ کروں گا آپ کے ساتھ کہ آپ کی نسلیں یاد رکھیں گی۔ اگر آپ کی نسلیں بچ پائیں تو!"

پیچھے کاؤچ پہ بیٹھے نوشیرواں کے کان سرخ پڑے۔ صوفے کی گدی کو مٹھی میں زور سے بھینچا، گویا ضبط کیا۔ دوسرا ہاتھ بار بار جیب

کی طرف جاتا۔ خاور کی نگاہ بھی بار بار اس کے جیب کی طرف جاتے ہاتھ تک اٹھ جاتی۔

ہاشم ابھی تک ٹیک لگائے' پرسکون بیٹھا تھا۔ اس دھمکی پہ زخمی سا مسکرایا۔ "اتنا بغض ہے تمہارے دل میں میرے لئے' تو ابھی تم مجھے ہاشم بھائی کیوں کہتے ہو؟"

سعدی نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر الفاظ ختم ہو گئے۔ اس سوال کا جواب خود اس کے پاس بھی نہیں تھا۔

"آپ کا لحاظ کر جاتا ہوں' آج کے بعد نہیں کروں گا۔ دوبارہ میری بہن کا نام مت لینا۔ ہاشم کاردار!" انگلی اٹھا کر سختی سے اسے دیکھتے تنبیہہ کی اور اس سارے میں پہلی دفعہ ہاشم کے چہرے پہ شدید تکلیف ابھری۔ کہیں کچھ چھن سے ٹوٹ گیا تھا۔ کبھی نہ جڑنے کے لئے۔

جواہرات نے وہ تکلیف دیکھ لی تھی' فوراً تپ کر اسے مخاطب کیا۔

"تو پھر جاؤ اور اپنے خاندان کی فکر کرو' ہماری نہیں۔"

سعدی نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"موتو بغیظکم!" قرآن کے وہ الفاظ بلند آواز میں پڑھے (مر جاؤ اپنے غصے میں تم لوگ!) کرسی کو پیر سے ٹھوکر ماری' اور سرخ آنکھوں سے ان دونوں کو گھورتے مڑ گیا۔ ہاشم نے اسی تاسف سے اسے باہر جاتے دیکھا۔

دروازہ بند ہوا تو وہ تعجب اور افسوس سے بولا۔ "یہ اتنا بے وقوف ہو گا میں نے نہیں سوچا تھا۔" نوشیرواں سعدی کے پیچھے گیا تھا' خاور بھی احتیاطاً جانے لگا' مگر ہاشم کی بات نے اسے روک دیا۔

"میرا نہیں خیال سر! کہ وہ بے وقوف ہے۔ جب اسے آؤ یو ملی' میں نے کہا تھا' یہ لڑکا گڑبڑ ہے۔ مگر آپ نے تب بھی اسے انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا' اب پھر آپ وہی کر رہے ہیں۔"

"بس کرو یار۔" ہاشم نے بے زاری سے لیپ ٹاپ کھول کر سامنے کیا۔ "وہ ایک معصوم بچہ ہے' مجھ سے جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔ دیکھا نہیں کیسے ایک ہی سانس میں سب بتا دیا۔" ناک سے مکھی اڑاتے وہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔ خاور نے بے چینی سے پہلو بدلا' مگر وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا چیز تنگ کر رہی ہے۔

"مجھے نہیں لگتا وہ سچ بول رہا تھا سر۔ مجھے لگتا ہے وہ اداکاری کر رہا تھا۔ وہ کسی اور چکر میں تھا۔" وہ خود بھی متذبذب تھا۔ جواہرات نے اکتا کر اس کو دیکھتے ناک سے مکھی اڑائی۔

"بہت ہو گیا سعدی نامہ اب بس کرو۔" اور ہاشم کے سامنے کرسی پہ آ کر بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ گردن کی مالا کے موتیوں پہ انگلی پھیرتے سوچتے ہوئے ہاشم کو مخاطب کیا۔ "کیا وہ کسی کو بتائے گا؟"

"بتانا ہوتا تو اب تک بتا چکا ہوتا۔ اسے پتہ ہے کوئی اس کا یقین نہیں کرے گا۔ ابھی غصے میں گیا ہے' ٹھنڈا ہو گا تو میں بات کروں گا اس سے۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ خاور' یہ رپورٹ میں نے تمہیں کہا تھا کہ...." ہاشم نے اسکرین پہ کچھ دیکھتے خاور کو اشارہ کیا تو وہ جو لگا ہے بگا ہے بند دروازے کو بے چینی سے دیکھ رہا تھا' بادل نخواستہ اس کے قریب آ گیا۔ جواہرات موبائل نکال کر میلز چیک کرنے لگی۔ وہ تینوں اس تماشے سے ساؤنڈ پروف دروازوں کے باعث بے خبر رہے جو باہر ہو رہا تھا اور جس کا خاور کو ڈر تھا۔

تم کو اپنی شکست دکھتی ہے؟
یا مرے حوصلے سے خائف ہو؟

سعدی جب آفس سے نکلا تو اس کا چہرہ زرد تھا' اور آنکھیں گلابی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اس نے ہاشم کے آفس کے باہر ہال پار کیا جس میں صرف حلیمہ سیکرٹری کا ڈیسک تھا۔ آگے لمبی راہداری تھی جس کے آگے لفٹ تھی۔ جلد ہی تھی کہ ہاشم کے آفس میں کون آ رہا ہے

تو بن جار ہا ہے۔ اس کا علم حلیمہ یا چند گارڈز کے علاوہ اس فلور پہ کسی اور کو نہیں ہوتا تھا۔

اور ابھی ہاشم کے آفس سے نکلنے والے لڑکے کا چہرہ ایسا بے رنگ ہو رہا تھا کہ وہ بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اور پھر نگاہوں کا زاویہ ہوا۔ سعدی کے عقب میں نوشیرواں لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا آیا۔ چہرے پہ دبا دبا غصہ لیے اس کا انداز جارحانہ تھا۔ سعدی کے ساتھ سے گزر کر وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ سعدی رکا' گلابی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ میرے بارے میں کیا بکواس کر رہے تھے تم؟" نوشیرواں نتھنے پھلائے' غصے سے پھنکارا۔ "اس وقت تو میں خاموش رہا بونلے..."

"کیونکہ نوشیرواں' جب دو مرد آپس میں بات کر رہے ہوں تو تمہیں چاہیے کہ تم خاموش ہی رہو۔" سعدی سرخ پڑتی آنکھوں سے انداز میں ایسے چبا چبا کر بولا کہ نوشیرواں کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ منہ یوں ہو گیا جیسے طمانچہ مارا گیا ہو۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا' نکھیوں سے اسے نظر آیا۔ ہاشم کی سیکرٹری نے ہنسی چھپانے کو چہرہ جھکایا تھا۔ نوشیرواں نے ڈال بھبھوکا چہرہ اس طرف پھیرا۔ (کیا یہ ہنسی روک رہی ہے؟ کیا یہ مجھ پہ ہنسی ہے؟) وہ ایک دم جارحانہ انداز میں اس ڈیسک تک آیا۔

"کیا فنی لگ رہا ہے تمہیں؟ ہاں؟" زور سے زمین پہ رکھے سسٹم یونٹ کو ٹھوکر ماری۔ بھاری یونٹ ایک طرف کو لڑھکا۔ حلیمہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ہکا بکا سی وہ اٹھی۔

"سر... آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"بکواس کرتی ہو میرے آگے۔" نوشیرواں نے برہمی سے بازو مار کر میز کی چیزیں گرا دیں۔

"میرا غصہ ایک کمزور لڑکی پہ نکال رہے ہو؟ مرد بنو نوشیرواں۔ مرد بنو!" اور بس ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈال کر' اپنا فون اٹھا کر' آگے بڑھ گیا۔

شیرو تلملا کر واپس گھوما تو دیکھا حلیمہ اسی طرح پریشان کھڑی تھی۔ چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ سعدی پہ دبا سارا غصہ عود کر آیا۔

"کھڑی شکل کیا دیکھ رہی ہو میری؟" وہ آگے بڑھا۔ زور سے اس کی کمپیوٹر اسکرین کو دھکا دیا۔ وہ الٹ کر دوسری طرف جا گری۔ حلیمہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ ہراساں نگاہوں سے شیرو کو دیکھا۔ جس کے نقش غصے سے بگڑ رہے تھے۔ اسے لگا وہ ابھی کے ابھی اسے نوکری سے نکل جانے کا کہے گا مگر نوشیرواں کے ذہن پہ اس وقت دوسری چیزیں سوار تھیں۔ سعدی کی لفٹ جا چکی تھی۔ شیرو دوسری لفٹ کی طرف لپکا۔

.... ❖❖❖ ....

جرم کی نوعیت میں کچھ تفاوت ہو تو ہو ...... در حقیقت پارسا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

کچہری کی راہداری میں انسانوں کا جم غفیر تھا۔ کوئی آ رہا تھا' کوئی جا رہا تھا۔ ایسے میں احمر رستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اپنے لاپرواہ حلیے کے برعکس' آج وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس تھا' کف بھی بند تھے' اور بال بھی پیچھے سیٹ کر رکھے تھے۔

بالآخر وہ رکا۔ ایک ادھ کھلے دروازے کے اندر وہ بیٹھی دکھائی دی۔ میز کے اس پار کرسی پہ براجمان' سر جھکائے' فائل پہ روانی سے قلم چلاتی۔ گھنگریالے بال کیچر میں آدھے بندھے تھے' اور ایک لٹ جھک کر فائل کو چھو رہی تھی۔

احمر فوراً سے دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ چند لمحے کے لیے سوچتا رہا۔

(یہ میری طرف سے غازی کی شادی کا تحفہ ہے۔ مگر...) وہ رکا۔ (جب میں چڑیل کی غلط فہمی دور کروں گا اور اسے حقیقت بتاؤں گا کہ وہ میری غلطی تھی' ورنہ غازی نے اسے استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی' تو وہ کیا کرے گی؟ ہوں... سوچنے دو۔

دیوار سے ٹیک لگائے اس نے آنکھیں بند کیں اور تصور کرنا چاہا۔

وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے زمر چہرہ اٹھا کر اسے دیکھتی ہے چونکتی ہے۔ "احمر شفیع؟" ابرو اٹھاتی ہے پھر اندر آنے کے لیے سر کو خم دیتی ہے۔ وہ جھجکتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔ تذبذب سے سلام کر کے کہتا ہے۔

"آپ کو شادی کی مبارک ہو۔ میں پہلے اس لیے نہیں آیا کہ آپ کا غازی سے کوئی رشتہ نہیں تھا' مگر اب رشتہ ہے' سو مجھے آپ کی یہ غلط فہمی دور....."

اور وہ بات کاٹ کر کہتی ہے۔ "تمہید کاٹیں' اور کام کی بات پہ آئیں۔" وہ گہری سانس بھر کر رہ جاتا ہے' پھر جلدی جلدی بتانے لگتا ہے۔

"اس دن غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا جعلی مخبری کرنے۔ وہ آپ کو استعمال نہیں کر رہا تھا' یہ میری غلطی تھی۔"

وہ ایک دم حیرت زدہ رہ جاتی ہے' مضطرب سی کھڑی ہوتی ہے۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"جی میم...." اور وہ مزید تفصیل بتانے لگتا ہے۔ وہ جیسے جیسے سنتی جاتی ہے' اس کا رنگ زرد پڑتا جاتا ہے' یہاں تک کہ آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

"یعنی کہ اس نے کچھ نہیں کیا' اور میں اپنے ہی اتنے سال اس کو مورد الزام ٹھہراتی رہی۔ او میرے اللہ!" وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھ جاتی ہے۔ "کیا وہ مجھے معاف کرے گا؟ میں نے اس کو اتنا غلط سمجھا۔"

"اونہوں!" احمر نے برا سا منہ بنا کر آنکھیں کھولیں۔ تصور غائب ہوا۔ راہداری میں لوگوں کا شور سماعتوں میں گونجنے لگا۔ اس نے اپنے سر پہ چپت رسید کی۔ "یہ چڑیل اتنی ایموشنل اس نے پھر سے آنکھیں بند کر کے سوچنا چاہا۔ تصور کا پردہ روشن ہوا۔

وہ زمر کے سامنے کھڑا ہے اور اسے بتا رہا ہے۔

"وہ میری غلطی تھی۔ غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا۔"

وہ ایک دم غصے سے کھڑی ہوتی ہے۔ "تمہیں کیا لگتا ہے' میں تمہاری بکواس پہ یقین کر لوں گی؟ یہ کہانی کسی اور کو جا کر سناؤ۔ میں جانتی ہوں کہ اس روز اسی نے تمہیں میرے پاس مخبری کرنے کے لئے بھیجا تھا۔" غصے سے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ کہتی ہے۔

"اُف!" احمر نے تلملا کر آنکھیں کھولیں۔ بے بسی سے چوکھٹ تک گردن نکال کر جھانکا۔ جہاں وہ پرسکون سی' سر جھکائے فائل پہ لکھتی جا رہی تھی۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہ جی کڑا کر اوٹ سے نکلا اور دروازے کو انگلی سے بجایا۔

لکھتے لکھتے زمر نے سر اٹھایا' اسے دیکھ کر وہ چونکی۔ "احمر شفیع؟" ابرو اٹھا کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر قلم بند کر کے کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائی۔ سر کے خم سے آنے کا اشارہ کیا۔

وہ متذبذب سا اندر داخل ہوا اور سلام کیا۔ تھوک نگل کر خشک گلا تر کیا۔ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کو شادی کی مبارک دینے آیا تھا اور ساتھ میں ایک پرانی غلط فہمی بھی دور کرنا تھی۔"

وہ خاموشی مگر نرمی سے اس کو دیکھتی رہی۔

"وہ جعلی مخبری جو میں نے کی تھی' وہ مجھے آپ کے پاس جا کر نہیں کرنی تھی۔ غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا' وہ نہیں تھے تو میں نے آپ کو بتا دیا' یہ میری غلطی تھی۔ اس کو تو پتہ بھی نہیں تھا کہ میں اس طرح کر دوں گا۔" (سانس روک کے) احمر نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی، پھر اسی پرسکون اور نرم انداز میں بولی۔ ''مجھے پتہ ہے۔''

احمر کے سارے تصورات بھک سے اڑ گئے۔ ''جی؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ ''آپ کو کیسے پتہ؟''

''مجھ سے ہی تو آپ نے پوچھا تھا بصیرت صاحب کا۔ وہ نہیں تھے تو آپ نے مجھے بتا دیا۔ میں سمجھ گئی تھی۔''

احمر تیزی سے دو قدم آگے آیا۔ ''مطلب کہ..... آپ جانتی ہیں سب۔ تو پھر آپ غازی سے خفا کیوں ہیں؟''

''کیونکہ اس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی۔'' ہلکے سے کندھے اچکا کر وہ اسی سکون سے بولی۔ احمر الجھن سے رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''مگر... ابھی آپ نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ میری غلطی تھی۔ تو.....؟''

زمر چند ثانیے اسے دیکھتی رہی، پھر گہری سانس لے کر کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھیے احمر۔''

(اتنی عزت؟) کوئی اور وقت ہوتا تو وہ سوچتا، مگر ابھی وہ فوراً سے کرسی سنبھال کر بیٹھا۔ آگے کو ہو کے، بے چینی سے اسے دیکھا۔

''آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ ہماری شادی کے بارے میں 'بہت کچھ' جانتے ہیں۔ میں اپنے ذاتی معاملات یوں ڈسکس نہیں کرتی مگر چونکہ موضوع آپ نے چھیڑا ہے اور اس سے آپ کا تعلق بھی ہے، اس لیے..... مجھے بتائیے۔ اس روز کیا تاریخ تھی جب آپ مجھ سے پاس جعلی تجزیہ لے کر آئے تھے؟''

''آ..... پتہ نہیں۔'' وہ گڑبڑایا۔

''اس روز سولہ تاریخ تھی۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ اس کے بعد فارس سے ملنے میں کس دن جیل آئی تھی؟''

''یقین کیجئے، جیل میں مجھے کیلنڈر نہیں دیا گیا تھا، کہ یہ میرے پرزن رائٹس کے خلاف تھا، مگر.....''

''اکیس۔ میں اکیس تاریخ کو دوبارہ جیل آئی تھی اور میں نے فارس کو بہت سنائی تھیں۔ یعنی چار دن بعد۔ ٹھیک؟''

''جی۔ ٹھیک!'' وہ توجہ سے سن رہا تھا۔

''آپ نے کس دن فارس کو بتایا کہ یہ تجزیہ آپ نے میرے سامنے کی ہے؟''

''اسی دن سولہ تاریخ کو۔ جاتے ساتھ ہی بتا دیا۔ بہت غصہ ہوا مجھ پہ۔ اس نے کہا کہ وہ آپ کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور.....'' بولتے بولتے وہ رکا۔

زمر اداسی سے مسکرائی۔ ''اور پھر فارس نے کیا کیا، احمر؟''

اور احمر کو لگا، اس کے منہ پہ چابک دے مارا گیا ہو۔ وہ بے وقوفوں کی طرح زمر کی شکل دیکھنے لگا۔ (''پھر؟'' اس نے غائب دماغی سے دہرایا۔)

''آپ مجھے یہ بتانے آئے ہیں کہ وہ بے قصور ہے کیونکہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ وہ قصوروار ہے کیونکہ اس نے کچھ نہیں کیا۔''

احمر بس شل سا اسے دیکھے گیا۔ کیا وہ فارس کی حمایت میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اسے سامنے کی بات نظر نہیں آئی؟

''سولہ تاریخ کو آپ نے اسے بتایا کہ آپ نے مجھے استعمال کیا ہے، مجھے اندازہ تھا یہ بات آپ اسے جاتے ساتھ ہی بتائیں گے۔ پھر آگے میں آپ کو بتاتی ہوں کہ کیا ہوا۔'' وہ تحمل سے کہہ رہی تھی۔

''وہ آپ پہ خفا ہوا، غصہ ہوا، اور پھر..... وہ چپ ہو گیا۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اسے چار دن دیے۔'' انگوٹھا بند کر کے چار انگلیاں دکھائیں۔ ''چار دن تاکہ وہ اپنی غلطی کو درست کر لے۔ مجھے یقین تھا یہ صرف ایک غلطی ہے۔ اٹھارہ تاریخ کو اسے جو ڈیشل ریمانڈ کی

توسیع کے لئے عدالت لایا گیا۔ کاریڈور میں میں نے اسے گزرتے ہوئے دیکھا۔ ابھی چند روز پہلے ہی تو اس نے مجھے وہاں روک کر کہا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔ مگر اٹھارہ تاریخ کو وہ مجھے دیکھ کر خاموشی سے گزر گیا۔ میں انتظار کرتی رہی۔ ایک دفعہ وہ کہہ دے یہ احمر کی غلطی تھی' ہم آپ کو استعمال نہیں کر سکتے' مگر اس نے پلان جاری رکھا۔ اس.... نے.... پلان.... جاری.... رکھا!... احمر!''

احمر بالکل لاجواب سا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ وہ وقت تھا جب میں نے ڈھائی سال تک اس کی بات نہیں سنی' کیونکہ مجھے ڈر تھا' میں اسے معاف کر دوں گی' اور جب وہ میرے سامنے آیا تو میں نے شاید اسے معاف کر بھی دیا تھا' میں اس کے کیس کی خود تحقیق کرنے جا رہی تھی' میں سب کچھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی' میرا دماغ کہتا تھا' وہ اتنے گواہ جنہوں نے اسے گن لے کر ہوٹل کے کمرے میں جاتے دیکھا ہے' جنہوں نے اسے اپنے بھائی کے ہوٹل کے کمرے سے رات کو نکلتے دیکھا ہے' وہ سب سچ کہہ رہے ہیں؟ مگر دل کہتا تھا' میں اسے ایک چانس اور دوں۔ اور میں نے دیا۔ احمر صاحب' میں نے اس کو چار دن دیے کہ وہ اپنی غلطی درست کر لے۔ ٹھیک ہے اسے نہیں پتہ تھا' مگر جب پتہ چل گیا تب کیا کیا اس نے؟ کیا مجھے بتایا کہ ہم riots نہیں جیل توڑنے جا رہے ہیں؟ کیا سوچا کہ فرار کے بعد میرا کیا بنے گا؟ میں ایک عورت ہوں۔ ایک عورت کے ساتھ یہ پوری نجبری کیا کرے گی؟ اس کو معلوم تھا سب' مگر اس نے کچھ نہیں کیا۔ اس دن میں نے ہمیشہ کے لئے فارس پہ اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب مجھے اس پہ اعتبار ہی نہیں رہا۔ پھر بھی جب میں اس کے پاس گئی تو اس سے کہا کہ تم نے اپنے سائیڈ کک (احمر کے ابرو بھینچے) کو میرے پاس بھیجا' تو یہ کہتے ہوئے بھی میری خواہش تھی کہ وہ کہہ دے.... مجھے تو نہیں پتہ' میں نے تو کچھ اور کہا تھا' مگر اس نے پلک تک نہیں جھپکی۔ یعنی وہ جانتا تھا کہ آپ مجھے کہہ آئے ہیں' اور اس نے کچھ نہیں کیا۔ معافی بھی نہیں مانگی۔ احمر کیا اسے مانگنی نہیں چاہیے تھی؟''

احمر کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔ ''اس نے شاید اس لئے....'' وہ ٹھہر گیا۔ ساری دلیلیں ختم ہو گئیں۔ بے بسی سے اس نے زمر کو دیکھا۔ ''یہاں اس کا قصور ہے' مگر اس نے وہ قتل نہیں کیے۔'' وہ نگاہیں زمر کے چہرے سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ جو پرسکون سی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی' مگر اطمینان بھی تھا۔

''جب آپ کا ایک دھوکہ سامنے آ جائے تو آپ کے سارے سچ مشکوک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مت کہیے کہ اس نے وہ قتل نہیں کیے۔ آپ کے چہرے پہ لکھا ہے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں کہ وہ بے گناہ تھا۔''

احمر نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ ''مجھے نہیں پتہ وہ بے گناہ ہے یا نہیں' اس کے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ اگر سوچوں تو وہ قاتل لگتا ہے' مگر وہ میرا دوست ہے' مجھے اس کی ہر بات ٹھیک لگتی ہے۔ آئی ایم سوری۔ ہم نے بہت غلط کیا۔'' خفت سے گردن قدرے جھکا کر وہ بولا۔

''مجھے آپ کی معذرت سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ میرے کچھ نہیں لگتے۔'' نرمی سے کندھے اچکا کر وہ بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر اٹھ گیا۔

''اگر آپ کو کبھی یہ معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے' اور اسے پھنسایا گیا ہے تو آپ کیا کریں گی؟''

''وہ بے گناہ نہیں ہے' کم از کم مجھے اس پہ اب یقین نہیں آتا۔''

''میں دوبارہ آپ سے معذرت کرتا ہوں۔'' اس کا آفس چھوڑنے سے پہلے احمر نے پھر سے کہا تھا۔ زمر نے سر کو بس خم دیا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس نے معذرت قبول نہیں کی تھی۔

☆☆☆

لغزشوں سے ماورا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں ..... دونوں انسان ہیں، خدا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

احمر اپنے کچن کے اونچے اسٹول پہ سوچ میں گم بیٹھا تھا جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر بھاری قدم قریب آتے سنائی دیے۔

"کیوں بلایا ہے؟" فارس بے نیازی سے پوچھتا ساتھ والے اسٹول پہ بیٹھا۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھ لیں اور گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ احمر آنکھیں چھوٹی کر کے سامنے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

"اے! ہیلو!" فارس نے اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجائی۔ وہ چونکا نہیں' بس آہستہ سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آج کچہری گیا تھا کسی کام سے۔ میڈم زمر سے ملاقات ہوئی۔"

"پھر؟" فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

"یار ہم نے ایک لڑکی کو استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی۔ لعنت ہے ہمارے اوپر۔"

وہ پہلے قدرے حیران ہوا' پھر ناگواری سے لب بھینچ لیے۔ چہرہ موڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔

"یہ قصہ کیوں دہرا رہے ہو؟"

"ہم نے ایک لڑکی کو استعمال کیا یار!" وہ سخت پُر ملال تھا۔

"ایک منٹ۔ میں نے تمہیں دوسرے وکیل کے لیے پیغام دیا تھا' یہ تمہاری غلطی تھی۔" خفگی سے اس نے بات کاٹی۔

"اور پھر تم نے کیا کیا؟" وہ بھی اتنی ہی درشتی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے میری غلطی کو ٹھیک کیا؟ مجھے ایک دفعہ بھی کہا ہوتا کہ جا کر اس کو سب بتا دیتے ہیں۔ تمہیں پتہ تھا کہ ایسی مخبری پہ کارروائی کے بعد اگر ہم فرار ہو گئے تو اس کے ساتھ کیا ہو گا' مگر تم نے سب کچھ چلنے دیا۔"

"ایسے ظاہر مت کرو جیسے تم نے کچھ نہیں کیا۔" وہ برہم ہوا۔

"مگر میں اس کا کچھ نہیں لگتا تھا' غازی تمہیں' کم از کم تمہیں پلان جاری نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اور پھر بعد میں تمہیں اس سے معافی بھی مانگنی چاہیے تھی۔ وہ قتل تم نے نہیں کیے ہوں گے' تم بے قصور ہو گے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم زندگی میں ہر معاملے میں بے قصور ہو۔ تم نے واقعی اس کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔" سنجیدگی سے وہ کہہ رہا تھا۔ فارس تنے ابرو کے ساتھ چہرہ موڑے سامنے دیکھتا رہا۔ چند پل ایک شدید تناؤ کی کیفیت میں خاموش گزرے۔ پھر وہ اسی خفگی سے بولا۔

"میں کیوں معافی مانگتا؟ میں نے اس پہ گولی نہیں چلائی تھی۔"

احمر نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل۔ تم نے اس پہ گولی نہیں چلائی۔ تم نے اس کا دل توڑا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو یہ زیادہ بڑا گناہ ہے۔" ملامتی انداز میں کہہ کر وہ اٹھ گیا اور گھوم کر اوون کی سمت آیا اور میز پہ رکھا موبائل اٹھا کر بٹن دبانے لگا۔ چند لمحے اس اظہار لاتعلقی کی نظر ہو گئے۔

فارس ابھی تک اونچے اسٹول پہ بیٹھا خفگی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ احمر اس کی پشت پہ تھا۔ جب وہ مزید کچھ نہ بولا تو فارس نے گہری سانس لی۔

"مجھے پتہ ہے' میں نے اسے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا۔" پھر وہ گویا اکتا کر پیچھے گھوما۔ "میں ڈھائی سال سے جیل میں بند تھا' میرے پاس کوئی دوسرا راستہ....."

"اوہ پلیز' کوئی وضاحت مت دینا۔ کسی کا دل توڑنے کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی۔" موبائل جیب میں رکھتے احمر نے چابیوں کا گچھا اٹھایا اور راہداری کی سمت بڑھ گیا۔

"اگر تمہیں خود جانا تھا تو کیوں بلایا مجھے؟" اس نے بیزاری سے پکارا۔

"یہ بتانے کے لیے کہ میں آج کے بعد جیل کو جیل نہیں کہوں گا۔ دراصل آج مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنی بری نہیں ہے' جتنی

کورٹ میں مجھے لگا کرتی تھی۔ اور ہاں!" دروازہ کھولتے کھولتے وہ رکا۔ مڑ کر سنجیدگی سے دور بیٹھے فارس کو دیکھا "میرا خیال ہے وہ جو تمہارے ساتھ کر رہی ہے تم وہ ڈیزرو کرتے ہو۔" پھر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

بدتمیز۔ پہلے سے خراب موڈ اشتہٰی نے مزید خراب کر دیا تھا۔ وہ اسٹول دھکیلتا خود بھی جانے کے لیے اٹھا اور یہ تبھی تھا جب ندرت کا فون آیا۔

"میں نے زمر کو کال کی تھی' اس نے بتایا وہ آفس میں ہے۔ تم دونوں یوں کرو دوپہر میں ہماری طرف آ جاؤ' سعدی صبح کہہ کر گیا تھا کہ شام کو ریسٹورانٹ کو کسٹمرز کے لئے بند کر کے بار بی کیو کریں گے۔"

"رات کو ہاشم نے کھانے پہ بلایا ہے۔"

"میں نے زمر سے بات کر لی ہے وہ کہہ رہی ہے ہاشم سے معذرت کر لے گی۔ تم بھی آ جاؤ۔" اور ندرت عجلت میں فون کاٹ گئیں۔ فارس نے بے زاری سے موبائل کو تکا۔

اگر ہاشم سے معذرت کرنی ہی تھی تو میرے سامنے ہاں کرنے کیا ضرورت تھی۔ بے حد برے موڈ میں وہ وہاں سے نکلا تھا۔

...............✤✤✤✤.................

سانس روکے کھڑا تھا ملک الموت :..... سامنا ڈیپ کو ہوا کا تھا

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج کو کولر نے ٹھنڈ بخش رکھی تھی۔ کھانے کے برتن اٹھائے جا چکے تھے ندرت خوشی خوشی زمر کو کچھ بتا رہی تھیں جو صوفے پہ بیٹھی نرمی سے مسکراتی ان کو دیکھ رہی تھی۔ حنہ قریب میں پیر اوپر کر کے بیٹھی ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے ناخن چبا رہی تھی۔

"فارس کو دیکھو آیا ہی نہیں کب سے فون کیا تھا اسے۔" ندرت نے گھڑی دیکھتے ہوئے قدرے خفگی سے کہا۔ زمر بمشکل مسکرا پائی۔

"سعدی کب آئے گا؟" موضوع تبدیل کیا۔

"پتہ نہیں' آج کسی کام سے گیا تھا' شاید دیر ہو جائے۔"

اور عین اسی وقت بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ان تینوں نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ وہ شاید تیزی سے اندر آیا تھا اس لئے اگلے ہی لمحے راہداری عبور کر کے چوکھٹ پہ آن رکا۔ کوٹ پہنا ہوا تھا' مگر ٹائی ڈھیلی تھی' بال قدرے بکھر چکے تھے اور دھوپ کی تمازت سے چہرہ تمتمایا ہوا لگ رہا تھا۔ ماتھے پہ پسینہ بھی تھا۔ مگر یہ اس کا حلیہ نہیں' کچھ اور تھا جس کے باعث وہ سب اس کو دیکھنے لگے۔

جارحانہ انداز اور آنکھوں میں دبا غصہ۔ زمر کو دیکھ کر وہ چوکھٹ پہ تھا سرخ غصیلی آنکھوں سے حنہ کو دیکھا۔ گردن ترچھی کر کے اشارہ کیا "بات سنو میری!"

نہ سلام نہ کچھ۔ حنین کے دماغ پکڑنے ہاتھ نم ہونے لگے۔ چہرہ بے رنگ ہوا۔ بھائی کو پتہ چل گیا۔ حنہ ڈیڑھ برس کی محنت کے بعد بھی اپنا اعتبار کھونے سے نہیں بچا سکی۔ سب اکارت گیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

زمر کی نظروں نے سعدی سے حنین کے چہرے تک کا سفر کیا جو ایک دم پریشان نظر آنے لگی۔ سعدی کہہ کر رکا نہیں' مڑ گیا۔ حنہ مرے قدموں سے اٹھی اور اس کے پیچھے گئی۔

"سعدی" ندرت نے فکرمندی سے پکارا۔ مگر اس نے نہیں سنا۔ وہ کمرے میں آیا' کوٹ اتار کر کرسی پہ ڈالا اور پلٹا تو حنہ اندر آ رہی تھی۔ مرو ڑتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سعدی نے دروازہ پاؤں سے دھکیل کر بند کیا اور اس کی جانب گھوما۔ (دروازہ چوکھٹ سے ابھی چار انچ دور تھا جب باہر سے زمر نے ہینڈل تھام لیا۔ ذرا سی درز باقی رہ گئی۔)

''تمہارے آخری پیپر میں' جو لاء اسکول میں تھا' کیا ہوا تھا؟ ہاں' کیا ہوا تھا؟'' وہ طیش سے اسے گھورتے دو قدم مزید قریب آیا۔ حنہ نے ڈرتے ڈرتے پلکیں اٹھائیں۔

''آپ کو کس نے بتایا؟''

''حنین میں نے تمہیں رکھ کر تھپڑ مارنا ہے اگر تم نے مجھے سیدھی طرح پوری بات نہ بتائی تو۔ تم چیٹنگ کرتے پکڑی گئی تھی اور تم نے ہاشم کو بلایا تھا' ہاں؟''

حنین کی سعدی کا چہرہ تکتی آنکھیں نم ہوئیں۔ ذرا سا اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی کے قدموں تلے زمین سرکنے گی۔ ہاشم صحیح کہہ رہا تھا۔ اس کے کان سرخ ہوئے۔

''تمہارا بھائی مر گیا تھا جو اس گھٹیا آدمی کو بلایا تم نے؟'' وہ بے حد غم و غصے سے دھاڑا تھا۔

''تمہیں کیا پرابلم ہے اس بات سے؟'' زمر ٹھنڈے انداز میں کہتی اندر داخل ہوئی۔ حنہ نے نم آنکھوں سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حنین کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ سعدی کے مقابل۔

''زمر میں اپنی بہن سے بات کر رہا ہوں' آپ درمیان میں مت آئیں۔'' اس نے غصے کو ضبط کرتے بمشکل لحاظ کیا۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے وہیں کھڑی رہی۔ ہلی بھی نہیں۔

''مگر میں تم سے بات کر رہی ہوں۔ ہاشم کو بلانے کے لیے میں نے کہا تھا اسے۔ اس نے پہلا فون مجھے کیا تھا۔'' سعدی کی آنکھوں میں دیکھ کر اسی سکون سے بولی۔ حنین کا دل دھک سے رہ گیا۔

''مجھے پتہ ہے آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ آپ کو اس بات کا علم بھی نہیں تھا۔'' وہ اتنے ہی غصے سے بولا۔

''شاید تم بھول گئے ہو کہ میں تم سے آٹھ سال بڑی ہوں۔ اس لیے پہلی بات' مجھ سے ذرا تمیز سے بات کرو۔ دوسرا یہ کہ مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا فون ریکارڈ چیک کر لو بے شک۔''

سعدی کے تنے کندھے قدرے ڈھیلے پڑے' مگر غصہ بھری آنکھوں میں شکوک و شبہات لیے وہ زمر کو دیکھتا رہا۔

''اچھا اگر آپ کو یہ بات پتہ تھی تو کیا نام ہے اس وکیل کا جو اس لاء کالج کا منتظم ہے اور جس سے ہاشم نے بات کر کے اس کو....'' غصیلی نظر حنین پہ ڈالی۔ ''اس مسئلے سے نکلوایا تھا؟''

''راجہ عبدالباسط ممبر ہائی کورٹ بار۔ کیا گھر کا ایڈریس بھی دوں ان کا؟'' وہ اتنی بے نیازی سے بولی کہ سعدی کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔ باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

''اگر حنین نے آپ کو کال کیا تھا تو آپ خود کیوں نہیں گئیں؟ ہاشم کو کیوں انوالو کیا میرے گھر کے معاملے میں؟'' وہ اب بھی مشکوک تھا اور غصہ پھر سے چڑھنے لگا۔

''کیونکہ میں دن میں پچیس کام کر کے دیتی ہوں اس کے دو چار وہ کر دے گا تو احسان نہیں کرے گا۔'' وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔ ''اس وکیل سے میرے تعلقات اچھے نہیں ہیں' ان کے گروپ کو ووٹ نہیں دیا تھا میں نے' دوسرے بھی کئی مسئلے ہیں میرے ساتھ۔ میں جاتی تو مسئلہ مزید بگڑتا' اس لیے میں نے حنہ سے کہا کہ ہاشم کو کال کرتی ہوں۔ میرے کرنے سے پہلے حنہ نے کر لی کال اور وہ پہنچ بھی گیا۔ تمہیں کیا پرابلم ہے اس سب سے؟''

''تم نے....'' سعدی کے چہرے پہ اشتعال ابھرا' انگلی اٹھا کر سنگین انداز میں پوچھا۔

''تم نے چیٹنگ کی تھی یا نہیں؟''

اور یہ وہ سوال تھا جس کا جواب زمر کو بھی معلوم نہیں تھا' سو وہ اسی اطمینان سے حنین کی طرف گھومی۔ ''بولو بھی حنین! اپنی پوزیشن کلیئر کرو، کھا نہیں جائے گا وہ تمہیں۔''

اور حنین جو اس وقت مختلف کیفیات کا شکار ہو رہی تھی' اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ''میں نے چیٹنگ نہیں کی تھی' پچھلی لڑکی نے ٹشو میں نقل لکھ کر مجھے دی کہ اگلی کو دوں۔ وہ ٹشو میرا نہیں تھا' نہ میں نے کچھ پڑھا اس میں۔ میں نے تو صرف ٹشو پاس کیا تھا۔ ممتحن نے مجھے دیکھا' اور دوسروں کو نہیں' بس مجھے اٹھا دیا اور پھر...'' وہ سارا واقعہ واضح واضح بتانے لگی۔

''تمہیں پتہ تھا اس ٹشو میں کیا لکھا ہے؟'' وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔ اور ایک یہی نکتہ تھا جہاں پہنچ کر پچھلے دو ہفتے سے حنین کا دل ڈوبتا تھا۔

''مجھے پتہ تھا' مگر.....''

اور سعدی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔ ''تمہیں پتہ تھا اور پھر بھی تم نے ٹشو آگے پاس کیا۔ تم نے ان کی اعانت کی۔ تم ان کی چیٹنگ میں شریک بنی۔'' نفی میں سر ہلاتے اس نے غصے اور صدمے سے حنہ کو دیکھا جس کے آنسو مزید تیزی سے گرنے لگے تھے۔ ''تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا حنین۔''

''اچھا! اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟'' زمر نے اس کی توجہ حنین سے ہٹائی۔

''میں اسی وقت کھڑا ہو کر وہ ٹشو ممتحن کے حوالے کر دیتا۔ اعانت جرم' جرم کرنے کے برابر ہوتی ہے۔''

''تم ایسا کر بھی سکتے ہو' کیونکہ تمہارے ساتھ کمرہ امتحان میں لڑکے ہوتے' جو تھانے چلے جاتیں' پرچہ کٹ جائے اور تین سال امتحان نہ دے سکیں تو کوئی قیامت نہیں آتی' مگر حنہ کے ساتھ لڑکیاں تھیں' اور ان کی عزت اگر خاک میں ملے تو پورا خاندان تباہ ہوتا ہے سعدی۔ کیا یہ ان دو لڑکیوں کو ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا دیتی؟'' وہ تیز لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔ ساتھ ہی آنکھوں میں بے پناہ برہمی تھی۔

سعدی کے ماتھے کی تیوریاں قدرے ڈھیلی پڑیں مگر پوری طرح نہیں۔

''اور اب کیا ہوگا؟ وہ وکیل اس چیز کو اب بھی استعمال کر سکتا ہے۔''

''تمہیں لگتا ہے میں اسے یہ کرنے دوں گی؟'' اس نے اتنا حیرت سے سعدی سے پوچھا۔ کوئی بوجھ سا تھا جو سعدی کے دل سے سرکنے لگا۔ وہ رخ موڑ کر گہرے سانس لیتا خود کو کمپوز کرنے لگا۔ حنہ فکرمندی سے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتی۔ اس کا سانس ابھی تک اٹکا تھا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا' ہاں؟'' اس نے ملامتی نظروں کا رخ زمر کی طرف کیا۔

''تمہیں بتاتی تاکہ تم وہ کرو جو ابھی کر رہے ہو۔ آخر میں ہو تو فارس کے ہی بھانجے نا۔ (فی الحال وہ دونوں بھانجے اس ریفرینس پہ احتجاج کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ اسی تیز برہم انداز میں بولتی گئی۔) اور تم کیا کر لیتے وہاں آ کر سوائے مسئلہ بڑھانے کے؟ میں نے وہی کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔ حنہ نے بھی وہی کیا جو اسے ٹھیک لگا۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے' جب تم انگلینڈ میں مزے کر رہے تھے۔ (سعدی نے اس لفظ پہ بے اختیار ابرو اٹھائی۔) تو یہاں زمر اور حنین اپنے مسئلے خود حل کر رہی تھیں۔ کیا ہم نے تمہیں بتایا حنہ کی اس کلاس فیلو کے بارے میں جو اسے ہراس کر رہی تھی' یا اس وائس پرنسپل کے بارے میں جو غلط طریقے سے اس کی محنت چرانا چاہ رہی تھی' یا ان لوگوں کے بارے میں جن کو میں اور حنہ گھر جا کر ان کی غیر قانونی جائیداد کے خلاف کارروائی کی دھمکی دے کر آئے تھے۔ ہم نے تو بہت سارے مسئلے اکٹھے سلجھائے ہیں' کس کس کا بتاؤں میں تمہیں؟'' ایک واقعے کو تین سے ضرب دے کر اس نے کہا تو سعدی کا غصہ جاتا رہا۔ وہ واقعی فکرمند ہو کر دونوں کی شکل دیکھنے لگا۔

"میری بات کان کھول کے سنو سعدی! آئندہ اس لہجے میں اپنی بہن سے بات مت کرنا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" انگلی اٹھا کر سختی سے اس کو وارننگ دی۔ "اب باہر نکلو تو تم دونوں کا موڈ ٹھیک ہونا چاہیے۔ بھابھی کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔" ایک آخری ناراض نظر ان پہ ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔

پیچھے سعدی اور حنین کے درمیان خاموشی حائل ہوگئی۔ وہ جھکی' بھیگی پلکوں کے ساتھ کھڑی تھی' اور وہ گو کہ ابھی تک خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا' مگر صاف ظاہر تھا وہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔

"آئی ایم سوری۔ میں نے صرف اس لئے نہیں بتایا کہ مجھے لگا' آپ مجھے غلط سمجھیں گے' مگر میں آپ کو بتانے والی تھی۔"

"اگر تم غلط نہیں تھی تو میں تمہیں کیوں غلط سمجھتا؟ زمر جو بھی کہیں' تم لوگوں کو مجھ سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔ ہم ایک فیملی ہیں' ہم ایک دوسرے سے باتیں نہیں چھپا سکتے۔"

"آپ نے کہا تھا کہ اگر آپ نے دوبارہ چیٹنگ کا سنا تو ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔"

"افوہ!" سعدی نے جھلا کر سر جھٹکا۔ "امی دن میں پچاس دفعہ کہتی ہیں کہ تمہاری ٹانگیں توڑ دیں گی' کبھی آج تک توڑی؟"

حنین نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر نفی میں سر ہلایا۔

"انسان تنبیہ کرتے ہوئے بہت سی باتیں کہہ جاتا ہے' ایسا کرنا تھوڑا ہی ہوتا ہے؟ ہم ایک خاندان ہیں' تم لاکھ دفعہ غلطی کرو' میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا' میں تمہارا بھائی ہوں۔ موت کے علاوہ کوئی چیز ہمارے درمیان نہیں آسکتی۔" اور موت کا لفظ اتنا اداس کر دینے والا تھا کہ حنین کا دل لرز گیا' مگر وہ کہہ رہا تھا۔ "میری بات سنو' اب تم کبھی بھی آئندہ ہاشم کو نہیں بلاؤ گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ تم مجھے بلاؤ گی' میں نہیں ہوں تو تم زمر کو بلاؤ گی' مگر کبھی بھی ہاشم پہ بھروسہ نہیں کرنا۔"

"وہ ویسے نہیں ہیں جیسے آپ ان کو سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے اتنا کرتے ہیں اور ہم....."

"بالکل بالکل Saint Hashim کی برائی تو میرا خاندان سن نہیں سکتا۔" افسوس سے اس نے حنہ کو دیکھا۔ "بہر حال' ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی میں فریش ہولوں۔" حنین نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ باہر نکلی تو سعدی کچھ یاد آنے پہ ساتھ ہی باہر آیا۔ زمر ندرت کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

"مجھے کچھ کام کرنا ہے پھر میں چاہتا ہوں کہ آپ سب ریسٹورانٹ میں جمع ہو جائیں رات کے کھانے کے لئے۔ مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔" اس نے اب ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اطلاع دی۔ زمر مسکرا دی' سر کو خم دیا۔ وہ پلٹ گیا۔ اس کے جاتے ہی زمر نے حنین کو اشارہ کیا' اور وہ ندرت سے معذرت کر کے حنین کے کمرے میں چلی آئیں۔ زمر نے دروازہ بند کیا اور جب اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ ڈھیروں غصہ تھا۔

"تم نے ہاشم کو کال کیا؟ ہاشم کاردار کو؟" غصے اور صدمے سے دبی آواز میں پوچھتی اس نے حنین کو کہنی سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"وہ میرے منتظر تھے' مجھے سمجھ نہیں آئی اور کیا کروں۔ میں....." اس نے تفصیل سے ایک ایک بات بتا دی۔

"سعدی کو کس نے بتایا؟" اس نے غصے سے گھورتے بات کاٹی۔

"پتہ نہیں' انہوں نے نہیں بتایا۔"

"ظاہر ہے ہاشم نے بتایا ہوگا۔"

"کبھی بھی نہیں۔ وہ نہیں بتا سکتے۔ کسی اور نے بتایا ہوگا۔" حنین نے جتنے وثوق سے کہا' زمر نے چونک کر اسے دیکھا' آنکھوں میں تعجب گہرا ہوا۔

''ہاشم اچھا آدمی نہیں ہے حنہ۔ کبھی دوبارہ ان کو اپنے مسئلوں کے لیے نہیں بلانا۔ اچھا؟''

''اچھا۔'' وہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ پھر یاد آیا۔ ''آپ کو کیسے پتا ان وکیل صاحب کا نام؟''

''تم نے خود بتایا تھا کہ تم کہاں ایگزام دے رہی ہو۔ وہاں ایک ہی سینئر لائیر ہیں۔ میں جانتی ہوں ان کو۔''

اوہ۔ تو باقی سب سچ تھا۔

''اب قیامت تک سعدی کو پتا نہ چلے کہ تم نے مجھے کال نہیں کی تھی' اوکے؟'' موبائل پہ نمبر ملاتی وہ باہر کی طرف بڑھی' پرس بھی جس انداز سے کندھے پہ ڈالا' حنین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''آپ کہاں....؟''

''مجھے ایک رپورٹ اٹھانے جانا ہے لیب' شام تک آجاؤں گی' مگر سنو۔'' جاتے جاتے دوبارہ سختی سے تنبیہہ کی۔ ''آئندہ کوئی بھی مسئلہ ہو' تم اسے نہیں' مجھے بلاؤ گی۔ چاہے تمہیں مجھ سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ ہو۔''

آخری الفاظ پہ حنین کا دل ایک دم خالی ہو گیا۔ وہ وہیں شل سی کھڑی رہ گئی۔ زمر اس کو دیکھے بغیر' موبائل پہ بٹن دباتی آگے بڑھ گئی۔ کھڑے کھڑے ندرت کو کام کا بتایا' اور پھر اسی طرح موبائل پہ جھکی' راہداری پار کی اور دروازہ کھولا تو.....وہ سامنے کھڑا تھا۔ ہینڈل پہ ہاتھ رکھنے لگا تھا' اسے دیکھ کر رک گیا۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' پھر واپس موبائل پہ نظریں جھکائے ایک طرف ہو گئی۔ وہ خاموشی سے اندر آیا اور وہ باہر نکل گئی۔ فارس گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ دل میں چھپا کرب اور آنکھوں کا حزن مزید بڑھ گیا۔

(تم نے اس کا دل توڑا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو یہ زیادہ بڑا گناہ ہے۔)

جس وقت وہ ندرت سے مل رہا تھا' اور حنین کھڑکی سے باہر زمر کو جاتے دیکھ رہی تھی' اندر سعدی اپنے باتھ روم سے تازہ دم ہو کر نکل رہا تھا۔ گیلے بال تولیے سے رگڑتے' سفید آدھی آستین کی ٹی شرٹ اور نیلی جینز پہنے وہ پہلے سے بہت ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ لاک کیا۔ اور وہ کوٹ جو آج پہن کر گیا تھا' اسے اٹھا کر کمپیوٹر چیئر پہ آ بیٹھا۔ لیپ ٹاپ آن کیا۔

''سو ہاشم بھائی.....سعدی یوسف ایک معصوم' بے وقوف بچہ ہے نا۔'' کوٹ کی اوپری جیب سے پین نکالا' اور کوٹ کو پیچھے بیڈ پہ اچھال دیا۔

''اور یہ معصوم بچہ اتنا گھامڑ ہے کہ آپ کو جا کر کہتا ہے کہ اعتراف جرم کر کے معافی مانگ لیں' اور دیت ادا کریں۔ آپ کے خیال میں سعدی آج آپ کے پاس اس لیے آیا تھا؟'' بالآخر وہ تکان سے مسکرایا۔ لیپ ٹاپ اسکرین روشن ہو چکی تھی۔

''نہیں ہاشم بھائی' میں آپ کے پاس ''اس'' لیے آیا تھا۔'' اپنے پین کو دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا' اور پھر' پین کا ڈھکن کھولا۔ اندر نب نہیں تھی۔ اس کی جگہ یو ایس بی پلگ تھا۔ سعدی نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلگ لیپ ٹاپ میں داخل کیا۔

''مجھے صرف آپ کا اعتراف جرم چاہیے تھا ہاشم بھائی۔ اور وہ مجھے مل گیا۔'' پین لیپ ٹاپ میں لگ چکا تھا' اور اب وہ اسکرین پہ وہ دکھا رہا تھا جو اس میں لگے ننھے کیمرے نے ریکارڈ کیا تھا۔ سعدی کی اوپری جیب میں لگا قلم' ہاشم کے آفس میں داخل ہونے سے لے کر وہاں سے نکلنے تک' تمام مناظر بہترین کوالٹی میں عکس بند کرتا آیا تھا۔ چونکہ زیادہ وقت اس کے سامنے ہاشم اور جواہرات رہے تھے' اس لیے وہ اسکرین پہ بالکل سامنے نظر آ رہے تھے۔ پوائنٹ بلینک پہ۔ جیسے انٹرویو ریکارڈ کروا رہے ہوں۔

''میری بات پہ کوئی یقین نہیں کرے گا' مگر کیا آپ کی اپنی بات پہ بھی کوئی یقین نہیں کرے گا؟'' آسودہ سی گہری سانس بھرتے اس نے کرسی پہ ٹیک لگائی۔

''آپ لوگوں نے فارس غازی کو پھنسایا ٹیکنالوجی استعمال کر کے۔ اب آپ دیکھیے کہ میں یہی ٹیکنالوجی آپ کو کیسے لوٹاتا ہوں۔

ؤں ایک بے وقوف بچہ نہیں ہوں۔ آپ بھول گئے کہ میں ایک سائنسدان ہوں۔"

ویڈیو بہترین کوالٹی اور کلیئر آواز کے ساتھ اس کے سامنے چل رہی تھی اور وہ بازوؤں کا تکیہ بنا کر سر تلے رکھے ٹیک لگائے اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

جانِ محسن تو بھی تھا ضدی، انا مجھ میں بھی تھی ..... دونوں خود سر تھے، جھکا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

دوپہر باسی ہو کر شام میں ڈھل گئی اور سارے شہر پہ نیلا سا اندھیرا پھیلنے لگا۔ ایسے میں چھوٹے باغیچے والے گھر نے لاؤنج میں رونق لگی تھی۔ بڑے ابا نرمی سے مدھم آواز میں فارس سے کچھ کہہ رہے تھے جسے وہ سنجیدگی سے سن رہا تھا البتہ گاہے بگاہے ابا ایک پرتشویش نگاہ زمر پہ بھی ڈالتے جو فارس کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ نو بیاہتا لڑکیوں کی طرح ہی لگ رہی تھی شفون کے ہلکے کام والے لمبے نیوی بلیو گاؤن اور سلک پاجامے میں ملبوس ہلکے چہرے پہ میک اپ بھی نظر آتا تھا اور کانوں میں آویزے بھی مگر وہ جس طرح سامنے جا کر بیٹھی تھی اور ابھی تک فارس سے مخاطب نہیں ہوئی تھی یہ یوسف صاحب کو کھٹک رہا تھا۔

ندرت بھی نیا جوڑا پہنے اندر کمرے میں تیار ہو رہی تھیں۔ میک اپ کے لئے حنین کی محتاج تھیں بیڈ پہ بیٹھی اسے سخت سست سناتے ہوئے جلدی کرنے کا کہہ رہی تھیں جس کی اپنی تیاری ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ ڈنر ریسٹورانٹ میں سعدی کی طرف سے تھا اور اس کا پلان تھا کہ سب مل کر باربی کیو کریں گے۔ ویٹر فارغ۔ امی کو بھی ریسٹ ملے گا۔ البتہ وہ خود تھوڑی دیر پہلے باہر نکلا تھا۔ کہاں ان نے نہیں بتایا۔

"حنین میری اچھی بچی جلدی کرو میری لپ اسٹک لگا دو۔" ندرت بیڈ پہ بیٹھیں اسے مسلسل پکار رہی تھیں۔ (میک اپ کے لئے بیٹیوں کی محتاج مائیں۔) وہ جلدی سے ناپس پہنتی ان تک آئی۔

"نہیں نہیں! صبح کون کہہ رہا تھا مجھے کھٹو پھوہڑ حنین۔" ان کے سامنے کھڑے جھک کر ان کو لپ اسٹک لگاتے وہ ترنت بولی تھی۔ بھائی سے صلح ہو گئی، ایک بوجھ دل سے ہٹ گیا، وہ بھی موڈ میں آ گئی تھی۔ اب ندرت نہ بول سکتی تھیں نہ جوتا اتارنے ہاتھ پاؤں تک نیچے لے جا سکتی تھیں۔ (ذرا لپ اسٹک مکمل کر لے نا!)

"تمہاری جاب کا کیا بنا؟" باہر لاؤنج میں فارس نے بظاہر توجہ سے ابا کا سوال سنا مگر ان کی بار بار زمر کی طرف اٹھتی فکر مند نگاہیں اسے نظر آ رہی تھیں۔

"اپنی ایجنسی میں تو کوئی چانس نہیں رہا، ایک دو پرائیویٹ سیکیورٹی ایجنسیز میں اپلائی کیا تھا، اپائنٹ کر لیا گیا ہے، کل سے جوائن کرنا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ابا نے پھر زمر کو دیکھا جو لاتعلقی سے سامنے بیٹھی موبائل پہ ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

"زمر!" فارس نے عام سے انداز میں اسے پکارا تو زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ابا کو جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"آپ ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ ادھر آ جائیں نا۔" اس نے بڑے صوفے پہ اپنے ساتھ خالی نشست کی طرف اشارہ کیا۔ بڑے ابا خاموشی سے زمر کو دیکھے گئے۔

اس نے جیسے ڈھیروں غصہ ضبط کیا بدقت مسکرائی۔ البتہ آنکھوں میں فارس کے لئے شدید تپش تھی۔

"سوری میں آپ لوگوں کو وقت نہیں دے پا رہی۔ کچھ ای میلز کرنا تھیں۔" بظاہر مسکرا کر کہتی وہ اٹھی اور جب اس نے ساتھ بیٹھی تو درمیان میں نامحسوس سا فاصلہ رکھا۔ بڑے ابا غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔

"سعدی کیا کہہ رہا تھا؟ کب آئے گا وہ۔" فارس نے چہرہ موڑ کر اسے مخاطب کیا۔ ساتھ ہی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (بڑے ابا

دوسری سمت بیٹھے تھے' اس کے مڑے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتے تھے۔) وہ اسے ابا کے سامنے مخاطب کر رہا تھا' اسے جواب دینا تھا۔

''وہ.... ابھی آ جائے گا تھوڑی دیر تک۔'' اندر اٹھتے ابال کو دبا کر وہ مسکرا کر بولی۔ ابا کے چہرے پہ اطمینان سا چھانے لگا۔ اندر سے آتی ندرت چلنے کا کہنے لگیں تو وہ اس طرف دیکھنے لگے۔ زمر نے اسے تیز نظروں سے گھورا' مگر وہ اسی سنجیدگی سے واپس ابا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' پھر سے موبائل دیکھنے لگی۔ البتہ اندر کوئی ابال سا اٹھنے لگا تھا۔ (یہ سب اتنا آسان نہیں تھا جتنا شروع میں لگا تھا۔)

''چلیں ہم ریسٹورانٹ چلتے ہیں' سعدی وہیں آ جائے گا۔'' ندرت نے جلدی مچائی اور سیم نے ابا کی چیئر تھامی۔ حنین گھر کے دروازے لاک کرنے لگی۔ زمر اور فارس ساتھ ساتھ اٹھے۔ بڑے ابا نے سیم سے آہستہ سے کچھ کہا' وہ مڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے حنین سے کیمرہ لے آیا۔

''آپ دونوں کی ایک پکچر لے لوں؟ امی آپ بھی آ جائیں نا۔''

''نہیں میری تصویریں اچھی نہیں آتیں۔'' ندرت دوسرے کاموں میں مصروف تھیں' منع کر گئیں۔ زمر نے بھی انکار کرنے کو لب کھولے پھر آنکھوں سے دیکھا' ابا اسی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ جبراً مسکرائی۔ ساتھ کھڑے فارس پہ ہلکی سی نظر ڈالی۔ وہ سیاہ پینٹ پہ پورے آستین اور گول گلے کی سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ (اس کی ساری شرٹس ایک جیسی ہوتی ہیں!)

سیم کیمرہ لے کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ فارس مسکرایا نہیں' بس اسی سنجیدگی سے زمر کے ساتھ کھڑا رہا۔ البتہ وہ جبراً مسکراتی رہی۔

کلک۔ اور دکھاوا ختم۔ وہ اس سے پہلے ہی باہر نکل آئی۔ اب مزید اس کے قریب رہنا برداشت سے باہر تھا۔

اور یہ باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھ کر پہلی دفعہ تھا جب زمر کو ایک دم سے فکر ہونے لگی۔

''سعدی کو اب تک آ جانا چاہیے تھا۔ کدھر رہ گیا؟'' وہ خود سے بڑبڑائی۔

''بس وہ آتا ہی ہو گا۔'' ندرت عجلت سے خوشی سے گھر لاک کر رہی تھیں۔ زمر کی آنکھوں میں تفکر ہلکورے لینے لگا۔ کچھ ٹھیک نہیں محسوس ہوتا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

سلوکِ یار سے دل ڈوبنے لگا ہے فراز ...... مگر یہ محفلِ اعداء ہے، کیا کیا جائے!

قصرِ کاردار اندھیرے میں ڈوبنے لگا تو ملازموں نے ساری بتیاں جلا دیں' اور وہ نیا محل چمکنے لگا۔ لاؤنج میں ایک ملازم گملے پہ جھکا پتے تراش رہا تھا' اور فیونا اس کے سر پہ کھڑی ہدایات دے رہی تھی' جب ہاشم اندر داخل ہوا۔ فیونا فوراً اس تک آئی۔ پیچھے آتے ملازم سے ہاشم کا بریف کیس لے لیا' اور اسے جانے کا کہا۔ وہ کوٹ اتارتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف چلتا گیا۔ فیونا پیچھے لپکی۔

''کیا بات ہے' ڈنر کی تیاری نہیں ہو رہی کیا؟''

''مسز زمر نے مسز کاردار کو فون کر کے معذرت کر لی تھی۔ مسز کاردار نے کل کے ڈنر کا کہہ دیا ہے۔''

''کیوں؟'' سیڑھیاں چڑھتے ہاشم نے تعجب سے مڑ کر اسے دیکھا۔

''تفصیل نہیں معلوم۔ غالباً ان کے بھتیجے نے پہلے دعوت دے دی تھی۔''

''سعدی۔'' ہاشم نے زخمی سا مسکرا کر سر جھٹکا' اور زینے چڑھتا گیا۔ فیونا بے چین سی پیچھے آئی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو فیونا نے اس کا کوٹ لے لیا۔ بریف کیس بھی احتیاط سے رکھا۔

''کچھ کہنا ہے؟'' وہ ٹائی ڈھیلی کر کے اتارتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں موبائل نکال کر دیکھنے لگا۔

"جی' مگر آپ کسی کو نہیں بتائیں گے کہ آپ کو مجھ سے معلوم ہوا ہے۔" وہ مضطرب سی اس کے سامنے کھڑی سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

"بولو۔"

"مجھے معلوم ہے مجھے گھر کے ایک فرد کی بات دوسرے کو نہیں بتانی چاہیے' مگر آپ کے خاندان سے وفاداری کے باعث میں....."

"اپنی تقریر مختصر کر کے کام کی بات پہ آؤ۔ مجھے تمہاری اخلاقیات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ موبائل کی اسکرین کو انگوٹھے سے اوپر کرتا جا رہا تھا۔

"جی۔" وہ شرمندہ سی ہو کر جلدی جلدی بولنے لگی۔ "میں نوشیرواں صاحب کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اسکرین پہ انگوٹھا پھیرتے ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟ کہاں ہے وہ؟"

"وہ تو صبح آفس کے لیے نکلے تھے' اس کے بعد گھر نہیں آئے۔"

"کیا واقعی؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"مگر میں پچھلی رات کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ جب....." وہ بے چینی سے جلدی جلدی بولنے لگی۔ ہاشم ابرو بھینچے سنتا گیا۔

..................❖❖❖..................

میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو ...... جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر' وہ قرض آج چکا دیا

اندھیرا آہستہ آہستہ چھوٹے باغیچے والے گھر اور اس کالونی کو نگل چکا تھا۔ نوشیرواں کا دوار اپنی گاڑی کہیں دور کھڑی کر کے اس کالونی کے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا تھا۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ ساری گلی سنسان' اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ کہیں اکا دکا یو پی ایس کے انرجی سیور جل رہے تھے۔ باقی گھپ اندھیرا تھا۔ جس کے باعث پی کیپ پہنے کھڑے نوشیرواں کا چہرہ دور سے صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہاں قریب سے دیکھو تو وہ کینہ توز نظروں سے اس گھر کو گھورتا دکھائی دے رہا تھا جس کے باہر سعدی کھڑا موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔ نوشیرواں کی آنکھیں سرخ لگتی تھیں اور پپوٹے سوجے سوجے سے۔ جیبوں میں ڈالے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ وہ اسی صبح والے ویسٹ نائی اور جینز میں ملبوس تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب سعدی گھر سے نکلا تھا اور ابھی اندر زمر اور فارس بڑے ابا کے ساتھ بیٹھے تھے۔ موبائل جیب میں ڈالے ہینڈز فری کانوں میں لگائے' وہ آگے بڑھنے لگا تو نوشیرواں درخت کی اوٹ سے نکلا اور اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

سعدی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' لبوں میں کوئی مدھم سی دھن گنگناتا' مگن سا چلتا جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ رکا۔ مڑ کر پیچھے دیکھا۔ احتیاط سے اس کا تعاقب کرتا نوشیرواں قریبی درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ (وہاں ہر گھر کے آگے پودے یا درخت تھے۔) سعدی نے آنکھیں سکیڑ کر اندھیری سڑک کو دیکھا' اور اِدھر اُدھر گردن گھمائی' پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں درخت کے عقب سے نکلا اور احتیاط سے فاصلہ رکھے پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سعدی یوسف چلتا گیا۔ موڑ مڑ کر پچھلی گلی میں آ گیا۔ یہ بھی تاریکی میں ڈوبی تھی۔ نوشیرواں یہاں بھی اس کے پیچھے چلتا رہا۔ اس کے دل میں ہر اٹھتے قدم کے ساتھ جوش اور ابال بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک لاوا تھا جو پھٹنے کو بے تاب سا تھا۔

تیسری گلی میں مڑنے سے قبل سعدی نے پھر رک کر پیچھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اچنبھا سا تھا۔ گلی ویران اور خالی تھی۔ دور شاید کسی موٹر سائیکل کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے آگے بڑھ گیا۔

ایک گلی سے نکل کر وہ اگلی میں مڑ جاتا۔ چند منٹ بعد نوشیرواں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ وہی گلی تھی جہاں سے وہ ابھی پانچ منٹ پہلے نکلے تھے۔ اسے احساس ہوا کہ وہ انہی تین چار گلیوں میں ہی پھر رہے تھے۔ کیا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے؟

نوشیرواں کی آنکھوں میں بے بسی در آئی۔ اندر ہی اندر شدید تلملاہٹ ہوئی۔ اس نے اپنا اور سعدی کا درمیانی فاصلہ بڑھا

دیا۔ دفعتاً سعدی ایک گلی کا موڑ مڑ کر دوسری میں چلا گیا تو وہ دبے قدموں اس موڑ تک آیا۔

اگلی گلی سنسان تھی۔ خالی، ویران۔ سعدی کہیں نہیں تھا۔

"ڈیم اٹ!" غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ وہ ادھر ادھر گھوما۔ آگے پیچھے پھرا۔ مکمل اندھیرا۔

اس گلی میں کوئی بتی نہ تھی۔ سوائے دو تین گھروں کے سڑک کے اطراف کے باقی تمام پلاٹس پہ زیرِ تعمیر مکان تھے یا محض سریے کھڑے تھے۔ دن میں یہاں مزدور ہوتے اور رات میں محض جنات۔ نوشیرواں اس گلی کی چوڑی سڑک کے وسط میں کھڑا شدید جھنجلاہٹ سے آگے پیچھے ایک ایک گھر میں جھانک رہا تھا۔ وہ کہاں گیا؟

اس نے پوری گلی عبور کی۔ اندھیرے کے باوجود اطراف میں وہ اتنا دیکھ سکتا تھا کہ سعدی ادھر نہیں تھا۔ دور کہیں راہگیر بولتے ہوئے گزر رہے تھے۔ دو چار گلیاں چھوڑ کر سڑک سے ٹریفک کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ایسے میں اس نے رک کر سعدی کی کوئی چاپ سننی چاہی مگر پس منظر کی آوازوں کے باعث یہ ناممکن تھا۔

وہ پھر سے پچھلی گلی میں آیا۔ شدید تلملاہٹ اور اندر ابلتے غصے سے آگے پیچھے جھانکا۔ مگر نہیں۔ سعدی جس گلی میں گم ہوا تھا وہ وہیں ہوگا۔ چند منٹ ضائع کر کے نوشیرواں واپس اس زیرِ تعمیر مکانوں والی ویران اور اندھیر گلی میں آیا۔

سڑک کے وسط میں کھڑے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھ کر اندازہ کرنا چاہا کہ وہ کہاں غائب ہوا تھا۔ تبھی دور کہیں موبائل کی گھنٹی بجی۔ اگلے ہی لمحے وہ بند کر دی گئی مگر نوشیرواں کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ امڈ آئی۔

وہ آواز دائیں طرف کے ایک زیرِ تعمیر مکان سے آئی تھی۔ سعدی اپنا فون سائلنٹ کرنا بھول گیا تھا۔ نوشیرواں نے جیب سے پستول نکالا اور اسے ایک ہاتھ میں پکڑے اعتماد سے قدم اٹھاتا اس گھر تک آیا۔

گھر کا گیٹ لگ چکا تھا مگر اندر برہنہ اینٹوں کی عمارت کے دروازے کھڑکیاں ابھی ندارد تھے۔ گیٹ کے قریب آ کر اس نے گردن اونچی کر کے جھانکا۔ وہاں بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے ساتھ پورچ میں سعدی کھڑا تھا۔ منہ دوسری طرف تھا۔

"کیا تم مجھ سے چھپ رہے تھے؟" طنزیہ انداز میں اسے پکارتے وہ گیٹ کو دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ پاؤں سے گیٹ واپس دھکا دے کر بند کیا۔

سعدی جو پشت کیے کھڑا تھا مڑا۔ اس کی نگاہیں پہلے نوشیرواں کے ہاتھ میں پکڑے پستول تک گئیں اور پھر اس کی آنکھوں تک۔

"تم کیا کر رہے ہو یہاں شیرو؟" بظاہر اطمینان سے کہا۔

"میں تمہیں تمہارا کارنامہ دینے آیا ہوں۔" پستول کی نال بازو لمبا کر کے اس کی طرف بلند کی۔

سفید ٹی شرٹ میں ملبوس چھوٹے کٹے گھنگھریالے بالوں والا لڑکا اس سے مسکرایا۔

"میں نے کبھی کسی کی جان نہیں لی۔ میرا کارنامہ مجھے گولی کے ذریعے دینے آئے ہو؟"

"تم اسی قابل ہو۔" اس پہ پستول تانے نوشیرواں کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ "بہت دفعہ میں نے تمہیں برداشت کیا، سوچا ہاشم بھائی سنبھال لیں گے تمہیں، مگر نہیں۔ سعدی... تمہارا ایک ہی حل ہے۔ اس کے علاوہ تم کسی اور طریقے سے ہماری زندگیوں سے نہیں نکلو گے۔"

"تم واقعی مجھے مارنے آئے ہو؟" ابرو اٹھا کر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ اسے معلوم تھا شیرو کبھی اس پہ گولی نہیں چلا سکتا۔ شیرو اس کا دوست رہا تھا۔

"ہاں، تاکہ تم مجھے مزید نقصان نہ دو۔"

"میں نے تمہیں کبھی نقصان نہیں دیا۔ نوشیرواں۔" نرمی سے کہتے ہوئے سعدی کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف رینگ رہا تھا۔

"زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔ اپنا موبائل نکال کر زمین پہ پھینک دو۔" پستول کو مزید تانے شیرو نے بڑبڑی سے کہا۔

سعدی نے گہری سانس لی۔ موبائل نکالا اور جھک کر زمین پر رکھا۔ زمر کی کال آرہی تھی۔ مگر... وہ سیدھا ہوگیا۔ اس نے سوچا کاش اس کا پین کیمرہ اس کی فرنٹ پاکٹ میں ہوتا مگر وہ بھی اس کے پاس ابھی نہیں تھا۔ نہتا سعدی یوسف اب نوشیرواں کی تنی پستول کے سامنے کھڑا تھا۔

"میرا قصور کیا ہے؟" اندھیرے میں بھی اس کے چہرے کا اطمینان نظر آتا تھا۔

"اتنا کچھ کرنے کے بعد تم میں اتنی بھی شرم نہیں کہ اپنا قصور پوچھ رہے ہو؟" صدمے اور غصے سے سامنے کھڑے نوشیرواں کی آواز کپکپائی۔ "تم نے میری زندگی کی ہر خوشی spoil کی۔ تم نے مجھ سے میرا بھائی چھینا' میری ماں کا اعتبار چھینا' میرا باپ اس حالت میں مرا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا تھا' تمہاری صرف تمہاری وجہ سے!" بپھرے ہوئے انداز میں کہتے اس کی آواز بلند ہوئی۔ آنکھوں کی سرخی اور طیش بڑھ رہا تھا۔

"میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ اچھائی کی ہے شیرو۔"

"بکواس نہیں کرو۔" وہ غرایا۔ "آج تم اپنا منہ بند رکھو گے' آج تم مجھے سنو گے۔"

"اوکے شیرو!" سعدی نے سر کو تسلیماً خم دیا' البتہ پہلی دفعہ اس کے چہرے پہ چھایا اطمینان قدرے پریشانی میں بدلتا نظر آیا تھا۔

"میرا نام نوشیرواں ہے!" وہ غصے سے پھیلی آنکھوں کے ساتھ چلایا۔ پستول ہنوز تان رکھی تھی۔ "مجھے اس نام سے مت پکارو' جس سے میرے دوست پکارتے ہیں۔ تم میرے دوست نہیں ہو۔ تم ایک احسان فراموش آدمی ہو۔ تم... تم نے میرا بزنس خراب کیا ہے۔ تم نے میرا اور شیرین کا تعلق بھی خراب کیا ہے۔"

"میں نے شیرین سے....."

"اپنی بکواس بند رکھو سعدی!" غضبناک ہو کر اس نے کلک کے ساتھ پستول لوڈ کیا۔ سعدی کو سرخ ہوتی جلتی بجھتی محسوس ہونے لگی۔

"تم نے شیری کو بلیک میل کیا' تم نے میرے اور اس کے ہر ممکنہ تعلق کو خراب کیا... تم ہمیشہ میرے ساتھ یہی کرتے ہو۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں زندہ چھوڑا جائے۔"

"مجھے تمہارے اور شیری کے بارے میں کچھ نہیں پتہ' مگر میں نے اسے بلیک میل نہیں کیا۔ میں مزید کوئی صفائی نہیں دوں گا' مگر تم مجھ سے میری زندگی نہیں چھین سکتے۔" وہ سنجیدہ نظریں نوشیرواں پہ جمائے' ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "یہ زندگی اللہ نے مجھے دی ہے' کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ مجھ سے میری زندگی چھینے....."

اندھیرے پورچ میں پینٹ کے ڈبوں' بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے ان دونوں لڑکوں کے چہرے اندھیرے میں مدھم سے دکھائی دیتے تھے۔ دونوں کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ تھا اور نظریں ایک دوسرے پہ جمی تھیں۔

"آج تم مجھے روک نہیں سکتے۔ میں نے قسم کھائی تھی تمہیں اپنے ہاتھ سے گولی ماروں گا۔" تنفر و حقارت سے اسے دیکھتے شیرو نے دوسرے ہاتھ کے کف سے منہ رگڑا۔ سعدی کی آنکھیں سکڑیں۔ نظریں اس کے پستول پکڑے ہاتھ تک گئیں۔ جو ہلکا سا کپکپا رہا تھا۔

"تم پھر سے ڈرگز لینے لگے ہو نا۔ ایسا مت کرو اپنے ساتھ شیرو۔" اس کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔

"اپنی بکواس اپنے پاس رکھو۔ آج تمہاری باتیں مجھ پہ اثر نہیں کر سکتیں۔ آج تم نے اپنے ہر عمل پہ مہر لگا دی ہے۔" تنفر سے اسے دیکھتے وہ غرایا تھا۔ "آج تم نے میرے خاندان کو دھمکایا ہے' میرے بھائی کو دھمکایا ہے' میں تمہیں عبرت کی مثال بناؤں گا۔" اس کے چہرے پہ پسینہ آرہا تھا۔

"تم ایک اچھے انسان ہو شیرو تم اپنے بھائی جیسے نہیں ہو۔ تمہارے بھائی نے میرے خاندان کے دو لوگ قتل کروائے ہیں' زمر کی زندگی برباد کی ہے' فارس کو تباہ کیا ہے' میرا ان سے جو بھی مسئلہ ہے' تم سے کبھی بھی شکایت نہیں رہی۔ تم اندر سے اچھے ہو۔ تم اپنے والد کی طرح ہو۔ غصے کے تیز ہو' مگر تمہارا دل اچھا ہے۔"

"نام بھی مت لینا میرے باپ کا۔" اس کی آنکھیں مزید سرخ ہو گئیں' آستین سے منہ رگڑا۔

"دیکھو جو صبح میں نے تمہیں کہا' غصے میں کہہ دیا۔ آئی ایم سوری نوشیرواں مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وہ محتاط نظروں سے اس کے پستول کو دیکھتا اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رات کا اندھیرا ان دونوں کے گرد مزید مہیب ہوتا جا رہا تھا۔

"تمہاری معذرت کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔" نفرت سے اسے گھورتے شیرو نے دائیں طرف تھوکا۔

"دیکھو تم میرے مسلمان بھائی ہو۔ مجھے مارنا چاہتے ہو مار دو۔ تم اگر مجھ پہ ہاتھ اٹھاؤ گے' میں تب بھی تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ تم پوائنٹ بلینک پہ مجھے شوٹ کر کے چلے جاؤ۔ کوئی یہاں نہیں ہے' مگر شیرو اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ تمہیں کبھی یہ منظر بھولنے نہیں دے گا۔ قتل بہت بڑا گلٹ ہے' اتنا بوجھ تم پوری زندگی کیسے اٹھاؤ گے؟ دیکھو شیرو تم....." رسان سے' چوکنے کے انداز میں وہ سمجھاتے ہوئے کہے جا رہا تھا۔ مگر نوشیرواں نے ٹریگر دبا دیا۔

سائلینسر نے آواز دبالی۔ کلک ہوا۔ ایک گولی شعلے کی لپیٹ لیے نکلی اور سعدی کے پیٹ میں پیوست ہو گئی۔ خون کا فوارہ پھوٹا۔ وہ بے اختیار آگے کو جھکا۔ پیٹ پہ ہاتھ رکھے بے یقینی' صدمے سے پھیلی آنکھوں سے نوشیرواں کو دیکھا۔

(میں نے تمہیں بچانے کے لیے کچھ نہیں کیا..... تمہارے ڈیڈ فکر مند تھے نوشیرواں..... تمہیں نیچے جا کر انہیں ان کے بیٹے کی شادی کی مبارکباد دینی چاہیے۔)

شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتے نوشیرواں نے تنے بازو کے ساتھ دوبارہ ٹریگر دبایا۔ دوسری گولی اس کے کندھے میں جا لگی۔ وہ دوہرا ہو کے گھٹنوں کے بل زمین پہ جا جھکا۔ درد اتنا شدید تھا' اس کے لبوں سے کراہیں نکلنے لگیں۔

(میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں نوشیرواں۔ میں ایک ایسے لڑکے کو جانتا ہوں جس کا باپ اسکول ٹیچر تھا.....)

"آہ.....آہ....." تکلیف سے چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ اور سفید شرٹ بھی سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ نوشیرواں قدم قدم چلتا قریب آیا۔

"میں نے کہا' مجھے شیرو مت کہو۔ میرا نام....." اس نے بوٹ سے سعدی کے منہ پہ ٹھوکر ماری۔ وہ کمر کے بل زمین پہ گرا۔ "....نوشیرواں ہے۔" حقارت سے کہتے' اس کے ساتھ کھڑے' گردن جھکائے اس نے سعدی کو دیکھا۔ وہ تیزی سے بہتے خون کے ساتھ زمین پہ گرا پڑا تھا۔ بوٹ جہاں پہ لگا تھا' وہاں منہ سے خون رسنے لگا تھا۔ درد بے حد شدید تھا۔ اس کا جسم جل رہا تھا۔ وہ کراہنا چاہ رہا تھا مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ سفید پڑتے چہرے' اور بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنے سر پہ کھڑے نوشیرواں کو دیکھا۔ وہ ہاتھ جھکائے' ابھی تک اس پہ پستول تانے ہوئے تھا۔

(اس سب کے بعد ڈیڈ مجھے کیا سمجھتے ہوں گے؟ صرف اپنا بیٹا؟)

"یہ میرے باپ کے لیے تھا۔ اور یہ....." اس نے دوسرے بازو سے منہ رگڑتے اس کی طرف پستول تانے ٹریگر دبایا۔ گولی کہاں لگی نوشیرواں کی آنکھوں کے آگے منشیات کے باعث بار بار چھاتے غبار نے ٹھیک سے معلوم نہ ہونے دیا۔ سعدی کی ٹانگ خون میں بھیگتی دکھائی دے رہی تھی۔ "اور یہ شیرنی کے لیے ہے۔" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں چلا کر کہا۔

نیچے گرے سعدی کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ درد اس کے رگ رگ کو کاٹ رہا تھا۔ "اللہ.....!" اس نے شدید تکلیف کے

ا ٹ ! اٹھیں جا رہا تھا۔" اللہ تم سے.... حساب لے گا... آ ہ....!" اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ پر لفظ انو شیرواں دھندلا رہا تھا۔

"مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں ہے۔" شدید نفرت سے اسے دیکھتے شیرو نے بوٹ سے اس کے سر کو ٹھوکر ماری۔ سعدی کا زخمی چہرہ ہے! ڈھلک گیا۔ "تم اسی قابل ہو!" اس نے بوٹ سے اس کے وجود کو چند اور ٹھوکریں ماریں۔ کتنی اور کدھر، حساب کتاب کھو گیا تھا۔ بالآخر تھک کر وہ رکا اور ادھر ادھر دیکھا۔

وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا' اس کے قدموں میں خون میں لت پت سعدی گرا پڑا تھا۔ آگاہی اس کے دماغ کو چڑھی کو کین ہرن نے کل تھی۔ وہ تیزی سے جھکا' سعدی کا موبائل اٹھایا' جس پہ خون کے محض چند قطرے لگے تھے' اور اسے جیب میں ڈالے مڑ گیا۔ اب اسے جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

تب ہی.......

.................❖ ❖ ❖..................

دل تجھ سے بچھڑ کر بھی ..... کہاں جائے گا اے دوست!

فوڈ لی ایور آفٹر کی ساری بتیاں جلی تھیں، باہر "کلوزڈ" کا بورڈ لگا تھا۔ اندر تمام میزیں خالی تھیں' سوائے درمیان میں ایک لمبی میز کے جس کے گرد وہ سب منتظر سے بیٹھے تھے۔ فارس خاموشی سے بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا' پھر ذرا کی ذرا نگاہ زمر پہ ڈالتا جو سینے پہ بازو لپیٹے سامنے ٹہل رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ اضطراب تھا' اور نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھتی تھیں۔

"آ جائے گا۔ تم بیٹھ جاؤ۔" بڑے ابا نے نرمی سے پکارا۔ ان کی وہیل چیئر لمبی میز کی سربراہی نشست کی جگہ پہ رکھی تھی۔ فارس ان کے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پہ تھا۔ ایک کرسی (زمر کے لئے) چھوڑ کر حنین بیٹھی تھی۔ وہ بھی گاہے بگاہے وال کلاک کو دیکھتی' پھر چہرے پہ پریشانی آ جاتی۔

ندرت' جنید اور سیم کے ساتھ کچن میں تھیں۔ باقی سب کی چھٹی تھی۔ سیم غالباً مدد کروانے کی بجائے کام بڑھا رہا تھا۔

"اتنی دیر ہو گئی' وہ اپنی گاڑی بھی نہیں لے کر گیا۔ یعنی قریب میں کہیں گیا ہے' تو واپس کیوں نہیں آ رہا؟" وہ بظاہر خود کو پرسکون رکھتے ٹہلتے ہوئے بولی تو آواز میں فکرمندی چھلک رہی تھی۔

تبھی ریسٹورانٹ کاؤنٹر پہ رکھا فون بجا۔ چیختی ہوئی آواز۔ ٹہلتی زمر رکی' چونک کر فون کی سمت دیکھا۔ کچن سے جنید بھاگتا ہوا آیا' اور تعدی سے ریسیور اٹھا کر بولا۔ "فوڈ لی ایور آفٹر۔" دوسرے طرف سے کہے جانے والے الفاظ پہ اس کے تاثرات بدلتے گئے۔

"جی...جی...اچھا...کدھر؟" نگاہیں اٹھا کر زمر کو دیکھا۔ وہ وہیں ساکن کھڑی اسے دیکھے گئی۔

"اوکے۔" فون رکھ کر وہ چند لمحے تذبذب سے وہیں کھڑا رہا۔ سب اس کو دیکھنے لگ گئے تھے۔

"کیا ہوا؟" فارس نے اس کی مسلسل زمر پہ جمی پریشان نگاہیں غور سے دیکھیں۔

"وہ....میرا بھائی تھا۔ میڈم' میں نے جو کام آپ کو کہا تھا...." اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ جلدی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ "آپ میری بات سن لیں گی دو منٹ؟" وہ قدم قدم چلتی اس کے پیچھے آئی۔ بڑے ابا' حنین اور فارس سب ابھرتی دیکھ رہے تھے۔

باہر نکلتے ہی جنید نے ریسٹورانٹ کا شیشے کا دروازہ بند کیا اور بے حد پریشانی سے اس کی طرف گھوما۔ "وہ....اندر سعدی بھائی کے دادا...ان کے سامنے بتا نہیں جا سکے' اور...."

''سنو جو بھی تمہارا نام ہے' کس کا فون تھا؟'' اس نے بات کاٹی' بے قرار نگاہیں جنید کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''وہ.... سعدی بھائی.. ہسپتال سے فون تھا۔ سعدی بھائی کو گولیاں لگی ہیں' اور...'' شاید وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر زمر گھٹنے پہ ہاتھ رکھتی' دو قدم پیچھے ہٹی۔ اس کو سانس نہیں آ رہا تھا' چہرہ زرد پڑنے لگا تھا۔

''میری.... میری کار کی چابیاں... اندر سے لا دو۔'' اس نے پوری بات سنی بھی نہیں۔ وہ کار کی طرف بڑھ گئی۔ قدم اٹھا کہیں رہی تھی' دھر کہیں رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے بہت سے مناظر گڈمڈ ہونے لگے۔ اطراف کی ساری آوازیں بند ہو گئیں۔ ہر شے سلو موشن میں ہو رہی تھی۔

وہ کار کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ جنید نے چابی اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ اس نے کی ہول میں چابی ڈالنی چاہی۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ لوہا سوراخ کے اندر نہیں جا پا رہا تھا۔ دروازے کے شیشے میں اسے فارس باہر آتا دکھائی دے رہا تھا۔ پریشان سی حنہ اس کے پیچھے زینے پھلانگتی آ رہی تھی۔ وہ جنید سے کچھ کہہ رہا تھا' تیز لہجے میں کچھ پوچھ رہا تھا۔ آوازیں زمر تک نہیں آ رہی تھیں۔ وہ لرزتے ہاتھوں کے ساتھ چابی دروازے میں لگا رہی تھی۔ ریموٹ کے بٹن کو دبانا یاد نہیں رہا تھا۔

''مجھے دیجیے۔ آپ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھیے۔'' وہ عجلت میں کہتے اس کے عقب سے آیا اور چابی اس کے ہاتھ سے لینی چاہی۔ مگر اس نے چابی مٹھی میں دبوچ کے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پھر سفید چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تو آنکھیں ویران سی تھیں مگر ان میں سامنے کھڑے شخص کے لئے واضح تنفر نظر آتا تھا۔

''آپ اکیلی نہیں جا رہیں' ہم ساتھ جائیں گے' ادھر دیجیے۔'' بہت ضبط سے کہتے فارس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چابی لی' اس کا اپنا چہرہ بھی بے رنگ ہو رہا تھا مگر پریشانی کے تاثرات پہ عجلت کا عنصر نمایاں تھا۔ زمر نے نگاہیں جھکائیں تو دیکھا' چابی سوراخ میں گھساتے اس کے ہاتھوں میں بھی ہلکی سی لرزش تھی۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گا' اسے کچھ نہیں ہوگا' آپ اندر بیٹھیے۔'' ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے اس نے زمر سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ وہ چند لمحے وہیں' بے دم سے کھڑی رہی۔ حنین جو جنید اور فارس کی بات سننے کے بعد اندر چلی گئی تھی بھاگتی ہوئی واپس آئی تھی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' فارس کی کھڑکی کے ساتھ کھڑے وہ رو دینے کو تھی۔ زمر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی فرنٹ سیٹ تک جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ پس منظر میں آوازیں آ رہی تھیں۔

''میں تمہیں کال کر دوں گا' تم اپنی امی اور دادا کے پاس رکو۔''

''میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ بھائی نے کہا ہے انہیں دیر ہو جائے گی' اور ہم مارکیٹ تک جا رہے ہیں۔ خدا کی قسم ماموں' اگر آپ مجھے نہ لے کر گئے تو میں اتنا چیخوں گی' اتنا چیخوں گی کہ امی اور بڑے ابا کو سب پتہ چل جائے گا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور فقرے کے آخر میں اس نے ہچکی لی تھی۔

''بیٹھو!'' یہ آخری آواز تھی جو زمر نے سنی اور پھر وہ بے دم سی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ کار تیزی سے سڑک پہ دوڑنے لگی تھی مگر اس کی آنکھوں کے آگے سب کچھ گڈمڈ ہو گیا تھا۔ وہ ادھر نہیں تھی۔ وہ ہاسپٹل میں تھی اور اس کے بھائی نے ایک کمبل میں لپٹا بچہ اس کے بازوؤں میں دیا تھا..... وہ حال اور ماضی کے درمیان کہیں تیر رہی تھی۔

کبھی فراز نئے موسموں میں رو دینا ..... کبھی تلاش پرانی رفاقتیں کرنی!

قصر کاردار کے لاؤنج میں لگے ٹی وی شیلف پہ فیونا کتابیں ترتیب سے رکھ رہی تھی جب اس نے نوشیرواں کو اندر داخل ہوتے

ایلما۔ وہ فوراً سے سر جھکائے جلدی جلدی کام کرنے لگی۔ نوشیرواں سیدھا سیڑھیوں پہ چڑھتا گیا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی اور بھل اٹھوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ دور کسی خیال میں گم ہے۔ کسی اطمینان انگیز سرشار سے خیال میں۔

اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر ساری بتیاں جل رہی تھیں۔ اتنی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ناگواری سے ادھر ادھر دیکھا تو، پھر ساکت رہ گیا۔

سامنے کاؤچ پہ ہاشم بیٹھا تھا۔ صبح والی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ ٹائی اور کوٹ اتارنے کے بعد اس نے لباس بھی نہیں بدلا تھا۔ اور اب ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا وہ چبھتی نظروں سے چوکھٹ میں کھڑے شیرو کو دیکھ رہا تھا۔

"رک کیوں گئے۔ اندر آؤ۔" طنزیہ سا بولا تو نوشیرواں نے (بظاہر) سرسری سا سر جھٹکا۔ ہاتھ میں پکڑا کوٹ بیڈ پہ ڈالا۔

"آپ ادھر...؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے مجھے تمہاری حرکتوں کے بارے میں معلوم نہیں ہوگا؟" سلگتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ غصے سے ایک دم چیخا تھا۔ "کیا سوچ کر تم نے یہ کیا ہاں؟"

نوشیرواں کا سانس رک گیا۔ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

(ہاشم بھائی کو اتنی جلدی کیسے پتہ چل سکتا ہے؟ ابھی تو وہ وہیں خون میں گرا پڑا ہوگا۔)

"وہ... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں سمجھا نہیں۔" اٹک اٹک کر سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے کہنا چاہا۔ جواب میں ہاشم نے ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھے پیکٹ اٹھائے اور زور سے اس کے گھٹنوں پہ دے مارے۔ سارے پیکٹ شیرو کے قدموں میں جا بکھرے۔

"اوہ... یہ..." ایک ریلیف کا احساس تھا جس نے شیرو کا سانس بحال کیا۔ اس کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔ ذرا سے شانے اچکا کر وہ الماری کی جانب بڑھا۔ ہاشم ایک دم تپ کر اٹھا۔

"تمہیں اندازہ ہے یہ کیا ہے؟ یہ تمہاری بربادی ہے۔ تم..."

"کس نے بتایا آپ کو؟" وہ بے پروائی سے الماری کھولے اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

"کس نے بتایا مجھے؟ یعنی کہ اور لوگوں کو بھی معلوم ہے؟ کیا صرف میں بے خبر تھا؟" وہ اتنے غصے سے بولا کہ نوشیرواں کو اس کی تپائی پہ ذرا بھی تنک نہ گزرا۔ ویسے بھی یہ مسئلہ اب کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

"شیرو اگر آئندہ میں نے تمہیں دیکھا کہ تم..."

"نہیں لوں گا ڈرگز بس ٹھیک ہے سن لیا ہے۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔ ہاشم ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں کچھ بدلا ہوا تھا۔

"کہاں سے آرہے ہو تم؟" کھوجتی نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھتے اس نے جس انداز میں پوچھا نوشیرواں نے چونک کر چہرہ گھمایا پھر فوراً نظریں چرا کر واپس ہونے لگا کہ...

"ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر بتاؤ کہاں سے آرہے ہو تم؟" نوشیرواں نہ چاہتے ہوئے اس کی جانب مڑا۔

"میں باہر تھا۔ یونہی آگے پیچھے۔"

"جھوٹ مت بولو۔ کدھر تھے تم؟" اس کی آنکھوں سے لمحے بھر کو بھی نظریں ہٹائے بغیر ہاشم اسے دیکھے جا رہا تھا۔ شیرو نے اکتا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"کیا میں بچہ ہوں جو ہر بات کی رپورٹ دیا کروں؟"

"تم...." ہاشم کچھ سوچتے سوچتے چونکا۔ "تم سعدی کے پاس تو نہیں گئے؟"

"میں کیوں جاؤں گا اس کے پاس؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"مجھے معلوم ہے تم اسی کے پاس گئے ہوگے۔ پتہ نہیں کیا کیا کہہ دیا ہوگا تم نے اسے۔ میں کتنی دفعہ تمہیں کہوں گا کہ اسے تنہا چھوڑ دو میں اسے سنبھال لوں گا۔ کہاں ہے وہ اس وقت؟" جیب سے موبائل نکالتے ہاشم نے پوچھا تھا۔

"مجھے کیا پتہ وہ کہاں ہے۔ کیا میں اس کا گارڈ ہوں؟" وہ بگڑ کر بولا تھا۔ اس کے انداز پہ نمبر ملاتے ہاشم نے صرف اسے گھورنے پہ اکتفا کیا' پھر موبائل کان سے لگایا۔ نوشیرواں خفگی سے منہ میں بڑبڑانے لگا۔

"کیا کہا ہے تم نے اسے؟ تم مجھے بتاؤ ورنہ وہ مجھے بتا دے گا اور...." موبائل کان سے لگائے وہ درشتی سے کہہ رہا تھا جب بیڈ پہ گرے شیرو کے کوٹ میں کچھ تھرتھرانے لگا۔ ان دونوں نے اس طرف دیکھا۔ شیرو کا رنگ پھیکا پڑا' اور ہاشم.... وہ چونک کر قدرے تعجب سے آگے بڑھا' اور کوٹ میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو سعدی کا وائبریشن پہ لگا فون ہاتھ میں تھا۔ اس نے بے یقینی سے شیرو کو دیکھا جو بالکل چپ کھڑا تھا۔

"یہ اس کا فون تمہارے پاس کیا کر رہا ہے؟" دونوں فون اس نے بیڈ پہ ڈالے اور اب جب وہ شیرو کے سامنے آیا تو غصیلی نگاہوں میں بے پناہ سختی تھی۔ "بولو۔"

نوشیرواں نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں نے اسے شوٹ کر دیا ہے اور اس کا فون اٹھا لایا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" ہاشم نے اکتا کر اسے دیکھا۔ "مجھے سیدھی طرح بتاؤ' کیا کہہ کر تم نے اس کا فون چھینا ہے؟ تم ایسا...."

"کیا آپ نے سنا نہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر چبا چبا کر بولا۔ "میں نے سعدی کو شوٹ کر دیا ہے۔" پھر تیزی سے آگے بڑھا' کوٹ اٹھا کر اندر سے پستول نکال کر اس کے سامنے میز پہ ڈالی۔ "پوری تین گولیاں ماری ہیں۔ اب نہیں بچے گا۔" اعتراف نے کوئی سرشاری سی سارے وجود پہ انڈیل دی۔ گردن اکڑا کر اس کے سامنے کھڑے وہ بولا تو ہاشم بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔ سانس روکے' شل سا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا' یہ وہ مسئلہ ہے جسے آپ نہیں سنبھال سکتے۔ سو آج میں نے مسئلہ ختم کر دیا۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ہاشم کے ذہن کو اس کے الفاظ سمجھنے میں چند لمحے لگے تھے' اور جب سمجھ آیا تو..... اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں' چہرے پہ سرخی اتری۔ وہ آگے بڑھا ہاشم آگے اور نوشیرواں کے چہرے پہ چٹاخ چٹاخ دو تھپڑ لگائے۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بوکھلا کر دوسری طرف لڑکھڑایا' دیوار کا سہارا لے کر سنبھلا اور منہ پہ ہاتھ رکھے' بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا' جو تیز تیز سانس لیتا اتنے ہی صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے.... تم نے اسے گولی ماردی؟ او میرے خدا! تم.... تم گھٹیا انسان...." اس کا گریبان پکڑ کر غصے سے اس کو جھٹکا دیتے' وہ چلایا تھا۔ "تم نے کیسے اسے گولی ماردی؟ کدھر ہے وہ؟ کدھر پھینک آئے ہو اسے؟"

بالکل گنگ ہوئے شیرو کا گریبان چھوڑا اور ماتھے پہ ہاتھ رکھے ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا۔ اس کا دماغ گویا بھک سے اڑ چکا تھا۔

"وہ مر تو نہیں گیا؟ کیا وہ زندہ تھا جب تم وہاں سے آئے ہو؟ بتاؤ؟" غصے کی جگہ پریشانی نے لے لی' وہ دوبارہ اس کی طرف لپکا' شیرو کا مرخوب بخود اثبات میں ہل گیا۔

"او میرے خدا.... نوشیرواں یہ تم نے کیا کیا؟ تم کیسے اس کی جان لے سکتے ہو۔" ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ متعجب ہوا۔

"آپ کو کیوں اس کی اتنی فکر ہے؟ کیوں اتنی محبت ہے آپ کو اس سے؟"

"نوشیرواں!" ہاشم نے آگے بڑھ کر اس کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"اس نے... تمہاری... جان بچائی تھی! کیا تم بھول گئے ہو؟ کیا تم نے اس شخص پہ گولی چلائی جس نے تمہاری جان بچائی تھی؟"

اور ایک لمحے کو نوشیرواں کا دل بالکل خالی ہوگیا۔ وہ ٹکر ٹکر ہاشم کا چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ اسے چھوڑ کر پھر سے ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔

"یہ... یہ فون اور گن! اسے تم ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے اب۔" دونوں چیزیں اٹھاتے ہوئے اس نے سختی سے اسے تنبیہ کی۔ پھر اپنا موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ "اگر تم اس کمرے سے نکلے تو میں تمہاری جان لے لوں گا۔ سمجھے؟ پتہ نہیں وہ بچا یا نہیں۔" فون کان سے لگاتے وہ تیز سانسوں کے درمیان اور بے رنگ ہوتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"ہاں خاور! فوراً گھر آؤ۔ جلدی... ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" عجلت سے کہتا گن اور فون لیے وہ کمرے سے باہر نکل گیا تو پیچھے ہر طرف ویرانی اور خاموشی چھا گئی۔ نوشیرواں دونوں ہاتھ پہلو میں گرائے ہنوز ہکا بکا سا کھڑا تھا۔

.... ٭٭٭ ....

میرے صبر پہ کوئی اجر کیا؟ مری دوپہر پہ یہ ابر کیوں؟ ...... مجھے اوڑھنے دے اذیتیں، مری عادتیں نہ خراب کر!

ہسپتال میں دوائیوں کی بو کے ساتھ کوئی نحوست تھی جو ہر سو پھیلی تھی۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں انسان کو اس کے دکھ لے کر آتے تھے۔ آپریشن تھیٹر کے باہر جگہ جگہ پولیس اہلکار دکھائی دیتے تھے۔ راہداری میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ فارس بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار مڑ کر بند دروازوں کو دیکھتا اور پھر زمر کو جو دیوار سے لگی سفید چہرہ لیے بالکل خاموش گم صم کھڑی تھی۔ اس کی نظریں دروازے پہ جمی تھیں اور ان میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔ وہ روئی نہیں تھی۔ سوا اس کا ہلکا میک اپ آویزے خوبصورت لباس ویسے ہی دمک رہے تھے مگر چہرے کی بے رونقی نے سب ویران کر دیا تھا۔ واحد آواز حنین کے رونے کی تھی۔ وہ زمر کے قریب کھڑی سر جھکائے گھٹا گھٹا سا رو ئے جا رہی تھی۔ پھر اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ گیلی آنکھوں سے فارس کو دیکھا۔

"ماموں.... اتنی دیر ہوگئی۔ یہ لوگ باہر کیوں نہیں آتے؟ کوئی کچھ بتاتا کیوں نہیں ہے؟"

فارس نے تاسف سے اسے دیکھا۔ "سرجری ہو رہی ہے وقت لگے گا۔ اگر دوبارہ امی کا فون آئے تو وہی کہنا جو پہلے کہا ہے کہ ہم مدی کے کسی دوست کے لیے ادھر ہیں..."

"مگر بھائی کو کون گولی مار سکتا ہے؟"

"ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ تم بس دعا کرو۔" وہ سر جھٹکتے دوبارہ ٹہلنے لگا۔ حنہ چونکی۔ "دعا" اسے ٹھیک یاد آیا۔

"میں... میں اب نہیں روؤں گی۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے گیلی آنکھیں رگڑیں۔ اور دو پٹہ سر پہ رکھ کر چہرے کے گرد لپیٹنے لگی۔ "میں دعا کروں گی۔ دعا کے علاوہ کوئی چیز مقدر نہیں بدلا کرتی۔" آنسو بار بار ابل کر آ رہے تھے وہ پوروں سے ان کو صاف کرنے لگی۔ "مصیبت اوپر سے آتی ہے اور دعا نیچے سے جاتی ہے۔ جو زیادہ شدید ہوگی وہ جیت جائے گی۔ مجھے یقین ہے۔ اب دیکھئے گا آپ میں دعا کروں گی اور کیسے بھائی ٹھیک ہو جائے گا۔ ہے نا؟" آخر میں ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ وہ چلتے چلتے اس کے پاس ٹھہرا اور ذرا سے اس کا چہرہ دیکھا پھر اس کا چہرہ تھپتھپا کر اپنے کندھے سے لگایا۔ حنین کے گرم گرم آنسو پھر سے گرنے لگے۔

"دعا کرو۔" اس کا سر تھپک کر وہ اس سے علیحدہ ہوا تو حنہ اثبات میں گردن ہلاتی ہاتھوں کا پیالہ بنائے زیر لب کچھ بڑبڑانے لگی۔

فارس نے دوبارہ قدم اٹھاتے ہوئے زمر کو دیکھا جو ہنوز سرد دیوار سے لگی بت بنی دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں لال ویران تھیں۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور فارس کا ریڈور کا موڑ مڑ گیا۔ چند لمحے بعد جب واپس آیا تو ہاتھ میں شاپر میں لپٹی ٹھنڈے پانی

کی بوتل تھی۔

حنہ کے قریب آ کر اس نے ہلکا سا اس کے کندھے کو چھوا۔ حنہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''اپنی پھپھو سے کہو پانی پی لیں۔'' بوتل شاپر سے نکال کر اسے تھماتے سرگوشی کی۔ حنہ نے چونک کر زمر کو دیکھا جو تھیٹر کے دروازے کو تک رہی تھی۔ پھر فوراً بوتل لے کر اس تک آئی۔

''پھپھو.... پانی پی لیں۔'' اس نے زمر کی کہنی چھو کر کہا تو وہ چونکی۔ چہرہ پھیر کر اسے دیکھا۔ پھر بے اختیار نگاہیں اٹھیں اور فاصلے پہ کھڑے فارس کے ہاتھوں تک جا ٹھہریں۔ خالی شاپر۔ اس نے دوبارہ بوتل کو دیکھا۔

''مجھے پیاس نہیں ہے۔'' وہ بنا تاثر کے کہہ کر رخ پھیر گئی۔

''تھوڑا سا ہی پی لیں۔'' مگر زمر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حنین نے بے بسی سے فارس کو دیکھا' وہ گہری سانس لے کر وہاں سے ہٹا اور راہداری میں چکر کاٹنے لگا۔

انتظار بہت تکلیف دہ تھا۔

.... ❁ ❁ ❁ ....

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں ...... جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

آپریشن تھیٹر کے اندر میز پہ سعدی' اپنے اوپر جھکے لوگوں' خود سے جڑی نالیوں' اور اپنے ماس کو کاٹتے اوزاروں سے بے خبر بند آنکھوں سے لیٹا تھا۔ اس کی پلکوں کے پیچھے ایک اور دنیا تھی۔ وہاں نہ خون تھا' نہ ہتھیار تھے۔

نہ گولیاں.... نہ تکلیف.... نہ آنسو....

وہ ایک تازہ سی صبح تھی جس میں چڑیوں کی چہچہاہٹ گونج رہی تھی۔ ایک چشمہ تھا' جس کے کنارے پتھروں پہ ایک گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے گورے سفید پیر ٹھنڈے پانی میں ڈبو رکھے تھے۔ ساتھ والے پتھر پہ ایک لڑکی بیٹھی تھی' جس کے لمبے گھنگھریالے بال کمر تک آتے تھے اور وہ جھک کر پانی میں بانس کی لمبی چھڑی سے لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اس کی ناک میں سونے کی بالی جیسی نتھ تھی اور کم عمر چہرے پہ سوچ کا عنصر تھا۔ اس نے بھی پاجامہ ذرا اوپر فولڈ کر کے پیر پانی میں ڈبو رکھے تھے۔

''مگر....'' لڑکے نے قدرے فکرمندی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے نا' اتنے بہادر اور اچھے.... پھر وہ فرعون کے پاس اکیلے کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے کیوں کہا کہ انہوں نے ہارون کو ساتھ لے کر جانا ہے؟ کیا ان کی زبان میں واقعی لکنت تھی؟''

''ارے نہیں۔'' لڑکی نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''انبیاء جو ہوتے ہیں نا سعدی وہ معصوم اور عیوب سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ اگر تمہارا درست نہیں' تو تم مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ان کی زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی۔ یہ صرف اسرائیلیات کی وہ روایتیں ہیں جن کو مسلمان مفسرین بغیر کسی ثبوت یا دلیل کے quote کرتے رہتے ہیں۔ موسیٰ کی زبان میں لکنت نہیں تھی' وہ صرف بہت فصیح نہیں تھے اور ان کے بھائی ہارون زیادہ اچھا بول سکتے تھے۔''

''تو کیا صرف اس لئے وہ لے کر گئے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ؟'' لڑکے نے کنکر پانی میں اچھالتے پوچھا تھا۔

''ہاں اور اس لئے بھی کہ جو سپورٹ انہیں چاہیے تھی' وہ ان کو اپنے بھائی سے ہی مل سکتی تھی' کیونکہ ہر انسان اپنے بھائی کا رکھوالا ہوتا ہے۔''

دوسرا کنکر پھینکتا اس کا ہاتھ رکا' وہ ٹھہر کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔

''مگر میرا تو کوئی بھائی نہیں ہے' پھر میرا Keeper کون ہوگا؟''

لڑکی ہلکی سی ہنسی' پھر [illegible] کھسکا کر اس کے قریب چہرہ کر کے بولی۔ ''تمہاری Keeper میں ہوں۔ میں

"میں ہمیشہ پروٹیکٹ کروں گی۔ ہمیشہ....." آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔ چشمے کا منظر وقت کے آسمانوں میں گھلتا گیا... گھلتا گیا... اور نیمل پہ لیٹے مریض کی بند آنکھوں کے پیچھے اندھیرا چھانے لگا۔

.... ❖❖❖ ....

جس سے پہلے بھی کئی عہد وفا ٹوٹے ہیں، ..... اسی دوراہے پہ چپ چاپ کھڑا رہ جاؤں

باہر رات گہری ہو رہی تھی۔ سیاہ اور خوفناک۔ ایسے میں سڑک کنارے کھڑی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا ہاشم کاردار فکرمندی سے ہونٹ کاٹتے اضطرابی انداز میں ٹہل رہا تھا جب دوسرا دروازہ کھلا۔ اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ خاور اندر بیٹھ رہا تھا۔

"کیسا ہے وہ؟" ہاشم نے بے قراری سے اس کا چہرہ کھوجا۔

خاور نے گہری سانس لی۔ "اچھی خبر نہیں ہے۔"

ہاشم کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھوں میں کرب سا اترنے لگا۔ "کیا وہ.... مر جائے گا؟" الفاظ کہنا بھی تکلیف دہ تھا۔ خاور نے گویا ملامت سے اسے دیکھا۔

"خبر یہ ہے کہ وہ بچ جائے گا اور میرا خیال ہے یہ ہمارے لئے اچھی خبر نہیں ہے۔"

"وہ بچ جائے گا؟" وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"جی۔ میں نے معلوم کیا ہے۔ ایک گولی کندھے میں لگی ہے، دوسری پیٹ میں اور تیسری ٹانگ میں۔ کوئی بھی گولی مہلک نہیں ثابت ہوئی۔ نوشیرواں کا نشانہ اچھا ہے مگر ظاہر ہے وہ ڈرگز کے زیر اثر تھے اور غصہ میں بھی اس لئے....." اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"وہ... وہ بچ جائے گا نا!" ہاشم نے بے چینی سے بات کاٹی۔

"جی... میں لکھ کر دے سکتا ہوں وہ بچ جائے گا اور اگلے دو تین گھنٹوں میں ہوش میں آ کر سب کو بتا دے گا کہ اسے کس نے گولی ماری تھی۔ اور صرف یہی نہیں وہ یہ بھی بتائے گا کہ ہم نے اور کیا کیا ہے۔" بڑی دیر سے وہ کہہ رہا تھا۔ ہاشم نے تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔

چند لمحے کار میں خاموشی چھائی رہی۔ گہرا سکوت۔

"ہو سکتا ہے وہ نہ بتائے۔" ہاشم نے تنکے کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ خاور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"سر میں آپ کی اس بچے کے لئے فیلنگز کی بہت قدر کرتا ہوں، مگر معذرت کے ساتھ وہ آپ کے لئے ایسی کوئی فیلنگ نہیں رکھتا ہے۔ ہوش میں آتے ہی سب بک دے گا اور اس کے بعد فارس اتنی ہی گولیاں نوشیرواں کو مارے گا۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ لوگ ہمیں چھوڑ دیں گے؟"

"تو پھر کیا کروں؟" وہ بے زار ہوا مگر اس بے زاری میں تکلیف تھی۔

"کیا مطلب کیا کریں؟ ہمیں اس وقت ایک ہی چیز کرنی ہے۔ سرجری ختم ہوتے ہی میرا کوئی لڑکا اسے ایک ذرا سا انجکشن لگا دے گا اور....."

"خاور!" وہ بے یقینی سے اسے دیکھتا غرایا تھا۔ "میں سعدی کو نہیں ماروں گا۔ وہ... وہ ایک چھوٹا بچہ ہے۔"

"آپ کچھ مت کریں، میں کروں گا جو کرنا ہے، اس کا مرنا ضروری..."

"اگر تم نے اسے ہاتھ بھی لگایا تو میں خدا کی قسم تمہیں اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں گا۔" انگلی اٹھا کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ اتنی سختی سے بولا کہ خاور رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"You love the boy, don't you?" خاور کو افسوس ہوا تھا۔ ہاشم نے سر جھٹکا۔

''میں قاتل ہوسکتا ہوں' مگر میں درندہ نہیں ہوں جو اس کو.... یوں ماردوں۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

''او کے اور نوشیرواں کا کیا ہوگا؟ میرا خیال ہے۔ اس وقت آپ کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ آپ کو ان دونوں میں سے کس سے زیادہ محبت ہے؟''

ہاشم نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر تکلیف سے آنکھیں موند لیں۔ وہ بہت دل گرفتہ نظر آرہا تھا۔ خاور نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ وقت نکل رہا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے شیرو سے کئی گنا زیادہ محبت ہے۔ سعدی کو خاموش کروانا ضروری ہے۔ اوکے!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اب تم وہ کرو جو میں تمہیں بتاتا جاؤں....'' خاور توجہ سے سننے لگا۔

............❖❖❖............

بچھڑے لوگ کبھی بھی لوٹ کے نہیں آتے دوست ...... بس فقط یادوں کے کچھ نشان ہوا کرتے ہیں

سفید راہداری ابھی تک خاموش تھی۔ زمر ہنوز اسی طرح کھڑی آپریشن تھیٹر کے دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔ حنین زمین پہ آنسو بہا رہی تھی' چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں گرائے دعا مانگ رہی تھی۔ فارس مخالف دیوار سے کمر لگائے ایک گھٹنا موڑے کھڑا تھا۔

اردگرد پولیس اہلکار ہنوز پہریداری کر رہے تھے۔ وردی میں ملبوس سرمد شاہ بھی وہیں تھا' مگر ایک حد سے وہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ اس فاصلے پہ کھڑا احتیاط سے فارس کو دیکھ لیتا' جو گاہے بگاہے اس پہ ایک تیز نظر ڈالتا تھا۔ اس نے زمر سے بات کرنے کی کوشش کی تو فارس نے صرف ہاتھ اٹھا کر اسے رک جانے کا کہا اور وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔

(سرمد شاہ وہی اے ایس پی تھا جس نے فارس غازی کو چار سال قبل گرفتار کیا تھا۔ جو فارس کے گھر جا کر اس کی گاڑی سے ملنے والی وارث سے جڑی چیزیں اسے دکھا کر اس کیس سے علیحدہ رہنے کی دھمکی دے کر آیا تھا اور حوالات میں تو اس سے روز کی ملاقات رہتی تھی۔ اور اس ملاقات کے نشان فارس کی کمر پہ آج تک موجود تھے۔)

کتنے گھنٹے بیت چکے تھے' کسی کو یاد نہیں تھا۔ جب دروازے کھلے تو سب ابھری بڑھے۔ زمر سب سے آگے تھی۔

''وہ کیسا ہے؟'' اس نے پریشانی سے سرجن کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ آواز اتنی ہی ہلکی تھی کہ بمشکل سنائی دیتی تھی۔

''آپ فکر مت کیجئے' وہ ٹھیک ہے۔ آپریشن ہو چکا ہے' اور اب وہ Stable ہے۔ کچھ دیر تک اسے وارڈ میں شفٹ کر دیں گے۔''

کیا وہ صرف الفاظ تھے یا کوئی روح تھی جو ان میں پھونک دی گئی تھی۔ حنہ نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ اس کی ہچکیاں سنائی دے گئی تھیں۔ فارس نے نڈھال سے دیوار سے کمر لگا کر آنکھیں بند کیں۔ اور زمر.... وہ بس یک ٹک ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟''

''ایک دفعہ وارڈ میں شفٹ میں ہو جائے تو آپ مل سکیں گی۔'' وہ آگے بڑھنے لگے' زمر فوراً ان کے پیچھے لپکی۔

''کب.... کب شفٹ کریں گے وارڈ میں؟''

''بس تھوڑی دیر تک۔''

زمر نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنہ اور فارس کے برعکس اس کے چہرے پہ اطمینان نہیں اترا تھا۔ وہ وہیں کھڑی بے چین منتظر نگاہوں سے تھیٹر کے بند دروازوں کو دیکھنے لگی۔

کافی دیر بیت چکی اور وہ سعدی کے باہر لانے کا انتظار کرتے رہے۔ فارس اب ادھر ادھر ٹہلتا' بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ حنین گیلا چہرہ صاف کیے' ہلکا سا مسکراتی ہوئی اب کھڑی ہوئی تھی۔ زمر ویسی ہی گم صم دیوار سے لگی تھی۔

تھیٹر کے دروازے کھلے اور ایک سٹریچر باہر نکلی تو فارس اس کی طرف لپکا۔

"کب شفٹ کریں گے سعدی کو؟ اسے ہوش آ گیا؟"

نرس نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ "وہ مریض جس کو گولیاں لگی تھیں؟ اس کو تو شفٹ کر دیا گیا ہے کب کا۔"

فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "ہم تب سے یہیں کھڑے ہیں' اسے تو باہر نہیں لایا گیا۔"

"ارے وہ بیک ڈور سے لے کر گئے ہیں نا وارڈ میں۔" اس نے او۔ٹی کے دوسرے دروازے کی سمت اشارہ کیا جو کاریڈور کا موڑ مڑ کر آتا تھا۔ یہاں سے دکھائی نہ دیتا تھا۔ فارس اور حنہ مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔ زمر بے چینی سے آگے بڑھی۔

"کس وارڈ میں؟ پلیز مجھے اس طرف لے جائیں۔"

"آیئے۔" وہ اپنا کام چھوڑ کر آگے چل دی تو زمر اس کے پیچھے لپکی۔ فارس اور حنین ساتھ ساتھ چلتے پیچھے آ رہے تھے۔

"یہ ادھر ہے آپ کا مریض۔" وارڈ میں آ کر نرس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ آگے پیچھے گھومی اور... دفعتاً ٹھہر گئی۔

زمر نے چہرہ موڑ کر اطراف میں دیکھا۔ اجنبی چہرے غیر شناسا لوگ۔

"او ٹی ون سے جو بلٹ انجریز والا مریض ڈاکٹر بخاری نے بھیجا ہے' وہ کدھر ہے؟" وہ کسی کو روک کر پوچھ رہی تھی۔ زمر کا چہرہ زرد پڑنے لگا۔ اس نے ویران نگاہیں اٹھا کر حنین کو دیکھا جو اتنی ہی متعجب لگ رہی تھی۔

"یہاں تو کوئی مریض نہیں لایا گیا۔"

"کیا مطلب؟ میرے سامنے وارڈ بوائز اسے لے کر گئے تھے۔"

ہر چیز سلو موشن میں ہوتی نظر آ رہی تھی۔

"کیسے غائب ہو سکتا ہے ہمارا مریض؟ میں تمہاری جان لے لوں گا۔ اگر اسے کچھ ہوا تو۔" وہ غصے سے اس کی طرف لپکا تھا۔

اور پس منظر میں کوئی کہہ رہا تھا....

"وہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے دیکھا تھا' دو وارڈ بوائز اسٹریچر پہ پیشنٹ کو لا رہے تھے' مگر وہ ریسیپشن کی طرف جا رہے تھے۔"

اس نے دیکھا' فارس اس طرف بھاگا تھا۔ حنہ بھی پیچھے دوڑی تھی۔

سوالات' حساب کتاب' پولیس اہلکاروں کی بھاگ دوڑ۔ زمر ان سب میں اجنبیوں کی طرح قدم قدم چلتی گئی... چلتی گئی۔ یہاں تک کہ ریسیپشن ہال سامنے دکھائی دینے لگا۔ فارس تنی اور غصے سے بازو اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کرتا پولیس آفیسر سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ارد گرد افراتفری سی مچی تھی۔ حنین حیران پریشان سی گردن گھمائے آس پاس دیکھ رہی تھی۔ اسے سست قدموں سے آتے دیکھا تو دوڑ کر اس تک آئی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ بھائی کہاں ہے؟"

زمر نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ اسے لے گئے ہیں۔" اس کی آواز کسی کنوئیں سے آتی سنائی دی۔ ہلکی' سرگوشی کی طرح۔

"کون؟ کون لے کر جا سکتا ہے بھائی کو؟"

زمر نے نفی میں گردن ہلائی۔ "کون ہیں؟ مجھے نہیں پتہ۔ مگر.... یہ وہی ہیں جنہوں نے اس کو گولی ماری ہے۔" اس کی ویران نگاہیں فارس پہ جا ٹھہریں جو ایک پولیس اہلکار کے ہمراہ تیزی سے باہر جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ زمر نے یاسیت سے سر جھکا۔ "وہ ہمارے بچے کو ہمارے ہاتھوں سے لے گئے ہیں اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" وہ ہال کے کنارے نصب بنچ پہ بیٹھ گئی اور سر دیوار سے ٹکا دیا۔ حنین' جو ابھی تک

حیران پریشان کھڑی تھی۔ ایک دم سے رونے لگی، پہلے ہلکی اور پھر اونچی آواز سے۔

ان دونوں کا ردِعمل دینے کا طریقہ اتنا ہی مختلف تھا جتنی وہ خود ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

❖❖❖

ہر کسی کے جلنے کا اپنا انداز ہوتا ہے ..... پروانے جتنے بھی جلیں، مگر دیا نہیں ہوتے

رات کی سیاہی نے صبح کی سفیدی کو جگہ دی اور نیلاہٹ بھرا اندھیرا قصرِ کاردار پہ اترنے لگا۔ نوشیرواں کے کمرے کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ وہ تیز اے سی کی ٹھنڈ میں لحاف تانے سینے کے بل سو رہا تھا۔ دفعتاً اس نے کروٹ لی اور چہرہ اوپر ہوا تو بند آنکھوں سے منہ بگاڑا۔ کچھ سونگھا۔ دھواں۔ بو۔ وہ آنکھیں چندھیا کر ادھر ادھر دیکھتا اٹھ بیٹھا۔ پلکیں جھپکائیں، ذرا بصارت واضح ہوئی تو اس کے چہرے پہ شاک ابھرا۔ منہ ذرا سا کھل گیا۔

سامنے صوفے پہ ہاشم بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، کہنی صوفے کے بازو پہ رکھے، وہ سگریٹ انگلیوں میں پکڑے، منہ سے نکال رہا تھا۔ دھوئیں کا مرغولہ سا لبوں سے نکلا اور اوپر اٹھتا گیا۔ میز پہ شیرو کے پستول کے ساتھ اس کے سگریٹ اور منشیات کے پیکٹ پڑے تھے۔ ایک پیکٹ تازہ کھولا گیا لگتا تھا۔ نوشیرواں کی پریشان نگاہیں واپس ہاشم کے چہرے تک اٹھتی گئیں۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، اور اس کی آنکھیں گیلی تھیں، ناک سرخ تھی۔

''کیا وہ مر گیا؟'' اس نے ہلکے سے پوچھا۔ ہاشم نے چہرہ اس کی طرف موڑا..... اس کی گیلی آنکھوں میں گلابی رگیں ابھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔

''میں اسے نہیں مار سکتا تھا، اس لئے یہاں سے دور بھیج دیا ہے۔ بے فکر رہو، وہ اب کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا۔'' وہ بولا تو آواز زکام زدہ سی لگتی تھی۔ ''پولیس ہماری، ہسپتال کا عملہ ہمارا، قانون ہمارا۔ نہ تمہیں کسی نے اس کالونی میں جاتے دیکھا، نہ نکلتے۔ ہسپتال میں کافی شور ڈالا فارس نے، مگر اب تھک ہار کر وہ لوگ گھر جا چکے ہیں۔ اب جتنا تلاش کر لیں، وہ انہیں نہیں ملے گا۔ مبارک ہو نوشیرواں، تمہارے بھائی نے ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی تمہارا پھیلایا گند سمیٹ لیا ہے۔'' سگریٹ لبوں تک لے جاتے اس نے تلخی اور طنز سے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ مگر اس کی نظروں کی ملامت..... نوشیرواں کی آنکھوں میں خفگی اتری۔

''کیا وہ ابھی بھی زندہ ہے؟ آپ نے اسے کیوں بچایا؟''

''تم فکر مت کرو۔ تم بس سو جاؤ۔ اسٹین فورڈ میں میرا ایک پروفیسر تھا۔'' جھک کر ایش ٹرے میں سگریٹ کا ٹکڑا مسلا۔ ''وہ کہا کرتا تھا، قاتلوں میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے۔ قتل کرنے کے بعد ان پہ نیند ضرور طاری ہوتی ہے۔ مجرم کو کھوج لگانے کے لئے ہم پہلے اسی جگہ کا تعین کرتے ہیں جہاں وہ جا کر سویا تھا۔ تم بھی سو جاؤ۔ کیونکہ یہ وہ آخری پرسکون نیند ہے جو تمہیں ملے گی۔''

''آپ اتنے اپ سیٹ کیوں ہیں؟ ایک بندہ مارنے سے کون سی قیامت آ جاتی ہے۔ آپ نے بھی تو.....'' حدِ ادب تھا کہ بے زاری سے کہتے کہتے بھی وہ رک گیا۔

''قتل چھوٹی بات نہیں ہوتی نوشیرواں۔'' وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے گیلی آواز سے بولا تھا۔

''میں کاردار ہوں، مجھے کوئی پولیس نہیں گرفتار کر سکتی۔ چند دن بعد میں سب اسے بھول جائیں گے۔''

''کسی کا مرا ہوا بچہ بھی پیدا ہو تو وہ اسے نہیں بھولتا، تم کہتے ہو وہ اسے بھول جائیں گے؟''

''کیا آپ نے دو لوگ نہیں مارے تھے؟ کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں!''

''ہاں سارا قصور میرا ہے۔ غلط کیا میں نے تمہیں بتا کر۔'' غصے اور دکھ سے کہتے اس نے سگریٹ کھڑکی کی طرف پھینکا۔ ''وہ دو لوگ

میرے کچھ نہیں لگتے تھے' وہ دو اچھے مگر عام سے لوگ تھے۔ تم نے شیرداں پہ گولی چلائی جو ان کے خاندان کا ہیرو تھا۔ ابھی وہ شاک میں ہیں' چوبیس گھنٹوں میں یہ شاک صدمے میں بدلے گا۔ اور پھر غصے میں۔ وہ اسے ڈھونڈیں گے' اور اس کے مارنے والے کو بھی... مگر تم بے فکر رہو۔ تمہارا بھائی ہے نا! تمہیں بچالے گا' ہمیشہ کی طرح!'' اس نے زکام زدہ انداز میں سانس ناک سے اندر کھینچا۔

''آپ کو وہ اتنا پسند ہے کیا؟'' نوشیرواں خفگی سے چہرہ جھکائے بڑبڑایا۔ جواب میں ہاشم نے میز پہ رکھے بڑے سائز کے فوٹو گراف اٹھا کر اس کی طرف اچھالے۔ ساری تصویریں بیڈ اور فرش پہ گر گئیں۔

''یہ دیکھو' تم نے کیسے اس کے چہرے پہ مارا ہے۔ تین گولیاں مارنے کے بعد بھی تم نے اسے مارا۔ وہ انسان کا بچہ تھا نوشیرواں' ایسے تو کوئی جانور کو بھی نہیں مارتا۔'' دکھ اور غصے سے اس نے شیرو کو ملامت کیا۔ وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

''خیر.... یہ سب اب ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ میں یہاں صرف ایک سوال کا جواب لینے بیٹھا ہوں۔'' شیرو نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اب ذرا خود کو سنبھالتے ہوئے' سنجیدگی سے اس کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔

''تم نے مجھے بتایا کہ کیسے تم اس کے پیچھے گئے' اس کو تین گولیاں ماریں اور واپس آگئے۔ پولیس رپورٹ کے مطابق بھی اس کو تین گولیاں ہی لگی ہیں۔ مگر نوشیرواں کاردار' میں جانتا ہوں کہ یہ پورا سچ نہیں ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' شیرو کے تاثرات بدلے' رنگ پھیکا پڑا۔

''تم نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے۔ اور اب تم مجھے بالکل صاف صاف بتاؤ گے۔'' کہتے ہوئے اس نے پستول کا میگزین نکال کر شیرو کے سامنے کیا۔ بیڈ پہ پیر اوپر کرکے بیٹھے نوشیرواں نے تھوک نگلا۔

''یہ جی فورٹی ون ہے۔ اس کے میگزین میں تیرہ گولیاں ہوتی ہیں۔ تم میگزین بھرے بغیر تو گئے نہیں ہو گے' سو اگر تیرہ میں سے تین گولیاں تم نے سعدی کو ماری ہیں تو باقی کتنی بچنی چاہئیں؟''

''دس!'' شیرو کی آواز ہلکی تھی۔

''مگر اس میں سات گولیاں ہیں۔ اور اگر تم نے مجھے نہ بتایا کہ وہ باقی تین گولیاں کہاں گئیں تو خدا کی قسم نوشیرواں میں یہ ساتوں گولیاں تمہارے سر میں اتار دوں گا!'' وہ جس طرح چبا چبا کر' اسے گھور کر بولا تھا' نوشیرواں کے پاس پسپائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''جب میں نے تیسری گولی مار کر' اس کا فون اٹھایا اور جانے لگا تو....'' کہنے کے ساتھ اس کی نگاہوں کے سامنے وہی خوفناک منظر پھر سے تازہ ہوا۔

وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا' اس کے قدموں میں خون میں لت پت سعدی گرا پڑا تھا۔ آگاہی اس کے دماغ کو چڑھی کوکین ہرن کرنے لگی تھی۔ وہ تیزی سے جھکا' سعدی کا موبائل اٹھایا' جس پہ خون کے محض چند قطرے لگے تھے' اور اسے جیب میں ڈالے مڑ گیا۔ اب اسے جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

تب ہی.... جب کہ وہ مڑنے لگا تھا' اس نے وہ آواز سنی۔ زیرِ تعمیر گھر کے اندر سے کوئی کھٹکا ہوا تھا۔ کسی بلی کے بچے کی سی آواز۔ ہلکی سی کراہ۔ وہ چونک کر واپس گھوما۔ اندھیرے میں آنکھیں سکوڑ کر دیکھا۔

''اے... کون ہے ادھر؟'' پستول سیدھا تانے وہ احتیاط سے قدم قدم چلتا گھر کے اندرونی حصے تک آیا۔ وہاں گھپ اندھیرا تھا۔

''کون ہے؟ بولو....'' اس نے پکارا۔ مگر خاموشی چھائی رہی۔ مگر وہاں کونے میں کوئی حرکت سی ہوئی۔ وہ کوئی ہیولہ سا تھا جو حرکت کر رہا تھا۔

نوشیرواں نے پستول تان کر' یکے بعد دیگرے فائر کیا۔ پھر قریب آیا۔ موبائل کی اسکرین روشن کرکے اس طرف ڈالی۔ وہ سیمنٹ کا

ایک خالی پیپر بیگ تھا۔ جو سیڑھیوں کے ساتھ گرا تھا۔ وہ سر جھٹک کر مڑا اور باہر آیا۔ سعدی ہنوز وہیں گرا پڑا تھا۔ وہ ایک متنفر نگاہ اس پہ ڈال کر گیٹ کی طرف بڑھا، مگر.... کسی احساس کے تحت اس نے گردن موڑی۔

بنا دروازوں کے اس گھر کے ڈھانچے کی کچی پکی سیڑھیوں کے اوپر ...کوئی سایہ گم ہوا تھا۔ اسی وقت پس منظر میں پولیس کے سائرن بجنے لگے۔ وہ تیزی سے باہر کو دوڑا۔ چند منٹ بعد وہ بخیریت کافی دور کھڑی اپنی کار تک آ چکا تھا۔

"مجھے شیور نہیں ہے، مگر شاید، ہاں کوئی تھا..شاید نہیں تھا۔" اپنے کمرے میں بیٹھے سر جھکائے، نوشیرواں کہہ رہا تھا۔

ہاشم ایک دم اٹھا۔ سارا نشہ ہرن ہوا۔ "کیا اس نے پچھلے قتلوں کا حوالہ دیا؟ میرا نام لے کر کچھ کہا؟"

"ہاں، بہت کچھ بولا تھا اس نے۔"

"تو پھر ظاہر ہے وہاں کوئی تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ وہاں کون ہے۔ او، میرے خدا!" بے اختیار اس نے ماتھے کو چھوا۔
"تمہیں کسی نے گولی چلاتے دیکھا ہے۔ یعنی کہ اب موقع کا گواہ بھی موجود ہے۔ لعنت ہے تم پہ نوشیرواں!" غصے اور پریشانی سے سر جھٹک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟ مجھے دو۔ اور اپنا سامان تیار کرو۔ تم ابھی اس وقت ملک سے باہر جا رہے ہو۔ تم اس وقوعے کے وقت بھی ملک میں نہیں تھے۔ میں پاسپورٹ پہ بیک ڈیٹ کی ایگزیٹ Stamp لگوا دوں گا۔ پاسپورٹ لاؤ، جلدی!" آخر میں وہ غصے سے چلایا۔ تو نوشیرواں تیزی سے بستر سے اترا اور الماری کی طرف لپکا۔

ان چند گھنٹوں میں پہلی دفعہ اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کر چکا ہے۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

باب 12:

یا صاحبی السجن

(اے میرے قید خانے کے دوساتھیو!)

ایک دن میرا وقت بھی آئے گا
اور تم قیمت چکاؤ گے اپنے کیے کی
اور تم دیکھو گے' کہ میں قطعاً اچھی نہیں ہوں
ایک دن میں آسیب کی طرح تمہیں ڈراؤں گی
یہ میرا وعدہ ہے جس کا ابھی تم کو اندازہ نہیں
مگر تم تب خواہش کرو گے کہ کاش
ہم کبھی نہ ملے ہوتے!
ایک دن!
کیونکہ میں کبھی نہیں بھولوں گی۔
اور تمہیں رحم کے لئے گڑگڑاتے کوئی نہ سن پائے گا
کیونکہ ابھی تو تم نے کچھ نہیں دیکھا
سو غور سے سنو۔
ایک دن تم جواب دو گے اپنے اعمال کا
بس انتظار کرو اور دیکھو۔
اور تب تم جانو گے میرے خاندان کو
نقصان پہنچانے کے بعد کیا ہوتا ہے!
ایک دن میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔
مجھے پرواہ نہیں کہ اس میں کتنی دیر لگتی ہے۔
یا مجھے اس کے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے

کیونکہ میں کبھی اپنا وعدہ
توڑا نہیں کرتی!

(Petite Magique کی نظم "انتقام" سے)

سعدی یوسف کی گمشدگی کے پانچ گھنٹے بعد۔

آج صبح چھوٹا باغیچہ ویران پڑا تھا۔ سورج کی تپش نے سارے پھول جھلسا دیے تھے۔

اندر لاؤنج میں ندرت کے رونے کی آواز سب سے اونچی تھی۔ وہ چہرہ جھکائے نفی میں سر ہلاتی روئے جا رہی تھیں۔

"ہم اس کو ڈھونڈ لیں گے۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" فارس ندرت کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے ان کو تسلی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں رتجگے کے باعث سرخ تھیں اور چہرے پہ تکان تھی۔

"اب کہاں ڈھونڈو گے؟ اب تک تو وہ اسے....." اور دوپٹے میں چہرہ چھپائے اور زور زور سے رونے لگیں۔ ان کا کندھا مسلتی حنین بھی "امی خود کو سنبھالیں" کہتی پھر سے رونے لگی تھی۔ سیم سر گھٹنوں میں دیے کارپٹ پہ بیٹھا تھا۔ سامنے بڑے ابا، گردن گرائے، خاموش آنسو گرا رہے تھے۔

"وہ بالکل ٹھیک ہوگا اور اس کا خیال رکھا جا رہا ہوگا۔" سنگل صوفے پہ گھٹنے ملا کر بیٹھی زمر نے بے تاثر سے انداز میں کہا تو وہ سب اس کو دیکھنے لگے۔ وہ اب بھی اسی طرح گم صم، چپ سی تھی۔

"تمہیں کیسے پتہ؟" ابا نے سر اٹھائے بغیر گیلی آواز میں پوچھا۔

"کوئی بھی بلٹ انجری مہلک نہیں تھی۔ اگر انہوں نے اسے مارنا ہوتا تو پہلی دفعہ میں مار دیتے، یا پھر جیسے نکال کر لے گئے ہیں، اسی طرح آپریشن ٹیبل پہ مار دیتے۔ ان کو وہ زندہ چاہیے، اس لیے وہ اس کا خیال رکھیں گے۔"

"مگر کون ہیں وہ لوگ؟ بھائی نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟" حنین نے بے بسی سے روتے پوچھا۔

زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "مجھے نہیں پتہ۔" اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ پرس اٹھایا، چابیاں نکالیں۔ حنین نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" زمر نے جواب دیے بنا اسٹریپ کندھے پہ ڈالی، موبائل بیگ میں رکھا۔ فارس نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔

"میں جا رہا ہوں تھانے۔ آپ مت جائیے۔"

"میں گھر جا رہی ہوں۔" کسی سے نگاہ ملائے بنا وہ مڑ گئی۔ حنین کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔

"آپ بڑے ابا، امی، سب کو اتنی تکلیف میں چھوڑ کر جا رہی ہیں؟"

زمر کو عقب سے اس کی آواز آئی مگر وہ قدم قدم آگے بڑھتی رہی۔ حنہ نے بے دردی سے آنکھیں رگڑیں۔

"ٹھیک ہے۔ جائیے۔ ہمارا بھائی جیئے یا مرے۔ آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ نے تو ویسے بھی چار سال ان سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔" زمر کے قدم لمحے بھر کو تھمے، پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

"حنین کم از کم اس وقت لڑائی مت کرو۔" وہ خفگی سے ٹوکتا اٹھا۔ حنہ نے صرف ملامتی نظروں سے اسے دیکھا اور رخ پھیر گئی۔ امی گھٹنا گھٹنا سا ابھی تک رو رہی تھیں، اور بڑے ابا کے ضعیف چہرے پہ آنسو ہنوز ٹپک رہے تھے۔

"وہ اب کسی کو نہیں ملے گا، میری امید کھو گئی ہے۔" وہ دکھی دل سے کہہ رہے تھے۔

........❖❖❖........

جو خیال تھے نہ قیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے ...... جو محبتوں کے اساس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

اس نے انیکسی کا دروازہ کھولا تو اندر سناٹا تھا۔ وہ اسی زرد چہرے اور ویران آنکھوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ پھر لکڑی کے زینوں پہ قدم رکھتی چڑھتی گئی۔ ایک ہاتھ ریلنگ پہ تھا۔ دوسرے میں پرس اور خاکی لفافہ تھام رکھا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر زمر نے پرس فرش پہ ڈال دیا۔ پھر خاکی لفافہ کھولا۔ فل سائز تصاویر نکالیں۔ پھٹے ہونٹ، سرخ نشانوں اور زخموں والا چہرہ لیے، بند آنکھوں سے لیٹا سعدی۔ خون آلود لباس۔ زمر نے ایک کے بعد ایک تصویر سامنے کی۔ اس کی بھوری آنکھیں اس لڑکے کی بند آنکھوں پہ جمی تھیں۔ خشک بھوری آنکھیں۔

پھر یکایک ان میں پانی بھرا، اتنا کہ وہ ڈبڈبا گئیں۔ اور آنسو چہرے پہ تیزی سے لڑھکنے لگے۔ اس نے زور سے وہ تصویریں سامنے دیوار پہ دے ماریں اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھتی چلی گئی۔ چہرہ جھکائے، مٹھیاں فرش پہ رکھے، وہ ایک دم بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

"کیوں اللہ؟ کیوں؟" روتے روتے اس نے گیلا چہرہ اٹھا کر چھت کو دیکھا۔ "کیا اتنے سال اسے اس لئے بڑا کیا تھا کہ کوئی آئے اور گولی مار کر چلا جائے؟ کیا ہم اپنے بچوں کو اس لیے بڑا کرتے ہیں؟ کیا آپ کی دنیا میں کوئی قانون نہیں؟ کوئی انصاف نہیں؟"

اس نے زمین پہ بیٹھے بیٹھے چہرہ بیڈ پہ رکھ دیا۔ دائیں گال پہ آنسو لڑھکتے دکھائی دے رہے تھے۔

"میں نے اسے کہا تھا کہ میں اس کا خیال رکھوں گی۔ کئی سال پہلے، جب ہم کالام میں تھے۔ ایک چشمے کے کنارے اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اس کا کوئی بھائی نہیں، تو اس کا کیپر کون ہوگا؟ میں نے کہا، میں ہوں گی۔ دو سال بعد سیم پیدا ہوا، مگر اسے تب بھی پتہ تھا کہ اس کی کیپر زمر ہو گی، ہمیشہ اس کا خیال رکھے گی، مگر میں اس کا خیال نہیں رکھ سکی۔ میں اسے نہیں بچا سکی۔ کیوں اللہ، کیوں؟" وہ سسکیوں سے روئے جا رہی تھی۔

"میں اب پہلے کی طرح آپ سے بات نہیں کرتی، میں ویسے دعا نہیں مانگتی۔ کیونکہ مجھے لگتا تھا میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ میرے پاس سعدی تھا۔" ماتھا بیڈ سے ٹکائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے کہہ رہی تھی۔

"کیسے کسی نے اس کو گولی مار دی؟ کیسے اس کو اتنی تکلیف دی؟ اللہ، کوئی جانور کو بھی ایسے نہیں مارتا، وہ تو پھر انسان تھا۔" وہ بولتی جا رہی تھی اور روتی جا رہی تھی۔ "میں نے اللہ.... میں نے چار سال اس سے تعلق نہیں رکھا، میں نے چار سال ضائع کر دیے۔ میں کہاں سے وہ وقت واپس لاؤں؟ پلیز میرے ساتھ یہ مت کریں۔" سر بیڈ کنارے سے لگائے وہ بچوں کی طرح روئے جا رہی تھی۔

کتنے لمحے بیتے، سورج کتنا تیز ہوا، معلوم نہیں۔ وہ اسی طرح بے خبری روتی گئی۔ یہاں تک کہ دروازہ دھیرے سے کھٹکا۔ پھر کھلا۔ چوکھٹ میں کھڑے فارس نے اندر دیکھا تو ساری پولیس فوٹو گرافس بکھری نظر آئیں اور وہ زمین پہ بیٹھی، بیڈ کے کنارے پہ سر رکھے، رو رہی تھی۔ نیچے رکھا اس کا موبائل مسلسل زوں زوں کر رہا تھا۔

"زمر!" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا قریب آیا۔ آنکھوں میں تکلیف لئے زمر کو دیکھا۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس نے چہرہ اٹھایا، نہ آنسو پونچھے۔ بس آپ جناب کا تکلف بھی آج ختم کیا۔

"نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ بہت ہلکا سا بولا تھا۔ پھر جھک کر اس کا موبائل اٹھایا۔

"بصیرت صاحب کا فون ہے۔"

"مجھے تنہا چھوڑ دو فارس۔" وہ چہرہ اٹھا کر اسے متنفر نظروں سے دیکھتی ایک دم چلائی۔ "جب بھی تم ہماری زندگیوں میں آتے ہو، کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے۔ ہر چیز ہمیشہ تمہاری وجہ سے ہوتی ہے۔"

وہ چپ چاپ کھڑا، دکھ سے اسے دیکھے گیا۔

''مجھے نہیں پتہ اسے کس نے مارا' لیکن اگر اس کا کوئی دشمن بنا ہے تو صرف تمہاری وجہ سے۔ تم نے ایک پڑھنے لکھنے والے بچے کو جیل کچہری اور عدالتوں کے چکر میں دھکیل دیا۔ تم نے اس کو پتہ نہیں کتنوں کا دشمن بنا دیا۔ مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔'' ملامت سے اسے دیکھتی، وہ اونچا اونچا کہتی پھر سے رونے لگی تھی۔

فارس خاموشی سے اس کے ساتھ اکڑوں بیٹھا اور گھٹنوں کے گرد بازو پھیلائے۔ پھر گردن گھما کر اسے یاسیت سے دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے اس کے دشمن میری وجہ سے بنے ہیں، میں نے اسے کہا تھا کہ میرے لئے غلط چیزوں میں انوالومنٹ ہونا۔ مگر وہ ہوا۔ میں جیل میں تھا' اسے نہیں روک سکتا تھا۔'' وہ بدقت بول رہا تھا۔ اس کے انداز میں شدید تکلیف تھی۔

''تم ایک ہی دفعہ ہماری زندگیوں سے چلے کیوں نہیں جاتے؟ تمہاری وجہ سے ہم اور کتنا نقصان اٹھائیں گے؟ خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے تمہیں جان سے مار دوں۔'' دکھ پہ اب غصہ غالب آنے لگا۔ وہ اس سے تین فٹ کے فاصلے پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ ان الفاظ پر بھی چہرے پہ کوئی غصہ' کوئی تلخی نہ ابھری۔ بس تکان سے اسے دیکھے گیا۔

''آپ جو کرنا چاہتی ہیں میرے ساتھ کر لیں۔ میں آپ کو نہیں روکوں گا۔''

''بے فکر رہو۔'' زمر نے تلخی سے سر جھٹکا۔ ''میں تمہارے ساتھ کچھ نہیں کروں گی۔ مجھے تم سے شادی بھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مگر خیر....'' اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑیں۔ ''میں نے اس سے وعدہ کیا تھا' کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ اور میں اپنے عدے پورے کیا کرتی ہوں۔'' ساتھ ہی ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تم یہ مت سمجھنا کہ تم بچ جاؤ گے' ایک دفعہ میں سعدی کو ڈھونڈ لوں' پھر میں تم سے بھی حساب لوں گی' اس ایک ایک زخم کا جو تم نے میرے خاندان کو دیا ہے۔''

''آپ کو مجھ پہ غصہ ہے! اور آپ تکلیف میں ہیں' میں بھی ہوں۔ مگر یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب مجھے یہ کہا گیا ہے کہ ہسپتال جاؤ' کیونکہ تمہارے خاندان کا کوئی فرد گولیوں سے بھون دیا گیا ہے۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے تکلیف اور دقت سے بولا' گلے میں گولہ سا اٹکنے لگا مگر اس نے نگل لیا۔ ''لیکن میں آپ کی طرح رو نہیں سکتا۔ میں رونا نہیں چاہتا۔ میں اس ایک ایک شخص کو' جس نے میرا خاندان تباہ کیا ہے' ڈھونڈ کر اس کی چمڑی ادھیڑنا چاہتا ہوں۔'' اب کے اس کی آنکھوں میں درشتی ابھری اور گردن کی رگیں کھنچی ہوئی دکھائی دیں۔ زمر نے ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

''مجھے کچھ مت سناؤ۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' اور رخ موڑ لیا۔ گیلی آنکھیں پھر سے رگڑ کر صاف کیں۔

''مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ میری بات سنیں۔ سعدی سے برابر کا رشتہ ہے ہمارا۔ ٹھیک ہے آپ کا کچھ زیادہ ہوگا' مگر اس وقت ہمیں آپس میں لڑنے کی بجائے ایک ساتھ مل کر اس کو ڈھونڈنا ہوگا۔''

''اتنی توانائی مجھ پہ خرچ مت کرو۔ میں اسے ڈھونڈ لوں گی' اور میں ہر اس شخص کو ڈھونڈوں گی جو اس میں انوالوڈ تھا' اور پھر دنیا دیکھے گی کہ میں اس کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ مگر یہ تمہاری بھول ہے فارس کہ میں اس سب میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گی۔'' اس کو تیز نظروں سے گھورتی وہ چبا چبا کر بولی۔

''نہ آپ اسے اکیلی ڈھونڈ سکتی ہیں نہ میں۔''

''مجھے تمہاری کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' تلخی سے کہتی وہ اٹھی۔ ''میں اکیلا سب کر لوں گی۔ تمہارا کیا بھروسہ' کل کو مجھے بھی بیچ آؤ۔''

فارس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ دماغ کھول گیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا۔

''ایسا سمجھتی ہیں آپ مجھے؟'' غصے سے اس کے مقابل کھڑے پوچھا تو چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"کیوں؟ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے مجھ پہ گولی چلائی تھی؟ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اتنے ہی غصے سے غرائی تھی۔ فارس کے لب بھنچ گئے' چند لمحے ضبط سے گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔

"میں پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں' کیا آپ چلیں گی؟" بدقت ضبط سے سپاٹ سا پوچھا۔

"ہونہہ۔" زمر نے نفی میں سر جھٹکا اور زمین پہ گرا موبائل اٹھایا۔ "یہ ساری پولیس انہی لوگوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یہ جتنی نا اہل ہے' انہیں اسے نہیں ڈھونڈ پائیں گے۔" ساتھ ہی موبائل پہ مسڈ کالز دیکھ رہی تھی۔ اس کی ناک اور... آنکھیں ہنوز گلابی تھیں اور آنسو پھر بہنے لگے تھے۔ فارس کے چہرے کا سپاٹ پن قدرے کم ہوا۔

"مجھے پتہ ہے پولیس ملی ہوئی ہے' بے فکر رہیے' ان میں سے ایک ایک آفیسر کا وقت آئے گا۔" اور جانے کے لیے مڑا' تبھی زمر نے فون کان سے لگایا۔

"جی بصیرت صاحب..." وہ چوکھٹ میں ٹھہر گیا۔ مڑا نہیں۔ وہ عقب میں فون پہ کہہ رہی تھی۔ آواز کو نارمل کرتے ہوئے۔

"آپ کا بہت شکریہ۔ نہیں ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ میں تھوڑی دیر میں گھر سے نکلوں گی پھر دیکھوں گی۔ اچھا..." وہ رک کر سننے لگی۔ پھر ہنسی۔ تلخ سی ہنسی۔ فارس نے چونک کر گردن موڑی۔

"مجھے اسی قسم کے آرڈر کی توقع تھی مگر یہ کافی جلدی آ گیا۔ نہیں' مجھے اب اس سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ کا شکریہ۔" موبائل رکھ کر اس نے ... اٹھیں تو فارس اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"مجھے ایڈووکیٹ جنرل نے بغیر وجہ بتائے معطل کر دیا ہے' اب میں پراسیکیوٹر نہیں رہی۔" اتنی ہی تلخی سے بولی۔

"کیا؟" فارس کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ "مگر اس طرح کی معطلی غیر قانونی..."

"اچھا ہی ہوا۔" زمر نے زکام زدہ ناک سکوڑتے شانے اچکائے اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ "یہ وہ پہلی غلطی ہے جو ہمارے دشمنوں نے کی۔ اس سے انہوں نے مجھے یہ بتا دیا ہے کہ وہ بارسوخ لوگ ہیں۔ یہ ان کی پہلی چال تھی۔ بساط بچھا دی گئی ہے اور کھیل شروع ہو چکا ہے۔ اب وہ دیکھیں گے کہ ان کا مقابلہ کس سے ہے۔" تلخی سے بڑبڑاتی وہ الماری میں ہینگر الٹ پلٹ کرنے لگی۔ فارس کا ذہن ایک لفظ پہ اٹک گیا۔

(ہمارے دشمن؟ کیا اس کو خود بھی احساس نہیں کہ اس نے "میرے" یا "سعدی" کے بجائے "ہمارے" کہا؟)

اور اس ساری پریشانی' اذیت اور صدمے کی کیفیت کے باوجود ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ رینگ گئی۔ پھر وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ ابھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔

.... ❖ ❖❖❖ ....

گھروں پہ نام تھے' ناموں کے ساتھ عہدے تھے ...... بہت تلاش کیا ، کوئی آدمی نہ ملا !

قصر کاردار کے ڈائننگ ہال کی لمبی میز ناشتے' پھلوں اور مشروبات سے سجی تھی مگر جواہرات سب چھوڑ کر' پوری طرح ہاشم کی طرف متوجہ تھی۔

حق دق سی تکتی جا رہی تھی۔ وہ سر جھکائے' چائے کے گھونٹ بھرتے بتا رہا تھا۔ آفس کے لیے تیار اور ہلکا میک اپ کیے تازہ دم جواہرات کے برعکس وہ قدرے سست تھا۔ سوٹ' ٹائی' سب درست تھا' بس آنکھیں ہنوز سوجی ہوئی تھیں۔

باندھے کھڑا خاور اپنے جوتے کو دیکھتا رہا۔ ہاشم کی نظریں بھی چائے پہ جھکی تھیں۔

"اس کی فیملی تو بہت ڈسٹرب ہو گی۔" جواہرات کہنی میز پہ جمائے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتی' آنکھوں میں تاسف بھرے کہہ رہی تھی۔

"آخر کون کر سکتا ہے یہ؟" پھر چونک کر ہاشم کو دیکھا۔ "تم نے تو..."

ہاشم نے نیپکین مٹھی میں بھینچا اور خفگی سے نظریں اٹھائیں۔ "میں اس پہ بھی گولی نہیں چلا سکتا' نہ یہ خاور نے کیا ہے۔ ہم اس کے واحد دشمن نہیں ہیں۔"

"اوہ۔" اسے سکون آیا۔ پھر گلاس اٹھا کر جوس کے دو گھونٹ بھرے۔ خاور اور ہاشم نے ایک خاموش نظر کا تبادلہ کیا۔

"مگر..." یکا یک جواہرات کا سانس اٹکا۔ چہرے پہ پریشانی آئی۔ "وہ کل ہمارے پاس آیا تھا۔ کوئی ہم پہ شک..."

"کسی کو نہیں پتہ کہ وہ کل ہمارے پاس آیا تھا۔ ہم آفس کے کل کے سی سی ٹی وی ریکارڈ کو کلیئر کر دیں گے۔ زیادہ لوگوں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔ اگر پتہ چل بھی جاتا ہے تو کیا ہوا؟ کوئی ہم پہ شک نہیں کر سکتا۔"

"ہوں۔" جواہرات نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہسپتال سے اگر وہ غائب ہوا ہے تو ظاہر ہے اتنی زخمی حالت میں۔ اونہوں۔ وہ تو ابھی تک زندہ بھی نہ ہو شاید۔" پھر یکا یک ایک خیال کے تحت چونکی۔ "ہاشم... سعدی کا یہ حادثہ... میرا مطلب ہے اس کے جانے کے بعد اب کوئی نہیں ہے جو جانتا ہو کہ ہم نے وہ سب کیا تھا۔"

ہاشم نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا آپ کو اس حادثے کا ذرا بھی افسوس نہیں؟"

"اوہ نہیں' آف کورس ہے۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" وہ فوراً معذرتی انداز میں کہتی ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "آفس جانے سے پہلے ان کے گھر چلیں گے۔ یہ تو ابھی اس کا دماغ الٹا تھا، ورنہ وہ بہت پیارا لڑکا تھا۔ میرا بہت اچھا دوست۔" (ایسے ہی عارت گروالی کہانی یاد آئی جو ایک شام اسے ابتر ذہنی حالت میں سنائی تھی۔ چلو اس کہانی کا دوسرا گواہ بھی ختم ہوا۔ اور پہلی؟۔)

"میری کو بھجوا دیا تم نے؟" سرسری سا پوچھا۔

"جی' اسے ملک بدر کر دیا ہے آج۔" اور جواہرات کا دل مزید ہلکا ہو گیا۔ (شکر!)

"اوکے۔" اس کا دل اچاٹ ہو چکا تھا' بے زاری سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"شیرو پھر ناشتے پہ نہیں آیا۔" وہ ذرا فکر مند ہوئی۔

"وہ رات دبئی چلا گیا تھا۔ آپ جب تک پارٹی سے آئیں، میں سو چکا تھا، بتا نہیں سکا۔" اس نے سیل فون اٹھاتے سرسری ا اطلاع دی۔

جواہرات نے شدید حیرانی سے چہرہ اٹھایا۔ "مگر کیوں؟"

"دوستوں کے ساتھ پروگرام تھا۔ پریشان مت ہوں' اسے کچھ دن ریلیکس کرنے دیں۔ اور ہاں' یہ سعدی والی بات اسے مت بتائے گا ابھی۔ ڈسٹرب ہو جائے گا وہ۔ آخر... وہ دونوں... دوست تھے۔" آخری فقرہ بدقت ادا کیا۔ پھر جواہرات سے نگاہ ملائے بغیر وہ نکل گیا اور وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

"مجھے پتہ ہے وہ کیوں گیا ہے۔ کیونکہ شہرین نے آج صبح وہاں جانا تھا۔" ناراضی سے بڑبڑاتے گلاس اٹھایا۔

"آپ مسز کاردار سے کیوں چھپا رہے ہیں؟" خاور نے اس کے پیچھے سے آ کر پوچھا تھا۔

"معاملہ ٹھنڈا ہونے دو پھر بتا دوں گا۔ ابھی کوئی لاپرواہی ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔" دبی آواز میں کہتا وہ اس کے ساتھ باہر آ

"تم نے اس ممکنہ گواہ کو چیک کیا؟" یہ پریشانی ختم ہونے کو نہیں آ رہی تھی۔

"جی، مگر ایسا کوئی گواہ پولیس کے پاس پیش نہیں ہوا، نہ ہی سعدی کے گھر والوں سے کسی نے رابطہ کیا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہاں کوئی اور بھی تھا۔ وہ صرف نوشیرواں صاحب کی ڈرگز کے باعث hallucination ہو سکتی ہے۔"

"مگر میں اس امکان کو رد نہیں کر سکتا۔" ہاشم مطمئن نہیں تھا۔ "تم معلوم کرنے کی کوشش کرو۔" اور زینے اترنے لگا۔ خاور سر ہلا کر رہ گیا۔ ایک طویل اور اندھیری رات بالآخر ختم ہوئی تھی۔

حسب معمول ہاشم کاردار نے سب سنبھال لیا تھا۔

............❖❖❖............

وہ دیکھنے آیا تھا کہ کس حال میں ہیں ہم!

چھوٹا باغیچہ ہنوز جھلس رہا تھا۔ اندر لاؤنج میں حنین خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سامنے صوفے پہ ہاشم اور جواہرات ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ابا اپنی ویل چیئر پہ نڈھال سے لگ رہے تھے اور ان کے ساتھ کھڑی زمران کو دوا دے رہی تھی۔ ہاشم بار بار نگاہ اٹھا کر اس کو غور سے دیکھتا تھا۔ پژمردہ اداس حنین کے برعکس وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔

اس کے آنے کے بعد ہی وہ اور فارس یکے بعد دیگرے آئے تھے۔ (فارس پھر چلا گیا تھا۔) وہ بدلے ہوئے لباس میں تھی۔ سامنے کے بال پیچھے کر کے پن لگائے، باقی کھلے چھوڑے، ناپس پہنے، ہر روز کی طرح تیار لگ رہی تھی۔ یہ نارمل نہیں تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں زمر؟" ہاشم نے فکرمندی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ ابا کو پانی کا گلاس پکڑاتے چونکی۔ چہرہ گھما کر ہاشم کو دیکھا۔ ہلکے سے شانے اچکائے۔

"جی شکریہ۔ ابا آپ کھانا کھا لیجئے گا، مجھے دیر ہو جائے گی۔" ابا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم کہاں جا رہی ہو؟"

وہ ادا سی سے مسکرائی۔ "سعدی کو ڈھونڈنے۔"

ہاشم کی گردن کے گرد پھندا سا تنگنے لگا۔ فوراً سے حنین کی طرف متوجہ ہوا۔

"اب تمہاری امی کیسی ہیں؟"

"دوا دے کر سلایا ہے۔ بہت اپ سیٹ ہیں۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ شا کی نظر زمر پہ ڈالی (ان کو تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ ایک آنسو جو بہایا ہو!)

زمر ابا کو دوسرے کمرے میں لے گئی، جب واپس آئی تو وہ کہہ رہا تھا۔

"آپ لوگوں نے مجھے کیوں فون نہیں کیا؟ میں ہوتا تو دیکھتا کس طرح کوئی اسے لے کر جاتا ہے۔" وہ خفا ہوا تھا۔ جواہرات نے تاسف سے اس کا ہاتھ دبایا۔ اسے پتہ تھا وہ سعدی کے لیے کیا جذبات رکھتا تھا۔

"ہاشم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ سعدی اس کا دوست تھا، آپ کو ہاشم کو بلانا چاہیے تھا۔"

"ہاشم کو بلانے" سے زمر اور حنین دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کچھ یاد آیا۔

"ہاشم، کیا آپ نے سعدی کو بتائی تھی اگزام والی بات؟" زمر نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے پوچھا تو ہاشم نے چونک کر حنہ کو دیکھا۔ وہ بھی سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کون سی بات؟"

"حنہ اگزام میں چیٹ..."

''اوکے سیم پراسیکیوٹر۔'' ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ ''میں اس بارے میں بات نہیں کرسکتا۔ اٹارنی کلائنٹ پریولیج کے تحت یہ میرے اور حنین کے درمیان ہے۔ اگر آپ کو کچھ جاننا ہے تو حنین سے پوچھ لیں۔''

''میں سب جانتی ہوں۔ صرف سعدی کو بتانے کے متعلق پوچھا ہے۔''

''میں ایسا کبھی بھی نہیں کرسکتا۔'' وہ اتنے اعتماد سے بولا تھا کہ حنہ کی آنکھیں مزید بھیگیں۔ اس نے زمر پہ ''دیکھا؟'' والی جتاتی نظر ڈالی۔ جواہرات بھی اسی اعتماد سے گردن اکڑائے بیٹھی رہی۔ زمر البتہ مشکوک نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

''ہوا کیا تھا؟''

''بھائی کو کل کسی نے بتایا تھا۔ یہ نہیں پتہ کہ کس نے...''

''کیا تم نے اپنی کلاس فیلوز سے پوچھا؟ مجھے وہاں بہت سے لوگوں نے آتے دیکھا تھا۔''

''اوہ ہاں۔'' حنین کو یاد آیا۔ ''ناعمہ کا بھائی' سعدی بھائی کا دوست ہے۔ شاید اسی نے بتایا ہو۔''

''اور تم نے سب سے پہلا شک مجھ پہ کیا؟'' ہاشم مسکرایا۔ حنین کو ڈھیر ساری شرمندگی نے آن گھیرا۔

''آہم۔ یہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔'' جواہرات نے باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

ہاشم نے ''ایک غیر اہم سی بات تھی۔ جانے دیجئے۔'' کہہ کر موضوع بدل دیا۔

زمر باہر نکلی تو باغیچے کے گیٹ ساتھ اسامہ کھڑا اداسی سے دھوپ کو دیکھ رہا تھا۔ صبح اب دوپہر میں تبدیل ہو رہی تھی۔

''مجھے ''اس'' جگہ جانا ہے۔ کیا تم مجھے پتہ سمجھا دو گے' سیم؟'' وہ اس کے قریب آ کر بولی' تو وہ چونکا' پھر فوراً سر ہلایا۔

''آپ اکیلی مت جائیں۔ میں ساتھ آؤں گا۔'' اس کے کندھے کے برابر آتا سیم ایک دم سنجیدگی سے بولا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی' پھر اس کی کہنی تھام لی اور وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''ماموں بھی ادھر گئے ہیں۔'' جگہ کا نام لیے بغیر اس نے بتایا تو وہ ہلکا سا چونکی تھی۔

جیسے ہی وہ زیرِ تعمیر گھر قریب آیا' زمر کے قدم بھاری ہوتے گئے۔ چہرے کی رنگت زرد پڑتی گئی۔ آنکھوں میں نمی ابھری جس کو اس نے اندر اتار لیا۔ (اللہ مجھے صبر دینا! کچھ دیر کے لیے ہی سہی!)

گیٹ کے سامنے جب وہ رکی تو آنکھوں میں کرب کی جگہ افسوس نے لے لی۔ اس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔

''پولیس نے اتنی جلدی کرائم سین دھو دیا؟''... غصہ بھی اس نے اندر دبا لیا۔ وہاں چند لوگ اور پولیس اہلکار دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے پورچ میں قدم رکھا تو سیم کی کہنی زیادہ سختی سے بھینچ لی۔ سامنے فرش پہ چاک زدہ خاکہ بنا تھا (جدھر سعدی گرا ملا تھا)۔ اپنی گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں تو گھر کے اندرونی حصہ میں وہ کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کی زمر کی جانب پشت تھی اور وہ اینٹوں کی برہنہ سیڑھیوں کے پاس آدھا جھکا کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی۔ فارس سے فاصلہ رکھے' رخ پھیر کر کھڑی' اردگرد نگاہیں دوڑانے لگی۔

''ادھر کیا ہے ماموں؟'' سیم اس کی طرف گیا تو وہ چونک کر پلٹا' تو دیکھا وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ فارس نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی' پھر سیم کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''یہاں دو گولیوں کے نشان ہیں۔ اور ایک گولی اس دیوار میں بھی لگی ہے۔'' وہ اتنی آواز میں بولا کہ زمر سن لے اور وہ سن کر چونک کر مڑی تھی۔

''مگر... یہاں گولیاں کیوں ہیں؟'' سیم نے ناسمجھی سے دونوں کو دیکھا۔

میں جھکے سوراخوں کو دیکھنے لگی''...یہ پورچ سے ہی چلائی گئی ہے۔ ظاہر ہے اسی شوٹر نے چلائی ہے۔''

''مگر...ادھر کیوں وہ گولی چلائے گا؟ سعدی بھائی تو بالکل دوسری طرف تھے۔''

''شاید اس کا نشانہ برا تھا۔'' فارس نے سرسری سا تبصرہ کیا۔

''یا شاید یہاں کوئی اور بھی تھا۔'' وہ ہلکا سا بڑبڑائی۔

''آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کوئی اور بھی تھا؟'' وہ چونکا۔ زمر نے جواب نہیں دیا' بس گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سیم نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''پھپھو۔ آپ کو کیسے پتہ؟''

''میں نے ابھی معلوم کیا تھا کہ پولیس کو کس نے کال کی کیونکہ سعدی کو بروقت ہسپتال پہنچایا گیا تھا' تو....'' وہ سیم کو بتانے لگی۔ آواز بلند رکھی۔ فارس اسے غور سے دیکھتے ہوئے سننے لگا۔''تو معلوم ہوا کہ ہمسائے میں سے کسی نے کال کی تھی اور پتہ سمجھایا تھا' مگر جب پولیس آئی تو یہاں زخمی سعدی کے سوا کوئی نہ تھا۔ اور ہمسائے میں..'' زمر نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔''...سارے گھر تو ابھی زیر تعمیر ہیں۔''

''یعنی کہ وہ شخص جس نے پولیس کو کال کی' اس واقعے کے وقت یہیں تھا؟''

زمر نے نگاہیں پھیر کر فارس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تھی۔ کال کرنے والی کوئی لڑکی تھی۔'' اور وہ مڑ گئی۔ اسے جاتے دیکھ کر سیم پیچھے لپکا۔

''پھپھو...کیا ہمیں یہاں اور نہیں کچھ تلاشنا چاہیے؟ مثلاً کوئی نشانی' کوئی ثبوت' کوئی فنگر پرنٹ...''

''سب دھل کر تباہ ہو چکا ہے سیم۔ ہمیں اس کو وہیں ڈھونڈنا ہے جہاں وہ کھویا تھا۔'' وہ جیسے صرف یہ جگہ دیکھنے آئی تھی۔ کسی اور چیز کی امید نہ تھی۔

سیم اور وہ ساتھ ساتھ چلتے واپس آئے تھے۔ فارس چند قدم پیچھے تھا۔ سیم اندر چلا گیا اور وہ ابھی باغیچے کے دہانے پہ تھی جب اس نے عقب سے پکارا۔

''میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ ان کی انتظامیہ نے......'' زمر بات مکمل ہونے سے پہلے ایڑھیوں پہ گھومی۔

''ان کی انتظامیہ نے پولیس کو نامکمل سی سی ٹی وی فوٹیجز دی ہیں' میں جانتی ہوں' اور یہ بھی جانتی ہوں کہ مکمل فوٹیجز کیسے نکلوانی ہیں اور وہ میں نکلوا لوں گی۔ آپ اپنے کام سے کام رکھئے' میرے راستے میں مت آیئے۔'' سرد سپاٹ سا کہتی وہ واپس مڑ گئی تو فارس نے ایک تاسف آمیز سانس لے کر سر جھٹکا' اور گھر کی طرف بڑھ گیا۔ فارس جیسے ہی اندر گیا' ہاشم باہر آتا دکھائی دیا۔

''مجھے بتایئے میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لئے۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی باغیچے کے جھلسے پھول دیکھ رہی تھی' جب وہ عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ کا شکریہ' ضرورت پڑی تو بتا دوں گی۔'' ہاشم نے بس سر کو خم دیا۔ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔

''یہ کون کر سکتا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم' مگر ہو جائے گا۔'' ہاشم نے تھوک نگلا۔

''جس وقت سعدی کو گولی لگی' اس وقت....'' مڑ کر گھر کو دیکھا جہاں ابھی وہ اندر گیا تھا۔''....فارس کہاں تھا؟''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گھر کو۔''کیا مطلب؟''

''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ آپ کے خاندان میں ایک بڑی ٹریجڈی ہوئی تھی جس کے باعث وہ جیل گیا تھا' اور پھر جب وہ جیل

سے نکلتا ہے تو ایک اور ٹریجڈی ہو جاتی ہے؟" سرسری انداز میں کہتے وہ زمر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

زمر پلک بھی نہ جھپک سکی۔ "وہ اس کا بھانجا ہے ہاشم!"

"جیسے وارث اس کا بھائی تھا اور زرتاشہ اس کی بیوی تھی؟"

زمر نے آنکھیں سکیڑ کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ "فارس کا سعدی والے واقعے میں کوئی ہاتھ نہیں ہے' وہ اس وقت کہیں اور تھا۔"

"اوہ کم آن زمر!" ہاشم نے بے زاری سے ہاتھ چہرے کے آگے جھلایا۔ "اس کے پاس ہمیشہ alibi ہوتا ہے' آپ اس پہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی کیسے اعتبار کر سکتی ہیں؟ وہ فارس ہے' اس سے کچھ بھی بعید ہے۔ ہم سب جانتے ہیں' آپ نے اس سے کیوں شادی کی۔ اور میرے نزدیک تو اس کے جرائم میں آج ایک جرم کا مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اب وہ وقت ہے جب آپ کو فارس کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے۔"

زمر نے لب بھینچ لیے اور تیز نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "آپ پوچھیں گے نہیں کہ اس کا alibi کون ہے؟"

"اس دفعہ کون ہے؟" اس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں! وہ اس وقت میرے ساتھ تھا۔"

لمحے بھر کو وہ کچھ بول نہیں سکا' پھر وضاحتی انداز میں گویا ہوا۔ "میں فارس پہ اعتبار نہیں کر سکتا' میں اپ سیٹ ہوں' سعدی میرا اہم مت تھا' اور......"

"اوکے ہاشم' ایک بات۔" وہ ایک ہاتھ اونچا کر کے اسے درمیان سے ٹوکتی' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اسی سرد مہری سے بولی۔ "آپ فارس کو ناپسند کرتے ہیں' مگر مجھ سے زیادہ نہیں۔ آپ سعدی کو پسند کرتے ہیں' مگر مجھ سے زیادہ نہیں۔ اس لیے میری یہ بات پہلی اور آخری دفعہ دھیان سے سنیے۔ فارس... نے... یہ... نہیں کیا۔ اپنے پچھلے اعمال کا وہ حساب دے گا' مگر آپ... آپ نے اگر اپنے خاندانی تنازعات کے بدلے کے طور پہ فارس کے خلاف میرے بھتیجے کی ٹریجڈی کو استعمال کرنا چاہا' تو آپ مجھے اپنا دشمن بنا لیں گے۔ دوست ہم پہلے بھی نہیں تھے۔"

ہاشم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"یہ موضوع ختم ہوا۔" وہ ایک سلگتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ ابھی دروازے کے قریب آئی تھی کہ وہ کھلا اور فارس باہر نکلتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر رکا' اور رہٹ کر راستہ دیا۔ زمر آگے نہیں بڑھی' وہیں کھڑے فارس کو دیکھا' اور رکا کی صاف آواز میں بولی۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میری کار میں کچھ مسئلہ ہے۔" انکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ باغیچے میں کھڑا ہاشم ہلکا سا چونکا تھا۔

"اوکے' میں انتظار کر رہا ہوں۔" فارس ایک سنجیدہ مگر حیران نظر اس پہ ڈال کر آگے چلا آیا۔

زمر اندر آئی' کمرے سے اپنی ایک دو چیزیں اٹھائیں تو لاؤنج میں بیٹھی جواہرات کی آواز سماعت میں پڑی۔

"اب تم لوگوں کو اس جگہ نہیں رہنا چاہیے۔ یہ علاقہ محفوظ نہیں ہے۔" وہ حنین سے کہہ رہی تھی۔ زمر ٹھہر کر کچھ سوچنے لگی' پھر سر جھٹک کر باہر نکل آئی۔

پرس کہنی پہ لٹکائے اس نے باہر قدم رکھا تو دیکھا فارس گاڑی کی طرف جاتے ہوئے رک کر ہاشم سے کچھ کہہ رہا تھا۔ دونوں کا انداز عام اور سرسری تھا۔ زمر خاموش نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے کار کی طرف چلی آئی۔

............❖❖❖............

نئی منزل کی راہ ڈھونڈو تم!...... میرے غم سے پناہ ڈھونڈو تم!

چند منٹ بعد جب کار سڑک پہ رواں تھی، تو فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی زمر نے موبائل پہ چلتا ہاتھ روک کر سرسری سا پوچھا۔

''ہاشم تم سے کیا کہہ رہا تھا؟''

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے چونکا، رخ ذرا پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے موبائل پہ لگی تھی۔

''پولیس کی کارروائی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔''

''کیا تم نے اسے کسی ممکنہ گواہ کا بتایا؟''

''نہیں تو۔''

''اس کو کچھ مت بتانا۔''

''کیوں؟'' فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ زمر نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں وہی ازلی سرد مہری تھی۔

''یہ مت سمجھنا کہ تمہیں فیور دے رہی ہوں، میں صرف یہ نہیں چاہتی کہ سعدی کے کیس کی تفتیش پہ ہاشم اثر انداز ہو۔'' کہتے ہوئے وہ چہرہ موڑ کر کھڑکی کے باہر گزرتا ٹریفک دیکھنے لگی۔ ''ہاشم نے مجھے کہا ہے کہ یہ واقعہ میں تمہارے اوپر ڈال دوں۔''

اسٹیئرنگ وہیل پہ اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوئی، بے یقینی سے اس نے زمر کو دیکھا۔

''یہ کہا اس نے؟'' اس کے کان سرخ ہوئے، آنکھوں میں طیش ابھرا۔ پھر لب بھینچ لیے اور غصے سے ایکسیلیٹر پہ پاؤں کا زور بڑھا دیا۔ اندر ہی اندر لاوا سا ابلنے لگا تھا۔

''مجھے پتہ ہے اس میں تمہارا ہاتھ نہیں ہے، لیکن اپنے پچھلے اعمال کا تم حساب دو گے۔ ایک دفعہ یہ معاملہ ختم ہو جانے دو۔'' باہر دیکھتی وہ تلخی سے کہہ رہی تھی جب اس نے زور سے بریک پہ پیر رکھا، کار جھٹکے سے رکی، وہ بے اختیار ڈیش بورڈ پہ جھکتی گئی مگر خود کو سنبھال لیا۔ غصے سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اس سے زیادہ اشتعال سے اسے گھور رہا تھا۔

''بس بہت ہو گیا۔ بہت سن لی میں نے آپ کی بکواس۔'' وہ غصے سے غرایا تھا۔ زمر ذرا پیچھے ہوئی۔

''ہاشم کو دیکھ لوں گا میں، مگر اب آپ کا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔ اس لیے آئندہ میرے آگے زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت دیکھ لیا میں نے اپنے گھر والوں کو قتل ہوتے اور خود پہ الزام لگتے۔ آج کے بعد کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ سمجھیں آپ؟'' آنکھوں میں تپش لیے اس کو دیکھ کر کہتے وہ کار سے نکلا اور ٹھاہ دروازہ بند کیا۔

وہ تنفر اور بے بسی سے اسے گھورتی وہیں بیٹھی رہی۔ کار ہسپتال کے سامنے رکی کھڑی تھی اور وہ چابیاں جیب میں ڈالتا اب اس طرف جا رہا تھا۔

چند منٹ بعد وہ ہسپتال میں ایک کمرے کے باہر کھڑے تھے۔ پیک کیپ پہ نکائے، سن گلاسز گھنگھریالے بالوں پہ اوپر چڑھائے، وہ آج سیاہ پاجامے پہ ہلکی سبز لمبی قمیص پہنے ہوئے تھی اور سبز دوپٹہ دائیں کندھے پہ تھا۔ سکون سے کھڑی وہ فارس اور سیکیورٹی آفیسر کو بحث کرتے دیکھ رہی تھی۔ سیکیورٹی ٹیم کے دو افراد دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

''سر میں آپ کو بتا چکا ہوں، ہم نے پولیس کے حوالے سب کچھ کر دیا ہے، اگر آپ کو مزید کوئی فوٹیج نکلوانی ہے تو کورٹ آرڈر لانا ہو گا۔ ورنہ میں آپ کو اس کمرے میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔''

''اور آپ کا قانون اس وقت کہاں تھا جب میرے بھانجے کو ہسپتال سے اغوا کیا گیا؟ ہاں؟'' غصے سے بولتے اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ زمر گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

''سر مجھے مجبوراً سیکیورٹی سے آپ کو باہر نکالنے کو کہنا پڑے گا۔'' سرد لہجے میں کہتے آفیسر ساتھ میں اسے تیز نظروں سے گھور بھی رہا تھا۔ پیچھے کھڑے دونوں اہلکار آگے ہوئے۔ ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔

''اے.... ہاتھ نہیں لگانا۔'' اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر ان کو روکا۔

''السلام علیکم۔'' وہ نرم سا مسکراتی' کھنکھاری۔ فارس نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ مگر وہ سیکیورٹی آفیسر کو دیکھ رہی تھی۔

''میں زمر یوسف ہوں' ڈسٹرکٹ...''

''میم مجھے پتہ ہے آپ کون ہیں' اور نہیں' ہم آپ کو کوئی ٹیپ نہیں دے سکتے۔ اگر آپ کو ٹیپ چاہیے' تو وارنٹ لے کر آئیں۔'' اس نے سختی سے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ وہ اسی طرح مسکراتی رہی۔

''اوکے۔ کل عدالت کھلے گی تو میں وارنٹ لے آؤں گی' مگر آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کس فوٹیج کا وارنٹ لاؤں گی؟''

''میم' میں آپ کو بہت تحمل سے...''

''کل جب میں کورٹ جاؤں گی' تو جانتے ہیں کن کے وارنٹ نکلیں گے۔ 16 مارچ کا جب ایک ممبر قومی اسمبلی کی نوکرانی کا ایکل ابارشن آپ کے ہاسپٹل میں ہوا تھا' ستائیس جنوری کا جب آپ کے وارڈ سے دو مولود بچے غائب ہوئے تھے اور آپ کی فارمیسی کے ریکارڈ کا سرچ وارنٹ بھی جہاں پچھلے تین مہینے میں آپ کے ایک خود ساختہ ملٹی وٹامن نے آدھ درجن عورتوں کے مبینہ طور پہ مس کیرج کروائے ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے' وہ ملٹی وٹامن ابھی مکمل طور پہ اپروو نہیں ہوا۔ سوچئے ہے کیا آفیسر' یہ ایک اچھا اور بڑا ہسپتال ہے' مگر یہ ایک پرائیوٹ ہسپتال ہے' اور سرکار ایک نجی ہسپتال کے ساتھ کیا کرسکتی ہے' یہ ہم دونوں جانتے ہیں' سو اب آپ مجھ سے پوچھیں کہ مجھے کیا چاہیے!'' ایک سانس میں تیز تیز بولنے کے بعد وہ رکی اور مسکرا کر باری باری ان تینوں کے چہروں کو دیکھا۔

آفیسر ان چارج غصے بھری بے بسی سے اسے گھورتا رہا' ''میم!....''

''مجھ سے پوچھئے آفیسر کہ.... مجھے.... کیا.... چاہیے!''

اس نے ضبط سے گہری سانس لی۔ ''آپ کو.... کیا چاہیے؟''

''جب آپ سامنے سے ہٹ کر مجھے کنٹرول روم میں جانے کا راستہ دیں گے' تب ہی میں بتا سکوں گی۔''

آفیسر چند لمحے اسے گھورتا رہا' پھر دوسروں کو اشارہ کرتا ایک طرف ہٹا اور دروازہ کھول دیا۔ زمر نے ایک چبھتی ہوئی (مگر فاتحانہ) نظر فارس پہ ڈالی۔ جس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' اور آگے بڑھ گئی۔ پھر بظاہر انہی سخت تاثرات کو چہرے پہ طاری کیے' وہ اس کے عقب میں اندر داخل ہوا۔

چند منٹ بعد ایک کمپیوٹر اسکرین کے سامنے کرسی پہ موجود ٹی آر انچارج فوٹیجز کھول کھول کر ان کو مطلوبہ فوٹیج دکھا رہا تھا۔ زمر اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی ذرا جھک کر دیکھ رہی تھی' اور فارس اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا تھا۔

''وہ لوگ تھے۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑبڑاتی جہاں کاریڈور میں دو ماسک والے وارڈ بوائز اسٹریچر لاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اسٹریچر پہ لیٹے لڑکے کے اوپر چادر ڈالی تھی' مگر سر سے ذرا سے گھنگریالے بال نظر آتے تھے۔ زمر کے حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنسنے لگا مگر اس نے پلکوں کو جھپک کر نمی اندر دبالی۔

''یہ فوٹیج پولیس کے پاس بھی ہے۔ یہ نہیں چاہیے۔'' فارس نے بیزاری سے آپریٹر کو دیکھا تھا' ''لفٹ کی فوٹیج کہاں ہے؟''

آپریٹر نے سر ہلا کر ایک اور فولڈر کھولا۔ تھیٹر میں اسٹریچر لانے سے قبل وہ دونوں لفٹ سے اترے تھے۔ یہ اس سے پہلے کی فوٹیج تھی۔ لفٹ میں وہ دونوں کھڑے تھے۔ ان کے سروں پہ سبز ٹوپیاں اور چہرے پہ سبز ماسک تھے۔ دفعتاً ایک وارڈ بوائے جس کا رخ کیمرے

کے عین سامنے تھا' اس نے چھینکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چھینک مار کر ماسک ہٹایا' رومال سے منہ صاف کیا اور ماسک درست کر لیا۔

''پیچھے کرو۔'' آپریٹر نے پیچھے کر کے روکا' اور تصویر کو بڑا کیا۔ وارڈ بوائے کا چہرہ کافی واضح تھا۔ وہ ایک پکی عمر کا مرد تھا اور اس کی گھنی مونچھیں تھیں۔

''کیا آپ نے پولیس کو یہ دکھایا؟'' اس نے باری باری آپریٹر اور سیکیورٹی آفیسر کو گھورا۔ آفیسر جو سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا تھا' ذرا بے زار ہوا۔

''نہیں' کیونکہ انہوں نے یہ فوٹیج نہیں مانگی تھی۔''

فارس نے جیب سے ایک فلیش نکالی اور سسٹم میں داخل کی۔ سیکیورٹی آفیسر فوراً آگے بڑھا۔ ''نہیں' آپ میرا ڈیٹا کاپی نہیں کر سکتے۔''

''میں تمہارے سامنے کل کی تمام فوٹیجز کاپی کرنے لگا ہوں اور تم مجھے خاموشی سے یہ کام کرتے دیکھو گے۔'' پھر آپریٹر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''جو فولڈرز میں کہہ رہا ہوں' وہ کاپی کرتے جاؤ۔ شاباش!'' آپریٹر نے بے بسی اسے انچارج کو دیکھا جو محض خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا' دوبارہ کچھ نہیں بولا۔

''یہ بھی کرو.... اور یہ بھی.... مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''مگر سر یہ دوسرے فولڈر کی ویڈیو....''

''میرا دماغ پہلے بہت گھوما ہوا ہے' مجھے مزید خراب مت کرو۔'' وہ جس طرح اس لڑکے کو گھور کر بولا تھا' زمر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور وہاں سے ہٹ کر دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ وہ کرسی کے ساتھ جھکا' انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کرتے آپریٹر کو ہدایات دے رہا تھا۔

............☆☆☆............

ابھی سے برف الجھنے لگی ہے بالوں سے ...... ابھی تو قرض ماہ و سال بھی اتارا نہیں!

اس اپارٹمنٹ کی دیواریں خوبصورت سجاوٹ سے ڈھکی تھیں اور فرش شیشے سے چمکدار تھے۔ لونگ روم میں ٹی وی بلند آواز سے چل رہا تھا اور بڑے صوفے پہ نیم دراز نوشیرواں پاؤں میز پہ رکھے' ناپسندیدگی سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ رف ٹی شرٹ اور کھلے ٹراؤزر میں ملبوس' اس کا منہ بھی دھلا ہوا نہیں لگتا تھا۔ پھر اسی بے زاری سے اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر ملا کر کان سے لگایا۔

''ہاں شیرو' تم ٹھیک ہو؟'' ہاشم مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

''خاک ٹھیک ہوں؟ قید پڑا ہوں ادھر۔''

''میں نے کہا تھا' گھر میں بند مت رہو۔ دبئی میں اپنے ایک ایک دوست سے ملو' تاکہ سب کو معلوم ہو کہ تم ادھر ہو اور ادھر ہی تھے۔ کوئی پوچھے تو کہنا کہ میں اتوار کی رات آیا ہوں۔ سمجھے؟''

''آپ تو ایسے برتاؤ کر رہے ہیں جیسے واقعی مجھے کبھی گرینڈ جیوری کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ خدا کے لئے بھائی....''

''شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں بچا لیا ہے اور سب سنبھال لیا ہے' لیکن اگر اب تم نے میری بات نہ مانی نا شیرو' تو میں اگلی دفعہ تمہیں نہیں بچاؤں گا۔ اب میرا دماغ مت خراب کرو' اور دوستوں کو جا کر ملو۔'' تلخی سے کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔ نوشیرواں غصے سے موبائل کو گھور کر رہ گیا۔

پھر اٹھا اور اوپن کچن کی طرف آیا۔ فریج کا دروازہ کھولا' جوس کا ڈبہ نکالا اور اوپر لگے اسٹینڈ میں لٹکا الٹا شیشے کا گلاس اتار کر کاؤنٹر پہ رکھا۔ پھر انگور کا مشروب اس میں انڈیلا۔ سرخ مائع گلاس میں بھرنے لگا۔ گلاس اٹھا کر وہ ہونٹوں کے قریب لے کر گیا تو.... مشروب کے سرخ رنگ میں وہی منظر ابھرنے لگا....

بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے قریب گرا لڑکا' اس کی اکھڑتی سانسیں۔ کھلتی، بند ہوتی آنکھیں اور.... خون کا تالاب.. سرخ تازہ سرخ پانی جو بہتا جا رہا تھا۔۔۔

ایک دم اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ بے زاری سے اس نے سرخ مشروب سنک میں انڈیل دیا۔ چہرے پہ شدید جھنجلاہٹ در آئی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے۔'' اکتا کر وہ چلا آیا اور پھر سے صوفے پہ گرا موبائل اٹھا۔ کچھ دیر منہ بگاڑے موبائل دیکھتا رہا' پھر ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ تاثرات بدلے۔ فوراً سے نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔

''ہیلو.... شیری.... کیسی ہیں آپ؟ میں نے ابھی آپ کی اپ ڈیٹ دیکھی۔ آپ دبئی میں ہیں؟ جی میں بھی ادھر ہی ہوں.. آج صبح ہی پہنچا ہوں۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' آنکھوں میں امید جاگی اور چہرے پہ جوش سا ابھرا۔

''او کے۔ میں آ جاؤں گا۔'' بالآخر وہ مسکرایا اور موبائل کان سے ہٹایا۔ سرخ دل نے سرخ پانی کو ذہن سے محو کر دیا۔

..............❖❖❖..............

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے ...... میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

چھوٹے باغیچے کے سامنے کار روکتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''وہ فوٹیج اے ایس پی کے حوالے کر دی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ وہ اس آدمی کو پہچانتا ہے' جلد اسے گرفتار کر لے گا۔'' زمر نے کوئی تاثر دیے بغیر پرس اٹھایا اور لاک کھولا۔ فارس نے نظریں پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ گھنگریالے بال کان کے پیچھے اڑستی اپنی طرف کا دروازہ کھول رہی تھی۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ ان لوگوں کو ادھر نہیں چھوڑ سکتا۔ اب وہ ہماری طرف رہیں گے' اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو ابھی بتا دیں۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔

''اگر ابا کو تم ہمارے ساتھ رہنے کے لیے راضی کر لو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' بظاہر اس نے سپاٹ انداز میں کہا اور آگے بڑھ گئی مگر چہرے پہ واضح اطمینان اتر آیا تھا گویا کوئی ان کہی خواہش پوری ہوئی ہو۔

وہ بنا چاپ کے اندر راہداری میں آئی تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔

''فارس صبح کہہ رہا تھا کہ ہم اب اس کے ساتھ جا کر رہیں۔'' ندرت تھکی تھکی سی کہہ رہی تھیں۔ زمر کے قدم راہداری میں سست ہو گئے کیونکہ حنین آگے سے بہت خفگی سے بولی تھی۔

''ہمارا بھائی کھو گیا ہے تو ہم اتنے بے آسرا ہو گئے ہیں کہ گھر بدر ہو جائیں؟'' شاید وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

''تمہیں' اسامہ اور تمہاری امی کو ان کے ساتھ جا کر رہنا چاہیے۔ یہاں اکیلے نہیں رہ سکتے تم لوگ۔'' ابا کی آواز میں بھی تکان تھی۔ صبح سے سعدی کو رو رو کر اب سب نڈھال بیٹھے تھے۔

''ماموں پہ بوجھ کیوں بنیں؟ آپ اپنے کرائے داروں کو فارغ کر دیں' ہم وہاں چلے جاتے ہیں۔''

''کون سے کرایے دار؟''

''وہ جو آپ کے پلاٹ پہ گھر بنا تھا' اور اس میں نئے کرایے دار آئے تھے۔'' وہ ان کو یاد کروا رہی تھی۔ زمر نے دیوار سے لگے آنکھیں بند کر لیں۔

''گھر؟'' ابا حیران ہوئے۔ ''تمہیں کس نے کہا؟''

''میری فرینڈ کا گھر بھی ہے اسی کالونی میں۔ اس کی طرف گئی تو دیکھا تھا۔''

''وہ پلاٹ تو زمر نے کب کا بیچ دیا۔ حنین۔'' ندرت نے بتایا۔

چند لمحے کے لئے لاؤنج سے کوئی آواز نہ آئی۔ راہداری میں کھڑی زمر نے آنکھیں کھولیں۔

''بیچ دیا؟'' حنین شاکڈ تھی۔ ''مگر کیوں؟''

''اس کو شاید کسی مقدمے کے لئے رقم چاہیے تھی۔'' ندرت نے بے پروائی سے بتایا، گویا یہ ذکر غیر اہم تھا۔ ابا خاموش رہے۔

''مقدمے کے لئے؟ اف۔ بڑے ابا۔ آپ نے ان کو یوں کرنے کیسے دیا؟ وہ آپ کے لئے ایک سیکیورٹی تھی۔ ایک سہارا تھا۔''

''وہ زمر کا تھا۔''

''ہونہہ۔'' حنہ کی تلخی سے بھری آواز آئی تھی۔ ''اور زمر صرف اپنا سوچتی ہیں۔'' اور پھر غصے سے بولتی اٹھ کر آئی تو وہ راہداری میں کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر ایک دم ٹھہر گئی۔ نظریں اس کے عقب میں گئیں تو زمر نے بھی چونک کر گردن موڑی، فارس بھی پیچھے کھڑا تھا' مگر زمر کے چہرے کے برعکس اس کی آنکھوں میں حنین کے لئے ناراضی تھی۔

''بھائی کا کچھ پتہ چلا؟'' اس نے بے تابی سے فارس کو مخاطب کیا۔ مگر اس کے نفی میں ہلتے سر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ڈبڈبا ئیں اور وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

بڑے ابا' اور ندرت' دونوں نے بے قراری سے ان کو دیکھا' مگر... چہروں پہ لکھی تحریر پڑھ لی اور نگاہیں مایوس پلٹ آئیں۔ وہ سامنے صوفے پہ جا کر بیٹھا۔ زمر چوکھٹ میں کھڑی رہی۔

''میں جاتے وقت آپا کو بتا کر گیا تھا' کہ اب آپ لوگ ہمارے ساتھ چل کر رہیں گے۔'' اس نے بات کا آغاز ابا کو دیکھتے ہوئے کیا۔ انہوں نے ادھوں نفی میں گردن ہلائی۔

''میں اسی گھر میں ٹھیک ہوں' صداقت ہے میرے پاس۔ ہاں تم باقی سب کو لے جاؤ۔'' ایک ہی دن میں وہ کمزور نظر آنے لگے تھے۔

''ابا وہ گھر آپ نے مہینے کے آخر میں ویسے بھی خالی کرنا تھا' اور یہ جگہ اب رہنے کے قابل نہیں۔ اس لئے پلیز ضد مت کیجئے اور ہمارے ساتھ چلیں۔''

''زمر ٹھیک کہہ رہی ہیں' اب آپ کا کہیں اور رہنا صحیح نہیں ہے۔'' وہ ابا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ابا مسلسل انکاری تھے اور ندرت متامل تھیں۔

''فارس' ہم اتنے سارے لوگ کیسے رہیں گے ادھر؟''

''اتنا چھوٹا نہیں ہے وہ گھر۔ تین بیڈ روم ہیں۔ نیچے والا' یوسف صاحب اور سیم لے لیں گے' صداقت پورچ کے ساتھ سرونٹ روم میں رہ لے گا' اور اوپر....'' وہ رکا' ایک نظر زمر کو دیکھا' وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ''اوپر میرا اور زرتاشہ والا پرانا کمرہ آپ کے اور حنین کے لئے کافی ہے۔ باقی... ہمارا تو ویسے بھی ادھر والا کمرہ ہے۔'' اب کے اس نے زمر کو دیکھے بنا سنجیدگی سے بات مکمل کی۔ دروازے پہ رکھے اس کے ہاتھ کی گرفت سخت ہوئی تھی' ابرو تن گئے' ایک خاموش تیز نظر اس پہ ڈالی مگر جب بولی تو آواز ہموار تھی۔

''سب آرام سے آجائیں گے۔ آپ بس چلنے کی تیاری کریں۔'' اور مڑتے ہوئے کانوں میں ندرت کی آواز پڑی۔

"میرا بیٹا ہوتا تو ہمیں کبھی یوں نہ جانے دیتا..."

بڑے ابا مسلسل انکار کر رہے تھے اور فارس کچھ کہہ رہا تھا مگر زمر سنے بغیر آگے چلتی آئی۔ سعدی کا کمرہ خالی پڑا تھا۔ وہ دیوار سے لگے اس کے بیڈ پہ بیٹھی، جوتے اتار کر پیر اوپر کر لیے اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔ آنکھوں میں پانی سا ابھر رہا تھا، جس کو اندر اتارے بنا، دیوار سے سر ٹکائے، بس چپ چاپ سامنے دیکھے گئی۔ دل خالی تھا، ہاتھ خالی تھے، دنیا خالی تھی۔

اسی دیوار کے دوسری طرف حنین کے کمرے میں بھی ایسے ہی بیڈ لگا تھا اور وہ بھی اسی دیوار سے لگی اکڑوں بیٹھے، سر گھٹنوں پہ رکھے رو رہی تھی۔ دل خالی تھا، ہاتھ خالی تھے، دنیا خالی تھی۔

دونوں ایک ہی بات سوچ رہی تھیں۔

ہمارا سعدی کہاں ہوگا اس وقت؟

❁ ❁ ❁

بلند ہاتھوں میں زنجیر ڈال دیتے ہیں ...... عجب رسم چلی ہے، دعا نہ مانگے کوئی

اس نے بدقت آنکھیں کھولیں تو دھندلی سی چھت نظر آئی۔ پلکیں آہستہ سے جھپکیں تو منظر قدرے صاف ہوا۔ سعدی کے چہرے پہ تکلیف ابھری، حسیات جاگنے کے ساتھ درد شدت سے لوٹ آیا تھا۔ وہ ہلکا سا کراہا۔ پھر گردن موڑی۔

وہ ہسپتال کے بیڈ پہ لیٹا تھا اور اس کے اردگرد ایک کشادہ اور چمکتا ہوا کمرہ تھا۔ اس نے کہنی کے بل اٹھنے کی کوشش کی مگر جسم جیسے جام ہو چکا تھا۔

"آہ۔" اذیت کے احساس سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"ریلیکس، آرام سے...." ایک عورت تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔ سعدی نے مندی مندی سی آنکھیں کھولیں۔ یہ چہرہ... وہ اسے پہچانتا تھا مگر اس وقت ذہن میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون ہے۔

"امی کہاں ہیں؟" وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

"آپ کو پانی چاہیے؟ یا کچھ اور؟ کہیں تکلیف ہو رہی ہے؟" آواز، لہجہ سب شناسا تھا، مگر یہ کون...؟ اس نے پلکیں جھپکیں۔ خود پہ جھکی اسمارٹ سی اس عورت کا چہرہ واضح ہوا۔ بھورے سنہرے رنگے بال اور سفید جلد...

"میری امی کہاں ہیں؟" اس نے پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔

"آپ کو پانی دوں؟" اب کے سعدی نے الجھن سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ کیا وہ اس کی بات سن نہیں سکتی تھی؟ اس نے پھر اٹھنے کی سعی کرنی چاہی، مگر کیا شے تھی، جو اس کو حرکت نہیں کرنے دے رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اپنے بازوؤں تک گئیں... دونوں بازو کہنی سے کلائی تک، بیڈ کے ساتھ اسٹریپس سے بندھے تھے۔

ایک دم سے ذہن پہ دواؤں سے چھایا نشہ اور غنودگی اترنے لگی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

"میں کہاں ہوں؟" بے حد حیرت اور وحشت سے اس نے خود پہ جھکی عورت سے سوال کیا۔

"کیا آپ کو پانی چاہیے؟" اس نے اسی نرمی سے پوچھا۔ ذہن میں بکھرے ٹکڑے جڑنے لگے۔ اس عورت کو دیکھتی اس کی آنکھیں سکڑیں۔

"میری؟ میری انجیو؟" کہنے کے ساتھ اس نے بازو زور سے کھینچے مگر گرفت مضبوط تھی، وہ کسے رہے۔

"میں کہاں ہوں؟" وہ سیدھی ہوئی، سینے پہ بازو لپیٹ کر اسے دیکھا۔

''آپ کو پانی چاہیے یا نہیں؟''

سعدی نے سر تکیے پہ گرا دیا۔ میری کو تکتی اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔

''میں کہاں ہوں؟ میرے گھر والے کہاں ہیں؟'' مگر میری کا رخ کی طرف گئی، شاید فون وغیرہ پہ کسی کو اطلاع دی، کہ چند لمحے بعد دروازہ کھلا، اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔

''میری امی کہاں ہیں؟'' وہ بدقت بول پا رہا تھا۔ تکیے پہ رکھی گردن ذرا موڑی تو دھندلا سا منظر نظر آیا۔ نیلی جینز پہ گھٹنوں تک آتا سفید اوور آل پہنے، ایک لڑکی اس کی جانب آ رہی تھی۔ اس کے بال سیدھے اور لمبے تھے، کہنی تک آتے، اور گردن میں اسٹیتھ پڑا تھا۔ قریب آئی تو چہرہ واضح ہوا۔

گندمی رنگت، اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور ان میں ایک معصوم سا تاثر۔ نرمی سے مسکراتی، وہ اس سے انگریزی میں اس کی طبیعت پوچھ رہی تھی۔

''میری...... امی کہاں ہیں؟'' وہ اس کو اب کوئی انجیکشن لگا رہی تھی، اور سعدی ایک ہی بات دہرائے جا رہا تھا۔ آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ اندھیرا، پھر روشنی، پھر اندھیرا۔

پھر وہ میری کی طرف گھومی۔ ''اس کے ہاتھ کھول دو کم از کم۔ وہ بیمار ہے، اور زخمی بھی۔ اس حالت میں بھاگ کر کہاں جائے گا؟''

اس کی آواز میں ترحم تھا۔ مقابل کھڑی میری نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''تمہیں اس سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے! اپنے کام سے کام رکھو!''

''اپنے باس سے کہو، صرف اس کے ہاتھ کھول دیں۔ وہ...'' الفاظ گڈمڈ ہو گئے۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

............✣✣✣............

سازش تھی رہبروں کی یا قسمت کا پھیر تھا ...... ہم ہجرتوں کے بعد بھی قاتل کے گھر میں تھے

اس رات قصر کاردار کے عقب میں انیکسی کی ساری بتیاں روشن تھیں۔

صداقت کچن میں کھڑا ندرت کے ساتھ چیزیں سیٹ کروا رہا تھا۔ ندرت پھر اس کے بعد نہیں روئی تھیں۔ دو دن لگے ساری تیاریوں میں اور آج تیسرے دن وہ لوگ بالآخر اس انیکسی میں آ چکے تھے۔ لاؤنج بھی صفائی کے بعد چمکنے لگا تھا۔ لاؤنج میں سے ایک کمرے کا دروازہ کھلتا جس میں بڑے ابا ایک سنگل بیڈ پہ لیٹے تھے فاصلے پہ دوسرے بیڈ پہ سارے دن کا تھکا ہارا سیم سو رہا تھا۔

اوپر سیڑھیوں چڑھ کر جاؤ تو فارس اور زمر تاشہ کے پرانے کمرے کا حلیہ ذرا بدلا ہوا تھا۔ فارس کی کوئی چیز ادھر نہ تھی۔ حنین اور ندرت کے بیگز اور کپڑے وہاں دکھائی دے رہے تھے۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر مدھم زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ (یہ وہی کمرہ تھا جس میں زمر شادی کے دن سے رہ رہی تھی۔) سعدی کے لائے پکے وہیں رکھے تھے گو کہ وہ اب سوکھ چکے تھے۔ ایک الماری کھلی تھی اور فارس اس کے سامنے کھڑا اس میں اپنی چیزیں رکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ہاتھ روک کر ایک نظر ان باکسز پہ ڈالی جن میں زمر کے کاغذات تھے اور جو اس نے (با دل نخواستہ) فارس کی چیزوں کے لیے اس الماری سے نکال لیے تھے۔ اور پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا جو اسٹڈی ٹیبل پہ اس کی طرف پشت کیے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ مدھم زرد بتی میں بھی اس کے گھنگریالے بال چمک رہے تھے۔

''آپ یہ باکسز نیچے بیسمنٹ میں رکھ دیں۔ بیسمنٹ کی چابی آپ کی ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی ہے۔'' پچھلے دو دن کی خاموشی کے بعد اس نے پہلی دفعہ اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ جواب دیے بنا کام کیے گئی۔ فارس نے گہری سانس لی۔

''آئی ایم سوری اس دن آپ پہ غصہ کر گیا۔''

''آپ کی معذرتوں کا وقت گزر چکا ہے۔'' وہ مڑے بنا' کندھے اچکا کر بولی۔

''کوشش کروں گا اس کمرے میں کم سے کم آؤں اور آپ کو زیادہ پریشان نہ کروں۔ یہ بھی مجبوری ہے۔''

وہ چپ چاپ اسکرین کو دیکھے گئی اور وہ اس کے بالوں کو۔

''اگر آپ میری وجہ سے غیر آرام دہ ہیں تو اس کے لئے بھی معذرت کرتا ہوں۔ یہ آپ کا کمرہ ہے' آپ کا ہی رہے گا۔ میں صوفے پہ سوؤں گا۔ جب تک ہمیں ساتھ رہنا پڑے۔''

زمر کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھمیں' گردن موڑ کر جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے اپنے کمرے میں یہ صوفہ آپ کے لئے ہی ڈلوایا ہے۔'' اور واپس گھوم گئی۔ فارس نے ٹھنڈی سانس لی' پھر الماری کا پٹ بند کرتا کھڑکی تک آیا تو دم ٹھہرا۔ پردہ ذرا سرکا کر نیچے دیکھا جہاں برآمدے میں ہاشم کھڑا حنین سے بات کرتا نظر آ رہا تھا۔ فارس کے جبڑے بھنچے۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔

انیکسی کے برآمدے میں وہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے ہاشم تھا۔ ہاشم کے عقب میں سبزہ زار اونچا ہوتا دکھائی دیتا اور چوٹی پہ وہ بلند محل تھا۔ مگر جب ہاشم سامنے ہوتا تو دوسری ہر شے اپنا حسن اور عظمت کھو دیتی تھی۔ اب بھی وہ نرمی سے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

''اچھا کیا جو تم لوگ یہاں آ گئے۔ سیٹل ہو گئے ہو یا کوئی مدد چاہیے؟''

''نہیں' تھینک یو سب ہو گیا۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ بال پونی میں بندھے تھے اور لباس ملگجا تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ رات کو بھی چمکدار سفید شرٹ میں ملبوس کتنا تازہ دم لگ رہا تھا۔ حنہ کو احساسِ کمتری نے آن گھیرا۔

''وہ بندہ پکڑا گیا یا نہیں؟ جو لفٹ کی فوٹیج میں ملا تھا؟''

''نہیں۔ پتہ نہیں۔'' حنہ نے یاسیت سے شانے اچکائے۔ ہاشم نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم اس معاملے میں کوئی دلچسپی کیوں نہیں لے رہی؟''

''پھپھو اور ماموں کر رہے ہیں نا سب۔''

''مگر وہ سعدی کے لیگل وارث نہیں ہیں۔''

''مطلب؟'' اس کے چہرے پہ آتی الجھن دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوا۔ ''کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟ پھپھو اور ماموں قانونی وارث نہیں ہوتے۔ اس کیس میں صرف تمہاری امی یا تم سعدی کے وارث ہو۔''

''اور سیم؟''

''وہ اٹھارہ سال سے چھوٹا ہے' سو وارث نہیں ہو سکتا۔''

''اوہ۔ مگر کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ بے دلی سے سر جھکائے' جوتے سے فرش کھرچنے لگی۔

''تم کتنے سال کی ہو؟'' سامنے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے ہاشم نے پوچھا۔

''بیس۔''

''میں پینتیس سال کا تھا جب میرا باپ مرا۔ میں بیس کا نہیں تھا' پھر بھی لوگوں نے میرا استحصال کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے میری نصیحت یاد رکھنا۔ جب آپ کے گھر کا سربراہ نہ رہے' تو آنکھیں اور کان کھلی رکھتے ہیں۔''

حنین چپ چاپ اسے دیکھے گئی مگر اس کے چہرے پہ الجھن بھری ناپسندیدگی کا تاثر تھا۔ ''مگر فارس ماموں اب ہمارے سربراہ ہیں'

تو....'' اسی پل دروازہ کھلا اور فارس باہر آیا۔ حنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک دم اپنا آپ چور لگا۔

''ہیلو فارس!'' ہاشم نے اسی طرح مسکرا کر سر کو خم دیا۔ حنہ فوراً اس کی طرف مڑی۔

''ماموں! ہاشم بھائی آپ کا پوچھ رہے تھے' میں بھی آپ سو چکے ہیں۔''

فارس نے ایک تیز' سپاٹ نظر ہاشم پہ ڈالی' پھر حنہ کو اشارہ کیا۔ ''اندر جاؤ۔'' آواز میں سختی تھی۔ وہ سر جھکائے ''او کے گڈ نائٹ'' کہتی فوراً اندر کھسک لی۔

اب وہ اپنے گھر کے دروازے کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ آستین چڑھائے' تنے ابرو اور دبے دبے غصے کے ساتھ ہاشم کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' پرسکون کھڑے ہاشم نے ابرو اٹھائے۔

''وقت نہیں مل سکا' کچھ حساب کتاب کرنا تھا تمہارے ساتھ۔'' آنکھوں میں تپش لئے اسے گھورا۔ ''کیا کہہ رہے تھے تم اس دن زمر سے؟ کہ سعدی کا حادثہ میرے سر پہ ڈال دو؟''

''اوہ کم آن!'' ہاشم نے بے حد حیرت سے سر جھٹکا۔ ''کیا اس نے ''یہ'' بتایا ہے تمہیں؟ اور کیا یہ نہیں بتایا کہ اس نے خود کیا کیا؟ ان فیکٹ مسز غازی نے مجھے بہت صاف لفظوں میں بتایا کہ وہ آپ سے مجھ سے زیادہ نفرت کرتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ....'' طنزیہ لہجے میں وہ گویا ہوا۔

''اور یہ بھی کہ اتفاق سے اس دفعہ بھی آپ کے پاس alibi ہے۔ تو میں نے پوچھا' فارس اس وقت کہاں تھا۔ بولیں میرے ساتھ تھا' مگر وہ اپنے تمام اعمال کا حساب بھگتے گا۔ میں نے پوچھا' آپ یہ فارس پہ ڈالنا چاہتی ہیں؟ تبھی تم آ گئے۔ شاید انہوں نے تمہارے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لئے یہ کہا ورنہ.... اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو بہت محتاط رہتا' کیونکہ ہم سب کو پتہ ہے کہ انہوں نے تم سے شادی کیوں کی ہے۔''

''میری بات کان کھول کر سنو ہاشم!'' وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا آگے آیا۔ ''یہ میرا گھر ہے' اور زمر میری بیوی ہے۔ تم مجھے مقابلے پہ اس کی بات کا زیادہ یقین ہے' اس لئے۔ میری بیوی سے.... دور رہو!'' چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔ ''اگر ایک لمحے کے لئے بھی مجھے لگا کہ تم سعدی کے حادثے کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہو' تو یاد رکھنا' میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔'' ایک تیز نظر اس پہ ڈال کر وہ مڑنے لگا' پھر رکا۔ ''اور ہاں' میرے گھر میری غیر موجودگی میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا دوست سعدی تھا۔ اس گھر میں اب تمہارا مزید کوئی دوست نہیں ہے۔'' اور اندر جا کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔

ہاشم بمشکل ضبط کرتا مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا سبزہ زار پہ چلتا گیا۔ اس کے چہرے پہ شدید غصہ تھا۔ اس کے کمرے کی بالکونی سامنے تھی۔ بیرونی زینے سے وہ بالکونی پہ چڑھا اور اندر کمرے میں آ کر موبائل پہ نمبر ملایا۔ خاور نے پہلی گھنٹی پہ کال اٹھائی۔

''جی سر؟''

''خاور! مجھے نہیں پتہ تم یہ کیسے کرو گے....'' غصیلی آنکھوں کے ساتھ وہ فون میں غرایا تھا۔ ''مگر مجھے فارس غازی جیل کے اندر چاہیے' کبھی بھی باہر نہ نکلنے کے لئے۔''

''او کے سر۔ میں کچھ کرتا ہوں۔''

کال بند ہوئی تو ہاشم نے اسی برہمی سے فون صوفے پہ پھینک دیا۔ اور منہ ہی منہ میں چند انگریزی گالیاں اسے نکالیں۔ غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

انیکسی کے اندر فارس سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو حنہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ بجھے چہرے کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ وہ

چوکھٹ میں ٹھہرا۔

"آئندہ ہاشم سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔" نہ سختی' نہ نرمی' بس ہموار لہجے میں کہہ کر اس کا "جی اچھا" میں جھکتا سر دیکھ کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔ (اپنا کمرہ؟)

ہلکی دستک دے کر دروازہ کھولا تو کمرے کی بتی بجھی تھی صرف ڈریسنگ روم کا بلب جل رہا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل خالی تھی۔ وہ بیڈ پہ لحاف گردن تک اوڑھے' آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ (کیا یہ میرے جانے کا انتظار کر رہی تھی؟) وہ آہستہ سے دروازہ بند کرتا بیڈ کے قریب آیا۔ دوسرا تکیہ اٹھایا اور صوفے پہ رکھا۔ پھر یونہی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں بازو سے ڈھکی تھیں' مگر ناک کی لونگ دمکتی نظر آ رہی تھی۔ فارس کے چہرے پہ چھائے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ نظر زمر کی سائیڈ ٹیبل پہ پڑی۔ وہاں دوا میں رکھی تھیں' اور ساتھ میں جگ گلاس۔ جگ خالی تھا۔ اس نے جگ اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو وہ پانی سے بھرا تھا' اور ٹھنڈے پانی کے باعث جگ کو پسینہ آیا ہوا لگتا تھا۔

جگ واپس دھرتے اس نے گردن جھکا کر ذرا کی ذرا اسے دیکھا۔ وہ جاگ رہی تھی' وہ جانتا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پہ ابھر کر معدوم ہوئی۔ پھر صوفے کی طرف آ گیا۔

گھر کی بتیاں آہستہ آہستہ بجھنے لگیں۔ خاموشی چھانے لگی۔ کتنے ہی پل ان کے کمرے میں آہستہ سے سرک گئے۔ وہ ہنوز بازو آنکھوں پہ رکھے لیٹی تھی' اور وہ صوفے پہ نیم دراز بیٹھے پہ لیپ ٹاپ رکھے' ہسپتال کی فوٹیج بار بار دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے میں اسکرین کی روشنی اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ ڈریسنگ روم کی بتی اب بند تھی' اور باقی کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔

ایک دم سے وہ اٹھ بیٹھی۔ بالکل سیدھی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ پاؤں نیچے اتارے' بالکل دم بخود سی بیٹھی تھی۔ "اوہ!" وہ ہلکا سا بڑبڑائی۔

"زمر... آپ ٹھیک ہیں؟" وہ لیپ ٹاپ میز پہ رکھتا خود بھی اٹھ بیٹھا۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ نیم اندھیرے میں بھی اتنا واضح تھا کہ اس کی آنکھیں خوابیدہ تھیں۔ شاید وہ سو گئی تھی اور کچی نیند سے جاگی تھی۔

"وہ... ویڈیو....." وہ بے خودی کے عالم میں بولی۔

"کون سی ویڈیو؟ ہاسپٹل والی؟" وہ ایک طرف کو ہو بیٹھا۔ "آئیے' دیکھ لیجیے۔"

وہ ایک دم اٹھی' اور ننگے پیر تیزی سے اس تک آئی۔

"کیا آپ اس ویڈیو کی بات کر رہی ہیں؟ بیٹھ جائیے" وہ جو کافی مضطرب سی لگ رہی تھی' صوفے کے کنارے ٹک گئی' اور آگے کو جھک کر اسکرین دیکھی۔ ہسپتال کے ایک کاریڈور کی فوٹیج چل رہی تھی۔

"اونہوں... لفٹ والی....." وہ پریشانی سے بولی تو فارس نے "اچھا" کہہ کر مطلوبہ ویڈیو لگائی۔ زمر نے چہرہ مزید آگے جھکایا تو گھنگریالی لٹیں کندھوں سے پھسل کر سامنے کو گریں۔ فارس نے ذرا کی ذرا نظر اس پہ ڈالی۔ وہ بال کان کے پیچھے اڑستی' آنکھیں سکیڑے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ... یہ دیکھو۔" اس نے ایک منظر کو اسٹل کیا تو فارس نے توجہ اور دھیان اسکرین کی طرف لگانا چاہا۔

"مجھے ابھی یاد آیا' یہ آدمی..... دیکھو... چھینک مارنے کے لیے ماسک اتارنے سے چھ سیکنڈ پہلے.....اس نے نظر اٹھا کر کیمرے کی طرف دیکھا ہے۔"

وہ ایک دم چونکا۔ اسکرین پہ اس شخص کی نگاہ اٹھا کر فوراً واپس موڑ لینے کو زمر نے اسٹل کر رکھا تھا۔

"یعنی کہ وہ اس بات سے واقف تھا کہ لفٹ کا کیمرہ اس کی تصویر بنا رہا ہے۔"

''ہاں اور پھر بھی اس نے ماسک اتارا۔'' زمر کا اضطراب اب غصے میں بدلنے لگا تھا۔ ''تا کہ ہم اس کا چہرہ ٹھیک سے دیکھ لیں۔ اب ...ماہ بار دن میں پولیس اس کو پکڑ بھی لے گی اور یہ اعتراف جرم بھی کرے گا۔''

''کیونکہ یہ صرف ایک کرائے کا آدمی ہے' جسے اصل مجرم خود کو چھپانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے ...دے بول رہا تھا۔ پھر کچھ یاد آیا' ''یہ دیکھئے۔ میں دوسری فوٹیجز چیک کر رہا تھا۔ یہ اس کاریڈور کو دیکھئے۔'' اس نے ایک اور ویڈیو لگا کر ...سامنے ...اریڈور خالی تھا۔ فارس نے ذرا فارورڈ کیا' ''اس شیشے کے دروازے کو دیکھئے۔ اس میں مخالف کاریڈور کا عکس جھلک رہا ہے۔''

زمر نے گردن مزید آگے کر کے غور سے دیکھا۔ ''اس عکس میں ایک نرس جاتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے' اس کی پشت ہے اس طرف ...ہا راستے میں دو ٹرے میں سے کچھ گراتی ہے' پھر اٹھاتی ہے اور چلی جاتی ہے۔''

''او کے پھر؟'' نیم اندھیر کمرے میں وہ دونوں صوفے پہ ساتھ ساتھ بیٹھے بات کر رہے تھے۔

''اس کاریڈور میں اگلے آدھے گھنٹے میں ہر پانچ منٹ اور ستر سیکنڈ بعد ایک نرس کا عکس دکھائی دیتا ہے جو بیچ راستے میں کچھ گرا ...ا ہے۔ یا تو ہسپتال کی ساری نرسیں اندھی ہیں' یا پھر یہ ایک ہی پانچ منٹ کا کلپ ہے جسے بار بار دہرایا گیا ہے۔''

''یعنی اصل آدھے گھنٹے کی ٹیپ غائب ہے؟'' وہ چونکی۔ ''اگر ہسپتال والے ان آرگنائزڈ کرمنلز کے ساتھ مل کر یہ ٹیپ ڈاکٹر کر سکتے ...ا لات والی ٹیپ بھی غائب کر سکتے تھے۔ مگر نہیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کھیل کھیلا۔'' اس کی پیشانی پہ بل پڑ رہے تھے اور وہ غصے سے کہتی ...ہا رہی تھی۔ ''ان کو پتہ تھا ہم فوٹیجز نکلوائیں گے' سو وہ ہر اس راستے پہ بیٹھے ہیں' ہمیں بھٹکانے کے لئے جو سعدی تک جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہم سے ...قدم آگے رہیں گے۔'' وہ ذہنی طور پہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ فارس نے انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے صوفے پہ' اس کے تکیے کے ساتھ ...لگی ہے' اسے احساس نہیں ہوا۔

''اگر وہ ہمیشہ ہم سے دو قدم آگے رہیں گے تو ہم سعدی کو کبھی نہیں ڈھونڈ سکتے۔''

''بالکل!'' وہ اسکرین کو پلکیں سکیڑ کر دیکھے گئی۔ اندھیرے کمرے میں واحد مدھم سی روشنی عجب فسوں بکھیر رہی تھی۔ وہ بدقت (زمر ...نظریں ہٹا کر) سامنے دیکھنے لگا۔ لائبریری کے سارے منظر اردگرد اترنے لگے تھے۔

''بس پھر ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈتے۔'' وہ قطعیت سے بولی تو وہ چونکا۔

''کیا مطلب؟''

''ہم ان کے قدم پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر وہ ہمیشہ دو قدم آگے رہیں گے' سو ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈیں گے۔ ہم ان کو ان کی ...ر ان سے پکڑیں گے۔ وہاں سے جہاں سے انہوں نے تصور نہیں کیا ہوگا۔'' وہ لیپ ٹاپ کو دیکھتی' گویا خود سے بول رہی تھی۔

''مگر ہم نہیں جانتے' وہ کون ہیں۔''

''وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں نہیں جانتے' مگر... یہاں پر انہوں نے ایک غلطی کر دی ہے۔'' وہ پہلی دفعہ مسکرائی اور نگاہیں موڑ کر فارس کو دیکھا۔ ''کیا تم نے کرمنل لاء میں پڑھا نہیں تھا کہ Its not the Crime, Its the cover-up. ''

فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل۔ مجرم کو اس کا جرم نہیں پکڑواتا' بلکہ جرم کو چھپانے کی کوشش پکڑواتی ہے۔''

''سو اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش میں' انہوں نے اپنا ایک بندہ ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اب تک وہ ہمارے لئے ایک ...الجان گروہ تھا مجرموں کا۔ مگر اب... اب ہم ان کے ایک ساتھی کو جانتے ہیں۔ یہ لفٹ والا آدمی۔'' مگر فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ تو صرف ایک ہرکارہ ہے' کرائے کا آدمی۔ جن لوگوں نے سعدی پہ حملہ کیا ہے' یہ آدمی ان کو جانتا تک نہیں ہوگا۔''

''الکا... بھی یہی سمجھتے ہیں [illegible]

ذریعے اس کو ڈھونڈیں گے جس نے اسے پیسے دیے' اور پھر اس سے اوپر والے کو' اور یوں زینے پہ زینہ چڑھتے' ہم ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں جنہوں نے سعدی کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ سو اب ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈیں گے' ہم ان لوگوں کو ڈھونڈیں گے۔ جس دن ہمیں یہ لوگ مل جائیں گے' اس دن سعدی بھی مل جائے گا۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔

''اوکے۔ ایسے ہی کرتے ہیں' مگر ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔ کیا آپ نے بیلسٹک رپورٹ دیکھی؟ سعدی کو GLOCK گن سے گولی ماری گئی۔ قوی امکان ہے کہ جی فورٹی ون استعمال کی گئی۔ پاکستان میں جی فورٹی ون منگواؤ تو ڈھائی تین لاکھ سے کم کی نہیں ملتی۔ اور کون منگوا سکتا ہے اتنے آرام سے گلاک کی پستول؟ اسلحے کی درآمد ممنوع ہے' اور صرف سنگل امپورٹ لائسنس کے ذریعے ہی کوئی ایک وقت میں ایک ہی پستول منگوا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے' یہ مہنگی ترین guns میں سے ایک ہے۔ کلاس اور نیٹ چیک کریں ذرا ان لوگوں کا۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کر رہا تھا' ایک دم رکا۔ اس نے زمر کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ گن کے ذکر پہ جیسے وہ ہوش میں آئی۔ بے اختیار چونک کر آس پاس دیکھا۔ وہ اس کے صوفے پہ... ایک دم وہ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ سپاٹ پن آ گیا۔

''ظاہر ہے' قاتل اسلحے کے بارے میں آپ سے بہتر کون جانتا ہوگا۔'' تلخی سے کہہ کر وہ تیزی سے بیڈ تک آئی۔ زرد موسموں کا سارا فسوں غائب ہو گیا۔ اندھیرے میں دو سائے رہ گئے۔ ایک صوفے پہ بیٹھا تھا' اور دوسری بیڈ کے ساتھ' اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

''گڈ نائٹ۔'' فارس کے چہرے پہ سنجیدگی اتر آئی۔ اس کی بات کو نظر انداز کر کے وہ کمپیوٹر آف کرنے لگا۔

.................❖❖❖.................

جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر ...... مجھے ہر طرح سے جو راس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

دیوار کے پار حنین اور ندرت کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ ندرت بیڈ پہ بیٹھیں نماز پڑھ رہی تھیں۔ اور حنین کروٹ کے بل لیٹی' چادر پہ انگلی سے لکیریں کھینچتی جا رہی تھی۔ زمر کے الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

''مجھے سعدی کا لیپ ٹاپ کھول دو حنین۔ میں کسی شاپ پہ جا کر بھی کھلوا سکتی ہوں' مگر یہ کام تم مجھے خود کر کے دو گی۔ اگر تم کچھ کر سکتی ہو تو!'' وہ جانتی تھی زمر نے صرف اس کو اکسانے کے لیے ایسا کہا تھا' مگر وہ ان باتوں میں اب نہیں آیا کرتی تھی۔ پھر بھی وہ اٹھی اور سلیپرز پہن کر باہر نکل آئی۔

چند لمحے بعد وہ بیسمنٹ کے زینے اتر رہی تھی۔ بتیاں جلائیں تو سارا تہہ خانہ روشن ہوا۔ وہ ایک کھلا سا کمرہ تھا جس میں ستون لگے تھے اور پورے گھر کے رقبے پہ وہ پھیلا ہوا تھا۔ اس کا آدھا حصہ اس سامان اور باکسز سے بھرا ہوا تھا جو خالی گھر کر کے شفٹنگ کے وقت وہ ادھر لائے تھے۔ ایک کونے میں الگ سے چند باکسز رکھے تھے۔ حنین قدم قدم چلتی اس کونے تک آئی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آنکھیں نم ہوئیں۔

سعدی کی چیزیں!

اس نے سعدی کے کپڑوں والا باکس کھولا۔ ایک شرٹ نکالی۔ صاف ستھری سفید ٹی شرٹ۔ وہ سوتے وقت عموماً یہی پہنتا تھا۔ ٹی شرٹ دونوں ہاتھوں میں پکڑے وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ جب ہی اندھیر تہہ خانے سے آواز آئی۔

''یاصاحبی السجن'' (اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو!) اس نے چونک کر گردن گھمائی۔ سعدی کی آواز تھی وہ۔ مگر وہ خود ادھر نہیں تھا.... وہ دور کہیں کسی دوسرے زمانے میں اسے پکار رہا تھا.. ایک منظر سا ذہن میں روشن ہوا۔

ریسٹ ہاؤس کا کمرہ۔ فاصلے پہ بچھے دو سنگل بیڈ۔

دونوں بیڈز کے پاؤں کی طرف نیچے لگے دو میٹرس۔ (انگریزی حرف T) کی طرح۔ ندرت کا بیڈ خالی تھا۔ اس کی پائنتی سے نیچے بچھے میٹرس پہ سیم سو رہا تھا۔ دوسرے بیڈ پہ حنین آنکھوں پہ بازو رکھے' چادر گردن تک تانے لیٹی تھی۔ نچلے میٹرس پہ سعدی چت لیٹا تھا۔ اسی

اوری شرٹ میں ملبوس۔ یکا یک اس نے بازو پہ ہاتھ مارا۔
''حنہ یہاں کتنے مچھر ہیں۔''
وہ آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر نیند میں ڈوبی آواز میں بولی۔
''یہاں ایک بھی مچھر نہیں ہے بھائی۔ آپ صرف مجھے بلوانے کے لئے ایسے کہہ رہے ہیں۔ پلیز سو جائیں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔''
عدی کے چہرے پہ خفگی ابھری۔
''یار حنین، بندہ کوئی بات ہی کر لیتا ہے' ہم کب سے اس قید خانے میں پڑے ہیں۔''
''اس چھوٹے شہر میں صفیہ خالہ لوگوں نے ساری بارات کے لئے اتنا اچھا ریسٹ ہاؤس بک کروایا ہے' ہمیں پورا ایک کمرہ ملا ہے' اس کو قید تو نہ کہیں۔ اور سو جائیں۔''
چند لمحے کی خاموشی۔ پھر وہ بولا ''مجھے نیند نہیں آ رہی۔ امی کہاں رہ گئیں۔''
''وہ فرزانہ خالہ کے کمرے میں ہیں۔ وہاں ساری خالائیں' ممانیاں محفل لگائے بیٹھی غیبتیں کر رہی ہوں گی۔ آپ بھی وہیں چلے جائیں۔''
''نہیں یار... اتنی مشکل سے بندہ روز کی پانچ نمازیں پوری کر پاتا ہے' ایویں سارا ثواب ان سب لوگوں کو دے دیں جن کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں؟''
''پھر سو جائیں۔'' جمائی روکتے' اس نے کروٹ بدلی۔ نیند سے آنکھیں بند تھیں۔ چند لمحے گزرے' پھر اس نے بڑے پیار سے پکارا۔
''یا صاحبی السجن!'' (اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!'')
حنین کے ہونٹ مسکراہٹ میں پھیلے۔ بازو ہٹایا اور کہنی کے بل اٹھ کر چہرہ اونچا کیا' وہ نیچے تھا' تبھی نظر نہ آیا' تو وہ اٹھی' اور تکیہ اٹھا کر پاؤں والی طرف رکھا اور گھوم کر اس طرف سر رکھ دیا۔ پھر گردن اٹھا کر دیکھا تو وہ نیچے لیٹا' مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر دوسرے لڑکی پہ ڈالی (سیم) جو کب کا سو چکا تھا۔
''سورۃ یوسف؟'' اس نے مسکرا کر آیت کا متن پوچھا۔
''ہوں۔ میری فیورٹ سورۃ!۔''
''بس کرو بھائی۔ آپ سے تو جس سورۃ کا ذکر کرو' آپ کہتے ہیں' یہ میری فیورٹ ہے۔''
''کب کہا میں نے ایسا؟''
''مجھے زیادہ بولنے پہ مجبور نہ کریں اور سو جائیں۔'' دوبارہ ماتھے پہ بازو رکھ کر آنکھیں موند لیں۔
''یا صاحبی السجن!'' ذرا دیر گزری تو اس نے پھر نرمی سے حنہ کو پکارا۔ وہ ''ہوں'' کر کے رہ گئی۔ ''میں ایک بات سوچ رہا تھا۔''
''دل میں سوچیں بھائی۔'' مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا' بولتا گیا۔
''تمہیں یاد ہے یوسف علیہ السلام نے جب قید خانے میں اپنے ساتھیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتائی تھی' ایک کو سولی پہ چڑھنا تھا' اور دوسرے کو بادشاہ کا ساقی بننا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جانا تو میرا ذکر کرنا۔ اس سے اگلی آیت یاد ہے تمہیں؟''
رات کے ڈیڑھ بجے' وہ کچی نیند میں ڈوبی حنین سے پوچھ رہا تھا۔ حنہ کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ نمودار ہوئی (ہنہ' ایسہ کیزی آیت

اسے؟) (اب یہ کون سی آیت ہے؟) اف بھائی کو کون سمجھائے کہ ہر کوئی آپ کی طرح قرآن کریزی نہیں ہوتا۔

''نہیں۔ کون سی آیت؟'' جمائی روکتے پوچھا۔ آنکھیں بند تھیں۔

''وہ سورۃ یوسف کی سب سے دلچسپ آیت ہے' اور تمہیں وہی نہیں یاد؟''

(لو جی... ان سے پوچھو تو ہر دوسری آیت ''سب سے دلچسپ'' ہوتی ہے۔)

''ابھی نہیں...'' جمائی سے آواز پھر بھاری ہوئی۔ ''.. یاد آ رہی۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' وہ چت لیٹا' ایک دم ایکسائٹڈ سا بولا۔ اور ساری دنیا کے درخت قلم بن جائیں' اور سارے سمندر روشنائی' اور ان سے لکھنے بیٹھو تو ختم ہو جائیں' درخت اور ختم ہو جائیں سمندر' مگر اللہ کی باتیں کہاں ختم ہوتی ہیں؟ اور قرآن کے اچھے اسٹوڈنٹس کو بھی بس بولنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔

''یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔ اگلی آیت ہے' شیطان نے بھلا دیا اس کو ذکر کرنا اپنے آقا سے تو وہ ٹھہرا رہا قید میں کئی سال۔''

''ہوں۔'' وہ آدھا پونا لفظ سن پائی۔

''اب سنو مزے کی بات۔ اس آیت میں'' اپنے آقا سے ذکر کرنے'' کے لئے لفظ آیا ہے ''ذکر ربہ''۔ اس کے دو مطلب ہیں۔ آقا سے ذکر کرنا۔ اور آقا کا ذکر کرنا۔ اصل میں اس آیت کے بھی دو مطلب ہیں۔ پہلا' شیطان نے اس ساتھی قیدی کو بھلا دیا کہ وہ بادشاہ سے یوسف کا ذکر کرتا۔ اور دوسرا' شیطان نے یوسف علیہ السلام کو بھلا دیا اپنے رب کا ذکر کرنا' اس لئے وہ ٹھہرے رہے جیل میں اگلے کئی سال۔ آئی سمجھ؟''

''ہیں؟'' وہ بمشکل آنکھیں کھول پائی۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بھائی یوسف یہ الفاظ نہ کہتے تو اتنے برس جیل میں نہ ٹھہرے رہتے۔''

''مگر انہوں نے جیل سے نکلنے کی کوشش ہی تو کی تھی' اس میں کیا بری بات ہے؟''

''میرے یا تمہارے جیسے لوگوں کے لئے جیل سے نکلنے کی کوشش کرنا' دراصل خود ایک جہاد ہے' ایک اچھا کام ہے' ہم کریں تو ٹھیک ہوگا' مگر مقربین کی حسنات' دراصل سیات شمار ہوتی ہیں۔''

''کس کی کیا' کیا شمار ہوتی ہیں؟'' اس نے ترجمہ مانگا۔

''مطلب جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہوتے ہیں' ان کی حسنات یعنی چھوٹی نیکیاں' ان کی غلطیاں شمار ہوتی ہیں۔ گناہ نہیں' کہ انبیاء کبھی گناہ نہیں کرتے تھے۔''

''نہیں سمجھ آئی بھائی۔''

''دیکھو' مسجد میں جھاڑو لگانا کتنی اچھی بات ہے۔ ہے نا؟ جو عورت مسجد میں جھاڑو لگاتی تھی' جب فوت ہو گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے لئے خصوصی دعا کی۔ یہ ایک حسنہ ہے۔ ایک نیکی۔ لیکن تصور کرو کسی ایسے اسکالر کو جس کا عمل بھی نیک ہو اور علم بھی بہت ہو۔ اللہ نے اسے بڑی سورسز دیے ہوں' ٹیلنٹ دیا ہو' مواقع دیے ہوں کہ وہ پوری دنیا میں جا کر دین کی تبلیغ کرے' بڑے بڑے فورمز پہ جا کر قرآن کی باتیں لوگوں کو سنائے' اب اگر ایسا بندہ سب چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں دن رات صفائی کرنے لگ جائے تو ہوگی یہ بھی ایک نیکی مگر یہ اس کی برائی شمار ہوگی' کیونکہ جو جتنا نیک اور اچھا ہوگا' اللہ کی اس سے توقعات اتنی بڑھ جائیں گی۔ کوئی عام بندہ رہائی کا کہے بادشاہ سے تو بہت اچھا' مگر اللہ تعالیٰ کو یوسف علیہ السلام سے اس سے کہیں زیادہ کی توقع تھی۔''

"مطلب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا؟"

"نہیں استغفراللہ...حنہ انبیاء کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام نہیں کرتے تھے۔ وہ معصوم تھے اور یوسف علیہ السلام کی تو اللہ نے صرف اس ذرا سی کمی کی طرف توجہ دلائی' کیونکہ وہ ایک کامل انسان تھے۔ صبر والے' اور علم والے۔ یہ ایک غلطی تھی' کہ انسان کو مصیبت میں صرف اللہ کی طرف دیکھنا چاہئے۔ اچھا اب وہ سنو جو میں سوچ رہا تھا۔" وہ چت لیٹا بولتا جا رہا تھا۔ "تم نے نوٹ کیا' یوسف علیہ السلام کو دنیا کا آدھا حسن دیا گیا تھا' اور جن عورتوں کو خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ خوبصورت ہو وہ روز سورۃ یوسف پڑھتی ہیں' مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ ایک دفعہ بھی سورۃ یوسف میں نہیں کہا کہ یوسف خوبصورت تھے۔ ان کے حسن کا ذکر بھی نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ نے ہمیں 'احسن القصص' (اور یوسف) اس لئے دی تھی تاکہ ہم کسی انسان کی ان خوبیوں کو جان پائیں جو اس کو اللہ کی نظر میں خوبصورت بناتی ہیں' مگر حنہ' یار کوئی یہاں قرآن سمجھ کر کیوں نہیں پڑھتا۔ تم سن رہی ہو نا؟" ہاتھ بڑھا کر حنہ کے بالوں کی لٹ کھینچی۔ "کنو' یار سنو' میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"سونے دو بھائی۔" وہ نیند میں تھی۔

"ایک وقت آئے گا حنین یوسف جب تم میری باتوں کو مس کیا کرو گی۔" بڑے ہی خفا انداز میں وہ بولا۔

"ایں؟ کون سا وقت؟" اس کے ذہن میں کوئی فکر جاگی۔

"جب میں شادی کے بعد رخصت ہو کر کسی کا گھر داماد بن جاؤں گا۔"

"توبہ!" وہ نیند میں بھی زور کی ہنسی۔ "آپ کو کوئی گھر داماد نہیں بنائے گا۔"

"ایویں نہیں بنائے گا؟ جیب خالی ہے تو کیا ہوا' بندہ بہت اچھا ہوں میں۔ ایک تو خوش اخلاق اتنا ہوں' اوپر سے خوبصورت بھی ہوں۔" ذرا رک کر پوچھا' "ہوں نا؟"

اس نے بالآخر تکیہ اٹھا کر زور سے نیچے اچھالا۔ "سو جاؤ بھائی۔ میں کبھی نہیں مس کرنے والی آپ کو۔ جائیں کریں شادی۔"

یاد کا بلبلہ پھٹا اور وہ واپس اس نیم اندھیر تہہ خانے میں آئی۔ اس کی آنکھوں سے نکلتے آنسو سعدی کی شرٹ پہ گر رہے تھے۔ دل بہت بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ وہ سعدی کے لیپ ٹاپ اور دوسرے gadgets والا باکس چھوئے بغیر واپس ہولی۔ کسی بھی چیز کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

..................❖❖❖..................

یہ اہلِ درد بھی کس کی دہائی دیتے ہیں ..... وہ چپ بھی ہو تو زمانہ ہے ہمنوا اس کا

وہ بار کے کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ پیچھے لوگوں کا شور' موسیقی' جلتی بجھتی روشنیاں تھیں۔ وہ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ چہرے پہ فکرمندی بھی تھی اور امید بھی۔

"ہیئے شیرو!" وہ اسی پل اس کے ساتھ والے اسٹول پہ آ بیٹھی۔ کچھ کاؤنٹر پہ دھرا اور چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اپنے سنہری بالوں کو اونچی (اور چھوٹی) سی پونی میں کسے اور سرخ لپ اسٹک لگائے' شہرین ہمیشہ کی طرح خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"کیسی ہیں آپ؟" ایک دم سے ساری دنیا رنگین ہو گئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے لئے آرڈر کرنے لگا۔

"میں تو ٹھیک ہوں' مگر تم نے سعدی کے بارے میں سنا؟ اوہ گاڈ! مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔" وہ سر شاک کے عالم میں نفی میں ہلاتی موبائل پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ نوشیرواں کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ حلق میں کوئی کریلا پھنسا۔

"جی میں نے سنا۔"

"مطلب کہ لاقانونیت کی حد ہوتی ہے۔ پہلے گولی اور پھر اغوا۔ یہ پکچر دیکھی تم نے؟" اس نے اسکرین پہ وہی پولیس فوٹوگراف

نکال کر اس کے سامنے کی۔ "یہ وائرل ہو رہی ہے۔ اس کے یونیورسٹی کے دوست اس کے لئے HashTag Save Saadi ٹرینڈ کو بہت پرموٹ کر رہے ہیں، مجھے بھی ابھی سے پتہ چلا۔ تمہیں پتہ ہے انہوں نے لیڈز میں اس کے لیے vigil بھی کیا ہے۔ دیکھو کتنی بری طرح پیٹا گیا ہے اسے۔" وہ فکرمندی اور تاسف سے بولے جا رہی تھی اور وہ صبر سے گھونٹ بھرتا گیا۔ مشروب زہر جیسا تلخ تھا۔

"آپ واپس کب جا رہی ہیں؟ سونیا کو مس تو کر رہی ہوں گی۔"

"میں اگلے ہفتے چلی جاؤں گی مگر یقین کرو جب سے میں نے سعدی والی نیوز دیکھی ہے بہت اپ سیٹ ہوں۔ شکر ہے تم مجھے مل گئے، کم از کم کسی سے ڈسکس تو کر سکتی ہوں۔ اس دن اتنا کچھ بول گئی میں اس کے بارے میں جو بھی ہے، وہ اچھا لڑکا ہے۔" پھر رک کر سوچا۔ "یہ کہنا چاہیے یا تھا؟"

"واپس جا کر کیا پلانز ہیں آپ کے؟"

"ایک سوشلائیٹ کے کیا پلان ہو سکتے ہیں؟ وہی روٹین لائف۔ ویسے تمہیں کیا لگتا ہے سعدی کو ان لوگوں نے مار دیا ہوگا؟"

گلاس پہ نوشیرواں کی انگلیوں کی گرفت سخت ہو گئی، اور لب بھینچ گئے۔ آنکھوں میں بے پناہ بےزاری اتری۔ "پتہ نہیں۔" اور گھونٹ بھرا۔ شہرین ہنوز تاسف سے بولے جا رہی تھی۔

وہ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا تھا۔

⁂

یہ گرد باد تمنا میں گھومتے ہوئے دن ...... کہاں پہ جا کے رکیں گے یہ بھاگتے ہوئے دن

دو ہفتے بعد

وہ گرم صبح قصرِ کاردار اور ملحقہ انیکسی پہ چمکداری طلوع ہوئی تھی۔ زمر نے آئینے کے سامنے کھڑے بالوں میں برش پھیرتے کھڑکی سے باہر دیکھا تو سبزہ زار پہ ملازموں کی چہل پہل شروع ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ تبھی باتھ روم کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آیا۔

زمر نے برش رکھ دیا اور پرس اٹھائے باہر نکل گئی۔ فارس نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا، اور دوسری کمرے پہ ڈالی جس کو وہ ہر صبح چند منٹوں میں نفاست سے سمیٹ چکی تھی۔ تکیے بیڈ پہ، بیڈ کور برابر۔ ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر جھٹکا اور الماری کی طرف آیا۔ آج اسے جاب پہ جاتے پانچواں دن تھا۔

یہ پانچ جون تھی، اور اکیس مئی کے اذیت ناک دن کو گزرے قریباً دو ہفتے بیت چکے تھے۔

زمر باہر نکلی تو نیچے صداقت کے کچن سے خوشبو آ رہی تھی۔ وہ حنہ کے دروازے پہ رکی، پھر اسے دھکیلا تو اندر کا منظر نمایاں ہوا۔ ندرت کا بیڈ خالی تھا، اور حنین اپنے بیڈ پہ آلتی پالتی بیٹھی تھی۔ بال پونی میں بندھے، وہ ذرا اور کمزور لگتی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اٹھایا، آنکھوں میں امید جاگی۔

"بھائی کا کچھ پتہ چلا؟"

"اونہوں۔ لیکن اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔ ہم مل کر سعدی کو ڈھونڈیں گے۔" حنہ کے چہرے کی جوت ماند پڑ گئی، اس نے تھوڑی گرا دی۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میری وجہ سے... اپنے آخری دن بھائی اتنا ناراض ہوا تھا۔ میں آپ کی طرح نہیں ہوں، کہ...." نظریں جھکائے خفگی سے بولی۔ "اس سے چار سال بات نہ کروں اور پھر ظاہر کروں کہ مجھے اس کی بہت پرواہ ہے۔"

چوکھٹ میں کھڑی زمر کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

"حنین مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی اور میں اس کے لئے شرمندہ ہوں۔ تم نے سنا؟ آئی۔ ایم... سوری فارڈیٹ!" وہ بولی تو آنکھوں

ں شکوہ اور آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ "میں نے چار سال اس سے تعلق نہیں رکھا' میں نے غلط کیا' اور مجھے تب یہ احساس ہوگیا تھا جب ابا نے بتایا ار مجھے کہ وہ سعدی نے دیا تھا۔ میں اس دن اس کے پاس چلی گئی تھی' اور ہمارے درمیان سب ٹھیک ہوگیا تھا' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چار سال مٹ گئے۔ مجھے مرتے دم تک ان کا افسوس رہے گا۔" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ حنین نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ، ملی کرچیاں سی بکھری تھیں۔

"اگر تم مجھ سے پوچھو تو میرا دل چاہتا ہے کہ ہر اس شخص کو روکوں جو اپنے کسی خونی رشتے دار سے ناراض ہے اور کہوں کہ اس کو کال ر لو اس سے تعلق جوڑ لو چاہے اس نے آپ کا کتنا بھی دل کیوں نہ دکھایا ہو۔ میری طرح اتنے سال ضائع نہ کرو بے کار کی انا میں۔ اگر تعلق نہیں جوڑو گے تو پتہ ہے کیا ہوگا؟ آپ کے بچوں میں انہی بہن بھائیوں کی شکلیں اور عادتیں نظر آنے لگیں گی جن سے آپ بہت دکھی دل کے ساتھ علیحدہ ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کیوں بتاتا ہے آپ کی اولاد میں آپ کے رشتوں کی مشابہت؟ اس لئے تاکہ ہم ان کو نہ بھول سکیں۔ کیونکہ اگر ہم نے جلد صلح نہ کی تو وہ مر جائیں گے' کھو جائیں گے' یا ہم مر جائیں گے۔ کھو جائیں گے۔ میں نے غلطی کی تھی اور مجھے اس کے لئے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ مگر تم میری غلطی کیوں دہرا رہی ہو؟"

آخری فقرے پہ حنہ نے منہ موڑ لیا۔

"ایک حادثے کے بعد اپنے واحد پیرنٹ کو مزید بیمار دیکھنا' اور ساری دنیا سے کٹ آف کر کے کمرے میں پڑ جانا' اور جو اپنے تمہارے پاس ہیں' ان کو ہر وقت الزام دیتے رہنا' تمہیں لگتا ہے یہ تمہاری کہانی ہے حنہ؟ نہیں۔ اگر چار سال پیچھے جاؤ تو یہ میری کہانی ہے۔ ب میں اس غلطی کو نہیں دہرا سکتی تو تم کیوں دہرا رہی ہو؟"

حنین نے جواب نہیں دیا۔ منہ موڑے' گیلی آنکھوں سے کھڑکی کو دیکھے گئی۔

"مجھے نہیں پتہ تمہیں کون سا گلٹ روز بروز کمزور کرتا جا رہا ہے' لیکن میں جس حنین کو جانتی ہوں' وہ ہمارے خاندان کا سب سے جینئس اور بولڈ بچہ تھا۔ اتنی ڈل اور کم اعتماد نہیں تھی وہ۔ تمہیں سعدی سے محبت ہے تو اٹھو اور اس کمرے سے باہر نکلو' اور اس کے لئے کوشش کرو۔ یا کم از کم میری اس کے لئے محبت کو جج کرنا چھوڑ دو۔" اور وہ مڑ گئی تو پیچھے سے حنہ ہلکا سا بولی۔

"مجھے پتہ ہے آپ کو بھائی سے بہت محبت ہے' اور ساری بات ہی یہی ہے کہ آپ کو صرف بھائی سے محبت ہے۔" گیلی آنکھوں سے اس نے زمر کی پشت دیکھی۔ "اگر سعدی کی جگہ حنہ کھوتی تو آپ اتنی بھاگ دوڑ کبھی نہ کرتیں۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک ٹیم کبھی نہیں ہو سکتے' اس لئے میرے ساتھ بار بار یہ pep talk کرنا چھوڑ دیں۔"

زمر نے گہری سانس لی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ پیچھے حنین کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"وہ میرا بیسٹ فرینڈ تھا پھپھو' آپ کو اندازہ بھی نہیں کہ میں کتنی اکیلی ہوگئی ہوں؟" سر جھکائے' آنسو صاف کرتے وہ خود سے کہہ رہی تھی۔

زمر نیچے لاؤنج میں آئی تو صداقت چائے لا رہا تھا۔

"بھابھی ریسٹورانٹ چلی گئیں؟"

"جی باجی۔ ہر روز جلدی چلی جاتی ہیں اور دیر سے آتی ہیں۔ آنٹی جی کو تو چپ ہی لگ گئی ہے۔" زمر نے جوابی تبصرہ نہ کیا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی' چائے کا کپ اٹھا لیا' تبھی وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا۔

"تھانے سے فون آیا ہے۔ بلا رہے ہیں۔ کیا آپ چلیں گی؟" والٹ جیب میں رکھتے اس نے پوچھا۔ زمر نے گھونٹ بھرتے ہوئے شانے اچکائے۔

''میں ایک اٹارنی ہوں' ایک نوٹس پہ ان پولیس والوں کو عدالت بلوا سکتی ہوں۔ ان کو کام ہے تو وہ ہمارے پاس آئیں۔''
(جلی رسی کا بل۔ خیر) اس نے کوٹ کا بٹن بند کرتے گہری سانس لی۔
''وہ لفٹ والا آدمی... نیاز بیگ... اسے کل رات گرفتار کر لیا گیا ہے۔ دوپہر میں آپ کو پک کر لوں گا' آپ اس سے ملنا تو چاہیں گی۔'' زمر نے چونک کر کپ نیچے کر کے اسے دیکھا۔ وہ اب ریک سے چابی اٹھا رہا تھا۔ دبی گلے کی شرٹ پہ گرے کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ (جاب شروع کر لی' مگر کالروالی ڈریس شرٹ یا ٹائی پہننا تو اس کو پسند ہی نہیں ہے جیسے!) بال ذرا بڑھے تو پھر سے چھوٹے کروا لیے۔ اپنی جاب کے لحاظ سے مناسب لگ رہا تھا۔ زمر نے نظریں پھیر لیں اور ہلکا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔
''اوکے۔''
فارس نے بس رک کر ایک نظر اس پہ ڈالی اور پھر بیرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔

..............❖❖❖..............

چلو یہ سیل بلا خیز ہی بنے اپنا ..... سفینہ اس کا، خدا اس کا، ناخدا اس کا

ہسپتال کا کشادہ اور پرتعیش کمرہ اس صبح بھی مہک رہا تھا۔ کاؤچ پہ میری بیٹھی' کتاب چہرے کے سامنے کیے ہوئے تھی۔ بستر پہ لیٹے سعدی کے بازو آزاد تھے' مگر پاؤں میں ہتھکڑی لگا کر بیڈ کے ساتھ منسلک کر دی گئی تھی۔ سر کی طرف سے بیڈ اونچا کر رکھا تھا اور وہ کھلی آنکھوں سے پہلے سے خاصا بہتر نظر آتا' ارد گرد دیکھ رہا تھا۔
''تمہیں کاردار صاحب نے میری نگرانی کے لیے ادھر چھوڑا ہے؟'' دفعتاً اس نے پکارا۔ مگر میری کتاب پڑھتی رہی۔
''کیا تمہیں معلوم ہے' مجھے گولی کس نے ماری تھی؟''
میری نے صفحہ پلٹایا۔ نگاہیں صفحے پر جمی تھیں۔ وہ پلکیں سکیڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''تمہیں سب معلوم ہے۔ تم بھی ان کی شریک جرم ہو۔''
خاموشی نے پھر سے اطراف کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دفعتاً سعدی نے ٹھنڈی سانس لی۔
''تمہارا بچہ کیسا ہے؟ اس کا علاج کیسا جا رہا ہے؟'' اب کے اس کا انداز دوستانہ تھا۔
میری نے پلک تک نہیں جھپکی۔ اسی طرح پڑھتی رہی۔ سعدی نے نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔ کمرہ بالکل صاف تھا۔ اس کاؤچ اور بیڈ اور ضروری طبی اشیاء کے علاوہ اس کمرے میں کوئی بھی شے نہ رکھی تھی جو... اس کے کسی کام آ سکتی۔ کوئی کھڑکی تک نہ تھی۔
''میرے گھر والے میرے لیے پریشان ہوں گے۔ ان کو صرف اتنا بتا دو کہ میں زندہ ہوں۔'' بولتے ہوئے اس کی آواز بھر آئی۔ بہت امید سے میری کو دیکھا۔ مگر اس نے نگاہیں تک نہیں اٹھائیں۔
''مجھے کچھ چاہیے۔'' کچھ دیر بعد سعدی نے پکارا۔ میری نے فوراً چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ آدھے آستین کی ہسپتال کی شرٹ میں ملبوس تکیوں کے سہارے نیم دراز اس کو دیکھ رہا تھا۔
''کیا؟'' اس نے بے تاثر سپاٹ انداز میں دریافت کیا۔
''مجھے قرآن لا دو۔ میں اسی کو پڑھ لوں گا۔ جیسے تم بور ہو رہی ہو' ویسے ہی میں بھی بور ہو رہا ہوں۔ اتنا تو تم کر سکتی ہو میرے لیے۔''
''اوکے۔ منگوا دوں گی۔'' اور دوبارہ سے کتاب چہرے کے سامنے کر لی۔ سعدی نے گہرے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

..............❖❖❖..............

ہر غلط بات پہ میں آپ کی کہہ دوں لبیک!.... اس طرح خونِ صداقت نہیں کر سکتا میں

تھانے کے اس کمرے میں چوکور میز بچھی تھی۔ فارس اور زمر برابر کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ دائیں ہاتھ اے ایس پی سرمد شاہ تھا۔ سامنے بچھی کرسیوں پہ نیاز بیگ براجمان تھا۔ کندھے کرسی کی ٹیک پہ گرائے' گریبان کے بٹن کھلے تھے' سیاہ مونچھیں اور سیاہ آنکھیں تھیں جن میں زمانے بھر کی بے زاری سموئے وہ زمر کو دیکھ رہا تھا۔

"تو تم یہ کہہ رہے ہو کہ تم نے سعدی کو گولی ماری ہے۔" زمر نے چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے' ٹھنڈے انداز میں پوچھا تھا۔

منہ میں کچھ چباتے ہوئے اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "ہاں۔ اس کا ریسٹورانٹ خریدنے کی بات ہی تو کی تھی۔ آگے سے بولا نہیں بیچنی۔ سارے لوگ شروع میں یہی کہتے ہیں۔ میں نے صرف اصرار کیا۔ دو تین دفعہ جا کر ملا بھی اس سے۔ مگر سالا غصے میں آگیا۔ مجھے گالیاں بکنے لگا۔ سب برداشت ہوتا ہے' بی بی مگر....." انگلی اٹھا کر سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "گالی برداشت نہیں ہوتی۔ سو وہیں پھڑکا دیا اسے۔ اب جا کر اگلے جہان میں بیچے اپنی دکان۔" ساتھ ہی استہزائیہ سر جھٹکا۔

"اے... زبان سنبھال کر!" وہ ذرا غصے سے آگے کو ہوا تو سرمد شاہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھمنے کا اشارہ کیا۔ زمر نے محض ایک ناپسندیدہ نظر فارس پہ ڈالی اور دوبارہ نیاز بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہسپتال سے کیوں غائب کیا تم نے اسے؟"

"صاف بات ہے بی بی۔ جب تک لاش نہیں ہوتی' قتل ثابت نہیں ہوتا۔ بس وارڈ بوائے کو ملایا ساتھ' لے گئے اسے۔ گاڑی میں ڈالا اور کوڑے کے ڈھیر پہ پھینک دیا۔ صبح جا کر دیکھا میں نے۔ نام و نشان تک نہ تھا۔ خلاص۔" بے پرواہی سے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔ فارس بہت ضبط سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اتنی ہی ٹھنڈی تھی۔

"کون سی گالی دی تھی اس نے؟"

"آہ... کیا دہراؤں اب؟" اس نے تلخی سے ہنس کر سر جھٹکا۔ اے ایس پی کے ابرو بھینچے۔ "حد میں رہ کر بات کرو نیاز بیگ۔"

"تو بی بی کو منع کرو نا۔ کیوں میرا منہ کھلوانا چاہتی ہے۔"

"میں نے پوچھا..." زمر اس کی آنکھوں میں دیکھتی آگے ہوئی۔ "کون سی گالی دی تھی اس نے؟"

"دہرا دیتا ہوں مگر تمہارے بندے کو اچھا نہیں لگے گا۔" استہزائیہ زہریلی مسکراہٹ لبوں پہ بکھیرے اس نے فارس کو دیکھا جو اتنے ہی غصے سے اسے گھور رہا تھا۔ اور پھر اس نے تین چار اردو کی گالیاں دہرائیں۔ میز پہ رکھی فارس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"اور کتنی دفعہ دیں اس نے یہ گالیاں؟" زمر کا چہرہ ویسا تھا۔

"چار ایک بار تو دی تھیں۔ تبھی اسے خلاص کرنا پڑا۔"

"اور یہ سب کہنے کے کتنے پیسے دیے گئے ہیں تمہیں؟" وہ خود کو بولنے سے روک نہیں سکا۔ زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ (فارس کو برداشت کرنا' نیاز بیگ کو برداشت کرنے سے زیادہ مشکل تھا۔)

نیاز بیگ کے چہرے کے اطمینان اور استہزاء میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"نیاز بیگ کسی سے ڈرتا نہیں ہے۔ ڈنکے کی چوٹ پہ بولا ہے سب کیونکہ ابھی وہ افسر پیدا نہیں ہوا جو چار دن سے زیادہ..." انگوٹھا بند کر کے چاروں انگلیاں دکھائیں۔ "...نیاز بیگ کو حوالات میں رکھ سکے۔ اس لئے اپنی وکالت عدالت میں کرو بی بی۔ میرے پہ یہ نکتہ نہیں چلنے والا۔" مسلسل منہ میں کچھ چباتے' وہ پیچھے ہو کر بیٹھا اور ایک طنزیہ مسکراتی نظر زمر پہ ڈالی۔ "ویسے وہ تمہارا بھتیجا تھا کیا؟ چچ چچ... بہت رویا تھا بچہ جب گولی لگی۔ بالکل لڑکیوں کی طرح۔"

"بس بہت ہو گیا۔" سرمد شاہ فارس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ (اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر نیاز بیگ کا گریبان پکڑ لے)

اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ ہتھکڑیاں لگے نیاز بیگ کو اندر لے گئے۔ دروازے میں گم ہونے سے قبل اس نے مسکراتے ہوئے پیچھے زمر کو دیکھتے' منہ سے وہ تنکا تھوک کر پرے پھینکا تھا۔

"اس ساری بکواس کا کیا مطلب تھا؟ یہ شخص....." اس کے جاتے ہی وہ ایک دم جیسے کھول کر کہنے لگا تھا' مگر اسی پل زمر نے (میز کے نیچے سے) جوتی کی ہیل اس کی پنڈلی پہ زور سے ماری۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے اے ایس پی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے تعاون کا شکریہ۔ اس سے وہ جگہ معلوم کرنے کی کوشش کیجئے جہاں اس نے باڈی پھینکی تھی۔ کوڑا کون اٹھاتا ہے' ٹرک کہاں جاتے ہیں' آپ بس ہمیں باڈی ریکور کر کے دے دیں' اور اس شخص کو اس کی سزا دلوا دیں' اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔" اس کے انداز پہ وہ خون کے گھونٹ بھر کر خاموش ہو گیا۔ وہ اب پرس اٹھا کر کھڑی ہو رہی تھی۔

"ہم باڈی ریکور کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ پھر' مجھے بہت افسوس ہے۔" سرمد شاہ سر کو خم دے کر تعزیت کرتے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھا۔

"آپ کا بہت شکریہ۔ جو اللہ کی مرضی۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔" وہ مڑی اور ایک تیز نظر فارس پہ ڈالتی باہر نکل آئی۔ گاڑی سامنے ہی کھڑی تھی۔ وہاں جانے تک اس نے بمشکل ضبط کیا تھا' مگر چابی دروازے میں گھساتے ہوئے وہ طیش سے زمر کی طرف گھوما۔

"وہ شخص میرے سامنے....."

"فارس غازی' وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں' تماشہ مت بناؤ۔ گھر جا کر بات کرتے ہیں۔" فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے وہ تلخی سے بولی اور موبائل پہ ایک نمبر ملانے لگی۔ وہ اندر ہی اندر کھولتا' ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا اور زور سے دروازہ بند کیا۔

.... ٭٭٭ ....

مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے ...... میری عمر بھر کی جو پیاس تھے' وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

حنین اور ندرت کے کمرے میں وہی بے رونقی چھائی تھی' اور وہ گم صم سی بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سیم اندر آیا اور دھپ سے ساتھ آ گرا۔

"حنہ" چت لیٹے چھت کو تکتے پکارا۔ "آج میں نے اسکول سے چھٹی کی اور امی نے پوچھا بھی نہیں۔ پہلے یاد ہے' کبھی چھٹی نہیں کرنے دیتی تھیں۔ میں بغل میں پیاز رکھ کر سو جاتا تاکہ شاید صبح بخار ہو جائے' مگر نہ بخار ہوتا' نہ امی مانتیں۔ اور اب تو وہ بولتی ہی نہیں ہیں۔"

حنین گھٹنوں پہ گال رکھے خاموش بیٹھی رہی۔

"یاد ہے حنہ' تھنڈر کیٹس میں بھی ممرا یا اس کا کوئی ساتھی کسی تھنڈر کیٹ کو اغوا کر لیتا یا نقصان پہنچاتا تو آخر میں باقی کیٹس اس کو بچا لیتے تھے اور سب صحیح ہو جاتا تھا۔ کیا ہمارا بھائی بھی واپس آ جائے گا؟"

"ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ ہمارا ممرا کون ہے۔ اور جو اسے ڈھونڈنے کے لئے بظاہر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں' ان کو بھی کچھ نہیں پتہ۔" وہ خفگی سے بولی۔ "ماموں بھی بدل گئے ہیں۔ پھپھو بھی بدل گئی ہیں۔"

سیم کہنی کے بل بیٹھا اور چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم بدل گئی ہو!"

حنین نے گلہ آمیز نظر اس پہ ڈالی۔ "جاؤ' مجھے پڑھنے دو۔" اور خلافِ معمول وہ بنا چوں چرا کیے باہر نکل گیا۔ پھر وہ اٹھی اور سائیڈ ٹیبل پہ دھری سفید جلد والی کتاب اٹھائی۔ گھٹنوں پہ رکھ کر بے دلی سے صفحے پلٹنے لگی.....

دروازہ کھلا تو تیز روشنی اندر آ کر آنکھوں کو چندھیا گئی۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے قدم قدم چلتی آگے آئی تو دیکھا' اس کے ارد گرد

قدیم دمشق کی ایک روشن دوپہر آباد تھی۔ ہر شے زردی میں لپٹی تھی۔ مگر پہلے کے برعکس وہ بے دلی سے سر جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی پتھریلے راستے پہ آگے بڑھتی گئی۔ دھول جوتوں کو آلودہ کرتی گئی۔ جب چہرہ اٹھایا تو مسجد سے ملحقہ حجرہ سامنے تھا اور ایک طرف درخت تلے وہی ہڈیوں کا سا ڈھانچہ آدمی اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کی مردنی اور ویرانی ہنوز برقرار تھی۔

آج چھوٹی دیوار کے ساتھ شیخ کھڑے تھے۔ پیر تک آتا سفید چمکدار لباس پہنے مسکراتے ہوئے۔ وہ بنا مسکرائے قریب آ رکی۔

''کیا آپ نے اس بیمار کو ابھی تک شفایاب نہیں کیا؟''

''بیمار خود کوشش نہ کرے تو کچھ نہیں ہوسکتا۔''

وہ کچے راستے پہ چلنے لگے تو وہ بھی سر جھکائے بددلی سی ساتھ ہولی۔

''تم کیوں اداس ہو؟''

''میرا بھائی کھو گیا ہے اور میں دن رات اس کے لئے دعا کرتی ہوں۔ مگر میں سوچتی ہوں کہ جو مقدر میں لکھا ہے وہ تو ہو جائے گا' جو نہیں لکھا وہ نہیں ہوگا' پھر بندہ دعا کیوں کرتا ہے؟''

دھول سے اٹے راستے پہ وہ دونوں آگے چلتے جا رہے تھے اور وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''وہ بھی ایسا ہی سوچتے ہیں۔'' چلتے چلتے شیخ نے ایک طرف اشارہ کیا تو حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ سڑک کنارے بازار میں ایک قہوہ خانے کے باہر چوکیوں پہ چند لوگ بیٹھے تھے' اور بلند آواز میں بحث کر رہے تھے۔

''جو مقدر میں ہے' وہ ملے گا' جو نہیں مقدر' وہ نہیں ملے گا' سو سوال کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔'' ان میں سے ایک کہہ رہا تھا اور باقی سر دھن رہے تھے۔ حنین نے الجھی ہوئی نگاہیں اٹھا کر شیخ کو دیکھا۔ وہ مسکرائے۔

''یہ کہتے ہیں، دعا کرنے یا نہ کرنے کا کیا فائدہ؟ سب کچھ تو لکھا جا چکا۔ مگر یہ ان کی جہالت ہے اور اپنے مسلک میں یہ خود تضاد رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو پھر ان سے پوچھو' اگر سیرابی تمہارا مقدر ہے' تو پانی پیو یا نہ پیو' پیاس بجھ جائے گی۔ کھیتی مقدر ہے تو دانہ ڈالو یا نہ ڈالو اناج' اگ ہی جائے گا۔ تو پھر کھاتے پیتے کیوں ہو؟ دانے بوتے کیوں ہو؟'' وہ قدم بڑھاتے گئے اور حنین ان کے ساتھ آگے چلتی گئی۔ قدیم بازار میں لوگوں کی بھیڑ سے شور' آوازیں' قہوے کی مہک' سب خلط ملط ہو رہا تھا۔

''اور ان کو دیکھو۔'' ذرا رک کر انہوں نے چھتونوں سے ایک کھلے خیمے کی طرف اشارہ کیا جہاں اندر فرشی نشست بچھائے چند لوگ بیٹھے تھے۔ ان کے سروں پہ مخصوص ٹوپیاں تھیں اور وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

''یہ کہتے ہیں' دعا تو بس عبادت ہے' ثواب کا ذریعہ۔ نیکی اور بدی تو لکھی جا چکی' تو دعا کرنا بس نیکی کی نشانی ہے اور عذاب پانا' کفر کی علامت ہے۔ نہ نیکی خیر کا سبب ہے۔ نہ عذاب کفر کی وجہ ہے۔ دعا صرف ثواب کے لئے کرو ورنہ ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ جس نے اس گھڑی مرنا ہے' اب وہ خودکشی کرے' طاعون سے مرے' یا اسے قتل کیا جائے' سب برابر ہے' مگر نہیں۔'' شیخ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ بھی غلط ہیں۔''

''تو پھر صحیح کون ہے؟'' وہ پست آواز سے، اور چہرے پہ تکان لئے' پوچھنے لگی۔ شیخ دوبارہ چلنے لگے تھے۔ حنہ کے پیر دھول میں اٹے جا رہے تھے۔

''یہ ہیں وہ جو صحیح ہیں۔'' انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا تو حنین نے دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ ایک درخت تلے چادر بچھا کر چند لڑکے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ان کا معلم ان کو سامنے چوکی پہ براجمان تھا۔

''یہ کہتے ہیں کہ کوئی کام تب ہوتا ہے جب اس کے لئے اسباب اختیار کیے جائیں' اور دعا ان اسباب میں سے ایک ہے۔ سیرابی

کھانے پینے کے ساتھ ہے' کھیتی' دانہ بونے کے ساتھ ہے' اور جانور کی جان نکلنا ذبح کرنے کے ساتھ ہے۔ اور وہ جو بیمار تم نے دیکھا' وہ یہی بات نہیں سمجھ پار ہا کہ اسباب میں سب سے طاقتور سبب دعا ہے۔"

وہ اب رکے' اور اپنے قدموں پہ واپس جانے لگے۔ تھکی تھکی سی حنہ بھی ساتھ چلی۔

"اور جو دعا کرنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے' وہ؟"

"کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔ فتح کثرت افواج سے نہیں ملتی' آسمانوں سے مدد کی صورت اترا کرتی ہے۔ جو اللہ سے نہیں مانگتا' اللہ اس پہ خفا ہوتا ہے' پس تم دوسروں کے ساتھ جتنی بھلائی کرو گی' اتنا ہی اللہ تمہیں عطا کرے گا۔ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر یونس علیہ السلام خدا کی تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس دن تک کہ جب لوگ کھڑے کیے جائیں گے' مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔"

"مگر شیخ' جب دعا سب سے طاقتور ہتھیار ہے تو دوسری چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے دعا کی بھائی ٹھیک ہو جائے' وہ ہو گیا۔ میں نے دعا کی وہ مجھ پہ خفا نہ ہو' اور وہ بات بھی سنبھل گئی۔" وہ تپتی دوپہر میں پکے راستے پہ چلتی کہہ رہی تھی۔ "دعا کافی ہے نا پھر تو۔"

"یہ توکل نہیں' کاہلی ہے۔ بے عملی ہے۔ جہالت ہے۔ عقلمند وہ ہے جو تقدیر کو تقدیر سے توڑے' اور تقدیر کے مقابلے میں تقدیر کو ہی لا کھڑا کرے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"مطلب یہ ہے لڑکی کہ اسباب بھی قدرت نے دیے ہیں اور پریشانیاں بھی۔ ان کو آپس میں لڑاؤ' اور آسمانوں سے مدد کی دعا کرو۔ اور سنو۔ قرآن پڑھا کرو۔ اس میں ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔"

مسجد آ گئی تھی اور وہ بیمار ہنوز درخت تلے بیٹھا تھا۔ اکڑوں' سر گھٹنوں پہ رکھے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ۔ لاغر اور مایوس سا وجود۔ اس نے ایک ترحم بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور قدم آگے بڑھا دیے۔

"امام کو کیا معلوم میرے مسئلوں کا! ایک سات صدیوں پہلے کے نائیو بوڑھے امام کو کیا معلوم؟"

شیخ وہیں مسجد کے پاس کھڑے رہ گئے۔ اور وہ مدرسۃ الجوزیہ (School of Jauzwiya) سے دور' بہت دور' صدیوں کی مسافت طے کرتی چلتی گئی۔

.... ❖❖❖ ....

وہ تو زخموں کو نمکدان بنا دیتے ہیں ...... دل کے زخموں پہ سیاست نہیں کر سکتا میں

دوپہر ہنوز جھلس رہی تھی جب فارس نے کار ایکسی کے سامنے سبزہ زار پہ روکی اور ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔ وہ موبائل کان سے لگائے دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہی تھی۔

"وہ نہیں اٹھائے گا فون۔ چھوڑ دیں اس انویسٹی گیٹر کا پیچھا۔ اب باس نہیں ہیں آپ اس کی۔" زمر نے زور سے فون پرس میں پٹخا۔ پیشانی پہ بل لیے' وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی تھی۔

"اس شخص کا سنہ توڑنا تھا میں نے' مگر آپ کی وجہ سے چپ رہا' اور وہ اے ایس پی۔ وہ سب ایک ساتھ ملے ہوئے ہیں' کیا ضرورت تھی اس کے سامنے خاموش رہنے کی۔"

"مجھ پہ چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری کوئی ملازم نہیں ہوں۔" وہ ناگواری سے اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔ "میں نے نہیں کہا تھا مجھے تمہاری ضرورت ہے' تم نے کہا تھا کہ ہم ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ اگر میرے ساتھ کام نہیں کرنا تو جہنم میں جاؤ میری طرف سے۔ میں اپنے بچے کو کیسے ڈھونڈ لوں گی۔ لیکن اگر میرے ساتھ کام کرنا ہے تو سب میرے طریقے سے ہوگا۔"

''وہ میرے سامنے اتنی بکواس کرتا رہا اور میں سنتا رہا۔ لعنت ہے مجھ پہ۔'' اس نے غصے سے اسٹیرنگ پہ ہاتھ مارا۔ زمر نے بے اختیار کنپٹی کو مسلا۔

''فارس تم مجھے مزید ٹینشن دینے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔ مجھے بھی پتہ ہے کہ کون کس کے ساتھ ملا ہوا ہے، مگر بات بات پہ گلے کا گریبان پکڑنے اور دانت توڑنے کے علاوہ بھی بہت طریقے ہوتے ہیں۔ مگر میں بھی کسے بتا رہی ہوں۔'' سر جھٹک کر وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی جہاں سبزہ زار اور انیکسی دکھائی دے رہی تھی۔

فارس نے تپ کر اسے دیکھا۔ ''تو اب کیا ہوگا؟ وہ تو اصل مجرموں کو کور کر گیا ہے۔ کل کلاں ضمانت پہ رہا ہو جائے گا۔ اور وہ اے ایس پی ایس پی بن جائے گا۔ ایسے ملے گا ہمیں سعدی؟''

''میرا اس اے ایس پی کے ساتھ ایک ورکنگ ریلیشن ہے' تم اپنے غصے میں اندھے ہو کر اسے خراب نہ کرو' یہ میری درخواست ہے۔''

''مجھے ایک گھنٹہ مل جائے اس نیاز بیگ کے ساتھ میں دیکھتا ہوں وہ کیسے سب نہیں بکتا۔''

''کیا بتائے گا وہ؟ اس کو کچھ بھی نہیں پتہ۔ اگر پتہ ہوتا تو سرمد شاہ اسے ہمارے سامنے نہ لاتا۔ یہ فون کیوں نہیں اٹھا رہا۔'' وہ دوبارہ سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگی۔ جھنجلاہٹ اور اکتاہٹ اس کے چہرے پہ بکھری تھی۔ فارس چہرہ اس کی طرف موڑے اسے دیکھنے لگا۔ وہ نمبر ملاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ ''مجھے پتہ تھا تم کام بنانے کی بجائے صرف بگاڑ دو گے۔ تم سے کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اندر اٹھتا ابال ذرا کم ہوا۔ چہرے کی رنگت نارمل ہونے لگی' پھر اس نے گہری سانس لی۔

''آپ کو کیا چاہیے؟'' زمر نے فون کان سے لگاتے ہوئے اکتاہٹ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''انویسٹی گیٹر کو کیوں کال کر رہی ہیں؟ کیا چاہیے آپ کو؟'' اس نے دہرایا۔

''ایسے مت پوچھو' جیسے تم میرا کوئی کام کر سکتے ہو۔'' بے زاری سے اس نے فون ہٹایا اور لاک کھولا۔

''ایک آدمی ہراس کر رہا تھا آپ کو' پھر آپ نے مجھے بتایا۔ کیا دوبارہ اس نے کبھی تنگ کیا آپ کو؟'' زمر کے دروازہ کھولتے ہاتھ تھمے' چونک کر اس نے فارس کو دیکھا۔

''دو تین دفعہ آپ نے کچھ لوگوں کے بینک اکاؤنٹس اور بیک گراؤنڈ چیک کرنے کے لئے کہا تھا' میں نے وہ کر کے دیا تھا یا نہیں؟'' وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ زمر کے ابرو مشتبہ انداز میں اکٹھے ہوئے۔

''تب تم قاتل نہیں تھے۔''

''میں نے پوچھا' آپ...کو...کیا چاہیے؟'' ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔ نظریں ابھی تک اس کی آنکھوں پہ تھیں۔

''تم کیا کر سکتے ہو میرے لئے؟ اس نیاز بیگ کا بیک گراؤنڈ چیک کر سکتے ہو؟ اس کا پولیس ریکارڈز' مالی حالات' خاندانی حالات' ڈیلنگز' مجھے ہر چیز چاہیے' وہ بھی جو اس کو خود بھی نہ معلوم ہو۔ اگر میرا انویسٹی گیٹر ہوتا تو کل شام سے پہلے ہر چیز میری ٹیبل پہ ہوتی۔ بولو' تم کر سکتے ہو؟'' درشتی سے چبا چبا کر بولی' ایک ملامتی نظر اس پہ ڈال کر اس نے دروازہ کھولا تو سنا۔

''کل دوپہر سب آپ کی ٹیبل پہ ہوگا۔'' وہ نکلی تو وہ زن سے کار آگے لے گیا۔ زمر نے مڑ کر برہمی سے اسے دیکھا۔ ''بدتمیز۔'' انگلی سے چہرے پہ آئی لٹیں ہٹائیں اور انیکسی کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ تبھی عقب میں آواز آئی۔

''ہیلو ڈی اے۔'' وہ گھومی۔

قدرے جھنجلایا' قدرے جھجکتا سا نوشیرواں وہاں کھڑا تھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے دیکھا' اور پھر مڑ کر ایک خفا نظر

عقب میں برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی جواہرات پہ ڈالی۔

"اوہ نوشیرواں۔ آپ کو بہت عرصے بعد دیکھا ہے۔" وہ خود کو پرسکون کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں دبئی گیا ہوا تھا۔ کل واپس آیا ہوں۔ کسی نے بولا کہ..." ایک بے زار نظر پھر ہونٹ بھینچی جواہرات پہ ڈالی جو ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ "آپ سے تعزیت کر لوں۔"

"تعزیت؟" زمر کے دل کو دھکا سا لگا۔ ابرو بھنچ گئے۔

"مطلب وہی... سعدی کے لیے۔ مجھے بہت... بہت افسوس ہے۔"

"تھینک یو نوشیرواں' مگر وہ زندہ ہے اور ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔" قدرے خشک انداز میں بولی۔ نوشیرواں کی گردن میں کوئی پھندا سا پھنسنے لگا۔

"ہاں شیور کیوں نہیں۔ مجھے بہت افسوس ہے ویسے۔" جلدی سے بات سنبھالی۔ "مگر یہ کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟"

"پولیس ان کو ڈھونڈ رہی ہے' جلد پتہ چل جائے گا۔"

"آپ کو کسی پہ شک نہیں؟" اس نے غور سے زمر کا چہرہ دیکھتے پوچھا۔

(ہاشم سامنے ہوتا تو اس سوال پہ اسے ایک تھپڑ تو لگا ہی دیتا۔)

"آپ بتائیں' آپ کو کس پہ شک ہے؟ آپ کا تو وہ فرینڈ تھا۔ اس کے سوشل کانٹیکٹس کو آپ جانتے ہوں گے نا۔"

"نہیں... مجھے کیا پتہ۔ میں تو کافی دن سے اس سے ملا بھی نہیں تھا۔ ان فیکٹ میں تو اس واقعے سے ایک دن پہلے دبئی چلا گیا تھا۔ مجھے واقعی افسوس ہے کہ میں اس کے پاس اس مشکل وقت میں نہیں تھا۔" بظاہر لاپرواہی سے شانے اچکانے مگر اندر سے اس کا سانس خشک ہونے لگا تھا' کیونکہ وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جی مجھے پتہ ہے آپ تب دبئی میں تھے' اوکے۔ ہاشم نے بتایا تھا۔" وہ بات ختم کر کے مڑنے لگی' مگر ایک دم رکی۔ چونک کر اسے دیکھا۔

"سعدی کے واقعے سے ایک دن پہلے' مطلب میری شادی والے دن آپ دبئی گئے ہوئے تھے؟ بیس تاریخ کو؟"

"جی۔ اور سوری' بھول گیا۔ شادی کی مبارک ہو آپ کو۔"

زمر نے بے اختیار پیچھے اس کے کمرے کی بالکونی کو دیکھا جہاں شیشے کے دروازے کے پیچھے وہ کیس تاریخ کی صبح اسے کھڑا نظر آیا تھا' پھر اسے دیکھا۔ آنکھیں سکیڑ کر۔ (یہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے؟ یا اتنے دن گزر جانے کے باعث یہ تاریخوں کو مکس اپ کر رہا ہے؟ یا شاید اس نے اتنے دن مجھ سے افسوس نہیں کیا' اس لیے بہانہ گھڑ رہا ہے۔ اسنوب پڈ!)

"اوکے۔ ڈی اے۔ آپ کا دن اچھا گزرے۔"

زمر نے سر جھٹکا۔ "میں پبلک پراسیکیوٹر نہیں ہوں اب۔" محض اتنا کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ نوشیرواں نے شانے جھٹکے اور واپس ہو لیا۔ لبوں میں سیٹی بجاتا وہ جواہرات کے ساتھ کرسی پہ دھپ سے آ گرا تو اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ڈھنگ سے افسوس کیا یا نہیں؟"

"ہاں کر لیا۔" اس نے ہاتھ جھلا کر اشارہ کیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی جواہرات نے رس بھرا گلاس ہونٹوں تک لے جاتے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"شیرو کیا مسئلہ ہے؟ تم دونوں بھائی مجھ سے کیا چھپا رہے ہو؟"

"اوہ، ممی ایسی کر دیں۔" وہ بے زار ہوا۔ "آپ کو بتائے بغیر کیا چلا گیا، جب سے تفتیش کر رہی ہیں۔"

"کوئی تو بات ہے۔ سعدی والے معاملے سے اگر تم لوگوں کا کوئی تعلق ہے تو مجھے ابھی بتا دو۔"

"مجھے نہیں پتہ یہ سعدی والا معاملہ بھی! میں تو دفن میں تھا، مگر بہت خوشی ہوئی، زندگی سے ایک مسئلہ تو کم ہوا۔ اندر جا رہا ہوں، آپ بیٹھیں اتنی گرمی میں باہر۔" منہ کے زاویے بگاڑتا، وہ اٹھا اور بیرونی زینے کی طرف بڑھ گیا (جو اوپر اس کے کمرے کی بالکونی تک جاتا تھا) جواہرات سوچ میں گم اسے جاتے دیکھے گئی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

تحریر بیچ کر تو کبھی بات بیچ کر ..... پاتے ہیں رزق صورت حالات بیچ کر

اگلی سہ پہر پہلے سے بھی زیادہ گرم تھی۔ یہ شعبان کے آخری ایام تھے اور شہر بھر میں مصروفیت بڑھ گئی تھی۔ ایسے میں اس بلند عمارت کے ٹاپ فلور کے آفسز میں بھی معمول کی چہل پہل جاری تھی۔

ہاشم کاردار کے آفس کے باہر بیٹھی سیکریٹری لنچ بریک کے دوران ایک ہاتھ میں سینڈوچ لیے، دوسرے میں میگزین پکڑے قدرے تعجب سے پڑھتی جا رہی تھی۔ تبھی انٹرکام بجا تو وہ میگزین پہ سینڈوچ بیگ رکھ کر فوراً متوجہ ہوئی۔

"جی سر؟ اوکے!" ریسیور رکھ کر اٹھ گئی۔ اس کے سینڈوچ بیگ تلے میگزین کا آدھا صفحہ دکھائی دے رہا تھا۔ شہ سرخی واضح تھی۔

"ٹیکام کے نوجوان سائنسدان اور تھرکول کے سینئر انجینئر کو لاپتہ ہوئے پندرہواں روز ہو گیا۔" ساتھ میں آدھی ڈھکی تصویر بھی جھلک رہی تھی۔ گھنگریالے بالوں والا لڑکا مسکراتا ہوا...

حلیمہ نے آفس کا دروازہ دھکیلا تو منظر سا کھلتا گیا۔ چوڑی میز کے پیچھے ہاشم، بغیر کوٹ کے بیٹھا فون پہ بات کر رہا تھا اور سامنے کرسی پہ خاور بیٹھا ایک فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

ہاشم نے انگلی سے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا، پھر فون پہ ہنس کر کسی کو الوداعی کلمات کہے، پھر اسے دیکھتا اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "حلیمہ، وہ لیٹرز مجھے ابھی لا دو، میں سائن کر دیتا ہوں۔ پھر مجھے نکلنا ہوگا۔"

"اوکے سر!" وہ چپ ہوئی۔ قدرے تذبذب سے رکی۔ "سر میں نے ابھی میگزین میں دیکھا، آپ کا وہ فرینڈ سعدی یوسف... وہ مسنگ ہے۔" صفحے پلٹتے خاور نے ایک دم مڑ کر اسے دیکھا اور دوبارہ فون اٹھاتے ہاشم نے بالکل ٹھہر کر، پھر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہاں وہ تو کافی دن سے مسنگ ہے، ہم سب، اس کے دوست اور خاندان والے بہت اپ سیٹ ہیں اس کے لیے۔" ہاشم بولا تو لہجے سے فکرمندی جھلکتی تھی۔

"اوہ آئی ایم سوری سر! کیس ممی کو وہ آیا تھا ادھر، اور کسے پتہ تھا کہ اسی رات..." وہ تاسف سے بول رہی تھی اور ہاشم کی گردن میں ڈوب کر ابھرتی گٹھلی واضح دکھائی دی۔

(کسے پتہ تھا!) خاور چونکنے انداز میں ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم ذرا کھنکھارا۔

"حلیمہ، تم نے اس ہفتے بہت دفعہ کال کی تھی اسے، کیا پولیس نے تم سے کچھ پوچھا اس بارے میں؟"

وہ ٹھٹک کر رکی، آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ "نہیں سر!"

"دراصل پولیس اس کی گرل فرینڈ کو ڈھونڈ رہی تھی، وہ بھی مسنگ ہے، اور تمہاری کالز کی وجہ سے انہوں نے مجھ سے تفتیش کی تھی، مگر میں نے انہیں تسلی کروا دی کہ تمہارا اس سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ (خاور نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ نیچے کر لیا۔)

''نہیں سر میں تو اسے جانتی بھی نہیں۔'' وہ ایک دم حیران پریشان نظر آنے لگی۔

''ہاں میں نے بھی انہیں یہی کہا کہ تمہاری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور کال بھی تم نے نہیں، میں نے کی تھیں آفس سے وہ مشکوک تھے ان کو بس کسی لڑکی کا چہرہ چاہیے اس مسنگ گرل فرینڈ کے ساتھ فٹ کرنے کے لیے' مگر تم فکر مت کرو' ہاشم کاردار کی سیکرٹری کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ میں سنبھال لوں گا۔'' رسان سے اس کی تسلی کرائی۔

''تھینک یو سر!'' وہ ذرا پریشان ذرا ممنون سی واپس پلٹی۔ اپنے ڈیسک پہ آ کر اس نے کسی کراہیت بھری شے کی طرح وہ میگزین موڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا اور سینڈ وچ لے کر واپس کمپیوٹر پہ بیٹھ گئی۔ (اف۔) ساتھ ہی جھرجھری لی۔

اندر خاور نے ستائشی مسکراہٹ سے سامنے بیٹھے ہاشم کو دیکھا۔

''اب یہ قیامت تک سعدی کا ذکر نہیں کرے گی۔''

اس نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔'' پھر ذرا آگے کو ہوا۔ ''اس شخص کا کچھ پتہ چلا جو موقع پہ موجود تھا؟''

''مجھے یہ ایک واہمے سے زیادہ کچھ نہیں لگتا۔ اگر وہاں کوئی انجان شخص ہوتا تو گواہی کے لیے آگے آتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ بالفرض اگر وہ سعدی کا کوئی جاننے والا تھا تو اس سنسان گلی میں کیا کر رہا تھا؟ یقیناً سعدی نے ہی اسے بلایا ہوگا۔ میں نے اس کا سارا کال ریکارڈ چیک کیا ہے' اس نے ہمارے آفس سے جانے کے بعد کوئی کال نہیں کی۔ سو یہ ممکن نہیں کہ وہاں کوئی ہو۔'' مگر ہاشم کی آنکھوں میں تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔

''پولیس کو کس نے بلایا؟''

''ہمسائیوں میں سے کس نے فون کیا تھا' انہوں نے اس کی چیخیں سنی تھیں۔ پولیس کو معلوم نہیں تھا' مگر میں نے زمر صاحبہ سے پوچھا تھا' وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ سعدی کے محلے کی کوئی خاتون ہیں' اور زمر کی ان سے بات ہوئی ہے' انہوں نے بھی کچھ نہیں دیکھا۔''

ہاشم نے گہری سانس لی' پیچھے کو ٹیک لگائی اور سوچتی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھنے لگا۔

''اس کے کال ریکارڈز وہ لوگ بھی نکلوائیں گے۔''

''علیشہ نے اپنے نمبر سے کوئی کال نہیں کی' آپ کے ڈیسک فون سے کی تھی اور وہ آپ کا دوست تھا' کوئی شک نہیں کرے گا۔''

''اس کے فون سے کچھ نہیں ملا؟''

''انہوں۔ صفا چٹ۔ اسے شاید ڈر تھا کہ ہم اس کا فون بگ نہ کر رہے ہوں' اس لیے وہ اس میں کوئی پُرخطر شے نہیں رکھتا تھا۔ بہر حال وہ مکمل طور پہ تباہ کر کے ڈسپوز آف کر دیا ہے۔ کسی کو نہیں ملے گا۔ جیسے وہ خود کسی کو نہیں ملے گا۔''

ہاشم کے چہرے پہ ایک عجیب سا احساس ابھرا۔ اس نے خاور کی طرف دیکھا اور جب بولا تو آواز ہلکی تھی۔

''کیسا ہے وہ؟''

''ری کور کر رہا ہے۔ جلد شفٹ کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور...'' وہ رکا۔ ''وہ پڑھنے کے لیے قرآن مانگ رہا تھا۔''

''دے دو۔'' ہاشم نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے قدرے تکان سے کہا۔ خاور کو بے چینی ہوئی۔

''ہمیں اس کو ہسپتال میں ہی ختم کر دینا چاہیے تھا' اس کو زندہ چھوڑ کر آپ غلطی کر رہے ہیں۔''

''خاور! ہم یہ موضوع ختم کر چکے ہیں۔'' خاور سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں نے ہمیشہ سوچا سر کہ جب نجومی کہہ دے کہ اس سال میں پیدا ہونے والے لڑکے کو مار دینا بہتر ہے' تو نیل میں تیرتے

صندوق کو ڈبو دینے کی بجائے اسے اپنے پہلو اور دل میں جگہ دینے کا غلط فیصلہ انسان سے کون کرواتا ہے؟ مگر کچھ دن سے مجھے لگنے لگا ہے کہ واقعی محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ خیر۔" اس نے گہری سانس لی۔ "مسز کاردار مجھ سے بار بار اشاروں کنایوں میں وہ پوچھ رہی ہیں جو آپ انہیں نہیں بتانا چاہ رہے۔ اس بارے میں غور کیجیے گا۔"

وہ چلا گیا اور ہاشم قلم انگلیوں میں گھماتا، سوچ میں ڈوبا بیٹھا رہا۔

............☆☆☆............

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں ..... لیوے نہ کوئی نام، ستمگر کہے بغیر!

"ٹو ڈی اینڈ آفٹر" ریسٹورانٹ کے اندر اس سمے پہرا کا دکا لوگ ہی موجود تھے۔ کونے کی ایک میز پہ زمر کاغذات پھیلائے بیٹھی تھی۔ اس نے زرد پھولدار جوڑا پہن رکھا تھا، اور بال آدھے کیچر میں باندھے، سر جھکائے، صفحے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر کاؤنٹر کے ساتھ کھڑی ندرت کو بھی دیکھ لیتی جو رجسٹر چیک کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے اور چہرہ زرد تھا۔

"بھابھی، ہم اسے بہت جلد ڈھونڈ لیں گے۔" ہلکا سا مسکرا کر زمر نے ان کو پکارا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھے بنا سر ہلایا۔ زمر کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ ندرت اب زیادہ بات نہیں کیا کرتی تھیں۔

زمر روز ادھر ہی ہوتی مگر آج خلاف معمول حنین بھی ساتھ آئی تھی۔ البتہ اس کے قریب نہیں بیٹھی۔ کچن میں کھڑی رہتی یا کبھی باہر آ جاتی۔

"حنہ۔ کیا تم مجھے سعدی کے لیپ ٹاپ کا پاسورڈ کھول کر دے سکتی ہو؟" زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ وہ کچن کے دروازے پہ کھڑی تھی اس کی بات پہ مڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں آتے یہ کام۔" اور رخ پھیر لیا۔

"ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ سچ نہیں ہے۔"

"لیپ ٹاپ سے کیا ملے گا؟ کال ریکارڈز سے بھی تو کچھ نہیں ملا۔" وہ خفگی سے اس کی طرف پشت کیے بولی تھی۔ زمر نے گہری سانس لی۔

"کیا تم نے اپنی دوستوں سے پتہ کیا؟ کس کے بھائی نے بتائی تھی سعدی کو وہ بات؟"

"ناعمہ کے بھائی نے بتایا ہوگا۔ اب وہ کوئی مانے گی تھوڑی؟"

"اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ ڈاکٹر سارہ سے پوچھو فیسکام میں حلیمہ نامی سیکرٹری کس کی ہے؟"

زمر کے پاس ان کاموں کی ایک لمبی فہرست تھی جو اس نے حنین کو دیے تھے اور جو حنین نہیں کر کے دے رہی تھی۔ اس بات پہ تنگ کر رہی تھی۔

"سارہ خالہ ابھی تک قطر میں ہیں، کہہ رہی تھیں واپس آ کر پتہ کریں گی اس سیکرٹری کا۔ وہ خود اتنی پریشان اور شاکڈ ہیں بھائی کے لیے۔ کہہ رہی تھیں فیلڈ پہ بھی سب بہت اپ سیٹ ہیں بھائی کی وجہ سے۔ اب بار بار کیا تنگ کروں ان کو؟"

زمر نے نفی میں سر ہلاتے گہری سانس خارج کی اور واپس کاغذات کی طرف متوجہ ہوئی۔ تبھی سامنے دروازہ کھلا اور کوئی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی میز کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"میم! السلام علیکم۔" زمر نے سر اٹھایا۔ احمر سامنے کھڑا تھا۔ تذبذب اور فکرمندی سے اسے دیکھتا۔

"وعلیکم السلام۔ بیٹھیے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر کچھ صفحے نکال کر دوسری فائل میں لگانے لگی۔

''آ...وہ...میں نے آپ کو ابھی کال کیا تھا' آپ نے بتایا آپ ادھر ہیں۔'' کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے اس نے یاد دلایا۔ (چڑیل کا کیا بھروسہ۔)

''ہوں۔ کافی جلدی مل گیا آپ کو ایڈریس۔''

''نو پرابلم۔ میں پہلے بہت آ چکا ہوں ادھر۔ سعدی کے ساتھ۔ اوہ... مجھے بہت افسوس ہے اس کے لیے۔'' جلدی سے آگے ہو کر وہ تاسف سے کہنے لگا۔ ''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا ہوگا۔ اگر میں کچھ کرسکوں اس کے لیے تو پلیز بتایئے۔''

''آپ کے خیال میں اس کے ساتھ یہ کس نے کیا ہوگا؟'' وہ کاغذات سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ...'' وہ رکا' ہچکچاہٹ سے کنپٹی کھجائی۔ ''کورٹ میں ایک جج ہے' سعدی نے اس جج کو...''

''اسٹاپ!'' زمر نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر اور آنکھیں نکال کر اسے روکا۔ وہ ٹھہرا اور ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہم اس بارے میں بات نہیں کر رہے' اوکے!'' اسے گھور کر بظاہر ٹھنڈے انداز میں کہا۔ وہ ذرا الجھا۔ ''مگر آپ میری بات تو سن لیں۔''

''احمر' اگر مجھ سے کورٹ میں پوچھا گیا کہ ہم نے ایسی کوئی بات کی ہے یا نہیں' تو میں اسٹینڈ پہ جھوٹ نہیں بول سکتی' اس لیے' ہم ایسی کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اوکے!'' ابرو اٹھا کر سختی سے جتایا۔ احمر کا منہ کھل گیا۔

''آپ جانتی ہیں کہ غازی کیسے رہا ہوا تھا۔''

''اسے جج نے رہا کیا تھا' میں یہی جانتی ہوں۔'' کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے احتیاط سے الفاظ کا چناؤ کیا۔

''جی بالکل' آف کورس۔'' احمر نے بے خود اثبات میں سر ہلایا۔ ''مگر جسٹس سکندر نے کبھی کوئی...ذکر کیا؟''

''احمر' جسٹس صاحب میرے پاس آئے تھے اور میں نے وہی کہا جو میں نے کہنا تھا۔'' ٹھہر ٹھہر کر وہ بولی۔ احمر نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلائی۔ زمر کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر پھر سے تازہ ہو گیا...

وہ اپنے آفس میں کھڑی تھی اور جسٹس سکندر بدلتے رنگوں والا چہرہ لیے اس کے سامنے کھڑے تھے۔

''یہ پیکٹ مجھے آپ کے بھتیجے نے بھجوایا ہے' اس کو ایک نظر دیکھئے اور بتایئے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔''

زمر نے سینے پہ بازو لپیٹے اور چبھتی ہوئی آنکھوں سے ان کو دیکھا۔ ''یور آنر' میں اس کو نہیں کھولوں گی' مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے' اس میں ثبوت اور شواہد ہو سکتے ہیں' جو اس نے اپنے ماموں کے حق میں جمع کر کے بھیجے ہوں آپ کو' اور اس میں کوئی قابل اعتراض نہیں ہے۔ اس لیے آپ اس پیکٹ کو لے جایئے اور بطور جج وہی کیجیے جو آپ کو بہتر لگتا ہے' کیونکہ میں یہ کیس آپ سے ڈسکس نہیں کر سکتی' یہ غلط ہے سو...'' ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''مجھے چلنا ہوگا۔'' اور پرس وغیرہ سمیٹنے لگی۔

''آپ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ اس میں کیا ہے۔''

''یور آنر میں نے اس کو نہیں کھولا' اس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے اجازت دیجیے۔'' اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ ہلکا سا سر جھٹکا تو یاد کا بلبلہ ہوا میں تحلیل ہوا' اور وہ واپس ریسٹورانٹ میں آ گئی۔

''کوئی اور کام جس میں آپ سعدی کے شریک رہے ہوں؟'' سنجیدگی سے احمر کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

''مسز شہرین کاردار کا ایک کام تھا...'' وہ تفصیل سے بتانے لگا۔ زمر غور سے سنتی رہی۔ آخر میں بس اتنا بولی۔ ''مجھے شہرین کی وہ ویڈیو چاہیے۔ آپ کے پاس ہوگی یقیناً۔''

احمر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''سوری مگر میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے کہ وہ میں ہر جگہ سے مٹا چکا ہوں' میرے پاس وہ

ہیں ہے۔"

"مجھے.....وہ....ویڈیو.. چاہیے احمر!" توڑ توڑ کر اس نے الفاظ ادا کیے۔ احمر کے چہرے پہ بے پناہ افسوس ابھرا۔

"مطلب آپ مجھے اتنا کوئی گرا ہوا انسان سمجھتی ہیں کہ میں کلب کے ریکارڈ سے مٹا کر اس کو اپنے پاس رکھ لوں گا؟ مجھے آپ کی سوچ پہ افسوس ہے اور....." جذباتی انداز میں وہ بولے جا رہا تھا کہ زمر نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "احمر شفیع!" اور اس کو گھورا۔

"او کے سوری۔ میرے کمپیوٹر میں پڑی ہے کل لا دوں گا۔" اس نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے۔ پھر بے چارگی سے ادھر ادھر دیکھا تو ذرا دیر کو ٹھٹکا۔

"ایکسکیوزمی! یہ لڑکی کون ہے؟" زمر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں کچن کی سمت دیکھا جہاں حنین قدرے رخ موڑے کھڑی تھی۔ زمر نے واپس ایک تیز نظر احمر پہ ڈالی۔

"یہ سعدی کی بہن ہے یعنی کہ فارس کی بھانجی اور اگر فارس یہاں ہوتا تو آپ کی آنکھیں نکال چکا ہوتا اب تک۔" نرمی سے گویا ہوئی تو وہ جو دیکھے جا رہا تھا ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"نہیں نہیں سوری میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" کرسی پہ رخ بھی موڑ لیا۔ پھر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں چلتا ہوں۔ کل ویڈیو لا دوں گا۔" عجلت میں کہتا شرمندہ سا فوراً باہر نکل گیا۔ زمر نے دیکھا۔ باہر شیشے کے دروازے کے پار فارس آتا دکھائی دے رہا تھا۔

احمر نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اس کے پاس لپک کر رکا۔

"تم ادھر؟" فارس نے دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھا۔ آج اس نے چھوٹا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اندر گول گلے کی سیاہ شرٹ۔ (پھر وہی شرٹ!) ہاتھ میں کچھ کاغذ پکڑ رکھے تھے۔

"سعدی کا افسوس کرنے آیا تھا مگر اب سوچ رہا ہوں کہ جو اس دن فیصلہ کیا تھا چڑیل کو چڑیل نہ کہنے کا وہ واپس لے لوں۔" نہایت جل کر بولا۔

"مطلب؟" اس نے تعجب سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"دفع کرو۔" احمر نے سر جھٹکا۔ پھر جلدی سے قریب ہوا۔ "پتہ ہے کیا زمر میڈم سب جانتی ہیں کہ کیسے تم باہر آئے۔ کیسے سعدی نے جج کو بلیک میل کیا اور وہ جج سب سے پہلے انہی کے پاس گیا تھا مگر....." وہ تیز تیز بولے جا رہا تھا۔ فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

"ایک منٹ ایک منٹ!" حیرت اور شاک سے اس نے بات کاٹی۔ "اس کو چھوڑو تم کیسے جانتے ہو یہ سب؟"

جذباتی انداز میں بولتے احمر کو بریک لگی۔ منہ کھل گیا۔ (oops) بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹا۔

"میری امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی، میں چلتا ہوں۔"

"تمہاری امی کے انتقال کو سات سال گزر چکے ہیں۔ سیدھی طرح مجھے پوری بات بتاؤ!"

"وہ.....دیکھو.. میرا کوئی قصور نہیں ہے.... آخر لوگ میرے پاس مشورے لینے آتے ہی کیوں ہیں؟" وہ واقعی روہانسا ہوا۔ "میں نے تو صرف ایک مشورہ....."

"تم...!" وہ انتہائی غصے سے آگے بڑھا۔ "تم نے میرے بھانجے کو بلیک میلر بنا دیا۔" دبی دبی آواز میں غرایا تھا۔

"تو اور کیا کرتا؟ کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ دیکھو مجھے جلدی ہے ابھی میں جا رہا ہوں، بعد میں بات کرتے ہیں، ہاں۔" تیز تیز بولتا پیچھے ہٹتے وہ مڑا اور اپنی کار کی طرف لپکا۔ فارس بمشکل ضبط کر کے اسے جاتے دیکھتا رہا، پھر واپس مڑا تو شیشے کی دیوار کے پار ریسٹورانٹ کے اندر

وہ بیٹھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے پہ سر جھکا کر کاغذ الٹ پلٹ کرنے لگی۔

''اس کا تو بعد میں پوچھوں گا۔'' ایک خشمگیں نگاہ دور جاتے اشتی پہ ڈال کر وہ (گہری سانس لے کر) اندر آیا۔ زمر سر جھکائے کاغذ دیکھ رہی تھی جب ان کاغذوں پہ اس نے ایک فولڈر رکھا۔ زمر نے سر اٹھایا۔ وہ سنجیدہ سا سامنے کھڑا تھا۔

''آپ کے انویسٹی گیٹر نے جواب نہیں دیا؟'' زمر نے اس کا طنز نظر انداز کر کے فولڈر کھولا۔ آہستہ آہستہ کاغذات پہ نظر دوڑاتی گئی۔ ابرو اٹھے، لب سکڑے۔

''نیاز بیگ دو دفعہ جیل جا چکا ہے' صرف ایک بار تین سال کی سزا کاٹی تھی۔ مبینہ طور پہ دو قتل کر چکا ہے۔ اور دونوں دفعہ الزام سے بچ نکل آیا تھا۔ چار بچے ہیں' ایک بیوی' جو سیٹلائٹ ٹاؤن میں اس کے گھر میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک...'' وہ رکا۔ ''ایک عورت سے اس کا تعلق ہے' امینہ امتیاز نام ہے اس کا' اس کو فلیٹ لے کر دیا ہوا ہے' اور ایک این جی او میں اچھی نوکری دلوا رکھی ہے۔ باقی سب اس فولڈر میں ہے۔''

زمر صفحے پلٹاتی گئی' (اور چہرے پہ متاثر کن تاثرات نہ آنے دینے کی کوشش کرتے خود کو سپاٹ رکھا) پھر نگاہیں اٹھائیں۔

''مجھے اس امینہ امتیاز کی ایک ایک تفصیل چاہیے۔ یہ کہاں رہتی ہے، کیا روٹین ہے اس کی، کب...'' الفاظ لبوں میں رہ گئے۔ فارس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے چند تہہ شدہ کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھے۔

''اور کچھ؟'' وہ سنجیدہ تھا۔ سپاٹ سا۔

''نہیں۔'' وہ بے نیازی سے کاغذوں کی تہیں کھولتی قدرے رخ موڑ گئی۔ وہ بھی نہیں رکا۔ ندرت کو بس سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ ان کے جاتے ہی زمر کے چہرے کی لاتعلقی ہوا ہونے لگی اور وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ تیز تیز ان کاغذات کو پڑھنے لگی۔

..................☆☆☆..................

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصے

ہسپتال کا وہ کمرہ ساری دنیا سے الگ تھلگ اور کٹا ہوا لگتا تھا۔ سعدی بیڈ سے ٹیک لگائے' پاؤں لمبے کیے بیٹھا تھا' اور دو تین افراد اس کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایک جھک کر اس کی ٹانگ کے زخم کی ڈریسنگ تبدیل کر رہا تھا۔ خود وہ بس سینے پہ بازو لپیٹے' خاموشی سے ان کو یہ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ شروع میں اس نے ان میل نرسز سے ہمکلام ہونے کی کافی کوشش کی تھی مگر وہ نہ سنتے تھے' نہ جواب دیتے تھے سو اب توانائی ضائع کرنا بے فائدہ تھا۔ سوائے اس ڈاکٹر کے۔ آج وہ بال پونی میں باندھے، اس کے سر پہ کھڑی، گردن جھکا کر پٹی بدلنے کے عمل کو دیکھ رہی تھی۔ کام مکمل کر کے وہ لوگ اسی خاموشی سے چلے گئے جس طرح آئے تھے۔ البتہ وہ چند لمحے کے لیے کھڑی رہی۔

''کیا تمہیں اس پیر کی ہتھکڑی سے تکلیف تو نہیں ہو رہی؟'' ڈرتے ڈرتے میری کو نظر انداز کرتے اس نے پوچھا۔ میری ایک دم ناگواری سے اٹھی۔

''نہیں۔'' سعدی نے رخ پھیر لیا۔ لڑکی نے بے بسی بھری ہمدردی سے اسے دیکھا۔

''تمہارا کام ختم ہو گیا ہے مایا، اب تم جاؤ۔'' میری نے اس کو گھورا۔ مایا سر جھکائے ''اوکے'' کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولتے ہوئے مڑ کر ایک بے بس سی نظر اس پہ ڈالی اور پھر باہر نکل گئی۔

میری صوفے پہ بیٹھ گئی۔ سعدی اب اس سے بات نہیں کرتا تھا۔ وہ ڈھیلا پڑ چکا تھا یا شاید اس قید سے نکلنے کا راستہ کوئی نہ تھا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا قرآن اٹھا لیا اور خاموشی سے صفحے پلٹانے لگا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ کل تلاوت کہاں سے چھوڑی تھی' پھر یاد کرنے کی کوشش کیے بغیر اس نے اپنی پسندیدہ سورت کھولی۔ چیونٹیوں کی سورۃ۔ یا صابروں کی سورت۔

"مجھے اپنا قرآن پین بھی چاہیے۔" صفحے سے نگاہ اٹھائے بغیر اطلاع دی۔ جواب بھی اسی سرد انداز میں میری کی طرف سے آیا تھا۔
"تمہیں کسی بھی قسم کا gadget نہیں مل سکتا۔ سوری۔"
سعدی نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اعوذ باللہ پڑھا اور صفحے پہ دھیان دیا جہاں سفید کاغذ کے اوپر سیاہ الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں ان الفاظ پہ جم گئیں۔ کمرے میں چھایا ڈپریشن، تناؤ اور افسردگی، بڑھتے اس جگمگاہٹ میں پس منظر میں جانے لگی۔ آیت اس سے کہہ رہی تھی۔

"مگر جس کسی نے بھی ظلم کیا، پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا ہو تو بے شک میں (اللہ) غفور اور رحیم ہوں۔"
چند لمحے کے لئے اس کا رابطہ کمرے کے دوسرے حصوں سے کٹ گیا۔ بیڈ کے گرد سیاہ جگمگاہٹ کا ایک ہالہ سا کھنچ گیا جس میں وہ سر جھکائے بیٹھا، ہاتھ میں پکڑی کتاب پڑھ رہا تھا۔
"اللہ تعالیٰ!" وہ مدھم آواز میں بڑبڑایا تو سیاہ ہیروں سی جگمگاہٹ دل کے اندر اترتی ہر آگ کو ٹھنڈا کرنے لگی۔ "مجھے یہ آیت یاد ہے۔ جہاں بچپن میں، میں قرآن پڑھنے جاتا تھا، وہاں میری ٹیچر نے یہ آیات بہت اچھے سے پڑھائی تھیں۔ وہ کہتی تھیں، عربی بہت گاڑھی زبان ہے، اس میں ہر لفظ کا بہت وسیع مطلب ہوتا ہے۔ قرآن تب سمجھ آئے گا جب اس کے ہر لفظ کے مطلب کو سمجھو گے۔ جیسے اللہ دیکھیں نا آپ نے کہا، جو کوئی ظلم کرے تو ظلم کا مطلب کیا ہے؟ اس سارے ذہنی تناؤ میں بھی مجھے یاد ہے۔ ظلم کا مطلب ہے، کسی کے حق میں کمی کرنا۔ تو آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں اللہ کہ ہم زندگی میں جب بھی کسی کے حق میں کمی کریں تو احساس ہونے پہ صرف سوری کر دینے کی بجائے برائی کو، اس دکھ اور تکلیف کو ہمیں اچھائی اور محبت سے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان سارے دنوں میں مجھے لگنے لگا تھا کہ میں اس قید میں اس لئے پڑا ہوں کیونکہ میں نے زمر کا دل دکھایا تھا، وہ بیمار تھیں، انہوں نے کیا نہیں کیا میرے لئے، کیا تھا اگر میں فارس ماموں کی مسلسل حمایت کرنے کی بجائے دکھاوے کو ہی سہی ان کی بات پہ یقین کر لینے کی اداکاری کر لیتا، مگر میں نے ان کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر چار سال انہوں نے تعلق نہیں رکھا تو میں بھی ان کی موجودگی میں ان کے گھر نہیں جاتا تھا، میں نے بھی کال کرنی چھوڑ دی۔ آخر میں پہل تو پھر بھی انہوں نے کی۔ وہ سونیا کی سالگرہ کا کارڈ لے کر آئیں، میں تو نہیں گیا نا۔ مگر اب آپ مجھے بتا رہے ہیں کہ اگر میں نے اس ظلم کو اچھائی سے بدلنے کی کوشش کی ہے تو پھر آپ غفور بھی ہیں اور رحیم بھی۔ اتنا تو مجھے پتہ ہے کہ پیچھے گھر میں مجھے کوئی بھی برا نہیں سمجھتا ہوگا۔ میری مداوے کی کوششوں نے میری سب کمی کوتاہی ڈھانپ لی ہوگی۔" وہ سر جھکائے بڑبڑاتے ہوئے چونکا۔ "اوہ!" جیسے کچھ سمجھ آیا۔ "اسی لئے آپ نے کہا کہ آپ غفور اور رحیم ہیں۔ غفور کہتے ہیں ڈھانپنے والے کو، جو گناہوں کو ڈھانپ کر ان کو مٹا دے، معاف کر دے۔ اور رحیم..." اس نے آنکھیں بھینچ کر یاد کرنا چاہا۔ کندھا پھر سے درد کرنے لگا تھا۔ "........ بار بار رحم کرنے والا، لوگوں کی غلطیاں، گناہ سب بار بار معاف کر کے پھر سے ان کو موقع دینے والا۔"

سیاہ حروف کی جگمگاہٹ اس کے گرد کسی اونچے دائرے کی طرح رقصاں تھی۔ باقی سب کچھ چھپ گیا تھا۔ بدقت اس نے اگلے الفاظ پڑھنے چاہے۔

"اور اپنا ہاتھ ڈال لیجئے اپنے گریبان میں (اے موسیٰ) وہ نکلے گا سفید چمکدار بغیر کسی عیب کے (یعنی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں، معجزاتی طور پہ) یہ نو (9) نشانیاں ہیں، ان کو لے جائیے فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔ بے شک وہ لوگ ہیں جو حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔"

"آہ اللہ!" سر جھکائے بیٹھے لڑکے نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "میں نے بھی یہی کرنا چاہا تھا مگر مجھے بھول گیا تھا کہ موسیٰ تنہا نہیں گئے تھے۔ وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ میں نے زندگی کی دوسری بڑی غلطی کی زمر اور حنین سے جھوٹ بول کر کے میں اکیلا کام جا

رہا ہوں۔ اب ان کو کون بتائے گا کہ میں کہاں ہوں اور پہلی غلطی....'' اس کی بند آنکھوں کے آگے ایک منظر لہرایا۔ ''گولی لگنے سے چند منٹ پہلے.... میں نے وہ پین کیمرہ ایک غلط شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔ اوہ اللہ!''

پھر اس نے ذہن سے ساری یادوں کو جھٹک کر آنکھیں کھولیں اور اگلی آیت پہ انگلی رکھی۔

''پھر جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والی ہماری نشانیاں آ گئیں تو وہ کہنے لگے یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔'' ایک ایک لفظ اس نے ٹھہر کر اندر اتارا۔ دل و دماغ میں عجیب تو قیت اور اذیت بھرتی گئی۔

''اللہ آپ کو تو پتہ تھا کہ وہ اس کو نہیں مانیں گے ہدایت کی کوئی بات ان کے دل کو موم نہیں کر سکے گی۔ پھر آدمی کیوں جا کر کسی متکبر ظالم کو للکارے؟ وہ اپنا عمل کریں اور ہم چپ چاپ اپنی نماز روزہ کرتے رہیں۔ میں بھی کوئی ان کا دل موم کرنے نہیں گیا تھا' بس یونہی ایک انہونی سی آرزو تھی کہ شاید وہ مداوے کے لئے کچھ کریں۔ کچھ کرنا چاہیں مگر فائدہ کیا ہوا؟'' سیاہ جگمگاہٹ کو مایوسی کا اندھیرا نگلنے لگا اور جیسے .... جیسے آس پاس سیاہ دھویں کے مرغولے اٹھنے لگے.... اس کا دل پھر سے زخم زخم ہونے لگا۔

''اور انہوں نے ان کا انکار کیا ظلم اور تکبر کے ساتھ' حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے....''

وہ پڑھتے پڑھتے چونکا۔ سیاہ دھواں پھیلنا ٹھہر گیا۔ ساری فضا ساکن ہو گئی۔

''حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔

پھر دیکھو!

کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا!''

دھواں چھٹ گیا۔ سیاہ حروف جگمگاہٹ پھر سے ارد گرد پھیل گئی۔ اداس بیٹھے سر جھکائے لڑکے کے چہرے پہ تکان بھری مسکراہٹ آ ٹھہری۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔ ہونٹوں سے اسی کتاب کی ایک اور آیت ادا ہوئی۔

''اور جو اللہ پہ بھروسہ کرتے ہیں' اللہ ان کے لیے ضرور راستہ نکالتا ہے۔''

مقدس کتاب بند کی' ادب سے چوما اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی۔ پھر اداسی سے مسکراتے واپس ٹیک لگائی۔

میری ہنوز بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ سعدی خاموشی سے مسکراتا چھت کو تکتا رہا۔

''اور تم ہاشم کاردار' دیکھنا' ہمیں کہ ہم کیسے بحر احمر کو دو حصوں میں کاٹتے ہیں' اور پھر تمہیں اسی میں ڈبوتے ہیں۔ تم دیکھنا۔''

***

غم کی حدت سے کوہسار پگھلتے دیکھے ...... انسان تو پھر انسان ہوا کرتے ہیں

قصر کاردار سے پرے انیکسی میں ان دنوں سمجھوتے کی سی فضا چھائی تھی۔ رمضان شروع ہو چکا تھا' اور پہلے چند روزے کب گزرے پتہ ہی نہیں چلا۔ عجیب سی روٹین بنی ہوئی تھی۔ افطاری کے بعد سحری تک کوئی نہ سوتا۔ پھر سحری کر کے سیم اور حنین دوپہر تک سوتے۔ ندرت کا وہی طریقہ تھا۔ رمضان کے باوجود جلدی ریسٹورانٹ چلی جاتیں۔ زمر بھی گھر نہ ٹکتی اور فارس جاب پہ ہوتا۔ بڑے ابا خالی پڑے لاؤنج میں سارا دن صداقت کے ساتھ بے مقصد بیٹھے رہتے۔

صداقت بولتا رہتا' یا سیم اٹھ جاتا تو وہی بولتا' یا وہ دونوں ٹی وی دیکھتے رہتے۔ اور دونوں کو لگتا کہ وہ موسیقی سے بھرپور دوکان رمضان ٹرانسمیشن میں لوگوں کی طرف بھکاریوں کی طرح تحفے اچھالتے دیکھ کر ثواب کما رہے ہیں۔ ابا سیم سے اتنا بھی نہ کہتے کہ رمضان عبادت کا مہینہ ہے' ٹی وی کے سامنے بیٹھنے سے اسے ضائع نہ کرو۔ کہ انہیں ڈر تھا اگر وہ لاؤنج میں آ کر نہ بیٹھے گا تو یہ تنہائی شاید مار ہی دے۔ حنین پہلے بھی سست تھی اب تو ہر کام سے گئی۔ کمرے میں بند رہتی یا باہر لان میں بیٹھی گردن اٹھائے قصر کو دیکھتی رہتی۔

ایسی ہی ایک رات زمر اور فارس کے کمرے میں مدھم زرد بتی جل رہی تھی۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ یو پی ایس پہ پنکھا چل رہا تھا، مگر اسے بی ل منقد باقی تھی۔ فارس صوفے پہ پاؤں لمبے کیے لیٹا' پیٹ پہ لیپ ٹاپ رکھے کچھ کام کر رہا تھا (وہ ایک کارپوریٹ فرم میں بطور چیف سیکیورٹی آفیسر تعینات تھا۔) سامنے جائے نماز پہ زمر التحیات میں بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹا اچھے سے لپیٹے اس کا چہرہ جھکا تھا۔ فارس کی طرف اس کی پشت تھی۔ وہ انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تراویح ختم کر کے اب وتر کا سلام پھیر رہی تھی۔ پھر جائے نماز کھینچتی اٹھ گئی۔

"آپ کی نماز کافی خوبصورت ہے۔ سلو اور آرام سے۔ میں بھی پڑھتا تھا جیل میں۔ مطلب اتنی اچھی نہیں۔ آس پاس کی ساری آوازیں سنائی دیتیں اور سارے دن کے کام یاد آتے۔" اسکرین کو دیکھتا وہ بولا تو وہ جو پشت کیے کھڑی جائے نماز تہ کر رہی تھی' رک گئی مگر مڑی نہیں۔ "اور آپ کی طرح پانچ وقت کی نہیں پڑھتا تھا۔ کچھ دن پڑھی' پھر چھوڑ دی۔ مگر.... ایک بات۔ دعا میں بھی نہیں مانگتا تھا' مگر سچ تو یہ ہے کہ دعا کے بغیر نماز ادھوری ہوتی ہے۔"

وہ ہلکا سا مڑی' چبھتی نظر اس پہ ڈالی۔ "میں دعا مانگوں یا نہیں' یہ میرا اور میرے اللہ کا معاملہ ہے۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" وہ شانے اچکا کر اسکرین کی طرف متوجہ ٹائپ کرتا رہا۔

زمر جائے نماز رکھ کر اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی۔ (اس کی طرف اب بھی پشت تھی۔) انگلی سے چہرے کے گرد لپٹا دوپٹہ کھولا۔ فائل سامنے کی۔ قلم اٹھایا۔ الفاظ پہ نگاہ پڑی تو ہر چیز مدھم ہونے لگی۔ اپنی زندگی کسی فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھوم گئی۔

"اللہ تعالیٰ۔" اس نے بنا آواز لب ہلائے۔ آنکھوں میں اضطراب در آیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ میں پہلے جیسی دعا نہیں کرتی۔ آپ سے بات بھی نہیں کرتی۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ سے ناراض ہوں' نعوذ باللہ۔ بس میرا دل سخت ہو گیا ہے۔ مجھے لگتا تھا میرے پاس اب کھونے کو کچھ نہیں بچا' مگر میں غلط تھی۔ جب تک انسان کی سانس ہے' اس کے پاس کھونے کو کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ میرے پاس بھی تھا۔ سعدی۔ اور اب وہ نہیں ہے۔ ابا اور باقی سب ہیں' میں ان کو کھونا نہیں چاہتی۔ اور میں سعدی کو بھی واپس لانا چاہتی ہوں۔ میں ہر اس شخص کو عبرت کی مثال بنانا چاہتی ہوں جس نے میرا خاندان تباہ کیا ہے' اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ جب تک وہ ہمارے پاس واپس نہیں آ جاتا' آپ اس کا خیال رکھیے گا۔ آپ اس کو اکیلا نہ چھوڑیے گا۔" اس نے آنکھیں بند کیں تو دو آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ گرے۔ پھر بھیگی پلکیں کھولیں۔

"فارس!" اس کی آواز بھی رندھی ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر سر گھمایا۔ پھر لیپ ٹاپ ہٹا کر اٹھا اور قدرے تشویش سے اس کی پشت کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"آج نیاز بیگ کی ضمانت ہو گئی۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ ہلکا سا بولا' نگاہیں اس کے سر کی پشت پہ تھیں' جس سے دوپٹہ پھسل گیا تھا اور بھورے گھنگریالے بال بکھر رہے تھے۔

"اس نے جج کے سامنے کہا کہ اس نے یہ قتل سیلف ڈیفنس میں کیا تھا۔ اس نے کہا کہ سعدی اس کو مارنے لگا تھا۔ اس نے..." ایک اور آنسو آنکھ کے کنارے سے بہا۔ "اس نے ہمارے فجر پہ اٹھ کر مسجد کی امامت کروانے والے سعدی کے بارے میں کہا کہ وہ اس سے ڈرگز خریدتا تھا اور یہ جھگڑا ڈرگز پہ ہوا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس کے چہرے پہ ایک زخمی تاثر آ ٹھہرا۔ "قتل سے نکلنے کا سب سے اچھا طریقہ مقتول کی اتنی کردار کشی کرنا ہے کہ جج کو لگے' اسے مار کر قاتل نے دنیا پہ احسان کیا ہے۔ آپ نے ہی بتایا تھا کرمنل لاء کی کلاس میں۔"

زمر نے آنکھ انگلی کی نوک سے پونچھی اور پلٹی تو اس کی آنکھیں اور ناک گلابی ہو رہی تھی (اور ناک کی لونگ۔ اس نے نگاہ چرالی۔)

''تم نے کہا تم میرا ساتھ دینا چاہتے ہو۔ میں کیسے یقین کروں کہ تم میرے ساتھ پھر سے کوئی دھوکا نہیں کرو گے۔''

''زمر!'' اس نے گہری سانس لی اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''میں وہ نہیں ہوں جس کو اس نے اپنا گروہ دیا تھا' نہ میں وہ ہوں جو اس کی یونیورسٹی کی فیس دیتا تھا' مجھے پتہ ہے اس بارے میں' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس سے آپ سے کم محبت تھی۔''

وہ چونکی تھی' آنکھوں میں شاک ابھرا۔

''مجھے پتہ ہے' اور یہ نہیں بتاؤں گا کہ کیسے پتہ ہے' مگر یہ یاد رکھیے' کہ وہ میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا۔ اس نے میرے لئے بہت کچھ کیا' اور میں اسے کبھی نہیں بتا سکا کہ اس سے کتنی محبت تھی مجھے۔ آپ کو میں اپنے ساتھ مخلص نہیں لگتا' خیر ہے' مگر اس کے ساتھ کتنا مخلص ہوں' یہ آپ کو پتہ ہے۔''

زمر نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ لب کھولے پھر بند کر دیے۔ (وہ نہیں بتائے گا' تو وہ کیوں منت کرے؟ ضرور ابا نے بتایا ہوگا۔)

''پھر... کیا چاہتی ہیں آپ؟ میں کیا کروں؟'' اب کے ذرا نرمی سے پوچھا۔

زمر نے گہری سانس لی۔ (یا اللہ مجھے اتنا صبر دینا کہ میں اپنا ضبط کھوئے بغیر اس شخص کے ساتھ کام کر سکوں جس سے مجھے شدید نفرت ہے۔)

''کیا تم نے شہزا ملک کے بارے میں سنا ہے؟'' اس نے فارس کو مخاطب کیا تو آواز متوازن تھی اور بے تاثر۔

اور جب وہ دونوں آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے تو ساتھ والے کمرے میں ندرت بیڈ پہ تھکی ہاری سو رہی تھیں' اور حنین لیٹی ہوئی ان کے فون پہ سعدی کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ماتھے پہ کٹے بال اب آنکھوں تک آتے تھے۔ باقی تکیے پہ کھلے پڑے تھے۔ وہ پہلے سے پژمردہ اور کمزور لگتی تھی۔

اسکرین پہ انگلیاں پھیرتے یکدم غلطی سے وائی فائی کو چھو لیا۔ شاید سیم نے اس فون سے زمر کے کمرے میں رکھا وائی فائی پہلے استعمال کیا تھا کہ پاسورڈ پوچھے بنا وہ آن ہو گیا۔ امی نے یہ اسمارٹ فون چھے ماہ پہلے لیا تھا' واٹس ایپ کے لئے۔ حنہ تو اسے ہاتھ بھی نہ لگاتی' مگر اب لگا رہی تھی۔ واٹس ایپ پہ امریکہ سے کسی کزن کا میسج آیا پڑا تھا۔ اس نے کھولا اور پھر وائی فائی بند کرنے لگی کہ یک لخت ٹھہر گئی۔

''امی نے واٹس ایپ نہیں ڈاؤن لوڈ کیا۔'' اندھیرے کمرے میں ایک نظر کروٹ لئے سوئی ندرت پہ ڈال کر سوچا۔ ''ڈاؤن لوڈ کرنے میں کیا حرج ہے؟ بھائی کی ڈی پی دیکھ لوں گی۔'' اس نے پلے اسٹور آن کیا۔ واٹس ایپ ڈاؤن لوڈ کیا۔ اور پھر فہرست دیکھی۔ سعدی بھائی۔ اس کے اسٹیٹس میں لکھا تھا۔ Ants Everafter۔ وہ اداسی سے مسکرائی۔ بھائی کا کی چین بھی بھائی کے ساتھ کھو گیا تھا۔ اس نے سعدی کا چوکھٹا کھولا۔

Last Seen 22 May

حنہ چونکی۔ بھائی کا حادثہ کیس مئی کو ہوا۔ مگر اگلے دن بھی کسی کے پاس اس کا فون تھا؟ وہ سوچنے لگی۔ پھر ایک خیال نے ذہن کی در کھٹکائی۔ اس نے سیاہ سنہرے جگمگاتے ہندسے یاد کیے اور موبائل میں لکھے۔ اور ہاشم کاردار کے نام سے محفوظ کیے۔ پھر کنٹیکٹس کی فہرست دیکھی۔ (پتہ نہیں ہاشم بھائی واٹس ایپ پہ ہیں یا نہیں؟)

یکدم فہرست اوپر کرتا انگوٹھا رکا' آنکھوں میں کچھ چمکا۔ ہاشم کاردار۔ ساتھ میں اپنی اور سونی کی سیلفی۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔ کھڑکی کو دیکھا جس کے پار اوپر قصر تھا۔ ہاشم کا نام دبایا۔ پیغام بھیجنے کا صفحہ کھلا۔ اوپر ''آن لائن'' جگمگا رہا تھا۔

مجھے موبائل رکھ دینا چاہیے' یہ چیزیں میرے لئے نہیں ہیں' ان کے نتائج برے نکلتے ہیں' اس نے خود کو کہا مگر سنا ہی نہیں' اور بار میں

ہاتھ میں موبائل پکڑے' کروٹ کے بل لیٹے' دائیں کی انگلی سے ٹائپ کرنے لگی۔

''ہاشم بھائی؟''

''کون؟'' چند لمحے بعد جواب چمکا۔ ہلکی سی تھرتھراہٹ ہوئی۔ حنہ نے فوراً ای کو دیکھا۔ وہ سو رہی تھیں اور موبائل سائلنٹ کر دیا۔

''حنہ۔ پیامی کا فون ہے۔''

''حنین؟ ہماری پڑوسن حنین؟'' وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ اور فائلز کھولے ہوئے کام کر رہا تھا' جب موبائل بجا' سو وہ اس طرف متوجہ ہوا۔ پیغام بھیج کر موبائل رکھا اور پھر سے ٹائپ کرنے لگا۔

''شکر۔ ہے آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ کون حنین؟''

''کیسی ہو تم؟ تم لوگ آتے ہی نہیں ہو اس طرف۔''

''رمضان کی وجہ سے روٹین بدل گئی ہے۔ افطاری سے پہلے شدید پیاس سے نڈھال' افطاری کے بعد بہت کھا کر نڈھال۔'' اتنے عرصے بعد ٹائپ کرنے کے باعث حنین کی رفتار سست تھی۔

''یہ تو ہے اور سعدی کا کچھ پتہ چلا؟''

تنہائی میں ڈوبا کمرہ اداس ہو گیا۔ موبائل کی روشنی سے چمکتا حنہ کا چہرہ بجھ گیا۔

''نہیں۔'' ذرا ٹھہر کر میسج کیا۔ ''او کے آپ سو جائیں۔ میں نے یونہی آپ کو آن لائن دیکھ کر ٹیکسٹ کر دیا تھا۔'' وہ بوجھل دل کے ساتھ فون رکھنے لگی۔

''نہیں' میں جاگا ہوا ہوں۔ کل کورٹ جانا ہے۔ اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ میں بات کر سکتا ہوں۔ نو پرابلم۔ تم بتاؤ' کیا کرتی رہتی ہو سارا دن؟'' وہ پیغام بھیج کر فون رکھ دیتا اور پھر سے کام کرنے لگ جاتا۔ مکمل توجہ اور دھیان سے اسکرین پہ نظریں جمائے۔

''میں... کچھ بھی نہیں... بس بھائی یاد آتا ہے۔ اور...'' وہ لکھتی گئی۔ باہر رات پھیلتی گئی۔ قطرہ قطرہ۔ تاریکی بڑھتی گئی۔ اور وہ ٹیکسٹ پہ ٹیکسٹ کرتی گئی۔

وقت اور جگہ کا سارا احساس ختم ہو گیا۔ ہر اگلے پیغام کے انتظار کی بے قراری' اور ہر پیغام پڑھتے وقت لبوں پہ مسکراہٹ۔ کیونکہ ابھی دنیا میں وہ خمر کشیدہ ہی نہیں کی گئی جس کا نشہ آدھی رات کو کسی نامحرم سے موبائل پہ بات کرنے سے زیادہ ہو۔

سحری کے قریب اس نے لکھا۔ ''اب سو جاؤ بچے۔ مجھے صبح کورٹ جانا ہے۔''

''او کے گڈ نائٹ!'' مسکرا کر اس نے لکھا' پھر ساری گفتگو کو مٹانے کا بٹن دبایا۔ پھر ہلکا سا چونکی۔ (مٹانے کی کیا ضرورت؟ ہاشم بھائی ہی ہیں۔ ان سے بات کرنے میں غلط کیا ہے؟) مگر جب واٹس ایپ نے پوچھا کہ واقعی سب مٹانا ہے تو اس نے یس کا بٹن دبا دیا۔ پھر فون رکھا اور آنکھیں بند کیں تو سعدی ایک دفعہ پھر سے یاد آ گیا۔ کرب بڑھ گیا اور اس میں اب ایک اور کرب بھی شامل ہو گیا۔

.... ❖❖❖ ....

اس کے نزدیک غم ترک۔ وفا کچھ بھی نہیں ...... مطمئن ایسا ہے وہ جیسے ہوا کچھ بھی نہیں

شام بارش کے باعث پہلے سے ٹھنڈی اور خوشگوار سی اتر رہی تھی۔ ہاشم نے قصر کا داخلی دروازہ کھولا تو اندر کا منظر نمایاں ہوا۔ اونچے اور وسیع لاؤنج میں بڑے صوفے پہ جواہرات تمکنت سے بیٹھی تھی۔ کہنی صوفے کے ہتھے پہ جمائے' وہ چائے کی نازک پیالی سے گھونٹ بھرتی' مسکراتی نظروں سے سامنے بیٹھی شہرین کو دیکھ رہی تھی جو اس سے قطعاً بے نیاز' سونیا کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ ساتھ میں چیونگم بھی چبا رہی تھی۔

آفس سے تھکے ہارے آئے ہاشم نے ایک مشترکہ سلام کیا، اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

"سونی اپنے بابا کو بتاؤ' کہ آج سونی ماما کے ساتھ جا رہی ہے اور دو دن بعد آئے گی۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ سونی کتنی خوش ہے ان سارے پلانز پہ جو ماما نے سونی کے لئے بنائے ہیں۔" آخری پن لگا کر اس نے سونی کے نرم بالوں میں برش پھیرتے اونچا سا کہا۔ تو سونی خوش خوش سی اٹھی اور بھاگتی ہوئی ہاشم کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"بابا... سونی ماما کے ساتھ جا رہی ہے۔ اور پتہ ہے' ماما نے..." آگے اس نے جوش میں وہ چند فقرے' دہرائے جو شہرین کی ڈھائی گھنٹے کی محنت کا نتیجہ تھے۔

ہاشم نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا' اور پھر ایک تیز سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی جو اب ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی جتاتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم سونیا کو انکار نہیں کر سکتا' اسے معلوم تھا۔

"شیور۔ انجوائے کرو۔" جھک کر اس کا گال چوما اور سیدھے ہوتے ہوئے مسکرا کر بولا اور پھر ایک قہر آلود نظر شہری پہ ڈال کر اوپر کی جانب قدم اٹھا دیے۔ شہری نے فاتحانہ مسکراہٹ جواہرات کی طرف اچھالی جو عادتاً مسکراتے ہوئے چائے پی رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیوں لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ شہری کو ہرا سکتے ہیں۔" انگلی سے سنہری بال نزاکت سے پیچھے کرتے وہ بولی۔ ساتھ ہی دور کھڑی فیونا کو اشارہ کیا۔ وہ آئی اور سونی کو تیار کرنے ساتھ لے گئی۔

"صرف وہی ایسا سمجھتے ہیں جو شہری کو کئی دفعہ ہرا چکے ہوں۔" جواہرات نے شانے اچکائے۔

تبھی دروازہ پھر سے کھلا اور موبائل کے بٹن دباتا' الجھا ہوا نوشیرواں اندر داخل ہوا۔ وہ ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا' اور پیچھے ملازم اس کا بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔ یقیناً وہ ہاشم کے ساتھ آفس سے آ رہا تھا۔

ماں کو سلام کرتے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھائی تو ٹھہرا۔ شہری سامنے بیٹھی تھی' ابرو بھینچ کر جواہرات کو دیکھتی' کسی تابڑ توڑ حملے کے لئے تیار۔

"اوہ ہائے!" نوشیرواں ہلکا سا مسکرایا۔ جواہرات نے پوری گردن گھما کر اس کی مسکراہٹ دیکھی۔

"ہیلو!" شہری کا فقرہ منہ میں ہی رہ گیا۔ بدمزہ سی اٹھی اور سونی کے کمرے کی طرف جانے لگی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟!" وہ حیران ہوا۔ وہ مڑی' تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "اپنی بیٹی کے لئے آئی تھی' اس کو لینے جا رہی ہوں' ورنہ مجھے قطعاً کوئی خواہش نہیں اس گھر میں بار بار آنے کی۔" تنے ابرو کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ ہونقوں کی طرح اسے جاتے دیکھتا رہ گیا۔ ہاتھ میں موبائل جوں کا توں اٹھا رکھا تھا۔ جواہرات کی مسکراہٹ' شدید ناپسندیدگی میں بدلتی گئی۔ اور شیرو کو گھورتے اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"وہ صحیح کہہ رہی ہے' اس گھر میں ذرا دیر بیٹھی ہے' ورنہ آتے ساتھ ہی سونی کو لے کر زمر کے پاس چلی گئی، سعدی کا افسوس کرنے! جاؤ' تم فریش ہو لو۔"

نوشیرواں کا دل جیسے اچاٹ ہو گیا۔ وہ بے دلی سے زینے چڑھنے لگا۔

.................❖.................

دنیا تو ایک برف کی سل سے سوا نہ تھی ..... پہنچی ذرا جو آنچ تو دنیا تمام شد!

اس شام' جب دفاتر میں لوگ اپنے کام جلد از جلد نپٹاتے' گھر جانے کی تیاری میں تھے کہ پانچ بجنے میں ذرا سی دیر ہی باقی تھی' ایسے میں اس عمارت کے اندر ایک چھوٹے آفس کے سامنے لاؤنج نما کمرے میں فارس کھڑا تھا۔ اس نے نیلی کف والی شرٹ اور سر پہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔ آنکھوں پہ گلاسز تھے' اور کیپ کو چہرے پہ خاصا جھکا رکھا تھا۔ ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا گلدستہ لئے' (جو اوپر سے شفاف

پلاسٹک میں پیک تھے) وہ پیون کو رسید نکال کر دے رہا تھا۔

"امینہ صاحبہ کے لیے ہیں' ان سے دستخط کروا لا یئے۔" آفس کے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا تو پیون سر ہلا کر' گلدستہ احتیاط سے پکڑے اندر چلا گیا۔ دروازہ ذرا سا کھلا رہ گیا۔ فارس نے کنکھیوں سے جھری سے دیکھا۔ اندر آفس میں میز کے پیچھے ایک نارنجی ڈائی بالوں والی لڑکی نما عورت بیٹھی تھی' اور پیون اس کی میز پہ گلدستہ رکھ رہا تھا۔

"کس نے بھیجے ہیں؟"

"نام نہیں بتایا۔ بس اتنا بولا کہ نیاز بیگ کے کسی پولیس والے دوست نے بھیجے ہیں اپنی ترقی کی خوشی میں جو آپ کی وجہ سے ہو رہی ہے۔" وہ رخ موڑے کھڑا رہا... یہاں تک کہ پیون نکل آیا۔ رسید اسے لا کر دی' جسے اس نے رجسٹر میں لگایا' تبھی رجسٹر ہاتھ سے پھسلا اور سارے کاغذ بکھر گئے۔ رسیدیں' پرچیاں۔ فوٹو اسٹیٹ کاغذ۔

"معاف کرنا!" وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا کاغذ سمیٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ۔ کیپ والا سر جھکائے۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ پیون کبھی اندر آ رہا تھا' کبھی باہر جا رہا تھا۔ وہ ڈھیر سے ڈھیرے پرچیاں اٹھاتا اور رجسٹر میں لگاتا رہا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اور کنکھیوں سے پیون کو دیکھا۔ وہ اب ٹرے لے کر راہداری کی طرف جا رہا تھا۔ ادھر وہ نکلا' ادھر فارس تیزی سے اٹھا اور آفس کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔

میز پہ سر ٹکائے' ڈائی بالوں والی عورت آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ ساتھ ہی گلدستہ کھلا ہوا پڑا تھا اور اس سے عجب مہک اٹھ رہی تھی۔ ناک بند کر کے وہ تیزی سے قریب آیا' گلوز والے ہاتھوں سے اسے واپس ریپ کیا۔ پھر لینڈ لائن فون کا تار کاٹا۔ انٹرکام کا تار کاٹا۔ کمپیوٹر کی تار کو منقطع کیا۔ امینہ کا پرس کھنگالا۔ اندر سے چابیاں نکالیں۔ پھر میز پہ رکھا موبائل جیب میں ڈالا' اور دروازے تک آیا۔ جھری سے باہر دیکھا' پیون ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ اس نے جلدی سے بتی' پنکھا سب بند کیے۔ باہر نکلا۔ دروازہ لاک کیا۔ باہر لگا "اوپن" کارڈ پلٹا کر' "کلوزڈ" سامنے لایا۔ اور پھر جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے' وہ آگے چلتا گیا۔

پھر شام گہری ہو گئی' افطار کے قریب لوگ سمٹ کر گھروں کے اندر چلے گئے تو شہر قدرے سنسان لگنے لگا۔ مغرب باسی ہوئی اور رات اترنے لگی۔

ایسے میں ایک بڑے اور مہنگے پرائیویٹ ہسپتال کے باہر کھلے پارکنگ ایریا کے ایک کونے میں ایک کار کھڑی دکھائی دیتی تھی اور ڈرائیونگ سیٹ پہ فارس پی کیپ پہنے بیٹھا نظر آتا تھا۔ چیونگم چباتے ہوئے' وہ آنکھیں سکیڑ کر ہسپتال کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں بیرونی استقبالیے سے ہٹ کر' باہر ایک اندھیر کونے میں اسے زمر دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں سے وہ مبہم سی دکھائی دیتی تھی۔

اگر قریب جا کر دیکھو تو وہ اس ویران کونے میں ایک نرس کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نرس نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتے' ایک پیکٹ زمر کی طرف بڑھایا۔

"سب کچھ پورا ہے؟" زمر نے سرگوشی میں پوچھا۔ نرس نے جھٹ سر اثبات میں ہلایا۔

"اوکے... وہ ابھی آئے گا' آگے تم جانتی ہو' تمہیں کیا کرنا ہے۔" کہنے کے ساتھ پرس سے ایک بند خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ نرس نے فوراً ہاتھ اٹھائے۔ "نہیں' نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ آپ کے مجھ پہ احسان ہیں۔"

"رکھ لو۔ میں خوشی سے دے رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر زبردستی پیکٹ تھما دیا۔ نرس نے شرمندہ ہوتے ہوئے اسے رکھ لیا۔

تبھی فارس کو وہ واپس آتی دکھائی دی۔ اس نے نیلی قمیص پہن رکھی تھی اور سیاہ دوپٹہ سر پہ تھا۔ وہ سر جھکائے متناسب چال چلتی اس طرف آ رہی تھی۔ فارس نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا لاک کھولا۔

"آدھا کام ہو گیا۔" اندر بیٹھتے ہوئے زمر نے عام سے انداز میں اطلاع دی اور پیکٹ ڈیش بورڈ پہ رکھا۔ فارس نے ایک نظر اس پہ

ڈالی۔ وہ سر سے دوپٹہ اتار کر اب گھنگریالے بالوں کو گول مول لپیٹ کر جوڑا بنا رہی تھی۔ وہ سامنے، دیکھنے لگا۔

''اب؟''

''وہ آجائے' پھر فون کرتے ہیں۔'' اس نے متلاشی نظروں سے دور ہسپتال کے بیرونی، دروازوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ آچکا ہے۔ جب آپ گئیں تب ہی آگیا تھا۔'' کہنے کے ساتھ اس نے امینہ کا موبائل زمر کی طرف بڑھایا۔ جسے اس نے رومال میں لپیٹ کر پکڑا۔ کال وہ ملا چکا تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں پہ گلوز چڑھے تھے۔ پلاسٹک کے شفاف پتلے گلوز۔ زمر نے کان سے موبائل لگایا۔ ایک رومال منہ کے قریب فون پہ رکھا۔ گھنٹی کے بعد مردانہ آواز ابھری۔

''ہاں امینہ!''

''میں ہسپتال سے بات کر رہی ہوں، یہاں ایک بی بی کو لایا گیا ہے' نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی ہے اس نے۔ امینہ نام ہے اس کا۔'' وہ پختون لہجے میں روانی سے بول رہی تھی (اور وہ ہلکا سا مسکرایا۔ واہ۔ چڑیل اداکاری بھی کرتی ہے۔) ''اس کے فون پہ آپ کا آخری نمبر ڈائل کیا گیا تھا۔''

''کیا؟ کون سے ہسپتال سے؟'' دوسری طرف الجھن اور پریشانی در آئی۔ زمر نے جلدی جلدی نام اور پتہ بتایا۔ ''پندرہ بیس منٹ بعد پولیس آجائے گا' اگر تم نے آنا ہے صاحب تو جلدی آؤ۔''

''پولیس سے کچھ نہیں کہنا' میں آرہا ہوں بس۔ اور۔۔'' مگر زمر نے سنے بغیر کال کاٹ دی۔

''یہ لہجہ کہاں سے سیکھا آپ نے؟'' مسکراہٹ چھپائے اس کو دیکھ کر پوچھا تو زمر فون ڈیش بورڈ پہ دھرتے ہوئے اسی بے تاثر انداز میں بولی۔

''آر یو شیور وہ امینہ سے یہاں آنے سے پہلے رابطہ نہیں کر سکے گا؟''

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ''جی۔''

زمر نے ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔ ''کیا کیا ہے اس کے ساتھ؟''

اس نے چہرہ موڑ کر زمر کو دیکھا۔ ''گلا گھونٹ کر پنکھے سے لٹکا دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ خودکشی ہے۔''

وہ اکتا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

رات باہر قطرہ قطرہ بہتی رہی۔ کار کے اندر خاموشی چھائی رہی۔ دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً وہ سیدھا ہوا۔

''وہ نیاز بیگ!'' زمر نے بھی اسی طرف دیکھا۔ شلوار سوٹ میں ملبوس نیاز بیگ ہسپتال کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ فارس نے گردن گھمائی۔ ''اس کی کار قریب میں ہی کہیں ہوگی' جلدی میں لگ رہا ہے۔'' لاک کھولتے ہوئے اس نے ڈیش بورڈ سے پیکٹ اٹھایا اور دروازہ کھولا۔ زمر نے قدرے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''دھیان سے!'' ہلکا سا بولی۔ وہ چونکا' اس کی آنکھوں کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔

''میں نہیں چاہتی تمہاری لاپرواہی سے کوئی گڑبڑ ہو۔'' وہ وضاحت دے کر رخ موڑ گئی۔ اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

اندر استقبالیہ تک نیاز بیگ تیز قدم اٹھاتے پہنچا۔ وہی نرس کاؤنٹر کے پیچھے دو تین افراد کے ہمراہ کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر فوراً اس طرف متوجہ ہوئی۔ ''جی؟'' وہ اسے مخاطب کرنے پہ وہیں رکا۔

''ہاں وہ... امینہ نامی خاتون کو لایا گیا ہے' مجھے فون آیا تھا' اور....''

''پرائیویٹ روم' چھٹے نمبر میں ہے وہ۔ آپ یہاں سے سیدھا جا کر دائیں مڑ کر...'' وہ عجلت میں رستہ سمجھاتی گئی۔ وہ سنجیدگی اور قدرے اضطراب سے سر ہلاتے' آگے بڑھ گیا۔

چند راہداریاں عبور کر کے' کمروں کے نمبر پڑھتا' وہ مطلوبہ کمرے کے قریب آیا۔ باہر دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ نیاز بیگ کی تیوری چڑھی۔ وہ دروازے کے نزدیک جانے لگا تو ایک سپاہی نے راستہ روکا۔

''کیا کام ہے؟''

''اندر میرا مریض ہے۔ اسے دیکھ لوں' پھر تم سے بات کرتا ہوں۔'' وہ قدرے اکھڑے لہجے میں کہہ کر آگے بڑھنے لگا' مگر سپاہیوں نے پھر سے روک دیا۔

''اجازت نہیں ہے۔ مریض سے کیا رشتہ ہے تمہارا؟''

اس سے پہلے کہ وہ غصے سے کچھ جواب دیتا' دروازہ کھلا۔ نیاز بیگ کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ اے ایس پی سرمد شاہ' عام پینٹ شرٹ میں ملبوس' باہر نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔

''نیاز بیگ۔ تم ادھر کیسے؟'' تعجب سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے' اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔

''یہ تمہارے تھانے کی حدود تو نہیں ہے اے ایس پی...'' وہ بھی ذرا حیران ہوا۔ ''خیر میری پہچان کی ایک عورت... (آنکھ سے اشارہ کیا) ادھر ایڈمٹ ہے۔''

سرمد شاہ کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ ''ادھر؟ اس کمرے میں؟''

''ہاں۔ دیکھو اسے پولیس کیس مت بناؤ' یہ اتنا کوئی بڑا معاملہ...''

''تم شہزا کو کیسے جانتے ہو؟'' سرمد شاہ نے تیزی سے بات کاٹی۔ اس کی متعجب نگاہیں نیاز بیگ پہ جمی تھیں۔

''کون شہزا؟'' وہ ٹھہرا۔

''آئی جی صاحب کی بیٹی اور میری کزن شہزا ملک' جو ریپ اور ٹارچر کے بعد پچھلے ڈیڑھ ماہ سے کوما میں ہے۔ بتاؤ' کیسے جانتے ہو اسے؟'' سرمد شاہ کی نگاہوں کا تعجب اب کھوجتے تاثر میں بدل رہا تھا۔ ایکدم نیاز بیگ کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''نہیں' شہزا کون؟ میں تو نہیں جانتا کسی شہزا کو۔ میں تو ادھر امینہ کے لئے آیا تھا۔ وہ میری ایک عزیزہ ہے۔'' پھر کمرہ نمبر دیکھا۔ ''شاید غلط کمرہ نمبر بتایا انہوں نے۔ میں پوچھتا ہوں دوبارہ۔ اور... افسوس ہوا تمہاری کزن کا سن کر۔'' غلط وقت پہ غلط جگہ پہ ہونے کا احساس ہوتے ہی وہ عجلت میں کہتا' اس کا کندھا تھپتھپاتا' جیب سے موبائل نکال کر مڑا۔

سرمد شاہ آنکھیں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک نظر اپنے ایس آئی پہ ڈالی' وہ بھی انہی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دم سرمد شاہ اس کے پیچھے لپکا۔ پیچھے کمرے کے دروازے کی ہلکی سی درز کھلی تھی جس سے بیڈ پہ لیٹی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ بوتل دخترہ سے بے گانا۔ آکسیجن ماسک لگا تھا۔ بہت سی دوسری نالیاں بھی۔ اس کے بال بھورے سنہرے سے تھے اور کان کے قریب ان میں تتلی کی شکل کا نگوں والا کلپ لگا تھا۔

''کیا نام بتایا تم نے اپنی عزیزہ کا؟'' راہداری کے آخر میں اس نے نیاز بیگ کو جا لیا۔ جو موبائل پہ نمبر ملا کر کان سے لگائے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔ سرمد شاہ کے پکارنے پہ چونک کر گردن گھمائی۔

''ہاں وہ امینہ ہے میری جاننے والی۔ ہسپتال والوں نے ابھی فون کر کے بتایا۔ میں پوچھتا ہوں ابھی۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو اے ایس پی؟''

وہ ذرا اکتایا۔"بھی میں نہیں جانتا تمہاری کزن کو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہاری عزیزہ کی عیادت کر لوں۔" اس نے ابرو سے اسے چلتے رہنے کا اشارہ کیا۔ تیز جانچتی نگاہیں بار بار نیاز بیگ پہ ڈالتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر کوفت کا شکار وہ پریشان ہونے لگا' مگر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ واپس استقبالیہ کاؤنٹر تک آ پہنچے۔

"او بی بی' کس کمرے میں بھیج دیا تم نے مجھے؟" وہ بگڑ کر کہتا اسی نرس سے مخاطب ہوا۔" وہ تو کسی شہزا اہلی کا کمرہ ہے۔"

"سر آپ نے شہزا ملک کے کمرے کا ہی پوچھا تھا' تبھی میں نے روم نمبر سکس بولا۔" وہ سادگی سے گویا ہوئی۔ سرمد شاہ نے پوری گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں نے امینہ امتیاز کا پوچھا تھا۔" تم لوگوں نے مجھے کال کر کے بلایا ہے۔" ساتھ ہی حیران پریشان نگاہ اے ایس پی پہ ڈالی۔ جو بس چپ چاپ اسے گھور رہا تھا۔

"سوری سر' مجھے شہزا ملک سنائی دیا تھا۔"

"امینہ امتیاز۔" وہ جھک کر چیک کرنے لگی۔" یہاں تو کوئی امینہ امتیاز نہیں لائی گئی۔ نہ ہم نے اس سلسلے میں کسی کو کال کی ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔ تم لوگوں نے مجھے ابھی کال کی' خود مجھے بلایا' خودکشی کا کیس تھا۔" غصے سے لال پیلے ہوتے اس کے ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔

"سر' یہ سارے فونز آپ کے سامنے رکھے ہیں' آپ کال ریکارڈز چیک کر لیں۔ ہمارے پاس کوئی امینہ امتیاز نہیں لائی گئی۔ آپ نے خود ابھی شہزا ملک کا پوچھا تھا مجھ سے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تمہیں کس نمبر سے فون آیا؟" وہ جو چپ کھڑا تھا' ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ نیاز بیگ نے جھنجلا کر اسے دیکھا۔

"امینہ کے موبائل سے فون آیا تھا۔" وہ واپس اسے کال بیک کرنے لگا۔

"گھنٹی جا رہی ہے' کوئی اٹھا نہیں رہا۔ میں اس کے گھر دیکھتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ!" ماتھے کو چھو کر عجلت میں اسے سلام کیا اور باہر کی طرف بڑھا۔ ایس آئی نے بے اختیار سرمد شاہ کو دیکھا۔ وہ سوچتی نظروں سے نیاز بیگ کو باہر نکلتے دیکھ رہا تھا۔

"نیاز بیگ کی کار کون سی ہے امجد حسین؟" اس نے سوچ میں ڈوبے پکارا۔

"سر' ہمیشہ نیلے رنگ کی نسان میں دیکھا ہے اسے۔"

"اور اس دن ہمیں جو گمنام ٹپ موصول ہوئی تھی' یاد ہے؟ فون کرنے والی عینی شاہد نے کہا تھا کہ اس نے ایک آدمی کو شہزا کو کار کی ڈگی سے نکال کر سڑک پہ پھینکتے دیکھا تھا۔ کون سی کار بولی تھی اس نے؟"

"نیلی نسان۔ مگر سر' ٹپ تو جھوٹی بھی ہو سکتی ہے۔" وہ خود متذبذب تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" سرمد شاہ کے چہرے پہ بے پناہ سختی در آئی۔ وہ باہر نکلا۔ ایس آئی فوراً پیچھے لپکا۔

دور' گاڑیوں کی قطار کی طرف نیاز بیگ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل پہ مسلسل نمبر ملا رہا تھا۔ جب تک' وہ دونوں اس تک پہنچے' وہ نیلی نسان سے چند قدم دور تھے۔

"تمہاری امینہ نے فون نہیں اٹھایا؟" خشک انداز میں اس نے پوچھا تو وہ چونک کر گھوما۔ چہرے پہ دبا دبا غصہ در آیا۔

"اے ایس پی' میں پریشان ہوں اس ٹائم! امینہ گھر بھی نہیں پہنچی' اور فون بھی نہیں اٹھا رہی' کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔" وہ ذرا جھنجلایا ہوا' ذرا متفکر کہہ رہا تھا جب ایس آئی نے آواز دی۔" سر!"

سرمد شاہ نے اس طرف دیکھا۔ وہ چند قدم دور نیلی نسان کے ساتھ کھڑا ان کو بلا رہا تھا۔ نیاز بیگ فون کان سے لگائے جھلا کر بولے

جا رہا تھا' مگر سرمد شاہ نے بغیر آگے آیا۔

نیاز بیگ کی کار کے ڈیش بورڈ پہ ایک موبائل تھرتھراتا ہوا جل بجھ رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کی روشنی ونڈ اسکرین پہ عکس بنا رہی تھی۔

عکس پہ نیاز بیگ کا نام اور نمبر لکھا آ رہا تھا۔ سرمد شاہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا جو روشنی دیکھ کر اسی طرف آیا تھا۔

''تمہاری امینہ شاید اپنا فون تمہاری کار میں بھول گئی۔''

وہ حیران پریشان سا قریب آیا۔ موبائل دیکھ کر اس کے چہرے پہ شاک در آیا۔ تیزی سے کار کھولی اور موبائل نکال کر چہرے کے سامنے کیا۔ وہ امینہ کا ہی موبائل تھا۔ اس نے الجھن بھری نگاہیں اٹھائیں تو اے ایس پی تیکھی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''یہ ادھر کیسے.....؟'' وہ کبھی ڈیش بورڈ کو دیکھتا' کبھی موبائل کو۔

''امجد حسین' ذرا گاڑی کی تلاشی لو۔ شاید امینہ بی بی بھی مل جائے۔'' اے ایس پی نے تحکم سے ایس آئی کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا تو نیاز بیگ کی پریشانی پس منظر میں چلی گئی' اور ابرو تن گئے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے گھر جاتا ہوں۔'' ہاتھ جھلا کر قدرے کھردرے انداز میں کہتے ایس آئی کو روکا۔ ایس آئی نے اے ایس پی کو دیکھا۔ وہ آگے ہوا' اور نیاز بیگ کی آنکھوں میں دیکھتے تحمل سے بولا۔ ''نیاز بیگ' اس وقت مجھے غصہ دلا کر مجھے اپنا دشمن مت بناؤ۔ میں نے بڑے موقعوں پہ تمہارا ساتھ دیا ہے' اس لئے چپ چاپ یہاں کھڑے رہو۔'' پھر امجد حسین کو اشارہ کیا۔ ''گاڑی کھولو۔''

چند لمحوں بعد تین چار مزید اہلکار وہاں کھڑے تھے' ایس آئی ٹارچ سے اندر روشنی مارتا کار کی سیٹیں' خانے' کلوز کمپارٹمنٹ چیک کر رہا تھا۔ اے ایس پی سرمد شاہ کمر پہ ہاتھ باندھے' پتھریلے تاثرات کے ساتھ یہ کارروائی دیکھ رہا تھا اور نیاز بیگ تلملاتا ہوا سا کھڑا تھا۔

''یہ تم اچھا نہیں کر رہے۔'' ایک سلگتی نظر سرمد شاہ پہ ڈال کر بلکا سا بولا۔ سرمد شاہ خاموش رہا۔ ایس آئی اب ڈگی کھول رہا تھا۔

''میں پہلے مصیبت میں ہوں' اوپر سے تم کسی مشتبہ کی طرح میرے ساتھ برتاؤ کر رہے ہو۔ میں یہ بے عزتی بھولوں گا نہیں۔''

''سر!'' ایک دم ایس آئی سیدھا ہوا' اس کے چہرے پہ کوئی ایسا بکا بکا تاثر تھا کہ سرمد شاہ فوراً ڈگی کی طرف آیا۔

''یہ دیکھیے۔'' اس نے ٹارچ کی روشنی ڈگی کے ایک کونے میں ماری۔ سرمد شاہ نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔

وہاں ایک جگمگاتا ہوا تتلی کی صورت کا' تین انچ چوڑا ہیئر کلپ گرا تھا۔ اس میں چند ہلکے بھورے بال اڑے تھے (اور چند بال فاصلے پہ ڈگی میں بکھرے بھی تھے جو ابھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔) تتلی کے چند نگ جگمگا رہے تھے اور باقی نگوں کو سوکھے خون کے دھبوں نے ماند کر رکھا تھا۔ شہزا کا خون۔

سرمد شاہ کی آنکھوں میں سرخی ابھری۔ وہ تیورا کر اس کی طرف گھوما۔

''نیاز بیگ اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لو۔ رفیع محمد' اسے ہتھکڑی لگاؤ۔'' وہ غرایا تھا۔

''کیا بکواس...!'' نیاز بیگ کی ساری جھلاہٹ ہوا ہوئی' وہ حیران پریشان سا آگے ہوا مگر ایس آئی کو تتلی نما کلپ اٹھا کر پلاسٹک بیگ میں ڈالتے دیکھ کر اس کا چہرہ فق ہوا۔

''او یہ میرا نہیں ہے..... یہ میری گاڑی میں کہاں سے... او میری بات سنو۔''

سرمد شاہ نے پوری قوت سے اس کے منہ پہ گھونسا مارا۔ وہ ایک دم تیورا کر پیچھے کو گرا مگر گرنے سے پہلے سرمد شاہ نے گریبان سے کھینچ کر اسے اٹھایا' اور اس کا خون دورستا چہرہ قریب کیا۔

''میں نے تمہیں کتنے کیسز سے نکالا' کیا اس لئے کہ تم میرے خاندان کی لڑکی کے ساتھ ایسا کرو گے؟ تم (گالی) گھٹیا انسان! وہ

میری بہنوں جیسی تھی۔" شا کند سے نیاز بیگ کو جھٹکے سے چھوڑا۔ ایک اہلکار نے اس کے ہاتھ موڑ کر پیچھے باندھے۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ "نہیں نہیں' یہ کوئی گڑبڑ ہے' مجھے اس میں پھنسایا جا رہا ہے' میں نہیں جانتا تمہاری بہن کو۔ میری بات سنو!" وہ دو اہلکاروں کی آہنی گرفت میں پھڑ پھڑاتا چلا رہا تھا۔

"آئی جی صاحب کو فون لگاؤ' اور بولو... تھانے آجائیں۔" سرمد شاہ سرخ چہرے کے ساتھ ایس آئی کو کہہ رہا تھا...

اور' دور سڑک کے اس پار' گرین بیلٹ کے ساتھ پارکڈ کار کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی زمر گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی وہ منظر دیکھ رہی تھی۔ آواز سنائی نہ دیتی تھی مگر وہ ایک منظر سو آوازوں پہ بھاری تھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان تھا' مگر آنکھوں میں سرد سی تپش بھی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی' اور کافی ریلیکسڈ سے انداز میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"آر یو شیور۔ اے ایس پی کو اصل معاملہ سمجھ نہیں آئے گا؟"

"میں اسے جانتی ہوں' کام کیا ہے اس کے ساتھ۔ اگر اس میں اتنی عقل ہوتی تو چار سال سے اے ایس پی نہ ہوتا' سال ڈیڑھ پہلے ایس پی بن چکا ہوتا۔ یہ اس کے گھر کا معاملہ ہے۔ اس کی ججمنٹ کو غیرت ڈھانپ دے گی۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی کہہ رہی تھی۔

"مگر اس کی جلد ہی ترقی ہونے والی ہے۔"

"اس کی ترقی کا انحصار اسی کیس پہ ہے۔ اس کو شہزا کا مجرم مل گیا' یعنی اس کو ترقی مل گئی۔" زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ دور نیاز بیگ سپاہیوں کی گرفت میں پھڑ پھڑاتا' مسلسل چلا رہا تھا۔

"اب دیکھو کون لڑکیوں کی طرح چیخ رہا ہے۔" وہ اسی منظر کو دیکھتے' بولی تو لہجے میں نمی بھی تھی اور آنچ بھی۔ فارس نے ٹیک لگائے گردن اس کی طرف موڑی۔

"کل جب امینہ اس سے لاک اپ میں ملے گی تو اس کی بات سن کر نیاز بیگ کو یہی لگے گا کہ اسے پولیس نے پھنسایا ہے اس کیس میں۔ ہمارے دشمن ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوں گے اور اس دفعہ ہم ان کا تماشہ دیکھیں گے۔" وہ رکا۔ "مگر شہزا...؟"

زمر نے گہری سانس لی۔ "اس کے مجرم یقیناً چالاک لوگ ہیں' ان کو کبھی نہیں ملیں گے۔ وہ بیچاری بچی شاید چند دن زندہ رہ پائے۔ مگر وہ نہ کبھی ہوش میں آئے گی' نہ کسی کو کچھ بتا پائے گی۔" وہ ابھی تک پولیس موبائل کو دیکھ رہی تھی جس میں اب وہ چیختے چلاتے نیاز بیگ کو لا رہے تھے۔

"وہ کلپ جو میں نے اس کی ڈگی میں رکھا ہے' کیا اس کے خاندان والے پہچانیں گے نہیں کہ گو کہ وہ شہزا کے کلپ کے جیسا ہی ہے۔ مگر اس کا نہیں ہے۔ کیا معلوم شہزا کے پاس صرف ایک ہی کلپ ہو۔"

"اونہوں۔ وہ ڈیزائنر کلپ ہے' اور اس کے جیسا کلپ جو میں نے خریدا تھا' وہ اس وقت شہزا کے بالوں میں لگا ہے۔ جس کلپ پہ اس کا بلڈ اور بال لگا کر سسٹر نے مجھے دیے تھے' وہ شہزا کا اصلی کلپ ہے۔ وہ اسے فارنزک بھیجیں گے' ہر طرح سے چیک کریں گے۔ مگر شہزا کے بالوں میں لگا کلپ کوئی نہیں چیک کرے گا۔" سرسری سا بتا رہی تھی۔

"اوہ۔" وہ چپ ہو گیا۔ پولیس موبائل اب دور جا رہی تھی۔

زمر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' پھر کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ پھر سامنے دیکھنے لگی۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر ہلکا سا بولی۔ "گڈ جاب' فارس!" اس کے لہجے میں نرمی تھی' مگر وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"پلان آپ کا تھا۔ گڈ جاب ٹو یو! سو... اب کس کی باری ہے؟" کار ریورس کرتے اس نے پوچھا۔ سیڑھی کا پہلا زینہ ان کے قدموں تلے تھا' اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے ہر زینے کو اسی طرح روندنا تھا۔ یہ سعدی یوسف کو بچانے کا واحد طریقہ تھا۔

''بتاؤں گی۔ جب ضرورت پڑی تو!'' وہ پھر سے ویسی ہی روکھی ہوگئی۔ مگر ایک تبدیلی آئی تھی۔
کم از کم وہ دو بات تو کرنے لگے تھے۔

ابھی وہ رستے میں تھے کہ زمر کا موبائل بجا۔ ڈاکٹر سارہ غازی۔

''جی ڈاکٹر سارہ۔'' اس نے مصروف سے انداز میں فون کان سے لگایا۔

''کچھ پتہ چلا سعدی کا زمر؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''کہاں سارہ؟ آپ بس دعا کریں۔ اچھا میرا کام ہوا؟''

''جی میں نے پتہ کیا تھا۔ یہ کام میں کوئی حلیمہ کام نہیں کرتی۔ ایک حلیمہ سرفراز ہے مگر وہ انجینئر ہے سیکرٹری نہیں۔'' زمر نے تکان سے آنکھیں بھینچ لیں۔

''نہیں' وہ حلیمہ ہی تھی۔ خیر تھینک یو۔ واپس آکر چکر لگاؤں گی۔ بچے آپ کو مس کرتے ہیں۔''

''جی، میں بس تھر میں پھنسی ہوں اتنے دن سے۔ سعدی کی پریشانی الگ، جیسے ہی آئی' چکر لگاؤں گی۔'' زمر نے فون رکھ دیا اور ... دوسری طرف...

.......دوسری طرف' اپنے بیڈروم میں کھڑی' سارہ نے بھی موبائل رکھ دیا۔ اور جیسے ہی وہ پلٹی' دیکھا بیگم پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ایک تاسف بھری نظر سارہ پہ ڈالی جو سادہ شلوار قمیص میں ملبوس' بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ ان کو دیکھ کر چونکی۔

''کیوں ان کو اوائڈ کر رہی ہو؟ تم پچھلے ایک مہینے سے' جب سے سعدی کھویا ہے' یہیں اس گھر میں قید ہو۔ پھر بار بار جھوٹ کیوں؟''

سارہ کی سبز نیلی آنکھوں میں نمی در آئی۔ ''میں ان لوگوں سے نہیں ملنا چاہتی۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں ملی تو وہ جان لیں گے۔''

''کیا جان لیں گے؟'' وہ ذرا حیران ہوئیں۔ سارہ کے آنسو بہنے لگے۔

''امی' اس رات سعدی کے ساتھ اس گھر میں' میں تھی۔ امی میں نے اپنے سامنے اسے گولیاں لگتے دیکھا ہے۔ امی میں ہوں وہ گواہ جسے وہ لوگ ڈھونڈ رہے ہیں۔''

..............❖❖❖..............

باب 13:

''مَن الماس رابہ ملکہ دادم!''

(میں نے پیش کیا ملکہ کو ایک ہیرا!)

وہ سور ما ہوتے ہیں
جو پھینکتے ہیں گوٹ!
مگر وہ قسمت ہوتی ہے
جو شطرنج کھیلتی ہے!
اور تم بہت دیر سے جان پاتے ہو
کہ وہ کون تھا جو آغاز سے ہی
کھیل رہا تھا دونوں queens کے ساتھ!

(Terry Pratchett)

ذکیہ بیگم دل تھام کر رہ گئیں۔ لب کھل گئے' اور آنکھوں میں بے یقینی پھیلی۔

''تم سارہ؟ تم ادھر تھیں؟ مگر.... کیوں؟'' سہارے کے لئے بیڈ کا کنارہ تھاما۔ وہ بھی آہستگی سے بیٹھی۔ آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

''اس نے مجھے وہاں بلایا تھا....'' سر جھکائے' انگلی سے ہتھیلی مسلتی' وہ بتانے لگی۔۔۔

ذرا دیر کے لیے ہم ایک ماہ قبل' اکیس مئی کی صبح تک پیچھے جاتے ہیں' جب سعدی' ہاشم کاردار کے آفس میں بیٹھا تھا' تو چند میل دور' اپنے آفس میں بیٹھی سارہ انٹرکام اٹھائے کہہ رہی تھی۔

''ماریہ' میں انسٹی ٹیوٹ جا رہی ہوں کلاس لینے' آپ یوں کرو' سعدی کو کہو کہ جو پریزنٹیشن اس نے....''

''ڈاکٹر سارہ' سعدی آج نہیں آیا۔'' دوسری طرف سے اس کو عجلت میں ٹوکا گیا تو سارہ ذرا دیر کو رکی۔

''نہیں آیا؟'' ابرو بھینچے۔ آنکھوں میں غصہ در آیا۔ موبائل اٹھا کر کال ملائی۔

ہاشم کے آفس کے باہر حلیمہ بیٹھی کام کر رہی تھی جب ٹوکری میں رکھا سعدی کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ ''بلاکڈ نمبر کالنگ'' اور واپس کام کرنے لگی۔

سارہ نے فون رکھا تو چہرے پہ شدید ناراضی تھی۔ کلاس لینے کے بعد وہ باہر نکلی تو دوبارہ سے اس کو کال ملائی۔ اب کے اس نے

اٹھا لیا۔

"جی؟" وہ خود بھی اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

"سعدی یوسف' آپ آج آفس نہیں آئے۔" دانت پہ دانت جما کر تحمل سے پوچھا۔

"مجھے..... کچھ کام تھا۔" ہاشم کے آفس سے باہر سڑک پہ وہ گاڑی دوڑاتا گھر کی طرف جا رہا تھا۔

"آج پانچ بجے سے پہلے آ کر اپنا ٹرمینیشن لیٹر وصول کر لینا' سعدی۔ کیونکہ میں مزید تمہاری بے قاعدگیاں برداشت نہیں کروں گی۔ اگر نہیں آ سکو تو کل آنے کی زحمت نہ کرنا' ہم لیٹر بھجوا دیں گے۔ خدا حافظ۔" سختی سے بولی۔

"میں گھر جا کر آپ کو دوسرے نمبر سے کال کرتا ہوں' یہ فون بگ ہو رہا ہو گا۔" اس نے ایسے عجلت میں کہا جیسے سارہ کی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اف۔

شام کو وہ گھر پہ تھی جب اس کا موبائل بجا۔ ندرت بھابھی کالنگ۔

"جی بھابھی؟"

"بھابھی کا بیٹا بول رہا ہوں' وہ بھی خوبصورت والا۔" وہ صبح کی نسبت ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔ سارہ کے چہرے پہ خفگی در آئی۔

"ٹرمینیشن لیٹر پوسٹ کر دیں گے ہم۔ آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں نے اپنی باس کو نہیں' سارہ خالہ کو فون کیا ہے۔ ضروری بات کرنی ہے۔ اس کے بعد بے شک مجھے نوکری سے نکال دیجئے گا۔"

وہ سنجیدہ ہوا تو سارہ کے چہرے کی خفگی کم ہوئی۔ اگر وہ پروجیکٹ ڈائریکٹر تھی' پروسس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی تھی' تو وہ بھی سعدی تھا!

"بولو۔"

"شام کو میں ساری فیملی کو اپنے ریسٹورانٹ میں اکٹھا کر رہا ہوں' آپ بھی آئیں گی کیونکہ مجھے سب کو کچھ بتانا ہے۔"

"میں نہیں آ سکتی۔ جو بتانا ہے ابھی بتا دو۔"

"آپ کے شوہر کے قاتل سے ملا میں آج۔ اس سے اعتراف بھی کروا لیا۔ ثبوت بھی ہے میرے پاس۔ مجھے پتہ ہے آپ کو بدلہ لینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' مگر کم از کم یہ تو آپ..... جاننا چاہیں گی کہ آپ کو اپنے بچوں کو کس سے محفوظ رکھنا ہے۔"

اور سارہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کھڑی سنتی گئی۔ پھر اس نے وہی کیا جو سعدی نے کہا مگر ایک چیز پہ وہ راضی نہیں ہوئی۔

"میں کسی فیملی ڈنر کا حصہ نہیں بنوں گی۔"

"اوکے' آپ ہمارے گھر کے قریب جو پارک ہے' وہاں آئیں' ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں' اگر میں آپ کو راضی نہ کر سکا تو ٹھیک ہے' آپ وہیں سے گھر چلی جائیے گا اور میں ریسٹورانٹ۔"

وہ اتنے پہ راضی ہو گئی۔ صرف اتنے پہ۔

مغرب ڈھل چکی اور اندھیرا پھیل گیا تھا جب اس نے پارک میں بنچ پہ بیٹھے کلائی کی گھڑی دیکھی' اور پھر سعدی کو کال کرنے کے لیے فون نکالا۔ مگر اس کی تاکید یاد آ گئی۔ اس کا فون ممکنہ طور پہ بگ ہو رہا ہو گا (گو کہ ایسا نہیں تھا مگر وہ احتیاط کر رہا تھا) سو اس نے صرف پیغام بھیجا۔ "کدھر ہو؟"

جواب ذرا دیر سے موصول ہوا۔ "اسٹریٹ نمبر فور میں رائٹ لین میں جو زیر تعمیر گھر ہیں' ان میں سبز گیٹ والے گھر کے اندر آ جائیں' میں آ رہا ہوں۔ ریسٹورانٹ نہیں آ سکتیں تو اتنا تو کرنا پڑے گا۔"

اب یہ سب سارہ کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا' مگر وہ سعدی تھا۔ اس کو میلوڈرامہ کی عادت تھی' یقیناً کوئی وجہ تھی' جب ہی وہ کہہ رہا تھا۔ وہ پیدل چلتی چند گلیاں عبور کر کے اس گھر کے اندر چلی آئی۔ رات کا وقت' سنسان گلی' مہیب تاریکی۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ وہ اس پر اسرار منظر نامے سے نہ ڈری نہ گھبرائی۔ بس اس گھر کے پورچ میں بار بار گھڑی دیکھتی' ٹہلتی رہی۔ وہ عمر اور تجربے کے اس حصے میں تھی جہاں انسان جنات اور بھوت پریت سے نہیں ڈرتا۔ صرف انسانوں سے ڈرتا ہے۔

گیٹ پہ آہٹ ہوئی تو وہ مڑی۔ جھنجلا کر کہنے لگی۔ "سعدی اتنا ڈرامہ کرنے کی..." مگر وہ "شش" منہ پہ انگلی رکھتا تیزی سے قریب آیا۔ سارہ رک گئی۔ وہ بار بار... گردن موڑ کر پیچھے دیکھتا تھا۔

"آپ یوں کریں' ریسٹورانٹ جائیں' میں...."

"سعدی میں نے بتایا ہے میں ادھر نہیں جاؤں گی۔ تمہیں مجھے کچھ بتانا ہے تو بتاؤ ورنہ میں جا رہی ہوں۔"

"شش آہستہ۔" اس نے پھر گردن موڑی۔ پھر ذرا خفگی سے اسے دیکھا۔ "میرے پیچھے کوئی لگا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے اس کے پاس گن ہے۔" (سارہ کا منہ کھلا) "نہیں وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا' وہ میرا دوست ہے' مگر آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ آپ یوں کریں' ریسٹورانٹ جائیں' اور یہ..." اس نے چابیوں کا گچھا نکالا۔ (علیشا کے کی چین سے اس نے چھ انچ کا ایک سلور پین بھی منسلک کر رکھا تھا۔) اور اسے سارہ کے ہاتھ میں تھمایا۔ "یہ جا کر زمر کو دیجئے گا۔ میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں ہے' پلیز اسے مت کھوئیے گا' بس زمر کو دے دیں' اور کہنا سعدی آ رہا ہے۔ پھر بے شک گھر چلی جائیے گا' میں بعد میں وضاحت کر دوں گا۔"

"سعدی یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم...." وہ پریشان ہونے لگی۔

"ڈاکٹر سارہ جو میں کہہ رہا ہوں' وہ کریں۔ جائیں۔ جلدی۔" سارہ نے اثبات میں سر ہلایا اور جانے کے لئے مڑی۔ ساتھ ہی پاؤچ کھول کر اندر کی چین رکھا' تبھی پاؤچ میں رکھا موبائل زور سے چیخا۔ کوئی کال آ رہی تھی۔ اندھیر سناٹے میں آواز گونجی۔ باہر گلی میں شیرو کو لگا کہ سعدی اپنا فون سائلنٹ کرنا بھول گیا ہے۔ مگر وہ سارہ کا فون تھا.....

"اوہ ڈیم!" سعدی نے تیزی سے اس کا فون چھینا اور اسے سائلنٹ کیا۔ اور ذرا فکر مندی سے گیٹ کی طرف دیکھا۔

"وہ ادھر ہی آ جائے گا۔ اوپر سیڑھیوں سے جائیں' ساتھ والے گھر کی چھت پھلانگ لیں' اور سنیں' وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا' بس جو ہو جائے' آپ نے سامنے نہیں آنا۔ چاہے جو بھی ہو جائے۔ اب جائیں۔" کندھے سے تقریباً اس نے سارہ کو دھکیل دیا۔ اس وقت بھی صرف سارہ کی فکر تھی۔ شیرو نے دیکھ لیا تو سمجھے گا کہ وہ سارہ کو سب بتا چکا ہے' اور پھر سارہ کو وہ نقصان پہنچائیں گے۔

سارہ کے مختل حواس بالآخر کام کرنے لگے۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں تک آئی۔ سینڈل اتار کر ہاتھ میں پکڑی اور زینے پھلانگ گئی۔ مڑ کر دیکھا تو سعدی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور تبھی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ سارہ اوپر آ گئی۔

اوپر کی چھت خالی تھی۔ سرپے ستون آدھی دیواریں۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی' سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی ذرا آگے آئی' تبھی اس نے وہ آواز سنی۔ نیچے سعدی سے کوئی بات کر رہا تھا۔ وہ اسے پہچانتی تھی۔ فارس کی آواز۔ نہیں۔ نوشیرواں؟ اس کی آواز فارس سے ملتی تھی۔

سارہ واپس مڑی اور سیڑھیوں کے دہانے تک آئی۔ ذرا سی گردن نکال کر جھانکا۔ وہ نوشیرواں تھا اور وہ سعدی پہ پستول تانے ہوئے تھا۔ ایک لمحے کے لئے نظروں کے سامنے اس کی نظروں میں وارث کی پنکھے سے لٹکتی لاش گھوم گئی۔ وہ دم سادھے سن سی کھڑی رہی۔ اس نے چند الفاظ سنے۔ وارث' وانیہ' لوگوں نے مارا ہے۔ وارث کو ہاشم نے مارا ہے۔ اس کی نگاہیں نوشیرواں کے پستول تانے ہاتھ پہ تھیں اور ذہن... ذہن سن سا تھا۔ مگر نہیں۔ اسے ان الفاظ کی فی الحال کوئی سمجھ نہ تھی۔ بس اسے سعدی کی فکر تھی۔ اندھے کو بھی نظر آ رہا تھا کہ وہ گولی چلا

ے گا۔ اور سعدی اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ کیا کرے؟ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ کوئی پتھر جسے وہ شیرو کے سر پہ مار سکے۔ مگر اس نے دیکھا' اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ نہیں وہ عورت تھی' کمزور تھی۔ وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ پھر کس کو بلائے؟ فارس؟ نہیں۔ پولیس۔ ہاں... پولیس۔ سائرن سنتے ہی وہ بھاگ جائے گا۔

ڈاکٹر سارہ غازی نے اگلا فیصلہ لمحوں میں کیا تھا' اور لمحوں میں ہی وہ ننگے پیر چلتی ساتھ والے گھر کی چھت تک آئی۔ دونوں چھتیں ملی ہوئی تھیں۔ مگر وہ ایسی جگہ نہ تھی کہ وہ پھلانگ سکے۔ اس نے کونے میں (نوشیرواں سے حتی الامکان دور) کھڑے ہو کر موبائل پہ پولیس کو کال کی۔ (اس کا نمبر پرائیوٹ تھا' کال ٹریس نہ کی جا سکتی تھی۔) مدھم سرگوشی میں جلدی جلدی ان کو سمجھایا کہ اس ایڈریس پہ ایک شخص فائرنگ کر رہا ہے اور وہ جلدی پہنچیں۔ انہوں نے ایڈریس کنفرم کیا اور اسے تسلی دی کہ ایک موبائل اس علاقے میں گشت کر رہی ہے' وہ جلد پہنچ جائیں گے۔

"آپ کون ہیں اور کدھر سے بول رہی ہیں؟"

"میں..... ہمسائے سے بول رہی ہوں۔"

"او کے' آپ اس شخص سے دور رہیں' کہیں چھپ جائیں' پولیس کے آنے تک باہر نہ نکلیے گا۔" اس نے پوری بات سنے بغیر فون اٹھا اور بلی کی چال چلتی واپس آئی' سیڑھیوں کے دہانے پہ رکی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں جو پریشانی اور فکرمندی سے سکڑی تھیں' ہراس اور وحشت سے پھیلتی گئیں۔

سعدی گرا پڑا تھا' اور وہ کراہ رہا تھا۔ اندھیرے میں خون کا رنگ دکھائی نہ دیتا تھا مگر اس کی سفید شرٹ درمیان سے سیاہ ہوتی جا رہی تھی۔ سارہ نے چیخ روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے' نوشیرواں نے اسے دو گولیاں مزید ماریں۔ گولی کی آواز سنائی نہ دیتی تھی' ایک کلک ہوتا تھا اور زمین پہ گرا لڑکا کراہتا تھا۔ پھر وہ اسے بوٹ سے ٹھوکریں مارنے لگا۔ وہ اسے مارتا جا رہا تھا اور اوپر سیڑھیوں کے دہانے پہ ملک کی پہلی پی ایچ ڈی ان پراسیس ڈیزائن ٹیسکام کی زمین سے فضا اور فضا سے فضا میں مار کر دینے والا میزائل بنانے والی سائنسدان اور تھرکول کی پراجیکٹ ڈائریکٹر ڈاکٹر سارہ غازی کپکپا رہی تھی۔ اس کا دل لرز رہا تھا اور رنگ خوف سے سفید پڑ رہا تھا۔ اس نے کتنی دفعہ کمزور ہاتھوں سے پتھر اٹھایا' مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اسے کھینچ کر دے مارے۔ ہر ٹھوکر کے بعد وہ جیسے جانے کو مڑتا' پھر رک کر سعدی کو مارتا۔

وہ بس لمحے گن رہی تھی' ادھر وہ نکلے' اور ادھر سارہ سعدی کو فوراً اٹھا کر ہسپتال لے جائے۔ بالآخر وہ جانے کے لیے مڑا مگر جاتے جاتے اس نے پوری قوت سے سعدی کے منہ پہ بوٹ مارا تھا۔ سارہ کی آنکھوں میں ایک دم بہت سا پانی اترا۔ اس نے پتھر اٹھایا اور اسے ہوا میں بلند کرتے ہوئے لبوں سے ہلکی سی سسکاری نکلی۔ وہ کتنی مشکل سے چیخیں' آنسو' بددعا' سب کو روکے بیٹھی تھی' یہ وہی جانتی تھی۔

اور یہ کراہ نوشیرواں تک بھی پہنچی تھی' جب وہ ایک دم گھوما۔ سارہ فوراً دیوار کی اوٹ میں ہو گئی۔ "اے.... کون ہے ادھر؟" وہ احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا۔ سارہ گہرے گہرے سانس لیتی' دیوار سے کمر لگائے کھڑی رہی۔ پھر اسے گولیوں کے کلک اور ان کے سیڑھیوں اور دیوار سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی۔

گولیوں کے بارے میں خبریں سننا' اور ان کو فلموں اور ویڈیو گیمز میں دیکھنا اور بات ہوتی ہے' مگر ان کو خود پہ برستے دیکھنا... یہ زندگی کے تکلیف دہ تجربات میں سے ایک ہے۔ سارہ نے آنکھیں بند کر لیں' اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ اس نے چند لمحے انتظار کیا' پھر اوٹ سے نکلی' نوشیرواں جاتے جاتے اسی پل واپس مڑا۔ اور اندھیرے میں سارہ کا ہیولہ سا فوراً اوٹ میں ہو گیا۔ اسے لگ رہا تھا وہ ابھی آئے گا اور اسے بھی گولیوں سے بھون دے گا' مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ گیٹ عبور کر کے باہر

نکل گیا۔

وہ دوڑ کر نیچے آئی۔ سعدی زمین پہ گرا کراہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"سعدی!" اس نے جھنجھوڑا۔ اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ سعدی نے غنودہ سی آنکھیں کھولیں اسے دیکھ کر ان میں کوئی احساس نہ جاگا' بس وہی غنودہ' صدماتی' بےیقین سی کیفیت۔

"میں نے پولیس کو کال کر دی تھی۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔" وہ اس کے زخم پہ ہاتھ رکھتی کہہ رہی تھی۔ خون بہے جا رہا تھا۔ سارہ کا لباس لہولہان ہو رہا تھا۔

دور پس منظر میں مدھم سے سائرن سنائی دے رہے تھے۔

سعدی کی نیم جان آنکھیں اس کی آنکھوں پہ جا ٹھہریں۔ اس نے لب کھولے۔

"ڈاکٹر... سارہ..." کوئی ریلیشن شپ ٹائٹل استعمال کیے بغیر اس نے سرگوشی میں... حلق سے بمشکل الفاظ باہر نکالے۔

"رن... فار..." اس کے لبوں سے خون بہنے لگا تھا' مگر سارہ کا پورا وجود سن ہو گیا۔ اسے معلوم تھا وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ رن فار یور لائف۔ اپنی زندگی کے لیے بھاگو۔ ساتھ ہی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ جانے کا۔ نکل بھاگنے کا۔ یہ وہ سعدی نہیں تھا جس نے کچھ دیر پہلے بہت اعتماد سے کہا تھا کہ وہ میرا دوست ہے' مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ یہ وہ سعدی تھا جس کے یقین کے چہرے پہ ابھی وہ بوٹ مار کر گیا تھا۔

سائرن اب قریب ہوتے سنائی دے رہے تھے۔ بجلی آ گئی تھی۔ گلی روشن ہو گئی تھی۔

سارہ ایک دم اٹھی اور باہر کو بھاگی۔ گیٹ پورا کھول دیا۔ پھولے سانس' تیز دھڑکن' اور بے جان ہوتے وجود کے ساتھ وہ تیز تیز دوڑ رہی تھی۔ نگاہوں میں ایک ہی شے تھی۔ وارث کی پنکھے سے جھولتی لاش۔ وہ راستے میں دو جگہ گری' گھٹنے رگڑے گئے' ہتھیلیاں چھل گئیں' مگر وہ پھر سے اٹھ کر دوڑنے لگی۔ سائرن اب اسی گلی سے سنائی دے رہے تھے۔ لوگوں کی آوازیں بھی۔ ان کو سعدی مل گیا تھا۔ وہ مزید تیز دوڑتی گئی۔ یہاں تک کہ پارک کے قریب کھڑی اپنی کار تک پہنچ گئی۔ اندر بیٹھ کر' تیز تیز سانس لیتے' اس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔ موبائل فرنٹ سیٹ پہ ڈالا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔ اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے تو وہ بری طرح کپکپا رہے تھے۔ دل بند ہونے کو آتا تھا۔ اور یہ تب تھا جب اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں' اور اسے احساس ہوا کہ اس کا پاؤچ اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

سارہ نے وحشیانہ انداز میں کپڑے جھاڑے' سیٹ پہ چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ گاڑی سے نکل کر دیکھا۔

پاؤچ ندارد تھا۔ سعدی کی چابیاں' سعدی کا پین۔ اس نے کھو دیا تھا۔ مگر اس وقت سعدی زیادہ اہم تھا۔

آخر وہ صرف ایک پین ہی تو تھا!

اس نے لرزتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کی اسے واپس اسی گلی کے دہانے پہ جانا تھا' اور ایک فاصلہ رکھ کر پولیس کی موبائل کو فالو کرنا تھا۔ وہ سعدی کو جب تک ہسپتال پہنچتا نہیں دیکھ لے گی' اسے چین نہیں آئے گا۔۔۔

"پھر میں نے ان کا تعاقب کیا۔ جب وہ اسے ہسپتال لے گئے تو میں واپس آ گئی۔ ان کے ریسٹورانٹ کال کر کے ملازم کو میں نے ہی بتایا کہ وہ کس ہسپتال میں ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ گھر آ کر میں کمرے میں بند ہو گئی' کپڑے بدلے۔ صبح کار کی سروس بھی کروائی۔ سارے نشان مٹا دیے۔ اسی صبح میں نے دو جمع دو کر لیے تھے' اور مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وارث کو بھی انہی لوگوں نے مارا ہے۔" اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی سارہ جھکے چہرے اور آنسوؤں کے ساتھ بتا رہی تھی اور زمر کیے بیگ حق دق سنے جا رہی تھیں۔

"مگر وہ کون تھا؟ جس نے گولی چلائی؟"

سارہ نے نفی میں چہرہ ہلایا۔ "میں نہیں بتا سکتی۔ ان لوگوں نے وارث کو بھی مارا، وہ میرے بچوں کو بھی ماردیں گے امی۔ اگر میں نے زمر کو بتایا تو وہ کہے گی کہ گواہی دو۔ میں گواہی نہیں دے سکتی۔ میری آنکھوں کے سامنے اس نے جیسے سعدی کو مارا ہے، وہ منظر مجھے نہیں بھولتا۔"

"مگر تم ان کو اتنا تو بتا دو کہ یہ کس نے کیا ہے؟"

"میں نے بتایا تو زمر کو پتہ چل جائے گا کہ میں ہی وہ گواہ ہوں، جس کو وہ لوگ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ وہاں کوئی تھا، مجھے نہیں نے بتایا ہے۔ زمر کہے گی گواہی دو، وہ میری جگہ ہوتی تو دے دیتی گواہی، اس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس ہے۔ میری بیٹیاں ہیں۔ امی جب کوئی مر جائے تو واپس نہیں آتا۔ وہ لوگ کس طرح اسے ہسپتال سے لے گئے۔ انہوں نے اس کو مار کر لاش بھی غائب کر دی ہوگی۔ وہ اسی طرح ہمارے ساتھ بھی کریں گے۔" وہ نفی میں سر ہلاتی، روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم کا دل بھر آیا۔ انہوں نے ان کا شانہ تھپکا۔

"مگر زمر کہتی ہے وہ زندہ ہے۔"

"امی زمر نے نہیں دیکھا تھا اسے سعدی کو قتل کرتے۔ میں نے دیکھا تھا۔ اور اسے ہسپتال میں نے پہنچایا تھا۔ آپ مجھے بزدل سمجھتی ہیں تو سمجھیں، مگر وہ میں ہوں جس نے اس کی جان بچائی تھی۔ مگر وہ پھر بھی اسے لے گئے۔ جتنی بے رحمی سے اس کو وہ مار رہا تھا، اس کے بعد وہ اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ امی سعدی مر چکا ہے، کیونکہ اس نے وارث کے قاتلوں کو کنفرنٹ کیا تھا۔ میں اگر سعدی کے قاتل کو کنفرنٹ کروں گی تو ہم سب بھی مریں گے۔" وہ ایک دم وحشیانہ انداز میں چلائی تھی۔ "مجھے اپنی پروا نہیں ہے، مگر میری بیٹیاں ہیں دو! اور... اور یہ لوگ جو سوشل میڈیا پہ سعدی کے نام سے تحریک چلا رہے ہیں، امی ان میں سے کسی کو عدالت آنا پڑے تو کوئی بھی نہیں آئے گا۔ ہر کوئی زمر نہیں ہوتا۔"

"اور وہ جو چیزیں سعدی نے تمہیں دی تھیں؟ وہ نہیں ملیں؟"

"نہیں، میں بعد میں دوبارہ اس علاقے میں گئی تھی۔ ہر وہ جگہ دیکھی جہاں سے گزری تھی۔ مگر میرا پاؤچ نہیں تھا۔ اس میں میری ایک رنگ تھی، پیسے تھے اور سعدی کی چابیاں بھی۔ پھر سعدی کی گمشدگی کے کوئی چار دن بعد میں اس زیر تعمیر مکان میں گئی۔ وہاں اوپر چھت پہ، جہاں میں نے چھپ کر پولیس کو فون کیا تھا، وہاں اب بجری کا ڈھیر رکھا تھا۔ میں نے بجری ہٹائی تو ایک کونے میں جہاں اس رات سیمنٹ کچی تھی، اب پکی کرسخت ہو چکی تھی، اس میں میرے پاؤچ کے دو موتی اٹکے تھے۔"

ذکیہ بیگم کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ "مطلب؟"

"میں نے وہیں رکھا ہوگا پاؤچ، سیمنٹ کچی تھی، وہ اس سے چپک گیا۔ بعد میں کسی نے اسے کھینچ کر اتارا تو موتی اندر ہی اٹکے رہ گئے۔ یہ پولیس کا کام نہیں ہو سکتا تھا، کسی مزدور نے کیا ہوگا اور پھر اس جگہ بجری ڈال دی۔ پاؤچ میں میرے پیسے تھے، ہیرے کی انگوٹھی تھی اور وہ کی چین تھا۔ پھر میں اس گھر کے ٹھیکیدار سے ملی، اسے بتایا کہ میں ایک وکیل ہوں اور ادھر میرا پرس گرا تھا۔ اس نے کہا کہ دس ہزار دو، وہ پرس واپس لا دے گا۔ میں نے دے دیے۔"

"پھر؟" ذکیہ بیگم دھیان سے سن رہی تھیں۔

"تین دن بعد میں دوبارہ گئی تو اس نے کہا کہ کسی مزدور نے اٹھایا تھا پرس، اور اس نے وہ مجھے واپس کر دیا۔ اندر پیسے اور انگوٹھی ویسے ہی رکھی تھی۔ مگر سعدی کا کی چین نہیں تھا۔"

"مگر وہ کہاں گیا؟"

"مجھے نہیں پتہ، مگر کیا فرق پڑتا ہے امی؟ جب سعدی نہیں رہا تو کیا فائدہ کسی دوسری چیز کا؟" وہ گھٹنوں میں سر دیے کتنی دیر روتی رہی۔ پھر بالآخر اس نے چہرہ اٹھایا۔ آنسو پونچھے۔

"کچھ دن میں، میں چلوں گی ان سے ملنے۔ مگر ابھی نہیں۔ مجھے سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔" مگر ذکیہ بیگم جانتی تھیں کہ چونکہ اس نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے تو اب وہ جلد سنبھل جائے گی۔ وہ افسوس سے اسے دیکھے گئیں۔

نہ وہ بہادر تھی نہ بزدل۔

وہ ایک ماں تھی۔

..................❖❖❖..................

میرے ہونے کی خود کوئی توجیہہ کر ..... مجھ کو لگنے لگا ہے کہ بے سود ہوں!

رات انیکسی پہ گہری ہو رہی تھی۔ رمضان کے باعث بتیاں روشن تھیں۔ بڑے ابا لاؤنج میں وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے اور صداقت ان کے پیر کے ناخن کاٹ رہا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا تو ابا نے گردن موڑ کر دیکھا۔ زمر اندر داخل ہو رہی تھی۔ فارس پیچھے تھا۔ دونوں کے چہروں پہ ایک ہم آہنگ سا اطمینان بکھرا تھا۔ نیاز بیگ کو گرفتار ہوئے دو گھنٹے ہی تو ہوئے تھے۔

"میں اپنے پرائیوٹ نمبر سے لوکل چینلز کو کال کرنے جا رہا ہوں، صبح تک شہزا ملک کیس کے ملزم کے پکڑے جانے کی خبر عام ہو گی۔ اے ایس پی کو اتنی شہرت اور ہائپ ملے گی کہ پھر وہ نیاز بیگ کو باہر نہیں آنے دے گا۔"

"اوکے۔" زمر نے سر ہلا دیا۔

اور بڑے ابا نے صرف دور سے دیکھا، کہ وہ دونوں سرگوشی میں بات کر رہے تھے۔ کوئی اطمینان سا تھا جو ان کے رگ و پے میں اترتا گیا۔

صداقت فوراً سے اٹھا۔ استری کے اسٹینڈ سے فارس کی شرٹ اٹھا لایا۔

"فارس بھائی، یہ جل گئی۔" شرٹ سامنے کی۔ شرمندگی سے سر بھی جھکایا۔

زمر نے چونک کر شرٹ کو دیکھا، اس کی تیوری چڑھی، پھر ذرا تھمی، فوراً سے فارس کو دیکھا۔ (یہ ابھی صداقت کو ڈانٹے تو سہی! میں اس کو.....)

"وہ بلیک والی پریس کر دو پھر۔" فارس نے بس ایک نظر اس شرٹ کو دیکھا، اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ زمر کے لب ذرا کھل گئے۔ قدرے تعجب سے اس نے فارس کو جاتے دیکھا۔

"اس نے کچھ بھی نہیں کہا؟"

صداقت نے بہت تسلی آمیز انداز میں ہاتھ جھاڑے۔ "پچھلے ہفتے بھی ایک جلائی تھی،، تب بھی کچھ نہیں کہا تھا۔"

زمر کھول کر اس کی طرف مڑی۔ اگلے دس منٹ تک صداقت نے سر جھکا کر اس کی صلواتیں سنیں جن میں مسلسل 'صداقت آپ کا دھیان کہاں ہوتا ہے؟ آپ یہ اور آپ وہ" کی تکرار تھی۔

اور اوپر چڑھتے فارس نے سر جھٹکا تھا۔ (ملازم آپ ہے، اور شوہر تم ہے؟ یہ عورت کبھی نہیں سیدھی ہو گی!)

چند منٹ بعد زمر کے کمرے کی بتی بجھی تھی اور وہ بیڈ پہ لیٹی تھی۔ (فارس کمرے میں نہیں تھا۔) کھلی آنکھوں سے چھت کو دیکھتے اس کے سامنے ایک منظر فلم کی طرح چل رہا تھا۔ چار سال پہلے.....

آفس میں بیٹھی زمر اور سامنے بیٹھے بصیرت صاحب۔ وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔ "فارس غازی کی گاڑی سے پولیس نے وہ رسی ریکوری کی ہے جس کے ذریعے وارث غازی کا گلا گھونٹا گیا تھا۔"

"جی فارس آیا تھا میرے پاس' اس نے کہا کہ اسے سیٹ اپ کیا گیا ہے۔" وہ فائل پہ لکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"زمر صاحبہ' یہ فارس کیسا آدمی ہے؟ مطلب کہ ایک ایوریج مجرم تو ایسے ثبوت کار میں چھوڑ سکتا ہے' ہم روز ایسے جیسوں کیسز دیکھتے ہیں' مگر ایک کرمنلی اسمارٹ آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔"

زمر پین لبوں پہ رکھے کچھ دیر سوچے گئی۔ "سچ بتاؤں تو میں اس کو نہیں جانتی۔ کچھ مہینے میرے پاس پڑھا ہے وہ' پھر بس کبھی سرِ راہ ملاقات ہو گئی تو ہو گئی۔ کم گو ہے' ہاں اگر بولے تو نپی تلی بات کرتا ہے۔ سمجھدار لگتا ہے مجھے' ذرا غصے کا تیز ہے' مگر...کرمنلی اسمارٹ ہے یا نہیں' ایسی باتیں تو کسی کے ساتھ رہ کر ہی پتہ چل سکتی ہیں۔ اس لئے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ویسے ایک ایجنسی میں اچھی پوسٹ پہ ہے' ایسے ہی تو نہیں گیا ہو گا نا۔"

"میڈم ایجنسیز میں تو ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' فزیکل فٹنس بھی میٹر کرتی ہے' شخصیت بھی میٹر کرتی ہے' سب بہترین اور اسمارٹ نہیں ہوتے۔"

یہ زمر اور زرتاشہ کو گولی لگنے سے پہلے کی گفتگو تھی جو آج رات ویسے ہی اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی۔

(میں ایک مہینے سے اس کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ سعدی کو کھوئے ایک مہینہ ہو گیا اور یہ.....) اس نے گردن موڑ کر ٹیرس کی طرف دیکھا جہاں وہ بیٹھا تھا۔ (اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ کتنی احتیاط سے ہر شے کی۔ ایک ایک چیز کا خیال رکھا۔ تو پھر یہ اپنے بھائی کو مار کر ثبوت گاڑی میں کیوں چھوڑے گا؟ پہلے تو تم اس کو نہیں جانتی تھی' مگر اب جانے لگی ہو تو کیا ہے جو تمہیں کھٹکنے لگا ہے زمر؟) وہ سوچے گئی۔

فارس اور زمر کے کمرے اور ندرت اور حنین کے کمرے کا ٹیرس مشترک تھا۔ وہاں ایک کین کا صوفہ بچھا تھا۔ فارس اس پہ بیٹھا تھا اور پاؤں لمبے کر کے ریلنگ پہ رکھے تھے۔ سامنے ہاشم کے کمرے کی بالکونی پہ نگاہیں جمائے وہ کچھ سوچے جا رہا تھا۔

"آپ ادھر کیوں بیٹھے ہیں؟" حنہ ساتھ آ کر بیٹھی تو وہ چونکا۔ پھر ٹیک لگائے رکھے' بس گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ موبائل ہاتھ میں لئے' کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' ساتھ آ بیٹھی تھی۔

"یونہی۔"

"پھپھو نے کمرے سے نکال دیا؟" حنہ نے آنکھیں اس پہ جمائے' سنجیدگی سے پوچھا۔ فارس نے "اف" کہہ کر چہرہ واپس سامنے کر لیا۔

"یہ ہاں والا "اف" تھا یا "میری ذاتیات میں مداخلت نہ کرو" والا اف تھا؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ سو رہی ہے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"مجھے بھی نہیں آ رہی۔" اس نے ایک مایوس نگاہ سیل فون پہ ڈالی۔ (ہاشم کو کتنی دیر ہوئی ٹیکسٹ کیا تھا' مگر کوئی جواب نہیں۔ سامنے اس کے کمرے کی بتی بھی بجھی تھی۔ گھر نہیں تھا شاید) اور گھٹنے ملائے' ٹیک لگائے پیچھے ہو کر بیٹھی رہی۔

"سعدی اس وقت کیا کر رہا ہو گا حنین؟" وہ دور آسمان کو دیکھ رہا تھا' چہرے سے تھکا تھکا لگتا تھا۔ حنہ کی آنکھوں میں اداسی آ گئی۔ اس نے اپنا سر فارس کے کندھے پہ رکھ لیا۔

"میں یہ نہیں سوچنا چاہتی۔ میرا دل گھٹتا ہے۔ وہ کہیں کسی جگہ محبوس ہوں گے اور ان کے مجرم آزاد گھوم رہے ہیں۔"

"اونہوں۔" فارس نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "اب ان میں سے کوئی آزاد نہیں گھومے گا۔ جب تک میں زندہ ہوں' نہیں!"

"مجھے نہیں آتا اب کسی بات پہ یقین!"

اس نے بازو حنہ کے کندھوں کے گرد حمائل کر کے اس کے بال جھپکے اور نگاہیں دور آسمان پہ جمائے کہنے لگا' "حنہ کیا ہم لوگ تمہارے لیے کچھ نہیں ہیں؟ کیا سعدی کے جانے سے تم ہم سے بھی الگ تھلگ رہا کرو گی؟"

وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔''

''پھر تم زمر سے ایسے بات کیوں کرتی ہو؟''

آئی ریئلی ہیٹ ہر۔'' خفگی سے قصر کو دیکھتی' وہ کہہ رہی تھی۔

''اونہوں۔ تم اس سے نفرت نہیں کرتی۔ تم اس سے ناراض ہو۔''

حنین ناراضی سے منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

''تم سارا وقت کمرے میں کیوں بند رہتی ہو؟ ہمارے ساتھ کیوں نہیں آتی؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں ایک ناکام انسان ہوں۔ میرے اندر بہت سارا شر ہے۔ میں جب بھی کسی چیز میں ہاتھ ڈالوں گی' اسے بگاڑ دوں گی۔''

''مگر تم وہ تو کر سکتی ہو جو زمر نے تمہیں کہا ہے۔ یہ انتقام اور انصاف کا واحد طریقہ ہے۔''

''میں ان کے حکم کی غلام نہیں ہوں آپ کی طرح۔'' اس نے خفگی سے فارس کے کندھے سے سر ہٹایا اور آگے ہو کر بیٹھی۔ ''بھائی کہتا تھا' انتقام کے لیے چیونٹیاں بن کر کام کرنا پڑتا ہے۔ ایک فیملی بن کر۔ ایسے نہیں ماموں کہ وہ جب چاہیں' مجھے آرڈر دے کر چلی جائیں' میری فیلنگز کا خیال رکھے بغیر۔ وہ کون ہوتی ہیں مجھے آرڈر کرنے والی؟'' وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''تمہارے بھائی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ چیونٹیوں کی ایک ملکہ بھی ہوتی ہے؟''

ایک تانیے کو ساری فضا ساکن ہو گئی۔ حنین بالکل ٹھہر گئی۔ وہ گردن تلے اب بازوؤں کا تکیہ بنائے' نیم دراز' پرسکون سا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کو حنہ کا دل نرم موم ہونے لگا' مگر پھر اس نے گردن کڑائی۔ (سامنے ہاشم کے کمرے کی بتی جل چکی تھی)

''وہ میری ملکہ نہیں ہو سکتیں۔ کبھی بھی نہیں۔ آپ مانیں ان کا حکم۔''

''تمہیں لگتا ہے میں اس کے حکم پہ چلتا ہوں؟''

''کیا میں دیکھ نہیں رہی؟ آپ وہی کر رہے ہیں جو وہ حکم دے کر چلی جاتی ہیں۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ حنہ کو اس کا ہنسنا اچھا لگا۔ کتنے عرصے بعد اس نے فارس کو ہنستے دیکھا تھا۔

''یہ جو تمہاری پھپھو جیسی عورتیں ہوتی ہیں نا' ان کو بہت تکنیک سے قابو کرنا پڑتا ہے' اور میں وہی کر رہا ہوں۔''

حنہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مطلب؟''

''مطلب کہ پہلے انہیں یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ وہ ایک ملکہ ہیں' ہر فیصلہ انہی کا مانا جائے گا' اور آپ صرف ان کی مدد کے لیے ہیں۔ پھر جب وہ آپ کی عادی ہو جائیں تو کنٹرول ان کے ہاتھ سے آہستہ آہستہ لے لیا جاتا ہے۔'' تکان سے مسکرایا۔

حنہ کے اندر کی دبھیال محبت جاگنے لگی' اور وہ خفگی سے اس کو سخت سنانے لگی تھی مگر تب ہی موبائل وائبریٹ ہوا۔ (آہ)۔ وہ اسے شب بخیر کہتی اٹھ گئی' پھر جاتے جاتے مڑی۔ ''مجھے موبائل لینا ہے' میرا اپنا فون۔ آپ لا دیں گے؟ مگر پیسے امی دیں گی۔''

''ہاں' ایک فون خریدنے سے میں تو غریب ہو جاؤں گا۔''

''نہیں' پلیز' صبح امی آپ کو پیسے دے دیں گی' آپ لے لینا' ورنہ وہ ناراض ہوں گی۔''

''اپنی امی سے کہو' اتنا....'' وہ رک گیا۔ سر جھٹکا۔ ''اچھا صبح بات کرتے ہیں۔''

''شب بخیر ماموں۔'' ہلکا سا مسکرا کر کہا تو وہ جواب دے کر پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

وہ جس کو بھلانے میں کئی سال لگے تھے

اک لمحہ غفلت میں' در آیا وہی لمحہ!

حنہ کمرے میں آئی۔ امی کروٹ کے بل لیٹی تھیں۔ وہ فوراً اپنے بستر پہ آئی۔ اور موبائل کھولا۔ ہاشم۔ اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ سارے دن کی تھکن اتر گئی۔

''کدھر تھے آپ سارا دن؟''

''لڑکی' میں مصروف ہوتا ہوں۔'' مسکراتی اسمائلی۔'' تم بتاؤ' کیا کیا آج؟''

''کچھ نہیں۔ بھائی یاد آتا رہا۔ ابھی ماموں کے ساتھ ٹیرس پہ بیٹھی تھی۔'' وہ کروٹ کے بل لیٹی' اندھیرے میں چمکتی اسکرین کو دیکھتی لکھتی جارہی تھی۔

''ہوں۔ کیا باتیں ہو رہی تھیں ماموں سے؟'' ہاشم اپنے کمرے میں ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے' ایک ہاتھ سے موبائل پہ ٹائپ کرتا جا رہا تھا۔ وہ دو تین لوگوں کو ایک ہی وقت میں جواب دے رہا تھا۔

''وہ چاہتے ہیں' میں زمر کے کہنے پہ بھائی کا لیپ ٹاپ کھول دوں۔ مگر مجھ سے اب یہ کام نہیں ہوتے۔ جب بھائی کے کہنے پہ نہیں کیا تو زمر کے لیے کیوں کروں؟''

''سعدی نے کیا کہا تھا؟''

''ان کی کچھ فائلز کرپٹ ہو گئی تھیں' مجھے کہا کہ کھول دو' میں نے نہیں کھول کر دیں۔ دل ہی نہیں کرتا تھا۔ پتہ نہیں صحیح کیا یا غلط۔''

ہاشم نے ''اٹس او کے'' لکھ کر سینڈ کیا' کوٹ اتارا' گردن کی پشت کو ہاتھ سے دبا کر جیسے پٹھوں کو ریلیکس کیا' موبائل بیڈ پہ رکھا اور باتھ روم تک آیا۔ ٹب میں نل کھولا۔ پانی کی دھار گرنے لگی۔ اس نے ہاتھ سالٹس کا جار اٹھایا ہی تھا کہ یکدم رکا۔ ساری دنیا ساکت ہو گئی۔ پانی' جار سب چھوڑ کر وہ تیزی سے واپس آیا اور فون اٹھایا۔

''کون سی فائلز کرپٹ ہو گئی تھیں؟'' حنہ کے اگلے چار پانچ پیغام پڑھے بغیر ٹیکسٹ کیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''بھائی کی کوئی آفس فائلز تھیں۔''

''وہ جو یو ایس بی میں تھیں؟'' اس نے روشنی میں تیر چلایا۔ سامنے کی بات تھی۔

''جی... آپ کو کیسے پتہ؟''

''ارے وہ سعدی نے تمہیں دی ہیں؟ میں کب سے انہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ میں نے دی تھیں سعدی کو' مجھ سے کھل نہیں رہی تھیں' ابھی کدھر ہے وہ فلیش؟'' ادھر اس کے قدموں تلے سے زمین نکل رہی تھی۔

''میرے پاس ہے۔ سامان میں ہی پڑی ہے کہیں۔''

''تم مجھے ابھی لا کے دے سکتی ہو؟ بس دو منٹ کے لیے آؤ' اور مجھے بالکونی میں پکڑا کر چلی جاؤ۔''

''ماموں ٹیرس پہ بیٹھے ہیں' مجھے شوٹ نہ کر دیں۔'' یہ لکھتے ساتھ ہی اس کا دل خراب ہوا۔ (اگر ماموں کو پتہ چلا کہ میں ہاشم بھائی سے اس وقت بات کر رہی ہوں تو وہ کیا سوچیں گے؟)

''اچھا۔'' ہاشم رکا۔'' مجھے وہ کل ہی چاہیے ہے' صبح دے جاؤ گی فلیش؟''

''او کے۔''

''تم نے اسے کھول کر دیکھا؟ فائلز ری کور کیں یا نہیں؟''

''نہیں۔ میں نے ہاتھ ہی نہیں لگایا' صبح لا دوں گی۔'' وہ لکھتی جا رہی تھی جب...

''حنین... کس سے بات کر رہی ہو؟'' امی نے اس طرف کروٹ لی' موبائل کی روشنی دیکھی تو اسے پکارا۔ حنین کا سانس رک گیا۔

''وہ..... گیم کھیل رہی ہوں۔'' ساتھ ہی جلدی جلدی ''مجھے جانا ہے بائے۔'' کہہ کر وائی فائی آف کیا۔

''یہ ٹائم ہے فون استعمال کرنے کا؟ رکھو اور سو جاؤ۔ سحری کے لئے پھر اٹھتے موت پڑتی ہے تم سب کو۔ اب نہ دیکھوں میں تمہارے ہاتھ میں موبائل۔'' سختی سے اسے ڈپٹا تو وہ جلدی جلدی سارے میسج مٹاتی' فون بجھا کر چت لیٹ گئی۔ آنکھیں زور سے میچ لیں۔ ''اف۔''

اگلی صبح آفس جانے سے پہلے' ہاشم سوٹ میں ملبوس' مکمل تیار' اپنی بالکونی کی سیڑھیاں اتر کر انیکسی تک آیا۔ (تسلی کر لی کہ فارس کار نہیں کھڑی۔) اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ صداقت نے کھولا' تو اندر کا منظر بھی کھلتا چلا گیا۔ زمر پچن میں کا غذ ارتی تیاری' دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ پیچھے ندرت میز سے برتن اٹھا رہی تھیں۔ بڑے ابا بھی سامنے بیٹھے نظر آئے۔ اسے دیکھ کر سب رک گئے۔ وہ بشاش بشاش سا مسکرایا۔

''گڈ مارننگ۔ صبح صبح آپ کو تنگ کیا۔ حنین کے پاس میری ایک فلیش تھی' وہ لینے آیا تھا۔'' ندرت نے اسے اندر بلایا اور خود حنہ کو بلانے اوپر گئیں۔

''کون سی فلیش؟'' زمر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''میں نے سعدی کو کچھ فائلز دی تھیں کھولنے کے لئے' مجھ سے کھل نہیں رہی تھیں۔ اس نے کہا کھول دے گا' مگر وہ کرپٹ ہو گئیں شاید۔''

تبھی حنین اوپر سے آتی دکھائی دی۔ نیند والا چہرا جس پہ دو چھینٹے مارے تھے۔ آنکھوں میں اسے دیکھ کر زماہٹ آ گئی۔

''ہاشم بھائی!''

''حنین' بچے' میری فائلز دی تھیں سعدی نے تمہیں۔'' آنکھوں سے دیکھا زمر آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھ رہی تھی۔

''جی میں لاتی ہوں۔'' وہ بیسمنٹ کی طرف جانے لگی۔

مگر زمر نے اسے اشارہ کیا کہ ذرا تھمے۔ پھر ہاشم کی طرف مڑی۔

''کیا کلر تھا اس فلیش ڈرائیو کا؟''

''سوری؟'' ہاشم نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''مطلب کس رنگ کا کور تھا اس یو ایس بی کا؟ حنہ کیسے ڈھونڈے گی اتنی ساری فلیش ڈرائیوز میں اگر اسے کلر ہی نہ پتہ ہو تو؟'' بڑے رسان سے بتایا۔ ہاشم کا دل چاہا زمر کی گردن مروڑ دے' مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حنہ بول اٹھی۔

''وہ بلیک کلر کی ہے۔ پھپھو مجھے پتہ ہے وہ کونسی ہے' میں ابھی لاتی ہوں۔'' ساتھ ہی خفگی سے زمر کو دیکھا جو ایک دم کلس کر رہ گئی تھی۔ وہ حنین کو روکنا چاہتی تھی' مگر حنین اگلے ہی منٹ ایک سیاہ یو ایس بی لے آئی اور اسے ہاشم کی طرف بڑھایا۔

''یہ لیں۔'' ہاشم مسکرا کر شکریہ کہتا' زمر پہ جتاتی نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔

اپنے کمرے میں واپس آ کر اس نے جلدی سے اسے لیپ ٹاپ میں لگایا۔ اندر ایک ہی فولڈر تھا اور وہ لاکڈ تھا۔ لمبی لمبی اصطلاحات' نمبرز۔ اس کو کھولنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے یو ایس بی نکالی اور نیچے کچن میں آیا۔ کیبنٹ سے سل کا پتھر نکالا۔ اور اسے زور زور سے فلیش پہ مارا' یہاں تک کہ وہ بالکل پچک کر رہ گئی۔ پھر اس نے اسے کوڑا دان میں پھینکا اور ہاتھ دھو کر واپس اوپر چلا آیا۔

بالآخر ہر ثبوت مٹ گیا تھا۔ اب آج سے ایک نئے دن کا آغاز ہو گا۔ معصوم لڑکی! اسے اس لڑکی سے ہمدردی ہوئی۔

..............❖❖❖..............

سزا کے طور پہ ہم کو ملا قفس جالب ...... بہت تھا شوق جنہیں آشیاں بنانے کا!

ان سب سے دور' ہسپتال کے اس کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ وہ بیڈ پہ لیٹا تھا' اور میری اس کے بازوؤں کے اسٹریپ کھول رہی تھی۔

"مجھے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے' مگر تم جانتے ہو اگر تم باتھ روم سے پانچ منٹ کے اندر نہ نکلے تو مجھے باہر کھڑے گارڈ کو بلانا پڑے گا۔" وہ اٹھ کر بیٹھا' پاؤں زمین پہ اتارے' (آہ) تکلیف ہوئی۔ آنکھیں کرب سے بھینچیں۔ میری نے سہارا دینے کو اس کو شانے سے تھامنا چاہا' اس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور آگے بڑھ گیا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا وہ باتھ روم تک آیا۔

دیوار کا سہارا لیتے وہ (آہ) درد سے لب بھینچتا' سنک تک آیا۔ بیسن کو دونوں ہاتھوں سے تھامے اس نے چہرہ اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ ہونٹوں کا زخم بھر چکا تھا' چہرے کے نیل رنگ بدل چکے تھے مگر گال اور پیشانی کا زخم ویسا ہی تھا۔ گردن کی چوٹیں کم نظر آ رہی تھیں۔

"میں نے کبھی ایسے مارا تھا تمہیں نوشیرواں۔ جو تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟" نل کھولا اور پانی دونوں ہاتھوں میں بھر کر چہرے پہ انڈیلا۔ "وہ لڑکی جس کے منگیتر نے تمہیں یونیورسٹی میں پیٹا تھا' کبھی اس کو تو پلٹ کر مارنے کی ہمت نہیں ہوئی تمہیں۔ یہ انتقام نہیں تھا نوشیرواں۔ یہ حسد تھا۔"

سرخ آنکھوں سے آئینے میں دیکھتے وہ بڑبڑایا۔ "میں بھی کچھ نہیں بھولا۔ تم میں سے ہر ایک کو حساب دینا ہوگا۔" چہرے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا۔ ان دنوں وہ سارا دن سوچتا رہتا تھا۔ "بس ایک دفعہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔" ایک نظر اپنی زخمی ٹانگ پہ ڈالی' دوسری پیٹ پہ جہاں شرٹ کے اندر پٹی بندھی تھی۔ یہ دونوں زخم ہر روز بہتر ہو رہے تھے۔ صرف یہ کندھے والا بار بار خراب ہو جاتا۔

"میں کہاں ہوں؟ اپنے گھر سے کتنا دور؟" اس کا دماغ جھٹکنے لگا' یکدم وہ چونکا۔ گردن گھمائی۔ کمرے میں تو کوئی کھڑکی نہ تھی' مگر شاور کے اوپر ایک ننھا سا روشن دان تھا۔ ایک فٹ اونچا' دو فٹ چوڑا۔ پیچھے شیشہ تھا' اور آگے سلاخیں۔ شیشے کے اوپر سیاہ پینٹ کر کے باہر کے منظر کو بلاک آؤٹ کر دیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس روشن دان سے آدمی کیا' بازو بھی نہ گزر سکتا۔ اس لیے روز اس کو دیکھ کر وہ مایوس ہو جاتا تھا۔ مگر آج... بہتر ہوتی صحت نے ذہنی حالت بھی بہتر کر دی تھی۔ سعدی نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ صابن' شیمپو' ٹشو پیپر... اس کے علاوہ کچھ نہ تھا اس باتھ روم میں۔

مگر اس نے زندگی سے یہ سیکھا تھا کچھ نہ ہو تب بھی کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا ہے۔

وہ تولیے کے اسٹینڈ تک آیا۔ تولیہ اتارا۔ اور اسٹیل کا راڈ باہر کو کھینچا۔ ذرا سا زور' اور راڈ ہاتھ میں آ گیا۔ اب وہ شاور تک آیا۔ گردن اٹھا کر اونچائی جانچی۔ اتنی اونچی نہیں تھی چھت۔ سلیپرز سے پیر نکالے اور ایک ہاتھ سے شاور کی نلی پکڑے اس نے نچلے نل پہ پیر رکھا۔ (آہ) زخم گویا ادھڑنے لگے۔ درد سے دانت سختی سے جمائے۔ کراہ روکی۔ اوپر چڑھا۔ دوسرا پیر' گرم پانی کے نل پہ رکھا۔ اور ہاتھ لمبا کیا۔ راڈ روشن دان کی سلاخوں کو چھونے لگا۔ سلاخوں کے پیچھے شیشے کا پٹ بند تھا اور اس کے کنڈے میں تالہ سا لگا تھا۔ تالہ نہیں تو ڑ سکتا تھا وہ' مگر...

پوری قوت سے اس نے راڈ کا سرا شیشے میں مارا۔ ایک' دو' تین...

دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میری کی غصے سے بھری آواز۔ پھر گارڈز کی دھاڑ۔ وہ کچھ نہ سوچے بغیر بار بار راڈ شیشے پہ مار رہا تھا۔ کندھے کا زخم ادھڑنے لگا تھا۔ درد بڑھ گیا۔ وہ مزید ضربیں لگاتا گیا۔ قوت پوری نہ لگا سکنے کے باعث ضرب زور کی نہ تھی اور شیشہ بے اثر رہتا۔ کندھے سے خون رسنے لگا۔

اور تب ہی شیشے میں چھناکا ہوا۔ درمیان سے سوراخ۔ سعدی نے راڈ پھینکا۔ ایک ہاتھ دیوار پہ رکھے دوسرے سے کانچ کے ٹکڑے نکالے۔ ذرا سا روزن بنا۔

دروازے کا لاک ٹوٹا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ غصے میں اسے گالیاں دے رہے تھے۔

سعدی نے ایک نظر باہر چلچلاتی دھوپ کے منظر پہ ڈالی۔ وہ عمارت کی غالباً سب سے اوپر کی منزل پہ تھا' اس لیے... یہاں سے گویا سارا شہر نظر آتا تھا۔ مگر... اس کا دل ڈوبنے لگا۔ آنکھوں میں وحشت اور حیرت اتر آئی۔

نیچے ایک گارڈ نے بھی راڈ اس کی ران کے زخم پہ مارا۔ اس کے منہ سے دبی دبی سی چیخ نکلی۔ وہ گرنے لگا تبھی دوسرے نے کھینچ کر اسے نیچے اتارا۔ ہاتھ میں کانچ لگنے سے خون بہہ رہا تھا اور کندھے سے خون ہنوز رس رہا تھا۔ وہ نیم غشیم سے گارڈز اسے گھسیٹتے ہوئے واپس لائے اور بیڈ پہ پٹخا پھر سے اس کے بازو باندھنے لگے۔ اور اس دوران وہ بستر پہ گرا' درد سے کراہتے ہوئے اونچا اونچا پوچھ رہا تھا۔

''میں کہاں ہوں؟ یہ کون سا شہر ہے؟ کوئی مجھے کچھ بتاتا کیوں نہیں ہے؟'' کرب کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میری نے ان گارڈز کو ڈاکٹر کو لانے بھیج دیا ہے اور خود اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔

''میں نے کہا تھا تمہیں' کہ دیر مت لگانا۔'' سختی سے وہ بولی تھی۔ سعدی نے گیلی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''یہ کون سا شہر ہے؟ یہ میرا شہر نہیں ہے۔ مجھے پتہ ہے۔''

''یہ پوچھو کہ یہ کون سا ملک ہے۔''

اور اس کے الفاظ پہ سعدی ذوالفقار یوسف خان کا پورا وجود سن ہو گیا۔ یک ٹک وہ میری کو دیکھے گیا۔

''بھاگنے کی کوشش بے کار ہے سعدی' کیونکہ یہ انڈیا ہے' اور یہاں تم بغیر پاسپورٹ کے لائے گئے ہو۔ جس دن تم اس قید سے نکلو گے' تم ایک پاکستانی جاسوس کی طرح انڈیا کی گلیوں میں یونہی چھپتے پھرو گے' اور وہ جلد یا بدیر تمہیں ڈھونڈ کر..... خیر مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کہ بھارت میں ایک غیر قانونی طور پہ آئے ہوئے پاکستانی وہ بھی جو نیوکلیئر کا سائنسدان ہو' اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ اس لئے دوبارہ یہ کوشش مت کرنا۔ یہ قید بھارتیوں کی قید سے بہتر ہے۔'' درشتی سے کہتی وہ واپس کاؤچ پہ جا بیٹھی اور سعدی بالکل سن سا رہ گیا۔

.... ❖❖❖ ....

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشین تھا ...... اس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی یقین تھا!

ہاشم کے آفس کے اندر ماحول میں وہی تناؤ تھا جو ''دی سعدی یوسف'' کے ذکر پہ چھا جاتا تھا۔ ہاشم کی کرسی خالی تھی' کوٹ اس پہ ٹکا تھا' اور خود وہ آستین موڑے' ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ میز کے سامنے کرسی پہ شیرو بیٹھا ہاتھوں میں ڈیکور بال گھما رہا تھا۔ خاور قریب میں ہاتھ باندھے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''زیادہ بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ نیاز بیگ نے اے ایس پی کی کزن کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اے ایس پی اس کو چھوڑنے پہ راضی نہیں' اور وہ اسے بلیک میل کر رہا ہے کہ وہ سعدی کے خاندان کو ساری حقیقت بتا دے گا۔''

ہاشم ٹہلتے ٹہلتے رکا' غصے سے خاور کو دیکھا۔

''سارے شہر میں ایک یہی کرائے کا آدمی ملا تھا تمہیں جو اے ایس پی کا دشمن نکلے؟''

''اے ایس پی نے پیش کیا تھا سر۔ اس رات وقت کم تھا' اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی کزن کا مجرم نکلے گا۔ اب معاملہ اس کے خاندان کا ہے۔''

''اور اگر جو اس نیاز بیگ نے کچھ بک دیا تو؟''

''وہ نہیں جانتا ہے نہ اے ایس پی کو ہمارا پتہ ہے۔ میں درمیان والے فرد کو کہہ رہا ہوں کہ اے ایس پی سے کہے' نیاز بیگ پہ ہلکا ہاتھ رکھے' مگر سرہائی پروفائل کیس ہے۔ وہ لڑکی سعدی یوسف جیسے خاندان کی نہیں تھی' اس کا خاندان بارسوخ ہے۔ مگر بالفرض وہ کچھ بول بھی دیتا ہے تو بھی ہمارا ذکر نہیں آئے گا۔''

''رکو....'' وہ چونکا۔ ''اس میں فارس یا زمر کا ہاتھ تو نہیں؟''

''ان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔'' خاور کو تعجب ہوا۔ ''یہ کوئی الزام نہیں ہے' نیاز بیگ ہسپتال جا کر اس لڑکی کا کام تمام کرنا چاہتا تھا' پولیس

نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔اور یہ کیس سعدی والے واقعے سے بھی پہلے کا ہے۔''

''اگر اس میں ان دونوں کا ہاتھ نہیں ہے تو وہ ایک مہینے سے کر کیا رہے ہیں؟ میں نہیں مان سکتا کہ وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔'' ہاشم نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''سر میں ان پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔وہ اس کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔مگر وہ سعدی کو ڈھونڈ رہے ہیں، اس کے حملہ آوروں کو نہیں۔وہ روز مختلف ہاسپٹلز، مردہ خانوں، سعدی کے جاننے والے دوستوں، اور ہر اس جگہ جاتے ہیں جہاں سے اس کا کوئی سراغ مل سکے۔وہ واقعی فارغ نہیں بیٹھے، مگر وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔'' خاور جو کہہ رہا تھا وہ درست تھا۔وہ ان پہ ہلکی پھلکی نظر رکھے ہوئے تھا، مگر اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ بظاہر ان ساری رسومات کو پورا کرتے ہوئے، وہ در حقیقت کیا کر رہے تھے۔

''میرا دل نہیں مانتا۔کیا ان کو کسی سے بدلہ نہیں لینا؟ یہ ان کا طریقہ نہیں ہے۔''

''سر ان کے خیال میں سعدی زندہ ہے، ان کا کہنا ہے ایک دفعہ وہ مل جائے، پھر ہم ہر ایک کو دیکھ لیں گے۔''

(نوشیرواں نے بےزاری سے سر جھٹکا۔ہونہہ)

''سر آپ کہتے ہیں تو میں باقاعدہ ان کا چوبیس گھنٹے تعاقب کروایا کروں؟ ان کے فونز ٹیپ کر لیتے ہیں، یوں ان کی ہر حرکت پہ نظر رہے گی۔''

''ابھی نہیں۔ذرا ٹھہر کر دیکھو۔ان کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ سعدی کے واقعے میں کوئی ہائی پروفائل شخص ملوث ہے۔'' وا ہمے کو ذہن سے جھٹک کر وہ واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔خاور نے بھی سامنے والی کرسی کھینچی۔شیرو اب موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔(زندگی سے کبھی سعدی نکلے گا بھی یا نہیں؟)

''اے ایس پی نیاز بیگ کو سنبھال لے گا' فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔مگر سر وہ ڈاکٹر مزید رقم مانگ رہا ہے۔''

ہاشم کے ابرو بھینچے۔چہرے پہ ناگواری پھیلی۔''کیا مطلب مزید رقم مانگ رہا ہے؟ اس کو کتنا کچھ بلوا کر دیا ہے، اور کیا چاہیے اس کو؟''

''اسے اپنے پرائیوٹ ہسپتال کی بلڈنگ مکمل کرنی ہے' بس آخری ٹچز ہیں' دو تین ماہ میں ہسپتال کا افتتاح کرنا چاہتا ہے۔اس کو اندازہ ہے کہ اے ایس پی کسی بڑے آدمی کے لیے کام کر رہا ہے' اس لیے وہ بھی بلیک میلنگ پہ اتر آیا ہے۔''

''اف!'' ہاشم نے پیشانی مسلی' پھر شیرو پہ نگاہ پڑی جو ٹھک ٹھک ٹائپ کیے جا رہا تھا۔

''دیکھ رہے ہو کس مصیبت میں ڈال دیا ہے تم نے مجھے۔''

شیرو نے بگڑ کر سر اٹھایا۔''مصیبت کو ہسپتال میں ہی ختم کر دینا چاہیے تھا آپ کو۔خوامخواہ اسے بچایا۔''

خاور نے تائیدی انداز میں گہری سانس لی۔''نوشیرواں صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

ہاشم نے ہاتھ جھلایا۔''بکومت۔ہر وقت دوسروں کا خون بہانے کی بات مت کیا کرو۔''

خاور چند لمحے کے لیے بالکل چپ ہو گیا، پھر وہ آہستہ مگر مضبوط آواز میں بولا۔''میرے تین بیٹے تھے سر، جب ایجنسی والوں نے مجھ پہ الزام لگایا ان جرائم کا جو میں نے نہیں کیے تھے، اور میں نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا، تو اس بریگیڈیئر نے اپنے آدمی بھیجے اور میرے بڑے دونوں بیٹوں کو سرِ بازار گولیوں سے بھون دیا۔تب ایک گیارہ سال کا تھا اور دوسرا نو سال کا۔وہ میری ساری زندگی کی کمائی تھے، مگر ان کو مارتے وقت کسی نے رحم نہیں کھایا، سو یو نو وات سر، مجھے اب کسی دوسرے کی فیملی ٹوٹنے سے فرق نہیں پڑتا۔سعدی یوسف کہتا ہے، فارس غازی بے گناہ تھا۔میں بھی بے گناہ تھا سر۔تب آپ نے اور آپ کے والد نے مجھے سپورٹ کیا اور مجھے اپنایا۔میری آپ کے خاندان سے وفاداری

غیر مشروط ہے اس لیے میں ہمیشہ درست مشورہ دینے کو تیار ہوں گا۔"

ہاشم ذرا ڈھیلا پڑا، پھر اثبات میں سر ہلایا۔ "تھینک یو خاور!" شیرو بھی چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگا تھا جس کے تاثرات سخت تھے۔

"بہر حال، میں ایک پائی نہیں دے رہا اس ڈاکٹر کو۔ اے ایس پی سے کہو اپنے بندوں کو خود سمجھا لے ورنہ ہم سنبھالنے پہ آئے تو دوسرے طریقے سے بات کریں گے۔"

خاور نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ گیا۔ ہاشم نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور تھوڑی مسلتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

نوشیرواں ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔ یکدم رکا۔ اس کی آنکھیں چمکیں، اسکرین پہ اس کے "کیا ہم مل سکتے ہیں؟" کے جواب میں شہرین کا پیغام بالآخر آ گیا تھا۔

"ویک اینڈ پہ ملتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر جواب ٹائپ کرنے لگا۔

.... ❖❖❖ ....

عجیب خواہش ہے میرے دل میں، کبھی تو میری صدا کو سن کر ...... نظر جھکائے تو خوف کھائے، نظر اٹھائے تو کچھ نہ پائے!

رمضان کا دوسرا عشرہ چل رہا تھا۔ انیکسی کے برآمدے کے آگے سبزہ زار پہ شام پھیل رہی تھی۔ ادھر لان چیئرز رکھی تھیں۔ اور صداقت افطار کے برتن لگا رہا تھا۔ دوپہر بارش کے باعث موسم خوشگوار تھا۔ عموماً افطاری سب اندر کرتے' مگر آج مہمان تھے جن کے باعث یہاں گھاس پہ اہتمام تھا۔

سارہ ذکیہ بیگم' امل اور نور۔ ان کے آنے سے پژمردہ سی انیکسی کھل سی اٹھی تھی۔ امل' نور' حنہ' اور سیم برآمدے میں نظر آ رہے تھے جبکہ سبزہ زار پہ رکھی کرسیوں پہ ذکیہ بیگم' ندرت سے باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھیں اور زمر کے قریب بیٹھی سارہ بالکل چپ تھی۔ اس نے سرخ لان کا جوڑا پہن رکھا تھا اور سرخ دوپٹہ سر پہ تھا' آنکھیں ویران سی تھیں۔

"دراصل میں تحریم میں پھنس گئی تھی۔ کچھ کام بہت گڑبڑ ہو گئے تھے۔ مشینری وغیرہ کا مسئلہ تھا' جلدی آنہیں سکی تھی۔ پچھلے ہفتے واپس آئی ہوں۔" ذرا دیر بعد اس نے پھر سے زمر کو وضاحت دی۔

"اٹس او کے سارہ' آپ فون کرتی رہتی تھیں' یہی بہت ہے۔"

تبھی زمر نے دیکھا کہ ہاشم چلا آ رہا ہے۔ سارہ کی اس طرف پشت تھی' اس نے نہیں دیکھا۔ وہ غالباً ابھی آفس سے لوٹا تھا' سارہ کو دیکھتے ہی ادھر آ گیا۔

"گڈ ایوننگ لیڈیز۔" مسکرا کر مخاطب کیا تو سارہ ایک دم چونک کر مڑی۔

ہاشم پیچھے کھڑا تھا۔ ذکیہ بیگم فوراً اٹھیں۔ وہ ان سے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ سارہ کی رنگت زرد پڑ گئی۔ پیشانی کی رگیں ابھرنے لگیں۔

"آئیں ہاشم بیٹھیں۔" ندرت نے اسے کرسی پیش کی۔

"میں رکوں گا نہیں' ڈاکٹر سارہ کو دیکھا تو چلا آیا۔ بہت عرصے سے آپ سے اور آپ کے بچوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیسی ہیں آپ؟" سارہ بمشکل کھڑی ہو پائی۔ نظریں ہاشم کے چہرے پہ جا رکیں' تو اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا۔ وارث کی پنکھے سے جھولتی لاش... پورچ میں گرا سعدی... سرخ پانی...

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ سامنے آ بیٹھا تو سارہ واپس بیٹھی۔ ساتھ ہی پرس میں ہاتھ ڈالا' اندر ایک ننھا سا چاقو رکھا تھا۔

"بچے کہاں ہیں آپ کے؟" اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ زمر نے حنہ کو آواز دی۔ سارہ بے بسی سے زمر کو روکنا چاہتی تھی، مگر الفاظ لبوں میں اٹک گئے۔ حنین اہل اور نور کو لیے باہر نکلی تو ہاشم کو دیکھا چہرہ کھل اٹھا۔

"السلام وعلیکم!" حنہ نے مسکرا کر سلام کیا۔ اس نے بھی اتنے ہی مسکرا کے وعلیکم السلام کہا۔ نگاہیں ملیں تو ان میں کوئی راز چھپانے کی التماس تھی۔ (اب حنہ کے پاس اس کا ذاتی سیل تھا، جو فارس اگلے دن لے آیا تھا۔ اس پہ پاسورڈ لگا تھا اور اب اسے ہاشم کے پیغامات مٹانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ روز کی بات ہو جاتی تھی۔)

"کتنے پیارے بچے ہیں آپ کے۔" اس نے ہاتھ بڑھایا تو اہل اور نور شرماتی مسکراتی اس امارت اور پینڈسم بندے کے قریب آئیں۔ سارہ نے پرس کے اندر چاقو پہ گرفت مضبوط کی۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا سرخ ہوتی آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں۔ وہ باری باری ان بچیوں کو پیار کر رہا تھا۔ ان سے اسکول اور پڑھائی کا پوچھ رہا تھا۔

تبھی ذکیہ بیگم نے اس کی دلی کیفیت سے یکسر بے خبر ندرت سے پوچھا۔ "سعدی کا کچھ پتہ چلا؟"

سارہ کی نگاہیں ہاشم پہ جمی رہیں۔ اس نے اہل کا نرم چھوٹا ہاتھ تھام رکھا تھا اور مسکرا کر اس کی بات سن رہا تھا۔ سعدی کے ذکر پہ اسے بال تک نہیں رینگی۔

سارہ نے چاقو چھوڑ دیا۔ پرس پرے رکھ دیا... پھر چہرہ ندرت کی طرف موڑا۔

"اللہ غارت کرے ان لوگوں کو جنہوں نے سعدی کے ساتھ یہ کیا۔ اس کو گولیاں ماریں اس کو مارا پھر ہسپتال سے غائب کر دیا۔" اہل پچھ بولے جا رہی تھی اور ہاشم مسلسل مسکراتے ہوئے ان کو سن رہا تھا۔ اسے اب بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"ندرت آپا! آپ دیکھنا اس شخص نے جو آپ کے بچے کے ساتھ کیا ہے اللہ اس کی اپنی اولاد کو بھی ایسے ہی تڑپا تڑپا کر مارے گا اس کی اپنی آنکھوں کے سامنے تو اسے پتہ چلے گا کہ کسی کے بچے کا خون بہانا کتنا دردناک ہوتا ہے۔"

اور سارہ کو کنکھیوں سے نظر آیا تھا کہ ہاشم کاردار کے چہرے کی رنگت ایک دم متغیر ہوئی تھی۔ مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

"ایسے نہیں کہتے سارہ، بچے سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔" ذکیہ بیگم نے ٹوکا تھا۔

ہاشم اہل کی بات ختم ہوتے ہی بمشکل چہرے کو نارمل رکھے اٹھ گیا۔

"اچھا لگا آپ لوگوں سے مل کر۔" ایک مبہم سی نگاہ سارہ پہ ڈال کر (جو ذکیہ بیگم کی طرف متوجہ تھی) وہ زمر سے نہ رکنے پہ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا۔ خاموش بیٹھی حنین کا دل بجھ گیا۔

سارہ بہتر نظر آ رہی تھی، جیسے دل کی کوئی بھڑاس نکلی تھی۔

گھر آتے ہی ہاشم نے موبائل پہ ایک نمبر ملایا۔

"ہاں فرید... ایسا کرو اور زمینب کاردار کے نام کی مسجد اور مدرسے میں عید تک افطاری میری طرف سے بھجوایا کرو، پورے اہتمام سے بھجوانا میری بیٹی کے نام سے، ہاں صدقے کے طور پہ۔ نہیں بیمار نہیں ہے، بس ویسے ہی۔ یو نو۔" کال بند کر کے اسے کافی سکون ملا۔ یہ ٹھیک ہے! ایسے سارے کھاتے کلیئر رہتے ہیں۔ کاروبار بھی چلاؤ، اور اللہ کو بھی خوش رکھو۔ گڈ۔

....

میری صدا ہوا میں بہت دور تک گئی ..... پر میں بلا رہا تھا جسے بے خبر رہا!

ویک اینڈ کی شام بالآخر آن پہنچی اور نوشیرواں کلب کے لاؤنج میں ایک کاؤچ پہ بیٹھا بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیک ڈریس شرٹ کے آستین ذرا فولڈ کر رکھے تھے...

''ہیلو شیرو!'' وہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ سفید ٹائٹس پہ ایک کندھے کے بغیر والی شرٹ، اور گلے میں سکوں کی مالا۔ کہنی پہ لٹکا برانڈڈ بیگ۔ شہرین مسکرا کر اس کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ پرس درمیان میں رکھا۔

''سوری مجھے دیر ہو گئی۔ اتنا ٹریفک تھا آج۔ پھر ماں کو ایک فنکشن پہ جانا تھا۔ انہوں نے مجھے بھی دیر کروا دی۔ تم کیسے ہو۔''

وہ مسکراتے ہوئے ساتھ بیٹھا۔ ''اچھا ہوں۔ لاہور کا ٹرپ کیسا رہا؟''

''بس تھک گئی۔ ایک فنڈ ریزر تھا، اور ایک سیمینار۔ تم سناؤ۔ گرمی زیادہ ہو گئی ہے نا آج کل؟''

چند فقروں کے بعد باتیں جیسے ختم ہو گئیں۔ خاموشی چھا گئی۔ قریب سے گزرتی کسی لڑکی نے شیری کو ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ یہاں سب ان کو جانتے تھے۔ پھر شیرو کی طرف گردن موڑی۔ ''سعدی کا کچھ پتہ چلا؟''

اور بس۔ مانو سارا موڈ ہی غارت ہو گیا۔

''نہیں۔'' اس کے ابرو بھینچ گئے۔

''ویسے تمہیں کیا لگتا ہے؟ اسے کسی نے قید کر رکھا ہو گا یا مار دیا ہو گا؟ تم نے دیکھا اس کے پیج کے بیس ہزار Likes ہو چکے ہیں۔ اوہ بے چارا۔ چچ چچ۔'' افسوس سے سر جھٹکا۔

نوشیرواں کے لئے مزید ضبط کرنا مشکل تھا۔ وہ گویا کھول کر اس کی طرف گھوما۔

''سعدی، سعدی، سعدی۔ جب بھی ہم ملتے ہیں، اس سعدی کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوتی آپ کے پاس۔ وہ مر کر بھی ہمارے بیچ میں کیوں ہے؟ بھول جائیں سعدی کو۔ مر گیا سعدی۔ جہنم رسید ہو گیا سعدی۔ اتنی مشکل سے جان چھڑائی ہے اس سے، مگر آپ پھر اس کو درمیان میں لے آتی ہیں۔''

غصے سے تیز تیز وہ بولتا جا رہا تھا۔ ارد گرد چند لوگوں نے گردنیں ان کے کاؤچ کی طرف موڑیں۔ شہرین ہکا بکا سی اسے دیکھے گئی۔ (اتنی مشکل سے جان چھڑائی اس سے... جان چھڑائی...)

''وہ تمہارا دوست تھا اس لئے....'' وہ اٹکی۔

''نہیں تھا وہ میرا دوست۔ زہر لگتا تھا مجھے..... میں خوش ہوں کہ وہ نہیں رہا۔ بات ختم۔ کیا اب ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں؟'' برہمی سے کہتا وہ پیچھے کو ہوا۔ نظر ایک لڑکے پہ پڑی جو پورا گھوم کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''اے۔ کام کر وا اپنا۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟'' اس کو بھی جھاڑا۔ وہ فوراً کھسک لیا۔ پھر انہی برہم تاثرات سے شہرین کو دیکھا جو ہنوز دم بخود تھی۔

''میں آپ سے سعدی کے بارے میں بات کرنے تو نہیں آتا۔ پھر آپ ہمیشہ مجھے یوں ہرٹ کیوں کرتی ہیں؟'' ذرا دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا تو غصہ ذرا کم تھا۔ شہرین نے جھرجھری لیتے ہوئے سامنے دیکھا۔

''او کے آئی ایم سوری۔ تم لوگ اچانک اس کے دشمن بن گئے ہو، میری معلومات اپ ڈیٹڈ نہیں تھیں۔ پہلے ہاشم نے اس کو اپنی پارٹی پہ بے عزت کیا'' (سونیا کی سالگرہ یاد آئی۔) ''اور اب تم کہہ رہے ہو کہ... خیر...'' گہری سانس لی، اور اس کو دیکھا تو چہرے پہ قدرے رکھائی در آئی تھی۔ گھڑی سامنے کی۔

''کیوں بلایا تھا تم نے؟ کوئی کام تھا؟ مجھے جانا ہے ماں کو پک کرنے۔''

''آپ کو کہیں نہیں جانا، آپ صرف میری بات کا برا مان گئی ہیں۔'' وہ ذرا ناراض ہوا۔

''شہری کیا ہم کبھی اپنی بات نہیں کر سکتے؟ کسی تیسرے فرد کو درمیان میں لائے بغیر؟''

شہری نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''ہمارے درمیان کون سی اپنی بات ہوتی ہے؟''

''آپ کو معلوم ہے میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' وہ ذرا آگے ہوا۔ چہرے پہ بے بسی در آئی۔ ''کیا ہم کبھی کبھی یوں مل نہیں سکتے؟ بات نہیں کر سکتے؟ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ یہ بات جانتی ہیں۔''

شہرین کی آنکھوں میں ایک دم بے حد اچنبھا ابھرا۔ ''شیرو! میں تمہاری بہت پرواہ کرتی ہوں' تم جانتے ہو۔ مگر... تم میرے شوہر کے چھوٹے بھائی ہو۔''

''سابقہ شوہر کے۔''

''...اور میری بیٹی کے انکل ہو۔ پھر تم مجھ سے عمر میں گیارہ' بارہ سال چھوٹے ہو۔ تمہیں مجھ سے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔'' نرمی سے اسے ٹوکتی' وہ پرس اٹھانے لگی۔

شیرو کی آنکھوں میں بے بسی کے ساتھ دکھ بھی ابھرا۔ ''یہ باتیں بے معنی ہیں۔''

''اوکے شیرو، بہت ہو گیا۔'' اب کے شہرین کی نگاہوں میں سختی اتری۔ ''جو تم کہہ رہے ہو وہ بے معنی ہے۔ ہم رشتے دار ہیں' اور اچھے دوست بھی۔ مگر اس سے آگے کا مت سوچنا۔ مجھے بہت برا لگا ہے تمہارا یوں کہنا۔'' تڑخ کر بولتی وہ پرس اٹھائے اٹھی اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ نوشیرواں پیچھے لپکا۔

''پھر مجھے بار بار استعمال کیوں کیا؟'' وہ غصے اور بے بسی سے بولتا اس کی تیز رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''میری نرمی کا فائدہ کیوں اٹھایا؟''

''میں تمہیں صرف ایک اچھا دوست سمجھتی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ باقی تمہارا ذہن کیا کیا گھڑ کر تمہیں دکھاتا رہا۔'' وہ تیز قدموں سے چلتی باہر جا رہی تھی۔

''اگر میری جگہ سعدی یہ بات کہتا تو مان لیتیں آپ؟''

''تم دونوں ہی میرے لئے بچے ہو۔ اور وہ ایسی بات کبھی نہ کہتا۔ میرا احترام کرتا تھا وہ۔'' وہ باہر نکل گئی۔ کھلے لان میں اب وہ آگے جا رہی تھی۔ نوشیرواں رک گیا۔ بے بسی اور دکھ سے اسے جاتے دیکھا۔

''اس کو اتنا اچھا سمجھتی تھیں تو میرے سامنے اس کو اتنا برا کیوں کہا؟ آپ کو اندازہ بھی نہیں کہ میں نے... میں نے کیا کیا آپ کے لئے...'' وہ پیچھے سے چلایا تھا۔ شہرین کے قدم رکے۔ وہ گھومی۔ ہاتھ کا چھجہ ماتھے پہ بنا کر دھوپ کے باعث' پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ وہ گلابی چہرے کے ساتھ' آنکھوں میں پانی لئے' غصے اور صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''گیٹ اے لائف' شیرو!'' وہ واپس پلٹ کر آگے بڑھ گئی' اس شے کو ذہن سے جھٹکتی جو نوشیرواں کے الفاظ اور انداز اسے بتا رہے تھے۔ کچھ عجیب سا تھا اس کے سرخ بھبھوکا چہرے پہ اس وقت۔ وہ کسی اعتراف سے چند لمحوں کی دوری پہ تھا۔

.... ❖❖❖ ....

دیکھتا ہوں سب شکلیں، سن رہا ہوں سب باتیں ...... سب حساب ان کا، میں ایک دن چکا دوں گا!

فوڈلی ایور آفٹر پہ گاہکوں کا معمولی رش تھا۔ ندرت کاؤنٹر کے ساتھ رکھی میز پہ کچھ بلز وغیرہ دیکھ رہی تھیں۔ ان کا خول جو سارہ اور

آ کھڑا ہوا۔

"کیا ہے؟" جنید نے بدقت کوفت چھپائی۔ (سعدی کا لاڈلا۔ ایک مہینہ پشاور میں گزار کر بالآخر یہ واپس آ گیا تھا۔)

"جنید بھائی! یہ تم سعدی بھائی کی پھپھو کے لئے لے جا رہے ہو نا؟" ٹرے میں کافی مگ کی طرف اس نے اشارہ کیا۔ "یہ ہمیں دے دو ہم لے جائے گا۔ دے دو بھائی!" جنید نے ایک بے بس نگاہ ندرت پہ ڈالی جو بے نیاز بیٹھی کام کر رہی تھیں اور ٹرے اسے تھمائی۔ "خود منہ نہ لگانا۔"

"ایسا کوئی مفت خورہ سمجھ رکھا ہے تم نے ہمیں بھائی؟ لاحول ولا قوۃ۔" بگڑ کر کہتا ٹرے اٹھائے سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ جب اوپر دروازے تک پہنچا تو نیچے جھانکا۔ جنید ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے مگ سے گھونٹ بھرا۔ (آہ اس ریسٹورانٹ کی لذیذ کافی) اور ہونٹ صاف کرتے' سنجیدہ چہرہ بناتے دروازہ کھٹکھٹا کر کھولا۔ اگلا منظر سا کھلتا گیا۔

اوپر والا کمرہ اتنا ہی کھلا تھا جتنا نیچے ریسٹورانٹ تھا۔ مگر فرش خالی تھا۔ دو دیواریں شیشے کی تھیں جن کے پار اندھیرے میں جگمگاتے شہر کی بتیاں دکھائی دے رہی تھیں ایک بڑی میز پہ کاغذ اور فائلز بکھری تھیں۔ فارس پشت کیے کھڑا ایک فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ ساتھ ہی کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' قلم انگلیوں میں گھماتی زمر بیٹھی نفی میں سر ہلاتی کہہ رہی تھی۔ "اب سرمد شاہ کو دیکھنے کا وقت ہے' میرا خیال ہے..." آہٹ پہ گردن گھمائی تو گل خان کو آتے دیکھ کر نرمی سے مسکرائی۔ ہاتھ بڑھا کر مگ اٹھایا۔

"ارے گل خان۔ تم اتنا عرصہ کہاں تھے؟" وہ سعدی کی گمشدگی کے دنوں میں آ جاتا تھا' پھر درمیان میں مہینہ بھر نہ آیا تھا۔ فارس نے پلٹ کر بس ایک نظر ڈالی۔

"باجی! ام پشاور گیا ہوا تھا۔ ہمارا بابا کا چچا زاد بھائی مر گیا تھا۔" ہاتھ جھلا کر کہتا وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھا۔ وہ بارہ تیرہ سال کا چھوٹے سیب سے گالوں اور بھورے بالوں والا پٹھان لڑکا تھا۔ شلوار قمیص پہنتا اور پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھتا۔ سر پہ پشاوری ٹوپی تھی۔

زمر جو بغور کافی مگ کو دیکھ رہی تھی' اس بات پہ نظریں اٹھائیں۔ "بہت افسوس ہوا۔ ویسے یہ کافی بہت ٹیسٹی بنی ہے نا؟" کپ لبوں سے لگاتے مسکرا کر پوچھا۔ گل خان نے بے اختیار تھوک نگلا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بات بدلنے کی غرض سے جلدی سے بولا۔

"باجی! تم ادھر کیا کر رہی ہو؟"

"نیچے کسٹمرز ہوتے ہیں اور مجھے کام کرنے کے لئے جگہ چاہیے تھی' اوپر والا ہال ویسے بھی رینوویشن کے لئے بند پڑا تھا' سو بھابھی نے مجھے دے دیا۔"

"اچھا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "پچ باجی! اس دن ام حیات آباد میں اپنے چاچے کی دکان پہ بیٹھا تھا' تو ہمیں یاد آیا جب سعدی بھائی کھو گیا تھا' اور تم ادھر سارے ملازموں سے پوچھ رہی تھی کہ بھائی کا کسی سے جھگڑا تھا یا دشمنی تو نہیں تھی' تو واللہ باجی! اس دن یاد آیا' ایک دفعہ بھائی کا ادھر ہلکا سا جھگڑا ہوا تھا۔" ریسٹورانٹ کے باہر کی سمت اشارہ کیا۔

وہ جو دیوار پہ لگی تصویریں دیکھتے' کچھ سوچ رہا تھا' چونک کر گل خان کو دیکھنے لگا جو زمر کے سامنے بیٹھا بتا رہا تھا۔ زمر نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔ آنکھیں سکیڑیں۔

"کس سے ہوا جھگڑا؟"

"ایک آدمی تھا' اس کی مہنگی سی وہ گاڑی تھی' بوت مہنگی والا۔ پتہ ہے اس کی گاڑی کی..."

"جھگڑا کس بات پہ ہوا تھا؟" فارس نے ٹوکا۔

"ہمارے اوپر ہوا تھا!" اس پٹھان چیلن آف نرائے نے فخر سے سینے پہ ہاتھ مارا۔

"وہ ہم کو کچلنے والا تھا' مگر ابھی ہماری زندگی باقی تھی' ہم بچ گیا۔ وہ نکلا اور ہمیں انگریزی میں ڈانٹا۔ تبھی سعدی بھائی نکل کر آیا اور اس کو بھی انگریزی میں کوئی لمبی سی بات کہی۔ پھر وہ کار میں بیٹھا اور چلا گیا۔"

"اور جھگڑا کب ہوا؟ مطلب دونوں نے ایک دوسرے پہ ہاتھ اٹھایا؟ گالیاں دیں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ گل خان کو اپنی روداد ایک دم ہلکی لگنے لگی۔ ذرا ڈھیلا پڑا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا' مگر جو اس نے انگریزی میں بولا....."

"تمہیں انگریزی آتی ہے؟" فارس نے پھر ٹوکا۔

گل خان کی غیرت اور حمیت پہ گویا تازیانہ پڑا۔ تلملا کے چھوٹا۔

"گل خان پانچویں فیل سہی' مگر جھگڑے والا لہجہ خوب سمجھتا ہے۔" غصے سے کان سرخ ہوئے تھے۔

"اچھا یہ بتاؤ۔" زمر نے بچے کی عزت رکھنی چاہی۔ "وہ کون تھا؟ کیسا لگتا تھا؟"

گل خان نے ایک "ہونہہ" والی نظر فارس پہ ڈالی فلمی اداکارہ کی طرح سر جھٹکا اور باجی کی طرف متوجہ ہوا۔ (یہ نمک کی آن بان والی باجی اسے بہت اچھی لگتی تھی اور اس کا شوہر اتنا ہی برا۔ ہونہہ) "اب اتنا شکل نہیں یاد مگر۔ ایسے اشٹ پشٹ کپڑے تھے' بال اوپر کھڑے تھے اور ہونٹوں کے نیچے یہ چھوٹی سی داڑھی تھی۔"

"فرنچ کٹ؟"

"ہاں وہی۔ اور... باجی اس کا گاڑی بہت مہنگا تھا۔ کوئی چار پانچ کروڑ کا ہوگا۔" زمر نے گہری سانس لی۔ بچہ اب لمبی چھوڑ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے چار پانچ لاکھ؟"

"نہیں باجی جی' پانچ لاکھ کا تو تین چار گاڑیاں گل خان بھی خرید لے' اس کا گاڑی کروڑوں کا تھا۔ سعدی بھائی نے خود بتایا تھا۔" اس نے ذرا بے بسی سے زور دیا۔ زمر اب اس کو جانے کا کہنے لگی تھی کہ فارس ایک دم چونکا۔

"ایک منٹ... کار کا رنگ کیا تھا؟"

"سفید!" اس کی آنکھیں چمکیں۔ فارس اور زمر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"نوشیروان کی رولز رائس!" ایک دم ذہن میں جھماکہ ہوا۔

مگر جب جنید کو بلایا تو اس نے عام سے انداز میں سارا قصہ دہرایا۔

"فارس بھائی' کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا تھا۔ یہ بچہ انتہائی بدتمیز اور شرارتی ہے۔ اس کی گاڑی کے نیچے آنے لگا تھا۔ غلطی اس شخص کی نہیں تھی' سعدی بھائی باہر گئے اور جا کر اس سے صرف بات کی۔ میں ذرا دور تھا' سنا نہیں مگر آدمی غصے میں لگتا تھا' ظاہر ہے بچہ مرتے مرتے بچا تھا' سعدی بھائی نے کس ٹھنڈے طریقے سے اسے دو چار باتیں کہیں' وہ پلٹ کر چلا گیا۔ جواب میں کچھ بھی کہے بغیر۔ میں نے بعد میں پوچھا کہ یہ کون تھا۔ سعدی بھائی نے کہا میرا پرانا دوست ہے۔"

"ٹھیک ہے' کوئی لڑائی بات نہیں ہے' میں دیکھ لوں گا۔" فارس نے بےزار سے انداز میں ان دونوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ گل خان نے ایک پرامید نگاہ زمر پہ ڈالی جو کچھ سوچ رہی تھی' اور پھر دوسری (شدید کینہ توز اور رقابت سے بھرپور) نظر فارس پہ ڈالی اور پھر بے دلی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ ریسٹورانٹ کے باہر اپنے پھولوں کے اسٹال کے ساتھ آ کے وہ کھڑا ہوا تو سخت کبیدہ خاطر لگ رہا تھا۔

"ہمارا بات کا تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے' سارا بات باجی اور فارس بھائی کا سنتی ہے' ہر روز شام کو ادھر آجاتا ہے' ہونہہ!" غصے سے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ پھر احتیاط سے لباس کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا تو چہرے پہ غصے کے ساتھ ساتھ دکھ بھی تھا۔

''وہ شکل کا اچھا ہے تو کیا ہوا گل خان بھی کسی سے کم نہیں۔ اب جب تک یہ باجی کے پاس رہے گا، ہم بھی یہ ہیرے والا چابی والی کو نہیں دے گا۔'' مٹھی کھول کر دیکھی تو اس میں سیاہ مصنوعی ہیرے والا کی چین تھا جس پہ Ants Everafter لکھا تھا، اور اس میں چابیوں کے ساتھ ایک سلور چین بھی نتھی تھا۔ گل خان نے چند لمحے افسوس سے سعدی کے کی چین کو دیکھا اور پھر اسے احتیاط سے واپس اندر والی جیب میں رکھ کر جیب کی زپ بند کر دی۔ ایک کینہ توز نظر اوپر ریسٹورانٹ پہ ڈالی اور پھر سر جھٹک کر اسٹال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد چند لمحے وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے تھے۔

''سونیا کی سالگرہ والے دن بھی شیرو نے سعدی سے تلخ کلامی کی تھی، میں درمیان میں آیا تو وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔''

''خیر، وہ اس کا دوست تھا، دوستوں میں ایسی باتیں ہو جاتی ہیں۔'' وہ کہنے کے ساتھ فون پہ نمبر ملا رہی تھی۔ فارس خاموش ہو گیا مگر وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''نوشیرواں، میں زمر بات کر رہی ہوں... '' گہری سانس لی۔ ''میں اب ڈی اے نہیں ہوں۔ آپ مجھے صرف مسز زمر کہہ سکتے ہو۔ اچھا آپ گھر پہ ہو؟ اوکے، میں تراویح کے بعد گھر آ جاؤں گی، مجھے آپ سے ملنا ہے۔'' اور موبائل کان سے ہٹایا۔ فارس سینے پہ بازو لپیٹے میز کے کنارے سے ٹیک لگائے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ سعدی کا دوست ہے، میں اس پہ شک نہیں کر رہی، مگر ہو سکتا ہے وہ سعدی کے مزید دوستوں کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔ وہ لڑکی جو سعدی کے ساتھ تھی مبینہ طور پہ، شاید وہ اس کو جانتا ہو۔ وہ کچھ تو چھپا رہا ہے۔''

''ویسے دوائی کھوپڑی کا بگڑا بچہ ہے، اس کا دماغ اتنا دور تک نہیں جایا کرتا۔ پھر بھی آپ اس سے یہ بات کلیئر کر لیجیے گا۔'' اس نے عادتاً اسٹکی نوٹس کا پیڈ اٹھایا، قلم سے اس پہ لکھا..... ''گل خان، ڈبہ گاڑی، نوشیرواں۔'' اردو میں یہ الفاظ لکھ کر اس نے میز کے کونے پہ چپکا دیے تاکہ زمر کو یاد رہیں۔ اور خود مڑ کر دیوار کی طرف چلا گیا۔

''ہم اے ایس پی کی بات کر رہے تھے۔ فارس، اب ہمیں اس کو کارنر کرنا چاہیے۔''

''نہیں، پہلے ڈاکٹر بخاری۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔

''وہ سرجن جس نے سعدی کا آپریشن کیا تھا؟''

''وہ اس رات کال پہ نہیں تھا، سعدی کو ہسپتال لانے کے بعد وہ اچانک سے آیا اور ٹیک اوور کر لیا۔ اسی نے وارڈ بوائز بھیجے، اور اسی نے سعدی کو ہسپتال سے نکلوایا ہے۔ وہ راہداری جس کی اصلی فوٹیج نکال کر ایک ہی کلپ بار بار دہرایا گیا ہے، میں نے اس سے ملحقہ راہداریوں کی فوٹیج چیک کی ہیں۔ دو لوگ باری باری وہاں مڑے ہیں۔ ایک اے ایس پی، اور دوسرا وہ ڈاکٹر۔ یعنی اے ایس پی نے ڈاکٹر کے ساتھ اس کاریڈور میں باتیں کی تھیں، اور بعد میں وہ فوٹیج مٹا دی تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ ان دونوں نے مل کر یہ کام کر دیا ہے، اس لیے پہلے ڈاکٹر!''

''تم نے کہا تھا کہ ہر چیز میری مرضی سے ہو گی۔''

''سب آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔''

''کیا واقعی؟''

''آپ کو سعدی واپس چاہیے یا نہیں؟'' وہ چپ ہو گئی۔

''ٹھیک ہے، پہلے ڈاکٹر سہی!'' قلم انگلیوں میں گھماتی وہ خشک سا بولی۔ ''کام اپنی جگہ، گریز اور اعراض اپنی جگہ۔'' ''اگر مجھے تمہارے اس کے لیے مخلص ہونے کا یقین نہ ہوتا، تو میں کبھی بھی تمہاری بات نہ مانتی، اور.....'' قلم گھماتی انگلیاں تھمیں۔ نگاہیں میز کنارے چپکے نوٹ پہ

جاٹھہریں تھیں جو فارس نے ابھی لگایا تھا۔

''گل خان' ڈبہ گاڑی' نوشیرواں۔'' اس نے ان الفاظ کو پڑھا ایک دفعہ' دو دفعہ... شاید دس دفعہ نگاہ اٹھا کر فارس کو دیکھا' پھر ان الفاظ کو۔ پھر نوٹ اتار کر مٹھی میں دبایا۔ پرس اٹھایا' اور ایک عجیب سی نظر اس پہ ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ فارس نے اچنبھے سے اسے جاتے دیکھا۔

(اب اسے کیا ہوا؟ پھر تو نہیں دماغ الٹ گیا؟)

.... ❖❖❖ ....

کیا روز تماشہ کہ نیا خواب، نیا غم ...... مرنے کی جو ٹھانی ہے تو اک بار میں مر بھی!

قصر کاردار میں ڈنر نپل خوبصورتی سے سجی تھی۔ سب کھانا کھا رہے تھے جب زمر کا فون آیا تھا۔ نوشیرواں نے موبائل بند کیا تو ہاشم اور جواہرات اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''زمر تم سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' شہرین کے صبح والے برتاؤ کے بعد وہ جو بدقت سنبھلا ہوا لگ رہا تھا' اس کال پہ رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ نگاہیں جھکا لیں۔ ہاشم نے نیپکین مروڑ کر میز پہ ڈالا۔ اکتاہٹ اور بے زاری سے۔ جواہرات نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''ہاشم کیا ہو رہا ہے؟'' سنگین نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا تو ہاشم کرسی دھکیل کر اٹھا۔ ''میرے کمرے میں آئیں۔'' ساتھ ہی ڈیوٹی پہ کھڑی فیونا کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً پلٹ گئی۔

''ہاشم' تم....''

''میرے کمرے میں آئیں ممی۔'' ایک ملامتی نظر نوشیرواں پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں بے زاری اور جھلاہٹ سے اٹھا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ہاشم کے بند دروازے کے پیچھے کا منظر قطعاً خوشگوار نظر نہیں آ رہا تھا۔ نوشیرواں بیڈ کے کنارے بے زاری سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ہاشم کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے براجمان تھا اور جواہرات... وہ جلتے پیر کی شیرنی کی طرح آگے پیچھے چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کی رنگت سفید اور سرخ کے درمیان بدلتی رہتی' اور آنکھوں میں صدمہ' بے یقینی' غصہ سب کچھ تھا۔

''تم.....'' رک کر نوشیرواں کو گھورا' اور تین انگلیوں سے اس کی تھوڑی پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ شیرو نے (اونہوں) منہ پرے ہٹایا۔ ''تم انتہائی احسان فراموش انسان ہو۔ اس نے جان بچائی تھی تمہاری۔ اور تم نے اس کو مار دیا؟ اور تم؟'' پلٹ کر شعلہ بار نظر ہاشم پہ ڈالی۔ ''اگر وہ مر رہا تھا' تو کیا ضرورت تھی اس کو اتنے تردد سے وہاں سے نکالنے کی؟'' وہ اتنی دیر سے بول بول کر اب ہانپنے لگی تھی۔

''اس کو مرنے دیتا اور شیرو کو قاتل بنا دیتا؟ کیا یہ اتنے بڑے گلٹ کے ساتھ ساری زندگی گزار سکتا تھا؟'' وہ بھی برہم ہوا۔ (شیرو کچھ بڑبڑایا۔)

''اور مجھے بتانے کا ارادہ کب کا تھا؟ تھا بھی یا نہیں؟''

''اوکے ممی' بہت سن لیا میں نے۔ اب بس کریں' بیٹھیں اور سوچیں کہ اب کیا کرنا ہے۔ زمر شیرو سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟''

''تم مجھے بتاؤ گے کہ اب کیا کرنا ہے؟'' وہ غرائی تھی۔ ''اس گھر کی' اس امپائر کی ملکہ میں ہوں' یہ فیصلے میں لیتی ہوں کہ کون کیا کرے گا۔ سمجھے تم!'' ہاشم گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''یہ سنبھال رہے ہو تم چیزیں کہ ابھی ڈیڑھ ماہ نہیں ہوا اسے کھوئے اور زمر کو اس پہ شک ہو گیا ہے۔'' ملامتی نظر ان دونوں پہ ڈالی۔

اس کو کسی پل سکون نہیں آ رہا تھا۔

"شیرو پہ کوئی شک نہیں کر سکتا۔ یہ اس وقت دبئی میں تھا اس کے پاسپورٹ پہ مہر ہے۔"

"اس گھر کے ملازموں کی آنکھوں پہ تو مہر نہیں تھی۔ کس کس نے دیکھا تمہیں اس روز گھر پہ؟ بولو شیرو!" اس کے سر پہ کھڑی غرائی وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔

"فیونا نے... اور...." رکا، ذرا سوچا۔ "میں رات کو سونے سے پہلے فیونا آئی تھی۔ پھر صبح، میں، ہاشم بھائی اور آپ آفس کے لیے جلد نکل گئے تھے۔ گیٹ کے دونوں گارڈز نے دیکھا، اور ہاں، ڈائننگ ہال میں...."

"فہرست مت بتاؤ، مجھے معلوم ہے اس صبح ڈیوٹی پہ کون کون تھا۔ فیونا قابل بھروسہ ہے، مگر اس کے علاوہ سب کو میں فارغ کر کے دوسرے شہروں میں اچھی نوکریاں دلوا دوں گی۔ اگلے ماہ سے ہم نیا اسٹاف رکھ رہے ہیں۔" وہ رکی۔ "فارس نے تو نہیں دیکھا تمہیں؟"

اور ایک دم نوشیرواں سیدھا ہوا۔ اسے یاد آیا۔ "زمر... ڈی اے... اس نے دیکھا تھا مجھے۔" سفید پڑتے چہرے کے ساتھ شیرو نے دونوں کو دیکھا۔ "ہاشم بھائی ان کی شادی کی صبح ان کے گھر سے جب نکلے تو میں ادھر بالکونی میں کھڑا تھا۔ وہ باہر نکلی تو اس نے مجھے دیکھا تھا۔ اوہ۔" اسے سب سمجھ آنے لگا۔ "اس دن جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس کی شادی سے پہلے ہی دبئی جا چکا تھا تو وہ...." اور پوری بات سن کر ہاشم کا دماغ گھوم گیا۔

"یہ بات زمر سے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ میرے خدایا نوشیرواں میں تمہارا کیا کروں۔" موبائل اٹھاتے ہوئے وہ کھڑا ہوا۔ "میں زمر کے پاس تمہارے ساتھ جاؤں گا اور بات سنبھال لوں گا، اگر...."

"بالکل نہیں۔" جواہرات سنگتی نظروں سے اسے گھورتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"اس کو بے بی سٹ کرنا چھوڑ دو ہاشم۔ اس کو اپنے مسئلے خود حل کرنے دو۔ وہ اکیلا جائے گا اور وہ خود زمر کو کونوینس کرے گا، وہ ایک کاردار ہے، اگر وہ سعدی کو گولی مار سکتا ہے، تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

ہاشم شدید غیر آرام دہ ہوا۔ "مگر ممی زمر کو شک...."

"نوشیرواں کو اب عادت ڈالنی ہے ہاشم اپنے بگڑے کام خود سنبھالنے کی۔" وہ اس کی طرف آئی اور انہی شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ "زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ تم سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا تم اپنے مسئلے خود سنبھال سکتے ہو؟"

"جی۔" شیرو نے اثبات میں سر ہلایا۔

"او کے، اور ایک دفعہ پھر...." باری باری دونوں کو گھورا۔ "لعنت ہے تم دونوں پہ!"

زمر کار کھڑی کر کے گھاس پہ اتری ہی تھی کہ "مسز زمر!" کی آواز آئی۔ وہ چونکی اور حیران میں تھی پلٹی۔ نوشیرواں چلا آ رہا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ تھے اور چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

"اوہ نوشیرواں۔" اسے اس سے بات کرنی تھی، بس اتنا الجھا ہوا تھا کہ فراموش کر گئی۔ وہ قدم قدم چلتا قریب آیا۔ سبزہ زار تاریک تھا، انیکسی کے برآمدے کی بتیاں جل رہی تھیں۔ وہ بالکل سامنے آیا تو چہرہ روشنی میں آیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔ دراصل...." وہ رکا۔ زمر ٹھہر کر سننے لگی۔

"میں نے اس دن آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ میں آپ کی شادی کی رات دبئی گیا تھا۔" اس کے چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثر تھا۔ "میں آپ کی شادی کے وقت ادھر ہی تھا، ان فیکٹ اگلی صبح بھی ادھر ہی تھا۔ جب بھائی آفس گیا، تب میں اپنا سامان پیک کر کے نکلا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے، مگر آپ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟" اس نے پتلیاں سکیڑ کر غور سے شیرو کو دیکھا۔

"کیونکہ آپ نے مجھے بالکونی میں دیکھ لیا تھا' اسموکنگ کرتے ہوئے۔" نگاہیں پشیمانی سے جھکا گئیں۔ "میں سگریٹ نہیں پی رہا تھا۔ وہ ڈرگز تھیں۔"

"اوہ!" اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ "آپ ڈرگز استعمال کرتے ہو؟"

"پلیز ممی یا بھائی کو مت بتائیے گا۔ بھائی مجھے جان سے مار دے گا۔ اسی لئے میں نے آپ سے جھوٹ بولا۔ آپ ممی کو بتا دیں گی' مجھے یہی ڈر تھا۔"

"آپ اپنی بالکونی میں اسموکنگ کر رہے تھے اور آپ کے گھر والوں کو نہیں پتہ؟"

"پہلے پتہ تھا جب میں ڈرگز لیتا تھا' پھر سعدی نے بہت مشکل سے میری عادت چھڑوائی' ممی اور بھائی کو نہیں پتہ کہ میں پھر سے پینے لگ گیا ہوں۔ صرف سعدی کو پتہ تھا۔ ظاہر ہے دوستوں سے ہر بات نہیں چھپتی۔ میں اسی لئے اس کے آخری دنوں میں اسے بھی اوائیڈ کر رہا تھا' میں شرمندہ تھا۔ مگر اب... آئی سوئیر میں چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہوں' بس آپ کسی کو کچھ مت بتائیے گا۔"

زمر چند لمحے غور سے اسے دیکھتی رہی۔ "آپ کا سعدی سے جھگڑا کیوں ہوا تھا۔ اس کے ریسٹورانٹ کے باہر' اور پھر یہاں پارٹی میں؟"

"جھگڑا؟" نوشیرواں کی آنکھوں میں حیرت اتری (اور دل کانپ کر رہ گیا۔) "میرا تو اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ ہاں بس اس نے مجھے جھڑکا تھا' ڈرگز کی وجہ سے' اور میں اس کو اوائیڈ کر رہا تھا' مگر مجھے پتہ ہے وہ میرا بھلا ہی چاہتا تھا۔"

"او کے تھینک یو نوشیرواں۔" اس نے سر ہلایا اور الوداعی انداز میں اور عجلت میں گھر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ذہن میں فی الحال کچھ اور چل رہا تھا۔ نوشیرواں نے مسکراتے ہوئے اسے واپس جاتے دیکھا اور پلٹ گیا۔ جیبوں میں رکھے ہاتھ پسینے میں بھیگ چکے تھے اور دل ہنوز زور سے دھڑک رہا تھا۔ حلق خشک تھا' مگر جواہرات کے دیے اعتماد (اور ہاشم کی آدھے گھنٹے کی Witness Preperation) نے واقعی ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک کاروار ہے۔ آخری قہقہہ اسی کا ہوگا۔

میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا
میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا

زمر اندر آئی تو ابا وہیں بیٹھے تھے لاؤنج میں۔ صداقت اور سیم ٹی وی کے آگے جڑ کر بیٹھے کوئی دو کان رمضان ٹرانسمیشن دیکھ کر ڈھیروں ثواب کما رہے تھے۔ وہ سلام دعا کیے بغیر سیدھی اوپر چلی گئی۔ ابا نے فکرمندی سے اسے دیکھا تھا۔

کمرے میں آکر اس نے چیزیں گویا پھینکیں اور فارس کی لکھی چٹ لئے ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ مختلف خانے کھولے' آگے پیچھے ہاتھ مارا۔ بے حد آہستہ تر ذ زمر کو وہ ڈبی ڈھونڈنے میں تین منٹ لگے۔ اس نے سیاہ مخملیں ڈبی کھولی' کسی زمانے میں اس ڈبی میں اس کو وہ لونگ ملی تھی۔ اور لونگ کے ساتھ ایک چٹ بھی تھی۔ زمر نے وہ چٹ نکالی۔ اور پھر دونوں پرچیاں کھول کر سامنے کیں۔

الفاظ مختلف تھے' مگر دونوں اردو میں لکھی گئی تھیں۔ لکھائی نہ اچھی تھی نہ بری' مگر وہ ایک تھی۔ "کاف" کی آنکھ ل یا ن کی گولائی بالکل ایک سی تھی۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ حق دق۔ متحیر۔ شل۔ بار بار ان الفاظ کو میچ کیا۔ بالکل ایک سے۔

پھر سنگھار میز پہ ہتھیلیاں رکھ کر وہ کھڑی ہوئی تو آئینے میں عکس نظر آیا۔ گھنگھریالے بال کھلے تھے' چہرہ زرد تھا' آنکھوں میں عجیب سی حیرت اور صدمہ تھا' اور ناک... ناک میں لونگ دمک رہی تھی۔ وہ ننھا سا الماس (ہیرا) اس وقت زمر یوسف کی پوری زندگی کو تہہ و بالا کر رہا تھا۔

پھر ان بھوری آنکھوں میں غصہ ابھرا۔ اس نے نوچ کر وہ لونگ اتاری۔ کسی مکروہ شے کی طرح ڈبی میں ڈال کر بند کی۔ پھر باہر نکلی۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حنہ نے فوراً ہی کھول دیا۔ اس کو دیکھا تو ذرا دیر کو ٹھہری۔ اس کی آنکھوں میں سرخ لکیریں

ابھری ہوئی تھیں' لب بھینچے ہوئے تھے' اور... ناک میں لونگ نہیں تھی۔ حنین کی الجھی ہوئی نگاہیں اس کے ہاتھ پہ جا رکیں۔ زمر نے ہتھیلی سیدھی پھیلا رکھی تھی۔ "میری نوز رنگ' حنین!"

"جی؟"

"میں نے کہا حنین یوسف کہ مجھے میری نوز رنگ واپس چاہیے۔" چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ حنین کی ٹانگوں سے جان نکل گئی۔ اس نے پہلی دفعہ زمر کو اپنے ساتھ اتنے کٹیلے اور سرد لہجے میں بات کرتے دیکھا تھا۔ اور جیسے زمر کو وجہ جمع دو چار کرنے میں چند منٹ لگے تھے' حنہ کو بھی تھوڑی ہی دیر لگی۔ وہ خشک لبوں پہ زبان پھیرتی پلٹی اور الماری کھولی۔ آگے پیچھے ہاتھ مارا۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ اس کے ایک ایک خانے کو چیک کیا۔ زرتاشہ کی ساری چیزیں الٹ پلٹ کر دیں۔ کچھ البمز۔ کچھی ڈبیز۔ بے حد ڈس آرگنائزڈ حنین کو تھکی ڈبی ڈھونڈنے میں کچھ دیر لگ گئی اور پھر اس نے جھجکی نظروں کے ساتھ ڈبی اس کی طرف بڑھائی۔ زمر نے اسے جھپٹا اور ملامتی نظروں سے اسے گھورتی مڑ گئی۔

فارس اور ندرت اکٹھے واپس آئے تو رات مزید تاریک ہو چکی تھی۔ وہ لاؤنج میں کھڑا بڑے ابا سے رسمی کلمات کہہ رہا تھا جب حنہ آہستہ سے اس کے قریب آئی۔ جب وہ متوجہ نہ ہوا تو اس کی کہنی ہلائی۔ وہ چونک کر مڑا۔

"کیا؟"

حنین نے ابرو سے اوپر کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "انہیں کیسے پتہ چلا؟"

"کیا؟" فارس کو الجھنا ہوا۔

"اوہ۔" (تو ابھی اس کی پیشی نہیں ہوئی تھی۔) "پھپھو کو دیکھ لیں' وہ آتے ساتھ ہی کمرے میں بند ہو گئی ہیں۔" ہلکا سا کہا مگر ندرت نے سن لیا۔ ابا نے بھی۔ سیم نے بھی گردن موڑی۔ لاؤنج میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ فارس نے محسوس کیا سب اسی کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ کسی سے بھی نگاہ ملائے بغیر سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔

کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔ رخ موڑے۔ وہ اندر آیا۔ کوٹ اتارا۔ اسے لٹکایا۔ سرسری سی نظر اس کے سر کی پشت پہ ڈالی۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ اور تب اس کی نگاہ اپنے صوفے پہ پڑی۔

اس کے سرہانے سیاہ مخملیں ڈبی رکھی تھی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا جو اب اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے سامنے سینے پہ بازو لپیٹے' چبھتی نظروں اسے دیکھ رہی تھی۔

فارس کے چہرے کے تاثرات سخت اور سپاٹ ہو گئے۔ ڈبی اٹھائی اور اسے سنگھار میز پہ زور سے رکھا۔ "واپس کرنے سے بہتر ہے اسے پھینک دیں۔"

زمر کی آنکھیں میں دکھ کے ساتھ ملامت بھی ابھری۔ "تم کب مجھے دھوکہ دینا چھوڑو گے' فارس؟"

"میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔" وہ بھی سامنے آ کھڑا ہوا اور لہجے کو برہم کیا۔ "اسٹوڈنٹس ٹیچرز کو گفٹس دیتے ہیں۔ میں نے بھی دے دیا۔ پہننا یا نہ پہننا آپ کا فیصلہ تھا۔"

"تم نے اپنا نام نہیں لکھا تھا اوپر۔"

"آپ میری لکھائی پہچان سکتی تھیں۔"

"اگر تمہیں بھول گیا ہے تو یاد کروا دوں' قانون کی کتابیں انگریزی میں ہوتی ہیں۔ میں نے تمہاری انگریزی کی لکھائی دیکھی تھی جبھی۔ پھر تم نے نام کیوں نہیں لکھا؟" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"اوکے فائن!" وہ بھی اونچا بولا تھا۔ "نہیں لکھا' ٹھیک ہے نہیں لکھا۔ تو کیا کریں گی آپ؟"

زمر کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا۔

"تم اتنے سال میرا مذاق اڑاتے رہے' تمہیں بالکل کوئی لحاظ نہیں آیا۔ میں تمہاری ٹیچر تھی!" بولی وہ غصے سے تھی' مگر آواز گیلی تھی۔

اور ان بھوری آنکھوں میں آنسو دیکھنا۔ فارس نے سر جھٹکا۔

"جب آپ کو گولی مار سکتا ہوں تو کچھ بھی کر سکتا ہوں میں تو ہوں ہی برا۔ اس لیے میری طرف سے... پھینک دیں اسے یا آگ میں ڈال دیں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں معذرت کروں گا' تو یہ میں نہیں کرنے لگا۔ بلکہ میں تھک چکا ہوں آپ کو وضاحتیں دے دے کر۔ اس لیے میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت آپ میری ٹیچر تھیں' مجھے جیل بھیجنے والی گواہ نہیں تھیں!" وہ واپس مڑا' چابی اٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھا' تب دیکھا' ذرا سی درز کھلی تھی۔ وہ دروازہ پورا بند کرنا بھول گیا تھا۔ یا اللہ۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ ساری آوازیں نیچے گئی ہوں گی؟

مڑ کر ایک نگاہ زمر پہ ڈالی جو خاموش کھڑی' آنکھوں میں پانی اور ڈھیروں غصہ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور پھر باہر نکل کر زور سے دروازہ بند کیا۔

نیچے لاؤنج میں سناٹا تھا۔ حنین' ندرت' ابا' سیم سب اوپر ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ لب بھینچے تیزی سے زینے اترتا گیا۔ ندرت اٹھیں۔

"فارس کہاں جا رہے ہو؟"

"کام سے جا رہا ہوں' آ جاؤں گا۔" ہاتھ جھلا کر ان کو اشارہ کرتا وہ باہر نکل گیا۔

"حنین' جاؤ اس کو روکو' اسے کہو مت جائے۔" مگر حنین وہیں بیٹھی رہی۔

"امی خیر ہے' بیٹھ جائیں' وہ آ جائیں گے۔" اس نے بظاہر خود کو بے فکر ظاہر کیا البتہ بار بار پریشان نگاہ اوپر اٹھتی تھی۔ (اسے پتہ تھا فارس ابا سے شرمندہ ہے' کہ انہوں نے اسے ان کی بیٹی کے ساتھ اس طرح بات کرتے سنا ہوگا۔)

بہت اندر تک جلا دیتی ہیں'
وہ شکایتیں جو کبھی بیان نہیں ہوتیں

ندرت چند لمحے چوکھٹ میں کھڑی رہیں' پھر واپس آئیں۔ سیڑھیوں کے پاس ٹھہر کر زور دار اونچی کی۔ "زمر... زمر!" ان کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ حنین چونکی۔ ابا بھی چونکے۔ سعدی کے جانے کے بعد پہلی دفعہ ان کی اتنی بلند آواز سنی تھی۔ اور آنکھوں میں غصہ۔

زمر کمرے سے باہر آئی اور اوپر ریلنگ کنارے رکی۔ گیلی آنکھیں رگڑ لی تھیں۔

"جی؟" وہ پرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم نے فارس کو کیا کہا ہے؟ وہ کیوں چلا گیا ہے؟"

اوپر کھڑی زمر کی آنکھوں میں ذرا تعجب سا ابھرا۔ الفاظ پہ نہیں' انداز پہ۔

"میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔" (ابھی تو کچھ کہنا شروع بھی نہیں کیا تھا۔)

"ہم نے خود سنا ہے' تم دونوں جھگڑ رہے تھے۔" وہ پریشان تھیں اور غصے میں بھی۔ "تم اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہی ہو؟ یہ شادی تمہاری مرضی کے بغیر تو نہیں ہوئی تھی۔"

حنین نے چہرہ موڑا۔ کچن کے دروازے سے کھڑا صداقت بنا پلک جھپکے ادھر دیکھ رہا تھا۔

"اے!" اس نے صداقت کو متوجہ کیا۔ وہ چونکا۔ کھلا منہ بند کیا۔

"جاؤ اپنے کوارٹر میں۔ ادھر کیا کھڑے ہو؟" ڈپٹ کر بولی تو وہ شرمندہ سا فوراً باہر کھسک گیا۔

ادھر زمر آواز نیچی کیے کہہ رہی تھی "ایسا کچھ نہیں ہے بھابھی۔ میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ خود گیا ہے۔"

"سعدی بھی ایسے ہی گیا تھا اور پھر واپس نہیں آیا۔ اب فارس بھی واپس نہیں آئے گا۔ تم نے اسے مجبور کیا ہے گھر چھوڑنے پہ۔ سعدی بھی تمہاری وجہ سے گیا تھا۔" ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

"میری وجہ سے؟" زمر دم بخود رہ گئی۔

"ہاں۔ تم اس روز سعدی سے لڑی تھیں۔ میں نے خود سنا تھا۔ تم اس کو ڈانٹ رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ گھر سے چلا گیا اور واپس نہیں آیا۔"

حنین کو لگا کسی نے اس کے منہ پہ طمانچہ دے مارا ہو۔ وہ ہکا بکا سی کھڑی ہوئی۔ "نہیں امی! پھپھو تو میرے لیے... میری سائیڈ لے رہی تھیں۔" اس نے وحشت سے زمر کو دیکھا جو ریلنگ پہ ہاتھ رکھے سُن سی کھڑی تھی۔

"سعدی میری وجہ سے نہیں گیا بھابھی۔"

"تم نے فارس کو گھر سے نکالا ہے جیسے تمہاری امی نے مجھے نکالا تھا۔ تم لوگوں نے ساری زندگی ہمارے ساتھ یہی کیا ہے۔ اب تم فارس کے ساتھ وہی کر رہی ہو۔" دکھ سے ان کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"ندرت!" ابا نے برہمی سے ٹوکا۔

"میری امی کے بارے میں کچھ مت کہیے۔ اور سعدی میری وجہ سے نہیں گیا۔" وہ بدقت بول پائی۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگی تھیں۔ "میں اس سے نہیں لڑی تھی، صرف ذرا سا خفا..."

"تمہیں کیا حق تھا اس سے خفا ہونے کا؟" وہ ایک دم زور سے چلائیں۔ حنین ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ "وہ میرا بیٹا تھا۔ تمہارا بیٹا نہیں تھا۔ یہ میرے بچے ہیں، ان کو صرف میں ڈانٹ سکتی ہوں، تم اپنے سارے حق اپنے بچوں کے لیے رکھو۔"

"ندرت، بس کر دو!" ابا بلند آواز میں سختی سے بولے اور ندرت چپ ہو گئیں۔ کیونکہ کہنے کے بعد ان کو احساس ہوا تھا کہ ان کا آخری فقرہ... ان کا آخری فقرہ مناسب نہ تھا۔

اور اس آخری فقرے نے زمر کا دل ہی توڑ دیا۔

اس کا ریلنگ پہ جما ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ چہرہ جھکائے قدم قدم زینے اترتی گئی۔ لاؤنج میں وحشت ناک سا سناٹا چھا گیا۔ زمر کسی کو بھی دیکھے بغیر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ حنین کی نظریں اس کے قدموں پہ جا ٹھہریں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ پھر وہ اسی طرح باہر نکل گئی مگر حنین میں کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

دروازہ بند ہوا تو ندرت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتیں سیڑھیاں چڑھتی گئیں۔ وہ شاید رو بھی رہی تھیں۔

ابا فکرمندی سے بند دروازے کو دیکھ رہے تھے پھر سیم اٹھا اور باہر گیا۔ چند لمحے بعد وہ واپس آ گیا۔ "پھپھو باہر نہیں ہیں۔ کہاں چلی گئیں؟"

حنین نے پریشانی سے فارس کا نمبر ملایا۔ اس نے کال کاٹ دی۔ ایک بار دوسری بار۔ پھر اس نے غصے سے ٹیکسٹ بھیجا۔

"امی اور پھپھو کی لڑائی ہوئی ہے اور امی نے پھپھو کو گھر سے نکال دیا ہے۔" اور پھر گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔ حسب توقع فون فوراً بجا۔

''کیا ہوا؟'' وہ واقعی تشویش سے بولا تھا۔ آواز سے لگتا تھا' ڈرائیو کر رہا ہے۔

''وہی جو لکھا تھا۔ امی نے پھپھو کو بہت سنائیں اور وہ گھر سے چلی گئیں۔''

''قصور کس کا تھا؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

''آپ کا!'' اور پھر امی کے سارے الفاظ دہرا دیے۔

تھوڑی دیر گزری اور گاڑی کی آواز آئی تو بڑے ابا کے چہرے پہ چھائی تفکر کی لکیریں کم ہوئیں۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا' تو فکر مند لگ رہا تھا۔

''آپ کدھر چلے گئے تھے؟''

''یونہی۔ باہر۔'' اس نے ابا سے نگاہیں چرائیں مگر ابا کو اس کا غصے سے ان کی بیٹی پہ چلانا یاد نہیں تھا' ان کو صرف زمر کی فکر تھی۔

''جاؤ' زمر کو دیکھو وہ کہاں چلی گئی۔''

''گاڑی تو کھڑی ہے اس کی۔ تمہاری امی کہاں ہیں؟'' ساتھ ہی اوپر دیکھا۔

''امی ٹھیک ہیں' ان کی فکر مت کریں۔ بس پھپھو کو لے آئیں۔ ان کو کھونا ایسے ہے جیسے ہم سعدی بھائی کو دوسری دفعہ کھو دیں گے۔'' حنین ایک دم اداس ہو گئی تھی۔

''میں دیکھتا ہوں' تم جاؤ اپنی امی کے پاس بیٹھو۔'' وہ الٹے قدموں مڑ گیا۔

باہر سبزہ زار سنسان پڑا تھا۔ وہ قصر کے فرنٹ تک آیا۔ ملازموں کی آگے پیچھے آمد و رفت کچھ غیر معمولی لگ رہی تھی۔

زمر کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ گیٹ کے قریب آیا تو اوپر کیبن سے گارڈ نے پکارا۔

''سر! مسز غازی اس طرف گئی ہیں۔'' اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔ گارڈ اشارہ کر کے بتا رہا تھا۔ وہ باہر گئی تھی۔ باہر سڑک تاریک تھی۔

''فلیش لائٹ دو۔'' اس نے ہاتھ اٹھایا۔ گارڈ نے لائٹ اس کی طرف اچھالی۔

''لے جائیں سر! بھلے ہمیشہ کے لیے لے جائیں۔'' دل برداشتہ سا کہتا گارڈ واپس بیٹھ گیا۔

فارس نے لائٹ تھامی اور گیٹ سے باہر آیا۔ وہ پہاڑی کو کاٹ کر بنائی سڑک تھی۔ دور دور اونچے محلات تھے' کہیں کئی کئی کنال کی جگہ خالی تھی۔ وہاں جنگل اگے تھے۔ وہ جوگرز پتھروں پہ رکھتا' سڑک کنارے اوپر چڑھنے لگا جہاں اونچے درخت تھے۔ ساتھ ہی فکر مندی سے اسے پکارتا روشنی پھینک رہا تھا۔

''زمر!'' آواز رات کے اندھیرے میں گم ہو جاتی' کبھی لوٹ کر سنائی دیتی۔ وہ اوپر چڑھتا آیا۔ ٹارچ والا ہاتھ مسلسل ہل رہا تھا۔ پھر روشنی ایک جگہ تھمی۔ درختوں کے بیچ اسے وہ نظر آئی تھی۔ زمین پہ ننگے پاؤں اکڑوں بیٹھی۔ تھوڑی گھٹنوں پہ رکھے۔

فارس نے گہری سانس خارج کی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس تک آیا۔ پتوں اور سوکھی ٹہنیوں کے جوگرز تلے کچلنے کی کرچ کرچ نے خاموشی کو توڑا۔ وہ اس کے قریب آرکا۔

''آپ ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ گھر چلیں۔''

وہ نہیں ہلی۔ گردن بھی نہیں اٹھائی۔

''زمر! ہم سارے مسئلے گھر جا کر سلجھا سکتے ہیں۔ اٹھیں۔'' جب اس نے جواب نہیں دیا تو فارس نے ٹارچ زمین پہ رکھی اور اس کے سامنے درخت سے ٹیک لگا کر خود بھی اکڑوں بیٹھ گیا۔

"آپا نے جو بھی کہا دل سے نہیں کہا۔ وہ آپ کو ہرٹ کر کے خود بھی ہرٹ ہیں۔ مجھے پتہ ہے۔ ان سے ناراض مت ہوں۔"

"میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ سعدی سے بھی نہیں تھی۔" وہ ہلکا سا بولی تو آواز رندھی ہوئی تھی۔ نارنجی بتیوں پہ پڑتی تھی روشنی مخالف سمت کے درختوں پہ پڑ رہی تھی۔ زمر کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔

"ان کو پتہ ہے آپ سعدی سے خفا نہیں تھیں۔ نہ ان کو یہ بات اذیت دے رہی ہے۔"

زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"سعدی میری وجہ سے نہیں گیا۔ میں نے اسے نہیں بھیجا۔ میں چار سال ان سے ناراض بھی نہیں تھی۔ مجھے یہ لگتا تھا کہ بچے اب مجھ سے محبت نہیں کرتے' اس لیے میں پیچھے ہٹ گئی تھی' مگر میں غلط تھی۔ اور مجھے اس کے لیے بہت دکھ ہے۔" آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گر رہے تھے۔ کون سی ضد، کہاں کا خشت، دونوں کو بھول گیا تھا۔

رات کا سناٹا اور جنگل کے اونچے درخت خاموشی سے سن رہے تھے۔ سامنے تنے سے ٹیک لگائے فارس نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"سب کو پتہ ہے یہ بات۔"

"میرے پاس کوئی امید نہیں ہے سوائے ان بچوں کے۔ مگر نہیں..." اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ میرے بچے نہیں ہیں۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر سعدی کو ہم واپس لے آئیں' سب کچھ ٹھیک ہو جائے تو سب سیٹل ہو سکتے ہیں' سوائے میرے۔ میرا کیا ہوگا؟" آنسو برابر گرتے جا رہے تھے۔ اس نے چہرہ جھکایا اور ناک سکوڑ کر پانی اندر اتارا۔

"وہ واقعی آپ کے بچے نہیں ہیں۔ وہ آپ کے بھتیجے ہیں' اور یہ ایک مختلف رشتہ ہوتا ہے۔ ان کے اپنے حق ہوتے ہیں اور وہ آپ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

زمر نے جواب نہیں دیا۔ جھکے چہرے پہ لڑھکتے آنسو اندھیرے میں بھی اسے دکھائی دے رہے تھے۔ ہلکی سی ہوا چل رہی تھی' جس سے ان کے گھنگھریالے کھلے بال بار بار اڑ کر چہرے پہ آ رہے تھے۔

"مجھے دوبارہ کبھی وہ خوشی نہیں مل سکتی جو کبھی میرے پاس تھی۔"

"زمر روئیں مت۔ آپ کو روتے دیکھ کر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ آپ پہ یہ سوٹ نہیں کرتا۔ آپ مضبوط اچھی لگتی ہیں۔ اور مغرور بھی... اور اکھڑ بھی..." اس نے چہرہ اٹھایا۔ گیلی آنکھوں میں تعجب در آیا۔

وہ اس کے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اور بدتمیز بھی... اور روڈ... اور Bossy اور... بے مروت بھی' اور..." وہ نرمی سے ایک ایک لفظ گنوا رہا تھا۔ چند لمحے وہ اس کو دیکھتی رہی' پھر ہلکا سا مسکرائی اور ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"میں ایسی نہیں ہوں۔" گردن اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے مسکرا کر بولی۔ "میں کنفرولڈ' ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہوں۔"

"آپ کی ڈکشنری میں شائستگی کی تعریف کیا ہے؟" وہ بھی ذرا سا مسکرایا۔ زمر ہاتھ سے آنسو پونچھتی ہلکا سا ہنس دی۔

"عورتوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے جیسی میں ہوں۔" پھر مسکراہٹ آہستہ آہستہ گئی۔ چند لمحے پہلے کی تلخی نے دل کو دوبارہ سے کسک دی۔ اس نے گردن موڑ کر دور تک پھیلے درختوں کو دیکھا۔ کہیں دور کبھی کسی گاڑی کی زن سے گزرنے کی آواز سنائی دیتی۔ پھر سناٹا چھا جاتا۔

"کیا وہ مجھ پہ اتنی خفا تھیں؟" وہ پھر سے آزردہ ہوئی۔

"اونہوں۔ انہیں آپ پہ غصہ نہیں ہے۔ ان کو الزام دینے کے لیے کوئی چاہیے۔ ہم سب کو چاہیے ہوتا ہے۔ وجہ یہ گھر ہے۔ ان کی اس گھر سے اچھی یادیں وابستہ نہیں ہیں۔"

"مطلب؟" وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔ اندھیرے میں سامنے بیٹھے فارس کا چہرہ مدھم سا دکھائی دیتا تھا مگر اس پہ آنچ سی تھی۔

"ابھی گھر چلیں۔ پھر کسی وقت ان سے پوچھ لیجئے گا۔"

"نہیں' بتاؤ' میں سن رہی ہوں۔" وہ دھیان سے اسے دیکھ رہی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی۔ "یہ میری امی کا گھر ہے' اور....." کہتے ساتھ ٹارچ اٹھائی کہ اسے بند کر دے' تبھی روشنی زمر پہ گری تو وہ چونکا۔ ٹارچ اس کے اوپر ڈالی۔ زمر نے آنکھیں چندھیا کر چہرہ پرے ہٹایا۔ وہ اس کے قدموں میں دیکھ رہا تھا۔ کیچڑ' مٹی۔ کانٹے اور.....

"پاؤں کو کیا ہوا ہے آپ کے؟" چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ "آپ گری ہیں؟" زمر نے سر جھکا۔

"شاید۔"

اس نے روشنی اس کے پاؤں پہ ڈالی۔ انگوٹھا خون میں ڈوبا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"گھر چلیں۔"

"تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے' تمہیں پتہ ہے۔" ہمیشہ کے برعکس وہ غصے یا سختی سے نہیں بولی تھی' بس تھکن سی تھی آواز میں۔

"اچھا' میں آتا ہوں۔" جانے لگا' پھر رکا۔ "میرے آنے تک ادھر سے ہلیے گا نہیں' ورنہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں' آپ ابھی مجھے جانتی نہیں ہیں۔" تنبیہ کرتا وہ نیچے اترتا گیا۔ ٹارچ بجھا دی تھی۔ گیٹ تک دوبارہ آیا تو گارڈ کا کیبن خالی تھا۔ کیبن کی سیڑھی کے آس پاس دیکھا۔ مدھم مدھم سی آوازیں آئیں۔ فوراً قریبی درخت کی اوٹ میں ہوا۔ پھر ٹہنیوں کے درمیان سے جھانکا۔ گارڈ کی پشت تھی' اور اس نے سامنے فیونا کھڑی کہہ رہی تھی۔

"مجھے واقعی نہیں معلوم کہ وہ سارے اسٹاف کو کیوں نکال رہے ہیں' مگر اکبر تم بے فکر رہو۔ میں اپنے اسٹاف کی ہیڈ ہی نہیں' خیر خواہ بھی ہوں۔ میں مسز کاردار سے کہہ دوں گی کہ تم لوگ جاؤ گے تو میں بھی جاؤں گی۔"

"اور وہ تمہیں ایک بہتر پیکج دے دیں گے اور تم ٹھہر جاؤ گی۔ اگر تمہاری جگہ میری انجیو ہوتی' تو وہ ہم سب کے لیے لڑتی۔" وہ مایوس لگ رہا تھا۔

"میرا قصور نہیں ہے اس میں۔ یہ سب مسز زمر نے کیا ہے۔ انہی کا فون آیا تھا اور اس کے بعد مسز کاردار نے یہ حکم جاری کیا۔"

وہ اوٹ سے نکلا اور آواز دی۔ "اکبر!" گارڈ فوراً گھوما۔ فیونا بھی چونکی۔ وہ چلتا ہوا ان تک آیا۔

"میری بیوی کو چوٹ لگی ہے' پھاہا دوپٹی وغیرہ کے لیے۔" فیونا کو مخاطب کیا تو وہ فوراً تابعداری سے آگے ہوئی۔

"اکبر چے کیبن سے ایڈ باکس لے آؤ۔ سر' چوٹ زیادہ ہے؟ میں ڈاکٹر کو فون کروں؟ یا پھر میں ان کی پٹی کر دوں؟"

"او نہوں۔ میں کرلوں گا۔" اکبر پیکٹ لے آیا' تو فارس فیونا پہ ایک گہری نظر ڈالتا' چیز لیے پلٹ گیا۔

بے خیالی میں کبھی انگلیاں جل جائیں گی

راکھ گزرے ہوئے لمحوں کی کریدا نہ کرو

اوپر آیا تو زمر ویسے ہی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا۔ ایک گھٹنا موڑے' دوسرا پاؤں زمین پہ رکھے۔

"اور کہاں چوٹ آئی ہے؟" آئس پیک نکال کر اسے دیا' جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا' اور آستین اوپر کر کے کہنی پہ رکھا۔ فارس نے ٹارچ اسے تھمائی۔ "یہ اس اینگل پہ رکھیں۔" اور جب روشنی اس کے انگوٹھے پہ پڑنے لگی تو وہ ٹیلے وائپ سے اس کے پیر کا خون صاف کرنے لگا۔ زمر اس کے جھکے سر کو دیکھے گئی۔

"ندرت بھابھی کو اس گھر سے کیا مسئلہ تھا؟" ان دونوں کو معلوم تھا وہ کیا سننے کے لیے بیٹھی ہے۔ وہ سر جھکائے' زخم صاف کرتے کہنے لگا۔

''یہ میری امی کا گھر ہے' اور میری امی ان کی سوتیلی ماں تھیں۔'' اس نے آہستہ سے وہ نوکیلی سی چیز اس کے ماس سے نکالی جس نے انگوٹھے کو کاٹا تھا۔ زمر کے لبوں سے ''سس'' نکلی۔ فارس نے رک کر اسے دیکھا۔

''ہلکا سا زخم ہے' ٹھیک ہو جائے گا۔ کل ٹیٹنس کا انجیکشن لگوا لیجیے گا۔''

''مجھے کوئی درد نہیں ہو رہا۔'' اس نے شانے اچکائے۔ پھر رکی۔ سرسری انداز میں پوچھا ''تمہارے ابو اور تمہاری امی اور ان کی پہلی بیوی کے.... میرا مطلب ہے... کیسے تعلقات تھے ان سب کے؟ ویسے مجھے پتہ ہے مگر صرف ان کی سائیڈ کی اسٹوری۔ تمہاری سائیڈ کی نہیں معلوم۔''

اور یہ پہلی دفعہ تھا جب زمر نے بغیر کسی غصے یا عداوت کے اس کی طرف کی کہانی سننی چاہی۔ اس کے انگوٹھے پہ دوا لگاتے ہاتھ رکے۔ لمحے بھر کو ذہن کہیں دور جا پہنچا۔

''یہ گھر میری امی کا ہے۔ شادی سے پہلے وہ اپنے بھائی اورنگزیب کاردار کے ساتھ ان کے گھر رہتی تھیں۔ تب یہ جگہ اتنی ڈیویلپڈ اور ایلیٹ نہیں تھی۔ ابو نے ان سے محبت کی شادی کی تھی۔ پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی۔ مگر اتنے گٹس نہیں تھے ان میں کہ اپنی بیوی کو ساتھ لے جاتے۔ ندرت آپا اور وارث کی امی نے بہت ہنگامہ کیا شادی پہ۔ سو پتہ نہیں کس نے طے کیا مگر امی ادھر انیکسی میں رہنے لگیں۔ ابو یہیں آ جاتے' کبھی رہتے' کبھی چلے جاتے۔ وہاں ان کے بچے تھے۔ یہاں صرف بیوی۔'' سر جھکائے' آہستہ آہستہ آئنمنٹ اس کے انگوٹھے پہ لگاتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ اس کو اتنا بولنے کی عادت نہیں تھی۔ زمر کے لیے وہ ایک کم گو' پراسرار سا شخص تھا۔ کیا سوچتا ہے' کیا چاہتا ہے' وہ کبھی نہیں کہتا تھا۔ آج کہہ رہا تھا' اور وہ بالکل یک ٹک محو ہو کر سن رہی تھی۔

''میں آٹھ سال کا تھا جب ندرت اور وارث کی امی کا انتقال ہوا۔ ابو مجھے اور امی کو پھر اپنے گھر لے گئے۔ ندرت آپا تب اٹھارہ سال کی تھیں' اور وارث بارہ کا۔ ہم لوگ چھ ماہ رہے ادھر....'' بولتے بولتے وہ چپ ہو گیا۔ پھر پیکٹ سے پٹی نکالی' اور اس کے انگوٹھے کے گرد لپیٹنے لگا۔ جنگل کے اونچے درختوں میں خاموشی چھا گئی۔

''پھر؟'' وہ بے چینی سے بولی۔ اپنی ساری انا' اکڑ اور بے نیازی چند لمحے کے لیے پس پشت ڈالے۔

''پھر کیا؟'' وہ سر جھکائے سفید پٹی لپیٹ رہا تھا۔

''ندرت بھابھی لوگوں کا رویہ کیسا تھا تم لوگوں کے ساتھ؟'' اس نے ندرت بھابھی کے ذکر کو ذرا نمایاں کیا۔ وہ یہ سوال صرف انہی کی وجہ سے تو کر رہی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی۔ ''وہ مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ اور میری ماں سے بھی۔ ہم سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ امی بھی کوئی بہت صابر شاکر خاتون نہیں تھیں' ماموں جیسا غصہ تھا ان میں بھی۔ مجھ میں بھی۔ خیر۔ بہت جھگڑے ہوا کرتے تھے آپا اور امی کے۔ وارث لڑتا نہیں تھا مگر جہاں میں آ کر بیٹھتا' وہ اٹھ جاتا۔ اگر بول رہا ہوتا تو مجھے دیکھ کر چپ ہو جاتا۔ ہم چھ ماہ وہاں رہے۔ بدترین دن تھے وہ....''

''پھر واپس کیوں چلی گئیں تمہاری امی؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔ پتہ نہیں کیوں' اس مہیب تاریک جنگل میں اس کے ساتھ بیٹھے اسے چار سال پہلے کی وہ گولیاں' وہ فون کال' سب بھولنے لگا تھا۔ اسے لگ رہا تھا' وہ فارس غازی سے پہلی دفعہ مل رہی ہے۔

''امی نہیں گئی تھیں۔ میں گیا تھا۔'' سر جھکائے' فارس نے پٹی کے اوپر شفاف ٹیپ لگا کر اسے پکا کیا۔ پھر پیچھے ہٹا۔ زمر نے بھی پیر ذرا پیچھے کھینچ لیا۔ وہ واپس درخت سے ٹیک لگا کر اکڑوں بیٹھا' اور دائیں جانب درختوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اپ سیٹ تھا ایک دن' تنگ آ گیا تھا ادھر سے' تو بھاگ گیا۔ مذاق نہیں کر رہا۔ سچ میں۔ ڈھائی گھنٹے بھاگتا رہا۔ پھر یہاں پہنچ گیا۔ واپس۔''

''تمہیں گھر کا راستہ آتا تھا؟ اتنی سی عمر میں؟'' اس کو تعجب ہوا۔ فارس نے گردن اس کی طرف موڑی' اداسی سے مسکرایا۔

''مجھے تو بہت کچھ آتا ہے۔ آپ مجھے جانتی ہی کتنا ہیں؟''

وہ کچھ نہیں بولی۔ بس پرسوچ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''میں ادھر آیا تو اور نگزیب ماموں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ گھر پہ نہیں تھے۔ مسز کاردار تھیں۔ یہ لوگ تب بھی امیر تھے' مگر اتنے امیر نہیں تھے۔ ان کا گھر بھی تب مختلف تھا۔ یہ عالیشان قصر تو بعد میں بنا کر کھڑا کیا تھا۔ خیر۔ مسز جواہرات گھر پہ تھیں۔ وہ مجھے اندر لے آئیں' میرے لئے کمرہ تیار کروایا' میرے پیروں کی مرہم پٹی کی۔ بہت خیال سے دو دن مجھے اپنے گھر رکھا۔ تیسرے دن میرے ماں باپ کو بلایا' اور کہا اپنے بچے کو لے جاؤ۔ یہ سارے کاردار زامرکی کھوپڑی والے ہیں' مہمان بس دو دن اچھا' پھر مچھلی بن جاتا ہے۔''

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ وہ بھی شاید مسکرایا تھا' مگر اب پھر سے گردن موڑے اندھیرے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ ''امی اور میں واپس ادھر ہی آگئے اور ابا اپنے بچوں کے ساتھ رہے۔ اگلے سال ندرت آپا کی شادی ہوگئی۔ وارث کو ابو نے پڑھنے لاہور بھیج دیا' ذکیہ خالہ کے گھر۔ وہ وارث اور ندرت کی امی کی سگی بہن ہیں۔ یونو' سارہ کی امی۔ وارث وہیں پڑھتا رہا' اور ابو میرے اور امی کے پاس واپس آگئے۔''

ہوا تاریک درختوں کے پتوں کے بیچ سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ اس کی گھنگریالی لٹیں چہرے پہ آ رہی تھیں' جن کو وہ بار بار کان کے پیچھے اڑستی تھی۔ نگاہیں فارس کے چہرے پہ ٹکی تھیں۔ اس نے اب سر درخت کے تنے سے لگا رکھا تھا' اور آنکھوں میں بے پناہ تھکن تھی' کرب تھا۔

''میں دس سال کا تھا جب سعدی پیدا ہوا۔''

(میں آٹھ سال کی تھی۔) اس نے صرف سوچا۔ بولی نہیں۔ وہ کبھی کبھی تو بولتا تھا' اسے لگا اگر بولے گی تو اس کی یکسوئی ٹوٹ جائے گی۔

''اور میں تیرہ سال کا تھا جب ندرت آپا ناراض ہو کر ہمارے گھر آگئیں۔ ان کا آپ کی امی سے جھگڑا ہوا تھا۔ سعدی کو بھی وہیں چھوڑ آئی تھیں' کہ خود پالیں۔ اور ابا چونکہ دوسرا گھر بیچ چکے تھے' اس لئے ان کے پاس یہاں آنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ وہ واحد عرصہ تھا جو آپا نے اس گھر میں گزارا' اور تب بھی حالات ویسے ہی تھے' جیسے آج ہیں۔ سعدی ان سے چھن چکا تھا' اور وہ بہت کرب اور تکلیف میں تھیں۔ تین ماہ بعد ابو کا انتقال ہوگیا' اور ندرت آپا کی ساری زندگی گویا ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی۔ وارث کی چھٹیاں تھیں' وہ بھی ادھر آ گیا۔ اب ہمارے جھگڑوں کی ساری وجوہات ختم ہو چکی تھیں۔ سعدی نہیں تھا' تو پتہ نہیں کیوں آپا کا رویہ مجھ سے بدلنے لگا۔ انہوں نے مجھے ایک چھوٹے بھائی کے طور پہ قبول کر لیا۔ وہ لوگ اب بھی مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے' مگر برا بھی نہیں کہتے تھے۔ پھر آپا کی صلح ہوگئی تو وہ چلی گئیں اور وارث بھی... میں اور امی ادھر ہی ہوتے۔''

وہ پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

''میں اٹھارہ سال کا تھا جب امی فوت ہوئیں۔ تب آپا آئیں اور مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئیں۔ اس صلح کے بعد ہی آپ کے بھائی نے ان کو الگ گھر لے دیا تھا۔ میں کافی عرصہ ان کے گھر رہا۔ حنہ تب ایک سال کی تھی۔ مگر اس کے بعد آپا اور وارث نے ہمیشہ میرا خیال رکھا۔ ہم لوگوں نے ایک دوسرے کو سمجھنا شروع کر دیا' اور ہمارے سارے اختلافات پتہ نہیں کہاں غائب ہو گئے۔ بلکہ... وارث اور میں تو بہت اچھے دوست بن گئے تھے....'' وہ یاد کر کے کہتا جا رہا تھا۔

''پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا!''

خوبصورت رات کا فسوں چھناکے سے ٹوٹا۔ وہ کہہ کر ایک دم چپ ہوگئی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا' پھر آنکھیں میچ کر جیسے بہت سارا ضبط کیا' اور جب آنکھیں کھولیں تو زمر نے دیکھا' اس کے تاثرات اب سخت ہو چکے تھے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

بلٹ اٹھالیا۔ (یہ عورت کسی دن واقعی میرے ہاتھوں ایک قتل کروائے گی!)

''سحری کا وقت شروع ہونے والا ہے' گھر چلیں' سب پریشان ہوں گے آپ کے لئے۔'' وہ اس کی طرف سے رخ موڑ گیا۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ آگے چلنے لگا۔ زمر کو اندر ہی اندر اس موقعے پہ وارث کی موت کا افسوس کرنے پہ افسوس ہوا۔

وہ دونوں خاموشی سے گیٹ تک آئے تو اس نے بلٹ اوپر کیبن تک اچھالا جسے گارڈ نے بروقت کیچ کیا۔ پھر ایک نظر ساتھ چلتی زمر پہ ڈالی جو کسی اور خیال میں گم تھی۔

''مسز کاردار نے اسٹاف نکال دیا سارا۔'' غور سے اسے دیکھا۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''ان کی مرضی۔'' وہ اس سے لاعلم تھی۔ فارس نے فیونا کی باتوں کو ذہن سے جھٹکا۔

''آپ نے نوشیرواں سے بات کی؟'' اب وہ دونوں سرسری انداز میں بات کرتے سبزہ زار سے گزر رہے تھے۔

''ہوں۔'' وہ بتاتی گئی۔

''آپ نے یقین کر لیا؟''

''نہیں' وہ اب بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ ضرور کچھ جانتا ہے اور اسے چھپا رہا ہے۔''

''میں بات کرتا ہوں۔'' ''نہیں' فی الحال اس کو کھلا چھوڑ دو' اگر وہ کانشس ہو گیا تو نہیں بتائے گا۔''

جب وہ دونوں اندر آئے تو حنہ' سیم اور ابا ویسے ہی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ان کو پرسکون اور نارمل سا آتے دیکھ کر ان سب کے بھی سانس بحال ہو گئے۔ پھر کسی نے کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔ صداقت کو حنہ نے بلا لیا' وہ آکر سحری تیار کرنے لگا۔ زمر وہی کا پیکٹ اور چمچ لئے اوپر کمرے میں چلی گئی۔ ندرت نے بھی سحری کمرے میں ہی کی۔ باقی سب نیچے خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھے رہے۔

جب فجر اتر آئی اور سورج طلوع ہو کر تپتا سنہرا ہو گیا' اور سب اپنے کمروں سے نکلے' تیار ہو کر ایک نئے دن کے آغاز کے لئے' تو زمر باہر آئی اور ندرت کو سلام کیا' انہوں نے جواب بھی دیا' اور یہ بھی پوچھا کہ وہ ابھی ریسٹورانٹ جائے گی یا بعد میں۔ زمر نے بھی اتنے ہی نارمل انداز میں بتایا کہ وہ پہلے کورٹ جائے گی' ایک کلائنٹ کی سماعت ہے' اور پھر ریسٹورانٹ آئے گی۔ اور یہ سب کہتے ہوئے سب نے دیکھا کہ اس نے وائٹ گولڈ کی نتھ پہن رکھی ہے' مگر کسی نے نہیں پوچھا کہ وہ لونگ کہاں گئی۔

اور جیسے کہ عموماً رشتے داروں میں ہوتا ہے' لڑائی کے بعد معافی تو کوئی نہیں مانگتا مگر موڈ اچھا کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ ہمارے گلے شکوے ڈھل گئے ہیں' سو ان کے گھر کا ماحول بھی نارمل ہو گیا۔ البتہ اسی صبح' زمر کے نکلنے سے پہلے حنین نے سعدی کا لیپ ٹاپ لا کر اس کے سامنے رکھا۔

''یہ میں نے کھول دیا ہے۔ اب کوئی پاسورڈ نہیں ہے اس پہ۔ آپ دیکھ لیں۔ کوئی اور بھی کام ہو تو بتایئے گا۔'' نگاہیں جھکائے وہ پلٹ گئی۔ زمر نے بھی کچھ نہیں کہا۔

مگر اس واقعے کے بعد اتنا ضرور ہوا کہ ندرت جو بالکل چپ ہو گئی تھیں' وہ نارمل ہونے لگیں۔ سیم' حنہ کو ڈانٹ ڈپٹ' گھر کے کام سب کچھ انہوں نے نارمل انداز میں پہلے کی طرح کرنا شروع کر دیا۔ سعدی کے لئے دعا اور رونا دھونا' ویسی ہی تھی' مگر انہوں نے سمجھوتا کر لیا تھا۔ حنین نے بھی اس کے بعد زمر کو سنانا بند کر دیا اور زمر نے فارس سے تلخ باتیں کہنی چھوڑ دیں۔

بالآخر سعدی یوسف کے گھر والوں نے یہ جان لیا تھا کہ ایک دوسرے کو الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں ہونا' بلکہ جو پاس ہے' وہ بھی چلا جائے گا۔

☆☆☆

دو چار نہیں مجھ کو، فقط ایک دکھا دو...... وہ شخص جو اندر سے بھی باہر کی طرح ہو

سعدی نے آنکھیں کھولیں تو دھندلی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ منظر ذرا واضح ہوا، وہ آہستہ سے کہنی کے بل اٹھا بیٹھا اور آس پاس دیکھا۔

پچھلے چند دن سے وہ اس کمرے میں جاگا کرتا تھا۔ نیند کی حالت میں اسے شفٹ کیا گیا تھا' کہاں؟ کچھ معلوم نہیں۔ رمضان کتنا گزر چکا تھا' سحری کب ہے اور افطار کب' اس کمرے میں کچھ خبر نہ ہو پاتی تھی۔

وہ ایک سادہ بیڈ روم تھا۔ دیواریں سینڈ کلر میں پینٹ شدہ تھیں۔ دروازے سفید تھے۔ ایک سنگل بیڈ تھا' جس پہ وہ لیٹا تھا۔ ساتھ ملحقہ باتھ روم۔ اور کچھ نہیں' سوائے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے اس کے قرآن' اور جائے نماز کے' یا پھر ایک کاؤچ کے جس پہ دن کا اکثر حصہ میری اینجیو آ کر بیٹھ جاتی تھی۔

اس وقت وہ وہاں نہیں تھی' بلکہ دروازہ کھول کر ڈاکٹر مایا اندر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک نرس بھی تھا۔ سعدی نے نظر اٹھا کر دیکھا' کھلے دروازے کے پار گارڈز کھڑے تھے' آگے شاید ٹی وی لاؤنج تھا۔ اتنا ہی نظر آیا اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔

مایا بیڈ کے قریب اسٹول پہ بیٹھی۔ اس کے لمبے بال کھلے تھے جنہیں وہ کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ نیلی جینز پہ لمبا سفید اوور آل پہن رکھا تھا۔ کم عمر چہرے پہ معصوم سا تاثر تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھا رہا۔ مایا نگاہیں سعدی کے زخموں پہ جھکائے نرس کو پٹی کی ہدایت دیتی رہی۔ اس کے زخم مندمل ہونے کے قریب تھے۔

نرس چلا گیا تو وہ اٹھی' گولیاں اور پانی کا گلاس بھر کر اسے دیا۔ نگاہیں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی شفاف آنکھوں میں اس لڑکے کے لیے اپنائیت بھری ہمدردی تھی۔

''پلیز' تم روزہ نہیں رکھ سکتے' دوا دینی پڑتی ہے۔ یہ مسز کاردار کا حکم نہیں ہے' میرا ہے۔''

اس نے گلاس تھاما اور دوا پانی سے نگل لی۔

وہ اسٹول پہ بیٹھ کر یونہی اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''تمہاری فیملی میں کون کون ہے؟''

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی شفاف آنکھوں میں ڈھیروں ترحم لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بہن بھائی' امی اور بھی کچھ لوگ۔''

''کیا ان کو معلوم ہے کہ تم کس کے پاس ہو؟''

''نہیں۔'' وہ بجھا سا بولا۔ سر جھکا دیا۔

''میں اپنے باپ کی وجہ سے مجبور ہوں۔ وہ مقروض ہیں ہاشم کاردار کے۔ اور میں اس نوکری پہ مجبور ہوں' ورنہ...'' اس کی آواز سرگوشی میں بدلی' تبھی دروازہ ایک دم کھلا۔ مایا کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی۔ سعدی نے بھی چونک کر دیکھا۔

میری اندر داخل ہو رہی تھی اور... اسے کچھ کھٹکا تھا۔

''تم ابھی تک کیوں بیٹھی ہو؟''

مایا ذرا گھبرا کر اٹھی۔ صاف ظاہر تھا وہ میری کے رعب میں تھی۔

''میں اس سے طبیعت پوچھ رہی تھی۔'' وہ ذرا رکی تھی۔

میری نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''تمہیں اس سے مخاطب ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ باہر جاؤ۔'' مایا فوراً سے باہر نکل گئی تو میری اس کے قریب آئی۔ سنگلی نظروں سے اسے گھورا۔

''وہ کیا پوچھ رہی تھی؟''

''یہی کہ میری فیملی میں کون کون ہے؟''

میری چند لمحے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھتی رہی' پھر اس نے زوردار تھپڑ سعدی کے منہ پہ مارا۔ اس کا پورا دماغ گھوم گیا، دنیا چکرا گئی۔ وہ دوسری طرف کو گرنے لگا اور ابھی سنبھل ہی نہ پایا تھا کہ وہ جھکی' اور اسے گردن سے دبوچ کر سامنے کیا۔

''میں زندگی میں تمہیں پہلی اور آخری نصیحت کر رہی ہوں' سعدی یوسف خان! مایا اچھی ہے بہت اچھی۔ لیکن اگر تم نے اس کا استعمال کرنے کی کوشش کی' تو تمہارا بہت برا حال ہوگا۔ ہاشم تمہاری جان لے لے گا۔'' جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑ دی۔ سعدی کا پورا سر چکرا کر رہ گیا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کہا اسے۔'' (اگر کسی مرد نے مارا ہوتا تو وہ وضاحت نہ دیتا مگر وہ میری تھی۔) لیکن میری سنے بغیر ہی تیزی سے باہر مایا کے پیچھے لپکی تھی۔

.... ✤✤✤ ....

وہ مجھ کو قتل کر کے کہتے ہیں ...... مانتا ہی نہ تھا یہ' کیا کیجیے؟

انگلی دھوپ میں جھلس رہی تھی جب وہ کسی کام سے گھر آیا۔ اور سیدھا اوپر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا۔ کھڑکیاں کھلی تھیں' روشنی اندر آ رہی تھی۔ زمر اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی' مٹھی گال تلے رکھے کچھ سوچے جا رہی تھی۔ سامنے سعدی کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔

وہ رات والے لباس میں تھی' بال بھی گول مول بندھے تھے۔ صبح سے باہر نکلی نہیں تھی۔ پیر کا انگوٹھا اس روز سے آج تک پٹی میں بندھا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کرتے الماری کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا تم نے میری پکچرز لی تھیں؟'' اس کے سوال پہ وہ رکا' اور پلٹا تو چہرہ سامنے آیا' اس پہ تعجب تھا۔ زمر پشت کیے بیٹھی رہی۔

''کیا؟''

''جب میں اس ریسٹورانٹ میں زخمی پڑی تھی' اور تمہاری بیوی بھی' تو کیا تم نے اس منظر کی پکچرز لی تھیں؟'' بڑے ٹھنڈے انداز میں پوچھا۔ مڑی بھی نہیں۔ فارس کے ابرو تن گئے' آنکھوں میں تختی در آئی۔

''آپ جواب میں کیا سننا چاہتی ہیں؟ کیا بات آپ کو خوش کرے گی؟ بتایئے' میں کہہ دیتا ہوں۔''

زمر نے جواب نہیں دیا۔ چپ بیٹھی رہی۔ وہ بھی پلٹ گیا۔ الماری سے چند کاغذات نکالے اور پٹ زور سے مار کر بند کیا۔ پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ پھر سے اسکرین پہ وہی تصویریں نکال کر دیکھنے لگی، جو سعدی کے لیپ ٹاپ میں تھیں۔ (یہ وہی تصاویر تھیں جو سعدی نے ہاشم کے لاکر سے نکالی تھیں، اس رات جب شیرو نے اپنے اغوا کا ناٹک رچایا تھا۔) سعدی کے سامان، اس کے ٹیبلیٹ اور اب اس کے لیپ ٹاپ میں سوائے ان تصاویر کے کچھ بھی ایسا نہ ملا تھا جو اس کے کسی دشمن کی خبر کر سکتا۔

بالآخر زمر نے موبائل اٹھایا اور احمر کے نام میسج لکھا۔ ''احمر شفیع' کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

جواب چند لمحے بعد آ گیا تھا۔

''پہلے بولیے پلیز!'' ساتھ ہی زبان نکالتا اسمائیلی!

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''ایک گھنٹے میں ریسٹورانٹ پہنچ جایئے' اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل دوں۔'' اور موبائل پرے ڈال دیا۔

آدھے گھنٹے بعد زمر تیار ہو کر، بال آدھے کیچر میں باندھے، پرس کہنی پہ لٹکائے باہر نکلی تو پرسکون لگ رہی تھی۔ کار کی طرف بڑھتے اس نے دیکھا' سامنے سبزہ زار پہ مسز کاردار کے کمرے کے عقبی برآمدے میں جواہرات اور ندرت بیٹھی تھیں۔ (کافی دن سے جواہرات سے ملاقات نہیں ہوئی' سو اب ابھر چاہتی تھیں۔) جواہرات نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور کار میں بیٹھی۔ پھر ان کی نظروں کے سامنے کار زن سے آگے گزر گئی تو جواہرات نے ندرت کی طرف چہرہ موڑا۔

"ایسا لگتا ہے زمر فارس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔"

ندرت جو اسی طرف دیکھ رہی تھیں' چونک کر جواہرات کو دیکھا۔

"نہیں' وہ دونوں ٹھیک ہیں۔" ذرا سنبھل کر بولیں۔

"میں اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ مجھے ان دونوں کی فکر ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑے ایسے ایک دوسرے سے کٹے کٹے نہیں رہتے جیسے یہ دونوں رہتے ہیں۔"

"سعدی کی وجہ سے... ایسا ہے!" وہ بس اتنا کہہ پائیں۔ آنکھوں میں ڈھیروں تکان اتری۔

"میرا نہیں خیال کہ صرف سعدی کی وجہ سے ایسا ہے۔ اگر سعدی آ گیا تو کیا یہ دونوں ایک دم سے ٹھیک ہو جائیں گے؟" افسوس۔"

ندرت خاموش رہیں۔

"یقیناً یہ باتیں آپ کے ذہن میں بھی گھوم رہی ہوں گی ندرت' مگر ظاہر ہے آپ یہ فارس سے کہہ نہیں سکتیں کیونکہ آپ اس کے گھر میں رہ رہی ہیں۔" مسکراتے ہوئے نرمی سے وہ کہہ رہی تھی۔ "مگر کبھی کبھی انسان کو اپنے چھوٹوں کو ٹوک دینا چاہیے۔ اس میں انہی کا فائدہ ہے۔"

ندرت نے ایک گہری سانس اندر اتاری۔ "نہیں مسز کاردار' میاں بیوی کے معاملے میں ہمیں نہیں بولنا چاہیے' ایک دوسرے کو الزام دینے سے صرف گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے' اور پھر یہ گھر تو میرے ابو اور بھائی کا ہے' میرا اپنا ہی ہوا' اس لیے مجھے سب کا سوچنا چاہیے۔"

اپنے ازلی گھریلو اور سادہ انداز میں وہ کہتی گئیں۔ جواہرات کو بات پسند نہیں آئی مگر خاموش رہی۔

وہ انہیں توفیق نہ آئی۔ ایک ننھا سا باکس اور خط کا لفافہ سامنے کیا۔

"کوئی ڈرائیور تھا' آپ کے لیے دے گیا ہے۔ کہہ رہا تھا' اوپر نام لکھا ہے۔" کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ جواہرات نے باکس کھولا۔ اندر میرون مخمل پہ ایک ہیروں سے جھلملاتا بریسلیٹ رکھا تھا۔ اس نے دو انگلیوں میں بریسلیٹ نکال کر دیکھا۔ پھر کارڈ کھولا۔ اس پہ فارسی میں لکھا تھا۔

"منِ الماس را بہ ملکہ دادم!
چہ الماس را ملکہ مغرور!
ہارون عبید۔"

(میں نے پیش کیا ملکہ کو ایک ہیرا! کیونکہ ہیرے ملکہ کو مزید مغرور بناتے ہیں)

"ہارون عبید اور اس کی ایرانی ماں کا فارسی پیچ!" وہ اس کارڈ کو دیکھ کر بے نیازی سے مسکرائی۔

"سوا تنے سال بعد ہارون عبید اسی شہر میں واپس آ ہی گئے۔" کوئی عجیب سا احساس تھا جو اس خوبصورت اور سنگدل ملکہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا، اور یہ احساس یقیناً ناخوشگوار نہیں تھا۔

منِ الماس را بہ ملکہ دادم! اس نے مسکراتے ہوئے دہرایا۔

تیرا بھولا ہوا پیمان وفا..... مر رہیں گے اگر اب یاد آیا

ریسٹورانٹ پہ افطار ہونے کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ ملازموں کی بھاگ دوڑ لگی تھی۔ ایسے میں اوپری پورشن لاک کر کے زمر نیچے آ بیٹھی تھی، اور اس وقت اس کے سامنے ہنستا مسکراتا احمر بیٹھا تھا۔

"جی مسز زمر! کیسے یاد کیا آپ نے مجھے؟"

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، قفشئی یالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے بولی۔ "مجھے آپ کی سروسز درکار ہیں۔"

"یعنی آپ مجھے ہائر کرنا چاہتی ہیں؟ گڈ۔" ذرا سا مسکرایا۔

"پہلے مجھے آپ کی ماہرانہ رائے چاہیے، خالص غیر جانبدار رائے۔"

"شیور، ویسے میری کنسلٹنسی فیس پانچ ہزار روپے ہے، مگر چونکہ آپ غازی کی وائف ہیں تو آپ سے میں..." ذرا سوچنے کی اداکاری کی۔ "پانچ ہزار ہی لوں گا۔" شرارت سے مسکرایا۔

زمر نے پرس سے ایک گلابی نوٹ نکال کر سامنے رکھا۔ "ایک غیر جانبدار اور سمجھدار انسان کی حیثیت سے آپ..."

"میم! جب آپ اتنی عزت کرتی ہیں تو مجھے لگتا ہے ابھی بےعزتی ہونے والی ہے۔" اس نے نوٹ والٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"احمر شفیع میں سنجیدہ ہوں!" اور وہ واقعی سنجیدہ تھی۔ صرف ایک لمحہ لگا احمر کو سیدھا ہونے میں۔

"پوچھیے۔" اب کے وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"آپ ایک sensible اور ذہین انسان ہیں، کرمنل بھی رہ چکے ہیں، اور ایک پیدائشی فراڈ بھی ہیں، مطلب کہ تجربہ کار ہیں اس لیے اپنی پوری ایمانداری سے بتائیے، آپ کی رائے میں، کیا فارس غازی نے اپنے بھائی اور بیوی کو قتل کیا تھا؟"

"ایمانداری سے بتاؤں؟"

زمر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"جی، میرے خیال میں اس نے بالکل یہ دونوں قتل کیے تھے۔"

زمر ذرا سا مسکرائی۔ "اوہ۔ میرا خیال تھا، صاحبی الجن بہترین دوست ہوتے ہیں۔"

"مسز زمر، آپ نے مجھ سے میری دیانتدارانہ رائے مانگی، میں نے دے دی۔ غازی کو خود بھی علم ہے کہ مجھے اس کی بےگناہی کا یقین نہیں۔" وہ اب مکمل سنجیدہ تھا۔ مکمل پروفیشنل۔

"آپ کو کیوں یقین نہیں؟ آپ تو اس کے دوست ہیں۔"

"دوست ہوں، اندھا نہیں ہوں۔ غازی کے خلاف جتنے ثبوت ہیں، وہ اتنے ٹھوس ہیں، اتنی مضبوط گواہیاں ہیں کہ ایسا ممکن نہیں کہ کوئی اس حد تک جائے آپ کو پھنسانے کے لیے۔ اگر اس کا کوئی سرِعام کھلے عام دشمن ہوتا تو میں پھر بھی مان لیتا، مگر فی الحال میرے خیال میں اس نے یہ قتل کیے تھے۔ ہاں، آپ کے برعکس میں اسے مارجن دے سکتا ہوں۔ اس کی بیوی اور بھائی اس کو دھوکہ دے رہے تھے، ان کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"میرے خیال میں بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے واقعی وہ قتل کیے تھے اور مجھ پہ گولی چلائی تھی۔" چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔

"مسز زمر، آپ نے یقیناً مجھ سے اب اگلا سوال پوچھنا ہے، کیونکہ صرف ایک سوال کے لیے تو آپ مجھے بلائیں گی نہیں۔ سو یاد رکھیے۔ اس کے پانچ ہزار الگ سے ہیں۔"

"شیور!" اس نے دوسرا گلابی نوٹ نکالا، اور سامنے رکھا، پھر سعدی کے لیپ ٹاپ کو قریب کیا، چند بٹن دبائے، اور پھر بولی۔ "مجھے

...ہ ہند تصاویر ملی ہیں اور ساتھ میں اس کال کی آڈیو جو فارس نے مجھے کی تھی۔ یہ دونوں ایک ہی وقت میں کاپی کی گئی ہیں آج سے ڈیڑھ سال پہلے۔ یہ تصویریں مجھے اور زرتاشہ کو گولی مارنے کے بعد کی ہیں۔" زمر نے لیپ ٹاپ کا رخ اس کی طرف موڑا۔ احمر سنجیدگی سے اسکرین کی طرف متوجہ ہوا مگر تصاویر دیکھ کر... اس کے لب کھل گئے آنکھیں صدمے اور تعجب سے پھیلیں۔

پھر اس نے خود ہی اسکرین فولڈ کر دی۔ زمر بظاہر نارمل اور پرسکون اس کو دیکھ رہی تھی۔

"آئی ایم سو سوری!"

"میں غلط ہو سکتی ہوں اپنی جانبداری کی وجہ سے مگر آپ بتایئے۔" وہ ٹھہری۔ "آپ کے خیال میں، کیا فارس یہ پکچرز لے سکتا ہے؟"

احمر کا سر نفی میں ہلا۔ "کبھی نہیں۔"

"کیوں؟"

"وہ murderer ہو سکتا ہے monster نہیں۔ اور یہ تصویریں..." اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اونہوں۔ دیکھیں آنر کلنگ والی ہی ان دو لوگوں کو اپنی زندگی سے مٹانے کے لئے ہے یہ بات بلڈ مرڈ رہوتا ہے مگر ایسی تصویریں... یہ تو کولڈ بلڈڈ مرڈر پہ لی جاتی ہیں جن میں آپ کی اپنے شکار کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہوتی۔ نہ محبت نہ نفرت۔ وہ آپ کے لئے صرف آپ کی مہارت کا ثبوت ہوتا ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل کیونکہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں فارس کے بارے میں ہر بات پہ یقین کر سکتی ہوں مگر وہ اس حد تک نہیں جا سکتا۔ وہ یہ نہیں کر سکتا۔" اس نے پٹی میں بندھے انگوٹھے کو جوتے سے مسلا۔ میز کی چمکتی سطح میں اپنا عکس نظر آیا تو وانت ہونٹوں تلے دبا لئے... میز کی چمکتی سطح نہ تھی چمکی، مگر ان ننھے "الماس" (ہیرے) والی لونگ جیسی چمک اس میں نہ تھی۔

احمر چند لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔ ریسٹورانٹ میں لوگوں کی چہل پہل سے وہ دونوں کٹ چکے تھے۔

"مسز زمر آپ کو کچھ اور بھی چاہیے شاید مجھ سے؟"

زمر نے ہلکی سی گردن ہلائی۔ "مجھے ایک قابل اعتماد انویسٹی گیٹر چاہیے اور مجھے پتہ ہے کہ آپ اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں آپ مجھے پتہ کر کے دیں کہ یہ تصویریں ہوٹل کے کس کمرے سے لی گئی ہیں کس نے لیں۔ اور سعدی کو یہ کہاں سے ملیں؟ مجھے لگتا ہے وہاں کوئی اور بھی تھا۔ یہ فارس نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ ہو سکتا ہے اسی شخص کا سعدی کی گمشدگی میں ہاتھ ہو۔ فارس کے دشمن ہیں اور سعدی کو اسی کے دشمنوں نے غائب کروایا ہے۔"

"شیور۔ میں پتہ لگانے کی کوشش کرتا ہوں اور آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرے اور آپ کے درمیان رہے گا۔"

"فارس..." زمر کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ احمر نے غور سے اسے دیکھا۔ "جی؟"

"آپ کا کبھی کسی غصہ ور آدمی سے واسطہ پڑا ہے احمر؟"

"جی۔ میرے ابو۔ بہت غصہ ور تھے۔ اسی لیے تو میں اتنا سویٹ ہوں۔"

"غصہ ور آدمی پتہ ہے کیسا ہوتا ہے؟ اسے جلد غصہ چڑھتا ہے، پھر وہ نہیں دیکھتا کہ آگے کون ہے، بس اسے رگید دیتا ہے، پھر غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو معافی مانگتا ہے، دوبارہ کبھی غصہ نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے، اور کچھ دن بعد پھر وہی حرکت کرتا ہے مگر فارس... وہ ایک طرف ایک فصیلا انسان مشہور ہے، مگر... کوئی چیز ایڈ اپ نہیں ہوتی اس کے پرسنالٹی اسکیچ میں۔ کچھ غلط ہے۔ وہ جیل میں کیسا تھا؟"

"وہ اپنا سارا وقت... مطلب زیادہ وقت... لڑائی جھگڑوں میں گزارتا تھا یونو... چھوٹے گروہ بندیاں اور وہ دوسروں کے لئے ہی

لڑتا تھا۔ اگر اتنا وقت وہ اپنے پرزن رائٹس حاصل کرنے کے لیے لگاتا تو آج جیل جنت بن چکی ہوتی۔ ویسے میں ایک تحریک شروع کرنا چاہوں، قیدیوں کے پرزن رائٹس کے حوالے سے، اور.....''

''تھینک یو احمر!'' وہ ذرا تکان سے مسکرائی۔ ''تو آپ میرے لیے کام کریں گے؟''

''بالکل۔ مگر کچھ وقت لگے گا۔ اور... میم... میں پندرہ ہزار فی گھنٹہ لوں گا۔ میرے علاوہ آپ کسی سے یہ کام کروا بھی نہیں سکتیں!''

''اس کو دوسرے لفظوں میں بلیک میلنگ کہتے ہیں۔''

''نہیں اس کو ایک ایکسپرٹ ہائر کرنے کی فیس کہتے ہیں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ ہارون عبید مجھے کتنا پے کر رہے ہیں؟''

''کون ہارون عبید؟''

احمر کا منہ بنا۔ ''آپ اتنے مشہور سیاستدان کو نہیں جانتیں، میں نہیں مان سکتا۔''

''اچھا وہ ہارون عبید۔ انہوں نے تو ایک اسکینڈل کے بعد فارن منسٹری سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اب کہاں سے آ گئے؟''

''آہ ہمارے سیاستدان! یہ کچھ عرصہ Hibernite کرتے ہیں، پھر دوبارہ میدان میں آ جاتے ہیں، اور اپنا امیج درست کرنے کے لیے ان کو ہمارے جیسے کنسلٹنٹس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب دیکھیے گا، تین ماہ کی میڈیا کمپین کے بعد میں ان کو کیسے مشہور کرتا ہوں۔'' زمر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی چلتی زبان کو روکا۔

''میں قائل ہو گئی آپ کی فیس کے لیے۔ مگر میرا کام ہونا چاہیے۔''

''شیور!'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بالآخر زمر یوسف کو کچھ سکون ملا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

بجھ گئی شمعِ حرم، بابِ کلیسا نہ کھلا ..... کھل گئے زخم کے لب، تیرا دریچہ نہ کھلا

جب زمر گھر آئی تو کمرے میں وہ صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا، گھٹنے پہ رکھے لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا۔ آہٹ پہ بھی نظر انداز کرتا کام کرتا رہا۔

''کل میں جاؤں گی ڈاکٹر توقیر سے ملنے۔ جیسا کہ ہم نے ڈیسائڈ کیا تھا۔'' وہ پرس اور فائلز سائیڈ ٹیبل پہ رکھ رہی تھی۔

''اونہوں۔ ابھی کچھ دن ٹھہر جائیں۔'' زمر نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''فارس، نیاز بیگ والے واقعے کو آٹھ دن گزر چکے ہیں، اب مزید کتنا انتظار کریں گے؟ اگر تب تک سعدی نہ رہا تو؟''

''وہ لوگ اسے نہیں ماریں گے۔ اگر مارنا ہوتا تو اولین میں مار دیتے۔ یہ آپ نے ہی کہا تھا۔'' وہ ٹائپ کر رہا تھا۔

''مگر جو مقصد انہیں اس سے چاہیے وہ پورا ہو گیا تو وہ اسے زندہ کیوں رکھیں گے؟''

''وہ ایک سائنسدان ہے، ایک حساس ادارے کا سائنسدان۔ وہ اس سے ہر ممکن کام لیں گے۔ اور چند دن کی ہی تو بات کر رہا ہوں میں۔ آگے آپ کا ہی فیصلہ ہو گا۔''

وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ''میرا نہیں خیال کہ اب فیصلے میں کر رہی ہوں۔ فی الحال تو تم ڈیسائڈ کر رہے ہو کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟'' فارس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''پتہ نہیں آپ کیا بولے جا رہی ہیں۔ میں اس لیے کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر توقیر دبئی میں ہے۔ ذرا دونوں میاں بیوی آ جائیں، پھر ہم ان کو دیکھ لیں گے۔''

''دونوں میاں بیوی؟ اس کی بیوی کا کیا ذکر؟''

اور فارس غازی کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھمیں۔ ایک دم رک کر اس نے زمر کو دیکھا۔

"میرا مطلب تھا، ہم دونوں۔"

"نہیں، تمہارا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سامنے کھڑی، چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "تم نے اس کی بیوی کا ذکر کیوں کیا؟"

"زمر، میں سارے دن کا تھکا ہوا آیا ہوں، کیا اس وقت میرا دماغ خراب کرنا ضروری ہے؟" ایک دم غصے سے اٹھ کر اٹھا اور لیپ ٹاپ اٹھائے باہر نکل گیا۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر مڑی تو دیکھا، صوفے پہ اس کا والٹ پڑا تھا۔

زمر نے چند لمحے کے لیے سوچا، پھر والٹ اٹھایا۔ اندر جھانکا۔ اس میں پیسے تھے۔ چند ایک وزٹنگ کارڈز اور اے ٹی ایم کارڈ۔ اس نے وہی نکالا۔ اوپر جلی حروف میں لکھا تھا۔

Faris Taheer Ghazi

"فارس طہیر غازی؟" وہ بڑبڑائی۔ "مجھے تو اس کا پورا نام بھی نہیں معلوم۔" کارڈ واپس رکھ کر اس نے والٹ وہیں ڈال دیا۔ پھر وہ بیڈ پہ بیٹھی اور سینڈل اتارتے ہوئے سوچنے لگی۔

(مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک قاتل ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ سعدی کے ساتھ مخلص ہے۔ مگر اس کے علاوہ میں کیا جانتی ہوں فارس کے بارے میں؟ ایک کم گو، غصہ ور اور پراسرار شخص۔ مگر اس سے ہٹ کر... فارس غازی کون ہے؟) وہ سوچ میں گم بیٹھی رہی۔

پھر ایک دم وہ اٹھی۔ نیچے آئی تو فارس نہیں تھا۔ بیرونی برآمدے سے آوازیں آ رہی تھیں، وہ ندرت کے ساتھ باہر بیٹھا تھا۔ زمر دبے قدموں سے چلتی بیسمنٹ کی سیڑھیاں اترنے لگی۔ نیچے تہہ خانہ اندھیر پڑا تھا۔ اس نے ایک ہی بتی جلائی، تو وہ وسیع کمرہ نیم اندھیر ہو گیا۔

وہاں کونے میں ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ تھا، جیسے کوئی اسٹور وغیرہ ہو۔ فارس نے اس کو شادی کی پہلی رات بتا دیا تھا کہ بیسمنٹ کی چابی وہ اس کو نہیں دے رہا، ادھر زرتاشہ کی چیزیں پڑی ہیں۔ پھر جب حنہ لوگ ادھر آ کر رہنے لگے تو سامان رکھنے کے لیے اس نے بیسمنٹ کھول دی، مگر یہ کمرہ... زمر اس کے بند دروازے کے سامنے آ کر ٹھہری... اس کی چابی اب بھی اس نے کسی کو نہیں دی تھی۔ کیا رکھتا تھا وہ اس میں؟ اکثر وہ اسے بیسمنٹ سے اوپر آتے دیکھتی تھی۔ بار بار اسے اس کمرے میں جانے کی کیا ضرورت پڑتی تھی؟

زمر نے اس کمرے کا لاک گھمایا، وہ مقفل تھا۔ ذرا دھکا دیا۔ بے سود۔

"آپ ادھر کیا کر رہی ہیں؟"

آواز تھی کہ صور، وہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔

نیم اندھیرے میں وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے پہ سختی تھی اور آنکھوں میں برہمی۔ تہہ خانے میں اس رات عجب سی پراسراریت بکھری تھی۔ زمر دو قدم پیچھے ہٹی۔ کمر دیوار سے جا لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس طرف آ رہا تھا۔

"میں..." زمر نے تھوک نگلا۔ سابق ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے سارے الفاظ اس اندھیر کمرے میں کھو گئے تھے۔ "میں... سعدی کی چیزیں دیکھنے آئی تھی۔"

وہ اس کے عین سامنے آ رکا، چبھتی نظریں اس کی آنکھوں پہ گاڑھیں۔

"سعدی کی چیزیں یا میری؟" ایک قدم مزید قریب آیا۔

اس کا [illegible] مگر بظاہر گردن اکڑا کر بولی۔ "میں جو بھی کروں، تم سے مطلب؟" اور سر جھٹک کر ساتھ سے گزر

نے لگی، کہ فارس نے اسے دونوں کہنیوں سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے واپس دیوار سے لگایا۔

"میں نے آپ کو.... منع کیا تھا.... ادھر آنے سے..." چبا چبا کر، اس کو گھورتے وہ بولا تو زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ "منع کیا تھا یا نہیں؟"

"کیا.. تھا۔" اس کے الفاظ اٹکے۔ جنگل کی وہ رات اور اس کا سحر غائب ہو گیا، وہ پھر سے اس ریسٹورانٹ میں تھی اور وہ اسے کال پہ کہہ رہا تھا، وہ بدصورت اور خوفناک باتیں جو اسے کبھی نہیں بھولتی تھیں۔ ایک اس دن اسے فارس سے ڈر لگا تھا، اور ایک آج رات اسے ڈر لگ رہا تھا۔

"تو پھر شرافت کی زبان آپ کے اس الٹے دماغ کو کیوں سمجھ نہیں آتی، ہاں؟" غصے سے بولا تو زمر کی اس پہ جمی آنکھوں میں گویا سانس رکنے کی کیفیت سمونے لگی۔ مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے، میں دیکھنے آئی تھی تمہاری چیزیں۔ پھر کیا کرلو گے تم؟ میں... تم سے نہیں ڈرتی!"

"اچھا؟ بند کر کے چلا جاؤں آپ کو اسی کمرے میں، دو چار دن کے لیے؟ ڈرتی تو نہیں ہیں نا آپ!" اسے کہنیوں سے پکڑے جھٹکا سا دیا۔

"مجھے مین ہینڈل مت کرو۔" بدقت اس نے اپنے بازو چھڑانے چاہے مگر بے سود۔

"میری بات کان کھول کر سنیں زمر بی بی!" پرتپش نظروں سے اسے دیکھتے، وہ چبا چبا کر بولا۔ "میں جتنا آپ کا لحاظ کرتا ہوں، اتنی آپ بڑھتی جاتی ہیں۔ کسی دن مجھ سے واقعی اپنا قتل کروا کر رہیں گی، اس لیے آئندہ.... آئندہ اگر میں نے کبھی آپ کو اپنی چیزوں کے قریب بھی پھٹکتے دیکھ لیا نا، تو دیکھئے گا، کہ کیا حال کرتا ہوں آپ کا۔ ابھی جانتی نہیں ہیں آپ مجھے۔" جھٹکے سے اسے چھوڑا، اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکی، تیزی سے بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ ابا اور سیم کے کمرے سے ملحقہ اسٹڈی روم میں آ کر اس نے دروازہ لاک کر لیا۔ پھر گہرے گہرے سانس لیتی، دروازے سے پشت لگائے آنکھیں بند کیے کتنی ہی دیر کھڑی رہی۔

"تمہیں اس سے شادی ہی نہیں کرنی چاہیے تھی زمر، اب بھگتو!" عادت کے برخلاف اس نے خود کو ملامت کیا۔ کتنی ہی دیر پھر وہ ابھرتی کھڑی رہی۔ یہ تو طے تھا کل صبح تک وہ واپس کمرے میں نہیں جائے گی۔

آج دوسری دفعہ اسے فارس سے ڈر لگا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

زبان پہ مہر لگی ہے تو کیا، کہ رکھ دی ہے ..... ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے!

سعدی یوسف کا وہ کمرہ جن خاموش پڑا تھا۔ دفعتاً باتھ روم کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ قدرے لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ بیڈ کا سہارا لیا اور بیٹھا۔ پھر بند دروازے کو دیکھا۔ چند لمحے سوچا۔ اور جھک کر سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا۔ اندر ایک پیچ رکھا تھا جو اس نے سنک کے نیچے سے اتارا تھا۔ اس نے یہ پیچ بالکل خشک کر کے ادھر رکھا تھا۔ اب چند دن بعد وہ اسے نکال کر دیکھ رہا تھا۔

پیچ پہ زنگ لگ چکا تھا۔ سعدی مسکرایا۔ اس نے اپنی گردن کو چھوا جہاں ہلکا ہلکا سا پسینہ مسلسل آیا رہتا تھا۔ اس کا شک ٹھیک تھا۔ ہوا نم تھی۔ کچھ زیادہ ہی نم۔ وہ یقیناً کسی ایسے شہر میں تھا جو سمندر سے قریب تھا۔

(اور ہاشم کو لگتا ہے کہ میں بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا تو یہ اس کی بھول ہے۔)

پیچ رکھ کر اس نے ٹیک لگائی اور سائیڈ ٹیبل سے قرآن اٹھا لیا۔ چہرے کے زخم اب تقریباً مندمل ہو چکے تھے۔ البتہ وہ پہلے سے کمزور لگ رہا تھا۔

آج کتنواں روزہ ہے' کچھ نہیں معلوم۔ وہ کتنے سپارے پڑھے گا' کوئی حساب نہیں' کبھی دل چاہتا تو پڑھتا جاتا' کبھی اتنا بے زار اور اداس ہوتا کہ دو دو دن قرآن نہ کھولتا۔

(سب اس وقت کیا کر رہے ہوں گے؟ امی چھوٹے بانیچے والے گھر میں افطاری بنا رہی ہوں گی' کبھی ماموں اور پھپھو بھی آ جایا کرتے ہوں گے' اور ابا تو اب امی اور حنہ کے ساتھ رہتے ہوں گے....) اس نے بھٹکتے ذہن کو قرآن کے صفحات پہ مرکوز کرنا چاہا۔

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔'' تعوذ پڑھ کر اس نے النمل وہیں سے کھولی جہاں سے اس روز چھوڑی تھی۔

''اور بے شک ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو علم....!''

سعدی کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔ (گھر والوں کی یاد محو ہونے لگی۔) ''واہ... اللہ تعالیٰ... اس طرح کی آیات اور... یہ شاہانہ انداز... دی کنگ آف آل کنگز... جب آپ فرماتے ہیں' ہم نے یہ کیا' تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ بہت فخر محسوس ہوتا ہے۔ میں بتوں کو پوجنے والوں' انسانوں کو خدا کا بیٹا ماننے والوں اور قبروں کو سجدہ کرنے والوں کے سامنے گردن اٹھا کر فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ دیکھو' میرا رب تو یہ ہے! بادشاہوں کا بادشاہ! میرے اور اس کے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہے!'' نرمی سے مسکراتے' سر جھکائے وہ کہہ رہا تھا۔ (اور اللہ کی باتیں تو ختم نہیں ہوتیں' سو سعدی نے آیات کے الفاظ پہ توجہ دی۔)

''ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو علم! اور ان دونوں نے کہا' سب تعریف اللہ کے لیے ہے' جس نے فضیلت دی ہم کو بہت سے مومن بندوں کے اوپر۔'' اس نے رک کر ذرا سوچا۔ ''کتنی امیزنگ بات ہے اللہ تعالیٰ۔ اکثر ہماری فیملیز میں کئی بچوں میں سے ایک یا دو بہت لائق نکلتے ہیں' ماں باپ اپنی تربیت پہ اتراتے ہیں اور وہ بچے اپنی ذہانت پہ' مگر آپ کہتے ہیں کہ جیسے داؤد علیہ السلام کے ۱۹ (انیس) بیٹوں میں سے صرف ایک سلیمان علیہ السلام کو آپ نے خاص علم عطا کیا تھا' ویسے ہی ہر ایک کو' مجھے بھی' علم آپ نے ہی دیا۔ عمل بھی آپ دیتے ہیں' اگر ماں باپ دیتے تو ساری اولاد کو دے دیتے' مگر باقی اولاد کو بھی آپ نے ضرور کچھ اور عطا کیا ہوتا ہے۔ پتہ ہے اللہ تعالیٰ' لوگ مجھ سے اکثر پوچھتے ہیں' سعدی تمہیں اتنا اچھا قرآن کس نے سکھایا؟ میں کہتا ہوں' مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔ آپ اسی سے علم کے لیے دعا کریں' وہ آپ کو بھی اچھا قرآن سکھائے گا۔''

قید خانے کا وہ کمرہ اس تپتی دوپہر میں بھی کھلے پہاڑی مقام کی طرح ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ سعدی ارد گرد سب کچھ بھلائے بس ان الفاظ کو پڑھ رہا تھا۔

''اور وارث ہوئے سلیمان' داؤد کے۔ اور کہا (سلیمان نے) کہ اے لوگو' ہم سکھائے گئے ہیں' پرندوں کی بولیاں' اور ہمیں عطا کی گئی ہے ہر چیز! بے شک یہ وہ فضل ہے جو روشن (نمایاں) ہے۔'' گھنگریالے بالوں والے لڑکے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اور فلمی اداکاروں' سیاسی لیڈرز اور ایسے تمام لوگ جن کی وجہ شہرت وہ کام ہیں جو اللہ کو نہیں پسند' ان سب کی پرستش کرنے والے پرستاروں کے سامنے میں گردن اٹھا کر کہہ سکتا ہوں' کہ دیکھو میرے آباء تو یہ لوگ ہیں۔ جو انبیاء ہیں۔ جو اتنی شان سے بات کرتے ہیں۔ انہیں اللہ نے کیا کیا نہیں عطا کیا' اور انہوں نے اپنا علم روک کر نہیں رکھا' بخل نہیں کیا۔ نعمتوں کا اعتراف کیا اور یہی شکر ہوتا ہے۔ اور ہم لوگ۔'' اس کی مسکراہٹ اداسی میں بدلی۔ ''ہمیں تو ذرا سا ہنر آ جائے' ہم کسی کو بتاتے نہیں کہ کہیں وہ ہم سے اچھا نہ کر لے۔ اتنے تنگ دل کیوں ہیں' اللہ تعالیٰ؟''

کمرے میں اس وقت سکینت سی سکینت اتری تھی۔ ٹھنڈی میٹھی سی چھایا۔ وہ سر جھکائے' آگے پڑھنے لگا۔

''اور اکٹھے کیے گئے سلیمان کے لیے اس کے لشکر' جنوں میں سے' اور انسانوں میں سے' اور پرندوں میں سے' تو وہ پورے ضبط میں

رکھے گئے تھے۔"

سعدی نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔

"اللہ تعالیٰ! ضبط کے لئے جو لفظ آپ نے استعمال کیا' وزع' اس کا اصل لغوی مطلب کیا تھا بھلا؟" کچھ دماغ آج کل سست رہتا تھا' سوذرا دیر سے یاد آیا۔ "ہاں! فوج کو ترتیب وار حصوں میں رکھنا۔ ایک دوسرا مطلب بھی تھا۔" ذرا ذہن پہ زور دیا۔ "شاید... روکنا اور منع کرنا۔ سو بات یہ ہے اللہ تعالیٰ۔" آنکھیں کھول کر وہ ذرا سکون سے اپنی بات سمجھانے لگا۔ "کہ جنوں اور پرندوں کو تو رہنے دیں' صرف انسانوں پہ حکمرانی کرنے کے لئے' اپنا راج قائم رکھنے کے لئے' بھلے وہ گھر کا ہو یا کسی ادارے کا' یا پورے ملک کا' ڈسپلن سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اور جب اس ڈسپلن کو بھی ڈسپلن کرنا چاہیے۔ نہ زیادہ روک ٹوک ہو' نہ کم... خیر... پھر کیا ہوا؟" بیسیوں بار پڑھی سورۃ ہر دفعہ نئی لگتی' سو دلچسپی سے اگلی آیت کی طرف آیا۔

"یہاں تک کہ وہ (سلیمان علیہ السلام) جب آئے چیونٹیوں کی ایک وادی تک..." (وہ ہلکا سا مسکرایا۔ یہ چیونٹیاں اسے کتنی پسند تھیں۔) "تو کہنے لگی' ایک (ملکہ) چیونٹی یاایھا النمل (اے چیونٹیو) اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ' یہ نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کے لشکری تمہیں روند ڈالیں!"

"ارے واہ... آج کی آیات اتنی regal آرہی ہیں اللہ تعالیٰ' میں تو خود کو ایک قیدی محسوس ہی نہیں کر رہا۔ پہلے آپ' پھر سلیمان علیہ السلام' پھر چیونٹی! ہر کسی کی اپنی شان ہے۔" اس نے کھلے دل سے سراہا۔ "اب یہ چیونٹی... نہ ڈری' نہ گھبرائی' نہ بھاگی' اس نے پہلے باقی سب کا سوچا' وہ ملکہ تھی' اس نے اپنی جماعت کی خیر خواہی چاہی' مگر وہ ذہین بھی تھی' اس کو معاملہ ڈیل کرنا آتا تھا۔ شور نہیں مچایا' پورے وقار اور بردباری اور تحمل سے چیونٹیوں کو مخاطب کر کے اندر جانے کا کہا' اور پھر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں' اس نے بھی چھوٹی حرکت نہیں کی' بڑا دل رکھا' اچھا گمان کیا کہ اگر بالفرض سلیمان کا لشکر تمہیں روند بھی دیں تو بے خبری میں ایسا ہوگا۔ آپ سے اونچے اور بڑے لوگ عادتاً آپ کو روند کر نکل جاتے ہیں' اپنی حفاظت آپ کو خود کرنی ہوتی ہے۔ اللہ پتہ ہے کیا' میری ٹیچر کہتی تھیں' نمل ذہین females کی سورۃ ہے۔ اس میں ایک چیونٹی ہے جو چیونٹی ہو کر بھی ملکہ ہے' اور اس میں ایک ملکہ ہے' ملکہ بلقیس (ملکہ سبا)... وہ ملکہ ہو کر بھی ایک چیونٹی ہی ہے۔ دیکھا جائے تو ساری عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ کسی کے لئے ملکہ اور کسی کے لئے چیونٹی ہوتی ہیں۔"

اس ٹھنڈی چھایا والے کمرے میں بیٹھا وہ لڑکا' اداسی سے مسکراتے ہوئے بولے جا رہا تھا جب دروازہ کھلا۔ سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ مایا اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھوں میں بے پناہ حزن تھا۔ وہ اس کے کندھے کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ قرآن اس کے ہاتھ سے لے کر سائیڈ ٹیبل پہ دھرا۔ آنکھیں بند کیں' اپنے جسم پہ صلیب کا نشان بنایا۔ "خداوند یسوع مسیح' مجھے معاف کرنا۔" پھر آنکھیں کھولیں' اور اس کی متعجب نظروں سے نگاہیں ملائے بغیر ایک انجکشن اس کے بازو میں پیوست کیا۔ وہ ابھی سوال بھی نہیں کر سکا تھا کہ سوئی چبھی' اور پھر... ایک دم ساری دنیا ساکن ہوتی گئی۔ منظر دھندلاتا' پھر واضح ہوتا' پھر دھندلاتا' وہ ہل بھی نہ سکا' اس کا جسم سن ہو چکا تھا۔ مایا نے اسے لٹایا' کروٹ کے بل' یوں کہ اس کا چہرہ دروازے کی طرف تھا' اور دونوں بازو اسی سمت کرے ہوئے تھے۔ چہرہ شاکڈ اور ساکن تھا' جیسے وہ بت بن گیا ہو' مگر آنکھیں سب دیکھ رہی تھیں۔

مایا سر جھکائے باہر نکلی اور کھلے دروازے سے... سعدی کی بے جان آنکھوں نے دیکھا کہ ایک تھری پیس نفیس سوٹ میں ملبوس' وجیہہ اور اسمارٹ سا آدمی اندر داخل ہوا ہے۔ اس کے بال جیل لگا کر پیچھے سیٹ تھے' کلائی کی گھڑی' چمکتے بوٹ۔ وہ سب دیکھ سکتا تھا۔

کسی نے کرسی لا کر رکھی اور وہ سعدی کے قریب بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ شاہانہ انداز میں کرسی کی پشت پہ بازو پھیلایا۔

"کیسے ہو تم؟ اوہ آئی ایم سوری۔ اس انجیکشن کے لئے، چند گھنٹوں میں تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں' بس یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم مجھ پہ حملہ کرو اور تمہارے زخم ادھڑیں۔ مجھے تمہاری فکر ہے بچے۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہاری فکر صرف مجھے ہی ہے۔ تبھی تو عید سے کچھ دن پہلے میں اسپیشلی تمہارے پاس آیا ہوں' تمہارا عید کا تحفہ لے کر۔"

آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' انگلی سے تھوڑی مسلتے کہہ رہا تھا۔

"کیا تم میرا شکریہ ادا نہیں کرنا چاہو گے؟ میں نے تمہاری جان بچائی' کیونکہ میں سعدی... میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ایک اتنے ذہین اور قابل سائنسدان کو ضائع کیوں ہونے دوں؟ دیکھو میں نے تمہیں ایک اچھی آفر دی تھی' کہ میرے لئے کام کرو' مگر تم نے جواب میں کیا کیا؟ تم نے میرے بھائی کو گالی دی۔ مگر میں تمہارا ہر قصور معاف کر رہا ہوں۔ آج سے ہم نئی شروعات کریں گے۔"

سعدی اسی طرح' بے جان' مردہ سا' خالی آنکھوں اور مفلوج بدن کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔ وہ اب جیب سے ایک بڑا پیکٹ نکال رہا تھا۔

"مگر اس سے پہلے... تمہارا عید کا تحفہ۔" پیکٹ سے اس نے ایک لارج فوٹوگراف نکالا۔ "تمہیں معلوم ہے' تمہاری فیملی شفٹ ہو گئی ہے' گیس کرو کدھر؟ میرے گھر کی انیکسی میں۔ تم نے کہا تھا کہ میں ان سے دور رہوں' مگر وہ خود قریب آ گئے ہیں۔"

سعدی کی مفلوج آنکھوں میں سرخی سی ابھرنے لگی۔ مگر وہ ہل نہیں سکتا تھا۔ ہاشم نے تصویر اس کے سامنے کی۔ (لان کا منظر' سارہ اور ذکیہ خالہ کے ساتھ افطار کی میز پہ ہاشم' اہل اور نور کو پیار کر رہا تھا۔ یہ تصویریں اس دن اس کے حکم پہ فیونا نے لی تھی۔)

"دیکھو تمہاری ماں بھی عرصے بعد تمہارے گھر آئی' میں بھی کچھ دیر بیٹھا ان کے ساتھ' وہ سب یوں بات کر رہے تھے جیسے تم مر چکے ہو۔"

مفلوج پڑے سعدی کا دل مفلوج نہیں تھا اور وہ بری طرح ڈوبا تھا۔ (سارہ خالہ نے کسی کو نہیں بتایا؟)

ہاشم نے تصویر اچھال دی۔ وہ سعدی سے ٹکرا کر فرش پہ گری۔ اس نے دوسری تصویر سامنے کی۔ (رات کا منظر... انیکسی کے سامنے کھڑے بات کرتے شیرو اور زمر۔)

"معاف کرنا' مگر کہیں یہ تمہاری ڈیئر زمر تو نہیں ہے جو اس وقت شیرو سے اتنے دوستانہ انداز میں بات کر رہی ہے؟ شیرو وہی ہے نا جس نے تم پہ گولی چلائی تھی؟ مگر... زمر اور فارس کو فکر نہیں ہے اس بات کی۔ ویسے بھی نیاز بیگ نامی کرائے کا غنڈا پکڑا جا چکا ہے' اور اس نے تمہارے قتل کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ اب سب تمہیں رو کر چپ بھی ہو گئے ہیں۔ اوہ ہاں' زمر کی جاب چلی گئی اور آج کل وہ بھی اپنی جاب کے لئے فارس کی طرح مصروف ہے۔"

وہ تصویر بھی پھینک کی طرح سامنے پھینکی۔ اور ایک اور تصویر نکالی۔ (انیکسی کے بیرونی زینے پہ خاموش اور اداس بیٹھی حنین۔)

"تمہاری بہن... بس وہی اکیلی رہ گئی' مگر فکر مت کرو' مجھے اندازہ ہے کہ تمہاری بہن کو مجھ پہ سیکرٹ قسم کا crush ہے' سو... ہم اچھے دوست بن گئے..." وہ کہہ رہا تھا' اور سعدی کی آنکھوں میں سرخ خراشیں ابھر رہی تھیں' اس نے پورا زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی' مگر... جسم ہلنے سے قاصر تھا۔ کیا مرنا ایسا ہوتا ہے؟

"اب وہ بے چاری بچی مجھے دن رات میسج کرتی ہے' اور تمہیں پتہ ہے' میں اب کیا کروں گا؟ کسی رات جب فارس گھر نہیں ہو گا' تو میں اسے اپنے پاس بلاؤں گا۔ جو بھی بہانہ کروں گا' وہ معصوم بچی مان لے گی' تمہیں پتہ ہے نا' میرا کمرہ اس کے کتنے قریب ہے' سو میں کوشش کروں گا کہ اس event کی بھی تصویریں لوں' مگر... تمہیں برا لگے گا' اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ میں ایسا نہ کروں' تو آج سے ہم نئی شروعات کریں گے۔ تمہارے گھر والے تمہیں بھول چکے ہیں۔ کوئی ثبوت میں نے نہیں چھوڑا اپنے خلاف۔ اور ہاں' تمہاری بہن نے تو وہ فلیش بھی میرے حوالے کر دی جس میں میری فائلز تھیں۔ سو تم ان لوگوں کو بھول جاؤ' سعدی۔ تمہاری فیملی اب میں ہوں' اور میرا کاروبار اب تم ہو گے۔"

وہ اٹھا اور قدم قدم چلتا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ "میں نے تمہیں اس لیے بچایا کیونکہ مجھے تم اچھے لگتے ہو، لیکن تم پہ اتنی انویسٹمنٹ میں مفت میں نہیں کر رہا۔ اس لیے آج سے تم میرے لیے کام کرو گے' اور اگر تم نے ایسا نہ کیا' تو تمہاری بہن کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں' اچھی طرح مجھے واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" کہیں کوئی بزر سی بجی تھی۔ سعدی کی مفلوج آنکھوں نے دیکھا وہ جیب سے سیل فون نکال رہا تھا۔ پھر مسکرایا۔

"ناکس ٹائمنگ! پاکستان سے ہے' اور وہ بھی تمہاری بہن کا۔ میں اس سے بات کرتا ہوں' تب تک تم میری بات پہ غور کرو!" فون کان سے لگایا اور خوشگوار سے انداز میں بولا۔ "ہیلو حنین۔ کیسی ہو؟" اسپیکر آن کر دیا تھا۔ کمرے میں حنین کی آواز گونجی۔

"میں ٹھیک۔ آپ باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"ہوں۔ میں انڈیا ہوں' ایک پرانے دوست سے ملنے۔"

مفلوج لیٹے سعدی کا تنفس تیز ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔

"اچھا وہ... مجھے پوچھنا تھا..." وہ عجلت میں لگ رہی تھی۔ "آپ نے وہ فلیش کھول لی؟"

"ارے ہاں' وہ خاور نے کھول ہی لی۔ شکریہ' تمہاری وجہ سے میرے اتنے قیمتی ڈاکومنٹس محفوظ رہے۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ "کون سے ڈاکومنٹس تھے اندر؟"

"میرے آفس کی فائلز تھیں۔"

وہ پھر چپ ہوئی۔ "آپ مجھے وہ فلیش واپس کر سکتے ہیں؟ وہ بھائی کی چیز تھی' میں اسے بھائی کی یاد کے طور پہ رکھنا چاہتی ہوں۔"

"آہ..." وہ رکا۔ "اچھا میں تمہیں پرنٹ شدہ ڈاکومنٹس بھیج دوں گا واپس آ کر۔ یا پھر..." ذرا رکا۔ "تم کسی دن آ کر میرے کمرے سے لے جانا۔" نے کروٹ لیے لڑکے کا چہرہ دیکھا۔ ایک آنسو اس کی ساکت آنکھ سے ٹپک کر تکیے میں جا گرا تھا۔

ہاشم باہر نکل گیا اور پیچھے کمرے میں قبر سی خاموشی چھا گئی۔

کیا مرنا ایسا ہوتا ہے؟

.................✤✤✤.................

وہ یہیں سے لوٹ جائیں جنہیں سر عزیز ہیں ...... ہم سر پھروں کے ساتھ کوئی سر پھرا چلے

اور ہزاروں میل دور' اسلام آباد کے اس مضافاتی علاقے میں... قصر کی انیکسی کے بیسمنٹ میں کھڑی حنین نے ہاشم کی کال کاٹی تو اس کے چہرے پہ شدید ملال چھایا تھا۔

"تو اب آپ مجھ سے بھی جھوٹ بولنے لگ گئے ہیں' ہاشم؟" وہ بڑبڑائی۔ "آپ نے وہ فلیش کھولی ہی نہیں' یا پھینک دی یا کسی کو دے دی' اگر کھولتے تو دیکھ لیتے کہ اس میں میرے دو کورین ڈرامے تھے جو میں نے اسی رات اٹیک کر کے آپ کے لیے تیار رکھے تھے' کیونکہ میں آپ کو بتانے کی غلطی کر چکی تھی اور اب ناراض نہیں کر سکتی تھی۔ مگر آپ نے کیسے مجھ سے جھوٹ بول دیا!"

سر جھٹکا اور پھر اپنے سامان سے اس نے علیشا کے نیکلیس کے ساتھ رکھی سفید فلیش ڈرائیو نکالی جو سعدی نے اس کو دی تھی۔

"آپ کو تو اس ڈرائیو کا رنگ بھی نہیں پتہ تھا تو یہ آپ کی کیسے ہوئی؟ اتنا جھوٹ؟" اس کا دل بری طرح دکھا۔ "محبت ایک طرف' لیکن میں بھائی کی چیز آپ کو نہیں دے سکتی تھی!" اس نے باکس بند کیا اور فلیش لیے اوپر زینے چڑھنے لگی۔ (آخر دیکھوں تو سہی' اس میں اتنا کیا خاص ہے جو سعدی بھائی اور ہاشم' دونوں اس کو حاصل کرنا چاہتے تھے؟)

کچھ دیر بعد وہ لیپ ٹاپ کھولے لاؤنج میں بیٹھی تھی' فلیش لگا رکھی تھی اور وہ اس پروگرام کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جس کے ذریعے

ان ڈاکومنٹس کو مقفل کیا گیا تھا۔ تبھی زمر سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔

"میں بیسمنٹ میں جا رہی ہوں، حنہ، فارس آئے تو اسے بتا دینا کہ نیچے تہہ خانے میں جو اسٹور روم بنا ہے، اس کا لاک تڑوایا ہے میں نے آج۔" اطلاع دے کر وہ نیچے چلی گئی۔ حنہ نے بے دھیانی سے اس کی بات سنی۔

ذرا دیر بعد ہی فارس گھر میں داخل ہوا تو اسے لیپ ٹاپ پہ کام کرتے دیکھا۔

"تمہارے ہاتھ میں کمپیوٹر؟ خیریت؟" دروازہ لاک کرتے اس نے ایک اچٹتی نگاہ گھر پہ ڈالی جو رات کی خاموشی میں ڈوبا تھا۔

"جی۔ اور پھپھو نیچے آپ کے اسٹور تک گئی ہیں، اس کا لاک تڑوایا تھا آج انہوں نے۔" وہ ابھی بیٹھی تھی، بے توجہی سے بتایا۔

اور فارس غازی کا دماغ ایک دم گھوم کر رہ گیا۔ پھر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

سبک رفتاری سے زینے پھلانگتا نیچے آیا تو وسیع تہہ خانہ تاریک پڑا تھا، کونے والے کمرے کا دروازہ بند تھا اور وہ اسی دروازے سے کمر ٹکائے سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔ منتظر۔ وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"کس کی اجازت سے آپ نے اس کمرے کا لاک تڑوایا؟ منع کر کے گیا تھا نا میں کہ....." غضبناک ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ غراتے ہوئے قریب آیا، کہ دفعتاً رکا۔

زمر بس ٹھنڈی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اتنا کیوں ڈر گئے ہو؟ میں نے تو حنہ سے مذاق کیا تھا۔"

فارس نے بے اختیار کر دروازے کو دیکھا، وہ لاکڈ تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ وہ اس کو آزما رہی تھی۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟"

"پلیز اپنا غصہ مجھ پہ ضائع مت کرنا، کیونکہ نہ میں تم سے ڈرتی ہوں، اور نہ میں کبھی اس کمرے کا لاک تڑواؤں گی، بلکہ تم مجھے خود یہ کمرہ کھول کر دکھاؤ گے۔" ٹھنڈے انداز میں وہ کہہ رہی تھی۔ "اور تم مجھے خود بتاؤ گے کہ تم اس میں کیا رکھتے ہو، تم سارا دن کیا کرتے ہو، تم چار سال سے کیا کرتے رہے ہو۔ تم ہمیشہ کہیں جا رہے ہوتے ہو، کہیں سے آ رہے ہوتے ہو۔ تم سے شادی سے پہلے میں نے اس ریسٹورانٹ میں آ کر تم سے صرف سچ بولا تھا، دشمنی اپنی جگہ، دیانتداری اپنی جگہ، سو اب سچ بولنے کی باری تمہاری ہے۔" وہ کچھ دیر لب بھینچے برہمی سے اسے دیکھتا رہا۔

"ڈرتا نہیں ہوں آپ سے۔ صرف اس لیے اپنی کچھ چیزیں الگ رکھتا ہوں کیونکہ اگر آپ دیکھیں گی تو میرے ساتھ کام نہیں کریں گی۔"

زمر دو قدم آگے آئی، تیکھی نظریں اس کی آنکھوں پہ گاڑھیں۔ "فارس، جیسے ہم نے نیاز بیگ کو گھیرا، ویسے ہی سرمد شاہ کو بھی گھیر لیں گے، اور آہستہ آہستہ سعدی کے ہر ایک مجرم کو، مجھے کم از کم سعدی کے معاملے میں تم پہ اعتبار ہے، لیکن میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ فارس طہیر غازی کون ہے؟ کم از کم مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کس کے ساتھ کام کر رہی ہوں!"

فارس نے گہری سانس لی، اور پھر جیب سے چابیوں کا گچھا نکالتا اس کمرے کے دروازے تک آیا۔ ایک چابی لاک میں گھمائی، اور پھر... دروازہ کھول دیا۔

.........✤✤✤.........

"من الماس را بہ ملکہ دادم!"

(حصہ دوم)

ابھی تو دل میں ہے جو کچھ بیان کرنا ہے ..... یہ بعد میں سہی کس بات سے مکرنا ہے

دروازہ کھلا تو تاریک سا کمرہ سامنے آیا۔

فارس نے سوئچ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہوئیں اور... چوکھٹ میں کھڑی زمر کی آنکھوں میں تحیر اتر آیا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی اور گردن گھما کر دیکھا۔ گو کہ اس نے کسی ایسے ہی منظر کی توقع کی تھی، مگر اس کا حجم اتنا زیادہ ہوگا یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔

اس کمرے میں کاغذ تھے۔ بے تحاشہ کاغذ۔ تین دیواریں کاغذوں سے بھری ہوئی تھیں۔ نوٹس، تصاویر، اخبار کے تراشے اوپر نیچے چپکے تھے۔ اسٹڈی ٹیبل پہ لیپ کے ساتھ کچھ فائلز دھری تھیں، اور کچھ جدید آلات۔ دو مزید لیپ ٹاپس۔ زمر نے چہرہ فارس کی طرف موڑا تو وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"جو میں کرتا رہا ہوں۔ پچھلے چار سال سے۔"

زمر کی نظریں پھر سے کاغذوں سے ڈھکی دیوار تک گئیں۔ وہاں بہت سے لوگوں کی تصویریں لگی تھیں۔ کچھ کو تو وہ پہچانتی تھی۔ جسٹس سکندر (فارس کے کیس کا جج) اے ایس پی سرمد شاہ، وارث غازی کا باس الیاس فاطمی، ڈاکٹر توقیر بخاری (جنہوں نے سعدی کا آپریشن کیا تھا) کی بیوی ڈاکٹر ایمن بخاری... اور بھی کچھ لوگ جن کو وہ نہیں پہچانتی تھی۔ وہ ڈاکٹر ایمن کی تصویر پہ نظریں مرکوز کیے آگے آئی۔

"تو تم واقعی ڈاکٹر توقیر کی بیوی کو جانتے تھے۔ وہ تمہاری...." اس نے تصویر کے اوپر نیچے لگے کاغذوں پہ نظر دوڑائی۔

"وہ تمہاری سائیکاٹرسٹ تھی!"

فارس خاموش رہا۔

"اس نے کورٹ میں بیان دیا تھا کہ تم نے اس کے سامنے اعتراف جرم کیا ہے... اور... یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں جیل بھجوایا، اور جیل سے نکلنے نہیں دیا۔" وہ اوپر سے نیچے تک ان دیواروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "تم... تم واقعی چار سال سے فارغ نہیں بیٹھے تھے۔" زمر کہتے کہتے چونکی۔ "تم انتقام پلان کر رہے تھے؟"

فارس طہیر غازی نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب وہ چوکھٹ سے ٹیک لگائے، بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔

"اور یہ لوگ..." وہ ایک دوسری دیوار پہ چسپاں کاغذ دیکھنے لگی۔ "یہ کون ہیں؟"

"جیل کے ساتھی!"

زمر نے اچھنبے سے ان تصاویر کو دیکھا۔ "یہ وہ کرمنلز ہیں جن کو جیل میں جب کسی سے لڑنا ہوتا یا کام نکلوانا ہوتا، یہ تمہیں آگے لگا دیتے، یہ تمہارے غصے اور جارحیت کو استعمال کرتے تھے، مگر یہ لوگ۔ ان کا تمہارے اس... اس انتقام سے کیا تعلق؟"

"آپ کو کس نے کہا کہ یہ مجھے استعمال کرتے تھے؟" وہ تلخی سے مسکرایا تو زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"زمر بی بی کسی نے ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ تمہاری کمزوری تمہارا غصہ ہے۔ سو اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنالو۔ میں نے اتنے سال یہی کیا ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے، اتنا بے وقوف ہوں میں کہ بنا سوچے سمجھے پرائے پھڈوں میں کود پڑوں گا؟"

وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔ ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

"انہوں نے تمہیں استعمال نہیں کیا، بلکہ تم نے... تم نے ان کو استعمال کیا۔ اوہ..." لب بے اختیار سکڑے۔ اسے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔

"میں نے جیل میں چار سال ان کرمنلز، اسمگلرز، کرایے کے قاتلوں اور ڈرگ ڈیلرز کے ساتھ تعلقات بنائے ہیں، ان کے مسئلے سلجھائے، ان پہ احسان کیے، ان کی کمزوریاں بھی جانیں اور ان کی طاقت بھی، تاکہ وقت پڑنے پہ ان دونوں کو استعمال کرسکوں۔ میں ایک بڑے تالاب میں تھا جس میں گندی مچھلیاں تھیں۔ مجھے باہر کے مگرمچھوں سے لڑنے کے لیے ان کی مدد چاہیے تھی۔" چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑے فارس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "جب جیل گیا تھا تو اکیلا تھا، جب باہر آیا ہوں تو بہت سے کانٹیکٹس ہیں میرے پاس۔"

"اور وہ سب تمہیں تمہارے انتقام میں مدد دیں گے؟"

"بالکل!" اس نے شانے اچکائے۔

زمر پھر سے آگے پیچھے گھوم کر اس کمرے کو دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں تحیر کے ساتھ الجھن تھی۔

"حکمران لوگوں نے....." ڈاکٹر ایمن، اے ایس پی وغیرہ کی تصاویر کو دیکھتے بولی.... "اگر تمہیں جیل میں ڈالا تھا تو تمہارے اپنے جرائم کی وجہ سے اور...."

"اوکے مسز زمر! میں آخری دفعہ آپ کو یہ بات بتانے جا رہا ہوں۔" ہاتھ اٹھا کر اسے روکا اور بہت تحمل سے بولا، "اور اس کے بعد آپ کبھی میری منت بھی کریں تو میں نہیں دہراؤں گا، اس لئے ابھی دھیان سے سنیں۔" سنجیدگی سے چبا چبا کر بولا۔ "میں نے وہ قتل نہیں کیے تھے نہ آپ پہ گولی چلائی تھی۔" ذرا ٹھہرا۔ "مگر مجھے پتہ ہے کہ آپ یقین نہیں کریں گی، ٹھیک ہے۔ سو سنیں! مجھ سے زندگی میں ایک ہی بڑی غلطی ہوئی ہے وہ یہ کہ وارث کی چیزیں جب میری کار سے برآمد ہوئیں تو مجھے احتیاط کرنی چاہیے تھی، مگر میں اوور کونفیڈینٹ تھا۔ مجھے لگا مجھے کوئی گرفتار نہیں کرسکتا۔ اور اسی اعتماد نے مجھے جیل پہنچا دیا۔" تلخی مگر تحمل سے وہ کہہ رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

"آپ مجھے قاتل سمجھتی ہیں، ٹھیک ہے، بالفرض میں نے وہ قتل کیے بھی تھے، تب بھی، کیا مجھے Fair Trial کا حق نہیں تھا؟"

"تھا!" زمر کا سر خود بخود اثبات میں ہلا تھا۔

"کیا اس بدترین تشدد کی اجازت تھی جو مجھ پہ کیا گیا؟ کیا اس سائیکاٹریسٹ کو حق تھا کہ میرے پرائیوٹ سیشنز کورٹ میں بیان کرے؟"

اس کی گردن نفی میں ہلی۔ "نہیں۔"

"کیا اس جج کو حق تھا کہ وہ مجھے نو نو، دس دس ماہ بعد کی تاریخیں دیا کرے؟ کیا پراسیکیوٹر بصیرت کا فرض نہیں تھا کہ وہ کیس کی پوری تفتیش کرے؟"

زمر نے اب بے بسی سے گردن ہلائی۔

''تو زمر بی بی... میرا بھائی مرا تھا' بیوی مری تھی' میرا خاندان تباہ ہوگیا تھا' اور مجھے فیئر ٹرائل کا حق بھی نہیں دیا گیا۔ سو...'' دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔ آنکھوں میں تپش سی تھی جو زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ''جیل جانے کے چار ہفتے بعد میں نے یہ سب پلان کرنا شروع کیا تھا۔ اور میں اپنے انتقام کو ضرور پورا کروں گا۔ میری زندگی کے ان چار سالوں کا حساب ان لوگوں کو دینا ہوگا۔''

پراسرار اسٹور روم میں خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر بعد وہ بول پائی۔ ''تم ان لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو؟''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''میں قاتل نہیں ہوں' اور قتل کرنے سے یہ لوگ ایک ہی دفعہ مر جائیں گے' اس لیے موت سے نہیں' یہ اپنی زندگیوں سے اپنے کیے کا حساب چکائیں گے۔''

زمر نے ایک گہری سانس لی اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ وہ گہری سوچ میں دکھائی دیتی تھی۔

''تمہیں جیل سے نکلے ڈھائی ماہ سے اوپر ہوچکے ہیں' مگر یہ لوگ تو آزاد ہیں۔ میرا مطلب ہے' تم نے ابھی تک کچھ کیا کیوں نہیں؟ تم کس چیز کا انتظار کر رہے تھے؟'' اس نے دوسری کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔

''دو چیزیں۔'' اب کے قدرے نرمی سے بتانے لگا۔ ''پہلی' مجھے فنانشل اسٹرانگ ہونا تھا' پیسہ چاہیے تھا' امی نے ایک فلیٹ چھوڑا تھا میرے نام' لاہور میں۔ اس کو بیچنا تھا' اسی میں لگا تھا۔ اور دوسرا' مجھے ابھی یہ جاننا تھا کہ ان سب لوگوں کو چلانے والا کون ہے؟ کون ان کو حکم دے رہا تھا؟ آپ بے شک یہی سمجھیں کہ میں نے وہ قتل کیے تھے' تو پھر کون ہے میرا دشمن جس نے مجھے جیل بھجوایا' اور باہر نہیں نکلنے دیا؟ اتنا بے وقوف تو نہیں ہوں نا میں کہ ایسے ثبوت اپنی کار میں چھوڑوں گا!'' زمر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''کسی نے تو مجھے ایسے پھنسایا تھا تاکہ میں باہر نہ نکل سکوں؟'' زمر نے پھر ہاں میں گردن ہلائی۔ اسے پہلی دفعہ اپنا آپ فارس کی ٹیچر جیسا نہیں' اس کی اسٹوڈنٹ جیسا لگ رہا تھا۔

''پھر... کیا تمہیں معلوم ہوسکا؟''

فارس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو یہ تمام لوگ جو مجھے جیل بھجوانے میں ملوث تھے' وہی لوگ سعدی کی گمشدگی سے جڑے ہیں۔ جب وہ ہسپتال لے جایا گیا' تو ڈاکٹر بخاری کی اس دن ڈیوٹی نہیں تھی' مگر ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اس ہسپتال میں ان کے کام کا بندہ کون ہے' اس کی بیوی کو پہلے استعمال کر چکے تھے' سو انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو ہسپتال بھیجا' وہ آیا' اور اپنا کام دکھا گیا۔ اگر مجھے اس وقت معلوم ہوتا کہ یہ ڈاکٹر ایمن کا شوہر ہے' تو میں...'' بے بسی اور غصے سے اس نے کچھ سخت کہنا چاہا' مگر سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔

''کیا سعدی کو یہ سب معلوم تھا؟''

''نہیں۔'' فارس گردن موڑ کر ان کاغذوں کو دیکھتے بولا۔ ''وہ ایک دن صبح کے وقت آیا' تو میں نے اس کمرے کو لاک کر دیا اور خود باہر والی ٹیبل کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ وہاں چند کاغذ لگا رکھے تھے......'' زمر نے مڑ کر دیکھا' وہاں چند کاغذ اور الیاس فاطمی کی تصویر اب بھی لگی تھی۔ ''وہ یہی سمجھا کہ میں صرف اس ایک ماسٹر مائنڈ کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں' اور اسے مارنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کی تصحیح نہیں کی۔ میں اسے اس سب سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کو کچھ معلوم تھا شاید جسے وہ چھپا رہا تھا' کیونکہ وہ سعدی تھا' آپ کی طرح تھا!'' زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''آپ دونوں ایک ہی جیسے ہیں' اسٹریٹ فارورڈ۔ مجھے پتہ ہے کہ اس نے مجرم تک پہنچ کر کیا کیا ہوگا!'' سر جھٹکا۔ ''ان لوگوں کو کنفرنٹ کیا ہوگا' دو چار نصیحتیں جھاڑ آیا ہوگا' اور ارادہ ہوگا کہ سب کو اپنا کارنامہ بتا کر کہے' فلاں فلاں ملوث ہے اس میں' اس کے خلاف مقدمہ درج کراتے ہیں اور یوں ہمیں انصاف مل جائے گا۔'' تلخی سے پھر سر جھٹکا۔ ''مجھے پورا یقین ہے اس نے ضرور ان لوگوں کو احساس دلایا ہوگا کہ وہ ان کے راز جانتا ہے' اور انہوں نے اسے خاموش کرا دیا۔ مگر میں...'' زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر سختی سے بولا۔ ''میں سعدی یوسف نہیں ہوں۔

میں فارس غازی ہوں۔ میں لمبی لمبی باتیں نہیں کرتا' اور جو میں ان لوگوں کا حشر کروں گا' وہ دنیا دیکھے گی۔''

''سو تم اسی لیے ڈاکٹرز والا معاملہ ڈیلے کر رہے تھے کیونکہ تم میرے پلان کے مطابق ان کو صرف اکیلا اور ایکسپوز ہی نہیں کرنا چاہتے' بلکہ... تم ان کو تباہ بھی کرنا چاہتے ہو۔''

''بالکل۔''

''اور تمہیں معلوم تھا کہ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی' اس لیے تم نے یہ سب مجھ سے چھپایا۔''

''ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ مجھے کسی چیز سے روک سکیں' مگر میں آپ کی بلاوجہ کی بحث نہیں سن سکتا تھا۔'' ذرا سے شانے اچکائے۔

''اسی لیے پہلے تم نے مجھے اعتماد میں لیا' اور پھر آہستہ آہستہ سارا کنٹرول میرے ہاتھ سے لینے لگے۔ اور جب مجھے شک ہوا' تم نے مجھے غصے میں ٹال دیا' لیکچل فارس...'' وہ سر ہلاتے ہوئے سمجھنے والے انداز میں کہنے لگی۔ ''میں نے تمہیں کبھی حنہ' یا ندرت بھابھی' یا سعدی پہ غصہ کرتے نہیں دیکھا' کبھی ابا سے بھی غصے سے بات نہیں کی' صداقت کو بھی نہیں جھاڑا' سو میں تمہیں بتاؤں مجھے کیا لگتا ہے؟'' اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مجھے لگتا ہے' تم اپنا غصہ کنٹرول کرنا جانتے ہو' مگر تم اسے استعمال کرتے ہو۔ جیسے تم اسے جیل میں استعمال کرتے تھے۔ تم اتنے غصہ ور ہو نہیں جتنا خود کو ظاہر کرتے ہو تاکہ لوگ تمہیں کمزور اور جذباتی سمجھیں اور تم اپنا کام کر جاؤ۔ اور تم نے دیکھا' وہ اے ایس پی تم سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہے جتنا وہ مجھ سے جھجکتا ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تو آپ اتنے دن سے مجھے اسٹڈی کر رہی تھیں؟''

''واٹ ایور!'' اس نے شانے اچکائے۔ پھر اٹھ کر ایک کاغذوں سے بھری دیوار کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تو اب تم چاہتے ہو کہ ہم ان لوگوں کو صرف استعمال ہی نہ کریں' بلکہ ان کو سزا بھی دیں۔''

''میں یہ کام اکیلے کر سکتا ہوں' آپ نہ شامل ہوں تو آپ کی مرضی!''

''ہاں' تم بہت کچھ کر سکتے ہو' مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر آپ میرا ساتھ دیں گی؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر دیوار کو دیکھتی رہی۔

''اگر تم سعدی کو واپس لے آؤ تو میں سب کچھ کرنے پہ تیار ہوں۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔

''جب جیل میں تھا میں' اور یہ سب لوگ میرے خلاف تھے' مجھے اذیت دے رہے تھے تو صرف ایک شخص تھا جس نے میری بات پہ اعتبار کیا تھا' اور جس نے مجھے باہر نکالا تھا اس قید سے۔ وہ سعدی تھا۔ اور میں اسے واپس لے آؤں گا۔ لیکن اس کے لیے' آپ کو میرے طریقے سے کام کرنا ہوگا' سو زمر بی بی...'' وہ دو قدم چل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور جب بولا تو آنکھوں میں مضبوط عزم تھا۔ ''آج سے سارے فیصلے میں کروں گا۔ اور آپ مجھ سے زیادہ بحث نہیں کریں گی۔'' چند لمحے زمر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''ٹھیک ہے' مگر ایک آخری سوال۔'' اور پھر وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''تمہارے ان سارے مجرموں میں میری تصویر کدھر گئی ہے؟ آخر تمہیں جیل تو میں نے بھیجا تھا نا۔''

فارس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔

''میرا نمبر ان میں کون سا ہے؟ کب آئے گی میری باری؟'' وہ چند ثانیے کچھ کہہ نہیں پایا۔

''جیسا کہ آپ نے خود کہا تھا' جب سعدی مل جائے گا' تب آپ مجھ سے اپنا حساب لیں گی' سو میں بھی تب ہی آپ سے حساب لوں گا۔'' اور اس نے صرف اپنی انا کے باعث وہ کہا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اور وہ اس بات سے بے خبر' کہ یہ وہ عورت ہے جسے وہ ایک

ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہے سر ہلا کر گہری سانس لیتے بولی۔

''ٹھیک ہے۔ میں تب تک تمہارے ساتھ ہوں جب تک سعدی نہیں مل جاتا۔ مگر آج سے میں ہر جگہ تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''آپ کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟''

''نہیں' میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کیسے کام کرتے ہو' کل کو جب تم مجھ سے اپنا حساب لو تو کم از کم مجھے تمہارے طریقوں کا علم تو ہونا۔''

قطعیت سے کہتی وہ مڑ گئی۔ فارس خاموشی سے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھتا رہا۔ تہہ خانے میں ایکدم اداسی چھا گئی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

اب جو چاہیں بھی تو اس طرح نہیں مل سکتے ...... پیڑ اکھڑے تو کہاں بار دگر لگتا ہے

ان سے سینکڑوں، ہزاروں میل دور' اس کمرے میں مقید سعدی یوسف' بیڈ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تین تصویریں تھیں جب کو وہ بار بار اوپر نیچے کر کے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم اپناز ہر اگل کر جا چکا تھا اور سعدی کا سن کرتا جسم بھی آہستہ آہستہ نارمل ہو چکا تھا۔

(ڈاکٹر سارہ نے کسی کو نہیں بتایا) وہ یاسیت سے سوچ رہا تھا۔ (اس نے اپنا چپن ایک غلط شخص کے ہاتھ میں دے دیا' اسے ہمیشہ سے معلوم تھا وہ کتنی بزدل اور ڈری سہمی ہے' مگر یہ سب بنا سوچے سمجھے ہوا۔ اس کی زندگی کی دوسری بڑی غلطی زمر اور حنہ سے جھوٹ بولنا تھی کہ وہ کسی سائنسدان سے ملنے جا رہا ہے اور پہلی بڑی غلطی ... سارہ پہ اعتبار کرنا تھی۔)

مسلسل تصویریں شفل کرتے زمر اور نوشیرواں کی تصویر اوپر لایا۔ آنکھوں میں سرخی سی دوڑنے لگی۔ حنین کی تصویر اوپر آئی تو دماغ پھٹنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہرے سانس لیے' خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

تبھی دروازہ کھول کر میری انجیو اندر داخل ہوئی۔ اس کے قریب آ کر سپاٹ سا بولی۔ ''مجھے ذرا کام ہے' مایا ابھی آتی ہوگی' تمہاری پٹی دیکھے گی۔ زیادہ ہوشیاری مت دکھانا۔ مایا اچھی ہے' بہت اچھی' مگر اسے استعمال کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

وہ سر جھکائے تصویریں الٹ پلٹ کرتا رہا۔ اس کی بات گویا ان سنی کی۔ وہ چلی گئی تو مایا اندر آئی۔ نرس بھی ساتھ ہی آیا' مگر مایا نے ایک دم اسے مخاطب کیا۔

''وہ... میرا بلیک بیگ داخلی دروازے کے قریب رہ گیا ہے' ذرا لیتے آؤ۔'' وہ سر ہلا کر باہر گیا' تو مایا تیزی سے اس کی طرف آئی۔ بے چینی سے اس کو دیکھا۔

''سنو' میری انجیو گھر پہ نہیں ہے' اور میں ابھی سیدھی بازار جاؤں گی' کاردار صاحب کا آدمی بازار کے اندر میرے ساتھ نہیں جائے گا' تم مجھے اپنی فیملی کا کوئی نمبر دو' میں ان کو کال کر کے اطلاع کر دوں گی کہ تم کہاں ہو۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔

سعدی نے گویا نہیں سنا' بس انہی تصویروں کو دیکھتا رہا۔

''تم سن رہے ہو؟'' وہ جھنجلائی اور اس کا کندھا ہلایا۔ ''سعدی' مجھے کوئی کانٹیکٹ نمبر دو جہاں میں فون کر سکوں۔ تاکہ تم ان کے پاس واپس جا سکو۔''

سعدی نے اس کے یوں ہلانے پہ آنکھیں اٹھا کر اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میری کوئی فیملی نہیں ہے۔ نہ مجھے کسی کے پاس واپس جانا ہے!''

مایا دھک سے رہ گئی۔ پھر اس کی شفاف آنکھوں میں بے پناہ دکھ ابھرا۔

''ایسے مت کہو' تمہاری فیملی تمہاری منتظر ہو گی۔''

''میں نے کہا نا' میری کوئی فیملی نہیں ہے۔'' اس نے وہ تصویریں اکٹھی کیں' اور شڑپ سے پھاڑیں' پھر اکٹھی کر کے دوبارہ پھاڑیں

اور دروازے کی طرف اچھال دیں۔ تبھی نرس واپس اندر داخل ہوا۔ سارے پرزے اس کے قدموں میں گر گئے۔

مایا اب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، مگر آنکھوں میں بے پناہ تکلیف اور کرب لیے وہ نرس کو ہدایات دینے لگی۔

❖❖❖

اجنبی لگنے لگے خود تمہیں اپنا ہی وجود ...... اپنے دن رات کو اتنا بھی اکیلا نہ کرو

اس رات انیکسی میں خاموشی چھائی تھی۔ سیم اور ابا اپنے کمرے میں سونے جا چکے تھے۔ فارس گھر نہیں تھا۔ اور ندرت کو آج ذکیہ خالہ بہت اصرار سے اپنی طرف لے گئی تھیں۔ ایسے میں حنین اکیلی لاؤنج کے صوفے پہ لیٹی تھی۔ ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا، مگر وہ چھت کو تکتی سوچے جا رہی تھی۔ ہاشم کے جھوٹ کے بارے میں۔ فلیش کے بارے میں جسے وہ کھول نہیں سکی تھی۔ ہاشم سے بات نہ کرنے کے بارے میں۔۔

تبھی میز پہ رکھا فون بجنے لگا۔ حنین نے سست روی سے گردن موڑی۔ ہاشم کی کال آ رہی تھی۔ اسی پل دروازہ کھلا اور اس نے فارس کو اندر آتے دیکھا۔ وہ موبائل اٹھانے کے لیے ہاتھ بھی نہ بڑھا سکی۔

''کس کا فون ہے؟'' وہ اس کے سر پہ پہنچ گیا تھا۔ وہ بس یک ٹک گردن اٹھائے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''حنین میں پوچھ رہا ہوں' اس وقت کس کا فون آ رہا ہے؟'' وہ غصے سے پوچھ رہا تھا اور حنین کا پورا وجود سن تھا...دل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا' جسم سے جان نکل رہی تھی... فارس نے فون اٹھا لیا تھا... اب وہ سب جان جائے گا۔

کرنٹ کھا کر جیسے اس کی آنکھ کھلی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ پورا جسم پسینے میں ڈوبا تھا۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ وہ اکیلی تھی۔ ٹی وی ہنوز چل رہا تھا۔ موبائل ہاتھ میں تھا۔ وہ کب سوئی' پتہ ہی نہیں چلا۔ پہلے اس نے موبائل دیکھا۔ کوئی کال نہیں تھی۔ اوہ وہ خواب تھا!

آہٹ پہ چونکی۔ فارس دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ اسی طرح متوحش سی بیٹھی تھی۔ اس نے لاک لگایا، اور قدم قدم چلتا قریب آیا۔ حنہ کو دیکھ کر آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔

''ادھر کیوں سو رہی ہو؟''

''وہ امی... امی ذکیہ نانی کی طرف گئی ہیں نا' تو... میں... اکیلی تھی۔''

''ہاں انہوں نے مجھے بتایا تھا' تو تم اکیلی کیوں ہو؟ سیم کو اپنے ساتھ سلانا تھا۔'' ایک نظر ابا کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ ''اچھا اب ادھر مت سوؤ۔ صبح ملازم لڑکا آتا ہے' اس کے لیے دروازہ کھولنا ہوتا ہے۔ شاباش' اٹھو اوپر ہمارے کمرے میں آ جاؤ۔'' ساتھ ہی اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا' مگر آنکھوں میں حنہ کے لیے بے حد نرمی تھی۔

حنین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ ایک دم اٹھی اور اس کے بازو کے گرد ہاتھ لپیٹ کر اس کے کندھے سے ماتھا ٹکا دیا۔

''ماموں' میں آپ کو کبھی نہیں کھونا چاہتی۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا۔ میں آپ کو کھونے والی تھی۔'' آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ ''میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ بہت زیادہ۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''نہیں حنہ' میں تمہیں اس وقت کچھ کھلانے باہر نہیں لے جا سکتا۔''

روتے روتے حنہ نے ناراضی سے چہرہ اٹھایا۔ ''دنیا میں کھانے سے بڑے مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔''

''مثلاً؟'' اس نے غور سے حنین کے چہرے کو دیکھا۔ بالوں کو پونی میں باندھے' اس کی آنکھیں گیلی نظر آ رہی تھیں۔ اس سوال پہ مزید بھر آئیں۔

''میں بہت بری ہوں۔'' گلٹ بہت شدید تھا۔

فارس نے ابرو اٹھائی۔ ''شکل میں؟''

حنین ہلکا سا ہنس دی۔ اس کا بازو چھوڑا۔ ''آنسو گر رہے'' ''آپ کے ساتھ ایموشنل ہونے کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''چلو اب اپنا ڈرامہ ختم کر دو اور آؤ۔'' وہ مسکرا دی۔ دل ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو حنہ نے سوچا بس اب وہ ہاشم کو یوں چھپ کر ٹیکسٹ نہیں کرے گی۔ بس ختم یہ سلسلہ۔

دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو زرد بتی جل رہی تھی اور زمر آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ فارس کی نگاہیں اس کے پیر پہ جا رکیں جس کا انگوٹھا ہنوز پٹی میں مقید تھا۔

''زمر!'' اس نے پکارا تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

''حنہ آپ کے ساتھ سوئے گی' میں آپا والے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' اطلاع دیتے ہوئے وہ اپنی چیزیں اٹھا رہا تھا۔ زمر اٹھ گئی۔

''ارے تم اکیلی کیوں تھیں؟ سیم کو بولا تھا میں نے.... خیر آ جاؤ' اب سو جاؤ۔'' وہ نرمی سے کہتی اٹھی اور اس کے لیے لحاف نکالنے لگی۔

حنین چپ چاپ آ کر زمر کے دوسری طرف لیٹ گئی۔ موبائل پہ سحری کا الارم لگا کر اپنے اور زمر کے تکیے کے درمیان رکھ دیا۔ (زمر سے کوئی بات نہیں کی۔) اور ماتھے پہ بازو رکھ لیا۔ موبائل کی لائٹ جل رہی تھی۔ روشنی بجھنے کا وقت دو منٹ تھا۔ ڈیڑھ منٹ بعد حنہ نے کروٹ بدل لی۔ تبھی موبائل تھرتھرایا۔ زمر چونکی۔ موبائل سیدھا پڑا تھا' اوپری بار میں نئے میسج کی پہلی سطر نظر آ رہی تھی۔

''ہاشم کاردار: کیا میں تمہیں کال کر لوں؟''

حنہ نے کروٹ لی' زمر نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ اسے آہٹ سنائی دی۔ پھر فون آف ہونے کی ٹون گونجی۔

پھر وہ سو گئی' مگر زمر یوسف کی نیند اڑ چکی تھی۔ (ہاشم نے ایسا میسج حنہ کو کیوں کیا؟)

اگلی شام وہ کمرے میں بیٹھی کیس اسٹڈی کر رہی تھی تو دروازہ دستک کے بعد کھلا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سارہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ آنکھوں میں اداسی' لبوں پہ نرم مسکراہٹ' اور بال فیشن سے فرنچ ناٹ میں بندھے تھے۔ وہ اور ذکیہ خالہ' ندرت کو شاپنگ کے لیے پک کرنے آئی تھیں۔ یہ بھی ندرت کا اصرار تھا۔ عید کی تیاری کرنی تھی۔ سعدی کے کپڑے بھی لینے تھے۔ زمر کے لیے کل ہی لے آئی تھیں۔ (ڈسٹریکشن۔)

''آیئے سارہ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سارہ اس کی فائلز کو دیکھتے قریب آ کر بیٹھی۔ وہ ان دو ماہ میں دوسری دفعہ آ رہی تھی۔ پہلے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں۔ پھر وہی ذکر آیا۔

''سعدی کا کچھ پتہ چلا؟'' (مٹھی پہ پسینہ آیا)

''نہیں' مگر پتہ چل جائے گا۔''

''آپ کو اتنا یقین کیسے ہے کہ وہ زندہ ہو گا؟'' یہی بات سارہ کے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ زمر آزردگی سے مسکرائی۔

''کیونکہ ہم زندہ ہیں۔''

سارہ کے دل کو دھکا سا لگا۔ بدقت چند باتیں کر پائی۔

''کیا کوئی گواہ سامنے نہیں آیا؟ کسی نے کچھ تو دیکھا ہو گا؟'' بظاہر سرسری سا پوچھا۔

زمر نے گہری سانس بھری۔ ''نہیں' کوئی سامنے نہیں آیا۔ گواہ عموماً سامنے کم آتے ہیں۔ سب کی اپنی فیملیز ہوتی ہیں۔ ویلکم ٹو پاکستان!''

''تو کیا گورنمنٹ ان کو witness پروٹیکشن نہیں دے سکتی؟ ان کی فیملیز کی حفاظت نہیں کر سکتی؟''

"سارہ ہمارا سسٹم بہت زبوں حال ہے۔ ہم گواہ چھپا دیں، تب بھی لوگ ان کا پتہ نکال لیتے ہیں۔ خیر!" اس نے سر جھٹکا۔ "ہر کوئی اتنا بہادر نہیں ہوتا۔"

سارہ کے لیے مزید بیٹھنا دوبھر تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اس کا مطلب ہے گواہوں کو اپنی حفاظت خود کرنی ہوتی ہے! خیر! میں چلتی ہوں!" زمر نے مسکرا کر الوداع کہا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔

...............❖❖❖...............

ہم خاک نشین، تم سخن آرائے سرِ بام ..... پاس آ کے ملو، دور سے کیا بات کرو ہو!

رمضان اسی طرح خاموش سا گزر گیا اور عید کی شام قصر اور اس کے سبزہ زار پہ اتری تو بے پناہ روشنیاں لیے ہوئے تھی۔ بے فکر، نفاست اور خوش باش لوگ ٹہل رہے تھے۔ ویٹرز ٹرے اٹھائے، مشروبات سرو کرتے نظر آ رہے تھے۔ ایسے میں سبزہ زار کے وسط میں ہاشم، براؤن شلوار قمیص میں ملبوس، گلاس تھامے، ہنستا ہوا مہمانوں سے باتیں کرتا نظر آ رہا تھا۔ جواہرات بھی قریب کھڑی تھی۔ سبز گاؤن میں مسکراتی ہوئی، کانوں میں زمرد اور ہیرے جڑے آویزے پہنے۔ کاردارز کی عید کی پارٹی اتنی ہی جگمگاتی ہوئی ہوتی تھی۔

ان سے دور ہٹو تو سبزہ زار کے بالکل کنارے پہ ایک الگ تھلگ میز پہ Yousufs کا ٹیگ لگا تھا۔ وہاں سیم اور حنین کھڑے مدھم آواز میں بات کر رہے تھے۔ ندرت جو ساتھ بیٹھی تھیں، ابا سے ہلکی پھلکی بات کرتیں، پھر خاموش ہو جاتیں۔ سعدی کی باتیں۔ سعدی کے نہ ہونے کی اداسی۔ امی نے سیم کے آف وائٹ کرتے جیسا بڑا سائز سعدی کے لئے بھی لیا تھا۔ سعدی کی یاد، سعدی کی محبت سے بڑھ گئی تھی۔

سیم بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ بدلی تو حنہ بھی تھی۔ لمبی نیلی قمیص میں ملبوس، کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے ہوئے تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال ترچھے انداز سے نیچے گرتے تھے۔ (ماموں والے خواب کے بعد اس نے ہاشم سے بات نہیں کی، نہ ہاشم نے پھر ٹیکسٹ کیا) حنہ کی نظریں بھٹکتی ہوئیں ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ وہ دور تھا، بالکل نادر کی طرح۔ اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ ہونہہ، اس نے منہ پھیر لیا۔

قریب میں زمر کھڑی فارس سے بات کرتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے اس کی لائی سرخ ساڑھی پہن رکھی تھی جس کے آستین کہنیوں سے نیچے تک آتے تھے۔ بال جوڑے میں تھے اور صرف دو گھنگریالی لٹیں گالوں پہ گرتیں۔

"کیا تم پارٹی میں نہیں شامل ہوگے؟" خفگی سے فارس سے پوچھا جو ابھی باہر سے آیا تھا اور سیدھا اندر جا رہا تھا۔ جینز پہ سفید کرتا، ہاتھ میں پشاوری چپل۔ منہ میں کچھ مسلسل چباتا ہوا۔ بے نیازی سے ابرو اچکائے۔ "کاردارز کی پارٹیز کی عادت نہیں مجھے۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔"

وہ گویا کھول گئی۔

"ہم انجوائے کرنے نہیں آئے۔ میں اس لیے تیار ہوئی ہوں تا کہ بھابھی کو یہ نہ لگے کہ میں نے وہ باتیں نہیں بھلائیں۔ اگر تم نہ آئے تو ان کو یہی لگے گا۔ کیوں میری فیملی کو میرے خلاف کرنا چاہتے ہو؟"

"او کے، یہیں ہوں میں۔" فارس نے تحمل سے اس کی بات سنی اور چند لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں دیکھا جن میں برہمی تھی۔ (کوئی بیک وقت اتنا خوبصورت اور اتنا سنگدل کیسے ہو سکتا ہے؟) پھر رخ پھیر لیا۔ وہ حنہ کی طرف آ گئی۔

"سو یہ یو ایس بی کا کیا قصہ ہے؟ جو اس دن تم نے ہاشم کو دی، وہ سعدی نے تمہیں نہیں دی تھی؟" کچھ دن سے حنہ کو لیپ ٹاپ سے الجھا دیکھ کر زمر نے صبح جب پوچھا تھا تو اس کے جواب سے نکلا نتیجہ اب سوالیہ انداز میں دہرایا، تو حنین نے بس سر ہلایا۔

"جی۔ میں بھائی کی چیز ان کو نہیں دے سکتی تھی۔ نہ آپ کو دوں گی۔"

اٹھتی نظریں۔ کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

دور کھڑے ہاشم نے فارس کو دیکھا تو ساتھ موجود خاور سے سرگوشی کی۔ "یہ جیل کب جا رہا ہے؟"

"بس کچھ دن تک۔ میں پکا کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"جلد کرو۔ مجھ سے یہ ادھر برداشت نہیں ہوتا۔" ناگواری سے کہہ کر گھونٹ بھرا۔

"آپ کی اس سے پھر بات ہوئی؟" خاور نے بے لفظوں میں پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی تو اسے اس کی بہن کے حوالے سے خوفزدہ کیا ہے۔ کچھ دن سوچے گا وہ۔ پھر بات کروں گا۔"

پھر نگاہیں جواہرات پہ جا ٹھہریں جو ذرا فاصلے پہ کھڑی ہارون عبید سے بات کر رہی تھی۔ ہاشم نے رخ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا کرب اٹھتا تھا ہارون عبید کو دیکھ کر۔ کوئی بہت شدت سے یاد آتا تھا۔

"مجھے امید تھی آپ میرے تحفے کو پہنیں گی مگر ایسا نہیں ہوا۔" ادھر وہ جواہرات سے کہہ رہے تھے۔ وہ دراز قد اور باوقار سے سیاستدان تھے۔ آنکھیں گہری تھیں اور ان میں وہی نرم سا شاطر پن تھا جو سیاستدانوں کا خاصہ ہوتا ہے۔

"میرے پاس دن بھر میں ڈھیروں تحفے آتے ہیں ہارون، اگر ہر ایک کا دل رکھنے لگ گئی تو ملکہ نہیں رہوں گی۔ حکمرانی "ناں" کرنے کا نام ہے۔ ورنہ "ہاں" تو سب کہہ لیتے ہیں۔"

وہ مسکرائے۔ "میں آپ سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ آپ کے گھر میں کھڑا ہوں۔ آپ ہماری دعوت پہ جب آئیں گی تو ہم اس گفتگو کو یہیں سے شروع کریں گے۔"

"تب کی تب دیکھی جائے گی!" جواہرات نے انگلی سے بال پیچھے کرتے کہا۔ "اور میرا خیال ہے ان پیپلز کی طرف بہت سے لوگ آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔"

ہارون عبید نے ذرا کی ذرا اس طرف دیکھا، پھر سر کو خم دیا۔ "آپ اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کریں، اور میں انہیں۔" مسکرا کر پلٹ گئے۔

وہ بھی مسکرا کر ان کو جاتے دیکھتی رہی، انگلی مسلسل نیکلیس کے سبز پتھر وں پہ پھیر رہی تھی۔

"اس عمر میں بھی آپ سے سیکھنے کو بہت کچھ ہے مسز کاردار۔" شہرین کھنکھار کر کہتی اس کے قریب آئی تو جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ آسمانی رنگ کی میکسی میں ملبوس تھی، باب کٹ سنہرے بال بلو ڈرائے کر کے سیٹ تھے، اور آنکھوں میں معنی خیز مسکراتا تاثر تھا۔

"اگر آپ ان کا تحفہ پہن لیتیں یا ان سے چند فقرے مزید کہہ دیتیں تو آپ کی کشش ماند پڑنے لگتی، کیا ہی اچھا ہنر ہے کسی کو اکسانے کا۔"

جواہرات نے ایک پر تپش نظر اس پہ ڈالی، مگر لبوں پہ مسکراہٹ جمی رہی۔ ساتھ ہی بازو بڑھا کر ویٹر کی ٹرے سے گلاس اٹھایا اور اتنی تیزی سے واپس لائی کہ وہ الٹنے لگا شہری کے اوپر.... مگر.... کسی نے گلاس اور جواہرات کے ہاتھ، دونوں کو سختی سے پکڑ کر مشروب گرنے سے روکا۔ شہری ہل بھی نہ سکی۔ جواہرات نے بھی چونک کر دیکھا۔

فارس اس کا ہاتھ پکڑے، گلاس واپس ٹرے میں رکھ رہا تھا۔ "دھیان سے مسز کاردار، آپ اپنی بہو کے کپڑے خراب کرنے والی تھیں۔"

جواہرات کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ گھور کر فارس کو دیکھا۔

"تمہارا شکریہ فارس، میں اسے یاد رکھوں گی۔" ان دونوں کو گھورتے آگے بڑھ گئی۔

''تھینک یو' تم نے میرا اڈریس بچالیا۔'' اس نے بس ہلکے سے کندھے اچکائے۔ منہ میں کچھ چبا رہا تھا اور گردن موڑے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ذرا اکتایا ہوا' ذرا بے نیاز۔ شہری نے کتنے دن بعد غور سے اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں جیل سے باہر دیکھ کر اچھا لگتا ہے فارس۔'' پھر نگاہ دور کھڑی سرخ ساڑھی والی زمر پہ پڑی' جو مسکرا کر کسی سے بات کر رہی تھی۔ شہری کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ ''تم نے جلدی نہیں کر دی شادی میں؟''

وہ چونکا۔ ''کیوں؟''

''یونہی۔ ڈی اے کے چہرے سے لگتا ہے وہ خوش نہیں ہے تمہارے ساتھ...''

''کیوں؟ کیا اس کے چہرے پہ وہی ناخوش تاثر ہے جو تمہارے چہرے پہ ہوتا تھا جب تم ہاشم کی بیوی تھیں؟''

انگاروں پہ پانی ڈالا تو وہ اور بھڑک اٹھے۔ شہری کی آنکھوں میں چبھن بھری بے بسی ابھری۔ ''تمہیں ان مظالم کا اندازہ بھی نہیں ہے جو ہاشم نے مجھ پہ کیے ہیں' اس نے مجھے اتنے سال ٹارچر....''

''چار سال جیل میں رہا ہوں شہری' اپنے ٹارچرز کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ کسی دوسرے کے ٹارچرز سننے میں دلچسپی نہیں رہی۔ سی یو!'' ذرا اکتا کر کہتا' سر کو الوداعی انداز میں خم دیتا وہ آگے بڑھ گیا۔ شہری کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔ پھر زمر سے مسکرائی۔ کوئی بھی بات اسے بری نہیں لگی تھی۔ اپنی میز سے نوشیرواں نے غور سے یہ سب دیکھا تھا پھر بڑبڑا کر منہ موڑ لیا۔

اسی اثناء میں زمر کو پیچھے سے کسی نے ''السلام وعلیکم'' کہہ کر پکارا تو وہ چونک کر پلٹی۔ ڈنر جیکٹ میں ملبوس مسکراتا ہوا احمر وہاں کھڑا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ ادھر کہاں؟''

''بھول گئیں؟ ہارون عبید کا کیمپین مینیجر ہوں۔ جہاں وہ' وہاں ہم۔'' سر کو جھکا کر اسٹائل سے کہا۔

''میرے کام کا کیا بنا؟''

''مصروف رہا بہت' جلد کوئی اپ ڈیٹ دوں گا' مگر ایک بات۔ ہارون عبید کا کیمپین مینیجر... پندرہ ہزار فی گھنٹہ لیتا اچھا نہیں لگے گا' سو...''

ذرا سوچنے کی اداکاری کی۔ ''میری فیس بڑھائیں۔ ۲۵ ہزار فی گھنٹہ!''

''پچیس ہزار فی گھنٹہ؟'' زمر نے مسکرا کر دہرایا۔

''ویسے تو یہ بھی کم ہیں' مگر چلیں' آپ کے لیے اتنی رعایت کر سکتا ہوں۔''

''تھینک یو سو مچ احمر۔ آپ بہت اچھے ہیں' اور اتنے ہی اچھے لگ رہے تھے اس فوٹیج میں جس میں آپ کریڈٹ کارڈ فراڈ کرتے دکھائی دے رہے تھے' صبح ہی میں نے دیکھی' واحد اور جنگل کا پی جو آپ کا کیس بند کرنے کے بعد مجھے ملی' اتنی بڑی نہیں ہے کہ دوبارہ کیس کھولا جا سکے' لیکن....'' چہرہ موڑ کر سوچتی نظروں سے ہارون عبید کو دیکھا۔ ''اگر ہارون عبید نے یہ ویڈیو دیکھی' اور ان کو لگا کہ اس کا ریلیز ہونا ان کی کیمپین کے لیے شرمناک ہوگا' تو وہ کیا کریں گے؟ خیر' یہ سوچنا میرا کام نہیں ہے۔ ہاں تو ہم آپ کی فیس کی بات کر رہے تھے۔'' گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے' بڑی تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ لب بھینچے' دانت پیستے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے آپ کا ایک بڑا خوبصورت نِک نیم رکھا تھا میں نے' اس وقت بہت یاد آ رہا ہے۔'' جبراً مسکرا کر بولا۔ ''اور فیس؟ چھوڑیں بھابھی۔ آپ میرے دوست کی بیوی ہیں' آپ سے فیس لیتے اچھا لگوں گا۔''

''تھینک یو احمر!'' مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ''میرا کام ہو جائے' تو وہ فوٹیج آپ کی ہوئی!'' چڑیل آگے بڑھ گئی اور وہ کینہ توز نظروں سے

اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ ڈاکٹر جس نے گولیاں لگنے کے بعد اس کو بچایا تھا، اس کو چوک میں کھڑا کر کے پچاس درے تو لگنے ہی چاہئیں!'' پھر زور سے بوٹ گھاس پہ مارا۔ اور اسی برے منہ سے پلٹا تو سامنے کھڑی لڑکی پہ نظر پڑی۔ وہ نیلی لمبی قمیض میں ملبوس تھی اور ہتھیلی مٹھی تلے رکھے دور کچھ بھٹی سوچ میں گم تھی۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا دو قدم قریب آیا۔

''آپ سعدی کی بہن ہیں نا؟'' حنہ نے چونک کر گردن موڑی، پھر سیدھی کھڑی ہوئی۔ اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''جی۔''

''میں نے اس دن آپ کو پہچان لیا تھا، آپ کی تصویر دیکھی تھی ایک دفعہ کسی اخبار میں۔ آپ نے کوئی بورڈ ٹاپ کیا تھا' ہے نا؟'' بالآخر اسے یاد آ گیا تھا کہ اس نے حنہ کو کہاں دیکھا تھا۔

حنین یوسف کے چہرے کی رنگت سفید پڑی۔ ''جی۔'' تھوک نگلا۔

''اچھا تو کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟''

''بی اے کیا ہے۔''

وہ حیران ہوا ''صرف بی اے؟ آپ کو تو ڈاکٹر یا انجینئر بننا چاہیے تھا، ورنہ بورڈ کیوں ٹاپ کیا؟ کیا نقل کر کے کیا تھا؟''

اور احمر کے لیے بہت سی باتیں صرف مذاق ہوتی تھیں، یہ بات بھی کہہ دی، مگر حنین کی رنگت برف کی طرح ہو گئی۔

''آپ ہیں کون مجھ سے ایسے بات کرنے والے؟'' احمر کو ایک دم احساس ہوا۔

''میں غازی کا دوست ہوں تو، سوری مگر...''

''مطلب مجھے ماموں سے بات کرنی پڑے گی۔'' ایک دم وہ گھوم کر فارس کی طرف گئی۔

احمر کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ہر سے بات کر لیتا تھا، وہ جاب کرنے والی، سمجھدار لڑکی تھی، کسی کو خود سے فرینک نہ کرتی، اس کی اور بات تھی، مگر فارس کے گھر کی کسی دوسری لڑکی کو او فینڈ کرنے کا مطلب اتنے برسوں کی دوستی بھاڑ میں جھونکنے جیسا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ دور کھڑے فارس تک گئی، اور اس کو متوجہ کیا۔ احمر سانس روکے اس طرف دیکھے گیا۔

حنین نے اسے کچھ کہا، فارس نے فوراً مڑ کر احمر کی طرف دیکھا۔ وہ تیز تیز بولتی اس کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہے جا رہی تھی۔ فارس نے اچنبھے سے پھر احمر کی طرف دیکھا، پھر آگے بڑھا (''میں دیکھتا ہوں'') مگر حنہ نے فوراً اس کا بازو تھام کر روکا، اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر جیسے تسلی کروائی (میں دیکھ لوں گی)۔ فارس نے مڑ کر دو تین دفعہ اس طرف دیکھا اور واپس پلٹ گیا۔ حنہ نے ایک تیز نظر احمر پہ ڈالی، (اب مجھ سے بات کرنے کی ہمت نہ کرنا) اور آگے بڑھ گئی۔

احمر کا گلاس پکڑے ہاتھ پسینے میں بھیگا تھا۔ وہ شل کھڑا تھا۔ (خدایا، وہ غازی کو کیسے صفائی دے گا؟) تھوڑی دیر بعد اس نے ہمت کی، فارس کی طرف آیا۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔ اس لڑکی نے جانے کس انداز میں بات کی ہو۔ فارس دور جا رہا تھا، وہ روک نہیں سکا، پھر وہاں کھڑے بور سے ہوتے سیم کو مخاطب کیا۔ ''سنو... میں سعدی کا دوست ہوں،'' سیم متوجہ ہوا تو تذبذب سے کہنے لگا ''ابھی آپ کی سسٹر میرے بارے میں جو کہہ رہی تھیں غازی سے، وہ....''

''جی؟'' سیم نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر مڑ کر دور جاتی حنہ کو۔ ''آپ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا، وہ تو ان کرسیوں کا پوچھ رہی تھی، کہ وہ زرتاشہ ممانی کے جہیز کی ہیں نا۔'' اس نے ان کرسیوں کی طرف اشارہ کیا جو وہاں رکھی تھیں جہاں ابھی احمر کھڑا تھا۔ ''مگر ماموں کہہ رہے تھے کہ انہیں نہیں یاد کہ وہ زرتاشہ کی ہوں، حنہ نے کہا کہ رہنے دیں وہ خود چیک کر لے گی۔ آپ کو تو کچھ نہیں کہا۔'' وہ حیران سا صفائی

رہنے لگا، اور احمر کے اوپر تو مانو ٹھنڈا پانی ڈال دیا کسی نے۔ جلدی سے غلط فہمی کی معذرت کرتا پلٹا تو تململا رہا تھا۔
(یہ کیا چیز تھی؟)

تو بھی ہیرے سے بن گیا ہے پتھر ..... ہم بھی کل کیا سے کیا ہو جائیں گے

اگلی صبح جب جواہرات ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ براجمان ناشتہ کر رہی تھی' تو سامنے کھڑی فیونا نے جھکی آنکھوں مگر اٹھی گردن سے کہا۔
''اگر اسٹاف جائے گا تو میں بھی جاؤں گی مسز کاردار!''
گلاس سے گھونٹ بھرتے جواہرات نے آنکھیں اٹھائیں اور مسکرائی۔ پھر ٹیک لگا کر بغور اسے دیکھا۔
''تم فیونا ہو' مگر تم جواہرات کاردار نہیں ہو۔ تمہاری خواہش ہے کہ تم جواہرات ہوتی' مگر تم نہیں ہو۔ تو میں تمہیں پہلی اور آخری بار ایک بات بتاتی ہوں۔ سارے اسٹاف کو نکال کر تمہیں اس لئے رہنے دیا کیونکہ تم وفادار ہو' مگر..... تم جانا چاہو تو چلی جاؤ' میں تمہارا پے چیک بنا دیتی ہوں۔ لیکن جاتے وقت تمہیں بونس اور وہ نیکلس چھوڑنا پڑے گا جو تم نے میری انیجیو سے چوری کروایا' اور جو میں نے بعد میں تمہیں دے دیا تھا۔''
فیونا نے نظریں اٹھائیں۔ ان میں تعجب تھا' اور فکرمندی بھی۔
''میں نے وہ آپ کے کہنے پہ چوری کروایا تھا میری سے!''
''یہ تم کیا کہہ رہی ہو' اتنا بڑا الزام۔ فیونا اگر یہ بات تم ہاشم کے سامنے کہو تو وہ کیا حال نہ کرے تمہارا؟ چچ چچ۔'' افسوس سے کہتے' اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا۔
فیونا برے دل سے پلٹ آئی۔ کچن کے قریب راہداری بیسمنٹ میں جاتی' جہاں ملازمین کے کمرے تھے۔ چھوٹے مگر صاف ستھرے کمرے۔ اس کے کمرے میں ایک سنگل بیڈ بچھا تھا' ایک سنگھار میز اور ایک الماری تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور دراز سے وہ نیکلس نکال کر گردن سے لگایا جو مسز کاردار نے اسے اکیس مئی کی شام بڑی لاپرواہی سے دان کر دیا تھا۔
آئینے میں نظر آتے عکس میں ہیروں کی چمک سحر انگیز تھی۔ اس چمک میں اسے وہ گھنگریالے بالوں والا لڑکا یاد آیا جس کی جیب میں اس نے یہ نیکلس پارٹی کے دوران ڈالا تھا۔ یقیناً اسی نے یہ مسز کاردار کو واپس کر دیا ہوگا۔ اور اب۔ یہ فیونا کا تھا۔
ملازموں کی ملکہ نے ہیروں سے جھلملاتے نیکلس کو گردن پہ لگائے' چہرہ تن کر اٹھائے رکھا تو آنکھوں میں بھی وہی چمک ابھر آئی۔
کچھ دیر بعد وہ مسز کاردار کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔
''نیا اسٹاف کس تاریخ سے رکھنا ہے میم؟ کیا میں بھی انٹرویو میں شامل ہوں گی؟''
''آف کورس!'' جواہرات مسکرائی تھی۔

مرے ہی لہجہ پر گزر اوقات کرتے ہو ..... مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرتے ہو

ملاقاتی کمرہ آج بھی ویسا ہی تھا مگر ماحول میں تناؤ کا رخ اور تناسب بدل چکا تھا۔ اے ایس پی سرمد شاہ موجود نہیں تھا' اور بالآخر کئی دن بعد وہ دونوں نیاز بیگ سے تنہائی میں مل رہے تھے۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا' قدرے بے چین اور مضطرب لگتا تھا۔ ایک آنکھ سوجی تھی' کان تلے زخم ہونٹوں اور گردن پہ جما خون۔ زمر گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اوپر سے نیچے اس کے زخم دیکھ رہی تھی۔

''میں نے اس کو گولی نہیں ماری تھی۔ میں....'' وہ کہنے لگا تھا' مگر فارس غصے سے میز پہ ہاتھ مارتے ہوئے آگے ہوا۔'' بکواس مت کرو۔ میرے بھانجے کو تم نے مار کر پھینک دیا' اور اب تم اپنا بیان بدل رہے ہو۔''

''فارس! ریلیکس!'' زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا جو غصے سے نیاز بیگ کو گھور رہا تھا۔'' وہ بیان نہیں بدل رہا' میرا خیال ہے' وہ ہمیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم بولو نیاز بیگ' میں سن رہی ہوں۔''

''پہلے مجھے بتائیں' میرے بولنے سے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟'' وہ زمر سے مخاطب ہوا تو اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔

''کیا مطلب تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟'' وہ گویا کھول اٹھا۔'' مجھے پانچ منٹ مل جائیں تمہارے ساتھ' تم سے سب اگلوا لوں گا' اس لئے زیادہ فائدے نقصان کی باتیں مت کرو' کام کی بات پہ آؤ۔''

''فارس تم غصہ مت کرو' مجھے بات کرنے دو!'' تحمل سے گویا اس کو سمجھاتی وہ نیاز بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔ فارس سر جھٹک کر' پیچھے ہو کر بیٹھا اور تندہی سے اس کو دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا لوں گی' تم اس کیس سے بھی نکل جاؤ گے' اور شہزاملک کے کیس سے بھی۔ میں سرکاری پراسیکیوٹر نہیں ہوں مگر سعدی یوسف کیس میں پراسیکیوٹر میں ہی ہوں' سو مجھے بتاؤ' ہر بات جو تم جانتے ہو۔''

''شہزاملک کیس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہا تمہارے لڑکے کا قتل.... تو وہ قتل نہیں ہوا۔'' وہ بے بسی بھرے اضطراب سے بولنے لگا۔'' ''اکیس مئی کی رات مجھے اے ایس پی نے فون کیا' اور ہسپتال بلایا' پھر اس سرجن بخاری کے پاس لے گیا' بولا کہ یہ لڑکا غائب کرنا ہے' مگر جب آپریشن ہو جائے اور اس کی حالت خطرے سے باہر آ جائے' تب! ان کو وہ زندہ چاہیے تھا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ کچھ ماہ کے لئے اس لڑکے کے قتل کے جرم میں اندر جانا ہو گا' پھر ہم تمہیں نکلوا لیں گے۔''

''بدلے میں کیا دیا؟''

''پیسے.... اور میرے بھائی عظیم بیگ کے اوپر کیس ختم کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ میرا بھائی ابھی تک مفرور ہے' پچھلے سال اسمگلنگ کی وجہ سے.... خیر.... میں نے وہی کیا۔ جو میرے ساتھ دوسرا وارڈ بوائے تھا' وہ ان کا اپنا لڑکا تھا' ہم تمہارے لڑکے کو اسٹریچر پہ باہر لائے' ایمبولینس میں ڈالا' اندر سب تھا' مشینیں' ڈاکٹرز' نرس۔ خیر میں وہیں سے گھر چلا گیا۔ اے ایس پی نے کہا کچھ دن چھپ جاؤ' پھر پکڑ لیں گے تمہیں۔ یہاں تک سب ٹھیک ہو گیا' مگر اس روز اس نے مجھے شہزاملک کے کیس میں پھنسا دیا۔ اس نے مجھے وہاں بلوایا اور پھر گرفتار کر لیا۔ یہ سب اے ایس پی نے کیا ہے۔'' چند گہری سانسیں لیں' ذرا توقف کیا' اور پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا جو خاموشی سے سن رہے تھے۔ دفعتاً زمر اٹھ گئی۔ فارس بھی کھڑا ہوا۔ نیاز بیگ نے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''مجھے کب گواہی دینی ہو گی؟''

''کون سی گواہی؟'' زمر نے ساتھ ہی پرس کندھے پہ ڈالا۔

''ابھی.... تم نے کہا وکیل صاحبہ کہ تم مجھے وعدہ معاف گواہ بنا لو گی اور....''

''میں نے کب کہا؟'' زمر نے تعجب سے فارس کو دیکھا۔

''نیاز بیگ....'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔'' جو آدمی اپنا بیان اتنی دفعہ بدلے' اس پہ ہم یقین نہیں کر سکتے۔ تم ہی قاتل ہو' ہمیں معلوم ہے۔''

نیاز بیگ ایک دم ششدر رہ گیا تھا۔

''اور اے ایس پی ہمارا دوست ہے' اس نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم یہ سب کہو گے' اس لئے.... دوبارہ ہم سے ملنے کی

درخواست کرنے کی زحمت مت کرنا۔" زمر نے کہا اور وہ دونوں باہر کی طرف بڑھ گئے۔ پیچھے وہ بے اختیار اٹھ کر مضطرب سا چلا رہا تھا۔
"میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں... سرمد شاہ نے کروایا ہے یہ سب..." مگر وہ باہر نکل آئے۔ دروازے پہ زمر رکی اور اس کی طرف مڑی۔ غور سے اس کو دیکھا۔

"آج اپنی ہیل نہیں ماری آپ نے میرے پاؤں پہ؟"

"اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے سمجھ آ گیا تھا کہ تم کیا کر رہے تھے۔" وہ دبی آواز میں بولی۔ "جب ہم ہسپتال سے فوٹیج نکلوانے گئے تھے اور جب پہلی دفعہ ہم نیاز بیگ سے ملنے آئے تھے تو مجھے واقعی تمہارے غصے سے کوفت ہوئی تھی مگر تم Good Cop , Bad Cop کھیل رہے تھے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ (مشہور زمانہ اور قدیم تفتیشی حربہ جس میں مجرم کے سامنے ایک آفیسر غصے سے بات کرتا ہے دھمکیاں دے کر ڈراتا ہے اور دوسرا نرمی سے بات کر کے ہمدردی لیتا ہے تاکہ اگر مجرم خوف کا شکار نہ ہو تو ہمدردی کا نشانہ ضرور بن جائے۔) "تمہیں معلوم تھا کہ میں فوٹیج نکلوا لوں گی تم صرف میرے لئے چیزیں آسان کر رہے تھے مگر یو نو واٹ فارس اگلی دفعہ کچھ کرنے سے پہلے مجھے آگاہ کر دینا۔"

"اچھا؟ میں سمجھا آپ کو پہلے سے معلوم ہوگا۔ کیونکہ آپ کو تو میرے ہر جرم کی خبر ہوتی ہے۔" اس کی طرف جھک کر ہلکا سا کہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ اس کے اندر ابال سا اٹھا مگر ضبط کر کے پیچھے آئی۔

"اس نے وہی کیا جو آپ نے کہا تھا۔ سارا ملبہ آپ پہ ڈال دیا۔ اور اس ڈاکٹر پہ بھی۔" اے ایس پی کے پاس رخصت ہوتے وقت وہ کہہ رہی تھی۔ سرمد شاہ نے گہری سانس لی۔ تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑے۔ "مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس کا یقین نہیں کیا۔"

"شاہ صاحب ہم نے اتنا عرصہ ساتھ کام کیا ہے یہاں روز بیان بدلے جاتے ہیں پھر اس کی باتوں کی کس کو پرواہ ہوگی؟" شانے اچکا کر کہتی وہ پرس کی اسٹریپ کندھے پہ ڈال رہی تھی۔ جیبوں میں ہاتھ دیئے کھڑے فارس کا مسلسل گم چباتا منہ رکا اور اس نے آنکھیں تیکھی کر کے اے ایس پی کو دیکھا۔

"سنو دوبارہ ہمیں یہاں نہ بلانا کیونکہ تمہارے اس کرائے کے غنڈے کی بک بک سن کر میرا دماغ گھوم جاتا ہے اس کا بھائی تمہارے ساتھ کیا کرے گا مجھے پرواہ نہیں لیکن اگلی دفعہ اس نے اپنے بھائی کی دھمکی میرے خاندان کے لئے دی تو یہ حوالات سے جیل کا آدھا راستہ بھی نہیں پہنچ پائے گا۔" درشتی سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سرمد شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اس کے بھائی کا کیا ذکر؟"

"مجھے نہیں پتہ کسی علیم بیگ کے نام کی دھمکی دے رہا تھا کہ وہ ہمیں اے ایس پی اور ڈاکٹر کو دیکھ لے گا وغیرہ وغیرہ۔ واٹ ایور!" وہ موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتی باہر نکل گئی۔ سرمد شاہ پرسوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

ہم کو جو ملا ہے، وہ تم ہی سے تو ملا ہے
ہم اور بھلا دیں تمہیں، کیا بات کرو ہو؟

اس رات جب آسمان سیاہی سے ڈھک گیا اور سڑکیں جگمگاتی ٹریفک لائٹس سے روشن ہو گئیں تو ایک پرائیوٹ کلینک کے کمرے میں ڈاکٹر توقیر بخاری کے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر توقیر سرمئی قلموں اور تراشیدہ مونچھوں والے درمیانی عمر کے شخص تھے اور اس وقت عینک کے پیچھے آنکھیں سکیڑے وہ دعوت نامہ پڑھ رہے تھے جو زمر نے ان کو دیا تھا۔

"میموریل ڈنر اگلے ہفتے ہے۔ سعدی کے دوستوں نے ارینج کیا ہے۔ چونکہ آپ نے اس کی جان بچائی تھی تو میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی پوری فیملی کے ساتھ آئیں اور ہمارے ساتھ کچھ وقت اسے یاد کرنے میں گزاریں۔" وہ نرمی اور امید سے کہہ رہی تھی۔ فارس خاموش

بیٹھا ان کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

انہوں نے نگاہیں اٹھائیں' اداسی سے مسکرائے۔ "ہم ضرور آئیں گے اور مجھے بہت افسوس ہے آپ کے بھتیجے کے لیے۔ کیا آپ لوگوں کی کسی سے دشمنی تھی؟" وہ دعوت نامہ لفافے میں ڈالتے سادگی سے پوچھ رہے تھے۔

زمر نے گود میں رکھی مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں' آنکھوں میں تپش سی اٹھی' مگر پھر بظاہر ریاسیت سے مسکراتے نفی میں سر ہلایا۔

"چند پیسوں کے لیے ایک شخص نے اسے مار کر لاش پھینک دی۔ ہم آج اسی کو ملنے گئے تھے' اس نے اپنا بیان بھی تبدیل کر دیا۔ لوگ پیسوں کے لیے کس حد تک چلے جاتے ہیں۔ ہے نا ڈاکٹر صاحب؟"

"بالکل' آئی اگری!" افسوس سے وہ سر ہلا رہے تھے۔ "خدا کرے جو قاتل پکڑا گیا ہے' وہ اپنے انجام کو پہنچے۔"

"خدا کرے سب اپنے انجام کو پہنچیں۔" وہ نظریں جھکائے ہلکا سا بولا تھا۔ ڈاکٹر توقیر کو کمرے میں ایک دم آکسیجن کی کمی محسوس ہونے لگی۔ زمر کو دیکھتے بات کا رخ بدلا۔

"اے ایس پی صاحب کا مجھے فون آیا تھا' وہ کہہ رہے تھے نیاز بیگ پولیس اور ہسپتال انتظامیہ کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہے۔"

"پولیس؟" زمر نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ "پولیس نہیں' صرف آپ کا ذکر کیا تھا۔"

"مسز زمر' میرا یا ہسپتال کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے' میں آپ کو یقین دہانی کرواتا ہوں۔" سینے پہ ہاتھ رکھ کر وہ فکرمندی سے کہہ رہے تھے۔

"آف کورس' ہمیں پتہ ہے' بلکہ جب اے ایس پی صاحب نے کہا بھی کہ ہم ایف آئی آر میں کوئی اور نام درج کروانا چاہتے ہیں تو ہم نے..." فارس کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا... "انکار کر دیا۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ نیاز بیگ جھوٹ بول رہا ہے۔"

"اے ایس پی نے آپ سے... میرا نام ایف آئی آر میں ڈالنے کا پوچھا؟" انہوں نے بروقت فقرہ پکڑا تھا۔

"نہیں' انہوں نے صرف کسی اور نام کا پوچھا تھا۔ دیکھیں وہ ہمارے بہت اچھے دوست ہیں' وہ صرف انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہمیں ہمارے تمام حقوق دے رہے تھے' خیر... آپ میموریل پہ ضرور آیئے گا' ہماری فیملی اور فرینڈز آپ کے اس جیسچر کی بہت قدر کریں گے۔" وہ چائے کا آخری گھونٹ بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

فارس بھی اٹھا' ڈاکٹر توقیر کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا' جسے انہوں نے کھڑے ہوتے ہوئے تھاما۔ البتہ ان کے پرسکون تاثرات میں اضطراب تھا۔ وہ الوداعی کلمات کہتے ہوئے خاصے ڈسٹرب تھے۔

اور اسی لمحے دروازہ کھلا۔ فارس کی اس طرف پشت تھی مگر ایک مانوس سی آہٹ سنائی دی تھی۔ انگوٹھی کے نگینے سے دستک دینے کا انداز۔ زمر مڑی۔

اندر آنے والی عورت ذرا بھرے چہرے اور بوٹے قد کی حامل تھی' بال کیچر میں بندھے تھے' دلکش شخصیت' بہترین لباس' کانوں میں ٹاپس۔ دونوں ٹاپس میں ایک' ایک موٹا سا Solitaire ڈائمنڈ جڑا تھا۔ وہ جھلملاتے ٹاپس اتنے خوبصورت تھے کہ اس عورت کی شخصیت کو کئی گنا مزید نکھار گئے تھے۔

"یہ میری وائف ہیں' ڈاکٹر ایمن... یہ مسز زمر... اور..."

فارس نے آہستہ سے گردن موڑی۔ ڈاکٹر توقیر کے الفاظ کنوئیں میں گونجتی آواز کی مانند دور دور تک سنائی دے رہے تھے' لمحوں کے لیے ساری دنیا ساکن ہو گئی تھی۔ اور مسکراتی ہوئی ڈاکٹر ایمن قریب آ رہی تھیں۔ اس نے اس عورت کے ہلتے لب دیکھے' وہ زمر سے کچھ کہہ رہی تھی' تعارف پھر تعزیت بھرے الفاظ... آوازیں بند ہو چکی تھیں... پھر ڈاکٹر ایمن نے چہرہ اس کی طرف موڑا' اس کی آنکھوں میں جھانکا'

مسکرائی اور ہاتھ سے اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپتھپایا۔ جیسے کسی پرانے مریض بچے سے عرصے بعد اس کا ڈاکٹر مل رہا ہو۔ اس کی انگوٹھی کے اندر کی طرف کوئی نوکیلی شے تھی جو فارس کے کندھے پہ چبھی تھی..... اور وہ چبھن...... بہت کچھ تازہ کر گئی..... اس کے ارد گرد کا منظر بدلا۔ کمرہ بدلا۔ کیلنڈر بدلا۔ ساڑھے تین سال قبل وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا اور ڈاکٹر ایمن چلتے ہوئے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

"میرے مریض میرے بچوں کی طرح ہیں۔" اس کے کندھے کو تھپکا۔ انگوٹھی چبھی تھی۔ فارس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"نہ میں آپ کا مریض ہوں' نہ آپ کا بچہ۔ میرا نام فارس غازی ہے۔"

"اور میں ڈاکٹر ایمن بخاری ہوں....." مسکرا کر نرمی سے کہتی وہ سامنے کرسی پہ جا بیٹھی۔

"مجھے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن' اور مجھے پتہ ہے کورٹ مجھے کیوں ان سیشنز پہ مجبور کر رہی ہے۔ اگر آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس طرح میں ان جرائم کا اعتراف کر لوں گا' جو میں نے نہیں کیے' تو آپ اپنے فیکٹس درست کر لیں۔" وہ ٹیک لگائے بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے خشک سا کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخموں کے نشان تھے اور ایک ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔

"تمہارے خیال میں اس کا مقصد صرف Confession کروانا ہے؟ اونہوں!" نفی میں سر ہلایا۔ "Confession تو واحد "C" ہے' جس کا میرے اور تمہارے ریلیشن شپ سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہیں معلوم ہے پنجاب پرزن کے چار 'C' کون سے ہیں؟"

وہ کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا رہا۔

"کسٹڈی..... " وہ نرمی سے کہنے لگیں۔ "کیئر..... کنٹرول اور Correction! ہم یہاں انہی کے لیے ہیں۔ میں تمہاری طرف کی کہانی سننا چاہتی ہوں' تاکہ تمہاری ذہنی حالت متوازن رہے۔" وہ نوٹ پیڈ سامنے رکھے قلم کھول رہی تھی۔ "تم جو بھی کہو گے' وہ ڈاکٹر پیشنٹ privilige کے تحت محفوظ رہے گا۔"

"میں پنجاب پرزن کے چار 'C' جانتا ہوں' کیا آپ Confidentiality کے پانچ 'C' جانتی ہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا پوچھ رہا تھا.....

"ہاں' وہ پانچ "سی" جن کے تحت پریویلیج توڑا جا سکتا ہے۔ consent, court order, comply with the law, continued treatment and communicate a threat."

(مریض کی اجازت، کورٹ کا حکم، قانون کی پاسداری کے لیے، مریض کے علاج کے لیے ناگزیر ہونا، یا مریض کی طرف سے دوسروں کو خطرہ ہونے کی صورت میں سد باب کے لیے۔ ان میں سے کسی وجہ کی بنا پہ سائیکاٹرسٹ کسی کو اپنے مریض کی بات بتا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔)

"کیسے ہو فارس غازی!" انگوٹھی کی چبھن لوٹی اور اردگرد کا منظر بدلا۔ ماضی تحلیل ہوا' اور وہ حال میں' ڈاکٹر ایمن کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ عادتاً اس کا کندھا تھپک کر ہاتھ نیچے گرا چکی تھی۔ ایسی عادت عام طور پہ اس معاشرے کی خواتین ڈاکٹرز میں نہیں ہوتی مگر وہ عورت عام نہیں تھی۔

"آپ....." اس نے سوالیہ نظروں سے باری باری دونوں میاں بیوی کو دیکھا' آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"میں ڈاکٹر توقیر کی بیوی ہوں۔"

"اوہ!" اس کے لب سکڑے۔

"آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" زمر نے بظاہر خوشگوار حیرت سے فارس کو دیکھا' آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا بھی۔ (کتنا اداکار ہے یہ' اور ہاشم کہتا تھا' اسے اداکاری نہیں آتی۔)

"یہ... ڈاکٹر ایمن ہیں... میری..." فارس نے ڈاکٹر ایمن کو دیکھا' آواز ٹوٹ سی گئی...

"میں فارس کی ڈاکٹر رہی ہوں اور اس کے بھائی کی بھی' اور بدقسمتی سے مجھے اپنے پیشنٹ کے خلاف کورٹ میں گواہی دینی پڑی۔" وہ اداسی سے مسکرائیں۔

"اوہ۔ تم تو ان سے بہت خفا ہو گے اس کے لیے۔" زمر کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔

"ایسا نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن نے میرا بہت ساتھ دیا ہے جیل کے وقت میں' ان دنوں میں ذہنی طور پہ متوازن نہیں تھا' اس لیے ان کو کورٹ کو میری ذہنی حالت کے بارے میں بتانا پڑا' انہوں نے جو کیا' اچھا کیا۔" وہ مدافعانہ انداز میں زمر کو کہنے لگا۔

"مسز غازی' فارس صحیح کہہ رہا ہے' اس وقت اس کے لیے یہ ضروری تھا۔" پھر نرمی سے اس کو دیکھا۔ "اب کیسے ہو تم؟"

"ٹھیک ہوں۔" اس نے اسی نرمی سے جواب دیا۔ "کورٹ نے مجھے بری کر دیا' میں نے اپنے کیے کی سزا کاٹ لی' زمر نے مجھے معاف کر دیا' ہم نے شادی کر لی' I Moved on!" (زمر کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی' مگر کچھ کرنے سے قاصر تھی۔)

"مجھے بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر فارس!"

"مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہو گی۔" وہ بظاہر مسکرایا۔ سینے میں کوئی زور سے اسے جکڑ رہا تھا' مگر وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔

"آپ کے ٹاپس بہت خوبصورت ہیں!" جاتے ہوئے زمر نے تعریف کی۔ ڈاکٹر ایمن مسکرائی۔

"توقیر نے لاسٹ منتھ اینورسری کا گفٹ دیا ہے۔ مرد عموماً اپنی محبت کا اظہار ہیروں سے کیا کرتے ہیں۔ ہے نا' فارس؟" مسکرا کر فارس کو دیکھا' اس کی گردن میں گلٹی سی ابھری۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ ڈاکٹر ایمن نے زمر کے ہاتھوں کو دیکھا۔

"آپ کی تو ابھی شادی ہوئی ہے' مگر آپ نے کوئی ڈائمنڈ نہیں پہنا ہوا۔"

کمرے میں لمحے بھر کی طویل خاموشی چھائی۔

"مجھے چمکتے پتھروں میں کوئی کشش نہیں نظر آتی!" بس مسکرا کر اتنا کہہ پائی۔

"زمر نے مجھے معاف کر دیا' ہم نے شادی کر لی' واؤ!" باہر کار کی طرف جاتے وہ استہزائیہ انداز میں دہرا رہی تھی۔

"مجھے اس کو یقین دلانا تھا کہ میں موو آن کر چکا ہوں۔" وہ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمر گھوم کر اس کے سامنے آئی اور تیز نظروں سے اسے گھورا۔ وہ رک گیا۔

"تم نے اسی لیے مجھ سے شادی کی ہے نا؟ تا کہ تم ساری دنیا کو یقین دلا دو کہ تم موو آن کر چکے ہو؟ نئی زندگی شروع کر چکے ہو' کون بے چارے فارس غازی پہ شک کرے گا اب؟" وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ سے شادی کرنے کے لیے میرے پاس تین وجوہات تھیں۔ پہلی' آپ کے والد کے احسان ہیں مجھ پہ' ان کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری' میں شادی کر کے واقعی سب کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں آگے بڑھ چکا ہوں۔"

"اور تیسری؟" فارس کی نظریں اس کی خفا آنکھوں سے ہوتیں ناک پہ پھسلیں۔ رخ موڑ گیا۔

"میں آپ کے آگے جواب دہ نہیں ہوں' کیونکہ اس شادی کے معاملات آپ نے شروع کیے تھے' میں نے نہیں!" اور ایک طرف سے نکل کر کار کی طرف بڑھ گیا۔

اندر کلینک میں ڈاکٹر توقیر کمرے کا دروازہ بند کر کے ناراضی سے ڈاکٹر ایمن کی طرف گھومے۔

تمہیں بتایا تھا میں نے کہ وہ آ رہے ہیں' پھر یہاں اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے' وہ ماتھے کا پسینہ صاف کر رہے تھے۔ ڈاکٹر ایمن سامنے کرسی پہ بیٹھیں' لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔

''اس کو آج نہیں تو کل پتہ چلنا ہی تھا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔''

''وہ چار سال جیل میں رہا ہے' تم نے اس کی ضمانت نہیں ہونے دی' وہ تھوڑی دیر میں دو جمع دو کرلے گا' پھر کیا وہ یہ نہیں سوچے گا کہ اتفاق سے تمہارے ہی شوہر نے اس کے بھانجے کا آپریشن کیوں کیا ہے؟''

''ریلیکس! میں اس کو جانتی ہوں' اس کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں' میں اپنے کام میں بہت اچھی ہوں' مجھے اندازہ تھا کہ کبھی نہ کبھی وہ جیل سے ضرور نکلے گا' یا بھاگے گا' اس لیے میں نے اس کو ایسے برین واش کیا تھا کہ وہ میرے خلوص پہ کبھی شک نہیں کرے گا۔ نہ آج' نہ کل۔ چار سال جیل میں رہا ہے' اب کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جو اسے دوبارہ جیل بھجوائے۔'' گریبان میں اڑسی سن گلاسز اتار کر ان کو وہ اب بیگ میں ڈال رہی تھی۔

''ایمن.... ایمن!'' وہ متفکر اور پریشان سے ان کے سامنے آ بیٹھے۔ ''ہم نے ان کا بھانجا غائب کروایا ہے' اور وہ جعلی وارڈ بوائے ہمارا نام لے رہا ہے' کھلم کھلا۔''

''ڈونٹ وری' سرمد شاہ اسے سنبھال لے گا۔ یہی وقت ہے' جب ہم اس سے مزید ڈیمانڈز منوا سکتے ہیں' ورنہ ہم کسی بھی وقت کہہ سکتے ہیں کہ پولیس نے ہمیں مجبور کیا یہ سب کرنے کے لیے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

ڈاکٹر توقیر نے سر جھٹکا' آستین سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا۔

''وہ کسی کا بیٹا تھا' ہمارے بھی تین بچے ہیں' ہم نے اس کی زندگی داؤ پہ لگا دی۔''

''تمہیں ان ہزاروں لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں سوچنا چاہیے توقیر جو ہم اپنے ہاسپٹل سے بچائیں گے' صرف دو ماہ رہتے ہیں اس ہسپتال کی اوپننگ میں جس کے لیے میں نے اور تم نے پچھلے کئی سال کام کیا ہے۔ سرمد شاہ نے فارس کے خلاف گواہی دینے کے لیے کیا دیا تھا ہمیں؟ صرف پلاٹ کا قبضہ۔ اس کے اوپر ہر چیز ہم نے خود لگائی ہے۔ اس لیے تم سرمد شاہ سے بات کرو اور اس سے کہو' ہماری ڈیمانڈز پوری کریں!'' وہ دونوں گفتگو کر رہے تھے اور باہر رات قطرہ قطرہ پھیلتی جا رہی تھی' سب کے گناہوں کو چھپائے' سب کے پردے ڈالے!

...............❖❖❖...............

جب عشق تجھے راس نہیں ہے تو مرے دل ...... ہونا تھا یہی حال ترا بار دگر بھی

یہ تین دن بعد کا ذکر ہے۔

رات کی تاریکی اس زیر تعمیر گھر پہ بھی چھائی تھی۔ پورچ میں خون کا تالاب بہہ رہا تھا' اس پہ وہ گھنگریالے بالوں والا لڑکا اوندھا گرا تھا' اور نوشیرواں جا بجا بوٹ سے اسے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ پھر تھک کر وہ رکا۔ ایک استہزائیہ نظر اس بے سدھ وجود پہ ڈالی اور جانے کے لیے مڑا۔ اسی پل وہ اوندھا لڑکا سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ خون سے اور آنکھیں نفرت سے سرخ تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے نوشیرواں کو بالوں سے پکڑا اور زور سے اس کا سر دیوار سے دے مارا۔ وہ درد سے چیخا.... اور....

ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ خاموش پڑا تھا' اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود نوشیرواں کا پورا جسم پسینے میں بھیگا تھا' دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' بتی جلائی' پانی کی بوتل لرزتے ہاتھوں سے لبوں سے لگائی' پانی کچھ اندر انڈیلا' کچھ بیڈ پہ چھلکا۔ چند گھونٹ بھر کر وہ گہرے سانس لیتا ٹیک لگا کر بیٹھا۔ (بھول جاؤ اس کو شیرو' یہ صرف ایک خواب تھا۔ سعدی کبھی واپس نہیں آئے گا۔) آنکھیں بند کیے وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب ان ڈھائی ماہ میں اس نے سعدی کو خواب میں دیکھا تھا۔ ڈھائی ماہ ہو گئے سعدی کو کھوئے؟ اس نے موبائل اٹھا کر تاریخ دیکھی۔ اگست کا وسط آ پہنچا تھا اور وہ ابھی تک اکیس مئی والے واقعے کو بھول نہیں پایا تھا۔ اف--

نوشیرواں کے کمرے کے باہر سبزہ زار تاریک پڑا تھا۔ انیکسی کی بھی ایک دو کے سوا تمام بتیاں بجھی تھیں۔ اندر جھانکو تو لاؤنج میں نیم اندھیرا تھا۔ ایسے میں زمر تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے دکھائی دے رہی تھی۔

نیچے آ کر وہ رکی۔ ایک طائرانہ نگاہ کھلے تہہ خانے میں ڈالی۔ اس کی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ فرش پہ کچھ کاغذ بکھرے تھے ان پہ ریاضی کے نمبرز اور پتہ نہیں کیا کیا لکھا تھا۔ دو لیپ ٹاپ کھلے تھے اور حنین فرش پہ بیٹھی ملگجے لباس اور گول مول بال باندھے بے قراری سے ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

''حنہ.... تم سوئی کیوں نہیں ہو؟'' وہ فکر مندی سے کہتی قریب آئی۔ حنین کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس کی یہی حالت تھی۔ کھانا، سونا، سب چھوڑ کر وہ دن رات یہیں بیٹھی اس یو ایس بی کو کھولنے کی کوشش کرتی رہتی۔

''پھپھو بھائی غلط تھا' فائلز کرپٹ نہیں ہوئیں۔ بلکہ ہو گئی تھیں' مگر میں نے ری کور کر لیں۔ مجھے لگا یہ اسٹینڈرڈ 4096 Bit RSA Encryption ہو گی مگر یہ algorithm جس نے بھی فیکٹر کیا ہے' یہ مختلف ہے۔'' وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''حنین!'' وہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھی۔

''مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس میں مختلف کیا ہے' یہ آر ایس اے لگتا ہے' assymteric ہے' اس کی دو کیز ہونی چاہئیں' ایک پبلک اور ایک پرائیوٹ مگر....''

زمر نے فلیش لیپ ٹاپ سے کھینچ لی۔ وہ جو ہوش و حواس کھوئے انداز میں بولے جا رہی تھی' ہکا بکا سا سر اٹھایا۔ زمر نے فلیش کا کور چڑھا کر اسے پرے ڈالا پھر نرمی سے حنہ کو دیکھا۔

''یہ فلیش' اس کی فائلز' مجھے کچھ نہیں چاہیے' کچھ بھی اہم نہیں ہے حنہ' تم سے زیادہ نہیں۔'' حنین ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

''تم نے کہا تھا اگر سعدی کی جگہ تم کھو جاؤ تو میں کیا کروں گی؟ حنہ' تمہیں واقعی لگتا ہے کہ تم کھو نہیں چکی؟''

حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے' آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں ایک Failure ہوں!''

''میں جس حنین کو جانتی ہوں وہ ایک سپر ہیرو تھی' جس نے شیرو کے اغوا کا پول کھولا تھا' مجھے آج بھابھی نے وہ قصہ سنایا...''

''میں بدل گئی ہوں!'' آنسو اس کے گال پہ لڑھکے۔ زمر آزردگی سے مسکرائی۔

''جس دنیا سے میں تعلق رکھتی ہوں' اس میں انسان نہیں بدلتے۔ بدل سکتے ہیں لیکن وہ نہیں بدلتے۔ صرف اپنے نقاب بدلتے ہیں' سو تم واقعی کچھ بھی نہیں کر سکتیں' اگر خود سے بھاگتی رہو گی۔''

''میرے اندر بہت سارا شر ہے۔'' اس نے سر جھکا دیا۔

''تم اس کو نہیں بدل سکتی۔ سو اس کو اپنی طاقت کیوں نہیں بنا لیتی؟'' ذرا دیر کو ٹھہری۔ گردن پھیر کر اس مقفل اسٹور روم کو دیکھا۔ پھر سر جھکا۔ ''مجھے دیکھو' میں بے جا ضدی اور ہٹ دھرم ہوں' جب اپنی فطرت نہیں بدل سکی تو یہ احساس ہوا کہ اگر میں ایسی نہ ہوتی تو پراسیکیوشن کی سیاسی کرسی پہ دو دن بھی نہ بیٹھ سکتی' سعدی کے مجرموں کے آگے گھٹنے ٹیک کر ان کو معاف کر چکی ہوتی' مگر اب... میری وہی بری چیزیں میرے کام آ رہی ہیں۔ تم بھی یہ کر سکتی ہو' مگر اس کے لیے تمہیں اس کیڑے کو باہر نکالنا ہو گا جو تمہیں اندر سے کھا رہا ہے۔''

تہہ خانے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر حنہ نے نگاہیں جھکا دیں۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرش پہ بیٹھی تھیں۔

''آپ مجھ سے نفرت کریں گی!''

''ٹرائی می!'' ذرا توقف کیا۔ جیسے کوئی راہ نکالی۔ ''آج ہم ایک دوسرے سے باری باری سچ بولتے ہیں۔ پہلے میں بولوں گی!''

حنہ نے اثبات میں سر ہلایا' پھر خود ہی بولی۔ ''مجھے پتہ ہے آپ بھائی کی فیس دیتی تھیں' مجھے ماموں نے بتایا تھا' اس رات جب امی نے لڑائی کے بعد آپ جنگل میں چلی گئی تھیں۔'' نگاہیں جھکا دیں۔ ''آئی ایم سوری۔'' زمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''ہم یہاں سوری اور تھینک یوز کے لیے نہیں بیٹھے۔ سچ بولنے بیٹھے ہیں۔'' (ماموں کی طبیعت تو وہ بعد میں صاف کرے گی!) اس کے سامنے فرش پہ بیٹھی وہ لٹ انگلی پہ لپیٹتے کہہ رہی تھی۔ ''میرا سچ یہ ہے کہ میں نے فارس کے رشتے سے انکار نہیں کیا تھا' امی نے کیا تھا' مجھے اس رشتے کی خبر اس دن تمہارے منہ سے ہوئی' اور مجھے لگا فارس نے مجھ پہ کوئی انتقاماً چلائی تھی۔'' زمر نے آنکھیں بند کیں۔ تکلیف پھر سے عود آئی تھی۔ ''اسی لیے میں نے اس سے شادی کی' اس سے انتقام کے لیے' مگر میں اس کو کوئی مادی نقصان نہیں پہنچا سکی' کیونکہ میں نے سعدی سے وعدہ کیا تھا کہ اسے ہرٹ نہیں کروں گی۔'' آنکھیں کھولیں۔ اداسی سے مسکرائی۔ حنہ بالکل شل اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے شک تھا' مگر اس نے اتنا سب کچھ نہیں سوچا تھا۔

''اب تمہاری باری!''

حنین نے نگاہیں جھکا دیں۔ ''میں ہاشم سے بات کرتی ہوں' ٹیکسٹ پہ' کال پہ۔ میں ان کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہوں' اور یہ دن بدن جان لیوا ہوتی جا رہی ہے۔'' بہت دیر بعد نظریں اٹھائیں تو زمر اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی ملامت، نہ حیرت۔

''تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو' یا تم یہ تعلق ختم کرنا چاہتی ہو؟''

''میں اسے ختم کر دوں گی' مجھے پتہ ہے ہم کبھی شادی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مجھ سے اس فلیش کے بارے میں جھوٹ بولا' تب سے میں نے ان سے بات نہیں کی۔ میں بہت ڈسٹرب ہوں۔'' آنسو ابل ابل کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''تمہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ مگر تم جو بھی فیصلہ کرو گی' میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔'' اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔ کوئی غصہ، کوئی ڈانٹ' کچھ بھی نہیں۔ حنہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔ ''آپ کی باری!''

''ویل....'' زمر نے گہری سانس لی اور سر جھکایا۔ فرش پہ انگلی سے لکیر کھینچی۔ ''مجھے سعدی کے لیپ ٹاپ سے جو پکچرز ملیں' وہ میں نے فارس کو نہیں دکھائیں' وہ پکچرز فارس نہیں لے سکتا' ایسی پکچرز Trophy collector لیتے ہیں۔ (وہ قاتل جو اپنے شکار سے وابستہ کوئی شے اپنے پاس رکھتے ہیں۔) اس لیے میں ان کی تحقیق کروا رہی ہوں' مگر حنین میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ اتنے سالوں بعد اگر وہ بے گناہ نکل آیا... تو مجھے یہ چیز مار ڈالے گی۔'' اس کی آنکھوں میں کرب اترا۔ ''پتہ ہے کیا' میرا ایک حصہ چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ نہ نکلے۔ مگر دوسرا حصہ سچ جاننا چاہتا ہے!'' چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کیا' پھر حنہ کی طرف دیکھا۔ ''تمہاری باری!''

حنین فارس کے حق میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر رک گئی۔ وہ جج کرنے کا وقت نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

''میں نے کسی کی جان لی ہے۔'' پھر زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ متوجہ تھی۔ ''میں سن رہی ہوں۔''

''میرے بورڈ کے اوسی پی میری فرینڈ کے ابو تھے....'' وہ کہتی گئی' ساری تفصیل' ساری باتیں سناتی گئی.... ''اور جب میں ان کو بلیک میل کر رہی تھی تو پھپھو میں اپنی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی' شاید میں زمر بننے کی کوشش کر رہی تھی' مگر میں غلط تھی۔ آپ بہت سے لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں' مگر چیٹنگ جیسے کام کے لیے....'' پہلے دن سے لے کر ان کی موت تک اس نے سارا واقعہ سر جھکائے کہہ سنایا۔ وہ ٹوٹی بکھری نظر آ رہی تھی۔ بار بار آنسو پونچھتی۔ پھر نگاہیں دھیرے دھیرے اٹھائیں۔ اب زمر اسے کیا کہے گی؟ ''تم ایسی شرمناک حرکت کیسے کر سکتی ہو حنہ؟'' وہ یوں چلائے گی؟ یا وہ نرمی سے کہے گی۔ ''تم نے معافی مانگ لی' توبہ کر لی جو ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔'' مگر زمر کچھ نہیں بولی۔ حنین کی آنکھوں میں بے قراری ابھری۔

"پلیز کچھ تو کہیں۔ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" آنسو پھر سے ٹپکنے لگے۔

"تمہیں سن کر افسوس ہوگا۔"

"نہیں، میں سن لوں گی، آپ کہیں، جو بھی آپ کے دل میں ہے۔" گیلے چہرے کے ساتھ وہ بولی۔ وہ واقعی تیار تھی۔

"حنہ، میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہاری کہانی بہت کمزور ہے۔"

"جی؟" حنہ کا ہکا بکا منہ کھل گیا۔ آنسو رک گئے۔

"یا تو تم مجھے پوری بات نہیں بتا رہی ہو، یا پھر تمہاری کہانی میں بہت سے جھول ہیں۔"

"میں.... میں سب سچ بتا رہی ہوں، آئی سوئیر!" وہ حیران تھی۔

"مجھے پتہ ہے تم سچ کہہ رہی ہو مگر مجھے یہ بات ناقابل ہضم لگ رہی ہے کہ ایک اے سی پی جو اتنے سال سے اس پوسٹ پہ تھے، انہوں نے تمہارے چند فقرے سن کر گھٹنے کیسے ٹیک دیے؟"

"کیونکہ میں نے بتایا نا، میری ویڈیو والی دھمکی سے ان کی فیملی...."

"حنین ساری دھمکیاں فیملی سے ہی شروع ہوتی ہیں۔ اے سی پی صاحب کو اتنے برسوں میں کیا کبھی کسی نے دھمکایا نہیں ہوگا؟ یا پیسوں کا لالچ نہیں دیا ہوگا؟ ایسی پوسٹ پہ موجود لوگ بہت ٹرینڈ اور تجربہ کار ہوتے ہیں، ان کو بلیک میل کو ہینڈل کرنا اچھے سے آتا ہے۔ اور تمہارے بقول وہ بہت ایماندار بھی تھے، تو انہوں نے اتنی آسانی سے تمہیں پیپرز کیسے دے دیے؟ ایک ادھیڑ عمر کا سرکاری آفیسر ایک اٹھارہ سالہ بچی کے آگے چند منٹ میں ڈھیر کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بھائی نے بھی یہی کہا تھا، مگر بھائی کا کہنا تھا کہ وہ بزدل تھے، ان کو اللہ پہ بھروسہ کرنا چاہیے تھا اور...." وہ الجھن سے کہہ رہی تھی۔

زمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"سعدی کو تو رہنے دو۔ وہ تو آئیڈیلسٹ ہے، مگر میں پریکٹیکل ہوں۔ اور میرا نہیں خیال کہ تمہیں خود بھی پورا قصہ معلوم ہے۔" وہ نرمی اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔ اور حنین حیران پریشان بیٹھی تھی۔ اس کو ملامت کی امید تھی یا ڈھارس بندھانے کی، مگر.... زمر اتنی پریکٹیکل کیوں تھی؟ وہ پہلے سے زیادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

"شاید تمہیں حنین پورا قصہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس بات پہ سوچنا۔ اب سو جاؤ، ہم صبح بات کریں گے۔" وہ مسکرا کر کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حنہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ سیڑھیوں تک گئی تھی جب حنین نے پکارا۔

"آپ کو مجھ پہ ذرا بھی غصہ نہیں آیا، ہاشم والی بات سن کر؟" زمر مڑی تو دیکھا حنین پشیمان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زمر نرمی سے مسکرائی۔

"اس میں غصے والی کیا بات ہے؟ اب سو جاؤ۔" اور زینے چڑھتی گئی۔ اوپر آ کر لاؤنج کا دروازہ بند کیا تو چہرے کے تاثرات بدلے۔ جبراً پرسکون نارمل رکھا چہرہ غم و غصے میں ڈھلتا گیا۔

"اس گھٹیا آدمی کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ حنین کو یوں ایکسپلائٹ کرے؟ اس نے اپنی عمر نہیں دیکھی؟" وہ غصے سے کھولتی لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ "اگر فارس کو پتہ چلا تو ہاشم کی جان لے لے گا۔ حنین تو کم عمر ہے، ناسمجھ ہے، مگر ہاشم، وہ اس کی فیلنگز کے ساتھ کیوں کھیل رہا ہے! تمہیں تو میں اچھا سبق سکھاؤں گی ہاشم!" وہ جو سوچ رہی تھی، اس کے چہرے پہ حرف بہ حرف اترتا جا رہا تھا۔ فارس اوپر سے سیڑھیاں اترتا آیا تو ایک نظر اسے دیکھا جو غصے سے کھولتی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ پھر کچن میں گیا۔ پانی کی بوتل فریج سے نکالی اور واپس آیا۔ اس کے قریب رکا۔

"کیا ہوا ہے؟"

اس نے خفگی سے فارس کو دیکھا۔ "مجھ سے بات مت کرو۔ مجھے غصہ آیا ہوا ہے۔"

"آپ کو چوبیس میں سے پچیس گھنٹے غصہ آیا رہتا ہے، پانی پئیں، اور چند منٹ کے لیے کنٹرولڈ، ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہو جائیں۔" بوتل سامنے رکھی اور وہ اوپر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ زمر نے تلملا کر اسے جاتے دیکھا۔ (یہ مجھے میرے الفاظ لوٹا رہا تھا؟ ہاں؟ بہت بولنا نہیں آ گیا اس کو میرے آگے؟)

اور ساتھ والے قصر میں نوشیرواں، بیڈ پہ بیٹھا، سفید سا پاؤڈر (آنکھیں بند کیے) ناک سے سانس کی صورت اندر اتار رہا تھا۔ سیاہ رات ایک دفعہ پھر سب کے گناہ اور سب کے راز چھپائے، تاریک ہوتی جا رہی تھی۔

.... ❁ ❁ ❁ ....

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے ..... کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

سینڈ کلر دیواروں والا کمرہ خاموش تھا۔ سعدی بیڈ پہ ٹیک لگا کر لیٹا تھا۔ دفعتاً دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور دروازے کی اوٹ میں آ کھڑا ہوا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ اب بہت کم تھی۔

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر مایا اندر داخل ہوئی۔ خالی کمرہ دیکھ کر وہ رکی، گارڈ سے کچھ کہا تو گارڈ تیزی سے اندر آیا۔ اسی پل سعدی اوٹ سے نکلا اور گارڈ پہ جھپٹا۔ گارڈ تیار نہیں تھا، قدرے لڑکھڑایا۔ باہر سے دو مزید گارڈز اس طرف لپکے اور کھینچ کر سعدی کو اس گارڈ سے علیحدہ کیا اور بیڈ پہ پٹخا۔

"آہ!" اس کے کسی زخم پہ کسی کا ہاتھ پڑا تھا۔ دہرا ہو کر بیڈ پہ گرا وہ کراہا تھا۔ گارڈ غصے میں بول رہے تھے، مگر ڈاکٹر مایا تیزی سے آگے آئی۔

"اس کو باندھنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ ٹھیک ہے، میں سنبھال لوں گی، تم لوگ جاؤ۔" ان کو اشارہ کیا تو وہ قدرے پس و پیش کے بعد باہر چلے گئے۔ سعدی اب سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ درد سے آنکھیں بار بار میچتا۔ وہ اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" وہ جواب دیے بنا سیدھا ہوا، اور ٹیک لگا کر بیٹھا۔ پاؤں اوپر کیے۔

"اس جگہ یہ واحد گارڈز نہیں ہیں، یہاں قدم قدم پہ پہرے ہیں، تم اس طرح یہاں سے نہیں بھاگ سکتے۔" آواز آہستہ کی۔

سعدی نے اس کو دیکھا۔ پھر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"میرے زخم ٹھیک ہو گئے ہیں، اب تو کوئی نرس بھی کافی ہے، تو تم کیوں ہر روز آ جاتی ہو؟"

"کیونکہ میں....." اس نے بے بسی سے بند دروازے کو دیکھا، آواز مزید دھیمی کی۔ "مجھے تمہاری فکر ہے۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا واقعی؟ کس چیز کی مدد؟"

"یہاں سے نکلنے میں۔" وہ بے بس نظر آ رہی تھی۔

"ڈاکٹر مایا!" اس نے چبھتی ہوئی نظریں مایا پہ گاڑیں۔ "کیا میری شکل سے یہ لگتا ہے کہ میں کل پیدا ہوا تھا؟"

"کیا مطلب؟" وہ الجھی، سعدی اس کو گھورتے چبا چبا کر بولا۔

"اپنی اداکاری مجھ پہ ضائع مت کرو۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ تم میرے ساتھ گُڈ کاپ کھیل رہی ہو۔ ہاشم میری ذہنی کیفیت اور ارادوں سے باخبر رہنا چاہتا ہے، اس لئے اس نے تمہیں کہا کہ ہمدردی کی آڑ میں تم میرا اعتماد جیتو، اور میرے فرار کے ہر طریقے کی مخبری کر کے اسے ناکام بناؤ، اس حد تک کہ میں اس قیدی کی زندگی سے کمپرومائز کر لوں، اور نکلنے کا ارادہ ترک کر دوں۔" اور چہرہ پھیر لیا۔

مایا کے شاکڈ چہرے پہ دکھ کے تاثرات ابھرے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تمہیں اپنے ہمدردوں اور دشمنوں میں فرق کرنا ہی نہیں آتا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ مجھ پہ اتنے الزام لگانے سے پہلے تمہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے تھا۔ میں ایک غریب آدمی کی مجبور بیٹی ہوں' مگر تم اپنی تخیوں سے نکلو گے تو تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔" پھر ملامت بھری نگاہ اس پہ ڈالتی اٹھی۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

باہر آ کر مایا نے کچن کی طرف جاتے ہوئے ٹشو باکس سے دو ٹشو نکالے' آنکھیں رگڑیں، اور ساتھ ہی کچن میں دیوار پہ لگے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"ہاشم کاردار کو ملا دو۔" آپریٹر کو ہدایت دی۔ چند لمحے بعد ہاشم کی آواز ابھری تو وہ تیزی سے بولی۔

"سر! اسے شک ہو گیا ہے کہ آپ نے مجھے کس کام کے لیے رکھا ہے۔"

دوسری طرف بمشکل ہاشم نے ضبط کیا۔ "ایک کام کہا تھا میں نے تم سے' کہ اس کو اٹریکٹ کرنے کی کوشش کرو تاکہ وہ تمہیں اپنا بہترین ساتھی سمجھنے لگے' مگر نہیں..... تم سے یہ ایک کام بھی نہ ہو سکا۔"

"سر میں کوشش کر رہی ہوں۔ مگر وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتا۔ میری بھی ہر وقت روک ٹوک کرتی ہے۔ آپ میری انچیو کو میری جاب بتا کر اسے سمجھا دیں کہ ایسا نہ کیا کرے۔" وہ اکتا کر کہہ رہی تھی۔

راہداری میں کھڑی میری نے رک کر ساری بات سنی اور پھر تیزی سے سعدی کے کمرے میں آئی۔ گارڈ نے دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا' وہ بستر پہ نیم دراز ہے۔ میری نے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے غصے سے گھورا۔

"کیا کہا ہے تم نے مایا سے؟" سعدی نے نظریں اٹھائیں۔

"وہی جو تم نے مجھے بتایا تھا میری!"

"میں نے؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں۔" وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ "تم ہمیشہ کہتی تھیں' مایا اچھی ہے' مایا اچھی ہے' مگر تم نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھی لڑکی ہے یا اچھی !! اکنز ہے' یو نو' تمہارے تھپڑ کے بعد میں یہ جان گیا تھا' کہ تمہارا مطلب ہے' مایا اچھی Cop ہے۔ یو نو، گڈ کاپ، بیڈ کاپ، اس تھپڑ سے تم نے میری توجہ حاصل کی، تھینک یو اس ٹپ کے لیے۔" مسکرا کر سر کو خم دیا۔

میری کا رنگ ذرا بدلا' بے اختیار بند دروازے کو دیکھا' پھر جی کڑا کر بولی۔ "پتہ نہیں کیا بولے جا رہے ہو' میں نے تمہیں کوئی ہنٹ نہیں دی' خود سے باتیں مت فرض کیا کرو۔" غصے سے اسے ڈانٹ کر وہ واپس جانے کو مڑی۔ "اور گارڈ پہ آئندہ حملہ مت کرنا، اس طرح تم بھاگ نہیں سکتے!"

اس کے جانے کے بعد سعدی نے سر جھٹکا۔ "کس نے کہا کہ میں بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا؟" اور اپنے تکیے سے وہ سگریٹ لائٹر نکالا جو اس نے گارڈ کی جیب سے نکالا تھا۔ گڈ جاب سعدی! اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

اسے گنوا کر اسے پھر پانے کا شوق دل میں یوں ہے محسن ...... کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

جب ہاشم نے فون رکھا تو وہ ایک ہوٹل میں چند افراد کے ساتھ بفے ٹیبل کے پاس کھڑا تھا۔ بات ختم کر کے وہ ان کے قریب واپس آیا اور سلاد کھاتے ہوئے گفتگو وہیں سے جوڑنے لگا جہاں سے مایا کی کال نے توڑا تھا۔

قریباً تین گھنٹے بعد جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا' تو اس کے سینے میں عجیب سی جلن ہو رہی تھی۔ یہ یقیناً سلاد تھا جس کی کوئی

مان یا خواب تھے اسے لگ گئی تھی۔ایک لمحے کو اسے لگا' وہ گرنے لگا ہے' پھر دیوار کا سہارا لیا۔سامنے فیونا کا حیران اور پریشان چہرہ نظر آیا' سب لوشن میں ہو رہا تھا۔آوازیں بند تھیں۔نوکر بھاگ کر اس کی طرف آ رہے تھے۔وہ سہارے کے لیے بڑھے ہاتھ جھٹکتا' لڑکھڑاتا ہوا کمرے تک آیا۔کوٹ اس نے کہاں گرایا' جوتا کدھر اتارا' کوئی خبر نہیں۔باتھ روم تک بمشکل پہنچا' واش بیسن پہ ہاتھ رکھے جھکا۔بے حد تکلیف زدہ سی قے آئی۔پھر پانی منہ پہ پھینکا۔چہرہ اٹھا کر آئینے میں دیکھا تو رنگ نچڑا ہوا' اور آنکھیں نڈھال لگتی تھیں۔آگے اسے ٹھیک سے یاد نہیں۔۔۔کب بستر پہ لیٹا۔۔۔کب اس نے جواہرات اور ڈاکٹرز کو اپنے سر پہ کھڑے بات کرتے سنا (ذرا سی فوڈ پوائزننگ ہے میم' صبح تک بالکل ٹھیک ہوں گے ہارون صاحب!) کب کمرے میں اندھیرا چھایا۔کب روشنی ہوئی۔وہ سوتی جاگتی کیفیت میں بستر پہ نڈھال لیٹا رہا۔

متلی کی سی کیفیت سے اس کی آنکھ کھلی۔۔۔چھت گھومتی دکھائی دے رہی تھی۔کہنی کے بل ذرا سیدھا ہوا۔کرسی پہ ایک فلپینو ملازمہ بیٹھی تھی۔اسے جاگتے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ہاشم نے ذرا ناگواری سے ہاتھ سے اشارہ کیا۔وہ نہیں گئی تو بدقت مگر سختی سے بولا۔"میں ٹھیک ہوں۔ جاؤ!" وہ متذبذب سی باہر نکل گئی۔

مگر وہ ٹھیک نہیں تھا۔بمشکل اٹھ پایا۔اور بے جان قدموں سے چلتا باتھ روم تک آیا۔واش بیسن پہ جھکا۔اسے بہت زور کی قے آئی تھی مگر ایسے لگتا تھا جیسے اندر تک سب کچھ صاف ہو گیا ہو۔بدقت منہ پہ پانی ڈالا۔شرٹ اور کف بھیگ گئے۔دیوار کو پکڑ پکڑ کر چلتا باہر نکلا۔ بمشکل کاؤچ تک آیا اور نڈھال سا اس پہ لیٹ گیا۔کروٹ کے بل نیم مردہ سا۔اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔اتنی ہمت نہیں تھی کہ اے سی یا پنکھا آف کر پاتا۔کروٹ کے بل لیٹے لیٹے' اس کی آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں۔پلک جھپکتا' تو منظر صاف ہوتا' دوبارہ جھپکتا تو ہر طرف بادل سے۔ کبھی کھڑکی بڑی ہو کر دکھائی دینے لگتی' کبھی پردوں کے ہلنے کی آواز سمندروں کی لہروں کے شور جتنی بلند ہو جاتی۔ہر شے' ہر آواز کئی گنا بھاری محسوس ہو رہی تھی۔شکلیں' ہیولے' بادل' سب آنکھوں کے آگے ناچ رہے تھے۔ایسے میں ایک دفعہ اس نے پلک جھپکی تو کھڑکی کے آگے سفید روشنی نظر آئی۔اتنی دودھیا روشنی کہ آنکھیں چندھیا جائیں' پھر اس روشنی میں سے ایک ہیولہ سا ابھرنے لگا۔

سفید لمبی میکسی میں ملبوس کوئی لڑکی۔۔۔اس سوتی جاگتی hallucinating (بیماری کے باعث غیر حقیقی چیزوں کا نظر آنا) کی حالت میں بھی اسے لگا کہ اس کی موت آ پہنچی ہے' وہ مرنے والا ہے اور وہ ملک الموت کا عکس ہے جو اس کی روح لینے آیا ہے۔۔۔اس نے دھندلی بصارت سے اس وجود کو قریب آتے دیکھا۔اس کی میکسی پاؤں تک آتی تھی' اور سینے پہ بندھے ہاتھوں میں گلدستہ تھا۔سرخ گلابوں کا۔اس نے انہیں اٹھا کر اوپر دیکھنا چاہا۔دھندلا سا نظر آیا۔اس کے چہرے کے گرد سرخ ریشمی اسٹول لپٹا تھا' جو کندھوں پہ اکٹھا ہو کر سامنے انگریزی حرف "U" کی طرح گرتا تھا۔ہاشم نے نیم غنودہ سے انداز میں پلکیں جھپکیں۔وہ قریب آئی۔دودھ ملائی سا چہرہ' کرسٹل جیسی گرے آنکھیں' اور سرخ ہونٹوں پہ ہمدردی بھری مسکراہٹ۔جھک کر وہ اس کے ساتھ پھول رکھ رہی تھی۔

"Get Well Soon, Grim Reaper!" (جلد صحت یاب ہو' موت کے فرشتے!) مسکرا کر سرگوشی کی۔وہ بول نہیں سکا۔ بس ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔وہ ملک الموت نہیں تھی' ملک الموت تو وہ خود تھا۔اب وہ اس کے اوپر کوئی چادر ڈال رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھی۔ہاشم کی پلکیں بھاری ہو کر گر گئیں۔بمشکل کھولیں تو کمرے میں روشنی ویسی ہی تھی مگر وہ غائب تھی۔۔۔اس کا دماغ نیند میں ڈوبتا گیا۔

جانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی۔وہ آہستہ سے اٹھ بیٹھا۔کمرے میں شام کی نیلاہٹیں تھیں۔بتیاں بجھی تھیں۔وہ پسینے میں شرابور تھا۔بخار ٹھنڈا تھا' اور حواس بہتر تھے۔اٹھتے ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

نہ اس کے اوپر چادر تھی' نہ ساتھ پھول رکھے تھے۔ہاشم نے بے حد کرب سے آنکھیں میچیں۔(ایک باسی سلاد نے اسے اتنا بیمار کر دیا کہ وہ اس بری طرح سے hallucinate کرنے لگے؟ ایسا تخیل؟ ایسا خواب؟) سر جھٹک کر وہ اٹھا اور باتھ روم کی طرف چلا گیا۔چند

منٹ بعد نکلا تو نہا کر ٹی شرٹ اور ٹراوزر میں ملبوس تھا۔ تکان ابھی تک چہرے پہ واضح تھی۔ سست قدمی سے چلتا باہر آیا۔

لاؤنج روشن تھا۔ جواہرات صوفے پہ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر فکرمندی سے کپ رکھا۔

''تمہیں ابھی آرام کرنا چاہیے۔ اب کیسے ہو؟''

''بہتر!'' وہ اس کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھا اور پاؤں میز پہ رکھ لیے۔ آنکھیں موند لیں۔

''کیا کھالیا تھا؟ اتنے بیمار لگ رہے ہو۔ شیرو اور میں بہت پریشان تھے۔'' اس کو بہتر دیکھ کر بھی جواہرات کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

ہاشم نے آنکھیں کھولیں اور چھت کو تکنے لگا۔ ''میں نے ایک خوبصورت خواب دیکھا۔''

''اچھا۔'' وہ نرمی سے مسکرائی۔ ''کس کو دیکھا؟'' اب وہ صوفے پہ آدھی مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''تھی کوئی!''

جواہرات نے گہری سانس لی۔ ''اسے کال کر لو۔ ڈنر پہ بلا لو۔ کتنے عرصے سے تم نے اس سے بات نہیں کی۔''

ہاشم نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''میں مصروف تھا۔ اب بھی ہوں۔'' پھر سیدھا ہوا تو دیکھا' جواہرات اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں ممی' ہم اس بارے میں بات نہیں کرنے لگے۔ وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے' انوسینٹ ہے' میں نہیں چاہتا اسے کبھی میرے بارے میں وہ سب معلوم ہو۔ وہ گناہ جو میں نے کیے ہیں.... وارث.... زرتاشہ.... وہ سب....'' اس نے سر جھٹکا۔

''کسی کو کبھی علم نہیں ہوگا' مووآن ہاشم!'' اس نے خفگی سے ٹوکا اور کپ اٹھا لیا۔

ہاشم اٹھ گیا۔ ''میں تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر لیٹتا ہوں۔'' جواہرات خاموش رہی۔ جانتی تھی وہ موضوع سے بچنا چاہ رہا ہے۔

وہ کمرے میں آیا تو فیونا ساتھ ہی آئی۔

''فیونا! مجھے کافی لا دو۔'' لائٹ جلاتے ہوئے اس نے کہا پھر رکا۔ ''میرا لیپ ٹاپ کہاں ہے؟''

''سر سوری' مگر آپ کو کافی نہیں مل سکتی۔ آپ کا لیپ ٹاپ اور بریف کیس بھی مسز کاردار کے کمرے میں رکھ دیا ہے میں نے' اگلے دو دن آپ کو ڈاکٹرز کے تجویز کردہ ڈائٹ پلان پہ عمل کرنا ہوگا۔ کوئی کام نہیں۔ صرف ریسٹ۔''

''تم ابھی اور اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔''

فیونا نے مسکراہٹ دبائی۔ ''تھینک یو سر' مگر آپ کو اپنی چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا' سوائے آپ کے سیل فون کے۔'' سائیڈ ٹیبل پہ دھرے فون کی طرف اشارہ کیا' ''ابھی جوس لاتی ہوں اور پرہیزی کھانا۔'' مستعدی سے کہتی وہ ایڑیوں پہ گھومی۔ ہاشم مسکرا کر قدم قدم چلتا بیڈ تک آیا۔

''اور ہاں سر!'' وہ جیسے کچھ یاد کر کے واپس گھومی۔ ''میں نے پھول ادھر رکھ دیے تھے۔'' آتش دان کی طرف اشارہ کیا تو ہاشم نے چونک کر دیکھا۔ وہاں شیلف پہ گلدان میں سرخ گلاب رکھے تھے۔ ہاشم کی نظریں فوراً صوفے تک گئیں۔ صوفے کے قدموں میں گول مول کی ہوئی چادر پڑی تھی۔

(جو شاید اس نے نیند میں اتار دی تھی۔ تو وہ اس کا خواب نہیں تھا....)

''یہ کون لایا؟'' وہ متحیر سا آتش دان کے قریب آیا۔

''سر کسی لڑکی نے صبح آپ کے لیے کال کی تھی' میں نے بتایا آپ بیمار ہیں' تو وہ دوپہر میں آئی' نام نہیں بتایا' مگر نوشیرواں صاحب اس کو جانتے تھے' مسز کاردار اس وقت گھر پہ نہیں تھیں۔ میں نے اسے آنے دیا۔ آپ کو دیکھ کر اور یہ پھول رکھ کر وہ چلی گئی!''

"تم دوسری دفعہ اپنی نوکری سے فارغ ہو فیونا۔" خفگی سے کہتا وہ پھولوں تک آیا' اور اندر لگا کارڈ نکالا۔ سفید سے کارڈ پہ سرخ روشنائی سے تحریر تھا۔

"Get Well Soon , Grim Reaper!"

اور نیچے چھوٹا سا لکھا تھا۔" آبدار ہارون عبید!"

ہاشم ذرا سا مسکرایا۔ موبائل اٹھایا اور کانٹیکٹ لسٹ اوپر کی۔ ایک نام پہ رکا۔ Red Riding Hood۔ پہلے کال کا بٹن دبایا۔ پھر (ادھوں) کال کاٹی۔ اور میسج لکھا۔ "تھینکس' آبی!"

باہر سیڑھیاں اترتی فیونا' ساتھ سے گزرتے شیرو کو دیکھ کر رکی۔ "سر دوپہر میں جو لڑکی آئی تھی ہاشم صاحب کے لئے' اس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ کیا آپ اس کو جانتے تھے؟"

شیرو جو فون میں الجھا تھا' رکا اور تیز نظروں سے فیونا کو گھورا۔

"آف کورس۔ وہ ہارون عبید کی بیٹی ہے۔ اور زہر لگتی ہے مجھے وہ۔ اب ہٹو سامنے سے۔" اور برے موڈ کے ساتھ اوپر آیا۔

(ایک تو ہاشم بھائی کو وہی لوگ کیوں پسند آتے ہیں جو مجھے ناپسند ہوتے ہیں؟ ایک سعدی' اور ایک یہ فسادی! میں ابھی تک بھولا نہیں ہوں کہ کس طرح یونیورسٹی میں اس نے مجھے اپنے منگیتر سے پٹوایا تھا۔ ہونہہ!) منہ میں بڑبڑاتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

..........❖❖❖..........

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ ...... دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

ہاشم نے جب ٹیکسٹ بھیجا تو اس کے موبائل سے نادیدہ لہر نکلی اور اڑتی ہوئی ہوا میں بہتی چلی گئی۔ سڑکیں عبور کیں' گھر پھلانگے' اور بالآخر ایک سرسبز میدانوں سے گھرے اونچے محل میں تیرتی ہوئی آئی' ایک کھڑکی سے اندر کودی' اور اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے موبائل میں جا اتری۔ موبائل اسکرین میسج ٹون سے چمکی اور بجھ گئی۔

وہ ایک وسیع و عریض سی اسٹڈی سی لگتی تھی۔ اس کے دروازے پہ نیم پلیٹ لگی تھی۔ "آبدار عبید۔ Hypnotheropist"۔ اندر دیکھو (اسی کھڑکی سے) تو اسٹڈی ٹیبل کی کنٹرول چیئر کی پشت نظر آتی تھی۔ سفید آستین میں ملبوس کہنی کرسی کے بازو پہ جمی تھی' اور سرخ اسٹول میں ڈھکا سر پیچھے سے دکھائی دیتا تھا۔ یہاں سے اس کا چہرہ تو نظر نہ آتا' البتہ سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے قیمتی سوٹ میں ملبوس درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا واضح دکھائی دے رہا تھا اور وہ قدرے الجھن سے کہہ رہا تھا۔

"تو آپ میرا علاج کیوں نہیں کر سکتیں؟"

سرخ اسکارف والا سر جیسے گہری سانس لے کر جھکا گیا۔" مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا یہ کہتے ہوئے' مگر آپ کو سائیکاٹریسٹ کی ضرورت ہے' اور میں سائیکاٹرسٹ نہیں ہوں' نہ ہی سائیکالوجسٹ۔ یہ وہ ہوتے ہیں جو ذہنی مرائض کا علاج کرتے ہیں' نہ ہی میں میڈیکل ڈاکٹر ہوں جو کسی جسمانی بیماری کا علاج کر سکوں۔ میں hynotheropist ہوں۔" اس کی آواز نرم اور سادہ تھی۔

"مگر...." وہ الجھا۔" نہ جسمانی نہ ذہنی' اگر دونوں کا علاج آپ کے پاس نہیں ہے' تو.... آپ کیا کرتی ہیں؟"

"میں hypnosis کے ذریعے آپ کو ایک بہتر ذہنی حالت میں لے جا سکتی ہوں' جہاں آپ خود کو ایک بہتر انسان کے طور پہ دیکھ سکتے ہیں' یہ سیلف امپروومنٹ کے لئے ہوتا ہے' بری عادتیں' اور بری یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے۔ اور اس کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔ میں ایک ریفر کر رہی ہوں۔" قلم سے کاغذ پہ چند الفاظ گھسیٹے اور شر پ سے پیڈ سے صفحہ اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ ان سے مل لیں۔ یہ آپ کا بہترین علاج کریں گے۔"

ان صاحب نے تذبذب سے صفحہ تھام لیا۔ "مگر... آپ کے والد نے مجھے کہا تھا کہ آپ بہت اچھی تھیراپسٹ ہیں۔"

"میں بہت اچھی تیراپسٹ ہوں، اسی لئے آپ کو ایمانداری سے بتا رہی ہوں کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔" وہ صاحب اٹھے' چند الوداعی کلمات کہہ کر باہر نکل گئے۔ دروازہ بند ہوا تو اس نے کرسی موڑی۔ اب کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھو تو اس کا دایاں رخ نظر آتا تھا۔ وہی ملائی سا چہرہ، اور بلی جیسی گہرے آنکھیں جن کے ابرو ناراضی سے بھینچے تھے۔ سرخ ہونٹ دانت سے کاٹتے' اس نے موبائل اٹھایا۔ ہاشم کا نیا تین سرسری سا پڑھ کر ایک کال ملائی۔

"امین... بابا کہاں ہیں؟... نہیں، ان کو فون مت دو۔ بس اتنا بتا دو کہ ان کا بھیجا پانچ سو چھبیسواں مریض بھی میں نے واپس کر دیا ہے۔ اسی لیے اپنے سیاسی دوستوں کو میرے پاس نہ بھیجا کریں' اس امید پہ کہ ان کے سارے راز میں آپ کو بتا دوں گی۔ اور ہاں امین، یہ زور دے کر کہنا، کہ میں بہت بہت خفا ہوں۔" نرم سی خفگی سے کہہ کر موبائل رکھ دیا۔ پھر وہ اٹھی اور دروازے کی طرف چلی گئی۔

اب تم کھڑکی سے ہٹ کر کھڑے ہو تو دیکھو گے کہ، چند لمحے بعد وہ اس اسٹڈی کے بیرونی دروازے سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں سبزہ زار دور دور تک پھیلا تھا۔ وہ ایک نظر سبزے پہ ڈالتی گھاس کے کنارے چلنے لگی۔ سادہ لمبا سفید فراک پہنے جس کے چوڑی دار آستین تھے اور چہرے کے گرد تختی سے سرخ اسٹول لپیٹے۔ وہ چلتے ہوئے ہاتھ پودوں کے پتوں سے ٹکراتی جا رہی تھی۔ ایک سفید ایرانی بلی دور سے بھاگتی آئی اور اس کے قدموں کے برابر چلنے لگی۔

"سنو... بیلا" اس نے خفگی سے بلی کو مخاطب کیا۔ "میرا موڈ بہت خراب ہے' اور آج میں مزید کوئی کلائنٹ نہیں دیکھنے لگی۔" ذرا آگے آکر رکی۔ برآمدہ خالی تھا۔ کرسیاں بھی خالی تھیں۔ آبدار نے "oops" والے انداز میں بلی کو دیکھا۔ پھر جلدی سے کندھے اچکائے۔

"چلو اچھا ہوا۔ اور کوئی کلائنٹ ہے بھی نہیں' میں انکار کرتی تو برا لگتا نا ان کو۔" بلی نے اس کے قدموں سے خود کو رگڑتے اس کے گرد چکر کاٹا۔ وہ پھر سے چلنے لگی۔

"ویسے تمہیں کیا لگتا ہے؟ بابا نے میری بات کا برا مانا ہوگا؟ مگر... اوہ نہیں بیلا" وہ اداس ہوئی۔ "امین (ڈرائیور) نے پوری بات بتائی ہی نہیں ہوگی ان کو۔ بابا سمیت کوئی بھی مجھے سیریس نہیں لیتا۔ سوائے میرے کلائنٹس کے۔ حالانکہ ان کو بھی مجھے سنجیدہ نہیں لینا چاہیے۔ اب میں دیکھنے میں کوئی پینو تھیراپسٹ تھوڑی لگتی ہوں؟ ایک تو میں نرم دل اتنی ہوں' اوپر سے کیوٹ بھی ہوں۔" رک کر پوچھا۔ "ہوں نا؟" بلی جواب میں غاؤں غاؤں کرتی مسلسل اس کی ٹانگوں سے خود کو رگڑ رہی تھی۔

دور سے دو ملازموں نے دیکھا کہ وہ چلتی آ رہی ہے۔ جو ذرا ادھیڑ عمر تھا' وہ نوجوان ملازم کی طرف مڑا۔

"تم آبدار بی بی کو بتاؤ اپنے سارے مسئلے مسائل کا' جن کی وجہ سے تم کک (باورچی) نذیر کا قرضہ واپس نہیں کر سکتے۔ بی بی بہت ہمدرد اور مہربان ہے' تم ابھی ان کو نہیں جانتے' نئے ہو نا۔ وہ تمہیں کک سے مہلت دلا دیں گی۔" ہمدردی سے مشورہ دیا۔ نوجوان ملازم کی ہمت بندھی۔ فوراً آگے گیا، جہاں وہ روش پہ چلتی آ رہی تھی۔

"آبدار میم!" اس نے ہاتھ باندھے مودب سا پکارا۔ وہ رکی۔ نظر بھر کر اسے دیکھا۔

"آپ نے اس دن کہا تھا کہ کک سے لئے گئے پیسے جلد واپس کر دوں۔"

"ہاں غضنفر، وہ بے چارہ پہلے ہی اتنا غریب ہے، نرم دلی میں دے تو بیٹھا ہے لیکن ابھی اس کو سخت ضرورت ہے ان کی۔"

"وہ دراصل..." سر جھکا کر بے چارگی سے بتانے لگا۔ "میری بہن کی شادی قریب ہے' وہ سارے پیسے اس میں لگ گئے' پھر بھی کم پڑ رہے ہیں' والد میرے سرطان کے مریض ہیں' ڈاکٹر نے کہا کہ علاج کی منزل سے نکل چکے ہیں۔ دوا کا خرچہ بہت ہے۔ آپ پلیز

کک سے کہہ دیں' وہ ذرا مجھے مہلت دے دے۔ آج کل دو وقت کے کھانے کا خرچہ بھی پورا نہیں ہو پاتا ہمارے گھر کا۔" وہ دکھ اور بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

آبدار کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔ وہ قدم قریب آئی۔ "اوہ ہو۔ آئی ایم سو سوری غضنفر۔ تمہارے تو بہت برے حالات ہیں' میں ابھی کک سے بات کرتی ہوں' نہ صرف وہ مہلت دے گا' بلکہ تم کہو تو میں تمہاری بہن کی شادی کے لئے پانچ دس لاکھ ارینج کر دوں؟" اپنائیت اور ہمدردی سے پوچھ رہی تھی۔ ملازم غضنفر نے آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں امید کی خوشی تھی۔

"بی بی' یہ تو آپ کا احسان ہوگا۔"

"شیور۔ میں ایسا کرتی ہوں' کک کے پیسے بھی خود ہی ادا کر دیتی ہوں اور تمہیں مزید رقم بھی دے دیتی ہوں۔ او کے؟" وہ آگے بڑھی۔ پھر رکی۔ غضنفر فرط جذبات سے شکریہ بھی نہ کہہ پایا تھا جب وہ واپس گھومی۔

"مگر ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے غضنفر۔" بہت ہی فکرمندی سے بتانے لگی۔ "میں نے تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کروایا تھا' ایسا ہے کہ تمہاری کوئی بہن نہیں ہے' اور والد تمہارے دس بارہ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ تمہارے بینک اکاؤنٹ جس میں ہر ماہ تمہاری تنخواہ جاتی ہے' اس میں بھی کافی رقم ہے' اور کک کے پیسوں سمیت وہ تمام رقم تم نے اپنے ہمسائے کو دی ہے' اس کی بیٹی سے شادی کے بدلے میں' سو یو نو واٹ! میرے محنتی اور ایماندار کک سے جو پیسے تم نے باپ کی بیماری کا کہہ کر ہتھیائے تھے نا' وہ ان کو کل صبح سے پہلے واپس ملنے چاہئیں' ورنہ.... اگر میں نے بابا کو بتایا تو...."

بہت ہی نرمی سے کہتے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مسکرائی اور مڑ گئی۔ ادھر غضنفر کے ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ ہکا بکا سا وہ ادھیڑ عمر ملازم کی طرف گھوما جس نے مسکرا کر مونچھوں کو تاؤ دیا۔

"بولا تھا نا' ابھی تم بی بی کو نہیں جانتا۔" غضنفر نے تلملا کر اسے دیکھا تھا۔ (کک کا وفادار)

وہ اپنے قصر کی چار دیواری کے ساتھ قدم بقدم چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔ بلی بھی ساتھ ہی تھی۔ دفعتاً ایک دروازے کے قریب وہ رکی۔ آنکھیں چمکیں۔ شرارت سے بلی کو "ششش" چپ رہنے کا اشارہ کیا اور وہ بے قدموں آگے آئی۔ کھلے دروازے سے گردن نکال کر جھانکا۔

وہ کیمپین آفس کے طور پہ استعمال ہونے والا کمرہ تھا۔ دیواروں پہ کاغذ۔ چارٹس۔ ملٹی میڈیا۔ نوجوان ورکرز آگے پیچھے ٹہل رہے تھے' کوئی بول رہا تھا' کوئی کمپیوٹر پہ بیٹھا تھا۔ ان میں ذرا اونچے چبوترے پہ کھڑا' ٹی شرٹ اور پی کیپ والا نوجوان' جس کو وہ احمر شفیع کے نام سے جانتی تھی' کہہ رہا تھا۔

"فاطمہ' مجھے رات ایک دوست کے میموریل ڈنر پہ جانا ہے' پیچھے جب ہارون صاحب پرائم ٹائم میں انٹرویو دیں گے تو تم میری جگہ ہو گی۔" فاطمہ کے پیچھے کسی ورکر کو دیکھ کر اونچا بولا۔ "یہ کیا ہے' رضا؟" آبدار کی نظریں اس طرف گھومیں جہاں ایک لڑکا ہینگنگ ڈریس بیگ اٹھائے چلا آ رہا تھا۔

"سر' یہ عبید صاحب کا شلوار سوٹ ہے' یہ شو کے لیے بھیجا ہے' ڈیزائنر نے۔" وہ ہینگنگ بیگ میں لباس دکھا رہا تھا۔ احمر کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"ہرگز نہیں۔ وہ شلوار سوٹ میں مزید دراز قد لگیں گے' شو کے فارمیٹ میں تینوں سیاستدانوں کے سامنے میز نہیں ہو گی اور وہ کھڑے ہوں گے' مخالف والے چیمہ صاحب کو دیکھا ہے تم نے کتنے کمزور اور ٹھگنے سے ہیں' ہارون صاحب ان کو bully کرتے نظر آئیں گے۔ اس کو بدل کر تھری پیس تیار کرواؤ۔ ٹائی گہرے رنگ کی ہو۔ ان کو فائیٹر لگنا چاہیے' ڈکٹیٹر نہیں۔" پھر اسی سنجیدگی سے فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا' تبھی دروازے میں گردن نکال کر دیکھتی لڑکی پہ نگاہ پڑی جو فوراً سے اوٹ میں ہو گئی۔ فاطمہ کو رکنے کا کہہ کر تیزی سے باہر آیا۔ وہ دیوار کے ساتھ

کھڑی تھی۔

"ہیلو احمر!" اسے دیکھ کر سنبھل کر مسکرائی۔ "میں فارغ تھی' سوچا کیمپین کے لیے خود کو والنٹیئر کر دوں۔ کوئی کام ہے میرے لیے؟" معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

احمر نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔ "نہیں مس عبید' آپ کے لیے کوئی کام نہیں۔ بلکہ آپ کے اس کمرے میں داخل ہونے پہ بھی میں پابندی لگانے جا رہا ہوں۔"

آبدار کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ "سو رُوڈ۔ میں بابا کو شکایت کروں گی۔"

"پھر مجھے بھی بتانا پڑے گا کہ جب بھی آپ کیمپین آفس میں آتی ہیں' کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہوتا ہے۔" دانت پہ دانت جمائے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کبھی میرے بیگ سے مرا ہوا چوہا نکلتا ہے' کبھی موبائل چارجرز دست بن میں خود بخود جا پہنچتے ہیں' کبھی ہماری فائلز میں چھپکلی کی دم خود سے آ گرتی ہے۔"

وہ نظریں جھکا کر انگلیاں مروڑنے لگی' تو احمر نے چند ایک گہرے سانس لیے۔ "مجھے پتہ ہے آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کے بابا کامیاب ہوں' کیونکہ اس صورت میں وہ آپ کو وقت نہیں دے پائیں گے' مگر اچھا ہوگا اگر آپ اپنے ریلیشن شپ کو بہتر بنانے پہ غور کریں' بجائے میرے کام میں ٹانگ اڑانے کے۔ سو۔" انگلی سے چوکھٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ باؤنڈری اب آپ کراس نہیں کریں گی۔"

آبدار کی تلملائی ہوئی نظریں اوپر اٹھیں۔ نزدیک تھے پن سے کچھ کہنے لگی تھی کہ احمر کی شرٹ دیکھ کر رکی۔ آنکھیں سکیڑیں۔

سفید شرٹ پہ بلیک اینڈ وائٹ ایک مسکراتے نوجوان کی تصویر بنی تھی' جس کے چھوٹے گھنگریالے بال تھے' اور اوپر ریاضی کا نشان hash tag ڈال کر لکھا تھا #SaveSaadi

"یہ کون ہے؟" وہ اچنبھے سے بولی۔ احمر اپنی ساری تقریر اکارت جاتے دیکھ کر مزید جل گیا۔

"میرا دوست ہے' مسنگ ہے' اس کے میموریل ڈنر میں جانا ہے رات کو' اسی کے لیے پہنی ہے۔" خفگی سے کہتا پلٹ گیا۔

آبدار ابھی بھی کھڑی سوچتی رہی۔ (یہ کون تھا؟ کہاں دیکھا ہے میں نے اسے پہلے؟)

اس کی بلی اب بیٹھی اس کے پیر چاٹ رہی تھی۔

............❖❖❖............

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی ...... اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

میموریل ڈنر ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کے بینکوئٹ ہال میں منعقد تھا۔ اندر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اسٹیج کے پیچھے دیوار گیر بینر لگا تھا' جس میں سعدی مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا' اور ساتھ #SaveSaadi لکھا تھا۔ وہی تصویر پرنٹ ہو کر ہال میں بیٹھے بہت سے لڑکے لڑکیوں کی شرٹس پہ چھپی تھی۔

احمر شفیع بھی اسی شرٹ میں کھڑا' سعدی کے دو منتظم دوستوں سے بات کر رہا تھا جب اس نے زمر کو اس طرف آتے دیکھا۔ وہ گھنگریالے بالوں کو جوڑے میں لپیٹے' قدرے عجلت میں لگ رہی تھی۔

"السلام علیکم احمر!" پھر دوسرے لڑکے کو مخاطب کیا۔ "تیسرے نمبر پہ تقریر میری بھتیجی کرے گی.... اوکے؟ اور اس کو آدھے پون گھنٹے کا ٹائم چاہیے گا۔ وہ سعدی کی بہن ہے آخر!"

"آ...اوکے مسز زمر!" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ احمر کچھ کہنے لگا مگر وہ مڑ گئی۔ اب وہ داخلی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے۔ سامنے سے ڈاکٹر ایمن اور ڈاکٹر توقیر چلے آ رہے تھے۔

''مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ لوگ آئے۔'' ان کو ریسیو کر کے وہ انہیں ان کی میز کی طرف لے آئی۔ ''بچے نہیں آئے آپ کے؟''

''وہ بہت چھوٹے ہیں مسز زمر' میموریل کی باتیں ان کے ذہنوں پہ ناخوشگوار اثر نہ ڈالیں' اس لئے ان کو نانی کی طرف چھوڑا ہے۔'' ڈاکٹر ایمن بتا رہی تھیں۔ زمر کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔ مگر جبراً مسکراتی رہی۔

''بالکل۔ ہر شخص کو اپنے بچے کو پروٹیکٹ کرنے کا حق ہے۔'' اور پھر جب مڑی تو مسکراہٹ غائب تھی اور آنکھوں میں شدید تکلیف تھی۔ اسی طرح چلتی وہ حنین کی میز تک آئی جہاں ندرت' سیم اور فارس بیٹھے تھے۔ فارس بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ زمر نے اس کے ساتھ خاموش نظر کا تبادلہ کیا' پھر حنین کے قریب جھکی۔

''تیسرے نمبر پہ وہ تمہیں اسٹیج پہ بلائیں گے۔ تمہیں تقریر کرنی ہے' وہ بھی چالیس منٹ کی۔''

''واٹ؟'' حنہ نے دہل کر اسے دیکھا۔ ''مگر میں اپنے بھائی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی کسی سے۔ آپ نے مجھے کہا تھا کہ مجھے کوئی تقریر وغیرہ نہیں کرنی ہوگی۔''

''مجھے نہیں پرواہ میں نے کیا کہا تھا۔'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔ ''مگر تمہیں اگلے چالیس منٹ اسٹیج پہ جا کر بولنا ہے' اور اتنا اچھا بولنا ہے کہ کسی کو میری اور فارس کی کمی محسوس نہ ہو۔ اب میں جا رہی ہوں۔ کوئی سوال نہیں۔'' فارس اتنا سن کر اٹھ کر بیک اسٹیج کی طرف جانے لگا۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ حنین سے کچھ بولا نہیں گیا۔ ''مگر... میں کیا کہوں گی؟''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ خود سوچو۔'' رسان سے کہہ کر وہ اٹھ آئی۔

وہ کار میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے اندر بیٹھتے ہی بے چینی سے بولا۔ ''میں اکیلا کر لیتا سب' آپ کو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''میں تمہاری مدد کے لئے نہیں آ رہی۔'' اور زور سے دروازہ بند کیا۔

اندر چند منٹ تو حنین یونہی بیٹھی رہی۔ پھر جب اس کا نام پکارا گیا تو اس نے بہت سی نظریں خود پہ اٹھتی محسوس کیں۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی ڈائس تک آئی۔ نم ہوتے ہاتھوں سے مائیک سیدھا کیا۔ ایک نظر اس بھرے ہال پہ ڈالی جس میں ہر عمر کے افراد' سول سوسائٹی کے اراکین' طلباء' کچھ رشتے دار سب بیٹھے تھے۔ دل کانپا۔ نگاہ جھکا دی۔ چند رٹی کلمات کہے' پھر رکی۔

''میں کوئی تقریر لکھ کر نہیں لائی' کیونکہ میں تقریر کرنا بھی نہیں چاہتی۔ عجیب سا لگتا ہے اپنے بھائی کے لئے تقریر کرنا' رٹی جملے کہہ کر' چند آنسو بہا کر' تالیاں سمیٹنا۔'' جھکی آنکھوں سے سر جھٹکا۔

''پاکستان میں ہر سال ہزاروں لوگ قتل کیے جاتے ہیں' بم دھماکوں میں' ٹارگٹ کلنگ میں۔ اور ہزاروں اغوا کیے جاتے ہیں۔ کچھ مار دیے جاتے ہیں' کچھ تاوان لے کر چھوڑ دیے جاتے ہیں' مگر چند لوگ... چند لوگوں کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ وہ شہریار تاثیر ہو' فرزند یوسف رضا گیلانی ہو' یا سعدی یوسف ہو۔ ان کے اغوا کار برسوں ان کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے گھر والوں کو روز مارتے ہیں...''

جھکی نظروں سے ڈائس کی سطح پہ دیکھا۔ وہاں میموریل کا پمفلٹ رکھا تھا۔ سعدی کی تصویر۔ اس کو دیکھ کر بہت کچھ یاد آنے لگا۔

''ہم عام بہن بھائیوں جیسے تھے۔ امی کو تنگ کرتے تھے بہت۔ وہ فون پہ کبھی کسی خالہ ممانی سے کسی کی غیبتیں کر رہی ہوتیں تو بھائی بتاتا امی یہ غیبت ہے' اور امی غصے سے جوتا اٹھا کر پھینکتے ہوئے کہتیں' ''میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔'' چہرہ جھکائے وہ ذرا سا ہنسی۔ ہال میں بھی نم سی ہنسی گونجی۔ ''امی سارا دن ہم بہن بھائیوں کو برا بھلا کہتی تھیں' اگر کبھی کسی رشتے دار کے سامنے ہماری تعریف کرتیں تو بھائی کہتا' حنہ تمہیں نہیں لگتا کہ امی جھوٹ بول رہی ہیں؟'' نظریں اٹھائیں تو دیکھا۔ سامنے بیٹھی ندرت اور سیم مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ آنکھیں نم تھیں۔ وہ پھر سے پلکیں جھکا کر کہنے لگی۔

''بھائی اور میں اکٹھے اسکول جاتے تھے۔ پانچ سال کا فرق تھا ہم میں۔ دو بجے چھٹی ہوتی' دو بیس پہ ہم گھر پہنچتے۔ آتے ساتھ یہی بے چینی ہوتی کہ آج کھانے میں کیا پکا ہوگا؟ بھاگ کر دیگچی کا ڈھکن اٹھاتی۔ جس دن گوبھی پکی ہو' بس اس دن مجھے لگتا میں امی کی لے پالک اولاد ہوں۔'' مسکرا کر سر جھکائے وہ کہہ رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر سب ہنسے تھے۔

''خیر' پونے تین تک نہا دھو کر کھانا کھا کر میں جلدی سے سونے لیٹ جاتی' معلوم تھا کہ بمشکل آنکھ لگے گی ہی کہ... تین بجے... وہ چنگھاڑتی ہوئی آواز اٹھا دے گی۔ جی ہاں۔ قاری صاحب کی گھنٹی کی آواز۔ اف۔''

ہال میں زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ (اور وہ سمجھتی تھی صرف اسی کے گھر قاری صاحب تین بجے آتے تھے۔)

''میں روز تین میں سے پانچ منٹ پہلے دعائیں' منتیں شروع کرتی' اللہ کرے قاری صاحب آج نہ آئیں۔ بارش ہو جائے۔ بیمار ہو جائیں۔ کبھی تین سے پانچ منٹ اوپر ہو جاتے اور گھنٹی نہ بجی ہوتی' تو میں اتنی خوش ہوتی' مگر عین اسی وقت گھنٹی بج جاتی۔ اف۔ بہت تپ چڑھتی تھی۔ لیکن کبھی... سال میں ایک آدھ بار... وہ سرپرائز چھٹی کر بھی لیتے۔ اس خوشی کا کوئی ثانی نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی کبھی لگتا ہے کہ اسی طرح ایک دن بھائی گھر آجائے گا۔ سرپرائز۔ اس خوشی کا بھی کوئی ثانی نہیں ہوگا۔''

جھکے چہرے پہ آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے' مگر اس کی آواز ہموار تھی۔ ہال میں پن ڈراپ سائیلینس تھا۔ ڈاکٹر ایمن جذبات سے عاری چہرہ لیے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر توقیر بار بار پہلو بدل لیتے تھے۔

''مگر پتہ ہے کیا...'' وہ کہہ رہی تھی... ''بھائی قاری صاحب کے آنے پہ میری طرح نہیں چڑتا تھا۔ میں غصے سے قاری صاحب کی برائیاں کرتی۔ کہتی' بھائی یہ غلط فتوے دے دیتے ہیں' کبھی کہتے ہیں یہ حرام' کبھی وہ حرام۔ یہ مولوی اتنے تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں؟ ایک دن بھائی نے مجھے صوفے پہ بٹھایا اور بولا۔'' حنہ پتہ ہے' مولوی کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی معمولی تعلیم ہوتی ہے' مسجد کے ایک حجرے میں رہتا ہے' چار پانچ بچے ہوتے ہیں' اور اتنی کم تنخواہ جس میں ہم ایک ڈنر کرلیں۔ وہ اس میں پورا مہینہ گزارتا ہے۔ بچوں کو پڑھاتا ہے۔ دو وقت کی روٹی کی فکر بھی کرتا ہے' اس کو کہاں ملے ذہن کھلا کرنے کے مواقع؟ مدینہ یونیورسٹی یا گلاسکو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی نہیں کی ہوتی اس نے۔ یہ جو سوٹڈ بوٹڈ بہترین اسلامک اسکالرز بڑے بڑے سیمینارز اور فورمز پہ لیکچر دیتے ہیں' ریسرچ پیپرز نکالتے ہیں' نہ ان جیسا ذہن ہوتا ہے اس کا' نہ اتنے مواقع ملے ہوتے ہیں۔ وہ تو منہ اندھیرے اذان دیتا ہے' لوگوں کو نماز کے لیے اٹھاتا ہے' رمضان میں تراویح پڑھاتا ہے' بچوں کو قرآن پڑھنا سکھاتا ہے۔ اس کی انکم دیکھو' اس کے حالات اور اس کا پس منظر تو دیکھو' پھر اگر وہ تنگ نظر ہے' سخت فتویٰ دے دیتا ہے' تو کیا تم لوگ اس کی ان باتوں کو' اس کے ان سارے احسانات کے پیش نظر جو وہ تم لوگوں پہ کرتا ہے' اگنور نہیں کرسکتے؟ کیا اس کے حلوے کی پسندیدگی پہ لطیفے بنانا ضروری ہے؟'' مگر میں نے پھر بھی کہا۔ جو بھی ہے بھائی' تین بجے آنا کوئی انسانیت نہیں ہے!'' ہلکا سا ہنسی تھی وہ... سب سن رہے تھے اسے۔ غور سے خاموشی سے اور وہ بولتی جا رہی تھی... اس کے اندر کا کھانا کیڑا دم توڑنے لگا تھا۔

ضبط غم نے اب تو پتھر کر دیا ورنہ فراز!
دیکھتا کوئی کہ دل کے زخم جب آنکھوں میں تھے

ان سے دور نیم اندھیر کالونی میں ایک بنگلے کے سامنے' چار دیواری کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا۔

''ان کا گارڈ نہیں ہے کیا؟'' ساتھ کھڑی زمر نے پوچھا تھا۔

''اونہوں' آج کل ان کا گارڈ ہسپتال کی عمارت میں ہوتا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے گیٹ کے لاک میں پک ڈال کر گھما رہا تھا۔

زمر نے چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ ''کسی دن ہم عدالت میں کھڑے اس لمحے کی بات کر رہے ہوں گے' اور میں چاہتی ہوں کہ خود کو perjure کیے بغیر (کٹہرے میں جھوٹ بولے بغیر) کہہ سکوں کہ تمہیں کبھی کچھ الیگل کرتے نہیں دیکھا۔''

گیٹ کھل گیا، وہ ان سی کرتا اندر بڑھ گیا۔ زمر پیچھے آئی۔ باہر لگی نیم پلیٹ جگمگا رہی تھی۔

ڈاکٹر توقیر بخاری۔ ڈاکٹر ایمن بخاری۔

"کالونی میں ایک ہی سی سی ٹی وی کیمرہ ہے، جس کو میں نے دوپہر میں ڈس ایبل کر دیا تھا۔" وہ گھر کے اندرونی دروازے کے سامنے بیٹھا، اور ایک ننھی سی پک pick لاک میں گھساتے بولا۔ زمر سینے پہ بازو لپیٹے ساتھ کھڑی اسے دیکھے گئی۔

"کسی کے گھر کا لاک توڑنا، کسی کی پراپرٹی پہ ٹریس پاس کرنا، مجھے یقین نہیں آ رہا میں ایسے کام میں ملوث ہو رہی ہوں۔ تمہیں پتہ ہے ٹریس پاسنگ کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟" وہ جھرجھری لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ایکسٹورشن (بلیک میلنگ) کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟" وہ اسی سنجیدگی سے پک کو کی ہول میں گھسائے باری باری لاک کی pins دھکیلنے لگا۔ زمر کلس کر چپ ہو گئی۔

وہ ایک ایک پن دھکیل رہا تھا۔ یوں جیسے پیانو کی کیز پہ انگلیاں چلا رہا ہو، اور جو تال اٹھی تھی، اس نے اندھیرے میں ایک منظر اس کے سامنے لہرا دیا....

"ندرت بہن بھی چابی کدھر کھو بیٹھیں، اور آپ نہ ہوتے تو ہم آج گھر کے باہر رات گزارتے ماموں۔" وہ چھوٹے باغیچے والے گھر کے دروازے پہ کھڑے تھے، فارس پنجوں کے بل بیٹھا، لاک میں pick گھسا رہا تھا اور کم عمر سعدی ستائشی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "ایسے بغیر چابی کے کیا کوئی لاک اتنی آسانی سے کھل سکتا ہے؟"

"ابھی دنیا میں وہ لاک نہیں بنا جو توڑا نہ جا سکے۔ ادھر غور سے دیکھو، میں یہ کیسے کر رہا ہوں۔"

"میں سیکھ کر کیا کروں گا؟" کم عمر لڑکے نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ فارس نے سر اٹھا کر تندہی سے اسے دیکھا۔

"کبھی کہیں لاکڈ ہو جاؤ تو باہر تو نکل سکو گے۔ اب دیکھو۔" وہ بتانے لگا۔ "یہ پن لاک ہے۔ چھ pins ہیں اندر۔ اس کی چابی کے ایسے دانت ہوتے ہیں جو اندرونی سانچے میں فٹ ہو جاتے ہیں، تم چابی گھماؤ تو pins آگے سرک جاتی ہیں اور لاک کھل جاتا ہے۔" سعدی ساتھ بیٹھ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ "یہی کام تم چابی کی جگہ اس سادہ pick (ننھی سی لوہے کی اسٹک) سے بھی کر سکتے ہو۔ باری باری ہر پن کو سرکاتے جاؤ، ون، ٹو، تھری...." اس کی انگلیاں مہارت سے چل رہی تھیں۔ "فور، فائیو، سکس، کلک!"

کلک کی آواز آئی، لاک کھلا، تو وہ چونکا۔ پیانو کی دھن غائب ہوئی۔ ارد گرد منظر نامہ بدلا۔ وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ (امید کرتا ہوں سعدی کہ جو کچھ میں نے تمہیں سکھایا تھا وہ تمہیں یاد ہو۔) دونوں ساتھ ساتھ اندر آئے۔

"میں اپنا کام کرتا ہوں، آپ تب تک بیڈ روم میں جا کر ان کے دراز وغیرہ چیک کریں۔" وہ بیگ کندھے سے اتارتا ڈرائنگ روم کی طرف جاتے کہہ رہا تھا۔ زمر نے رک کر اسے دیکھا۔

"مجھے آرڈر مت دو۔ مجھے پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔"

فارس نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ "بہت بہتر!" اور آگے بڑھ گیا۔

وہ بیڈ روم میں آئی۔ چند منٹ لگے اسے تمام دراز، الماریوں کے کاغذات دیکھنے میں۔ فارس کی دی گئی چابیوں میں سے کوئی نہ کوئی چابی ہر دراز اور لاکر میں لگ رہی تھی۔ چند ایک کی کیمرہ سے پکچرز لیں۔ پھر واپس ڈرائنگ روم کی چوکھٹ تک آئی تو وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا، اپنا کام کر رہا تھا۔

اسے مصروف دیکھ کر زمر اس کھلے سے اسٹڈی روم میں آئی جو ڈاکٹر ایمن کے ہوم کلینک کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ اندر آتے ہی وہ تیزی سے الماریوں کی طرف لپکی۔ جس شے کی اسے تلاش تھی، وہ ڈھونڈنے میں چند منٹ لگے۔ ایک الماری، جس میں درازوں کی طرح

خانے تھے۔ اس میں پیشنٹ نوٹس رکھے تھے۔ فائلز اور آڈیو سی ڈیز۔

"جی۔۔۔جی۔۔۔جی۔" وہ حروف تہجی کے اعتبار سے آرگنائزڈ فائلز پہ انگلی پھیرنے لگی۔ پھر رکی۔ ای ایف جی۔۔۔جی سے غازی۔ فارس غازی۔ اس نے فائل نکالی۔ اندر چند سی ڈیز بھی تھیں۔

(اور ڈاکٹر ایمن نے کورٹ میں کہا تھا کہ اس نے کبھی غازی کے سیشن ریکارڈ نہیں کیے مگر یہ جھوٹ تھا۔) اس نے باکس میں سے سی ڈیز نکال کر اپنے پرس میں منتقل کیں۔ پھر ایک دوسرے مریض کی سی ڈیز اس باکس میں ڈال دیں اور اسے واپس فارس کے فولڈر میں رکھ کر دراز بند کرتی مڑی ہی تھی کہ.....

"چلیں!" وہ چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ زمر کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا پھر بھی وہ اس کا قدرے بوکھلایا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

"کیا ہوا؟" غور سے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو سی ڈیز نکالتے نہیں دیکھا تھا۔

"تم نے اپنا کام کر لیا؟" وہ خود کو نارمل کرتی آگے آئی۔ "میرا مطلب ہے ایک اور الیگل کام؟"

فارس کے لب بھینچ گئے۔ "آپ آ رہی ہیں یا آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں؟"

وہ اب تک نارمل ہو چکی تھی اس بات پہ سلگ کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور نیم اندھیرے میں چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہو کہ مجھے ادھر چھوڑ کر جا سکتے ہو؟"

فارس کے لبوں پہ مدھم مسکراہٹ رینگی۔

"اور آپ کے خیال میں، میں آپ کو ادھر چھوڑ کر کیوں نہیں جا سکتا؟"

وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تم اپنی بیوی کو جان سے تو مار سکتے ہو مگر اس کو یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی دو قدم آگے آئی۔ "کیونکہ تم اپنے ابو کی طرح نہیں بننا چاہتے۔"

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی چہرے پہ سنجیدگی اتری۔ "چلیں!" اور بیگ کندھے پہ ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ وہ گہری سانس لے کر (شکر) اپنے پرس کو مضبوطی سے تھامے اس کے پیچھے آئی۔

اور حسب معمول کچھ دیر بعد وہ کار میں بیٹھے سرسری اور خشک انداز میں بات کر رہے تھے۔ زمر اس کو بنائی گئی تصاویر دکھا رہی تھی۔

"تم نے جوان کے بینک اکاؤنٹس کی ڈیٹیلز نکالی تھیں ان اکاؤنٹس کے علاوہ کوئی اور چیک بک نہیں نظر آئی مجھے۔ میرا خیال ہے یہ ان کے واحد اکاؤنٹس ہیں۔"

"لیکن ان میں کوئی پیسے نہیں ٹرانسفر ہوئے۔ سعدی والے واقعے سے اب تک۔ مطلب کوئی لمبی چوڑی رقم نہیں۔ بلکہ صرف نکلوائے گئے ہیں۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمر نے ایک اور تصویر سامنے کی۔

"وہ جو ڈائمنڈ ٹاپس ڈاکٹر ایمن نے پہن رکھے ہیں ان کا ان دو ائس بھی ٹاکر میں موجود تھا جو بڑی رقم نکلوائی گئی تھی وہ انہی کے لیے تھی۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ سعدی کے بدلے انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو کچھ نہ دیا ہو۔ کچھ تو دیا ہے کہ وہ مالی طور پہ اتنے بے فکر ہو گئے ہیں کہ مہنگے تحفے خرید رہے ہیں۔"

ہال آ گیا تھا، وہ کار کھڑی کرنے لگا۔ یہ ہال پانچ منٹ کی ڈرائیو پہ تھا اور زمر کے کہنے پہ لڑکوں نے ڈاکٹر بخاری کی ہی ہاؤسنگ

مائی میں بک کروایا تھا۔

"فارس ہم کیوں یہ فرض کر رہے ہیں کہ ان کو صرف پیسے ہی دیے جا سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کچھ اور دیا ہو۔ کوئی فیور، کوئی سفارش۔"

"میں کل چیک کرتا ہوں۔" وہ سر ہلا کر نکلنے لگی جب وہ آہستہ سے بولا۔

"میری بیوی نے آخری ملاقات میں آپ سے کیا کہا تھا؟"

زمر نے مڑ کر اسے دیکھا، اس کی نظریں ونڈ اسکرین پہ جمی تھیں۔ (آخری ملاقات؟) اس کے اندر ابال سا اٹھنے لگا جسے بمشکل دبایا۔

"یہی کہ وہ تم سے نفرت کرتی ہے، اور تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ بے بسی بھرے غصے اور عجلت میں کہتی نکل گئی۔ اسے دیر ہو رہی تھی، حنہ نے پتہ نہیں کیسے سنبھالا ہو سب۔ اور یہ کہتے ہوئے اس نے فارس کا چہرہ نہیں دیکھا جو ایک دم بہت ڈسٹرب لگنے لگا تھا۔

جب وہ ہال میں واپس پہنچا تو حنین، جو ابھی تک تقریر کر رہی تھی، ان کو باری باری آتے دیکھ کر جلدی سے "ڈیٹس آل" کہہ کر نیچے اتر آئی۔ ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ وہ اتنا اچھا بولی تھی کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ احمر شفیع بھی انہی میں سے ایک تھا۔ (ماننا پڑے گا، غازی کے خاندان میں کوئی نارمل نہیں ہے۔)

وہ واپس آ کر بیٹھی تو زمر، جو اپنی کرسی پہ بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی، آہستہ سے بولی۔ "آئی ایم سوری، میں نے تمہیں اس پوزیشن میں ڈالا کہ...."

"اٹس اوکے، تھینک یو زمر!" حنہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتے مسکرائی۔ "مجھے لگا آج بہت دن بعد بھائی سے باتیں کی ہیں۔" ایک دم گڑبڑا کر رکی۔ "مطلب، زمر پھپھو!" لاحقہ لگا کر خفت سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زمر صرف مسکرا دی۔ فارس خاموشی سے دور بیٹھی ڈاکٹر ایمن کو دیکھتا رہا۔

❖❖❖

تمام رسمیں ہی توڑ دی ہیں، میں نے آنکھیں ہی چھوڑ دی ہیں ..... زمانہ اب مجھ کو، مرا آئینہ بھی دکھائے تو کچھ نہ پائے

چند دن مصروف سے گزرے، وہی روٹین والی زندگی۔ اور پھر ایک چمکیلی صبح ہاشم کاردار کے آفس کے باہر علیشہ فون پہ کسی کو ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔ بند دروازے کی جھری درز سے اندر جاؤ تو ہاشم پاور سیٹ پہ ٹیک لگائے براجمان تھا اور سامنے کرسی پہ بیٹھا نوشیرواں برا منہ بنائے ہوئے تھا۔

"طبیعت آپ کی خراب ہوئی، شامت میری آ گئی۔ مطلب اب مجھے روز آفس آنا پڑے گا؟"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ "نہیں، میں بوڑھا نہیں ہو رہا۔ لیکن تم بھی اب بچے نہیں رہے۔ تمہاری کمپنی اب تمہارے حوالے ہے۔ تم اس کو کہاں لے جاتے ہو، یہ تم پہ منحصر ہے۔" ذرا رکا۔ "اب سعدی تھرکول میں نہیں ہے۔ یہی وقت ہے جب ہم پراجیکٹ لے سکتے ہیں۔" نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ "بھائی یار! ایک اس کے نہ ہونے سے تھرکول کا کیا بگڑے گا۔"

ہاشم میز سے ایک کرسٹل بال اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے مسکرایا۔ "تم میری بات نہیں سمجھے۔ وہ ان کی سائیڈ پہ نہیں ہے، وہ ہماری سائیڈ پہ ہے۔"

نوشیرواں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ ہمارے لئے کبھی کام نہیں کرے گا۔"

"کرے گا۔ اس کی بہن اس کی کمزوری ہے۔ میں نے اسے اسی حوالے سے اچھا خاصا خوفزدہ کر دیا ہے۔"

"آپ کیا کریں گے اس کی بہن کا؟"

ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "وہ چھوٹی بچی ہے، مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر اسے ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ سعدی کی

واحد وارث ہے۔ سعدی کی ماں کو تو رہنے دو اس کو insane قرار دینا آسان ہے۔"

"بھائی۔" شیرو الجھ کر سوچنے لگا۔ "اگر... بالفرض.. اس چھوٹی لڑکی کو کچھ ہو جائے' مطلب کہ یہ مر و ر جائے' تو حقِ قصاص کا کیا ہو گا؟"

"حقِ قصاص منتقل ہو جائے گا۔ اس لڑکی کے شوہر کو۔"

وہ چونکا۔ "اور شوہر چاہے تو معاف کر دے؟"

ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل۔"

نوشیرواں نے ستائش سے ابرو اکٹھے کیے۔ "واؤ۔ انٹرسٹنگ۔ اس کو واقعی ہاتھ میں رکھیں پھر۔ مگر آپ کہہ رہے تھے کہ کئی دن سے اس نے آپ کو ٹیکسٹ نہیں کیا۔"

"کیونکہ میں نے اسے ٹیکسٹ نہیں کیا۔ جس دن میں کروں گا۔ وہ فوراً جواب دے گی۔ کیا تم لڑکیوں کو جانتے نہیں ہو؟" لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوتے اس نے تبصرہ کیا۔ شیرو گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ (واہ۔۔ بھائی کمال کا تھا۔ ایک اس سے تو ڈھنگ سے ہوا' نہ ایک لڑکی پٹ سکی۔) سینے میں ٹیس سی اٹھی۔

............❖❖❖............

سینکڑوں طوفان لفظوں کے دبے تھے زیرِ لب ...... ایک پتھر تھا خموشی کا کہ جو ہلتا نہ تھا

انیکسی میں وہ صبح خاموش سی پھیلی تھی۔

لاؤنج میں ابا بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ ساتھ صوفے پہ زمر پیر اوپر رکھے بیٹھی لیپ ٹاپ گود میں رکھے' کانوں میں ایئر فونز لگائے ہوئے تھی۔ اسکرین پہ جو ونڈو کھلی تھی اس سے ظاہر تھا کہ وہ فارس کے آڈیو سیشنز سن رہی تھی۔ بہت سے سن لیے تھے' اور بہت سے رہتے تھے۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس کا یہی معمول تھا۔ جب وقت ملتا' اسی طرح بیٹھ کر اس کی باتیں سنتی رہتی۔ پتہ نہیں کیوں عادت سی ہوتی جا رہی تھی اس کی آواز کی۔

ابا مسلسل خاموشی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ وہ ان آوازوں سے بے خبر تھے جو زمر کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

"تمہیں اپنی بیوی سے محبت تھی؟" ڈاکٹر ایمن پوچھ رہی تھی۔ زمر کے ابرو سکڑے' ابا نے محسوس کیا' وہ دھیان سے سننے لگی ہے۔

"وہ میری بہت اچھی دوست تھی' انڈر اسٹینڈنگ تھی ہمارے درمیان' ہمدردی' خیال کا رشتہ تھا' اور کیا ہوتی ہے محبت؟"

"مطلب کہ محبت نہیں تھی۔"

"وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی' اور میں اس کو بہت مس کرتا ہوں' جیل میں تو بہت زیادہ۔ آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں صرف سچ بولنا چاہتا ہوں' اور میرا سچ آپ کے علاوہ کوئی سننا نہیں چاہتا۔"

"تمہیں کسی اور سے محبت تھی' ہے نا؟"

"مجھے جج کیوں کر رہی ہیں آپ؟" وہ دھیما سا بولا تھا۔

"یہ میری جاب ہے۔ تمہارے اندر کے خیالات باہر لانا۔ مگر یہ محفوظ رہے گا۔ تم جانتے ہو' confidentiality کے پانچ C's۔"

"واٹ ایور!"

"تو اس سے شادی کیوں نہیں کی جس سے محبت تھی؟"

چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔ زمر کو بے چینی ہوئی' کہیں آگے ٹیپ بلینک تو نہیں؟ مگر پھر فارس کی آواز ابھری۔

''ہو نہیں سکی۔''

''اس نے انکار کر دیا؟''

''پتہ نہیں۔''

(اُف' اس کو کیا مسئلہ ہے' ٹھیک سے بتاتا کیوں نہیں ہے؟ بات گھمانی ضروری ہے؟) وہ چڑی۔

''کبھی بتایا اس کو؟''

ذرا وقفہ ہوا۔ ''میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ یہ کس چیز کا انجیکشن تھا۔'' ایک دم زمر چونکی۔

''تمہاری اجازت سے لگایا ہے' یہ.. truth serum تھا۔ میں چاہتی تھی' تم سچ بولو۔''

زمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ اس کی آواز میں تکلیف محسوس کر سکتی تھی۔ (کیا ڈاکٹر نے اس کو سائیکوا نیلنو زرگز دے کر اعتراف کروایا تھا؟) فارس سے سارے اختلاف اپنی جگہ' اس کا اعتراف قتل سننے کا اشتیاق اپنی جگہ' مگر اس کے اندر کی انصاف پسند لڑکی کو یہ بہت برا لگ رہا تھا۔

''آئندہ مجھے یہ انجیکٹ مت کیجئے گا۔'' وہ نیم غنودگی میں بول رہا تھا۔ ''جو پوچھنا ہے ایسے ہی پوچھ لیا کریں۔''

''او کے' اس لڑکی کا بتاؤ' اسے کبھی بتایا یا نہیں؟''

''نہیں۔'' اس کی آواز آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی۔

''کبھی کوشش کی؟''

''کی تھی۔''

''کیسے؟''

''میں نے اسے... ایک ہیرا دیا تھا۔''

وہ جو چہرے پہ اذیت لیے سن رہی تھی' ایک دم ٹھہری گئی۔ بالکل مبہوت۔

''کون تھی وہ؟''

''میرے نروز بہت مضبوط ہیں' ڈاکٹر۔ جو نہیں بتانا چاہتا' نہیں بتاؤں گا۔'' آواز ہلکی اور غنودہ تھی۔ چند لمحے کی خاموشی۔

''فارس' تم نے اپنے بھائی کا کیوں قتل کیا؟'' نرمی سے پوچھا۔

''میں نے نہیں کیا۔'' گہری سانس لینے کی آواز۔

''او کے۔ تم سو جاؤ۔'' چند منٹ کی خاموشی کے بعد سیشن ختم ہو گیا۔ وہ متحیر' الجھی' حیران سی بیٹھی رہی۔ پتہ نہیں اس کا دل کس بات پہ اٹکا تھا۔ اور حیرت کس بات پہ تھی۔

''چھوڑو زمر۔ اس کو لڑکیوں میں ہیرے بانٹنے کی عادت ہے؟ ایک اپنی ٹیچر کو دیا' ایک اس لڑکی کو' اور زر تاشہ کا دلیے کا سیٹ بھی ڈائمنڈ کا تھا۔ ہونہہ!'' ائیر فونز اتارتے ہوئے وہ تکلیف میں ڈوبی آواز کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''اچھا بالفرض وہ میری بات کر بھی رہا تھا تو وہ تب کی بات تھی۔ اب تو میں اس کی دشمن ہوں۔''

''کیوں پریشان ہو؟'' ابا کی آواز پہ وہ چونکی۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے سر جھٹکا۔

''بس... ایک پرانا کیس اسٹڈی کر رہی تھی۔'' اٹھ کر چیزیں سمیٹنے لگی۔ انہوں نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

''کتنے عرصے سے ہم نے بات نہیں کی۔ تمہارے پاس اب وقت نہیں ہوتا زمر!''

وہ ٹھہر گئی۔ دل کو دھکا سا لگا۔ ''ایسا نہیں ہے۔ میں سعدی والے معاملے میں الجھی رہتی ہوں۔ ورنہ... آپ کو پتہ ہے آپ پہ طنز کرنے کا موقع میں چھوڑا نہیں کرتی۔'' رسان سے کہتی ان کے قریب آ بیٹھی۔ وہ دھیما سا مسکرائے۔

''سعدی مل جائے گا۔ میں بہت دعا کرتا ہوں۔ دنیا میں ایسا کچھ نہیں ہے جو دعا سے نہ مل سکتا ہو۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ تبھی فون بجا۔ نمبر دیکھا تو اس دن وہ واقعی اسے اسٹپنی لگا۔ ''سوری ابا! مجھے یہ کال لینی پڑے گی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' انہوں نے گہری سانس بھری۔ اب وہ بات کرتی سیڑھیوں پہ چڑھتی جا رہی تھی۔

''مسز زمر، میں اسی ہوٹل سے آ رہا ہوں۔'' وہ بتا رہا تھا۔ ''تصاویر میں نیچے ایک ہورڈنگ بورڈ نظر آ رہا ہے۔ پورے ہوٹل میں اوپر نیچے صرف نو ایسے کمرے ہیں جن سے یہ اینگل بن سکتا ہے۔''

''آپ نے نو کے نو کمرے دیکھے؟''

''جی۔ مگر پکچرز اسی کمرے سے لی گئی ہیں جس سے آپ پہ فائرنگ کی گئی۔''

''کیسے؟'' زمر نے بات کاٹی۔ (اف، اس کے معالج کو سو درے تو لگنے چاہئیں۔) مگر بظاہر تحمل سے بولا

''دیکھیں، تصویر میں کھڑکی کے پٹ پہ ایک نشان سا ہے، کیل وغیرہ ٹھونک کر نکالنے کا۔ یہ نشان مجھے ان نو کمروں کی کسی کھڑکی پہ نہیں ملا۔ سوائے اسی کمرے کے۔ اب پینٹ کی وجہ سے ڈھک گیا ہے لیکن موجود ہے۔''

''یعنی ہمارا ڈرائی کلینر بھی اسی کمرے میں موجود تھا۔ تو وہ فارس کے جانے کے بعد آیا ہو گا؟''

''نہیں، وہ کافی دیر سے یہاں تھا۔''

''احمر میں بہت احسان مند ہوں گی اگر آپ ایک ہی سانس میں پوری بات بتا دیں۔'' وہ اکتائی۔

(یہ ہوئے پورے ایک سو پچاس درے!)

''تصاویر میں کھڑکی کے شیشے میں جو عکس پڑ رہا ہے، اس میں میز کے اوپر گرے ایش ٹرے نظر آ رہی ہے۔ زوم کر کے دیکھا ہے میں نے۔ مگر ہوٹل کی کراکری میں تمام ایش ٹریز، اب بھی اور تب بھی، شفاف شیشے کی ہیں۔ سو غور کیا تو معلوم ہوا کہ ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بھرے ہونے کے باعث گرے لگ رہی ہے۔ یعنی ہمارا ڈرائی کلینر کافی دیر سے بیٹھا انتظار کرتے ہوئے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ چین اسموکر ہے وہ۔ اور غازی سگریٹ نہیں پیتا۔''

زمر چند لمحے خاموش رہی۔ ''یعنی وہ فارس کے ساتھ تھا؟''

''یا شاید غازی اس کے ساتھ تھا ہی نہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے واقعی فریم کیا گیا ہو۔''

''اس کو بے گناہ مت سمجھیں، اس نے یہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے۔'' مگر لہجہ اتنا سخت اور مضبوط نہیں تھا۔

''مجھے اس ڈرائی کلینر کے بارے میں مزید کچھ ٹھوس معلوم کرنے دیں۔ آپ نہ بھی کر سکیں، تب بھی آپ کی نوکری آپ کو دے دوں گی۔'' احمر کے اندر تک ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ (چلو پچاس درے واپس لیے!)

وہ فون رکھ کر آئی تو ابا کو سیم اندر ان میں لے جا رہا تھا۔ اور فارس باہر سے آ رہا تھا۔ زمر نے جلدی سے آ کر اپنا لیپ ٹاپ آف کیا۔ وہ سیدھا اس تک آیا۔

''آپ کا اندازہ درست تھا۔ ڈاکٹر بخاری کو سعدی کو غائب کرنے کے لیے کوئی رقم نہیں دی گئی۔'' وہ چند کاغذات اس کی طرف بڑھاتے بولا۔ ''مگر ایک ماہ قبل کچھ فارن ڈونرز نے ہسپتال کے لیے مشینری عطیہ کی ہے۔''

''سارا پیپر ورک کلین ہے۔ قانونی طور پہ اب ان کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔'' وہ کاغذات الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا، ایسی مسکراہٹ جس میں شدید تپش تھی۔

''قانون کی بات بھی کون کر رہا ہے؟ اس وقت جج، جیوری اور جلاد، فارس طہیر غازی ہے!'' زینے پہ انگلی سے دستک دی، اور اوپر چڑھتا گیا۔ زمر نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

..................❖❖❖..................

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن ..... زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

ان بے ہودہ سینڈ کلر دیواروں والے کمرے میں وہ بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھا تھا۔ اپنے قرآن کو ہاتھ میں لئے وہ سرورق پہ ہاتھ پھیرتا کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ قرآن کھولا۔ پانی کے جگ کو دیکھا جو سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔ اس میں اپنا عکس نظر آیا۔ گردن کے نشان داغ تھے، باقی سب کچھ مندمل ہو چکا تھا۔ اس نے گننے کی کوشش کی۔ یہ اگست کے آخری دن تھے۔ اسے تین ماہ ہو چکے تھے اس قید میں۔ خیر۔ میرا وقت بھی آئے گا۔

نظر میری پہ پڑی جو سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھی۔

''تم نے کیا کیا تھا جو مسز کاردار نے نوکری سے نکالا؟''

''روز روز یہ سوال مت دہرایا کرو۔'' اکتا کر میگزین لیے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اسے اس کو باہر ہی نکالنا تھا سو اب آرام سے توجہ قرآن کی طرف مبذول کی۔

''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔''

اس روز وہ چیونٹی والا قصہ پورا بھی نہیں پڑھ پایا تھا جب مایا نے اسے انجیکشن دیا تھا۔ پھر بعد میں صرف ناظرہ تلاوت کرتا، باکچھ دن۔ کہاں تھا وہ تفسیر میں؟ مطلوبہ آیت ڈھونڈ کر زیر لب پڑھنے لگا۔

''تو (سلیمان) مسکرا دیے ہنستے ہنستے اس (چیونٹی) کی بات پر....'' سعدی ذرا یہیں رکا۔

''مسکرا دیے ہنستے ہنستے؟ پتہ ہے کیا' اللہ میں نے بہت دفعہ سوچا کہ ان الفاظ کی کیا ضرورت تھی قرآن میں؟ دیکھیں نا' یہ تو افسانہ نگار کرتے ہیں' کرداروں کے چہرے کے تاثرات' ہنسی وغیرہ بتانا۔ قرآن میں مگر کچھ بھی ایکسٹرا نہیں ہوتا۔ تو اس کی وجہ.... خیر وجوہات تو بہت سی ہوں گی، مگر مجھے یہ سمجھ آیا کہ دیکھیں، یہی قصہ تورات میں یوں لکھا ہے کہ چیونٹی کی بات سے سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا، انہوں نے اسے نخ دیا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس آیت نے دوسری آسمانی کتابوں میں درج اس مسخ شدہ قصے کو گویا کینسل کر دیا' اور بتایا کہ آپ کے انبیاء کتنے پیارے اور نرم دل لوگ تھے۔'' نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ''اور دوسری بات' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کہ'' وہ ہنستے ہنستے مسکرا دیے''۔ میں نے ان الفاظ پہ غور کیا تو یہ لگا کہ خالی'' وہ مسکرا دیا'' بھی کہا جا سکتا تھا۔ پھر'' ہنستے ہنستے مسکرا دیا'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر احساس ہوا کہ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی بات نے اتنا لطف دیا تھا کہ وہ ہنسنے کو تھے' مگر ضبط کر کے صرف مسکرا دیے۔ انبیاء بہت مسکرانے والے لوگ تھے' مگر ان کے مسکرانے میں بھی میز زہوتے تھے' گریس تھی' وقار تھا۔ وہ اونچا قہقہہ نہیں لگاتے تھے' ایسے نہیں کہ حلق کا کوا نظر آئے۔ اسی لئے ان کے دل زندہ تھے۔ کیا کوئی ہے جو میرے انبیاء کا مقابلہ کر سکے؟'' ان قدیم قصے کہانیوں کو پڑھتے ہوئے وقت کا احساس ختم ہو جاتا تھا۔ وہ اپنا کمرہ جیل، ان تین ماہ کی اذیت، ہاشم کی باتیں، سب بھولتا جا رہا تھا اور پڑھتا جا رہا تھا۔

''پھر (سلیمان) اس کی بات سے ہنستے ہنستے مسکرا دیے اور کہنے لگے' اے میرے رب' مجھے توفیق دے کہ میں آپ کے احسان کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پہ کیا اور میرے ماں باپ پہ کیا اور یہ کہ میں وہ نیک کام کروں جو آپ پسند کریں اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں

میں شامل کرلیں۔"

"ہوں!" اس نے تھکی ہوئی سانس لی۔ "سو.... سلیمان علیہ السلام نے احسان کا شکر کرنے کا کہا تو.... اپنے ماں باپ کا ذکر کیوں کیا؟ ایک منٹ۔" گھنگریالے بالوں والا لڑکا ہونٹ دبا کر سوچنے لگا۔ "وہ چیونٹی کی ذہانت پہ مسکرائے تھے' بات تو چیونٹی کی ہو رہی تھی' تو سلیمان علیہ السلام کو اپنے ماں باپ کا خیال کیوں آیا؟ شاید اس لئے کہ...." وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ ماں باپ ہی ہوتے ہیں جو اولاد کو یہودی' عیسائی یا مسلمان بناتے ہیں' نمازی یا بے نمازی بناتے ہیں' ورنہ پیدا تو ہر کوئی اللہ کی فطرت پہ ہوتا ہے۔ یعنی کہ.... شکر ادا کرنا بھی' "توفیق" سے ملتا ہے۔ "توفیق" بھی "دعا" سے ملتی ہے۔ مطلب کہ دنیا میں ہر چیز دعا سے ملتی ہے۔ اگر دعاؤں سے یقین اٹھ جائے تو اس "یقین" کے لئے بھی دعا مانگی جاتی ہے۔ اور دیکھیں اللہ' سلیمان علیہ السلام تو پیغمبر تھے۔ وہ آل ریڈی اتنے نیک تھے۔ پھر بھی دعا کر رہے ہیں کہ اللہ آپ مجھے نیک بندوں میں شامل کرلیں۔ اور پھر وہ نیک کام جو اللہ آپ پسند بھی کریں۔" کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ دل میں بول رہا ہے یا زبان سے کہہ رہا ہے۔ "اللہ تعالیٰ' میں اکثر دیکھتا ہوں' لوگ میوزک شوز منعقد کر کے چیریٹی جمع کرتے ہیں' اب کوئی مانے یا نہ مانے' موسیقی کی اجازت اللہ آپ نے ہمیں نہیں دے رکھی' اور کسی کے نہ ماننے سے حرام' حلال نہیں ہو جائے گا' سو انسان کو نیک کام کرتے وقت سوچنا چاہیے کہ یہ اللہ کے اصولوں کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ ورنہ جیسے اللہ آپ نے کہہ رکھا ہے کہ بعض اوقات اللہ گناہ گاروں سے بھی دین کا کام کروا لیتا ہے۔ یعنی کہ اگر نیت یا طریقہ درست نہ ہو تو ہم بہت عمل کرنے والے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟ عاملة ناصبه؟ اف! میں صرف ڈرانے والی باتیں کیوں سوچتا اور کرتا ہوں؟" جھرجھری لی۔ "شاید اس لئے کہ مجھے لگتا ہے ہر وقت لوگوں کو اور خود کو "سب معاف ہو جائے گا" اور "جنت کی حوروں" کا کہہ کہہ کر سلائے رکھنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ بار بار انسان کو Reality check ملتے رہنا چاہیے۔"

خیر.... وہ اگلی آیت کی طرف بڑھا۔

"اور (سلیمانؑ نے) پرندوں کی حاضری لی تو کہا' کیا بات ہے جو میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا وہ غیر حاضر ہے؟ میں سے سخت سزا دوں گا' یا اسے ذبح کروں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے۔"

"تو ثابت ہوا اللہ کہ حسنِ اخلاق اور چیز ہے' اور ڈسپلن کے لیے سخت اصول بنانا اور چیز ہے۔" خیر.... نگاہیں اگلی آیت پہ جمائیں۔

"پھر تھوڑی دیر بعد ہد ہد حاضر ہوا اور کہا کہ میں حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں' اور لایا ہوں ملکِ سبا سے یقینی خبر۔

میں نے ایک عورت کو پایا ہے' جو ان پہ حکمرانی کرتی ہے (ملکہ سبا) اور اسے ہر چیز دی گئی ہے' اور اس کا بڑا سا تخت ہے۔ میں نے پایا ہے کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے ہیں' اور انہیں راستے سے روک دیا ہے' سو وہ درست راہ پہ نہیں چلتے۔"

اس دلچسپ قصے کو پڑھتے پڑھتے وہ ان الفاظ پہ ٹھہرا۔

"شیطان نے ان کے اعمال ان کو خوبصورت کر کے دکھائے ہیں؟ مطلب کہ یہ مسئلہ کیا ہے شیطان کے ساتھ؟" ایک دم سے اسے بہت سارا غصہ آیا۔ "کیا یہ انسان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا؟ ہمیں بری چیزیں اچھی بنا کر دکھانا ترک نہیں کر سکتا؟ ہم سکون سے اللہ کی عبادت کیا کریں' شکر کیا کریں۔ حلال کھائیں' لوگوں سے بھلائی کریں' آپ نا شیطان کو لاک اپ کر دیں کبھی اور...." بولتے بولتے وہ رکا۔ "اور.... رمضان میں یہی تو ہوتا ہے مگر.... پھر بھی...." نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"اچھا سوری' یہ شیطان کو لاک اپ والی بات واپس لیتا ہوں میں۔ خواہ مخواہ ایموشنل ہو گیا میں۔" سر جھٹک کر آیات کی طرف

بیان دیا۔ وہاں ہدہد کہہ رہا تھا،

"اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے؟ اور جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو، سب کو وہ جانتا ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"

"ویسے اللہ تعالیٰ..." وہ ستائش سے کہنے لگا۔ "ایک بات ہے۔ ہدہد بہت ہی سیانا تھا۔ مطلب کہ.... ہدہد... ایک پرندہ... ملکہ سبا نے عظیم الشان تخت کو دیکھ کر بھی وہ 'اللہ' آپ کا وہ عرشِ عظیم نہیں بھولا جو اس نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ ایک ننھا سا پرندہ بھی دل کا ایسا بادشاہ ہے کہ اس کو ملکہ کی شان و شوکت نے یوں مبہوت نہیں کیا کہ وہ اللہ کو بھول جائے۔ مگر ہم کیا کرتے ہیں؟ کسی لش پش چمکتے مال میں آجائیں، کسی بیرون ملک ہوٹل کے فنکشن میں چلے جائیں، تو دولت کی ریل پیل نگاہوں کو یوں خیرہ کر دیتی ہے کہ ہم سب بھول جاتے ہیں۔ اکثر اچھی اچھی عبایا پہن کر کرنے والی لڑکیاں یورپ یا امریکہ چلی جائیں تو ایک ہفتے میں حجاب اتر جاتا ہے۔ وہ مغربی لباس کو اپنا لیتی ہیں۔ میں سوچتا ہوں، ملک بدلنے سے اللہ تو نہیں بدلتا۔ دین تو نہیں بدلتا۔ ایک پرندے کو بھی جو بات پتہ ہے، وہ ہمیں کیوں بھول جاتی ہے؟"

وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا بڑبڑاتا رہا۔ کڑھتا رہا۔ پھر قرآن رکھا، دعا مانگی۔ "مجھے کم از کم اتنا مضبوط تو کر دیں جتنا وہ ہدہد تھا۔ دل کا بادشاہ۔" اور یہ تو سعدی یوسف کی 25 سالہ زندگی کے تجربوں کا نچوڑ کہتا تھا کہ قرآن پڑھنے کے بعد مانگی جانے والی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ وہ دعا مانگ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دیوار پہ لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ نیلی جینز اور سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ چہرہ قدرے کمزور مگر آنکھیں سنجیدہ لگتی تھیں۔ خود کو دیکھتے وہ سوچتا رہا۔ سوچتا رہا۔ پھر دروازہ بجایا۔ میری اور گارڈ دروازے کھولتے ہی سامنے نظر آئے۔

"میں کھانا لا رہی ہوں، تم...."

"مجھے ہاشم سے بات کرنی ہے۔ ابھی اسی وقت۔ اور تم۔" گارڈ کو دیکھا۔ "مجھے گھورو مت۔ اپنی گن کی نمائش بھی مت کرو میرے سامنے۔ مجھے کبھی شوٹ کیا نا تو تمہارا مالک تمہیں شوٹ کر دے گا۔ اس کمپاؤنڈ میں اگر کوئی نہیں مرنے والا تو وہ میں ہوں۔ اب فون لا کر دو مجھے۔"

میری اس کی ٹون پہ حیران ہوئی مگر بلا چوں چراں فون لا کر اس کو تھمایا۔ "وہ لائن پہ ہیں۔ یہ صرف ون وے فون ہے، اس لئے کال بند کر کے کسی اور کو کرنے کی زحمت مت کرنا۔" ساتھ ہی اسے گھورا۔ سعدی نے وہیں کھڑے کھڑے فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔

"مسٹر ہاشم کاردار۔ سنا ہے اس روز آپ مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

"وعلیکم السلام سعدی۔"

"طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے نزدیک السلام وعلیکم ایک دعا ہے، اور دعا وہ آخری چیز ہے جو میں تمہیں دوں گا۔ فی الحال تم ہاشم میرے پاس تمہیں دینے کے لئے ایک فہرست ہے۔" چبا چبا کر کہہ رہا تھا اور ادھ کھلے دروازے میں میری اور گارڈز ہکا بکا کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اسے اس ٹون میں بات کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"میرا خیال تھا، تمہارا ٹیسٹ بہت اچھا ہے۔ مگر جو کھانا مجھے دیا جاتا ہے، وہ تمہارے کتے بھی نہیں کھاتے ہوں گے، اس لئے آئندہ میں بتاؤں گا، وہی مینیو مجھے دیا جائے گا۔ مجھے میری مرضی کی کتابیں، پین اور لکھنے کے لئے صاف جرنلز چاہئیں۔ مجھے ایک ٹی وی چاہیے۔ جس پہ میرے ملک کے لوکل چینلز آتے ہوں۔ مجھے کپڑوں کے دس نئے جوڑے چاہئیں، اور مجھے واک کرنے کے لئے کوئی جگہ چاہیے۔ اسی کمپاؤنڈ کا کوئی بڑا کمرہ ہو بے شک۔"

''اور کچھ؟'' سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''اور بس اتنا کہ اس روز جو تم نے کیا' وہ بزدلانہ حرکت تھی۔ مجھے مفلوج کر دیا کیونکہ تم میرے ری ایکشن سے ڈرتے تھے۔ اتنا بھی کیا ڈرنا ہاشم؟ میں تم پہ تب جھپٹتا' جب مجھے تمہارے کسی لفظ کا اعتبار ہوتا۔ مگر تم جھوٹ بول رہے تھے۔ وہ تصویریں اور وہ باتیں تم نے میرا ذہن خراب کرنے کے لیے کہی تھیں۔ اس لیے میں نے ان کو پھاڑ دیا ہے' کیونکہ میری بہن نے تم سے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ وہ تم سے یو ایس بی کا ہی پوچھ رہی تھی۔ اس لیے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ میرے پاس آؤ' میرے سامنے بیٹھو اور میری آنکھوں میں دیکھ کر وہ سب' ہر وہ جو تم نے اس دن کہا' مگر مجھے مفلوج نہ کرو۔ پھر دیکھو میں کیا جواب دیتا ہوں۔ تمہیں اپنی آفر کا جواب چاہیے نا؟''

''سعدی' مجھے تمہاری بہن میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ میرے نزدیک وہ میری بیٹی کی عمر کی ہے' لیکن جو میں نے کہا' وہ خالی دھمکی نہیں تھی۔ میں کرنے پہ آؤں تو کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

''فون پہ نہیں ہاشم۔ میرے سامنے' میری آنکھوں میں دیکھ کر یہ بات کہنا۔'' اور فون میری کی طرف بڑھا دیا۔ ہاشم نے فون رکھتے ہی انٹرکام اٹھایا۔

''کیپٹن اشعر سے کہو ہفتے کے روز جیٹ تیار رکھے' مجھے ملک سے باہر جانا ہے' کسی کا دماغ درست کرنا ہے۔'' اپنے پرائیوٹ جیٹ کے پائلٹ کے لیے پیغام دے کر اس نے ریسیور واپس ڈال دیا۔

اور ادھر سعدی کے کمرے میں کھڑی میری نے فون گارڈ کو دے کر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ چلا گیا تو وہ دروازہ بند کر کے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔

''نیکلیس!''

''کیا؟'' سعدی نے ابرو اٹھائی۔

''میں نے مسز کاردار کا نیکلیس چرایا تھا۔ اسی لیے انہوں نے مجھے نوکری سے نکالا۔'' اور پھر اس کو دیکھے بنا باہر چلی گئی۔ سعدی وہیں کھڑا گہرے سانس لیتا خود کو نارمل کرنے لگا۔ دل کا بادشاہ بننا اتنا مشکل نہیں تھا۔

....

کرو کج جبیں پہ سر کفن، میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو ...... کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

وہ رات گرم تھی اور بے رحم۔ ٹھنڈی تھی اور منتقم۔

اس علاقے میں ویران پلاٹ تھے یا فاصلے فاصلے پہ عمارتیں۔ رات کے اس پہر سڑک سنسان تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اسٹریٹ لائٹس بھی اچانک سے آف ہو گئی تھیں۔ ایسے میں ڈاکٹر ایمن کے زیر تعمیر شدہ ہسپتال کی عمارت اس وقت اندھیر پڑی تھی۔ دروازے پہ تالہ لگا تھا۔ اور باہر دو گارڈز بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں اسٹریٹ لائٹس کی بات کر رہے تھے۔ پیڈسٹل فین ساتھ ہی چل رہا تھا۔ ایک گارڈ جمائی لیتے ہوئے منہ پہ ہاتھ رکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے کندھے میں کوئی شے آ کر چبھی۔

چبھن شدید تھی' پھر ہلکی ہوتی گئی۔ جسم کسی خالی بادل کی مانند ہو رہا تھا۔ گردن اور کندھے کے درمیان کوئی سرنج سی چبھی پڑی ہے۔ کنکھیوں سے اسے نظر آیا کہ ساتھ والا گارڈ کرسی سے نیچے گرتا جا رہا تھا۔ اس کا اپنا جسم بھی ڈھلک رہا تھا۔ اور اسی ڈھلکی گردن سے اس نے دیکھا۔ دو جوگرز والے پیر اس کے سامنے آ رکے تھے۔ جوگرز سے اوپر جینز نظر آئی' اس سے اوپر نہ دیکھ سکا اور غنودگی میں ڈوبتا گیا۔

جینز کے اوپر اس نے سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین کلائی سے بالشت بھر پیچھے ختم ہو جاتے تھے۔ نگاہ اوپر اٹھاؤ تو اس کا چہرہ نظر آتا تھا [illegible] ہلکی بڑھی شیو' آنکھوں میں سرد تپش تھی۔ اور پہلو میں گرے ہاتھ میں پستول تھی۔

اندھیرے میں بھی فارس غازی کی ٹھنڈی آنکھوں میں چبھن نظر آتی تھی۔

("ڈاکٹر ایمن میرے ساتھ دہرائیے۔ میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر حلف اٹھاتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی' سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔" تین سال پہلے وہ سفید کرتے میں ملبوس ڈیفینس کی کرسی پہ بیٹھا' سلگتی ہوئی نظروں سے کٹہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں کھڑی ڈاکٹر ایمن سے حلف لیا جا رہا تھا۔

"میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر کہتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی' اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔"

"اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔"

"اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔")

فارس نے پستول پچھلی جیب میں اڑسا۔ جھکا۔ دونوں گارڈز کی گردنوں سے ٹرینکولائزر ڈارٹس darts نکال کر کندھے پہ لٹکے بیگ میں ڈالے۔ پھر ایک کو کندھوں سے گھسیٹتا ہوا سڑک کے اس پار لے جانے لگا جہاں جھاڑیاں تھیں۔

("کیا آپ اس شخص کو پہچانتی ہیں ڈاکٹر ایمن؟"

"جی۔ یہ وارث غازی کی تصویر ہے۔ وہ میرا پیشنٹ تھا۔ تین ماہ تک وہ میرے پاس آتا رہا تھا۔"

"آپ جانتی ہے جج نے آپ کو ڈاکٹر پیشنٹ previlige توڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے آپ وارث غازی کے سیشنز کی نیچر سے عدالت کو مطلع کریں۔")

اب دونوں بے سدھ ہوئے گارڈز دو جھاڑیوں میں اوندھے پڑے تھے۔ اور وہ کندھے پہ بیگ لٹکائے' واپس ہسپتال کی عمارت تک چلتا جا رہا تھا۔ اب ایک ہاتھ میں چھوٹا کلہاڑا بھی نظر آ رہا تھا۔ دروازے کے سامنے وہ رکا' اور زور سے کلہاڑا تالے پہ مارا۔ تالا ٹوٹا۔ اس نے ٹھوکر سے دروازے کو ٹھوکر ماری۔ دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔ وہ اندر داخل ہوا۔

("وارث پریشان تھا۔ اور گلٹی بھی۔ اس نے بتایا' اور یہ سب میرے نوٹس میں بھی لکھا ہے جو میں نے عدالت کے حوالے کیے ہیں' وہ اپنے بھائی فارس کی بیوی کو پسند کرتا تھا اور اس کے اس کے ساتھ تعلقات تھے۔" کٹہرے میں کھڑی عورت سکون سے کہہ رہی تھی اور سامنے بیٹھا سفید کرتے والا غازی' اس کو انہی چبھتی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ آنکھوں میں سرخی آ رہی تھی اور مٹھی بھنچی ہوئی تھی۔" اس نے کہا شروع میں لڑکی راضی نہیں تھی' سب زبردستی ہوا' مگر اب وہ بھی مکمل طور پہ انوالو ہو چکی تھی۔ وہ بہت گلٹی تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے بھائی کو علم نہ ہو جائے۔")

اس نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہونے لگیں۔ اندر سے ہسپتال ٹائلز کے فرش اور سفید دیواروں سے جگمگا رہا تھا۔ قیمتی فرنیچر' بہترین مشینری۔ بس دو مہینے بعد وہ افتتاح کے لیے تیار تھا۔ وہ بتیاں جلاتا' آگے بڑھتا گیا۔ آنکھوں میں سرد سی ٹھنڈ لیے... وہ ایک ایک کمرے کو دیکھتا جا رہا تھا۔

("اپنی موت سے دو دن قبل وہ میرے پاس آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے بھائی کو اس کے افیئر کا علم ہو گیا ہے اور وہ اس سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اسی لیے وہ گھر نہیں جا رہا۔ بلکہ ہاسٹل میں رہ رہا ہے۔ وہ تنہائی میں فارس سے ملنے سے گھبرانے لگا ہے۔")

فارس قدم قدم چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ تین سال پہلے کے عدالتی کمرے کی ساری کارروائی اس کے چہرے پہ اترے سرد پن کے پیچھے میں پنہاں تھی۔

("جی ہاں' فارس غازی کے لیے بھی کورٹ نے مجھے اپوائنٹ کیا تھا۔ میں پچھلے آٹھ ماہ سے فارس کا علاج کر رہی ہوں۔ اپنے پیشنٹ کا پریولیج توڑتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ کانفیڈینشلیٹی کے پانچ C's میں سے ایک اگر Consent ہے تو وہ میرا مریض مجھے

نہیں دے گا۔'' نظروں کا رخ فارس کی طرف موڑا۔ وہ انہی سرخ گلابی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔'' دوسرا یہ کورٹ آرڈر ہے مگر میرے نزدیک اس سے زیادہ اہم Continued treatment ہے۔ اور فارس کے لئے یہ بہتر ہے کہ میں یہ سب کورٹ کو بتاؤں۔ آئی ایم سوری فارس!'')

وہ وسط کمرے میں آ کھڑا ہوا۔ بیگ کھولا اور اندر سے کاغذوں کا ایک پلندہ نکالا۔ پہلے صفحے پہ چند الفاظ نظر آئے۔ سرکار بنام فارس غازی۔ پی ڈبلیو (پراسیکیوشن witness)، ڈاکٹر ایمن کی گواہی۔ وہ انہی سرد آنکھوں میں آنچ لئے اس پلندے کو دیکھ رہا تھا۔

('' ٹریٹمنٹ کے دوران فارس نے مجھے بتایا کہ اسے پہلے دن سے اپنی بیوی کی حرکتیں پسند نہیں تھیں۔ وہ امیچور اور بچگانہ سی تھی۔ مگر وہ اس کو چانس پہ چانس دیئے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنی بیوی کو اپنے بھائی کے ساتھ دیکھ لیا۔ اس کی غیرت کے لئے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ دو دن سو نہیں سکا۔ کسی کو بتا نہیں سکا۔ وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔''

'' کیا آپ نے اس سے یہ اعتراف کروانے کے لئے کبھی کوئی ڈرگ استعمال کی؟''

''نہیں۔ میں نے کبھی اس کو کوئی سائیکوایکٹو ڈرگ نہیں دی۔'')

اس نے بیگ سے ایک چھوٹی استری نکالی۔ کاغذوں کا پلندہ میز پہ رکھا اور استری کا لوہا کاغذوں کے اوپر لٹا دیا۔ پلگ لگا کر سوئچ آن کیا۔ پھر کلہاڑا اٹھایا۔

('' اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کو قتل کر دے مگر وہ پکڑے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ یہ آنر کلنگ نہ لگے۔ فارس غازی نے 2 نومبر والا کیس جنوری والے سیشن میں اعتراف کیا تھا کہ اس نے یہ دونوں قتل کیے ہیں اور اسے ان پہ بہت افسوس ہے۔ آپ میرے نوٹس چیک کر سکتے ہیں۔ آڈیو ٹیپ کی اجازت اس نے مجھے نہیں دی تھی۔ اب میں یہ سب اس لئے کورٹ کو بتا رہی ہوں کیونکہ اگر آپ نے فارس کو ضمانت پہ رہا کیا تو وہ خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے اپنے پیشنٹ کی فکر ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی اور جرم میں ملوث ہو کر چند دن بعد پھر جیل میں بند ہو۔ اس لئے ابھی کچھ ماہ تک اسے کسٹڈی میں رکھنا ضروری ہے۔'')

وہ دیوار تک آیا، چند لمحے اپنی سرد آنکھوں سے دیوار پہ لگے پائپ کو دیکھتا رہا، پھر پوری قوت سے کلہاڑا اس پہ مارا۔ پائپ چر گیا۔ سس کی آواز سے گیس لیک ہونے لگی۔

فارس طہیر غازی نے اپنا بیگ کندھے پہ ڈالا اور راہداری کی طرف چلتا گیا۔ استری تلے رکھے کاغذ درمیان سے ہلکے ہلکے بھورے ہونے لگے تھے۔ وہ دروازے سے باہر نکل آیا اور اسے بند کر دیا۔ ایک نظر اٹھا کر اس دو منزلہ خوبصورت عمارت کو دیکھا۔

('' مجھے معلوم ہے تم مجھ سے خفا ہو گے۔'' سماعت ختم ہونے کے بعد وہ اس کی کرسی کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھوں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ مٹھی زور سے بھینچ رکھی تھی۔'' مگر مجھے تمہاری فکر ہے۔ تم ٹھیک نہیں ہو۔ اگر باہر جاؤ گے تو خود کو نقصان دو گے۔'' فارس نے سرخ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

'' یہ مت سمجھنا کہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔ تم نے یہ سب اس دن مجھے بتایا تھا، جب میں نے تمہیں ٹرتھ سیرم دیا تھا۔ تمہیں یاد نہیں ہو گا، مگر میں کورٹ میں یہ کہنے پہ مجبور تھی۔ مجھے نوٹس پہ نوٹس آ رہے تھے۔ پھر میں نے جو بھی کیا، تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لئے کیا۔'' اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تھپکا۔ انگوٹھی کے اندر کچھ نوکیلا سا چبھا۔'' تم ایک دن دوبارہ نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤ گے۔ چند سال کی تو بات ہے!'' اب وہ جا رہی تھی۔ سفید کرتے والے شخص نے سرخ آنکھوں کا رخ موڑ کر اسے جاتے دیکھا۔

'' مجھے اس دن کا انتظار ہے، ڈاکٹر!'' وہ بڑبڑایا تھا۔)

ہسپتال کی عمارت اسی طرح اندھیر کھڑی تھی اور فارس غازی اب اس سے دور چلتا آ رہا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کندھے پہ بیگ

اٹھائے' وہ مطمئن سے قدم اٹھا رہا تھا۔ پس منظر میں کھڑی تاریک عمارت دور ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایک دم... رات میں روشنی ہوئی۔ عمارت کے اندر دھماکہ سا ہوا۔ سنہری آگ کے شعلے کھڑکیوں سے باہر لپکنے لگے۔ دروازے جل رہے تھے۔ آگ کے ہاتھ انگلیاں پھیلائے آسمان کی طرف بڑھ رہے تھے' چلا رہے تھے۔ اور وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جا رہا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

اب وہ پھرتے ہیں اسی شہر میں تنہا لیے دل کو ..... اک زمانے میں مزاج ان کا سر عرش بریں تھا

آسمان پہ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ہسپتال کی عمارت کوئلے کی طرح سیاہ پڑی تھی' دھوئیں کے بادل ابھی تک اوپر اٹھ رہے تھے۔ اردگرد رش تھا۔ فائر بریگیڈ' رپورٹرز کے کیمرے۔ پولیس۔ ایک جگہ وہ دونوں گارڈز کھڑے ایک پولیس افسر سے بات کر رہے تھے۔ فاصلے پہ ایک پولیس موبائل کے ساتھ اے ایس پی سرمد شاہ کھڑا تحمل سے توقیر بخاری کو سن رہا تھا۔ جو پاگلوں کی طرح غرا رہے تھے۔

"تم لوگوں نے میری برسوں کی محنت برباد کر دی۔ اپنے بچوں کی طرح خیال کیا تھا اس عمارت کا میں نے۔"

"ڈاکٹر صاحب آرام سے۔ میں نے کہا نا' ہم تفتیش کر رہے ہیں۔"

"خاک تفتیش کرو گے تم؟ کل تم نے مجھے فون پہ کہا تھا کہ اوپر والے کہہ رہے ہیں' اگر پھر کوئی مطالبہ کیا تو جو ہے وہ بھی نہیں رہے گا' اور آج میرا ہسپتال جلا ڈالا گیا۔ اندھا ہوں میں؟ بچہ ہوں میں؟" آستین سے کف رگڑتے' پسینے سے تر چہرے اور سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے دبا دبا سا چلائے تھے۔ "تم سب جھکتو گے۔ وہ... نیاز بیگ کا بھائی اور تم... تم سب ملے ہوئے ہو۔"

"میں بڑا لحاظ کر رہا ہوں آپ کا۔ محنت نہ محنت۔ یہ جگہ ہم نے آپ کو دی تھی۔ آدھی سے زیادہ مشینیں ہم نے آپ کو دی تھیں۔" ناگواری سے ٹوکا۔

"میں نے اپنی ساری جمع پونجی کنسٹرکشن پہ لگائی' میرے اوپر قرضہ ہے' مجھے کنگال کر دیا تم لوگوں نے۔" وہ بال نوچ رہے تھے۔ وہ واقعی بال نوچ رہے تھے۔

قدرے فاصلے پہ کار رکی اور تیزی سے دروازہ کھول کر ڈاکٹر ایمن باہر نکلی۔ ادھر ادھر دیکھتی' قدم بڑھائے تو سامنے عمارت نظر آئی۔ وہ زنجیر پا ہوئی۔ برف ہوئی۔ نمک کا مجسمہ ہوئی! اس کی آنکھیں اس کوئلے کی سی ہوئی عمارت پہ جا ٹھہریں' لب ہلکے سے کھل گئے... اور دل... دل خالی ہو گیا۔ بے اختیار اس نے کار کے دروازے کا سہارا لیا۔

سب جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

بنا پلک جھپکے وہ اس عمارت کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کا رنگ پیلا زرد ہو رہا تھا' اور کانوں کے ہیرے ویسے ہی جگمگا رہے تھے۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

کوئی ٹھہرا ہو جو لوگوں کے مد مقابل تو بتاؤ ..... وہ کہاں ہیں کہ جنہیں ناز بہت اپنے تئیں تھا

اس شام ڈاکٹر ایمن بہت تھکی تھکی' نڈھال سی اپنے لاؤنج میں اندھیرا کیے بیٹھی تھی۔ گھر خالی تھا۔ بچوں کو نانی کی طرف بھیج دیا تھا اور ڈاکٹر توقیر تھانے گئے ہوئے تھے۔ وہ پیر اوپر کیے' یک ٹک بیٹھی خلا میں دیکھ رہی تھی۔ پھر یکایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ چونکی۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔ مدھم سی بیٹ۔ وہ سست روی سے اٹھی اور راہداری کی طرف آئی۔ اندھیر گھر میں ادھر ادھر چلتی اپنی اسٹڈی کے دہانے پہ آرکی۔ دروازہ دھکیلا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ صرف کھڑکی سے نیلگوں روشنی آ رہی تھی۔ وہ جانے لگی' تبھی یک دم رکی۔

میز کے پیچھے' کنٹرول چیئر پہ کوئی بیٹھا تھا۔ اس کا سارا وجود اندھیرے میں تھا۔ صرف ایک ہاتھ نظر آ رہا تھا جس سے وہ میز پہ ایک پین کو "ٹھک ٹھک" بجا رہا تھا۔

''پنجاب پرزن کے چار سی ہوتے ہیں۔ کنٹرول' کسٹڈی' کیئر اور کریکشن۔'' تاریکی میں بھی وہ اس کی آواز سن سکتی تھی۔ وہ بت بن گئی۔ ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

''کانفیڈنشیلیٹی کے پانچ سی ہوتے ہیں' جن کے تحت پریولیج توڑا جا سکتا ہے۔ آپ کو پانچ کے پانچ C یاد رہے۔ مگر مجھے صرف ایک C کا علم ہے۔''

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی۔ پلکیں جھپک کر اندھیرے میں آنکھوں کو عادی کیا' تو منظر واضح ہوا۔

''اور وہ C ہے۔ کاربن۔'' وہ آگے ہوا۔ نیلی روشنی میں فارس کا چہرہ واضح ہوا۔ اس پہ سرد سی مسکراہٹ تھی۔ اور آنکھوں میں تپش تھی۔ وہ آگ اور برف ایک ساتھ دیکھ رہی تھی۔

''وہ کاربن نہیں جو آپ کے کانوں میں ہیں۔'' انگلی سے ڈاکٹر ایمن کے کانوں کی طرف اشارہ کیا جن میں جگمگاتے ہوئے دنیا کے سخت ترین کاربن تھے۔ ''بلکہ ایک ہائیڈرو کاربن۔ وہی جو آپ کو بھول گیا تھا۔ CH4''

ڈاکٹر ایمن کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ ''میتھین؟ نیچرل گیس۔'' وہ شل رہ گئی۔ ''تم نے... تم نے آگ لگائی ہے میرے ہسپتال میں۔ ہے نا؟ تم نے کیا نا یہ سب؟'' اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے میں آیا... وہ ایک دم آگے آئی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟ وہ میرے برسوں کی محنت تھی۔ وہ میری پوری زندگی تھا۔'' وہ دبا دبا سا چلائی تھی۔ ''ہمارے اوپر قرضہ ہے۔ اسے کیسے اتاروں گی میں؟ میں تباہ ہو گئی ہوں فارس غازی!''

''گڈ!'' اس نے سر کو خم دیا۔ ایمن کی آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

''تم... تم نے مجھ سے بدلہ لیا نا۔ پریولیج توڑنے کا۔ پرجری کا۔ ہاں بولا تھا میں نے جھوٹ۔ اور اب تم دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے' جھکی کھڑی وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔ ''میں ابھی کے ابھی پولیس بلا رہی ہوں۔ تو قیر' اے ایس پی' میں سب کو بتاؤں گی کہ تم نے کیا ہے یہ سب۔ کاؤنٹ آف مونٹے کرسٹو واپس آگیا ہے اور وہ ایک ایک سے بدلہ لے رہا ہے۔ اور میں...'' اس کا سانس پھول رہا تھا۔ ''میں میڈیا پہ بھی سب بتاؤں گی۔ تمہاری بیوی اور تمہارے بھائی کے افیئر کی ایک ایک تفصیل بتاؤں گی۔''

''نہیں' آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ کھڑکی کے پردے کے ساتھ کھڑی لڑکی آگے چلتی آئی اور فارس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ ایک انگلی سے مسلسل اپنی گھنگھریالی لٹ لپیٹ رہی تھی اور اس کا چہرہ نیلی چاندنی میں دمک رہا تھا۔

ڈاکٹر ایمن ہاتھ ہٹا کر سیدھی ہوئی۔ شرربار نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔ فارس اب پیچھے کو ٹیک لگائے بیٹھا' مسلسل پین سے میز کی سطح پہ ٹھک ٹھک کر رہا تھا۔

''یہ تم دونوں کی بھول ہے کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

فارس نے قلم رکھا اور میز پہ پڑا فوٹو فریم اٹھا کر سامنے کیا جس میں ایمن' توقیر اور ان کے تین بچے مسکرا رہے تھے۔ ''آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے' ڈاکٹر!''

ڈاکٹر ایمن نے استہزائیہ ''اوہ'' کر کے سینے پہ بازو لپیٹے۔ ''اچھا تو تم میرے بیٹے کو مارنے کی دھمکی دے رہے ہو؟ ہونہہ۔ تم یہ نہیں کر سکتے۔ You Don't have it in you۔ تم قاتل ہو نہ ہو سکتے ہو۔'' اس بات پہ زمر نے چند لمحے کے لئے فارس کو دیکھا' پھر چہرہ ڈاکٹر کی طرف موڑا۔

''کوئی کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہا ڈاکٹر ایمن۔'' سکون سے بولی۔ ''مگر مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے ڈرائنگ روم میں دو سرویلنس کیمرے لگے ہیں۔''

ڈاکٹر ایمن نے بے یقینی بھرے غصے سے انہیں دیکھا۔ "تم لوگوں نے میرے گھر میں کیمرے لگائے ہیں؟ اچھا؟ تو کیا ریکارڈ کیا تم نے؟ اے ایس پی اور ہماری باتیں؟ ہونہہ۔ ہم ایسی ملاقاتیں گھر پہ نہیں کرتے۔"

"ہم یہی ریکارڈ کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے کچھ زیادہ دلچسپ ریکارڈ کیا ہے۔" کہتے ہوئے زمر نے اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین روشن کی۔ نیم اندھیر کمرے میں روشنی چمکی۔ اسکرین اس کے سامنے لائی۔ ایمن کی آنکھیں اس پہ جھکیں۔

"یہ آپ کی اور آپ کے بہنوئی کی ایک گفتگو ہے۔" اس نے پلے نہیں کیا' صرف اسٹل امیج نظر آرہا تھا مگر ڈاکٹر ایمن کا چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھا۔

"جیسا کہ میرے ہزبینڈ نے کہا' آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے' مگر وہ صرف آپ کا بیٹا ہے۔ ڈاکٹر توقیر کا نہیں۔" اسکرین سامنے لہرائی۔ "اس کا باپ آپ کی بہن کا شوہر ہے۔ اوہ۔ ڈاکٹر توقیر کو تو علم نہیں ہے نا اس بات کا؟"

ڈاکٹر ایمن کرسی کی پشت پکڑے جھکی۔ چند گہرے سانس لیے۔ پھر سامنے بیٹھی۔ اس کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

فارس دونوں ہاتھ باہم ملائے' میز پہ آگے کو ہوا۔ اس کی نیم مردہ آنکھوں میں دیکھا' قدرت کا ایک اصول ہے' کہ جب کوئی کسی پہ ایسا الزام لگاتا ہے جو اس نے نہ کیا ہو یا ترک کر چکا ہو تو مرنے سے پہلے وہ خود اس میں ضرور ملوث ہو جاتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے فارس کی

نظروں میں تپش ابھری۔ "تم نے میری بیوی پہ بھری کچہری میں الزام لگایا' تم نے میرے بھائی پہ الزام لگایا۔"

چند لمحے تک ایمن کچھ بول نہ پائی۔ آنکھوں میں آنسو گئے۔ "کیا تم یہ سب بھول نہیں سکتے تھے؟ رہا ہو گئے' شادی کرلی' سیٹل ہو گئے۔ کیا تم... تم معاف نہیں کر سکتے تھے؟"

"تم لوگوں نے معافی مانگی کب تھی؟ تم لوگوں نے میرے بھانجے کے ساتھ بھی وہی کیا جو میرے ساتھ کیا۔ لیکن اب کم از کم تم ایک لمبے عرصے تک کسی کے ساتھ دوبارہ یہ نہیں کر سکو گی۔" دوبارہ ٹیک لگائی۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے اتنی تپش سے دیکھا۔

"اور اب... محترمہ آپ وہی کریں گی جو ہم آپ کو بتائیں گے۔"

"جی ڈاکٹر ایمن' اور ہم میں اور آپ میں یہی فرق ہے۔" وہ بھی خشک سا کہہ رہی تھی۔ "ہم چاہیں تو آپ کے شوہر کو بتا دیں۔ آپ کا میکہ بھی چھوٹے گا' سسرال بھی۔ شوہر اور دو بچے تو جائیں گے ہی۔ مگر ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کی ذاتی زندگی خراب نہیں کریں گے۔ تب تک جب تک آپ ہمارے کہے پہ عمل کرتی رہیں گی۔"

اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بے بسی سے انگلیاں مروڑتی زمر کو تک رہی تھی۔

"آپ ہر ایک کو یقین دلائیں گی کہ اس واقعے میں علیم بیگ کا ہاتھ ہے' یہ بھی بتائیں گی کہ وہ آپ کو فون پہ دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ آگے آپ کو پتہ ہے آپ کو کیا کرنا ہے۔" ڈاکٹر ایمن نے بھیگے چہرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور اب!" وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔ "اب آپ بتائیے' سعدی یوسف کے بارے میں۔ ہر وہ چیز جو اس رات ہوئی۔ زیادہ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے' آپ دیکھ چکی ہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔"

چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا۔ وہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"وعدہ کرو تم کبھی توقیر کو نہیں بتاؤ گے' میرے اور کامران کے درمیان اب کچھ نہیں ہے' وہ ایک پرانی بات تھی۔ توقیر کو مجھ سے بہت محبت ہے' پلیز تم..."

''ڈاکٹر ایمن اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں اسی وقت یہ ویڈیو ڈاکٹر توقیر کو فارورڈ کر دوں گا۔''

''او کے او کے!'' اس نے ہتھیلی سے آنسو رگڑتے ہاتھ اٹھائے۔ ''اس رات توقیر کو اے ایس پی کا فون آیا' اس نے کہا کہ ایک لڑکا غائب کرنا ہے جب اس کی حالت خطرے سے باہر...''

''یہ سب مجھے پتہ ہے۔ یہ بتائیں' اے ایس پی کے علاوہ کون شامل تھا اس میں؟''

وہ لمحے بھر کو خاموش رہی۔ ''ہمارا رابطہ صرف اے ایس پی سے تھا' مگر... اے ایس پی اسی شخص سے ہدایات لیتا تھا جس سے تمہارے کیس میں لیتا آیا تھا۔'' رک کر اس کو دیکھا۔ ''تمہارا جج' جسٹس سکندر۔''

''مجھے پتہ ہے جج بکا ہوا تھا اور...''

''تمہیں غلط پتہ ہے۔ جج بکا ہوا نہیں تھا۔ جج خریدار تھا۔''

زمر اور فارس نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''وہ جج ہمارے یا نیاز بیگ کی طرح ایک مہرہ نہیں تھا۔ وہ اسی جرم میں برابر کا حصے دار تھا جس کو چھپانے کے لئے یہ سب ہوا تھا۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتی۔ پلیز اب یہاں سے جاؤ۔'' کرب سے کہتے اس نے منہ پھیر لیا۔

وہ اٹھا اور گھوم کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ زمر بھی پیچھے گئی' تب ایمن بولی۔

''آئی ایم سوری' جو میں نے کیا تمہارے ساتھ۔'' فارس نے مڑ کر ایک نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں' آپ کو قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ دس منٹ پہلے تک آپ وہ سب دوہرانا چاہتی تھیں۔''

اس نے گردن موڑ کر بھیگے چہرے سے فارس کو دیکھا۔ ''تب میں غصے میں تھی۔''

''اور اب آپ صرف خوفزدہ ہیں۔'' مدھم مگر مضبوط آواز میں بولا۔ ''کم از کم چار سال لگیں گے آپ کو اپنا قرضہ اتارنے اور دوبارہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے لئے۔ اور آپ جانیں گی کہ ہر پل اپنی زندگی تباہ ہو جانے کا خوف کیا ہوتا ہے' خوف کی قید کیسی ہوتی ہے' وہ فیلنگ کیسی ہوتی ہے جب آپ اپنی صفائی بھی نہ دے سکیں' جب آپ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگیں۔ مگر ڈونٹ وری ڈاکٹر' آپ ایک دن نارمل ہو جائیں گی۔ چند سال کی ہی تو بات ہے۔'' ہلکا سا ڈاکٹر ایمن کا کندھا تھپکا اور تیز قدموں سے باہر نکل آیا۔

............❖❖❖............

اِک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو ..... میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

وہ ریسٹورانٹ کے سامنے کار میں بیٹھے تھے اور دونوں کے درمیان خاموشی چھائی تھی۔ زمر تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس نے دو دن لگاتار تمام فیڈز دیکھی تھیں' اور قسمت سے اس کو مطلوبہ شے مل گئی تھی۔ مگر اب تھک چکی تھی۔ کچھ ذہن بھی الجھا تھا۔ فارس کے فقرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ (گناہگار لوگ اپنی بے گناہی پہ ایسے پر اعتماد تو نہیں ہوتے..... اف زمر! بس کر دو۔ اس کے حق میں کوئی صفائی نہیں۔) گردن موڑ کر اسے دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

''گڈ ایوننگ مسز زمر! میرا نام فارس طہیر غازی ہے۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

اور وہ تھکی تھکی سی ہلکا سا مسکرائی۔ ''مجھے بھی۔'' پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

''میں نے جھوٹ بولا تھا۔ آئی ایم سوری۔'' باہر دیکھتے ہوئے وہ بولی تو وہ چونکا۔

''تمہارے لئے نہیں بتا رہی' اس لئے بتا رہی ہوں کیونکہ میں نے غلط کیا۔ تمہاری بیوی نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ آخری وقت تک

تمہارے لئے پڑ یسیو تھی۔" کچھ دیر باہر دیکھتی رہی' جواب نہیں آیا تو آنکھوں کا رخ اس کی طرف پھیرا۔

اس نے جیسے گہرا سانس لیا تھا۔ پھر سر جھٹکا۔ کم از کم زمر سے اب وہ اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "کچھ کھائیں گی؟"

"ہوں!" گردن ہلا دی اور سر سیٹ سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر دیں۔ وہ اندر چلا گیا۔

باہر پھولوں کے اسٹال پہ ڈوبتی شام کے اندھیرے میں بیٹھا گل خان چھڑی سے فٹ پاتھ پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے فارس کو باہر جاتے دیکھا' اس کی آنکھیں چمکیں۔ دوڑ کر زمر کی کھڑکی تک آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ اس نے شیشہ بجایا۔ زمر چونک کر سیدھی ہوئی۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔

"زمر باجی۔" وہ چہکا۔ "ہم کو تمہیں کچھ دینا تھا۔" بے چینی سے دیکھا' اندر فارس کاؤنٹر پہ کھڑا نظر آ رہا تھا۔ پھر جیب سے سیاہ ہیرے والا کی چین نکال کر دونوں ہاتھوں سے اس کی طرف بڑھایا۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا۔

"یہ تمہیں کہاں سے....."

"بعد میں بتائے گا' جب یہ تمہارا بندہ نہیں ہوگا سامنے۔ کل رات سعدی بھائی کو خواب میں دیکھا۔ بھائی بہت خفا تھا ام سے۔" وہ واپس آتا نظر آ رہا تھا' گل خان کا منہ کڑوا ہوا اور وہ پلٹ گیا۔ زمر نے بے اختیار شکریہ پکارا۔ پھر کی چین کو دیکھا۔ اس میں ایک سلور پین بھی لٹکتی تھا۔ اس نے پین کھولا۔ اندر یو ایس بی پلگ تھا۔ فارس قریب آ رہا تھا' اس نے جلدی سے اسے پرس میں رکھ دیا۔

جب وہ گھر آئی اور کھانے کے شاپرز صداقت کو پکڑائے تو حنین اور سیم لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سیم فوراً اٹھا۔ "پھپھو! حنہ کہہ رہی ہے میری برتھ ڈے سیلیبریٹ کریں گے ہم۔" وہ مسکرا دی۔ اس کا گال تھپتھپایا۔

"حنہ نے مجھے بتایا تھا۔" پھر حنین کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر پیچھے آئی۔ زمر نے اوپر کمرے میں آ کر پرس سے کی چین نکالا اور اپنے دراز میں رکھ دیا۔ پھر دروازے میں کھڑی حنہ تک گئی۔

"کیا ہاشم کا کوئی ٹیکسٹ آیا؟"

حنین نے اداسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"اوکے' اب سیم کی برتھ ڈے کے لئے انوائٹ کرنے ہم دونوں اس کے پاس جائیں گے' اور جیسا ہم نے ڈیمانڈ کیا تھا' وہی کریں گے۔"

"آپ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ چلو۔" بال جوڑے میں لپیٹتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ فارس نے دیکھا تو پوچھا۔ "کدھر؟ صداقت کھانا لگا رہا ہے۔"

"بس پانچ منٹ میں آتے ہیں۔ مسز کاردار سے کام تھا۔ حنہ میرے ساتھ آؤ۔" اور حنین سر جھکائے' نظر ملائے بغیر اس کے ساتھ ہو آئی۔

کچھ دیر بعد وہ ہاشم کے سامنے اس کے لان میں بیٹھی تھیں۔ ہاشم نے اپنی بیماری کا بتایا البتہ اب وہ فریش لگ رہا تھا۔

"سوری ہاشم ہمیں نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ بیمار تھے۔" زمر نے کہہ کر حنہ کو دیکھا۔ تو وہ بظاہر مسکرا کر بولی۔ "تبھی آپ نے اتنے دن سے مجھے ٹیکسٹ نہیں کیا' ہاشم بھائی۔"

اور وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے جا رہا تھا' چونکا۔ زمر کو دیکھا اور پھر حنہ کو۔

"ہاں' میں بس آرام کرتا رہا۔" البتہ وہ قدرے غیر آرام دہ ہوا تھا۔ اسے ہمیشہ لگا تھا کہ یہ ایک چھپی ہوئی چیٹ ہے' مگر زمر واقف

تھی؟ منظر نامہ بدلنے لگا تھا۔

"اسی لیے میں نے حنہ سے کہا کہ ان کی خیریت پوچھتے ہیں، ورنہ تمہیں یا سعدی کو وہ جواب نہ دیں، یہ ناممکن ہے۔" وہ مسکرائی۔ ہاشم جبراً مسکرایا۔

"اچھا ہاشم بھائی، پھر آپ کل آ رہے ہیں نا سیم کی سالگرہ پہ؟" حنین کے دل میں اذیت ہی اذیت تھی مگر وہ زمر کی ہدایت پہ عمل کرنے پہ مجبور تھی۔ (ہمیں اس کو یقین دلانا ہے کہ یہ کوئی چھپا ہوا خفیہ نہیں ہے، بلکہ سب اس سے واقف ہیں، تاکہ وہ کبھی زندگی میں تمہیں یا فارس کو بلیک میل نہ کر سکے حنہ!)

"کل میرا ایک ڈنر ہے، مجھے وہ کینسل کرنا پڑے گا....."

"تو بس آپ ڈنر کینسل کریں۔" زمر رسان سے بولی۔ وہ دونوں بہت اپنائیت سے اصرار کر رہی تھیں۔ منظر نامہ واقعی بدل رہا تھا۔ (حنین نے زمر کو بتا رکھا ہے؟ تو فارس؟ او، پلیز نہیں!)

"او کے!" اسے پورا منظر نامہ جاننا تھا۔ سو مسکرایا۔ "میں کرتا ہوں۔" کال ملا کر موبائل کان سے لگایا۔

"کل کے ڈنر کی ریزرویشن کروا دی ہے؟ چلو یہ اچھا ہو گیا۔ ہاں اسے پرسوں پہ رکھ دو۔ کل میری فیملی میں ایک ڈنر ہے۔ او کے تھینک یو حلیمہ!" موبائل رکھ کر مسکرا کر انہیں دیکھا۔ "چلیں شکر ہے حلیمہ نے ابھی انویٹیشن کال نہیں کی تھی۔" وہ بالکل بے خبر کہے جا رہا تھا۔ اور سامنے بیٹھی حنین کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ وہ دونوں یک ٹک ہاشم کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر زمر ذرا سنبھل کر مسکرائی۔

"یہ کون تھی؟ آپ کی کسی ڈیٹ کو تو ہم نے خراب نہیں کر دیا؟"

"ارے نہیں، یہ حلیمہ تھی، میری سیکرٹری۔" ہنس کر سر جھٹکا۔

اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھو، اور سوچو کہ وہ کون سا لمحہ تھا، وہ ایک لمحہ جس نے انصاف اور انتقام کی وہ جنگ شروع کی تھی، جس نے ان سب کی زندگیاں بدل دی تھیں، تو وہ یہی لمحہ تھا جب ہاشم نے کہا تھا۔ "یہ حلیمہ تھی، میری سیکرٹری!"

باب 15:

اور وحی کی آپ کے ربّ نے شہد کی مکھی کی طرف!

یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی نہیں گئی
یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی سانس نہیں لے سکی
اندھیرا یہاں چمگادڑ کی طرح پھیلا ہے۔
کوئی روشنی نہیں سوائے ایک مدھم ٹارچ کے
(شہد کی مکھیوں کی) چینی زردی ہر شے پہ ہے۔
اور سیاہ غلبہ۔ تباہی۔ احساسِ ملکیت۔
مگر یہ وہ ہیں جو میری مالک ہیں۔
نہ ظالم نہ بے حس۔ صرف لاعلم۔
یہ شہد کی مکھیوں کا وقت ہے!
سرما میں وہ خود کو سارے برف زار میں پھیلا لیتی ہیں
جہاں گرم دنوں میں مکھیاں صرف اپنے لاشے اٹھاتی تھیں۔
شہد کی مکھیاں سب عورتیں ہوتی ہیں۔
کنیزیں اور ملکہ۔
وہ اپنے مردوں سے چھٹکارا پا چکی ہوتی ہیں۔
موسم سرما عورتوں کے لئے ہے۔
کیا اس سرما میں ان کا چھتہ برقرار رہ پائے گا؟
کیا وہ اگلے سال میں داخل ہو سکے گا؟
وہ کس چیز کا ذائقہ محسوس کریں گی؟
کرسمس کے گلابوں کا؟
شہد کی مکھیاں آزاد اڑنے لگی ہیں۔
وہ بہار کی چمک محسوس کر رہی ہیں۔

ہاشم سے جلد معذرت کر کے وہ دونوں اٹھ آئیں۔ خاموش۔ بالکل خاموش۔

گھر میں کھانے کی میز سیٹ تھی۔ حنین اور زمر چپ چاپ آ کر بیٹھ گئیں۔ کھانا شروع ہوا۔ حنہ نے چند لقمے بمشکل لیے۔ زمر کی تو بھوک مر چکی تھی۔ فارس کھانا کھاتے ہوئے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔

ادھر کھانا ختم ہوا ادھر حنہ بیسمنٹ کی طرف چلی گئی۔ وہ بھی تیزی سے پیچھے گئی۔ سب مڑ مڑ کر ان دو کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں کیا ہوا؟؟ پہلے زمر نے تہہ خانے کا دروازہ لاک کیا۔ پھر نیچے آئی تو دیکھا حنہ ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''حنین یاد ہے میرے نکاح والے روز سعدی کسی حلیمہ سے اس کے باس سے ملنے کی اپائنٹمنٹ لے رہا تھا؟''

''سارے شہر میں ایک ہاشم کی سیکرٹری تو نہیں ہوگی حلیمہ نام کی۔'' حنین ماننے کو تیار نہ تھی۔ زمر تیز نظروں سے اسے گھورتی سامنے کھڑی ہوئی۔

''مگر سارے شہر میں جس حلیمہ کا باس تمہارے ایگزام میں چیٹنگ والی بات جانتا تھا' وہ ہاشم ہی تھا۔''

حنین ایک دم شل رہ گئی۔

''دیکھو حنہ، ہاشم ہمیں پہلے دن سے کہہ رہا ہے کہ وہ سعدی سے اس شادی کے بعد سے نہیں ملا۔'' اس نے کرنل حماد کے جاننے والوں کی شادی کا ذکر کیا (وہ شادی جس پہ زمر نے مسز جواہرات سے مدد مانگی تھی) ''مگر ہاشم ہم سے جھوٹ بول رہا تھا۔ نوشیرواں بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ دونوں ضرور کچھ جانتے ہیں۔''

''کبھی نہیں۔ وہ کبھی ایگزام والی بات بھائی کو نہیں بتائیں گے۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ''اور بھائی کو ہاشم سے ملنے کے لیے اپائنٹمنٹ کی کیا ضرورت؟ بھائی کے کال ریکارڈز میں بھی آپ کے نکاح کے وقت کسی کو کال کرنے کا ریکارڈ نہیں ملا تھا۔''

''ہو سکتا ہے وہ کوئی اور سم استعمال کر رہا ہو۔ کچھ تو تھا اس ملاقات میں جو ہاشم نے اسے ہم سے چھپایا۔''

''ہاشم... ہاشم! بس کر دیں پھپھو!'' وہ ایک دم چلائی تھی۔ ''ہر وقت ہاشم برا ہے کی گردان۔ کیا بگاڑا ہے انہوں نے آپ کا؟''

زمر کے ابرو ناگواری سے بھنچے۔ ''تمہارے دماغ پہ جو پٹی چڑھی ہے اس کو اتار کر دیکھو گی تو نظر آئے گا۔''

''مجھے آپ کو وہ سب بتانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ پتہ تھا ایک دن آپ مجھے یونہی جج کریں گی۔'' بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پھر آنکھیں رگڑیں۔ ایک دم ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

''وہ نیکلیس... جو بھائی کی جیب میں کسی نے پارٹی والے دن ڈالا تھا۔ وہ نیکلیس بھائی کی چیزوں میں نہیں تھا جب ہم ادھر آئے تھے۔ اگر واقعی بھائی ہاشم سے ملنے گیا تھا تو ہو سکتا ہے وہ وہی واپس کرنے گیا ہو۔ کیا بتاتے ہاشم ہمیں؟ چوری شدہ نیکلیس واپس کرنے آیا تھا سعدی؟ ان کو لگا ہوگا کہ ہم غلط سمجھیں گے' سو بھائی کی عزت رکھی۔'' وہ زمر سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

''تو پھر سعدی کی کون سی عزت رکھنے کے لیے ہاشم نے اس کو ایگزام والی بات بتائی؟''

ایک دم حنہ کی آنکھوں میں غصہ در آیا۔ ''انہوں نے کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ میں کبھی یقین نہیں کر سکتی۔ مگر آپ تو مجھے جج کریں گی نا اب۔ ٹھیک ہے' ساری عقل آپ میں ہے' میں اندھی سہی۔''

زمر پیر پٹخ کر مڑی اور سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ حنین گہرے گہرے سانس لیتی وہیں کرسی پہ بیٹھ گئی۔ اس کی رنگت اڑ چکی تھی اور ہاتھ پیروں میں جان نہیں تھی۔ مگر گردن نفی میں ہل رہی تھی۔ (میں کبھی یقین نہیں کروں گی۔ زمر اپنے بغض اپنے پاس رکھیں۔ کبھی ان کو فارس ماموں

قاتل لگتے ہیں، کبھی ہاشم ۔)

اس نے موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ ہاشم کا آخری پیغام "کین آئی کال یو؟" ڈیڑھ ماہ پہلے آیا تھا۔ پورا اگست دونوں کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ابھی پھر اس کا میسج آیا۔

"زمر جانتی ہیں کہ تم مجھ سے بات کرتی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں تو پچھلے سات سالوں سے آپ سے بات کرتی آئی ہوں' اس میں چھپانے والی کیا بات ہے؟" وہ بظاہر حیران ہوئی، مگر ذہن مزید الجھتا جا رہا تھا۔ مگر وہ بات کرتی گئی۔

زمر اوپر کمرے میں آ کر بیٹھی تو شدید غصے میں تھی۔ وہ صوفے پہ بیٹھا' سیل فون پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا' نظر اٹھا کر اسے دیکھا' "میں سن رہا ہوں۔"

وہ چونک کر فارس کو دیکھنے لگی' "کیا؟"

"وہی جو آپ کہنا چاہتی ہیں۔ بتائیں' کیا مسئلہ ہے؟"

اور اس ایک لمحے میں زمر کو لگا' اگر کوئی ایک شخص تھا جو واقعی تحمل سے اس کی ساری بات سنے گا تو وہ وہی تھا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔

"تم نے کوئی اتنا اندھا انسان دیکھا ہے کبھی جس کے سامنے ایک ہزار ثبوت لا کر رکھو' تب بھی وہ نہ مانے؟"

فارس نے نظر اٹھا کر سر سے پیر تک زمر کو دیکھا' "جی۔ دیکھا ہے۔" زمر غور کیے بنا کہہ رہی تھی۔

"لوگ اتنے اندھے کیوں ہو جاتے ہیں کہ نہ بات سنیں نہ سمجھیں؟"

"کیونکہ ان کے ایموشنز انوالوڈ ہوتے ہیں۔"

زمر بالکل چپ ہو گئی، پھر سر جھٹک کر رخ پھیر لیا۔ وہ چند لمحے اس کو دیکھتا رہا' "آپ اور حنہ اس سمت میں کیوں گئی تھیں؟" مگر زمر کے پاس جواب تیار تھا۔

"حنین سے کہا تھا ایک کلائنٹ کے لیے کچھ کام کرنے کو' وہی دیکھ رہی تھی۔" اسے پتہ تھا زمر جھوٹ نہیں بولتی، سو مطمئن ہو گیا۔ مگر وہ خود شدید غیر مطمئن تھی اور اس سب میں دراز میں رکھا کی چین اس کے ذہن سے یکسر محو ہو چکا تھا۔

جب کنج قفس مسکن ٹھہرا، اور جیب و گریبان طوق و رسن

آئے کہ نہ آئے موسم گل، اس درد جگر کا کیا ہو گا؟

نیچے تہہ خانے میں بیٹھی حنین موبائل پہ ٹائپ کر رہی تھی' "او کے گڈ نائٹ۔" فون رکھا تو ٹھہر کا اثر ہوا ہونے لگا۔ سکون ختم ہو گیا۔ وہ تو زخم پہ صرف برف کی ڈلی رکھ رہی تھی۔ ادھر برف پگھلی' ادھر جلن پھر سے شروع۔

جب سوچوں سے تنگ آ گئی تو شیخ کی کتاب اٹھائی اور وہیں فرش پہ بیٹھ گئی۔

پچھلے دو ماہ سے اس نے یہ کتاب نہیں پڑھی تھی۔ جب بھی تکلیف ہوتی' وہ ہاشم میں "ڈسٹریکشن" ڈھونڈتی۔ اب صفحے کھولے تو روشنی کا سا چمکتا دروازہ سامنے نظر آیا۔ اسے دھکیلا تو قدیم دمشق کی ایک دوپہر کھلتی چلی گئی۔

مدرسۃ الجوزیہ کے سامنے کا منظر نامہ زرد سا تھا۔ ایسے میں مسجد کے سامنے درخت تلے بیٹھی تھی۔ وہ تھک چکی تھی۔ تکان بہت شدید تھی اور اپنا آپ کمزور محسوس ہو رہا تھا۔

وہ کتنی دیر وہیں تپتی دوپہر میں بیٹھی رہی۔ قریب میں پانی کا جوہڑ تھا۔ وہ کنکر اٹھا اٹھا کر اس میں پھینکتی رہی۔ پانی میں دائرے بنتے رہے۔ دفعتاً اس نے قدموں کی چاپ سنی۔

سر اٹھایا تو ہر طرف سے لوگ چلتے ہوئے اس کے قریب آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے گرد دائرہ سا لگ گیا۔ ہجوم کا دائرہ۔ وہ سب اسے دیکھ رہے تھے' چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ الجھی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ تبھی لوگوں نے راستہ چھوڑا اور حنہ نے دیکھا' اس کے باریش شیخ استاد قدم قدم چلتے آ رہے ہیں۔ وہ اسی طرح بیٹھے ان کو ٹکر ٹکر دیکھے گئی۔ وہ اس کے قریب آ ٹھہرے۔ تاسف بھری مسکراہٹ سے اس کا چہرہ دیکھا۔ تبھی ایک صدا لگانے والے نے صدا لگائی۔

"کیا ہے اس شخص کی دوا جس کو ایک لاعلاج مرض نے یوں جکڑ لیا ہو کہ اس کا دین اور دنیا دونوں برباد ہونے والے ہوں؟"

شیخ نے گہری سانس بھری۔ "اللہ نے اتاری ہے ہر مرض کی دوا۔ جو اسے جانتا ہے' وہ اسے جانتا ہے' جو اسے نہیں جانتا' وہ اسے نہیں جانتا۔"

اور تب حنہ نے دیکھا کہ شیخ کے ساتھ کوئی موجود ہے۔ اس پرانے زمانے کے پرنٹ میں ایک رنگین لڑکی۔ اس کی عینک لگی تھی' بالوں کی فرنچ چوٹی تھی۔ چہرہ تازہ اور شاداب تھا' اور وہ حنین کی طرف اشارہ کر کے شیخ سے پوچھ رہی تھی۔

"اسے کیا مرض لاحق ہے؟"

درخت تلے بیٹھی حنہ ٹھٹک کا مجسمہ ہو گئی۔ ششدر۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ساتھ والی لڑکی سے گویا ہوئے۔

"اسے مرض عشق ہے۔"

حنین ایک دم بدک کر کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا۔ "یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ میں یہاں نہیں ہوں' میں وہاں ہوں' اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہاں... یہاں تو وہ بیٹھا ہوتا تھا۔ وہ لاغر' کمزور' ہڈیوں کا پنجر... وہ بیمار شخص۔ مجھے... مجھے کوئی بیماری نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" دونوں بازو سینے پہ پھیلائے' وہ وحشت سے کہہ رہی تھی۔ پھر قدم بڑھائے تو جوہڑ کنارے زنجیر پا ہوئی۔ پانی میں اپنا عکس جھلملایا۔ وہ دُبلی کمزور' بے رونق چہرے والی' کہیں کھوئی کھوئی سی لڑکی۔ وہ واقعی اس کا چہرہ تھا۔ اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

"علاج کے لیے ضروری ہے کہ مریض کو اپنے مرض کا ادراک بھی ہو۔ وہ خود صحت یاب ہونا چاہے' تب ہی ہو سکتا ہے۔ کیا تم ٹھیک ہونا چاہتی ہو؟"

حنین کا گویا دل ہی ٹوٹ گیا۔ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

"یہ میں نہیں ہوں۔ یہ میں نہیں ہو سکتی۔" ہاتھ مٹی پہ رکھے وہ رونے لگی تھی۔ "میں اس بیمار شخص جیسی نہیں بننا چاہتی۔ میں کیا کروں' شیخ؟" وہ پنجوں کے بل اس کے ساتھ بیٹھے۔

"میرے پاس تمہارے مرض کا علاج ہے۔ اس کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ "دوائے شافی کے سفر پہ۔ تم چلو گی' لڑکی؟"

حنین نے کتاب بند کی تو آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں رگڑیں۔ "مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے نہیں پڑھنا اس کتاب کو۔" اس نے گھٹنوں میں سر دے دیا۔ برف کی ڈلی لگانا' زخم پہ مرہم لگانے سے زیادہ آسان تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں ...... کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

وہ صبح چمکیلی اور گرم طلوع ہوئی تھی۔ اوائل ستمبر کے دن تھے۔ حبس میں کمی تھی مگر گرمی ہنوز ویسی ہی تھی۔ انیکسی میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ فارس آفس کے لئے تیار چائے پی رہا تھا۔ زمر ہاشم کو فون کر کے سالگرہ کی تقریب کے ملتوی ہونے کا بتا کر معذرت کر رہی تھی اور سیم اس پہ خوش نہ ہونے کے باوجود خاموش تھا۔

اسی دوران حنہ نے فارس سے کہا کہ اسے ریسٹورانٹ چھوڑ دے۔ ہامی بھر کر وہ کہنے لگا۔

”جیسے زمر کی کلائنٹ کے لیے کیا، ویسے ہی میرا ایک کام کر دو گی؟“

حنہ نے چونک کر زمر کو دیکھا۔ زمر نے بظاہر اطمینان سے فون رکھا اور ادھر آئی۔

”فارس پوچھ رہا تھا کہ رات ہم بیسمنٹ میں کیا بات کر رہے تھے تو مجھے بتانا پڑا کہ کس طرح تم نے میری کلائنٹ کے کانٹیکٹ کا اکاؤنٹ کھول کر دکھایا مجھے۔“ آنکھوں میں اشارہ کیا۔ حنین نے نظریں جھکا دیں۔ ”جی۔ کر دوں گی۔“

وہ چابی اور والٹ لینے اٹھ گیا۔ میز کے گرد وہ دونوں رہ گئیں۔ ابا اور سیم کافی فاصلے پہ ٹی وی کے آگے بیٹھے تھے۔

حنین نے صرف ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی۔

”کیا یہ دھمکی تھی؟ کہ اگر میں نے یہ کانٹیکٹ ختم نہیں کیا تو آپ ماموں کو بتا دیں گی؟“

زمر نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں اس سے نہیں ہاشم سے بات کروں گی اب اور جس دن میں نے ہاشم سے بات کی نا وہ تمہاری طرف دیکھنے سے بھی جائے گا اس لیے بہتر ہے کہ تم خود سے رابطہ ختم کر دو۔“ اسے گھورا۔ بہت ہو گئی نرمی اور لاڈ۔

حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (”میں کیا کروں اللہ تعالیٰ؟“) پھر ٹی وی پہ نگاہ پڑی۔ ابا چینل بدلتے ہوئے ایک لوکل کیبل چینل پہ رکے، جس پہ تلاوت لگی تھی۔ ایک ہی نظر میں حنہ نے پہلی سطر پڑھی۔

”واوحیٰ ربک الی النحل۔ (اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف)۔“ مگر فارس واپس آ گیا تھا اور زمر سے کچھ آہستہ آواز میں پوچھ رہا تھا۔

”جب میں رہا ہوا تو سعدی نے مجھے بتایا کہ اس نے جج کو بلیک میل کیا ہے۔ اس کے پاس جج کے خلاف مواد تھا۔ وہ مواد مجھے اس کی چیزوں سے نہیں ملا۔“

”اس کے لیپ ٹاپ میں بھی کچھ نہیں ہے۔ اس نے یقیناً جج کو واپس کر دیا ہو گا۔“

حنین بے دھیانی سے سننے لگی۔ ندرت اپنا مگ اٹھائے آ بیٹھیں تو ان کی بات پہ رخ موڑ لیا۔ یہ باتیں ان کو عجیب سی دہشت میں مبتلا کرتی تھیں۔ مگر وہ ان کو ان پیچیدگیوں میں پڑنے سے روک بھی نہیں سکتی تھیں۔ فارس کہہ رہا تھا۔

”مگر سعدی نے ایک کاپی ضرور رکھی ہو گی اور کوئی اس بارے میں ضرور جانتا ہو گا۔“

زمر کھڑی ہوئی۔ ”اس 'کوئی' کو ریسٹورانٹ بلاؤ اور اس سے کہو کہ انسانوں کی طرح سب اگل دے ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“

قصر کاردار کے ڈائننگ ہال کی اونچی کھڑکیوں سے سبزہ زار پہ حنہ اور فارس کار میں بیٹھتے نظر آ رہے تھے۔ اگر ہال میں دیکھو تو سربراہی کرسی پہ بیٹھی جواہرات تمکنت سے گردن اٹھائے خاور کو دیکھ رہی تھی۔ ہاشم بھی ناشتہ کرتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ مودب سا کھڑا کہہ رہا تھا۔

''.....بظاہر یہ صرف گیس لیکیج کی وجہ سے ہوا۔ مگر ڈاکٹر بخاری اور ڈاکٹر ایمن نے کھلم کھلا نیاز بیگ کے بھائی کو الزام دینا شروع کر دیا۔ اس کے خلاف ایک کیس بڑھ گیا۔''

''ہاں تو مسئلہ کیا ہے؟ ان کے آپس کے مسئلے ہیں یہ۔'' جواہرات نے ناک سے مکھی اڑائی۔ خاور ہلکا سا مسکرایا۔

''مسئلہ یہ ہے مسز کاردار کہ سب کچھ بہت پرفیکٹ تھا۔ گارڈز کو مارا نہیں گیا' جلنے نہیں دیا' بلکہ آگ سے دور کر دیا گیا' اسٹریٹ لائٹس آف ہو گئیں' آگے پیچھے کے سی سی ٹی وی خراب کر دیے گئے۔ حلیم بیگ ایک غنڈہ ہے' اور غنڈے ایسی پرفیکشن سے کام نہیں کرتے۔''

''فارس!'' ہاشم نیپکن سے لب تھپتھپاتے پیچھے ہو کر بیٹھا۔ ''یہ فارس نے کیا ہے' ہے نا؟''

خاور نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے بھی یہی لگا' یہ اسی کا اسٹائل ہے' مگر اس رات وہ گھر پہ ہی تھا۔ گارڈز نے اسے آتے دیکھا اور پھر صبح جاتے دیکھا۔ وہ رات گھر سے نہیں نکلا۔ یہی بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔''

''ہو سکتا ہے اس نے کسی اور کے ذریعے یہ کام کروایا ہو۔''

''بہر حال میں پتہ کر رہا ہوں۔'' وہ چلا گیا تو نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ نیند سے بھری آنکھیں' اور سست انداز کرسی پہ ڈھے سا گیا۔ ذرا حواس بیدار ہوئے تو گفتگو کی طرف توجہ کی۔ جواہرات' فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

''اس ڈاکٹر نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی۔ اس کے شوہر نے سعدی کو غائب کروایا۔ یقیناً فارس نے ان سے بدلہ لیا ہے۔''

''ضروری نہیں ہے یہ اس نے کیا بھی ہو۔ وہ ابھی جیل سے آیا ہے۔ مزید ٹربل افورڈ نہیں کر سکتا۔'' ہاشم پریقین نہیں تھا۔ پھر شیرو کو دیکھا جو اپنے ناشتے کو ڈھکا شیشے کا کور اٹھا رہا تھا۔ ہاشم مسکرایا۔

''یعنی نوشیرواں کاروار آج آفس وقت پہ آئیں گے۔''

شیرو نے جمائی روکتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

''لیکن سعدی پھر ہمارے لیے ملازمی کام کرے گا۔'' شرط یاد دلائی۔

''بالکل۔ میں تین چار دن تک جاؤں گا اس سے ملنے۔ جو تفصیلات چاہئیں وہ لے کر ہی آؤں گا۔'' سیل فون اٹھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''تم سعدی سے چھٹکارا حاصل کر لو ہاشم۔ وہ تمہیں نقصان دے گا۔''

''کچھ نہیں کر سکتا وہ۔'' بے نیازی سے سر جھٹکتے وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔

* * *

اس مال کی دھن میں پھرتے تھے ...... تاجر بھی بہت' رہزن بھی کئی

''چلیں۔'' حنہ کار میں آکر بیٹھی تو فارس کال پہ کسی سے بات کر رہا تھا' سر ہلا کر فون رکھا۔

''ہم ایک جگہ سے ہو کر ریسٹورانٹ جائیں گے۔ گیس کرو کس نے کال کر کے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے؟'' اس کے الفاظ پہ حنہ چونکی تھی۔

جس وقت وہ دونوں ریسٹورانٹ کی طرف جاتی سڑک پہ گامزن تھے' قصر کاردار کی چار دیواری کے ساتھ خاور محتاط نظروں سے دیوار کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ دیوار کا وہ حصہ تھا جو فارس کی انیکسی کے عقب میں تھا۔ اس کے پیچھے سڑک تھی۔ آنکھیں سکیڑ کر دیکھتا وہ ایک جگہ رکا۔ یہاں ایک لوہے کا دروازہ تھا۔ جو زمانوں سے بند پڑا تھا۔ اس پہ پرانا تالہ لگا تھا۔ اس جگہ گارڈز نہیں تھے نہ کیمرے۔ خاور کچھ متذبذب سا اسے دیکھتا رہا' پھر جھک کر تالے کو چھوا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ابھری۔

تالہ پرانا تھا اور زنگ آلود بھی۔ مگر... اس کے مقفل ہونے کی جگہ پہ زنگ نہیں تھا۔ جیسے تیل وغیرہ ڈال کر صاف کیا گیا ہو۔ چابی گھسانے والی جگہ کا زنگ بھی صاف تھا۔

(سو فارس غازی رات کو ادھر سے نکلتا تھا۔ گڈ گڈ!) اس کے ہاتھ خزانہ لگ گیا تھا۔

فارس اور حنین ریسٹورانٹ میں داخل ہوئے تو ایک دم حنہ رکی۔ تعجب سے فارس کو دیکھا اور شکل یوں بنائی جیسے حلق تک کڑوا ہو گیا ہو۔

سامنے ایک کونے والی کرسی پہ تازہ دم اور خوبصورت شہرین کاردار بیٹھی تھی۔ لبوں پہ سرخ لپ اسٹک اور سنہرے بالوں کی چھوٹی سی پونی۔ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر کھڑی ہوئی۔ اس پہ نظر پڑی تو مسکراہٹ میں کمی آئی۔

"تو آپ پھپھو سے چھپ کر اس سے ملتے ہیں؟" اس کی دھیالی محبت پھر سے جاگی۔

"بکومت۔ اس نے پہلی دفعہ ملنے کا کہا ہے۔ کوئی کام تھا۔" اسے گھرک کر وہ آگے آیا۔ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ حنین بھی (منہ بناتی) ساتھ بیٹھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا تمہاری بھانجی بھی تمہارے آفس جاتی ہے۔" شہری کو حنہ کا آنا ناگوار گزرا تھا۔ حنین نے صرف ایک کاٹ دار نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہم ضروری کام سے جا رہے تھے' تمہارے فون پہ..." فارس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ "پندرہ منٹ نکالے ہیں۔ اب بتاؤ' کیا بات تھی؟"

ایک لمحے کے لیے شیری کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے' پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔

"میں سعدی کے کیس کا پوچھنا چاہتی تھی۔ میں نے سنا تھا کوئی مہنگی گن استعمال ہوئی ہے۔ سعدی کی شوٹنگ میں۔ اگر تم کہو تو..." ہاتھ میز پہ باہم ملا کر رکھتی آگے ہوئی۔ "تو میں پاپا سے کہہ کر اس گن کے لائسنز نکلوا سکتی ہوں' تاکہ..."

"میں یہ کام ڈھائی ماہ پہلے کر چکا ہوں۔ جن لوگوں کے پاس وہ گن ہے' ان میں سے کوئی ایک بھی ہمارا دوست ہے نہ دشمن۔"

"تو پھر... وہ گن کس کی ہو گی؟"

"ظاہر ہے اس کا نام اور ریکارڈ بلسٹ سے مٹا دیا ہو گا۔" وہ سنجیدگی سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"کون سی گن تھی وہ؟"

"آپ کو گنز کے بارے میں کتنا پتا ہے شہرین؟" حنین رہ نہیں سکی۔ شہری نے تنک کر اسے دیکھا۔ پھر پرس سے ایک Cobilt (پستول) نکال کر میز پہ رکھی۔

"اگر آپ ہاشم کاردار کی بیوی ہوں اور شوٹنگ کلب کی ممبر بھی ہوں' تو آپ کو گنز کے بارے میں بہت علم ہوتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے تمہارے' ہاشم اور شیرو کے پاس کون کون سی گن ہے۔" ذرا اکتا کر اسے ٹوکا۔ "مگر جو برانڈڈ گن استعمال ہوئی ہے' وہ ماڈل آگے پیچھے کسی کے پاس نہیں ہے۔ گلاک جی فورٹی ون۔"

اور شہرین کا سانس اٹک سا گیا۔ بمشکل آنکھوں کو اس پہ رکھے مسکرا پائی۔

"جی فورٹی ون؟ اچھا۔" وہ رکی۔ تاثرات پہ قابو پا لیا۔ وہ گنز کی بات کرنے ہی نہیں آئی تھی۔ وہ تو حنہ کو دیکھ کر بات بنانی پڑی۔ اگر اس نے پہلے چیک کر لیا ہوتا کہ... اونہوں۔

"اگر کچھ اور نہیں ہے تو ہم جائیں؟" وہ فون جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا۔ شہری نے جبری مسکرا کر سر کو خم دیا۔

حنہ بھی بے دلی سے اٹھی۔ تبھی نگاہ سامنے دیوار پہ جا ٹھہری جہاں بڑی سی کیلی گرافی آویزاں تھی اور اس پہ خطاطی سے لکھا تھا۔

"وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ" ۔ حنین کی آنکھیں سکڑیں۔ صبح والی ٹی وی اسکرین یاد آئی۔ مگر سر جھٹکا۔ یہ صرف ایک اتفاق تھا۔ فارس کے ساتھ وہ باہر نکلی تو ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔

"خواہ مخواہ ٹائم ضائع کروا دیا اس پلاسٹک نے۔" وہ سخت کوفت کا شکار لگ رہی تھی۔

فارس نے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"پلاسٹک کیا؟"

"یہ شہرین... اس کا تعلق Plastics سے ہے۔ آپ کو نہیں پتہ Plastics کا؟" تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر ٹیک لگا کے بتانے لگی۔ "یہ اپر مڈل کلاس' اور ایلیٹ میں پائی جاتی ہیں۔ بچپن سے ان کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ بھاری کتاب سر پہ رکھ کر سیدھا چلنے کی، ہونٹوں کو مخصوص زاویے پہ رکھنے کی۔ جب بھی کھڑی ہوں گی' کہنیاں برابر اور ہاتھ تین انچ کے فاصلے پہ ہوں گے۔ چہرے کو بالکل سپاٹ اور گردن کو اٹھا ہوا رکھتی ہیں۔ دائٹ اور بیج کا ہر شیڈ ان کے پاس ہوتا ہے۔ بے حد دبلی پتلی اور ڈائٹ کانشس ہوتی ہیں۔ دراصل اینوریکسک ہوتی ہیں۔ فاقے کرتی ہیں۔ کسی دن کچھ زیادہ کھا لیں تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دیتی ہیں۔ اس شدید جسمانی مشقت کے بعد ان کے چہرے پہ گول سا چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ پلاسٹک پلاسٹک لگنے لگتی ہیں۔" وہ خبرنامہ پڑھنے کے انداز میں بتا رہی تھی۔

ڈرائیو کرتا فارس بے اختیار ہنس دیا۔

"اچھا... ویسے تمہاری پیچھیو کیا ہیں؟"

"وہ پلاسٹک تھوڑی ہیں۔ وہ نیچرل ہیں۔" ذرا قریب ہو کر آہستہ سے بولی۔ "مگر نیچرل بیسٹ!"

"وہ بھی کھولتا ہوا۔" وہ بڑبڑایا اور پھر دونوں ہنس پڑے۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ریسٹورانٹ قریب تھا۔

............❖❖❖............

مجھے شکوہ ہے مرے بھائی کہ تم جاتے ہوئے ...... لے گئے ساتھ مری عمر گزشتہ کی کتاب

احمر شفیع جب ریسٹورانٹ میں داخل ہوا تو دیکھا' سامنے ایک میز کے پیچھے وہ تینوں بیٹھے تھے۔ کسی انٹرویو پینل کے انداز میں۔ بار بار گھڑی دیکھتا' کان کی لو مسلتا فارس' گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی' منتظری زمر' اور انگلیاں مروڑتی گردن جھکائے بیٹھی حنین۔ احمر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

(چلو جی۔ سارا پاگل خاندان اکٹھا جمع ہے' احمر شفیع کی کلاس لینے۔ ان کو بے عزتی کرنے کے لیے کوئی اور نہیں ملتا؟) منہ بناتا آتے آیا' سلام کیا۔ جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ پھر بھی مسکرا کر سامنے بیٹھا۔

"مجھے ہارون عبید کے ساتھ ایک گھنٹے میں چترال جانا ہے' اس لیے..."

"سعدی نے جج کو کس چیز سے بلیک میل کیا تھا۔" فارس نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ احمر نے گہری سانس بھری۔ (ہو گئی کلاس شروع!)

"مسز زمر کانوں پہ ہاتھ رکھ لیں تو میں بتانا شروع کروں؟" معصومیت سے پوچھا۔ زمر نے گھور کر اسے دیکھا۔ "میں سن رہی ہوں۔"

احمر نے تھوڑی کھجائی۔ "سعدی نے مجھے ایک بورڈ کے آفیسر کا کانفیڈینشل پرلیس (او سی پی) کے بارے میں بتایا تھا جو کہ ایک کرپٹ آدمی تھا' اور ہر سال پیپر لیک کیا کرتا تھا۔"

حنین یوسف کا سانس رک گیا۔

ذرا دیر کے لیے احمر اور ان تینوں کو یہیں چھوڑ کر ہم پچھلے سال کے جنوری میں واپس جاتے ہیں جب سعدی اے ایس پی صاحب کے گھر گیا تھا۔ وہ ایک گلٹ سے بھرا دل اور جھکے کندھے لے کر وہاں آیا تھا۔ آنٹی کے پاس ڈرائنگ روم میں سر جھکائے بیٹھے اس نے بھاری ضمیر سے کہا تھا۔

''میں ان کی وفات کے اتنے عرصے بعد آ رہا ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہے ان کا۔'' (یہ حنین کے بتانے کے ایک ماہ بعد کا ذکر ہے۔)

''کوئی بات نہیں جو تمہاری بہن نے کیا' وہی ہمارے لیے بہت ہے۔'' اس نے چونک کر سر اٹھایا' مگر آنٹی بہت محبت اور سادگی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ وہی جانتی تھیں' جو حنہ نے کیا۔ وہ نہیں جوان کے شوہر نے کیا۔ اور جس کا گلٹ ان کو لے کر ڈوبا۔ وہ چائے کے لئے اٹھیں تو سعدی نے سر ہاتھوں میں گرائے' بے اختیار دعا مانگی۔

''اللہ تعالیٰ' میں آپ کے سامنے اپنی بہن کی غلطی کو جسٹی فائی نہیں کروں گا۔ میں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔ لیکن اس کی نیت ان کی جان لینے کی نہیں تھی۔ اللہ' آپ کو پتہ ہے کہ اس کو علم نہیں تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ پلیز میری مدد کریں' میں کس طرح ان کی فیملی سے معافی مانگ سکوں' ایک ایماندار افسر کے ضمیر کی قیمت لگانے کے بوجھ سے دل کو آزاد کر سکوں۔ جو آپ پہ بھروسہ کرتے ہیں' آپ ان کو رسوا نہیں کرتے۔ پلیز مجھے اس بوجھ سے نکال لیں۔'' چہرے پہ ہاتھ پھیر کر' وہ سیدھا ہوا۔ آنٹی چائے لا رہی تھیں۔

''انکل کی ڈیتھ ہارٹ اٹیک سے ہوئی تھی' کیا زیادہ پریشان رہتے تھے آخری دنوں میں؟'' وہ نظریں ملائے بنا پوچھ رہا تھا۔

''نہیں' ٹھیک تھے بالکل' بیٹی کی شادی ہوگئی تو مطمئن تھے۔ بلکہ خوش بھی تھے۔'' سعدی نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ دیوار پہ ان کی بیٹی کی شادی کے فوٹو شوٹ کی چند فریمز ٹنگی تھیں۔ خوبصورت' جگر جگر کرتے لباس میں موجود تھیں' اور گھر کی عورتیں۔ قیمتی زیور۔ سعدی کی نگاہیں ڈرائنگ روم میں ادھر ادھر دوڑیں۔ قیمتی پردے' ڈیکوریشن پیس۔ اس نے سر جھٹکا۔

''آخری دن کیسے تھے؟ اس دن رزلٹ آیا تھا نا۔''

''بالکل ٹھیک تھے سعدی۔ نارمل باتیں کر رہے تھے اور بلکہ جسٹس صاحب سے بھی ٹھیک گپ شپ کرتے رہے۔ وہ تو ان کے جانے کے بعد کافی دیر سے میں ان کے کمرے میں گئی تو...'' سرخی میں بلا کر آنٹی نے آنکھ کا کنارہ صاف کیا' لیکن سعدی یوسف خان کا دماغ ایک جگہ اٹک چکا تھا۔

''کون جسٹس صاحب؟''

''ان کے بڑے اچھے دوست ہیں' جسٹس سکندر' سیشن کورٹ میں ہوتے ہیں' وہ ملنے آئے تھے نا حمیرا کے ابو سے۔ کمرے میں ان سے باتیں کرتے رہے' ہم لوگ باہر لاؤنج میں تھے۔ وہ نکلے تو بتایا کہ اے ایس پی صاحب ابھی کام کر رہے ہیں' کہہ رہے ہیں بچے شور نہ کریں۔ میری بڑی بیٹی کے دو بچے بھی آئے ہوئے تھے نا۔ ان کے جانے کے کافی دیر بعد' میں اور حمیرا اندر آئے تو دیکھا' وہ فوت ہو چکے تھے۔ استعفیٰ بھی لکھا پڑا تھا۔''

سعدی ایک دم آگے ہو کر بیٹھا۔ ''آپ نے... آپ نے ڈاکٹر کو بلایا تھا؟''

''ہاں' ڈاکٹر نے بتایا ہارٹ اٹیک سے موت ہوئی ہے۔''

''آپ نے پوسٹ مارٹم کروایا تھا؟''

''نہیں بیٹا' اس کی کیا ضرورت تھی۔ میرے بیٹے نے کہا بھی تو ان کے دوستوں' رشتے داروں نے منع کیا کہ لاش کی بے حرمتی ہوتی

ہے ایسے۔''

''جی' بالکل میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔'' جبراً مسکرایا۔ بے چینی سے پہلو بدلا۔ (یعنی بیٹے کو معلوم ہو گیا تھا؟)

''ان کا کمرہ دیکھ سکتا ہوں میں؟ ان کا کمپیوٹر وغیرہ؟''

''بیٹا کمپیوٹر اور فائلز تو محکمے والے اٹھا کر لے گئے تھے۔ کمرہ دیکھ لو تم۔ اپنے گھر کے بچے ہو۔ صفائی وغیرہ کرتی ہوں' مگر ان کی باقی چیزیں نہیں چھیڑتی۔''

وہ اسے ایک کمرے میں لے آئیں۔ وہ بیڈ روم چھوٹا مگر پرتعیش تھا۔ گھر کافی دفعہ رینوویٹ ہوا لگتا تھا۔ سعدی کے جھکے کندھے اٹھ چکے تھے اور بھاری دل ہلکا ہو رہا تھا۔ وہ ان کی کتابیں دیکھتا رہا۔ آگے پیچھے۔ کوئی کاغذ' کوئی فائل نہیں چھوڑی تھی' محکمے والوں'' نے۔ دفعتاً وہ رکا۔ اسٹڈی ٹیبل کے وسط میں کپ رکھا تھا۔ اس میں چند پین تھے۔ ایک پین مختلف تھا۔ سعدی نے وہ سلور پین اٹھایا اور ڈھکن کھولا۔ اندر یو ایس بی پلگ تھا۔ اس نے جلدی سے ڈھکن بند کیا۔ پھر آنٹی کی طرف مڑا۔

''مجھے انکل سے بہت عقیدت تھی' اگر آپ کو برا نہ لگے تو ان کا ایک قلم رکھ لوں؟ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا رہے گا۔''

اور آنٹی نے کھلے دل سے اجازت دے دی۔ وہ ان سے چارجر نہیں مانگ سکتا تھا' لیکن کوئی بات نہیں' چارجر کہیں سے خرید لے گا۔

انسانی عقل مہینوں' سالوں لگی رہتی ہے' کسی ایک کلیو کی تلاش میں' جیسے سعدی لگا تھا' اتنے دن سے جج کے کمپیوٹر میں کوئی ایک کام کی چیز تلاش کر رہا تھا' مگر جب عقل تھک جاتی ہے' تو ایک دم سے سب سے قیمتی چیز انسان کی جھولی میں پکے پھل کی طرح گرا دی جاتی ہے۔ آگ لینے کے لیے جانے والوں کو پیغمبری مل جاتی ہے۔ وہ لمحہ' الہام کا لمحہ ہوتا ہے...... کچھ لوگ اسے ''اتفاق'' کہتے ہیں۔ ایمان والے اسے ''مدد'' کہتے ہیں۔۔۔

اور آج احمر شفیع زمر اور فارس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''سعدی ان کی تعزیت کے لئے ان کے گھر گیا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک گلٹی احساس لئے ادھر گیا تھا' ان کی فیملی کو وہ پہلے سے جانتا تھا۔'' احمر سانس لینے کو رکا۔ ان کو متوجہ پا کر مسکرایا۔ ''ویسے میری کنسلٹنسی فیس...''

''کام کی بات پہ آؤ!'' فارس ایک دم برہمی سے کہتا آگے ہوا تو وہ ہاتھ اٹھاتے جلدی سے ذرا پیچھے ہوا۔ ''بتا رہا ہوں' بتا رہا ہوں۔'' گہری سانس لی۔ ''ان کی چیزوں میں سعدی کو ایک پین کیمرہ ملا۔'' (زمر نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔ اف۔) ''اس پین کے ذریعے اوسی پی صاحب جج کی ویڈیوز بناتے تھے۔ وہ کانفیڈینشل پولیس کے آدمی تھے۔ ان کے پاس بہترین gadgets تھے۔ وہ پین چھوٹا سا تھا' اس میں جیمر لگا تھا' جو اس کو ڈیٹیکٹرز کے باوجود ناقابلِ گرفت بناتا تھا۔ بہر حال اس پین میں کچھ ویڈیوز تھیں۔ کالے دھندوں کے اعتراف کی ویڈیوز۔ سعدی نے تمہارے رہا ہونے کے بعد وہ تمام ویڈیوز مٹا دیں' سوائے ایک کے۔ اس ویڈیو میں جج اور اوسی پی کی آخری ملاقات تھی' اور وہ ایک terrible ویڈیو تھی۔ اوسی پی نے صرف یہ سوچ کر کیمرہ آن رکھا تھا کہ جج کی دھمکیوں کو ریکارڈ کرے گا' اس لیے اس نے استعفیٰ بھی آرام سے لکھ دیا' مگر......'' اس نے جھرجھری لی۔ ''اس ویڈیو کی وجہ سے جج نے غازی کو رہا کیا۔''

''اب وہ پین کہاں ہے؟'' فارس کے سوال پہ احمر نے شانے اچکائے۔ زمر جلدی سے بولی۔ ''میں سعدی کی چیزیں دوبارہ دیکھوں گی' مل جائے گا!'' ذرا رکی۔ ''لیکن اگر جج کے طاقتور مجرم دوست ہیں' تو اس نے فارس کو رہا کرنے کی بجائے ان دوستوں سے مدد کیوں نہیں مانگی۔''

''مسز زمر' آپ وہ ویڈیو دیکھیں گی' تو جان لیں گی کہ کوئی بھی اپنے ساتھی مجرموں کو ایسی چیز کی ہوا نہیں لگنے دے سکتا۔ وہ اس کی مدد کرتے' لیکن پھر اس کی کمزوری کے ذریعے اس کو غلام بنا لیتے۔ غازی کو رہا کرنا زیادہ آسان تھا۔''

''تو اوسی پی صاحب نے خودکشی کیوں کی تھی؟'' حنین انہی گیلی شاکی نظروں سے احمر کو دیکھ کر بولی تو احمر نے اسے دیکھا' پھر فارس

کو۔ پھر شانے اچکائے۔'' اس ویڈیو اور سعدی کے مطابق اوسی پی صاحب کو قتل کیا گیا تھا۔ ان دونوں کا آپس میں لین دین کا کوئی تنازعہ تھا۔''

''سعدی نے آپ کو خود یہ بتایا؟'' حنین کی آواز غصے سے بلند ہوئی۔ احمر نے سنبھل کر ''جی۔'' میں سر ہلایا۔

حنین نے گلے بھری نظر زمر پہ ڈالی۔ احمر کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ کون ہیں؟ ان کو کیوں بتایا؟ میں بہن تھی۔ مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' ایک دم سے سچویشن آکورڈ ہو گئی تھی۔ فارس احمر کو اشارہ کرتا اٹھ گیا۔ وہ دونوں چلے گئے تو حنین نے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑے۔ ''بھائی کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں سمجھتی رہی میں نے ان کی جان لی ہے۔''

''حنین یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کیونکہ ہمیں سعدی نے کچھ نہیں بتایا۔ رہی اوسی پی کی بات، تو میں نے تمہیں کہا تھا نا، ان کے لیے پیپر زدینا آسان تھا کیونکہ وہ یہ کام پہلی دفعہ نہیں کر رہے تھے۔''

''مگر جب میں نے ان سے کہا تو ان کے تاثرات..... وہ بالکل ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔''

''کیونکہ حنہ جس چیز کو وہ اتنے سال پیسوں کے بدلے بیچتے آئے تھے، پہلی دفعہ وہ انہیں اپنے خاندان کی عزت کے بدلے بیچنی پڑی۔ یہ جھٹکا کسی کو بھی ہلا سکتا ہے۔''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا، اور آنسو رگڑے۔'' میں نے ان کی جان نہیں لی۔ لیکن میں پھر بھی قصوروار ہوں۔ بلیک میل اور چیٹنگ کی۔''

''حنین دنیا میں تمہارے آس پاس کوئی ایسا انسان نہیں ہے جس سے کبھی کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ گناہ کے بعد تم کیا کرتی ہو۔''

''میں نے توبہ کی تھی، سچے دل سے۔''

''توبہ یہ نہیں ہوتی کہ اس گناہ کا ڈپریشن لے کر ہر شے تیاگ کر بیٹھ جاؤ۔ توبہ مایوسی اور خود اذیتی کا نام نہیں ہے۔''

''تو پھر کیسے کی جاتی ہے توبہ؟'' وہ ہلکا سا بولی۔

''توبۃ النصوح کا مطلب ہے..... انسان کو احساس گناہ ہو، پھر ندامت گناہ ہو، پھر معافی مانگے اور اگر کوئی کفارہ ہے تو وہ ادا کرے۔ پھر دوبارہ وہ کام نہ کرنے کا عہد کرے، اور پھر اچھے کام کرے۔ توبہ مثبت سوچ کا نام ہے۔ فریش اسٹارٹ لینے کا۔ نئی زندگی کے آغاز کا۔''

''اور پھر سب معاف ہو جاتا ہے؟''

''ہاں سب معاف ہو جاتا ہے۔ مگر ہر گناہ سے بڑا گناہ پتہ ہے کیا ہے؟ اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرنا۔''

حنین نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے بے اختیار اپنی کتاب اور شیخ یاد آ رہے تھے

''ہاشم سے یوں بات کرنا اگزام سے بڑی چیٹنگ ہے۔ یہ سعدی اور فارس کے ساتھ چیٹنگ ہے۔'' اس کا فون بجنے لگا تو گفتگو ختم ہو گئی۔ حنین اٹھ کھڑی ہوئی۔ زمر نے موبائل اٹھاتے ہوئے اسے پکارا۔

''مجھے وہ چپ مل گیا ہے حنین۔'' حنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''مگر اس کی بیٹری ختم ہے۔ اس کا چارجر ڈھونڈ دو مجھے، اور ہم اس کو کھول لیں گے۔ ابھی فارس یا احمر کو نہیں بتانا۔ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔''

اس کو وہیں چھوڑ کر زمر گل خان کی تلاش میں نکل آئی۔

جو تجھ سے عہد وفا استوار رکھتے ہیں!

چند منٹ بعد وہ اس زیر تعمیر مکان میں کھڑی تھی۔ وہ اب تعمیر کے آخری مرحلے میں تھا۔ دروازے لگ چکے تھے۔ سیمنٹ ہو چکا تھا۔ ایسے میں اس کی چھت پہ بنے ایک کمرے (جو تین ماہ پہلے کھلا میدان تھا، اور جہاں سارہ چھپی تھی۔) گل خان ساتھ کھڑا مایوسی سے ادھر

ادھر زمین پہ ہاتھ مار رہا تھا۔ پھر ہاتھ جھاڑتے اٹھا۔

"دو موتی ادھر ہی چپکے تھے باجی۔ بعد میں فرش برابر ہوا تو گم ہو گئے۔"

"کس کے موتی؟ اور تم نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ سعدی کا کی چین تمہیں کہاں سے ملا؟" وہ دونوں اب گھر کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

"باجی ہمارا تایا ادھر مزدوری کرتا ہے' اسے سعدی بھائی نے یہاں نوکری دلوا کر دیا تھا۔ بھائی کو گولی لگنے کے تیسرے یا چوتھے دن اس گھر کا ٹھیکیدار ہمارے گھر آیا' تایے کو بولا کہ کسی عورت کا پرس ادھر گرا ہے' اس گھر میں' کس نے اٹھایا ہے؟ تایے نے بولا ہم ڈھونڈ دے گا۔ وہ ٹھیکیدار چلا گیا۔ مگر باجی یہ جو گل خان ہے نا' اس کا کھوپڑی بہت چلتا ہے۔" وہ اب مرچ مسالہ لگا کر پورے ایکشن کے ساتھ کہانی بیان کر رہا تھا۔ "ام کو تایے پہ شک ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ام نے تایے کا جاسوسی کیا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ الماری سے ایک گلابی رنگ کا بٹوہ نکال کر دیکھ رہا ہے۔ اس کو یہ ادھر چھت پہ پڑا ملا تھا۔ اس کا دو موتی ٹوٹا ہوا تھا اور سیمنٹ میں چپکا تھا۔ تایے نے پرس اٹھا کر اس جگہ بجری ڈال دی۔ یہ سارا بات اس نے اگلے دن ٹھیکیدار کو بتایا۔ ٹھیکیدار بہت دیندار آدمی ہے' پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے' اور صرف دو نمبر ہیروئن بیچتا ہے' مگر اس نے کہا کہ بٹوہ عورت کو واپس کرنا ہے۔ تو تایے نے اس میں سے تھوڑے سے پیسے نکال کر الگ کیے اور بٹوہ الگ رکھا۔ بس ادھر تایا سویا' ادھر گل خان نے الماری پہ چھاپا مارا۔"

وہ تحمل سے سنتی ہوئی چلتی جا رہی تھی۔

"مگر اندر کیا دیکھتا ہے' کہ ایک ہیرے کی انگوٹھی ہے۔ یہ جگر جگر چمکتی۔ اور بھی پیسے ہیں۔ ایک دو انگریزی کے کارڈ بھی تھے۔ اور باجی... اس میں سعدی بھائی کا چابی بھی تھا۔"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "پھر؟"

"پھر ہم نے چابی اٹھا لیا۔ دیکھو باجی' ہم بھائی کا بہت وفادار ہے۔ ہم نے اسے حفاظت سے رکھا۔ پھر ہم پشاور چلا گیا۔ واپس آیا تو..."

"تو اتنے دن مجھے کیوں نہیں دیا؟"

گل خان کی اس بات پہ سٹی گم ہو گئی۔ "وہ... باجی... تمہارا بندہ ہر وقت آگے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔ ام کو اس سے ڈر لگتا ہے۔" سر کھجایا۔ مگر اس نے دھیان نہیں دیا۔ واپس مڑی۔

"مجھے اس ٹھیکیدار سے ملواؤ۔ فکر نہ کرو' میں کی چین کا نہیں بتاؤں گی۔"

ٹھیکیدار کا منہ کھلوانے میں پانچ منٹ بھی نہیں لگے تھے' وہ فرفر بتانے لگا۔

"ایک عورت تھی۔ اس نے چادر کر رکھی تھی۔ چہرہ بھی ڈھک رکھا تھا۔ وہ میرے پاس آئی اور اپنے پرس کا پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک وکیل ہے اور یہاں اس قتل کیس کے سلسلے میں آتی جاتی رہتی ہے' اس لیے پرس کھو بیٹھی۔ میں نے ایک دو روز میں پرس ڈھونڈ کر دے دیا۔ وہ دوبارہ اسی گھر میں ملنے آئی تھی۔ اس نے پیسے بھی دیے مجھے مگر وہ خوش نہیں تھی۔ بار بار چابیوں کے گچھے کا پوچھتی تھی۔"

"کوئی اور بات جو اس کے بارے میں یاد ہو؟"

وہ سوچنے لگا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں میڈم جی۔ دبلی پتلی تھی' لڑکی سی لگتی تھی۔ ہاں رنگ گورا تھا اور آنکھیں ہلکے رنگ کی تھیں۔ نیلی سبز سرمئی۔"

"اگر وہ کبھی دوبارہ آئے تو آپ اس نمبر پہ مجھے بتائیں گے۔" ایک کارڈ اسے پکڑاتے ہوئے اس نے تاکید کی تھی۔ جب وہ واپس

مل

ئی تو سوچ میں گم تھی۔ ریسٹورانٹ میں داخل ہوئی اور سیدھی اوپر چڑھتی گئی۔

نیچے ریسٹورانٹ میں اکادکا لوگ تھے۔ حنین کونے والی میز پہ آ بیٹھی اور ہتھیلی پہ چہرہ گرا لیا۔

(میں توبہ کر چکی ہوں، معافی مانگ چکی ہوں، مگر ہاشم کو کیسے چھوڑ دوں؟ نہیں انہوں نے بھائی کو کچھ نہیں بتایا، مگر مجھے پھر اتنا شک کیوں ہے؟)

سر جھٹک کر حنین نے سیل فون نکالا، اور پھر دوپٹہ سر پہ لیتے ہوئے آن لائن قرآن ڈاؤن لوڈ کیا۔ کتنے عرصے سے اس نے قرآن نہیں پڑھا تھا۔ اس کو وہ ایسے سمجھ نہیں آتا تھا جیسے سعدی بھائی کو آتا تھا۔ حالانکہ سعدی اور سیم نارمل ذہانت کے لوگ تھے، جینئس تو وہی تھی، تو ساری بات جینئس لوگ کیوں کھاتے ہیں؟

قرآن کھلا تو وہ بے دلی سے انگوٹھے سے اسکرین اوپر کرتی گئی۔ کرتی گئی۔ صفحات اوپر نکلتے گئے۔ بالآخر ایک جگہ وہ رکی۔ آنکھیں بند کیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جو بھی وہ آیت پڑھے گی، اس پہ عمل کرے گی، چاہے وہ یہ کیوں نہ کہے کہ عورتوں کو چھپے دوست نہیں بنانے چاہئیں یا پردہ کرنا چاہیے یا نگاہوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔

آنکھیں کھولیں اور اسکرین کو دیکھا۔

”اور اللہ ہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تاکہ زمین کو اس کی موت کے بعد اس سے زندہ کر دے۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اور ان لوگوں کے لئے جو غور سے سنتے ہیں۔“

(ہوں۔ بارش کا ذکر ہو رہا ہے یہاں۔ گڈ۔ آگے چلو) اس نے اگلی آیت پہ نظریں مرکوز کیں۔

”اور تمہارے لئے بے شک چوپائے مویشیوں میں ایک نشانی ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں ان کے پیٹوں سے، خون اور گوشت کے درمیان سے خالص دودھ، جو خوشگوار ہے پینے والوں کے لئے۔“

(مطلب کہ...؟ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ خون اور گندگی کو دودھ سے ملنے نہیں دیتا، یوں ہم خالص دودھ پی لیتے ہیں؟ ٹھیک ٹھیک!)

”اور پھلوں میں کھجور اور انگور۔ تم ان سے بناتے ہو نشہ آور چیزیں اور اچھا رزق۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو عقل رکھتی ہے۔“

(مطلب کہ... اوہوں۔ شراب کا میں نے کیا کرنا ہے؟ آگے چلو۔)

”اور تمہارے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف کہ بنا لے اپنا گھر پہاڑوں میں اور درختوں کے اوپر، اور اونچی چھتوں پہ۔ پھر کھا تمام پھلوں میں سے اور چل اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔ ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے نکلتا ہے ایک مشروب، مختلف ہیں جس کے رنگ، شفا ہے جس میں لوگوں کے لئے، بے شک اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

حنین نے ایک دم موبائل اتار کر رکھ دیا۔ یہ تو وہی آیت تھی جو وہ آج تیسری بار...؟ کوئی سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی تھی گردن پہ ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ ایسے لگا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

(بس، مجھے نہیں پڑھنا قرآن، نہ شیخ کی کتاب۔ یہ سب چیزیں ڈراتی ہیں۔) جھرجھری لے کر اٹھی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بہت دن بعد اس کا دل تھا کہ وہ کچھ کھائے، کچھ اچھا، اتنا اچھا کہ سب بھول جائے۔

...............❖❖❖...............

آ کے لے جاؤ تم اپنا یہ دمکتا ہوا پھول ..... مجھ کو لوٹا دو مری عمر گزشتہ کی کتاب

حنین نے اگلے تین چار روز خود کو کھانے، ٹی وی، کمپیوٹر گیمز اور ہاشم میں مصروف کر لیا، مگر بے سکونی بڑھ گئی تھی۔ نہ ان چیزوں میں دلچسپی رہی تھی، نہ ہاشم پہ اعتبار رہا تھا، زمر کے پاس بھی نہیں گئی نہ دل لگا کر پین کیمرہ کا چارجر ڈھونڈا۔ زمر نے بھی اس سے دوبارہ بات نہیں کی۔

چھٹے نمبر والے روز حنین نے ہتھیار ڈال دیے اور امی کا قرآن کا نسخہ اٹھائے، کاپی پین لیے، فوڈلی اور آفٹر ریسٹورانٹ کے اوپری کمرے میں آ بیٹھی جہاں آج زمر نہیں تھی۔

اب حنین نے وہ آیت نحل ایک بڑے کاغذ پہ لکھی اور سر پہ دوپٹہ لیے، ہاتھ میں قلم پکڑے.... اس پہ غور کرنے لگی۔ آن لائن تفسیر بھی پڑھی۔ شہد کی افادیت، شہد سے شفا۔ ایک دم وہ چونکی۔ شیخ کے بیمار سے اس کو اپنا خیال آتا تھا۔ تو کیا اس کے مرض عشق کی شفا بھی شہد میں تھی؟ کیا اس بات کی کوئی سینس بنتی تھی؟

کچھ سوچ کر جنید کو پکارا جو کسی مہمان کو اٹینڈ کر رہا تھا۔

''سنو جنید بھائی۔'' وہ آیا تو وہیں کھڑے کھڑے پوچھنے لگی۔ ''یہاں آگے پیچھے کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے خالص، بالکل خالص شہد مل سکے؟''

جنید نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''مجھے نہیں پتہ۔'' جانے لگا، پھر دوبارہ عجیب انداز میں اسے دیکھا۔ ''ایک دفعہ سعدی بھائی نے بھی مجھ سے یہی پوچھا تھا۔''

''کیوں؟'' وہ چونکی۔

''پتہ نہیں۔'' وہ خود عجیب سے اچنبھے کا شکار واپس لوٹ آئی۔

............✿✿✿✿............

ہر آئے دن یہ خدا وندگانِ مہر و جمال ..... لہو میں غرق مرے غمکدے میں آتے ہیں

ان سب سے دور، سمندر پار.... سعدی یوسف اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اب کے وہاں کونے میں ایک اسٹڈی ٹیبل نظر آتی تھی جس پہ صاف جرنل رکھا تھا اور وہ پین سے اس پہ بے خیالی میں تکونیں بنا رہا تھا۔ آج نئی میرون شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نظر نہ آتی تھی۔

دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی، اس نے سر اٹھایا۔ دو گارڈز اندر داخل ہوئے اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ اٹھا اور ان کے ہمراہ پہلی دفعہ اس کمرے سے باہر آیا۔

باہر کوئی لاؤنج، ڈرائنگ روم ٹائپ کچھ نہ تھا، جیسا کہ اس کا گمان تھا۔ بلکہ ایک قدرے کھلا کمرہ تھا، جس میں ٹی وی لگا تھا۔ کونے میں چند کرسیاں رکھی تھیں۔ وسط میں چھوٹی میز اور اس کے گرد دو کرسیاں۔ ایک کرسی پہ وہ شخص زیکنا کے گرے سوٹ میں ملبوس، قیمتی پرفیوم کی مہک میں بسا، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کو دیکھ کر سعدی کا سارا خون سمٹ کر آنکھوں میں آ گیا، مگر نہ وہ کچھ بولا، نہ آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی، بس شرربار نظروں سے اسے دیکھتا، میز کی دوسری طرف بچھی کرسی پہ آ بیٹھا۔

کمرے میں، سعدی کے پیچھے دو گارڈز تھے، تین گارڈز دروازوں پہ تھے۔ کچن کی چوکھٹ پہ مودب سی میری کھڑی تھی۔

''ہیلو اگین سعدی!''

وہ چپ رہا۔ صرف اسے چبھتی نظروں سے گھورتا رہا۔ ہاشم کاردار نے گہری سانس لی۔

''یو آر ویلکم!'' طنز کیا۔

سعدی کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آٹھہری۔ ''تمہیں لگتا ہے کہ اپنی جان بچانے پہ میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا؟ اونہوں!'' مسکراہٹ سمٹ کر صرف تپش رہ گئی تھی۔ ''پچھلے تین ماہ سے میں اگر کسی کے جسم میں تین گولیاں اتارنا چاہتا ہوں' کندھے' پیٹ اور ٹانگ میں' تو وہ نوشیرواں ہے' نفرت ہوگئی ہے مجھے تمہارے بھائی سے۔ لیکن اس کے باوجود... سچ یہ ہے کہ نوشیرواں مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہترین نشانہ باز تھا' ذرا سی کوکین کے باوجود اس کا نشانہ خطا نہیں ہونا چاہیے تھا' وہ مجھے سر میں گولی مار سکتا تھا' سینے میں بھی مار سکتا تھا' مگر اس کو خود بھی علم نہیں کہ وہ مجھے گولیاں صرف اس لئے مار رہا تھا تاکہ مجھے نیچے گرا کر اپنے بوٹ سے مار سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی گولیوں سے میں مر سکتا تھا اور میں اس کے لئے اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' ذرا ٹھہرا۔ ''لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے مجھے بچایا ہے' تو خود کو آئینے میں دیکھو۔'' نفرت سے اسے دیکھتا ہو کہہ رہا تھا۔ ''کیونکہ تم اپنے بھائی سے کہیں زیادہ sick ہو۔ جو الفاظ تم نے میری بہن کے بارے میں کہے' سچ کہوں تو تم سے امید نہیں تھی اس گھٹیا پن کی' لیکن پھر سوچا جو قتل کر سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ایک دفعہ پھر کہوں گا' میری غیرت کو للکارنے سے پہلے آئینے میں دیکھنا' کیونکہ یہ الفاظ اس شخص کے منہ سے مضحکہ خیز لگتے ہیں' جو نہ اپنی بہن کی حفاظت کر سکا' یہاں تک کہ وہ جیل چلی گئی' نہ اپنی سابقہ بیوی... خیر...'' سر جھٹکا۔ ''میں تمہارے لیول پہ گر کر تمہارے والی زبان استعمال نہیں کر سکتا۔'' حالانکہ اس نے یہ فقرے تیار کر رکھے تھے' ہر مرد کی طرح اس کو بھی غصہ تھا' لیکن بولنے کا وقت آیا تو اسے پتہ تھا وہ ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔

ہاشم کاردار انگلی اور انگوٹھے کے درمیان رخسار رکھے' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھا سنتا رہا۔ ''تمہاری تقریریں مجھے پسند ہیں' مگر ان کو مجھ پہ ضائع مت کیا کرو۔ اگر تم کہہ چکے تو اب سنو!'' سعدی پہ جمی اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔ ''تم میرے آفس آئے' تم نے میرے خاندان کو دھمکایا' تم نے میرے بھائی کو گالی دی...''

''مجھے ان دو الفاظ پہ افسوس تھا' مگر کیا وہ اتنے بڑے تھے کہ تمہارا آدھے مرد جتنا بھائی مجھے گولیاں مار دے؟ عزت' غیرت صرف تم لوگوں کی ہے؟ ہمارے سامنے ہماری عورتوں کی بات کرو اور ہم چپ چاپ سن لیں؟''

''میری بات دوبارہ مت کاٹنا!'' ہاشم نے انگلی اٹھا کر اس کو تنبیہہ کی۔ ''تم نے میرے بھائی کو گالی دی' اس نے اپنا انتقام لیا۔ اس کے بعد بھی میں نے تم پہ رحم کھایا' اور تمہیں بچا لیا۔ میں تمہیں یہاں لے آیا' تمہارے اوپر اتنا خرچہ کیا' اس کے بعد تم مجھے کال کر کے ایک لسٹ تھماتے ہو' کہ تمہیں یہ' یہ چیز چاہیے۔'' استہزائیہ مسکرا کر سر جھٹکا۔ ''جیسے تم یہاں پکنک پہ ہو!''

''کیا تم اتنی دور مجھے انکار کرنے آئے ہو؟''

''اونہوں۔ میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہیں تھوڑی بہت سہولتیں مل سکتی ہیں' اور تمہاری فیملی کو تحفظ' خصوصاً تمہاری بہن کو' اگر تم....''

''میری بہن کا دوبارہ نام مت لینا!'' اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں' بلند آواز سے غرایا۔ مگر وہ کہہ رہا تھا۔

''اگر تم مجھے وہ دو جو میں چاہتا ہوں۔'' کہتے ساتھ ایک فولڈر اس کے سامنے رکھا۔ سعدی نے شرربار نظروں سے اسے گھورتے فولڈر پہ آنکھیں جھکائیں۔ پہلے صفحے کے چند الفاظ پڑھے۔ پھر اس کے ابرو تعجب سے سکڑے۔ اس نے کاغذ اٹھا کر دیکھے۔

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں' کہ جس کوئلے پہ ہم کام کر رہے ہیں' اس کی بی ٹی یو ویلیو کیا ہے؟'' ناگواری سے ہاشم کو دیکھا۔ (یہ کوئلے کی heating values ہوتی ہے۔)'' ہمارے کوئلے کی density, porosity --- اس کا moisture content --- یہ باتیں تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ یہ کانفیڈینشل معلومات ہیں' میں یہ نہیں دے سکتا۔''

''اس کے علاوہ بھی کچھ پوچھا ہے میں نے۔'' ہاشم نے اسی سکون سے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔ سعدی نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''ہماری experimental demonstration ، ہمارے سارے لیب ورک کا ڈیٹا' تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہ سب بتاؤں' کہ کیسے

ہم اپنے پروجیکٹ کو scale up کریں گے؟ ہاشم کاردار، ہم نے راتوں کو جاگ جاگ کر تھر کے اس بیاباں میں کام کیا ہے، جس دن ہم نے پہلی دفعہ گیس بنا کر شعلہ جلایا تھا، اس دن اس پراجیکٹ کے ہر سائنسدان، ہر انجینئر اور ہر مزدور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تم آئل کمپنیز نے اس ملک کی بجلی کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ ہم تم جیسے IPPs کی تیل کی سیاست سے اس ملک کو نکالنا چاہتے ہیں، اور تم سمجھتے ہو کہ سعدی یوسف اتنا بے غیرت اور بے ضمیر ہے کہ وہ اتنی بڑی امانت ایک آئی پی پی کے مالک کے حوالے کر دے گا؟" پھر پیچھے ہو کر بیٹھا۔

"ہم جو بھی کرتے ہیں، قانون کے مطابق کرتے ہیں۔"

"ہا!" سعدی نے سر جھٹکا۔ "میں بتاتا ہوں کہ تم کیا کرتے ہو۔ ادھر آؤ میری، میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔" اسے اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سی چلی آئی۔

"میں تمہیں سادہ زبان میں سمجھاتا ہوں، مشکل اصطلاحات استعمال کر کے اپنی معلومات کا رعب نہیں جھاڑوں گا۔ تمہیں پتہ ہے میری آئی پی پی کون ہوتے ہیں؟ Independant Power Producers. یہ پرائیویٹ اور خود مختار ادارے ہیں۔ تمہارے مالک بھی ایسی ہی ایک کمپنی کو چلا رہے ہیں۔ یہ لوگ فرنس آئل سے بجلی بنا کر حکومت کو بیچتے ہیں۔ بدلے میں جب لوگ بل ادا کرتے ہیں تو اس بل سے یہ مزید تیل خرید کر مزید بجلی بناتے ہیں۔ یہ سائیکل چلتا رہتا ہے۔ لیکن ماشاءاللہ میرے ملک پاکستان میں امیر لوگ بجلی کے بل ادا نہیں کرتے۔ یوں سمجھو کہ پندرہ ٹکڑے چاہیے ہیں بجلی کے ملک کو، لیکن بل تیرہ کا ادا ہوا ہے، تو اگلی دفعہ آئی پی پی تیرہ ٹکڑے بجلی بنائے گی۔ یوں چند گھنٹے کی لوڈشیڈنگ ہو جائے گی۔ مگر پھر ہوا یوں کہ نوے کی دہائی میں ہماری حکومت نے ان آئی پی پیز کے ساتھ معاہدے کیے، جہاں بہت سی کمپنیز یوں سمجھو کہ، دو روپے کی بجلی بنا کر حکومت کو چار روپے میں بیچنا چاہ رہی تھیں، وہاں حکومت نے ان آئی پی پیز کے ساتھ معاہدہ کیا جو دو روپے کی بجلی حکومت کو بیس روپے میں بیچتی ہیں۔ کیونکہ اس بیس روپے کا ٹین پرسینٹ اس شخص کی جیب میں جاتا تھا جس کو ہم مسٹر ٹین پرسینٹ کہتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ قانونی بات سنو، میری ایجنٹ۔ حکومت نے ان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ چاہے یہ ایک ٹکڑا بجلی بنائیں، چاہیں پندرہ ٹکڑے، حکومت ان کو انہی پندرہ ٹکڑوں کی بجلی کے پیسے دیتی رہے گی۔ اب یہ قانونی لوگ ہر سال دس، یا آٹھ ٹکڑے بجلی بناتے ہیں، ان کا کیا جاتا ہے۔ جن دنوں زیادہ لوڈشیڈنگ ہو رہی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہاشم کاردار جیسے لوگوں کا موڈ نہیں ہے زیادہ تیل خریدنے کا، اس لیے یہ کم بجلی بنائیں گے۔ یہ ہوتا ہے شارٹ فال۔ یہ ہے وہ لائن لاسز، لائن لاسز کی گر، ان کی حقیقت۔ پاکستان میں کوئی لوڈشیڈنگ نہیں ہے، کوئی بجلی کا بحران نہیں ہے، یہ صرف آئی پی پیز ہیں، جب ان کو پندرہ ٹکڑوں کے پیسے مل رہے ہیں تو یہ بھلے ایک ٹکڑا بھی بنائیں، ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔" بول بول کر وہ سانس لینے کو رکا۔ ہاشم نے اشارہ کیا تو میری واپس مڑ گئی۔

"اب تم ہمارے پراجیکٹ کی معلومات چاہتے ہو تا کہ اس کو لیک کر کے پراجیکٹ کو سبوتاژ کر سکو؟ پہلے تمہاری آئل لابی کی وجہ سے تھر کول کو حکومت پیسے نہیں دیتی۔ مزید کتنا نقصان دو گے تم لوگ اس ملک کو؟ تمہیں رات کو نیند کیسے آ جاتی ہے؟" دکھ، صدمے اور برہمی سے وہ بولا۔ ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہاری تقریر ختم ہو گئی؟"

"میرا جواب ناں میں ہے، تم جا سکتے ہو۔" فولڈر بے زاری سے واپس ڈالا۔ ہاشم چند لمحے چبھتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "تم وہ گفتگو بھول گئے ہو غالباً جو پچھلی دفعہ یہاں آ کر میں نے کی تھی؟"

گود میں رکھی سعدی کی مٹھیاں بھینچ گئیں، مگر اس نے خود کو ٹھنڈا رکھنا چاہا۔ (نہیں سعدی، وہ تمہیں توڑنا چاہتے ہیں۔ تم نے نہیں

(لوٹا۔)

"وہ گفتگو جس میں تم نے میرے خوف سے مجھے مفلوج کر دیا تھا؟"

"میں وہ ایک... ایک لفظ دوبارہ دہرا سکتا ہوں مگر تمہیں تکلیف ہوگی بچے۔ اور میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

"تمہارا محبت کا فلسفہ تمہاری ہی طرح کرپٹ ہے۔ تم اپنے محبوب لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہو۔ تم نے کبھی نوشیرواں کو بڑا نہیں ہونے دیا' وہ ایک ایک چیز کے لیے تمہارا محتاج ہے۔ تم نے شہرین کے ساتھ بھی یہی کیا۔ اسے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ تم مجھے پسند کرتے ہو میں جانتا ہوں' کیونکہ مجھے تو سب پسند کرتے ہیں۔" کندھے اچکا کر بظاہر لاپرواہی سے بولا۔ دل میں اٹھتے غصے کو دبانے کی کوشش کی۔ "تم نے مجھے اس لیے نہیں بچایا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو۔ تم اپنے بھائی کو گلٹ سے بچانا چاہتے تھے اور مجھے اس کی کمپنی کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے' مگر... میں..." رک رک کر بولا' "میں.. نوشیرواں.. نہیں ہوں!"

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا۔

"تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں۔ سوچ لو۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ مجھے واپسی پہ یہ کاغذ بھرے ہوئے ملنے چاہئیں' ورنہ تمہاری ہٹ دھرمی کی قیمت تمہاری بہن ادا کرے گی۔"

سعدی نے سختی سے میز پہ ہاتھ جما دیے۔ پھر خود کو روکا۔ اس نے ایک مہینہ اس دن کے لیے مشق کی تھی۔ وہ اتنی جلدی نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جاؤ اپنے کام بھگتاؤ۔"

"تین گھنٹے!" ہاشم نے کلائی کی گھڑی دکھاتے ہوئے تنبیہ کی اور گارڈز کو اشارہ کرتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس کمرے میں موجود تھا' مگر اب کی بار انہوں نے کمرے کا صرف شیشے کا دروازہ بند کیا' دوسرا لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔ یہ اسی دن سعدی کو معلوم ہوا تھا کہ اس کے کمرے کے دو دروازے تھے۔ لکڑی کا اندر کی طرف کھلتا۔ شیشے کا باہر کی طرف۔ لکڑی کے دروازے پہ دو لاکس لگے تھے' اور شیشے والے پہ نمبر زپیڈ۔ یعنی وہ کوڈ سے کھلتا تھا۔

اب وہ بیڈ پہ بیٹھا لاؤنج نما کمرے میں مستعد گارڈز دیکھ سکتا تھا۔ فولڈرز اور پین بیڈ پہ ساتھ رکھا تھا۔ اور میری قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔

"وہ جو کہہ رہا ہے کر دے گا بھی سہی۔"

"جب مشورہ مانگوں تب دینا۔ ابھی مجھ سے بات مت کرو۔" منہ پھیر لیا۔ میری سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

❖❖❖

کون قاتل بچا ہے شہر میں فیض ...... جس سے یاروں نے رسم و راہ نہ کی

ہارون عبید کے گھر کے آرام دہ اور کوزی لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا' اور وہ صوفے پہ بیٹھے چند کاغذات دیکھ رہے تھے۔ ساتھ آبدار بیٹھی گاہے بگاہے ان کو دیکھتی تھی، جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ تبھی ایرانی بلی دوڑتی ہوئی آئی اور جست لگا کر آبدار کی گود میں بیٹھ گئی۔ ہارون نے (اوہوں) خفگی سے بلی کو دیکھا' پھر اسے۔

"آبی اپنی بلیوں' گھوڑوں اور پرندوں کو گھر کے اندر مت لایا کرو۔" ٹوکا مگر نرمی سے اور کاغذ دیکھنے لگے۔ آبدار نے تو جیسے سنا ہی نہیں' آلتی پالتی کر کے اوپر ہو بیٹھی' اور بلی کی نرم کھال پہ ہاتھ پھیر کر کہنے لگی۔

"بابا' آج آپ اتنے دن بعد دوپہر میں گھر پہ ہیں۔ ایسا کرتے ہیں میں چائنیز بنا لیتی ہوں' پھر ہم ساتھ لنچ کریں گے۔ ٹھیک؟"

"نہیں مجھے ایک لنچ پہ پہنچنا ہے ابھی۔ یاد آیا' مسز کاردار نے ویک اینڈ پہ ہمیں کھانے پہ بلایا ہے۔ تم چلو گی؟"

اور انہوں نے دیکھا ہی نہیں کہ چائنیز کا پلان کینسل ہونے پہ آبی کی آنکھوں کی جوت کیسے بجھ گئی ہے۔ ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ "دل نہیں ہے جانے کا۔ اس دن بھی تو گئی تھی نا ہاشم کی عیادت کے لیے۔ اب اگر وہ لوگ آئے تو پھر جاؤں گی۔ روز روز جاتے اچھا نہیں لگتا۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" وہ کاغذات دیکھتے رہے۔ آبدار سر جھکائے بلی کو دست روی سے سہلاتی رہی۔ "مسز کاردار کو آپ کا تحفہ کیسا لگا؟ آپ نے بتایا نہیں۔" دل کو پھر سے جوڑ کر گفتگو کا آغاز کیا۔

"اتنا قیمتی بریسلیٹ کیسے اچھا نہیں لگے گا؟"

"میں اس شعر کی بات کر رہی ہوں بابا جو آپ نے مجھ سے لکھوایا تھا من الماس را بہ ملکہ، ادوم۔"

"میں نے تمہیں انگریزی میں لکھنے کے لیے کہا تھا تم نے فارسی میں لکھ دیا۔"

"کوئین کو سمجھ آ گیا ہو گا۔ خیر کیسی ہیں وہ؟ آپ لوگ ابھی بھی اپنے کارٹیل میں ساتھ کام کر رہے ہیں نا۔"

تب ہی ہارون کا فون بجا۔ آبدار نے اچک کر اسکرین دیکھی۔ ہاشم کاردار کالنگ۔

"اوہ۔ پہلے میں بات کر لوں۔ میں نے اسے اس دن سے کال بیک ہی نہیں کیا۔" اس نے موبائل لینا چاہا مگر ہارون نے سختی سے فون پیچھے کر لیا۔ "یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔" ایک دم سارے کاغذ چھوڑ کر وہ فون کان سے لگائے اٹھ گئے۔ آبدار متعجب سی بیٹھی رہی۔ پھر کاغذوں کو دیکھا۔ وہ محض بلز تھے۔ تو بابا اتنی دیر سے ہاشم کی کال کا انتظار کر رہے تھے؟

"شش" بلی کو تھپک کر بھگایا' اور پھر ننگے پاؤں سج سج کر چلتی ان کے پیچھے آئی۔ وہ گیلری سے گزر کر اسٹڈی روم میں چلے گئے تھے اور اب دروازہ بند تھا۔ وہ دبے قدموں دروازے تک آئی اور اسے ہلکا سا دھکیلا۔ بنا آواز کے وہ ذرا سا کھلا۔ ہارون دوسری طرف رخ کیے بات کر رہے تھے۔ آبدار آنکھوں میں معصوم سی شرارت لیے سنتی رہی۔ اس کی برتھ ڈے اگلے ماہ تھی۔ ہاشم اس کی سالگرہ پہ انوکھے تحفے بھیجا کرتا تھا۔ بابا بھول جاتے تھے تو کیا ہوا؟ ہو سکتا ہے اس سال وہ.......

"تمہارا اٹھر کول والا Scientist کہاں تک پہنچا ہاشم؟" وہ کہہ رہے تھے۔ "تمہیں یقین ہے وہ تمام معلومات فراہم کرے گا؟" ذرا ٹھہرے۔ "میں عجلت اس لیے مچا رہا ہوں کیونکہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں چائنیز رجسٹرڈ کمپنی جلد از جلد شروع کرنی ہے۔" وہ ناخوشی سے کہہ رہے تھے۔ آبدار کی آنکھوں کی شوخی الجھن میں بدلی۔

"میں نے لڑکے کو ملک سے باہر بھیجنے اور اس کو اپنے سیف ہاؤس میں رکھنے میں تمہاری جتنی مدد کی تھی' اب تم بھی اتنی ہی جلدی مجھے کوئی رزلٹ دو ہاشم!"

وہ مڑنے لگے تھے۔ آبدار فوراً الٹے قدموں واپس بھاگی' البتہ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

یقیناً بابا کوئی غلط کام نہیں کر رہے' وہ کسی سائنسدان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مجھے کیا؟ مگر سر جھٹک دینے سے وہ سوچیں جھٹکی نہیں جا رہی تھیں، وہ، جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

....

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو، وہ وقت قریب آ پہنچا ہے، ...... جب تخت گرائے جائیں گے، جب تاج اچھالے جائیں گے

ہاشم واپس آیا تو گارڈز ہتھکڑی لگے سعدی کو لیے اس کے سامنے آئے اور کرسی پہ بٹھایا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کروفر سے بیٹھے ہاشم کاردار نے سر کو خم دیا۔ ہاشم کو دیکھتا رہا۔ ایک گارڈ نے کاغذات لا کر میز پر رکھے' اور ساتھ قلم بھی۔

"چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔ تم نے ابھی تک لکھنا شروع نہیں کیا۔" نارمل انداز میں سوال کیا۔

"میں جواب دے چکا ہوں۔" لڑکے کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

"کیا چاہتے ہو؟ تمہاری بہن کو تمہارے سامنے فون کروں؟ اوہ سعدی!" افسوس سے سر جھٹکا۔ "کیوں مجھ سے ایسے کام کروانا چاہتے ہو جو کرتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے؟"

سعدی کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ "بار بار میری بہن کا نام مت لو۔" وہ غرایا تھا۔ "تم یہ سب اس لئے کر رہے ہو تا کہ میں اپنی فیملی سے بدظن ہو جاؤں۔ مگر ایسا نہیں ہوگا کبھی ہاشم!"

"حالانکہ ایسا ہو جانا چاہیے کیونکہ تمہاری فیملی تمہیں بھول کر اپنی زندگی میں مگن ہو چکی ہے۔ اگر میرا بھائی کھویا ہوتا تو میرے پاس گھر چلانے کا وقت نہ ہوتا مگر تمہاری بہن....."

وہ ایک دم بھوکے شیر کی طرح ہاشم پہ جھپٹا تھا۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھوں سے اس کا گریبان پکڑ کر اس کی گردن دبوچنی چاہی مگر ہاشم نے سختی سے اسے پیچھے دھکیلا۔ گارڈز نے بروقت اسے قابو کیا۔ وہ سرخ، پسینے سے تر چہرے سے چلا رہا تھا۔

"اللہ غارت کرے تمہیں! اللہ برباد کرے تمہیں۔" اس کی سرخ آنکھیں گیلی تھیں اور چلانے کے باعث آواز بیٹھ گئی تھی۔ ہاشم نے ناگواری سے کالر جھٹکے۔ میری نے جلدی سے رومال لا دیا جس سے اس نے گردن تھپتھپائی جہاں ذرا سی خراش پڑ گئی تھی۔

گارڈز سعدی کو زبردستی بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ تیز تیز سانس لیتا ہانپتے ہوئے مسلسل چلا رہا تھا۔ ہاشم رومال رکھ کر چند لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

"اپنی جذباتیت کو پرے رکھ کر میری بات سنو۔ کان کھول کر۔" آنکھوں میں سختی لئے وہ بولا تھا۔ "تم یہاں اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہو۔ تمہیں اپنے سے بڑے دشمن نہیں بنانے چاہیے تھے، مگر تم نے بنائے۔ اب اپنے خاندان کو اپنی غلطیوں کی سزا مت دو۔ پندرہ منٹ پہلے میں نے تمہاری بہن کو میسج کیا تھا۔ کہ مجھے اس سے ملنا ہے۔ گھر میں نہیں۔ ایک ہوٹل میں....." وہ موبائل نکالتے ہوئے بتا رہا تھا۔ سعدی گہرے گہرے سانس لیتا، نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کہا کہ میرا ڈرائیور اسے پک کر لے گا۔ اسے نہیں معلوم کہ میں ملک سے باہر ہوں۔" اسکرین اس کے سامنے کی۔ "اس کا آڈیو میسج آیا ہے۔ یہ اصلی ہے۔ خود سن لو۔" سعدی کی نظریں اسکرین پہ ٹھہریں۔ اس پہ واٹس ایپ کی گفتگو کھلی تھی۔ اوپر "حنین یوسف" لکھا تھا۔ ہاشم نے نگاہیں سعدی پہ جمائے پلے کا بٹن دبایا۔

"اوکے، میں آ جاؤں گی، آپ ڈرائیور بھیج دیں۔ میں ریسٹورانٹ میں ہوں، مجھے واپس بھی ادھر ڈراپ کروا دیجئے گا، مجھے بھی آپ سے بات کرنی ہے۔ بائے!" حنین کی مصروف سی آواز ختم ہوئی۔ سعدی کا دل کانپ کر رہ گیا۔ ہاتھوں میں لگی ہتھکڑیاں کیا ہوتی ہیں، کوئی اس سے پوچھتا۔

"سو سعدی یوسف..... میرا ڈرائیور ٹھیک بیس منٹ بعد اس کو پک کرنے جائے گا اور ایک ہوٹل میں چھوڑ دے گا۔" سرد مہری مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتانے لگا۔ "ڈونٹ وری، تمہاری بے وقوف بہن کو کچھ نہیں ہوگا، مگر میرے گارڈز اسے وہیں بند کر دیں گے اور صبح سے پہلے اس کو لوٹنے نہیں دیں گے۔ اور تمہاری جیسی فیملیز میں ایسا ایک واقعہ اس بچی کی ساری زندگی برباد کر سکتا ہے۔ سو اب سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔" خود بھی پیچھے ہو کر بیٹھا اور تسلی سے جیسے اسے مژدہ سنایا۔

"اللہ برباد کرے تمہیں....."

"اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو یہ نمبر دیکھ لو۔ یہ تمہاری بہن کا ہی نمبر ہے۔ مگر شاید اس نے تمہارے جانے کے بعد لیا تھا۔" اس کو دیکھتے ہوئے ہاشم نے حنین کے نام پہ کلک کیا تو اس کی پروفائل کھل گئی۔ سعدی کی بے بسی بھری غصیلی نظریں ہاشم سے ہوتیں اسکرین پہ ٹھہریں۔

اسکرین پہ حنہ کی پروفائل پکچر تھی۔ اس کی اور سیم کی سیلفی۔ نیچے ایک موبائل نمبر لکھا تھا۔ اور ساتھ ہی اس کا واٹس ایپ اسٹیٹس۔

"واوحی ربک الی النحل!" ساتھ میں ایک ویڈیو کیمرے کا نشان۔ اور لکھا تھا:

Updated 6 mins Ago۔ سعدی ایک دم چونکا۔ ہاشم کو دیکھا۔

"آڈیو دوبارہ دکھاؤ۔" ہاشم نے حکم کی تعمیل کی۔ آڈیو چلنے لگی مگر سعدی صرف آڈیو کا وقت دیکھ رہا تھا۔ وہ بیس منٹ پہلے کی تھی۔ حنین کی آواز اس کی سماعت میں نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ صرف اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ بیس منٹ پہلے؟ چھ منٹ پہلے؟ کیمیکل انجینئر نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ جواب گھاٹے کا نہیں تھا۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھائیں مگر اب ان میں نہ غصہ تھا' نہ نفرت' نہ بے بسی بھرا دکھ۔

ان میں کوئی عجیب سا تاثر تھا۔ ٹھنڈے گوشت جیسا۔

پھر سعدی نے گہری سانس لی' اور ذرا پیچھے کو ہوا۔

"سو؟" کندھے اچکائے۔

"سو جتنی جلدی تم یہ کاغذ پُر کرو گے' اتنی جلدی میرے بندے تمہاری بہن کو عزت اور حفاظت سے واپس چھوڑ دیں گے۔"

سعدی انہی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "تم چاہو تو میری بہن کو اغوا بھی کر سکتے ہو' مگر تم ایسا نہیں کرو گے' تم کوئی اور جرم افورڈ نہیں کر سکتے' اور چاہتے ہو کہ میری نظروں میں میری بہن کو گراؤ۔ ہے نا؟" ابرو اٹھا کر پوچھا۔ اس کی آواز میں کاٹ تھی۔ ہاشم دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم زندگی میں پہلی دفعہ خود کو میری جگہ رکھ کر دیکھو۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہہ رہا تھا۔ "اب جب اپنی بہن کو بچانے کے لیے تم یہ کاغذ پُر کر کے ایک جرم کرو گے' تو تمہیں احساس ہوگا کہ انسان کو اپنے خاندان کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ پھر تم جانو گے کہ تم ہیرو نہیں ہو' نہ میں ولن ہوں۔ بلکہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔" زخمی سا مسکرایا۔ "آج ہم برابر ہو جائیں گے سعدی! کیونکہ جو کرنا ہوتا ہے' وہ کرنا پڑتا ہے۔"

سعدی بھی آگے کو ہوا۔ (گارڈز فوراً چوکس ہوئے) مگر اب وہ ہاشم پہ حملہ نہیں کر رہا تھا۔ وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا تھا۔

"میں اور تم... برابر نہیں ہیں' کیونکہ میں..." کاغذ پرے دھکیلے۔ "ان کو پُر نہیں کروں گا۔"

"اور بے غیرت بننا پسند کرو گے؟ اپنی بہن کا کوئی خیال نہیں ہے؟" اس نے گویا ملامت کی۔ سعدی پیچھے ہوا۔ مسکرایا۔

"میری بہن تم سے ملنے نہیں آئے گی۔"

"یہ آڈیو جعلی نہیں تھی۔ یہ اصلی تھی۔ میرا ڈرائیور اب تک نکل چکا ہوگا۔ تمہاری بہن واقعی آ رہی ہے۔"

"مجھے پتہ ہے' یہ آڈیو اصلی ہے' مگر... میری... بہن... نہیں آئے گی!" چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ ہاشم نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"مجھے اس لڑکی پہ ترس آ رہا ہے۔ تم اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔ خیر' تم سوچ لو۔ ہمارے پاس پوری رات ہے۔" گردن کی خراش کو مسلتے ہوئے وہ سکون سے بولا اور دور کھڑی میری کو لگا' سعدی پھر سے اس پہ جھپٹے گا' مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

"وہ ابھی تمہیں کال کرے گی' اور کہے گی کہ تم گاڑی نہ بھیجو۔ تمہارے ڈرائیور کو خالی ہاتھ آنا پڑے گا' کیونکہ فارس غازی کی بہن کے ریسٹورانٹ سے تم ایک لڑکی کو زبردستی تو لے جا نہیں سکتے۔" اس کا اعتماد واپس آ رہا تھا۔ ہاشم کو پہلی دفعہ چنبھا ہوا۔ وہ کیا مس کر رہا تھا؟

"تم نے شاید غور سے سنا نہیں' تمہاری بہن میری بات رد نہیں کر سکتی' وہ..." جیب میں اس کا موبائل بجا۔ وہ ایک دم رکا۔ سعدی کی زخمی مسکراہٹ پھر سے نمودار ہوئی۔

''اٹھاؤ ہاشم کاردار! اور اسپیکر آن رکھو' کیونکہ میری بہن ابھی تم پہ غرائے گی اور میں وہ سننا چاہوں گا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ مگر اپنا شوق پورا کر لو۔'' وہ اسی کر وفر سے اٹھا اور گارڈز کو اشارہ کیا۔ وہ اس کا ہر اشارہ پہچانتے تھے' اس سے سعدی کو اندازہ ہوا کہ وہ اس قید خانے میں لایا جانے والا پہلا قیدی نہیں تھا۔ یہ کوئی ویئر ہاؤس تھا' جو سیف ہاؤس کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

گارڈز اسے واپس اس کے کمرے میں لے آئے۔ لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا' اور شیشے کا دروازہ مقفل کر دیا۔ سعدی بیٹھا نہیں' دروازے کے ساتھ کھڑا رہا۔ دیوار میں لگا انٹرکام کی طرح کا اسپیکر ایک گارڈ نے چلا دیا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ ہاشم نے اپنے سیل کو کس طرح اس سے جوڑ رکھا تھا' مگر اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس اسپیکر سے اس کو ان کی گفتگو سنائی دے سکتی تھی' مگر سعدی کی آواز نہیں جا سکتی تھی۔

ہاشم کا فون مسلسل بج رہا تھا۔ جب دروازہ بند ہو چکا اور اس نے اپنے قیدی کو شیشے کے دروازے پہ ہاتھ جمائے' خود کو دیکھتے پایا تو کال اٹھالی۔

''ہیلو حنین!'' خوشگوار لہجے میں بولا۔ نظریں شیشے کے پار سعدی پہ جمی تھیں۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔ گہرے سانس۔

''حنین؟'' ہاشم نے پھر پکارا۔

''آپ نے ڈرائیور بھیج دیا؟'' سپاٹ سا انداز تھا۔

''ہاں! بھیجنے والا ہوں۔ تم تیار ہو؟'' طنزیہ نظروں سے سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ پھر خاموشی۔

''نہیں' میں نہیں آ رہی۔ ڈرائیور واپس کر لیں۔''

سعدی کی اٹھی گردن مزید اٹھ گئی۔ ہاشم پہ جمی چبھتی نظروں میں ملامت در آئی۔

ہاشم کاردار کو ایک دم گردن کی خراش میں شدید درد ہوا۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے....

''کیا مطلب؟ تم نے ابھی کہا' تم...''

''مجھے پتہ ہے میں نے کیا کہا' اور اب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نہیں آ رہی' سو نہیں آ رہی' بات ختم!''

شیشے پہ دونوں ہاتھ رکھے سعدی نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس اندر اتاری۔

''کیا مطلب؟ مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی حنین۔'' ہاشم کا گلا دب رہا تھا۔ میز پہ رکھے کاغذ دیکھتے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ ہارون کو کیا جواب دے گا؟

''رات کو گھر آ جائیے گا' ماموں کے سامنے کر لیجئے گا جو بات بھی ہو۔ آخر آپ ماموں کے کزن ہیں' اتنا تو حق ہے نا آپ کا۔'' وہ سرد مہری مگر گیلی سی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''اور پلیز مجھے ہر وقت کال مت کریں۔ میں آپ سے رشتے داری سمجھ کر کبھی بات کر لیتی ہوں تو آپ اس کا غلط فائدہ مت اٹھایا کریں۔''

ہاشم نے متعجب سے ہو کر دروازے کو دیکھا۔ سعدی اسی طرح وہاں کھڑا تھا۔ ہاشم کے ماتھے پہ ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ ایک دم سب غلط ہو رہا تھا۔

''تمہیں دس منٹ میں کیا ہو گیا ہے؟ ابھی تو تم بالکل ٹھیک تھیں۔ کسی نے منع کیا ہے مجھ سے ملنے کے لیے آنے کو؟'' وہ ذرا غصے ہوا۔ شیشے کے پار کھڑے سعدی کی نظریں.... ہاشم کا چہرہ احساسِ توہین سے سرخ پڑنے لگا۔

''ہاں۔ کیا ہے منع! میرے بھائی نے منع کیا ہے۔''

ہاشم کا سانس رک گیا۔ وہ بالکل پلک جھپکے بنا سعدی کو دیکھے گیا۔

"سعدی...تمہاری سعدی سے بات ہوئی ہے؟" وہ اگلی دس زندگیوں میں بھی اس بات پہ یقین نہیں کر سکتا تھا۔ سعدی تو سارا
اس کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔ تو پھر...؟

"ہاں ہوئی ہے میری سعدی بھائی سے بات۔ اب پلیز... مجھے ڈسٹرب مت کریں۔" اور ٹھک سے فون بند ہو گیا۔

ہاشم نے بمشکل "ہیلو" کہا۔ پریشانی سے' تعجب سے۔ چند لمحوں کے لئے اسے بھول گیا تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے' صرف یہی یاد
وہ پسینہ پسینہ ہو رہا ہے' اور اس کا دل حیرت اور شاک سے دھڑکنا بھول چکا ہے۔ فون کان سے ہٹا کر چہرہ اٹھایا۔

شیشے کے دروازے کے پار کھڑا سعدی آنکھوں میں چبھن بھرے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم تیزی سے آگے آیا' کوڈ دبا کر درواز
اور اسے گریبان سے پکڑ کر سامنے کیا۔

"کیا کیا ہے تم نے؟ ہاں؟" تعجب اور غصے سے وہ چلا رہا تھا۔ "دس منٹ میں کیا بدل رہا ہے تم نے؟ اس (گالی) نے میرے
فون بند کر دیا۔"

"فاذا قراءت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم!" (پھر جب تم قرآن پڑھو تو پناہ مانگا کرو دھتکارے ہوئے شیطان
سعدی تیز تیز سانسوں کے درمیان بولا تھا۔ ہاشم نے اس کو گریبان سے جھٹکا دے کر چھوڑا' اور انہی بے یقین نظروں سے دیکھتا پیچھے ہوا۔

"بے شک..." وہ واپس بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے گہرے تھکے سانس لے کر خود کو پرسکون کر رہا تھا۔

"بے شک اس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا ان لوگوں پہ جو ایمان لائے..." اپنی پیشانی ہتھیلیوں پہ گرائے' وہ چہرہ جھکا
آنکھیں بند کیے پڑھ رہا تھا۔ "اور جو اپنے رب پہ توکل کرتے ہیں۔"

ہاشم ابھی بے یقین آنکھوں سے اسے دیکھتا قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔

"بے شک (اس) شیطان کا زور انہی لوگوں پہ چلتا ہے جو اس سے دوستی کر لیتے ہیں..." (سورہ نحل) اس کی آواز دھیمی ہو رہی تھی
ہاشم تر پیشانی اور حیرت زدہ آنکھیں لیے دروازے تک پیچھے ہٹ گیا۔

"آج کے بعد تم میری بہن کو میرے خلاف استعمال نہیں کر سکتے، اس لیے اگلی دفعہ مجھے دھمکانے آنا تو کوئی اور طریقہ ڈھونڈنا۔"
بلند آواز سے کہہ کر گویا اسے چیلنج کر رہا تھا۔

"تم... تمہاری بہن... فارس... سب اس کی سزا کاٹو گے۔ تم انتظار کرو۔" چوکھٹ تک رکا اور زور سے غرایا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو
تھا اور گردن کی خراش دہک رہی تھی۔ آستین سے تر پیشانی رگڑی اور مڑ کر باہر نکلتا گیا۔

سعدی ابھی تک زیر لب کچھ پڑھ رہا تھا مگر اس کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ سنائی نہ دیتی۔ پورے زنداں خانے میں سناٹا چھایا تھا۔

میری اس کے پاس آئی۔ اسے پانی لا کر دیا۔

"تم نے کیا کیا سعدی؟"

سعدی نے نچڑا ہوا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم نہیں سمجھو گی۔"

میری کی آنکھوں میں تاسف در آیا۔ "جب تم سات سال پہلے قصر کاردار آئے تھے تو تمہارے آگے دروازہ میں نے کھولا تھا۔ اگر
کھولتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔" سعدی کچھ کہے بنا پانی کے گھونٹ بھرنے لگا۔

❖❖❖

اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں، اب زندانوں کی خیر نہیں ...... جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں، تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے

سعدی اور اس کے زنداں خانے کو وہیں چھوڑ کر ہم چند منٹ پیچھے واپس اسلام آباد کے اس ریسٹورانٹ میں جاتے ہیں جہ

اہی کمرے میں حنین بیٹھی' رجسٹر پہ پھول بوٹے بنا رہی تھی۔ وہ آیت ہنوز لکھی موجود تھی' مگر حنین کو جب کچھ خاص سمجھ نہ آیا تو غور و فکر کرنا ترک کر دیا۔ تبھی زمر اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

''موبائل کمپنی نے بالآخر سگنل رپورٹ بھیج ہی دی۔'' وہ اندر سے کاغذ نکالتے ہوئے دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مگر بھائی کا موبائل سگنل آخری دفعہ ہماری کالونی میں آن ہوا تھا' یہ بتایا تو تھا پولیس نے۔''

''ہاں مگر اس کا واٹس ایپ اگلے دن بھی آن ہوا تھا' بائیس مئی کو' پولیس نے یہ نہیں بتایا۔ اس لیے میں نے کمپنی سے رابطہ کیا تھا۔ بت روٹی سے سہی' کام انہوں نے کر دیا۔ تم تو کر کے' سینے پہ تیار نہیں تھیں۔'' وہ طنز نہیں تھا' بس سادگی سے کہا اور صفحے کھول کر چہرے کے سامنے کیے۔

حنین نے خفگی سے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر اس کے قریب آئی اور کاغذ پہ دیکھا۔ پھر دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''یہ علاقہ.... یہ تو وہی ہے پھپھو جہاں ہم اب رہتے ہیں۔''

''اور جہاں کاردار رہتے ہیں۔'' زمر سوچتے ہوئے پڑھتی جا رہی تھی۔ حنین الجھ کر رہ گئی۔

''سعدی کو آخری کال ہاشم کی طرف سے کی گئی ہے۔ دیکھو... یہ پولیس کی رپورٹ میں نہیں تھا۔'' وہ دکھا رہی تھی۔

''اس رات ہم سب ہی بھائی کو کال کر رہے تھے۔''

''مگر ہاشم کی کال کے وقت فون قصر کاردار یا ہماری انیکسی کے آس پاس تین کلومیٹر کے علاقے میں تھا۔ دوبارہ وہ بارہ بجے کے بعد آن ہوا' تقریباً رات کے تین بجے۔ تب بھی وہ اسی علاقے میں تھا۔ اس کا واٹس ایپ بھی تبھی آن ہوا ہوگا۔'' کاغذ رکھ کر وہ سنجیدگی سے حنین کو دیکھنے لگی۔ ''سعدی کی دو چیزیں کھوئی تھیں۔ یو ایس بی چپ اور موبائل۔ یو ایس بی چپ ممکنہ طور پہ اس گواہ لڑکی کے پاس تھا' مگر سیل فون کس کے پاس تھا؟ اور وہ اسے اس علاقے میں کیوں لے کر گیا؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے؟''

''ہو سکتا ہے کہ صرف ایک گواہ نہ ہو' بلکہ قصر کاردار میں سے بھی کوئی گواہ ہو۔'' چند لمحے سوچا۔ ''نوشیرواں اس دن سے متضاد باتیں کہہ رہا ہے' یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھی وہاں موجود ہو۔ ظاہر ہے وہ سعدی کا دوست ہے' وہ....''

''نہیں وہ بھائی کا دوست نہیں ہے۔'' وہ ایک دم بولی۔ زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''مگر... سب جانتے ہیں کہ وہ دونوں دوست ہیں۔''

''میں باقی سب سے زیادہ جانتی ہوں بھائی کے بارے میں۔ میں نے سگنل ڈھونڈنے میں مدد نہیں دی' مگر پچھلے چار سال سے جب نہ فارس غازی ادھر تھا' نہ زمر یوسف' تب حنین ہی تھی جو سعدی کے ساتھ تھی' اس لیے... وہ دوست نہیں تھے!'' قطعیت سے بتایا۔ اور یہ بھی طے تھا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''وجہ؟''

''کسی لڑکی کو شیرو تنگ کرتا تھا' اس لڑکی نے اپنے منگیتر سے شیرو کو پٹوایا۔ بھائی نے سامنے موجود ہونے کے باوجود شیرو کی کوئی مدد نہیں کی۔ آرام سے بیٹھا رہا۔ اس پہ وہ بھائی سے خفا ہو گیا۔''

''مگر سعدی نے کوئی مدد کیوں نہیں کی؟''

''پتہ نہیں۔ پھر بعد میں وہ ڈرگز لیتا تھا تو بھائی نے اس کی شکایت اس کی ممی کو لگائی' پھر میں نے اس کے اغوا کا پول کھولا۔ شیرو بھائی

تو تب سے ہمارے جانی دشمن ہیں۔"

"تم نے پہلے نہیں بتایا۔"

"آپ نے پوچھا ہی نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ چند لمحے خاموشی چھا گئی۔

"تمہارا خیال ہے کہ... شیرو سعدی کو گولی مار سکتا ہے؟"

"ارے نہیں... اس سے تو اغوا بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا' گولی کہاں مار سکتا ہے کسی کو۔ میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ وہ دوسرا گواہ ہو سکتا ہے مگر بھائی سے بغض کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ خاموش ہو۔"

"جو بھی ہے' تم مجھے شام میں وہ پین چارج کر کے دو گی' ہو سکتا ہے اس میں کچھ اہم ہو۔" پھر واپس گھوم کر دوبارہ سے کاغذ لگی۔ آنکھوں میں ستائش تھی۔

"یہ موبائل سگنل بھی کیا چیز ہے حنین! نظر بھی نہیں آتا مگر اتنا مضبوط ہے کہ ختم ہو جانے کے بعد بھی اپنا نشان نہیں کھوتا۔"

حنین نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا' اور رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔ ابھی نگاہوں سے اس آیت کو دیکھنے لگی۔ تبھی موبائل بجا۔ اس نے بے زاری سے دیکھا۔ ہاشم کا پیغام تھا۔ اسے ملنے کے لئے بلا رہا تھا۔ وہ ٹائپ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی' گردن موڑ کر دیکھا' زمر فون پر وکیل سے بات کرتی اٹھ کر جا رہی تھی۔ وہ چلی گئی تو حنہ نے پیغام ریکارڈ کر کے اسے بھیجا۔ ملنا ہی تھا تو آدھے گھنٹے کے لیے وہ مل لے گی اور حلیمہ والی بات بھی کلیئر کر لے گی۔ اور پھر سے رجسٹر کے کنارے پھول بوٹے بنانے لگی۔ وہ آیت ابھی تک صفحے پہ جگمگا رہی تھی۔ واوحی ربک الی النحل۔

شہد میں شفا ہے' مگر... دل کی بیماری کی شفا شہد میں کیسے ہے؟ اس آیت میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ مگر کون سی نشانی؟ وہ سوچتی جا رہی تھی۔ ذہن میں زمر کے کہے الفاظ گونج رہے تھے۔

"یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین..."

شہد کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ عسل؟ اس نے ذہن سے اس آواز کو جھٹکتے ہوئے آیت پہ توجہ دی۔ ہو سکتا ہے "عسل" کا کوئی اور مطلب بھی ہو۔ کہتے ساتھ اس نے عسل کا لفظ آیت میں ڈھونڈنا چاہا۔

"یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے...."

مگر ایک منٹ۔ وہ الجھی۔ عسل کا لفظ تو آیت میں تھا ہی نہیں۔ آیت میں شہد کا لفظ تو تھا ہی نہیں۔ وہاں تو صرف "شراب" (شراب) لکھا تھا۔ پھر... وہ شہد کیوں ڈھونڈ رہی تھی؟'

"یہ موبائل سگنل بھی....."

وہ صفحہ اپنے قریب لائی۔ آنکھوں کے بالکل قریب۔ پلکیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔ وہ غلط شے کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ "آیت عسل" نہیں تھی۔ وہ "آیت نحل" تھی۔ موضوع شہد نہیں تھا' موضوع شہد کی مکھی تھا۔ بی۔ دی ہنی بی۔

زمر ساتھ آ کر بیٹھی اور اپنا کام کرنے لگی۔ حنین اسی طرح صفحے کو دیکھ رہی تھی۔

(سعدی بھائی بھی مجھ سے ایک دفعہ پوچھ رہے تھے۔)

(یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین۔)

وہ متحیر سی خود سے بڑبڑائی۔ "موبائل سگنل۔"

"سوری؟" زمر نے اسے سوالیہ دیکھا' اسے لگا حنہ نے اسے پکارا ہے' مگر حنین اس وقت کسی اور دنیا میں تھی۔ اس نے نہیں سنا۔

بس تیزی سے اٹھی اور زمر کے آگے رکھا سعدی کا لیپ ٹاپ اٹھایا' اور اسے اپنی میز پہ لے آئی۔ بے قراری سے وہ جلدی جلدی کیز دباتی فیس بک کھول رہی تھی۔

سعدی کا فیس بک پہ دوستوں کا ایک گروپ تھا' چھوٹا سا' جہاں وہ ہر ہفتے اپنی ایک سیلف ویڈیو پوسٹ کرتا تھا' اس میں وہ کسی منتخب آیت کی اپنی سمجھ اور علم کے لحاظ سے تفسیر بیان کرتا تھا۔ یہ سلسلہ اس نے سال بھر پہلے چھوڑ دیا تھا' جاب کی مصروفیت کی وجہ سے' مگر وہ ویڈیوز اب بھی اس گروپ میں تھیں۔ حنہ اس گروپ میں تھی' مگر چونکہ وہاں سعدی کے دوست تھے' سو اس کو کمنٹ کرنے کی اجازت بھائی کی طرف سے نہیں تھی' لیکن ویڈیوز وہ دیکھا کرتی تھی' نیے چھوڑنے کے بعد بھی وہ ان ویڈیوز کو تب دیکھ لیتی جب بھائی امی کو دکھاتا... اسے لگتا تھا وہ ان کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ہے' لیکن آج دونوں کانوں کے درمیان کچھ اٹک گیا تھا...

مطلوبہ صفحہ کھل گیا... وہ ویڈیو آج بھی وہاں موجود تھی۔ اس کا نام "آیتِ نحل" تھا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ویڈیو کھولی۔ کانوں میں ایئر فونز لگائے۔

اسکرین پہ ریسٹورانٹ کی کونے والی میز نظر آنے لگی۔ ایک یا سوا سال پہلے کا سعدی ادھر بیٹھا تھا' اور اسکرین پہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ چند ابتدائی فقرے۔ حنہ نے اسکرین کو انگلیوں سے چھوا۔ کتنے دن بعد اس نے سعدی کو بولتے دیکھا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ موضوع پہ آگیا تھا۔

"کل صبح فجر پہ میں سورۃ نحل پڑھ رہا تھا' تو آیاتِ نحل نظروں سے گزریں تو میں نے ان پہ غور و فکر کیا۔ ہم اکثر قرآن میں اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنتے ہیں کہ "اس میں نشانی ہے اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے۔" غور و فکر کرنا کیا ہوتا ہے؟ اس آیت کی تفاسیر سے تفسیر پڑھ لینا؟ کیا یہ کافی ہوتا ہے؟ میرے خیال میں نہیں۔" ذرا رک کر سانس لیا۔

"غور و فکر کہتے ہیں تفتیش کو' جیسے انگریزی فلموں میں سراغ رساں حضرات چھوٹے چھوٹے کلیوز کا تعاقب کرتے ہوئے مجرم تک پہنچتے ہیں۔ میرے نزدیک قرآن میں غور و فکر کرنا بھی میٹریل evidence کو فالو کرنے جیسا ہے... یعنی ٹھوس شواہد کا پیچھا کرنا۔ ٹھوس شواہد میں ہر وہ چیز آتی ہے جو ٹھوس ہو' جسے آپ چھو سکیں۔ جیسے' ایمان' کفر' شرک' روزہ نماز' یہ ٹھوس چیزیں نہیں ہیں۔ مگر سمندر' پانی' جانور' شہد' یہ ٹھوس چیزیں ہیں۔ سو آیتِ نحل کو پڑھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس میں موجود میٹریل شواہد کا تعاقب کرتا ہوں۔ شاید تب کچھ سمجھ آئے۔"

وہ سانس لینے کو ٹھہرا اور حنہ بالکل سانس روکے اسے سن رہی تھی۔

"اس میں میٹریل چیز شہد تھی' میں چند جگہوں پہ گیا' خالص شہد کے لیے۔ مگر پھر ایک دن مجھے اندازہ ہوا کہ لفظ شہد تو آیت میں لکھا ہی نہیں ہے' یہ آیتِ عسل نہیں تھی' یہ آیتِ نحل تھی۔ موضوع نحل ہے' سارا مسئلہ نحل کا ہے۔ تب مجھے ایک بہت دلچسپ بات معلوم ہوئی' مگر اس کے لیے ہمیں پچھلی تین آیات کو ملا کر پڑھنا ہوگا۔" اب اس نے میز پہ رکھا قرآن کھولا اور اس میں سے دیکھ کر بتانے لگا۔

"ان چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی ڈرنکس کا ذکر کیا ہے۔ ایک ایک کر کے سب کو دیکھتے ہیں۔"

وہ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" پڑھ کر آیت پڑھنے لگا۔ "اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی' پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ بے شک اس میں البتہ ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور سے سنتے ہیں۔" چہرہ اٹھایا اور اپنی ازلی معصوم مگر پیاری مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

"اب بظاہر یہ زمینداروں اور کسانوں سے متعلقہ آیت لگتی ہے' کہ کیسے بارش کے بعد بنجر زمین زرخیز ہو جاتی ہے' مگر جو لوگ سنتے ہیں یعنی جو لوگ قرآن کو غور سے سنا کرتے ہیں' ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں عموماً جب' آسمان سے نازل شدہ پانی' کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد وحی ہوتی ہے۔ وحی الٰہی۔" قدرے توقف سے کہنے لگا۔

"وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو قرآن اور الہامی کتابوں کی صورت میں۔ ان میں اللہ بندے سے مخاطب ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اللہ پردے کے پیچھے سے خود بندے سے مخاطب ہوں' جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پہ ہوتے تھے' یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کے موقعے پہ ہوئے تھے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ اپنے فرشتے کو انسان کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجیں۔ اس تیسری وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو جو انبیاء کے پاس جبریل علیہ السلام کے ذریعے اترا کرتی تھی۔ اور دوسری 'الہام' یعنی دل میں خیال کا ڈالے جانا۔ یہ ہر انسان کو ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھیے' الہام شیطانی بھی ہو سکتا ہے' اور فرشتے کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے' اس کو جج آپ شریعت کے اصولوں پہ ہی کریں گے۔ یہی الہام موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہوا تھا جس کی بنا پہ انہوں نے اپنا بچہ نیل میں اتارا تھا' اور یہی شہد کی مکھی کو ہوا تھا' یعنی ان کے دل میں خیال ڈالا گیا تھا۔" چند لمحے کے لئے رک کر قرآن کو دیکھا۔

"تو ان پانچ آیات میں پہلی قسم کی ڈرنک "پانی" ہے۔ وحی الٰہی جو آسمان سے اترتی ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ کوئی بھی چیز دل کو ایسے زندہ نہیں کرتی جیسے قرآن کرتا ہے' اور کوئی بھی چیز ایسے دل مردہ نہیں کرتی جیسے اونچے قہقہے کرتے ہیں۔"

پھر صفحہ پلٹایا۔ "اگلی آیت دیکھتے ہیں۔" پہلے عربی پڑھی' پھر اردو میں بتانے لگا۔

"۔ اور بے شک تمہارے لئے مویشی جانوروں میں ایک سبق ہے۔ ہم تمہیں ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں' خوشگوار ہے وہ پینے والوں کے لئے۔" سعدی نے چہرہ اٹھایا۔

"بارش وہ چیز ہے' جو فصل پہ ہو یا دل پہ' اس کا فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔ بارش کو اللہ نے ہمیشہ رحمت کہا ہے' کسی قوم کو بارش سے عذاب نہیں دیا' ہم ڈیم نہیں بناتے' اور پلاننگ نہیں کرتے' اس لئے بارش زحمت بن جاتی ہے' ورنہ بارش تو سراسر فائدہ ہوتی ہے۔ اب دوسری قسم کی چیز دیکھیے۔ دودھ۔" وہ کہہ رہا تھا' اور حنین ہر شے بھلائے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سب اس طرح کیوں نہیں سمجھ آیا تھا جیسے سعدی کو آیا تھا؟

"دودھ ان اچھی چیزوں کی مثال بیان کرتا ہے جو بری چیزوں سے نکلتی ہیں۔ خون اور گوبر کے درمیان سے خالص اور پاک دودھ کا نکلنا' ہمیں یہ بتاتا ہے کہ برے سے برے حالات میں بھی ہم اپنے خلوص اور پاکیزہ نیت سے راستے نکال سکتے ہیں' اگر ہم چاہیں تو۔ آپ کو معلوم ہو گا وہ واقعہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین پیالوں میں سے دودھ کا انتخاب فرمایا تھا۔ کیونکہ دودھ عین فطرت ہے۔ تو فطرت میں کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی' آپ گندگی میں سے بھی اچھی چیز نکال سکتے ہیں۔ اب تیسری ڈرنک دیکھیے۔"

قرآن سے پڑھ کر سنانے لگا۔

"اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بنا لیتے ہو نشہ آور چیزیں (شراب) اور اچھا رزق (بھی بناتے ہو)۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو عقل رکھتی ہے۔"

"تو میرے عقل والے دوستو' تیسرا مشروب' یعنی شراب بنایا جاتا ہے پاکیزہ پھلوں سے۔ کھجور جیسے شجر طیبہ سے بھی بری چیزیں بن سکتی ہے۔ یہ سب آپ کے اوپر ہے۔ آپ اچھی چیز سے بھی بری بنا سکتے ہیں' اور بری سے بھی اچھی نکال سکتے ہیں۔ اس لئے چیزوں کو درست استعمال کریں۔ کمپیوٹر سے اچھے کام کیا کریں۔ جو نہیں دیکھنا چاہیے' وہ نہ دیکھا کریں۔ اور جس کی اجازت نہیں ہے' وہ بھی نہ کیا کریں۔ آپ کوئی ناول پڑھ رہے ہیں' مگر پیرنٹس نے اجازت نہیں دی ناولز پڑھنے کی' تو اسے پڑھ کر آپ پیرنٹس کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں۔ ان کو کنوینس کریں' لیکن چھپ کر مت پڑھیں۔ یہ غلط ہے۔"

پھر اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوا۔

"اور وحی کی تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف۔

کہ بنا لے اپنا گھر پہاڑوں پہ
اور درختوں میں' اور اس میں جو وہ چڑھاتے ہیں (اونچی چھتیں)
پھر کھا ہر قسم کے پھلوں میں سے۔
پھر چلتی رہ اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔
نکلتا ہے ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے شربت۔
مختلف ہیں رنگ اس کے۔
شفاء ہے اس میں لوگوں کے لیے۔
البتہ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

سعدی چہرہ اٹھا کر واپس کیمرے میں دیکھنے لگا۔" بظاہر یہ ایک بہت سادہ سی آیت ہے۔ اس میں چوتھے مشروب کا ذکر ہے۔ شہد۔ جس کے پینے میں شفا ہے۔ میری ٹیچر کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شہد کے' پینے' میں شفا کا ذکر کیا ہے۔ ویسے شہد پینے اور شہد کھانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کبھی آزما کر دیکھئے گا۔" ذرا رک کر گہری سانس لی۔ حنین بے قراری سے اس کو دیکھتی اس کے اگلے الفاظ کی منتظر تھی۔

"اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ آبادیوں سے دور' اونچی محفوظ جگہوں پہ اپنے گھر بنائے' پھلوں میں سے کھائے' اور آسان راستوں پہ چلے۔ پھر جو اس کے پیٹ سے نکلے گا' شہد' اور ایک دوسری رطوبت بھی وہ شفا بخش ہوتی ہے۔ یہ تو ہو گیا آسان ترجمہ۔ مگر غور و فکر کرنے والے لوگ سادہ ترجمے پہ بس نہیں کرتے۔ ان کو کوئی نہ کوئی مزید مطلب ڈھونڈنا ہوتا ہے اور وقت اور حالات کے ساتھ یہ مطلب بدل جایا کرتے ہیں' قرآن میں وسعت ہے' مگر افسوس کہ قرآن پڑھنے والوں میں وسعت نہیں ہے۔ خیر۔" صفحے پہ ایک نظر دوڑاتے گردن جھکائی۔

"میں کافی دیر شہد ڈھونڈتا رہا۔ خالص شہد' پھر مجھے اندازہ ہوا کہ خالص شہد ناپید ہوتا جا رہا ہے' تو میں شہد کی مکھی کی طرف آیا۔ اس آیت میں ٹھوس شے وہی تھی۔ مجھے اس دوران ایک دلچسپ ریسرچ ملی۔ گو کہ کچھ لوگ اس تحقیق کو نہیں مانتے' اور وہ کہتے ہیں کہ شہد کی کمی کی وجہ biopestides کا بے دریغ استعمال ہے' لیکن میں اس تحقیق کو مان سکتا ہوں' کیونکہ مجھے اس میں اور اس آیت میں ایک لنک نظر آتا ہے۔" کہنے کے ساتھ اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور اس کی تاریک اسکرین کمرے میں دکھائی دی۔" شہد کیوں ناپید ہوتا جا رہا ہے' اس کی وجہ ہے یہ چیز۔ نہیں' یہ موبائل نہیں' بلکہ اس کے گرد چکر اتا' ان دیکھا موبائل سگنل۔"

فون رکھا اور پھر سے سامنے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔" یہ موبائل سگنل بہت عجیب چیز ہے' آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں' کوئی آپ کو فون کرے تو یہ آپ کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ عین آپ کے کان کے قریب آ بجتا ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ جگہ جگہ اونچے ٹاورز لگے ہوتے ہیں جن سے جڑا ان نادیدہ لہروں کا جال پوری دنیا میں بچھا ہے' یہاں تک کہ دنیا انہی کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ مگر یہ بری بات نہیں ہے' سیل فون ایک ضرورت ہے' ٹیکنالوجی ہے۔ سب کے پاس ہوتا ہی ہے۔ لیکن....."

حنین کی آنکھیں یکدم بھیگنے لگیں۔ اس کو یاد تھا کہ وہ آگے کیا کہے گا' مگر وہ اسے ایسے سنے گی' اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"لیکن ہوا یوں کہ شہد کی مکھی اللہ کے حکم پہ دور پہاڑوں درختوں میں اپنا گھر بنا لیتی ہے' وہ سارا دن باہر پھرتی ہے' ہر پھول پھل پہ بیٹھتی ہے' اس کا رس لیتی ہے' اور پھر وہ واپس اپنے گھر جاتی ہے' اور..... نہیں۔ یہیں رک جائیں۔ کیونکہ جب بچپن میں آپ نے یہ عمل پڑھا تھا' تب شہد کی مکھیاں گھروں کو لوٹتی تھیں' مگر آج 2014ء میں ایسا نہیں ہوتا۔ وجہ ہے..... یہ!" موبائل کی طرف اشارہ کیا۔

"جب مکھی گھر سے نکلتی ہے تو اس کو اپنے گھر کا راستہ مقناطیسی لہروں کی مدد سے یاد رہتا ہے۔ وہ پھول پھل پہ بیٹھتی ہے' اور رس لے کر واپس گھر کی طرف اڑتی ہے' لیکن درمیان میں... موبائل سگنلز کی لہروں کا جال بچھا ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی جب کسی سگنل کی لہر سے ٹکراتی ہے' تو مقناطیسی فیلڈ متاثر ہوتا ہے' یوں سمجھیں وہ چکرا کر رہ جاتی ہے' اور "کنفیوژڈ" ہو جاتی ہے۔ اس ٹکر سے وہ سمت کا تعین کھو دیتی ہے۔ وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جاتی ہے۔ وہ پھر ماری ماری ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑتی ہے' اور یونہی بھٹک بھٹک کر کہیں گر کر مر جاتی ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ گھر لوٹنے والی مکھیوں کی تعداد کم سے کم ہو رہی ہے۔ اور جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے سوچا... کہ یہ آیت نحل ہے' اتنی اہم آیت جس میں سورۃ کا نام لکھا ہے' تو شہد کی مکھی کی مثال بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟"

حنین نے آنکھیں بند کر لیں' ان سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ ایک سال پہلے کا سعدی بے خبر سا اسے کہہ رہا تھا۔

"تب مجھے احساس ہوا کہ... یہ موبائلز ہماری دنیا سے مٹھاس کیسے غائب کر رہے ہیں۔ کتنی ہی پیاری اور اچھی لڑکیاں' جنہوں نے شہد سے میٹھے گھر بنانے تھے' وہ روز گھر سے نکلتی ہیں' پھولوں' رنگوں اور خوشبوؤں کی آس لے کر' آسان راستوں پہ چلتی ہیں' مگر پھر... درمیان میں یہ موبائل سگنلز آ جاتے ہیں۔ اور ان کے راستے مشکل ہو جاتے ہیں۔ وہ کنفیوز ہو جاتی ہیں۔ کسی نامحرم سے فون پہ بات کرنے کے لیے ڈھیروں دلیلیں گھڑتی ہیں' فتوے لیتی ہیں' "کزن بھی تو بھائی ہوتا ہے' اسلام اتنا بھی سخت نہیں' میں کوئی غلط بات تو نہیں کر رہی' وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی کرب اور تکلیف میں وہ گھر کا راستہ بھول جاتی ہیں۔ وہ دربدر بھٹکتی رہتی ہیں۔ انہوں نے تو آسان راستوں پہ چلنا تھا' اپنے دلوں میں موجود قرآن سے' اور نور سے' لوگوں کو شفا دینی تھی' اپنے ٹیلنٹ اور پوٹینشل کو میٹھے کاموں کے لیے استعمال کرنا تھا' مگر یہ موبائل سگنلز ان کو بیمار کر دیتے ہیں۔ مرضِ عشق بہت موذی مرض ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی اس میں مبتلا ہے تو یاد رکھے' اس مرض کی شفا ہے' لیکن اس شفا کے لیے پہلے آپ کو اپنے راستے ٹھیک کرنے ہوں گے۔ وہ مشکل راہیں جن میں کرب ہے' پکڑے جانے کا خوف ہے' ان کو ترک کرنا ہوگا۔" کہنے کے ساتھ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "وقت کم ہے' میں اپنی باتوں سے کسی کو بور بھی نہیں کرنا چاہتا' اس لیے قصہ مختصر' یہ آیاتِ نحل ہمیں سکھاتی ہیں کہ جیسے گوبر اور خون کے درمیان سے پاکیزہ چیز نکل سکتی ہے' اور جیسے انگور اور کھجور سے ناپاک شے بن سکتی ہے' ویسے ہی شہد کی مکھی کے راستوں کو مشکل بنانے والی چیزوں کا صحیح یا غلط استعمال آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اتنا یاد رکھنے گا' کہ جو آپ کے نصیب میں ہے' وہ آپ کو ضرور ملے گا۔ چاہے حرام سے' چاہے حلال سے۔ لیکن اگر آپ اس کو حرام سے لینے کی کوشش کریں گے' تو اللہ آپ کے حلال کی لذت لے لے گا۔ کچھ میاں بیوی پسند کی شادی کے باوجود بڑی ناخوش زندگی گزار رہے ہوتے ہیں' کبھی سوچا ہے کیوں؟ کیونکہ وہ شادی سے پہلے سب حرام سے لے چکے ہوتے ہیں' جو بعد میں ان کو مل ہی جانا تھا' اس لیے ان کے حلال کی مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کسی کے ساتھ' بھلے اپنے منگیتر کے ساتھ ہی سیل فون پہ انوالوڈ ہیں' تو اتنا یاد رکھیں کہ محرم اور نامحرم کے قوانین آپ کی دلیلوں اور حیلوں بہانوں سے بدل نہیں جائیں گے۔ جو غلط ہے' وہ غلط ہے۔ آپ جتنا حرام لیں گے' اتنا اپنے حلال کو کھوتے جائیں گے۔"

ایک ثانیے کو رک کر اس نے طویل سانس بھری۔ "لیکن' اس کے برعکس اگر آپ حرام چھوڑ دیں' جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے' اس کو اللہ کے لیے ترک کر دیں' تو اللہ وہی چیز کچھ ہی عرصے میں آپ کو حلال بنا کر دے دے گا۔ یہ میں نہیں کہہ رہا' یہ امام ابن قیم نے سات سو برس پہلے کہا تھا۔ آپ جانتے ہیں' اللہ کسی کا کچھ نہیں رکھتا' وہ بہت غیرت والا ہے' آپ جو بھی اس کی راہ میں صدقہ کریں' یا قربانی' تو وہ اس کو کئی گنا برکت دے کر آپ کو لوٹا دیتا ہے۔ اس لیے..." دوبارہ گھڑی دیکھی۔ "حرام کو چھوڑ دیں' اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اس کو حلال بنا کر آپ کو لوٹا دے گا۔ میرا وقت ختم ہوا۔ اپنے وائس ایپ آڈینس کو صرف چوبیس گھنٹوں کے لیے ان آیات میں تبدیل کر دیجیے گا تا کہ مجھے پتہ چل سکے کہ کس کس گروپ ممبر نے آج کی آیات سن لی ہیں اور مجھے پتہ ہے کہ آپ میں سے آدھے لوگوں نے نہیں سنی مگر خیر... السلام علیکم ورحمۃ اللہ!"

اور ہاتھ بڑھا کر اس نے کیمرہ آف کر دیا۔ ویڈیو بھی رک گئی اور حنین کی تو جیسے زندگی ہی ٹھہر گئی۔

وہ وہاں بیٹھی تھی' ہونٹوں پہ مٹھی رکھے' بھیگے چہرے کے ساتھ۔ آنسو ٹپ ٹپ تھوڑی تلے گر رہے تھے۔ اس نے تین ماہ اتنی دلیلیں' اتنے حیلے' اتنی صفائیاں سوچی تھیں۔ سعدی نے ان کو دس منٹ کی ایک ویڈیو میں ختم کر دیا تھا۔ محرم اور نامحرم کے اصول؟ ساری بات ہی ختم ہو گئی۔ اس کا پورا دماغ سن تھا۔

زمر کام کرتے کرتے مڑی تو اس پہ نظر پڑی۔ وہ ایئر فونز لگائے' اسکرین کو آنسو بہاتے دیکھ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" فکرمندی سے پوچھا۔

"آئینہ!" وہ بس اتنا بولی۔ پھر فون اٹھایا' اور واٹس ایپ اسٹیٹس بدل دیا۔ ساتھ میں ویڈیو کلپ کا نشان بھی بنایا۔ بھائی نہیں دیکھ سکتا' وہ جانتی تھی' مگر یہ ایک عادت تھی جو گئے برسوں سے اس نے اپنا رکھی تھی۔ میں کچھ عرصے کے لیے اس نے فالو کی تھی' سو اب بھی کر لی۔

"حنین؟" زمر نے نرمی سے پکارا۔ حنین جواب دیے بنا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ زمر نے رخ موڑ لیا اور اسے رونے دیا۔ وہ روتی گئی' روتی گئی' روتی گئی۔ یہاں تک کہ آنسو ختم ہو گئے۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا' آنکھیں رگڑیں اور ہاشم کو کال کی۔ (وہ واٹس ایپ پہ ہی کال کرتی تھی' اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ملک سے باہر ہے۔)

زمر نے رخ موڑے ایک ایک بات سنی جو اس نے ہاشم سے کہی اور پھر اس نے جب فون ڈالنے کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھا۔ وہ اب نرمی سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔ دونوں نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ خاموشی سب کہہ رہی تھی۔

اور اگر تم سے کبھی کوئی کہے' کہ انسان کی کی گئی نیکی گھوم پھر کر اس کے پاس ایک دن ضرور لوٹتی ہے' تو یقین کر لینا! کیونکہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔

..................❖❖❖..................

قصہ سازشِ اغیار کہوں یا نہ کہوں ...... شکوہ یارِ طرحدار کروں یا نہ کروں؟

کلب کے لاؤنج میں روشنی مدھم تھی۔ بار کاؤنٹر کے ساتھ نوشیرواں اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا' اور مسلسل دونوں ہاتھوں سے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔

شہرین باریک ہیل سے چلتی قریب آئی اور ساتھ والے اسٹول پہ بیٹھی' رخ اس کی طرف موڑا' اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ شیرو نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کر ان میں خفگی آئی۔

"آپ ادھر؟ خیریت؟" خشک روی سے کہتا' دوبارہ بٹن دبانے لگا۔ شہری نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر کاؤنٹر پہ ڈالا۔

"تین دن سے تمہیں کال کر رہی ہوں' اٹھاتے کیوں نہیں ہو؟" روٹھے پن سے گویا ہوئی۔ شیرو نے بے زاری سے شانے اچکائے۔ "مجھ سے کیا کام آپڑا آپ کو؟"

"ہر وقت مجھ سے خفا کیوں رہتے ہو؟ دیکھو ہم اچھے دوست بھی تو ہیں' آؤ اب موڈ ٹھیک کرو' کارڈز کھیلتے ہیں۔" اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ وہ زیادہ دیر بے زار رویہ برقرار نہ رکھ سکا' اور ساتھ کھنچتا آیا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں ایک میز کے گرد بیٹھے' پتے کھیل رہے تھے۔

"تم ہار رہے ہو شیرو!"

"نہیں... ابھی دیکھئے گا۔" اس کی مکمل توجہ کارڈز پہ تھی۔ اپنے پتے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ اب کون سا پھینکے کہ...

"مجھے کچھ دن کے لیے تمہارے جی فورٹی ون مل سکتی ہے؟" ایک دم چونک کر شہری کو دیکھا۔ وہ بھی پتوں کو دیکھتے ہوئے سرسری انداز

میں پوچھ رہی تھی۔

''کیا؟'' بظاہر نا سمجھی دکھائی۔ شہری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اتنے ڈمب مت بنو۔ تمہاری جی فورٹی ون' گلاک گن جو پچھلی برتھ ڈے پہ تمہیں ہاشم نے گفٹ کی تھی' میرے سامنے تو تم نے تحفہ کھولا تھا۔ مجھے دے سکتے ہو چند دن کے لئے۔ کچھ دوستوں میں شو آف کرنا ہے۔''

شیروں نے پتے میز پہ ڈال دیئے' تندہی سے اسے دیکھا۔ ''تو یہ سارا میٹھا انداز اس لئے تھا؟ اور میں سمجھا آپ کو واقعی میرا خیال ہے۔''

''خیال ہے تو دوست سمجھ کر ایک گن مانگ رہی ہوں' نہیں دینی تو نہ دو۔ غصہ کیوں ہو رہے ہو؟''

نوشیرواں کے حلق میں کانٹے اگ آئے۔ ''میرے پاس جی فورٹی ون نہیں تھی' فورٹی فائیو تھی۔ ماڈل تو ٹھیک سے یاد رکھا کریں۔'' سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ہتھیلیاں نم تھیں' اور رنگت بدل رہی تھی۔

شہرین کارڈز رکھ کر آگے ہوئی اور بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''رئیلی؟ مجھے تو جی فورٹی ون یاد پڑتی ہے۔''

''تو پھر آپ اپنی یادداشت کا علاج کروائیں' کیونکہ میرے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے' سنا آپ نے؟'' بلڑک کر کہتے وہ اٹھا۔ پیشانی بھی تر ہو رہی تھی اور آنکھوں میں بے چینی سی تھی۔ شہری نے گردن اٹھا کر دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے' مجھے غلط یاد ہو گا' ایک گن ہی تو ہے' اس میں اتنا غصہ کیوں دکھا رہے ہو؟''

وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ ''آئندہ میرے راستے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے' جائیں' فارس کے آگے پیچھے پھریں۔ جیسے میں تو جانتا ہی نہیں۔''

شہرین کی ذرا رنگت بدلی' بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اب سیدھا ہو کر مڑ گیا تھا اور باہر کی طرف جا رہا تھا۔

مگر شہری کو اپنا جواب مل گیا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

یہ رات اس درد کا شجر ہے ..... جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے

وہ رات جب قصر کاردار اور ملحقہ انیکسی پہ اتری تو ستمبر کی گرم اور حبس زدہ فضا سے پُر تھی۔ نوشیرواں اپنے بیڈ پہ بے چینی سے کروٹ بدل رہا تھا' ذہن میں ہاشم کی باتیں گونج رہی تھیں۔

(''میرے پاس شہرین سے بڑے مسائل ہیں اس وقت۔ تم نے جو کہا' وہ بہت ہے' مزید اس پہ بات مت کرو۔ کچھ نہیں معلوم ہو گا اسے۔'')

البتہ ایک عجیب سی پریشانی اس کے وجود سے لپٹی تھی۔ کیا یہ مسئلہ کبھی نہیں ختم ہو گا؟ سعدی یوسف کا آسیب اس کا پیچھا کب چھوڑے گا؟

اس کمرے سے دور ہٹو تو انیکسی کی تقریباً تمام بتیاں بجھی تھیں۔ فارس سو رہا تھا' جب زمر احتیاط سے کمرے سے نکل آئی۔ تہہ خانے میں آ کر دروازہ لاک کیا' (دروازے ساؤنڈ پروف تھے) اور پھر جلدی سے فرش پہ بیٹھی حنہ تک آئی۔

''کیسے چارج کیا پین؟''

''لیپ ٹاپ سے۔ اس میں دو ویڈیوز ہیں۔ ایک جج صاحب کی ہے' میں نے ابھی وہی شروع کی تھی۔ دیکھیں۔'' وہ ویڈیو دیکھنے کے بعد دونوں نے اف جھرجھری لی۔ پھر حنہ نے دوسری ویڈیو کھولی۔ اب وہ دونوں فرش پہ بیٹھی تھیں' اور سامنے اسکرین کو چہرہ جھکائے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

منظر کھلا اور ایک راہداری سی نظر آئی۔ آفس کے باہر منظر۔ ٹیبل کے پیچھے موجود سیکرٹری۔ ڈیسک کیلنڈر پہ واضح لکھی تاریخ۔ اکیس مئی۔

خاور اور ایک ساتھ گارڈ۔ کیمرے کے آگے پیچھے چھپا کر چیک کر رہے تھے۔ ایک موبائل چابیاں نکال کر سیکرٹری کی نوکری میں رکھا۔ سعدی آواز پس منظر سے آئی۔ حنین کے ابرو اٹھے۔

''بھائی نے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا ہوا ہے پین۔''

''اور یہ ہاشم کا آفس ہے۔ وہ اس کی تلاشی لے رہے ہیں۔''

پھر ''اوکے'' کے سگنل کے بعد کیمرہ آگے بڑھتا گیا۔ زمر کی آنکھوں میں تعجب ابھرا۔ ''وہ ڈیٹیکٹر سے چیک کر رہے تھے' تو پین کیوں نہیں پکڑا!؟''

''ماموں کے اس کون آرٹسٹ دوست نے بتایا تو تھا، یہ پین نہیں پکڑا جاتا۔ خاور اسلحہ یا وائرز ڈھونڈ رہا تھا' اسے لگا ہوگا کہ یہ عام پین ہے۔ وہ ہاشم کا مہمان تھا' خاور اس کا کوٹ تو نہیں اتروا سکتا تھا۔''

دونوں کی نظریں اب اسکرین پہ ٹھہر گئی تھیں۔ اندر آفس میں تینوں کاروارز تھے۔ خاور تھا۔ سعدی نیکلیس میز پہ رکھ رہا تھا...

تہہ خانے میں لگی گھڑی کی ٹک ٹک واضح سنائی دے رہی تھی۔ سعدی قتل عمد کے بارے میں اسلام کے دونوں مذاہب کا نقطہ نظر بتا رہا تھا...

گھڑی کا پنڈولم مسلسل جھول رہا تھا... دائیں بائیں۔

وہ سعدی کو تین کروڑ دے رہا تھا' جواب میں سعدی نے اس کے بھائی کی قیمت ساٹھ کروڑ لگائی تھی...

کونے میں چھوٹے سے باتھ روم کی ٹونٹی سے پانی لیک ہو رہا تھا۔ ٹپ ٹپ۔

ہاشم اب سعدی کو جج کو بلیک میل کرنے والا قصہ سنا رہا تھا۔ فائل دکھا رہا تھا۔

تہہ خانے میں پنکھے کی ہوا سے دیوار پہ لگے کاغذ ہلکے ہلکے پھڑپھڑا رہے تھے۔

ہاشم اب حنین کے امتحانی مرکز والے وکیل صاحب کو کال کر کے کہہ رہا تھا کہ وہ حنین کا کیس دوبارہ کھلوا سکتا ہے۔

پنکھے کی گڑگڑ مسلسل سنائی دے رہی تھی...

اب سعدی باہر سیکرٹری کے ڈیسک کے ساتھ نوشیرواں کو کہہ رہا تھا کہ مرد بنے... اور پھر... لفٹ کے دروازے بند ہوتے دکھائی دیے... اور اسکرین تاریک ہوگئی۔

اس وقت... اس دنیا میں... اس شہر میں... اس گھر میں... اور کوئی آواز نہیں تھی۔ سانس لینے کی بھی نہیں، دل دھڑکنے کی بھی نہیں۔

کہتے ہیں جب فرشتے روح نکالتے ہیں تو آواز تک نہیں آتی۔ مگر کیا کبھی تم نے شیطان کو روح نکالتے دیکھا ہے؟

اس کی بھی آواز نہیں آتی۔

مری سرکشی بھی تھی منفرد، مری عاجزی بھی کمال تھی
میں انا پرست بلا کا تھا، سو گرا تو اپنے ہی پاؤں میں!

''کاروارز نے کیا ہے یہ سب۔'' حنین کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ ''بھائی کو بھی انہوں نے ہی شوٹ کروایا تھا۔ بھائی انہی کے پاس ہے۔''

زمر فرش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے حنین کو نہیں دیکھا۔ بس ننگے پیروں سے زینے چڑھنے لگی۔ تہہ خانے کا دروازہ کھولا۔ لاؤنج خاموش پڑا تھا۔ وہ قدم قدم اٹھاتی سیڑھیوں تک آئی۔ اوپر چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ سب دھندلا تھا۔ اندھیرے اور روشنی کے فلیشز سے چمک رہے تھے۔ کبھی منظر صاف ہوتا' کبھی اندھیرا چھا جاتا۔ اس کو گرم گرم آنسو اپنے گالوں پہ گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے' اس نے اوپر چڑھنا چاہا۔ قدم وزنی تھے' دل بھاری تھا' اور سانس... سانس اکھڑتی تھی۔

چوتھے زینے پہ وہ رکی' دہرے ہو کر چند گہرے سانس لیے.... پانی سے لدی آنکھیں جھپکیں' پھر قدم اٹھائے۔ سر چکرا رہا تھا۔ اندھیرا۔ روشنی۔ پھر اندھیرا۔ دھواں ہی دھواں تھا۔

وہ اوپری سیڑھی پہ گھٹنوں کے بل گر سی گئی۔ ہاتھ ریلنگ سے پھسلتا نیچے آ گرا۔ چہرہ جھکائے' تیز تیز سانس لیتے' وہ دوہری ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم پانی میں روانی آ گئی تھی' مگر ایسے لگتا تھا' وہ سب کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کسی سلو موشن فلم کی طرح۔

دونوں ہاتھ فرش پہ رکھے' وہ دوہری ہوئی' پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگیں' مگر ان کی آواز نہیں آتی تھی۔ سانس بے ترتیب تھا' اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔ دل لگتا تھا کسی نے کند چھری سے چار ٹکڑوں میں کاٹ دیا ہو۔ اندر سے خون ابل ابل نکلنے لگا ہو' اور اوپر سے آنسو گر رہے ہوں۔ اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔

اس نے گیلے چہرے' اور اکھڑتے سانس کے ساتھ کھڑے ہونے کی کوشش کی' پیروں میں جان نہیں تھی۔ بدقت وہ کھڑی ہوئی۔ دیوار کا سہارا لیا۔ اس کو واقعی سانس نہیں آ رہا تھا۔

دیوار پہ ہاتھ رکھے' اس نے دروازہ دھکیلا۔ اندر مدھم نائٹ بلب جلا تھا۔ وہ کاؤچ پہ سو رہا تھا۔ وہ آج آفس سے تھکا ہوا آیا تھا' اس لیے بے خبر سو رہا تھا.... بے خبری بھی نعمت تھی۔ وہ نعمت زمر یوسف خان سے چھن چکی تھی۔

وہ دروازے سے سر لگائے' وہیں چوکھٹ میں بیٹھتی گئی۔ اندر اے سی کی ٹھنڈ تھی۔ اسے یکدم سخت سردی لگنے لگی تھی۔ ہونٹ نیلے پڑنے لگے۔ سانس ڈوبتا جا رہا تھا۔

پہلی دفعہ' ہاشم کے ذہن میں گونجتے فقروں' فارس کی بے گناہی' سعدی' ان سب سے ہٹ کر پہلی دفعہ' زمر کو احساس ہوا کہ اسے واقعتاً سانس نہیں آ رہا۔ وہ کیفیت صرف جذباتی نہیں تھی۔ وہ جسمانی تھی۔ اسے استھما اٹیک ہو رہا تھا۔ اس نے کھانسے کی کوشش کی' نہ ہوا اندر جاتی تھی نہ باہر آتی تھی۔ اس کے ناخن سفید پڑ رہے تھے۔ منظر اندھیرے میں ڈوبتا' کبھی واپس روشن ہوتا....

نیم جان آنکھوں میں بے بسی لیے اس نے صوفے پہ لیٹے فارس کو دیکھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ویڈیو دیکھنے سے پہلے' یا ان تین ماہ میں اگر کسی کو وہ اس تکلیف میں آواز دے سکتی تھی' تو وہ وہی تھا۔ مگر اب؟ کھویا ہوا حق کوئی کیسے واپس لائے؟

''فارس!'' اس نے مدھم سرگوشی میں پکارا۔ آنکھوں سے آنسو برابر گر رہے تھے۔ دل پہ مٹھی رکھے' وہ شدید تکلیف میں کھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ تھکا ہوا تھا' اور واقعی نیند میں تھا' اس تک آواز نہیں گئی۔ زمر بمشکل اٹھی۔ چند قدم خود کو گھسیٹا۔ صوفے کے آگے رکھی میز کا کونہ پکڑے شدید تکلیف میں بیٹھی۔ وہیں فرش پہ۔

(فارس!) آواز نہیں نکلی۔ صرف ہونٹ ہلے۔ اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ اس نے بے جان ہوتے ہاتھ سے فارس کی آنکھوں پہ رکھا بازو ہلایا۔

''فارس.... اٹھو!'' آواز اب بھی نہ نکل پائی' مگر فارس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو ہٹایا اور ایک دم اٹھتے ہی دوسرا ہاتھ تکیے تلے رکھی پستول تک گیا' مگر پھر وہ رک گیا۔

''زمر؟'' خوابیدہ آنکھوں میں تعجب بھرے وہ اٹھا۔ اور پھر... کوئی احساس طمانیت تھا جو زمر کا منظر پھر سے دھندلانے لگا۔ نڈھال' تھکن زدہ۔

اگلے مناظر اس کو ٹوٹ ٹوٹ کر نظر آئے تھے۔ اندھیرے کے درمیان چند روشن کلپس.... وہ پریشانی سے اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اسے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا' وہ روشن باتھ روم کے سنک پہ کھڑی تھی' اور آئینے میں اسے نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹونٹی سے اس کا منہ دھلا رہا ہے۔ اب بھی وہ اسے پکار رہا تھا... اندھیرا... پھر روشنی... اس نے دیکھا کہ وہ بیڈ پہ لیٹی تھی' تکیوں کے سہارے سر کی جگہ اونچی تھی' سردی کے

باوجود اس نے لحاف گردن تک تان رکھا تھا۔ پنکھا' اے سی سب بند تھا۔ اور وہ اس کا ان ہیلر دے رہا تھا...
زمر نے نڈھال سی ہو کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر کے چند گہرے سانس لیے۔ آکسیجن بحال ہو چکی تھی۔ اس کی رنگت بہتر ہو رہی تھی۔ آنکھیں کھولیں' وہ ساتھ ایک گھٹنا موڑے بیڈ پہ بیٹھا' فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اسے آواز آنے لگی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔
''آپ اپنے استھما کے لیے ان ہیلر کیوں نہیں رکھتیں ساتھ؟ آپ کو اندازہ ہے' اگر آپا کے میڈیسن کیبنٹ میں ان ہیلر نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟''
اس نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اسے لگا وہ اسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہے۔ پوری آستین کی ٹی شرٹ' ٹراؤزر' چھوٹے کٹے بال اور ہلکی بڑھی شیو۔ آنکھوں میں چھایا تفکر۔ زمر بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے' اسے دیکھتی رہی۔
''وہ بیج زہریلے تھے!''
فارس ناسمجھی سے ذرا آگے ہوا۔ ''کیا چیز؟''
''کئی سال پہلے... جب یہ شہر... اسلام آباد... غیر آباد تھا... اور ہم... ہم سادہ' غریب لوگ تھے...'' اس کے چہرے کو تکتی وہ کہہ رہی تھی ''تو ہم نے... ہم نے ایک غلطی کی۔ ہم نے غلط دوست بنائے فارس... ہم نے... آسٹریلیا سے دوستی کی... اس وقت وہ... ہمیں بے ضرر لگتے تھے... امیر تھے' مگر اچھے تھے۔ خوش اخلاق تھے... ہمیں لگا وہ ہمارے جیسے ہی ہیں' ہمارا بھلا چاہتے ہیں...'' آنکھوں سے گرتے آنسوؤں میں تیزی آگئی۔ وہ غور سے اسے دیکھتا' اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
''ہماری حکومت... ہم... اپنا شہر آباد کرنا چاہتے تھے... ہمارے امیر دوست نے کہا وہ ہمارے مدد کرے گا... ہم نے اس پہ بھروسہ کیا... نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فارس ہم نے کیوں اس پہ بھروسہ کیا؟'' بے چارگی سے پوچھتے وہ پھر سے رونے لگی تھی۔
''آپ بے کار باتیں مت سوچیں' آرام سے سو جائیں' اب آپ کا سانس ٹھیک ہے۔'' وہ نرمی سے اس کی توجہ ہٹا رہا تھا' مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اسی طرح روتے کہتی رہی۔
''تمہیں پتہ ہے... آسٹریلین حکومت نے ہمیں بیج دیے' پھر اوپر...'' اشارہ کیا۔ ''اوپر ہیلی کاپٹر سے وہ بیج پورے شہر میں گرائے گئے... ان سے درخت نکلے... اونچے مضبوط تناور درخت... وہ فارس ہماری دوستی کی علامت تھی... مگر وہ بیج زہریلے تھے... انہوں نے... اس شہر کو تباہ کر دیا۔ ان درختوں کی جڑیں میلوں دور تک پھیلی ہیں' اور وہ اس شہر کا میٹھا پانی پی گئے... اور ان کے پتے... ان کے پتے استھما لاحق کرتے ہیں... اس دوستی نے ہم سے ہمارا سانس تک چھین لیا فارس... ہم نے کیوں ان پہ اعتبار کیا؟'' وہ پھر سے بلک بلک کر رونے لگی تھی۔
''زمر گورنمنٹ پالیسی آپ کی غلطی نہیں ہے۔ وہ درخت آسٹریلیا میں بھی ہیں' بس ہمارے ماحول کو سوٹ نہیں کیے' جیسے ان کو خرگوش سوٹ نہیں کیے تھے۔ آپ کا استھما ٹھیک ہو جائے گا۔''
زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ تکلیف اب کبھی نہیں جائے گی۔ جب... جب وہ درخت لگائے جا رہے ہوں گے... تو کسی نے تو روکا ہوگا... کہا ہوگا کہ اس کی بات سنی جائے... ہم نے اس کی بات کیوں نہیں سنی؟ ہم اتنے ضدی' اتنے ہٹ دھرم' اتنے اندھے بہرے کیوں ہو گئے تھے؟ ہم نے اس کو کیوں نہیں سنا؟ اس کو ایک دفعہ وضاحت کا موقع کیوں نہیں دیا؟''
''زمر...'' اس نے غور سے زمر کی روتی آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیا کچھ ہوا ہے؟ کوئی اور بھی بات ہے؟ یا یہ صرف اس دمے کی تکلیف کی وجہ سے ہے؟''
زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''یہ تکلیف چھوٹی نہیں ہے۔ یہ تکلیف بہت زیادہ ہے فارس۔'' مٹھی سے دل پہ دستک دی۔ ''مجھے اندر تک جلن ہو رہی ہے۔''

اس نے تشویش سے پوچھا۔ "پہلے کبھی ہوا ہے اتنا درد؟"

"کبھی نہیں ہوا۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی تکلیف ہوگی فارس! میں کدھر جاؤں فارس؟"

"اٹھیں، میں آپ کو ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔" وہ واقعی اٹھ رہا تھا۔ زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"ضد مت کریں۔"

"ضد؟" اس کے دل کو آری نے چیر کر رکھ دیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ٹیک چھوڑ کر لیٹ گئی۔

"مجھے سونا ہے، اور کبھی نہیں اٹھنا۔" اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ کھڑا چند لمحے کے لئے اسے دیکھتا رہا۔

"کچھ کھانے کے لئے لا دوں آپ کو؟"

"زہر دے سکتے ہو؟" وہ بند آنکھوں سے بڑبڑائی تھی۔

"استغفراللہ۔ کیوں مجھے دوبارہ جیل بھیجنا چاہتی ہیں؟" اور فارس غازی تو ایسی باتیں کرتا رہتا تھا اب بھی کہہ کر جھکا اور ان کا تکیہ ٹھیک کرنے لگا۔ زمر نے آنکھیں کھولیں ان میں ایسا بل کھنے والا احساس تھا کہ... الفاظ کو روک نہ پائی۔

"تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہوتی؟"

وہ جھک کر تکیہ درست کرتا رکا۔ قدرے تعجب سے اس کو دیکھا۔ "مجھے آپ سے نفرت کیوں ہوگی؟"

"میں نے چار سال پہلے تمہیں قید میں ڈالا تھا!"

"آپ نے سات سال پہلے مجھے قید میں ڈالا تھا!" وہ ہلکا سا بولا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وقت چند لمحوں کے لئے بالکل تھم گیا۔ اس کا سانس پھر سے تھم گیا۔ مگر اب یہ صدمہ نہیں تھا۔ یہ کچھ اور تھا۔

زمر کی آنکھوں سے آنسو ایک دفعہ پھر بہنے لگے۔ وہ سیدھا ہو گیا۔ نظریں چرا کر اس کو سونے کی تاکید کرنے لگا۔ زمر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب وہ واپس صوفے کی طرف جا رہا تھا....

نیچے تہہ خانے میں بتی اور پنکھا ہنوز چل رہا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک، ٹونٹی کی ٹپ ٹپ...سب سنائی دے رہی تھی۔ حنین اسی طرح بے سدھ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں روئی تھی۔ بس بھنویں بھینچے بیٹھی رہی، بیٹھی رہی، بیٹھی رہی۔

پھر ایک دم اٹھی۔ تیزی سے اوپر آئی۔ گھر خاموش اور ساکن تھا۔ وہ کچن میں آئی۔ اسٹینڈ سے پھل کاٹنے والا چاقو اٹھایا اور بیرونی دروازے سے باہر نکل آئی۔

باہر سبزہ زار رات کے اس پہر خاموش پڑا تھا۔ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا، شاید بارہ یا ایک بجے تھے۔ وہ تیز قدموں سے گھاس پہ چلتی آگے جا رہی تھی اس کا چہرہ پتھریلا تھا، اور آنکھوں میں شعلے سے لپک رہے تھے۔

وہ کھڑی کتنی ہی دیر اس قصر کو دیکھتی رہی، پھر کنارے پہ لگی درختوں تک آئی۔ ایک درخت کے قدموں میں بیٹھی اور زور زور سے اس کے تنے پہ چاقو مارنے لگی۔ ضرب در ضرب۔ نفرت سے، غصے سے، شاک سے۔

"حنین!" آواز پہ چونک کر گردن گھمائی۔ خاور موبائل پہ بات کرتا اس طرف آ رہا تھا۔ پھر فون رکھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم اس وقت ادھر کیا کر رہی ہو؟"

"میں اس درخت کو کاٹنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"فارس صاحب کو پتہ ہے کہ تم ادھر ہو؟ وہ خفا ہوں گے۔"

وہ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "مجھے یہ درخت زہر لگنے لگا ہے۔ دل چاہتا ہے اسے ایک ہی ضرب لگا کر گرا دوں؟ میں یہی سوچ کر چھری لیے گھر سے نکلی تھی۔ مگر میں غلط تھی۔ ایک ٹکڑے میں ذبح کر دینے سے تو سارا مزا ختم ہو جائے گا۔ کیوں نا بار بار کاٹا جائے؟ ہزار ٹکڑوں میں؟"

(اف مین ایجز) خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے مسکرا کر اسے سائیلنٹ کیا۔ "انگریزی فلمیں کم دیکھا کرو اور اب اندر جاؤ۔ فارس صاحب نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ جاؤ۔"

"تھینک یو، خاور..." رکی۔ الجھن سے شانے اچکائے۔ "میں آپ کو کیا کہہ کر پکارا کروں؟ صرف نام سے پکارنا برا لگتا ہے اور ریلیشن شپ ٹائٹلز سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے۔"

"کرنل خاور! تم مجھے کرنل خاور کہہ سکتی ہو۔"

"اوہ لیس۔ آپ ایکس ملٹری ہیں نا یاد آیا۔" حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اچھا لگا آپ سے بات کر کے کرنل خاور۔ ہمیں اکثر بات کرنی چاہیے۔" وہ سر کو خم دیتا مڑ کر جانے لگا تو حنہ نے پکارا۔ "کرنل خاور... آپ کی فیملی ہے؟"

خاور نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "ظاہر ہے!"

"اچھا۔ کون کون ہے آپ کی فیملی میں؟"

"میری والدہ، میری بیوی اور..." ذرا کا چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ "میرا بیٹا۔"

"گڈ!" اذیت سے مسکرائی۔ خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ وہ مڑ گیا تو حنین بھی گھر کی طرف واپس چلی آئی۔ اس کی آنکھیں سرخ مگر خشک تھیں۔

.... ❖❖❖ ....

انا پرست تو ہم بھی غضب کے ہیں لیکن ...... تیرے غرور کا بس احترام کرتے ہیں

رات جانے کس پہر بارش ہوئی تھی کہ جب صبح طلوع ہوئی تو موسم خوشگوار اور ابر آلود تھا۔ زمر نے کروٹ بدلی، نیند ٹوٹی تو آنکھیں کھولیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا گھڑی پہن رہا تھا۔ کھڑکی سے روشنی اندر چھن چھن کر آ رہی تھی۔

زمر کی آنکھیں بدستور جل رہی تھیں۔ اسی طرح کروٹ کے بل لیٹے لحاف گردن تک تانے ہلکا سا پکارا۔

"فارس!" وہ چونک کر مڑا۔ راؤنڈ نیک کی شرٹ میں ملبوس، وہ گھڑی کی اسٹریپ بند کرتے آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بہتر..." وہ رکی، آواز خراب گلے جیسی تھی۔

"تمہیں کیسے پتہ تھا مجھے ایستھما ہے؟"

"مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ پتہ ہے۔ اسی لیے..." اسٹریپ کا بکل بند کرتے ہوئے وہ اس کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔ "کیا کل کچھ ہوا تھا؟ آپ صرف ایستھما کی وجہ سے ایسے نہیں رویا کرتیں۔"

زمر نے تھوک نگلا۔ ذرا سا بدقت مسکرائی۔ "مجھے سعدی یاد آ رہا تھا، اور میں اس سے چار سال تک تعلق نہ رکھنے پہ گلٹی تھی۔ اب بھی

میں بہت بہت گلٹی ہوں فارس!" گلا پھر سے رندھا۔

"وہ مل جائے گا' میں اسے ڈھونڈ لوں گا' یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" پھر گھڑی دیکھی۔ "میں چلتا ہوں' آپ آرام کیجیے گا۔"

"تم مجھے آپ کیوں کہتے ہو؟" اسے عجیب وقت پہ عجیب سوال یاد آ رہے تھے۔

فارس نے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔"

اور فارس غازی تو اکثر ایسی باتیں کیا کرتا تھا۔ لیکن آج سے پہلے اتنا دردنہیں ہوا تھا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "کل رات کے لیے شکریہ!"

اس نے محض سر کو خم دیا اور مڑ گیا۔ مگر جاتے جاتے اس نے ایک دفعہ پھر زمر کو غور سے دیکھا تھا۔ (کچھ ہوا ہے اس کے ساتھ۔ کچھ بدل گیا ہے۔) لیکن کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

بیدار اہل قافلہ سونے کے دن گئے
ہشیار آگ سے ہے جنگل گھرا ہوا

چند گھنٹے مزید گزرے تو وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتی سیڑھیاں اترتی دکھائی دی۔ بڑے ابا کے کمرے سے ملحقہ اسٹڈی کا دروازہ کھلا تھا۔ نیچے کشن رکھ کر نیم دراز حنین نظر آ رہی تھی۔ وہ ادھر آئی' دروازہ بند کیا اور کاؤچ پہ آ بیٹھی۔ دونوں نے خالی' ویران نظروں کا تبادلہ کیا۔

"میں نے چینا سے وہ فلم منگوا دی ہے' اور اس کو سات مختلف جگہوں اور سی ڈیز میں ڈال کر محفوظ کر دیا ہے۔ آپ کیسی ہیں؟"

"تم کیسی ہو؟"

حنہ نے شانے اچکائے۔ "میں شاکڈ ہوں۔"

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ زمر اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور حنہ چھت کو۔

"میں شروع میں فارس کو اچھا سمجھتی تھی' مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔"

"میں شروع میں ہاشم کو برا سمجھتی تھی' مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔"

زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

"میں نے اس پہ بالکل اعتبار نہیں کیا۔"

"میں نے اسی پہ اعتبار کیا۔" حنین چھت کو دیکھتے میکانکی انداز میں بولی تھی۔

"میں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی حنہ!"

"میں صرف اسی کو سنتی رہی۔"

"مجھے نہیں پتہ تھا وہ ایسا نکلے گا۔ حنین!"

"مجھے بھی نہیں پتہ تھا وہ ایسا نکلے گا!"

"میں نے اس کا یقین کیوں نہیں کیا حنہ؟"

"میں نے اس کا یقین کیوں کیا' پھپھو؟"

پھر حنین نے نگاہوں کا رخ اس کی طرف پھیرا اور مایوسیت سے اس کو دیکھا جو رات والے ملگجے لباس میں اداس سی کاؤچ پہ ننگے پاؤں بیٹھی تھی۔ ناک کی نتھ کی چمک ماند تھی۔ حنین کو احساس ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا عکس تھیں۔ مرر امیج۔ جو ہو بہو ایک سا ہونے کے باوجود دائیں بائیں سے الٹا ہوتا ہے۔

"فارس ماموں نے کیا کہا جب آپ نے ان کو بتایا؟"

زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔ حنین ایک دم اٹھی۔ سوگ جیسے ٹوٹا۔ "اوہ گاڈ آپ نے ان کو نہیں بتایا؟"

"میں اس کو نہیں بتاؤں گی! کیا مجھے بتانا چاہیے؟"

حنین بالکل چپ ہوگئی۔ "ماموں ہاشم کو گولی مار دیں گے۔ وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرنا جانتے ہیں لیکن اس ویڈیو سے وہ سمجھ جائیں گے۔ سعدی بھائی کاردارز کے ہی پاس ہے۔ اور....."

"اور وہ اس دفعہ صرف ان کو ایکسپوز کرنے یا مالی نقصان پہ بس نہیں کرے گا۔ وہ ان کی جان لے لے گا۔ میں ساری رات سوچتی رہی ہوں حنین۔ یہ ڈاکٹر ایمن یا نیاز بیگ یا جسٹس سکندر نہیں ہے، یہ ہاشم کاردار ہے، فارس کا اس سے تعلق ہے۔ وہ پاگل ہو جائے گا اور سب خراب ہو جائے گا۔ اس کا دل اسے کنٹرول کرنے لگے گا۔ اور ایسے میں وہ غلطی کر بیٹھے گا۔" اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "سعدی نے کہا تھا مجھے، اسے ہاشم پہ شک ہے، میں نے کیوں اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے فارس کی زندگی برباد کر دی حنہ!"

حنین اس کے قریب آئی۔ اس کے قدموں میں بیٹھے اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے۔

"اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ انہوں نے ہر چیز بہترین طریقے سے پلان کی تھی۔ آپ نے اپنی صحت کھوئی تھی آپ کے ا! کو لاش ہو گیا تھا آپ اور کیا کرتیں؟"

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔"

"آپ نے سنی تھی پھر اپنی گواہی بھی واپس لے لی تھی۔ آپ نے ان کو جیل نہیں بھیجا۔ یہ سب کرنل خاور اور ہاشم کاردار نے کیا ہے۔ میری طرح خود کو الزام دے کر مایوسی کا شکار مت ہوں۔ مجھے دیکھیں۔" بے چارگی سے شانے اچکائے۔

"مجھے لگتا تھا میں بہت روؤں گی مگر میں نہیں روئی۔ میرے اندر کی آگ میرے آنسوؤں کو سکھا چکی ہے۔ مجھے ان سے انتقام لینا ہے۔ کل میں خنجر لے کر ان کے گھر گئی سوچا جو سامنے آئے اس کو قتل کر دوں گی۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ ہم یوسف خاندان ہم ان سے ہر دفعہ کیوں ہار جاتے ہیں؟ کیونکہ ہم یوسف بن کر سوچتے ہیں ہم کاردار بن کر نہیں سوچتے۔"

"اور سعدی کو واپس لانے کے لیے ہمیں کاردار بن کر سوچنا ہوگا۔" زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ نم آنکھیں رگڑیں۔ "ہم فارس کو ابھی کچھ نہیں بتائیں گے۔ کاردارز نے ہمارے ساتھ ناٹک کھیلا اتنے برس۔ اب اداکاری کرنے کی باری ہماری ہے۔"

"اور ہم سے اچھی اداکاری وہ نہیں کر سکتے۔" حنین انگارے ہوتی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔

"آپ فارس ماموں کو تا تو دیتا سکتی ہیں ناکہ آپ کو ان کی بے گناہی پہ یقین ہے؟"

زمر نے گہری سانس لی۔ "حنین میں بہت گلٹی ہوں مجھے نہیں لگتا میں کبھی دوبارہ لاء پریکٹس کر سکوں گی میں نے اپنا اعتبار کھو دیا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں فارس کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گی تو ایسا نہیں ہوگا۔ اگر میں زمر یوسف ہوں تو میں سرنڈر نہیں کر سکتی۔"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔

"پھپھو ہم کیوں بے وقوف بن گئے؟ ہم تو اتنے جینئس لوگ تھے اتنے اسمارٹ۔ کاردارز کو پہلے ہی ان سے کیوں نہ پکڑ سکے؟"

"یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔ حنین آپ جتنے اسمارٹ ہو جائیں کوئی آپ سے زیادہ اسمارٹ ہوتا ہے اور کبھی آپ ان سے زیادہ اسمارٹ ہوتے ہیں۔ ہم بے وقوف نہیں تھے۔ ہم صرف انسان تھے۔ ہم خدا نہیں تھے۔ ہم دلوں کا حال نہیں جان سکتے۔ وہ ہمارے اتنے اچھے اتنے مہربان اور ملنسار سے رشتے دار تھے رشتے دار وں پہ کون شک کرتا ہے حنہ؟"

''فی الحال ہمیں ان سے زیادہ اسمارٹ ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری کمزوریاں ہیں' تو ان کی بھی ہوں گی۔''

''ہم ان کمزوریوں کو ڈھونڈیں گے۔ اور ہاشم کو ایسی سزا دیں گے' کہ دوبارہ وہ کسی کے ساتھ وہ نہ کر سکے جو ہمارے ساتھ کیا۔''

حنین ایک دم اٹھی۔'' چاکلیٹ کھائیں گی؟''

کچھ دیر بعد اس کمرے میں جھانکو تو حنہ پاؤں لمبے کیے نیچے کشن پہ لیٹی تھی' اور زمر اوپر صوفے پہ لیٹی تھی۔ دونوں اپنی اپنی چاکلیٹ کا ریپر کھول رہی تھیں۔ فرش پہ گولڈن گول چاکلیٹس کا یہ بڑا سا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔ اور ارد گرد دس بیس گولڈن ریپر بکھرے تھے۔ آدھا ڈبہ ختم ہو چکا تھا۔

زمر نے ایک ریپر گول مروڑ کر نیچے اچھالا' اور چاکلیٹ چباتے ہوئے ایک دم ہنسنے لگی۔'' میں واقعی چار سال پہلے ایک ریکارڈ ڈ کال سے بات کر رہی تھی' اور مجھے لگا' میں فارس کی روح کو قتل جیسے جرم سے بچا رہی ہوں۔''

حنین نے ہنستے ہنستے گردن پیچھے کو پھینکی۔'' اور ہاشم اور اس کی بوٹوکس کی ماری ماں... بائیس مئی کی صبح ہمارے گھر آ کر بولے... ہمیں کیوں اطلاع نہیں دی؟ ہاہاہا۔'' زمر ہنستی جا رہی تھی۔

''اور ہم نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔''

حنین کے ہنستے ہنستے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔'' اور میں ہاشم کو میسج کرتی رہی' وہ تو سارے میسج بھائی کو پڑھاتا ہو گا' کہ دیکھو میں تمہاری بہن کے ساتھ کیا کیا کر سکتا ہوں۔''

زمر بھی ہنستی جا رہی تھی۔'' اور ہاشم میرے ہاسپٹل بلز پے کرتا ہے۔ جیسے مجھ پہ احسان کر رہا ہو۔'' حنین کے ہنستے ہنستے بہتے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی....

باہر لاؤنج میں سیم منہ بسورے بیٹھا تھا۔ جو اندر چاکلیٹ کا ڈبہ کھایا جا رہا تھا وہ وہی تھا جو حنہ نے بہت پیار سے سیم کو برتھ ڈے پہ تحفے میں دیا تھا' اور آج اتنے ہی پیار سے اس کی الماری سے نکال لیا تھا۔ تبھی فارس اندر داخل ہوا۔ ابا کو سلام کر کے سیم کو پکارا۔

''تمہاری پھپھو اٹھی تھیں؟''

''ہاں وہ اسٹڈی میں ہے۔ حنین کے ساتھ۔ تم جلدی آ گئے بیٹا۔'' ابا کو حیرت ہوئی۔

''زمر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' میں نہیں لے کر جاؤں گا تو وہ چیک اپ کے لیے نہیں جائیں گی۔''

سیم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔'' بالکل ٹھیک ہیں وہ۔ اور وہ کٹو بھی بالکل ٹھیک ہے۔''

فارس نے غور سے اسے دیکھا اور ساتھ آ بیٹھا۔'' کیا ہوا؟''

''پھپھو کے دماغ کو کچھ ہو گیا ہے۔''

(تمہیں آج پتہ چلا ہے؟) مگر صرف سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''میری ساری چاکلیٹس لے لیں' اب اندر بیٹھی ہیں' اور ہنستی جا رہی ہیں' میں ایک دفعہ اندر گیا تو وہ کٹو کہتی باہر جاؤ' ہم اس وقت بہت دکھی ہیں۔ یار ماموں' دکھ دکھ میں دونوں میری ساری چاکلیٹس کھا گئی ہیں۔''

فارس نے اچنبھے سے بند دروازے کو دیکھا۔ پھر اٹھ کر دستک دی۔ حنہ نے دروازہ کھولا۔

''جج والی ویڈیو مل گئی ہے ہمیں۔ دیکھیں اور آپ بھی انجوائے کریں۔'' مسکراتے ہوئے چپ اس کی طرف بڑھایا۔ فارس کی نظریں پیچھے صوفے پہ دراز زمر تک گئیں۔ وہ چاکلیٹ کھولتے ہوئے مسلسل ہنستی جا رہی تھی۔

(استغفراللہ) وہ خفگی سے بڑبڑا کر چپ لیے اوپر چلا گیا۔

............❖❖❖............

ہر اک قدم اجل تھا، ہر اک گام زندگی ...... ہم گھوم پھر کر کوچہ قاتل سے آئے ہیں

یہ چند دن بعد کا قصہ ہے۔رات ہارون عبید کے گھر بھی ویسی ہی سیاہ اتری تھی۔ڈائننگ ہال میں لمبی سی میز کے گرد شاہانہ طرز کی اونچی کرسیاں رکھی تھیں۔سربراہی کرسی پہ ہارون براجمان تھے اور دائیں ہاتھ بیٹھی جواہرات سے گفتگو کر رہے تھے۔وہ رات کی مناسبت سے سیاہ لباس میں ملبوس تھی' گردن میں سیاہ نگوں اور ہیروں سے جگمگاتے نیکلیس پہ انگلی پھیرتی مسکرا کر ہارون کی بات کا جواب دے رہی تھی۔جواہرات نے دائیں ہاتھ آبدار بیٹھی' سر جھکائے چاولوں میں سست روی سے چمچ ہلا رہی تھی۔گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر جواہرات کو بھی دیکھ لیتی۔ان نگاہوں میں ناراضی تھی' پوزیسو قسم کی ناراضی۔تبھی آبی کے موبائل پہ پیغام آیا۔ڈاکٹر نوید۔

''آبدار، دو کیسز مزید آئے ہیں، آپ کی ریکوائرمنٹ کے مطابق ہیں، انٹرویو ارینج کروا دوں؟'' وہ ایک دم خوشی سے ''جی شیور'' لکھنے لگی۔

''آبی!'' دفعتاً جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا۔''تم اس روز ڈنر پہ نہیں آئیں' ہاشم تمہارا پوچھ رہا تھا۔'' آبی فوراً سنبھل گئی۔ذرا سا مسکرائی۔

''آپ کو پتہ ہے میں پارٹیز اور ڈنر پہ نہیں آیا کرتی۔میں ہاشم سے معذرت کر لوں گی۔''

''اتنے سال بعد، یارہ سے شہر موو کرنا' تمہیں مشکل تو نہیں ہوئی؟''

آبدار نے شانے اچکائے۔''مجھے سارے شہر اچھے لگتے ہیں۔کراچی میں چند سال رہنے سے وہ بھی اچھا لگنے لگ گیا تھا۔''

''ہاشم میری کالز کا جواب نہیں دے رہا جواہرات۔'' ہارون نے گلہ کیا۔

''وہ جب سے واپس آیا ہے اپ سیٹ ہے' تم کچھ دن کے لیے میرے بیٹے کو تنگ نہ کرو تو اچھا ہے ہارون۔'' اور اس بات پہ قہقہہ بلند ہوا۔آبی جبراً مسکرائی اور سر جھکائے منہ میں کچھ بڑبڑائی۔دفعتاً نظر سرکے کی بوتل پہ پڑی۔سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔احتیاط سے ان کو دیکھا۔جواہرات ہارون کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اور یہ چائنیز کمپنی کا کیا مقصد ہے؟ ہاشم اور تم کن کاموں میں لگے ہو؟''

آبدار نے سرکے کی بوتل اٹھائی۔بوتل چھوٹی تھی مگر اس پہ کوئی ٹیگ نہیں تھا۔اس نے اپنے گلاس میں تھوڑا سا ڈالا' پھر... مصروف سے انداز میں جواہرات کے واٹر گلاس میں انڈیلا۔اسے پورا بھرا۔وہ دونوں ہنوز ایک دوسرے کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں باتیں کر رہے تھے۔قدرے فاصلے پہ کھڑے ملازم نے بے بسی سے آبدار کو دیکھا' مگر آبی کی ایک گھوری اور وہ چپ رہ گیا۔

آبدار نے معصومیت سے بوتل بند کر کے پرے رکھ دی اور بہت سنجیدگی سے کھانا کھانے لگی۔مگر لبوں پہ مسکراہٹ مسلسل تھی۔

دفعتاً اجازت طلب کر کے احمر اندر داخل ہوا۔آبدار نے چونک کر سر اٹھایا' پھر خفگی سے اسے اور پھر ہارون کو دیکھا۔

''بابا' کیا ڈنر ٹیبل پہ بھی کیمپئن مینیجر کا ہونا ضروری ہے؟''

''احمر کو میں نے ہی بلایا تھا۔لاؤ' پیپرز دو۔'' احمر نے مؤدب سے انداز میں پیپر بڑھایا تو انہوں نے عینک ناک پہ جماتے دستخط کیے۔جواہرات نے گردن اٹھا کر احمر کو دیکھا۔

''احمر شفیع... تمہیں ہارون کے لیے میں نے ریکمنڈ کیا تھا۔امید ہے تم نے ان کو مایوس نہیں کیا ہوگا۔''

احمر نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا' گویا شکریہ ادا کیا۔پھر ڈیوٹی پہ کھڑی فلپینو میڈ کو مخاطب کیا۔

''سوزین پلیز مسز کاردار کا واٹر گلاس اٹھا لو' اس پہ ڈسٹ ہے۔گلاس بدل کر لاؤ۔''

آبدار نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔وہ سوزین کا انتظار کیے بغیر خود ہی گلاس اٹھا کر اسے پکڑانے لگا۔آبی کی آنکھوں میں تلملاہٹ ابھری۔احمر اسے دیکھے بغیر' کاغذ لیے واپس پلٹ گیا۔وہ معذرت کر کے پیچھے آئی۔

"سنو احمر شفیع!" لان میں تیزی سے چلتی آئی اور ناراضی سے اسے پکارا۔ احمر تسلی سے مڑا۔ "جی؟"

"میرے ملازموں کی ہمت بھی نہیں ہے کہ میری ڈائننگ ٹیبل پہ مداخلت کریں' تو آپ کو کس نے اجازت دی کراکری ہٹانے کی؟"

"مسز عبید' ہم دونوں کو پتہ ہے آپ نے کیا کیا ہے۔ ایک کڑوا گھونٹ پی کر' ذرا سا کھانس کر' مسز کاردار یہاں آنا ترک نہیں کریں گی۔ اگر کچھ خراب ہوگا تو آپ کا اور آپ کے والد کا رشتہ۔"

وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

"مجھے فارسی میں گالیاں ذرا اونچی دیا کریں تاکہ مجھے سمجھ میں آئیں۔"

"اپنے دوست کی جگہ تمہیں مرڈر ہو جانا چاہیے تھا۔" اس کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ آج پھر وہ کسی 'سیو سعدی' واک سے واپس آیا تھا۔

"نوازش لیکن وہ صرف مسنگ ہے۔ امید ہے کہ زندہ ہوگا۔"

وہ جو خفگی سے اندر جانے لگی رکی۔

"تو تاوان نہیں مانگا کسی نے؟"

"نہیں۔ مگر وہ بیسکام کا سائنسدان تھا' تھرکول میں کام کرتا تھا' ایسا بندہ بذات خود بہت قیمتی ہوتا ہے' تو یقیناً اس کو مقید رکھ کر اس سے قیمتی معلومات نکلوائی جا رہی ہوں گی۔ خیر یہ صرف ایک تھیوری ہے۔"

اور آبدار عبید جو احمر شفیع پر فاتحہ پڑھ کر جانے لگی تھی' اور محض انسانی ہمدردی کے لیے چند سوال پوچھ لیے تھے' ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم کہہ رہے ہو کہ وہ تھرکول کا سائنسدان تھا' اور... اسے کسی نے کہیں چھپا رکھا ہے؟" دل زور سے دھڑکا۔

"ہوں۔ اوکے۔ میں آفس جا رہا ہوں۔ آپ ڈنر مکمل کریں۔"

اور آبدار عبید وہیں گم صم کھڑی رہی۔ ایک لمحے نے اسے قید کر لیا تھا۔

وہ الہام کا لمحہ تھا۔

...........❖❖❖...........

یہ غم جو اس رات نے دیا ہے ...... یہ غم سحر کا یقین بنا ہے

اس رات انیکسی کے تہہ خانے کی ساری بتیاں جلی تھیں' اور اس چھوٹے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ فارس اور حنہ کرسی پہ بیٹھے تھے' جبکہ زمر میز سے ٹیک لگائے کھڑی حنین کو بتا رہی تھی۔ کہ کس طرح انہوں نے پچھلے ساڑھے تین ماہ میں اس گن کے تمام خریداروں کا پتہ کیا۔ مگر بے سود۔ جائے وقوعہ کے آگے پیچھے سی سی ٹی وی کیمرے چیک کروائے' مگر ہر جگہ سے ریکارڈنگ صاف ملتی۔ ایمبولینسز' ڈیرا ایمبولینس' پرائیویٹ ڈاکٹرز' سعدی کے ہر ممکنہ دوست' ایک ایک سے ملے۔ وہ بتاتے جا رہی تھی اور حنین سن رہی تھی۔ (کیا جنگ میں جانے والے اور پیچھے بیٹھے رہ جانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ جب وہ خود کو ہاشم میں مصروف رکھ رہی تھی تو یہاں کوئی راتوں کو جاگ جاگ کر ایک ناممکن کام کو ممکن بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہاشم' اف۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ کوئی ٹین ایج کرش نہ تھا کہ حقیقت معلوم ہونے پہ دل سے نکل جاتا اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگتی۔ وہ تو مرض عشق تھا اور آج بھی پہلے کی طرح جان لیوا تھا۔)

فارس دیوار پہ لگی جج کی تصویر دیکھ رہا تھا جب حنہ نے پکارا۔

"آپ کو ہسپتال یوں جلانا نہیں چاہیے تھا۔"

فارس نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''آپ کو ان دونوں میاں بیوی کو اندر لاک کر کے ہسپتال جلانا چاہیے تھا۔''

وہ ہلکا سا ہنسا۔ بہت دن بعد۔ شاید بہت سالوں بعد اس نے حنہ کو واپس مڑ کر دیکھا تھا۔ پھر آگے ہو کر لیپ ٹاپ کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ اسے کام سمجھایا۔

''تم یہ کر لو گی؟ شیور؟''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں!''

زمر کافی بنانے جا رہی تھی' آج پوری رات جاگ کر ہر چیز فائنل کرنی تھی۔ جاتے جاتے رکی۔ ''حنہ' تمہارے لئے کریم ڈالوں؟''

''جی۔ بالکل۔'' حنہ نے مسکرا کر کہا۔ زمر بھی مسکرا کر سر ہلاتی چلی گئی۔ فارس نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی' دوسری حنین پہ۔ پھر ٹائپ کرتے ہوئے سرسری سا تبصرہ کیا۔

''کسی کی بڑی دوستی ہو گئی ہے۔''

حنین نے چونک کر اسے دیکھا' پھر چمک کر بولی۔ ''کسی کو بڑی جلن ہو رہی ہے۔''

''واٹ ایور!'' اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ حنین مسکرا کر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔ صد شکر کہ دل کی حالتیں راز ہی رہتی ہیں ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے....

اوپر زمر کچن میں کھڑی کافی بناتے ہوئے ندرت سے معمول کی باتیں کر رہی تھی۔ کھڑکی سے قصر کی پشت اور ہاشم کی بالکونی دکھائی دیتی تھی۔ زمر نے رخ بالکل موڑ لیا۔ کم از کم اگلے کچھ دن تک وہ ان کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی ورنہ خود پہ قابو رکھنا مشکل ہو جاتا۔ ابھی خود کو تیار کرنا تھا۔ مضبوط کرنا تھا۔ ایک لمبی اداکاری کے لیے۔

............❖❖❖............

اس سیہ شاخ کی کمان سے، جگر میں ٹوٹے ہیں تیر جتنے ...... جگر سے نوچے ہیں اور ہر اک کا ہم نے تیشہ بنا لیا ہے

دو ہفتے بعد جب ستمبر دم توڑ رہا تھا' اور حبس اور گرمی کافی حد تک کم ہو چکی تھی' انیکسی پہ شام پھیلی تھی۔ فارس اپنے کمرے کے باتھ روم میں آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے' وہ ریزر سے آہستہ آہستہ شیونگ کریم وائپ کر رہا تھا۔ ایک وائپ۔ دوسرا وائپ۔ ایک جگہ ہلکا سا کٹ لگا تو وہ رکا۔ انگلی سے خون کی ننھی بوند کو چھو کر دیکھا۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری کی تپش تھی۔

(''میں نے تمہیں اپنے چیمبرز میں صرف اس لئے بلایا ہے فارس غازی تاکہ تم وہاں تماشا نہ کرو۔'' وہ میز کے سامنے ہتھکڑی میں کھڑا تھا' اور میز کے پیچھے کھڑے جج' کپ میں ٹی بیگ کھولتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''اب کہو جو تم نے کہنا ہے' اور پھر خاموشی سے غائب ہو جاؤ۔'')

فارس نے بلیڈ رکھا اور ٹونٹی کھولی۔ جھک کر ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھرا اور چہرے پہ ڈالا۔ ٹھنڈا پانی چہرے کو دھوتا' کچھ چھینٹے آئینے پہ بھی گراتا گیا۔

(''میں یہ نہیں کہوں گا کہ بے گناہ ہوں' یہ فیصلہ میرا کیس سننے کے بعد آپ کو کرنا ہے' صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرا کیس سنا جائے۔ ہر پندرھویں دن کسی قربانی کے جانور کی طرح مجھے کورٹ لا کر ریمانڈ میں توسیع کر دی جاتی ہے۔ چھ چھ مہینے تک سماعتیں نہیں ہوتیں۔''

ہتھکڑی لگے ہاتھوں کو میز پہ رکھے' وہ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔ ''تاریخ ملے تو پراسیکیوٹر نہیں آتا' کبھی جج غائب ہوتا ہے' کبھی ہڑتال ہو جاتی ہے۔ میں دو سال سے چودہ' چودہ دن کی امید پہ جیل میں معلق ہوں۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے

باہر نہیں لانا چاہتا' پھر بھی' میں تم سب کو ایک موقع دیتا ہوں...." ان کی آنکھوں میں دیکھ کر توڑ توڑ کر الفاظ ادا کیے۔ "میرا... کیس... سنا جائے۔ ہر ہفتے سنا جائے۔ غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی نہ کیا جائے۔ جج صاحب!")

وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے' سوچ میں گم ڈریس شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ تین.... دو... ایک۔ اوپری بٹن کو کاج میں مقید کرتے' اس کی آنکھوں میں وہی سرد سی آگ تھی۔

(جج صاحب اپنی کرسی پہ بیٹھے۔ رعونت سے اسے دیکھتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا' پھر کپ رکھ کر آگے ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اگلی دفعہ اگر مجھے پکارنے کی غلطی کرنا' تو مجھے 'یور آنر' کہنا۔ سنا تم نے؟ یور آنر۔ کیونکہ میں... ایک عزت مآب عدالت کا آنریبل جج ہوں۔" سینے پہ انگلی رکھ کر تکبر سے کہا۔ "میں ایک مین آف آنر ہوں۔ اگر تم سے بات کر رہا ہوں تو اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھو۔ یور آنر' سنا تم نے؟ میں ایک سیلف میڈ آدمی ہوں۔ ایک دن میں عدالت عظمیٰ کا چیف جسٹس ہوں گا۔ اور تم جیسے آنر کلرز تب بھی جیل میں سڑ رہے ہو گے۔ تم مجھ پہ رشوت کا کیا الزام لگاؤ گے' پیسہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں.... فارس غازی' میں جسٹس سکندر حسین ہوں۔ میں اپنے آنر کے لئے جیتا ہوں۔")

وہ اب کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ گرے کوٹ پہنتے ہوئے اس نے اپنے عکس کو دیکھتے کالر درست کیے۔ پھر پرفیوم کی شیشی اٹھا کر اپنی گردن پہ اسپرے کی۔ لمحے بھر کے لئے آنکھیں بند کیں۔ خوشبو سی ہر جگہ پھیل گئی۔

("تو تم پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہو کہ میں مجرم ہوں۔ اب میری بات سنو۔" ہتھکڑیوں والے ہاتھ میز پہ رکھے' وہ کھڑے کھڑے جج کی طرف جھکا اور ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں پتہ ہے کون ہوں؟ میرے پاس وہ گنز کیوں ہوتی ہیں؟ کیونکہ میں.... ایک... شکاری ہوں۔ اور میں قبر تک اپنے شکار کا پیچھا کرتا ہوں۔ اس لئے یور آنر' تمہیں میں اس کیس سے دستبردار ہونے کے لیے تو کہوں گا ہی' لیکن ایک بات اپنے مالکوں کو بھی بتا دینا۔" بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ "انہیں کہنا کہ ایک دن فارس غازی باہر ضرور آئے گا' اور اس دن۔۔ فارس غازی ہوگا' جج بھی... جیوری بھی... اور جلاد بھی!" پھر سر کو خم دیا۔ "یور آنر!"

"فارس!" وہ مسکرائے۔ "جس دن میں سپریم کورٹ کے جسٹس کا حلف اٹھا رہا ہوں گا' اس دن بھی تم جیل میں سڑ رہے ہو گے۔")

اس نے آنکھیں کھولیں۔ (اس واقعے کے ایک دن بعد اس نے جج کو کیس سے دستبردار ہونے کی درخواست دے دی تھی' جج ہٹ بھی گیا لیکن سعدی کے ہاتھ ویڈیو لگ جانے کے بعد۔۔۔ سعدی نے سارا کھیل ترتیب دیا اور وہی جج دوبارہ اس کیس کی سماعت کرنے لگا۔)

فارس نے آہستہ سے کوٹ کا بٹن بند کیا۔ عکس میں اپنے پیچھے زمر آ کھڑی ہوتی دکھائی دی۔ وہ اس کی شرٹ کے کالر کو دیکھ رہی تھی۔

"تم ٹائی کیوں نہیں پہنتے؟" فارس نے چہرہ موڑ کر انہی سرد سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ ٹائی مجھے پھانسی کے پھندے کی طرح لگتی ہے۔"

اور فارس غازی تو ایسی باتیں کیا کرتا تھا' لیکن آج سے پہلے اتنا درد.... زمر نے نگاہیں چراتے سر جھٹکا۔ وہ سیاہ ڈریس میں بال باندھے' تیار کھڑی تھی۔

"تم تیار ہو؟"

"پوری طرح!" وہ کہتے ہوئے چابیاں اٹھائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

..................❖❖❖..................

صبح کا بادشاہ شام کو مجرم ٹھہرے ...... ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا ہے!

ہال میں وسیع پیمانے پہ ڈنر میلولگی تھیں۔ ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبرز، ججز، سینئر وکلاء، پراسیکیوٹرز سب شامل تھے۔ ایک بھورے سوٹ والا شخص، جو وکیل نہیں تھا، مگر جس طرح آگے پیچھے ہدایات دے رہا تھا، اس سے صاف ظاہر تھا کہ جو ڈنر بظاہر جسٹس سکندر کی طرف سے "ہائیکورٹ کا جج مقرر ہونے کی خوشی" میں دیا گیا ہے، اس کا فنڈ کرنے والا یہی امیر آدمی ہے۔

ایک میز پہ زمر یوسف کھڑی تھی۔ سیاہ لباس اور ہلکی جیولری کے ساتھ، مسکراتے ہوئے وہ جسٹس سکندر کو مبارکباد دے رہی تھی۔

"آپ آج کل نہیں نظر آرہیں۔" سعدی والی تلخی بھلائے (کہ یہ تو کچہری کا روز کا معمول تھا) وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔

"جاب ختم ہونے کے بعد کچھ ماہ پرائیوٹ پریکٹس کی تھی۔ کچھ دن سے وہ بھی چھوڑ دی ہے۔ آج کل ہاؤس وائف ہوں۔" مسکرا کر ساتھ سوٹ میں ملبوس ہینڈسم سے فارس کی طرف اشارہ کیا تو جسٹس صاحب اس کی طرف مڑے۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی۔

"معلوم پڑتا ہے کہ شکاری نئی زندگی شروع کر چکا ہے۔ گڈ!" مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ فارس کھلے دل سے مسکرایا۔ بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

"کر تو چکا ہوں، لیکن انسان اپنے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔" جسٹس صاحب کی آنکھوں میں دیکھ کر اضافہ کیا۔ "یور آنر!"

"گڈ گڈ!!" انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔ "ہماری دعوت قبول کرنے کا شکریہ۔ خوشی ہوئی تم سے دوبارہ مل کر۔"

"مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہوگی۔ اور بہت مبارک ہو آپ کو یور آنر۔ بالآخر آپ کو وہ سب ملنے جا رہا ہے، جس کے آپ مستحق ہیں۔"

جج صاحب نے سر کے خم سے شکریہ وصول کیا۔ فخر سے اردگرد پھیلی تقریب، اس عزت اور وقار کو دیکھا جو ہر ایک کی آنکھوں میں ان کے لئے تھا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا، شکاری۔ ایک دن ہم سپریم کورٹ بار میں ملیں گے۔" فارس ہلکا سا ہنس دیا۔

"اور ہاں، تمہارے بھانجے کا افسوس ہوا۔ لگتا ہے، اس نے اپنے قد سے بڑے بڑے دشمن بنا لئے تھے مگر تم اپنا خیال کرنا۔" کالر جھاڑے اور آگے بڑھ گئے۔ ان سے ہاتھ ملانے کے لئے بہت سے لوگ منتظر تھے۔

طویل میز کے گرد بیٹھے افراد اب اٹھ اٹھ کر بفے ٹیبل کی جانب جا رہے تھے۔ زمر اپنی جگہ سے اٹھی۔ چند وکلاء حد سماعت میں بیٹھے تھے، سو شائستگی سے فارس کو مخاطب کیا۔

"آپ کو کچھ لا دوں؟"

"میں آرہا ہوں۔" وہ اس کے ساتھ اٹھا۔ وکلاء برادری کو یاد تھا کہ وہ مرڈر ٹرائل کے تحت چار سال جیل میں رہا ہے، یہ بھی یاد تھا کہ زمر نے اس کے خلاف گواہی دی تھی، اور اکثریت کو اس کے گناہگار ہونے کا یقین بھی تھا، لیکن مقدمے، جیل، پیشیاں یہ اس کمیونٹی میں اتنا عام تھا، خود ہر ایک پہ اتنے کیسز تھے اور اتنے کیسز میں اس نے ایک دوسرے کو پھنسا رکھا تھا کہ عام لوگوں کی نسبت ان کو اس بات سے فرق کم پڑتا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے بفے ٹیبل تک گئے۔ فارس نے جھک کر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "مجھے آپ نہ کہا کریں، میں صداقت تھوڑی ہوں؟" زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرایا تھا۔ وہ نہیں مسکرائی، چپ چاپ کھانا ڈالنے لگی۔ وہ ڈل لگ رہی تھی۔

دفعتاً ایک ویٹر وہاں سے گزرا اور ریموٹ اٹھائے، اس نے باری باری ریسٹورانٹ میں لگے ہر ٹی وی اسکرین کا چینل بدلا۔ ایک مخصوص چینل سیٹ کیا۔ اور آواز اونچی کر دی۔ پھر سر جھکائے فارس کے قریب سے گزرنے لگا تھا تو فارس نے اس کی جیب میں لپٹے ہوئے نوٹ رکھے، اور کندھے کو ہلکا سا تھپکا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ فارس نے نظر اٹھا کر سی سی ٹی وی کیمرے کو دیکھا جس کا رخ اس طرف نہیں تھا اور مسکرایا۔ (آج کی شام، یور آنر کے نام!)

وہ دونوں واپس طویل میز پہ آ بیٹھے تو جسٹس سکندر ان کے سامنے' مگر چند کرسیاں چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ وقار سے کھڑی گردن' اور فخر سے اٹھے کندھوں کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے۔

''میں آپ کو بتاؤں جسٹس اسید' ایسے موقعے ہر شخص کے کیریئر میں آتے ہیں' لیکن حلال کا ایک لقمہ جو آپ اپنی اولاد کے حلق سے گزارتے ہیں' اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے اور باقی افراد نے ہر شے جاننے کے باوجود بھی سر دھنا۔ ''وہ کہتے ہیں ناکہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتا ہے....''

''شیر کا ایک دن!'' فارس نے مسکراتے ہوئے گلاس لبوں سے لگایا۔ جسٹس صاحب اپنا فقرہ پورا نہیں کر سکے کیونکہ زمر نے کانٹا زور سے پلیٹ میں گرایا تھا۔

''او ہ گاڈ!'' چہرہ موڑے وہ اتنا اونچا بولی کہ چند لوگ اسے دیکھنے لگے' پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ٹی وی اسکرین کو دیکھا اور....

ریسٹورانٹ کے اس ہال میں تین ٹی وی اسکرینز نصب تھیں۔ یہ بڑی بڑی صاف اور واضح اسکرینز۔ اور سب لوگ اب مڑ مڑ کر ان پہ چلتی نیوز دیکھ رہے تھے۔ نیوز کاسٹر حسب معمول حلق پھاڑ کر اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔

''یہ ویڈیو کچھ دیر پہلے انٹرنیٹ پہ پوسٹ ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی وائرل ہو گئی ہے۔ ہم آپ کو ایک دفعہ پھر بتاتے چلیں کہ ویڈیو میں موجود سیاہ کوٹ والے شخص کی شناخت ہائیکورٹ جج جناب جسٹس سکندر حسین شاہ کے نام سے ہوئی اور....''

ریسٹورانٹ میں سناٹا چھا گیا تھا' جسٹس سکندر ہاتھ میں گلاس پکڑے سُن سے گردن اٹھائے وہ ویڈیو دیکھ رہے تھے۔ ایچ ڈی کوالٹی کی صاف اور واضح ویڈیو۔ جس میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے ایک کرسی پہ اوسی پی صاحب نظر آ رہے تھے' اور تیز تیز کاغذ پہ کچھ لکھ رہے تھے۔ ان کے سر پہ جسٹس صاحب کھڑے تھے اور غصے سے کچھ کہہ رہے تھے' آواز ٹھیک سے نہیں آ رہی تھی' مگر آواز کی ضرورت بھی نہ تھی' کیونکہ جیسے ہی او سی پی نے کاغذ اور قلم رکھا' جج نے جو اب اس کے سر کے پیچھے کھڑے تھے اور کیمرے میں بہت واضح نظر آ رہے تھے' ایک دم او سی پی کی گردن میں بازو ڈال کر ان کو جکڑا' اور اس سے پہلے کہ وہ ان کا ہاتھ ہٹا پاتے' جج نے ایک سرنج اس کے کندھے میں گاڑھی۔ او سی پی مزاحمت کر رہے تھے' ان کا بازو ہٹاتے' ہاتھ پاؤں مار رہے تھے' لیکن پھر.... ان کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ جج نے سرنج جیب میں ڈالی' کالر جھٹکے۔ او سی پی کا سر کاغذ پہ رکھا' بازو درست کیے۔ جیسے وہ لکھتے لکھتے سو گئے ہوں اور جانے کے لئے مڑ گئے۔ یہ ایک طویل ویڈیو میں سے کاٹا ہوا ایک ننھا سا کلپ تھا جس کی قیمت سعدی یوسف نے فارس غازی کی بیت لگائی تھی۔ اب وہی کلپ ریسٹورانٹ میں ایک نیشنل ٹی وی چینل پہ چل رہا تھا اور جسٹس سکندر کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

پھر لوگ مڑ مڑ کر ان کو دیکھنے لگے۔ حیرت' شاک' اور ایکسائٹمنٹ سے۔ ان کا الٹا رکھا موبائل مسلسل وائبریٹ ہونے لگا۔ ڈنر کے فنڈر نے جلدی سے ویٹر کو اشارہ کیا' وہ اب اس سے پچھلے دروازے کا پوچھ رہا تھا۔ جسٹس سکندر ایک دم اٹھے۔ کسی سے بھی نگاہ ملائے بغیر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔ دو کلاء ان کے ساتھ لپکے۔

فارس غازی نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ گلاس سے مزید ایک گھونٹ بھرا اور دلچسپی سے ارد گرد پھیلی افراتفری دیکھی....

جسٹس سکندر نے بیرونی دروازے سے باہر قدم رکھا' تو نیچے سڑک پہ رپورٹرز تھے۔ ان کے کیمرے' فلیش کی چمکتی لائٹس۔ مائکس کی قطار۔ پریشان حال سا مینیجر کہہ رہا تھا۔ ''سر ہمیں نہیں معلوم ان کو کس نے ادھر بلایا ہے لیکن....''

اندر ٹیک لگائے بیٹھے فارس نے گلاس سے آخری گھونٹ بھرا۔ اس کے لبوں پہ سرد سی مسکراہٹ ہنوز جمی تھی۔

جسٹس سکندر کو کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے' زینے اتر رہے تھے۔ (اے ایس پی' آج رات ایک لڑکے کو غائب کرتا

ہے۔ ہسپتال کا نام بھیج رہا ہوں' مگر پہلے اس کا آپریشن ہونے دو' ڈاکٹر توقیر بخاری کو بھی ادھر بلالو۔ لڑکے کو زندہ سلامت نکالنا ہے۔)

گارڈز میڈیا کے نمائندوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر کیے بعد دیگرے مائیک ان کے چہرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''کیا آپ اس ویڈیو کی تصدیق کرتے ہیں؟''

''کیا انٹرمیڈیٹ بورڈ کے آفیسر کانفیڈینشل پریس کی جان لینے والے آپ ہی تھے۔''

(میرے بس میں ہوتا تو اس لڑکے کو وہیں ختم کروا دیتا۔ لیکن دوستوں کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ ارے نہیں' فکر مت کرو' کسی کو علم نہیں ہوگا۔ ہو بھی جائے تو وہ متوسط طبقے کے معمولی لوگ ہیں' ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ جانے دو اے ایس پی بہت دیکھے ہیں فارس غازی جیسے!)

وہ چہرہ جھکائے' اپنے ساتھیوں کی معیت میں ہجوم سے نکل رہے تھے۔ ساتھی وکلاء اور گارڈز بمشکل رپورٹرز کے درمیان سے راستہ بنا پا رہے تھے۔ ریسٹورانٹ میں کھانا بھول کر چہ مگوئیاں' اور پھر ڈسکشن شروع ہو چکی تھی۔ ٹی وی کی آواز اونچی کر دی گئی تھی۔ ڈنر کے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اس کے ہائیکورٹ میں تیرہ کیسز چلتے تھے' اور ان کو چند منٹ پہلے تک پہیے لگ جانے تھے' مگر اب....؟

باہر جسٹس صاحب کی کارروانہ ہوئی اور ذرا طوفان تھما' تو وہ دونوں بھی نکل آئے۔ پارکنگ ایریا تک جاتے ہوئے فارس کہہ رہا تھا۔

''ایجنٹی کے مطابق' سعدی نے جج کو کہہ رکھا تھا کہ یہ ویڈیو اس کے لاکر کے پاس ہے' اور اسے کچھ ہونے کی صورت میں' وہ اس کو انٹرنیٹ پہ ڈال دے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جج کو اس اسکینڈل سے نکالنے کے لیے کون آتا ہے؟'' وہ محفوظ سا کہتا کار کا لاک کھول رہا تھا۔ زمر دوسری طرف خاموش کھڑی تھی۔

''جج ایک مہرہ نہیں تھا' وہ ان لوگوں کا دوست ہے' سو اس کے دوست اس کو بچانے ضرور آئیں گے۔ کوئی سیاستدانوں میں سے' کوئی وکلاء برادری سے' کوئی بزنس کمیونٹی سے اور کوئی قانون نافذ کرنے والے اداروں سے۔ ہم یہ دیکھیں گے کہ کون کون اس کو بچانے آتا ہے۔ وہ لوگ اب بوکھلا چکے ہوں گے' اور وہ غلطیاں کریں گے۔ زمر میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' لاک میں چابی روک کر اس نے اسے پکارا۔ زمر نے چونک کر سر اٹھایا' پھر گردن ہلائی۔ ''ہوں' میں سن رہی ہوں۔ اس طرح ہم ان سب لوگوں تک پہنچ جائیں گے۔''

فارس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''ہم سعدی تک پہنچنے کے اتنا قریب ہیں۔'' انگلی اور انگوٹھے سے ایک انچ کا فاصلہ دکھایا۔ ''مگر آپ اتنی ڈل اور بجھی بجھی کیوں لگ رہی ہیں؟''

''نہیں تو۔''

''کچھ تو ہوا ہے۔ ورنہ کل رات تک آپ بہت ایکسائٹڈ اور خوش تھیں۔'' پھر یاد آیا۔ ''صبح آپ اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔ کیا کہا اس نے؟''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ (''مسز زمر'' ذہن میں ڈاکٹر قاسم کے الفاظ گونجے۔ ''میرے پاس آپ کے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔'')

''ہاں میں گئی تھی۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(''جس عطیہ شدہ گردے پہ آپ سروائیو کر رہی ہیں' وہ ناکارہ ہو چکا ہے۔'')

''مگر فارس... ڈاکٹر صاحب تھے ہی نہیں۔ میں انتظار کر کے واپس آ گئی۔'' وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ دل ہنوز زور زور سے دھڑک رہا تھا' مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

* * *

باب 16:

میرا مرضِ مستمر!

میں نے ایک سمر کیمپ اٹینڈ کیا تھا
اس چھڑی جیسی لڑکی نوا ملا اسٹینز بری کے ساتھ
وہ بہترین ایتھلیٹ تھی
اسے فٹنس کا جنون تھا۔
جتنی دبلی ہو جائے کم تھا۔
ایک پاؤنڈ یہاں سے ایک پاؤنڈ وہاں سے۔
ہرنی کی طرح بھاگتی تھی۔
مگر پھر.. وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہی
تب میں نے جانا کہ وہ اینوریکسک (نفسیاتی بیمار) تھی۔
اس بیماری نے اس کی بصارت چھین لی تھی
میں نے نہیں دیکھا نوا ملا سے زیادہ کسی کو
اپنے جسم کے بارے میں اتنا جنونی۔
ساری زندگی اس نے جس چیز کے پیچھے بھاگتے گزاری
اسی نے اسے تباہ کر دیا۔
تم کہتے ہو برلن' انتقام تمہارا جنون ہے۔
میں تمہیں بتاؤں' انتقام جنون نہیں ہوتا۔
یہ تو ایک بیماری ہے۔
جو دل کو کھاتی ہے
اور روح کو زہریلا کر دیتی ہے۔
(دی بلیک لسٹ کے کردار "ریمنڈ ریڈنگٹن" کا مکالمہ)

ستمبر کے آخری ایام میں گرمی کم تھی مگر حبس اب بھی تھا۔ ایسے میں اس ہسپتال کی اونچی بلڈنگ کی ایک کھڑکی سے جھانکو تو اندر ڈاکٹر

کلام بشارت کے کمرے میں زمر بالکل خاموش بیٹھی تھی اور ڈاکٹر قاسم اس کو تاسف سے دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو اپنے ہزبینڈ کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔"

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ مجھے میرے کڈنی کا بتائیں۔ کیا وہ مکمل طور پہ ختم ہو چکا ہے؟" بظاہر مضبوط انداز سے پوچھا۔

"زمر! آپ نے چار سال اس ڈونیٹیڈ کڈنی پہ گزارے ہیں..."

"مگر یہ پرفیکٹ میچ تھا' آپ نے کہا تھا' میری قسمت اچھی ہوئی تو بیس سال بھی گزار سکتی ہوں۔" ڈاکٹر پہ جمی آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔

"آئی ایم سوری زمر' مگر پچھلے تین ماہ سے نہ آپ دوا ٹھیک سے لے رہی ہیں' نہ چیک اپ کے لئے آتی ہیں' پچھلے ہفتے ٹیسٹس کے لیے بھی میں نے زبردستی آپ کو بلایا تھا۔" ذرا رک کے گہری سانس لی۔ "آپ کی کڈنی تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ مکمل نہیں' تقریباً۔"

"کتنے عرصے بعد مجھے نئے کڈنی کی ضرورت پڑے گی؟"

"جلد از جلد۔ جتنی دیر کریں گی۔ اتنا مسئلہ ہو گا۔ کیا آپ نے کسی اور ڈاکٹر کی رائے لی؟"

"جی' میں ڈاکٹر فاروق احسان کے پاس گئی تھی۔ ٹیسٹس بھی دوبارہ کروائے۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ مجھے جلد از جلد ٹرانسپلانٹ کروانا ہو گا۔" کمرے میں ایک آزردہ سی خاموشی آ ٹھہری۔

"کیا آپ کی فیملی میں کوئی ایسا ہے جو آپ کو کڈنی ڈونیٹ کر سکے؟" قدرے توقف سے انہوں نے پوچھا۔

"میں کوئی گیم تو نہیں کھیل رہی کہ ایک چیز ضائع ہو جائے تو دوسرے سے مانگ لوں۔ کڈنی ڈونیشن بہت بڑی بات ہے۔ اور میں اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں مانگنا چاہتی مزید۔" وہ اس سوال پہ ناخوش ہوئی تھی۔

"اوکے ریلیکس!" انہوں نے اسے تسلی دی۔ "میں ڈونر کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جتنی جلدی اور گن ملے' اتنی جلدی ہم ٹرانسپلانٹ کر دیں گے' لیکن آپ نے پہلے کی طرح اب بداحتیاطی نہیں کرنی۔ میں پھر کہوں گا' آپ اپنی فیملی میں کسی کو راضی کرنے کی....."

وہ مزید یہ باتیں نہیں سن سکتی تھی۔ فضا میں موجود حبس اور گھٹن بڑھ گئی تھی' اس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

❖❖❖

اپنی تلاش کا سفر ختم بھی کیجئے کبھی ...... خواب میں چل رہے ہیں آپ

اسی حبس زدہ دن جب پرندے اکتائے اکتائے اڑ رہے تھے' ایک اور ہسپتال کے پرائیوٹ روم میں آبدار عبید ایک کرسی پہ بیٹھی تھی اور سامنے بستر پہ لیٹے مریض کی باتیں توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ایک درمیانی عمر کے صاحب تھے۔ ابھی مکمل طور پہ صحت یاب نہیں ہوئے تھے۔ نالیاں وغیرہ ہنوز لگی تھیں۔ چہرے پہ بھی نقاہت تھی۔

"پچھلی ملاقات میں آپ مجھ سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔" وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہی تھی۔ "ویسے تو میں سائیکو تھراپسٹ ہوں' مگر ایک ریسرچ کے سلسلے میں مجھے آپ کا کیس سننا ہے۔ کیا آپ کمفرٹیبل ہیں؟"

"جی! آپ پوچھیے۔" انہوں نے نقاہت سے اسے دیکھتے سر ہلایا۔

"اوکے۔" آبدار نے گہری سانس لی۔ "آپ کی سرجری کے دوران جواد صاحب' ایک وقت ایسا آیا تھا جب آپ کا دل بند ہو گیا تھا اور آپ کو واپس لانے میں ڈاکٹرز کو پچاس سیکنڈ لگے تھے۔ ان پچاس سیکنڈز کے لئے آپ clinically ڈیڈ ہو چکے تھے۔" وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔ "ان پچاس سیکنڈز میں... کیا ہوا تھا؟ کیا دیکھا آپ نے؟"

جواد صاحب کے چہرے پہ تکلیف ابھری۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ "آپ یقین نہیں کریں گی۔"

"ٹرائی می!" وہ مسکرائی۔

انہوں نے گہری سانس لی۔ آنکھیں بند کر کے یاد کیا۔ "اس وقت میری سرجری جاری تھی۔ نشے کے باوجود مجھے تکلیف ہو رہی تھی، کچھ آوازیں بھی کانوں میں پڑ رہی تھیں، ڈاکٹرز وغیرہ کی، پھر میں نے سنا کہ وہ لوگ مجھے لوز کر رہے ہیں، ذرا سی افراتفری پھیلی۔" وہ رکے۔ وہ غور سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ "پھر؟"

"پھر جیسے اچانک سے میری ساری تکلیف ختم ہو گئی، میں نے خود کو بہت ہلکا محسوس کیا۔ میں اس بارے میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا، لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو..." سر جھٹکا۔ "ایسے جیسے میں کسی بوجھ سے آزاد ہو گیا ہوں۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"میں نے... محسوس کیا کہ..." وہ آنکھیں موندے دقت سے بول رہے تھے۔ "...کہ جیسے کوئی مجھے کھینچ رہا ہے۔ میں آپریشن ٹیبل پہ لیٹا تھا۔ میں نے خود کو اس کے نیچے سے نکلتا محسوس کیا، ہلکا اور آزاد اور اس کے آگے... ایک تاریک جگہ تھی، جیسے کوئی غار یا سرنگ ہوتی ہے، میں اس میں سے گزر کر دوسری طرف نکلتا گیا۔" آبدار نے نوٹ بک پہ کچھ لکھتے ہوئے پوچھا۔ "پھر؟"

"اس غار نما تاریکی سے نکل کر میں نے دیکھا کہ... میں اسی آپریشن تھیٹر میں ہوں، مگر اوپر... فضا میں تیر رہا ہوں۔ آپ یقین نہیں کریں گی۔ مگر میں نے اوپر سے دیکھا کہ نیچے ٹیبل پہ میرا جسم لیٹا ہے، اور ڈاکٹرز مجھے مسلسل ریوائیو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

اس دفعہ آبدار نے کاغذ کو دیکھے بنا چند الفاظ گھسیٹے۔ "اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد..." انہوں نے یاد کیا۔ "میں نے اوپر فضا میں دیکھا، اپنے والد کو، اور ایک بچی کو جو میرے بچپن میں اسکول میں کرنٹ لگنے سے مر گئی تھی، اور بھی چند فوت ہوئے رشتہ داروں کو، وہ مجھے دیکھ رہے تھے، لیکن میرے اور ان کے درمیان ایک سرحد تھی، مادی سرحد نہیں، نہ ہی کوئی لکیر۔ وہ ایک ایسی ان دیکھی باؤنڈری تھی جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں اس طرف تھا اور وہ لوگ دوسری طرف۔ وہ مجھے مسلسل واپس جانے کا کہہ رہے تھے، اور میں نہ آگے جا سکتا تھا نہ پیچھے مڑ سکتا تھا۔"

"کیا آپ نے وہاں کسی اور کو دیکھا؟"

کتنے ہی لمحے وہ کچھ نہ بولے۔ پھر اسی طرح بند آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔ "روشنی۔ وہ روشنی تھی، مگر ٹیوب لائٹ یا سورج یا چاند کے جیسی روشنی نہیں۔ وہ مختلف قسم کی تھی۔ شاید اسی کو نور کہتے ہیں، مگر وہ صرف نور نہیں تھا، وہ نور کا وجود تھا۔ A being of light۔ آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ کیا اس نے آپ سے بات کی؟" وہ بغور ان کے چہرے کی اذیت دیکھ رہی تھی۔

"جی۔ مگر ایسے نہیں جیسے انسان کرتے ہیں، الفاظ سے نہیں، پھر بھی مجھے سمجھ آ رہی تھی کہ وہ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا، اور یہ کہ مجھے واپس جانا ہو گا۔" انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ "پھر ہر شے ریوائنڈ ہو گئی۔ میں واپس ہوتا ہوا اپنے جسم میں داخل ہو گیا۔ بھاری اور وزنی۔"

"اس وجود کے قریب کیا محسوس کیا آپ نے؟"

"غیر مشروط محبت۔ احساسِ قبولیت۔ علم کی تڑپ۔ وہ سراپا محبت تھا۔ وہ کون تھا؟ اور کیا یہ صرف ایک خواب تھا؟"

"نہیں یہ Near Death Experiance تھا، NDE۔ آپ سمیت دنیا میں ہزاروں لوگ اس سے گزر چکے ہیں۔ چونکہ آپ کی موت کا مقررہ وقت ابھی نہیں پہنچا تھا، اس لیے آپ مر کر بھی زندہ ہو گئے۔" قدرے رکی۔ "رہی بات کہ وہ کون تھا، تو آج تک کوئی

انسان نہیں بتا سکا کہ وہ کون تھا۔ اس تجربے سے گزرنے والے یہود کہتے ہیں کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے، عیسائی کہتے ہیں وہ مسیح ابن مریم تھے، مسلمان کہتے ہیں کہ وہ ملک الموت عزرائیل علیہ السلام تھے، لیکن مجھ سے پوچھو تو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ نورانی وجود جو مر کر زندہ ہونے والوں کو ملتا ہے، وہ کون ہے۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ وہ آپ کو کیا سکھاتا ہے؟" اپنی چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مجھے اب چلنا چاہیے۔"

"آپ خوش نہیں لگ رہیں، جیسے آپ کو جس چیز کی تلاش تھی وہ آپ کو نہیں ملی۔"

آبدار کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ جبراً مسکرائی۔ "کوئی بات نہیں۔ آپ آرام کیجئے۔" اب وہ مسکرا کر الوداعی کلمات کہہ رہی تھی۔

............❖❖❖............

کہ جس ہاتھ میں پتھر، کماں میں تیر نہ ہو ...... کوئی بھی ایسا مرے شہر مہرباں میں نہ تھا

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں اس صبح کھلی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ شہرین سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی اور ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

اندر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا۔ شرٹ کے کالر کھڑے تھے اور میز پہ رکھی تین عدد ٹائیز میں سے ایک اٹھا رہا تھا۔ آہٹ پہ نظر اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ سفید شرٹ اور خاکی پینٹس میں ملبوس' سنہرے بالوں کی اونچی پونی بنائے شہری مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔

"سونی ہم دونوں کو اپنے اسکول فنکشن میں ساتھ ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔ اونہہ گرے ٹائی نہیں جائے گی اس کے ساتھ۔" وہ آگے آئی' اور ہاشم کے ہاتھ سے نرمی سے گرے ٹائی لے کر رکھی' اور بلیو اٹھائی۔ ہاشم نے بس مسکرا کر اسے دیکھا' بولا کچھ نہیں۔ شہری اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"شیرو کی کمپنی کیسی جا رہی ہے؟ میں نے سنا ہے تم دونوں ہارون عبید کے ساتھ شراکت داری کر رہے ہو اس کمپنی میں؟" اس کے کالر مزید کھڑے کیے' اور ٹائی گردن میں ڈالی' پھر گرہ لگانے لگی۔

"تم نے صحیح سنا ہے۔"

وہ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کر گرہ کو اوپر تک لائی۔ "ہاشم!" مٹھاس سے پکارا۔ "سعدی کہاں ہے؟"

"یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے۔ تمہاری بہت دوستی تھی اس سے۔" وہ بھی اسی انداز میں مسکرایا۔

"جس گن سے اسے مارا گیا ہے' وہ گلاک جی فورٹی ون تھی۔ شیرو کے پاس ہے ایسی گن۔ انکار مت کرنا۔" مسکرا کر اس کے کھڑے کالر سیدھے کیے' پھر ٹائی کی ناٹ چیک کی۔ "کہیں یہ نہ ہو کہ میں فارس کو کال کر دوں۔" اب وہ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹائی پن اٹھانے مڑی تو ہاشم نے اپنا موبائل اٹھایا۔ شہری واپس ہوئی' اس کی ٹائی کو شرٹ کے ساتھ پن کے ذریعے منسلک کیا' تو ہاشم نے نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا۔ تیسری گھنٹی پہ فارس کا "ہیلو؟" کمرے میں گونجا۔ ٹائی پن لگاتی شہری نے چونک کر ہاشم کو دیکھا۔ وہ اسی طرح مسکرا رہا تھا۔

"فارس' یار شہری کو تم سے ضروری بات کرنی ہے' اس کے فون کی بیٹری ختم تھی۔ اس کی بات سن لو ذرا!" اعتماد سے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ شہری کے ہاتھ اس کی ٹائی پن پہ ہی جم گئے۔ دم بخود' ساکت۔ فارس "ہیلو؟" کہہ رہا تھا۔ اس نے بدقت تھوک نگلا۔ "ہاں فارس! کیسے ہو؟" زخمی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھتے جبراً مسکرا کر بولی۔ "اکتوبر کے پہلے ویک اینڈ پہ ہماری ہاؤس وارمنگ ہے۔ تم آ سکو گے؟"

"نہیں۔ بزی ہوں۔" ذرا توقف سے بولا۔ "اور کچھ؟"

"نہیں۔ تھینک یو۔" جلدی سے بولی۔ ہاشم نے فون بند کر کے میز پہ ڈالا۔ پرفیوم اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھتے گردن پہ چھڑکا۔ فضا

ایک دم مضطر ہو گئی۔ "تمہارے تو الفاظ ہی غائب ہو گئے شہری! یقیناً اس لیے کہ تمہارے باپ کا سارا کاروبار میرے اوپر تم نے سنا میرے اوپر انحصار کرتا ہے۔ رہی سعدی کی بات' تو اس کو غائب کرنے میں میرا نہیں' تمہارا ہاتھ ہو سکتا ہے' اور اگر تم نے فارس کو کچھ کہنا ہوتا تو بہت پہلے کہہ دیتیں۔ کوٹ؟" کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ شہری نے مرے مرے ہاتھوں سے کوٹ کو سامنے کیا۔ ہاشم نے اس میں اپنے بازو ڈالے' اور پھر اسے کندھوں پہ برابر کرتے اسی طرح بولتا گیا۔

"اور جو گن میں نے شیرو کو گفٹ کی تھی' وہ جی فورٹی فائیو تھی۔ اس کا تمام پیپر ورک میرے لاکر میں موجود ہے۔ سو اگلی دفعہ مجھے بلیک میل کرنے کے لیے کوئی بہتر طریقہ ڈھونڈنا بجائے..." کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس کی طرف گھوما اور مسکرا کر اس کے کندھے پہ لٹکا پرس اتارا۔ بجھے چہرے والی شہری حرکت بھی نہ کر سکی۔ "بجائے میرا اعتراف ریکارڈ کرنے کے۔" پرس سے ریکارڈنگ پہ رکھا سیل فون نکال کر اس کے سامنے لہرایا' اور دروازے تک آیا۔ فیونا کو بلایا۔

"اس کو چولہے میں پھینک دو۔" سیل فون اس کو تھماتے درشتی سے بولا۔ پھر مڑ کر بت بنی شہری کو دیکھا۔

"تم آ رہی ہو یا میں اکیلے جاؤں؟"

"مجھے تمہاری نئی کمپنی میں شیئرز چاہیے۔ تینتیس فیصد۔" بمشکل گردن اکڑا کر بولی۔ ہاشم مسکرایا۔

"شہری..." چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔ "میں تمہیں اپنی کمپنی میں ایک پائی بھی نہیں دینے لگا۔"

وہ باہر نکل گیا اور شہری نے تلملا کر پیر پٹخا تھا۔

⁂

ہم پھر بھی اپنے چہرے نہ دیکھیں تو کیا علاج؟ ...... آنکھیں بھی ہیں، چراغ بھی ہے، آئینہ بھی ہے

اس صبح حنین اسٹڈی ٹیبل پہ اپنی پسندیدہ کتاب درمیان سے کھولے بیٹھی تھی۔ کچھ دن سے وہ اسے باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی اور اٹھاسی فصلیں پڑھنے کے بعد دل پہ گناہوں سے لگنے والے زنگ کو سمجھنے کے بعد بالآخر وہ اس فصل پہنچ گئی تھی جس کا اسے انتظار تھا۔

"باب 89 مرضِ عشق کی دوا!"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے پوری توجہ سے وہ دروازہ ڈھونڈا جو قدیم زمانوں میں لے جاتا تھا' اور پھر اپنے self-hypnosis میں خود کو غرق کرتے ہوئے پٹ کھول دیے...

دوسری جانب ایک روشن دوپہر واضح ہوئی۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ ایک چراگاہ پہ بکھری تھی۔ سبزہ... ہر سو سبزہ۔ اور اس زمردی گھاس پہ سفید' پھولے پھولے سے بھیڑ جا بجا گھاس چرتے دکھائی دے رہے تھے۔ کیا واقعی دمشق میں اتنا سبزہ تھا؟ مگر کوئی بات نہیں۔ یہ حنہ کی دنیا تھی۔ وہ قدم قدم چلتی آئی اور ایک پتھر پہ بیٹھے شیخ کے دائیں جانب آ بیٹھی۔ جھکے کندھوں کے ساتھ اس نے محض اتنا کہا۔

"میں آ گئی ہوں۔ مجھے بتائیے۔ کیا ہے میرا علاج؟"

شیخ اپنے سفید سرمئی لباس میں بیٹھے تھے۔ نگاہیں دور چرتے بھیڑوں پہ تھیں۔ ہلکا سا بولے۔

"وقف الهوى بي حيث انت فليس لي.

متاخر عنه ولا متقدم"

(تیری محبت نے مجھے وہاں لا کھڑا کیا ہے جہاں تو ہے۔

اب یہاں سے مجھے نہ کوئی پیچھے ہٹا سکتا ہے نہ آگے بڑھا سکتا ہے۔)

"درست۔ میں بھی ایسے ہی نقطے پہ کھڑی ہوں۔" وہ بھی سامنے دیکھنے لگی۔ "میرا دل جل رہا ہے' میں بے چین ہوں' مضطرب

ہوں۔ کیا اس قاتل جادو کے اتار کا کوئی منتر ہے؟ میرے دل میں یہ مرض مستمر (پرانا، مسلسل چلے آنے والا مرض) اپنی جگہ بنا چکا ہے اور میں اپنا دل کھو چکی ہوں۔ کیا میں پھر سے اپنے دل کی مالک بن سکتی ہوں؟ وہ گناہگار ہے، قاتل ہے، پھر بھی میں اس سے نفرت نہیں کر پا رہی۔"

"مریضِ محبت کو سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیے لڑکی، کہ کسی شخص کے قبضے سے اپنا دل چھڑانے کے لئے اس کو "بھولنا" یا اس سے نفرت کرنا ضروری نہیں۔"

"بھولے بغیر موو آن کیسے کیا جائے پھر؟"

"اس کا علاج کر کے۔ انسان کو چاہیے کہ اس مرض کو یا تو پیدا نہ ہونے دو، لیکن اگر پیدا ہو چکا ہے تو اس کے علاج کے دو طریقے ہیں۔ آج میں تمہیں پہلا طریقہ سمجھاتا ہوں۔"

"اور کیا گارنٹی ہے کہ میں یہ کروں گی تو میرا دل مجھے واپس مل جائے گا؟"

"یہ تمہارے اوپر منحصر ہے کہ تم کتنے اچھے سے دوا لیتی ہو۔"

اس کا دل پھر سے شکوک و شبہات کا شکار ہونے لگا۔ سات سو سال پرانے شیخ کو کیا معلوم موبائل، انٹرنیٹ، آئل کارٹیلز، پاکستان کے مرڈر ٹرائلز اور ان سارے مسئلوں کا جو اسے درپیش تھے۔ مگر پھر بھی اس نے سننا چاہا۔ شیخ کا پہلا توڑ۔

"غضِ بصر۔"

"آ... مطلب؟" اسے عربی بھول بھال گئی تھی۔

"اپنی نگاہ کو پست رکھو، نگاہ کی حفاظت کرو۔ اس کو نہ دیکھو جس کی وجہ سے دل کھویا ہے۔" حنین نے حیرت سے ان کو دیکھا جن کی نگاہیں سامنے تھیں۔ بھیڑ چراگاہ میں چر رہے تھے۔ ہوا چل رہی تھی، مگر حنہ کا دماغ الجھ گیا۔

"نگاہ پست کرنے سے کیا ہوگا؟"

"دس فائدے ہیں۔ سنو گی؟" شیخ نے مسکرا کر چہرہ اسکی طرف موڑا۔ حنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پہلا۔ یہ اللہ کا حکم ہے، اور جو بھی انسان فلاح پاتا ہے، وہ حکم الٰہی مان کر ہی فلاح پاتا ہے، اور جو ناکام ہوتا ہے، وہ حکم نہ ماننے کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے۔"

حنین مزید توجہ سے سننے لگی۔

"دوسرا فائدہ۔ اس کی نظر جو زہر آلود تیر تمہارے دل تک پہنچا کر تمہارا دل ہلاک کرتی ہے، آنکھ کی حفاظت سے وہ تیر تمہارے دل تک نہیں پہنچے گا۔" وہ انگلیوں پہ گنوا رہے تھے۔

"سوئم۔ نظر کی حفاظت سے دل میں پوری توجہ سے اللہ کے لئے محبت پیدا ہوتی ہے، ورنہ جن لوگوں کی نگاہ آزاد اور آوارہ رہتی ہے، ان کا دل منتشر رہتا ہے۔ آزاد نگاہی بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔"

"صحیح!" وہ بالکل محو ہو کر سن رہی تھی۔

"چہارم۔ آنکھ کی حفاظت سے دل مضبوط اور پرسکون رہتا ہے اور آزاد نگاہی یعنی ہر غلط چیز یا شخص کو دیکھ لینے سے دل مغموم رہتا ہے۔"

"پنجم۔ نگاہ پست رکھنے سے دل میں "نور" پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ سورۃ نور میں اللہ نے غضِ بصر کی آیت کے بعد ہی آیتِ نور پیش کی؟ کیونکہ دل میں نور نظروں کو حفاظت سے داخل ہوتا ہے، اور جب دل نورانی ہو جائے تو ہر طرف سے خیر اور برکت اس انسان کی طرف دوڑتی ہے۔ اور جن کے دل اندھیر ہوں، ان کو شر اور تکالیف کے بادل گھیرے رکھتے ہیں۔"

چراگاہ اور اس کے اجلے اجلے بھیڑ' ہر چیز حنین کے ذہن سے محو ہو چکی تھی اور وہ مکمل یکسوئی سے سن رہی تھی۔ بوڑھا استاد کہہ رہا تھا۔

''ششم۔ تم اللہ کا اصول جانتی ہو۔ اس کے لئے جو چھوڑو گے' وہ اس سے بہتر عطا کرے گا۔ تم ''نگاہ'' چھوڑو وہ بدلے میں ''نگاہ'' عطا کرے گا۔ وہ تمہیں بصیرت دے گا' فہم وفراست کی نگاہ عطا کرے گا' اور تمہاری فراست کبھی خطا نہیں ہوگی۔ مومن اسی نگاہ کی وجہ سے ایک سوراخ سے دوسری بار نہیں ڈسا جاتا۔''

حنین کے دل کی گرہیں کھل رہی تھیں۔

''ساتویں چیز۔ آزاد نگاہی سے انسان ذلیل ہوتا ہے' اپنے نفس کے قدموں میں خود کو رول کر بے توقیر کر دیتا ہے' مگر جو نگاہ کی حفاظت کرتا ہے اللہ اس کو عزت دیتا ہے' لوگوں میں بھی' فرشتوں میں بھی۔'' وہ سانس لینے کو رکے۔

''آٹھویں بات۔ نگاہ کے ذریعے شیطان اتنی تیزی سے دل میں جا پہنچتا ہے جتنی تیزی سے کسی خالی جگہ میں خواہشات بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ امیدیں دلاتا ہے' گناہوں کی توجیہات پیش کرتا ہے' اور انسان گناہ کی آگ میں یوں جلتا ہے جیسے کسی بکری کو تنور میں ڈال کر بھون جائے۔ اسی لئے شہوت پرستوں کو قیامت کے دن آگ کے تنوروں میں ڈالا جائے گا۔''

''اوہ۔'' وہ چونکی۔ ''یہ جو جہنم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں' یہ گناہوں کو symbolize کرتی ہیں' جیسا گناہ اسی شکل کی سزا؟''

شیخ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''نویں چیز۔ غض بصر سے دل کو قرآن پہ غور وفکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ورنہ جن کی نگاہیں آوارہ ہوں' ان کے دل اتنے پھنسے اور الجھے ہوتے ہیں کہ یہ فراغت ان کا مقدر نہیں بن سکتی۔''

''آخری یعنی دسویں چیز!'' انہوں نے گہری سانس لی۔ ''انسان کے دل اور آنکھ کے درمیان ایک سوراخ ہے' ایک راستہ ہے۔ جس کام میں آنکھ مشغول' اسی میں دل مشغول ہوتا ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے' ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی نگاہ کو صاف رکھو' اس شخص کو نہ دیکھو جس کی طرف دل ہمکتا ہے' کیونکہ یہ تمہارے لئے حرام ہے۔ اگر حلال ہوتا تو ٹھیک تھا لیکن حلال نہیں ہے۔ سو جب اپنی نگاہ کی مالک بن جاؤ گی تو دل کو بھی واپس حاصل کر لو گی۔ یہ پہلا طریقہ کرو۔''

حنین نے کتاب بند کی تو قدیم زمانوں کا فسوں' سبز چراگاہ' اور اجلے بھیڑ' سب غائب ہو گئے' آنکھیں موند کر اس نے کتاب پہ سر رکھ لیا۔ وہ صبح شام کھڑکی سے ہاشم کی بالکونی دیکھا کرتی تھی' وہ کب آتا ہے' کب جاتا ہے' اسے ساری خبر تھی۔ کیونکہ نگاہ وہیں لگی تھی۔ یہ نظر ہوتی ہے جو اونٹ کو ہانڈی اور انسان کو قبر تک پہنچاتی ہے۔ کیا نظر بد والی حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا؟ وہ کسی اور دنیا میں گم سوچے جا رہی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

میں اپنے باپ کا یوسف تھا اس لیے محسن ...... سکون سے سو نہ سکا، بھائیوں سے ڈرتا رہا

سعدی یوسف کے زنداں خانے میں خاموشی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ کھڑا قلم سے ایک لکیر لگا رہا تھا۔ نیلی جینز پہ سبز ٹی شرٹ پہنے تھا وہ اب پہلے سے دبلا لگتا تھا۔ میری نے میز پہ کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہاں کونے میں کئی اور لکیریں بھی لگی تھیں۔ چار ماہ اور دو دن۔ وہ قید کے دنوں کا یوں حساب رکھتا تھا۔

''کیا آج ہماری عید ہے' میری؟'' میز کی طرف آتے اس نے اداسی سے پوچھا۔

''نہیں' کل ہے۔''

(مجھے یہاں چار ماہ سے ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک کوئی میرے لیے نہیں آیا۔ کیا واقعی میرے گھر والے میرے لیے کوشش کر رہے ... بھول گئے؟) سوچتے ہوئے وہ بے دلی سے کھانا شروع کرنے لگا۔ پھر رک کر اسے دیکھا۔

"میری انجیو... رات کو کیا ہوا تھا؟ تم پڑھتے پڑھتے اس کاؤچ پہ سو گئی تھیں' پھر نیند میں ایک دم سے اٹھیں اور باہر چلی گئیں۔ دیکھو تمہارے ادھر آنے پہ اعتراض نہیں۔ اگر تو میں تمہیں پسند آ گیا ہوں تو میرے جیسے ہینڈسم لڑکے..."

"بکومت... تم میرے بیٹے سے چند سال ہی بڑے ہو گے۔" خفگی سے اسے جھڑکا۔ پھر تکان سے کنپٹی سہلائی۔ "میں سونے جا رہی ہوں' گارڈ برتن لے جائے گا۔" اسے پتہ تھا کہ میری کے سوا وہ کسی کو اپنے کمرے میں برداشت نہیں کرتا۔

"اگر تم نے رات کو کوئی برا خواب دیکھا ہے تو بتاؤ، میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، یا صاحب الجن!"

"خود کو جوزف بجھنا چھوڑ دو اور کھانا کھاؤ۔" درشتی سے ٹوکتی وہ سامنے بیٹھ گئی۔ مگر سعدی نے کھانا ڈھک دیا۔

"کون سا خواب ہے جو تمہیں اکثر رات کو نیند سے جگا دیتا ہے؟"

میری کچھ لمحے خاموش رہی، پھر بولی تو لہجہ ذرا نرم تھا۔ "پہلے نہیں... پہلے تو میرے بیٹے کا ہی خیال آتا رہتا تھا۔ اس کا علاج ہاشم کروا رہا ہے نا۔ مگر جب سے میں نے تمہیں وہ نیکلیس والی بات بتائی ہے' وہ سب یاد آنے لگا ہے۔ جب مسز کاردار نے علاج کی رقم دینے سے انکار کیا تو کیسے فیونا میری ہمدرد بن کر مجھے اکسائی تھی کہ ان کا نیکلیس چرا لوں۔ اس کو ان کے جیولری باکس کا کوڈ بھی معلوم تھا۔"

"اسے کیسے پتہ تھا؟" وہ چونکا۔

"صاف بات ہے' مسز کاردار مجھے نوکری سے نکالنا چاہتی تھیں' مگر کانٹریکٹ کے تحت میرا دوورانیہ رہتا تھا' ابھی' سوفیونا نے ان کے ایما پہ سارا کھیل ترتیب دیا۔ میں نے چوری کر ڈالی اور ڈی پورٹ ہونے کے قریب تھی کہ تمہاری وجہ سے ہاشم مجھے یہاں لے آیا۔"

"مسز کاردار کو کانٹریکٹ سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"ہاشم بلا وجہ ان کو اپنے باپ کی ملازمہ کو نہ نکالنے دیتا۔"

"مطلب؟" وہ الجھا۔

"ان میاں بیوی کے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے۔ اورنگزیب کاردار مجھ سے جواہرات پہ نظر رکھواتے تھے' وہ اسی لئے مجھ سے بدظن رہتی تھیں۔ حالانکہ ان کی پسند کی شادی تھی۔ جواہرات نے اپنے ایک بے حد چاہنے والے کو ٹھکرا کر اورنگزیب سے شادی کی' اورنگزیب کی پہلی شادی بھی تڑوائی' اس سے اورنگزیب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ جواہرات نے اورنگزیب کو دو بیٹے دیے۔ دولت دی۔ مگر اب وہ ایک دوسرے سے بیزار آ چکے تھے۔"

"تمہیں یہ سب کیسے پتہ ہے؟"

میری مسکرائی۔ "بے وقوف لڑکے' میں اس گھر کی ملازمہ رہی ہوں' مالک سمجھتے ہیں جیسے ہماری زبان نہیں' ویسے ہمارے کان بھی نہیں ہیں۔ مگر ہم ہر کھانے پہ ہر چائے پہ موجود ہوتے ہیں۔ گھر کے سارے راز ہمارے سینوں میں دفن ہوتے ہیں۔"

"واہ۔ خیر، کیا چیز تمہیں ڈسٹرب کرتی ہے؟"

"وہ رات جب اورنگزیب کاردار کی موت ہوئی۔" اس نے جھرجھری سی لی۔ "شاید اندر سے میں خود اتنے برس مسز کاردار کی محبت کی ایک پکار کی منتظر رہی ہوں۔ اس رات زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ انہوں نے مجھ سے مسکرا کر بات کی تھی۔ میں اوپر ہاشم کی بالکونی میں سے دیکھ رہی تھی' ساتھ فون پہ اپنے بیٹے سے بات کر رہی تھی۔" وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔ "وہ نیچے اپنے باتھ روم کے دروازے سے' جو پچھلے آمدے میں کھلتا تھا' باہر نکل رہی تھیں۔ ان کو سردی میں دیکھ کر مجھے فکر ہوئی' میں نے ان کو کچھ گرم اوڑھنے کا مشورہ دیا۔ وہ مسکرائی تھیں۔ پھر اورنگزیب کے لیے کافی لانے کا کہا۔ سب اچھا تھا۔ مگر کچھ وقت بعد اورنگزیب صاحب کی موت..." جھرجھری لی۔ "اس کے بعد سعدی وہ کبھی میرے ساتھ اچھی نہیں رہیں۔ ہر وقت ترش اور خفا۔ سعدی میں نے گیارہ سال ان لوگوں کی خدمت کی۔ مگر ان میں سے کسی نے

گیارہ منٹ انٹرنیٹ پہ میرے بیٹے کے کیسز کو سرچ نہیں کیا۔ صرف تم نے احساس کیا تھا میرا۔ کاش میں نے تمہارے آگے اس قصر کا دروازہ کبھی نہ کھولا ہوتا۔"

"میری!" وہ ہمدردی سے آگے ہوا۔ "تم اس رات کو اس لیے بار بار دیکھتی ہو کیونکہ تم نے اورنگزیب کاردار جیسے اپنے ایک بھائی کو کھویا تھا۔ تم دل سے چاہتی ہو کہ وہ واپس آ جائیں۔ اور کچھ نہیں۔"

"کیا میرے خواب کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، جوزف؟" اسے مایوسی ہوئی۔

"اگر ہم قدیم مصر کے قید خانے میں ہوتے اور میرے ساتھ فرعون کی کنیز قید ہوتی تو تمہارا خواب بہت قیمتی ہوتا۔ اس کے بدلے میں یا تو تمہیں سزائے موت دی جاتی اور پرندے تمہارا سر نوچ کھاتے، یا تم ایک دفعہ پھر سے شاہی محل جا کر ملکہ اور اس کے بیٹوں کی خدمت کرتیں۔ مگر نہ میں جوزف ہوں، نہ مجھے خواب کی تعبیر بتانی آتی ہے، میں تو تمہارا دل ہلکا کرنا چاہتا تھا۔"

میری نے غیر مطمئن انداز میں سر ہلایا مگر اٹھتے ہوئے وہ ناخوش لگ رہی تھی۔ شاید یہ کچھ اور تھا جو اسے ہمیشہ سے الجھاتا تھا۔

............❖❖❖............

میں اپنے ڈوبنے کی علامت کے طور پر ...... دریا میں اک آدھ بھنور چھوڑ جاؤں گا

جسٹس سکندر کے ڈرائنگ روم میں زرد بتیاں جلی تھیں۔ ٹی وی اسکرین پہ مسلسل وہی خبر چل رہی تھی۔ سامنے ٹہلتے جسٹس صاحب نے غصے سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔ پھر ہاشم کو دیکھا جو ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا تھا، بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا اور ناخوشی کے باوجود خود کو پرسکون رکھے ہوئے تھا۔

"میرا گھر سے نکلنا تک عذاب کر دیا ہے رپورٹرز نے۔ آپ کو تو کسی نے یہاں آتے نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔ خاور نے کالونی خالی کروا دی تھی پولیس سے۔" ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ تبھی خاور اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کیا اور جسٹس صاحب کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"یہ سب نہ ہوا ہوتا سر اگر آپ ہیں مئی کو مجھے پوری بات بتاتے۔ آپ نے بتایا کہ سعدی آپ کو آپ کے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات اور آپ کے افیئر کی تصاویر کے ساتھ بلیک میل کر رہا ہے جو اسے آپ کے کمپیوٹر سے ملی تھیں۔"

"یہ سچ ہے۔ اس نے میرے کمپیوٹر کے ری سائیکل بن سے منافی ہوئی چیزیں نکال لی تھیں۔" وہ سچ کہہ رہے تھے۔

"اور ویڈیو؟ اس ویڈیو کا کیوں نہیں بتایا آپ نے؟"

جسٹس سکندر نے سر جھٹکا اور آگے پیچھے ٹہلنے لگے۔ وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہے تھے۔

ہاشم نے قدرے ٹھنڈے انداز میں پکارا۔ "وہ ویڈیو سعدی کو کہاں سے ملی تھی۔"

"میں نہیں جانتا..."

"کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ اب کس کس کے پاس ہوگی؟ کیونکہ میرے خیال میں یہ فارس غازی کا کام ہو سکتا ہے۔" ہاشم پریقین تھا۔

"اونہوں۔" جسٹس سکندر نفی میں سر ہلاتے سامنے صوفے پہ بیٹھے۔ "وہ دماغ سے نہیں، ہاتھوں سے سوچتا ہے۔ اتنی لمبی پلاننگ وہ نہیں کر سکتا۔"

ہاشم اور خاور نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ہاشم نے گہری سانس لی۔ "وہ میرا کزن ہے۔ میں برسوں سے اس کو جانتا ہوں۔ یہ اسی کا کام ہے۔"

"اس لڑکے نے کہا تھا کہ یہ ویڈیو صرف اس کے وکیل کے پاس ہوگی۔ اگر سعدی کو کچھ ہوا تو وکیل اس کو ریلیز کر دے گا۔" خاور نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ہاشم کے بھی ابرو بھینچے۔

''کون ہے اس کا وکیل؟''

''زمر یوسف نہیں ہے' کوئی اور ہے۔''

''تو سر اس نے چار ماہ انتظار کیوں کیا؟'' خاور کو الجھن ہوئی۔ ''اگلے ہی دن ویڈیو کیوں نہ ریلیز کر دی؟''

''وہ (گالی) میرے ہائیکورٹ جج بننے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں کوئی عام جج نہیں ہوں، میرا بھائی سیکرٹری ہے، سیاسی خاندان ہے میرا۔ اور اب اس (گالی) کی وجہ سے مجھے استعفیٰ دینا پڑ رہا ہے۔ مجھے نہیں پتہ ہاشم' لیکن لڑکا تمہارے پاس ہے' اس سے پوچھو کہ ویڈیو کس نے ریلیز کی ہے' اس سے پوچھو ورنہ اگر میں ڈوبا تو یاد رکھنا' تم سب کو لے ڈوبوں گا۔'' وہ غصے سے انگلی اٹھا کر کہہ رہے تھے۔ ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر دھیرج کا اشارہ کیا۔

''آرام سے یور آنر۔ ہارون عبید اور ہاشم کاردار جیسے دوستوں کی موجودگی میں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔''

مگر واپس کار میں بیٹھتے اس نے خاور سے کہا تھا۔

''سعدی سے اس وکیل کے بارے میں پوچھنا ہوگا۔''

''آپ کو نہیں سر' مجھے پوچھنا ہوگا۔'' خاور سختی سے بولا تو ہاشم نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔

''جو بھی پوچھنا منہ زبانی پوچھنا۔ اسے کسی قسم کا ٹارچر مت دینا۔'' خاور اس بات سے شدید کوفت کا شکار ہوا مگر خاموش رہا۔ اسے فارس سے زیادہ وکیل پہ شبہ تھا۔

..................❖❖❖..................

میں جب بھی عالمِ حیرت میں آئینہ دیکھوں؟ ...... ہزار نیزوں پہ اپنا ہی سر نظر آئے

انیکسی پہ دم توڑتے ستمبر کی وہ رات قدرے حبس آلود اتر رہی تھی۔ نیچے تہہ خانے میں زمر چند کاغذات کھول کھول کر دیکھ رہی تھی اور فارس ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے فون پہ بات کر رہا تھا۔ حنین انگلی سے میز پہ لکیریں بنا رہی تھی۔

''خلجی صاحب نے بھی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ سعدی کا وکیل کون تھا۔'' فارس نے فون رکھا تو زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ بلیک پینٹ پہ گرے شرٹ پہنے، وہ چھوٹے کٹے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے الجھا الجھا لگ رہا تھا۔ ''ہو سکتا ہے فارس، سعدی نے جھوٹ بولا ہو' اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔''

''نہیں' اس نے کسی کو تو بتایا ہوگا۔'' وہ مطمئن نہیں تھا۔

حالانکہ بھائی کو یہ سب ہمیں بتانا چاہیے تھا۔ حنین نے صرف سوچا، مگر شاید اس کا ذمہ دار سعدی نہیں وہ اور زمر تھیں۔

''ویڈیو کی فارنزک جلد آ جائے گی۔ جج مستعفی ہو جائے گا مگر وہ کبھی گرفتار نہیں ہوگا' ویڈیو جعلی اور اے ڈی پی کی موت طبعی قرار دے دی جائے گی۔ کچھ دن بعد میڈیا نیا ایشو پکڑ لے گا اور اس کو سب بھول جائیں گے۔ ویلکم ٹو پاکستان!''

''ابھی تک سوائے پولیس کے' کوئی کھل کر جج کی حمایت میں سامنے نہیں آیا۔ دیکھتے ہیں...'' ان دونوں کی باتوں سے حنین کو بوریت ہونے لگی تو اوپر چلی آئی۔

کل عید تھی۔ اس دفعہ حنین نے نئے کپڑے نہیں لیے تھے۔ امی سعدی کے لیے بھی نئے کپڑے نہیں لائی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں۔

وہ کچن کی گول میز پہ آ بیٹھی۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور بڑے ابا قریب بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ندرت اس کے ساتھ آ بیٹھیں۔

''شبنم باجی کے ہاں سے کارڈ آ گیا ہے۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ان کے بیٹے کی شادی ہے۔ سوچ رہی ہوں ولیمہ بھگتا آؤں ذکیہ

خالہ اور سارہ کے ساتھ۔"

"امی! آپ کا جانا ضروری ہے کیا؟" وہ سوچ میں ڈوبی بولی۔ بڑے ابا نے چونک کر کتاب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اے لو۔ ضروری کیوں نہیں؟ خاندان کا معاملہ ہے۔ پھر کچھ دینا دلانا بھی پڑتا ہے۔"

"اُف امی! پوری بات تو سنیں۔" وہ جھلائی۔ "آپ کا بھی شائستہ خالہ سے وہی رشتہ ہے نا جو فارس ماموں کا ہے؟"

"ہاں تو؟"

"تو ماموں سے کہیں نا کہ وہ چلے جائیں۔" ابا اسے دیکھتے زیر لب مسکرائے۔ مگر ندرت نہیں سمجھی تھیں۔

"اس کو کیوں تنگ کروں حنین؟ وہ بے چارہ پہلے ہی کام میں مصروف رہتا ہے' اس کے پاس وقت کہاں ہوتا ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں امی۔ ان کے پاس وقت نہیں ہوتا' کیونکہ وہ پچھلے چار ماہ سے سعدی بھائی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ امی! وہ لوگ اپنی شادی کے بعد ایک دفعہ بھی باہر کھانا کھانے نہیں گئے۔ کبھی ساتھ گھومنے نہیں گئے۔ سعدی بھائی کے ساتھ یہ سب انہوں نے نہیں کیا۔ پھر ہم کیوں سارا بوجھ ان دونوں پہ ڈال دیں۔ اور ان کو کوئی اسپیس ہی نہ دیں۔"

ندرت چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ "مجھے تو خیال ہی نہیں آیا۔"

"مگر مجھے تو آ گیا نا۔ اب سنیں۔" پرجوش سی رازداری سے کہنے لگی۔ "آپ کہہ دیں ماموں سے کہ آپ کے گھٹنوں میں درد ہے' اور آپ نہیں جا سکتیں سو وہ چلے جائیں۔ آگے سے وہ کہیں گے' اچھا میں حنین اور سیم کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ آپ کہنا' کوئی ضرورت نہیں' اپنی بیوی کو لے کر جاؤ۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے' بلکہ صرف زمر پھپھو کو دیکھیں گے' وہ خود ہی کہہ دیں گی کہ میرا تو کورٹ میں فلاں کام ہے' آپ کہنا' ہفتہ کی شام کون سا کورٹ ہوتا ہے؟ پھر دو تین جذباتی ڈائیلاگ بولنا کہ میرا سعدی ہوتا تو وہی چلا جاتا' ساتھ آنکھوں میں آنسو بھی لے آنا' جیسے دادی کے سامنے ایکٹنگ کرتی تھیں ویسے ہی' بس پھر دونوں مان جائیں گے۔" چٹکی میں مسئلہ ہی حل کر دیا حنین نے۔ ندرت کا بس جوتے پہ ہاتھ جاتے جاتے رہ گیا۔ بڑے ابا مسکرا کر کتاب پڑھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد کھانے کی میز کے گرد سب بیٹھے تھے اور خاموشی سے کھانا کھایا جا رہا تھا' تبھی ندرت نے بات چھیڑی۔

"فارس۔ شبنم باجی کے بیٹے کا ولیمہ ہے اگلے ہفتے۔ تمہارا الگ کارڈ بھیجا ہے۔"

اس نے لقمہ لیتے ہوئے محض سر ہلا دیا۔

"میرے گھٹنوں میں بہت درد ہے آج کل' ایسے کرو تم چلے جاؤ' صرف چند گھنٹوں کی ہی تو بات ہے۔" فارس نے رک کر انہیں دیکھا۔ بڑے ابا مسکرا کر چہرہ جھکائے ہوئے تھے۔

"میں؟"

"میں نہ کہتی مگر جانا ضروری ہے' اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" فارس کی نظریں حنین کی طرف اٹھیں۔ "حنہ اور سیم کو ساتھ بھیج دیں پھر..."

بے خبر سیم کا چہرہ کھل اٹھا۔ "ہیں؟ سچی؟ کب جانا ہے؟" حنین نے زور سے اس کے پاؤں پہ اپنا جوتا مارا' اس کی بولتی بند ہوئی' پھر بے چارگی سے فارس کو دیکھا۔ "سوری ماموں' میرے ایگزامز ہیں۔"

"ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے' انہوں نے تمہیں زمر کے ساتھ بلایا ہے' تو تم دونوں میاں بیوی چلے جاؤ نا۔"

زمر نے نوالہ منہ میں رکھتے چونک کر انہیں دیکھا۔ پھر فارس کو۔ اس نے بھی زمر کو دیکھا تھا۔ پھر سنبھل کر بولی۔

"بھابھی! میں ضرور جاتی' مگر کورٹ میں میری ایک ضروری سماعت ہے اور..."

فارس کو چند ماہ لگے تھے یہ سب حاصل کرنے میں۔ اسے یہ سب کس نے دیا، اس شخص کا قصہ تم بعد میں سنو گے، ابھی اتنا جان لو کہ سرمد شاہ کی ماں متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اس کا ماموں جو آئی جی کے عہدے پہ فائز تھا' وہ امیر بھی تھا اور بارسوخ بھی۔ نہ صرف اس نے اپنی بیٹی (شہزا ملک کی بڑی بہن عائزہ) سے سرمد شاہ کی شادی کی بلکہ اس کا کیریئر بھی بنوایا۔ اس کو اپنے طبقے میں پیر جمانے دیے۔ سرمد شاہ نے ان سب کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ وہ شیشہ توڑنے کے لیے سنگ، فارس کی جیب میں تھا۔

پی کیپ والا سر جھکا کر بیٹھے وہ گزرے سالوں کو سوچ رہا تھا۔ پھر ایک لمحہ ہر یاد پہ حاوی ہونے لگا۔ ارد گرد موجود "حال" تحلیل ہو کر ماضی میں بدلنے لگا۔۔۔

وہ سفید کرتے میں ملبوس اس کال کوٹھڑی میں تھا۔ اس کے ہاتھ دیوار کے ساتھ اونچے بندھے تھے۔ آنکھیں بند کیے سختی سے دانت پہ دانت جمائے وہ یوں کھڑا تھا کہ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ چہرے پہ اذیت کے آثار تھے۔ ایک سپاہی یکے بعد دیگرے اس کی کمر پہ ہنٹر سا مارتا تھا۔ سرمد شاہ بھی وہیں کھڑا تھا۔ یونیفارم کی بجائے سفید ٹی شرٹ پہنے وہ پسینے میں تر تھا۔ ایک دم لپک کر فارس کی گردن دبوچی۔

"مجھے تمہارا اقبالی بیان چاہیے۔ غازی!"

"میں نے۔۔۔ قتل۔۔۔ نہیں کیا۔" وہ بند آنکھوں سے نڈھال سا بولا تھا۔ جواب میں سرمد شاہ زور زور سے چیخنے لگا تھا۔۔۔

ویٹر نے پیالی میز پہ رکھی تو فارس چونکا۔ ماضی تحلیل ہوا۔ وہ ریسٹورانٹ میں بیٹھا تھا' کھڑکیوں پہ بوندیں شور کر رہی تھیں، ماحول نم اور ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایسے میں اس نے بھاپ اڑاتی کافی کی پیالی لبوں سے لگائی۔

لابی میں سے گزرتے لوگ اب بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بل پہ کر کے اٹھا' اور سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے چلا گیا۔ ذہن میں ہر وہ لمحہ گزر رہا تھا، وہ جیل کے اذیت ناک ماہ و سال، اور وہ اس رات ہسپتال میں گزرے چند گھنٹے۔۔۔ جب ان کے ہاتھوں سے اس اے ایس پی نے سعدی کو غائب کروا دیا تھا۔ نفرت، غصہ، انتقام، وہ ہر جذبے میں گھرا آگے بڑھتا گیا۔

متعلقہ ہال کے داخلی حصے سے اندر کی رنگا رنگ تقریب نظر آ رہی تھی۔ کونے میں رک کر فارس نے' دور کھڑے آئی جی صاحب کے ساتھ بات کرتے سرمد شاہ کو دیکھا۔ وہ سوٹ میں ملبوس تھا' اور مسکرا کر خوش باش سا اپنے سسر کے ساتھ مگن تھا۔ فارس کی تپتی سرد نظریں اس سے ہوتیں' مرکزی دیوار تک جا رکیں۔

"ہیپی برتھ ڈے ارسم شاہ۔" وہاں لکھا تھا۔

ایک دم فارس کی نظروں میں الجھن ابھری۔ اس نے آگے پیچھے دیکھا۔ غبارے' پھول' اور اونچی سی کیک ٹیبل۔ مہمانوں میں جا بجا نظر آتے بچے۔ ڈوپیس اور ٹائی میں کھڑا پیارا سا سات سالہ بچہ۔ جو سرمد شاہ کی بیوی عائزہ کے ساتھ کھڑا تھا۔

(تو وہ خاندانی تقریب سالگرہ کی تھی؟)

فارس بالکل سُن سا ہو کر اس بچے کو دیکھے گیا۔ بچہ بہت پیارا تھا۔ اس کے ہونٹ گلابی اور آنکھیں کانچ جیسی تھیں۔ شرما کر، مسکرا کر وہ اپنے جیسے کم عمر بچوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ کسی ننھے شہزادے کی طرح۔ اس کی کانچ سی آنکھوں کی معصومیت ایک دم ہر شے، ہر جذبے پہ حاوی ہونے لگی۔

فارس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ سرد پن غائب ہوا۔ آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ پھر ایک دم وہ مڑا۔

ہوٹل کے کچن کی پشت پہ جب وہ پہنچا تو ایک کیٹرر اس کا منتظر تھا۔

"لائیں پیکٹ دیں، میں ارینج کر دوں گا۔" ادھر ادھر دیکھتے رازداری سے بولا۔

"نہیں۔ ابھی نہیں۔" وہ بے سکون لگ رہا تھا۔

کیٹرر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ نے ایک مہینہ مجھے تنخواہ دی اس کام کے لئے اور اب؟"

"میں نے کہا نا ابھی نہیں۔ تم جاؤ کام کرو۔" اور واپس پلٹ گیا۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا' بارش مسلسل برس رہی تھی۔ حنین اور زمر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھیں۔ وہ لاک بند کر کے آگے آیا تو پانی میں بھیگا ہوا لگتا تھا۔ جانے کتنی دیر سڑک کنارے بارش میں چلتا رہا تھا۔

حنین اسے دیکھ کر بے قراری سے اٹھی۔ "کیا بنا اس آدمی کا جس نے میرے بھائی کو ہماری نظروں کے سامنے ہسپتال سے غائب کروایا تھا؟"

فارس نے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ حنین نے ناسمجھی سے زمر کو دیکھا۔ وہ خود بھی چونکی تھی۔ پھر فوراً پیچھے گئی۔ وہ کمرے میں کھڑا گھڑی اتار رہا تھا۔ زمر سامنے آئی۔

"کیا بنا؟"

"میں نے..." وہ چپ ہوا۔ گھڑی اتار کر میز پہ رکھی۔ پھر پیکٹ نکال کر ساتھ رکھا۔ "میں نے نہیں کیا۔"

"کیا مطلب نہیں کیا؟" وہ حیران سی رہ گئی۔

"وہ اس کے بچے کی سالگرہ تھی۔ اس کا بیٹا وہاں موجود تھا۔" وہ اب صوفے پہ بیٹھا سر جھکائے جوگرز کے تسمے کھول رہا تھا۔

"تو؟"

"تو یہ کہ وہ ایک سات سال کا بچہ تھا۔" اس نے جوگرز اتارے۔

"تمہیں اس پہ رحم آ گیا؟" زمر کو آگ لگ گئی تھی۔ "کیا تم وہ سب بھول گئے جو اس نے ہمارے خاندان کے ساتھ کیا؟"

"زمر بی بی... میرا دماغ اس وقت خراب مت کریں۔ میں اس بچے کے سامنے اس کے باپ کا کردار نہیں کھول سکتا تھا۔" وہ ایک دم غصے سے اس کے سامنے آیا۔ "تقریب میں سارے لوگ اس کے باپ پہ پل پڑتے' وہاں ایسی ایسی باتیں کی جاتیں جن کو وہ بچہ کبھی نہ بھولتا۔ اس کا باپ اس کی ماں سے بے وفائی کر رہا ہے' اس سے جھوٹ بولتا رہا ہے' وہ کبھی نہ بھولتا۔ وہ ساری زندگی کسی محبت' کسی رشتے کا اعتبار نہ کرتا۔ ہر انسان کا باپ اس کے لئے آئیڈیل ہوتا ہے' آئیڈیل ٹوٹنے سے اس کی شخصیت بھی ٹوٹ جاتی ہے۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ کھڑکی پہ بارش تڑتڑ برس رہی تھی۔ زمر نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"تمہاری سوتیلی ماں نے بھی ایسا ہی کیا تھا نا!" کوئی برف کا اولہ سا زور سے کھڑکی پہ گرا تھا۔

"مجھے درمیان میں مت لائیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"تم خود اپنے آپ کو درمیان میں لائے ہو۔ جو سرمد شاہ نے کیا' وہ اس کے ذمے ہے۔ اس کے بچے کو کبھی نہ کبھی پتہ چل جائے گا۔ یا تم اسے معاف کر رہے ہو؟"

"میں کسی کو معاف نہیں کر رہا۔ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ یہ چیز کسی اور طریقے سے کسی اور وقت کی جا سکتی ہے۔ بعد میں وہ اپنے بچے کو کیسے ڈیل کرے' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے' لیکن آج کی اہانت کی وجہ میں نہیں بننا چاہتا۔ میرا انتقام میری بیماری نہیں ہے' نہ اس نے مجھ سے میری انسانیت چھینی ہے۔" وہ مڑا اور خشک کپڑوں کے لیے الماری کھول لی۔

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ "تم غلطی کر رہے ہو اور تم اس کے لئے بہت پچھتاؤ گے۔"

وہ نظر انداز کر کے کپڑے نکالنے لگا۔ بارش کی تڑتڑاہٹ مزید تیز ہو گئی تھی۔

.... ❀ ❀ ❀ ....

قاتل مرا نشاں مٹانے پہ ہے بضد ...... میں بھی سِناں کی نوک پہ سر چھوڑ جاؤں گا

موسم اگلے چند دن ویسا ہی ٹھنڈا رہا مگر پھر آہستہ آہستہ بارش کا اثر ختم ہو گیا۔ حبس اور گرمی واپس آ گئی۔ البتہ آزاد کشمیر کی طرف جاتی اس پہاڑی ' بل کھاتی سڑک پہ اب بھی ٹھنڈی چھایا سی تھی۔ ایک لش چمکتی کار وہاں دوڑ رہی تھی۔ نوشیرواں کاردار اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے موجود تھا۔ آنکھوں پہ برانڈڈ گلاسز لگے تھے' کلائی میں قیمتی گھڑی۔ منہ میں چیونگم چباتا وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

ڈیش بورڈ پہ پڑے فون کی اسکرین دفعتاً چمکی۔ اس نے اسے اٹھایا۔ اسید کا پیغام تھا۔ سب دوست کشمیر پہنچ چکے تھے' اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ "میں دوپہر تک پہنچ جاؤں گا" لکھ کر پیغام بھیجا اور پھر سے ڈرائیو کرنے لگا۔

یکدم اس نے کار کو بریک لگائی۔ ٹائر چرچرائے۔ خون کی بوندیں ونڈ اسکرین تک اڑ کر آئیں۔ لمحے بھر کو وہ دم بخود رہ گیا تھا۔ لیکن پھر تیزی سے باہر نکلا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مرنے والا کوئی کتا تھا' اور اس نے اسے بچانے کی کوشش بھی کی تھی' مگر......

باہر آ کر وہ رکا۔ اگلے ٹائروں تلے آیا... وہ کتا نہیں تھا۔

وہ کتے کا بچہ تھا۔ ایک معصوم سنہری لیبراڈار۔

وہ کچلا گیا تھا۔ خون جا بجا بکھرا تھا۔ نوشیرواں پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ پریشانی سے اس کو دیکھا۔ پلے کی گردن میں کالر تھا۔ "آریو" اور مالک کا نام "اینڈرس..." دوسرا لفظ خون میں ڈوبنے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کسی فارنر سیاح کا کتا تھا۔ شاید ہسپانوی۔

نوشیرواں کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے آواز سنی۔ اوپر پہاڑ پہ' درختوں سے کوئی عورت پکار رہی تھی۔ "آریو... آریو"

نوشیرواں نے بجلی کی تیزی سے اپنی ونڈ اسٹر جیکٹ اتاری' کتے کو اس میں لپیٹا اور بھاگتا ہوا کار کے اندر بیٹھا۔ جیکٹ کی گٹھڑی فرنٹ سیٹ پہ ڈالی اور تیزی سے کار آگے بھگا لی۔ چند کوس آگے جا کر رفتار آہستہ کی۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ خون سے بھرے تھے۔

شیرو کو ایک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس نے کار روکی۔ اور جیکٹ کی گٹھڑی لیے باہر نکلا۔ سڑک کے دہانے پہ کھڑے اس نے سوچا کہ کتے کی لاش نیچے کھائی میں پھینک دے' مگر وہ اسے نہیں پھینک سکا۔ ٹھنڈی ہوا کے باوجود اس کا جسم پسینے سے تر تھا۔

وہ سڑک کنارے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور خون آلود ہاتھوں سے مٹی کھودنے لگا۔ نرم مٹی بھی نہیں کھودی جا رہی تھی۔ سانس چڑھنے لگا تھا۔ بمشکل' بدقت وہ ایک چھوٹا سا گڑھا کھود پایا۔ پھر جیکٹ کھولی تو اندر ننھا معصوم پلا خون میں ڈوبا مرا پڑا تھا۔

نوشیرواں کے دل کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اپنے چار سو دیکھا۔

ویران پہاڑ' اونچے درخت۔ کھائی۔ کھلا آسمان۔

وہ لاش کو وہیں چھوڑ کر کار میں آ بیٹھا۔ خون آلود ہاتھ' خون آلود فرنٹ سیٹ۔ کپکپاتے ہاتھوں سے دوبارہ کار اسٹارٹ کی۔ اسے گھر جانا تھا۔

(کوئی جانور کو بھی ایسے نہیں مارتا' شیرو! وہ تو پھر انسان کا بچہ تھا۔)

شیرو نے سر جھٹکا اور ایکسلیٹر پہ زور بڑھا دیا۔ وہ ہر جگہ تھا' وہ ہر منظر میں تھا' اس سے فرار ناممکن تھا۔ اور اب گلٹ کا یہ مرض بڑھتا جا رہا تھا۔

چند گھنٹوں بعد قصر کاردار میں جھانکو تو نوشیرواں کار گھر کے اندرونی گیراج میں لے آیا تھا' اور اب گارڈ کو ہدایت دے رہا تھا۔

"اس کو اچھی طرح صاف کرواؤ۔ ایک دھبہ بھی نہ باقی رہے۔"

لاؤنج میں جواہرات تیار بیٹھی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے' گردن میں دمکتے ہیرے۔ ہاتھ فیونا کے سامنے بچھا رکھا تھا جس پہ وہ کیوٹکس لگا رہی تھی۔ شیرو کو اس طرح آتے دیکھ کر حیرت ہوئی۔

''تم تو دوستوں کے ساتھ گئے تھے؟ اور یہ کپڑوں کو کیا ہوا ہے؟'' وہ جواب دیے بنا اوپر چلا گیا۔ جواہرات نے چھوٹوں کے اشارے سے فیونا کو رو کا' ہاتھ نکالا' اور اس کے پیچھے اوپر گئی۔

شیرو اپنے کمرے کے ڈریسنگ روم میں' الماریوں کے پٹ کھولے کھڑا تھا۔ چہرے پہ عجیب بے زاری اور بے چینی تھی۔

''تمہارے کپڑوں پہ خون کیوں لگا ہے؟ کیا کسی سے لڑ کر آئے ہو؟'' وہ فکرمندی سے اس کے سامنے آئی۔

''فکر نہ کریں' کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔''

''مجھے سچ بتاؤ' شیرو' کس سے جھگڑا کیا ہے؟'' اس نے اسے کہنی سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔ نوشیرواں بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ کو لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

''تمہاری حالت وہ بتا رہی ہے جو تمہارے الفاظ نہیں کہہ رہے۔'' اب کے وہ سختی سے بولی۔ شیرو نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''کتے کا بچہ تھا وہ ممی' کتے کا بچہ۔'' وہ ایک دم بلند آواز میں بولا۔ ''میں نے غلطی سے اسے مار دیا' مگر میں اس کا خون آلود وجود نہیں دیکھ سکا۔ میں اس کو دفنا بھی نہیں سکا۔ مجھے ہر جگہ اس کا خون نظر آ رہا تھا۔ اس کی مالکن اس کو پکار رہی تھی۔ آریو' آریو۔ وہ آوازیں مجھے پاگل کر رہی ہیں۔'' وہ وحشت سے چلایا تھا۔

''او کے او کے!'' جواہرات نے نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ ''ریلیکس' کوئی بات نہیں' یہ صرف ایک حادثہ تھا۔ تم ان چیزوں سے بہت اوپر' بہت مضبوط ہو۔ تم ایک کاردار ہو اور......''

''اور میں ایک بڑے خاندان کا بڑا آدمی ہوں' عظمت میرا مقدر ہے' یہی نا؟ یہی بتاتی آئی ہیں نا آپ مجھے ساری عمر؟'' غصے سے کہنی چھڑائی۔ ''بس کر دیں' نہیں سننی مجھے یہ باتیں اس وقت۔ کیونکہ ممی......اب مجھے ان پہ یقین نہیں آتا۔'' برہم سے صدمے سے اسے دیکھا' کپڑے لیے باتھ روم میں چلا گیا اور دروازہ جواہرات کے منہ پہ بند کر دیا۔

وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ (خیر وہ نارمل ہو جائے گا۔) اور واپس نیچے چلی آئی۔ اس کی ابھی تیاری رہتی تھی۔

.... ٭٭٭ ....

میں ریگ زار تھا، مجھ میں بسے تھے سناٹے ...... اسی لیے تو میں شہنائیوں سے ڈرتا رہا

ان سے دور چلے آؤ تو شام کے اس پہر' ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کے بینکوئٹ ہال میں ولیمے کا فنکشن منعقد تھا۔ روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دلہا دلہن پھولوں سے سجے اسٹیج پہ بیٹھے' مسکرا کر تصویریں بنوا رہے تھے۔ نیچے ایک میز کے گرد زمر بیٹھی غیر دلچسپی سے اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے زرد لمبی قمیض پہن رکھی تھی' بال جوڑے میں تھے اور کانوں میں آویزے تھے' موقعے کی مناسبت سے ہلکی پھلکی تیار وہ اچھی لگ رہی تھی۔ فارس ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' مسلسل سیل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ ایک دوسرے سے کٹے کٹے اور بے نیاز۔

تبھی سارہ ادھر آتی دکھائی دی۔ وہ سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ ایک بیٹی اہل ساتھ تھی' دوسری کو نہ جانے کس وجہ سے ساتھ نہیں لائی تھی۔ ان کو دیکھ کر پھیکا سا مسکرائی۔ زمر بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے نہیں دیکھا تھا' سر جھکائے سیل پہ لگا تھا' مگر اہل نے جیسے ہی اسے دیکھا' ایک دم ماں کی انگلی چھڑا کر آگے لپکی' اور اس کے گلے سے لگ گئی۔ وہ چونکا' مگر...پھر۔ نگاہ بچی پہ پڑی تو نرمی سے اس کے گرد بازو حمائل کیے' اور اسے خود سے لگائے رکھا۔ سارہ جو زمر سے رسمی کلمات کہہ رہی تھی' ایک دم رک کر دیکھنے لگی۔ آنکھیں گلابی ہوئیں۔

وہ تو بس ایک دفعہ ملنے آیا تھا رہائی کے بعد' اور سارہ نے اسے رکھائی سے خود سے دور رہنے کا کہا تھا' پھر وہ صرف دو دفعہ آئی ان کے گھر (انیکسی میں) مگر صرف تب جب وہ گھر پہ نہیں تھا' کہ فارس غازی کا مطلب تھا ''مصیبت''۔ اور اہل تو اس سے پتہ نہیں کتنے عرصے بعد مل رہی تھی' پھر بھی اسے وہ یاد تھا؟ اہل اب فارس سے الگ ہوئی تو وہ اسے دونوں کہنیوں سے تھامے' مسکرا کر اپنے سامنے کھڑا کیے' پوچھ رہا

تھا۔ "تم کیسی ہو اہل؟"

"میں ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں؟ میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔" اس نے اپنے ننھے ہاتھ کو فارس کے گال اور تھوڑی پہ پھیرا' جسے فارس نے دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوما۔

لمحے بھر کے لیے ان کے ارد گرد شادی کا فنکشن غائب ہو گیا۔ وہ چار ساڑھے چار سال قبل چلے گئے' جہاں قبرستان سے لوگ لوٹ رہے تھے' اور ایک تازہ' کچی قبر پہ وہ کھڑا ہنوز مٹی ڈال رہا تھا۔ اس کا چہرہ ویران تھا' اور آنکھوں میں گلابی سا پانی تھا۔ قبر مکمل طور پہ ڈھک چکی تھی۔ ساتھ پانچ سالہ اہل خاموش اور اداس بیٹھی تھی۔ لوگ دور جا رہے تھے۔ نور گھر تھی' وہ الگ مزاج کی تھی' اس کو سارہ نے نہیں آنے دیا' مگر اہل کو وہ زبردستی اس کے باپ کے جنازے پہ لے آیا تھا۔

قبرستان تقریباً سنسان ہو چکا تھا۔ سورج اوپر تپ رہا تھا۔ وہ بھی تکان زدہ سا مٹی پہ آ بیٹھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مسلیں۔

"آپ رو رہے ہیں' چاچو؟" اہل نے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ فارس نے نفی میں چہرہ ہلایا' زکام زدہ سی سانس اندر کو کھینچی' آنکھوں میں گلابی پانی تھا' مگر اس نے ان کو رگڑ لیا' پھر اہل کو دیکھا۔

"اپنے باپ کی قبر مت بھولنا کبھی اہل۔ اس کو اس لیے مارا گیا کیونکہ وہ ایک سچا آدمی تھا' ایک ایسا آدمی جو ظلم کے خلاف اٹھ سکتا ہو۔ وہ بہادر تھا۔ میں بھی اسی کا بھائی ہوں۔ اللہ کی قسم' میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ سمجھتے ہیں' ہم غریب ہیں' کمزور ہیں' تو ان کا ہاتھ نہیں روک سکتے؟ تم مجھ سے وعدہ کرو' کہ کبھی یہ نہیں سمجھو گی کہ تمہارے باپ نے خودکشی کی تھی' اور میرا وعدہ ہے' میں اس کے ایک ایک قاتل کا سر تمہارے ہاتھ میں لا کر دوں گا۔" اسے پتہ تھا اہل کو اس کی باتیں نہیں سمجھ آئیں گی' مگر وہ جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔

قبرستان تحلیل ہو گیا' اور وہ روشنیوں سے مزین اس ہال میں موجود تھے۔ فارس بیٹھا ہوا تھا' اور اس نے اہل کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔

"آپ اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟ جب بھی ماما سے کہوں آپ سے ملنا ہے' وہ کہتی ہیں' چاچو بزی ہیں۔" وہ اس کے کان کے قریب شکوہ کر رہی تھی۔

فارس نے زخمی نظر اٹھا کر سارہ کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو یہ میرا خون ہے' تم خون میں لکیر نہیں کھینچ سکتی۔ سارہ کا گلا رندھا۔

"تم چاچو کو اتنا مس کر رہی تھیں تو مجھے کہتیں' میں تمہیں ملوا لاتی۔" بیٹی کو مخاطب کیا۔ شرمندگی اور خفت کے ساتھ۔ وہ اتنے سال انگلینڈ رہے' فارس کے ساتھ ایک شہر میں تو صرف چند ماہ رہے' پھر وہ جیل چلا گیا' لیکن ایسے وہ دوڑ کر اس کے پاس آئی تھی' جیسے برسوں کا ساتھ ہو۔ یہ خون کیا چیز تھی؟ اس کا رگوں میں بہنا کیسے سب کو جوڑ کر رکھتا تھا۔ اس کا ناحق بہائے جانا کیسے سب کو توڑ دیتا تھا۔

زمر بس خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

"سعدی کا کچھ پتہ چلا فارس؟" اس نے پوچھا' تو آواز میں آس بھی تھی' خفت بھی۔ وہ انہی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اہل کو کسی نے بلا لیا تھا سو وہ بھاگ گئی۔

"میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔۔۔۔" خشک سا کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میز پہ عجیب سا تناؤ در آیا۔ اسے سارہ کا اپنے ساتھ رویہ یاد تھا۔

"تمہیں آئل کمپنیز۔۔۔ یعنی آئی پی پیز کو چیک کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ان کا اس میں کوئی ہاتھ ہو۔" سارہ نے خود کو کہتے سنا۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سر ہلایا۔

"کر رہا ہوں۔" سارہ اٹھ گئی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پاس پرائیوٹ نمبر تھا' چاہتی تو خفیہ ایس ایم ایس بھی

بھیج دیتی، لیکن وہ جانتی تھی، وہ اس کو ڈھونڈ لے گا، اور زمر اسے کورٹ میں دھکیل دے گی۔

''ہارون عبید والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟'' وہ تنہا رہ گئے تو زمر نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ اے ایس پی کو وہ اب ڈسکس نہیں کرتے تھے، وہ مانتا نہیں تھا لیکن وہ اس کو معاف کر چکا تھا۔

''ہوں۔ میں ہارون عبید کے پیچھے ہی لگا ہوا ہوں، مگر اتنے دن سے اس کی ایک قابل گرفت چیز بھی نہیں مل سکی۔'' وہ کچھ الجھا ہوا تھا۔ ''میں جج ہارون عبید اور اے ایس پی کا لنک جوڑنا چاہتا ہوں، الیاس فاطمی کے ساتھ۔ مگر ان تینوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں بن رہا۔''

''یعنی، درمیان میں کچھ مسنگ ہے؟''

''درمیان میں 'کوئی' مسنگ ہے۔ کوئی ایک شخص ہے ان سب کے درمیان۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ سوچ رہا تھا۔ زمر نے تھوک نگلا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''کھانا لگ رہا ہے۔'' وہ اٹھنے لگی تو ایک دم اسے چکر سا آیا۔ میز کا سہارا لے کر واپس بیٹھی۔ فارس اپنے فون پہ بٹن دبا رہا تھا، اسے نہیں دیکھا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے خود پہ قابو پایا۔

''ہم باہر کہیں اور ڈنر کر سکتے ہیں فارس؟'' اسے اتنے لوگوں میں ایک دم گھٹن ہونے لگی تھی۔ اتنی دور ٹیبل تک جائے گی کھانا ڈالنے تو کہیں گر جائے گی۔ فارس نے اس بات پہ بے اختیار اسے دیکھا اور پھر ہمیشہ کی طرح اس کی بات مان لی۔ ایک دم سے زمر کو احساس ہوا، کہ اسے فارس کو بتا دینا چاہیے۔ اپنی خرابی طبیعت، کڈنی، وہ سب۔ پرس میں ایک رپورٹ بھی تھی، اسے وہ فارس کو دکھا دینی چاہیے۔

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب ان کو زباں ملی تو ہم پہ ہی برس پڑے

کچھ دیر بعد وہ اسی ہوٹل کے ریسٹورانٹ میں ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ وہاں مدھم زرد بتیاں تھیں۔ میز پہ تازہ پھول رکھے تھے۔ موم بتی جل رہی تھی۔ وہ ٹیک لگائے 'مسلسل کان کی لو مسلتا' ویٹر کو آرڈر دے رہا تھا اور زمر کے ہاتھ گود میں رکھے پرس پہ تھے۔ فارس کے ساتھ پہلی دفعہ ایسی جگہ پہ ڈنر کرنا۔ بہت آکورڈ تھا۔ تبھی زمر کا فون بجا۔ اس نے فوراً اٹھا لیا۔

''جی صداقت؟ جی ظاہر ہے وہ کپڑے استری کرنے تھے۔ میں نے نہیں بتایا تو آپ کو خود سمجھنا چاہیے تھا۔'' رک کر خفگی سے سنا۔ ''میں نے وہاں کپڑے نہیں رکھے تھے تو کیا کسی چڑیل نے آ کر رکھے تھے؟ روز استینڈ پہ کپڑے کون رکھتا ہے؟ حد کرتے ہو آپ بھی۔'' بڑبڑا کر فون رکھا تو دیکھا 'فارس ذرا چونک کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے خود کو 'چڑیل' کیوں کہا؟''

''مثال دی تھی۔ کیوں؟ کیا ہوا؟'' اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''تم کیوں مسکرا رہے ہو؟''

فارس نے مسکراہٹ دبائے چہرہ جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔ ''میں بالکل بھی نہیں مسکرا رہا۔''

وہ فوراً آگے ہوئی۔ ''نہیں سچ سچ بتاؤ۔ تم ایسے صرف تب مسکراتے ہو جب تمہیں کوئی بات معلوم ہوتی ہے اور مجھے نہیں۔'' پھر رک کر اپنی بات پہ غور کیا۔ ''کیا کسی نے تمہارے سامنے مجھے چڑیل کہا ہے؟''

''میرے سامنے کوئی آپ کو چڑیل کہنے کی ہمت کر سکتا ہے کیا؟'' فارس نے سنجیدگی سے اسے تسلی دی۔ زمر کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔ اس کے انداز میں اتنا مان، اتنا اعتماد تھا۔ پرس میں ہاتھ ڈال کر رپورٹ دو انگلیوں سے پکڑی۔ پھر سرسری سا بولی۔

''اس بات کا کیا مطلب تھا جو اس رات تم نے کہی؟'' اسے یقین تھا کہ فارس کو معلوم ہے وہ کس بات کا ذکر کر رہی ہے۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ ''اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے مجھے... سات سال پہلے.... قید میں ڈالا تھا۔''

وقت ایک لمحے کے لیے تھم گیا' سوم بتی کا شعلہ ہلکا سا ٹمٹمایا۔ پھولوں کی خوشبو آس پاس پھیلی۔ زمر یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"I Fell in Love with You Seven Years ago!"

وہ آرام سے کہہ گیا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی' مگر وہ اس مسکراہٹ کو پہچانتی تھی۔ یہ رومان پرور مسکراہٹ نہیں تھی۔ یہ سرد آگ سی تھی۔

"تم نے مجھ سے شادی کیوں کی فارس؟" وہ بالکل ساکت سی۔ دم سادھے بیٹھی تھی۔ دو انگلیاں اب بھی رپورٹ پہ تھیں۔

"میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ تیسری وجہ بھی بتائے دیتا ہوں۔" اس نے لمحے بھر کے لیے بھی زمر کی آنکھوں سے نظریں نہیں ہٹائیں۔ "میں سات سال پہلے جب اس شہر میں پوسٹڈ ہو کر آیا تھا تو میں نے آپ کی کلاس میں داخلہ لیا تھا۔ پتہ تب ہی ہوا تھا۔ مجھے... آپ سے... محبت ہو گئی تھی۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا مگر یہ نرمی آنکھوں میں نہیں تھی۔ "میں آپ کے قریب رہنے کے لیے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔ آپ کے بارے میں ہر چیز جاننے لگا تھا۔ آپ سعدی کی فیس دے رہی ہیں' آپ حنہ کے لیے اپنی چابیاں جان بوجھ کر لیے بھول جاتی ہیں' آپ کو کب سے ایستھما ہے۔ مجھے بہت کچھ معلوم تھا۔ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ مجھے نوٹس نہیں ملے۔ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھاڑ کر پھینک دیے تاکہ آپ مجھے زیادہ وقت دے سکیں۔ مجھے تب احساس ہوا کہ میں مریض عشق بنتا جا رہا ہوں۔"

وہ سانس لینے کو رکا۔ وہ بالکل دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

"پانچ سال پیچھے چلتے ہیں زمر۔ میں نے آپ کو وہ نوٹ بھیجی' مجھے لگا تھا آپ میری لکھائی پہچان جائیں گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسی لیے جب آپ کی والدہ نے رشتے سے انکار کیا تو میں نے دوبارہ کوشش نہیں کی۔ میں "آپ" کے لیے نہیں لڑا۔ میں... آپ کے لیے... نہیں لڑا۔ میرے نزدیک ایک ایسی عورت کے لیے لڑنا بے سود تھا جو میری لکھائی بھی نہ پہچان سکے۔ میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ شادی بھی کر لی' لیکن میرا ایک حصہ پہلے بھی اور آئندہ بھی آپ سے محبت کرتا رہے گا۔ اس ایک حصے کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے ویسی محبت نہیں کر سکا جیسی کرنی چاہیے تھی۔ شروع شروع میں' میں اس کے نام کو اپنے بھائی کے نام سے جوڑنے پہ لڑتا تھا' مجھے لگتا تھا یہ صرف اس سے محبت نہ کرنے کا گلٹ ہے ورنہ اس کے حقوق و فرائض تو میں نے سب پورے کیے تھے۔ ڈانٹتا تھا' مگر بلاوجہ نہیں۔ وہ میری بہت اچھی دوست تھی۔ لیکن جیل کے چار سال میں یہ نہیں سمجھ سکا' اگر میرا اور اس کا تعلق صرف دوستی یا گلٹ کا تھا تو میں اسے اتنا مس کیوں کرتا ہوں؟ محبت تو مجھے آپ سے تھی' مگر آپ کے لیے میں کبھی نہیں لڑا' اس کے لیے پھر بھی لڑ رہا ہوں۔" فضا میں ایک دم Rebecca de Winters کی مہک پھیل گئی۔ وہ اب بھی سانس روکے ہوئے تھی۔

"مجھ سے شادی کرنے کی تیسری وجہ کیا تھی؟"

وہ اسی طرح زخمی سرد سا مسکرایا۔ "محبت نہیں تھی۔ اگر محبت کے لیے آپ سے شادی کرنی ہوتی تو ساڑھے پانچ سال پہلے کر لیتا۔ مگر نہیں۔ میں نے آپ سے شادی بھی کی' اور آپ کی ہر بات برداشت کی۔" کہتے ہوئے وہ آگے کو ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس لیے نہیں کہ میں کمزور تھا' محبت میں خاموش تھا' یا یہ میری شرافت تھی۔ ٹرسٹ می زمر' میرا ایک حصہ ساری زندگی آپ کی قید سے نہیں نکل سکے گا' میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا' اور میں آپ کو ایک ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہوں' مجھے یہ بھی احساس ہے کہ آپ کے ساتھ جو بھی ہوا میری وجہ سے ہوا۔ لیکن...." وہ رکا۔ وقت بھی رک گیا تھا۔ وہ نمک کا مجسمہ بنی' یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ "لیکن میرے اور آپ کے تعلق' میری برداشت' میری خاموشی' میرا آپ کی پرواہ کرنا' آپ کے زخموں کی مرہم کرنا' محبت اس میں کبھی بھی شامل نہیں تھی۔ میں نے آپ سے غلط کہا تھا کہ میں آخر میں آپ سے اپنا حساب لوں گا' مجھے آپ سے نہ انتقام لینا ہے نہ کوئی حساب۔ لیکن...."

وہ پھر رکا، زمر کا سانس بھی رکا۔

"لیکن جو آپ نے میری ساتھ کیا، میں ایک بات بھی نہیں بھولا۔ آپ سے شادی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ....." چہرہ مزید آگے کیا۔ موم بتی کے ٹمٹماتے شعلے کے پیچھے اس کی پرتپش آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ "میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ تب کیا کریں گی جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فارس غازی بے گناہ تھا۔ میں صرف اسی دن کے انتظار میں ہوں' اس دن جب آپ کو سچائی معلوم ہوگی۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کرلوں گا اور آپ ٹوٹیں گی۔" موم بتی کا شعلہ ایک دم بجھ گیا۔ زمر کی انگلیوں نے ریورٹ کو چھوڑ دیا۔ نگاہیں ہنوز فارس پہ جمی تھیں۔

"یہ جو آپ کو بہت غرور ہے ناخود پہ' کہ آپ بہت قابل ہیں' میں یہ غرور ٹوٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی انتقام' کوئی انصاف نہیں چاہیے مجھے آپ سے۔ صرف احساسِ ندامت۔ اسی لئے میں نے آپ سے کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش نہیں کی' کوئی حق نہیں مانگا' کیونکہ مجھے آپ کے ساتھ رشتہ بنانے میں دلچسپی نہیں رہی۔ وہ وقت کب کا گزر گیا۔ اب ہم صرف پارٹنرز ہیں' ساتھ کام کر رہے ہیں' میں آپ سے کبھی نفرت نہیں کر سکتا' اور محبت کرنا چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ لیکن آپ جیسی عورت کے ساتھ میرے جیسا بندہ کبھی بھی ساری زندگی نہیں گزار سکتا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، لیکن میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے صرف اس دن کا انتظار ہے جب آپ میرے سامنے ٹوٹیں گی اور اس دن زمر بی بی میں آپ کو آزاد کر دوں گا' عزت سے طلاق کے کاغذات تھما دوں گا' مگر اس سے پہلے میں آپ کی ہر کڑوی بات برداشت کرتا رہوں گا' محبت یا شرافت کی وجہ سے نہیں' بلکہ اس لئے کہ میں آپ کو آزما رہا ہوں۔ یہی آپ کی سزا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک آپ ایک بے وقوف عورت اور بہت بری وکیل ہیں۔"

موم بتی سرد ہو چکی تھی۔ پھولوں میں ریکا کے ساتھ کافور کی بو بھی رچ بس گئی تھی۔ مدھم بتیاں پراسرار اور خوفناک لگ رہی تھیں۔ وہ بہت سکون سے سرد لہجے میں کہہ کر پیچھے ہوا۔ ویٹر کھانا سرو کرنے آ کھڑا ہوا تھا۔ سزلر پلیٹر پہ گرم اسٹیک شرشر کر رہی تھی، یوں لگتا تھا زمر کے اندر تک کوئلے دہک رہے ہوں۔ کوئی آس ہی ٹوٹ گئی تھی۔

ویٹر ہٹا تو وہ ہلکے سے بولا۔ "کھانا کھائیے۔ وہ وقت گزر چکا جب آپ کو مجھے سننا تھا۔ تب آپ کو اپنی صحت عزیز تھی۔ حالانکہ مری تو میری بیوی تھی' آپ کو تو ڈونر کڈنی بھی مل گیا۔" تلخی سے کہہ کر، وہ جو بے خبر تھا، کھانا شروع کرنے لگا' مگر یہ آخری بات..... یہ آخری باتیں زمر کا دل ایسے ہی توڑ دیا کرتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخی در آئی۔ زور سے پرس کی زپ بند کی اور آگے کو ہوئی۔

"فارس غازی!" اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ہزار سال بھی انتظار کرو تو وہ دن نہیں آئے گا۔ میں زمر یوسف ہوں اور اپنی نظروں میں میری بہت عزت ہے۔ زمر... تمہارے سامنے... نہیں ٹوٹے گی۔ کبھی بھی نہیں۔" پھر اسی تنی گردن کے ساتھ کھڑی ہوئی اور پرس اٹھالیا۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟" اس نے بند لبوں سے لقمہ چباتے ہوئے تحمل سے پوچھا۔ وہ ویسا ہی مدھم خیال رکھنے والا فارس غازی بن گیا تھا۔

"گھر۔"

"اتنی رات کو آپ کیب سے نہیں جائیں گی۔ تھوڑی دیر رک جائیں' میں ڈراپ کر دیتا ہوں آپ کو۔"

زمر نے بغیر جانے کو مڑی تو وہ کھڑا ہوا اور اس کے سامنے آیا۔

"اچھا آپ کار لے جائیں' میں کیب سے آ جاؤں گا۔" چابی بڑھائی۔ زمر نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا' پھر چابی جھپٹی اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسی سکون سے واپس بیٹھ گیا۔

..............❖❖❖..............

کھلنے لگے قفلوں کے دہانے ..... پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن

حنین نے قصر کاردار کی چوکھٹ عبور کی تو جواہرات مکمل تیار باہر کے لیے چلتی آ رہی تھی۔ حنین مسکرا کر قریب آئی۔

"مسز کاردار مائی گاڈ! آپ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں۔" سادگی اور معصومیت سے تعریف کی۔ جواہرات مسکرائی، نرمی سے اس کا گال چھوا۔ "مجھے معلوم ہے۔ تم کیسے آئیں؟"

"مجھے خاور سے کام تھا۔ کیا وہ اندر ہیں؟" پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ "پلیز آپ ان سے میری سفارش کر دیں کہ وہ میرا کام لازمی کریں۔"

جواہرات عجلت میں تھی، پھر بھی اس کے ساتھ کنٹرول روم تک آئی اور چوکھٹ سے حکم جاری کیا۔ "خاور، حنہ کو اسسٹ کردو" اور چلی گئی۔

اندر چند اسکرینز لگی تھیں۔ ایک لیپ ٹاپ کے سامنے خاور بیٹھا تھا، کام کرتے ہوئے اس نے سر اٹھایا اور قدرے ناخوشی سے حنہ کو دیکھا۔

"ہیلو کرنل خاور!" وہ دوڑ کر آئی اور سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"ہیلو حنین۔ کیا کام ہے؟"

"بہت اہم کام ہے۔" ایک فلیش اس کی طرف بڑھائی۔ "اس میں میرے دو کورین ڈرامے ہیں۔ ان کو encrypt کردو۔"

خاور نے گہری سانس لی۔ "حنین، تم یہ کام خود بھی کر سکتی ہو، پاسورڈ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔"

"مجھے پاسورڈ چھوڑیں، اسٹینڈرڈ RSA تک کا معلوم ہے، مگر یہ سب میری اس دوست کو بھی معلوم ہے جس کو میں ٹرک کرنے جا رہی ہوں۔ سو مجھے ان فائلز کو ایسے encrypt کر کے دیں خاور کہ وہ اسے نہ کھول سکے۔"

"میرے پاس اس وقت بہت کام ہے حنین۔ کسی اور وقت آنا۔" اتنا کہتا وہ واپس ٹائپ کرنے لگا۔

"پلیز کرنل خاور!" منت کرتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

خاور جواب دیے بنا کام کرتا رہا۔ حنہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ "ارے یہ ڈیجیٹل فریم ہے نا" اچک کر ایک فوٹو فریم اٹھائی۔ "ان میں ہیری پوٹر کی طرح تصاویر چلتی پھرتی ہیں۔ یہ آپ کے بیٹے کی تصویر ہے؟"

"ہاں۔ اسے واپس رکھ دو۔" اس نے فریم حنہ کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھا تو اس نے اچک کر لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھی کالا سو اٹھائیں۔ "ان میں کیمرہ لگا ہے نا، وائو یہ میں ایک دن کے لیے اپنی کزنز کو دکھا سکتی ہوں؟" خاور نے جلدی سے وہ اس سے واپس لی۔

"پلیز حنین کسی چیز کو ہاتھ مت لگاؤ۔" پھر بمشکل ضبط کرتے ہوئے ایک نظر اپنے سامنے پھیلے کام کو دیکھا، اور دوسری اس پہ ڈالی جو معصومیت سے آنکھیں جھپکاتے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر قدرے خفگی سے فلیش اس سے لی اور ایک دوسرے کمپیوٹر کی طرف آیا۔ حنہ بھی جلدی سے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

اب وہ خاموشی سے اس کا کام کر کے دے رہا تھا۔

"پاسورڈ ٹائپ کرو۔" تھوڑی دیر بعد اس نے کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔ اور کسی مہذب انسان کی طرح دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حنہ نے ٹائپ کیا، اور سیدھی ہوئی۔ چند منٹ مزید ضائع کیے خاور نے، پھر اس کی طرف گھوما۔

"ہوگیا تمہارا کام۔ اب جاؤ۔"

''مگر میں اسے کھولوں گی کیسے؟''

''اُف۔''اس نے اکتا کر چند بٹن دبائے اور کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔''پاسورڈ ٹائپ کرو' کھل جائے گا۔''

''تھینک یو سو مچ۔ کرنل خاور۔''خوشی سے کہتے ہوئے اس نے ٹائپ کیا۔ پھر مسکراہٹ الجھن میں بدل لی۔

''یہ کیوں نہیں کھل رہا؟''

''کیونکہ تم غلط پاسورڈ لکھ رہی ہوگی۔ تمہیں یقین ہے کہ یہی پاسورڈ تھا۔''تحمل سے بولا۔

''کیا مطلب یقین ہے؟ میں پاگل تو نہیں ہوں نا۔ اتنا سادہ پاسورڈ تھا میرا۔ اُف یہ کیوں نہیں کھل رہا۔''وہ پریشانی سے بار بار پاسورڈ ٹائپ کرنے لگی۔ خاور نے قدرے غصے سے ٹوکا۔''مت کرو تم فائلز کرپٹ کر دوگی۔''مگر تیسری دفعہ جب پاسورڈ نہ لگا تو... فائلز کرپٹڈ۔ لکھا آنے لگا۔

''اُف حنین۔''خاور نے بیزاری سے فلیش کھینچی اور اسے تھمائی۔''اب اسے جا کر آگ میں جھونکو اور مجھے کام کرنے دو۔''

''کیا مطلب؟ میں نے ایک ہفتہ لگا کر ان کو ڈاؤن لوڈ کیا ہے' میری فرینڈ سے شرط لگی ہے' پلیز کرنل خاور' مجھے یہ کھول کر دیں۔''وہ بدحواس ہوگئی تھی۔

''حنین مجھے ایک سیمینار کے لیے سیکیورٹی پلان تیار کرنا ہے' میرے پاس بہت کام ہے' تمہاری ٹین ایج حرکتوں کے لیے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ جاؤ۔''رکھائی سے کہہ کر وہ واپس اپنی کرسی پہ آیا۔

''پلیز کرنل خاور۔''

''جاؤ حنین!''وہ سنجیدگی سے ٹائپ کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ خاموش رہی تو خاور نے نگاہ اٹھائی۔

سامنے کھڑی حنین چہرہ جھکائے' رو رہی تھی۔ موٹے موٹے آنسو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ خاور نے کراہ کر کنپٹی مسلی۔''اب کیا ہے؟''

''اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا تو بھی ایسے ہی کرتے؟''اس نے جھکے چہرے کے ساتھ آنسو رگڑے' اور فلیش پکڑ کر سست روی سے جانے کو مڑی۔ ساتھ ہی ہچکی لینے کی بھی آواز آئی۔

خاور نے آنکھیں بھینچ کر خود کو جیسے ڈھیروں صبر دلایا اور پھر اسے آواز دی۔

''میں صرف decrypt کر کے دوں گا' لیکن دوبارہ encrypt نہیں کروں گا۔''

وہ الٹے قدموں بھاگ کر واپس آئی۔ آنسوؤں والے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔''سچ؟''

''کتنی ڈرامہ ہو تم۔''ناگواری سے بولا۔ حنہ نے پلکیں جھپکاتے فلیش اس کو تھمائی۔ پھر اس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ شدید کوفت زدہ سا فلیش اڑستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ لمبا کام ہے اور تم اس دوران خاموش رہو گی۔ مجھے زائد باتیں پسند نہیں۔ تمہارے پہلے لفظ پہ میں کام روک دوں گا۔''تیزی سے ٹائپ کرتی انگلیاں مسلسل چل رہی تھیں۔ اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی حنہ ہتھیلی تھوڑی تلے جمائے' دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔

''سو آپ نے... ElGamal کے ذریعے' کی' کو...''خاور نے پلٹ کر گھور کر اسے دیکھا' اس نے فوراً اپنے لبوں پہ انگلی رکھ لی۔

''اچھا سوری' میں چپ!''وہ شدید کوفت زدہ سا کمانڈز دینے لگا۔ حنین لب دانتوں سے دبائے' ایکسائٹڈ سی دیکھ رہی تھی۔ جس کو اتنا ماہر استاد ملے وہ نہ سیکھے' یہ کیسے ہوسکتا تھا؟

............❖❖❖............

غرور حسن سراپا نیاز ہو تیرا ..... طویل راتوں میں تو بھی قرار کو ترسے

اسامہ ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا' اور ندرت فون پہ بات کر رہی تھیں۔ ابا اپنے کمرے میں جلدی سونے جا چکے تھے۔

''اچھا ذکیہ خالہ۔ اللہ حافظ۔'' ندرت سارہ کی امی سے فون پہ بات ختم کر کے سیم کی طرف مڑیں۔ وہ ناخوش لگ رہی تھیں۔ ''فارس اور زمر کو دیکھو۔ شادی کا فنکشن چھوڑ کر باہر ڈنر کرنے چلے گئے۔ اب اس کی کیا تک بنتی ہے؟ اگر وہاں کھانا نہیں کھانا تھا تو گھر آ جاتے' فضول پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فارس بھی جہاں بیوی کہے چل پڑتا ہے۔''

سیم نے مڑ کر ان کو سنجیدگی سے دیکھا۔ ''امی کچن میں دیکھیں۔ چولہا بند ہے نا؟ کیونکہ مجھے جلنے کی شدید بو آ رہی ہے۔''

''ہاں' ہاں' بند ہے۔ دودھ کڑھ گیا تھا تو میں نے اتار لیا۔'' وہ اپنے ہی خیال میں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اٹھ گئیں۔ سیم نے سر جھٹکا اور واپس ٹی وی دیکھنے لگا۔

کافی دیر بعد دروازہ کھلا اور اس نے تھکی تھکی سی زمر کو آتے دیکھا۔ وہ بجھی' بے رونق لگ رہی تھی۔ سیدھی نیچے تہہ خانے میں چلی گئی۔ سیم آہستہ سے اس کے پیچھے گیا۔ وہ سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ اداس اور اکیلی۔

''آپ اکیلی کیوں آئی ہیں؟ ماموں کہاں ہیں؟''

''تمہارے ماموں کو خود نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہیں۔''

''آپ اَپ سیٹ ہیں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ زمر نے جواب دیے بنا سر گھٹنوں پہ رکھ لیا۔ سیم نے اس کے ساتھ زینے پہ کچھ رکھا۔ اور پھر اسی واپس چلا گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ چاکلیٹس کا ڈبہ تھا۔ زمر زخمی سا مسکرائی۔

''ضروری نہیں کہ جو چیز ایک دفعہ اچھی لگے' وہ ہمیشہ اچھی لگتی رہے۔ جیسے وہ اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتا' جتنا آج میں نے اسے جان لیا ہے۔'' وہ خود سے بڑبڑائی۔ ''اسے خود بھی نہیں معلوم کہ اسے زرتاشہ سے اپنی سوچ سے زیادہ محبت تھی' اور مجھ سے اپنی سوچ سے بہت کم۔''

اندھیرے تہہ خانے کی سیڑھیوں پہ ریپر میں لپٹی چاکلیٹس کی مہک کے اندر پھر سے ''ریکا'' کی خوشبو بھی بس گئی تھی۔

❖❖❖

جنوں میں شوق کی گہرائیوں سے ڈرتا رہا ..... میں اپنی ذات کی سچائیوں سے ڈرتا رہا

زمر یوسف نے زندگی میں پہلی دفعہ فارس کے بارے میں اتنی بڑی بات بالکل درست کہی تھی' لیکن اگر وہ سن لیتا تو تعجب اور حیرت سے تردید کر دیتا۔ وہ جلد ہی گھر آ گیا تھا۔ پہلے وقت دیکھا۔ نماز کا خیال آیا پھر ''کچھ دیر بعد'' سوچ کر ٹال دیا۔۔۔ جیل سے آنے کے بعد وہ بہت کم نماز پڑھ پاتا تھا۔ کمرے میں صوفے پہ بیٹھتے ہوئے جوتے اتارے۔ دفعتاً سیل بجنے کی آواز آئی۔ زمر شاید باتھ روم میں تھی' سیل بیڈ پہ پڑا تھا۔ فارس کسی خیال کے تحت اٹھا' اور اس کا موبائل اٹھایا۔ احمر شفیع کا پیغام آیا تھا۔ اس کے ابرو بھنچے۔ سیل اٹھایا اور زمر کا پیٹرن ملا کر اسے کھولا۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے' کال می جب میرا میسج دیکھیں۔'' فارس کے ابرو مزید تن گئے۔ انگوٹھے سے اسکرین اوپر کی۔ پرانے میسجز۔ باہر ملنے کے۔ کسی کام کی طرف اشارہ۔ فیس کی بات۔ احمر کا فیس کے لیے شکریہ کرنا۔ سب مبہم تھا' مگر..... تنے ابرو اور بھنچے لبوں کے ساتھ اس نے فون واپس اپنی جگہ پہ رکھا اور باہر بالکونی میں آ گیا۔

وہاں تاریکی تھی۔ فارس کرسی پہ پاؤں لمبے کر کے نیم دراز ہوا' اور آنکھیں بند کر لیں۔ دل دو دماغ دو حصوں میں بٹے تھے۔ (وہ اس کو کبھی دھوکہ نہیں دے گی' وہ ایک بے وقوف عورت اور بدترین وکیل سہی' مگر وہ پیٹھ پیچھے حملہ کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ مگر پھر بھی وہ اتنا

بے چین کیوں تھا؟ شک بڑھتا کیوں جا رہا تھا؟) اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ تاریکی میں اپنی ساری زندگی کسی فلم کی طرح چلنے لگی...

فارس غازی نے ایک ایسے گھر میں جنم لیا تھا جہاں ایک ''بیمار'' شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس کی ماں جو مرضِ عشق میں مبتلا تھی۔

وہ ایک کاردار تھی، علیمہ کاردار۔ بے حد خوبصورت۔ ہاشم جیسے نقش' اورنوشیرواں جیسا مزاج۔ نخرہ' غرور' غصہ' سب کسی کاردار جیسا تھا۔ کسی زمانے میں یہ سب اپنے جوبن پہ ہوتا ہوگا' مگر جس عمر میں اس کے ذہن نے شعور کی منزل پہ قدم رکھا' وہ بہت حد تک ڈھے چکی تھی۔ اسے ایک شادی شدہ آدمی سے محبت ہوئی تھی۔ گو کہ وہ اورنگزیب کاردار کی بہن تھی' امیر تھی' خوبصورت تھی' لیکن پھر بھی محبوب کو خرید نہیں سکی تو خود کو اس کے قدموں میں رول دیا۔ ہر قیمت پہ اسے اپنانا چاہا' اور اپنا بھی لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ کو بھی اس کی ماں سے محبت تھی' مگر یہ متوازن محبت تھی' اس میں ''مرض'' کا عنصر نہ تھا۔

علیمہ کے لئے طہیر نے سب کچھ کیا' اس کو اپنا نام دیا' اولاد دی' مگر ایک الگ گھر نہ لے کر دے سکا۔ علیمہ کو الگ گھر کی تمنا بھی نہیں تھی۔ وہ جہاں بھی خوش تھی تب تک جب تک وہ ان ماں بیٹے سے ملنے آتا رہے۔ اور وہ اکثر آتا تھا۔ فارس کے لئے وہ آئیڈیل مرد تھا۔ مضبوط اور بہادر۔ ہر بچے کے لئے اس کا باپ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی ایسا جس کو کوئی نہیں ہرا سکتا، جو ہر مسئلے کو حل کرسکتا ہے، ہر پریشانی میں ان کی ڈھال بن سکتا ہے۔

پھر ایک دن آئیڈیل کا یہ مجسمہ بھی خاک بوس ہو گیا۔

اس روز کس چیز کی دعوت کی گئی تھی؟ بالکونی میں بیٹھے فارس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ہاں، اس کے پاس ہونے کی خوشی میں۔ شاید کوئی پوزیشن لی تھی اس نے۔ اس کا باپ' اس کی ماں' اور چھے سالہ فارس' وہ بہت مسرت اور فخر سے اس دعوت کا حصہ بنے تھے۔ سب کچھ بہت اچھا تھا۔ تحفے' رنگ' خوشبو۔ روشنیاں۔ دعوت اورنگزیب نے دی تھی۔ کسی زمانے میں ان کو اپنی بہن اور بھانجے سے بہت لگاؤ ہوتا تھا۔

لیکن پھر... جواہرات کاردار نے اپنے کسی ملازم کے ہاتھوں طہیر غازی کی پہلی بیوی کے گھر پیغام بھجوا دیا۔ وہ اپنے دو بچوں' ایک بڑی لڑکی' اور ایک فارس سے کچھ بڑے لڑکے کے ساتھ اس دعوت پہ آدھمکی۔ ندرت اور وارث کی ماں ولایت بیگم۔ وہ سخت گیر' مذہبی مائل اور اوسط تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اگر وہ کسی اونچی ڈگری کی حامل ہوتی' تب بھی شاید وہ یہی کرتی جو اس نے کیا۔ علیمہ کے سوشل سرکل' اورنگزیب کے رشتے داروں اور دوستوں کے سامنے اس نے چلا چلا کر سب کو بتایا کہ وہ اس دھوکے باز انسان کی پہلی بیوی ہے۔ یہ تو دو بچوں کا باپ ہے' اور اب یہاں کھڑا ہے ایک خوبصورت اور جوان عورت کے ساتھ؟۔

جواہرات اپنے بیٹے کے ساتھ سکون سے بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی۔ علیمہ حق دق سی کھڑی رہی' اورنگزیب اور طہیر اسے سمجھاتے رہے کہ علیمہ' اورنگزیب سب جانتے ہیں کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا' اس نے نکاح کیا ہے' گناہ نہیں کیا' مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ ولایت تو نہیں جانتی تھی۔ اسے تو آج علم ہوا تھا۔ اس نے اپنی زبان اور اپنے آنسوؤں سے جو کچھ کہا' وہ کونے میں کھڑے فارس کا ذہن تا عمر اپنے باپ کے لئے داغدار کر گیا۔ یہ نہیں تھا کہ اس کی باپ کے لئے محبت میں کمی آئی یا وہ ان سے نفرت کرنے لگا۔ بس اتنا تھا کہ اس نے اپنے باپ کا مان اور اعتماد کھو دیا۔ اگر ولایت نہیں جانتی تھی، تو وہ بھی نہیں جانتا تھا مگر اس وقت اس کا خیال کسی کو نہیں تھا۔ سب تقریب کی شرمندگی اور اہانت کو تحلیل کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ وہ وہیں اس کونے میں کھڑا رہا۔ ساکت۔ خوفزدہ۔ بے یقین۔ فکرمند۔ اس کو ایک دم اپنا آپ کمزور اور بے سہارا لگا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا اس کا باپ ولایت بیگم کو صفائی پیش کر رہا تھا' وہ پریشان تھا' اور بے چین بھی۔ وہ سب کچھ لگ رہا تھا سوائے ایک بہادر مرد کے۔ اور یہ سب کرتے ہوئے اس نے علیمہ کاردار کو قطعاً نظرانداز کر دیا تھا۔ وہ خوبصورت لڑکی بے بس اور بے سہارا کھڑی تھی۔ طہیر غازی ان دونوں کا سہارا نہیں بن سکا تھا۔ گھر کا سربراہ ایسا نہیں ہوتا۔ گھر کے سربراہ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ علیمہ کی انگوٹھی کا نگینہ اسے چبھا تھا۔ اس چبھن میں بھی احساسِ تحفظ تھا۔ ان دونوں میں کون کس کو تحفظ

دے رہا تھا؟ دونوں کو نہیں معلوم تھا۔ مگر اس دن سے فارس کو لگنے لگا تھا کہ ہر رشتہ یا تو ختم ہو جاتا ہے یا دھوکہ دے جاتا ہے۔ اس نے باپ سے محبت کرنا کم نہیں کی لیکن یہ احساس ہو گیا کہ وہ ایک ایسا مرد ہے جو کٹھن وقت میں ان ماں بیٹے کے سر کی چھت نہیں بن سکتا۔

طہیر غازی اپنی پہلی بیوی اور خاندان کے ہاتھوں آہستہ آہستہ شکست تسلیم کرتے گئے۔ مہینوں بعد ادھر چکر لگا پاتے۔ یا بالکل نہ آتے۔ فارس کو نہیں معلوم کہ یہ فیصلہ کس نے کیا تھا لیکن ایک دن وہ ان دونوں کو اپنے خاندانی گھر لے ہی آئے۔ یہاں سے زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔ رنگین فلم جیسے بلیک اینڈ وائٹ اور mute ہو گئی تھی۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ دو قیدی عجیب انداز میں لائے گئے تھے۔ نہ ان کے کوئی حقوق تھے نہ مان تھا۔ ان سے بات کرنا گناہ' ان کی پرواہ کرنا جرم تھا۔ گھر میں واضح لکیر کھینچ گئی تھی۔ ایک طرف ایک کمرے میں وہ نازوں میں پلی' مرضِ عشق میں مبتلا' ہر حال میں طہیر کے ساتھ رہنے کی خواہاں لڑکی اپنے کم عمر بیٹے کے ساتھ تھی۔ اور دوسری طرف طہیر کی خاندانی بیوی اور اس کے دو بچے جن کو پورے خاندان کی سپورٹ حاصل تھی۔

اور اس کا کمزور باپ دریا کے دو کناروں کو ملانے کی کوشش میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو اس سب سے نکالنا چاہتا تھا' مگر ایک دن اسے احساس ہوا کہ وہ شخص کبھی اس پانی سے نہیں نکل پائے گا۔ اس دن فارس گھر چھوڑ کر واپس بھاگ آیا تھا....

زمر کمرے میں آ چکی تھی۔ آہٹ نے فارس کا ارتکاز توڑ دیا۔ وہ پرانی یادوں کو جھٹک کر موبائل نکال کر بے مقصد بٹن دبانے لگا۔

❖ ❖ ❖

یہ طفل و جواں اس نور کے نورس موتی ہیں داس آگ کی کچی کلیاں ہیں
جس میٹھے نور اور کڑوی آگ سے ظلم کی اندھی رات میں پھوٹا صبح بغاوت کا گلشن

یہ الگ بات تھی کہ اس سہ پہر ہارون عبید کی رہائش گاہ کا سبزہ اداس تھا۔ آبدار کی کھڑکی سے دکھائی دیتے لان میں مور خاموش بیٹھے تھے' بطخیں اداسی سے کونے میں دبکی تھیں۔ بلی جانے کہاں گم تھی۔ اور وہ خود... کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھی تھی۔ ''سیو سعدی یوسف'' کا صفحہ کھول رکھا تھا اور آنکھوں شدید اداسی لیے اس لڑکے کی مسکراتی تصویر دیکھ رہی تھی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر سا امڈ رہا تھا۔

آبی نے آنکھیں بند کر لیں اور اس یاد کے جھرنے کو بہنے دیا' اتنا کہ اس کے پانی میں وہ خود بہتی چلی گئی۔

وہ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھی۔ وہ سردی دوپہر تھی۔ سرما کی اداسی ہر جگہ گھلی ہوئی تھی۔ وہ سر جھکائے' جرنل پہ چند اہم نکات لکھے جا رہی تھی۔ جب اس نے وہ آواز سنی۔ کسی کے کسی کو مارنے کی آواز۔ چونک کر سر اٹھایا تو کیفے کے ایک کونے میں' جہاں دیوار سی بنی تھی' چلی گلی کی طرح' وہاں ایک لڑکا دوسرے کو پیٹ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ حیران پریشان سی اٹھتی' مار کھانے والے لڑکے کے چہرے پہ نظر پڑی۔ وہ شیرو تھا۔ اس کا روار تھا۔ آبی نے ناک سکوڑی اور واپس بیٹھ گئی۔ (گڈ فار ہم!)

اس کے ساتھ والی میز پہ ایک قدرے درمیانی عمر کی دیسی عورت بیٹھی تھی۔ سر بالکل گرائے' چپ' خاموش۔ کنکھیوں سے آبی کو نظر آیا' ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا دو کافی کے مگ لیے ادھر آ کر بیٹھا ہے۔ اس کی آبی کی طرف پشت تھی' وہ بھی توجہ دیے بنا کام کرتی رہی۔ البتہ ان کی باتیں کان میں پڑ رہی تھیں۔ وہ لڑکا شاید اس عورت کا اسٹوڈنٹ تھا اور عورت کو وہ ٹیچر کی حیثیت سے پہچانتی بھی تھی۔

''یہ تمہارا دوست ہے نا جو مار کھا رہا ہے۔'' کیفے میں اس وقت لوگ بہت کم تھے' پھر بھی وہ اٹھ کر اس طرف دوڑے تھے۔ مگر وہ لڑکا کچھ بھی نہ سمجھے بغیر شیرو کو مارے جا رہا تھا۔ ''تم بھی اس کی مدد کے لیے جاؤ۔''

''اس کی مدد کے لیے بہت سے لوگ ہیں' ابھی پولیس بلا لیں گے' مگر آپ کی مدد کے لیے اس وقت صرف میں ہی ہوں۔''

آبی خاموشی سے گردن ترچھی کیے دیکھتی رہی۔

''تم میری کیا مدد کر سکو گے؟ تم خود ایک بچے ہو۔ میرا تیسرا مس کیرج ہوا ہے' آج تو ڈاکٹر نے بھی نا امیدی کی باتیں کی ہیں۔ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔'' آپی نے یونہی سر اٹھا کر اس طرف دیکھا۔ لڑکے کی پشت تھی' مگر عورت کا نیم رخ واضح تھا اور وہ سر جھکائے آنسو پونچھ رہی تھی۔

''مسز مرجان' تھوڑے تحمل سے میری بات سنیں۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ آبدار پھر سے کام کرنے لگی۔ اسے معلوم تھا اب وہ اسے تسلی دے گا۔ علاج کے طریقے' یا پھر ایڈاپشن یا اس حقیقت کو قبول کر کے مثبت سوچ کے ساتھ رہنے کی نصیحت۔

''آپ کا ڈاکٹر ٹھیک کہہ رہا ہے' آپ infertile (بانجھ) ہیں۔ آپ کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے۔''

لکھتے ہوئے آپی رکی۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ اسے برا لگا تھا۔ ایسے کہتے ہیں کسی کو بھلا؟ مسز مرجان نے شاکی نظروں سے دیکھا۔

دور کونے میں لوگن شیرڈ کا انحصار بہتے تھے' ڈالر کا جھاگ چکا تھا۔

''آپ بانجھ کہلانے پاتی اپ سیٹ کیوں ہیں؟''

''سعدی!'' مسز مرجان نے صرف گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ قرآن پڑھتی ہیں مسز مرجان؟''

(اچھا اب وہ ابراہیم علیہ السلام یا ذکریا علیہ السلام والا واقعہ دہرائے گا۔) آپی نے دوبارہ سے کام کی طرف متوجہ ہونے سوچا۔

''کبھی کبھی۔''

''یہی کبھی کبھی اس دنیا کے کروڑوں لوگوں کا مسئلہ ہے۔ خیر۔ آپ نے اس میں ذکریا علیہ السلام والا واقعہ تو پڑھا ہوگا' انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ان کو اکیلا نہ چھوڑیں۔ تو......''

''تو اللہ نے انہیں یحییٰ عطا کیے مگر وہ پیغمبر تھے سعدی۔''

سعدی نے گہری سانس لی۔ ''میم' خوبصورت لڑکوں کی بات کاٹا نہیں کرتے۔ اس لیے تحمل سے مجھے سنیں۔ جب ذکریا علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ نے ان کو ایک دم سے اولاد نہیں دے دی' بلکہ پہلے بشارت دی' کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا۔ مگر جب یہ بشارت دی تو ذکریا علیہ السلام حیرت سے پوچھنے لگے' کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا' ہم نے اس سے پہلے آپ کو بھی تو تخلیق کیا تھا اور آپ بھی تو کچھ نہیں تھے۔ آپ مجھے بتائیں مسز مرجان' کیا آپ نے غور کیا اس پہ؟''

''دیکھو سعدی' میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ ذکریا علیہ السلام کو یہ بتا رہے تھے کہ آپ کچھ بھی نہ تھے' یعنی ہر انسان پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے اور یہ اتنا امیزنگ ہے کہ وہ چھ فٹ کا انسان بن جاتا ہے' ہم سب کی پیدائش امیزنگ ہے' لیکن میرا کیس مختلف ہے۔''

''نہیں... یہیں پہ ہم دونوں مختلف ہیں' کیونکہ قرآن پڑھنے اور قرآن پہ غور و فکر کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ اب اسی آیت کو دیکھ لیں۔ اللہ نے ذکریا کو مخاطب کیا کہ ''آپ بھی تو کچھ نہ تھے'' آپ نے اس سے مراد ہر انسان کی پیدائش لی' لیکن میرے خیال میں اس کا ایک اور مطلب بھی ہے۔''

آپی بے اختیار گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔ مسز مرجان نے بھی قدرے متذبذب سے اس لڑکے کو دیکھا۔

''میرے خیال میں مسز مرجان' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم ''ہر انسان'' کی پیدائش نہیں صرف ''ذکریا کی پیدائش'' پہ غور کریں۔''

''مطلب؟''

''ذکریا بنی اسرائیلی تھے۔ اور بنی اسرائیلی، اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہیں۔ آپ بتائیں، یعقوب کس کے بیٹے تھے؟''

''اسحٰق علیہ السلام کے...''

''اور اسحٰق کس کے بیٹے تھے؟''

''ابراہیم علیہ السلام کے!''

''ابراہیم اور سارہ کے، علیہما السلام!'' اس نے اضافہ کیا۔ پشت ہونے کے باوجود آبی کو لگا تھا وہ مسکرایا ہے۔

''آپ کو پتہ ہے بنی اسرائیل اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قوموں میں سے ایک ہے۔ ہم پٹھان ہوں یا گورے لوگ یا فلسطینی یا ملک اسرائیل کے یہودی، ہم بنی اسرائیلی ہیں۔ اسی لیے پٹھانوں اور گوروں جن کو ہم 'انگریز' کہتے ہیں، ان کی شکلیں ملتی ہیں، کیونکہ ہم سب پیچھے سے اسرائیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ذکریا بھی اسرائیلی تھے۔ میں بھی اسرائیلی ہوں۔ اور ہم سب کی ماں تھیں۔ حضرت سارہ۔ آپ کو معلوم ہے سارہ کون تھیں؟''

''دنیا کی سب سے خوبصورت خاتون تھیں وہ۔'' مسز مرجان کو یاد آیا۔

''بالکل، وہ دنیا کی سب سے خوبصورت خاتون تھیں، اور وہ بانجھ تھیں۔''

ایک لمحے کے لیے آبدار کا سانس رک گیا۔ اردگرد ہر شے تھم گئی۔ مسز مرجان بھی بالکل ٹھہر کر سعدی کو دیکھ رہی تھیں۔

''تو اللہ تعالیٰ نے ذکریا علیہ السلام سے جو فرمایا، شاید اس کا مطلب یہ بھی تھا مسز مرجان، کہ آپ اپنی پیدائش پہ غور کر لینا ذکریا۔ آپ بھی تو ایک بانجھ عورت کی اولاد ہیں۔' آج دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسی بانجھ عورت کی اولاد ہے۔ اگر سارہ کے اولاد ہو سکتی ہے، تو دنیا کے ہر مرد اور عورت کے ہاں اولاد ہو سکتی ہے۔'' مسز مرجان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''مگر وہ... وہ پیغمبر کی زوج تھیں۔ اس لیے ان کی اولاد ہوئی۔''

''نہیں۔ ان کی اولاد اس لیے ہوئی کیونکہ انہوں نے دعا کی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی، جب ذکریا علیہ السلام نے دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، 'ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی۔' اللہ تعالیٰ دعا رد نہیں کرتے، لیکن اس میں یقین ہونا چاہیے۔ آپ کسی پیر، کسی قبر، کسی مزار، کسی تعویذ کو وسیلہ بنائیں گی تو اللہ آپ کو انہی کے حوالے کر دے گا۔ آپ ایسا مت کیجئے گا۔ اگر آپ تہجد نہیں پڑھتیں کبھی دعا کے لیے، تو اس کا مطلب ہے آپ اس کو پانے کے لیے خود بھی سیریس نہیں ہیں۔ شدید پریشانی کے حالات میں دعائیں بھی شدید مانگی ہوتی ہیں۔ یہ پانچ وقت کی نماز کے بعد روٹین کی طرح دعا مانگنا کافی نہیں ہوتا۔ جتنی بڑی آزمائش ہے، اتنا زیادہ اپنی دعا کو بڑھائیں۔ یہ وہی اللہ ہے جو حضرت سارہ کا اللہ تھا۔ کیا آپ کی دعا بھی ویسی ہے جیسی سارہ کے شوہر کی تھی؟''

مسز مرجان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ آبدار بالکل ٹھہر کر سن رہی تھی۔

''مگر سعدی... یہ میری آزمائش ہے یا گناہوں کی سزا؟ یہ فرق کیسے معلوم کروں؟''

''معلوم کر کے کیا کریں گی؟ سزا ہوئی تو معافی مانگیں گی، آزمائش ہوئی تو دعا کریں گی کہ اللہ اس میں کامیاب کرے؟ مسز مرجان، مجھ سے پوچھیں تو یہ معلوم کرنا لایعنی ہے۔ اس بحث کو چھوڑ دیں اور یہ دونوں کام کرتی رہیں۔ آپ کو پتہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ آزمائش کیوں ڈالتا ہے؟''

بھیگے چہرے کے ساتھ مسز مرجان نے نفی میں سر ہلایا۔

''بعض دفعہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کوئی اونچا درجہ دینا چاہتا ہے، مگر اس کے اعمال اتنے نہیں ہوتے کہ وہ اس درجے تک پہنچ جائے،

یعنی وہ اچھا آدمی ہوتا ہے مگر بہت زیادہ نیکیاں نہیں کر پا رہا ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ ناانصافی تو نہیں کر سکتا نا' سو اس شخص کو اس درجے تک پہنچا... کے لئے... سمجھیں پہلی سیڑھی پہ کھڑے شخص کو دسویں سیڑھی تک پہنچانے کے لئے اللہ اس پہ پریشانیاں ڈالتا ہے' تاکہ اس کے گناہ جھڑ... ظاہر ہے گناہ کم ہوں گے تو وہ اوپر اٹھتا جائے گا۔ جس دن وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے' اس کی آزمائش کھول دی جاتی ہے۔ یہ میری خو... گھڑی بات نہیں ہے' یہ صحیح حدیث کا مفہوم ہے۔"

"مطلب کہ... یہ سب ہمیں کسی مقام تک پہنچانے کے لئے ہوتا ہے؟"

"جی۔ اب یہ آپ پہ ہے کہ آپ اس مقام تک کتنی جلدی پہنچتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں' تو جلدی زینے عبور کریں گ... حدیث میں آتا ہے کہ انسان کو کوئی چیز ملنے والی ہوتی ہے کہ اس کے گناہ آڑے آجاتے ہیں۔ اس لئے گناہوں سے بچیں' اور زیادہ سے زیا... اچھے اعمال کریں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کشادگی کا انتظار بہترین عبادت ہے۔ اس لئے اپنی کشادگی کا انتظار کیجئے۔ ... اولادی، اولاد کی معذوری، یا بیماری، یا اولاد کا ہو کر مرجانا، یہ سب کوئی curse نہیں ہے۔ یہ تو انبیاء کی آزمائش تھی۔ یہ بڑے لوگوں ک... آزمائش ہوتی ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں۔ ہو سکتا ہے روزِ قیامت آپ کو کشادگی کے انتظار میں گزارے یہ ماہ و سال بہت قیمتی لگیں کیونکہ ... وقت آپ کو وہ دے جائے گا' جو اور کوئی نہیں دے سکتا۔ میں پھر کہتا ہوں' یہ curse نہیں ہے کیونکہ اللہ ہمیشہ ان لوگوں کی سائیڈ پہ ہوگا جن ... وہ آزمانے کے لئے اتنے بڑے بڑے دکھ دیتا ہے۔"

آبدار عبید کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا پھر بھی اس کو لگا' اس کی آنکھ سے آنسو گرا تھا۔ کوئی اتنا نرم' اتنا پیارا کیسے بول سکتا ہے؟ اس نے... ایک دفعہ پھر گھوم کر اس لڑکے کو دیکھنا چاہا۔ اسکی پشت تھی مگر سامنے گلاس ڈور فریج میں اس کا چہرہ منعکس ہو رہا تھا۔ چھوٹے گھنگریالے بال... خوبصورت چہرہ، صاف رنگت، بھوری آنکھیں۔

"سعدی۔ تم نے میری امید پھر سے زندہ کر دی ہے۔ میں اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکوں گی۔" مسز مرجان آنسو گراتے... ہوئے اسے ممنونیت سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی ہوں؟"

"بالکل۔" وہ ذرا جوش سے آگے کو ہوا۔ "اگر کلاس میں کبھی کوئی ایسا مقابلہ ہو جس میں سب سے ہینڈسم لڑکے کو منتخب کیے جانا ہو' ت... وعدہ کریں' آپ مجھے ووٹ دیں گی!" اور وہ روتے روتے ہنس دی تھیں...

اوراب... اتنے سال بعد آبدار عبید اداسی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ساتھ میز پہ اس کا سفری بیگ تیار رکھا تھا۔ وہ قیدی تھا یا صر... مہمان' یہ فیصلہ اسے اس سفر کے بعد ہی کرنا تھا۔ لیکن اس فیصلے کے بعد وہ کیا کرے گی؟ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ قسمت بھی کیسے عجیب اندا... میں اسے اس سے ملانے جارہی تھی۔

..............❖❖❖..............

وہ اپنے زعم میں تھا، بے خبر رہا مجھ سے ..... اسے گمان بھی نہیں، میں نہیں رہا اس کا

اس صبح مطلع صاف تھا۔ سورج بھی مکمل روشن تھا۔ بڑے ابا کے آبائی قصبے میں ان کے چچیرے بھائی کی وفات کی اطلاع فجر کے قریب آئی تھی۔ ندرت فوراً سے چلنے کی تیاری پکڑنے لگیں۔ ابا بہت آزردہ تھے' مگر ان کا جانا بھی ضروری تھا۔ سو ناشتے کے بعد ندرت' ابا' ... صداقت سفر پہ نکل پڑے۔ اور دو تین دن کے لئے ریسٹورانٹ بند کرنے کا کہہ دیا۔

وہ گئے تو گھر میں خواہ مخواہ کا سناٹا چھا گیا۔ سیم اسکول جانے سے انکار کر کے سونے چلا گیا۔ فارس اور زمر کی اس رات سے بات چیت بند تھی (گو کہ فارس کے لئے یہ نئی بات نہیں تھی' سو وہ نارمل تھا' مگر زمر کا دل بری طرح ٹوٹا تھا کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی)۔

صبح باسی ہو کر ایک روشن دوپہر میں ڈھلی تو ایک سرکاری دفاتر کی عمارت کے اندر ایک آفس میں فارس غازی بیٹھا تھا' اور مسلسل کان

ہنستے قیدی جن کے ہاتھ پیر زنجیروں میں تھے' وہ ایک دم سے سامنے آئے تھے' ان کے چہرے... اف... حنہ خوف سے جم گئی مگر زمر نے کہنی سے کھینچ کر اسے سائیڈ پہ کیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے انہیں دیکھتے آگے بڑھ گئے۔ حنین کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ بمشکل دو قدم مزید چل پائی۔

"مجھے گھر جانا ہے' واپس!" وہ ہمت ہار چکی تھی۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا تھا تم لوگوں کو نہیں آنا چاہیے۔"

"میں تو ٹھیک ہوں۔" سیم واقعی ٹھیک نظر آ رہا تھا مگر وہ رو دینے کے قریب تھی۔

"آپ مجھے واپس چھوڑ کر آئیں۔ ابھی اسی وقت۔" اس نے نم آنکھوں سے زمر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گہری سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

واپسی پہ کورٹ رومز کے کھلے دروازے ان کے بائیں ہاتھ تھے۔ حنہ نے دہشت اور خوف کے احساس کے باوجود گاہے بگاہے اندر جھانکا۔ ایک سو دس دفعہ لعنت ہو امریکی ڈراموں پہ۔ وہ کورٹ رومز بالکل بھی امریکی ڈراموں جیسے نہ تھے۔ ہاں بھارتی فلموں سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتے تھے' مگر بھارتی فلموں والے کورٹ رومز گندے میلے اور لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ یہ صاف ستھرے تھے۔ لکڑی کا کام بھی سنہرا چمکدار تھا۔ مگر ڈراموں فلموں کے برعکس ان میں وہ کرسیوں کی لمبی لمبی دو قطاریں نہیں تھیں۔ بلکہ کرسیاں تو صرف دو تین پڑی تھیں۔ باقی اوپر جج کا بنچ اور دونوں طرف کٹہرے بنے تھے۔ شور ہی شور۔ وہ ڈراموں والی پر تقدس خاموشی ناپید تھی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہوئے اس نے زمر سے کہا تھا۔ "میں بالکل' بالکل' بالکل بھی وکیل نہیں بننا چاہتی۔" اور خفگی سے اندر بیٹھ کر دروازے لاک کر دیے۔ سیم کو بھی اندر بٹھا لیا۔ وہ ناخوش تھا مگر اسے اپنی بہن کا خیال رکھنے کے لیے وہاں بیٹھنا تھا کیونکہ وہ گھر کا بڑا مرد تھا۔

زمر بار بار گھڑی دیکھتے جب واپس آئی تو مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر اسے احمر کھڑا نظر آیا تھا۔ اس نے بھی زمر کو دیکھ لیا۔ سو تیزی سے قریب آیا۔ "مسز زمر۔" وہ فکر مند لگ رہا تھا۔ "میں نے بہت کوشش کی مگر آئی ایم سوری میں پرچہ کٹنے سے نہیں روک سکا۔ ہوا کیا ہے؟"

"اس کو پھر سے فریم کیا گیا ہے۔ مرڈر کیس ہے' اور اس کے پاس alibi بھی نہیں ہے۔"

"او ہو۔" وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زمر کو معلوم تھا کہ اسے کس کا انتظار ہے۔

"احمر' آپ کے یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"وہ میرا دوست ہے۔" زمر نے گہری سانس لی۔

"فی الحال وہ ایسا نہیں سمجھتا۔" احمر نے ابرو تعجب سے بھینچے۔ وہ جواباً جتنے مختصر الفاظ استعمال کر سکتی تھی' کر کے ساری کہانی سنا ڈالی۔ احمر کی فکر مندی' پریشانی میں بدلی۔

"جی' میں نے یہی کہا تھا ہوٹل والوں سے کہ میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے ہوں' اور کیا کہتا؟ اس روز وہ ہارون صاحب کی رہائش گاہ پہ آیا تھا تو اس نے مجھ سے سوال جواب کیے تھے۔ میں نے محتاط جواب دیے' جھوٹ نہیں بولا۔"

"اور ہاں آپ نے مجھے ٹیکسٹ بھیجا تھا کہ آپ کو کال کروں؟ گیس واٹ' وہ ٹیکسٹ میں نے صبح دیکھا' کیونکہ وہ مجھ سے پہلے فارس کھول چکا تھا۔" اور اس کی ٹون نہ چاہتے ہوئے بھی ملامتی ہو گئی۔ "ایسی کیا خاص بات تھی؟"

احمر ایک دم شرمندہ ہو گیا تھا۔ "وہ تو... کچھ بھی نہیں تھا۔" ذرا ٹھہر کر بتانے لگا۔ "میں شادی کر رہا ہوں' فاطمہ سے' کیمپئن ٹیم میں میرے ساتھ کام کرتی ہے' میں اسے منگنی کا کیا تحفہ دوں' یہی پوچھنا چاہتا تھا' پلیز برا مت منائیے گا' نہ میں آپ کا کولیگ ہوں نہ دوست' مگر آپ سے زیادہ میرے حلقۂ احباب میں کوئی sophisticated نہیں ہے۔ صرف اس لیے۔ میں غازی کو وضاحت دے دوں گا۔"

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ "خیر' مبارک ہو آپ کو۔ مگر اس وقت' آپ جو کہیں گے وہ کچھ الٹا سیدھا بول دے گا' آپ ابھی چلے جائیں' جب وہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں آپ کی ملاقات کروا دوں گی۔" اور وہ متامل' متذبذب سا لوٹ گیا۔

زمر کافی دیر اس راہداری میں کھڑی رہی۔ لوگ اسی طرح آ جا رہے تھے۔ وہ ویران' اداس نظروں سے سب دیکھتی رہی۔ ذہن بار بار اس کینڈل لائٹ ڈنر میں کی گئی اس کی سلگتی باتوں پہ بھٹک جاتا' مگر نہیں' ابھی یہ سب نہیں سوچنا تھا۔

دفعتاً وہ سیدھی ہوئی۔ پولیس اہلکار اسے لا رہے تھے۔ رات والی جینز اور گرے شرٹ میں ملبوس تھا۔ ایک رات میں ہی شیو بڑھی لگتی تھی۔ زمر کو دیکھ کر اس کی سنہری آنکھیں سکڑیں' ان میں چبھن اتری' مگر منہ میں کچھ چباتا آگے بڑھتا رہا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی' مگر اگلے ہی پل مسکراہٹ غائب ہوئی۔ فارس کے قریب' سیاہ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس' خلجی صاحب چلتے آ رہے تھے۔

''ڈونٹ یو ڈیر!'' زمر کے سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔ وہ قریب آئے تو وہ بظاہر مسکرا کر خلجی صاحب کی طرف گھومی۔

''آپ یہاں خیریت سے خلجی صاحب؟''

''یہ میرے وکیل ہیں۔'' وہ چبھتی آنکھیں زمر پہ جمائے بولا۔ زمر نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا مگر ہنوز مسکراتے ہوئے بولی۔

''آخری اطلاعات تک تمہاری وکیل میں تھی۔''

خلجی صاحب فون پہ بات کر رہے تھے' سر کے اشارے سے اسے سلام کیا۔ فارس چند قدم چل کر اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا' جتنی اجازت اس کی زنجیر اس کو دیتی تھی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''زمر بی بی.... مجھے آپ سے کسی اچھائی کی امید نہیں ہے۔'' دبی سرگوشی میں بولا۔ وہ اس سے لمبا تھا' زمر کو چہرہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنا پڑ رہا تھا۔

''ان سے بہ؟''

''وہ میرے ساتھ وفادار ہیں۔'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

''اچھا!'' زمر دانت پہ دانت جما کر مسکرائی' پھر سر کو خم دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ خلجی صاحب فون بند کر چکے تھے' اب اس سے حال احوال دریافت کرنے لگے۔ وہ جواب دیتی چند قدم آگے چلی آئی۔ پھر مزید چند قدم۔ یہاں تک کہ وہ دونوں فارس کی حدِ سماعت سے دور ہو گئے۔ وہ تیکھی نظروں سے ان دونوں کو بات کرتے دیکھنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اس کی طرف آئے۔ خلجی صاحب نے خوشگوار انداز میں زمر کو دیکھتے فارس کو مخاطب کیا۔ ''تم فکر نہ کرنا' زمر اچھے سے سب ہینڈل کر لیں گی۔ میں پھر اپنے آفس کی طرف جاتا ہوں۔'' فارس کا شانہ تھپکا اور زمر کو گرم جوشی سے الوداع کہہ کر وہ آگے چلے گئے۔ زمر نے مسکرا کر فارس کو دیکھا۔ ''وفادار ہاں؟''

''کیا کہا ہے آپ نے ان سے؟'' وہ خشک انداز میں بولا تھا۔ ''بلکہ کس چیز سے بلیک میل کیا ہے ان کو؟ ایک یہی کام تو آتا ہے آپ کو!''

''جب تم چار سال جیل میں لوگوں سے جھگڑ جھگڑ کر اپنے لیے دشمن بنا رہے تھے نا' تو میں ایک سیاسی عہدے پہ کام کر رہی تھی۔ یہاں لوگ میری بات ٹالا نہیں کرتے۔'' وہ بھی اتنی ہی تلخی سے بولی تھی۔ ''ہاں میں نے تم سے چند جھوٹ بولے تھے' احمر کو بھی ہائر کیا تھا' لیکن تمہارے خلاف نہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو تم سمجھ رہے ہو۔ دیکھو' ابھی وقت کم ہے' تمہارا نام ابھی پکارا جائے گا۔ اس وقت کو لڑنے میں ضائع مت کرو۔ ویسے بھی زیادہ سے زیادہ تین ہفتے بعد ٹرائل شروع ہو جائے گا' تم ان تین ہفتوں میں جتنے وکیل ڈھونڈ سکتے ہو ڈھونڈ لو' میں کسی ایک کو بھی تمہاری طرف نہیں رہنے دوں گی' اس لیے ان تین ہفتوں کے لیے مجھے اپنا وکیل رہنے دو۔ جس دن ٹرائل شروع ہوا' اس دن تم فیصلہ کر لینا۔ مجھے فائر کر دینا' میں چلی جاؤں گی' لیکن اس سے پہلے نہیں۔ اوکے!'' غصے اور سمجھانے والے ملے جلے انداز میں وہ بول بول کر چپ ہوئی تو وہ بھی چند لمحے سوچتا رہا۔ ''آپ کو اگر میرا وکیل رہنا ہے تو ایک کام کریں۔''

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ "کہو!"

"شہزا ملک... وہ لڑکی... اے ایس پی کی کزن اور سالی... وہ دو دن پہلے کوما سے نکل آئی ہے، سو آپ نے اس امر کو یقینی بنانا ہے کہ وہ نیاز بیگ کو جیل سے نکلنے نہ دے۔ کیسے؟ یہ میرا دردِ سر نہیں ہے!" حکم صادر کر کے وہ پلٹ گیا۔ زمر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ راہداری میں بھانت بھانت کی بولیاں ہنوز گونج رہی تھیں۔

.... ٭٭٭ ....

جسے گئے ہوئے خود سے ایک زمانہ ہوا ...... وہ اب بھی تم میں بھٹکتا ہے اب بھی آ جاؤ

گالف کلب کے سبزہ زاروں پہ زمردی قالین سا بچھا لگتا تھا۔ فضا میں آتے سرما کی مہک تھی، گھاس بھی گویا لمبا لیٹا یہ نرم گرم دھوپ سینک رہا تھا۔ وہ دونوں گھاس پہ آگے چلتے جا رہے تھے۔ ہارون نے ٹی شرٹ کے اوپر پی کیپ اوڑھ رکھی تھی اور جواہرات نے گھٹنوں تک آتا سادہ کرتا پہن رکھا تھا' اور بال جوڑے میں بندھے تھے۔ اتنے casual حلیے میں بھی وہ نازک اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ پچھلے ماہ اس نے آنکھوں کی کاسمیٹک سرجری (آئی لفٹ) کروائی تھی جس سے اس کی آنکھیں زیادہ بڑی اور گہری لگنے لگی تھیں۔

"میں تمہیں آج بھی پہلے کی طرح گالف میں ہرا سکتا ہوں۔" مسکرا کر اس کی طرف چہرہ کر کے بولے۔

"برسوں پہلے میں ایک بے وقوف لڑکی تھی' جو تمہاری باتوں میں آ کر تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔" وہ بھی تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ہارون ٹھہر گئے۔ اس کو قدرے افسوس سے دیکھا۔

"یہ رشتہ ختم کرنے میں تم نے پہل کی تھی۔"

"اتنے برس بعد تم نے بالآخر یہ ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو اپنی تصحیح کر لو ہارون۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کے سامنے آئی اور سرد مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "ہمارے درمیان کبھی کوئی رشتہ نہیں تھا' تم اور میں اچھے دوست تھے' بلکہ دوستوں سے بڑھ کر تھے' پھر ہم نے شادی کا فیصلہ کیا تھا' اور ہمارے خاندان کو اس پہ اعتراض نہیں تھا۔"

"اور پھر تم نے مجھے ٹھکرا کر اورنگزیب سے شادی کی تھی۔"

"یہ وہ چوائس تھی جس پہ میں پچھلے اڑتیس سال سے پچھتا رہی ہوں ہارون' لیکن یہ مت بھولنا کبھی کہ میں نے تمہیں اس لیے ٹھکرایا تھا کیونکہ تم اپنی ایرانی کزن کے ساتھ انوالوڈ تھے۔ اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بے وفائی سے واقف ہو گئی تھی' پھر بھی تم کتنے ہٹ دھرمی سے میری آنکھوں میں دیکھ کر مجھ سے شکوہ کر لیتے ہو کہ میں نے تمہیں ٹھکرایا تھا۔" غصے کی اٹھی گردن' اور مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ ہارون نے گہری سانس لی۔

"تمہیں اتنی پرانی باتیں یاد ہیں' اورنگزیب کی موت کے بعد ان دو سالوں میں..."

"ایک سال دس ماہ میں..." اس نے میکانکی انداز میں تصحیح کی مگر وہ کہہ رہے تھے۔ "کتنی دفعہ میں نے چاہا کہ ہم کم از کم دوستی کے رشتے میں پھر سے منسلک ہو جائیں لیکن تم ہر دفعہ پرانی باتوں کو کیوں درمیان میں لے آتی ہو!"

"ہارون!" وہ ایک قدم آگے ہوئی اور شیرنی جیسی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالیں۔

"تم میرے صرف دوست نہیں بننا چاہتے میں جانتی ہوں' تمہارے پاس ہم سے زیادہ دولت ہے لیکن ہمارے پاس تم سے زیادہ طاقت ہے' ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے' اس لیے ہم ساتھ کام کر رہے ہیں' لیکن میرا اعتماد تم کئی برس پہلے کھو چکے تھے۔ اگر تمہیں دوبارہ سے مجھ سے کوئی تعلق استوار کرنا ہے تو اس کے لیے تمہیں میرا اعتماد چاہیے' اور اعتماد میں بھیک میں بھی نہیں دیتی۔ اسے تمہیں کمانا ہو گا۔"

اور پھر دلکشی سے مسکرائی۔ "سو محنت کرو ڈئیر۔ شاید کہ تم کھویا ہوا اعتماد بحال کر لو۔" پھر سر کے خم سے اشارہ کیا۔ ملازم فوراً حاضر ہوا۔ تابعداری سے

کٹ لئے آگے آئے۔ ہارون صرف مسکرائے اور کھیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ دور دور تک پھیلے ہجرے کا ہر تنکا دلچسپی سے یہ کھیل دیکھنے کا منتظر تھا۔

..........❖❖❖..........

وہ دل کہ اب ہے لہو تھوکنا ہنر جس کا ...... وہ کم سے کم ابھی زندہ ہے، اب بھی آ جاؤ

انیکسی تک واپس جاتے ہوئے زمر ان دونوں کو بتا رہی تھی۔ "پانچ دن کا جسمانی ریمانڈ مل گیا ہے پولیس کو۔ چودہ دن تک وہ اس میں توسیع کرواتے رہیں گے پھر فارس کو جوڈیشل کر دیا جائے گا، یعنی کہ۔" ان کے پوچھنے سے پہلے بتانے لگی۔ "اس کو جیل بھیج دیا جائے گا، اور باقاعدہ مقدمہ شروع ہوگا۔ پہلے پراسیکیوٹر اپنے دلائل دے گا، پھر ہم دیں گے، پھر پراسیکیوٹر اپنے گواہ پیش کرے گا، پھر ہم کریں گے۔ اس کارروائی میں عرصہ لگ جاتا ہے، لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جج مقدمے کے دوران کسی بھی دن کسی بھی وجہ سے ملزم کو بری کر سکتا ہے۔ بے گناہ ثابت کرنا، گناہگار ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔" دونوں جواب میں کچھ نہ بولے۔

مگر گھر کے دروازے پہنچ کر حنہ کے منہ سے "اوہ" نکلا اور زمر کا ایک دم دل بیٹھ گیا۔ ندرت کی کار جس میں صداقت ان کو ڈرائیو کر کے گاؤں لے گیا تھا، وہاں کھڑی تھی۔ ایک دریا کے پار ایک اور دریا کا سامنا! زمر نے لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سامنے بڑے ابا فکر مند بیٹھے تھے اور ندرت پریشان سی نظر آ رہی تھیں۔ زمر نے فون بند کر رکھا تھا اور حنہ اپنا فون گھر چھوڑ گئی تھی۔ یقیناً انہوں نے کئی کالز کی ہوں گی۔

"زمر!" ندرت گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر پریشانی سے اٹھیں۔ "فارس کو کیوں لے کر گئی ہے پولیس؟ جیسے ہی جواہرات نے بتایا، ہم فوراً آ گئے۔"

"یا اللہ یہ مسز جواہرات بھی نا!" حنین غصے سے بڑبڑاتی آگے آئی اور ندرت کو شانوں سے تھام کر واپس بٹھایا۔

"زمر بتاؤ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" ابا بھی بے چین تھے۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے بیٹھی اور تفصیل، تسلی اور امید سے سب بتانے لگی۔ ندرت بے ساختہ رونے لگی تھیں۔ "اس ملک میں کوئی قانون، کوئی دستور نہیں ہے کیا؟ جب دیکھو میرے بھائی کو مقدمات میں پھنساتے رہتے ہیں۔

اللہ غارت کرے ان کو۔"

"آمین!" حنہ بڑبڑائی تھی۔ اس آمین کہنے میں بھی دل ٹوٹ کر سو بار جڑا تھا۔

ندرت کو حنہ اوپر کمرے میں لے گئی۔ باقی سب بھی بکھر چکے اور وہ دونوں اکیلے رہ گئے تو ابا نے آہستہ سے اس سے پوچھا تھا۔

"کیا وہ باہر آ جائے گا؟"

"مجھے واقعی نہیں پتا ابا!" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ ابا غمگین سے بیٹھے اس کے لہجے پہ غور کرتے رہ گئے۔

..........❖❖❖..........

دلیلوں سے دوا کا کام لینا سخت مشکل ہے ...... مگر اس غم کی خاطر یہ ہنر بھی سیکھنا ہوگا

کولمبو کی پرنم فضاؤں میں لپٹے ہوٹل کی بیسمنٹ میں اٹھا پٹخ جاری تھی۔ پہریدار سعدی کے کمرے کی دیوار پہ ایل سی ڈی ٹی وی لگا رہے تھے۔ ڈی وی ڈیز کا ایک چھوٹا کارٹن، پھل، چاکلیٹس، خشک میوے، جوس کے ڈبے، نئے کپڑے، تازہ ریلیز ہوئے بیسٹ سیلرز۔ سعدی غیر دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھ رہا تھا جو وہ لوگ لا لا کر اس کے کمرے میں رکھ رہے تھے۔ وہ سیاہ حبشی صورت فصیح ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ "ان احسانات کی وجہ؟" اس نے سنجیدگی سے حبشی صورت کو مخاطب کیا۔ اس نے ایک اچٹتی نگاہ سعدی پہ ڈالی۔

"یہ ہارون عبید کی طرف سے ہے، وہ سب جو تم نے مانگا تھا۔"

"جس سے مانگا تھا' وہی دیتا تو اچھا تھا۔" وہ بے زار سا اٹھ کر لاؤنج نما کمرے میں آ گیا۔ کسی نے اسے نہیں روکا۔ وہ اس کمپاؤنڈ میں ٹہل پھر سکتا تھا' اجازت مل گئی تھی۔ وہ ابھی وہاں بیٹھا ہی تھا کہ یکدم فصیح اس کے کمرے سے باہر نکلا' اور کلنگ فلم میں لپٹی چیزیں میز پہ رکھیں۔ سعدی منجمد ہو گیا۔ اندر اس کا لائٹر' کاٹا' چند کیل وغیرہ تھے۔ نگاہیں اٹھا کر فصیح کو دیکھا۔

"سنو مانیکل اسٹوفیلڈ' زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر گہری سانس لے کر لہجہ نرم کیا۔ "یہاں سے نکلنا ہے تو ہاں ان صاحب کے لئے کام کرو۔ ایک ڈیڑھ سال کی بات ہے' پھر وہ تمہیں آزاد کر دیں گے۔"

"ارے واہ۔ یہ سن کر میری آنکھیں بھر آئیں!" وہ طنز سے بولا تھا۔ فصیح اسے گھورتا ہوا پلٹ گیا۔ میری ساتھ آ کر بیٹھی اور جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو ان نوازشات کی بابت دھیمی سرگوشی میں بتانے لگی۔

"یہ سب مس آبدار نے بھجوایا ہے۔" پہلے کی طرح وہ اب سخت نہیں رہی تھی' شاید لمبی قید سے تنگ آ گئی تھی۔ "مگر اس لڑکی سے بچ کر رہنا۔"

"ایک اور گڈ کاپ!" اس نے شانے اچکائے۔

"نہیں سعدی!" وہ اس کو سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ "وہ بری نہیں ہے' مگر وہ بہت چالاک ہے۔ دراصل وہ خطرناک ہے۔ دیکھو اس نے باپ کو مسز جواہرات نے شادی کے لئے ٹھکرایا تھا' مگر ان دونوں کے درمیان اب بھی بہت کچھ باقی ہے۔ دوستی' کاروبار' چنگاریاں۔" ذرا سانس لینے کو رکی۔ سعدی بے دلی سے سن رہا تھا۔ "اور آبدار ہے تو بہت اچھی' مگر میں اس کے ساتھ ہمیشہ غیر آرام دہ رہتی ہوں۔ اس نے اپنی ماں کو کم عمری میں کھو دیا تھا۔ پھر امریکہ چلی گئی۔ سنا ہے وہاں ایک دفعہ یہ ڈوبنے لگی تو ہاشم نے اس کی جان بچائی۔ تب ہاشم کی شادی کو شاید ایک سال ہوا تھا۔ اس دن کے بعد اس کا دل شہری سے اچاٹ ہو گیا۔ اسے شہری میں صرف خامیاں نظر آتی تھیں' مگر میں گواہ ہوں' ہاشم نے اس سے بے وفائی نہیں کی' نباہ کی بھی کوشش کی' مگر آبدار۔ وہ ہاشم کے دل میں رہتی ہے' اس لئے اس سے دور رہنا سعدی!"

"تو ہاشم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟" اسے پہلی دفعہ دلچسپی محسوس ہوئی۔

"ہاشم اپنی طلاق اور باپ کی موت کے بعد سے بہت مصروف رہا ہے' لیکن اب چونکہ وہ دونوں ایک شہر میں ہیں' وہ اسے اپنانے کا ضرور سوچے گا' لکھ کر رکھ لو۔"

"رکھ لیا۔ لیکن اگر ہاشم اس کی اتنی پروا کرتا ہے تو اس کو میرے پاس بھیجنا نہیں چاہیے تھا۔" اسے جانے کیوں افسوس ہوا۔

"یہی میں سمجھ نہیں پا رہی۔ ہاشم نے کیوں اسے آنے دیا؟" میری نے سر جھٹکا۔ تبھی دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ میری جلدی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ بیرونی دروازہ کھلا اور اسے سرخ اسکارف کی جھلک دکھائی دی تو اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسی سپاٹ اور معصوم چہرے کے ساتھ چلتی آ رہی تھی۔ سعدی پہ ایک نظر ڈالی' ساتھ موجود گارڈ سے مقامی زبان میں کچھ کہا اور آگے بڑھ گئی۔

چند لمحوں بعد وہ گارڈ کی معیت میں اس دو کرسیوں والے کمرے میں داخل ہوا تو آبدار سینے پہ بازو لپیٹے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ ابرو سے گارڈ کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا تو وہ اس کی طرف گھومی۔

"تم نے کہا اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ آدمی کے پاس ایک ہی دل ہوتا ہے' مگر میں آدمی نہیں ہوں۔"

"مطلب؟" وہ مشتبہ نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا جو دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

"ڈور نمبر فور' مجھے کرنل خاور کی مدد کرنی ہے' سو مجھے تمہارے وکیل کا نام چاہیے' اگر تم مجھے بتا دو تو میں تمہاری مدد بھی کروں گی' لونا میرے دو دل ہیں' میں.... غیر جانبدار ہوں!"

"اور تم میرے لیے کیا کرو گی؟" وہ اب بھی مشکوک نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔

"یہ فارس غازی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔" اس نے سینے پہ لپٹے بازو کھولے اور ایک ہاتھ میں پکڑا تہہ شدہ کاغذ دور سے دکھایا۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی تھی۔

"میں کیسے یقین کروں کہ تم جھوٹ نہیں بول رہی؟"

"میری شکل پہ لکھا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی، خیر تم اس کی لکھائی پہچان لینا، یہ اسی نے لکھا ہے۔ لیکن..." کاغذ والا ہاتھ پہلو میں گرا لیا۔ "میں تمہیں یہ تب دوں گی جب تم مجھے وکیل کا نام بتاؤ گے۔" سعدی آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"فارس غازی کو معلوم ہے میں کہاں ہوں؟ کس کے پاس ہوں؟"

"اس کو سب معلوم ہے۔ اب نام بتاؤ۔" وہ جیسے فیصلہ کر کے آئی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ٹھیک ہے۔" اس نے گہری سانس لی۔ "لیکن میں وکیل کا نام صرف ہاشم کو بتاؤں گا۔"

"ہاشم درمیان میں کہاں سے آ گیا؟" اس کے ابرو ناخوشی سے بھنچے۔

"درمیان میں نہیں۔" سعدی نے غور سے اسے دیکھتے کہا۔ "وہ اس وقت تمہارے پیچھے کھڑا ہے۔"

آبدار کرنٹ کھا کر دروازے کی طرف پلٹی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، سعدی نے ایک دم جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے کاغذ کھینچ لیا تھا۔ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ اس نے اگلے ہی لمحے خود کو ششدر اور خالی ہاتھ کھڑے پایا۔

"قید خانہ انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے، بس!" محظوظ سا مسکرا کر وہ چند قدم پیچھے ہٹا اور کاغذ کھول کر ایک نظر ان الفاظ پہ ڈالی۔ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ شاک سے نکل آئی تھی اور غصہ اس کی آنکھوں میں ابھر رہا تھا۔ "واپس کرو۔"

"گارڈز کو بلا لو۔ وہی مجھ سے چھین سکتے ہیں اب یہ۔"

"او کے فائن، اب تمہیں یہ مل گیا، اب مجھے نام بتا دو۔" ذرا بے بسی بھری خفگی سے سینے پہ بازو لپیٹے بولی۔

سعدی نے ایک دفعہ پھر ان حروف کو پڑھا، کچھ دیر سوچتا رہا، پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "میں نے کہا نا، ہاشم کو بتا دوں گا نام، تو اسی کو بتاؤں گا۔" آبی نے آہستہ سے کاغذ تھاما۔ کچھ دیر لب کاٹتی رہی۔ غصہ قدرے کم ہوا۔

"تمہیں سمجھ آ گیا وہ تمہیں کیا کہنا چاہتا ہے؟ اس کا کیا مطلب ہوا؟" اچنبھے سے استفسار کیا۔

"خودکشی!" وہ جل کر بولا تھا۔ اس پیغام پہ جیسے اسے غصہ آیا تھا۔

"اس نے کہا تھا یہ تمہاری آزادی کا پروانہ ہے۔"

"ان کا دماغ خراب ہے۔"

آبدار چند قدم کا فاصلہ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اس آدمی کا دماغ ہرگز خراب نہیں ہے!"

"تم نہیں جانتی فارس غازی کو۔" وہ جھلایا تھا۔ "وہ ہاتھوں سے سوچتے ہیں، ان کا غصہ ان کی ججمنٹ کو دھندلا دیتا ہے۔ اسی لیے ہمیشہ مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں یہاں اتنے مہینے سے قید ہوں، ان کو معلوم ہے میں کہاں ہوں، پھر بھی مجھے بچانے نہیں آئے۔" وہ شکوہ کر گیا تھا۔

"سعدی یوسف! مجھے نہیں پتہ تم انسانوں کو کتنا پہچانتے ہو، لیکن میں ایک عامل تنویم ہوں، مجھے انسانوں کو پڑھنا آتا ہے۔ اور جس فارس غازی سے میں ملی تھی، وہ ویسا نہیں ہے جیسا تم اس کو جانتے ہو۔ شاید وہ کبھی ویسا رہا ہو، لیکن اب نہیں ہے۔ مجھے نہیں پتہ ان حروف کا کیا

مطلب ہے، لیکن تمہیں ایک بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے۔'' اس کی بھوری آنکھوں کو دیکھتے ہمدردی سے آواز آہستہ کی۔ ''تمہیں یہاں سے نکالنے کوئی نہیں آئے گا۔ نہ میں، نہ فارس غازی، نہ تمہارے خاندان میں سے کوئی اور۔ تمہیں یہاں سے صرف ایک شخص نکال سکتا ہے، اور اس کا نام سعدی یوسف ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو خود ریسکیو کرنا ہوگا!''

''آپ کے گارڈز کی مہربانی سے انہوں نے میری لاک پک بھی آج چھین لی ہے!''

''لاک پک؟'' اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ ''تمہیں لگتا ہے یہ لاک پک سے کھلنے والے دروازے ہیں؟ یہاں ریٹینا سینسرز لگے ہیں سعدی یوسف! ان کو یہ گارڈز بھی نہیں کھول سکتے۔ ویسے میں نے تمہاری پروفائل پڑھی تھی جو فصیح نے بنا کر دی تھی۔ تم سعدی، تم فارس غازی نہیں ہو جو ہر لاک کھول لو گے یا ان گارڈز سے ہاتھا پائی کر کے یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ نہ تمہیں لڑنا آتا ہے، نہ گن چلانی آتی ہے، نہ ان دروازوں کے لاکس کھولنا آتے ہیں۔ فصیح نے بتایا تم نے ہاشم کے اکاؤنٹس بھی چرائے تھے مگر تم کمپیوٹرز میں بھی اتنے اچھے نہیں ہو، ان کی انکرپشن کو بھی نہیں کھول سکے۔ نہ تم اچھے بلیک میلر ہو۔ نہ ہی پڑھائی میں تم کوئی بہت ہی اعلیٰ وارفع تھے۔ وہ ٹیلنٹ جو تمہارے اردگرد کے لوگوں کے پاس ہیں، وہ تمہارے پاس نہیں ہیں!'' سعدی کی آنکھوں میں شدید ناگواری ابھری۔

''سو تمہارا مطلب ہے مجھے کچھ نہیں آتا۔ ابھی کل جب تمہارے باپ نے مجھے قید نہیں کیا تھا اور میں اپنی دنیا میں رہ رہا تھا، تب لوگ مجھے بہت پسند کرتے تھے۔''

''کبھی سوچا لوگ تمہیں کیوں پسند کرتے تھے؟ ہر شخص کے پاس ایک خاص ٹیلنٹ ہوتا ہے، تم لاک پکس جمع کرنا چھوڑ دو کیونکہ وہ تمہارا ٹیلنٹ نہیں ہیں۔ تمہیں ایک ہی چیز کرنی آتی ہے زندگی میں اور اسی چیز کی وجہ سے لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

سعدی کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ ''کیا؟''

''تمہاری باتیں!''

''واٹ؟'' اسے عجیب سا لگا۔

''سعدی، تمہاری قائل کر لینے والی زبان ہی تمہارا سب سے بڑا ٹیلنٹ ہے۔ تم لوگوں کو کنوینس کر سکتے ہو۔''

''میں نہیں کر سکتا!'' اسے خود بھی یقین نہیں آیا تھا۔

''کیوں کیا تم نے ابھی مجھے کنوینس نہیں کیا کہ ہاشم میرے پیچھے کھڑا ہے؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آبی نے سر جھٹکا۔ ''آل رائیٹ۔ میرا کام ختم ہوا۔ تم جانو، اور ہاشم جانے!'' وہ ایک گہری نظر اس پہ ڈالتی باہر نکل گئی۔ سعدی ناخوشی سے کھڑا انہی الفاظ کو سوچتا رہا۔

❖❖❖

اپنوں کی مشکلوں سے بوجھل سا دل ہے رہتا

اکتوبر کے وسط سے موسم بدلنے لگا تھا۔ سرما کی پہلی دستک سنائی دے رہی تھی مگر تھانے کے اندر وہی خوف، وحشت اور تشدد کا موسم تھا۔ وہ ایک کمرے میں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ (زمر کی وجہ سے اس کو چند سہولتیں مل جاتی تھیں جن میں یہ وقت بے وقت کی ملاقاتیں بھی تھیں۔) وہ خاموش سنجیدہ سا پلکیں سکوڑ کر احمر کو دیکھ رہا تھا' جبکہ وہ وضاحت دے رہا تھا۔

''دیکھو مسز زمر نے واقعی مجھے ہائر کیا تھا' لیکن تمہیں پھنسانے کے لیے نہیں۔ میں کلائنٹ پریولیج کے تحت تمہیں نہیں بتا سکتا تھا۔''

''کیوں ہائر کیا تھا اس نے تمہیں؟'' اس کی چبھتی نظریں احمر پہ جمی تھیں۔

''وہ تو میں تمہیں اب بھی نہیں بتا سکتا' کیونکہ یہ ورک ایتھکس کے خلاف ہے۔ اگر یہ تب غلط تھا تو اب بھی غلط ہے۔ وہ بتا دیں تو الگ بات ہے۔ لیکن مجھے ہماری دوستی بہت عزیز ہے اس لیے میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔''

"کرلیا۔ اور کچھ؟" اس کا لہجہ ٹھنڈا اور نگاہیں ہنوز پرتپش تھیں۔ احمر گہری سانس لے کر پیچھے ہوا۔ پھر سوچتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"مطلب تم واقعی سوچ سکتے ہو کہ چڑ ے... مسز زمر تمہیں یوں جیل بھجوا سکتی ہیں؟"

"میں بہت کچھ سوچ سکتا ہوں۔"

"مگر انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا غازی۔"

"تو ثابت کردو!" وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر پیچھے کو ہو بیٹھا۔ احمر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ "کیسے؟"

"مجھے ایک شخص سے ملنا ہے۔ صرف پندرہ منٹ کے لیے..." وہ کہہ رہا تھا مگر احمر کی آنکھیں پھیلیں۔ فوراً ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"دیکھو غازی! میں بے شک پرزن رائٹس پہ یقین رکھتا ہوں لیکن یہ رائٹس سے اوپر کی بات ہے۔" پھر آواز بے چارگی سے پنچی کی۔ "یار تم حوالات میں ہو، پندرہ منٹ کے لیے بھی ہم تمہیں یہاں سے نہیں نکال سکتے۔"

"تمہارے پاس میرے جوڈیشل ریمانڈ تک کا وقت ہے۔ دو ہفتے!" انگلیوں کی وی بنا کر دکھائی۔ "مجھے اس شخص کے پاس جانا ہے۔ یا تو تم اور تمہاری کلائنٹ یہ سب ارینج کر کے دو گے، یا میں خود جیل توڑ کر چلا جاؤں گا، کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ کون سا آپشن بہتر ہے، اپنی کلائنٹ سے پوچھ کر بتا دینا۔" وہ جتنی سنجیدگی اور قطعیت سے کہہ رہا تھا، احمر بے بسی سے اسے دیکھے گیا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا تھا کہ پرزن رائٹس جائیں جہنم میں، ارے ان قیدیوں کو تو الٹا لٹکا کر، درے مارے جانے چاہیے ہیں۔

"کون ہے وہ شخص؟"

..................❖ ❖ ❖..................

کئی بار دکھایا ہے ہمیں آئینہ وقت نے ..... ڈرتے جو ہار سے ہم، بے کار بن کر جیتے

انیکسی کے برآمدے میں نو وارد ہوئی سرما کی شام چھائی تھی۔ وہ نہیں تھا تو موسم کی گرمجوشی بھی ہر روز ناپید ہوتی جا رہی تھی اور خوف کا کہر فضا میں رچتا بستا جا رہا تھا۔ برآمدے میں آدھے بندھے گھنگریالے بالوں والی زمر، سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی، سنجیدگی سے سامنے کھڑے احمر کو سن رہی تھی جو بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔

"پلیز مجھ پہ چلائیے گا مت، مجھے قانون بھی مت سمجھائیے گا، مجھے معلوم ہے یہ سب کتنا غلط ہے مگر... وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔"

بات ختم کر کے اس نے ڈرتے ڈرتے زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ خاموش کھڑی تھی، چہرہ نارمل تھا۔

"وہ اس سے اب کیوں ملنا چاہتا ہے؟ اتنا عرصہ جب وہ باہر تھا، تب کیوں نہیں ملا؟"

"میں نے بھی یہی پوچھا تھا، وہ کہتا ہے کہ پہلے وہ آہستہ آہستہ کام کر رہا تھا، مگر اب وقت نہیں ہے۔" پیامبر نے ہچکچاتے ہوئے پیغام دیا۔

"ٹھیک ہے، وہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو ہم کروا دیں گے ملاقات!" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ احمر کا منہ کھل گیا۔

"واٹ؟ مطلب کہ..." پھر منہ بند کیا، خفگی سے اسے دیکھا۔ "آپ کو اس کا مطالبہ برا نہیں لگا؟"

"نہیں۔ وہ سچائی جاننا چاہتا ہے، تو سچائی جاننے کا بہترین وقت دورانِ قید ہے۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو کچھ کر بیٹھتا، لیکن اب اسے برداشت کرنا ہوگا۔" زمر نے شانے اچکائے۔ وہ ساری جمع تفریق کر چکی تھی۔

"یعنی آپ سچائی جانتی ہیں؟ آف کورس یہ میرا مسئلہ نہیں ہے" جلدی سے اپنی حد میں واپس آیا۔ "مگر ہم اس کو حوالات سے نکالیں اور واپس کیسے لائیں گے؟ یہ بہت خطرناک ہے!"

''میں کرلوں گی تھوڑی سی آپ کی مدد چاہیے ہوگی۔ اور ہاں...ٹرائل کے لیے مجھے ایک انویسٹی گیٹر کی ضرورت ہے۔ پچیس ہزار فی گھنٹہ ریٹ!'' ذرا نرمی سے پوچھا۔

احمر اداسی سے مسکرایا۔ ''مجھے آپ سے کوئی رقم نہیں چاہیے۔ میں صبح آؤں گا' ہم تب معاملات ڈسکس کرلیں گے۔'' ذرا رکا۔ ''ویسے میں وہی ہوں جس کو ایک زمانے میں آپ کورٹ میں کٹہری پہ اسکیوٹ کر رہی تھیں اور...''

''احمر!!!'' اس کی ایک نظر کافی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے جلدی سے بولا'' آف کورس آپ کو یاد ہے۔ میں چلتا ہوں۔''

تبھی برآمدے کا دروازہ کھول کر حنین تیزی سے باہر نکلی احمر کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ پھر زرا کی ذرا خفا نظر اس پہ ڈالی۔ احمر الوداعی کلمات کہہ کر برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ مگر وہ دیکھنے خشمگیں کا انداز.... بار بار اس کو کھٹک رہا تھا۔

کمپین آفس میں بیٹھے وہ اسی سوچ میں گم تھا جب فاطمہ نے اس کے سامنے کافی کا مگ رکھا۔ اور مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ احمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ گلا مز لگانے والی گوری اور دلکش سی لڑکی تھی۔

''تمہارے خیال میں وہ مجھے ہر دفعہ اتنی ناگواری کیوں دکھاتی ہے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ فاطمہ نے گھونٹ بھرتے شانے اچکائے۔

''شاید تمہاری کسی بات سے ہرٹ ہوئی ہو۔''

''نہیں میں نے تو دونوں دفعہ مختلف باتیں کہی تھیں۔ مگر مجھے ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ وہ لڑکی... سعدی کی بہن.... وہ مجھ سے... ان سیکیور رہتی ہے جیسے اسے مجھ سے کوئی خطرہ ہے۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ جیسے الجھا ہوا تھا۔ ''اس لڑکی کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔''

''احمر!'' فاطمہ آگے ہوئی اور دلچسپی سے بولی۔ ''اس کمپین میں ہم نے کتنے مسئلے حل کیے ہیں۔ کوئی پزل پہلے ہم سے بچ سکا ہے کیا؟''

''نہیں!'' وہ بھی دلچسپی سے آگے ہوا۔ ''ایسا کرو اس لڑکی کے بارے میں ہر معلومات مجھے ڈھونڈ کردو' تاکہ ہم کوئی لنک جوڑ سکیں۔''

''راجر باس' لیکن ہم یہ کر کیوں رہے ہیں؟ اس کی فیملی تو تمہاری دوست ہے نا۔''

''ہاں وہ میرے دوست ہیں' لیکن میں متجسس ہوں' اور جب تک میں اس کو حل نہیں کروں گا' مجھے چین نہیں ملے گا۔'' وہ بہت بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاطمہ نے ٹیک لگاتے سر کو خم دیا اور کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

............❖❖❖............

گر وقت کبھی آتا باطل کی خدائی کا ...... ہم موت سے نہ ڈرتے، تلوار بن کر جیتے

کمرے میں ٹی وی کا بے ہنگم شور گونج رہا تھا۔ سعدی بیڈ پہ لیٹا تھا' چہرہ پھیکی صورت بنا رکھے تھے اور غیر دلچسپی سے دیوار پہ نصب اسکرین دیکھ رہا تھا۔ دی گوسٹ اینڈ دی ڈارک نیس جو وہ کتنی ہی دفعہ گزرے برسوں میں دیکھ چکا تھا' اس قید خانے میں سخت کبیدہ خاطر لگ رہی تھی۔ (ٹی وی پہ صرف ڈی وی ڈی چلتی تھی، کوئی چینل نہیں آتا تھا۔)

اکتا کر اس نے ٹی وی بند کیا۔ کمرے کی خاموشی عجیب لگنے لگی۔ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور سوچنے کی کوشش کی کہ وہ اتنا بے سکون کیوں ہے؟ مگر اگلے ہی لمحے چونکا۔ ''اسکرین'' اسکرین میں سکون کب اور کس کو ملا تھا' جو اسے ملے گا؟ بھلے وہ ٹی وی اسکرین ہو' کمپیوٹر اسکرین ہو یا موبائل اسکرین۔ اسکرین سستی' بے سکونی اور بے زاری عنایت کرتی ہے اگر یہ اللہ کے ذکر سے خالی ہو! وہ اٹھا اور باتھ روم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد گیلے ہاتھ پیر اور چہرے کے ساتھ باہر نکلا اور اپنا قرآن لے کر اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھا۔

''پتہ ہے کیا اللہ تعالیٰ' اس اسکرین کی نماز اور قرآن کے ساتھ ہمیشہ ایک جنگ چھڑی رہتی ہے۔ جتنی زیادہ ہمارے زندگیوں میں

''اسکرین'' آتی ہے' اتنی ہماری نماز کم ہوتی ہے۔ اور جتنی نماز آتی ہے' اتنی ہی اسکرین خود بخود جانے لگتی ہے۔ ہم بیک وقت دو دل نہیں رکھ سکتے۔ حیا سے عاری دل، اور مومن کا دل، یہ ایک سینے میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ خیر' آج کون سی سورۃ پڑھوں؟'' اس نے صفحے پلٹتے سوچا۔ وہی بے ترتیب قرآن کی روٹین۔ وہ چند سورتیں آگے پیچھے سے پڑھتا تھا مگر تم کو صرف وہی قصہ سنایا جاتا ہے جب وہ چیونٹیوں کی سورۃ پڑھتا تھا۔ سو آج بھی اس نے النمل کھول کر تعوذ اور تسمیہ پڑھا۔

''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔'' اس نے آیات دیکھیں۔ ملکہ سبا کو سلیمان علیہ السلام کا خط مل چکا تھا اور اس کو پڑھنے کے بعد کا قصہ کچھ یوں تھا۔

''وہ کہنے لگی اے سردارو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو' تمہارے حاضر ہوتے ہوئے میں خود سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرنے والی۔ انہوں نے کہا۔ ہم قوت والے ہیں' اور سخت زور والے ہیں' اور معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے تو دیکھ لو کہ تم کیا حکم دیتی ہو؟''

''سو کیا مطلب ہوا ان آیات کا؟'' سعدی دانت سے نچلا لب دبائے سوچنے لگا۔ 'سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کریم جس میں لکھا تھا کہ میرے پاس مطیع و فرمانبردار بن کر چلی آؤ۔ اس کے بعد ملکہ اپنے لیڈرز سے مشورہ لیتی ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ مشورے کے لیے یہاں پر ''افتونی'' کا لفظ استعمال ہے' یعنی مجھے فتویٰ دو۔ اللہ تعالیٰ آپ نے ''مشورے'' کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ فتوے کا کیا۔ فتویٰ کہتے ہیں کسی مشکل مسئلے کے جواب کو۔ مجھے اس سے یہ سمجھ آیا ہے اللہ تعالیٰ کہ فتویٰ ''جواب'' ہوتا ہے۔ جب مانگا جائے تب دیا جائے۔ یہ نہیں کہ جگہ جگہ اٹھتے بیٹھتے' ہم ہر کسی پہ فتوے لگاتے جائیں۔ اور ملکہ کا قصہ ایک طرف' ہمارے ہاں ہر گلی کا مولوی' اور ہر یونیورسٹی کا اسلامک پروفیسر بھی فتوے لگا دیتا ہے' جبکہ اسلام میں ہر کوئی فتوے دینے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ مفتی کا مقام حاصل کرنے کے لئے خاص تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور کمرے کا وحشت ناک سناٹا اب آہستہ آہستہ سکینیت بھری خاموشی میں بدل رہا تھا۔

''ویسے انسان کو ہمیشہ مشورہ کرنا چاہیے' مشورہ انسان کو رسوائی سے بچا لیتا ہے۔ بہترین مشورہ اللہ سے مشورہ ہوتا ہے' اور بہترین فتویٰ دل کا فتویٰ ہوتا ہے' آخری فتویٰ۔ خیر۔'' اس نے صفحے کو دیکھا۔ 'ملکہ نے مشورہ مانگا تو سرداران قوم نے اپنی طاقت بھی واضح کر دی اور آخری فیصلہ بھی ملکہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر آگے کیا ہوا؟'' وہ پڑھنے لگا۔

''وہ کہنے لگی کہ بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد کرتے ہیں' اور وہاں کے رہنے والے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔'' سعدی کو کچھ یاد آیا۔

''اللہ تعالیٰ' یہ آخری الفاظ'' اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں'' ان کے بارے میں دو آراء ہیں نا۔ پہلی رائے یہ ہے' کہ یہ ملکہ کا ہی قول ہے' مگر مجھے دوسری رائے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تبصرہ ہے ملکہ کی بات پہ' کہ واقعی' طاقت کے نشے میں گم لوگ دوسروں کی عزتوں کی پرواہ کہاں کرتے ہیں۔''

کمرے کی وحشت کسی حد تک کم ہو چلی تھی۔ اس کا منتشر ذہن دھیرے دھیرے 'کئی دن بعد' فوکس کر پا رہا تھا۔ وہ عربی میں اگلی آیات پڑھنے لگا۔ ''اور بے شک میں بھیجنے والی ہوں ان (سلیمانؑ) کی طرف ایک ہدیہ۔ پھر دیکھتی ہوں کہ ہمارے قاصد کس چیز کے ساتھ لوٹتے ہیں۔''

''واہ ملکہ.... مشورہ آپ نے ضرور مانگا سرداران قوم سے' لیکن آخر میں کی تو آپ نے اپنی ہی مرضی۔'' وہ مصنوعی سا خفا ہوا۔ ''مجھے ہمیشہ یہ آیات پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ ملکہ ایک تو اپنے لیڈرز کو چیک کر رہی تھی' دوسرا وہ جنگ کے بجائے امن کے پیغام کو جستی فائی بھی کر رہی تھی۔ چیونٹیوں کی ملکہ کی طرح وہ بھی اپنی قوم کے لیے مخلص تھی' اور سب کا سوچتی تھی۔ وہ قطعی فیصلہ کر سکتی تھی مگر تھی وہ ایک عورت ہی' اس کو ایک فیصلہ لینے سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو اس فیصلے کی وضاحتیں اور صفائیاں دینا تھیں۔ وہ ملکہ ہو کر بھی چیونٹی تھی' مگر وہ درست تھی۔ عورت اگر

ھی خاندان میں دب بھی جائے' جارحیت کا جواب بھی صلح صفائی سے دے اور بظاہر چیونٹیوں کی طرح اندھی اور خاموش زندگی بھی گزار رہی ہو تو وہ بھی کوئی بری بات نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگوں کے سکون کے لئے اپنی انا کی قربانی دینا برا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟"

سعدی نے سر جھکا اور توجہ اگلی آیات کی طرف مرکوز کی۔

"تو جب وہ (قاصد) آئے سلیمان کے پاس (تحفے لے کر) تو وہ کہنے لگا۔ کیا تم مال کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ تو جو اللہ نے مجھے عطا کر رکھا ہے' وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تم کو عطا کر رکھا ہے۔ بلکہ اپنے تحفوں کے ساتھ تم خود ہی خوش ہوتے ہو۔ واپس جاؤ ان کے پاس' ورنہ البتہ ہم ضرور ان کے پاس ایسے لشکر لائیں گے جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہ ہوگی۔ اور ہم ان کو ان کی بستی سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ پست ہو کر رہیں گے۔"

"سبحان اللہ!" سعدی نے گہری سانس لی۔ "تحفے تحائف دینا پسندیدہ عمل ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیا بھی کرتے تھے' لیا بھی کرتے تھے۔ مگر سلیمان علیہ السلام نے کیوں یہ تحفہ قبول نہیں کیا؟ کیونکہ یہ رشوت تھی۔ رشوت اس شے کو کہا جاتا ہے جو جائز کو ناجائز یا ناجائز کو جائز بنانے کے لئے دی یا لی جائے۔ ملکہ کا تحفے بھیجنا اس امر کی نشاندہی تھا کہ وہ معاملہ خوشامد سے رفع دفع کرنا چاہتی تھی۔ مگر سلیمان علیہ السلام ایسے پھندوں میں نہیں آتے تھے۔" وہ رکا۔ "مگر وہ کیوں نہیں آتے تھے ایسے پھندوں میں؟ کیا اس لئے کہ وہ پیغمبر تھے؟ نہیں' بلکہ اس لئے کہ ...." اس نے آیت میں ہی جواب ڈھونڈا۔ "اس لئے کہ انہوں نے اپنی نعمتوں کے بارے میں اعتراف کیا کہ یہ مجھے عطا کی ہیں اللہ نے۔ اور یہاں ان کے لاؤ لشکر' جنات' پرواز کی سواریاں مراد نہیں ہیں۔ یہاں مراد ہے پیغمبری۔ کتاب کا علم۔ اللہ کا قرب۔ تو جو اللہ کے آگے سجدے میں سر رکھتا ہو' اس کا سر ان پھندوں میں نہیں پھنستا۔ ان کی یہ ساری شان' یہ انکار' یہ طریقہ' یہ ان کے اصولوں کی وجہ سے تھا' اور اللہ' یہ تو مجھے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ کوئی پیغمبر کسی کو ذلیل نہیں کر سکتا' یہاں ذلیل کرنے اور پست کرنے سے مراد جنگ کی خونریزی ہے۔ سلیمان' ملکہ کے پورے ملک کے عوام کی آخرت کی فکر کر رہے تھے۔ اگر ملکہ اور سرداران قوم نے اسی طرح پورے ملک کو سورج کی پرستش پہ لگائے رکھا تو اس قوم کو درست راہ دکھانے کے لئے حکمران طبقے کو جنگ کے ذریعے ملک سے نکالنا بھی برا سودا نہ تھا۔"

وہ آیات اتنی دلچسپ تھیں کہ سعدی کو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اسے سب یاد تھا کہ آگے کیا ہوگا' مگر قرآن ہر دفعہ انسان پہ نئے طریقے سے اترتا ہے۔ اب سلیمان کے دربار کا منظر بتایا جا رہا تھا۔

"سلیمان نے کہا' اے سردارو' کون ہے تم میں سے جو ان کے مطیع ہو کر آنے سے قبل اس (ملکہ) کا تخت اٹھا کر میرے پاس لائے۔" وہ لکھتے لکھتے ٹھہرا اور مسکرایا۔

"ملکہ نے بھی کہا یا ایھا الملو (اے سردارو) سلیمانؑ نے بھی کہا' یا ایھا الملو (اے سردارو) ملکہ نے بھی ان کی قوت چیک کی' سلیمان نے بھی ان کی طاقت جانچنی چاہی' مگر دونوں کا انداز مختلف تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے مشورہ نہیں مانگا' رائے نہیں مانگی' صرف جواب مانگا' کیونکہ جو وہ کرنے جا رہے تھے' وہ نبوت کا معجزہ تھا اور کچھ معاملے ایسے ہوتے ہیں جہاں آپ کو دوسروں کی آراء کے اثر سے نکل کر فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ سلیمان نے بھی اپنی مرضی کی' ملکہ نے بھی اپنی مرضی کی' مگر مجھے ہمیشہ لگتا ہے کہ چونکہ وہ ایک عورت تھی' اسی لیے اس کو صفائی اور وضاحتیں دینا پڑ رہی تھیں۔" پھر اگلے الفاظ پہ نظر دوڑائی۔

"کہا جنات میں سے ایک عفریت (دیو) نے' میں اس (تخت) کو لاؤں گا تیرے پاس تیرے اس جگہ سے اٹھنے سے قبل' اور بے شک میں اس پہ قوی اور امین ہوں۔"

"کس جگہ سے اٹھنے سے قبل؟" سعدی نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ چونکہ وہ عربی کا قرآن تھا' تفسیر لکھی ہوئی نہ تھی' اور وہ دل نے اسکرین دیکھ دیکھ کر نوٹس کم ہوتا جا رہا تھا۔ سو بروقت یاد آیا۔ "سلیمان علیہ السلام کا دربار صبح سے نصف النہار تک لگا کرتا تھا' جن کا مطلب

تھا کہ دربار ختم ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔ فلسطین، جہاں سلیمان علیہ السلام تھے، سے قوم سبا کے ملک کا فاصلہ ہزاروں میل پہ محیط تھا۔ وہ جن اس کو چند گھنٹے میں عبور کر سکتا تھا، مگر بے چارے کو بھی اس ہدہد کی طرح اپنی امانت کی صفائی دینی پڑ رہی ہے کہ میں اس تخت کے ہیرے موتیوں سے کچھ چراؤں گا نہیں۔ سلیمان علیہ السلام کا کتنا رعب تھا اپنی رعیت پہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے کہ جو زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔ مگر اپنے بڑوں کی ساری باتیں ہمیں عین موقعے پہ کیوں بھول جاتی ہیں؟''

گردن جھکائے رکھنے سے اس کی گردن دکھنے لگی تھی مگر یہ طے تھا کہ پڑھتے وقت اس کو آگے پیچھے کا ہوش نہیں ہو سکتا تھا۔

''کہا اس شخص نے، جس کے پاس کتاب کا علم تھا، میں لاؤں گا اس (تخت) کو تیرے پاس تیرے پلک جھپکنے سے بھی پہلے۔'' (سعدی کو محسوس ہوا اس کے بازوؤں کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے)۔'' پھر جب دیکھا سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا، تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے تو یقیناً وہ شکر کرتا ہے اپنی ہی ذات کے لئے اور جو کفر (یعنی کفرانِ نعمت یا ناشکری) کرتا ہے تو میرا رب تو بہت بے نیاز، بہت عزت والا ہے۔''

سعدی نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ ہونٹ سکیڑ کر سانس خارج کی۔

''یہ شخص کون تھا، اور اس کے پاس کون سی کتاب کا علم تھا؟ آپ نے ہمیں یہ سب نہیں بتایا اللہ، بعض کہتے ہیں یہ خود سلیمانؑ ہی تھے مگر یہ قول کمزور ہے۔ زیادہ بہتر وہ رائے ہے کہ یہ ایک انسان تھا، اسرائیلیات اس کا نام آصف بتاتی ہیں، اس کے پاس کسی خاص کتاب کا علم تھا جو جادو نہیں تھا، اور وہ پلک جھپکتے میں تخت کو سلیمانؑ کے پاس لے آیا تھا۔ لوگوں کو عموماً یہ آیت بہت ہی fascinate کرتی ہے۔ مجھے اس سے اگلے الفاظ زیادہ fascinate کرتے ہیں۔ پلک جھپکتے میں ہزاروں میل کا فاصلہ عبور کر کے تخت آ جاتا ہے سلیمانؑ کے پاس، اور وہ کہتے ہیں یہ میرے رب کا فضل ہے۔ ہمارے پاس جب پلک جھپکتے میں ہزاروں میل دور سے کوئی ای میل، کوئی فیکس، کوئی ویڈیو کال آ جاتی ہے، تو ہم کہتے ہیں، یہ سائنس کا فضل ہے، اسکائپ کا فضل ہے۔ وائی فائی کا فضل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سلیمانؑ نے اس ذی علم شخص کی تعریف نہیں کی ہو گی، یقیناً کی ہو گی مگر پہلی تعریف اللہ کی بیان کی۔ یہ سب سائنس کے کرشمے ہیں، اسکائپ، وائی فائی، سب۔ لیکن ہم، پہلی تعریف اللہ کی بیان نہیں کرتے۔ اللہ ہمیں نعمتوں سے اس لئے نہیں نوازتا کہ ہم بہت نیک ہوتے ہیں، بلکہ اس لئے نوازتا ہے کہ ہم ان کے بعد بھی نیک رہتے ہیں یا نہیں۔ ذکر نعمتوں کی حفاظت کرتا ہے، اور شکر نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔ اور اگر کوئی ناشکری کرے، اور اللہ آپ نے ناشکری کے لئے ''کفر'' کا لفظ استعمال کیا، تو اللہ ناشکروں سے بے نیاز ہے، اور ان کی تعریف کے بغیر بھی اتنا ہی باعزت ہے۔''

وہ عموماً اتنی زیادہ آیات پہ اکٹھے غور و فکر نہیں کیا کرتا تھا، مگر فی الحال اس قصے کو بیچ میں ادھورا چھوڑنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ وقت، کمرے میں چھائی ٹی وی کی نحوست، قید کا احساس، سب ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

''سلیمانؑ نے فرمایا، بدل ڈالو اس کے لئے اس کا تخت، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ (ملکہ) ہدایت پاتی ہے یا بے ہدایت لوگوں میں سے ہو جاتی ہے؟ تو جب وہ آ گئی، اس سے پوچھا گیا، کیا اسی طرح ہے تیرا تخت؟ بولی'' گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہم دیئے گئے علم اس سے پہلے ہی اور ہم تھے اطاعت گزار۔''

''ان الفاظ میں کتنی وسعت ہے نا اللہ۔ ان کے بارے میں بھی دو آراء ہیں، ایک یہ کہ یہ پوری سطر ملکہ کا کلام ہے، دوسری یہ کہ ملکہ نے صرف تذبذب سے صرف اتنا کہا'' گویا کہ یہ وہی ہے'' صاف پہچانا بھی نہیں، صاف انکار بھی نہیں کیا، اور آگے کے الفاظ سلیمانؑ کے ہیں۔ یہ مجھے زیادہ بہتر رائے لگتی ہے۔ کاش قرآن پڑھنے والوں میں بھی اتنی ہی وسعت آ جائے جتنی قرآن کی آیات میں ہے۔''

اس نے توجہ اگلے الفاظ کی طرف مبذول کی جہاں اللہ فرما رہا تھا۔

''اور روکا تھا اس (ملکہ) کو اس (سورج) نے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا۔ بے شک وہ کافروں میں سے تھی۔''

"رد کا تھا؟" وہ ایک دم چونکا۔ "اللہ کی عبادت کرنے سے آپ کو کیا چیز روکتی ہے؟ فجر پہ آپ کی آنکھوں پہ کیا چیز بوجھ ڈالتی ہے اور اٹھنے نہیں دیتی؟ صرف نیند میں اتنی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کی آپ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔ عبادت کہتے ہیں عاجزی وانکساری سے کسی کے سامنے جھک جانے کو۔ مجھے یاد آ رہا اللہ آپ نے ایک جگہ قرآن میں بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لئے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ "کیوں ہو تم ان کے آگے جم کر بیٹھنے والے۔" تو جس بری چیز کے آگے ہم جم کر بیٹھتے ہیں 'مبہوت' مسحور سے وہ ہمارے "... ہوتے ہیں۔" پلٹ کر ایک خفا نگاہ ٹی وی کی تاریک اسکرین پہ ڈالی۔ "اور جتنی زیادہ ان معبودوں کی مداخلت زندگی میں بڑھے گی اتنی نماز کم ہو گی، یہ تو طے ہے۔" پھر اس نے دھیان آج کے سبق کی آخری آیت پہ لگایا۔

"کہا گیا 'ملکہ سے' داخل ہو جا محل میں (جو شیشوں کا بنا تھا) تو جب اس نے دیکھا اس (شیشے کے فرش) کو، سمجھی اس کو حوض اور ہٹا لیا اس سے (لباس) اوپر اٹھا لیا' تو فرمایا سلیمانؑ نے 'بے شک وہ ایک محل ہے چکنا شیشے کا بنا۔ تو کہنے لگی اے میرے رب' بے شک میں نے ظلم کیا اپنی جان پر' اور میں اسلام لاتی ہوں سلیمانؑ کے ساتھ' اللہ رب العلمین کے لئے!"

"شیشے کا محل!" سعدی نے ٹھنڈی سانس بھرتے مقدس کتاب بند کی۔ "کہتے ہیں اس محل کا کرسٹل کلیئر گلاس فلور تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ ملکہ جو پہلے ہی اتنی متاثر ہو چکی تھی' اس اعجاز کو دیکھ کر تسلیم کرنے پہ مجبور ہو گئی کہ سلیمانؑ اللہ کے رسول ہیں' اور جس شے پہ وہ ہیں' وہ ٹھیک ہے' اور اس کی ساری زندگی کی عبادت اور ریاضت غلط تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ اس آیت سے ہمیشہ ایک بات محسوس کی ہے۔ دین کی تبلیغ کرنے کے لئے صرف تقریر نہیں کرنی ہوتی' دوسروں کو متاثر بھی کرنا ہوتا ہے۔ سلیمانؑ نے پرندے کے ذریعے خط' تخت کو لے آنے' اور مرد شیشے کے محل سے ملکہ کو متاثر کیا' کیونکہ سلیمانؑ کا معجزہ جنات' چرند پرند' اور ایسی مخلوقات اور علوم کا مسخر کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے معجزے سے ملکہ کو متاثر کیا۔ یہ قصہ پڑھ کر میرے جیسا عام انسان تھوڑا احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ بھئی ہمارے پاس تو نہیں ہیں شیشے کے محل' اور جنات کے لشکر' اڑنے والے تخت' دربار اور بادشاہی۔ مگر... ہمارا معجزہ یہ شان و شوکت ہے بھی نہیں۔ ہماری امت کا معجزہ ہے "قرآن" اور ہمیں قرآن سے لوگوں کو متاثر اور مسحور کرنا ہوگا۔ کبھی قرآن سنا کر اور کبھی خود چلتا پھرتا قرآن بن کر۔ تب ہماری تبلیغ دھیان سے سنی جائے گی۔"

اس نے کو ہاتھوں میں گرا کر دواب دعا مانگنے لگا۔ چونکہ تلاوت ختم ہو چکی تھی تو کمرے کی دہشت ویسی ہی محسوس ہونے لگی۔ گویا کہ وہ پہلے سے کم تھی۔ مگر وہ وہاں موجود تھی' یہ چیزیں تیزی سے ختم نہیں ہوا کرتیں۔

سعدی نے نوٹ بک اٹھائی اور اس پہ وہی الفاظ لکھے جو فارس نے لکھے تھے۔ Haman۔

سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے لوگوں کی دنیا و آخرت بچائی اپنی "نعمت" استعمال کر کے۔ اس کو اپنی جان بچانی تھی اپنا ٹیلنٹ استعمال کر کے۔ اور وہ سرخ اسکارف والی لڑکی ٹھیک کہتی تھی۔ اس کو صرف ایک چیز یہاں سے نکال سکتی تھی۔ اس کی زبان۔

ایک عزم کے ساتھ اس نے ان حروف پہ کانٹا لگایا۔ مگر یہ صرف کانٹا نہیں تھا۔

یہ صلیب تھی!

.... ❖❖❖ ....

یہ اداسیوں کے موسم یونہی رائیگاں نہ جائیں ..... کسی یاد کو پکارو ، کسی درد کو جگاؤ

سرما دھیرے دھیرے شہر کو لپیٹ میں لے رہا تھا۔ انیکسی میں عجیب ہو کا عالم تھا۔ اسامہ ٹی وی سے بے زار کونے میں اسکول کا کام لے بیٹھا تھا۔ ابا کمرے میں لیٹے تھے۔ ندرت نے ریسٹورانٹ جانا چھوڑ رکھا تھا' وہیں کچن کی گول میز پہ بے خیال' کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہتیں۔ کبھی کہتیں ان کو فارس سے ملنا ہے' پھر خود ہی ارادہ بدل دیتیں۔ ان کی نمازیں لمبی ہو گئی تھیں۔ باتیں گھٹ گئی تھیں۔ سب کے کمروں کی ترتیب بھی بدل گئی تھی۔ صداقت اب ابا کے ساتھ سوتا تھا' سیم اور ندرت کے ساتھ' اور حنین زمر کے ساتھ ہو... خوف ... تھا' ...

خیال رکھنا چاہ رہا تھا' یہ سوچنے کے دن نہیں رہے تھے۔

حنہ اس وقت نیچے بیسمنٹ میں تھی۔ اوپر زمر کے کمرے کی بتی مدھم تھی اور اندر وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی نماز پڑھ رہی تھی سلام پھیر کر اس نے خالی خالی نظروں سے ویران کمرے کو دیکھا۔ خالی صوفے کو دیکھا۔ اس کی ان چھوئی الماری کو دیکھا۔ وہ ہوتا تھا تو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہیں تھا تو ہر شے گواہی دے رہی تھی کہ وہ نہیں ہے۔ کیسے اس کے خاندان نے چار سال گزارے ہوں گے ں کے بغیر؟ زمر کا چہرہ جھک گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ہاتھ بپالِ صورت اٹھائے۔

"میں نے بہت غلط کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ۔ وہ بے گناہ تھا مگر میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ میں نے اس کو اس جہنم سے نہیں نکالا۔ میں کیسے اس گلٹ سے نکلوں؟ وہ اچھا انسان ہے مگر مجھے اس سے کوئی محبت، کوئی نفرت کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں، دل میں، میں اب بھی اسے پسند نہیں کرتی۔ مگر مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ پلیز میری مدد کریں۔ کوئی راستہ نکالیں۔ مجھ سے بات کریں۔" آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گر رہے تھے۔ دل بھی دکھی تھا۔ تبھی سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی' اور وہ اپنے خاندان کے ہر بندے کی مختلف چاپ پہچانتی تھی۔ فوراً آنکھیں رگڑ دیں۔

دروازہ کھلا اور حنین اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ پھر بیڈ پہ گرنے کے سے انداز میں لیٹ گئی۔ دفعتاً گردن اونچی کر کے اسے دیکھا۔ وہ جائے نماز تہہ کر کے کھڑی ہو رہی تھی۔

"میں کتنی دیر پہلے آئی تھی' آپ تب بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔"

"اتنا وقت تو لگ ہی جاتا ہے۔" وہ رسان سے کہتی میز پہ جائے نماز رکھتی دوپٹے کو کھولنے لگی۔ حنہ کہنی کے بل اونچی ہوئی' اور ہتھیلی تلے گال رکھ کر اسے دیکھا۔

"آپ اتنی لمبی نماز میں کیا پڑھتی ہیں؟"

"ساری مسنون دعائیں!" وہ رخ موڑے کھڑی اب دوپٹے سے بال آزاد کر رہی تھی۔

"کون سی ساری دعائیں؟ میں تو سبحنک اللّٰھم پڑھتی ہوں' پھر سورۃ فاتحہ' پھر قل ھو اللہ' پھر رکوع' سجدہ' التحیات' درود' رب اجعلنی اور پھر سلام۔" چٹکی میں حنہ کی نماز ختم ہو گئی تھی۔

"تم ہر اسٹیپ کی صرف ایک دعا پڑھتی ہو؟" رخ ابھی تک موڑے وہ بال برش کرنے لگی۔

"ہاں' تو ہر اسٹیپ کی ایک ہی دعا ہوتی ہے' ہمیں مولوی صاحب نے ایسے ہی سکھائی تھی بچپن میں۔" زمر اس کی طرف گھومی۔ آنکھوں کا گلابی پن اب کم تھا۔ "اور مولوی صاحب نے کہاں سے سیکھی تھی نماز؟"

"اپنے مولوی صاحب سے۔ سوری... مطلب حدیث کی کتابوں سے۔" گڑبڑا کر تصحیح کی۔

"ہم سب کو نماز سکھائی ہے رسول اللہ ﷺ نے۔ انہوں نے ہر اسٹیپ کی کئی دعائیں سکھائی تھیں۔ یہ بھی فرمایا کہ جو تین دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ سجدے میں پڑھتا ہے تو اس کا سجدہ تو ہو جاتا ہے' مگر وہ ادنیٰ درجے کا ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟ ہم سبحان ربی الاعلیٰ نہ پڑھا کریں؟"

"اف میں نے یہ کب کہا کہ نہ پڑھا کریں۔ یہ تو لازمی ہے پڑھنا۔ مگر رکوع و سجود کو 'اعلیٰ' یعنی بہترین بنانے کے لیے، دوسری دعائیں بھی پڑھنی ہوتی ہیں۔ نماز ان کے بغیر بھی ہو جاتی ہے' مگر ان کے ساتھ زیادہ اچھی ہوتی ہے۔"

"دوسری دعائیں؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک دم پریشان۔ "ہاں بھائی بھی شاید پڑھتا تھا' مگر مولوی صاحبان کیوں پوری نماز نہیں سکھاتے!"

"کیونکہ وہ ایک چھے سال کے بچے کو ایک دم بوجھل نہیں کرنا چاہتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ بڑا ہو کر خود ہی سیکھ لے گا۔ یہ ساری دعائیں احادیث کی صحیح کتب میں درج ہیں جن میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ مگر بڑے ہو کر کوئی نہیں سیکھتا کیونکہ نوے فیصد مسلمانوں کو علم ہی نہیں ہوتا کہ نماز کی اور دعائیں بھی ہیں۔ یا یہ کہ قل ھواللہ کی جگہ قرآن کی دوسری سورتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔" وہ وہیں ڈریسر کے اسٹول پہ لمبے بال برش کرتے کہہ رہی تھی۔

حنین الجھ گئی تھی۔ "تو وہ جو ہم سنتے ہیں کہ ہمارے بزرگ لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے، وہ اس لئے کہ وہ ان میں تمام دعائیں پڑھتے تھے؟"

"بالکل۔"

"میں سمجھی الفاظ لٹکا لٹکا کر پڑھتے ہوں گے۔ سوری۔" ذرا شرمندہ ہوئی۔ "اچھا مجھے بھی بتائیں کون سی دعائیں پڑھتی ہیں۔"

"حنہ۔" وہ حنہ کی طرف گھومتے اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔ "تم ایک باشعور پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ تمہیں نصیحت کرنا میرا کام ہے، تمہارے منہ میں نوالے ڈالنا میرا کام نہیں ہے۔ میں ناصح ہوں، استاد نہیں۔ تم اگر ناولز پڑھ سکتی ہو، کمپیوٹر استعمال کر سکتی ہو تو تم احادیث کی کتابیں بھی خود کھول کر ساری دعائیں یاد کر سکتی ہو۔ تمہیں اپنی نماز کو اعلیٰ بنانے کے لئے خود محنت کرنی ہوگی۔"

"اچھا!" اس کا چہرہ اتر گیا۔ (ایک دو دعائیں بتا دیتیں تو کیا ہوتا؟)

"اور تم بالکل بھی نماز نہیں پڑھتی ہو حنہ۔" اس نے نرمی سے کہا تھا۔ حنین لب کاٹتے بستر پہ لکیریں کھینچنے لگی۔

"دیکھیں میں فجر پہ نہیں اٹھ پاتی۔ فجر نہ پڑھوں تو باقی پڑھنے کا کیا فائدہ؟"

"فائدے نقصان کے لئے نماز نہیں پڑھی جاتی، ایکسرسائز اور صحت کے لئے بھی نہیں پڑھی جاتی، نماز اللہ کو خود سے راضی رکھنے کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ دیکھو حجاب کرنا یا نہ کرنا ایک اچھی مسلمان اور ایک کم اچھی مسلمان لڑکی میں فرق کرتا ہے، سچ اور جھوٹ مومن اور منافق میں فرق کرتا ہے، مگر نماز مسلمان اور کافر میں فرق کرتی ہے۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان نہیں ہوتا۔"

"یار اب ایک دم سے مجھے کافر تو نہ بنا دیں۔"

"سوری حنہ، مگر یہ بات میں نہیں کہہ رہی۔ یہ حدیث کی کتابوں میں لکھی ہے۔ نماز کے بغیر ہم مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"مگر زمر مجھ سے فجر پہ نہیں اٹھا جاتا۔ آپ کو لگتا ہے میں کوشش نہیں کرتی؟ کرتی ہوں۔ الارم بجتا ہے، امی بھائی سب اٹھاتے ہیں۔ میں نہیں نہیں اٹھ سکتی۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"الارم کلاک باتھ روم میں رکھ کر سویا کرو۔ اٹھ جاؤ گی۔" ایک وقت کے لئے اتنی نصیحت کافی تھی، وہ بال لپیٹتے اٹھی۔ "اب بتاؤ، جو کام میں نے تمہیں دیا تھا، وہ کر لو گی؟ اچھا اب یوں دل مسوس کر نہ بیٹھو، تمہیں تو اتنی ساری قرآنی سورتیں حفظ ہیں، جب تک نماز کی دعائیں نہیں آتیں، انہی کو سورۃ اخلاص کی جگہ پڑھ لیا کرو۔ یاد تو ہیں نا وہ؟"

"وہ؟" وہ چونکی۔ "جی جی یاد ہیں۔" جلدی سے نگاہیں جھکائیں اور ٹیبلیٹ سامنے کر لیا۔

ایک حافظ قرآن کے لئے کسی دوسرے کو یہ بتانا یا سمجھانا کہ وہ قرآن بھول چکا ہے، بہت مشکل، بہت تکلیف دہ تھا۔

***

خود کو سنتے ہیں اس طرح جیسے ..... وقت کی آخری صدا ہیں ہم

اس رات سعدی اپنے کمرے میں آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا، نیند میں تھا جب ایک دم اس کے وجود میں بے چینی سی پھیلی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ اف۔ وی گوسٹ اینڈ دی ڈارکنیس اتنی دفعہ دیکھنے کے باعث خواب بھی جنگلوں اور شیروں والے آرہے

تھے۔ وہ فلم کا منظر مسلسل پوری رات خواب میں دیکھتا رہا تھا۔ کیا زندگی میں یہ غارت گرم تھے جو اب خواب میں بھی انہی کو دیکھنا ہوگا؟ وہ دائیں جانب کروٹ لیتے، گال تلے دونوں ہاتھ رکھے، اسی فلم کی کہانی سوچنے لگا۔ وہ نیشنل جیوگرافک ٹائپ کے چینل نہیں دیکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ انسانوں کے مسائل زیادہ توجہ طلب ہیں۔ مسز کاردار دیکھتی تھیں ایسے شوز۔ اکثر اس کو بتایا کرتیں۔ وہ سونے کی کوشش کرتے ہوئے، آنکھیں موندے گھوم پھر کر اسی نہج پہ سوچنے لگا... جواہرات... وہ مادہ غارت گر کی کہانی... اور اگلی ملاقات میں اس کی اتنی بے عزتی کرنا... وہ میری سے بات کر رہا تھا... ان کو اچھا نہیں لگا تھا... اس کا ذہن نیند میں ڈوب رہا تھا... میری کے الفاظ کی بازگشت ہر سو سنائی دے رہی تھی... وہ مجھ سے خائف رہتی تھیں سعدی... جیسے ان کو مجھ سے کوئی ڈر ہو... ان کی ایما پہ فیونا نے مجھے نوکری سے نکلوایا... آخری دفعہ میں نے ان کو دیکھا تھا... اور زنگزیب کے باتھ روم کے پچھلے دروازے سے نکلتے... پچھلے دروازے..... بیک ڈور... پچھلا دروازہ...

وہ ایک دم بجلی کی سی تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور چہرے پہ پسینہ تھا۔ گھبرا کر وہ بستر سے اترا اور ساری بتیاں جلا دیں۔ پیشانی پہ ہاتھ پھیرا۔ جسم کانپ رہا تھا۔

پھر جلدی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ چست گارڈ نے فوراً کھولا۔

''میری کو بلاؤ۔'' وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ گارڈ نے آواز دی۔ میری نیند سے بھری آنکھوں سے بھاگتی آئی۔ ''کیا ہوا؟'' وہ پریشان ہوگئی تھی۔ سعدی نے اسے اندر آنے دیا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

''اس کمرے میں کوئی سننے کا آلہ، کوئی ریکارڈر تو نہیں ہے نا؟''

''نہیں۔ یہ لوگ اتنے فارغ نہیں ہیں کہ تمہاری باتیں سنیں۔ کیا ہوا ہے؟''

''تم نے مسز کاردار کو اور زنگزیب کاردار کے باتھ روم سے نکلتے دیکھا تھا نا؟'' وہ سانس روکے اس کو دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ میری کے چہرے کا رنگ بدلا۔ آہستہ سے صوفے پہ بیٹھی۔ ''ہاں۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔

''اگر مسز کاردار کے وہاں سے نکلتے وقت اورنگزیب زندہ تھے تو انہوں نے وہ دروازہ ضرور لاک کیا ہوگا۔ میں نے سنا تھا ہاشم نے باتھ روم کا دروازہ توڑ کر مردہ باپ کو وہاں سے نکالا تھا۔ یاد کرو میری..... یاد کرو۔ دروازہ توڑنے سے پہلے پچھلا دروازہ چیک کیا تھا کسی نے؟''

''وہ لاکڈ تھا۔'' میری خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔

''کس نے چیک کیا تھا؟ تم نے؟''

''میں کرنے لگی تھی، مگر..... مسز کاردار نے مجھے نوشیرواں کو بلانے بھیجا، انہوں نے ہی چیک کیا تھا۔''

سعدی نے تھکی تھکی سانس اندر کھینچی۔ ''اور جب دروازہ ٹوٹا تو...؟''

''تو میں نے دیکھا، پچھلے دروازے کی کنڈی کھلی تھی۔ سعدی میں فلیپینو میڈ ہوں، میں گھر کے چپے چپے پہ نظر رکھتی ہوں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کنڈی کھلی تھی، مگر جب میں ڈاکٹرز کو کال کر کے آئی تو کنڈی بند تھی۔'' وہ اب بھی گویا نیند میں بول رہی تھی۔

''اور تمہیں ڈاکٹرز کو کال کرنے مسز کاردار نے بھیجا ہوگا؟'' میری نے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی اٹھا اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔ میری جیسے نیند سے جاگی۔ ''تم بھی وہی سوچ رہے ہو جو میں سوچ رہی ہوں سعدی؟''

''ششش!'' اس نے ہونٹوں پہ انگلی رکھی۔ ''دیواروں کے کان ہوتے ہیں میری، اور یہ بات کسی اور کو نہیں معلوم ہونی چاہیے۔'' پھر انگلیاں بالوں میں پھنساتے سر نیچے گرا لیا۔ میری اب بھی بے یقین تھی، مگر وہ حیران نہیں تھی۔

''میں پچھلے ڈیڑھ دو سال سے یہی سوچتی آئی ہوں سعدی۔ مگر میں اتنا بڑا نتیجہ نکالنے سے ڈرتی تھی۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''تم یہاں سے نکلنا چاہتی ہو میری؟'' اس نے ایک دم سر اٹھا کر پوچھا تو میری کو اس کی آنکھوں میں چمک دکھی تھی۔

بنے قیدی جن کے ہاتھ پیر زنجیروں میں تھے' وہ ایک دم سے سامنے آئے تھے' ان کے چہرے... اف... حنہ خوف سے جم گئی' مگر زمر نے کھینچ کر اسے سائیڈ پہ کیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے انہیں دیکھتے آگے بڑھ گئے۔ حنین کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ بمشکل دو قدم مزید چل پائی۔

"مجھے گھر جانا ہے' واپس!" وہ ہمت ہار چکی تھی۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا تھا تم لوگوں کو نہیں آنا چاہیے۔"

"میں تو ٹھیک ہوں۔" سیم واقعی ٹھیک نظر آرہا تھا' مگر وہ رو دینے کے قریب تھی۔

"آپ مجھے واپس چھوڑ کر آئیں۔ ابھی اسی وقت۔" اس نے نم آنکھوں سے زمر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گہری سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

واپسی پہ کورٹ رومز کے کھلے دروازے ان کے بائیں ہاتھ تھے۔ حنہ نے وحشت اور خوف کے احساس کے باوجود گا ہے بگا ہے اندر جھانکا۔ ایک سو دس دفعہ لعنت ہو امریکی ڈراموں پہ۔ وہ کورٹ رومز بالکل بھی امریکی ڈراموں جیسے نہ تھے۔ ہاں بھارتی فلموں سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتے تھے' مگر بھارتی فلموں والے کورٹ رومز گندے میلے اور لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ یہ صاف ستھرے تھے۔ لکڑی کا کام بھی سنہرا چمک دار تھا۔ مگر ڈراموں فلموں کے برعکس ان میں وہ کرسیوں کی لمبی لمبی دو قطاریں نہیں تھیں۔ بلکہ کرسیاں تو صرف دو تین پڑی تھیں۔ باقی ایریا جج کا بنچ اور دونوں طرف کٹہرے بنے تھے۔ شور ہی شور۔ وہ ڈراموں والی پر تقدس خاموشی ناپید تھی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہوئے اس نے زمر سے کہا تھا۔ "میں بالکل' بالکل' بالکل بھی وکیل نہیں بننا چاہتی۔" اور خفگی سے اندر بیٹھ کر دروازے لاک کر دیے۔ سیم کو بھی اندر بٹھا لیا۔ وہ ناخوش تھا مگر اسے اپنی بہن کا خیال رکھنے کے لیے' وہاں بیٹھنا تھا کیونکہ وہ گھر کا بڑا مرد تھا۔

زمر بار بار گھڑی دیکھتے جب واپس آئی تو مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر اسے احمر کھڑا نظر آیا تھا۔ اس نے بھی زمر کو دیکھ لیا۔ سو تیزی سے قریب آیا۔ "مسز زمر۔" وہ فکر مند لگ رہا تھا۔ "میں نے بہت کوشش کی مگر آئی ایم سوری میں پرچہ کٹنے سے نہیں روک سکا۔ ہوا کیا ہے؟"

"اس کو پھر سے فریم کیا گیا ہے۔ مرڈر کیس ہے' اور اس کے پاس alibi بھی نہیں ہے۔"

"اوہ ہو۔" وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زمر کو معلوم تھا کہ اسے کس کا انتظار ہے۔

"احمر' آپ کے یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"وہ میرا دوست ہے۔" زمر نے گہری سانس لی۔

"فی الحال وہ ایسا نہیں سمجھتا۔" احمر نے ابرو تعجب سے بھینچے۔ وہ جواباً جتنے مختصر الفاظ استعمال کر سکتی تھی' کر کے ساری کتھا سنا ڈالی۔ احمر کی فکر مندی' پریشانی میں بدلی۔

"جی' میں نے یہی کہا تھا ہوٹل والوں سے کہ میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے ہوں' اور کیا کہتا؟ اس روز وہ ہارون صاحب کی رہائش گاہ پہ آیا تھا تو اس نے مجھ سے سوال جواب کیے تھے' میں نے محتاط جواب دیے' جھوٹ نہیں بولا۔"

"اور ہاں آپ نے مجھے ٹیکسٹ بھیجا تھا کہ آپ کو کال کروں؟ گیس واٹ' وہ ٹیکسٹ میں نے صبح دیکھا' کیونکہ وہ مجھ سے پہلے فارس کھول چکا تھا۔" اور اس کی ٹون نہ چاہتے ہوئے بھی ملامتی ہو گئی۔ "ایسی کیا خاص بات تھی؟"

احمر ایک دم شرمندہ ہو گیا تھا۔ "وہ تو... کچھ بھی نہیں تھا۔" ذرا ٹھہر کر بتانے لگا۔ "میں شادی کر رہا ہوں' فاطمہ سے' کیمپئن ٹیم میں میرے ساتھ کام کرتی ہے' میں اسے منگنی کا کیا تحفہ دوں' یہی پوچھنا چاہتا تھا' پلیز برا مت منائیے گا' نہ میں آپ کا کوئی کولیگ ہوں نہ دوست' مگر آپ سے زیادہ میرے حلقہ احباب میں کوئی sophisticated نہیں ہے۔ صرف اس لئے۔ میں غازی کو وضاحت دے دوں گا۔"

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ "خیر' مبارک ہو آپ کو۔ مگر اس وقت' آپ کو دیکھ کر وہ کچھ الٹا سیدھا بول دے گا' آپ ابھی چلے جائیں جب وہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں آپ کی ملاقات کروا دوں گی۔" اور وہ متامل' متذبذب سا لوٹ گیا۔

"اپنا خیال رکھنا فارس!" وہ اب جانے کے لیے اٹھ رہی تھی۔ فارس بھی کھڑا ہو گیا۔

"عجیب بات ہے سارہ، سعدی کے بارے میں سوشل میڈیا، پولیس، رپورٹرز سب نے کہا تھا کہ اسے "پہلے" مارا پیٹا گیا، گولی "بعد" میں ماری گئی، کیونکہ گولیاں عموماً آخر میں ہی ماری جاتی ہیں، مگر اس کے ڈاکٹرز نے ایک دن یونہی مجھے بتایا کہ ایسا لگتا ہے جیسے اسے "پہلے" گولیاں ماری گئیں، پھر مار پیٹ کی گئی۔"

"اس میں عجیب کیا ہے؟" وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔ فارس اس کی آنکھوں کا رنگ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔

"صرف یہی کہ آپ کو بھی درست ترتیب معلوم ہے۔" سارہ کا سانس ایک دم تھم گیا۔

"نہیں، میں تو بنا سوچے بول رہی تھی۔ اب تو اپنی باتیں خود بھی نہیں یاد رہتیں۔" بدقت مسکرائی۔

"آف کورس، میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔" فارس نے سر کو خم دے کر احترام سے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

سارہ کے جانے کے قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ زمر کے ساتھ اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ سارہ کے برعکس وہ جو اس ماحول کی عادی تھی سامنے بیٹھی سنجیدگی سے نوٹ پیڈ پہ قلم گھسیٹتی اسے کل کا لائحہ عمل لکھ کر بتا رہی تھی۔ (دیواروں کے کانوں کی کیا خبر) ساتھ ہی بار بار شیشے کی چھوٹی بوتل سے پانی کا گھونٹ بھی بھرتی اور رکھ دیتی۔

"چونکہ بدقسمتی سے میں تمہاری وکیل ہوں اس لیے اپنے اور قمر الدین صاحب کے تعلقات کی تفصیل بتاؤ مجھے۔"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ بے زاری سے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"فارس ایسے نہیں چلے گا۔ میں تمہارا کیس کیسے لڑوں گی جب تم مجھے کچھ بتاؤ گے ہی نہیں؟"

"تو مت لڑیں۔ میں نے نہیں کہا لڑنے کو۔" اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے شانے اچکائے۔ زمر نے بمشکل ضبط کیا۔

"میری بھی مجبوری ہے فارس غازی۔ کیونکہ میں نہیں بھولی کہ ہم ایک ٹیم ہیں! اس لیے مجھے کچھ تو بتاؤ تاکہ میں ٹرائل کی تیاری کر سکوں۔"

وہ ٹیک لگائے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، اسے دیکھتا رہا۔ "مجھے یاد نہیں۔"

"پھر سڑو حوالات میں!" وہ کھول کر اٹھی، شیشے کی بوتل اور فائلز اٹھائیں اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔" وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا تھا۔

زمر دروازے پہ رکی۔ مڑی نہیں۔ "کیا کہا تم نے؟"

"جائیں زمر بی بی۔ میرے پاس آپ سے بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

زمر دو قدم آگے آئی، فائلز میز پہ دھریں، اور غرائی۔ "میں نے پوچھا... کیا... کہا تم نے۔"

"میں نے کہا، جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔"

زمر کے کان سرخ پڑے، چہرہ دہکنے لگا۔ خالی ہاتھ اور بوتل والا ہاتھ میز پہ رکھ کر آگے کو جھکی۔ "کیسے کہہ سکتے ہو تم کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے؟ اس ملک میں کوئی قانون پہ چلنے والا نہیں ہے؟ اگر اس ملک میں کوئی ایماندار نہ ہوتا تو تمہارا بھائی کیسے ایماندار تھا؟ یہ ملک زندہ کیسے ہے اگر اس میں قانون نہ ہو؟ اور پلیز مت شروع کرنا میرے سامنے اپنے ٹرائل کا ذکر۔ ہاں ٹھیک ہے، نہیں ہوا تمہارا فیئر ٹرائل، تم بری بھی بلیک میلنگ کے ذریعے ہوئے تھے۔ تمہیں 'انصاف' نہیں ملا عدالت سے لیکن اپنے اس بددماغ سے دماغ میں یہ بات بٹھا لو فارس غازی کہ اس ملک، بلکہ دنیا کے ہر ملک کی عدالتیں 'انصاف کی عدالتیں' نہیں ہوتیں، وہ 'قانون کی عدالتیں' ہوتی ہیں۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرموں کو ملک سے راتوں رات بھاگنا نہ پڑتا، لوگ گواہوں کو نہ خریدتے، پاسپورٹ پہ بیک ڈیٹ میں ایگزٹ اسٹیمپ نہ

لگاتے۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرم دھڑلے سے جرم کر کے عدالت میں تسلیم بھی کر لیتے مگر کوئی... کوئی نہیں تسلیم کرتا عدالت میں کیونکہ اسے پتہ ہے اگر تسلیم کر لیا تو فیصلہ قانون کے مطابق ہوگا۔ اسی ملک میں عدالتوں نے کئی دفعہ ہر خطرے اور ہر دھمکی سے بے خوف ہو کر بڑے بڑے منذر فیصلے بھی کیے ہیں۔ اسی ملک میں بڑے بڑے لوگوں کو ان چھوٹے چھوٹے ججز نے جیل بھیجا ہے۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو کوئی ایک شخص بھی رات کو سو نہ سکتا' مگر ہم سب سوتے ہیں' کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ابھی اتنی بھی اندھیر نگری نہیں مچی۔ قانون کمزور ہے، بے بس ہے، مگر وہ "ہے"۔ وہ ہے تب ہی تو اس سے گلہ ہے۔ اس ملک میں... فارس غازی... قانون... ہے... اور چاہے تم اسے مانو یا نہ مانو... وہ قانون مجھ سے' تم سے' ہم سب سے اوپر ہے۔ اس لیے آئندہ میرے سامنے یہ کہنے کی ہمت نہ کرنا کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے۔ سنا تم نے؟" بے ربط سانسوں کے درمیان غصے اور بے بسی سے غراتے وہ کہہ رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھا سن رہا تھا، جب زور کا چھناکہ ہوا۔ زمر نے جو کانچ کی نازک بوتل بے حد سختی سے بھینچ رکھی تھی' وہ اس کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی تھی۔ "آہ۔" وہ ایک دم پیچھے کو ہٹی۔ چھن چھن ٹکڑے نیچے گرے۔

وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کا ہاتھ پکڑا۔ کانچ اندر بھی لگا تھا اور خون بھل بھل گر رہا تھا۔ تیز تیز سانس لیتی زمر نے ناراضی سے ہاتھ نکالنے کی کوشش کی' مگر اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی بھی پکڑ لی' پھر ایک خفا نظر زمر کے دہکتے گلابی چہرے پہ ڈال کر آہستہ سے کانچ نکالنے لگا۔ درد کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر فوراً کھول لیں کہ ان میں پانی در آیا تھا۔

"یہی چاہتے تھے نا تم' کہ میں تمہارے سامنے ٹوٹوں؟ روؤں؟" آنسو اندر اتارتی وہ اسی برہمی سے بولی تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔ فارس نے کانچ نکالتے چونک کر اسے دیکھا' اور جیسے کچھ کہنے لگا تھا... جیسے انکار کرنے لگا تھا' مگر پھر خاموشی سے سر جھکائے کانچ نکالا۔ خون ایک دم تیزی سے بہنے لگا تھا۔ ہتھیلی کے عین وسط میں کٹ لگا تھا۔ اس نے ادھر ادھر کسی چیز کی تلاش میں دیکھا' مگر کچھ بھی نہ تھا' تو ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑے' دوسرا ہاتھ ہتھیلی پہ رکھ کر دبایا۔ اپنے ہاتھ بھی خون آلود ہونے لگے۔ چند بوندیں نیچے بھی گری تھیں۔ دونوں اسی طرح چند لمحے کھڑے رہے' پھر اس نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ انہی گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک طرف میرے زخموں پہ مرہم لگاتے ہو کہتے ہو کہ میں روؤں' bossy' غصہ ور اچھی لگتی ہوں' روتے ہوئے نہیں' اور دوسری طرف کہتے ہو مجھے گرا ہوا' ٹوٹا ہوا، رسوا اور ذلیل ہوا دیکھنا چاہتے ہو؟ ان میں سچ کون سا ہے؟" وہ اسی طرح زخم پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور وہ پوچھ رہی تھی۔ "اگر وہ ریسٹورانٹ والی باتیں سچ تھیں' تو پچھلی ہر بات جھوٹ تھی' یہ بھی جھوٹ ہے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا' مگر اس نے مزید مضبوطی سے پکڑ لیا۔ "اونہوں' ایک منٹ۔ خون رکنے دیں۔"

"پتہ ہے کیا فارس!" وہ اسی شاکی انداز میں بولی تھی۔ "تم دو دلوں کے ساتھ جی رہے ہو۔ ایک میں زرتاشہ سے محبت نہ کرنے کا گلٹ ہے' ایک میں مجھ سے بہت زیادہ محبت کر لینے کا گلٹ ہے۔ تمہارے یہ دونوں دل جھوٹ بولتے ہیں۔ زرتاشہ سے محبت تھی تمہیں' اور تمہاری سوچ سے زیادہ ہی تھی۔ یہ صرف گلٹ نہیں ہے جس کی وجہ سے لڑ رہے ہو اس کے لیے۔ اور رہی میں!" اس نے بھیگی پلکیں بند کر کے آنسو اندر اتارے اور جب آنکھیں کھولیں تو وہ خشک تھیں۔ "تو مجھ سے تمہیں زرتاشہ سے کئی گنا زیادہ محبت ہے' مگر وہ اتنی اونچی اور عظیم نہیں ہے کہ تم اس میں ہر چیز معاف کر دو۔ نہ وہ اتنی کمزور اور کھلی ہے کہ تم اس میں مجھے گرا ہوا دیکھنے کی خواہش کرو۔ اللہ نے نہیں بنائے کسی آدمی کے سینے میں دو دل۔ تمہیں اپنے دل کو ایک جگہ' ایک طرف رکھنا ہوگا' اور خود سے سچ بولنا پڑے گا۔"

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' دیکھتا رہا۔ پھر چہرہ جھکائے اپنا ہاتھ ہٹا کر دیکھا' ہتھیلی کے کٹ سے بہتا خون رک چکا تھا۔ اسی طرح اس نے زمر کا ہاتھ اوپر کیا' اور لبوں سے لگایا۔ آنکھیں بند کیے۔ چند لمحے۔ چند سانسیں۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ "اپنا خیال رکھا کریں۔"

"یہ بھی جھوٹ ہے۔" زمر نے دکھ سے اسے دیکھا اور اپنی چیزیں اٹھائے باہر نکل گئی۔ پھر الٹے قدموں واپس آئی، اور ادھ کھلا دروازہ زور سے دے مارنے کے انداز میں بند کیا۔ اس کی دھمک اب کتنی ہی دیر دونوں کے کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔

.... ٭٭٭ ....

وہ کہانیاں ادھوری، جو نہ ہو سکیں گی پوری ...... انہیں میں بھی کیوں سناؤں، انہیں تم بھی کیوں سناؤ؟

ہاسپٹل کے پرائیویٹ روم کی راہداری میں سفید بتیاں روشن تھیں۔ چمکتے فرش پہ ان تینوں کا عکس نظر آ رہا تھا۔ سفید اوورآل پہنے، موٹا چشمہ لگائے اور بال جوڑے میں باندھے حنین ایک فربہی مائل نرس سے بات کر رہی تھی۔ تبھی سیم نے اسے فکرمندی سے دیکھا۔ "حنہ تم کیسے کر لوگی جیسے پھپھو نے کہا ہے۔"

"ہاں مسئلہ ہی نہیں ہے۔" حنہ نے شانے اچکائے۔ ذرا سنبھالا عینک ناک پہ پیچھے دھکیلی اور سیم کو وہیں چھوڑ کر نرس کے ساتھ آگے چلی گئی۔

ہسپتال کی دوا اور شفاء سے رچی بسی فضا میں لمحے خاموشی سے پھسلتے رہے۔ ایک کمرے میں بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی حنین اب گلاسز اتارے سامنے نیم دراز سنہرے بالوں والی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ ساری تفصیل سن چکی ہیں شہزا۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں آپ سے ملنے کے لیے یہ کرنا پڑا کیونکہ باہر سیکیورٹی بہت ہے۔ یہ میرے بھائی کے کیس کی تفصیلات ہیں۔" اس نے فائل کھول کر شہزا ملک کے سامنے کی۔ وہ پیچھے کو ہوئی بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے نقاہت زدہ مگر سپاٹ نظروں سے حنہ کو دیکھ رہی تھی۔ "وہ بھی اغوا ہوا تھا آپ کی طرح۔ آپ مل گئیں وہ نہیں ملا۔ اس کو اغوا کرنے والا نیاز بیگ... میری فیملی کو اسے جیل میں منتقل رکھنے کے لئے آپ کے کیس کو وجہ بنانا پڑا۔ تب آپ کوما میں تھیں۔ شکر ہے کہ اب آپ ٹھیک ہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔ شہزا اب بھی خاموش تھی۔ نرس دروازے پہ بے چین سی کھڑی تھی۔

"ایک ہفتہ آپ کو ہوش میں آئے ہو گیا ہے لیکن آپ اپنے مجرموں کے بارے میں کوئی بیان نہیں دے رہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ خوفزدہ ہیں۔ آپ بہت ٹارچر سے گزری ہیں۔ ہم بھی گزر رہے ہیں۔ اسی لئے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اپنے مجرموں کا نام آپ لیں یا نہ لیں لیکن اس شخص نیاز بیگ کو جیل سے نہ نکلنے دیں تا کہ کل کو کوئی اور شہزا یا سعدی نہ اغوا کیا جا سکے۔ اور ہاں..." اس نے اضافہ کیا۔ "آپ کو اپنے مجرموں کے خلاف کوئی مدد چاہیے ہو تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" گویا دیوار سے بولتے بولتے وہ چپ ہو گئی۔ اب مزید کیا کہے۔

"تمہیں پتہ ہے دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟" وہ حنہ کے چہرے پہ نظریں جمائے تلخی سے گویا ہوئی۔ حنین کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "سوری میں..."

"ان گنت۔ دنیا میں ان گنت آوازیں ہوتی ہیں۔ جسم کے پتھریلی زمین پہ گھسیٹے کی آواز کمرے پتھر رگڑنے کی خراشوں کی آواز... سوکھے پتوں اور جھاڑیوں پہ کھینچے جانے کی آواز... بیچ جنگل کے آپ کو لا پٹخنے کی آواز... پھر گڑھا کھودنے کی... مٹی باہر پھینکنے کی آواز... بالوں سے کھینچ کر گڑھے میں ڈالنے کی آواز... ہاتھوں سے مٹی اوپر ڈالنے کی آواز... بے ترتیب سانسوں کی آواز... مٹی کے اوپر پتے ڈالنے کی... پھر سوکھے چرمرے پتوں پہ دور جاتے بھاری بوٹس کی آواز... پھر جنگل کی خاموشی کی آواز... زندہ قبر کے اوپر سانپ رینگنے کی آواز... پرندوں کے ایک دم سے درختوں سے اڑ جانے کی... جنگلی سوروں کی آواز... ان کے آپ کے اوپر پتوں کو سونگھتے پھرنے کی آواز... کتوں کی بھونک... کیڑوں کے جسم پہ رینگنے کی آواز... خنزیروں کے بدبودار سانسوں کی آواز... رات کی تاریکی کی بولنا ک آواز... گدھوں کے اوپر منڈلانے کی آواز... پھر دور کہیں انسانوں کی آواز... خنزیروں کے بھاگ جانے کی آواز... آتے قدموں کی آواز... تمہیں پتہ ہے دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟" وہ پتھریلے چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی اور حنین بالکل ساکت لب کھولے سن رہی تھی۔

"میں نے بہت سی آوازیں سنی ہیں' اس جنگل میں نیم مردہ حالت میں پڑے۔ میں اس لئے خاموش نہیں ہوں کہ میں خوفزدہ ہوں یا میرے ذہن پہ اثر ہو گیا ہے۔ مجھے تمہاری' یا تمہارے بھائی کی مدد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے' کیونکہ کوئی بھی حتیٰ کہ بھائی بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے لئے کچھ کیا جائے۔ تم جا سکتی ہو۔"

ہکابکا بیٹھی حنہ ایک دم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ بے ترتیب سانسوں اور سفید چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز چلتی راہداری کا موڑ مڑی تو سیم انتظار کر رہا تھا۔ "تم نے کر لیا' حنہ؟" وہ آگے چلتی گئی۔ سیم پیچھے لپکا۔ حنین نفی میں سر ہلاتی تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔ سیم دیکھ سکتا تھا کہ وہ جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

............❖❖❖............

عداوت ہی عداوت ہے، محبت بھول بیٹھا ہوں ...... چلو کوئی تو رشتہ ہے اسے پھر یاد کرنے کو

زمر کے جانے کے بعد سے وہ لاک اپ میں قید تھا۔ دیوار کے ساتھ اکڑوں بیٹھے' گہری سوچ میں گم۔ بار بار اس کی زرد رنگت نگاہوں میں گھومتی تھی۔ (تم مجھے ٹوٹا ہوا دیکھنا چاہتے ہو نا!) فارس نے سر جھٹکا۔ "ہاں' میں ایسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں آپ کو۔" اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر سا سوچنا چاہا۔ اس کی فرضی خواہش کا منظر...... مگر پھر تکلیف سے آنکھیں کھول دیں۔

یہ تصور وہی تھا جو وہ چاہتا تھا' پھر اس کو سوچ کر دکھ کیوں ہوتا تھا؟ خوشی تو زمر کے الزام اور ان تمام طنز و طعنے بھری باتوں سے بھی نہیں ہوتی تھی' اصولاً تو اس ٹوٹی پھوٹی شرمندہ لڑکی کو تصور میں دیکھ کر خوشی ہونی چاہیے تھی' مگر نہیں ہوتی تھی۔ اسی لئے تو کی تھی اس سے شادی' وہ اس کو خود اذیتی کا شکار کرے گا' ضمیر کی ملامت سے گھیر لے گا' پھر یہ سوچ کر خوشی یا تسکین کیوں نہیں ملتی تھی؟ کیا وجوہات وہی تھیں جو وہ سوچتا تھا؟ یا جو وہ سوچتا تھا وہ صرف توجیہات تھیں؟

حوالات کی سیاہ سلاخوں کے پار مدھم روشنی تھی۔ اس روشنی کو بے خیالی سے دیکھتے فارس غازی کا ذہن ایک دفعہ پھر پیچھے چلا گیا......

ولایت بیگم کا گھر اس نے کیوں چھوڑا تھا؟ وہ کیوں ایک رات گھر سے نکلا تھا؟ وہ چاہتا بھی تو نہ بھلا سکتا تھا۔

لڑائی ہوئی تھی گھر میں۔ ہوتی پہلے بھی تھی' مگر اس رات کچن میں کسی بات پہ اونچا اونچا بولتے' جھگڑتے ولایت بیگم نے ہاتھ مار کر سالن کا ڈونگا گرایا تھا' اور گرم گرم سالن سیدھا اس کی ماں کے پیروں پہ گرا تھا۔ سانحہ یہ نہیں تھا۔ سانحہ یہ تھا کہ اس کا باپ تب بھی کمزوروں کی طرح ولایت بیگم کو منانے اور ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ فارس کے اندر ابل ابل رہا تھا۔ وہ کمرے میں بیٹھی' پیر کے آبلوں پہ مرہم لگاتی علیمہ کے پاس گیا' اور اس سے کہا کہ وہ اب ادھر نہیں رہیں گے' وہ اس کے ساتھ واپس چلے' مگر علیمہ۔ اس کو صبر' تحمل اور برداشت کا درس دیتی رہی۔ وہ بھی ایک کمزور عورت تھی۔ ٹوٹی' پسی ہوئی عورت جو کبھی ظلم کے خلاف نہیں کھڑی ہوگی۔ اس وقت اس کے نزدیک یہ سب ظلم ہی تھا۔ اور اپنی ماں سے پہلی دفعہ وہ دل برداشتہ ہوا تھا۔ پیر میں جوتی تھی یا نہیں' وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ طویل سرد سڑکوں پہ وہ چلتا رہا' چلتا رہا۔ کیسے قصر کاردار پہنچا' کچھ یاد نہیں۔ جواہرات نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دی' پیر کے مرہم لگائے' اور پھر اس کے ماں باپ کو بلا لیا۔ جانے کس نے طے کیا' مگر اس کے بعد علیمہ ادھر ہی انیکسی میں رہنے لگی۔ وہ ماں سے خفا تھا۔ وقت کے ساتھ خفگی ڈھل گئی' مگر دل کا کانٹا ساری زندگی نہیں نکلا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے بھی دل میں باتیں رکھ کر نہ نکالنے کی بیماری ہے۔

ولایت بیگم کی وفات کے بعد ندرت اور وارث کو ابو انیکسی میں لے آئے۔ علیمہ کا رویہ ان کے ساتھ عجیب سا تھا۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ بے بس ہوتی تھی' یہاں وہ مالکن تھی۔ ظلم نہیں کرتی تھی' ہر شے مہیا کرتی تھی' ہر سہولت' ہر آسائش' مگر ان سے بات نہیں کرتی تھی۔ ندرت کے اپنے غم بہت تھے۔ شادی کے بعد شوہر سے ناراضی اور شیر خوار بچے کو سسرال والوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ آنے کا غم' وہ بہت دکھی رہتی تھی۔ وارث خاموش رہتا تھا۔ جیسے نہ کسی سے محبت ہو نہ کسی سے گلہ۔ پھر آہستہ آہستہ وقت بدلا۔ ندرت اسکے کام کرنے لگ گئی۔ اس کا خیال

رکھنے لگ گئی۔ وہ چھوٹا تھا' وارث سے بھی کافی چھوٹا' ندرت کو اس میں سعدی نظر آنے لگا تھا۔ وہ کبھی کبھی بے خیالی میں اسے سعدی بھی پکار دیتی' وہ برا مانے بغیر چپ چاپ آجاتا تھا۔ اس کی تصحیح نہیں کرتا تھا۔

وارث گلاسز لگاتا تھا۔ پڑھتے وقت بھی' ٹی وی دیکھتے وقت بھی۔ سرما کی ایک شام وہ انیکسی کے لاؤنج میں بیٹھے تھے' جب ابو نے وارث سے کوئی شے ڈھونڈنے کو کہا' تو وہ جو بغیر عینک کے بیٹھا تھا' سادگی سے بولا کہ اس کی عینک ٹوٹ گئی ہے' وہ نہیں ڈھونڈ سکتا۔ ابو نے وہی کام فارس سے کہہ دیا۔ فارس خاموشی سے اٹھا' اور اندر گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں وارث کی عینک تھی' جس کے شیشے نکلے ہوئے تھے۔ عینک اس نے وارث کے سامنے رکھی۔ ''اس کے شیشے ہوتے' تب بھی وہ زیرو نمبر کے تھے۔ ان سے تمہاری نظر پہ کوئی فرق نہ پڑتا۔ جاؤ' اور جو ابو نے کہا ہے وہ ڈھونڈ کر لاؤ۔''

اس نے یہ الفاظ بہت آہستہ سے کہے تھے۔ ٹی وی کا شور تھا' اور ابو دور تھے' سن نہ سکے۔ وارث کا رنگ سفید پڑا۔ اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ اس وقت تو وہ چپ چاپ اٹھ گیا' لیکن رات کو اس کے ساتھ والے سنگل بیڈ پہ لیٹتے اس نے پوچھا تھا' ''تمہیں کیسے پتہ کہ میری نظر کمزور نہیں ہے؟''

''مجھے پتہ ہے۔'' وہ چت لیٹے چھت کو دیکھتے بولا تھا۔

''میں اس لئے لگاتا ہوں کیونکہ مجھے عینک اچھی لگتی ہے۔'' کچھ دیر بعد اس نے خود ہی وضاحت دی۔ فارس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' وہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ تم پہ اچھی نہیں لگتی' اس سے تمہاری آنکھیں اندر کو دھنس جائیں گی' مگر اس نے وارث کا چہرہ دیکھا' اور اس کا دل نہیں چاہا کہ وہ اس کی خوشی چھین لے۔

''ہاں' یہ تم پہ اچھی لگتی ہے۔'' اس دن کے بعد ان دونوں کے پاس ایک دوسرے سے کرنے کے لئے بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ وارث اس کا دوست بن گیا' وہ کبھی کبھی اس کو ڈانٹ بھی دیتا تھا' جب اسکول میں فارس کسی سے لڑ کر' کسی کا دانت توڑ کر آتا' تو وارث غصے سے اس کو کالر سے پکڑ کر جھنجھوڑتا۔ ''یوں لڑتے رہو گے لوگوں سے تو جیل میں پڑے ہو گے کسی دن۔'' اور اب فارس سوچتا تھا' کہ وہ جیل اس لیے گیا تھا کیونکہ اس دفعہ وارث لڑا تھا!

امی کی وفات کے بعد اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ سارا سارا دن سڑکوں پہ آوارہ پھرتا رہتا تھا۔ بے مقصد' بے رونق زندگی کو ایک دم وہ صرف گزارنے لگا تھا۔ کبھی دوستوں کے ساتھ کسی طرف نکل گیا۔ تو کبھی اکیلا کسی ٹرین میں بیٹھ گیا۔ وارث لاہور تھا' ندرت اپنے گھر میں خوش' اور ابو کو وفات پائے تو عرصہ بیت چکا تھا۔ فارس کی زندگی میں اکتاہٹ' بے گانگی بڑھ گئی تھی۔ اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگتا تھا۔ کچھ دوستوں کے ساتھ وہ شکار پہ جانے لگا تھا۔ ماں باپ کا چھوڑا ہوا پیسہ وہ جھونکتا جا رہا تھا۔ وہ گنز' وہ خوبصورت گنز جن کو ہاتھ میں پکڑ کر تاک کر کسی پرندے کی طرف نشانہ باندھنے کی کیفیت اور سرور ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ وہ گنز اس کا جنون بنتی گئیں۔ ندرت اس کی حالت' اور یہ آوارگی' دیکھ کر اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ عام حالات میں وہ بہن کے گھر جا کر نہ رہتا' مگر اپنے گھر میں ذہن ایسے پراگندہ رہتا تھا کہ وحشت ہونے لگتی۔ حنہ تب تین سال کی تھی۔ سعدی اسکول جاتا تھا' ایک وہی ہوتی تھی جو دن رات اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی تھی۔ اتنا بولتی کہ الامان۔ یہ کیوں ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ کبھی زچ ہو جاتا' کبھی ہنس دیتا۔ زندگی انہی دو انتہاؤں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔

وہ پڑھائی میں ہر گزرتے دن نکما ہوتا جا رہا تھا۔ دور کے شہروں' جنگل' بیابانوں میں جانا' کئی کئی دن گھر نہ لوٹنا' عجیب تھی اس کی زندگی بھی۔ وارث فون پہ غصہ کرتا رہتا' وہ فون بند کر دیتا۔ ندرت پیار سے سمجھاتیں' وہ دوسرے کان سے نکال دیتا۔

پھر ایک دن ندرت کے سسر آئے۔ پتہ نہیں ندرت نے ان سے کیا کہا تھا کہ جب وہ ان کے پاس اکیلا چپ اور بے زار سا بیٹھا تھا' تو وہ اس سے باتوں باتوں میں پوچھنے لگے۔ ''تم کیا کرو گے آگے؟ کیریئر کے حوالے سے؟''

''جس چیز کا موڈ بنا۔'' اسے لگا ابھی لیکچر شروع ہو گا سو مزید اکتا گیا۔

''تمہاری زندگی میں ترجیحات کیا ہیں؟''

''کیا؟'' وہ واقعی الجھا تھا۔

''تمہاری ترجیحات؟ کس کو سب سے اوپر رکھتے ہو؟ کس کے لیے سب کچھ کر سکتے ہو؟''

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ''اپنے خاندان کے لیے۔''

''وہ تو ابھی ہے نہیں۔''

''ہے تو سہی۔''

''خاندان بیوی اور بچوں کا نام ہوتا ہے۔ میں جواتنے استحقاق سے اس گھر میں آتا ہوں' اس لیے کہ یہ میرے بیٹے کا گھر ہے۔ کیا میں اپنے بھائی یا بہن کے گھر اتنے استحقاق سے جا سکتا ہوں؟ حکم چلا سکتا ہوں؟ نہیں۔ وہ بھی میرا خاندان ہیں' لیکن اس عمر میں آ کر بیوی بچے سب سے پہلے آتے ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو زندگی میں؟''

وہ متذبذب رہا۔ زیادہ بات نہیں کر سکا' مگر چند دن وہ سوچتا رہا۔ پھر ایک دن وہ ان کے گھر گیا۔ معلوم ہوا تھا کہ ان کی بیٹی کا جہیز جل گیا ہے' بہت نقصان ہوا ہے۔ وہ افسوس کے لیے گیا تھا' مگر ان کے پاس بیٹھے' اس نے ان سے کہا تھا۔

''میری ترجیحات ایک سادہ زندگی کی ہیں۔ میری بیوی' میرے بچے' ایک چھوٹا سا گھر' جس میں کوئی پیچیدگیاں نہ ہوں۔ کوئی سازشیں' کوئی منافقت' کوئی دوسری بیوی کے جھگڑے نہ ہوں۔ ایک سادہ زندگی گزاروں میں۔ نائن ٹو فائیو کی جاب' اور گھر کا سکون۔ یہی چاہتا ہوں میں۔''

''پھر محنت کرو۔ اپنی بیوی اور بچوں کا سوچ کر محنت کرو' کہ تم ان کو کیا دے سکتے ہو۔'' اور اس گفتگو نے فارس کی سوچ بدل دی تھی۔ وہ جیسے کسی لمبے خواب سے جاگا تھا۔

آنے والے سالوں میں خود پہ خواہ مخواہ کے چڑھے قرضے' پڑھائی کی تکمیل' نوکری' ہر فرض کی ادائیگی میں ندرت کے سسر نے اس کی مدد کی تھی۔ ان سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا' (سوائے دور پار کی رشتے داری کے) مگر احسانات بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کی بات جیسے سنتا کسی اور کی نہیں سنتا تھا۔

وہ نوکری میں اچھا جا رہا تھا' سادہ زندگی سادہ ہی چل رہی تھی' لیکن پھر اسے اندرون سندھ بھیج دیا گیا۔ وارث اگلے ماہ اس سے ملنے آیا تو سخت برہم تھا۔ ''تم نے مجھے کہا کہ تمہاری سندھ میں پوسٹنگ ہوئی ہے!''

''اور نہیں تو کیا؟''

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں یہاں سزا کے طور پہ بھیجا گیا ہے۔'' وہ بے حد تیخ پا ہو رہا تھا۔ فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔''

''یہی بات تم نے کہی تھی اپنے ڈائریکٹر سے۔ فارس تم نے غلط کیا ہے۔ اس بینک آفیسر کے اریسٹ وارنٹ نکل رہے تھے اور تم نے اسے اطلاع دے دی تا کہ وہ ضمانت قبل از گرفتاری کروا لے!''

''پہلی بات' میں نے کوئی ثبوت چھوڑا نہیں' دوسری بات' وہ بینک آفیسر تین چھوٹی چھوٹی بیٹیوں کی ماں ہے اور بے گناہ ہے۔''

''تو وہ اس کے ٹرائل میں ثابت ہو جائے گا کہ وہ بے گناہ ہے۔ تمہیں بیچ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''وارث وہ ایک جوان' مڈل کلاس عورت ہے' اگر وہ بے گناہ نہ ہوتی تب بھی میں اس کو خبردار کرتا' ضمانت اس کی چوبیس گھنٹوں

میں ہو ہی جاتی لیکن اگر وہ ایک رات بھی حوالات میں گزار دیتی تو وارث اس کی زندگی برباد ہو جاتی۔ مرد کئی سال بھی جیل میں رہے تو کچھ نہیں ہوتا، عورت کو کون قبول کرے گا بعد میں؟ ہاں ٹھیک ہے میں نے جرم کیا ہے۔'' وہ بھی بڑھی سے بول رہا تھا۔ ''لیکن مجھے دس بار ایسا موقع ملے میں تب بھی یہی کروں گا۔ کیونکہ میں اسی معاشرے میں رہتا ہوں جہاں جیل میں ایک رات بھی رہی عورت کی بیٹیوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے، کیونکہ جو قانون روٹی نہیں دے سکتا، وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ بھلے اس کی پاداش میں مجھے کتنے ہی سال اس چھوٹے شہر میں پوسٹڈ رہنا پڑے۔''

''فارس!'' وہ تھک کر ساتھ بیٹھا اور سمجھانے لگا۔ ''دیکھو'' صحیح'' کام کرنے کے لیے قانون توڑنا ضروری نہیں ہے۔ میں بائی دی بک کام کرنے والا آدمی ہوں، وجیلانٹ رویہ ڈراتا ہے۔ اگر ان کو کوئی ثبوت مل جاتا تو تم جیل بھی جا سکتے تھے، اور اگر تمہاری یہی حرکتیں رہیں نا، تو میں اگلے پانچ سال بعد تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھ رہا ہوں۔'' سمجھاتے سمجھاتے وہ خفا ہو گیا تھا۔

''اور پتہ ہے میں تمہیں اگلے پانچ سال بعد کہاں دیکھ رہا ہوں؟'' وہ آگے ہو کر سنجیدگی سے وارث کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔ ''اسی نقلی عینک کے پیچھے!'' اور ایک دم وہ دونوں ہنس پڑے تھے....

آہنی سلاخوں کو دیکھتے ہوئے وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ اسے جیل میں سب سے زیادہ وارث یاد آتا تھا۔

✤ ✤ ✤

ہو نہ سکا کبھی ہمیں اپنا خیال تک نصیب ...... نقش کسی خیال کا لوح خیال پر رہا

اس مصروف شاہراہ پہ رات نو بجے اچھی خاصی سردی ہونے کے باوجود ٹریفک کی گہما گہمی لگی تھی۔ ساتھ ہی قطار میں ڈپارٹمنٹل اسٹور شاپس تھیں جن کے سامنے زمر، کندھے پہ لگا پرس مضبوطی سے پکڑے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ وہ تب رکی جب اسے وہ نظر آیا۔ کنارے پہ کار کھڑی کیے، ہڈ والا سویٹر پہنے اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا۔

''احمر۔ مجھے دیر ہو گئی نا؟'' معذرت خواہانہ انداز میں جلدی جلدی کہتی قریب آئی۔ ''کیا وہ لڑکا آ گیا؟'' احمر چونک کر مڑا، پھر فخر سے سر کو خم دیا۔

''جی، اور کام بھی ہونے والا ہے۔'' مسکرا کر سامنے اشارہ کیا۔ زمر نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہاں پولیس کا ناکہ تھا اور ایک نوجوان اپنی کار سے نکلا کھڑا حیرت اور تعجب سے سیکورٹی افسران سے بات کر رہا تھا جو ایک دم سے اس کو گھیر کر اس سے باز پرس کر رہے تھے۔ وہ صرف پولیس اہلکار نہیں تھے۔ بلکہ کسی دوسرے محکمے کے افسران بھی تھے۔

''وہ چیزیں اس کی کار میں ڈلوا دی تھیں نا احمر؟ پولیس اس کو اریسٹ کر لے گی نا؟'' فکرمندی سے وہ بولی تھی۔

''جی۔ جب یہ گیس بھروانے پمپ پہ رکا تھا تو میرے لڑکے نے ایک بیگ اس کی ڈگی میں رکھ دیا تھا۔ بیگ میں اس لڑکے کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی اور اس کے ڈرائیونگ لائسنس کی کاپی بھی ہے، وہ انکار بھی کرے تب بھی، وہ لوگ اس بیگ کو اسی کی ملکیت سمجھیں گے۔''

''او کے۔ تھینک یو۔'' ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی اسے ذرا سکون ملا۔ ''کافی ساری ڈرگز ڈالی ہیں نا؟''

''ڈرگز؟'' احمر نے نگاہوں کا رخ موڑا۔ ''کون سی ڈرگز؟''

زمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ''احمر اس کے بیگ میں ڈرگز ڈالنے کو کہا تھا میں نے آپ کو تا کہ پولیس اسے گرفتار کرے۔''

''میں آپ کو شکل سے کوئی ہیروئن اسمگلر لگتا ہوں یا بذات خود کوئی نشئی لگتا ہوں جو میرے پاس ڈرگز ہوں گی؟ نہیں آج آپ مجھے بتا ہی دیں کہ میں آپ کو کیا لگتا ہوں۔'' وہ بہت ہی خفا ہوا تھا۔ زمر کا دماغ ویسے ہی آج کل گھوما رہتا تھا اب تو مزید کھول گیا۔

''احمر! آپ نے کیا ڈالا ہے اس کے بیگ میں؟'' پریشانی سے ان لوگوں کو بھی دیکھا۔ آفیسرز کے پاس کتنے بھی تھے اور وہ گھوم گھوم

کر اس کے سامان کو سونگھ رہے تھے۔ لڑکا ابھی تک بحث کر رہا تھا۔

"دیکھیں' یہ ڈرگز' یہ اسلحہ' یہ کرنسی اسمگلنگ.... یہ میوزیم کے نوادرات سارے انگریزی فلموں والے گھسے پٹے آئیڈیاز تھے۔ میں نایاب اور جینئس بندہ ہوں۔ میں نے سوچا کوئی پاکستانی چیز ٹرائی کروں۔ وہ دیکھیں۔" فخر سے مسکرا کر اس طرف اشارہ کیا۔ زمر پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ لوگ اب ڈگی کھولے کھڑے تھے۔ دفعتاً ایک آفیسر نے بھورا بیگ کھولا اور پھر گویا شور مچا دیا۔ باقی اہلکار بھی ادھر ہی لپکے۔ لڑکا حیران پریشان وضاحتیں دے رہا تھا۔ زمر نے ایڑیاں اونچی کر کے دیکھنا چاہا۔ بمشکل ایک آفسر سامنے سے ہٹا تو کھلے بیگ کا دہانہ نظر آیا۔ اور اس کے اندر۔

"کچھوے!" وہ بے یقینی سے احمر کی طرف گھومی تھی۔ "استغفر اللہ' احمر' آپ نے کچھوے ڈال دیے؟" دل چاہا' اس کو زمین میں گاڑ دے۔

"پورے پچاس کچھوے۔" اس نے اسی تفاخر سے اس طرف اشارہ کیا۔ دور سے اتنا پتہ چلتا تھا کہ اس بیگ میں چھوٹے چھوٹے' شامی کباب کے سائز کے کچھوے چل رہے تھے۔ زمر نے ماتھے کو چھوا۔

"اف احمر... آپ کو مذاق لگتا ہے یہ سب؟"

"دیکھیں مسز زمر!" وہ سنجیدہ ہوا۔ "اگر ڈرگز ڈالتا' یا اسلحہ تو وہ گرفتار ہو جاتا' لیکن صبح سے پہلے تک باہر ہوتا۔ سوائے وائلڈ لائف والوں کے' کوئی بھی محکمہ اس کو کل دوپہر تک نہ رکھتا۔"

"کچھوے' احمر!" وہ اب بھی شدید نالاں تھی۔

"یہ وائلڈ لائف والوں کے خاص spotted کچھوے ہیں' صبح ہی چوری ہوئے ہیں۔" مسکرا کر آنکھ دبائی۔ "یہ لڑکا کل سنگاپور جا رہا ہے' سنگاپور میں ایک کچھوہ کئی ہزار کا بکتا ہے۔ وہ لوگ کچھوے کھانے کے شوقین ہیں مگر وہاں پابندی ہے اس کے شکار پہ کیونکہ اس معصوم کی نسل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ سو ہمارے ہاں سے لوگ اسمگل کرتے ہیں۔ بی پاکستانی۔ بائی پاکستانی۔"

زمر نے صرف گھور کر اسے دیکھا' اور سامنے' دیکھنے لگی جہاں وائلڈ لائف کے اہلکار اس لڑکے کو ہتھکڑی لگا رہے تھے۔ اور وہ مسلسل چلا رہا تھا۔ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ آئیڈیا کچھ اتنا برا بھی نہ تھا۔ لیکن احمر شفیع کو شکریہ کہنا... ناممکن!

وہ گھر آئی تو حنین اس کے کمرے میں چت لیٹی' چھت کو دیکھتی مایوس نظر آ رہی تھی۔ بیگ اور موبائل رکھتے ہوئے اس نے حنہ کو مخاطب کیا۔ "شہرزاد کا کیا بنا؟"

"میں نہیں کر سکی۔" وہ شرمندہ تھی۔

"اوکے! میں خود اس سے بات کر لوں گی۔" حنین سیدھی اٹھ بیٹھی' بے چینی سے اسے دیکھا۔ "وہ تکلیف میں ہے' اس کو اکیلا چھوڑ دیں۔"

"حنین اس کی صحت اب بہت بہتر ہے۔ اور ہم اس کی مدد بھی کریں گے اس کے مجرموں کو پکڑنے کے لیے۔" وہ بال برش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ حنہ کو نہیں نظر آئی۔ وہ کہیں اور تھی۔

"وہ اب بھی وہی آوازیں سنتی ہے۔ جنگل کی' جانوروں کی' خنزیروں کی' اور...." حنین ایک دم ساکت ہوئی۔ چونک کر زمر کو دیکھا۔ پھر یکایک بستر سے اتری اور ننگے پیر بھاگتی باہر نکل گئی۔ زمر سر جھٹک کر رہ گئی۔ حنہ اب تیز تیز زینے پھلانگتی تہہ خانے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے ابھی ابھی کچھ یاد آیا تھا۔

.............❖❖❖.............

بے وفائی کی گھڑی، ترکِ مدارات کا وقت ..... اس گھڑی اپنے سوا نہ یاد آئے گا کوئی

عالیشان' بلند و بالا سا بنگلہ تھا' جس میں صبح کی ٹھنڈ اور سرما کی دھوپ ٹل جل کر آ ٹھہری تھیں۔ ملازم حنین کو ڈرائینگ روم میں بٹھا کر چلے گئے تھے۔ وہ شہزا کی دوست تھی' اس نے یہی کہا تھا۔ اس روز کے برعکس' وہ کھلے بالوں پہ ہیئر بینڈ لگائے' ہاتھ میں فائل فولڈر پکڑے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی کافی پر اعتماد نظر آ رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر لان میں منتظر بیٹھا اسامہ نظر آ رہا تھا۔

چوکھٹ پہ شہزا کھڑی دکھائی دی تو حنین جگہ سے اٹھی۔

''میں نے کہا تھا، مجھے تمہاری مدد نہیں کرنی۔'' وہ بے نیازی سے پلٹنے لگی تھی۔

''تم نے کہا تھا' تمہیں بھاری بوٹس کی دھمک سنائی دی تھی' تم نے کہا تھا' کوئی بھائی اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے لئے کچھ کیا جائے۔'' شہزا چونک کر اس کی طرف گھومی۔ حنہ فولڈر سے کاغذ نکال کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ''تمہارا تو کوئی بھائی نہیں ہے شہزا۔ مگر تم عادتاً اپنے بہنوئی سرمد شاہ کو بھائی کہہ کر پکارتی ہو نا۔'' کاغذ اس کے چہرے کے آگے لہرایا۔ شہزا کے ان باکس میں سرمد کی میلز کے پرنٹ آؤٹ۔ شہزا کی رنگت سفید پڑی۔ ''اس نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بہن کو چھوڑ دے گا' تمہیں اپنا لے گا' اور جس دن تم اغوا ہوئی' اس روز اسی نے آنا تھا تمہیں پک کرنے۔ اسی نے کیا ہے یہ سب! مگر کتنا اداکار ہے وہ۔ جب میری فیملی نے نیاز بیگ کو اس کیس میں پھنسانا چاہا' تو اس نے ایسی اچھی اداکاری کی' کہ ہم سب بھی کنوینس ہو گئے کہ وہ اپنی ''بہن'' کا مجرم نیاز بیگ کو ہی سمجھ رہا ہے۔''

شہزا اسٹک کے سہارے چلتی چپ چاپ سامنے آ کر بیٹھی۔ بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں کسی کو نہیں بتا سکتی کیونکہ سب کو میں قصوروار لگوں گی۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا اس سے تعلق صرف پسندیدگی کا تھا۔'' وہ ایک دم شکست خوردہ لگنے لگی تھی۔ کچھ دیر لگی اسے کھلنے میں۔

''میں یہ تعلق ختم کرنا چاہتی تھی' میں چھپ چھپ کر فون پہ بات کرنے والے گلٹ سے تنگ آ گئی تھی' اسی لیے اس نے بلایا تو میں ملنے چلی گئی۔ مجھے نہیں پتہ تھا وہ یہ سب...'' آواز رندھ گئی۔ ''تم نہیں سمجھ سکتی میں کیسا محسوس کر رہی ہوں!''

حنین اس کے سامنے دھیرے سے بیٹھی۔ ''میں سمجھ سکتی ہوں شہزا۔ تم نے ایک غلط آدمی سے محبت کی' جو تمہارا رشتے دار تھا' تم سے عمر میں بڑا تھا' تم اسے بھائی کہتی تھیں۔ اور اس نے... اس نے تمہاری حوصلہ افزائی کی۔'' اس کے اندر بہت کچھ اٹکا۔ ''اس کے لیے تو یہ محض وقت گزاری تھی۔ تمہارے لیے یہ روگ تھا۔ تم بیک وقت اس سے بات کر کے خوش بھی ہوتی تھیں اور گلٹی بھی۔ تم دو دلوں کے ساتھ جی رہی تھی۔ پھر ایک دن اس نے تمہیں بلایا۔ تم چلی گئیں۔'' ''بہت کچھ یاد آیا تھا۔'' ''تمہیں نہیں پتہ تھا کہ وہ ایک کرمنل بھی ہے' تم جاتی یا نہ جاتی' تمہیں کبھی نہ کبھی پتہ چل ہی جاتا۔ اور تب بھی تم دو حصوں میں بٹ جاتیں جیسے اب بٹی ہوئی ہو۔ تمہارا ایک دل اس سے شدید محبت کرتا ہے' دوسرا دل اس سے نفرت کرتا ہے۔ ایک طرف تم اس سے انتقام لینا چاہتی ہو۔ مگر انتقام خوشی نہیں دیتا۔ دوسری طرف تم اب بھی' اس سب کے بعد بھی' دور اندر اس کو پانا چاہتی ہو' مگر اب خوشی پانے سے بھی نہیں ملے گی۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''تم ساری آوازیں بھول جاؤ' اور اپنی آواز اٹھاؤ' تمہاری آواز کے پسِ منظر میں ہر شے غائب ہو جائے گی۔''

''نہیں کر سکتی! وہ سارا الزام مجھ پہ ڈال دے گا۔ بابا اور عائزہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔'' بے بسی سے اس کی آواز بلند ہوئی۔

''کتنے لوگوں کو پتہ ہے کہ تم اس سے یوں میسجز پہ بات کرتی تھیں؟''

''صرف مجھے اور سرمد کو!'' آواز کپکپائی۔ آنکھوں میں بیک وقت دونوں جذبے ابھرے۔

''تو پھر تم یہ والی بات چھپا لو'' شہزا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تو میں کیا کہوں گی؟ کیوں ملنے گئی تھی سرمد سے؟ اور میری کسی جھوٹی وجہ پہ بابا کیسے یقین کریں گے؟"

"اس پہ کرلیں گے!" مسکرا کر اس نے ایک پھولا ہوا پیکٹ شمزا کی طرف بڑھایا تھا۔ "تمہیں سرمد شاہ کی الماری سے یہ ملا تھا۔ تم اس کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی، اور اس نے جو بھی کیا تمہیں خاموش کرانے کے لیے کیا۔" شمزا حیرت سے اسے دیکھتی پیکٹ کھولنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ لان میں آئی تو سیم نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"کیا تم نے کرلیا پھپھو کا کام؟"

"ہاں کرلیا!" اس نے مزے سے سیم کی کہنی میں بازو ڈالا اور آگے چلنے لگی۔

"ویسے یہ سب تھا کیا؟" وہ متجسس ہوا۔ حنہ نے اسے گھورا۔

"چپ کر کے چلو۔ زیادہ جہان سکندر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" سیم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا مگر چپ رہا۔

............✤✤✤............

خزاں کے پھول کی مانند بکھر گیا کوئی ...... تجھے خبر نہ ہوئی اور مر گیا کوئی

کورٹ کی راہداریوں میں ہنوز ویسا ہی رش تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں اور آتے جاتے قدموں کی دھمک۔ ایسے میں ایک راہداری کے باہر وہی لڑکا جو گزشتہ رات پھوے اسمگل کرتے پکڑا گیا تھا، وہ ہتھکڑیوں میں کھڑا تھا، ساتھ پولیس اہلکار موجود تھے۔ چند وکلاء اور ایک سوٹ میں ملبوس صاحب جو چہرے مہرے سے اس لڑکے کے والد لگتے تھے، آپس میں بحث کررہے تھے۔

"میں کراچی میں نہ ہوتا تو دیکھتا میرا بیٹا کس طرح حوالات میں رات گزارتا ہے۔" والد برہمی سے کہہ رہا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ "کتنی دیر مزید لگے گی؟" وکیل جواب میں جلدی جلدی کچھ بتانے لگا۔ تبھی دور راہداری سے زمر چلتی آتی دکھائی دی۔ بال جوڑے میں، چہرے پہ مسکراہٹ، اور چال میں اعتماد۔ ان صاحب کے پاس وہ رکی۔

"کیا میں آپ سے علیحدگی میں بات کرسکتی ہوں؟" شائستگی سے ان کو مخاطب کیا۔ لڑکے کا والد چونک کر مڑا، اسے دیکھا، پھر ساتھ چلا آیا۔

"کسٹم کے یہ آفیسر آپ سے ملنا چاہتے ہیں، مگر علیحدگی میں، انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ کے بیٹے کا ریکارڈ بھی کلیئر رہے گا۔ ان کو معلوم ہے کہ وہ سی ایس ایس کی تیاری کررہا ہے۔" مسکرا کر ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ پھر اس کی پیشانی کو دیکھا جہاں ہلکا ہلکا پسینہ تھا، مگر خود بھی اس پسینے سے بے خبر، اس آدمی نے کارڈ لیا، اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے ساتھ چلتی اس کی مختلف راہداریوں سے گزارتی چلتی جارہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی بھی دیکھتی۔ انکھیوں سے اس نے دیکھا کہ وہ شخص تائی کی ناٹ ڈھیلی کررہا تھا۔ جیسے اسے گھٹن ہورہی ہو۔

زمر ایک دروازے کے سامنے رکی۔ وہاں دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ ایک نے دروازہ کھول دیا۔

"آپ اندر چلے جائیں، الیاس فاطمی صاحب!" وہ مسکرا کر بولی تو اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ خالی کورٹ روم تھا۔ الیاس فاطمی دو قدم اندر گیا ہی تھا کہ زمر نے دروازہ بند کیا اور بولٹ چڑھا کر لاک کلک سے بند کیا، پھر چابی نکال کر پولیس اہلکار کی مٹھی میں دبائی۔

"اگر وہ مقررہ وقت سے پہلے باہر نکلا تو تمہارے آدھے پیسے کاٹ لوں گی۔" گھور کر تنبیہہ کی۔ سپاہی نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"آپ فکر ہی نہ کریں میڈم صاحب۔" زمر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ (آئی ایم سوری اللہ تعالیٰ! ان تمام قوانین کے لیے جو آج میں نے توڑے! اور فارس اور احمر جیسے کرمنلز کے ساتھ کام کرنے کے لیے!) جھرجھری لے کر وہ بڑبڑاتی جارہی تھی۔ کوئی عادت تھی

جو واپس آ رہی تھی۔

خالی کورٹ روم میں آگے چلتے یکدم الیاس فاطمی مڑا۔ اسے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ چونک کر وہ دروازے تک آیا اور اسے کھولنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ...

"اپنی توانائی بچا کر رکھو۔ دروازہ لاکڈ ہے۔ اسے توڑنے میں پندرہ منٹ لگیں گے جبکہ تمہارے پاس صرف بارہ منٹ ہیں۔"

آواز پہ وہ ایک دم گھوما۔

جج کے خالی چیمبر کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل رہا تھا۔ کورٹ روم کی کوئی بتی نہیں جلی تھی۔ دن کی روشنی کافی تھی' پھر بھی جج کا نیم تاریک اندھیرے میں لگ رہا تھا۔ الیاس فاطمی نے آنکھیں سکیڑ کر تعجب سے دیکھنا چاہا۔

نیلی جینز کے اوپر اس نے بھورا سویٹر پہن رکھا تھا۔ پوری آستین والا سویٹر۔ چھوٹے کٹے بال اور بڑھی شیو۔ سنہری آنکھوں میں چبھن لیے وہ جج کی کرسی کے پیچھے آ کھڑا ہوا' اور کرسی کی پشت پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھ۔

"ڈرو نہیں۔ میں ہتھکڑی میں ہوں۔ قید میں ہوں۔ پہچانا تم نے مجھے؟ میں فارس غازی ہوں۔ وارث غازی کا بھائی!" الیاس فاطمی کی گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے۔ لب کھل گئے۔ آنکھوں میں شاک ابھرا۔ پھر ایک دم وہ گھوما۔

"کچہری میں جہنم کی طرح کا شور ہے' دروازہ پیٹنے کی آواز سن بھی لی جائے تو فائدہ نہیں۔ تمہارے پاس صرف گیارہ منٹ ہیں' کیونکہ تمہاری طبیعت خراب ہونا شروع ہو چکی ہے۔" فاطمی نے دروازے پہ ایک دفعہ ہی ہاتھ مارا تھا کہ اس کا آخری فقرہ سن کر چونکا' پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ اسی سکون سے کرسی کے اوپر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"تمہارے سر میں سرور ہو رہا ہے نا؟ ہر گزرتے پل کے ساتھ یہ تیز ہو جائے گا۔ کیونکہ جو چائے تم نے پراسیکیوٹر کے آفس میں پی تھی' وہ چائے نہیں تھی۔"

فاطمی نے بے اختیار اپنی پیشانی کو چھوا۔ وہ ٹھنڈی پڑ رہی تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ گلے پہ رکھا۔ وہ گھٹ رہا تھا۔ آنکھیں وحشت سے پھیلیں۔

"کیا... کیا مطلب؟" وہ مڑ کر پھر سے دروازہ بجانے لگا مگر ہاتھوں سے جان نکل رہی تھی۔

"وکیل سے شادی کرنے کا ایک فائدہ ہوتا ہے۔ آپ کورٹ کا ہر ملازم خرید سکتے ہیں۔ اس ملازم نے زیادہ کچھ نہیں ملایا۔ صرف ایک چھوٹی شیشی تھی۔ زہر کی۔" ہلکا سا مسکرایا۔ "میرا ایک دوست ہے' لاہور کے مضافات میں اس کا اپنا فارم ہاؤس ہے' اور لیب بھی۔ وہاں ایسے وائرس اور زہریلے محلول کلچر کیے جاتے ہیں۔ ابھی تو تمہارا دم گھٹ رہا ہے' لیکن اگلے آٹھ منٹ میں سانس بھی رکنے لگے گا' پھر ناک اور کانوں سے خون آئے گا' پھر دل کی دھڑکن بے قابو ہو گی..." وہ کہتے ہوئے چلتا ہوا کرسی کے پیچھے سے نکلا' "پھر سینے میں شدید درد اٹھے گا۔" وہ چبوترے کے دہانے پہ آ کھڑا ہوا اور نیچے وہیں بیٹھ گیا۔ "اور گیارہویں منٹ تمہارے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی اگر..." بند مٹھی کھول کر دکھائی۔ اس میں شفاف شیشی تھی جس میں شفاف محلول تھا۔ "اگر تم نے اس پوائزن کا antidote نہ لیا۔" الیاس فاطمی نے قدم بڑھائے' لڑکھڑا کر زمین پہ گرا اور بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ پھر سفید چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو!" اس کا سانس رکنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے' پھر گیارہ منٹ بعد پتہ چل جائے گا۔"

الیاس فاطمی بے اختیار پلٹا اور خود کو زمین پہ گھسیٹتے دروازے کو نیم جان ہاتھوں سے بجایا۔ باہر دونوں پولیس اہلکار کھڑے اونچی آواز میں فون پہ بات کر رہے تھے۔

"اگر تم نے دوبارہ دروازہ پیٹا تو میں اس شیشی کو توڑ دوں گا۔ قریبی ہسپتال جانے میں رش آور کے باعث تمہیں پون گھنٹہ لگے گا۔"

گہرے گہرے سانس لیتے فاطمی نے ہاتھ کی پشت سے ناک رگڑا تو... اس پہ خون لگا تھا۔ اس نے خوف اور وحشت سے سامنے اونچے پہ بیٹھے فارس کو دیکھا۔ "تم... کیا چاہتے ہو تم؟ میں نے تمہارے بھائی کو نہیں مارا۔"

"مجھے معلوم ہے' تم نے صرف اسے بیچا تھا۔" وہ شیشی کی کو ہاتھ میں گھماتے' نگاہیں اس پہ جمائے بولا تھا۔ "مجھے دو سوالوں کے جواب دو' تو میں یہ antidote (تریاق) تمہیں دے دوں گا۔ اگر تمہارے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ہوئے' تو میں اسے توڑ دوں گا۔"

"بولو... بتاؤ... کیا پوچھنا ہے۔" وہ نیم جاں زمین پہ دوہرا ہوا بمشکل بول پایا۔

"وارث نے تمہیں کچھ فائلز دی تھیں' یقیناً وہ ثبوت تم نے کسی تک پہنچا دیے تھے' اور انہوں نے وارث کو مار دیا۔" نگاہ اٹھا کر چھت سے لٹکتے پنکھے کو دیکھا۔ "ان فائلز میں کیا تھا؟"

"وہ... منی لانڈرنگ کر رہے تھے... وہ ان کی کرپشن کا پتہ لگاتے لگاتے غلط سمت آ نکلا تھا۔" بے ربط پھولی سانسوں کے درمیان وہ بول رہا تھا۔ "وہ دہشت گردوں کے لیے منی لانڈرنگ کر رہے تھے۔ پشاور میں میٹنگز کا ریکارڈ تھا' کوئی گواہ بھی تھے۔ وہ میرے پاس نہیں ہیں۔ وارث کے لیپ ٹاپ میں تھیں۔"

"آئی سی!" اس نے گہری سانس لی۔ "تو وہ دہشت گرد ہیں۔ گڈ!" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "دوسرا سوال' ان لوگوں کا ماسٹر مائنڈ کون ہے؟ ہر تنظیم کا ایک برین ہوتا ہے' جو احکامات دیتا ہے۔ ان کا برین کون ہے؟ میرے بھائی کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا؟"

فاطمی کے کانوں سے خون رسنے لگا تھا۔ آنکھوں سے پانی ٹپک رہا تھا' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ مجھے جان سے مار دے گا۔" فارس نے شیشی کو اونچا اٹھایا' گویا گرانے لگا ہو۔ فاطمی دہل کر رہ گیا۔ "ہاشم... ہاشم کاردار۔ تمہارے بھائی کے قتل کا حکم ہاشم نے دیا تھا...."

کمرے میں ایک دم موت کا سناٹا چھا گیا۔

اپنے تئیں دھماکہ کر کے فاطمی نے اسی خوف اور وحشت سے فارس کا چہرہ دیکھا۔ وہ سپاٹ تھا۔ سخت اور سرد۔ "ہاشم کاردار؟" وہ دہراتے ہوئے اٹھا اور قدم قدم چلتا فاطمی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ گردن جھکا کر اسے دیکھا۔

"میں نے پوچھا تھا' ان کا برین کون ہے؟ ہاشم کاردار یا اس کی ماں؟"

فاطمی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ "تم جانتے ہو؟" فضا ایک دم ساکت ہوگئی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "میں ساڑھے چار سال سے جانتا ہوں۔ یہ بھی کہ میرے بھائی اور بیوی کو کس نے قتل کروایا' یہ بھی کہ میرا بھانجا بھی انہی کے پاس ہے۔"

فاطمی نے تعجب اور بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ "مگر ہاشم نے کہا تھا' تم نہیں جانتے کہ اس سب کے پیچھے کون ہے۔"

"میں واقعی نہیں جانتا کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ ہاشم اپنی ماں کے پیچھے ہے' یا جواہرات اپنے بیٹے کے پیچھے ہے۔ یہ جاننا میرے لیے ضروری ہے تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ مجھے کس کی جان اپنے ہاتھوں سے لینی ہے۔"

"مگر ہاشم نے کہا تھا... تم اداکار نہیں ہو۔" وہ اب بھی بے یقین' خوفزدہ تھا۔

"جس غازی کو وہ جانتا تھا' وہ اداکار نہیں تھا۔" اس نے اذیت سے آنکھیں موندیں۔ "جیل نے میرے ساتھ کیا کیا' میں نے جیل میں کیا کیا ہے..." آنکھیں کھولیں۔ "ان میں سرد آگ تھی۔" ہاشم نہیں جانتا۔ کوئی نہیں جانتا۔ اور اب تم لوگ مجھے دوبارہ وہیں بھیجنا چاہتے ہو!"

"مگر... ہاشم نے کہا تم سمجھتے ہو تمہاری بیوی نے تمہیں اس میں پھنسایا ہے۔"

"پانچ منٹ کے لیے میں نے یہی سمجھا تھا۔"

''تمہیں.... تمہیں معلوم ہے تمہارا بھانجا....'' اسے شدید کھانسی آنے لگی تھی۔ وہ بول نہیں پا رہا تھا مگر حیرت اور بے یقینی اسے اپنی حالت بھی بھلائے دے رہی تھی۔

''مجھے اس کے اغوا سے اگلے دن معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سب ہاشم نے کروایا ہے۔ مگر میں....'' پنجے کے بل اس کے قریب زمین پہ بیٹھا۔ ''میں وہ ساڑھے چار سال پہلے والا آدمی نہیں ہوں جس نے جیل جاتے ہی ہاشم کاردار کا نام لیا تھا۔ جیل نے مجھے بدل دیا ہے الیاس فاطمی! مجھے اداکاری آ گئی ہے۔ مجھے لوگوں کے سامنے کیسا نظر آنا ہے، یہ میں خود طے کرتا ہوں اب۔'' ذرا سا اس پہ جھکا۔

''تم لوگ... ہمیشہ ایک بات بھول جاتے ہو.... کہ فارس غازی... بھی ایک کاردار کی ہی اولاد ہے!'' پھر شیشی والی مٹھی بلند کی۔ الیاس فاطمی دہرے ہوتے بے اختیار ہاتھ اٹھانے لگا مگر اتنی سکت ہی نہیں رہی تھی۔

''تم میرا راز جان چکے ہو۔ تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔''

''نہیں.... پلیز... دیکھو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ دیکھو وقت ختم ہو رہا ہے... یہ مجھے دے دو خدا کے لئے....'' وہ شاید رو بھی رہا تھا۔

''اگر تم نے....'' شیشی اوپر اٹھائے' اس کی آنکھوں میں دیکھتے چبا چبا کر وہ بولا۔ ''کسی کو ایک لفظ بھی بتایا تو یاد رکھنا۔ میں تمہیں نہیں ماروں گا۔ مگر تمہاری بیٹی.... جو شادی کے آٹھویں سال بالآخر اپنی اولاد کی منتظر ہے.... صرف ڈھائی ماہ بعد.... میں اس کا بچہ غائب کر دوں گا اور تم اور تمہارا سارا خاندان زندہ درگور ہو جاؤ گے۔ بری خبر یہ ہے کہ تمہاری بیٹی سفر نہیں کر سکتی' تم اس کو کہیں بھیج بھی نہیں سکتے....''

وہ جلدی جلدی نفی میں سر ہلانے لگا' اس کا گویا سانس بند ہو رہا تھا۔ ''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ پلیز یہ مجھے دے دو۔''

فارس اٹھا' سیدھا کھڑا ہوا۔ گردن جھکا کر اسے دیکھا۔ ''میرا بھائی تمہارے پاس آیا تھا فائلز لے کر... اس نے تم پہ اعتماد کیا تھا اور تم نے معلوم ہے اس کے ساتھ کیا کیا؟'' شیشی فضا میں بلند کی۔ ''تم نے اسے چھوڑ دیا۔'' اور اس نے شیشی چھوڑ دی۔ الیاس فاطمی کے منہ سے چیخ نکلی۔ شیشی اس کے قریب گر کر چکنا چور ہو گئی۔ محلول بہہ گیا۔ وہ جھک کر انگلیوں سے محلول اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''یہ تم نے کیا کیا.... تم نے مجھے مار دیا....''

فارس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساتھ میں کچھ کہا بھی۔ اہلکار نے جلدی سے اسے کھولا اور اندر آیا۔ اس کی ہتھکڑی کو اپنی زنجیر کے ساتھ منسلک کیا۔ پھر نیچے گرے' پاگلوں کی طرح اس محلول کو چاٹتے' روتے بلکتے فاطمی کو دیکھا۔ ''یہ مر تو نہیں جائے گا؟''

''اس جیسے لوگ آسانی سے نہیں مرتے۔ فکر نہ کرو زہر نہیں دیا۔ نارچر ڈرگ تھی' آدھے گھنٹے میں ٹھیک ہو جائے گا۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ ان کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ادھر الیاس فاطمی ابھی تک کراہتے' روتے اس محلول کو چاٹنے کی سعی کر رہا تھا جو صرف... سادہ پانی تھا۔

راہداری میں چلتے ہوئے زمر مخالف سمت سے آئی اور اس کو روکا۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔ فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اسے کچھ بھی نہیں معلوم۔ ابھی تک اس شخص کا پتہ نہیں چل سکا جو فاطمی کو اس جج سے جوڑ سکے۔'' وہ بے زار اور خفا لگ رہا تھا۔ زمر کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ ''کیا واقعی؟'' ''وہ'' ''جی'' کہہ کر اہلکاروں کی معیت میں آگے بڑھ گیا۔ اس کا نام پکارے جانے کا وقت قریب تھا۔

آج اس کا چودہ روزہ جسمانی ریمانڈ ختم ہو رہا تھا۔ عدالت نے ضمانت کی درخواست مسترد کرتے ہوئے اسے جوڈیشل ریمانڈ پہ جیل بھیجنے کا حکم صادر کر دیا۔ اپنی گرفتاری کے چودہ دن بعد بالآخر وہ اسی جیل دوبارہ جا رہا تھا جو چار سال تک اس کا ''گھر'' بنی رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتی باہر تک آئی تھی جہاں ''حوالات'' (جیل لے جانے کے لیے دین نما خوفناک سواری) تیار کھڑی تھی۔ لمحے بھر کے لیے اس نے فارس کو روکا تھا۔

[illegible] تفتیش کی تفصیلات [illegible] ہمارے حوالے کر دی ہے۔ اب ہمارے پاس [illegible]

ہفتے سے اگلی سماعت تک۔ سو اب تم جس کو چاہو اپنا وکیل مقرر کر دو!" وہ کچھ کہنے لگا تھا مگر زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے بات جاری رکھی۔

"لیکن اگر تم مجھے ہائر کرنا چاہتے ہو تو.. فارس... تمہیں مجھ سے... ریکویسٹ کرنی ہوگی!"

اس کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ برہمی سے کچھ کہنے لگا۔ پھر گردن گھما کر دیکھا۔ اس کے انتظار میں اہلکار کھڑے تھے۔ بہت ضبط سے زمر کی طرف گھوما۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"میں.... ریکویسٹ کروں؟" اپنی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ "بالکل۔ ورنہ کوئی اور وکیل ڈھونڈ لو۔"

"مسز زمر۔" ایک نظر اس کے پٹی میں بندھے ہاتھ پہ ڈالی، دوسری ناک کی نتھ پہ۔ "کیا آپ کمرہ عدالت میں میری نمائندگی کرنا پسند کریں گی؟"

"پہلے کہو، پلیز!" (اور یہ الفاظ کہتے اسے کچھ اور نہیں صرف پھپھو یاد آئے تھے۔)

فارس نے صبر کا گھونٹ بھرا۔ "پلیز!"

"شیور!" وہ مسکرا کر شانے اچکاتی پرس سنبھالنے لگی۔ "اگر تم یہ سائن کر دو۔" ایک چیک اور پین نکال کر اس کے سامنے کیا۔ فارس کے اب کی بار دونوں ابرو اٹھے۔ "یہ تو میری چیک بک کا چیک ہے!"

"اور اس پہ جو رقم لکھی ہے وہ میری ابتدائی فیس ہے! سائن کر دو، یا کوئی اور وکیل ڈھونڈ لو!"

"یہ صرف ابتدائی فیس ہے؟"

"ہاں فارس۔ تم نے کیا بے مول سمجھ رکھا تھا مجھے؟" مسکراتے ہوئے بھی اس کی آواز میں شکوہ در آیا تھا۔ فارس نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی، ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے قلم تھاما اور سائن کر دیا۔ پھر اسے انہی نظروں سے گھورتا جانے کے لیے پلٹ گیا۔

وہ اس ٹھنڈی سی سہ پہر میں ان اہلکاروں کو اسے حوالات میں ڈال کر لے جاتے دیکھتی رہی۔

.............❖❖❖.............

انمول پتھروں کی قیمت لگائی ہے سب نے ...... دیوار جو نہ بنتے، بازار بن کر جیتے

سمندر کنارے وہ اونچی ہوٹل کی عمارت رات کے اس پہر روشن تھی۔ نیچے تاریک تہہ خانے میں میری ایجیو فون لیے سعدی کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ جو اضطرابی انداز میں مسلسل ٹہل رہا تھا، تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ آنکھوں میں شدید بے چینی تھی۔ "کال کرو ہاشم کو!"

"تم ٹھیک نہیں کر رہے سعدی، تم پچھتاؤ گے!" وہ شدید متفکر تھی۔ "تمہیں فارس کے مشورے پہ بھروسہ ہے؟"

"دیکھو وہ غصے کے تیز ہیں، جلد باز ہیں، ہاتھوں سے سوچتے ہیں، میں سب جانتا ہوں، مگر میرا دل کہتا ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں! اور میں دل کی سننا چاہتا ہوں۔" میری نے سر جھٹکا، اور فون ملا کر ہاشم سے بات کروانے کا کہہ کر ریسیور اسے دیا۔

"بولو سعدی!" ہاشم کا لہجہ خشک تھا۔

"میں اپنے وکیل کا نام بتانے کو تیار ہوں۔ مگر..."

"مگر تمہیں بدلے میں کچھ چاہیے۔ بتاؤ۔" وہ آفس میں بیٹھا، فون کان اور کندھے کے درمیان رکھے، کاغذات کھنگال رہا تھا۔

"میں صرف آپ کو بتاؤں گا۔ آپ اور آپ کی والدہ دونوں میرے پاس آئیں گے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ سچ سچ بتا دوں گا۔ میں آپ کے لیے کام بھی کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن بدلے میں، میں پیسے لوں گا، بہت پیسے۔ وہ پیسے میرے خاندان کو دیے جائیں گے۔ اور میرا پیکیج آپ اور مسز کاردار میرے ساتھ بیٹھ کر مجھ سے ڈسکس کر کے طے کریں گے۔"

''اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''

''میں تھک چکا ہوں ہاشم بھائی۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ روانی میں کہہ گیا تھا' پھر رک کر مسکرایا۔ اور بظاہر تصحیح کی۔'' ہاشم!'' میری کو دیکھتے آنکھ دبائی۔ اگر وہ ندرت ہوتی تو جوتا اٹھا لیتی۔

''اگلے ہفتے ہم نے آنا ہے ادھر' ٹھیک ہے تمہارے پاس بھی آ جائیں گے' لیکن تم اپنا وعدہ پورا کرو گے۔'' اس کی آواز میں ہلکی سی نرمی تھی۔

''اور پلیز... اس ہیپو تھراپسٹ سے کہیں' یہاں سے چلی جائے' میں نے نہیں کروانا اس سے علاج۔ کیوں میرے پیچھے پڑی ہے؟'' وہ کاغذ فائل سے نکالتا رکا۔ ایک دم چونک کر چہرہ اٹھایا۔ فون کندھے سے نکال کر ہاتھ میں لیا۔'' کون تھراپسٹ؟''

''وہی سرخ اسکارف والی' آپ کے بزنس پارٹنر کی بیٹی۔ جس کو کرنل خاور میرے پاس لایا ہے۔'' لمحے بھر کو رکا۔'' کیا آپ کو نہیں پتہ؟''

دوسری طرف فون منقطع ہو چکا تھا۔ ہاشم موبائل رکھتے ہی آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکلا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلے کرتے' سرخ چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہال عبور کر کے سامنے آیا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

خاور فون پہ بات کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر اٹھا۔ ہاشم آگے بڑھا' فون کا کریڈل کھینچ کر زمین پہ دے مارا۔ خاور ایک دم ششدر رہ گیا۔ اس نے گریبان سے پکڑ کر خاور کو جھٹکا دیا۔

''کس کی اجازت سے تم آبی کو وہاں لے کر گئے؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ دھاڑا تھا۔

''سر... میں نے ہیپو تھراپسٹ کی بات کی تھی آپ سے... میں نے ہارون صاحب سے...'' وہ ہکلاتے ہوئے وضاحت دینے لگا۔

''بکواس بند کرو۔ تم میرے لیے کام کرتے ہو' ہارون عبید کے لیے نہیں۔'' غصے سے اس کا کالر جھٹک کر اسے پرے دھکیلا۔'' تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''سر' میں تو....''

''بکواس بند کرو۔'' اس نے زور سے بوٹ کی ٹھوکر ماری اور ننازک سی ٹی ٹرالی الٹ کر پیچھے جا گری۔'' ابھی.... ابھی اس کو واپس لا ؤ گے تم وہاں سے۔ خاور! اگر وہ دوبارہ اس سے ملی تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔ سنا تم نے!''

خاور کا اہانت اور شاک سے بھرا چہرہ چھوڑ کر وہ اسی طرح باہر نکل گیا۔ اسے کہیں پہنچنا تھا' جلدی' ورنہ شاید وہ واقعی خاور کو شوٹ کر دیتا۔ خاور ابھی تک دنگ تھا۔ پس منظر میں ایک آواز ابھری تھی۔'' تم بھی کار دار نہیں بن سکتے۔ وہ تمہیں کبھی اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے۔''

.... ❖ ❖ ❖ ....

رہا مبتلا میں عمر بھر آگے کی دوڑ میں ...... جو آج مڑ کر دیکھا تو تنہا کھڑا تھا میں

سرمد شاہ ان دنوں ایک ورکشاپ کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ فارس غازی جوڈیشل ریمانڈ پہ جس دن جیل بھیجا گیا' اس روز سرمد شاہ واپس آیا تھا۔ ائیرپورٹ سے گھر کے راستے میں اس نے ڈرائیور سے پوچھا تھا۔

''عائزہ بی بی کہاں ہیں؟ دو دن سے فون نہیں اٹھا رہیں۔ لینڈ لائن بھی نہیں مل رہا۔'' ڈرائیور لاتعلقی کا اظہار کر کے خاموش رہا تھا' البتہ بار بار بیک ویو مرر میں صاحب کو دیکھتا ضرور تھا۔

کار گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور وہ دروازہ کھولتا باہر نکلا تو دیکھا' لان میں عائزہ اور شہزا کے والد کھڑے تھے۔ وہ دراز قد' سیاہ سرخی قلموں والے لئے بھرے بھرے جسم کے تنومند انسان تھے' سفید شلوار سوٹ میں ملبوس' اور چہرے کا رنگ سرخ' گلابی سا۔ ساتھ موجود چار افراد بھی

اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ سرمد شاہ کو انہونی کا احساس ہوا تھا۔

"السلام علیکم انکل۔" وہ بظاہر مسکرا کر کہتا' گلاسز گریبان میں اٹکاتا ان کی طرف آ رہا تھا۔ آئی جی صاحب آگے بڑھے اور ایک دم اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

"ساری دنیا کہتی تھی' جیسا باپ ہے ویسا بیٹا نکلے گا' پھر بھی میں نے تمہارا اعتبار کیا۔" انہوں نے بھاری بھرکم ہاتھ اس کے منہ پہ جڑا تھا۔ غصے سے وہ بہت سے مغلظات بھی کہہ رہے تھے۔ سرمد شاہ پیچھے کو لڑکھڑایا۔ "تم نے میری دونوں بیٹیاں برباد کر دیں۔"

"انکل' کیا ہو گیا ہے؟" اس کا چہرہ سرخ ہوا' وہ ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرنے لگا' دو نوجوان آگے بڑھے اور آئی جی صاحب کو تھام کر بمشکل ہٹایا۔ ایک نے سرعت سے سرمد شاہ کے ہاتھ پیچھے باندھے اور اس سے پہلے کہ وہ مزاحمت کر پاتا اس نے ہتھکڑی بند کر دی۔

"کیا کر رہے ہو' چھوڑو مجھے... انکل... میری بات سنیں۔" وہ بھی غصے سے چلایا تھا۔ "وہ جھوٹ بول رہی ہے' وہ بکواس کر رہی ہے' میں..."

"وہ تمہاری دوسری شادی کے بارے میں جان گئی تھی اس لیے تم نے اسے اغوا کر لیا۔ تم نے میری بیٹی کو برباد کر دیا۔" وہ غصے اور دکھ سے پھر اس کی طرف بڑھے تھے مگر دونوں جوانوں نے انہیں پھر سے تھام کر پیچھے کیے رکھا۔

"سر! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ اندر جائیں' یہ ہمارے حوالے ہے۔" ایک آفیسر ان کو تسلی دے رہا تھا۔

"عائزہ کہاں ہے؟ عائزہ کو بلاؤ۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔" وہ ان دو اہلکاروں کے نرغے میں پھنسا' سرخ چہرے کے ساتھ چلا چلا کر ملازموں کو کہہ رہا تھا۔ مگر کوئی نہیں سن رہا تھا۔

"نام مت لو میری بیٹی کا۔" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتے گرجے تھے۔ "عائزہ' ارم' اور شہزا کو ملک سے باہر بھیج دیا ہے میں نے' ساری زندگی تم اپنے بیٹے کی شکل کو ترسو گے۔ تم بھی تو جانو اولاد کو کھونے کا درد کیا ہوتا ہے سرمد۔"

"آپ میرے ساتھ ایسے نہیں کر سکتے۔ چھوڑو مجھے۔ میرا بیٹا کہاں ہے؟" وہ چلایا تھا۔

"اسے دور لے جاؤ میری نظروں سے۔ اس سے طلاق نامے پہ دستخط کرواؤ' اور پراپرٹی کے کاغذوں پہ بھی' اس کو... اس کو اتنا مارو ولید کہ اس کی شکل بدل جائے۔" وہ تیز تیز بولتے ہانپنے لگے تھے۔ دو اہلکار اس کو زبردستی کھینچتے' گھسیٹتے کار کی طرف لے جا رہے تھے۔

"دیکھ لوں گا میں تم سب کو۔ کوئی بھی عدالت میں مجھ پہ کچھ ثابت نہیں کر سکتا۔" وہ ہذیانی انداز میں چلایا تھا۔ آفیسر نے اسے کار میں دھکا دیا' پھر جھک کر سختی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کون سی عدالت؟ ہم تمہیں تمہارے جیسے کسی تھانے نہیں لے جا رہے۔ ہم تمہیں بیورو کی زیر زمین جیل میں لے جا رہے ہیں۔ کرمنل پروسیجر کورٹ ہم پہ اپلائی نہیں ہوتا' نہ ہم تمہیں کسی عدالت میں پیش کریں گے۔ آج سے تم ایک مسنگ پرسن ہو۔" اور کھٹاک سے دروازہ اس کے منہ پہ بند کیا۔ آئی جی صاحب ابھی تک غصے سے ہانپتے اس کو گالیاں نکال رہے تھے۔ پھر وہ تھک کر کرسی پہ نڈھال سے بیٹھے۔ انہیں معلوم تھا وہ طاقتور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا ہے' وہ ناجائز پیسہ بناتا ہے' فیور زدیتا ہے' مگر انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا۔

وہ غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ اور انسان کو جہنم میں اس کی غیر جانبداری ضرور پہنچاتی ہے۔

انیکسی کے تہہ خانے میں' دیوار پہ لگے کاغذوں کے سامنے حنین کھڑی تھی۔ ہاتھ اونچا کر کے اس نے سرمد شاہ کی تصویر اتاری اور اس کے دو ٹکڑے کر کے قریب جلتے ہیٹر پر رکھ دیے۔ آگ کے شعلے تصویر کو اپنی لپیٹ میں لے کر سیاہ کرنے لگے۔

❖ ❖ ❖

کبھی جو مدتوں بعد اس کا سامنا ہو گا ...... سوائے پاس آداب تکلف کے اور کیا ہو گا

حنہ نے اطمینان سے مڑ کر زمر کو دیکھا جو میز پہ فائلز اور کتابیں رکھے نوٹس بنا رہی تھی۔ سر اٹھائے بغیر بولی۔

''اس کو انجوائے مت کرو۔'' حنہ چونکی۔ پھر خفیف سا سر جھٹکا۔ ''میں تو انجوائے نہیں کر رہی۔''

زمر کے موبائل کی ٹون بجی تو وہ فون اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اس کے ڈاکٹر پیغام تھا۔

''خوش قسمتی سے ایک ڈونر کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اس کا نمبر بھیج رہا ہوں، آپ اس سے بات کر لیں اور تمام معاملات طے کر لیں۔ غریب آدمی ہے، پیسوں کی سخت ضرورت ہے اسے!'' ساتھ ہی ایک نمبر موصول ہوا۔ زمر نے گہری سانس لی اور ''ڈونر'' کے نام سے اسے محفوظ کر دیا۔ دل سے ایک بوجھ سا ہٹا تھا۔

''وہ فائلز کہاں تک پہنچیں حنین؟''

''بتایا تھا نا، اپنی ایک فلیش خاور کے پاس لے کر گئی تھی، اس پہ تجربہ کر کے اس سے انکرپٹ کرنے کا طریقہ سیکھا ہے۔ اب ان فائلز پہ احتیاط سے اپلائی کر رہی ہوں وہ طریقہ۔ بہت سی چیزیں اب بھی نہیں معلوم سو کچھ دن لگیں گے۔ شاید مہینے۔ مگر ہو جائے گا!'' وہ پرامید تھی۔

ان سے چند کوس دور قصر کاردار کا لاؤنج پُر ارادش تھا اور اوپر سے نوشیرواں چہرے پہ ڈھیروں بے زاری سجائے سستی سے زینے اتر رہا تھا۔ جمائی روکتے وہ نیچے آیا اور صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔ آنکھوں کے گلابی پن سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈرگز استعمال کر رہا تھا۔

''ممی کہاں ہیں فیونا؟'' فیونا سامنے آئی تو اس نے پکارتے ہوئے میز پہ پیر رکھے اور موبائل چہرے کے سامنے کیے فیس بک کھولنے لگا۔

''مسز کاردار اور ہاشم صاحب صبح سری لنکا کے لیے نکلے تھے۔ ان کی کوئی میٹنگ تھی۔ اور ایک سیمینار بھی تھا۔''

''ہوں۔'' وہ خاموشی سے بیٹھا موبائل، یکطار باشہرین کی ساری ٹائم لائن چیک کی۔ ایک ایک پوسٹ پڑھی مگر پھر بے زار ہو گیا۔ سر جھٹک کر چہرہ اٹھایا تو مرکزی دیوار پہ بڑا سا ڈیکوریٹڈ ڈیزائن کا فریم آویزاں دیکھا جس میں وہ چاروں کھڑے مسکرا رہے تھے۔ اورنگزیب ہاشم، جواہرات اور وہ خود۔ شیرو اسے تکنے لگا۔ مکمل فیملی گروپ فوٹو۔

ایک خیال نے ذہن پہ ہلکی سی دستک دی۔ کیا یہ مکمل گروپ فوٹو تھا؟ مگر فیملی تو مکمل نہ تھی۔ کسی معمول کی طرح اس نے موبائل اسکرین کو چھوا۔ سرچ کے خانے میں لکھا ''علیشا کاردار'' اور کچھ بھی سوچے بنا کلک کر دیا۔

فہرست میں پہلے نام کی بریکٹس میں لکھا تھا (Ants EverAfter)۔ جس زمانے میں گھر میں اس لڑکی کے نام پہ جواہرات اور اورنگزیب میں لڑائی ہوتی تھی، تب اس نے سرچ کیا تھا اس کو۔ شاید اسی لیے اس کا نام اب بھی نکل آیا تھا۔ سر فہرست۔ نوشیرواں نے پروفائل کھولی۔ کور فوٹو پہ کلک کیا۔ وہ دو ہفتے قبل لگائی گئی تھی۔ پہلے سے ذرا بڑی بڑی اور مسکراتی ہوئی علیشا 'کتابیں لیے' کسی یونیورسٹی کے باہر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں...شیرو نے اسکرین کو زوم ان کیا.... بالکل اورنگزیب جیسی تھیں۔ نوشیرواں جیسی۔ فارس جیسی۔

کتنے ہی پل بیت گئے۔ وہ یونہی گردن ترچھی کیے اس کی تصویر دیکھتا رہا۔ وہ rehab سے صحت یاب ہو کر آ گئی تھی اور اب تعلیم حاصل کر رہی تھی، یہ تصویر سے واضح تھا۔ بغیر کسی دوسرے خیال کو ذہن میں لائے شیرو نے فرینڈ ریکویسٹ کے آپشن کو کلک کر دیا۔

''دوستی کی درخواست بھیج دی گئی ہے۔'' فیس بک نے ادب سے اطلاع دی۔ وہ عجیب سا محسوس کرنے لگا تھا۔

............❖❖❖............

نہ شاہ پہ مرے ہم، نہ شاہ سے ڈرے ہم! ...... کچھ عجیب گر نہ ہوتے، شاہکار بن کے جیتے

کولمبو کی پرنم، بھیگی ہواؤں میں اس شام عجیب سا جوش تھا۔ جو مایوسی کی انتہا پہ پہنچنے والوں کو نئے دن کے سورج کی امید دلایا کرتا ہے۔ایسے میں اس طویل قامت ہوٹل کی عمارت کی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو بیڈ پہ نیم دراز آبدار کتاب پڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ بال اسکارف سے آزاد، لمبے اور سرخ رنگ کے تھے۔ چمکتا ہوا سرخ بھورا رنگ۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ دھرا موبائل خاموش تھا۔ اس پہ ہاشم کی پچھلے سات دنوں میں سات کالز آئی تھیں جو اس نے نہیں اٹھائی تھیں۔ خاور کی ایک ہی تھی جو اس نے سن کر بے رخی سے صرف اتنا کہا تھا۔

''ابھی وہ دن نہیں آیا جب ہاشم کاردار مجھ پہ حکم چلا سکے۔ جب مرضی ہوگی چلی جاؤں گی۔'' اور کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

اب بھی پڑھتے پڑھتے اس نے اچانک دراز کھولا اور وہ مڑا تڑا سا کاغذ نکالا۔ جمن۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ وہ الجھ کر اس تصویر پہ ہاتھ پھیرنے لگی...

زیر زمین جاؤ تو سعدی کے کمرے کے باہر بنے لاؤنج میں ہاشم، گرے سوٹ، ٹائی اور مسحور کن پرفیوم میں لپٹا، ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ جبکہ جواہرات درزدیدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی، پرس نیچے رکھتی، دوسری کرسی پہ بیٹھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ مگر آنکھوں میں شدید کوفت تھی۔

سعدی سامنے آکھڑا ہوا تو وہ بدقت مسکرائی۔ نزاکت سے ماتھے پہ آئے بال انگلی سے پیچھے جھٹکے اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''تم کیسے ہو سعدی؟ مجھے خوشی ہے کہ تم نے درست راستے کا انتخاب دیر سے ہی سہی، مگر کر لیا۔''

وہ سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور آنکھوں میں نرمی تھی۔ ذرا سا مسکرایا۔ ''میں ٹھیک ہوں مسز کاردار۔ کیا آپ نے مجھے کبھی مس کیا؟'' پھر مقابل کرسی پہ بیٹھا اور ایک نظر ہاشم پہ ڈالی جو سنجیدہ اور سپاٹ نظر آرہا تھا۔

''کیوں نہیں۔ تم ہمارے بہت اچھے دوست تھے سعدی!''

''میں اب بھی آپ ہی کا دوست ہوں۔'' اس نے جواہرات کی آنکھوں میں دیکھ کر یاد دہانی کروائی۔

''کام کی بات پہ آؤ سعدی۔ تمہیں کیا چاہیے؟ ممی کو بمشکل میں نے ساتھ آنے پہ راضی کیا ہے۔ اگر اس میں پھر تمہاری کوئی گیم ہوئی تو...''

''شہرین کاردار۔ میری وکیل شہرین تھی۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''اس کو دی تھی میں نے ویڈیو کی ایک کاپی۔ نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے جو encrypted ہے۔ اس نے اپنے کمرے کے لاکر میں رکھی تھی۔''

ہاشم بری طرح چونکا تھا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ ایک نظر جواہرات کو دیکھا جو دوسری جانب یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ ''میری ادھر کیا کر رہی ہے؟'' میری کچن کی چوکھٹ پہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

''شہری؟ شہری نے... تم سچ بول رہے ہو؟''

''میں جھوٹ نہیں بولتا تمہیں پتہ ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی انداز میں بولا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''میری ادھر کیسے ہاشم؟'' جواہرات کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ بے یقین نگاہیں میری پہ جمی تھیں۔

''میری کو ہاشم نے میری دیکھ بھال کے لیے رکھ لیا ہے مسز کاردار۔ فکر نہ کریں۔ ہمارا بہت اچھا وقت گزر رہا ہے یہاں۔'' مسکرا کر اطلاع دی تو جواہرات ایک دم گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔

''کام کی بات پہ آؤ سعدی۔ تمہارا پیکج؟''

''میں نے آپ کو یہاں کچھ اور بتانے کے لیے بلایا ہے۔'' ہاشم کے چہرے پہ برہمی ابھری۔

''تمہاری گیمز نہیں ختم ہوں گی' ہاں؟ میں جا رہا ہوں۔'' وہ بے زار سا کھڑا ہوا ہی تھا کہ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمہارے باپ کی موت طبعی نہیں تھی۔ اسے قتل کیا گیا تھا۔''

لمحے بھر کو ہر شے ساکت ہو گئی۔ باہر بہتا سمندر' تیز چلتی نم ہوا' ہاشم کی آنکھیں۔ اور جواہرات کی دھڑکن۔

''کیا بکواس ہے یہ؟'' وہ بیٹھا نہیں' انداز میں غصے سے زیادہ تعجب تھا۔

''تمہارے باپ کا چہرہ مرتے وقت بے حد سفید تھا۔ تم نے ڈاکٹرز سے بھی پوچھا تھا مگر ڈاکٹرز نے تم سے جھوٹ بولا۔ اس نے کہا یہ اینستھیزیا کی وجہ سے ہے۔'' وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ لمحے بھر کے لیے ہاشم کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر۔ ''مگر ڈاکٹر بک چکا تھا۔ تم نے بھی یقین کر لیا' کیونکہ تمہارے نزدیک یہ ناممکن تھا کہ تمہارے ناقابلِ تسخیر باپ کو' تمہارے دیوتا جیسے باپ کو کوئی قتل کر سکے۔ قتل تو ہم چیونٹیوں جیسے لوگ کیے جاتے ہیں۔ پیر کے نیچے مسلے جاتے ہیں۔ آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہارا باپ بھی قتل ہوا تھا۔''

جواہرات ایک دم کھڑی ہوئی۔ دہشت سے دور کھڑی میری کو دیکھا۔ اور پھر سعدی کو جو ہاشم کے مقابل کھڑا تھا۔ اس نے ہاشم کا چہرہ دیکھا' وہ برہم تھا' متعجب تھا اور.... اور وہ چونکا ہوا بھی لگتا تھا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''تمہارے آفس آ کر بھی تم سے سب سچ بولا تھا میں نے ہاشم۔ تم مجھے جانتے ہو۔ میں ثبوت اور گواہ دیکھ چکا ہوں' اسی لیے کہہ رہا ہوں۔ تمہارے باپ کو قتل کیا گیا تھا' اور جانتے ہو کس نے قتل کیا' نہیں؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا' ایک سرد تیکھی نگاہ سفید چہرے والی جواہرات پہ ڈالی۔

وہ نمک کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ بے یقین' خوفزدہ.... یہ کچھ کرنے کا وقت تھا۔ وہ بے ہوش ہو جائے' طبیعت خرابی کا کہہ کر ہاشم سے کہے کہ وہاں سے نکلیں.... اسے سعدی کو خاموش کروانا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی ہر شے بے سود تھی۔

''ہاشم یہ جھوٹ بول رہا ہے' اس کی بات مت سنو۔'' بدقت وہ بڑبڑائی۔ دل ڈوب رہا تھا۔ مگر ہاشم نے نہیں سنا۔ اس کا غصہ کم ہو رہا تھا' اور وہ چونک کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ ''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''جاؤ' اپنے ڈاکٹر کی کنپٹی پہ پستول رکھو اور اس سے پوچھو کہ کس نے رپورٹ بدلنے کا حکم دیا تھا؟ وہ بھی اسی کا نام لے گا جس کا نام میں لوں گا۔ بتاؤں' کون ہے وہ؟''

''ہاشم!'' جواہرات کی آنکھوں میں آنسو آ ٹھہرے۔ وہ صرف ہاشم کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے کسی ٹرانس میں تھا۔ وہ پر یقین نہیں تھا' مگر وہ شک میں تھا۔ ''تم میرے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہے ہو' مجھے معلوم ہے سعدی!''

''مگر تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ تم اس شخص کا نام جاننا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس نے قتل کیا تمہارے باپ کو۔'' پھر سے ایک کاٹ دار نظر جواہرات پہ ڈالی۔ ''تمہارے باپ کو اس نے مارا ہے جس کے ساتھ تم ایک چھت تلے رہتے ہو۔ قاتل تمہارے گھر میں سے ہی ہے....''

جواہرات کو لگا' سعدی نے زنجیر کا پھندا اس کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور اب آہستہ آہستہ زنجیر گھما رہا ہے۔ گویا کھینچنے ہی والا ہو۔

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ہاشم.... اس کو مت سنو!'' اس کا گلا رندھ گیا۔

''وہ جس کو تم سے محبت کا دعویٰ ہے.... تمہاری خیر خواہی کا دعویٰ ہے' تم سے دوستی کا دعویٰ ہے.... جس پہ تم بہت اعتماد کرتے ہو.... اس نے تمہیں دھوکہ دیا ہے ہاشم کاردار!''

جواہرات کی آنکھوں کے آگے اندھیرے چھانے لگے۔ اس کا سانس رک چکا تھا۔ گردن کے گرد زنجیر تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟'' وہ اب بھی شک و شبے مگر تھمے سانسوں کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ سعدی ایک قدم مزید آگے بڑھا' ہاشم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرایا۔ ''خاور۔ کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو۔''

اور چند فلور اوپر۔۔۔ بیڈ پہ نیم دراز سرخ بالوں والی لڑکی کاغذ کو دیکھتی ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی۔ اس کی بلی جیسی آنکھیں چمکی تھیں۔

''میں اسے غلط دیکھ رہی تھی۔ یہ کانٹا نہیں ہے۔'' وہ دبے دبے جوش سے بڑبڑائی تھی۔ ''یہ کراس ہے۔ صلیب ہے۔ اور یہ لفظ.... یہ ''ن'' نہیں ہے.... یہ.... یہ ہامان ہے۔'' اس کے ابرو اٹھے۔ ''اور ہامان کون تھا؟''

وہ چونکی۔ ''فرعون موسیٰ کا وزیر.... اس کا دست راست.... اس کے سارے کام سرانجام دینے والا.... اس کی حفاظت کرنے والا۔'' وہ ''عجب ہوئی۔ اتنے دن بعد اس نے بالآخر وہ پیغام ڈی کرپٹ کر لیا تھا جو کہہ رہا تھا.....

''ہامان کو... سولی چڑھا دو!''

❖❖❖

باب 18:

بھاری ہے وہ سر...جو پہنتا ہے تاج!

میری رعایا کے ہزاروں لوگ
کیسے اس گھڑی سو رہے ہوں گے!
اے نیند، اے میٹھی نیند!
قدرت کی نرم طبیب!
کتنا ڈرتا ہوں میں تم سے
کہ تم مزید اب میری آنکھوں کو بوجھل کر کے
میری حسیات کو نسیان میں نہیں دھکیلتی!
اے سکون کی دیوی، کیونکہ تم رہتی ہو
چھوٹی بستیوں کے گندے میلے بستروں میں،
مگر شاہی پلنگ کو چھوڑ جاتی ہو؟
اے نیند، تم اس گستاخ گھڑی کسی بحری جہاز پہ
بھیگے ہوئے لڑکے پہ تو مہربان ہو سکتی ہو
مگر اس پرسکون اور خاموش رات میں،
ہر آسائش اور نعمت ہونے کے باوجود،
ایک بادشاہ کے سپرد ہونے سے انکاری ہو؟
مگر اس لیے کہ
رہتا ہے بھاری وہ سر،
جو پہنتا ہے تاج!
(ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے کنگ ہنری فور سے ''کنگ ہنری'' کا مکالمہ)

''خاور...کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو!'' جہاں جواہرات ششدر رہ گئی وہیں ہاشم کے کان کی لوئیں سرخ ہوئیں۔ آنکھوں میں برہمی عود آئی۔

"تم خاور پہ اتنا بڑا الزام کیسے لگا سکتے ہو؟ ایک منٹ!" پتلیاں سکیڑے نفی میں سر ہلاتے وہ بولا تھا۔ "یہ کیا تمہاری کوئی نئی گیم ہے؟ تم مجھے اور خاور کو توڑنا چاہتے ہو؟ جانتے ہونا کہ وہ میرا خاص آدمی ہے!"

"میں صرف تمہیں اذیت دینا چاہتا ہوں، اور اپنی بات ثابت کرنے کی ضرورت مجھے نہیں ہے۔ تحقیق تم نے خود کرنی ہے۔"

جواہرات سفید چہرے کے ساتھ نڈھال سی واپس بیٹھی۔

"کیا بکواس ہے یہ سعدی! ایکسچینج، پیسے، میرے لیے کام، وہ سب جھوٹ تھے جن کے بہانے تم نے مجھے یہاں بلایا!" ہاشم نے بےزار ہو کر جھٹکا۔ "اور میرے باپ کی موت صرف ایک حادثہ تھی۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ انہیں قتل کیا گیا تھا' ہاں؟"

"گواہ ہے میرے پاس!" سعدی نے جواہرات کو دیکھتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ وہ جو دم بخود بیٹھی تھی' چونکی۔ "سعدی تم یہ کیا..."

"مسز کاردار ہیں گواہ! کیوں مسز کاردار؟ کیا آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا، دو سال پہلے کہ آپ کو شک ہے خاور پہ؟"

ہاشم ایک دم بالکل ٹھہر گیا۔ جواہرات کا سانس تک رک گیا۔

"ممی' آپ کو خاور پہ شک تھا؟" اس کی ٹون بدلی۔ چونک کر ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

"آرام سے ہاشم۔ تم دیکھ نہیں رہے' وہ خوفزدہ ہیں۔" سعدی نے نرمی سے مداخلت کی۔ "میں بتاتا ہوں' تمہارے والد کی موت کے کچھ دن بعد جب میں مسز کاردار کی خیریت پتہ کرنے آیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ ان کو شک تھا کہ انہوں نے ہال سے باہر کوئی سایہ سا باتھ روم سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہوتے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا' وہ ان کے سب سے وفادار ملازم کا سایہ لگتا تھا مگر وہ پر یقین نہیں تھیں۔ میں نے بھی ان کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا لیکن..... قید خانہ انسان کو غور و فکر کے لیے مواقع دیتا ہے۔" وہ بے چارہ تھا مگر ہاشم ٹھیک سے سن بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ششدر بیٹھی ماں کے پاس آیا' اور سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"ممی یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی آپ نے کچھ دیکھا تھا؟"

جواہرات نے سفید چہرہ اٹھایا۔ ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ گردن کی زنجیر تنگ ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ یہی وقت تھا جب وہ سر اٹھا کر ان تمام الزامات سے انکار کر سکتی تھی' اور اس متوقع بلیک میل سے بچ سکتی تھی' مگر سر اٹھانے کے لئے کورے اعمال نامے چاہیے ہوتے ہیں۔

اس نے گلابی' نم پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ فکرمندی' اور برہمی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔

"وہ..... صرف ایک سایہ تھا' مجھے نہیں یاد میں نے خاور کا نام لیا ہو۔" آنسوؤں سے اس کا گلا رندھا۔ ہاشم کے چہرے پہ جیسے کسی نے طمانچہ دے مارا تھا۔

"تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟" زور سے چلاتے ہوئے اس نے بوٹ سے میز کو ٹھوکر ماری۔ میز چائے کے کپس سمیت الٹ گئی۔ جہاں سعدی کی مسکراہٹ تھمی' دل زور سے دھڑکا' وہاں کچن میں کھڑی میری بھی کانپ گئی۔

"میں... میں بوڑھی ہو رہی ہوں' شاید وہ نظروں کا دھوکہ ہو' میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔" جواہرات ٹوٹے پھوٹے لفظ بول رہی تھی۔ بار بار انگلیوں کے پوروں سے چہرہ تھپتھپاتی۔ "میں تو اس بات کو بھول بھال گئی تھی۔" ایک ملامتی' جھکی نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے پلکیں بند کر کے سر کو خم دیا۔ گردن کی زنجیر اب کس گئی تھی۔ ہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں نہیں مان سکتا۔ خاور میرا وفادار ہے۔ اس کا ڈیڈ سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔" وہ اب نفی میں سر ہلاتے اب ادھر ادھر ٹہلتے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں' یا میرا اندازہ غلط ہو۔ تم پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر سے پوچھ لو۔" ہاشم گھوم کر اس کے پاس آیا' کالر سے پکڑ کر اسے کھینچ کر اٹھایا اور اپنے مقابل لا کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے' وہ غرایا تھا۔

"اگر یہ بات جھوٹ نکلی تو میں تمہیں وہ سزا دوں گا کہ دنیا دیکھے گی۔ سمجھے تم!" جھٹکے سے کالر چھوڑا۔

''تمہارے باپ کو قتل کیا گیا ہے ہاشم۔ اگر خاور نے نہیں تو کسی اور نے۔ کس نے کیا ہے' یہ اب تمہیں خود کھوجنا ہے۔''
ہاشم ایک تیز مگر مضطرب سی نظر اس پہ ڈال کر ''چلیں ممی!'' کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا' وہ غصے میں لگتا تھا' اور شدید بے سکون بھی۔ جواہرات بدقت اپنے قدموں پہ کھڑی ہوئی۔ ملامتی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔
''اتنی اذیت کیوں دے رہے ہو مجھے اور میرے بیٹے کو؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ خاور نے یہ سب کیا ہے؟'' مضبوط بنانے کی کوشش میں کمزور آواز مزید کپکپائی۔
''آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ جب تک آپ کے بیٹے آپ کے ساتھ ہیں' کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' اس کے الفاظ پہ وہ اندر تک کانپ گئی۔
''اگر یہ جھوٹ نکلا تو میں تمہارا بہت برا حشر کروں گا سعدی!'' دروازے پہ کھڑا ہاشم انگلی اٹھا کر غصے سے تنبیہہ کر رہا تھا۔ سعدی نے سینے پہ ہاتھ رکھے' سر کو خم دیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ جیسے ہی کمرے میں آیا' میری پیچھے آئی۔
''یہ بہت برا آئیڈیا تھا۔ سعدی۔'' وہ شدید پریشان تھی۔ ''جب خاور کے خلاف کوئی ثبوت ہے ہی نہیں تو وہ کیسے مجرم ثابت ہوگا؟''
وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''ثبوت مجھے نہیں ڈھونڈنے۔ ثبوت مسز کاردار خود پیدا کریں گی' کیونکہ ہاشم ایک بات پہ یقین کر چکا ہے' کہ اس کا باپ طبعی موت نہیں مرا۔ اب الزام کس کے سر آئے گا؟ یہ مسز کاردار نے طے کرنا ہے۔ اب وہی ثابت کریں گی کہ خاور اصل مجرم ہے!''
''مگر اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟'' یہ سوال میری کو اب بھی الجھا رہا تھا۔
''دیکھتی جاؤ!'' وہ گہری سانس لے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا اور میری فکر مندی باہر نکل گئی۔ وہ شدید ناخوش تھی۔

تو میرا حوصلہ تو دیکھ' داد تو دے کہ اب ...... مجھے شوقِ کمال بھی نہیں، خوفِ زوال بھی نہیں

لمحے بھر کے لیے ایک ہفتہ پیچھے جاتے ہیں۔
سنہری نرم گرم دھوپ جیل کے صحن میں بکھری تھی۔ فارس غازی سفید کرتے میں ملبوس' ایک سپاہی کی معیت میں چلتا آ رہا تھا۔ لگ بھگ چھ سات ماہ بعد وہ اس جیل میں دوبارہ داخل ہوا تھا۔ راہداری پرانی اور گندی میلی تھی۔ دیوار میں سلاخیں لگا کر دروازے بنائے گئے تھے۔ جگہ جگہ سطور' شعر اور نام دیواروں پہ لکھے تھے۔ وہ تنے ابرو' اٹھی گردن اور بے نیازی کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ راستے میں چند جگہوں پہ اسے سلام کیا گیا۔ جس کا اس نے کبھی سر کے خم اور کبھی ماتھے کو ہاتھ سے چھو کر اسی بے نیازی مگر اپنائیت سے جواب دیا اور آگے چلتا گیا۔
وہ ایک طویل کھلا اور روشن سا کمرہ تھا۔ دونوں مخالف دیواروں کے ساتھ دو قطاروں میں میٹرس لگے تھے۔ ہر میٹرس کے اوپر دیوار پہ کھونٹی پہ متعلقہ قیدی کے کپڑے' سویٹر وغیرہ لٹک رہے تھے۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی گروہ کی صورت کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو کسی کی نگاہ ادھر پڑی' کسی نے اس کا نام لیا۔ گردنیں مڑیں۔ خاموشی ہر سو پھیلی۔ بہت سے سلام بلند ہوئے۔ وہ سر کے خم اور بڑبڑاہٹ سے جواب دیتا کونے تک آیا۔ یہ میٹرس اس کا تھا۔ وہ نیچے بیٹھا' سر جھکا کر جوتے اتارنے لگا۔
''تو ادھر دوبارہ کیسے غازی؟'' کسی نے متفکر سا پکارا تھا۔
''مرڈر!'' دیوار سے ٹیک لگائے' اکڑوں بیٹھ گیا۔ اور سامنے خلا میں دیکھنے لگا۔ چند مزید باتیں سنائی دیں پھر وہ سرگوشیوں میں بدل گئیں۔ وہ اب نگاہ گھما کر ان در و دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔
جب وہ پہلی دفعہ جیل میں آیا تھا تب وہ ایسا نہیں تھا۔ تب کچھ بھی ایسا نہ تھا۔ مگر اس نے ذہن سے ان دنوں کو جھٹک دیا۔ اور گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ قیدی ابھی تک مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔

پھر ایک گروہ نے کسی کو راستہ دیا اور ایک شخص ان کے پیچھے سے نکل کر سامنے آتا دکھائی دیا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں سکھوں کی مانند تھیں' آنکھوں میں سرمہ اور چہرے پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔ اسے دیکھ کر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔

''غازی!'' اس نے مصافحے کی بجائے پنجہ سا بڑھایا جس کے ساتھ فارس نے پنجہ ملا کر جکڑا' اور پھر اس سے گلے ملا۔ علیحدہ ہو کر اس نے مسکرا کر فارس کو دیکھتے اس کا شانہ تھپکا۔

''اداس نہ ہو یار۔ یہ بھی تیرا اپنا ہی گھر ہے۔''

فارس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے سے سر جھٹکا۔ ''نہ یہ گھر ہے نہ اپنا ہے۔''

''چل آ۔ تجھے کچھ نئے دوستوں سے ملواتا ہوں۔'' وہ اس کو دوستانہ انداز میں شانے سے تھامے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس کا نام محمد جلال الدین آتش تھا' مگر یہاں اسے صرف ''آتش'' کہا جاتا تھا۔ اس کی آنکھ کے قریب ایک گہرے زخم کا پرانا نشان تھا۔ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتے فارس نے ایک خاموش نظر اس کی آنکھ کے نشان پہ ڈالی تھی۔

یہ زخم اسے فارس نے ہی دیا تھا۔ کسی اور زمانے' کسی اور دنیا میں۔

اس منظر کو سات دن بیت چکے تھے۔ وکیلِ دفاع کو دیے گئے سات دن کی مہلت آج تمام ہوئی تھی۔ سو کل اسے پھر ''موالات'' (گاڑی) میں ڈال کر عدالت لے جایا جانا تھا۔ وہ آج بھی انتہائی سنجیدہ اور خاموش تھا۔

.... ❖❖❖ ....

سبھی پریاں محبت کی جفا نے مار ڈالی ہیں ...... ایک آسیب آیا تھا، یہاں گلفام سے پہلے

سعدی کے پاس سے آ کر ہاشم اپنے کمرے میں دائیں بائیں ٹہل رہا تھا' اور جواہرات مضطرب سی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ وہ صرف اب تھا' پریشان' چونکا ہوا تھا' مگر جواہرات.... اس کا چہرہ سفید اور جسم بے جان تھا۔ وہ بار بار لب کھولتی لیکن پھر ہاشم کے تیور دیکھ کر چپ ہو جاتی۔

ہاشم کو یہیں چھوڑ کر' نچلے فلور پہ جاؤ تو کمروں کے بند دروازے راہداری کے دونوں طرف قطار سے لگے تھے۔ دفعتاً ایک دروازہ کھول کر آبدار نکلی اور تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ لفٹ نیچے اتری تو وہ کچن میں آئی اور وہاں سے سیدھی ہیڈ شیف کے سر پہ پہنچی۔

''مجھے نیچے جانا ہے۔'' مقامی بھاشا میں سنجیدگی سے کہا۔ شیف نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ ''مجھے اجازت نہیں ہے مادام۔ فصیح صاحب کی غیر موجودگی میں....''

اس نے اسٹینڈ سے ایک تیز چھرا اٹھایا اور اس کی نوک' شیف کے کاؤنٹر پہ رکھے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیانی خلا میں گاڑھی' پھر تیکھی نظروں سے اس کا یکدم شل ہوتا چہرہ دیکھا۔ ''تم مجھے بتاؤ' اگر میں تمہیں قتل کر دوں' تو کیا میں جیل جاؤں گی؟ تمہیں نہیں لگتا کہ میرے بابا مجھے بچا لیں گے؟ ہاں؟'' شیف نے آہستہ سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سعدی کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ دستک دے کر دروازہ کھولا تو وہ ہنوز مضطرب سا' مگر سوچ میں گم بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔ پھر کھڑا ہوا۔ ''میں نے وکیل کا نام بتا دیا ہے ہاشم کو۔ اب تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ اندر آئی' دروازہ بند کیا' اور بند دروازے سے پشت لگائے' چمکدار آنکھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''ماماں کون ہے؟''

سعدی کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ مگر آنکھوں میں سختی در آئی۔

''ماموں نے تمہارے ذریعے پیغام بھیجا' انہیں تم پہ اعتبار تھا' مجھے نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم سب بھول جاؤ۔''

"کون ہے ہامان اور کیا کرو گے تم اس کے ساتھ؟" وہ پلکیں جھپکا کر شیطانی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"کم از کم تمہاری طرح میں لوگوں کو سرِ راہ پٹوایا نہیں کرتا۔"

آبی کی مسکراہٹ تھمی۔ ابرو تعجب سے بھنچے۔

"تم نے اس روز بھی مجھ سے یہی بات کہی۔ کتنے جج مینٹل انسان ہو تم۔ تم نے خود سے فرض کر لیا کہ نوشیرواں کو پٹوانے میں میرا ہاتھ تھا!"

"محترمہ آپ کے منگیتر نے خود نوشیرواں کو بتایا تھا کہ وہ آپ کا منگیتر ہے اور یہ کہ اگر اس نے دوبارہ آپ کو تنگ کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ اس سے بھی انکار کر دیں۔ اسی لئے میں نے کہا نا' مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔"

سوگوار کمرے میں ایک دم تناؤ سا در آیا۔ آبی لمحے بھر کو بالکل سُن رہ گئی۔ متحیر۔ مبہوت۔ وہ جو بہت کچھ کہنے کے ارادے سے آئی تھی' سب بھول کر باہر کو لپکی۔ پھولے تنفس اور سرخ چہرے کے ساتھ تیز تیز اوپر آئی تھی۔ ایک دروازے کے سامنے رک کر بیل بجائی۔ پھر بند مٹھی سے اسے بجایا۔ زور سے۔ جواب موصول نہ ہوا تو اونچا سا بولی۔ "آبدار ہوں۔ دروازہ کھولو!"

اگلے ہی لمحے دروازہ اندر کو کھلا اور ہاشم کاردار سامنے نظر آیا۔ کوٹ اور ٹائی ندارد' آستین کہنیوں تک موڑے وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ پس منظر میں کرسی پہ بیٹھی جواہرات دکھائی دے رہی تھی۔

"کیسی ہو، ریڈ؟" جبراً مسکرانے کی کوشش کی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ برہم نگاہیں اس پہ جمائے سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی۔

"ابھی میں.... بات نہیں کر سکتا۔ بعد میں...." وہ واقعی اس وقت بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"جب نوشیرواں مجھے یونیورسٹی میں تنگ کر رہا تھا تو میں نے تمہیں کال کی تھی۔ صرف تمہیں۔ اور تم نے میری شکایت کے جواب میں کہا تھا کہ تم سنبھال لو گے۔ کیسے سنبھالا تھا تم نے؟"

ہاشم دروازہ بند کر کے راہداری میں آ کھڑا ہوا۔ بولا کچھ نہیں۔ بس اسے دیکھتا رہا۔

"ایک دن اچانک سے اس نے مجھے کال کرنا چھوڑ دیا۔ دوبارہ کبھی میرے راستے میں نہیں آیا۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں؟"

"آبی!"

"تم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا' ہاشم؟" وہ بے یقین تھی۔

"کس نے بتایا تمہیں؟ تمہارے نئے بیسٹ فرینڈ نے؟" ہلکا سا طنز کیا۔

"ہاشم! تم نے میرے کسی منگیتر کا کہہ کر اس کو پٹوایا؟ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟"

"سنو آبدار!" اب کے وہ سختی سے بولا تھا۔ "میرا باپ میرا آئیڈیل تھا۔" کرب سے لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں۔ "جب میں ہائی اسکول میں تھا تو میں کچھ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا تھا۔ میرے باپ نے مجھے ان کے ساتھ پولیس سے پکڑوایا اور تھانے میں ایک رات کے لیے بند کروایا۔ میں اس کے بعد کبھی ان لڑکوں سے نہیں ملا۔ میری پڑھائی ٹھیک ہو گئی۔ جیسے میرے باپ نے مجھے ہینڈل کیا تھا' میں نے شیرو کو بھی ویسے ہی ہینڈل کیا اور وہ بھی ٹھیک ہو گیا۔ وہ میرا بھائی ہے' اس کی حفاظت مجھے کرنی ہے' کیسے' یہ صرف میں جانتا ہوں۔ گڈ نائٹ!"

ایک اجنبی نظر اس پہ ڈال کر اس کے منہ پہ دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔ آبدار ابھی تک بے یقین کھڑی تھی۔

جواہرات اسے آتے دیکھ کر پریشانی سے اٹھی۔ "ہاشم! شاید ہم خواہ مخواہ سعدی کی بات کو سیریس...."

"میرا باپ قتل ہوا ہے ممی!" وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا قریب آیا۔ "مجھے اپنے باپ کی نعش دیکھ کر ہی سمجھ جانا چاہیے تھا۔"

کہ میں نے ڈاکٹر پہ بھروسہ کیا۔ سعدی ٹھیک کہتا ہے' میرا تکبر مجھے دھوکہ دے گیا۔ میرا ناقابل تسخیر باپ کیسے قتل ہو سکتا ہے' میں یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ ورنہ ہر چیز میری آنکھوں کے سامنے تھی۔'' نفی میں سر ہلاتے' وہ نچڑی رنگت کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا۔ جواہرات مضطرب سی کھڑی رہی۔

''کیا خاور ایسا کر سکتا ہے؟''

ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا جس کے پار کچھ دیر پہلے آبی کھڑی تھی۔

''ممی خاور بہت کچھ کر سکتا ہے۔ مجھے بتائے بغیر۔'' پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں مسلیں۔'' مگر وہ میرے باپ کو نہیں مار سکتا۔''

''ہمیں اس ڈاکٹر سے بات کرنی چاہیے۔'' جواہرات نے فوراً موبائل اٹھایا' مگر اگلے ہی لمحے وہ ششدر رہ گئی جب ہاشم نے سختی سے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا۔

''کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا۔ صرف میں بات کروں گا اس سے۔ آپ بھی کسی کو کال نہیں کریں گی۔'' انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ جواہرات کا سانس رک گیا۔'' میں تمہاری ماں ہوں ہاشم!''

''اور جو مرا تھا' وہ میرا باپ تھا۔ جو بات آپ نے سعدی کو بتائی' وہ مجھے نہیں بتائی ممی۔ اس وقت مجھے کسی پہ بھروسہ نہیں ہے۔'' گلابی آنکھوں کے ساتھ وہ دکھ سے کہتا اٹھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔'' آپ پہ بھی نہیں۔'' اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات کی آنکھ سے ایک آنسو لڑھکا اور چہرے پہ لڑھک گیا۔ ہاشم زور سے دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔ وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

..................❁ ❁ ❁..................

روز قیامت ہے میرا ہر روز حیات ...... حشر ہوں، اور خود اپنے اندر برپا ہوں

اسلام آباد میں اگلی صبح سرد اور نم سی محسوس ہوتی تھی۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپا تھا۔ اور ان بادلوں کا رنگ گناہوں کی طرح سیاہ تھا' گویا سارے شہر پہ اندھیرا سا چھایا ہو۔ ایسے میں کچہری کی سفید عمارت نکھری نکھری سی کھڑی تھی اور ایک وسیع اور بلند ہال کے اندر دیکھو تو راہداریوں کے جنجھی شور سے بے نیاز' وہاں عدالتی کارروائی جاری تھی۔ بلند چبوترے پہ اپنی اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب فخر الزماں صاحب' ناک پہ عینک جمائے' ہاتھ میں پکڑے کاغذ سے پڑھ کر کہہ رہے تھے۔

''فارس طہیر غازی! کیا آپ نے 12 اگست کی صبح ناظم فاروق کے ساتھ مل کر قمر الدین چودھری کو اغوا کیا' اور......''

سامنے کٹہرے میں فارس گردن تنے' ریلنگ پہ ہاتھ رکھے کھڑا' سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ صاف ستھرے سفید کرتے میں ملبوس' تازہ تازہ شیو اور تازہ کٹوائے بالوں کے ساتھ' وہ ہونٹوں کے زخم کے باوجود تندرست و توانا لگ رہا تھا۔

چبوترے سے نیچے اترو تو سامنے دونوں اطراف میں میزیں رکھی تھیں۔ ایک طرف سرکاری پراسیکیوٹر بیٹھا تھا' ساتھ میں دو وکلاء اور بھی تھے۔ دوسری میز کے پیچھے کرسی پہ ٹیک لگائے' قلم انگلیوں میں گھماتی زمر بیٹھی' سوچتی نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ ادھر جج صاحب فرد جرم پڑھ رہے تھے۔

''اور لاش کو کار میں ڈالا اور ناظم فاروق کے ساتھ اسے مقتول کے گھر لے آئے، پھر اسے گھر کے باہر پھینکا اور اسی کار میں فرار ہو گئے۔'' جج نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔'' کیا آپ ان جرائم کا اقرار کرتے ہیں؟''

''نہیں یور آنر۔ میں بے قصور ہوں۔ میں نے یہ اغواء اور قتل نہیں کیا۔'' زمر نے نگاہ سامنے رکھے کاغذ پہ ڈالی۔ اس پہ یہی سوال و جواب لکھے پڑے تھے۔ روٹین کی کارروائی جاری تھی۔

"کیا آپ کو 13 اکتوبر کی رات آپ کے گھر سے گرفتار کیا گیا اور آپ سے مذکورہ پستول برآمد کیا گیا؟"

"نہیں یور آنر۔ میری گرفتاری کے وقت میرے پاس میری گن نہیں تھی۔ جس پستول کی برآمدگی لکھی گئی ہے' وہ پولیس نے میرے اوپر ڈالی ہے' وہ پستول نہ میرا ہے' نہ میرے پاس سے ملا ہے۔" سنجیدگی سے وہ سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

"آپ کس طرح پلیڈ کریں گے؟"

"I plead innocent." وہ اسی میکانکی انداز میں بولا تھا۔

زمر نے آخری سوال پہ نظر دوڑائی جو کاغذ پہ لکھا تھا۔ ایک سطر کا سوال (کیا آپ اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟) اور اس کا ایک لفظ "نہیں" میں جواب۔ جج صاحب بھی اب وہی پوچھ رہے تھے۔

"فارس طہیر غازی' کیا آپ سی آر پی سی 340 کے تحت اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟" زمر ہونٹوں میں قلم چباتے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ لمحے بھر کو رکا۔ پھر اسی تنی گردن سے بولا۔

"جی۔ یور آنر!"

زمر بجلی کی تیزی سے کھڑی ہوئی۔ "یور آنر مجھے اپنے کلائنٹ سے بات کرنی ہے۔" جج نے ایک گہری نظر فارس پہ ڈالی' دوسری زمر پہ۔ "آپ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اپنے وکیل سے کنسلٹ کر لیجئے۔" گویا تنبیہ کی۔ مگر وہ ویسا ہی مطمئن کھڑا رہا۔ "میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ یور آنر۔ میں اپنا گواہ بننے کو تیار ہوں۔ کیونکہ میں بے گناہ ہوں۔" اور ایک اچٹتی نظر نیچے کھڑی زمر پہ ڈالی جو ایک دم پریشان سی ہو گئی تھی۔

(جب عدالت میں کسی شخص کے خلاف کسی الزام پہ مقدمہ چل رہا ہوتا ہے تو ملزم کے پاس خاموش رہنے کا حق ہوتا ہے..... کوئی اس سے عدالت میں گواہی دینے یعنی اعتراف جرم کرنے کے لیے نہیں بلا سکتا..... ہاں اگر وہ خود چاہے تو اپنا گواہ خود بننے کے لیے خود کو پیش کر سکتا ہے..... اس صورت میں پراسیکیوٹر کو اس سے سوال کرنے اور اس پر جرح کرنے کا حق ہو گا..... اس کو اللہ کی قسم اٹھا کر سچ جواب دینا ہو گا.....)

"ٹھیک ہے۔ آپ کو ٹرائل کا حق دیا جا رہا ہے۔ گیارہ نومبر کو استغاثہ عدالت میں اپنے..." وہ آرڈر جاری کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ اور زمر کا بس نہیں چل رہا تھا' کہ ان کا ہتھوڑا اٹھا کر فارس کو دے مارے۔

کارروائی ختم ہونے کے بعد وہ اس کے ساتھ چلتی باہر آئی' اور جس وقت پولیس اہلکار اس کو ہتھکڑی لگا رہے تھے' وہ بہت ضبط سے بولی تھی۔

"فارس' تم گواہی نہیں دے سکتے۔" آنکھوں سے تنبیہ کی۔ وہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا' پھر ذرا سا مسکرایا۔

"میں بے گناہ ہوں' گواہی دے سکتا ہوں۔"

"وہ تم سے 28 اگست کی رات کے بارے میں پوچھیں گے۔"

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" ہتھکڑی بند ہوئی اور وہ اسے لے کر مڑ گئے اور زمر... پیر پٹخ کر رہ گئی۔ وہ شدید پریشان ہو گئی تھی۔ وہ اس کے لیے عدالت میں ایک ہزار جھوٹ بول سکتی تھی' اور عدالت میں یہی تو کیا جاتا ہے' مگر کٹہرے میں کھڑے ہو کر گواہ کے طور پہ قسم اٹھا کر جھوٹ... یہ پرجری تھی' اور وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا فارس بھی جھوٹ نہیں بولے گا' اور ہاشم کو بھی معلوم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا' اسی لئے تو سارا کھیل ترتیب دیا تھا' قاتل نہ سہی' arsonist ہونا ہی کھل جائے! اف وہ اس آدمی کا کیا کرے۔

بہت برے موڈ کے ساتھ وہ واپس پلٹی تھی۔

شہر کے دوسرے حصے میں قائم قصرِ کاردار کی اونچی کھڑکیوں سے باہر صبح کا سیاہ آسمان نظر آ رہا تھا۔ لاؤنج کی ایک کھڑکی کے قریب کرسی پہ نیم دراز' پیر چھوٹی میز پہ رکھے' نوشیرواں رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں میں' تازہ تازہ نیند سے جاگا' موبائل پہ لگا تھا۔ انگلی سے اسکرین اوپر نیچے کرتے' بے زاری اور سستی سے نیوز فیڈ دیکھتے' وہ ایک دم ٹھہرا۔ ذرا چونکا۔ سستی غائب ہوئی۔ اطلاع موصول ہوئی تھی۔ علیشا کاردار نے آپ کی دوستی کی درخواست قبول کر لی ہے۔

نوشیرواں نے تھوڑی پہ فرنچ داڑھی کھجائی۔ ایک دم اپنا آپ چغد سا لگا۔ اس حرکت کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ کیوں کیا ایسے؟ تو طبیعت کا دوسرا دورہ پڑنے لگا تو ابرو اکٹھے ہوئے۔ خفگی سے علیشا کی پروفائل کھولی' اور دوستی ختم کرنے کے نشان کو کلک کرنے ہی لگا تھا کہ.....

علیشا کا پیغام موصول ہوا۔ سرخ نشان ابھرا۔ شیرو نے اسے دبایا۔ ''نوشیرواں کاردار؟ تم نے مجھے ایڈ کیوں کیا؟''

اس کی انگلیاں بنا سوچے سمجھے کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔ ''کیوں؟ کیا میں تمہیں ایڈ نہیں کر سکتا؟ کیا ہم فیملی نہیں ہیں؟'' ساتھ ہی کندھے بھی اچکائے تھے۔

''واہ۔ پچیس سال بعد تمہیں یاد آ گیا کہ ہم فیملی ہیں۔''

''اگر میری جگہ ہاشم بھائی نے تمہیں ایڈ کیا ہوتا تو تم شاید کسی اور طرح جواب دیتی، ہے نا؟''

''ہاشم کو مجھے ایڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہر مہینے مجھے فون کر لیتا ہے' اور وہ میری فیس بھی ادا کر رہا ہے' اس کے بدلے میں مجھے صرف تمہارے خاندان سے دور رہنا ہے۔ اس لئے مجھے اسی طرح جواب دینا چاہیے۔ بائے۔'' اور وہ آف لائن ہو گئی۔

نوشیرواں کو غصہ نہیں آیا' وہ اسی طرح عجیب سے احساس میں گھرا بیٹھا رہا۔ تبھی باہر ہلچل کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ وہ چونکا اور گردن موڑ کر دیکھا۔ کھڑکی کے پار رکتی کاریں... کھلتے دروازے... آوازیں... تیز تیز گھر کی طرف بڑھتا ہاشم... پیچھے جواہرات... سب دکھائی دے رہا تھا۔ شیرو نے ایک دم جلدی سے فیس بک بند کی اور فون پاکٹ میں گویا چھپاتا اٹھا۔

''ہیلو بھائی۔ آپ جلدی آ گئے۔'' ہاشم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو شیرو جبراً مسکراتا سامنے آیا۔

ہاشم سنجیدہ ایک سپاٹ نظر اس پہ ڈالتا تیزی سے کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ شیرو نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا' پھر پیچھے آتی مضطرب سی جواہرات کو۔ تبھی فیونا سامنے آئی' ادب سے ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

''خاور کہاں ہے؟'' جواہرات نے اسی اضطراب سے پوچھا تھا۔

''مسٹر خاور کو کل ہاشم صاحب نے فون کر کے سندھ جانے کا حکم دیا تھا' وہاں پلانٹ پہ کچھ کام تھے۔ غالباً دو تین روز میں آ جائے گا۔''

''اچھا۔'' جواہرات آدھی بات ان سنی کرتی ہاشم کے پیچھے گئی۔ فیونا تو اثر لئے بنا کھانا لگانے کا حکم دینے کچن کی طرف چلی گئی' البتہ نوشیرواں قدرے اچنبھے' قدرے خفگی سے ماں کے پیچھے آیا۔

''آپ لوگوں کا موڈ کیوں خراب ہے؟'' کنٹرول روم کے دروازے پہ آیا تو اگلے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ ہاشم مختلف دراز اور خانے کھول کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ جواہرات اس کے سر پہ کھڑی پریشان سی کہہ رہی تھی۔

''کچھ دیر آرام کر لو' شام کو ڈاکٹر واسطی کو گھر بلا کر بات کر لیں گے۔''

ایک کاغذ دراز سے نکال کر وہ اسے جیب میں اڑستا اٹھا۔ ''میرے باپ کی موت کو اس نے مذاق بنا کر رکھ دیا اور آپ کہتی ہیں میں آرام کر لوں؟'' ایسے چیخ کر بولا تھا کہ جواہرات چپ رہ گئی۔

''کیا ہوا بھائی؟'' نوشیرواں چونکا تھا۔

"ہم ڈاکٹر واسطی کی طرف جا رہے ہیں' لباس بدلو۔" سختی سے کہہ کر فون پہ کال ملانے لگا۔ نوشیرواں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔ جواہرات نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"رئیس' تم پہنچے نہیں اب تک؟" وہ اب فون پہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ماحول کا تناؤ ہر گزرتے پل بڑھتا جا رہا تھا۔

.........☆☆☆.........

نہ کوئی سمت نہ منزل، سو قافلہ کیسا؟ ..... رواں ہے بھیڑ فقط، بے قیاس لوگوں کی

کاروارز کو وہیں چھوڑ کر' سبزہ زار عبور کر کے' انیکسی کے اندر آؤ تو دوپہر کے باوجود' موسم کے باعث اندر اندھیرا سا تھا اور ٹیوب لائٹس جلی تھیں۔ کچن کی گول میز کے گرد ندرت بیٹھی مٹر چھیل رہی تھیں' اور حنین ساتھ میں مونگ پھلی کے شاپر سے مونگ پھلیاں نکال کر کھا رہی تھی۔

"ہزار دفعہ کہا ہے' چھلکے اسی شاپر میں صاف مونگ پھلی کے ساتھ نہ پھینکا کرو۔" اس کے مسلسل چھلکے اندر ہی پھینکنے پہ ندرت نے ٹوکا۔ حنہ سر ہلا کر اب چھلکے میز پہ رکھنے لگی۔ ندرت کو پھر سے تاؤ آیا۔

"حنین کوئی تمیز ہے تم میں؟ دوسروں کی بیٹیاں دیکھی ہیں؟ سگھڑ' سلیقہ شعار' کام کرتی' کیا کیا نہیں ہوتیں؟ تم کب سیکھو گی؟"

"امی' پہلی بات' ماموں کے نہ ہونے کا غصہ مجھ پہ نہ نکالیں۔ دوسری بات۔" پھلی منہ میں ڈالتے' چباتے چباتے سنجیدگی سے ان کو دیکھ کر کہنے لگی۔ "دوسروں کی بیٹیاں میری طرح پڑھائی میں اچھی' اور کمپیوٹر جینئس نہیں ہوتیں۔"

"لڑکیوں کے کام پہ کمپیوٹر نہیں آتے۔"

"یار امی میں نہ سلائی کڑھائی کر سکتی ہوں' نہ مجھے دس قسم کی چٹنیاں بنانی آتی ہیں۔ مجھ سے تو آپ سگھڑاپے کی توقع چھوڑ دیں۔" مونگ پھلی پھانکتے بہت ادب سے اطلاع دی۔

"تمہیں لگتا ہے سگھڑاپا دس قسم کی چٹنیاں بنانے اور سلائی کڑھائی کرنے کا نام ہے؟" آواز پہ حنہ چونکی۔ گردن موڑ کر دیکھا۔ بڑے ابا وہیل چیئر گھسیٹتے ادھر آ رہے تھے' چہرے پہ نرم مسکراہٹ تھی۔ ندرت اٹھ کر چولہے کی طرف چلی گئیں۔ فارس کے ذکر سے وہ رنجیدہ ہو گئی تھیں۔

"ہاں تو وہی ہوتی ہیں نا سگھڑ لڑکیاں جو ڈائجسٹ کی کہانیوں میں گھر کے بنے کباب' سموسے' تل کر مہمانوں کے سامنے رکھتی ہیں اور ساتھ میں گھر کی ہی چٹنیاں... اور فلاں ٹانکے سے کڑھائی شدہ میز پوش بچھاتی ہیں۔" وہ مزے سے بتا کر ہنسنے لگی۔ ابا نہیں ہنسے۔

"وہ سگھڑ نہیں ہوتیں۔ وہ ٹیلینٹڈ ہوتی ہیں۔ یہ تو ٹیلنٹس ہیں۔ مگر سگھڑاپا اس کا نام نہیں ہوتا۔"

"اس سے پہلے کہ دادا حضور' آپ مجھے بتائیں کہ میں پھوہڑ ہوں' میں آپ کو بتاتی چلوں کہ آپ کی صاحبزادی کو بھی وکالت کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ نہ وہ کھانا بناتی ہیں' نہ سلائی کڑھائی کر سکتی ہیں۔" مدافعانہ انداز میں اطلاع دی۔

"بالکل۔ زمر کوکنگ نہیں کرتی۔ تمہیں تو دو چار انواع واقسام کی ڈشز بھی بنانی آتی ہیں' اسے وہ بھی نہیں آتیں۔ سادہ روٹی چاول اور دو ایک سالن کے علاوہ وہ کچھ نہیں بنا سکتی۔ سلائی کڑھائی کو تو اس نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ مگر پھر بھی حنہ' وہ پھوہڑ نہیں ہے' سوچو کیوں؟"

"کیونکہ آپ اس وقت مجھے نصیحت کرنے کے موڈ میں ہیں؟" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"نہیں' کیونکہ تمہیں پھوہڑ کی اصل تعریف نہیں معلوم۔"

حنہ نے آنکھیں تیکھی کر کے ابرو اٹھائے۔ "پھوہڑ وہی ہوتی ہے جو دس قسم کی چٹنیاں نہ بنا سکے' میز پوش اور ٹی کوزی پہ کڑھائی نہ کر سکے۔"

"ہرگز نہیں۔ پھوہڑ وہ لڑکی ہوتی ہے' جو صاف ستھری نہ ہو اور جو آرگنائزڈ نہ ہو۔"

حنین نے کندھے جھٹک کر اپنی طرف اشارہ کیا۔ "میں تو صاف ستھری بیٹھی ہوں ابا۔" اس کے کپڑے واقعی صاف' استری شدہ تھے' بال بھی سلیقے سے فرنچ چوٹی میں گوندھے تھے۔ منہ بھی دھلا' نکھرا نکھرا تھا۔

"پھوہڑ کا دائرہ ایک لڑکی کے اس کے گھر سے تعلق کے گرد پھیلا ہوتا ہے۔ پھوہڑ لڑکی وہ ہوتی ہے۔ جس کے باتھ روم کا ٹوتھ برش والا کپ اندر سے صاف نہ ہو...... جس کی کچن کیبنیٹ کی اوپری سطح پہ گریس کی تہیں جمی ہوں... جس کے پردوں کی راڈ کے اندرونی طرف جالے ہوں... جس کے کچن سنک کی نل والی دیوار (بیک اسپلیش) صاف نہ ہو.. اور بتاؤں؟ یا پہلے تم یہی چیزیں چیک کر آؤ' کیونکہ تمہاری امی بہت سلیقہ مند اور سگھڑ ہیں' مگر پچھلے تین ہفتے سے فارس کی گرفتاری کی وجہ سے وہ گھر پہ توجہ نہیں دے پا رہیں' تو یہ چیزیں تمہاری ذمہ داری میں آتی ہیں۔ جاؤ چیک کر کے آؤ۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے۔

حنین نے مونگ پھلی کا لفافہ پرے دھکیلا اور چمک کر ان کو دیکھا۔

"صفائی صداقت کرتا ہے۔" ذرا رکی۔ "ٹھیک ہے امی اب پہلے کی طرح سر پہ کھڑی ہو کر نہیں کرواتیں صفائی' مگر میرا باتھ روم اور ہمارا کچن چمک رہا ہوتا ہے ہمیشہ۔" کرسی دھکیل کر اٹھی اور "یو نو بروٹس" والے دکھ سے ابا کو دیکھتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پہلے اپنا بیڈ روم دیکھا۔ صاف ستھرا پڑا تھا۔ طمانیت کا احساس ہوا۔ پردے ہٹائے اور اندرونی راڈز دیکھیں۔ بل ایک دم دھک سے رہ گیا۔ جالے! (مگر بڑے ابا تو کبھی اوپر نہیں آئے۔) باتھ روم میں آئی۔ تازہ تازہ دھلا تھا۔ فنائل کی خوشبو۔ صاف' لش چمکتا باتھ روم۔ ذرا خوش ہوئی۔ پھر ٹوتھ برش کپ ہولڈر سے نکالا اور اندر جھانکا۔ یک تھو۔ کراہ کر سنک میں پھینکا۔ اندر سے پیلا پانی جمع تھا۔ اف!

سب کی یہ جگہیں میلی ہوتی ہیں' اچھا۔ خود کو تسلی دی۔ پھر جلدی سے زمر کے کمرے میں آئی۔ چپکے سے پردے ہٹائے' صاف راڈز۔ باتھ روم میں ٹوتھ برش کپ میں جھانکا۔ اندر سے نکھرا صاف ستھرا کپ۔

ایں؟ وہ جز بز ہوئی۔ سارا گھر صداقت صاف کرتا تھا۔ پھر فرق کیوں؟ اس نے زمر کی الماریاں کھولیں۔ دراز نکال کر دیکھے۔ ہر شے سلیقے سے تہہ شدہ رکھی تھی۔ ایک اس کی الماری کھولنے پہ کپڑے باہر کو کیوں ابلتے تھے؟ دراز کیوں زلزلے کے بعد کے علاقوں کی طرح لگتے تھے؟

اونہوں! ابا بھی نا۔ دھپ دھپ کرتی نیچے آئی اور خفگی سے ان کے سامنے بیٹھی۔ انہوں نے مسکرا کر اطمینان سے اسے دیکھا۔

"کتنی چٹنیاں اور مربے ملے میری بڑی بیٹی کی الماریوں سے میری چھوٹی بیٹی کو؟" انہوں نے سادگی سے سوال کیا۔

"دیکھیں' میں جیسی ہوں' ٹھیک ہوں۔ کوئی کسی چیز میں اچھا ہوتا ہے' کوئی کسی میں' پھر مجھے نہ اتنا ٹائم ملتا ہے' نہ موقع کہ گھر کے کام کروں۔"

ابا رازداری سے قریب ہوئے اور آہستہ سے بولے۔ "ساری سست' نکمی اور پھوہڑ لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔"

حنہ نے شدید ناراضی سے ان کو دیکھا تھا۔ وہ اب ڈبل چیز موڑ رہے تھے۔

............❖❖❖............

تمام عمر بگولوں کی فصل کاٹے گا ...... کہا تھا کس نے کہ صحرا کی آبیاری کر

اس تاریک سی دوپہر ڈاکٹر واسطی جو سرکاری ہسپتال میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے' ہسپتال کے پارکنگ ایریا کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ایک سیاہ شیشوں والی کار ان کے سامنے آرکی' اور دو سوٹ میں ملبوس افراد باہر نکلے۔

"آپ کے گھر پہ ہاشم کاردار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اور کار کا دروازہ کھول دیا' گویا اندر بیٹھنے کا اشارہ ہو۔ ڈاکٹر واسطی کا چہرہ

ایک دم سفید پڑنے لگا تھا۔

جس وقت وہ ان افراد کے ہمراہ اپنے ہی گھر میں کسی یرغمال کی طرح داخل ہوئے' سامنے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تھا اور بڑے صوفے پہ ہاشم کاردار براجمان نظر آ رہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ دو انگلیوں میں خشک سگار گھما رہا تھا۔ سامنے میز پہ ڈاکٹر واسطی کے سگار کا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔

''آؤ' میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' جس طرح وہ سلگتی پر تپش نظریں ان پہ گاڑھے بولا تھا' ان کے قدم سست ہوئے۔ ساتھ جواہرات بیٹھی تھی۔ سیاہ لمبی کافتان شرٹ اور سفید ٹائٹس میں' سیدھے بھورے بال چہرے کے ایک طرف گرائے اور لبوں پہ سرخ لپ اسٹک لگی تھی۔ وہ بھی ان کو انہی تپتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کونے میں نوشیرواں گھٹنے ملائے' بالکل خاموش شل بیٹھا تھا۔

وہ ڈھیلے قدموں سے چلتے سامنے آئے۔ ریس نا ای سوٹ میں ملبوس اونچے لمبے مرد نے ایک کرسی بیٹھنے کے انداز میں ہاشم اور جواہرات کے مقابل رکھی' اور انہیں کندھے سے پکڑ کر گویا اس پہ دھکیلا۔ پھر تمام گارڈز باہر چلے گئے۔

''ہاشم' کیا ہوا' آپ لوگ اتنے.....'' ڈاکٹر واسطی نے بولنے کی کوشش کی مگر ہاشم ایک دم اٹھا' ایک کاغذ ان کے سامنے پٹخا۔

''یہ وہ بکواس ہے جو میرے باپ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پہ تم نے لکھی تھی۔'' غصے سے وہ غراتے ہوئے ان کے سامنے میز کے کنارے پہ آ بیٹھا۔ ''اب مجھے بتاؤ' میرا باپ کیسے مرا تھا' کس نے مارا ہے میرے باپ کو؟ بولو۔'' ایک دم ان کا کالر پکڑ کر جھٹکا دیا تو ڈاکٹر واسطی ہکا بکا رہ گئے۔

''ہاشم تم کیا کہہ رہے ہو؟ کاردار صاحب کی موت گرنے کے باعث.....''

ہاشم نے زور کا طمانچہ ان کے منہ پہ جڑا تھا' اور اس سے پہلے کہ گریبان سے پکڑ کر ان کو اپنے سامنے کھڑا کرتا' جواہرات اٹھی' اور ہاشم کے دونوں کندھوں پہ دباؤ ڈال کر اسے بیٹھنے کو کہا۔ شیرو اب بھی شل' گم صم بیٹھا تھا۔

''ہاشم' تم واپس بیٹھو' ان سے بات میں کروں گی۔ واپس بیٹھو ہاشم' یہ میرا حکم ہے۔'' وہ جو غصے میں پاگل ہو رہا تھا' بس نہیں چلتا تھا کہ ڈاکٹر کو بوچ کر مار ہی دے' بمشکل اٹھا اور صوفے تک گیا' مگر بیٹھا نہیں۔ اس کی رنگت سرخ تھی اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اب کے جواہرات اسی اطمینان سے ڈاکٹر واسطی کی طرف متوجہ ہوئی' جن کا چہرہ تھپڑ کے باعث بائیں جانب کو لڑھک گیا تھا' اور اب وہ کھانستے ہوئے سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''ڈاکٹر واسطی..... میں جواہرات کاردار ہوں۔ گردن اٹھاؤ اور مجھے دیکھو..... دیکھو کہ میں کون ہوں۔'' جواہرات نے تحکم سے کہا تھا۔ کھانستے کھانستے نقاہت زدہ سرخ چہرہ انہوں نے اٹھایا اور ملکہ کو دیکھا۔ وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ بالکل سامنے کہ ہاشم عقب میں چھپ گیا تھا۔

''میں جواہرات ہوں۔ اورنگزیب کاردار کی بیوی۔ ہاشم کاردار کی ماں۔ میں ہوں مالک اس ساری ایمپائر کی!'' سینے پہ ایک انگلی سے دستک دیتی وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں ڈائریکٹر ہوں' میں چیف ایگزیکٹو ہوں۔ میں ہوں ملکہ!'' شعلہ بار نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمائے' وہ اب ان کی کرسی کے گرد گول چکر میں ٹہلنے لگی تھی۔ ڈاکٹر واسطی کے ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتے' پھر بے چارگی سے بند کر دیتے۔

''اس وقت ڈاکٹر واسطی' اس کمرے میں ساری طاقت کی مالک میں ہوں۔ یہاں سب میرے حکم پہ چلتے ہیں۔ سب میرے پابند ہیں۔ اور جو دھوکہ تم نے ہمارے خاندان کو دیا ہے' وہ دراصل تم نے مجھے دیا ہے۔'' گھوم کر ان کے سامنے آتی' وہ چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔ ہاشم ابھی تک بھرا کھڑا غصے سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ شیرو کی نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمی تھیں اور لب سلے تھے۔ صبر بند۔

''اس وقت اگر تمہیں کوئی سزا دے سکتا ہے تو وہ میں ہوں! اس وقت تمہیں اگر کوئی فنا کر سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ تمہارے اوپر صرف میں قہر ڈال سکتی ہوں۔'' ان کے گرد چکر میں گھومتے' وہ بلند آواز میں بول رہی تھی اور ڈاکٹر واسطی نم آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے تھے۔

''اگر اس وقت تمہارے خاندان کو' تمہاری زندگی کو کوئی برباد کر سکتا ہے' تو وہ میں ہوں۔ اگر اس وقت تمہاری اولاد کو تمہارے سامنے لا کر کوئی مار سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے۔ جہنم بھی میں ہوں' قہر بھی میں ہوں!''

ڈاکٹر نے پیشانی کف سے رگڑی۔ چہرہ جھکا لیا۔ ہاشم سر جھٹک کر کچھ بڑبڑایا تھا۔ جواہرات اسی طرح طواف میں گھومتی' بول رہی تھی۔ ''اور اگر اس وقت تمہیں کوئی بچا سکتا ہے' تو وہ میں ہوں۔''

''ممی! میں اس کو....'' ہاشم ایک دم غرانے لگا مگر جواہرات نے سختی سے اسے گھورتے تھم جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بمشکل ضبط کر پایا۔

''اگر اس وقت تمہیں کوئی معاف کر سکتا ہے تو وہ بھی میں ہوں۔ تمہیں صرف میں ہی اس عذاب سے نجات دلا سکتی ہوں۔ صرف میں تمہیں اپنے بیٹے کے قہر اور اپنے شوہر کی روح سے بچا سکتی ہوں۔ صرف میں تمہارے خاندان کو اس وقت اس شخص سے بچا سکتی ہوں جس کے کہنے پہ تم نے رپورٹ بدلی۔ صرف میں.... صرف میں تمہاری ڈھال بن سکتی ہوں۔'' اونچا اونچا غرانے کے انداز میں کہتی وہ ہنوز ان کے گرد طواف کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ گرا لیا۔

''میں ہی رحم ہوں' میں ہی مرحمت ہوں' میں ہی قہر ہوں' میں ہی تمہاری خدا ہوں اس وقت....سو....'' سات چکر مکمل ہوئے۔ وہ اب ان کے سامنے میز کے کنارے پہ آ ٹکی اور تنی گردن کے ساتھ ان کو دیکھا۔ ''سو اب مجھے بتاؤ... کس کے کہنے پہ تم نے جھوٹ بولا تھا؟''

ڈاکٹر واسطی نے چہرہ اٹھایا۔ سفید رنگت اور نم آنکھوں سے اس شیرنی کو دیکھا' پھر پیچھے کھڑے ہاشم کو جس کا چہرہ ابھی تک سرخ تھا۔

''کرنل خاور!'' بدقت الفاظ ڈاکٹر واسطی کے لبوں سے نکلے۔ آنکھ سے ایک آنسو بھی ٹوٹ کر گرا۔ ''کرنل خاور نے مجھے دھمکایا تھا' میں نے ڈر کے باعث اپنے خاندان کی حفاظت کے لیے.... کیا یہ سب....''

جواہرات کے لبوں سے اطمینان انگیز سانس نکلی۔ گردن مزید تن گئی۔ مڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ جس نے لمحے بھر کو آنکھیں میچ لی تھیں' پھر نڈھال سا صوفے پہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کو وہ بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔

کسی نے نہیں محسوس کیا کہ.... خاموش سا نوشیرواں اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

''ہم کیسے مان لیں کہ تم سچ بول رہے ہو؟ کرنل خاور ہمارا وفادار ملازم ہے۔'' جواہرات اب بلند آواز میں ڈاکٹر کو مخاطب کر رہی تھی۔ ہاشم بھی چہرہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں' اس نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔'' وہ بے چارگی سے بولے تھے۔

''کیا ثبوت ہے اس کا کہ وہ تمہیں دھمکا رہا تھا؟''

''ثبوت....'' وہ ٹھہرے۔ باری باری دونوں کی صورتیں دیکھیں۔ ''اس نے کام ہونے کے بعد میرے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کیے تھے۔''

''تم نے وہ پیسے رکھ لیے؟'' جواہرات نے آنکھیں نکالیں۔

''مجھے معاف کر دیں مسز کاردار' میں مجبور تھا۔ میں نہ رکھتا تو وہ مجھ پہ شک کرتا۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتا تھا' وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''جو تم کہہ رہے ہو' اس کی میں.... خود.... خود تصدیق کرواؤں گا۔ اور اگر یہ جھوٹ نکلا تو یاد رکھنا' میں تمہاری جان لے لوں گا۔ خیر چھوڑ دوں گا تو میں تمہیں اب بھی نہیں۔'' ہاشم تن فن کرتا وہاں سے نکل گیا۔ جواہرات نے ایک فاتحانہ مگر آسودہ نظر ڈاکٹر پہ ڈالی جنہوں نے

اثبات میں سر کو خم دیا تھا۔ پھر وہ اسی اعتماد کے ساتھ باہر نکل گئی۔

"ہم آنکھیں بند کر کے اس کی بات نہیں مان سکتے ہاشم۔ تم تصدیق کرواؤ۔ بغیر تصدیق کے خاور کو الزام دینا..." باہر وہ بڑے سبھاؤ سے کہہ رہی تھی، جب ہاشم نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"اگر آپ اس وقت مجھے بتاتیں تو میں دیکھتا خاور میری ناک کے نیچے یہ سب کیسے کرتا ہے۔ مگر آپ نے ممی..." ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے اس نے سر جھٹکا۔ "آپ نے سعدی کو بتایا، مگر مجھے نہیں۔" اور رخ موڑ لیا۔ جواہرات بالکل لاجواب بیٹھی رہ گئی۔

.... ❁ ....

نئی اک داستاں لکھیں گے ہم نے سوچ رکھا ہے ...... ختم کر دیں گے سبھی قصے مگر آرام سے پہلے

جب وہ گھر کے سامنے اتری تو ٹیکسی کی طرف سے زمر چلی آ رہی تھی۔ سفید لباس اور سیاہ کوٹ میں ملبوس، گویا ابھی سماعت سے لوٹی تھی۔ ہاشم اور شیرو اندر چلے گئے مگر جواہرات رک گئی۔ زمر قریب آئی نرمی سے مسکرا کر اس سے ملی۔

"مسز کاردار! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔"

"شیور ڈیئر، بولو!" وہ بھی نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے اسے سبزہ زار پہ آگے لے آئی۔

"میں نے فارس کو بمشکل قائل کیا ہے کہ وہ اپنے گواہ کے طور پہ خود پیش ہو۔"

"اوہ، مگر یہ تو اچھا آئیڈیا نہیں ہے۔"

"مسز کاردار!" زمر نے مسکرا کر اس کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے۔ دونوں سبزہ زار پہ آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ اوپر سیاہ بادل ابھی تک بوجھل تھے اور ہلکے ہلکے گرج بھی رہے تھے۔ "آپ بھول گئیں میں نے فارس سے کیوں شادی کی تھی؟"

جواہرات ذرا چونکی۔ پھر مسکرائی۔ "تم اس کو اسی کی گواہی میں پھنسانا چاہتی ہو؟ تو کیا تم ہی نے اس کو اس مقدمے میں..."

"نہیں، یہ صرف اتفاق تھا، اس کے اور دشمن بھی ہیں، لیکن میں اس موقعے کو کھونا نہیں چاہتی۔"

"مگر وہ عقلمند ہے، گواہی محتاط طریقے سے دے لے گا۔" جواہرات نے بظاہر لاعلمی ظاہر کیا۔ زمر قدرے قریب ہوئی اور مسکرائی۔ "نہیں، وہ نہیں دے گا، کیونکہ عین اس وقت وہ کہیں اور کسی اور جرم میں ملوث تھا۔ میں اس کو پھنسالوں گی، اپنا انتقام لے لوں گی، مگر یہ صرف تب ہی ممکن ہے جب وہ گواہی کے لئے کٹہرے میں آئے۔"

"وہ راضی ہے تو کیا مسئلہ ہے؟"

"مسز کاردار، میں نے بہت اداکاری سے اسے قائل کیا ہے۔ اب مجھے اس کی گواہی کے وقت تک خود کو اس کا مخلص وکیل ثابت کرنا ہوگا، مگر وہ... وہ ڈیفینس witness ون (DW1) کے طور پہ پیش ہوگا۔ خود سوچیے، ابھی تمام پراسیکیوشن witness (Pws) پیش ہوں گے، کورٹ witness (Cw) پیش ہوں گے، اس کے بعد Dw1 کی باری آئے گی۔ مہینے لگتے ہیں اس کارروائی میں!" پھر اپنائیت سے اس کا ہاتھ دبایا۔ "آپ نے میری مدد کا وعدہ کیا تھا، پلیز میری مدد کریں۔ میں زیادہ عرصہ اداکاری قائم نہیں رکھ پاؤں گی۔ مجھے ڈر ہے وہ بیل توڑ کر بھاگ جائے گا۔ کورٹ کا آپ کو معلوم ہے، لمبی تاریخ دے دیا کرتے ہیں، سوائے..." ذرا رکی۔ "سوائے ان کیسز کے جن کو وہ خود تیزی سے چلانا چاہیں۔ آپ صرف چند ڈوریاں ہلا دیں تو ہمیں تاریخ جلدی مل جایا کرے گی۔"

بادل زور سے گرجے، سیاہ دوپہر میں بجلی بھی کڑا کے کی چمکی۔ جواہرات نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ گردن مزید تن گئی۔ آنکھیں چمکی تھیں۔

"میں سمجھ گئی۔ تم بے فکر رہو۔ میں دیکھ لوں گی۔" اکڑے کندھوں کے ساتھ شانِ بے نیازی سے تسلی دی۔ زمر نے سر کے خم سے

شکریہ ادا کیا اور مڑ گئی۔ اب وہ سبزہ زار پہ چلتی انیکسی کی طرف آتی دکھائی دے رہی تھی اور عقب میں گھاس میں جواہرات سیاہ لباس اور سرخ لپ اسٹک میں کسی خوبصورت مجسمے کی طرح کھڑی مسکرا رہی تھی۔

پہلے خاور اور اب فارس۔ اس کے دشمن خود بخود پسپا ہو رہے تھے۔ بارش کی پہلی بوند اس کے اوپر گری تو وہ اسی آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گئی۔ اب صرف دو پیادے رہ گئے تھے۔ سعدی اور میری۔

جب تک زمر انیکسی کے دروازے پہ پہنچی' بارش ایک دم تڑتڑ برسنے لگی تھی۔ وہ گھنگھریالے بالوں کو ہاتھوں سے جوڑے میں لپیٹتی' اندر آئی۔ لاؤنج میں ٹیوب لائٹس جلی تھیں۔ ٹھنڈا سا اندھیرا پھر بھی محسوس ہوتا تھا۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔ وہ اوپر آئی تو کمرے میں حنہ صوفے پہ بیٹھی' پیر جھلاتی سوچ میں گم تھی۔

"آپ کدھر گئی تھیں؟" اسے آتے دیکھ کر وہ خیال سے چونکی۔

"میں اس امر کو یقینی بنانے گئی تھی کہ فارس کے مقدمے کی تاریخیں جلد از جلد ملا کریں۔ دیکھنا اب پراسیکیوشن خود اس مقدمے کو تیز چلائیں گے۔" وہ بات کرنے کے ساتھ اپنی چیزیں اور پرس جو آتے ہی ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کر چلی گئی تھی' اب اٹھا کر ان کی جگہوں پہ رکھ رہی تھی۔ حنین غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھے گئی۔ اب وہ بستر کی طرف آئی اور اسے جوڑنے لگی۔

"آپ کے ہاتھ روم کی صفائی کون کرتا ہے؟" حنین اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتی تھی۔ کمبل تہہ کرتے زمر کے ہاتھ رکے' قدرے اچنبھے سے اس سوال پہ اسے دیکھا۔

"صداقت کرتا ہے' کبھی میں خود کرتی ہوں۔"

"میں نے تو آپ کو کبھی صفائی کرتے نہیں دیکھا۔"

"صفائی میں دو منٹ تو لگتے ہیں۔ کیوں؟" اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ چند منٹ میں وہ کمرہ درست حالت پہ واپس لا چکی تھی۔

(مجھے کسی بات کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ میں اس فلیش کو ابھی تک کھول سکی۔ نہ میں فجر پہ نماز کے لئے اٹھ سکتی ہوں۔ نہ میں آرگنائزڈ ہوں' نہ نیک اور تابعدار۔ میں ایک failure ہوں۔ صرف فیلیئر!) وہ مایوسی سے سوچتی رہی۔ کھڑکیوں پہ بارش تڑتڑ برستی رہی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

میں کس زباں سے گہر کو گہر کہوں کہ مجھے ...... صدف صدف میں ہجوم شرر نظر آئے

شہر کی مصروف شاہراہ پہ وہ طویل قامت عمارت تنی ہوئی کھڑی تھی۔ اوپری منزل کے اس کشادہ آفس میں مدھم بتیاں روشن تھیں۔ آبنوسی میز کے پیچھے بیٹھے ہارون عبید' کچھ کاغذات پہ باری باری دستخط کر رہے تھے۔ سیکرٹری جلدی جلدی ان کو کچھ بتاتے ہوئے کاغذ پلٹ کر اگلے صفحے سامنے لا رہی تھی۔ تبھی دروازہ ذرا سا بج کر کھلا۔ ہارون نے چہرہ اٹھایا اور ریڈنگ گلاسز کے پیچھے سے جھانکا۔

چوکھٹ میں جینز اور ہائی نیک سویٹر میں ملبوس' سنجیدہ چہرے والا احمر شفیع کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

"آؤ احمر آؤ۔" انہوں نے اسے آنے کا اشارہ کیا اور دستخط کرتے کہنے لگے۔ "تمہارے ساتھ ایک آئیڈیا ڈسکس کرنا تھا۔"

"سر!" اس نے ادب سے کاغذ ان کے سامنے رکھا۔ ہارون نے ایک سرسری نظر ڈالی۔ مگر پھر... ٹھہر گئے۔ چونک کر کاغذ کو دیکھا پھر احمر کو۔

"استعفیٰ؟" قلم کی کیپ بند کی' عینک اتاری' اور پیچھے ہو کر بیٹھے۔ سر کے خم سے لڑکی کو جانے کا اشارہ کیا اور اسے بیٹھنے کا۔

"سر میرا کانٹریکٹ آپ کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ آپ کو اگلے ماہ سینیٹر بنایا جا رہا ہے' سو میرا کام بھی ختم۔"

''ہوں!'' وہ قلم ہاتھوں میں گھماتے غور سے اسے دیکھنے لگے۔ ''تم خفا ہو کسی بات پہ؟''

''نہیں سر! مجھے بس ایک بہتر جاب مل گئی ہے۔'' وہ پھیکا سا مسکرایا۔

''اچھا گڈ۔ کس کے ہاں؟''

''ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے' میں جوائن کرنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔''

اس بات پہ ہارون نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ''میں نے تمہارے جیل والے دوست کے لئے سفارش کردی تھی' میری بیٹی بھی بالخصوص اس کے لئے وہاں گئی تھی' تم شیور ہو کہ تم ہم سے خفا نہیں ہو؟''

''نہیں سر! میری اتنی اوقات نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔''

''کانٹریکٹ ری نیو کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں میں۔'' وہ قائل نہیں ہوئے تھے سو اسے پیشکش دی۔

''سر آپ جب بلائیں گے میں حاضر ہوں گا' مگر میں اس دوسری جگہ واقعی جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' احمر متانت بھری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''اوکے!اوکے!'' سر اثبات میں ہلاتے وہ اس کاغذ پہ دستخط کرنے لگے۔ وہ خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔

جب وہ اس عمارت سے نکل کر زیر زمین پارکنگ ایریا میں اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس کے قریب ایک لمبی' شیشوں والی کار آ رکی۔ تہہ خانے میں اونچے گول ستونوں سے گھرے اس پارکنگ لاٹ میں خالی کاریں دور دور تک کھڑی تھیں۔ روشنی کم تھی۔ ویرانی اور خاموشی۔ ایسے میں احمر نے ویران نظروں سیاہ لمبی کار کو دیکھا' جس میں سے گارڈ نکل کر باہر کھڑے ہو گئے تھے اور پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔ اندر کھلی سی جگہ تھی اور دو نشستیں آمنے سامنے بنی تھیں۔ ایک نشست خالی تھی' اور دوسری پہ تمکنت سے بیٹھی جواہرات مسکرا رہی تھی۔

''ہیلو کیپٹن احمر!'' احمر نے سر کو خم دیا اور اندر اس کے سامنے آ بیٹھا۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ دونوں تنہا رہ گئے۔

''تمہارا شکریہ' ڈاکٹر واسطی والے معاملے کے لئے۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

ہاشم نے جواہرات کو اس کا سیل فون اسی روز واپس کر دیا تھا مگر اس نے باہر جا کر ایک پے فون سے احمر کو کال کی تھی۔ ہوٹل کا فون' اپنا ملازم' اسے کسی پہ بھروسہ نہ تھا۔ احمر سے اس نے مدد مانگی تھی۔ بدلے میں ایک آفر دی تھی۔ ایک کام ہو چکا تھا' دوسرا ہونے جا رہا تھا۔

''زیادہ مشکل نہیں تھا۔ آپ خاور کو ہاشم کی نظر میں معتوب ثابت کرنا چاہتی تھیں' میں نے بیک ڈیٹس میں ان دونوں کے اکاؤنٹس میں ہیر پھیر کروا دی ہے۔ ہاشم چیک کرے گا تو سارا کام جینوئن لگے گا۔ بیک ڈیٹس میں دونوں کے فون بلز میں بھی رد و بدل کی گئی ہے۔ میں ایسے ایلکو تھرو استعمال کرتا رہتا ہوں۔ وہ فون ریکارڈ بھی نکلوائے گا۔ مجھے صرف یہی ثابت کرنے کو کہا تھا آپ نے کہ خاور نے ڈاکٹر کے ساتھ ملی بھگت سے کوئی کام کروایا ہے۔ تاریخ بونے دو سال پہلے کی دی آپ نے' مگر یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا تھا؟''

''تم جانتے ہو وہ میں نہیں بتاؤں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے ایئر رنگ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ ''کیوں نہ ہم اس آفر کے بارے میں بات کریں جو میں نے تمہیں دی تھی؟'' احمر نے گہری سانس لی۔

''میں نے یہ سب یہی جاب حاصل کرنے کے لئے کیا ہے' مگر مسز کاردار' میں خاور کی طرح کا سیکیورٹی آفیسر نہیں بن سکتا۔''

''احمر! مجھے صرف ایک پی آر او چاہیے' میرا ایک ذاتی نائب۔ اور تم قابلِ اعتبار رہو۔ خاور کا نعم البدل میں اس سے بہتر رکھنا چاہتی ہوں۔''

''خاور کا نعم البدل آپ کو کبھی نہیں ملے گا۔ وہ آل اِن ون تھا۔ ہاں دو تین لوگ مل کر اس کا کام سنبھال سکتے ہیں۔ میں یہ جاب لینا چاہوں گا۔'' اب کے وہ مسکرایا۔ ''مگر پیسے سے زیادہ مجھے تحفظ چاہیے' میرا کوئی مقام ہونا چاہیے۔ میں کسی کمین نوکر کی طرح نہیں رہنا

چاہتا۔"

"احمر تمہارے اندر سب سے پرکشش بات معلوم ہے کیا ہے؟" وہ مسکرا کر اسے دیکھتی محظوظ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "تمہارے اندر کا شر! تمہاری فراڈ اور evil سائیڈ۔ طاقت کی خواہش۔ کنٹرول کی آرزو۔ تم ambitious ہو۔ مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے۔!"

"پھر میں آپ کے لئے کام کرنے کو تیار ہوں' مسز کاردار!" سر اٹھا کر ایک عزم سے وہ بولا تھا۔ جواہرات نے ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھایا۔ احمر نے سر کو خم دیتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کاردارز کا حصہ بننے پہ خوش آمدید!" مسکرا کر وہ بولی تھی۔ وہ بھی بھاری دل سے مسکرایا۔

☆☆☆

دیکھ آ کر کبھی ان کو بھی جو تیرے ہاتھوں …… ایسے اجڑے ہیں کہ آباد نہیں ہونے کے

اس صبح جب سارے شہر کو سرما کی نرم گرم دھوپ نے اپنے پروں میں سمیٹ رکھا تھا' زمر' ڈاکٹر قاسم کے آفس میں ایک لمبی ملاقات کے بعد قدرے ناخوش سی کرسی سے اٹھ رہی تھی۔

"میں سوچ کر بتاتی ہوں آپ کو…" وہ بھی ساتھ ہی اٹھے۔

"آپ جو بھی فیصلہ کریں' جلدی کیجئے گا۔ ڈونر کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا' اور پرس کی اسٹریپ کندھے پہ ڈالی۔

"زمر… کسی دوست سے اپنا مسئلہ شیئر کیجئے گا۔ اس طرح آپ بہتر فیصلہ کر سکیں گی۔" وہ فقرہ اس کے ذہن میں اٹک گیا۔ وہاں سے نکل کر' بے مقصد سڑکوں پہ کار چلاتے' وہ لب کاٹتے ہوئے اسی فقرے میں اٹکی رہی۔

"اتنے سال بعد احساس ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔" سگنل پہ کار روکے' ونڈ اسکرین کے پار پرسوچ نظریں جمائے خود سے بڑبڑائی۔ "صرف سعدی تھا۔ میں اس سے ہر بات کر سکتی تھی۔ باقی اسکول کالج کی فرینڈز ہیں مگر ان سے… ان سے وہ دل کا تعلق کبھی نہیں بن سکا۔ اور پچھلے چار سال… جب سعدی ساتھ نہیں تھا… تو بھی میں نے کوئی نیا دوست نہیں بنایا جس کو بغیر کسی ڈر یا جھجک کے میں اپنا حالِ دل کہہ سکوں۔ میں کیا کروں؟ کس سے کہوں؟" اس نے آنکھیں بند کر لیں' اور جب کھولیں تو خود کو اس ملاقاتی کے روبرو پایا۔ کمرے میں پایا جہاں وہ میز پہ ہتھیلیاں رکھے' کرسی پہ بیٹھی تھی اور اس کے سامنے فارس بیٹھ رہا تھا۔ وہ وہاں کیوں آئی' کیسے آئی' کیا لینے آئی' اسے کچھ معلوم نہیں تھا' بس دل نے کہا۔

"کہیے۔" وہ سنجیدگی' مگر قدرے لاپرواہی سے اسے مخاطب کر کے بولا تو زمر ذرا چونکی۔ خالی خالی نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ وہ باہم انگلیاں پھنسا کر میز پہ رکھے' آگے ہو کر بیٹھا' اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ سوالات پوچھنے تھے ناظم کے بارے میں۔" اس نے اپنی فائل کھول کر سامنے رکھی' اور لہجے کو مصروف بناتے ہوئے چند نکات پوچھنے لگی۔ دوسری طرف خاموشی چھائی رہی تو زمر نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ پتلیاں سکیڑے' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں روشن دان سے تیز سنہری دھوپ چھلک رہی تھی' اور شعاعیں فارس کے اردگرد سے نکل کر میز کو روشن کر رہی تھیں۔ ایسے میں فارس کا چہرہ تاریکی میں لگتا تھا' زمر کو بھی آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔

"گھر میں سب خیریت ہے؟ آپ پریشان لگ رہی ہیں؟" زمر نے آہستہ سے قلم کا ڈھکن بند کیا۔ چہرہ جھکائے چند لمحے سوچتی رہی۔

"میں احمر کے ساتھ اس ہوٹل تمہارے معاملے کی کھوج لگانے گئی تھی' یہ معلوم کر لیا تھا تم نے' پھر یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں ہسپتال اپنے

ڈاکٹر سے بار بار ملنے کیوں جا رہی تھی؟" نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا تو وہ ایک دم چونکا تھا پھر مزید آگے ہوا۔ " آپ نے کہا تھا روٹین کا چیک اپ ہے ڈاکٹر آتا نہیں ہے اس لیے بار بار جانا پڑ رہا ہے میں نے یقین کر لیا تھا' کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا کوئی اور بات ہوئی ہے؟" وہ ایک دم فکر مند لگا تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا۔ زمر اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ گئے دنوں میں کیا گیا وہ ریسٹورانٹ ڈنر.. موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ... زرتاشہ کا ذکر... وہ سب ایک دم سے درمیان میں حائل ہو گیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

" کورٹ میں ملاقات ہو گی۔" وہ جانے لگی' مگر اس نے تیزی سے زمر کی کلائی پکڑی۔ وہ رکی۔ نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا جس نے صرف ابرو کے اشارے سے اسے واپس بیٹھنے کو کہا تھا' اور پھر... دور کھڑے ڈیوٹی اہلکار کو۔ ہولے سے کلائی چھڑائی وہ واپس بیٹھی۔

" میرا ڈونیٹڈ کڈنی ضائع ہو چکا ہے۔" خبر نامے کی خبر کی طرح اطلاع دی۔ نظریں فارس کے چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ ایک لمحے کو بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔

" آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" بولا تو آواز ہلکی تھی۔

" بتانے گئی تھی' اس رات ریسٹورانٹ میں' مگر تم نے زیادہ اہم باتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔" جیسے اپنے ہی زخموں پہ نمک چھڑکا۔ سس۔ درد کی ٹیسیں اٹھی تھیں۔

" زمر... میں..." وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر گہری سانس لی اور سنجیدگی و فکر مندی سے پوچھنے لگا۔ " آپ... ڈاکٹر نے کیا کہا اب کیا ہو گا؟"

" ٹرانسپلانٹ کروانا ہے' ڈونر مل گیا ہے' وہ غریب آدمی ہے' عمر میں کافی زیادہ ہے' بہت صحت مند بھی نہیں ہے' میں اس سے بھی ملی تھی' ففٹی پرسنٹ سے زیادہ چانس ہے کہ میرا جسم اس کے گردے کو ریجیکٹ کرے اور وہ گردہ لگتے ہی ضائع ہو جائے۔ مگر مسئلہ یہ نہیں ہے۔"

" پھر؟"

" اس آدمی کو اسی ماہ ٹرانسپلانٹ کروانا ہے' اور پھر ملک سے باہر چلے جانا ہے۔ اگر مجھے نہیں دے گا تو کسی اور کو دے دے گا۔ سارا مسئلہ ٹائم لائن کا ہے۔ اگر میں ابھی سرجری کے لیے چلی گئی... تو مجھے ریکور ہونے میں بھی اتنا وقت لگے گا... تمہارا ٹرائل متاثر ہو گا..." بے بسی سے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ فارس "ہوں" کہتا پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔ " کیا ڈونر رک نہیں سکتا؟ اس کا بندوبست ڈاکٹر نے کیا تھا یا آپ کا کوئی جاننے والا ہے؟"

" نہیں' ڈاکٹر نے ہی ڈھونڈا تھا۔ وہ نہیں رک سکتا' اس کی بھی مجبوری ہے۔ مجھے خود بھی زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں دو ڈاکٹرز کے پاس گئی ہوں۔ دونوں یہی کہتے ہیں۔"

" اور آپ کو اپنی صحت کا انتخاب کرنا ہے یا میرا۔ ہے نا؟" وہ کچھ دیر بعد اسی سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

" تو آپ کس کو چوز کریں گی؟"

زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ چار سال... وہ فون کال... نکاح نامہ... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ... ہیرے کی لونگ... ہر شے درمیان سے نکل گئی۔

" میں ٹرائل نہیں چھوڑ سکتی' کسی بھی قیمت پہ نہیں۔ لیکن اگر میں نے اس ڈونر کو جانے دیا تو مجھے بعد میں ڈونر کیسے ملے گا؟ فارس..." تھک کر جیسے اس نے سر جھکایا۔ " میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ کم از کم کچھ عرصہ میں جینا چاہتی ہوں۔"

وہ خاموش سا اسے دیکھے گیا۔

''تم مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''آپ یہ ٹرانسپلانٹ مت کروائیں۔'' بہت دیر بعد وہ اس کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے بولا تو لمحے بھر کو زمر کا دل ڈوبا۔ کوئی آس سی ٹوٹی۔ شاید اسے امید تھی کہ وہ کہے گا وہ اس کی فکر نہ کرے' اپنا علاج کروائے' مگر وہ اسے خود کو منتخب کرنے کا کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' زمر نے پلکیں جھکا دیں۔

''زمر!'' وہ قدرے آگے ہوا۔ شعاعیں ہنوز اس کے اطراف سے نکل کر میز پہ گر رہی تھیں اور اس کا چہرہ ابھی تک اندھیرے میں تھا۔ ''میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میں خود غرض ہوں۔ بلکہ وہ ڈونر... وہ صحت مند نہیں ہے' رسک بہت زیادہ ہے' پھر میں بھی آپ کے ساتھ نہیں ہوں گا' میں ادھر ہوں' گھر میں سب الگ ڈسٹرب ہیں۔ ابھی آپ سرجری والا رسک مت لیں۔'' لمحے بھر کو رکا۔ زمر نے اس کی سنہری آنکھوں کو دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ کی شکل سے لگ رہا ہے' آپ دل سے راضی نہیں ہیں۔'' ذرا دیر بعد وہ مدھم سا بولا۔ زمر نے تردید نہیں کی۔ ''آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے؟''

''ہے مگر...''

''آپ بس مجھ پہ اعتبار کریں۔ مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔ میرا وعدہ ہے' میں آپ کا یہ مسئلہ حل کر دوں گا۔''

''تم نہیں کر سکتے۔ ڈونر اب نہیں ملے گا۔''

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ''میں...'' وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ ''آپ کو ڈونر کڈنی چاہیے نا؟ میں ایک ڈونر کے بارے میں جانتا ہوں' آپ کا ٹرانسپلانٹ ہو جائے گا۔ بس مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔'' وہ چونکی۔

''کون؟'' اس کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ ''اور تمہیں کیسے پتا اس کا کڈنی مجھے میچ کرے گا؟''

''زمر! جس کڈنی ڈونر کو میں جانتا ہوں' اس کا کڈنی کبھی آپ کا جسم ریجیکٹ نہیں کرے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ پلیز!'' آگے کو ہوئے میز پہ ہاتھ رکھے' وہ قدرے بے چینی اور فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ صرف مجھ پہ بھروسہ کریں۔ کریں گی نا؟'' وہ الجھی تھی' فارس کس کی بات کر رہا تھا' مگر... اس نے اس کی آنکھیں دیکھیں اور پھر ساری مزاحمت' سارے شکوک دم توڑ گئے۔ ''ٹھیک ہے۔ جب تم نکلو گے تو ہم یہ مسئلہ تب حل کر لیں گے۔''

فارس کے لبوں سے ایک اطمینان بخش سانس نکلی۔ وہ اٹھ گئی تو وہ دھیرے سے بولا۔ ''جو کچھ میں نے اس رات ریسٹورانٹ میں کہا' وہ...''

''نہیں فارس!'' زمر ایڑھیوں پہ گھومی اور ہاتھ اٹھا کر ایک دم سختی سے اسے روکا۔ ''اس جگہ مت جاؤ۔ وہ جو بھی تھا' وہ ذاتی تھا۔ وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔ اور یہ...'' اس کی فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ٹیم ورک ہے۔ اس میں اگر ہم امن سے کام کر رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ''وہ'' سب دھندلا گیا ہے۔ وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔'' تنبیہہ کر کے وہ مڑ گئی اور وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

..................❖❖❖..................

خبر ہوتی اگر بعد از محبت یہ جنوں ہو گا ...... تو ہم رستہ بدل لیتے برے انجام سے پہلے

اس چمکیلے دن جہاں اب بھی سڑکوں اور سبزہ زاروں پہ گزشتہ روز کی بارش کا پانی ہلکا ہلکا ٹھہرا نظر آتا تھا' وہ اونچی کوٹھی اپنے ستونوں پہ کھڑی' بالکل خشک اور نکھری نکھری سی کھڑی تھی۔ گیٹ کھلے تھے اور اندر' دو گاڑیاں یکے بعد دیگرے داخل ہوئی تھیں۔ کھٹ کھٹ' دروازے کھلے۔ گارڈز نکلے۔ ہاشم بھی باہر نکلا۔ سن گلاسز اتارے' اور ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں دوڑائی۔ پھر سب کو وہیں رہنے کا اشارہ کرتا' تیزی

سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر لابی تھی۔ پھر لاؤنج۔ دیوار پہ شہری اور سونی کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ اسی دیوار سے لگے صوفے پہ سونی بیٹھی سر جھکائے ٹیب پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ ایک ملازمہ قریب میں الرٹ سی بیٹھی تھی۔ اسے یوں آتا دیکھ کر فوراً اٹھی۔

"سونی!" بھاری آواز میں سنجیدگی سے اس نے بیٹی کو مخاطب کیا تو سونی نے چہرہ اٹھایا۔ آنکھیں چمکیں۔ "بابا!" ٹیب چھوڑ کر اٹھی اور بھاگ کر اس کے پاس آئی مگر ہاشم نہیں ہلا۔ نہ ہی بچی کو گلے سے لگایا۔ بس ملازمہ کو مخاطب کیا۔ "سونی کا سامان کار میں رکھواؤ اور اسے بھی کار میں بٹھاؤ۔ شہری کہاں ہے؟"

ملازمہ اس غیر متوقع حکم پہ قدرے تذبذب کا شکار ہوئی۔

"وہ اپنے کمرے میں..." ہاشم بنا رکے بغیر تیزی سے اس کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ پیر کی ٹھوکر سے کھولا تو وہ جو سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں ایئر رنگ پہن رہی تھی آہٹ سے سخت ست سنانے لگی تھی مگر آئینے میں اپنے پیچھے نظر آتے ہاشم کو دیکھ کر چونکی۔ پھر پوری اس کی طرف گھومی۔ چھوٹے بالوں کی اونچی پونی بنائے ست رنگی شرٹ سفید پینٹ پہ پہنے وہ میک اپ لگائے تیار نظر آرہی تھی۔

"تم ادھر کیسے؟" اچنبھے سے اس نے پوچھا تھا۔ ہاشم نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور تیزی سے اس کے سر پہ آپہنچا۔ اسے گردن سے دبوچ کر دیوار سے لگایا۔ ایئر رنگ چھناک سے زمین پہ جا گرا۔

"ہاشم... تم کیا..." وہ ہکا بکا اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی مگر اس کا گلا دب رہا تھا آنکھیں ابل رہی تھیں۔

"تمہارے سیف میں نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے۔ ہے یا نہیں ہے؟" چبا چبا کر بولتے وہ اس پہ نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔

"ہاشم.... چھوڑو..." اس نے مزید زور سے گلا دبایا شہرین کا سانس رکنے لگا۔

"ہے یا نہیں؟" سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ غرایا تھا۔

"ہے... ہے... مجھے چھوڑو!" مگر ہاشم نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچے زور بڑھایا۔ اس کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

"کہاں سے آئی ہے وہ تمہارے پاس؟"

"سعدی.... سعدی نے دی تھی۔ مجھے چھوڑو میں بتاتی ہوں۔" ہاشم نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ بے اختیار لڑکھڑائی اور پھر گردن پہ ہاتھ رکھے کھانستے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھتی گئی۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ پھر چہرہ اٹھا کر صدمے اور نفرت سے اسے دیکھا۔

"تم انسان نہیں جانور ہو!"

وہ پھر اس کی طرف بڑھا تو شہری جلدی سے پیچھے کو ہٹی۔ "سعدی... سعدی نے دی تھی۔ میں نے اس کو ایک کام کہا تھا اس نے .... یہ رکھوائی تھی۔"

بری طرح کھانستے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب کھانسی سنبھلی تو اس نے اٹھ کر لاکر کھولا اور اندر سے وہ نیلا لفافہ نکال کر ہاشم کو تھمایا۔

"اس میں کیا ہے؟"

''یہ encrypted ہے' اور میرے پاس اتنا وقت اور دماغ نہیں ہے کہ اسے کھولتی پھروں۔ اس نے کہا تھا اگر مجھے کچھ ہوا تو یہ میڈیا کو دے دینا۔''

''تو تم نے یہ کس کو دی تھی؟'' وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے کیا کرنا تھا کسی کو دے کر؟ ایک دو دفعہ کھولنے کی کوشش کی' نہیں کھلی تو چھوڑ دیا۔ میں تو اسے بھول بھال بھی گئی تھی' مگر تمہیں کس نے بتایا اس بارے میں؟'' ہنوز گلے پہ ہاتھ رکھے' وہ حیرت اور ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر خیال آیا۔ ''او و لیٹ می گیس... سعدی نے بتایا ہوگا۔''

''کیا کام کہا تھا تم نے اسے؟'' وہ بلند آواز میں گرجا۔

''نہیں بتاؤں گی۔ اور... ابھی کے ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔'' بازو لمبا کر کے دروازے کی طرف اشارہ کرتی وہ چلائی تھی۔

''تم نے یہ ویڈیو لیک کی ہے شہری' اور میں یہ جانتا ہوں۔ مگر میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا ابھی' کیونکہ تم سے بڑے مسائل ہیں فی الحال میرے پاس۔ لیکن اس کے بعد....'' ویڈیو والا پیکٹ ہاتھ میں ہلاتے' تنبیہ کرتے بولا تھا۔ ''اس کے بعد میں تمہیں دیکھ لوں گا' اور اس دفعہ میں تمہیں کوئی رعایت نہیں دوں گا۔''

''گیٹ آؤٹ!'' وہ بے بسی سے چلائی۔ ہاشم ایک سخت نظر اس پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔

❖❖❖

ہم ہیں وہ ٹوٹی ہوئی کشتیوں والے تابش ..... جو کناروں کو ملاتے ہوئے مر جاتے ہیں

راستے میں اس نے سونیا سے کوئی بات نہیں کی۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ سونی کو گھر ڈراپ کر کے وہ آفس آیا اور ایک آئی ٹی کے لڑکے کو بلایا۔ دس منٹ بھی نہیں لگے اسے انکرپشن کو کھولنے میں۔ اور جب وہ کھلی' تو اندر ایک ہی ویڈیو تھی۔ جج کی ویڈیو۔ تاریخ اسٹیمپ بھی کوئی ڈیڑھ پونے سال پرانی تھی۔ سعدی نے یہ واقعی انہی دنوں شہری کو دی تھی۔

''سو فارس نے ویڈیو لیک نہیں کی تھی۔ شہری نے کی تھی۔'' وہ اب آفس میں خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا۔ ''اور اس کے بعد شہری میرے پاس آئی تھی' کمپنی میں شیئرز کی بات کرنے۔ سعدی سچ بول رہا تھا۔''

اس نے میز پہ رکھی ایک دوسری فائل کھولی۔ اندر چند کاغذات رکھے تھے۔ ہر وہ شے جو کیس ڈھونڈ سکا تھا خاور اور ڈاکٹر کے تعلقات کے بارے میں۔ سعدی یہاں بھی سچا تھا۔ ہاشم پیشانی کو مسلتے' بند آنکھوں سے کتنی ہی دیر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ پھر فون اٹھایا۔ نمبر ملا کر سعدی سے بات کروانے کو کہا۔

''کہو ہاشم۔ میری یاد کیسے آئی؟''

''تم سچ کہہ رہے تھے۔'' وہ تھکان سے بولا تو دوسری طرف سعدی نے بے اختیار تھوک نگلا۔

''تمہاری دونوں باتیں سچ تھیں۔ میرے ساتھ میرے اپنوں نے دھوکہ کیا ہے۔''

''کوئی گھنٹی بجی؟''

''ہاں بج رہی ہے' عرصے سے بج رہی ہے۔ میں اپنی بیٹی سے بات نہیں کر پا رہا' میرا اپنے باپ سے بہت گہرا رشتہ تھا' کسی نے ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ سوچتا ہوں' میری بیٹی سے بھی کوئی مجھے چھین لے گا' وہ کیسے سروائیو کرے گی؟''

''تمہیں یہ سب بہت پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔'' وہ بے زاری سے بولا تھا۔ ہاشم کتنے ہی لمحے خاموش رہا۔ کرسی سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے' فون کان سے لگائے' وہ گہرے دکھ کے زیر اثر تھا۔

"کیا کوئی نجات کا راستہ ہے سعدی؟ کیا میرے لئے کوئی معافی اور توبہ کا راستہ ہے؟"

سعدی کو آگ لگ گئی تھی۔ "تم جیسے لوگوں کے لئے کوئی معافی، کوئی توبہ نہیں ہوتی۔ اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ قتل معاف نہیں ہوا کرتا۔"

"اچھا۔" وہ ہلکا سا ہنسا۔ "تمہارا خدا اتنا ظالم ہے کیا؟"

"ہاں وہ ظالموں کے لئے شدید العقاب ہے۔ اتنی زندگیاں تباہ کر کے تم معافی اور توبہ کی امید نہیں رکھ سکتے۔"

"کیا میرے لئے کوئی اچھائی کا راستہ نہیں ہے؟ کیا میں اس ولدل سے نہیں نکل سکتا؟ کیا تمہارے خدا کے پاس ذرا سی گنجائش بھی نہیں ہے میرے لئے؟"

"نہیں ہے۔ سن لیا تم نے؟ نہیں ہے۔" وہ چلایا تھا۔ اندر بہت کچھ جلنے لگا تھا۔

"کیا تم میرے لئے دعا کرو گے سعدی؟ کہ میرے لئے کوئی راستہ نکل آئے؟ اس گلٹ اس دلدل ان جرائم سے نکلنے کا راستہ؟" وہ آنکھیں بند کیے مدھم اور گیلی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"تم جیسا دل کا اندھا آدمی اس قابل نہیں ہے کہ کوئی تمہارے لئے دعا کرے۔" اور کھٹ سے فون بند کر دیا گیا۔ ہاشم نے ست روی سے فون میز پہ ڈال دیا۔

دوسری طرف سعدی فون پٹخ کر کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ دماغ کھول رہا تھا مگر سکون ...سکون نہیں مل رہا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا جو کہا تھا مگر... پھر کون سی آواز تھی جو بار بار ذہن پہ دستک دینے لگی۔ جب اس نے ذہن کے کواڑ بند کر لئے تو وہ دل کو کھٹکھٹانے لگی اور دل کے کھٹکے سے پیچھا چھڑانا ناممکن تھا۔ وہ مضطرب سا بیڈ کے کنارے بیٹھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ آواز اب بلند ہوتی گئی۔ قرآن کی... سورۃ عبس!

"وہ ترش رو ہوا

اور منہ پھیر لیا

کہ اس کے پاس آیا ایک اندھا

اور کیا چیز سمجھائے تجھ کو

شاید کہ وہ سدھر جائے

یا نصیحت پکڑ لے

اور فائدہ دے اس کو نصیحت"

مختلف آیات ضمیر پہ کوڑے برسانے لگیں۔

"بلکہ بے شک وہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے

تو جو کوئی چاہے یاد کرے اس کو

جو مکرم صحیفوں میں ہے

بلند اور پاکیزہ ہیں۔

ہاتھوں میں ہیں لکھنے والوں کے

جو معزز ہیں نیک ہیں!"

''نہیں اللہ تعالیٰ!'' اس نے سر اٹھا کر بے بسی بھرے غصے سے اوپر دیکھا۔

''اتنا سب کچھ ہونے کے بعد... میرا خاندان' ہماری زندگیاں برباد ہونے کے بعد بھی آپ مجھے کیسے بتا سکتے ہیں کہ اس کی معافی اور توبہ کی امید...؟ نہیں؟... ہرگز نہیں!'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بار بار اس بات کو جھٹلا رہا تھا۔

''شاید کہ وہ نصیحت پکڑ لے... شاید کہ... شاید کہ...'' الفاظ ذہن پہ ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ بالآخر وہ اٹھا اور گارڈ کو آواز دی۔

چند لمحوں بعد وہ اپنے کمرے کے کونے میں زمین پہ اکڑوں بیٹھا فون کان سے لگائے سر جھکائے ہوئے تھا۔

''بولو سعدی۔ کیا کہنا رہ گیا تھا؟'' اس کے لہجے میں تکان اب بھی تھی۔

''جب میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تھا تو ایک بات پہ میں سخت الجھن کا شکار رہتا تھا۔''

''سعدی...''

''میری بات سنو۔ میں کبھی پریشان' کبھی خفا' اور کبھی متحیر رہ جاتا تھا کہ وہ کتاب جس میں اللہ مجھ سے بات کر رہا ہے' جس کا موضوع ''انسان'' ہے' اور جو اربوں کھربوں انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے سب سے بڑا اور سب سے بڑی سپورٹ ہے' اس میں تو اللہ اور انسان کی بات ہونی چاہیے نا۔ پھر یہ ہر چند ورق الٹنے کے بعد... بار بار... موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں آ جاتا ہے؟! اچھا ٹھیک ہے' وہ کلیم اللہ تھے' اللہ سے باتیں کرتے تھے' فرعون کے سامنے کلمہ حق کہا تھا' اپنی قوم کے لیے لڑے تھے' مگر ہمیں اچھے سے یاد ہیں نا یہ واقعات' پھر اللہ کیوں' کیوں ہر چند منٹ بعد آپ فرماتے ہیں کہ یاد کرو موسیٰ' کو اور فرعون کو۔ دنیا کی سب سے بڑی کتاب میں سب سے زیادہ جس انسان کا نام لیا گیا وہ موسیٰ ہیں۔ اتنی دفعہ بار بار... کیوں؟ میں اکثر اللہ سے یہ سوال پوچھتا تھا' اور مجھے اس کا جواب قید کے ان چند ماہ میں مل گیا ہے۔'' وہ سر جھکائے کہے جا رہا تھا۔

''موسیٰ علیہ السلام پتہ ہے کون تھے؟ وہ بہت بڑے دل کے مالک تھے۔ ان کے ساتھ فرعون نے جو بھی کیا' ان کی قوم کے مردوں کو جس طرح ذبح کیا' ان کا اور ہارون علیہ السلام کا مذاق اڑایا' ان کو جادوگر کہا' ان کے معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا اور پھر جب یکے بعد دیگرے سات قسم کے عذابوں میں فرعون مبتلا ہوا' تو ہر عذاب اترنے پہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو کہتا تھا... موسیٰ...'' اس کی آواز نم ہوئی۔

''اے موسیٰ... دعا کرو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ اسے ٹال دے ہم سے' تو پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔ موسیٰ ہر دفعہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیا کرتے تھے' مگر وہ لوگ آفات ٹلنے کے بعد بھی ایمان نہیں لایا کرتے تھے۔ تو پتہ ہے کون تھے موسیٰ؟ وہ بہت بڑے دل کے بہت عظیم انسان تھے۔ ان کا ظرف بہت بڑا تھا۔ انہوں نے انتہا تک پہنچنے کے باوجود فرعون پہ give up نہیں کیا تھا' اس کو امید دکھانا نہیں چھوڑی تھی۔ اسی لئے وہ موسیٰ تھے۔ اسی لئے ان کا ذکر ہمیشہ کے لئے امر رہے گا۔'' آنکھیں بند کیے گہری سانس اندر کھینچی۔

''مگر میں ہاشم! میں موسیٰ نہیں ہوں۔ میرا اتنا ظرف اور اتنا دل نہیں ہے کہ میں تمہارے لئے دعا کروں۔ جو کچھ تم نے میری بہن کے بارے میں کہا' جو جانیں تم نے لیں' اس کے بعد میں تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں... ہر راستہ ہے۔''

دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ اسے محض ہلکی ہلکی ہاشم کے تنفس کی آواز آ رہی تھی۔ ''اگر تم نے سو قتل بھی کیے ہوتے' تب بھی راستہ ہے۔ اللہ ہر چیز معاف کر سکتا ہے۔ ہر گناہ' ہر قتل' ہر شرک!''

''جب تم میرے آفس میں آئے تھے تو تم نے کہا تھا کہ قتل کے بارے میں دو مسالک ہیں' اور تم اسکے ساتھ ہو جو کہتا ہے کہ قتل معاف نہیں ہوتا۔''

''میں اب بھی اسی کے ساتھ ہوں مگر وہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو توبہ کیے بغیر مر جاتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے اگر وہ مشرک نہیں تھے تو اللہ روز قیامت ان کو معاف کر دے گا' دوسرا کہتا ہے' کہ نہیں' اگر انہوں نے توبہ نہیں کی تھی تو معاف نہیں ہوں گے۔ لیکن تم ابھی

زندہ ہو... اگر تم توبہ کرلو تو تمہارا ہر گناہ معاف ہو جائے گا۔"

"اور کیا مجھے خود کو قانون کے حوالے کرنا پڑے گا؟ سارہ اور فارس اور زمر سے معافی مانگنی پڑے گی؟"

سعدی نے تکلیف سے آنکھیں میچیں۔ اگلے الفاظ کہنا زیادہ کٹھن تھا۔

"تمہارا پہلا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ ایکسپوز ہونے سے پہلے توبہ کر کے تم اپنا معاملہ ٹھیک کر سکتے ہو۔ اگر اللہ تمہیں معاف کر دے تو وہ لوگوں کے دلوں میں سے تمہارے لیے نفرت اور دشمنی خود بخود نکال دے گا۔"

"بس؟" ہاشم نے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔ "کیا یہ اتنا آسان' اتنا سادہ ہے؟"

"یہ منحصر ہے اس پر کہ تم توبہ کو کیا سمجھتے ہو۔ توبہ صرف گلٹ محسوس کرنے اور آئی ایم سوری کہہ دینے کا نام نہیں ہے۔ یہ راستہ بدلنے کا نام ہے۔ تمہیں تمام غلط کام چھوڑنے ہوں گے۔ ایک اچھا آدمی بننے کی کوشش کرنی ہوگی۔ راستہ درست کرنا ہوگا۔ سو قتل کرنے والے کو عالم نے صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تمہاری معافی ہو سکتی ہے' بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ جا کر فلاں بستی میں رہو' وہ نیک لوگوں کی بستی ہے' تاکہ وہ شخص اپنی اصلاح کر سکے۔ تمہیں اپنے wrongs کو right کرنا ہوگا۔ جن کی زندگیاں تباہ کی ہیں' اب ان کی زندگیاں جوڑو۔ اس ملک کے لیے کچھ کرو۔ اپنے اربوں روپے کے بجلی کے بل جو تم لوگوں نے کئی سال ادا نہیں کیے' ادا کرنا شروع کرو۔ نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں۔ اگر انسان بڑے گناہ چھوڑ دے تو اس کی چھوٹی چھوٹی بری عادتیں اللہ خود چھڑوا دیتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ نہیں کرتے' اور اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرتے رہتے ہو' اگر تمہیں صرف افسوس ہے اپنے گناہوں پر مگر شرمندگی نہیں ہے' غور سے سنو' افسوس اور شرمندگی دو الگ چیزیں ہیں اور اگر تمہیں شرمندگی نہیں ہے' تو تم کبھی اپنی اصلاح نہیں کرو گے اور اصلاح کے بغیر توبہ نہیں ہوتی۔ سو قتل کرنے والا بھی اصلاح نہیں کر سکا تھا مگر وہ اس راستے پہ چل پڑا تھا جو نیک لوگوں کی بستی کی طرف جاتا تھا۔ سو اگر تم لوگوں سے اپنے مظالم کی معافی مانگتے ہو' اور وہ تمہیں معاف نہیں کرتے' تو بھی... تمہاری کوشش دیکھی جائے گی اگر انسان واقعی نادم ہو اور خود کو بدلنا چاہتا ہو اور اس کے لیے کوشش بھی کرے' تو کوشش کی ناکامی یا کامیابی نہیں دیکھی جائے گی' صرف کوشش دیکھی جائے گی۔ سو کوشش کرو' اور میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہارے لیے دعا کر سکوں۔" اور یہ کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے فون بند کر دیا۔ پھر وہیں گھٹنوں میں سر دیے' آنکھیں بند کیے' اندھیرے میں بیٹھا رہا۔

............☆☆☆............

وہ چاہتا تھا کہ دیکھے مجھے بکھرتے ہوئے سو..... اس کا جشن بصد اہتمام میں نے کیا

سرما کی ایسی ہی ایک دوپہر میں دھوپ کمرہ عدالت کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر گر رہی تھی۔ راہداریوں سے آتے شور میں بند دروازوں کے باعث قدرے کمی محسوس ہوتی تھی۔ جج صاحب اپنے اونچے بینچ کے پیچھے بیٹھے' سامنے دیکھ رہے تھے۔ جہاں دائیں طرف سیاہ کوٹ میں ملبوس زمر بیٹھی تھی اور مسلسل دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا' فارس۔ سنہری آنکھیں سکیڑ رکھی تھیں۔ تازہ شیو بنی تھی۔ بال بھی تازہ کٹے تھے' اٹھی مغرور ناک اور پیشانی پہ ہلکا سا بل لیے' وہ ازلی بے زار بیٹھا تھا۔ البتہ آج اس نے سفید شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ زمر کے اصرار کے باوجود وہ ٹائی پہننے پہ راضی نہیں ہوا تھا۔ اب بھی دوسری میز کے پیچھے کھڑے پراسیکیوٹر کو بولتے اور جج کو بغور سنتے دیکھ کر وہ استہزائیہ مایوسی سے سر جھٹک کر منہ میں کچھ بڑبڑایا تھا۔ "You lawyers!" زمر نے گردن موڑ کر اس پہ ایک گہری نظر ڈالی۔ وہ ناخوش لگتا تھا۔ پھر وہ کھڑی ہوئی۔ بال ہاف کیچر میں باندھے' زرد چہرے مگر اٹھی گردن کے ساتھ وہ کہنے لگی۔

"مجھے کچھ کہنا ہے یور آنر۔ آئی ایم سوری پراسیکیوٹر صاحب..." دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے معذرت کی جو ابرو بھینچ کر اسے روکنے ہی لگا تھا۔ "مجھے ابھی نہیں بولنا چاہیے' مگر آتنی پروفیشنل کرٹسی تو آپ مجھے دکھائیں گے کہ اگر میں ابھی بطور ایک انسان کچھ کہنا چاہوں' کیونکہ اپنی اوپننگ اسٹیٹمنٹ میں' میں جو کچھ کہوں گی وہ بطور ایک وکیل کے ہوگا' تو آپ پانچ منٹ تو مجھے دے ہی دیں گے۔"

پراسیکیوٹر عمران نے سر کو خم دیا' اور واپس بیٹھ گیا۔ جج صاحب نے زمر کو بات جاری رکھنے کی اجازت دی تو وہ اسی طرح اٹھی گردن کے ساتھ مضبوط ہموار آواز میں کہنے لگی۔

"میں ایک وکیل ہوں' اور میں ایک پراسیکیوٹر رہی ہوں' پبلک پراسیکیوشن آفس ایک بھاری ذمہ داری کا نام ہے' جس کو میں نے کئی سال اٹھایا ہے۔ انسان کے سر پہ جتنی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے' اتنی زیادہ اس کی پوچھ ہوتی ہے۔ مگر ایک پراسیکیوٹر سے پہلے میں ایک انسان بھی ہوں' اور بطور ایک گواہ' نہ کہ ایک وکیل میں نے ....." جج صاحب کو دیکھتے ہوئے وہ بولی تو آواز لمحے بھر کو کانپی۔ "فارس طہیر غازی کو ساڑھے چار سال پہلے جیل بھجوایا تھا۔"

کان کی لو مسلتا' وہ بے نیاز بے زار بیٹھا شخص ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"کیونکہ میرے نزدیک وہ ایک مجرم تھا۔ مگر یہ میری غلطی تھی۔ جج منٹ کی غلطی۔ اور ہم میں سے ہر ایک ایسی غلطیاں کسی نہ کسی کیس میں کر چکا ہے' مگر اس کے باوجود میری غلطی جسٹی فائی نہیں کی جا سکتی۔ میں..... غلط تھی جب میں نے فارس غازی کو بلیم کیا تھا۔ دو ماہ قبل مجھے معلوم ہوا کہ فارس غازی بے گناہ تھا' اس کیس میں وہ کسی بھی جرم میں ملوث نہیں تھا....."

وہ آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ بنا پلک جھپکے' وہ گردن اٹھائے بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ میز کے پیچھے سے نکل کر جج کے چبوترے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ ایسی جگہ جہاں کھڑکی سے چھن کر گرتی سورج کی روشنی بہت تیز پڑ رہی تھی۔

"..... میں نے دو ماہ قبل یہ جانا کہ وہ صحیح تھا اور میں غلط تھی' اسی لیے آج میں یہ اعتراف اس جگہ کھڑے ہو کر کرنا چاہتی ہوں تاکہ یہ لکھا جائے....." ایک نظر سامنے بیٹھے کورٹ رپورٹر پہ ڈالی جو کھٹا کھٹ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ "اور یہ اس کیس کی فائلز میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے' کیونکہ ایک دفعہ مجھ سے فارس غازی نے پوچھا تھا کہ اگر میں نے یہ جان لیا کہ وہ بے گناہ ہے تو میں کیا کروں گی؟" گردن موڑ کر اس نے اسی اٹھی گردن کے ساتھ فارس کو دیکھا۔ "تو میرا جواب یہ ہے کہ میں یہی کروں گی! میں اس کے ساتھ کھڑی ہوں گی اور اس کو انصاف دلاؤں گی۔" وہ روشنی میں کھڑی تھی' تیز روشنی میں' اور اس کے بھورے بال چمک کر اخروٹی لگ رہے تھے' اور جب اس نے چہرہ موڑ کر فارس کو دیکھا تو بھوری آنکھیں سنہری دکھی تھیں۔ وہ بالکل خاموش سا اسے دیکھے گیا۔ گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری تھی۔

پراسیکیوٹر سے مزید برداشت نہیں ہوا تو اٹھا۔ "مسز زمر آپ سب کچھ ابھی کہہ دیں گی تو اوپننگ آرگومنٹ میں کیا کہیں گی؟ جج صاحب' مسز زمر کی بات بجا ہے' مگر عدالت کو یہ امر مدِنظر رکھنا چاہیے کہ وہ فارس غازی کی بیوی ہیں' اور ہر محبت کرنے والی بیوی کی طرح....."

"مجھے اپنے شوہر سے کوئی محبت نہیں ہے۔" وہ مڑے بغیر جج صاحب کو دیکھتے ہوئے' اسی اٹھی گردن کے ساتھ اسی روشنی کے ہالے میں کھڑی بولی تھی۔ "نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ اِن فیکٹ میں اپنے شوہر کو پسند بھی نہیں کرتی' اور بہت دفعہ میں اپنے شوہر کو جان سے مار دینا چاہتی تھی..." (وہ ہلکا سا مسکرایا) "اِن فیکٹ گرفتار ہونے سے ایک دن پہلے وہ مجھے طلاق دینے کی بات کر رہا تھا..." (فارس نے قدرے غیر آرام دہ سا پہلو بدلا) "مگر یہ فیملی کورٹ نہیں ہے جہاں ہم کھڑے ہو کر ذاتیات کے بارے میں بات کریں' اور ایک دوسرے کے اوپر کیچڑ اچھالیں' نہ میں ایسی عورت ہوں' مگر یہ سب کہنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ٹرائل کے دوران میری کہی کسی بات کو "شوہر کے دفاع" کے زمرے میں لینے کی بجائے موکل کا دفاع سمجھا جائے۔ تھینک یو یور آنر۔" سر جھکا کر شکریہ ادا کیا۔ وہ تیز روشنی میں کھڑی تھی' چمکتی ہوئی' جیسے سونے کے پتنگے آس پاس گر رہے ہوں۔ نہ کوئی ٹوٹا بکھرا وجود تھا' نہ آنکھوں میں آنسو' نہ ندامت سے جھکا سر..... نہ معافی کے لیے ہاتھ بندھے تھے' مگر اعتراف جرم بھی کر لیا تھا' اعتراف ندامت بھی ہو گیا تھا۔ سر بھی اٹھا رہا تھا' کیونکہ..... فارس غازی نے سوچا تھا..... وہاں نیت صاف تھی۔ جو بھی کیا تھا' سچ کا ساتھ دینے کے لیے کیا تھا۔ پہلے بھی۔ اب بھی۔

"اب پراسیکیوٹر صاحب' بڑے آرام سے دلائل کا آغاز کر سکتے ہیں' جن کے بعد ایسے لگے گا جیسے میرا کلائنٹ قمر الدین چودھری کے

ساتھ ساتھ نائن الیون حملے میں بھی ملوث تھا۔" وہ سادگی سے کہہ کر واپس آ بیٹھی۔ کمر کرسی کی پشت سے لگائی ٹانگ پہ ٹانگ جمائی گردن
فارس کو دیکھا۔ اس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ ان چند لمحوں میں بہت سی کیفیات سے ایک دم گزر گیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے اعتراف سے تمہیں خوش نہیں کر سکی نہ میں روئی نہ پیروں میں گری نہ ہاتھ جوڑے۔" دھیر
بولی۔ وہ بس اسے دیکھے گیا۔ وہ اس وقت کیا محسوس کر رہا تھا وہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔ پر وہ سامنے دیکھنے لگا۔ پر اسکیوٹر اد لائل کا آغاز کر
فارس کی آنکھیں ابھر جی تھیں مگر گردن کی گلٹی بار بار ظاہر ہو کر معدوم ہوتی تھی۔

"آپ کو کب معلوم ہوا؟" وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی نہیں اندازہ تھا۔

"جس رات مجھے استھما اٹیک ہوا تھا۔" وہ بہت دھیما بول رہی تھی۔

فارس نے نگاہیں موڑ کر اسے دیکھا۔ شہری آنکھیں بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔ چند لمحے۔ چند سانسیں۔ جیسے وہ بہت
چاہتا تھا۔ مگر..... بولا تو صرف اتنا۔

"کیا میں آپ کو "تم" کہہ کر بلا سکتا ہوں؟"

زمر لمحے بھر کو لاجواب ہوئی۔ پھر خفگی سے گردن کڑائی۔ "ہرگز نہیں۔"

وہ ہلکا سا مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ اور تابعداری سے سر کو خم دیا۔ "ٹھیک ہے جیسے تم چاہو!"

اب اگر وہ ڈسٹرکٹ کورٹ کا کمرہ نہ ہوتا اور ان کے پیچھے وکلاء نہ بیٹھے ہوتے تو زمر یوسف کی ہیل فارس غازی کے پیر کو بتا
اس کے چاہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مگر... وہ خفگی سے سر جھٹک کر سامنے دیکھنے لگی۔

..................❖❖❖..................

ان کے بھی قتل کا الزام ہمارے سر ہے ...... جو ہمیں زہر پلاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کولمبو کی بھیگی فضاؤں میں اس رات بارش نے مزید نمی گھول دی تھی۔ کرنل خاور مظاہر حیات نے جب ہوٹل کی لابی میں قدم رکھا
کا کوٹ نم تھا اور بال قدرے بھیگے ہوئے تھے۔ اپنے تنومند جسم پہ کوٹ کے کالر برابر کرتا وہ ریسپشن تک آیا اور شناسا انداز میں ریسپشنسٹ
پوچھا۔

"ہاشم کاردار کون سے روم میں ہیں؟" جب وہ لڑکی اسے مطلوبہ معلومات فراہم کر رہی تھی تو اس کی پشت پہ دیوار پہ آویزاں
کی چمکتی دھات میں خاور کا عکس جھلک رہا تھا۔ قدرے بھاری مگر فٹ جسامت کا حامل اونچا لمبا سا آدمی جس کے بال کریو کٹ میں کٹے
ایرانی طرز کی سیاہ مونچھیں تھیں اور گھنے ابرو تلے سیاہ گہری آنکھیں۔ پیشانی پہ مستقل پڑے دو بل اور گندمی رنگت۔ دیکھنے میں وہ پینتا
سے اڑتالیس سال کا لگتا تھا اور کم و بیش یہی اس کی عمر تھی۔

چند گھنٹے قبل ہاشم نے اسے کال کر کے جلد از جلد کولمبو پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ کراچی میں جن کاموں میں پھنسا تھا ان سب کو
کر فوراً ادھر آ پہنچا تھا اور اب لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ یقیناً اس امر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ہاشم نے اس سے ڈسکس کرنا تھا۔
نے کہا تھا بات اہم تھی۔ خاور متجسس تھا اور پرجوش بھی۔ جو بھی مسئلہ ہوا وہ اسے حل کر لے گا۔ ہاشم کے لئے وہ سب سنبھال لے گا کی
صرف وہی تھا۔ جو ہاشم کے تمام مسئلے سنبھالتا آیا تھا۔

کمروں کے بند دروازوں سے سجی راہداری میں وہ مطلوبہ دروازے تک رکا بیل بجائی۔ پھر دیکھا دروازہ قدرے کھلا تھا۔ اس
ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ احتیاط سے دروازہ دھکیلا۔ ایک ہاتھ بیلٹ میں اڑسے پستول پہ رینگ گیا۔

پٹ کھلتا گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ صرف ایک زرد لیمپ جل رہا تھا۔ خاور نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ ایک طرف دیوار گیر کھڑکی تھی جس

نے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ اس کے سامنے کرسی ڈالے ہاشم بیٹھا تھا۔ خاور نے اطمینان سے سانس خارج کی' جیب تک رینگتا ہاتھ سیدھا ہو گیا۔ وہ "سر" کہتا قریب آیا۔ ہاشم کی اس طرف پشت تھی۔ آہٹ پہ بغیر چونکے سر موڑا' اسے دیکھا' ہلکا سا مسکرایا اور اٹھا۔ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے خاور نے گرمجوشی سے تھاما۔

"سب ٹھیک ہے' سر؟" خاور کو وہ دیکھنے میں بالکل نارمل لگا تھا۔ (اہم مسئلہ؟)

"یس۔ آف کورس!" ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ہاتھ ملا کر چھوڑا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا میں کسی سے بات کروں۔ سو تمہیں بلا لیا۔" کہتے ہوئے وہ ساتھ رکھی میز تک آیا۔ سیاہ پینٹ پہ سلور گرے شرٹ پہنے اور کف کہنیوں تک موڑے' وہ ریلیکسڈ لگ رہا تھا۔ دو گلاسوں میں اس نے مشروب انڈیلا' ایک خاور کو تھمایا' دوسرا خود تھامے سامنے آ کھڑا ہوا۔ گلاس بلند کیا۔

"کس کے نام؟" خاور نے اپنا گلاس بلند کرتے پوچھا۔

"جولیس سیزر کے نام!" اس نے خاور کے گلاس سے گلاس ٹکرایا' پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر رخ کھڑکی کی طرف موڑے' گھونٹ بھرا۔

خاور اس کے سامنے ذرا ترچھی کر کے کرسی پہ بیٹھا۔ قدرے آگے کو ہوئے۔ الرٹ اور سپ لیا۔ تابعدار آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو شیشے پہ برستی بوندیں دیکھ رہا تھا۔

"جولیس سیزر... رومن ڈکٹیٹر... آج کل میں اس کے بارے میں اکثر سوچتا ہوں۔" گھونٹ بھرتے ہوئے' باہر دیکھتے وہ کہہ رہا تھا۔ "چوالیس سال قبل از مسیح... پندرہ مارچ کے دن... سیزر کے اوپر اس کے اپنے سینیٹرز نے حملہ کیا تھا' اور ان میں شامل تھا' مارکس جونیئر بروٹس... سیزر کا دوست' اور اس کا protege کہتے ہیں پہلے سیزر جوانمردی سے لڑا مگر جب اس نے..." نگاہیں یک ٹک باہر جمائے' گلاس لبوں سے لگا کر نیچے کیا۔ "جب اس نے بروٹس کو دیکھا تو اس نے دکھ سے کہا۔

"Et tu Brute? Then Fall , Caeser"

"تم بھی بروٹس؟ تو پھر ڈھے جاؤ' سیزر۔ اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا۔" ایک اور چھوٹا سا گھونٹ بھرنے کو وہ رکا۔ "Et tu Brute.... لاطینی زبان کا وہ ننھا سا فقرہ جو انگریزی میں "You too Brutus" کہلاتا ہے' اس کو شہرت شیکسپیئر کے قلم سے ملی... ورنہ خاور... اگر شیکسپیئر یہ فقرہ اپنے پلے میں جولیس سیزر کو بولتے نہ دکھاتا تو کون جان پاتا اس فقرے کو۔ مگر جانتے ہو' لوگ اس کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھتے۔ قیاس کرتے ہیں کہ یوٹو بروٹس کا مطلب ہے کہ سیزر دکھ سے 'یعنی کہ تم بھی بے وفا نکلے بروٹس؟' کہہ رہا تھا' مگر یہ ایک نامکمل معنی ہے۔"

خاور نے درمیان میں کئی دفعہ لب کھولے' اور پھر ادب سے بند کر دیے۔ وہ اس بے کار کہانی کو تحمل سے آخر تک سن سکتا تھا۔ مگر جانے اس نیم روشن' شاہانہ بیڈروم کی نرم گرم فضا میں ایسا کیا تھا.... جو ٹھیک نہیں تھا۔ وہ اندر سے الجھتا خاموشی سے گھونٹ بھرتا رہا اور وہ اسے سنتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"Suetonius کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں سیزر کے آخری الفاظ تھے" کا ئے سے تیکنون؟" یعنی "تم بھی' بچے؟" کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے کہا تھا' تم بھی میرے بچے؟" وہ ہلکا سا ہنسا۔ "تاریخ دان یہ بھی کہتے ہیں کہ بروٹس' سیزر کا ناجائز بیٹا تھا۔ خیر..." کھڑکی کو دیکھتے شانے اچکائے۔ خاور اب دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس زمانے میں' قدیم روم میں' ایک محاورہ بولا جاتا تھا۔ "تم بھی میرے بچے' طاقت کا مزہ چکھو گے"۔ شاید سیزر بھی یہی کہہ رہا تھا جب اس نے کہا' تم بھی بروٹس!۔ تم بھی تاج پہنو گے۔ یہ دکھ کا اظہار نہیں تھا۔ یہ ایک بددعا تھی۔" اب کے نگاہیں خاور کی طرف پھیریں۔ خاور بری طرح ٹھٹکا۔ یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جن کو وہ پہچانتا تھا۔ سیاہ' سرد' پتھر جیسی آنکھیں۔

"سر' کیا ہوا ہے؟"

"یونو... جب سیزر نے یہ کہا' تم بھی بروٹس' تو اس نے کہا' تمہاری بھی باری آئے گی بروٹس! اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا۔ اور بعد میں بروٹس بھی تو ایسے ہی مرا تھا نا۔ مگر پتہ ہے کیا..." اس نے خاور پہ نظریں جمائے گلاس دائیں طرف میز پہ رکھا۔ "یہ سب لوگوں کی باتیں ہیں۔ ورنہ تاریخ کہتی ہے' کہ سیزر نے مرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا۔"

خاور نے آہستہ سے گلاس اسی میز پہ رکھنا چاہا' مگر رکھ نہیں سکا۔ گلاس لڑھک گیا۔ بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا تھاما۔ اس کی رنگت بدل رہی تھی' چہرے پہ پسینہ نمودار ہو رہا تھا۔ "سر... سر کیا ہوا ہے؟" حیرت زدہ نگاہیں اٹھا کر' دبے گلے کو پکڑے وہ بمشکل بول پایا۔

"مورخ کہتے ہیں' سیزر کو مرتے وقت ایک لفظ کہنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ خاموشی سے مرا تھا۔ بالکل خاموشی سے۔ ایسے بڑے بڑے الفاظ شیکسپیئر کہا کرتا تھا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں۔" اس نے خاور کو دیکھتے ہوئے ایک اور گھونٹ بھرا۔

"سر... میں نے... کچھ نہیں..." وہ چلانا چاہتا تھا' مگر گلا پکڑے پکڑے گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گیا۔ منہ یوں کھولا جیسے قے کرنا چاہتا ہو مگر... آج اندر سے کچھ نہیں نکلنا تھا۔ اس کا منظر دھندلا رہا تھا۔ سامنے' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا' اسے سرد نظروں سے دیکھتا ہاشم اسی دھند میں گم تھا... اور دور... کسی کنوئیں سے ٹکراتی آواز کی طرح اس کی آواز گونج رہی تھی...

"میرا خیال ہے' وہ واقعی خاموشی سے مرا تھا' کیونکہ بادشاہ... خاموش ہی مرا کرتے ہیں۔ مگر تم... تم تاج نہیں پہنو گے۔"

اس نے کرسی پہ ہاتھ جما کر اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر دھند... درد... اندھیروں میں ڈوبتا ذہن... وہ اٹھ نہیں پایا۔

"تم خاموش نہیں رہو گے... تم..." ہاشم بیٹھے بیٹھے آگے کو جھکا تھا۔ "تم مجھے سب بتاؤ گے... ایک ایک بات... کس کے لئے مارا تم نے میرے باپ کو... سب کچھ..."

مگر الفاظ اب گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ خاور کا ذہن گہرے اندھیروں میں ڈوب رہا تھا۔ مناظر کبھی نظر آتے' کبھی بادلوں میں چھپ جاتے۔ اس نے محسوس کیا' اس کو کسی چیز پہ لٹا کر راہداری میں سے گزارا جا رہا ہے... راہداریاں... چھت... دروازے... چھت بدل رہی تھی... پھر وہ تاریک ہو گئی... وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا' مضبوط قوت ارادی کے باعث اس کا ذہن ابھی تک مفلوج نہ ہو سکا تھا... اور پھر چھت مزید تاریک ہوئی... یہاں تک کہ وہ زردی مائل بھوری سی لگنے لگی... دھندلے ہوتے منظر میں اس نے دیکھنا چاہا... اس کا اسٹریچر ایک تنگ کمرے میں دھکیلا جا رہا تھا' اور سامنے دو ہیولے سے کھڑے تھے... وہ قریب آتے گئے... قدم... قدم... پھر ایک کا چہرہ واضح ہوا... اس کے بال گہرے بھورے اور ہلکے گھنگریالے تھے' اور آنکھیں بھوری تھیں۔ اس کا مسکراتا چہرہ قریب آیا... اور اس کے الفاظ وہ آخری الفاظ تھے جو خاور کو سنائی دیے تھے۔

"خوش آمدید... یا صاحبی السجن!"

............❖❖❖............

ڈیڑھ ماہ بعد

کبھی غرور کا نشہ نہ سر پہ طاری کر ..... مری بلا سے فقیری کر یا تاجداری کر

سرما کی ٹھنڈ دسمبر کے تیسرے عشرے میں بڑھتی جارہی تھی۔ وہ ایک نیلی سی صبح تھی۔ دھند نے سارے قصر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سورج منہ پھیرے ناراض سا، بادلوں کے پیچھے گم تھا۔ایسے میں فیونا قصر کے برآمدے کے زینے چڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکرٹ پہ ، ہیٹر پہنے' بال پونی میں باندھے' وہ قدرے سنجیدہ اور ناخوش دکھائی دیتی تھی۔ برآمدے میں آکر اس نے اندر کھلتا بھاری منقش لکڑی کا دروازہ ھکیلا تو جیسے ہی ہیٹرز کی گرم ٹکور دیتی ہوا وجود سے ٹکرائی' ویسے ہی قصر کا اندرونی منظر بھی کھلتا چلا گیا۔

اندر تمام بتیاں روشن تھیں۔ لاؤنج میں ملازم کام کرتے نظر آرہے تھے۔ سامنے ڈائننگ ہال کے شیشے کے دروازے کھلے تھے اور سربراہی کرسی پہ براجمان ملکہ نک سک سے تیار بیٹھی تھی۔ کھلے بال کندھے پہ بائیں جانب کو ڈالے' فلر بلنگ سیاہ ٹاپ پہنے' جس پہ گرا سٹور اکٹ چمک رہا تھا' وہ مسکرا کر گردن اٹھائے' مسلسل ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتی' ساتھ کھڑے احمر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی سیاہ جیکٹ میں ملبوس' ماتھے پہ کٹے بال تیلے کر کے پیچھے کو بنائے' سادہ سا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کوکرآکشن گیارہ بجے شروع ہوگی' مگر آپ وہاں پہ گیارہ بج کر چودہ منٹ پہ پہنچیں گی' یہ پرائس بولیں گی..." ایک چٹ نکال کر سامنے رکھی۔ "مسکرا کر حاضرین کو دیکھیں گی' سب امپریس ہوں گے' لاجواب ہوں گے' پھر آپ کے بیٹھنے سے پہلے پینٹنگ آپ کی ہوگی' اور آپ اسی شانِ بے نیازی سے اس کو بچوں کی فلاح کے لئے بننے والے ادارے کو عطیہ کردیں گی۔ کیمروں کے شٹرز بج رہے ہوں گے' آپ نیوز میں ہوں گی' مگر آپ انٹرویو دینے سے انکار کردیں گی' کیونکہ آپ اپنے نیک کام کی تشہیر نہیں چاہتیں۔ پی ایس! آپ کو مزید تشہیر کی ضرورت اس ہفتے پڑے گی بھی نہیں۔" اور مسکرا کر سر کو خم دیا۔ فیونا نے دور سے یہ منظر دیکھا' ناک سکوڑی' اور کچن کی طرف چلی گئی۔

"اور یقیناً تم نے انتظامیہ سے پہلے ہی بات کرلی ہوگی۔" چٹ کو دو انگلیوں میں اٹھا کر جواہرات نے دیکھا۔ "وہ میرے علاوہ کسی کو پینٹنگ نہیں بیچیں گے۔ رائٹ!"

"نہ صرف یہ بلکہ وہ چودہ منٹ تک کسی کو اس رقم تک نہیں آنے دیں گے۔ سب سیٹل کیا جاچکا ہے..." وہ ذرا رکا۔ "مسز کاردار! آپ سیاست میں نہیں آرہیں' آپ پہلے ہی ایک philanthropist کے طور پہ جانی جاتی ہیں' پھر میں پچھلے چند ہفتوں سے آپ کے لئے یہ پبلسٹی stunts کیوں ارینج کررہا ہوں؟"

جواہرات نے نزاکت سے کندھے اچکائے اور نیپکین گھٹنوں پہ پھیلایا۔ "میں پاپولر ہونا چاہتی ہوں۔ مقبول لوگ' کسی بھی عہدے یا آفس کے بغیر بھی ایک دنیا پہ حکومت کرتے ہیں۔ وہ ذہنوں پہ حکمرانی کرتے ہیں اور ان کی رائے سنی جاتی ہے۔ مانی جاتی ہے۔" مسکرا کر اسے دیکھتے گلاس لبوں سے لگایا۔

"بھاری اعزازات کی بھاری قیمتیں چکانی پڑتی ہیں مسز کاردار' مگر خیر' آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ میں آپ کے ساتھ ہوں!"

"اور مجھے اسی بات کی فکر ہے کہ تم ان کے ساتھ ہو۔" آواز پہ احمر چونک کر پلٹا۔ سامنے سے ہاشم چلا آرہا تھا۔ کوٹ' ٹائی' کف لنکس' سب نفاست سے خود پہ سجائے' سخت تاثرات کے ساتھ' ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالتا وہ اپنی کرسی تک آیا۔ ملازم نے جلدی سے کرسی کھینچی۔ وہ بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے نیپکین پھیلانے لگا۔

"گڈ مارننگ مسٹر کاردار!" احمر سر کو خم دیتا کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا' جواب نہیں آنا۔

"وہ بہت ٹیلینٹڈ ہے ہاشم!" جواہرات نے نرمی سے اس کے ہاتھ کو دبایا۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔

نوشیرواں بھی تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر نیچے آ گیا۔ اس کے بال پہلے سے بھی چھوٹے کیے تھے' فرنچ صاف تھی' اور آج کل وہ روز اسی خاموشی سے آفس جاتا اور واپس آ کر کمرے میں گم ہو جاتا تھا۔

ناشتہ کرتے ہوئے ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کھڑکی کے باہر احمر کھڑا کسی ملازم کو کوئی ہدایت دیتا نظر آ رہا تھا۔ ہاشم نے ہوٹے سے سر جھٹکا۔

"مجھے تو اس پہ ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔" جواہرات نے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا، پھر ہاشم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہیں جس پہ اعتبار تھا اس کا نام خاور تھا' وہ خاور جس پہ تمہارے باپ نے کبھی بھروسہ نہیں کیا تھا' مگر جس پہ تمہارے باپ نے اعتبار کیا تھا' وہ احمر تھا۔ اب تم فیصلہ کر لو کہ کون صحیح تھا کون غلط۔"

ہاشم کے لب بھنچ گئے' اور وہ مزید خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔ جواہرات نے جھرجھری لیتے جوس کا ایک اور گھونٹ بھرا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خاور' اور تہذیب کے ساتھ یہ سب...."

"خاور نے ڈیڈ کو قتل نہیں کیا۔" نوشیرواں ایک دم کانٹا پٹخ کر بولا تو وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پل بھر کو جواہرات کا دل بیٹھا مگر وہ کہہ رہا تھا' "میرے باپ کو کسی نے قتل نہیں کیا' انہیں کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ وہ نیچرل ڈیتھ سے فوت ہوئے تھے' سنا آپ لوگوں نے؟" اور نیپکین پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاشم نے گردن اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

"تم ابھی تک denial میں ہو شیرو!"

"آئندہ کوئی بھی ان کے قتل کی بات نہیں کرے گا' سنا آپ نے یا نہیں؟" بگڑ کر کہتا' وہ کرسی دھکیلتا' لمبے لمبے ڈگ بھرتا' باہر نکل گیا۔ ناشتہ ادھورا رہ گیا تھا۔ ادھوری چائے' ادھورے ناشتے....

مزاجِ غم نے بہر طور مشغلے ڈھونڈے
کہ دل دکھا تو کوئی کام دام میں نے کیا

دھند لکے کے پار اینکسی کھڑی تھی۔ چھوٹی' کم مایہ' مگر مضبوط۔ اندر چھوٹے سے کچن میں دم کی چائے اور الائچی کی خوشبو پھیلی تھی۔ سیم گول میز پہ موجود بڑے بڑے منہ بنا تا ناشتہ زہر مار کر رہا تھا۔ فرائی انڈے کی زردی ٹوٹ چکی تھی' اور وہ کھاتے ہوئے بار بار ایک ملامتی نظر حنین پہ ڈالتا جو جلدی جلدی توے پہ توس سینک رہی تھی۔ زمر سفید لباس میں تیار سی' اپنی چائے دم پہ رکھ رہی تھی۔ حنہ کپ سنبھالتے رکی تو توس جل گیا۔ سیم چلایا تو وہ اس طرف بھاگی۔

"حنین' ڈونٹ وری' واپس آ کر ہم سب مل کر کچن صاف کر لیں گے۔" زمر نے چولہا بند کرتے اسے تسلی دی۔ توس سیم کی پلیٹ میں رکھتے حنین نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ یہ کچن صاف نہیں ہے؟" اس کے دل کو جیسے دھکا لگا تھا۔ زمر نے گڑبڑا کر سیم کو دیکھا' پھر کچن کو (ہر چیز' چاہے وہ صاف دھلے برتن تھے یا پتی چینی کے ڈبے' وہ کاؤنٹر پہ رکھے تھے۔ پھیلاوا ہی پھیلاوا۔)

"میرا مطلب ہے' ابھی تو تم نے کر لیا' بعد میں.... ہم مل کر کر لیں گے۔" سیم کو پھر دیکھا تو اس نے بنا آواز کے "توبہ توبہ" کہتے دونوں کانوں کو انگلی سے باری باری چھوا۔

مگر حنین تخت بے دلی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ زمر کا بھی فون آ گیا۔ وہ سیم کو لیتے چلی گئی تو حنہ نے گھر کے سارے دروازے لاک کر دیے۔ اب وہ اکیلی تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ گھر کا یہ تخت و تاج اگلے دو ہفتے تک اسے اکیلے ہی سنبھالنا تھا۔

بچے؟

صداقت شادی کر رہا تھا!

اس کی بلا سے وہ کسی سے بھی شادی کرے' جب بھی کرے' مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ ندرت اور بڑے ابا کے بغیر اس کی شادی مکمل نہیں ہو سکتی۔ زمر اور خود حنین کے بے حد اصرار پہ ندرت اور ابا ایک ہفتے کے لئے صداقت کے گاؤں چلے گئے تھے۔ ایک ہفتے کی شرط بھی زمر نے لگائی تھی۔ وہ چاہتی تھی' وہ دونوں اس ڈپریشن زدہ ماحول سے نکلیں' کچھ دن تازہ ہوا کھالیں' سو صداقت کے لئے قیمتی تحفے لے کر وہ لوگ کل روانہ ہو گئے تھے۔ ندرت نے کہہ دیا تھا کہ زمر مصروف ہوتی ہے' اور حنین کو کھانا بنانا نہیں آتا سو کھانا ریسٹورانٹ سے آئے گا' کپڑے لانڈری پہ جائیں گے' حنہ کو صرف ناشتہ اور صفائی کرنی ہو گی۔

مگر صفائی؟ یہ دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔ کل سے وہ چیزیں صاف کر کر کے' جوڑ جوڑ کر ہلکان ہو چکی تھی' مگر پورا گھر بکھرا ہوا لگتا تھا۔ آج بھی وہ زمر کے نیچے آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے کچن میں آئی تھی' سارا کچن صاف کیا' مگر کتنے مزے سے وہ کہہ گئی کہ صفائی نہیں لگ رہی تھی۔ بھئی مطلب تو یہی تھا نا۔

ٹھنڈی چائے کا گھونٹ بھرتے' اکیلے بیٹھے' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پہلے ہی دن رات ہاشم کا خیال اس کی آواز یہ سب ذہن سے نکلتا نہیں تھا' غضِ بصر کر کر کے تھک گئی وہ' مگر وہ تو ویسے ہی یاد آتا تھا' ذرا بھی نہیں بھولا تھا۔ اس نے سوچا تھا غضِ بصر میں کامیاب ہو کر وہ شیخ کے اگلے طریقے تک جائے گی' مگر کامیابی تو دور لگ رہی تھی' سو بالآخر وہ کتاب اٹھائی اور لاؤنج میں صوفے پہ لیٹے اس نے مطلوبہ فصل کھول لی۔

دروازے کے پار کھلا دریا تھا۔ تیز سورج کی سنہری کرنیں پانی پہ جھلملا رہی تھیں۔ ایسے میں وسط دریا کو چیرتی ایک لکڑی کی قدیم کشتی چلتی جا رہی تھی۔ بوڑھے شیخ کسی ماہر ملاح کی طرح چپوؤں کو پانی میں چلاتے کشتی کو آگے دھکیل رہے تھے۔ ان کے سامنے وہ بیٹھی تھی۔ پہلے کی طرح کمزور اور بددل۔ کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے' اور ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے' وہ ناراضی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

"غضِ بصر کر کر کے مر گئی میں۔ پہلے اس کو دیکھنا چھوڑا' پھر اس کی ای میلز' اس کے ٹیکسٹ' سب مٹا دیے کہ ان کو دیکھنا بھی غضِ بصر کے خلاف تھا' مگر وہ نہیں بھولا۔ میں تو اسے دیکھ بھی نہیں رہی' پھر وہ مجھے کیوں نہیں بھولتا شیخ؟"

شیخ نے آہستگی سے چپو نکال کر کشتی کے اندر رکھے۔ ہوا ہولے سے خود ہی سنہرے پانی پہ کشتی کو آگے بڑھانے لگی۔

"تمہارے زمانے میں' لڑکی' سب سے مہلک بیماری کون سی ہے؟"

"بونگی!" فوراً بولی' پھر گڑبڑائی۔ "سوری۔ کینسر۔ سرطان۔"

"تو اگر سرطان کا مریض اپنی بیماری بھول جائے تو کیا تندرست ہو جائے گا؟"

"لیں۔ بیماری بھولنے سے کون شفایاب ہو سکتا ہے؟"

"تو میری بچی' مریض کیسے ٹھیک ہو گا؟ جسم سے اس سرطان (کینسر) کے نکلنے سے؟ یا یادداشت سے سرطان کا خیال نکلنے سے؟ اور جب وہ ٹھیک ہو جائے گا' تو کیا وہ سرطان کو بھول جائے گا؟"

وہ ایک عجیب انکشاف کا لمحہ تھا۔ حنہ نے دم بخود ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔ اسے ساری عمر سرطان یاد رہے گا۔"

"لیکن اگر وہ تندرست ہو چکا ہے تو وہ یاد اسے تکلیف نہیں دے گی۔"

"تو کیا.. تو کیا مجھے اپنے محبوب کو بھولنے کی ضرورت نہیں؟" وہ بے یقین تھی۔ بھولے بغیر موو آن کرنا... یہ کیسا علاج تھا؟

"وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔تم بھولنے کی کوشش ترک کرو۔علاج تم نے اپنے دل کا کرنا ہے'یادداشت کا نہیں۔اسے دل سے نکالنا ہے'دماغ سے نہیں۔اس مقام تک آنا ہے جہاں اس کی یاد پہ تم بے حس ہو جاؤ۔تمہیں فرق پڑنا ختم ہو جائے۔نہ نفرت ہو نہ محبت!"

حنہ کا دل جیسے ایک دم خالی ہو گیا۔فکر مندی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"مگر یہ کیسے ہو گا؟"

"اس کے لئے پہلے تمہیں "محبت" کو سمجھنا پڑے گا۔" انہوں نے چپو اٹھا لئے اور پھر سے پانی میں چلانے لگے۔کشتی کی رفتار تیز ہوئی۔سنہری کرنوں سے چمکتا پانی اب تنگ ہوتا جا رہا تھا۔گویا دریا کے دو دہانے قریب آ رہے تھے۔دونوں اطراف میں اگا سبزہ بھی گھنا اور گنجان تھا۔

"اور اس کو سمجھنے کے لیے پہلے عشق اور محبت میں فرق کرنا سیکھو لڑکی!" دریا مزید تنگ ہو کر کسی نہر میں بدلتا جا رہا تھا۔وہ جیسے شام سے دور امیزون کے جنگلات کے درمیان بہتی کوئی نہر تھی۔

"مجھے پتہ ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔"پہلے پسندیدگی ہوتی ہے'پھر محبت'پھر عشق'پھر جنون'پھر دیوانگی!" شیخ کے تاثرات دیکھ کر وہ چپ ہوئی۔وہ افسوس سے مگر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔"یہ درجے تمہارے ملک میں رائج ہوں گے'مگر جس زبان سے تمہاری زبان نکلی ہے'اس میں معاملہ ذرا مختلف ہے۔محبت درمیان میں نہیں ہے'بلکہ محبت کے یہ سب درجے ہیں۔محبت خود کوئی درجہ نہیں ہے۔"

"تو کتنے درجے ہیں محبت کے؟"

"سات۔سنو گی؟" وہ مسکرائے۔کشتی اب اس سرسبز تنگ نہر کے درمیان داخل ہو چکی تھی۔وہاں جا بجا کنول کے پھول پانی پہ تیرتے دکھائی دے رہے تھے۔سورج گھنے درختوں کے درے چھپ گیا تھا۔ٹھنڈی میٹھی سی چھایا ہر سو چھا گئی تھی۔

"محبت کا پہلا درجہ "علاقہ" ہے'کیونکہ اس میں انسان کا اپنے محبوب سے "تعلق" قائم ہوتا ہے۔علاقہ کے بعد "الصبابہ" ہے'اس میں انسان کا دل پوری گرویدگی کے ساتھ محبوب کی طرف جھک جاتا ہے'وہ اس کے سحر میں گھر جاتا ہے۔تیسرا درجہ "الغرام" ہے۔قرآن میں پڑھا ہو گا تم نے "ان عذابہا کان غراما" (بلاشبہ اس کا عذاب لازم ہونے والا ہے) سو الغرام میں محبت قلب کے اندر ہمیشہ کے لئے لازمی طور پہ جا چمٹتی ہے اور اس سے نکل نہیں پاتی۔" وہ ذرا دیر کو سانس لینے رکے۔"پھر "عشق" ہے۔محبت کی ایک انتہا۔اور ایک بات کہوں'برا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں تو۔"

"یہ کیا تمہارے ملک کے لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "عشق" کا لفظ جوڑنا شروع کر رکھا ہے؟ تمہاری زبان جس زبان سے نکلی ہے'اس میں عشق کا لفظ مرد و عورت کی ایسی محبت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو معتبر نہیں سمجھی جاتی۔اس لفظ میں شرافت نہیں ہے۔خود سوچو'کبھی کہہ سکتی ہو کہ اپنے ماں باپ سے عشق ہے تمہیں؟ عجیب لگتا ہے نا؟ اللہ کی محبت کے لئے'رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے یہ لفظ قطعاً درست نہیں۔"

"آہستہ بولیں۔کسی ٹی وی پہ مداری نما سوڈو اسکالر نے سن لیا نا'تو مجھے الٹا لٹکا دے گا۔آپ کو کیا پتہ آج کل'عاشق رسول' کے ٹائٹل کی ٹی وی پہ کتنی ڈیمانڈ ہے۔" شیخ نے مسکرا کر آہ بھری۔

"کسی اور کو اگر حق بات کہنے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ ہے'اور وہ غیر جانبدار رہنا چاہتا ہے'تو رہے۔مگر نہ میں غیر جانبدار رہوں گا'نہ غلط چیز کو روکنے کے لئے کسی ملامت یا فتوے کی پرواہ کروں گا۔عربی ادب کے ماہرین اور اہل زبان سے جا کر پوچھو!اور نہیں تو قرآن پڑھنے والوں سے پوچھ لو'اللہ نے اپنے اور رسول کے لئے "محبت" کا لفظ استعمال کیا یا عشق کا؟ میں تمہارے ملک کے مفتیوں

اور "عاشقوں" سے نہیں ڈرتا۔ جو لفظ مجھے اللہ کے رسول نے نہیں سکھایا' جو لفظ ایک اچھا لفظ' ایک شریف لفظ نہیں سمجھا جاتا' میں اس کو اللہ اور رسول کے ساتھ جوڑنے کی مخالفت کرتا ہوں' اور مجھے کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں ہے۔"

"ابنِ قیم والا حوصلہ اور جگر میرے اندر نہیں ہے' اس لیے ہم آگے چلتے ہیں شیخ!" اس نے موضوع کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ وہ سر جھٹک کر چپو چلانے لگے۔ کشتی تیزی سے پانی کو چیرتی تیرنے لگی۔

"عشق کے بعد "شوق" ہے۔ یہ دل کے اس سفر کا نام ہے جو پوری تیزی سے محبوب کی طرف شروع کیا جائے۔ پروردگار عالم کے متعلق اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے دوست اس کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں اس لیے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے کہ جب وہ لوگ جو اپنے دکھوں اور مسئلوں میں صرف اسی سے مدد مانگا کرتے تھے' وہ اس وقت اس سے ملاقات کر لیں گے اور ان کے دل میں موجود جذبات محبت کو قرار مل لے گا۔"

پانی پہ چمکتے کنول کے پھول خود بخود ایک طرف ہٹ کر کشتی کو راستہ دینے لگے۔

"اس کے بعد' تیتم ہے۔ یعنی کہ انسان اپنے محبوب کی عبادت کرنے لگ جائے۔ محبوب کی عبادت کرنے والا اس کا "عبد" (غلام) بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ساری انا' ساری عزت نفس' سب اس محبوب کے قدموں میں ڈال دیتا ہے' کسی انسان سے ایسی محبت کی جائے مجبوری میں نہیں' ظلم میں نہیں' بلکہ صرف محبت میں خود کو اس کے قدموں میں بے توقیر کر دیا جائے' تو یہ شرک ہے۔ مگر اللہ سے ایسی محبت کرنا' خود کو اس کے سامنے جھکانا' اپنے چہرے کا ہر نقاب اتار کر' ہر انا پس پشت ڈال کر' اس سے اپنے دل کا حال بیان کرنا' اس کے آگے دعا میں گڑگڑانا' یہ "عبادت" ہے' اور عبادت محبت کی معراج ہے۔ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا' وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔"

اب ان کے چپو چلاتے ہاتھوں میں روانی آ گئی تھی۔ ہوا بھی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ دریا نہر کی مانند درختوں کی تنگ گلی سے گزر کر آگے بڑھتا ہی بڑھتا جا رہا تھا۔

"اس کے بعد...کمالِ محبت...محبت کا آخری درجہ...خلت ہے۔ یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس میں محبوب کے سوا نہ کسی کی گنجائش ہوتی ہے' نہ دل کسی شراکت کو برداشت کرتا ہے۔ اسی خلت سے خلیل ہے' اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے صرف دو انسانوں کو عطا کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس خلت کو حاصل کرنے کے لیے ان دو عظیم انبیاء نے بہت کچھ قربان کیا تھا۔ ہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے' مگر تیتم...یعنی "عبادت" تک تو پہنچ سکتے ہیں نا۔" جیسے اسے تسلی دی۔

"اب تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تمہاری اپنے محبوب سے محبت کس درجے تک تھی؟"

"عشق تک!" وہ بے اختیار بولی۔

"تو پھر سنو۔ مرض عشق کی مدافعت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ...." وہ ذرا دیر کو رکے۔ "کہ اپنے دل کو کسی اور طرف مصروف کر دو تاکہ وہ عشق والے راستے سے رکے۔ یا تو کسی خوف کے ذریعے' یا پھر...." وہ اداسی سے مسکرائے۔ "یا پھر محبت کے ذریعے۔"

"محبت کے ذریعے؟"

"جیسے ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے' جیسے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے' ویسے ہی عشق کو صرف عشق کاٹتا ہے' محبت کا علاج محبت سے کیا جاتا ہے۔ جب تک تمہارے دل کے سامنے کوئی بڑی محبت نہیں آئے گی' اس شخص کی محبت سے بڑی محبت' تب تک وہ شفایاب نہیں ہوگا۔"

"مطلب مجھے کسی اور سے محبت کرنا ہوگی؟"

"نہیں۔ محبت جبراً کوئی کسی سے نہیں کر سکتا۔ یہ تو قسمت سے ملتی ہے۔ ہو گئی تو ہو گئی' نہ ہوئی تو نہ ہوئی' مگر اس سے پہلے تمہیں اپنے دل کو مصروف کرنا ہوگا۔"

''اور دل کو مصروف کرنے کے لئے مجھے اپنی آنکھ کو مصروف کرنا ہوگا؟''

''بالکل۔ لیکن اس کے لئے دو چیزیں ہونی چاہئیں انسان میں۔ اول اس میں اتنی عقل ہو کہ ادنیٰ اور اعلیٰ محبت میں تمیز کر سکے' اعلیٰ کو ادنیٰ پہ فوقیت دے سکے۔ اور دوم اس میں اتنا صبر' ہمت اور استقامت ہو کہ فیصلہ کر لیا ہے تو اس پہ ڈٹ جائے۔ بعض لوگ اپنا فائدہ و نقصان خوب سمجھتے ہیں' مگر ان میں غلط کو ترک کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ نہ خود کو نفع دیتے ہیں نہ دوسروں کو۔ مگر جن لوگوں میں اتنا صبر اور عزم ہوتا ہے' انہی کو اللہ اپنے دین کی امامت سونپتا ہے۔ اگر تم نے ان میں سے بننا ہے تو نگاہ کو کسی اچھی طرف لگاؤ۔''

''اوکے۔ میں... میں کوئی مشغلہ ڈھونڈ دوں' رائٹ؟'' کنول کے پھولوں کی جوت بجھتی گئی۔ پانی کی روشنی مفقود ہوتی گئی۔ کشتی مدھم ہو کر کہیں ڈوب سی گئی' اور اس نے خود کو لاؤنج میں بیٹھے پایا۔ کتاب بند کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''صرف نگاہ جھکانا کافی نہیں' نگاہ کو مصروف رکھنا بھی ضروری ہے۔'' ایک عزم کے ساتھ وہ نیچے بیسمنٹ میں گئی۔ اپنے سامان سے چند اچھی کتابیں نکالیں۔ پھر پینٹنگ کے سامان کی لسٹ بنائی جو وہ آج ہی خرید لے گی۔ لینڈ اسکیپ اور خوبصورت گھر پینٹ کرنے کا کتنا شوق تھا اسے۔ بس وہ آج سے یہ ساری اچھی کتابیں پڑھے گی' اور اچھی اچھی پینٹنگز بنائے گی' یوں وہ مصروف ہو جائے گی اور اس کا دل ہاشم کے اثر سے نکل جائے گا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

اس ایک ہجر نے ملوا دیا وصال سے بھی ..... کہ تو گیا تو محبت کو عام میں نے کیا

آج کمرہ عدالت میں ٹھنڈ تھی۔ سورج ہنوز ناراض تھا۔ ہیٹر بھی جل رہا تھا۔ مگر ایسے میں گویا موسم سے سب بے نیاز' دھیان اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑے شخص کو دیکھ رہے تھے' جو چالیس' پینتالیس برس کا مرد تھا' اور سامنے کھڑے پراسیکیوٹر کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

''مقتول قمر الدین سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟''

''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' بولتے ہوئے لبوں پہ ہاتھ پھیرا تو جج نے ٹوکا ''ذرا صاف اور بلند آواز میں جواب دیں۔''

''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' وہ کھنکھار کر پھر سے بولا۔ اپنی کرسیوں پہ زمر اور فارس اسی طرح بیٹھے تھے۔ زمر کاغذ پہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ لکھتی' پھر نگاہ اٹھا کر سنجیدگی سے P.W.1 (پراسیکیوشن کا گواہ نمبر ایک) کو دیکھنے لگتی۔ فارس ٹیک لگائے' کان کی لو مسلتے' چبھتی ہوئی نظروں سے کبھی گواہ کو دیکھتا اور کبھی ایک کٹیلی نظر قریب بیٹھے ناظم پہ ڈالتا۔ (ناظم وہ شخص تھا جس نے فارس کا شریک جرم ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔)

''29 اگست کی دوپہر کیا ہوا تھا؟''

''جی کوئی لگ بھگ ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ میں اپنی بہن کے گھر کام سے آیا تھا۔ ابھی اندر داخل نہیں ہوا تھا' وہیں گیٹ پہ کھڑا فون سن رہا تھا کہ ایک گاڑی' جس کی نمبر پلیٹ اتری ہوئی تھی' قریب آئی۔ دو لوگ سامنے والی سیٹوں پہ بیٹھے تھے۔ وہ کار سے اترے' پچھلی سیٹ سے قمر الدین کی لاش نکال کر وہاں پھینکی اور اسی تیزی سے کار میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔''

''پھر آپ نے کیا کیا؟'' پراسیکیوٹر نے نرمی سے سوال کیا۔

''میں جی فوراً آگے آیا' لاش کو سیدھا کیا' وہ قمر الدین ہی تھا مگر کافی خون آلود تھا۔ میں اسے فوراً ہسپتال لے گیا' ڈاکٹر نے کہا کہ موت واقع ہوئے چند گھنٹے گزر چکے ہیں' مگر ڈاکٹر نے میت ہمارے حوالے نہیں کی۔''

''ہمارے؟''

''یعنی کہ جی میں اور میرا بھائی' اس کو بھی میں نے فون کر کے بلا لیا تھا۔ ڈاکٹر نے شام کو میت حوالے کی' ہم اسے گھر لے آئے۔ پھر

صبح ہم نے پولیس کو اطلاع دی۔"

"جو دو لوگ کار پہ لاش پھینکنے آئے تھے' آپ ان کو پہچان لیں گے؟"

"جی ہاں جی۔ یہ دونوں۔" پہلے فارس کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ڈرائیونگ سیٹ پہ تھا' اور یہ (ہاشم کی طرف انگلی اٹھائی) یہ فرنٹ سیٹ پہ تھا۔"

"کیا انہوں نے چہروں پہ کوئی نقاب وغیرہ پہن رکھے تھے؟"

"نہیں جی' منہ کھلا تھا۔ بالکل صاف اور واضح۔"

پراسیکیوٹر نے سر کو خم دیا' اور پھر واپس اپنی کرسی کی طرف آتے ہوئے زمر کو دیکھ کر "your witness" کہتے ہوئے جرح کی دعوت دی۔ زمر اپنی جگہ سے اٹھی اور قدم بہ قدم چلتی کٹہرے کے قریب آئی جہاں وہ بہنوئی کھڑا تھا۔ یہاں سے فارس کو اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ آدھے بندھے گھنگریالے بال پشت پہ' اور ناک میں دمکتی سونے کی نتھ۔ (اسے بے اختیار سیاہ ڈبی میں مقید وہ لونگ یاد آئی جواب بھی ان کے کمرے کی ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی تھی۔ زمر نے اس رات کے بعد اسے چھوا تک نہ تھا۔) چہرے پہ بے پناہ سنجیدگی لیے اس نے بہنوئی محمد اقبال کو دیکھا۔

"اقبال صاحب سیٹلائٹ فون کی قیمت کتنی ہوتی ہے؟"

"جی؟" اقبال نے الجھ کر اسے دیکھا۔ پراسیکیوٹر قدرے بےزار سا کھڑا ہوا۔

"آبجیکشن یور آنر۔ کاؤنسلر غیر متعلقہ سوال پوچھ رہی ہیں۔"

(ایک وکیل کے کسی سوال پہ دوسرا وکیل جب اعتراض کرے تو جج یا تو اس اعتراض کو "اوور رولڈ" کہہ کر رد کر دیتا ہے یا سسٹینڈ کہہ کر برقرار رکھتا ہے.....)

"اوور رولڈ' لیکن آپ اپنے سوال کا مدعے سے تعلق جلد واضح کریں۔" جج صاحب نے عینک کے پیچھے سے زمر کو دیکھتے تنبیہ کی۔ اس نے تحمل سے سر کو خم دیا اور سوال دہرایا۔ "سیٹلائٹ فون کی قیمت کتنی ہوتی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"کیا اس لیے کہ آپ نے کبھی سیٹلائٹ فون استعمال نہیں کیا؟"

"جی بالکل میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔"

"اقبال صاحب' آپ نے اپنے بیان میں کہا کہ جب یہ دونوں اشخاص کار میں آئے تو آپ گیٹ پہ کھڑے تھے۔ آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟" اسی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں فون پہ بات کر رہا تھا' اپنے بھائی سے۔ آپ میرے فون کا بل چیک کر سکتی ہیں۔" گردن اکڑا کر بولا۔ زمر نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"آپ کے بل میں بارہ بج کر بیس منٹ پہ اپنے بھائی کو تین منٹ کی کال کرنے کا ریکارڈ موجود ہے' درست۔" ذرا رکی۔ "لیکن....." اس نے پراجیکٹر اسکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں قمرالدین کے گھر کی تصاویر پراسیکیوشن نے ڈسپلے کر رکھی تھیں۔ وہ سڑک جہاں لاش پھینکی گئی۔ وہ گیٹ جہاں بہنوئی کھڑا تھا۔

"لیکن قمرالدین کے گھر کے سامنے ایک لڑکیوں کا اسکول ہے' کیا آپ نے یہ دیکھ رکھا ہے؟"

پراسیکیوٹر ابرو بھینچ کر آگے ہو کر بیٹھا اور توجہ سے سننے لگا۔ فارس کا بھی کان کی لو کو مسلتا ہاتھ رک گیا' آنکھیں سکڑیں۔

"جی دیکھ رکھا ہے۔" زمر واپس میز تک آئی اور چند کاغذات اٹھائے۔

"یہ اسکول کی انتظامیہ کی طرف سے ایفی ڈیوٹ ہے اور اسی کالونی کے چند معزز لوگوں کی طرف سے حلف نامے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ...." باری باری چند کاغذات جج صاحب کی ڈیسک پہ اور پھر پراسیکیوٹر کی میز پہ رکھے۔ "کہ ہر روز صبح آٹھ بجے سے دوپہر دو بجے تک سکول میں جیمر لگائے جاتے ہیں تاکہ وہ لڑکیاں جو چھپ کر موبائل لاتی ہیں وہ ان کو نہ استعمال کر سکیں۔ اور محلے والوں کے مطابق ان جیمرز کا دائرہ اتنا ہے کہ قریبی گھروں کے وہ حصے جو اسکول کے سامنے پڑتے ہیں ' وہاں ان اوقات میں موبائل سگنلز نہیں آتے جن کی وجہ سے وہ کافی دفعہ اسکول والوں سے شکایت بھی کر چکے ہیں۔ سو اقبال صاحب ' میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ اس گیٹ پہ جہاں میں خود بارہ بج کر بیس منٹ پہ جا کر موبائل سے کال کرنے کی کوشش میں ناکام ہو چکی ہوں ' وہاں آپ موبائل پہ اتنی لمبی گفتگو کیسے کر سکتے ہیں؟ الا یہ کہ آپ کے پاس سیٹلائٹ فون تھا؟"

"آب جیکشن یور آنر!" پراسیکیوٹر جلدی سے کھڑا ہوا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "کس وجہ کی بنا پہ؟"

"کاؤنسلر غیر متعلقہ بات کر رہی ہیں۔"

"یور آنر' اس گواہ کے مطابق یہ بارہ بج کر بیس منٹ پہ اس گیٹ پہ موجود تھا' صرف تب ہی یہ کار پہ آنے والوں کی شکلیں دیکھ سکتا ہے لیکن اگر وہاں سگنل نہیں آتے ' تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ گواہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھا اور وہ فون اس نے کسی اور جگہ پہ سنا تھا۔"

"اوور رولڈ!" پراسیکیوٹر قدرے غیر آرام دہ سا بیٹھا۔ جج نے گواہ کو جواب دینے کا اشارہ کیا۔ وہ اب تک سنبھل چکا تھا۔

"میرا خیال ہے میں نے بات گھر کے اندر کی تھی ' وہاں سگنل آتے ہیں' اور میں بات کر کے باہر آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ...."

"آپ کو یہ یاد نہیں کہ آپ نے بات کہاں کی' آپ کو یہ یاد نہیں کہ آپ وہاں کیوں کھڑے تھے مگر آپ کو یہ یاد ہے کہ ان دونوں کی شکلیں کیسی تھیں اور یہ کہ ان کی کار کی نمبر پلیٹ غائب تھی؟" اسی سنجیدگی سے وہ پوچھ رہی تھی۔

"دیکھیں ' کافی دن گزر چکے...."

"آپ فوراً قمرالدین صاحب کو ہسپتال لے کر گئے تھے؟" بات کاٹ کر اس نے اگلا سوال داغا۔ گواہ نے سر اثبات میں ہلایا۔ "جی ہاں۔"

"اور ان کے میڈیکل معائنے کے وقت آپ وہاں موجود تھے؟"

"جی۔"

"تو پھر کیا وجہ ہے کہ قمرالدین چوہدری کی میڈیکولیگل رپورٹ پہ جو "دوست / رشتہ دار" کا خانہ ہوتا ہے' جس میں اس شخص کا نام لکھا جاتا ہے جو طبی معائنے کے وقت ساتھ ہو' وہ خانہ خالی کیوں ہے؟" اس نے رپورٹ کی ایک ایک کاپی جج اور پراسیکیوٹر کے سامنے رکھی' تیسری گواہ کے ہاتھ میں دی۔ گواہ نے تھوک نگلا۔ سر اٹھا کر پراسیکیوٹر کو دیکھا۔ وہ کاغذ پڑھتے ہوئے تیزی سے اٹھا۔ 'یور آنر' ڈاکٹر سے بھول چوک ہو سکتی ہے' اتنے مریضوں کی موجودگی میں اکثر ڈاکٹرز اس خانے کو پُر کرنا بھول جاتے ہیں۔"

"دو مریض' دو لاشیں' دو رپورٹس!" وہ مزید چند کاغذ میز سے اٹھا کر لائی اور جج صاحب کے سامنے رکھے۔ "29 اگست کو ڈاکٹر سعادت نے قمرالدین چوہدری کے علاوہ مزید دو لاشوں کی میڈیکولیگل رپورٹس تیار کی تھیں' ان دونوں میں دوست / رشتے دار کا خانہ بھرا ہوا ہے۔ اگر ڈاکٹر کو وہاں یاد رہا' تو اسے یہاں کیوں بھول گیا؟ یا پھر...." گواہ کے سامنے کھڑے ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا۔ "آپ وہاں موجود ہی نہیں تھے بلکہ آپ کو پراسیکیوشن نے رٹی رٹائی کہانی یاد کرنے کو کہا ہے؟"

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ یہاں سے ابھی تک زمر کا نیم رخ دکھائی دے رہا تھا' مگر اس کا انداز' اس کی نرم سی سختی.... اسے خود بھی نہیں

پتہ تھا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

''آبجیکشن یور آنر۔'' پراسیکیوٹر غصے سے بولا اور جج صاحب نے فوراً سے ''sustained'' کہتے ہوئے زمر کو تنبیہی نظروں سے دیکھا بھی تھا' مگر وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر ''withdrawn'' کہتی واپس کرسی پہ جا بیٹھی۔

''مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا مگر میں گواہ کو دوبارہ بلا کر جرح کرنے کا حق محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔'' اب وہ عدالت کو اطلاع دے رہی تھی۔

فارس نے مسکراتے ہوئے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر پھر رک گیا۔ اور مسکراہٹ دبالی۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ وہ اس کی تعریف کرتا۔

..................❖❖❖..................

چلی جو سیلِ رواں پہ محبت کی کشتی ...... تو اس سفر کو محبت کے نام میں نے کیا

سندھ میں ایک طویل عرصے کی تعیناتی کے بعد اس کو بالآخر اپنے شہر میں واپس بلالیا گیا تو وارث خوش تھا۔ اس کے خیال میں فارس کے کیریئر سے کلنک کا ٹیکا اتر گیا تھا اور اس کی ترقی کے چانسز بڑھ گئے تھے۔ مگر اس کی خوش گمانی چند ہفتوں میں ہی ختم ہوگئی اور فارس کے کونیک سے ملنے کے بعد وہ سیدھا قصر کارداری ایجنسی میں آیا تھا۔

''اب میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے فریج سے سافٹ ڈرنک کے دو کین نکالتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا۔ پھر سیدھا ہو کر پلٹا تو دیکھا' وارث گلاسز کے پیچھے سے اس کو تندہی سے گھور رہا تھا۔

''مسئلہ یہ ہے کہ اس دفعہ تم نے کچھ نہیں کیا۔''

''تم میرے باس کی طرح باتیں کیوں کرتے ہو؟'' ایک کین اس کی طرف اچھالا' اور دوسرا کھول کر خود صوفے پہ آ گرا۔ وارث نے تختی سے لب بھینچے کین میز پہ پٹخا اور اس کے سامنے بیٹھا۔ ''تمہارے سامنے ایک شخص گن لہراتا ہوا بھاگ گیا اور تم نے اس پہ گولی نہیں چلائی!''

''اس نے ایک بچے کو یرغمال بنا رکھا تھا' اس کی گردن پہ پستول رکھ کر' اس کو ڈھال بنا کر وہ کھڑا تھا' میں بچے کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔'' اور کین لبوں سے لگائے گھونٹ بھرا۔

''تو تمہیں اس کے بازو پہ گولی مارنی چاہیے تھی' اس رگ پہ جس کے کٹتے ہی وہ ٹریگر دبانے سے مفلوج ہو جاتا۔ ڈونٹ ٹیل می کہ تمہیں کسی نے یہ سب نہیں سکھایا۔''

فارس نے کین رکھا اور سنجیدگی سے آگے ہوا۔ ''وارث...وہ ایک انسان تھا۔ اس پہ اسمگلنگ کے جتنے مقدمے ہوں' وہ ایک انسان تھا' میں ایک انسان پہ گولی نہیں چلا سکتا تھا' اس اینگل سے میرا بیسٹ شاٹ اس کی کنپٹی پہ لگتا' اور میں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا کسی کو۔''

''اور تمہیں کیا لگتا ہے' وہ بھاگ کر جو گیا ہے' تو کیا اب مسجد میں میلاد کروا رہا ہوگا؟ نہیں غازی۔ وہ جتنے لوگوں کی زندگیاں منشیات سے خراب کرے گا' وہ تمہارے سر ہوں گی۔'' فارس چند لمحے خاموش رہا۔

''سارہ کیسی ہیں؟'' وارث نے مزید غصے سے اسے دیکھا۔

''ٹاپک مت بدلو۔ قتل کرنا جرم ہوتا ہے' مگر ڈیوٹی کی لائن میں' فساد فی الارض کرنے والوں کو مارنا ثواب کا کام ہوتا ہے۔''

''کیا معلوم وہ توبہ کر لے؟ نیک ہو جائے؟ میں نے جو بھی کیا بچے کو بچانے کے لئے کیا' ہاں ٹھیک ہے میری کمزوری ہے یہ کہ میں ایک انسان پہ گولی نہیں چلا سکا' مگر...... ہو سکتا ہے وہ بدلنے والا ہوتا اور میں اس کا چانس اس سے چھین لیتا۔''

اس بات پہ وارث غازی پورے دل سے مسکرایا تھا۔

”میری ایک نصیحت ساری زندگی یاد رکھنا‘ فارس۔“ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔ ”انسان نہیں بدلا کرتے۔ لاکھوں میں سے ایک، دو تو بدل سکتے ہیں‘ مگر ہر کوئی نہیں بدلتا۔“

یہ نصیحت بھلانے میں اسے چند دن لگے تھے‘ مگر ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ اٹک ضرور گئی تھی‘ لیکن یہ وہ دن تھے جب دل اور دماغ میں اور بھی بہت کچھ چل رہا تھا۔ اس نے زمر کی یونیورسٹی جوائن کر لی تھی۔ شام کی کلاسز وہ اس سے لینے لگا تھا اور یہ اس کو خود بھی معلوم تھا کہ پورے شہر میں ایک یہی یونی تو نہیں تھی۔ پھر وہ ادھر کیوں آتا تھا؟ صرف اس کے لیے۔

اس سے قبل ان دونوں کی ملاقات زیادہ نہ رہی تھی‘ بلکہ رسمی سلام سے زیادہ اس نے کبھی اس سے بات بھی نہ کی تھی‘ اور سندھ میں قیام کی اس طویل مدت کے دوران اس کو وہ بھول بھال بھی گئی تھی مگر یہاں آنے کے بعد... ایک روز اس نے اسے سعدی کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا‘ اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اگر اس نے اس لڑکی کو کھو دیا تو دنیا میں کوئی اور اس کے لیے نہیں ہو گا۔

وہ اس کی یونی جانے لگا‘ اس سے بات کرنے کے مواقع تلاش کرنے لگا‘ اس کا زیادہ سے زیادہ وقت لینے کے بہانے ڈھونڈنے لگا‘ اور وہ ہمیشہ ہی اسے ایک طرح سے ڈیل کر لی تھی۔ احترام اور عزت کے ساتھ‘ مگر ریزرو اور دور۔ وہ خوبصورت نہیں تھی‘ شکل و صورت میں وہ محض واجبی تھی‘ رنگت بھی گندمی مائل تھی‘ بال خوبصورت تھے‘ مگر نہ وہ بننے سنورنے کی شوقین تھی‘ نہ وہ کسی سے بے وجہ بات کیا کرتی تھی۔ زیور کے نام پہ وہ صرف ناک میں نتھ پہنا کرتی تھی۔ شاید اسے اپنی ناک بہت عزیز تھی!

وہ بہت اچھی تھی‘ یا پھر اسے لگتی تھی۔ محبت کرنے والی‘ مگر مضبوط‘ دبنگ اور کبھی کبھی ذرا ضدی۔ نرم لہجے میں سخت باتیں کر جاتی تھی۔ قلم سے کاغذ پہ لکھتے لکھتے‘ کسی بے معنی بات پہ وہ بس ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھتی‘ اور پھر واپس کام کرنے لگ جاتی اور اس کا یہ انداز سامنے والے کو پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دیتا تھا۔ وہ دل کی اچھی تھی۔ مہربان‘ اور نرم سی۔ اس میں ہر وہ خوبی تھی جو اس جیسے مرد کو متوجہ کرتی‘ مگر وہ اس معاشرے کا مرد تھا‘ جس کے لیے اپنی عزت اور عزت کا بھرم ہر شے سے اوپر تھا‘ کیونکہ آخر میں وہ تھی تو بیگم ولایت کے خاندان سے نا!

قصوں کہانیوں اور فلموں میں محبت کی شادیاں سحر انگیز لگتی ہوں‘ حقیقت اس سے مختلف تھی۔ وہ ابھی اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ جو بھی سنتا، آگے سے کہتا‘ اچھا.... وہ دونوں ایک یونی ورسٹی میں ساتھ ساتھ.... اور اس سے آگے کی معنی خیز مسکراہٹیں‘ اور آنکھوں کی چمک... فارس کی طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا۔ بہت سالوں کی ریاضت کے بعد‘ کتنے اسباق سیکھ کر اور کتنی اذیت کاٹ کر وہ‘ وارث اور ندرت ایک خاندان بنے تھے۔ دوبارا آخران کے خاندان میں‘ دوسری بیوی کا بیٹا‘ نہیں‘ بلکہ ندرت اور وارث کا بھائی سمجھا جانے لگا تھا‘ وہ اس عزت پہ حرف بھی نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔

سو اس نے تاخیر کی اور پھر وہ تاخیر کرتا گیا۔ یونیورسٹی چھوڑنے کے کچھ عرصے بعد وہ عزت سے اس کے لیے رشتہ بھجوا دے گا۔ منگنی‘ شادی‘ اپنے شہر میں پوسٹنگ‘ متوقع ترقی‘ اچھی جاب‘ بچے.... فارس غازی کی زندگی کی ساری ترجیحات اس کے ساتھ تھیں۔

بہت ہی صفائی اور سلیقے سے آراستہ اور مرتب شدہ!

.... ❖ ❖ ❖ ....

دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مر جاتے ہیں ..... ہم پرندے کہیں جاتے ہوئے مر جاتے ہیں

شیشوں سے ڈھکی عمارت کے اندر سورج کی نرم گرم کرنیں گر رہی تھیں۔ سیکرٹری حلیمہ اپنے ڈیسک کے پیچھے کھڑی ہاشم سے بات کر رہی تھی‘ جو فون پہ بٹن دباتا‘ ذرا دیر کو اس کی بات سننے کے لیے رکا تھا۔

”سر آپ ٹھیک ہیں؟“ حلیمہ نے رک کر پوچھا تو ہاشم نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ گرے سوٹ اور گرے ویسٹ میں ملبوس‘ بال پیچھے کو جیل سے بنائے‘ وہ ہمیشہ کی طرح ہینڈسم لگ رہا تھا‘ مگر اس کی آنکھیں بے خوابی کا شکار لگتی تھیں۔

''تھینک یو حلیمہ' میں ذرا اوور ورکڈ ہوں۔'' پھر ٹھہر کر پوچھا ''خاور کا کچھ پتہ چلا؟''

''نہیں سر۔ اس کی وہی ای میل آئی تھی مجھے۔ کہ کچھ دن کے لئے وہ روپوش ہو رہا ہے۔ پولیس اس کے پیچھے ہے۔ اس کے بیٹے کو بھی اس کا یہی میسج ملا ہے' وہ بھی مجھ سے کئی بار پوچھ چکا ہے۔ آپ کو کچھ نہیں بتایا؟''

''نہیں' مجھے اس نے کچھ نہیں بتایا۔'' ہاشم نے افسوس بھری لاعلمی سے شانے اچکائے اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

رئیس اس کا منتظر تھا۔ دروازہ بند کرتے ہی وہ اس کے سامنے آیا۔ ہاشم نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس پہ ایک سنجیدہ نظر ڈالی۔

''پراگریس؟''

''سر ہر طرح کی ٹارچ تکنیک استعمال کر چکے ہیں' وہ نہیں اعتراف کرتا۔ بہت سخت جان ہے!''

''میں جانتا ہوں!'' ہاشم نے لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے سر کو خم دیا۔ ''اس کو کڑی نگرانی میں رکھو اور مزید کوشش کرو۔ مجھے اس شخص کا نام چاہیے جس کے کہنے پہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے' یا اگر وہ اکیلا کام کر رہا تھا تو مجھے اس کا motive سننا ہے۔ بغیر وجہ کے کوئی قتل نہیں کرتا۔ اب جاؤ!'' ابرو سے اشارہ کیا اور پھر انہی تنے تاثرات کے ساتھ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''سر فارس غازی کا دو دفعہ پیغام آیا ہے' وہ آپ سے.....''

''ہاں مجھے یاد ہے۔ اگلے ہفتے میں جاؤں گا اس سے ملنے۔'' معروفیت اور قدرے بے زاری سے کہہ کر وہ کام کرنے لگا۔ رئیس سر ہلا کر مڑ گیا۔

اور ہزاروں میل دور... سمندر کنارے بنے ہوٹل کے تہہ خانے میں مستعد گارڈز اسی طرح اپنی جگہوں پہ کھڑے تھے۔ پتھر جیسے چہرے بنائے' چاق و چوبند اور الرٹ۔ تبھی سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا خالی مگ تھا جو اس نے باہر میز پہ دھرا' پھر سنجیدہ چہرے کے ساتھ گارڈز کی طرف آیا۔

''مجھے اس سے ملنا ہے۔'' یہ اجازت اسے چند دن پہلے سے ہی ملنے لگی تھی' سو گارڈ سر ہلا کر اسے راہداری میں آگے لے آیا۔ ایک دوسرے کمرے کا لکڑی کا دروازہ کوڈ دبا کر کھولا تو سعدی نے اندر قدم رکھا۔ پیروں میں نرم سلیپرز اور جینز پہ ہلکی جرسی شرٹ پہنے وہ تندرست اور توانا لگتا تھا' اس کے برعکس دوسرے قیدی کا حال مختلف تھا۔

اس کے ہاتھ اور پیر جڑی ہتھکڑیوں سے بندھے تھے' جن سے لٹکتی زنجیریں دیوار میں نصب تھیں۔ زمین پہ بیٹھا' دیوار سے ٹیک لگائے' وہ آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ چہرے اور گردن پہ زخموں کے نشان' اور پرانے کپڑوں پہ لگے کٹ اور خون کے دھبے۔ بند آنکھوں کے گرد نظر آتے نیل۔ سعدی نے بالکل بے تاثر نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''ہیلو خاور!''

خاور نے نیل نیل آنکھیں کھولیں۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور ہونٹ پہ بھی خون جما تھا۔ آنکھوں میں برہمی اور چبھن لئے اس نے سعدی کو دیکھا۔

''کیا دیکھنے آئے ہو؟ یہی کہ میں زندہ ہوں یا نہیں؟'' پھر ہلکا سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہوں بچے۔ تمہیں کیا لگتا ہے' تم میرے اوپر الزام لگا کر ہاشم کو مجھ سے بدظن کر دو گے؟ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔''

پھر اٹھا۔ درد کی ٹیسیں اٹھیں مگر ضبط کر کے وہ سیدھا سعدی کے سامنے کھڑا ہوا۔

''میں تمہاری ساری گیم سمجھ گیا ہوں۔ پہلے دن سے سمجھ گیا تھا۔ تم ہاشم اور مجھے توڑنا چاہتے ہو' چاہتے ہو میں قید میں مر جاؤں اور تم ہاشم کو تنہا کر کے مارو۔ ڈیوائیڈ اینڈ رول! ہے نا؟''

سعدی ہلکا سا مسکرایا۔ بولا کچھ نہیں۔ اس کی گردن پہ سرخ خراش کا مندمل نشان اب بھی موجود تھا۔ کوئی چار روز قبل اسے پہلی دفعہ خاور سے ملاقات کی اجازت ملی تھی تو خاور نے اپنی زنجیر کو اس کی گردن میں لپیٹ کر اسے مارنے کی کوشش کی تھی جسے بر وقت گارڈز نے ناکام بنا دیا تھا۔ وہ اس کو دیکھتے ہی بکنے جھکنے لگتا تھا۔ آج جیسے اونچا بولنے سے وہ اکتا چکا تھا سو آواز نارمل رکھی تھی۔

''کہا تھا میں نے ہاشم کو، سعدی یوسف فرشتہ نہیں ہے۔ کہاں گیا تمہارا اسلام' تمہارا دین جب تم مجھ پہ ناکردہ گناہ کا الزام لگا رہے تھے؟'' حقارت سے اسے دیکھا۔

سعدی ہلکا سا ہنسا پھر سر جھکا۔

''ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے' کارروارز کو کاٹنے کے لئے کارروار جیسا بننا پڑتا ہے' ان جیسا سوچنا پڑتا ہے۔ چار سال...'' انگوٹھا اندر کر کے چار انگلیاں اس کو دکھائیں۔ ''چار سال میں نے قانون' وکیلوں' عدالتوں کے ساتھ تعاون کر کے انصاف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے مگر نہ میں فارس غازی کو قانونی طریقے سے نکال سکا' نہ وہ مجھے نکال سکے گا۔ سو جو قانون انصاف نہیں دے سکتا' وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ اس لئے بہت سادہ طریقہ ہے انتقام لینے کا' ہاشم کو تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہیں اسی کے ہاتھوں سے مروا دوں۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ خاور اسی طرح غصے اور نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مگر میں یہ سب انتقام کے لئے نہیں کر رہا۔ اس لئے تمہیں مروانے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' خاور کے ابرو بھنچے' وہ ذرا چونکا تھا۔

''میں تمہیں نہیں مروانے لگا کرنل خاور۔ میں صرف تمہیں سولی چڑھا رہا ہوں' کیونکہ تم میری آزادی کا پروانہ ہو۔''

''ایک منٹ تم...''

''نہیں' میں تمہیں ہاشم کے خلاف بھی نہیں استعمال کرنے لگا' میں نے صرف تمہیں سولی چڑھانا تھا' تمہاری گردن کاٹنا ہاشم کا کام ہے' مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا' کیونکہ اسے کبھی یقین نہیں آئے گا کہ تم اس کے باپ کے قاتل ہو۔''

خاور آنکھیں سکیڑے تعجب اور ناگواری سے اسے گھورتے قریب آیا۔ سعدی سے دو قدم دور اس کی زنجیر کس گئی۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے ہاشم تمہیں قاتل سمجھتا ہے؟ اونہوں۔'' لڑکے نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

''وہ شک میں ہے۔ اسے صرف ایک چیز تمہارے قاتل ہونے کا یقین دلا سکتی ہے اور وہ ہے تمہارا اقبال جرم!''

''جو میں کبھی نہیں کروں گا۔''

''مگر تمہارے اقبال جرم نہ کرنے سے وہ تمہاری بے گناہی مان نہیں لے گا۔ میں نے کہا نا' وہ شک میں ہے' اگر یقین ہوتا اسے تو وہ تمہیں اب تک مار چکا ہوتا۔ صرف ایک چیز اس کو تمہاری بے گناہی کا یقین دلا سکتی ہے' اور وہ ہے.... میرا اقبال جرم! کہ میں نے تم پہ الزام لگایا۔''

''تمہارے بار بار بیان بدلنے سے تمہاری کریڈیبلٹی ختم ہو جائے گی۔''

''جب میں اسے اصل قاتل کا نام بتاؤں گا' تو تم بری ہو جاؤ گے۔ میں نے تمہیں صرف سولی پہ چڑھانا تھا' سزائے موت نہیں دینی۔ مجھے معلوم تھا ہاشم تمہیں مارے گا نہیں بلکہ تمہیں اپنی بہترین جیل میں قید کر دے گا۔ یوں تم میرے پاس آ جاؤ گے۔ تم میری آزادی ہو خاور۔ میں نے اتنے مہینے سوچا کہ مجھے یہاں سے کون نکالے گا۔ فارس' زمر' میری بہن' کوئی دوست.... مگر نہیں۔'' مسکرا کر کہتا وہ دو قدم قریب آیا اور انگلی سے خاور کے سینے پہ دستک دی۔ ''مجھے یہاں سے تم نکالو گے۔ اور میں تمہارے حق میں گواہی دے دوں گا۔ ہم دونوں آزاد ہو جائیں گے۔'' خاور نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

''اور ڈائی ڈیڈ باڈی سعدی یوسف!'' وہ اس کو گھورتے چبا چبا کر بولا۔ ''اگر مجھے آزاد ہونا ہوتا تو پہلے دن ہی ہو جاتا۔ یہ جیل میں نے بنائی تھی' اس کے ہر راز سے میں واقف ہوں' مگر مجھے اپنے مالک سے بھاگنا نہیں ہے' مجھے اس کے پاس واپس جانا ہے۔ میں اور تم...... کبھی مائنڈ کام نہیں کریں گے۔ رہے تم...... تو تم اپنی معصومیت کھوتے جا رہے ہو۔ تم بھی وہی بنتے جا رہے ہو جن سے تم نفرت کرتے تھے۔''

''میری آفر محدود مدت کے لئے ہے۔'' ایک استہزائیہ نظر خاور پہ ڈال کر وہ مڑ گیا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پہ گارڈ کی صورت نظر آئی تو خاور بے اختیار چلانے لگا۔

''مجھے ہاشم کاردار سے بات کرنی ہے۔ میری ان سے بات کرواؤ۔ کیا تم نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' سعدی باہر نکل آیا اور گونگے بہرے بنے گارڈ نے دروازہ مقفل کر دیا۔ زنجیروں میں کھڑا شخص اسی طرح چلائے جا رہا تھا۔

..............*** ** ....

اُس طرح لوگ اٹھ کر چلے جاتے ہیں چپ چاپ ...... ہم تو یہ دھیان میں لاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کورٹ روم میں ٹھنڈ اور خنکی آج بھی موجود تھی۔ ڈریس پینٹ اور کوٹ میں ملبوس احمر شفیع نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو اندر سب کو خاموشی سے کٹہرے میں کھڑے شخص کا بیان سنتے پایا۔ وہ دبے قدموں چلتا آیا اور زمر کے ساتھ بیٹھے فارس کے دائیں جانب آ بیٹھا۔ ''سوری مجھے دیر ہو گئی۔'' معذرت خواہانہ مسکراہٹ کے ساتھ فارس کے قریب سرگوشی کی۔

فارس غازی کٹہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سفید شلوار قمیض کے اوپر براؤن کوٹ پہنے' وہ سنجیدہ اور سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ آواز پہ گردن موڑ کر ایک گہری نظر احمر پہ ڈالی۔

''اچھا' مجھے لگا تم عجلت میں ہو۔''

احمر نے بیٹھتے ہوئے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

فارس نے نگاہ اس کے پورے وجود پہ ڈالی۔ ''سلک شرٹ' ڈیزائنر واچ' بدلا ہوا سیل فون' اتنی جلدی اتنا کچھ احمر؟''

''میں ترقی کر رہا ہوں۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟'' اسے تعجب ہوا تھا۔

''تم کاردارز کے پاس کام کرنے لگے ہو' وہ میرے رشتے دار ہیں' میں ان کو جانتا ہوں' اسی لئے کتنے ہفتے سے تمہیں نصیحت کر رہا ہوں کہ ان کے سرکل سے نکل آؤ' ورنہ وہ تمہیں اپنے جیسا بنا لیں گے۔''

احمر کے چہرے پہ ناگواری بھری بے بسی ابھری' وہ جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر زمر نے ''شش'' کہہ کر ٹوکا تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ فارس سنجیدگی اور احمر ناخوشی سے سامنے دیکھنے لگا' جہاں پراسیکیوٹر، ناظم سے سوال کر رہا تھا۔

''28 اور 29 اگست کی درمیانی شب کیا ہوا تھا' عدالت کو مطلع کیجئے۔''

''میں کار لے کر اس فیکٹری تک پہنچا جہاں غازی نے مجھے آنے کے لئے کہا تھا۔ وہ فیکٹری خالی' ویران اور عرصے سے بند پڑی ہے۔ میں نے کار باہر روکی ہی تھی کہ اندر سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ میں بھاگ کر اندر آیا تو دیکھا کہ قمر الدین اسی کرسی پہ بندھا پڑا ہے جیسا صبح میں اس کو چھوڑ کر گیا تھا اور سامنے فارس غازی کھڑا ہے' اس نے پستول اس پہ تان رکھا ہے۔ قمر الدین کی گردن ایک طرف لڑھکی ہوئی تھی اور غازی نے اسے کنپٹی میں گولی ماری تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں مارا؟ مارنا تو پلان میں شامل نہیں تھا' تو اس نے کہا کہ اس نے مجھے نازیبا باتیں کہی تھیں جن پہ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اسے پھڑکا دیا۔ میں نے پوچھا کیسی باتیں؟ تو اس نے نہیں بتایا۔ پھر ہم سوچتے رہے کہ لاش کو کیسے ٹھکانے لگائیں۔ اس نے کہا کہ مقتول کے گھر پھینک آتے ہیں' میں ڈر گیا' مگر اس نے مجھے راضی کر لیا اور مجھے وہاں انتظار کرنے کو کہا۔ پھر وہ چلا گیا اور دوپہر کو واپس آیا۔ پھر اس نے کہا کہ لاش کو کار میں ڈالو میں نے کہا میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اس نے خود

ہی لاش کو گھسیٹا اور گھسیٹتے ہوئے کار میں جا کر ڈالا۔ پھر ہم دونوں کار میں بیٹھ کر قمرالدین کے گھر گئے' لاش پھینکی' تب ایک شخص جو اس کا بہنوئی تھا' باہر کھڑا تھا۔"

"کیا وہ فون پہ بات کر رہا تھا؟" پراسیکیوٹر نے کہتے ساتھ ایک نظر زمر پہ ڈالی۔

"نہیں' اس کے ہاتھ میں فون تھا مگر وہ فون پہ بات نہیں کر رہا تھا۔" زمر خاموش رہی۔

"اچھا' یہ بتاؤ' تم فارس غازی اور مقتول کی جیل کی دشمنی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"میں قمرالدین کے رہا ہونے کے سال بعد آیا تھا جیل میں' مگر میں نے وہاں پہ اپنے ساتھیوں سے سنا تھا کہ....."

"آب جیکشن یور آنر!" زمر نے بیٹھے بیٹھے قلم انگلیوں میں گھماتے آواز بلند کی۔ "heresay"

"یور آنر' فارس غازی اور قمرالدین کی دشمنی کے بارے میں کورٹ کو بتانا ضروری ہے' تاکہ پوری تصویر واضح ہو سکے۔" پراسیکیوٹر جلدی سے بولا تھا۔

"مگر یور آنر یہ heresay ہے۔ اس نے کہا' اس نے سنا۔ آپ heresay کی ٹرائل میں اجازت نہیں دے سکتے۔ جو ناظم صاحب ابھی کہیں گے' وہ گواہی نہیں ہے' ثبوت نہیں ہے' بلکہ سنی سنائی بات ہے' وہ صرف تب کہی جا سکتی ہے جب استغاثہ عدالت میں ان ساتھیوں کو پیش کرے جنہوں نے ناظم سے یہ بات کہی ہے' مگر چونکہ ایسا کوئی شخص استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل نہیں ہے' سو یہ سوال یا اس کا جواب..... کسی کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"مگر یور آنر!"

جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کر پراسیکیوٹر کو روکا' پھر آنکھیں مسلتے ہوئے چند لمحوں کے لئے سوچا۔ پھر اثبات میں ہلایا۔ "sustained"

پراسیکیوٹر نے صبر کا گھونٹ بھرا' چند ایک واجبی سوال پوچھے اور واپس آ بیٹھا۔ زمر قلم رکھ کر اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کٹہرے کے قریب آئی۔ ناظم خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ کو انگریزی آتی ہے؟" سنجیدگی سے سوال کیا۔ ناظم نے ایک نظر پیچھے بیٹھے پراسیکیوٹر کو دیکھا' اور پھر زمر کو۔ "جی تھوڑی بہت۔"

"Dying declaration" کیا ہوتا ہے؟ عدالت کو بتائیں گے؟"

"آ....." اس نے تذبذب سے شانے اچکائے۔

"او کے میں بتاتی ہوں Dying declaration نزعی بیان کو کہتے ہیں' جو کوئی شخص مرتے وقت دیتا ہے اور....."

"آب جیکشن یور آنر۔ مسز زمر مدعے سے باہر جا رہی ہیں۔" پراسیکیوٹر جلدی سے کھڑا ہوا۔

"اوور رولڈ۔ ان کی پوری بات سننے میں کیا حرج ہے۔" جج صاحب نے زمر کو ایک حوصلہ افزا نظر سے نوازا۔ وہ واپس ناظم کی طرف گھومی۔

"آپ نے کیا اس کیس کا نام سن رکھا ہے' اشرف پریز بنام سلیم شاہد؟"

"جی!"

"اس کیس میں سلیم شاہد پہ الزام تھا کہ اس نے ایک شخص کو سڑک پہ چھرا مار کر قتل کیا ہے' اور مقتول نے مرنے سے پہلے ایک راہ گیر کو نزعی حالت میں بتایا تھا کہ اس کا قاتل سلیم شاہد ہے اور یہ کہ اس نے خاندانی عداوت کی بنا پہ ایسا کیا ہے۔ اس راہگیر کا نام....." مسز.....

کاغذ اٹھا کر لائی اور ناظم کی طرف بڑھایا۔ "مجھے پڑھ کر سنائیں۔"

ناظم نے ایک نظر کاغذ پہ ڈالی۔ "ناظم فاروق ولد محمد فاروق۔"

"سو ناظم صاحب کیا آپ اس کیس میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے اور آپ نے مقتول کا Dying declaration عدالت کو سنایا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"مگر عدالت نے ملزم سلیم شاہد کو بری کر دیا تھا۔ کیا آپ مجھے اسی کاغذ پہ ہائی لائٹ شدہ سطور اونچی آواز میں پڑھ کر سنائیں گے جس میں جسٹس نعیم الحق نے اس نزعی بیان پہ یقین نہ کرنے کی وجہ بیان کی ہے؟"

وہ انگریزی میں سطور پڑھنے لگا۔ سب خاموشی سے سننے لگے۔

"دوران جرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ PW5 ناظم فاروق نے چند باتوں میں غلط بیانی سے کام لیا ہے' اس کے علاوہ PW5 ناظم فاروق کی کریڈیبلٹی اور سابقہ ریکارڈ ایسا صاف شفاف اور شک و شبے سے پاک نہیں ہے' اس لئے ان کی بات پہ یقین نہیں کیا جا سکتا۔" پڑھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"جو شخص ایک معاملے میں جھوٹ بول سکتا ہے' اس کی بات پہ کسی دوسرے معاملے میں یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ الفاظ جسٹس محمد عامر ملک نے 1990 میں صابر بنام سرکار اپیل کیس کے دوران کہے تھے اور ان الفاظ کی روشنی میں' کیا ہم آپ کی بات پہ یقین کریں' ناظم صاحب؟"

"یور آنر مسز زمر ایک اور کیس کو اس کیس کے ساتھ ملا کر گواہ کی کریڈیبلٹی کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" اس نے پھر احتجاج کیا۔ زمر نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"او کے فائن۔ مجھے گواہ کی کریڈیبلٹی کو چیک کرنے دیں۔" دوبارہ سے ناظم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔

"آپ کتنی دفعہ جیل جا چکے ہیں؟" (اس سوال پہ پراسیکیوٹر نے پھر سے پہلو بدلا تھا۔)

"دو دفعہ۔"

"کیا یہ درست ہے کہ آپ کے اوپر چوری اور اغوا برائے تاوان کے پانچ مقدمے مختلف اوقات میں قائم ہو چکے ہیں؟"

"جی۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ زمر نے جج صاحب کو ان الفاظ کو جذب کرنے کے لیے چند لمحے کا وقفہ دیا پھر بولی۔

"اس رات آپ جب فیکٹری پہنچے تو آپ نے گن فائر کب سنا؟"

"جب میں نے کار پارک کی۔"

"اور پھر آپ دوڑ کر اندر آئے' تو کیا دیکھا؟"

"یہی کہ فارس غازی نے گن مقتول پہ تانی ہوئی ہے۔ اور مقتول کی کنپٹی سے خون بہہ رہا ہے۔"

"کیا فارس غازی اس کو دوسری گولی مارنا چاہتا تھا؟"

"آب جیکشن یور آنر' کاؤنسلر گواہ سے اس کی رائے مانگ رہی ہیں۔" وہ پھر پیچھے سے بولا۔ جج نے "sustained" بولا ہی تھا لہٰذا زمر فوراً سے کہنے لگی۔

"اوکے' میں سوال کو rephrase کرتی ہوں۔ کیا آپ نے غازی کو دوسری گولی چلانے سے روکا؟"

"نہیں' وہ دوسری گولی نہیں چلا رہا تھا' اس نے مجھے دیکھ کر گن نیچے کر لی۔"

''اوکے!'' وہ وائٹ بورڈ کی طرف آئی' ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''اس مقام پہ آپ نے کار پارک کی اور اس مقام پہ فارس غازی نے آپ کے بقول گولی چلائی۔ میں چند روز پہلے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس جگہ پہ گئی' اور اس نے مجھے پوائنٹ اے سے پوائنٹ بی تک بھاگ کر دکھایا۔ سو اس پارکنگ کی جگہ سے اس اندرونی کمرے تک بھاگ بھاگ کر بھی آتے اس کو ڈیڑھ منٹ لگا۔ آپ کو بھی اتنا ہی وقت لگنا چاہیے۔ مجھے صرف اتنا سمجھائیں کہ گولی چلانے کے بعد ڈیڑھ منٹ تک ایک آدمی' جس کا ارادہ بقول آپ کے دوسری گولی چلانے کا بھی نہیں تھا' وہ کیوں اپنے مقتول پہ پستول تانے رکھے گا۔ عموماً گولی چلانے کے بعد پستول جھٹکا کھاتا ہے اور لوگ پستول والا ہاتھ نیچے گرا دیا کرتے ہیں۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں' میں نے جو دیکھا وہ بتا دیا۔'' اس نے ڈھٹائی سے شانے اچکائے۔ زمر نے ایک نظر جج صاحب کے تاثرات پہ ڈالی' جو کاغذ پہ کچھ لکھ رہے تھے پھر دوبارہ ناظم کی طرف گھومی۔

''اچھا' مجھے ذرا ری فریش کرنے دیں۔ غازی مبینہ طور پہ لاش کو کس طرح کار تک لے کر آیا؟''

''گھسیٹ کر۔''

''فیس اپ یا فیس ڈاؤن؟''

''جی؟''

''لاش کا چہرہ اوپر تھا یا زمین کی طرف تھا؟''

''آ...اوپر تھا۔''

''جو راستہ آپ نے پولیس کو بتایا تھا' جہاں مقتول کے خون کے دھبے بھی ملے ہیں' وہ پتھریلا بھی ہے اور درمیان میں کائی گھاس بھی' جیسا کہ آپ ان تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔'' اس نے اپنی میز سے چند تصاویر اٹھا کر باری باری جج صاحب اور پھر نیچے پراسیکیوٹر کی میز پہ رکھیں۔

''اس لحاظ سے جب کسی شخص کو ایسی زمین پہ گھسیٹا جائے تو اس کی کمر پہ رگڑ کے نشان' یا کپڑوں کا پھٹنا' یا سبز مائل دھبے ہونا لازمی ہوتا ہے' مگر میڈیکولیگل رپورٹ کے مطابق مقتول کے جسم پہ ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔'' پراسیکیوٹر کھڑا ہونے لگا مگر وہ اونچی آواز میں بولے گئی ''اور اس سے پہلے کہ پراسیکیوٹر صاحب اعتراض کریں' 1990 میں جسٹس عامر ملک نے سردار لطیف کھوسہ کے کلائنٹ صابر وغیرہ کی اپیل اس لیے منظور کی تھی کہ اگر اس نے مبینہ طور پہ لاش کو گھسیٹا تھا تو لاش پہ سبزی مائل دھبے یا رگڑ کے نشان کیوں نہیں تھے؟ اس ججمنٹ کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ناظم صاحب کے بیان میں جھول ہے۔ اور لاش کو دو لوگوں نے اٹھا کر کار میں ڈالا تھا' اور وہ دو لوگ شریک جرم تھے۔''

''اوکے اب کاؤنسلر testify کر رہی ہیں۔'' زمر اسے نظر انداز کیے جج صاحب کے سامنے آ کر بولی۔

''یور آنر مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا لیکن میں گواہ کو ری کراس کرنے کا حق محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔'' (پراسیکیوٹر کے تاثرات چلنی سے بگڑے) ''اور یور آنر اگر اس دوران ناظم صاحب جیل تو ڑ کر کسی دوسرے ملک فرار ہو گئے تو عدالت کو ان کی گواہی خارج کرنی ہو گی اور پراسیکیوٹر صاحب کو اس گواہ کو give up کرنا پڑے گا۔'' اب وہ دونوں ایک ساتھ بولنے لگے تھے اور درمیان میں جج صاحب بھی ناگواری سے کچھ کہے جا رہے تھے۔

فارس نے ایسے میں مڑ کر احمر کو دیکھا جو کسی سوچ میں گم لگتا تھا۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں' کاردارز کی جاب چھوڑ دو۔ خاور کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے کو اپنا رائٹ ہینڈ نہیں بنائیں گے۔''

''خاور نہیں ہے اب۔'' وہ ہلکا سا بولا تو فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں کدھر گیا وہ؟'' وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

''معلوم نہیں۔ نوکری سے نکال دیا ہے اسے یا خود ہی کہیں روپوش ہو گیا ہے۔'' احمر سامنے دیکھنے لگا۔ فارس نے ہونٹ سکیڑ کر سانس خارج کی اور واپس پیچھے کو ہوا۔

''کچھ معلوم ہے کیوں؟ وہ تو ان کا قابل اعتبار آدمی تھا۔'' سرسری سا پوچھا۔

''نو آئیڈیا۔'' احمر نے شانے اچکائے۔ ایک مسکراہٹ فارس کے لبوں پہ ابھر کر معدوم ہوئی۔ اتنے دن بعد سکون کا سانس نصیب ہوا تھا اسے۔ ایک نظر پراسیکیوٹر کی طرف دیکھا جو عدالت برخاست ہونے پہ اب موبائل پہ کوئی نمبر ملاتا تیزی سے باہر نکل رہا تھا۔

(کوشش کرتے رہو۔ مگر تمہیں پیسے دینے والا فون نہیں اٹھائے گا۔) وہ جب اٹھا تو مسکرا رہا تھا۔ (احمر کچھ کہے بنا باہر نکل گیا تھا۔)

زمر نے اپنی چیزیں سمیٹتے چونک کر اسے مسکراتے دیکھا۔ پھر آنکھیں سکیڑیں۔

''ایسا کیا ہوا ہے جو میں نہیں جانتی؟''

''ارے نہیں' میں یہ سوچ رہا تھا کہ ناظم کی طرف سے پریشان نہ ہو وہ جیل سے نہیں بھاگے گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''میں دیکھ لوں گا اس معاملے کو۔''

''بالکل نہیں۔'' قلم اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔ ''تم کسی معاملے کو نہیں دیکھو گے۔ اور اگر تم نے کسی کو پھر جیل میں مارا پیٹا تو اچھا نہیں ہو گا۔''

''تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' صبر اور تحمل سے اس کے سامنے کھڑے اس نے پوچھا تھا۔

''اول' تم بالکل آرام اور سکون سے جیل میں رہو' کچھ نہ کرو' کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک شریف آدمی بن کر رہو۔ اور دوم۔ تم مجھے آپ کہا کرو۔'' اسے گھور کر وہ پلٹی تھی کہ وہ اسی تابعداری سے بولا تھا۔

''جو تم کہو!'' زمر کے تو سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔ ایڑھیوں پہ تیزی سے گھومی۔

''تمہیں پتہ ہے فارس اگر مجھ پہ ایک قتل معاف ہوتا تو کس کو گولی مارتی؟''

''مجھے پتہ ہے۔'' وہ مسکرا کر ہلکا سا اس کی طرف جھکا۔ ''تم خودکشی کرتی۔'' اور ایک طرف سے نکل کر سپاہیوں کی طرف بڑھ گیا جو اسے لینے آ رہے تھے۔

اُف۔ اس نے زلس کر ڈھیروں غصہ اندر اتارا تھا۔

............❖❖❖............

ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہنس ...... جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

یہ شاید اگلی رات کا قصہ ہے۔ اندھیرے اور دھند میں ڈوبی انیکسی کی عمارت خاموش پڑی تھی۔ کچن میں دودھ ابلنے رکھا تھا' اور حنین چولہے کے آس پاس ٹہلتی موبائل اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ لمبا سویٹر پہنے' پیروں میں مختلف رنگ کی جرابیں جن سے انگوٹھے برہنہ ہو کر نکل رہے تھے' اور بالوں کو گول مول باندھے' وہ ایک بے ترتیب اور بھرے بھرے کچن کے اندر کھڑی تھی۔ سارے برتن دھلے تھے' مگر پھر بھی کچھ صاف نہ لگتا تھا۔ نجانے کیوں؟

اسکرین کو دیکھتے اس کی آنکھیں پھیلیں۔ انگوٹھے اور انگلی سے اس سطر کو زوم کر کے بڑا کیا۔ بار بار پڑھا۔ ''نوشیرواں کاردار اور علیشا ریکا کاردار اب دوست ہیں؟'' فیس بک کی ایک پبلک سی اطلاع' وہ بار بار پڑھ رہی تھی۔ ہاشم کی پروفائل وزٹ کرنا چھوڑ چکی تھی' مگر باقی کارداروں کو وہ کبھی کبھی دیکھ ہی لیتی تھی۔

"مگر یہ دونوں دوست کیسے بن گئے؟" اس نے دانتوں کے درمیان انگلی دبا کر سوچا۔ اچنبھا سا اچنبھا تھا۔ دل میں کھد بد ہوئی۔

"آج ہی تو فیونا نے بتایا تھا کہ خاور اب یہاں جاب نہیں کرتا' یعنی اگر میں اس سپر ہیرو.....مطلب سپر لوزر کی پروفائل ہیک کر دوں تو کسی کو نہیں پتہ چلے گا۔" آنکھیں چمکیں' اور اس سے پہلے کہ وہ ایکسائیٹڈ ہو کر لیپ ٹاپ اٹھانے بھاگتی.....سس کی آواز کے ساتھ.....دودھ ابل کر چولہے پہ جا گرا۔

"اللہ میرے!" وہ دہل کر پلٹی اور جلدی سے چولہا بند کیا۔ "پورے بیس منٹ میں ادھر کھڑی رہی' مگر نہیں' تب نہیں ابلنا تھا اسے اور ایک منٹ کے لئے فون اٹھایا تو یہ گر گیا؟ میں کدھر جاؤں؟" ذرا زور سے کاؤنٹر پہ پٹخ کر' وہ رونے والی ہو رہی تھی۔ دفعتاً چوکھٹ میں زمر نمودار ہوئی۔ وہ اپنے لئے چائے بنانے آئی تھی شاید۔

"کیا ہوا؟" اندر آتے تعجب سے اس کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"حادثہ ہوا' قیامت ہوئی!" وہ آنکھوں میں آنسو لئے غم اور غصے سے پلٹی۔

"میں.....میں حنین یوسف.....اب دس منٹ یہاں کھڑی ہو کر چولہا صاف کروں گی۔ اور پھر یہ فرش بھی۔ اس روز کتابیں لیں پڑھنے کے لئے' پینٹ خریدا تصویریں بنانے کے لئے' کہ آنکھ اور دل کو کیسے مصروف کروں' مگر پڑھنے لگی تو فوکس نہیں ہوا۔ پینٹ کرنے لگی تو رنگ ہی ادھر ادھر بہنے لگے۔ اچھا ٹھیک ہے' نہ مجھے پڑھنے کا شوق ہے' نہ آرٹسٹک ہوں۔ مجھے تو انجینئر بننا تھا' وہ بھی نہ بن سکی۔ ایم اے بھی نہیں کیا میں نے۔ آپ بتائیں' کیا میں اتنی جینئس لڑکی اس قابل تھی کہ یوں گھر میں ضائع ہوں؟ مجھے تو کمپیوٹر ہیکر بننا تھا' آئی ٹی ایکسپرٹ' بڑے بڑے algorithms لکھنے تھے۔ مجھے تو نولن روز' Huck اور Felicity Smoak کی طرح انگلیاں کھٹ کھٹ کر کے کمپیوٹرز کی دنیا پہ حکمرانی کرنی تھی۔ اور کر کیا رہی ہوں میں؟" دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر غصے اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ بولے جا رہی تھی۔ "میں یہاں پہ برتن دھو رہی ہوں' چولہوں کی گرل مانجھ رہی ہوں' باتھ روم صاف کر رہی ہوں' فرش اسکرب کر رہی ہوں۔ جھاڑو اور ٹاٹ لگا رہی ہوں۔ ارے نوکرانیاں کرتی ہیں یہ کام' زیادہ پڑھی لکھی درتا قسم کی بیویاں جن کے پاس دنیا کا کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا' نہ ٹیلنٹ ہوتا ہے' نہ ذہن ہوتا ہے' وہ کرتی ہیں ایسے کام۔ اور امی نے مجھے.....مجھے ان کاموں پہ لگا دیا ہے!" وہ صدمے میں تھی۔ زمر تحمل سے سنتی رہی۔

"آئی ایم ڈن!" دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے اعلان کیا۔ "بہت بن چکی میں ماسی۔ نہیں کرنے مجھے فارغ عورتوں والے کام۔" پیر پٹخ کر آنسو پونچھتی' وہ دھپ دھپ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی' اور زمر' جس نے یہ ساری تقریر خاموشی سے سنی تھی' بس ہلکی سی سانس لے کر بولی۔ "تو پھر اپنا واٹس ایپ اسٹیٹس بھی بدل دو۔"

بیسمنٹ کی طرف جاتی حنین رکی۔ مڑ کر بھیگی آنکھوں میں تعجب بھرے اسے دیکھا۔ "کیوں؟"

"کیونکہ جو آیت تم نے لگا رکھی ہے' و اوحی ربک الی النحل' مجھے اس کا مطلب معلوم ہے۔" وہ نرمی سے کہتی' آستین موڑے چائے کی کیتلی چولہے پہ رکھنے لگی۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟"

"یہی کہ.....سعدی کو اس آیت کے بارے میں بہت سے فلسفے آتے ہوں گے' مگر مجھے اس کا ایک ہی مطلب معلوم ہے۔ سادہ اور آسان سا مطلب کہ اللہ نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف' اور اسے کہا کہ وہ اپنا "گھر" بنائے.....اور.....وہ پھولوں پھلوں سے رس چوسے یا آسان راستوں پہ چلے' وہ یہ سب اس لئے کرتی ہے؟ کہ اپنے گھر واپس آسکے' اور اپنے گھر کو میٹھے اور خوبصورت رنگوں سے بھر سکے۔ اور پھر اس ساری محنت کا جو نتیجہ نکلے گا' اس میں.....صرف اس میں شفا ہوگی.....تمہارے دل کی۔ کیونکہ دنیا کا سب سے زیادہ شفا بخش مشروب اس گھر میں بنتا ہے جو شہد کی مکھی کا گھر ہے۔ سب سے خوبصورت' سب سے زیادہ آرگنائزڈ۔ لیکن آف کورس....." اس نے شانے اچکائے۔ "یہ تو

ماسیوں' کم ذہن ہاؤس وائفز والے فضول کام ہیں' سو تم اپنی شفا کتابوں اور پینٹنگز اور کمپیوٹرز میں ڈھونڈو...... ویسے بھی کل صداقت پلس فیملی آ جائے گا واپس' سو...تم پریشان نہیں ہو اور جا کر سو جاؤ!" کسی بھی ناراضی کے بغیر وہ اب مصروف سی دودھ کیتلی میں انڈیل رہی تھی۔

حنین ایک دم بالکل متحیر اور ساکت کھڑی رہ گئی۔

زمر اسے چھوڑ کر چائے بنا کر اوپر آئی۔ اسامہ ندرت والے کمرے میں ٹیب لیے بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا (اس کا چارجر صرف اس کمرے کے سوئچ میں چلتا تھا) سو وہ اب اکیلی' بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' کمبل میں لپٹی' گھٹنوں پہ فائل رکھے' چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

کپ ابھی آدھا ہوا تھا کہ موبائل بجا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ غیر شناسا نمبر۔ کان سے لگا کر مصروف اور محتاط سا "ہیلو؟" کہا۔

"السلام وعلیکم مسز زمر!" وہ مسکرا کر خوشگوار سے انداز میں بولا تھا تو زمر نے بے اختیار مگ سائیڈ پہ رکھا اور سیدھی ہوئی۔ بھوری آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"ڈونٹ ٹیل می تم جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہو۔ اور اگر نہیں تو سیل فون کہاں سے ملا؟"

"ڈونٹ ٹیل می کہ تمہیں نہیں پتہ یہاں کیا کیا مل جاتا ہے۔" وہ رات کے اس پہر ایک تنہا بڑی کوٹھڑی میں سلاخوں پہ ایک ہاتھ رکھے کھڑا' دوسرے سے موبائل کان سے لگائے' مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ قدرے فاصلے پہ محتاط سا پولیس اہلکار ادھر ادھر دیکھتا پہرہ دے رہا تھا۔

"اچھا' اور کیا مل جاتا ہے؟" اس نے مسکرا کر فائل پرے رکھی اور ایک انگلی پہ عادتاً گھنگریالی لٹ لپیٹتے گویا ہوئی۔

"تم سن کر جیلس ہو گی۔"

"آہ' میرا اسٹینڈرڈ اتنا نہیں گرا کہ میں جیل میں خفیہ طور پہ لائی جانے والی لڑکیوں سے جیلس ہوں۔ ویسے کوئی خاص کام تھا کیا جو تم اپنی کسی دوست کو چھوڑ کر مجھے فون کر رہے ہو؟"

"استغفراللہ۔ مذاق کر رہا تھا۔" وہ خفا ہوا۔

"میں سیریس تھی!" لٹ انگلی پہ لپیٹتے اس نے شانے اچکائے۔

"اچھا کام تو کوئی نہیں تھا۔ یونہی خیریت پوچھنا چاہ رہا تھا۔"

"ہم ٹھیک ہیں' مزے میں ہیں۔" پھر وہ ذرا اداس ہوئی۔ "سعدی نہیں ہے بس!"

وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ "ایک زمانے میں' میں اسی طرح سعدی کو کال کیا کرتا تھا۔" کچھ یاد کر کے اداسی سے مسکرایا۔

"تم ہمیشہ سے ایک دو نمبر انسان تھے۔"

وہ ہلکا سا ہنسا۔ زمر کچھ کہنے لگی مگر کھٹکا ہوا۔ وہ چونکی۔ کھڑکی کے باہر بالکونی کی بتی جل رہی تھی' وہاں کوئی سایہ سا تھا۔

"آ...." وہ گردن اونچی کر کے دیکھنے لگی۔ فارس بھی ٹھہرا۔ "کیا ہوا؟"

"بالکونی میں کوئی ہے۔" وہ ذرا آگے کو ہوئی تو دیکھا' وہ ہاشم کا کتا تھا جو غالباً بالکونی کی بیرونی سیڑھیاں چڑھ کر وہاں آ بیٹھا تھا۔ وہ پرسکون سی ہو کر واپس ٹیک لگاتی بتانے ہی لگی تھی کہ.....

"کیا مطلب؟ کون ہے باہر؟ تم اکیلی ہو؟ باقی سب کہاں ہیں؟" وہ ایک دم اتنی تیزی اور پریشانی سے بولا تھا کہ زمر کہتے کہتے رک گئی۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔ مسکراہٹ دبائے ذرا دیر کو رکی۔ "ہاں... میں اکیلی ہی ہوں.....لیکن.... معلوم نہیں کون ہے۔ کوئی سایہ سا ہے....."

"کدھر ہے؟ تمہیں وہ نظر آ رہا ہے؟ کھڑکی بند ہے؟"

"ہاں.... اب نظر آ رہا ہے۔" رک رک کر فکرمندی سے بتانے لگی۔ "لمبا سا' سانولا سا' کلرڈ آنکھیں ہیں۔"

''کھڑکی بند ہے؟'' وہ تیزی سے بولا تھا۔

اس نے کھڑکی کی بند کنڈی کو دیکھا۔ ''نہیں تو۔'' اسی فکرمندی سے سر ہلایا۔

''رات کے اس وقت کھڑکیاں دروازے کھول کر بیٹھے ہو تم لوگ؟''

کتا اب شیشے پہ پنجے مارنے لگا تھا۔ وہ تنہائی کا شکار لگتا تھا۔

''فارس..... اب وہ کھڑکی پہ کچھ مار رہا ہے۔''

اور جیل میں قید فارس غازی کو ایک دم سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔ غصہ، بے بسی۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا تھا۔ ''تم فوراً اس کمرے سے نکلو اور نیچے اپنے ابو کے کمرے میں جاؤ، حنین، اسامہ کو بھی وہیں بلاؤ اور کمرہ لاک کر لو فوراً۔ پھر پولیس کو کال کرو، بلکہ میں ایک نمبر دیتا ہوں، ادھر کال کرو۔ اور ہاں..... دراز میں میری گن ہو گی، اسے نکالو۔ زمر تم میری بات سن رہی ہو۔'' وہ اتنا پریشان تھا اور وہ کچھ بول ہی نہیں رہی تھی۔

''میں نہیں باہر جا رہی، میں کوئی ڈرتی تھوڑی ہوں۔'' مسکراہٹ دبا کر آواز کو سنجیدہ رکھے بولی۔

''زمر میں کہہ رہا ہوں کمرے سے نکلو!'' وہ غصے سے بولا تھا۔ باہر کھڑے اہلکار نے اسے اشارہ کیا مگر اس وقت وہ کچھ اور نہیں سن پا رہا تھا۔ وہ اپنے خاندان کو کارداران کے اتنا قریب چھوڑ آیا تھا..... وہ کیا کرے؟

''میں کیوں نکلوں؟ میں یہی سب کچھ ڈیزرو کرتی ہوں نا۔ تم نے کہا تھا نا اس رات ریسٹورانٹ میں..... کہ تم مجھے اس طرح دیکھنا چاہتے ہو..... اور.....''

''میں لعنت بھیجتا ہوں اس رات پہ اور.....'' وہ دبا دبا سا چلایا تھا مگر اسی لمحے اسامہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور ایک دم حیرت سے بولا۔ ''پھپھو..... یہ ہاشم بھائی کا کتا۔ یہاں کیا کر رہا ہے؟''

زمر نے گڑبڑا کر اس کو دیکھا اور پھر فون کو۔ دوسری طرف وہ بولتے بولتے ایک دم چپ ہوا تھا۔ زمر نے (اُف) آنکھیں میچ لیں۔

''سیم کیا کہہ رہا ہے؟'' وہ ذرا رک کر بولا۔

''پپ..... پتہ نہیں.....'' خفت سے بولی اور ساتھ ہی غصے اور خفگی سے اسامہ کو گھورا۔

فارس نے ایک طویل سانس کھینچی۔ تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔

''باہر..... کتا ہے؟ صرف کتا؟'' ٹھہر ٹھہر کر پوچھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔ اسامہ!'' فون غصے سے اس کی طرف بڑھایا۔ ''ماموں کا فون ہے۔ بات کرو۔''

''ہیں سچی؟'' وہ خوشی سے آگے بڑھا، پھر فون لیتے ہوئے زمر کے تاثرات دیکھ کر مسکراہٹ کنٹرول کی۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

وہ خفگی سے کچھ بڑبڑا کر کمبل تانے لیٹ گئی۔ اسامہ نے حیرت سے فون کان سے لگایا۔

''ماموں؟''

''ذرا اپنی پھپھو کو فون دو!'' اسے شدید تاؤ آیا تھا۔

اتنی آواز تو زمر کو بھی سنائی دی تھی، جبھی کروٹ لیے بولی۔ ''میں سو گئی ہوں۔''

''وہ کہہ رہی ہیں وہ سو گئی ہیں۔'' اس نے اطلاع دی پھر پرجوش سا بات کرنے لگا۔ ''آپ کیسے ہیں؟ ہم آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔ حنہ..... حنہ.....'' ساتھ ہی آواز دیتا ہوا نیچے بھاگا تھا۔

''اُف۔'' آنکھیں موندے وہ سخت خفا تھی۔

فون کس نے سنا، کب بند ہوا، کچھ معلوم نہیں۔ حنین اس کے ساتھ آ کر لیٹی تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔ حنہ ادا سی سے بند فون اس کے ساتھ رکھ رہی تھی۔

"سوری، میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔" وہ چت لیٹی آزردگی سے چھت کو دیکھتے کہہ رہی تھی۔ "ایسے موقعوں پہ بھائی بہت یاد آتا ہے۔ اگر وہ ہوتا تو ایسے آسان لفظوں میں میرے ہر مسئلے کا حل بتا کر مجھے پرسکون کر دیتا۔ پتہ ہے....." ہلکا سا ہنسی۔ "کبھی کبھی کہتا تھا حنہ کبھی مجھے بہت سعادت ملے تو میں ایک کتاب لکھوں گا قرآن پہ۔ میں نے پوچھا تفسیر لکھو گے؟ کہتا، میں کیسے تفسیر لکھ سکتا ہوں؟ بہت تفاسیر موجود ہیں پہلے سے ہی۔ میں صرف قرآن پہ غور و فکر کر کے آیات سے ملنے والے اسباق کو لکھنا چاہوں گا، کہ میں نے اس آیت سے کیا سیکھا، کیا سمجھا۔ میں اسے ڈراتی تھی، کہ بھائی فتوے لگ جائیں گے، لوگ کہیں گے آپ کو قرآن پہ کچھ لکھنے کی اجازت کس نے دی؟ اہلیت کیا ہے آپ کی۔ تو وہ ہنس کر کہتا، ان لوگوں سے کہنا حنہ، مجھے نہ ان کی اجازت کی ضرورت ہے، نہ مجھے ان کے فتووں سے فرق پڑتا ہے۔ مجھے قرآن پہ غور و فکر کرنے کا حق اللہ نے دیا ہے، مجھے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی تاکید اللہ نے کی ہے۔ کوئی پیر، کوئی عالم، کوئی پروفیسر مجھ سے یہ حق نہیں چھین سکتا۔ میں اہل قرآن ہوں۔ ہم اللہ کا کنبہ ہیں۔ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم تو بھی ڈنکے کی چوٹ پہ قرآن عام لوگوں تک، عام ہاتھوں تک پھیلائیں گے عام اور سادہ زبان میں۔ ہاں جس دن ہمارے اونچی دستاروں والے اور لمبے لمبے ناموں والے معزز علما کرام، جس دن وہ گاڑھی اردو اور مشکل اصطلاحات میں بیان دینا اور کتابیں لکھنا چھوڑ دیں گے، اس دن میرے کچھ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لیکن جب تک وہ قرآن کو عام نہیں کریں گے، میں تو ایسا کچھ ضرور لکھوں گا۔ کیونکہ جس نے مجھے سکھایا ہے، مجھے اس علم کا حق ادا کرنا ہے نہیں تو میری پوچھ دوسروں سے زیادہ ہو گی۔"

"تم یہ سب کیوں کہہ رہی ہو؟"

"کیونکہ جب ہم چھوٹے تھے تو سنتے تھے، حافظِ قرآن کے والدین کے سر پہ قیامت کے دن سونے کا تاج پہنایا جائے گا۔ بات یہ ہے زمر، کہ اس تاج کے لیے ہم اپنے بچوں کو قرآن تو یاد کروا دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ تاج بہت بھاری ہے۔"

"حنین....." اس کا دل دکھا، ایک دم اٹھنے لگی مگر حنہ نے کروٹ بدل لی۔

"ابھی مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔ مجھے فی الحال مدد کی ضرورت ہے، مگر نہ آپ سے، نہ بھائی سے، نہ ہی کتاب والے شیخ سے۔ مجھے ان کی مدد چاہیے جنہوں نے میرے سر پہ یہ تاج رکھا تھا۔ مجھے ان کو ڈھونڈنا ہے۔" کروٹ لیے، اس کی آواز نم ہو گئی۔ زمر خاموشی سے واپس لیٹ گئی۔

اور دور..... سمندر پار..... کمرہ بجن میں زنجیروں میں جکڑے قیدی کے سامنے رئیس پنجوں کے بل بیٹھا چند تصاویر زمین پہ رکھ رہا تھا۔

"یہ تمہارا بیٹا ہے، اور یہ تمہاری بیوی اور ماں۔ ان کو خاور صرف ای میل کر کے ایک نامعلوم مقام پہ ایک نامعلوم گھر میں شفٹ ہونے کے لئے کہتا ہے اور کل وہ شفٹ ہو بھی گئے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا وہ کہاں ہیں، سوائے ہاشم کاردار کے۔ تم ان کی خیریت چاہتے ہو تو اعتراف جرم کر لو ورنہ ہم سے اب کچھ بعید نہیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور خاور خاموش مگر سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

..........❖❖❖..........

میں جان بوجھ کر انجان بن رہا ہوں اگر ...... معاملات میں مجھ سے نہ ہو شیاری کر!

کمرہ ملاقات خالی تھا سوائے اس وجیہہ اور مصروف ملاقاتی کے جو میز کے پار بیٹھا، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، بار بار کلائی پہ بندھی قیمتی

گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پورے کمرے میں اس کے پرفیوم کی مہک رچ بس گئی تھی۔

فارس غازی چوکھٹ پہ نمودار ہوا' تو بے زار بیٹھے ہاشم نے نگاہیں اٹھائیں' پھر خود بھی کھڑا ہوا۔ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ''ہیلو فارس!''

''تمہارا شکریہ کہ تمہیں بالآخر میرا پیغام مل گیا۔'' وہ ازلی بے نیاز انداز میں کہتا اس سے ہاتھ ملا کر کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ہاشم بھی کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے سامنے بیٹھا۔

''ہاں' میں مصروف تھا۔ زمر سے تمہاری خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔'' ذرا توقف کیا۔ ''سوری پہلے نہیں آسکا!'' ہلکے سے ابرو اچکائے۔ فارس نے جواباً ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ملایا۔

''میں نے خاور کو دو تین دفعہ پیغام بھجوایا تھا' کوئی دو ماہ پہلے' مسئلے کی نوعیت سے بھی آگاہ کیا تھا' کیا اس نے نہیں بتایا؟'' دونوں ہاتھ میز پر رکھے' آگے ہو کر بیٹھتے فارس نے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔

ہاشم اس کے برعکس ٹیک لگا کر' ایک بازو کرسی کی پشت پہ پھیلائے بیٹھا تھا' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''اس نے بتایا تھا' میرے ہی ذہن سے نکل گیا۔ کیوں کیا بات تھی؟ کوئی فنانشل پرابلم.....''

''اونہوں۔'' وہ رکا۔ پھر ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہنے لگا۔ ''دو ماہ پہلے.... عدالت میں..... میرے پاس الیاس فاطمی آیا تھا۔''

''کون الیاس فاطمی؟'' ہاشم نے لاعلمی سے ابرو اٹھایا۔ البتہ فارس نے دیکھا' کرسی کی پشت پہ پھیلے اس کے ہاتھ کی انگلیاں اندر کو مڑیں۔ یعنی کہ وہ چونکا تھا مگر چہرے سے ظاہر نہیں تھا۔

''وارث کا باس۔ جس پہ مجھے شک تھا کہ اس نے وارث کو مروایا ہے۔''

''اوہ یس یس' فاطمی۔ نیب ڈائریکٹر۔ آئی سی۔ تو کیا تمہاری اس سے بات ہوئی؟'' عام سے لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں۔ کچھ دیر کے لئے۔ اس نے کہا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ اسے ڈر ہے کہ میں باری باری اپنے ہر دشمن سے انتقام لے رہا ہوں۔ سو وہ نہیں چاہتا کہ اس کی باری بھی آئے۔''

''اسے اچانک سے تم سے خوف کیوں محسوس ہونے لگا ہے؟''

''ہاشم!'' وہ قدرے قریب ہوا۔ ''میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتا' نہ تم مجھے پسند کرتے ہو' مگر چونکہ یہ بات اس کو معلوم ہو چکی ہے' تو تمہیں بھی بتا دیتا ہوں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''ڈاکٹر ایمن میری سائیکاٹرسٹ تھی' اس نے کورٹ میں میرے خلاف گواہی دی تھی۔ میں نے اس کا ہاسپٹل جلا دیا۔''

ہاشم نے ابرو اٹھایا اور کرسی کی پشت سے بازو ہٹا کر قدرے آگے کو ہوا۔ چہرے پہ حیرت بھری مسکراہٹ ابھری۔ ''ڈونٹ ٹیل می!''

''لیکن جسٹس سکندر کی ویڈیو میں نے لیک نہیں کی تھی۔ میرا اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہے' اس نے مجھے بری کیا تھا۔ مگر فاطمی کا خیال ہے کہ میں اس کے پیچھے بھی آؤں گا' اس لئے وہ مجھ سے تعاون کرنا چاہتا تھا' تاکہ میں اس کو' اور اس کے خاندان کو چھوڑ دوں۔''

''کیسا تعاون؟''

''اس نے کہا' وہ مجھے اس شخص کا نام بتانے کو تیار ہے جس کے ہاتھوں اس نے وارث غازی کا سودا کیا تھا۔''

''ڈیٹس گڈ۔ تمہیں اس سے معلومات لینی چاہیے تھیں۔'' ہاشم نے خوشی کا اظہار کیا۔

''اس نے تمہارا نام لیا۔ کہا کہ تم نے مروایا ہے وارث کو۔'' اسی بے نیازی سے ہاشم کو دیکھتے ہوئے بولا۔

ہاشم کی انگلیاں زور سے اندر کو مڑیں مگر چہرے پہ تاثرات ویسے ہی رہے۔ پہلے اس نے دونوں ابرو اٹھائے اور پھر ایک دم ہنس پڑا۔ ''لائیک سیریسلی؟''

''ر کو ابھی کہانی باقی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تم اور مسز جواہرات منی لانڈرنگ کررہے تھے۔ پشاور میں کسی دہشت گرد گروپ کے لئے۔ کوئی میٹنگز وغیرہ تھیں ان کا ریکارڈ وارث غازی کو مل گیا تھا۔''

ہاشم نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''اوکے اوکے.... تو میں منی لانڈرر کے ساتھ قاتل بھی ہوں۔ سو.... یہ گفتگو کس طرف جارہی ہے؟ مطلب سیریسلی.... تمہیں یقین آگیا؟'' فارس ایک دم بے زار ہوا۔

''اگر مجھے یقین آیا ہوتا تو کیا میں یہاں بیٹھا تمہیں یہ سب بتا رہا ہوتا؟''

''تو تمہیں یقین کیوں نہیں آیا؟ ہوسکتا ہے وہ سچ بول رہا ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے محظوظ لگ رہا تھا۔

''کیونکہ میں عرصے پہلے نیب کے وہ ہمارے ریفرینسز چیک کرچکا ہوں جو تمہارے خلاف وائز تھے' وہ سب کرپشن کیسز تھے اور مجھے یقین ہے تم ان سب میں ملوث ہو (ہاشم نے مسکرا کر اثبات میں سر کو خم دیا۔) مگر وہاں منی لانڈرنگ کا کوئی کیس نہیں تھا۔ دوسری بات وہ مجھ سے تعاون نہیں کرنا چاہتا تھا' وہ مجھے اپنے ہی خاندان سے لڑوا کر کمزور کرنا چاہتا ہے۔ دیکھو میرے تمہارے بہت جھگڑے ہوں گے' مگر ہم ایک خاندان ہیں۔ اس لئے تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔''

''شیور۔ بتاؤ۔ میں کیا کرسکتا ہوں؟'' وہ اب اپنائیت سے کہتا آگے کو ہوا۔

''الیاس فاطمی کا ایک بھائی ہے' وہ کسٹم میں ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے وہی وارث کا قاتل ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ تم اس کو چیک کرو۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے فاطمی جانے سے پہلے اپنے بھائی کو بچانے کے لئے مجھے کسی دوسری طرف لگانا چاہتا ہے۔''

''جانے سے پہلے؟'' پہلی دفعہ ہاشم کے ابرو حقیقی حیرت سے بھنچے۔

''ہاں' اس نے کچھ کہا تھا جانے کے بارے میں۔ وہ اپنی بیٹی کو یا شاید فیملی کو باہر سیٹل کررہا ہے۔ اسے دیکھ کر میرا خون اتنا ابل رہا تھا کہ اس کی آدھی بات میں نے دھیان سے سنی ہی نہیں۔'' سر جھٹک کر وہ جیسے پھر سے غصے میں آنے لگا تھا۔

''اوکے ریلیکس۔ میں تحقیق کروانے کی کوشش کرتا ہوں' مگر مجھے یا تمہیں فاطمی جیسے لوگوں کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کے الزامات سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟'' شانے اچکا کر وہ اسی طرح کی چند مزید نرم سی باتیں کرکے اٹھ کھڑا ہوا تھا البتہ جب وہ جانے کے لیے مڑا تو اس کی آنکھوں میں شدید سختی در آئی تھی اور انگلیاں زور سے اندر کو بھنچی ہوئی تھیں۔

اس کے جاتے ہی زمر اندر آئی تھی۔ حیران' متعجب' مشکوک۔

''آج تو تم سے ملاقات ناممکن ہوگئی تھی۔'' اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ شدید الجھن کا شکار تھی۔ ''یہ ہاشم کیوں آیا تھا تم سے ملنے؟''

''میں نے بلایا تھا۔''

''کیوں؟ کیا بات کرنی تھی؟'' زمر نے پتلیاں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

''یہی کہ اس کا کتا بہت آوارہ ہوتا جارہا ہے' اور وہ میری طرف..... ہماری طرف آگیا تھا۔ اسے اتنا کہا ہے کہ اپنے کتے کا خیال رکھے۔''

زمر نے ڈھٹائی سے شانے اچکائے۔ ''کتا ہی تھا' آگیا تو کیا ہوا؟ اتنی سی بات کے لئے اسے کیوں بلایا؟''

''وہ ہلکا سا مسکرایا۔'' کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ہماری طرف آیا ہے' مگر وہ اس کا پالتو کتا ہے زمر' وہ اسے جلد یا بدیر ضرور بتائے گا ہر بات۔ سو میں نے سوچا کہ میں پہلے بتا دوں۔''

زمر مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔'' مجھے تمہاری بات پہ یقین کیوں نہیں آ رہا؟''

''اوہ کم آن!'' وہ حیران ہوا۔'' تم نے خود ہی تو کہا تھا' کچھ نہ کرو' شریف بن کر رہو تو میں اس لئے آرام سے بیٹھا ہوں' کچھ بھی نہیں کر رہا۔'' بہت ہی سادگی سے اپنے خالی ہاتھ دکھائے۔

زمر نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ وہ واقعی شرافت اور سادگی کے ساتھ آرام سے بیٹھا تھا۔ وہ واقعی کچھ نہیں کر رہا تھا۔ اس کو فارس پہ اعتبار کرنا چاہیے۔

....

جو ہو سکے تو محبت کی پاسداری کر ..... مرا جو رنگ ہے اس میں قبول کر مجھ کو

پرنم فضاؤں کی سرزمین پہ وہ تہہ خانے میں بنے کمرے خاموش تھے۔ سعدی یوسف اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' قرآن کھولے' ساتھ جرنل پہ قلم سے کچھ لکھے جا رہا تھا۔ اب وہ پڑھتے ہوئے ساتھ میں لکھتا بھی تھا۔ یہاں وقت ہی وقت تھا' فراغت ہی فراغت تھی۔

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔'' تعوذ پڑھ کر اس نے مطلوبہ جگہ سے النمل کھولی اور گردن ترچھی کر کے بیٹھا' آیات صفحے پہ اتارنے لگا۔ سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس بیٹھا' وہ لکھتے ہوئے بالکل منہمک اور مصروف دکھائی دیتا تھا۔

''اور بے شک ہم نے بھیجا قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو۔ کہ عبادت کرو اللہ کی۔ تو دفعتاً وہ دو فریق تھے جو باہم جھگڑ رہے تھے۔''

قلم لبوں میں دبائے' چند لمحوں کو اس نے سوچا' پھر تیز تیز قلم صفحے پہ چلانے لگا۔

''جب کوئی ہمارے پاس اللہ کی بات لے کر آتا ہے' تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتا اللہ تعالیٰ کہ ہم اسی سے جھگڑنا کیوں شروع کر دیتے ہیں؟ ہم فوراً اس کا فرقہ' اس کا عقیدہ' اس کا خاندان' اس سب کو زیر بحث کیوں لے آتے ہیں؟ نہیں ماننی بات' نہ مانو' مگر ہم ایسی قوم کیوں بنتے جا رہے ہیں جو برائی پھیلانے والوں کو تو ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھ کر دیکھتی ہے' مگر نیکی کا حکم دینے والوں پہ فوراً سے فتوے لگا دیتی ہے؟ اور مجھے یہ کبھی سمجھ نہیں آیا کہ قوم ثمود' قوم عاد اور قوم لوط...... بار بار ان کا ذکر کیوں آ جاتا ہے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں ان کے ناموں اور ان پہ اترے عذابوں کو مکس اپ کر جاتا ہوں۔ یہ پورا قرآن پڑھ کر بھی مجھے یاد نہیں ہو پائے۔ ان کو یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔''

ٹھٹھک کر رک کر اس نے پھر سے وہی آیت پڑھی۔ ذہن میں آگہی کے کتنے ہی در کھلنے لگے۔ معانی منکشف ہونے لگے۔

''اللہ تعالیٰ آپ نے فرمایا' کہ ہم نے ثمود کی طرف' ان کے بھائی' کو بھیجا۔ ثمود کے لوگوں کا بھائی صالح! یعنی اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے پاس ان کے جیسے ہی کسی بندے کو بھیجتے ہیں۔ اس میں بھی انہی جیسی خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں تاکہ لوگ اس سے relate کر سکیں' مگر نہیں' ہمیں تو مبلغ کے نام پہ فرشتہ چاہیے ہوتا ہے۔ پہلے زمانوں کے لوگ بھی یہی کہتے تھے' اللہ نے فرشتہ کیوں نہیں اتارا؟ اب بھی یہی کہتے ہیں' اس عالم' اس مبلغ میں فرشتوں والی خصوصیات کیوں نہیں ہیں؟'' پھر سر جھٹک کر اگلی آیت پڑھی۔

''کہا (صالح) نے' اے میری قوم' کیوں تم برائی کو بھلائی سے پہلے مانگنے میں جلدی کر رہے ہو؟ کیوں نہیں تم اللہ سے بخشش مانگتے تاکہ تم پہ رحم کیا جائے؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر اسی طرح لکھنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ۔ مجھے اس آیت کو پڑھ کر ہمیشہ یہ لگا ہے کہ انسان اپنی دعاؤں سے پہچانا جاتا ہے۔ بے اختیاری میں منہ سے نکلی دعائیں

اندر کی کشمکش کی عکاس ہوتی ہیں۔ اس زمانے میں لوگ فوراً قیامت مانگ لیتے تھے کہ ابھی نازل کرو فرشتہ اور برابر کرو حساب۔ آج کل کے لوگ خود ہی جج مینٹل ہو کر سارے حساب کتاب پورے کر دیتے ہیں۔ مبلغ کو بھی کٹہرے میں لا کھڑا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خود ہی جج' جیوری اور جلاد بن کر دین والوں کا فیصلہ سنا دیں۔ اطاعت نہ کرنے کے بھی کتنے بہانے ہیں انسانوں کے پاس!''

ذرا دیر کو قلم والا ہاتھ رکا۔ درمیانی انگلی کے اوپری پورے میں درد سا ہونے لگا تھا۔ writer's ache! لکھنا کتنا مشکل کام تھا!

چند لمحے کے آرام کے بعد آگے بڑھنے لگا۔

''ان لوگوں نے کہا' ہم برا شگون لیتے ہیں تم سے اور ان سے جو تمہارے ساتھ ہیں۔ کہا (صالح نے) تمہارا شگون اللہ کے پاس ہے' بلکہ تم ایک گروہ ہو جو آزمائے جا رہے ہو۔''

''عربی کتنی دلچسپ زبان ہے اللہ تعالیٰ۔'' وہ مسکراتے ہوئے تیز تیز قلم چلا رہا تھا۔ ''شگون کے لیے طائر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ طائر کہتے ہیں پرندے کو۔ اہل عرب پرندوں سے فال لیا کرتے تھے۔ سو ثمود والے صالح علیہ السلام کو یہ بتا رہے ہیں کہ ہمیں تو تم سے ''بری فیلنگ'' آتی ہے اور تمہارے ساتھ والے مومنین سے بھی۔ یہ انسان کی ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ جب آپ کو کسی کی بات نہیں ماننی' تو اس کو اور اس کے ساتھ موجود تمام ہم خیال لوگوں کو لیبل کر دو۔ ان کو کوئی بھی نام دے دو۔ سیکولر، ماڈرن قسم کے لوگ ایسے مبلغین کو ''قدامت پسند، دقیانوسی، شدت پسند'' کہتے ہیں، اور دین والے جن کی عادت ہوتی ہے دوسرے دین والوں کی ٹانگ کھینچنا، وہ ان کو ''کم علم، کم عقل، گناہگار، ناپاک'' اور ایسے ہر اس لقب سے پکارتے ہیں جن میں کہنے والے کی پاکیزگی کی نمائش ہو، اور بے چارے مبلغ کی تذلیل ہو۔ بہانے، سب بہانے ہیں۔ کہ بس کسی طرح حق بات ماننے سے بچ جاؤ۔ اس وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ تو محض ایک آزمائش ہے۔ ہم خدا نہیں ہیں' پھر خدا کی طرح لوگوں کو جج کیوں کرنے لگتے ہیں؟ ہم خود فرشتے نہیں ہیں' پھر فرشتوں کی طرح لوگوں کے گناہوں اور خامیوں کا حساب کتاب کیوں رکھتے ہیں؟''

سفید صفحہ دھیرے دھیرے سیاہ ہو رہا تھا۔ اسے لگا آج وہ تلخ باتیں سوچ رہا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ خود بھی تلخ ہوتا جا رہا تھا۔ خادر ٹھیک کہتا تھا۔ وہ اپنی معصومیت کھوتا جا رہا تھا۔

ادھر قرآن فرما رہا تھا۔ ''اور تھے شہر میں نو گروہ۔ وہ فساد کرتے تھے زمین میں اور نہیں کرتے تھے وہ اصلاح۔ کہا انہوں نے' کھاؤ قسم اللہ کی' البتہ ہم ضرور رات کو اس (صالح) اور اس کے گھر والوں پہ حملہ کریں گے' اور پھر بعد میں ہم اس کے سرپرست سے کہیں گے کہ نہیں تھے ہم موجود اس کے خاندان کی ہلاکت کے وقت (اس جگہ پہ) اور بے شک ہم ہی سچے ہیں۔''

''نو گروہ؟ سبحان اللہ۔'' وہ مسکرا کر لکھنے لگا۔ ''مکہ میں بھی نو بڑے قبائل تھے۔ اور اسی طرح انہوں نے بھی ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چال چلی تھی' کہ رات کو ہم وہ ناپاک کام کر لیں گے اور صبح معصوم بن جائیں گے۔ آج کل کے مبلغین کے لیے بھی لوگ چالیں چلا کرتے ہیں' مگر لوگوں کو ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ 'فساد' پھیلانے والے وہی ہوتے ہیں جو خود کسی کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ خیر، دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ' کہ وہ بھی آپ کے نام کی قسم اٹھا رہے تھے۔ آج بھی لوگ آپ کا نام لے کر' جہاد کا نام لے کر' بے گناہ مسلمانوں اور بے گناہ غیر مسلموں کا قتل عام کرتے ہیں۔ اور دنیا بھر کا میڈیا کہتا ہے' یہ مسلمان ہیں۔ اگر اللہ کا نام لینے سے کوئی مسلمان ہو جاتا تو صالح علیہ السلام کے دشمن کیوں مسلمان نہ تھے؟ ایسے ہی نہیں ہو جاتا کوئی مسلمان۔ یہ نام مسلمان ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا' اور اس کو 'پانے'' کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اللہ کے لیے لڑنے والے اور اللہ کا نام لے کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے لڑنے

والے برابر نہیں ہوتے۔"

لفظ سیاہ جگمگاتے ہیروں کی طرح دودھیا کاغذ پہ بکھرے تھے اور وہ ڈھیرے ڈھیرے گویا مزید نگینے پرو رہا تھا۔

"اور انہوں نے چلی ایک چال۔ اور ہم نے کی ایک تدبیر۔ اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے' پس دیکھو کس طرح انجام ہوا ان کی چال کا۔ بے شک ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو' اور ان کی قوم سب کے سب کو!"

"استغفراللہ!" اس نے جھرجھری لی اور پھر سے قلم کاغذ پہ رگڑنے لگا۔ "اور انبیاء ایسے لوگوں کی چالوں سے نہیں ڈرا کرتے کیوں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ ہر اس چیز سے بڑا ہے جس سے انسان خوف کھاتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی ایک چیخ آئی' اور پھر زلزلہ آیا۔ اور وہ ساری قوم تباہ ہو گئی۔" لکھتے لکھتے اس نے قرآن کے جگمگاتے نگر اوس کر دینے والے حروف کو دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"تو یہ ہیں ان کے گھر..... خالی' گرے ہوئے' بوجہ اسکے جو انہوں نے ظلم کیا۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے۔ اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جو (گناہوں سے) بچتے رہے۔"

سعدی نے چند لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ ایک دم قلم خالی ہو گیا تھا۔ وہ اسی طرح بند آنکھوں کے ساتھ لبوں سے بڑبڑانے لگا "وہ علاقے.....وہ تباہ حالی بستیاں آج بھی زمین پہ موجود ہیں.....ثمود اور عاد کے علاقے..... بالکل بنجر اور ویران۔ کتنی ہی دفعہ سائنسدان ان علاقوں کی مٹی اٹھا کر اپنی لیب میں لے کر آئے کہ ایسا کیا ہے اس مٹی میں جو یہ مردہ ہے' یہاں کوئی چیز نہیں اگتی؟ مگر ہوا کیا۔ اس مٹی سے تابکاری شعاعیں نکلتی ہیں۔ اس پہ تجربہ کرنے والے سائنسدان' لیب میں کام کرنے والے ملازم تک کینسر کا شکار ہو گئے۔ جس بھی جگہ وہ مٹی رکھی جاتی' وہ اس جگہ کو گلانے اور جلانے لگتی تھی۔ لوگ کہتے ہیں' وہ مٹی زہریلی ہے' میں کہتا ہوں' یہ گناہ تھے' جو انسان کو ہی نہیں اسکے خاندان' اسکے ملک حتیٰ کہ اس کی مٹی کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ مگر ہم لوگ عبرت نہیں پکڑتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ ان علاقوں سے تیزی سے گزر جایا کرو' یا پھر روتے ہوئے گزرا کرو' مگر ہم لوگ..... ہم جاہل لوگ موہنجوداڑو اور ہڑپہ جا کر اسکول ٹرپ کے ساتھ پکنک مناتے ہیں! تباہ حال بستیوں اور کھنڈرات' چاہے ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو' ان پر سے ویسے گزرنا چاہیے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ان پہ تحقیق کرنا' ان کو اسٹڈی کرنا الگ بات ہے' مگر سیر اور پکنک کے لئے ان جگہوں پہ جانا..... مسلمانوں کو اندازہ ہی نہیں کہ وہ کتنے ہولناک کام کتنی آسانی سے کر جاتے ہیں۔"

اور جس وقت وہ ساری دنیا سے بے نیاز لکھے جا رہا تھا' اس سے سینکڑوں ہزاروں میل دور' اپنے آفس میں مرکزی سیٹ پہ بیٹھی جواہرات' مسکرا کر سامنے کھڑے حبشی صورت اور براق سفید دانتوں والے فصیح (ہارون عبید کے ملازم خاص) کو دیکھ رہی تھی جو ہاتھ باندھے کھڑا اطلاع دے رہا تھا۔

"آپ کے کہنے پہ ہم نے سعدی یوسف کو کرنل خاور سے ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔ ہارون صاحب' میرے اور آپ کے درمیان ہی رہے گی یہ بات۔"

"گڈ!" وہ پورے دل سے مسکرائی۔ گھومنے والی کرسی کو ذرا سا گھمایا۔

"خاور کی زنجیریں کھول دو' اسے سعدی کے ساتھ گھلنے ملنے دو۔ وہ دونوں ہمارے لئے بے کار ہیں' میرا بیٹا یہ بات نہیں سمجھ رہا' اسلئے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم خود کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ یہ میرا تجربہ کہتا ہے وہ دونوں فرار کا سوچ رہے ہوں گے۔"

"لیس میم!" اس نے سر کو خم دیا۔ "ہم ان کی باتیں تو نہیں سن سکتے لیکن وہ یہی پلان کر رہے ہوں گے۔"

''مگر ہو سکتا ہے فصیح کہ کسی دن خاور سعدی کو قتل کر دے اور پھر خودکشی کر لے۔''

فصیح کے ابرو تعجب سے بھینچے۔ ''مگر وہ ایسا کیوں کرے گا؟''

''تم کرو گے فصیح!'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر اٹھی اور شیرنی جیسی سفاک آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اور اتنی صفائی سے کرو گے ایک رات یہ سب' کہ اگلی صبح ان دونوں کی لاشیں ملنے کے بعد تم یہ کہہ سکو گے کہ تم تو اس جگہ تھے ہی نہیں۔ میرے بیٹے کو خبر بھی نہیں ہوگی۔''

''یہ سب آپ لوگوں کو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا' مگر ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں ویسا ہی کروں گا جیسا آپ کہہ رہی ہیں!'' پلکیں بھاری کر اٹھاتے ہوئے اس نے تائید کی۔

اس کے جانے کے بعد جواہرات نے کرسی کی پشت سے سر لگایا' اور مسکراتے ہوئے چھت پہ لٹکتے جھلملاتے فانوس کو دیکھا۔

زندگی ایک دم کتنی خوبصورت لگنے لگی تھی۔

اس کا بھاری سر ہر بوجھ سے آزاد تھا!

.... ❖ ❖ ❖ ....

باب19:

حقِ دفاع از خویشتن

ایک قانون ایسا ہے
جو نہیں ہے کہیں لکھا ہوا
مگر نقش ہے ہمارے دلوں پر!
وہ قانون جو ہمیں نہیں ملا
تربیت، رواج یا کتابوں سے،
بلکہ اس کو اخذ اور جذب کیا ہے ہم نے
عین فطرت سے!
وہ قانون جو ہم تک نہیں پہنچا تھیوری سے
بلکہ پہنچا ہے عمل سے۔
ہمیں نہیں دیا گیا وہ احکام کے ذریعے
بلکہ سیکھا ہے ہم نے اسے الہام کے ذریعے!
میں بات کر رہا ہوں اس قانون کی
جو کہتا ہے کہ
اگر ہماری جان کو خطرہ لاحق ہو
سازشوں سے،
تشدد سے،
مسلح حملہ آوروں سے،
یا دشمنوں سے،
تو کوئی بھی طریقہ
اور ہر طریقہ جو ہم استعمال کریں
اپنے دفاع کے لیے

وہ ہوتا ہے اخلاقی طور پہ

درست اور جائز!

(Marcus Tullius Cicero)

جیل کے احاطے میں صبح کی دھند پھیلی تھی۔ قیدی بیدار ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ ایسے میں وہ اپنے میٹرس کے کنارے چپ چاپ اکڑوں بیٹھا تھا۔ جینز کے اوپر سفید کرتا پہنے، دو دن کی بڑھی شیو والے چہرے کے ساتھ، خاموش آنکھوں کو ہاتھوں پہ جمائے بیٹھا، وہ انگلیوں پہ مسلسل ربڑ بینڈ لپیٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں گہری مایوسی مگر صبر بسا تھا۔ دفعتاً کوئی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتا ساتھ آ بیٹھا۔ فارس نے چونکے بنا ذرا سی گردن موڑی۔ وہ سکھوں کی سی داڑھی مونچھ والا آتش تھا۔ مسکرا کر اس کو کہنے لگا۔

''پریشان ہو غازی!''

''نہ ہوں؟'' اس نے بےزاری سے سر جھٹکا۔

''تو باہر چلا جائے گا یار فکر نہ کر۔ وہ کیا لکھا ہوتا ہوتا ہے قانون کی کتابوں میں؟ ملزم قانون کی پسندیدہ اولاد ہوتا ہے۔ قانون میں سارے فائدے اسی کو ملتے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر ناک سے مکھی اڑائی۔ فارس نے جواب نہیں دیا۔ ربڑ بینڈ کو تیزی سے انگلیوں پہ باندھتا' کھولتا رہا۔

''ایک زمانے میں تو بہت نمازیں پڑھتا تھا غازی۔''

''اب بھی پڑھتا ہوں۔ کچھ دن پڑھی۔ کچھ دن چھوڑ دی۔'' کندھے جھٹک کر کہتے، اس کی نگاہیں ربڑ بینڈ پہ جمی تھیں۔

''عادت کیوں نہیں بناتا؟''

''نہیں بنتی۔ کچھ دن دل زندہ رہتا ہے۔ پھر ہفتے گزر جاتے ہیں اور میں مردہ دل لیے پھرتا ہوں۔'' استہزائیہ سر جھٹک کر اب وہ تیز تیز بینڈ کو انگلیوں پہ لپیٹ رہا تھا۔

''میں بھی عید کے عید پڑھتا ہوں ویسے تو نماز لیکن....'' آتش کھنکھار کر اس کے قریب ٹیک لگا کر بیٹھا اور سوچتی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگا۔ ''ایمان میرا مضبوط ہے۔ پہلے دن کی طرح۔''

فارس نے اس بات پہ تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ ''دیکھو کون کہہ رہا ہے۔'' آتش اور آتش کی تاریخ سے کون نہیں واقف تھا، مگر وہ قصہ تم پھر کبھی سنو گے۔

''سچ کہہ رہا ہوں۔ تیرا ایمان خدا پہ کمزور ہے۔''

''مجھے اب یقین نہیں آتا آتش کہ کوئی خدا ہے بھی یا نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے انگلی پہ بل در بل لپیٹے بولا تھا۔ انگلی کسی گئی تھی۔ خون رک گیا تھا۔ آدھی انگلی سرخ اور آدھی سفید پڑنے لگی تھی۔

''ہیں؟'' وہ چونکا۔

''اگر خدا ہوتا تو کوئی میرے بھائی کو یوں قتل نہ کرتا، میری بے گناہ بیوی کو نہ مارتا۔ میرے چار سال جیل میں ضائع نہ ہوتے۔ مجھے اب یقین نہیں رہا کہ کوئی خدا ہے بھی یا یہ صرف لوگوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے بنائے گئے مذاہب ہیں۔'' وہ تلخی سے بول رہا تھا۔ آتش نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ جس کا ڈر تھا وہ قریب میں ہی بیٹھا تھا۔ ''مولوی''۔ وہ داڑھی والا نوجوان جو چھ ماہ سے ادھر قید تھا، وہیں بیٹھا سنجیدگی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ آتش داڑھی کھجاتے ہوئے اس کے قریب کھسکا۔

''آہستہ بول۔ نیا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔''

اس بات پہ فارس نے نظر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا اور اس نوجوان کو اپنی طرف متوجہ پایا۔

"ہاں بھئی، کوئی مسئلہ ہے تمہیں؟" تیوری چڑھا کر وہ اسے گھور کر بولا تھا۔ اس نوجوان نے گہری سانس لی۔

"پرانی کہانی ہے، مگر سنا دیتا ہوں۔ ایک مومن شخص ایک حجام کے پاس بال بنوانے آیا تو..." وہ متوازن لہجے میں، فارس کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہنے لگا۔ "تو حجام نے اس سے کہا، مجھے نہیں یقین کہ کوئی خدا وجود رکھتا ہے، اگر وہ ہوتا تو اتنے بھوکے بیمار، اور دکھی لوگ ایسے بے بسی کی زندگی نہ گزار رہے ہوتے۔ مومن سن کر چپ رہا، لیکن جب وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ گلی میں چند بھکاری پھر رہے ہیں۔ بے تحاشا بڑھی ہوئی داڑھی مونچھ اور الجھے گندے بالوں والے لوگ۔ وہ فوراً اندر واپس آیا اور حجام سے بولا۔ "میرا نہیں خیال کہ اس دنیا میں کوئی حجام ہے۔" حجام نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھ سے بال بنوانے کے بعد بھی تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟" "تو مومن آدمی نے کہا، اگر کوئی حجام ہوتا تو گلی میں گندے بالوں اور بڑھی ہوئی شیو والے لوگ نہ پھر رہے ہوتے۔ اس بات پہ حجام نے کہا..." نوجوان سانس لینے کو رکا۔ "کہ وہ لوگ اس لیے اس حال میں نہیں ہیں کہ اس شہر میں کوئی حجام نہیں ہے، بلکہ وہ اس حالت میں اس لیے ہیں کیونکہ...... وہ میرے پاس نہیں آتے۔" متانت سے بات مکمل کر کے نوجوان اٹھ گیا۔ آتش کھسیانا سا ہنسا۔

"یہ مولوی بڑی سیانی باتیں کرتا ہے۔" مگر فارس نہیں ہنسا۔ خاموش، سپاٹ نظروں سے اپنی آدھی سرخ، آدھی سفید انگلی کو دیکھتے ہوئے اس نے ربڑ بینڈ زور سے کھینچ کر توڑ دیا۔ انگلی آزاد ہو گئی۔ خون کا راستہ کھل گیا۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔

***

یہ دکھ ہے اس کا کوئی ایک ڈھب تو ہوتا نہیں ...... ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ جی ٹھہر بھی گیا

وہ ایک دھند میں لپٹی اتوار کی صبح تھی۔ جہاں شہر ابھی تک سستی اور نیند میں ڈوبا تھا، وہاں قصرِ کاردار اندر سے سینٹرل ہیٹنگ سسٹم لگے گرمائش میں بسا، مکمل طور پہ بیدار تھا۔ ملازم مستعدی سے ادھر ادھر پھرتے کام نپٹا رہے تھے۔ کنٹرول روم میں احمر کافی کے مگ سے گھونٹ بھرتا، کمپیوٹر پہ کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ چہرہ پہ ہلکا سوئیٹر پہنے، ہیٹر کے باوجود ناک سرخ ہو رہی تھی۔ ہاشم اپنے کمرے میں صوفے پہ نیم دراز، پیر میز پہ رکھے، ساتھ بیٹھی سونیا سے مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا اور وہ تیز تیز بولتی چمکتی آنکھوں سے اسے کوئی قصہ سنا رہی تھی۔

ایسے میں نوشیرواں کے کمرے میں بستر خالی تھا۔ لحاف آدھا بیڈ پہ، آدھا زمین پہ لٹک رہا تھا۔ عرصہ ہوا وہ دیر سے اٹھنا چھوڑ چکا تھا۔ نیند اب ویسے مہربان نہیں ہوتی تھی۔ وہ الماری کے سامنے زمین پہ چوکڑی ڈال کر بیٹھا تھا، اور گھٹنوں پہ فوٹو البم کھولے آہستہ آہستہ صفحے پلٹ رہا تھا۔ رف سے ٹراؤزر اور نیلی ٹی شرٹ میں ملبوس، اس کے سپائیکس بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پہ ویرانی تھی۔

وہ ہاشم کے ولیمے کی تصویریں تھیں۔ سفید لباس میں دلہن بنی شہری کو دیکھ کر دل میں کوئی جذبہ نہ جاگا۔ دفعتاً ایک تصویر پہ وہ رکا۔ آنکھیں سکڑیں۔ وہ اورنگزیب کے گلے لگ رہا تھا۔ فوٹوگرافر نے ایک ایک لمحہ گویا عکسبند کیا تھا۔ اورنگزیب قدرے حیران تھے اور شیرو کی آنکھیں نم تھیں۔ اوپر ریلنگ پہ ہاتھ رکھے جواہرات اور سعدی کھڑے تھے۔ جواہرات کا سرخ لباس... وہ اس سرخ رنگ میں اٹک گیا۔ ایک دم جیسے سرخ پانی سعدی کے اوپر بہنے لگا... پھر اورنگزیب کے اوپر... شیرو کے ہاتھ تک سرخ مائع سے بھیگتے گئے۔

اس نے البم پھینکا اور تیزی سے ہاتھ جھاڑے۔ وہ صاف تھے۔ البم صاف تھی۔ کوئی خون نہیں، کوئی نمی نہیں۔ وہ آنکھیں مسلتا آہستہ سے بیڈ کی طرف واپس آیا اور بیٹھتے ہوئے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ پھر موبائل اٹھایا اور فیس بک انباکس کھول کر "علیشا ریکا کاردار" پہ کلک کیا۔

"سو رہی ہو؟" (جانتا تھا اس کی رات گہری ہوگی۔)

"نہیں۔ پڑھائی کر رہی تھی۔" وہ کچھ دیر ٹھہری۔ "تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں ڈیڈ کی پرانی تصاویر دیکھ رہا تھا۔ تمہیں وہ یاد نہیں آتے علیشا؟"

"میرا ان سے کبھی کوئی قلبی تعلق نہیں تھا۔"

شیرو کا دل بری طرح دکھا۔ وہ خاموشی سے اسکرین کو دیکھے گیا۔ کچھ دیر بعد علیشا کا پیغام چمکا۔ "میں اندر سے ہمیشہ ان کی توجہ کی طلب گار رہی ہوں۔ اکثر خواب میں دیکھتی ہوں کہ وہ زندہ ہو گئے ہیں اور وہ جو ان کے مرنے کی خبر سنی تھی، وہ جھوٹ تھی۔"

"میں بھی!" اس نے لکھتے ہوئے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کدھر گئے؟ اگر بات یونہی ادھوری چھوڑنی ہوتی ہے ہر رات تو مجھے میسج کیوں کرتے ہو؟" وہ خفا ہوئی تھی۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ تمہارا حق ہے کہ تم جانو!" ایک فیصلہ کر کے وہ لکھ رہا تھا....

شیرو کے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکو تو سامنے دھندلکوں کے پار انیکسی کھڑی تھی۔ فارس کے کمرے کی کھڑکی سے ٹیک لگائے حنین فرش پہ بیٹھی تھی۔ چھوٹا کمبل اپنے اوپر پھیلائے، مونگ پھلی کھاتے ہوئے لیپ ٹاپ گود میں رکھے، آج عرصے بعد وہ فراغت سے بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ (نیچے امی اور صداقت نے کچن سنبھال رکھا تھا۔ صداقت بیوی کو فی الحال گاؤں چھوڑ کر ادھر آ گیا تھا۔)

حنین کے قریب زمر کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھی، قلم لبوں میں دبائے سوچ میں گم تھی۔ اس کے کھلے گھنگریالے بال کرسی کی پشت سے نیچے گر رہے تھے، اور چھت پہ جمی آنکھوں میں الجھن سی تھی۔

"یہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔" ایک نتیجے پہ پہنچ کر اس نے چہرہ سیدھا کیا اور کرسی حنہ کی طرف گھمائی۔

"ہوں!" حنہ بغیر غور سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"قمر الدین کا قتل اس رات نہیں ہوا۔ خاور کو جب علم ہوا کہ فارس اس رات کچھ کر چکا ہے تو اس نے اگلی صبح قمر الدین کو مروا دیا اور ڈاکٹرز اور گواہوں کو خرید کر موت کا وقت بدل دیا۔ لاش تو اگلی دوپہر ہی ملی تھی نا۔ تم کیا کر رہی ہو؟" آخر میں الجھ کر ابرو بھینچے۔ جواب نہ آیا تو وہ اٹھی اور حنہ کے ساتھ نیچے کارپٹ پہ بیٹھی۔

"نوشیرواں۔ علیشا....؟ یہ کیا ہے؟" اس نے چونک کر حنہ کا چہرہ دیکھا۔

"وہ۔ میں نے شیرو بھائی کا اکاؤنٹ Phishing کے ذریعے ہیک کیا ہے... اور... اب اس لوزر کے میسجز پڑھ رہی ہوں!" پھر زمر کے تاثرات دیکھے۔ "ایسے مت دیکھیں، ان کا علیشا سے رابطہ بحال ہو گیا ہے، مجھے وجہ جاننی ہے!"

"حنین، ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم کاردارز کے نیٹ ورک کو نہیں چھیڑیں گے۔" زمر سنجیدہ تھی۔

"مگر اب خاور نہیں ہے، تو ڈر کس کا؟" زمر بہت کچھ کہنے لگی تھی پھر گردن موڑ کر دھند میں ڈوبے قصر کو دیکھا۔ "ویسے یہ خاور گیا کہاں؟ عرصے سے نظر نہیں آیا۔" خاور کا ذکر کرتے ہوئے اس کی ٹون سرد ہو جاتی تھی، جیسے ہاشم کے لیے ہوتی تھی۔ سرد اور بے رحم۔ مگر اسے ان لوگوں سے وہ نفرت نہیں محسوس ہوتی تھی جو فارس غازی سے ایک زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ وہ اس کے اپنے نہیں تھے۔ وہ غیر تھے اور فارس سب کچھ تھا، وہ بس غیر نہیں تھا۔

"او گاڈ! یہ پڑھیں۔" حنین تیزی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔ زمر چونک کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔

نوشیرواں: "تمہارا حق ہے کہ تم یہ بات جانو۔"

علیشا: "کیا؟"

نوشیرواں: "ڈیڈ... ہمارے ڈیڈ کو... قتل کیا گیا تھا۔" (زمر کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ حنہ ہکا بکا تھی۔)

علیشا: "واٹ؟ مگر... کیسے؟ ہاشم نے تو کہا تھا کہ ان کی موت باتھ روم میں گرنے کے باعث ہوئی تھی۔"

نوشیرواں: ''ہم سب کو بھی ابھی پتہ چلا ہے۔ ان فیکٹ دو ماہ پہلے۔''

علیشا: ''کیا معلوم ہوا ہے؟ کس نے قتل کیا ہے ان کو؟''

نوشیرواں: ''ہمارے ہی سیکیورٹی چیف نے۔'' (حنہ نے منہ پہ ہاتھ رکھا۔)

اسی پل بجلی چلی گئی اور وائی فائی آف ہوگیا۔ پیغامات کا راستہ رک گیا۔ حنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''وہ سب سے اچھے کا دادا تھے۔ میرا بہت خیال کرتے تھے! بہت زیادہ۔''

زمر نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ ''سیکیورٹی چیف یعنی خاور نے؟''

حنہ نے ناک سکوڑ کر آنکھیں رگڑیں۔ ''دوسروں کے ساتھ جو کرتے تھے وہ خود اپنے ساتھ بھی ہوگیا۔ اسی لئے انہوں نے خاور کو نکال دیا۔'' مگر زمر بے چین ہوگئی تھی۔ خاور بھلا کیسے..؟

''یہ دنیا کتنی کریزی ہے؟ اوہ حسین.. تمہارا کیا ہوگا؟'' حنہ بڑبڑاتے ہوئے چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی اور نگزیب صاحب سے ایک ذہنی وابستگی تھی اور اب وہ ڈسٹرب نظر آ رہی تھی۔ مگر زمر کو اس بات کو ہضم کرنے کے لیے وقت چاہیے تھا۔ خاور ایسا کیسے...؟ اور وہ کہاں گیا؟

...............❖❖❖...............

تمام عمر تعلق سے منحرف بھی رہے ..... تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے

ہارون عبید کی رہائشگاہ پہ بھی اتوار کا خمار چھایا تھا۔ پرتعیش فرنیچر سے آراستہ لاؤنج خاموش پڑا تھا۔ سیڑھیوں کے اوپر..... کمرہ سامنے سجے فرش پہ آبدار کلائی پہ گھڑی باندھتی چلتی آ رہی تھی۔ زرد لباس پہ سرخ اسکارف چہرے کے گرد لپیٹے وہ ابرو اکٹھے کیے قدرے متفکر تھی۔

دفعتاً اسٹڈی کے سامنے وہ ٹھٹھک کر رکی۔ اچنبھے سے دروازے کو دیکھا جو ذرا سا کھلا تھا۔ اندر سے مدھم باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ آبی خاموشی سے دروازے کے قریب آئی اور درز سے اندر جھانکا۔ اسٹڈی ٹیبل کی کرسی پہ بیٹھے ہارون کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ دو سامنے کھڑے حبشی صورت فصیح سے مخاطب تھے اور فصیح اس طرح کھڑا تھا کہ آبی کے بالکل سامنے تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر درز میں جھانکتی آبی کو دیکھا اور پھر بنا کسی تاثر کو چہرے پہ لائے ہارون سے کہنے لگا۔

''میں کام کی بات کی طرف آتا ہوں۔'' آواز ذرا بلند کر لی۔ وہ جیسے آبی کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

''مسز جواہرات چاہتی ہیں کہ میں خاور اور سعدی یوسف' دونوں کو قتل کر دوں ایسے جیسے سعدی کو خاور نے قتل کر کے خودکشی کر لی ہو۔ ہاشم کو علم نہ ہو' کیونکہ ان کی اس لڑکے کے ساتھ ایموشنل اٹیچ منٹ ہے۔''

''ہوں!'' انہوں نے ہنکارا بھرا۔ ''کچھ معلوم ہوا کہ خاور کو کیوں قید کیا گیا ہے؟''

آبی نے سانس روکے چہرہ مزید آگے کر لیا۔ (ہامان؟)

''نہیں سر۔ اس نے رقم میں غبن کیا ہے' یہی بتایا تھا ہاشم صاحب نے۔ اس سے تفتیش کرنے صرف رئیس جاتا ہے۔ میرے خیال سے وہ اندر ہونے والی گفتگو سے لاعلم ہیں۔''

آبی الجھن سے لب کاٹنے لگی۔ (سعدی نے کیسے؟)

''اور مسز کاردار چاہتی ہیں کہ ہم ان دونوں کو ختم کروا دیں؟''

''جی سر' کیونکہ لڑکا بے کار ہے' اس پہ اتنا پیسہ خرچ کرنے کا فائدہ نہیں۔ اور رہا خاور تو ہم دو ماہ سے اس پہ بھی خرچہ کیے جا رہے ہیں!

ہاشم کاردار کے پاس اپنی کتنی ہی جیلیں ہیں۔ مگر نہیں' وہ چاہتے ہیں کہ صرف ہمارا پیسہ لگے۔" فصیح شدید ناخوش تھا۔

"ہوں! تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ فیصلہ کر چکے تھے۔ گہری سانس لے کر کہنے لگے۔ "تم ان دونوں کو ختم کر دو۔ مگر آرام سے اور احتیاط سے۔ ہاشم کو نہیں پتہ چلنا چاہیے۔ مسز کاردار کو ہماری مدد چاہیے تو ہم ان کی مدد کریں گے۔"

آبی نے دکھ سے باپ کے سر کی پشت کو دیکھا اور پھر پرے سے ہٹ گئی۔

چند لمحوں بعد وہ لاؤنج کی سیڑھیاں اتر رہی تھی جب فصیح پیچھے سے چلتا آیا۔

"میم!" آبی مڑی اور ایک چبھتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈالی۔

"آپ کیا کہتی ہیں؟" آبی نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔

"وہی جو تب کہا تھا جب تم نے بتایا تھا کہ مسز کاردار نے رازداری سے تمہیں اپنے آفس بلایا ہے۔ میں نیوٹرل ہوں۔ جو تمہیں کہا جا رہا ہے' تم وہی کرو۔"

"اوکے!" اس نے سر کو خم دیا۔

"مگر کیا تم نے وہ کیا ہے جو میں نے تمہیں کرنے کو کہا تھا؟"

فصیح نے سر ہلا کر اپنی ٹائی پہ لگی ٹائی پن اتاری' جو اندر کی طرف سے ننھے یو ایس بی پلگ جیسی تھی اور جیب سے دوسرا ٹکڑا نکال کر اس کے ساتھ جوڑا۔

"مسز کاردار کا پورا حکم بمع ان کی ویڈیو ریکارڈ ہو چکا ہے۔ چونکہ ملاقات خفیہ تھی' اس لیے مجھے سیکیورٹی پروٹوکول سے نہیں گزرنا پڑا' اگر گزرتا تب بھی میں یہ کام کر لیتا۔" ادب سے اطلاع دی۔ رائیڈنگ ہڈ نے اس ٹائی پن کیمرے کو ہاتھ میں لے کر دیکھا' پھر پرسوچ مگر گہری نظر فصیح پہ ڈالی۔

"کیا اس کو معلوم ہے کہ فارس غازی جیل میں ہے؟"

"نہیں ہاشم کاردار نے یہ خبر اس سے چھپانے کا حکم دیا ہے۔"

"اوکے!" وہ مسکرا کر زینے اترنے لگی۔ "ہاشم کے احکامات مجھ پہ لاگو نہیں ہوتے۔ یہ بات میں اسے خود بتا دوں گی۔"

"آپ؟" وہ حیران ہوا۔ "آپ نے دوبارہ اس سے کیوں ملنا ہے؟"

"کیا مطلب کیوں ملنا ہے؟ میں تم لوگوں کو وکیل کا نام دوں گی بدلے میں وہ مجھے انٹرویو دے گا۔ یہی ڈیل ہوئی تھی نا ہماری؟ اس نے وکیل کا نام میرے کہنے پہ دے دیا ہے' مگر میرا انٹرویو ابھی ادھار ہے۔ میں کچھ کام مکمل کر لوں' پھر اس کے پاس جاؤں گی۔ تب تک اس کی موت کو ٹالے رکھنا۔" ایک مٹھی میں ٹائی پن دبائی اور دوسرے ہاتھ سے کسی شہزادی کی طرح اسے جانے کا اشارہ کیا۔ فصیح۔ اور وہ سر کو جھکا کر خم دیتا نیچے زینے اترتا گیا۔

❖❖❖

سحر ہوئی تو مرے گھر کو راکھ کر دے گا ...... وہ اک چراغ جسے رات بھر بچایا ہے

کمرے میں نیم اندھیرا سا تھا۔ مدھم نائٹ بلب جل رہا تھا' اور سعدی آنکھوں پہ بازو رکھے بستر پہ لیٹا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل پہ کاغذوں کے پلندے عجیب بے ترتیبی پھیلانے دکھائی دیتے تھے۔ دفعتاً دروازہ بجا۔ وہ آنکھوں سے بازو ہٹائے بنا خفگی سے اونچا سا بولا۔ "میں نے منع کیا ہے نا میری کہ مجھے ناشتہ نہیں کرنا۔ جان چھوڑ دو اب!" مگر دروازہ آہستہ سے کھل گیا اور پھر بند بھی ہو گیا۔ سعدی نے بازو ہٹایا اور اندھیرے میں پلکیں جھپکا کر دیکھا۔

چوکھٹ میں خاور کھڑا تھا۔ سعدی بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خاور دو قدم قریب آیا تو چہرہ واضح ہوا۔ نیلوں نیل، زخمی چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ اسے گھور رہا تھا۔

"تم ادھر کیسے؟" وہ بے اختیار چوکنا سا ایک قدم پیچھے ہٹا۔ گھٹنوں کی پشت بیڈ سے ٹکرائی۔

"مجھے اس کمپاؤنڈ میں کھلا پھرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ زنجیریں بھی کھول دی گئی ہیں۔ آج زخموں پہ مرہم بھی لگایا گیا ہے' اور اچھا کھانا بھی ملا ہے۔" مونچھوں تلے اس کے ہونٹ ملتے ہوئے محسوس بھی نہ ہوتے تھے اور آنکھیں سرخ انگارہ سی سعدی پہ گڑی تھیں۔

"گڈ! یعنی ہاشم کو تمہاری بے گناہی کا احساس ہو گیا اور اب تم رہا کر دیے جاؤ گے؟" وہ محتاط سا مزید دائیں طرف سرکا۔

"ڈرو نہیں بچے۔ میں تمہاری جان نہیں لوں گا۔ یہ کام ہارون عبید کے آدمی کریں گے۔"

"دیکھو اگر تو یہ تمہاری کوئی گیم ہے تو میں..."

"غور سے سنو بے وقوف!" وہ آگے آیا اور اس کا کالر پکڑ کر اس کو جھنکایا۔ "یہ ہم دونوں کو مارنے والے ہیں۔ میرا یہاں رہنا بے سود ہے' اور تمہیں یہاں مرنے دیا تو میری گواہی کون دے گا؟"

"ہاشم مجھے کبھی نہیں مارے گا۔" اس نے ناگواری سے کالر چھڑایا۔

"ہا!" وہ ہنسا۔ "ہاشم کا یہاں صرف ایک وفادار آدمی تھا.... میں! تمہارا شکریہ' اب یہاں ہاشم کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اس لیے... جس مقصد کے لیے تم نے مجھے اندر کروایا ہے' میں وہ پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے ساتھ بھاگو گے یہاں سے؟"

"اچھا؟ تو تمہاری لاش کہاں ہے' جس کے اوپر سے گزر کر تم نے میری مدد کرنا تھی؟" سعدی نے ادھر ادھر یوں دیکھا جیسے کچھ تلاش کرنا چاہا۔ پھر طنزیہ سر جھٹکا۔ "میری آفر ایکسپائر ہو چکی ہے، خاور۔"

"تمہیں مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے نا۔" خاور قریبی دیوار سے ٹیک لگائے اس کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"اور کیوں کروں میں بھروسہ؟ راتوں رات تم اتنے اچھے ہو گئے کہ میری جان بچانا چاہتے ہو؟"

"نہ میں اچھا ہوا ہوں' نہ تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔ نہ میں ہاشم کاردار کی طرح لفظوں کے ہیر پھیر میں اچھا ہوں۔ میں نے اتنے سال ہاشم سے بھی صرف صاف باتیں ہی کہی ہیں' صاف اور کھری۔ اس لیے تمہیں بھی اپنا پلان کھرا کھرا بتا دیتا ہوں۔" جذبات سے عاری آواز میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں لے کر ہاشم کے پاس جاؤں گا' تم میرے حق میں گواہی دو گے' اصل قاتل کا نام بتاؤ گے' اور پھر میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔"

"واؤ۔" سعدی کے ابرو ستائش سے اٹھے۔ "مطلب کہ مجھے آخر میں مرنا ہی ہے تو میں یہاں کیوں نہ مروں؟"

"کیونکہ میرے ساتھ تم آزاد ہو گے' تمہارے پاس ایک فیصد چانس ہو گا مجھ سے پیچھا چھڑا کر بھاگنے کا۔ تم یقیناً چانس لینا چاہو گے۔"

"اب مجھے تم سے امید نہیں رہی۔ ہامان کو سولی تک لانا بے سود تھا۔" کرسی کھینچ کر بیٹھا اور لیمپ جلایا۔ کمرہ اچھا خاصا روشن ہو گیا۔ اب وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتے اپنے کاغذ ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

"میں نے ہاشم کو بھی ڈاکٹر سارہ کے بارے میں نہیں بتایا۔"

سعدی کے ہاتھ ایک دم منجمد ہوئے۔ رگوں میں خون بھی جم گیا۔ اس نے چونک کر خاور کو دیکھا۔ وہ انہی سرد تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا۔

"کیا مطلب؟" سعدی کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"اس رات جب نوشیرواں نے تم پہ حملہ کیا تھا تو تم ڈاکٹر سارہ کے ساتھ تھے۔ تم نے میسج ڈیلیٹ کر دیے تو کیا ہوا؟ میں خاور ہوں۔ کرنل خاور مظاہر حیات۔ تمہارے میسجز ری کور کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ اسی رات میں نے تمہارا واٹس ایپ دوبارہ کھلوایا اور سب ری لوڈ کر لیا۔ مگر ہاشم کو نہیں بتایا۔"

سعدی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "مگر تم غلطی کر گئے ہو۔ میں نے ڈاکٹر سارہ کو بلایا ضرور تھا مگر وہ نہیں آ سکی تھیں۔"

"تم اب پہلے سے بہتر جھوٹ بول لیتے ہو۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا' تم اپنی معصومیت کھوتے جا رہے ہو۔ سارہ نہ صرف وہاں آئی تھی بلکہ اسی نے پولیس کو بلایا تھا۔ پریشان نہ ہو' میں نے ہاشم کو نہیں بتایا' نہ بتاؤں گا۔"

سعدی بے بسی بھری غصیلی نگاہوں سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اسے سمجھ نہیں آیا وہ اب کیا کہے۔

"اس لیے نہیں کہ میں ہاشم کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ بلکہ دو وجوہات تھیں۔ پہلی' سارہ کبھی گواہی نہ دیتی۔ وہ خطرہ نہیں تھی۔ پھر بھی میں ایک روز اس سے ملا تھا۔ تمہاری گمشدگی کے تیسرے روز۔ اور میں نے اس کو اچھے طریقے سے دھمکایا (سعدی کی مٹھیاں بھینچیں' چہرہ سرخ ہوا) اور یہ کہا کہ سعدی مر چکا ہے' اور اس کو اس کی بچیوں کی دھمکی بھی دی' ساتھ یہ تسلی بھی دی کہ ہاشم کو نہیں بتاؤں گا اس کا نام.... کہ وہ کسی کو بھی بتانے کے قابل نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے اس نے مجھ سے ملاقات کا تذکرہ اپنے فرشتوں سے بھی نہیں کیا ہوگا۔" پھر گہری سانس لی۔ "دوسری وجہ! میں چاہتا تھا ہاشم تمہیں مار دے' یوں ہر گواہ ختم ہو جاتا' لیکن اگر ہاشم کو یہ پتہ چلتا کہ ایک گواہ اور بھی ہے تو تمہیں مارنے کا فائدہ نہ ہوتا' اور وہ تمہیں چھوڑ دیتا۔ دونوں گواہوں کو ایک ساتھ مارنا' دانشمندی نہ تھی' ویسے بھی تم جو بھی سمجھو مجھے' میں ایک کمزور' بے قصور عورت کو مارنے کے حق میں نہیں ہوں.... مجھے ایسے مت دیکھو۔ فارس کی بیوی نے ہماری باتیں سنی تھیں' اس کا قصور تھا' اور ڈی اے کو بھی تو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کی عادت ہے' بے قصور وہ بھی نہیں تھی سو....."

سعدی بپھر کر آگے بڑھا اور ایک مکا رکھ کر اس کو لگایا' مگر خاور پھرتی سے بائیں طرف کو ہوا' سعدی کا مکا دیوار پہ لگا' اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' خاور نے کمال تیزی سے اس کے دونوں بازو پیچھے مروڑ کر اس کو دیوار سے لگایا اور اس کے کان میں غرایا۔

"تمہیں لڑنا نہیں آتا۔ تمہیں باتوں کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ ادھر مرنا ہے تو مرو۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈ لوں گا۔ لیکن اگر میرے ساتھ آنا ہے تو دو دن کے اندر اندر مجھے بتاؤ۔ میری آفر محدود مدت کے لئے ہے۔" وہ بازوؤں کے مروڑے جانے پہ زور سے کراہا تھا۔ خاور نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا اور دروازہ کھولتا تیزی سے باہر نکل گیا۔ سعدی اپنی دائیں کلائی پکڑے لیے اور بے بسی سے گہرے گہرے سانس لیتا وہیں دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ اس کے کان سرخ اور چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ پہلی دفعہ اسے اس قید خانے میں اپنا آپ غیر محفوظ لگا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

بدن کو برف بناتی ہوئی فضا میں بھی ...... یہ معجزہ ہے کہ دست ہنر بچایا ہے

انیکسی کے کچن میں ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ صداقت بھاگ بھاگ کر سارے کام نپٹاتا پھر رہا تھا۔ شلوار قمیض کلف والی پہن رکھی تھی' اور کوئی خوشبو بھی لگا رکھی تھی شاید۔

کچن کی گول میز پہ دوپہر کے لئے سبزی کاٹتی ندرت نے نگاہیں اٹھا کر عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔ "تمہارے گاؤں جانے میں ابھی چار دن ہیں۔ ایسے بھاگ بھاگ کر کام کر رہے ہو جیسے شام کی ٹرین چھوٹنے والی ہو۔"

وہ شرمندہ ہو گیا۔ "نہیں جی! میں تو سوچ رہا تھا کہ.... سعدی بھائی ہوتے تو کتنی خوشی سے میری شادی میں شرکت کرتے۔" جلدی سے بات بنائی۔ پھر ندرت کی طرف پلٹا۔ "پتہ ہے جی' میری گھر والی کے نانا بڑے اللہ والے ہیں' میں نے ان سے سعدی بھائی کے لیے دعا

کروائی تھی۔ وہ کہتے ہیں باجی کہ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی کرنے والا ہے۔"

"اور اگر سعدی یہاں ہوتا تو پتہ ہے کیا کہتا؟" سبزی کاٹتے انہوں نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ لمحے بھر کے لیے منظر بدلتا گیا۔ اردگرد دیواریں فرنیچر سب ڈھلتا گیا......

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں رات کے وقت بتیاں جلی تھیں۔ ٹی وی شور مچائے بیٹھا تھا۔ ندرت ہاتھ میں ریموٹ پکڑے اسامہ کو مسلسل خاموش رہنے کی تاکید کر رہی تھیں۔ ساتھ میں کبابوں کے آمیزے سے ٹکیاں بنا بنا کر ٹرے میں رکھتی جا رہی تھیں۔ اس آمیزے کو چکھنے کی جسارت کرنے والے اپنے تینوں بچوں کے ہاتھوں پہ باری باری ریموٹ مار کر ان کو پرے ہٹا چکی تھیں۔ (میری اولاد مجال ہے جو آٹھ بجے والے ڈرامے کے دوران خاموش رہے۔ پورے دن کے کام کاج کے بعد صرف ایک آٹھ بجے والا ڈرامہ دیکھتی ہوں میں مگر نہیں۔ اتنا شور کرتے ہیں کہ حد نہیں۔) یہ الفاظ گالیوں اور لعن طعن سے سجا کر وہ بار بار دہراتی تھیں۔ مگر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ حنہ بیڈ پر لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے بیٹھی ہیڈ فون چڑھائے کسی کورین آئیڈل کا شو دیکھتی ہنستی جا رہی تھی۔ سیم اپنے ہوم ورک کی کتابیں پھیلائے مسلسل اونچی آواز میں سعدی سے باتیں کر رہا تھا جو صوفے پہ پیر لمبے کر کے لیٹا کشن سر تلے رکھے موبائل پہ لگا تھا اور ساتھ ساتھ اسامہ کو جواب بھی دے رہا تھا۔

"ہاں تو مسئلہ کیا ہے؟ ایک سورۃ کا ترجمہ یاد کرنے کو تو دیا ہے نوشین ٹیچر نے۔ کر لو نا۔"

"بھائی! ابھی ہماری عمر تو نہیں ہے ترجمہ یاد کرنے والی۔" وہ منہ ٹیڑھا کر کے دہائی دے رہا تھا۔ غالباً کسی کلاس فیلو کی باتوں سے متاثر ہو کر کہہ رہا تھا۔ سعدی نے نظر اٹھا کر اسے ذرا سا گھورا اور اسامہ فوراً ہل ہل کر رٹا لگانے لگا۔

"اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

بس بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔

بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔

تو جب آپ فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کریں۔

اور اپنے رب کی طرف دل لگائیں۔"

سیم یاد کر رہا تھا۔ ندرت جو تا بھی نہیں اٹھا سکتی تھیں کہ قرآن پڑھ رہا تھا بس تلملا کر کہنے لگیں۔ "اندر جا کر پڑھ لو اسامہ۔ میرا ڈرامہ نکل رہا ہے۔"

مگر سعدی نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ "تنگی کے بعد آسانی ہے؟ تم سورۃ الانشرح کی اس آیت کو صحیح نہیں پڑھ رہے۔"

اب کے اسامہ اور خود ندرت نے بھی رک کر اسے دیکھا تھا۔ حنین نے ہیڈ فون کے باوجود سنا تھا مگر بس سر جھٹک کر اسکرین کی طرف متوجہ رہی۔ (بس! اب شروع ہوا سعدی بھائی کا کوئی نیا فلسفہ۔)

"بھائی! یہ میرے پاس ترجمے میں لکھی ہوئی ہے۔" سیم تو ماننڈ کر گیا تھا۔ سعدی نے گہری سانس لے کر موبائل پرے رکھا اور اٹھ کر بیٹھا۔ سنجیدگی سے ماں کو دیکھا (جو آدھی اس کی طرف باقی آدھی ٹی وی کی طرف متوجہ تھیں۔)

"تنگی کے بعد آسانی ہے؟ یہاں اللہ نے یہ نہیں فرمایا۔ ترجمہ غلط لکھا ہے۔ کچھ لوگ اس آیت کو نادانستگی میں غلط بولتے اور لکھتے ہیں۔" ذرا سی سانس لے کر کہنے لگا۔ "سورۃ الانشراح کی پانچویں آیت ہے فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ پس بے شک تنگی کے "ساتھ" آسانی ہے۔ بعد نہیں، ساتھ!"

ندرت ڈھیلی پڑیں۔ "ہاں تو ایک ہی بات ہوئی نا۔" ناک سے مکھی اڑائی۔ اور اٹھ کر ٹی وی کے قریب والے صوفے پہ جا

نہیں۔ کبابوں کے آمیزے والی پرات اور خالی ٹرے بھی وہیں رکھ لی۔

"یہاں ایک بات نہیں ہے۔ ایک بات ہوتی تو یہاں اللہ "مع" (ساتھ) کے بجائے "بعد" کا لفظ استعمال کرتا، مگر اللہ کا قرآن اتنا پرفیکٹ ہے کہ حد نہیں۔ یہ دو آیات تو میری فیورٹ ہیں۔"

اور حنین یوسف نے (اُف) کراہ کر رخ پورا موڑ لیا۔ سعدی نے مایوسی سے اسے دیکھا اور پھر ماں کو جو کلیاں بناتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہی تھیں، اور پھر سیم کی طرف چہرہ گھمایا، جو واقعی متوجہ تھا۔ چلو، کوئی ایک تو متوجہ تھا۔ سعدی کو حوصلہ ملا۔ اہلِ قرآن کو کوئی سنتا نہیں، ورنہ وہ تو بول بول نہ تھکیں۔

"یہ آیت اس سورۃ میں دو دفعہ آتی ہے۔ ایک ساتھ۔ یعنی دہرائی گئی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے سیم یہ کیوں دہرائی گئی ہے؟" دبے دبے جوش سے وہ گھنگریالے بالوں والا لڑکا مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میری مس کہتی ہیں قرآن میں باتوں کو... زور دینے کے لیے دہرایا جاتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ تاکید کے لیے آیات دہرائی جاتی ہیں، مگر ان دو آیات کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ ٹھہرو میں تمہیں پہلے یہ آیت سمجھاتا ہوں۔ فان مع العسر یسرا۔ "فان" کا مطلب ہے "پس بے شک" یعنی جو بات آگے بتائی جا رہی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ "مع" کا مطلب ہے "ساتھ"۔ شادی کارڈز پہ لکھا ہوتا ہے نا "بمع اہل و عیال" یعنی گھر والوں کے "ساتھ" آئیں۔ یہ وہی "مع" ہے۔ تیسرا لفظ "عسر" ہے یعنی "تنگی"۔ پریشانی، مشکل، کٹھن حالات۔ چوتھا لفظ ہے "یسرا" یعنی آسانی۔ فان مع العسر یسرا۔ پس بے شک... ساتھ ہے... تنگی کے... آسانی۔ سمجھ آیا؟"

سیم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"او کے۔ اب دیکھو۔ اگلی ہی آیت میں پھر ان الفاظ کو دہرایا جاتا ہے۔ ان مع العسر یسرا۔ بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بات ختم۔ ہے نا؟ مگر نہیں۔ اللہ کا قرآن بہت امیزنگ ہے۔" ذرا دیر کو مسکراہٹ دبا کر وقفہ دیا۔ حنین ہیڈ فون اتار کر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی اور ندرت گو کہ ٹی وی کو ہی دیکھ رہی تھیں مگر آواز ہلکی کر دی تھی۔

"یہاں پہ عربی زبان کا ایک دلچسپ اصول لاگو ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو اسم معرفہ، اسم نکرہ کا تو پتہ ہے نا؟ عام چیزیں نکرہ ہوتی ہیں، جیسے شہر، مینار۔ مگر خاص چیزیں معرفہ ہوتی ہیں، جیسے اسلم، لاہور، مینارِ پاکستان۔ پڑھا تھا اردو گرامر میں یا نہیں؟" دونوں کو یاد دلایا۔ حنین ایک دم ہنسی۔

"پتہ ہے ہماری اردو کی ٹیچر کی انہی دنوں منگنی ہوگئی اسلم نامی بندے سے، بس ہم تو ان دنوں سارے جملے اسلم کے بناتے تھے... سوری آپ بات پوری کریں۔" سعدی کی گھوری پہ وہ جلدی سے چپ ہوئی۔ وہ کہنے لگا۔

"عربی میں عام چیزوں کو خاص بنانے کے لیے ان سے پہلے "ال" لگایا جاتا ہے۔ جیسے انگریزی میں "The" لگاتے ہیں۔ اب اس آیت کو دیکھو۔ فان مع العسر یسرا۔ یہاں خاص کیا ہے اور عام کیا ہے؟"

"العسر خاص ہے اور یسر عام ہے۔" سیم جلدی سے بولا۔

"بالکل۔ تنگی "خاص" ہے اور آسانی "عام" ہے۔ اب یہاں لاگو ہوتا ہے عربی زبان کا ایک اصول۔" وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔ "عربی میں اگر ایک فقرے میں ایک خاص لفظ ہو اور ایک عام لفظ ہو اور وہ بات اگر اگلے ہی فقرے میں دہرائی جائے تو اس کا مطلب بدل جاتا ہے۔ یعنی دہرائے جانے کی صورت میں یہ سمجھا جائے کہ دوسرے فقرے میں جس خاص چیز کی بات کی جا رہی ہے وہ وہی پہلے فقرے والی ہے۔ مگر عام چیز پہلے فقرے والی نہیں ہے۔ عام چیز نئی ہے مختلف ہے۔"

''کیا مطلب؟'' وہ دونوں الجھے تھے۔

''یعنی کہ دونوں آیات میں جس خاص چیز کی بات ہو رہی ہے وہ ایک ہی ہے۔ مگر جس عام (نکرہ) چیز کی بات ہو رہی ہے' وہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی۔''

سعدی نے گہری سانس لی۔ ''اگر یہ آیت ایک ہی دفعہ ہوتی تو اس کا مطلب ہوتا کہ ''تنگی کے ساتھ آسانی ہے'' مگر دہرائے جانے کی صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جس تنگی کی بات دونوں آیات میں ہوئی ہے' وہ ''ایک'' ہی ہے' مگر اس کے ساتھ' دو دفعہ جس آسانی کی بات ہوئی ہے' وہ دو مختلف آسانیاں ہیں۔''

''مگر اس سے مطلب کیسے بدلا؟'' حنہ کو اب بھی نہیں سمجھ میں آیا تھا۔

''ایسے کہ بے شک ایک تنگی کے ساتھ ایک آسانی ہے' پھر ''اسی'' تنگی کے ساتھ ''ایک اور آسانی'' ہے۔ دونوں آیات میں ایک ہی تنگی کی بات ہو رہی ہے' مگر ان کے ساتھ جڑی آسانیاں الگ الگ ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہے ہیں کہ لوگو' تم پر جب کوئی ایک مشکل آئی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہم تمہیں ایک آسانی بھی دیتے ہیں' اور پھر ''اسی'' مشکل کے ساتھ ایک دوسری آسانی بھی دیتے ہیں۔ اس کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے' بلکہ دہرانے سے اس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ مشکل ایک ہی ہوگی' مگر انسان کو اس کے ساتھ بار بار مختلف آسانیاں بھی ملیں گی۔ ایک مشکل' مگر کئی آسانیاں۔ ایک عسر' مگر ایک سے زیادہ یسر۔ ہم مشکل حالات میں انتظار کرتے ہیں کہ کبھی تنگی کے ''بعد'' آسانی آئے گی' مگر آسانی تو اللہ تنگی کے ''ساتھ'' ہی دیتا ہے۔ ہم انسان مشکل کو دیکھتے اور اسی کو سوچتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ عطا کردہ ڈھیروں آسانیاں بھول جاتے ہیں۔ قرآن کی ایک ایک آیت اتنی امیزنگ ہے' کہ اس پہ غور کرنے کے لیے ساٹھ ستر سال کی زندگی بھی کم لگتی ہے۔ اگر ہم مسلمان فیس بک' اور ٹی وی سے باہر نکلیں تو ہمیں وقت ملے..... اچھا اچھا میں آپ لوگوں کو نہیں کہہ رہا۔'' ساتھ ہی جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے' کیونکہ اسکرینز کے آگے جمی ماں' بہن جو پہلے توجہ سے سن رہی تھیں' اب ایک دم آنکھوں سے انگارے اگلنے لگی تھیں......

سبزی کاٹتی ندرت کی انگلی پہ کٹ لگا تو وہ چونکیں۔ منظر لمحے بھر میں بدل گیا۔ وہ انیکسی کے اوپن کچن میں بیٹھی تھیں اور ان کے ساتھ حنہ بیٹھی سوچتے ہوئے کچے مٹر اٹھا اٹھا کر منہ میں ڈال رہی تھی۔ ندرت نے زور سے اس کے ہاتھ پہ چپت لگائی۔

''ہزار دفعہ کہا ہے' ایسے مت کھایا کرو' بے برکتی ہوتی ہے۔''

''مجھے پتہ ہے آپ کیا سوچ رہی ہیں۔'' وہ اثر لیے بغیر ان کو سنجیدگی سے دیکھ کر بولی تو ندرت نے بس بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ کب آ کر بیٹھی' انہیں پتہ بھی نہیں چلا۔ ''اور مجھے پتہ ہے صداقت کی اس بات کو سن کر بھائی کیا کہتا۔ مجھے پتہ ہے آپ بھائی کو یاد کر رہی ہیں۔''

''نہیں۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ وہ ٹھیک کہتا تھا۔'' سر جھٹک کر زخمی مسکراہٹ کے ساتھ آلو چھیلنے لگیں۔ ''ان دنوں میں ہر وقت سوچتی تھی کہ میرے ساتھ کتنا ظلم ہوا' ایک بھائی مارا گیا' دوسرا جیل میں ہے۔ میں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ میرے دو بیٹے تو میرے پاس تھے۔ جب سعدی.... جب سعدی نہیں رہا تو بھی میں نے یہ نہیں شکر کیا کہ فارس تو ہمارے پاس تھا۔ ہم اکیلے تو نہیں تھے۔ اب وہ بھی نہیں ہے۔ ناشکری نعمتوں کو گھٹاتی ہے۔'' وہ شاید خود سے بول رہی تھیں۔ ''مگر اب ہم سب کو مظلوموں والی خود ترسی سے نکلنا چاہیے۔ سعدی نہیں ہے' فارس نہیں ہے تو کیا ہوا۔ میرا ایک بیٹا تو ہے۔ ایک نکمی بیٹی تو ہے میرے پاس۔''

اور حنین جو بڑے پیار سے' اور دکھی دل سے سن رہی تھی' آخری الفاظ پہ تو مانو پتنگے ہی لگ گئے۔

''ہاں بس' میں یہی سوچ رہی تھی کہ آج امی نے پورا پیراگراف بول دیا مگر میری برائی نہیں کی' طبیعت تو ٹھیک ہے' مگر بہت شکریہ

لی زر وادی آپ نے میری!" غصے سے تن فن کرتی وہ اٹھ گئی۔
ندرت پیچھے سے مسلسل اس کو سخت سست سنا رہی تھیں۔ "ایک ہفتے کی بات تھی، میرا سارا گھر الٹا کر رکھ دیا، کچھ بھی ڈھنگ سے صاف نہیں کیا، پھوہڑ لڑکی۔"

.... ٭٭٭ ....

سنا یہ ہے کہ سبک ہو چلی ہے قیمتِ حرف ...... سو ہم بھی اب قد و قامت میں گھٹ کے دیکھتے ہیں

سوموار کی صبح شہر کی سڑکوں پہ کاروبارِ زندگی از سرِ نو شروع ہو چکا تھا۔ ریسٹورانٹ میں ہلکا پھلکا رش تھا۔ ایسے میں اسامہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا اور اوپری ہال کا دروازہ کھولا۔
ہال کی شیشے کی دیوار سے نیچے سڑک پہ بہتا ٹریفک صاف دکھائی دیتا تھا۔ کھڑکی کے قریب ایک دیوار پہ چند کاغذات چسپاں تھے۔ ایک سیاہ کوٹ اور ٹائی والا نوجوان ان کاغذات کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا۔ ایک سیاہ کوٹ والی لڑکی بڑی میز کے کنارے بیٹھی چائے پیتے ہوئے سن رہی تھی، اور سامنے کرسی پہ ٹیک لگائے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی زمر دیوار پہ لگی تصویروں کو دیکھ کر سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "نہیں۔ یہ بھی نہیں۔"
"السلام علیکم!" سیم نے پکارا تو زمر نے گردن موڑی، مسکرا کر اس کو قریب بلایا۔ وہ باقی دونوں وکلاء کو بھی سلام کرتا شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ زمر کے ساتھ آبیٹھا۔
"آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"
وہ بال باندھے سیاہ کوٹ میں ملبوس تھی۔ ناک کی سنہری نتھ دمک رہی تھی اور بھوری آنکھیں پرسوچ انداز میں دیوار پہ مرکوز کر رکھی تھیں۔ "ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ قمر الدین مقتول کا قاتل ان سب لوگوں میں سے کون ہونا چاہیے۔" سیم نے گردن موڑ کر ان تصاویر کو دیکھا۔
"قمر الدین کی گولڈ جیولری شاپ تھی۔ پیسے والا آدمی تھا۔ تینوں کی غیر قانونی اسمگلنگ جیسے الزامات کے باعث جیل گیا تھا۔" وہ نوجوان وکیل بتا رہا تھا۔ "اس کو مارنے کے لئے بہت سے لوگوں کے پاس بہت سی وجوہات ہو سکتی تھیں۔"
اسامہ قدرے پرجوش ہوا۔ "یعنی کہ ہم اصل قاتل ڈھونڈ کر پولیس کے حوالے کریں تو ماموں چھوٹ جائیں گے؟"
وہ تینوں ایک دم سے اسے دیکھنے لگے۔ سیم قدرے جز بز ہوا۔
"اصل قاتل کی پرواہ کسے ہے سیم؟ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ قاتل تک پہنچنا پولیس کا کام ہے۔"
"تو پھر ان لوگوں میں سے آپ لوگ قاتل کیوں ڈھونڈ رہے ہیں...؟" وہ الجھا۔
"سیم، وہ لوگ فارس پہ جھوٹا الزام لگا رہے ہیں، ہمیں اس جھوٹ کا مقابلہ کرنا ہے۔"
"سچ کے ساتھ؟" وہ پھر سے پرجوش ہونے لگا۔
"نہیں سیم۔ کورٹ میں مقابلہ سچ کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ یہاں جھوٹ سے لڑا جاتا ہے اس سے بڑے جھوٹ کے ساتھ۔ الزام سے لڑا جاتا ہے اس سے بڑے الزام کے ساتھ۔"
"یہ کورٹ ہے بیٹا!" نوجوان وکیل مسکرا کر گویا ہوا۔ "یہاں ایک سچ ثابت کرنے کے لئے ایک سو ایک جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔"
"مطلب... اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" سیم نے پھر سے زمر کو دیکھا۔
"ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا۔ برڈن آف پروف (عدالت کے سامنے ثبوت ڈھونڈ کر لانے کی) ذمہ داری استغاثہ پہ ہوتی ہے،

استغاثہ (پراسیکیوشن) وہ ہوتا ہے جو الزام لگاتا ہے۔ ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔ کسی ملزم کو قاتل ثابت کرنا بہت مشکل مگر اس کو بے گناہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ قانون ہر شک کا فائدہ ملزم کو دیتا ہے۔ ہم نے صرف بیٹھ کر پراسیکیوٹر کے الزامات سننے ہیں اور پھر... ان کے کیس میں رتی برابر شک پیدا کرنا ہے۔ جو گواہ وہ پیش کریں گے' ہمیں ان کو ڈس کریڈٹ کرنا ہے' ان کی عزت بھری کچہری میں مجروح کرنی ہے۔ جو ثبوت وہ پیش کریں گے' اس ثبوت کے اوپر اتنے شکوک و شبہات کا کیچڑ اچھالنا ہے کہ وہ دفن ہو جائیں' اور پھر ہمیں ایک اور suspect عدالت کے سامنے پیش کرنا ہے۔ کسی اور شخص پہ شک و شبہ ڈال کر اس پہ قاتل ہونے کا ان ڈائریکٹ الزام لگانا ہے' وہ اتنا بڑا نہیں ہوگا کہ وہ دوسرا مشتبہ شخص گرفتار ہو سکے' مگر اتنا ضرور ہوگا کہ فارس کا مجرم ہونا مشکوک ہو جائے۔"

"مگر آپ نے کہا تھا کہ آپ کورٹ میں جھوٹ بولنے کے خلاف ہیں۔" ہیم کے چودہ سالہ مسلمان دل کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔

"میں بلکہ ہر قانون کا احترام کرنے والا شخص پرجری کے خلاف ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم اٹھا کر کٹہرے میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولنا یعنی پرجری کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ مگر وکیلوں کو ایسا کوئی حلف نہیں لینا ہوتا سو وکیل اپنے موکل کے دفاع کے لیے کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔" ذرا سے شانے اچکا کر بولی۔ ہیم نے باری باری ان تینوں کے مطمئن چہرے دیکھے اور پھر دیوار پہ لگی تصویروں کو۔

"Is That Right?"

"It's Legal." زمر نے پھر شانے اچکائے تھے۔ "اگر ایک آدمی اپنی زندگی بچانے کے لیے اپنے اوپر حملہ آور شخص کو قتل کر دے تو اس کو سیلف ڈیفینس (دفاع ذات) کہتے ہیں' جو قانوناً اور شرعاً گناہ نہیں ہے۔ زندگی انسانوں کے پاس اللہ کا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ اس کو بچانے کے لیے انسان اپنا ہر ممکن دفاع کرتا ہے۔ اور ہم یہی کر رہے ہیں۔ ہم فارس کے ڈیفینس لائرز ہیں۔ دفاعی وکیل۔"

اسامہ سے اب مزید ہضم کرنا مشکل تھا۔ جلدی سے کھڑا ہوا' زمر سے کار کی چابی لی اور ڈرائیور لے جانے کی اجازت مانگی' اور نیچے بھاگ آیا۔ دونوں کانوں کو باری باری چھوتے (توبہ توبہ) وہ اب زینے اتر رہا تھا۔ نیچے کچن میں کچھ کھاتی حنین اس کی منتظر تھی۔ اسے حنہ کے ساتھ جانا تھا۔ حنہ کو مدد کی ضرورت تھی۔

.... ❖❖❖ ....

میں وہ آدم گزیدہ ہوں جو تنہائی کے صحرا میں ..... خود اپنی چاپ سن کے لرزہ بر اندام ہو جائے

کولمبو میں واقع اس زیر زمین تہہ خانے میں میری انچیج سعدی کے سامنے میز پہ کھانا رکھ رہی تھی اور وہ کاؤچ پہ بیٹھا بازو سینے پہ لپیٹے کبھی کھانے کو دیکھتا' کبھی میری کو۔

"پہلے گارڈز سے کہو وہ اسے چکھیں۔ پھر میں کھاؤں گا۔"

"ہم سب کھا چکے ہیں۔"

"پھر لے جاؤ یہ کھانا۔ مجھے کیا معلوم تم لوگوں نے اس میں کیا ملایا ہو۔" برہمی اور قدرے اضطراب سے ٹرے پرے دھکیلی۔ میری متعجب رہ گئی۔ "سب کے لیے یہی کھانا بنتا ہے' تمہارے کھانے میں کیوں کچھ ملائے گا کوئی؟"

"پہلے کوئی اور چکھے گا' تب میں کھاؤں گا۔" وہ ضد کر رہا تھا۔

"پھر بیٹھے رہو اسی طرح۔" خفگی سے بڑبڑا کر وہ باہر نکل گئی۔

سعدی نے کھانے کو نہیں چھوا۔ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ کبھی سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیتا' کبھی بازو واپس گرد لپیٹ لیتا۔

"میں ڈر گیا ہوں۔" کچھ دیر بعد خادر کے کمرے میں زمین پہ بیٹھے اس نے شکستگی سے اعتراف کیا تھا۔

خاور ایک کونے میں کھڑا لکڑی کے چھوٹے سے ٹکڑے کو جو اس نے دروازے کے کنارے سے اکھاڑا تھا' دیوار پر رگڑتا جا رہا تھا۔ آواز پر اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے زخم اب بہتر تھے اور وہ پہلے سے تازہ دم لگتا تھا۔

"روز کھانا کھانے سے پہلے ڈرامہ شروع کر دیا کرو۔ یہ ہمیں زہر دے کر نہیں ماریں گے۔ ہاشم لاشیں دیکھنا چاہے گا ہر نشان کو ان سے گا۔ یہ کسی قدرتی طریقے سے ہمیں ماریں گے۔"

سعدی نے نگاہیں اٹھا کر بے بسی سے اسے دیکھا۔ "یہ میری ہاشم سے بات نہیں کروا رہے۔"

"یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ ہاشم کا علم ہے۔" وہ اب پھر سے لکڑی کا ٹکڑا دیوار سے رگڑنے لگا تھا۔ منہمک اور مصروف۔

"ہم کب نکلیں گے یہاں سے؟" خاور نے چونک کر اسے دیکھا تو اس نے جلدی سے اضافہ کیا۔ "اگر میں تمہارے ساتھ جانا چاہوں تو!"

"جب تم تیار ہو گے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خاور کے سامنے' بالکل مدمقابل اور گردن اکڑا کر بولا۔ "میں تیار ہوں۔"

خاور نے لکڑی کا ٹکڑا وہیں رکھا اور اس کی جانب مڑا۔ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا' پھر ایک دم گھٹنا موڑ کر اس نے پیٹ میں دایاں اور کہنی سے اس کے کندھے پہ ضرب لگائی اور پاؤں سے اس کے پہلو کو دھکا دیا۔ سعدی یکے بعد دیگرے ضربوں سے بے اختیار نیچے کو گرا۔ دوہرا ہو کے پیٹ پہ دونوں بازو رکھے وہ درد سے چلایا تھا۔

"تم گھٹیا انسان.....!"

مگر خاور نے اس کی طرف بازو بڑھایا۔ "اٹھو۔ تمہیں باتوں کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ لڑنا تو بالکل بھی نہیں۔ اٹھو!"

"یہ کیا تھا؟" سعدی نے اس کا ہاتھ نہیں تھاما۔ وہ بہت ہو کر غصے سے اسے دیکھتا چیخا تھا۔

"میں تمہیں بتا رہا تھا کہ تمہیں کچھ نہیں آتا۔ اور لڑکیوں کی طرح مت رو۔ میں نے سادہ فطری تکنیک سے تمہیں نیچے گرایا ہے۔ پتہ ہے کسی کو کیسے مارنا ہے۔ مار کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ کسی کو صرف گرانے یا بے ہوش کرنے کے لیے الگ طریقہ ہے۔ کسی کو معذور کرنے کا طریقہ اور ہے۔ اور قتل کرنے کا بالکل مختلف۔ اٹھو اور میرے سامنے کھڑے ہو۔ یہاں سے نکلنے کے لیے تمہیں جسمانی طور پہ بہت مضبوط بننا ہوگا۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ جب میں تمہیں قتل کروں تو تم کسی معصوم لڑکی کی طرح نظر آؤ بلکہ تمہیں کسی مرد کی طرح مقابلہ کرتے مرنا چاہیے۔ اٹھو میں تمہیں سکھاتا ہوں۔"

"تم سکھاؤ گے مجھے؟ میں تمہاری جان لے لوں گا۔" وہ پھر کر کھڑا ہوا اور زور سے اس کو مکا دے مارنا چاہا' مگر خاور نے بروقت اس کا ہاتھ تھام کر مروڑا۔

"آہ۔" وہ آنکھیں بند کر کے کراہا۔ اسی کندھے پہ کسی زمانے میں شیرو نے گولی ماری تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں آتا۔" اس کو پرے دھکیلا اور تاسف سے نفی میں سر ہلاتا کہنے لگا۔ "تم تیار نہیں ہو۔ میرے ساتھ جانے کے لیے تمہیں تیار ہونا پڑے گا۔ جاؤ کھانا کھاؤ اور سو جاؤ۔ کل صبح ناشتے سے پہلے میرے پاس آنا۔ پھر ہم تیاری شروع کریں گے۔" سعدی نفرت اور غصے سے اسے دیکھتا دروازے کی طرف بڑھا۔

"اور سنو!" لکڑی کا ٹکڑا واپس اٹھاتے ہوئے خاور نے یاد دلایا۔ "مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہیں ساتھ لے جانے کا۔ اگر چلنا ہو تو تم وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ ورنہ رہو یہیں اور مرو یہیں۔" سعدی نے زور سے دروازہ دے مارنے کے انداز میں بند کیا اور باہر نکل گیا۔ گارڈز نے خاموشی سے اس کو دیکھا اور اسی طرح کھڑے رہے۔

یقیناً خاور نے اسے مارا تھا۔ گڈ! ویری گڈ۔

..................٭٭٭..................

مرے شوق کی یہیں لاج رکھ! ...... وہ جو طور ہے، بہت دور ہے!

یونیورسٹی میں معمول کے مطابق رش تھا۔ راہداریوں میں بھانت بھانت کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ایسے میں اسامہ کو باہر انتظار کرتا چھوڑ کر حنین تیز تیز ایک کاریڈور میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا چہرہ ہیجان اور تذبذب کا آئینہ دار تھا۔ مگر چال مضبوط تھی' فیصلہ کن تھی۔

دفعتاً ایک دروازے کے قریب وہ رکی۔ نیم پلیٹ پڑھی۔ علوم الدین شعبہ تفسیر القرآن۔ اس نے وہ نام کئی دفعہ پڑھا اور پھر دروازہ کھٹکھٹا کر کھولا۔

اندر آفس میں وہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ میز کے پیچھے کرسی پہ براجمان' وہ عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرا کر اٹھیں۔ اور اس سے ملیں۔ کرسی پیش کی۔ حنین چپ چاپ بیٹھی۔ سر جھکا لیا۔ وہ اب سامنے جا بیٹھیں۔

"سعدی کی کوئی خبر؟" اور ایسے چند چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہیں۔ حنہ سر جھکائے جواب دیتی رہی۔ لب کاٹتی رہی۔ بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور اپنی ٹیچر کی مہربان آنکھوں میں دیکھا۔

"میں بچپن میں بھائی کے ساتھ قرآن پڑھنے آپ کے گھر آتی تھی' آپ کے پاس ہی ہم دونوں نے آخری دس سپارے حفظ کیے تھے۔ آپ ہی نے ہمیں تفسیر پڑھائی تھی' بلکہ قرآن سکھایا تھا' مگر......" چند لمحوں کا وقفہ کیا۔ پرس نیچے رکھا۔ ٹیک لگا کر بیٹھی...... ذرا آرام' وہ ہوتی اور ٹیچر کی آنکھوں میں دیکھ کر بتانے لگی۔ "مگر میں کھو چکی ہوں۔ میں اپنی زندگی ضائع کر رہی ہوں۔ نہ میں قرآن یاد رکھ پائی' نہ میں آرگنائزڈ ہوں' نہ نیک ہوں' نہ ٹائم مینیج کرنا سیکھ سکی۔ میں فجر میں اٹھ نہیں پاتی اور باقی نمازوں کے لیے دل نہیں چاہتا۔ گو کہ میری خواہش ہے کہ میں بھی پانچ وقت کی نمازی بن جاؤں' مگر...... یہ بہت مشکل' بہت بھاری چیز لگتی ہے۔"

وہ خاموشی سے سن رہی تھیں' اس بات پہ تائید میں سر ہلایا۔ "نماز بہت بھاری چیز ہے' واقعی!"

"مگر پھر وہ لوگ کون ہوتے ہیں جو منہ اندھیرے نیند توڑ کر اٹھتے ہیں اور ٹھنڈے پانی سے بھی خود کو بھگو لیتے ہیں مگر نماز نہیں چھوڑتے۔" وہ بے چین ہوئی۔

"حنین...! اللہ فرماتا ہے..... بے شک نماز بہت بھاری ہے سوائے ان لوگوں پر جو خشعیت رکھتے ہیں۔"

"خشعیت کیا ہوتا ہے؟" اسے سارے اسباق بھول گئے تھے۔

"خشعیت ڈر ہوتا ہے' اور خشعیت محبت ہوتی ہے' مگر نہ یہ صرف ڈر ہے نہ صرف محبت۔ یہ محبت بھرا ڈر ہوتا ہے جو انسان کو اپنے ماں باپ کا کہنا ماننے پہ مجبور کرتا ہے۔ صرف محبت میں' ہم ان کی بات نہیں مانتے' یا صرف ڈر کے باعث ان کی اطاعت نہیں کرتے۔ کوئی چھری تو نہیں دے ماریں گے نا وہ ہمیں۔ صرف یہ دھڑکا ہوتا ہے کہ ان کے اوپر ہمارا امپریشن نہ خراب ہو جائے۔ ہم ان کو دکھ دینے سے ان کی محبت کی وجہ سے ڈرتے ہیں۔ جس کے دل میں اللہ کے لیے ایسی خشعیت ہوتی ہے' نماز اس پہ آسان ہو جاتی ہے۔"

"تو انسان اپنے اندر یہ خشعیت کیسے پیدا کرے؟"

"تمہاری جگہ کوئی اور پوچھتا تو اس کے آگے لمبی تقریر کر سکتی تھی مگر تم حنین' تم پریکٹیکل زیادہ پسند کرتی ہو۔" کہتے ہوئے وہ لیٹر پیڈ سے چند کاغذ علیحدہ کرنے لگیں۔ حنہ مسکرا دی۔ وہ درست جگہ آئی تھی۔

"یہ دو کاغذ لو۔" انہوں نے دو کاغذ اس کے سامنے ڈالے' اور پھر ایک سرخ اور ایک سبز قلم ان کے اوپر رکھا۔

"پہلے بائیں ہاتھ والے پہ ایک سرخ دائرہ کھینچو اور اسی سرخ رنگ سے اس کے اندر لکھتی جاؤ۔"

"کیا؟"

وہ رسان سے مسکرائیں۔ "فون پہ تم نے کہا تھا کہ تم نے بہت سی ایڈکشنز (لت) چھوڑی ہیں مگر تمہارا ہر مسئلہ اس لئے ہے کہ تم فجر پہ نہیں اٹھتی۔ اب اس کاغذ پہ لکھو کہ جب تم فجر پہ نہیں اٹھتی تو تمہیں کیا ملتا ہے؟"

حنین نے الجھ کر سوچا۔ پھر لکھنے لگی۔

"تھوڑی سی مزید نیند۔ بہت سارا سکون۔ گرم گرم بستر۔ چند مزید خواب۔ پلیژر۔" سر اٹھایا۔ "اب؟"

"اب اس کے ساتھ لکھو کہ تم اس وقت.... یوں سوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کیسی لگتی ہو؟ تمہارا کیا امپریشن جا رہا ہوتا ہے اللہ کے سامنے؟"

لمحے بھر کے لئے حنین کے اندر کچھ ہلا۔ اس نے سر جھکایا۔ سرخ دائرے کو دیکھا۔ پھر لکھنے لگی۔

"اس وقت میں اللہ کے سامنے کیسی نظر آ رہی ہوتی ہوں؟

ایک غافل لڑکی' جو سو رہی ہے۔ جو نشئیوں کی طرح سو رہی ہے۔ جو روز قیامت سے بے خبر ہے' جس کو اپنے بنانے والے کے سامنے جاتے اپنے امپریشن کی کوئی فکر نہیں ہے۔" اس کا ہاتھ کانپا مگر لکھتی گئی۔ "جنت کی نہریں' جہنم کی آگ.... اسے نہ کسی پہ یقین ہے' نہ ان کا احساس ہے۔ اللہ کی طرف سے اسے بار بار پکارا جا رہا ہے مگر وہ ڈھٹائی سے غرور سے سو رہی ہے۔ نماز پڑھنا اس کے نزدیک ایک حقیر کام ہے' اگر حقیر نہ ہوتا تو وہ اٹھ جاتی۔ وہ اللہ کی نافرمان نظر آ رہی ہے۔ فرشتے اس کے بارے میں یہی جا کر اوپر بتائیں گے کہ فجر پہ اسے سوتا پایا۔ اس کی "اوپر" والوں میں نہ کوئی قدر ہو گی' نہ عزت۔ وہ بھٹکے ہوؤں میں سے ہے۔ اسی طرح غافل سوتی' جاگتی' کسی دن مر جائے گی اور رحمت کے فرشتوں کو اس سے کوئی ہمدردی نہ ہو گی کیونکہ انہوں نے ہمیشہ اسے سوتے پایا ہے۔" اس سے مزید نہیں لکھا جا رہا تھا۔ "اور پھر سارا دن وہ سست اور بے زار رہتی ہے۔ اس کا ہر کام بے برکتا ہے۔ اس کا دل گلٹ سے بھر چکا ہے مگر اس گلٹ کو نکالنے کے لئے بھی وہ کچھ نہیں کرتی۔ اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔ جب وہ اللہ سے دعا مانگے گی تو کیا اللہ اس کی دعا قبول....؟" بس بہت ہوا۔ اس نے قلم چھوڑ دیا۔ دل پہ بہت زور سے لگی تھی۔ صفحہ الٹا کر کے میز پہ رکھ دیا۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔

"اب اس دوسرے صفحے پہ سبز دائرہ کھینچو۔" حنہ نے ذرا سے توقف کے بعد دوسرا صفحہ اٹھایا۔ اور سبز دائرہ کھینچا۔ انگلیوں میں لرزش تھی۔

"اس پہ لکھو کہ فجر پڑھنے کے لئے تمہیں کیا کچھ کھونا پڑتا ہے۔"

وہ سر جھکائے لکھنے لگی۔

"نیند توڑنا۔ گرم بستر چھوڑنا' سردی میں باتھ روم تک جانا' پانی سے خود کو بھگونا' اور پانچ.... دس منٹ کی نماز پڑھ کر واپس آنا۔" وہ رک گئی۔

"اور اب یہ لکھو کہ جب تم یہ کرو گی تو اللہ کے پاس تمہارا کیا امپریشن جائے گا؟" وہ ذرا سی چونکی۔ پھر صفحے کو دیکھا۔ سبز دائرہ چمک رہا تھا۔ وہ بنا سوچے لکھنے لگی۔

"اللہ کو اس وقت میں کیسی لگوں گی؟

وہ ہر پچھلی بات مٹا دے گا۔ میں اس کے سامنے ایک ایسی لڑکی ہوں گی جو اپنا آرام چھوڑ کر اس کی پہلی پکار پہ اٹھتی ہے۔ جو اس کی بات مانتی ہے۔ اس کو قیامت کا احساس ہے' اس کو جہنم اور جنت کی پرواہ ہے۔ وہ غافلوں میں سے نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اس میں بہت برائیاں ہوں گی' مگر فرشتے جب فجر اور عصر کے وقت اوپر جائیں گے تو اس کا اچھا ذکر کریں گے اللہ کے سامنے.... اوپر والوں میں اس کا نام عزت سے

لیا جائے گا۔" اس کے لکھنے میں روانی آئی تھی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"وہاں اس کا امپریشن اچھا جائے گا۔ اس کی بہت سی غلطیوں سے صرف نظر کر لیا جائے گا۔ وہاں اس کی قدر ہوگی۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ جب وہ فجر کے لئے اٹھے گی اور دوسروں کو بھی اٹھائے گی تو اللہ بھی اوپر والوں کے سامنے اس کی تعریف کرے گا۔" اس کا دل بھر سے بھر آیا۔ لبوں پہ ہاتھ رکھ کر خود کو قابو کیا۔" اس کا دل گلٹ سے پاک ہوگا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ اس کے کاموں میں برکت ہو گی۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ وہ اس کو اپنے پاس "نماز پڑھنے والوں" میں لکھ لے گا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا....." وہ ایک فقرہ اتنا قیمتی اور اتنا اندر تک ہلا دینے والا تھا کہ وہ اس کو بار بار لکھتی گئی یہاں تک کہ دائرہ بھر گیا۔

میچر نے میز پہ دستک دی تو اس نے گہری سانس لی۔ نمی اندر اتاری اور کاغذ الٹا کر کے میز پہ ڈال دیا۔

"اب ان دونوں کاغذوں کو اپنی الماری پہ..... یا بیڈ کے اوپر دیوار پہ کہیں بھی لگوا اور دن میں بیس دفعہ لازمی ان باتوں کو پڑھو حتیٰ کہ یہ تمہارے دل میں بیٹھ جائیں۔ زندگی میں جب بھی کسی ایڈکشن کے ہاتھوں پریشان ہو فوراً دو دائرے بناؤ، اور ایک میں لکھو کہ ذرا سی تسکین کے لئے یہ کام کرتے وقت میں اللہ کو کیسی لگتی ہوں گی؟ اور دوسرے میں لکھو کہ اگر یہ چھوڑ دوں تو اس کو کیسی لگوں گی؟" وہ رکیں۔" مگر نماز کی عادت بنانے کے لئے تمہیں کچھ اور بھی کرنا ہوگا۔"

"کیا؟" وہ تیزی سے بولی۔ اس وقت اندر سے اتنی ہل چکی تھی کہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔

"تمہیں یہ سمجھنا ہوگا کہ نماز ہے کیا؟" وہ پرسکون سی پیچھے ہو کر بیٹھی کہہ رہی تھیں۔ ان کی نرم آنکھیں حنہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔" نماز پہ آپ کو الارم کلاک نہیں اٹھاتی۔ آپ کا ایمان اٹھاتا ہے۔ پچھلے دن اگر جھوٹ بولے ہیں، خیانت کی ہے، وعدہ خلافی کی ہے یا غیبت کی ہے تو اگلے روز فجر پہ اٹھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

"میں کچھ دن نماز بہت اچھی پڑھتی ہوں، پھر کچھ دن چھوڑ دیتی ہوں۔ ایک فیز سے نکل کر دوسرے فیز میں چلی جاتی ہوں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نیت کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ نماز میں دل کا سکون ہے مگر یہ دل کے سکون کے لئے نہیں پڑھی جاتی۔ جو اس لئے نماز پڑھتا ہے کہ اس کو پڑھ کر وہ خود کو مطمئن اور پرسکون محسوس کرتا ہے وہ سخت فتنے میں مبتلا ہے کیونکہ وہ اپنے "دل" کے لئے نماز پڑھتا ہے اللہ کے لئے نہیں۔ ایسے ہی لوگ phases میں مبتلا رہتے ہیں۔ کچھ دن نماز پڑھی پھر کچھ دن نہیں پڑھی کیونکہ دل کو جو مرہم لگانا تھا لگ گیا۔ اب ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسی لیے کچھ دن بعد نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ اب ان کو ضرورت نہیں رہی، اب وہ پرسکون ہیں۔ پھر جب تک پریشان نہیں ہوتے، نماز کے قریب نہیں جاتے۔ نماز پڑھ کر ہمیشہ سکون نہیں ملتا تو اگر کیا سکون نہ ملے تو چھوڑ دیں ہم نماز پڑھنا؟ داغ لگوانے میں شفا ہے۔ داغ لگوانا سمجھتی ہو نا؟ جیسے کوئی کاری زخم لگے تو قدیم قوموں میں اور اب بھی چین جاپان بلکہ پاکستان میں بھی.... سلاخ گرم کر کے اس جگہ کو داغا جائے تو زخم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس میں شفا ہے مگر ہماری امت کے لئے یہ منع ہے۔ تو جو لوگ نماز کو ایکسرسائز سے تشبیہ دیتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ نماز میں شفا نہ رکھتا بلکہ تکلیف رکھتا تو کیا ہم اسے نہ پڑھتے؟ نماز کو اپنا دل مطمئن اور خوش کرنے کے لیے نہ پڑھا کرو۔"

"تو پھر ہم کیوں پڑھتے ہیں نماز؟" اس نے نکتہ اٹھایا۔

"کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ دی اینڈ۔ فل اسٹاپ۔ ہم اسے اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ اللہ راضی رہے ہم سے ہمارا امپریشن اس کے سامنے اچھا جائے۔ اور اگر ہمارے دل میں یہ "نشعیت" ہو تو یہ بہت آسان ہے۔" وہ ذرا دیر کو ٹھہریں۔" مگر یہ تو ہو گیا کہ ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ اب یہ دیکھو کہ نماز بذات خود ہے کیا؟" حنین غور سے سن رہی تھی۔ وہ نرمی سے کہے جا رہی تھیں۔" نماز تمہارے خیال میں کیا ہے؟"

وہ چپ رہی۔ اس کے پاس بہت سے جواب تھے مگر کوئی تسلی بخش نہ تھا۔

............❖❖❖............

وہ لمحہ شعور جسے جان گئی کبھی ...... چہرے سے زندگی کے نقابیں الٹ گیا

یوسف خاندان میں سے کسی نے کاردارز کی نیو ائیر ایو میں شرکت نہ کی جو اس سرورات ان کے لان میں منعقد تھی۔ حنین اپنے کمرے میں بیٹھی' کھڑکی کی طرف سے منہ موڑے' بے تحاشا کاغذوں پہ بنے دائروں کو بھرتی گئی۔ وہ خوش نہیں تھی' مگر وہ مطمئن تھی۔ زمر کیس کی تیاری کرتی رہی۔ اسامہ جلدی سونے چلا گیا۔ ندرت کی رات کی نماز اور وظیفے ابھی جاری تھے۔ غرض ان کا پورا گھر خاموش تھا' مگر باہر' دنیا والے' کاردارز کے لان میں جشن منانے میں مصروف تھے۔

وہاں گویا رنگ و بو کا سیلاب امنڈ آیا تھا۔ غبارے' قمقمے' بتیاں۔ پارٹی کا انتظام اندر تھا' مگر بارہ بجے کے قریب سب لمبے لمبے کوٹ اور جیکٹس پہنے باہر نکل آئے تھے جہاں فائر ورکس کا اہتمام تھا۔

ایسے میں شہرین اندر ایک کونے میں بیٹھی' مشروب کے گلاس پہ گلاس پیے جا رہی تھی۔ سرخ ساڑھی میں ملبوس' وہ بے رونق اور تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھایا تو اوپر سیڑھیوں پہ شیرو کھڑا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہری نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر ہاتھ ہلایا' مگر وہ ایک اچٹتی ہوئی نظر اس پہ ڈال کر زینے اترنے لگا۔ لاؤنج تقریباً خالی تھا۔ سب باہر تھے۔ نوشیرواں بھی باہر نکل آیا۔ سردی کے باعث جیکٹ کے کالر کھڑے کر لیے۔ اونچے برآمدے میں کھڑے اس نے ایک ویران نظر نیچے سبزہ زار پہ شور مچاتے' ہنستے مسکراتے لوگوں پہ ڈالی۔ اس کی نگاہیں ایک ایک کا چہرہ کھوجتی رہیں' پھر سر جھٹک کر وہ دوسری سمت آیا' اور ایک ملازم کو اپنی کار نکالنے کا کہا۔

"سر آپ اس وقت کہاں......؟"

"زیادہ بک بک نہ کرو میرے سامنے۔ تم ہو کون' ہاں؟" اس کو گھورتے ہوئے غرایا۔ "جو کہا ہے وہ کرو۔" ملازم جلدی سے حکم بجا لایا اور ذرا بے زار شیرو کار لے کر باہر سڑکوں پہ گم ہو گیا۔

رات ابھی جوان تھی۔ لان میں بہت سے لوگوں کے درمیان کھڑی سرخ میکسی میں ملبوس جواہرات کسی بات پہ مسکرا رہی تھی۔ کندھوں پہ سفید منک کوٹ ڈالے' وہ گردن اٹھا کر مسکراتے ہوئے آسمان پہ نظر آتے فائر ورکس دیکھ رہی تھی جب احمر اس کے قریب آ کر کھنکھارا۔ اس نے گردن موڑی' احمر کو دیکھ کر مسکراہٹ گہری ہوئی' پھر اس کا بازو تھامے ایک طرف چلتی آئی۔

"اتنی پولیٹیکل گیدرنگ مسز کاردار؟ اور آپ نے کہا تھا کہ آپ سیاست میں قدم نہیں رکھنا چاہتیں۔" وہ اب برآمدے میں کھڑا شکوہ کر رہا تھا۔ وہ اس کے قریب کھڑی تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ نیچے روشنی تھی۔ یہاں کھڑے وہ دونوں کوئی تاریک سائے لگ رہے تھے۔

"میرے پاپا ایک سیاست دان تھے' میرے دادا دو بار گورنر رہے تھے' میں پھر بھی اس میدان سے دور رہوں گی' لیکن یاروں کی دوستی میں یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "اس سفید شال والی خاتون کو پہچانتے ہو؟" ابرو سے نیچے مہمانوں کی طرف اشارہ کیا۔ احمر نے اس طرف گردن گھمائی۔ وہاں چند اصحاب کے ساتھ ایک سفید شال والی عورت کھڑی بات کر رہی تھی۔ وہ شکل سے پٹھان لگتی تھی۔

"ان کو کون نہیں پہچانتا؟"

"گڈ!" چمکتی آنکھوں سے احمر کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس کو تباہ کر دو احمر۔ تمہارے پاس ایک مہینہ ہے' اس کے اتنے اسکینڈل لیک کرو کہ وہ استعفیٰ دینے پہ مجبور ہو جائے۔"

ایک لمحے کے لیے احمر بالکل [illegible]

''مسز کاردار وہ کوئی عام عورت نہیں ہے۔ اس کا بھی سیاسی خاندان ہے' آپ جتنی امیر آپ جتنی طاقتور ہے۔ اس سے دشمنی مول لینے کا کیا فائدہ؟ کل کو وہ ہم پہ جوابی حملہ کرے گی۔''

''اور تب تم ہو گے نا ہر حملے کا جواب دینے کے لیے۔ اس نے ایک پارٹی میں ہارون سے مس بی ہیو کیا تھا۔ میں ہارون پہ احسان کرنا چاہتی ہوں۔ گیٹ ٹو ورک۔ ایک مہینہ ہے تمہارے پاس!'' اس کا شانہ تھپتھپا کر وہ مسکراتی ہوئی' میکسی سنبھالتی زینے اترتی گئی۔ احمر بے یقینی سے کھڑا رہ گیا' پھر چونکا جب ساتھ کوئی آ کھڑا ہوا۔

''تم میں کاردارز کے لیے اتنے بڑے کام کرنے کی ہمت نہیں ہے تو آگاہ کر دینا' میرے پاس ملازموں کی کمی نہیں ہے۔'' سرد مہری سے کہہ کر ہاشم نے ایک تند نگاہ اس پہ ڈالی اور پھر زینے اتر کر لان کی طرف بڑھ گیا۔

احمر کو پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ رات کتنی سرد تھی۔

.................❖❖❖.................

ڈرا رہا ہے مسلسل یہی سوال مجھے ...... گزار دیں گے یونہی کیا یہ ماہ و سال مجھے

سرما کی اس دوپہر کورٹ روم میں معمول کی سماعت جاری تھی۔ جج صاحب سمیت تمام افراد توجہ سے کٹہرے میں کھڑے وردی والے پولیس اہلکار کو سن رہے تھے جو پراسیکیوٹر کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ کھٹا کھٹ ٹائپ ہونے کی آواز بھی پس منظر میں سنائی دیتی تھی۔

''اور جو تیس بور کا پستول فارس غازی سے برآمد کیا گیا' وہ آپ کی موجودگی میں برآمد کیا گیا؟'' پراسیکیوٹر نے کہتے ہوئے گردن پھیر کر دفاع کی میز کو دیکھا۔ جہاں زمر قلم تھماتے ہوئے' آرام دہ سی بیٹھی سن رہی تھی' اور ساتھ بیٹھا فارس چبھتی ہوئی نظریں گواہ پہ جمائے ہوئے تھا۔

''جی۔ میں اس وقت اے ایس پی سرمد شاہ کے ساتھ موجود تھا۔'' گواہ کہہ رہا تھا۔

(سرمد شاہ سمیت چند گواہوں کو پراسیکیوٹر نے give up کر دیا تھا۔)

''پھر کیا ہوا؟''

''مجھے محرر نے اس رات ایک سربمہر پارسل میں وہ پستول دیا جو میں نے پوری حفاظت اور ذمہ داری سے فارنزک لیب میں بھجوا دیا۔ لیب کے رزلٹ کے مطابق وہی پستول قمر الدین کے قتل میں استعمال ہوا تھا۔''

پراسیکیوٹر نیچے اتر آیا اور زمر کو دیکھ کر'' آپ اگر جرح کرنا چاہیں!'' کہتا واپس اپنی کرسی پہ جا بیٹھا۔ (جس کا گواہ ہوتا ہے' پہلے وہ سوال کرتا ہے' پھر دوسرا وکیل اس گواہ پہ جرح کرتا ہے۔) وہ گہری سانس لے کر اٹھی اور سنجیدگی سے کٹہرے کے سامنے' نیچے آ کھڑی ہوئی۔

''فارس غازی کو کس روز گرفتار کیا گیا تھا؟'' سپاٹ لہجے میں پوچھنے لگی۔

''13 اکتوبر کی شام۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔''

''اور پستول کب برآمد ہوا؟''

''اسی وقت۔''

''اور آپ نے اسے لیب میں کب بھیجا؟''

وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔

''اگلی دوپہر۔''

"اسی دن کیوں نہیں؟ ورک آتھیکس کے مطابق آپ کو وہ پارسل اسی وقت لیب کو بھیجنا تھا۔ آپ نے وہ سولہ گھنٹوں بعد بھیجا۔ کیوں؟ جب کہ آپ کی برآمدگی کے وقت لیب کھلی تھی۔"

"مجھے ضروری کام سے گھر جانا تھا۔ اس لیے میں نے اس کو لاکڈ دراز میں ڈالا اور سوچا کہ صبح آ کر....." مگر زمر نہیں سن رہی تھی۔ وہ جج صاحب کی طرف مڑی۔

"یور آنر! دفاع یہ چاہتا ہے کہ آپ پراسیکیوشن Exhibit ایف یعنی اس گن کو ڈسکوری میں سے خارج کر دیں۔ یہ ایسا ثبوت نہیں ہے جو شک و شبے سے پاک ہو۔"

"آبجیکشن یور آنر۔" پراسیکیوٹر فوراً اٹھا۔ "دفتری کاموں میں دیر سویر ہو جاتی ہے۔ یہ گن فارس غازی سے ملی ہے' اس بات کے گواہ موجود ہیں۔"

"اس بات کے صرف دو گواہ تھے۔ سرمد شاہ کو پراسیکیوشن گیواپ کر چکی ہے' اور ان صاحب کی کریڈیبلٹی مشکوک ہے۔" وہ دونوں ایک ساتھ تیز تیز بولنے لگے تھے۔ جج صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر زور زور سے خاموش کہا' پھر ہتھوڑا زور سے بجایا۔ وہ دونوں چپ ہو گئے۔

"مسز زمر..... پراسیکیوٹر صاحب کا پوائنٹ درست ہے۔ دیر سویر ہو جاتی ہے۔ ہم اس ثبوت کو ڈسکوری سے نہیں نکال سکتے۔"

زمر کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔ باری باری اس نے پراسیکیوٹر اور جج کو دیکھا' پھر سر کو خم دے کر' خاموشی سے واپس آ کر بیٹھی۔ فارس نے قدرے تعجب سے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ "تم نے بحث کیوں نہیں کی؟"

"جج ان کا ہے۔" وہ شدید مضطرب نظر آ رہی تھی۔ فارس "اچھا" کہہ کر واپس پیچھے ہو کر بیٹھا۔ وہ اب بھی پرسکون لگتا تھا۔

.... ✤✤✤ ....

اسی کے دم سے تو قائم ابھی ہے تارِ نفس ..... یہ اک امید کہ رکھتی ہے پُر سوال مجھے

ملاقاتی بوتھ میں کرسی کے اوپر فارس آ کر بیٹھا تو شیشے کے پار براجمان لڑکی کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ زمر کی توقع کر رہا تھا مگر وہ سرخ اسکارف میں لپٹے چہرے اور نیچے لمبے وائٹ کوٹ میں ملبوس آبدار تھی۔ بلی جیسی سرمئی' چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ مسکرائی۔

"سلام!"

فارس نے ذرا کی ذرا نظر گھمائی۔ کمرے میں جا بجا ایسے ہی بوتھ قطار میں لگے تھے اور ایک دن میں ہزاروں قیدی اپنے رشتے داروں سے ملاقات کرتے تھے۔

"میں الگ کمرے میں بھی مل سکتی تھی مگر ایسے سوالات زیادہ اٹھتے۔" وہ سرمئی آنکھیں فارس پہ جمائے رسان سے بولی تھی۔ فارس نے گہری سانس لی' ذرا سا آگے کو جھکا۔

"میرا کام کرنے کا شکریہ!" دبی آواز میں بولا۔ خاور کو کس نے غائب کروایا ہے' اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا۔

"میں نے آپ کا کام نہیں کیا' اس نے میرے ہاتھ سے کاغذ چھینا تھا۔ میں تب بھی غیر جانبدار تھی' اب بھی ہوں۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"پھر آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟" اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

آبی نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ "ملکہ نے دونوں قیدیوں کے سر قلم کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔"

وہ ایک دم بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ گویا سانس تک رک گیا ہو۔

مجھے افسوس ہے میں ان کے لیے مزید کچھ نہیں کر سکتی۔ نہ پرانے قیدی کے لیے' نہ نئے قیدی کے لیے۔ میں نے کہا ہے کہ ... اس سے ملاقات تک اس کو نہ مارا جائے' مگر وہ چند دن سے زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔"

"وہ اسے نہیں مارے گا۔" اس نے سختی سے کہا تھا۔

"فارس غازی!" وہ "اس حکم سے اس کی تکمیل تک بے خبر رہے گا۔ یہ حکم اس کی ماں نے دیا ہے۔ خیر میرا کام تھا بتانا' اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ کچھ کر سکتے ہیں تو کر لیجیے۔"

فارس نے پلکیں اٹھا کر زخمی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ان میں شدید غصہ اور بے بسی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" وہ ذرا نرم ہوئی۔ "آپ جیل میں ہیں' کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر آپ ملزم ہیں۔ متہم فرزند نازنین قانون است۔ (ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔) باہر نکلیے اور اسے خود بچائیے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی۔" سرگوشی میں ... اٹھ گئی۔

اسی پل پیچھے سے زمر آتی دکھائی دی۔ اور اگلے ہی پل وہ ٹھٹکی۔ سرخ اسکارف والی لڑکی فارس کے سامنے بیٹھی تھی۔

فارس نے دبی زبان میں کچھ کہا (مجھے کچھ دن دو۔ کچھ دن کے لیے ان کو ٹالو) جو زمر کو وہاں سے سنائی نہ دیا۔ لڑکی نے کندھے اچکائے اور مڑ گئی۔ زمر کے ابرو بھنچے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ وہ لڑکی کی چھوڑی جگہ پہ بیٹھی۔

"یہ کون تھی؟"

وہ نگاہیں جھکائے سوچ میں گم تھا۔ مٹھیاں بھنچ رکھی تھیں۔ پشاوری چپل میں مقید پیر کا انگوٹھا مسلسل ہلا رہا تھا۔ وہ پریشان تھا' مضطرب تھا' مگر ضبط سے بیٹھا تھا۔

"میں پوچھ رہی ہوں یہ کون تھی؟" اب کے وہ درمیانی شیشہ کھٹکھٹا کر زیادہ درشتی سے بولی تھی۔ فارس نے آنکھیں اٹھائیں اور ایک سپاٹ اجنبی نظر اس پہ ڈالی۔

"میری پرانی گرل فرینڈ تھی' کوئی مسئلہ ہے آپ کو؟"

زمر کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ جبڑے بھنچے اور آنکھوں میں ناگواری عود آئی۔ بنا کچھ کہے سیدھی ہو کر بیٹھی اور خشک انداز میں بات کرنے لگی۔ فارس اسی طرح بیٹھا رہا۔ سن' پریشان' شل' بے چین۔

جیل سے نکلنے اور سعدی کے اغوا کے بعد سے اب تک' اس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا تھا۔ سب پلان کے مطابق جا رہا تھا۔ گرفتاری غیر متوقع تھی مگر وہ اس کی تیاری پہلے کر چکا تھا۔ صرف ایک یقین دہانی تھی کہ ہاشم سعدی کو نہیں مارے گا۔ یہ یقین دہانی بہت مضبوط' بہت پختہ تھی۔

مگر آج وہ نہیں رہی تھی اور وہ بالکل شل بیٹھا تھا۔

.... ☆☆☆ ....

وہ شہر ہجر عجب شہر پر تحیر تھا..... بہت دنوں میں تو آیا ترا خیال مجھے

کولمبو میں اس اونچے ہوٹل کے اندھیر تہہ خانے میں میری کچن میں سبزی کاٹ رہی تھی جب گارڈز اس کے پاس آئے اور اسے چلنے کو کہا۔ وہ حیران سی ان کو دیکھنے لگی۔ پھر ان کے ساتھ چل پڑی۔ سیکیورٹی چیک پوائنٹس سے گزر کر وہ لفٹ میں داخل ہوئے جو ہوٹل کے کچن کی پینٹری میں رکی۔ جب کسی کو آنا جانا ہوتا تو ہیڈ شیف پینٹری کو خالی کرا کے وہاں پہریدار بن کے کھڑا ہو جاتا تھا۔ پینٹری کی دیوار کے اندر نیچے جانے کا راستہ ہے' یہ یہاں کسی کو معلوم نہ تھا۔

میری کو جب کچن سے گزار کر وہ دونوں اوپر لے جا رہے تھے تو وہ گردن موڑ موڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں حیرت اور تعجب تھا۔ اسے جہاز سے آنکھوں پہ پٹی باندھ کر ("بلائنڈ فولڈ" کر کے) لایا گیا تھا اور اتنے ماہ بعد وہ یہ خراتی روشنی دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اسے ایک کمرے میں لے آئے۔ میری ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ پرتعیش طریقے سے آراستہ سنہری تھیم میں سجا کمرہ تازہ پھولوں کی مہک میں بسا تھا۔ وہ سوئیٹ کے ایک حصے سے دوسرے میں چلتی آئی جو سٹنگ ایریا کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ وہاں ایک بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے مسکراتی ہوئی جواہرات بیٹھی تھی۔ تازہ بوٹوکس کے باعث اس کی جلد مکھن کی طرح ملائم اور دمک رہی تھی۔ سیاہ فلر بلنگ ٹاپ اور سیاہ اسکرٹ میں ملبوس بھورے بال چہرے کے ایک طرف ڈالے وہ بڑی شان سے بیٹھی تھی۔

"بیٹھو میری انجیو!" دو انگلیوں سے اسی شان سے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میری متذبذب سی وہاں آ کر بیٹھی۔

"مسز کاردار میں....."

"نہیں میری۔ میں بولوں گی۔ تم سنو گی۔ آج یہاں تم بولنے کے لیے نہیں لائی گئی۔" میری نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

"میں ماضی کو نہیں کریدوں گی مگر تمہارے بارے میں میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم کیا کچھ جانتی تھیں مگر تم نے ہاشم کے سامنے وہ باتیں نہیں دہرائیں۔ میرا نہیں خیال یہ تم نے سعدی کے گرینڈ پلان میں مدد دینے کے لیے کیا ہے۔ تم نے یہ..... میرے لیے کیا ہے۔ کیونکہ تمہیں تمہاری جاب واپس چاہیے۔ میں میری انجیو....." سینے پہ ایک انگلی سے دستک دی۔ مسکراتی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔ "میں تمہیں تمہارا کھویا ہوا مقام واپس دلاؤں گی۔ تم قصرِ کاردار واپس آؤ گی اور میرے اسٹاف کی ملکہ تم ہی ہو گی۔ تم ہمیشہ سے یہ چاہتی تھیں کہ میں تم پہ بھروسہ کروں۔ آج میں تم پہ بھروسہ کرتی ہوں۔ مجھے تمہاری وفاداری کا یقین آ گیا ہے۔ اورنگزیب تمہارے بارے میں ٹھیک کہتا تھا۔"

میری بس یک ٹک گنگ سی اسے دیکھے گئی۔

"وہ دونوں بھاگنے کا پلان کر رہے ہیں میں جانتی ہوں۔ تم ان کا ہر پلان مجھے بتاؤ گی۔ تم میری ان کو بھاگنے نہیں دو گی۔ صرف چند دن تک۔ پھر تم قصرِ کاردار واپس آ جاؤ گی۔ چاہوں تو ابھی لے جاؤں تمہیں مگر جواہرات کاردار کا بھروسہ بھیک میں نہیں ملتا۔ اسے کمانا پڑتا ہے۔ تو تم اسے کماؤ۔ سعدی کی دوستی کو بھول جاؤ۔ اپنے حفظِ ذات کے بارے میں سوچو۔ صرف اپنے بارے میں!" اور ہاتھ کو بے نیازی سے لہرا کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ مسکراتی نظریں اب بھی اس پہ جمی تھیں۔ میری مرے مرے قدموں سے اٹھی اور واپس جانے کو مڑی۔

"تمہیں بتایا گیا تھا کہ یہ انڈیا ہے۔ ہے نا؟" اس کے الفاظ پہ میری چونک کر مڑی۔

"مگر یہ سری لنکا ہے۔ دیکھ لو ہاشم کو تم پہ اعتبار نہ تھا جانتا تھا تم سعدی کو سچ بتا دو گی۔ مگر مجھے..... اب..... تم پہ..... بھروسہ..... ہے!"

میری انجیو بالکل لاجواب ہو گئی تھی۔ واپسی کا سفر اس نے شل دماغ کے ساتھ کیا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

حالت میری نہ مجھ سے معلوم کیجئے ..... مدت ہوئی ہے مجھ سے میرا واسطہ نہیں

کلب میں مدھم بتیاں جلی تھیں۔ موسیقی بھی مدھم تھی۔ بار کاؤنٹر پہ دونوں کہنیاں رکھ کر اونچے اسٹول پہ بیٹھی شہرین بھرے ہوئے گلاس کے منہ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ نگاہیں بارٹنڈر کے عقب میں کھڑے ریک پہ جمائے وہ کسی سوچ میں گم تھی جب دوسری سمت سے تو شیروان آتا دکھائی دیا۔ وہ اکھڑے سے تنے تاثرات چہرے پہ سجائے جیکٹ اتار کر ملازم کو دیتا رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شہری کو دیکھ کر ابرو بھینچے۔ پھر اس کے قریب اسٹول پہ بیٹھا۔ اس کے آگے جھک کر چٹکی بجائی۔ وہ چونک کر اس جانب گھومی۔

آج اس کا لباس سیاہ تھا اور میک اپ قریباً ندارد۔ آنکھوں تلے حلقے چھپانے کے باوجود دکھائی دے رہے تھے۔ شیر دکو دیکھ کر جھکے

تھکے انداز میں سنہری بالوں میں انگلیاں پھیر کر ان کو پیچھے جھٹکا۔ "تم کدھر؟"

"پریشان لگ رہی ہیں۔ وجہ؟"

"تمہارے بھائی کے ہوتے ہوئے کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" بوجھل آنکھوں اور تھکی آواز میں کہتی گلاس کو دو گھونٹ میں خالی کرنے کا [illegible] پرے دھکیل دیا۔

"میری بیٹی مجھ سے لی، نئی کمپنی میں مجھے شیئرز نہیں دیے۔ یہ مت کہنا کہ اس بارے میں تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ میں شدید ڈپریشن کا شکار ہوں۔ اوپر سے سوفی کہہ رہی تھی، تمہاری ممی نے اسے کہا ہے کہ ہاشم جلد دوسری شادی کرنے والا ہے۔ سب کے پاس اپنی اپنی زندگی ہے۔ ایک میں ہی قصر کاردار کے گرد بھنورے کی طرح منڈلاتی رہتی ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں سہلائیں۔ "اور کیا قصور تھا میرا؟ صرف یہی کہ سعدی سے ذرا سی دوستی تھی میری؟ کیا میں پوچھتی ہوں ہاشم سے کہ اس کی کس کس سے دوستی ہے؟ ہونہہ۔"

مہینوں بعد... نوشیرواں سعدی کے ذکر پہ بےزار نہیں ہوا بلکہ آنکھوں میں عجیب چبھن سی در آئی۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر یہ سعدی لوگ ہماری زندگیوں میں نہ آئے ہوتے شہرین۔" وہ نفرت کی آنچ لیے بولا تھا۔

"بالکل!" اس نے گویا کراہ کر کہا تھا۔ وہ اس سے زیادہ متفق نہیں ہو سکتی تھی۔

"وہ خاندان خود کو بہت پارسا سمجھتا ہے۔ جیسے وہ اچھے اور ہم برے ہیں۔ ہر وقت وہ دونوں بہن بھائی اپنے غرور میں [illegible] دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ کیا ان باتوں پہ گناہ نہیں ہوتا؟ کیا سارے گناہ امیروں کے ہوتے ہیں؟ یہ مڈل کلاس لڑکے لڑکیاں... یہ اعتماد کی آڑ میں کسی کو کتنا ہرٹ کر جائیں ان کو سب معاف ہے؟"

"کیا ہاشم نے سعدی کو ویسے ہی ذرا جیسے اس دن مجھے مارا؟ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا؟ نہیں نا۔ اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ میری [illegible] ہے۔" شہری کے غم مختلف تھے۔

"کبھی کبھی دل چاہتا ہے شہری کہ ان کی انیکسی کو آگ لگا دوں۔ سعدی سمیت ان سب کو مار دوں۔ ایک ہی دفعہ یہ سارا خاندان مٹ جائے۔" وہ منتقم مزاجی سے کہہ رہا تھا۔ "آخر ہم قاتل ہی ہیں؟ تو ہم قاتل ہی اچھے۔ بس یہ لوگ ہماری جان چھوڑ دیں۔ ہم سے دور چلے جائیں۔ یہ لوگ... یہ لوگ کسی آسیب کی طرح ہیں۔ جب تک ہمارے ارد گرد رہیں گے ہمیں بری خبریں ہی ملتی رہیں گی۔ میرا باپ جس ناخوش حالت میں مرا صرف... صرف انہی کی وجہ سے۔ میرے باپ کی موت کی وجہ بھی یہی لوگ ہیں۔" وہ شدید کرب سے دھیرے دھیرے کہتا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں تپش تھی اور دل جل رہا تھا۔ شہری نے ناک سکوڑ کر شانے اچکائے۔

"واٹ ایور۔ ان کے مرنے سے میرے مسئلے تو نہیں حل ہوں گے نا۔" یہاں پہ شہری کو اختلاف تھا۔

شیرو نے سر جھٹکا اور بارٹینڈر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ حالانکہ اب اس کا دل کسی چیز کے لیے نہیں چاہ رہا تھا۔ باپ کے ذکر نے ایک دم سب بجھا دیا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

کولمبو کے اس سرد اور خاموش تہہ خانے میں میری انجیو خاموشی سے کچن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ اس کے سامنے سعدی کے کمرے کا دروازہ مقفل نظر آ رہا تھا۔

دروازے کے پار... وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا تندہی سے خاور کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یہ سب دیکھ کر کیا ملے گا؟" وہ بےزار ہوا۔ خاور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سعدی کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھیں سنجیدہ تھیں۔

''یہ سلیف ڈیفنس کے لئے ہے۔ تم میری لائف لائن ہو میں تمہیں مرنے نہیں دینا چاہتا۔'' اس نے سعدی کے دونوں ہاتھ پکڑے اور اس کو ذرا ادھر ادھر کھینچ کر درست کھڑا کیا۔

''خاموشی کو سننے کی عادت ڈالو۔ خاموشی کو دیکھو۔ محسوس کرو۔ میرے ہاتھوں کو دیکھو۔ میرے پیروں کو دیکھو'' وہ آہستہ آہستہ ہاتھ گھماتے ہوئے کہہ رہا تھا اور سعدی الرٹ سا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''اس کو روکو!'' اس نے ایک دم اپنا ہاتھ تلوار کی طرح سعدی کے بازو پہ مارنا چاہا تو سعدی نے تیزی سے اپنی کلائی جوابی تلوار کی طرح اس کی کلائی سے ٹکرائی۔

''ہاتھ کو درست رکھو۔ ایسے۔'' وہ اب اس کو کلائی سے پکڑ کے بولتے ہوئے سکھا رہا تھا۔

دفعتاً سعدی نے اس کے کندھے سے اوپر دیوار پہ کچھ دیکھا۔ ''کیا یہ نشان تم نے لگایا ہے؟''

''کیسا نشان؟'' خاور نے چہرا موڑ کر دیکھا۔ وہاں کوئی نشان نہیں تھا۔ اس نے چہرہ جیسے ہی واپس پھیرا، سعدی کا زوردار مکا اس کے منہ پہ پڑا۔ لمحے بھر کو اس کا دماغ گھوم گیا۔

سعدی نے مٹھی کو چہرے کے قریب لے جا کر اس میں پھونک ماری۔ ''واؤ۔ اب میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ چلو ٹریننگ جاری رکھتے ہیں۔''

خلاف توقع خاور برا مانے بغیر سر جھٹک کر واپس سامنے آ کھڑا ہوا۔

باہر بیٹھی میری ہنوز کسی گہری اندھی سوچ میں گم تھی۔

ان سے دور..... سرما کی اس سرد رات میں جیل کا وہ تاریک بیرک خاموش پڑا تھا۔ فارس مسلسل دائیں سے بائیں ٹہلتا شدید اضطراب کی حالت میں لگتا تھا۔ آتش دیوار سے لگا آلتی پالتی مارے بیٹھا منہ میں کچھ چباتا اسے صبر سے دیکھتا رہا۔

''ایک نصیحت کی تھی تمہیں۔ دشمن پہ ترس نہ کھانا۔ تم نے وہی کیا۔ اگر نہ کیا ہوتا تو آج جیل میں نہ ہوتے۔'' اس کا اشارہ واسے الیس پی کی طرف تھا۔

''اس پہ نہیں اس کے بچے پہ ترس آیا تھا مجھے۔ اور زیادہ دماغ نہ خراب کرو میرا۔'' سلاخوں تک رکا، دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ چہرے پہ بے بسی اور آنکھوں میں غصہ تھا۔

''ایسے نہیں ٹوٹیں گی یہ۔ جب تم پہلی دفعہ جیل میں آئے تھے تب بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ بڑے عرصے بعد پرانا غازی نظر آیا ہے۔''

''پریشان ہوں میں!'' وہ وہاں کھڑا بے بسی بھری برہمی سے بڑبڑا رہا تھا۔ پیچھے زمین پہ بیٹھا آتش مسکرایا۔

''تم پریشان نہیں ہو۔ تم خوفزدہ ہو۔''

''ہاں میں خوفزدہ ہوں۔ وہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ وہ بچہ ہے۔ کم عمر ہے۔ وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پہلی دفعہ لگا ہے کہ وہ اسے مار دیں گے۔'' پھر وہ تہیہ کر کے اس کی طرف گھوما۔ ''مجھے یہاں سے نکالو۔ اپنے آدمیوں سے کہو مجھے باہر لے جائیں۔ میں اسے وہاں سے نکال لاؤں گا۔''

''چچ چچ۔'' آتش نے افسوس سے سرگوشی میں بلایا۔ ''بہت عرصے بعد پرانا غازی نظر آیا ہے۔ کیا سکھایا تھا تمہیں جیل میں چار سال؟ وہ تمہارے ہاتھ قید کر سکتے ہیں، تمہارا دماغ نہیں۔ باہر نکل کر کیا کرو گے؟ خاندان کے ایک لڑکے کو بچانے جاؤ گے اور باقی عورتوں کو پیچھے چھوڑ جاؤ گے؟ پولیس کیا کرے گی تمہارے گھر والوں کے ساتھ، ہم دونوں کو علم ہے۔ غازی..... ہاتھوں سے مت سوچو! دماغ سے سوچو!''

فارس بائیں ہاتھ سے کنپٹی مسلتا سر جھکائے کھڑا رہا۔ کتنی ہی دیر۔

"کہتے ہو تو تمہیں باہر نکال دیتا ہوں، لیکن یہ عقلمندی نہیں ہوگی۔ دماغ سے سوچو، تم اس وقت اس کے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

فارس سلاخوں سے ماتھا ٹیکے، آنکھیں موندے کھڑا رہا۔ کھڑا رہا۔ پھر اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے چہرہ اٹھایا۔ سنہری آنکھوں میں سوچ تھی۔ ٹھنڈی گہری سوچ۔

"شوکت کہاں ہوتا ہے آج کل؟" اس نے بدلی ہوئی ٹھہری ہوئی آواز میں آتش سے اس کے ایک پرانے ساتھی کا پوچھا۔

"جہاں بھی ہے، تمہارا کام کل ہی کر دے گا۔ بول کیا کام ہے؟" وہ دل سے خوش ہوا تھا۔ اسے پرانا غازی نہیں پسند تھا۔ اسے یہ والا غازی پسند تھا۔

.... ❊ ❊ ❊ ....

کسے خبر کہ تجھ خاک آگ زندہ ہو..... ذرا سی دیر ٹھہر اور دیکھ بھال مجھے

سرما کے دھندلکوں میں انیکسی ڈوبی کھڑی تھی۔ حنین خوابیدہ چہرے کے ساتھ کچن کی گول میز پہ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ وہ اب بھی فجر کے لیے نہیں اٹھتی تھی۔ الارم بھی نہیں لگاتی تھی۔ الارم کے باوجود نہ اٹھی تو؟ ڈر لگتا تھا۔ مگر باقی کی چار نمازیں پڑھنے لگی تھی۔ ٹیچر نے کہا تھا کہ جس وقت بھی اٹھو فجر پڑھ لو۔ وہ ساڑھے سات بجے فجر پڑھ لیتی تھی۔ تنہا اور روشن۔ مگر گلٹ کم تھا۔ ناشتہ کرتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر ایک سرسری نظر دوڑائی۔ زمر سیاہ کوٹ میں ایک فائل پڑھتی چائے پی رہی تھی۔ بالکل منہمک سی۔ اسامہ اسکول یونیفارم میں ناشتہ جلدی جلدی کر رہا تھا۔ ندرت بھی تیزی سے کام سمیٹتی ریسٹورانٹ جانے کی تیاری میں تھیں۔

ایک میں ہی ہوں، نکمی اور ناکام! اس کا ڈپریشن بڑھنے لگا۔ سست روی سے لقمے زہر مار کرنے لگی۔ تبھی بیل ہوئی۔ ندرت باہر کو لپکیں۔ حنین کو صداقت کی آواز سنائی دی تھی۔ (اسے گاؤں سے آج صبح واپس آنا تھا) وہ سر جھکائے کھاتی رہی۔ تبھی اسامہ اس کے قریب کھسکا۔

"بھابھی آ نہیں رہی۔ بھابھی آ گئی ہے۔" حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ دور سامنے، داخلی دروازے پہ ندرت مسکرا کر صداقت اور اس کے ساتھ ایک لڑکی کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ صداقت کی عمر کی (یعنی حنین سے چھوٹی) سانولی، دبلی پتلی، بالوں کی کس کر چوٹی کیے، مگر تھوڑا سا سنہری زیور پہنے وہ گاؤں کی مزارعن جیسی لگتی تھی، مگر صاف ستھری اور اچھی تھی۔

"حنہ... صداقت کی بیوی کا نام کیا ہوگا؟ امانت؟" سیم پھر اس کے کان میں گھسا۔

"اور ان کے بچوں کا خیانت۔ خباثت!" دونوں بہن بھائی ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسے۔ زمر نے نگاہ اٹھا کر ان کو دیکھا تو ان کی مسکراہٹ فوراً سمٹ گئی۔

اس کا نام امانت نہیں تھا، حسینہ تھا۔ سیم نے تو خیر بمشکل ہنسی کا گلا گھونٹا مگر حنین کھانسی کے بہانے تھوڑا بہت ہنس گئی۔ خیر، سب نے اٹھ کر حسینہ بی بی کو خوش آمدید کہا۔ ندرت نے جانے سے پہلے اسے کچن دکھایا، کام سمجھایا (اب آ گئی ہے تو کیا نخرے اٹھانے۔ پہلے دن سے کام پہ لگے گی تو آگے عادت ہوگی۔) اور پھر یکے بعد دیگرے سب گھر سے رخصت ہو گئے۔ صداقت نیچے بڑے ابا کے کمرے میں چلا گیا اور حنین سائیں سائیں کرتے خاموش گھر میں ادھر ادھر ٹہلتی، بالآخر اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ایک ست نظر در و دیوار پہ ڈالی۔ یہ کمرہ اتنا بکھرا بکھرا کیوں لگتا تھا؟ جیسے چیزوں کا رش لگا ہے۔ مگر کہاں سے صفائی شروع کرے اور کون کرے؟

کچھ دیر بور ہوتی رہی پھر نیچے آئی تو حسینہ دوپٹہ کسے، کچن صاف کر رہی تھی۔ لمحے بھر کو حنہ سیڑھیوں کے اختتام پہ ٹھہری گئی۔ کچن کا ڈنر ابھی صاف نہیں کیا تھا اس نے، میلے برتن اکٹھے کر کے سنک میں رکھے تھے اور فرش کا جھاڑو لگایا تھا۔ مگر کچن..... وہ کچن جس کو وہ اس ایک

ہفتے میں رگڑ رگڑ کر تھک گئی۔ وہ کچن یکدم چمکنے لگا تھا۔ صاف ستھرا۔ نکھرا نکھرا۔

وہ الجھی ہوئی سی اوپن کچن کے دہانے پہ آ رکی۔

"یہ تم نے..... کیسے صاف کیا؟" تذبذب سے بولی تھی۔ ڈسٹ بن کا نیا شاپر لگاتی حسینہ مڑی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

"باجی! اللہ جہنم رسید کرے میری پھپھی کو بڑی ہی کوئی فتنہ عورت تھی، وہ....."

"اُف..... ایسے نہیں کہتے فوت ہوؤں کو۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔

"جی باجی مگر وہ پوری فوت نہیں ہوئی۔ بدروح اب بھی پورے گاؤں میں منڈلاتی ہے' مگر ایک بات وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ شانو..... شانو مجھے پیار سے بلاتے ہیں..... وہ کہتی تھی' شانو جب تک کسی کمرے کے چاروں کونوں سے رگڑ رگڑ کر گند یا چیزیں نہ نکالی جائیں' تب تک کمرے کی لاکھ صفائی کرلو، صفائی نہیں لگے گی۔ فرش کے کونے صاف کیے میں نے اور اس شیلف (کاؤنٹر ٹاپ کے لیے چند منٹ بولے جانے والا لفظ) کے کونوں میں رکھی ساری چیزیں اٹھالیں۔ باجی! جب کونے خالی ہو جائیں تو صفائی ہوتی ہے۔ کونوں کو ہمیشہ خالی رکھنا چاہیے۔ اب دیکھیں نا باجی! ہیں ہم گاؤں کے لوگ' مگر یہ باتیں صرف ہم ہی لوگ جانتے ہیں' ورنہ آج کل کے موئے کمپیوٹر تو یہ باتیں نہیں سکھا سکتے۔" ایک سوال کیا پوچھ لیا' تازہ تازہ اسلام آباد آئی نیارن کو اپنا احساس کمتری چھپانے اور رعب ڈالنے کا موقع مل گیا۔ عام حالات میں حنین بہت کچھ کہتی (مثلاً' یہ صداقت گاؤں میں جا کر سب کو بتاتا ہے کہ مالکن کی بیٹی سارا وقت کمپیوٹر پہ بیٹھی رہتی ہے؟) مگر..... اس حسینہ نے ایسی بات کہہ دی تھی جو حنہ کے دل کو ایک دم جھنجھوڑ کر رکھ گئی تھی۔

"غلط! بالکل غلط!" وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ "تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ کمپیوٹرز انسان کو کیا کچھ سکھا سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ فوراً واپس اوپر کو بھاگی' پھر رکی۔

"سنو! زیادہ باتیں نہ بنایا کرو۔ ہمارے گھر میں زیادہ بولنے والوں کو پسند نہیں کیا جاتا۔ اور دھیان سے کام کرو۔" رعب سے ڈپٹ کر تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ (حسینہ بڑبڑاتے ہوئے جھاڑو دینے لگی۔)

اپنے اور ندرت کے کمرے میں آ کر حنہ فرش پہ بیٹھی اور بیڈ پہ لیپ ٹاپ رکھ لیا۔ گوگل صاحب اپنا خالی چوکھٹا لیے مسکرا کر اس کو دیکھ رہے تھے۔

صداقت کی شادی کے دنوں میں جب اسے گھر صاف کرتے وقت اپنی غلطیاں سمجھ نہیں آتی تھیں تو سوچا امی سے پوچھے (مگر امی ڈانٹیں گی کہ جب پہلے کہتی تھی' تب کیوں نہیں سنا؟) کبھی سوچا بڑے ابا کو فون کرے (اونہوں۔ پھر تو ان کی اخلاقی فتح ہو جائے گی کہ پوتی نکمی ہے۔) کبھی خیال آیا..... زمر (مگر یہاں انا آڑے آ گئی۔) سیم سے پوچھنا اپنی بے عزتی کروانے کے مترادف تھا۔ صرف سعدی تھا جو سب کی سنتا' سب کی مدد کرتا تھا مگر سعدی نہیں تھا۔

لیکن گوگل بھی تو تھا۔ اس کا پرانا دوست۔

اس نے پوچھا (کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے) کیسے رکھا جائے اپنے کمرے کو صاف اور آرگنائزڈ؟

لمحے بھر میں جوابات نگاہوں کے سامنے چمکنے لگے تھے، اور یہ پہلی دفعہ تھا جب حنین ذوالفقار یوسف خان نے وہ دنیا دریافت کی تھی جو گھر سے باہر نہیں تھی' بلکہ وہ جو گھر کے اندر تھی۔

"صاف لڑکی وہ ہوتی ہے جو گند الماریوں میں نہ پھینکے' بلکہ ڈسٹ بن میں پھینکے۔" گوگل اسے سمجھا رہا تھا۔ "اپنی الماریوں سے شروع کرو۔ سارا سامان..... اور سارے سے مراد ہے..... سارے کا سارا سامان باہر نکالو۔ تین ڈبے بناؤ۔ ایک ردی کا۔ ایک خیرات کا۔ اور ایک وہ جو تمہارا ہے۔" وہ شاید گھنٹہ بھر بالکل ساکت' یک ٹک پڑھتی رہی' پھر اس نے آستین اوپر چڑھائے' دوپٹہ کسا' بال باندھے۔ ایک عزم

سے اپنے کمرے کو دیکھا۔ آنکھوں میں چمک لیے وہ اونچا سا بولی تھی۔

"میں اس ملک کی سب سے آرگنائزڈ لڑکی بننے جا رہی ہوں۔" (شکر ہے ہم نہیں تھا، ورنہ اتنا ہنستا کہ بس!)

حنین ہمیشہ سمجھتی تھی کہ سگھڑ لڑکیاں وہ ہوتی ہیں جو چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی سنبھال کر رکھتی ہیں۔ غلط۔ وہ کنجوس اور گندی لڑکیاں ہوتی ہیں کیونکہ سنبھالنے کے لیے رکھی چیزوں میں سے اکثر "گند" ہوتی ہیں۔

اس نے الماریاں خالی کیں۔ دراز الٹے۔ شیلف کا سامان بھی فرش پہ ڈھیر کیا۔ چیزیں، چیزیں، چیزیں۔ ہم بذاتِ خود کتنی گندی میلی قوم ہیں۔ ردی سے الماریوں کو بھر کر رکھتے ہیں۔ مگر اب مزید نہیں۔

گوگل نے کہا تھا ہر وہ چیز جو تم نے پچھلے دو سال سے استعمال نہیں کی، وہ پھینکو۔ قابلِ استعمال چیز خیرات کرو، اور صرف ضرورت کی چیز واپس رکھو۔ اس نے بھی تین ڈھیر لگانے شروع کیے۔ میک اپ کا ایکسپائرڈ پرانا سامان، پرانی چوڑیاں، پرانے کپڑے، کاغذ کا پھلدان، کتابیں، جوتے، سوکھے ہوئے قلم، خالی ڈبے۔ اف اتنا گند۔ جب اس کے تینوں ڈھیر مکمل ہوئے اور وہ اٹھی تو کمر دکھ رہی تھی، مگر حسینہ کو آواز نہ دی (انا!) خود ہی کوڑے والے بڑے سیاہ شاپروں میں سب ڈالا اور باہر رکھ آئی۔ کچن سے اخبار یں اٹھائیں اور اپنی الماریوں میں بچھائیں۔ شیلف صاف کیے۔ چیزیں درست کر کے جوڑ کے رکھیں۔ دراز صاف اور ہلکے ہو گئے۔ جب ساری الماریاں اور دراز اندر سے صاف ہو چکے تو وہ جالوں والا ڈنڈا لائی، ہر کونے سے جالے صاف کیے۔ گوگل کہتا تھا پھول جھاڑو سے دیواروں پہ بھی جھاڑو لگاؤ۔ جو حکم۔ وہ بھی کیا۔ پھر گیلی اخبار سے شیشہ صاف کیا۔ گیلے کپڑے سے ڈسٹنگ کی۔ جھاڑو لگایا۔ صوفے اور پلنگ دھکیل دھکیل کر اور بالخصوص کونوں سے جھاڑو لگایا۔ رگ کو ویکیوم کیا۔ فرش پہ موپ لگایا۔ (موپ دھونے کی ہمت نہیں تھی، وہ ایسے ہی کچن میں حسینہ کو دے آئی) اب (ٹوٹی کمر کے ساتھ) واپس آ کر کمرہ دیکھا تو طمانیت کا احساس ہوا۔ مگر ہاں بیڈ شیٹ رہ گئی۔ جلدی سے اسے تبدیل کیا۔ اف سب اتنا نکھر گیا تھا۔ صاف چمکتا ہوا۔ گردن اٹھائی تو دل دھک سے رہ گیا۔ پنکھے پہ جالے تھے۔

اوہ نو۔ وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر کراہتی تھی۔ اب اگر اوپر جالوں والا جھاڑو مارا تو سارے کمرے کی صفائی کا بیڑہ غرق ہو جاتا تھا۔ کیا کرے؟ دوڑ کر گوگل سے پوچھا۔ جواب پا کر سکھ کا سانس لیا۔ کمرے کے وسط میں میز کھینچ کر رکھی، اوپر اسٹول رکھا، اور پرانا تکیے کا کور لیے اوپر چڑھی۔

ایک ایک پہ باری باری کور چڑھایا، اور رگڑ کر جالے اس کے اندر اتار لیے۔ پنکھا گزارے لائق صاف ہو گیا۔ جالے نیچے بھی نہیں گرے۔

اب جب نیچے کھڑے ہوئے حنین نے گردن گھما گھما کر اپنے کمرے کو دیکھا تو دل میں سکون سا بھر گیا۔ ایک تشفی کا احساس تھا کہ یہ کمرہ اندر تک الماری کے دروازوں اور نہاں خانوں تک صاف ستھرا ہے۔ صفائی کا احساس.... طمانیت.... انمول ہوتی ہے۔

اس سارے میں اس کی حالت شدید دگرگوں ہو چکی تھی مگر وہ خوش تھی۔ بے حد خوش۔ صاف استری شدہ کپڑے نکالے۔ نہا دھو کر بال برش کر کے پرفیوم لگا کے نماز پڑھی۔ نیچے جا کر کھانا کھایا اور پھر کمرے میں آ کر کمبل تان کر سو گئی۔ بڑی کوئی میٹھی نیند تھی جو اس وقت اسے آئی تھی۔

حنین کی آنکھ باتوں کی آواز سے کھلی تھی۔ بمشکل اس نے آنکھیں کھولیں اور کمبل ہٹا کر دیکھا۔ مغرب ہو چکی تھی اور کمرے کی بتیاں جلی تھیں۔ وہاں اسامہ اور ندرت کھڑے زمر سے بات کر رہے تھے جو کوٹ اور پرس اٹھائے چوکھٹ میں کھڑی متاثر انداز میں کہہ رہی تھی۔

"واقعی بھابھی، اس نے آج بہت کام کیا ہے۔ آپ کا کمرہ تو چمک رہا ہے۔" حنین نے پلکیں جھپکیں۔ کہنی کے بل اٹھی۔ (کمر ابھی تک اکڑی ہوئی تھی۔)

''اچھا! اکتیں! ہر شے صاف کی ہے۔ الماریاں تک جوڑی ہیں۔'' ندرت کی آواز میں ستائش تھی۔ حنہ خوابیدہ آنکھوں اور لبوں پہ معصوم مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔ دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ ابھی اسامہ کہہ رہا تھا۔

''واؤ! یہ صداقت بھائی کی بیوی تو بہت اچھا کام کرتی ہے۔''

حنین کا منہ کھل گیا۔ وہ یکدم بالکل شل ہوگئی۔ زمر نے اسے اٹھتے دیکھ لیا تھا۔ تبھی پکارا۔ ''حنین! تم نے اپنی نگرانی میں اس سے صفائی کروائی تھی نا؟ ویسے صداقت سے کہیں زیادہ سلیقہ شعار ہے یہ لڑکی۔ آئی ایم امپریسڈ!''

حنین کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا تھا۔ وہ سب اب بار بار حسینہ کی تعریف کر رہے تھے۔ ڈھیروں آنسو حنہ کے حلق میں جمع ہوئے۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ ایک دم سے رخ موڑ کر کمبل تان کر واپس لیٹ گئی۔

اگر اس وقت وہ دفاع میں ایک لفظ بھی کہتی تو اسے پتہ تھا وہ رونے لگ جاتی۔ سو کمبل کے اندر خود کو چھپا لیا۔

.... ٭٭٭ ....

کہاں سے لائیں بھلا ہم جواز ہم سفری ..... تجھے عزیز ترے خواب اپنا حال مجھے

اس چمکیلی مگر ٹھنڈی دوپہر آبدار عبید اپنی رہائشگاہ کے گیٹ سے کار نکال رہی تھی جب ٹھٹک کر رکی۔ ایک شخص وہاں منتظر سا کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک ڈبہ پکڑ رکھا تھا جسے لہراتے ہوئے وہ کار تک آیا۔ آبی رکی مگر شیشہ نہیں کھولا۔ اس نے قریب آ کر ڈبہ دکھایا۔ اوپر فارس غازی کا نام لکھا تھا۔ آبدار نے تیزی سے بیلٹ کھولی اور باہر نکلی۔ گیٹ پہ مامور گارڈز اس طرف آنے لگے مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر ان کو پلٹ جانے کا اشارہ کیا اور خود اس شخص کی طرف مڑی۔

''یہ فارس غازی نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔'' اس نے ڈبہ بڑھایا۔ آبی نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ڈبہ تھاما۔ وہ فوراً پلٹ کر اپنے موٹر سائیکل کی طرف چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ وہاں سے دور ایک ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں کار روکے اندر بیٹھی تھی۔ اور ڈبہ کھلا پڑا تھا۔ اندر ایک لکڑی کا چھوٹا سا پین کیس تھا اور اوپر ایک چٹ رکھی تھی۔ جس پہ ایک نمبر درج تھا۔ وہ سوچتی رہی۔ بالآخر اس نے موبائل نکالا اور وہ نمبر ڈائل کیا۔

پہلی گھنٹی پہ کال مل گئی تھی۔ بھاری مگر دھیمی مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

''میرا پارسل مل گیا؟'' آبدار کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''کیا آپ کی جیل میں پانچ کلومیٹر تک موبائل جیمرز نہیں لگے ہوتے؟''

''ہمیں جیمرز کو دھوکہ دینے کے سو طریقے آتے ہیں۔ کیسی ہیں آپ؟''

''کنفیوزڈ ہوں۔ اس پین کا کیا کروں؟'' اس نے لکڑی کا کیس کھولا۔ اندر پلاسٹک میں لپٹا سنہری قلم رکھا تھا۔ بال پین تھا جس کے پیچھے سے دبانے پہ نب باہر نکلتی تھی۔

''اسے مت چھوئیں۔'' وہ جلدی سے بولا تھا۔ ''اس میں سائنائڈ ہے۔ زہر۔''

آبدار نے جلدی سے کیس بند کیا۔ خوبصورت پیشانی پہ لکیریں ابھریں۔ ''میں اس کا کیا کروں؟''

''یہ اسے دینا ہے۔'' وہ دھیما سا بولا۔

''وہ اس کا کیا کرے گا؟''

''دفاع از خویشتن!'' (دفاعِ ذات!)

''آپ تو فارسی بھی بولتے ہیں۔'' مگر پھر وہ برہم ہوئی۔ ''میں اپنے باپ کو دھوکہ دوں؟ ہاشم سے دغا کروں؟ بین الاقوامی قوانین توڑ

دل اور سکیورٹی کو بائی پاس کر کے یہ قلم اس تک پہنچاؤں' یہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں آپ مجھے؟"

"میں صرف درخواست کر رہا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔ اپنی بیرک میں دیوار سے لگا کھڑا وہ آستین موڑے فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ وہ برہمی' وہ غصہ' وہ بے بسی' سب مفقود تھا۔ وہ بالکل پرسکون تھا۔

آبدار کے تنے نقوش پھر سے ڈھیلے پڑے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دی۔

"اور میں یہ کیوں کروں گی؟"

"بدلے میں' میں بھی آپ کے لئے کچھ کروں گا۔"

"مثلاً کیا؟" وہ شرارت سے نچلا لب دبا کر بولی۔

"جو آپ کہیں۔" وہ بھی مسکرایا تھا۔

"آپ میرے ساتھ چائے پئیں گے؟" کہہ کر اس نے بے اختیار دانتوں تلے زبان دبائی اور خفت سے آنکھیں میچیں۔ بیرک میں کھڑے فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"چائے؟"

"دو دفعہ انکار کیا آپ نے چائے کے لئے۔ ایک تب جب آپ پہلی دفعہ ادھر آئے اور ایک تب جب ہم ایس ایچ او صاحب کے کمرے میں ملے تھے۔"

وہ ہلکا سا ہنسا۔ سر جھکائے' نفی میں گردن جھٹکی اور جوتے سے زمین کو مسلتے بولا۔ "میں شادی شدہ آدمی ہوں' آبدار بی بی!"

"پھر تو آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ ترنت بولی۔

"او کے... میں آپ کے ساتھ چائے پیوں گا' اگر میں باہر آیا تو۔ مگر آپ یہ اس کو دے دیں گی۔" فارس نے نرمی سے یاد کرایا۔

"لیکن جب میں اس سے مل لوں گی تو فصیح کو دیا وقت ختم ہو جائے گا اور وہ اس کو مار دے گا۔"

"جو میں کہہ رہا ہوں آپ وہی کریں۔" اس کی آواز سنجیدہ اور بے لچک تھی۔ آبی نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے یہ کرنا؟"

"کیا کرنا؟"

"جیل میں بیٹھ کر' خود مقید ہو کر بھی' ہم سب کو کنٹرول کرنا۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ شرافت سے قید کے دن کاٹ رہا ہوں۔" وہ سادگی سے بولا۔ لبوں پہ مسکراہٹ پھر سے در آئی تھی۔

آبی مسکرا دی۔ "میں اس جیل صرف اس لئے گئی تھی کیونکہ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتی تھی۔ دوبارہ کبھی میں ادھر نہیں جانا چاہتی تھی' مگر..... (ٹھنڈی سانس بھری) آپ کے لئے میں یہ کر لوں گی۔" وہ فون بند کرنے لگی جب اس نے پکارا۔ "آبدار۔" وہ ٹھہری۔

"تھینک یو!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔ آبدار عبید کو نہیں معلوم وہ کیوں مسکرا رہی تھی مگر وہ مسکرا رہی تھی۔ ایک دم سے ساری دنیا خوبصورت لگنے لگی تھی۔

..............❖❖❖..............

شہر آباد کر کے شہر کے لوگ ...... اپنے اندر بکھرتے جاتے ہیں

دوپہر کی نرم سنہری کرنیں قصرِ کاردار کی اونچی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر گر رہی تھیں۔ لاؤنج میں کنارے پہ کھڑکی کے آگے شاہانہ کرسی پہ بیٹھی جواہرات کردفر سے ناک سے مکھی اڑا کر بولی تھی۔ "اور بھی کچھ کہہ رہے تھے تم۔"

"آپ کا اس ہفتے ایک Photo Op کرنا ہے۔ زلزلہ متاثرین کے ساتھ۔" وہ ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اپنے سیل فون پہ کچھ چیک کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"احمر۔ کیا یہ بہت مصنوعی نہیں لگے گا؟"

"مسز کاردار۔ سب کو معلوم ہے کہ Photo Ops جھوٹ اور بکواس ہوتے ہیں' لیکن اس جھوٹ کو پیش کرنے کے لیے مہارت ہونی چاہیے۔ جو جتنا اچھا جھوٹ بولتا ہے، اس کا فوٹو اوپ اتنا ہٹ جاتا ہے۔ اسی لئے آپ نے مجھے ہائر کیا ہے نا۔ سو مجھے اپنا کام کرنے دیں۔" وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ جواہرات نے جواباً ہاتھ بڑھا کر اس کا شانہ تھپکا۔ "جو تم کہو!"

لاؤنج کے اِن ڈور پلانٹ کو پانی دیتی فیونا نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر وہ منظر دیکھا اور پھر ناخوشی سے ناک سکوڑتی واپس کام کرنے لگی۔ وہ جواہرات کا اب صرف پی آر او نہیں تھا۔ نہ ہی وہ صرف اس کا امیج کنسلٹنٹ رہا تھا۔ وہ اس کا "باڈی مین" بنتا جا رہا تھا۔

باہر لان میں کار رکی، دروازے کھلے اور ہاشم کاردار کوٹ کا بٹن بند کرتا باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ آنکھیں سامنے اونچے قصر پہ جمائے چہرے پہ سختی اور برہمی طاری کیے' ساتھ نکلتے رئیس سے بات کر رہا تھا۔

"یہ میں جانتا ہوں کہ وہ بیٹے کی ضمانت کے لیے واقعی کورٹ گیا تھا۔ مزید کیا معلوم ہو سکا ہے۔"

"سر' فاطمی نے پچھلے تین ماہ میں چار دفعہ ہمارے جاننے والے ایک کوریئر کے ذریعے کرنسی باہر لانڈر کروائی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے اثاثے باہر منتقل کر رہا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے نام پہ ایک گھر بھی بارسلونا میں قسطوں میں خرید رہا ہے۔"

"اچھا۔" وہ پتھریلے تاثرات کے ساتھ سنتا' برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ رئیس اس سے ایک قدم پیچھے تھا۔

"کیا اس سے بات کریں گے آپ؟"

"تمہاری جگہ خاور ہوتا تو یہ کبھی نہ پوچھتا۔" وہ کہہ کر لمحے کو رکا' پھر سر جھٹک کر اوپر چڑھتا گیا۔ "ابھی اس پہ نظر رکھو۔ صرف نظر۔"

وہ اندر آیا' اور بس ایک سرسری نظر ماں اور اس کے باڈی مین پہ ڈال کر اوپر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب فریش ہو کر شرٹ اور ٹراؤزرز میں ملبوس' آرام دہ حلیے میں نیچے آیا تو جواہرات تنہا بیٹھی تھی۔ وہ احمر کی چھوڑی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"آپ نے کال کی تھی۔ کوئی اہم بات تھی؟"

"ہوں۔" جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ خاور والے سارے مسئلے کے بہت دن بعد' وہ بالآخر ذہنی طور پہ پرسکون ہوتا نظر آ رہا تھا۔ جواہرات نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھپکا۔

"ہاشم..... شہری اور تمہاری ڈائیورس کو دو سال ہونے کو آئے ہیں۔ سعدی' خاور' وہ سارے مسئلے بھی حل ہو گئے ہیں۔ فارس بھی قصہ پارینہ ہو گیا۔ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔"

"آپ چاہتی ہیں کہ میں شادی کر لوں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"بالکل۔ اور اب تمہیں جلد فیصلہ کرنا ہو گا۔ مجھ سے مسز شائستہ ذکی نے کہا ہے کہ ان کے بیٹے کے لیے ہارون کو پیغام بھجواؤں۔ اگر ہارون' آبی کے لیے انٹرسٹڈ ہوا تو مسز شائستہ ذکی باقاعدہ پرپوزل دیں گی۔ لیکن اگر تم آبی میں دلچسپی رکھتے ہو تو کوئی فیصلہ کر لو۔" وہ کہنے کے ساتھ نرمی سے اس کے ہاتھ کو تھپک بھی رہی تھی۔

ہاشم نے گہری سانس لے کر تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔ وہ بولا کچھ نہیں' مگر چہرے پہ سب لکھا تھا۔

"میں دیکھ سکتی ہوں کہ آبی کے لیے کسی اور کا پرپوزل آتا دیکھ کر تم ڈسٹرب ہوئے ہو' اس لیے... فیصلہ کر لو۔" ہاشم نے نظر اٹھا کر جواہرات کو دیکھا اور ذرا سا مسکرایا۔

''واقعی... اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔''

سیڑھیوں کے اوپر... کمرے کے آگے بنی ریلنگ پہ کھڑے نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ آبدار؟ وہی آبدار؟ وہ شدید ناخوش نظر آنے لگا تھا۔

....

تمام خانہ بدوشوں میں مشترک ہے یہ بات ...... سب اپنے اپنے گھروں کو پلٹ کے دیکھتے ہیں

اس روز سردی کچھ زیادہ ہی تھی۔ کمرہ عدالت میں ہیٹر چل رہا تھا۔ زمر سرخ پڑتی ناک کے ساتھ اپنی میز پہ بیٹھی، گواہ کے بیان کو سنتی کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بخار کی حدت سے گلابی پڑ رہا تھا۔ آنکھوں تلے حلقے تھے۔ فارس گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کو دیکھتا تھا۔ وہ گو کہ پہلے کی طرح پرسکون تھا مگر اس کو دیکھتے ہوئے آنکھوں میں فکرمندی در آتی تھی۔ ذرا سا اس کی طرف جھک کر بولا۔

''طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو سماعت میں نہ آتیں۔ اگلی تاریخ کا انتظار کر لیتیں۔''

زمر نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری روز روز شکل دیکھنے کا۔ مگر جو تمہارے گھر والے ہیں نا وہ بہت پریشان ہیں۔ چاہتے ہیں تم جلد رہا ہو جاؤ۔ تمہاری تو عادت ہے جیل جانا۔ تمہیں فرق نہیں پڑتا لیکن ان کو پڑتا ہے۔''

فارس نے سکون سے اس کی بات سنی۔ ''وہ میری گرل فرینڈ نہیں تھی۔''

''جیسے مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔'' سر جھٹک کر وہ کٹہرے کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ مسکراہٹ دبا کے خاموش ہو گیا۔

کٹہرے میں اب کی بار ایک درمیانی عمر کی عورت کھڑی تھی۔ سانولا مگر سنجیدہ چہرہ، نفیس لباس، اور اٹھی ہوئی گردن۔ اس کے سامنے کھڑا پراسیکیوٹر سوال کر رہا تھا۔

''مقتول... یعنی آپ کے شوہر... قمر الدین صاحب... فارس غازی کا ذکر آپ سے کرتے تھے؟''

''جی۔''

''آبجیکشن یور آنر۔ heresay۔ (سنی سنائی بات)'' زمر نے بیزاری سے آواز بلند کی، ساتھ ہی زکام زدہ سانس ناک سکوڑ کر اندر کھینچی۔

''یور آنر، مقتول کی بات کی اہمیت سے دفاع کیسے انکار کر سکتا ہے۔''

''اوور رولڈ!'' جج نے پراسیکیوٹر کی پوری توجیہہ سننے کی زحمت بھی نہ کی اور نہ گواری سے زمر کا اعتراض رد کیا۔ وہ شدید کینہ پرور نظروں سے ان کو دیکھتی رہی۔ فارس بار بار ایک خاموش نظر اس پہ ڈالتا تھا۔

''جی وہ اکثر فارس غازی کا ذکر کرتے تھے۔'' اب وہ فارس اور اس کی دشمنی کے متعلق کورٹ کو آگاہ کر رہی تھی۔ زمر سر جھکائے کچھ لکھتے ہوئے سنتی رہی۔ اپنی باری آنے پہ وہ اٹھی اور اتنے ہی برے موڈ کے ساتھ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''مسز قمر الدین... مقتول چند دکانوں کے مالک تھے، اچھا خاصا پیسہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ ان کی موت کے بعد وہ پیسہ کس کو ملا ہے؟''

''وہ شرعاً تقسیم کیا گیا ہے۔'' خاتون سنجیدگی اور بردباری سے بولی۔

''چونکہ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی تو وہ رقم آپ کے اور مقتول کی بہن کے حصے میں آئی ہو گی۔''

''جی ہاں۔''

''مقتول کی بہن کے شوہر آپ کے بھائی ہیں۔ وہ پچھلے ماہ گواہی دینے کے لیے آئے تھے۔ وہ مقتول کے سالے اور بہنوئی دونوں ہیں۔ کیا یہ درست ہے کہ آپ کی وٹے سٹے کی شادی تھی؟''

''جی۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قمر الدین صاحب کی تمام پراپرٹی آپ کو اور آپ کے بھائی کو ملی ہے۔'' سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتے زمر نے سادگی سے پوچھا۔

''آبجیکشن یور آنر!'' پراسیکیوٹر تیزی سے اٹھا۔

''سسٹینڈ!'' جج صاحب نے تنبیہہ بھری نظر زمر پہ ڈالی۔

''مسز قمر الدین۔'' وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف گھومی۔ ''کیا آپ کا اور قمر الدین صاحب کا کوئی جوائنٹ بینک اکاؤنٹ ہے؟''

''جی ہے۔'' وہ چونکی تھی۔

''اور کیا جن دنوں قمر الدین صاحب جیل میں تھے' آپ نے ایک خطیر رقم نکلوا کر اپنے بھائی کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کی تھی؟'' اس نے چند کاغذات باری باری جج اور پراسیکیوٹر کے سامنے رکھے' اور ایک کاپی گواہ کو تھمائی۔ خاتون ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

''مسز قمر الدین... کیا یہ درست ہے کہ جب قمر الدین کو اس خطیر رقم کے ٹرانسفر کا علم ہوا تو بینک آفس میں بیٹھے انہوں نے آپ کے بھائی نے ساتھ جھگڑا کیا؟''

''جی۔ درست ہے۔'' نگاہیں جھکائے وہ بولی۔

''اور اس جھگڑے میں آپ کے بھائی نے قمر الدین صاحب کو شدید برا بھلا کہا۔ اور اس جھگڑے کے ڈیڑھ ماہ بعد قمر الدین صاحب کا قتل ہو گیا۔ کیا یہ درست ہے؟''

''جی۔'' وہ ہلکا سا بولی۔ نگاہیں بدستور جھکی تھیں۔

''مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔'' وہ کورٹ کو ایک اور suspect دے کر آرام سے مڑ کر اپنی کرسی کی طرف چلی آئی تھی اور پہلے سے بہتر نظر آ رہی تھی۔ البتہ فارس نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ ''پراسیکیوٹر نے آبجیکٹ نہیں کیا۔''

زمر چونکی۔ فارس تیکھی نظروں سے پراسیکیوٹر کو دیکھ رہا تھا جو سارا وقت خاموش بیٹھا رہا تھا اور اب گواہ کو re-exmine کرنے اٹھ رہا تھا۔ ایک دم سے زمر کو احساس ہوا خرابی طبیعت کے باعث آج اس کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا۔

''مسز قمر الدین۔'' وہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ''آپ نے وہ رقم کیوں نکلوائی تھی؟''

زمر ابرو اکٹھے کیے آگے ہو کر بیٹھی۔

خاتون خاموش رہی۔

''مسز قمر الدین اگر آپ جواب نہیں دیں گی تو فاضل عدالت کے سامنے آپ کا اور آپ کے بھائی کا کردار مشکوک ہو جائے گا۔''

''میں.....'' وہ رکی۔ ''ایک سال پہلے مجھے بریسٹ کینسر ڈائیگنوز کیا گیا تھا۔ یہ رقم اس کے علاج اور سرجری کے لیے نکلوائی تھی میں نے۔ قمر الدین صاحب کو پریشانی سے بچانے کے لیے لاعلم رکھا تھا۔ میرا بھائی ہر لمحے میرے ساتھ رہا تھا۔'' نگاہیں جھکائے وہ بولی تو آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

زمر نے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔ پراسیکیوٹر اب اس کی میڈیکل رپورٹس عدالت میں جمع کرا رہا تھا۔ پھر مڑ کر فاتحانہ انداز میں زمر کو دیکھا۔

''کیا آپ ری کراس کرنا چاہیں گی گواہ کو؟''

"تو تھینکس۔" وہ تلخی سے کہہ کر کاغذ پہ لکیریں کھینچنے لگی۔ فارس نے دیکھا' وہ صرف تکونیں بنا رہی تھی۔ آج کا دن اس کے لئے بہت برا ثابت ہو رہا تھا۔

..............❖❖❖❖..............

یقین حرفِ دعا، بے یقین موسم میں ..... بہت کٹھن تھا بچانا مگر بچایا ہے

ہوٹل کے کچن کی ویران پڑی پینٹری کے دروازے سے اندر جانے کے بعد فصیح آبدار کو راہداری میں آگے لے آیا۔ ایک سکیورٹی چیک پوائنٹ پہ وہ رکا۔

"میم' آپ اپنا پرس' سیل فون' کچھ بھی نیچے نہیں لے جا سکتیں۔ میں معذرت خواہ ہوں' مگر ہارون صاحب آپ پہ بھی بھروسہ نہیں کرتے۔"

سفید لمبا سویٹر پہنے اور سرخ اسکارف میں ملبوس آبی نے ایک چبھتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی اور میز پہ اپنا پرس الٹا دیا۔ چابیاں' قلم' موبائل' لپ اسٹک۔ کریڈٹ کارڈ۔ سب کچھ میز پہ گرا تھا۔ اب وہ ہاتھوں سے انگوٹھیاں اتارنے لگی۔

فصیح شرمندہ ہو کر "نہیں' اس کی خیر ہے۔" کہنے لگا مگر آبدار نے اسی خاموشی سے انگوٹھیاں میز پہ پٹخیں' کڑا اتارا۔ گھڑی کھول کر وہاں رکھی۔ اسکارف تلے ہاتھ ڈال کر چین نوچ کر اتاری۔ دوبارہ اسکارف تلے ہاتھ ڈالا اور اب سر کی پن اتاری۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "کیا تمہاری تسلی ہو گئی کہ اب میں کلیئر ہوں؟" اور واک تھرو گیٹ سے گزری۔ کوئی سائرن نہیں بجا۔ وہ ہر دھات سے پاک تھی۔

پھر مڑی اور اسی خشمگیں نظر سے فصیح کو دیکھتے بولی۔ "اب اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اس کا انٹرویو نوٹ کرنے کے لئے نوٹ بک اور پین اٹھا لوں؟" کہتے ہوئے اپنی چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔

"آف کورس میم!"

آبی نے اسی برے موڈ سے نوٹ بک اٹھائی' سنہری پین اٹھایا اور پھر اس کی طرف بڑھایا۔ "ان کو بھی چیک کرا لو تاکہ کل کو اگر وہ بھاگ جائے تو تم مجھ پہ الزام نہ دھر سکو۔ لو چیک کر لو۔"

"میں صرف حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ آئی ایم سوری۔" سینے پہ ہاتھ رکھے' سر کو خم دے کر بولا اور آگے بڑھ گیا۔ آبی قلم اور نوٹ بک پکڑے اس کے پیچھے ہولی۔

جب سعدی یوسف کو اس کے سامنے لا بٹھایا گیا تو وہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ سعدی بھی خاموش مگر اکھڑا اکھڑا سا لگتا تھا۔ وہی سفید شرٹ پہنے جواب ڈھل ڈھل کر بے رنگ ہو چکی تھی' وہ ابرو بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموش' بالکل چپ۔ فصیح آبدار کے پیچھے آ کھڑا تھا۔

"مجھے تمہارے Near Death Experience کے بارے میں چند سوال کرنے ہیں۔" خشک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے نوٹ بک کھول کر قلم اس پہ جمایا' اور پیچھے سے دبایا۔ نب نکل آئی اور اس نے بک پہ چند الفاظ لکھے۔ پھر اس کی خاموشی محسوس کر کے سر اٹھایا۔

"مجھے ہاشم سے بات کرنی ہے۔ یہاں کوئی میری اس سے بات نہیں کروا رہا۔ یہ کہتے ہیں اس کا فون آف ہے۔" ساتھ ہی ایک کٹیلی نظر پیچھے کھڑے فصیح پہ ڈالی۔

آبدار نے گہری سانس لی اور نگاہیں اس پہ جمائے رکھے وہ بولی۔ "تمہاری سرجری کے دوران' خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے تم clinically مر چکے تھے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس دوران تم نے کیا محسوس کیا؟"

''یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے چینی سے مگر ضبط سے بولا تھا۔ ''ہاشم کو بتاؤ کہ یہ مجھے مار دیں گے۔''

''تم نے کیا دیکھا؟ کوئی خواب؟ کوئی چہرہ؟ یا کوئی ایسا سفر جو تم بیان نہ کر سکتے ہو۔''

''تم میری مدد کرو گی یا نہیں؟'' وہ سن رہی تھی وہ اب کے بولا تو آواز بلند تھی۔ چہرے پہ دکھ تھا۔

''میں.....نیوٹرل ہوں۔'' اس نے کلک کے ساتھ پین بند کر دیا۔ اور نوٹ بک پہ رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

''ایک گھنٹے بعد میری فلائٹ ہے۔ میں مزید تمہاری باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کچھ یاد آ جائے تو اس پہ لکھ دینا۔ اور کسی گارڈ کو دے دینا وہ مجھ تک پہنچا دے گا۔''

فصیح آبی کی پشت پہ کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے آبی نے ابرو سے قلم کی طرف اشارہ کیا' گویا التجا کی کہ اسے پکڑ لو۔ سعدی نے لمحے بھر کا تامل کیے بغیر قلم اور نوٹ بک تھام لی۔ پر باری باری ان دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ آبدار سنجیدہ سی اٹھ گئی۔

''چلو فصیح۔ اگر زیادہ دیر ٹھہری تو مجھے تمہارے قیدی پہ ترس آ جائے گا۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ باہر جانے لگی جب فصیح رکا۔

''ایک منٹ۔ مجھے اس کو چیک کرنے دو۔'' وہ سعدی کی طرف بڑھا۔ آبی منجمد ہو گئی۔ سانس تک رک گیا۔

فصیح نے سعدی کے ہاتھ سے نوٹ بک لی اور اسے کھولا۔ اچھی طرح کھنگھالا۔ صفحے پلٹائے۔ ان کو سونگھا۔ (کوئی نادیدہ انک ہو شاید۔) پھر مطمئن ہو کر بک واپس کر دی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ آبی کی جان میں جان آئی۔

فصیح کو اس پہ شک نہیں تھا کیونکہ یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب آبدار اپنے کسی مریض کو نوٹ بک اور قلم دے آئی تھی۔ فصیح اس کے ساتھ کئی دفعہ ایسا ہی منظر دیکھ چکا تھا جب مریض بتانے سے زیادہ لکھنا پسند کرتے تھے۔ بعد میں وہ فصیح کو نوٹ بک واپس لانے کے لیے بھیجتی تھی۔ اب بھی باہر راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے فصیح سے کہا تھا۔

''جب وہ مر جائے تو میری نوٹ بک واپس لے آنا۔''

اور اندر اپنے خالی کمرے میں بیٹھا سعدی دیوانہ وار نوٹ بک کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ وہاں آبی کے نوٹ کردہ چند NDEs لکھے تھے۔ سعدی بے قراری سے ان الفاظ میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ کوئی پیغام' کوئی کوڈ۔

جبکہ سنہری چمکتا ہوا پین لاپرواہی سے میز پہ رکھا تھا۔

..................❖ ❖ ❖..................

شکیب اپنے تعارف کے لیے یہی بات کافی ہے ...... ہم اس سے بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے

قصرِ کاردار کی انیکسی میں اس صبح شور و غل برپا تھا۔ صداقت کام ختم کر کے اپنے کوارٹر میں چلا جاتا تھا' آج بھی باہر تھا۔ حسینہ فارغ سی لاؤنج میں چوکی کھینچ کر بیٹھی گاہے بگاہے کچن کو دیکھتی۔ اور ادھر ادھر ٹہلتیں ندرت بھی تو کچن کو ہی انگارہ آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر ہول رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا' حنین کو کچا چبا جائیں۔

حسینہ سمیت سب کو وہاں سے نکال کر وہ اوپن کچن میں کاؤنٹر ٹاپ کے اوپر چڑھی کھڑی تھی۔ آستین چڑھائے' دوپٹہ کسے' بال باندھے وہ کچن کو de-clutter کر رہی تھی۔ گند سے پاک۔

جب ندرت کو معلوم ہوا کہ اپنا کمرہ حنین نے صاف کیا تھا' تو کافی خوش ہوئیں۔ حیران بھی۔ جتایا بھی (آج کہاں سے خیال آ [illegible] معلوم ہوا کہ..... آدھے سے

زیادہ سامان حنین بی بی گھر سے باہر کر چکی ہیں تو ندرت پہلے حیران اور پھر غصہ ہوئیں۔ حالانکہ حنین نے کام کی کوئی چیز نہیں پھینکی تھی ۔۔۔
ماؤں والی عادت' کہ انہیں سو ستر کی دہائی کی بھی سوئیاں دھاگے سنبھال کر رکھیں گی کہ شاید قیامت سے پہلے بھی کام آ جائے۔

چلو یہاں تک بھی ٹھیک تھا۔ مگر جب وہ پچھلے دو ہفتوں کے دوران باری باری ہر کمرہ (ماسوائے زمر کے کمرے کے) صاف ۔۔۔
لگی تو ندرت کو غصہ آنے لگا اور آج صبح جب اس نے کچن میں قدم رکھا' یعنی کہ ان سب کو باہر نکالا تو ندرت ذوالفقار خان نے ۔۔۔
برداشت کرنا ناممکن ہو گیا۔

''ہر چیز بلا وجہ پھینک دو گی؟ وہ کیبنٹ کیوں کھول رہی ہو؟ اُف یہ مسالوں کے ڈبے کیوں نکال رہی ہو؟'' وہ ۔۔۔
ہوئے (جن کا اختیار عب تو تھا' کہ منع کر دیا تو اب کچن میں نہیں جانا۔) بار بار پریشانی سے اسے پکارتیں۔

مگر حنین پرسکون تھی۔ گھٹنوں کے بل کاؤنٹر ٹاپ پہ بیٹھی' اوپری کیبنٹ سے چیزیں نکال نکال کر کاؤنٹر پہ رکھ رہی تھی۔

''میں کوئی بھی کام کی چیز نہیں پھینکوں گی امی۔ صرف ایکسپائرڈ مصالحے کے پیکٹ نکال رہی ہوں۔ شیشوں والے مصالحے ۔۔۔
کر' شیشیاں جو کر' سکھا کر واپس ڈال دوں گی۔ اندر پڑے سارے برتن دھونے ہیں۔ گند نکالنا ہے۔ صاف اخبار بچھا کر' ہر چیز سیٹ ۔۔۔
رکھنی ہے۔''

''ہاں بھئی' ماں تو پھوہڑ ہے' ماں کو تو کچھ آتا ہی نہیں۔ تین بچے پال کر' بڑے بیٹے جاب بھی کی' گھر بھی سنبھالا' مگر نہیں.....''

وہ پنجوں کے بل بیٹھی' کیبنٹ پہ ہاتھ رکھے مڑ کر ندرت کو دیکھنے لگی۔ ''پتہ ہے کیا امی' ہر عورت کے اندر ایک شدید پوزیسو قسم کی ۔۔۔
ہوتی ہے۔ جیسے وہ اپنی ساس یا اپنی بہو کی خود مختاری اپنے گھر میں نہیں برداشت کرتی' اسی طرح وہ اپنی بیٹی کی خود مختاری بھی نہیں ۔۔۔
کرتی۔ آپ مائیں یہ تو چاہتی ہیں کہ بیٹی بستر سے اٹھے تو چادر درست کر کے اٹھے' مہمانوں کے سامنے چائے دینے کا سلیقہ آتا ہو' مختلف ۔۔۔
بنانا سیکھ لے' اپنا کمرہ صاف رکھا کرے' تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں' مگر جب بیٹی نے اپنی مرضی سے گھر سیٹ کرنا چاہا' وہاں آپ کے اندر ۔۔۔
عورت جاگ گئی۔ اسی لیے لوگوں نے ''ہاؤس وائف'' یا ''ہاؤس کیپر'' کی ٹرم بنائی' کہ صرف گھر کے صاحب کی بیوی یا گھر کی نوکرانی ہی ۔۔۔
چیزوں کو رکھنے اور پھینکنے میں خود مختار ہوتی ہیں۔ مگر اب وہ دور ختم ہوا۔ آج سے حنین یوسف ایک نئی ٹرم ایجاد کرتی ہے۔ ہوم ۔۔۔
کو گھر کے کام سیکھنے چاہئیں' اگلے گھر کے لیے نہیں' بلکہ اپنے گھر کے لیے' ہر وہ گھر جہاں وہ رہے۔''

اور اگر حسینہ سامنے ڈانٹ تھوتی سن نہ رہی ہوتی تو ندرت کا ہاتھ بار بار جوتے تک جا کر رک نہ جاتا۔

قریباً تین گھنٹے بعد وہ دھلے دھلائے کچن کے سامنے تھکن سے چور کھڑی تھی۔ اب کچن کیبنٹس اندر سے بھی صاف ۔۔۔
تھیں۔ سب اس نے خود کیا تھا۔ یہ نوکرانیوں کے کرنے کے کام نہیں ہوتے۔ امی کی سو سو صلواتیں سن کر بھی بھری بنی "clutter" ۔۔۔
"charity" کے بڑے شاپر باہر کوڑے کے ڈبے میں ڈال کر آئی۔ اب بس ایک کام رہ گیا تھا۔ اپنے بیڈروم کی ایک دراز ۔۔۔
نے چھوڑ دی تھیں اس روز۔ اب ان کو نکال کر لاؤنج میں لے آئی اور ان میں سے ضروری' کچرا' اور خیرات کا سامان الگ الگ کرنے لگی۔ ۔۔۔
ویسی ہی بے حال' بندھے بالوں اور تھکے چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی' اور گود میں رکھے پرس کھول کھول کر دیکھ رہی تھی جب بڑے ابا اپنی ۔۔۔
دھکیلتے قریب میں آ کر خاموشی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔

وہ مگن سی پرس خالی کر رہی تھی۔ یہ اس کے سارے پرس تھے۔ دفعتاً وہ رکی۔ ٹھٹکی۔ ایک پرس میں سے پانچ سو کا نوٹ نکلا۔ ۔۔۔
کھولا تو پچاس اور بیس بیس کے نوٹ تھے۔ ایک میں چند سکے تھے۔ اس نے خوشگوار حیرت سے سر اٹھایا۔ ''مجھے تو یاد بھی نہیں تھا کہ ۔۔۔
پرانے پرسز میں پیسے پڑے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے۔''

''تحفہ؟'' وہ چونکی۔

''جب چھوٹی تھی تو سنتی ہوگی کہ دنیا میں صرف انسان اور جانور living things ہوتے ہیں۔ بڑی ہوئی تو پتہ چلا ہوگا کہ پودے اور درخت بھی جاندار ہیں۔ مگر دین پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر پتھر' ہر دیوار' سب جاندار ہیں۔ قیامت کے دن گواہی دیں گے نا یہ پتھر' یہ گھر' یہ جگہیں۔ کچھ محسوس کرتے ہیں' سنتے ہیں' دیکھتے ہیں' تبھی گواہی دیں گے نا۔ اسی لئے زمین پہ آہستہ اور تمیز سے چلنا چاہیے۔ اسی لئے کچھ پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں' اور یاد ہے' ایک پتھر رسول پاک ﷺ کو بھی سلام کیا کرتا تھا۔ اسی لئے ان چیزوں کے سائے جھکے ہوئے اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ سب لیونگ تھنگز ہیں۔ تمہیں دیکھتی ہیں' محسوس کرتی ہیں۔'' وہ لمحے بھر کو رکے۔ ''جب کوئی لڑکی اپنی الماری کا' اپنے کمرے کا خیال کرتی ہے' اس کے اندر کا زائد بوجھ نکال کر اس کو ہلکا پھلکا اور صاف کرتی ہے' خوبصورت بناتی ہے' تو یہ الماریاں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہیں اور ان کے کونے کھدروں سے کوئی نہ کوئی تحفہ نکل آتا ہے۔ کبھی کوئی پرانی کھوئی ہوئی چیز' کبھی برسوں کے بھولے ہوئے پیسے۔ اس لئے ان در و دیوار کا' ان چیزوں کا خیال رکھا کرو۔ یہ بھی تم سے پیار کریں گی۔ جنات اور انسانوں کے علاوہ باقی ساری مخلوق بہت احسان ماننے والی' بہت قدر کرنے والی ہے۔''

حنین نے متحیر سی ہو کر ان پیسوں کو دیکھا' پھر ابا کو۔ اس کے اوپر جیسے ایک نیا انکشاف ہوا تھا۔ اسی ٹرانس کی سی کیفیت میں وہ بولی تھی۔

''ابا' کوئی کہتا ہے لڑکیاں خلاء اور چاند تک پہنچ رہی ہیں' کوئی کہتا ہے وہ کورٹ' ہسپتال' فوج' ہر میدان کو فتح کر رہی ہیں۔ اب میں سوچتی ہوں کہ کتنا اچھا ہو اگر لڑکیاں اپنے گھروں کے کونوں کھدروں تک بھی پہنچ جائیں۔ اگلے گھر جانے کے لئے نہیں' دوسروں سے تعریف سننے کے لئے بھی نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے کہ صفائی کے بغیر ایمان آدھا ادھورا ہوتا ہے' اور اس لئے کہ فرشتے صاف جگہوں پہ آتے ہیں۔ جب ہمارے گھر اندر سے اتنے گندے ہوں گے' الماریوں کے اندر دنیا جہان کا گند سڑ رہا ہوگا' ڈسٹ بن کچرے سے ابل رہے ہوں گے' تو کیا فرشتے ہمارے گھروں میں آنا پسند کریں گے؟'' وہ اب سر جھکائے خود سے بولتی چلی جا رہی تھی۔ ایک پانچ روپے کا سکہ گود میں گرا۔ وہ مسکرا دی۔ اس کو اب زمر' اسامہ یا ندرت کی تعریف کی ضرورت نہیں تھی۔

اس کا گھر' اس کی الماریاں' اس کے در و دیوار تو واقف تھے نا اس کی محنت سے۔ وہی اس کو شکریہ کہہ رہے تھے۔ حنین یوسف کے لئے یہی بہت تھا۔

❖❖❖

ہر چند راکھ ہو کے بکھرتا ہوں راہ میں ..... جلتے ہوئے پروں سے اڑا ہوں مجھے بھی دیکھ

ملاقاتی ہال میں معمول کا شور و غل برپا تھا۔ گلاس بوتھ کے دونوں طرف فارس اور زمر بیٹھے تھے۔ درمیان میں شیشہ تھا جس میں ننھے ننھے سوراخ تھے۔ ساتھ میں قطار میں دو درجن بوتھ لگے تھے۔ ایک طرف قیدی تھے دوسری جانب ان کے عزیز و اقارب جو ان سے ملاقات کر رہے تھے۔ وہ سر جھکائے' سنجیدہ اور خاموش سی بیٹھی تھی۔ فارس نے انگلی سے شیشہ کھٹکھٹایا۔ زمر نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''پریشان ہو؟''

زمر نے سر جھٹکا اور فائل کھولی۔ کان کے پیچھے بال اڑستے' سر جھکائے اب وہ کہہ رہی تھی۔ ''پراسیکیوٹر نے بہت سے گواہ give up کر دیے ہیں۔ جب وکلاء چاہتے ہیں کہ کوئی کیس جلد از جلد چلے تو وہ کم سے کم گواہ پیش کرتے ہیں۔ میری یہی اسٹریٹجی تھی۔ مگر میں تمہارے گواہی دینے سے خوش نہیں ہوں۔ خیر' تم فیصلہ کر ہی چکے ہو تو تمہیں witness پریپ کرانی ہے۔ وقت کم ہے۔'' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور سر اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ ''جب وہ کوئی ایسا سوال پوچھیں جس کا جواب نہ دینا چاہو تو چار لفظ بول دینا۔ I don't recall۔

مجھے یاد نہیں۔ قانوناً یہ جھوٹ نہیں ہوتا۔ اور جب وہ تم سے پوچھیں کہ اس رات تم کہاں تھے تو کہنا" میں نے بہت دفعہ بتایا ہے کہ میں اس رات گھر تھا۔" اب یہ سچ ہے کیوں کہ تم بہت دفعہ کہہ چکے ہو کہ تم اس رات گھر پہ تھے۔ تمہاری بہت دفعہ کی بات سچ تھی یا جھوٹ' یہ الگ بات ہے۔"

"او کے۔" اس نے سر کو خم دیا۔ اب وہ اس سے سوال پوچھنے لگی۔

"فارس غازی کیا آپ کے اور قمر الدین صاحب کے درمیان کوئی دشمنی تھی۔"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ پرسکون سا بولا۔

"کیا آپ نے قمر الدین کو جیل میں پیٹا تھا۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"گڈ۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔ اب بہتر نظر آنے لگی تھی۔ "کیا آپ نے قمر الدین کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی؟"

"نہیں۔"

"آپ 28 اور 29 اگست کی رات کہاں تھے؟"

"جیسا کہ میں بہت دفعہ بتا چکا ہوں میں اس رات گھر پہ تھا" تائیدی انداز میں ابرو اٹھائی۔ زمر نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"کیا آپ پوری رات گھر پہ تھے؟"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ سلجھے ہوئے انداز میں جواب دے رہا تھا۔ زمر کی رنگت واپس آ رہی تھی۔ وہ کٹہرے میں کھڑے کوئی غلط بات نہیں کرے گا۔ اس کی امید بڑھنے لگی تھی۔ مگر..... وہ فارس تھا۔ اس پہ اعتبار کیوں نہیں ہوتا تھا؟

.... ❖❖❖ ....

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور ..... رستے میں جو کھڑا تھا' وہ کہسار ہٹ گیا

وہ صبح سرد اور ظالم تھی۔ خاموش اور بے حس۔ آج کمرہ عدالت میں بیٹھے فارس غازی نے سیاہ پینٹ کے اوپر گرے شرٹ اور سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ تازہ شیو' ذرا بڑھے بال گیلے کر کے پیچھے کو بنائے' وہ سنجیدہ مگر مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی سیاہ کوٹ اور گھنگریالے بالوں والی زمر کا چہرہ زرد تھا۔ اتنے ہفتوں کی ان تھک محنت اور ذہنی دباؤ نے اسے اپنی صحت کی طرف سے غافل کر رکھا تھا' آج بھی وہ پہلے سے کمزور نظر آتی تھی۔ پچھلی کرسی پہ سیاہ کوٹ میں ملبوس احمر شفیع بیٹھا تھا۔ اس کی لاء ڈگری اور لائسنس کے باعث اسے ادھر بیٹھنے کا موقع مل جاتا تھا۔ (زمر کو ننانوے فیصد یقین تھا کہ اس کی ڈگری جعلی تھی' مگر اپنے دفاع میں وہ صرف اتنا کہتا تھا کہ بغیر لاء ڈگری کے وہ سیاسی کنسلٹنٹ بن ہی نہیں سکتا تھا' اور چونکہ بات درست تھی' اسی لئے وہ باز پرس نہیں کرتی تھی۔)

جب فارس اٹھنے لگا تو زمر نے بے چینی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"بہت احتیاط سے گواہی دینا۔ پلیز' کچھ غلط مت کرنا۔"

وہ اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے زمر کی آنکھوں میں دیکھا" میں نے ساڑھے تین مہینے کچھ نہیں کیا۔ جو تم نے کہا' وہ کیا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

زمر کا سر اثبات میں ہلا۔

"میں یہاں خاموشی سے بیٹھ کر وکیلوں کی بے کار بحثیں سنتا رہا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

زمر نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب میرے بولنے کا وقت ہے اور ان سب کے سننے کا۔" کہتے ہوئے اس نے زمر کے پیچھے کسی کو دیکھا۔ "یہ کون ہے؟"

زمر نے چونک کر گردن پھیری تو استغاثہ کی کرسیوں پہ بیٹھے قیمتی نفیس سوٹ میں ملبوس آدمی کو دیکھ کر وہ ٹھہر گئی۔

"یہ تو سابق پراسیکیوٹر جنرل ہیں۔ یہ ادھر کیسے؟" فارس لاعلمی سے شانے اچکاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زمر نے گھوم کر احمر کو دیکھا جو نگاہیں اوپر چبوترے پہ جمائے بیٹھا تھا۔ "پراسیکیوٹر جنرل ادھر کیا کر رہے ہیں، احمر؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ غازی نے کہا تھا ان کو بلاؤں۔ میں نے صرف اتنا کیا ان کی موجودگی یہاں یقینی بنائی۔"

"فارس نے کہا تھا؟" وہ متعجب رہ گئی، پھر واپس گھومی۔ اور الجھن سے فارس کو دیکھا جو کٹہرے میں کھڑا حلف لے رہا تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ساری باتیں ذہن سے جھٹک کر گواہی لینے لگی۔

"ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتایئے۔" اس نے خشک لہجے میں مخاطب کیا۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا۔ "فارس طہیر غازی۔" نظریں زمر پہ جمی تھیں۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ کو 13 اکتوبر کی شام اپنے گھر سے گرفتار کیا گیا؟"

"جی۔" وہ اب اس سے چند روٹین کے سوالات کر رہی تھی۔ اور وہ مختصر جواب دے رہا تھا۔ آخر میں اس نے پوچھا۔

"کیا آپ حلفیہ کہتے ہیں کہ آپ کا قمر الدین چوہدری کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے؟"

"جی ہاں۔ میں نے یہ قتل اور اغوا نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں۔"

زمر مڑی اور پراسیکیوٹر کو "your witness" کہہ کر مخاطب کرتی اپنی کرسی پہ آ بیٹھی۔ پراسیکیوٹر لبوں پہ معنی خیز مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"فارس غازی، آپ نے ابھی کہا کہ آپ مقتول کو جیل کے زمانے سے جانتے تھے۔ کیا آپ دونوں کے درمیان کوئی دشمنی، کوئی رقابت تھی؟"

"مجھے یاد نہیں۔" کٹہرے پہ ہاتھ رکھے کھڑے وہ پراسیکیوٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پرسکون سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

"کیا آپ کو یہ یاد ہے کہ آپ نے قمر الدین چوہدری کو پیٹا تھا؟"

"آئی ڈونٹ ری کال۔"

پراسیکیوٹر نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "کیا قمر الدین کے جیل سے چھوٹنے کے بعد آپ کا اس سے کوئی جھگڑا ہوا تھا؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"آپ 28 اور 29 اگست کی درمیانی رات کہاں تھے؟"

"میں رات نو بجے گھر آ گیا تھا اور اگلی صبح ساڑھے سات بجے گھر سے نکلا تھا۔" زمر نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ محتاط الفاظ کا چناؤ کر رہا تھا۔ گردن موڑ کر اس نے پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا۔ وہ انگوٹھے کے ناخن سے انگشتِ شہادت کا ناخن رگڑتے توجہ سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا آپ پوری رات گھر پہ رہے تھے؟" پراسیکیوٹر نے وہ سوال پوچھا جس کا زمر کو دھڑکا تھا۔

کمرۂ عدالت میں چند ثانیے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر فارس طہیر غازی نے اٹھی گردن اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہا۔

"نہیں۔"

زمر کا دل لمحے بھر کے لیے رکا۔ احمر بے اختیار سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پراسیکیوٹر بھی دو قدم مزید قریب آیا۔

"تو آپ اس رات.... کہیں جا کر واپس آئے تھے؟" پراسیکیوٹر کو "مجھے یاد نہیں" کی توقع تھی، وہ خود بھی حیران ہوا تھا۔

"میں گیارہ بجے گھر سے نکلا تھا اور صبح پانچ بجے واپس آ گیا تھا۔"

زمر نے بے اختیار سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

"آپ گیارہ سے پانچ کے دوران کدھر گئے تھے؟"

فارس نے ایک علاقے کا نام لیا جو ڈاکٹر ایمن کے ہسپتال کے قریب تھا۔

"یہ علاقہ قمرالدین کے قتل کی جگہ سے کافی دور ہے۔ میں پوری رات اسی علاقے میں تھا۔" وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ زمر کو نہیں سمجھ آئی وہ کس بات پہ اعتراض کرے۔ اس کا گواہ اپنے ہی خلاف hostile witness بن رہا تھا۔

"اور آپ وہاں کس جگہ تھے؟"

وہ لمحے بھر کو رکا۔ "میں ایک عمارت میں گیا تھا۔"

"اور کیا وہ کوئی خالی عمارت تھی؟ کوئی زیر تعمیر ہسپتال؟ کوئی فیکٹری؟ جہاں آپ کی alibi ثابت کرنے کے لئے ایک شخص بھی نہ ہو۔" پراسیکیوٹر کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھری۔

"وہاں 32 لوگ تھے جنہوں نے مجھے ادھر دیکھا پوری رات۔ میرے پاس 32 alibis ہیں۔"

جہاں پراسیکیوٹر لمحے بھر کے لئے لاجواب ہوا، وہاں زمر نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسی طرح پرسکون کھڑا تھا۔ پراسیکیوٹر جنرل نے کراہ کر آنکھیں میچیں۔

"32 لوگ؟" پراسیکیوٹر قدرے ہکلا کر سنبھلا۔ "یہ کون سی جگہ تھی۔"

"یہ ایک... ایک میٹنگ پلیس ہے۔ ملاقات کی جگہ۔ بور ہوئے لوگ ادھر جاتے ہیں۔"

"اور آپ ادھر کیوں گئے تھے؟"

"میں... کافی پینے گیا تھا۔" وہ تازہ دم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ پراسیکیوٹر کو سمجھنے میں چند لمحے لگے۔

"آپ کا مطلب ہے یہ کوئی بار یا کلب جیسی جگہ ہے۔"

"جی۔"

"تو... وہاں لڑکیاں بھی ہوں گی؟" پراسیکیوٹر نے اب کے مسکرا کر زمر کو دیکھا۔ "کیا آپ کسی لڑکی کے ساتھ تھے۔"

"وہاں... لڑکیاں... نہیں ہوتیں۔ صرف مرد ہوتے ہیں۔" وہ الفاظ توڑ توڑ کر بولا تھا۔ لمحے بھر کو کمرہ عدالت میں خاموشی چھا گئی زمر کو اپنے کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا۔ نچلا لب دانتوں تلے دبائے وہ بالکل سن سی فارس کو دیکھ رہی تھی۔

"اچھا... آئی سی... سو... آپ اس کلب میں تھے؟ پوری رات؟"

"پراسیکیوٹر صاحب وہاں 32 لوگ... 32 مرد اس رات موجود تھے۔ کلب کی لابی کی سی سی ٹی وی فوٹیج میں میرے آگے پیچھے داخل ہونے والے 32 لوگوں کے چہرے بھی نظر آ رہے ہیں۔ کچھ کے تو نام بھی مجھے یاد ہیں۔ جو کولمبیا سے پڑھ کر آیا ہے... اور ایک بڑے سرکاری عہدیدار کا بیٹا ہے... وہ بار کاؤنٹر پہ میرے ساتھ ہی بیٹھا تھا... اس کا بازو فریکچر ہوا تھا اور......"

زمر نے بے اختیار گردن موڑ کر پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا جن کی نظریں فارس غازی پہ گڑی تھیں اور کان سرخ تھے۔ ادھر وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ جج صاحب ایک دم چونک کر فارس کو دیکھنے لگے تھے۔

"آپ پراسیکیوٹر صاحب... ان 32 لوگوں کو subpheona کریں، کورٹ بلائیں اور میری alibi کی تصدیق کر لیں۔ میں آپ کو ان کے نام دینے کے لئے تیار ہوں۔ آپ نے مجھے گرفتار ہی ان لوگوں کے ناموں کے لیے کیا ہے نا، تو مجھ سے نام پوچھیں۔" ساری

سے جج صاحب کی طرف دیکھا۔
''بالکل' آپ ان کے ناموں کی فہرست عدالت میں جمع کروائیں۔ عدالت ان کو باری باری طلب کر کے سوال جواب کرلے گی۔''
پراسیکیوٹر کا اعتماد واپس آنے لگا۔
''یور آنر!'' وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔ اب کچھ کچھ اسے سمجھ میں آنے لگا تھا۔ ''فارس غازی ان لوگوں کی فہرست عدالت کے حوالے نہیں کر سکتا کیونکہ.... کیونکہ وہ عزت دار لوگ ہیں۔ اگر ان کو subpheona کیا گیا تو یہ ان کی توہین ہوگی۔ جیسے ایک سابقہ سرکاری آفیسر کا بیٹا' جس کا بازو فریکچر ہوا تھا' وہ جج بننے جارہا ہے' اس گواہی سے اس کا کیریئر.... متاثر ہوگا۔'' وہ جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔ پراسیکیوٹر نے جھلا کر اسے دیکھا تھا۔
''یور آنر! اگر دفاع کو ملزم کی ایلی بائی ثابت کرنی ہے تو ان کو وہ فہرست عدالت کے حوالے کرنی ہوگی۔''
''شیور! میں تو تیار ہوں دینے کے لیے۔ اسی فہرست کے لیے تو آپ نے مجھے گرفتار کروایا ہے۔'' وہ پرتپش مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ پراسیکیوٹر نے اب کے الجھ کر اسے دیکھا۔
''کون سی فہرست؟ آپ کو اس لیے گرفتار کیا گیا ہے کیونکہ آپ نے قمرالدین کا قتل کیا ہے۔'' جج صاحب چونک جانے کے انداز میں باری باری کبھی فارس کو دیکھتے' کبھی پیچھے بیٹھے سابق پی جی کو۔
''کیا آپ ایک بھی ثبوت لاسکے ہیں اپنے الزام کے حق میں؟'' وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہی تھی۔
''فارس غازی بے گناہ ہے' کیا اس کے چار سال ضائع کر کے لوگ خوش نہیں ہوئے جو اس کو ایک دفعہ پھر قید کی طرف دھکیلا جارہا ہے؟ وہ اپنا بیان دے چکا ہے۔ یہ case of two versions ہے۔ وہ اس رات قتل کی جگہ سے بہت دور تھا۔ ہمارے پاس 32 گواہ ہیں۔ لیکن ان کے نام پراسیکیوشن کے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پبلک پراسیکیوشن آفس کو سابق افسروں کے بارے میں انتقامی کارروائیاں کرنے کا اختیار دے دیں۔'' پہلی دفعہ پراسیکیوٹر چونکا۔ مڑ کر تماشائیوں کی طرح بیٹھے سابق پی جی کو دیکھا' جو سرخ چہرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ لمحے بھر کے لیے پراسیکیوٹر کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔
''ایک منٹ مسز زمر.....''
''نہیں جناب عالی! اب وہ وقت آگیا ہے جب ہم فارس غازی کو اکیلا چھوڑ دیں۔ اسے اس کی زندگی جینے دیں اور اس کے اوپر یہ جھوٹے مقدمات ختم کریں۔'' اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اور آواز غصے سے پھٹ رہی تھی۔
''یور آنر' مسز زمر کیس کا رخ دوسری طرف موڑ رہی ہیں۔ یہ غلط بات کہہ رہی ہیں۔'' پراسیکیوٹر پراعتماد نہیں لگ رہا تھا۔ کبھی وہ پیچھے بیٹھے پی جی کو دیکھتا' کبھی کٹہرے میں کھڑے فارس کو اور وہ دونوں پراسیکیوٹر سے بے نیاز' ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ سپاٹ' ٹھہری نظروں کے ساتھ۔
''مسز زمر واقعی غلط بات کہہ رہی ہیں۔'' جج صاحب نے برہمی سے پراسیکیوٹر کو مخاطب کیا۔ ''یہ دو versions کا کیس نہیں ہے۔ یہ further inquiry کا کیس ہے۔'' (زمر نے بے اختیار میز پہ دونوں بازو رکھے' اور چہرہ ان پہ گرادیا۔ اور فارس نے آنکھیں میچ کر طویل سانس کھینچی۔) ''یہ ایک fishing expedition ہے۔ اور مجھے اس بنچ پہ بیٹھے شرم آرہی ہے کہ پبلک پراسیکیوشن آفس انتقامی کارروائیوں کے لیے اس حد تک گرسکتا ہے۔''
''جناب عالی یہ پٹیشن کو manipulate کررہے ہیں۔'' پراسیکیوٹر بوکھلا کر احتجاج کرنے لگا مگر جج صاحب نے غصے سے

ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''سرکاری آفس نے اس کیس میں اپنی ذمہ داری درست طریقے سے انجام نہیں دی۔ آپ کے گواہوں کے بیانات میں جھول ہے۔ شواہد ناکافی ہیں۔ شریک جرم کریڈیبل نہیں ہے۔ آپ نے ساڑھے تین ماہ سے ایک ایسے آدمی کو زیرِ حراست رکھا ہوا ہے جس کو مقید کرنے کے لیے آپ کے پاس ناکافی ثبوت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔'' وہ شدید برہمی سے کہہ رہے تھے اور پراسیکیوٹر لب کاٹتا سننے پہ مجبور تھا۔

''ان بیس لوگوں کو کورٹ میں گھسیٹنے کی میری نظر میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عدالت فارس غازی کے بیان سے مطمئن ہے اور سیکشن 249CrPc کے تحت فارس غازی کو ناکافی شواہد کے باعث باعزت بری کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اور پبلک پراسیکیوشن آفس کو انتباہ کرتی ہے کہ اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آنے سے گریز کریں تو یہ موجودہ پراسیکیوٹر جنرل کی صحت کے لیے بہتر ہوگا۔'' شدید غصے اور ناگواری سے کہہ کر جج صاحب نے اپنا ہتھوڑا زور سے میز پہ دے مارا۔ پیچھے بیٹھے سابق پی جی نے آنکھیں میچ کر گہری سانس لی اور پھر فارس کو دیکھ کر سر کو ذرا سا خم دیا اور اٹھ کر باہر چلے گئے۔ وہ اس کے احسان مند تھے۔

''اور آپ' فارس طہیر غازی...'' جج صاحب نے رخ اس کی طرف پھیرا۔ ''مجھے افسوس ہے اور شدید دکھ ہے کہ آپ کو فشنگ ایکسپیڈیشن کا شکار کر کے اتنے ماہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنے پڑے۔ میں پبلک پراسیکیوشن آفس کو ایڈوائس دوں گا کہ وہ آپ کو معذرت پیش کریں۔''

فارس نے کٹہرے کی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے' اٹھی گردن اور زخمی آنکھوں کے ساتھ بس اتنا کہا۔ ''آپ کا شکریہ یور آنر' لیکن ان کی معافی میری زندگی کے سوا چار سال نہیں لوٹا سکتی۔ میرے خاندان اور دوستوں میں ہوئی میری بے عزتی اور توہین نہیں ٹھیک کر سکتی۔ میری دو دفعہ کھو جانے والی نوکریاں عزت سے مجھے واپس نہیں مل سکتیں۔ جب آپ کسی بے گناہ آدمی کو قید میں ڈالتے ہیں تو آپ اس کو معصوم نہیں رہنے دیتے۔ وہ اپنے دفاع کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی خدا ہے بھی یا نہیں' کوئی قیامت آئے گی بھی یا نہیں' مگر مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ بے گناہ آدمی اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو روکنے کے لیے جو بھی کرے' وہ قانوناً اور شرعاً درست ہوتا ہے۔'' کھنچے ہوئے ابرو کے ساتھ وہ نیچے اتر آیا۔

زمر اس وقت ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی' مگر وہ یہاں رو بھی نہیں سکتی تھی۔ بدقت سارے آنسو اندر اتار کر اس نے چہرہ اٹھایا اور نگاہیں جھکائے' بال کان کے پیچھے اڑستے' اپنے کاغذ ترتیب سے رکھنے لگی۔ وہ خاموشی سے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

پراسیکیوٹر اب جج صاحب سے بات کر رہا تھا۔ صفائیاں' معذرتیں۔ زمر نے نگاہیں جھکائے کاغذ پہ لکھا۔ ''تم اس رات ہسپتال بھی گئے تھے یا نہیں؟''

فارس نے قلم اٹھا کر اس کے نیچے لکھا۔ ''صرف پچیس منٹ کے لئے گیا تھا۔ آپ کا کیا خیال ہے' میں اتنی گرمی میں پوری رات اسی جگہ بیٹھا رہا تھا؟''

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ اس رات تم کہیں اور تھے؟''

''آپ نے پوچھا ہی نہیں۔'' سادگی سے لکھ کر کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔

زمر کے تیور چڑھ گئی۔ کاغذ پہ چند بند سے لکھ کر اس کے سامنے ڈالا۔

''یہ میری بتایا فیس ہے۔ وقت پہ ادا کرنا۔'' خفگی سے سرگوشی کی تو فارس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''مجھے ریسیو کرنے نہیں آ ؤ گی؟''

''ٹیکسی کر کے آ جانا۔'' وہ رخ موڑے سنجیدگی سے جج صاحب کی طرف متوجہ تھی۔

''اور ٹیکسی کا کرایہ؟''

''اپنی گرل فرینڈ سے مانگ لینا۔'' وہ ہاتھ کر آگے چلی گئی' اور وہ تھکان بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر گردن موڑی تو احمر ابھی تک ششدر بیٹھا تھا۔ اس کو متوجہ پا کر آگے ہوا۔ ''تو اس رات تم ایسی جگہ تھے جس کے بارے میں کوئی گواہی دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ واؤ۔ ایسے طریقے مجھے کیوں نہیں سوجھتے؟'' وہ محظوظ ہوا تھا۔ فارس پیچھے کو جھکا اور دھیرے سے کہنے لگا۔ ''تم نے میرے کیس کے لئے تمام انویسٹی گیشن کی۔ اس کے لئے تمہارا.....''

''اس کی فیس اس پہ لکھی ہے۔'' احمر نے فوراً سے کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔ ''پلس کچھوؤں کے پیسے الگ ہیں۔ ٹیکس الگ ہے۔ ویک اینڈ سے پہلے ادا کر دینا۔'' اور وہ جو شکریہ ادا کرنے لگا تھا' رک کر اس کاغذ کو پڑھنے لگا۔ ابرو بے اختیار اٹھے۔ باری باری فیس کے دونوں تحریری مطالبوں کو دیکھا اور پھر ماتھے پہ بل لئے ''بہت بہتر'' کہہ کر خفگی سے رخ موڑ لیا۔

.............❖❖❖.............

یا اتنا سخت جان کہ تلوار بے اثر ..... یا اتنا نرم دل کہ رگِ گل سے کٹ گیا

جس دوپہر فارس گھر واپس آیا' وہ انیکسی والوں کے لئے عید کا دن تھا۔ حسینہ اور صداقت نے اچھا سا کھانا بنایا تھا۔ سیم' ندرت اور بڑے ابا اس کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سب خوش باش اس سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی مسکرا کر ان کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ وہ تھکا ہوا مگر مطمئن لگتا تھا۔

حنین مل کر اسٹڈی میں چلی گئی تھی۔ وہ کچھ کام کر رہی تھی۔ ایسے میں صرف زمر تھی جو اب تک اس سے نہیں ملی تھی۔ اوپر اپنے کمرے میں وہ ناخن دانتوں میں دبائے' ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ بار بار دروازے کی طرف بڑھتی' پھر سر جھٹک کر واپس ہو لیتی۔ ذرا سی درز سے نیچے سے آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔ (سب کو شکریہ کہہ رہا ہے۔ آپا آپ کا شکریہ' کھانے بھیجنے کا۔ انکل آپ کا شکریہ' دعا کرنے کا۔ صداقت تمہارا شکریہ' پتہ نہیں کس چیز کا۔ اور میں جو اتنے مہینے اس کے لئے خوار ہوتی رہی' میرا کوئی احساس نہیں!) وہ خفگی سے خود سے بڑبڑا رہی تھی۔

''میں زمر کو دیکھ لوں۔'' وہ ایکسکیوز کر کے اٹھ آیا تھا۔ اب زینے چڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ زمر نے جلدی سے تکیوں کے غلاف اتارے' نئے غلاف نکالے' اور جس وقت وہ دروازہ ذرا سا بجا کر اندر داخل ہوا' وہ مصروف سی تکیوں کے غلاف بدلتی نظر آ رہی تھی۔

''السلام وعلیکم۔'' دروازے میں کھڑے وہ ذرا سا کھنکار کر بولا۔ زمر نے ایک بے نیاز' اچٹتی نظر اس پہ ڈالی (جینز پہ سوئیٹر پہنے' وہ تھکا ہوا مگر مطمئن لگ رہا تھا) اور تکیے کو نئے کور میں ڈالتی ہوئے مصروف انداز میں بولی۔

''نمبر ایک۔ میں نے تمہارے لئے جو بھی کیا' ٹیم پارٹنر سمجھ کر کیا۔ نمبر دو' میں اب بھی نہیں بھولی کہ تم نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی تھی۔ نمبر تین' مجھے تمہاری ریسٹورانٹ والی باتیں بھی یاد ہیں۔ نمبر چار' تم جب چاہو ڈائیوورس پیپرز بنوالو' گر میرے پاس حق طلاق ہوتا تو میں خود بنوالیتی۔ نمبر پانچ' میں مزید تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اس لئے میں نے اپنا سامان نیچے اسٹڈی روم میں شفٹ کر دیا ہے۔ یہ کمرہ اب صرف تمہارا ہے۔ نمبر چھ' ہم ٹیم کی طرح ..... پہلے کی طرح کام کرتے رہیں گے' لیکن' تمہاری بے گناہی معلوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے تمہیں معاف بھی کر دیا ہے۔ نمبر سات.....'' الفاظ ٹوٹ گئے' کیونکہ وہ خاموشی سے قدم قدم چلتا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ' اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے اپنے کندھے سے لگایا اور تھوڑی اس کے کندھے پہ جمائے' آنکھیں بند کیے اس نے صرف اتنا کہا۔ ''شکریہ۔ میرے لئے لڑنے کا۔''

چند ساعتیں اور گزریں۔ چند لمحے اور سرکے۔

زمر جو بالکل منجمد ہو گئی تھی' بمشکل گہری سانس لے کر بولی۔

"نمبر سات' میں کل تمہارے خلاف restraining order فائل کروں گی۔ جس کے تحت تمہیں مجھ سے دس فٹ دور رہنا ہوگا۔" اور اپنے ہاتھ چھڑائے۔ فارس نے چہرہ اٹھایا' اسے کہنی سے تھامے اپنے سامنے کیا' اور قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ "تم کل یہ آرڈر فائل کرو گی؟ واقعی؟"

"بالکل!" گردن اکڑا کر بولی' مگر اس کی آنکھوں میں دیکھنا.....اُف۔

"مگر کل تو چھٹی ہے۔"

"میرا مطلب تھا' پرسوں۔" تلملا کر بولی' اور کہنی چھڑا کر دروازے کی بڑھ گئی۔

"اچھا' کمرہ مت چھوڑو' ہم بیٹھ کر اس بارے میں بات کر لیتے ہیں۔" وہ پیچھے سے بولا تھا۔ تکان سے مسکرا کر۔

"نمبر آٹھ' میرا فیصلہ حتمی ہے۔" بظاہر خشک لہجے میں کہہ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ سیڑھیاں اترتے اس کے کانوں سے دھوئیں نکل رہے تھے۔ بمشکل چہرے کو نارمل رکھے وہ اسٹڈی میں آئی تو اندر نقشہ بدلا ہوا تھا۔

ایک صوفہ کم بیڈ' جو فی الحال کھلا ہوا تھا۔ (اور اس کی اونچائی دو میٹرس جتنی ہی تھی) پر حنین لیپ ٹاپ لیے بیٹھی تھی۔ اندر سفید فلیش لگی تھی' اور حنہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بنا؟" زمر فوراً اس کے قریب آئی۔

"میں نے اس فلیش ڈرائیو کے پروگرام کو ڈی کرپٹ کر لیا ہے۔ اور وہ کھل گئی ہے۔"

زمر کو آگے پیچھے کی ہر شے بھول گئی۔ دل و دماغ میں جیسے سکون سا اتر آیا۔

"او ریئلی۔" وہ خوشی سے کہتی اس کے ساتھ آ کر بیٹھی اور اسکرین کو دیکھا۔

"کیا نکلا اس میں سے؟"

حنین ابھی تک شل تھی۔ "میں نے اتنے مہینے لگائے' اتنا وقت برباد کیا' صرف ایلسا اور آنا کے لیے۔"

"کیا؟"

حنین نے اسکرین کا رخ اس کی طرف پھیرا۔ "اس فلیش ڈرائیو میں سوائے فروزن فلم کے' کچھ بھی نہیں ہے۔ ہر طرح سے کنگھال چکی ہوں اسے۔ مگر یہ خالی ہے۔ یا تو بھائی نے اصل فلیش مجھے نہیں دی' یا اس نے غلط فولڈر کاپی کیا تھا۔" وہ ابھی تک سُن تھی۔

"او نہیں!" زمر نے نڈھال سی ہو کر سر پیچھے کو گرا لیا۔

اور قصرِ کاردار کے لاؤنج میں جواہرات کاردار غصے سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ اس کی رنگت مارے غضب کے سیاہ پڑ رہی تھی' جبکہ صوفے پہ بیٹھا ہاشم گردن پیچھے کو پھینکتا ہنستا جا رہا تھا۔ جواہرات نے رک کر ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ "وہ رہا ہو کر ہمارے سروں پہ پھر سے پہنچ گیا ہے اور تم ہنس رہے ہو۔"

"اس نے وٹنیس اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر ایڈووکیٹ جنرل کو بلیک میل کیا..... ہاہاہا..... ٹاؤ ڈیئس کول۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"زمر کو تو میں دیکھ لوں گی' تم مجھے بتاؤ اب ہم اس کو دوبارہ کیسے جیل بھیجیں۔"

"اب پبلک پراسیکیوشن آفس میں کوئی اس کو پراسیکیوٹ نہیں کرنا چاہے گا۔ میں نے آپ سے کہا تھا' کیس جلدی چلوانے کی کوشش نہ کریں' لیکن خیر۔" ہنستے ہنستے وہ پل بھر کو رکا اور محظوظ انداز میں جواہرات کو دیکھا۔ "میں مزید اس کو جیل میں نہیں بھیجنا چاہتا۔ اس کو صرف ایک شخص اندر کروا سکتا تھا۔ کرنل خاور۔ اب مزید کوشش نہ کیجیے۔ وہ ہمارے لیے خطرہ نہیں ہے۔ نہ بن سکتا ہے۔ اب موو آن کرنے کا وقت ہے۔

اچھے کام کرنے کا وقت ہے۔'' کوٹ کا بٹن بند کرتا اٹھا۔ ''میں مجی ایک اچھا انسان بننا چاہتا ہوں۔ میں راستہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے پرانی دشمنیاں چھوڑ کر آگے بڑھیئے۔'' ماں کا شانہ تھپک کر وہ آگے بڑھ گیا۔ جواہرات وہیں کھڑی کلستی رہی۔ پھر کمرے میں آئی۔ دروازہ مقفل کیا اور فون ملایا۔

''مجھے اچھی خبر کب سناؤ گے فصیح؟'' زہر خند لہجے میں وہ بولی تھی۔

''آج رات کام ہو جائے گا۔ پہلے سعدی اور پھر خاور'' سن کر اس نے موبائل پرے ڈالا اور سنگھار میز کے قد آور آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ سفید اور سرخ لمبے گاؤن میں ملبوس وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی' مگر چہرے پہ چھایا غیض و غضب اس کے حسن کو گہنا رہا تھا۔ شرارے پھوٹتی آنکھوں سے آئینے کو دیکھتے اس نے گردن میں پہنی موتیوں کی مالا نوچ ڈالی۔ تڑ تڑ تڑ.... سفید چکنے چکنے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر فرش پہ گرنے لگے۔

اوپر اپنے کمرے میں بستر پہ سستی سے نیم دراز پیروں کی قینچی بنائے نوشیرواں کھٹا کھٹ موبائل پہ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ بال بنے تھے' اور لباس سے لگتا تھا کہ ابھی آفس سے لوٹا ہے۔ آنکھوں میں ازلی بے زاری کی جگہ مصروف سا تاثر تھا۔ گویا گفتگو میں بہت منہمک ہو۔

''بھائی شادی کرنے جا رہا ہے۔'' اسکرین پہ الفاظ ابھر رہے تھے۔ دوسری طرف سے علیشا کا جواب چمکا۔ ''یہی بتانے کے لئے اتنی صبح تیکسٹ کر رہے ہو؟''

''کیا تمہیں ذرا بھی دلچسپی نہیں سننے میں کہ وہ کس سے شادی کرنے جا رہا ہے؟''

''تم بتا دو۔''

''آبدار عبید سے' وہ ہماری یونی میں تھی۔ مجھے شدید ناپسند ہے وہ۔ بھائی کو وہی لوگ پسند آتے ہیں جو مجھے شدید ناپسند ہوتے ہیں۔'' لکھتے ہوئے ابرو بھنچ گئے اور آنکھوں میں خفگی عود آئی۔

''اچھا۔ وہی جس کو تم یونی میں تنگ کرتے تھے اور پھر ہاشم نے تمہیں پٹوایا تھا؟'' وہ محظوظ ہوئی تھی۔ لمحے بھر کو نوشیرواں کا رد دار منجمد ہو گیا۔ جیسے سارا خون جم گیا ہو۔ ہڈیاں برف کی ہو گئی ہوں۔

''کون ہاشم؟ اور تمہیں کیسے پتہ؟'' اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ آبی کے منگیتر کا نام بھی شاید ہاشم ہو۔

''کیا تمہارے بھائی نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں نے اورنگزیب صاحب کا اکاؤنٹ اپنے پاس سر در کر رکھا تھا۔ ان کی ساری ای میلز میں پڑھا کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے ہاشم نے ان کو میل کر کے بتایا تھا کہ تم ان کے دوست کی بیٹی کو تنگ کر رہے تھے اسی لئے اس نے اپنے کسی بندے کے ذریعے تمہیں پٹوایا تھا۔ شاید اس کو یہ بھی کہا تھا کہ وہ خود کو اس لڑکی کا شوہر یا منگیتر ظاہر کرے۔'' وہ رکی۔ ''کیا تمہیں نہیں معلوم تھا؟''

نوشیرواں کے چہرے کا رنگ یوں نچڑ گیا جیسے سینے میں گھاؤ لگا کر کسی نے سارا خون نکال لیا ہو۔ بے جان ہوتے ہاتھوں سے اس نے موبائل فون وہیں لحاف پہ گرا دیا اور سر اٹھا کر خالی خالی' شل' ششدر نظروں سے سامنے دیکھا جہاں سنگھار میز کا آئینہ اس کا زرد چہرہ منعکس کر رہا تھا۔

اس کی ساری دنیا زمین بوس ہو گئی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

فیض سر پہ جو ہر اک روز قیامت گزری ...... ایک بھی روز مکافات نہ ہونے پائی

کرنل خاور اپنے کمرے جن میں زمین پہ آلتی پالتی بیٹھا تھا۔ نگاہیں دور خلا میں جمی تھیں اور وہ کسی گہری سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔

آنکھوں کے گرد لگے زخم اب مندمل ہو چکے تھے اور صحت بھی بہتر تھی۔ ایسے میں دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ چونکا۔ اور چہرہ اٹھایا۔

گارڈ کھانے کی ٹرے لایا اور نیچے زمین پہ رکھی۔ خاور کی نگاہیں ادھ کھلے دروازے کے پار گئیں۔ وہاں ایک اور گارڈ نظر آ رہا تھا۔ خاور کی آنکھیں پرسوچ انداز میں سکڑیں۔

"تمہاری اور اس کی تو صبح ڈیوٹی ہوتی ہے' تم لوگ اس وقت کیا کر رہے ہو؟ اور رات والے گارڈز کہاں ہیں؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

گارڈ نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔ گہری خاموش نظر اور مڑ گیا۔ خاور تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے آیا۔

"مجھے سعدی یوسف کے کمرے میں جانا ہے' ابھی اسی وقت۔" وہ چونکا ہوا لگتا تھا۔ مگر گارڈ نے ایک دم پیچھے مڑ کر ایک زوردار مکا خاور کے جبڑے پہ دے مارا۔ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ تیورا کر پیچھے کو گرا۔ اسی اثناء میں وہ دروازہ آگے سے بند کر چکا تھا۔ خاور وحشیانہ انداز میں دروازہ پیٹنے لگا۔

"اگر تم نے اسے مارا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم اس کو نہیں مار سکتے۔ اس کو ابھی نہیں مرنا۔"

سعدی یوسف کے کمرے تک یہ آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' کاغذ سامنے رکھے' سنہری قلم سے لکھتا جا رہا تھا۔

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔

سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس اس لڑکے کے تازہ شیمپو کیے بال گیلے اور سلیقے سے پیچھے کو بنے تھے۔ وہ گردن ترچھی کیے' منہمک سا قلم کاغذ پہ رگڑ رہا تھا۔

"قرآن میں بہت سے واقعات آپ پھیر پھیر کر لاتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ ان کو دہراتے ہیں۔ ہر دفعہ دہرانے کا مقصد مختلف ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ النمل میں جتنے بھی واقعات ہیں' ان میں ایک قدر مشترک ہے۔ ویسے تو بہت سی اقدار مشترک ہوں گی' مگر میں محدود سوچ اور محدود علم کا آدمی ہوں۔ اتنا غور و فکر کر پاؤں گا جتنی میری ذہنی وسعت ہے۔ سو میں کہہ رہا تھا اللہ' کہ اب تک جتنے واقعات پہ غور و فکر کیا ہے میں نے..... ان سب میں ایک اکائی ہے جو پورے سسٹم کے خلاف کھڑی ہے۔ پہلے موسیٰ کا واقعہ..... ایک موسیٰ' اور سامنے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر۔ پھر سلیمان اور ان کے سامنے ایک پورا سسٹم جس کو وہ کنٹرول کیے ہوئے ہیں..... پھر ایک سلیمان اور ان کے سامنے ملکہ سباء اور اس کے سردار و سلطنت..... دوسری جانب ایک ملکہ سباء اور سامنے سلیمان اور ان کے لاؤ لشکر۔ ایک ہدہد جو پورے لشکر کے سامنے اکیلا کھڑا اپنی صفائی دے رہا ہے۔ پھر ایک شعیب اور ان کے سامنے پوری کافر قوم۔ لیکن اگر غور کرو تو سورۃ کا نام "النمل" ہے۔ چیونٹیاں۔ کوئی بھی یہاں اکیلا ہو کر بھی اکیلا نہیں ہے۔ موسیٰ کے ساتھ ان کے بھائی اور ان کی قوم ہے۔ سلیمان کے ساتھ ان کے لوگ ہیں۔ ملکہ بھی اپنے سرداروں کے ساتھ ہے۔ شعیب بھی اپنی قوم کی ایلیٹ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے بھی "وارث" تھے جن سے ان کے خلاف قتل کی سازش کرنے والے ڈرتے تھے۔ انسان کو بڑے بڑے کام کرتے وقت یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مجھ اکیلے نے یہ سب کر لیا۔ میں اکیلا ایک سیلف میڈ آدمی ہوں۔ بلکہ نہیں..... بہت سے لوگ..... خاموش چیونٹیوں جیسے لوگ ہوں گے جنہوں نے آپ کا ساتھ دیا ہو گا۔ ان کو بھولنا نہیں چاہیے۔ جو بندوں کا شکر نہیں کرتا وہ رب کا شکر نہیں کرتا۔"

باہر کچن میں وہی گارڈ خاموشی سے ٹرے میں پلیٹ رکھ رہا تھا۔ چمچ کا تناسب برابر کیا۔ نیپکن سجایا۔ گلاس رکھا۔

"اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جو (اللہ سے) ڈرتے رہے۔ اور لوط کو جب اس نے فرمایا اپنی قوم سے' کیا تم ارتکاب کرتے ہو "فاحشہ" (بے حیائی) کا حالانکہ تم دیکھتے ہو!"

"فاحشہ!" تیز تیز لکھتے اس معصوم لڑکے نے گہری سانس لی۔ "اس لفظ کے ساتھ ذہن میں عموماً ان کاموں کا خیال آتا ہے جو

بدکاری سے جڑے ہوتے ہیں۔ وہ تو فاحشہ ہوتے ہی ہیں مگر اس لفظ کا مطلب زیادہ وسیع ہے۔ فاحشہ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جو کھلم کھلا سر عام کیا جائے۔ چاہے وہ بدکاری ہو عمل قوم لوط ہو سوتیلی ماں سے شادی ہو یا دن دہاڑے ہونے والی قتل اور ابزلی کی وارداتیں ہوں۔ قوم لوط مسافروں کو لوٹتے تھے اور ان کا فحش عمل اس کے علاوہ ہے۔ لوط ان کو کہتے ہیں کہ "تبصرون" (تم دیکھتے ہو)۔ یہاں "نظر" نہیں آیا۔ نظر یعنی آنکھ سے دیکھنا۔ یہاں "بصر" کہا گیا ہے۔ بصر یعنی دل سے دیکھنا۔ بصیرت رکھنا۔ سمجھ رکھنا۔ تو کھلم کھلا برائیوں کو سمجھنے والے لوگ جو پھر بھی ان کی مخالفت نہ کریں وہ بھی قوم لوط جیسے ہی ہوئے نا۔ آج کل کھلم کھلا گناہ کرنے کو بولڈ نیس کہا جاتا ہے۔ خود اعتمادی کہا جاتا ہے۔ بھلے ہمارے بچے بڑوں کے ساتھ بدتمیزی سے بات کر رہے ہوں کھلم کھلا بے ادبی ہو رہی ہو ماں باپ خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ بچہ کانفیڈینٹ ہے بولڈ ہے۔"

کچن میں میری اب پیالے میں سوپ ڈال رہی تھی۔ گارڈ منتظر سا کھڑا تھا۔

"(کہا لوط نے) کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس شہوت کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم ایک قوم ہو جو جہالت برتتے ہو۔"

"مگر اللہ تعالیٰ..." وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ لکھتا جا رہا تھا۔" آج کل یہ گناہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ اب ہمارے بچے اس کو بہت لائٹ لینے لگے ہیں۔ قوانین پاس کروا کر بائیولوجیکل وجوہات بیان کر کے یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں بٹھائی جا رہی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں سو ان کو برداشت کریں درگزر کریں۔ تو پھر لوط نے برداشت کیوں نہیں کیا؟ کائنات میں کسی نے یہ گناہ پہلے نہیں کیا تھا۔ یہ اسی قوم سے شروع ہوا تھا۔ آج لوگ اس کو برداشت روشن خیالی اور ترقی پسندی کی علامت قرار دیتے ہیں۔ ہمارے والد لوط نے اس کو جہالت قرار دیا تھا۔"

ٹرے میں میری نے گرم گرم چاولوں کی پلیٹ رکھی ساتھ میں چکن گریوی۔ پانی گلاس میں انڈیلا۔ اور ٹرے اٹھانے لگی تو گارڈ آگے بڑھا۔

"میں اسے کھانا دوں گا۔ یہ سر کاردار کا حکم ہے۔"

میری کی آنکھوں میں تعجب بھر آیا۔ "مگر....."

"خاموش رہو!" اسے گھور کر ٹرے اٹھائی اور آگے بڑھ گیا۔ میری گونگوی کھڑی رہ گئی۔

"تو نہ تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے بے شک یہ وہ لوگ ہیں جو بہت پاک بنتے ہیں۔"

"دلچسپ بات یہ ہے اللہ کہ آج بھی سوشل میڈیا پہ اس ایشو پہ تین طرح کے لوگ بولتے ہیں۔ ایک اس کو گناہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے اس کے حق میں "فطری" اور "پرسنل چوائس" ہونے کی وکالت کرتے ہیں۔ اور تیسرے ..... تیسرے لوگ اس عمل کے مخالفین کو نشانہ بناتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ مخالفت کرنے والے خود مجرا پڑھتے ہیں؟ چار بیویوں سے آگے اسلام کا پتہ ہے ان کو؟ یہ خود کو اتنا پارسا کیوں ظاہر کرتے ہیں؟ پہلے خود کو دیکھو پھر نصیحت کرو وغیرہ وغیرہ۔ یہ تیسرے لوگ بظاہر جتنا کہیں کہ ہم اس عمل کے کرنے والوں سے اتفاق نہیں کرتے مگر یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے وغیرہ وغیرہ یہ لوگ بھی قوم لوط شمار ہوتے ہیں۔ اگر داعی کی بات نہیں مانتی تو اس پہ پرسنل اٹیک کرو یہ طریقہ آج کا نہیں ہے۔" پتہ نہیں یہ نصیحت کرنے والا خود اندر سے کیا ہو" یہ فقرہ کہنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ تو قوم لوط کا طریقہ ہے۔ جاہلوں کا طریقہ۔ اور النمل سورۃ ہے۔ مبلغین کی۔ ظلم اور برائی کے خلاف کھڑے ہونے والے لوگوں کی۔ جو نیوٹرل نہیں رہتے تھے۔"

"تو نجات دی ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے۔ مقدر کر دیا ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ اور برسائی ہم نے ان پہ بارش۔ تو بہت بری تھی بارش ڈرائے جانے والوں کی!"

سعدی لکھ رہا تھا۔ کچن میں ہونے والی سرگرمی سے بے نیازی۔

"انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ انجیل مقدس کے مطابق لوط کی بیوی نے لوط اور دو بیٹیوں کے ہمراہ نکلتے ہوئے.... پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور وہ نمک کا مجسمہ بن گئی۔ پتھرا گئی۔ وہیں سے وہ "پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا پتھر کے ہو جاؤ گے۔" والی اصطلاح نکلی ہے۔ جو گناہ آج لوگوں کو اتنا ہلکا لگتا ہے' پرسنل چوائس لگتا ہے' وہ اتنا سخت ناپسندیدہ ہے اللہ کے نزدیک کہ الہامی کتب میں آتا ہے.... جبرائیل نے اپنے پر پہ اس پوری بستی کو اٹھایا' آسمان تک لے کر گئے اور واپس پٹخ دیا۔ وہ زمین میں دھنس گئے۔ ان پہ پتھروں کی تاڑ تاڑ بارش برسی۔ ہر شخص کے اوپر وہ پتھر آ کر لگا جس پہ اس کا نام منقش تھا۔ آج اس جگہ پہ بحر مردار (dead sea) ہے۔ جہاں کوئی ذی روح نہیں رہ سکتا۔ جہاں پانی کے اندر... اتنے برسوں بعد بھی کوئی زندگی نہیں ہے۔ نہ زندگی پل سکتی ہے۔ یہ اتنے بڑے گناہ تھے' اور آج لوگ....." قلم خشک ہونے لگا۔ اس نے رک کر قلم جھٹکا۔ پھر لکھا۔ بے سود۔ اس کا موڈ خراب ہونے لگا۔ لکھنے کے لیے سب سے ضروری چیز ایک اچھا قلم ہوتی ہے۔ سعدی نے خفگی سے اس کے اوپر کے کلپ دیکھے۔ وہاں چار بٹن تھے۔ اس نے موجودہ نب کا بٹن واپس اوپر کر دیا۔ اور دوسرا گرایا۔ لکھا تو وہ سرخ لکھتا تھا۔ اونہوں۔ اس نے تیسرا بٹن دبا کر تیزی سے نب نکالی۔ وہ نیلی تھی۔ اور سعدی کو صرف سیاہ روشنائی پسند تھی۔ اس نے چوتھے بٹن کو نیچے کیا تو اندر سے... باریک سی نب نکلی۔ وہ اس سے لکھنے لگا پھر غور سے دیکھا۔ وہ نب نہیں تھی۔ سوئی کی طرح تھی۔ تیز دھار آرے کی طرح۔ اس کو آبدار کی آنکھوں کا اشارہ یاد آیا۔ وہ رک کر سوچنے لگا۔ تبھی دروازہ کھلا تو اس نے جھٹ قلم مٹھی میں دبا لیا اور یوں ظاہر کرنے لگا گویا اپنا لکھا پڑھ رہا ہے۔

گارڈ نے دروازہ بند کیا۔ ٹرے لا کر رکھی۔ باری باری چیزیں نکال کر میز پہ سجائیں۔ پھر.... سعدی کی طرف پشت کیے.... جیب سے زنجیر کا ٹکڑا نکالا۔ وہ خاور کو باندھی گئی زنجیروں سے مشابہت رکھتی تھی۔ اس پہ خاور کا خون اور ڈی این اے موجود تھا' اور گارڈ کے ہاتھوں پہ دستانے چڑھے تھے۔ شفاف باریک دستانے۔

وہ ایک دم پلٹا اور پیچھے سے آ کر سعدی کی گردن میں وہ زنجیر ڈالی۔ بلکہ ڈالنی چاہی۔ مگر سعدی تیزی سے آگے کو جھکا' اور خود کو کرسی سمیت دائیں جانب گرایا۔ گارڈ کے ہاتھ میں اس کی شرٹ کا پچھلا حصہ آیا تھا' وہ اس سے اس کو کھینچتے ہوئے زمین پہ گرانے لگا۔ سعدی نے "میری... کوئی ہے...." چلاتے ہوئے ہاتھوں اور پیروں سے اس کو پرے دھکیلنا چاہا' مگر گارڈ کا زور بہت زیادہ تھا۔ وہ گھٹنا سعدی کے سینے پہ رکھے' پوری قوت سے اسے نیچے گرائے رکھے' زنجیر اس کی گردن میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور سعدی مسلسل سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پوری قوت لگاتے ہوئے گارڈ کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا.... سعدی نے بھی اتنی ہی قوت سے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر پرے ہٹایا اور اس سے پہلے کہ اٹھتا' گارڈ نے زور کا مکا اس کے جبڑے پہ رسید کیا۔

سعدی کا دماغ بھی گھوم گیا اور چہرہ بھی۔ اور جب چہرہ بائیں جانب گھوما تو اسے دھندلا سا نظر آیا۔ سنہری پین ساتھ میں گرا پڑا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا.... پھیلایا..... قلم چند انچ دور تھا۔ گارڈ نے اس کی گردن کے گرد زنجیر لپیٹی' اور اسے کسنے لگا.... سعدی کی انگلیوں نے قلم کو چھوا اور اگلے ہی لمحے اس نے قلم اٹھا کر گارڈ کے جسم کے اندر اتار دیا۔ دھندلی بصارت کے باعث سمجھ نہیں آئی کہ کدھر مارا... مگر.... منظر ذرا واضح ہوا.... گردن کی زنجیر ڈھیلی ہوئی تو دیکھا.... پین گارڈ کے ہاتھ کی پشت میں کھب چکا تھا۔ زنجیر گارڈ کے ہاتھوں سے پھسل گئی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے گھٹنوں کے بل زمین پہ گرا۔ سعدی نے زنجیر گردن سے نکالتے.. لڑکھڑا کر کھڑے ہوتے اسے دیکھا۔

گھٹنوں کے بل بیٹھا گارڈ.... سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں ایک شاک سا تاثر تھا۔ منہ سے جھاگ نکلنے لگی اور وہ منہ کے بل نیچے گرا۔

سعدی ایک لمحے کے لئے تو منجمد ہو گیا' پھر تیزی سے اس کے اوپر جھکا۔

"Don't die" جلدی سے اسے سیدھا کیا اور اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ گارڈ ابھی تک سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

"مرنا مت پلیز مت مرنا۔" وہ وحشت سے اس کو جھنجھوڑتے کہہ رہا تھا۔ گارڈ کی متعجب آنکھیں سعدی پہ جمی تھیں۔ وہ اتنی حیران اتنی ششدر آنکھیں تھیں... کہ سعدی کا دل بند ہونے لگا۔ اور ان آنکھوں میں روشنی بھی تھی۔ زندگی کی رمق۔ اور پھر... سعدی نے دیکھا... لمحوں میں روشنی کی وہ جوت بجھ گئی۔ گارڈ کا جسم ٹھنڈا نیلا پڑ گیا۔ بے جان' بالکل سرد۔

یہ وہ پہلا قتل تھا جو سعدی یوسف نے کیا تھا۔

اور یہ وہ پہلی رات تھی جب سعدی یوسف نے سعدی یوسف کو کھو دیا تھا۔

(اختتام حصہ دوم)

باب 20:

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے

(حصہ سوم)

"ماہِ کامل کی دودھ برف رات!"
کوہسار پہ سفید برف دمک رہی ہے۔
ایک قدم کا نشان تک نہیں ہے۔
ایک تنہائی کی سلطنت ہے...
اور یوں لگتا ہے جیسے میں ملکہ ہوں!
میرے اندر کے طوفان کی طرح باہر کی ہوا بھی غرا رہی ہے
میں اسے اپنے شر کو اندر نہیں دبا سکی...
خدا جانتا ہے میں نے کتنی کوشش کی!
کہ ان کو معلوم نہ ہونے دوں!
وہ اچھی لڑکی بن جاؤں جو مجھے بننا تھا۔
چھپالوں، محسوس نہ کروں، ان کو پتہ نہ چل جائے۔
مگر خیر...اب جان گئے سب!
سو...جانے دو...جانے دو
اب نہیں دبا سکتی اس کو اندر
جانے دو...جانے دو
مڑ جاؤ...اور دروازہ بھیج دو
لوگ کیا کہیں گے، مجھے پرواہ نہیں۔
طوفان کو برپا ہونے دو۔
ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا کبھی نہیں!
عجیب بات ہے کہ کیسے ذرا سے فاصلے سے

چیزیں چھوٹی دکھائی دینے لگتی ہیں۔
اور وہ خوف جو کبھی مجھے گھیرے رہتا تھا'
اب مجھے چھو بھی نہیں پا رہا۔
اب یہ دیکھنے کا وقت ہے کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔
اب اپنی حدود کو آزمانا ہے اور توڑنا ہے
نہ کوئی صحیح 'نہ کوئی غلط...کوئی اصول نہیں میرے لئے۔

میں ہوں آزاد!

جانے دو...جانے دو
تم اب مجھے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھو گے
یہاں کھڑی ہوں میں اور یہیں رہوں گی میں!
طوفان کو برپا ہونے دو۔
کسی برف شار کی طرح ایک خیال دل میں جم سا جاتا ہے!
''میں کبھی واپس نہیں جاؤں گی' ماضی' ماضی میں رہ گیا۔''
جانے دو...جانے دو
اور میں ابھروں گی تازہ صبح کی طرح

جانے دو...جانے دو
وہ پرفیکٹ گرل اب نہیں رہی...
اور یہاں کھڑی ہوں میں' دن کی روشنی میں
طوفان کو برپا ہونے دو
ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا ہی کبھی نہیں!

Elsa Queen (فروزن)

فصیح نے تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور اضطراب پہ قابو پائے دروازہ کھولا تو گارڈز اور میرب خاموش کھڑے نظر آ رہے تھے۔ سعدی کے کمرے کی چوکھٹ پہ خاور کھڑا فرش کو دیکھ رہا تھا جہاں بے سدھ گارڈ لیٹا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی نے بند نہیں کی تھیں۔ وہ ہنوز شاک کے عالم میں کھلی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی زمین پہ سعدی اکڑوں بیٹھا تھا۔ گھٹنے سینے سے لگائے' وہ شل سا سامنے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ ہتھکڑی تختی سے بندھی تھی۔

''کیا ہوا ہے ادھر؟'' فصیح خود پہ غصہ طاری کرتا' گارڈز کو ہٹاتا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ لاش کے قریب جوتے روکے۔

''وہ کھانا لے کر اندر گیا۔ پھر کچھ دیر بعد سعدی نے آواز دی۔ میں آئی تو یہ دونوں اسی حالت میں تھے۔ یہ کچھ بتا نہیں رہا تھا تو میں نے خاور کو بلایا۔'' میرب جلدی جلدی کہنے لگی۔ گارڈز بھی دم بخود تھے۔ مرنا یا مارنا' ان کی جاب ڈسکرپشن میں شامل نہ تھا۔ وہاں کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کا ساتھی گارڈ سعدی یوسف کو قتل کرنے اندر گیا تھا۔ اور جس نے اسے بھیجا تھا' اب وہ پنجوں کے بل لاش کے قریب بیٹھا۔

''اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی ہے۔'' خاور نے خشک لہجے میں اسے مخاطب کیا' مگر فصیح نے جھک کر اس کی نبض چھوئی' گردن پہ

ہاتھ رکھا۔ پھر احتیاط سے ہاتھ کی پشت دیکھی۔ وہاں موجود نشان واضح تھا۔

''کہاں سے آیا زہر تمہارے پاس' بولو۔'' اس نے سعدی کو جھپٹ کر کھڑا کیا۔ سعدی ابھی تک اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ فصیح نے پہلے جبراً اس کی بند مٹھی کھولی۔ اندر مڑی تڑی تصویر تھی۔ پھر اس نے اس کی تلاشی لی' جیبیں تھپتھپائیں۔

''پورا کمرہ چیک کرو' ایک ایک چیز چھان مارو۔ زہریلا انجکشن کہاں سے آیا؟ مجھے جواب چاہیے۔ اس کی بھی تلاشی لو۔'' خاور کی طرف اشارہ کرتے وہ گرجا تھا۔ خاور نے ابرو اچکا کر ہاتھ اٹھا دیے۔ گارڈز آندھی طوفان کی طرح کمرہ کھنگھالنے لگے۔ میری وہاں سے ہٹ آئی۔

قریباً ایک گھنٹہ گارڈز اس کے کمرے کو چھانتے رہے۔ ہر شے الٹادی' بکھرادی۔ مگر زہریلی سرنج نہ ملی۔ فصیح' جواہرات کو کال ملاتا وہاں سے نکل گیا۔ وہ سخت پریشان لگتا تھا۔ کمرے میں وہ دونوں تنہا رہ گئے تو خاور نے ایک گہری نظر سعدی پہ ڈالی جو پھر سے فرش پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ شل' ساکت۔ لاش اب وہاں نہیں تھی۔

''شکر کرو بروقت میری نے وہ پین چھپادیا۔ ویسے کہاں سے آیا وہ تمہارے پاس؟''

وہ نہیں سن رہا تھا۔ بس یک ٹک دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ تم پہ حملہ کرنے آیا' تم نے اسے ماردیا۔ ٹھیک کیا۔ اب ہم زیادہ دن یہاں نہیں رکیں گے۔ ماہ کامل کی رات قریب آ پہنچی ہے۔''

اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔ خاور سر جھٹک کر باہر نکلنے لگا تو وہ بولا۔

''اس کی بھی فیملی تھی۔'' دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے مٹھی کھولی۔ ''یہ اس کی جیب میں تھی۔ اس کی بیوی کی تصویر۔ ساتھ میں ایک بچی بھی ہے۔ دو لوگ... دو لوگ تھے اس کی فیملی میں۔ میں نے جس کی جان لی وہ ایک باپ بھی تھا۔''

''وہ ایک قاتل تھا۔'' خاور ناگواری سے بولا۔

''وہ... ایک... انسان تھا...'' سعدی نے آنکھیں اس کی طرف موڑیں تو وہ سرخ تھیں' مگر خشک تھیں۔ ان میں اس وقت بہت سے جذبات تھے۔ دکھ' غصہ' گلٹ' بے بسی۔ اور ان میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔

''تو پھر مبارک ہو سعدی یوسف۔ آج سے تم بھی ہم جیسے قاتلوں میں شامل ہو گئے ہو۔'' خاور بگڑ کر کہتا باہر نکل گیا۔ سعدی نے زخمی نظروں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کا دماغ ابھی تک شل تھا۔

............❖❖❖............

میں ایسے جنگل میں کھو گیا ہوں ...... جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے

صبح دھند میں ڈوبی تھی۔ کہیں کوئی سنہری کرن ذرا دیر کے لیے جھانکتی' پھر دھندلکوں میں گم ہو جاتی۔ زمر نے اسٹڈی روم (اپنے نئے کمرے) کا دروازہ کھولا تو لاؤنج میں معمول کی گہما گہمی نظر آئی۔ صداقت ابا کی ڈبل چیئر باہر لا رہا تھا۔ حسینہ انڈے پھینٹ رہی تھی۔ ندرت فریج کھولے کھڑی تھیں۔ سیم یونیفارم میں ملبوس ناشتے کے لیے دہائی دے رہا تھا۔ ایسے میں سب نے سیاہ کوٹ میں ملبوس تیاری زمر کو اسٹڈی سے نکلتے دیکھا تھا۔ ندرت بالکل ٹھہر گئیں۔ (ابھی کل ہی تو فارس آیا تھا اور...؟)۔ ابا نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

''تم... ادھر تھیں؟'' ندرت نے صداقت کے باہر جانے کا انتظار بمشکل کیا اور پھر پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔ وہ جو سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی' مڑ کر بنا کسی تاثر کے ساتھ ندرت کو دیکھا۔ ''جی۔ مجھے دیر تک کیس اسٹڈی کرنا ہوتا ہے۔'' سادگی سے کہہ کر زینے چڑھنے لگی۔ ابا کو بالخصوص نظرانداز کیا جو بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

زینے عبور کرتے ہوئے اسے اپنی پشت پہ سب کی' حتیٰ کہ حسینہ تک کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ ابھی وہ اوپر پہنچی ہی تھی کہ فارس (اور اس کے سابقہ) کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا۔ جینز پہ پوری آستین کا سفید سویٹر پہنے وہ تازہ دم لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''السلام علیکم۔'' ایسے مسکرا کر بولا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ (نگاہیں اب تک پشت پہ گڑی محسوس ہو رہی تھیں۔)

''وعلیکم السلام۔ میرے جانے کے بعد کتنے خوش لگ رہے ہو۔''

وہ ہلکا سا ہنسا' اور نفی میں سر ہلایا۔ پھر اس کی تیاری دیکھ کر استفسار کیا۔ ''کورٹ جا رہی ہو؟ کیوں؟''

''تمہارے کیس کی وجہ سے جتنے لوگوں کے کیسز میں نے لٹکائے ہیں نا' ان کو بھی تو دیکھنا ہے اور ہاں، میری فیس نہیں ادا کی تم نے؟''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''میری دوسری جاب بھی جا چکی ہے' نئی ملتے ہی ادا کر دوں گا۔ کچھ دن کی مہلت دے دیجئے۔'' زمر نے بمشکل مسکراہٹ دبائی۔

''صرف کچھ دن!'' تنبیہہ کی اور پھر حنہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ فارس نیچے اتر آیا۔ ندرت ان کو نارمل دیکھ کر واپس کاموں میں لگ گئیں مگر ابا بالکل خاموشی سے کچھ سوچتے رہے۔

اس نے حنہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیڈ پہ کمبل لیے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ الجھے بال' سوتی صورت' بالکل چپ سی ہوئی' گھٹنوں پہ رکھے لیپ ٹاپ کو دیکھ رہی تھی۔ زمر بیڈ کے کنارے آبیٹھی۔ ''سو ہماری اتنے مہینوں کی محنت ضائع ہوئی۔ وہ فلیش بے کار ہے۔''

''ہوں۔'' وہ غیر معمولی چپ تھی۔

''ہمیں فارس کو بتا دینا چاہیے۔ پچھلے تین چار ماہ فارس کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے' مگر اب ہمیں سعدی کے لیے فوراً کچھ کرنا ہے۔ ہمیں وہ فلیش چاہیے ہے حنہ' کیا دیکھ رہی ہو؟''

''شیرو کا ان باکس۔ وہ رات علیشا سے بات کرتا رہا تھا۔ یاد ہے اس کو ایک دفعہ ایک لڑکی نے پٹوایا تھا۔ ہارون عبید کی بیٹی۔ آبدار عبید۔ مگر علیشا اسے بتا رہی ہے کہ اسے ہاشم نے پٹوایا تھا۔'' وہ سارا قصہ سنا رہی تھی۔ پتھرائی ہوئی نظریں اب بھی اسکرین پہ جمی تھیں۔

زمر اس کے ساتھ آبیٹھی اور غور سے ساری گفتگو پڑھنے لگی۔ (حنین نے شروع کا پورشن چھپا دیا تھا۔) اب زمر کو کیا بتائے؟

''کون ہے یہ آبدار عبید؟''

حنہ نے گوگل کر کے نتیجہ اس کے سامنے رکھا۔ وہ کسی سیمینار میں اپنے والد کے ہمراہ کھڑی تھی۔ سرخ اسکارف لیے' گہری آنکھوں والی خوبصورت لڑکی جو سفید پینٹ اور بھورے کوٹ میں ملبوس تھی۔ کسی باہر کے ملک کی تصویر تھی۔

''یہ تو....'' وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ اب حنین کو کیا بتائے؟

نیچے آئی تو فارس' ندرت' اور اسامہ کچن میں گول میز کے گرد ناشتہ کر رہے تھے۔ سیم بولے جا رہا تھا اور فارس مسکرا کر سن رہا تھا۔ ایسے میں ابا لاؤنج کے دوسرے کنارے بیٹھے تھے۔ چپ' بالکل چپ۔ زمر نے اپنا کپ لیا اور ان کے ساتھ آبیٹھی۔

''ہم ٹھیک ہیں۔ آپ نے دیکھ تو لیا ہے۔'' قدرے بے نیازی سے شانے اچکا کر کپ لبوں سے لگا لیا۔

ابا نے انہی سنجیدہ خاموش نظروں سے زمر کو دیکھا۔ ''میں نے دیکھا ہے۔ تم دونوں نارمل طریقے سے باتیں کر رہے تھے۔ میں تمہیں بتاؤں اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے' یہ سب پہلے دن سے چلا آ رہا ہے۔ اب تم لوگ عادی ہو چکے ہو۔''

ان کے لہجے میں کیا کیا نہیں تھا۔ چائے اس کو اندر تک تیزاب کی طرح جلا گئی۔ وہ بالکل سن رہ گئی تھی۔ پھر بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔

اوپر اپنے بیڈ میں بیٹھی حنین اسی سطر کو بار بار پڑھے جا رہی تھی جو شیرو نے علیشا سے کہی تھی۔

بھائی شادی کر رہا ہے... بھائی شادی... بھائی...

شیخ کی دوا... اپنی ٹیچر کی دعا... فجر کی قضا صلوٰۃ... سب اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ اس کی ساری دنیا برف ہو گئی تھی۔

.... ☆☆☆ ....

میری کشتی کو بھلا موج ڈبو سکتی تھی؟ ...... میں اگر خود نہ شریکِ کفِ دریا ہوتا

قصرِ کاردار بھی اس صبح دھند میں ڈوبا تھا۔ اپنے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا ہاشم اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ گیلے بال پیچھے کو برش کیے وہ اب بہتر لگتا تھا گویا پچھلے چند ماہ کی بے سکونی دھیرے دھیرے عنقا ہو رہی تھی۔ تبھی اس کا فون بجا۔ اس نے سنگھار میز پہ رکھے موبائل کا اسپیکر آن کیا اور کف لنکس اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں بولو فصیح۔''

''سر... رات میں آپ کا فون آف تھا میں بتا نہیں سکا۔ سعدی نے ایک گارڈ کو قتل کر دیا ہے۔''

کف لنک کو کف پہ نتھی کرتی اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔ لمحے بھر کے لیے وہ منجمد ہو گیا۔ ''قتل؟''

''گارڈ اس کے کمرے میں گیا اور کچھ دیر بعد اس کی وہاں سے لاش ملی۔ زہر کے انجکشن سے مارا گیا ہے اسے۔''

''کیسا انجکشن؟'' وہ چونکا۔

''ہم نے بہت ڈھونڈا مگر انجکشن نہیں ملا۔ اس کے پاس سے کچھ بھی نہیں ملا۔''

''فصیح میری بات کان کھول کر سنو۔'' وہ بولا تو آنکھوں میں غصہ اور چہرے پہ سختی در آئی تھی۔ ''اگر مجھے کبھی یہ علم ہوا کہ تم خاور یا سعدی کو میرے خلاف... کسی بھی طرح... استعمال کرنا چاہتے ہو تو میں جو تمہارے ساتھ کروں گا وہ تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔''

''سر ہم خود شاکڈ ہیں کہ انجکشن......''

''او وشٹ اپ! بے وقوف سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟'' وہ غرایا۔ ''زہر تم لوگوں کے علاوہ کون دے سکتا ہے اسے؟''

''سر آپ یقین کیجیے میں......''

''سعدی یوسف کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ مجھے کیا معلوم اس نے ایسا اپنے بچاؤ میں کیا ہے یا تم اپنے کیے گئے قتل اس پہ ڈال رہے ہو۔ کل رات سے پہلے مجھے وہ انجکشن چاہیے۔ ورنہ میں تم سب کو زمین میں گاڑ دوں گا۔''

فون بند کیا تو اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ اسٹینڈ سے اٹھا کر کوٹ پہنا اور آئینے میں خود کو دیکھتے پرفیوم گردن پہ چھڑکی۔ تبھی دروازہ بنا کسی دستک کے کھلا۔ ہاشم نے ناگواری سے چوکھٹ کو دیکھا۔ وہاں نوشیرواں کھڑا تھا۔ شب خوابی کی ٹی شرٹ میں ملبوس وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا چند قدم اندر آیا۔

''میں اس وقت بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں شیرو!'' وہ مڑ کر خراب مزاج سے کہتا ٹائی پن ٹائی پہ لگانے لگا۔

''وہ کون تھا؟'' وہ اتنی عجیب آواز میں غرایا کہ ہاشم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔ ''تمہارے مینرز کہاں ہیں شیرو؟''

''شیرو!'' جواہرات اوپر کسی کام سے آئی تھی۔ کھلا دروازہ دیکھ کر اور شیرو کی آواز سن کر وہ متعجب سی چوکھٹ میں آ کھڑی ہوئی۔

''وہ لڑکا جس نے مجھے یونیورسٹی میں پیٹا تھا۔ وہ کون تھا؟''

ہاشم کے ابرو بھنچے۔ تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ صرف ٹائی پن کو جوڑتی انگلیاں سختی سے بھنچ لیں۔ ''تم نے مجھے کبھی ایسے کسی لڑکے کے بارے میں نہیں بتایا۔''

''مگر آپ جانتے تھے۔'' وہ چلایا۔ ''آپ نے اسے بھیجا تھا مجھے مارنے۔ کیونکہ میں نے... آپ کی آبدار کو کال کی تھیں...''

وہ سنتی رہی۔ پھر تکان سے مسکرائی' اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابا کی بات مکمل ہوئی' اور اس کی واک۔ واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔ ابا نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ کہہ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پیچھے پڑ جانا اور بار بار دہرانا' اولاد کو ڈھیٹ بناتا ہے' اور ابا ایسا نہیں چاہتے تھے۔

❖❖❖

ایک ضرب اور بھی اے زندگی تیشہ بدست ...... سانس لینے کی سکت اب بھی مری جان میں ہے

اگلی صبح فارس غازی نے کاردار اینڈ سنز کے ہیڈ آفس میں ہاشم اور جواہرات کی موجودگی میں سائن کیے۔ اٹھ کر ان سے باری باری ہاتھ ملایا' اور چند مصنوعی مبارکبادیں' اور نیک تمنائیں سن کر وہ وہاں سے چلا آیا۔ اس کے جانے کے بعد جواہرات نے ہاشم کو دیکھا۔

''وہ کراچی جانے کی بات کر رہا تھا۔ کیا واقعی وہ ہماری زندگیوں سے چلا جائے گا' ہاشم!''

''اب موو آن کرنے کا وقت ہے ممی۔ ماضی کو ماضی میں چھوڑ کر نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔ اس کو اس کی زندگی شروع کرنے دیں۔ جیل نے اسے سارے سبق سکھا دیے ہیں۔ اب وہ انتقام' اور انصاف کے چکروں سے دور رہے گا۔'' وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔ میز پہ اینکسی کی چابی رکھی تھی۔ جو گڈول جیسچر کے طور پہ فارس ادھر چھوڑ آیا تھا۔ یہ اینکسی ان کی ضد تھی' اور وہ اور زمر' ترتیب کاردار کی وجہ سے اتنے سال خاموش رہے تھے۔ پھر بہرے بھی نہیں بننا چاہتے تھے۔ اور اب... وہ ان کی جھولی میں آ گری تھی۔ کیا شاندار آغاز تھا نئی زندگی کا۔

''پراہرا پہ جانے کی تیاری کریں ممی!'' وہ سکون سے بولا تھا۔ شیرو اور سعدی کے معاملے ذہن سے ہٹا کر وہ پراہرا انجوائے کرنا چاہتا تھا۔

سری لنکا میں تین بڑے پراہرا (پریڈ) ہوتے تھے۔ تینوں ''پویا'' یعنی ماہِ کامل (پورے چاند) کی راتوں کو ہوتے تھے۔ پہلا جنوری میں ہوتا تھا۔ دوسرا فروری اور تیسرا جولائی میں۔ پجاری اور ہاتھیوں کا لشکر مندر سے شروع ہوتا اور شہر کی مختلف گلیوں کا چکر کاٹ کر اپنی منزل تک پہنچتا تھا۔ پورا شہر' اور پوری دنیا سے لوگ آ کر فٹ پاتھ پہ گھنٹوں کھڑے ہو کر پریڈ کے ان کی گلی تک پہنچنے کا انتظار کرتے تھے اور پھر اس کو گزرتے دیکھتے تھے۔ کاردارز کولمبو کا ایک پراہرا ہمیشہ دیکھنے جاتے تھے۔ شہرین پہلے ساتھ جاتی تھی لیکن اب ہاشم اس کو نہیں لے کر جا رہا تھا۔ شیرو سے اس نے پوچھا تک نہیں۔ سونی کی جان تھی ان ہاتھیوں میں۔ وہ اس کو لے جا رہا تھا جواہرات کے ساتھ' اور وہ مطمئن تھا۔

ماہِ کامل کی رات سے دو روز پہلے گارڈز سعدی اور خاور کو ان کے کمروں سے نکال کر لائے' اور ایک تیسرے کمرے کے دھاتی دروازے کھولے' جو صرف بجلی سے کھلتے تھے' اور ان کو اندر دھکیلا۔ وہ اس کیپاؤنڈ کا میکسیمم سیکیورٹی روم تھا۔ اندر دو لوہے کے پلنگ رکھے تھے۔

''بہت جلد تم لوگوں کو اس جگہ سے منتقل کیا جا رہا ہے۔ تب تک تم ادھر رہو گے۔'' حیران سے سعدی کو بتایا گیا تو وہ فوراً خاموش کھڑی میری کو دیکھنے لگا' جیسے بہت شاکڈ ہوا ہو۔

''تم نے بتا دیا ان کو؟'' میری نے نگاہیں جھکا دیں۔ خاور نے غصے سے سعدی کو دیکھا۔ ''تم نے اسے کیوں بتایا؟''

''میں سمجھا وہ بھی جانا چاہے گی۔ میری تم ایسے کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ بے حد ہرٹ لگتا تھا۔ میری خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس نے اپنے کان گویا لپیٹ لیے تھے۔ جب دروازے قفل در قفل بند ہوتے گئے اور وہ دونوں تنہا رہ گئے تو سعدی اس کی طرف گھوما۔ ''تمہیں یقین ہے ہماری باتیں ریکارڈ نہیں ہو رہیں؟''

''کوئی بھی اپنی ذاتی جیل میں کیمرے' ریکارڈر یا سرویلنس نہیں لگاتا سعدی' آپ کو کیا معلوم ڈی وی آر پہ بیٹھا گارڈ بک جائے اور وہ ویڈیوز جو آپ کے خلاف ڈیتھ وارنٹ ہیں' جا کر پولیس کو دے دے۔ پھر بھی' مجھے چیک کرنے دو۔''

خاور کام پہ لگ گیا۔ دیواروں کو چھو کر... ٹٹول کر محسوس کیا۔ کونے چیک کیے۔ پھر پلنگ کھینچ کر چڑھا اور چھت کا معائنہ کرنے لگا۔

"سو میری انجیو نے وہی کیا جو میں نے کہا تھا۔" سعدی گہری سانس لے کر اپنے بیڈ کے کنارے بیٹھا۔

"تمہیں اتنا یقین کیسے تھا کہ میری ان کو بتا دے گی؟"

"وہ میرے لئے ہمدردی رکھتی ہے' مگر اسے اپنی جاب واپس چاہیے تھی۔ اسی لئے میں نے اس کو یہ موقع دیا تا کہ اس کی نوکری اسے واپس مل جائے اور ہمارے بھاگنے کے خوف سے ہمیں وہ اس میکسیمم سیکیورٹی سیل میں شفٹ کر دیں۔" کہہ کر وہ چھت کو دیکھنے لگا۔ میری کو ان دونوں نے کیسے استعمال کیا تھا' میری کو کچھ علم نہ تھا۔

"سو یہ وہ سیل ہے جہاں ہارون عبید نے اپنی بیوی کو رکھا تھا؟ اور اس کو یہاں سے نکالنے کے لئے تم نے راستہ بنایا تھا۔ ویسے کیا تم اسے نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ کیا بنا تھا اس کا؟"

"تم میرے بیسٹ فرینڈ نہیں ہو۔ ایسے سوال مت پوچھو۔ آج رات سے ہم کام شروع کریں گے۔" اب وہ دبی آواز میں کہتا ان کے حصے کا کام سمجھا رہا تھا' اور سعدی یوسف جانتا تھا کہ یہاں سے نکل کر بھی وہ خاور مظاہر حیات کا قیدی ہوگا۔

..................☆☆☆..................

در پیش صبح و شام یہی کشمکش ہے اب ...... اس کا بنوں میں کیسے کہ اپنا نہیں ہوں میں

فارس غازی اس رات جس وقت انیکسی پہنچا' پورا گھر برہنہ برہنہ سا لگتا تھا۔ خالی دیواریں۔ سامان کے پیک شدہ ڈھیر۔ کارٹن۔ زمر کے (اسٹڈی کم نئے کمرے) کے دروازے پہ رک کر اس نے دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اپنے صوفہ کم بیڈ پہ بیٹھی (جو زمین سے دو بالشت ہی اونچا تھا) فائلز سامنے پھیلائے' نوٹ بک پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے' اور ایک لٹ جھک کر کاغذ کو چھو رہی تھی۔ آہٹ پہ بھوری آنکھیں اٹھائیں تو اسے چوکھٹ میں کھڑے دیکھا۔

"آ جاؤں؟" جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا وہ سنہری آنکھیں اس پہ جمائے ذرا سا مسکرایا تھا۔

"تمہارا گھر ہے' آ جایا جاؤ۔" وہ دوبارہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔ فارس دروازہ بند کر کے اندر آیا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔

"اب یہ میرا نہیں رہا۔ میں نے بیچ دیا۔"

"تمہارے اپنے فیصلے ہیں فارس۔ کسی کو کیا اعتراض ہوگا۔"

فارس خاموش رہا۔ یہ اس کی ماں کا گھر تھا' اس کی عمر گزری تھی اس میں۔ زرتاشہ کے ساتھ گزرا وقت... اچھی بری یادیں۔ وہ لمحے بھر کے لئے وہ سب سوچنے لگا' پھر سر جھٹک کر زمر کو دیکھا۔ "کافی پیو گی؟"

وہ سر جھکائے ذرا سا مسکرائی۔ (واو فارس غازی! آج آپ میرے لیے کافی بنائیں گے!) اور چہرہ اٹھایا۔ "شیور۔"

"تھینکس۔ میری کافی میں چینی مت ڈالنا' اور کافی زیادہ ہو۔" اب وہ ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا۔ زمر کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"ایک منٹ۔ ہم میں سے کون کافی بنا رہا ہے؟"

"زمر بی بی! ابھی میں اتنا زن مرید نہیں ہوا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے' اپنی بیوی کے لئے کافی بناؤں۔ اس لئے آپ بنائیں گی۔" وہ کبھی نہ اٹھتی' مگر اس نے اسے آپ کہا تھا۔ عرصے بعد۔ اچھا لگا تھا۔ بظاہر کاغذ بیچ کر اٹھی۔ "صرف اس لئے بنا رہی ہوں کیونکہ میرا اپنا دل چاہ رہا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دو بھاپ اڑاتے کپ لئے اندر داخل ہوئی' ایک اسے تھمایا' اور دوسرا خود لے کر ساتھ بیٹھی۔ فارس دلگرفتہ انداز میں بیٹھا تھا' اور وہ پیر اوپر سمیٹ کر دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ دونوں اپنی سوچوں میں گم گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگے۔

"کل ہارون عبید کی چائے پہ مدعو ہیں ہم۔"

''یہ دعوت تمہاری گرل فرینڈ نے دی ہے یا اس کے باپ نے؟''

وہ ہلکا سا ہنس دیا اور کافی کا گھونٹ بھرا۔''وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے۔''

''اوہ سوری' مجھے بھول گیا' تمہاری کوئی گرل فرینڈ کیسے ہو سکتی ہے۔ تمہارے تو ailibis32 تھے نا۔''

''استغفر اللہ!''اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔''میں صرف کافی پینے گیا تھا۔ صرف ایلی بائی بنانے۔ فوٹیج نکالی' پکچرز لیں اور آ گیا۔ ایسی جگہوں پہ نہیں جاتا میں۔''

''مجھے کیا معلوم۔ رات گئے تک گھر سے باہر ہوتے ہو۔ کہاں جاتے ہو کیا کرتے ہو۔'' شانے اچکا کر وہ گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگی۔

وہ مسکرا کر رہ گیا۔''نارمل کپلز ایسی باتیں پوچھتے ہیں۔ ہم نارمل نہیں ہیں۔''

''سعدی کی غیر موجودگی میں ہم میں سے کسی کی زندگی نارمل نہیں ہو سکے گی۔ فارس۔''اس نے کپ پرے رکھا اور سنجیدگی سے اس کی طرف مڑی۔''ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے اب؟ مجھے تو کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔''

''میں ڈھونڈ رہا ہوں' وہ مل جائے گا۔''اس نے تسلی دی۔ اور زمر نے اس پہ اعتبار کر لیا۔ وہ کرنا بھی چاہتی تھی۔ پچھلے چند ماہ فارس کو جیل سے نکالنا ان کے سروائیول کا مسئلہ بن چکا تھا اور سعدی کی تلاش پس منظر میں چلی گئی تھی۔ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ مگر فارس کو رہا ہوئے تین دن بیت چکے تھے اور تین دن سے وہ یہی سوچ رہی تھی۔ کیا کرے؟ کیسے کرے؟

''ہارون عبید کی چائے تمہارے حلق سے اتر جائے گی' یہ جانتے ہوئے کہ اس کا ہاتھ ہے اس سب میں؟''وہ کئی دفعہ یہ بات اس سے کہہ چکی تھی اور فارس کبھی اس پہ تبصرہ نہیں کرتا تھا۔ (ہاشم کا نام وہ نہیں لیتی تھی' وہ اسے گولی ہی نہ مار آئے!)

''میرے حلق سے بہت کچھ اتر جاتا ہے۔''کپ اٹھائے وہ کھڑا ہو گیا۔

''کل ہم مووکر جائیں گے۔ مجھے پتہ ہے تم تھکی ہوئی ہوگی مگر چائے پہ جانا ضروری ہے۔ تیار رہنا۔''زمر نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ اب سوچ میں گم' گھونٹ بھرتا باہر جا رہا تھا۔

❖❖❖

میرے شوق کی نہیں لاج رکھا! ..... وہ جو طور ہے بہت دور ہے!

وہ ایک ساکن سی شام تھی۔ سردی گویا قلفی جماتی تھی اور ہڈیوں کے اندر تک درد کر دیتی تھی۔ آسمان پہ پورا چاند چمک رہا تھا۔ ماہِ کامل۔ پویا۔ بدر۔

چینی پورے چاند کو''فیملی ری یونین'' کی علامت سمجھتے ہیں۔ ماہِ کامل کی رات چینی خاندان کے دور مقیم بیٹے بیٹیاں لوٹ کر اپنے گھروں کو آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ''گاؤں کے (خاندانی گھر) کے آسمان کا چاند زیادہ چمکیلا ہوتا ہے۔''ساری دنیا کہتی ہے کہ جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں' مگر چینی کہتے ہیں کہ جوڑے بنتے آسمانوں پہ ہیں مگر ان کی تیاری چاند پہ ہوتی ہے۔ ان کی لوک کہانیوں میں آتا ہے کہ چاند پہ چانگ ای نام کی پری اپنے لکڑ ہارے کے ساتھ رہتی ہے اور اس نے آبِ حیات پی رکھا ہے۔

بدھسٹ لوگ ماہِ کامل کو مبارک جانتے ہیں کیونکہ بدھا کی زندگی میں سارے اہم واقعات ماہِ کامل کی رات کو پیش آئے تھے۔ وہ اس رات کو انسان کی روحانی اور مذہبی زندگی کے لیے اہم سمجھتے ہیں' ان کا عقیدہ ہے کہ اس رات انسان اپنے دین کی طرف پلٹتا ہے۔

ہندوؤں کا ماننا ہے کہ چاند پانی کو چونکہ کنٹرول کرتا ہے' اس لیے ساری دنیا کو کنٹرول کرتا ہے اور وہ اس کا تعلق مقدس گائے سے جوڑتے ہیں۔ چند اوہام اس بات پہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ماہِ کامل کی رات عہد لینے یا وعدے کرنے کے لیے اچھی نہیں ہے۔ طبی ماہرین

کہتے ہیں کہ چاند انسانی جسم کے اندرونی پانی پہ بھی ایسے ہی اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ سمندر کی لہروں پہ۔ دماغی امراض یا دمے اور جلد کی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کی حالت اس رات زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ Yale میں ہونے والی ایک تحقیق یہ بھی کہتی ہے کہ پورے چاند کی رات اگر کسی کا خون بہے تو وہ عام دنوں سے زیادہ بہتا ہے۔

فرشتے کہتے ہیں کہ چاند کی چند مخصوص تاریخیں کپنگ (حجامہ) کے لیے زیادہ شفا بخش ہیں۔ اور قدیم داستانیں یہ کہتی ہیں کہ اس رات کچھ (ویئر وولف) انسان بھیڑیے بن جاتے ہیں اور صبح ہوتے ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ امریکی کہتے ہیں کہ انہوں نے چاند پہ قدم رکھا تھا اور دنیا میں بہت سے کانسپریسی تھیورسٹ اس بات کو ایک ڈرامے کے سوا کچھ نہیں مانتے' اور ٹھوس دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ آج تک کسی انسان نے چاند پہ قدم نہیں رکھا۔ نیل آرم اسٹرانگ کی موت کے ساتھ ہی یہ راز کہ انسان نے چاند تسخیر کیا تھا یا نہیں' بھی دفن ہو گیا ہے۔

اور دنیا کے سب سے عظیم انسان... ہمارے نبی محمد ﷺ نے "ومن شر غاسق اذا وقب" کی تشریح میں فرمایا ہے کہ "غاسق چاند ہے" اور ہر قرآن پڑھنے والا اس آیت کو پڑھ کر چاند کے شر سے پناہ مانگتا ہے۔

اور دنیاداروں سے بے نیاز' وہ چاندی کا تھال اس رات سرد سے آسمان پہ چمک رہا تھا۔ پورا' مکمل۔ پوپیا۔

فارس غازی کا خاندان ایک پوش علاقے کے اس بنگلے میں آبسا تھا۔ بنگلہ سبز بیلوں سے ڈھکا تھا اور کافی خوبصورت تھا۔ انیکسی سے کئی گنا کم قیمت' مگر اس سے کہیں زیادہ کھلا اور بڑا۔ ہر کسی کو اس کا اپنا کمرہ ملے گا' سیم اس بات پہ خوش تھا اور اب ندرت' حسینہ اور صداقت کے ساتھ مل کر سامان رکھوا رہا تھا۔ سب تھک بھی گئے تھے اور اس وقت وہ حال تھا کہ ندرت بچھ ماں تیں تو جو اور سیم ایک دوسرے کو اشارہ کرتے "تم قریب ہو' تم اٹھاؤ گے۔" اور یہ تو بہن بھائیوں کا پرانا اصول ہے کہ "قریب" والا ہی کام کرے گا' سو زیادہ شامت سیم کی آرہی تھی۔

گھر کسی حد تک سیٹ ہو چکا تھا' زمر اور فارس چائے پہ جا چکے تھے۔ حنین اب صرف خالی خالی سی تھی۔ قصر کو گردن اونچی کر کے دیکھنے کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ اب گردن اور دل' دونوں درد کرنے لگے تھے۔ اتنے دن سے نماز نہیں پڑھ رہی تھی۔ نہ ادا' نہ قضا۔ دل ویران تھا۔ سو اسی کی ڈانٹ ڈپٹ کو ان سنی کر کے وہ اپنی ٹیچر کے پاس چلی آئی تھی۔ ان کا گھر چند منٹ کی واک پہ تھا۔ (یاد رہے کہ وہ اپنے پرانے علاقے میں ریسٹورانٹ کے قریب ہی آبسے تھے)۔ اب ان کے ڈرائنگ روم میں ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھے' وہ ایک دفعہ پھر اپنی کمزوریوں کا اقرار کر رہی تھی۔ نماز کی عادت نہیں بنتی' وہ کیا کرے؟ وہ عینک اتار کر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"ظہر اور مغرب تو سب پڑھ ہی لیتے ہیں' لیکن عصر کس کی قضا ہوتی ہے' اور فجر' اور عشاء کون چھوڑ دیتا ہے؟ کیا آیا ہے حدیث میں؟"

"منافق!" وہ جھٹ بولی۔

"اور منافق کون ہوتا ہے؟ کافر؟ مشرک؟ ہندو؟ یہودی؟"

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ "منافق کلمہ گو مسلمان ہوتا ہے' جو ایمان نہیں لاتا' صرف اسلام لاتا ہے۔" حنین کا سر جھک گیا۔ کونے میں جلتے ہیٹر کی حدت سے چہرہ دہکنے لگا۔

"چوری کرنے والا منافق نہیں ہوتا' حتیٰ کہ بدکار بھی منافق نہیں ہوتا' پھر منافق کون ہوتا ہے بھلا؟"

"جو بات کرے تو جھوٹ بولے' امانت رکھے تو اس میں خیانت کرے' لڑے تو گالی دے' وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔"

"جھوٹا' خائن' وعدہ خلاف اور بدزبان۔" ٹیچر نے انگلیوں پہ گنوایا۔ "یہ چاروں یا ان میں سے ایک چیز بھی کسی میں ہو تو وہ منافق ہوتا ہے۔ جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے' گالی زبان سے دی جاتی ہے' وعدہ زبان سے کیا جاتا ہے' امانت کی ذمہ داری زبان سے لی جاتی ہے!"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو کیا چیز منافق کو نماز سے دور کرتی ہے؟''

''اس کی زبان!'' وہ چونکی۔

''جھوٹ' خیانت' بدزبانی' غلط الفاظ بولنا' بات سے پھر جانا' حیلے بہانے کرنا' غیبت کرنا' کہ مسلمان کی عزت بھی ہمارے اوپر امانت ہوتی ہے' یہ سارے گناہ انسان کو دو غلا بنا دیتے ہیں۔ گندا کر دیتے ہیں۔ ان سے دور رہو گی تو نماز کے قریب آؤ گی۔ اب یہ مت کہنا کہ فلاں تو اتنا جھوٹا اور بدزبان ہے مگر فجر پڑھتا ہے۔ ہمیں کچھ نہیں پتہ کون کیسی نماز پڑھتا ہے۔ نہ کسی کو یوں جج کرنا چاہیے۔ صرف اپنا معاملہ دیکھو۔''

حنین کے اندر باہر کچھ بل کر رہ گیا تھا' مگر وہ بولے جا رہی تھیں۔

''یہ تو ہو گیا کہ نماز سے کیا روکتا ہے۔ اب بتاؤ' نماز خود کیا ہے؟'' پچھلی دفعہ کا سوال دہرایا۔ وہ اب بھی چپ رہی۔

''یوں کرو۔'' انہوں نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''وضو کر کے آؤ اور میرے سامنے ایک رکعت نماز پڑھو۔ نہیں' یہ اصلی والی نماز نہیں ہو گی' ابھی عصر کا وقت بھی داخل نہیں ہوا۔ یہ کوئی scholarly advice بھی نہیں ہے' نہ اس مشق کا تعلق دین سے ہے۔ یہ تو صرف ایک ریہرسل ہو گی۔ جیسے اصل چیز سے پہلے ہم ریہرسل کرتے ہیں نا۔ اسی طرح۔ جاؤ۔'' باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سی اٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ جائے نماز بچھائے کھڑی تھی۔ ٹیچر کا صوفہ اس کی پشت پہ تھا اور یہاں سے اس کو صرف ان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دوپٹہ لپیٹ کر اس نے مدھم آواز میں تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ بلند کیے۔

''اللہ اکبر!'' کہہ کر اس نے ہاتھ باندھے۔ وہ ابھی تک ہیجان میں تھی۔ پیچھے سے ٹیچر کہنے لگی تھیں۔

''نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت تم اعتراف کرتی ہو کہ ''اللہ سب سے بڑا ہے۔'' تمہاری ہر مصروفیت ہر ضروری کام سے بڑا ہے۔ جب اس کی اذان آ گئی تو تم چھوٹی ہو گئی اور اس کی بڑائی تسلیم کر کے مصلے پہ آ کھڑی ہوئی۔'' وہ خاموش ہوئیں تو ان کی طرف پشت کیے لڑکی حنین' سینے پہ ہاتھ باندھے مدھم آواز میں پڑھنے لگی۔

''سبحانک اللھم...'' (اے اللہ! پاک ہیں آپ اپنی تعریف کے ساتھ اور بابرکت ہے آپ کا نام اور بہت بلند ہے آپ کی شان اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔)

''جب نماز کی پکار آتی ہے تو تم کسی نہ کسی کام' کسی مسئلے میں الجھی ہوتی ہو۔ مگر تم سب چھوڑ کر اللہ کے سامنے آتی ہو اور اس کو کہتی ہو کہ آپ پاک ہیں ہر عیب سے' انسانوں کی طرح نہیں جو دھوکے دیتے ہیں' دکھ دیتے ہیں' کوئی اللہ! آپ کے لیول کو نہیں پہنچ سکتا۔ میرے لئے سب سے بڑا نام آپ ہی کا ہے۔ میں آپ کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں جھکوں گی' نہ کسی انسان کے سامنے' نہ حالات کے!''

حنین خاموشی سے سن رہی تھی' نچلا لب مسلسل کاٹتے ہوئے۔ وہ چپ ہوئیں تو وہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر الفاتحہ پڑھنے لگی۔

''سب تعریف (سب شکر) اللہ کے لئے ہے جو رب ہے دونوں جہانوں کا۔ وہ رحمن ہے رحیم ہے۔'' وہ ٹھہری۔

''کبھی الفاتحہ پہ غور کرو۔ یہ قرآن کا دروازہ ہے۔ اس سے گزر کر ہی قرآن ملتا ہے۔ اس میں تم اللہ کا شکر ادا کرتی ہو کہ اللہ آپ ہی دونوں جہانوں کے خالق' مالک اور مدبر ہیں۔ آپ رحمن ہیں' ساری کائنات کے لئے' چاہے کوئی مومن ہو یا کافر' انسان ہو یا چرند پرند۔ اور آپ رحیم ہیں مومنوں کے لیے' رحیم یعنی بار بار رحم کرنے والا۔ آپ بار بار ہمارے گناہ معاف کر کے ہمیں ایک اور موقع دینے والے ہیں۔''

''وہ مالک ہے جزا کے دن کا۔'' الفاظ اس کے لبوں میں پھر پھڑپھڑائے۔ وہ سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

''جزا کا... بدلے کا دن... یہ آیت پڑھتے ہوئے اپنے سارے گناہوں کو سوچا کرو جن کا بدلہ ایک دن تمہارے سامنے آیا

جاسکتا ہے۔"

"ایاک نعبد وایاک نستعین۔" وہ سر جھکائے ہاتھ باندھے بہت آہستہ سے پڑھ رہی تھی۔

"اب تم کہہ رہی ہو کہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تمہیں ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ آیت پڑھنی ہوتی ہے کیونکہ بیا دو نمازوں کے درمیان بہت سے معاملات آتے ہیں' مسئلے' پریشانیاں' چیلنجز۔ اللہ چاہتا ہے تم ہر نماز میں کھڑی ہو کر اس سے کہو کہ تمہیں صرف اسی کی مدد چاہیے۔ جب بار بار کہو گی تو پھر کیا وہ مدد نہیں کرے گا؟"

حنہ نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں زور سے میچیں۔ دل پہ کوئی آنسو زور سے گرا تھا۔

"دکھایئے ہم کو سیدھا راستہ۔ ان لوگوں کا راستہ انعام کیا ہے جن پہ آپ نے۔ نہ کہ ان کا راستہ جن پہ آپ نے غضب کیا اور نہ ان کا جو گمراہ ہیں۔ آمین!"

"ہر دو نمازوں کے درمیان تم نے بہت سے فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ آج کیا پکانے کے متعلق ہیں یا کسی کے گھر جاتے ہوئے کپڑے کون سے پہننے ہیں۔ اب تم کہو گی کہ نماز کا اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے کیا تعلق؟ مگر نہیں حنین۔ نماز کا ہماری ہر چھوٹی' ہر بڑی بات سے تعلق ہوتا ہے۔ اس آیت کا پڑھنا تمہارے ہر فیصلے کو آسان کر دیتا ہے۔"

وہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اب رکوع میں جھک گئی۔

"سبحان ربی العظیم۔" وہ تین دفعہ دہرا رہی تھی۔

"میرا عظیم رب بہت پاک ہے۔ یہ اعتراف اللہ کے سامنے کرنے کے لیے رکوع میں جھکنا کیوں ضروری ہے؟ مجھے نہیں پتہ نماز کی symbolic اہمیت کیا ہے' مگر بس اتنا پتہ ہے حنین' کہ رکوع میں انسان معلق ہوتا ہے۔ اس کا سر اس کی انا اور غرور کا سرچشمہ اس کی عزت کی علامت' اس کا سر... وہ نہ زمین پہ ہے۔ نہ اپنے کندھوں پہ کھڑا ہے' بلکہ زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہے۔ ایسے بھی تو حالات آتے ہیں نا زندگی میں جب ہم بالکل معلق ہوتے ہیں' تو ایسے وقت میں بھی یہ احساس ہونا... کہ 'میرا عظیم رب بہت پاک ہے' یعنی وہ سب سے اوپر ہے اور وہ آپ کو دوبارہ سیدھا کھڑا کر دے گا... یہ بات ہمیں ہر روز از سر نو یاد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔"

وہ بہت ضبط اور تحمل سے دوبارہ سیدھی کھڑی ہوئی۔

"سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا لک الحمد۔"

(سن لیا اللہ نے اس شخص کو جس نے اس کی تعریف بیان کی۔ اے ہمارے رب' سب تعریف آپ ہی کے لیے ہے۔)

"اور سیدھا کھڑے ہوتے تمہیں یہ یقین دہانی ہوتی ہے کہ جو تم کہہ رہی ہو وہ اللہ سن رہا ہے' اور اللہ اس کی قدر کرتا ہے۔ وہ تمہیں سمجھتا ہے' تمہاری ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو سمجھتا ہے' اور اگر کوئی ایسا دوست مل جائے انسان کو تو اسے اور کیا چاہیے ہوتا ہے؟"

حنین نے پھر زور سے آنکھیں میچ کر کھولیں۔ نمی ضبط سے اندر ہی اتار دی۔ اور نیچے جھکی۔ گھٹنے زمین پہ لگائے۔ ہاتھ پھیلا کر سجدے کی جگہ پہ رکھے اور پیشانی ٹیکتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔ "سبحان ربی الاعلیٰ۔" (پاک ہے میرا برتر رب۔)

"سجدے کے استغفارات پڑھتے ہوئے تمہیں چاہیے کہ اپنے گناہوں کو یاد کرو مگر اس امید کے ساتھ کہ وہ تمہارا رب ہے' اور وہ بہت بلند ہے' انسانوں کی طرح دل میں بغض نہیں رکھتا۔ تم معافی مانگو گی تو معاف کر دے گا کیونکہ صرف وہی معاف کر سکتا ہے۔ وہ "غافر" ہے۔ گناہوں کو ڈھانپنے والا۔ خاموشی سے ان کو ڈھانپ دے گا۔ لوگوں کو نہیں بتائے گا۔ تم اس سے کہو گی کہ کسی کو مت پتہ چلنے دیجیے گا' تو وہ نہیں پتہ چلنے دے گا کسی کو۔ اس سے کہہ کر تو دیکھو۔"

سجدے میں ماتھا ٹیکے بھی اس نے بہت برداشت سے گلے تک آئے آنسو اندر اتارے۔ اونہوں۔ وہ بہت مضبوط ہے' ایسے تو نہیں

جذباتی ہوگئی۔ پھر اللہ اکبر کہتی اٹھ بیٹھی۔ پھر دوبارہ سجدے میں گئی۔

''اور تم نے کبھی سوچا حنین… سجدے کے استغفارات میں معافی بھی ہے' اور ''حمد'' بھی۔ حمد یعنی تعریف اور شکر۔ سو جہاں تم اپنی ساری انا' غرور بھلا کر' اللہ کے سامنے' اپنے ہی قدموں کے لیول پہ اپنا سر رکھتی ہو۔ وہاں تم صرف معافی نہیں مانگ رہی ہوتی' بلکہ شکر بھی ادا کر رہی ہوتی ہو۔ تمہاری بری عادتیں چھڑوانے کا شکر' پرانے گناہ ڈھانپنے کا شکر' تمہیں دنیا کی ہر نعمت دینے کا شکر' اور تمہیں اپنے سامنے سجدہ کرنے کی توفیق دینے کا شکر۔ یہ ہر کسی کو یہ نہیں ملتی۔ اور آسانی سے نہیں ملتی۔'' حنین اٹھ گئی۔ ضبط سے چند گہرے سانس لیتے اس نے خود کو نارمل کر لیا' اور سر جھکائے' بیٹھے ہوئے التحیات پڑھنے لگی۔

''التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات۔''

(میری ساری قولی' بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی' آپ پہ اللہ تعالیٰ کی رحمت' سلامتی اور برکتیں ہوں۔ اور ہم پہ۔ اور اللہ کے نیک بندوں پہ بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

''تم اب سلام بھیجتی ہو… اللہ کے نبیؐ پہ… اور تم ان کو گویا مخاطب کر کے کہتی ہو… سلام ہو آپ پہ یا نبیؐ… کیونکہ یہ وہی نبی ﷺ ہی ہیں جنہوں نے تمہیں نماز سکھائی ہے۔ یہ وہی ہیں جو تمہارے لیے معراج پہ بار بار واپس گئے تھے اور نمازوں کی تعداد کم کروائی تھی۔ یہ وہی ہیں جو اپنی آخری سانس تک فرماتے رہے تھے' نماز' نماز' نماز۔ یہ وہی ہیں جو تئیس سال تمہارے لیے ہر کسی سے لڑے تھے' تمہارے لیے انہوں نے اسٹینڈ لیا' تمہارے لیے وہ روئے' اور روزِ قیامت بھی تمہارے لیے… تمہاری امت کے لیے آواز بلند کریں گے… اور ہم لوگ کہتے ہیں فلاں چیز صرف سنت ہی تو ہے' فرض تھوڑی ہے' اور حدیث کا کیا ہے' پتہ نہیں سچ ہو یا نہ ہو۔''

اور یہ بہت تھا۔ حنہ کے لیے اتنا بہت تھا۔ اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ گرم پانی سے چہرہ بھیگنے لگا۔

''پھر تم درود پڑھتی ہو۔ محمد ﷺ پہ درود اور سلام بھیجتے' ان کے اور ان کی آل کے لیے برکت کی دعا کرتے' تم ایک دم سے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کر دیتی ہو۔ ایک دم سے… اچانک سے… ہمارے درود کا حصہ ابراہیم بن جاتے ہیں۔ کون تھے ابراہیم؟ وہ جنہوں نے وفا کا حق ادا کیا تھا۔ وہ جن کے پاس قلب سلیم تھا۔ وہ جو کسی اور کے سامنے نہیں جھکے۔ بھیڑ چال کا حصہ نہیں بنے۔ اپنی عقل استعمال کی۔ اپنا اللہ خود ڈھونڈا۔ اور جب ڈھونڈ لیا تو اس کو کھویا نہیں۔ انہوں نے نہیں کھویا تو تم نے کیسے کھو دیا؟''

آنسو اسی طرح اس کے گالوں پہ بہہ رہے تھے۔ وہ زیر لب ''رب اجعلنی'' پڑھ رہی تھی۔

''اور اب تم دعا بھی ابراہیم علیہ السلام والی مانگ رہی ہو۔ اللہ کو ان کی دعائیں کتنی پسند تھیں کہ ان کو قرآن اور نماز میں محفوظ کر دیا۔ تم کہہ رہی ہو' اے میرے رب مجھے بنا دیجیے نماز کا پابند اور میری اولاد کو بھی' اے ہمارے رب' اور ہماری دعا قبول فرمائیں' اے ہمارے رب مجھے معاف کر دیں' اور میرے والدین کو بھی' اور تمام مومنوں کو' حساب کے کھڑے ہونے کے دن!''

وہ اب دائیں' بائیں چہرہ گھما کر سلام کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے چہرہ سامنے ہی کیے رکھا۔ پیچھے نہیں موڑا۔ وہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

''اگر نماز سمندر ہے تو میں تمہارے ساتھ ایک قطرہ ہی شیئر کر پائی ہوں۔ اس کا مطلب اس کی پابندی کے ساتھ ہی کھلتا جائے گا تمہارے اوپر' لیکن اگر تم اس کا مطلب سمجھ جاؤ تو یہ تمہارے اوپر آسان ہو جائے گی۔ تم اس کا انتظار کرو گی' کیونکہ تمہارے پاس ہر نماز میں اللہ سے شیئر کرنے کے لیے بہت کچھ ہوگا۔ تمہیں اس میں مزہ آنے لگے گا۔ یہ اللہ سے ''بات کرنا'' ہے۔ یہ معراج پہ عطا کی گئی تھی رسول اللہ ﷺ کو۔ معراج پہ وہ اللہ سے ہم کلام ہونے گئے تھے۔ ہم تو نہیں جا سکتے آسمانوں پہ' ہم تو طور پہ بھی نہیں جا سکتے' تو ہمارے شوقِ کلام کی لاج اللہ نے نماز کے ذریعے رکھ لی۔ ہمارا طور' ہماری معراج ہماری نماز ہے۔ اس کی عادت پکی ہونی چاہیے' کیونکہ اگر ہم اپنے بچوں کو نماز کے لیے ویسے

نہیں اٹھاتے جیسے اسکول کے لئے اٹھاتے ہیں تو ہم ان کو ساری عمر کے لئے اندھے کنویں میں دھکیل دیتے ہیں۔ سردی ہو یا گرمی‘ بچہ تندرست ہے یا بیمار‘ اسے پیار سے پکارنا پڑے یا کان سے پکڑ کر بستر سے کھینچ کر نکالنا پڑے‘ اسے اٹھایا جانا چاہیے۔ اسکول کے لئے اٹھاتے تو ہمیں ان کو سوتے دیکھ کر ترس نہیں آتا‘ پھر نماز کے لئے اٹھاتے وقت کیوں آ جاتا ہے!" وہ آہستہ آہستہ بولتی تھیں‘ بول بول کر نہیں تھکتی تھیں۔ حنین دھیرے سے اٹھی‘ جائے نماز تہہ کی اور واپس کرسی پہ آ بیٹھی۔ گلابی آنکھوں کے ساتھ‘ سر جھکائے وہ بولی تھی۔

"ابھی جوش تازہ ہے‘ گھر جا کر پھر سب پرانا ہو جائے گا۔ نماز پڑھ لوں گی‘ مگر قائم کیسے رکھوں گی؟"

"ساری مسلمان قوم ایک ہی چیز کی مرید ہے اور وہ ہے "ڈنڈا"۔ کہتے ہیں آسمان سے اتریں چار کتابیں اور پانچواں اترا ڈنڈا۔ حنین! نماز کی عادت سات سال کی عمر میں نہیں ڈالی جائے تو اکیس سال کی عمر میں تم بغیر ڈنڈے کے اسے نہیں ڈال سکتیں۔ صرف دو ماہ کے لیے اپنے اوپر ڈنڈا رکھو۔ ساری عمر کی نماز پکی ہو جائے گی۔ لکھ کر رکھ لو۔"

"مگر اس عمر میں‘ میں امی کی ڈانٹ سے نہیں ڈرتی‘ نہ ان کے جوتے سے۔"

"تمہیں اپنا ایک نماز نگہبان بنانا پڑے گا۔"

"نماز نگہبان؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں۔ اپنی کسی اپنی جاننے والی لڑکی کو اپنا نگہبان مقرر کرو‘ جو تمہاری بیسٹ فرینڈ نہ ہو‘ اس سے اتنی بے تکلفی نہ ہو کہ وہ تمہیں رعایت دے۔ کوئی ٹیچر ہو‘ کوئی بڑی لڑکی ہو‘ جس کا تم سے ذرا ریزرو اور ادب والا رشتہ ہو۔ اس سے تم کہو گی کہ وہ تم سے روز پوچھے کہ آج تم نے کتنی نمازیں پڑھیں۔"

"یوں تو میں اس کے ڈر کی وجہ سے پڑھوں گی‘ نیت میں تو کھوٹ آ جائے گا۔"

"واہ ابلیس... واہ۔" انہوں نے مسکرا کر گہری سانس لی۔ "شیطان جب "بائیں" سے نہیں آ سکتا تو وہ "دائیں" سے آتا ہے۔ یعنی جب وہ تمہیں کسی اچھے کام سے روکنے کے لیے "بری چیزوں" کی ترغیب نہیں دے سکتا‘ جیسے نماز سے روکنے کے لیے میوزک اور گانوں کی‘ تو وہ تمہیں "اچھی چیز" کے ذریعے خراب کرتا ہے۔ تمہاری اپنی نیت میں شک ڈلواتا ہے۔ کسی کے سامنے نماز پڑھ رہی ہو تو کہے گا‘ تم تو ریاکاری کر رہی ہو‘ تمہاری نیت خراب ہے فلاں فلاں۔ اس سے تم پریشان ہو جاؤ گی اور عبادت کی لذت ختم ہو جائے گی۔" انہوں نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ "بچہ نماز نہ پڑھے تو اسے سمجھانے‘ ڈانٹنے‘ پھر مارنے تک کا حکم ہے۔ تو بچہ پھر کیوں پڑھے گا؟ ماں باپ کے ڈر سے نا؟ تو کوئی بات نہیں۔ کسی کے ڈر سے تو پڑھے گا۔ عادت بنے گی۔ بڑا ہو گا تو خود سمجھ جائے گا۔ تم بڑی ہو‘ مگر ابھی "نماز" میں grow نہیں کیا تم نے۔ آہستہ آہستہ کرو گی‘ پھر اللہ کا ڈر آتا جائے گا۔ سو حنین! اچھی عادتیں ڈالنے کے لیے کوئی ڈنڈا ملے یا کوئی انسپائریشن ملے‘ وہ لے لینی چاہیے۔ تم اللہ کے لیے ہی یہ کرنا‘ بس ہونا۔"

بات حنین کے سمجھ میں آ گئی تھی۔ بہت عرصے بعد... اس کے ذہن نے فجر کی نیند کا "تریاق" ڈھونڈ لیا تھا۔

............⁂⁂............

زندگی کے بارے میں اک خیال یہ بھی ہے ...... آج زندہ رہنے سے جان دینا آسان ہے

ماہ کامل کولمبو کے آسمان پہ بھی چمک رہا تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ ہوٹل اسٹریٹ کے اوپر واقع تھا۔ اونچی عمارات شان سے کھڑی تھی۔

اور پوری اسٹریٹ اس وقت آہستہ آہستہ رش سے بھر رہی تھی۔ لوگ فٹ پاتھ کے کناروں پہ آ کر بیٹھنے لگے تھے۔ جوش و جذبے سے بھرپور چند گھڑیاں انہیں گزارنی تھیں‘ پھر پراہرا اپنا سفر طے کرتا مختلف گلیوں سے ہوتا ادھر آتا تھا۔

الیش گرے سوٹ میں ملبوس' تازہ دم اور وجیہہ ہاشم اپنے سیل فون کے بٹن دباتا' ہوٹل کی لابی میں بیٹھا تھا۔ قریب ہیں اس کے دو ت میں ملبوس گارڈز مستعد کھڑے تھے۔ ہاشم گاہے بگاہے گھڑی پہ نظر دوڑاتا' گویا وہ انتظار میں تھا۔

نیچے تہہ خانے کا میکسیکم سیکیورٹی سیل خاموش پڑا تھا۔ میری نے کھانا لا کر رکھا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی وہ دونوں تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ اب ایک گھنٹے بعد چائے کے لیے آئے گی۔ ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔"

خاور آگے بڑھا اور سعدی کے ساتھ مل کر پلنگ اٹھا کر دوسرے کے اوپر رکھا۔ اب دونوں اس کے اوپر چڑھے یہاں تک کہ خاور کے ہاتھوں نے چھت کو چھو لیا۔ وہاں ایک تیز روشنی والا لائٹ فکسچر لگا تھا۔ اسکی پلیٹ کے نٹ وہ رات کو ہی ڈھیلے کر چکے تھے۔ اب کانٹے سے (جو چاولوں کے ساتھ آیا تھا) ذرا سا گھمایا تو کیل پیچ علیحدہ ہو گئے اور پلیٹ ہاتھ میں آ گئی۔

"کیا کسی کو اس راستے کے بارے میں نہیں علم؟" سعدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہ جیل میں نے ڈیزائن کی تھی۔ مجھے بیس دن دیے تھے ہارون عبید نے۔ اتنے وقت میں بھی اگر میں یہ راستہ نہ رکھتا تو کرنل خاور نہ ہوتا۔ میں نے یہ ہاشم کے لیے کیا تھا' کہ ہو سکتا ہے اسے مسز عبید کو نکلوانے میں کوئی فائدہ ہو۔"

"تم بھی شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہو۔" سعدی نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ خاور نے گھور کر اسے دیکھا' اور پھر پلیٹ ہٹائی۔ اوپر لوہے کی چادر تھی۔ اس نے انگلیوں سے ٹٹول کر کونے میں ایک جگہ کو دبایا۔ فوراً ہی لوہے کی چادر سلائیڈ کر کے ہٹ گئی۔ آگے سیاہ خلا تھا۔

پہلے سعدی اوپر چڑھا' اور پھر خاور۔ اندھیرے میں اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا چاہا۔ وہ ایک ایلی ویٹر شافٹ تھی۔ جس میں کوئی لفٹ نہ تھی مگر لفٹ کا پورا راستہ سا بنا تھا۔ اوپر عمارت کے اختتام تک۔ ذرا ذرا فاصلے پہ ننھے ننھے بلب لگے تھے۔ ذرا دیر بعد آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوئیں تو وہ راستہ صاف دکھائی دینے لگا۔ لوہے کے جنگلے..... دراز ڈنڈے..... درمیان سے لفٹ جتنی جگہ بالکل خالی۔ بیچ بیچ کر اوپر چڑھنا تھا اور اگر راستے میں پیر پھسلے تو یہاں سے لاش بھی نہ ملتی۔

اوپر آ کر خاور نے لوہے کی چادر بند کر دی۔ اب وہ دونوں احتیاط سے ٹٹول ٹٹول کر اوپر چڑھنے لگے۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ باہر کچن میں بیٹھی میری نے بے اختیار ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ گارڈ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ کھانا کھانے سے پہلے مجھے چکھنے کا کہتا ہے۔ اگر نہ چکھا ہو تو گھنٹے بعد بھی کھانا یونہی رکھا ہو گا۔ ذرا میرے ساتھ آؤ' میں پہلے اس کا کھانا چکھ لوں۔" برے موڈ کے ساتھ کہتی وہ گارڈ کو لیے سعدی کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

گارڈ نے کوڈ دبائے اور دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی کہ اوپر اندھیرے میں چڑھتے سعدی اور خاور رک گئے۔

"اب؟" سعدی کو ٹھنڈے پسینے آ گئے۔ خاور بھی سن ہو گیا۔

نیچے میری جیسے ہی اندر داخل ہوئی' وہ گویا گنگ ہو گئی۔ کمرہ خالی تھا۔ کوئی نہیں تھا یہاں۔ اگلے ہی لمحے گارڈز کا شور برپا ہوا۔

"کرنل خاور....." سعدی نے لوہے کی سیڑھی نما جنگلے پکڑے گہری سانس لے کر اوپر دیکھتے کہا۔ "زندگی ہمیں دوبارہ یہ موقع نہیں دے گی۔ اس لیے..... تیز چڑھو۔" اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ شدید خوف اور شدید پریشانی کے عالم میں بھی انسان سروائیو کر سکتا ہے اگر وہ خود ہار نہ مانے۔ ان دونوں کی رفتار میں برق روی آ گئی تھی۔ وہ تیز تیز اوپر چڑھ رہے تھے۔ نیچے گارڈز پاگلوں کی طرح کمرے کا ایک ایک کونہ ٹٹول رہے تھے۔ تبھی کسی کی نظر اوپر ذرا سے ہلے ہوئے لائٹ فکسچر پہ پڑی۔

.... ❖❖❖ ....

لفظ نشتر کی طرح دل میں اتر جاتے ہیں ...... خط محبت کا بھی وہ لکھتا ہے تلوار کے ساتھ

اسلام آباد میں اس سنکس اسٹار ہوٹل کے زرد روشنیوں سے جگمگاتے شاہانہ طرز کے ڈائننگ ایریا میں ایک میز پہ وہ چاروں براجمان تھے۔ اور بیرے ادب سے اشیائے طعام پیش کر رہے تھے۔ وہ یوں بیٹھے تھے کہ میز کے ایک طرف آبی اور ہارون تھے اور دوسری جانب وہ دونوں۔ ہارون شلوار سوٹ کے اوپر کوٹ میں ملبوس مسکرا کر آبدار سے پوچھ رہے تھے کہ اس نے اپنے مہمانوں کے سامنے اپنے والد کی شکایتیں کی ہیں یا نہیں۔ آبی بھی مسکرا کر کہہ رہی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے سرخ اسکارف کشمیری لڑکیوں کے انداز میں چہرے کے گرد لپیٹ کر پیچھے کو ڈال رکھا تھا۔ کانوں میں ایمرلڈ اور ڈائمنڈ ٹاپس دمک رہے تھے۔ نیچے سفید ملائم سا سویٹر تھا جس کی بائی نیک کے اوپر زمرد کا نیکلیس جگمگا رہا تھا۔ وہ خوش اور آسودہ لگ رہی تھی۔ بولنے کے ساتھ ساتھ مسلسل کھا رہی تھی۔

فارس ابھی تک خاموش تھا۔ چہرے پہ رسمی مسکراہٹ سجائے وہ گرے شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی وہ سنہری آنکھیں اٹھا کر ہارون کو دیکھ کر مسکرا کر ان کی بات کا جواب دے دیتا پھر سر جھکا کر پلیٹ کی طرف مصروف ہو جاتا گو کہ وہ زیادہ کھا نہیں رہا تھا۔

زمر آج دل سے تیار ہوئی تھی۔ آبی کے کورے سفید رنگ کے برعکس اس نے سلک کی سیاہ لمبی قمیص پہن رکھی تھی۔ گھنگھریالے بھورے بال سامنے سے ذرا سا پیچھے کر کے پن لگا کر کھلے چھوڑ دیے تھے اور بھوری آنکھوں میں گہرا کاجل تھا۔ جب کوئی اسے مخاطب کرتا تو وہ آنکھیں ان پہ جما کر جواب دیتی اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگ جاتی۔

مصنوعی باتیں مصنوعی روشنیاں۔

''سو فارس غازی... آپ کتنا عرصہ جیل میں رہے ہیں؟'' پران کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ہارون نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

آبی ذرا غیر آرام دہ ہوئی مگر فارس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ ''آپ سے تین سال کم...''

ہارون کو اس کے جواب نے چونکایا بھی اور محظوظ بھی کیا۔ لقمہ چباتے ہوئے مسکرا دیے۔

''میں نے ساڑھے سات سال کی قید کاٹی ہے۔ کل ملا کر۔ تین دفعہ جیل جا چکا ہوں۔ تم ابھی مجھ سے بہت پیچھے ہو۔'' طرز تخاطب بدل دیا۔ آبدار نے آسودہ سی سانس لی۔ زمر خاموش نظر گاہے بگاہے فارس اور ہارون پہ ڈال رہی تھی۔

''آپ جہاں بھی رہے ہیں' آپ اے کلاس قیدی تھے۔ میں سی کلاس قیدی تھا۔ آپ میرا مقابلہ نہیں کر سکتے سر!''

آبی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''آپ تو انٹیلی جنس آفیسر تھے' پڑھے لکھے تھے' اچھے خاندان سے تھے' آپ کو تو عدالت کو اے کلاس الاٹ کرنی چاہیے تھی۔ تعلیم' خاندانی پس منظر اور جاب وغیرہ کی بنیاد پہ ہی قیدیوں کی کلاس کا تعین کرتی ہے نا عدالت۔'' اور تائیدی نظروں سے زمر کی طرف دیکھا جس نے محض سر ہلا دیا۔ (جب پتہ ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہے؟)

''عدالت نے میری کلاس 'بی' مقرر کی تھی مگر چونکہ میں ہارون عبید نہیں تھا اس لئے جیل کے اندر مجھے وارڈن کی مرضی کے بلاک میں پہنچا دیا گیا تھا۔'' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہا تھا۔

''اور اس دفعہ؟'' ہارون نے تشویش سے پوچھا۔

''اس دفعہ میں اپنی مرضی سے سی بلاک میں گیا تھا۔'' اور مسکرا کر سر جھکائے کانٹے سے کھانے کا ٹکڑا توڑنے لگا۔

''سو جیل کیسی ہوتی ہے؟'' آبی اب نہیں کھا رہی تھی۔ کہنیاں میز پہ رکھے' آگے ہو کر بیٹھی' پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

''جیل...'' فارس نے رک کر سوچا۔ اس کے چہرے پہ تکلیف سی ابھری۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر آبدار کو دیکھا تو سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی تھیں۔

''جیل میں آپ اکیلے ہوتے ہیں۔کوئی آپ کا دوست نہیں ہوتا۔کوئی آپ کا خیال نہیں کرتا۔'' اسے بہت کچھ یاد آیا۔''جب میں جیل میں گیا تو سب سے پہلے .... مجھے ایک کمرے میں جانا تھا۔قراطین سے ملنے۔''

''قراطین؟'' آبی اور ہارون دونوں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''He means Quarantine!'' زمر نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔وہ بالکل چپ سی ہوگئی تھی۔یہ سب اس کے لئے بھی تکلیف دہ تھا۔

''مگر پاکستان میں ''کوارنٹائین'' نہیں ہوتا۔قراطین ہوتا ہے۔جیل کی اپنی زبان ہوتی ہے۔اپنے لہجے ہوتے ہیں۔'' پھر آبی کے ہنوز الجھے چہرے کو دیکھ کر کہنے لگا۔

''قراطین وہ شخص ہوتا ہے جو نئے قیدی... جس کو آپ امریکی فلموں میں ''نیوفش'' کہہ کر پکارتے سنتے ہوں گی... اس نئی مچھلی کو قراطین کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے۔وہ اس کو اس کی کلاس' اس کا بلاک' اس کی بیرک' اس کے ذمے مشقت' سب کچھ الاٹ کرتا ہے۔قراطین جیل کا بادشاہ ہوتا ہے۔وہ قیدی کو پہلی ملاقات میں اسے نہ مارنے کے ۲۵ ہزار لیتا ہے' وہ قیدی کو ہاتھ تک نہ لگانے کے ۳۰ ہزار لیتا ہے' وہ ہلکا کام دینے کے 65 ہزار لیتا ہے اور یہ رقم وہ ہر مہینے قیدیوں سے ملنے آنے والوں سے لیا کرتا ہے۔وہ طے کرتا ہے کہ آپ کی جیل میں قسمت اور زندگی کیسی ہونے جا رہی ہے۔اگر آپ اس کو ذرا سا بھی خفا کریں تو قراطین بادشاہ آپ کو بدنام زمانہ مجرموں کی بیرکوں میں ڈال دیتا ہے' اور آپ پوری پوری رات اس خوف سے سو نہیں سکتے کہ آدھی رات کو کوئی آپ کو صرف تکلیف پہنچانے کے لئے چھرا مار جائے گا' اور آپ نہ بھی مریں' تو وہ تکلیف... وہ آپ کے اندر بہت کچھ مار دیتی ہے۔اور دن کی روشنی میں تو ویسے بھی مارنے والے بہت ہوتے تھے۔'' اپنی پلیٹ کو دیکھتے ہوئے وہ کہے جا رہا تھا۔

''ہر روز شام پانچ بجے قیدیوں کی چیکنگ ہوتی تھی۔قطار میں جانوروں کی طرح کھڑا کر کے ان کا معائنہ کیا جاتا تھا۔صرف مارنے پیٹنے کا بہانہ تھا۔اور کھانا...'' میز پہ سجی انواع و اقسام کی ڈشز کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔زخمی مسکراہٹ۔''قانون کے مطابق ہر ہفتے میں تین دن چکن اور بیف لازمی ہے' بریانی بھی بنے گی' اور دو وقت کی چائے بھی۔صبح ناشتے میں سبزی کی بھجیا بھی ملے گی مگر سی کلاس قیدی اگر گوشت کی شکل دیکھتے بھی تھے تو وہ برڈ فلو سے مری ہوئی مرغیوں کا ہوتا تھا' یا پھر ہوتا ہی نہیں تھا۔دال اور سبزی کی بھی سب سے سستی قسم ملتی تھی کھانے میں۔ایک احسان حکومت کرتی ہے کہ گھر کا کھانا الاؤڈ ہے' مگر میری بہن جو حلوے' اور میوے' اور کھانے میرے لئے بھیجا کرتی تھیں' وہ بہت کم مجھ تک پہنچتا تھا۔راستے میں ختم ہو جاتا تھا۔میں ان کو منع کرتا تھا کہ وہ محنت نہ کیا کریں۔میں نے زندگی میں' اس سے پہلے' کبھی رشوت نہ دی نہ لی' لیکن یہ کام بھی جیل میں شروع کیا۔وارڈن کو پانچ سو روپیہ فی بندہ ماہوار دو' تو چار پانچ لوگ مل کر اپنا چولہا لگا سکتے ہیں' اور اپنا کھانا پکا سکتے ہیں۔جگہ جگہ پانچ پانچ لوگوں نے گروپ بنا کر یہ کام شروع کیا ہوا تھا۔اسے ''ہانڈی وال'' کہتے تھے۔میں بھی اس 'غیر قانونی' اور ''رشوت انگیز'' کام میں چار سال شامل رہا' کیونکہ میں کنکروں والی دال اور مری ہوئی مرغی نہیں کھا سکتا تھا۔ہمارے جیسے معاشروں میں۔جہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے' اپنی بقاء کے لئے انسان قوانین توڑنے پہ مجبور ہو جائے' اور اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ ہو' تو کیا یہ کرنا غلط ہوگا؟ اسی لیے ابا جی... احمد شفیق جب کہتا ہے کہ پرزن رائٹس ملنے چاہیے ہیں تو وہ ٹھیک کہتا ہے۔''

وہ ٹھہرا اور سر جھکائے کانٹے کو پلیٹ میں پھیرا۔میز پہ مسحور کن سا سناٹا تھا۔آبی کا گلا رندھ چکا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔زمر بالکل خاموش اور سپاٹ تھی۔ہارون نے گہری سانس لی۔

''تمہارا واقعی مجھ سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔'' وہ جیسے پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

''مگر تم نے قراطین والی بات پوری نہیں بتائی۔رشوت تو تم نے ہانڈی وال کو پہلی دفعہ دی تھی... تو قراطین کو کیا دیا؟''

فارس ان کو دیکھتے ہوئے زخمی سا مسکرایا۔''اس سے پہلی ملاقات کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوتے تھے' وہ بادشاہ تھا' ان کو

کچھ بھی کہہ سکتا تھا' ان کی عزت کا جنازہ نکال سکتا تھا۔ میرے ساتھ اس نے گفتگو میری بیوی کے نام سے شروع کی تھی۔"

آبی کا سانس رک گیا۔" اور آپ نے کیا کیا؟"

"میں نے اسے... مارا۔" اپنی ابرو کی طرف اشارہ کیا۔" ادھر سے خون نکلنے لگا تھا اس کا۔ بارہ ٹانکے آنکھ کے قریب لگے تھے۔ اس نے مجھے بی کلاس میں بدنام زمانہ مجرموں کے ساتھ شفٹ کر دیا۔ تب وہ جیل میں ایک "اعلیٰ عہدے" پہ فائز سرکاری ملازم تھا۔ آج وہ اسی جیل میں قید ہے۔"

"اور اس کو قید کس نے کروایا؟" آبدار نے سانس روک کے پوچھا۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔

"شاید کسی نے اپنی بیوی کے کردار پہ حملہ کرنے کا انتقام لیا ہو اور صرف مارنے سے اس کا دل نہ بھرا ہو۔" اور کندھے اچکا کر پوری توجہ سے کھانے لگا۔ آبی بے اختیار مسکرا دی۔ اسے اس لمحے فارس پہ فخر ہوا تھا۔ نگاہیں موڑ کر ہارون کو دیکھا۔ وہ بھی اس کی کہانی سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ آبدار کی گردن مزید اکڑ گئی۔ اس نے زمر کی طرف چہرہ پھیرا۔

"اور آپ نے ڈلوایا تھا فارس کو قید میں' ہے نا؟" بہت سادگی اور معصومیت سے اس نے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

لمحے بھر کے لئے اس میز پہ شدید تناؤ در آیا۔ فارس نے چونک کر پہلے آبی کو دیکھا' پھر زمر کو۔ اسے برا لگا تھا اور وہ ناگواری سے کچھ کہنے لگا تھا جب...

"آف کورس میں نے فارس کو گرفتار کروایا تھا۔" وہ آبی کی آنکھوں پہ نظریں جمائے' مسکرا کر بولی تھی۔ "کیونکہ مس عبید' میں نے ساری زندگی لوگوں کو انصاف دلوانے کے لئے جدوجہد کی ہے۔ اگر میرے اپنے خاندان میں' میرے وژن آف ٹروتھ کے مطابق' کوئی شخص مجرم ہے' تو میں انصاف کے حصول کے لئے' اس کے خلاف بھی کھڑی ہوں گی' اور قانون کی پوری مدد کروں گی۔ کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں؟"

گردن اٹھا کر' ہموار مگر فخریہ لہجے میں بولی تھی۔ (دل پہ جو گزری سو گزری)

آبدار کا چہرہ پھیکا پڑ گیا' اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ ہارون نے بھی تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

"شاید میں ایسا نہ کر سکتی۔ آئی ایم سوری۔ میں نے سنا تھا' آپ نے سعدی یوسف کے میموریل ڈنر پہ کہا تھا..." (ہارون نے غیر آرام دہ پہلو بدلا) "کہ آپ کے بھتیجے نے آپ کو اپنا گردہ ڈونیٹ کیا تھا۔ یہ سب بہت مشکل ہوگا آپ کے لئے... اس کا کھو جانا۔" وہ اب سخت الفاظ کا اثر زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

زمر نے گہری سانس لی۔ "مجھے نہیں پتہ وہ کہاں ہے' مگر مجھے امید ہے کہ وہ زندہ ہے۔ ان آٹھ ماہ میں میں چند لمحوں کے لئے بھی اپنا فون آف نہیں کرتی' اس ڈر سے کہ وہ کال کرے گا اور اگر میں نے نہ اٹھایا تو کیا ہوگا؟ کیونکہ مجھے پتہ ہے وہ سب سے پہلے مجھے کال کرے گا۔"

میز پہ خاموشی کا دورانیہ بڑھ گیا' پھر ہارون نے ہمدردی اور اپنائیت سے پوچھا۔ "وہ کس طرح کا انسان تھا؟"

"مہربان' نرم دل اور..." زمر کہنے لگی' مگر فارس نے چہرہ اٹھا کر اطمینان سے کہا۔ "فریب کار۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اب وہ سر جھکا کر پلیٹ میں چھری کانٹا چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس نے اپنے خاندان کے ہر فرد کو یہ یقین دلا رکھا تھا کہ سب سے زیادہ محبت وہ اسی سے تو کرتا ہے' راز دار بھی وہ اسی کا ہے' اور سب سے بڑی قربانی وہ اسی کے لئے دے گا۔ جب وہ نہیں رہا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم میں ہر شخص ہی خود کو سعدی کا سب سے اچھا دوست سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ فریب کار نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔"

زمر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' مگر اس نے کمال ضبط سے ان کو اندر اتار لیا۔ اس نے فارس سے سعدی کا ذکر بہت کم سنا تھا' اور اس

طرح تو شاید پہلی دفعہ مگر پہلے کب وہ اسے بولنے کا موقع دیتی تھی؟

"فارس غازی!" ہارون نے بہت امید سے اسے دیکھ کر کہا۔ "میرے لئے کام کرو!"

"میں جاب انٹرویو چائے پہ نہیں دیا کرتا' اور آپ سے اتنے اچھے دوستانہ ماحول میں ملاقات کرنے کے بعد میں آپ کے لئے کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ دوستوں کے ساتھ کاروبار نہیں کیا جاتا۔"

"اگر تم سیاستدان ہوتے تو آتی جیل کاٹ کر ووٹ ملتے' سیاستدان نہیں ہو اس لئے اب نوکری تک ملنا مشکل ہوگی۔ نوکری کے بغیر تمہارا کیا بنے گا؟" وہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔ فارس بند ہونٹوں سے لقمہ چباتے ہوئے مسکرایا اور ذرا آگے کو جھک کر ہارون کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ ایک بے گناہ آدمی کو ایک بدنام زمانہ جیل کے سی بلاک میں بے رحم اور خطرناک دہشت گردوں' اسمگلرز اور قاتلوں کے ساتھ چار سال کے لئے بند کر دیں' اور اگر وہ سروائیو کر جائے' تو کیا اس کے کچھ بن جانے میں آپ کو شک ہونا چاہیے؟"

بہت عرصے بعد ہارون کو کسی نے اتنا محظوظ کیا تھا۔ مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ "میری پیشکش تمہاری میز پہ دھری ہے۔ مجھے جواب کا انتظار رہے گا۔" آبی بھی تائیدی انداز میں مسکرائی۔ اور زمر کو پتہ نہیں کیا' مگر کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔

............❖❖❖............

تم بڑے لوگ ہو سیدھے ہی گزر جاتے ہو ...... ورنہ کچھ تنگ سی گلیاں بھی ہیں بازار کے ساتھ

کولمبو پہ شام کی تاریکی پوری طرح چھا چکی تھی۔ شہر کی جھلملاتی بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ اسٹریٹ پہ منتظر کھڑے تماش بینوں کا رش بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسے میں تاریک ایلی ویٹر shaft میں وہ کافی اوپر چڑھ آئے تھے اور نیچے لوہے کی چادر کو مسلسل توڑنے کاٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ چند گارڈز اوپر بھی دوڑے تھے' کہیں تو کھلتی ہوگی وہ شافٹ۔ مگر ہوٹل کے نقشوں پہ وہ بنی ہی نہیں تھی۔

تیسری منزل پہ رک کر خاور نے دیوار پہ دستک دی۔ ردھم میں۔ تین دفعہ۔ وہاں چوکور سا کارڈ بورڈ لگا تھا۔ اگلے ہی لمحے کارڈ بورڈ اندر سلائیڈ ہوا اور روشنی نظر آئی۔ آگے ایک کھلی ہوئی الماری تھی۔ وہ دونوں کھلے بعد دیگرے الماری کے اندر سے ہو کر اس کمرے میں آ کھڑے ہوئے۔ اتنے عرصے بعد... سعدی یوسف نے کوئی اور کمرہ دیکھا تھا۔ روشن اور ہوادار... مگر اس نے ضبط نہیں کھویا۔ سنبھلا ہوا محتاط کھڑا رہا۔

سامنے کچن کا ہیڈ شیف کھڑا تھا۔ ان کو اندر لا کر اس نے جلدی سے کارڈ بورڈ برابر کیا۔ اور الماری سے ایک بیگ نکال کر خاور کو تھمایا اور الماری کو لاک کیا۔

"سو تمہیں ہمارے... مطلب کرنل خاور کے پیغامات ملتے رہے تھے؟" سعدی نے خاور کو بیگ کی زپ کھول کر اندر تمام چیزوں کی تسلی کرتے دیکھا تو شیف کو مخاطب کیا۔

خاور سینڈوچ کے ریپر پہ کونے میں الفاظ لکھتا تھا۔ اور مروڑ تروڑ کر پلیٹ میں رکھ دیتا۔ سارا کوڑا میری بن میں پھینک دیتی۔ روز شام کو گارڈز کوڑا اوپر کچن میں جا کر ڈال دیتے۔ شیف ایک ایک ریپر چیک کرتا تھا۔ یقیناً اس کو پیغام ملے تھے۔

"کرنل خاور کے مجھ پہ احسان ہیں۔ میں ان کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ تمہارے لئے نہیں۔" وہ زود بیدہ نظروں سے سعدی کو خشک لہجے میں کہا اور کپڑوں کا پیکٹ تھمایا۔ وہ بھی بس اس کو گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ خاور اب اس کے شانے کو تھپک کر اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا...

نیچے لابی میں ہاشم کاردار ہنوز صوفے پہ بیٹھا میلز کا جواب دے رہا تھا۔ گاہے بگاہے وہ گھڑی پہ بھی نظر ڈال لیتا۔ پراہرا (پریڈ) کے ان اسٹریٹ تک پہنچنے میں کم وقت رہ گیا تھا...

اوپر تیسری منزل کی لفٹ کے دروازے کھلے اور اندر خاور اور سعدی کھڑے نظر آئے۔ سیاہ پینٹ' سفید شرٹ' اور سیاہ کوٹ پہنے ماتھے پہ ویٹرز کی مخصوص ٹوپی سجائے وہ دونوں باہر نکلے۔

"سی سی ٹی وی ریوائنڈ ہو چکے ہیں' کنٹرول روم میں کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکتا' بس کسی شناسا گارڈ سے نہ ٹکرانا۔" خاور اس کو ہدایت دے کر راہداری میں ایک طرف کو چلا گیا اور سعدی سر ہلا کر ٹرالی دھکیلتا ہوا دوسری طرف چلتا گیا۔

نیچے بیٹھے معروف سے ہاشم کی طرف دو گارڈز تیز تیز چلتے آئے تو کیس الرٹ سا ہوا۔ ہاشم کو پکارا۔ اس نے چہرہ اٹھایا اور ان دونوں کے چہروں پہ اڑتی ہوائیاں دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ تیز تیز گھبراہٹ سے اسے کچھ بتا رہے تھے اور ہاشم کے چہرے کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ پھر وہ بے اختیار آگے کو بھاگا.....

سعدی یوسف سر جھکائے ٹرالی دھکیلتے.. راہداری کے موڑ پہ آ ٹھہرا۔ گردن نکال کر آگے راہداری میں جھانکا۔ ایک کمرے کے بند دروازے کے باہر دو مستعد گارڈز کھڑے نظر آئے۔ سعدی نے جیب سے شو پالش کی ڈبی جتنی شے نکالی پھر سانس روک کر اس کا ڈھکن گھمایا اور جھک کر زمین پہ آگے کو لڑھکا دیا۔ وہ گارڈز کے قریب بند آواز کے چلتی گئی اور جا ٹھہری۔ اس میں سے بغیر رنگ کی ہوا نکلنے لگی۔ اوٹ میں کھڑے' ناک پہ رومال رکھے سعدی دھڑکتے دل سے گھڑی دیکھنے لگا۔ ایک منٹ...دو... ساڑھے تین منٹ بعد اس نے گردن نکال کر جھانکا۔

گارڈز زمین پہ لڑھک چکے تھے۔ بے حس اور بے سدھ۔ وہ ٹرالی دھکیلتا تیزی سے آگے آیا اور مخالف دروازے کے سامنے ٹھہرا۔ دوسری جیب سے ماسٹر کی کارڈ نکال کر دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھولا اور ان دونوں کو گھسیٹ کر دوسرے کمرے میں لا ڈالا۔ پھر ان کو وہاں لاک کر کے اس کمرے تک پہنچا جہاں وہ پہرہ دے رہے تھے۔ ابھی وہ دروازے کے قریب کارڈ لے کر گیا تھا کہ.....

p'savan" p! مخالف سمت سے ایک اسی حلیے والا ویٹر آتا دکھائی دیا اور قدرے خفگی سے سنہالی زبان میں اسے مخاطب کیا۔ سعدی بالکل منجمد ہو گیا۔ پھر ہلکا سا چہرہ موڑا۔

"savan! ehidi tuva ve?" پھر ذرا اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"oba alut?" (کیا تم نئے ہو؟) وہ ایک انجان زبان میں سعدی یوسف سے بات کر رہا تھا اور وہ جواب مانگ رہا تھا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔

"mama danne nae. oba ahanna." (مجھے نہیں معلوم۔ نیچے جا کر خود معلوم کر لو۔) اور رخ موڑ کر ٹرالی میں چیزیں درست کرنے لگا۔ ویٹر بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور سعدی یوسف نے دل میں اس دن کے لیے شکر ادا کیا جب اس نے فارس غازی کے پیغام پہ عمل کر کے خاور کو اپنا صاحب الجن بنایا تھا۔ گزارے لائق سنہالی صرف وہی اس کو سکھا سکتا تھا۔

کارڈ لگا کر اس نے دروازہ دھکیلا۔ اندر ایک پرتعیش اور شاہانہ طرز میں سجا سویٹ روشن سا نظر آ رہا تھا۔ ایک بیوٹیشن کھڑی سونیا کے بال بنا رہی تھی۔

"وہ تمہیں نیچے بلا رہے ہیں' کب سے کال کر رہا ہوں۔ جلدی جاؤ' سر غصے میں ہیں۔" وہ کوئی انجان مگر غیر ملکی لڑکی تھی' اس کو انگریزی میں بتایا تو قدرے پریشان ہو گئی اور جلدی سے باہر کو بھاگی۔ سونیا نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سعدی فوراً پلٹ گیا۔ جب لڑکی باہر نکل گئی تو اس نے دروازہ بند کیا اور ٹوپی اتارتے ہوئے آہستہ سے سونی کی طرف گھوما۔

"ہیلو پرنسس!" مسکرا کر کہتے وہ قریب آیا۔ سونیا کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ معصوم چہرے پہ حیرانی اور الجھن ابھری۔ خوبصورت آنکھیں سکیڑیں۔

"سعدی!" وہ پہچان کر اسٹول سے اٹھی۔ سرخ لمبی میکسی میں وہ بالوں کی چوٹی بنائے' بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

"تم تو... چلے گئے تھے۔" اپنی عمر کے لحاظ سے وہ صرف اتنی حیران ہو سکتی تھی۔

وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آ بیٹھا' اور نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"مگر میں واپس آ گیا ہوں' سونی کے ساتھ ایک گیم کھیلنے۔ یاد ہے جب میں تمہارے مل سے ملنے آیا تھا' جب تم دونوں فلم دیکھ رہے تھے مال میں' اور پھر میں نے تمہارے ساتھ ایک گیم کھیلا تھا؟"

سونیا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔ "آئی نو۔"

"سو... سونیا..." مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ بولا "Do you wanna build a snowman"

اور سونیا کھلکھلا کر ہنس دی۔ گردن پیچھے پھینک کر۔ دل کھول کر۔ اس کو یہ فقرہ جیسے گدگدا دیتا تھا...

نیچے تہہ خانے کے دروازے کھلے پڑے تھے اور ہاشم وسط میں کھڑا' سرخ چہرے کے ساتھ گارڈز پہ غرا رہا تھا' چیخ رہا تھا۔ "وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ ڈھونڈو ان کو۔ وہ ہوٹل میں ہوں گے۔ ہر جگہ سے ڈھونڈو۔"

اردگرد افراتفری مچی تھی۔ گارڈز آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ رئیس کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔

تبھی ہاشم کے موبائل کی بیپ بجی۔ اس نے جھلا کر دیکھا۔ ایک نئی ویڈیو موصول ہوئی تھی۔ سونی کے نمبر سے۔ وہ ٹھہر گیا اور اب اس پہ کلک کیا... تو... منظر سونی کے کمرے کا تھا۔ وہ وسط کمرے میں تیار کھڑی تھی' دونوں ہاتھ مخصوص رخ پہ اٹھائے' منہ ذرا کھولے' آنکھیں بند کیے وہ ساکت کھڑی تھی۔ جیسے برف کا مجسمہ ہو۔ (ہاشم گویا خود برف بنتا گیا) کیمرہ ایک طرف کو چین ہوا اور سعدی کا چہرہ دکھائی دیا۔

"گڈ ایوننگ ہاشم کاردار۔ سونیا اور میں بہت انجوائے کر رہے ہیں۔ سونیا اس وقت سونیا نہیں ہے۔ وہ "اولف" ہے اور فریز ہو چکی ہے۔ اور بابا کو اتنا تو معلوم ہوگا کہ صرف سچی محبت سے کیا گیا عمل ایک جمے دل کو پگھلا سکتا ہے' ہے نا اولف؟" اس نے رک کر سونیا کو دیکھا۔ وہ بند آنکھوں سے مسکراہٹ دبائے' سر کو ذرا سا خم دے کر رہ گئی۔ اس سے زیادہ وہ نہیں ہل سکتی تھی۔ کیمرہ واپس سعدی کے اوپر ہوا۔ وہ اب اٹھ کر سونی کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ "میں سونی کے روم میں ہوں۔ اور میرے پاس باہر کھڑے گارڈز کے نوٹ بھی ہیں۔" ہاتھ لہرا کر بریٹا پستول دکھایا۔ "اور میں پہلے بھی ایک گارڈ کو اس کے کریڈ پیرنٹس تک پہنچا چکا ہوں' سو میری صلاحیتوں پہ تمہیں شک تو نہیں ہونا چاہیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سونی کے بابا سونی کے لیے... سوری اولف کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ میرے سارے لیگل ڈاکومنٹس لے کر اس کمرے میں آ جائیں' اور مجھے یہاں سے بخیریت نکلنے دیں' تو میں سونی کو پگھلا دوں گا' ورنہ... سونی... مار جائے گی!" اور ویڈیو بند ہو گئی۔

زندگی میں پہلی بار... ہاشم کاردار کو اپنا سر' اپنا دل... اپنی ساری دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی رنگت پہلے سفید پڑی اور پھر سرخ۔ بوکھلا کر اس نے چہرہ اٹھایا۔ "وہ میری بیٹی کے کمرے میں ہے۔"

تب تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا رئیس بھی بول اٹھا تھا۔ "وہ واقعی اسی فلور پہ ہے۔ وسط میں... یقیناً اس سونیا نے کمرے میں۔ اس نے لگدے کے اندر لگا ٹریکر میں نے ایکٹیویٹ کر دیا ہے۔ وہ اب بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"اور خاور... وہ کہاں ہے؟" وہ زور سے چلایا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے' اس نے آستین سے تر پیشانی پونچھی۔ دماغ ابھی تک گھوم رہا تھا۔

"وہ بھی وہیں ہے۔"

"اس نے اپنے پیپرز مانگے ہیں۔ میں ادھر جا رہا ہوں۔ میرے پیچھے پانچ آدمی میری بیٹی کے کمرے کی طرف بھیجو۔ تم دونوں

کمرے کی پچھلی طرف سے آؤ۔ اور رئیس...'' وہ تیز تیز ہدایات دے رہا تھا۔ ''اسنائپرز کو بلواؤ' وہ چھت پہ بیٹھ کر بیرونی دروازوں کو تاک میں رکھیں گے۔ سادہ کپڑوں میں گارڈز کو ہوٹل کے چاروں طرف بکھیر دو۔ وہ دونوں زندہ یہاں سے نہیں نکلیں گے۔'' دانت پیس کر غصے سے کہتا وہ باہر کی طرف بھاگا۔ دو گارڈز اس کے ساتھ دوڑے تھے۔

وہ لفٹ میں تھا جب فون بجا۔ سونیا کے نمبر سے کال آ رہی تھی۔ اس نے تیزی سے فون کان سے لگایا۔ ''اگر تم نے میری بیٹی کو ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔'' لال بھبوکا چہرے کے ساتھ وہ چیخا تھا۔

''گڈ ایوننگ ہاشم' کیسے ہو۔ مجھے بھی تم سے بات کر کے اچھا لگا۔ موسم کیسا ہے؟''

''سونیا سے بات کرواؤ تم سن نہیں رہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' تیز تیز تنفس کے دوران ہانپتا' کانپتا وہ پھر غرایا تھا۔

''وہ تو بات نہیں کر سکتی۔ وہ فروزن ہے۔ کیا فلم ہے ویسے۔ کبھی ہمیں دوبارہ اکٹھے بیٹھ کر دیکھنی چاہیے۔''

''سعدی!'' لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ باہر نکلا۔ چند گہرے سانس لے کر خود پہ قابو پایا۔ ''میں تمہارے ڈاکومنٹس لے آتا ہوں تمہیں جانے دوں گا' تم میری بیٹی کو کمرے سے باہر نکالو خود بے شک کمرہ بند کر کے بیٹھے رہو میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کروں گا' مگر اسے جانے دو۔''

''مرنہ جاتے خوشی سے گر اعتبار ہوتا۔'' وہ گنگنایا تھا۔

''تم اتنا نیچے کیسے گر سکتے ہو؟ وہ ایک معصوم بچی ہے۔ کوئی انسانیت' کوئی اخلاقیات باقی ہیں تمہارے اندر یا ایک قتل کرنے کے بعد تم ان سے بھی گزر چکے ہو؟'' وہ افسوس اور بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔

''کوئی گھنٹی بجی ہاشم کاردار؟ یاد ہے وہ دن جب مجھے بے بس کر کے تم میری بہن کے بارے میں بات کر رہے تھے؟ میری بھی یہی حالت ہوئی تھی۔'' الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ہاشم نے پیشانی کو مسلتے ہوئے بمشکل خود پہ قابو کیا۔

''اچھا میں کمرے کے باہر ہوں۔ بتاؤ' کیا چاہتے ہو؟'' دروازے کے سامنے کھڑے اس نے فکرمندی سے ادھر ادھر دیکھا۔ تمام گارڈز اپنی گنیں نکالے چوکس کھڑے تھے۔

''میرے تمام لیگل ڈاکومنٹس جن کی مدد سے میں واپس جا سکوں۔''

''میں نے منگوائے ہیں' چند منٹ لگیں گے۔ تم مجھے اندر آنے دو۔'' کہہ کر اس نے دروازہ بجایا۔ لاک گھمایا۔ وہ بند تھا۔ میجک آئی بھی بند تھی۔ وہ اندر جھانک بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔ ''سعدی' دروازہ کھولو۔'' اس نے زور سے بجایا۔

''اگر تم نے ایک دفعہ پھر دروازے کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ دروازہ صرف تب کھلے گا جب تم ڈاکومنٹس لے کے اور سنو' تم اکیلے آؤ گے۔''

''ہاں' میں اکیلا آؤں گا۔ مجھے پانچ منٹ دو۔'' وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ ہاشم اب رئیس کو کال کر کے اسے جلدی دو کاغذات اوپر بھیجنے کو کہہ رہا تھا۔ ایک خاکی لفافے میں چند ردی کاغذ۔ وہ یہ دکھا کر سعدی کو کم از کم دروازہ کھولنے پہ مجبور کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ دروازہ کھل گیا تو اسکے بہترین مارکس مین ان دو فراریوں کو سنبھال لیں گے۔

جب تک ایک گارڈ اوپر آیا' وہ لفافہ لے کر' جس میں بچیس کا پاسپورٹ اور چند ردی کاغذ تھے۔ اس کمرے کو دونوں اطراف سے گھیرا جا چکا تھا۔ ہاشم کاردار کی آدھی نفری وہاں موجود تھی۔ کچھ لوگ بالکونی میں اتر آئے تھے کچھ بندوقیں سنبھالے راہداری میں کھڑے تھے۔ ہاشم نے لفافہ پکڑا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔ اس نے گارڈ سے ماسٹر کی کارڈ لیا اور دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھل گیا۔

''سعدی! میں تمہارے پیپرز لے آیا ہوں۔'' اس نے احتیاط سے کہتے ہوئے دروازہ دھکیلا۔

دو سنتی رہی۔ پھر تکان سے مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابا کی بات مکمل ہوئی اور اس کی واک۔ واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔ ابا نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ کہہ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پیچھے پڑ جانا اور بار بار دہرانا اولاد کو ڈھیٹ بنا تا ہے اور ابا ایسا نہیں چاہتے تھے۔

✤✤✤

ایک ضرب اور بھی اے زندگی تیشہ بدست ..... سانس لینے کی سکت اب بھی مری جان میں ہے

اگلی صبح فارس غازی نے کاردار اینڈ سنز کے ہیڈ آفس میں ہاشم اور جواہرات کی موجودگی میں سائن کیے۔ اٹھ کر ان سے باری باری ہاتھ ملایا اور چند مصنوعی مبارکبادیں اور نیک تمنائیں سن کر وہ وہاں سے چلا آیا۔ اس کے جانے کے بعد جواہرات نے ہاشم کو دیکھا۔

''وہ کراچی جانے کی بات کر رہا تھا۔ کیا واقعی وہ ہماری زندگیوں سے چلا جائے گا ہاشم!''

''اب موو آن کرنے کا وقت ہے ممی۔ ماضی کو ماضی میں چھوڑ کر نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔ اس کو اس کی زندگی شروع کرنے دیں۔ جیل نے اسے سارے سبق سکھا دیے ہیں۔ اب وہ انتقام اور انصاف کے چکروں سے دور رہے گا۔'' وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔ میز پہ اینکسی کی چابی رکھی تھی۔ جو گڈ ول جیسچر کے طور پہ فارس ادھر چھوڑ آیا تھا۔ یہ اینکسی ان کی ضد تھی اور وہ اور تہذیب کاردار کی وجہ سے اتنے سال خاموش رہے تھے۔ پھر برے بھی نہیں بننا چاہتے تھے۔ اور اب... وہ ان کی جھولی میں آگری تھی۔ کیا شاندار آغاز تھا نئی زندگی کا۔

''پراہرا پہ جانے کی تیاری کریں ممی!'' وہ سکون سے بولا تھا۔ شیرو اور سعدی کے معاملے ذہن سے ہٹا کر وہ پراہرا انجوائے کرنا چاہتا تھا۔

سری لنکا میں تین بڑے پراہرا (پریڈ) ہوتے تھے۔ تینوں ''پویا'' یعنی ماہ کامل (پورے چاند) کی راتوں کو ہوتے تھے۔ پہلا جنوری میں ہوتا تھا۔ دوسرا فروری اور تیسرا جولائی میں۔ پجاری اور ہاتھیوں کا لشکر مندر سے شروع ہوتا اور شہر کی مختلف گلیوں کا چکر کاٹ کر اپنی منزل تک پہنچتا تھا۔ پورا شہر اور پوری دنیا سے لوگ آکر فٹ پاتھ پہ گھٹنوں کھڑے ہو کر پریڈ کے ان کی گلی تک پہنچنے کا انتظار کرتے تھے اور پھر اس کو گزرتے دیکھتے تھے۔ کاردارز کولمبو کا ایک پراہرا ہمیشہ دیکھنے جاتے تھے۔ شہرین پہلے ساتھ جاتی تھی لیکن اب ہاشم اس کو نہیں لے کر جا رہا تھا۔ شیرو سے اس نے پوچھا تک نہیں۔ سونی کی جان تھی ان ہاتھیوں میں۔ وہ اس کو لے جا رہا تھا جواہرات کے ساتھ اور وہ مطمئن تھا۔

ماہ کامل کی رات سے دو روز پہلے گارڈز سعدی اور خاور کو ان کے کمروں سے نکال کر لائے اور ایک تیسرے کمرے کے دھاتی دروازے کھولے جو صرف بٹن سے کھلتے تھے اور ان کو اندر دھکیلا۔ وہ اس کمپاؤنڈ کا سکیم سیکیورٹی روم تھا۔ اندر دو لوہے کے پلنگ رکھے تھے۔

''بہت جلد تم لوگوں کو اس جگہ سے منتقل کیا جا رہا ہے۔ تب تک تم ادھر رہو گے۔'' جیران سے سعدی کو بتایا گیا تو وہ فوراً خاموش کھڑی میری کو دیکھنے لگا جیسے بہت شاکڈ ہوا ہو۔

''تم نے بتا دیا ان کو؟'' میری نے نگاہیں جھکا دیں۔ خاور نے غصے سے سعدی کو دیکھا۔ ''تم نے اسے کیوں بتایا؟''

''میں سمجھا وہ بھی جانا چاہے گی۔ میری تم ایسے کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ بے حد ہرٹ لگتا تھا۔ میری خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس نے اپنے کان گویا لپیٹ لیے تھے۔ جب دروازے قفل در قفل بند ہوتے گئے اور وہ دونوں تنہا رہ گئے تو سعدی اس کی طرف گھوما۔ ''تمہیں یقین ہے ہماری باتیں ریکارڈ نہیں ہو رہیں؟''

''کوئی بھی اپنی ذاتی جیل میں کیمرے ریکارڈر یا سرویلنس نہیں لگاتا سعدی' آپ کو کیا معلوم ڈی وی آر پہ بیٹھا گارڈ بک جائے اور وہ ویڈیوز جو آپ کے خلاف ثبوت وارنٹ ہیں' جا کر پولیس کو دے دے۔ پھر بھی مجھے چیک کرنے دو۔''

خاور کام پہ لگ گیا۔ دیواروں کو چھو کر... ٹٹول کر محسوس کیا۔ کونے چیک کیے۔ پھر پلنگ کھینچ کر چڑھا اور چھت کا معائنہ کرنے لگا۔

سو ہاتھیوں کو قافلے اس وقت سڑک سے گزر رہا تھا۔

ہاشم نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے اوپر جیسے کوئی انکشاف ہوا تھا۔

"پراہرا۔ وہ پراہرا کے ہجوم میں گم ہونے والے ہیں۔" پھر تیزی سے مڑا۔ "سڑک پہ جاؤ۔ اسٹریٹ میں پھیل جاؤ۔ وہ نظر آ جائیں گے۔" موبائل بجا تو اس نے تیزی سے کال اٹھائی۔ دوسری طرف رئیس تھا۔

"سر' سونی کا فون باہر کی طرف جا رہا ہے... باہر پراہرا کی طرف۔ میں بھی ادھر جا رہا ہوں۔" رئیس دوسرے ہاتھ میں ٹیب پکڑے ان کی لوکیشن کو سامنے رکھے بھاگتا ہوا کچن سے نکل رہا تھا۔

ہاشم اب اوپر کھڑا اپنے گارڈز کو چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا۔ چھت پہ موجود اسنائپر تیار تھے۔ جیسے ہی ان کو سعدی یا خاور دکھائی دیں' وہ ان کو گولی مار دیں گے۔

چند ہی منٹوں میں گارڈز پوری اسٹریٹ پہ پھیل گئے تھے۔ ایک ایک کو دیکھتے وہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

ایسے میں رئیس ٹیب پہ لوکیشن کو سامنے رکھے' دوڑتا ہوا باہر آیا تھا۔ دائیں بائیں گردن گھماتا' وہ سیاحوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا مگر راستہ نہیں مل رہا تھا۔ بمشکل لوگوں کو پرے ہٹاتا' دھکے دیتا' معذرتیں کرتا' وہ آگے آیا۔ موبائل ٹریکر کا سرخ نشان ایک جگہ رک گیا تھا۔

وہ بدقت اس جگہ پہنچ پایا۔ سیاحوں کی خفگی اور ڈانٹ پھٹکار کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ٹیب کو دیکھا۔ سرخ دائرہ (سونی کا فون) سبز دائرے (خود رئیس) کے ساتھ کھڑا تھا۔ پھر وہ دائیں طرف مڑنے لگا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے ایک یورپین خدوخال کی سنہرے بالوں والی بچی دائیں طرف جا رہی تھی۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے سر پہ پہنچا۔ اسکی ہڈ والی سوئیٹر کا ہڈ پیچھے کو گرا ہوا تھا' اور کمر پہ پہنے بیک پیک میں ٹیب رکھا تھا۔

"لعنت ہے۔" اس نے ٹیب اٹھا کر بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر بکھرا تھا اور اس سب میں ان دونوں کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔

وہ دوڑتے قدموں سے اوپر ہاشم کے پاس آیا تھا۔ وہ وہیں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

"سر..." پھولے تنفس کے دوران اس نے کہا۔ "وہ نہیں ہیں۔ یہ فون انہوں نے پراہرا دیکھنے والی ایک بچی کے اوپر پلانٹ کر دیا اور خود رش میں آگے نکل گئے۔"

"ہیں لوگ سڑک پہ پھیلے ہوا اور کسی سے وہ دو لوگ نہیں پکڑے گئے۔" وہ دھاڑا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی پونچھتا۔ دل چاہ رہا تھا اس کو شوٹ کر دے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنی جلدی نکل گئے ہوں اور تمہیں نظر ہی نہ آئے ہوں؟ سلیمانی چغے پہن رکھے تھے انہوں نے یا..." ہاشم رکا۔ ایک دم سے اس کے اوپر ڈھیر ساری ٹھنڈی برف گر گئی تھی۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی اور نیچے سڑک پہ بجتے پراہرا کو دیکھا۔ سیاحوں کے رش کو دیکھا۔ ہاتھیوں کو دیکھا۔

"نہیں... ہم غلط تھے... پراہرا... پریڈ صرف ڈسٹریکشن ہے۔ ہمارا دھیان ہٹانے کے لئے... وہ پراہرا کے ہجوم میں گم ہو کر نہیں نکلنے والے تھے۔" چونک کر ان لوگوں کو باری باری دیکھا۔ "کیا اس ہوٹل سے نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے؟"

رئیس نے سوالیہ نظروں سے گرے کوٹ والے گارڈ کو دیکھا جو ہوٹل کی سیکیورٹی میں سے تھا۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں سر' دروازوں کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔" پیچھے کھڑا شیف خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔

''کارا!'' ہاشم شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتا دو قدم آگے آیا۔ ''میں ابھی تک ایسے کرمنل سے نہیں ملا جو ایک عظیم الشان ہوٹل بنائے' اس کے تہہ خانے میں ذاتی جیل رکھے' اور پھر پولیس کے اچانک ریڈ سے بچنے کے لئے کوئی خفیہ راستہ نہ رکھے۔ مجھے بتاؤ... کوئی... اور ...راستہ ہے یا نہیں؟''

''سر' آپ میرا یقین کریں' یہاں پہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہوتا تو میں آپ کو پہلے بتاتا۔ پہلے یہاں پہ مین ہولز تھے' مگر بعد میں ان کے اوپر سرونٹس باتھ رومز بن گئے تو وہ بھی بند ہو گئے اور...''

ہاشم نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پہ مکا دے مارا۔ وہ پیچھے کو لڑھک گیا۔ دیوار کا سہارا لیا اور گرتے گرتے بچا۔

''ان کے پاس کمروں کے ماسٹر کی کارڈز ہیں' بے ہوش کرنے والی گیس ہے' اسلحہ ہے' ہوٹل کی وردی ہے' کوئی اندر سے ان کی مدد کر رہا ہے۔ اور تمہارے جیسے گدھے کا خیال ہے کہ ان کے مددگار فرش کی چند اینٹیں اکھاڑ کر ان کے لیے مین ہول کھول کر نہیں رکھیں گے؟'' وہ چیخا تھا۔ جس کے منہ پہ لگی تھی' وہ خون آلود منہ پہ ہاتھ رکھے' سر جھکائے سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کدھر ہیں مین ہولز؟ لے کر چلو مجھے ادھر۔'' ایک دفعہ پھر گارڈز کی دوڑیں لگ گئی تھیں۔

باتھ رومز ایریا میں اسے مین ہول کی جگہ کا پتہ لگانے کے لئے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں تھی۔ کونے والا باتھ روم بند تھا اور اس کے اوپر ''خراب ہے'' کا سائن صاف نظر آ رہا تھا۔

''سر یہ کل سے لیک ہو رہا تھا' آج بھی ٹھیک نہیں ہو سکا...'' ہیڈ آف سیکیورٹی اس کا دروازہ کھولنے لگا تو وہ اندر سے لاکڈ تھا۔ ہاشم نے اسے پرے دھکیلا' اور بوٹ سے دروازے پہ ٹھوکر ماری۔ ایک' دو... اور دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔

اندر فرش کے کونے میں اتنی جگہ اکھڑی پڑی تھی کہ ایک آدمی نیچے اتر سکے۔ نیچے تین فٹ کی اترائی تھی اور اس کے نیچے لمبی سرنگ۔ ہاشم آگے آیا اور اس مین ہول کے دہانے پہ کھڑے ہو کر' گردن جھکائے' اندر جھانکا۔ اوپر ایک ٹائل تلے ایک کاغذ رکھا تھا۔ ہاشم نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور چہرے کے قریب لایا۔

Everyone's bit of a fixer upper!

وہ سعدی کی لکھائی لاکھوں میں پہچانتا تھا۔ غصے سے مروڑ کر کاغذ پرے پھینکا۔ گارڈز اور ریمس باہر کو بھاگے تھے۔ کچھ لوگ اندر اتر رہے تھے۔ کچھ باہر سے اس کے دوسرے دہانے تک جا رہے تھے۔ مگر ہاشم کاردار جانتا تھا کہ وہ لوگ اب تک بہت دور جا چکے ہوں گے۔

❖ ❖ ❖

زہر کے پیالے کا گھونٹ گھونٹ پی لینا ...... آگ میں اتر جانا' سر کو آسمان رکھنا

کافی دیر پہلے' جس وقت ہاشم کاردار سعدی سے فون پہ اس کے ڈاکومنٹس لانے کی بات کر رہا تھا' اس سے کچھ دیر بعد وہ دونوں سڑک کنارے بنے اس مین ہول کے اوپر رکھی لوہے کی پلیٹ اٹھا کر باہر نکل رہے تھے۔ سونی کا نیب وہ سرونٹس باتھ روم تک جاتے ہوئے راستے میں ایک سیاح بچی کے بیک پیک میں گرا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

اندھیر سڑک پہ وہ تیزی سے باہر نکلے اور لوہے کی پلیٹ برابر کر کے اسی طرح آگے بڑھتے گئے۔ سڑک قریباً سنسان تھی۔ عموماً وہ پر رونق ہوتی تھی مگر چونکہ یہ پرابرا کا روٹ نہیں تھا سو سارے لوگ گویا یہاں سے سمٹ کر ادھر جا چکے تھے۔ جو پھر رہے تھے انہوں نے بیک پیک اور ٹارچ پکڑے دو آدمیوں کو مین ہول سے نکلتے دیکھ کر ان کو صفائی یا پلمبنگ کا عملہ خیال کیا اور نظر انداز کیا۔

''ان کو تیس منٹ لگیں گے کم از کم اس مین ہول کا معلوم ہونے میں۔'' خاور نے تیز تیز چلتے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ سعدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اتنے دنوں... ہفتوں... مہینوں بعد... تازہ ہوا میں آیا تھا... سر اٹھا کر پورے چاند کو دیکھا جو سیاہ آسمان پہ دمک رہا تھا۔ پورا۔ ماہ

کامل! اور اس کی چاندنی میں نیچے بجتے پاپ ابرا کی موسیقی اور شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔

ایک موڑ مڑ کر خاور نے لبوں میں انگلی ڈال کر سیٹی بجائی۔ تین دفعہ۔ فوراً سے ایک ٹک ٹک tuk tuk (سری لنکن رکشا) تیزی سے چلتا ان کے قریب آرکا۔ وہ دونوں جلدی سے اس میں بیٹھے اور ٹک ٹک سڑک پہ گویا اڑتا ہوا دور چلا گیا۔

"اور یقیناً یہ ٹک ٹک ڈرائیور بھی تمہارا جاننے والا ہوگا؟" سعدی نے تیز ہوا کے شور میں اونچی آواز سے ساتھ بیٹھے خاور سے پوچھا۔

"میں نے اس شہر میں ہاشم کاردار کے لیے برسوں کام کیا ہے۔ کیا میرے چند وفادار کانٹیکٹس بھی نہیں ہوں گے یہاں؟" وہ بگڑ کر بولا تھا۔ سعدی مسکرا کر رہ گیا۔ مگر وہ جانتا تھا' ابھی وہ آزاد نہیں ہے۔

جب تک ہاشم کاردار کے آدمی اس مین ہول تک پہنچے' وہ دونوں مفرور قیدی وہاں سے بہت دور جا چکے تھے۔

……………… ❖ ❖ ❖ ………………

اب یہ داغ بھی سورج بن کر ابھر ابھر چمکے گا …… جس کو ہم نے دامنِ دل میں اتنی عمر چھپایا ہے

ہارون اور آبدار کے جانے کے بعد وہ دونوں میز سے اس ارادے سے اٹھے تھے کہ اب ہوٹل سے باہر نکلیں مگر باہر جانے کے بجائے لان میں چلے آئے اور قدم خود بخود پول کے قریب اٹھتے گئے۔ ندرت کا فون آیا تو فارس نے کہہ دیا کہ وہ دیر سے واپس آئیں گے۔

"تم واپس نہیں جانا چاہتے؟" اس کے ساتھ چلتے ہوئے زمر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے قدم اٹھا رہا تھا۔ کسی سوچ میں گم تھا۔

"کیا اپنی گرل فرینڈ کو مس کر رہے ہو؟ اسے کال کر لو' شاید کوئی بات رہ گئی ہو جو اس نے تم سے نہ پوچھی ہو۔" ہمدردی سے مشورہ دیا۔ فارس نے سنہری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا' اور ذرا سا مسکرایا۔

"تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ معصوم سی لڑکی ہے۔ سادہ اور مذہبی سی۔ وہ مجھ میں بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔" پول کے کنارے وہ دونوں آمنے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ اوپر تاریک رات میں چمکتا پورا چاند پول کے نیلے پانی پہ جھلملا رہا تھا' اور پانیوں کی روشنی زمر کے چہرے پہ پڑ رہی تھی جو سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"نہ وہ معصوم ہے نہ مذہبی۔ اس کا سکارف ایرانی کلچر کا حصہ ہے یا اس کو اپنے بال نہیں پسند۔ مذہبی اسکارف ایسا نہیں ہوتا۔ مجھے تو وہ ایک بگڑی بچی کے سوا کچھ نہیں لگی۔ خیر وہ اتنی اہم نہیں ہے کہ ہم اس کو ڈسکس کریں۔ تم بتاؤ' گھر کیوں نہیں جانا چاہتے؟" سینے پہ بازو لپیٹے وہ پوچھ رہی تھی۔ گھنگریالے بھورے بال سمیٹ کر چہرے کے بائیں طرف ڈال رکھے تھے اور بھوری لائنر سے مزین آنکھیں سکیڑ کر اس پہ جما رکھی تھیں۔ ناک میں پڑی سونے کی بالی ماہِ کامل کی چاندنی میں دمک رہی تھی۔

"مجھے ڈپریشن ہوگا' زمر۔ میرے لیے پہلی رات ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ تھانے کی پہلی رات' جیل کی پہلی رات' دوبارہ گرفتاری پہ جیل کی پہلی رات اور اب…" سر جھکائے جوتے کی نوک سے گھاس کو مسلتے وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ گھر میرے لیے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ مجھے بہت پیارا تھا۔ اس کو بیچ کر میں خوش نہیں ہوں۔"

"اب کیا کرو گے؟ جاب کب ڈھونڈو گے؟" وہ فکرمند تھی۔ وہ باپ بیٹی ذہن سے محو ہونے لگے۔

"مل جائے گی جاب۔ نہیں تو پیسے ہیں میرے پاس۔ چھوٹا موٹا کاروبار تو کر ہی سکتا ہوں۔" کندھے جھٹک کر لاپروائی سے بولا تھا۔

"ندرت بھابھی چاہتی ہیں کہ تم ریسٹورانٹ میں ان کے ساتھ شراکت داری کر لو۔ یا اوپر والے پورشن میں کچھ بنوا لو۔"

اس نے استہزائیہ سر جھٹکا تھا۔ "وہاں سارے رشتے دار آتے ہیں ہمارے۔ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا۔"

"فارس تم بے گناہ ہو عدالت نے تمہیں بری کیا ہے تو کیوں بھاگتے ہو اپنے رشتے داروں سے؟"

"زمر بی بی! لوگوں کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ یہ آدمی بے گناہ تھا یا گناہگار۔ جیلوں میں جانے والے نوے فیصد لوگ مجرم ہوتے ہیں مگر لوگ سمجھتے ہیں سب مجرم ہیں۔ جن نظروں سے میرے رشتے دار مجھے دیکھتے ہیں میرے قریب آنے پر میرے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں ان پہ خون جلانے کے لیے میرے پاس نہ وقت ہے نہ توانائی۔" کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور پول کے کنارے بیٹھ گیا۔ زمر بھی گہری سانس لے کر ساتھ آ بیٹھی۔ ڈنر کے دوران کی گئی جیل کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کر رکھا تھا۔

"میں چاہوں بھی تو تہرے قتل کے الزام سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ میں کبھی بھی نارمل نہیں ہو سکتا۔" وہ سنجیدگی سے سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"مگر میں ہونا چاہتی ہوں۔" وہ گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے پورے چاند کو پانی میں تیرتے دیکھ کر گویا خود سے بولی تھی۔ "میں بھی اس برف کو پگھلانا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے نہیں پتہ میں کیا کروں۔ تمہارے بارے میں سوچوں یا نہیں؟"

فارس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ اداس نظر آ رہی تھی۔

"تمہارا اور میرا ایک ساتھ کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اس رات جو میں نے اس ریسٹورانٹ میں کہا تھا میں اس کے لیے شرمندہ ہوں مگر وہ سچ تھا۔ جلد یا بدیر ہم الگ ہو جائیں گے۔" مگر زمر نے اس دفعہ برا نہیں مانا۔ وہ نارمل رہی۔

"تو پھر تب دے رہے ہو تم مجھے طلاق؟" پول میں جیسے چاند سے کوئی چیز آن گری تھی۔ کچھ چٹخنے کی آواز سی آئی۔

"طلاق الگ ہونے کا واحد راستہ نہیں ہوتی۔ گو کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی خفا نہیں ہے۔ صرف محبت ہے۔ عزت ہے۔ مگر میں ایک cursed آدمی ہوں۔ میرے ساتھ بہت سے مسئلے ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ میری دشمنیاں ہیں۔ میں بہت جلد خود کو تم سے الگ کر دوں گا تاکہ میری curse تمہیں مزید نقصان نہ دے۔ پہلے بھی تمہارا بہت نقصان ہو چکا ہے۔"

"وہ میری قسمت تھی فارس!" زندگی میں پہلی دفعہ اس نے تسلیم کیا۔

"وہ میرا قصور تھا۔ میں اپنے سے جڑی کسی عورت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔" وہ پول کے پانی کو دیکھتے ہوئے مایوسیت سے کہہ رہا تھا۔

"مگر..." اس نے گہری سانس لی۔ "جب تک ہم ساتھ ہیں ہم خوش تو رہ سکتے ہیں نا زمر! ایک اچھے کپل کی طرح اور..." زمر سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا جب فارس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے ایک نظر دیکھا آپا کالنگ۔ اس نے کال کاٹ کر فون آف کر دیا۔

"ہماری تریزی فیملی ہمیں خوش نہیں رہنے دے گی۔" وہ جل کر بولا تھا۔ "جب بتا دیا ہے کہ نہیں آ رہے ہم گھر تو بار بار کال کر کے بلائیں گے کہ بھنڈی گوشت بنا ہے آ کر کھا لو۔" وہ ایک دم زور سے ہنسی۔ دفعتاً اس کا اپنا موبائل بھی تھرتھرانے لگا۔ زمر نے ہنسی روک کر اسکرین فارس کے سامنے لہرائی۔ "حنین کالنگ۔" اور کال کاٹ دی۔ وہ سلسلہ کلام جوڑنے ہی لگا تھا کہ گھر کے پی ٹی سی ایل سے کال آنے لگی۔ اسے یاد تھا کہ نئے گھر میں صبح ہی حنہ نے فون کی تار وغیرہ جوڑ رکھی تھی۔ وہ پھر سے کال کاٹ کر فارس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم کیا کہہ رہے تھے؟" انجان بن کر پوچھا۔ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر وہ بیٹھی تھی اور سیل ابھی تک ہاتھ میں تھا۔

"یہی کہ کل کی کل دیکھیں گے۔ کیا پتہ ہم کبھی الگ نہ ہوں۔ کیا پتہ سب ٹھیک ہو جائے۔ تو پھر..." بیٹھے بیٹھے وہ اس کی طرف گھوما اور نرمی سے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ "زمر یوسف خان! کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے ایک نارمل زندگی گزارنا چاہو گی؟" زمر نے بے اختیار امڈ کر آتی مسکراہٹ دبائی۔

"پہلے مجھے آپ کہو۔"

فارس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اور ذرا سا کھنکھارا۔ "زمر یوسف خان..." اس کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستہ آہستہ سے دہرایا۔ "کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے نارمل زندگی گزارنا چاہو گی؟"

اور فارس غازی کو کون کسی بات کے لئے مجبور کر سکتا تھا؟ ہاں' صرف وہی مجبور کر دیتا تھا۔ زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "نمبر ایک' میں تمہاری ریسٹورانٹ والی کوئی بات نہیں بھولی' نمبر دو..."

"میں تمہارے چودہ نکات سن چکا ہوں' اب تم۔"

فون ایک دفعہ پھر زوں زوں کرنے لگا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔ فارس کے ابرو تنے۔

"مجھے سننے دو کوئی ضروری کال نہ ہو۔" اس نے موبائل کان سے لگایا۔ "ہیلو؟" فارس غور سے اس کے تاثرات دیکھنے لگا۔

"کون؟ حسینہ؟ اچھا یہ تمہارا نمبر ہے۔" اور اس سے زیادہ فارس غازی سے برداشت کرنا مشکل تھا۔ فون زمر کے کان سے نوچا اور اپنے کان سے لگایا۔

"حسینہ' تم اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔ سامان سمیٹو' اور اپنی شکل گم کرو۔ میرے واپس آنے تک اگر تم مجھے نظر آ گئیں تو اچھا نہیں ہوگا۔" غصیلے اور اکھڑ لہجے میں ڈپٹ کر اس نے فون بند کیا۔

"سائیلنٹ کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس وقت تم صرف مجھے سنو۔" موبائل اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ (زمر کبھی اس نے واقعی سائیلنٹ کیا ہے' مگر اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا تھا۔)

"کیا سنوں؟" وہ تھوڑی گھٹنے پہ رکھے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ نیلے پول کے اوپر جھلملاتی چاندی منعکس ہو کر فارس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ اردگرد ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز وہ بس اس کو دیکھے گئی۔ سویٹر کے آستین ذرا پیچھے چڑھائے' منہ میں کچھ چباتے ہوئے وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ سنہری آنکھوں کا رخ اس کی طرف موڑا۔

"مجھے نوٹس ملے تھے۔"

"سوری؟"

"تمہاری کلاس میں جو نوٹس تم نے کاپی کروا کر دیے تھے وہ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھینک دیے تھے۔ مجھے تم سے ریمیڈیل کلاس لینے کا بہانہ درکار تھا۔"

زمر کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ چہرہ گھٹنے سے اٹھا لیا۔ "تمہیں وہ سب لیکچرز وہ ٹاپکس سمجھ آتے تھے؟ پھر میں کیوں گھنٹہ گھنٹہ تمہارے ساتھ کھپاتی تھی؟" وہ برا نہیں مانی تھی۔ اسے دھکا سا لگا تھا۔ اس نے فارس غازی کو کبھی ذہین نہیں سمجھا تھا' اور اس کی بڑی وجہ وہ ٹیوشن تھی جو وہ اسے دیتی تھی۔ ایک ہی ٹاپک بار بار اس کو پڑھانا پڑتا تھا۔

"مجھے ہر چیز سمجھ آتی تھی زمر بی بی۔ صرف آپ نہیں سمجھتی تھیں۔" اب کے وہ مسکرایا تھا۔ وہ خفا سی چپ ہو رہی۔

"اور وہ لڑکا جمشید' جس کو آپ میرے ساتھ ٹاپک سمجھانے لے آئی تھیں لائبریری... بہت برا لگا مجھے۔ اس کا سیل فون میں نے غائب کیا تھا اور اس کو ڈھونڈ نے وہ بے چارہ اٹھ کر گیا تھا۔ مگر آپ سمجھیں وہ لاپروا ہے' اس لیے دوبارہ آپ نے اس کو نہیں پڑھایا۔"

"تم ہمیشہ سے ایک دو نمبر انسان تھے۔"

"اور وہ بندہ جو آپ کو ہراس کر رہا تھا... اور آپ میرے پاس آئی تھیں۔" وہ محظوظ سا اسے بتا رہا تھا۔ "اور میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس سے بات کروں گا۔ جانتی ہیں میں نے کیا کیا؟"

''جانتی ہوں۔'' سابقہ ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر نے چہرہ آگے جھکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ فارس بالکل ٹھہر گیا۔

''تم اسے اپنے کسی ٹارچر سیل لے کر گئے اور اسے مارا پیٹا۔ ہے نا؟''

وہ لمحے بھر کے لیے لاجواب ہوا۔ ''اس نے آپ سے کچھ کہا تھا بعد میں؟''

''فارس... تمہارے پاس کیوں آئی تھی میں؟ اگر اس سے صرف بات کرنی ہوتی تو میں خود کر لیتی۔ مجھ سے بہتر manipulative talk کون کر سکتا ہے بھلا؟ تمہیں اس لیے کہا کیونکہ تمہاری جاب... اور تمہاری شہرت کہتی تھی کہ تم اس کی طبیعت اس طریقے سے ٹھیک کر لو گے جس طریقے سے میں کروانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ تم اس کو مارو۔ وہ باتوں کا بھوت نہیں تھا۔'' اور ابرو اٹھا کر (فاتحانہ) تائید چاہی۔ وہ چند ثانیے کو چپ رہا۔ پھر سر جھٹکا۔

''تم میں اور مسز کاردار میں کبھی کبھی مجھے زیادہ فرق نہیں لگتا۔'' پھر جیسے کچھ پوچھنے لگا' مگر ارادہ بدل دیا۔ کم از کم آج کی رات نہیں۔

''اور بتاؤ۔ اور کیا کچھ کر چکے ہو تم میرے علم میں لائے بغیر؟'' مسکرا کر پوچھنے لگی۔ فارس نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔

''پہلے چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ ہارون عبید کا حرام کا مال تھوڑا بہت زہر مار کیا تھا۔'' اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ویسے بھی ہمارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔ کم از کم آج کی رات ہم واپس نہیں جا رہے۔ یہیں رہتے ہیں۔''

''اتنے مہنگے ہوٹل میں؟'' اس نے گردن اٹھا کر استعجاب سے اسے دیکھا۔

''روز روز تھوڑا ہی کرتا ہوں آپ پہ اتنا خرچ؟'' مسکرا کر اس نے ہاتھ بڑھایا۔ اور پگھلنے والے انکار نہیں کیا کرتے۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب پول کنارے وہ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے۔

''تم ہمیشہ میرے سامنے ایک مختلف روپ میں آتے ہو۔ پہلے تم میرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بنے۔ پھر میرے مجرم۔ پھر ایک کاغذی انتقامی رشتے کا ایک پرزہ۔ پھر سعدی کے لیے میرے پارٹنر بنے۔ پھر ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے میرے سامنے کھلے۔ پھر میرے کلائنٹ بنے۔ اب شوہر بن جاؤ گے۔ پتہ نہیں پھر کس روپ میں سامنے آؤ گے؟ کیا ابھی بھی کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتی تمہارے بارے میں؟''

''ہاں۔ یہی کہ تمہارے کلائنٹ کا تمہاری فیس ادا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے!'' وہ اس سوال سے بچتا تھا سو مسکراہٹ دبا کر بولا تو وہ ہنس دی' پھر مصنوعی خفگی سے بولی۔

''نمبر ایک' اب مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ تم اور میں مستقبل میں ساتھ رہیں گے یا نہیں' میں مزید کوئی پلاننگ کیے بغیر' نفع نقصان سوچے بغیر' اس شادی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر نمبر دو' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی فیلنگز ہیں' کیونکہ نمبر تین' میں تمہاری ریسٹورانٹ والی کوئی بات نہیں بھولی' اور نمبر چار' ابھی تک...'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے بولی۔ ''آئی ہیٹ یو!''

وہ مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ ''آئی ہیٹ یو ٹو۔''

اور اس نے بہت دقت سے مسکراہٹ لبوں پہ روکی تھی۔ چاندنی میں نہائے جھلملاتے پانی کے ساتھ سبزہ زار پہ وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ اور راولف صحیح کہتا تھا۔ کچھ لوگ واقعی اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے پگھلا جائے۔

.................❖❖❖.................

برا نہ مان۔۔۔ مرے حرف زہر سہی ...... میں کیا کروں کہ یہی زبان کا ذائقہ ہے

کھانے کے بعد جب اپنے کمرے میں آئی تو اس نے فوراً سے پہلے میمونہ کو کال ملائی۔ میمونہ اس سے دو سال سینیئر تھی۔ کالج میں دونوں ساتھ تھے۔ کسی کام کے سلسلے میں تعارف ہوا، پھر دوستی ہوگئی۔ وہ حافظِ قرآن تھی اور شادی شدہ تھی۔ ایک بیٹا بھی تھا۔

"میمونہ باجی! آپ میری نماز کی نگہبان بنیں گی پلیز، ان کے لیے؟" مہذب انداز میں مدعا بیان کر کے اس نے پوچھا۔

"حنین! دیکھو، میں اول تو کسی کی ذمہ داری لیتی نہیں لیکن اگر لوں تو اسے آخری سانس تک نبھاتی ہوں۔ میں ہر روز فجر کی اذان کے پینتالیس منٹ بعد تمہیں کال کر کے پوچھوں گی کہ تم نے نماز پڑھی یا نہیں۔ اور ہر روز رات کو تمہیں مجھے ٹیکسٹ کر کے بتانا ہوگا کہ آج تم نے ۵ میں سے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ جس دن تم کوتاہی کرو گی، میں تم سے وضاحت مانگوں گی اور مجھے امید ہے کہ تم خود کو اور مجھے شرمندہ نہیں کرو گی۔"

میمونہ سے ویسے ہی ایک بزرگ سا رشتہ تھا، اب تو مزید لحاظ آگیا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "ان شاء اللہ میں صبح اٹھ جاؤں گی۔"

اور زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کو سمجھ آیا تھا کہ بچے کو نماز پڑھانے کے لیے ماں باپ کو ان پہ سختی کیوں کرنی چاہیے۔ عادت ڈالنے کے لیے سختی کرنی پڑتی ہے۔ اس نے فون بند کر کے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

"اللہ تعالیٰ! ہمیشہ میں نے الارم کلاک پہ بھروسہ کیا ہے مگر آج نہیں۔ کل صبح آپ مجھے اٹھائیں گے۔ مجھے نہیں پتہ کیسے، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، لیکن آپ مجھے اٹھائیں گے۔ ہر حال میں۔"

ان سے دور... کولمبو کی اس رات میں تیزی سے بھاگتا ٹک ٹک بالآخر ایک جگہ رکا۔ وہ دونوں بنا کچھ کہے اترے اور پھر جہاں خاور چلتا گیا، وہ اس کے ساتھ کھنچا چلا آیا۔ سڑک پار کرتے وہ وقفے سے رکا۔ سر کو جھٹکا۔ گلے پہ ہاتھ رکھا۔ خاور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"یونہی۔ منہ کا ذائقہ عجیب سا ہو رہا ہے۔ شاید گلا خراب ہے۔" الجھن سے سر جھٹکتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سڑک کے کنارے سے انہوں نے ایک اور ٹک ٹک روکا اور یوں تقریباً تین سواریاں بدل کر وہ دونوں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے رکے۔ اندر سیڑھیاں چڑھتے سعدی نے پوچھا تھا۔ "تو کون سی عمارت میں ہے تمہارا خفیہ فلیٹ جس کے بارے میں کاردار نہیں جانتے؟"

"میرے پاس کئی خفیہ جگہیں ہیں۔" وہ ماتھے پہ بل لیے کھردرے لہجے میں بتاتا زینے چڑھتا گیا۔

فلیٹ معمولی اور سنسان سا تھا۔ سعدی گردن ادھر ادھر گھماتا، طائرانہ نظروں سے جائزہ لیتا اندر داخل ہوا۔ بیگ صوفے پہ پھینکا۔ خاور سیدھا اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ سعدی چوکھٹ پہ آیا تو دیکھا۔ خاور کارپٹ ہٹا کر نیچے زمین پہ جھکا ہوا تھا، اور فرش کے اندر بنے ٹریپ ڈور سے ایک باکس نکال رہا تھا۔ سعدی آگے آیا۔ وہ ایک دھاتی باکس تھا۔ (ایسے باکس کو Go باکس کہتے ہیں۔) اس میں خاور کے نام کے تین پاسپورٹ تھے، پستول تھا اور رقم کی گڈیاں تھیں۔ ایمرجنسی میں بھاگتے وقت کا سارا سامان گو باکس میں موجود تھا۔

"اب ہمارے پاس پیسے بھی ہیں اور پلان بھی۔ اب سعدی، ہمیں فیز ٹو پہ عمل کرنا ہے۔" وہ نوٹ نکال نکال کر باہر رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یعنی کہ ہم نے تمہارا نام کلیئر کروانا ہے۔ ہاشم کے سامنے تمہیں بے گناہ ثابت کرنا ہے۔ جانتا ہوں۔" وہ کندھے اچکا کر مڑا، پھر دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر رکا۔ ہکا بکا سا کھڑا ہوا۔ خاور نے پھر سے چونک کر اسے دیکھا۔ "مسئلہ کیا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں، شاید کچھ غلط کھا لیا تھا۔" وہ سر کو پھر سے نفی میں جھٹکتا باہر لاؤنج میں چلا گیا۔ ذرا دیر گزری تو خاور کو اس کے کھانسنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے اٹھا اور باہر کو لپکا۔

کچن سنک پہ جھکا وہ کراہتا ہوا قے کر رہا تھا۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"کیا کھایا تھا تم نے؟" خاور تشویش سے کہتا اس کے سر پہ آ پہنچا۔ وہ دوہرا ہوا' نڈھال سا چہرہ جھکائے' مزید قے کے لیے منہ کھولے ہوئے تھا۔ نقاہت سے کراہ بھی رہا تھا۔

"میری نے... شاید کھانے میں کچھ ملایا تھا۔"

"ٹھہرو' شاید کوئی دوا رکھی ہو' تمہاری جان میرے لیے بہت قیمتی ہے۔" کہہ کر وہ دوسری طرف لپکا اور کیبنٹ کھولی۔ دفعتاً خاور ٹھہرا' "مگر... ایک منٹ... ہم نے تو اس کھانے کو چکھا ہی نہیں تھا۔" وہ چونک کر پلٹنے لگا تھا کہ...

اس کے سر کی پشت پہ زور سے کوئی بھاری چیز آ کر لگی۔ خاور بے اختیار آگے کو لڑھکا' مگر پھر ہاتھ سلیب پہ رکھے سنبھلنا چاہا' لیکن سعدی نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچی' اور مخصوص رگ کو دباتا گیا۔ خاور نے پوری قوت سے مزاحمت کرنی چاہی' ہاتھ پیر مارے... سلیب سے شیشے کے گلاس گر کر ٹوٹ گئے' مگر اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور گردن ڈھلک گئی۔

"آف کورس ہم نے وہ کھانا نہیں کھایا تھا۔" اس کو کندھوں سے تھامے زمین پہ احتیاط سے لٹاتے ہوئے' ہشاش بشاش سا سعدی بولا تھا۔ "تمہیں بروقت یاد آ گیا' مگر بہت سی باتیں تم بھول گئے کرنل خاور۔" اس کے سر پہ کھڑے' وہ پرتپش نگاہوں سے اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "یہی کہ اپنے دشمن کو درخت پہ چڑھنا نہیں سکھاتے۔ تم اور میں دشمن تھے' ہیں اور رہیں گے۔ تم نے میرے وعدے پہ اعتبار کیا۔ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں وہ سچا' ایماندار سعدی یوسف نہیں رہا جو وعدے سے نہیں پھرے گا۔ کاردار کی موت کے ساتھ وہ کھو گیا ہے۔ تمہارا نام کلیئر کروانے کا ارادہ نہ میرا کل تھا' نہ آج ہے۔ میں نے تمہیں صرف استعمال کیا ہے کیونکہ صرف تم اس جیل کو توڑنے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ اور وہ تم نے کر دی۔ تھینکس' بٹ نو تھینکس۔" کہہ کر وہ اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا۔ اور جب باہر آیا تو کندھے پہ بیگ میں خاور کی تمام رقم اور اسلحہ رکھا تھا۔ اس کا ایک پاسپورٹ بھی وہ لے آیا تھا۔ باقی چھوڑ آیا تھا۔ ایک نظر اس نے کچن میں بے سدھ گرے خاور پہ ڈالی' اور پھر وہ پی کیپ اٹھائی جو کارنس پہ دھری تھی' اور اسے پہنتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

دروازہ باہر سے بند کرنا وہ بالکل نہیں بھولا تھا۔ تیز تیز زینے اتر کر وہ عمارت سے باہر نکل آیا' اور اب' پورے چاند کی اس یخ بستہ رات میں' اندھیری سڑک پہ' اپنا پی کیپ والا سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' کندھے پہ بیگ لٹکائے' وہ دور چلتا جا رہا تھا۔

بالآخر وہ آزاد تھا۔

.................❖ ❖ ❖.................

زخم جتنے بھی تھے سب منسوب قاتل سے ہوئے ...... تیرے ہاتھوں کے نشان اے چارہ گر دیکھے گا کون؟

ہوٹل کے ملوکانہ سویٹ میں بیڈ پہ سونی' کمبل میں دبکی' بے خبر سو رہی تھی' اور وہ بھی سونی کی طرح مطمئن سا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا جواہرات کو دیکھ رہا تھا جو بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ جب تک وہ ان کا پیچھا کر سکتا تھا اس نے کیا' لیکن جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ ان کی قید سے نکل چکے ہیں تو ہاشم اطمینان سے اس صوفے پہ آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"اب کیا ہوگا ہاشم؟ وہ دونوں نکل گئے۔"

"سعدی کی تصویر سے ملتا جلتا اسکیچ' اور خاور کی اصلی تصویر پولیس کو دے دی ہے۔ وہ ان مسنگ لوگوں کی تلاش شروع کر چکی ہے۔ ہمارے آدمی بھی لگے ہیں۔ جیل کو ہم نے صاف کر کے اس میں فالتو سامان بھر دیا ہے' اور اب وہ بیسمنٹ اسٹور سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ تم ان کو نہ بھی پکڑ سکے' تب بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ سعدی کو ہم نے قید کر کے رکھا تھا۔"

"ثبوت!" اس نے بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا۔ "ثبوت کی پروا کسے ہے؟ سعدی چھوٹتے ساتھ ہی گھر کال کرے گا اور سب کو بتا دے گا۔"

''ان کے تمام نمبرز ہم ٹیپ کر رہے ہیں' سری لنکا سے آنے والی کال پکڑی جائے گی۔ ہمیں علم ہو جائے گا۔''

''وہ ای میل کر سکتا ہے' اور چلو کال تم پکڑ بھی لو تو وہ تو ان کو سب بتا چکا ہوگا۔ اتنا عرصہ اس کو اس لئے قید رکھا تا کہ وہ ہمارے راز نہ کھولے اور اب...'' وہ شدید پریشان تھی۔ ہاشم نے اچنبھے سے ابرو اٹھائی۔

''آپ کے خیال میں اسے اتنا عرصہ اس لئے مقید رکھا کیونکہ میں اس کے منہ کھولنے سے ڈرتا تھا؟ میں؟'' اپنے'' ...لئے ڈرتا تھا؟''

''ظاہر ہے' ہمیں ہی نقصان ہوگا اس کا منہ کھلنے سے۔''

''ممی! اگر میں اس سے ڈرتا ہوتا تو شیرو کی بجائے میں نے اس کے گولیاں ماری ہوتیں' مگر میں نے تب بھی بار بار شیرو سے کہا تھا کہ میں سعدی کو سنبھال لوں گا۔ ممی' اس کے منہ کھولنے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہے۔'' صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے' وہ مطمئن سا بیٹھا تھا۔

''تو پھر؟ ہم نے کیوں اسے اتنا عرصہ خاموش کرائے رکھا؟''

''کیونکہ بول کر وہ اپنی فیملی کو خطرے میں ڈالے گا۔ مجھے اس کی فیملی کی فکر تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کے ساتھ مزید برا ہو۔ لیکن اگر وہ بولے گا' تو ظاہر ہے مجھے ان سب کو ''فکس'' کرنا پڑے گا۔ جتنے لوگوں کو بتائے گا' اتنے لوگ ہمارے نشانے پہ آ جائیں گے۔ ''ہمیں'' کوئی نقصان نہیں ہو سکتا ممی'' وہ'' اس وقت Vulnerable ہے۔''

جواہرات بالکل ساکت سی ہو کر اسے دیکھے گئی۔ ''ایک قاتل ہونے کی حیثیت سے تمہیں پتہ نہیں ہے کہ اگر وہ تمہارے قتل کے راز کھول دے تو تم دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے؟'' اس کی آواز میں اس کا اپنا اندرونی ڈر غالب تھا۔

''ممی...!'' اس نے حیرت بھری مسکراہٹ سے ماں کو دیکھا۔ ''وہ مجھ پہ الزام لگائے گا تو کیا دنیا اس پہ یقین کر لے گی؟ It would be his word against mine ! وہ کیا ہے؟ جج کو بلیک میل کرنے والا' ایک گارڈ کو قتل کرنے والا اور اسکے اپنے مبینہ قاتل نے اس کے بارے میں اعتراف جرم میں کہا تھا کہ وہ منشیات کی خرید و فروخت میں ملوث تھا۔ ایسے شخص کی کیا کریڈیبلٹی ہوتی ہے؟ اور میں کیا ہوں؟ شہر کے بااثر وکلاء میں سے ایک... آئل لابی کا کنٹرولر...Philanthropist...جس کو کبھی کسی کرمنل کیس میں مطلوب نہیں قرار دیا گیا... میں وائٹ کالر' باعزت آدمی ہوں' میری ایک کریڈیبلٹی ہے۔ میرے مقابلے پہ اس کی بات کا کون یقین کرے گا؟ فرق اس سے نہیں پڑتا کہ کیا کہا جا رہا ہے' فرق اس سے پڑتا ہے کہ کون کہہ رہا ہے۔'' کوٹ سے نادیدہ گرد جھاڑتے ہوئے اس نے بے نیازی سے کہا تھا۔ جواہرات دھیرے سے کرسی پہ بیٹھی۔ اس کا دماغ ہنوز سن تھا۔

''فرق اس سے نہیں پڑتا کہ آپ کے کون سے راز کس کے پاس ہیں۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ آپ کے محرم راز کی کریڈیبلٹی کیا ہے۔'' وہ خود سے بولی تھی۔ ایک سکون سا تھا جو اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا۔

''لیکن اس کی فیملی تو اس کا یقین کرے گی' ہاشم! پھر کیا ہوگا؟''

''پھر؟'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا اور سنجیدگی سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''پھر ہاشم سب سنبھال لے گا۔'' اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بھی اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھ گئی۔ ایک طویل' سرد اور سنسنی خیز رات اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

............❖❖❖............

صرف احساسِ ندامت اک سجدہ اور چشمِ تر ..... اے خدا کتنا آسان ہے منانا تجھ کو

اگلی فجر پہ دھند غائب تھی۔ بالکل ندارد صفر۔ بادل بھی عنقا تھے اور جامنی آسمان صاف تھا۔ ابھی فجر میں چند ساعتیں باقی تھیں۔

مینڈک کی ہیئت کی مخلوق اس کے کندھے پہ چپکے سے آ بیٹھی اور اس نے اپنی لمبی سونڈ کے ذریعے حنہ کے دل کو پکڑا اور پھر اس پہ گرہ لگائی۔

ایک، دو، تین۔ حنہ بے خبر سوتی رہی۔ ساری دنیا سوتی رہی۔

”اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے... اٹھو اور خبردار کرو۔“

دفعتاً ایک جھٹکے سے حنہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر آس پاس ہاتھ مارا۔ موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ کیا وہ الارم سے اٹھی تھی؟ پانچ الارم لگائے تھے اس نے مگر... پہلے الارم کے بجنے میں ابھی چار منٹ رہتے تھے۔ پھر وہ کس چیز سے اٹھی؟ اذان کی آواز سے؟ مگر اذان میں ابھی دس منٹ تھے۔ پہلی اذان تو ابھی ہوئی ہی نہیں تھی۔

”اور اپنے رب کی ہی بڑائی بیان کرو۔“

حنین سن رہ گئی۔ کوئی آواز اس کو سنائی دی تھی۔ بھولی ہوئی سورۃ المدثر جو اس کو جاگتے میں بھی یاد نہ آئی' آج سوتے میں یاد آئی تھی۔ وہ مخلوق بھی خاموشی سے اس کے دل کو جکڑے بیٹھی رہی۔

”سب تعریف اس اللہ کی جس نے ہمیں مار دینے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا۔ اور اسی کی طرف ہم نے پلٹنا ہے۔“ وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دل کو باندھے ہوئے تین گرہوں میں سے ایک چھناکے سے ٹوٹی۔

حنہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ آج آنکھیں کھولتے اسے موت کیوں نہیں پڑی؟ احساس ذمہ داری تھا یا کیا؟

”اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو۔ اور ہر قسم کی گندگی سے اپنے آپ کو دور رکھو۔“

وہ سر جھٹک کر بستر سے نکلی اور جب وہ سنک کے اوپر کھڑی ٹوٹی کھول کر وضو کرنے لگی تو دل پہ دوسری گرہ بھی جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔ آدھی بھیگ کر وہ باہر نکلی اور جائے نماز اٹھانے لگی۔ پھر رکی۔ اونہہ۔ جلدی سے الماری میں گئی۔ اس دن درزی سے دو نئے سردیوں کے جوڑے سل کر آئے تھے۔ اب وہ ان لوگوں میں سے نہیں رہی تھی جو نیا جوڑا ”کسی کے گھر جاتے ہوئے پہلی دفعہ پہنیں گے“ کہہ کر الماری میں سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔ نیا جوڑا سب سے پہلے نماز میں پہننا ہوتا ہے۔ اس نے بال برش کیے' چوٹی گوندھی۔ نیا لباس پہنا۔ سلیقے سے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا۔ اور جائے نماز پہ آ کھڑی ہوئی۔ اللہ اکبر کہہ کر جیسے ہی رفع یدین کیا' دل پہ لگی تیسری گرہ بھی ٹوٹ گئی۔ مگر وہ مخلوق ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس کے کان میں بولنے لگی۔ اس کو پچھلے دن کے کام یاد کروانے لگی۔ ذہن میں شک ڈالا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا پہلی؟ اس میں بیٹھنا ہے یا نہیں بیٹھنا؟ پھر ہاشم کا چہرہ دکھانے لگی' مگر اسے علاج مل چکا تھا۔ نماز کے دوران ہی حنہ نے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ کر بائیں طرف کو تھوک دیا۔ اعوذ باللہ معجزے کر دیتا ہے۔ لوگ آزماتے نہیں ورنہ اس سے بڑی دوا کیا ہوگی کوئی؟

باقی کی نماز سکون سے پڑھی گئی۔

سلام پھیر کر جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سمجھ نہیں آیا کہ کیا مانگے۔ دل میں کوئی عجیب سی خوشی ابھری تھی۔ بار بار ادھر ادھر دیکھتی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ اور اف... یہ اٹھ جانے میں کتنا مزا تھا۔ کتنا سکون تھا۔ اس اندھیرے میں اپنی اندھیر زندگی کے بارے میں اس نور والے سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

(اوہ اللہ... اوہ اللہ... سب تعریف آپ کے لیے ہی ہے... آپ نے مجھے فجر دے دی... برسوں بعد میں فجر پہ اٹھی... اوہ اللہ...)

زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کو سمجھ آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ... ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ... کیوں ان کو فجر کی دو رکعتیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ کیوں رحلت فرمانے سے پہلے... آخری سانسوں میں... وہ فرماتے رہے تھے۔ نماز نماز نماز... اور یہ کیفیت... یہ وہی ”چکھ“ سکتا ہے جو فجر اور تہجد پہ اٹھتا ہے۔

”ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے میں رہن ہے۔“

سوائے دائیں بازو والوں کے
جو جنتوں میں ہوں گے
اور پوچھیں گے مجرموں سے
کہ کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں...
(جہنم والے) کہیں گے...
نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔" (سورہ المدثر)

جائے نماز طے کر کے وہ اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ پٹ کھول کر سرد ہوا کو اس نے اندر آنے دیا۔ وہاں ایک خوبصورت کالونی نظر آ رہی تھی۔ نئے گھر سے قصر کاردار جیسا منظر نہیں نظر آتا تھا مگر اسے وہ منظر دیکھنا بھی نہیں تھا۔

(کیا چیز لے کر گئی تمہیں جہنم میں؟ وہ کہیں گے... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے...)

اس نے آنکھیں بند کر کے سرد ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔ آج... اسے کچھ بدل گیا تھا۔ حنین کے خیال میں وہ اب بھی اللہ سے ویسی محبت نہیں کرتی تھی جیسی کرنی چاہیے' مگر وہ اب اللہ تعالیٰ سے ایک ریلیشن شپ ضرور بنانا چاہتی تھی۔ اللہ کے سامنے اس کا امپریشن ٹھیک ہو جائے۔ اللہ اس کی تعریف کرے... اس کے دل میں... سب سے بڑی تمنا یہی رہ گئی تھی۔ اور وہ جو اللہ کو پسند ہے... فجر کی نماز... اس کو اس نماز سے محبت ہو گئی تھی۔ آج اسے اعلیٰ محبت اور ادنیٰ محبت میں فرق سمجھ آ گیا تھا۔

ٹھنڈی ہوا میں کھڑی حنین نے آج... ہاں آج اس نے ہاشم کاردار کو دل سے جانے دیا تھا۔ مرضِ عشق کی جس برف نے اس کے دل کو جما دیا تھا' فجر کی پہلی کرن نے اسے پگھلا دیا تھا۔

آج حنین یوسف آزاد ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دل کی مالک بنی تھی یا نہیں' مگر اس نے اس ساحر کے قبضے سے اپنا دل ضرور چھڑا لیا تھا۔

ماہِ کامل ابھی تک جاتی آسمان پہ چمک رہا تھا اور زمین پہ بہتے بڑے بڑے سمندروں کو اپنے اشاروں پہ چلا رہا تھا۔ اوپر... نیچے آگے... پیچھے...

.........❖❖❖.........

کچھ اب سنبھلنے لگی ہے جاں بھی' بدل چلا دورِ آسماں بھی ...... جو رات بھاری تھی ٹل گئی ہے' جو دن کڑا تھا گزر گیا ہے

صبح ایسا سنہرا سونے کے تھال سا جھلملاتا سورج آسمان پہ چمکا تھا کہ سارے شہر نے پگھل کر انگڑائی لی۔ کوئی جمود سا ٹوٹا۔ ٹھنڈی چھٹی اس اونچے ہوٹل کا وسیع کشادہ مرکزی بیڈروم سنہرے رنگ میں آراستہ دکھائی دیتا تھا۔ قیمتی دیوار گیر پردے کھڑکی کے آگے سے ہٹے تھے اور دھوپ پورے کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ سنہری ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے فارس بیٹھا تھا اور سامنے اسٹول پہ بیٹھی (خود کو آئینے میں دیکھ کر بال برش کرتی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چہرہ بائیں طرف جھکائے بالوں کے سروں میں برش چلاتے ہوئے بولی۔

"اب گھر چلتے ہیں' اس سے پہلے کہ سب سمجھیں ہم واقعی بھاگ چکے ہیں۔"

فارس نے بے اختیار سر جھٹکا۔ "فی الحال وہ مجھے اپنے گھر والے کم اور سسرال والے زیادہ لگ رہے ہیں۔"

وہ ہلکا سا ہنس دی اور چہرہ جھکائے بال برش کرتی رہی۔

"پتہ ہے مجھے تمہاری سب سے خوبصورت بات کیا لگتی ہے۔"

"نہیں پتہ۔"

"تمہارے بال۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کی چند گھنگھریالی لٹیں انگلیوں میں اٹھائیں۔ زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر

اسے دیکھا اور مسکرائی۔ "ہاں میرے بالوں کے curls ہمیشہ سب کو پسند رہے ہیں۔"

"نہیں ان کے کرلز نہیں' مجھے ان کا رنگ پسند ہے۔"

"رنگ؟" زمر نے ایک دم چونک کر برش رکھ دیا۔

"ہاں۔ان کا براؤن کلر۔" (زمر نے بے اختیار تھوک نگلا مگر وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔) "سعدی اور سیم کے بال بھی براؤن ہیں مگر تمہارا کلر بہت مختلف' بہت خوبصورت ہے۔" وہ نرمی سے اس کے بالوں کو چھو کر کہہ رہا تھا۔ زمر... نے ذرا... غیر آرام دہ ہو کر برش رکھا۔

"میرے بالوں کا رنگ بھی سعدی کی طرح ہے... مطلب میرا اصل کلر۔ یہ چاکلیٹ براؤن تو میں... ڈائی کرتی ہوں۔" اور اپنے بال نرمی سے چھڑا لیے۔

فارس کو چند لمحے اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔ وہ بس سنہری آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ "کیا مطلب؟"

"فارس! میرے بال سعدی جیسے ہی ہیں' یہ ذرا زیادہ براؤن میں نے خود کیے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسے اچھے لگتے ہیں۔ میرا فون کیا تم نے آف کر دیا تھا؟" اس نے اپنا فون اٹھاتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"ایک منٹ۔ یہ... اصلی کلر نہیں ہے؟ مگر جب میں نے تمہاری یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا' تب بھی تمہارے بالوں کا یہی کلر تھا۔"

"میں ۲۲ سال کی عمر سے بال ڈائی کر رہی ہوں فارس۔ پاکستان کی ہر تیسری لڑکی بال ڈائی کرتی ہے۔ اف اتنے میسجز..." وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے تم سات... آٹھ سال سے مجھے دھوکہ دے رہی ہو؟ قانوناً اس کی کیا سزا ہوتی ہے؟"

"میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ تم نے پہلے کبھی اس بارے میں بات نہیں کی تو میں کیا بتاتی۔" وہ خفا ہوئی۔

"یہ تمہارے curls بھی نقلی ہیں پھر؟" وہ مشکوک ہو چکا تھا۔

"اف فارس' میرا کچھ بھی نقلی نہیں ہے' صرف ذرا سا کلر ہے یہ۔" مگر وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں' زمر بی بی... آپ نے مجھے اتنے سال دھوکے میں رکھا... میں آپ کا ہر ظلم معاف کر سکتا ہوں' مگر یہ نہیں۔ آپ نے میرا دل توڑا ہے۔ کیسے لوٹائیں گی آپ مجھے میرے آٹھ سال؟ کیونکہ آج مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے آپ سے بالکل بھی محبت نہیں رہی۔" وہ نفی میں گردن ہلاتا ابھی تک تعجب سے کہہ رہا تھا۔ زمر نے گردن موڑ کر تندہی سے اسے دیکھا۔

"کتنا بولنا آ گیا ہے تمہیں۔" وہ ابھی جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا تھا کہ اس کا اپنا موبائل جیب میں تھرتھرانے لگا۔ اس نے نکال کر دیکھا۔ آبدار... اس نے کال کاٹی۔

"میں اس معاملے کو اتنی جلدی نہیں ختم کرنے والا' واپس آ کر اس بارے میں بات کرتا ہوں۔" اس کا تو بھی واقعی دل ٹوٹ گیا تھا۔ خفا سے لہجے میں کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اور پھر اپنے دوسرے چھوٹے موبائل سے کال بیک کی۔ آبی نے فوراً اٹھا لیا تھا اور وہ اس کی آواز سن کر چہکی تھی۔

"تو فارس غازی کا "بلاکڈ نمبر" بھی ہے۔ امید ہے یہ بگ نہیں ہو رہا ہوگا' کیونکہ مجھے آپ سے بہت خاص بات کرنی ہے۔"

"آئندہ میری بیوی سے اس فون میں بات مت کیجیے گا۔" وہ اندر زمر سے خفا لہجے میں شکایت کرنے والے فارس غازی سے بالکل مختلف اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔ آبدار کو لمحے بھر کے لیے کچھ نہیں آیا' پھر رات والا اپنا رویہ یاد آیا تو دانتوں تلے زبان دبی۔

"میرے منہ سے نکل گیا تھا' میں تو..."

"وہ مجھے بہت عزیز ہے' اور جتنی عزت میں اس کی کرتا ہوں' آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ بھی کریں گی۔ اب بتائیے' کیا بات

تھی؟" ہموار مگر بے لچک انداز میں رات والا ادھار چکا کر وہ بولا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔

"سعدی اور خاور کل جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ میں نے رات میں آپ کو بہت کالز کیں۔ مگر آپ کا فون آف تھا۔" بجھے لہجے میں بولی۔

"کیا؟" وہ ایک دم ششدر رہ گیا۔ پھر بے اختیار پیشانی مسلی۔ ہونٹوں پہ بند مٹھی رکھی۔ سمجھ نہیں آیا کہ جذبات کو کیسے قابو کرے۔

"ہاشم نے بابا کو بتایا ہے کہ وہ انہیں اب تک نہیں ڈھونڈ پائے۔ اب معلوم نہیں ڈھونڈ کر چھپا لیا ہے' یا واقعی وہ دونوں لاپتہ ہو چکے ہیں۔"

فارس نے کچھ کہے بنا فون رکھ دیا اور جب وہ واپس کمرے میں گیا تو بالکل خاموش تھا۔

گھر آ کر اس نے زمر کو سب کے سوالوں کے جوابات دیے چھوڑ دیا اور خود اس اوپری منزل کے بیڈ روم میں آ گیا جو زمر اور اس کے لیے ندرت نے سیٹ کیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ نکالا اور اس پہ ایک محفوظ شدہ لنک کھولا۔

جو چین... زہریلا چین اس نے سعدی کو بھیجا تھا۔ اس میں جی پی ایس ٹریسر لگا تھا۔ اسکرین پہ وہ جی پی ایس ایکٹو سگنل دے رہا تھا۔ کل رات سے پہلے تک وہ اس علاقے میں تھا جہاں ہارون عبید کا ہوٹل تھا۔ مگر آج صبح ۔۔۔ وہ اس ہوٹل سے کئی کوس دور... ایک پارک میں آ کر رک گیا تھا' اور ابھی تک ایکٹو تھا۔

سعدی کے پاس اگر وہ چین تھا تو وہ اتنے گھنٹوں سے اس پارک میں کیوں بیٹھا تھا؟ یا پھر وہ چین کس کے پاس تھا؟ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پچھلے آٹھ ماہ سے اس کو معلوم تھا کہ سعدی یوسف کہاں ہے۔ مگر پہلی دفعہ اس نے سعدی کی لوکیشن کھو دی تھی۔ شاید اس نے غلطی کی... اس نے زمر کو کال کی ہو' مگر... فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

پچھلے آٹھ ماہ کی ان تھک محنت کے بعد... پہلی دفعہ وہ صرف اپنے اور زمر کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا' زندگی پہ اس کا بھی حق ہے۔ اور کم از کم کچھ دیر کے لئے زمر ساری دنیا سے کٹ کر صرف اس کی باتیں سنے' اس کو وقت دے۔ مگر وہ غلط تھا۔ اس کا زندگی پہ کوئی حق نہیں تھا۔ اس کو صرف اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔ اپنے بھائی اور بیوی کا انتقام لینا تھا اور سعدی یوسف کو واپس اپنے خاندان تک پہنچانا تھا۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ وہ تو cursed تھا۔ اسے زمر کا فون نہیں آف کرنا چاہیے تھا۔

اب وہ پھر سے اپنے سنجیدہ اور سپاٹ خول میں سمٹ آیا تھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

"ہاں فرمان' ٹھیک ہو؟ اچھا یہ بتاؤ' کل شام ہوٹل میں سب خیریت رہی؟"

"میں نے آپ کو کال کی تھی' نمبر بند تھا۔ خیریت تھی مگر ہاشم کاردار کل ادھر آیا ہوا تھا۔ وہ اور اس کے آدمی پرابرا کے وقت پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا' مگر وہ کسی کو ڈھونڈ رہے تھے جیسے۔"

"ٹھیک ہے' آنکھیں کھلی رکھو اور مجھے رپورٹ دیتے رہنا۔" اس نے اسی اضطراب سے فون بند کیا۔ فرمان تھائی لینڈ میں سیٹل ہونے کا خواہش مند ایک بری ہو جانے والا اس کا جیل کا ساتھی تھا۔ اس نے اسے سری لنکا میں سیٹل ہونے کی پیشکش کی تھی۔ (احمر شفیع سے ہارون عبید تک سفارش کروانا' اپنا نام آئے بغیر اور احمر کو مشکوک کیے بغیر' بہت آسان تھا۔) اور بدلے میں "رپورٹ" مانگی تھی۔ اب وہ کچھ عرصے سے اسی ہوٹل میں کام کر رہا تھا۔ اس کی رسائی کچن کے نیچے بنی جیل تک تو نہ تھی' مگر جہاں تک اس کی آنکھیں جاتی تھیں' وہ غازی کو خبر دیا کرتا تھا۔

اب اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ "عنایت تم ہسپتال میں نائٹ ڈیوٹی پہ تھے کل رات؟ او کے گڈ۔ تمہارے سامنے والی بلڈنگ میں رات کو یا صبح میں کوئی آیا ہے؟ اچھا... اگر کوئی حرکت نظر آئے' کوئی آمدرفت ہو تو مجھے خبر کرنا۔"

وہ ایک ایک کر کے ہاشم کاردار کی ملکی وغیر ملکی جیلوں کے قریب موجود اپنے دوستوں کو فون کر رہا تھا۔ وہ اس کی چاروں خفیہ جیلوں کے بارے میں جانتا تھا۔ اگر وہ دونوں مفرور قیدی ان جیلوں میں سے نہیں لائے گئے تھے تو یقیناً ہاشم ان کو ابھی تک نہیں پکڑ سکا تھا۔ لیکن اگر وہ آزاد تھے تو سعدی نے فون کیوں نہیں کیا تھا؟ زمر کے علاوہ کسی اور کو بھی تو فون کر سکتا تھا۔ وہ یقیناً کسی مشکل میں تھا۔ آٹھ ماہ پہلے یوسف خاندان نے سعدی یوسف کو کھویا تھا' مگر فارس غازی نے اسے کل رات کھویا تھا۔

اور اب اس کو ڈھونڈنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

مگر اس سے پہلے اسے ایک کام اور کرنا تھا۔

اپنے چہرے پہ پرانے برف تاثرات سجائے وہ کچھ ڈاکومنٹس لے کر کسی سے بات کیے بنا وہ گھر سے باہر آ گیا۔ جب وہ کار کو ان لاک کر رہا تھا تو زمر اس کے پیچھے باہر آئی۔

''کوئی مسئلہ ہے فارس؟ تم پریشان لگ رہے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ ڈونر کے ڈاکومنٹس لے کر۔'' بدقت ذرا سا مسکرا کر فائل اوپر اٹھا کر لہرائی اور کار کے اندر بیٹھا۔ یہ وہ پہلے ہی طے کر چکے تھے زمر کی ضرورت نہیں تو صرف وہی جائے گا۔ مگر اتنی جلدی کیا تھی اسے؟ اسے کار باہر نکالتے دیکھ کر زمر نے سوچا۔ مگر خیر۔ اسے فارس پہ بھروسہ تھا۔ وہ سنبھال لے گا۔

❖❖❖

اس لمحہ خیر و شر میں کہیں اک ساعت ایسی ہے ..... جس میں ہر بات گناہ نہیں ہوتی' سب کار ثواب نہیں ہوتا

ڈاکٹر قاسم نے اپنی کرسی سے اٹھ کر خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔ جینز پہ بھورا سویٹر پہنے' چہرے پہ سنجیدہ اور برف تاثرات سجائے' وہ سنہری بھوری آنکھوں کو ڈاکٹر قاسم پہ نظریں جمائے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ سے بالآخر ملاقات ہو رہی ہے۔ بہت سنا تھا آپ کے بارے میں۔'' وہ خوش دلی سے بولے تھے۔ اس کے لیے کافی آرڈر کرنی چاہی مگر اس نے انکار کر دیا۔

''جو بھی بری باتیں سنی ہیں آپ نے' وہ سب درست ہیں۔'' وہ سر کو خم دے کر بولا تھا۔

''نہیں' اچھی بھی سنی ہیں۔ خیر۔'' وہ جلد مدعے پہ آ گئے۔ ''زمر اپنے بارے میں بہت لاپرواہی برتتی ہیں۔ انہیں بہت پہلے ٹرانسپلانٹ کروا لینا چاہیے تھا۔ خیر وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کے پاس کسی ڈونر کی رپورٹس ہیں' کہاں سے کروائے ہیں ٹیسٹس؟'' عینک لگاتے ہوئے انہوں نے رپورٹس کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر فارس نے کاغذ ان کی طرف نہیں بڑھائے۔

''میں اپنے تجربات خود کیا کرتا ہوں۔ کیا آپ کو گرمی نہیں لگ رہی؟'' اٹھتے ہوئے وہ تعجب سے بولا اور کھڑکی کھول دی' پھر واپس آ کر بیٹھا۔ ڈاکٹر قاسم نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر عینک اتار کے رکھی۔

''تو کون ہے یہ ڈونر؟''

''کوئی ڈونر نہیں ہے۔ میں نے زمر سے جھوٹ بولا تھا کہ میرے پاس ڈونر ہے۔''

کمرے میں ایک ششدر سا سناٹا چھا گیا۔ پھر وہ اسی بے مہری سے بولا۔

''میں نہیں چاہتا کہ وہ سرجری کروائے۔ آپ ڈاکٹر قاسم' اس کی سرجری نہیں کریں گے۔''

ڈاکٹر قاسم کے چہرے پہ بے پناہ شاک سا ابھرا۔ ''غازی صاحب' ان کی جان کو خطرہ ہے' انہوں نے سرجری نہ کروائی تو وہ جان سے جائیں گی۔'' ان کو بے حد افسوس ہوا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"آپ کی شرٹ بہت نفیس ہے۔"

ڈاکٹر قاسم نے اس کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو پھر گردن جھکا کر اپنی شرٹ کو دیکھا تو لمحے بھر کو وہ برف کا مجسمہ بن گئے۔ ان کی شرٹ پہ... عین دل کے مقام پہ... سرخ نقطہ تھا۔ روشنی کا نقطہ۔ سرخ لیزر جو کھڑکی سے ہوتا ہوا ان کے دل پہ نشانہ لئے ہوئے تھا۔

"اپنے دشمنوں کو جیل نہیں بھیجنا چاہیے' مار دینا چاہیے' کیونکہ جیل جانے کے بعد وہ خطرناک لوگوں سے دوستی کر لیتے ہیں' جیسا میرا یہ دوست جو برابر کی عمارت میں اسنائپر گن لئے بیٹھا ہے' اور اسکی گن کا نشانہ عین آپ کے اوپر ہے۔ نہ... نہ... نہ... فون کی طرف ہاتھ مت بڑھانا' ورنہ وہ گولی چلا دے گا۔"

ڈاکٹر قاسم نے گردن اٹھا کر بے یقینی سے اس کو دیکھا۔ وہ ٹیک لگا کر بیٹھا' پرسکون سا بلے جار ہا تھا۔ ساتھ ہی منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

"اس فریم کو دیکھیں۔" اس کے اشارے پہ ڈاکٹر قاسم نے نظر اٹھا کر دیوار پہ لگے فریم کو دیکھا جس میں ان کا کوئی سرٹیفکیٹ آویزاں تھا۔

ایک سرخ لیزر اسپاٹ وہاں بھی نظر آ رہا تھا' اگلے ہی لمحے بنا آواز کے ایک گولی فضا کو چیرتی ہوئی آئی اور اسی نقطے کی جگہ پہ پیوست ہوئی۔ فریم کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ ڈاکٹر قاسم کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

"یہ کیا مذاق ہے فارس غازی؟"

"اوہ سوری' یہ ریہرسل تھی۔ اگر تم ہلے تو دوسری گولی تمہارے اوپر چلائے گا' اس لئے میں نے کھڑکی کھول دی' تاکہ اگر وہ تمہیں مارے تو کم از کم یہ معصوم شیشہ نہ ٹوٹے۔ خیر' ہم زمر کی بات کر رہے تھے۔" ذرا مسکرا کر ان کے چہرے پہ اپنی پرتپش نظریں جمائے وہ چبا چبا کر کہنے لگا۔ "کتنے پیسے دیئے کار دارز نے میری بیوی کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ مرنے والی ہے؟ اس کا گردہ ضائع ہو چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ؟"

"دیکھو' مجھے نہیں پتہ تم کس ڈاکٹر کے پاس گئے ہو' مگر..." وہ محتاط انداز میں بولنے لگے تھے مگر وہ ایک دم آگے کو جھکا اور زور سے ہاتھ مار کر میز کی ساری چیزیں نیچے دھکیل دیں۔ سب کچھ زمین بوس ہو گیا۔

"انسان ایک شخص پہ کبھی شک نہیں کرتا' اور وہ ہوتا ہے اس کا ڈاکٹر!" میز پہ دونوں ہاتھ رکھے' جھک کر غصے سے وہ غرایا تھا۔ "تم نے اتنے ماہ میری بیوی کو ٹارچر کیا' اس کو پل پل مارتے رہے' صرف اس لئے کہ تمہارے بیٹے کی پوری فیملی کو انہوں نے باہر سیٹل کرا دیا؟ تمہاری بیٹی کا پاسٹ ڈائیگرام کلیئر کروا دیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے' عین میری گرفتاری سے پانچ روز پہلے تم اس کو اچانک سے بلا کر اچانک سے چند ٹیسٹ کرواتے ہو' کہ اس کا کڈنی فیل ہو چکا ہے' اور پھر میرے کیس کے دوران وہ مجھ سے کہے گی کہ اسے میرے کیس اور اپنے ڈونر کے درمیان کسی کو چننا ہے' اور میں اتنا گدھا ہوں جو یہ نہیں سمجھوں گا کہ یہ سارا ڈرامہ تم لوگ مجھے جیل میں رکھنے کے لئے رچا رہے ہو' تاکہ وہ میرا کیس نہ لڑے؟" ساتھ ہی زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

ڈاکٹر قاسم نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ ان کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں تھیں اور وہ بار بار اضطراب سے سر جھٹکتے تھے۔

"ایک منٹ بھی نہیں لگا مجھے سمجھنے میں کہ اس کے ڈاکٹر کو کار دارز خرید چکے ہیں' آخر چار سال سے وہی اس کے میڈیکل بلز پے کرتے ہیں نا' ان کی کمپنی کا تو براہ راست رابطہ رہتا ہے تمہارے ساتھ۔" واپس کرسی پہ بیٹھا' ٹیک لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور پھر اسی برہم انداز

میں بولا۔ ''میرے دوست کی گن تمہارے اوپر تنی ہے۔ مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔ سچ سچ بتاؤ۔ کاردارز نے کیا کرنے کے لئے کہا تھا تم سے؟''

ڈاکٹر قاسم نے چند گہرے سانس لئے۔ روشنی کا سرخ دھبہ ابھی تک شرٹ پہ پڑا ہوا تھا۔ بدقت وہ کہنے لگے۔

''مسز کاردار نے کہا تھا کہ میں اس کی دوا بدل دوں' کسی طرح اس کا اورگن ضائع ہو جائے' اور اس کو دوبارہ سرجری کروانی پڑے گی' اس سب میں لگ کر وہ تمہارے کیس کو وقت نہیں دے پائے گی اور وہ اپنی مرضی کے وکیل کو تمہارے ساتھ جوڑ دیں گے۔ مگر میں نے... دیکھو... میں برا آدمی نہیں ہوں... میں نے ایسا نہیں کیا۔''

''مجھے پتہ ہے تم نے ایسا نہیں کیا۔'' وہ درشتی سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''حالانکہ دوسرے ڈاکٹرز نے بھی اسے یہی کہا کہ گردہ ضائع ہو گیا ہے' مگر چونکہ وہ جن پہ اعتبار کرتی ہے' ان پہ مکمل اعتبار کرتی ہے' سو یقیناً وہ صرف انہی ڈاکٹرز کے پاس گئی ہو گی جن کے پاس تم نے اسے بھیجا ہو گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ اس کا گردہ ضائع نہیں ہوا؟''

''کیونکہ جس ڈونر کو میں جانتا ہوں... اس کا اورگن کبھی ریجیکٹ نہیں ہو سکتا۔ اسے زمر بہت عزیز تھی' اس کی قربانی ایسے ضائع نہیں ہو سکتی۔''

ڈاکٹر قاسم نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر کو خم دیا۔ ''سعدی یوسف۔ آف کورس۔ اس کا گردہ ٹھیک ہے۔ وہ پرفیکٹ میچ تھا۔ وہ چند سال اور چل جائے گا اچھے سے۔''

''اور یقیناً تم نے زمر کی دوا بھی بدل دی ہے' کیونکہ وہ زرد اور بیمار لگنے لگی ہے۔''

''مجھے چند فیک symptoms ڈالنے تھے' تاکہ اسے محسوس ہو کہ وہ بیمار ہے۔ دیکھو مجھے اپنی پیشنٹ بہت عزیز ہے۔ میں نے بہت وقتوں سے مسز کاردار کو ٹالے رکھا ہے۔''

''ظاہر ہے' تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں تمہارے وہ کروڑوں روپے کیسے ملتے؟ تمہیں اپنی نظر میں اچھا بھی تو بننا تھا اس لئے تم نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا۔''

''آئی ایم سوری۔ پلیز اس گن کو میرے اوپر سے ہٹاؤ۔ میں... زمر سے معافی مانگ لوں گا' میں اسے سب سچ بتا دوں گا۔''

فارس نے کھڑکی کی طرف رخ کر کے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے سرخ لیزر لائٹ ڈاکٹر قاسم کی شرٹ سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ ٹشو نکال کر ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔

''تم زمر کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ابھی کچھ عرصہ نہیں۔ صرف اتنا کہو گے کہ تم کوئی نئی دوا استعمال کرنا چاہتے ہو جس سے شاید اس کا تقریباً ناکارہ گردہ کام کرنے لگے۔ کوئی بھی وجہ گھڑ لینا۔ تم ان کاموں میں ماہر ہو۔'' ڈاکٹر قاسم کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''مجھے اسے بتانا ہے۔ اب میں اس سے مزید نہیں چھپا سکتا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ زمر کو نقصان سے بچایا ہے...''

''نہیں' تم اسے کچھ نہیں بتاؤ گے۔ جس چیز کا میں انتظار کر رہا ہوں' اس میں ابھی ذرا وقت ہے' تب تک زمر کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔''

''فارس غازی' تم مجھے قتل نہیں کرنے والے' بھلے تم مجھے اپنے اسنائپرز سے کتنا ہی ڈرا لو۔'' وہ بھی تندہی سے کہتے آگے کو جھکے۔ ''تم مجھے اب اپنے اشاروں پہ نہیں چلا سکتے۔'' لیزر لائٹ ہٹ چکی تھی اور ان کا کھویا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

فارس نے اپنے مخصوص انداز میں سر کو خم دیا اور فائل کھولی۔ ایک کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

"مجھے تمہیں اپنے اشاروں پہ چلانے کے لیے اسنائپر گن کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ یہ دیکھو۔ یہ پچھلے ماہ کا ریکارڈ ہے۔ تم نے ایک افغان نوجوان کا علاج کیا تھا جس کا نام ابوفرید حسان تھا۔" ڈاکٹر قاسم نے عینک لگاتے ہوئے اچنبھے سے اس لسٹ کو دیکھا۔

"ہاں میں نے کیا تھا۔ وہ روٹین چیک اپ کے لیے آیا تھا۔"

"اور یہ تمہاری چند تصاویر ہیں اس مریض کے ساتھ۔" اس نے ایک پرنٹ آؤٹ نکال کر ڈاکٹر کے سامنے رکھے۔ وہ ان میں ان مریض کا معاینہ کرتے نظر آ رہے تھے۔ مریض کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ لمبی داڑھی، سر پہ ٹوپی اور چہرہ ذرا جلا ہوا۔ ہاتھ پہ بھی جلنے کا نشان تھا۔

"ہاں تو؟"

"تو یہ کہ یہ افغان باشندہ اب تک طورخم کا بارڈر کراس کر کے واپس جا چکا ہے۔ اور اس کا نام ابوفرید نہیں ہے۔ یہ ایک اداکار ہے میں نے اس کو یہ حلیہ اپنانے کے لئے کہا تھا تاکہ یہ سائیڈ پوز سے لی گئی تصاویر میں ابوفرید کی طرح لگے۔ یہ ہے اصلی فرید۔" اس نے ایک اور تصویر نکال کر ڈاکٹر کے سامنے ڈالی۔ وہ ایک ذرا جلے ہوئے چہرے والے نوجوان کی تھی۔

"تو پھر؟"

"پھر یہ ڈاکٹر قاسم کہ ابوفرید حسان ایک افغانی باشندہ ہے اور یونیورسٹی حملے میں حکومت کو مطلوب ہے۔ دہشت گرد ہے وہ۔ وہ تمہارے پاس کبھی نہیں آیا لیکن اگر کوئی تمہارے ریکارڈ کی یہ لسٹ دیکھے" فہرست لہرائی۔ "اور یہ تصاویر دیکھے" فوٹو سامنے کیا۔ "تو اسے لگے گا کہ تم نے ایک افغان عسکریت پسند کا علاج کیا ہے۔"

"ایک منٹ... میں نے کسی دہشت گرد کا علاج نہیں کیا۔" ڈاکٹر قاسم کا سر گھومنے لگا۔

"تم یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر میں ایپکس کمیٹی کے کسی رکن یا کسی جرنیل کو یہ تصاویر اور یہ ریکارڈ بھیج دوں تو تم دہشت گرد اس کے سہولت کار ثابت ہو جاؤ گے۔ دو گھنٹے کے اندر وہ تمہیں گھر سے اٹھائیں گے اور فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر تین ماہ میں پھانسی چڑھا دیں گے۔ تم سابق صدر کے بی ایف ایف (بہترین دوست) تو ہو نہیں کہ تمہیں کوئی رعایت ملے۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے تم زمر کو حقیقت بتانا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر قاسم نے بے اختیار سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا اور بے بسی سے اس کو دیکھے گئے۔ فارس غازی کی سرد نظریں اب بھی ان پہ جمی تھیں۔ گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی گئی۔

"نہ کاردار کو بتاؤں گا نہ زمر کو۔ میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔ لیکن... اس سے پہلے... میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات کا یقین کرو کیونکہ جب میں کہتا ہوں کہ میں نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا کبھی تو میں غلط نہیں کہہ رہا۔ فارس غازی۔ میں۔ برا آدمی۔ نہیں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ کہہ رہے تھے۔

"شاید!" فارس آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا... بہت آہستہ سے... ایک دم سے آسمان پہ کوئی تارا ٹوٹا تھا۔ یا شاید وہ چاند تھا۔ بہت سے چکر الٹے ہونے تھے۔ مدار بدلے تھے۔

جب وہ کار میں آ کر بیٹھا تو اگنیشن میں چابی گھمانے میں اسے کافی دیر لگی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر... سویٹر کی آستین پہ تازہ خون کے چند دھبے لگے تھے۔ لمحے بھر کے لیے اس نے سوچا کہ زمر کو بتا دے مگر نہیں۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ ابھی نہیں۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے خود کو ٹھنڈا کرنا چاہا پھر کار چلا دی۔

سڑک پہ نگاہیں مرکوز کیے، ہر شے کو ذہن سے جھٹکا اور اپنے پرائیوٹ نمبر سے آبدار کو کال ملاتے ہوئے کار سائیڈ پہ روکی۔

"ایک دن میں دوسری دفعہ فارس غازی کی کال۔ مانا کہ میں بہت اچھی ہوں اور کیوٹ بھی، مگر..."

"آپ کے پاس پرائیوٹ جیٹ ہے نا؟"

وہ چونکی تھی۔ "ہمارے پاس دو پرائیوٹ جیٹس ہیں۔ مگر کیوں؟"

"گڈ۔ میرے پاس بلیو پاسپورٹ ہے۔ اور آپ کے پاس پرائیوٹ جیٹ۔ ایک سوال پوچھوں آپ سے؟" وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔

"آپ میرے ساتھ کولمبو چلیں گی؟"

اور آبدار عبید کا سارا وجود لمحے میں برف کا ہوا اور لمحے میں پگھل گیا۔ زندگی اسے اتنا خوبصورت سرپرائز دے گی اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

❖❖❖

باب 21:

کافر۔ ماکر۔ کاذب۔ قاتل

(حصہ اوّل)

تمہیں جنگ میں کامیابی ملے گی
صرف مکاری سے!
سو تم خود کو رکھنا ہوا کی مانند تیز...
اور جنگل کی مانند گھنا...
جھپٹنا آگ کی لپٹ کی طرح....
اور جم کر کھڑے ہونا پہاڑ کی طرح...
اپنے منصوبوں کو پراسرار رکھنا رات کی طرح
اور جب چلو تو بجلی کی کڑک کی طرح گرنا
جب مضبوط ہو تو خود کو کمزور ظاہر کرنا
اور جب کمزور ہو تو خود کو مضبوط ظاہر کرنا۔
دشمن کو لڑے بغیر جیت کر دینا
ہی بہترین فتح ہے!
فتح یاب جنگجو پہلے جنگ کو جیت لیتے ہیں
اور پھر اس جنگ کو شروع کرتے ہیں۔
شکست خوردہ لوگ پہلے جنگ شروع کرتے ہیں
اور پھر اسے جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔
ساری جنگی حکمتِ عملی منحصر ہے
فریب کاری پہ
تب حملہ کرو جب لگے کہ نہیں کر سکتے

جب قوت استعمال کر رہے ہو تو لگے کہ تم جامد بیٹھے ہو
جب قریب پہنچ چکو تو خود کو دور ظاہر کرو
اور جب دور ہو تم
تو یقین دلاؤ اسے کہ تم ہو بہت قریب!
اگر اس کی طاقت تم سے کہیں زیادہ ہے
تو اس سے اعراض برتو
اگر وہ غصیلا ہے تو اس کو چھیڑو
خود کو کمزور ظاہر کرو تا کہ وہ غرور میں بڑھتا جائے
اگر اس کی فوجیں متحد ہیں تو ان کو توڑو۔
اس پہ تب حملہ کرو جب وہ تیار نہ ہو
اور وہاں سے کرو جہاں
تمہارے ہونے کا اسے گماں تک نہ ہو
صرف وہ جیتے گا جنگ
جو جانتا ہے کہ کب ہے لڑنا!
اور کب ہے نہیں لڑنا۔

Sun Tzu (The Art of War)

(دی آرٹ آف وار)

چند ساعتوں کے لیے ہم ماہ کامل کی رات میں واپس جاتے ہیں۔

کرنل خاور کو بے ہوش کر کے اس کے پیسے، اسلحہ اور پاسپورٹ چرا کر سعدی یوسف اب تیز تیز سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا۔ بار بار احتیاط سے پیچھے مڑ کر دیکھتا۔ سوتے جاگتے شہر میں کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ ذرا دور جا کر اس نے ایک ٹک ٹک رکشہ روکا اور اس میں سوار ہو گیا۔ "بلرز لین۔" اس نے فوراً سے پتہ بتایا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ اسے پاکستانی سفارت خانے سے چند فرلانگ دور اتار گیا۔ وہ ٹک ٹک سے اترا اور دور... کافی دور نظر آتی سفارت خانے کی عمارت کو دیکھا۔ سفید اونچے محل جیسی عمارت جس کے سامنے سرسبز لان بنا تھا۔ وہ اس اجنبی ملک میں پاکستان کی سرزمین کا واحد ٹکڑا تھی، جس پہ لنکن قانون نہیں چل سکتے تھے، وہ ایک دفعہ اس میں داخل ہو جائے تو لنکن پولیس اسے چھو بھی نہیں سکتی تھی۔

اسٹریٹ میں لوگ، ٹریفک، روشنیاں، سب جاگ رہے تھے۔ سعدی کی نگاہیں عمارت سے ہٹ کر سڑک پہ پھسلیں۔ کونے میں درخت کے ساتھ ایک سیاہ وین پارکڈ تھی۔ پرلے کونے میں ایک آدمی کھڑا موبائل پہ بات کر رہا تھا۔ وہ ہاشم کا آدمی تھا کیا؟ وہ سفارت خانے جائے گا، سب کو اندازہ تھا۔ اس کی تاک میں بیٹھے ہوں گے وہ لوگ۔ وہ ایک ایک چہرے کو دیکھتا۔ ہر شخص مشکوک تھا، ڈرا رہا تھا۔

اس سفارت خانے میں بھی لنکا ڈھانے کے بہت سے ویسی بھیدی ہوں گے ہی۔

سعدی واپس رکشے میں بیٹھا اور اسے چلنے کو کہا۔ بیگ سینے سے لگائے، اب وہ سٹ کر بیٹھا تھا محتاط۔ قدرے ڈرا ہوا۔ اب وہ کیا کرے گا؟ کچھ علم نہیں تھا۔ خاور کو گرانا تو پلان کیا تھا، مگر اس سے آگے نہیں۔

ٹک ٹک نے اسے ایک ہوٹل کے کنارے اتارا۔ وہ چند منٹ ادھر کھڑا رہا۔ (کیا ان کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کسی ہوٹل جائے گا؟) وہ مڑ گیا اور اسٹریٹ میں آگے چلتا گیا' چلتا گیا یہاں تک کہ ٹانگیں تھک گئیں اور تنفس تیز چڑھ گیا تو وہ رکا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے سمندر کی لہروں کا شور سنائی دیتا تھا۔ سمندر... جو انسان کے دل جیسا ہوتا ہے' کبھی پرسکون' کبھی اضطراب سے ٹھاٹھیں مارتا... ہر پل بدلتا...

وہ مین روڈ سے اتر کر ساحل تک آ گیا۔ ساحل کا یہ حصہ سنسان پڑا تھا۔ اوپر پورا چاند خاموشی سے بادلوں کے بیچ نیم دراز گویا ٹیک لگا کر بیٹھا' نیچے بہتے سمندر کو کھینچ رہا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا شور... چیختی چنگھاڑتیں' کئی کئی فٹ بلند ہوتیں لہریں' اور پھر واپس پسپا ہوتا پانی...

وہ ایک طرف آ گیا جہاں چٹانیں اور پتھر سے پڑے تھے۔ بیگ اتار کر نیچے رکھا' اور ٹیک لگا کر وہیں بیٹھ گیا۔ ٹھنڈ بھی تھی اوپر سے پورا جسم نمی کا شکار ہونے لگا تھا۔ اس نے سر پتھر سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اور نیند تو سولی پہ بھی آ ہی جاتی ہے' وہ سولی سے گزر کر آیا تھا سو دھیرے دھیرے اس کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ ذہن نیند میں ڈوبتا گیا۔

اس کی آنکھ جانے کس آواز سے کھلی تھی۔ ایک دم وہ ہڑ بڑا کر اٹھا۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ بیگ کو دیکھا۔ سب ٹھیک تھا۔ مگر... اس نے چہرہ اٹھایا... ایک چیز غلط تھی۔

سورج نکل آیا تھا۔

سامنے افق پہ سنہری تھال اتنا چمکیلا' آگ برسا رہا تھا' کہ سعدی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے فوراً چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔ صبح روشن تھی اور ٹریفک پیچھے سڑک پہ رواں دواں تھی۔ رش' لوگ' آوازیں۔ اس نے ہر چیز کے لئے خود کو تیار کیا تھا۔ سوائے ایک کے۔

سورج! جو اس نے آٹھ ماہ سے نہیں دیکھا تھا۔ 21 مئی سے 21 جنوری... پورے آٹھ ماہ۔

سعدی بدحواسی سے اٹھا' بیگ اٹھایا اور سڑک کی طرف بھاگا۔ سورج اس کی پشت پہ آگ برسا رہا تھا' گویا پیچھا کر رہا ہو اور وہ خوفزدہ سا آگے بھاگتا جا رہا تھا۔ ہاتھ پیر عجیب سی سنسنی کا شکار تھے۔ سردی میں بھی پسینے آ رہے تھے۔ وہ رکا نہیں۔ ہر طرف روشنی تھی۔ تیز روشنی۔ یوں جیسے ساری دنیا کے پردے ہٹ گئے ہوں گے۔ عیاں ہو گیا ہو سب۔ وہ دوڑتا گیا۔ سڑک کنارے... گلیوں میں... وہ تیز بھاگتا گیا۔

اس سارے میں ایک بھی جگہ نہیں نظر آئی جہاں وہ رک سکے۔ جہاں وہ رکنے کا سوچے ہی۔ چوکنی مگر خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر چلتا وہ ایک جگہ بالآخر رک گیا۔

یہ ایک پرانا کارخانہ تھا جو بند پڑا تھا۔ اس کھنڈر کو نشئی لوگ اپنے قیام کے لئے استعمال کرتے تھے۔ وہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک بالکل اندرونی کمرے میں آ رکا... جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچتی تھی۔ گندا' میلا' کاٹھ کباڑ سے بھرا کمرہ... کچھ بھی برا نہیں لگا اسے۔ بس ہانپتا ہوا وہ جلدی سے نیچے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ بالکل سکڑ سمٹ کر' خوفزدہ نگاہیں دروازے پہ جمائے۔ خاور کی پستول ہاتھ میں رکھی۔ کوئی آئے اور وہ اسے چلا دے۔

سعدی اگلے کئی گھنٹے اسی طرح بیٹھا رہا۔ جسم اکڑ گیا۔ پستول اب بھی ہاتھ میں تھی۔ چہرے پہ پسینہ تھا۔ ہر آہٹ پہ وہ چونک کر سیدھا ہوتا۔ پستول تان لیتا۔ مگر وہ ہوا کا کوئی کھٹکا ہوتا' یا نیچے بیٹھے نشئیوں کی آوازیں۔ کولمبو بالکل کراچی جیسا تھا۔ وہی ماحول' وہی آدھے صاف ستھرے پوش علاقے اور باقی اس کے برعکس۔

...............✿✿✿...............

اپنی تعمیر اٹھاتے تو کوئی بات بھی تھی ...... تم نے اک عمر گنوا دی میری مسماری میں

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر اشا چیخ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ فارس نے کار سے نکلتے ہوئے سیل فون کو کان سے لگایا اور آستین کا خون آلود حصہ اندر کو موڑ لیا۔ آنکھیں چندھیا کر دور سنہرے آسمان پہ جمائے' وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا دوسری

طرف جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔

''ہاں فارس...'' ہاشم کا مصروف سا لہجہ سنائی دیا۔

''آفس میں ہو؟ آجاؤں؟'' کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے سادگی سے پوچھا۔

''میں کولمبو میں ہوں۔ کہو کیا ہوا؟''

''اوہ۔ تم سے کام تھا۔ خیر تم آؤ تو بات کرتے ہیں۔'' وہ گویا فون رکھنے لگا۔

''میرے آئے بغیر' میری ایک کال پہ بھی یہاں سو کام ہو جاتے ہیں۔ تم بولو۔'' ہاشم محتاط انداز میں غور سے سن رہا تھا۔ اپنے سوئیٹ کے صوفے پہ بیٹھا' گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ پوری طرح تیار تھا۔ اگر سعدی یوسف نے اسے فون کیا ہوتو...؟

''تم نے ایک دفعہ پیشکش کی تھی کہ اگر مجھے نوکری چاہیے تو تم سے...''

''تم میرے پاس کام کرنا چاہتے ہو؟''

''نہیں' تمہارا زیادہ احسان نہیں لینا چاہتا۔'' اکھڑ انداز میں بولا۔ ''مگر کراچی میں جو تمہارا دوست ہے...ادریس الطاف...سنا ہے اس کو سیکیورٹی میں کسی آدمی کی ضرورت ہے۔ اگر تم اس سے بات کرلو تو میں اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔''

''تم کراچی جانا چاہتے ہو جاب کے لیے؟'' ہاشم کو اس کے لہجے میں کچھ بھی غیر معمولی نہ لگا تھا۔ وہ عام انداز میں بات کر رہا تھا۔

''پھر اور کیا کروں؟''

''اچھا۔'' ہاشم نے سوچنے کے لیے وقفہ لیا۔

''اگر نہیں کر سکتے تو مجھے بتاؤ' میں تمہارا احسان نہ ہی لوں تو بہتر ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔ ہاشم نے گہری سانس لی۔

''فارس... ابھی ایسا کوئی کام نہیں بنا جو میں نہ کرسکوں۔ تم سمجھو کام ہو گیا۔'' ذرا ٹھہرا' اور مسکرایا۔ ''مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے کام کہا...''

''مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ مجبوری نہ ہوتی تو نہ کہتا۔ میری بیوی کا...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ہاشم نے ابرو اٹھایا۔

''کیا اس کی صحت کو کوئی مسئلہ ہے؟ تم بے فکر رہو' ہماری کمپنی اس کے بلز پے کرتی رہے گی' ڈیڈ کی خواہش کے مطابق۔''

''وہ میری بیوی ہے ہاشم' اس کے بلز میں خود پے کرنا چاہتا ہوں۔ تم ادریس الطاف سے بات کرو' میں کل سے ہی کام پہ لگنے کو تیار ہوں۔'' اس کے لہجے میں ہاشم کا ردار نے بے چینی محسوس کی تھی۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ (وہ لوگ اپنے مسئلوں میں الجھے تھے۔ شاید زمر کی صحت پھر سے خراب ہونے لگی تھی۔ اسے افسوس ہوا مگر اب اس کے بلز تو دے رہا تھا وہ' اور کیا کرتا۔ سعدی نے ان کو کال نہیں کی' اس کی تشفی ہو گئی تھی۔) فون رکھتے ہی اس نے ادریس کو کال ملائی۔ علیک سلیک کے بعد وہ مدعے پہ آیا۔

''فارس غازی... میرا کزن ہے... وہ تمہارے پاس آئے گا' اور تم اس کو رکھ لو گے' چاہے تمہیں ضرورت ہو یا نہیں۔ اور پھر تم اس پہ نظر رکھو گے۔ وہ کیا کرتا ہے' کہاں جاتا ہے' کس سے ملتا ہے' پل پل کی رپورٹ چاہیے مجھے۔'' سخت لہجے میں وہ دوسری طرف کسی کو سمجھا رہا تھا۔

.............❖❖❖.............

ایسا نہیں کہ ہم کو محبت نہیں ملی ..... ہم جیسی چاہتے تھے وہ قربت نہیں ملی

فون بند کر کے فارس گھر کے اندر داخل ہوا تو مصروفیت سی ہر سو بکھری تھی۔ ندرت کچن سے آوازیں دے رہی تھیں' حسین لاؤنج کے شیلف جوڑ رہی تھی' زمر کونے میں کھڑی استری اسٹینڈ پہ کپڑے پریس کر رہی تھی۔ (یقیناً پچھلی رات وہ' دونوں کہاں رہے' وہ ان کو مطمئن کر چکی

تھی۔) فارس ذرا کھنکھارا۔ بڑے ابا نے اپنے دوائیوں کے باکس سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' عینک کے پیچھے سے' غور سے۔ وہ سامنے صوفے پہ آ بیٹھا۔ باری باری سب کو دیکھا۔ زمر نے صرف اسے دیکھ کر ابرو اٹھائی (ڈاکٹر سے مل آئے؟) فارس نے سر کو خم دے کر اشارہ کیا۔ (ہاں' سب ٹھیک ہے۔) پھر کچن سے آتی ندرت کی طرف متوجہ ہوا۔ "مجھے جاب مل گئی ہے۔" سب رک کر اسے دیکھنے لگے، ندرت کے چہرے پہ خوشی اتری۔ اس کے قریب آ کر بیٹھیں۔ "اللہ کا شکر ہے۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ کہاں ملی ہے؟"

"کراچی۔ مجھے کل سے جوائن کرنا ہے۔"

زمر کے ہاتھ پہ استری لگی تھی۔ سس۔ اس نے جلنے والی جگہ لبوں میں دبالی۔ ندرت کی رنگت پھیکی پڑی۔ حنین بھی فوراً اس طرف گھومی۔

"آپ ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے ماموں؟" بھنویں اکٹھی کر کے بولتی وہ پریشان اور خفا دونوں تھی۔

"تھوڑے عرصے کی بات ہے' پھر کوشش کروں گا ادھر ہی پوسٹنگ کروا لوں۔"

"فارس اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ندرت اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پریشان سی کہنے لگیں۔

"تو کیا ہو گیا ندرت؟ لوگ نوکری کے لیے دوسرے ملکوں میں بھی جاتے ہیں۔ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اس میں۔ اس کو یوں فکر مند نہ کرو۔ سکون سے جاب پہ جانے دو۔ اور خبردار جو تم نے یہاں رونا ڈالا۔" بڑے ابا نے آخری فقرہ حنہ کو دیکھ کر کہا تھا۔ حنین نے پہلے فارس کو دیکھا جو خاموشی سے گردن اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا' پھر زمر کو جو سر جھکائے بہت سست روی سے کپڑے استری کر رہی تھی' اور پھر پیر پٹخ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یقین تھا فارس اس کے پیچھے آئے گا' اسے منائے گا' مگر وہ نہیں آیا۔

حنین اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگی زمین پہ بیٹھی' خاموشی سے سر گھٹنوں میں دیے رونے لگ گئی۔ وہ انہیں چھوڑ کر جا رہا ہے' اسے پتہ تھا... پہلے ابو' پھر وارث' پھر سعدی' ان کے سارے مرد ان کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ کیوں؟ آخر کیوں؟

دوپہر کے کھانے کے بعد جب زمر اپنے کمرے میں داخل ہوئی وہ سامنے کھڑا نظر آیا۔ ایک چھوٹا بیگ بیڈ پہ کھلا پڑا تھا اور وہ سر جھکائے کھڑا' اس میں سامان رکھ رہا تھا۔ زمر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھے... بس' دیکھے گئی۔

"یہ اچانک سے جاب کس نے لگوا کر دی؟" وہ مشکوک تھی۔ (ذہن میں ہارون عبید کا نام گردش کر رہا تھا۔)

"ہاشم نے۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے زپ بند کی۔ زمر کا منہ کھل گیا۔

"ہاشم؟ تم ہاشم کے کہنے پہ شہر چھوڑ رہے ہو' ہم سب کو چھوڑ رہے ہو؟ تم اس پہ کیسے اعتبار کر سکتے ہو؟" فارس نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاشم میرا کزن ہے۔" پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ "کیوں؟ کیا اس کے بارے میں کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتا؟"

زمر نے کندھے جھٹکے۔ "مجھے کیا پتہ۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ کل تک تمہارا ناپسندیدہ کزن آج تمہارا بی ایف ایف کیسے بن گیا۔ خیر' تمہاری مرضی جو بھی کرو۔" وہ آنکھوں میں ڈھیروں خفگی لیے' ایک ملامتی نظر اس پہ ڈال کر مڑی۔ تبھی سنگھار میز پہ رکھا فارس کا موبائل بجنے لگا۔ زمر قریب کھڑی تھی۔ گردن جھکا کر دیکھا۔ آبدار کالنگ۔ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"صرف آبدار؟ تو اب تم اس کے ساتھ فرسٹ نیم ٹرمز پہ ہو۔" مڑ کر ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ وہ خاموشی سے آگے آیا اور فون اٹھا کر اسے سائیلنٹ کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"میں چلی جاتی ہوں کمرے سے' تم تسلی سے اس سے بات کر لو۔"

"وہ تو میں تمہارے جانے کے بعد ویسے بھی کر لوں گا۔" وہ اس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

''ظاہر ہے جیل میں یہ سب تو سیکھا ہوگا تم نے۔'' وہ جبراً مسکرا کر بولی تھی۔

فارس نے ذرا سا اس کی طرف جھک کر مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا ''تم جل رہی ہو اس سے؟''

''میں؟'' زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''اور اس پلاسٹک کی گڑیا سے جلوں گی؟ ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''جلنے کے لئے سامنے والا آپ سے بہتر نہ ہو تو کم از کم آپ کے مقابلے کا تو ہونا چاہیے۔''

''خوبصورت تو خیر وہ بہت ہے۔ اور اس کی سب سے اچھی بات پتہ ہے کیا ہے۔'' اس کے مزید قریب جھک کر سادگی سے بولا۔ ''اس کے بالوں کا رنگ نیچرل سرخ ہے۔ وہ خوبصورت لگنے کے لیے مصنوعی ڈائی نہیں لگاتی۔''

زمر نے بمشکل اپنے بھڑکتے جذبات پہ قابو پایا تھا۔ ''تو تم سارا وقت فون پہ اس سے اس کے بالوں کا رنگ ڈسکس کرتے ہو؟''

''نہیں اور بھی بہت کچھ کرتا ہوں۔ کام کی ساری باتیں۔ اس نے بہت کچھ کیا ہے میرے لیے۔ ایکچوئلی مجھے وہ اپنی ورک وائف لگتی ہے۔''

اس سے زیادہ وہ زمر یوسف اس آدمی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے پرے دھکیلا اور خود دروازے کی طرف بڑھی۔

''اچھا سوری میں مذاق کر رہا تھا' بات تو سنو۔'' فارس نے اسے روکنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا مگر زمر نے تیزی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا۔

''تم نا مجھ سے دور ہی رہو ورنہ....'' اگلے ہی پل وہ منجمد ہو گئی۔ فارس نے جس ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ رکھی تھی' اس کی آستین پہ خون کے دھبے لگے نظر آ رہے تھے۔

''یہ خون کیسا ہے؟'' اس نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے لگا تھا' نظریں اپنی آستین تک گئیں' چہرے کی رنگت بدلی' فوراً سے اس کی کلائی چھوڑ کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''یہ... شاید کان سے آ رہا تھا۔'' اس نے ساتھ ہی دو انگلیاں کان کے پیچھے لگا کر دیکھیں۔

''کیوں؟'' اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا' ''ٹھہرو مجھے دیکھنے دو۔''

''اب ٹھیک ہے۔ شاید کوئی زخم وغیرہ تھا۔'' مگر وہ آگے آنے لگی تو وہ بولا۔ ''فکر مت کرو آبدار ایک بہت اچھے ای این ٹی اسپیشلسٹ کو جانتی ہے' میں اسے دکھا دوں گا'' اور وہ جو فکر مندی سے آگے کو ہوئی تھی' اس نام پر رکی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

''ہاں' اسے ہی دکھاؤ۔'' اور برے موڈ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

فارس نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے طویل سانس لی' اور پھر سویٹر کی آستین دوبارہ سے موڑی اور بیڈ کے کنارے آ بیٹھا۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے' اس نے بند آنکھوں کو مسلا۔

زمر اور حنین... دونوں اسے بہت عزیز تھیں۔ وہ ان دونوں کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر حقیقت کے تیز چمکتے سورج میں کھڑے ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ بس کچھ دن اور....

''اشعر... آج مل سکتے ہو؟'' چند منٹ بعد وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔

احمر شفیع نے فارس کا فون رکھا اور نظر اٹھا کر سامنے نصب اسکرینز کو دیکھا جن پہ ایک آفس کی مختلف فوٹیجز چل رہی تھیں۔ احمر اس وقت کنٹرول روم میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ بس یک ٹک' پتھریلی آنکھوں سے ان فوٹیجز کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن میں وہ فون کال گونج رہی تھی۔ جو چند گھنٹے پہلے اسے موصول ہوئی تھی۔

''احمر شفیع...'' وہ عورت کہہ رہی تھی جو سفید شال میں نیو ایئر پارٹی میں اسے نظر آئی تھی اور جو چترال کے ایک با اثر سیاسی خاندان

سے تعلق رکھتی تھی۔" آج صبح جب میرے آفس کی فوٹیجز لیک ہوئیں تو میرے سیکیورٹی اسٹاف نے فوراً سے بھاگ دوڑ شروع کر دی کہ معلوم کریں کس آئی پی ایڈریس کس سرور کس جگہ سے ان کو لیک کیا گیا ہے۔ بیک ٹریکنگ اور پتہ نہیں کس کس کام میں لگے ہیں وہ لیکن میں نے صرف ایک بات سوچی۔ کہ اس سب کا فائدہ کس کو ہوگا؟ اگر اس بات کا جواب ہو تو انسان کو کسی سراغ رسانی کی ضرورت نہیں رہتی۔"

ذرا توقف کر کے وہ بولی۔"سانپ کو مارتے وقت اس کا سر کچلا جاتا ہے کیونکہ قدیم داستانوں میں آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں اپنے قاتل کی تصویر عکس بند ہو جاتی ہے۔ اور میری آنکھوں میں احمر شفیع تمہاری اور تمہاری مالکن کی تصویر نقش ہو گئی ہے۔"

احمر نے ریموٹ اٹھا کر اسکرینز کو آف کیا اور موبائل اور چابی اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اس کا ذہن اس وقت شدید بادو کا شکار تھا۔

❖ ❖ ❖

منتظر میرے زوال کے ہیں ...... میرے اپنے بھی کیا کمال کے ہیں

کولمبو کے اس پر تعیش ہوٹل کے تہہ خانے میں اس وقت شدید تناؤ چھایا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔ نیوی بلیو سوٹ' اسٹرائپس والی ٹائی' ڈائمنڈ کف لنکس پہنے' بال جیل سے پیچھے کو جمائے' وہ اپنی ساری شان و شوکت اور جاہ و جلال سے وہاں بیٹھا تھا' گویا پچھلی رات اس کے قیدیوں کا نکل جانا اس کے لیے پریشانی کا باعث تھا ہی نہیں۔

سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ فصیح بھی پہنچ چکا تھا اور سخت مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ ہیڈ شیف تحمل سے بتا رہا تھا کہ فراریوں نے آرڈر پہ تیار کیا کیک کیسے فریج سے غائب کیا' اور یہ کہ ان کے ساتھ یقیناً اندر سے کوئی ملا ہوا تھا۔ ہیڈ شیف' فصیح' ریسیپشن سب اپنی اپنی تھیوریز پیش کر رہے تھے۔ بار بار خاموش ہو کر ہاشم کو دیکھتے۔

"سر؟" فصیح سے مزید برداشت نہیں ہوا تو پکار بیٹھا۔ ہاشم چند منٹ مزید بٹن دباتا رہا' پھر بالآخر سر اٹھایا اور مسکرا کر ان سب کو دیکھا۔

"Sun Tzu قدیم چین کا ایک جرنیل اور فلسفی تھا۔ اس نے ایک مشہور زمانہ کتاب لکھی تھی۔ دی آرٹ آف وار (جنگ لڑنے کا فن)۔" موبائل میز پہ ڈال کر وہ مسکرا کر گویا ہوا۔" اس کتاب میں جب وہ یہ بات کہتا ہے کہ جنگ کے دو طریقے ہیں' ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ لیکن ان دونوں کا "ملاپ" بہترین نتائج سامنے لاتا ہے تو ساتھ وہ مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ..." وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے کھڑے افراد کی کمریں اور گردنیں مزید سیدھی ہو گئیں۔

"کہ میوزیکل نوٹس پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے لیکن ان کا ملاپ لامحدود دھنیں بنا دیتا ہے۔" قطار میں کھڑے افراد کے ساتھ سے گزرتا ہوا' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا' وہ کہہ رہا تھا۔" وہ کہتا ہے کہ پرائمری کلرز پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے .... نیلا سرخ .... زرد .... سفید اور سیاہ .... لیکن ان کا کمبی نیشن لامحدود رنگ بنا سکتا ہے۔" سب توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ کمرے میں غیر معمولی سناٹا تھا۔

"اور وہ کہتا ہے کہ بنیادی ذائقے پانچ سے زیادہ نہیں ہیں' کھٹا' تیکھا' نمکین' میٹھا' اور کڑوا۔ مگر ان کا ملاپ لامحدود ذائقے بنا دیتا ہے۔" ہاشم نے رک کر گہری سانس لی۔

"ہر چیز بہت پرفیکٹ تھی۔ منصوبہ بندی۔ اس پہ عمل پیرا ہونے کا انداز۔ سب شاندار تھا۔ میں متاثر ہوا ہوں۔ لیکن۔" سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے وہ چند قدم مزید آگے آیا۔ سب سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

"لیکن ان پانچ ذائقوں میں سے ایک ایسا بھی ہے جو میری بیٹی کو نہیں پسند۔ nuts کا نمکین ذائقہ۔ اس ہوٹل میں جب بھی یہ کیک بنایا جاتا ہے... وہ بلیو بیری کیک جو سعدی کل میری بیٹی کے لیے لایا تھا... اس میں ہیڈ شیف nuts ڈالتا ہے' لیکن پچھلے سال جب سونی

نے یہ کیک چکھا تھا تو nuts کے ذائقے پہ اس نے برامنہ بنایا تھا۔ اور اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ یہ کیک جو کسی مہمان کے آرڈر پہ تیار کیا گیا تھا اور بظاہر سعدی اور خاور نے چوری کیا تھا اس کیک میں..." وہ ہیڈ شیف کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اس کیک میں nuts نہیں تھے۔"

شیف کا رنگ سفید پڑا۔ ادھر کمرے میں سب چونکے تھے۔ دوسرے ہی لمحے فصیح اس پہ جھپٹا اور اسے نیچے گرایا۔ دو گارڈز بھی اس پہ پل پڑے اور چند ہی لمحوں میں وہ اسکے ہاتھ پیچھے کو باندھ کر اسے قابو کر چکے تھے۔ وہ نفی میں سر ہلاتا تا بہ رہا تھا۔

"سر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' میں..."

"اونہوں!" ہاشم نے اسی پرسکون چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا اور ایک پنجے کے بل زمین پہ بیٹھا' جانتے ہو مسئلہ کیا ہے؟ میرے اور تمہارے جیسے لوگ دوسروں کے ساتھ مخلص ہوں یا نہ ہوں' ہم اپنے کام کے ساتھ بے حد مخلص ہوتے ہیں۔ اس کو پرفیکشن کے آخری لیول پہ کرتے ہیں۔ اور ایک بہترین شیف کی انا یہ کہتی ہے کہ جس کے لئے کیک بنا' اس کو وہ پسند آنا چاہیے۔"

کالر سے نادیدہ گرد جھاڑ کر وہ اٹھا اور بے تاثر سخت نگاہوں سے فصیح کو دیکھا۔

"اس کی چمڑی ادھیڑ دو فصیح۔ یہ جو کچھ جانتا ہے اس سے اگلواؤ۔ زندہ یا مردہ' مجھے ان دونوں کو واپس اس جیل میں دیکھنا ہے۔" پھر ایک قہر آلود نظر اس شیف پہ ڈالی جس کو وہ زنجیر پا کر چکے تھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

❖❖❖

پاؤں رکھتے ہیں جو مجھ پر' انہیں احساس نہیں ...... میں نشانات مٹاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

فوڈ لی اور آفرز ریسٹورانٹ میں اس شام ہلکی پھلکی گہما گہمی تھی۔ سلک شرٹ اور ڈنر جیکٹ میں ملبوس احمر شفیع اندر داخل ہوا' شناسائی سے کاؤنٹر والے لڑکے کو ہاتھ ہلایا اور سیدھا زینے اوپر چڑھتا گیا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ اور بے تاثر تھا۔ بالائی ہال کا دروازہ کھولا تو دیکھا' وہاں صرف فارس غازی کھڑا تھا۔ گرے سویٹر میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے وہ احمر کی طرف پشت کیے' شیشے کی دیوار سے باہر دیکھ رہا تھا۔ احمر نے دروازہ بند کیا تو فارس اس کی طرف گھوما۔ پھر چہرے پہ سنجیدگی لئے' تیکھی نظریں اس پہ جمائے' وہ چند قدم آگے بڑھا۔

"کیا حال ہے غازی؟"

"بلایا اور کام سے تھا مگر نیوز میں کچھ دیکھا ہے میں نے' اٹھنی۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس میں کاردارز کا ہاتھ ہے مگر کاردارز کا دایاں ہاتھ تو آج کل تم ہو۔ ہے نا؟"

احمر نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ "کنسلٹنٹ کلائنٹ پریویلج کے تحت میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"اور اس بے ہودہ فقرے کا مطلب دوسرے لفظوں میں "ہاں" ہوتا ہے۔"

"ہاں ہو یا ناں' تم کیوں جاننا چاہتے ہو؟"

"کیا مطلب میں کیوں جاننا چاہتا ہوں؟" فارس کی آنکھوں میں غصہ اور تعجب دونوں عود آئے۔ "منع کیا تھا تمہیں' کاردارز کی غلامی مت کرو' وہ تم سے ایسے ہی کام کروائیں گے۔ ایک بے قصور عورت کو رسوا کر کے کیا ملے گا تمہیں؟ کرمنل بنتے جا رہے ہو تم!"

احمر لب بھینچے خاموش رہا۔ وہ دونوں چند قدم دور آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"اپنا استعفیٰ لکھو اور اپنی مالکن کے منہ پہ مار کر آؤ۔ آج ہی اٹھنی۔ تم یہ جاب چھوڑ رہے ہو' اور میں تمہارے منہ سے ناں نہیں سنوں گا۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تم سے آرڈرز نہیں لیتا' فارس غازی!" اس کا لہجہ اجنبی اور روکھا تھا۔

فارس کے ابرو مزید تن گئے' پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہوا۔ دو قدم مزید قریب آیا۔

''اور جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تمہارا دوست ہوں' اور تمہیں ایسا انسان نہیں بننے دینا چاہتا جس کو میں پہچانوں بھی نا۔''

''پہچانتا تو میں بھی نہیں ہوں اب تمہیں۔'' احمر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا۔ لمحے بھر کو فارس کا سانس تھم گیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ تم خود کیا ہو؟'' احمر کی آواز بلند ہونے لگی۔'' میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے سروائیول کے لئے کر رہا ہوں' میں قانون توڑوں اپنی گردن آزاد رکھنے کے لئے تو وہ غلط... لیکن عظیم فارس غازی وہی کام کرے تو وہ صحیح۔ کیوں غازی؟ کیا تم وہ انسان رہے ہو جو مجھے پہلی دفعہ ملے تھے؟ تب تم نمازیں پڑھتے تھے' اب تم ایک athiest بن چکے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا تم نے ڈاکٹر ایمن کے ہسپتال میں آگ نہیں لگائی تھی؟ کیا وہ جرم نہیں تھا؟ کیا تم انتقام کے نام پہ لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے؟ تم دھوکہ نہیں دیتے؟ کیا معلوم تم نے وہ تینوں قتل بھی کیے ہوں۔ تم کرو تو سب ٹھیک۔ سب Justified۔ کاردار وہی کام کریں' احمر شفیع لوگوں کے ویڈیو اسکینڈل لیک کرے تو وہ غلط۔''

''تم ایک ہی سانس میں مجھے کافر' دھوکے باز' جھوٹا اور قاتل کہہ رہے ہو۔'' فارس سرخ آنکھوں سے غرایا۔'' یہ مت بھولو کہ میرا خاندان تباہ ہوا تھا۔ میں جو بھی کرتا ہوں ان لوگوں کے ہاتھ روکنے کے لئے کرتا ہوں تاکہ وہ ہمیں مزید تباہ نہ کر سکیں۔''

''دو غلط مل کر ایک صحیح نہیں بناتے' فارس غازی!'' احمر نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ وہ دونوں آمنے سامنے' سرخ چہروں کے ساتھ کھڑے تھے اور اتنی سردی میں بھی ہال میں شدید گرم سا تناؤ در آیا تھا۔'' اسی طرح کاردارز کے پاس بھی اپنے غلط کاموں کی توجیہات ہوتی ہیں۔''

فارس انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

''یہ....'' میرا'' سروائیول ہے۔ یہ میرا اسیلف ڈیفنس ہے' غازی اور اگر تمہارے لئے یہ درست ہے تو غلط یہ میرے لئے بھی نہیں ہے۔''

''اگر تمہیں یہ دونوں چیزیں ایک جیسی لگتی ہیں' اور تم ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے' تو میں تمہیں کبھی نہیں سمجھا سکتا۔''

''تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو تو بہتر ہے۔ میں اپنی بقا کے لیے لڑنا سیکھ چکا ہوں۔ اس لئے میرے معاملوں سے دور رہو غازی۔''
ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالتا وہ تیزی سے مڑا اور باہر نکل گیا۔ پیچھے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو قابو کرتا فارس تنہا کھڑا رہ گیا۔

.... ❖❖❖ ....

رات ہر چند کہ سازش کی طرح ہے گہری ...... صبح ہونے کا مگر دل میں یقین رکھتا ہے

وہ رات کولمبو پہ بھی اتر آئی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں سویا تھا۔ یونہی بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ رات بھی آدھی بیت گئی۔ شہر خاموشی میں ڈوبتا گیا۔
تب وہ اٹھا اور بیگ کندھے سے لگائے باہر نکلا۔ سڑک سنسان تھی۔ وہ چوکنا سا آگے بڑھتا گیا۔ بار بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ چند منٹ بعد وہ ایک ویران گلی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا جب دائیں طرف ایک بند بیکری کا بینر دیکھا۔ وہ انگریزی میں لکھا تھا۔ مسٹر بیکر۔ سعدی نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ تیزی سے بیکری کے دروازے تک آیا۔ اس کا لاک عام سا تھا۔ مگر کھولنے کے لیے کوئی تار' کوئی پن' کوئی بھی چیز دستیاب نہ تھی۔ اس نے پستول نکالا (جس کے اوپر سائیلنسر فٹ تھا) اور لاک کی طرف رخ کر کے ٹریگر دبایا۔ پستول سے آواز نہ آئی مگر اس نے زور کا جھٹکا کھایا۔ وہ پورے کا پورا ہل کر رہ گیا۔ دل تک کانپ گیا۔ مگر خیر... اب دروازے کو ٹھوکر ماری تو وہ کھل گیا۔
اندر بیکری سنسان' تاریک پڑی تھی۔ اس اسٹریٹ کی بہت سی دکانوں کی طرح۔ یہ درمیانے درجہ کی بیکری تھی۔ اس نے لائٹ

حالانکہ کمرہ روشن ہوا۔ وہ گھوم کر کاؤنٹر کے پیچھے آیا اور شوکیس کے اندر جھانکا۔ کیکس' پیسٹریز۔ براؤنیز۔ اس سے آگے اس نے نہیں دیکھا۔ وہ دو دن کا بھوکا تھا۔ اس نے بیگ پہ رکھا اور ایک بڑا سا کیک باہر نکالا۔ اردگرد کسی چمچ کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ کچھ خاص نظر نہ آیا تو دو ہاتھوں سے شروع ہو گیا۔ وحشت سے' دیوانہ وار' وہ تیز تیز کھاتا جا رہا تھا۔ ساتھ بار بار دروازے کو بھی دیکھتا۔

حنین کی فینٹسی تھی' کہ کبھی وہ کسی بیکری میں بند ہو جائے اور پھر... مزے مزے کی چیزیں بلا روک ٹوک کھاتی جائے' کھاتی جائے۔ اس کی خواہش کس کے نصیب میں لکھی تھی۔

ایک دم سے اسے کسی آہٹ کا احساس ہوا۔ وہ برق رفتاری سے پیچھے کو گھوما اور پستول والا ہاتھ تان لیا۔ دوسرے بازو کی آستین سے ہاتھ پہ لگی کریم رگڑی۔

بیکری کے اندرونی دروازے پہ ایک آدمی شب خوابی کے لباس میں کھڑا تھا۔ اس کے پستول تاننے پہ اس نے ہاتھ اٹھا دیے۔

"ریلیکس' ریلیکس..." وہ اسے تسلی دینے کے انداز میں کہنے لگا۔ سعدی سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے پستول تانے رہا۔

"مجھے مت مارنا۔ تم کھالو جتنا کھانا ہے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ چوکھٹ میں ہاتھ اٹھائے کھڑا کہہ رہا تھا۔ سعدی اسی طرح پستول اس پہ تانے اسے گھورتا رہا۔

"اس فریج میں صبح کے پیزا رکھے ہیں مائیکرو ویو میں گرم کرلو ان کو' بچے اور ساتھ لے جاؤ۔ میرا دل اتنا چھوٹا نہیں۔ لے جاؤ۔" وہ ہاتھ اٹھائے نرمی سے کہتا دو قدم مزید آگے بڑھا۔ سعدی نے آہستہ سے پستول والا ہاتھ نیچے کیا۔

"میں بغیر پیسوں کے کچھ نہیں لوں گا۔" ڈیڑھ دن بعد وہ پہلی دفعہ بولا تو احساس ہوا کہ آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ تم جو لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔ تم برے انسان نہیں ہو' میں دیکھ سکتا ہوں۔ تم صرف بھوکے ہو۔" وہ ہمدردی سے بولا۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا اور سر جھکا کر شوکیس میں رکھی براؤنیز کو دیکھا۔ "مجھے یہ ایک ڈبے میں ڈال دو۔ جلدی۔"

بیکر ہاتھ گرا کر تیزی سے آگے آیا' ایک ڈبے کا گتا اٹھایا' اس کی اطراف کو موڑ کر اس کو چوکور ڈبے کی شکل دی' پھر سعدی کے ساتھ آ کھڑا ہوا' اور جیسے ہی وہ براؤنیز نکالنے کے لیے جھکا' سعدی یوسف نے کہنی اس کی گردن کی پشت پہ ماری' اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' وہ بیکر کی گردن کو اپنے بازو کے شکنجے میں لے کر اس کی مخصوص رگ کو دباتا گیا۔

"تم نے پہلا فقرہ ہی مجھ سے انگریزی میں بولا۔ سنہالی کیوں نہیں بولی' ہاں؟ نیم روشن کمرے میں پہلی دفعہ مجھے دیکھتے ہی تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں انگریزی سمجھنے والا فارنر ہوں' ہاں؟" بیکر ہاتھ پاؤں مارتا رہا' مگر منہ سے آواز تک نہ نکلی' یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر لڑھک گیا۔

سعدی نے جلدی سے ٹشو اٹھا کر اپنے کریم والے ہاتھ صاف کیے' پھر جھک کر اس کی جیب تھپتھپائی۔ اندر سے موبائل نکالا۔ نیا پیغام آیا ہوا تھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی سنہالی کے باوجود بیکر کا پیغام اور جوابی پیغام سمجھ لیا۔ اپنے کسی جاننے والے کو "پوسٹر والے لڑکے" کی اپنی بیکری میں موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

کسی احساس کے تحت سعدی اٹھا اور بیکری کی بتیاں جلائیں۔ تلاش کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کیش کاؤنٹر کے اوپر ہی اس کا پوسٹر لگا تھا۔

وہ 100 فیصد اس کی شکل نہیں تھی' مگر سیاہ رنگ سے کھینچا خاکہ' گھنگھریالے بال' بھوری آنکھیں' گوری رنگت' اٹھی ہوئی ناک... نوے فیصد وہ سعدی ہی تھا۔ اس پوسٹر پہ لکھا تھا کہ وہ تامل ٹائیگرز کا جاسوس ہے (تامل ٹائیگرز سری لنکا میں وہی تھے جو پاکستان میں تحریک طالبان

ہے۔فرق اتنا ہے کہ تامل ٹائیگرز 2009 میں مکمل طور پہ پسپا ہو چکے تھے۔)اور وہ تامل تحریک کو پھر سے اٹھانے کے لیے سرگرم کارکنوں کے ساتھ کام کر رہا ہے۔اس کی گرفتاری پہ بھاری انعام رکھا گیا تھا۔ساتھ ایک فون نمبر بھی درج تھا۔ڈیم اِٹ۔سعدی نے تیزی سے وہ پوسٹر پھاڑ کر اتار لیا(اوپر لکھے فون نمبر کے دو ہندسے دیوار سے لگے رہ گئے۔)

پوسٹر بیگ میں ڈال کر وہ تیزی سے باہر نکلا۔ابھی تک گلی سنسان تھی۔اسے پکڑنے آنے والوں کو ابھی (پیغام کے مطابق) 10 منٹ لگنے تھے۔مین روڈ سے اس نے ٹک ٹک پکڑا‘ اور اس میں بیٹھ گیا۔اب وہ جھک کر بیگ کو خود سے لگا کر نہیں بیٹھا تھا۔اب وہ گردن اٹھائے‘ سنجیدہ اور ہوشیار سا بیٹھا تھا۔رستے میں اس نے تین رکشے بدلے۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اس جگہ سے کافی دور‘ ایک فلیٹ بلڈنگ کی تیسری منزل میں ایک اپارٹمنٹ کا تالہ کھول کر اس کے اندر کھڑا تھا. پوری عمارت میں صرف یہی فلیٹ یوں لگتا تھا کہ مکینوں سے خالی ہے۔(اس کی بالکونی میں رکھے پودے سوکھ رہے تھے۔گویا سارا خاندان جلدی میں گھر سے گیا ہو‘ کوئی ناگہانی آ گئی ہو‘ اور ابھی تک واپس نہ آ سکا ہو۔)

اس نے مختلف الماریاں کھولیں۔کپڑے دیکھے۔جوتے دیکھے۔لاؤنج میں پڑا فون بھی دیکھا۔مگر اس کو چھوا تک نہیں۔پھر وہ ایک باتھ روم میں چلا گیا۔

چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو بڑھی ہوئی شیو ویسی ہی تھی البتہ۔گھنگریالے بالوں پہ گویا استرا پھیر کر ان کو بہت چھوٹا کر دیا تھا۔شاید ناخن سے بھی آدھے رہ گئے ہوں۔نئی جینز شرٹ میں ملبوس‘ اس نے باہر آ کر بوٹ پہنے۔اور آئینے میں خود کو دیکھا۔اب وہ اسکیچ والے سعدی سے کافی مختلف لگ رہا تھا۔

وہ رات سعدی اسی فلیٹ میں رہا۔ان کا کمپیوٹر اس نے کھول کر پاسورڈ اڑا کر انٹرنیٹ کھولا۔اپنا کوئی میل اکاؤنٹ وہ لاگ ان کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔اس نے ندرت کی فیس بک آئی ڈی کھولی۔(یہ کسی زمانے میں امی کو بنا کر دی تھی‘ بیرون ملک رشتے داروں کی تصاویر دیکھتے‘ ان پہ جھوٹی تعریفیں لکھنے اور اپنے ریسٹورانٹ کے پیج پہ لوگوں کے اچھے ریویوز پڑھ کر خوش ہونے کے لئے وہ اسے استعمال کرتی تھیں۔) پاسورڈ سعدی کے پاس تھا۔اس نے ڈالا اور پھر... گویا ایک نئی دنیا کھل گئی۔

وہ ایک کے بعد ایک گھر والے کی آئی ڈی دیکھتا رہا۔سب کی ٹائم لائن بھری ہوئی تھی۔تصویریں‘ چیک اِن‘ کون کہاں گیا‘ کس کی سالگرہ ہوئی‘ کس نے کس کو ٹیگ کیا... حنین اور زمر کی اکٹھی مسکراتی ہوئی سیلفی...(یہ دونوں... ایک دوسرے کے ساتھ اتنی خوش؟) اسامہ کی تصویر...(یہ... اتنا بڑا؟ اتنا لمبا؟) اور پھر... فارس کی پروفائل... اس میں کچھ خاص نہ تھا... وہ کم ہی لاگ اِن کرتا تھا... مگر اوپر اسامہ کی پوسٹ کی ہوئی تھی۔"ماموں... کراچی نہ جائیں۔" فارس نے کوئی کمنٹ نہیں کیا تھا مگر نیچے حنین اور زمر کے جوابات تھے۔زمر کہہ رہی تھی اسامہ فارس کو تنگ نہ کرے‘ اور حنہ نے خفگی سے زمر کو فارس کی سائیڈ نہ لینے کا کہا تھا۔

وہ بالکل چپ بیٹھا رہا۔سارے حساب الٹے ہو گئے تھے۔زندگیاں بدل گئی تھیں۔وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔وہ سب آگے نکل گئے تھے۔ان کی زندگیاں کتنی پرسکون اور صاف ستھری تھیں۔

فارس... جو جیل میں تہجد اور فجر پڑھا کرتا تھا‘ اب بھی اس کا ایمان ایسا ہی مضبوط تھا۔ہر قسم کے کفر سے پاک۔

حنین... اس کی بہن... جس کی پروفائل پہ فجر کی نماز سے متعلق احادیث لکھی تھیں۔وہ کتنی سچی سی حنہ تھی۔ہر طرح کے جھوٹ سے پاک۔

زمر... صاف‘ کھری‘ نڈر سی زمر‘ جو ہر فریب سے دور تھی۔ہر مکر سے پاک تھی۔

اور وہ خود... اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔وہ ایک قاتل تھا۔

اس نے مڑ کر ایک دفعہ پھراوونج میں پڑے فون کو دیکھا۔مگر پھر سر جھٹک کر ارادہ بدل دیا۔

وہ اپنے گھر واپس نہیں جا سکتا تھا۔وہ ان کی طرح روشن' نیک اور صاف ستھرا نہیں رہا تھا۔اس کے اندر کے اندھیرے اس کے اپنوں کی ساری روشنی نگل لیں گے۔

یوں سعدی یوسف نے رہائی کے بعد کسی کو کال نہیں کی۔اسے کرنی ہی نہیں تھی۔صبح وہ اس فلیٹ سے باہر نکلا اور کیب لے کر کولمبو فورٹ کے ٹرین اسٹیشن کی طرف آ گیا۔بالکل کراچی یا لاہور کے جیسا اسٹیشن تھا۔مگر ذرا صاف ستھرا زیادہ تھا۔پہلے وہ اسٹال کی طرف آیا۔وہ نے فریم کا چشمہ خریدا اور اسے آنکھوں پہ لگایا' پھر پی کیپ ماتھے پہ مزید جھکا کر ٹکٹ ونڈو تک آیا۔لائن میں تب کھڑا ہوا جب سب سے آخر میں اس نے ایک لڑکی کو کھڑے دیکھا۔وہ ساتھ کھڑے لڑکے سے بات کر رہی تھی۔

''اوو گاڈ۔''وہ جیب تھپتھپا کر اونچا سا بولا۔''میں اپنا سیل فون شاپ پہ چھوڑ آیا۔''وہ دونوں مڑ کر اس کا پریشان چہرہ دیکھنے لگے۔

''آپ میرے لیے کینڈی کا ٹکٹ خرید دیں گی۔پلیز۔میں سیل فون لے آؤں۔''جلدی جلدی چند نوٹ اسے تھما کر وہ مڑ کر بھاگا۔

لڑکی حیران رہ گئی مگر لڑکے نے اسے تسلی دی کہ وہ اس کے لیے ٹکٹ لے لیں گے۔

جب اس نے دیکھا کہ ان کی باری آ چکی ہے اور وہ ٹکٹ لے چکے ہیں' تب وہ واپس ان تک آیا اور بہت ہی مایوسی سے بتایا کہ وہ سیل کھو چکا ہے۔انہوں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے بقایا پیسے اور ٹکٹ اسے تھمائے' جنہیں لے کر وہ پھر سے وہاں سے غائب ہو گیا۔ٹرین کی روانگی تک وہ ایک باتھ روم میں دروازہ بند کر کے کھڑا رہا' اور جیسے ہی وقت قریب آیا' وہ باہر نکلا' اور ٹرین میں جا سوار ہوا۔نہ کسی نے اسے دیکھا' نہ کسی نے اسے محسوس کیا۔وہ ایک کونے کی سیٹ پہ بیٹھ گیا اور اخبار' وہ کسی مسافر نے نہیں چھوا تھا کہ ہر کوئی اپنے اسمارٹ فون کے ساتھ لگا تھا' کو چہرے کے سامنے پھیلا لیا۔

دو منٹ بعد ٹرین چل پڑی...اور اسے کولمبو سے دور لے گئی...دور...بہت دور...

.............٭٭٭.............

یہ دن ہیں کہ یاروں کا بھروسہ بھی نہیں ہے ..... وہ دن تھے کہ دشمن سے بھی نفرت نہیں ہوئی تھی

ہوٹل کی زیر زمین جیل میں فصیح سعدی کے کمرہ جس میں کھڑا تھا اور اس کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ساتھ والے کمرے میں تین افراد اس شیف کو باندھ کر اس کے چہرے پہ کپڑا ڈالے اس پہ بار بار گرم پانی ڈال رہے تھے اور وہ درد سے کراہتا بے ربط الفاظ بولے جا رہا تھا۔

میری فصیح کے ساتھ کھڑی تھی اور اس کو سعدی کی چیزوں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''وہ یہاں سے کچھ بھی نہیں لے کر گیا' سوائے ان کاغذات کے جن پہ وہ کچھ لکھا کرتا تھا۔''

''ہوں۔''فصیح نے ہنکارا بھرا' پھر سر اٹھا کر میری کو دیکھا۔''تم اوپر چلی جاؤ۔تم کاردار صاحب کے ساتھ واپس جاؤ گی۔''

میری کی آنکھیں نم ہو گئیں۔''مگر میں نے ان کو مایوس کیا ہے۔میری مخبری کی وجہ سے وہ اس کمرے تک پہنچے اور وہاں سے بھاگے۔''

''مگر تمہاری نیت صاف تھی۔جاؤ' کاردار صاحب اوپر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''وہ بے نیازی سے بولا۔میری آنکھوں کو پونچھتی باہر نکل گئی۔فصیح موبائل پہ بٹن دباتا باہر آیا اور لفٹ کی طرف بڑھتے' دوسری جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔

''سر ایک اہم بات ہے۔''لفٹ میں داخل ہو کر وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

''کیا ہوا فصیح؟''ہارون مصروف لہجے میں بولے تھے۔

''شیف ٹوٹ چکا ہے۔ سب اگل دیا ہے۔ لیکن زہریلی سرنج کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا۔ سر۔'' وہ متذبذب سا رکا۔ ''سعدی یوسف کے سامان میں دو چیزیں مسنگ ہیں۔ ایک اس کے کاغذ' دوسرا مسز آبدار کا پین۔ مسز آبدار اپنی نوٹ بک اس کے پاس چھوڑ گئی تھیں۔ میں وہ لینے لگا تو وہ پین یاد آیا۔ صرف وہی پین تھا جو سیکیورٹی پوائنٹ پہ چیک نہیں کیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے' مسز آبدار نے اس میں زہر.....''

''آج تو تم نے میری بیٹی پہ الزام لگا دیا ہے' آئندہ کبھی مت لگانا۔'' وہ ایک دم گرج کر بولے تھے۔ ''وہ میرا پین تھا' اور وہ سعدی نے نہیں رکھا تھا۔ آبی اسے واپس لے آئی تھی۔ تمہاری یادداشت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ اپنی ناک کے نیچے سارا کھیل رچاتے شیف کو تم پکڑ نہیں سکے' اور میری بیٹی پہ الزام لگاتے ہو؟''

فصیح کے ایک دم پسینے چھوٹ گئے۔ رنگت متغیر ہوئی۔ ''سوری سر' میرا یہ مطلب...'' مگر ہارون اس کے سارے خاندان کو مغلظات سے نواز کر' اسے گویا ادھ موا کر کے فون بند کر چکے تھے۔

وہ اس وقت اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔ فون بند کر کے انہوں نے ریموٹ اٹھایا اور دیوار گیر کھڑکی کی طرف کر کے بٹن دبایا۔ بلاک آؤٹ بلائنڈ ز فوراً سے کھڑکیوں پہ گرنے لگے یہاں تک کہ ساری روشنی ختم ہو گئی اور آفس میں اندھیرا چھا گیا۔ ہارون ٹیک لگائے' تھوڑی مسلتے' چھت کو دیکھتے کتنی ہی دیر سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے انٹرکام اٹھایا۔

''آفتاب کو بلاؤ۔''

آدھے گھنٹے بعد.....وہ اسی طرح اندھیرا کیے' کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے جب آفتاب اندر داخل ہوا۔ وہ دبلا پتلا' ادھیڑ عمر شخص تھا اور اچھا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ ہارون نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''میری بیٹی نے مجھے صبح اطلاع دی تھی کہ وہ چند دن کے لئے میرا بزنس جیٹ لے کر جا رہی ہے۔ اس نے میرے عملے کو بھی چھٹی دے دی ہے.....مجھے معلوم ہے وہ کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی ہے جس کے بارے میں وہ مجھے نہیں بتانا چاہتی۔''

آفتاب توجہ سے سن رہا تھا۔

''وہ اپنے قابلِ بھروسہ لوگوں کو عملے میں رکھے گی۔ وہ تم پہ بھروسہ کرتی ہے۔ اکثر تمہیں کام کہتی رہتی ہے۔ تم اس عملے میں شامل ہو گے۔''

''اور میں آپ کو معلوم کر کے دوں گا کہ وہ کس کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں؟''

''میں پہلے سے ہی جانتا ہوں کہ اس کا نیا دوست کون ہے اور یہ بھی کہ وہ کولمبو کیوں جانا چاہتا ہے۔ تم بس کولمبو میں آبی کے قریب رہو گے' اور اس کی حفاظت کرو گے۔'' ان کا چہرہ اندھیرے میں تھا' اور دن کے اوقات کے باوجود آفتاب کو ان کا چہرہ دیکھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دھیان اور غور سے سنتا گیا۔

❖❖❖

اب سانس کا احساس بھی اک بارِ گراں ہے ..... خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی

میری اینجیو نے اس روز یونیفارم کی بجائے سادہ بھوری اسکرٹ' بلاؤز کے سیاہ لمبی جرابیں پہنی تھیں۔ جس وقت وہ کار سے نکل کر سبزہ زار پہ کھڑی ہوئی' اس کی گردن خود بخود قصرِ کاردار کو دیکھنے... نگاہوں میں سمونے کے لئے... اوپر اٹھتی گئی۔ دھند اور سرخ شام کے ڈھلتے موسم میں پوری شان سے کھڑا اونچا محل روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اگلی کار سے ہاشم اور جواہرات نکلے تھے۔ سونی آگے بھاگ گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرتے قصر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میری نے گردن سیدھی رکھی' اور دلی جذبات پہ قابو پاتی' ہمت مجتمع کر کے ان کے پیچھے چل پڑی۔ رواج کے مطابق خوش آمدید کہنے ملازم دروازے پہ آ کھڑے ہوئے تھے۔ فیونا بھی ان میں سے ایک تھی۔ سب سے آگے' وہ اعتماد سے

مسکرا کر جواہرات کا استقبال کر رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹا اسی بے نیازی سے اندر داخل ہوئے اور فیونا نے دیکھا' ان کے پیچھے میری انجیو چلی آ رہی ہے۔ فیونا یکدم بت بن گئی۔ بالکل منجمد۔ میری قدم بقدم چلتی قریب آئی۔ اس کے ادھیڑ عمر چہرے پہ فیونا کے مقابلے میں ڈھیروں لکیریں اور تجربے کے بل پڑے تھے۔ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے فیونا کو دیکھا۔

''بہروز سے کہو میرا کمرہ تیار کرے۔'' تحکم سے کہا تھا۔ فیونا نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا جو اندر جا رہی تھی اور پھر بے بسی بھرے تعجب سے واپس میری کو۔

''بہروز... سارا پرانا اسٹاف... اب یہاں جاب نہیں کرتا۔'' پھر ذرا اعتماد سے بولی۔ ''اب یہاں کا اسٹاف بدل گیا ہے میری انجیو۔''

''بہت اچھے۔ اس بدلے ہوئے اسٹاف کے لوگوں سے کہو میرا کمرہ تیار کریں اور یہ بھی کہو' صبح منہ اندھیرے وہ اٹھ کر تیار ہو جائیں' کل میں سارے گھر کے ان ڈور پلانٹس کی جگہیں بدلنا چاہوں گی۔'' پھر ایک طائرانہ نظر برآمدے پہ دوڑائی۔ ''اور ادھر کے سارے پودے کہاں گئے؟ میں چند دن کے لیے کیا گئی' تم لوگ تو نکمے ہو گئے ہو...'' ڈپٹ کر بولتی وہ اندر بڑھ گئی۔ فیونا ہکا بکا سی ساکت کھڑی رہ گئی۔

اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھتی جواہرات کہہ رہی تھی۔ ''میری... مساج کے لیے سامان تیار کرو۔ میرے پیر بہت درد کر رہے ہیں۔''

اور اوپر سیڑھیوں کے زینے چڑھتے ہاشم نے آواز لگائی تھی۔ ''میری... بلیک کافی بھیجو میرے کمرے میں فوراً۔'' اور میری انجیو مسکرا کر ''یس میم' یس سر'' دونوں کو جواب دیتی آگے بڑھ گئی تھی۔

پہلے احمر شفیع اور اب میری انجیو... فیونا کا سارا وجود سن ہو گیا تھا۔

اپنے کمرے کے دروازے کے قریب ہاشم رکا۔ سامنے سے نوشیرواں چلا آ رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر ہاشم تنے تاثرات کے ساتھ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اسے امید تھی کہ شیرو معذرت کرنے پیچھے آئے گا' مگر چند لمحے بعد زینے اترنے کی آواز نے اس کے دل کو دھکا سا لگایا۔ مگر وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا' کوٹ اتارتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

زندگی اس کے لیے معمول پہ آ چکی تھی۔ سعدی یوسف کے بھاگنے کے بعد اسے اگلا کارڈ کون سا کھیلنا تھا' اب اسے یہی سوچنا تھا۔

...............❖❖❖...............

اب تیرے قریب آ کے بھی کچھ سوچ رہا ہوں ..... پہلے تجھے کھو کر بھی ندامت نہ ہوئی تھی

ایئرپورٹ جانے سے پہلے' گھر کے اندر سب سے مل کر خدا حافظ کہہ کر اب وہ پورچ میں آ کر کار میں سامان رکھنے لگا تھا' اور جانتا تھا کہ اس سے اس وقت کوئی خوش نہیں تھا۔ اس نے سارہ کو فون کرنے کا سوچا' پھر رہنے دیا' وہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ چکا تھا۔

موبائل نکال کر اس نے کال ملائی اور تھوڑی دیر کے لیے گیٹ سے باہر جا کر بات کرنے لگا۔

''میں پھر سے دہرا رہا ہوں' تم چوبیس گھنٹے میرے گھر کے باہر رہو گے۔ میرے گھر کون آتا ہے' یہاں سے کون کہاں جاتا ہے تم ان پہ نظر رکھو گے۔ قادر میرے بھانجے کے قریب رہے گا۔ جب تک وہ اسکول میں ہو گا' وہ اسکول کے باہر کھڑا رہے گا۔ میں کچھ دن میں آ جاؤں گا' لیکن میرے پیچھے تم لوگ میرے گھر والوں کی حفاظت کرو گے۔'' اور دوسری طرف موجود بندہ اسے تسلی دے رہا تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔

زمر نے ایئرپورٹ تک کی ڈرائیو خاموشی سے طے کی' وہ بھی چپ سا کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ صرف حنین ساتھ آئی تھی اور پیچھے چپ بیٹھی تھی۔ فارس نے اس سے ابھی تک بات نہیں کی تھی۔

پھر احاطے کے اندر آ کر... ڈھیروں مسافروں کے درمیان.... زمر اس جگہ رکی جہاں سے آگے وہ نہیں جا سکتی تھی۔ وہ بھی ٹھہر گیا۔ کچھ دیر دونوں خاموش کھڑے رہے۔

''تو طے ہوا کہ تم نہیں رکو گے۔ بھلے کوئی کتنا ہی روکے!'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ اس کے مقابل کھڑی اداس مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

''کسی نے روکا ہی نہیں تو کیسے رکتا؟'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔

زمر بس یاسیت سے اسے دیکھتی رہی۔ ''مت جاؤ۔''

''آ جاؤں گا واپس۔'' اس نے نظریں چرائیں۔

''اور اگر جون آئے فارس.....'' وہ بے بسی سے دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی تھی۔ جیسے اپنی بات کی وضاحت نہ کر پا رہی ہو۔ ''مجھے لگتا ہے میں تمہیں کھو دوں گی۔''

''تم سب محفوظ ہو۔ پہلے نہیں تھے۔ اب ہو۔ کیونکہ اب ہم سب اکٹھے ہیں۔'' ارد گرد موجود لوگوں سے قطعاً بے نیاز ہو کر اس نے زمر کے دونوں ہاتھ تھامے۔ اسے پرواہ نہیں تھی کوئی دیکھ کر کیا سوچتا ہے۔ ہاتھ تھامنے کا مطلب صرف رومانس تو نہیں ہوتا۔ جیسے بھائی بہن کا یا باپ بیٹی کا ہاتھ تھام کر اسے حفاظت اور بھروسے کا احساس دلاتا ہے ویسے ہی شوہر اور بیوی کے رشتے میں (اگر ہالی وڈ کی عینک اتار کر تم دیکھو) تو دوستی اعتماد حفاظت مان یہ سب ہوتا ہے اور رومانس تو ایک بہت ثانوی چیز بن کر رہ جاتا ہے۔

اور اس وقت وہ خود کو جتنا کمزور محسوس کر رہی تھی فارس کا یوں ہاتھ تھام کر احساس دلانے سے... اس کی آنکھیں جانے کیوں بھیگ گئیں۔ سرخ گڑیا سے جڑی ساری تلخی ہوا ہوئی۔

''پچھلے ساڑھے چار سال اچھے گزرے فارس۔ میں ان سیکیور نہیں محسوس کرتی تھی خود کو۔ کھونے کے لئے کچھ رہا ہی نہیں۔ مگر اب... مادہ کامل کے بعد سے... اس رشتے کے بعد سے... کھونے کے لئے بہت کچھ آ گیا ہے زندگی میں۔ پلیز جلدی واپس آ جانا۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہی تھی۔ آج اس سے لڑنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''تو تم مجھے مس کرو گی؟'' وہ مسکرایا۔ مگر خوش وہ بھی نہیں تھا۔

''میں تمہیں مس کیوں کروں گی؟'' زمر نے مسکراہٹ دبائے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے۔ ''آئی ہیٹ یو۔'' اور فارس غازی نے سر کو خم دیا۔

''آئی لو یو ٹو!'' اور بیگ اٹھا کر کندھے پہ ڈال لیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔ گردن پیچھے کو پھینک کر محظوظ ہو کر۔ پھر اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مسکرا کر محظوظ ہو کر۔ زمر کے دل میں ایک دم بہت سے واہمے در آئے۔

''تم ایسے ہی واپس آؤ گے نا؟ بدل تو نہیں جاؤ گے؟''

''نہیں۔'' اس نے مسکرا کر تسلی دی۔ پھر اس کی طرف جھکا۔ ''اور میں اس کو دن میں تین چار کی بجائے صرف ایک یا دو کالز کیا کروں گا۔''

''ہاں ہاں کر لینا۔'' وہ پھر ہنس دی تھی۔ وہ اسے صرف ستا رہا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے خود کو تسلی دے دی اور پھر مڑ آئی۔ اس کو دور جاتے دیکھنا مشکل تھا۔ خود دور جانا زیادہ آسان تھا۔

حنین اس کی منتظر تھیں۔ وہ چپ چاپ اس سے آملی۔ ماحول بوجھل سا تھا۔ اور پھر اسی بوجھل ماحول میں وہ دونوں گھر جانے کے بجائے ایک ریسٹورانٹ میں آ بیٹھیں۔ حنین نے آرڈر دیا اور زمر گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"مبارک ہو۔ آپ کا شوہر بھاگ گیا، اور میرا بھائی ابھی تک گمشدہ ہے۔" حنہ نے تھوڑی دیر بعد جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہم دونوں ناکام عورتیں ہیں کیونکہ ہمارے سب سے عزیز مرد ہمیں چھوڑ جاتے ہیں۔" وہ خفگی سے بول رہی تھی۔ "فرعون بھی تو یہی کرتا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے... بار بار... کہ بنی اسرائیل... وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔"

"بیٹیوں کو نہیں، عورتوں کو۔" زمر نے جیسی آواز میں تصحیح کی مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

"یہ عذاب تھا بنی اسرائیل کا۔ ایسی ذلت کہ کوئی آپ کے مردوں کو مار دے اور عورتوں کو چھوڑ دے۔ اکیلی عورتوں تو۔ بنی اسرائیل کی بے بسی اور لاچارگی تو دیکھو۔ بالکل ہماری طرح۔"

"ہاں ٹھیک ہے یہ آیت "یقتلون ابنائکم و یستحیون نسائکم" بنی اسرائیل کی بے بسی بیان کرتی ہے، مگر اس کے اور زاویے بھی ہیں۔" زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

"مثلاً کون سے؟" وہ سخت جلی کٹی بیٹھی تھی۔ فارس اس سے بات تک نہیں کر کے گیا تھا۔

"بہت سے ہوں گے یا حنین۔" وہ جیسے اس ذکر سے احتراز برت رہی تھی۔ اتنے برس سخت دل کے ساتھ گزارے تھے اب کیا پگھلنا؟

"آپ بتائیں، میں سن رہی ہوں۔" حنہ نے لہجہ ذرا دھیما کیا۔

"ہر آیت کے بہت سے رموز، بہت سے زاویے ہوتے ہیں۔"

"ایک منٹ زمر۔ میں نے ایک بات بھائی سے کبھی نہیں پوچھی، پہلے ضرورت نہیں پڑی لیکن اب میں خود کنفیوز ہو رہی ہوں کہ جیسے بھائی کی فیس بک پہ تفسیر ویڈیوز ہیں..." وہ ذرا ہچکچائی... "ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کیسے کر سکتے ہیں؟"

زمر دونوں کہنیاں میز پہ جمائے آگے کو ہوئی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کر بھی نہیں سکتے۔ تفسیر تو مفسر کرتے ہیں۔ عربی گرامر، صرف نحو وغیرہ کی باتیں۔ حقائق کے حوالہ جات۔ آیات کا شان نزول وغیرہ بتانا۔"

"تو پھر وہ جو بھائی کے فیس بک گروپ میں اس کی ویڈیوز ہیں، وہ کیا ہے؟"

زمر لمحے بھر کے لیے چپ ہوئی۔ آنکھیں نیچے جھکا کر اس نے گویا کچھ سوچا۔ حنہ کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ اور اس کی اپنی آنکھوں میں دلچسپی اتری۔ پھر زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔ (فارس کے جانے کا غم دونوں کے دل سے لمحے بھر کو نکل گیا۔)

"ہمارے رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے آپ کو مفسر نہیں کہا تھا۔ قرآن ایک علمی کتاب بھی ہے، لیکن یہ "صرف" علمی کتاب نہیں ہے۔ کیا اللہ نے قرآن میں یہ نہیں فرمایا کہ... (قدرے وقت سے اس نے آیت دہرائی، یہ نہیں تھا کہ آیت یاد نہیں تھی، بس اس کا یاد آنا اور خود کو یاد دلانا مشکل لگ رہا تھا) یعنی ہم نے نازل کی آپ پر یہ کتاب جو مبارک ہے، تاکہ آپ اس میں تدبر (غور و فکر) کریں اور اس کے ذریعے عقلمند لوگ نصیحت پکڑیں۔ تو حنین، ہم لوگ قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے، مگر اس کی آیات کے معانی کے اندر رہ کر اس میں تدبر تو کر سکتے ہیں اور اس کی دعوت خود قرآن ہر انسان کو دیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ کوئی پیدائشی عام یا خاص نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم اس کی ایک ایک آیت کو اپنی زندگی سے ریلیٹ نہیں کریں گے، تو نصیحت کیسے پکڑیں گے اس سے؟ دیکھو میں واقعی بہت نیک نہیں ہوں، اس کو پڑھتی بھی نہیں ہوں اب۔ مگر میں جو قرآن کا مقصد سمجھی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ ہر انسان کے لیے نصیحت ہے۔ یہ صرف "تفسیر" نہیں ہے۔ یا یہ صرف علمی کتاب نہیں ہے۔" حنین پیچھے ہو کر بیٹھی۔ دیٹر آرڈر سرو کرنے لگا مگر زمر ادھر متوجہ نہیں تھی۔ (اچھی بات ہے۔) حنہ نے اپنی پلیٹ سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر لیکن اگر ہر انسان خود سے تدبر کرنے لگے گا تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ کیونکہ اللہ اسی قرآن کے ذریعے لوگوں کو بھٹکاتا بھی ہے۔''

''تو پھر، ہر قرآن پڑھنے والا بھٹک کیوں نہیں جاتا؟'' وہ اب زیادہ روانی سے بول رہی تھی۔ ''لوگوں نے اس آیت کو بہت غلط استعمال کیا ہے کہ چونکہ قرآن سے بندہ بھٹک بھی سکتا ہے اس لیے اس کو صرف گھول کر پیو اور پھر چوم کر کسی اونچی جگہ پہ رکھ دو۔ دیکھو حنہ... کوئی شخص کسی راستے پہ سفر کرنے نکلے تو یا تو وہ بھٹکے گا' یا منزل تک پہنچ جائے گا۔ بھٹکنے کے ڈر سے اب کوئی سفر ہی نہ کرے کیا؟ لوگ تو روز سفر کرتے ہیں۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ جو سائن بورڈز دیکھ کر سفر کرے گا' کامن سینس یوز کرے گا' وہ نہیں بھٹکے گا۔''

''میں بحث نہیں کرنا چاہ رہی زمر۔'' حنہ نے مزے سے پلیٹ میں اچھی اچھی اسنیکس نکالیں' فرنچ فرائز بھرے' ساس ڈالی اور پھر سرسری انداز میں بولی۔ ''مگر... اس طرح اگر ہر شخص قرآن کی تفسیر...'' وہ رکی اور تصحیح کی۔ ''قرآن میں تدبر کر کے اس کو بیان کرنا شروع کر دے یعنی اپنی رائے پہ بیان کرنے لگ جائے... تو...''

''اپنی رائے پہ تو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن میں ہے نا وہ کہ جہنم والے کہیں گے ہم قیامت کو جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ آ گیا ہم کو الیقین۔ اب الیقین کا مطلب ''موت'' ہے۔ آپ اس کا مطلب ''یقین کر لینا'' نہیں لے سکتے۔ آپ کو اس آیت کے اندر رہ کر اس کے مطلب کے دائرے میں رہ کر ہی تدبر کرنا ہے' اور عقل استعمال کر کے اس سے اپنے لیے سبق نکالنے ہیں۔ اسی لیے اللہ کہتا ہے قرآن میں' کہ یہ نصیحت ہے عقل والوں کے لیے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں زمر' کہ اگر ہر شخص یوں تدبر کرنے لگے گا' بھلے وہ اس کی اپنی رائے نہ ہو' بھلے وہ آیت کے اندر رہ کر ہی کہے یہ سب... تب بھی... کیا فتنہ نہیں کھڑا ہوگا؟ کیونکہ بہت سے لوگ غلط تدبر نہیں کرنے لگ جائیں گے اور دوسروں کو بھٹکائیں گے؟''

حنین اب فرنچ فرائز ساس میں ڈپ کر کر کے کھاتی پوچھ رہی تھی۔ (برے ماموں... آپ کی وجہ سے کل سے کھانا نہیں کھایا۔)

''کیا مطلب کہ لوگ غلط تدبر کریں گے؟ لوگ پہلے ہی غلط تدبر کر رہے ہیں' حنین۔ اسی قرآن کی آیات کو استعمال کر کے دہشت گرد بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ قادیانی اسی قرآن سے اپنے مطالب نکالتے ہیں۔ سلمان رشدی جیسے لوگ اسی قرآن کو کوٹ کر کے اپنی کتابیں لکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ہی لوگ ''دین میں کوئی جبر نہیں'' جیسی آیات کا معانی بدل کر اسے استعمال کرتے ہیں۔ لوگ تو ہمیشہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ایسے میں تو ہمیں زیادہ ضرورت ہے قرآن میں صحیح تدبر کرنے کی تاکہ ہم روشنی پھیلائیں اور اس سے غلط تدبر کرنے والوں کے اندھیرے کو مٹائیں۔ لوگوں کو قرآن کا اصل مطلب بتائیں۔''

''وہی تو زمر... اگر ہم بھی تدبر کو فروغ دیں گے تو یوں لوگوں کے غلط تدبر کا رسک بڑھے گا۔ پہلے جہاں دس لوگ قرآن کو غلط بیان کرتے تھے وہاں اب سو لوگ ایسے کرنے لگ جائیں گے۔''

''ہاں تو کرتے رہیں۔'' اس نے شانے اچکائے تھے۔

''کرتے رہیں؟'' حنین کا کانٹا پکڑے ہاتھ فضا میں معلق ہو گیا۔ منہ کھل گیا۔ ''کرتے رہیں؟''

زمر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''ہاں کرتے رہیں' مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ یہ قرآن ہے۔ ڈیئر حنین' اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ جو اس میں غلط تدبر کرے گا' اس میں معنوی تحریف کرے گا' وہ خود ہی رسوا ہو کر کسی کونے میں پڑا ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے' ہر چیز سمندر کی جھاگ کی طرح بہہ جائے گی' لیکن جو لوگوں کو نفع دیتا ہے' صرف وہی رہ جائے گا۔ تو جو صحیح تدبر کرے گا' اس کا کام رہ جائے گا۔ باقی سب سمندر کی جھاگ کی طرح بہہ جائے گا۔ کتنے عرب شعراء نے قرآن کی طرح کلام لکھنے کی کوشش کی' کہاں ہے ان کا کام؟ کہاں ہے سلمان رشدی کی کتاب؟ پتہ ہے کیا' جب امام مالک موطا لکھ رہے تھے (حدیث کی ایک مستند کتاب) تو بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی کتب کا نام موطا رکھ کر

لکھنا شروع کر دیا تو کسی نے امام مالک سے کہا کہ آپ اپنی کتاب کا نام بدل دیں' تو انہوں نے فرمایا" جو اللہ کے لئے ہے وہ رہ جائے گا۔" آج صرف ایک موطا مارکیٹ میں ملتی ہے جو امام مالک کی ہے۔ باقی کہاں گئیں؟ تو قرآن کی بقا کے لئے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ اس نے خود ہمیں دعوت دی ہے کہ ہم اس کے اندر تدبر کریں اور اس کے ساتھ لوگوں کو نصیحت کریں۔ ہم اچھی نیت سے اور اس کو سمجھ کر اس کا مطلب بیان کریں گے اور اس سے اپنے لئے اسباق نکالیں گے تو ہمارا کام رہ جائے گا' لیکن جہاں ہم غلط کچھ کہیں گے یا لکھیں گے' تو ہم خود ہی مٹ جائیں گے۔"

"رائٹ!" حنین بھی گویا چونک سی گئی تھی۔ اس نہج پہ اس نے پہلے نہیں سوچا تھا۔ زمر نے پلیٹ میں اسٹیک نکالتے ہوئے اسی اعتماد سے حنہ کو مخاطب کیا۔

"اور تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو مارتا تھا اور عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا' اس میں اور کس طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ تو اگر تم اس آیت کے الفاظ پہ غور کرو تو "بیٹوں" کو مارتے تھے اور "عورتوں" کو زندہ چھوڑتے تھے کہا گیا ہے۔ "بیٹوں" کے مقابلے پہ "بیٹیاں" کہا جانا چاہیے' مگر نہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عورتیں"۔" اب کے اس نے بھی اپنی پلیٹ میں اسٹیک نکالی اور اسی روانی میں بولتی گئی۔ "فرعون کو جب معلوم ہوا کہ ایک بنی اسرائیلی لڑکا اس کے زوال کا سبب بنے گا تو اس نے پتہ کروایا کہ وہ کس سال میں پیدا ہوگا۔ ان کے اپنے حساب تھے۔ ایک سال میں پیدا ہونے والے بچے وہ مروا دیتا تھا' اگلے سال والے چھوڑ دیتا تھا۔ جس سال ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اس سال بچے نہیں مارنے تھے' سو ان کو چھوڑ دیا گیا۔ مگر جس سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اس سال بچے قتل کیے جا رہے تھے۔ تو ہاں' ایک طرف یہ آیت بنی اسرائیل کی بے بسی اور ذلت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ وہ ان کے بیٹوں کو مارتا تھا' مگر "عورتوں" کو چھوڑ دیتا تھا۔ بیٹیوں کو نہیں' عورتوں کو۔ ماں بھی' بہن بھی۔ چاہے کوئی بھی اسرائیلی عورت ہو' فرعون نے اسے چھوڑ دیا۔ اور پھر انہی دو عورتوں نے... موسیٰ کی والدہ اور ان کی بہن... انہی نے تدبیر کی... نہ صرف موسیٰ کی جان بچائی بلکہ ان کا فرعون کے محل میں رہنا سہل بھی بنایا۔ اگر موسیٰ کی والدہ اللہ کے حکم کو اس وقت نہ مانتیں' اور تدبیر نہ کرتیں' تو فرعون کا زوال کیسے ہوتا؟ سو مجھے لگتا ہے اس آیت میں فرعون کی غلطی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ فرعونین غلطی کرتے ہیں جب وہ کسی قوم کی عورتوں کو کمزور اور کم عقل جان کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور سارا فوکس ان کے مردوں پہ رکھتے ہیں۔"

اور زمر یوسف کو لگا' یہ سب کہہ کر خود اس کے دل کو سخت پتھر بنائے خول میں دراڑیں پڑ رہی تھیں۔ سنا تھا قرآن دلوں کو نرم کرتا ہے' آج لگا تھا' واقعی کرتا ہے۔ ہلکی پھلکی سی ہو کر وہ اب کھانا شروع کرنے لگی۔

"بالکل۔ عورتیں بہت کچھ کر سکتی ہیں' لیکن اگر وہ اکٹھی ہوں۔"

حنین نے مسکرا کر زمر کو دیکھا۔ "بہت سالوں بعد آپ کے منہ سے قرآن کی باتیں سنیں۔ اچھا لگا۔ کبھی آپ بھی لکھا کریں نا یہ سب سعدی بھائی کے فیس بک گروپ پہ۔" زمر کے چہرے پہ سایہ لہرایا۔

"جو لوگ اپنی ذاتی عبادات میں اچھے نہیں ہوتے' ان کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ دین کا کام کریں۔ میں بے روح عبادت کے بعد کیسے لوگوں کے سامنے قرآن کو بیان کر سکتی ہوں! یہ کام سعدی جیسوں کے لئے ہی سجی ہے۔" وہ خاموشی سے سوچتی رہی' بولی نہیں۔ حنہ اب سارا غم' بھلائے کھانا کھا رہی تھی۔ (کاش کسی دن وہ کسی بیکری میں بند ہو جائے اور سب کچھ چٹ کر جائے.....) وہ بچپن کی معصوم خواہش آج پھر دل کو گدگدانے لگی تھی۔

.... ✤ ✤ ✤ ....

ملنے کو زندگی میں کئی ہمسفر ملے ..... لیکن طبیعتوں سے طبیعت نہیں ملی

بارکر 400 فضا میں تیر رہا تھا اور نیچے پھیلی دنیا کی سردی کے برعکس اس کے اندر کا ماحول گرم اور آرام دہ تھا۔ چھوٹی چوبور کھڑکی سے

باہر دیکھتے فارس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ ابرو ذرا اکٹھے کیے ہوئے تھے اور سر پہ سیاہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔

اس کے مقابل نشست پہ آبی بیٹھی تھی۔ اس نے سرخ ریشمی رومال سر پہ باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی اور رومال سے نکلتی بھوری سرخ چوٹی بائیں شانے پہ آگے کو ڈال رکھی تھی۔ وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے' سرخ لب کاٹتی' سرمئی آنکھیں فارس پہ مرکوز کیے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پہ معصومیت اور خوشی دونوں تھیں۔ ملازم ٹرے لیے اس کے پاس آ کر کھنکھارا تو وہ چونکی' گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور ''تھینک یو آفتاب'' کہتے ہوئے گلاس اٹھا لیا۔ ملازم فارس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے' گردن موڑے بنا ''نو تھینکس'' کہا۔ آبی نے ہاتھ کے اشارے سے آفتاب کو جانے کا کہا۔ وہ ایک خاموش نظر فارس پہ ڈال کر مڑ گیا۔

وہ دونوں تنہا رہ گئے تو آبدار کھنکھاری۔ ''کیپ اتار دیں۔ میرے ملازم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔''

فارس نے سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''اس نے تین دفعہ مجھے سر سے پیر تک دیکھا ہے۔ وہ ذہن میں میری پروفائلنگ کر رہا تھا۔ لینڈ کرتے ہی وہ آپ کے والد کو کال کرے گا اور ان کے سامنے مجھے پروفائل کرے گا۔''

''نہیں'' وہ قابل بھروسہ آدمی ہے' آپ فکر مت کریں' وہ....''

''مجھے بالکل فکر نہیں ہے آبدار۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے والد کو بتائے۔'' وہ بے تاثر نظروں سے اس کو دیکھ کر بولا تھا۔

آبدار کی آنکھیں اس پہ ساکت سی ہو گئیں۔ ''جی؟''

''میں اپنے کام خود کرتا ہوں' لیکن جب کوئی کام بساط سے بڑھ کر لگے تو اس کا بوجھ بانٹ دیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہاشم جانے میں کولمبو جا رہا ہوں۔ اس کے لیے جو کر سکتا تھا' وہ کیا۔ لیکن قوی امکان ہے کہ کوئی مجھے دیکھ لے اور ہاشم کو بتا دے۔ سو میں نے آپ کے ساتھ جانے کو ترجیح دی' کیونکہ آپ کا عملہ ضرور آپ کے والد کو بتائے گا اور میرے حصے کا آدھا کام وہ کریں گے۔''

''اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ بابا ہاشم سے اس بات کو مخفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے؟''

''کیونکہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ وہ آپ کو دو دشمنوں کی فائر لائن کے درمیان نہیں کھڑا کرنا چاہیں گے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ کیپ نے اس کی آنکھوں پہ اندھیرا سا کیا ہوا تھا۔

''یعنی.....'' آبی متحیر رہ گئی۔ ''آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں؟''

''جی' میں آپ کو استعمال کر رہا ہوں۔'' وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

آبی کو پھر بھی برا نہیں لگا۔ کہنی سیٹ کے ہتھے پہ جمائے' ہتھیلی پہ چہرہ گرائے' اس کو دیکھتے ہوئے سوچ کر کہنے لگی۔ ''میرا خیال تھا ہم دوستوں کی طرح ساتھ جا رہے ہیں۔''

''ہم دوست نہیں ہیں آبدار۔''

''آپ مجھے آبی کہہ سکتے ہیں۔''

''اوکے!'' فارس نے سر کو خم دیا اور بات دہرائی۔ ''ہم دوست نہیں ہیں مس عبید۔''

''میں آپ کے ذاتی مسئلے میں آپ کی مدد کر رہی ہوں' پھر بھی ہم...''

''یہ ''ذاتی'' نہیں ہے میرے لیے۔'' اس نے سنجیدگی سے چہرہ آبدار کی طرف موڑا۔ ''یہ میرے لیے ''کام'' ہے۔ مجھے کچھ کام کرنے ہیں واپس جانے سے پہلے' اور....'' وہ رک گیا۔

''کدھر واپس جانے سے پہلے؟'' وہ چونکی۔ چہرہ ہتھیلی سے اٹھایا اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔ فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"جیل واپس جانے سے پہلے۔"

آبی دھک سے رہ گئی۔ "آپ دوبارہ جیل کیوں جائیں گے؟" فارس نے کافی دیر جواب نہیں دیا' لیکن جب وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی تو وہ قدرے نرمی سے بتانے لگا۔

"جب چار سال کی قید کاٹ کر نکلا تھا تو میرے پاس ایک پلان تھا' سب اسی کے مطابق کر رہا ہوں۔ یہ میرا "کام" ہے۔ "ورک" ہے۔ "پرسنل" نہیں ہے۔ اور اس کا انجام ایک ہی طرح سے ہوگا۔ مجھے واپس جیل جانا ہے ان جرائم کے لیے جو میں نے ابھی کرنے ہیں۔ مگر اس سے پہلے' مجھے اپنی فیملی کو محفوظ کرنا ہے اور سعدی کو واپس لانا ہے۔"

آبدار چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکی۔ "پھر "ذاتی" کیا ہے آپ کے لیے؟ کیا آپ اپنے لیے نہیں جیتے؟"

"میری ایک بیوی ہے جس سے میں جھوٹ بول کر آیا ہوں' میری ایک بھانجی ہے جس سے میں بات کیے بنا آیا ہوں۔ میرا ایک دوست ہے جس سے لڑا ہوں میں کل رات۔ مگر ذاتیات میں آپ سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا اس لیے ہم اس طرف نہیں جائیں گے۔" اس نے حد بندی واضح کی۔ آبی بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اسی لیے مسز زمر اور آپ کی ڈائیورس ہونے جا رہی ہے۔ (فارس نے چونک کر اسے دیکھا) آپ آخر میں جیل جانا چاہتے ہیں' اس لیے ان کو آزاد کر دیں گے۔ حیران مت ہوں' مجھے مسز کاردار نے بتایا تھا۔"

فارس نے خاموشی سے سر کو اثبات میں خم دیا۔

"کون سا جرم ہے جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ذاتی تو نہیں ہے "ورک" ہے نا' اس لیے بتا دیں۔"

جہاز کے اندر ایک دم ڈھیر سارا سناٹا اتر آیا۔

"میں نے دو قتل کرنے ہیں۔"

آبی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر اترتی محسوس ہوئی۔

"تو ابھی تک کیے کیوں نہیں؟"

"پہلے ان کو تقسیم کرنا ہے' پھر توڑنا ہے' پھر مارنا ہے۔ یہ شروع دن سے میرا ہدف تھا۔" اس کی آواز ہلکی تھی۔

"اور پھر آپ گرفتاری دے دیں گے؟" اس نے اداسی سے پوچھا۔ "لیکن اس کے علاوہ بھی تو کوئی راستہ ہو سکتا ہے۔ آپ ملک سے باہر بھاگ سکتے ہیں نا اور....."

"اپنے جرائم کی سزا بھگتنا چاہتا ہوں میں۔ فرار نہیں چاہتا ان سے۔"

آبدار نے گہری سانس لی۔ "تو میں آپ کی کیا ہوں؟ دوست نہیں ہوں' تو کیا پارٹنر ان کرائم ہوں؟"

اس بات پہ وہ مسکرایا۔ جیسے کسی کو یاد کر کے مسکرایا ہو۔ "میری پارٹنر ان کرائم ایک ہی ہے' اس کی جگہ میں کسی کو نہیں دے سکتا۔"

"مگر اس سے جھوٹ بول کر آتے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے پلان کا انجام بھی ڈسکس نہیں کیا آپ نے۔ سو وہ آپ کی بیوی ہو سکتی ہے' آپ کی پارٹنر ہو سکتی ہے' لیکن....." آبی کی سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ وہ آگے کو ہوئی' اور مسکرا کر اسی فاتحانہ انداز میں بولی۔ "آپ کو ماننا پڑے گا کہ آپ کی ورک وائف آبدار عبید ہی ہے۔"

اس بات پہ وہ ہلکا سا ہنس دیا اور پھر سر کو اثبات میں دو تین دفعہ ہلایا۔ "اوکے۔ آپ میری ورک وائف ہیں۔"

"جسے آپ استعمال کر رہے ہیں۔" مصنوعی خفگی سے اس نے گلہ کیا۔

"بالکل' کیونکہ میں بدلے میں آپ کو کچھ دوں گا' جو بھی آپ لوگوں کو سپوفا تز کر کے ڈھونڈتی ہیں' تبھی فرانزک والوں کے ساتھ

کام کر کے مجرموں کے انٹرویوز کر کے تلاش کرتی ہیں۔ کبھی وہ چیز آپ جانوروں اور پرندوں کی ڈی جی جمع کر کے حاصل کرنا چاہتی ہیں' کبھی لوگوں کے NDE سن کر۔"

آبدار نے حیرت بھری دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "اور وہ کیا ہے جو آپ مجھے دیں گے؟"

فارس نے ذرا سا مسکرا کر ابرو اچکائے۔ "ایک دلچسپ ایڈوانچر!"

آبدار کا دوران خون ایک دم تیزی سے بڑھا' اس کے گال دہک گئے اور آنکھیں چمک اٹھیں۔ "پھر ٹھیک ہے!" وہ بہت محظوظ ہوئی تھی۔

فارس پھر سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگ گیا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

تو بھی کسی کے باب میں عہد شکن ہے غالباً ..... میں نے بھی ایک شخص کا قرض ادا نہیں کیا

فوڈی ایوراآفٹر کے بالائی ہال میں سورج کی روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ زمر کونے والی میز پہ موٹی کتاب رکھے اس میں سے نوٹس بنا رہی تھی۔ گاہے بگاہے موبائل پہ نظر ڈالتی جو صبح فارس کے جانے کے بعد سے ابھی تک اس کے نام سے روشن نہیں ہوا تھا۔ (کیا آدمی گھر اطلاع نہیں دے سکتا؟ یہ کیا کہ ایک میسج کر دیا پہنچنے کا۔ وہ بھی فیس بک پہ۔ کال نہیں کر سکتا تھا کیا؟) وہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی پھر ایک دم زور سے قلم بند کیا اور فون اٹھا لیا۔ (ڈاکٹر کے ساتھ کیا بات ہوئی' تفصیل ہی نہیں بتائی۔ وہی پوچھ لوں۔) جواز گھڑ کر اس نے کال ملائی۔ گھنٹی جانے لگی' مگر.... جواب ندارد۔

ذرا خفا ہو کر اس نے فون پرے ڈال دیا۔ تبھی کسی نے دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹایا۔ زمر نے مصروف سے انداز میں سر اٹھایا مگر ایک دم ٹھہر گئی۔ چوکھٹ میں نوشیرواں کھڑا تھا۔ ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس' بالکل تیار سا' وہ مہذب لگ رہا تھا۔

"آئیے....." زمر نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے کہا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سامنے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"کیسی ہیں آپ ڈی اے؟"

زمر نے کہنیاں میز پہ جمائے' سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں ڈی اے نہیں تھی' ڈی پی تھی۔ مجھے امریکی فلموں کے سے انداز میں مخاطب....." ضبط سے گہری سانس لی۔ "کر سکتے ہیں آپ۔ خیر کہیے۔ کیسے آنا ہوا؟"

شیرو اپنی فرنچ کو ناخنوں سے کھجاتے' نگاہیں اس پہ جمائے' سوچ سوچ کر کہنے لگا۔

"ایک مشورہ چاہیے تھا۔ لیگل ایڈوائس۔"

"میں سن رہی ہوں۔"

"مجھے... کسی بہت اچھے اور بااعتماد وکیل کا بتائیں جو کارپوریٹ کیسز اچھے سے ڈیل کر سکے۔"

"ہاشم کاردار!" وہ سہولت سے بولی۔

نوشیرواں کی آنکھوں میں بے چینی اور ناگواری ایک ساتھ ابھریں۔ "کوئی اور....."

زمر نے "اوہ" والے انداز میں ابرو اٹھائے۔ "یعنی آپ اس معاملے کو ہاشم سے خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔"

"ان سے خفیہ کیوں رکھوں گا' وہ میرے بھائی ہیں' بس ان کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے پہلو بدلا۔ انداز دفاعی تھا۔

"اوکے۔" زمر نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور چند نام لکھنے لگی۔ "یہ بیس افراد ہیں' مگر یہ آپ کا فون رکھتے ہی ہاشم کو کال کر کے بتائیں

گے۔ آپ کو کوئی ایسا ماہر وکیل نہیں ملے گا جن کو میں جانتی ہوں اور جو ہاشم کو نہ بتائے۔"

"کیا آپ بھی ہاشم کو بتائیں گی؟"

زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور پھر قلم بند کر دیا۔ "آپ کو کس قسم کا کام ہے نوشیرواں؟"

"میں اپنی کمپنی میں پچاس فیصد شیئرز کا مالک ہوں۔ 25 ہاشم بھائی کے اور 25 ہارون انکل کے ہیں۔ میں چاہتا ہوں وہ باقی کے پچاس بھی میرے پاس آ جائیں۔ اگر میرا وکیل کوئی ایسا چکر چلائے' اور کمپنی کے بائی لاز کے دو چار جھول تو میرے بھی ذہن میں ہیں' اور..."

"آپ ہاشم کو سزا دینا چاہتے ہیں؟" نوشیرواں ٹھہر گیا۔ زمر پہ نگاہیں جمائے' اس نے تھوک نگلی۔ آنکھوں میں بہت سے جذبات ابھر کر ڈوبے۔ مگر خاموش رہا۔

"آپ کسی بات پہ ہاشم سے ناراض ہیں' اور اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔" وہ ٹیک لگا کر بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی' اسے دیکھ کر سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔ شیرو چپ رہا۔

"آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے۔ جس بھی طریقے سے 50 فیصد شیئرز لے لیں آپ' ہاشم اگلے ہی دن اس کاغذ کو پھونک سے اڑا دے گا۔ شیئرز حاصل کر کے آپ کو کیا ملے گا؟ پیسے کے لیے؟ آپ یہ نہیں کر رہے۔ اندرونی تسکین کے لیے کر رہے ہیں۔ تو یہ نہیں کرنا چاہیے آپ کو۔ بلکہ اس کی بجائے... آپ وہ کریں جو ہاشم نہیں چاہتا۔ مگر وہ کچھ نہ کر سکے۔ آپ شیئرز "لینے" کی بجائے شیئرز "دے" دیں۔"

نوشیرواں کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ وہ ذرا آگے کو ہوا۔

"کدھر دے دوں؟"

زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "فری کنسلٹیشن کے پانچ منٹ گزر چکے ہیں۔ اب میں اگلی بات صرف اس صورت میں بتا سکتی ہوں جب آپ مجھے ہائر کریں۔ سو... آپ مجھے ہائر کر رہے ہیں یا نہیں؟" زری نے اس نے پوچھا۔ نوشیرواں کی آنکھیں چمکیں اور وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔

.................❖❖❖.................

یہ عجب قیامتیں ہیں تیری رہگزر میں گزراں ...... نہ ہوا کہ مر مٹیں ہم' نہ ہوا کہ جی اٹھیں ہم

ایئرپورٹ کے احاطے سے باہر نکلتے ہی آبدار نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ میرے اپارٹمنٹ کی چابی ہے۔ ہمارے ہوٹل سے کافی دور ہے۔ اس کے اندر اس کا ایڈریس اور چابیاں موجود ہیں۔ آپ جب تک چاہیں ادھر رہ سکتے ہیں۔"

فارس نے کیپ ماتھے پہ مزید ترچھی کر کے جھکاتے وہ پیکٹ پکڑا۔

"اور کیوں لوں گا میں آپ کا فلیٹ؟"

"کیونکہ آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔ فارس نے بے اختیار مسکراہٹ دبائی اور سر کو خم دیا۔ "سو تو ہے۔ جاتے وقت واپس کر جاؤں گا۔" اور پیکٹ جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

"ہم دوبارہ ملیں گے فارس غازی!" وہ چیلنج کرنے والے انداز میں کہہ کر مڑ گئی۔ اس کی کار دور سڑک پہ رکی تھی۔

وہ وہاں سے سیدھا آبدار کے فلیٹ آیا تھا۔ پوش علاقے میں واقع ایک خوبصورت عمارت میں بنا وہ فلیٹ اندر سے بھی بہت خوبصورت تھا۔ چکنی چکنی سفید دیواریں' نرم رنگوں کے پردے' قیمتی عمدہ ماڈرن فرنیچر۔ وہ بنا آرام کیے سب سے پہلے لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا اور اپنے جی پی ایس چپ کا سگنل چیک کیا۔ وہ ابھی تک اس پارک میں تھا۔ فارس نے راستے سے خریدا نقشہ نکالا اور اسے پھیلا کر سامنے رکھا۔ وہ

پارک یہاں سے پچاس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔ وہ نقشے پہ مختلف نکات پہ نشان لگاتا' آگے کا لائحہ عمل تیار کرتا رہا۔ وہ مصروف ہو گیا تھا۔ زمر یا کمہ والوں کو کال کرنا اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ یاد تھا تو صرف سعدی۔

نوشیرواں کو "رخصت" کر کے زمر نیچے آئی تو ریسٹورانٹ کے باہر پھولوں والا لڑکا گل خان بیٹھا تھا۔ اپنے پھولوں کے اسٹال پہ پانی کا چھڑکاؤ کرتا وہ مصروف نظر آ رہا تھا۔

"السلام علیکم گل خان!" نرم ٹھنڈے انداز میں پکارا تو وہ چونکا' اسے دیکھا اور شرما کر مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ پھر جلدی سے بولا۔

"باجی یہ جو لڑکا ابھی یہاں سے نکلا تھا' یہ وہی تھا' سفید گاڑی والا جس کا سعدی بھائی سے...." گل خان نے مزید سراغ رسانی کے جوہر دکھانے چاہے مگر زمر نے "مجھے پتہ ہے" کہہ کر بات ختم کر دی۔ (ہاشم نے سعدی کو گولیاں مروا دیں' یہ معلوم ہو جانے کے بعد یہ سوچنا کہ شیرو کا اس سے زبانی کلامی کبھی کوئی جھگڑا ہوا تھا بے معنی سا لگتا تھا۔)

وہ گھر آئی تو لاؤنج میں معمول کی چہل پہل لگی تھی۔ اس گھر کا لاؤنج کافی کھلا اور بڑا تھا۔ کچن یہاں سے نہیں دکھائی دیتا تھا۔ بغلی گیلری میں آگے بڑھو تو پھر آتا تھا۔ لاؤنج کے ایک طرف ڈائننگ ہال تھا۔ دونوں کے درمیان میں شیشے کے سلائیڈنگ دروازے تھے۔ (ان کے پردے ابھی بنوانے تھے۔) بڑی ایل ای ڈی اسکرین دیوار پہ نصب تھی اور ندرت صوفے پہ بیٹھیں' عینک لگائے' موبائل کو دیکھ کر حنین کو پکار رہی تھیں۔

"حنین ذرا میرا جی میل تو دیکھو بار بار تنگ کر رہا ہے۔" مگر نقار خانے میں اماں کی کون سنتا ہے؟ حنہ ڈائننگ روم میں کرسی پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ میز پہ رکھے کھٹ کھٹ کام کیے جا رہی تھی۔

"زمر فارس نے پہنچ کر اطلاع دی؟" ابا نے اسے پکارا تو اس نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ "جی" کہہ کر ان کی تسلی کرا دی۔

"اس سے کہنا ویک اینڈ پہ گھر آ جائے۔ مگر بار بار فلائٹس کا خرچہ... اونہوں۔" ندرت نے اپنی ہی بات کی خود ہی تردید کر دی۔

زمر حنہ کے پاس آ گئی اور شیشے کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی اور بور سی ہو کر اسے دیکھا۔

"کیا کر رہی ہو؟" حنین کو جیسے کسی سامع کی تلاش تھی۔ جوش سے شروع ہو گئی۔

"اس فلیش میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے' مگر یاد ہے سونیا کی سالگرہ کا کیک؟" اس نے پچھلے سال کی سیاہ سنہری سالگرہ یاد دلائی۔

"باربی کیک تھا۔ پنک باربی۔"

جواباً حنہ نے اسکرین پہ چند تصاویر نکالیں۔ سونی کی سالگرہ کی تصاویر۔

"یہ باربی لگتی ہے' مگر یہ باربی نہیں ہے۔ اس کی شکل غور سے دیکھیں۔ یہ آنا Anna ہے۔ پرنسس آنا۔ سونی کو فروزن پسند ہے۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟"

"زمر کون سا بچہ ہے جس کو فروزن نہیں پسند؟ مگر سونی اپنے باپ کی طرح (دل میں نچھ چھپا) بہت انا والی ہے۔ وہ کھلم کھلا یہ ظاہر نہیں کر سکتی کہ وہ بھیڑ چال کا حصہ بن کر عام لوگوں کی طرح کسی فلم کی دیوانی ہے۔ وہ مختلف ہے۔ اس نے آنا اور باربی کو مکس کر کے ایک نئی ڈول بنائی۔ یہ بات ہم نے نہیں نوٹس کی تھی' مگر سونی کے دوست بچوں نے نوٹس کی ہوگی اور اس کی واہ واہ ہوئی ہوگی۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔

"فلیش' حنہ!" زمر نے یاد دلایا۔

"ہاں وہی۔ اس فلیش میں صرف فروزن ہے۔ یہ فلیش ہاشم کے ڈیٹا سے بھری ہونی چاہیے تھی۔ ہے نا؟ مگر فلیش کو خالی دیکھ کر میں سمجھی یہ غلط فلیش ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس میں ہاشم کا وہی ڈیٹا تھا۔ فروزن بھی اسی کے ڈیٹا میں ہوگی' سونی نے ڈاؤن لوڈ کی ہوگی نا۔

اس فلیش میں زمر ہاشم کی ساری فائلز موجود تھیں مگر کسی نے فرورزن کے سوا سب کچھ مٹا دیا۔"

"مگر کس نے؟" زمر چونکی تھی۔

"یہ تو سعدی بھائی ہی بتا سکتا تھا۔" اس نے گہری آہ بھری۔ یہ ایسا ذکر تھا جس پہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ باہر سے امی کی پکار پھر سے شروع ہو گئی۔ "حنہ.... میرا میل باکس فل ہو رہا ہے۔"

"ایک تو امیوں کو اسمارٹ فون نہ لے کر دے بندہ۔ مصیبت میں اولاد آ جاتی ہے۔" جل کر بولی۔ پھر چہرہ اونچا کر کے آواز لگائی۔ "میں بزی ہوں امی۔ رات میں دیکھ دوں گی۔" پھر وہ زمر کی طرف گھومی اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ اعلان کیا۔ "مجھے وہ فائلز چاہیے ہیں۔ میں ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے لگی ہوں۔ اور مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔" زمر خاموش رہی۔ وہ اس کے ساتھ تھی۔ خاور نہیں تھا۔ اب ڈر کیسا؟

..........❖❖❖..........

اچھی لگتی نہیں اس درجہ شناسائی ..... ہاتھ ہاتھوں سے ملاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

کوالمپو پہ شام نیلی اور بھیگی بھیگی سے سائے پھیلانے لگی۔ ایسے میں اس بلند بالا عمارت سے فارس نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بھورے سویٹر اور نیلی جینز میں ملبوس جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ سنجیدہ سی سنہری آنکھوں سے سامنے دیکھتا چلتا جا رہا تھا جب قریبی کیفے کا گلاس ڈور کھلا اور اندر سے آبدار نکلتی دکھائی دی۔ نیلی جینز پہ سفید گھٹنوں تک آتا کوٹ پہنے اس کے سیدھے سرخ بال کمر پہ گر رہے تھے اور سر کے اوپر سرخ ریشمی رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں چمک لیے وہ شرارت سے سرخ لب کاٹتی دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آ ملی۔ فارس رک گیا اور قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ ادھر کیا کر رہی ہیں مس آبدار؟"

"آپ کو اپنے ذہن میں آئی باتیں شیئر کرنے کے لیے کسی کی ضرورت تو ہو گی۔" اس نے چہک کر وہ رک واٹف کا مقصد یاد دلایا۔

"میں اکیلا زیادہ آرام دہ رہتا ہوں۔"

"مگر زیادہ خوش نہیں۔" فارس نے قدرے بے زاری سے سر جھٹکا اور تیز تیز چلنے لگا۔

"تھینک یو۔ میرا دل رکھنے کے لیے۔" وہ اب ہنستی مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ فٹ پاتھ پہ چلتی جا رہی تھی قریب سے گزرتے بچے کے ماتھے پہ ہاتھ پھیر کر اس کے بال بکھیرے۔ پھر ذرا آگے ایک ننھی بچی کی پونی پیچھے سے کھینچی اور اس سے پہلے کہ وہ مڑتی' آبی جلدی سے آگے نکل گئی۔

"آپ کو بچے اچھے لگتے ہیں' فارس؟" وہ پیچھے مڑ مڑ کر ایک شرارتی نظر اس بچی پہ ڈال کر کہہ رہی تھی۔ فارس نے ایک دم رک کر اس کو دیکھا۔ وہ بظاہر مگن سی کہہ رہی تھی۔

"آپ کا اپنی فیملی کے لیے دل نہیں چاہتا کیا؟ مگر... اوہ... مسز زمر تو.... خیر...." آبی نے سادگی اور معصومیت سے شانے اچکائے اور ایک کیب کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا' جیسے اس کی بات کو سوچنے لگا ہو۔

"جب آپ کو معلوم ہے کہ میں اور مسز زمر الگ ہو جائیں گے تو ایسی بات کا مقصد؟"

"ان سے الگ ہونے کے بعد آپ کی زندگی ختم تو نہیں ہو جائے گی نا؟ کبھی تو آپ کو اپنے ذات کے لیے بھی کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"آپ میرے ساتھ نہیں آ رہیں۔ واپس جائیے۔" قدرے پست مگر ڈسٹرب آواز میں اسے ٹوکتا وہ رکی ہوئی کیب کی طرف بڑھا۔

کیب ڈرائیور اب گردن نکال کر اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ آگے کو جھکا اور مطلوبہ پارک کا نام لیا۔ ڈرائیور نے ایک نظر بھر کے

پھر تک اسے دیکھا اور پھر اثبات کا اشارہ کرتے ہوئے کرایہ بتایا۔

''اتنے پیسوں میں تو ہم پورا کولمبو گھوم لیں۔ فارز جان کر لو نہیں۔'' آبی چمک کر کہتی آگے آئی۔'' تمہارا میٹر دیکھ سکتی ہوں میں اور اسٹینڈرڈ کرایہ بھی معلوم ہے مجھے۔'' پھر معصومیت سے فارس کو دیکھا۔'' اب بھی ساتھ نہیں لے کر جائیں گے کیا؟'' اور کیب کا دروازہ کھول لیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ تو ہارون عبید اور ہاشم کاردار کو آمنے سامنے لانا چاہ رہا تھا مگر یہ اچھی بلا پیچھے پڑ گئی تھی۔

وہ پارک کافی بڑا اور خوبصورت تھا۔ وہاں غیر ملکی سیاحوں کی بہتات تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو فارس نے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔ پارک کے وسط میں پین کا سگنل آ رہا تھا۔

''اتنے بڑے پارک میں ہم کہاں ڈھونڈیں گے اس پین کو؟'' آبی ذرا مایوس ہوئی۔ وہ خاموشی سے ادھر ادھر دیکھتا آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے قدم رک گئے۔ سگنل کی جگہ اس کے اپنے فون سے قریباً چند میٹر دور تھی۔ اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر سامنے دیکھا۔ سبزہ زار پہ.... چند میٹر دور ایک ٹکٹ کی کھڑکی تھی اور اندر ایک باوردی ملازم کھڑا لوگوں کو ٹکٹ دے رہا تھا۔

''وہ پین اس ٹکٹ کیبن میں ہے۔ آؤ۔'' وہ اسے اشارہ کرتا گھاس پہ آگے آیا۔

کیبن کے اندر کھڑا ملازم سر جھکائے کمپیوٹر پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ سامنے قطار لگی تھی۔ وہ دونوں بھی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ آبی اس کے آگے تھی اور وہ پیچھے تھا۔ ان کی باری آئی تو آبی اس سے سنہالی میں ٹکٹ کا پوچھنے لگی۔ فارس نے گردن ذرا اٹھا کر اندر جھانکا۔ شیشے کی دیوار سے اندر کا منظر واضح تھا۔ بڑی سی ڈسٹ بن میں فاسٹ فوڈ کے چند خالی ڈبے رکھے تھے۔ ٹکٹ کلرک کے جوتوں پہ سوکھا ہوا کیچڑ لگا تھا اور وہ جمائی روکتا کمپیوٹر پہ کچھ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی سنہری قلم کاؤنٹر پہ رکھا تھا۔ پین دیکھ کر آبی کی آنکھیں چمکیں۔ مگر.....

''چلو۔ جلدی۔'' اس نے پیچھے سے آہستہ سے سرگوشی کی۔ آواز میں بے چینی تھی۔ آبی نے جلدی سے دو ٹکٹ تھامے اور پھر ذرا متعجب سی قطار سے نکلی۔

''پھینکو ان ٹکٹس کو اور یہاں سے نکلو۔'' وہ غیر محسوس انداز میں رفتار بڑھاتا کہہ رہا تھا۔

''مگر کیوں؟ وہ پین اس کے پاس تھا۔ اس سے پوچھو تو سہی کہ.....''

''کوئی فائدہ نہیں۔ سعدی ادھر نہیں ہے۔'' وہ بمشکل اس کی رفتار کا ساتھ دے پا رہی تھی۔ جب وہ باہر آ گئے تو اس نے پھولی سانس کے ساتھ خفگی سے پوچھا۔

''وہ پین سامنے تھا، آپ نے.....''

فارس اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔'' پارک کی انٹری کے قریب جگہ کچی ہے، چند گڑھے ہیں، جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ آخری دفعہ بارش کب ہوئی تھی؟ ماہ کامل کی رات سے اگلی صبح۔ سعدی کے بھاگنے سے اگلی صبح۔ اس صبح یہ ملازم یہاں آیا تھا۔ وہ کیچڑ کے پاس سے گزرا تھا۔ اب وہ کیچڑ سوکھ چکا ہے مگر اس کے جوتے اب بھی میلے ہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ دو دن سے گھر نہیں گیا۔ وہ صبح شام ادھر ہی بیٹھا رہتا ہے۔ کھانا کھانے بھی نہیں جاتا۔ فاسٹ فوڈ منگواتا ہے، وہی کھاتا ہے۔ ایک ٹکٹ کلرک فاسٹ فوڈ وہ بھی اتنا سارا کیسے افورڈ کر سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ کوئی اس کو کھانا پہنچا دیتا ہے، تاکہ وہ یہاں بیٹھا رہے اور اگر کوئی سعدی کے پین کی تلاش میں آئے تو وہ اس کو پکڑ لے۔''

''مگر ہو سکتا ہے سعدی نے اسے یہاں بٹھایا ہو۔''

''سعدی اس ملک میں پہلی دفعہ آیا ہے۔ رہائی کی اگلی صبح ہی اس کے اتنے کانٹیکٹس کیسے بن سکتے ہیں؟'' وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا

ناب" کسی کے پاس سعدی کا پین ہے اور وہ اس میں موجود جی پی ایس ٹریسر سے واقف ہے' اس لئے وہ اس کو bait کی طرح لگا کر اس شخص کا انتظار کر رہا ہے جس نے اسے وہ پین بھیجا تھا۔"

"اوہ واؤ!" وہ ایک دم چہکی' پھر شکل پہ مسکینیت طاری کی۔ "کیا میں اتنے مزے کے ایڈوانچر پہ تھوڑا خوش ہو سکتی ہوں؟"

"نہیں۔ آپ واپس جا رہی ہیں۔" وہ سڑک پہ آگے آیا اور اس کے لئے ایک ٹک ٹک روکنے لگا۔

"مگر....." وہ احتجاج کرنے لگی۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں بغیر بتائے آپ کا فلیٹ چھوڑ کر روپوش نہ ہو جاؤں تو خاموش رہیں۔"

وہ منہ بسورے کھڑی تھی۔ ٹک ٹک ساتھ آ کر رکا تو فارس نے اشارہ کیا۔

"اب جائیے۔" پھر آواز میں نرمی پیدا کی۔ "صبح ملیں گے۔"

اس بات پہ وہ ہلکا سا مسکرائی اور اندر بیٹھ گئی۔ پھر اسے ہاتھ ہلایا۔ "صبح! پکا!"

"پکا۔" اس کے انداز پہ وہ بمشکل مسکراہٹ روک پایا۔ چلو جو بھی تھا۔ وہ ایک معصوم اور پیاری لڑکی تھی۔ وہ چلی گئی تو گویا ایک بوجھ سا اس کے کندھوں سے سرکا۔ واپس پارک میں آیا اور ایک کونے میں آ بیٹھا۔ درختوں کے جھرمٹ میں اس جگہ سے وہ رکن کی کھڑکی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ نیلگوں شام بھی آہستہ آہستہ گہری ہونے لگی تھی۔

فارس غازی انتظار کرنے لگا۔ ایک طویل اور کڑا انتظار۔

..............❖❖❖..............

یہ لفظ لفظ محبت کی یورشیں بھی فریب ..... یہ زخم زخم مسیحائیاں بھی جھوٹی ہیں

کینڈی پہاڑی شہر تھا' جیسے مری۔ سرسبز پہاڑیاں' نیلا سرمئی بادلوں سے ڈھکا آسمان۔ خوبصورت موسم۔ اور چائے کے باغات کی سوندھی سوندھی مہک۔ سیاح دور دور سے کینڈی کو انجوائے کرنے آتے تھے۔ وہ نہیں کر رہا تھا۔ وہ سڑک کنارے بنے اوپن ایئر کیفے میں بیٹھا تھا۔ عینک پہنے' برساتی کے کالر کھڑے کیے' وہ گردن گھما کر ادھر ادھر گہری نظر ڈالتا پھر کافی کا مگ لبوں سے لگا لیتا۔ سیاہ بیگ اس کے قدموں کے ساتھ رکھا تھا۔

بائیں ہاتھ ریسٹورانٹس اور شاپس کی قطار تھی۔ ابھی صبح تازہ تھی۔ شاپس اور ریسٹورانٹ مالکان آ کر اپنی اپنی دکانیں کھول رہے تھے۔ ایسے میں وہ ہر کیفے کے مالک یا اسے کھولنے والے ورکر کو آنکھوں سے اسکین کرتا' پھر رد کر دیتا۔ کوئی شاطر لگتا تھا' کوئی مکار۔ کوئی خطرناک۔ کوئی بے حد نفیس۔

تھوڑی دیر بعد ایک درمیانی عمر کی سنہالی عورت ایک کافی شاپ کا لاک کھولتی نظر آئی۔ ساتھ ایک ننھا لڑکا بھی تھا جو مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا اور وہ روہانسی ہوئی اسے ڈانٹ رہی تھی۔ سعدی کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ وہ وہاں سے اٹھ آیا۔ اب وہ ذرا دور جا کر ایک اوپن کیفے کے باہر بیٹھ گیا۔ چہرے کے آگے ایک میگزین پھیلا لیا۔ اس کی نظریں اسی کافی شاپ پہ تھیں۔

کوئی گھنٹے بھر بعد وہ عورت شاپ سے باہر نکلی۔ بچہ اس کے ساتھ تھا اور ہاتھ میں سامان کا تھیلا بھی تھا اور ایک لسٹ بھی۔ وہ ابھی ہوئی سی خریداری کرنے جا رہی تھی۔ سعدی تیزی سے اٹھا اور فاصلہ رکھ کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ رکتی تو وہ بھی رک کر مڑ جاتا' کہیں کسی اسٹال پہ کچھ دیکھنے لگ جاتا۔

دوپہر کینڈی کے پہاڑوں پہ پگھلنے لگی۔ بادلوں کی اوٹ سے سنہری کرنیں جھانکنے لگیں۔ اب وہ اس کا پیچھا کرتے مارکیٹ کے وسط میں آ چکا تھا۔ یہاں سے وہ مڑ گیا اور دو گلیاں عبور کر کے ایک تیسری گلی میں آیا۔ ادھر کونے میں ایک لڑکا کھڑا بہت رازداری سے اپنے مخصوص

گاہکوں کو ایک طرف بلا کر انہیں منشیات کی پڑیاں بیچ رہا تھا۔ وہ اسے گزشتہ شام ہی تاڑ چکا تھا۔

اب سیدھا اس کے قریب گیا جو ادھر ادھر دیکھتا کسی گاہک کا متلاشی تھا۔ سعدی نے اسے آنکھوں سے اشارہ کیا اور دوسری گلی کی جانب قدم بڑھا دیے۔ منشیات فروش لڑکا ذرا فاصلہ رکھ کر پیچھے آنے لگا۔ جیسے ہی وہ دوسری گلی میں مڑے سعدی گھوم کر اس کی طرف آیا اور اسے کالر سے پکڑ کر دیوار سے لگایا۔ پھر رکھ کر ایک مکا اس کے منہ پہ جڑا۔

''نکڑ پہ کھڑے پولیس والے کے حوالے کروں گا تمہیں اگر آواز نکالی تو۔'' پستول اس کی پسلی میں چبھوتے وہ غرایا تھا۔ تختی سے لڑکے نے گھبرا کر ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ خود بھی نشے کا عادی لگتا تھا۔

''میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔'' جلدی سے کہنے لگا۔

''پیسے میں تمہیں دوں گا بدلے میں میرا ایک کام کرو گے۔ نہیں تو پولیس والے کو بلاتا ہوں میں۔'' اس کو دیوار سے لگائے وہ غرایا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اسی گلی میں آ کھڑا ہوا تھا جہاں وہ عورت اب بھی ایک دکان سے چیزیں خرید رہی تھی۔ وہ قریبی دکان پہ کھڑا ہو کر اخبار یں کنگھالنے لگا۔ اسی لمحے وہ منشیات فروش سنہالی لڑکا اس گلی میں داخل ہوا۔ اب کے اس نے منہ پہ رومال باندھ رکھا تھا۔ وہ سیدھا اس عورت تک گیا اور ساتھ سے گزرتے ہوئے اس کا پرس اچکا اور ایک دم بھاگ کھڑا ہوا۔ عورت پہلے لمحے تو شاک میں رہ گئی پھر وہ چلائی۔

''میرا پرس....''

سعدی بجلی کی سی تیزی سے لڑکے کے پیچھے بھاگا۔ راستے میں اس نے جان بوجھ کر چند اسٹال بازو مار کر گرائے۔ گلی میں شور غل برپا ہو گیا۔ کچھ اور لوگ بھی اٹھ کر بھاگے مگر سعدی نے گلی کے کونے میں اس لڑکے کو جالیا اور دبوچ کر نیچے گرایا۔ پھر پرس واپس جھپٹا۔ لمحے بھر کو اپنی گرفت ڈھیلی کی اور لڑکے نے ہاتھ پکڑے نخجا چاقو اس کے بازو میں اتار دیا۔ سعدی بے اختیار نیچے کو جھکا۔ لڑکا دم دبا کر بھاگ چکا تھا۔

وہ عورت دوڑتی ہوئی اس تک آئی تھی' بچہ بھی پیچھے تھا۔ سعدی نے خون بہاتے بازو کو دوسرے ہاتھ سے پکڑے اٹھتے ہوئے پرس اس کو تھمایا۔ عورت نے پرس پکڑتے ساتھ ہی بچے کو تھمایا اور لپک کر اس کا خون سے سرخ ہوتا گیا بازو پکڑا۔

''آپ کا پرس۔'' سعدی نے نقاہت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے ہو کر کہا مگر وہ جیسے پرس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ فکر مندی سے کچھ کہنے لگی۔ اس نے کھنکھار کر ''انگلش پلیز'' کہا۔

''اوہ.... فارنر۔'' پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ''چلو میں تمہیں ہاسپٹل لے چلوں۔''

''نہیں اٹس اوکے' میں خود چلا جاؤں گا۔'' ساتھ ہی ہلکا سا کراہا۔ اب مزید لوگ جمع ہونے لگے تھے۔

''یہیں رکو' میں کار لاتی ہوں۔'' عورت بھاگتی ہوئی آگے کو گئی۔ وہ قریب جمع ہوتے لوگوں سے بچنے کو چہرہ جھکائے رخ موڑے کھڑا ہوا اور ایک طرف کو چلنے لگا جیسے دور جانا چاہ رہا ہو۔ لوگ کچھ کہہ رہے تھے مگر اتنی سنہالی وہ نہیں سمجھتا تھا۔

عورت جلد ہی ٹیکسی لے آئی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ لوگوں سے پوچھتی اسے ڈھونڈتی دوسری گلی تک آئی جہاں وہ فرض شناس اور نیک دل انسان جو اس کا پرس بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال بیٹھا تھا' سر جھکائے' بازو کے زخم پہ اوپری جیکٹ لپیٹے چلتا جا رہا تھا۔ اس عورت کا نام کامنی رو پاسنگھی تھا اور اس کا دل اس طرح اس کو دیکھ کر بہت دکھا تھا۔ وہ تیزی سے کار سے نکلی اور اس کو جالیا۔

''میں نے تمہیں رکنے کو کہا تھا فارنر۔ چلو میں تمہیں ہسپتال لے جاتی ہوں۔''

''میں خود چلا جاؤں گا' آپ کی ٹیکسی خراب ہو گی۔'' وہ چھوٹے بالوں اور عینک والا لڑکا مسکرا کر بولا تھا مگر کامنی نے خفگی سے اسے ڈپٹا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو تم زخمی ہو میری وجہ سے۔ بس ہسپتال قریب ہی ہے۔''

"مجھے ہسپتال نہیں جانا۔ میں زخم خود سی لوں گا۔"

اب کے کامنی چونکی۔ اس کے انداز میں منت سی تھی۔

"اچھا ٹیکسی میں بیٹھو۔ میں فرسٹ ایڈ کٹ لا کر تمہیں شاپ پہ لے جاتی ہوں۔" اس نے اسے قائل کر لیا۔ وہ لڑکا بدقت ٹیکسی میں بیٹھا۔ ننھا بچہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ آبیٹھا اور کامنی آگے۔

"پلیز..." وہ پچھلی سیٹ کی پشت پہ سر گرائے نقاہت سے آنکھیں موندے کہنے لگا تو کامنی نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔ "مجھے ہسپتال کے اندر مت لے جایئے گا۔ پولیس میرے پیچھے ہے۔ میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ خود کو میری وجہ سے خطرے میں نہ ڈالیں۔"

سنہالی عورت ہکا بکا رہ گئی۔ اور سعدی یوسف کو انسانوں کی اتنی پہچان تو تھی کہ بند آنکھوں کے باوجود وہ جان گیا تھا کہ تیر نشانے پہ لگا ہے۔

............☆☆☆............

وہ کون لوگ تھے ان کا پتہ تو کرنا تھا ..... مرے لہو میں نہا کر جنہیں نکھرنا تھا

بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اس صبح حنین بیٹھی لیپ ٹاپ لگائے ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔ اس کی زنبیل میں بہت سے طریقے تھے جن کو ایک ایک کر کے وہ استعمال کر رہی تھی...

ادھر زمر یوسف کورٹ سے نکل کر اپنی فائلز اور کاغذوں میں الجھی پارکنگ ایریا کی طرف جا رہی تھی جب اس کے ارد گرد تین سوٹ میں ملبوس افراد آکھڑے ہوئے تھے۔ زمر نے سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائیں اور دھوپ کے باعث آنکھیں سیکڑ کر ان کو دیکھا۔

"جی؟"

"مسز زمر!" ایک نے ادب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "ہارون عبید آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے آفس کے کانفرنس ہال نمبر نو میں۔ آپ چاہیں تو ہم آپ کو لے جا سکتے ہیں۔" ساتھ ہی ہارون کا آئی ڈی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ ایک طرح کی ضمانت تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔ میں خود آجاؤں گی۔" کارڈ پکڑ کر رکھائی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ البتہ دل... عجیب سے واہموں کا شکار ہو رہا تھا۔ جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نہیں جائے گی' تب ہی خود بخود کار کا رخ ان کے آفس کی طرف موڑ دیا۔ پون گھنٹے بعد وہ ان کے کانفرنس روم کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ سفید لمبی قمیض اور سیاہ کوٹ پہنے' گھنگھریالے بال جوڑے میں باندھے اور بھوری آنکھوں کو مشتبہ انداز میں سکوڑے اس نے سامنے کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھے ہارون کو دیکھا۔

"مجھے یوں طلب کیا جانا پسند نہیں ہے' عبید صاحب!"

"مسز زمر' مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی' آیئے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھے اور سفید سرمئی بال جیل سے پیچھے کیے۔ چہرے پہ مسکراہٹ طاری کیے انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ورزیدہ نگاہوں سے ان کو دیکھتی سربراہی کرسی کے دائیں طرف دو کرسیاں چھوڑ کر بیٹھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ واپس بیٹھے اور شفقت سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں' شکریہ۔ آپ بتایئے' میں کیا کر سکتی ہوں آپ کے لیے؟"

"آپ کا شوہر کہاں ہے مسز زمر' کیا آپ کو معلوم ہے؟"

زمر کے ابرو ناگواری سے بھنچ گئے۔ "میں آپ کو کیوں بتاؤں اپنے شوہر کے بارے میں۔"

"میں نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں ہے' یہ پوچھا ہے کہ کیا آپ جانتی ہیں وہ کہاں ہیں؟"

ان کی آنکھوں میں چھپا تجسس لیے ہوئے وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔ زمر نے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔ ساؤ کال کی رات کی چاندنی برف کی سفیدی میں بدلنے لگی۔

"وہ گھر آ چکا ہے جناب کے....."

"وہ کولمبو میں ہے میری بیٹی کے ساتھ۔ کل وہ میرے پرائیویٹ جیٹ پہ کولمبو گیا ہے۔"

زمر نے ضبط سے گود میں رکھی مٹھیاں بھینچ لیں۔ مگر چہرے کو بدقت ہموار رکھنا چاہا مگر وہ جانتی تھی کہ اس کی رنگت زرد پڑنے لگی ہے۔

"تو اس نے آپ کو نہیں بتایا؟" انہوں نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ بدقت کہہ پائی۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

ہارون نے جواباً موبائل پہ چند بٹن دبا کے اسکرین اس کے سامنے رکھی۔ زمر نے موبائل کو نہیں چھوا، صرف نگاہ جھکا کر دیکھا۔ ایئرپورٹ میں وہ کاؤنٹر کے سامنے کھڑا اس سے کوئی چیک لے رہا تھا۔ کیپ کی وجہ سے شکل کم واضح تھی مگر وہ فارس تھا۔ وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ پیچھے ایئرپورٹ کا تمام ماحول اور اردگرد کا ماحول صاف نظر آ رہا تھا۔

دل پہ ڈھیروں آنسو گرے۔ وہ جانتا تھا۔ وہ سب جانتا تھا۔ وہ اس کا گھر سے باہر جانا، وہ اس کا راتوں کو دیر سے واپس آنا... وہ اس کی فون کالز..... وہ جب تک وہ سمجھ رہا تھا... وہ شروع سے ہاشم کے پیچھے تھا.....

"پھر؟" بظاہر لاپرواہی سے پوچھا گیا۔ وہ بمشکل خود کو کمپوزڈ رکھے ہوئے تھی۔

"کیا آپ کو معلوم ہے وہ وہاں کیوں گیا ہے؟"

وہ ان کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے خاموش رہی۔

"ہمارا مہمان کچھ دن قبل ہماری مہربانی سے بھاگ گیا تھا۔ وہ اسی کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں، میں ہاشم کو نہیں پتہ چلنے دوں گا۔"

"ہاشم درمیان میں کہاں سے آیا؟ وہ اس کا کزن ہے۔" زمر کی آواز کانپی۔ نگاہیں اب بھی ہارون پہ جمی تھیں۔ انہوں نے مسکراہٹ بھینچے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"آپ کو معلوم ہے میں کیا بات کر رہا ہوں، فارس کو بھی معلوم ہے۔" زمر کی آنکھوں میں ایک دم ڈھیروں جذبات ایک ساتھ ابھرے۔ اور ان سارے جذبات نے اس کی آنکھوں کو سرخ گلابی سا کر دیا۔ وہ ذرا جھکے۔ "آپ کو لگا تھا وہ نہیں جانتا؟"

زمر گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔

"خیر، میں نے یہیں آپ کو یہ بتانے کے لیے نہیں بلایا کہ وہ اتنے عرصے سے میری بیٹی کے ذریعے ہمارے مہمان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ میری بیٹی کے ساتھ کیوں ہے؟"

زمر نے چہرہ ان کی طرف موڑا تو آنکھیں خشک تھیں مگر سرخی باقی تھی۔ "اپنے جاسوسوں سے پوچھ لیں۔" اور پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب مزید بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ انہوں نے محظوظ ہو کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تو مسز کاردار آپ کی شادی کے بارے میں درست کہتی ہیں۔ آپ دونوں واقعی الگ ہونے جا رہے ہیں۔ مگر کب؟"

"یہ بھی آپ مسز کاردار سے پوچھ لیں۔" ایک پرتپش نظر ان پہ ڈال کر وہ مڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"میرے اندازے درست ثابت کرنے کا شکریہ مسز زمر۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جلد دوبارہ ملیں گے۔ آپ کے بہت سے کام ایسے ہیں جو صرف میں ہی سرانجام دے سکتا ہوں۔"

فلائٹس ہیں۔ جو آگے کروانی پڑیں گی وہ دیا شاید کینسل۔۔

وہ کہہ ہمدردی سے ہی رہی تھیں، مگر انداز میں کوئی عجلت تھی۔ زمر بند آنکھوں سے سنے گئی۔

''دو شادیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔۔ حماد کے تایا کے بیٹے کے فنکشنز بھی ساتھ ہی تھے۔ ولیمہ تو ہم دے ہی اکٹھا رہے تھے۔ اب ظاہر ہے یہ شادی تو ابھی ہو ہی نہیں سکتی۔ سجاد کے فنکشنز تو کل سے شروع ہو جائیں گے۔ اب آپ تو جانتی ہیں ہماری بھی مجبوری ہے۔''

''سب کی مجبوریاں ہیں، میں جانتی ہوں۔۔'' ندرت بولیں تو آواز میں پسپائی تھی۔

زمر آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ ندرت اب شاید ان کے لیے کوئی جوس نکالنے لگی تھیں مگر وہ منع کرنے لگیں۔

''حماد باہر انتظار کر رہا ہے، ایسا کرتے ہیں ہم وہیں بیٹھتے ہیں، اس کمرے میں تو مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں ہسپتالوں میں اتنی گھٹن کیوں ہوتی ہے!''

اور ان کی آواز دور ہوتی گئی۔ شاید وہ کمرے سے جا رہی تھیں۔ اور پھر دروازہ بند ہو گیا، سناٹا چھا گیا، قبر کی پہلی رات کا سا سناٹا۔۔

زمر نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔

کھڑکی کے باہر، دوپہر پہلے سی تازہ تھی مگر اب بادل اُمڈ کر آ رہے تھے، بارش جیسے برسنے کو تھی۔۔ وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ چت لیٹی چھت کو دیکھنے لگی۔ اب کوئی بھی چیز افسوس نہیں دلاتی تھی۔ سارے احساسات مر گئے تھے۔ اسے پتہ تھا اب کیا ہو گا۔ دوسری دفعہ اس کی منگنی ٹوٹ جائے گی۔ پھر بھی ایک امید تھی، شاید ایسا نہ ہو۔

..............❖❖❖❖..............

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے...... کہیں آنکھیں، کہیں چہرہ نہیں ہے

دروازہ اک دم کھلا، وہ چونکی۔ سوتی نہیں بن سکتی تھی۔ مگر پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آنے والی فضیلہ یا ندرت نہیں تھیں۔

اس کو زمر کے پاس اکیلا چھوڑ دینے کا بہت تحکم سے کہتی، جواہرات کاردار نے اندر قدم رکھا۔

بند گلے کے سبز گاؤن، لمبی سفید ہیل، بالوں کا نفیس سا جوڑا بنائے، جوان، اور اسمارٹ سی جواہرات مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

زمر اسی بے رخی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔

''ہیلو زمر! کیسی ہو؟''

ایک فلپینو ملازمہ اور ایک سوٹ میں ملبوس ملازم پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے لیے پیچھے آئے اور ساری میزوں کو بھر دیا۔

جواہرات نے آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئے۔ ساتھ ہی شہرین کاردار اندر آئی۔ اس نے لمبی قمیص پہن رکھی تھی اور کندھے پہ لمبی چین کا پرس تھا۔ سنہرے باب کٹ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں پیچھے کرتی، مصنوعی سی مسکراہٹ لیے وہ زمر کے قریب رکی اور جیسے تعارف کروایا۔

''میں مسز ہاشم کاردار ہوں۔ ہم پارٹی میں ملے تھے۔''

زمر نے سر کے خم سے ان دونوں کے رسمی کلمات کا جواب دیا، جیسے وہ شدید کوفت میں مبتلا ہو۔ جواہرات نے زمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسے شہرین کو بتایا۔

''زمر یوسف' پبلک پراسیکیوٹر ہے۔ ہاشم نے یقیناً تم سے ذکر کیا ہو گا۔''

شہرین نے منہ میں کچھ چباتے ہوئے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''جی آئی نو۔ ڈی اے ہیں یہ یہاں کی۔'' وہ زمر کی طرف مڑی ''سو ڈی اے، کیسی ہو تم؟'' اس کو جیسے اپنے انداز تخاطب پہ خود ہی لطف آیا تھا۔

"تم اس کے ساتھ ہو.... اس کے اپارٹمنٹ میں؟ تم...." صدمے اور غصے سے اس کی آواز کانپی۔ "تم...." ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

"میری بات سنو۔ میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔ شروع سے۔ پلیز میری بات سنو۔" وہ پسینے سے تر ہوتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

مگر سچ بولنے کا وقت اب گزر چکا تھا۔ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ زمر نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ پریشانی سے بار بار اسے کال ملا رہا تھا مگر وہ نہیں اٹھا رہی تھی۔

اوپر آسمان پہ چمکتا چاند چار روز پہلے ماہِ کامل تھا۔

اب وہ کامل نہیں رہا تھا۔

چاند کی چاندنی اس کے اندر سے گھٹ چکی تھی اور آگے اندھیری رات تھی۔

❖❖❖

کافر، ماکر، کاذب، قاتل

(حصہ دوم)

دریا کی اصل تیرتی لاشوں سے پوچھیے ..... ٹھہراؤ ایک چال' روانی فریب ہے

فصیح فون کان سے لگائے' تیز تیز سڑک پہ چلتا جا رہا تھا۔ اس کی سیاہ پیشانی پہ سلوٹیں تھیں اور آنکھوں میں چبھتی ہوئی ناگواری تھی۔ وہ دوسری طرف بولتے انجان آدمی کو سن رہا تھا۔

''اگر میں کہوں ہاں تو کیا مجھے انعام کی رقم ملے گی؟''

''ہاں' بالکل۔ کہاں ہے وہ تامل جاسوس؟'' وہ غیر دلچسپی سے بولا اور کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔

''پہلے مجھے انعام کی آدھی رقم بھیجو پھر بتاؤں گا۔'' فصیح کی ناک مزید چڑھ گئی۔

''دیکھو مسٹر' مجھے تامل جاسوس کی لوکیشن بتاؤ' اگر اسے ہم پکڑ پائے' تب انعام ملے گا ورنہ ایک دھیلا بھی نہیں ملے گا۔'' وہ بلا مبالغہ کہہ رہا تھا۔

''ایسے تو میں نہیں بتاؤں گا۔'' بوڑھا سنہالی خفا ہو گیا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' اس نے کال کاٹ کر سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اگنیشن میں چابی گھمائی۔ پھر دوسرے سیل پہ نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا اور کار ریورس کرنے لگا۔

''بولو فصیح۔'' جواہرات تلخ لگ رہی تھی۔

''میم ابھی تک ان دونوں کا پتہ نہیں چل رہا۔ دونوں کے پوسٹرز الگ الگ بنوائے ہیں۔ معدی کا تامل جاسوس کے نام سے اور خاور کا بگڑے ذہنی توازن والے لاپتہ فرد کے نام سے۔ مگر لوگ بوگس کالز کرتے ہیں۔ پھر اوور سمارٹ بن کر انعام کا ایڈوانس مانگ کر رفو چکر ہونا چاہتے ہیں۔ روز دس جگہوں پہ ان کی اطلاع ملتی ہے' میرے بندے بھاگ کر جاتے ہیں مگر سب فراڈ ہوتا ہے۔''

''مجھے اس تفصیل سے دلچسپی نہیں ہے۔ جب وہ مل جائیں تو جو تمہیں کرنا ہے' وہ کر گزرنا۔'' اور اس کا ''راجر میم۔'' سننے سے قبل ہی جواہرات فون رکھ چکی تھی۔

وہ اس وقت اپنے بستر میں لیٹی تھی۔ سادہ ٹائٹ شرٹ میں ملبوس' بالوں کو گول مول باندھے' لحاف لپیٹے' وہ سست اور بدمزہ سی لگتی تھی۔ بیڈ کی پائینتی کی طرف اسٹول پہ بیٹھی فیونا اس کے پیروں کا مساج کر رہی تھی۔

''مسز کاردار۔ کیا میری انجیو ہمیشہ کے لئے واپس آ گئی ہے؟'' دفعتاً اس نے جھکی نگاہوں کے ساتھ پوچھا۔

جواہرات نے آنکھیں کھول کر ناگواری سے اسے دیکھا۔ ''اپنے دماغ کو آرام دو فیونا۔ کون کدھر جائے گا' یہ میں طے کرتی ہوں۔

اب وہ تمہاری ہیڈ ہے' اس کو عزت دو۔" پھر اپنا پیر درشتی سے پیچھے کو کھینچا۔ فیونا کے ہاتھ خالی رہ گئے۔

"دور ہٹو۔ میرا سارا موڈ خراب کر دیا۔ ہاتھ تیار کرو میرے لئے۔"

چند منٹ مزید سرکے اور پھر وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دی۔ زمرد بنا آستین کے لمبا گاؤن پہنے' بال جوڑے میں باندھے۔ تازہ میک اپ اور زمرد جڑے آویزے پہنے' وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔ شیرو کا کمرہ اندھیر تھا۔ وہ اسٹڈی کی طرف چلتی آئی۔ اندر بتیاں جلی تھیں اور سامنے کمپیوٹر ٹیبل پہ ہاشم چند کتابیں کھولے بیٹھا' کام کرتا نظر آ رہا تھا۔ شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے' وہ کتاب میں سے کچھ پڑھ کر نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔ اس کے کندھے پہ نرمی سے ایک ہاتھ رکھا اور وہ سر اس کی میز پہ رکھے' وہیں کھڑی ہو گئی۔

"جی ممی؟" وہ سر اٹھائے بنا منہمک سا بولا۔

"تمہارے اطمینان پہ حیرت ہے مجھے۔ تمہارا بھائی اس لڑکی کو لے آیا جس سے مجھے نفرت ہے' اس کو کمپنی کا ایک چوتھائی حصہ دے دیا' اس کو اپارٹمنٹ لے کر دے رکھا ہے اور دو دن سے وہ اسی شہر میں' وہیں ہے مگر تم کچھ نہیں کر رہے۔"

"میں موو آن کر چکا ہوں' ممی۔" وہ اب لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگا تھا۔ جواہرات کا دماغ گھوم گیا۔

"ہاشم... اس لڑکی سے مجھے چھٹکارا کون دلائے گا؟"

"اس لڑکی کا نام علیشا ہے اور وہ فیملی ہے ممی!"

"ہاشم..."

"ممی!" اس نے عینک اتار کر رکھی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں' چہرے کے نقوش' سب جواہرات کی کاپی تھے اور ان میں بھی اتنا ہی غصہ تھا۔

"میں اس کی فیس دے رہا تھا۔ وہ ایک سمسٹر ختم کر کے پڑھائی چھوڑ چکی ہے۔ وہ نکل کر کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میری اتنے سالوں کی فیس بچ گئی۔ اس کے بدلے شیرو نے اسے چند شیئرز دے دیے ہیں' اور اچھا مجھے بھی نہیں لگا مگر میں کیا کروں؟ وہ دونوں میرے اپنے ہیں۔ رہنے دیں اسے ادھر۔ کچھ دن بعد خود ہی اکتا کر چلی جائے گی۔ آپ کو کیا کہہ رہی ہے۔" اور واپس کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جواہرات اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا چکی تھی اور اب افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک وقت تھا جب اس کے شہر میں ہونے کی اطلاع نہ دینے پہ تم مجھ سے گاڑی میں بیٹھے معذرت کرتے رہے تھے۔" مگر ہاشم پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

"وہ وقت میں گزار چکا۔ اب موو آن کر جائیں ممی۔ اب میں ایک اچھا آدمی بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

جواہرات غصے سے مڑی اور پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئی وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"ان دو بیٹوں کے لیے اتنے سال قربانیاں دیں۔ کیا کیا نہیں کیا۔ مگر اب یہ دونوں اپنی زندگی میں آگے بڑھ چکے ہیں۔ تو ٹھیک ہے۔ رکوں گی میں بھی نہیں۔" پرس سے سیل نکالتی وہ ہارون کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

............☆☆☆............

بولے تو سہی جھوٹ ہی بولے وہ بلا سے ...... ظالم کا لب و لہجہ دل آویز بہت ہے

کلیو میں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر اٹھارہویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا' اور اندر سیڑھیوں پہ کھڑا فارس دیوانہ وار بار بار اسے کال ملا رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ پریشانی اور ماتھے پہ پسینہ تھا۔

"زمر کال اٹھاؤ' پلیز کال اٹھاؤ۔" وہ موبائل کان سے لگائے بڑبڑا رہا تھا مگر دوسری طرف وہ فون آف کر چکی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا' مڑ کر غصے سے اوپر فلیٹ کی طرف دیکھا جہاں آبی گم ہوئی تھی اور پھر... پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آیا اور فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور لاؤنج میں بیٹھی آبی کے سر پہ جا پہنچا جو میز پہ پڑے کھانے کے پلیٹ سمیٹ رہی تھی۔

"یہ کیا تھا؟" وہ بلند آواز سے غرایا تھا۔ آبی نے سکون سے چہرہ اٹھایا' پھر اس کے برہم تاثرات دیکھ کر آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"کیا ہوا؟"

"یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ آپ کو پتہ تھا کہ دوسری طرف میری بیوی ہے۔" وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ آبی اچنبھے سے اسے دیکھتی کھڑی ہوئی۔

"میں نے ایسا کیا کہا؟" پھر جیسے یاد کیا۔ "میں تو کھانے کا کہہ رہی تھی۔ میں سمجھی نہیں فارس' کچھ غلط ہو گیا ہے مجھ سے؟"

اب کے وہ کچھ نہیں بولا۔ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے' چبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ تنفس ابھی تک تیز تھا اور ماتھے کے بل ہنوز ویسے تھے۔

"آئی ایم سوری' اگر میری وجہ سے کچھ غلط ہوا ہے تو۔ کیا انہوں نے کچھ غلط سمجھا؟ مگر وہ آپ کی بیوی ہیں' آپ کو اتنا تو جانتی ہوں گی۔ انہیں آپ کو اتنی سی بات پہ غلط نہیں سمجھنا چاہیے تھا۔" وہ تعجب سے کہہ رہی تھی پھر فکر مند تاثرات چہرے پہ سجائے آگے کو ہوئی۔ "کیا میں کچھ کر سکتی ہوں آپ کے لیے؟ پریشان مت ہوں' میں فوراً ان سے بات کر لوں گی۔"

"میرے ساتھ یہ گیمز نہ کھیلیں آبدار بی بی۔" وہ تیز تنفس پہ قابو پاتا' اسے گھور کر بولا تھا۔

آبی نے اسے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکیں تو ان میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔

"میں نے کیا کیا ہے' سوائے آپ کی مدد کرنے کے؟" وہ بے بسی سے بولی تھی تو فارس نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

"اچھا روئیں نہیں۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔" وہ صوفے کے کنارے بیٹھا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے کچھ سوچنے لگا۔ آبدار نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارہ پونچھا پھر سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے شام سے کچھ نہیں کھایا' یہ کھانا بھی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔"

فارس نے چہرہ اٹھا کر اسے تکان سے دیکھا۔ "اچھا سوری۔ مجھے آپ پہ غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

آبدار کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ نم آنکھیں رگڑتی سامنے والے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھی۔

"مجھے کھانا کھانا ہے۔" وہ اب بھی منہ بسورے ہوئے تھی۔

"چلیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس ٹینشن زدہ ماحول سے تو نکلیں۔" تلخی کو پی کر وہ زخمی سا مسکرایا تو بالآخر وہ مسکرا دی اور کھانے کے پلیٹ سمیٹنے لگی۔ "یہ راستے میں کسی کو دے دیں گے۔"

فارس نے رک کر اپنی شرٹ کو دیکھا۔ "میں کپڑے بدل لوں۔" اور اندر کمرے کی طرف چلا گیا۔ آبی نے مسکراتے ہوئے سارے پلیٹ سمیٹے۔ پھر موبائل پہ قریبی ریسٹورانٹس سرچ کرنے لگی۔ ساحل کنارے ایک خوبصورت ریسٹورانٹ میں بکنگ کروائی اور پھر مسکراتے ہوئے فون بند کر کے سوچنے لگی۔

گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی رہیں' وقت سرکتا رہا۔ جب پندرہ منٹ گزر گئے تو آبدار قدرے چونکی۔ فارس ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ اٹھی اور اس کے کمرے کے باہر جا کر آواز دی۔ ایک آواز' دو آوازیں۔ جواب ندارد۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' پھر ڈور ناب گھمایا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرہ خالی تھا۔ الماری کے پٹ کھلے تھے۔ اندر نہ فارس غازی کا مختصر سامان تھا، نہ وہ خود تھا۔ کمرے کی کھڑکی بھی کھلی تھی۔ آبی بھاگ کر گئی اور کھلی کھڑکی سے نیچے دیکھا۔ وہاں پائپ لگے تھے۔ اور جالیاں۔ وہ ان کے نیچے سڑک پہ جا رہا تھا اور کوئی ٹک ٹک یا ٹیکسی پکڑ کر کب کا کولمبو کے ہجوم میں گم ہو چکا تھا۔ وہ بالکل سن رہ گئی۔ پھر کھڑکی کی جالی میں اٹکے نوٹ پہ نظر پڑی تو اس نے لپک کر وہ کاغذ وہاں سے اتارا۔

''میں یہاں ریسٹورانٹس کے کھانے کھانے نہیں آیا تھا۔''

اور وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہو یا نہ ہو، محبت کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنا سراسر ناجائز ہوتا ہے۔ وہاں سے چند کلومیٹر دور وہ ٹیکسی سے اتر کر بیگ کندھے پہ ڈالے، دوسرے ہاتھ میں موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔ وہ اب زمر کو فون نہیں کر رہا تھا۔ وہ اپنا ادھورا کام مکمل کر رہا تھا۔ فون کان سے لگایا تو ایک نسوانی آواز ابھری۔

''ہیلو۔''

''صباحت۔ میں بول رہا ہوں۔ فا...''

''فارس؟'' آواز میں خوشگوار حیرت ابھری۔ ''کیسے ہو فارس؟ اتنے عرصے بعد؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ شاید...'' وہ زخمی سا مسکرایا۔

''شاید؟ یعنی ٹھیک نہیں ہو؟ کیا میں کچھ کر سکتی ہوں؟'' وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''جب پہلی دفعہ جیل گیا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے لئے کچھ نہیں کر سکیں کیونکہ...''

''فارس آئی ایم سو سوری، میں کچھ نہیں کر سکی۔ میں نے بہت کوشش کی مگر یہ ممکن نہیں ہو سکا۔ تم نے جو میرے لئے کیا تھا اس کا بدلہ میں ساری زندگی نہیں چکا سکتی۔'' وہ شدید ممنونیت سے کہہ رہی تھی۔ ''تم نے اپنی نوکری خطرے میں ڈال کر مجھے میرے اریسٹ وارنٹ کا بتایا تھا۔ تم کتنے سال سندھ میں پوسٹڈ رہے، میری وجہ سے اور...''

''میں یہ نہیں کہہ رہا تھا۔'' اس نے نرمی سے بات کاٹی۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ پہلی دفعہ آپ نے میری مدد اس لئے نہیں کی کیونکہ آپ اس وقت انڈیا میں پوسٹڈ تھیں، لیکن دوسری دفعہ جب میں جیل گیا تھا تو آپ نے مجھے سری لنکا سے فون کیا تھا۔ سری لنکا میں پوسٹڈ تھیں۔ مجھے احسان کا بدلہ مانگنا...'' کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''بالکل اچھا نہیں لگ رہا، مگر مجبور ہوں۔ جہاں اتنے جرائم کر چکا ہوں، وہاں ایک اور سہی۔''

''فارس!'' وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔ ''تم نے جو میرے لئے کیا، وہ جرم بھی تھا، اپنی نوکری کے ساتھ خیانت بھی، دھوکہ بھی اور غیر قانونی بھی۔ مگر وہ 'غلط' نہیں تھا کیونکہ کچھ چیزیں قانون سے اوپر کی ہوتی ہیں۔ تم کل بھی بے گناہ تھے اور کل بھی رہو گے۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''کیا آپ اب بھی کولمبو میں پوسٹڈ ہیں؟''

❖❖❖

میں تو مقتل میں بھی قسمت کا سکندر نکلا ..... قرعہ فال مرے نام کا اکثر نکلا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر مکمل خاموشی تھی۔ زمر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، اور سیم کے سوالوں کا اس نے ''اسے بتا دیا ہے'' کہہ کر جواب دیا تھا۔ آگے نہ سیم نے پوچھا نہ حنین نے۔ حنہ تو ویسے بھی لاؤنج میں نیچے بیٹھی لیپ ٹاپ میز پہ رکھے اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ (امی اپنے کمرے میں اپنے ظیفوں اور دعاؤں میں مشغول تھیں۔) سیم حنہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ بڑے ابا بھی وہیل چیئر کھینچتے ان

کے ساتھ آ رکے تھے اور اب فکر مندی سے بار بار حنہ سے پوچھتے تھے۔

"کیا تم سعدی کو ڈھونڈ سکتی ہو؟"

"نہیں ابا۔ لیکن میں امی کا پاسورڈ بدل رہی ہوں' وہ پاسورڈ کے لئے امی کا ای میل کھولے گا' تو میں ایک جعلی ای میل اندر محفوظ کر رہی ہوں۔ وہ اسے کھول کر اس کے لنک پہ کلک کرے گا تو اس کی لوکیشن ہمارے پاس آ جائے گی۔" وہ ایک ہاتھ سے ٹائپ کرتی' دوسرے کے ناخن مسلسل دانتوں کے بیچ کتر رہی تھی۔

"حنہ ... کیا بھائی ہمیں واپس مل جائے گا۔" سیم اس کا بازو جھنجھوڑ کر بار بار پوچھتا تھا۔

"ہاں سیم۔ وہ واپس مل جائے گا اور پھر دیکھنا' ہم سب ہمیشہ خوش رہیں گے۔" حنین کو یہ بہت آسان لگتا تھا۔

"کاش کہ ہمیں وہی سعدی ملے جسے ہم نے کھویا تھا حنین۔" ابا کی آواز غمزدہ ہو گئی۔ حنہ نے مڑ کر استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چہرہ نیچے گرائے' بس سر ہلا کر رہ گئے۔ وہ حنین کو مطلب نہیں سمجھا سکتے تھے۔

وہ سر جھٹک کر واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی اور پھر کچھ سوچ کر اس نے سیو سعدی یوسف پیج کھولا۔ اس کے ایڈمن میں سامنے امر شفیع لکھا آ رہا تھا۔ حنین نے پیج کو پیغام لکھا۔

"ایڈمن ... میں سعدی کی بہن ہوں۔ پلیز مجھے اس پیج کا ایڈمن بنا دیں۔"

"تم اس کی ایڈمن کیوں بننا چاہتی ہو؟" سیم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"سیم ہمارے فونز اور لینڈ لائن وہ لوگ ٹریس کر رہے ہوں گے' کیا پتہ ہمارے فیس بک اکاؤنٹس بھی دیکھ رہے ہوں۔ ہم کوئی بھی ایسی بات نہیں لکھ سکتے جو بھائی کے لئے خطرہ بن جائے۔ لیکن سیو سعدی یوسف والا پیج بھائی بھی دیکھتا ہو گا' میں اس کے ذریعے بھائی کو کوئی پیغام بھیج سکتی ہوں۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ اس کے لئے یہ بہت آسان تھا۔

ان سے ذرا فاصلے پہ کمرے کے بند دروازے کے پیچھے جھانکو تو زمر اندھیرا کیے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ اس کی خشک آنکھیں چھت پہ جمی تھیں اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا وہ موٹا بھدا فون آف تھا۔

جانے کتنے لمحے سرکے... کتنی رات گہری ہوئی.. جب اس نے وہ فون آن کرتے ہوئے گردن سیدھی کی اور پھر اس میں سیو واحد نمبر ملایا اور اسے کان سے لگایا۔ آنکھیں ہنوز خشک اور چہرہ سپاٹ تھا۔

فارس نے چھوٹتے ہی فون اٹھا لیا تھا۔ وہ اس وقت ایک زبوں حال سے علاقے میں سڑک کنارے چل رہا تھا' ہاتھ میں پرچی تھی جس پہ لکھا پتہ وہ تلاش کر رہا تھا۔ فون کان سے لگاتے ہوئے اس نے پرچی مٹھی میں دبائی اور بے چینی سے بولا۔

"اس طرح فون مت بند کیا کرو۔ میری بات تو سن لیا کرو۔"

"تم ہمیشہ مجھے مختلف روپ میں ملتے ہو۔"

"زمر میں تمہیں..."

"مجھے میری بات پوری کرنے دو۔" وہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' سر جھکائے' انگلیاں مروڑتی کہہ رہی تھی۔ "پہلے تم میرے ایک بھولے بسرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بن گئے۔ پھر ایک ایسے اسٹوڈنٹ رہ گئے جو وقت پڑنے پہ مجھے فیورز دے دیا کرتا تھا۔ پھر تم میرے سامنے ایک قاتل کی حیثیت سے آئے' جس نے اپنی بیوی کو مارا' اپنے بھائی کو مارا' اور مجھے بھی مارنے کی کوشش کی۔ پھر تم صرف ایک قیدی رہ گئے جو سفید کرتے شلوار میں ملبوس' بالوں کی پونی بنائے' مجھے کبھی کبھار کچہری میں نظر آ جاتا تھا۔ پھر تم مجھے ایک چالباز قیدی لگے جس نے مجھے

استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی۔ پھر تم مجھے ایک ایسے رہا ہونے والے انسان جیسے لگے جو گنہگار ہوتے ہوئے بھی قانون کا مذاق اڑا کر جیل سے نکل آتا ہے۔ پھر مجھے لگا تم ایک منتقم مزاج انسان ہو۔ جس نے اپنا رشتہ ٹھکرائے جانے کا بدلہ مجھ سے لیا تھا۔ جب تم سے شادی کر لی تو تم ایک بے حس اور سرد آدمی لگتے تھے مجھے جسے جو کہہ لو اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے لگا تم وہ نہیں ہو جو لگتے ہو۔ جو ہمیشہ لگتے تھے۔ تم بے گناہ لگنے لگے مجھے۔ یہاں تک کہ مجھے یقین آ گیا کہ تم بے قصور ہو۔ مگر بے وقوف ہو جو اپنے دشمن سے ناواقف ہو۔ پھر تم میرے شوہر بن گئے اور ایک محبت کرنے والے وفادار آدمی جیسے لگنے لگے مجھے... مگر آج رات...'' وہ رکی۔ تیز تیز بول کر اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ دوسری طرف وہ بالکل خاموشی سے سن رہا تھا۔

''آج رات لگا کہ تم ان میں سے کچھ بھی نہیں ہو۔ تم ایک اداکار ہو صرف مگر اب... اب یہ نہیں لگ رہا۔''

''اب کیا لگ رہا ہوں میں تمہیں؟'' وہ تحمل سے بولا تھا۔

''ایک انسان۔ صرف ایک انسان جو اگر زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں لینا چاہے تو اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ بس پھر تمہیں مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ میں تمہاری بیوی بنوں۔'' ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر چہرے پہ لڑھک گیا۔

''کیا تم میری بات سنو گی؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہمیشہ کہتے ہو ہم نے الگ ہو جانا ہے' اور مجھے نہیں پتہ کہ کیوں' لیکن اگر الگ ہی ہو جانا ہے تو تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جو کرنا ہے کرو۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں اور تم کبھی ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لئے...'' اس نے گیلی سانس کو ناک سکوڑ کر اندر کھینچا اور ہاتھ کی پشت سے گال رگڑے۔ ''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم میری طرف سے پریشان ہوئے بغیر تم جو بھی کرو' یہ تمہارا حق ہے۔ مجھے اعتراض نہیں۔''

وہ سڑک کنارے' ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا' سنجیدگی سے دوسری طرف سے آتی زمر کی آواز سن رہا تھا۔ آخر میں تلخی سے مسکرایا۔ ''عظیم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر صاحبہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی کہی' اپنی سنی اور فیصلہ سنا دیا۔ ٹھیک ہے' جو تم چاہو۔'' اور اسی سنجیدگی سے موبائل نیچے کیا اور کال کاٹ دی' پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

زمر نے سر گھٹنوں میں دے دیا اور بازو ان کے گرد لپیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب ہر طرف پھر سے اندھیرا ہو گیا تھا۔

اور اسی اندھیری رات میں احمر جب لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا تو نئے پیغام نے اسے چونکایا۔ اسے پڑھ کر اس نے بلاک ڈبہ کے حسین یوسف کو اپنے پیج کا ایڈمن بنا دیا۔ پھر یونہی... اس کی پروفائل کھولی۔ کچھ خاص نہ تھا ادھر... البتہ... ایک چہرہ دیکھ کر وہ چونکا تھا...

اب اس کی انگلیاں تیز تیز کی بورڈ پہ حرکت کر رہی تھیں اور آنکھوں میں چمک سی تھی۔

ادھر کولمبو کے آسمان پہ سیاہ بادل اکٹھے ہونے لگے تھے' گویا پورے شہر کو نہلا دینے کے لئے بے چین ہوں۔ ہوٹل کی بلند و بالا عمارت سر اونچا کیے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اندر... گراؤنڈ فلور کے سیکیورٹی کنٹرول روم میں دو افراد کمپیوٹر مانیٹرز کے سامنے بیٹھے تھے۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سیاہ فام فصیح اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔

''تمہیں ریسپشن پہ طلب کیا جا رہا ہے۔ کوئی ملنے آیا ہے تم سے۔'' ایک کو اکھڑ لہجے میں حکم دے کر وہ دوسرے کی طرف آیا' اور چند لمحے انتظار کیا' یہاں تک کہ پہلا نوجوان کمرے سے چلا گیا۔

''خیریت' سر؟'' دوسرے آفیسر نے کرسی اس کی طرف گھمائے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ فصیح نے جواباً اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔

''مجھے شام میں ایک کال آئی تھی۔ پوسٹر والے لڑکے کے لئے۔'' اس بات پہ آفیسر نے اکتا کر سر جھٹکا۔

''نہیں سفو۔ بے شک وہ عام کالرز کی طرح بوگس ہی لگ رہا تھا' مگر.....'' اس نے اسکرین سامنے لہرائی۔ ''اس کا موبائل نمبر کینڈی کا ہے۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ اشتہار ہم نے کولمبو میں دیا ہے۔ پھر کینڈی سے کیوں کوئی کال کر رہا ہے ہمیں؟''

''ہو سکتا ہے نمبر کینڈی کا ہو مگر کالر کولمبو میں ہو۔ آپ سم کسی بھی شہر سے لے سکتا ہے۔'' مگر فصیح نے نفی میں سر ہلایا۔

''مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سعدی یوسف کینڈی میں ہو؟''

''تو پھر اس کالر کے پاس پوسٹر کیسے آیا؟'' اس نے نکتہ اٹھایا۔ فصیح نے الجھ کر سر جھٹکا۔

''اس نمبر کو ٹریس کرو۔''

''راجر' سر!'' وہ فوراً سے مانیٹر کی طرف گھوما اور کچھ ٹائپ کرنے لگا۔ پانچ منٹ بھی نہیں لگے اور اس نے سر اٹھایا۔ ''نمبر آف ہے۔ سم موبائل میں نہیں ہے' ورنہ سگنل مل جاتا۔ میں اس نمبر پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ جیسے ہی آن ہوتا ہے بتاتا ہوں۔''

فصیح کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ''یہ اس کی کوئی ایکسٹرا سم ہوگی۔ تم اس کا سارا کال ریکارڈ نکلواؤ۔ کس کے نام ہے سم' سب کچھ۔'' پھر جوش سے اس کا کندھا تھپکا۔ ''ہری اپ۔''

انعام کی رقم کے صفر فصیح کو اپنی آنکھوں میں چمکتے دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ جواہرات کا اس سے وعدہ تھا۔ ہارون کا انعام الگ۔ خون اس کی رگوں میں بہت تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

..............❖❖❖❖..............

میں ان میں بھٹکتے ہوئے جگنو کی طرح ہوں ...... اس شخص کی آنکھیں ہیں کسی رات کی مانند

یہ کولمبو کے ایک زبوں حال اور پسماندہ علاقے کی ایک فلیٹ بلڈنگ تھی۔ سامنے کچرے کا ڈھیر تھا۔ میلی دیواریں۔ فلیٹس کی بالکونیوں پہ سوکھتے کپڑے۔ اندر فارس گول سیڑھیاں عبور کر کے ایک دروازے کے سامنے آن ٹھہرا تھا اور اب دستک دے رہا تھا۔ اپنے ہلکے سویٹر کے آستین موڑ رکھے تھے اور سر پہ پی کیپ لے رکھی تھی۔ دو بعد دوبارہ دستک دی۔ پھر بیل بجائی۔ دروازہ ہلکا سا کھلا۔ درز سے ایک نحیف اور سانولے لڑکے نے جھانکا۔

''مجھے صباحت نے بھیجا ہے۔ صباحت مرزا نے۔ کام ہے تم سے۔''

لڑکا درز سے چند لمحے اسے جھانکتا رہا۔ پھر دروازہ کھول دیا اور زنجیر گرا دی۔ وہ دروازہ پرے دھکیلتا اندر داخل ہوا۔ ساتھ ساتھ بولتا جا رہا تھا۔

''تعارف اور تمہید میں میرا وقت ضائع نہ کرواتا۔ اپنا کمپیوٹر آن کرو۔ جو صلاحیتیں تم مختلف حکومتوں کو بیچتے رہتے ہو' مجھے ان کی ضرورت ہے۔ شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ چلو۔'' اس کا موڈ پہلے خراب تھا' گھرک کر بولا تو لڑکا جلدی سے اندر چلا گیا۔ فارس ماتھے پہ بل لیے اس کے پیچھے آیا۔ اندر ایک چھوٹے سے کمرے میں تین کمپیوٹرز رکھے تھے۔ ایک آن تھا۔ وہ لڑکا اسی کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا اور مطلوبہ پروگرام کھول رہا تھا۔

''صباحت نے کہا تھا تمہیں گورنمنٹ کے فیشل recognition سافٹ ویئر تک access چاہیے۔ تصویر دو مطلوبہ لڑکے کی۔'' کی بورڈ پہ ٹائپ کرتے اس نے ہاتھ بڑھایا۔ فارس نے ایک فلیش اس کی ہتھیلی پر رکھی۔ اور ساتھ کھڑا اسے دیکھنے لگا۔

''اس میں سب تصاویر ہیں اس کی؟'' وہ فلیش ڈرائیو لگا کر پوچھ رہا تھا۔

"نظر نہیں آرہیں کیا؟" وہ درشتی سے بولا۔ تخی لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' جیسے بہت ضبط کیا ہو' پھر سر جھٹک کر کام کرنے لگا۔

"میں اسے سسٹم میں ڈال رہا ہوں۔ اس چہرے کا لڑکا پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں کولمبو کے کسی اسٹریٹ کیم' ایئرپورٹ' بس' ٹرینا دان انیرہ کے کسی بھی پبلک کیمرے کے سامنے اگر آیا ہو' تو فوٹیج مل جائے گی۔"

"کولمبو میں نہیں' اسے کینڈی میں ڈھونڈو۔" وہ کمپیوٹر ٹیبل کے کنارے بیٹھ گیا۔

وہ لڑکا' جس کا نام پریا تھا' گہری سانس لے کر مطلوبہ الفاظ ٹائپ کرنے لگا۔

"انگریزی فلموں کے برعکس فیشل ریکگنیشن میں کئی گھنٹے لگتے ہیں۔" تھوڑی دیر بعد پریا جمائی روکتے' بازوؤں کا تکیہ بنا کر پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے بولا تھا۔ "اگر وہ نظر آیا تو اسکرین پہ سگنل بج جائے گا۔ تم دیکھتے رہو' میں تب تک کھانا کھا لوں۔" کہہ کر وہ اٹھنے لگا تو میز کے دوسری طرف بیٹھے فارس نے اپنا پیر لمبا کر کے راستے میں رکھ دیا۔ پریا نے چونک کر اسے دیکھا۔ فارس نے جیب سے پستول نکال کر میز پہ رکھا' پھر دوسری جیب سے نسبتاً چھوٹا پستول نکال کر اس کے ساتھ ڈالا' پھر سخت نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ابرو سے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جب تک وہ مل نہیں جاتا' تم کہیں نہیں جا رہے۔ واپس بیٹھو۔"

لڑکے نے ایک نظر اسے دیکھا' دوسری بے بس نظر ان دو پستولوں پہ ڈالی' پھر گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔ پروگرام کے مسلسل چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔ رات دھیرے دھیرے کٹنے لگی۔

..................❖❖❖..................

مری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج کوئی نیا نہیں ...... ابھی روشنی ابھی تیرگی' نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا

اگلی صبح دھوپ چھاؤں کا سا موسم اسلام آباد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔ اس پرشکوہ عمارت کے بالائی فلور پہ وہ ایک کشادہ سا آفس تھا۔ بلائنڈز کھلے تھے اور سنہری روشنی آدھے آفس کو روشن کر رہی تھی۔

مرکزی کرسی پہ نوشیرواں ٹیک لگائے بیٹھا ایک کرسٹل بال ہاتھ میں گھما رہا تھا۔ سامنے کھڑکی کے آگے علیشا کھڑی تھی۔ سیاہ بالوں کو اونچی پونی میں باندھے' اس کی بے حد گوری جلد اور سرمئی آنکھیں دھوپ کی حدت سے چمک رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے چہرہ موڑ کر چبھتی ہوئی نگاہوں سے شیرو کو دیکھا۔

"اب؟ اب کیا ہوگا؟"

"کیا ہونا ہے' تم یہاں کام کرو گی' آرام سے رہو گی۔"

علیشا کار دار کی آنکھوں میں خفگی اتری۔ "تم نے مجھے یہ کہہ کر بلایا تھا کہ مجھے میرے باپ کی جائیداد سے حصہ دو گے۔"

"دے تو رہا ہوں۔" وہ حیران ہوا اور قدرے ناراض بھی۔

"میں نے کیا کرنا ہے اس کمپنی کا؟ میں سوچ رہی ہوں ان شیئرز کو بیچ دوں۔"

نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔ "اور ان کے بدلے رقم لے کر واپس چلی جاؤ؟"

"ہاں نوشیرواں' میں اس رقم سے نئی زندگی شروع کر سکتی ہوں۔"

نوشیرواں ناگواری سے ابھی کچھ کہتا' مگر دروازہ دستک کے ساتھ کھلا تو چوکھٹ میں زمر کھڑی نظر آئی۔ سیاہ کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس' گھنگریالے بال آدھے باندھے' وہ مسکرا رہی تھی۔ بالکل پرسکون' پراعتماد' اور اونچی ناک کی نتھ کی طرح تازہ دمکتی ہوئی۔ رات والے واقعے کا شائبہ تک چہرے پہ نہ ملتا تھا۔

"آیئے مسز زمر۔" وہ اپنائیت سے کہتا اٹھا۔ اسے دیکھ کر ہمیشہ شیرو کو تقویت ملتی تھی۔

''تھینک یو نوشیرواں۔'' وہ مسکرا کر کہتی آگے آئی۔ ''ہیلو علیشا!'' ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ بس صبح بخیر کہہ کر رہ گئی' البتہ سینے پہ لپیٹے بازو کھول کر پہلو میں گرا دیے تھے' اور جو پہلے بے نیازی سے کھڑی تھی' اب الرٹ سی ہو گئی تھی۔

''میں صرف اطلاع دینے آئی تھی۔'' کرسی کھینچ کر بیٹھتی وہ نرمی سے گویا ہوئی۔ اور پرس میز پہ رکھا۔ ''مجھے صبح ہاشم کا فون آیا تھا۔'' نوشیرواں کے چہرے پہ بے چینی سی پھیلی۔ وہ آگے کو ہو کر بیٹھا اور ہاتھ باہم پھنسا کر میز پہ رکھے۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ علیشا چاہے تو آفس میں کام کرے۔ چاہے تو اپنے شیئرز اسے بیچ دے۔ وہ ان کے بدلے ایک خطیر رقم دینے کو تیار ہے۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' شیرو کے چہرے پہ پہلے ہاشم کے نام سے جو زخمی پن سا پھیلا تھا' اب وہ عنقا ہو کر غصے میں ڈھل گیا۔

''مگر یہ اچھا سودا ہوگا۔'' علیشا قدرے امید سے کہتی آگے آئی۔ شیرو نے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھا۔

''میں نے تمہیں شیئرز اس لیے نہیں دیے تھے کہ تم انہیں ہاشم بھائی کو بیچ کر انہیں 50 فیصد کا مالک بنا دو اور میں بالکل معذور رہ جاؤں۔''

''اب وہ میرے شیئرز ہیں' اگر تمہیں میرا خیال ہے تو....'' وہ بھی تیزی سے کہنے لگی۔ مگر زمر نے میز کو انگلی کے ناخن سے زور سے کھٹکھٹایا۔ ''ایک منٹ!'' آفس میں خاموشی چھا گئی۔ پھر زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ ''نوشیرواں' کیا آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟''

''مسز زمر! اگر یہ دونوں مل گئے تو میں ان کا محکوم بن جاؤں گا' اور....''

''نوشیرواں آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟'' وہ اب سنجیدگی سے بولی تو وہ ذرا چپ ہوا۔ ''مجھے ہے مگر....''

''تو فکر کیسی؟ میں آپ کی وکیل ہوں' آپ کے مسئلے حل کرنا میرا مسئلہ ہے۔ کچھ بھی ایسا نہیں ہوگا جو آپ نہیں چاہیں گے۔''

نوشیرواں نے ناخوشی سے سر کو خم دیا مگر وہ آرام دہ نہیں لگ رہا تھا۔ زمر نے اب سرد نظروں سے علیشا کو دیکھا جو بے چین نظر آ رہی تھی۔

''بس علیشا کاردار۔ آپ نے اس روز دو کاغذات پہ دستخط کیے تھے۔ وہ دوسرا کاغذ جانتی ہیں کیا تھا؟''

''آپ نے کہا تھا کہ وہ میرے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے ہے تاکہ کوئی مجھ سے زبردستی شیئرز نہ چھین لے۔''

''آ آ آ.... میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' زمر نے شانے اچکائے۔ ''اس کاغذ کی رو سے آپ نوشیرواں کاردار کے علاوہ کسی بورڈ ممبر کو وہ شیئرز نہیں بیچ سکتیں۔ اور نوشیرواں کو بھی آپ ان کی مرضی کی قیمت پہ بیچیں گی۔ آپ اپنی مرضی سے وہ شیئرز نہیں فروخت کر سکتیں۔''

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا۔ خود علیشا بھی متحیر کھڑی رہ گئی۔

''اور یہ شرط کمپنی کے بائی لاز کے سیکشن 18 کی شق (B) کے عین مطابق ہے۔ آپ ہاشم کو وہ بیچ ہی نہیں سکتیں۔'' ٹیک لگا کر بیٹھی وہ قلم دو انگلیوں میں گھماتی' اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ نوشیرواں کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ علیشا نے سرمئی آنکھوں بے بسی بھرے زمر کو دیکھا۔ ''آپ نے مجھے مس گائیڈ کیا۔ کیوں مسز زمر؟''

''کیونکہ میں آپ کی نہیں' نوشیرواں کاردار کی وکیل ہوں۔ آپ کو دولت کمانی ہے علیشا تو آپ کو کام کرنا ہوگا۔ دنیا کا کوئی کاروبار ایسا نہیں ہے جو انسان کو بٹھا کر کھلا سکے۔ آپ نوشیرواں کا ٹنٹ یوں اڑا نہیں سکتیں۔'' پھر چہرہ گھما کر نوشیرواں کو دیکھا۔ ''چونکہ ہاشم نے علیشا کو کام کرنے کی اجازت دے دی ہے تو آپ اپنے بھائی سے صلح کر لیں۔ وہ آپ سے سب سے زیادہ مخلص اور وفادار ہے۔''

نوشیرواں اب پہلے سے بہتر نظر آنے لگا تھا۔ گردن دوبارہ اکڑ گئی تھی۔ ''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔''

وہ چھری ڈال کر پانی کی گہرائی دیکھ چکی تھی' سو علیشا سے مخاطب ہوئی۔ ''نوشیرواں کے ساتھ کام کریں اور کمپنی کو ترقی دلائیں۔ یہ

اس احسان کا بدلہ ہوگا جو اس نے آپ پہ کیا ہے۔"

مگر اس فیری ٹیل نصیحت سے وہ دونوں بے زار تھے۔ مخالف سمتوں میں رخ کیے وہ ذہن میں اپنے تحفظ اور اپنی بقا کے تانے بانے بن رہے تھے۔ وہ جانے لگی تو علیشا کسی خیال سے جاگی۔

"سنز مرز کیا میں حنین سے مل سکتی ہوں؟"

"نہیں۔" وہ یک لفظی جواب دے کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ علیشا چپ رہ گئی۔ وہ مسلسل اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے ...... مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کولمبو پہ سورج نے سنہری شربت انڈیل دیا تھا۔ سارا شہر سونے میں نہا گیا تھا۔

فصیح نے اپنے فلیٹ سے نکلتے وقت فون کان پہ لگائے فکرمندی سے پوچھا "اس کینڈی والے شخص کا فون آن ہوا یا نہیں؟ میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ تم اس نمبر کو نظر میں رکھنا" اور پھر فون بند کر کے کار کی طرف بڑھ گیا۔

کینڈی کی پہاڑیوں کے بیچ سڑک کنارے بنی کافی شاپ کے اندر کا ماحول نرم گرم سا تھا۔ کچن میں سعدی ایپرن پہنے کھڑا برتن ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹرک کو مزید سحر انگیز بنانے کے لئے خاص برتن بھی منگوائے تھے خود باہر جانے کی غلطی وہ نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ کسی اسٹریٹ کیم کی زد میں آ گیا تو وہ لوگ اسے ڈھونڈ لیں گے وہ جانتا تھا۔

کام ختم کر کے وہ کونے میں آیا اور کامنی کا لیپ ٹاپ کھولا اور اسٹول پہ بیٹھ گیا۔ کی بورڈ پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ فیس بک اکاؤنٹ لاگ ان کرنے لگا۔ پھر آنکھیں حیرت سے سکیڑیں۔ پاسورڈ نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔ پھرتی سے اس نے فیس بک بند کیا اور کمپیوٹر آف کر دیا۔ اسے مزید اس کے اکاؤنٹ کو نہیں کھولنا تھا۔ کسی کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اکاؤنٹ کھول رہا ہے اور یقیناً اس کے لئے کوئی جال بچھا کر رکھا گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ حنین ہو۔ مگر وہ خطرہ نہیں لے سکتا تھا۔

واپس کولمبو میں آ ٹو کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھے کھٹا کھٹ ٹائپ کرتے ہوئے شخص نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔"

وہ چیئر کے پیچھے آ کھڑا اور سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھا۔ "کیا آف نمبر کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا؟"

"نہیں۔ جب تک وہ نمبر آن نہیں ہوگا ہم اس کو ٹریس نہیں کر سکتے۔ اب؟" مڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"وہ کینڈی میں ہے مجھے اس کا یقین ہے۔ ایسا کرو اس نمبر کو ابھی چھوڑ دو۔ تم ایک اور کام کرو۔" وہ آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"کیا کروں؟ اتنے بڑے کینڈی میں ایک شخص کو ڈھونڈنا ناممکن ہے۔"

"ڈارک نیٹ پہ اس کا پوسٹر دیکھا ہے نا تم نے؟ اس پہ موجود انعامی رقم کا نصف دوں گا اگر ہم نے اسے پکڑ لیا تو۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔ تم اس کو ڈھونڈ کر اسے گولی مار دو گے مجھے معلوم ہے۔" کمپیوٹر اسکرین کی طرف واپس گھومتے اس نے خفگی سے کہا تھا۔ "اب بتاؤ کیسے ڈھونڈیں گے ہم اسے؟"

وہ سوچتے ہوئے بولنے لگا۔ "وہ کہیں کسی محفوظ جگہ پناہ لیے ہوئے ہے۔ وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے ادھر۔ اسی لئے باہر نہیں نکل رہا۔ ہم

اسے باہر نکالیں گے۔"

"مگر کیسے؟" اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔

"میرے اور تمہارے برعکس وہ ایک اچھا انسان ہے۔ رحم دل اور مہربان۔ ہم اس کی رحم دلی کو اس کے خلاف استعمال کریں گے۔ اگر وہ کچھ ایسا سنے جو اس کے مہربان دل کو دہلا دے تو وہ باہر نکل آئے گا اور میں اسے جالوں گا۔"

"یعنی کہ ہم اس کے لئے جال بچھائیں۔ گڈ۔ لیکن ایسا کیا ہو سکتا ہے جسے سن کر وہ نکل آئے؟" اور مڑ کر دوبارہ اسکرین کو مایوسی سے دیکھا۔ "وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔"

.... ❊ ❊ ❊ ....

جیسی دھیمی چال سے ہم کو راہ گزر طے کرنی ہے ...... ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم

زمر گھر میں داخل ہوئی چیزیں حسینہ کو پکڑائیں اس کو مارکیٹ سے چند ادویات لانے کے لیے بھیجا اور خود ڈائننگ ہال میں چلی آئی۔ حنہ کرسی پہ پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ چائے کے دو خالی مگ ساتھ رکھے تھے اور وہ لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"بھائی نے ایک دفعہ فیس بک کھولا پاسورڈ بدلا ہوا دیکھ کر ای میل نہیں کھولی۔ وہ جیسے پیچھے ہٹ گیا ہے۔" وہ نم آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ سیم بھی رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں کے ساتھ قریب بیٹھا تھا۔ چہرے پہ مایوسی تھی۔

"سیم اٹھو۔ امی اور بڑے ابا کو بلاؤ۔"

"کیوں پھپھو؟" سیم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ ہمیں ایک فیملی میٹنگ کرنی ہے اسامہ یوسف۔" تحکم سے کہہ کر وہ سربراہی کرسی کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔ اسامہ ڈھیلا سا اٹھ گیا۔ حنہ اسی طرح دل مسوس کر بیٹھی رہی۔

ابھی دوپہر نہیں ہوئی تھی سو ندرت گھر پہ ہی تھیں۔ وہ آئیں اور فکر مندی سے باری باری ان سب کے چہرے دیکھتے پہلی کرسی پہ بیٹھیں۔ سیم ابا کی وہیل چیئر بھی دھکیلتا لے آیا۔ پھر سلائیڈنگ ڈور بند کر دیا۔

"مجھے آپ سب سے بات کرنی ہے۔" وہ کرسی کی پشت پہ دونوں ہتھیلیاں جمائے کہہ رہی تھی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے سوائے حنین کے۔ زمر آگے آئی لیپ ٹاپ کے پاور بٹن پہ انگلی رکھ کر اسے دبایا۔ اسکرین آف ہو گئی۔ حنہ نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

"زمر میں بھائی کے لاگ ان کا انتظار...."

"میں نے کہا ہم ایک فیملی میٹنگ کرنے جا رہے ہیں تو تمہیں متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر تمہارا بھائی رابطہ نہیں کر رہا تو اس کی کوئی وجہ ہو گی۔" وہ ڈپٹ کر بولی تو حنین بے دلی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"کل رات آپ سب نے مجھے الزام دیا... نہیں بھابھی میری بات سنیں۔ یہ معاملے میں آپ لوگوں سے بہتر ڈیل کر سکتی ہوں اور چاہے آپ مجھ سے بڑے ہوں آپ کو ان معاملات میں میری بات ماننی ہو گی۔" ندرت کو لب کھولنے سے پہلے ہی اس نے خاموش کرا دیا۔

"فارس اور میں نے یہ سب چھپایا اس لئے نہیں کہ ہمیں راز رکھنے کا شوق ہے بلکہ اس لئے کہ خطرناک راز بم کی طرح ہوتے ہیں انہیں ہم اپنے "اپنوں" کے ہاتھوں میں اس لئے نہیں دیتے کہ ان کی ذرا سی لاپروائی ان ہی پہ کوئی ٹریجڈی نہ لے آئے۔ مگر اب آپ لوگ جان ہی گئے ہیں تو سنیں۔" باری باری سب کی طرف نظریں گھماتی وہ دوٹوک انداز میں کہہ رہی تھی اور سب دھیان سے اسے سن رہے تھے۔

"کاردار زعزت دار لوگ ہیں۔ وہ کرپٹ ہیں سب جانتے ہیں مگر وہ قاتل ہیں یہ کوئی نہیں جانتا۔ ہم جانتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ ہم جانتے ہیں۔ جس دن وہ جان گئے اس دن زمین ہمارے لئے تنگ ہو جائے گی اس دن کو ابھی نہیں آنا چاہیے۔ کم از کم جب

مل

تک ہمارا سعدی ہمارے پاس نہیں ہے' تب تک نہیں۔ اس لئے آپ سب دوبارہ ان الفاظ کو نہیں دہرائیں گے۔" اس کا لہجہ اب بھی بے لچک تھا۔ "کوئی اب اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ کاروارز کیا کر چکے ہیں' آپ جیسے جانتے ہی نہیں۔ وہ لوگ ہمارے فونز ٹیپ کر رہے ہوں گے' ہماری کالز سن رہے ہوں گے۔ کوئی بھی فون پہ یا ایسے بھی کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ بلکہ ہر کال میں آپ یوں مایوسی کا اظہار کریں گے کہ جیسے ہم ابھی تک سعدی کے بارے میں بے خبر ہیں۔ ابھی جنگ کا وقت نہیں آیا۔ ابھی ہم نے خود کو نارمل ظاہر کرنا ہے۔ اسامہ تم کل سے اسکول جاؤ گے بلاناغہ' اور بھابھی آپ ایک گھنٹے کے لئے بھی ریسٹورانٹ سے غائب نہیں ہوں گی' کیونکہ ہماری ہر نقل و حرکت پہ وہ لوگ نظریں رکھے ہوں گے۔ ہمیں ان کو "شک" کا موقع نہیں دینا۔ ہمیں ان کو اپنی طرف سے پرسکون رکھنا ہے۔ سب نارمل ایکٹ کریں گے۔" بالآخر خاموش ہو کر اس نے سامنے بیٹھے حاضرین کو دیکھا۔ سب متفق تھے یا غیر متفق' سب بات مان چکے تھے۔ صرف ندرت کے لبوں سے نکلا۔ "اور سعدی؟! اس کا کیا؟" ان کی آواز تک کانپ گئی۔

زمر نے میز سے اپنا پرس اور سیل فون اٹھاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔ "فارس سنبھال لے گا۔" اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

............✿ ✿ ✿............

شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ...... منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

صبح ابھی پوری طرح دوپہر میں نہیں ڈھلی تھی مگر فاطمہ اختر کا آفس سورج کی کرنوں سے مکمل طور پہ روشن تھا۔ وہ فائل ریک کے سامنے کھڑی سوچ کر ایک ایک فولڈر نکالتی' پھر نفی میں سر ہلا کر واپس رکھتی۔ دفعتاً دستک پہ مڑی۔ چوکھٹ میں احمر کھڑا تھا۔ نفیس شرٹ اور کوٹ میں ملبوس' وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ فاطمہ نے بھی مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"اور صبح سویرے جناب احمر شفیع نے مجھے یہ اعزاز کیونکر بخشا؟" وہ اپنی سیٹ پہ تھکن سے گرتے ہوئے بولی۔

احمر تیزی سے آگے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"مجھے معلوم ہے میں آج کل کسی کو وقت نہیں دے پا رہا۔ میری جاب...... بہت لف ہوتی جا رہی ہے۔"

"تم کرنل خاور سے بہتر غلام بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر وہ بیسٹ تھا۔" احمر کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا' مگر پھر سر جھٹک کر آگے کو ہوا۔

"میں نے تمہیں حنین یوسف کو ریسرچ کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"وہ کلین ہے احمر۔ میں نے بہت ڈھونڈا' مجھے کچھ نہیں ملا۔" فاطمہ نے شانے اچکائے۔

"کوئی بھی کلین نہیں ہوتا فاطمہ۔" وہ زخمی سا مسکرایا' پھر اپنا ٹیب اس کے سامنے رکھا۔ "کل رات اس نے مجھے میسج کیا کہ میں اسے سیو سعدی یوسف کا ایڈمن بنا دوں۔"

"تو بنا دو۔ اس کے بھائی کے نام کا پیج ہے وہ۔"

"بات یہ نہیں ہے۔" وہ دبے دبے جوش سے بول رہا تھا۔ "بات یہ ہے کہ میں نے پہلی دفعہ اس کی فیس بک پروفائل دیکھی ہے۔"

"میں کب کی دیکھ چکی ہوں' اس میں کچھ نہیں ہے۔" وہ بے زار آ گئی تھی۔

"اس میں واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر اس میں "کوئی" ہے۔" کہہ کر اس نے اسکرین فاطمہ کے سامنے کھڑی کی۔ وہ اچنبھے سے آگے ہوئی۔

"یہ ایک لڑکی ہے حمیرا نام کی۔ اس نے اپنے باپ کی پکچر کو پروفائل پکچر کے طور پہ لگا رکھا ہے۔ الیف وائی آئی' یہ آدمی ایک بورڈ کا او سی پی تھا' اور اس کو جسٹس سکندر نے قتل کروایا تھا' اسی ویڈیو کو سعدی اور میں نے...... استعمال کیا تھا۔" فارس کا نام نہیں لے سکا۔ چپ ہو گیا۔

''او کے' تو؟''

''تو یہ کہ اس کی بیٹی اور حنین یوسف فرینڈز تھیں۔ سعدی نے مجھے کہا تھا' وہ ندامت لے کر اوسی پی کے گھر گیا تھا جب اس کو [illegible] کیمرہ ملا۔ وہ گلٹی تھا مگر کیوں؟ وہ تو کبھی اوسی پی سے نہیں ملا تھا۔ پہلی دفعہ ان کے گھر گیا تھا۔ جب یہ بات میں نے غازی اور مسز زمر کو بتائی تو [illegible] چھوٹی لڑکی بھی ساتھ بیٹھی تھی اور اس کی شکل عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ ایسا کیا تھا جس پہ سعدی گلٹی تھا۔''

فاطمہ بالآخر دلچسپی سے آگے کو ہوئی۔ ''مگر کیا؟''

''یہی جاننے کے لیے میں نے اس لڑکی کا اکاؤنٹ ہیک کیا۔''

''حنین کا؟''

''نہیں۔ وہ خطرناک ہے۔ میں نے اس حمیرا کا اکاؤنٹ ہیک کیا اور حنین سے اس کی گفتگو پڑھی۔ دو سال پرانی گفتگو۔ اور جانتی ہو مجھے اس سے کیا معلوم ہوا؟''

''کیا؟'' فاطمہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''اوسی پی کی بڑی بیٹی کی ویڈیو کسی کے پاس تھی' انہوں نے حنین سے مدد مانگی' حنین نے کہا کہ انکل خود آ کر مجھ سے کہیں۔ پھر لگتا ہے کہ کام ہو گیا۔ چند ماہ بعد حنین نے اس سے اس کے ابو کا نمبر مانگا اور کہا کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد حنین نے اس کو کوئی میسج نہیں کیا۔ سارے میسج اسی لڑکی کے ہیں۔ وہ گلہ کر رہی ہے کہ حنین ابو کی وفات پہ آئی بھی نہیں نہ تعزیت کا فون کیا۔ حنین نے جواب نہیں دیا۔ وہ گلٹی تھی۔''

''مگر کس چیز پہ؟''

''یہی میں نے سوچا۔ جس دن اس اوسی پی کو فون کیا گیا ہو گا' اسی دن ان کی موت ہوئی۔ حنین موت کی اصل وجہ سے واقف نہیں تھی۔ اس نے سمجھا کہ..... کہ اس کی وجہ سے ہوا ہے یہ۔''

''تمہیں کیسے پتہ کہ یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے؟''

''کیونکہ فاطمہ اس دن اس کا بورڈ کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا۔ حنین مجھ سے کس بات پہ چڑتی تھی؟ جب میں نے اس سے اس کے رزلٹ کا پوچھا۔ میں نے کہا تھا' آپ نے نقل مار کر تو ٹاپ نہیں کیا تھا کیا؟ فاطمہ... فاطمہ... اس نے نقل سے ہی ٹاپ کیا تھا۔ اس نے ویڈیو ہٹانے کے لیے اس لڑکی کے باپ سے کیا مانگا ہو گا؟ اس نے بعد میں انجینئرنگ میں کیوں داخلہ نہیں لیا؟ وہ میرے منہ سے کون سا ذکر سن کر میری طرف سے ان سیکیور فیل کرنے لگی' اتنا کہ اس نے مجھے یہ تاثر دیا جیسے غازی کو میری شکایت لگا رہی ہو۔ وہ یہی راز چھپا رہی ہے۔'' اس نے ایکسائٹمنٹ سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''اتنی چھوٹی اور چالاک لڑکی میں نے پہلی دفعہ دیکھی ہے۔'' فاطمہ نے جھرجھری لی۔ مسٹری حل ہو گئی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا' کوئی بھی کلین نہیں ہوتا۔'' مسکرا کر قطعیت سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فاطمہ نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔

''لیکن تم ان کی فیملی کے دوست ہو۔ اس راز کا کیا کرو گے؟ یہ تو بے کار ہے تمہارے لیے۔'' وہ جو ایک پزل حل کر کے فاتح اور مطمئن سا اٹھ رہا تھا' جاتے جاتے رک کر اسے دیکھا اور پھر زخمی سا مسکرایا۔

''ہر راز کی قیمت ہوتی ہے فاطمہ۔ کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی طرح' وہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ ویک اینڈ پہ ملتے ہیں۔'' چابیوں والا ہاتھ ہلا کر وہ باہر نکل گیا اور فاطمہ سوچتی رہ گئی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے' دھوپ زیادہ سائے کم ...... لیکن اس پہ چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

سعدی یوسف کو اس کافی شاپ میں کام کرتے چوتھا روز ہونے کو آیا تھا۔ بوڑھے سنہالی روپا سنگھی نے ابھی تک اپنا نمبر آن نہیں کیا تھا۔

وہ کچھ دن میں کولمبو جا کر خود سے اس معاملے کی تحقیق کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کامنی سعدی کے کام سے خوش تھی اور چار دن میں اس نے دیکھا تھا کہ چار پانچ لوگ پلٹ کر آئے تھے اور اپنے ساتھ مزید مہمان بھی لائے تھے۔ کامنی کا بیٹا اسی طرح خاموش سا کونے میں بیٹھ کر سب کو دیکھتا رہتا تھا۔

اس صبح سعدی کچن میں کھڑا برتن ڈش واشر میں سیٹ کر رہا تھا جب اسے کامنی کی آواز سنائی دی۔

"یہ تو مونچھ جتنا ہے۔" سعدی ہاتھ پونچھتا باہر آیا تو دیکھا' وہ گردن اونچی کیے' ایک ہاتھ کمر پہ رکھے کھڑی افسردگی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"کینڈی میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔" کامنی نے مڑے بغیر کہا۔ سعدی کی نظریں ٹی وی تک گئیں۔ "تم نے نہیں دیکھا! صبح سے یہ خبر چینلز پہ چل رہی ہے۔ غیر مصدقہ اطلاع ہے کہ ایک عورت جاں بحق ہو گئی ہے' اور اس کا بچہ زخمی ہے۔ ہسپتال والے اس کا علاج نہیں کر رہے کیونکہ وہ غیر قانونی ہے۔"

"غیر قانونی" لفظ پہ سعدی نظریں چرا تا اندر کو مڑا جب وہ بولی۔

"بے چاری فلپینو عورتیں۔ نوکری کے لیے کتنے دھکے کھاتی ہیں۔ اور اس کے بچے کو کینسر ہے۔" وہ ایک دم ٹھہر گیا۔ بالکل شل۔ ساکت۔ پھر دھیرے سے مڑا۔ نگاہیں اٹھائیں۔ اسکرین پہ اس بچے کی زخمی تصویر نظر آ رہی تھی۔

تصویر دیکھ کر اس کا سانس تھم گیا۔ وہ میری کا نجو کا بچہ تھا۔

کافی شاپ کی اوپری منزل پہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک پلنگ رکھا تھا۔ الماری کا دروازہ شیشے کا بنا تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا غسل خانہ تھا۔ کمرے میں کھڑکی نہ تھی۔ سعدی خاموش سا بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا۔ سوچیں' دل و دماغ میں طوفان برپا کر رہی تھیں۔ شور ہی شور۔

پھر اس نے چہرہ اٹھایا اور الماری کے دروازے میں اپنا عکس دیکھا۔ "استرا" پھیرے سر اور بڑھی شیو والا سعدی پریشان نظر آتا تھا۔

"میری کا ہی بچہ ہے وہ' میں پہچانتا ہوں۔ مگر وہ تو امریکہ میں زیرِ علاج تھا نا۔ یہاں کیسے آ گیا؟"

آئینے میں اس کو اپنا عکس اسی طرح پلنگ کنارے بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے عقب میں ....ایک اور عکس ابھرا۔ وہ ٹی شرٹ پہنے' کلین شیو اور گھنگریالے بالوں والا سعدی تھا۔ پرانا سعدی۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ امریکہ میں تھا؟"

"میری نے بتایا تھا۔" بیڈ کنارے بیٹھے لڑکے نے احتجاج کیا۔

"میری نے تو یہ بھی کہا تھا کہ تم انڈیا میں ہو۔ میری کو خود بھی معلوم نہ ہو شاید کہ اس کا بیٹا ابھری ہے۔ تم نے میری کو استعمال کر کے جیل توڑی' انہوں نے اس جرم کی پاداش میں میری اور اس کے بیٹے کو دھماکے میں حادثاتی موت کا شکار کرنا چاہا۔"

"نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "یہ زیب ہے۔ وہ مجھے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ میری کا بچہ بالکل ٹھیک ہو گا اور خود میری بھی۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا؟ اگر تمہاری وجہ سے وہ مر گئی ہو' اور اس کا بچہ آج بے یار و مددگار پڑا ہو تو پوچھ کس کی ہو گی' شفیع احمر؟" گھنگریالے

بالوں والے لڑکے نے طنز اور ملامت سے پوچھا تھا۔

"میں اب تمہاری طرح نہیں رہا۔ میں بدل گیا ہوں۔ میں نہیں جاؤں گا۔ یہ فصیح کا کوئی پلان ہے۔" وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔

"لوگ نہیں بدلا کرتے۔ تم بھی نہیں بدل سکتے۔"

"شفیع....." دروازہ کھٹکا تو وہ چونکا۔ چوکھٹ میں کامنی کھڑی تھی۔

سعدی نے چونک کر آئینے میں دیکھا۔ وہ عکس اب غائب ہو چکا تھا۔ وہ وہاں تنہا تھا۔

"نیچے آجاؤ۔ گاہک آئے ہیں۔" وہ پلٹنے لگی جب اس نے اٹھتے ہوئے پکارا۔

"کامنی جی۔" وہ ٹھہر کر مڑی اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر..... یہ ممکن ہو..... ہو سکتا ہے کہ یہ ممکن ہو کہ کوئی دوسرا انسان مشکل میں ہو' اور اس کو بچانے کے لئے آپ کو اپنی جان خطرے میں ڈالنی پڑے تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟"

"انسان کو وہ کرنا چاہیے جس کی وجہ سے وہ "انسان" کہلاتا ہے' کیونکہ اگر وہ انسانیت نہیں دکھائے گا' خطرہ نہیں لے گا' تو وہ کیسا انسان ہوا؟ میں نہیں جانتی تمہیں مگر تمہارے لئے خطرہ مول لیا نا۔ اب فائدہ ہی اٹھا رہی ہوں نا۔" نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ کر وہ مڑ گئی اور سعدی یوسف کا دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ میری کے بیٹے کو ڈھونڈنے جائے گا۔ بھلے آگے کچھ بھی ہو۔

..............❖❖❖..............

تیرے نغمے تیری باتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی ...... ہمیں یہ چاندنی راتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی

اس صبح سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اپنے کمرے میں بیٹھی حنین بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' گھٹنوں پہ کمبل ڈالے' سست روی سے موبائل اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ بال پونی میں بندھے تھے اور آنکھوں میں ویرانی تھی۔ ان دونوں میں نہ فارس کا کوئی فون آیا۔ نہ سعدی نے امی کا اکاؤنٹ لاگ ان کیا۔ اب وہ اسے کہاں ڈھونڈے؟ اس نے بھائی کا گروپ کھولا جہاں کی وہ خود بھی ممبر تھی' بلکہ امی کو تو بھائی نے ایڈمن بنا رکھا تھا اور خود وہ وہاں اپنی قرآن میں تدبر کی ویڈیوز پوسٹ کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کی پرانی ویڈیوز دیکھتی رہی۔ پھر گروپ کی وال چیک کی۔ لوگ اب بھی قرآنی آیات' لیکچرز اور اپنے اپنے تدبر پوسٹ کرتے تھے مگر سعدی والی بات کہاں تھی؟ وہ بے دلی سے وال نیچے کرتی گئی۔ دفعتاً ٹھٹکی۔ آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"ندرت ذوالفقار یوسف نے Ronald Weasley کو گروپ ممبر بنانے کی درخواست قبول کر لی ہے۔" یہ ایک نئی تھی۔ اطلاع تھی۔

یعنی ایک شخص جس نے اپنا نام رونلڈ رکھا ہوا تھا' اس نے اس گروپ میں داخلے کی درخواست بھیجی اور اسے ندرت نے بطور ایڈمن قبول کر کے اسے گروپ میں داخل کر لیا۔ حنین بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ یہ پرسوں کی اطلاع تھی۔ پاسورڈ بدلنے سے بھی پہلے ندرت یوسف کی آئی ڈی یہ کام کر چکی تھی۔ سعدی ایک دفعہ زمر کے سوک نارکل میں رونلڈ ویزلی (ہیری پوٹر کا ایک کردار) بنا تھا۔ ندرت تو اس گروپ کو پہلے بھی نہیں کرتی تھیں' کجا کہ داخلے کی درخواست قبول یا رد کرنا۔ دوسرے ایڈمنز یہ کام کرتے تھے۔

دو دن سے وہ رونلڈ ویزلی چند آیات پوسٹ کرتا تھا۔ سورۃ النحل کی اور ان کے بارے میں اپنے "ریفلیکشن" لکھتا تھا۔ اسے کسی نے خاص توجہ نہیں دی تھی۔ دو چار لائکس آگئے' اور دو تین "سبحان اللہ' جزاک اللہ" لکھ کر لوگ آگے بڑھ گئے' مگر حنین نہیں بڑھ سکی۔ وہ وہیں تھم گئی۔ بالکل ساکت و جامد۔

وہ آئی ڈی گویا خالی تھی۔ کچھ بھی نہ تھا اس میں۔ وہ اسے صرف گروپ میں پوسٹ کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ سورۃ النمل کی تقریباً آدھی آیات اس نے لکھ ڈالی تھیں پھر رک گیا تھا۔ شاید اس کے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔ شاید وہ اب قرآن نہیں پڑھ پا رہا تھا۔ وہ اس کا ایک ایک انداز پہچانتی تھی۔ وہ اس کا بھائی تھا۔

حنین نے نم آنکھوں کے ساتھ اسکرین کو چھوا۔ اس نے پروفائل پکچر میں گلاب کا پھول لگا رکھا تھا جس کا سرخ خون بہہ رہا تھا۔ انسان جس بھی حالت میں ہو قید ہو یا آزاد ہو وہ اپنی عادتیں نہیں چھوڑ سکتا تھا، وہ بھی خود کو بیان کرنے کے انوکھے طریقے نہیں چھوڑ سکا تھا۔ سرخ خون گراتا گلاب۔ اس ایک تصویر نے ہر شے کی عکاسی کر دی تھی۔ ایکدم اسکرین پہ ایک نمبر جلنے بجھنے لگا۔ میمونہ کی کال آ رہی تھی۔ حنین نے آنکھیں صاف کر کے فون کان سے لگایا۔ وہ اس کی "نگہبان" تھی۔ اس کو وہ روز رپورٹ کرتی تھی کہ آج اس نے کتنی نمازیں پڑھیں اور ماہ کامل کی صبح سے ان کی تعداد پانچ ہی ہوتی تھی۔ کل کی بھی پانچ تھیں۔ اس نے بہت ادب سے پچھلے دن کی رپورٹ پیش کی۔

"اللہ تمہیں اپنی نماز کی حفاظت کرنے والی اور ان پہ دوام اختیار کرنے والی بنائے۔ آمین۔" میمونہ نے فوراً سے دعا دی، پھر پوچھنے لگی۔ "اور تم اپنا قرآن کس وقت دہراتی ہو؟"

"جی؟" وہ بالکل دم بخود رہ گئی، پھر خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ "میں حافظِ قرآن نہیں ہوں، صرف چند سیپارے کئے تھے۔"

"حنین ہر مسلمان حافظِ قرآن ہوتا ہے اگر اس نے ایک آیت بھی حفظ کر رکھی ہو۔ چاہے صرف سورۃ فاتحہ، چاہے آخری چند سورتیں۔ کچھ بھی اگر اس نے یاد کیا ہے، بھی تو وہ اسے ساری زندگی "نبھانا" پڑے گا۔ تم "نبھا" رہی ہو؟"

وہ چپ ہو گئی۔ میمونہ چند لمحے اس کے سانسوں کی آواز سنتی رہی۔

"میں نے بہت سے مسلمان دیکھے ہیں جو قرآن یاد کر کے بھول جاتے ہیں۔ پھر ان کی زندگیاں حقیقی سکون سے محروم ہو جاتی ہیں۔ ذہنی توازن کھو دیتے ہیں، کچھ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں، کچھ دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ لیکن اکثر مسلمانوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی حفاظ کی کیٹگری میں آ گئے ہیں اگرچہ انہوں نے صرف بھی الناس اور الفلق ہی یاد کی ہو۔"

"تو پھر ایسے لوگ کیا کریں؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"وہ دو باتیں ذہن میں پکی بٹھالیں۔ پہلی یہ کہ انہیں دنیا اور آخرت کا سارا سکون اور کامیابی تب تک نہیں ملے گی جب تک وہ واپس اس قرآن کو یاد نہیں کریں گے۔ اور دوسری بات اگر انہیں لگتا ہے کہ عمر بڑھنے اور مصروفیات کی زیادتی کے باعث وہ اب آ کر قرآن حفظ نہیں کر سکتے تو وہ غلط ہیں۔ قرآن ستر سال کی عمر میں بھی حفظ کیا جا سکتا ہے اگر بندے کے دل میں اللہ کی خشیت ہو۔"

"مجھ سے اب نہیں ہو گا۔" اس نے خود ہی طے کر لیا تھا۔

"ہو گا نہیں حنین، کرنا پڑے گا۔ آہستہ آہستہ شروع کرو۔ اللہ کہتا ہے نا کہ "اس کو یاد کروانا ہمارے ذمے ہے۔" اور یہ کہ "ہم اسے آپ کو ایسے پڑھاویں گے کہ پھر آپ نہیں بھولیں گے۔" تم شروع کرو گی دوبارہ حفظ کرنا اور اسے مکمل اللہ تعالیٰ کروائے گا۔" میمونہ بہت سلجھی ہوئی اچھی لڑکی تھی۔ سمجھداری کی باتیں کرتی تھی۔ مگر اتنی اچھی باتیں کر لیتی ہو گی، حنہ کو پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔ اس کے دل میں امید کی بندھی۔

"او کے میں کوشش کروں گی۔"

"اور کس وقت کرو گی؟" وہ حیران ہوئی۔

"وقت ہی تو اہم ہے۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ "بے شک رات کا اٹھنا (تہجد میں اٹھنا) زیادہ شدید ہے نفس کو قابو کرنے کے لئے اور کلام پاک کو پڑھنے کے لئے۔ بے شک دن میں آپ کے لئے مصروفیات ہیں طویل۔"

"اسی لئے... قرآن فجر کے وقت ضرور پڑھنا چاہیے؟ منہ اندھیرے؟"

''حفظ کا تو وقت وہی ہوتا ہے۔کیا تم نے وہ قول سنا ہے کہ حفظ کا بہترین وقت تہجد کا ہے' مطالعے کے لئے صبح کا وقت' لکھنے کے لئے دن کا وقت اور بحث ومباحثے کے لئے شام کا وقت۔''

''اچھا۔'' وہ متعجب ہوئی۔پھر بولی۔''اوکے۔میں روز صبح فجر کے وقت اپنا قرآن دہراؤں گی۔''

''اور تمہیں کس نے یہ کہا ہے کہ قرآن صرف صفحے پہ ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر کے دہرا لینے سے یاد ہو جاتا ہے؟'' میمونہ نرمی سے سوال پوچھتی تھی' ٹوکتی کم تھی' مگر حنین چپ سی ہو جاتی تھی۔

''پھر کیسے یاد ہوتا ہے؟''

''قرآن یاد ہوتا ہے کسی انسان کو روز سنانے سے' اور پکا ہوتا ہے نماز میں روز اللہ کو سنانے سے۔خود سے خالی خولی دہرا لینے سے کچھ یاد نہیں ہوجاتا۔تم یوں کرو روز کا سبق اور پچھلا سبق مجھے فجر پہ سنا دیا کرو۔'' وہ دو چھوٹے بچوں کی ماں تھی' پھر بھی یوں کہہ رہی تھی گویا سبق سننا اس کے لئے مسئلہ ہی نہ ہو۔

''اوکے' میں نے آخری دس پارے کیے تھے یاد۔پھر کل میں اکیسویں سیپارے سے سناؤں گی۔'' وہ بھی جانے کیوں پرجوش ہوگئی تھی۔

''اور حنین' جب حافظ قرآن اپنا قرآن بھول جاتے ہیں تو وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ قرآن اول پارے سے نہیں یاد کیا جاتا' آخر سے کیا جاتا ہے۔تم کل مجھے صرف الناس اور الفلق سناؤ گی۔'' وہ سارے فیصلے خود ہی کر رہی تھی' مگر اچھی بات ہے۔کچھ باتوں کے لئے ہمیں خود پہ سختی کروانی پڑتی ہے۔

''اوکے' کل سے میں الناس سے شروع کروں گی۔'' پھر ٹھہر کر بولی۔''میمونہ باجی' ہو سکتا ہے میں....اصل میں میرا بھائی....وہ نہیں ہے اور میں پریشان رہتی ہوں' تو کبھی ہو سکتا ہے سبق نہ کر سکوں تو....''

''تمہیں پتہ ہے لوگ مجھ سے اکثر پوچھ لیتے ہیں....میں سائیکولوجسٹ ہوں نا' تو وہ اکثر پوچھتے ہیں کہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں' قرآن بھی' پھر حاجتیں کیوں نہیں پوری ہوتیں؟ دولت' اولاد' اچھا رشتہ' اچھی نوکری' عزت' یہ سب کیوں نہیں ملتا۔میں کہتی ہوں' ان سب کے لئے قرآن اور نماز نہیں پڑھتے ہم۔اور یہ سب نماز اور قرآن سے نہیں ملتا۔یہ دعا سے ملتا ہے۔دنیا کے سوا چھ ارب انسانوں کے پاس خواہشات کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے' مگر قرآن آپ کو وہ سب نہیں دے گا۔قرآن آپ کو وہ دے گا جس کے لئے آپ یہ سب چاہتے ہیں۔ سکون اور برکت۔میں لوگوں سے کہتی ہوں' قرآن حفظ کرنا شروع کر دیں' روز کی ایک آیت کریں' آپ سوچ نہیں سکتے آپ کی زندگی کتنی بابرکت ہو جائے گی۔حنین تم حفظ شروع کرو' پہلے تو بڑوں کی زبردستی پہ کیا تھا تم نے حفظ' اب دل سے کرو گی تو دیکھو گی کہ تمہاری گھر میں وہ برکت اور وہ نور آ گیا ہے جس کے لئے لوگ مال' اولاد' خوبصورتی' اسٹیٹس' طاقت سب ہو کر بھی ترستے ہیں۔تمہاری زندگی' بابرکت' ہو جائے گی۔تم آنکھیں بند کر کے میری بات پہ یقین کر لو۔میں تجربے سے کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔''یعنی اب میں پریشان نہیں ہوا کروں گی۔''

''ہو گی بھی تو قرآن تمہیں دلاسا دے دے گا۔'' اور یہ تسلی حنین کے لئے کافی تھی۔ان گزرے چار دنوں میں پہلی دفعہ وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگی تھی۔

***

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے ...... وہ برہمی ہے کہ ہم سے انہیں گلے بھی نہیں

وہ ہسپتال جہاں میری کا بچہ مبینہ طور پہ' اغوا ہوا تھا' کافی شاپ سے تیس پینتیس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔وہ اس سے ذرا دور تک سے

اتر گیا تھا۔ نقشہ ذہن نشین کر کے نکلا تھا۔ سر پہ پی کیپ پہنے وہ محتاط نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتا چل رہا تھا۔ ہسپتال پہاڑی پہ اونچائی کی طرف تھا۔ وہ سڑک کی بجائے دوسری طرف سے پہاڑی پہ چڑھنے لگا تھا۔ گو کہ وہ میری انجیو کے لیے فکر مند تھا مگر وہ محتاط بھی تھا۔

وہ شام کا وقت تھا۔ دور چائے کے باغات سے آتی سوندھی مہک نے سرسبز پہاڑیوں کو مزید سحر انگیز بنا دیا تھا۔ کہیں کہیں بادل گرجنے اور بجلی چمکنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ ایسے میں وہ خاردار اور دشوار ڈھلان پہ اپنے جوگرز کی مدد سے چڑھتا جا رہا تھا۔ ذرا اونچائی پہ آ کر اسے ہسپتال کی عمارت دور سے دکھائی دینے لگی تھی۔ وہاں کچھ بھی غیر متوقع نہ لگتا تھا۔ معمول کا رش تھا۔ سب ٹھیک تھا۔

لیکن سعدی نے سر جھٹک دیا۔ اسے کامنی کی بات پہ عمل کرنا تھا۔ انسان کو انسان کے لیے خطرے مول لینے ہوتے ہیں۔ اگر وہ آج نہیں گیا تو ساری عمر پچھتائے گا' اور پہلے زندگی میں پچھتاوے کم تھے جو مزید بوجھ اٹھاتا؟ کامنی نے بھی تو اس کے لیے خطرہ مول لیا تھا۔

اور یکدم کسی نے جیسے ٹھنڈی ٹھار برف سعدی کے اوپر گرا دی۔ ایک خیال نے اسے منجمد کر دیا۔ وہ بالکل ٹھہر گیا۔

لیکن کامنی تو غلط تھی! وہ کوئی ناکام عاشق تو نہیں تھا۔ وہ تو جھوٹی کہانی تھی۔ وہ ایک قاتل تھا اور ان کو دھوکہ دے رہا تھا۔ وہ ایک دم چونکا۔ کامنی نے غلط کیا تھا۔ وہ بھی غلط کر رہا تھا۔

ایک دم سے ساری تصویر اس کے اوپر واضح ہوئی۔ کیبل نیٹ ورک میں سے کسی کو خرید کر ایک پٹی چلانا اور بار بار ایک تصویر دکھانا کیا مشکل تھا؟ فصیح جیسے لوگ تو ٹی وی چینلز کو خرید سکتے تھے' یہ سب تو بہت آسان تھا۔

وہ ایک دم تیزی سے پلٹا اور سبک قدموں سے ڈھلان اترنے لگا۔ تیز' مزید تیز۔ یہاں تک کہ اس کا سانس بے ترتیب ہونے لگا مگر رفتار بڑھتی گئی۔ یہ سب ایک پھندا تھا' وہ جان گیا تھا۔ اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا اور اب اسے جلد از جلد وہاں سے نکلنا تھا۔

وہ پہاڑی سے اتر کر سڑک پہ آ گیا اور سر جھکائے' تیز تیز چلنے لگا مگر جلد ہی اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ مگر کوئی تھا۔ سعدی کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ وہ مزید تیز چلنے لگا۔ اس کی حساسیت اب پہلے سے کہیں تیز ہو چکی تھی۔ کوئی اس کے عقب میں تھا۔ فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہا تھا مگر سعدی اس کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

جلد ہی بازار کا رش والا حصہ شروع ہو گیا۔ وہ اب تیزی سے لوگوں کے درمیان راستہ بناتا' قریباً بھاگنے لگا تھا۔ مگر کوئی مسلسل اس کے تعاقب میں تھا' سعدی یوسف کی چھٹی حس بار بار سرخ سگنل بجا رہی تھی اور اس کے سینے میں دھڑکتے دل کی رفتار بے قابو ہو رہی تھی۔

ایک گلی کا موڑ مڑ کر وہ ایک دم بھاگنے لگا۔ اندھا دھند۔ آگے پیچھے کے لوگوں کو ہاتھ سے پرے ہٹاتا' وہ بے قابو تنفس' اور سفید پڑتے چہرے کے ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ وہ دیکھ لیا گیا ہے' وہ پکڑ لیا گیا ہے' یہ خیال جان لیوا تھا۔

بازار کی حدود سے وہ نکلا تو ایک کالونی شروع ہو گئی' جیسے مری میں ہوتی ہیں۔ اونچی نیچی ڈھلان والی سڑک۔ وہ بار بار مڑ کر پیچھے دیکھتا بھاگ رہا تھا' دفعتاً احساس ہوا کہ پیچھے اب کوئی نہیں ہے۔ وہ گلی میں تنہا تھا۔ شام ڈھلتی جا رہی تھی۔ مغرب کی نیلاہٹ گہری ہو رہی تھی۔ ایسے میں وہ رک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اسٹریٹ میں سکون تھا۔ سکوت۔ سب ٹھیک تھا۔ سرخ الارم بند ہو گیا تھا۔ اس کا تعاقب کار اب وہاں نہیں تھا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ واپس مڑا تو کسی نے زور سے اس کے منہ پہ مکا دے مارا۔ سعدی دہرا ہو کر نیچے کو گرا۔ اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ پتھریلی سڑک پہ ہاتھ رکھ کر اس نے سر اٹھانا چاہا۔ تعاقب کار کے جوگرز اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اٹھ پاتا' اس شخص نے یکے بعد دیگرے بوٹ اور مکے سے دو تین ضربیں رسید کیں۔ چند لمحوں کے لیے سعدی یوسف کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ ہر شے ہر احساس' سن ہو کر رہ گیا جیسے ساری دنیا ختم ہو گئی تھی۔ جیسے موت آن پہنچی تھی... اور وہ ایک بے حس و حرکت لاش بن چکا تھا۔

اسے اتنا احساس ہو رہا تھا کہ اس کی آنکھیں بند اور گردن ڈھلکی ہوئی ہے۔ اور کوئی اسے کندھوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف لے

کر جا رہا ہے۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برس رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں پہ بادلوں سے برستی نمی پڑی تو ذہن کی تاریکی چھٹنے لگی۔ تعاقب کار نے سعدی کو درختوں کے ایک جھنڈ سے گزار کر کچی زمین اور گھاس پہ ایک طرف لا پھینکا تھا۔ سامنے ایک جھیل تھی، گھپ اندھیرے میں وہ جگہ کینڈی کی ہزاروں جھیلوں کی طرح سنسان پڑی تھی۔ تکلیف کے باوجود سعدی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے تیزی سے اٹھنا چاہا۔ مگر.... جیب خالی تھی۔

"کیا تم اس پستول کو ڈھونڈ رہے ہو، سعدی یوسف؟" وہ جو گھٹنوں کے بل زمین پہ ہتھیلیاں رکھے اٹھنے لگا تھا، اپنے سامنے اس کی پستول لہرانے پہ.... وہ بالکل ٹھہر گیا۔ منجمد ہو گیا۔ اور پھر اس نے شکست سے سر گرا دیا۔ اسی طرح زمین پہ گرے ہوئے، جھکے ہوئے گہرے گہرے سانس لیتا۔ وہ گویا ذبح ہو چکا تھا۔ وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔

"تو کیا لگا تھا تمہیں؟ میرے ساتھ یہ تیسر کھیل کر تم چھپ جاؤ گے؟ تمہیں لگا میں تمہیں نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔" غصے سے بولتے اس نے سعدی کے اس کندھے پہ بوٹ مارا جس پہ تو شیرواں نے گولی ماری تھی۔ درد کی ایک لہر اٹھی تھی جسے دبانے کو اس نے دانت پیستے ہوئے سر مزید نیوا ڈال دیا۔

"تمہیں معلوم ہے میرے لئے کیبل نیٹ ورک پہ ایک خبر چلانا کتنا آسان تھا؟ تمہیں واقعی لگا میں تمہیں تمہارے ہول سے نہیں نکال سکتا؟" وہ اس کے گرد طواف میں گھومتے ہوئے کہہ رہا تھا، اور بات ختم کر کے اس نے زور سے اس کی ٹانگ پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ بالکل وہاں جہاں شیرو نے گولی ماری تھی۔ سعدی کراہ کر مزید دہرا ہو گیا۔ بارش اسی طرح ہلکی ہلکی برس رہی تھی۔

"پھر بھی مجھے لگا تم نہیں آؤ گے۔ مجھے اپنی تلاش میں مزید خوار کرو گے۔ مگر نہیں.. میری اینجیو اور اس کا بچہ تمہارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ ان کے لئے تم آئے۔" اور پھر اس کی کمر پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا، اس ٹھوکر پہ درد سے مزید آگے کو جھک گیا، مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بس ہتھیلیوں سے زمین پہ رینگنے لگا۔ بمشکل چند قدم آگے بڑھ پایا کہ...

"میں کتنا خوار ہوا تمہاری تلاش میں اور تم۔ یہاں کینڈی میں چھپے بیٹھے ہو۔ تمہیں واقعی لگا کہ تم مجھ سے چھپ سکتے ہو؟" اس نے سعدی کو گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا اور جھیل کے پانی میں اس کا چہرہ ڈبو دیا۔ ساتھ ہی وہ غصے سے بولتا جا رہا تھا۔ "تمہیں لگا میں تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا؟ تمہیں لگا تم یوں چھپ کر بیٹھ جاؤ گے اور سب ٹھیک ہو جائے گا؟ بزدل انسان۔"

اسے زور کی ڈبکی دے کر اس نے اس کا سر نکالا اور چھوڑ کر سامنے جا کھڑا ہوا۔ سعدی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بس گیلا چہرہ اوپر کر کے، آنکھیں موندے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"آٹھ ماہ... آٹھ ماہ میں نے... قید میں سوچا..." سعدی نے نیم غنودہ سی آنکھیں کھول کر نقاہت سے سامنے افق پہ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر کہنا چاہا۔ "کہ وہ لمحہ کیا ہوگا۔ جب ہم ملیں گے۔ مجھے لگا تھا... آپ مجھے گلے سے لگائیں گے، مگر... مگر آپ تو مجھے مار رہے ہیں، فارس ماموں!"

اور یہ کہنے کے ساتھ سعدی نے بھیگی آنکھوں کا رخ پھیرا اور اسے دیکھا۔ جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جھیل کی طرف پشت کئے... اور سعدی کی طرف چہرہ کئے... وہ اس کے سامنے کھڑا تھا.. جینز کے اوپر بھوری جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال اسی طرح چھوٹے تھے اور ماتھے پہ بل تھے.. وہ اس کے سامنے کھڑا تھا... دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے، وہ سنہری آنکھوں میں شدید غصہ لئے اسے گھور رہا تھا... اندھیرے میں بھی اس کے چہرے کی برہمی صاف دکھائی دیتی تھی... وہ اس کے سامنے کھڑا تھا... تڑ تڑ برستی بارش اس کو بھگو رہی تھی... اس کے خفا چہرے پہ پانی کے قطرے لڑھک رہے تھے۔

فارس غازی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''کیوں؟'' اس نے تکان سے فارس کا چہرہ دیکھ کر دہرایا۔ ''آپ کیوں مجھے مار رہے ہیں؟''

اس بات پہ فارس مڑ گیا' سعدی کی طرف کمر کر لی' اور پھر تیزی سے واپس گھوما اور زور دار مکا سعدی کے جبڑے پہ دے مارا۔ ''کیونکہ تم اسی قابل ہو!''

یہ پہلی چوٹ تھی جو بری طرح سے لگی تھی۔ سعدی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھے' چہرہ جھکا دیا۔ شدید درد سے آنکھیں میچ لیں۔ پانی کے قطرے اسکے چہرے پہ مسلسل گر رہے تھے اور لبوں سے خون رسنے لگا تھا۔ بہت سا پانی آنکھوں میں بھی جمع ہو رہا تھا مگر ہر آنسو۔۔۔ اذیت کا آنسو نہیں ہوتا۔ نہ وہ خوشی کا ہوتا ہے' نہ دعاؤں کی قبولیت کا' نہ محبت کا' نہ شکوے کا۔ وہ بس آنسو ہوتا ہے اور اسے بہنا ہوتا ہے۔

''میں سمجھا...'' سعدی نے چہرہ جھکائے۔ آستین سے منہ رگڑا۔ ''یہ فصیح ہوگا۔''

''وہ تمہیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ جو اسے معلوم ہو ہمارا یونیورسل رحم دل سعدی کس بات پہ نکلے گا اپنے ہول سے۔'' طنز یہ سادہ نمرایا تھا۔ ''میری انجیو۔ اور اس کا بیٹا۔'' دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے ''بہت ہو گیا'' والے انداز میں کہا۔ ''بس یہی دو اہم لوگ رہ گئے تھے تمہاری زندگی میں جوان کے لئے خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے۔ اور تمہارا خاندان؟ تمہاری ماں' تمہارے بہن بھائی' وہ سب جو تمہاری ایک کال کے لئے ترس رہے تھے' ان کا کیا؟ ہاں؟'' اور بات کے اختتام پہ فارس آگے آیا' اور اس کو گدی سے پکڑ کر سر کو نیچے جھکا کر گویا جھنجوڑا' پھر جھٹکے سے اسے چھوڑا۔ سعدی نے جھکا سر نہیں اٹھایا۔ آنسو اسکے چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔ بارش کے قطروں جیسے آنسو۔

''بزدل انسان۔'' وہ اب اس کی جانب پشت کر کے اور جھیل کی طرف چہرہ کیے' درجا کھڑا ہوا تھا۔ وہ خفا تھا' وہ غصے میں تھا۔

''اگر کوئی چیز میں تمہیں بھیج سکتا ہوں تو کیا یہ نہیں جان سکتا کہ تم وہاں سے بھاگ گئے ہو؟ کیا ایک پیغام نہیں چھوڑ سکتے تھے تم میرے لئے؟ ہزار طریقے تھے پیغام دینے کے مگر نہیں۔'' اس کی سنہری آنکھیں جو جھیل کے پانی پہ جمی تھیں' ان میں دکھ سا ابھرا۔ ''تمہیں لگا' فارس تمہارے لئے کبھی نہیں آئے گا۔''

سعدی نے گیلی آنکھیں اور گیلا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ پہلو میں گرے دائیں ہاتھ کی پشت پہ سعدی کا خون لگا تھا۔

''تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی کہ میں آؤں گا۔ تمہیں لگا ہی نہیں کہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم نے سوچا اگر وہ آٹھ ماہ نہیں آیا تو اب کیا آئے گا؟ مگر جنگ، وہ جیتتا ہے سعدی یوسف جسے معلوم ہوتا ہے کہ کب لڑنا ہے اور کب نہیں لڑنا۔''

سعدی گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا۔ گیلے کیچڑ والی زمین پہ۔ اب آہستہ سے اٹھا۔ انگ انگ دکھ رہا تھا۔ مگر کراہ نہیں نکلی۔ ہر مار بری نہیں لگتی۔ کوئی اچھی بھی لگتی ہے۔ کوئی مارنے والا بھی اچھا لگتا ہے۔

''لیکن اگر تم میں اتنی عقل ہوتی تو میرے پاس آتے پہلے دن' مگر نہیں... تم کاردارز کے پاس چلے گئے۔ ان کو کنفرنٹ کرنے۔ تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی سعدی۔'' وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ سعدی قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹ سے خون ہنوز رس رہا تھا۔ وہ فارس کو دیکھ رہا تھا اور فارس ابرو بھینچے' ماتھے پہ بل لئے' سامنے جھیل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''پہلے بھی تم نے یہی کیا' ہر چیز اکیلے کرنی چاہی۔ اور اب بھی تمہیں لگا کہ تم یوں...''

سعدی آگے بڑھا اور اس کے گلے لگ کر' اسکے کندھے پہ اپنی آنکھیں رکھ کر... رونے لگا۔ چھوٹے بچوں کی طرح... آواز سے.... سسکیوں سے ہچکیوں سے....

فارس کے الفاظ خود بخود ٹوٹ گئے۔ اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔ نگاہوں میں نرمی سی ابھری۔ غصے کا ابال ٹھنڈا ہوا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا' پھر ہلکا سا اس کے کندھے کو تھپکا۔ ''اچھا بس ٹھیک ہے۔'' آواز میں وہی سختی تھی۔ پھر چہرے کو دوبارہ برہم بنا لیا'

پیشانی کی سلوٹیں واپس لے آیا' اور اسے شانوں سے پکڑ کر پرے کیا۔

''اچھا۔اب دور ہٹو۔میری بیوی پہلے ہی مجھ پہ شک کرتی ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ مڑ گیا' سعدی کو اس کی آواز گیلی لگی تھی' مگر اس نے فارس سے نظریں نہیں ملائیں۔ملا نہیں سکا۔بس چہرہ جھکائے' اپنی آنکھیں رگڑنے لگا۔آنسو ابھی تک امڈ امڈ کر آرہے تھے اور وہ کہیں دور....سندربن کے کسی گھنے جنگل میں....بے خوف ہو کر....کسی درخت تلے بیٹھ کر....ڈھیر سارا رونا چاہتا تھا۔

❖❖❖❖

آہ یہ ظالم تلخ حقیقت جتنے سفینے غرق ہوئے ..... اکثر اپنی موج میں ڈوبے طوفان سے ٹکرائے کم

اس پرتعیش ریسٹورانٹ کے ماحول کو مدھم زرد بتیوں نے پرفسوں اور سحر انگیز بنا رکھا تھا۔اس کا رنر ٹیبل پر رکھے اسٹینڈ میں کھڑی تینوں موم بتیاں روشن تھیں اور ان کے دونوں اطراف میں بیٹھے ہارون اور جواہرات ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔کھانا ابھی تک نہیں آیا تھا مگر جواہرات یہاں کھانا کھانے نہیں آئی تھی۔

سلک کی سبز قمیض میں' بالوں کو سمیٹ کر چہرے کے دائیں طرف ڈالے' وہ گہرا میک اپ اور قیمتی نگینے پہنے ہوئے تھی۔ہارون کا سوٹ گہرا نیلا تھا' اور سرمئی آنکھیں وہ کبھی جواہرات پہ ڈال لیتے کبھی اپنے فون پہ۔

''جو تمہاری مخالف کے ساتھ میں نے کروایا' اس پہ تم نے شکریہ نہیں کہا۔'' مسکارے سے لدی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ گلہ کرنے لگی۔

''میں نے تمہیں کچھ بھی کرنے کو نہیں کہا تھا۔'' جواہرات کے ابرو اکٹھے ہوئے۔آنکھوں میں بے چینی جھلکی۔''مگر میں نے تمہارا انتقام لیا اس سے۔اس نے تمہاری....''

''جب میں نے تمہیں کہا ہی نہیں تو تم مجھے کیوں جتا رہی ہو؟ تم نے جو کیا اپنے لئے کیا۔'' شانے اچکا کر انہوں نے گلاس سے گھونٹ بھرا۔جواہرات پیچھے ہو کر بیٹھی' اور سینے پہ بازو لپیٹے' تیکھی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔''تمہارا رویہ بدلا بدلا سا ہے۔''

ہارون نے گلاس رکھ کر سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''تمہارا بیٹا میرے گھر میں گھس کر....مجھے ہی دھمکی دے کر جاتا ہے اور تم کہتی ہو کہ میرا رویہ بدل گیا ہے؟''

جواہرات کے تاثر نرم پڑے' وہ ہلکا سا مسکرائی۔''میں اس کے لئے معذرت کر چکی ہوں۔میں نے ہاشم کا ساتھ صرف اس لئے دیا تاکہ اس کو شک نہ ہو کہ سعدی کو مارنے کے لئے گارڈ کو ہم نے بھیجا تھا۔''

''ہم نے نہیں' تم نے بھیجا تھا۔میں ان معاملوں میں شریک نہیں ہوں' صرف تمہارے لئے اپنے بندے پیش کر دیتا ہوں۔'' انہوں نے سختی سے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''اچھا ٹھیک ہے' ہو گیا جو ہونا تھا۔'' اس کا انداز بہلانے کا سا تھا۔نرمی سے ان کے ہاتھ کو دبا کر بولی۔''اب وہ سب ماضی میں رہ گیا۔کیوں نا ہم اب مستقبل کی بات کریں۔'' ہارون نے ایک نظر اس کے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ کو دیکھا جو ان کے ہاتھ پہ بہت لجاجت سے رکھا گیا تھا۔پھر گہری سانس لے کر چہرے کی سلوٹیں ذرا کم کیں۔

''مستقبل؟ تمہارے ساتھ مستقبل گزارنے کے لئے مجھے تمہارا اعتماد کمانا تھا جو تم بھیک میں بھی نہیں دیا کرتیں۔''

''کیا تمہیں لگتا ہے تم نے ابھی تک میرا اعتماد نہیں کمایا؟'' وہ مسکرا کر بولی تو ہارون ذرا سا مسکرائے۔''کیا میں نے کما لیا ہے؟''

''جس طرح تم نے اپنے بندے میرے لئے پیش کئے' میرا ساتھ دیا' اس....در سر جیسے مسئلے سے نپٹنے کے لئے....میرے دل میں تمہاری قدر مزید بڑھ گئی ہے۔اور میں چاہتی ہوں کہ ہم ماضی کی ساری تلخ یادیں بھلا کر اپنے مستقبل کو تعمیر کریں۔'' زرد روشنیوں سے مزین اپر

لسوں ماحول میں وہ آس پاس لگی محفل سے بے نیاز' بے خبر' آنکھیں ان کی آنکھوں پہ جمائے ہوئے تھی۔ "میں چاہتی ہوں ہارون' کہ میں اورنگزیب کے دیے سارے زخموں کو اپنے دل سے کھرچ کر تمہارے ساتھ زندگی کا ایک نیا باب شروع کروں۔ ہم دونوں "ایک" بن کر اپنے ambitions کے لیے جدوجہد کریں۔ دولت' طاقت' اچھی ہر شے کو اکٹھا کرلیں' اور مل کر اپنے طبقے پہ حکمرانی کریں۔" اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ہارون نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"اور تمہارے بیٹے؟"

"وہ کھلے ذہن کے ہیں۔ ان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہمیں اس مہینے کوئی اناؤنسمنٹ کر دینی چاہیے تاکہ ہمارے حلقہ احباب میں سب کو پتہ چل جائے کہ میں....." وہ جوش سے کہہ رہی تھی جب....

"اور میرا اعتماد؟" انہوں نے سکون سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ ملکہ بولتے بولتے رکی۔ ہارون پہ جمی اس کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

"میرا اعتماد جواہرات؟ تم نے اسے کمایا ہے کیا؟"

وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

"جو عورت اپنے محبوب بیٹے سے جھوٹ بولے' وہ قیدی جس کو اس نے اپنی امان میں لے رکھا تھا اس کو مروانے کی سازش کرے' جو اپنے شوہر سے شادی کے دوران بھی اپنے ایک کزن سے تعلق قائم رکھے' انکار مت کرنا کیونکہ بہت سے لوگ اس قصے سے بھی واقف ہیں۔ میں اس عورت پہ کیسے اعتبار کرسکتا ہوں؟"

وہ بالکل پتھر ہوئی' بنا پلک جھپکے اسے دیکھے جارہی تھی۔ گویا ریت کا مجسمہ ہو۔ ہاتھ لگانے سے ڈھے جائے گی۔

"تمہیں لگا تھا' میں تمہیں اپنالوں گا؟" وہ اس کے قریب جھکے' اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "کیا تمہیں وہ وقت بھول گیا جب میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا اور تم نے انکار کیا تھا؟ تم مجھے خود اس مقام تک لائی تھی جہاں آکر میں تمہیں انگوٹھی پیش کرسکوں اور پھر جب میں نے یہ کیا تو تم نے مجھے دھتکار دیا۔" اس کے کان کے قریب وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے اور وہ بالکل پتھر ہوئی سن رہی تھی۔

"میں نے تمہارا ساتھ تمہارا اعتماد کمانے کے لیے نہیں دیا' تمہیں اس مقام تک لانے کے لیے دیا تھا جہاں تم مجھے انگوٹھی پیش کرو اور میں تمہیں دھتکار سکوں۔ اور تمہارا احسان لوٹا سکوں۔ میں خوش ہوں کہ تم نے مجھے انکار کیا۔ تمہارے جیسی ذہنی مریض عورت کے ساتھ زندگی گزارتا تو شاید میں بھی اورنگزیب کی طرح قبر میں پڑا ہوتا۔ تمہیں لگا ہم دوست ہیں مگر بیگم جواہرات کاردار....." ان کی آواز سرگوشی سے بھی ہلکی تھی۔ "میں تم سے نفرت کرتا ہوں' اور بہت جلد' بہت دلچسپی سے تمہاری اور تمہارے خاندان کی بربادی کا تماشا دیکھوں گا' کیونکہ تم نے میری سیاسی حریف کا اسکینڈل بنوا کر اسے اپنا دشمن تو بنا ہی لیا ہے' مگر اس کے علاوہ بھی تم اپنے ایسے دشمنوں سے ناواقف ہو جن میں تمہیں چت کرنے کا ٹیلنٹ موجود ہے۔ جلد ہم تماشا دیکھیں گے' لیڈی کاردار۔" کہنے کے ساتھ اس کے ہاتھ کو جھٹک کر اپنا ہاتھ اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھ گئے۔ وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ' بے دم سی بیٹھی' ویران آنکھوں سے سامنے خلا میں دیکھ رہی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

شاید خوشی کا دور بھی آجائے اے عدم ..... غم بھی تو مل گئے ہیں تمنا کے بغیر

کینڈی میں بارش اب تھم چکی تھی۔ رات پوری طرح سیاہ ہوچکی تھی اور شہر کی بتیاں جل اٹھی تھیں گویا دور دور تک ٹمٹماتے سنہری دیے بکھرے ہوں۔ ایسے میں پہاڑی کے اوپر ایک مندر سا بنا تھا' جس کے باہر چوڑی اور طویل سیڑھیاں بنی تھیں۔ عبادت اور سیاحت کے لیے آئے لوگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جارہے تھے' کچھ کھڑے تصاویر بنوا رہے تھے' غرض ہر طرف گہما گہمی تھی۔ آخری سے اوپر سیڑھی پہ سعدی بیٹھا تھا اور ٹشو سے پھٹا ہوا' جمے خون والا ہونٹ دبا رہا تھا۔ فارس چلتا ہوا آیا اور آئس پیک اور مرہم کا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

''سوری اس کے لئے۔'' اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ کس چوٹ کی بات کر رہا تھا۔ سعدی نے جل کر اسے دیکھا اور رکھائی سے اس کے ہاتھ سے شاپر لیا۔

''ہاں صرف اس کے لئے سوری' باقی جو دو سو تھپڑ چوٹیں لگائیں' ان کی تو خیر ہے' وہ تو آپ کے لیے لہو گرم رکھنے کے بہانے ہیں۔''

''بکواس نہ کرو۔'' وہ خفگی سے سر جھٹک کر کہتا اس کے قریب سیڑھی پہ بیٹھا۔ سعدی بڑبڑا کر اپنے ہونٹوں پہ آئس پیک رکھنے لگا۔ گرم گرم زخم کو ٹھنڈک ملی۔ اف۔

''اور؟'' فارس گھٹنوں پہ بازو رکھے' آگے کو ہو کر بیٹھا تھا' ایسے میں جب بولا تو آواز میں تلخی کم تھی۔ ''کیسے ہو؟''

سعدی کے زخم پہ زور سے برف لگی تھی' اندر تک کچھ پگھل کر جما تھا' جم کر پگھلا تھا۔ اس کی گردن کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔ اس سوال کا جواب بہت طویل تھا' اور اس کا جواب بہت مختصر تھا۔

''زخمی ہوں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولا تھا۔

''بالوں کو کیا کیا ہے؟''

''جو نظر آ رہا ہے۔''

''کہا نا سوری۔ مجھے غصہ تھا تم پہ بہت۔''

سعدی نے بڑبڑا کر سر جھٹکا۔ فارس اسی طرح گردن موڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ سر سے پاؤں تک۔

''کہاں رہ رہے ہو؟''

''ایک کافی شاپ ہے۔ اس کی مالکن کا اعتماد جیتا تو اس نے رہنے دیا مجھے۔'' پھر نظروں کا زاویہ گھما کر فارس کو دیکھا۔

''آپ نے کیسے ڈھونڈا مجھے؟ کینڈی کا کیسے پتہ چلا؟''

''حنین نے بتایا تھا۔ ندرت آپا کا اکاؤنٹ کھولتے تھے تم تو ان کو ای میل آگئی کہ کینڈی سے کھل رہا ہے اکاؤنٹ۔ میری ایک پرانی کولیگ تھی' جس کے اریسٹ وارنٹ کی مخبری کرنے پہ مجھے سزا ملی تھی۔ وہ ایمبیسی میں ہوتی ہے۔ اس کا جاننے والا ایک نمونہ تھا۔ اس کے پاس گیا میں۔ اس نے تمہیں بہت ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ پھر میں نے اسے بولا کہ انعامی رقم کا آدھا دوں گا اسے' تمہارا پوسٹر ڈارک سائیٹس پہ ہر جگہ گھوم رہا ہے' وہاں سے رقم وہ دیکھ چکا تھا۔ مگر اسے یقین تھا میں نے تمہیں ڈھونڈ کر گولی مار دینی ہے۔ اور واللہ دل میرا بھی یہی تھا' خیر۔'' اس نے سر جھٹکا اور بتانے لگا۔ ''میں نے اس کو کہا کہ تمہیں باہر نکالنے کے لئے تمہاری مہربان طبیعت کو استعمال کرتے ہیں۔ (سعدی خفگی سے کچھ بڑبڑایا تھا جو اگر فارس کے کانوں تک پہنچ جاتا تو اس کا دوسرا ہونٹ بھی پھٹ جاتا تھا۔) ہم نے کیبل نیٹ ورک پہ خبر چلوائی۔ ذرا سا کام تھا۔ جانتا تھا تم نیوز ضرور دیکھتے رہو گے۔ اگر نیٹ استعمال کر سکتے ہو تو نیوز بھی دیکھ سکتے ہو۔ اور بس' تم میری کے بیٹے کو بچانے فوراً آ گئے۔'' ساتھ ہی برہمی سے اسے دیکھا۔ ''کم عقل!''

سعدی خاموشی سے برف کا پیک گال پہ رکھ کر دبانے لگا۔ فارس نے گہری سانس لی۔ ''پوچھا تو نہیں ہے تم نے مگر پھر بھی بتا دیتا ہوں کہ تمہارے گھر والے کیسے ہیں۔'' فارس سامنے دیکھتے ہوئے ذرا نرمی سے کہنے لگا۔ ''تمہاری امی ٹھیک ہیں' صحت بھی ٹھیک ہے' ریسٹورانٹ جاتی ہیں' پہلے ہم انیکسی میں رہتے تھے' پھر میں نے وہ اس بوڑھی جادوگرنی کو بیچ دی' اور ہم تمہارے پرانے گھر کے قریبی علاقے میں آ گئے۔ تمہارے بڑے ابا پہلے سے زیادہ نحیف لگتے ہیں مگر اندر سے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور زمر....'' سامنے ٹہلتے دیکھتے فارس کی سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔ ''زمر ہمیشہ کی طرح ''زمر'' ہے' مگر تمہارے لئے وہ بہت.... بہت کام کرتی ہے۔ حنین...(سعدی

نے اس نام پہ پہلو بدلا اور زور سے برف ہونٹ پہ بائی۔) وقت کے ساتھ بہت مثبت ہوتی جا رہی ہے۔ زمر اور اس کی دوستی ہو گئی ہے۔ سیم بھی
اب ذہن سے نہیں لڑتا۔ دونوں اکثر ساتھ آتے جاتے ہیں۔ سیم کے اسکول میں....''

''آپ کیسے ہیں؟'' اس نے سنجیدگی سے فارس کو دیکھ کر بات کاٹی تو وہ ٹھہر گیا۔ منجمد ہوا۔ لاجواب ہوا۔ چہرہ موڑ کر سعدی پہ
نظریں جمائیں۔

''میں؟'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''ٹھیک ہوں۔''

''اور میں سعدی ہوں!'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ پہلی بار وہ مسکرایا۔ ''کل بھی اپنے گھر والوں کی آنکھوں سے ان کے دل کا حال پڑھ لیتا
تھا آج بھی پڑھ سکتا ہوں۔''

''مجھے کیا ہوتا ہے سعدی؟''

''آپ بھی زخمی ہیں۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتا' گویا پڑھ کر بتا رہا تھا۔ ''اندر تک زخمی ہیں۔ فرسٹریٹڈ ہیں۔ کرب مسلسل میں
ہیں۔ لوگوں سے خفا ہیں۔ دکھی ہیں۔ مگر جو اہداف آپ نے زندگی میں طے کر لیے ہیں' ان کی طرف جانے کی تگ و دو میں لگے ہیں۔ مجھ سے
مل کر آپ کے چہرے پہ خوشی بھی ہے اور سکون بھی' مگر کاملیت' نہیں ہے کسی احساس میں۔ جیسے یہ آپ کا صرف پہلا ہدف تھا' آپ مجھے واپس
لے جانا چاہتے ہیں' اور پھر اپنے اگلے ہدف میں مصروف ہو جانا چاہتے ہیں۔ اب بھی آپ ذہن میں لائحہ عمل طے کر رہے ہیں مگر یہ سب کر کے آپ
اندر سے تھک چکے ہیں.... اور شاید....'' اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے فارس کی آنکھوں کو غور سے پڑھا۔ ''شاید مایوس بھی....''

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' اس کے چہرے پہ کوئی احساس نہ تھا اور اس کے چہرے پہ سارے احساس تھے۔ گردن کی گلٹی بھی
اب کے ابھری تھی۔ آنکھوں میں بے بسی کے سائے تھے اور ان میں کہیں دور ٹمٹماتے دیے بھی تھے۔ وہ امید اور مایوسی کے درمیان کہیں معلق تھا'
شاید اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھو چکا ہے۔

''سعدی!'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دھیرے سے بولا۔ ''ایک بات میں تمہیں نہیں بتا سکا۔ تمہاری غیر موجودگی میں
تمہارے گھر میں ایک حادثہ ہوا ہے۔''

سعدی ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور خوف لیے' اس نے بے قراری سے پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''تمہیں اپنا دل بڑا کر کے سننا ہوگا۔ جو خبر میں تمہیں دینے جا رہا ہوں' وہ تمہیں اندر تک ہلا دے گی۔ تمہارے گھر کے ایک فرد نے
بہت فاش غلطی کر دی ہے جس کا خمیازہ اسے ساری زندگی بھگتنا پڑے گا۔''

''مجھے بتائیں' کیا ہوا ہے۔'' وہ تیزی سے بولا۔ دل لرز رہا تھا۔ (حنین؟) فارس نے ہمدردی سے اسے دیکھتے' دھیرے سے کہا۔

''صداقت نے شادی کر لی ہے' وہ بھی ایک حسینہ سے۔''

ایک لمحے کو سعدی بالکل ساکت سا اسے دیکھے گیا' اور پھر.... وہ ہنس پڑا۔ دل کھول کر۔ گردن پیچھے پھینک کر وہ ہنستا جا رہا تھا۔ فارس
بھی سر جھکائے ہنسنے لگا تھا۔ ارد گرد گزرتے لوگوں نے مڑ مڑ کر ان دونوں کو دیکھا تھا' جو دونوں بارش کے باعث ابھی تک گیلے کپڑوں میں بیٹھے
تھے' کپڑوں پہ کیچڑ بھی لگا تھا اور پھر بھی وہ ہنستے جا رہے تھے۔

دفعتاً فارس کا فون بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ پھر میسج پڑھ کر واپس جیب میں ڈال دیا۔

''کون ہے؟''

''اسی نمونے کا میسج تھا۔ آبدار کا نمبر دے کر اسے کہا تھا کہ اس کی لوکیشن پتہ کرو' وہ کہہ رہا ہے کہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔ اور اپنے
پیسے مانگ رہا ہے۔''

"تو پیسے دیں گے آپ؟" سعدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے باپ کی فیکٹریاں لگی ہیں جو میں پیسے دوں گا؟" وہ بگڑ کر بولا۔ سعدی مسکرا دیا۔

"تو اسے کیا کہا؟"

"یہی کہ نہیں، بیٹا' بے شک پولیس کے پاس چلے جاؤ۔" اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنس دیے۔ پھر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو آؤ سعدی' میں تمہیں کھانا کھلاتا ہوں۔" اس کا کندھا تھپک کر وہ بولا تھا۔ (اف۔ اسی جگہ جہاں ٹھوکر ماری تھی۔)

"بہت شکریہ۔ جو پہلے کھلایا تھا اس سے میرا پیٹ بھر چکا ہے۔" وہ جل کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس نے ہنس کر سر جھٹکا اور زینے اترنے لگا۔

"اور یہ آبدار کا کیا قصہ ہے؟ پہلے اس کے ذریعے مجھے پیغام بھجواتے رہے اب اس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ کر کیا رہی ہے آپ کے ساتھ؟" مشکوک نظروں سے اسے دیکھتا وہ اس کے ساتھ زینے اتر رہا تھا۔

"زیادہ میرا دماغ خراب نہ کرو ایسے مجھے دیکھ کر' بھتیجے تم اسی کے ہو آخر....."

وہ دونوں اب دور جا رہے تھے اور ان کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔

..................☆☆☆..................

میرے قاتل کو پکارو، کہ میں زندہ ہوں ابھی ...... پھر سے مقتل کو سنوارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

صبح اپنے ساتھ ڈھیروں سرد ہوائیں لیے نمودار ہوئی تھی۔ دھند بڑھ گئی تھی۔ سورج چھپ گیا تھا۔ سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو ایک سنگل بیڈ رکھا تھا' اس پہ گلابی بیڈ کور بچھا تھا اور حنین ذکر دوں بیٹھی' سر پہ دوپٹہ لیے' فون کان پہ لگائے سنا رہی تھی۔ "ویل الکل ھمزۃ لمزۃ..... آ..... آ....." رک کر سوچا۔ آنکھیں میچ کر۔

"الذی جمع مالاً وعددہ۔" دوسری طرف میمونہ نے نرمی سے بتایا تھا۔ "یہ تمہاری کل بھی غلطی ہوئی تھی حنہ۔"

"حالانکہ جب میں نے یاد کیا تھا تب ٹھیک یاد تھا۔" وہ روہانسی ہوئی۔ ایک تو کچھ دن سے اس کی گردن (مسلسل موبائل اور کمپیوٹر اسکرین پہ چہرہ جھکانے کے باعث) شدید درد کرنے لگی تھی۔ زیتون کے تیل کی مالش' پٹھوں کی سوجن کم کرنے والی کریم اور گردن کی ایکسرسائز' سب کر کے دیکھ لیا مگر فرق ندارد۔ اپنی ایک کزن ڈاکٹر سے بھی پوچھا تو انہوں نے کہا کہ گردن میں کالر پہنا کرو۔ اور گردن کم جھکایا کرو۔ یہ حفظ سے پہلے کی بات ہے۔ اب حفظ شروع کرنے کے بعد گردن مزید جھکانی پڑتی قرآن پڑھتے وقت' (یعنی گردن کے پٹھے اب مزید خراب ہوں گے) مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے محسوس کیا تھا کہ بلا مبالغہ ہر روز اسے کوئی چھوٹی موٹی چوٹ لگ جاتی تھی۔ کبھی وہ بیڈ کے کنارے سے ٹکرا گئی' کبھی پاؤں رپٹ گیا اور گھٹنا چھلا گیا۔ کبھی بخار' کبھی آدھے سر کا درد۔ اف' وہ کہاں جائے؟

ادھر میمونہ کہہ رہی تھی۔ "جو بھی حفظ کرتا ہو پہلے اسے دیکھ کر بیس دفعہ پڑھا کرو۔ ہر آیت یاد کرنے کے بعد اسے پچھلی تمام آیات سے ملا کر دہراؤ۔ اور سنو' قرآن نیچے رکھ کر گردن جھکا کر نہ یاد کیا کرو۔ انسانی دماغ وہ الفاظ نہیں صحیح سے حفظ کر پاتا جن کے لیے گردن جھکائی جائے۔ صرف وہی یاد کرے گا جو اس کو آئی لیول پہ نظر آئیں' یعنی قرآن ہو یا کورس کی کتاب کا رٹا لگانا ہو' کتاب کو اٹھا کر چہرے کے برابر لا کر یاد کیا کرو۔"

میمونہ کے پاس ان گنت ٹپس ہوتی تھیں جو وہ وقتاً فوقتاً شیئر کرتی رہتی تھی۔ فون بند کرنے کے بعد حنہ نے سوچا۔ کیا حفظ سے کچھ بدلا تھا؟ سوائے صبح جلد اٹھنے کے (جس سے دل میں ہلکی سی خود پسندی بھی جاگی تھی کہ اب تو میں اچھی ہو رہی ہوں۔) کوئی برکت' نور' وغیرہ؟؟ مگر ابھی وہ کوئی خاص اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔ دفعتاً چوکھٹ میں زمر نظر آئی۔ گھنگریالے بالوں کی پونی باندھے' ناک میں سونے کی نتھ

پہنے وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"میں شیرو کے آفس جا رہی ہوں۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔"

حنین چھلانگ مار کر نیچے اتری' اور بک شیلف پہ رکھی فلیش ڈرائیو اٹھا کر زمر کو دی۔ "یہ صرف ہاشم کے لیپ ٹاپ میں لگا دیں' اور..." وہ جوش سے سمجھا رہی تھی اور زمر غور سے فلیش ڈرائیو کو دیکھتی سن رہی تھی۔

چند کلومیٹر کے فاصلے پہ واقع قصر کاردار کو بھی سرمئی دھند نے اپنے پروں تلے دبا رکھا۔ لاؤنج میں ملازموں کی گہما گہمی لگی تھی مگر ڈائننگ ہال خالی تھا۔ عرصہ ہوا وہ تینوں اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کرنا چھوڑ چکے تھے۔

ہاشم صبح سویرے آفس میں جا چکا تھا۔ نوشیرواں اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا اور جواہرات... اس کا کمرہ خالی تھا۔ بیڈ پہ بیڈ کور آدھا زمین پہ گرا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پہ پرفیومز کی ٹوٹی بوتلیں بکھری تھیں۔ کل رات کے پہنے جوتے ادھر ادھر پڑے دکھائی دیتے تھے۔ رات والا زیور بھی گویا نوچ کر اتار پھینکا پڑا تھا۔ ایک دیوار پرفیوم کی شیشی کے مارے جانے کا نشان بھی تھا اور کمرہ بے حد معطر تھا۔

باتھ روم کے آدھی دیوار پہ لگے آئینے کے سامنے کھڑی جواہرات سرخ بھیگی آنکھوں سے اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ سلیولیس نائٹی میں اس کے بازوؤں کے فریکلز نظر آ رہے تھے۔ بکھرے بال' رات کا آدھا مٹایا' آدھا موجود میک اپ۔ وہ بیمار اور بوڑھی لگنے لگی تھی۔ اس کا دل بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس نے ٹونٹی تلے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر رکھا۔ پانی کسی بھیک کی طرح کشکول میں گرنے لگا۔ چلو بھر کر اس نے منہ پہ پھینکا' اور پھر چھینٹی گئی۔ یہاں تک کہ چہرہ دھل گیا۔ پھر تولیے سے منہ خشک کر کے خود کو آئینے میں دیکھا۔ اب آنکھیں خشک تھیں۔

"میرا زوال کبھی نہیں آئے گا۔ میں آج بھی دولت مند' طاقتور' اور خوبصورت ہوں۔ کیا سمجھتا ہے وہ خود کو؟" شعلہ بار نظروں سے آئینے میں دیکھتی وہ کہہ رہی تھی۔ "میں ہار مان جاؤں گی؟ ہرگز نہیں۔ جب میں نے اورنگزیب کے آگے ہار نہیں مانی تو تمہارے سامنے کیوں؟"

آنکھیں رگڑ کر ایک عزم سے خود کو دیکھا۔ "میں دوبارہ کھڑی ہوں گی۔ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر!"

اور جب وہ باہر آئی تو اپنے ڈاکٹرز کا نمبر ملا کر کہہ رہی تھی۔

"میری تھوڑی کے نیچے سے اسکن لٹکنے لگی ہے' اور میں سوچ رہی ہوں ہونٹوں کے گرد لاف لائنز میں فلر...."

دو گھنٹے بعد وہ بال کرل کر کے' براق سفید بلاؤز میں ملبوس' سرخ لپ اسٹک لگائے' مسکرا کر پورے اعتماد سے آفس کی راہداری میں چلتی جا رہی تھی۔ اردگرد لوگوں کے سلام کا مسکرا کر جواب دیتی۔ گردن کا سریہ واپس آ گیا تھا مگر دل بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس کی کوئی aging ٹریٹمنٹ نہ تھی اس کے پاس۔

نوشیرواں کے آفس کا دروازہ اس نے کھولا تو وہ آفس ٹیبل کے پیچھے اپنی کرسی پہ بیٹھا نظر آیا۔ جواہرات مسکرائی اور دروازہ پورا کھولا۔ پھر مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ شیرو کے سامنے کرسی پہ سیاہ کوٹ والی لڑکی کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ بھورے گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی...

جواہرات اندر تک سلگ گئی۔ بے اختیار ہاتھ اپنے مصنوعی curls تک گیا۔

"ممی!" شیرو نے پکارا تو زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور مسکرائی۔ "گڈ مارننگ مسز کاردار۔" پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور شیرو سے بولی (جو تذبذب کا شکار لگتا تھا۔) "اپنی ممی کے ساتھ نرمی سے بات کیجیے گا نوشیرواں ورنہ آپ اپنے والد کے آگے جواب دہ ہوں گے۔" اور قدم قدم چلتی چوکھٹ میں کھڑی جواہرات تک آئی جو سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرے کلائنٹ کے ساتھ نرمی سے بات کیجیے گا ورنہ آپ میرے آگے جواب دہ ہوں گی۔" دھیرے سے کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ اور جواہرات سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ تن فن کرتی آگے کو آئی۔

"تو اب تم دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہو؟"

"وہ میری وکیل ہیں۔ اور جیسے وقت پڑنے پہ آپ لوگ ہارون عبید کو دوست بنا لیتے ہیں حالانکہ ڈیڈ اسے کتنا نا پسند کرتے تھے' ایسے ہی میں مسز زمر کو اپنا وکیل بنا سکتا ہوں۔"

"میں تمہاری زبان دیکھ رہی ہوں نوشیرواں کاردار۔" جواہرات نے غصے سے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

"کیوں نا آپ صرف اپنی مصروفیات دیکھیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور بڑی بے زاری سے بولا تھا۔ جواہرات سن ہو گئی۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

"میری مصروفیات صرف میرے بیٹے ہیں' شیرو!" اس کا لہجہ کانپا۔

"بے کار باتیں مت کریں۔ جب آپ اپنے ایک بیٹے سے دوسرے کو پٹوانے میں مصروف نہیں ہوتیں تو ریسٹورانٹس میں ہارون عبید کے ساتھ ڈنر کر رہی ہوتی ہیں۔ میرے دوست نے دیکھا تھا آپ کو کل رات وہاں۔" وہ کوفت سے بولا تھا۔

"اس سے آگے ایک لفظ نہ بولنا۔" سرخ چہرے کے ساتھ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ "جس عورت کی باتوں میں آ کر تم اپنی ماں اور بھائی سے دور جا رہے ہو' اس کو پتہ نہیں بتایا تم نے کہ اس کے بھتیجے کو تین گولیاں بھی تم نے ماری تھیں؟"

نوشیرواں کے چہرے پہ زلزلے کے آثار نمایاں ہوئے۔ بہت سے سائے اس کی آنکھوں میں آن گرے۔ وہ آگے ہوا اور غرایا۔ "وہ اسی قابل تھا! سنا آپ نے؟ میں نے جو کیا' ٹھیک کیا۔ رہی مسز زمر' تو ان سے میرا تعلق مختلف نوعیت کا ہے۔ وہ ایک اچھی خاتون ہیں۔"

جواہرات نے طیش سے ہاتھ مار کر میز پہ رکھے پین اسٹینڈ اور فائلز گرا دیں۔

"جو عورت کسی اولاد کو اس کی ماں سے دور رکھنے کی سازش کرے' وہ conspirator (ماکر) ہوتی ہے' اچھی نہیں۔"

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ میں نے تو سعدی کو مارا تھا' قید میں تو آپ لوگوں نے رکھا ہوا ہے اسے؟" وہ تلخی سے بولا تھا۔

"اوہ!" جواہرات کے ابرو اٹھے' پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی' چند گہرے سانس لیے اس نے۔ "نوشیرواں کاردار۔ خود کو اپ ڈیٹ کر لو۔ سعدی یوسف اب قید میں نہیں ہے۔ وہ بھاگ چکا ہے۔ اور بھاگنے سے پہلے وہ ایک گارڈ کو قتل بھی کر چکا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ بھی ہے اور دماغ بھی۔ وہ تمہارے خون کے لیے آئے گا اور تم تو وہ ہو جس سے ایک قتل بھی ٹھیک سے نہیں ہوا۔ سو اب بھی وقت ہے' اپنے بھائی اور ماں سے سنوار لو ورنہ سعدی کا مقابلہ اکیلے کرو۔"

اور ایک شعلہ بار نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔ نوشیرواں بالکل سن' سفید چہرہ لیے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سیٹ پہ ڈھے سا گیا اور نم ہوتی پیشانی کو آستین سے رگڑ کر صاف کیا۔

سعدی قاتل بن گیا ہے۔ اس نے قتل کر دیا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ ہے۔ وہ بالکل گم صم سا بیٹھا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیکھا تو ان میں سرخ پانی جمع تھا۔ بے اختیار اسے ابکائی آئی تھی۔ وہ تیزی سے ڈسٹ بن پہ جھکا تھا۔ دل میں بہت سے آنسو بھی گرے تھے۔ گلٹ زیادہ شدید تھا' یا صدمہ' ناپنے کا کوئی پیمانہ نہ تھا۔

............❖❖❖............

نہ تجھ کو مات ہوئی ہے نہ مجھ کو مات ہوئی ...... سو اب کے دونوں ہی چالیں بدل کے دیکھتے ہیں

جواہرات کو لفٹ کی طرف جاتے دیکھ کر زمر اٹھی اور ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔ باہر بیٹھی سیکرٹری پریشانی کے عالم میں فون پہ لگی

تھی‘ زمر نے اسے نظر انداز کر کے دروازہ کھولا۔ ہاشم اسی طرح بیٹھا کام کر رہا تھا۔ آہٹ پہ نظروں کا رخ پھیرا تو ذرا چونکا۔ چوکھٹ میں گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی والی زمر کھڑی تھی۔ مسکرا کر اس نے دروازے پہ دستک دی۔

ہاشم عینک اتار کر اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر بولا۔ ”مسز زمر! تو کیا نوشیرواں نے.....“

”میں زمر کی حیثیت سے آئی ہوں‘ وکیل کی حیثیت سے نہیں۔“ وہ قدم بقدم چلتی آگے آئی اور میز سے ذرا فاصلے پہ ٹھہر گئی۔

”ایک وقت تھا جب آپ میرے آفس آیا کرتے تھے‘ بنا پوچھے میری چائے لے لیتے تھے‘ انتہائی ناپسندیدہ باتیں کرنے کے بعد اٹھ کر کہتے تھے‘ ہم دونوں ”ٹھیک“ ہیں نا؟“

ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ نا سٹلجیا۔

”جواب میں‘ آپ سے پوچھنے آئی ہوں‘ کیا ہم ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک ہیں؟“ اس پہ نگاہیں جمائے وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ ہاشم کرسی کی طرف اشارہ کرتا واپس بیٹھا اور مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

”آپ کو میرے بھائی نے اپروچ کیا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔“

”آپ کی میری بھتیجی نے کالج بلایا تھا اور آپ نے بھی مجھے نہیں بتایا تھا۔ جیسے وہ اٹارنی کلائنٹ پر یویلج تھا‘ ویسے ہی یہ بھی پر یویلج کا حصہ ہے۔“

وہ کرسی پہ بیٹھی اور پرس اپنے پہلو میں رکھ دیا۔ ہاتھ پرس کے قریب ہی تھا۔ زپ کے اندر سامنے ہی وہ فلیش رکھی تھی۔

”عذر قبول کیا۔ چائے لیں گی یا کافی؟“

”صرف یہ تسلی کر آپ مجھے قصوروار نہیں ٹھہراتے شیرو اور اپنے معاملے پر۔“

”ہم بھائی ہیں مسز زمر‘ اور ہم کل کو پھر سے ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن یہ بات مجھ سے چھپا کر‘ علیشا کو بلا کر‘ میری پیٹھ کے پیچھے یہ سب کر کے‘ آپ نے اپنی اچھائی کو داغدار کر دیا ہے۔ میں چھپا سکتا ہوں‘ کیونکہ میں برا ہوں‘ لیکن آپ تو اچھی تھیں۔ اور جب اچھے لوگ برے کام کریں‘ برے نہ سہی‘ مشکوک کام کریں‘ grey کام کریں‘ تو میرے جیسے برے لوگوں کا یقین بھی اچھائی سے اٹھ جاتا ہے۔ ہم اچھائی کے راستے پہ چلنے سے پہلے رک کر سوچنے لگتے ہیں۔“ ٹیک لگا کر بیٹھا‘ مسکرا کر وہ کہہ رہا تھا۔ زمر نے گھٹنوں کے گرد دونوں ہاتھ ملا کر رکھے‘ اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

”اور برے لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ توبہ نہ کرنے اور اچھائی کی طرف نہ پلٹنے جیسی ”اپنی“... خالصتاً ”اپنی“ کمزوریوں کے لئے بھی دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔“

ہاشم ہلکا سا ہنس دیا۔ اسے اس بات نے محظوظ کیا تھا۔ تائیدی انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ ”او کے‘ اب ہم ٹھیک ہیں۔“

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور بوکھلائی ہوئی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔

”سر آپ کا فون آف ہے اور دوسرا فون آپ نے ہیلڈ کر رکھا ہے۔“ وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی۔ زمر مڑ کر اسے دیکھنے لگی اور ہاشم ابرو بھینچ کر ذرا آگے کو ہوا۔

”آپ نے کالز فارورڈ کرنے سے بھی منع کیا تھا‘ مگر..... بری خبر ہے۔“ کہنے کے ساتھ اس نے میز پہ پڑا ریموٹ اٹھایا اور مڑ کر دیوار پر نصب ایل سی ڈی کی جانب اٹھا کر بٹن دبایا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ حلیمہ نے دو چار مزید بٹن دبائے اور ایک نیوز چینل سامنے نظر آیا۔ اس پہ چلتی چلتی پٹی دیکھ کر ہاشم بے اختیار اٹھا۔ چہرہ سفید پڑا۔ سہارے کے لئے میز کے کنارے کو مضبوطی سے تھاما۔

”سر کالز پہ کالز آ رہی ہیں‘ نیوز میں بھی آ گیا ہے۔ ہمارے پاور پلانٹ کی مرکزی مشینری میں بلاسٹ ہوا ہے۔ بڑے پیمانے پر

explosives استعمال کیے گئے ہیں۔ تیل کو آگ لگ گئی ہے اور اب یہ آگ تب ہی بجھے گی جب ہمارا پلانٹ ناکارہ ہو چکا ہو گا۔"

(پاور پلانٹس میں بڑے بڑے فیول ٹینکس ہوتے ہیں۔ ان ٹینکس میں کئی ملین گیلن تیل محفوظ ہوتا ہے۔ اگر ایک ٹینک میں بھی دھماکہ ہو جائے تو اس سے پیدا ہونے والے fumes اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ پورا پلانٹ تباہ ہو سکتا ہے۔)

زمر بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔ وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھتی، پھر حلیمہ کو کہتی "بس کریں، خاموش ہو جائیں۔"

"پلانٹ اب نئے سرے سے اسٹارٹ کرنا ہو گا۔ ایک بند ہوئے پلانٹ کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے... اربوں روپے مالیت کی ضرورت ہوتی ہے، اوہ سر، میں تو..."

"حلیمہ!" زمر غصے سے اس کی طرف مڑی۔ "شٹ اپ!"

حلیمہ دم بخود اسے دیکھنے لگی۔ اب وہ ہاشم کی طرف گھومی۔ وہ ابھی تک ششدر کھڑا اسکرین پہ چلتے مناظر دیکھ رہا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کے لیے وہ دنیا سے کٹ کر بیٹھا تھا اور یہ سب ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا، ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ وہ میز کے کنارے کو پکڑ کر دو قدم آگے بڑھا، پھر فون اٹھایا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"فون رکھیں ہاشم۔" زمر نے اس سے ریسیور لے کر واپس رکھا۔ "اور پلیز آرام سے بیٹھ جائیں۔" وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

وارث غازی کی جھومتی ہوئی لاش... وہ اور زرتاشہ ایک ریسٹورانٹ میں کھڑی تھیں... سعدی کی زخمی چہرے والی تصاویر... ہر شے پس منظر میں چلی گئی۔ اگر کچھ رہ گیا تو صرف ایک احساس۔

انسانیت۔

ہاشم نہیں بیٹھا۔ وہ شل سا کھڑا رہا۔ چہرہ جھکائے، وقفے وقفے سے نفی میں سر ہلاتا۔

"ہاشم آپ بیٹھ جائیں۔" اس نے نرمی سے کہا۔ ہاشم نے سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "گیٹ آؤٹ۔" دروازے کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ "جائیں یہاں سے۔" حلیمہ جلدی سے باہر بھاگ گئی۔ زمر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، پھر بند کر دیے۔ پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ باہر نکل کر وہ چند قدم آگے گئی۔ پھر رکی۔ نفی میں سر ہلایا۔ اور واپس ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔

آفس خالی تھا۔ میز کے پیچھے اب ہاشم نہیں کھڑا تھا۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا اور پھر وہ تیزی سے آگے آئی تو دیکھا...

وہ اپنی کرسی کے قریب فرش پہ گرا ہوا تھا، اس کا ہاتھ سینے کو مسل رہا تھا اور اس کی آنکھیں غنودہ سی بند ہو رہی تھیں۔ وہ تکلیف میں تھا اس کا تنفس رک رہا تھا۔

"ایمبولینس بلاؤ... گاڑی نکلواؤ..." وہ چلا کر حلیمہ سے بولی تھی جو باہر کھڑی تھی۔ "ہاشم کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے۔ جلدی جاؤ۔" اور پرس پھینکتی وہ اس کی طرف بڑھی تھی جس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور سینہ جکڑ رہا تھا...

.... ☆☆☆ ....

منزلیں تیرے علاوہ بھی ہیں لیکن ...... زندگی اور کسی راہ پہ چلنا ہی نہیں چاہتی

کولمبو میں واقع اس بلند بالا ہوٹل کی ریسپشن ان کے وقت بھی روشنیوں سے منور تھی۔ ایک کونے میں صوفے پہ آفتاب بیٹھا فون کان سے لگائے دوسری طرف ہارون کو سن رہا تھا جو پوچھ رہے تھے۔

"آبدار کیسی ہے؟" وہ جواباً بتانے لگا۔

"جب سے وہ مس آبدار کے اپارٹمنٹ سے گیا ہے مس واپس ہوٹل آ گئی ہیں اور یہاں سے نہیں نکلیں۔"

چند منزلیں اوپر... ایک کشادہ اور پرتعیش بیڈروم کے پردے گرے تھے اور اندر اندھیرا سا تھا۔ وہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔

سرخ بال کرپ پہ پھسل رہے تھے اور چہرہ تھوڑی پہ گرائے گم صم نظر آتی تھی۔

"وہ کھانا بھی اندر منگواتی ہیں۔ اداس ہیں اور غمزدہ بھی۔"

آبدار نے سائیڈ ٹیبل سے نیل پالش کی شیشی اٹھائی اور اپنا پیر میز کے کنارے رکھا' پھر برش کو پالش میں ڈبو ڈبو کر ناخنوں پہ لگانے لگی۔

"وہ بار بار ریسپشن پہ کال کر کے پوچھتی ہیں کہ کوئی ان سے ملنے تو نہیں آیا' یا ان کے لئے کوئی فون تو نہیں آیا۔ مگر اپنا سیل فون انہوں نے آف کر رکھا ہے۔"

انگوٹھے اور دو انگلیوں پہ سرخ نیل پالش لگا کر وہ رکی اور پھر ایک دم شیشی اٹھا کر دیوار پہ دے ماری۔ شیشی دیوار کو داغدار کر کے ٹوٹ گئی۔ اب وہ سرخ رومال سے ناخن رگڑ رہی تھی۔ گیلی سوکھی پالش خلط ملط ہوگئی' کچھ مٹی' کچھ انگلیوں پہ لگ گئی۔

"مجھے وہ بیمار لگنے لگی ہیں' سر۔ میرا خیال ہے آپ کو ان کے پاس ہونا چاہیے۔"

وہ اب گھٹنوں پہ سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"مشورہ نہیں مانگا' رپورٹ مانگی ہے' دیتے رہو۔" ہارون نے کوفت سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اب وہ ابھی تک روئے جا رہی تھی۔

⁂

لاکھ موجوں میں گھرا ہوں مگر ڈوبا تو نہیں ..... مجھ کو ساحل سے پکارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

کینڈی کی سرسبز پہاڑیوں نے روئی کے گالوں جیسے بادلوں کا تاج پہن رکھا تھا۔ صبح کی تازہ ہوا درختوں کے پتوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی اور پہاڑی کو کاٹ کر بنے اس اوپن ایئر کیفے کے فوارے کے پانی سے کھیل رہی تھی۔ حوض میں گرتے پانی کی دھاروں میں دھنک کے ساتوں رنگ دکھائی دیتے تھے۔ فوارے سے نظر دائیں جانب کرو تو کونے کی ایک میز پہ فارس بیٹھا تھا۔ جھک کر کہنیاں میز پہ رکھے' وہ کافی کے مگ میں چمچ ہلا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے نگاہ اٹھائی اور سامنے والی کرسی سنبھالتے سعدی کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔ جینز پہ سویٹر پہن رکھا تھا جس کی ہڈ گردن کے پیچھے گری تھی۔

"مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔ جہاں کام کرتا ہوں' وہاں کی مالکن کو کل پوری شام غائب رہنے کی لمبی کہانی سنائی تھی' اب صبح دوبارہ جانے سے پہلے اسے مطمئن کرنا ضروری تھا۔" وہ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ ہونٹ کا زخم پہلے سے بہتر تھا البتہ سوجن زیادہ تھی۔ فارس نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھتے مگ لبوں سے لگایا۔

"کیا کہا ہے اسے' کہاں جا رہے ہو؟"

"یہی کہ میری محبوبہ کینڈی میں آئی ہوئی ہے' اس سے "چھپ" کر ملنے جاتا ہوں۔" مسکرا کر بتانے والے انداز میں بولا۔ فارس نے سر جھٹکا۔ "استغفراللہ۔"

سعدی اپنے لیے ناشتہ آرڈر کرنے لگا۔ پھر فارس کی طرف خوشگوار انداز میں گھوما۔ "آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

فارس نے سنجیدگی سے مگ رکھا۔ "یہ اہم نہیں ہے۔ اہم یہ ہے کہ میں اور تم آج واپس جا رہے ہیں۔"

سعدی کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔ مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ "کیا یہ اتنا آسان ہے؟"

"ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا؟ دو ہاتھ اور لگاؤں؟"

"اچھا آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

''میرے ساتھ واپس چلو ٔہاشم سے کہو کہ تم اس کا راز راز رکھو گے۔ ہم سب نارمل ایکٹ کریں گے۔ تم اپنے گھر والوں کے ساتھ رہو۔ اپنی جاب دوبارہ شروع کردو۔ اور مجھے ہاشم سے تمہارا اور اپنا انتقام لینے دو۔''

''میرا مجرم ہاشم نہیں' نوشیرواں ہے۔ مجھے گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔ ہاشم نے مجھے غائب کروایا تھا' مگر مجھے ...گولیاں ...نوشیرواں نے ماری تھیں۔'' وہ ایک دم میز پہ ہاتھ مار کر تیزی سے بولا۔ فارس پگڑی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔'' آٹھ ماہ... پورے آٹھ ماہ انہوں نے مجھے بند رکھا' ایک ایسی جگہ جہاں میں سورج سے بھی محروم تھا... آٹھ ماہ میں نے ہر صبح انتظار کیا کہ آپ آئیں گے مگر آپ نہیں آئے' میں نے اپنے خاندان والوں کا انتظار کیا' مگر کوئی نہیں آیا۔ آپ سب ہاشم کاردار کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھ کر عید کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ کوئی نہیں آیا میرے لیے۔'' بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ تو فارس نے گہری سانس لی۔

''مجھے جیل میں ڈھائی سال ہوگئے تھے جب تم نے مجھ سے معافی مانگی تھی کہ تم میرے لیے پہلے اس طرح نہیں آئے جیسے اب آئے۔ کیا تمہیں الزام دیا تھا میں نے؟ نہیں۔ صرف اسلئے کہ تم نے مجھے قید میں نہیں ڈالا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو قید میں ڈالا تھا۔''

''اوہ واؤ۔ اوکے۔ سو اب میں گلٹی پارٹی ہوں۔ ٹھیک ہے۔ فائن۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تلخی سے کہا۔'' میں نے اپنے آپ کو خود قید میں ڈالا تھا' مجھے پہلے آپ کے پاس آنا چاہیے تھا مگر میں نہیں آیا' میں اکیلے سب کچھ کرنا چاہ رہا تھا' میں غلط تھا۔ فائن۔ مگر آپ... آپ تو سب جانتے تھے۔ یہ بھی کہ میں کہاں ہوں' کس کے پاس ہوں' تو آپ کیوں نہیں آئے میرے لیے۔ آٹھ ماہ پہلے کیوں نہیں آئے؟''

''کیونکہ تمہارے برعکس میں ایک بات جانتا ہوں کہ انسان اکیلا ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔'' وہ بھی اتنی ہی درشتی سے بولا تھا۔'' میں بالفرض کو لیوا آبھی جاتا' تو میرے پاس یہاں اتنے بندے' اتنا اسلحہ اور اتنے وسائل نہیں تھے کہ میں ان کے ہوٹل پہ حملہ کرتا اور تمہیں وہاں سے نکال لیتا۔ اگر میں ایسی کوئی کوشش کرتا بھی تو میرا... ایک ... خاندان ... ہے۔ سعدی یوسف! وہ کسی کو نہ چھوڑتے۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے اسے جیتنا ہوتا ہے' اور ہم یہ جنگ جیتنے کے قریب ہیں۔ ہم اسے جیت کر ہی شروع کریں گے۔ وہاں سے تمہیں صرف تم ہی نکال سکتے تھے اور میں نے تمہیں نکلنے کا طریقہ بتایا تھا اور وہ طریقہ کارگر رہا۔''

سعدی چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکا۔ صدمے سے اسے دیکھتا رہا۔'' کارگر؟ ہرگز رتا وان میری گردن میں پھندا کستا رہا' میں اندر سے مرتا گیا اور اب آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہو پایا' اور آپ کہتے ہیں کہ وہ کارگر رہا۔''

''مجھے ہاشم کو شک نہیں دلوانا تھا۔ ہاشم کو اپنی طرف سے مطمئن رکھنا تھا۔''

''مگر کیوں؟ کیا کر لیتا ہاشم کاردار؟ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا؟''

فارس نے افسوس سے اسے دیکھا۔'' تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ جب اسے پتہ چلے گا تو وہ کیا کرے گا۔''

''وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا' اس کو ڈاج کرنے کے دو ہزار طریقے میں جانتا ہوں۔ بہرحال میں واپس نہیں جا رہا۔ ابھی نہیں۔'' اور وہ رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فارس نے طویل سانس لبوں سے خارج کی۔

''مگر کیوں؟ کیا تم اپنے گھر والوں سے ملنا نہیں چاہتے؟'' سعدی نے نظریں چرائیں۔

''مجھے تیاری کرنی ہے' ابھی میں تیار نہیں ہوں۔''

فارس ایک دم بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔'' کس چیز کی تیاری؟ میں نے کہا نا تمہارا انتقام میں لوں گا۔''

سعدی نے نظریں کا رخ اس کی طرف موڑا' ان میں اب صرف سنجیدگی تھی۔

''مجھے انتقام نہیں چاہیے ماموں۔ یہی فرق ہے آپ میں اور مجھ میں۔ مجھے... انصاف... چاہیے۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' فارس ایک دم الرٹ سا ہو کر بیٹھا۔ سعدی نے نظریں جھکائیں' پھر آنکھیں بند کیں۔ اس کے بعد اس نے

گردن کڑائی.... آنکھیں کھولیں اور ان میں سر دسا تاثر لیے فارس کو دیکھا۔

"سرکار بنام نوشیرواں کاردار!"

فارس کی ساری دنیا ایک دم سناٹے میں آگئی۔ وہ بالکل شل سا سعدی کو دیکھے گیا۔ پھر اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "نہیں، کبھی نہیں سعدی۔" وہ تیزی سے آگے ہوا۔ "تم ایسا کچھ نہیں کرو گے تمہیں انتقام چاہیے تو ہم لیں گے انتقام مگر...."

"مجھے انتقام نہیں چاہیے۔" وہ جواباً غرایا تھا۔ "مجھے.... انصاف.... چاہیے۔"

"تمہیں انصاف کا مطلب بھی پتہ ہے؟ سعدی، وہ ہمارے خاندان کی عورتوں اور بوڑھوں کو کورٹ میں گھسیٹیں گے۔ ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ زمر، حنین، تم خود۔ پاکستان میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے سعدی اور اب ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا۔"

"ہاں ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا، مگر، ہر مجرم گناہگار نہیں ہوتا۔ اور یہ جج کرنا میرا یا آپ کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک آفیسر آف لاء جج کرے گا۔ یہ فیصلہ ایک جج کرے گا کہ کون قاتل ہے، کون دھوکے باز ہے، کون جھوٹا ہے اور کون گناہگار۔ میں ہر رات اپنی ٹوٹی امید کو اس ایک خیال سے جوڑتا تھا۔ لازم ہے کہ میں بھی دیکھوں گا۔ سرکار.... بنام.... نوشیرواں کاردار!" اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں مگر ان میں برف ہوئے پہاڑوں جیسی سختی تھی۔ فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"سعدی، میں ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ رہوں گا، لیکن ایک بات مجھے پورے یقین سے بتاؤ۔ کیا تم اس فیصلے پہ قائم رہو گے؟ کیا تم کاردارز سے کورٹ میں جنگ کرنا چاہتے ہو؟"

"میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ سعدی یوسف کی کہانی ایک کورٹ ٹرائل کے بغیر ختم نہیں ہوگی۔ میں جانتا ہوں ٹرائل لمبا ہوگا، ٹرائل تکلیف دہ ہوگا، مجھے سے اور کاردارز سے جڑے ہر شخص کو عدالت کے کٹہرے میں آ کر قرآن پہ ہاتھ رکھ کر سچ بولنے کا حلف اٹھانا ہوگا، میرے خاندان کی عورتوں پہ بھری کچہری میں کیچڑ اچھالا جائے گا، ہمیں ذلیل اور رسوا کیا جائے گا، میں سب جانتا ہوں، مگر.... میں.... فیصلہ کر چکا ہوں۔ مجھے "سرکار بنام نوشیرواں کاردار" چاہیے ہے!"

فارس نے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا، وہ والٹ سے چند نوٹ نکالتا اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو گلاس تلے رکھا۔

"تمہارا نیا پاسپورٹ تمہیں دو دن کے اندر مل جائے گا۔ یہ تمہارے آف شور بینک اکاؤنٹ کی ساری تفصیلات ہیں۔" جیکٹ کے اندرونی جیب سے چند کاغذ نکال کر سامنے رکھے۔ "مجھ سے کیسے کانٹیکٹ کرنا ہے تمہیں معلوم ہے، پیسے چاہیے ہوں تو بتانا۔ میں آج رات تک واپس چلا جاؤں گا۔"

سعدی کا دل ایک دم ویران سا ہو گیا۔ اس نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

"بس آپ جا رہے ہیں؟"

"اب رکنے کا فائدہ نہیں ہے۔ تم نے ایک غلط فیصلہ کیا ہے سعدی، اور میں اس میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ لیکن تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں ہے کہ ہاشم کیا کرے گا جب اس پہ حقیقت کھلے گی۔ مجھے اندازہ ہے اور مجھے.... تیاری کرنی ہے۔ مجھے اپنے خاندان کی حفاظت کرنی ہے۔"

سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔ کاغذات کو اس نے چھوا تک نہیں۔ آگے بڑھا اور فارس سے گلے ملا۔ حلق میں بہت سے آنسو پھنس گئے۔

"ہاں ٹھیک ہے، اب دور رہو۔" سنجیدگی سے کہہ کر اسے پرے ہٹایا۔ سعدی نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ زمر نے ابھی تک آپ کو زہر نہیں دیا، ویسے وہ آپ کے ساتھ ٹھیک ہیں اب؟"

"Its Complicated!" وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

"اور یہ آبدار کا کیا چکر ہے؟ اس کے نمبر کی اتنی فکر کیوں ہے آپ کو؟" یوسف خاندان کے لڑکے نے آنکھوں میں شک بھرے فارس غازی کو دیکھا تھا۔

"اس نے احسان کیے ہیں مجھ پہ اور میں اس کو ڈاج کر کے گیا تھا۔ وہ جذباتی سی لڑکی ہے، مجھے فکر ہے کہ کچھ کر نہ دے۔ اسی لیے اس کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔ خبر تو رکھنی پڑتی ہے۔ خیر تم ایک دو دن میں واپس آ جانا۔ زیادہ مت ٹھہرنا۔ میں اب چلتا ہوں۔"

اس کا کندھا ہلکے سے تھپک کر وہ کہہ رہا تھا۔ اب کے وہ جلدی میں لگتا تھا۔ اسے واپس جانا تھا۔ جلد از جلد۔

............❖ ❖ ❖............

اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے ..... تو حلقہ یاراں میں بھی محتاط رہا کر!

ہسپتال کے پرائیوٹ وارڈ کا وہ پرتعیش کمرہ پھولوں کی مہک سے معطر تھا۔ اندر بیڈ پہ ہاشم تکیوں کے سہارے لیٹا نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہسپتال والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ زمر نے دروازے پہ دستک دی تو اس نے آنکھیں کھولیں، پھر نقاہت سے مسکرایا۔ ساتھ کھڑے ڈاکٹر نے بھی اسے دیکھا۔

"آئیے۔" وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی اور قریبی کاؤچ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"تھینک یو... میرے آپ کو نکال دینے کے باوجود دوبارہ واپس آنے کے لیے۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔

"نو پرابلم، میں نہ بھی آتی تو کوئی اور آ جاتا۔ یہ ہارٹ اٹیک نہیں تھا، صرف anxiety اٹیک تھا۔ چونکہ اس کے symptoms دل کے دورے جیسے ہوتے ہیں تو میں سمجھی..... خیر..... مبارک ہو، آپ کا دل بالکل محفوظ اور توانا ہے۔"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ ماحول میں عجیب سا تناؤ در آیا۔ ڈاکٹر باہر گیا تو ہاشم نے کہا۔

"زمر... کیا آپ میرا ایک کام کریں گی؟"

زمر نے گہری سانس لی۔ "جی کہیے۔"

"ایک ڈرافٹ تیار کروانا ہے، اگر آپ نوٹ پیڈ پہ لکھتی جائیں تو... اور پلیز مجھے کام سے باز رہنے کو نہ کہیے گا۔"

"شیور آپ بتائیں۔" وہ اس کو کام سے باز رہنے کی نصیحت کر بھی نہیں سکی۔ مصروف رہے گا تو ذہنی دباؤ کم ہو گا۔ اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور پین کھولا۔ ہاشم تکیے پہ سر رکھے، آنکھیں موندے ڈکٹیٹ کرنے لگا۔ بار بار رکتا، اٹکتا، پھر نفی میں سر ہلا کر دوبارہ سے شروع کرتا۔ وہ بنا کسی کوفت کے لکھتی گئی۔

اس دوران اس سے ملنے کوئی نہیں آیا۔ شام میں جب وہ تھک کر، کاغذوں کا پلندہ اس کے سرہانے رکھ کر اٹھنے لگی تو از راہ ہمدردی بولی۔

"آپ اس بات کا برا مت لیجیے گا کہ دوستوں میں سے کوئی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے ان کو معلوم نہ ہو۔"

ہاشم تلخی سے مسکرایا۔ "باس کی بیماری کی خبر آفس میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا کرتی ہے۔ سب کو معلوم ہے مسز زمر!"

"میں... اپنے ڈاکٹر سے مل لوں۔" وہ پرس اٹھا کر جانے لگی۔

ہاشم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "آپ کا ڈاکٹر بھی اسی ہسپتال میں ہے؟"

"یہ آپ کا پسندیدہ ہسپتال ہے ہاشم، اور میری سرجری کے وقت مسز کاردار نے ہی یہ ہسپتال ریکمنڈ کیا تھا۔ کیا آپ بھول گئے۔"

ہاشم نے محض سر ہلا دیا۔ وہ یہ معاملات ممی کے لیے چھوڑ دیا کرتا تھا، سو اس کو ان کی خبر نہ تھی۔

زمر چند منٹ کی مسافت پہ واقع اپنے ڈاکٹر کے کمرے تک آئی تو وہ اندر نہیں تھے۔ اس دن کے بعد سے بس ان سے فون پہ بات

ہوئی تھی انہوں نے اسے نئی رپورٹ کے حوصلہ افزا ہونے کا بتایا تھا۔ مزید کچھ نہیں۔ اس نے باہر ریسیپشن والے لڑکے سے پوچھا۔

''ڈاکٹر قاسم کہاں ہیں؟''

وہ بے اختیار تعجب سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ ''آپ کو نہیں معلوم؟''

''نہیں۔ کیا ہوا؟'' زندگی میں اتنے حادثے دیکھے تھے کہ بغیر کسی فکر مندی کے سکون سے بولی۔

''ان کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ بہت چوٹیں آئی ہیں۔ وہ ایک دوسرے ہاسپٹل میں داخل ہیں۔ پسلیاں ٹوٹی ہیں۔ جبڑے کی ہڈی بھی اور...'' وہ ہمدردی سے سنتی گئی' پھر آگے بڑھ گئی۔ اب دوسروں کے غم کوئی ایسا اثر نہیں کرتے تھے۔

''تو آپ نے فائلز کاپی نہیں کیں؟'' حنین نے سامنے جب رات گئے وہ آ کر بیٹھی تو ساری کتھا سن کر اس نے خفگی سے پوچھا تھا۔

''حنین' تمہارے خیال میں میں اتنی چالباز عورت ہوں کہ وہ آدمی زمین پہ پڑا ہو گا' اپنے سینے کو تکلیف سے مسل رہا ہو گا اور مجھے فائلز کی فکر ہو گی؟'' اس نے سکون سے پوچھا تھا۔

''anxiety ٹھیک ہی تھا نا۔ مر تو نہیں گیا وہ۔ آپ نے اتنا اچھا موقع ضائع کر دیا۔''

''میرے اس موقع کا فائدہ اٹھانے کے بعد مجھ میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا؟''

''ہاں بالکل' ہم تباہ ہو جائیں گے' مگر چلو' ہم ان سے بہتر تو ہوں گے۔'' حنین طنز سے بولی تھی۔ زمر چپ رہی۔

''خیر... آپ کو پتہ ہے... سعدی بھائی اپنے قرآن والے گروپ میں دوبارہ سے آ گیا ہے۔'' وہ بوجھل ماحول کو ہلکا بناتے ہوئے ٹیب کھول کر اس کے سامنے کر کے دکھانے لگی۔ زمر کے تاثرات بدلے۔ وہ تیزی سے آگے ہوئی۔ پھر اسکرین پہ ہاتھ رکھا۔ آنکھوں کے کنارے نم ہوئے۔

''وہ سورۃ النمل پہ تدبر کرتا ہے۔ مگر کرتے کرتے اب رک گیا ہے۔ آدھی سورۃ کے بیچ۔'' احتیاط سے اس نے تاثرات دیکھ کر کہنے لگی۔ ''آپ بھی اچھا بولتی ہیں' بھائی کی طرح۔ آپ کو چاہیے... کہ اس کی ادھوری سورۃ مکمل کر دیں۔ کچھ لکھ دیں۔ شاید اسے ضرورت ہو۔''

زمر سر جھٹک کر اٹھ گئی۔ ''مجھے کام ہیں بہت۔'' اس سے نظریں ملائے بغیر وہ باہر نکل گئی اور حنین گہری سانس لے کر رہ گئی۔

...............✤✤✤✤...............

سلے جائیں مجھ کو مالِ غنیمت کے ساتھ عدو ..... تم نے تو ڈال دی ہے سپر تم کو اس سے کیا

اس رات کولمبو میں واقع پاکستانی سفارت خانے میں خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا۔ آفس مقفل تھے' سب چھٹی کر کے جا چکے تھے۔ ایسے میں ایک اندھیرے کمرے میں جہاں بہت سے کمپیوٹر پڑے تھے' ایک کی اسکرین روشن تھی اور اس کے سامنے بیٹھی عورت کھٹا کھٹ کی بورڈ پہ ٹائپ کر رہی تھی۔ بار بار احتیاط سے دروازے کی طرف بھی دیکھتی۔ اس کی گود میں رکھے پاس پہ کسی مرد کی تصویر بنی تھی۔ (یہ وہ پاس تھا جس کو استعمال کر کے وہ اس جگہ داخل ہوئی تھی۔)

دفعتاً پرنٹر سے زوں زوں کی آوازیں آنے لگیں۔ صباحت پرنٹر پہ رکھی شے کو احتیاط سے درست کرنے لگی۔ ساتھ ہی وہ کیز بھی دبا رہی تھی۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ پرنٹ شدہ کاغذوں کو جوڑ رہی تھی۔ ان کا کور گہرا سبز تھا اور ان پہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان لکھا تھا.....

فصیح ہوٹل کی لابی میں تیز قدموں سے چلتا جا رہا تھا۔ جب اس کا فون بجا۔ اس نے سرعت سے اسے کان سے لگایا۔

''سر وہ نمبر آن ہو گیا ہے۔ ابھی دو منٹ پہلے۔''

''اچھا تم یوں کرو....'' فصیح ہدایت دینے لگا کہ ٹوں ٹوں سنائی دینے لگی۔ درمیان میں کسی اور کی کال آ رہی تھی۔ اس نے جھنجلا کر

فون کان سے ہٹایا تو ایک دم منجمد ہو گیا۔ اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔

''وہ مجھے کال کر رہا ہے۔ تم اس کی لوکیشن ٹریس کرو۔'' تیزی سے کہہ کر اس نے دوسری کال اٹھائی۔ ''کہیے۔''

''میں پوسٹر والے لڑکے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' دوسری طرف بوڑھا سنبھالی بدقت کہہ رہا تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں کہ اس دن آپ کو ڈپٹ دیا۔ میں انعام کی رقم ایڈوانس میں دینے کو تیار ہوں۔'' اب وہ سجاد سے بات کر رہا تھا۔

اسلام آباد کے اس ہسپتال کے کمرے میں اس رات اداسی اور تنہائی تھی۔ ویران موسم' ویران دل۔ وہ گھر جا سکتا تھا مگر خود ہی نہیں گیا۔

تنہا کمرے میں لیٹا رہا۔ نگاہیں چھت پہ جمی تھیں۔ وجیہہ چہرہ زرد سا تھا۔

اس سے ملنے کوئی نہیں آیا تھا۔ جواہرات کو اس نے ہوش میں آتے ہی کال کی تھی اور اس پہ چیخا چلایا تھا۔ جواب میں جواہرات اتنے ہی ہذیانی انداز میں اس پہ غرائی تھی۔ ''مجھے کسی چیز کا الزام نہ دو۔ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں تمہیں احساس ہی نہیں۔''

نوشیرواں کو اس نے کال نہیں کی تھی' مگر دل سے وہ چاہتا تھا کہ کاش وہ آ جاتا۔ ایک دفعہ۔ باقی کسی سے بھی ملنے سے اس نے خود انکار کر دیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ کوئی آیا ہی نہیں تھا۔ نہ آفس سے نہ دوستوں میں سے۔ پتہ نہیں کیوں؟

اور جب سعدی یوسف ہسپتال سے کھو گیا تھا... تو کتنے ہی دن اس کے دوست اور قرابت دار اسی ہسپتال کے باہر پھولوں کے گلدستے رکھتے رہے تھے۔ فرق کہاں سے آیا تھا؟ کس نے ڈالا تھا؟

دفعتاً اس نے تکیے کے ساتھ رکھا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔ ''اور لیں...'' بولا تو آواز میں ذرا نقاہت تھی۔ ''کراچی میں سب ٹھیک ہے؟''

''جی کاردار صاحب' آپ کے بارے میں سنا تھا' اب طبیعت کیسی...''

''فارس کا بتاؤ۔'' اس نے درشتی سے بات کاٹی۔ اپنی ''کمزوری'' کے عیاں ہونے کا احساس بہت تکلیف دہ تھا۔

''غازی؟ وہ ٹھیک ہے' کام کرتا ہے۔ مزاج برہم رہتا ہے' مگر وہ بندہ برا نہیں ہے۔''

اور لیں اب اسے فارس کی ''رپورٹ'' دے رہا تھا۔ ہاشم نے مطمئن ہو کر فون رکھا اور ایک دفعہ پھر اپنے گرد پھیلی تنہائی کو دیکھا۔

جو فیصلہ وہ شہرین سے طلاق کے ان دو سالوں میں نہیں کر سکا تھا' وہ چند ساعتوں میں ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسٹ لکھا (ہم اب مل سکتے ہیں' ریڈ؟) اور آبدار کے نمبر پہ بھیج دیا۔ پھر قدرے سکون سے تکیے پہ سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

❖ ❖ ❖

اپنا یہ حال کہ جی ہار چکے' لٹ بھی چکے ...... اور محبت وہی انداز پرانے مانگے

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر سناٹا چھایا تھا۔ کسی کسی کمرے میں کوئی لیمپ جل رہا تھا۔ ندرت اپنے کمرے میں بیڈ پہ جائے نماز بچھائے بیٹھیں' تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ (گھٹنوں کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں۔) ساتھ والے کمرے میں جھانکو تو حنین دوپٹہ اوڑھ کر قرآن اٹھائے بیٹھی' سبق یاد کر رہی تھی۔ کل کے سبق میں سورۃ البینہ سنانی تھی اسے' اور وہ مسلسل آیات کو خلط ملط کر رہی تھی۔

''اف حنین' فوکس کرو' کیوں تم بار بار ایمان والوں کو ''نار جہنم'' میں پہنچا رہی ہو۔ اور مشرکین کو باغات میں؟ اف۔'' اس کے اپنے مسئلے تھے اور یہ مسئلے اس کو اب اپنے مرض مستقر کو سوچنے ہی نہیں دیتے تھے۔

سیم بڑے ابا کے کمرے میں سو رہا تھا۔ (گو کہ اس کا اپنا کمرہ بھی تھا مگر رات کو وہ ادھر ہی سوتا تھا۔) زمر کے کمرے میں بھی لیمپ

جل رہا تھا۔ وہ کارپٹ پہ جائے نماز ڈالے چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی تھی۔ وہ کب کا سلام پھیر چکی تھی مگر یونہی بیٹھی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ بیڈ کی دوسری طرف کو اٹھ جاتیں۔ بس ایک رات ہی رہا تھا وہ اس کمرے میں۔ پھر چلا گیا۔ اب وہ کب آئے گا؟

''اللہ تعالیٰ' میں بہت بری ہوں۔'' وہ گہری سانس لے کر کہنے لگی۔ زرد لیمپ میں مدھم روشنی میں بھی اس کا چہرہ اور ناک کی نتھ دمک رہی تھی۔ ''میں بہت سخت دل ہوگئی تھی' میں نے فارس کے ساتھ بہت زیادتی کی' مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔ ان کے لئے انصاف حاصل کیا مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔ میرا دل اس جتنا بڑا نہیں ہے۔ میں اس سے غلط باتوں پہ لڑتی ہوں۔'' وہ یاسیت سے کہہ رہی تھی۔ ''جب مجھے پتہ تھا کہ وہ سعدی کے لئے ادھر گیا تھا' اور اسے آبدار کی... ضرورت تھی' اور ذرا سوچنے پہ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ آبدار نے جان بوجھ کر ایسی بات کہی تھی' ان کے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر... اب میں بات کیوں نہیں کرلیتی اس سے؟ مگر نہیں... میری انا!'' پھر اس نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''مگر آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ سمجھایا کہ دل کی نرمی تب ملتی ہے جب ہم قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔ جب ہم دل سے قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔ اور کیا ہوا جو وہ اپنی سورۃ مکمل نہیں کرسکا۔ اس سے پہلے بھی تو میں نے سعدی کے بہت سے کام کئے ہیں نا' آج ایک اور سہی۔''

فارس اور اپنی معلق قسم کی ازدواجی زندگی کی ساری کلفت اور بددلی عنقا سی ہوگئی۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرائی اور اٹھ گئی۔ پھر اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھی اور لیپ ٹاپ کی اسکرین کھولی۔

وہ گروپ میں مزید کچھ نہیں پوسٹ کرسکا تھا۔ وہ سورۃ مکمل نہیں کرسکا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ وہ کرلے گی۔

پہلے وہ اس کی لکھی تدبر اور تفکر کی باتیں غور سے پڑھنے لگی۔ اس نے النمل کی 58 آیات لکھی تھیں۔ کل آیات 93 تھیں۔ وہ آدھی سے زیادہ سورۃ کرچکا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ... چیونٹیوں کی ملکہ کا قصہ... سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا قصہ... صالحؑ کا قصہ... لوط علیہ السلام کا قصہ... اور بس! ابھی 35 آیات رہتی تھیں۔ ابھی النمل کا ایک بڑا حصہ رہتا تھا۔ ابھی داستان کی تکمیل کی راہ میں چند بڑے واقعات کا ہونا حائل تھا۔

زمر نے اگلی چند آیات وہاں لکھیں اور پھر... جی کڑا کر' ایک نئے عزم کے ساتھ... وہ ہر آیت کے نیچے اپنے الفاظ... اپنے دل سے کہے گئے الفاظ لکھنے لگی.....

میں پناہ چاہتی ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔

''آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے... اور سلام ہے اس کے بندوں پر... وہ لوگ جن کو اس نے ''چن'' لیا ہے۔

...کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں؟''

''اوہ اللہ!'' اس نے آنکھیں بند کرلیں' پھر سر جھٹک کر کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے ٹائپ کرنے لگی۔ الفاظ جانے کہاں سے آکر انگلیوں سے کیز میں منتقل ہونے لگے۔

''میں ان آیات کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل یہ سوچ رہی تھی کہ میں انہیں کسی اور کی تشفی کے لئے لکھ رہی ہوں' مگر نہیں۔ قرآن جب آپ سے مخاطب ہو تو وہ صرف آپ کے لئے ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے... بلکہ یہ فرمایا کہ ''آپ کہہ دیں' کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے۔'' لکھتے لکھتے اس کی انگلیوں میں روانی آرہی تھی۔ ''حمد کہتے ہیں کسی کی پرفیکشن کی تعریف کو۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ اللہ ہی پرفیکٹ ہے' پرفیکٹ تعریف بھی اسی کی ہوسکتی ہے مگر یہ بات ہمیں دوسروں کو بار بار بتاتے رہنا چاہیے کہ اللہ بہترین ہے۔ بہترین دوست' بہترین مددگار۔ ورنہ جب لوگ کافر ہونے لگتے ہیں' athiest بنتے جاتے ہیں' تو وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے اللہ ان کے لئے بہترین مددگار نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ کل بھی آپ کا تھا' آج بھی ہے۔ ہمیں یہ گلٹ اور ڈپریشن

رہتا ہے کہ ہم اس کے اب بہترین بندے نہیں رہے' مگر ہم تو اس کے بہترین بندے کبھی بھی نہیں تھے۔ ساری تعریف' ساری حمد' ساری پرفیکشن "ہمارے لیے" تو کل بھی نہیں تھی۔ جس گلٹ کو ہم دیوار بنا کر اللہ اور اپنے درمیان لے آتے ہیں' وہ تو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ آج اس غلطی پہ شرمندہ ہیں' کل کسی اور پہ نادم تھے۔ ہم پرفیکٹ نہیں ہو سکتے تو پھر اللہ سے بات کرنے سے جھجکتے کیوں ہیں؟ غلطی ہوئی ہے تو معافی مانگو اور نئے سرے سے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ یہ اتنا آسان ہے۔ کیونکہ کچھ لوگوں کو اللہ نے اپنے دین کے لیے چن لیا ہوتا ہے۔ ان کو قرآن پہ تدبر کرتے رہنا چاہیے' اپنے لیے نہ سہی تو دوسروں کے لیے۔ خوشی سے نہیں کریں گے تو قدرت آپ کو کھینچ کر' گھسیٹ کر اس طرف لے آئے گی مگر یہ آپ کو کرنا ہے۔ آپ chosen one ہیں' پرفیکٹ نہیں ہیں تو اپنی خامیاں اور گناہ دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں۔ توبہ کریں اور پھر سے شروع کریں۔ صرف اللہ ہی کے ساتھ تو انسان ہمیشہ ہر چیز نئے سرے سے شروع کر سکتا ہے؟"

ٹھہر کر اس نے اگلی آیت دیکھی۔

"بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟

کس نے آسمان سے بارش برسائی؟

پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے۔ تم تو ہرگز نہیں اگا سکتے تھے ان باغوں کے درختوں کو۔ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ بلکہ یہ لوگ تو وہ ہیں جو حق سے انحراف کرتے ہیں۔"

"مجھے بہت اچھے لگتے ہیں قرآن میں پوچھے گئے سوال۔" وہ چہرہ جھکائے بورڈ پہ تیز تیز ٹائپ کر رہی تھی۔ "ہر دفعہ اپنا دفاع کرنا اپنے حق میں دلائل دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ کوئی اللہ کے وجود کو ماننے سے انکاری ہو تو اس کی طرف سوال ڈالا کریں' اسے سوچنے پہ مجبور کریں۔ کوئی تو ہے نا جس نے اتنے انصاف سے زمین اور آسمان بنائے۔ تو کیا وہ ہمیں انصاف نہیں دلائے گا؟ کوئی تو ہے نا جو آسمانوں سے بارش برساتا ہے' کبھی زمین پہ' کبھی دل پہ' اور اس بارش سے اگنے والے باغات انسان خود نہیں اگا سکتا۔ مردہ زمین اور مردہ دلوں کو صرف اللہ زندہ کر سکتا ہے۔ صرف اللہ کا قرآن کر سکتا ہے۔ تو بجائے اپنے مردہ دل کا ڈپریشن لینے کے' کیوں نا اللہ سے کہہ دیا جائے کہ آپ مدد کریں' مجھ سے تو نہیں ہو رہا۔ تو کیا وہ نہیں کرے گا مدد؟ میں ایک بہت پریکٹیکل انسان ہوں۔ میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ اللہ انسان کو سارے وسائل دے دیتا ہے مگر انسانوں کو اس سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ خود زمین پہ آ کر ہمارے کام جادوئی طاقت سے سنوارے گا۔ اس نے آپ کو یہ عقل دی ہے سو یہ اس کی بہترین مخلوق کی توہین ہے کہ اس کو ہر شے پلیٹ میں دی جائے۔ جیسے رزق کمانے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ ویسے ہی اپنے دل کو زندہ کرنے کے لیے بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یوں گلٹ اور ڈپریشن لے کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہو گا۔"

لکھ لکھ کر وہ اب تھک چکی تھی مگر جوش اور عزم ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اس نے اگلی آیت آن لائن قرآن سے کاپی پیسٹ کی اور پھر اس کو زیر لب پڑھا۔

"بھلا کس نے بنایا زمین کو قرار گاہ

اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں

اور اس کے لیے پہاڑ بنائے

اور بنائی دو سمندروں کے درمیان آڑ

کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے بلکہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔"

"اچھا لگتا ہے آپ کی بیان کی گئی مثالیں پڑھنا' اللہ تعالیٰ۔" وہ زیر لب مسکراتی ہوئی ٹائپ کیے جا رہی تھی۔ بھوری آنکھیں کی بورڈ پہ جھکی تھیں۔ "کبھی تو یہ زمین' آسمان' پہاڑوں اور سمندروں کی مثالیں لگتی ہیں اور کبھی انسانوں کی۔ کچھ انسان زمین جیسے ہوتے ہیں۔ اتنا بوجھ

اٹھا کر بھی قرار و سکون میں ہوتے ہیں۔ بلتے نہیں' لڑھکتے نہیں۔ کچھ نہروں جیسے ہوتے ہیں' سب کو سیراب کرتے ہیں' فائدہ پہنچاتے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ پہاڑوں جیسے ہوتے ہیں۔ مضبوطی سے اکڑ کر سر اٹھائے کھڑے ہوتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اپنا بوجھ تو کسی اور پہ... ایک پرسکون زمین پہ... ڈالے ہوئے ہیں۔ خود تو قرآن کا بوجھ بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔ اور کچھ سمندر کے پانی جیسے ہوتے ہیں۔ کڑوا اور میٹھا پانی سمندر میں کتنی ہی جگہوں پہ ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے مگر دونوں کے درمیان آڑ ہوتی ہے۔ گوگل کرو تو کتنی ہی تصویریں نکل آتی ہیں جہاں پانی بھی پانی سے مل نہیں سکتا۔ دونوں کا رنگ فرق ہے' ذائقہ فرق ہے مگر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک اچھا ہے ایک برا' دونوں دشمن ہیں مگر ایک سمندر میں رہتے ہوئے ان کو ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ جس دن یہ آڑ ٹوٹی' سمندر میں طوفان برپا ہو جائے گا۔ ہر طرح کے لوگ دیکھ کر جاننے والے واقعی کہہ اٹھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کون ان کو بنا سکتا تھا؟ اور اللہ کے سوا کس کے سامنے ان سب کو جھکنا چاہیے؟"

اب کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے مسکرا کر اپنے لکھے الفاظ کو دیکھا۔ اگر وہ پڑھے گا تو وہ بھی اچھا محسوس کرے گا کیونکہ قرآن کا پڑھنا پڑھانا تو عطر بیچنے والے جیسا ہوتا ہے۔ دوسروں کو عطر کی شیشیاں تھماتے تھماتے چند قطرے دکاندار کے اپنے ہاتھوں پہ بھی لگ جاتے ہیں اور وہ خود بھی معطر ہو جاتا ہے' چاہے آخر میں اس کے پاس ایک شیشی بھی نہ بچے۔

اور زمر کو اتنے سال بعد اپنے کمرے سے خوشبو آنے لگی تھی۔ آج وہ واقعی میں خوش تھی۔

.... ❁ ❁ ❁ ....

کل تاریخ یقیناً خود کو دہرائے گی ...... آج کے اک اک منظر کو پہچان میں رکھنا

وہ صبح جب قصر کاردار پہ اتری تو آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مغرور انسانوں کی طرح وہ صرف دیکھنے میں وزنی لگتے تھے' اندر سے کھوکھلے تھے۔ گرج رہے تھے مگر خیر و برکت کے قطرے برسانے والے نہیں لگتے تھے۔

اونچے ستونوں والے برآمدے کے سامنے سبزہ زار پہ کار آرکی اور ڈرائیور نے جھٹ سے دروازہ کھولا۔ پچھلی سیٹ سے علیشا باہر نکلی۔ اس کے سیاہ بال کندھوں تک آتے تھے' گرے ٹاپ کے گریبان پہ پن لگا رکھی تھیں' اور ماتھے کے اوپر ہیئر بینڈ سے بال پیچھے کر رکھے تھے۔ سرمئی آنکھیں اٹھا کر اس نے برآمدے میں کھڑی جواہرات کو دیکھا جو نک سک سے تیار' چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

علیشا نے تھوک نگلا اور ذرا گھبرا کر برآمدے کے زینے پہ چڑھنے لگی' یہاں تک کہ وہ جواہرات سے دو زینے نیچے رہ گئی۔

"آپ نے مجھے بلوایا؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ تحکم سے کہتی مڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ علیشا نے ایک نظر آس پاس ہاتھ باندھے کھڑے ملازموں پہ ڈالی پھر اس کے پیچھے ہو لی۔

"یہ میرے والد کی تصویر ہے۔" لاؤنج کی ایک دیوار کے قریب رک کر جواہرات نے چتون سے اشارہ کیا۔ وہ ہنوز سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی اور بھورے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے' گردن کی پشت پہ پڑے تھے۔ "اور یہ میرے دادا کی۔ یہ میرے کزنز ہیں۔ یہ میری والدہ کی فیملی ہے۔" وہ مختلف تصاویر کے اوپر نگاہ دوڑاتے کہہ رہی تھی۔

"یہ سب خاندانی تھے۔ اپنے علاقوں کے رئیس تھے۔ سیاسی اکابرین تھے۔ عزت دار لوگ تھے۔ مگر اورنگزیب..." اب کے وہ پلٹ کر علیشا کو دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری تھی۔ علیشا خاموشی سے سنے گئی۔ "اورنگزیب ان کی طرح رئیس تھا نہ دولت مند' مگر وہ خاندانی تھا۔ عزت دار تھا۔ اسی لیے اس کو میں نے اپنے لیے منتخب کیا۔ اس کو دو بیٹے دیے۔ خاندانی اور باوقار بیٹے۔ ہمارے سارے خاندان میں... سات نسلوں میں..." انگلی گھما کر اشارہ کیا۔ "کوئی اتنا نجس' غیر خاندانی اور غلیظ نہیں ہے جتنی کہ تم!"

"مسز کاردار!" علیشا کی آنکھوں میں سرخ لکیریں ابھریں۔ آواز کانپی۔

"آواز نیچی رکھو۔" وہ جواباً اتنے زور سے غرائی کہ علیشا بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹی۔ "تم میرے سامنے کھڑی ہو اور میں.... میں.... یہاں کی.... ملکہ ہوں! اگر تمہیں رہنا ہے اس گھر میں تو تم میرے متعین کیے طریقے سے رہو گی۔ یہ مت سمجھنا کہ میرا بے وقوف بیٹا تمہاری مدد کو آئے گا۔ ہاشم کی پیشکش پہ حامی بھرنے کا ارادہ ظاہر کر کے تم نے نوشیرواں کی حمایت کھو دی ہے۔ وہ تمہارے اپارٹمنٹ کا مزید کرایہ نہیں بھرے گا۔ اور وہ ایسی شکل نہ بناؤ۔ میں نے آفس میں رپورٹ کرنے والے بہت سے پرندے پال رکھے ہیں۔"

علیشا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نیچے والے سرونٹ رومز میں سے ایک میں رہو گی۔ ان شیئرز کو تم بیچ نہیں سکتی اس لیے تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر اس شہر میں رہنا ہے اور ان شیئرز کا منافع وصول کرتے رہنا ہے تو...." ابرو سے دور کھڑی میری کو اشارہ کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی۔ "تو میری کے ساتھ جاؤ اور اپنا کمرہ دیکھ لو۔"

علیشا نے ایک بے بس نگاہ میری کے اوپر ڈالی اور پھر اس کے ساتھ خاموشی سے چل دی۔

"ملکہ سے ٹکر نہیں لینی چاہیے علیشا!" جواہرات نے پیچھے سے پکارا تھا۔ میری اینجیو نے اس بات پہ گردن ذرا موڑ کر لاؤنج کے پودوں پہ اسپرے کرتی فیونا کو دیکھا جو اندر تک کلس گئی تھی۔ "کیونکہ شطرنج کی بساط پہ صرف ملکہ ہوتی ہے جو جب چاہے جتنی چاہے چالیں چل سکتی ہے۔" علیشا مڑی اور ایک نظر اسے دیکھا۔

"مگر شہ مات صرف بادشاہ کر سکتا ہے' مسز کاردار اور ملکہ سب سے بڑی چالباز تو بن سکتی ہے' مگر وہ بادشاہ نہیں بن سکتی۔" اور مڑ گئی۔

"میں اپارٹمنٹ سے اپنا سامان لے آؤں۔" میری کے ساتھ جانے کی بجائے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جواہرات کی چبھتی ہوئی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ موبائل پہ ایک نمبر ملا کر فون کان سے لگائے' اپنا سامان اکٹھا کر رہی تھی۔

"ہیلو.... مسز ندرت.... میں علیشا بات کر رہی ہوں۔ جی میں ٹھیک ہوں۔ میں نے مسز زمر سے بات کی تھی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' میں حنین سے ملنا چاہتی ہوں مگر وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ کیا آپ میرے اور اپنے درمیان یہ بات رکھیں گی اگر میں آپ سے کہوں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔" ذرا دیر کو ٹھہر کر بات سنتے وہ اپنے کپڑے بیگ میں اڑس رہی تھی۔

"مجھے اپنا Ants everafter والا کی چین واپس چاہیے۔ کیا حنین اور زمر کے علم میں لائے بغیر آپ مجھے وہ دے سکتی ہیں؟ میں وعدہ کرتی ہوں دوبارہ آپ کو یا آپ کی بیٹی کو تنگ نہیں کروں گی۔" وہ بہت منت سے کہہ رہی تھی۔

.... ❖ ....

اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی ...... یہ ساتھ ایسا ہے کہ انسان کو تنہا نہیں کرتا

کینڈی کی اس کافی شاپ کے کچن میں سعدی کھڑے کھڑے کاؤنٹر پہ جھکا لیپ ٹاپ کی اسکرین دیکھ رہا تھا۔ جو وہ پڑھ رہا تھا وہ خوش کن بھی تھا اور اداس کرنے والا بھی۔ اس نے سورۃ شروع کی تھی' کوئی اور اسے مکمل کر رہا تھا۔ قرآن انسانوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ انسان محتاج ہوتے ہیں۔ آپ نہیں کریں گے تو کوئی اور آ جائے گا۔ دین کا کام ہوتا رہے گا۔ اس کا جیسے دل زخمی ہو گیا تھا مگر مسکرانے کا دل چاہ رہا تھا۔ پھر اسکرین فولڈ کر کے وہ اٹھا تو مونچو کے رونے کی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑا اور مستطیل کچن سے باہر آیا۔

باہر بوڑھا روپا سنگھی کیش کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا اپنے موبائل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ایڈوانس کی رقم ابھی تک اسے موصول نہیں ہوئی تھی۔ وہ ناخوش اور بے چین لگ رہا تھا۔ نگاہ اٹھا کر سعدی کو دیکھا جو باہر آ رہا تھا' جہاں کامنی کھڑی غصے سے مونچو کو جھڑک رہی تھی اور وہ

تھی سے آنسو پونچھتا' ہچکیاں لے رہا تھا۔ ساتھ ہی دو خوبصورت کانچ کے پیالے نیچے چکنا چور ہوئے بکھرے تھے۔ کامنی غصے سے اسے سنبھالی میں لگا رہی تھی جو ندرت بی بی کے برتن ٹوٹنے پہ اسے کہا کرتی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' سعدی رسان سے پوچھتا آگے آیا۔ کامنی خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

''یہ لڑکا کبھی نہیں دیکھ کر چلتا۔ میرے سنئے پیالے توڑ دیے۔'' وہ صدمے میں تھی۔

''پیالے مونچو سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھے کامنی۔'' وہ نرمی سے کہتا آگے آیا اور پنجوں کے بل مونچو کے سامنے بیٹھا' اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے۔ بوڑھا روپا سنگھی آگے ہو کر دیکھنے لگا۔ کچھ تشویش' کچھ اچنبھے سے۔

''صرف ان دو پیالوں کے لیے تم اتنے پیارے مونچو کو ڈانٹ رہی ہو؟'' مونچو اب اپنے ہاتھ چھڑاتا' سر جھکائے زور زور سے رونے لگا تھا' مگر سعدی نے اس کے ہاتھ نہیں چھوڑے۔

''کیا تھا جو یہ دیکھ کر چل لیتا۔''

''کامنی!'' اس نے نظریں اٹھا کر بنگالی عورت کو دیکھا۔ ''یہ برتن اسی وقت' اسی لمحے ٹوٹنے ہی تھے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ یہ میری قسمت تھی کہ....''

''نہیں' یہ ان برتنوں کی ''عمر'' تھی جو ختم ہو گئی تھی۔'' پھر مونچو کی طرف مڑا۔ ''ہر چیز کی عمر ہوتی ہے' جب وہ عمر ختم ہو جاتی ہے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ سو برتن ٹوٹنے کا غم نہیں کرتے مونچو۔ یقین کرو اگر تم سے نہ ٹوٹتا یہ پیالہ تو تمہاری اس چڑیل جیسی ماں سے ٹوٹ جاتا۔''

مونچو آنسوؤں کے درمیان ہنس پڑا۔ روپا سنگھی بھی آگے ہو کر یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ مڑ گئی۔ تب سعدی کھڑا ہوا۔ مونچو ننھی ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتا باہر کو بھاگ گیا تب وہ کامنی سے بولا۔ ''میرا بھی باپ نہیں تھا۔ ہم بھی باپ کے بغیر بڑے ہوئے تھے۔ بن باپ کے بچے کو سب کے سامنے نہ ڈانٹا کرو۔ وہ دلاسے کے لیے کس کے پاس جائے گا؟ اپنے بچوں کو دنیا سے ہی اتنا تنہا نہیں کرنا چاہیے!'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ روپا سنگھی کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکنے لگا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پھر کتنی ہی دیر بعد وہ کچن میں آیا۔

''سفو!'' سعدی دوبارہ لیپ ٹاپ اسکرین کھول کر بیٹھا تھا جب مضطرب اور بے چین سا روپا سنگھی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''تم چلے جاؤ۔'' سعدی نے گہری سانس لی۔

''سر' میں بہت جلد چلا جاؤں گا' آپ لوگوں کے لیے مسئلہ نہیں....''

''میں نے پوسٹر والے نمبر پہ کال کر دی تھی۔ وہ آ جائیں گے۔ انہوں نے میری لوکیشن بھی ٹریس کر لی ہو گی۔ پیسے نہیں بھیجیں گے وہ۔ تم... تم بھاگ جاؤ۔'' وہ آنسو ضبط کیے جلدی جلدی بول رہا تھا اور سعدی یوسف کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

زمین پیروں سے کتنی بار دن میں نکلتی ہے ..... میں ایسے حادثوں پہ دل مگر چھوٹا نہیں کرتا

قصر کاردار کے لاؤنج میں علیشا اپنا ٹرالی بیگ خود گھسیٹتی خاموشی سے میرنی کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔ ڈائننگ ہال میں سربراہی کرسی پہ بیٹھی جوس کے گھونٹ بھرتی جواہرات نے ایک نظر اسے دیکھا' اور پھر سر جھٹک کر مصروف ہو گئی۔ احمر اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اسے ایک پریزنٹیشن دکھا رہا تھا۔ علیشا کو دیکھ کر اس نے ہولے سے سرگوشی کی۔

''اس لڑکی کو یہاں کیوں رہنے دیا آپ نے؟''

''تاکہ میرے دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اس وقت اس کو اپنی نگرانی میں رکھنا ضروری ہے۔'' احمر سر ہلا کر رہ گیا۔

اسی لمحے لاؤنج کا مرکزی دروازہ کھلا اور ہاشم نمودار ہوا۔ آستین کہنیوں تک موڑے' گریبان کا ایک بٹن کھلا تھا' کوٹ بازو پہ ڈالا ہوا تھا' چہرے پہ قدرے نقاہت تھی۔ ملازم ساتھ آ رہے تھے' اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو گویا واپس پلٹنے کا کہا۔ چند قدم آگے آیا تو جواہرات تیزی سے ڈائننگ ہال سے ادھر آتی دکھائی دی۔ چہرے پہ تشویش تھی۔ احمر وہیں بیٹھا رہا۔

''ہاشم' تمہیں ابھی ہاسپٹل میں رہنا چاہیے تھا۔ تم نے منع کر دیا ورنہ میں آ جاتی۔'' اس نے ہاشم کا بازو تھامنا چاہا مگر اس نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور ایک برہم نظر اس پہ ڈالی۔ ''میرے کاروبار کو اتنا بڑا دھچکا دینے کے بعد مجھ سے مخاطب بھی کیسے ہو سکتی ہیں آپ۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔''

جواہرات نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آنکھوں میں خفگی اتری۔ ''یہ ہم سب کا کاروبار ہے۔''

''نہیں ہے یہ ہم سب کا کاروبار۔'' وہ غرایا تھا۔ ''جب میرے باپ کو اپنی سیاست اور آپ کو اپنی بیوٹی ٹریٹمنٹس سے فرصت نہیں تھی تو میں تھا جو اپنا خون جلا کر اس کاروبار کو پھیلا رہا تھا۔ یہ سب... میرا کمایا ہوا ہے۔'' سینے پہ انگلی سے دستک دے کر سختی سے بولا تھا۔ ''میں نہ ہوں تو آپ دونوں سڑک پہ آ جائیں۔ مگر آپ... آپ نے میرا سوچے بغیر صرف اس بے غیرت آدمی کے لئے غلط لوگوں سے دشمنی مول لی۔ اس وقت میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''اوہ ڈونٹ یو ڈیئر!'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرائی تھی۔ ''تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں۔ تم دونوں کے لیے... تم دونوں کے لیے کیا کیا کر چکی ہوں میں تم احساس بھی نہیں کر سکتے۔''

''واٹ ایور!'' وہ ہوا میں ہاتھ کو جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات پیر پٹختی واپس مڑ گئی۔ احمر نے سر جھکا دیا۔ اس نے ساری باتیں سن تھیں۔

نوشیرواں اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا تیار ہو رہا تھا جب ہاشم اس کے دروازے کے باہر رکا۔ شیرو نے ذرا کی ذرا اسے دیکھا' پھر برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا۔ ماتھے پہ خوامخواہ کے بل بھی ڈال لیے۔

''میں رات ہسپتال میں تھا۔'' وہ سرد لہجے میں گویا ہوا' مگر اس میں بھی آنچ تھی۔ شیرو کا برش کرتا ہاتھ رکا' پھر دوبارہ چلنے لگا۔

''معلوم ہے۔ جب آپ کی سیکرٹری نے بتایا کہ آپ کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے تو جانتا تھا میں' یہ بھی کوئی نیا جھوٹ ہوگا۔ اور وہی نکلا؟ صرف anxiety attack' آپ لوگ تو بیماری میں بھی اپنا ''پنچ'' نہیں چھوڑتے۔'' تلخی سے وہ بولا تھا۔ ''جب مجھے پٹوایا تھا اس لڑکے سے تو میں بھی ہسپتال داخل رہا تھا۔ آپ مجھے تب دیکھنے آئے ہوتے تو میں بھی کل آ جاتا شاید۔''

''وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ کبھی بھی نہیں۔ میں نے اسے روح پہ زخم دیے تھے۔ اس کے اپنوں کو قتل کروایا تھا' مگر وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔'' اس کی بات کا اثر لیے بغیر ہاشم سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔ شیرو بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''وہ... نوشیرواں... تمہارے پیچھے آئے گا۔''

نوشیرواں کا خون اس کی رگوں میں جم گیا۔ وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گیا۔

''اور اب تم جتنا پچھتا لو... اور میں جانتا ہوں کہ تم پچھتاتے ہو... مگر اب اس کا فائدہ نہیں ہے۔ وہ ایک دن تمہارے پیچھے آئے گا۔ وہ تمہیں گھسیٹے گا... یا انتقام کے لیے یا انصاف کے لیے... اور اس دن نوشیرواں...'' انگلی اٹھا کر اس نے تنبیہ کی۔ ''اس دن تمہیں میری قدر ہوگی۔ اس دن تم جانو گے کہ جب میں کہتا ہوں' ہاشم سنبھال لے گا تو ہاشم کیسے سنبھالتا ہے۔ اور اس دن تم چاہو گے کہ میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں اور میں....'' وہ سانس لینے کو رکا۔ نوشیرواں کا بھی سانس رکا۔ اسے لگا اب ہاشم بھی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔

''اور میں اس دن تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ کیونکہ میں تمہارا بھائی ہوں۔''

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا' اور نوشیرواں پہ کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ ساکت وجامد کھڑا رہ گیا۔

.................☆☆☆.................

بہت ہوشیار ہوں اپنی لڑائی آپ لڑتا ہوں ..... میں دل کی بات مگر دیوار پہ لکھا نہیں کرتا

وہ کافی شاپ کے اوپر "شیخ احمر" کے لیے مختص کمرے میں ردپا سنگھی کے سامنے کھڑا تھا اور بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔ "اگر مجھ سے اتنی شکایت تھی تو مجھے کہا ہوتا' میں چلا جاتا۔ مگر ان لوگوں کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر انہوں نے مجھے جان سے مار دیا تو میرا خون

آپ کے ہاتھ پہ ہوگا۔"

"تم ہو کون جس پہ میں اعتبار کرتا؟ ان پوسٹر کے مطابق تم تامل جاسوس ہو۔ یہ میرا فرض تھا' ایک فوجی ہونے کے ناطے کہ میں تمہاری رپورٹ کرتا۔" وہ کچھ پشیمان' کچھ بپھرا ہوا تھا۔

"بس کرو مسٹر ردپا سنگھی۔" سعدی نے اکتا کر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "تم نے یہ صرف انعام کی رقم لے لئے کیا ہے۔" بوڑھا مزید طیش کے عالم میں کچھ اور بھی کہتا مگر دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور کامنی استعجابیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی اندر داخل ہوئی۔

"باہر کوئی تم سے ملنے آیا ہے شیخ۔ وہ تمہاری تصویر دکھا کر پوچھ رہا ہے تمہارا۔" پھر باپ کو دیکھا۔ "آپ کیوں لڑ رہے ہیں اس سے؟"

سعدی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ "پلیز اس کو میرا نہ بتانا۔ وہ مجھے ڈھونڈنے آنے والوں میں سے ہے...."

کامنی مطمئن نہیں تھی مگر وہ واپس نیچے اتر گئی۔ کافی شاپ کے ہال میں آئی تو دیکھا' وہ کاؤنٹر کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سیاہ رنگت' حبشی صورت' اور سفید چمکتے دانت۔

"جی؟" وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"میں اس نئے لڑکے سے ملنا چاہتا ہوں جو سنا ہے جادوئی کرتب دکھاتا ہے۔"

"ہاں وہ بہت امیزنگ ہے۔ آپ اس سے مل کر بہت محظوظ ہوں گے۔ ابھی وہ باہر گیا ہے' کراکری شاپ تک۔ یہ تین بلاک چھوڑ کر جیسے ہی آتا ہے میں آپ کو ملواتی ہوں۔ کچھ آرڈر کریں گے آپ؟" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"نہیں۔" فصیح کھڑا ہو گیا۔ "کس شاپ تک گیا ہے وہ؟ پتہ سمجھا دیں گی آپ مجھے؟" اس کو پتہ سمجھا کر وہاں سے بھیج کر کامنی اوپر آئی تو وہ دونوں ابھی تک لڑ رہے تھے۔ سعدی کا بیگ اس کے کندھے پہ تھا۔

"وہ چلا گیا ہے۔ اب مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں۔" ردپا سنگھی ذہنی تناؤ اور مایوسی سے بھر کر بولا۔ "یہ لڑکا فراڈ ہے۔ تامل جاسوس ہے۔ کولمبو میں اس کی شکل کے most wanted پوسٹر لگے ہیں۔ یہ ہمیں بھی دھوکہ دے رہا تھا۔"

کامنی نے ناسمجھی سے سعدی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔

"نہیں پاپا! اس کی گرل فرینڈ کی فیملی امیر ہے' تو وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور....."

"کوئی لڑکی نہیں ہے کامنی۔ اس کی کوئی لو اسٹوری نہیں ہے۔ یہ دہشت گرد ہے۔"

"میں دہشت گرد نہیں ہوں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"مگر تم ایک قاتل ہو۔ میرے ایسوسی ایٹ کو زہر یلے چین سے ہلاک کر کے بھاگنے والے قاتل ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں' سعدی

یوسف؟"

بوٹ کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر.... فصیح کا سیاہ چہرہ چوکھٹ میں نمودار ہوا۔ کامنی ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹی۔ روپا سنگھی کا رنگ اڑ گیا۔ سعدی نے پتھرائے ہوئے سنجیدہ چہرے کے ساتھ ایک دم پستول نکال کر دونوں بازو لمبے کئے اس پہ تان لیا۔

"کیا اس نے آپ لوگوں کو اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا؟" فصیح نے چوکھٹ میں کھڑے مسکرا کر پوچھا تھا۔ کامنی نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نظر میں سب کچھ تھا۔ صدمہ' بے اعتباری' یقین ٹوٹنے کا دکھ۔ مگر سعدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ پستول تانے' نظریں فصیح پہ گاڑے ہوئے تھا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ فصیح' ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔"

"نہیں' تم اگلے ہی لمحے پستول نیچے کر دو گے جب تم یہ دیکھو گے۔" کہنے کے ساتھ فصیح' جو چوکھٹ سے لگ کر کھڑا تھا' ذرا بائیں طرف کو ہوا اور..... اپنے دائیں ہاتھ سے کسی کو کھینچ کر اپنی ٹانگ کے ساتھ لا کھڑا کیا۔ ذرا سہما سا موہن جس کے منہ پہ ڈکٹ ٹیپ بندھی تھی اور ہاتھ بھی کمر پہ ٹیپ سے بندھے تھے۔ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر گال پہ لڑھک رہے تھے۔ کامنی کی بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ روپا سنگھی بھی چلایا تھا۔ "وہ بچہ ہے' اس کو چھوڑ دو۔ یہ میرا نواسا ہے۔ تمہیں خبر دینے والا میں تھا۔"

فصیح نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا پستول بچے کے سر پہ تھا۔ سعدی نے ایک لفظ کہے بنا پستول زمین پہ ڈال دیا۔

"بچے کو چھوڑ دو۔"

"پہلے تم یہ پہنو۔" اس نے ہتھکڑی کے دو باہم جڑے کڑے میز پہ ڈالے۔ ادھر روپا سنگھی مسلسل اسے بچے کو چھوڑنے کا کہہ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر چہرے پہ لڑھکتے گئے۔ وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"اوکے!" سعدی چند قدم آگے آیا' کامنی کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ "تمہارے بچے کو کچھ نہیں ہوگا۔" مگر اس نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تو اس نے خاموشی سے ہتھکڑی اٹھائی' اور اپنے ہاتھ کو پیچھے کو باندھ کر ہتھکڑی پہن کر کلک کی آواز سے بند کر دی۔

"اب میرے آگے چلو۔" فصیح نے کہتے ہوئے اپنا کوٹ اتارا' اور سعدی کے کندھوں پہ ڈال دیا۔ اب اسے دیکھنے پہ یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے ہیں۔

فصیح بچے کو اپنے ساتھ گھسیٹے' سعدی کو آگے چلائے' سیڑھیاں اتر کر شاپ کی پچھلی سمت سے باہر نکلا۔ بچے کو اس نے سیڑھیوں کے دہانے پہ چھوڑ دیا اور خود سعدی کے پیچھے چلتے ہوئے اسے مسلسل "سیدھا چلو' اب دائیں مڑو۔" کہتا آگے چلاتا گیا۔ سعدی کندھوں پہ لمبا کوٹ ڈالے' سنجیدہ چہرے کے ساتھ چلتا گیا۔

صبح کے وقت گلیوں میں رش تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہر شخص اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ کسی دوسرے کی فکر نہیں۔ ایسے میں وہ خاموشی سے فصیح کے آگے چلتا جا رہا تھا۔ وہ بھاگتا تو فصیح سائلینسر لگے پستول سے اسے گولی مار دیتا وہ جانتا تھا۔

ایک جگہ سڑک کنارے چلتے چلتے فصیح نے اسے پہاڑی سے اتر جانے کی ہدایت دی۔

"تم مجھے کسی ویران جگہ پہ لے جانا چاہتے ہو تاکہ مجھے مار سکو۔ اوکے۔" وہ سر کو خم دیتا' جو گر زڈھلان پہ رکھتا نیچے اترنے لگا۔

"بکواس نہیں کرو۔ چپ چاپ اترو۔" وہ گرج کر بولا۔

"سزائے موت کے مجرم سے بھی اس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔ مجھ سے نہیں پوچھو گے۔ میں جانتا ہوں ابھی واپس جا کر تم کامنی کے خاندان کو بھی مار دو گے۔"

"اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔" سعدی چونکا مگر فصیح نے پیچھے سے پستول کا ٹہوکا دیا تو وہ آگے چلنے لگا۔

''جی سر؟'' رئیس نے ناسمجھی سے پوچھا۔ ہاشم ایک دم کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''ادریس نے کہا وہ نہیں رہتا ہے۔ یعنی کہ کمپنی کے کوارٹرز میں۔ مگر....'' وہ چونک گیا تھا۔ ''پچھلے سال ایک اسکینڈل کے بعد ان کی کمپنی نے بہت سخت اصول بنائے تھے۔ اکیلے مردوں کو کوارٹر نہیں ملتا۔ صرف ان کو ملتا ہے جن کی بیوی بچے ساتھ ہوں۔''

''آپ نے بھی۔ غارش نہیں کی تو ادریس نے غازی کو کوارٹرز میں کیوں رہنے دیا؟'' رئیس بھی الجھا۔ ہاشم کاردار نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ کوارٹرز میں نہیں رہ رہا۔ کوئی بھی بغیر فیملی کے ادھر نہیں رہ سکتا۔ ادریس جھوٹ بول رہا ہے۔'' اور کہتے کہتے وہ خود بھی چونکا تھا۔ ''تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے رئیس۔ مجھے پتہ کر کے دو کہ فارس غازی کراچی گیا بھی تھا یا نہیں۔ اور اگر وہ نہیں گیا تھا تو وہ کہاں تھا؟''

وہ سخت لہجے میں بولا تھا اور رئیس بھی ''اوکے سر'' کہتا باہر کو بھاگا تھا۔ ایک گھنٹہ... صرف ایک گھنٹہ تھا... حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے....

باب 23:

مورچال

آج تم جس دکھ کے مقام پہ ہو،
میں ابھی اس جگہ سے گزر چکا ہوں۔
یقین کرو میں اس سے گزر چکا ہوں۔
تمہیں اس سے جست لگا کر نکلنا ہوگا۔
تمہیں اس سے نکالے گا صرف ایک فقرہ۔
ایک سطر۔ ایک دلیل۔
ایک کہانی جو تم خود کو سنا سکو۔
وہ کیا ہے اس سے فرق نہیں پڑتا۔
اور ضروری نہیں ہے کہ وہ سچ بھی ہو۔
جب تک تم اس فقرے پہ یقین کرتی رہو!
جب تک اس کے ذریعے تم خود کو معاف کرتی رہو۔
تم ڈھونڈو وہ سطر۔ وہ فقرہ۔
وہ مقصد۔
تم اسے ڈھونڈو، تم یہ کر سکتی ہو۔
میں جانتا ہوں کہ تم یہ کر سکتی ہو۔
وہ ایک فقرہ خود کو سنانے کے لیے ڈھونڈو۔
پھر اس لائن کو مضبوطی سے تھام لو۔
اور پھر اس کی مدد سے خود کو
تاریک اندھیروں سے
باہر کھینچ نکالو۔
(شوبیز ادا کشر۔ نکس اپ)

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کو وہ رات اپنے دامن میں چھپاتی جا رہی تھی جب ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ زمر اپنے کمرے میں تھی' سیم ہوم ورک پھیلائے لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ ابا بھی وہیں موجود کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھے۔ ندرت کچن میں کھڑی' با آواز بلند غیر موجود حسینہ کو کوس رہی تھیں۔ (ہزار دفعہ کہا ہے' کوارٹر میں جانے سے پہلے چائے کی کیتلی مانجھ کر جایا کرو' مگر اسی طرح چھوڑ جائے گی۔ اور یہ دیکھو... صابن ختم... ایک تو بندہ میکس باران ملازموں کے حوالے نہ کرے۔ گھول گھول کر ختم کر دیتے ہیں...)

جب کوئی نہ بلا تو حنہ کمرے سے باہر نکلی اور دروازے کی طرف آئی۔ اتنے میں پورچ سے اندر کھلتے دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکی۔ (ایسا کون ہے جو باہر گیٹ سے اندر آ بھی گیا اور صداقت نہیں جاگا؟)

"کون؟" اس نے پوچھا۔ جواب میں خاموشی۔ حنین نے جی کڑا کر آواز بلند کی۔ "کون؟"

"تو اب میں کون ہو گیا ہوں؟" فارس کی آواز پہ حنین کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھوں میں خوشگوار حیرت ابھری' اور لبوں پہ مسکراہٹ۔ پہلے لپک کر کھولنے لگی' پھر رکی۔ (میں تو ناراض تھی۔) چہرے کے تاثرات سخت کیے' ماتھے پہ بل ڈالے اور دروازہ کھولا۔ پھر بازو سینے پہ لپیٹے' تندہی سے سامنے دیکھا جہاں وہ دو اسٹیپ نیچے کھڑا تھا۔ ہاتھ سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے' اپنی سنہری آنکھیں اس پہ جمائے وہ سادگی سے مسکرا رہا تھا۔ چھوٹے کٹے بال ویسے ہی تھے' البتہ رنگت ذرا کملائی ہوئی لگ رہی تھی۔ "ہیلو حنہ۔"

"وعلیکم ہیلو۔ آپ کو پہچانا نہیں۔ کیا آپ یہیں رہتے ہیں؟ کیا آپ اس فیملی کا حصہ ہیں؟ اوہ مگر نہیں۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ ایک دوسرے سے باتیں نہیں چھپاتے' کراچی کا کہہ کر کولمبو نہیں چلے جاتے' اور جب واپس آ جاتے ہیں تو اسی روز ریسٹورانٹ میں اپنی بیوی کو ڈنر کرانے کے دو دن تک اپنے گھر والوں کو بھولے نہیں رہتے۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں نا' وہ....." خفگی سے وہ تیز تیز بولے جا رہی تھی اور وہ جو سکون سے مسکراہٹ دبائے سن رہا تھا' آگے بڑھا' دو قدم اوپر چڑھا اور اس کے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ کر جھک کر اس کا ماتھا چوما۔ "بلیک کافی' ہلکی چینی اور ذرا سی کریم کے ساتھ۔ ایک بڑا مگ۔ لاؤنج میں لے آؤ۔" اور وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گیا اور حنین کی زبان' جذبات اور غصے کو بریک سی لگ گئی۔ چند لمحے تو سمجھ نہیں آئی کہ دو دن سے تیار شدہ' بار بار ریہرسل کردہ تقریر مکمل کیوں نہ کر سکی۔ پھر اس کے پیچھے لپکی۔ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"میرا بھائی کہاں ہے؟" ساری ناراضی اڑنچھو ہو گئی تھی اور آواز میں بے قراری آ گئی تھی۔

"میری کافی کہاں ہے؟" اور اندر چلتا گیا۔ حنین اس سے زیادہ تیزی سے اندر بھاگی۔ اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔ پیچھے سے اس نے چیخ پکار سنی۔ سیم نے اسے دیکھ کر کوئی نعرہ لگایا تھا' ندرت بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھیں' ابا خوشی سے کچھ کہہ رہے تھے۔ حنہ نے کچھ نہیں سنا۔ کچن میں آتے ہی تیز تیز الٹ پلٹ کیں۔ جلدی جلدی کافی بنائی۔ ٹرے میں سجائی اور اسے لیے باہر لاؤنج میں آئی۔

اب وہ صوفے پہ بیٹھا تھا' آگے ہو کر' اور ساتھ بیٹھی ندرت کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہہ رہا تھا۔ "میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا نا' کہ اسے لے آؤں گا۔ وہ میرے ساتھ آیا نہیں ہے' مگر وہ ٹھیک ہے۔ وہ اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے۔"

ندرت کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ "اگر وہ ٹھیک ہے تو فون کیوں نہیں کرتا۔ گھر کیوں نہیں آتا؟" حنہ نے ٹرے سامنے رکھی اور خاموشی سے اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

"فارس' کیا تمہیں یقین ہے کہ ہاشم نے ہی یہ سب کروایا ہے؟"

ابا سنجیدگی بھری فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔ کارپٹ پہ فارس کے قدموں کے قریب بیٹھا سیم فوراً بول اٹھا۔ "یہ بات ڈسکس کرنے سے منع کیا تھا زمر نے۔"

حنین نے رک کر اس کے سر کی پشت پہ تھپڑ لگایا۔ "زمر' پھپھو نے۔"

"کیا ہے؟ اب تو مجھے بھی سارے راز پتہ ہیں۔" سیم کا خیال تھا زمر کو اس کے نام سے پکارنے کا یہی کرائے ٹیریا تھا۔

"جی ہاں۔" وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "میں شرمندہ ہوں کہ پہلے نہیں بتا سکا، مگر یہ سچ ہے۔ وہی ہمارے دشمن ہیں۔"

"میرا بھائی کہاں ہے۔" حنہ نے لب کے چیر کر پوچھا۔ فارس نے اسے دیکھا تو وہ گلہ آمیز نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

"وہ کچھ دن تک آئے گا۔ میرے ساتھ نہیں آیا۔" فارس کہہ کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر ہلکا سا بولا۔ "آئی ایم سوری حنہ مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔" اور اگر حنین کی کوئی خفگی رہی بھی تھی تو اب وہ دور ہو گئی۔ وہ کھل کر مسکرا دی۔

"میں زمر کو بتاتی ہوں کہ آپ آ گئے ہیں۔ خود سے تو ملکہ عالیہ آئیں گی نہیں۔" آخری فقرہ دبی سرگوشی میں کہہ کر وہ جلدی سے اٹھ آئی۔

زمر اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی اور چند صفحات اسٹیپل کر رہی تھی۔ بال آدھے باندھے' آدھے کھلے تھے' اور نظریں کاغذ پہ جھکی تھیں۔ حنہ میز کے کنارے پہ آ ٹکی اور سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"جب میں پندرہ منٹ پہلے یہاں کھڑی آپ کو احمر شفیع کے وزٹ کے بارے میں بتا رہی تھی تو آپ نے اتنی پیاری لپ اسٹک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ اور آپ نے یہ ٹاپس بھی نہیں پہن رکھے تھے' اور کاجل بھی نہیں ڈالا ہوا تھا۔" ابھی وہ کپڑوں کے بارے میں بھی کچھ کہتی جب زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر ایک "نظر" اس پہ ڈالی اور حنہ جلدی سے گڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ "میرا مطلب ہے' وہ احمر والی بات....."

"میں احمر سے بات کروں گی۔"

"اب جو کروں گی' میں خود کروں گی۔ جب مجھے علیشا کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں نے فوراً اگلے دن مسز جواہرات کو بتا دیا تھا سب۔ جب مجھے اور آپ کو ہاشم کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں آپ کی طرح رونے نہیں لگی تھی۔ خاور کے پاس چلی گئی تھی۔ آپ صرف شدید حالات میں روتی ہیں۔ میں شدید حالات میں آگے کا سوچتی ہوں۔ احمر شفیع کے یہاں آنے سے میں ڈپریشن لے کر کونے میں نہیں پڑ جاؤں گی بلکہ یہ جاننے کی کوشش کروں گی کہ احمر شفیع کون ہے؟ اس کے پاس میرا راز ہے' ہمارے پاس اس کے راز ہونے چاہئیں۔ خیر' آپ باہر آ جائیں۔ فارس ماموں آئے ہیں۔ یقیناً ان کی آواز تو نہیں سنی ہو گی آپ نے۔" آخری فقرہ معصومیت سے ادا کیا تھا۔

زمر پھر بھی کچھ وقت لگا کر باہر آئی تھی۔ ندرت اور ابا اسی پوزیشن میں بیٹھے فارس سے سعدی کی باتیں کر رہے تھے' سیم اس کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ بار بار زوم ان زوم آؤٹ کر کے۔

"مگر وہ آیا کیوں نہیں؟" ابا نے اب کے اکتا کر پوچھا تھا۔

"کیونکہ اسے انصاف چاہیے۔" زمر سنجیدگی سے کہتی آگے آئی اور فارس کے مقابل صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' اور سر کو اثبات میں خم دے کر بولا۔ "وعلیکم السلام۔"

"تم دو دن سے ہوش میں ہو، میں مل چکی ہوں تم سے پہلے بھی۔" بے نیازی سے کہہ کر نظروں کا رخ ابا کی طرف پھیرا۔ "سعدی نے کہا ہے فارس سے کہ اسے انصاف چاہیے۔ اسے ہاشم کاردار کے خلاف کورٹ میں کیس کرنا ہے (فارس تصحیح کرتے کرتے رک گیا۔) اور مجھ سے پوچھیں تو یہی درست راستہ ہے۔ ہمیں عدالت میں جانا چاہیے۔"

"عدالت میں؟" ابا دھک سے رہ گئے۔ ندرت نے ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھا۔ "ہاں تو کرنے دو کیس۔ فارس کا کیس بھی تو اتنے سال بھگتایا تھا' یہ بھی بھگت لیں گے۔"

"نہیں آپا' وہ کیس سرکار پاکستان لڑ رہی تھی فارس غازی کے خلاف۔ میں اس کیس میں "دفاع" تھا' استغاثہ نہیں۔ کسی کو بے گناہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے' بہ نسبت مجرم ثابت کرنے کے۔ یہ کیس ایسا نہیں ہو گا۔ اس میں ہمارے مقابلے پر کاردار ز ہوں گے۔ ہمارا سارا پیسہ

خرچ ہو جائے گا، ہم عدالتوں کے دھکے کھائیں گے اور آخر میں ہم کیس ہار جائیں گے کیونکہ اس ملک میں انصاف نہیں ہے۔ نہ انصاف ملے گا۔ میں سعدی کا ساتھ اس لیے دے رہا ہوں کیونکہ ہم ایک خاندان ہیں۔ مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں۔" سنجیدگی سے اس نے دوٹوک بات کی تھی۔ وہ قطعاً خوش نہیں تھا۔

"کیا کیس کرنا ضروری ہے؟" حنین الجھ کر بولی۔ "بھائی واپس آ جائے، ہم لوگ پھر سے ہنسی خوشی رہیں، اور بظاہر ہم خود کو نارمل ظاہر کریں اور وقت آنے پہ اپنا بدلہ لے لیں، اتنا بہت ہے نا۔" حنین کے لیے جو بہت آسان تھا، اب وہ زمر کو آسان لگ رہا تھا۔

"تم ایک انسان کو قید میں ڈالنے کے بعد اس سے یہ توقع نہیں کر سکتی کہ وہ فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ وقت تو لگے گا۔" وہ اسے اب سمجھا رہا تھا اور زمر سعدی کے فیصلے کے حق میں ہی دلائل دے رہی تھی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

اب اپنے بھی سائے کا بھروسہ نہیں یارو ..... نزدیک جو آئے ہے وہی وار کرے ہے

وہ اندر ارات کارداروز کے آفس پہ بھی اسی طرح پر پھیلائے ہوئے تھی۔ رئیس کو طے گھنٹے کے مکمل ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے جب وہ ہاشم کے آفس میں دوبارہ داخل ہوا۔ چوکھٹ پہ ذرا دیر کو ٹھٹکا۔ ہاشم تنہا نہیں بیٹھا تھا۔ گو کہ وہ جس طرح انگوٹھے کے ناخن سے ٹھوڑی کو رگڑتے، سوچتی نظروں سے خلا میں دیکھ رہا تھا، یوں لگتا تھا جیسے واقعی تنہا بیٹھا ہو، مگر سامنے جواہرات براجمان تھی، اور چائے کی پیالی سے گھونٹ بھرتی اس کی فراغت کی منتظر نظر آتی تھی۔

رئیس آگے آیا اور جواہرات کی پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ ہاشم نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ "کیا پتہ چلا؟"

"فارس غازی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس نے واقعی غازی کے نام کا کمرہ الاٹ کر رکھا ہے۔ غازی نے بیوی کو بلانے کا وعدہ کیا تھا، علاج وغیرہ کرواتا ہے۔ شاید اس کی بیوی کا گردے کا مسئلہ پھر سے شروع ہو گیا ہے۔"

جواہرات کی انگلیاں بے اختیار اضطراری انداز میں گردن میں پڑے لاکٹ کو مروڑنے لگیں۔ چہرے پہ بدقت مسکراہٹ برقرار رکھی۔

"وہ اسی کمرے میں ہو رہا ہے یا نہیں؟" ہاشم مطمئن نہیں تھا۔ علاج والی بات پہ دھیان نہیں دیا۔

"تصدیق کرنے کسی کو کراچی بھیج رہا ہوں۔ ایک دو دن میں سب پتہ چل جائے گا۔ فارس غازی کے گھر والوں کے فونز بھی ٹیپ کر رہا ہوں۔ ابھی تک سعدی یوسف نے ان سے رابطہ نہیں کیا۔ ان کی باتوں سے ایسا لگتا ہے۔" ہاشم نے اکتا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"زمر نے علاج کروانا ہے؟ کیوں اسے کیا ہوا؟" جواہرات نے سرسری سا لہجہ اختیار کیا۔

"یہ ناممکن نہیں ہے۔" ہاشم اپنے دھیان میں تھا۔ "اس نے مجھ سے الیاس فاطمی کا ذکر کیا تھا کہ فاطمی نے اسے سب بتایا ہے مگر ہو سکتا ہے وہ پہلے سے جانتا ہو اور مجھے اور فاطمی کو تنگ کرنا چاہتا ہو۔ میں اس دن سے فاطمی کی نگرانی کروا رہا ہوں، اگر اسے معلوم ہو گیا تو وہ میرا دشمن بن جائے گا۔" ہاشم بار بار نفی میں سر جھٹکتا تھا۔

"فارس واقعی زمر کا علاج کروانا چاہتا ہے، اس میں ناممکن کیا ہے؟ ان لوگوں کو کچھ نہیں پتہ۔ بے کار مت سوچا کرو۔" بدمزہ ہو کر اس نے پہلو بدلا۔ "اب اپنا موڈ بہتر کرو۔ جو ہوا، سو ہوا۔ ہم ایک فیملی ہیں، اور فیملی سے زیادہ دن ناراض نہیں رہتے۔" آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ دبا کر مسکرائی۔ ہاشم نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔ ذہنی طور پر تھکا ہوں۔ آپ کے ہر اس عمل پہ جو آپ ہارون کے لیے کرتی ہیں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہماری فیملی کے درمیان دراڑیں نہ پڑیں تو ہارون کو سنجیدہ لینا چھوڑ دیں۔ جب سے وہ شہر میں واپس آیا ہے، میں یہ سب دیکھ رہا ہوں اور

برداشت بھی کر رہا ہوں اب نہیں کروں گا۔" اس کی آنکھوں میں گہری کاٹ تھی۔ جواہرات اندر تک دہل گئی مگر بظاہر سکون سے مسکراتی رہی۔

"برداشت تو تمہیں اسے ساری زندگی کرنا ہوگا اور میں جو اس کے ساتھ اتنے اچھے سے پیش آتی رہی۔ وہ اپنے لئے نہیں تھا۔ تمہارے اور آپی کے لئے تھا۔"

ہاشم کے تاثرات بدلے' آنکھوں کی سختی کم ہوئی۔

"تم آپی کی طرف نہیں بڑھتے تھے' کیونکہ تمہارا باپ تمہاری شادی نہیں توڑنے دینا چاہتا تھا اور اس کا باپ تمہیں اس کو اپنانے نہیں دے گا۔ مگر شادی بھی ٹوٹ گئی' اور نگزیب بھی اسی صدمے کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا اور اب... میرے اتنے احسانوں کے بعد ہارون بھی کوئی پس و پیش نہیں کرے گا۔ اب تمہیں آپی سے بات کرنی چاہیے۔ اور سنو' صرف آپی سے۔ ہارون سے مت کہنا کچھ۔ ابھی سے اس کو اتنا سر چڑھاؤ گے تو آگے مشکل ہوگی۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ پرس اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' اس نے آہستہ سے سوچ میں گم اثبات میں سر ہلایا تھا۔

❖❖❖

یاس و غم' رنج و تعب میرے ہوئے دشمن جاں ..... اے ظفر شب انہی دو چار نے سونے نہ دیا

قصر کاردار رات کی تاریکی میں بھی جگمگا رہا تھا۔ اس کے ورے بنی انیکسی کے دروازے کو علیشا لاک کر رہی تھی جب....

"مینو!"

وہ ڈر کر اچھلی۔ مڑ کر دیکھا تو سنجیدہ سا نوشیرواں وہاں کھڑا تھا۔ علیشا کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ "میں یہاں صرف...." خشک لبوں پہ زبان پھیرتے اس نے بات بنانے کی کوشش کی تو شیرو نے ہاتھ اٹھایا۔

"سن چکا ہوں مینو نے۔ تم انیکسی دیکھنا چاہتی تھیں' اس لیے یہاں آئی۔ یہ بھی ایک جھوٹ ہوگا' مگر چونکہ تمہارا تعلق ایک چھوٹے خاندان سے ہے تو ٹھیک ہے۔ تم جو بھی کرو' بس اس کاغذ پہ سائن کر دو۔" آنکھوں میں ناگواری لئے' اکھڑے لہجے میں کہتے ہوئے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔ "اس کے بعد میرے شیئرز میرے پاس واپس آ جائیں گے اور تم ایک خطیر رقم لے کر واپس چلی جاؤ گی۔"

"تم سب ایک ہی جیسے ہو۔" علیشا نے بے بسی بھرے غصے سے کہتے ہوئے فائل کھینچی اور دھپ دھپ کرتی آگے بڑھ گئی۔

نوشیرواں برآمدے کے زینے پہ آ بیٹھا اور اداس نظروں سے سامنے نظر آتے قصر کو دیکھنے لگا۔ سامنے اس کے اپنے کمرے کی بالکونی تھی جس میں.... یونہی.... ایک پرانا منظر سا ابھرا.... بالکونی کے دروازے سے لگا.... نوشیرواں کاردار.... آٹھ سال پہلے ڈرگز کی اوور ڈوز سے مر رہا تھا اور ایک گھنگھریالے بالوں والا لڑکا اسے بچانے آیا تھا۔ شیرو نے سر جھٹکا۔ پیروں پہ نمی محسوس ہوئی تو دیکھا۔ اس کا لیبرا ڈار اس کے پیر چاٹ رہا تھا۔

"جیکی.... میں نے تمہاری جان نہیں بچائی تھی۔ صرف کھانا دیا ہے' پھر بھی تم احسان مانتے ہو تو میں کیوں بھول گیا؟" وہ کتے سے مخاطب ہوا تھا۔ "میں نے یہ کیا کر دیا؟" دکھ اور پشیمانی کی لہر نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔ "میں اس رات سے کبھی بے خواب نیند نہیں سو سکا' مجھے ہر مائع شے کا رنگ سرخ لگتا ہے' لقمہ منہ تک لے کر جاؤ تو وہ خون آلود نظر آنے لگ جاتا ہے' میں کیا کروں جیکی؟" اس نے سر اٹھا کر دہشت سے اوپر چھائے آسمان کو دیکھا۔ "میرا ایک حصہ کٹ کر اس رات گر گیا تھا' وہیں اس زیر تعمیر مکان کی خون آلود مٹی میں.... اور "اس" کا ایک حصہ میرے اندر آ بسا تھا۔ وہ حصہ ہر پل میرے ساتھ سانس لیتا ہے' ہر دن کے ساتھ بڑا ہوتا جاتا ہے' جیسے میں اپنے پہلو میں کسی وحشی جانور کے بچے کو جوان ہوتے دیکھ رہا ہوں۔" پھر اس نے نفی میں سر جھٹکا اور فون نکالا۔

"جی نوشیرواں! سائن کر دیے علیشا نے؟" زمر نے دوسری گھنٹی پہ فون اٹھا لیا تھا۔

''مسز زمر! حسد کیا ہوتا ہے؟'' وہ ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے' دوسرے سے آنکھیں ملتا پوچھنے لگا۔ زمر نے گہری سانس لی تھی۔

''حسد وہ ہوتا ہے جو سب کو محسوس ہوتا ہے' کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی سے۔ مگر احمق لوگ اس کا کھل کر اظہار کر دیتے ہیں اور عزت دار لوگ اس کو چھپا لیتے ہیں۔''

''ضروری تو نہیں کہ ہمیں کسی سے حسد ہی ہو' ہم ایسے بھی تو کسی کو ناپسند کر سکتے ہیں نا۔'' وہ مزید بے چین ہو گیا تھا۔

''حاسد تین درجوں سے گزرتا ہے نوشیرواں۔ سب سے پہلے اس کا دل تنگ ہوتا ہے ہر اپنے سے بہتر شخص کی تعریف سننے پر۔ پھر وہ اس کو اپنے دل میں بھی کمتر جاننے لگتا ہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا قد گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور آخر میں وہ اس شخص کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جسمانی اذیت سے قتل تک۔ دنیا کا پہلا قتل حسد پہ ہوا تھا' اور آخری قتل تک یہ جذبہ انسان سے انسان کو مرواتا رہے گا۔ مگر آپ کو کیوں خیال آیا؟'' نوشیرواں میں مزید سننے کی تاب نہ تھی' اس نے فون بند کر دیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کے گرد پھیلتے اندھیرے بڑھتے جا رہے تھے.... گویا اس کو نگلنے کے لئے بے تاب ہوں۔

❖ ❖ ❖

اک عمر سنائیں تو حکایت نہ ہو پوری ..... دو روز میں ہم پہ جو یہاں بیت گئی ہے

فروری کی تیسری صبح دھند آلود تھی۔ سارے مناظر دل کے آئینے کی طرح دھندلائے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور تک 'بصارت' جاتی اس کے آگے 'بصیرت' ختم ہو جاتی۔ ایسے میں اپنے بیڈ روم میں بیڈ پہ کمبل گردن تک تانے' ماتھے پہ بازو رکھے سوتی ہوئی زمر دکھائی دیتی تھی۔

فارس کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ نگاہیں باہر جمی تھیں۔ دفعتاً وہ کچھ دیکھ کر چونکا' پھر باہر نکل گیا۔

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا لان فجر کے اندھیرے اور دھند میں نہایا ہوا لگتا تھا۔ فارس نے جیسے ہی باہر پورچ کی طرف کھلتا دروازہ کھولا' باہر کھڑی حنین کا ہتھوڑا اسی طرف آیا۔ وہ بروقت پیچھے ہوا اور حنہ نے بھی ''اوہ'' کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ اسی دروازے پہ ٹھک ٹھوک رہی تھی جس کو فارس نے کھولا تھا۔

''کیا کر رہی ہو اتنی صبح؟'' آنکھوں میں حیرت لئے وہ باہر نکلا اور سر سے پیر تک حنین کو دیکھا۔ وہ ہڈ والا سویٹر پہنے ہڈ سر پہ گرائے ہوئے تھی۔ ایک ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور دوسرے کو کمر کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ نگاہیں بھی موڑ لیں۔

''تو آپ مجھ سے ناراض ہیں حنین بی بی؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے چوکھٹ سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ حنین نے پلکیں اٹھائیں اور خفا آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''آپ کے خیال میں سوری کر لینے سے وہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟''

''میں نے رات کو جھوٹ بولا تھا جب میں نے تم سے معذرت کی۔ میں یہ سب چھپانے پہ بالکل بھی شرمندہ نہیں ہوں حنین۔ میں یوں تم لوگوں کی حفاظت کر رہا تھا۔''

''زمر ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ انتہائی دو نمبر انسان ہیں۔'' خفا سی مڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''مگر آئی ایم سوری' اگر میں نے دل دکھایا ہے تو۔'' اب کے نرمی سے بولا تو حنہ کا دل پگھل گیا۔ بغیر مڑے وہ پشت کئے کھڑی آہستہ سے بولی۔ ''ہم اس رات وارث ماموں کے ساتھ تھے.... ہم دونوں نے ایک ساتھ ان کو آخری دفعہ دیکھا تھا۔ ہم اس سب میں ساتھ تھے' آپ کو مجھے ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔''

''میں پہلے ہی ڈوبی ہوئی کشتی ہوں حنین' اپنے ساتھ دوسروں کو نہیں ڈبو سکتا۔ یہ کر کیا رہی ہو؟'' اس نے کمر کے پیچھے سے ہاتھ نکال لے تو وہ پوچھنے لگا۔ حنہ نے جواب دیئے بنا وہ شے دروازے پہ رکھی اور کیل جما کر ٹھونکنے لگی۔ فارس نے آگے ہو کر دیکھا۔ وہ ایک نیم پلیٹ

تھی۔ لوہے کی تختی۔ اس پہ اردو میں لکھا تھا "مورچال"۔

"مورچال؟ کیا مطلب ہوا اس کا؟"

"مورچال... یعنی چیونٹی کا گھر... یہ پرانی اردو کا لفظ ہے۔ اسی سے ماڈرن اردو کا لفظ "مورچہ" نکلا ہے۔ چیونٹی کا گھر بھی کسی مورچے سے کم نہیں ہوتا نا۔"

"اچھا۔" وہ مسکرایا۔ "یہ اس طرح نہیں ٹھونکا جائے گا۔ ڈرل استعمال کرو۔"

"میں کوئی مستری یا ترکھان نہیں ہوں جو ڈرل استعمال کروں۔" اس صبح تک حنین یہی سمجھتی تھی سو کہہ گئی۔ فارس چپ ہو گیا۔

"بھائی گھر آ جائے گا نا۔" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

فارس جواب دیے بنا سوچتی نگاہوں سے دور دھندلائے آسمان کو دیکھنے لگا... ہر گزرتے لمحے وہ دور جا رہا تھا... اس مورچال سے دور... اس زمان و مکاں کی حد سے دور...

زرتاشہ کا لہنگے کا جوڑا فیروزی رنگ کا تھا۔ ساتھ میں نازک سی ڈائمنڈ جیولری پہن رکھی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور دوپٹہ جوڑے کے اوپر ٹکا تھا۔ وہ کچھ فکرمند، کچھ پرجوش، ہر زاویے سے خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے صوفے پہ بیٹھا اس کو۔

وہ دونوں برائیڈل روم میں تنہا تھے۔ ندرت آپا ابھی ابھی گئی تھیں اور زرتاشہ جو اتنی دیر سے ضبط کر کے سوبر بنی بیٹھی تھی، اب جلدی سے اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"تم کیوں پریشان ہو، زرتاشہ؟" وہ تحمل سے بولا تھا۔ زرتاشہ نے مڑ کر اسے دیکھا تو کاجل بھری آنکھوں میں ملے جلے جذبات تھے۔

"میرا میک اپ اوور تو نہیں لگ رہا؟ تین مہینے سے اپائنٹمنٹ لے رکھا تھا، کہہ کہہ کر تھک گئی مگر کچھ گڑبڑ کر دی اس نے۔ بیس زیادہ لگ گئی ہے شاید۔ میں اسٹیج پہ جا کر بری تو نہیں لگوں گی؟ اوہ میں بہت نروس ہوں فارس، میں کیا کروں؟" اس کے انداز میں کچھ بچوں جیسا تھا جو فارس کو اپنی زندگی کی ساری نارسائیاں بھلا دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایش گرے سوٹ پہن رکھا تھا اور بال ہمیشہ کی طرح بہت چھوٹے نہیں تھے، ذرا بڑے تھے۔ قد میں وہ اس سے قدرے لمبا تھا۔ چلتا ہوا آیا اور اس کے کندھوں کو نرمی سے تھاما۔

"تم بہت پیاری لڑکی ہو، تم اسٹیج پہ جاؤ گی تو کوئی تمہیں برا نہیں کہے گا۔ اگر کوئی تعریف نہ کرے تو وہ جلتا ہو گا تم سے۔" اور اس نے دیکھا زرتاشہ کے تنے اعصاب واقعتاً ڈھیلے پڑے، چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔ "میں اچھی لگ رہی ہوں؟"

وہ پھر سے مسکرایا۔ "ہاں۔" تبھی دروازہ کھلا۔ فارس نے گردن موڑی اور چوکھٹ میں کھڑی لڑکی کو دیکھ کر اس نے بے اختیار گردن واپس پھیر لی۔ چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ زرتاشہ کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا دیے۔ زرتاشہ نے چوکھٹ کو دیکھا، پھر مسکرا کر سلام کیا۔

"سوری، میں سمجھی سعدی ادھر ہے... کہاں گیا؟" زمر کہہ کر اپنے موبائل پہ نمبر ڈائل کرتی الجھ کر واپس مڑ گئی تھی۔ زرتاشہ نے فارس کو دیکھا۔ "یہ آپ کے بھانجوں کی پھپھو ہے نا؟" نئے نئے رشتے یاد کرنے میں وہ ہلکان ہو رہی تھی۔

"ہوں۔" وہ اپنا موبائل نکالتا مڑ گیا اور خواہ مخواہ بٹن دبانے لگا۔ چند لمحوں میں ماحول میں کوئی نادیدہ سا کھنچاؤ در آیا تھا۔ دل میں کچھ زور سے ٹوٹا تھا۔ وہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا۔ گھنگھریالے بال، ناک کی لونگ... لباس کا رنگ شاید نیلا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور باہر نکل گیا۔ زرتاشہ شادی کے پہلے "فرنزی ڈے فیز" سے باہر نہیں نکلی تھی اور یہ وہ تین دن تھے جن میں کچھ معلوم نہیں پڑتا کہ کون آ رہا ہے۔ کون جا رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ وہ ہواؤں میں تھی، سو محسوس نہ کر سکی۔

اسٹیج پہ جب وہ فوٹو شوٹ کے وقت زرتاشہ کے ساتھ کھڑا تھا تو اپنے اندر کے کھچاؤ پہ قابو پا چکا تھا۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا اور نیلے کپڑوں کی جھلک کو انکھیوں سے دیکھ کر بھی اس نے کوشش کی کہ وہ مسکراتا رہے مگر تب وہ اچھا اداکار نہیں تھا' سو مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ اس کی بیوی کے ساتھ آ کر کھڑی ہوئی تھی اور مسکرا کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ فوٹو شوٹ ختم ہوتے ہی وہاں سے اتر آیا۔ اس نے دیکھا تھا کہ ہاشم اور شہرین اسٹیج پہ چڑھ رہے ہیں مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد۔ جب وہ دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا' وارث وہاں آ رکا۔ اس کے دوستوں کے ادھر ادھر مصروف ہونے کے بعد اس نے سنجیدگی سے فارس کو مخاطب کیا۔ ''تم اپنی فیملی کو ہاشم سے دور رکھو۔ وہ تمہارے اترتے ہی زرتاشہ سے تمہارا ذکر نامناسب الفاظ میں کر رہا تھا۔ زمر وہاں کھڑی تھیں۔ انہوں نے تمہیں ڈیفنڈ کیا تو ہاشم مسکرا کر چپ ہو گیا۔ اس کی مسکراہٹ سے لگتا ہے وہ کل کو تمہاری بیوی کے سامنے زمر کا نام لے کر اسے بدگمان کرنے کی کوشش کرے گا۔''

فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ کچھ نہیں جانتا۔''

''وہ ہاشم کاردار ہے۔ وہ سب جانتا ہوتا ہے۔'' فارس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اپنے راز کا عیاں ہو جانا..... بہت غیر آرام دہ کر دینے والا خیال تھا۔ وہ بری طرح ڈسٹرب ہو گیا تھا مگر اس واقعے نے اس کو محتاط کر دیا تھا۔ بے حد محتاط.....

مورچال کی تختی دروازے پہ نصب ہو چکی تھی۔ جس کی مسلسل ٹھک ٹھک کی آواز بند ہو چکی تھی۔ سناٹے نے اسے چونکایا۔ وہ پورچ میں رکھے جھولے پہ بیٹھا تھا' اور اس سے فاصلے پہ دروازے کے ساتھ وہ دونوں کھڑی تھیں۔ زمر بال کان کے پیچھے اڑستی' خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ شال کندھوں کے گرد لپیٹے باہر آ کھڑی ہوئی تھی اور حنین اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ فارس سر جھٹک کر اٹھا اور ان کے قریب چلا آیا۔ اسے دیکھ کر دونوں چپ ہو گئیں۔ وہ بھی خاموشی سے ساتھ سے گزرنے لگا تو زمر بولی۔ ''ہم علیشا کی بات کر رہے تھے۔''

فارس سنجیدگی سے ان دونوں کی طرف گھوما۔ ''اچھا میں سمجھا صرف میں باتیں چھپاتا ہوں' میں راز رکھتا ہوں' میں جھوٹ بولتا ہوں۔''

حنین ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور زمر کی رنگت ذرا خجالت سے پھیکی پڑی۔ ''وہ میں.....''

''میں سن چکا ہوں۔ آپ کو لگتا ہے کہ تین گز دور بیٹھے آدمی کو آواز نہیں آتی۔ وہ بھی نسوانی آواز جو مردانہ آواز سے زیادہ دور تک جاتی ہے۔ یہ جو آپ دونوں اسٹڈی میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرتی ہیں' اور ادھر بیسمنٹ میں رات کو بیٹھ کر باتیں کرتی تھیں' مجھے سب سنائی دیتی تھیں۔ وہ ویڈیو بھی دیکھ چکا ہوں جو آپ کے (زمر کو مخاطب کر کے) بغیر پاسورڈ لگے لیپ ٹاپ میں پڑی ہے۔ جو سعدی نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے (حنین کو گھور کر) پاس فروزن فلم پڑی ہے جو ہاشم کی فلیش سے نکلی ہے اور وہ جو ڈاکومنٹس آپ پرنٹ کر رہی ہوتی ہیں آج کل' زمر بی بی' وہ بھی دیکھ چکا ہوں۔ علیشا اپنے کی چیمن میں کیوں انٹرسٹڈ ہے' یہ بھی پتہ کر لوں گا۔ اگر مزید کچھ کہنا ہے آپ نے تو بتائیں۔''

ہر وقت کے گلے شکووں کا رخ الٹا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں' کبھی فارس کو۔ پھر زمر نے (بظاہر) بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ ''ہاں ٹھیک ہے' ہم کافی عرصے سے واقف تھے کہ سعدی پہ حملہ ہاشم نے کروایا اور.....''

''نوشیرواں!'' وہ بے اختیار بولا۔ زمر رک گئی۔ فارس پہ جمی آنکھوں میں استعجاب سا نمایاں ہوا۔

''سعدی کو..... گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔''

زمر بالکل پتھر کا بت بن گئی تھی۔ سفید۔ شل۔ حنین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''وہ لوزر؟ اس کی یہ ہمت؟'' وہ غصے میں آ گئی تھی۔ ''اس نے کیوں کیا یہ؟!''

''حسد میں!'' زمر شکی سے انداز میں بولی تھی۔ پھر ایک دم وہ مڑی اور اندر چلی گئی۔ حنین تیز تیز فارس سے کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

آبنوسی لکڑی کے دروازے پہ سجا ''مور چال'' دن کی پھیلتی روشنی میں چمکنے لگا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

کچھ اس طرح سے سودا کیا مجھ سے وقت نے ..... تجربہ دے کر وہ میری ساری معصومیت لے گیا

کینڈی کی سرسبز پہاڑیاں دھند میں لپٹی تھیں۔ کافی شاپ کی سیڑھیاں اترتا سعدی یوسف نیچے آرہا تھا۔ سفری بیگ کندھے پہ تھا اور سر پہ پی کیپ تھی۔ سیڑھیوں کے دہانے پر کامنی کھڑی فون پہ بات کر رہی تھی۔ اسے آتے دیکھا تو چہرے پہ تلخی آگئی۔ ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

کچن میں بوڑھا روہا گٹھی ایپرن پہنے کھڑا کام کر رہا تھا۔ اس پہ محض ایک نظر ڈالی۔ بولا کچھ نہیں۔ سعدی بے مقصد وہاں کھڑا رہا۔ مونچو بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر سر جھکائے ناشتہ کرنے لگا۔ کافی شاپ کے ملین کافی کے دانوں جیسے تخت اور کڑوے ہو گئے تھے۔

''میں جا رہا ہوں۔'' اس نے بوڑھے کو اطلاع دی۔ وہ چپ چاپ کام کرتا رہا۔

''تو جاؤ۔ روکا کس نے ہے؟'' وہ درشتی سے کہتی پیچھے سے آئی اور غصے بھری نظروں سے اسے گھورا۔ ''مگر جانے سے پہلے اتنا بتا کر جاؤ کہ اس بندے کا کیا بنا؟''

سعدی چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔

''تمہاری وجہ سے ایک غنڈہ میری شاپ پہ آیا۔ میرے بچے کے سر پہ پستول رکھا۔ ہمیں یرغمال بنایا۔ پھر تم اس کے ساتھ باہر گئے۔ وہاں سے تم نے فوڈ اتھارٹی والوں کو کال کیا اور میری شاپ پہ محکمے کے لوگ آکر سارا کھانا الٹ کے چلے گئے۔ دو دن سے ایک گاہک یہاں داخل نہیں ہوا۔ ہمارے کھانے میں زہریلا مواد نکلا جو تم نے ہی ڈالا ہوگا تا کہ تم بابا سے بدلہ لے سکو۔ اور پھر شام کو تم آجاتے ہو اور وہ بھی صحیح سلامت۔ اور وہ بندہ اب بھی لاپتہ ہے۔'' بولتے بولتے وہ ہانپنے لگی تھی۔ ''تم مجھ سے سچ بھی بول سکتے تھے مگر تم نے نہیں بولا۔ کم از کم یہ بتا دو اس بندے کے ساتھ تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کی لاش پہاڑی سے نیچے پھینک دی۔ میں جتنی مکاری اور چالبازی سے اس جگہ کو اپنا سیف ہاؤس بنانے میں کامیاب ہوا تھا' اس پہ اس نے پانی پھیر دیا تھا۔ اب میں جا رہا ہوں' اور ایک جعلی پاسپورٹ کے ذریعے اس ملک سے بھاگ جاؤں گا۔ میں ایک قاتل جاسوس ہوں اور جاسوس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انہیں فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔''

''نکل جاؤ میرے گھر سے۔'' وہ چلائی تھی۔ سرخ آنکھوں میں بہت سے آنسو لیے۔ سعدی خاموشی سے مڑا۔ مونچو نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ بوڑھا چپ چاپ کام کرتا رہا۔ سعدی یوسف بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ سر جھکائے باہر اسٹریٹ میں چلتا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

نہ گلے رہے نہ گماں رہے نہ گزارشیں ہیں نہ گفتگو ..... وہ نشاط وعدہ وصل کیا ہمیں اعتبار بھی اب نہیں

دھند دوپہر تک کافی ہلکی ہو گئی تھی۔ سورج نے چہرہ دکھایا تھا۔ ہاسپٹل کی لابی مکمل طور پہ روشن تھی۔ چمکتے فرش پہ باریک ہیل سے چلتی' سفید لباس پہ سیاہ کوٹ پہنے اور بال ہاف باندھے' زمر یوسف چلی آرہی تھی۔ کاؤنٹر پہ رک کر اس نے ریسپشنسٹ نوجوان کو سلام کیا تو

وہ دونوں چلتے چلتے ایک پہاڑی گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چائے کے باغات کی سوندھی مہک یہاں بھی محسوس ہوتی تھی۔ اوپر آسمان پہ مطلع صاف تھا۔ پھر بھی چھایا سی تھی۔ سورج کسی اوٹ میں تھا۔ اس پہاڑی گھاٹی میں ایک جگہ فصیح نے اسے رک جانے کو کہا۔

''یہاں گھٹنوں کے بل بیٹھو۔''

''تاکہ تم میری گردن اتار سکو۔ صحیح!'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا۔ کندھوں پہ کوٹ ڈالا تھا' ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے۔ گردن موڑ کر اس نے فصیح کو دیکھا تو چہرے پہ سکون تھا۔ ''میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر کامنی کے خاندان کے لیے کیا انتظام کیا ہے تم نے؟ بتا دو!''

فصیح اب پستول اس پہ تانے' اس کی پیشانی کا نشانہ لیے' سامنے آ کھڑا ہوا۔

''وہ میرا اور تمہارا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔ اس کافی شاپ کے ہر شخص کی موت کے ذمہ دار تم ہو۔''

''کیا کیا ہے تم نے؟'' سعدی کا دل زور سے دھڑکا۔ ''کیا تم نے ان کی شاپ میں کوئی بم وغیرہ فٹ کیا ہے؟''

''میں اتنے پیچیدہ چکروں میں نہیں پڑا کرتا۔ کچن میں داخل ہو کر میں نے دودھ کے ابلتے دیگچے میں دو گھونٹ جتنا بے ذائقہ زہر ملایا تھا۔'' پھر اس نے جیسے سوچنے کی اداکاری کی۔ ''اسی دودھ سے ابھی سب کی کافی بنے گی' چائے بنے گی' بچہ بھی وہی دودھ پیئے گا نا۔ چچ چچ بے چارے۔'' سعدی نے لب بھینچ لیے۔

''دیکھو تمہیں مجھے مارنا ہے تو مار دو مگر مجھے ایک دفعہ ان کو کال کر کے بتانے دو کہ دودھ زہریلا ہے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا نہ کرو۔''

''سوری.... یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ پستول پھر سے اس پہ تان کر ایک آنکھ بند کیے نشانہ لیے ہوئے تھا۔ ''اگر کسی صورت میں انہوں نے دودھ ضائع کر دیا تب بھی میں جا کر ایک ایک کو حادثاتی موت کا شکار کر دوں گا کیونکہ وہ سب میرا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔''

سعدی نے سر جھکایا اور گہری سانس لی۔ ''یعنی فصیح' مجھے تمہیں روکنے کا مستقل انتظام کرنا ہوگا؟''

''تم مجھے باتوں میں الجھانا چاہتے ہو؟'' اس نے کہنے کے ساتھ پستول سعدی کی پیشانی پہ رکھا۔ ٹھنڈی نال اس کی جلد سے جیسے ہی ٹکرائی' اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

''کلمہ پڑھ لو۔'' فصیح نے غرا کر کہا۔ سعدی نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم بھی!'' اور اگلے ہی لمحے سعدی نے کوٹ سے ہاتھ نکال کر اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر مروڑا.... ایک سیکنڈ کا عمل تھا' اور وہ بجلی کی رفتار سے اٹھ کر فصیح کو گردن سے دبوچ چکا تھا۔

فصیح تڑا تڑ ٹریگر دباتا گیا' گولیاں سامنے فضا میں گم ہوتی گئیں مگر سعدی اس کی پشت پہ آ کھڑا ہوا تھا' اور اپنے بازو کے شکنجے میں اس کی گردن لے لی تھی۔ فصیح اس کے بازوؤں کے نرغے میں پھڑپھڑاتا' مسلسل زور لگاتا' پستول کا رخ پیچھے کو موڑنے لگا' مگر اس سے پہلے کہ پیچھے کی طرف گولی چلا سکتا' سعدی یوسف نے اپنی آنکھیں بند کیے' زور سے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔

فصیح کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ زندگی کی ڈور بھی ٹوٹ گئی۔ اس نے ہچکی کی سی صورت آخری سانس لی۔ اور پھر.... گردن ڈھلک گئی۔

سعدی نے اپنے بازو ہٹا دیے۔ فصیح کی لاش زمین پہ جا گری۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' اور ان میں کوئی تاثر نہ تھا۔ تاثر تو سعدی کی آنکھوں میں بھی نہ تھا۔ وہ سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ پیر کی ٹھوکر سے اس کی لاش کو پرے کرتا گیا یہاں تک کہ لاش پہاڑی کے دہانے پہ آ رکی۔ سعدی نے ایک اور ٹھوکر ماری' اور لاش نیچے لڑھک گئی۔ خاردار جھاڑیوں بھری ڈھلان سے لاش نیچے گرتی چلی گئی۔ دور نیچے.... اندھی

بھوری آنکھوں میں سادگی سی دکھائی دیتی تھی۔

''ڈاکٹر قاسم نے کہا تھا کہ.....''

''جی میم آپ کی نئی دوا تیار ہے۔ انہوں نے بھجوا دی تھی۔'' دراز سے پیکٹ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر قاسم اب کیسے ہیں؟''

''اسی طرح ہیں۔ آپ ان کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔ انہیں اس شخص کو پولیس کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔ سی سی ٹی وی میں اس کی فوٹیج بھی تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے وہ بھی ڈیلیٹ کروا دی۔'' وہ ناخوش اور فکرمند لگ رہا تھا۔

''کس شخص کو؟'' اس نے اچنبھے سے نوجوان کو دیکھا۔ پچھلی دفعہ یہاں کوئی دوسرا لڑکا تھا جس نے اسے ڈاکٹر قاسم کے ایکسیڈنٹ کی خبر دی تھی۔

''وہ مریض جس نے ان پہ تشدد کیا تھا۔ آپ کو کسی نے نہیں بتایا؟'' وہ اس نوجوان کو لرزتے برسوں سے دیکھ رہی تھی۔ ایک دفعہ اس کے پاس ایک کام سے کبھی آیا تھا جب وہ اسے ڈی پی تھی۔ تبھی قدرے آگے ہو کر کہنے لگا۔ ''ایک آدمی مریض بن کر آیا تھا ایک روز۔ وہ اندر گیا تو کافی دیر بعد جب میں اندر گیا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اگلے مریض کو بلایا نہیں تھا تو دیکھا کہ وہ زمین پہ گرے پڑے ہیں اور زخمی حالت میں ہیں۔''

''کب کی بات ہے یہ؟'' وہ متحیر رہ گئی۔

''ٹھہریں میں آپ کو تاریخ بتاتا ہوں۔ اسی تاریخ کی فوٹیج ہم نے مٹائی تھی نا۔'' وہ اس کے دلچسپی لینے پہ ذرا پرجوش سا دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ پھر ایک کاغذ نکالا اور تاریخ پڑھ کر سنائی۔ یہ ماہ کامل کی رات سے اگلے دن کی تاریخ تھی۔ زمر کے حلق میں کچھ اٹکا۔

''اور اس تاریخ کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے آنے والے مریض نے ان کو مارا پیٹا؟''

''دراصل وہ مریض نہیں تھا۔ رجسٹر میں نام بھی نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سے فون پہ بات ہوئی تھی اور اندر چلا گیا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے اعتراض نہیں کیا تو میں سمجھا کہ.....''

''کیسا.....کیسا دکھتا تھا شکل میں؟'' بدقت لہجہ متوازن رکھا۔

''فوٹیج تو ہم نے مٹا دی۔ شکل اتنی اچھی نہیں یاد مگر لمبا سا تھا۔ گرے سا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ چھوٹے کٹے بال تھے' بہت چھوٹے وہ.....'' وہ یاد کر کے ایک ایک شے بتا رہا تھا اور زمر بار بار خشک لبوں پہ زبان پھیر رہی تھی۔

''آپ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اس حالت میں پایا؟ آئی ایم سوری مگر آپ کے ساتھ ایک پرانی علیک سلیک ہے اس لیے آپ کو بتا رہی ہوں کہ اگر یہ کہانی آپ نے کسی اور کو سنائی تو سارا الزام آپ کے سر پہ آئے گا۔ فوٹیج بھی آپ نے مٹائی' ڈاکٹر صاحب کو اس طرح گرے بھی آپ نے دیکھا اور اس مریض کو جاتے ہوئے بھی آپ ہی نے دیکھا۔ عدالت سمجھے گی کہ آپ اپنے جرم کو کور کرنا چاہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی اگر اس بندے کو کور کر رہے ہیں تو پولیس کے سامنے اس کا نام نہیں لیں گے' مگر آپ کی غیر حاضریوں سے خفا تو رہتے ہیں۔ اگر آپ کا نام لے دیا تو؟ میری مانیں تو اس قصے میں نہ پڑیں۔'' ایک ہی سانس میں اسے مفت مشورے سے نوازتی وہ اس کے ہکا بکا چہرے کو نظر انداز کرتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

پھر وہ کن قدموں سے وہاں سے نکلی' اس کو معلوم نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ کار میں بیٹھ کر کافی دیر اس نے خود کو گہرے گہرے سانس لے کر ریلیکس کیا۔

''اس نے میرے ڈاکٹر کو مارا پیٹا۔ اور اس کے بعد ڈاکٹر نے اچانک سے کڈنی ٹرانسپلانٹ کی بات ختم کر دی' وہ اب مجھے امید

دلانے لگے ہیں کہ ڈی ود اسے میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ کچھ غلط ہے اس سب میں۔" دونٹی میں سر ہلاتی خود سے بڑبڑائے جا رہی تھی۔

❖❖❖

ضبط غم اس قدر آسان نہیں فراز ..... آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیئے جاتے ہیں

سبز بیلوں سے ڈھکے مورچال میں دوپہر کے وقت سناٹا چھایا تھا۔ حسین ڈائننگ ہال میں بیٹھی انگلیوں میں وہ کی چین الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے علیشا سے کوئی بات نہیں کی تھی نہ اسے کرنی تھی۔ مگر..... وہ سوچنے لگی..... یہ کی چین علیشا کیوں مانگ رہی ہے واپس؟ اس میں کیا بات ہے ایسی؟ Anst Ever After۔ کیا یہ کسی قسم کا کوڈ ہے؟ کچھ تو ہے۔

شہر کے دوسرے حصے میں واقع ایک ریسٹورانٹ کے اندر دوپہر کی روشنی بکھری تھی۔ فارس غازی کونے والی میز پہ بیٹھا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بازو سینے پہ لپیٹے منتظر نظر آ رہا تھا۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا پھر سنہری آنکھیں دروازے پہ مرکوز کر دیتا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ جیسے کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اور اس انتظار کی گھڑی میں یونہی ذہن کی رو بھٹکنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکو تو ان میں یادوں کے اوراق کھلتے نظر آ رہے تھے.....

"تم ٹھیک ہو؟" وہ آفس میں بیٹھا تھا اور سر جھکائے فائل میں لگے کاغذ باری باری نکال رہا تھا جب سامنے کوئی کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔ فارس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ وارث تھا اور اب مسکرا کر اس سے خیریت پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے؟" بے نیازی سے کندھے جھٹکتے فارس نے فائل بند کر کے پرے ڈالی۔

"تھوڑی مزید چھٹی لے لیتے۔ شادی ایک ہی دفعہ ہوتی ہے۔ کچھ دن اور لگا لیتے نادرن ایریاز میں۔"

"نہیں بہت چھٹی ہو گئی پہلے ہی۔ اب کام پہ واپس آنا ہی تھا۔" وہ بہت تازہ دم نہیں لگ رہا تھا۔ چائے آنے کے بعد وارث نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

"تم خوش ہو زرتاشہ کے ساتھ؟"

"ہاں۔" وہ بازوؤں کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھے اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ سوچ کر کہنے لگا۔ "اچھی ہے۔ شکایتیں زیادہ کرتی ہے ذرا بچگانہ بھی ہے، مگر اتنی چالاک نہیں ہے۔"

"اس کو موازنے اور مقابلے کے پیمانے سے ہٹاؤ فارس۔"

فارس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "میں اس کا موازنہ کسی سے نہیں کرتا۔" پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ "اگر تم اور ندرت آپا بار بار مجھے وہ باتیں یاد نہ دلاؤ تو مجھے وہ یاد بھی نہیں آتی۔"

"اوکے آئی ایم سوری۔" وارث نے متانت سے کہتے کپ میز پہ رکھا۔ "مجھے لگتا تھا کہ تم گلٹی ہو کر....."

"میں گلٹی نہیں ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ زرتاشہ سے اتنی محبت کروں جتنا اس کا حق ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ..... یہ میں نہیں کر پا رہا ابھی۔"

"فارس میاں بیوی کو ایک دوسرے سے لازمی محبت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے درمیان مودت اور رحمت ہونی چاہیے۔ مودت کہتے ہیں الفت کو، انچ ہونے کو، دوستی ہو جانے کو۔ اور رحمت ہوتی ہے ایک دوسرے سے ہمدردی compassion، خیال رکھنا، احساس کرنا دوسرے کا۔ محبت ضروری نہیں ہوتی۔ اور جانتے ہو بیوی اپنے شوہر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ تم اس کو کہو وہ خوبصورت ہے وہ ہر روز نکھرتی جائے گی۔ اسے کہو وہ خدمت گزار ہے وہ مزید خدمت کرے گی۔ اس کو سراہو گے تو اس کا اعتماد بڑھے گا لیکن اگر ہر وقت اس کے اندر

نقص نکالو گے تو اس کو کھوکھلا کر دو گے' وہ ٹیڑھی پسلی سے نکلی ہے' اس کو سیدھا کرنے کی کوشش میں تم اسے توڑ دو گے۔ اس لئے اس کے ساتھ دوستی اور رحم کا رشتہ رکھو۔ میں چاہتا ہوں تم اس کے ساتھ خوش رہو اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ خوش رہے۔ کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔'' الفاظ وارث کے لبوں سے نکل کر ہوا میں ٹھہر تے گئے۔ کہتے ہیں تمام الفاظ فضا میں معلق ہو جاتے ہیں' ازل سے ابد تک کے لئے ٹھہر جاتے ہیں' اسی لئے ہم جب چاہیں انہیں یاد کر لیتے ہیں.... محسوس کر لیتے ہیں.... وہ الفاظ کی اس بازگشت سے تب نکلا جب سامنے والی کرسی کھینچی گئی۔ فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور فوراً کھڑا ہو گیا۔

''سارہ!'' احتراماً سر کو خم دیا۔ سارہ ملائمت سے مسکراتی سامنے بیٹھی۔

''خیریت تھی نا فارس؟ تم نے اتنی ایمرجنسی میں مجھے بلوایا۔''

''کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔'' وہ کہتے ہوئے واپس بیٹھا۔ سارہ نے اپنی سبز آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھا۔ وہ بال جوڑے میں باندھے' ہاتھ میں فولڈر اور پرس اٹھائے ہوئے تھی۔ آفس سے لنچ بریک میں آئی تھی۔ وہ پہلے اس سے بچیوں کا حال پوچھنے لگا۔ پھر ذرا دیر بعد بولا۔

''دو آپشن ہیں آپ کے پاس۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ ''یا تو آپ انگلینڈ چلی جائیں' کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو جائیں' میں ہر چیز ارینج کروا دوں گا۔ یا پھر آپ اگر گواہی دینا چاہیں تو میں آپ کی حفاظت کروں گا۔''

''گواہی؟'' سارہ کے حلق میں کچھ اٹکا۔ رنگت سفید پڑی۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''سعدی مل گیا ہے سارہ۔ اور جب وہ واپس آئے گا تو وہ عدالت میں جائے گا۔ آپ سعدی کے ساتھ تھیں اس رات' میں جانتا ہوں' عدالت آپ کو بلائے گی.... واپس بیٹھ جائیں۔'' آخری الفاظ سختی سے کہے' اور وہ جو اٹھنے لگی تھی' بے بسی اور غصے سے اسے دیکھتی واپس بیٹھی۔ ''تو آپ گواہی دیں یا نہیں' فیصلہ آپ نے کرنا ہے' لیکن میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ زمر اور سعدی چاہیں گے کہ آپ عدالت میں پیش ہوں' مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ اگر آپ نہیں پیش ہونا چاہتیں تو ان کے علم میں لائے بغیر میں آپ کو یہاں سے بھجوا دوں گا کسی محفوظ مقام کی طرف۔ فیصلہ آپ کا ہے۔'' سنجیدگی سے کہہ کر واپس ٹیک لگا کر بیٹھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھے گئی' بولی کچھ نہیں۔ کتنے ہی پل خاموشی سے بیت گئے۔ پھر وہ ذرا نرمی سے بولا۔

''ابھی کسی کو آپ کا نہیں پتہ' اس لئے ابھی تک فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''کرنل خاور کو پتہ ہے۔'' اس کے لب پھڑ پھڑائے۔ فارس کا اطمینان غائب ہوا' ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''کیا؟ وہ کب ملا آپ کو؟''

''سعدی کے اس.... اس حادثے کے تین دن بعد.... میں رات کو اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب....'' وہ نظریں جھکائے' ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتانے لگی۔

رات کے اس پہر.... کمرہ تاریک تھا۔ سوائے مدھم نائٹ بلب کی زرد روشنی کے' جو منظر کو دیکھنے قابل بنا رہی تھی۔ بیڈ پہ سارہ لحاف تانے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ سوکھے آنسوؤں کے نشان واضح نظر آتے تھے۔ دائیں بائیں اسل اور نور بے خبر سو رہی تھیں۔ تبھی کوئی کھٹکا سا ہوا۔ سارہ کی آنکھیں ایک دم کھلیں۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ لاؤنج سے کسی شے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے بستر سے نکلی' پیروں میں سلیپرز ڈالے اور باہر آئی۔

''امی؟'' محتاط انداز میں پکارتے ہوئے وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو دیکھا' سامنے ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا ہے۔ سارہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا' مگر اس سے پہلے کہ وہ ریموٹ اٹھاتی' کسی نے گردن سے دبوچ کر اسے دیوار سے لگایا اور منہ پہ سختی سے

ہاتھ جما دیا۔ ساری چیخیں اس کے حلق میں دم توڑ گئیں۔

ٹی وی کی روشنی کے باعث وہ خوفزدہ آنکھوں سے اتنا تو دیکھ سکتی تھی کہ پستول کی نال اس کی گردن پہ رکھنے والا کرنل خاور ہے۔

"آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔" وہ دبی آواز میں غرایا۔ سارہ نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دونوں ہاتھ دیوار پہ جمائے وہ کانپنے لگی تھی۔

"تم سعدی کے ساتھ تھیں' تم نے سب دیکھا ہے' میں نے ہاشم کو نہیں بتایا' کیونکہ وہ کہے گا تمہیں مار دوں' لیکن اگر تم نے کسی کو بتایا تو میں تمہاری بچیوں کو غائب کروا دوں گا۔ سن رہی ہو یا نہیں؟" سارہ جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگی۔ آنسو آنکھوں سے ابل ابل کر چہرے پہ لڑھک رہے تھے....

"وہ دس منٹ کھڑا رہا' مجھے ڈراتا رہا' دھمکاتا رہا اور میں ڈر گئی۔ اس کی آمد کے بارے میں نے ابھی تک کو نہیں بتایا۔"

"مجھے تو بتا دیتیں سارہ۔ میں تو تھا نا آپ کے پاس۔" وہ افسوس سے اسے دیکھ کر بولا تھا۔ سارہ نفی میں سر ہلاتی پرس اٹھاتے ہوئے اٹھی۔

"میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے فارس۔ مجھے جو بھی فیصلہ کرنا ہے' خود کرنا ہے۔" وہ اس سے اپنی بھیگی نظریں ملائے بغیر چلی گئی اور وہ لب بھینچے بیٹھا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

❖❖❖

کبھی گریباں کے تار گنتے' کبھی صلیبوں پہ جان دیتے ..... گزر گئی زندگی ہماری...... سدا ہی امتحان دیتے

فوڈ لی ایور آفٹر کے بالائی ہال کا دروازہ فارس نے دھکیلا تو روشن سے ہال میں زمر سر جھکائے میز پہ جھکی کچھ لکھتی نظر آئی۔ آہٹ کے باوجود سر نہیں اٹھایا۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ بشاش بشاش سا کہتا کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ زمر نے آنکھیں اٹھائیں تو ان میں اندر تک اترنے والی چبھن تھی۔

"اسی جگہ بیٹھ کر تم نے کہا تھا کہ اب مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے۔" اس کے الفاظ اتنا صدمہ لئے ہوئے تھے کہ فارس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ چونک کر (ٹانگ سے ٹانگ ہٹاتا) سیدھا ہوا۔ "کیا ہوا؟"

زمر قلم پرے رکھ کر پیچھے کو ہوئی۔ "کتنے مان سے میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں کتنا غلط سمجھتی رہی مگر تم فارس..... تم بھی نہیں بدلو گے۔"

"اب کیا کیا ہے میں نے؟" اس کی تیوری چڑھی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ تم صرف کسی سے ملنے گئے تھے اور وہاں جا کر تم نے مار مار کر اس کا حشر برا کر ڈالا۔ یاد ہے کس کی بات کر رہی ہوں یا میں یاد کرواؤں؟" وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تو فارس نے گہری سانس لی اور ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' مجھے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن زمر بی بی' مار پیٹ کے بھی مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ایک مار ایسی ہوتی ہے' جس میں درد ہوتا ہے مگر زخم نہیں بنتا اور ایسے ہی مارا تھا میں نے اسے' ورنہ مار مار کر اپاہج کیسے کیا جاتا ہے یا جان کیسے لی جاتی ہے' معلوم ہے مجھے۔" وہ سرد مہری سے خفا خفا سا کہہ رہا تھا۔ "وہ ہاتھ لگا دینے سے اس کا کچھ نہیں بگڑا۔ ہاں جو منہ پہ اسے مارا' اس کے لئے معذرت کر لی تھی میں نے۔ اب کیا پاؤں پڑتا؟ اور سعدی کو دیکھو۔ وہ ان صبر نہیں ہوا' پیاری پھپھو کو کال کر کے سب بتا دیا۔ اور کون سی شکایتیں لگائی ہیں میری؟" وہ برہم تھا اور خفا بھی۔ (اس لیے تو اسے نہیں دیا تھا زمر کا پرائیویٹ نمبر کہ وہ اس کی شکایتیں لگاتا پھرے!)

زمر یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اسے چند لمحے لگے یہ سمجھنے میں کہ وہ دونوں دو مختلف لوگوں کی بات کر رہے تھے' اور جب اس نے فارس کے الفاظ کو از سر نو سوچا تو.....

"تم نے سعدی کو مارا؟" وہ بھوکی شیرنی کی طرح غراتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تو اور کیا پیار کرتا؟ جتنا خوار اس نے مجھے کیا اس کے بعد وہ ہاتھ نہ جڑ تا تو وہ اب بھی واپس نہ آتا۔"

"تم نے سعدی کو... مارا؟" وہ بے یقین تھی۔ کون ڈاکٹر؟ کیا ڈاکٹر؟ اسے سب بھول گیا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ سوگ مناتی رہیں! جب تک میں کچھ کام کراوں۔" تلخی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زمر ابھی تک شل کھڑی تھی۔ وہ غصے میں بھی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتی' وہ باہر نکل گیا تھا' دروازہ زور دار آواز سے بند کر کے۔

وہ بے دم سی واپس کرسی پہ گری۔ سعدی.....ڈاکٹر قاسم.....فارس غازی کے بارے میں اسے کچھ نہ ہی پتہ چلا کرے تو زیادہ بہتر تھا۔ اس کا دماغ سخت الجھ گیا تھا۔

.... ❋ ❋ ❋ ....

ہمارے لفظوں سے نطق چھینا ہے اپنی محرومیوں نے ورنہ ...... سخن ورو! ہم بھی اپنی بستی کے پتھروں کو زباں دیتے

ہوٹل کا ڈائننگ ہال برقی قمقموں اور جھلملاتے فانوس سے روشن تھا۔ آبدار عبید نے اس وسیع و عریض ڈائننگ ایریا کی دہلیز پہ رک کر موبائل کی اسکرین روشن کی' اور پھر میسج لکھا۔ "میں واپس آ گئی ہوں' فارس۔ کیا ہم مل سکتے ہیں اب؟" اور بھیج دیا۔ وہ سر پہ سرخ رومال کشمیری لڑکیوں کے انداز میں باندھ کر' پیچھے کو ڈالے' سفید منی کوٹ پہنے' لیڈیز ٹو پیس سوٹ میں ملبوس تھی۔ پاؤں میں اونچی سلور ہیل تھی' اور کہنی پہ ان کا ڈیزائنر بیگ جو سورج مکھی کے پھول جیسا زرد تھا۔

دور سے اس نے ہاشم کو دیکھ لیا تھا سو نزاکت سے قدم قدم چلتی وہ آگے آئی۔ وہ دیوار کے ساتھ ایک میز پہ موجود تھا۔ ٹو پیس سیاہ سوٹ' اوپری جیب سے جھلکتا سفید کارڈ' بال جیل سے پیچھے کیے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا' اور لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ۔ آبی کو آتے اس نے دیکھ لیا تھا تبھی آنکھوں میں نرم سا تاثر ابھرا اور مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

آبدار اس کے سامنے آ رکی۔ ہاشم آگے بڑھا' اس کے لئے کرسی کھینچی' پھر واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھا۔

"ہیلو گریم ریپر!" وہ مسکرا کر بیٹھی اور بیگ میز پہ رکھا۔

"ہیلو ریڈ!"

"میں کھانا کھانے نہیں آئی' تیمارداری کرنے آئی ہوں۔ تمہاری تیمارداریاں نہیں بھولتی میں۔ کیسے ہو؟" وہ محظوظ انداز میں بولی تھی۔

وہ ہلکا سا ہنس کر سر جھٹکتے' ویٹر کو بلانے لگا۔ کھانا آنے تک وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ مؤدب بیرے دائیں بائیں سے آ کر میز پہ اشیائے طعام سجاتے گئے۔ گلاب کی پتیوں کے درمیان رکھی موم بتی کا شعلہ بھی روشن تھا۔ آبدار چہرے پہ مدھم مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی' البتہ گزرتے وقت کے ساتھ وہ مزید بے چین ہوتی جا رہی تھی۔

"آج کل میں عجیب عجیب باتیں سوچنے لگا ہوں۔" وہ آگے کو ہو کر بیٹھا' نگاہیں کبھی موم بتی پہ جھکاتا' کبھی اٹھا کر اسے دیکھ کر بولتا۔ "فارس کے بارے میں (آبدار کی رنگت فق ہوئی' اس نے پہلو بدلا) مجھے لگتا ہے وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ جیسے وہ سعدی کے بارے میں سب جانتا ہے۔ جیسے سب لوگ مجھے دھوکہ دے رہے ہیں۔ لیکن اب مجھے پرواہ نہیں ہے۔" وہ تھکے یاسیت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"جب میں سوا آن کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو یہ باتیں میرے لئے بے معنی ہیں۔"

"یہ صرف تمہارا وہم ہے ہاشم!" وہ مضطرب سی بولی تھی۔ گود میں رکھے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"سچ بھی ہو تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ یہ دشمنیاں' یہ سیاستیں' یہ سب پیچھے چھوڑنا چاہتا ہوں۔" وہ واقعی

تکان سے کہہ رہا تھا۔ ”کیا تم میری مدد کرو گی؟“

”میں... کیا کر سکتی ہوں؟“ وہ جبراً مسکرائی۔

”تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر سکتی ہو۔“ وہ آزردگی سے مسکرایا۔ نگاہیں آبی پہ جمی تھیں۔ ”تم جانتی ہو کہ تم میرے لیے کیا ہو۔ تم مجھے بہت عزیز ہو اور میں ایسی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا جس میں تم نہ ہو۔ کہتے ہیں جب کوئی کسی کی جان بچاتا ہے تو اس کی زندگی اس مسیحا کی امانت بن جاتی ہے' تمہاری زندگی جتنی تمہاری ہے' اتنی میری بھی ہے۔“

پس منظر میں بجتی دھیمے سروں کی موسیقی... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ... خوابناک زرد روشنیاں... ہر شے سے بے نیاز وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”آئی... ایم... ان لو... وِد... یو۔“ اس نے یہ الفاظ توڑ توڑ کر ادا کیے تھے۔ آنکھیں آبی کی آنکھوں پہ ہنوز جمی تھیں۔ ”اور میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنی زندگی ایک ساتھ گزاریں۔ کسی دوسرے ملک چلے جائیں' جہاں تم ہو' اور ایک نئی دنیا بنائیں۔ اب یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ؟ مگر موسم گرما سے زیادہ تاخیر میں نہیں کر سکتا۔“

چند لمحوں کی بوجھل خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہوئی۔ آبدار ذرا آگے کو ہوئی' خشک لب گیلے کر کے آپس میں مس کیے۔ ”ہاشم' میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں' اور تمہیں بہت پسند کرتی ہوں' تم نے میری جان بچائی تھی' مگر یہ سوال... یہ پروپوزل... یہ بہت غیر متوقع ہے میرے لیے۔“

”مجھے کوئی جلدی نہیں' ریڈ۔ تم سوچ لو۔“ وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہا تھا۔ آنکھیں پل بھر کے لیے بھی آبی کی آنکھوں سے ہٹ نہیں پا رہی تھیں۔ ”سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو' کچھ دن لے لو...“

”ہاشم...“ وہ بے چینی سے بولی۔ ”میں نے سوچ لیا ہے۔ میں تمہاری بہت اچھی دوست ہوں' اور دوست ہی رہنا چاہتی ہوں' مگر یہ سب... شادی... رشتہ... نئی زندگی... یہ نہیں ہو سکتا۔ میں...“

”آبدار!“ آنکھیں اس کی آنکھوں پہ مرکوز کیے اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہتے نرمی سے آبی کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ آبدار کا ہاتھ جتنا گرم تھا' اتنا اس کا ٹھنڈا تھا۔ ”میں نے کہا نا' تم سوچ لو' کچھ دن لے لو' آرام سے فیصلہ کرو... اور پھر مجھے بتاؤ کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ... ہوں!“ اور ہلکا سا مسکرایا۔ اس کے لہجے کی ٹھنڈ آبی کے اندر تک سرایت کرتی اس کے خون کو جما گئی۔ اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ وہ اب نیپکین کھولتا اس سے ہارون کا حال پوچھ رہا تھا۔ آبدار کی ساری بھوک مر گئی تھی۔

❖❖❖

مرا یہ خون مرے دشمنوں کے سر ہو گا ..... میں دوستوں کی حراست میں مارا جاؤں گا

صبح کے اس پہر ایئرپورٹ کی ساری بتیاں دور سے جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اندر لوگوں کا بے نیاز ہجوم اپنی اپنی سمت میں گامزن تھا۔ ایک کاؤنٹر کے سامنے ٹوپی' اور بڑھی شیو والا لڑکا کھڑا تھا جس کی آنکھوں پہ چشمہ لگا تھا۔ سامنے بیٹھا آفیسر اس سے معمول کے سوالات پوچھنے کے بعد استفسار کر رہا تھا۔ ”سو آپ افغانستان سے آ رہے ہیں؟“

”جی' میں سری لنکا سے افغانستان گیا تھا' چند گھنٹے وہاں قیام کیا' ایک دو دوستوں سے ملا اور پھر یہاں آ گیا۔“ اس نے رٹا رٹا بیان دہرایا۔

”حیدر ہمایوں خان۔ ویلکم ٹو پاکستان۔“ اس نے پاسپورٹ پہ مہر لگاتے ہوئے کہا۔ عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔

کچھ دیر بعد وہ کندھے پہ بیگ اٹھائے' قدم قدم چلتا ایئرپورٹ کے احاطے سے باہر آرہا تھا۔ جیکٹ کی زپ بند کر لی تھی اور ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے تھے۔

شہر ویسا ہی تھا' ویسی ہی ٹھنڈ' ویسے ہی لوگ۔ سعدی نے چلتے چلتے چہرہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ تارے تھوڑے بہت دکھائی دیتے تھے' ماحولیاتی آلودگی کی دبیز تہہ نے ستاروں کو بڑے شہروں کے آسمان سے عرصے ہوا چرا لیا تھا۔ مگر چلو... آسمان تو اپنا ہی تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔

چند گھنٹوں کا یہ سفر بے حد اذیت ناک تھا۔ ہدایت کے مطابق وہ ڈائریکٹ آنے کی بجائے لمبا روٹ لے کر آیا تھا۔ ہر پل اسے لگتا تھا کہ وہ پکڑا جائے گا' مار دیا جائے گا... مگر پاسپورٹ گورنمنٹ ایشوڈ تھا' نقلی نہیں تھا' سو سفر آرام سے طے ہو گیا۔ اور اب پاک سرزمین اس کے قدموں میں بچھ چکی تھی۔ فارس نے فون کر کے اسے چند دن کی مہلت دی تھی اور گو کہ وہ ابھی کچھ دن مزید تنہائی میں اپنا دماغ ''خالی'' کرنا چاہتا تھا' لیکن اب وہ مزید نہیں بھاگ سکتا تھا۔ چیونٹی کو اپنے گھر واپس جانا ہی تھا۔

ٹیکسیاں اس کے قریب آ کر رکتیں' ہارن دیتیں' سوال کرتیں' مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتا گیا۔ دفعتاً سڑک کنارے ایک کوڑا دان کے ساتھ ٹھہرا' جیب سے پاسپورٹ نکالا اور اس کے چار ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا کوڑا دان میں پھینکا اور پھر آگے چلتا گیا۔ دو ٹکڑے سڑک کنارے مروڑ کر اچھال دیے اور آخری ٹکڑا چند کوس دور ایک دوسرے کوڑا دان میں ڈال دیا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

چند لمحے گزرے... اور اس پہلے کوڑا دان کے ساتھ ایک شخص آ کر رکا۔ رات کی تاریکی میں اس کا چہرہ واضح نہ تھا۔ کوٹ کے کالر اس نے کھڑے کر رکھے تھے۔ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ تھا' کانوں کے گرد مفلر... اس نے جھک کر کوڑا دان میں ہاتھ ڈالا' پاسپورٹ نکال کر ایک پلاسٹک پیکٹ میں ڈالا۔ پھر آگے بڑھا۔ سڑک کنارے کی باڑ پھلانگی۔ اس طرف سے مڑے تڑے دونوں ٹکڑے اٹھا کر پلاسٹک بیگ میں ڈالے۔ پھر واپس سڑک تک آیا۔ سامنے سعدی یوسف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا اور جس لمحے سعدی نے آخری ٹکڑا ایک کوڑے دان میں اچھالا' وہ شخص ٹھہر گیا' یہاں تک کہ سعدی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تب وہ دبے قدموں آگے آیا' یہ ٹکڑا بھی اٹھایا اور اپنی زنبیل میں ڈالا۔

''یہ پاسپورٹ ذرا سی گوند سے واپس جوڑ کر عدالت میں سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لیے کافی ہے۔'' اس نے پلاسٹک کی زنبیل کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے خود سے کہا۔ چند لمحوں بعد سرخ مفلر سے منہ ڈھانپے شخص دوسری سمت جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

ان سے کہو ہم طوفانوں سے ڈرنے والے لوگ نہیں ...... قاتل کو مرتے دم تک قاتل ہی بولا جائے گا

جمعے کی دوپہر اس ہاؤسنگ سوسائٹی کے خوبصورت بنگلے قطار میں کھڑے دھوپ نرم گرم سینکتے دکھائی دیتے تھے۔ ایسے میں سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کے برآمدے کے دروازے پہ مورچال کی تختی نصب تھی۔ اندر جاؤ تو لاؤنج میں گہما گہمی تھی۔ آج جمعہ تھا اور جمعہ ویسے بھی پاکستان کی ساری ندرت بہنوں کا یوم بریانی ہوتا ہے سو اس وقت کچن میں رونق لگی تھی۔ ندرت ایک طرف سیم کو برتن لگانے کا کہہ رہی تھیں' تو دوسری طرف رائتہ پھینٹتی حنین کو تیز ہاتھ چلانے کا۔ زمر کھڑی سلاد کاٹ رہی تھی۔ فارس لاؤنج میں بیٹھا اپنے فون پہ لگا تھا اور بڑے ابا ٹی وی پہ خبریں دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں ڈور بیل بجی۔ ایک دفعہ ذرا سی گھنٹی۔ باوقار انداز۔

دہی پھینٹتی حنہ کے ہاتھ تھمے۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ جمعہ... بریانی... ساری فیملی کا اکٹھا ہونا اور پھر ڈور بیل... کس کی کمی تھی؟ کس نے آنا تھا؟ حنین کے سارے وجود میں خوشگوار لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک دم سب چھوڑ کر بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ فارس

دروازہ کھولنے اٹھ گیا تھا مگر وہ تیزی سے اس کے سامنے آئی۔

''پلیز مجھے کھولنے دیں۔'' اس کی آنکھیں نم تھیں۔ فرطِ جذبات سے چہرہ تمتما رہا تھا۔ فارس مسکرا کر رک گیا۔ ''اس نے آج ہی آنا تھا۔'' حنین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ پورچ کا دروازہ کھولا اور پھر گیٹ کی طرف لپکی۔ کوئی گیٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔ حنہ نے دھڑکتے دل اور مسکراتے چہرے کے ساتھ گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا اور.....

حنین کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ساری دنیا ہی منجمد ہوگئی گویا برف کا اجاڑ ویران صحرا بن گئی ہو۔

''ہیلو حنین!'' باہر کھڑے ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ تھری پیس گہرے سیاہ سوٹ میں ملبوس وجیہہ چہرے والا ہاشم وہاں تنہا تھا۔ حنین کی نظریں اس کے عقب میں دوڑیں۔ پیچھے اس کی کار کھڑی تھی اور باہر چند گارڈ۔ حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ ''ہاشم بھائی' آیئے۔''

''تم اب مجھے ٹیکسٹ نہیں کرتی۔ کوئی ناراضی ہے کیا؟'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا اندر داخل ہوا۔ وہ ملے جلے جذبات میں گھری اس کے ساتھ چلتی آئی۔

''اب مصروف ہوتی ہوں بہت۔ آپ اس دنیا میں موجود ہیں' یہ تک بھول جاتا ہے۔'' برآمدے کے اسٹیپس چڑھتے ہوئے ہاشم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''میری موجودگی کسی کو نہیں بھولتی۔'' پھر اسٹیپ پہ چڑھا۔ آگے بند دروازہ تھا' اور اس پہ نصب تختی۔

''مور چال؟'' اس نے زیر لب پڑھا۔

''چیونٹی کا گھر!'' حنین بولی۔ ہاشم نے انگلی سے تختی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ڈھیلی ہے' مضبوطی سے جمی نہیں ہوئی' ذرا سی ٹھوکر سے گر جائے گی۔ اندر بتاؤ' میں آیا ہوں۔'' شائستگی سے کہتا وہ وہیں کھڑا ہو گیا۔ حنین تیزی سے اندر آئی۔ (دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔)

''ہاشم..... ہاشم بھائی آئے ہیں۔'' لاؤنج میں پہنچ کر اس نے پھولے سانس کے ساتھ اطلاع دی۔ لمحے بھر میں تمام حرکات رک گئیں' آوازیں بند ہوگئیں۔ زمر اور ندرت کچن سے نکل آئیں۔ ابا' فارس اسے دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے زمر کو ہوش آیا۔

''ٹھیک ہے' وہ ہمارا مہمان ہے۔ فارس' تم اسے اندر لاؤ' ڈائننگ ہال میں۔ ہم کھانا لگاتے ہیں۔'' وہ تیز تیز ہدایات دیتے ہوئے بولی۔

''حنہ' سیم' بھابھی' ابا' سب سن لیں' کوئی کچھ ظاہر نہیں کرے گا۔ پہلے کی طرح نارمل رہیں گے سب۔ اوکے؟'' آنکھیں دکھا کر تختی سے وارن کیا۔ سب متفق تھے۔ فارس منہ میں کچھ چباتا بے نیازی سے اٹھا (گویا کچھ سنا ہی نہ ہو) اور باہر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد تمام گھر والے طویل ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسیاں سنبھال رہے تھے جب فارس ہاشم کو لیے چلتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ہاشم مسکرا کر سب سے ملا۔ حال احوال دریافت کرتے ہوئے کرسی کھینچی۔ ابا کی سربراہی کرسی کے بائیں طرف۔ اس کے مقابل فارس بیٹھا تھا۔ ہاشم کے برعکس وہ رف سے سویٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔ کرسی کھینچتے ہوئے بھی موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''میں غلط وقت پہ آگیا شاید۔'' وہ سب کو دیکھتے ہوئے بولا۔ سب خاموش رہے۔ ندرت اس کو دیکھنا نہیں چاہتی تھیں' سو برتن درست کرتی رہیں۔ حنین سر جھکائے چمچ جوڑتی رہی۔ زمر لبوں پہ مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی۔ ابا کے تاثرات بھی تنے ہوئے تھے۔

''نہیں' ایسا کس نے کہا؟'' فارس نے کندھے اچکائے اور بریانی کی بھاپ اڑاتی اشتہا انگیز مہک والی ڈش اٹھا کر سامنے رکھی۔ وہ چہرے سے سنجیدہ اور قدرے بے نیاز لگتا تھا۔

''بہت دن سے آنا چاہ رہا تھا..... آج ہی وقت نکال پایا۔'' ہاشم چمچ کانٹا سنبھالتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔ ''آپ لوگ ٹینس لگ رہے ہیں۔ خیریت ہے؟'' زمر کا دل زور کا دھڑکا۔ جلدی سے مسکرا کر کہنے لگی۔ ''نہیں۔ دراصل آپ کی طبیعت کا سنا تھا تو.....'' مگر فارس اس

سے پہلے ہی بول اٹھا۔

”ٹینشن کوئی نہیں ہے۔ بس سب کو علم ہو گیا ہے کہ تم نے میری بیوی اور بھائی کو مارا تھا اور آنٹ کو اور سعدی کو بھی زخمی، اغوا، اٹ سیٹرا، سب کروایا تھا۔ رائٹ؟“ کہتے ہوئے اس نے رائتے کا ڈونگا ہاشم کے سامنے رکھا۔ سب ایک دم بے یقینی سے فارس کو دیکھنے لگے۔ زمر تو بالکل شل رہ گئی۔

صرف ایک شخص نے جیسے کوئی اثر ہی نہیں لیا، اور وہ ہاشم تھا۔ اس کا چہرہ ویسے ہی مسکراتا رہا اور نظریں فارس پہ جمی رہیں۔ پھر اس نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

”ظاہر ہے۔“ اور چاول پلیٹ میں نکالے، ذرا سا رائتہ اوپر ڈالا۔ سب کے سانس رکے ہوئے تھے۔ پھر ہاشم نے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مغموم سا تاثر تھا۔ آنکھوں میں سادگی تھی۔

”میں جانتا ہوں میں نے اچھا نہیں کیا۔“ آواز میں افسوس تھا۔

”سب جانتے ہیں۔“ فارس نے اسی بے نیازی سے کندھے اچکائے، موبائل ایک طرف دھرا اور اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

”انسان بہت سے کام کرتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئیں۔ میں نے بھی غلطیاں کی ہیں، گناہ کیے ہیں۔ وارث کو....“ رک کر سلاد کے باؤل سے چند کھیرے اپنے پلیٹر میں نکالے۔ ”میں نہیں مارنا چاہتا تھا، مگر خاور مجبور ہو گیا تھا۔ آئی ایم سوری فار دیٹ۔“ چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا، چند لمحے چبایا، پھر ندرت کو دیکھا جو اسے گلابی پڑتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ”آپ واقعی بہترین شیف ہیں۔ خیر۔“ فارس کی طرف نظریں پھیریں۔ ”پور زرتاشہ.... وہ کولیٹرل ڈیمج بن گئی، اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں اور مسز زمر کے لیے مجھے واقعی افسوس ہے....“

زمر سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔

فارس نے چاولوں میں چمچ چلاتے ہوئے کندھے جھٹکے۔ ”یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا۔!“

”رہا سعدی، تو مجھے اس پہ حملے کا علم نہیں تھا، ہاں جب پتہ چلا تو میں نے اس کو محفوظ جگہ بھجوا دیا، اس کا خیال رکھا، وہ بھی اتنا ہی ناراض ہے جتنا کہ آپ لوگ۔ مگر یہ آپ سب کا حق ہے۔ وہ بہت جلد واپس آ جائے گا اور پھر ظاہر ہے وہ میرے خلاف کورٹ میں جانا چاہے گا۔“

”حالانکہ میں نے اسے منع کیا تھا، ابھی جب میں کینیڈی میں اس سے ملا تھا۔“ فارس نے پلیٹ میں چمچ چلاتے ہوئے نظریں اٹھا کر ہاشم کو دیکھتے بتایا۔ ”مگر وہ اپنی بات پہ اڑا ہوا تھا، سو میرا خیال ہے ہاں، وہ کورٹ جائے گا۔“

”اس کا حق ہے!“ ہاشم نے گہری سانس لی۔ وہ دونوں یوں گفتگو کر رہے تھے جیسے دوسرا کوئی وہاں موجود ہی نہ ہو۔ ”مگر میں اپنے کسی گناہ کو جسٹیفائی نہیں کروں گا۔ آپ مجھے کورٹ میں لے جانا چاہیں، لے جائیں، میں سزا بھگتنے کے لیے بھی تیار ہوں، لیکن....“ اس نے رک کر ایک اور چمچ منہ میں رکھا اور چبایا۔ سب سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔ ”اس سے ہم دونوں خاندانوں کا نقصان ہی نقصان ہو گا۔ آپ اچھے لوگ ہیں۔ میں بھی اب پہلے والے آدمی جیسا نہیں رہا، خود کو بدل رہا ہوں، موو آن کر رہا ہوں۔ میں چاہوں گا کہ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے اپنے کیے کی بہت سزا بھگت لی ہے۔ ساری زندگی بھگتوں گا، مگر انتقام اور انصاف کی جنگ لڑنے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے میری وجہ سے بہت سفر (suffer) کیا ہے، میں نہیں چاہتا کہ آپ مزید دکھ اٹھائیں۔“ پلیٹ پرے کھسکائی تو فارس نے [illegible]۔“ اور بتایا۔“

”نہیں تھینکس، میں ڈائٹ پہ ہوں۔ بہرحال میں ایک دفعہ پھر معذرت کرتا ہوں کیونکہ میں نے اسی لیے سعدی یوسف فاؤنڈیشن بنائی ہے تاکہ مزید کسی خاندان کو اس سب سے نہ گزرنا پڑے۔ آگے آپ لوگ جو بھی کرنا چاہیں، آپ کی مرضی۔“ نیپکن اٹھا کر ہاتھ صاف کیے۔ ”میری طرف سے آپ آزاد ہیں، معاف کریں یا سزا دیں۔ میں پرانی باتوں اور حسابوں میں اب نہیں پڑنا چاہتا۔ میں ہر سزا کے لیے تیار

ہوں۔ کیونکہ میں اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ تھینک یو۔"

"شیور۔ ویلکم!" ہاشم کھڑا ہوا تو فارس بھی کھڑا ہوا۔ ہاشم نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ "مجھے کام ہیں' تو اب چلتا ہوں۔"

فارس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سر کو خم دیا۔ "میں سعدی کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا ہاشم' مگر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

ہاشم الوداعی کلمات کہہ کر مڑ گیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

بریانی ٹھنڈی ہو گئی تھی اور جذبات گرم ابل رہے تھے۔ ڈائننگ ہال میں سانپ سونگھا ہوا تھا۔ سب شل تھے۔ ندرت بدقت بول پائیں۔

"وہ اپنے کیے پہ شرمندہ ہے؟"

"تم نے... اسے کیوں بتایا؟" زمر نے ہکلاتے ہوئے فارس کی طرف رخ پھیرا۔ وہ بے یقین تھی۔

"وہ ادریس اور میرے بارے میں پتہ کروا رہا تھا' اس کو شک تھا' میں نے کنفرم کر دیا۔" وہ اسی رغبت سے چاول کھا رہا تھا۔

"انہوں نے ہم سے معافی مانگی۔" حنہ بھی بے یقین تھی' متحیر تھی۔

"پتہ نہیں۔" ابا تلخی سے بولے۔ یکدم باہر کسی شے کے گرنے کی آواز آئی۔ حنہ ایک دم اٹھ کر باہر بھاگی۔

دروازہ کھلا تھا اور پورچ کے ماربل کے فرش پہ دروازے کی تختی گری پڑی تھی۔ وہ اتنی زور سے دے ماری گئی تھی کہ دو ٹکڑوں میں ٹوٹ گئی تھی۔ بند گیٹ کے باہر گاڑیوں کے زن سے گزر جانے کی آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے... سمجھ نہیں آ رہی وہ معافی کیوں مانگ رہا تھا' اور تم اس سے یہ کس طرح بات کر رہے تھے؟" اندر زمر ہنوز گو مگو سی بول رہی تھی۔

"وہ معافی نہیں مانگ رہا تھا زمر۔"

اپنے آفس کی عمارت کی بالائی منزل کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہاشم نے ٹائی ڈھیلی کی۔ اس کا چہرہ فرط جذبات سے سرخ تمتما رہا تھا۔ دو آدمی اس کے ساتھ چل رہے تھے اور مسلسل اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں لگے تھے۔ اپنی کرسیوں اور کیبن میں کام کرتے ورکرز رک رک کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔ ٹھوکر سے اس نے نوشیرواں کے آفس کا دروازہ کھولا۔

("وہ مجھے چیک کر رہا تھا' کہ میرا غصہ کیسا ہے؟ کہ میں وہ پہلے والا انسان ہوں یا نہیں۔") سامنے میز کے پیچھے نوشیرواں بیٹھا موبائل پہ لگا تھا۔ آواز پہ ناگواری سے چہرہ اٹھایا۔ ہاشم کسی وحشی جانور کی طرح اس کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے جھپٹ کر کھڑا کیا' پھر یکے بعد دیگرے دو تھپڑ اس کے چہرے پہ جڑ دیے۔

"کیا بکواس کی تھی میں نے؟ سعدی یوسف کو مت چھیڑو۔ مجھے سنبھالنے دو۔" ایک تیسرا تھپڑ اسے دے مارتے ہوئے وہ چلایا تھا.....

("وہ جانچ رہا تھا کہ ہم کتنا جانتے ہیں۔ پرکھ رہا تھا کہ ہم کتنے اہل ہیں۔ محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے اعصاب کتنے مضبوط ہیں۔")

ہاشم نے ہکا بکا سے کھڑے شیرو کو پرے دھکیلا اور غصے سے حلق کے بل چلایا۔ "میری زندگی برباد کر دی تم نے... ہم سب کو برباد کر دیا... میری برسوں کی ساکھ... عزت... سب برباد ہو جائے گا..."

("اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ سب سمجھ گیا ہے۔ وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہے جو ہمارے ہاتھوں بے وقوف بن جائے گا۔")

نوشیرواں منہ پہ ہاتھ رکھے' حق دق شل سا کھڑا تھا۔ ہاشم ایک دم آگے بڑھا اور اس کی میز کی ساری چیزیں زور سے ہاتھ مار کر نیچے گرا دیں۔

کہانی میں۔

اس نے فصیح کا کوٹ بھی اچھال کر نیچے پھینکا' پھر اس کا موبائل اٹھا کر جیب میں ڈالا۔ اور دونوں ہاتھ جھاڑتا وہ اوپر ڈھلان پہ چڑھنے لگا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔ بے تاثر اور سرد۔ دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔

معرکے کی اس جگہ پہ کھلی ہوئی ہتھکڑی اور اس کے لاک میں گھسی سیاہ ہیئر پن زمین پہ گری پڑی تھی۔ یہ کامنی کی ہیئر پن تھی جو اس نے جاتے جاتے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے وقت اتاری تھی۔ اور اس کو سارا راستہ کوٹ کے اندر چھپے ہاتھوں کی ہتھکڑی میں گھساتے وقت اس کے ذہن میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ "لاک کی چھ پنیں ... ون... ٹو... تھری... فور... فائیو... سکس... اور کلک..."

.... ❖❖❖ ....

یا رب یہ کس نے ٹکڑے کیے روزِ حشر کے ..... مجھ کو تو گام گام پہ محشر بپا ملا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ زمر تیار سی کمرے سے باہر نکل رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے گیلے گھنگریالے بال کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی جب ندرت نے اسے پکارا۔ وہ ہاتھ میں کفگیر لیے سامنے کھڑی تھیں۔ قدرے متفکر' قدرے متحیر۔

"مجھے علیشا کا فون آیا تھا۔ وہ جو حنین کی امریکی سہیلی ہے۔" اور یہ تو طے تھا کہ یوسف اب باتیں نہیں چھپائیں گے سو وہ اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ وہ قدرے حیرت سے سنتی گئی۔

"آپ اسے کہیے گا وہ کی چین سعدی کے ساتھ کھو گیا تھا۔ باقی معاملہ میں دیکھ لوں گی۔" اس کا فون بجنے لگا تو وہ اسے کان سے لگاتی اسی رفتار سے بولتی آگے آئی۔

"جی! میں کل آنٹیں کی ایک عزیز کی عیادت کے لیے چلی گئی تھی تو پھر آج..." رک کر اس نے کچھ سنا۔ پہلے آنکھوں میں حیرت ابھری' پھر شاک۔ "کیا مطلب انہوں نے ڈیل سائن کر لی؟ وہ میرے کلائنٹس تھے۔ ان کو کیسے پتہ تھا کہ میں نہیں آؤں گی؟ اوہ...!" اور احساس انکشاف جیسا تھا۔ اس نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ "میں سمجھ گئی۔ انہیں ہاشم کاردار نے کہا ہوگا کہ زمر یوسف کو میں نے بے کار ڈاکومنٹس لکھوانے اپنے پاس روک رکھا ہے سو تم لوگ اس کے کلائنٹس کو خراب کر دو۔ واؤ۔ اس آدمی کا دماغ ہسپتال کے بیڈ پہ بھی نہیں تخریب کاری سے خود کو باز نہیں رکھ سکتا' اور میں اس کی تیمارداری کر رہی تھی۔" فون بند کر کے وہ خود کو کوس رہی تھی۔ چہرہ غصے میں سرخ ہو رہا تھا۔

سامنے بیٹھی چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتی حنین نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "اور آپ نے ہاشم سے انسانی ہمدردی کے تحت اتنا اچھا موقع گنوا دیا اس کی فائلز کاپی کرنے کا۔"

زمر چند لمحے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی' پھر تیزی سے اندر گئی اور... واپس آئی تو حنہ کی فلیش ڈرائیو اس کے سامنے پٹخی۔

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اگر میں اس وقت ہاشم کی فائلز کاپی کرتی تو مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہوتا؟ اور یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا تمہیں اتنی چالباز لگتی ہوں کہ وہ زمین پہ گرا کراہ رہا ہوگا اور مجھے فائلز کی فکر ہوگی۔"

"تو؟" حنین نے کندھے جھٹکے۔

"تو یہ کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے فائلز کاپی نہیں کیں' میں نے تو صرف ایک سوال پوچھا تھا۔" حنین نے بے اختیار مگ والا ہاتھ نیچے کیا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ زمر دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر اس کی طرف جھکی۔ "اور جواب یہ ہے کہ میں اتنی ہی چالباز ہوں اور اگر اب میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو نہ سہی' اگر... ہاشم کی ساری فائلز اس میں ہیں۔"

حنین نے بے یقینی سے فلیش کو دیکھا اور پھر اسے۔

"وہ گھٹیا لوگ جن کو میں اپنے برابر کرسی پہ بھی نہ بٹھاؤں' وہ سب جانتے ہیں..... سنا تم نے؟ جس زمر کو تم اس آفس میں لاتے تھے وہ سب جانتی ہے..... اور تمہاری وجہ سے میں ان کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔ تمہاری وجہ سے ان کو اتنی مہلت مل گئی کہ وہ تیاری کرلیں۔" خون شام آنکھیں نوشیرواں پہ گاڑے وہ غرا رہا تھا۔ پھر اس نے کوٹ اتار کر پرے پھینکا۔

("اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا نقصان نہیں کریں گے' اپنا نقصان کریں گے۔ میں متفق ہوں ویسے اس بات سے مگر چونکہ سعدی سے وعدہ کیا ہے تو پھر..... نبھانا ہوگا!")

جواہرات تیزی سے آفس میں داخل ہوئی تو اندر کا منظر دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی۔ منہ تک کھل گیا۔ بکھری ٹوٹی چیزیں' منہ پہ ہاتھ رکھے کھڑا نوشیرواں اور شرٹ کے آستین چڑھاتا' غصے سے چیخ چیخ کر اسے گالیاں نکالتا ہاشم۔

"میرا پاور پلانٹ تباہ ہوا ہے چند دن پہلے..... میں ایک اور سکینڈل افورڈ نہیں کرسکتا تھا مگر تھینکس ٹو نوشیرواں کا رروار..... آدھا مرد نوشیرواں کاررواد..... اس نے میرا سب کچھ داؤ پہ لگا دیا....."

جواہرات کو ابھی تک کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ "ہاشم کیا ہوا ہے؟"

"فارس جانتا ہے۔ وہ سب جانتا ہے۔ ہمیشہ سے جانتا تھا۔ اور وہ لوگ ہمارے خلاف کورٹ جا رہے ہیں!" جواہرات کا سانس تھم گیا تھا۔

("اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ موو آن کرنے کے لئے تیار ہے..... وہ اگلے ہر مرحلے کے لئے تیار ہے..... وہ ہر شے کو سنبھالنے کے لئے تیار ہے.....")

"او گاڈ ہاشم!" جواہرات پریشانی سے اس کے قریب آئی۔ "اب کیا ہوگا؟"

"کیا مطلب کیا ہوگا؟ ممی..... میں ہاشم کاردار ہوں۔ یہ میری زندگی کی پہلی جنگ نہیں ہے ممی۔ میں اس پورے خاندان کو تباہ کر دوں گا۔

وہ ایک ایک روپے کے محتاج ہو کر چوبیس گھنٹوں میں سڑک پہ آ جائیں گے..... میں..... تیار..... ہوں!" نفرت اور تلخی سے چبا چبا کر کہتے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اونچی آواز میں رئیس سمیت دوسرے افراد کو اندر آنے کا کہنے لگا..... افراتفری..... چیخ و پکار..... شور..... پورے آفس میں گویا قیامت آ گئی تھی.....

("ہاشم ٹھیک سوچ رہا ہے۔ وہ تیار ہے۔ وہ ہمیشہ ہی تیار ہوتا ہے زمر۔ وہ ایک اچھا آدمی نہیں ہے' مگر وہ ایک عظیم آدمی ہے۔ لیکن اس کو صرف ایک بات معلوم نہیں۔ کہ اس دفعہ....." کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے فارس مسکرا کر بولا تھا۔ "میں بھی تیار ہوں۔")

.................❖❖❖.................

عداوتوں کے عذاب سورج نے اتنی مہلت نہ دی کہ محسن ..... ہم اپنی جلتی زمیں کے سر پہ کوئی بگولہ ہی تان دیتے

جمعہ کی اس دوپہر یوں لگتا تھا گویا برفیلے بادلوں کی تہہ پگھل کر فضا میں غائب ہوگئی ہو اور کہیں اچانک سے سنہری سورج آسمان پہ نمودار ہوتا پورے شہر کو سونے کا خول چڑھا گیا ہو۔

اپنے آفس کے کھلے دروازے پہ ہاشم اسی طرح ڈھیلی ٹائی اور چڑھے آستین کے ساتھ کھڑا وہ چند افراد کو اندر جانے کا راستہ دے رہا تھا۔ آخری داخل ہونے والے صاحب ہارون عبید تھے۔ ان کے پیچھے احمر آنے لگا تو.....

"تم ابھی اسی وقت فارغ ہو۔" رعونت سے انگلی سے دفعہ ہو جانے کا اشارہ کیا۔ احمر ساکت رہ گیا۔ "مگر سر....."

"تم فارس کے دوست ہو' مجھے اعتبار نہیں رہا تم پر اور اس وقت میرا اعتبار تم کما نہیں سکتے..... سو..... آؤٹ!" ہاشم غصے سے کہہ کر اس

کے منہ پہ دروازہ بند کر کے اندر آیا۔ جواہرات اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی نظر آرہی تھی اور تاگواری سے سامنے بیٹھتے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔ پھر ہاشم کو دیکھا۔ "ہارون کو کیوں لائے ہو؟ تاکہ یہ خوش ہو جائیں؟ ان کی وجہ سے ہمارا پاور پلانٹ تباہ ہوا ہاشم!"

"نہیں اس وقت ایک ہونا ہے ممی! اپنی سیاستیں بعد میں نپٹیے گا۔" وہ سرد مہری سے کہہ کر آگے آیا۔ ہارون کافی محظوظ ہوتے نشست سنبھال چکے تھے۔ باقی لوگ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ نوشیرواں سر جھکائے بیٹھا تھا... اس کا چہرہ سرخ تھا۔ آج ہاشم نے بھی ہی گالی دی تھی مگر وہ اسے تین گولیاں نہیں مار سکتا تھا؛ تو پاور کس ہمیشہ انسان کے ہاتھ میں ہوتی ہے!

"اسکینڈل کو اس کے شروع ہونے سے پہلے کچلا جاتا ہے۔ اور ہم سب کو مل کر اسے کچلنا ہوگا۔ میں ہاشم کاردار ہوں اور یہ اسکینڈلز میرا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ہاں اگر میں ڈوبا' تو تم سب بھی میرے ساتھ ڈوبو گے۔" اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑے وہ ماتھے پہ تیوریاں ڈالے بلند مگر آہنی آواز کے ساتھ کہہ رہا تھا.....

"ایک گھنٹے کے اندر اندر....." وہ اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑا تحکم سے کہہ رہا تھا۔ "ان لوگوں کو ہم پائی پائی کا محتاج کر دیں گے۔ ان کے پاس مہینہ بھر زندہ رہنے کا خرچ بھی نہیں ہوگا۔" پھر اس نے فون اٹھایا اور کان سے لگایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فون میں کہہ رہا تھا۔

"چند آئی ڈی کارڈز کی کاپیز بھیج رہا ہوں قدیر صاحب۔ یوسف خاندان کے ان آئی ڈی کارڈز سے وابستہ تمام بینک اکاؤنٹس فریز ہو جانے چاہیے.... آپ کے پاس ایک گھنٹہ ہے...."

"جب ان کے سارے اثاثے منجمد کر دیے جائیں گے تو ان کے پاس ہم سے لڑنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ ان کو اپنی فکر پڑ جائے گی۔" ہارون نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ جواہرات "ہوں" کہہ کر رہ گئی۔

"مجھے اس ملک میں...." ہاشم اب ہیں سے کہہ رہا تھا۔ "ان کی ایک ایک زمین' پلاٹ' مکان' سب کا حساب چاہیے۔ یہ گھر جس میں وہ رہ رہے ہیں۔ ہارون تم اس کے مالک سے رابطہ کرو' ہم ابھی اسی وقت اس کو خرید رہے ہیں' شام تک ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا جانا چاہیے۔ اور تم!" سامنے کھڑے تین افراد کی طرف متوجہ ہوا' جو اس کی ہدایت کے منتظر تھے۔

"اپنے سارے آدمی لے جاؤ... شہر کے بدترین فراری مجرم جو کسی سے نہ ڈرتے ہوں... کوئی پولیس' کوئی چیک پوسٹ' تمہیں آج کے دن کوئی نہیں روکے گا۔ ان کے گھر کے باہر جا کر اپنی گاڑیاں روکو اور گولیاں چلا چلا کر ان کی دیواروں کو چھلنی کر دو' سارے شیشے توڑ دو۔ جب متوقع خوف وہراس پھیل جائے تو واپس آجانا۔"

آفس میں ہر کوئی اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ہارون فون کرنے باہر چلے گئے تھے' ہاشم بھی موبائل پہ مصروف تھا۔ اکیلا نوشیرواں تھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ بالکل چپ۔

"بدقسمتی ہے یا خوش قسمتی ہے...." ہارون نے اپنی جگہ پہ دوبارہ بیٹھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ "ان کے نام پہ کوئی پراپرٹی نہیں بچی۔ کوئی اثاثہ ایسا نہیں ہے جس پہ قبضہ کر کے ہم ان کی کمر توڑ سکیں۔ واحد بچی ہوئی پراپرٹی اس نے آپ کو ہی فروخت کی تھی۔ وہ ایکسی جس کی مالیت کے کروڑوں روپے فارس غازی کے کسی اکاؤنٹ میں پڑے ہوں گے اس وقت۔" محظوظ انداز میں جواہرات کو دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گئی۔

"میں نے اپنی اناکے پیچھے وہ انیکسی خریدی' مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ میری ہی رقم سے ہمارے خلاف کیس لڑے گا۔"

"اور وہ گھر؟" ہاشم نے تیزی سے بات کاٹی۔ "وہ کس کے نام ہے؟"

"وہ چند دن پہلے ان خاتون سیاستدان نے خریدا ہے جن کو بدنام کرنے میں تمہاری ماں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ہم اس عورت سے وہ گھر نہیں خرید سکتے۔ ہم ان سے بات بھی نہیں کر سکتے۔" وہ گہری سانس لے کر کہہ رہے تھے اور ہاشم نے غصے سے میز پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر دیوار پہ دے مارا۔ کانچ کے ٹکڑے فرش پہ جا گرے۔ سب خاموش ہو گئے۔ پھر وہ فون اٹھاتے ہوئے بولا۔

''لیکن وہ اس رقم کو نہیں استعمال کر سکیں گے۔ جب ان کے بینک اکاؤنٹس فریز ہو جائیں گے تو وہ اس رقم سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔'' دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔ ہاشم کے چہرے پہ جوش تھا۔ امید تھی۔

''جی قدیر صاحب؟ کام ہو گیا؟'' رابطہ ملتے ہی وہ تیزی سے بولا۔ ''گڈ۔'' وہ مسکرایا۔ ''تو ان کے تمام اکاؤنٹس فریز ہو گئے۔ ویری گڈ۔'' اس نے وکٹری کی دو انگلیاں بنا کر اوپر اٹھائیں۔ جواہرات نے سکون کی پہلی سانس خارج کی۔ ''یعنی اب وہ ان بینک اکاؤنٹس سے کچھ نہیں لے سکتے۔ زبردست۔ ویسے اندازاً کتنا سرمایہ فریز ہوا ہو گا؟'' اور پھر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ''دو ہزار سینتیس روپے؟ آپ مذاق کر رہے ہیں؟'' ہاتھ کے اشارے سے باقی لوگوں کو خاموش ہونے کو کہا۔ آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ''کیا مطلب؟ ان کے اکاؤنٹس خالی کیوں ہیں؟ پچھلے ایک ماہ میں انہوں نے اپنا تمام سرمایہ کہاں منتقل کر دیا ہے؟''

اب کی دفعہ اس نے فون آہستہ سے پرے ڈالا تھا۔ ''فارس اپنی تمام رقم کہیں اور منتقل کر چکا ہے اور ہم ٹریس نہیں کر پا رہے کہ کدھر۔''

''سر... پلیز یہ دیکھیں۔'' حلیمہ تیزی سے آفس میں داخل ہوئی اور اس سے پہلے کہ ہاشم اس کو جھلا کر باہر جانے کو کہتا' اس نے ایک ٹیب میز پر رکھا۔ اسکرین پہ موجود چہرہ دیکھ کر ہاشم چونک کر سیدھا ہوا۔

''میرا نام ہے سعدی یوسف!'' وہ سڑک کنارے چلتے ہوئے' سیلفی کیمرے سے اپنے چہرے کی ویڈیو بناتا تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے آٹھ ماہ تک سری لنکا کے شہر کولمبو کے ہوٹل (نام لے کر) کے تہہ خانے میں قید رکھنے والے کاردار خاندان اور ہارون عبید کو میں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں... واپس آ گیا ہوں' اور میں خاموش نہیں بیٹھوں گا۔ میں عدالت میں جا کر بتاؤں گا کہ مجھے گولیاں مارنے والا نوشیرواں کاردار تھا' مجھے اغوا کر کے حبس بے جا میں رکھنے اور نیکام پراجیکٹس کے حساس راز پوچھنے کے لیے تشدد کرنے والے مشہور زمانہ IPPs ہارون عبید اور ہاشم کاردار تھے۔'' وہ چلتے چلتے پورے اعتماد سے بولتا جا رہا تھا۔ چہرے پہ تختی اور آنکھوں میں تپش تھی۔ ''اور اگر مجھے قتل کر دیا گیا یا غائب کر دیا گیا تو ہاشم کاردار اور ہارون عبید کو پکڑا جائے۔ کیونکہ....'' ویڈیو کافی لمبی تھی۔ سنسنی خیز بھی تھی۔ جہاں ہاشم کے چہرے کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا وہاں ہارون کی مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی تھی اور وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اپنے نام پہ چہرے کی رنگت اڑ گئی تھی۔ جواہرات بالآخر ہلکی سی مسکرائی تھی۔ جلتے دل پہ پھوار پڑی تھی۔

نوشیرواں جو اس سارے اثناء میں سر جھکائے بیٹھا تھا' ایک دم کھڑا ہوا۔ وہ موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''بھائی... لوگ اس ویڈیو کے نیچے میری تصویریں پوسٹ کر رہے ہیں۔ میری کوئی پرائیویسی ہے۔ یہ سب مجھے بدنام کر رہے ہیں۔'' اس کا چہرہ فق تھا اور اس پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پھر وہ لپک کر ہاشم کے پاس آیا۔ ''مجھے اس سب سے نکالیں بھائی۔ پلیز کچھ کریں!'' اس کے چہرے پہ التجا تھی۔ ساری ہٹ دھرمی' وہ پیرا مرو بننے کا زعم سب غائب تھا اور وہ بوکھلایا ہوا لگتا تھا۔

ہاشم نے ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالی۔ ''ہاں ایک اسی کام کے لیے ہے تمہارا بھائی۔ مگر بے فکر رہو ہر دفعہ کی طرح تمہارا پھیلایا گند میں صاف کر لوں گا۔'' اور فون اٹھا کر ان افراد کو کال کرنے لگا جو اس نے فارس کے گھر کی طرف روانہ کیے تھے۔

''ان کے گھر کے سارے شیشے توڑ ڈالو۔ انہوں نے ویڈیو بنا کر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اتنی گولیاں برساتا کہ ان کی دیواریں چھلنی ہو جائیں۔'' از سر نو تاکید کرتا وہ کہہ رہا تھا۔

.............❖❖❖.............

میں کھا کر ٹھوکر ابھی تک حوصلہ مند ہوں ..... یہ ٹھوکر جو تمہیں لگتی تو تم خود بکھر جاتے

فروری کی وہ گرم دوپہر اس بنگلے کی سبز بیلوں کو بھی جھلسائے جا رہی تھی۔ لاؤنج کی کھڑکی کا بیرونی شیشہ سنہری روشنی کو منعکس کرتا

چمک رہا تھا۔ اس گرم تپشے پہ اپنا ماتھا ٹکا کر اندر جھانکو تو ڈائننگ ٹیبل سے سب اٹھ کر اب لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔ ندرت اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ ابا فکرمندی سے کبھی فارس کو دیکھتے جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پرسکون سا بیٹھا تھا' اور کبھی زمر کو جو بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ حنین اور سیم سامنے صوفے پہ خاموش مگر مضطرب بیٹھے تھے۔

''سعدی کو گھر آ جانا چاہیے تھا' وہ کیوں نہیں آیا؟'' زمر کو بے بس سا غصہ آنے لگا تھا۔ ''ہاشم سعدی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔''

''اونہوں۔ یہ وہ پہلا کام نہیں ہے جو وہ کرے گا۔'' فارس نے سیل فون سے چہرہ اٹھا کر نفی میں سر ہلا کر کہا۔ زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ سب اسے دیکھنے لگے۔

''پھر وہ کیا کرے گا؟''

فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' ایک بوٹ میز پہ رکھا' پھر قینچی صورت دوسرا بوٹ اس کے اوپر جمایا' ذرا آرام دہ انداز میں بیٹھا' اور موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ سب سے پہلے اپنے سب سے قابل اعتبار ملازموں اور دوستوں کو اکٹھا کرے گا اور جن پہ اعتبار نہیں ان کو نکال دے گا۔ احمر شفیع کی تو آج ہوئی چھٹی۔''

''اچھا۔ پھر؟'' حنین نے دلچسپی سے پوچھا۔

''پھر یہ کہ وہ اپنے اتحادیوں اور خود اپنے آپ کو یہ بتائے گا کہ وہ ہارا نہیں ہے۔ ایک لمبی تقریر کرے گا۔ میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔ میں اس کے طریقوں سے بھی واقف ہوں۔ وہ وہی کام کرے گا جو وہ ہمیشہ ایسے مواقع پہ کرتا آیا ہے دوسرے لوگوں کے ساتھ۔''

''ظاہر ہے' کزن کس کا ہے۔'' زمر کلس کر بولی تھی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر سر کو تائیدی انداز میں خم دیا۔

''پھر وہ اپنے ملازموں کو حکم دے گا کہ یوسف خاندان کی ایک گھنٹے کے اندر اندر کمر توڑ دی جائے۔'' فارس کے الفاظ پہ حنین کی آنکھیں پھیلیں۔ زمر بھی سیدھی ہوئی۔ ''مگر کیسے فارس؟''

''وہ ہمارے بینک اکاؤنٹس فریز کروا دے گا۔ اس کے اسٹیٹ بینک میں جتنے دوست ہیں' اتنے ہمارے پوری دنیا میں رشتے دار نہیں ہیں۔'' وہ موبائل پہ ہاتھ چلاتے ہوئے عام سے انداز میں بتا رہا تھا۔

''ہمارے بینک اکاؤنٹس؟'' زمر بے دم سی ہو کر صوفے پہ گری۔ ''میری ساری سیونگز' ابا کے پیسے سب بینک میں ہے۔ میں اتنی جلدی کیسے نکلواؤں گی سب؟''

''خیر اب تک وہ انہیں فریز کر چکے ہوں گے۔'' فارس نے شانے اچکائے۔ زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ویسے تو زمر بی بی آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں' مگر تھوڑی بہت عقل ہے مجھ میں۔ میں نے ہمارا سارا پیسہ کچھ عرصہ قبل چند آف شور بینک اکاؤنٹس میں منتقل کر دیا ہے۔ وہ اس کو ٹریس بھی نہیں کر سکتے۔'' زمر کو اچنبھا ہوا۔

''مگر تم میرے بینک اکاؤنٹ کو کیسے ایکسیس کر سکتے ہو؟ تمہیں میری پن تک معلوم نہیں۔'' فارس نے اثبات میں سر کو خم دیا۔

''بالکل آپ کی پن جو آپ کی ڈیٹ آف برتھ ہے وہ مجھے قطعاً معلوم نہیں۔'' حنین نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا لیا اور ابا نے ہنسی روکنے کو چہرہ موڑ لیا البتہ سیم کے دانت نکل آئے تھے۔ زمر کے گال گلابی پڑے۔ تندہی سے فارس کو دیکھ کر بولی۔ ''مجھے اپنی ایک ایک پائی واپس چاہیے۔ اچھا۔''

''خیر ماموں اکاؤنٹس فریز کرنے کی ناکام کوشش کے بعد وہ کیا کرے گا؟'' حنہ نے موضوع بدلنا چاہا۔

''وہ ہمیں ہمارے گھر سے بے دخل کر کے سڑک پہ لانے کی کوشش کرے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ہمارا گھر خریدنا چاہیں گے؟''

''ہمارا گھر!! اگر انہوں نے ہمارا گھر خرید لیا تو ہم کہاں جائیں گے؟'' زمر پھر سے پریشان ہونے لگی۔ وہ جتنا خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کرتی' اتنی مضطرب ہوتی جا رہی تھی۔ جواب میں سب نے خاموشی سے فارس کو دیکھا' جو اپنے سیل فون کو دیکھ رہا تھا۔

''ہم یہیں رہیں گے کیونکہ میں یہ گھر ایک ایسی شخصیت کے ہاتھوں فروخت کروا چکا ہوں جن سے وہ بات تک نہیں کر سکتے فی الحال۔'' اور ساتھ ہی ان خاتون کا نام بتایا۔ جس طرح وہ اطلاعات دے رہا تھا' اور سیم اور حنین دبی دبی مسکراہٹوں کے ساتھ چہرہ جھکا لیتے تھے' چڑیل کا خون کھول رہا تھا۔

''خیر' تمہارا وہ ڈیئر کزن جو تمہاری وجہ سے ہم سب کے سروں پہ مسلط ہوا ہے' وہ اس کے بعد کیا کرے گا تمہارے خیال میں؟ تم تو اس کا ذہن بھی پڑھ سکتے ہونا' آخر ہو تو تم بھی آدھے کا ردار۔'' فارس نے سر کو تعریف وصولی کے انداز میں خم دیا۔

''تھوڑی دیر انتظار کیجیے۔'' اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب فارس نے چہرہ اٹھایا' یوں جیسے کوئی آہٹ سننا چاہ رہا ہو۔

''آ گئے۔'' اس نے محظوظ انداز میں کہا۔ پھر سب کی منتظر صورتیں دیکھ کر بولا۔ ''کرائے کے غنڈے ہمارے گھر پہ فائرنگ کرنے آ گئے۔''

''تو پولیس کو کال کرو فارس....'' وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ''وہ لوگ ہمارے گھر پہ حملہ کریں گے تو ہمیں حفاظت چاہیے ہوگی۔''

''حفاظت کا بندوبست آپ کا یہ بے کار' جیل یافتہ' دو لوگوں کا قاتل شوہر پہلے ہی کر چکا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس آپ جیسی تیز زبان بے شدذہانت وفطانت....'' وہ بڑے ادب سے بتا رہا تھا۔ ''سو جب وہ لوگ آئیں گے' تو اس کالونی کی چار مختلف چھتوں پہ موجود لوگ اپنے تمام.... آہم.... ''اوزار'' اور ''ہتھیار'' لے کر نکل آئیں گے اور ان حملہ آوروں کو ''شوٹ'' کریں گے' جس کے بعد وہ ہمارے گھر پہ فائرنگ نہیں کر سکیں گے۔''

زمر تو زمر' ابا بھی دنگ رہ گئے۔ ''فارس' یہ تو خون خرابے والی بات ہوئی۔''

زمر تیزی سے کھڑکی کی طرف لپکی اور پردہ ہٹایا۔ باہر کالونی کی سڑک پہ جیپیں رکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی کھلی چھتوں سے رائفلز اور جدید اسلحہ اٹھائے بیٹھے چند بنے ٹھنے افراد صاف دکھائی دیتے تھے۔ (گیٹ اور چار دیواری چھوٹی تھی سو یہ منظر صاف واضح تھا۔)

''ایسے مت کرو فارس.... روکو ان لوگوں کو.... یہ غلط ہے' کوئی مر گیا تو؟ کال کرو انہیں۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ اسی وقت فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ درختوں سے پرندے ایک دم سے اڑے۔ کھڑکی میں کھڑی زمر کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔

''فارس' تم اپنے لوگوں کو منع کرو' کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ یہ لوگ ہوائی فائرنگ کر کے واپس چلے جائیں گے۔''

''اب دیر ہو چکی ہے' میں شوٹنگ کا آرڈر دے چکا ہوں۔ وہ لوگ اپنی پوزیشنز سنبھال چکے ہیں۔ اور آپ کھڑکی سے ہٹ آئیے' یہ نہ ہو کہ میں تیسری دفعہ جیل چلا جاؤں۔'' وہ قدم بہ قدم چلتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

لاؤنج میں خوفزدہ سا سناٹا چھا گیا تھا۔ حنین اور سیم کی مسکراہٹیں غائب تھیں۔ ابا پریشان سے ہو گئے تھے۔ اور زمر کھڑکی سے نہیں ہٹ رہی تھی۔

''فارس ان پہ جوابی شوٹنگ مت کرواؤ۔ تم ان کو کال کیوں نہیں کرتے۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی تھی۔ نظریں سامنے والی

چھتوں پہ جمی تھیں۔ اور یکا یک... قریبی دو چھتوں پہ چند لوگ نمودار ہوئے۔ زمر کا دل زور سے دھڑکا۔ (باقی دو چھتیں اس جگہ سے دکھائی نہ دیتی تھی۔) انہوں نے بلند آواز میں کچھ کہتے ہوئے نیچے سے چند "ہتھیار" اٹھا کر اوپر کیے اور ان کا نشانہ جیپ والے گھس بیٹھیوں کی طرف باندھا...

زمر دھک سے رہ گئی۔

ان کے ہاتھوں میں اسلحہ نہیں تھا۔

ان کے ہاتھوں میں جدید فوٹو گرافی کے آلات تھے۔ ویڈیو کیمرے، اسٹل کیمرے، مائیکس.....

"چچ چچ... کتنی کوئی کرمنل سوچ رکھتی ہیں آپ زمر بی بی۔ میں تو فوٹو شوٹ کی بات کر رہا تھا۔ آپ کیا سمجھیں؟" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ زمر کی شل نظریں وہیں پہ جمی تھیں۔ چھتوں پہ اکٹھے ہوئے رپورٹرز دھڑا دھڑ فوٹو گرافی کر رہے تھے، گویا لائیو کوریج کر رہے ہوں۔ ان کے انداز نے گلی میں رکے کھڑے، اسلحہ اٹھائے، دن کی روشنی میں بغیر کوئی نقاب پہنے کرائے کے غنڈوں کو بوکھلا دیا تھا۔ انہوں نے فائرنگ روک دی۔ چہرے گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ہڑبونگ سی مچی۔ کسی نے پیچھے ہونے کو کہا۔ کسی نے اندر بیٹھنے کو۔ نارز حرکت میں آئے۔ سڑک پہ ٹائر چرچرانے کی تیز آواز کے ساتھ گاڑیاں زن سے واپس ہوئیں۔ چند لمحوں میں وہ غائب ہو چکی تھیں۔

"ایسی وارداتیں عموماً فراری مجرموں سے کرائی جاتی ہیں۔ فراری کسی سے نہیں ڈرتا، نہ پولیس سے نہ معصوم شہریوں سے۔ وہ صرف "کسی" کے ساتھ ریکھ لیے جانے سے ڈرتا ہے۔ اس کے دشمن جان جائیں گے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ آج کل رہ رہا ہے، وہ صرف اسی بات سے ڈرتا ہے۔ اور یہ چند نئے رپورٹرز جن کو اپنا کیریئر بنانے کے لیے ایک چٹ پٹی خبر کی تلاش تھی، یہ ہر وقت یہاں موجود نہیں ہوں گے، مگر کارزارز اب کسی کو یہاں بھیجنے کا خطرہ نہیں مول لیں گے۔ ہمیں دوبارہ "ڈرانے" کا مطلب ہوگا قصے کو مزید مشہور کرنا۔" وہ سنجیدگی سے کہتا اب لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ ابا قدرے پرسکون تھے، حنین اور سیم نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا اور زمر لب بھینچے سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ (وہ نمبر آ دی ہو نہہ!)

"اب؟ اب کیا کرے گا وہ؟" زمر فارس کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے سنجیدگی سے پوچھا۔

"شاید کچھ چھوٹے موٹے کام۔" اس نے شانے اچکائے۔ "جیسے ہمارے خلاف جھوٹے مقدمے کروانا، میڈیا میں ہمارے خلاف خبریں دینا۔ مگر میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ یہ سب کرے گا۔ شاید وہ خاموشی سے انتظار کرنا مناسب سمجھے۔ وہ چاہے گا کہ ہم الزام لگانے میں پہل کریں اور یہاں پہ میں سعدی اور اس کے انصاف والے آئیڈلزم سے متفق نہیں ہوں مگر ہمیں ہی الزام لگانے میں پہل کرنی ہوگی...."

فارس نے گہری سانس لی اور موبائل اسکرین ان کے سامنے کی۔ "میں اتنی دیر سے اس ویڈیو کو مختلف جگہوں پہ بھیج رہا تھا۔ یہ ویڈیو سعدی نے دو روز پہلے بنا کر بھیجی تھی۔" میرا نام ہے سعدی یوسف۔ "پچھلے آدھے گھنٹے میں اس کے ڈھائی ہزار ویوز آ چکے ہیں اور جلد یہ ٹی وی پہ ہوگی۔"

اسکرین پہ دور سے نظر نہیں آیا کہ وہ کون سی ویڈیو تھی اور فارس نے موبائل واپس موڑ لیا، مگر سب بے چین ہو گئے تھے۔ "سعدی گھر کیوں نہیں آیا؟"

"ابھی تک دماغ درست نہیں ہوا اس کا۔" وہ خفگی سے بڑبڑایا تھا۔

"تو اب تمہارا ڈیئر زن کورٹ میں جانے کا انتظار کرے گا؟" وہ اسی طنزیہ انداز میں بولی۔

"ہاں۔ اب وہ خاموشی سے ٹرائل کا انتظار کرے گا کیونکہ وہ اسے جیت کر نوشیرواں کو باعزت بری کروا لے گا۔ اگر کوئی ٹرائل ہوا بھی تو۔"

"کیوں؟" سیم کو برا لگا۔ حنین بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''میری بیگم سے معذرت کے ساتھ' مگر اس لئے کہ وہ زیادہ اچھا وکیل ہے۔'' اب وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر پیچھے ہو کر بیٹھا تو زمر بیر پیچ کر مڑی (میں جو اتنے ماہ خوار ہوئی۔ اس کا بھی انصاف دلایا۔ مگر نہیں۔ اسی کو ہیرو بننا ہوتا ہے آخر میں۔) اور چند قدم دور گئی۔ پھر رکی۔ آنکھوں پہ چمک ابھری' لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ وہ واپس مڑی۔

''تھینک یو فارس۔ تم نے ہر چیز اتنے اچھے سے پلان کی' ہر مسئلے کا حل نکال کر رکھا' تھینک یو۔'' اس کے بدلے انداز پہ فارس نے مشکوک انداز میں ابرو اٹھایا۔ ''یور ویلکم!''

''اور تمہاری اس انتھک محنت کو دیکھتے ہوئے میں نے تمہیں دل سے معاف کر دیا ہے۔''

''کس چیز کے لئے؟'' وہ ہنوز مشکوک تھا۔

''سعدی کو مارنے کے لئے۔'' پھر باقی سب کو دیکھا۔ ''اوہ تم نے نہیں بتایا کسی کو کہ جب تم اس سے کینڈی میں ملے تو تم نے اس کو کتنی بری طرح سے مارا تھا' اور اس کے منہ پہ وہ زخم بھی تم نے ہی دیا تھا' مگر خیر' تم غصے میں تھے' معاف کیا۔''

(چڑیل نہ ہو تو) وہ خفگی سے اسے گھورتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ حنین' سیم اور ابا ایک دم اسے دیکھنے لگے تھے۔ بے یقین' تفتیشی نظروں سے۔

چلو جی۔ ساری کارکردگی پہ پانی پھر گیا۔

تب تک زمر مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ بھی جانے کو اٹھا۔

''ماموں!'' سیم نے صدمے اور غصے سے اسے دیکھا۔ حنین بھی آستین موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ایک منٹ۔ ذرا ہماری بات سنیں پہلے۔''

''جھوٹ بول رہی ہے وہ۔ استغفراللہ!'' وہ پیچ و تاب کھاتا (ان کی نظروں سے بچتا) بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا' اس سے پہلے کہ مور چال کی سیہ چیونٹیاں اسے نوچ کھائیں۔

.... ٭٭٭ ....

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست ...... آہ مجھ سے تجھے وہ شکوہ بے جا بھی نہیں

اگلی صبح تک کوئی خاطر خواہ واقعہ پیش نہ آیا۔ کسی بڑے طوفان سے پہلے کا سکوت سارے میں چھایا رہا۔ ہاشم اور جواہرات ہارون کے ساتھ آفس میں بیٹھے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے رہے۔ نوشیرواں اپنے کمرے میں موبائل بند کر کے سر منہ لپیٹے پڑا رہا۔ ہاشم نے اسے پیشکش کی کہ وہ ملک سے باہر چلا جائے' مگر وہ راضی نہیں ہوا۔

''میرے دوست' میرا سوشل سرکل' وہ سب سمجھیں گے کہ میں نے یہ کیا ہے۔ کہ میں بھاگ گیا ہوں۔ نہیں' میں نہیں بھاگوں گا۔ مجھے دنیا قصوروار نہیں لگا سکتا۔''

ندرت معمول کے مطابق ریسٹورانٹ میں تھیں۔ سیم اور حنہ بھی ادھر آگئے تھے۔ باہر فارس نے پہرے دار موجود تھے۔ سعدی کی ویڈیو سوشل میڈیا پہ پھیل رہی تھی' مگر اتنی تیزی سے نہیں کہ میڈیا والے ان کے گھر آ پہنچیں۔ سو ابھی سکون تھا' سکوت تھا۔

فوڈ لی ایرا فنز میں گاہکوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ حنین کاؤنٹر سے دور' کونے کی میز سنبھالے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ میز پہ سینٹر کا نیا چینی رکھا تھا اور ساتھ میں ٹوٹی ہوئی مور چال کی تختی۔ ایک نظر اس تختی پہ ڈال کر وہ اب اسکرین کو دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر خوبصورت تختیوں کو سرچ کیا۔ بہت سے امیج کھل گئے۔ تصاویر کی بہتات۔ حنہ ان کو دیکھے گئی۔ نت نئے ڈیزائن۔ رنگ۔ درمیان میں ایک قد آدم آئینے کی تصویر بھی نظر آرہی تھی۔ اس نے یونہی اس پہ کلک کر دیا۔ تصویر کی جگہ اس آئینے کی ویب سائٹ کھل گئی۔

حسنین یوسف نے سن رکھا تھا کہ سنو وائٹ کی کہانی میں ایک جادوئی آئینہ تھا جو ملکہ سے باتیں کرتا تھا' اس نے اس جامِ جم کے متعلق بھی سن رکھا تھا جو بادشاہ جمشید کو پوری دنیا دکھاتا تھا۔ مگر اسے نہیں علم تھا کہ گوگل پہ کھلنے والی ویب سائٹ اس کے لئے بھی ایک دوسری دنیا کا دروازہ کھول دے گی۔۔۔

وہ ہوم ڈیکور کی ایک ویب سائٹ تھی اور جو صفحہ اس نے کھول رکھا تھا' اس میں بتایا جا رہا تھا کہ چھوٹے سے کمرے کو کیسے سجا کر خوبصورت بنایا جا سکتا ہے۔ کیسے دنیا بھر کے رنگ اور پھول اس میں بھرے جاتے ہیں۔ شہد کی وہ مکھی بے اختیار آگے ہوئی اور آنکھوں میں خوشگوار تحیر بھرے ان رنگوں کو دیکھے گئی جو ایک گھر کو سلیقہ اور سجاوٹ عطا کرتے دکھائی دے رہے تھے....

''واؤ' بڑوا دری تصویر یہاں کے لبوں سے نکل رہا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ اس نے اچھے گھر نہ دیکھے تھے۔ فورین اور رنگین ڈراموں کے گھر وہ دیکھتی آئی تھی۔ مگر اس نظر سے نہیں دیکھے تھے۔

کیش کاؤنٹر کے ساتھ کھڑا فارس' جنید سے کچھ پیپرز لے کر دیکھ رہا تھا۔ اکاؤنٹس وغیرہ کا حساب۔ (ندرت مارکیٹ گئی تھیں گھر کی ماہانہ گروسری لینے) اور ریسٹورانٹ کے ملازمین یہ فرض کر چکے تھے کہ آئندہ ان کا نیا باس وہی ہوگا۔ شاید وہ خود بھی یہ طے کر چکا تھا۔

دفعتاً ریسٹورانٹ کا دروازہ کھلا اور ایک جانی پہچانی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ فارس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس طرف چلی آ رہی تھی۔ سفید لمبا کوٹ پہنے' اور بال سرخ اسکارف میں لپیٹے' ماتھے سے چند سرخ لٹیں نکالے' کہنی پہ ڈیزائنر بیگ لٹکائے وہ ایک میز کی کرسی کھینچ کر بیٹھی اور بلی جیسی آنکھیں دو بار جھپکا کر اسے دیکھا۔ فارس نے بے اختیار دور بیٹھی حند کو دیکھا۔ وہ لیپ ٹاپ میں گم تھی۔ پھر وہ اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ ساتھ میں بغور اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔

''ناراض ہوں!'' وہ بچوں کے سے خفا انداز میں بولی۔ فارس نے گہری سانس بھری۔ ''تو یہاں کیوں آئی ہیں؟''

''آپ نے کہا تھا میرے بابا کا نام نہیں آئے گا اس کیس میں۔ پھر سعدی یوسف ان کا نام کیوں لے رہا ہے؟''

''میں نے کہا تھا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم یہ کیس نہیں جیت سکتے سو کسی کا بھی نام آ جائے' فرق نہیں پڑتا۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔ وہ چند لمحے چپ رہی۔

''آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر کیوں آئے؟ مجھے کہہ دیتے' کیا میں رکاوٹ ڈالتی؟ خاموشی سے چلی جاتی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔ سرمئی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔ ''کم از کم مجھے یہ تاثر تو نہ ملتا کہ جیسے میں آپ پہ مسلط تھی۔ میں تو صرف آپ کی مدد کر رہی تھی۔ یا شاید استعمال ہو رہی تھی۔''

''آئی ایم سوری!'' اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے۔ ''میں.... خیر... آپ ٹھیک ہیں؟'' اب کے نرمی سے پوچھا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھوں میں ہنوز اداسی تھی۔

''میرا دل چاہتا ہے کبھی میں ایک فون کال کر کے آپ کو بلا لوں اور آپ چلے آئیں۔''

''بس آبدار میں ایک اپنی مرضی کا مالک' چھتیس سال اور چھ فٹ ایک انچ کا مرد ہوں۔ میں اس طرح بلانے پہ نہیں آیا کرتا۔'' سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر اسے کچھ سمجھایا۔ وہ پھر مسکرائی۔ آنکھیں نم ہوئیں۔

''مجھے چیلنج نہ کریں کیونکہ میں ایسا بہت کچھ کر سکتی ہوں جس کے بعد آپ دوڑے چلے آئیں گے۔ خیر!'' اس کے جواب سے پہلے سر جھٹکا۔ ''مجھے مدد چاہیے آپ کی۔''

وہ جو ناگواری سے کچھ کہنے لگا تھا رک گیا۔

''ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے اور وہ ناں نہیں سننا چاہتا۔ اس کا انداز سنگین تھا۔''

''تو... آپ شادی کرنا چاہتی ہیں اس سے؟'' وہ چونکا تھا مگر پھر عام سے انداز میں پوچھا۔

''وہ اچھا ہے' میرا دوست ہے' مگر....'' اس کی سنہری آنکھوں پہ آنکھیں جمائے وہ نرمی سے بولی ''مجھے کسی اور سے محبت ہے۔''

فارس نے بہت دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور... اس کسی اور کو آپ نے بتایا کہ آپ اس سے.....؟''

''وہ جانتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ.... جانتا.... ہے!'' وہ اب کے چیلنجنگ انداز میں مسکرائی۔ فارس نے بدقت چہرے پہ چھایا نارمل تاثر برقرار رکھا۔ (ہاں ابھی اس ''کسی اور'' کی بیوی ادھر ہوتی تو تمہیں بتاتی۔)

''تو آپ کیا کریں گی؟'' سرسری سا پوچھا۔

''آپ بتائیں میں کیا کروں؟ ہاشم کو بتا دوں اس کسی اور کے بارے میں؟ کیا یوں وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا؟''

''آبدار!'' وہ ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں دھیما سا بولا ''ہاشم میرا کزن ہے' میں اسے بہت اچھے سے جانتا ہوں۔ اپنے اور اس کے درمیان کسی تیسرے کو مت لائیں۔ اسے مت انسائیں۔ اس کو اس کی وجہ سے ریجیکٹ کریں' اپنی وجہ سے نہیں۔''

''اور اگر وہ نہ مانا تو؟''

''ظاہر ہے وہ نہیں مانے گا۔ تو آپ کسی ایسے شخص سے اس پر دباؤ ڈلوائیں جو اس پہ رعب رکھتا ہو۔ اور میرا خیال ہے آپ ایسا کر سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ اس تیسرے شخص کے ان احکامات سے بھی واقف ہیں جن سے ہاشم نہیں ہے۔''

''اوہ!'' آبدار کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ''میں سمجھ گئی۔ خیر...'' ادھر ادھر دیکھا۔ ''کچھ کھلائیں پلائیں گے نہیں کیا؟''

''نہیں۔ اب آپ جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ کوئی بھی تعلق آپ کو بھی نقصان دے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب کی دفعہ میں بلاؤں تو آیئے گا ضرور ورنہ میں نے کہا نا' مجھے بلانے کے سارے طریقے آتے ہیں۔'' آبدار مسکرا کر کہتی اٹھی۔ بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ناخوش سا کھڑا کچھ سوچتا رہ گیا۔

چند فرلانگ دور ایک کیش اینڈ کیری اسٹور کے اندر دن کے وقت بھی تیز سفید بتیاں روشن تھیں۔ ندرت یوسف ٹرالی لئے اشیاء خورد و نوش کے ریکس کے ساتھ چلتی جا رہی تھیں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے۔ فاصلے سے۔ احتیاط سے۔ ریکس کی لمبی قطار کے آخر میں.... وہ اوٹ سے نکل کر ان کو دیکھ رہا تھا۔ سر پہ کیپ' گلاسز' اور بڑھی ہوئی شیو نے سعدی کا چہرہ قدرے مختلف بنا رکھا تھا۔ اس کی زخمی نظریں ندرت کے تعاقب میں تھیں۔ وہ اس سے چند قدم ہی دور تھیں۔ اس طرف ان کی پشت تھی۔ فربہی مائل عام سے گرم سوٹ میں ملبوس تھیں شال سر پہ لے رکھی تھی۔ سویٹر حسب عادت بنا آستین والا تھا۔ وہ کبھی آستینوں والا سویٹر نہیں پہنتی تھیں۔ ایک ہاتھ میں جہیز کے دو کنگن تھے۔ جو ہر موسم میں ہر وقت پہنے رکھتی تھیں۔ کنپٹیوں اور ماتھے سے ذرا سفید بال جھلک رہے تھے۔ آنکھوں کے حلقے بڑھ گئے تھے۔ بار بار رکتیں۔ کچھ یاد کرتیں۔ پھر کوئی شے اٹھاتیں۔ شاید اب وہ چیزیں بھولنے لگی تھیں۔ شاید ذہنی طور پہ بہت الجھی رہنے لگی تھیں۔

وہ اوٹ سے ان کو دیکھے گیا۔ چھپ کر۔ نم آنکھوں سے۔ وہ اب ایک ریک کے سامنے کھڑیں' ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر کچھ یاد کر رہی تھیں۔

''کیا رہ گیا؟ اب گھر پہنچ کر یاد آئے گا۔'' وہ خود سے خفا تھیں۔ وہ اوٹ سے نکلا اور قدم قدم چلتا ان کے قریب آیا۔ وہ پشت کیے کھڑی تھیں۔ وہ ٹرالی کے سرے پہ آ کھڑا ہوا۔ ایک نظر سامان پہ ڈالی۔ پھر سامنے والے ریک سے مایونیز کا بڑا جار اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھا اور آگے بڑھ گیا۔ ندرت نے کسی کو جار رکھتے دیکھا تھا۔ سو فوراً گھومیں۔ جار اٹھا کر دیکھا۔ ہاں' یہی تو بھول گئی تھیں۔ سر اٹھایا۔ متلاشی نگاہ دوڑائی۔ کوئی نہیں تھا آس پاس سوائے گاہکوں اور ورکرز کے۔ کچھ دیر حیران ہوئیں۔ مگر شاید کسی ورکر سے مانگا تھا انہوں نے تبھی اس نے لا دیا

ہوگا۔ خیر! زرالی دھیمی آگے بڑھ گئیں۔

.... ❖❖❖ ....

جھوٹ بولا ہے تو قائم بھی رہو اس پر ظفر ..... آدمی کو صاحب کردار ہونا چاہیے

جواہرات اپنے لان میں آرام دہ کرسی پہ نیم دراز دھوپ سینکتے ہوئے' موبائل کان سے لگائے' نخوت اور ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ مسز عباد۔ ان لوگوں کا ہمارے ساتھ جائیداد کا تنازعہ ہے' چھوٹے لوگوں کی چھوٹی باتیں' ہونہہ۔ ورنہ میرا شیرو تو آپ نے دیکھ رکھا ہے۔ پرندے کا بچہ نہیں مار سکتا وہ۔'' رک کر کچھ سنا۔ ناگواری سے چہرہ سیاہ ہو گیا۔ ''شوٹنگ کلب کا ممبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی نے سعدی کو شوٹ کیا تھا۔ یہ تو اس کا ٹینٹ ہے' آرٹ ہے۔'' دو چار باتیں مزید کہہ کر سنا کر اس نے جھنجلا کر فون بند کیا اور ساتھ رکھی میز پہ ڈال دیا۔ ناک چڑھائے کوفت سے سر جھٹکا۔

''یہ ذرا ذرا سے لوگ.....''

''آنٹی!'' دور سے چہکاری سنائی دی تو جواہرات نے لمبی کرسی پہ نیم دراز گردن موڑی۔ سبزہ زار کے دوسرے دہانے سے آبدار چلی آرہی تھی۔ سورج مکھی کے رنگ کا لمبا فراک پہنے' بال سرخ رومال میں باندھے' کہنی پہ ٹکی باسکٹ میں ڈھیروں پھول لیے وہ اس وقت واقعتاً ریڈ رائیڈنگ ہڈ لگ رہی تھی۔ جواہرات کے چہرے کے زاویے سیدھے ہوئے' مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔

''کیسی ہیں آپ آنٹی؟ یہ پھول میں آپ کے لیے لائی ہوں' اپنے باغیچے سے توڑ کر۔'' دوسری لمبی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے باسکٹ درمیانی میز پہ رکھی۔ سفید گلابی چہرہ سرما کی دھوپ کی تمازت سے دہک رہا تھا مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بی بی۔ تم نے اتنے عرصے بعد شکل دکھائی۔'' یونہی نیم دراز اپنا انگوٹھیوں والا ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ دبائی پیار سے بولی۔ گہری آنکھیں اس کے شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔

''بس آنٹی۔ مجھے تو اس فصیح کی فکر ہے۔'' وہ تو پتہ تو ہے والے انداز میں کانوں کو چھو کر بولی۔ ''سنا ہے وہ ابھی تک سری لنکا میں غائب ہے' پولیس اس کو تلاش کر رہی ہے لیکن آنٹی میں تو سوچتی ہوں کہ وہ نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔ ورنہ ہاشم تو اس کو دیکھتے ساتھ ہی گولی مار دے گا۔''

''کیوں؟'' جواہرات چونکی۔

''یہ دیکھیں۔ اس فصیح نے بھی کیسی غداری کی ہاشم کے ساتھ۔'' اس نے بڑے سے نوٹ کی اسکرین پہ چند بٹن دبا کر اسے جواہرات کے سامنے کیا۔ اسکرین پہ چلتے منظر کو دیکھ کر آرام دہ کرسی پہ نیم دراز جواہرات کی رنگت فق ہو گئی۔

وہ آفس چیئر پہ بیٹھی تحکم سے فصیح کو ہدایات دیتی نظر آرہی تھی۔ سعدی اور خاور کے قتل کی۔ جواہرات نے چونک کر آبی کو دیکھا۔ وہ اسی سادہ انداز میں بولے جا رہی تھی۔

''کیسا ہولناک کام کیا فصیح نے۔ ہاشم کی پیٹھ پیچھے اس کے مہمانوں کو مارنے کا سوچا۔ ہاشم کے پلانز تھے اپنے مہمانوں کے بارے میں۔ فصیح نے ان کو خراب کر دیا۔ تبھی تو وہ دونوں بھاگ نکلے اور یہ اسکینڈل شروع ہوا۔ جب ہاشم کو معلوم ہوگا کہ فصیح اس کا ذمہ دار ہے تو وہ تو فصیح کی جان لے لے گا۔ اس سے سارے رشتے ناتے توڑ دے گا۔'' جواہرات پہ نظریں جمائے وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ ''اس پہ کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔ ہاشم کو فصیح کے اس عمل سے کتنا دکھ پہنچے گا' آپ سمجھ سکتی ہیں نا۔ مجھے تو فصیح کی بہت فکر ہے۔ اس لیے پلیز آپ یہ سب ہاشم کو نہیں بتایئے گا ورنہ وہ تو فصیح سے اپنا رشتہ ہی ختم کر دے گا۔'' فصیح نامہ سنا کر وہ نوٹ واپس پرس میں ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور ہاں آنٹی..... ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے' لیکن مجھے پتہ ہے کہ آپ ایسا نہیں چاہتیں۔ اور آپ کو پتہ ہے کہ میں کتنی کیوٹ ہوں' آپ کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار رہتی ہوں۔ اب ہاشم کو اس ارادے سے صرف آپ ہی باز رکھ سکتی ہیں نا تو سمجھا دیجیے گا اسے۔ ہوں؟

"اس کا لیپ ٹاپ آن تھا' پاسورڈ کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کے آفس میں کوئی سی سی ٹی وی بھی نہیں ہے جو کوئی مجھے اس ساری افراتفری میں یہ کرتے دیکھ سکتا۔ ساری فائلز بھی رات کو کھول کر دیکھ چکی ہوں۔ وارث غازی والی فائلز وہ کب کی ڈیلیٹ کر چکا ہے مگر... اس کے علاوہ بھی بہت کچھ... سینکڑوں ڈاکومنٹس ہیں اس میں جو ہمارے کام آسکتے ہیں۔ انسانی ہمدردی ایک طرف حنین' میں... اتنی جلدی... سب بھلانے والی نہیں ہوں۔" اور میز پہ ہاتھ مارا تھا۔ حسینہ نے ناشتہ بناتے مڑ کر اسے دیکھا۔ (یہ غصہ ہو رہی ہے اور آگے سے حنین باجی خوش ہو رہی ہے۔ پاگل ہیں دونوں!)

حنین فرط مسرت سے اٹھی اور زمر کے دونوں ہاتھ تھام کر دبائے۔ "آپ... آپ میری ملکہ ہیں۔" اور جھپٹ کر وہ فلیش اٹھا کر اندر بھاگی۔ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' مسکرا کر سر جھٹکتی وہ پرس اٹھائے' بال ٹھیک کرتی' بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

حنین اگلے دو گھنٹے ان فائلز میں محو ہو کر بیٹھی رہی۔ لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز' (حسینہ سے بنوائے) آلو کے چپس کھاتی' وہ صفحات پہ صفحات آگے کرتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ تبھی گھنٹی بجی۔

اس وقت گھر پہ ابا اور حنین کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ سیم اسکول' ندرت ریسٹورانٹ' زمر کورٹ۔ ملازم اپنے کوارٹر میں۔ وہ بادل نخواستہ اٹھی اور باہر آئی۔ پورچ سے ہی اسے گیٹ کے باہر کھڑا احمر نظر آ گیا تھا۔ وہ چہرے پہ نخوت لائے' چند قدم آگے آئی۔ "آ... السلام علیکم۔ پھپھو گھر پہ نہیں ہیں۔"

وہ اس کی طرف گھوما۔ گیٹ چھوٹا تھا۔ کندھوں سے اوپر وہ دکھائی دیتا تھا۔ ذرا سا مسکرایا۔ "میں آپ سے بات کرنے آیا تھا۔"

"جی!" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتی تھوڑا مزید آگے چل کر آئی' پھر رک گئی۔ گیٹ درمیان میں حائل تھا۔

"وہ کیا ہے مس یوسف کہ کچھ دن سے کوئی مسلسل ہمارے یعنی کاردار کے سسٹم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا' یا پھر مجھے کہنا چاہیے' کر رہی تھی؟" (حنین کی رنگت سفید پڑی) "تو میں نے سوچا کہ بنفس نفیس جا کر آپ کو... حنین یوسف آپ کو ایک مہذب اور شائستہ سی وارننگ دے دوں کہ ایسی بچگانہ حرکتیں نہ کیا کریں۔ ہمارے سسٹم کی حفاظتی دیواروں کو آپ نہیں توڑ سکتیں' لیکن اگر آپ نے دوبارہ کوئی ایسی حرکت کی تو میں مجبور ہو جاؤں گا' آپ کے بارے میں آپ کے گھر والوں کو بتانے پہ۔"

حنین بالکل شل سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔

"کیا آپ کی امی جانتی ہیں؟ اور آپ کے دادا؟ کہ آپ کی زندگی ایک جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ کا بورڈ میں ٹاپ کرنا بھی تو ایک جھوٹ تھا نا۔ آپ نے او سی پی کو بلیک میل کیا تھا' میرے پاس آپ کی اور او سی پی کی بیٹی کے پیغامات کے پرنٹ آؤٹ پڑے ہیں۔ تو اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے جھوٹوں سے پردہ نہ اٹھاؤں تو آئندہ میری ورک پلیس پہ مسئلے نہ کھڑے کیجئے گا۔ سنا آپ نے؟" رسان سے کہہ کر اس نے گریبان میں اٹکی برانڈڈ گلاسز نکال کر آنکھوں پہ لگائیں اور کار کی چابی کے ریموٹ کا بٹن دباتا مڑ گیا۔ حنین کے حلق میں بہت سے آنسو پھنسے تھے مگر آنکھیں خشک تھیں... وہ یک ٹک' ساکت' پتھر بنی وہیں کھڑی تھی۔

❖❖❖

محسن ہمیں یہ سوچ کے کرنی پڑی پہل ..... شاید وہ شخص آج بھی قید انا میں ہو

فوڈ ایڈ ایر آفس کی بالائی منزل کے خالی ہال میں دھوپ اونچی کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔ کونے والی میز پہ زمر بیٹھی لیپ ٹاپ پہ انگلیاں رکھے ٹائپ کرتی' وقفے وقفے سے گردن کو دائیں بائیں حرکت دیتی۔ تھکاوٹ سے پٹھے گویا اکڑنے لگے تھے۔ تبھی انٹرکام بجا۔ اس نے اٹھا کر مصروفیت سے پوچھا۔ "جی؟"

"مسز زمر!" نیچے ریسپشن والی لڑکی تھی۔ "ایک کلائنٹ ہیں آپ کے لیے۔" وہ ذرا رکی۔ "کہہ رہے ہیں کہ بیوی سے جھگڑا ہوا

او کے میں چلتی ہوں۔ آج مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔" جھک کر جواہرات کے گال سے گال مس کر کے چوما' مسکرا کر سیدھی ہوئی اور ہاتھ ہلاتی واپس جانے کو مڑ گئی۔

جواہرات اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی۔ یونہی نیم دراز پڑی رہی۔ اس کا چہرہ فق تھا اور اعصاب شل۔ پھر دھیرے سے ان آنکھوں میں سرخی اتری۔ ایک دم زور سے ہاتھ مار کر اس نے باسکٹ الٹ دی۔ سارے پھول سبزہ زار پہ بکھرتے چلے گئے۔

وہ زرد گلاب تھے۔ دشمنی کی علامت۔

❖❖❖

جو کہتے ہیں اس آندھی میں پر نہ تولا جائے گا ..... جو اس بات پر خوش ہیں ہم سے لب نہ کھولا جائے گا

تھانے کے اس وسیع و عریض ہال نما آفس میں ہیٹر چل رہا تھا۔ ایس ایچ او اپنی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا اور قلم ہاتھ میں تھماتا سنجیدگی مگر قدرے بے نیازی سے سامنے بیٹھی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تو تمتماتا چہرہ لیے اتنے ہی سکون سے پیچھے ہو کر بیٹھی تھی اور تند نگاہیں ایس ایچ او پہ جمی تھیں۔

"سیکشن 161 سی آر پی سی CrPC کے تحت آپ ہماری اسی پرانی ایف آئی آر میں میرا بیان ریکارڈ کریں تاکہ میں ملزموں کو نامزد کر سکوں۔"

"زمر صاحبہ' میں آپ کو اتنی دیر سے بتا رہا ہوں کہ....." وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا" میں یوں بلا کسی ثبوت کے کاردار خاندان کے کسی فرد کا نام ایف آئی آر میں نہیں ڈال سکتا۔"

"میں آپ کو ثبوت تو کیا ایک وضاحت دینے کی پابند بھی نہیں ہوں کیونکہ 161 CrPC کے تحت یہ میرا حق ہے۔" وہ بھی اتنی ہی رکھائی سے بولی۔

"آپ تحمل سے میری بات سنیں۔" ایس ایچ او کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ ایک دم سے آفس میں بہت سے لوگ داخل ہوئے تھے۔ ایس ایچ او کھڑا ہو گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر گہری سانس بھری۔

وہ سر پہ چادر لیے' قیمتی ہیرے کی انگوٹھیاں پہنے' ڈیزائنر بیگ اٹھائے باوقار سی خاتون جانی پہچانی تھی۔ چترال سے تعلق رکھنے والی سیاستدان جس کا سکینڈل پچھلے دنوں جواہرات کاردار نے مشہور کروایا تھا۔ اور وہ اکیلی نہیں آئی تھی۔ وکلاء اور گارڈز ہمراہ تھے۔ اس کے لیے فوراً سے کرسیاں بچھائی گئیں۔ عملے کی دوڑیں لگ گئیں۔ کوئی چائے لانے بھاگا' کوئی بیکری کی طرف۔

"کیا آپ ان کا بیان ریکارڈ نہیں کر رہے؟" زمر کے قریب کرسی پہ بیٹھ کر وہ انگلی گال پہ رکھے' زرا مسکراتے انداز میں پوچھنے لگی۔ ایس ایچ او نے سوالیہ نظروں سے زمر کو دیکھا۔

"یہ میرے کرایے دار ہیں۔" خاتون نے تعلق بتایا۔ زمر خاموشی سے بیٹھی انگلی پہ لٹ لپیٹتی رہی۔" اور میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کی ایف آئی آر میں نامزد ملزم کا نام درج کریں۔ کیا نام تھا اس کا؟ ہاں نوشیرواں کاردار! صرف یہی نام یا کوئی اور بھی لکھوانا ہے؟" اپنائیت بھرے انداز میں چہرہ زمر کی طرف موڑ کر پوچھا۔ زمر مسکرائی' اور مسکراتے مسکراتے خاتون کی طرف جھکی۔ "تھینکس؟" اس سے پہلے کہ وہ دیکھتی زمر کی مسکراہٹ گئی۔ "مگر نو تھینکس! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری ایف آئی آر ہے' میں اسے خود ہی دیکھ لوں گی۔" تلخی سے فقرہ مکمل کیا۔ ایس ایچ او خاموشی سے تماشا دیکھنے لگا۔

"خاتون ذرا سا مسکرائی۔" مگر کیوں؟"

"کیونکہ آپ جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگا بھی کرتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ مجھے اپنے وکلاء کو کیس میں شامل کرنے کو کہیں

گی۔کل کو یہ وکلاء آپ کی مرضی کی سمت میں کیس کو لے جائیں گے' بھاری رقم اور پبلک میں آکر معافی مانگنے کی شرط پہ ان کو معاف بھی کر دیں گے کیونکہ آپ ان کی ہزیمت چاہتی ہیں۔لیکن میں آپ کو یہ کیس استعمال کرنے نہیں دوں گی۔یہ ہمارا کیس ہے' ہم اکیلے اس مقام تک پہنچے ہیں صاحبزادی صاحبہ' ہم اکیلے ہی لڑلیں گے۔'' کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔صاحبزادی صاحبہ نے مسکرا کر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تو آپ ان ایس ایچ او صاحب کو راضی کیسے کریں گی نئے ملزم کا نام ڈالنے کے لیے؟''

''میں کیا کروں گی!'' اس نے گھنگریالی لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مسکرا کر ایس ایچ او کو دیکھا' ''میں یہاں صرف فارمیلٹی کے تحت آئی تھی' اور اب میں سیدھی پولیس کی ہائی کمان کے پاس جاؤں گی' آئی جی صاحب کی بیٹی میری بھتیجی کی دوست ہے' میں ان سے شکایت کروں گی۔ڈی آئی جی صاحب کے میں نے کورٹ میں چند کام کر رکھے ہیں' ایک کال میں ان کو بھی کروں گی۔پھر میں اپنے پرانے مجسٹریٹ ایک سیشن جج کے سامنے سیکشن 22 سی آر پی سی کے تحت پٹیشن فائل کروں گی' یا صرف اپنی ایک بہت اچھی دوست مجسٹریٹ کے پاس پرائیوٹ کمپلینٹ فائل کروں گی۔اڑتالیس گھنٹے کے اندر نوشیرواں کاردار کا نام FIR میں درج ہو گا۔میرے پاس کام کروانے کے بہت طریقے ہیں۔مجھے آپ کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔آپ آئیں' آپ کا شکریہ۔میں چلتی ہوں۔'' اپنے مدعے کو اپنے مخصوص انداز میں ''سمرائز'' کر کے وہ پرس اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔مڑتے مڑتے سر ''ہونہہ'' کے انداز میں جھٹکا بھی تھا۔

(سمجھتے کیا ہیں یہ مجھے۔اتنے سال کورٹ میں جھک ماری ہے کیا میں نے؟)

❖❖❖

کیوں لپٹتا ہے میرے ساتھ یہ دریا آخر؟ ...... مجھ کو گرداب سے آگے بھی کہیں جانا ہے

اگلی دوپہر قصر کاردار کے ڈائننگ ہال کی طویل میز پہ کھانا کھانے ہاشم اکیلا بیٹھا تھا۔چند مہمانوں کی متوقع آمد کے باعث وہ آفس سے جلدی آ گیا تھا۔نوشیرواں کو بلا بھیجا مگر میری نے واپس آ کر مایوسی سے ''وہ کہہ رہے ہیں ان کو بھوک نہیں'' کہا تو ہاشم سر جھٹک کر کھانے لگا۔یہ تب ہی تھا جب بیرونی دروازے سے سینڈل کی مخصوص ٹک ٹک سنائی دی۔چہرہ اٹھائے بغیر بھی ہاشم جانتا تھا کہ نوارد کون ہے۔اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

''ہیلو ہاشم!'' شہری مسکراتی ہوئی چلتی آ رہی تھی۔ہاشم نے تلخ تاثرات والا چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تمہیں میرے گھر آنے جانے کے اوقات کی خبر کون دیتا ہے؟''

ڈائننگ ٹیبل کے قریب ہاتھ باندھے مؤدب سی کھڑی فیونا نے فوراً گھبرا کر نظریں جھکائیں۔

''مجھے تو تمہاری دوسری بھی کئی مصروفیات کی خبر ہے۔'' وہ طنزیہ سا کہتی اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔سنہری بالوں کی اونچی پونی بنائے' چھپکلی کے ڈیزائن والے لمبے آویزے پہنے' وہ حسب معمول خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔

''سنا ہے تم شادی کر رہے ہو۔سونی کو منا بھی لیا۔واہ۔'' آنکھیں اس پہ جما کر طنزیہ بولی۔ہاشم نے ابرو کے اشارے سے ملازموں کو جانے کا کہا اور اکتا کر کھانا ختم کرنے لگا۔''ویسے تم ہمیشہ ہی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ہونہہ۔اور شادی ٹوٹنے کا الزام میرے سر لگاتے رہے اتنے سال۔''

''تم کیوں آئی ہو؟''

''میرا نام ہے سعدی یوسف دیکھنے کے بعد میں گھر کیسے بیٹھ سکتی تھی؟ ویسے اب تک تو تم پہ واضح ہو چکا ہو گا کہ میں نے نہیں' فارس نے وہ ویڈیو ریلیز کی تھی جج والی۔مجھے تو سعدی نے یونہی درمیان میں پھنسایا تمہارا دھیان ہٹانے کے لیے۔''

''سب جانتا ہوں۔اور کچھ؟''

''اور یہ کہ اگر یوسفز واقعی تمہارے خلاف کیس کرنے جا رہے ہیں تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ جب مجھے subpeona کیا جائے گا تو میں عدالت میں کیا کہوں گی؟ آخر میرے سامنے بھی اعتراف کیا تھا ناشیرو نے سعدی کو گولیاں مارنے کا!''

وہ اسی وقت زینے اترتا نیچے آیا تھا۔ کھلے دروازے کے باعث شہری کی آواز کان میں پڑ گئی۔ پہلے ہی ابتر حلیے میں تھا' ملگجی ٹی شرٹ اور شارٹس' ان الفاظ پہ تو چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ تیزی سے سامنے آیا۔

''تم اس قابل نہیں تھی کہ تمہیں کوئی پسند کرتا یا تم سے کوئی دوستی کرتا۔ تمہاری وجہ سے میں نے اسے شوٹ کیا تھا' اور اگر تم نے.....''

''شیرو!'' ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرایا اور وہ باوجود غصے کے چپ ہو گیا۔ شہرین اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک تند و تیز نظر شیرو پہ ڈالی۔

''میں کس قابل ہوں تمہیں کورٹ میں معلوم ہو گا کیونکہ ڈیڈی نے مجھے دس منٹ پہلے بتایا ہے کہ کورٹ آرڈر کے ذریعے زمر نے ایف آئی آر میں تمہیں اور ہاشم کو نامزد کر دیا ہے۔''

''تھینک یو شہرین' تم جا سکتی ہو۔'' ہاشم نے سختی سے کہا تو وہ پرس اٹھا کر مڑی اور آگے بڑھ گئی۔ شیرو نہیں بیٹھا' شل سا کھڑا رہا۔ پھر بے یقین نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

''میرا نام.....؟''

''اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی ٹرائل نہیں ہو گا' نہ نہیں کوئی تاریخ ملے گی نہ کوئی تمہیں گرفتار کرے گا۔ کھانا کھانا ہے تو کھاؤ ورنہ.....'' اور اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی شیرو پیر پٹختا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ہاشم نے نیپکین زور سے پرے مارا اور پلیٹ دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ لاؤنج تک آیا ہی تھا کہ بیسمنٹ کی سیڑھیوں کا دروازہ کھول کر باہر آتی علیشا دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرالی بیگ کا ہینڈل تھا جسے وہ ساتھ ہی گھسیٹ رہی تھی۔ ہاشم اسے دیکھ کر رکا۔

''کیا تم واپس جا رہی ہو؟'' علیشا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر قدم قدم چلتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور چبھتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

''جی..... میں کبھی نہ آنے کے لئے واپس جا رہی ہوں۔'' چبا چبا کر وہ کہنے لگی۔ ''میں نے بہت کوشش کی آپ لوگوں سے اپنی محرومیوں کا انتقام لینے کی' آپ کو ذلیل کرنے کی' اپنا جائز پیسا آپ کی مٹھیوں سے نوچ لینے کی' مگر میں ہر دفعہ ناکام ہوئی۔ کیونکہ میں اکیلی تھی۔ اور کیونکہ میرے اندر فارس جتنی ہمت نہیں تھی۔ نہ میں سعدی کی طرح بہادر ہوں۔ میرا مقصد صرف پیسے کا حصول تھا۔ اور وہ مجھے نوشیرواں نے شیئرز واپس لیتے ہوئے کافی کثرت سے دے دیا ہے۔ اور نہیں ابھی میں ایئرپورٹ نہیں جا رہی۔ میں ہوٹل جا رہی ہوں۔ مجھے ایک دو دن مزید شہر میں رک کر ایک آخری کام کرنا ہے۔ پریشان مت ہوں' آپ کو تباہ کرنے کا کوئی کام نہیں۔ یہ سب یوسفز کر لیں گے۔ میں تو ہوں پیچھے کے پیچھے۔ تو ایک آخری چیز ڈھونڈ لاؤں آپ کے پاس' پھر اس کی قیمت آپ خود لگائیں گے۔'' ایک سانس میں کہہ کر وہ ایک زخمی نگاہ اس پہ ڈالتی آگے بڑھ گئی۔ ہاشم اسے گھور کر جاتے دیکھتا رہا۔

ایک ڈیڈ یو کیا ریلیز ہوئی' ہر ایک کی اتنی اوقات ہو گئی ہے کہ وہ یوں چڑھ کر اس سے بات کرے؟ ہونہہ۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

..................❖❖❖..................

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے ..... کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

وہ دن بھی خاموشی سے ڈھل گیا۔ شام اتری اور پھر رات چھا گئی۔ ندرت ریسٹورانٹ بند کر کے گھر آ گئی تھیں۔ سب اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔ فارس ابھی گھر نہیں آیا تھا سو گیٹ کھلا تھا۔ باہر دونوں گارڈز کو اس نے کسی بھی گھس بیٹھیے کو پوائنٹ بلینک پہ شوٹ..... گن والا شوٹ..... کر دینے کے احکامات جاری کر رکھے تھے۔ سوائے کسی ایسے لڑکے کے جو خاموشی سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا ور کسی تار کی مدد سے پورچ سے اندر کھلتا دروازہ کھولنے کی کوشش کرے۔ ایسے لڑکے کے بارے میں اس نے ریسٹورانٹ اور گھر دونوں جگہوں کے پہریداروں کو کہہ رکھا تھا کہ وہ اس کو یوں نظر انداز کریں جیسے اسے دیکھا ہی نہیں۔

ندرت وضو کر کے کمرے میں آئیں کہ نماز پڑھیں' پھر خیال آیا کہ کچن کا چکر لگا لیں۔ گیلے آستین بازوؤں پہ برابر کرتیں وہ باہر آئیں۔ کچن کے اندر آ کر لائٹ جلائی۔ سلیب پہ رکھی خالی بوتلوں کو دیکھ کر وہ غصہ چڑھا کہ الامان۔

"یہ حسین بیگم اور اسامہ خان' مجال ہے جو کبھی خود سے بوتلیں بھر کر رکھ دیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ فلٹر سے بوتلیں بھر کر سلیب پہ رکھ دیا کرو۔ آگے فریج میں رکھنے کا موسم آئے گا تب کیا کریں گے یہ؟ بے غیرت اولاد۔" کچن کی بوتلیں وہیں چھوڑ کر لاؤنج میں آ گئیں۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر چلتی ندرت نے لاؤنج اور ڈائننگ ٹیبل میں ادھر ادھر لڑھکی خالی بوتلیں اکٹھی کیں اور انہیں کچن میں لائیں۔

ایک دم وہ ٹھٹک کر رکیں۔ سامنے سلیب پہ چاروں بوتلیں بھری رکھی تھیں۔ پانی کے قطرے تک چمک رہے تھے۔ ندرت نے منہ میں انگلی دبائی۔ (شاید حنہ یا سیم میں سے کوئی.....) مگر چند قدم آگے آئیں تو مزید ٹھٹکیں۔ سیم اور حنہ ہمیشہ بوتلوں کو ان کے ڈھکن تک بھر دیتے تھے۔ وہ کہہ کہہ کر تھک گئیں کہ بوتل کو پورا نہیں بھرتے دو گھونٹ جگہ چھوڑتے ہیں تا کہ ڈھکن کھولو تو منہ پہ پانی نہ چھلک پڑے' مگر ان پہ اثر نہ ہوتا۔ لیکن ابھی جو بوتلیں بھری رکھی تھیں' ان میں دو دو گھونٹ جتنی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ ایسے جیسے ندرت بھرتی تھیں۔ ایسے جیسے سعدی بھرتا تھا۔ مگر..... انہوں نے سر جھٹکا۔ شاید زمر نے بھری ہوں۔ وہ دوسری بوتلوں کو بھر کر باہر نکل گئیں' اور کوئی خاموشی سے پینٹری کے دروازے کی اوٹ میں کھڑا ان کو دیکھتا رہا۔

زمر کے کمرے کی لائٹ ابھی تک جلی تھی۔ وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے' اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی لیپ ٹاپ پہ اپنا فیس بک گروپ کھولے ہوئے تھی۔ سعدی کی آئی ڈی کے سرخ زخمی گلاب پہ انگلی پھیرتے ہوئے وہ ایک ہی بات سوچے جا رہی تھی۔ وہ گھر کیوں نہیں آیا؟ وہ گھر کیوں نہیں آتا؟ پھر سر جھٹکا اور آن لائن تفسیر کھولی۔ پہلے چند آیات کو پڑھا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔

"میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں شیطان مردود سے۔

اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

گہری سانس لے کر اس نے کی بورڈ پہ انگلیاں رکھیں۔ وہ سعدی کے لیے لکھ رہی تھی یا اپنے لیے' کیا فرق پڑتا تھا؟ النمل کی آیات میں فرمایا جا رہا تھا۔

"یا کون ہے

جو جواب دیتا ہے لاچار کو

جب وہ اس کو پکارتا ہے

اور دور کرتا ہے اس کی تکلیف

اور وہ بناتا ہے تم کو زمین کا جانشین۔

کیا کوئی اللہ کے سوا ہے معبود؟

کتنی کم تم نصیحت پکڑتے ہو؟''

یہ آیت دل کو ایک دم چھا دیتی تھی۔ کی بورڈ پہ رکھی انگلیاں لرزیں۔

''پہاڑوں' نہروں' سمندروں اور زمین کی مثال دینے کے بعد آپ اللہ تعالیٰ ''انسان'' کی بات کرتے ہیں۔ ''انسان'' جو قرآن کریم کا موضوع ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انسان کو چٹان سا مضبوط' سمندر سا گہرا' اور زمین کی طرح پرسکون رہنا چاہیے' نہروں کی طرح ہر وقت بہہ نہ جائے' بلکہ سمندر کے کھارے اور میٹھے پانی کے حجاب کی طرح اپنے جذبات کو ابلنے سے روکے رکھے۔ مگر قرآن ان مضبوط چیزوں کی مثال دے کر ان سے زیادہ مضبوط مخلوق کی طرف آتا ہے' لیکن اس کی سخت لاچاری والی حالت دکھاتے ہوئے۔ انسان کے ساتھ پہلے اتنی مضبوط چیزوں کی مثال دی' پھر انسان کو اتنا کمزور کیوں دکھایا اس آیت میں؟'' اس کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے' لب کاٹتے ہوئے سوچا' پھر سر کو خم دیا۔

''مگر نہیں' کس نے کہا کہ مضطرب انسان ''کمزور'' ہوتا ہے۔ نہ انسان پہاڑ جیسا نہ سمندر جیسا نہ زمین جیسا ہو سکتا ہے ہر وقت۔ ہم پہ مختلف فیز آتے ہیں۔ اور جو سخت کمزور ترین لمحے ہیں... لاچاری اور اضطراب کے عالم میں اللہ سے دعا کرتا ہے' اس کی مثال ان مضبوط چیزوں کے آگے دی جا رہی ہے' کیونکہ دعا کرنے والا ان سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ جھکتے سجدے میں گرا ہو' رو رہا ہو' درد سے ہلک رہا ہو' وہی اصل بہادر ہے۔ کیونکہ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ چاہے لوگ کچھ بھی کہیں' چاہے سائنس کچھ بھی کہے' اس کی امید جوان ہوتی ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ وہی اس کے دل کو سکون دے گا' وہی اس کی آزمائش کو کھولے گا۔ آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے صبر اور نیک عمل کافی نہیں۔ دعا سب سے بڑا Catalyst ہے۔ دعا کے بغیر کیا ملتا ہے؟ اور مل جائے تو رہتا ہے کیا؟ دعا اللہ سے بات کرنا ہے' اور اسی بات نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر وہ اپنا بچہ دریا میں ڈال بھی دیں تو اللہ ایک دن اسے ضرور ان کے پاس پھیر لائے گا۔ اور پہلے موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا' مگر اللہ نے ان کو جمائے رکھا' کیونکہ اللہ سے تعلق نہیں توڑا تھا انہوں نے۔ اللہ سے بات کرنا نہیں چھوڑا۔ میری طرح نہیں کہ مصیبتوں پہ دل اتنا اچاٹ کر دیا کہ دعا مانگنی چھوڑ دی۔'' ایک زخمی سا تاثر اس کے چہرے پہ ابھرا۔ وہ چہرہ جھکائے' ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔

''دعا مانگنا بھی کوئی چھوڑتا ہے کیا؟ ایسے کوئی اللہ سے بات کرنا بھولتا ہے کیا؟ یہ اپنے گلٹ اور شکووں کی اونچی دیوار کیوں بنا لیتے ہیں ہم لوگ؟ ایسے کوئی کرتا ہے کیا؟ اور جو کرتا ہے وہ بھی تب تک سکون نہیں پائے گا جب تک واپس نہیں آئے گا۔ کچھ تو کاش اللہ سے بھی سیکھا ہوتا ہم نے۔ جانے والوں کو وہ روکتا نہیں ہے لیکن اگر وہ لوٹ کر آ جائیں تو ان کے لیے سارے دروازے کھول دیتا ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچتے ہم کہ یہ جو ہم روز بروز اپنی دنیا میں' شادی' بچوں' شوہر' کاروبار میں مصروف ہوتے جا رہے ہیں' کوئی جو ہم سے زیادہ بڑا انتظام سنبھالے ہوئے ہے' وہ ہمارے پلٹنے کا انتظار کرتا ہو گا۔ بے نیاز ہے وہ' فرق اسے نہیں پڑتا' مگر وہ ہمارے لیے ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم بھی اپنے لیے ہی اس سے محبت کرتے ہیں ویسے۔ اور اگر ہم.... کبھی بھولے بھٹکے سے لوٹ آئیں تو ہم ایک کام کرتے ہیں' ''دعا'' اس کو پکارنا... اور وہ تین کام کرتا ہے... اس آیت کے بقول وہ تین کام کرتا ہے... دعا کا جواب دیتا ہے... تکلیف کو دور کرتا ہے اور ہمیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ ہم کمزوروں کو اگر کوئی چیز اقتدار' انصاف اور طاقت دلا سکتی ہے' کنٹرول عطا کر سکتی ہے تو وہ صرف دعا ہے۔ لاچاری لاچاری ہٹے گی' تکلیف دور ہو گی' تب ملے گی اس کو خلافت۔ کونے میں پڑے ڈپریسڈ لوگوں کو نہیں ملتا کنٹرول۔ ہمیں سستی اور غفلت سے خود نکلنا ہو گا۔ اپنے ڈپریشن سے نکلنا ہو گا۔ اپنے گلٹ سے' اپنے اندر کے اندھیروں سے... اس کے بعد ملے گا ہمیں اختیار.... کہ معاف کرتے ہیں یا سزا دیتے ہیں۔ پھر ہم دیں گے سزا جسے ہم چاہیں' اور معاف کریں گے جسے ہم چاہیں۔ اور فسادیوں اور اپنے درمیان بنائیں گے ذوالقرنین کی دیوار جب ہم چاہیں۔ ایسا اختیار پانے کے لیے ہمیں اپنی تکلیف سے نکلنا ہو گا' اور تکلیف سے ہمیں دعا نکالے گی۔ خواہشوں کا مل جانا نہیں نکالے گا۔ میرا یہ

کام ہو جائے' مجھے اتنا مال یا اولاد مل جائے تب زندگی پہ میرا ''کنٹرول'' ہوگا' نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ہمیں مضبوط اور پر اعتماد زندگی دعا سے ملے گی۔دعا کیا کرو بچے۔یہی تمہارے کام آئے گی۔''

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لکھ رہی تھی گویا وہ سن رہا ہو۔گویا وہ پڑھ رہا ہو۔چلو کبھی تو پڑھے گا۔شاید تب وہ ایسی کوئی سطر ڈھونڈ لے جو اسے کرب سے نکال لائے.....

دیوار کے اس پار ندرت اپنے کمرے میں بچھے نماز والے تخت پہ بیٹھی' نماز ادا کر رہی تھیں۔وہ گھٹنوں کے مسئلے کے باعث دائیں ٹانگ سیدھی لٹاتیں اور بایاں پیر نیچے زمین پہ رکھتیں۔یوں اس حالت میں سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے وہ عشاء کے وتروں کی آخری رکعت میں تھیں۔ان کی نگاہیں تخت پہ بچھی نماز کی محراب پہ جمی تھیں اور روٹین کے انداز میں وہ کلمات ادا کر رہی تھیں۔کمرے کا دروازہ ان کی پشت پہ تھا' تبھی جب انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو آنے والے کو دیکھ نہیں پائیں۔آنکھیں جھکائے نماز پڑھتی رہیں۔کسی نے دھیرے سے دروازہ بند کیا تھا۔وہ تسبیحات ادا کرتی رکوع میں جھکیں۔

''نانا والے گھر کا صحن بہت بڑا تھا۔درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا۔وہاں صحن میں سب نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔''

رکوع میں جھکے جھکے ندرت نے وہ آواز سنی۔ان کے گھٹنوں پہ رکھے ہاتھ کپکپائے۔لبوں سے تسبیحات بمشکل ادا ہو پائیں۔

''نانا اپنے ابا جی کا قصہ اکثر سنایا کرتے تھے۔کہ وہ اس صحن میں اس درخت تلے نماز پڑھتے تھے۔ایک دفعہ بچھو کہیں سے نکل آیا۔ان کے سامنے بیٹھ گیا۔نانا کے ابا جی نہیں ہلے۔نماز ادا کرتے رہے۔بچھو نے ان کو ڈنک مار دیا۔ایک دفعہ۔دو دفعہ۔وہ نہیں ہلے۔'' کوئی ان کے عقب میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ندرت بدقت سیدھی ہوئیں۔سجدے کی جگہ پہ دھندلی اتر آئی۔کوئی آنسو گال پہ چکا تھا۔لب اللہ اکبر کہتے ہوئے کپکپائے۔

''وہ اپنی نماز مکمل کرتے رہے۔بچھو نے ان کو کئی ڈنک مارے۔تعداد مجھے یاد نہیں۔مگر سلام پھیر کر وہ گر گئے۔ان کو ہسپتال لے جایا گیا۔معجزاتی طور پہ ڈنک نے ان پہ زیادہ اثر نہیں کیا تھا۔وہ بچ گئے۔'' آواز قریب آ رہی تھی۔قدم ان کے پیچھے سے قریب آ رہے تھے۔ندرت نے کپکپاتے ہاتھ سجدے کی جگہ رکھ کر جھکتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

(پاک ہے میرا رب اعلیٰ رب.....)

''نانا اکثر یہ قصہ سناتے تھے۔پھر آپ سنانے لگیں۔آپ کہتی تھیں کہ انسان نماز نہیں توڑ سکتا۔میں بحث کرتا تھا۔کہ فتویٰ کہتا ہے توڑ سکتے ہیں۔مگر آپ کہتی تھیں تقویٰ کہتا ہے نہیں توڑنی چاہیے۔میں نہیں مانتا تھا۔اب مانتا ہوں۔'' سجدے کی جگہ پہ چہرہ اور کندھے جھکائے (وہ ماتھا نہیں ٹیک سکتی تھیں' کہ اتنا جھکنا ممکن نہ تھا) تسبیحات لرزہ خیز آواز میں ندرت کے لبوں سے نکل رہی تھیں۔آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جا رہے تھے' گرتے جا رہے تھے۔سارا منظر دھندلا گیا تھا۔وہ انہی تسبیحات کو دہرا دہرا کر پڑھ رہی تھیں۔

''انسان کو واقعی نماز نہیں توڑنی چاہیے۔ایک یہی وہ حالت ہوتی ہے جس میں آپ کو دیکھ کر لوگ فوراً سے رک جاتے ہیں...انتظار کر لیتے ہیں۔کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ آپ کو مخاطب کرلے۔کوئی آپ کو اشارہ تک کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔کیونکہ آپ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں' اور مسلمانوں کو اتنا خوف تو ہوتا ہے نا کہ کسی بندے اور اس کے رب کے درمیان نہ آئیں۔''

آواز ان کے کندھے کے عین پیچھے آ رکی تھی۔ندرت نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا اور تکبیر پڑھ کر دوبارہ سجدے میں جھکیں۔آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا دیا تھا۔لبوں سے الفاظ سسکیوں کی صورت نکل رہے تھے۔وہ بار بار تسبیحات کی تعداد بھول رہی تھیں' سو ان کو دہرائے جا رہی تھیں۔بار بار.....بار بار.....

''کوئی کسی کی نماز میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا.....سوائے ایک کے.....اور اس ایک کو تو اللہ کے رسول ﷺ نے بھی رعایت دی

ہے.....''

ندرت نے کندھے واپس سیدھے کیے۔ چہرہ بالکل جھکائے' ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔ اور التحیات پڑھنے لگیں۔ آنسوان کے چہرے پہ پھسلتے' تھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔ ٹپ ٹپ۔ جیسے موتی ہوں۔ شفاف موتی۔

''اور وہ ایک.....'' وہ ان کے بائیں گھٹنے کے ساتھ زمین پہ بیٹھا۔ کنکھیوں سے ندرت کو بس اتنا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک لڑکا ان کے ساتھ بیٹھ رہا ہے۔ اس کا سر جھکا ہے اور ہاتھ ندرت کے گھٹنے پہ ہے۔ ''اور وہ ایک حدیث ہے..... بچہ..... اور اللہ کے رسول ﷺ اپنی نواسی کو اٹھا لیتے تھے نماز میں.....سو میں سوچتا ہوں امی کہ اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آئے.....'' وہ بھیگی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ندرت کے لبوں سے الفاظ ہچکیوں اور سسکیوں صورت بلند ہونے لگے۔ ''اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آجائے اور وہ.....اور وہ رو بھی رہا ہو.....تو امی اس کی ماں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے بچے کو اٹھالے.....اور پھر اپنی نماز مکمل کرلے.....امی اللہ تعالیٰ اپنی نماز کے دوران بھی کسی کو اس کے بچے سے تکلیف کے عالم میں دور نہیں کیا کرتا.....اتنی اجازت تو ہے امی.....'' وہ ان کے گھٹنے پہ سر رکھ کر رونے لگا تھا۔ بالکل بچوں کی طرح۔ پھوٹ پھوٹ کر۔ بلک بلک کر۔ ندرت کی آنکھیں ہنوز بہہ رہی تھیں ان کی ہچکیاں اور ان کے درمیان الفاظ بلند ہو رہے تھے.....وہ رب اجعلنی پڑھ رہی تھیں۔

''اے میرے رب مجھے بنا پابند نماز کا اور میری اولاد کو بھی.....اے ہمارے رب دعا کو قبول کرلے.....اے ہمارے رب مجھے معاف کردے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو حساب کے قائم ہونے کے دن!''

ندرت نے گیلے چہرے کو دائیں طرف پھیرا' اس کو سلام اور رحمت اور برکت کی دعا دی۔ پھر بائیں طرف پھیرا' اس کو صرف سلام اور رحمت بھیجی۔ برکت کی دعا نہیں دی.....

وہ اسی طرح ان کے گھٹنے پہ سر رکھے رو رہا تھا آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان..... آہوں اور سسکیوں کے درمیان.....وہ کیا کہہ رہی تھیں.....وہ کیا سن رہی تھیں.....ان کو معلوم نہ تھا..... منظر دھندلا تھا.....مگر وہ اس کا چھوٹے کٹے بالوں والا سر اٹھا کر جھک کر اس کا چہرہ چومنے لگی تھیں۔ ''میرا سعدی.....میرا بیٹا.....'' وہ اس کو پیار کر رہی تھیں' اس کو دیوانہ وار خود سے لگائے چوم رہی تھیں' اور وہ روئے جا رہا تھا۔

سارے منظر دھندلے تھے.....گیلے تھے.....آنسوؤں سے تر تھے.....صرف ایک آواز آتی تھی.....میرا سعدی.....میرا بیٹا.....

دوسرے کمرے میں موجود زمر اس سب سے بے خبر لیپ ٹاپ آف کرکے اٹھی اور پھر سیل دیکھا۔ قدرے فکرمندی سے اسے کال ملا کر فون کان سے لگایا۔

''کدھر ہو؟''

''آج تو بہت مس کر رہی ہیں۔ خیریت!'' وہ مسکرا کر بولا تھا۔ غالباً ڈرائیو کر رہا تھا۔

''گیٹ لاک کرنا ہے۔ اور کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے کہتی بیڈ کی چادر خوامخواہ جھاڑنے لگی۔

''میں سوچ رہا تھا آج ہم ڈنر باہر کریں۔''

''ڈنر کا وقت دو گھنٹے پہلے گزر چکا فارس غازی۔ اب آپ شریف انسانوں کی طرح گھر تشریف لے آئیے۔''

''نو ڈلی اور آفٹر ہمارے لیے ۲۴ گھنٹے کھلا ہوتا ہے مادام۔ چابی ہے میرے پاس۔ آپ تیار ہو جائیں۔ میں آپ کو پک کرلوں گا۔''

وہ رک گئی۔ ''اس وقت تو نہ کوئی شیف ہوگا نہ بیرا۔ پھر؟''

''شیف آپ بن جائیں گی' بیرا میں بن جاؤں گا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ زمر کے لبوں پہ مسکراہٹ آرکی۔

''اگر یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے کوکنگ کروں تو گھر آجاؤ۔''

''مجھے معاف کیجئے۔ گھر میں پورے خاندان کے سامنے نہیں میں کوکنگ کروانے والا آپ سے۔ تیار ہو جائیے۔ میں آنے

والا ہوں۔"

"اچھا بہ بتاؤ' کیا ہوا؟ آگے بچھے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"اسٹیک۔ کسی بھی قسم کی۔" پھر رکا۔ "آپ کو بنانی آتی ہیں نا؟"

"نیور۔ مسئلہ ہی کوئی نہیں۔" ادھر اس نے فون رکھا' ادھر زمر نے جھٹ گوگل کھولا۔ دو چار ترا کیب کے اسکرین شاٹس لیے' پھر جلدی سے الماری کھولی اور چند ہینگرز الٹ پلٹ کیے۔ ایک سیاہ سلک کی لمبی قمیض نکالی جس کے گلے پہ ننھے ننھے موتی لگے تھے۔ یہ ٹھیک رہے گی۔ اور جلدی سے تیار ہونے چلی گئی۔

وہ کار باہر گیٹ تک لایا اور سیل نکال کر اسے کال کرنے لگا۔ زمر نے کال کاٹ دی یعنی وہ آرہی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا اور دوبارہ سے ان باکس میں موجود وہ پیغام پڑھا۔

"سر' ریسٹورانٹ میں میں نے کسی کو جاتے نہیں دیکھا' لیکن اوپری منزل کی بتی جلی ہوئی ہے۔ شاید وہ لڑکا آ گیا ہے۔" فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"زمر بی بی! آپ شیف بننے والی کریں' دو پیر سے حاضر ہوں گے آپ کے لئے۔" اور دوسرے پیرے سے ہی اس کی سرپرائز ملاقات کروانے دو چار باتھا۔ وہ کتنی خوش ہوگی' سوچ کر ہی اسے مزہ آرہا تھا۔

موبائل یکدم زوں زوں کرنے لگا۔ فارس نے دیکھا' آبدار کالنگ۔ اس نے کال کاٹ دی۔ پھر ایک پیغام موصول ہوا۔ "کیا آپ اس وقت آسکتے ہیں میرے پاس؟ پلیز مجھے آپ کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد کالز پہ کالز آنے لگیں۔ اس نے اکتا کر فون ہی سائیلنٹ پہ لگا دیا۔ تبھی گیٹ کھلا اور وہ باہر آتی دکھائی دی۔ سیاہ جھلملاتے لباس میں' گھنگریالے بال سمیٹ کر چہرے کے ایک طرف آگے کو ڈالے' ناک میں ننھی سونے کی نتھ پہنے' وہ ایک سادہ مگر بے نیاز مسکراہٹ کے ساتھ چلی آرہی تھی۔ جب فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو وہ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا' کہے بغیر نہ رہ سکا۔ "اچھی لگ رہی ہو۔"

"میں بری لگی ہوں کیا کبھی۔" اس نے شانے اچکائے۔

چڑیل' گھنگریالے بالوں والی ڈائن' سڑی ہوئی پراسیکیوٹر جیسے وہ تمام القابات فارس کو یاد آئے جو کچہری میں لوگ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے لیکن.... وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔ "تو کُکنگ کریں گی آج آپ میرے لئے؟"

"اگر تم بیہیو کرو گے تو ہاں!" وہ بھی سادگی سے مسکرائی۔ فارس نے سر کو خم دیتے ہوئے ایکسلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھایا اور گیئر کو حرکت دی۔ کار زن سے آگے بڑھ گئی۔

.... ☆☆☆ ....

ترے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے ..... بکھر چلے ہیں ترا انتظار کرتے ہوئے

سبز بیلوں سے ڈھکا مور چال خاموش کھڑا رہ گیا۔ اس کے اندر جاؤ تو ندرت ہنوز نماز والے تخت پہ تھیں' اور وہ ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ چہرے پہ تکان تھی' مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ ندرت ابھی تک رو رہی تھیں' بار بار اس کے چہرے اور سر پہ ہاتھ پھیرتیں۔

"بے غیرت نہ ہو تو' یہ بالوں کو کیا کر لیا ہے؟ نا اتنے دن سے کدھر تھے؟ ماں کا خیال بھی نہیں آیا۔" کہتے کہتے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ اس نے گہری سانس لی۔

"بس مارنا نہیں بھولتیں آپ ندرت بہن۔ پلاننگ کرتے وقت میرے لئے مایونیز لینا بھول جاتی ہیں لیکن۔ اگر پتہ تھا کہ میں نے آنا ہے' تو میں ناشتے میں کیا کھاؤں گا' اتنا تو سوچا ہوتا۔"

''لے آئی ہوں مایونیز' کیسے بھول سکتی تھی!'' وہ اس کی بات کی گہرائی میں گئے بغیر آنسو پونچھتے بتا رہی تھی۔ پھر کار کی آواز آئی تو حنین نے کار کی طرف دیکھا۔ سعدی نے انہیں اٹھنے سے روکا۔ ''میں دیکھ چکا ہوں۔ فارس ماموں اور زمر ہیں' باہر گئے ہیں۔ ان کو ابھی نہ بلایئے گا۔ جانے دیں۔''

''اچھا مگر...'' وہ پیر نیچے اتار کر چپل تلاش کرنے لگیں۔ ''باقی سب کو تو بلاؤ' حنین' اسامہ...'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ ان کے ساتھ باہر نکلا۔

اسامہ یوسف اس وقت کو بیگم کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا اور جمائیاں روکتا اس کو سن رہا تھا جو نہایت جوش و خروش سے بولے جا رہی تھی۔

''تم سوچ نہیں سکتے سیم وہ جو گھر میں نے گوگل پہ دیکھے۔ وہ کوئی عالیشان محل نما گھر نہیں تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے گھر تھے' ان کے کمرے تو ہمارے سے بھی چھوٹے تھے۔ مگر کس طرح ان کو سجایا گیا تھا' الامان۔ میں سمجھتی تھی خوبصورت گھر بڑے گھر ہوتے ہیں' مگر مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ چھوٹے گھر زیادہ خوبصورت بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر انسان کو سلیقہ آتا ہو۔''

''حنہ صبح اس سلیقے پہ بات کریں گے۔ ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔''

حنین نے اس کے سر پہ چپت رسید کی۔ ''دو منٹ سکون سے بیٹھ کر میری بات نہیں سن سکتے؟ ابھی سعدی بھائی ہوتا نا تو...'' باہر سے کوئی شور سا بلند ہوا تھا۔ دونوں چونک گئے۔ ابا کی آواز... ابا کے رونے کی آواز۔ حنین اور اسامہ نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ننگے پیر بستر سے اتر کر باہر بھاگے۔ لاؤنج میں سب موجود تھے۔ ندرت نے صداقت اور حسینہ کو بھی بلوا لیا تھا۔ وسط میں صوفے پہ ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی اور وہ روتے ہوئے کسی سے گلے مل رہے تھے۔ بول کچھ نہیں پا رہے تھے' بس آنکھیں بند کیے روتے جا رہے تھے۔ ان سے ملنے والا اڑکا سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھا' مسکرا کر ان کے گلے لگ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ بال چھوٹے چھوٹے کٹے تھے' شیو بڑھی ہوئی تھی اور منہ کا زخم ویسا ہی تھا۔

حنین وہیں جم گئی۔ گویا پتھر کا بت ہو۔ آنکھیں شاک کے عالم میں کھلی رہ گئیں۔ سیم چیخ مارتا تیزی سے بھاگا اور پیچھے سے جا کر سعدی سے لپٹ گیا جو خود ابا سے گلے ملنے کی حالت میں جھکا ہوا تھا۔ سیم کے اس انداز پہ وہ ہنستے ہوئے الگ ہوا اور سیم کو بازو پھیلا کر اپنے ساتھ لپٹایا۔ صداقت خوشی خوشی پانی لے آیا کہ ابا کو پلائے۔ حسینہ (جس کو ندرت نے کھانا گرم کرنے کا کہا تھا۔) دوپٹہ دانتوں میں دبائے دلچسپی سے منظر نامہ دیکھنے لگی۔ (ان لوگوں کا بھی نا روز کوئی نیا ڈرامہ ہوتا ہے۔)

ساکت' متحیر' شل سی حنین کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھلے۔ آنکھوں میں چمک سی ابھری' اور نمی بھی۔

وہ ننگے پاؤں لاؤنج کے ٹھنڈے مرمریں فرش پہ چلنے لگی۔ وہ اب ہنستے ہوئے سیم کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا' ابا کو کچھ کہہ رہا تھا۔ (شاید یہ کہ سیم بڑا ہو گیا ہے۔)

حنین قدم اٹھاتی رہی۔

گویا برف کا صحرا تھا جس میں وہ قدم قدم چلتی جا رہی تھی۔

فاصلہ عبور کرتی جا رہی تھی۔

وہ مسافت کتنی طویل تھی.....

وہ مسافت کتنی سرد' کتنی کٹھن تھی۔

اس کے پیر ٹھنڈے ہو کر جمنے لگے تھے مگر وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتی..... آگے بڑھتی گئی۔

صوفے کے کنارے دو، کی۔ "بھائی!" کسی نے اس کی پکار نہیں سنی۔ سیم اور ابا اب خوشی سے (آنسو پونچھتے) بات کر رہے تھے' ندرت کچن میں صداقت کو لیے چلی گئی تھیں۔ صرف سعدی نے گردن اٹھائی' پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا جو اس کی پشت پہ کھڑی تھی۔ اس کا کپکپاتا ہاتھ صوفے پہ جما تھا اور مسکراتی متحیر نظریں سعدی پہ۔

"کیسی ہو حنین؟ ٹھیک ہو؟ ابا' سیم کتنا بڑا ہو گیا ہے' کیا یہ اب آپ کی دوا کا خیال رکھتا ہے۔" وہ دو لفظ اس سے بول کر مڑ کر اپنے ساتھ لگے سیم کی بابت ابا سے مسکرا کر دریافت کرنے لگا۔ جواب میں سیم زور سے اپنی کارکردگی بتانے لگا اور ابا ہنستے ہوئے اس کی تائید کرنے لگے۔ "یہ میرا تمہاری طرح خیال رکھتا تھا۔"

ایسے میں صرف حسینہ نے محسوس کیا کہ پیچھے کھڑی حنین کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی ہے اور وہ اسی طرح ابھی متحیری کھڑی رہ گئی ہے۔ صوفے کی پشت پہ رکھا ہاتھ بھی جم گیا ہے اور وہ یک ٹک سعدی کے سر کی پشت کو دیکھ رہی تھی' جس نے دوسری نظر اس کو دیکھا تک نہیں تھا۔

کیا اس لئے پار کیا تھا برف کا صحرا اگر آخر میں سفید مجسمہ ہی بن جانا تھا؟

.... ❖❖❖ ....

کوئی قیس تھا تو ہوگا' کوئی کوہ کن تھا' ہوگا ...... مرے رنج مختلف ہیں' مجھے ان سے نہ ملاؤ

رات کی سرد پُرسکون خاموشی میں فوڈ ہل اپورآنزر کی عمارت بھی ویران پڑی تھی۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ پارکنگ خالی تھی۔ وہ دونوں کچن کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ زمر نے بتی جلائی تو کچن روشنی میں نہا گیا۔ وہ سیاہ لباس پہ سیاہ جیکٹ پہنے ہوئی تھی۔ اب جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گردن گھما کر طائرانہ نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

"سو تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے کچھ بناؤں۔" مسکراہٹ دبا کر پوچھا تو وہ جو کچھ کہنے لگا تھا' فون کی وائبریشن پہ ٹھہرا' اثبات میں سر ہلایا اور فون نکال کر دیکھا۔ آبدار کی 25 مسڈ کالز۔ لیکن ابھی فون حنین کے نام سے جل بجھ رہا تھا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ "ہاں حنہ' بولو۔" زمر آستین پیچھے کو موڑتی فریج کی طرف بڑھ گئی تھی اور اسے کھولے جھک کر مختلف اشیا الٹ پلٹ کرنے لگی۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں بھائی کے آنے کا۔" وہ کچھ ناخوش' الجھی الجھی لگ رہی تھی۔ فارس بری طرح چونکا۔ "تمہیں کیسے پتا؟ کیا سعدی نے کچھ کہا ہے؟" زمر اس نام پہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں کہا' یہی تو غم ہے۔"

"حنین کیا کہہ رہی ہو؟" وہ ٹھٹکا۔

"بھائی گھر آ گیا ہے۔ اس وقت وہ لاؤنج میں امی کے ساتھ......" فارس نے پوری بات سنے بغیر بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ نیچے گرایا اور ایک دم چہرہ اٹھا کر دروازے کو دیکھنے لگا۔

"اگر وہ وہاں ہے تو یہاں کون ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ زمر مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا' ساتھ ہی وہ مسلسل چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دم بالکل بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ "تم یہیں رکو۔ میں آتا ہوں۔"

"فارس کیا ہوا ہے؟"

"گارڈ نے مجھے کہا سعدی ادھر ہے مگر...... تم یہیں رکو۔" وہ برہمی سے کہتا باہر نکلا تو وہ فکرمندی سے پیچھے آئی۔ وہ ریسٹورانٹ کے اندھیر اور سنسان پڑے لاؤنج میں دبے قدموں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا ریٹنا پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ چوکنا ہو کر ادھر ادھر دیکھتا وہ کسی کی تلاش میں تھا۔ اندھیرے میں فارس کا ہیولہ دکھائی دیتا تھا جسے وہ فکرمندی سے دیکھے گئی۔ فارس اوپن ہال کا دروازہ دھیرے سے دھکیلتا اندر جا رہا تھا۔ زمر کھڑی رہی کیونکہ اس نے کہا تھا وہ یہیں رکے۔ اور پھر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس کی گردن کی پشت کو کسی ٹھنڈی چیز نے

بے لیگل ایڈوائس لینی ہے۔"

"میں فیملی کورٹ میں پیش نہیں ہوتی۔" وہ بے زاری سے بولی' پھر سر جھٹکا۔ "اچھا بھیج دو۔" اور نظریں کی بورڈ پہ جھکائے ٹائپ کرنے لگی۔

چند ثانیے...... لمحے سرکے......اور مدھم آہٹ سے دروازہ کھلا۔ زمر نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ وہ اس کا پرفیوم پہچانتی تھی۔ اس سے سر نہیں اٹھایا گیا۔ وہ براؤن جوگرز فرش پہ رکھتا...قدم بقدم چلتا قریب آتا گیا۔ زمر کی جھکی آنکھیں جھکی رہیں' البتہ چہرے پہ بہت سے رنگ آکر غائب ہوئے۔ دل زور کا دھڑکا۔ وہ میز کے دہانے آرکا۔

"فیملی کورٹ میں پیش ہوں یا نہ ہوں' کسی بھی وقت فیملی کورٹ ضرور لگا لیتی ہیں آپ۔ جج' جیوری اور جلاد بھی خود ہی بن جاتی ہیں۔" میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکا تو اس نے پلکیں اٹھائیں۔ نظریں ملیں۔ وہ ویسا ہی تھا۔ ویسے ہی بال' وہی گرے سویٹر' وہی مسکراتی شہری آنکھیں۔ البتہ اس کو دیکھنا... اتنے دن بعد... کتنا اچھا لگا تھا۔ لمحے بھر کو وہ بھول گیا کہ ان کی آخری لڑائی کس بات پہ ہوئی تھی۔ بدقت اس نے چہرے پہ چھائی سنجیدگی برقرار رکھی۔ بدقت۔

"ادھر بیٹھ جاؤں یا یہ کرسی بھی آپ کی طرح کاٹتی ہے؟" اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرا کر بولا تھا۔

"بیٹھیے۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔ کون سا لفظ لکھنا تھا' کون سا مٹانا تھا' اب کہاں یاد رہنا تھا؟

وہ سامنے کرسی پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور ٹیک لگا کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ زمر کو یاد آ ہی گیا کہ وہ کیوں ناراض تھی؟

"اکیلے ہی واپس آ گئے؟ اپنی دوسری بیوی کو ساتھ نہیں لائے۔"

"تیسری!" اس نے تصحیح کی۔

"اوہ ہاں' تیسری!" وہ ضبط سے بولی۔ "مجھے بھول گیا تھا کہ تمہیں شادیاں کرنے اور بیویوں کو مارنے کا کتنا شوق ہے۔"

"شوق کا پھر کوئی مول تو نہیں ہوتا نا۔" (وہ اندر تک جل گئی۔)

فارس سنجیدہ ہوا' اور خفگی سے اسے دیکھا۔ "ایسا لگتا ہوں میں تمہیں کہ اسے یہاں لے آؤں گا؟" زمر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کا مان بھرا انداز... دل چاہا ناراضی ختم کر دے کہ...

"کیوں لاؤں گا اسے میں یہاں؟ تیسری بیوی کو تو الگ گھر لے کر دینا چاہیے نا۔"

چلو جی! اس کا سارا موڈ غارت ہو گیا۔ زور سے لیپ ٹاپ پرے کیا اور اس کو غصے سے دیکھا۔ "یہاں کیوں آئے ہو؟"

"یہ دیکھنے کہ تمہیں واقعی پروا نہیں ہے کیا۔" اب کہ وہ سنجیدہ تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"تم اس کے اپارٹمنٹ میں تھے۔ اس کے ساتھ۔" اس کی آواز کانپی۔

"اتنے دن میں اتنا تو سوچ بچار کر کے ہی آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس نے وہ الفاظ آپ کو سنانے کے لئے جان کر کہے تھے۔"

وہ لمحے بھر کو رکا۔ زمر اسی طرح اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھے گئی۔

"تم اس بات پہ ناراض نہیں ہو زمر بلکہ اس لیے ہو کہ میں نے تم سے سچائی چھپائی۔"

"ہاں میں اسی لئے ناراض ہوں۔" اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "تم نے مجھ سے ہمیشہ جھوٹ بولا جبکہ میں نے تمہیں ہمیشہ سچ بتایا۔"

"ہاں مگر جب تمہیں ہاشم کی حقیقت پتہ چلی تو تم نے مجھے نہیں بتائی۔"

"میں تمہارے لئے فکر مند تھی' تمہارا بچاؤ کر رہی تھی۔"

چھوا تھا۔ پستول کی نال جیسی ٹھنڈی۔ وہ منجمد ہوگئی۔ مڑ بھی نہ سکی۔

"ہلنامت ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ پچھلی دفعہ کمر میں ماری تھی' اس دفعہ کھوپڑی کے پار جائے گی۔" وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ صرف پانچ برس قبل اس فون کال پہ نہیں پہچان سکی تھی۔

"اب آہستہ سے مڑو۔" دوسرا حکم جاری ہوا۔ وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گویا پتھر کے بت کی طرح گھومی۔ دھیرے سے۔ اب اس کے مخاطب کا وجود سامنے آیا۔

کوٹ اور اونی ٹوپی میں ملبوس بڑھی شیو والا کرنل خاور اس کے اوپر پستول تانے اسے گھور رہا تھا۔ زمر نے جواباً اس کو بھی انہی نظروں سے دیکھا۔ پرسکون مگر چبھتی ہوئی نظریں۔

"اب اس کرسی پہ بیٹھ جاؤ۔" اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی جو اس نے میز پہ ڈال دی اور ایک کرسی کھینچ کر کچن کے وسط میں رکھی۔ اسے دوبارہ اشارہ کیا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے اس کے پہریدار کو خرید لیا اور اس کے قبر سے فارس کو منتقل کیا تاکہ وہ ادھر آئے۔ تم نے اسے سعدی کا جھانسہ دیا؟ ہے نا؟"

"بیٹھ جاؤ ڈی اے۔" اس نے غرا کر کہا۔ وہ کرسی پہ آ بیٹھی۔ گھٹنے ملائے۔ ہاتھ بدستور جیبوں میں تھے۔

"اب اس ہتھکڑی کو دونوں ہاتھ پیچھے کر کے پہنو۔" اس نے اگلا حکم دیا۔ ساتھ ہی بار بار دروازے کو دیکھتا گیا۔ وہ نہیں ہلی۔ بس گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ "مجھے ترس آتا ہے تم پر۔"

"پہنو زمر صاحبہ!" وہ گھرک کر بولا۔ زمر نے جواباً جیبوں سے بند مٹھیاں نکال کر ان کو کرسی کے پیچھے لے جا کر ملایا' مگر ہتھکڑی کو نہیں چھوا' "میں اپنے ہاتھوں سے خود کو ہتھکڑی نہیں لگاؤں گی۔ میں دوسروں کو ہتھکڑی لگوایا کرتی ہوں۔"

"لگتا ہے زمر صاحبہ' آپ نے پانچ سال پہلے والے واقعے سے کوئی سبق نہیں سیکھا!" وہ ہتھکڑی اٹھا کر اس کے پیچھے گیا اور جھک کر اس کے ہاتھ تھامنے چاہے۔ صرف ایک لمحے کے لیے وہ جھکا تھا' صرف ایک لمحے کے لیے..... مگر وہ اٹھ نہیں سکا کیونکہ پیچھے سے اس کے سر پہ پستول کا دستہ زور سے آ لگا تھا۔ نازک حصے پہ لگنے والی چوٹ کے باوجود وہ گرا نہیں' بلکہ اسی پھرتی سے پلٹا اور پوری قوت سے پیچھے کھڑے فارس کے منہ پہ مکا دے مارا۔ فارس کا توازن بگڑا تو وہ پیچھے کو لڑھکا' لیکن پھر دوبارہ خاور کو گریبان سے پکڑ کر میز پہ کمر کے بل گرایا۔ زمر اب تک اٹھ کر سامنے دیوار سے لگی کھڑی تھی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی تم میری بیوی کے قریب آؤ۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟" وہ سرخ بھبوکا چہرہ لیے اس کے سینے پہ دباؤ ڈالے اس کے منہ پہ زور زور سے مکے مار رہا تھا۔ خاور کو دھندلا سا اپنے اوپر جھکا فارس نظر آ رہا تھا اور پھر اس کے کندھے کے پیچھے آ کر رکتی زمر۔

"بس کرو فارس' وہ مر جائے گا۔" پھر اندھیرا تھا۔ گناہوں جیسا سیاہ اندھیرا۔

منظر بہت دھندلا تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ چھت پہ لگا ایک سفید بلب جل رہا تھا۔ اس نے گردن سیدھی کی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا چہرے اور گردن تک کوئی چیز چپکی ہو۔ شاید اس کا خون تھا۔ اس نے پھر سے آنکھیں جھپکیں۔ کندھے سیدھے کیے۔ تب محسوس ہوا کہ دونوں ہاتھ دائیں بائیں دیوار سے بندھے ہیں۔ شاید گیس پائپ کے ساتھ۔ اس نے کلائیاں کھینچیں مگر وہ ہتھکڑیوں میں کسی ہوئی تھیں گویا وہ کسی صلیب پہ کھڑا ہو۔ صلیب کے نشان کی سی صورت بندھا کھڑا ہو۔ بھاری پلکیں اٹھا کر اس نے دیکھا۔

کچن کے دوسرے کونے میں' وہ دونوں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ مرد اور عورت۔ مرد کی اس طرف پشت تھی' اور وہ دونوں ہلکی

جھنجھلاہٹ کے ساتھ آپس میں بات کر رہے تھے۔ اس کے مختل ہوتے حواس جاگنے لگے۔ گردن کو دائیں بائیں گھما کر ایکسرسائز کے انداز میں گویا تازہ دم کیا' پھر آواز لگائی۔ ''مجھے مارنے کے لیے ادھر باندھا ہے کیا؟''

فارس گھوما اور پستول اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں خون اترا ہوا لگتا تھا۔

''ایک لفظ نہ نکالنا منہ سے ورنہ میں واقعی تمہیں گولی مار دوں گا۔''

''اچھا۔'' زخمی چہرے اور سوجی آنکھ والا خاور ہنسا۔ ہنستے ہنستے سر جھٹکا۔ ''تم نے میری زندگی برباد کر دی اور اب یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں جانے دوں گا؟''

''ہم نے تمہاری زندگی برباد نہیں کی۔'' زمر ناگواری سے کہتی دو قدم آگے آئی۔ ''تم نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے کرنل خاور۔''

خاور کی نظریں زمر سے ہوتی فارس تک گئیں۔ ''بیوی کو نہیں بتایا کہ تم نے اور سعدی نے میرے ساتھ کیا کیا؟ آبدار کے ذریعے تم نے اسے پیغام بھجوایا' ہامان کو سولی چڑھا دو۔ وہ کاغذ مجھے اس لڑکے کے سامان سے جلد مل گیا تھا۔ پھر سعدی نے زمر صاحبہ میرے اوپر الزام لگایا کہ میں نے اور نگزیب صاحب کو قتل کیا ہے' اور پھر جب وہ مجھے چکمادے کر بھاگ نکلا تو میں اس کے پیچھے آیا تھا۔ ایک پارک میں۔ آبدار صاحبہ کے ساتھ۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں دیکھا تھا میں نے تمہیں فارس غازی۔ اور تمہاری ساری گیم سمجھ گیا تھا میں۔

بیوی کو یرغمال بنانے کا تو تم سے اعتراف بھی کرا لیتا۔'' پستول والا ہاتھ زور سے اس کے منہ پہ پڑا تھا۔ خاور کا چہرہ گھوم گیا۔ کنپٹی سے خون پھل پھل گرنے لگا۔ لیکن اس نے فوراً سے مسکراتا چہرہ واپس موڑ لیا۔

زمر چونک کر فارس کو دیکھنے لگ گئی۔ یہ انکشاف اس کے لیے نئے تھے۔

''میرا آدمی کہاں ہے؟ تم کس ارادے سے یہاں آئے تھے؟'' اس پہ پستول تانے وہ غرا کر پوچھ رہا تھا۔

''اسے کہیں جھاڑیوں میں مار گرایا تھا' وہیں پڑا ہو گا۔ مگر ظاہر ہے پہلے اس سے میسج کروایا تھا۔ میں چاہتا تھا تم پورے خاندان کے ساتھ آؤ اور ہم تمہارے کسی بوڑھے یا بچے کو درمیان میں رکھ کر بات کریں۔ تم کیس تک واپس لے لیتے اگر میں آج یہ کر لیتا۔''

فارس نے جواب نہیں دیا۔ وہ بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے اسے سرخ آنکھوں سے گھورتا رہا۔ زمر جو پہلے اچنبھے سے فارس کو دیکھ رہی تھی اب اس کے چہرے پہ تشویش پھیلنے لگی۔ ''فارس۔'' اس نے دھیرے سے پکارا مگر وہ اسی طرح خاور پہ نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

''تمہارے ساتھ اور کون کون ہے؟ کیوں آئے تھے تم یہاں اس وقت؟''

''تمہیں کمپرومائزنگ پوزیشن میں لانا چاہتا تھا' لیکن بونس کے طور پہ مجھے کیا ملا؟'' اس نے لال انگارہ آنکھوں کا رخ زمر کی طرف پھیرا۔ ''مسز زمر کے تمام ڈاکومنٹس جو اوپر فائلز میں لگے پڑے ہیں۔ ہاشم کے لیپ ٹاپ کی فائلز۔ اب مجھے صرف جا کر ہاشم کو یہ بتانا ہے اور وہ ان ڈاکومنٹس کا توڑ کر لے گا۔''

''یہ تب ہو گا جب تم زندہ یہاں سے جاؤ گے۔'' فارس کی اس پہ گڑی آنکھوں میں مزید سرخی اترنے لگی۔ وہ بنا پلک جھپکے' بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے بالکل بدلا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ اس کا تنفس تیز تھا' کان سرخ تھے اور اندر سے گویا کوئی آگ نکل رہی تھی۔

''فارس۔'' اس کے قریب کھڑی زمر نے بے چینی سے پکارا۔ ''ظاہر ہے وہ زندہ یہاں سے جائے گا۔ اس کو جانے دو۔''

''نہیں۔'' اس پہ نظریں جمائے فارس غازی نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ زمر کی رنگت فق ہوئی۔ البتہ خاور کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی۔

''تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟ تمہیں لگتا ہے میں زندہ ہوں؟ میں تو غازی اسی دن مر گیا تھا جب بازار میں میرے دو بیٹوں کو گولیاں ماری گئی تھیں۔ یہ اتنے برس میں زندہ تو نہیں تھا۔''

”خاور پلیز چپ ہو جاؤ۔“ زمر نے بات کاٹی مگر اسے کوئی نہیں سن رہا تھا۔

”مارنا چاہتے ہو مجھے؟ چلو آؤ مارو مجھے۔“ دیوار سے بندھے خاور نے سر کے اشارے سے گویا اسے چیلنج کیا۔ فارس پستول اس پہ تانے دو قدم آگے بڑھا۔ زمر احتیاط سے اس کے ذرا قریب آئی۔ ”فارس اس کو جانے دو۔“

”تمہیں مجھے مار ہی دینا چاہیے، کیونکہ ہاشم کے بغیر میری کوئی زندگی نہیں ہے۔ تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا، اب زندگی بھی لے لو۔ آؤ نا غازی، مار دو مجھے۔ چلاؤ گولی۔“

”فارس اس کی بات مت سنو۔ اس کو جانے دو۔“ زمر نے بے چینی سے پکارا۔

”تمہارے بھائی کو میں نے اپنے انہی ہاتھوں سے مارا تھا، ایسے ہی باندھ کر۔“ وہ اپنی کسی ہوئی مٹھیاں بھینچ کر بتا رہا تھا۔

”میرے بھائی کا نام مت لو۔“ وہ آنکھیں اس پہ مرکوز کیے غرایا۔

”کیوں نہ لوں؟“ خاور تلخی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تم اس کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہو مجھ سے۔ تم مجھے اور ہاشم کو قتل کرنا چاہتے تھے نا، لو اب کر لو۔“

فارس کو وہ اپنے سامنے دیوار سے بندھا نظر آ رہا تھا۔ اس منظر میں سرخی بھی تھی، دھندلاہٹ بھی۔ اور اس منظر میں چند دوسرے مناظر بھی ابھر ابھر رہے تھے۔ پنکھے سے لاش جھول رہی تھی جسے وہ دوڑ کر پیروں سے پکڑ رہا تھا..... دو چھوٹی چھوٹی بچیاں ایک کفن میں لپٹے شخص کے سرہانے رو رہی تھیں، ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رہی تھیں.....

”گولی چلاؤ غازی۔ بدلہ لو اپنے بھائی کا۔ زرتاشہ کا۔ زمر کا۔ سعدی کا۔ لو مجھ سے بدلہ۔ جیسے میں نے لیا تھا۔ جب اس بریگیڈیر اور اس کے پورے خاندان کو مار ڈالا تھا۔ تب میں وہ بنا تھا جو آج میں ہوں۔ اور آج تم میرے جیسے ہو گے۔“

فارس کا منظر ویسا ہی تھا۔ سرخ دھندلا سا۔ وہ ہسپتال کے بیڈ پہ سفید چہرہ لیے بند آنکھوں اور سیاہ بالوں والی لڑکی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے، چہرہ شکستگی کے عالم میں جھکائے ہوئے تھا۔ اس لڑکی کا ہاتھ بہت ٹھنڈا اور بے جان تھا۔

”چلاؤ گولی۔ مار دو مجھے۔“

”فارس، اس کی مت سنو۔ یہ تمہارے جذبات سے کھیلنا چاہ رہا ہے۔“ وہ فکرمندی سے کہتی اس کے مزید قریب آئی۔ ایک ایک قدم احتیاط سے رکھتی تھی۔ ”تم اس کو نہیں مارو گے۔ تم اس کی جان نہیں لو گے۔ تم قاتل نہیں ہو فارس۔“

فارس نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح خاور پہ نگاہیں تانے رہا۔ خاور نے ہلکے سے ہنس کر سر جھٹکا۔ ”مجھے معلوم تھا تم مجھے نہیں مارو گے۔ چلو مجھے غلط ثابت کرو۔ چلو مجھے جہنم میں پہنچا دو۔ ہمت ہے؟ غیرت ہے؟ ہے یا نہیں فارس غازی؟ مرد ہو؟“ وہ غرایا تھا۔

فارس کا نفس تیز ہونے لگا۔ آنکھوں کی تپش شراروں میں بدلنے لگی۔

”فارس اس کی بات مت سنو۔ یہ قاتل ہے۔ اس کی زندگی بے کار ہو چکی ہے اس لیے چاہتا ہے تم اس جیسے بن کر جیل چلے جاؤ۔ فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔ میری بات سنو۔ فارس میری بات سنو۔“ وہ اس سے التجا کر رہی تھی۔ وہ پانچ سال پیچھے چلی گئی تھی اور وہ فون پہ فارس سے بات کر رہی تھی۔ زمان و مکان کی حدود آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

”مجھے ایک گولی مارو فارس..... دل میں۔“ وہ اسے اکسا رہا تھا۔ وہ تینوں ہمیشہ سے اس تکون میں تھے۔ پانچ سال سے وہ اس تکون میں قید تھے۔ آج وہ تکون پھر سے واپس آ گئی تھی۔

”فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔“ آنسو زمر کی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔ وہ اس سے تین قدم دور کھڑی اس کی منت کر رہی تھی۔

”اگر تم نے اسے مار دیا تو تم اس جیسے بن جاؤ گے۔ تم قاتل بن جاؤ گے۔ تم اپنی معصومیت کھو دو گے۔ نہیں ہو تم کافر..... ما کر..... کاذب.....

قاتل۔ نہیں ہو تم مجرم۔ تم بے گناہ تھے لیکن اگر اس کو مارا تو نہیں رہو گے۔"

"اس نے....." وہ بولا تو آواز عجیب غراہٹ کی صورت حلق سے نکلی۔ "میرے بھائی.....اور میری بیوی کو مارا.....میں انہیں نہیں بچا سکا.....اس نے.....انہیں مارا۔" پستول مزید تان لی۔ اس کا پستول والا ہاتھ پسینے میں شرابور تھا۔

"مگر تم اس کی جان نہیں لے سکتے فارس۔ سرکار جان لے سکتی ہے، شہری نہیں۔ یہ حق دفاع نہیں ہوگا کیونکہ یہ آدمی تمہیں مارنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ یہ کسی دوسرے کی جان بچانے کے لیے بھی نہیں ہوگا۔ یہ "مارنا" نہیں ہوگا۔ یہ "قتل کرنا" ہوگا۔ کولڈ بلڈ میں قتل۔ یہ جرم ہے۔ یہ گناہ ہے۔ فارس پلیز تم اس کو جانے دو۔ میری بات سنو" وہ پانچ سال پہلے کی طرح اس کی منت کر رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں پہ بدستور پھسل رہے تھے۔

"رک کیوں رہے ہو فارس غازی؟ مارو مجھے۔ چلاؤ گولی۔ مرد ہو۔"

وہ دیوار سے بندھا شخص نفرت سے اسے دیکھتا پکار رہا تھا۔ اکسا رہا تھا۔ فارس کی گرفت ٹریگر پہ مضبوط ہوئی۔

"مجھے.....بدلہ لینا ہے.....اپنے بھائی کا.....اپنی بیوی کا....."

"میری بات سنو فارس....." وہ ملتجی سی کہہ رہی تھی۔ "تم اس کو نہیں مارو گے۔ تم اس جیسے نہیں ہو گے۔ تم نے اسے مارا تو یہ جیت جائے گا۔ اس کے پاس چوائس تھی برسوں پہلے۔ یہ چاہتا تو نہ مارتا اپنے بچوں کے قاتل کو۔ مگر اس نے مار دیا۔ یہ تب ایسا بن گیا۔ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس کے پاس چوائس نہیں تھی۔ یہ پرسکون ہو کر مرنا چاہتا ہے۔ تم اس کو وہ سکون مت دو۔ ہر قاتل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا۔ تم سن رہے ہو فارس؟" وہ درد سے چلا کر بولی تھی۔ "تم خدا نہیں ہو۔ تم قصاص مانگ سکتے ہو۔ تم انتقام نہیں لے سکتے۔ تم خون کا انتقام نہیں لے سکتے۔ تم انسان ہو۔ انتقام میں تم اس کی زندگی تباہ کرو، اس کی پراپرٹی کو آگ لگاؤ، اس کی عزت کو نقصان پہنچاؤ، تم یہ سب کر سکتے ہو، مگر کسی کی جان لینا.....وہ لکیر پار کر لینا.....یہ غلط ہے۔ تم یہ نہیں کرو گے۔"

"مرد بنو فارس غازی....." وہ بھی مسلسل اس کو استہزائیہ انداز میں دیکھتا اکسا رہا تھا۔ فارس دانت ایک دوسرے پہ جمائے اسے گھورتے ہوئے اس پہ پستول تانے کھڑا رہا۔ کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ زمر کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی تھی مگر ایک بھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتی تھی کہ کہیں وہ کچھ کر نہ ڈالے۔

"کلک.....کلک....." سائلنسر لگے پستول کا ٹریگر فارس نے ایک دم دبایا۔ یکے بعد دیگرے.....دو گولیاں.....زمر کا دل بند ہوا.....خاور نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر ایک جھٹکے سے اس کی ہتھکڑی ٹوٹی اور بازو نیچے گرے تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

فارس نے پستول شکستگی سے جھکا لیا تھا۔ اس نے گولیاں اس کی ہتھکڑیوں سے لگی زنجیر پہ ماری تھیں۔

"میں تمہیں نہیں ماروں گا کرنل خاور۔" وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔ "اس لیے نہیں کہ میں نے تمہیں معاف کیا، میں قیامت تک تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ مگر اس لیے کہ میں.....قاتل.....نہیں ہوں۔ میں خدا نہیں ہوں۔"

خاور کے لیے یہ غیر متوقع تھا۔ اس کے بازو واپس پہلو میں گر چکے تھے مگر وہ چند لمحے شل سا کھڑا رہا۔ زمر آنکھیں رگڑتی گہرے گہرے سانس لیتی خود کو پرسکون کرنے لگی مگر آنسو ابل ابل آ رہے تھے۔

"تمہارے پاس چوائس تھی خاور۔ تب بھی تھی۔ میں اور تم.....برابر نہیں ہیں۔" نفرت سے اسے دیکھ کر وہ بولا تھا۔ خاور کا چہرہ سیاہ پڑنے لگا گویا دل مر رہا ہو۔

"تم چاہتے تو قاتل نہ بنتے۔ تم اپنے بچوں یا ہاشم کے لیے قاتل نہیں بنے۔ تم اپنی وجہ سے قاتل بنے تھے۔ مگر میں قاتل نہیں ہوں گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" کہنے کے ساتھ اس نے پستول جیب میں ڈال لیا۔

خاور نے ایک ہاتھ سے دوسرے کی کلائی دباتے ہوئے شل نظروں سے اسے دیکھتے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ پھر دھیرے سے اپنی جیب کو ٹٹولا۔ اس کا پستول اندر تھا۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ دروازے تک پہنچ کر وہ پستول نکال کر ایک دم گھوما اور اسے زمر کی طرف تان کر ٹریگر دبا دیا۔ ایک، دو تین چار..... بس کلک کلک کی آواز سنائی دی۔ نہ کوئی دھماکہ ہوا' نہ گولی چلی۔ خاور نے جھلا کر اپنے خالی پستول کو دیکھا۔

فارس نے دوسری جیب میں مٹھی ڈال کر باہر نکالی اور پھیلائی۔ اس میں خاور کے پستول کی چند گولیاں تھیں۔ خاور کے چہرے پہ شکست کے آثار دکھائی دینے لگے۔

''بھاگ جاؤ' اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل ڈالوں۔''

خاور نے تلملا کر دروازہ کھولا۔ ''میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔'' اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

زمر اسی طرح کھڑی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہچکی لینے کی آواز آتی تھی۔ وہ اسے دیکھے بنا' میز پہ ہاتھ رکھے' آہستہ سے..... شکستہ سا زمین پہ بیٹھا..... اکڑوں حالت میں..... کمر کرسی کی ٹانگوں سے لگالی۔ تھوڑی جھک کر سینے سے آملی۔ وہ ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

''میں بزدل نکلا۔ میں اسے نہیں مار سکا۔'' وہ سر جھکا کر نفی میں ہلاتا کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز گیلی تھی۔ زمر نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا' فارس کی جھکی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر فرش پہ گر رہے تھے۔

''میں اپنے بھائی کا' اپنی بیوی کا تمہارا..... بدلہ نہیں لے سکا..... میں بزدل نکلا..... میں گولی نہیں چلا سکا۔'' وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ تب زمر نے دیکھا' اس کی کنپٹی کے قریب..... خاور کے مکے کے باعث..... جلد پھٹ گئی تھی اور ذرا سا خون رس رس کر جمنے لگا تھا۔ کان تک خون کی لکیر آ رہی تھی۔ اس نے میز پہ رکھے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچا اور اس کے قریب زمین پہ بیٹھی۔

''آئی ایم سو سوری فارس۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولتی ٹشو اس کے زخم سے مس کرنے لگی۔ ''زرتاشہ کو مارنے کی ذمہ دار میں بھی ہوں۔ مجھے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا اسے لے کر..... مجھے اس کی جان بچانی چاہیے تھی مگر میں بھاگی تھی فارس..... کہ میں تمہاری جان بچا رہی ہوں..... تمہاری روح کو..... تمہارے دل کو بچا رہی ہوں۔'' اس کا زخم صاف کرتے ہوئے وہ بولتی جا رہی تھی۔ ''آئی ایم سو سوری۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ میں نے بہت غلط کیا۔'' فارس کا سر ہنوز جھکا تھا۔ اس کے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔

''میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ تمہیں اتنا نقصان پہنچایا۔ میں خود غرض ہو گئی تھی۔ یا مجھے لگا تھا میں انصاف کے لیے کر رہی ہوں یہ سب۔ مگر فارس..... میں چاہتی تھی تم اپنے کیے کی سزا اسی دنیا میں پا لو..... تاکہ تم خود کو کریکٹ کر لو..... اپنی اصلاح کر لو..... تم میرے لیے اہم تھے' ہمیشہ اہم تھے..... تب ہی میں نے زرتاشہ کی جگہ تمہیں بچانا چاہا۔ تمہارے دل کا سوچا۔ آئی ایم سو سوری۔'' وہ اس کا خون ٹشو سے نرمی سے صاف کرتی بھیگی پلکوں سے اسے دیکھتی' کہہ رہی تھی۔ فارس نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں بھی گیلی تھیں۔

''میں نے چار سال جیل میں گزارے..... اس آدمی کی وجہ سے..... اور میں اس کو نہیں مار سکا۔'' اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

''آئی ایم سو سوری۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔'' وہ اس کے جمے خون کو ہلکا ہلکا ٹشو سے رگڑ کر صاف کرتی کہے جا رہی تھی۔ ''تم میرے لیے ہمیشہ سے اہم تھے۔ تم میرے لیے سب سے اہم ہو۔ تم کبھی کسی کو قتل نہیں کرو گے فارس۔''

فارس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے زرتاشہ سے محبت تھی اور میں اس کے لیے قتل تک کرنا چاہتا تھا!'' آج اسے پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔

''اور زرتاشہ کبھی نہیں چاہے گی کہ تم جیل جاؤ' اس کا بدلہ لینے کی پاداش میں۔ زرتاشہ چاہے گی کہ تم خوش رہو' نئی زندگی شروع کرو۔''

''میرے سامنے وہ تھا... میرا مجرم اور میں اس کی جان نہیں لے سکا۔ میں بزدل نکلا۔''

زمر نے نفی میں گیلا چہرہ دائیں بائیں ہلایا۔ ''تم مسلمان ہو۔ تم نے خدا بننے کی کوشش نہیں کی۔ تم بہادر ہو تم نے انسانیت دکھائی۔''

فارس نے ناک سے گیلا سانس کھینچتے کرسی کی ٹانگ سے سر ٹکا دیا اور نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ ''میں خدا نہیں ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ میں خدا نہیں ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا تھا' اسی لئے میں نے اسے جانے دیا۔''

''ہم اپنا انتقام اللہ پہ چھوڑتے ہیں فارس۔ ہم انصاف کے لئے لڑیں گے مگر انتقام کے لئے نہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو اب کسی کو مارنے کا نہیں سوچو گے۔'' وہ اس کے خون اور بالوں کو نرمی سے ٹشو سے صاف کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

''نہیں سوچوں گا۔''

''میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ کسی بھی صورت نہیں۔ آئی لو یو سو مچ۔ آئی رئیلی ڈو۔ تم بہت اچھے ہو۔'' وہ ابھی تک بے مقصد اس کے زخم پہ ٹشو پھیر رہی تھی۔ وہ تکان بھری آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے لب ایک ہی سطر بڑبڑا رہے تھے۔ ''میں خدا نہیں بننا چاہتا۔ میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا۔''

اور وہ بے آواز آنسو بہاتی اس کا زخم ابھی تک صاف کرتی دہرائے جا رہی تھی۔ ''آئی لو یو سو مچ۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی....''

سرد رات باہر قطرہ قطرہ جمتی رہی.... پگھلتی رہی.... جم کر پگھلتی رہی... ٹوٹا ہوا چاند بادلوں میں تیرتا رہا....

❖❖❖

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن ...... خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اس ٹوٹے چاند تلے... زمین پہ بنے مورچال کے لاؤنج میں جتنی گہما گہمی تھی اس کے اس بیڈ روم میں اتنا ہی سناٹا تھا۔ حنین مدھم نائٹ بلب جلائے بستر پہ یوں بیٹھی تھی کہ پیر زمین پہ لٹکے تھے اور ہاتھ گود میں تھے۔ چہرہ ویران اور آنکھوں میں شل سا تاثر تھا۔ وہ یک ٹک بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔ جب دروازہ دھیرے سے کھلا۔ اندھیرے میں بیٹھی حنہ نے چہرہ اٹھایا۔ باہر روشنی میں نہائے دروازے سے سعدی اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں فون اور چارجر تھا۔

''یہ کہاں لگے گا؟ تھری پن ہے۔'' اس نے نگاہیں ملائے بغیر سوال پوچھا۔ پھر خود ہی دیوار پہ ادھر ادھر دیکھا۔ تھری پن ساکٹ نظر آیا تو آگے بڑھا' جھک کر چارجر لگایا' اور فون وہیں زمین پہ رکھ دیا۔ پھر جانے کو مڑا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولی۔ سعدی کے قدم زنجیر ہوئے۔ مگر مڑا نہیں۔

''میں نے آپ کا آٹھ ماہ انتظار کیا' لیکن آپ... آپ کو مجھے دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔'' اس نے ہچکی لی۔ شدت غم سے آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

سعدی دھیرے سے پلٹا۔ اس کے چہرے پہ اب برہمی تھی۔

''اور ان آٹھ ماہ تمہارے نام سے مجھے کتنی اذیت ملی' اس کا احساس ہے تمہیں؟'' وہ بھڑک کر بولا تھا۔ ''تم نے چیٹنگ کی' میں نے تمہیں معاف کر دیا' تم نے ہاشم کو کالج بلایا' میں تمہاری اور زمر کی باتوں میں آ گیا اور اس کو بھی جانے دیا' مگر کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس سے کبھی بات نہیں کرو گی۔ اس کو کبھی نہیں بلاؤ گی۔ پھر بھی تم نے وہی کیا حنین یوسف۔'' اس کی آواز دبی دبی غراہٹ میں بدل گئی۔ حنین پتھر ہو گئی۔ باتھ روم کے دروازے کی کنڈی کھلی اور صیم باہر نکلا۔ حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

''تم نے اس سے تعلق رکھا۔ مجھے سوچتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ مگر تمہیں کوئی خیال نہیں آیا۔ اپنے بھائی کی عزت کا کوئی خیال نہیں کیا تم نے۔ وہ تمہارا نام لے کر کیا کیا باتیں کرتا تھا میرے سامنے.... میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ تم نے مجھے آٹھ ماہ میں کتنی اذیت دی ہے'

تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ تمہاری وجہ سے میرا سر کتنی دفعہ جھکا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا تھا کہ تم آ جاؤ گی اور میں جانتا تھا کہ تم نہیں جاؤ گی' لیکن تمہارے نہ جانے سے تمہارے اتنے عرصے کی خطائیں مٹ نہیں گئیں۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اور میں فارس ماموں سے بھی پوچھوں گا کہ انہوں نے تمہارا خیال کیوں نہیں رکھا۔ میں امی سے بھی پوچھوں گا کہ وہ کدھر تھیں جب تم اس سے بات کرتی تھیں۔'' بولتے بولتے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ سیم پہلے تو ساکت ہو گیا' پھر ایک دم سامنے آیا۔

''ایسے بات مت کریں۔'' مگر سعدی نے نہیں سنا' وہ شل ہوئی حنین کی طرف انگلی اٹھا کر اسی برہمی سے بولا۔ ''میں زمر سے بھی پوچھوں گا کہ.....''

''میں نے کہا میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔'' اسامہ ایک دم سعدی کے مقابل آ کھڑا ہوا یوں کہ بیڈ پہ بیٹھی حنین چھپ گئی۔ سعدی کی انگلی فضا میں اٹھی رہ گئی۔ اس نے دیکھا دبلے پتلے اسامہ کا قد اس کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی ویسے ہی سرخی تھی۔

''سیم تم یہاں سے جاؤ۔''

''میں نے کہا بھائی' انگلی نیچے کریں۔'' وہ دانت پہ دانت جمائے غرا کر بولا تھا۔ سعدی کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ ماتھے کی تیوریاں ڈھیلی ہوئیں۔

''میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔ آپ آٹھ ماہ بعد آ کر یوں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟ صرف آپ نے تکلیف اٹھائی ہے؟ ہم سب خوش تھے؟ ہم نے بھی تکلیف اٹھائی ہے۔ ہم نے بھی اذیت کاٹی ہے۔ اور میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ سنا آپ نے۔ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں سب جانتا ہوں۔ آپ اس طرح میری بہن سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ ''آپ ہمارے ساتھ اس رات نہیں تھے جب پولیس فارس ماموں کو پکڑ کر لے گئی تھی۔ آپ کو پتہ ہے وہ رات کیسی تھی؟ زمر نے مجھے کہا تھا کہ اب میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں۔ اور اس رات میں ہاشم کے کمرے کی بالکونی کا شیشہ بجاتا رہا تھا؟ میں اس شخص سے مدد مانگنے گیا تھا بھائی جو ہمارا دشمن تھا۔ میں اپنے دشمن کے آگے ہاتھ پھیلانے گیا تھا۔ اس رات زمر اور حنہ کی ساری باتیں میں نے سن لی تھیں۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ اس رات نے میرے ساتھ کیا کیا۔ ہم نے ڈھائی تین ماہ ماموں کے بغیر گزارے۔ تب میں گھر کا بڑا مرد تھا۔ اور میں جانتا ہوں میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ میری بہن فجر پہ اٹھ کر قرآن پڑھتی۔ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ آ کر ہمیں یوں جج کریں۔ اور اگر آپ نے اسی طرح ہم سے بات کرنی تھی' تو اس سے بہتر تھا کہ آپ واپس نہ آتے۔''

سعدی کا ہاتھ واپس پہلو میں جا گرا۔ وہ بس سیم کو دیکھے گیا۔

پرندے بڑے ہو چکے تھے' ان کے ننھے پر' پرواز کا ہنر سیکھ چکے تھے۔ اور اب تک وہ جانے کتنے آسمانوں کا چکر کاٹ آئے تھے' سمندر میں گرے شخص کو کیا پتہ چلتا تھا۔ وہ جن کو پل پل سعدی کی ضرورت رہتی تھی' کوئی مسئلہ ہو تو وہ سائیکاٹرسٹ بن جاتا تھا' پڑھنا ہو تو ٹیوٹر' کہیں جانا ہو تو ڈرائیور۔ اب انہیں اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

وہ آہستہ سے مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ سیم آنکھیں رگڑتا فوراً پیچھے بیڈ پہ بیٹھی شل بے آواز روتی حنہ کے پاس آیا۔

''تم رو نہیں حنہ۔ انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم سے یوں بات کریں۔''

حنین نے آنسو گراتے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ فارس ماموں کو بتا دیں گے۔ میں نے پہلے ابو کو کھویا' پھر وارث ماموں کو' پھر بھائی کو' پھر ہاشم کو..... میں ہر اس مرد کو کھو دیتی ہوں جس سے مجھے محبت ہوتی ہے۔ میں فارس ماموں کو بھی کھو دوں گی۔ وہ مجھ سے نفرت کریں گے۔''

''میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں حنہ..... باقی سب تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ تم رو نہیں۔ میں تمہارا

بھائی ہوں۔صرف میں تمہارا بھائی ہوں۔" وہ مسلسل اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا اور حنین چہرہ جھکائے روئے جا رہی تھی۔ اسے نہیں پتہ تھا وہ بھائی کو یہ سب بتا پائے گی یا نہیں۔ وہ اس تاریکی سے اب کیسے نکلے گی؟

.... ٭٭٭ ....

میں تو بے حس ہوں مجھے درد کا احساس نہیں ...... چارہ گر کیوں روش چارہ گری بھول گئے

صبح ابھی دھندلا کر تھی... نومولود اور تازہ جب فارس کی آنکھ کھلی۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔

وہ وہیں کچن کے فرش پہ کرسی سے ٹیک لگائے سو گیا تھا شاید۔ کب کیسے' کچھ علم نہ تھا۔ سر تھا کہ درد سے پھٹ رہا تھا اور کمر تختہ بن چکی تھی۔ وہ کراہتا ہوا اٹھا۔ جوتے پہنے ہوئے تھے سو پیر درد کر رہے تھے۔ صرف دل ہلکا تھا۔

زمر چولہے کے ساتھ کھڑی تھی۔ آستین اوپر چڑھائے وہ کچھ بنا رہی تھی۔ مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔ "اٹھ جاؤ۔ میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔"

وہ آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑتا اس تک آیا۔ ایک نظر اس کے پھیلاوے کو دیکھا۔ "میں اتنی دیر کیسے سوتا رہا؟"

"کیونکہ برسوں بعد تمہارے دل کو سکون ملا ہے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ہاتھوں سے تیزی سے انڈے پھینٹ رہی تھی۔ فارس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ پھر کھڑکی کو دیکھا جس کے پار گہری نیلاہٹ تھی۔

"میں مسجد جا رہا ہوں' تم ناشتہ بناؤ۔ میں اپنی پرانی روٹین پہ واپس آنا چاہتا ہوں اب۔" وہ ہلکے دل اور ہلکے کندھوں کے ساتھ طمانیت سے بولا تو زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "کیونکہ تم جان گئے ہو کہ تم خدا نہیں ہو۔ خدا کوئی اور ہے۔"

"درست!" سر کو خم دے کر وہ جانے لگا۔ پھر ٹھہر گیا۔ "تم نے ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے کبھی نہیں ٹوکا نماز نہ پڑھنے پہ۔ ویسے یہ تمہارا فرض تھا کہ تم مجھے ٹوکتیں۔ مجھے احساس دلاتیں۔"

"فارس!" وہ کانٹا رکھ کر اس کی طرف گھومی۔ "سات سال کے بچے اور بارہ سال کے بچے کو ڈانٹا جاتا ہے' مارا جاتا ہے' گھر سے نکالا جاتا ہے' نماز نہ پڑھنے پر.... بالغ مسلمان کو نہیں ٹوکا جاتا۔ اس کے سامنے نماز پڑھنا ہی اس کو نماز کی نصیحت کرنا ہے۔ پتہ ہے کیا فارس' ہمارے گھر میں ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو نماز نہیں پڑھتا یا وہ غیبت کرتا ہے' یا کسی ذہنی برائی میں ملوث ہوتا ہے جس سے ہم اسے نکالنا چاہتے ہیں مگر ہزار جتن کر کے' نصیحت کر کے' لیکچر دے کر' سمجھا کر' غصہ کر کے اس کے لئے دعا کر کے بھی ہم اس کو نکال نہیں پاتے اس اندھیرے سے۔ اس کی اصلاح نہیں کر پاتے۔ اور یہی سوچتے رہتے ہیں کہ اس کا کیا بنے گا۔ یہ تو جہنم میں جائے گا۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ وہ توجہ سے اسے سن رہا تھا۔

"تو پھر ہم اسے کیسے اس برائی سے نکالیں؟"

"ہم یہ جان لیں کہ وہ اپنی نہیں' ہماری" آزمائش ہے۔ اس کی تو بخشش بڑے آرام سے ہو جائے گی کیونکہ اس کا دل تو کچھ عرصے کے لئے اللہ نے نیکی کی طرف سے بند کر رکھا ہے ہمیں آزمانے کے لئے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اس نے تو نہیں پڑھ رکھی تفسیر' اس نے تو ہماری طرح حدیث کی کتابیں گھول کر نہیں پی ہوئیں' ہر وقت اس کی بخشش کی فکر نہیں کرنی چاہیے ہمیں۔ ہم کیا کرتے ہیں' یہ اہم ہے۔ تمہیں پتہ ہے ہمیں ایسے موقعوں پہ کیا کرنا چاہیے؟ جو خوبی اس میں دیکھنا چاہتے ہیں اس کو اپنے اندر ڈال لیں اور Excellence کے لیول پہ اسے اپنا لیں۔ وہ نماز نہیں پڑھتا تو ہم اپنی نماز کو خوبصورت بناتے چلے جائیں۔ اس کو دکھانے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کو دکھانے کے لئے کہ اللہ یہ ہے وہ پرفیکشن کا لیول جو میں اس کی عبادت میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کو ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔ جس پہ الفاظ اثر نہ کریں' اسے عمل سے نصیحت کرنی چاہیے۔ اب جاؤ۔"

قصرِ کاردار میں ہاشم ابھی بستر میں نیم گرم کمبل میں لپٹا، چائے پیتے ہوئے موبائل پہ نیوز ہیڈ لائنز دیکھ رہا تھا جب دروازہ زور سے کھٹکا۔ اس نے ناگواری سے چہرہ اوپر اٹھایا۔ پھر کمبل اتار تا نیچے اترا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں موجود تھا، اور اس طرح کسی کے مخل ہونے پہ موڈ بگڑ چکا تھا۔ بے زاری سے اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے احمر کو دیکھ کر تاثرات مزید بگڑے۔

''تمہیں کس نے اجازت دی کہ.....''

''آپ نے کہا تھا سر کہ مجھے آپ کا اعتماد کمانا ہے۔ میں اسے کما سکتا ہوں۔ میرا کیریئر میری آزادی سب کچھ اس جاب سے جڑی ہے۔ میں اس کو نہیں چھوڑنا چاہتا سو میری بات سنیں۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا۔ ''میں کچھ ایسا جانتا ہوں جو یوسفز کو کبھی آپ کے خلاف اٹھنے نہیں دے گا۔''

''ہاشم کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ ''مثلاً؟''

''مثلاً!'' احمر نے بھاری دل کے ساتھ گہری سانس لی۔ ''سعدی یوسف کی بہن.....حنین.....اس نے بورڈ ایگزام میں او پی جی صاحب کو بلیک میل کر کے پیپرز لیک کروائے تھے۔ میرے پاس تمام ثبوت ہیں۔ آپ ان کو رکھیں فارس کے سامنے، اور اسے آفر دیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ دے گا۔''

ہاشم کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''مجھے نو بجے آفس میں ملو۔ تم واپس جاب پہ آ چکے ہو، لیکن آئندہ اتنی صبح آ کر میرا دروازہ مت کھٹکھٹانا۔'' اور دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔ احمر نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے سیڑھیاں اترنے لگا۔ دل بہت بھاری ہو چکا تھا۔

فارس مسجد سے واپسی پہ تازہ دم صبح سڑک کنارے چلتا آ رہا تھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ دل اور کندھے بوجھ سے آزاد تھے۔ بہت عرصے بعد اپنا آپ انسان لگا تھا جو کسی کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

چلتے چلتے اس نے موبائل جیب سے نکالا۔ رات بھر وہ سائلنٹ رہا تھا اور کالز اور میسجز کی بھرمار تھی۔ آبدار کی کالز سرِ فہرست تھیں۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے کال بیک کی اور فون کان سے لگایا۔

''ہیلو!'' مردانہ آواز دوسری ہی گھنٹی پہ سنائی دی۔ فارس ٹھہر گیا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''کون؟''

''تم مجھے بتاؤ تم کون ہو؟'' جواب میں غصیلا لہجہ سنائی دیا تھا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم ہو کون جس کو میری بیٹی نے پینتالیس دفعہ کال کی، اور تم نے اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔''

''آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ آبدار ٹھیک ہے؟'' وہ تیزی سے بولا تھا۔ چند ثانیے کی خاموشی دوسری طرف چھائی رہی۔

''میری بیٹی نے.....فارس غازی.....کل رات خودکشی کر لی ہے۔ وہ اس وقت آئی سی یو میں ہے۔''

''کدھر؟ کون سے ہاسپٹل میں؟'' وہ کار کی چابیاں نکالتے ہوئے آگے کو بھاگا تھا۔

فوڈ لی ایورآفٹر کے تنہا پڑے لاؤنج میں زمر میز پہ ناشتہ سجائے، بیٹھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

............✤✤✤............

باب 24:

ٹوٹے تارے جیسا دل

میں نے دیا تمہیں سورج!
مگر چاہا تم نے چاند!
جب چاند دیا تم کو
تم نے مانگے ستارے
تو میں اندھا دھند پہنچی
لامحدود ستاروں کی کہکشاں میں
اور جوڑ کر لپیٹا
ہر ایک ستارے کے گرد
صرف تمہارے لیے
ستارے، چاند اور سورج باہم بھی
تمہارے متلون دل کے لیے کافی نہ ہو پائے
سو میں نے اٹھائے اپنے نقش
اور تمہیں بنا دیا ایک سمندر
تاکہ تم زمین پہ بادگیری کرتے چلو
اور اس ناممکن خزانے کو کھوج نکالو
جس کی تمہیں مستقل تلاش ہے
البتہ ہر روز ہر صبح...
میرا سورج تم کو بیدار کرنے کے لیے موجود ہوگا
ہر رات میرا چاند حاضر ہوگا
تمہاری تشفی کے لیے

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا۔"

"تم انتہائی دو نمبر انسان ہو، اور نہ صرف دو نمبر بلکہ....."

"سوری۔ آئندہ ہمیشہ سچ بولوں گا۔" اس نے چھ لفظوں میں سارا معاملہ ہی ختم کر دیا۔ اب وہ کیسے اس سے اس بات پہ لڑے، جس پہ وہ ناراض تھی ہی نہیں؟ چند لمحے کے لیے بالکل چپ ہو گئی۔

"اوکے۔ آئندہ سچ بولنا مجھ سے۔ بھلے کسی کے بھی اپارٹمنٹ میں کسی نے بھی ساتھ ہو، سچ بتا دینا۔" پھر سے رکھائی سے بول کر کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگی۔

وہ بے اختیار ہنس دیا۔ "جب تم جلتی ہو نا تو سارے کمرے میں دھواں بھر جاتا ہے۔ مت جلا کرو اس سے۔ تم میری محبت ہو۔ مانا کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت، زیادہ پیاری، زیادہ سلجھی ہوئی، شائستہ اور نرم مزاج کی ہے، لیکن تم....."

اب بہت ہو گیا تھا۔ زمر نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کی۔

"ہاں مجھے پروا ہے۔ سنا تم نے۔" وہ غرائی تھی۔ "مجھے پروا ہے اور اگر آئندہ تم مجھے اس کے بیس فٹ قریب بھی نظر آئے تو میں تمہارے ساتھ اتنی بے رحمانہ انداز میں پیش آؤں گی کہ....."

"جو آٹھ سال کرتی رہی ہو زمر، وہ بھی نہیں تھا۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ زمر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ چند گہرے سانس لیے۔

"خیر اگر تم نے کوئی اور بات نہیں کرنی تو تم جا سکتے ہو۔" وہ روکھے روکھے انداز میں کہہ کر کام کرنے لگی کہ.....

"میں سعدی سے ملا۔"

زمر نے اتنی تیزی سے گردن اٹھائی کہ ہڈی چٹخنے کی آواز آئی۔ آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی در آئی تھی۔ "کب؟ کہاں؟ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟" وہ ایک دم اٹھی اور گھوم کر اس کے ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھی۔ بے چین، بے قرار سی۔

"وہ کچھ دن تک آ جائے گا۔ وہ ٹھیک تھا۔ ڈونٹ وری۔" وہ نرمی سے کہنے لگا مگر وہ اب اس طرح سکون میں نہیں آ سکتی تھی۔

"پلیز مجھے بتاؤ، تم اس سے کیسے ملے۔ کہاں ملے۔ وہ کیسا ہے۔" اس کی آنکھیں نم تھیں اور اس نے بے اختیار فارس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے تھے۔ بے تابی سی بے تابی تھی۔

"یہ دیکھو۔" اس نے نرمی سے ایک ہاتھ چھڑایا اور سیل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"میں نے تمہارے لیے اس کی ایک تصویر لی تھی۔ ورنہ میں تو ہوں ہی جھوٹا۔ تم کہاں مانتیں کہ میں اس سے ملا تھا۔"

زمر نے بے تابی سے فون پکڑا۔ اسکرین پہ وہ دونوں نظر آ رہے تھے۔ رات کے وقت ریسٹورانٹ کا منظر۔ اور وہ کھانا کھا رہے تھے۔

"اس کے بال دیکھو۔ اس نے کٹوا دیے اور....."

"سعدی کے منہ پہ چوٹ کیسی ہے؟" وہ تصویر زوم کر کے ایک دم بولی تھی۔ سعدی کے ہونٹوں کا زخم اور گال کی سوجن صاف نظر آ رہی تھی۔ فارس غازی کی بولتی بند ہوگئی۔ بے اختیار بال کھجائے۔

"آ..... یہ چوٹ؟" اس نے تھوک نگلا۔ "شاید کسی نے مارا تھا اسے۔" (اب کسی کی تفصیل میں وہ نہیں جا سکتا تھا۔)

"کس نے؟" وہ غصے سے بولی تھی۔ اسکرین پہ انگلی پھیرتی، تصویر کو چھو کر محسوس کرتی، وہ بہت مضطرب نظر آنے لگی تھی۔

"پتہ نہیں۔ اس نے..... بتایا نہیں۔" فارس نے بات بدلنی چاہی۔ "تم نے اس کے بال دیکھے؟ بالکل....."

"اللہ غارت کرے ایسے لوگوں کو۔ ہاتھ کیوں نہیں ٹوٹ جاتے ان کے۔ قہر نازل ہو ان پہ اللہ کا....." وہ بولتی جا رہی تھی اور فارس نے

اور اگر کبھی تمہیں ہو میری طلب
تو دیکھنا ستاروں کے درمیان
ہر ایک تارے کے گرد لپٹی
میں وہیں ٹھہری ہوئی ملوں گی!

Mirtha Michelle Castro Marmol

صبح دھیرے دھیرے فوڈ ولی اپور آفس کے گرد دھند لکے تانے جا رہی تھی۔ ٹھنڈا ہوا ناشتہ یونہی ڈھکا رکھا تھا اور زمر یوسف بازو میز پہ بچھائے سران پہ ٹکائے سو رہی تھی۔ دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی تو اس کی آنکھ کھلی۔ پھر تیزی سے سیدھی ہوئی اور نیند سے بھری آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ بیرونی دروازہ کھول کر جنید اندر داخل ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ رکا۔ آنکھوں میں حیرت در آئی۔

”آپ؟ اس وقت؟“ اس نے گھڑی کی بجائے مڑ کر آسمان کے رنگ کو دیکھا۔ وہ بال کانوں کے پیچھے اڑستی ابھی ابھی اپنا سیل فون اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ ”فارس نظر آیا کہیں جنید؟“

”نہیں تو۔ مگر آپ کیسے آئیں؟ باہر تو کوئی کار نہیں کھڑی۔“

زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ”فارس کہاں گیا؟ کار بھی لے گیا؟“ وہ اسے کال ملانے لگی۔ گھنٹیاں جا کر پلٹ آئیں مگر جواب نہ ملا۔ جنید ناشتے کے برتن نظر انداز کرتا کچن کی طرف بڑھ گیا۔ (کچن میں رات کے معرکے کے نشانات وہ حتی المقدور صاف کر چکی تھی)

فارس کا پیغام چند لمحوں بعد موصول ہوا۔ ”ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم گھر چلی جانا۔“

زمر کے ابرو تن گئے۔ آنکھوں میں دباد با سا غصہ ابھر آیا۔ اس نے پرس اٹھایا موبائل اندر پھینکا اور باہر نکل آئی۔

”کیب سے جاؤں گی کیا اب؟ اتنا بھی خیال نہیں آیا اسے۔“ اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

.... ///// ....

کتنے عاجز ہیں ہم کہ پاتے ہیں ..... بندے بندے میں بو خدائی کی

صبح کی بیدار روشنی میں سورج کی سنہری تاریں ملیں تو آسمان مزید روشن ہو گیا۔ ایسے میں اس بلند عمارت کی بالائی زمین منزل کے کارنر آفس میں ہاشم اپنی پاور چیئر پہ موجود تھا۔ گرے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس بال جیل سے پیچھے کو جمائے آنکھوں پہ عینک لگائے وہ چند کاغذ پڑھ رہا تھا۔ سامنے کرسی پہ احمر شفیع اٹھے کندھوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

ہاشم نے دفعتاً عینک اتاری اور چہرہ اٹھاتے ہوئے کاغذ میز پہ ڈالے۔

”بے کار ہے یہ سب۔ اس میں کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حسین نے اوپی پی کو بلیک میل کیا تھا۔“

”لیکن اس سے یہ ثابت ضرور ہوتا ہے کہ اس نے او پی پی کی بیٹی کی ویڈیو تباہ کرنے کے عوض کوئی تحفہ وصول کیا تھا وہ ان میلز میں حمیرا کو یہی بتا رہی ہے۔ مگر ظاہر ہے حمیرا یہ نہیں سمجھ سکی کہ یہ تحفہ لیک شدہ پیپرز تھے۔“ احمر بے چینی سے بولا۔

”میں مانتا ہوں ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن کوئی ثبوت نہیں ہے اس بات کا۔“ ہاشم نے کندھے اچکائے تھے۔ احمر گہری سانس لے کر کھڑا ہوا۔ ”پھر میں نئی نوکری تلاش کرنا شروع کر دیتا ہوں سر۔ شکریہ آپ نے میری بات سنی۔“ وہ واپس مڑا اور چند قدم دور گیا جب ہاشم نے پکارا۔

”تم اپنے آفس میں واپس آ چکے ہو۔ میں بات کر کے مکر نہیں جاتا۔ میں اس کو دوسرے طریقے سے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“ وہ اب فون اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ احمر نے مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

”شکریہ سر۔“ وہ باہر نکلا اور دروازہ بند کر کے مکا فضا میں لہرایا ”یس!“ اور آگے بڑھ گیا۔ حلیمہ نے بے اختیار اسے سر اٹھا کر

دیکھا تھا۔

اندر ہاشم فون کان سے لگائے میز پہ بیٹھا اپنی ڈاک کھول رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ خوشی سے انگریزی میں تیز تیز بولتا جا رہا تھا۔

"کون سا کیس؟ کوئی کیس نہیں چلے گا۔ میں نے پچھلے ماہ سے پہلے اگلی تاریخ نہیں لینے دینی ان کو۔ بوڑھا کر دوں گا ان کو یونہی۔" ڈاک الگ الگ کرتے ہوئے اس نے چند لفافوں کو بنا کھولے ردی کی ٹوکری میں اچھال دیا' اور کچھ کو علیحدہ رکھ دیا۔ اور یہ تبھی تھا جب اس نے وہ لفافہ دیکھا۔ بات کرتے ہوئے اس کے ابرو بھینچے۔

وہ پرانے کاغذ کا پیلا زرد سا لفافہ تھا۔ دیکھنے سے بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اس نے تعجب سے موبائل رکھتے ہوئے اسے اٹھایا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر پیپر نائف کے ساتھ لفافہ چاک کیا۔ اندر کوئی دبیز شے تھی۔ ہاشم نے انگلی سے کھینچ کر اسے باہر نکالا۔

وہ ایک سبز پاسپورٹ تھا۔ فرنٹ کور اور چند صفحات۔ اس نے پہلا صفحہ پلٹایا اور... ایک دم وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پاسپورٹ ہولڈر کی تصویر سامنے تھی۔ بڑھی شیو والا سعدی یوسف۔ لیکن... پاسپورٹ ادھورا تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر لفافے میں جھانکا۔ اندر ایک اور پرانے طرز کا کاغذ تہہ کیا رکھا تھا۔ ہاشم نے اسے نکالا۔ اس پہ انگریزی میں گویا قلم دوات سے چند الفاظ تحریر تھے۔

"سعدی یوسف کو عدالت میں دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے یہ پاسپورٹ کافی ہے۔ لیکن اس کا مکمل ہونا ضروری ہے۔ اس نے یہ برٹش کین میں اچھال دیا تھا۔ میں نے اس کے سارے ٹکڑے جمع کر لیے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں اسے تمہیں مکمل کر کے دوں تو اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ سے یہ نمبر لکھ کر ٹویٹ کر دو۔ میں سمجھ جاؤں گا۔"

فقط

ایک خیر خواہ۔

نیچے ایک نمبر درج تھا۔ ریاضی کے چند بے سرو پا ہندسے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا' پھر اس لفافے سمیت تمام اشیاء کو دراز میں ڈال دیا۔

اسی پل اس کا فون بجا۔ بلاکڈ نمبر کالنگ۔ اس نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے احتیاطاً ہیلو کہا۔

"سر... کیا آپ میری بات سن سکتے ہیں؟" وہ خاور تھا۔ ہاشم نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا اور پھر گہری سانس لی۔

"میں نے سعدی یوسف کی جان بچائی تھی' خاور۔ میرے اس کے ساتھ بہت سے اختلاف سہی' اور اپنی اس ویڈیو کے بعد میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں لیکن ایک محب وطن بندے کو دہشت گرد قرار دے دینا... یہ ظلم میں نہیں کرنا چاہتا۔ کسی کو مارنا الگ بات ہے۔ جیتے جی مارنا بالکل الگ۔ اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ کیس کبھی عدالت میں نہیں چلے گا۔ اس لیے مجھے اس پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہے جو تم رشوت کے طور پہ بھیج رہے ہو مجھے۔"

"سوری سر؟ کون سا پاسپورٹ؟" وہ اپنی جگہ الجھ گیا تھا۔ "میں نے آپ کو کچھ نہیں بھیجا سر۔" پھر روانی سے بولا۔ "اگر آپ مجھے اپنے بندوں سے تلاش کروانے کی بجائے میری بات سن لیں تو میں آپ کے والد کے قتل کا معمہ حل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس کے لیے آپ کو مجھ پہ اعتبار کرنا ہو گا۔" پھر وہ ٹھہر کر بولا۔ "آپ کے لئے میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال لگا دیے' مگر آپ نے مجھ سے ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا کہ میں بے گناہ تو نہیں ہوں؟ کیا میرا اتنا بھی حق نہ تھا' سر! ایک دفعہ تو پوچھا ہوتا سر کہ میرے باپ کا قاتل کون ہے' پھر میں پاتال سے بھی اس کو کھینچ کر لے آتا' مگر آپ اس لڑکے کی باتوں میں آ گئے۔"

"سنو خاور! جلد یا بدیر میرے آدمی تمہیں ڈھونڈ لیں گے۔ اس لیے اب دوبارہ فون نہ کرنا۔" ناگواری سے کہتے اس نے فون رکھ کر

لیپ ٹاپ کھولا۔ البتہ دماغ کی ایک بتی مسلسل جلنے بجھنے لگی تھی۔ اگر خاور نہیں تھا تو یہ کون سا تیسرا فریق تھا جو درمیان میں کود پڑا تھا؟

چند منٹ میں وہ کام کر کے اٹھا اور پھر ایک دم سے اس نے فون اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔ ماتھے پہ بل ڈالے وہ گھنٹی سنتا رہا۔

''تم نے کہا تھا تم اس آخری چیز کی قیمت لگاؤ گی' کیا وہ یہ پاسپورٹ ہے جو تم نے مجھے بھیجا ہے؟''

''کون سا پاسپورٹ؟'' علیشا نے حیرت سے دہرایا تھا۔

''اداکاری مت کرو۔'' وہ اکتا کر کہہ رہا تھا جب.....

''تمہارا ایک میموری کارڈ تھا میرے پاس۔'' ہاشم ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''تمہارے باپ کا کمپیوٹر ہیک کیا تھا نا میں نے' یاد ہے؟ وہیں سے کچھ ملا تھا مجھے۔ مگر وہ معلومات ایسی تھیں کہ میں ان کو استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ سوچا کسی اور کو دے دوں ورنہ تم تو میری جان لے لو گے۔ خیر اب وہ سب میرے لیے بے کار ہے اور وہ تمہیں بھی نہیں اب ملے گا۔ رہی میں..... تو میں ملک چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے تمہاری زندگیوں سے جا رہی ہوں۔''

ہاشم فون بند کر کے سوچتا رہا۔ اگر وہ سچ کہہ رہی تھی تو بھی اورنگزیب کے کمپیوٹر میں کم از کم وارث غازی کی فائلز تو تھیں نہیں سو وہ ان کے ہاتھ نہیں لگی ہوں گی۔ باقی ہر چیز کی خیر ہے۔ سر جھٹک کر وہ دوبارہ کام کرنے لگا۔

..................☆☆☆☆..................

اس بار وہ تنگی ہے رو ٹھے بھی نہیں ہم ...... اب کہ وہ لڑائی ہے کہ جھگڑا نہ کریں گے ہم

ہسپتال کی چمکتے فرش والی راہداری خاموش اور سرد پڑی تھی۔ فارس نے کمرے کے دروازے پہ انگلی کی پشت سے دستک دی' پھر دروازہ دھکیلا تو اندر کا منظر کھلتا چلا گیا۔

بیڈ پہ لحاف تانے آبدار ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور ایک نرس اس کے پیچھے تکیے برابر کر رہی تھی۔ اس کے سرخ بال پونی میں بندھے تھے اور چہرے پہ مردنی چھائی تھی۔ کلائیاں سخت پٹیوں میں بندھی تھیں اور وہ برے موڈ کے ساتھ نرس سے نقاہت سے کچھ کہہ رہی تھی جب آہٹ پہ توجہ پھیرا۔

اسے چوکھٹ میں کھڑے دیکھ کر نگاہوں میں تحیر در آیا۔ سانس بھی تھم گیا۔ پھر سر کے خم سے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ سلام کہتا اندر داخل ہوا۔ کمرہ کافی وسیع و عریض اور پرتعیش تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب رکھے شاہانہ طرز کے کاؤچ پہ بیٹھ گیا اور ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔ پھر لبوں پہ بند مٹھی رکھے خاموشی سے آبدار کو دیکھنے لگا۔ آبی نے نظریں جھکائی تھیں۔ نرس باہر نکلی تو وہ ہلکے سے کھنکھارا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

آبدار نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر نقاہت سے مسکرائی۔ ''اب ٹھیک ہوں۔'' ذرا رکی۔ ''بابا سے ملاقات ہوئی آپ کی؟''

''میری شکل پہ گدھا لکھا ہے کیا جو ان کے ہوتے ہوئے ادھر آتا؟ وہ نکلے ہیں تو آیا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ انداز میں کاٹ تھی۔ وہ چپ ہو گئی۔ نظریں جھکا لیں۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا؟'' اب کے وہ نرمی سے بولا تو وہ اپنے پٹیوں میں بندھے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''مجھے اور کچھ سمجھ نہیں آیا۔ آپ میری کال نہیں اٹھا رہے تھے۔''

''تو اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو اٹھا لیتا آپ کی کال؟ ایسے کون کرتا ہے؟ اپنے والد کا تو سوچنا تھا۔'' آبدار نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں۔

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کے آنسو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ ''میں نے آپ کو اتنی کالز کیں' آپ کیوں نہیں آئے؟''

''میں مصروف تھا۔''

''کس کے ساتھ؟'' اس نے آنکھیں اٹھا کر تیزی سے پوچھا تو وہ اتنی ہی تیزی سے بولا۔

''آپ کو حق ہے یہ پوچھنے کا؟''

آبدار کی اس پہ جمی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔ ''آپ چلے جائیں۔'' اور وہ پیچھے سے اپنے تکیے جوڑنے لگی گویا اسے جانے کا عندیہ دے کر اب لیٹنے لگی ہو۔

''آبدار!'' وہ کہتے ہوئے اٹھا مگر دروازے کی طرف جانے کی بجائے اس کی جانب قدم بڑھائے۔ ''آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے تھا۔'' اس کی آواز میں نرمی تھی۔ وہ تکیے جوڑتی رک گئی۔ چہرہ اٹھا کر بلی جیسی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی جو ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے قریب آرکا تو وہ بیٹھے بیٹھے ذرا پرے ہوئی۔ وہ آہستہ سے اس کے بازو کے قریب بیڈ پہ بیٹھا۔

''اگر آپ کو مجھے بلانا تھا تو اس کے دوسرے طریقے بھی تھے۔ یہ سب کر کے آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔'' وہ اسے فکرمندی سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور آبی کی بھیگی آنکھیں بے خودی کے عالم میں اس پہ جمی تھیں۔

''مجھے افسوس ہے اگر میری وجہ سے آبدار آپ کو کبھی کوئی غلط تاثر ملا' مگر میری نیت ہمیشہ صاف رہی۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔'' وہ اس پہ نظریں جمائے دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ''کیونکہ میں نے اپنی ساری زندگی بہت احتیاط سے گزاری ہے۔ جس کے اوپر ول ہارا اس کے نام کو بھی اپنے نام کے ساتھ آلودہ ہونے نہیں دیا' اس لیے کوئی آپ کے نام کے ساتھ میرا نام جوڑے' مجھے اس بات نے بہت پریشان کیا ہے۔ اسی لیے ادھر آیا ہوں۔'' وہ نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آبی کے لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ آنکھیں ہنوز ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

''آپ کو میری فکر تھی؟''

''ظاہر ہے مجھے فکر تھی!'' اسی نرمی سے کہتے ہوئے فارس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کا پٹیوں میں لپٹا ہاتھ تھاما۔ آبدار کا سانس رک گیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ ''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ دوبارہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں۔'' اس کی آنکھیں آبی کی آنکھوں پہ جمی تھیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کی بائیں کلائی تھام رکھی تھی۔

''پہلے آپ وعدہ کریں کہ میرے بلانے پہ آجایا کریں گے۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''میں..... وعدہ کروں؟ میں مس عبید ایک شادی شدہ آدمی ہوں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایک شادی شدہ آدمی کو کیسے ڈیل کیا جاتا ہے؟''

''کیسے؟'' وہ چیلنجنگ انداز میں مسکرائی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ چند پل۔ چند ساعتیں۔ بنا پلک جھپکے۔ اور پھر ایک دم فارس کی انگلیوں نے اس کی کلائی کی پٹی کو جھٹکا دیا۔ آبدار کی کراہ نکلی مگر اس سے پہلے کہ وہ ہکا بکا سی اپنا ہاتھ چھڑاتی' وہ درشتی سے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی تھامے' دوسرے سے اس پہ لپٹی پٹی کھینچ کر اتارتا رہا تھا۔

''چھوڑیں۔ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ چلائی مگر فارس نے پٹی کی آخری تہہ نوچ کر پرے پھینکی اور اس کی کلائی اٹھائی۔ وہ بے داغ تھی۔ خراش تک نہ تھی۔

''جس طرح آپ کے والد صاحب نے مجھ سے بات کی' مجھے بہت برا لگا۔ وہ ہوتے کون ہیں مجھے قصوروار ٹھہرانے والے۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ غرایا تھا۔ آبدار کا چہرہ سفید پڑا۔ آنسو تک خشک ہو گئے۔ ''میں نے آبدار بی بی چار سال جیل میں گزارے ہیں۔ وہاں ایسے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کی شکل دیکھ کر بھی آپ کی جان نکل جائے گی' میں نے ان کے ساتھ سروائیو کیا ہے۔ آپ کے یہ بے

کارڈ راے سرداریو نہیں کروں گا کیا؟" اس کی کلائی کو زور کا جھٹکا دے کر چھوڑا۔ وہ شل سی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سرخ پڑتی آنکھیں اس پہ جمائے انگلی اٹھا کر بولا۔ "آئندہ اگر آپ نے مجھے کال کی یا میرے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑنا چاہا یا میرے گھر اور ریسٹورانٹ کا رخ بھی کیا تو میں کس حد تک جا سکتا ہوں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ بات آئی ہے دماغ میں یا نہیں؟" غصے سے بولتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آبی نے شل نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تو آپ یہاں صرف اپنا نام صاف کرنے آئے تھے۔"

"جی ہاں۔ کیونکہ جب میں نے آپ کو بھی کوئی غلط تاثر نہیں دیا تو آپ کی ان جذباتی حرکتوں کے لیے مجھے ذمہ دار نہ ہی ٹھہرائیں آپ کے والد صاحب تو اچھا ہے۔ میں ان کے باپ کا ملازم نہیں ہوں جو ان کی باتیں سنوں گا۔ اس لیے ان سے کہیے گا میرے منہ نہ لگیں آئندہ۔" برہمی سے بولتا ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

فارس دروازے تک پہنچا تھا جب اسے آواز آئی۔ اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔ وہ اپنی دوسری کلائی کی پٹیاں نوچ نوچ کر اتار رہی تھی۔ فارس کے ابرو اکٹھے ہوئے مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے روک پاتا وہ کلائی برہنہ کر چکی تھی۔

"یہ ہے وہ جو میں نے کاٹی تھی۔" گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھتی وہ بولی تھی۔ فارس نے بے اختیار اس کی پہلی کلائی کو دیکھا جو سوائے ذرا سی کھرونچ کے صاف تھی البتہ یہ والی کلائی....بری طرح زخمی دکھائی دے رہی تھی۔ لمحے بھر کو وہ کچھ بول نہیں سکا۔

"وہ....تمہارے لیے....فارس غازی....ایسا....کبھی نہیں کرے گی۔"

فارس نے بڑی مشکل سے قدم اٹھائے تھے۔ وہ کچھ کہے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ اب ہذیانی انداز میں خون سے لگی سونیاں اور نالیاں نوچ نوچ کر پھینکنے لگی تھی۔ اس کے برف ہوئے آنسو بہ روانی سے گرنے لگے تھے۔

..................❀❀❀❀..................

سوادِ درد میں تنہا کھڑا ہوں ..... پلٹ جاؤں مگر موسم نہیں ہے

سورج کی نرم گرم روشنی مور جال کو اس دھند آلود صبح میں بھی مہکا رہی تھی۔ زمر واپس آ کر اندر جانے کی بجائے لان میں گھاس پہ رکھے جھولے پہ آ بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے گھنگھریالے بال اڑا رہی تھی مگر وہ بے نیازی اسی طرح بیٹھی آنکھیں موندے جھولا لیتی رہی۔ جوتے اور پرس گھاس پہ ہی ادھر ادھر لڑھکے پڑے تھے۔

بالائی منزل کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو حنین لیپ ٹاپ کے آگے جڑی بیٹھی تھی۔ دلچسپی سے وہ اسکرین پہ لکھی عبارتیں پڑھ رہی تھی۔ ساتھ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھا اسامہ تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے گم صم سا نظر آ رہا تھا۔

نچلی منزل کا منظر کسی عام صبح سے مختلف لگتا تھا۔ ندرت اور حسینہ کچن میں تھیں۔ ناشتے کی مہک پراٹھوں کی خوشبو برتنوں کی اٹھا پٹخ ندرت بہت جوش سے اہتمام کرنے میں لگی تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھے ابا بھی صداقت کو ڈپٹ ڈپٹ کر ایک ایک کونا صاف کرنے کو کہہ رہے تھے۔ جانتے تھے سعدی زمر کی طرح کتنا نفاست پسند تھا۔ حسینہ کو خوب تاؤ چڑھ رہے تھے۔ (خدا کی مار ہے سارا خاندان۔ ناں میں پوچھتی ہوں اس زخم والے منہ لیے سوکھے سڑے لڑکے میں رکھا کیا ہے جو سب اس کے لیے پاگل ہو رہے ہیں۔ سیدھے منہ سلام تو اس نے مجھے کیا نہیں۔ اب تہوں والے پراٹھے بناؤ اس کے لیے۔) وہ رات سے پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی اور اب دل چاہ رہا تھا۔ اس پراٹھے میں زہر ملا دے۔ بیلن کو آٹے پہ برابر کرتے بڑبڑاتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو چونکی۔

سعدی کندھے پہ بیگ لیے چہرہ جھکائے کچن کے باہر کھلتے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ ندرت ابھی ابھی لاؤنج میں گئی تھیں۔ (سعدی دوسری جانب سے آیا تھا) سو کسی نے اسے آتے نہیں دیکھا۔ حسینہ چند لمحے تو کھڑی رہی پھر بیلن رکھ کر باہر نکلی۔ ندرت اور ابا مشترکہ طور

پہ صداقت کو ڈانٹ رہے تھے۔ یہیم زینے اترتا آ رہا تھا۔ سر جھکا ہوا تھا۔ وہ آخری سیڑھی تک پہنچا تو حسینہ نے کمر پہ ہاتھ رکھے، آنکھیں گھما کر مزے سے اطلاع دی۔ "اسامہ بھائی... وہ تو چلا گیا سامان سمیت۔ اب ناشتہ بناؤں یا نہ بناؤں؟"

"کون؟" اسامہ سر اٹھا کر ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا اور پھر جس لمحے اسے سمجھ آئی..... وہ ایک دم باہر کو بھاگا۔ لاؤنج ایک جست میں عبور کرتا وہ پورچ کے دروازے سے باہر جا نکلا۔ حسینہ نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔ (پاگل!)

اسامہ نے باہر آ کر گردن ادھر ادھر گھمائی۔ وہاں سعدی کہیں نہ تھا۔ صرف زمر جھولے پہ آنکھیں موندے سر پیچھے گرائے بیٹھی تھی۔

"بھائی چلا گیا' پھپھو!" زمر نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ حواس باختہ سا اس تک آ پہنچا تھا۔

"آپ نے بھائی کو جاتے دیکھا؟"

"ہاں دروازہ کھلنے کی آواز سی تھی۔ دھیان نہیں دیا.... مگر وہ آیا کب؟ اور وہ چلا کیوں گیا؟" وہ حیران سی جگہ سے اٹھی۔ یاد آیا رات فارس فون پہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اسامہ نے روہانسا ہو کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ میں نے ان کو کہا تھا کہ....."

باہر گھنے درختوں کی قطار کے ساتھ سڑک پہ وہ سر جھکائے چلتا جا رہا تھا۔ بیگ کندھے پہ تھا اور ہاتھ جینز کی جیبوں میں تھے۔

"سعدی!" اس نے وہ آواز سنی تو قدم زنجیر ہوئے۔ وہ ٹھہرا۔ پھر دھیرے سے مڑا۔

دور..... بس بارہ میٹر کے فاصلے پہ زمر کھڑی تھی۔ رات والے جھلملاتے سیاہ لباس پہ جیکٹ پہنے' گھنگھریالے بال آدھے باندھے' وہ بہت دلگرفتہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہیں دور کھڑی... ننگے پاؤں' اس سے چند قدم وہ پیچھے اسامہ کھڑا تھا مگر اس نے چہرہ جھکا رکھا تھا۔

سعدی کے چہرے پہ کرب سا ابھرا۔ زمر پہ اپنائیت بھری نظریں جمائے وہ بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتا پھر بند کر دیتا۔ پہلو میں گری مٹھیاں کبھی بھینچ لیتا' کبھی ڈھیلی چھوڑ دیتا۔

ننگے پاؤں کھڑی زمر نے سینے پہ بازو لپیٹے اور مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"خدا حافظ کہے بغیر جا رہے تھے کیا؟ اور اس سلام کا کیا جو خدا حافظ سے پہلے کہنا تھا؟"

سعدی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ وہیں کھڑا اسے اپنی مغموم نظروں سے دیکھتا رہا۔ دونوں کے درمیان کئی گز کا فاصلہ تھا۔

"سلام!" اس نے سر کے خم سے سلام کہا۔ آواز گیلی روکھی سی تھی۔

"تم ہماری سلامتی چاہتے ہو تو جا کیوں رہے ہو؟" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں اونچی کر کے بولی تھی۔

"نہیں رہ سکتا یہاں۔ وحشت ہوتی ہے مجھے۔ دل ٹوٹا ہوا ہے میرا۔" وہ جب بولا تو الفاظ سرگوشی میں ادا ہوئے' مگر نگاہیں زمر پہ جمی تھیں۔ ان میں بے چارگی' خود ترسی' شکستگی' سب کچھ تھا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تین گولیاں لگتی ہیں اور سارے اپنے چھوڑ جاتے ہیں' ایسا ہی لگتا ہے۔" وہ پکار کر بولی تھی۔ "جیسے سب آپ کے بغیر مزے کر رہے ہیں اور صرف آپ تنہا اذیت کاٹ رہے ہیں۔ میں اس سے گزر چکی ہوں۔ تم گزر رہے ہو۔ جاؤ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ کرنا ہے جو میں نے چار سال پہلے کیا تھا؟ سب کو اپنی زندگی سے باہر دھکیل کر دروازے بند کر کے خود کو اکیلا کرنا ہے۔ یا پھر دروازہ کھولنا ہے؟ اور روشنی کو اندر آنے دینا ہے؟ کیونکہ کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے پگھلا جائے۔" بولتے بولتے اس کو سانس لینے لگی تھی مگر اس پہ نگاہیں جمائے وہ کہے جا رہی تھی۔ "تم نے چننا ہے' تم نے فیصلہ کرنا ہے.... اپنے خاندان سے دور رہ کر خود کو جوڑو گے تو جاؤ خدا حافظ کہہ کر نکل جاؤ' اور اگر میری غلطیوں سے سبق سیکھنا ہے تو واپس آؤ اور مجھے سلام کہو۔" وہ کہہ کر سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی منتظری اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دل اندر سے بہت زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اگر وہ چلا گیا تو؟

''میرے اندر کا زہر سب کو ہرٹ کرے گا اگر میں یہاں رہا تو۔''

''نہیں سعدی۔ بات یہ ہے کہ تمہیں نفرت ہے اس کام سے جو حنین نے کیا کیونکہ تمہیں محبت ہے حنین سے۔ فیصلہ تم نے کرنا ہے۔ اس کے کام سے نفرت زیادہ شدید ہے یا اس کی محبت زیادہ شدید ہے۔ جس میں زیادہ شدت ہوگی وہ تم سے چناؤ کروا لے گی۔''

سعدی نے خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا.... اور اس کے عقب میں چہرہ موڑے کھڑے سیم کو۔ ''مجھے نہیں لگتا اب کسی کو میری ضرورت ہے۔ سب میرے بغیر رہنا سیکھ چکے ہیں۔'' اسامہ کے جھکے چہرے پہ ایک آنسو لڑھکا تھا۔

''اسی لیے سب تمہیں اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتے ہیں۔ ضرورت کے تحت نہیں۔ کسی کو تمہاری ضرورت نہیں ہے سعدی۔ مگر محبت کے تحت۔ اور کیا تمہیں ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ رشتے وہ زیادہ خالص ہوتے ہیں جن میں محبت ضرورت پہ حاوی ہو جائے۔''

اور اس لمحے.... گھنے درختوں کی قطار کے قریب چھایا میں کھڑے سعدی یوسف کو اس صندلی صبح سب کچھ صاف نظر آنے لگا تھا۔ ایک دم سے دماغ اور دل کے آئینے کی ساری گرد کسی نے ہاتھ پھیر کر صاف کر دی تھی۔ وہ چونک کر زمر کو دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سعدی نے بیگ نیچے ڈال دیا۔ پھر قدم قدم چلتا وہ فاصلہ عبور کرنے لگا۔ زمر وہیں کھڑی رہی۔ وہ آگے بڑھتا آیا۔ یہاں تک کہ اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا۔ پھر بھیگی آنکھیں اٹھائیں اور ''السلام علیکم!'' کہتے ہوئے اس کے گرد اپنے بازو لپیٹ کر اسے خود سے لگایا۔

''میں کہیں نہیں جا رہا۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔''

اسامہ خاموشی سے سعدی کی سابقہ جگہ تک آیا اور اس کا بیگ اٹھا کر گھر کی طرف بڑھ گیا۔ زمر نے اس سے علیحدہ ہوتے مسکرا کر نم آنکھوں سے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے اسے دیکھا۔ ''ویلکم ہوم!''

یہ وہ بچہ تھا جس کو اس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ جو رات کو کہانی سنے بغیر نہیں سوتا تھا۔ اسے آج بھی کہانیاں سنانے کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ وہ صرف ''باتوں'' سے سمجھتا تھا۔ اسے صرف باتوں کا فن آتا تھا۔ اس کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر.... ہسپتال کی رات جب سے وہ کھویا تھا.... سے لے کر نو ماہ بعد.... اس کو یوں اپنے سامنے کھڑے دیکھنا.... اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرنا' اسے مسکرا کر تسلی دینا.... زمر کو لگ رہا تھا اسے اس کی ساری دنیا واپس مل گئی ہے۔ وہ پہلے سے دبلا پتلا ہو گیا تھا۔ کمزور۔ منہ کا زخم بھی قدرے مندمل تھا مگر بہر حال موجود تھا۔

''سچ سچ بتاؤ' کیا اس نے بہت زور کا مارا تھا تمہیں؟'' وہ اس کی کنپٹی تھامے گھر کی طرف ٹہلتے ہوئے واپس آتی' اس سے پوچھ رہی تھی۔

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کس نے؟''

''فارس نے۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے سر جھٹک کر سامنے دیکھتا چلنے لگا۔ زمر نے گہری سانس بھری۔ اسے کیوں بھول گیا تھا کہ وہ چھ فٹ کا ایک نوجوان تھا جو کبھی اپنے گھر کی عورتوں کے سامنے مار کھانے کا تذکرہ نہیں کر سکتا تھا۔

اتنے عرصے بعد ملے تھے۔ وہ موقع کی مناسبت سے اس سے چھوٹی چھوٹی مگر محتاط سی باتیں کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ زیادہ جواب نہیں دے رہا تھا' بس چپ تھا۔

وہ دونوں گیٹ سے اندر چلے گئے مگر اسامہ اس کا بیگ لیے وہیں پورچ کے ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ وہ کسی گہری فکر مند سوچ میں تھا جب باہر سے کار اندر آتی دکھائی دی۔ تب وہ جگہ سے اٹھا۔ فارس ڈرائیونگ ڈور کھولتا' چابی جیب میں اڑستا باہر نکل رہا تھا۔ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''اے... تم ادھر کیا کر رہے ہو؟ اسکول نہیں جانا؟'' وہ لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا۔

''سعدی بھائی گھر چھوڑ کر جا رہا تھا۔ شکر ہے زمر پھپھو نے روک لیا۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز اور ہلکے دل کے ساتھ اطلاع دی۔ فارس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ غصے سے اندر کھلتے بند دروازے کو دیکھا۔

''جناب کا دماغ درست نہیں ہوا ابھی تک۔ دو ہاتھ اور لگنے چاہیے تھے اسے۔ اس کی تو آج میں طبیعت صاف کرتا ہوں۔''

''ماموں!'' سیم نے خفگی سے اسے دیکھا۔ مگر وہ سر جھٹک کر اندر چلا گیا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتے کے برتن سجے تھے۔ ندرت تازہ پراٹھے لا کر رکھ رہی تھیں۔ سعدی اب مسکرا کر ابا سے دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا۔ فارس کو دور سے آتے دیکھا تو سر کو محض ذرا سا خم دیا۔ فارس لبوں پہ مسکراہٹ جمائے اس تک آیا۔ اس کا کندھا زور سے دبایا۔ ''ویلکم ہوم سعدی!'' مسکرا کر کہتا اس کی طرف جھکا اور اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''زیادہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہیرو۔ واپس آ گئے ہو تو تمیز سے گھر میں رہو۔ ماں کا خیال ہے یا نہیں؟ اب کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو دیکھنا۔'' بڑمی سے اسے آہستہ سے سنا کر وہ سیدھا ہوا اور مسکراہٹ دوبارہ سے لبوں پہ طاری کیے آگے بڑھ گیا۔ سعدی گہری سانس لے کر رہ گیا۔ (واقعی ویلکم ہوم!)

وہ اپنے کمرے میں آیا تو زمر کورٹ کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اسے نظر انداز کیے آئینے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگاتی رہی۔

''آہم!'' وہ ہلکا سا کھنکھارا۔ ''اس ناشتے کا کیا کیا؟''

زمر نے آواز کے ساتھ لپ اسٹک بند کی اور اس کی طرف گھومی۔

''تم فجر پڑھنے گئے تھے یا تراویح؟''

''کیوں میری عبادتوں کو نظر لگاتی ہو؟ استغفر اللہ!'' اس نے کان کی لو کو چھوا۔

''کہاں گئے تھے؟'' وہ چبھتی نظریں اس پہ جمائے تفتیشی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''تیسری بیوی کے پاس!'' زمر کے تاثرات بگڑے۔ ماتھے کی تیوریاں بڑھ گئیں۔

''تو پھر ادھر ہی رہتے نا۔'' وہ طنزیہ سر جھلا کر بولی تھی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔

''میں اس امر کو یقینی بنانے گیا تھا کہ وہ دوبارہ میرے اور تمہارے کسی ناشتے، کسی کھانے کے درمیان نہ آئے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اتنے اعتماد اور مان سے بولا کہ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ بھوری آنکھوں میں امید سی چمکی۔

''وہ اب کبھی بھی کوئی مسئلہ نہیں کرے گی۔ مجھ پہ اعتبار کرو۔'' اس کی آنکھوں کا بھروسہ... اور مان... وہ پگھل گئی۔ اور پھر ہلکا سا مسکرائی۔ ''وہ گئی ہے تو کوئی اور آ جائے گی۔ تم بھی تو عادت سے مجبور ہو۔''

''آپ کی ان ہی اداؤں کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ... بندہ جیل سے کبھی واپس ہی نہ آیا ہوتا۔'' وہ خفگی سے کہتا پلٹ گیا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

(دو نمبر آدمی....) وہ کمرے سے نکل گیا تو زمر نے ڈریسنگ ٹیبل کی اوپری دراز کھولی اور پیچھے ہاتھ ڈال کر کچھ باہر نکالا۔ سیاہ مخملیں ڈبیا جس پہ زمانوں کی گرد پڑی تھی۔ زمر نے گرد جھاڑی اور اسے کھولا۔ اندر رکھی دمکتی ہوئی ہیرے کی لونگ ہر گرد اور آلائش سے پاک تھی۔ وہ مسکرا دی۔ اس نے لونگ کی ڈبیا پرس میں ڈالی اور بال برش کرنے لگی۔ (فارس غازی جب آج یا کل اسے یہ لونگ پہنے دیکھے گا تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے؟ اف۔ وہ اس کی وہ شکل دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔)

زمر باہر آئی تو فارس سمیت باقی سب ناشتہ کر رہے تھے۔ اسے پہلے دوا لینا تھی سو کچن میں آئی۔ گول میز پہ حنین اکیلی چائے پی

رہی تھی۔

''حنہ۔ تم ادھر؟'' حنین نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی میں ادھر ہی ہوں۔ اسی گھر میں۔ لیکن کوئی بات نہیں اگر آپ مجھے بھول گئیں۔ کوئی بات نہیں اگر آپ کو میری کمی محسوس نہیں ہوئی۔ حنہ تو ہمیشہ سے پس منظر میں ہوتی ہے۔ پیا تے مہینے تو وہ آپ کی نظر میں سعدی یوسف کے sad reminder کے طور پہ موجود تھی۔ اس کے lesser version کے طور پہ۔ مگر اب وہ آ گیا ہے تو میں بھی اپنی پرانی جگہ پہ واپس آ گئی ہوں۔ رہیں آپ تو آپ کے لئے ہمیشہ سعدی سب کچھ تھا۔ صرف سعدی۔ سو آپ ناشتہ انجوائے کریں اور میرے لئے گلٹی فیل نہ کریں۔ مجھے اپنی بدصورت سچائیوں اور اپنے اندر موجود شیاطین کے ساتھ رہنا آ گیا ہے!'' وہ چائے کا مگ اور سیل اٹھا کر سادگی سے کہتی اس کے ساتھ سے نکل کر باہر چلی گئی۔ زمر بالکل خاموش سی ہو گئی تھی۔ اور کچھ خفا بھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گھر کے ایک فرد کے راضی ہونے تک دوسرا کیوں ناراض ہو جاتا تھا!

............❖❖❖............

اب مہ و سال کی مہلت نہیں ملنے والی ..... آ گئے اب تو شب و روز عذابوں والے

ہارون عبید اپنے آفس میں کنٹرول چیئر پہ بیٹھے چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے چند کاغذات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ عینک ناک پہ دھری تھی اور انہماک قابل دید تھا۔ موبائل بار بار بج رہا تھا۔ بالآخر انہوں نے اسے اٹھا ہی لیا۔ ''یو نو بیٹا۔''

''آپ نے فارس سے کیا کہا ہے؟'' وہ رو رہی تھی۔ انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے عینک اتاری۔

''جو امین نے مجھے کہا تھا کہنے کو۔ یہی کہ تم ہسپتال اس لیے ہو کہ.... خیر میں جانتا ہوں امین غلط بیانی کر رہا تھا' اور اگر تمہارے توجہ حاصل کرنے والے کام ختم ہو گئے ہوں تو گھر واپس چلی جاؤ۔ کسی کو معلوم ہوا تو نیا تماشا بنے گا۔'' وہ سادہ اور مصروف انداز میں کہہ رہے تھے۔

''بابا آپ ہمیشہ میرے ساتھ یہی کرتے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے چلائی تھی۔ ''آپ نے کبھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ ہمیشہ میرا راستہ روکا۔ ہمیشہ مجھے ہرٹ کیا۔ آئی ہیٹ یو بابا۔ آئی ہیٹ یو....'' اور روتے روتے اس نے کال کاٹ دی تھی۔

ہارون کا فون پکڑے ہاتھ کان سے لگا رہا تھا' گویا وہ شل سے ہو گئے تھے۔ ساکت۔ متعجب۔ پھر سر جھٹک کر وہ دوبارہ سے کام کرنے لگے مگر چہرے سے شدید ڈسٹرب لگ رہے تھے۔ بار بار فون اٹھاتے پھر رکھ دیتے۔

''تم اس حد تک گر سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' دروازہ دھاڑ سے کھلا اور جواہرات کا روار تیز تیز چلتی اندر آتی دکھائی دی۔ ہارون نے اکتا کر نظریں اٹھائیں۔ وہ میرون اور سفید لباس میں گہرے میک اور جیولری پہنے ایک طرف جتنی بنی سنوری ہوئی تھی' دوسری جانب آنکھوں میں اتنی ہی سرخی تھی۔ وہ اکتا سے گئے۔

''بیٹھ جاؤ جواہرات۔ آج کل تم لوگ کسی کو دھمکانے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔''

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی۔'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھک کر وہ غرائی۔ ''تم لوگوں نے میری ویڈیو بنائی۔ اور اب تمہاری بیٹی اس ویڈیو کو استعمال کرنے کی دھمکی دے کر گئی ہے مجھے۔ میں نے تم پہ بھروسہ کر کے تمہیں ایک کام کہا تھا اور فصیح نے اسے ریکارڈ کر لیا۔''

ہارون عبید تحمل سے پیچھے ہو کر بیٹھے۔ وہ عمر اور تجربے کے اس دور سے نکل چکے تھے جہاں ''کیا؟ کون سی ویڈیو؟ مجھے نہیں معلوم' جیسے الفاظ فوراً حیران ہو کر بولے جاتے ہوں۔ انہوں نے جواہرات کے الفاظ کو ذہن میں ترتیب دیا اور ساری تصویر واضح ہو گئی۔

''اور میری بیٹی نے یقیناً یہ بھی بتایا ہو گا کہ کس صورت میں وہ اس ویڈیو کو استعمال نہیں کرے گی۔''

''ہاں بتایا تھا۔ ڈونٹ ٹیل می کہ تم نہیں جانتے۔ لیکن یاد رکھنا' میں ہاشم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ اس نے اپنی مرضی سے آبی کو پرپوز کیا ہے۔'' (میز پہ رکھی ہارون کی مٹھیاں زور سے بھنچ گئیں۔ ماتھے پہ بل در آیا۔) ''اور میرے کہنے سے وہ نہیں رکے گا۔ اس لئے اپنی بیٹی کو سمجھاؤ'

شادی سے انکار کرتا ہے تو خود کرے اور اس ویڈیو کو ضائع کر دو ہارون۔ ورنہ جو میں کروں گی....''

''کیا کرو گی تم؟'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنکھوں میں غصہ لیے جواہرات کو دیکھا۔ ''وہ ویڈیو ضائع نہیں ہو گی۔ اپنے بیٹے کو سمجھا دو کہ وہ میری بیٹی سے دور رہے۔ ورنہ میں اس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے تباہ کر دوں گا۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔ آ جاتے ہیں دھمکیاں دینے۔ پہلے اپنے مسئلے سلجھاؤ۔'' جواہرات برہم سی واپس مڑ گئی اور جب تک وہ باہر نکلی ہارون بلند آواز میں بولتے رہے۔

کرسی پہ واپس گرتے ہوئے انہوں نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ شدید متفکر نظر آنے لگے تھے۔

..............❖❖❖..............

زندہ رہنے کی تمنا ہو تو ہو جاتے ہیں ...... فاختاؤں کے بھی کردار عقابوں والے

اس سنہری دوپہر حنین اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی، مسکرا کر اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''کاپی نہیں ہو پا رہا تو کیا ہوا؟ میموری کارڈ تو میرے پاس ہے نا'' میموری کارڈ کی فائلز کاپی نہیں ہوتی تھیں، اس نے بہت کوشش کر کے دیکھ لی تھی۔ اس نے سلاٹ سے کارڈ نکالا، پھر ایک ننھی سی پلاسٹک کی ڈبی (جس کو اپنے کچھ میموری کارڈز سے اس نے خالی کر لیا تھا) میں اسے ڈالا، اپنی الماری کھولی۔ لاک والے دراز میں اسے رکھ کر مقفل کیا اور چابی جوتوں کے خانے میں پیچھے پیچھے کر کے چھپا دی۔ پھر مسکرا کر واپس لیپ ٹاپ پہ آ بیٹھی۔ ان باکس کھولا۔ سید سعدی یوسف کا پیغام ابھی تک ان باکس میں موجود تھا جس میں احمر کو اس نے ایڈمن بننے کی درخواست دی تھی۔

مسکراتے ہوئے حنین نے پیغام ٹائپ کیا۔ ''یہ ہے میرا نمبر۔ مجھے کال کریں پلیز احمر۔ مجھے سلطان بخش کے بارے میں بات کرنی ہے!'' پیغام بھیج کر وہ کرسی پہ ٹیک لگائے مزے سے بیٹھ گئی۔ دو سیکنڈ بعد ہی seen لکھا آ گیا۔

احمر آفس کی راہداری میں دو افراد کے ساتھ چلتا جا رہا تھا اور کچھ بول بھی رہا تھا جب موبائل بجا۔ چونکہ ہاتھ میں ہی تھا اس لیے اس نے بات جاری رکھتے ہوئے اسکرین کو چھوا۔ پیغام پڑھ کر اس کی زبان رکی۔ چہرہ فق ہوا۔ ان لوگوں سے معذرت کر کے وہ تیزی سے اپنے آفس کی طرف واپس آیا اور فون کان سے لگایا۔ حنین نے تیسری گھنٹی پہ فون اٹھا لیا تھا۔

''کیسے ہیں آپ کاردارز کے میڈیا منیجر، امیج کنسلٹنٹ احمر شفیع صاحب یا مجھے یوں کہنا چاہیے کہ.... مل.... طان....'' وقفہ دیا تو وہ جلدی سے بولا۔

''فضول گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتایئے کیا مسئلہ ہے؟'' ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے یہ پوچھنا تھا کہ کیا کاردارز ابھی تک ہماری کالز ریکارڈ کر رہے ہیں؟ وہ معصومیت سے بولی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے بچے۔ کوئی آپ کی کالز ریکارڈ نہیں کر رہا۔''

''اچھا۔ یعنی پھر ہم تسلی سے بات کر سکتے ہیں۔ میں ایک صاحب کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ ان کا نام سلطان تھا....''

''حنین پلیز!'' اس نے پیشانی آستین سے پونچھی۔ سفید چہرہ لیے وہ مضطرب سا فون کان سے لگائے آفس میں ٹہل رہا تھا۔

''نہیں احمر شفیع۔ پلیز تو میں بولوں گی اب۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہمارے تمام فونز اور کمپیوٹرز کی مانیٹرنگ ختم کر دی جانی چاہیے ورنہ میں اپنے پی ٹی سی ایل سے اپنی پھپھو کو کال کروں گی اور ان کو وہ دلچسپ کہانی سناؤں گی 'سلطان صاحب والی' اور میں روز یہی کروں گی۔ روز اپنے ایک رشتے دار کو کال کر کے ان کو وہ کہانی سناؤں گی۔ اب ہماری کالز ریکارڈ کرنی ہیں یا نہیں یہ فیصلہ آپ کا ہے۔ بائی!'' مسکرا کر کال کاٹی اور احمر فون رکھ کر تیزی سے باہر بھاگا۔ لفٹ میں سوار وہ نچلے فلور تک گیا اور بھاگتے ہوئے راہداری عبور کی۔ ایک آفس کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھے کانوں سے ہیڈ فون لگائے شخص کو ''اٹھو۔ باہر جاؤ'' کہہ کر اسے کالر سے اٹھا کر کھڑا کیا اور اس کی جگہ پہ بیٹھا۔

بہت سے بے چین پہلو بدلے تھے۔ ''اچھا ٹھیک ہے بس کرو۔''

''نہیں! کس نے حق دیا ہے ان لوگوں کو کہ وہ اس کے ساتھ یہ سب کریں۔ وہ کتنی مشکل میں ہوگا۔ وہ کتنا پریشان ہوگا۔ پلیز اسے واپس لے آؤ۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ اتنے ماہ بعد.... سعدی کی تصویر دیکھنا... جذبات ابل ابل رہے تھے۔ نم آنکھوں سے اس نے فارس کو دیکھا۔ ''وہ تم سے ملا تو کیسا تھا؟؟ تم اس سے کیسے ملے؟ تم نے اسے گلے لگایا؟ اسے پیار کیا؟؟''

اور فارس غازی نے ایک نظر میز پہ ڈالی جہاں خونخوار نوکیلی نوک والے قلم رکھے تھے۔ ایک تیز دھار پیپر نائف بھی پڑی تھی۔ اور چند بھاری وزنی پیپر ویٹ بھی جو کسی بھی انسان کو قتل کرنے کے لئے کافی تھے۔ اس نے گہری سانس لی اور جبراً مسکرایا۔

''میں.... میں اس سے بہت اچھے سے ملا۔ ایک ریسٹورانٹ کا پتہ دیا تھا اسے۔ وہ وہاں آ گیا میں اس سے گلے ملا اس کا ماتھا چوما' اسے تسلی دی کہ اب وہ میرے ساتھ ہے' اس کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس کے زخم.... منہ والے زخم کے لئے اسے آئس پیک لا کر دیا... اور....'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ (جیز و غرق ہو سچائی کا۔) اور زمر بہت ممنونیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کتنے اچھے لونگ' کیئرنگ ہو تم۔ سوری میں تم سے اتنے دن ناراض رہی۔ میرا کیا ہے۔ میں تو ایک زمانے میں سمجھا کرتی تھی کہ تمہیں لوگوں کو مارنے پیٹنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ کتنی غلط تھی میں تمہارے بارے میں۔''

اور فارس جبراً مسکرا کر کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

❖❖❖

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ..... ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!

اس سکس اسٹار ہوٹل کا وہ ہال مہمانوں کی گول میزوں سے بھرا تھا۔ پہلے صف میں ایک طرف کیمرہ مین اور رپورٹرز کی واضح اکثریت کھڑی نظر آتی تھی جو ہر ادھر ڈائس پہ کھڑے شخص کی تصاویر اتار رہے تھے' ویڈیو بنا رہے تھے۔ اور ایش گرے سوٹ میں ملبوس وہ وجیہہ سا ہاشم کاردار بال جیل سے پیچھے کیے' ڈائس پہ نصب آدھ درجن مائیکس میں کہہ رہا تھا اور سب دم سادھے اسے سن رہے تھے...

''مجھے آج اس فورم پہ کھڑے ہو کر چند دن قبل ہونے والے اپنے سب سے بڑے پلانٹ کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا افسوس نہیں ہو رہا۔''

فضاؤں میں کوئی اداس سا نغمہ گنگنایا جا رہا تھا۔ ہولے ہولے.... دھیرے دھیرے سے۔ ایک سکوت سا تھا... جیسے ہر کوئی انتظار میں ہو.... جیسے ہر کوئی تیار کر رہا ہو....

''افسوس ہے تو صرف اس بات کا کہ اگر میں اس anxiety اٹیک سے مر بھی جاتا' کیونکہ میں بہت ڈھیٹ ہوں' (ہال میں قہقہہ بلند ہوا) تو میں اس پچھتاوے کو لے کر دنیا سے جاتا کہ میں لوگوں کی خیر کے لیے جتنا کر سکتا تھا' اتنا نہیں کر سکا۔''

کولمبو کے ساحل سے دور ایک لانچ سمندر کے نیلے پانی پہ تیر رہی تھی۔ اس کے اندرونی کیبن میں کرنل خاور بیٹھا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی' آنکھوں پہ عینک تھی' اور وہ بار بار گھڑی دیکھتا تھا۔ سعدی یوسف کی تلاش ترک کر کے وہ اپنے مالک کو منانے واپس جا رہا تھا۔

''اور میرے ان سب دوستوں' وفادار ساتھیوں کا شکریہ جنہوں نے مجھے احساس دلایا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب میں اپنی زندگی لوگوں کی بھلائی کے لیے وقف کر دوں۔''

کینڈی میں اس کافی شاپ کے کچن میں کھڑے سعدی یوسف کا چھوٹا' کھدرا سا موبائل بجا تھا۔ اس نے پیغام پڑھا اور چپ چاپ باہر نکل آیا۔ چند گلیاں پیدل چلتا گیا' یہاں تک کہ سڑک کنارے نصب ایک کوڑے دان کے ساتھ رکا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا پھر ڈھکن کھولا۔ چند بدبودار شاپر ہٹائے تو اسے وہ نظر آ گیا۔ سیاہ پلاسٹک ریپر میں لپٹا پیکج۔ اس نے اسے نکال کر کھولا۔ اندر سبز پاسپورٹ تھا اور اس

"باہر جاؤ!" وہ حیران پریشان سا جگہ سے نہ ہلا تو احمر دھاڑا۔ وہ فوراً باہر لپکا۔ اب احمر تیزی سے کی بورڈ کے بٹن دبا رہا تھا۔ اس کی پیشانی سخت سردی میں بھی پسینے سے تر ہو رہی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

وہ وقت آ گیا ہے کہ ساحل کو چھوڑ کر ..... گہرے سمندروں میں اتر جانا چاہیے

ہاشم کے آفس میں باوجود سردی کے کسی ہیٹر کی ضرورت نہ تھی۔ ماحول خاصا گرما گرم ہو رہا تھا۔ ہاشم نے برے موڈ کے ساتھ فون رکھا اور سامنے بیٹھی جواہرات کو دیکھا۔

"ایس ایچ او کا تبادلہ ہو گیا ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اور یہ یقیناً صاحبزادی صاحبہ نے کروایا ہو گا۔" جواہرات فکر مندی سے آگے ہوئی۔ وہ اسی صبح والے لباس میں تھی اور بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔ گہرے میک اپ کے باوجود وہ بوڑھی لگنے لگی تھی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نوشیرواں کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔" ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تم اس کی ضمانت قبل از گرفتاری کروا لو پھر بھی۔"

"ممی کیا ہو گیا ہے؟ یہ non-bailable offence ہے۔ ضمانت نہیں ہو سکتی۔"

"ہو سکتی ہے۔ تم نے رانا برکت والے کیس میں کروائی تھی نا۔"

"ممی وہ غیر معمولی حالات تھے' وہاں بہت سی جائز وجوہات تھیں۔ یہاں نہ ہو سکتی ہے نہ اس چکر میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ آپ بے فکر رہیں' کوئی شیرو کو گرفتار نہیں کرے گا۔" ہاشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پورے وثوق سے کہا۔ جواہرات نے مضطرب سا پہلو بدلا۔

"وہ تب سے کمرے میں بند ہے۔ ہاشم تم اس کی فکر کرو۔ فی الحال ہم کتنے کرائسز میں ہیں۔" ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ میں اس کی فکر کروں؟ کر تو رہا ہوں۔ میں ہی تو کر رہا ہوں۔ مگر آپ کے یہ الفاظ کہاں سے آ رہے ہیں' ہاں؟" اس نے ایک تیز گہری نظر ماں پہ ڈالی۔ جواہرات نے چائے کا کپ آہستہ سے پرچ میں رکھا اور الفاظ ڈھونڈے۔

"آئی والے معاملے' کو کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر کے....."

"ایک منٹ ممی!" اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ جواہرات کی سانس تک اٹک گئی۔ "میں نے اس کو پروپوز اس لیے نہیں کیا تھا کیونکہ آپ مجھے بار بار ترغیب دلاتی تھیں۔ میں نے یہ فیصلہ اپنی وجہ سے کیا تھا۔ میری بھی ایک زندگی ہے جسے میں آپ لوگوں کی غلطیاں درست کرنے میں ختم نہیں کر سکتا۔ وہ معاملہ جہاں ہے وہیں رہے گا۔ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

جواہرات نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا' البتہ اس کی رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔ وہ بے حد شکست خوردہ نظر آ رہی تھی۔

وہ پرس اٹھائے آفس سے باہر نکلی تو احمر چلا آ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سے گزرنے لگی تو احمر نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"مسز کاردار' میں یوسفز کے فون ٹیپ ہو رہا ہوں۔" جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا پھر آنکھوں میں غصہ در آیا۔

"یہ ہر کوئی اپنی من مانی کب سے کرنے لگا ہے' تم ہاشم سے پوچھے بغیر....."

"مسز کاردار!" وہ نرمی سے سرگوشی میں بولا۔ "دولڑکا سعدی..... وہ کال کر کے کسی سے خاور کی بات کر رہا تھا۔ خاور کو پھنسانے کی۔ آپ کا نام لے رہا تھا۔ میں اسی لیے ٹیپ ہو رہا ہوں' بے فکر رہیں' میں آپ کا وفادار ہوں۔" سمجھانے والے انداز میں وہ بولا تو جواہرات گہری سانس لے کر رہ گئی۔ رنگت مزید پھیکی پڑ گئی۔ (ہر طرف سے گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ ہر شخص ناتم بم بنا ٹک ٹک کر رہا تھا۔)

"ٹھیک ہے تم نے درست کیا۔ ویسے بھی اب کال ٹیپنگ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔" وہ تھکے تھکے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ احمر نے غور سے اسے دیکھا۔

"مسز کاردار پریشان مت ہوں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

راہداری میں باریک ہیل سے چلنے کی آواز آئی تو وہ دونوں جو قدرے الگ تھلگ کھڑے تھے چونک کر دیکھنے لگے۔ سامنے سے شہرین چلی آرہی تھی۔ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس بالوں کو الٹے سیدھے فیشن کے مطابق باندھے وہ ان کو نظرانداز کر کے ہاشم کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ جواہرات کی چبھتی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

"احمر... مجھے خاور سے نجات چاہیے۔" وہ بے بسی سے دبی دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "ہاشم کہہ رہا تھا اس نے کال کی ہے اس کو۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا احمر!"

.... ❖❖❖ ....

ہم کو اس عہد میں تعمیر کا سودا ہے جہاں ...... لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

شام کا نیلگوں اندھیرا ہر پل گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ کالونی کے گھروں کے پورچ اور گیٹ کی بتیاں جلنے لگی تھیں۔ مغرب کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ایسے میں فارس غازی کالونی کی مسجد میں موجود تھا۔ سنگ مرمر کی چوکی پہ بیٹھا وہ جھک کر نل سے وضو کر رہا تھا۔ پانی اس کے کانوں کی لو اور تھوڑی سے ٹپک رہا تھا اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ پاؤں دھو کر وہ سیدھا کھڑا ہوا' پھر سوئیٹر کے آستین برابر کرتا صحن کی طرف بڑھ گیا۔

مسجد دھیرے دھیرے نمازیوں سے بھر رہی تھی۔ اسے پہلی صف میں جگہ نہیں مل سکی' شاید اس نے کوشش ہی نہیں کی۔ ابھی اتنی جلدی اتنے آگے کھڑے ہونے کی ہمت نہ تھی۔ تیسری صف میں وہ دو نمازیوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ پیر سے پیر ملا لیا۔ اردگرد موجود لوگوں کی اکثریت کو وہ نہیں جانتا تھا۔ علاقہ نیا تھا' ابھی جان پہچان میں وقت لگنا تھا۔ اس اجنبی ہجوم میں وہ تنہا تھا۔ لوگ بولتے' باتیں کرتے' صفیں برابر کر رہے تھے۔ وہ بھی سر جھکائے کھڑا رہا۔ امام صاحب نے تکبیر تحریمہ پڑھی تو اس نے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے اللہ اکبر کہتے بازو سینے پہ باندھے۔ اب وہ قدرے پرسکون انداز میں عربی کلمات پڑھنے لگا تھا۔ دھیرے دھیرے بے چین دل کو قرار آ رہا تھا۔

سلام پھیر کر جب ہر شخص کو جانے کی جلدی تھی' وہ سر جھکائے دوزانو وہیں کتنی ہی دیر بیٹھا رہا۔

"میں اچھا آدمی نہیں ہوں' مانتا ہوں۔" سر جھکائے وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

"میرے ارادے برے تھے' یہ بھی مانتا ہوں۔ میں خاور کو قتل کرنا چاہتا تھا' اس نے میرے بے گناہ بھائی اور معصوم بیوی کو مارا تھا۔ میں ہاشم اور جواہرات میں سے کسی ایک... اس ایک کو قتل کرنا چاہتا تھا جس نے اس قتل کا حکم دیا تھا۔ اسی لیے میں کہتا تھا زمر سے کہ ہم الگ ہو جائیں گے مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں خاور کا فیصلہ اللہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ نہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔ نہ اس کے خلاف کچھ کروں گا۔ رہا ہاشم تو میں اس کی جان نہیں لوں گا۔ خیر آپ جانتے ہیں میں کیا کروں گا اس کے ساتھ مگر اب... میں کسی کی جان نہیں لینا چاہتا۔ انصاف چاہیے مجھے۔ عدالت نہیں دے گی جانتا ہوں' خود لینا پڑے گا' مانتا ہوں۔ مگر ہاں اب... اب میں اس سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ اب میں خوش ہوں۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ اب روشنی نظر آنے لگی ہے۔ اب لگتا ہے کہ میرا ٹوٹا ہوا دل جڑ جائے گا۔ محبت تنتی محبت سے heal کر دیتی ہے' ہمیں اے اللہ!" سر جھکائے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر وہ اٹھا تو نمازیوں کا ہجوم تتر بتر ہو چکا تھا۔ وہ چپ چاپ مسجد سے نکل آیا۔ جوتے پہنے اور ٹھنڈی خوشگوار ہوا میں چلتا ہوا گھر کا فاصلہ عبور کرنے لگا۔ اس کا چہرہ پہلے سے پرسکون اور مطمئن لگتا تھا۔

اس کے جوگرز میں مقید پیر تارکول کی سڑک عبور کر رہے تھے۔ تیز تیز... اور شاید گزرے برسوں کا فاصلہ بھی طے کر رہے تھے۔

نیلگوں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

تارے آسمان پہ نمودار ہونے لگے تھے... ٹھنڈے میٹھے تارے.....

وہ دونوں سینیما کے ہال میں موجود تھے۔ اندھیری کرسیوں پہ پیچھے کو ٹیک لگائے وہ کان کی لو مسلتا نگاہیں اسکرین پہ جمائے ہوئے تھا۔ گاہے بگاہے ساتھ بیٹھی زرتاشہ کو بھی دیکھ لیتا جو بالوں کو ہیئر بینڈ میں مقید کیے ہاتھ میں پکڑے nachos وقفے وقفے سے کھاتی 'انہماک سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ مر جائے گا۔" کچھ دیر بعد وہ بے چینی سے بولا۔ فلم اسے بور کر رہی تھی۔ زرتاشہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ نے دیکھ رکھی ہے پہلے؟" وہ ناراض ہوئی تھی۔

"نہیں یار۔ صاف پتہ چل رہا ہے۔ اچھا اب ایسی شکل مت بناؤ۔ اسے دیکھو....." زرتاشہ نے خفگی سے سر جھٹک کر چہرہ واپس موڑا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

چند لمحے بعد انٹرمیشن کا نشان ابھرا اور ہال کی بتیاں جل اٹھیں۔ لوگ اٹھ اٹھ کر باہر جانے لگے۔ وہ دونوں وہیں بیٹھے رہے۔ تین چار لڑکوں کا گروہ ان کی قطار میں آگے بڑھتا ان تک آ رہا تھا' گویا اب ان کے سامنے سے تنگ سی جگہ سے گزر کر جائے گا۔ وہ فارس کی دائیں طرف سے آ رہے تھے' سو فارس نے جو گھٹنے لمبے کر کے پچھلی قطار کی نشست پہ رکھے ہوئے اور سینے پہ بازو لپیٹے' قدرے نیم دراز ہو گیا۔ لڑکے رک گئے۔ جان گئے کہ وہ نہیں چاہتا وہ اس کی بیوی کے سامنے سے گزر کر جائیں۔ وہ واپس مڑ گئے۔

"آپ کو میری بات یاد ہے؟ مجھ سے نہیں لڑیں گے۔ میرے لیے لڑیں گے۔" وہ مسکرا کر اس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

فارس نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "لڑتا تو ہوں تم سے۔"

"جانتی ہوں مگر اس دن آپ نے روبینہ آنٹی کے سامنے میری حمایت کی کہ زرتاشہ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی' حالانکہ میں نے کہی تھی۔" وہ میکے میں کوئی بات سے بات نکلنے والے ایشو کا تذکرہ کرنے لگی۔

"مجھے پتہ ہے تم نے کہی تھی اور تمہیں نہیں کہنی چاہیے تھی۔ زرتاشہ ہر وقت دوسروں کے معاملات پہ کمنٹس نہیں دیتے۔ اور ٹیکسٹ اور فون کالز پہ تو یہ کام کبھی نہیں کرتے۔ فونز پہ باتیں صرف بگڑتی ہیں کیونکہ پوری سمجھ نہیں آتیں۔ لیکن جب کبھی تم خاندان میں کسی کے بارے میں کوئی بات کیا کرو تو اس کو own کیا کرو' اس کے لیے لڑا کرو' اس پہ ڈٹ جایا کرو۔ کسی خالہ پھپھی یا بھابھی کے ڈر سے مکر نہ جایا کرو کہ میں نے کبھی نہیں بتایا۔ میں نے تو کچھ نہیں کہا' وغیرہ۔ بات کو اس کے گھر پہنچایا کرو۔"

"مانا کہ میری غلطی تھی مگر آپ نے ان کے سامنے میری حمایت کی تھی' مجھے اچھا لگا تھا۔" وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

فارس نے پھر ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"تم غلط کرو گی یا صحیح' میں دنیا کے سامنے ظاہر ہے تمہیں ہی سپورٹ کروں گا۔ اگر آپ اپنے گھر کی لڑکیوں کو ان کی غلطیوں کے لیے معاف کر کے ان کو سپورٹ نہیں کر سکتے' ان کا ہاتھ تھام کر ان کو ان کے برابر کے قد کے ساتھ کھڑا نہیں کر سکتے تو آپ کیسے مرد ہوئے؟ انسان تو بہت سے ہوتے ہیں۔ مرد کوئی کوئی ہوتا ہے۔"

"بس اتنا بتا دیں کہ یہ فلم والا مرد مرے گا تو نہیں؟" وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

"میں اول تو اسے مرد مانتا نہیں ہوں' دوم ہاں یہ مر جائے گا' نہیں' میں نے یہ فلم نہیں دیکھ رکھی۔ میں نے صرف ریویو میں ساری کہانی صحیح پڑھ لی تھی۔" وہ یونہی نیم دراز ٹیک لگائے مسکرا کر بتا رہا تھا۔

"تاکہ آپ میری فلم خراب کر سکیں!" اس کی آنکھوں میں پھر سے ناراضی ابھری۔

"مجھے ایک قدم آگے رہنا اچھا لگتا ہے زرتاشہ!"

مغرب پوری طرح ڈھل چکی تھی۔ اس کے جو گرز سڑک کو گویا اپنے نیچے لپیٹتے تیز تیز فاصلہ عبور کر رہے تھے۔ سبز بیلوں سے ڈھکا بنگلہ سامنے تھا۔ وہ گہری سانس لے کر ماضی کی یادوں کو ذہن سے جھٹکتا اندر داخل ہوا۔

لاؤنج میں وہی لوگ تھے جو روز ہوتے تھے۔ مگر آج لگتا تھا سب کے چہروں پہ مسکراہٹیں ہیں۔ راہداری سے گزرتے وہ کچن کے کھلے دروازے میں ذرا دیر کو ٹھہرا۔ سعدی سلیب کے ساتھ کھڑا تھا' اور سر جھکائے مسکرا کر سامنے کرسی پہ بیٹھی زمر کو سن رہا تھا جو ڈھیرے ڈھیرے بتا رہی تھی..." پھر ہم نے فارس کے کیس کے بلوں میں..."

پرانی کتھائیں... طویل قصے۔ زمر کی اس کی طرف پشت تھی۔ سعدی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک ثانیے کو ٹھہرا' پھر اسے آواز دی۔

"سعدی!" سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ زمر نے بھی گردن موڑی۔ (فارس کو دیکھ کر اسے پرس میں رکھی لونگ یاد آئی۔ اوہ ابھی تک نہیں پہنی۔ اپنی بھول پہ افسوس ہوا۔)

"اپنا پاسپورٹ مجھے دے دو۔" اس نے عجلت میں پوچھا گویا زیادہ دیر مخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر مخل کرنے کا بہانہ بھی چاہیے تھا۔

"وہ میں نے ڈسپوز آف کر دیا ہے۔ بے فکر رہیں۔" سعدی نے سر کو جنبش دے کر تسلی کروائی۔ فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"کیا مطلب ڈسپوز آف کر دیا ہے؟ میں نے کہا تھا میں اسے خود ڈسپوز آف کروں گا۔ وہ صباحت نے اپنا کیریئر داؤ پہ لگا کر تمہارے لیے بنوایا تھا۔ تمہیں یقین ہے وہ کسی کے ہاتھ نہیں لگے گا۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"اس کے اتنے ٹکڑے کیے تھے کہ اب وہ نہیں ملے گا کسی کو۔ فکر نہ کریں!" سعدی نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔

"مگر..."

"فارس۔ وہ کہہ رہا ہے تو اس پہ بھروسہ رکھو!"

زمر کی بات پہ اس نے "اچھا جی!" کہہ کر سر کو خم دیا اور برے موڈ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں پھر سے باتوں میں لگ گئے تھے۔

"آپ اکیلے نہیں ہیں۔" وہ قدم آگے بڑھا تھا کہ سیم کے کمرے کے دروازے پہ کھڑی حنین نے پکارا۔ وہ رکا۔ غور سے اسے دیکھا۔

"اگر تم سمجھتی ہو کہ میں جیلس ہو رہا ہوں تو..."

"میں سمجھتی نہیں ہوں' مجھے یقین ہے۔ خیر ہے۔ ہوتا ہے ایسے۔" الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ شگفتہ نہ تھا۔ چہرے پہ عجیب ویرانی تھی۔ کہہ کر وہ پلٹ گئی اور سیم کے بیڈ پہ آ بیٹھی۔ (وہ ٹیوشن جاتا تھا اس وقت۔) اداس اور ویران۔ یکایک دروازہ بند ہو کر لاک ہونے کی آواز آئی تو حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

فارس دروازہ مقفل کر کے کرسی لے کر اس کے سامنے آ بیٹھا' اور آگے ہو کر غور سے اسے دیکھا۔ "حنین' کیا مسئلہ ہے؟ سیم نے مجھے نہیں بتایا۔ مگر تمہاری اور سعدی کی کیا لڑائی چل رہی ہے؟"

ڈھیلی سی فرنچ چوٹی بنائے کٹے بال ماتھے پہ بکھیرے زرد چہرے والی حنین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"آپ تو ہمیشہ دو قدم آگے رہتے ہیں' آپ کو ابھی تک کسی نے نہیں بتایا؟"

"کیا؟ مجھے واقعی نہیں پتہ!" وہ ٹھٹکا تھا۔ حنہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ آپ کو بتا دے گا۔ بھائی۔ وہ بتا دے گا اور آپ مجھ سے نفرت کریں گے۔" فارس چند ثانیے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔

"کیا کیا ہے تم نے؟" الفاظ ہموار اور پرسکون تھے مگر سوال قیامت تھا۔

"ایسے ہی قیامت کے دن' اور اس سے پہلے قبر میں پوچھا جائے گا نا کہ کیا کیا ہے تم نے حنین۔ کیا کر کے آئی ہو؟ میں کیا کہوں گی؟" آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل پھسل رہے تھے۔

"کسی کو قتل کیا ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" حنہ کی گردن نفی میں ہلی۔

"پھر ہر چیز ٹھیک ہو سکتی ہے۔ بتاؤ مجھے۔ کیا کیا ہے تم نے؟" اس نے نرمی سے پوچھتے ہوئے حنہ کے ہاتھ تھامے۔ وہ ٹھنڈے یخ ہو رہے تھے۔ گویا برف کے ٹکڑے ہوں۔ اکیس سال کی دبلی پتلی کمزور سی وہ لڑکی ہلکے ہلکے سے کانپ رہی تھی۔ آنسو مسلسل تھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔

"آپ مجھ سے نفرت کریں گے۔"

"نہیں کروں گا۔" اس نے تسلی دی۔

"میں نے ایگزام میں چیٹنگ کی تھی۔ میں نے اوی پی صاحب کو..." وہ ہچکیوں کے درمیان سر جھکائے بتاتی رہی۔ وہ توجہ سے سنتا رہا۔ کتھا ختم ہوئی تو حنہ نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔

"حنین!" وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "انسان زندگی میں بہت کچھ کرتا ہے۔ غلط صحیح اچھے برے کام سب کرتا ہے انسان۔ ہر چیز کو تجربہ سمجھ لیا کرو۔ ٹھیک ہے تم سے غلطی ہوئی' لیکن تم نے توبہ کر لی نا' بات ختم ہو گئی۔" وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

"احمر شفیع جانتا ہے۔ اس نے ہمارے گیٹ پہ آ کر مجھے دھمکی دی تھی!" فارس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا' گویا بری طرح چونکا تھا۔ اس نے یہ کتھا بھی سنا ڈالی۔

"یہ کب کی بات ہے؟"

"جب آپ سری لنکا تھے۔" وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ "خیر' میں اس سے لے لوں گا ہر چیز۔ وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔"

"وہ آپ کو وہ سارے ثبوت نہیں دے گا۔"

"اس کا تو باپ بھی دے گا۔"

حنین چپ ہو گئی۔ "اس کا باپ.... خیر کسی اور کے راز کھولنے سے پہلے.... ایک اور بات...." اس نے اب کی بار سر نہیں جھکایا۔ اب سر اٹھا کر بات کر رہی تھی۔ آنکھوں میں دیکھ کر۔ اس کے ہاتھ پہ اپنے کمزور ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر کے۔

"میں نے کچھ اور بھی کیا ہے۔ جس کی وجہ سے بھائی مجھ سے ناراض ہے۔"

"اور وہ کیا ہے؟" وہ بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے مجھے منع کیا تھا مگر میں بہت اکیلی تھی' مجھے کوئی اپنا دوست نہیں لگتا تھا۔ میں.... میں ہاشم بھائی سے ٹیکسٹ پہ بات کرتی تھی.... میں...." اسے لگا فارس کے ہاتھ اس کے ہاتھ سے پھسلنے لگے ہیں' وہ ہلکا سا چونکا تھا' ڈھیلے اعصاب تن گئے تھے' حنین نے اپنے پسینے میں ڈوبے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ پہ گرفت مضبوط کر دی۔ بس ان ہاتھوں کو وہ نہیں چھوڑ سکتی تھی' وہ نہیں کھو سکتی تھی۔

''آئی ایم سوری.... مجھے نہیں پتہ تھا میں کیا کر رہی ہوں.... میں ان کو پسند کرنے لگی تھی۔ آئی ایم سو سوری.... میں کبھی ان سے ملنے نہیں گئی.... انہوں نے بلایا تب بھی نہیں.... وہ سعدی بھائی کے ساتھ تھے.... بھائی کو ٹارچر کرنے کے لئے مجھے کال کر رہے تھے بھائی اسی لئے خفا ہے مجھ سے۔ میں نہیں گئی مگر کئی ماہ.... کئی ماہ میں ان سے بات کرتی رہی.... ٹیکسٹ پہ.... ایک دو دفعہ کال پہ.... مگر میں ان سے بات کرتی تھی.... مجھ سے غلطی ہوگئی ماموں.... میں غلط راستے پہ چلی گئی تھی.... میں بہت بری ہوں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ آنسو اس کے ہاتھوں پہ بھی گر رہے تھے یا شاید وہ پسینہ تھا مگر وہ ابھی تک مضبوطی سے اس کو تھامے ہوئی تھی۔

وہ بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ چپ۔ پھر اس نے نظریں جھکالیں۔ حنین وحشت سے اسے دیکھنے لگی۔ دل ڈوبنے لگا۔

اور پھر فارس نے آہستہ سے اپنے ہاتھ نکال لیے۔ اس کے گیلے ہاتھ تنہا رہ گئے۔ وہ شل بیٹھی رہ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھتا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حنین نے اپنے خالی ہاتھ اپنے تہی دامن میں رکھ لئے ساری دنیا ویران ہوگئی تھی۔

''تم نے کبھی اسے کہا کہ تم اس کو پسند کرتی ہو؟'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ آواز آہستہ تھی۔ بہت آہستہ۔

''انہیں اندازہ ہوگا۔ وہ ہاشم کاردار ہیں' میں نے....''

''میں نے پوچھا' تم نے اسے کہا یا نہیں کہا۔'' وہ اب حنہ کی طرف گھوما۔ وہ یک ٹک چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

فارس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس باہر خارج کی اور پھر واپس کرسی کی طرف آیا۔

''سنو حنین!'' وہ سنجیدگی سے اس کے سامنے بیٹھا کہنے لگا تھا۔ ''انسان کا پسند ناپسند پہ اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اس کے بعد کیا کرتا ہے اس پہ اختیار ہوتا ہے۔ میں نے بھی جیل میں اچھے برے بہت سے کام کیے ہیں۔ اتنی عمر ہو چکی ہے کہ اب میں ایک چھوٹی بچی کو جج نہیں کر سکتا۔ میں اس بات کو دوبارہ ڈسکس بھی نہیں کرنا چاہوں گا۔ مجھے اب صرف اس بات کی پرواہ ہے کہ وہ کورٹ میں کیا پیش کرے گا۔''

''کورٹ؟'' حنہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''کون سا کورٹ؟''

''اگر کوئی ٹرائل ہوا تو وہ تمہیں کورٹ میں بلائے گا اور تمہارے سارے میسجز پرنٹ کر کے وہاں پیش کرے گا۔ آئی ایم سوری حنہ اگر میں کبھی تمہیں یہ یقین نہیں دلا سکا کہ تم اکیلی نہیں ہو' کہ تم مجھ پہ اعتبار کر سکتی ہو۔ لیکن اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ مجھے اچھا نہیں لگا مگر میں تمہیں جج نہیں کروں گا۔ کوئی بھی چیز میرے دل میں تمہاری محبت کم نہیں کر سکتی۔ اور ابھی میں بھی کچھ بتاؤں گا تمہیں' تاکہ یہ ثابت کر سکوں کہ میں بھی تم پہ اعتبار کرتا ہوں۔ مگر پہلے مجھ پہ بھروسہ کرو' اور بتاؤ کہ ان میسجز میں کیا تھا؟ تم اس سے کیا بات کرتی تھیں؟'' اس نے دوبارہ سے حنہ کے ہاتھ تھام لئے تھے اور وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ نہ نرمی سے نہ سختی سے۔ ضبط اور تحمل سے۔ مگر حنین اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ یک ٹک گم سم سی خلا میں دیکھ رہی تھی۔

عرصے بعد ایک گتھی سلجھ گئی تھی۔ ایک گرہ کھل گئی تھی۔ ایک سرا ہاتھ میں آ گیا تھا۔

وہ سوال قیامت تھا' اور جواب بھی قیامت سے کم نہ تھا۔

✤✤✤

حشر کے دن کا غلغلہ' شہر کے بام و در میں تھا ..... نگلے ہوئے سوال تھے' اگلے ہوئے جواب تھے

اگلے چوبیس گھنٹے کہاں غائب ہوئے' پتہ ہی نہیں چلا۔ ایک دن طلوع ہو کر ڈھل بھی گیا اور چھاتے اندھیرے نے دیکھا' نوشیرواں کاردار اس خوبصورت بنگلے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا ہے جو کلب کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ ادھر ادھر ٹولیوں کی صورت بیٹھے لوگ.... ٹہلتے لڑکے لڑکیاں.... سرو کرتے ویٹرز.... ہر کسی نے آنکھ اٹھا کر.... نظر بچا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ بڑے دن بعد نہا دھو کر تیار سا'

پرفیوم کی مہک میں بسا' گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے' منہ میں چیونگم چباتا چلا آرہا تھا۔ بار کاؤنٹر کا سٹول کھینچ کر بیٹھا اور سیل فون نکالتے ہوئے بارٹینڈر کو اپنا آرڈر بتایا۔ سن گلاسز اتار کر گریبان پہ اٹکائیں اور اسکرین پہ انگلی پھیرتا نیوز فیڈ چیک کرنے لگا۔

سرگوشیوں اور اونچی باتوں میں اسے اپنا نام واضح سنائی دے رہا تھا۔ وہ نظر انداز کر کے مشروب کے گھونٹ بھرنے لگا۔ اب وہ نہیں چھپے گا۔ نہیں ڈرے گا۔ کون یقین کرے گا کہ اس نے کسی کو مارنا چاہا ہے؟ چند دن میں لوگ بھول بھال جائیں گے۔

دفعتاً اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے آکھڑا ہوا ہے۔ شیر دنظر انداز کیے گھونٹ بھرتا موبائل دیکھتا رہا۔ وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مگر وہ تیسرے' چوتھے ایک عجیب سا احساس رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ کلب میں چھاتی غیر معمولی خاموشی۔ جیسے سب سرگوشیوں میں بول رہے ہوں اور پھر چپ ہو گئے ہوں۔

''امریکہ میں ایسے موقعوں پہ مرینڈا رائٹس پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ آفیسر آف لاء کہتا ہے کہ تمہیں خاموش رہنے کا حق ہے' کیونکہ تم جو بھی کہو گے' وہ تمہارے خلاف عدالت میں استعمال ہو گا۔''

نوشیرواں کا دل بجلی کی سی تیزی سے گھوما۔ اس کی پشت پہ..... سینے پہ بازو لپیٹے.....وہ کھڑا تھا۔ وہ جس کا آسیب اس زیر تعمیر گھر میں بہتے خون سے نکل کر نوشیرواں کے اندر آبسا تھا۔ وہ آج مجسم صورت اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا' در آنکھوں میں تپش تھی۔ جیکٹ اور جینز میں ملبوس چھوٹے کٹے بالوں والا لڑکا جس کے منہ پہ زخم کا نشان تھا' اس پہ نظریں گاڑے کہہ رہا تھا۔

''مگر پاکستان میں آرٹیکل تیرہ ہی کافی ہوتا ہے۔ دہرانے کی ضرورت پھر بھی نہیں ہے ہمیں کیونکہ تم خاموشی سے کبھی گرفتاری نہیں دو گے۔''

کسی نے کلب کے اونچ کی سفید بتیاں جلا دی تھیں۔ مدھم روشنیوں والا خوابناک ماحول یکدم جیسے تیز روشنی میں نہا گیا تھا۔ بے رحم سفید روشنی نے سب عیاں کر دیا تھا۔ سعدی یوسف کے ساتھ سیاہ وردی والے چند افراد کھڑے تھے۔ نوشیرواں کا رنگ پھیکا پڑا۔ وہ آہستہ سے جگہ سے اٹھا۔

''میں سیکشن 161 سی آر پی سی کے تحت نوشیرواں اورنگزیب کار دار کو اپنا حملہ آور اور اغوا کار نامزد کرتا ہوں۔ مجھے آٹھ ماہ حبس بے جا میں رکھنے اور جسمانی ذہنی اذیت دینے کا ذمہ دار یہی ہے۔ اور ان کے پاس تمہاری گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔'' نوشیرواں نے فوراً موبائل کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر آفیسر نے اپنی چھڑی اس کے ہاتھ پہ رکھ دی۔

''تم لوگ مجھے یوں گرفتار نہیں کر سکتے۔ میرے بھائی کو بلاؤ۔'' وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ چلا کر بولا تھا۔ سعدی سینے پہ بازو لپیٹے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ایک سپاہی آگے بڑھا اور نوشیرواں کے ہاتھ تھامنے چاہے مگر اس نے دھکا دے کر سپاہی کے منہ پہ مکا جڑ دیا۔

اردگرد تمائش بین لڑکے لڑکیوں نے موبائل کیمرے نکال لیے تھے۔ کلک کلک۔ تصاویر اور ویڈیوز بنائی جا رہی تھیں۔ تین سپاہیوں نے اس پہ حملہ کر دیا تھا اور وہ مزاحمت کرتا رہا' چلاتا رہا' گالیاں دیتا رہا' انہوں نے اسے سینے کے بل کاؤنٹر سے لگایا اور ہاتھ پیچھے سے باندھے۔

ایس ایچ او اب اس کو اس کے حقوق پڑھ کر سنا رہا تھا' اس کے اوپر لگی دفعات کی تفصیل بتا رہا تھا' اور وہ کف اڑاتا غصے سے خود کو چھڑاتا مسلسل چلا رہا تھا۔ ہر زاویے سے لوگ دلچسپی سے ویڈیو بنا رہے تھے۔ پولیس والے اس کو لے کر جا رہے تھے' اور سعدی یوسف آخر میں.....ان سب کے پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا چل رہا تھا۔ مناظر کی عکس بندی جاری تھی.....آوازیں اور شور بڑھتا جا رہا تھا.....

باہر اسے پولیس وین میں ڈالا جا رہا تھا۔ سعدی وین سے ذرا فاصلے پہ کھڑا تھا۔ ہاتھ کمر پہ باندھے وہ سوچتی نگاہوں سے وین کو دیکھ رہا تھا جب ایس پی بخت آور چشتی اس کے ساتھ آکھڑا ہوا۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اس موقع پہ آنے دیا۔'' وہ نرمی سے سر کو خم دے کر بولا۔

''سعدی خان! میں ان لوگوں سے نہیں ڈرتا۔ ہم اپنے علاقے کے پیر ہیں' گدی نشین ہیں۔ ہمارے ساتھ بہت سے لوگ ہیں۔ صبح عدالت میں پیشی سے پہلے تک نوشیرواں کاردار کا بھائی کیا' اس کا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آجائے تو اس کو نہیں چھڑا سکتا۔'' پھر اس نے سعدی کے کندھے پہ تھپکی دی۔ ''تمہیں انصاف ضرور ملے گا۔ ہر پولیس والا ان کی طرح نہیں ہوتا جن سے تمہارا پہلے پالا پڑا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ پولیس اس آدمی کو آج لاک اپ سے نکلنے نہیں دے گی۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا اور سعدی اس پہ یقین کرنا چاہتا تھا۔

مگر جانے کیوں اب کسی پہ یقین نہیں آتا تھا۔

............❖❖❖............

جب ڈوبنا ہی ٹھہرا تو پھر ساحلوں پہ کیوں ..... اس کے لیے تو بیچ بھنور جانا چاہیے

''میرا نام ہے سعدی یوسف۔'' نے وہ تہلکہ نہیں مچایا تھا جو نوشیرواں کاردار کی گرفتاری کی ویڈیو نے مچا دیا۔ چند منٹوں میں وہ ویڈیو نیوز چینلز پہ نشر ہونے لگی۔ مختلف زاویوں سے لیے گئے واضح شاٹس جیسے جیسے اسکرین پہ چلتے گئے' کاردار اینڈ سنز کے شیئرز کی مارکیٹ ویلیو گرنے لگی۔ ہاشم کاردار کی چھتر سے زائد ملکی کمپنیز سے ایک دم سرمایہ کھینچا جانے لگا' اور پہلی دفعہ ہاشم کو احساس ہوا کہ پانی سر سے اوپر ہو رہا ہے۔

وہ ہارون عبید کے ساتھ... وکلاء کا ایک وفد لیے... اس وقت تھانے میں موجود تھا... اور نخوت اور غرور سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھا تلخی سے ایس پی بخت گیلانی سے مخاطب تھا۔ بحث' دھمکیاں' باتیں' سب گرما گرم ماحول میں بلند آواز میں ہو رہی تھیں۔ سامنے والا بھی اپنے علاقے کا پیر تھا۔ اونچی گدی کا عادی تھا۔ گردن اس کی بھی نہیں جھکتی تھی' صرف نفی میں ہلتی تھی۔

''او پرے ہٹو بڑے کاردار صاحب۔ اب میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ صبح فیصلہ عدالت میں ہوگا۔''

''ساری زندگی دیکھی ہیں میں نے عدالتیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ویڈیو میں تو اس لڑکے نے ہم دونوں کا نام بھی لیا تھا' پھر حتمی ایف آئی آر میں صرف میرے بھائی کو نامزد کیوں کیا؟'' ان کی بحث جاری تھی۔ ایف آئی آر کے مطابق صرف نوشیرواں کاردار ذمہ دار تھا سعدی کے اوپر کیے گئے تمام مظالم کا۔

باہر برآمدے میں وہ دونوں کھڑے تھے۔ زمر اور سعدی۔ دونوں خاموشی سے گہری ہوتی رات کو دیکھ رہے تھے۔

''ہم ہاشم اور ہارون عبید کو کیوں نامزد نہیں کر رہے؟'' وہ یہ بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''ہاتھ والا پرندہ جھاڑی والے دو پرندوں سے بہتر ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ دو تینوں کو پکڑیں' کیس کی وجہ سے بری ہو جائیں' ہم صرف نوشیرواں پہ فوکس کرتے ہیں۔ اس کے خلاف مضبوط کیس بناتے ہیں۔ اس کو سزا ملی تو ہاشم جیتے جی مر جائے گا۔''

''لیکن وہ پھر بھی آزاد گھومے گا۔'' سعدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔ اتنی پل سامنے سے دو سپاہی نوشیرواں کو ہتھکڑی لگائے چلے آ رہے تھے۔ اس کے چہرے پہ بے چینی تھی اور آنکھوں میں غصہ۔ سر جھٹک منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہ چلتا جا رہا تھا' دفعتاً ان دونوں کو ستون کے ساتھ کھڑے دیکھ کر رکا۔

''میں سمجھا تھا مسز زمر کہ آپ مختلف ہوں گی۔ مگر آپ سب ایک جیسے ہیں۔''

''تم اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔'' زمر نے سعدی کے سامنے بازو پھیلا کر گویا دونوں کے درمیان آڑ بنائی۔

''تم نے مجھ پہ گولیاں چلائی تھیں۔'' سعدی بھی بپھر کر غرایا۔

''تم نے مجھے گالی دی تھی!''

''تو گالی سے جواب دیتے نا۔ گولی سے کیوں دیا؟'' وہ اونچی آواز میں بولا تھا۔

''نوشیرواں تم اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔ اسے لے جائیں۔'' وہ تحمل سے سعدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سپاہیوں کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہا۔ وہ نوشیرواں کو ساتھ لے جانے لگے مگر وہ مڑ مڑ کر سرخ چہرے سے اسے دیکھتا مغلظات بکے جا رہا تھا۔

''میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔ عدالت میں تمہارے سب گھر والوں کو گھسیٹوں گا۔ تمہاری بہن کو گھسیٹوں گا۔'' سعدی کی مٹھی بھنچی۔ اس نے دانت پیسے۔ تنفس تیز ہوا مگر زمر نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''اس کی باتیں مت سنو۔ نظر انداز کرو۔''

''آپ نے سنا نہیں وہ کیا بکواس کر رہا تھا۔'' اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ چہرے پہ بے بسی در آئی تھی۔

''جب عدالتوں میں معاملے چلے جاتے ہیں نا سعدی' تو پھر یہ تو ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔ کیا تم واپس مڑنا چاہتے ہو؟''

''کبھی نہیں۔'' اس نے پورے عزم سے نفی میں سر ہلایا۔

''گڈ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔ سعدی گہرے گہرے سانس لیتا خود کو پرسکون کرنے لگا۔

دور راہداری کے سرے پہ ایس ایچ او کے کمرے کے دروازے پہ ہارون عبید نکلتے دکھائی دیے۔ وہ وہیں رک کر زمر کو دیکھنے لگے۔ زمر نے جواباً سعدی کو دیکھا۔

''تم گاڑی میں بیٹھو' میں آتی ہوں۔ جاؤ نا!'' وہ اپنے ذہنی خلفشار سے نہیں نکل پایا تھا' سو مضطرب الجھا الجھا سا آگے بڑھ گیا۔ تب ہارون قدم قدم چلتے' ستون کے قریب آ ٹھہرے۔ کلف لگی شلوار قمیص میں ملبوس' وہ چہرے پہ سوچ کی لکیروں کے باعث غیر مطمئن لگتے تھے۔

''مسز زمر..... میں نے آپ سے کہا تھا ہم دوبارہ ملیں گے!'' زمر سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور تحمل سے ان کو سننے لگی۔ ''آپ مجھے تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ یہ مسئلے بہت تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔''

''بلاشبہ ایسا ہی ہے لیکن میں آٹھ دس سال سے روز ایسے مسئلے نپٹاتی آئی ہوں سو آپ میرے لیے فکر مند نہ ہوں۔'' وہ پرسکون سی بولی تھی۔

''مسز زمر!'' انہوں نے اب کے ترحم سے اسے دیکھا۔ ''مجھے آپ سے ہمدردی ہے' اور میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میری مدد کے بغیر یہ کیس کبھی عدالت میں نہیں چل سکتا۔ آپ جج کو خرید بھی لیں تب بھی ہاشم..... '' وہ مزید قریب ہوئے' آواز اب سرگوشی میں بدل گئی تھی اور نظریں زمر پہ جمی تھیں۔ ''کبھی تاریخیں نہیں لینے دے گا آپ کو۔ تاریخ پہ تاریخ دیتا جائے گا۔ لٹکاتا جائے گا۔ بارہ تیرہ سال تک کیس چلے گا۔ ہر سال میں دو پیشیاں ہوں گی۔ گواہ مر کھپ جائیں گے۔ سرکاری ریکارڈ کھو جائے گا۔ اخبارات و میڈیا اس قصے کو بھول چکا ہو گا۔ تیرہ سال آپ تو لڑ لیں گی' اور آپ لڑ سکتی ہیں لیکن آپ کا یہ پیارا سا معصوم سا بچہ نہیں لڑ سکے گا۔ آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہوا مگر وہ ذہنی طور پہ نارمل نہیں رہا۔ وہ یا تو تنگ آ کر خود کشی کر لے گا یا کسی دن جا کر ہاشم کو گولی مار دے گا۔ وہ..... اتنا لمبا..... انتظار..... نہیں کرے گا مسز زمر!''

زمر کی آنکھوں میں کرچیاں ابھریں' مگر گردن مزید اکڑ گئی۔ ''یہ..... آپ کا..... مسئلہ..... نہیں ہے۔'' اسی کے انداز میں بولی۔

''مگر آپ کا تو ہے نا۔ اور وہ کیا ہے کہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔'' وہ نرمی سے ذرا جھک کر بولے تھے۔ ''تیرہ سال..... چلیں دس سال بعد آپ کے ہاتھ میں کیا ہوگا؟ اولاد تو آپ کی ہو نہیں سکتی' میں واقف ہوں' (زمر کی آنکھوں میں سرخی ابھری) لیکن جو بچے آپ کے لیے اولاد کی طرح ہیں' وہ رل جائیں گے۔ وہ کبھی دوبارہ زندگی شروع نہیں کر سکیں گے۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں کہ میں ہاشم کو راضی کرلوں' اور وہ کیس لڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ بار ایسوسی ایشن کے صدر کو پولیس گولیاں مارتی ہے تو سارے وکیل اکٹھے ہو جاتے ہیں' پولیس کے خلاف کیس لڑتے ہیں' اور چھ سات ماہ میں قاتلوں کو سزا دلواتے ہیں۔ چھ سات ماہ میں زمر صاحبہ فیصلہ آ جاتا ہے وہ بھی پولیس کے خلاف اس ملک میں جہاں فیصلے آنے میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ مگر کیسے؟ کیونکہ وکیل چاہتے تھے کہ فیصلہ آئے۔ اس ملک میں اگر وکیل نہ چاہے تو کوئی فیصلہ نہیں آ سکتا' چاہے اس کے حق میں ہو یا خلاف ہو۔ ہاشم چاہے گا تو کیس چلے گا ورنہ نہیں چلے گا۔ اور ہاشم کو صرف میں راضی کر سکتا ہوں اور کوئی شخص یہ کام نہیں کر سکتا۔ آپ کی دوستی رفیق صاحبزادی صاحبہ بھی نہیں۔ اب آپ بتائیے' کیا میں راضی کروں ہاشم کو؟'' اب کے وہ پرسکون لگتے تھے' ذرا مسکرا کر ہمدردی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اور یقیناً بدلے میں مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ بتائیے' کیا کروں میں جس کے بدلے میں آپ یہ عنایت کریں گے میرے اوپر؟''

''آپ فارس کو چھوڑ دیں!''

آسمان سے کوئی تارہ زور سے ٹوٹ کر گرا تھا' گویا کسی فرشتے نے کسی باتیں اچکنے والے شیطان کو دے مارا ہو۔ تارہ تھا یا آگ کا گولہ۔ زمین پہ گر کر ہر شے کو بھسم کر گیا تھا۔

''میں... فارس کو... چھوڑ دوں؟'' وہ چند لمحے سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر ایک دم ہنس دی۔ وہ بھی ہلکے سے ہنس دیے۔

''مگر میں سنجیدہ ہوں مسز زمر۔ فارس کو آپ کچھ دے تو سکتی نہیں ہیں' ویسے بھی آپ گردے کی مریض ہیں' آپ کی زندگی کم رہ گئی ہے' اللہ آپ کو زندگی دے' میری تو یہ دعا ہے' مگر حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں۔ آپ پہلے ہی جس شخص کی زندگی میں بوجھ بنی ہوئی ہیں' اس سے نکل جائیں اور جس بچے سے آپ کو محبت ہے' اس کو اس بوجھ سے آزاد کر دیں۔''

''ہارون صاحب۔'' اس نے مسکراہٹ دبائے چمکتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ ''آپ اپنی بیٹی کے لیے اتنی تگ و دو نہ کریں تو اچھا ہے۔ اس کی تو ہاشم سے شادی ہو رہی ہے نا' نوشیرواں سے ذکر سنا تھا' سو میرا خیال ہے اس کے مسئلے سنبھالنے کے لیے ہاشم کا روار کافی ہے' اور رہی میں تو...'' بائیں کندھے سے لٹکتے پرس کو اتار کر دائیں پہ منتقل کرتے وہ مسکرا کر بولی۔ ''جو میرا ہے... وہ میرا رہے گا!'' ایک آخری چمکتی نظر ان پہ ڈال کر وہ مڑ گئی۔

ہارون نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے دیکھتے رہے۔

چند لمحوں بعد سڑک پہ گاڑی دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیونگ کرتا سعدی کچھ کہہ رہا تھا... اور وہ کھڑکی کے باہر بھاگتے پولز اور بتیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی اور گود میں رکھے پرس میں ڈالا ہاتھ مسلسل اندر موجود ڈبی کھول بند کر رہا تھا۔ ٹک... ٹک... ننھے تارے جیسے ہیرے والی لونگ کی ڈبی کا ڈھکنا بار بار گرنے اور اٹھنے کے باعث مدھم سی آواز نکالتا تھا...

ٹک... ٹک... ٹک...

ہاشم رات کے ڈیڑھ بجے تھانے سے گھر چلا آیا۔ پولیس اتنے دباؤ اور جنگل کی آگ کی سی پھیلتی خبر کے بعد کسی صورت نوشیرواں کو رہا نہیں کر سکتی تھی۔ اب مزید کوشش کرنا خود کو ایک جابر اور قانون شکن بااثر آدمی ظاہر کرنا تھا اور رفلا ٹفر ایسٹ ہاشم کا روار کے سفید کالر کو یہ گوارا نہ تھا۔

''ایک لڑکا جس کو میں نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کیا...'' باہر میڈیا کے نمائندوں کے مائیکس کے سامنے چہرہ کیے' کار کا دروازہ کھولے کھڑا وہ کہہ رہا تھا۔ ''جس کی بازیابی کے لیے سب سے زیادہ کوششیں میں نے کیں' وہ ذرا سے جائیداد کے تنازعے کے باعث میرے بھائی کو اپنے کیس میں دھکیل رہا ہے' مجھے سوچ کر بھی شرم آتی ہے۔ یو نو واٹ' میں نے اپنی ساری زندگی قانون کی بالادستی کی نذر کی ہے'

پپا کی تصویر بنی تھی۔ چھوٹے بال، داڑھی، سبز آنکھوں کے ساتھ۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور اسے جیب میں ڈال لیا۔

"کیونکہ جب تک انسان اپنی ذات سے باہر نکل کر دوسروں کی بھلائی کے لیے نہیں سوچتا' وہ کفر کرتا ہے' سازشیں کرتا ہے' جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ایسے لوگ تو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔"

حنین بالکل نارمل سی پتھرائے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ کمپیوٹر پرنٹر زوں زوں کی آواز کے ساتھ ایک کاغذ باہر اگلا' جسے اس نے اٹھا کر سیدھا کیا۔ اس پہ احمر کی تصویر بنی تھی۔ اس نے وہ کاغذ لے جا کر دیوار پہ لگی مختلف کرداروں کی تصاویر کے ساتھ چپکا دیا۔ اور سیاہ مارکر سے اس کے اوپر سوالیہ نشان لگا دیا۔

(کون ہے احمر شفیع؟)

"اور میں یہ جان گیا ہوں کہ ایک بہتر انسان بننے کے لیے انسان کو اپنے بارے میں سوچنا بند کر کے دوسروں کو ترجیح دینی ہوتی ہے۔"

فارس بینک کے کیش کاؤنٹر پہ کھڑا چیک بک پہ کچھ لکھ کر دستخط کر رہا تھا۔ پھر اس نے چیک کھڑکی کے اندر بڑھا دیا۔ اب اندر بیٹھی لڑکی اسے نوٹوں کی گڈیاں تھما رہی تھی۔

"میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ انسان چیریٹی اپنے گھر سے شروع کرتا ہے ورنہ وہ چیریٹی کا حق نہیں ادا کر سکتا۔"

سعدی اپنے اوپر کے چھوٹے کمرے میں کھڑا بیگ میں سامان ڈال رہا تھا۔ نوٹوں کی ایک گڈی اس نے تکیے کے اندر چھوڑ دی تھی۔ باہر کامنی ہاتھ باندھے کھڑی غصے اور صدمے سے اس کے دروازے کو بار بار دیکھتی تھی۔ پھر کبھی چلا کر کہتی۔ "یہ مجھ سے سچ بھی بول سکتا تھا۔ میں آئندہ کبھی انسانوں کا اعتبار نہیں کروں گی۔"

"مگر اس ملک کے سارے مسائل لاکھوں اور کروڑوں کی چیریٹی دے دینے سے حل نہیں ہو سکتے۔ اس ملک کے مسئلے تب حل ہوں گے جب ہم لوگوں کو انصاف فراہم کریں گے... انصاف کا مطلب ہوتا ہے فوری انصاف کیونکہ

Justice delayed is justice denied!"

زمر ریسٹورانٹ کی بالائی منزل والے ہال میں بیٹھی.... پرنٹر سے نکلتے کاغذوں کو مختلف فائلز میں لگا رہی تھی۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ فائلز پہ فائلز تیار کر رہی تھی۔ ثبوت در ثبوت۔ ہاشم کاردار اور اس کے قرابت داروں کی کمزوریاں۔ بلیک میلنگ کا مواد۔ زبردست۔

"اور اگر مجھ جیسے وکلاء انصاف کی فراہمی کے لیے واقعتاً کوشش نہیں کریں گے تو معاشرے کے ناسور بڑھتے جائیں گے۔"

احمر شفیع قصر کاردار کے کنٹرول روم میں بیٹھا' کی بورڈ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کرتا' بار بار نفی میں سر ہلاتا' افسوس سا چہرے پہ در آتا جسے وہ جھٹک کر کام کرنے لگ جاتا۔

"اگر آج ہم جیسے لوگ اپنا پیسہ اور اپنی طاقت استعمال نہیں کریں گے تو ہماری نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔"

علیشا ٹارچ لیے ایجنسی کی بیسمنٹ میں موجود تھی اور مسلسل تیزی سے ہاتھ چلاتی سامان الٹ پلٹ کرتی کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

"پاور پلانٹ کا نقصان کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس تخریب کاری کی میں مذمت کرتا ہوں اور اس کا بدلہ میں اس طرح سے لوں گا کہ جو لوگ اس قسم کی وارداتیں کرتے ہیں' ہم ان دہشت گردوں کے بچوں کو تعلیم دیں گے۔ یہی ان کی سب سے بڑی شکست ہے۔"

فیونا اپنے باتھ روم میں کھڑی اپنے بٹوے میں موجود رقم گن رہی تھی۔ آنکھوں میں حسرت بھری نمی تھی۔ باہر میری برآمدے میں کھڑی ملازموں پہ حکم چلا رہی تھی۔

میں اس موقعے پہ اپنے عہدے اور طاقت کا ناجائز استعمال کر کے اپنے بھائی کو بغیر عدالت میں پیشی کے نہیں چھڑواؤں گا۔ اگر اس کا نام ایف آئی آر میں ہے تو پھر وہ اور نکڑ پہ کاروبار کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو اس کو قانون کے تقاضوں کو پورا کرنا ہو گا۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو دولت یا طاقت کی فراوانی کے باعث خود کو فرعون سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم پیسے والے ہیں' ہمارے اوپر انگلی اٹھانا بہت آسان ہے۔ یو نو واٹ' اب مزید میں ان لوگوں کو 'غریب کارڈ' نہیں کھیلنے دوں گا۔ صبح ہم عدالت جا رہے ہیں اور اپنے بھائی کو وہیں سے چھڑوا کر گھر لائیں گے۔ ہمیں انصاف چاہیے۔ انصاف صرف غریب کے بچے کو نہیں چاہیے ہوتا' ہمیں بھی ... چاہیے!'' اور ہاتھ ہلا کر 'بس' کا اشارہ کرتا کار میں بیٹھ گیا۔ مائکس اس کے تعاقب میں جھکے مگر گارڈ کار کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ ٹائر زحرکت میں آئے اور کار زن سے آگے بڑھ گئی۔

سودچال کے لاؤنج میں وہ سب بیٹھے ٹی وی اسکرین پہ چلتا نوشیرواں کا کلپ دیکھ رہے تھے۔ (حنین وہاں نہیں تھی۔) سعدی خاموش تھا اور زمر ابا کو بتا رہی تھی کہ کس طرح نوشیرواں اس وقت لاک اپ میں بیٹھا ہے۔

''ہفتے دس دن میں وہ رہا ہو جائے گا' دو دن بعد وہ ملک سے باہر ہو گا' اور اگلے پندرہ سال وہ واپس نہیں آئے گا اور تم دونوں پیچھے سے پیشیاں بھگتانا۔'' فارس نے اپنا کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے نہایت پرسکون انداز میں اطلاع دی۔ ''ویلکم ٹو پاکستان!'' زمر اور سعدی پہ ایک ''اچھا موری'' والی نظر ڈال کر' کندھے اچکا تا مگ ہونٹوں سے لگاتا' وہ آگے بڑھ گیا تو زمر پہلو بدل کر رہ گئی۔

''نہیں نکلے گا وہ باہر!'' سعدی اس کے جانے کے چند منٹ بعد ایک دم سے بولا تھا اور پھر اسی طرح اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔ زمر بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بے اختیار سر جھٹکا جیسے کسی کی آواز کو ... صور جیسی آواز کو ذہن سے جھٹکا ہو ... (آپ اسے اس بوجھ سے آزاد کر دیں۔)

وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ سعدی ہے۔ وہ چند دن میں ٹھیک ہو جائے گا اور ہمیں انصاف ضرور ملے گا۔ وہ خود کو تسلی دینے لگی۔ دل سیاہ آسمان میں بار بار ڈوب کر ابھرتا تھا۔

..................✣✣✣..................

سارا جوار بھاٹا میرے دل میں ہے مگر ..... الزام یہ بھی چاند کے سر جانا چاہیے

سعدی نے اوپری منزل پہ بنے اس بیڈ روم کا دروازہ کھولا (جوامی نے اس کے لیے تیار کیا تھا) تو اندر اندھیرا تھا۔ موبائل جیب سے نکالتے ہوئے اس نے سر جھکائے سوئچ بورڈ پہ انگلی رکھی تو کمرہ روشن ہو گیا۔ کسی احساس کے تحت اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔

اس کے بیڈ کے کونے پہ حنین بیٹھی تھی۔ الجھے سے بال ڈھیلی چوٹی میں بندھے تھے۔ گود میں کاغذوں کا ایک پلندہ رکھا تھا اور زخمی نگاہیں سعدی پہ جمی تھیں۔

''فارس ماموں نے مجھ سے پوچھا کہ ... میں ہاشم سے کیا بات کرتی تھی!''

''حنین میں یہ بات اب ڈسکس نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کچھ عرصے بعد میں اسے بھلا کر تمہیں معاف کر دوں گا اور ...'' بے زاری سے سر جھٹکتے وہ آگے آیا تو وہ کھڑی ہوئی۔ اٹھی گردن اور پورے قدم کے ساتھ۔

''معافی مانگی کس نے ہے آپ سے' ہاں؟!'' کہنے کے ساتھ اس نے کاغذ سعدی کے قدموں میں پھینکے۔ کچھ نیچے گرے۔ کچھ اڑ کر بکھر گئے۔

''سعدی یوسف خان!'' اس نے صدمے اور غصے سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے اونچی آواز میں دہرایا۔ ''سعدی ... یوسف ... خان۔ یہ تھے وہ الفاظ جو ان انیس سو بہتر میسجز میں پانچ سو چھپن دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ میرے ان تمام میسجز کا ریکارڈ ہے جو ان کو بھیجے تھے میں نے۔ بیک اپ سے نکالے ہیں میں نے اور آپ کو دکھانے لائی ہوں۔ دیکھیں اسے۔ پڑھیں اسے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ آ

پ کو کیا بتا تا رہا ہے' مگر میں اس سے آپ کی بات کرتی تھی۔ آپ کی' سعدی بھائی' آپ کی بات کرتی تھی میں۔" بولتے بولتے جذبات سے آواز بوجھل ہوئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ بالکل خالی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"پڑھیں ان میسجز کو۔ نہیں پڑھیں ان کو پلیز۔ میں نے ہمیشہ ان کو ہاشم بھائی کہا' کبھی غلط بات نہیں کی ان سے۔ کسی سے اکیلی بات کرنا غلط ہے یا صحیح' اس سے قطع نظر میں نے کبھی ان سے... کوئی... غلط بات... نہیں کی۔ صرف آپ کی یا زمر کی یا گھر میں بڑھتی وحشت کی بات کرتی تھی۔ ہاں میں ان کو پسند کرتی تھی۔ کہیں دور اندر اب بھی پسند کرتی ہوں۔" اس کی بلند آواز کانپی۔ "مگر کسی کو پسند کرنا گناہ نہیں ہوتا۔ پسند پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ کیا کرتا ہے' اس پر ہوتا ہے۔ میرا قصور نہیں ہے اس میں اگر میں ان کو پسند کرتی ہوں۔ جانتے ہیں کس کا قصور ہے؟" وہ تین قدم آگے بڑھی اور خاموش لب بھینچے کھڑے سعدی کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کا! آپ کا قصور ہے۔" آنسو اب خشک تھے اور وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتی غرائی تھی۔ "آپ تھے جو مجھے ان کے گھر لے کر گئے تھے اس رات جب نوشیرواں نے اغوا کا ڈرامہ کیا تھا۔ آپ تھے جو ہاشم کالا کر کھولنے میں اور اس کا راز جاننے میں اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ آپ کو خیال بھی نہیں گزرا کہ آپ کی بہن دوسرے کمرے میں ہاشم کے ساتھ ہے۔ آپ تھے جنہوں نے اس شخص کی اصلیت ڈیڑھ سال ہم سے چھپائی۔ ہمیں دوبارہ ان کے گھر پارٹی پہ لے کر گئے۔ پھر بعد میں آپ مجھے کہتے ہیں کہ اس کو کیوں بلایا کالج؟ ہاں بلایا تھا میں نے ان کو کالج۔ کیونکہ سعدی بھائی... وہ قاتل ہے' کرپٹ ہے' جھوٹا مکار ہے' مگر وہ جج مینٹل نہیں ہے۔ وہ گلٹی ہے تو دوسرے گلٹی لوگوں کو ایسے جج نہیں کرتا جیسے آپ نیک لوگ ہم گناہگاروں کو جج کرتے ہیں۔ کیوں بلایا میں نے اسے کالج؟ اس لیے کہ مجھے اس سے امید تھی کہ وہ مجھے برا نہیں سمجھے گا۔ آپ سے یہ امید نہیں تھی مجھے۔ کیوں بات کرتی تھی میں اس سے؟ کیونکہ مجھے کسی نے... آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ وہ اندر سے کیسا ہے۔ مجھے کیا پتہ تھا وہ کیسا ہے؟ صرف یہ کہہ دینا کہ اس کو کبھی تکن بلانا آئندہ کافی نہیں ہوتا۔ مجھے وجہ نہیں بتائی' مجھے اس کی اصلیت نہیں دکھائی... پھر مجھ پہ الزام کیوں ڈالتے ہیں؟" وہ شل کھڑا سن رہا تھا اور وہ آخر میں ٹھہر کر... اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے چبا چبا کر بولی۔

"میرے دل کا خون کرنے والے ہاتھ میرے نہیں تھے۔ آپ کے تھے!" پیر کی ٹھوکر سے ان کاغذوں کو مزید بکھیر دیا۔ "آپ کا فرض تھا مجھے بتانا' مجھے اس کی اصلیت دکھانا۔ میں انیس سو دس کی لڑکی نہیں ہوں جس کو دھونس زبردستی سے ڈانٹ ڈپٹ کر آپ کچھ بھی کرنے پہ مجبور کر سکتے ہیں۔ میں اکیسویں صدی کی لڑکی ہوں' میرے پاس میرا ذہن ہے اور ذہانت ہے۔ میرے دور کی لڑکیوں کے بھائیوں کو یہ بھول جانا چاہیے کہ وہ غصہ کر کے' حکم دے کر' یا پابندیاں لگا کر اپنی بچیوں کو کسی سے موبائل پہ بات کرنے سے روک سکتے ہیں۔ جب تک وہ برابری کے لیول پہ آ کر اپنی بہن کے ساتھ بیٹھ کر اس کو دلائل سے نہیں سمجھائیں گے' وہ ان کی بات نہیں مانے گی۔ باہر کے لوگ ہمارا دل ایسے نہیں توڑتے بھائی جیسے ہمارے اپنے مرد ہمیں توڑ جاتے ہیں۔" آخری لفظ پہ اس نے ہچکی لی' اور پھر اس کے ساتھ سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جا چکی تھی اور سعدی تنہا خاموش کھڑا تھا۔ پھر دفعتاً وہ جھکا اور ایک ایک کاغذ اٹھانے لگا۔ سب کو اکٹھا کیا' برابر کیا' اور پھر اسٹڈی ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا۔ بغیر پڑھے۔ بغیر دیکھے۔ اس کا چہرہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ سنجیدہ اور خاموش۔

...............✥✥✥...............

جلتی ہیں روز جس کے اشارے پہ بستیاں ..... اس آنکھ تک دھوئیں کا اثر جانا چاہیے

اگلی صبح دھند میں واضح کمی محسوس ہوتی تھی۔ سورج نکھرا نکھرا سا نکلا کھڑا تھا اور ہارون عبید کی رہائش گاہ کے سارے شیشے دھوپ سے چمک رہے تھے۔ لاؤنج میں ہارون شلوار سوٹ اور کوٹ میں ملبوس' صوفے پہ براجمان سوچتی نگاہوں سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہے تھے جہاں

نوشیرواں کی گرفتاری کی کلپنگ بار بار دکھائی جا رہی تھی۔

''معروف آئی پی پی کا بیٹا نوشیرواں کاردار جس کو کل شام وارنٹ گرفتاری جاری ہونے کے بعد اسلام آباد کے ایک ریسٹ ہاؤس سے گرفتار کیا گیا تھا' اس وقت پولیس کی تحویل میں ہے اور آج اس کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ جہاں پولیس اس کے جسمانی ریمانڈ کے لئے درخواست دے گی اور قوی امکان ہے کہ ابھی چند دن تک نوشیرواں کاردار اپنے گھر نہیں جاسکیں گے۔''

ہارون نے ریموٹ اٹھا کر بٹن دبایا۔ اسکرین بجھ گئی۔ وہ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ خاموش لاؤنج میں خاموشی کی چاپ سنتے رہے۔ پھر اٹھے اور پیچھے سے قمیض جھٹک کر برابر کرتے آگے بڑھ گئے۔

اوپر آ کر وہ آبی کے کمرے کے سامنے رکے۔ دروازہ کھٹکھٹایا' پھر دھکیلا۔

''آبدار۔ بچے تم نیچے کیوں بیٹھی ہو؟'' وہ بیڈ کی پائنتی کے قریب زمین پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سرخ بال بکھر کر کمر پہ گر رہے تھے اور آنکھیں گیلی تھیں۔ وہ ترحم سے اسے دیکھتے آگے آئے اور بیڈ کے کنارے آ بیٹھے۔ ''آبی۔'' انہوں نے دوبارہ پکارا۔

''اسے لگتا ہے میں ڈرامہ کرتی ہوں۔ اسے لگتا ہے میں اس کی نیک نامی کے لئے خطرہ ہوں۔'' اس نے گیلی آنکھیں اٹھا کر گلہ آمیز نظروں سے باپ کو دیکھا۔ ''بابا..... مجھے ہر چیز سے وحشت ہونے لگی ہے۔ ہر شخص سے۔''

''آبدار..... اتنا نہیں سوار کرتے کسی کو حواسوں پر کہ.....''

''یہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بابا.....'' اس نے شکستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''میں بہت بری طرح ٹوٹ گئی ہوں۔ میں سارا دن اس کی کال کا انتظار کرتی ہوں۔ میں نے اس کے نمبر کی رنگ ٹون بھی بدل دی ہے کہ اسکرین دیکھنے سے پہلے مجھے اس کی کال کی خبر مل جائے۔ میں ہر چند منٹ بعد واٹس ایپ پہ اس کا لاسٹ سین دیکھتی ہوں۔ اگر وہ آن لائن ہو تو لگتا ہے وہ میری دسترس میں ہے۔ جیسے کوئی ڈوری سی ہو میرے اور اس کے درمیان۔ مگر میں اسے میسج نہیں کر سکتی بابا۔ کیونکہ پھر وہ مجھے بلاک کر دے گا۔ میرا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے بابا۔'' اس نے اپنا سر ان کے گھٹنے پہ رکھ دیا اور رونے لگی۔ اس کی رنگت زرد تھی اور حلیہ بے ترتیب۔

''آبی..... تم کیا چاہتی ہو؟'' انہوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا۔ میری ماں کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ مجھے وقت بھی نہیں دیتے۔ میری سالگرہ بھی یاد نہیں رکھتے۔ آپ مجھے ''وہ'' بھی نہیں دے سکتے۔'' نفی میں سر ہلاتی وہ سیدھی ہوئی اور بند مٹھیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

''سوائے ہاشم کاردار کے' تم دنیا میں جس کو بھی میرے سامنے لے آؤ گی' میں اسے قبول کر لوں گا۔''

''مجھے ہاشم سے کوئی سروکار نہیں ہے بابا۔'' وہ غصے سے سر جھٹک کر بولی تھی۔ ''مجھے جو چاہیے وہ unavailable ہے۔ وہ شادی شدہ ہے۔ اور آپ..... آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے میرے لئے۔ میں بابا اب ساری زندگی تکلیف میں رہوں گی۔''

اس کی سبز سرمئی آنکھوں کے کنورے پھر سے بھرنے لگے۔ ہارون کچھ دیر غور سے اسے دیکھتے رہے۔

''وہ تمہیں مل جائے گا' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اب اٹھو بچے۔ کھانا کھاؤ' اور کپڑے بدلو' پھر اپنے کلینک جاؤ' خود کو کام میں مصروف کرو۔''

مگر وہ ان کے پہلے الفاظ پہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ ''آپ..... وعدہ کرتے ہیں؟'' مایوسی کے آسمان پہ امید کا تارہ سا چمکا تھا۔

''ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔'' انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر یقین دلایا تھا۔ آبدار کی آنکھوں سے آنسو غائب ہونے لگے اور ان کی جگہ الجھن نے لے لی۔

''مگر..... کیسے؟''

''تم مجھے بتاؤ... کیسے؟ وہ کیسے آئے گا تمہاری زندگی میں؟''

''وہ جب تک اس کی زندگی میں رہے گی وہ مجھے نہیں ملے گا بابا۔'' تارہ ڈوبنے لگا۔

''وہ اس کی زندگی سے چلی جائے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں وہ چلی جائے گی۔''

آبدار کی ان پہ بھی آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ ''کیسے؟ آپ کو کیسے پتہ؟''

''میں نے رات اس کو دیکھا تھا۔ زمر کو۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ سعدی یوسف کے کیس سے متعلق۔ چہرے پڑھنے آتے ہیں مجھے۔ وہ اسے چھوڑ دے گی بہت جلد۔''

''آپ نے اسے کچھ کہا تو نہیں؟ بابا پلیز آپ ان کو کوئی دھمکی وغیرہ نہیں دیں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔ میں.....''

''نہیں' میں کیوں کچھ کہوں گا؟ مگر میں تمہیں بتا رہا ہوں' وہ اس کو چھوڑ دے گی۔''

''کیا اس نے خود ایسا کہا؟'' آبی کا دل اٹک گیا تھا۔

''نہیں' اسے ابھی خود بھی معلوم نہیں مگر میں تمہیں بتا رہا ہوں بیٹے' میں لوگوں کو اخبار کی طرح پڑھتا ہوں' ساری زندگی پڑھتا آیا ہوں۔ وہ اسے... چھوڑ دے گی!'' پھر اس کا سر تھپکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''اب فریش ہو جاؤ' میں ڈائننگ ٹیبل پہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔''

آبدار کے لبوں پہ نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھنے لگی۔ قدموں میں بالکل جان نہیں تھی۔ جانے کب سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ہارون اب اسے سہارا دے کر کھڑا کر رہے تھے۔ چند دن میں ہی وہ اتنی کمزور نظر آنے لگی تھی۔

❖❖❖

وحشتیں بڑھتی گئیں ہجر کے آزار کے ساتھ ...... اب تو ہم بات بھی کرتے نہیں غمخوار کے ساتھ

دانتے کی جہنم جیسا احاطہ عدالت آج بھی لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ نوشیرواں کا رودار کو سپاہی ہتھکڑیوں میں مقید کیے اپنے ساتھ چلاتے لا رہے تھے۔ وہ اسی ویسٹ میں ملبوس تھا جس میں ساری رات لاک اپ میں بیٹھے کاٹی تھی۔ سردی کے باوجود آستین چڑھا رکھے تھے۔ چہرے پہ سنجیدہ تاثر تھا اور آنکھیں شب بیداری کے باعث گلابی پڑ رہی تھیں۔ سامنے سے انسان چلے آ رہے تھے۔ بے نیاز' تیز تیز چلتے ہوئے۔ عجیب خوفناک لوگ۔ اور پھر ان کا شور ہی شور۔ وہ سامنے دیکھ کر نہیں چل رہا تھا' نظریں جھکی تھیں۔ اسے راہداری میں چلتے اپنے قدم نظر آ رہے تھے۔ ساتھ میں ہاشم کے چمکتے بوٹ بھی۔ سپاہیوں کے رگڑ رگڑ کر پالش کیے جوتے بھی۔ آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ وکلاء کی فوج ان کے ہمراہ تھی۔ سامنے کھڑے صحافی اور کیمرہ مین سوالوں کی بوچھاڑ کرتے الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہے تھے۔

''ہاتھ اٹھا کر وکٹری کا نشان بناؤ اور مسکرا کر یہاں سے گزرو۔'' ہاشم نے قریب میں سرگوشی کی۔ اس نے ایک نظر اٹھائی اور جبراً مسکراہٹ لاتے وکٹری کی دو انگلیاں اوپر اٹھائیں۔ ایک رات لاک اپ میں کاٹنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس برزخ سے اسے ہاشم کے علاوہ کوئی نہیں نکال سکتا اس لیے وہ اس کا ہر حکم ماننے کا پابند تھا۔

صحافیوں کا ہجوم ایک جگہ آ کر رکتا تھا' رک گیا' وہ لوگ آگے بڑھتے گئے۔ شیرو نے وکٹری کی انگلیاں گرا دیں۔

''یہ ہمارے انویسٹرز کے لیے تھا' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم پر اعتماد ہیں۔'' ہاشم اسے کہہ رہا تھا۔ وہ نہیں سن رہا تھا۔ نظریں پھر سے جھکا دی تھیں۔

''زیادہ سے زیادہ سات دن تک رہنا پڑے گا' تمہیں لاک اپ میں پھر جیل بھیج دیں گے۔ اس کے بعد میں ضمانت کروا لوں گا' مگر ان سات یا دس دن میں تمہارا اندر رہنا بہتر ہے۔ optics کے لیے یہ اچھا ہے۔ کوئی بھی خبر میڈیا پہ اس سے زیادہ نہیں شور مچاتی۔ خبر دب

جائے گی' لوگ تھک کر چپ ہو جائیں گے۔ ان سات دنوں میں ہم تین پارٹیز دیں گے' مختلف جگہ چیریٹی گیدرنگز میں جا کر بیٹھا کریں گے۔ یونو۔ optics کے لئے۔ چند ایک photo -ops کے بعد ہمارا امیج اور ہماری خیرات اس سارے گند کو دبا دے گی۔ صرف سات دن شیرو.....''

الفاظ مدھم ہو رہے تھے..... کنے کنے سنائی دے رہے تھے۔ وہ بالکل سر جھکائے چلتا رہا۔ وہ ہاشم کو نہیں بتا سکتا تھا کہ لاک اپ کی ایک رات نے اسے ذہنی طور پہ کتنا پیچھے دھکیل دیا تھا۔ وہ رات کتنی ڈراؤنی تھی۔ کتنی خوفناک تھی۔ ہر جگہ زیر تعمیر گھر میں بہتا خون کا تالاب نظر آتا تھا۔ اور..... وہ چہرہ..... وہ نیچے گرے بوٹ کی ٹھوکروں سے زخمی لڑکے کا لہولہان چہرے کے ساتھ کہنا..... اللہ حساب لے گا.....

نوشیرواں نے چہرہ اٹھایا۔ فضا میں مانوس سی خوشبو تھی۔ کافور کی سی۔ باسی گلاب کی خون آلود پتیوں کی سی مہک۔ اس نے سر اٹھایا۔

سامنے' ایک دروازے کے ساتھ وہ دونوں کھڑے تھے۔ زمر اور سعدی۔ وہ دونوں چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی نظریں سعدی سے ملیں۔ ان میں نفرت تھی۔ تپش تھی۔ اور ایسے زخم تھے جن کو مندمل ہونے میں صدیاں بیت جاتی ہیں۔

''میں دیکھوں گا تم سب کو۔'' ہاشم نے انگلی اٹھا کر تنفر سے کہا تھا۔ سعدی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ''تم لوگوں کو بیس سال عدالت میں نہ لٹکایا تو دیکھنا۔'' اور شیرو کا منظر بدلتا گیا۔ راہداری آگے بڑھتی گئی۔ وہ دونوں خاموش کھڑے پیچھے رہ گئے.....

❖❖❖

ایسا ہے کہ سینے میں سلگتی ہیں خراشیں ..... اب سانس بھی ہم لیں گے تو اچھا نہ کریں گے

سردی کا زور ہر گزرتے دن کے ساتھ کم ہوتا جا رہا تھا۔ جیل کے احاطے پہ گرتی سنہری روشنی سلاخوں سے لپٹ لپٹ کر ان کو پگھلا رہی تھی۔ چند اہلکاروں اور سادہ لباس میں موجود افسران کی معیت میں نوشیرواں کاردار چلتا ہوا صحن میں آگے بڑھ رہا تھا۔ جیل کا اے بلاک اصولاً صرف اے کلاس قیدیوں کے لئے ہونا چاہیے تھا مگر یہاں ہر طرح کے قیدی تھے اور وہ اتنے کوئی خاص پڑھے لکھے اور خاندانی نہیں لگتے تھے۔ برآمدوں میں کھڑے قطار در قطار سفید پیلے لباس والے قیدی سرگوشیاں کرتے اس نوجوان کو اندر آتے دیکھ رہے تھے۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ ان کو نہ دیکھے مگر پیشانی پسینے میں تر تھی اور دل کی دھڑکن تیز تھی۔ اسے شدید گرمی لگ رہی تھی مگر وہ اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔

راہداری میں سے گزرتے اس نے سلاخوں والے دروازوں کے ساتھ ٹولیوں میں کھڑے لوگوں کو چبھتی آنکھوں سے خود کو دیکھتے پایا۔ اور جانے کہاں سے وہ آواز کان میں پڑی۔

''اس نے فارس غازی کے بھانجے پہ گولی چلائی تھی۔''

نوشیرواں کے حلق میں کچھ اٹکا۔ قدم لڑکھڑائے مگر وہ چلتا رہا۔

''اس نے غازی کے بھائی اور بیوی کو مارا تھا۔''

وہ نہیں کہہ سکا کہ ایسا نہ تھا۔ کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔

مختلف راہداریوں اور برآمدوں سے گزرتے ہوئے اس نے لوگوں کی بہت سی باتیں سنیں۔ وہ اس پہ ہنس رہے تھے' غصہ کر رہے تھے' اسے غازی کا مجرم گردان رہے تھے۔ وہ اسے گالیاں دے رہے تھے۔ ماں کی۔ بہن کی۔ بیٹی کی۔ وہ اس کا تمسخر اڑا رہے تھے۔

اس کی بیرک آ گئی تھی۔

وہ صاف ستھرا کشادہ سا کمرہ تھا۔ بیڈ' صوفے' روم ریفریجریٹر' اے سی' اٹیچ باتھ' ایل سی ڈی' ٹی وی' ڈی وی ڈی پلیئر' سب میسر تھا وہاں۔ اہلکار اس کو بستر پہ آرام کرنے کا کہہ کر اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔ نوشیرواں سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھتا بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ وہ خاموش تھا۔ بالکل گونگوں کی طرح خاموش۔

ایک گالی کا برداشت کر لینا انسان کو کتنی گالیوں سے بچا لیتا ہے۔ کاش وہ ایک گالی برداشت کر لیتا۔

.... ❖❖❖ ....

اے دل ذرا سی جرأت رندی سے کام لے ...... کتنے چراغ ٹوٹ گئے احتیاط میں

ڈاکٹر سارہ اپنے آفس میں گردن جھکائے بیٹھی' میز پہ رکھی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہی تھی جب دروازہ ذرا سی آہٹ سے کھلا۔ سارہ نے قلم دانتوں میں دبائے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو ٹھہر گئی۔ قلم دانتوں سے نیچے گرا۔ چہرہ ساکت ہو گیا۔

چوکھٹ میں سعدی کھڑا تھا۔ اور وہ پرانا سعدی بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ جینز کے اوپر جیکٹ پہنے' وہ آنکھوں میں چبھتی ہوئی تپش لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سعدی!'' اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔

''تو یہاں چھپی ہوئی تھیں آپ؟'' اس کا لہجہ بھی بدلا ہوا تھا۔ سارہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ رنگت پھیکی پڑی۔

''سعدی!''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ میں یہاں اپنی جاب واپس لینے بھی نہیں آیا۔'' وہ اس پہ برہم نگاہیں جمائے چند قدم آگے آیا۔ ''میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں ڈاکٹر سارہ غازی کہ آپ میرے حق میں گواہی دیں گی یا نہیں؟''

''تم مجھ سے میرا حال بھی نہیں پوچھو گے؟'' اس کو دکھ ہوا۔

''نہیں' کیونکہ مجھے معلوم ہے آپ عافیت سے ہوں گی۔ یہ عافیت جو آپ نے خاموش رہنے کے عوض چنی تھی یقیناً دیرپا ہو گی۔ میں ادھر قید میں مر رہا تھا' اس سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سو میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ... گواہی... دیں گی... یا نہیں؟'' وہ زور دے کر بولا۔ اتنے مہینے بعد ملاقات ہو رہی تھی اور پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

''میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں سعدی!''

''میں بھی بہادر نہیں ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے میں نے کتنی راتیں جاگ کر گزاری ہیں صرف خوف کے عالم میں۔ سو مجھ سے بہادری کی بات مت کیجیے۔ میں صرف یہی بتانا چاہتا تھا۔ کورٹ آپ کو بلائے گی۔ اور آپ کو آنا ہو گا۔ اگر آپ اپنی مجرمانہ خاموشی کا مداوا کرنا چاہتی ہیں تو آپ آئیں گی ورنہ میرے خاندان اور خود مجھ سے آپ کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔''

''تم اتنے سخت دل کیسے ہو سکتے ہو سعدی!'' وہ افسوس سے بولی تھی۔

وہ ایک دم تیزی سے آگے آیا۔ ''میں نے... بھروسہ کیا آپ پہ... آپ کو ایک قیمتی چیز دی۔ آپ نے اس کو بھی کھو دیا۔ آپ نے میرے لیے گواہی بھی نہ دی۔ اگر اس وقت آپ کچھ بول دیتیں تو حنین... میرے گھر والے... وہ اتنے ماہ ماتم کے قریب نہ رہتے۔ اس لیے دل کی سختی کی بات مجھ سے مت کریں۔ اور فیصلہ کریں۔'' ایک قہر آلود نگاہ اس پہ ڈال کر وہ باہر نکل گیا اور اپنے پیچھے دروازہ زور سے بند کر دیا۔

سارہ فکرمندی وہیں کھڑی رہ گئی۔

.... ❖❖❖ ....

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی ...... دنیا تو لطف لے گی مرے واقعات میں

تیز دھوپ میں بینک کی عمارت جھلس رہی تھی۔ بیرونی سیڑھیاں اترتا' پی کیپ سے چہرے پہ سایہ کیے کرنل خاور والٹ جیب میں ڈالتا چلا آ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ اس نے زینے اترتے اترتے جیب سے موبائل نکالا' پھر دھوپ کے باعث اسکرین پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر دیکھا۔

جلتا بجھتا نمبر شناسا تھا۔ بہت شناسا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ تیزی سے فون کان سے لگاتا' مگر محتاط سا "ہیلو" کہتا کار کی طرف آیا۔

"خاور! میں بول رہا ہوں!" ہاشم کی سنجیدہ آواز سنائی دی تھی۔ خاور کے چہرے پہ بہت سے رنگ ابھرے.... جذبات.... دکھ... مگر جب بولا تو لبوں سے بس اتنا نکلا۔

"لیس سر!"

"میں جانتا ہوں تم کہاں ہو' تمہارا نمبر بھی ٹریس کروالیا ہے' لیکن.... میں کسی کو تمہیں پکڑنے نہیں بھیج رہا۔" وہ رکا۔ اس کی آواز دھیمی تھی اور تاسف انگیز تھی۔

"خاور.... میں بہت اکیلا ہوں۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ شیر و جیل میں ہے اور چیزیں میرے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں سر!" وہ چلتے چلتے سایے میں کھڑی کار تک آ گیا تھا۔ ایک دم جیسے سکون سا آ گیا' جھلساتی دھوپ سے سائبان مل گیا ہو۔

"مجھے ہر حالت میں اس کیس کو.... یوسف خاندان کو.... نچانا ہے۔ تم میری مدد کرو گے؟ ہر بات بھلا کر۔ جو میں نے تمہارے ساتھ کیا' میں جانتا ہوں تم مجرم نہیں تھے' اگر تم اس سب کو بھلا سکو تو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ ایو پیو والے کاٹیج میں.... کل شام پانچ بجے کے قریب.... اگر تم دوبارہ میرے لیے کام کرنا چاہو تو میں انتظار کروں گا تمہارا۔"

"جو حکم سر!" خاور کی آواز بھیگ گئی تھی۔ ہاشم کی کال بند ہو چکی تھی اور وہ اس سائبان میں کتنی ہی دیر کھڑا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گلابی نمی تھی مگر چہرے پہ طمانیت تھی۔ سر اٹھا کر اس نے ایک تشکر آمیز نظر آسمان پہ ڈالی' پھر کار میں بیٹھا۔

کار چلانے کی بجائے وہ موبائل پہ ای میل چیک کرنے لگا۔ دو دن قبل کی موصول ہوئی ای میل جسے وہ بار ہا پڑھ چکا تھا' ایک دفعہ پھر کھولی۔

"میں جانتا ہوں تم میری میل ضرور پڑھو گے۔ وقت تمہارے ہاتھ میں ہے خاور' چوائس تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اپنے تمام گناہوں کا کفارہ دینا چاہتے ہو تو کاردارز کے خلاف گواہی دو۔ میرے حق میں گواہی دو۔ ہم تمہیں دو قتلوں کے لیے معاف کر دیں گے۔ تمہارا دامن صاف ہو جائے گا۔ وقت ابھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔

سعدی یوسف خان"

"تم سے معافی مانگی کس نے ہے؟" اس نے نخوت میں سر جھٹکتے ہوئے تنفر سے کہا اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔ گاڑی میں ایک دم حرکت سی بیدار ہوئی تھی' جیسے منجمد ہوئی وفا ایک لمحے میں جاگ اٹھتی ہے۔

❖❖❖

یہ بستی ہے ستم پروردگاں کی...... یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

شام شہر کے دوسرے حصے پہ بھی ٹھنڈی سی پھیل رہی تھی۔ اس آفس میں خاصا رش تھا۔ لوگوں کی چہل پہل' کیبن کے ساتھ ٹولیوں میں کھڑے ورکرز' شور' آوازیں۔ ایک آفس کے شیشے کے دروازے بند تھے اور اندر۔ خاری سوٹ میں' ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا' ریسیور کان سے لگائے تیز تیز پنجابی میں کچھ کہے جا رہا تھا۔ سامنے دو کرسیوں میں سے ایک پہ سعدی بیٹھا تھا۔ آگے ہو کر۔ مضطرب' بے چین۔ دوسری پہ فارس پیچھے ہو کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' آرام دہ انداز میں بیٹھا' مسلسل دو انگلیوں سے کان کی لو مسل رہا تھا۔

"ہاں جی' میں فائل ملتے ہی آپ کو خبر کرتا ہوں۔ اچھا جی۔" اس نے ریسیور رکھا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہو کر سعدی کو

مخاطب کیا۔ ''ہاں جی۔ سعدی یوسف صاحب۔ یہ شو شروع ہونے سے پہلے کا ایک گھنٹہ ہے اور اس وقت میں عموماً کسی سے ملتا نہیں' لیکن خصوصی طور پہ آپ کو بلایا ہے تو آپ سمجھ سکتے ہوں کہ اہم بات کرنی ہو گی۔'' وہ عینک اتار کر میز پہ رکھتے مصروف مگر خشک سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے آپ کے سیکرٹری نے فون پہ کہا تھا کہ آپ میرا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔'' سعدی نے سنجیدگی سے کہا۔ بار بار وہ فارس کو دیکھتا تھا جو بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

''ہاں جی' ایسا ہی ہے۔ دس بجے کے شو کے ٹی آر پی ز آپ جانتے ہیں کیسے آسمانوں سے بات کرتے ہیں' اوپر سے ملک کا نمبر ایک چینل ہے' اور میری شکل' اور ساکھ سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔''

''جیلانی صاحب' مجھے دوسرے چند چینلز سے بھی کال آئی ہے۔'' سعدی درمیان میں تیزی سے بولا۔ ''لیکن میں آپ سے ملنے اس لئے آیا ہوں کیونکہ میں اپنی کہانی صرف ایک دفعہ سنانا چاہتا ہوں اور کسی ایسے شو اور ایسے چینل پہ جہاں مجھے لگے کہ واقعی پورا ملک مجھے دیکھ اور سن رہا ہے۔''

''بالکل جی' ویسے بھی اگلے ہفتے سے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو رہا ہے' آپ کی کہانی کے لئے کسی کے پاس وقت نہیں ہو گا' بعد میں اگر کیس چلنا ہے تو عدالت میڈیا ٹرائل پہ پابندی لگا دے گی' اور آپ انٹرویو نہیں دے سکیں گے' یہی وقت ہے آپ کو اپنی کہانی بیچنی ہے۔ میرے دو شوز... ایک میں بات کور نہیں ہوتی نا۔ سو دو شوز کریں گے ہم... اس منگل اور بدھ کو... دو شوز میں آپ اسٹار بن جائیں گے۔ سوشل میڈیا سے نکل کر آپ ہر شخص کے گھر تک جا پہنچیں گے۔''

''او کے!'' سعدی نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ پھر فارس کو دیکھا۔ وہ خاموش سے بے نیاز سا لگ رہا تھا۔ شاید لبوں میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ پھر تیس لاکھ جمع کرا دیں' لیکن کیش کی صورت میں۔ بینک اکاؤنٹ ڈیٹیلز میں کسی کو دیتا نہیں ہوں' مسئلے ہو جاتے ہیں بعد میں۔ یہ میرا ایڈریس ہے' آپ اسی پہ پیسے لے آئیے گا' اسی ہفتے پھر ہم منگل اور بدھ کے دو شوز کر لیں گے۔'' کاغذ پہ پتہ لکھ کر اس نے سعدی کی طرف بڑھایا جو پلک جھپکے بنا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''تیس لاکھ کس چیز کے؟''

''چلو جی!'' جیلانی نے اکتا کر پہلو بدلا۔ ''دیکھو بیٹا' میرے شو کا وقت ہونے والا ہے' اب فضول کی بحثوں اور جائز ناجائز کے چکروں میں پڑنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس' نہ توانائی ہے۔ بغیر پیسوں کے یہاں کوئی تمہیں شو میں نہیں بلائے گا' میرے جیسا اینکر تو کبھی بھی نہیں۔ اوہ بیٹا...'' پھر سمجھانے والے انداز میں کہنے لگا۔ ''اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے' پرائم ٹائم پہ اشتہار چلوانے نا... تیس سیکنڈ کے اشتہار کو ایک دفعہ چلوانے کی تین لاکھ سے کم فیس نہیں ہوتی۔ صرف ایک دفعہ کی بات کر رہا ہوں میں۔ یہ موبائل کمپنیاں' شیمپو والے یہ لوگ' روز کے کروڑوں کے اشتہار چلواتے ہیں۔ میں تمہیں پرائم ٹائم کے دو گھنٹے دے رہا ہوں' تیس لاکھ اس لحاظ سے کم ہیں مگر چونکہ تم نے اتنی جرات کا مظاہرہ کیا ہے' اتنا ظلم ہوا ہے تمہارے ساتھ اس لئے یہ رعائیت ہے تمہارے لئے۔ آگے تم سوچ لو۔ کاردارز کے خلاف اپنی کہانی بیان کرنے نکلو گے تو بغیر پیسوں کے کوئی اسٹوڈیو میں گھسنے بھی نہیں دے گا۔''

سعدی اٹھا' اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ فارس دھیرے سے کھڑا ہوا' مسکرا کر جیلانی صاحب سے ہاتھ ملایا۔ ''میں اسے سمجھا دوں گا۔ ہم پیسوں کا بندوبست کر لیں گے۔ آپ شو کی تیاری رکھیں۔'' متانت سے کہہ کر وہ اس کے پیچھے آیا۔

وہ تیز تیز پارکنگ ایریا میں چلتا جا رہا تھا۔ باہر آسمان اب گہرا سیاہ ہو رہا تھا۔ اکا دکا تارے بھی ابھرنے لگے تھے۔

"سعدی!" وہ کار تک پہنچا تو فارس تیز تیز چلتا اس سے آملا۔ "ہم پیسے دے سکتے ہیں، ہمارے پاس ہیں پیسے!"

سعدی نے بے یقینی اور دکھ سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "میں اس شخص کا دوبارہ نام بھی نہیں سننا چاہتا۔ اور کیوں دیں ہم پیسے؟ میں انصاف لینے اس لئے نکلا تھا تاکہ مجھے کوئی غلط کام نہ کرنا پڑے تاکہ میں قانون کا راستہ اپناؤں، فرنٹ ڈور سے اپنی منزل میں داخل ہوں۔ نہیں استعمال کرنے مجھے یہ بیک ڈورز۔" شدتِ غم سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ "اور آپ وہاں بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ ایک لفظ نہیں بولے اور نہیں تو دو چار مکے تو جڑ ہی سکتے تھے اس اینکر کو۔"

"استغفراللہ، میں شریف آدمی ہوں۔ ایسا کیوں کرتا؟" وہ خفا ہو کر کہتا گھوم کر ڈرائیونگ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔ سعدی اسی طرح غم و غصے سے پیچ و تاب کر رہ گیا۔

............❖❖❖............

سیل کی رہگزر ہوئے، ہونٹ نہ پھر بھی تر ہوئے ..... کیسی عجیب پیاس تھی، کیسے عجب سحاب تھے!

اوائل مارچ کی وہ شام اپنے نیلے اندھیروں میں ڈھیروں تارے ٹانکے چھایا ئی کھڑی تھی۔ موسم سرد اور خنک تھا۔ ساکت۔ جامد۔

ہاشم کاردار خوبصورتی سے آراستہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ صوفے شام کے اندھیروں جیسے نیلے تھے اور ان پہ سنہرے اجلے اجلے سے کشن رکھے تھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے، گرے سوٹ میں ملبوس وہ گاہے بگاہے کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا.....

انیکسی کی اس آبادی سے دور گھنے درختوں سے ڈھکی وادی میں اونچائی پہ بنا وہ خوبصورت بنگلہ گہری شام میں روشن نظر آتا تھا۔ خاور نے باہر سڑک پہ کھڑے گردن اٹھائے اس بنگلے کی روشن کھڑکیوں کو دیکھا.....

ہاشم کاردار منتظر خاموش سا صوفے پہ بیٹھا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ وال کلاک کو بھی دیکھتا تھا۔ چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ تھا، مگر وقت لگا جا رہا تھا۔ جانے کتنی دیر لگا دیتے ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا.....

سڑک پہ کھڑا خاور بہت امید سے اس گھر کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ خیال آیا کہ ہو سکتا ہے ہاشم اس کو صرف اس لئے دوبارہ رکھنے پہ مجبور ہوتا کہ وہ گواہی نہ دے ڈالے۔

ہاشم اب صوفے سے اٹھا اور ایک دفعہ پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے ڈرائنگ روم میں ٹہلنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ بائیں سے دائیں.....

"نہیں!" خاور نے دور نظر آتے بنگلے کو دیکھتے ہوئے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ ہاشم کو اس کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہے۔ وہ اس کو اس کے لئے چاہتا ہے۔ وہ اس کو اس کی خدمات کے عوض واپس بلا رہا ہے۔ وہ اس کا مالک ہے۔ اور اس غلامی پہ اسے فخر ہے۔ خاور کی گردن اکڑ گئی۔ دل میں سکون سا اتر گیا.....

ڈرائنگ روم میں ٹہلتا ہاشم اب سوچتے ہوئے دو انگلیاں گال کے زخم پہ پھیر رہا تھا جہاں صبح شیو کے دوران کٹ لگا تھا۔ وہ گہری سوچ میں تھا، گویا درد کا احساس نہیں ہو رہا تھا.....

خاور سڑک پہ قدم قدم آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ بنگلے کا آہنی گیٹ آن پہنچا۔ وہ کھلا تھا۔ کوئی ملازم، کوئی گارڈ نہ تھا، اور ایسا صرف تب ہوتا تھا جب گھر کا کوئی فرد وہاں ہوتا تھا۔ خاور ہلکا سا مسکرایا۔ اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ اس خاندان کو وہ کتنے اچھے سے جانتا تھا۔

ہاشم ابھی تک دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہا تھا، جب وہ رکا۔ باہر راہداری سے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ بڑھتے قدم سنائی دے رہے تھے۔ ہاشم نے گہری سانس لی۔ بالآخر..... انتظار ختم ہوا.....

خاور بنگلے کے برآمدے تک آ پہنچا تھا۔ اسے اب کسی کا ڈر نہ تھا۔ ہاشم کی آواز کا وثوق، یقین، مان..... اسے اس پہ بھروسہ تھا۔ اس نے

مرکزی دروازہ کھول کر دھکیلا۔ لکڑی کا پٹ چر چراتا ہوا دوسری طرف جالگا۔ اندر روشنی تھی مگر سامنے کوئی نظر نہ آتا تھا۔ خاور سر سے اونی ٹوپی اتارتا اندر داخل ہوا... اسی لمحے پیچھے سے اس کی گردن میں کوئی نوکیلی شے آ کر لگی۔ وہ بے یقینی سے واپس پلٹا' مگر زہر یلا ٹرنکولائزر ڈارٹ کا اثر روشنی کی رفتار سے اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ گھٹنوں کے بل، بے یقینی دنگ چہرہ اٹھایا۔ تو دھندلا سا نظر آیا۔ سامنے سٹنگ روم سے کوئی چلتا آ رہا تھا... خاور نے پلکیں جھپکائیں۔

''ہاشم!'' لبوں سے بمشکل نکلا مگر وہ دیکھ سکتا تھا کہ آنے والا ہاشم نہ تھا۔

''ہیلو کرنل خاور۔ مجھے احمر شفیع کہتے ہیں۔ اور رہے ہاشم صاحب' تو وہ اس وقت اسلام آباد میں ہیں... اور ان کو اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ سونی کی دوست کی سالگرہ میں شرکت کرنے جانا ہے۔''

ادھر اسلام آباد میں شہرین کے گھر کے سٹنگ ایریا میں ٹہلتا ہاشم آوازیں سن کر ٹھہر گیا تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور دو ملازموں کے ہمراہ شہری اور سونی آتی دکھائی دیں۔ دونوں بجی سنوری اور خوبصورت لگ رہی تھیں۔ سونی بابا کہتے ہوئے فوراً سے اس کی طرف بھاگی۔

''اتنی دیر لگا دی تم نے۔ میں کب سے انتظار کر رہا تھا۔'' وہ سونی کو اٹھا کر اس کے گال چومتا بظاہر مسکرا کر مگر درحقیقت دبے دبے غصے سے شہری سے بولا تھا۔

''میری اسٹائلسٹ کی وجہ سے دیر ہوئی ہے۔ اب چلیں۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر اپنا سیل فون بیگ میں ڈال رہی تھی۔ وہ سونی کو اتار کر اس کے قریب گیا۔

''آئندہ اس طرح کے دعوت نامے قبول کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا کرو۔''

شہری نے اچنبھے سے مسکارے سے لدی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کیوں؟''

''کیونکہ لوگ ہمارے بارے میں۔ شیرو کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ سونی کچھ سنے۔'' وہ دبی آواز میں گھرک کر بولا تھا۔

''ایسے کام کرنے سے پہلے سوچا کرو نا۔'' وہ ناک سکوڑ کر بولتی آگے بڑھ گئی۔ وہ جو کوفت زدہ کھڑا تھا سونی کے خود کو دیکھنے پہ مسکرایا اور اس کے ہمراہ دروازے کی طرف بڑھ گیا...

خاور کی آنکھ کھلی تو منظر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھنا چاہا' مگر... دھندلی دھند تھی۔ نمی سی نمی تھی۔ وہ کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ ڈکٹ ٹیپ سے۔ کہنیوں سے گھٹنوں تک سلور ٹیپ لپیٹ لپیٹ کر اس کو جکڑا گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بار بار جھپکتے گردن جھکائی۔ سخت سردی میں وہ بغیر سوئیٹر حتیٰ کہ بغیر شرٹ کے بیٹھا تھا۔ جینز' جوتے جرابیں' سب اسی طرح پہنے ہوئے تھے مگر کندھے برہنہ نظر آتے تھے۔ اس نے پھر سے چہرہ اٹھایا۔

آج بھی سامنے... دور... ایک مرد اور عورت کھڑے تھے... مگر آج وہ نوڈلی اور آفنر کے کچن میں دشمن کے سامنے قید نہیں کھڑا تھا۔ آج مقابل اپنے تھے...

''ہاشم!'' اس کے لبوں سے پھنسا پھنسا سا نکلا۔ آنکھوں میں' دل و دماغ میں ابھی بھی بے یقینی تھی۔

''ہاشم کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ تم کہاں ہو خاور!'' مسکراتی ہوئی جواہرات آگے چلتی آئی۔ احمر وہیں کھڑا رہا۔ ہاتھ باندھے۔ خاموش۔

''ہاشم نے... مجھے بلایا تھا۔''

''ہاشم نے تمہیں نہیں بلایا تھا۔'' وہ شیرنی کی سی آنکھیں اس پہ جمائے مسکرا کر بولی تھی۔ احمر قدم قدم چلتا سامنے آیا۔

"میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر کے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

جواہرات سیلون نما کلینک کی آرام دہ چیئر پہ بیٹھی تھی اور چند وومن اسے کاسمیٹک سرجری کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل آئینے میں اپنی ناک کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہی تھی۔

"زندگی نے جو مجھے ایک دوسرا موقع دیا ہے میں اسے ایک بہتر انسان کے طور پہ گزارنا چاہتا ہوں۔ میں اچھے کام کر کے فخر سے اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔"

فارس ایک اسٹوریج لاکر کے اندر کھڑا تھا۔ لوہے کا اوپر سے نیچے گرنے والا دروازہ اس نے گرا رکھا تھا اور وہ مختلف شیلف اور خانوں میں سے سیاہ چمکتا اسلحہ نکال نکال کر بیگ میں بھرتا جا رہا تھا۔ دوسرے بیگ میں چند دوسری اشیا رکھی تھیں۔ وہ تیاری کر رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد جب میری بیٹی میرا نام لے میرا بھائی میرا ذکر کرے تو وہ مجھے صرف ایک فلینتھراپسٹ کے طور پہ نہ جانیں بلکہ انصاف کے لیے جدوجہد کرنے والے ایک فرض شناس شہری کے طور پہ یاد کریں۔"

نوشیرواں اپنے کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا کریڈٹ کارڈ سے سفید دانے دار شے کو دو دو ڈوروں میں چن رہا تھا۔ چہرے پہ مردنی اور آنکھوں میں گہرا گلٹ چھایا تھا۔ بار بار ان میں نمی در آتی جسے وہ کف سے رگڑ کر صاف کر لیتا۔

"لیکن..." کیمروں اور فلیش لائٹس کی چکا چوند روشنی میں ہاشم کاردار کہہ رہا تھا۔ "ہم زندگی میں آگے بڑھتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کو بھول جاتے ہیں مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرا دوست میرا رشتہ دار... ایک پیارا نوجوان سعدی یوسف جو آٹھ ماہ پہلے ہم سے بچھڑ گیا... آج میں اس کے اور اس جیسے لاپتا افراد کے لیے "سعدی یوسف فاؤنڈیشن" بنانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ فاؤنڈیشن سعدی یوسف جیسے لاپتا افراد کے کیسز پھر سے کھلوائے گی اور ان کے خاندان کو انصاف کی فراہمی یقینی بنائے گی۔ اس میں ملک کے نامور اور ماہر وکلاء کا پینل ہوگا جو اس بات کو یقینی بنائے گا کہ..." وہ کہہ رہا تھا۔ کیمرے کھٹا کھٹ کلک کلک کر رہے تھے۔ لوگ اپنی نشستوں سے اٹھ کر اس ذہین اور شاندار ہمدرد اور رحمدل شخص کے لیے تالیاں بجا رہے تھے جو موت کے قریب جا کر واپس آیا تھا اور لوگوں کے لیے مزید بھلائی کے کام کرنا چاہتا تھا۔ بے داغ دامن اور سفید کالر والا شخص ابھی تک بول رہا تھا...

.... ❖❖❖ ....

میرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ ہو عطا ...... ضرورت آن پڑی ہے مجھے کشتیاں جلانے کی

ہاشم کاردار کے آفس کی ساری بتیاں جلی ہوئی تھیں اور وہ اپنی سیٹ پہ ٹیک لگائے بیٹھا مسکرا کر فون پہ کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ جی ایسا ہی ہے۔ گالف پہ ملتے ہیں پھر۔" اس نے ریسیور کریڈل پہ رکھا۔ سامنے کھڑے خاور نے چند کاغذ اس کے سامنے رکھے۔ ہاشم نے پین ہولڈر سے قلم نکالا اور عینک ناک پہ لگاتے کاغذوں پہ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کرنے لگا۔ دفعتاً ٹھہر کر اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر ملا کر اسپیکر آن کر دیا۔

"جی کاردار صاحب۔ کیسے ہیں آپ؟" ہاشم کاغذات کا سرسری معائنہ کرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں ادریس۔ تم سناؤ فارس ٹھیک کام کر رہا ہے۔"

"جی۔ آج کل چھٹی پہ گھر گیا ہے۔ پورا ہفتہ اچھا کام کیا۔ چھٹی وغیرہ نہیں کرتا تھا۔ شام میں بھی نکالو تو نکالا ورنہ ادھر ہی کام کرتا تھا بیٹھا رہتا تھا۔ اور..." ادریس رپورٹ دے رہا تھا۔ وہ سنتا گیا۔ کاغذ مکمل ہو گئے تو اس نے کال کاٹی اور عینک اتار کر پرے رکھی۔

"یہ لے جاؤ اور یوں کرو آج شام کے لیے..." کچھ بولتے بولتے ہاشم ٹھہرا۔ ابرو پرسوچ انداز میں اکٹھے ہوئے۔

"کہیں رہتا تھا؟" اس نے غائب دماغ سے دہرایا۔

''وہ کال میں نے کی تھی۔ ہاشم کی چند ریکارڈنگز سے الفاظ توڑ توڑ کر نکالے ان کو جوڑا اور تمہیں سنوا دیا'' کرنل خاور۔ کمال طریقہ تھا۔

اور تمہارا ہی تھا۔ تم سے ہی سیکھا ہے۔ ایسے ہی کبھی تم نے زمر کو بھی کال کیا تھا نا۔ کال پہ کسی اپنے کی پورے یقین سے کہی ہوئی بات پہ سب یقین کر لیتے ہیں۔ آج تم نے بھی کر لیا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور خاور... اس کی مندی مندی آنکھیں سوچ سے مزید سکڑ رہی تھیں۔

''مارنا... مارنا چاہتے ہو تم لوگ مجھے؟ تاکہ تم... تم میری جگہ لے لو۔ اور آپ... اس نے سرخ آنکھوں کا رخ جواہرات کی طرف پھیرا۔'' میں تہیہ کر چکا تھا' ہاشم کو سب بتا دوں گا۔ سعدی یوسف گواہی دے گا۔ پھر وہ مان جائے گا کہ تم نے... جواہرات کاردار... تم نے مارا تھا اپنے شوہر کو۔''

جواہرات کی مسکراہٹ میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ احمر بھی سپاٹ چہرہ لیے کھڑا رہا۔

''میں سمجھ گیا تھا۔ قید میں اتنے دن رہ کر میں سمجھ گیا تھا۔ تم تھیں اس رات ان کے ساتھ۔ اور اگر تم مجھے زمین بھر سونا بھی پیش کرو' میں تب بھی ہاشم کو ضرور بتاؤں گا اور اگر تم...'' حقارت سے احمر کو دیکھا۔'' تم مجھے مار بھی دو تب بھی مجھے فخر ہے کہ میں اپنے مالک کی وفا میں جان دوں گا۔''

جواہرات نے مسکرا کر احمر کو دیکھا' اور پھر باہر نکل گئی۔ احمر اس کے پیچھے آیا۔ باہر شام گہری تاریک ہو چکی تھی۔ آسمان پہ جھلملاتے ہوئے تارے افشاں کی طرح بکھرے تھے۔

برآمدے میں کھڑے جواہرات نے سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔

''اس کو خاموش کروانا ضروری ہے۔ کر لو گے نا؟''

''آپ فکر نہ کریں' جواہرات!'' اس نے سر کو خم دے کر کہا۔ پھر ملکہ کی آنکھوں پہ نظریں جمائے پورے یقین سے بولا۔ ''اتنا بوجھ دل پہ لے کر نہ پھرا کریں مادام۔ اگر راز شیئر کیا ہے تو مجھ پہ بھروسہ بھی کریں۔''

''بھروسہ تھا تو بتایا ہے نا!'' اس نے جھرجھری لی۔'' اب میرے سر کا تاج بہت بھاری ہوتا جا رہا ہے۔''

''میری بات سنیں دھیان سے۔'' اس نے آگے بڑھ کر مضبوطی سے جواہرات کے شانوں کو تھاما۔'' اس بات سے نہ ڈریں کہ ہاشم اور نوشیرواں یہ جان جائیں گے تو کیا ہو گا؟ بلکہ اس دن کی تیاری کرنی ہے ہمیں۔ آپ نے... ایک اچھا کام کیا تھا۔ وہ آدمی ایک درندہ تھا اور درندے کو مار کر آپ نے اپنے بیٹوں کو بچایا تھا۔ آپ نے اپنے بیٹوں کے لیے قربانی دی تھی۔''

جواہرات کی آنکھوں میں نمی در آئی۔ ''وہ دونوں مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔''

''تو میں کس مرض کی دوا ہوں؟'' وہ برا مان کر بولا تھا۔'' ہم مل کر اورنگزیب کاردار کے ایسے ایسے کالے کرتوت ان کے سامنے لائیں گے' ان کے کردار کو اتنا مسخ کر دیں گے' ان کے خلاف اتنا زہر اگلیں گے کہ وہ دونوں ان سے نفرت کرنے لگ جائیں گے' اور اگر کبھی ان کو معلوم ہو بھی جاتا ہے تو وہ آپ کی پوزیشن سمجھ جائیں گے' اور یہ سوچیں گے کہ اچھا ہی ہوا' ان کو نجات دلا دی۔ آپ نے۔''

جواہرات کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ آنکھ سے ایک قطرہ ٹوٹ کر گال پہ لڑھکا۔ ''کیا ایسا ممکن ہے؟''

''یہ بھی تو ممکن نہیں لگتا تھا۔ آج یہ دردِ سر بھی ختم ہو جائے گا۔'' اس نے مسکرا کر بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مسکرا کر رہ گئی۔

جواہرات کاردار کے جانے کے بعد وہ اس تنہا پڑے بنگلے کے اندر آیا۔ کچن میں فریج سے ایک باکس نکالا اور اس کمرے میں آیا جہاں خاور بندھا پڑا تھا۔ احمر نے مصروف سے انداز میں ڈکٹ ٹیپ کا ایک بڑا ٹکڑا کاٹا۔

''اب کیا مجھے مار کر پھینکنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ ہونہہ۔ یہ کاروار زمیرے نہیں ہوئے' تمہارے کیا ہوں گے۔'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا

تھا۔ احمر اسی طرح آگے آیا اور ڈکٹ ٹیپ کا ٹکڑا اس کے منہ پہ رکھ کر زور سے چپکا دیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

''میں تمہاری بک بک' تمہارے OMG's اور 'کیا کیوں کیسے' نہیں سننا چاہتا' ان باتوں پہ جواب میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں' اس لیے کتنا اچھا ہو کہ تم یوں چپ ہو کر بیٹھو۔ خاموش اور بے بس! ہاں ایسے ٹھیک ہے۔'' سامنے آ کر سراہتی نظروں سے اس منظر کو دیکھا' پھر واپس اپنی کرسی پہ آ بیٹھا' اور باکس کھولا۔ اندر مختلف شیشیاں' چند کاغذ اور چند سرنجیں رکھی تھیں۔

''تم نے کبھی ہیری پوٹر پڑھی ہے خاور؟ سوری' میں ایسے موقعے پہ اس داستان سے کچھ منقول کر رہا ہوں' اب جب کہ تم اپنی یہ خوبصورت زندگی کھونے والے ہو' یو نو۔'' ایک سرنج کی سوئی شیشی میں چبھو کر وہ اسے اوپر اٹھائے بھر رہا تھا۔ ''مگر اس میں ایک ٹرم استعمال ہوتی تھی۔ اس کا پہلا چیپٹر اسی نام سے ہے۔ The Boy Who Lived۔ وہ لڑکا جو زندہ بچ گیا۔ اون سروائیور۔'' پھر نگاہیں اٹھا کر ان میں زمانوں کی تپش بھر کر خاور کو دیکھا۔ ''کہتے ہیں انتقام کے سائیکل میں ہمیشہ ایک سروائیور بچ جاتا ہے اور وہ انتقام لیتا ہے' یوں چکر پہ چکر چلتا رہتا ہے... چلتا رہتا ہے... میں... کرنل خاور... میں ہوں وہ لڑکا جو بچ گیا تھا!''

خاور کا منہ ٹیپ سے بند تھا مگر کھلی آنکھوں میں اچنبھے اور حیرت کے سارے الفاظ سمٹ آئے تھے۔

''وہ بریگیڈیئر یاد ہے تمہیں کرنل خاور جس کو اس کے پورے خاندان سمیت تم نے قتل کیا تھا؟ تمہیں شک تھا ناں کہ امریکہ میں اس کی ایک اور اولاد بھی ہے' کسی دوسری عورت سے جسے وہ چھپا کر رکھتا ہے' اور تمہیں یقین تھا کہ وہ بیٹی ہو گی' مگر تم غلط تھے۔ وہ بیٹا تھا۔ سلطان بخش۔ اور وہ میں تھا!'' اس نے شیشی سرنج کی سوئی سے نکالی' جھک کر کاغذ سے کچھ پڑھا' پھر دوسری شیشی اوپر اٹھا کر' سوئی اس میں گھسا کر احتیاط سے مائع سا سرنج کے بطن میں بھرنے لگا۔

خاور کی آنکھیں پھیل گئی تھیں' اور وجود بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

''جب تم نے میرے باپ اور میری ہاف فیملی کو قتل کیا تھا تو میں ایک ٹین ایج لڑکا تھا جو بورڈنگ اسکول میں پڑھ رہا تھا۔ میرا باپ اپنی حساس جاب کے باعث اپنی اولاد اور خاندان والوں کے ویئر اباؤٹس مخفی رکھتا تھا' لیکن تم اس رات ہمارے گھر گئے جب سب وہاں موجود تھے' چھٹیوں پہ سب آئے ہوئے تھے۔ میں نہیں تھا۔ سو میں بچ گیا۔ ابا کے رشتے داروں نے ساری پراپرٹی ہتھیا لی' اور ابا کے دوستوں نے مجھے واپس آنے سے روک دیا۔ وہ کہتے تھے سلطان' تم بھاگ جاؤ' چھپ جاؤ۔ وہ آدمی تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ آدمی کون تھا۔ میں اتنے برس ایک ان دیکھے دشمن سے چھپتا رہا۔ بھاگتا رہا۔ شہر بدلے' اسکول بدلے' پھر جاب بدلی' اور اس ہر پیشے کے اول بدل نے مجھے احمر شفیع بنا دیا۔ Con Man۔'' وہ احتیاط سے شیشی اوپر اٹھائے قطرہ قطرہ اٹھائے سرنج میں بھر رہا تھا۔ نظریں اوپر سرنج کے بھرتے پیٹ پہ جمی تھیں۔

خاور کا چہرہ سرخ تھا' آنکھوں میں خون اتر آیا تھا' وہ سختی سے نفی میں سر ہلاتا خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا' مگر گرفت مضبوط تھی۔

''برسوں کی محنت اور کھوج نے مجھے اتنا بتا دیا کہ ساری کہانیاں اور تخریب کاروار کے گرد جا کر کھلتی ہیں۔ میں نے خون کو ان سے متعارف کروایا' ایسے کہ وہ مجھے ملازمت کی پیشکش کریں۔ Con Man کبھی کچھ نہیں مانگتا' وہ ایسے مواقع پیدا کرتا ہے کہ آپ کو لگے یہ سب آپ کا ہی آئیڈیا تھا۔ وہ خود ہی مجھے سب دیتے گئے۔ اور ان کے پاس اتنا عرصہ کام کر کے جانتے ہو مجھے کیا معلوم ہوا؟ وہ سب جو تمہیں خود نہیں معلوم!''

شیشی رکھی' کیس بند کیا' اور سرنج پکڑے' اسٹول اٹھائے اس کے سامنے آ کر اسٹول رکھا' اور اس پہ بیٹھا۔ پھر اس کی خون آشام آنکھوں میں دیکھ کر سادگی سے بولا۔

''تم نے ہاشم کے کہنے پہ زمر یوسف کو زخمی کیا' اس سے اس کے تمام رشتے چھینے' اس کی شادی کینسل کروائی' اس کا ہر راستہ بند کیا۔

ایسے یہ ہر راستہ بند کرنے والا کام.... یہ کاروارز نے پہلی دفعہ زمر کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ چند برس پہلے جب جواہرات کاروار اور ہاشم کاروار کے سیکیورٹی ہیڈ کا انتقال ہوا تھا' تو انہوں نے سوچا کیوں نا ایک نیا سیکیورٹی ہیڈ ڈھونڈا جائے؟ پھر اسے تراشا جائے۔ پھر اس کا ہر راستہ بند کیا جائے تاکہ وہ ان ہی کا ہو کر رہ جائے؟" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ خاور کا مزاحمت کرتا وجود ٹھہر گیا۔ ساکت۔ ساکن۔

"یہ بڑے لوگ ایسی بڑی بڑی پیشکش دینے سے پہلے امیدوار کا ہر راستہ' ہر دروازہ بند کرتے ہیں۔ انہوں نے آٹھ ماہ تم پہ انویسٹ کیا۔ ایک بہادر' دلیر اور زیرک کرنل پہ الزام لگوایا' پھر اسی کے مدلل بن کر' وکیل بن کر اس کو عدالت سے چھڑوایا' اور پھر...." اس کی آواز یاسیت سے دھیمی ہوئی۔ خاور سکتے میں تھا۔ "اور پھر ہاشم کاروار اور جواہرات کاروار نے تمہارے بیٹوں کو مروا دیا' کیونکہ تم بری ہونے کے بعد ملک سے باہر جانے کا سوچنے لگے تھے۔ یہ کافی نہیں تھا۔ ان کو ایک وفادار آدمی چاہیے تھا۔ جس کا کوئی نہ رہے اور ان کا ہو کر رہے۔ اور الزام ڈالا انہوں نے میرے باپ پہ۔ کرنل خاور' میرا باپ ایک ایماندار اور اچھا آدمی تھا۔ وہ تمہیں گرفتار ضرور کرنا چاہتا تھا مگر اس نے تمہارے بیٹوں کو نہیں مارا تھا۔ ان کو جواہرات کاروار نے مروایا تھا۔ یہ سارے مافیا باسز یا ایسے ہی ڈھونڈتے اور تراشتے ہیں اپنا دایاں ہاتھ۔ انہوں نے تمہیں تراشا اور جب تم نے اپنی زندگی کے پہلے قتل کر ڈالے تو وہ تمہاری سب سے بڑی سپورٹ بن کر سامنے آ گئے۔ انہوں نے تمہیں اپنی چھایا تلے لے لیا۔ اور تم ان کے کہنے پہ ساری زندگی دوسروں کو قتل کرتے آئے' زندگیاں برباد کرتے آئے۔ ان کے کہنے پہ جنہوں نے تمہارے بچوں کو مروایا تھا۔ اور یقیناً ان کے پاس اس عمل کی بھی جسٹی فیکیشن ہوگی۔ تم حیران تھے نا کہ ہاشم نے کیوں یقین کر لیا کہ تم نے اورنگزیب کاروار کو مارا ہوگا؟ کیونکہ اسے لگا تم ان کی حقیقت جان گئے ہو مگر اورنگزیب کو قصوروار سمجھتے ہو۔ وہ یہی پوچھتا تھا تم سے اتنے ماہ۔

وہ یہی جاننا چاہتا تھا کہ تم کیا جانتے ہو۔ میں اپنی باتوں کا کوئی ثبوت تمہیں نہ بھی دوں' تب بھی جب ان کو سوچو گے تو خود ہی ساری کڑیاں ملتی جائیں گی۔ سب واضح ہو جائے گا۔" احمر اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا۔

خاور اسی طرح سکتے کے عالم میں بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر وہ نیچے ٹپک نہیں رہے تھے۔ وہ بھی ساکت تھے۔

احمر اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔

"تمہارے پاس چوائس تھی' تم ہاشم کے پاس واپس آنے کی بجائے عدالت چلے جاتے' اس کے خلاف گواہی دیتے' لیکن تم نے وہی کیا جو تمہاری خصلت تھی۔ اگر تمہارے اندر کوئی خیر ہوتی تو میں تمہیں چھوڑ دیتا' تو تم خود بھی اس رات فوڈ ڈلیوری آفر کے کچن میں اس عورت پہ پستول نہ تانتے جس نے فارس کو ٹھنڈا کر کے تمہاری جان بچائی تھی۔ مگر وہ کیا ہے خاور کہ میں ان جیسا نہیں ہوں۔ نہ میں تمہارے جیسا ہوں۔ میں وہ نہیں کروں گا جو تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کرنے جا رہا ہوں۔ ایک تیز' بنا درد کے موت؟ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے اتنا رحم میں تمہارے اوپر کھاؤں گا؟"

اور خاور کو محسوس ہوا کہ اس کے برہنہ کندھوں پہ احمر شفیع نے گلوز والے ہاتھ رکھے ہیں' اور پھر....گردن کے نیچے....قدرے نیچے....سوئی کی نوک چبھی....درد....تکلیف....اور پھر....جیسے ہر شے راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

یہ وہ دن تھا جب کرنل خاور مظاہر حیات کی "زندگی" کا باب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

.... ❖❖❖ ....

دلوں کی روشنی بجھنے نہ دینا...... وجودِ تیرگی محکم نہیں ہے

سبز بیلوں سے ڈھکے مور چال کی بالائی منزل کی کھڑکیوں سے مارچ کی ٹھنڈی دھوپ سیدھی ٹکرا رہی تھی۔ اندر جھانکو تو کمرے ٹھنڈے لگتے تھے۔ ایسے میں حنین کا کمرہ عجیب نمونہ پیش کر رہا تھا۔ فرنیچر جو دیواروں سے لگا تھا' ذرا آگے کھسکا کر چادروں سے ڈھک دیا تھا' اور کونے میں ایک چھوٹی سیڑھی سی رکھی تھی۔ فرش پہ نیچے ایک بڑی بالٹی' ایک اور دو پینٹ کے ڈبے رکھے تھے۔ وہ خود عام شلوار قمیض پہنے' بالوں

کو کشمیری انداز میں اسکارف میں لپیٹے' آستین چیچھے چڑھائے سیڑھی کے اوپر کھڑی تھی اور سوکھے برش کو بازو اونچا کر کے چھت سے ٹکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میرا ہاتھ جا رہا ہے' میں دیوار کے اوپری کونے تک پینٹ کرلوں گی۔'' اس نے چہک کر اطلاع دی۔ نیچے فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھے اسامہ نے بہت ضبط سے کھنکار کر اس کی توجہ لی۔

''حنہ' یہ تم کل شام' کیا اچانک سے ریسٹورانٹ کے بچے ہوئے ڈبے لے آئی ہو اور اب کہہ رہی ہو کہ تم نے پینٹ کرنا ہے کمرہ۔''

حنہ نے گردن گھما کر نیچے بیٹھے اسامہ کو خفگی سے دیکھا۔ ''تم کیا جانو ادرک کا مزہ۔ جتنی ہوم ڈیکور کی ویب سائٹس میں نے دیکھی ہیں نا' پتہ ہے ان کے کمرے اتنے خوبصورت کیوں ہوتے ہیں؟ کیونکہ ان میں یہ سفید چٹا پینٹ نہیں ہوتا۔ گورے ہمیشہ اپنی دیواروں کو Tint ضرور دیتے ہیں۔ دروازے وہ سفید رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں الٹا حساب ہے۔'' ناک سکوڑ کر وہ واپس دیوار کی طرف متوجہ ہوئی۔

''مگر حنہ' یاد ہے جب ریسٹورانٹ پینٹ ہوا تھا؟ وہ لوگ ایسے ہی منہ اٹھا کر پینٹ نہیں کر لیتے تھے' بلکہ پہلے دیوار پہ کچھ رگڑتے تھے اور بھی بہت کچھ کرتے تھے۔ تم نیٹ پہ پینٹ کے ٹیوٹوریئل کیوں نہیں پڑھ لیتی؟'' سیم نے بار نہیں مانی تھی۔

''میں نے کوشش کی تھی' وہ اتنے لمبے چوڑے اسباق دہرا رہے تھے' میں نے چھوڑ دیے' ایویں گوروں کے نخرے یہ کرو وہ کرو۔ اس طرح تو بندہ سال بھر کمرہ ہی تیار کرتا رہے۔ پینٹ کب کرے؟'' پھر لاپرواہی سے سر جھٹکا۔ ''میں تو ایسے ہی کروں گی پینٹ۔ یہ کون سا مشکل ہے۔ بس برش کو پینٹ میں ڈبو کر دیوار پہ اوپر نیچے لگاتے جاؤ۔ واؤ۔'' آنکھیں میچ کر اس نے وہ کارٹون یاد کیے جن میں یونہی مزے سے پینٹ ہو جاتا تھا۔ ''اور پھر دیکھنا' کتنا خوبصورت رنگ چڑھے گا۔''

''مگر کیا وہ رنگ دیرپا بھی ہوگا؟'' چوکھٹ میں قدموں کی آواز آئی' اور پھر اس کی آواز۔ حنین وہیں ٹھہر گئی۔ برش والا ہاتھ نیچے گرا دیا۔ مڑی نہیں۔ ساکت کھڑی رہی۔ اسامہ جو نیچے بیٹھا تھا' وہ بھی نہیں ہلا' بس سر جھکا دیا۔ وہ سعدی سے ابھی تک نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔

''گورے ایک بہت اچھی' بہت قابل قوم ہیں' اور جب وہ کہتے ہیں کہ یوں منہ اٹھا کر پینٹ نہیں کرتے تو وہ صحیح کہتے ہیں۔ وہ ہماری طرح سست اور کام چور نہیں ہوتے۔ اپنا ہر کام خود کرنے اور احسن طریقے سے کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔'' وہ گردن اٹھائے حنین کے کمرے کی دیواروں کو دیکھتا دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اسامہ اور حنین اپنی جگہ چپ تھے۔ ساکت۔ جامد۔

''خوبصورت رنگ ایسے نہیں چڑھ جاتے۔ ان کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ جان مارنی پڑتی ہے۔ ایک ایک بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہ دیواریں... یہ گھر کی دیواریں اپنے اوپر کسی اجنبی رنگ کو ایسے ہی نہیں چڑھنے کی اجازت دے دیتیں۔'' وہ ہنوز گردن اونچی کیے سادگی اور نرمی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی طرف کمر کیے اونچائی پہ کھڑی حنین کی آنکھوں کے کٹورے لبالب بھرتے گئے۔ مگر لب ایک دوسرے میں سختی سے پیوست کر کے ضبط کیا۔ سیم کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

''دوسری کسی بھی چیز کو رگڑو تو وہ خراب ہوتی ہے' اس کی چمک اور خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے۔ مگر دیواروں کی نہیں۔ گھر کی دیواروں کو رگڑیں کھانی پڑتی ہیں۔ سخت ریگ مال سے ان کو رگڑ رگڑ کر چھلنی کیا جاتا ہے' مگر یہ ہر رگڑ کے بعد پہلے سے زیادہ smooth ہو جاتی ہیں' پھر ان کے سوراخ اور دراڑیں بھری جاتی ہیں۔ فلر سے ان کے زخموں کو مرہم لگایا جاتا ہے۔''

حنین نے آنکھیں بند کرلیں۔ آنسو ٹپ ٹپ گرتے چلے جا رہے تھے۔ سیم سر جھکائے ہولے ہولے سسک رہا تھا۔ چوکھٹ میں کھڑا لڑکا جس کے بال اب پہلے جیسے چھوٹے نہ رہے تھے' اور قدرے بڑھنے کے باعث ان کا اصل قدرتی گھنگریالا پن نظر آنے لگا تھا' اسی طرح ملائمت سے بول رہا تھا۔

''ان دیواروں کو بھی اتنا رگیدنے اور رگڑنے سے درد ہوتا ہوگا' مگر یہ برداشت کر لیتی ہیں۔ جانتی ہیں کہ یہی اچھا ہے ان کے

لئے۔

پھر ان کے اوپر پرائمر (primer) پینٹ کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اسے ڈسٹیمپر یا چونا وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ گورے اس کو پرائمر یا seder کہتے ہیں۔ وہ ساری دیوار کو ڈھانک لیتا ہے۔ اس کا پردہ بن جاتا ہے۔ سارے عیوب ڈھک جاتے ہیں' پرانے پینٹ اور نئے پینٹ کے درمیان کی آڑ ہوتا ہے وہ۔ ماضی کو مستقبل پہ اثر انداز ہونے سے روک دیتا ہے۔"

اونچی سیڑھی پہ کھڑی حنہ نے گردن جھکا دی۔ ہاتھ اسی طرف دیوار پہ جما تھا اور آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے۔

"وہ پرائمر پینٹ اگر نہ لگایا جائے تو نئے آنے والے ہر پینٹ کو دیوار کے پلستر کی دیوار اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اس مستقبل کے ہر رنگ کو ماضی کے سوراخ کھا جاتے ہیں۔ لیکن اچھے سے پرائمر لگا دو تو اوپر جو رنگ بھی کرو...... وہ ایسا خوبصورت چڑھے گا کہ سارا گھر چمک اٹھے گا۔ پھر زمین سے رس رس کر خراب چور دراڑوں سے داخل ہوتے پانی سے بھی دیواریں خراب نہ ہوں گی' نہ موسم اثر کرے گا' نہ کسی کا میلا ہاتھ گندا کر سکے گا اس رنگ کو۔ گھر کی دیواروں کے ایسے پکے اور خوبصورت رنگ یونہی نہیں آ جاتے۔ ان کے لئے بنیاد کو ایک دفعہ تو چھلنی کرنا پڑتا ہے۔"

حسین نے برش کہاں گرایا' وہ کیسے سیڑھی سے جست لگا کر اتری' اسے نہیں علم۔ بس وہ روتی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی اور سعدی کے گلے لگ گئی۔

"بھائی' آئی ایم سو سوری۔ آپ کا قصور نہیں تھا۔ بھائی آئی ایم سو سوری۔"

سیم بھی ایک دم اٹھا اور بھاگ کر ان دونوں کے گرد بازو حمائل کیے سعدی کے کندھے سے لگ گیا۔ وہ بھی رونے جا رہا تھا۔

"بھائی میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ پلیز آپ دوبارہ مت جانا۔"

وہ دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کے صرف قد بڑے ہو گئے تھے۔ سعدی ان دونوں سے اونچا تھا' اس کے بازو دونوں سے زیادہ مضبوط تھے۔ وہ دونوں کے گرد بازو حمائل کیے' بیک وقت دونوں کو تھپک رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ تری' آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

"مجھے بھی تم سے لڑنا نہیں چاہیے تھا۔ ایک غلطی کے پیچھے مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ جہاں کتنے لوگ بزدلی سے میرے معاملے سے جان بچا کر نکل گئے اور کتنے لوگ صرف اوپری دل سے میرا ساتھ دینا چاہتے ہیں' وہاں اتنے سال تم لوگ میرے لئے کھڑے تھے!"

مگر وہ دونوں اس کو بولنے نہیں دے رہے تھے۔ حسین روتے ہوئے ہچکیوں میں سر ہلاتی بولے جا رہی تھی اور سیم اس کے کندھے پہ ماتھا ٹکائے ہچکیوں کے دوران کہہ رہا تھا......

"بھائی آپ کا حق تھا مجھ سے لڑنے کا۔ میں نے غلط کیا تھا۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سب سے زیادہ سفر (suffer) آپ نے کیا تھا۔"

"بھائی میں کبھی آئندہ یوں نہیں بولوں گا۔ حنہ سے لڑنے کا حق تھا آپ کو۔ وہ ہماری برابر کی بہن ہے۔ موٹی' کالی' بدصورت ہے تو کیا ہوا' وہ ہماری برابر کی بہن ہے۔ مجھے درمیان میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اور سیم یہ سب بچوں کی طرح بلکتے کہہ رہا تھا۔ وہ اس کا سر تھپکتے تھپکتے ہنس دیا تھا مگر حسین نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

"ہم نے کبھی اتنا نہیں سوچا کہ آپ کو اتنے ماہ خوشی کا ایک لمحہ بھی نہیں ملا۔ ہمارے پاس تو پھر بھی خوشی کے پل جینے کے لمحے آئے تھے' مگر آپ نے سفر کیا سب سے زیادہ۔"

"اور میں یوں بولا بھائی جیسے آپ کسی لگژری ٹرپ سے لوٹے ہیں۔ مجھے یوں نہیں......" وہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ لگے بیٹھے

بیٹھتے گئے تھے۔ وہ ”کوئی بات نہیں۔ آئندہ ہم ان باتوں کو اپنے درمیان نہیں آنے دیں گے“ بار بار یہی بات دہراتا جا رہا تھا‘ کبھی جھک کر حنہ کا ماتھا چومتا‘ کبھی سیم کے بال سہلاتا۔ وہ بڑا تھا۔ اسے ہی تسلی دینی تھی۔ اسے ہی زیادہ ظرف کا مظاہرہ کرنا تھا۔ بڑوں کی قربانیاں بھی بڑی ہونی چاہئیں نا۔

سورج ال کے باہر دھوپ ڈھلتی گئی یہاں تک کہ بنگلے پہ چھایا سی تن گئی۔ اب حنہ کی کھڑکی سے جھانکو تو وہ تینوں چوکڑی مارے فرش پہ بیٹھے تھے۔ درمیان میں کوک سے بھرے تین گلاس‘ کوک کی بڑی بوتل اور چند ڈبے کھلے پڑے تھے جن میں سے برگر اور فرنچ فرائیز جھانک رہے تھے۔ سعدی سر جھکائے کوک کے گلاس میں اسٹرا ہلاتا دھیرے دھیرے سے بول رہا تھا‘ اور وہ دونوں کھاتے ہوئے سن رہے تھے۔

”ہاشم سمجھا ہم باہر پرائے کے ہجوم میں گم ہونے والے ہیں‘ سو اس کے سارے بندے اسی طرف بھاگے‘ مگر ہم ایک باتھ روم کے نیچے مین ہول سے سرنگ میں اترے۔ اور وہاں سے.....“ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا... ”سیدھا باہر دو گلیاں چھوڑ کر سڑک پہ نکل آئے۔“ سر جھکائے بولتے اس کے چہرے پہ یاسیت تھی۔

”واؤ!“ سیم برگر کا بھاری نوالہ منہ میں چباتا آنکھیں پھیلا کر بولا تو حنین نے آنکھیں دکھائیں۔ (موٹے آلو‘ چپ کرو وہ تمہیں تکلیف دہ واقعے کا منظر نامہ بتا رہا ہے‘ کسی ایڈونچر کا نہیں۔) سیم نے جلدی سے نوالہ نگلتے ہوئے چہرے پہ مسکینیت طاری کی۔ ”اوہ!“ سعدی اس کے بدلے انداز پہ زمی سے مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

”پھر ہم وہاں سے ایک ٹک ٹک میں بیٹھے اور.....“

”پتہ ہے بھائی‘ کتنا اچھا ہوتا اگر آپ مسز کاردار کو یرغمال بنا کر ساتھ لے آتے۔ چوبیس گھنٹے بعد جو میک اپ اترنے سے ان کی حالت ہوتی.....“ حنہ خود بھی نہ رہ سکی۔ بول کر ہنستی چلی گئی۔ سعدی نے ہاتھ اٹھا کر اس کے سر پہ ہلکا سا تھپڑ لگایا۔

”یوں کرو‘ تم بول لو میری خیر ہے۔“

”اللہ! میں نے کیا کیا ہے!“

اور زمر جب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تو اس نے دیکھا وہ تینوں اسی طرح ایک ساتھ بیٹھے برگرز کھا رہے تھے اور ایک دوسرے کو ٹھٹھے دے رہے تھے۔ چہروں پہ سوکھے آنسوؤں کے نشان ابھی بھی موجود تھے اور لبوں سے مسکراہٹیں پھوٹ رہی تھیں۔

”سعدی!“ زمر نے دھیرے سے دروازے پہ دستک دی۔ تینوں نے سر گھما کر دیکھا۔ حنہ نے فوراً برگر بڑھایا مگر وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلاتی کام کی بات پوچھنے لگی ”انٹرویو کا کیا بنا؟ فارس نے کچھ بتایا ہی نہیں۔“

”انٹرویو۔ ہونہہ۔“ سعدی نے سر جھٹکا۔ ”میں لاکھ مانگ رہا تھا وہ اینکر۔ اور فارس ماموں کو دیکھیں‘ خود کہا تھا کہ تمہارے ساتھ چلوں گا‘ مگر وہاں جا کر بالکل چپ بیٹھے رہے‘ اتنا نہیں ہوا کہ دو تھپڑ لگا دیتے اس اینکر کو۔ ایک مارنے کا کام ہی تو آتا ہے ان کو وہ بھی نہیں کیا۔“ خفگی سے واپس گردن موڑلی۔ زمر اور حنین نے ایک دوسرے کو دیکھا‘ پھر حنہ کھنکھاری۔ ”بھائی..... فارس ماموں چپ ہوں تب بھی بہت کچھ کر جاتے ہیں۔ ان کو ہلکا نہ لیں۔“

”بالکل۔“ زمر مسکراہٹ چھپاتی واپس چلی گئی۔ نیچے آئی تو وہ کچن میں بیٹھا تھا۔ موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔

”مجھے تم سے بات کرنی ہے فارس۔“ اس نے کرسی کھینچی تو فارس نے نظریں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”زہے نصیب۔ آپ کو میرا نام بھی یاد ہے!“

”تھوڑا بہت تو یاد ہے۔“ وہ ہنس دی۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ”سعدی کا انٹرویو ہونا ضروری ہے‘ وہ اس کے لئے بہت اپ سیٹ ہے اور.....“

''ہو جائے گا انٹرویو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ انداز میں لاپرواہی تھی۔

''مگر کیسے؟'' زمر نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''پیسے دیں گے اور کیا۔ مگر اس کے لیے سعدی راضی نہیں ہے سودا کریں گے۔ کوئی اور حل ہے تو بتا دیں مجھے۔''

وہ چپ ہو گئی۔ ''مگر... کوئی اور طریقہ نہیں ہے کیا؟'' محتاط سے انداز میں پوچھا۔

''کیوں پراسیکیوٹر صاحبہ؟ قانون پہ یقین ہے نا آپ کو تو بس میں نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ اب قانون نہیں تو ڑنا اور شریف آدمی بن کر رہنا ہے۔ اپنے مشکوک نظروں سے کیا دیکھ رہی ہیں مجھے؟ سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ خفگی سے کہتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ زمر سوچتی نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

.............☆☆☆.............

چند دن بعد

چاک دامن تو خیر سل جاتا ..... چاک ہستی کہاں رفو کرتے

سفید دیواروں والے کمرہ عدالت میں دھوپ چھن چھن کر آ رہی تھی۔ موسم بتدریج تبدیل ہو رہا تھا۔ سردی بہت کم رہ گئی تھی اور خزاں

رسیدہ درختوں پہ نئے شگوفے اور پتے کھلنے لگے تھے۔ چبوترے کے سامنے پراسیکیوشن کے بنچ پہ زمر بیٹھی، قلم انگلیوں میں گھماتی بغور کٹہرے میں کھڑے نوشیرواں کو دیکھ رہی تھی۔ دوسری میز پہ ٹیک لگا کر آرام دہ انداز میں بیٹھے ہاشم کاردار کی سنجیدہ نظریں بھی وہیں جمی تھیں۔

عزت مآب اختر مرتضیٰ صاحب بھی اسی سے مخاطب تھے اور کرسی کا رخ دائیں چھپے کاغذ سے پڑھ کر اسے چارجز سنا رہے تھے۔ وہ کٹہرے کے جنگلے پہ ہاتھ رکھے کھڑا سپاٹ سا نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخموں کے تازہ نشان تھے اور ایک آنکھ نیلوں نیل تھی۔

''کیا آپ نے تمام چارجز سن اور سمجھ لیے؟''

''جی یور آنر!''

''کیا آپ نوشیرواں کاردار اکیس مئی 2015 کی شام پلاٹ نمبر پندرہ میں سعدی یوسف سے ملنے گئے تھے اور آپ نے ان پہ تین گولیاں چلائیں۔ پھر بوٹ کی ٹھوکروں سے ان کو زخمی بھی کیا؟''

زمر کے ساتھ بیٹھے سعدی کی چبھتی نظریں شیرو کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ نوشیرواں نے نگاہیں اٹھا کر حاضرین کو دیکھا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ ''یہ غلط ہے۔ میں اس روز دبئی میں تھا۔''

''کیا آپ تمام الزامات سے انکار کرتے ہیں؟''

''جی میں انکار کرتا ہوں۔ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔'' وہ میکانکی انداز میں پیچھے بیٹھے ہاشم کو دیکھ کر بولا تھا۔

''کیا آپ innocent plead کرتے ہیں؟''

''جی میں انوسینٹ پلیڈ کرتا ہوں۔''

(اس موقع پہ اگر ملزم صحت جرم کا اقرار کر لے تو اس کے خلاف فیصلہ سنا دیا جاتا ہے اور اسی وقت سزا بتا دی جاتی ہے۔ اگر وہ انکار

کرے تو اسے شفاف مقدمے کا حق دیا جاتا ہے جہاں وہ استغاثہ (الزام لگانے والوں) کے ثبوت و شواہد کا دفاع اپنے وکیل کے ذریعے کرے۔)

"او کے۔ آپ کو فیئر ٹرائل کا حق دیا جاتا ہے۔ کیا آپ اپنے خلاف گواہ بننا چاہیں گے۔" پیچھے بیٹھے ہاشم نے نفی میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ نظریں شیرو پہ تھیں۔

"نہیں یور آنر۔ میں خاموشی اختیار کروں گا۔" اس نے اسی انداز میں کہا تھا۔

چند منٹ بعد باہر راہداری میں زمر اور سعدی چلتے جا رہے تھے اور جب وہ بہت دل گرفتہ سا بولا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا جج نے کیسے اس کی ضمانت کی درخواست قبول کر لی۔ وہ اب گھر چلا جائے گا اور پھر ملک سے باہر۔"

زمر نے نگاہیں پھیر کر اسے دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ برسوں پہلے یونیورسٹی کے موک ٹرائل سے نکلے تھے اور وہ ہیری کے خلاف فیصلہ آنے پہ شدید تلملا رہا تھا۔

"سعدی... اس کو جیل میں پیٹا گیا ہے' اس کی جان کو خطرہ ہے' جج کو اسے جیل سے نکالنا ہی تھا۔"

"ہاشم نے اسے خود پٹوایا ہے۔ مجھے یقین ہے۔"

"ظاہر ہے ہاشم نے اسے پٹوایا ہے' سماعت سے پچھلی رات۔ مگر ہم یہ باتیں جج کو کہیں گے تو ہم خود ہی جھوٹے لگیں گے۔ اس کی ضمانت ہونی ہی تھی۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

"اگلے ماہ کی تاریخ ملی ہے۔ کیسا نظام ہے یہ۔ ہم کتنا انتظار کریں گے۔ وہ تاریخ پہ تاریخ دیتے جائیں گے۔ زمر ایسے تو کبھی انصاف نہیں ملے گا۔" وہ شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔ زمر یک ٹک اس کی زخمی نظروں کو دیکھے گئی۔

"یہ معاملات لمبے چلتے ہیں سعدی۔ کوئی بات نہیں' ہم لڑتے رہیں گے۔"

"مجھے نہیں پتہ۔" وہ سر جھٹک کر خفا خفا سا چلتا گیا۔ زمر کے اندر کچھ ڈوب گیا تھا۔ وہ بار بار اس پہ ایک فکر مند متحیری نظر ڈالتی تھی۔ حنین اور اسامہ کا بھائی گھر آ گیا تھا' یہ تو طے تھا' مگر کیا سعدی یوسف گھر آ گیا تھا؟ وہ کیا کرے؟ اور کیا وہ کبھی گھر آ پائے گا؟ اسے یقین نہیں رہا تھا۔

❖❖❖

ایک تو خواب لیے پھرتے ہو گلیوں گلیوں ..... اس پہ تکرار بھی کرتے ہو خریدار کے ساتھ

ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ وہ دوپہر سردی کی ٹھنڈ لیے سارے کو جھلسا رہی تھی۔ سبزہ زار کی طرف کھلتی کھڑکی سے اندر جھانکو تو اپنے کلینک میں آبدار مخصوص کرسی پہ بیٹھی نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ کھڑکی کی طرف اس کی کرسی کی پشت تھی اور یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ سرخ رومال میں بندھے بال' جھکی آنکھیں' زرد رنگت' سوکھے ہونٹ۔ وہ اداسی سے سر جھکائے لکھتی جا رہی تھی جب دروازہ کھلا۔

"میں آج مزید کلائنٹس نہیں..." اکتا کر بولتے اس نے نظریں اٹھائیں تو رک گئی۔ یہاں سے دکھائی دیتے آدھے چہرے پہ واضح حیرانی ابھری۔

"بابا! خیریت؟" سامنے چوکھٹ میں ہارون کھڑے تھے۔ کلف لگے شلوار سوٹ میں ملبوس' وہ مطمئن نظریں اس پہ جمائے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے آئے۔ "تم ٹھیک ہو آبی؟"

آبی نے کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائی تو اب اس کا چہرہ زیادہ واضح ہوا۔ اس پہ اداس مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ "جی۔ آپ نے وعدہ کیا تھا نا اس لئے اب ٹھیک ہوں۔"

"اوکے۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے اب۔" وہ سامنے کرسی پہ براجمان ہوتے سادگی سے بولے تھے۔ آبدار کے ابرو اکٹھے ہوئے۔
"جی؟ کیا؟"

"ہاشم نے نوشیرواں کی ضمانت کروالی ہے۔ اب وہ ٹرائل کو لٹکائے گا' تاریخ پہ تاریخ لیتا جائے گا۔ یوں فیصلہ نہیں آئے گا۔ تم نے صرف اس کو کونونس کرنا ہے کہ وہ اس کیس کو جلد انجام تک پہنچانے پہ رضامند ہو جائے۔"

"مگر بابا' اس نے مجھے پرپوز کیا تھا' میں اس دن سے اس کی کالز نہیں اٹھا رہی' اس کو اگنور کر رہی ہوں تاکہ وہ منہ پہ دا نہ ڈالے۔ اب میں کیسے اس کے پاس جا کر..."

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تم اس کو کچھ بھی کہو۔ مگر اس کو راضی کرو۔ تم چاہو تو کہہ دینا کہ اس پرپوزل پہ تم صرف تب غور کرو گی جب وہ اور اس کا خاندان تمام الزامات سے بری ہو جائے گا۔"

"بابا!" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ "میں اس پرپوزل پہ غور نہیں کروں گی۔ پھر میں اسے جھوٹی امید کیوں دلاؤں؟"

"بعد میں جو ہوگا ہو میں سنبھال لوں گا۔ ابھی کے لیے تمہیں اس کو راضی کرنا ہے۔" وہ زور دے کر بولے۔ آبدار کے لب بھنچ گئے۔ وہ کتنی ہی دیر صدماتی نظروں سے انہیں دیکھے گئے۔

"اوہ میں سمجھی تھی کہ بالآخر آپ میرا خیال کرنے لگ گئے ہیں' مگر وہ سب... وہ وعدے' وہ فارس کے متعلق کی ہر بات... وہ سب آپ اپنے مفاد میں کر رہے تھے۔ آپ مجھے استعمال کر رہے تھے اور فارس کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صرف اسے میرا باڈی گارڈ بنانا چاہتے ہیں۔ ہے نا؟"

"آبدار!" وہ قمیض جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ "ہاشم سے تمہاری جان صرف تب چھوٹے گی جب وہ اپنے خاندان سمیت نیست و نابود ہو گا۔ اس کے لیے تمہیں وہ سب کرنا ہو گا جو میں کہوں گا۔ اب فیصلہ تمہارا ہے۔"

"آپ کو اندازہ ہے کہ ہاشم کے ساتھ اتنا خطرناک کھیل شروع کر کے آپ مجھے کتنے بڑے خطرے میں ڈال رہے ہیں؟" اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے انسان کو قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ تمہیں بھی دینی ہوں گی۔ جیسے زمر صاحبہ دیں گی۔" آخری الفاظ زیر لب کہے تھے اور پھر وہ مڑے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔ آبدار کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

...............❖❖❖...............

ہم کو اس عہد میں تعمیر کا سودا ہے جہاں ..... لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

وہ ایک پوش علاقے کی خوبصورت صاف ستھری کالونی تھی۔ قطار در قطار بنے اونچے بنگلے جدید ترین آرائش کا نمونہ پیش کرتے نظر آتے تھے۔ رات تاریک ہو چکی تھی۔ آسمان پہ تارے جگمگا رہے تھے۔ ایسے میں ایک لمبی سی لش چمکتی بی ایم ڈبلیو ایک کھلے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ پورچ میں آ کر وہ رکی' ڈرائیونگ ڈور کھلا' اور سفاری سوٹ میں ملبوس منظور جیلانی باہر آتا دکھائی دیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے وہاں کھڑے گارڈز کو واپس جانے کا کہا اور تیز تیز چلتا لان چیئرز کی طرف آیا جہاں کوئی اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں غازی صاحب' مجھے دیر ہو گئی اور آپ کو انتظار کی زحمت سے گزرنا پڑا۔" خوش خلقی سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہاں کھڑے فارس نے مسکرا کر گرم جوشی سے ہاتھ تھاما۔ جیلانی نے ایک نظر میز پہ رکھے دو بریف کیسز کو دیکھا اور پھر کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ فارس بھی اپنی کرسی پہ واپس بیٹھا۔ وہ سردی میں کمی کے باعث جینز کے اوپر سیاہ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ تھی اور سنہری گہری آنکھیں جیلانی پہ جمی تھیں۔

"میں معذرت کرنا چاہتا تھا۔ میرا بھانجا بہت جلد باز اور جذباتی ہے۔ ان معاملات کے رموز نہیں سمجھتا۔" کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے معذرت خواہانہ انداز میں بات شروع کی۔ منظور جیلانی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ جھلایا۔

"ہم سب اس عمر میں ایسے تھے۔ مگر جب انسان کی عمر بڑھتی ہے تو ترجیحات اور کام کرنے کے طریقے بدل جاتے ہیں۔ خیر آپ مطلوبہ رقم لے آئے۔"

"میں لے آیا ہوں مگر چاہتا ہوں کہ آپ سعدی یوسف کو یہ بات نہ بتائیں۔ اس کو یوں کال کریں گویا ہم یہاں ملے ہی نہیں تھے اور اس سے معذرت کرکے تھوڑا بہلا کر اسے انٹرویو کے لئے بلائیں۔ اس کو اعتماد دیں کہ یہ انٹرویو صرف اس کی سچائی کو دنیا کے سامنے لانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ کوئی چائے پانی دیا یا نہیں آپ کو۔" وہ فون نکالتے ہوئے بولا تو فارس نے اسی طرح ٹیک لگائے بیٹھے ہاتھ اٹھا کر منع کیا۔

"آپ ان کو گن لیں اور انٹرویو ٹائم کنفرم کردیں تو میں گھر جاتا ہوں۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔ کوئی بھی ایشو ہوئی تو میرا پی اے صبح آپ کو فون کرے گا..." بریف کیس کھولتے ہوئے اسکر کہہ رہا تھا اور پھر یکا یک اس کے الفاظ لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ ہاتھ ٹھہر گئے۔ اس نے ڈھکن پورا کھولا اور پھر چونک کر فارس کو دیکھا۔

وہ اسی طرح ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟ اور پیسے کہاں ہیں؟" اسکر نے ڈھکن میز تک الٹ دیا تو بریف کیس کا اندرونی حصہ روشنی میں واضح ہوا۔ اس میں کئی درجن سی ڈیز رکھی تھیں جو سفید پلاسٹک کور میں مقید تھیں۔

"پیسے تو خیر میرا باپ بھی نہیں دے گا۔ اور گارڈ کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سعدی یوسف نہیں ہوں۔ دو دفعہ قتل کے جرم میں جیل جا چکا ہوں' بغیر آواز نکالے بندہ مارنا مشکل نہیں ہے میرے لئے۔ نہیں نہیں' تمہیں نہیں ماروں گا میں نے۔ ورنہ پھر سعدی کا انٹرویو کون کرے گا؟"

اسکر نے بریف کیس ہاتھ مار کر پیچھے گرایا اور غصے سے اس کو دیکھا۔ "یہ دھمکیاں مجھ جیسے آدمی کو نہیں ڈراتیں۔ اگر میرا مزید وقت ضائع نہیں کرنا تو تم جا سکتے ہو۔" اور ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ تھتھنے پھلائے وہ غصے سے فارس کو دیکھ رہا تھا۔

"جیلانی صاحب!" فارس بھی پورے قد سے اٹھا اور جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کو بہت سکون سے دیکھا۔ "اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے نہ کرتا۔ ذرا تحمل سے ٹھہر کر پوچھتا ضرور کہ ان سی ڈیز میں کیا ہے۔ اور جانتے ہو ان میں کیا ہے؟"

کہنے کے ساتھ اس نے جیب سے ایک پین نکال کر میز پر رکھا۔ سعدی کا پین کیمرہ۔

"مجھے معلوم تھا تم سعدی کو پیسے مانگنے بلا رہے ہو تو میں نے سوچا ان لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ سو تمہاری اور سعدی کی گفتگو کی ویڈیو HD کوالٹی میں محفوظ کرلی میں نے۔ صرف یہی نہیں' تمہارے آفس میں جو تمہاری وال کو گئی ہے' وہی جس میں امریکہ میں تم کوئی ایوارڈ لیتے دکھائی دے رہے ہو' اس کے اوپر نصب وال اسکر چپکا ہے جو تمہارے آفس کی live فیڈ مجھے دیتا ہے۔ اس بریف کیس میں بہت سے لوگوں کے ساتھ تم گفتگو کرتے دکھائی دے رہے ہو۔ کسی کے ساتھ فون پہ' کسی کے ساتھ آمنے سامنے۔ تمہاری کلینن سویپ ٹیم جو ہر جمعرات کو تمہارا آفس ڈی بگ کرتی ہے' ان کے آلات بہت پرانے ہیں' وہ میرے وال اسکرز کو نہیں پکڑ سکتے۔"

منظور جیلانی کے چہرے کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ پہلے وہ چونکا تھا' پھر متحیر ہوا' پھر بے یقین اور آخر میں... اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

''یہ مختلف قابلِ ذکر واقعات کی سی ڈیز ہیں جن میں تم صاف دکھائی دیتے ہو۔ اب میرے پاس دو راستے ہیں۔ پہلا میں تمہیں یہ سب دے دوں۔ اور تم سعدی یوسف کے اوپر ہفتے کے پانچ دن پانچ شوز کرو۔ نتیجہ' سعدی کی کہانی پورا ملک سن لے گا۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس کی آنکھوں پہ اپنی آنکھیں جمائے' چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ ''دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں تمہارے مخالف چینل کو یہ tapes دے دوں۔ سب سے زیادہ اہم ٹیپ سعدی یوسف کی ہے اس ملاقات میں سعدی نے اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں کی مختصر تفصیل بتائی تھی تمہیں۔ دوسری اہم ٹیپ امریکہ میں قید پاکستانی نیورو سرجن لڑکی کی بہن کی ہے جس سے تم فون پہ پیچھا کرتے رہے ہو ورنہ اس کی بہن کی ریائی کے لیے شو نہیں کرو گے۔ جب یہ ویڈیوز بار بار میڈیا پہ چلائی جائیں گی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ سعدی یوسف کی کہانی پوری دنیا جان لے گی۔ بنا پیسوں کے گھنٹوں کا ائیر ٹائم ملے گا اس کو۔ چاہوں تو میں یہ کر لوں مگر تمہارے گھر والوں نے چائے پلائی ہے مجھے' اب مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ تمہارا دل توڑ دوں اس لیے.....'' وہ ایک دم آگے بڑھا اور جیلانی کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور بدلے ہوئے لہجے میں غرایا۔ ''تم کل صبح سعدی کو فون کرو گے' اس کو عزت سے بلاؤ گے' اس سے معافی مانگو گے اور اس کا شو اتنا اچھے سے کرو گے کہ تمہارے ٹویٹر کے تیس لاکھ فالوورز کو اس کا نام اور اس کی کہانی ازبر ہو جائے۔ ورنہ میں..... تمہاری..... زندگی..... برباد کر دوں گا' کیونکہ تم جیسے لوگوں کے لیے..... جج..... جیوری..... اور جلاد میں ہی ہوں!'' جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا۔ وہ بالکل ہکا بکا اور شل سا تھا۔ فارس نے کیمرہ پین اٹھایا اور جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ دو قدم اٹھائے پھر مڑا اور پوری قوت سے اس کے چہرے پہ مکا رسید کیا۔ جیلانی لڑکھڑا کر پیچھے کو گرنے لگا مگر کرسی کو تھام لیا۔ اس کا ہاتھ اپنے منہ پہ تھا جس سے خون بھل بھل بہنے لگا تھا۔ تلملاتا ہوا چہرہ اٹھا کر اس نے دبے دبے غصے سے فارس کو دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

فارس اپنی مٹھی کو چہرے کے قریب لے کر گیا' اس میں پھونکا اور پھر کالر جھٹکتے جانے کے لیے مڑ گیا۔

اینکر اپنا زخمی چہرہ لیے' ہراساں سے کھڑا اس کھلے بریف کیس کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔

.... ☆☆☆ ....

دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے ..... اتنا بے سمت نہ چل' لوٹ کے گھر جانا ہے

اس تاریک رات زمر اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا اور ساتھ میں سیاہ مخملیں ڈبی بھی کھلی پڑی تھی۔ وہ گھنگریالے بال جوڑے میں لپیٹے' کہنیاں میز پہ رکھے' ہتھیلیوں میں چہرہ گرائے یاسیت سے ہیرے کی لونگ کو دیکھ رہی تھی۔ پیناہ اس کے سامنے تھا مگر فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

اس نے پھر سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی۔ آن لائن ترجمہ کھلا رکھا تھا سامنے۔ آج دل اتنا بکھرا بکھرا' بے کیف تھا کہ وہ کچھ لکھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ پھر اس نے توجہ اور دھیان کو اسکرین کی جانب مجتمع کرنا چاہا۔

''میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں شیطان مردود سے'

اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

''بھلا کون ہے جو تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے اور اپنی رحمت سے پہلے کون خوشخبری کی ہوائیں چلاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔

بھلا کون ہے جو از سر نو خلقت کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور کون ہے وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ کہہ دو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

زمر نے کی بورڈ پہ رکھے اپنے زرد ہاتھ دیکھے پھر جھکے چہرے کے ساتھ ٹائپ کرنے لگی۔ "اس دنیا میں انسان... ہم انسان بہت سے کاموں کے لیے بہت سے لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ نوکری کے لیے... پڑھائی کے لیے... کورٹ میں کیس چلانے اور انصاف لینے کے لیے..." تلخی سے سر جھٹکا۔ "ہم انسان" آزاد" نہیں ہیں۔"

"آزادی صرف ایک myth ہے۔ نہ مرد آزاد ہیں نہ عورتیں۔ سب مجبوریوں سے بندھے دوسروں پہ انحصار کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں اندھے اندھیروں میں جب سمجھ نہیں آ رہا ہوتا کہ کیا کریں' کیا فیصلہ لیں' کون سا راستہ اپنالیں' تب ہمیں راستہ دکھانے والا صرف اللہ ہوتا ہے۔ اور کون ہوتا ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ یہ جو لوگوں کی خوفناک آوازیں اور باتیں ہمیں ڈراتی ہیں نا' ہمیں مستقبل کا خوف دلاتی ہیں' آندھی طوفان جیسی آوازیں اور ہم کان لپیٹ لیتے ہیں' یہ رحمت کی بارش سے پہلے کی ہوائیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی اللہ بھیجتا ہے۔ اچھے دنوں کے آغاز سے پہلے شدید بری باتیں سننی پڑتی ہیں' بس ہمارے ضبط کا امتحان ہوتا ہے۔ لوگ نہیں لے رہے' یہ امتحان بھی اللہ لے رہا ہے۔ مگر کیا ہمیں اس پہ اتنا بھروسہ ہے کہ صرف اسی پہ انحصار کر سکیں؟ اور اگر ہم نہیں کرتے صرف اسی پہ توکل' تو اس کو فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے موازنوں اور مقابلوں سے بہت اوپر' بہت بلند ہے۔ وہ پھر بھی انسانوں کو پیدا کرتا رہے گا' ان کو مارنے کے بعد دوبارہ بھی اٹھائے گا۔ ان کو روزی بھی دے گا۔ ہماری قسمتوں میں کیا لکھا ہے' ہماری شادیاں کب تک چلیں گی' بچے کیسے ہوں گے' بڑے ہو کر کیا ہو گا ان کا' ہمیں موت کس زمین پہ آئے گی' یہ سب ہمیں نہیں پتہ۔ اسے پتہ ہے۔ پھر بھی ہم لوگ اتنے کمزور ہیں کہ صرف اس پہ بھروسہ نہیں کرتے۔ انسانوں کو سہارا بناتے ہیں۔ انسانوں کو سبب بنانا چاہیے' مدد لینی چاہیے' مگر سہارا نہیں بنانا چاہیے۔ ان کے دیئے گئے چناؤ کے آپشنز کے آگے ہاتھ باندھ کر مجبور نہیں ہو جانا چاہیے۔" ایک آنسو آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھکتا گیا۔ وہ جھکے چہرے کے ساتھ ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔ "مگر ہم یہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ۔ ابھی ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوا ہمارا کہ سر پہ کفن باندھ کر نکلیں اور صرف آپ کی مدد کا یقین رکھیں۔ کچھ غلط قدم اٹھانے پڑتے ہیں' ہم بہت کمزور ہیں۔"

"بلکہ آخرت کے معاملے میں تو ان کی سمجھ گئی گزری ہے۔ بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہی ہیں۔"

"ہم کیوں خود کو ان لوگوں کا محتاج کر لیتے ہیں جن کو آخرت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ انسان کے دل سے آخرت کا خوف نکل جائے' کیسے پتہ چلتا ہے اس کا؟" اس نے رک کر سوچا۔ آنسو سوکھ چکا تھا مگر نشان گال پہ ہنوز موجود تھا۔ "پہلے انسان کی سمجھ بوجھ ختم ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ وہ دل پہ بوجھ اور دماغ کے لیے کوفت بننے لگتی ہیں۔ پھر شک پیدا ہوتا ہے۔ دل کا آئینہ آلود ہو جاتا ہے۔ اور جب انسان وسوسوں کا علاج نہیں کرتا' ان کو جھٹکتا نہیں ہے' اور ان سے مدلل جواب تلاش نہیں کرتا کہ صرف جھٹکنا کافی نہیں ہوتا۔ تو وہ اس شک کا پیچھا کرنے لگ جاتا ہے۔ شک اسے دور اندھیروں میں بھٹکا دیتا ہے' اور وہ اندھا ہو کر بھٹکتا چلا جاتا ہے' بہتا چلا جاتا ہے' اور پھر..." اس نے پچھلی آیت دیکھی' گویا الٹا چکر کاٹا ہو۔ "اور پھر کون ہے جو انسان کو اندھیروں سے نکال سکتا ہے' راستہ بتا سکتا ہے سوائے اللہ کے؟ او اللہ' میں کیا کروں؟"

اس نے بازو بچھا کر ان پہ سر رکھ لیا اور آنکھیں بہت کرب سے بند کر لیں۔ سعدی.... یا فارس.... بار بار دو نام ذہن میں ابھرتے تھے۔ چناؤ مشکل تھا۔ ناممکن تھا.... دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ سیدھی ہوئی اور سنجیدگی سے کان کے پیچھے بال اڑستی کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگی۔ اپنا لکھا گروپ پہ پوسٹ کیا اور دوسری ونڈو کھول لی۔ انکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ فارس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ آستین کے کف موڑتا وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف چلا آیا۔

"اب خوش ہیں آپ؟ ہو گیا ہیرو کا انٹرویو؟" وہ اس کے کندھوں پہ جھک کر اس کے کان کے قریب کہہ رہا تھا۔ وہ اس وقت بے زار تھی' بہت بے زار۔ سنجیدگی سے ماتھے پہ بل لیے ٹائپ کرتی رہی۔ بس "ہوں" کہا۔

"تو پھر کیا کھلائیں گی آپ مجھے؟ ایک بہت اچھا آئس کریم پارلر ہے...." وہ پیچھے سے جھک کر کھڑا اس کی کرسی کے دائیں بائیں ہاتھ رکھے کہہ رہا تھا۔

"جو اس وقت تک کھلا ہوتا ہے۔ آپ کی فیورٹ آئس کریم ملتی ہے وہاں سے۔ چلیں گی۔"

"میں.... کام کر رہی ہوں فارس!" وہ اسکرین پہ نگاہیں جمائے سنجیدگی سے بولی تھی۔ گویا اسے نظر انداز کیے رکھا۔ مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

"اور اگر آپ چاہیں تو ہم اس کے قریب ایک دوسرے اچھے ریسٹورانٹ میں بھی جا سکتے ہیں' جہاں پر...." اس کے بالوں پہ تھوڑی رکھے وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا جب زمر نے جھٹکے سے اسکرین نیچے گرائی اور گھومی۔ "ہم ریسٹورانٹس اور کافی شاپس نہیں جا سکتے فارس۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ سعدی کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ بیمار ہو چکا ہے وہ مسخ ہو چکا ہے۔ ہم عدالت میں ایک آئی پی پی کے خلاف کیس لڑنے جا رہے ہیں۔ ہمیں کیس کی تیاری کرنی ہے۔ آئسکریم اور کھانوں کے لیے وقت ہے ہمارے پاس؟" غصہ کسی اور کا تھا' نکالا کسی اور پہ تھا۔ دل کسی اور نے توڑا تھا۔ چھپا کسی اور سے لیا تھا۔ وہ سرخ چہرے اور جذبات سے کانپتی آواز سے بولی تھی۔

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ کرسی سے ہاتھ ہٹا کر تیزی سے سیدھا ہوا۔ ایک خاموش مگر برہم نظر اس پہ ڈالی پھر سرعت سے میز پہ رکھی چابیاں اٹھاتا باہر نکل گیا۔ دروازہ دھاڑ سے بند کیا۔

وہ کرسی پہ اکیلی بیٹھی رہ گئی۔ زور سے بند ہوئے دروازے کی کپکپاتی آواز سنتی رہی۔ چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں پانی تھا۔ اور چہرہ جھکا ہوا تھا۔ یکدم اس نے چہرہ اٹھایا۔

جو فیصلہ اتنے دن سے ہو نہیں پا رہا تھا' وہ اس لمحے اس گھڑی ہو گیا تھا۔ چناؤ ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور ننگے پاؤں باہر کو بھاگی۔

وہ پورچ میں کھڑا خفگی سے بڑبڑاتا کار کا لاک کھول رہا تھا۔ اس کے کان سرخ تھے اور ماتھے پہ سلوٹیں پڑی تھیں جب وہ دوڑتی ہوئی بیرونی دروازے کی چوکھٹ تک آئی۔

"آئی ایم سوری۔" فارس نے ایک سپاٹ نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر سر جھکا کر دروازہ کھولنے لگا۔ وہ دوڑ کر آگے آئی اور کار کا دروازہ پکڑ لیا۔ فارس نے رک کر اپنی برہم نظروں سے اسے دیکھا۔ اور پھر وہ چونکا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ "آئی ایم سوری کہ میں نے تمہیں جانے دیا۔ میں کام کر رہی تھی.... کر رہی ہوں.... کیس پہ.... کیونکہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا اگر ہم یہ کیس نہ جیتے تو۔ آئی ایم سوری کہ میں نے تمہیں جانے دیا۔ مگر میرے پاس اختیار تھا۔ تمہیں جانے دوں یا کیس پہ کام نہ کروں...." وہ دروازے کے اوپر دونوں ہاتھ جمائے بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ فارس کے ماتھے کی سلوٹیں ویسی ہی تھیں البتہ تاثرات کی سختی کم تھی۔

"میرے پاس چوائس تھی۔ تم یا سعدی۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔" تاروں جیسے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی گردن پہ لڑھک رہے تھے۔ موتی خوبصورت گھنگریالی لٹوں کے بالے میں اس کا زرد چہرہ بہت دکھی لگتا تھا۔ فارس کی پیشانی کی شکنیں کم ہوتی گئیں۔

"میں تمہیں نہیں جانے دے سکتی تھی۔ میں سعدی کو بھی واپس لانا چاہتی تھی۔ میں ایک وقت میں ایک کا چناؤ کر سکتی تھی۔" فارس نے ترحم سے اسے دیکھا۔

"زمر تم لوگ خواہ مخواہ اتنا خوار کر رہے ہو خود کو۔ ٹرائل کبھی نہیں چلے گا۔ ایک سال سے پہلے تو شروع نہیں ہوگا۔ ہاشم بھی کیس نہیں چلنے دے گا۔" مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''میرے پاس چناؤ کا اختیار تھا۔ مگر فارس.... میں تمہیں نہیں چنوں گی۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر کہہ رہی تھی۔ اس کی بھیگی آنکھیں زخمی تھیں۔ ''کیونکہ تم میرے ہو۔ جو میرا ہے' وہ میرا رہے گا۔ میں تمہیں نہیں چنوں گی کیونکہ کوئی بھی تمہیں مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔''

اس کے چہرے کی آخری تھکن بھی جاتی رہی۔ گہری سانس لے کر وہ اسے دیکھے گیا۔ ''تو کون تمہیں مجھ سے دور کر رہا ہے سوائے تمہارے اپنے؟''

''اور میں سعدی کو بھی نہیں چن رہی۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں کیوں چنوں اس کو؟ میں مجبور نہیں ہوں۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ میں کسی انسان کے سامنے مجبور نہیں ہوں۔ انسان اندھیروں میں راستے نہیں دکھا سکتے۔ میں نے اپنا چناؤ کر لیا ہے۔'' ہتھیلیوں کی پشت سے گال رگڑتے ہوئے اس نے چند گہرے سانس لے کر خود کو سنبھالنا چاہا۔ آنسو پھر بھی ابل ابل رہے تھے اور ناک اور گال گلابی پڑ رہے تھے۔

''میں فارس کو نہیں چنوں گی۔ میں سعدی کو نہیں چنوں گی۔ میں.... زمر کو چنوں گی۔ میں خود کو چنوں گی۔'' اچھی نرم اور مضبوط آواز سے وہ چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔ ''میں وہ کروں گی جو زمر کو کرنا چاہیے۔ ظلم زمر کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ سب اپنی زندگی شروع کر سکتے ہیں' سوائے میرے۔ زمر کو انصاف چاہیے۔ یہ صرف سعدی کے لیے نہیں ہے۔ یہ زمر کے لئے بھی ہے۔ مجھے بھی اس وقت تک سکون نہیں ملے گا جب تک میں ان لوگوں کو تباہ ہوتے نہ دیکھ لوں۔ میں.... زمر کو چن رہی ہوں۔ اور زمر بہت اچھی اداکارہ ہے۔''

اب کے وہ آنکھیں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''زمر! اگر کوئی بات ہے تو تم مجھے بتاؤ۔ ایک دفعہ پہلے بھی تم روتے ہوئے کمرے میں آئی تھیں' تمہیں وے کا اٹیک ہوا تھا اور تم ورختوں کی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ آگے بڑھا اور نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لئے۔'' بعد میں عدالت میں تم نے بتایا مجھے کہ اس رات تم نے حقیقت جان لی تھی۔ میں اب نہیں سمجھ پا رہا کہ کیا ہوا ہے مگر کچھ ہوا ضرور ہے۔ مجھے بتاؤ۔'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ بھیگے چہرے کے ساتھ مسکرا دی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرا اڈپریشن' میرا ذہنی دباؤ بہت بڑھ گیا تھا۔ مجھے لگتا تھا میں کیس کی وجہ سے تم سے دور ہو جاؤں گی۔ مگر نہیں....'' اب کے وہ دھلے دھلائے چہرے اور گلابی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر بولی تھی۔ ''جو میرا ہے' وہ میرا رہے گا۔ مجھے تمہیں نظر انداز یا ناراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اچھی امید اور اچھی تیاری کے ساتھ بھی یہ کیس لڑ سکتے ہیں۔ اور.... تم جب کہو گے ہم ڈنر پہ بھی جا سکتے ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ جو لمحے بھر کے لئے وہ ڈر گیا تھا کہ کچھ ہوا ہے' وہ واہمہ بھی ذہن سے جاتا رہا۔ اس نے نرمی سے اسے اپنے قریب کیا اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر چند لمحے تھپکتا رہا۔ اور پھر بہت محبت سے دھیرے سے بولا۔

''آئی ہیٹ یو چڑیل!''

وہ ایک جھٹکے سے الگ ہوئی۔ بھیگی گلابی آنکھوں میں ایک دم ڈھیر سارا غصہ عود آیا تھا۔ ''کیا کہا؟'' وہ بے یقین بھی تھی۔

''احمر شفیع نے تمہارا نام چڑیل رکھا تھا۔ قوی اطلاع ہے کہ کچہری میں بہت سے لوگ تمہیں اسی نام سے پکارتے ہیں اور میں ہر نماز میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان لوگوں کو نیک اجر عطا کرے۔'' وہ کار کا دروازہ کھولتا کہہ رہا تھا' اور زمر نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی روکی چہرے پہ خفگی طاری کیے وہ چیخ کر بولی تھی۔

''اگر تمہیں مجھ سے ذرا سی بھی محبت ہوتی تو تم میرے بارے میں ایسی باتیں کرنے والوں کے دانت توڑ دیتے۔''

''آپ کو کس نے کہا کہ مجھے آپ سے محبت ہے؟ میں نے تو آپ کی دولت کے لئے آپ سے شادی کی تھی۔''

''دولت سے یاد آیا' میرے پیسے کہاں ہیں؟ ہاں؟'' وہ اندر بیٹھ چکا تھا اور وہ اس کی کھڑکی پہ جھکی ناراضی سے کہہ رہی تھی۔

''جن پیسوں کو ہاشم کاردار ریلیز نہیں کر سکا' آپ نے سوچا بھی کیسے کہ وہ آپ کو مل جائیں گے۔ جایئے زمر بی بی' جوتے پہن کر آئیں' پھر میں آپ کو ڈنر پہ لے کر جاؤں گا۔''

''ہاں' وہ بھی میرے پیسوں سے ہوگا۔'' وہ سیدھی ہوتے ہوئے خفا خفا سی بولی اور مڑ گئی۔ پیچھے سے اس نے اس کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

''لالچی وکیل نہ ہو تو۔'' اس دفعہ اصلی والا غصہ چڑھا مگر سر جھٹکتی اندر چلی گئی۔ اس کا ٹوٹا دل بالآخر جڑنے لگا تھا۔

❖❖❖

خوابوں کے چاند ڈھل گئے تاروں کے دم نکل گئے ..... پھولوں کے ہاتھ جل گئے' کیسے یہ آفتاب تھے!

وہ صبح پگھلے سونے کی سی حدت لئے ہوئے طلوع ہوئی تھی۔ سورج کی ترچھی کرنیں قصرِ کاردار کے ستونوں سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔ اندر اونچی کھڑکیوں سے چھن کر آتی روشنی نے ڈائننگ ہال کو منور کر رکھا تھا۔ سربراہی کرسی پہ ہاشم بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ نوشیرواں ہنوز کمرے میں بند تھا' اس کا ساتھ دینے کو دائیں ہاتھ جواہرات بیٹھی تھی۔ جانے دونوں کی کرسیوں کی جگہ کب بدلی تھی' مگر جواہرات نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ جانتی تھی کہ اب خاندان کی ڈرائیونگ سیٹ پہ وہ نہیں تھی۔ مگر وہ مطمئن تھی۔ کانٹے میں پھل کا ٹکڑا پھنساتے وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی تھی۔

''تم نے خاور کے متعلق سنا؟''

''ہوں!'' اس نے سر ہلایا۔ ''اس کے بیٹے کا فون آیا تھا۔ میں مالی طور پہ مدد کرتا رہوں گا اس کی فیملی کی۔ کچھ عرصے تک۔''

''تمہارا بڑا ظرف ہے' ہاشم!'' اس نے جھرجھری لی۔ وہ خاموشی سے کھاتا رہا تو وہ ذرا پینترا بدل کر بولی۔ ''مگر جو بھی ہے' مجھے بہت افسوس ہوا اس کا سن کر۔''

''اپنے کیے کا پھل ملا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا تھا' پھر نیپکین رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ آفس کے لئے تیار لگ رہا تھا۔ ٹائی' کف لنکس' سب اپنی جگہ پہ تھے۔ ''ٹرائل کا کیا بنے گا؟''

''کوئی ٹرائل نہیں چلے گا ممی۔ ایک ایک پیشی کے لئے ترساؤں گا انہیں۔'' موبائل اسکرین پہ انگلی پھیرتے وہ ساتھ سے نکل کر چلا گیا۔ جواہرات نے طمانیت کا گہرا سانس لیا اور مسکرا کر جوس لبوں سے لگا لیا۔ خاور کا باب تو ختم ہوا.....

چند میل دور..... اس پرشکوہ عمارت کے ایک وسیع آفس میں ہارون عبید اپنی مخصوص کرسی پہ براجمان تھے۔ ٹیک لگا کر بیٹھے' گال تلے انگلی رکھے وہ محظوظ نظروں سے سامنے بیٹھی زمر کو دیکھ رہے تھے جس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور چبھتی ہوئی نظریں ان پہ جمی تھیں۔ وہ درمیان میں حائل میز کے باعث یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ زمر نے کرسی کی نشست ایک ہاتھ سے مضبوطی سے تھام رکھی ہے۔ اور بار بار وہ تھوک نگل کر خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تو آپ نے کیا فیصلہ کیا؟''

''اگر آپ واقعی ہاشم کاردار کو ہمارے ساتھ ٹرائل لڑنے پہ آمادہ کر لیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔'' ہلکے سے کندھے اچکا کر خود کو بے نیاز ظاہر کرنا چاہا۔ ''میں فارس کو چھوڑ سکتی ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ ذرا سا مسکرائے۔

''اور میں جانتی ہوں کہ آپ یہ اپنی بیٹی کے لئے نہیں کر رہے۔'' اب کہ وہ بھی ذرا سا مسکائی تھی۔ ''آپ فارس کو استعمال کرنا چاہتے ہیں' اسے اپنی بیٹی کا باڈی گارڈ بنانا چاہتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہو پائے گا۔ وہ کبھی بھی ایسے کسی دام میں نہیں آئے گا۔ میں نہیں وارن کر اس

گی اسے۔ مگر وہ خود اتنا سمجھدار ہے کہ آپ کا ہر وار خطا جائے گا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے' اس لئے کیوں نا ہم وہ بات کریں جو آپ کا مسئلہ ہے۔" آگے ہوتے ہتھیلیاں باہم پھنساتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "آپ نے اچھا فیصلہ کیا' اپنے بوجھ کو کسی کی زندگی سے نکال کر اسے ہلکا کرنے کا فیصلہ بہت اچھا رہتا ہے۔ آپ کو اور کچھ نہیں کرنا۔ بس اس کی زندگی سے نکل جانا ہے۔"

"مگر ٹرائل کے بعد۔ ہم ٹرائل جیتیں یا ہاریں' اس وقت کا انتظار نہیں کروں گی میں' مگر کم از کم جب اتنا کیس چل چکا ہوگا کہ مجھے لگے آپ نے اپنا وعدہ ایفا کر دیا ہے' تو میں اسے چھوڑ دوں گی۔"

"اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو؟" کمرے میں لمحے بھر کو سناٹا چھا گیا مگر زمر نے اداکاری جاری رکھتے ہوئے اسی بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"جب میں آپ پہ اعتبار کر رہی ہوں تو آپ کو بھی مجھ پہ یقین کرنا چاہیے۔"

"مگر ہو سکتا ہے کہ یہ صرف آپ کی چال ہو۔ آپ صرف وعدہ کرنے کی اداکاری کر رہی ہوں' اور اپنا مطلب نکل آنے کے بعد آپ اپنی بات سے پھر جائیں۔ ایسے میں مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا نا۔" ان کی زیرک نگاہیں اندر تک اتر رہی تھیں۔ زمر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا مگر چہرے پہ مسکراہٹ برقرار رہی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ نے یقیناً کوئی کانٹریکٹ بنوا رکھا ہوگا۔ لائیے' میں دستخط کر دیتی ہوں۔"

"آپ وکیل لوگ ہر کانٹریکٹ کے نکلنے کے سوراخ ڈھونڈ لیتے ہیں' میں ایسی غلطی نہیں کروں گا۔"

"تو پھر آپ میری یہ گفتگو ریکارڈ کر رہے ہوں گے یقیناً تاکہ مجھے بلیک میل کر سکیں۔"

"ایسا بھی نہیں ہے۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "کیونکہ آپ بہت محتاط الفاظ کا چناؤ کر رہی ہیں' اگر اس منظر کی ویڈیو بنا کے میں فارس کو دکھا بھی دوں تو آپ ڈرامہ لگیں گی اور میں ولن۔ یوں فیصلہ آپ کے حق میں ہو جائے گا۔ مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔"

پہلی بار زمر کو محسوس ہوا کہ کمرے میں تناؤ اور گھٹن بڑھ گئی ہے۔ خطرے کا سائرن دور کہیں زور زور سے بجنے لگا۔ کوئی آواز مگر سنائی نہیں دیتی تھی' صرف سرخ بتی جلتی بجھتی دکھائی دیتی تھی۔ کسی نے اندر کہا کہ اٹھو اور چلی جاؤ' لعنت بھیجو اس کیس پہ' سعدی کو سمجھا لینا' مگر جس کا اندر زیادہ زور چلتا تھا' اس نے اس آواز کو دبا لیا۔ کیونکہ "زمر" کا انتخاب زمر نے کر لیا تھا۔

"تو پھر کیسی ضمانت چاہیے آپ کو مجھ سے؟"

انہوں نے جواب دینے کی بجائے میز پہ کھڑا کر کے سیدھے رکھے ٹیبلٹ کی طرف توجہ مبذول کی' اور اسکرین کو چھو کر کچھ دیکھنے لگے۔

"جب آپ اس عمارت میں داخل ہوئی تھیں تو آپ نے اپنا پرس ایکس رے سے گزارا تھا۔ آپ کے پرس کے اندر کی تصویر... اندر تک کا خاکہ میرے پاس کھلا رکھا ہے۔ اس میں ایک چھوٹی جو کور شے نظر آ رہی ہے جس کے اندر ایک ننھا سا ہیرا موجود ہے۔ یہ تصویر چونکہ پرس کا ایک رف امیج ہے' یہ صرف ایک خاکہ دے سکتا ہے' مگر میں جانتا ہوں کہ وہ ہیرا اس انگوٹھی کا ہے جو کسی زمانے میں فارس غازی نے آپ کو دی تھی۔"

کرسی کی نشست پہ جمے اس کے ہاتھ نے زور سے لیدر کو بھینچا۔ اس کے کندھے قدرے سیدھے ہوئے۔ لب پھڑپھڑائے۔ آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔

"اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ گفٹ دینے والا فارس تھا تو آپ غصے سے گھر چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئی تھیں۔ اس دن کے بعد سے آپ نے اس کو نہیں پہنا۔ حیران مت ہوں۔ کچھ تو معلومات ہوں نا میرے پاس بھی!"

"یقیناً یہ میرے ملازم نے کاروارز کے گارڈ کو بتایا ہوگا' سب نوکروں کو خبر ہوگئی تھی اس رات۔ اور ملازم کانوں کے جتنے کچے ہوتے ہیں' زبان کے اتنے ہی کچے ہوتے ہیں۔ خیر' آپ اس نوزپن کا ذکر کیوں کر رہے ہیں؟"

وہ بولی تو آواز میں دبا دبا غصہ سا لگتا تھا۔

"اگر یہ آپ کے پرس میں نہ ہوتی تو مجھے خیال بھی نہ آتا' مگر میری قسمت اچھی تھی۔" وہ ٹیبلیٹ نیچے رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔ "آپ اسے خود ہی میرے پاس لے آئیں۔" پھر باہم مٹھیاں پھنسائے مزید آگے کو ہوئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "مسز زمر..... اپنی بات پہ اعتبار دلانے کے لئے آپ مجھے اس سے اچھی ضمانت نہیں دے سکتیں۔ اس ڈبی کو میرے پاس چھوڑ جایئے۔"

آسمان کے سارے تارے ایک دم سمندر میں جا گرے تھے۔ اس کا سانس تک رک گیا تھا۔ "یہ ڈبی؟"

"جی۔ جب آپ یہ وعدہ پورا کریں گی تو میں اسے واپس کر دوں گا۔ نہیں کریں گی تو میں..... بلکہ میں کیا کروں گا؟ میری ملکیت میں یہ ڈبی دیکھ کر وہ خود ہی آپ کو چھوڑ دے گا۔ اسی کو ضمانت کہتے ہیں نا۔ اسی کو کانٹریکٹ اور ایگریمنٹ کہتے ہیں نا۔ اور جب آپ نے اسے چھوڑ ہی دینا ہے تو پھر یہ ڈبی کوئی حیثیت تو نہیں رکھتی ہوگی آپ کے لئے۔ سو..... اسے..... مجھے..... دے دیں۔"

تارے سمندر کی سطح پہ چند لمحے تیرتے رہے' مگر تنکے جیسا سہارا بھی نہ ملا تو اندر گرتے چلے گئے..... ڈوبتے چلے گئے۔ اس کی بھوری آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہارون منتظر سے اسے دیکھے گئے۔ وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ ان کو بجھی بجھی نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس کے ذہن میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ اور دل بند ہونے کو تھا۔

"میں آپ کے ساتھ کسی قسم کی اداکاری نہیں کر رہی۔ لیکن اگر آپ کو صرف اس طرح یقین آئے تو اس طرح سہی۔" پرس سے وہ ڈبی نکال کر اس نے کھول کر میز پہ رکھی۔ اندر جگمگاتا ننھا ہیرا ڈھیر ساری روشنی منعکس کرنے لگا۔

"یہ لیجئے۔ اگر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو میں ہاشم کو بتا دوں گی کہ آپ کی بیٹی میرے شوہر کے لئے کیا جذبات رکھتی ہے' اور جب اسے پتہ چلے گا تو وہ اس کا کیا حشر کرے گا' آپ کو معلوم ہے سو اب آپ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ہارون واقعی چونکے تھے۔ اس کے الفاظ پہ نہیں' اس ڈبی کو دیکھ کر۔ پھر انہوں نے ایک سراہتی نظر زمر پہ ڈالی۔ "گویا وہ امتحان میں پاس ہو گئی تھی۔"

"وہ بہت جلد خود آپ سے کہے گا کہ اسے یہ کیس لڑنا ہے' یہ میرا وعدہ ہے۔ اسی میں ہم سب کا فائدہ ہے۔"

زمر نے پرس اٹھایا اور ایک کٹیلی نظر ان پہ ڈال کر باہر نکل گئی۔ دروازہ زوردار آواز سے بند کیا تھا۔

باہر راہداری میں چلتے ہوئے اس نے بدقت ابلتے آنسو روکنے چاہے مگر وہ نہیں رکے۔ قطرے ٹپ ٹپ چہرے پہ لڑھکنے لگے۔ اس نے رک کر دیوار کا سہارا لیا' گویا خود کو ڈھے جانے سے روکا ہو' بچایا ہو۔ کچھ کھو دیا تھا اور اب دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا تھا۔ چند گہرے سانس لیے' چند آنسو پیئے اور پھر وہ دوبارہ سے چلنے لگی۔ اب کی دفعہ آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی مگر چال ویسی ہی تھی محتاط سی۔ ذرا سی پھسلن گرا سکتی تھی اور اسے اب کوئی غلطی نہیں کرنی تھی۔

چند میل دور ہاشم کے آفس کے باہر کھڑی آبدار نے موبائل پہ آیا پیغام دیکھ کر سے واپس پرس میں ڈالا' پھر جی کڑا کر چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ پرسکون رکھنے کی کوشش کیے ہوئے تھی۔

دروازے کا ہینڈل پکڑتے ہوئے وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

''اتنا بڑا خطرہ مول لے لوں کیا؟'' پھر سر جھٹکا اور اداسی سے مسکرائی۔

''وہ... تمہارے لئے... ایسا کبھی نہیں کرے گی فارس!'' اور پھر اندر داخل ہوگئی۔ آفس ابھی خالی تھا اور حلیمہ کے بقول ہاشم کے آنے میں آدھا گھنٹہ تھا۔ آبدار کو اب آدھا گھنٹہ ادھر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنا تھا۔

..............❖❖❖..............

''مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' حنین یوسف نے اس صبح اس سے یہ کہا تو جواب میں فارس نے سر ہلا کر کہا تھا۔

''مجھے بھی تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' وہ دونوں مور چال کے پورچ میں کھڑے تھے اور وہ باہر جانے کی تیاری میں تھا۔

''میں جانتی ہوں آپ کو خاور کے بارے میں بتانا ہے۔ میں بھی وہی بتانا چاہ رہی ہوں۔'' وہ چمکتی آنکھوں اور مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔ ''اس کا ایک بیٹا ہے جو اب واپس اپنی ماں اور دادی سمیت خاور کے گھر آ کے رہنے لگ گیا ہے۔ میں نے اس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس کے باپ نے کیا کیا' اور کن کے لئے یہ سب کیا۔ اس کا دل بدل گیا ہے اپنے باپ کے لئے' اور کسی شخص کے لئے اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ اس کی اولاد کا دل بدل جائے اس کے لئے؟ میرا خیال ہے آپ کو...'' وہ جوش سے تیز تیز بول رہی تھی۔

قریباً گھنٹے بھر بعد وہ اس بنگلے کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ جینز اور شرٹ میں ملبوس' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سنجیدگی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ عجیب خاموشی کمرے میں حائل تھی۔ سامنے بیٹھا نوعمر لڑکا خاموش تھا۔ وہ الجھا ہوا بھی تھا۔ مگر مقدس خاموشی کو توڑ نہیں پا رہا تھا۔

دفعتاً چوکھٹ پہ آہٹ سی ہوئی۔ وہ دونوں اس طرف دیکھنے لگے۔

ایک عورت پہلے نمودار ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک وہیل چیئر کی پشت کو تھامے ہوئے تھے جس کو دھکیلتی ہوئی وہ اندر لا رہی تھی۔ فارس کی نظریں وہیں جم گئیں۔ وہ بس اسے دیکھتا رہا۔

وہ خاور تھا۔

اس کا اکڑا ہوا فالج زدہ جسم وہیل چیئر پہ رکھا تھا۔ گویا اس میں روح نہ ہو۔ گردن ترچھی منجمد سی تھی اور چہرے پہ آکسیجن ماسک چڑھا تھا۔ ساتھ چند نالیاں بھی جڑی تھیں۔ اس کے ہونٹ نیڑھے میڑھے سے ہو کر ایک زاویے پہ جم گئے تھے اور آنکھیں... صرف وہی حرکت کرتی تھیں۔ ان کی سیاہ گیندیں گھوم گھوم کر فارس کے چہرے سے آ ٹکراتی تھیں۔ ان میں بے بسی تھی' خوف تھا' دکھ تھا۔

''کیا ان کی بہتری کی کوئی امید ہے؟'' اس نے سادگی سے لڑکے کو مخاطب کیا۔ لڑکے نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''ان کا جسم مستقل طور پہ مفلوج ہو چکا ہے۔ ہاتھ کی صرف ایک انگلی ہلا سکتے ہیں' ایک دفعہ ہلائیں تو مطلب ہے ہاں' دو دفعہ تو ناں۔ بول بھی نہیں سکتے۔ بس دیکھ سکتے ہیں۔ روتے بہت ہیں۔ آوازوں سے۔ مگر الفاظ نہیں نکلتے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ قدرتی فالج ٹھیک ہے' اور ایسی صورتحال میں ہمیں اب سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔'' وہ دبی آواز میں بتا رہا تھا۔

فارس بس گردن موڑے اسے دیکھتا رہا۔ جو سمٹا سمٹا سا وہیل چیئر پہ پڑا تھا۔ زرد بے جان چہرہ' بے حد گرا ہوا وزن' ہڈیوں کا ڈھانچہ سا انسان۔ اس کی بھیگی نظریں فارس پہ جمی تھیں۔ بہت سے ماہ و سال دونوں کے درمیان فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔

''بول نہیں سکتے تو کیا ہوا۔ سن تو سکتے ہیں نا۔'' وہ بہت دیر بعد بولا تھا اور آواز ٹھنڈی تھی۔ ٹھنڈی اور سپاٹ۔

''جی' سن سکتے ہیں۔'' لڑکے نے سر ہلا دیا۔

''تو پھر آج کرنل خاور تمہارے ساتھ کچھ سنیں گے۔ ایک کہانی جو میں سنانے جا رہا ہوں۔'' فارس نے نگاہوں کا رخ اس لڑکے کی

طرف پھیرا۔ ''اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کہانی کو ساری زندگی یاد رکھو' جب تک یہ زندہ ہیں تم روز ان کو وہ کہانی سنایا کرو۔'' خاور کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں سمجھا نہیں۔'' لڑکا اب کے الجھا تھا۔

''جب میں شروع کروں گا تو سمجھ جاؤ گے۔ پھر بتاؤ' شروع کروں؟'' اس نے اسی سکون اور اطمینان سے پوچھا تھا۔ لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔ خاور نے بہت کوشش کی کہ وہ چیخے چلائے' گردن ادھر ادھر مارے' اس کی منت کرے' اسے روکے' روئے پیٹے' اس کے قدموں میں گر جائے اور اسے منع کرے۔ میرے بیٹے کو مت بتاؤ۔ خدارا مت بتاؤ۔

مگر اب..... اختیار اس کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

اور اگر تمہیں کبھی کوئی کہے کہ انسان کے کیے گئے ظلم گھوم پھر کے اس کے پاس ایک دن ضرور لوٹتے ہیں تو یقین کر لینا کیونکہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔

ادھر حنین مور چال کے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتے ہوئے ڈرائے فروٹ کھا رہی تھی۔ زمر ابھی ابھی لوٹی تھی اور خاموش سی ادھر بیٹھی تھی' گویا ذہن کہیں دور الجھا ہو۔ سعدی لیپ ٹاپ لیے بیٹھا کچھ پوائنٹس کاغذ پہ لکھ رہا تھا۔ وہ انٹرویو کی تیاری کر رہا تھا۔

یکلخت حنین اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ مٹھی میں خشک میوے بھرے' وہ ان کو وقفے وقفے سے کھاتی زینے چڑھتی اوپر آئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور پھر.....

اس کی دلخراش چیخ سب نے سنی تھی۔ زمر اور سعدی کے خیالات ٹوٹے' جیسے ان کو ہوش آیا۔ وہ دونوں اوپر کی طرف بھاگے۔

''حنین کیا.....'' چوکھٹ تک آتے ہوئے سعدی کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ کمرے کی حالت بتا رہی تھی کہ کیا ہوا تھا۔

ہر شے بکھری ہوئی تھی۔ الماریاں' دراز کھلے پڑے تھے۔ جوتوں والے خانے سے سارے ڈبے نکلے ہوئے تھے۔ لاک والی دراز میں چابی لگی تھی اور وہ کھلا تھا۔ حنین حواس باختہ سی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ شل۔ ہکا بکا۔ کھڑکی بھی پوری کھلی تھی۔

''حنہ' تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا؟'' زمر نے بے اختیار اسے کندھوں سے تھاما' اور اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا۔

''وہ میرے سامنے کھڑکی سے کودا..... اور.....'' وہ شل سی ابھی تک گردن موڑے باہر دیکھ رہی تھی۔'' اور اس نے دیوار پھاندلی۔''

''کون؟ کون تھا؟'' سعدی تیزی سے بالکونی میں بھاگا تھا۔

''وہ ایک آدمی تھا' اس نے سرخ مفلر لپیٹ رکھا تھا' اور..... اور اس کے لمبے بال تھے..... اور چھوٹا سا قد تھا۔'' وہ سفید چہرے کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتانے لگی۔ سعدی واپس اندر آیا اور سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ اسے نیچے جا کر اس آدمی کو پکڑنا تھا۔

''کیا کر رہا تھا وہ یہاں؟ بتاؤ حنین؟''

''اس کے ہاتھ میں میرا میموری کارڈ تھا۔ وہ علیشا والا میموری کارڈ لے کر چلا گیا۔ اللہ میرے!'' حنین نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ زمر نے بے ساختہ کھلی دراز کو دیکھا۔ اسے زور کا چکر آیا تھا۔

''میرے پاس تو اس کی کاپی بھی نہیں ہے زمر۔ اب کیا ہو گا؟''

زمر نڈھال سی کاؤچ پہ گر سی گئی۔ اب کیا ہو گا؟

قصر کاردار کے برآمدے کے اونچے ستونوں پہ دھوپ کی پہلی کرنیں گرتی نظر آ رہی تھیں۔ ہاشم موبائل دیکھتا زینے اترتا نیچے آ رہا تھا۔ اس کی کار سامنے منتظر سی کھڑی تھی۔ شوفر دروازہ کھولے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ جیسے ہی کار کے قریب آیا' ایک گارڈ سامنے سے تیز تیز

چلتا اس طرف آتا دکھائی دیا۔

''سر!'' اس نے عجلت میں پکارا۔ ہاشم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا ہے؟''

''ایک ملاقاتی ہے آپ کے لئے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ ان سے واقف ہیں۔ سوان سے مل لیں؟''

''اس وقت؟'' اس نے نخوت سے ابرو اٹھائی مگر پھر وہ ٹھہر گیا۔ گارڈ کے پیچھے آتے ذی نفس کو وہ پہچان گیا تھا۔ پاسپورٹ، انجان کالز بہت سی کڑیاں ایک ساتھ ذہن میں ملی تھیں۔

''ہیلو مسٹر کاردار!'' وہ قدم قدم چلتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنے ہیروں کی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے کان کے پیچھے بال اڑستی نرمی سے بولی۔ ''میں یہ جانے بغیر کہ کس کے لئے کام کر رہی ہوں، آپ کے لئے بہت کچھ کر چکی ہوں پہلے۔ اب بھی فارس غازی کے خلاف آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''آپ کی تعریف؟'' وہ انجان بن کر بولا البتہ چہرے کی تمام بے زاری اور کلفت غائب ہو چکی تھی۔ مسکرا کر دلچسپی سے وہ اس نوارد کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ڈاکٹر ایمن کہتے ہیں۔ فارس غازی نے میرا ہسپتال جلایا تھا، اس نے مجھے تباہ کر دیا۔ تو کیوں نا ہم مل کر اس سے بدلہ لیں؟''

ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''تو وہ آپ تھیں۔ سعدی یوسف کا پاسپورٹ چرانے والی۔ اور یقیناً پاسپورٹ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوگا آپ کے پاس۔'' مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتا وہ کہہ رہا تھا۔

''وہ آپ تھیں! ہے نا!''

.... ✿✿✿ ....

باب25:

اِک مسافت عالَمِ تنویم میں.....!

لوگ کہتے ہیں کہ
زبردست محبت وہ ہوتی ہے
جو تمہیں بٹھاتی ہے
پینے کو پانی دیتی ہے
اور تسلی آمیز انداز میں
تمہارے سر پہ تھپکی دیتی ہے۔
مگر میں کہتی ہوں کہ
زبردست محبت وہ ہے
جو تمہیں اڑا دے فضا میں
بھڑکا دے تمہارے وجود میں شعلے
تم آسمانوں میں چلتے ہوئے اڑتے جاؤ
اور رات کو ہما پرندے کی طرح روشن کر دو۔
ایسی محبت جو تمہیں جنگل کی آگ کی طرح
بھگاتی جائے اور تم.....
تم دوڑتے دوڑتے رکو نہیں۔
اور جس شے کو بھی تم چھوؤ
اسے جلا کر راکھ کرتے جاؤ۔
میں کہتی ہوں یہ ہے اچھی محبت۔
جو تمہیں جلا ڈالے
جو تمہیں اڑا ڈالے

اور تم اس کے ساتھ
بھاگتے چلے جاؤ.....
(سی جوائے نیل سی)

سرما کو اپریل کے سورج نے پگھلا کر گویا بھاپ بنا کے اڑا دیا تھا۔ وہ ایسا گیا کہ اب نام و نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ فضا گرم تھی۔ ہوا ساکن تھی۔ گزشتہ برسوں کی نسبت اس سال موسم گرما بہار کے درمیان سے ہی شروع ہوا چاہتا تھا۔

کچہری کا جیتی جاگتی ہجوم ویسے ہی بھانت بھانت کی بولیاں بولتا راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ البتہ اس کمرہ عدالت میں بند دروازوں کے باعث آوازوں کی آمد منقطع تھی۔ چبوترے پہ اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب عابد آغا صاحب اپنے کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے دونوں اطراف کرسیاں لگی تھیں۔ کورٹ رپورٹر اپنے کی بورڈ پہ ہاتھ جمائے تیار بیٹھا تھا۔ بولنے والوں کا ہر سچ اور ہر جھوٹ اچک کر صفحہ قرطاس پہ منتقل کرنے کو بے تاب تھا۔

دونوں جانب کی کرسیوں کے درمیان گزرنے کا کھلا سا راستہ بنا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ ساتھ سوٹ ٹائی اور جھکے سر والا شیرو موجود تھا' اور مزید آگے دیکھو تو جواہرات بیٹھی بے زاری سے اپنے نیکلیس کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ دائیں جانب بھی دیکھ لیتی جہاں دوسری میز کے پیچھے زمر اور سعدی ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ سر ایک دوسرے کے قریب کیے وہ دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ پچھلی کرسیوں پہ حنین اور اسامہ بیٹھے تھے۔ بالکل خاموش۔

اب تم واپس ہاشم کاردار کی طرف آجاؤ تو وہ اسی طرح مطمئن سا بیٹھا نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی اور چہرہ سنجیدہ سا لگتا تھا۔

"زمر صاحبہ آپ شروع کریں۔" جج صاحب نے کاغذات سے نظریں اٹھا کر زمر کو اشارہ کیا۔ ٹرائل شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بولنے کا وقت آگیا تھا۔ وہ سعدی سے ہلکا سا کچھ کہتی اٹھ کھڑی ہوئی' کوٹ ذرا کھینچ کر درست کیا۔ بال کان کے پیچھے اڑسے۔ اس کی ناک میں ننھے سے ہیرے کی لونگ دمک رہی تھی۔ ہاشم یونہی اسے دیکھے گیا۔ وہ اس لونگ اور اس میں چھپی داستانوں سے بے خبر تھا' مگر اس کی چمک سے اسے کچھ یاد آ رہا تھا..... ذہن پیچھے کہیں تیرنے لگا تھا.... اور ایک دم وہ دو ماہ پہلے کی اس صبح میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔

"ڈاکٹر ایمن!" سبزہ زار پہ اپنی کار کے ساتھ کھڑا وہ مسکراتے ہوئے اس عورت سے کہہ رہا تھا جس نے ہاتھوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ "تو وہ آپ تھیں نا' جنہوں نے مجھے وہ پاسپورٹ بھیجا تھا۔"

ڈاکٹر ایمن نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ وہ جو کچھ اور کہنے جا رہی تھی' رک گئی۔ بھنویں ناسمجھی سے اکٹھی ہوئیں۔ "سوری' مگر کون سا پاسپورٹ؟"

"آپ.... نے.... مجھے...." وہ قدم قدم چلتا اس کے سامنے آیا۔ "ایک.... پاسپورٹ بھیجا تھا.... سعدی یوسف کا...."

اس نے اچنبھے سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ "نہیں' میں نے آپ کو کچھ نہیں بھیجا۔ میں نے تو دو تین دفعہ بس آپ کے آفس کال کی تھی' ملنا چاہتی تھی۔ اگر آپ کو کسی نے میرے خلاف کچھ کہا ہے تو یقین مانیں اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔"

ہاشم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر غور سے اسے دیکھا۔ انداز سے لگتا تھا وہ سچ کہہ رہی ہے۔ اس نے سر جھٹکا۔

"خیر.... کیوں ملنا چاہتی تھیں آپ مجھ سے؟" انداز ذرا روکھا ہو گیا تھا۔ دلچسپی گویا ختم ہو گئی تھی۔

"میں فارس غازی کے خلاف آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ جب آپ ٹرائل میں اس کے بھانجے کے خلاف دلائل دیں گے تو...."

"ایک منٹ بی بی۔" اس نے انگلی اٹھا کر روکا۔ "کوئی ٹرائل نہیں ہو رہا۔ نہ کبھی ہوگا۔ یہ آپ لوگوں کی بھول ہے کہ ہم اور "وہ" کبھی دو خاندانوں کی طرح استغاثہ اور دفاع کی کرسیوں پہ کسی کورٹ روم میں بیٹھے ہوں گے۔ اور مجھے اگر آپ کی مدد کی ضرورت پڑی..." اگر" پڑی تو میں خود آپ کو یاد کرلوں گا۔ ابھی آپ جا سکتی ہیں۔" اور سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھاتا' ہاتھ جھلا کر ڈرائیور کو اشارہ کرتا وہ اندر بیٹھا۔ باادب ملازم نے کالے شیشے والا دروازہ بند کر دیا۔ گاڑی زن سے سامنے سے گزر گئی اور ڈاکٹر ایمن جو ابھی کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی' تلملا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

(آج)

"زمر صاحبہ... آپ شروع کریں..." جج کی آواز کی بازگشت تھی جو اسے سنائی دی تھی۔ ہیروں کی چمک مدھم ہوئی۔ قدرے چونک کر ہاشم سیدھا ہوا' اور پھر اپنے اطراف میں دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھا تھا' اپنے خاندان کے ساتھ۔ اور دوسری طرف... اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہاں پچھلی کرسیوں پہ حنین کے ساتھ فارس بیٹھا تھا۔ وہ شاید ابھی ابھی آیا تھا۔ اور ذرا پیر لمبے کر کے بیٹھا مسلسل چیونگم چباتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔ صرف وہی تماشائی لگتا تھا۔ باقی سب شدید تناؤ کا شکار تھے۔ ہاشم کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے اس نے نگاہیں گھمائیں۔ سنہری آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ملیں۔ ہاشم سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا' مگر سنہری آنکھیں مسکرائیں۔ ماتھے تک ہاتھ لے جا کر' سر کو ذرا سا خم دیا۔ (سلام!) ہاشم نے نخوت سے رخ واپس پھیر لیا۔

"یور آنر!" زمر چبوترے کے سامنے زمین پہ کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔ "سر کار بنام نوشیرواں کا رد دار کو درست طور پہ سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے سعدی یوسف کو سمجھنا ہوگا۔ ایک رشتے دار کی حیثیت سے نہیں' ایک وکیل کی حیثیت سے میں معزز عدالت کو بتانا چاہتی ہوں کہ سعدی یوسف کون ہے۔ اور سعدی یوسف کون تھا۔ میں آپ کو سعدی یوسف کی کہانی سنانا چاہتی ہوں۔"

جج صاحب توجہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ حنین کی نظریں بھی زمر کی پشت پہ جمی تھیں۔ وہ اس کے الفاظ پہ فوکس کرنا چاہتی تھی' ایک ایک لفظ دھیان سے سننا چاہتی تھی' مگر کورٹ رپورٹر کے کی بورڈ پہ ٹھک ٹھک چلتے ہاتھوں کی آواز' دفعتاً زمر کی آواز اس کا دھیان بٹا رہی تھی۔ پھر یکا یک ساری آوازیں پس منظر میں چلی گئیں اور دھیرے دھیرے کمرہ عدالت اس کے بیڈ روم میں تبدیل ہوتا گیا.....

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کمرے میں کھلی کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔ پریشان نگاہیں باہر لگی تھیں۔ زمر سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور سعدی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"وہ بھاگ چکا ہے۔ سرخ مفلر والا آدمی۔ گارڈ کہہ رہا ہے کہ وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا مگر تب تک وہ گلیوں میں گم ہو چکا تھا۔" وہ پھولے سانس کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "اب وہ کسی ہمسائیوں کے گھر میں کود چکا ہے۔ گارڈز گئے ہیں مگر میرا نہیں خیال کہ وہ اب ملے گا۔" پھر حنین کو دیکھا۔

"تمہارا میموری کارڈ... کیا تھا اس میں؟"

وہ ابھی تک کھڑکی میں دیکھ رہی تھی' اب کہ آہستہ سے چہرہ گھما کر سعدی کو دیکھا۔ آنکھیں میں بدولی تھی۔

"وہ علیشا نے ہمیں دیا تھا۔ ہم اتنے سال اس کو لے کر پھرتے رہے آپ کے کی چین میں مگر اس کو استعمال نہیں کر سکے۔"

"مگر اس میں تھا کیا؟" زمر نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ حنین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"کرنل خاور کے بیٹوں کو ہاشم نے مروایا تھا۔ اور مسز کاردار نے۔ پھر الزام ایک آفیسر پہ ڈال دیا جو خاور کے کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔ یہ اگلے سو سال کی منصوبہ بندی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے یہ اتنے امیر اور اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ جب یہ کسی کو اپنا دست

راست بناتے ہیں تو اس کی ساری کشتیاں جلا دیتے ہیں۔ خاور نہیں جان سکا۔ اس نے اس بریگیڈیئر کی آنکھوں کے سامنے اس کے خاندان کو مارا اور پھر اس کو بھی مار دیا۔ اس کو بعد میں علم ہوا کہ اس بریگیڈیئر کا ایک اور بیٹا بھی ہے جو امریکہ میں زیرِ تعلیم ہے۔ اور اس کو وہ خفیہ اولاد کی طرح چھپا کر رکھتا ہے۔'' حنین سانس لینے کو رکی۔ یہ باتیں بتانا عجیب لگ رہا تھا۔ سعدی غور سے اور زمر عدم توجہی سے سن رہی تھی۔ ''خاور کا اس بچے سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ اس نے صرف بریگیڈیئر کو اذیت دینی تھی۔ جب دے دی تو انتقام ختم ہوا۔ اس نے اس لڑکے کو تلاش کرنا چاہا مگر وہ اس کو مار کر کیا کرتا؟ بریگیڈیئر بنگش کے دوستوں نے اسے روپوش کرا دیا۔ خاور کو صرف اس کی ایک گھڑی ملی تھی جس پہ اس لڑکے کا پارشل فنگر پرنٹ تھا۔ اس کارڈ میں ایک ویڈیو تھی جو یقیناً مسز کاردار نے بنوائی تھی۔ اس میں خاور ان کے سامنے آکر اعترافِ جرم کرتا ہے اور وہ اس کو نوکری پہ رکھ لیتے ہیں گویا اپنے پردوں میں چھپا لیتے ہیں۔ یوں ان کو وفادار ملازم بھی مل گیا اور اس کی دکھتی رگ کو بھی ہاتھ میں لے لیا جس سے وہ کبھی بھی اس کو اپنے جوتے تلے مسل سکتے ہیں۔ علیشا نے وہ پورا فولڈر کاپی کیا تھا۔ اس میں کچھ تصاویر تھیں۔ وہ ویڈیو تھی۔ اور ایک پارشل فنگر پرنٹ کی فائل تھی۔ جواہرات کے لیپ ٹاپ سے لیا اس نے یہ سب اور مجھے یاد ہے وہ کبھی بھی خاور کو اپنے کمپیوٹر کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھیں۔ علیشا ہیکر تھی۔ انہی جرائم کی وجہ سے وہ جیل گئی تھی۔ اس کے پاس نیشنل ڈیٹا بیس تک رسائی تھی۔ اس نے اس پارشل فنگر پرنٹ کو ڈھونڈ نکالا۔ شاید خاور امریکہ میں ہوتا اور دلچسپی لیتا اور کاردارز نے اسے مصروف نہ کر رکھا ہوتا تو وہ بھی ڈھونڈ نکالتا مگر اس کا تو انتقام پورا ہو گیا تھا۔ مگر انتقام کے سائیکل میں ایک مرد ایور رہ جاتا ہے۔ اور وہ اس چکر کو الٹا چلاتا ہے۔ وہ لڑکا سلطان کئی برس کی انتھک محنت کے بعد اورنگزیب کاردار کے پاس ملازمت کرنے آتا ہے۔ اس کے ڈرائیونگ لائسنس کی کاپی اس کارڈ میں تھی اور میں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کہ یہ احمر شفیع کی پرانی تصویر ہے۔''

''احمر؟ وہ اسٹیپنی؟'' سعدی کو دھکا لگا تھا۔ زمر خاموش رہی۔ اسے اب کوئی بھی بات حیران نہیں کرتی تھی۔

''میں نے یہ ساری باتیں فارس ماموں کو بتائیں تو انہوں نے احمر سے یہ سب پوچھا۔ یہ بات احمر نے انہیں بتائی کہ اس کے والد نے نہیں کاردارز نے خاور کے بیٹوں کو مارا تھا۔ چونکہ فارس ماموں نے خود اس دن خاور کو جانے دیا تھا زمر کے کہنے پہ حالانکہ بعد میں خاور نے زمر پہ گولی بھی چلانی چاہی' مگر انہوں نے احمر سے کہا کہ وہ اسے جانے دے ورنہ خاور اس کو اکسا کر اسے کہے گا کہ مجھے مار ڈالو اور یوں احمر مجرم بن جائے گا۔ انتقام کا چکر الٹا ہو گا۔ خاور کا تیسرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ وہ احمر کو جینے نہیں دے گا۔ مگر احمر نے بات نہیں مانی۔ اس نے ہی کیا ہے جو بھی اس نے کیا ہے خاور کے ساتھ۔ خاور کے ایکسیڈنٹ اور فالج کے بارے میں تو آپ سب نے ہاشم کے ٹوئٹر پہ پڑھ لیا ہو گا۔ خیر مجھے خاور سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اس لیے میں نے اس کے بیٹے کو سب بتا دیا ای میل کر کے۔ فارس ماموں بھی صبح ادھر ہی گئے ہیں۔ وہ ایک دفعہ......''

''تم نے اسے کاپی کیوں نہیں کیا؟ ہم اسے کورٹ میں استعمال کر سکتے تھے۔'' سعدی جھنجھلایا تھا۔ خاور سے وہاں کسی کو دلچسپی نہ تھی۔

''بھائی وہ کاپی نہیں ہو رہی تھی اور میں نے وہ بہت سنبھال کر رکھی تھی۔''

''حنین۔'' زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کس کس کو علم تھا کہ وہ تم نے کہاں رکھی ہے؟ کسی ملازم نے دیکھا تھا تمہیں وہ رکھتے ہوئے؟''

''نہیں زمر۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ' اس دراز کی چابی کی جگہ' میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''پہلے وہ فلیش ڈرائیو خالی نکلی' اور اب یہ سارے ثبوت گئے۔ شاید Yousufs اتنی بھیانک اور تاریک چیزیں رکھنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔'' حنین نے دل گرفتگی سے ایک اور سچ بولا۔ سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔ مجھے یقین ہے جب سونیا کی سالگرہ کی رات میں نے ہاشم کے کمرے میں جا کر وہ فلیش ڈرائیو کاپی کی تھی تو اس کے

اندر کافی سارا مواد موجود تھا۔ میموری تقریباً فل ہو گئی تھی۔ اور اب اس میں فرورزن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یقیناً کسی نے اہم ڈاکیومنٹس اس میں سے مٹائے ہیں۔"

"کوئی میری ناک کے نیچے میری فلیش سے کیسے کچھ مٹا سکتا ہے؟"

"جیسے کوئی تمہاری دراز سے کارڈ نکال کر لے جا سکتا ہے۔ یقیناً اس شخص کو ہاشم نے بھیجا ہو گا اور اسے اس فلیش کا پاسورڈ معلوم ہو گا۔ نہ ہم خود محفوظ ہیں نہ ہمارے گھر۔" سعدی تلخی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ حنین نے بے اختیار زمر کو دیکھا تھا "اب کیا ہو گا؟ ٹرائل سے پہلے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

ذرا دیر بعد زمر نے چہرہ اٹھایا تو لگتا تھا وہ خود کو قدرے سنبھال چکی ہے۔

"پاکستان میں ایسے ہی ہوتے ہیں ٹرائلز۔ مخالف فریق ٹرائل شروع ہونے سے قبل ہی ہمارے ثبوت مٹا دیتے ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔" وہ بالوں کو لپیٹ کر جوڑے کی شکل دیتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

"ہمارے پاس ہماری زبانیں، ہمارے دلائل اور ہمارے گواہ موجود ہوں گے۔ ٹرائل ہو گا اور ضرور ہو گا اور اسے ہم ہی جیتیں گے اور اگر نہ بھی جیت سکے تو کم از کم....." اس نے سنجیدگی سے حنین کو دیکھا۔

"It would be worth trying."

(آج)

"یور آنر!" حنین نے سر جھٹکا۔ اردگرد چلتا منظر بجلی جانے پہ بند ہونے والی ٹی وی کی طرح غائب ہو گیا۔ وہ ذرا سنبھل کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ کمرہ عدالت اس کے اطراف میں آبسا تھا اور وہاں سب دم سادھے زمر کو سن رہے تھے جو جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔ یہاں سے اس کی پشت نظر آتی تھی۔ سیاہ کوٹ کے اوپر گھنگھریالے بال آدھے بندھے گر رہے تھے اور وہ وقفے وقفے سے ان کے پیچھے ایک لٹ اڑستی تھی۔

"میرے موکل سعدی یوسف کی کہانی 21 مئی کو نہیں شروع ہوئی تھی۔ یہ اس سے بہت پہلے شروع ہوئی تھی۔" چہرہ موڑ کر سعدی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے اس نے بات جاری رکھی۔ وہ بس زخمی آنکھوں سے سامنے دیکھے گیا۔

"جو سعدی یوسف اس وقت کمرہ عدالت میں انصاف کا طالب بن کر بیٹھا ہے یہ وہ سعدی نہیں ہے جس کو اس کے گھر والے کئی برسوں سے جانتے ہیں۔ وہ سعدی اور تھا۔ وہ زندہ دل تھا۔ لوگوں کو معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا تھا۔ ملک کی خدمت کا جذبہ لے کر اس نے اپنی ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ وہ ایک محنتی اور قابل نوجوان تھا۔ اس کے پاس ٹیلنٹ تھا، ہنر تھا، ذہانت تھی۔ اگر اس کو کام کرنے دیا جاتا، اس کو مواقع ملتے تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوتا۔ یور آنر! میرے ملک کے نوجوانوں کو اگر اسی طرح پھلنے پھولنے دیا جائے تو معروف امیر آئی پی پیز کے آتش دان ٹھنڈے نہ پڑ جائیں؟ اگر ان نوجوانوں کو یونہی بڑے بڑے پراجیکٹس پہ محنت اور لگن سے کام کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وقت کے فرعونوں کی غلامی کون کرے گا؟"

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا ہاشم گال تلے انگلی رکھے اطمینان سے زمر کو دیکھ رہا تھا۔ آخری بات پہ آگے جھکا، نوٹ پیڈ اٹھایا اور اس پہ چند الفاظ تحریر کیے۔

"سعدی یوسف۔ غریب کارڈ۔ محبِ وطن کارڈ۔" نوٹس لے کر اس نے پیڈ ڈال دیا اور توجہ سے سننے لگا۔ وہ اب چبوترے کے سامنے چلتے ہوئے کہہ رہی تھی، ہاتھ ہلا کر۔ دائیں سے بائیں ٹہلتی۔

"سعدی یوسف کی زندگی کا سب سے بڑی غلطی اس کی معصومیت تھی۔ اس نے سمجھا کہ شاید دوسرے لوگ بھی اس کی طرح

ہیں ان کو اللہ کا خوف دلاؤ تو وہ سدھر جاتے ہیں۔ اور اسی خیال کے تحت وہ 21 مئی کی صبح ہاشم کاردار کے بلانے پہ اس کے آفس گیا تھا۔ یور آنر وہ وہاں پر ان سے جھگڑا کرنے یا ان کو مارنے کی نیت سے نہیں گیا تھا' بلکہ وہ وہاں ان کو قانون کی حرمت کا احساس دلانے گیا تھا۔"

ہاشم سنجیدگی سے سنتا رہا۔ چہرے پہ وہی تاثرات برقرار رہے۔

"اس موقعے پہ ہاشم کاردار نے سعدی یوسف کو تیس کروڑ روپے لے کر اپنا منہ بند کرنے کی پیشکش کی' جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ یہ اسی وقت تھا جب ملزم نوشیرواں کاردار سے اس کی تلخ کلامی ہوئی مگر نہ ہی سعدی یوسف نے کسی پہ ہاتھ اٹھایا نہ لمبی تکرار کی بلکہ چند الفاظ کہہ کر وہ وہاں سے چلا آیا۔ ایک پچیس سال کے نوجوان کے خاندان کی عورتوں کے بارے میں نازیبا باتیں کہی جائیں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مخالف کا منہ نہ توڑ دے۔ مگر سعدی یوسف نے زبانی تلخی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ وہ قانون توڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ قانون کی بالادستی اور انصاف قائم کرنے کے لئے ان کو نصیحت کرنے گیا تھا۔ کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی سے پہلے وہ خیر کا ایک آخری راستہ دکھانے گیا تھا ان کو شاید کہ وہ نادم ہوں' شاید کہ وہ پلٹ آئیں' تو ان کی سزا میں کمی ہو جائے۔ ایسا تھا ہمارا سعدی۔ دشمنوں کا بھی خیر خواہ۔" زمر نے رک کر پیرو موزا۔ سعدی اب سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہاشم البتہ انہماک سے پیڈ پہ الفاظ کا اضافہ کر رہا تھا۔

"کریکٹر اسکیچ۔ مسیحا' ہمدرد۔ غریب بمقابلہ امیر۔ مختصر یہ کہ فرشتہ کارڈ کھیل رہی ہے پراسیکیوٹر۔" اور اس کا دماغ زمر کے ہر کارڈ کا توڑ سوچ رہا تھا۔ پہلے نوٹ پیڈ پہ نظریں جمائے وہ زمر کی باتیں سن رہا تھا مگر بار بار دھیان بٹ سا جاتا تھا۔ نوٹ پیڈ کے صفحے بالکل زرد تھے۔ سورج مکھی کے پھولوں جیسے زرد۔ اور اس زردی میں بہت سے بلب جگمگانے لگے......

(دو ماہ پہلے)

اس کے آفس کا کاریڈور صبح کے باوجود زرد بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ ذہن میں ڈاکٹر ایتھن کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ جمع تفریق کر رہا تھا۔ جوڑ توڑ کر رہا تھا۔

اپنے آفس کے دروازے پہ وہ ٹھہرا۔ چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ در آئی۔ موڈ ایک دم اچھا ہو گیا۔

"زیو؟" اس نے مسکرا کر آفس میں قدم رکھا۔ وہ جو کرسی پہ بیٹھی تھی' چونک کر مڑی۔ پھر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پہ بدقت پھیکی سی مسکراہٹ لائی۔ سرخ رومال سر پہ لپیٹ کر گردن کے پیچھے گرہ لگائے ہوئے تھی' اور کانوں میں آنسو شکل کے سرخ یاقوت لٹک رہے تھے۔ سبز مائل آنکھیں بے خوابی کے باعث اندر سے گلابی پڑ رہی تھیں مگر پھر بھی وہ سنبھل کر مسکرا رہی تھی۔

"گریم ریپر!" ہاشم اس طرز تخاطب پہ ہلکا سا ہنستا اندر آیا اور میز کے پیچھے جا کر' کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے اپنی کرسی سنبھالی۔

"مجھے اس نام سے پکارنا بند کر سکتی ہو آبی؟" کرسی کو میز کے قریب لاتے اس نے چند چیزیں اٹھا کر الٹ پلٹ کیں۔ چہرے پہ وہی وجیہہ مسکراہٹ تھی۔ سارا ماحول گویا معطر ہو گیا تھا۔

آبدار دھیرے سے کرسی پہ واپس بیٹھی۔ اس کی گم صم نگاہیں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"ناشتہ کیا ہے؟ کیا منگواؤں تمہارے لیے؟"

"میں سمندر کی گیلی ریت پہ لیٹی تھی... میرا اندر پانیوں میں ڈوب چکا تھا۔" وہ کسی گہرے خیال میں بول رہی تھی۔ "کیا پھیپھڑے اور کیا دل... سب پانی تھا... ایسے میں کوئی میرے اوپر جھکا تھا... اس کی شرٹ کی پشت پہ ننھا سا سیپ چپکا تھا... اس سیپ میں تین رنگ تھے ...گویا گڑیوں کی طرح ابھرے ہوئے تھے... جب میں نے اسے فرشتہ سمجھا تھا... موت کا فرشتہ... مگر اس موت کے فرشتے نے مجھے نئی زندگی دی۔"

وہ جو فون اٹھا کر آرڈر کرنے لگا تھا' ریسیور واپس ڈال کر مسکرا کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گم صم سی دیوار کو تکتی بول رہی تھی۔ "اور اب

وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔" (ہاشم مسکراتا رہا۔) اب..... جب کہ ایک دنیا... اسے شیطان کہنے لگی ہے۔"

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ "دماغ؟" یا بھک سے اڑا۔ اس نے لب کھولے مگر پھر بھینچ لئے۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔

"اور وہ چاہتا ہے کہ میں..... اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔ سمر ویڈنگ یا اسپرنگ ویڈنگ!" آبی کی گم صم نگاہیں اس کے چہرے پہ آٹھہریں۔ "سمر ویڈنگ یا اسپرنگ ویڈنگ..... یہی پوچھا تھا ناتم نے؟"

"آبی تم سوچنے کے لئے وقت لے سکتی ہو اور پھر....."

"اور پھر میں وہ عورت بن جاؤں گی جو شہر کے ساتویں eligible bachelor کی ملکہ بن کر اس کی زندگی میں آئے گی اور اس کے ساتھ ہر جگہ، ہر تصویر، ہر میگزین کور پہ کھڑی ہو گی' اس کے ساتھ سیاہ گلاسز لگائے کالے شیشوں والی لمبی گاڑی سے نکلا کرے گی مگر لوگ....." وہ آگے ہوئی۔ مسکراہٹ نہیں تھی' آنکھوں میں آنچ تھی۔ سرخی تھی۔ "مگر لوگ سامنے سرخ قالین بچھا کر اس کے انتظار میں پھول لئے نہیں کھڑے ہوں گے۔ لوگ پوسٹرز اور بینرز اٹھا کر کھڑے ہوں گے' رپورٹرز مائیک لہرا لہرا کر پوچھیں گے کہ سعدی یوسف کی زندگی کا خون کرنے کے بعد تم لوگ سر اٹھا کر کیسے جی رہے ہو؟"

"وہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے اس کو صرف اغوا کیا تھا' مگر اس کے خاندان کے افراد ہم نے قتل نہیں کیے' نہ ہی شیرو نے اسے گولیاں ماری تھیں۔" وہ تلملا کر بولا تھا۔ "اسے نیاز بیگ نے مارا تھا' میں صرف اسے اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھ رہا تھا مگر وہ اتنا ناشکرا ہے کہ....." شدت جذبات سے سرخ پڑتے چہرے کے باعث وہ بول ہی نہیں پا رہا تھا۔

"وہ ناشکرا ہے یا شکر گزار' وہ..... بول رہا ہے' اور دنیا اس کو سن رہی ہے۔ دنیا اس کو دیکھ رہی ہے۔ دنیا اس کے انکشافات سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ اس کا کیس اگلے بیس سال عدالت میں چلے گا مگر بیس سال کس نے دیکھے ہیں۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔ "میری زندگی کے، تمہارے ساتھ میری زندگی کے پہلے دو سال..... دو کریم ایئر زدہ لے لے گا۔ کم از کم دو سال تو میڈیا اور لوگ اس کو یاد رکھیں گے نا۔ میں دو سال تک اخبارات' ٹی وی اور سوشل میڈیا پہ الزامات پڑھتی رہوں گی۔ وہ بولتا رہے گا اور لوگ اسے سنتے رہیں گے۔ میں جب گھر سے نکلوں گی' پبلک مجھے نفرت سے دیکھے گی۔ کیونکہ وہ تمہارا اور نوشیرواں کا میڈیا ٹرائل کر چکے ہیں۔ پبلک تمہیں مجرم قرار دے چکی ہے۔ ان کی باتیں مجھے گھر میں قید کر دیں گی۔ میں باہر تک نہیں نکل سکوں گی۔ سنا تم نے۔ جرم تم پہ ثابت ہوا ہے اور جیل مجھے ہو جائے گی۔"

"ہم کسی اور ملک چلے جائیں گے' تمہیں کچھ نہیں سننا پڑے گا۔" وہ آگے کو ہوا جلدی سے کہنے لگا تھا۔

"لیکن اگر تم قاتل نہیں ہو' اگر تم نے کچھ غلط نہیں کیا تو ہم کیوں بھاگیں؟ اگر تم اور نوشیرواں بے قصور ہو تو اس کی زبان بند کیوں نہیں کرتے؟" آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔ گود میں رکھے اس کے ہاتھ ہولے سے کپکپا رہے تھے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ بظاہر جذباتی چہرہ بنائے کہے جا رہی تھی۔ "ان کو چپ ہونا ہو گا ہاشم' ورنہ تمہارے خاندان سے خود کو کبھی منسلک نہیں کروں گی' جب تک یہ گندگی تمہارے ساتھ ہے۔"

"میں کیا کروں؟ تم کیا چاہتی ہو' میں کیا کروں؟" وہ آگے ہوتے ہوئے بولا۔ بار بار وہ سر جھٹکتا تھا' کبھی انگلیاں باہم پھنسا کر کھولتا تھا۔

"ان کو چپ کرواؤ' پبلک رائے کو بدلو۔" اگلے الفاظ کہنے سے پہلے اس نے دل میں کہا تھا۔ (وہ تمہارے لئے... فارس غازی... یہ کبھی نہیں کرے گی۔) "اپنا..... دفاع کرو۔ اپنی بے گناہی ثابت کرو۔ یوں کہ دنیا مان جائے' تم سچے تھے۔ تمہارا بھائی سچا تھا۔ میڈیا..... سوشل میڈیا..... نوجوان..... سب اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ وہ مشہور ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ہیرو بن رہا ہے۔ کیونکہ اس کا میڈیا ٹرائل نہیں ہو رہا' تمہارا ہو رہا ہے۔ تم پہلے ہی ٹرائل کی زد میں ہو۔ تو اب..... اس کو گھسیٹو ٹرائل میں! ہاشم کاردار....." اس نے میز پہ ہاتھ رکھ کر آگے جھک کر اس کی آنکھوں

میں دیکھ کر کہا۔ "اس کو عدالت میں لے کر آؤ اور اس کے سارے الزامات کا تو ذکر۔ اس کو وہاں تباہ کرو اس کو جھوٹا ثابت کرو مگر ایسا کرنے کے لیے تمہیں اس کے ساتھ ایک کورٹ روم میں کھڑا ہونا ہوگا۔ اور پھر جب خود کو دنیا کی نظروں میں بری کروا لو... اور چونکہ تم بے گناہ ہو تو کروا ہی لو گے۔ تب مجھے پرپوز کرنا۔ میں اپنا فیصلہ تب تک کے لیے محفوظ رکھتی ہوں۔" اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"If you want me, earn me!" اپنا بیگ دبوچنے والے انداز میں اٹھایا اور اسے دل رُکتی سے خود کو دیکھتے چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔ دروازہ بند کر کے وہ تیزی سے حلیمہ کی میز پہ آئی، پانی کی بوتل اٹھائی اور غٹا غٹ پانی پیتی گئی۔ حلیمہ بے اختیار کام سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ آپی نے بے ترتیب سانسوں کے درمیان بوتل واپس رکھی اور آستین سے تر پیشانی پونچھتی آگے بڑھ گئی۔

اندر بیٹھے ہاشم کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ وہ ٹائی ڈھیلی کیے سوچتی نظروں سے خالی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

(آج)

"یور آنر ہوا یوں کہ..." زمر کی آواز دور کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاشم نے ذہن سے تمام خیالات کو جھٹک کر نگاہیں اٹھائیں اور خود کو واپس کمرہ عدالت میں لے آیا۔ وہ جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی تھی، یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھو رہی تھی اور بھوری آنکھیں جج کے چہرے پہ جمی تھیں۔

سب خاموشی اور محویت سے اسے سن رہے تھے۔

"ہوا یوں کہ ایک مئی کی شام جب ایک خوش باش زندگی سے بھرپور سعدی یوسف گھر واپس آتا ہے اور اپنے سارے خاندان کو ڈنر پہ مدعو کرتا ہے اس وقت بھی اس کو خاندان کے اس ایک فرد کا بھی خیال ہوتا ہے جو وہاں نہیں جائے گا۔ ڈاکٹر سارہ جو خود کو خاندانی جھمیلوں سے دور رکھتی ہیں، اس وقت وہ ان کو وہاں بلاتا ہے ان کو اپنے خاندان اور زندگی کی طرف لوٹ کر آنے کے لیے منانے، ان کو ان کے اصل دشمنوں کی خبر دینے، کیونکہ اب اس کے پاس ثبوت بھی تھے۔ مگر وہاں... اس تاریک گلی میں اس کا پیچھا کرنے، اس کو دھمکانے اور زبانی تیغ کلامی کا بدلہ گولی سے لینے کے لیے ملزم نوشیرواں کاردار آتا ہے اور وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں جاتا جب تک وہ سعدی کے جسم میں تین گولیاں پیوست کر کے اس کو مار پیٹ کر نیم مردہ حالت میں نہیں پہنچا چکا ہوتا۔ یور آنر... پولیس اور گواہوں کو خرید کر میرے زخمی موکل کو ہسپتال سے غائب کروا دینے کے بعد اسے آٹھ ماہ اور ایک دن تک جس بے جا میں رکھنے کا ذمہ دار نوشیرواں کاردار ہی ہے۔ ہاشم کاردار اس کا ایک معاون تھا، مگر اصل مجرم نوشیرواں ہے۔ یہ سب کچھ اس کے حکم پہ اور اس کی ایما پہ ہوا۔ امیر لڑکوں کا یہی مسئلہ ہے۔ اگر ان کے نام کے آگے کا نجو جتوئی، کاردار یا تالپور لگتا ہے تو ان کو کسی دوسرے نوجوان سے حسد نکالنے کے لیے اس کو مارنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ میرے لیے سب کی ذات برابر اور قابل احترام ہے لیکن ہمارے یہ رئیس اپنی حرکتوں سے اپنی ذات کو خود بدنام کرتے ہیں یور آنر۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا جب ان کا احتساب کیا جائے؟"

ہاشم نے پیلے کاغذ پہ ایک سطر مزید کھینچی۔

"صرف شیرو کیوں؟ ہاشم کاردار کیوں نہیں؟" لکھ کر پرسوچ نظروں سے اس نے پہلی قطار میں پرے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اور پھر زمر کو۔ زمر نے اس کی نگاہوں کی حدت محسوس کر لی تھی یا کیا، اس نے پلٹ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم نے رخ موڑ لیا مگر زمر ادھر ہی دیکھتی رہی۔ یونہی۔ بے مقصد۔ پھر یکایک نظروں کے سامنے سے عدالتی کمرے کی کرسیاں اور وہ تماشائی جیسے لوگ غائب ہوتے گئے۔ ہوا نے اس کے ذہن کو پیچھے کھینچا اور وہ اس رو میں بہتی چلی گئی.....

(دو ماہ پہلے)

مور چال کے اندر وہی سوگوار سا ماحول تھا۔ زمر نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے رک کر کچن میں دیکھا۔ وہاں حسین اور سعدی آمنے

سامنے کھڑے جج والے واقعے کی بات کر رہے تھے۔

''ہمارے سب ثبوت ختم ہوتے جا رہے ہیں۔'' وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔ حنین ناخن مسلسل دانت سے کترتی اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ ویڈیو تو ہے نا جو آپ نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ اس میں ہاشم نے اعتراف جرم کیا تھا۔''

''ہم اسے عدالت میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' زمر نے چوکھٹ پہ رک کر کہا تو دونوں مڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ ''قانونی پیچیدگیاں ایک طرف' اس ویڈیو میں ہاشم نے یہ بھی کہا ہے کہ کس طرح اس نے حنہ کے ایگزام کے دوران اس کی مدد کی۔ لاء کالج کے اس سینئر وکیل صاحب کی کال بھی ہے اس میں۔ ہم وہ ویڈیو جج کو نہیں دکھا سکتے۔''

حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ مگر سعدی تیزی سے بولا۔ ''اگر ہم اسے ایڈٹ کر دیں تو!''

''تو وہ اوریجنل نہیں رہے گی' اور عدالت میں قابل قبول نہیں ہوگی۔''

''یہ اچھا حساب ہے!'' وہ بےزار سا ہو گیا۔ حنہ ابھی تک ناخن کتر رہی تھی۔ زمر چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی اور فون پہ ایک کال ملانے لگی۔

''احمر۔ فارس کہاں ہے؟'' چھوٹتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''آخری اطلاعات تک میں اس کی بیوی نہیں تھا۔ سو مجھے کیسے پتہ ہوگا؟'' زمر کے لبوں پہ سوگوار مسکراہٹ بکھری۔ عرصے تک خود کو چھپا چھپا کر اور لوگوں کو اپنے دائرے سے باہر نکال کر رکھنے کی عادت ڈال لینے والا احمر آج مدتوں بعد پہلے جیسا لگا تھا۔

''خیر۔ کیا یہ سب سچ ہے؟''

''کیا؟'' وہ محتاط سا بولا۔

''جو میں سن رہی ہوں۔''

احمر نے گہری سانس لی۔ ''غازی کا میسج آیا تھا مجھے۔ کہہ رہا تھا میں اسے جانے دوں۔ مگر مجھے یاد ہے' آپ نے اس کے اپنے ریسٹورانٹ میں آنے کے بارے میں پولیس رپورٹ میں کہا تھا کہ جب غازی نے اسے جانے دیا تو بھی اس نے آپ پہ گولی چلانی چاہی۔ کیا ایسے شخص کو چھوڑ دینا چاہیے؟'' ایک دم سنجیدہ اور گہرا سا احمر..... کچھ اچھا نہیں لگا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''میں تو اس نک نیم کی بات کر رہی تھی جو آپ نے میرا رکھا ہوا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟''

احمر گویا کرسی سے اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا ہو۔ ''کون سا نک نیم؟ میں دیکھیں بہت مہذب انسان ہوں۔ یہ آپ کا شوہر ہے انتہائی دو نمبر آدمی۔ اس کی عادت ہے اپنے کیے ہوئے کام دوسروں کے سر ڈالنے کی۔ مجھے اس معاملے سے دور رکھیں۔''

''اصل میں آپ دونوں ہی بہت مہذب ہیں۔ بس مجھے سمجھ نہیں آتا کہ زیادہ مہذب کون ہے۔ اور زیادہ شریف کون۔ بہر حال' جلد سے جلد خود کو کاردار کی قید سے نکال لیجیے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ آپ کی حقیقت جانیں' آپ کو یہاں سے بہت دور چلے جانا چاہیے۔'' یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے کال پہ احمر سے کہی تھی۔

(آج)

جج صاحب کھنکھارے تو زمر نے چونک کر انہیں دیکھا' پھر سر جھٹک کر آگے آئی۔

''یور آنر' ہمارے پاس گواہ ہیں جو حلف لے کر گواہی دیں گے کہ کس طرح سعدی یوسف کو کولمبو کے ایک ہوٹل کے زیر زمین تہہ خانے میں رکھا گیا۔ اس کو وہاں مختلف طریقوں سے ٹارچر کیا گیا۔ ہم اس کو وہاں مقید دیکھنے والے ایک ایک شخص کو عدالت میں پیش کریں گے اور ان کے بیانات سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ یہ لڑکا سچ بول رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت کٹھن جنگ لڑ کر آیا ہے۔''

حاضرین میں بیٹھے فارس نے بور سے ہو کر گردن کو دائیں کندھے کی طرف جھکایا، پھر بائیں کندھے کی طرف۔ گویا پٹھوں کو آرام دیا۔ پھر ایک سرسری سی نگاہ اردگرد بیٹھے حاضرین پہ ڈالی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر امڈ کر اوپر آنے لگا تو اس نے اسے چھولیا... گویا پیالے میں رکھی کوئی یاد ہو جسے چھونے سے انسان وقت میں پیچھے چلا جائے....

(دو ماہ پہلے)

لونگ روم کی کھڑکی پہاڑوں کی گردن تک اترے اجلے اجلے بادل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ کھڑکی کے نیچے رکھے صوفے پہ بیٹھا نوعمر لڑکا الجھن سے سامنے بیٹھے فارس کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسی کہانی سنانا چاہتے ہیں آپ؟ اور آپ کو کیسے علم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔"

فارس اس کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، بھوری لیدر جیکٹ اور سیاہ جینز پہنے وہ ٹھنڈی مگر نرم نگاہوں سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ گردن موڑی۔ نگاہ وہیل چیئر پہ مفلوج پڑے خاور تک جا ٹھہری۔

"تمہیں حنین نے ای میل کی ہوگی یقیناً۔ اور یہ کہا ہوگا کہ تمہارا باپ ایک قاتل ہے۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" وہ کمزور سے سخت لہجے میں نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔

فارس نے کافی دیر تک جواب نہیں دیا، بس وہ سرد نظروں سے خاور کی دائیں جانب ڈھلکی گردن دیکھتا رہا۔ آکسیجن ماسک سے وہ دھیرے دھیرے سانس لے رہا تھا، چہرے پہ مونچھیں داڑھی سب شیو کیا جا چکا تھا اور اب اگنے والے ننھے ننھے بال زیادہ تر سفید تھے۔ البتہ آنکھیں وہ بدقت بائیں طرف کو گھوم گھوم کر فارس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں وہ سارے جذبات اور تاثرات اب بھی تھے جو اس "حادثے" سے قبل ان میں ہوتے تھے۔ ان میں زندگی تھی۔ اور انتقام کی خواہش۔

"تم سوچتے ہو گے خاور کے اتنا عرصہ ان کے ساتھ کام کرنے کے باوجود تم کیوں نہ جان سکے کہ تمہارے بیٹوں کو بھی انہوں نے ہی مروایا تھا۔" لڑکا چونک کر اسے دیکھنے لگا مگر فارس اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

"انہوں نے تمہارا اعتراف جرم بھی ریکارڈ کیا، تمہیں اپنا بھی لیا، تم سے کام بھی کروائے، مگر تمہیں اصلیت نہیں معلوم ہونے دی۔ وہ لیا ہے کہ ہر علم والے پہ ایک علم والا ہوتا ہے۔ جس mercenary سے انہوں نے یہ کام کروایا ہوگا یقیناً اس نے سارے ثبوت اور شواہد خارج بریگیڈ ٹیم بنگش کی طرف موڑ دیا ہوگا۔ یقیناً وہ تم سے زیادہ ذہین ہوگا۔ نہ ہو تب بھی جب انسان کی ذات انوالوڈ ہو جائے کسی حادثے میں تو غم اور غصہ اس کی سمجھداری کو دھندلا کر دیتا ہے۔ ہر شخص کا ایک بلائنڈ سپاٹ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے ذہین مار کھا جاتے ہیں۔ کیا نمرود کیا ہاتھم اور کیا میں۔ اگر ہم سارے ذہین لوگ گھر کے بھیدیوں کے ڈھاتے لنکاؤں کا شکار نہ ہوں تو ہم تو خدا بن بیٹھیں۔ اور فرعون نے بھی تو خدائی کا دعویٰ کیا تھا مگر اپنے گھر میں پلتے بچے کے بارے میں درست اندازہ نہ لگا سکا۔ ایسے ہی تو نہیں وہ خود کو خدا سمجھتا تھا۔ ٹیلنٹڈ، ذہین، سحر انگیز، بہت کچھ ہوگا وہ مگر مار کہاں کھائی؟" خاور مزاحمتی انداز میں، غصے سے غاں غوں کی آوازیں نکال رہا تھا مگر ماسک کے باعث وہ گھٹ جاتی تھیں۔ لڑکا اس کی کرسی کے عین پیچھے جا کھڑا ہوا اور فکرمندی سے اس کا کمبل درست کرنے لگا۔

"میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھے تمہاری حالت دیکھ کر افسوس نہیں ہوا۔ میں اپنے ساتھ وہ تمام ثبوت بھی لایا ہوں جن کو دیکھ کر تمہاری اپنی اولاد، تمہاری بیوی اور تمہاری ماں تمہاری اصلیت جان لیں گے اور میں جانتا ہوں وہ تم سے تب بھی محبت کریں گے لیکن وہ تمہاری عزت نہیں کریں گے۔ تم بھی تو جانو خاور کہ بغیر عزت کے محبت کیسی ہوتی ہے۔ بغیر عزت کے وفا کیسی ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔ ایک طویل اور تکلیف دہ زندگی گزارو۔ تمہیں ہر پل یاد دلایا جائے کہ یہ لوگ کون تھے۔" اس نے فولڈر کھولا اور اندر سے بڑے بڑے فوٹو نکال کر سامنے میز پہ ڈالے۔ خاور کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی اور ان میں نمی سی تیر رہی تھی۔ "یہ زرتاشہ ہے یہ

وارث ہے اور یہ سعدی۔ میں چاہتا ہوں کہ آج تمہارا بیٹا بھی ان کی کہانی مجھ سے سنے۔ کیا تم سنو گے؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا۔ وہ بالکل محو ہو کر مگر بدستور متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا' اس سوال پہ معمول کی طرح سر ہلا دیا۔

جس وقت وہ واپس گھر پہنچا' زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے آگے یونہی کھڑی تھی۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو وہ نہیں مڑی۔ جانتی تھی وہ آ چکا ہے بلکہ کافی دیر کا آ چکا ہے' اور اس تازہ نقب زنی کی واردات کا کھوج لگاتا پھر رہا ہے۔ باہر گارڈز کو ڈانٹنے' غصہ کرنے کی آوازیں سب نے سنی تھیں۔ اور جب کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تو اب وہ اندر آیا تھا۔ وہ ریک میں رکھی کتابوں پہ خواہ مخواہ انگلی پھیرتی رہی۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھوتی گردن پہ گر رہی تھی اور آنکھیں سوگوار لگتی تھیں۔ ناک کسی بھی زیور سے خالی تھی۔

"تم نے کچھ دیکھا؟ کسی سرخ مفلر والے ایور والے آدمی کو؟" چابی اور والٹ میز پہ ڈالتے ہوئے اس نے ٹھہر کر زمر کو دیکھا۔

"نہیں۔ تم کہاں تھے سارا دن؟" وہ اس کی طرف گھومی۔ نظریں ملیں۔

"میں..... یونہی..... آگے پیچھے۔" وہ چہرہ جھکا کر رسٹ واچ اتارنے لگا۔

"کیا ہم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اب ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے؟" فارس کا گھڑی اتارتا ہاتھ رکا۔ چونک کر نظریں اٹھائیں۔ غور سے اسے دیکھا۔ ناک کو خالی دیکھ کر چونکا مگر پوچھا نہیں۔

"میں خاور کو ملنے گیا تھا۔ اس کے بیٹے کو اس کے بارے میں سب کچھ بتانے۔"

"احمر سے بات ہوئی تمہاری؟"

"سرسری ہی ہوئی تھی ٹیکسٹ پہ۔ مل نہیں سکا۔ اس سے بھی حساب کتاب کرنا ہے ابھی۔"

"تم جانتے تھے اس کی اصلیت؟" وہ سوال در سوال کر رہی تھی۔

"نہیں' زمر بی بی! مجھے دلوں کا حال نہیں معلوم ہوتا۔ حنین نے ہی بتایا تھا۔ خیر..... تم نے کیا کیا؟" اب وہ پھر سے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔

زمر پھیکا سا مسکرائی۔ جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ شرٹ کی آستینیں موڑتا پلٹ گیا۔

"میں نے تمہیں گروی رکھ دیا۔"

فارس واپس گھوما۔ "مجھے کیا رکھ دیا؟"

"میں ہارون عبید سے ملنے گئی تھی۔" فارس کے تاثرات تیزی سے بدلے۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ کچھ کہنے کو لب کھولے تو.....

"نہیں' پہلے میری بات سنو۔" وہ آگے بڑھی اور اس نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ "میں سعدی کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی تھی' تمہیں بھی نہیں کھو سکتی تھی' میں کڈنی پیشنٹ ہوں' میں کبھی اپنی فیملی نہیں بنا سکوں گی' میرے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے اور مجھے اپنے لیے بھی انصاف چاہیے۔ ہارون عبید نے مجھے کہا تھا کہ میں فارس یا سعدی میں سے ایک کو چنوں۔ مگر میں نے خود کو چنا۔ میری جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے اس میں ایک واحد امید کی کرن 'انصاف' ہے۔ مجھے یہ ٹرائل چاہیے۔ اور تم مجھے یہ نہیں دے سکتے تھے۔ تم اٹھتے بیٹھتے کہہ رہے تھے کہ ٹرائل کبھی نہیں ہو گا۔ اس مسئلے کا حل تمہارے پاس بھی نہیں تھا۔ ہارون صاحب کے پاس تھا۔"

"ٹرائل واقعی نہیں ہو گا زمر!" وہ برہمی سے بولا تھا۔ ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔

"ہارون اسے منا سکتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح مگر وہ اس کو ٹرائل تک لے جا سکتے ہیں۔ اگلی جنگ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم لڑیں گے' جان لگا دیں گے مگر وہ میدان میں تو آئے نا۔"

"اور بدلے میں کیا مانگا ہارون صاحب نے؟" وہ اسی درشتی سے بولا تھا۔ اسے بہت برا لگ رہا تھا۔ زمر کی بے چین نگاہیں اس

کے چہرے پہ جھلک رہی تھیں۔

"تمہیں مانگا تھا۔"

"اور میں تو جیسے کوئی کھلونا ہوں۔ ہے نا؟"

"میں نے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں گی اگر وہ ہاشم کو زنال تک لے آئے۔ وہ صرف تمہیں اپنی بیٹی کے لئے چاہتے ہیں۔ وہ اس کے لئے کچھ بھی کر لیں گے۔"

"تم مجھے چھوڑ دو گی؟" اس کی آواز آخر میں... بس آخر میں کانپی تھی، خوف سے، غصے سے۔

"جو میرا ہے فارس، وہ میرا رہے گا۔ موت کے علاوہ کچھ بھی ہمیں الگ نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تم میری بات کو... اس گیم کو غلط نہیں لو گے تو میں کبھی یہ ڈیل نہ کرتی۔ کیا بگاڑ لیں گے وہ میرا اگر میں انکار کر دیتی ہوں؟"

"اچھا۔" وہ اس کے ہاتھ تھامے اسی سنجیدگی سے میز کے کنارے بیٹھا۔ "تو بعد میں تم اپنی بات سے کیسے مکر دو گی؟"

"یہ سوچنا اور اس معاملے کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ تم میری حفاظت کرو گے، تم میرا دفاع کرو گے، اور جس دلدل میں میں نے خود کو ڈال دیا ہے، تم مجھے اس سے نکالو گے۔ ایک تمہاری وجہ سے ہی مجھے بے فکری تھی۔" اس نے گردن کڑا کر بہت اعتماد سے کہا تھا۔ فارس کی پیشانی کے بل غائب ہونے لگے۔ ایسے کہ وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔

"تم یہ سب کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ بھی سکتی تھیں!"

"میں نے کہا نا، میں نے خود کو چنا ہے۔" وہ اب متلاشی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ "تم خفا ہو؟"

"نہیں، مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک تمہیں یہ یقین نہیں دلا سکا کہ میں تمہیں کسی کام سے نہیں روکوں گا۔ آئی ایم سوری۔ اگر میں نے تمہیں یہ محسوس کروایا ہے کہ تم مجھے اعتماد میں لو گی تو میں تمہیں تمہاری مرضی کے کام سے منع کر دوں گا۔"

"اب اگر غصہ کرو گے تو کیسے آئے گا مجھے یہ اعتماد؟" وہ تیزی سے بولی تھی۔ دل البتہ دھڑک رہا تھا۔ وہ خفا تو لگ رہا تھا۔

"غصہ کیوں کروں گا۔ مجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ دو خوبصورت عورتیں میرے لئے لڑ رہی ہیں۔" اور وہ غصے میں ہی لگ رہا تھا۔ زمر کے ابرو خفگی سے کھنچے ہوئے۔ ہاتھوں سے ہاتھ نکال لئے۔

"ایک خوبصورت عورت!" تنبیہ کی۔

"ہاں، ایک خوبصورت عورت، ایک چڑیل سے میرے لئے لڑ رہی ہے۔ حد ہے۔" سر جھٹک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کو برا لگا تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ کچھ سخت نہ کہہ دے۔ زمر کہنا کچھ اور چاہتی تھی مگر منہ سے کچھ اور نکلا۔

"انہوں نے ضمانت کے طور پہ میری لونگ رکھ لی۔ جو تم نے دی تھی۔" وہ جو آگے جا رہا تھا، تیورا کر گھوما۔ چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ آنکھیں پھیلیں۔

"واٹ؟" وہ غرایا تھا۔ زمر دو قدم پیچھے ہوئی۔ چہرے پہ زمانوں کی سادگی طاری کر لی۔

"اس روز پولیس اسٹیشن میں وہ میرے پرس میں تھی، میں بار بار اس کی ڈبی کو نکال کر کھول کر بند کرتی تھی۔ کورٹ میں ضمانت کی سماعت کے دوران بھی وہ میرے پرس میں تھی اور میرا ہاتھ پرس کے اندر باہر ہی رہا تھا۔ میں اتنے دنوں سے اسے پہننا چاہ رہی تھی۔ ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر جب میں ان کے آفس گئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ وہ جانتے ہیں اس لونگ کا قصہ۔"

"اس کو کیسے پتا؟" وہ پھر غرایا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"جب میں نے تم سے لونگ کے پیچھے جھگڑا کیا تھا تو صداقت وہیں تھا۔ ملازموں کی عادت ہوتی ہے۔ ادھر کی ادھر کرتے ہیں۔

اس نے کاردارز کے کسی ملازم کو کہا ہوگا' اور اس نے آ گئے۔ ہارون عبید ہمارے خاندان پہ عرصے سے نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو پتہ ہوگا' ظاہر ہے۔ جب میں وہاں گئی تو انہوں نے مجھ سے وہ مانگ لی۔" وہ یاسیت سے بتا رہی تھی۔

"اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ تمہارے بیگ میں ہے۔"

"سیکیورٹی چیک پوائنٹ پہ میرا پرس اسکین ہوا تھا نا' ایک جگہ پرس کی تلاشی بھی لی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ امیج دیکھ کر ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ وہی لونگ ہے۔ شاید وہ صرف میرے اوپر اپنی دھاک بٹھانا چاہ رہے تھے۔"

"اور تم نے وہ ان کو دے دی؟"

"پھر اور کیا کرتی؟ مجھے ان کو یقین دلانا تھا کہ میں سچ بول رہی ہوں۔"

"زمر... زمر..." وہ ہاتھ اٹھا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا' پھر ہاتھ گرا دیے۔ پہلے سر جھٹکا۔ پھر دائیں سے بائیں چکر کاٹنے لگا۔

"اب تم یوں کرو' مجھ سے خفا ہو جاؤ۔ تاکہ ہم آپس میں ہی لڑتے رہیں' اور باہر کے لوگوں سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ ہم یوں ہی خود ہی لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں۔"

"تمہارے نزدیک اس تحفے کی کوئی اہمیت نہیں تھی؟" وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور برہمی سے اسے دیکھا۔

"وہ ایک پتھر تھا فارس' ایک پتھر کھو کر میں ایک انسان کو نہیں کھو سکتی' مجھے یقین تھا۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ وہ لاجواب ہوا تھا۔ پھر چند لمحے تک گہرے سانس لے کر خود کو بدقت نارمل کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ وہ ایک پتھر تھا۔ لیکن اگر تمہیں کوئی کام تھا تو تم میرے پاس کیوں نہیں آ ئیں؟"

"تم یہ نہیں کر سکتے تھے۔" وہ اسی میز کے کونے پہ بیٹھ گئی جہاں چند لمحے قبل وہ بیٹھا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ میں یہ کر سکتا تھا یا نہیں؟ اور ہارون صاحب کیسے کریں گے یہ' معلوم ہے تمہیں؟"

"وہ ہاشم کے دوست ہیں' کسی بھی طرح اسے راضی کر لیں گے اور....."

"وہ اپنی بیٹی کو اس کے پاس بھیجیں گے تاکہ وہ اس سے جھوٹے وعدے کرے اور ہاشم کو راضی کرے۔"

زمر چونک کر کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں ڈھیروں استعجاب در آیا۔

"بے کار باتیں مت کرو فارس۔ کوئی اپنی بیٹی کو یوں استعمال نہیں کر سکتا۔"

"زمر ہر امیر آدمی جواہرات کی طرح نہیں ہوتا جو اولاد پہ جان چھڑکے۔ وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔ اسے نہ اپنی بیٹی سے کوئی خاص لگاؤ ہے نہ وہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ محبت ضرور ہوگی کیونکہ وہ فطری چیز ہے لیکن وہ یہ سب آبدار کی خوشی کے لئے نہیں کر رہا۔"

"وہ یہ سب آبدار کے لئے ہی کر رہے ہیں۔" وہ بے یقین تھی۔

"غلط..." فارس نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "وہ صرف کاردارز کی بربادی چاہتا ہے۔ دونوں کاروبار میں شراکت دار ہیں' ایک ڈوبے گا تو اس کی ساری دولت' شیئرز' تعلقات' سب دوسرا حاصل کر لے گا۔ وہ دل سے چاہتا ہے کہ ہاشم مقدمے میں الجھے.....اس کے لئے وہ تمہیں اور آبدار دونوں کو استعمال کر رہا ہے۔ آبدار ہاشم کو راضی کرے گی' اور تم اپنی کشتیاں جلا کر اس مقدمے کے لئے اپنی جان لگا دوگی۔ سب سے زیادہ فائدہ اسی کو ہوگا۔" وہ کتنی ہی دیر شل بیٹھی رہی، پھر چونکی۔

"اور آبدار کا کیا ہوگا؟" زندگی میں پہلی دفعہ یہ نام لیتے ہوئے اس کی آواز میں پریشانی جھلکی تھی۔

"ہارون صاحب کو اس کی اتنی پرواہ ہوتی تو اسے اس جنگ میں کیوں دھکیلتے؟ کس کو کال کر رہی ہو؟" وہ جو تلخی سے کہہ رہا تھا' رک کر بولا۔ زمر نے بغیر فون پہ نمبر ملا کر اسے کان سے لگا چکی تھی۔ فارس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا' وہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

''چوبیس گھنٹے کے اندر اندر آپ کی کال موصول ہوئی ہے' کیا ارادہ بدل گیا ہے آپ کا' زمر صاحبہ؟'' ہارون عبید کا نرم، ناپا تلا لہجہ کانوں سے ٹکرایا تھا۔

''مجھے اپنا ہیرا واپس چاہیے' میں اس ڈیل کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟''

''مجھے ڈر ہے فارس کو نہ پتہ چل جائے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں۔ پلیز مجھے بلیک میل مت کریں اور اسے واپس کر دیں۔'' وہ منت کر رہی تھی۔ فارس نے گھور کر اسے دیکھا۔

''اب بہت دیر ہو چکی ہے مسز زمر۔''

''دیر کیسے ہوئی ہے؟ اب تک ہاشم سے بات تو نہیں ہوئی ہو گی آپ کی۔''

''میری بیٹی آپ کی وجہ سے اس سے بات کرنے گئی تھی' اور اب جب اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لے ہی لیا ہے تو آپ پیچھے نہیں ہٹ سکتیں۔''

''آپ اپنی ہی بیٹی کو کیسے.... کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟'' وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تھی۔ فارس اب سامنے صوفے کے کنارے جا بیٹھا تھا۔ ہارون اور بھی کچھ کہہ رہے تھے مگر زمر نے ''آپ بیمار ہیں' سنا آپ نے؟ آپ.... بیمار ہیں!'' کہہ کر موبائل پرے ڈال دیا۔ وہ ایک دم ڈسٹرب نظر آنے لگی تھی۔

''اچھا پریشان مت ہو۔ آبدار کے ساتھ جو کیا ہے اس کے باپ نے کیا ہے۔'' وہ اب کے ذرا نرمی سے بولا۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر مغموم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''تمہیں مجھ پہ بہت غصہ آ رہا ہو گا' ہے نا؟''

''ساری عمر آتا رہا ہے' کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ لیکن خیر.... تم مجھے بتاؤ' تم کیا چاہتی ہو؟''

''تم سے نہیں ہو گا تو کیوں....''

''زمر.... تم بتاؤ.... تم کیا چاہتی ہو!'' اس نے زور دے کر کہا۔ زمر چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''میں چاہتی ہوں کہ ہاشم عدالت میں پیش ہو۔ وہ پوری ایمانداری سے یہ ٹرائل لڑے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر گواہ عدالت میں پیش ہو اور سچ بولے۔ سعدی نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے ساتھ اس رات ڈاکٹر سارہ تھیں' مگر ڈاکٹر سارہ کتنے دن سے میرا فون نہیں اٹھا رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ گواہی دے دیں۔'' جذبات میں تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا۔ تبھی دروازہ بجا۔ فارس اسی خاموشی سے اٹھا اور دروازہ کھولا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا' ہاتھ میں چند کاغذ تھے۔ اس نے فارس کے کندھے کے پیچھے سے اندر جھانکا۔ ''زمر.... یہ وہ ڈاکومنٹس ہیں جو میں نے آپ کو دکھانے تھے۔'' الجھا ہوا سا آگے بڑھنے لگا پھر رک کر پوچھا۔ ''اندر آ جاؤں؟''

''ہاں تم اندر آ جاؤ' میری خیر ہے۔'' آخری الفاظ زیر لب بڑبڑا کر وہ خفا سا باہر نکل گیا۔ کچن کے دروازے پہ حنین اسی طرح کھڑی ناخن کتر رہی تھی۔ وہ ساتھ سے گزرنے لگا تو وہ بولی تھی۔

''سعدی بھائی اور زمر کی ٹیم کتنی بورنگ لگتی ہے نا؟'' وہ ان سنی کر کے آگے بڑھ گیا.....

(آج)

فارس غازی کو گہرے خیال سے.... گہری نیند بھرے سفر سے کورٹ رپورٹر کی کی بورڈ پہ چلتی انگلیوں کی ٹھک ٹھک نے جگایا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر زمر کی طرف دیکھنے لگا جس کی آواز کمرہ عدالت کی گھنی خاموشی کو چیر رہی تھی۔

''نوشیرواں کاردار نے قید کے ان آٹھ ماہ میں اپنے بھائی کے ساتھ مل کر یور آنر نہ صرف سعدی یوسف کو محبوس رکھا بلکہ اس کو مختلف نوعیت کے ذہنی اور جسمانی ٹارچرز کا بھی نشانہ بنایا۔ اس سے اس کے پراجیکٹ کے اہم راز دباؤ اور تشدد کے ذریعے اگلوانے کی بھی کوشش کی' اس کو اس کے خاندان کو نقصان پہنچانے کا ڈراوا بھی دیا۔ 22 جنوری کی رات جب سعدی یوسف اپنی ذہانت اور بہادری کے بل پہ اس قید سے نکلا تو نوشیرواں کاردار اور ہاشم کاردار نے اس کی تصویر کے پوسٹرز بنوائے' اور سارے کولمبو میں پھیلا دیے۔ ایک خونی manhunt کا آغاز کیا گیا جس کا اختتام تب ہوا جب سعدی یوسف نے ملک واپس پہنچ کر اپنی ویڈیو ریلیز کی۔''

ہاشم سر جھکائے پیڈ پہ لکھ رہا تھا۔ ''غیر قانونی سفر' اور فرار کی تفصیلات گول۔''

''ان طویل اوپننگ آرگومنٹ کے بعد میری عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کاردار کو قتل' اقدامِ قتل' اغوا' حبس بے جا میں رکھنا' تشدد' اور غیر قانونی انسانی اسمگلنگ کے جرم میں قرار واقعی سزا دی جائے۔ پراسیکیوشن نوشیرواں کاردار کی پھانسی کا مطالبہ کرتی ہے۔''

ہاشم کے ساتھ بیٹھے نوشیرواں نے زخمی آنکھیں اٹھا کر زمر کو دیکھا' اور پھر تڑپ کر اپنے بھائی کو دیکھا جو محویت سے نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔

''دہشت گردی کی دفعات غائب۔ ہاشم کاردار کی نامزدگی غائب۔ کمزور استغاثہ۔'' تبصرہ لکھ کر اس نے پیڈ رکھ دیا اور پھر اسی توجہ سے زمر کو دیکھنے لگا۔ وہ اب اپنے دلائل کا اختتام کر رہی تھی۔ کمرہ عدالت کی کھڑکیوں سے چھن کر آتی دھوپ میں موسم گرما کے اوائل کی سی تمازت محسوس ہوتی تھی۔ اگر تم کھڑکیوں کو دیکھتے جاؤ تو ان پہ پڑی گرد کی تہہ سرکتے لمحوں اور بیت جانے والی شاموں کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر کسی روز بارش کی بوندوں نے اسے دھو ڈالا اور پھر نئے سرے سے گرد پڑنے لگی۔ واپس کمرہ عدالت کی جانب رخ پھیرو' تو پراسیکیوشن کی میز کے پیچھے زمر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ آج اس کے بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور گھنگریالی لٹیں نکل نکل کر کوٹ کی پشت پہ جھول رہی تھیں۔ دو قلم لبوں میں دبائے' نظریں سامنے کھڑے ہاشم پہ جمائے ہوئے تھی۔ ساتھ بیٹھا سعدی آدھے آستین والی سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آ رہا تھا۔ گردن اٹھی ہوئی تھی اور بھوری آنکھوں میں امید سی تھی۔ پیچھے.....ساری کرسیوں سے پیچھے...آخری قطار میں فارس ٹیک لگائے بیٹھا تھا' اور مسلسل منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

دفاع کی میز پہ نوشیرواں ڈیزائنر سوٹ ٹائی میں ملبوس پتھریلے تاثرات کے ساتھ براجمان تھا۔ پچھلی نشست پہ جواہرات اور احمر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ جواہرات مسلسل اپنے لاکٹ کو انگلی پہ لپیٹتے ہوئے پر سوچ نظریں چبوترے کے سامنے کھڑے ہاشم پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ ہاشم کی اس جانب پشت تھی مگر آواز صاف سنائی دیتی تھی۔

''یور آنر' مسز زمر کے ابتدائی دلائل اچھے لگے مجھے۔ جذباتی اور شاعرانہ۔ ان سے ہمیں یہ تاثر ملا کہ ایک معصوم شہزادہ..... بلکہ شہزادی ظالم دیو کی قید میں پھنس گئی تھی اور اب چونکہ شاہزادی واپس آ گئی ہے تو لازم ہے کہ ظالم دیو کو چوک میں لٹکا کر پھانسی دی جائے۔ اور اس ظالم دیو کا جرم کیا ہے یور آنر؟ صرف یہی کہ وہ امیر ہے۔''

جواہرات یاقوت اور ہیرے جڑے لاکٹ کو مسلسل انگلی پہ لپیٹ کھول رہی تھی۔ شیرنی کی آنکھوں میں گہرے سائے لہرا رہے تھے۔ بادلوں جیسے سائے جن میں یادوں کے بہت سے قطرے لدے تھے۔ یکایک وہ قطرے اندر ہی اندر ٹپکنے لگے اور اس جھلملاتے پانی کے پردے پہ عکس سے ابھرنے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

قصر کاردار کے لاؤنج میں اونچی کھڑکیوں کے اوپر اٹھے رومن بلائنڈز کے باعث تیز روشنی اندر آ رہی تھی۔ جواہرات پرل وائٹ قمیض میں ملبوس' بالوں کا نفیس جوڑا بنائے' کان میں ائیر رنگ پہنتی ہوئی کمرے سے باہر نکل رہی تھی' ایسے کہ کہنی پہ پرس لٹکا تھا' اور کان کو پکڑے

ہاتھ میں فون تھا' جب وہ ٹھٹک کر رکی۔

لاؤنج میں.... سامنے.... مچھلیوں کے ایکویریم کے سامنے آبدار کھڑی تھی۔ جھک کر وہ ہولے ہولے شیشے کی دیوار پہ دستک دیتی۔ مچھلیاں سرعت سے دائیں بائیں تیر رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ جواہرات اس کو مخاطب کرتی' سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔ آبدار سیدھی ہوئی اور اوپر دیکھا۔ سر پہ سرخ ریشمی رومال باندھے' اس کی سبز آنکھوں میں گھبراہٹ کا جل ڈالا تھا۔ یقیناً اوپر سے ہاشم اترتا ہوا آ رہا تھا۔ جواہرات نے کھڑکی کے شیشے میں اس کا عکس دیکھا اور الٹے قدموں مڑ گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ چوکھٹ تک لے گئی مگر بند نہیں کیا۔ ذرا سی درز سے وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکتی تھی۔

آبدار نے مسکرا کر اسے اترتے دیکھا یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''تم نے مجھے بلوایا تھا۔ کہو خیریت تھی؟'' وہ جبراً مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''ہاں' میں تمہاری باتوں پہ سوچتا رہا تھا۔ بیٹھو۔'' وہ اشارہ کرتا' کوٹ کا بٹن کھولتا بڑے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھا۔ آبدار پرلے کنارے پہ ٹک گئی۔

''پھر.... کیا سوچا تم نے؟'' گود میں مٹھیاں رکھ کر باہم ملانے وہ ان کی کپکپاہٹ چھپانا چاہ رہی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ بے چین نظریں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں جو سوچ میں ڈوبا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں اٹھائیں۔ آبی سے نظریں ملیں۔

''تمہاری ساری باتیں درست تھیں۔ جب تک اس کیس کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا' تم اس خاندان میں آ کر کبھی خوش نہیں رہوگی۔''

آبدار کے لب حقیقی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

''یعنی کہ تم نے میری باتوں کو سنجیدہ لیا؟''

''ہاں' اور تم اپنی جگہ درست ہو۔ ہم شادی نہیں کر سکتے' جب تک کہ میں اس سارے میں سے نہ نکل آؤں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

آبدار نے طمانیت بھری گہری سانس لی۔ آنکھوں میں فاتحانہ چمک در آئی۔

''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم اس کیس کو لڑو گے اور خود کو اور اپنے خاندان کو بے گناہ ثابت کرو گے!'' اس کے دل میں ڈھیروں اطمینان در آیا تھا۔

''نہیں ریڈ۔'' وہ قطعیت سے بولا تھا۔ ''نہ کوئی اپیل ہوگا' نہ میں اپنا دفاع کروں گا۔ مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے ہم شادی کے معاملے کو کچھ وقت کے لیے ملتوی کر دیتے ہیں۔ تب تک تم مزید سوچ لو۔ اور اگر تم میرے خاندان اور اس کے تمام مسائل کے ساتھ سمجھوتہ کر لو تو ہم شادی کر لیں گے۔'' اس کا لہجہ اطمینان سے پُر تھا۔

آبدار کی مسکراہٹ اڑنچھو ہوئی۔ دل گویا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ چند لمحے وہ شل سی بیٹھی رہی پھر ایک دم اٹھی۔ پرس دبوچ کر اٹھایا۔

''اگر تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ پبلک رائے کو بدلو تو ٹھیک ہے۔ میری طرف سے اس شادی سے انکار ہے۔ نہ اب نہ کبھی پھر.... ہمارے راستے جدا ہیں۔'' درشتی سے کہتی وہ باہر کی طرف بڑھی۔ ہاشم اسی اطمینان سے آنکھیں اٹھا کر اسے بغور دیکھتا رہا۔

''شاید یہ صرف ایک بہانہ تھا۔ شاید تمہیں شادی سے انکار کی کوئی اور وجہ نہیں مل رہی تھی۔ یا شاید تمہارے بابا نے تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟

ہماری بربادی پہ سب سے زیادہ خوش وہی ہوں گے.... ہے نا؟'' وہ اب زخمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''جو چاہو سمجھو۔'' وہ تلخی سے کہتی باہر نکل گئی۔

وہ اپنی کار کے قریب پہنچی ہی تھی.... اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ.... غصے اور بے بسی کی حالت میں جب.....

''سو تم نے خود ہی انکار کر دیا۔'' وہ چونک کر مڑی۔ جواہرات سامنے سے چلتی آ رہی تھی کہ اس کی پشت پہ تیز سورج تھا۔ کرنیں اس کے اطراف سے نکل کر آبی کی آنکھوں میں پڑ رہی تھیں یوں کہ جواہرات سفید لباس کے باوجود دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آبی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''اب کیا مجھے، وہ ویڈیو مل سکتی ہے؟''

''جس دن آپ کا بیٹا مکمل طور پہ میری جان چھوڑ دے گا' اس دن' ہاں۔'' وہ چبا چبا کر بولتی دروازہ کھول کر اندر بیٹھی۔ کرنیں دور اس کے اطراف سے تیروں کی طرح اس جانب لپک رہی تھیں۔ روشنی تیز روشنی....اور جب وہ بجھی.....

(آج)

تو جواہرات کاردار نے خود کو عدالت کے کمرے میں بیٹھے پایا۔ اپنے عالم تنویم سے خود کو نکال کر' وہ سر جھٹکتی سامنے کھڑے ہاشم کو دیکھنے لگی۔ کمرے میں خاموشی تھی اور سب توجہ سے اس کو سن رہے تھے۔

''بس ظالم' یور آنر صرف اتنا ہے یور آنر کہ وہ امیر ہے۔ مسز زمر نے ان چند دنوں میں تقریباً تین سو دفعہ استعمال کیا ہے۔ درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔'' پھر رپورٹر کو ہدایت کرتے بولا۔ ''یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

اور رپورٹر نے بنا تاثر لئے ٹائپ کیا۔

''ہاشم کاردار: درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔ یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

''یور آنر یہ کہانی نئی نہیں ہے۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے چبوترے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ ''یہ کہانی' یہ مثالیں' یہ غریب کارڈ' یہ عرصے سے کھیلا جا رہا ہے اور میں جانتا ہوں کہ بہت جگہوں پہ بہت سے ''امیر'' درندوں نے معصوم شہزادوں کو کچلا بھی ہے مگر اسی کارڈ کو بہت سی غریب لومڑیوں نے اپنے مفاد کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ اس سارے منظر نامے میں یور آنر میرے موکل کا صرف ایک ہی قصور ہے اور وہ یہ کہ وہ ایک رئیس خاندان میں پیدا ہوا۔ مسز زمر کی دلفریب شاعری کے برعکس' سعدی یوسف نہ ہی اتنا انسان دوست ہے' نہ ہی اتنا معصوم اور سادہ۔ وہ بلاشبہ ایک محنتی نوجوان ہے' مگر وہ ambitious بھی ہے۔'' چبوترے کے سامنے ٹہلتے ہوئے وہ اب چہرے کا رخ استغاثہ کی کرسیوں پہ بیٹھے سعدی کی طرف کیے کہہ رہا تھا۔ زمر اسی اطمینان سے ایک فائل پہ پوائنٹس لکھ رہی تھی۔ جبکہ سعدی کی پرتپش نظریں ہاشم کے چہرے پہ یوں جمی تھیں گویا اندر تک اتر جائیں گی۔ کسی انی کی طرح۔

پیچھے بیٹا فارس مطمئن لگتا تھا' البتہ اس کے ساتھ موجود حنین بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ڈھیروں زخم تھے اور وہ بار بار مٹھیاں بھینچتی تھی۔ پھر وہ فارس کی طرف جھکی۔ ''یہ اسی طرح میرے بھائی کا کردار عدالت میں مسخ کرے گا' کوئی اس کو روکتا کیوں نہیں ہے۔''

''وہ جو کر رہا ہے قانونی طور پہ یہ اس کا حق ہے۔ عدالت میں بولنے والے تمام لوگوں میں سے صرف ایک شخص سچ بولنے کا حلف نہیں لیتا اور وہ وکیل ہوتا ہے۔''

''اور وکیل کو تو جھوٹ بولنے کا لائسنس ملا ہوتا ہے۔ واہ۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر تھی۔

''زمر کے اپنے ابتدائی دلائل میں کتنا سچ تھا' کتنا جھوٹ' ہم دونوں واقف ہیں۔ عدالتوں میں یہی ہوتا ہے۔ ایک سچ کو ثابت کرنے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ تم ان بیوقوفوں کو عدالت میں ایک دوسرے سے لڑنے دو۔'' اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔

''سعدی یوسف ایک انتہائی ذہین مگر ایک بہت ambitious لڑکا تھا یور آنر۔ evil genius۔ استغاثہ کی الف لیلوی

داستان سے ہٹ کر ہمیں اس کیس کی اصل حقیقت کو دیکھنا ہوگا اور اصل کہانی یہ ہے کہ سعدی یوسف کا گزشتہ آٹھ سال سے یعنی اس واقعے سے سات سال قبل سے میرے موکل کے گھر آنا جانا تھا۔ اس کو اس خاکسار نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کرتے ہوئے اس پہ بھی اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کیے۔ اس کو اپنی ہر دعوت میں بلایا۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ان اچھے تعلقات کی مثال میرے اور سعدی کے فیس بک پہ لگی ہماری سینکڑوں تصاویر ہیں۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔" وہ یوں ترچھا ہو کر کھڑا تھا کہ لگتا ہے لگا ہے جج صاحب پہ نظر ڈالتا پھر اسی سادگی اور اطمینان سے استغاثہ کی کرسیوں کو دیکھتا۔ "اپنی ambitious اور manipulative طبیعت سے مجبور سعدی یوسف نے نوشیرواں کا روار سے راہ و رسم بڑھانا چاہا، وہ ہم دونوں بھائیوں کی گڈ بکس میں رہنا چاہتا تھا۔ اور تو اور اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ نوشیرواں کس یونیورسٹی میں جانا چاہتا ہے تو اس نے بھی وہیں اپلائی کیا۔ برسوں تک وہ ساری دنیا کو یہ بتاتا رہا کہ وہ اسکالرشپ پہ پڑھ رہا ہے، مگر یہ صرف اس کی پاپولر اور ہر دل عزیز ہونے کی ایک اور کوشش تھی کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی فیس اس کے خاندان والے ہی دیتے تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دوسروں کی نظر میں متاثر کن بننے کے لئے مدعی کس حد تک جا سکتا ہے۔"

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکا۔ بہت برداشت چاہیے تھی اپنے ہر سچ کو اپنے ہی خلاف استعمال ہوتے دیکھنے پر۔ صد شکر کہ قیامت کے روز اس بڑی عدالت میں یا تو فرشتے یا پتھروں، زمین اور انسان کے اپنے اعضاء جیسے گواہ ہوں گے یا پھر ایک ہی منصف اعلیٰ۔ صد شکر کہ اس دن کوئی وکیل نہیں بولے گا۔ صد شکر کہ اس دن زبانیں بند ہوں گی۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جج صاحب عینک ناک پہ لگائے، بہت توجہ سے ہاشم کو سن رہے تھے۔ سیشن جج جناب عابد آغا صاحب ایک بے داغ اور شفاف ریکارڈ کے حامل تھے۔ رعب ایسا تھا کہ بالواسطہ رشوت دینے کی جرات کوئی نہ کرتا تھا۔ سابق گورنر کے صاحبزادے تھے اور بھائی بیورو کریسی کے اہم افسران میں سے تھے۔ بلاواسطہ رشوتیں، مدد کی درخواستیں، اور دھمکیاں سب آتا تھا مگر کہتے تھے کہ وہ بہت ہمت اور عزم سے ہر شے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور اس وقت استغاثہ اور دفاع کے وکیلوں کو اپنے اپنے گواہ اور ثبوت پیش کر کے خود کو سچا ثابت کرنا تھا۔

"سعدی یوسف نے نوشیرواں کاردار سے یونیورسٹی کے دنوں میں دوستی کرنے اور اس سے فوائد اٹھانے کی بھرپور کوشش کی۔ نوشیرواں اس کے لئے ایک سونے کی مرغی تھا۔ ایک بیوقوف امیر زادہ۔ جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔" (نوشیرواں کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور بے تاثر، ویران نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔) یور آنر! لوگوں کو لگتا ہے کہ امیر آدمی کے مسئلے نہیں ہوتے۔ سو امیر آدمی کا استحصال کرتے جاؤ کیونکہ اس کا جرم ہے کہ وہ امیر ہے، وہ لوگوں کو لوٹ کر ان کا خون پی کر امیر بنا ہے۔ اس کو لوٹنا، مارنا، نقصان پہنچانا غریب کا حق ہے، غریب کا انتقام ہے مگر کیا واقعی امیر ولی عہد کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا؟ کیا واقعی نوشیرواں ایسا تھا؟"

کمرہ عدالت میں دبیز خاموشی تھی۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ گویا سوال کا جواب مانگا ہو۔ پھر تلخی سے مسکرایا۔

"المیہ یہ ہے یور آنر کہ نوشیرواں ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو غریب کا خون چوس کر امیر ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر سعدی یوسف اپنے کمپلیکس سے باہر نکلتا تو شاید وہ سمجھ پاتا کہ نوشیرواں عدم توجہی کا شکار تھا، اس کی دولت اس کے باپ اور بھائی نے برسوں کی ان تھک محنت اور ایمانداری سے کمائی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے باپ سے وہ وقت اور توجہ نہ پا سکا جو مجھے ملا۔ وہ اندر سے بہت معصوم اور سادہ تھا۔ ہر ایک پہ یقین کر لینے والا۔ ہر ایک سے توجہ اور پیار چاہنے والا۔ اس کو سعدی کی دکھاوے کی دوستی نہیں چاہیے تھی۔ اس کو خلوص چاہیے تھا۔ امیر لڑکوں کے جانی دشمن بہت ہوتے ہیں۔ وہ سیکیورٹی کے بغیر نکل نہیں سکتے۔ وہ ہر جگہ جا نہیں سکتے۔ ان کو کچھ بھی کرنے سے پہلے اپنے عالی مقام خاندان کے نام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ ایک مڈل کلاس لڑکے کی طرح نہ تھا جو جب دل چاہتا لینڈز کی گلیوں میں نکل جاتا، کسی بار میں بیٹھ کر کسی دوست کے ساتھ کچھ بھی کرتا۔ نوشیرواں کو لوگ پہچانتے تھے۔ وہ ایک سیاستدان کا بیٹا تھا۔ وہ ہر وقت مختلف paparazzis کی ہٹ

بلسٹ پہ ہوتا تھا۔ یہ دولت ان کے لئے ایک قید سے کم نہ تھی مگر سعدی یوسف کو وہ صرف سونے کے انڈے دینے والی مرغی لگتا تھا۔ اس کا شاندار گھر جہاں سعدی اکثر آتا تھا' جہاں کھانے پینے کی تملل آزادی تھی' ان کی دوستی کو مضبوط کرنے کی وجہ تھا' مگر ایسا زیادہ دیر نہ چل سکا یور آنر۔ سعدی یوسف کی مطلبی اور مادیت پرست باتوں نے دھیرے دھیرے نوشیرواں کو اس سے برگشتہ کرنا شروع کیا۔"

''میرا دل چاہتا ہے اس آدمی کے چہرے پہ تیزاب پھینک دوں۔'' حنہ نے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی تو اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

فارس نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اس کے کندھے تھپکے۔

''اسے بولنے دو حنہ۔ وہ زیادہ اچھا وکیل ہے' بلکہ وہ ساحر ہے۔ اسے اپنے جادو کے بولوں سے ہمارے ہر چیز کو مات دینے دو۔ جب وہ تھک جائے گا تو ہم اسے دیں گے۔ شہہ مات۔ Checkmate!'' ایک عزم کو دہرایا تو حنہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اس کے باوجود نوشیرواں نے اس سے دوستی نہیں چھوڑی۔ اسے اپنے گھر آنے دیا۔ اسے اپنی دولت کو لوٹنے دیا۔ مگر یہ کافی نہیں تھا۔ سعدی یوسف کے لئے یہ کافی نہیں تھا یور آنر۔ وہ صرف مادی چیزوں پہ خوش نہیں ہوتا تھا۔ وہ پاپولر ہونے اور ہر دلعزیز بننے کا طالب بھی تھا۔ ہمیں یہاں پہ سعدی یوسف جیسے لڑکوں کی سائیکی سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اسے یونیورسل فیورٹ بننا اچھا لگتا تھا ہر کوئی اس کی باتوں کی تعریف کرے' ہر کوئی دلچسپی سے اسے سنے۔ جب نوشیرواں کے رویے میں اس نے سرد مہری محسوس کی تو اس کی یہ نفسیاتی جس بار بار پھڑ کنے لگی۔ خاکسار کے ساتھ غلط بیانی کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا' سو اس نے مسز جواہرات کاردار کو اپنی میٹھی باتوں کے دام میں لیا۔ (سعدی نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا اور لبوں کو بنا آواز نکالے گھمایا (واؤ)۔ جواہرات نے کوشش کی کہ وہ بالکل بھی اس وقت سعدی کو نہ دیکھے۔) ہر ماں کی طرح وہ بھی بیٹے کے لئے ان سیکیور رہتی تھیں' اس نے ماں کو بیٹے کی شکایت لگانی شروع کی' وہ نشہ کرتا ہے' وہ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تاکہ مسز جواہرات نوشیرواں کو مجبور کریں کہ وہ صحیح لڑکے یعنی کہ ''ہمارے سعدی'' کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرے۔ نوشیرواں ایوریج اسٹوڈنٹ کا ضرور تھا' مگر گھامڑ نہیں تھا۔ اس نے سعدی کے ان جھوٹوں اور غلط بیانیوں پہ خود کو اس سے دور کرنا شروع کر دیا۔ سعدی کے مسلسل جواہرات کاردار کو بھڑکانے پہ دونوں میں تلخ کلامی بھی ہوئی اور یوں اس دوستی کا اختتام ہو گیا۔

ساحر اپنے مسحور کن انداز میں بول رہا تھا اور سب توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ تبھی دروازہ کھلا اور بنا چاپ کے دھیرے سے آبدار اندر داخل ہوئی' پھر اسی طرح خاموشی سے فارس اور حنین کے ساتھ آ بیٹھی۔ یوں کہ حنین دونوں کے درمیان میں تھی۔ چہرہ موڑ کر اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر فارس کو مخاطب کیا۔ ''پہلو غازی!''

فارس نے بس سر کو اثبات میں خم دیا۔ چہرہ تک نہیں موڑا۔ درمیان میں بیٹھی حنین ایک دم خود میں عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

دلائل دیتے ہوئے ہاشم نے رخ حاضرین کی طرف پھیرا تو بس لمحے کے ہزارویں حصے کے لئے وہ چونکا۔ آبدار پہ نظریں جا رکی۔ مگر پھر اس نے بات جاری رکھی۔ گو کہ اس کی نگاہ بار بار اس طرف اٹھتی تھی۔ آبی سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی رہی۔ شناسائی' قرابت داری' نرم مسکراہٹ' اس کی آنکھیں ہر احساس سے عاری تھیں۔ (حنین نے نظریں جھکا لیں۔ وہ آبدار کے لئے ہی مگر بار بار ادھر دیکھتا تو تھا' اور ان کا دکھنا دل کو دکھی کر دیتا تھا۔ محبت رہے یا نہیں' یادیں تو آخری سانس تک رہتی ہیں۔)

اس کے دلی جذبات سے بے خبر آبدار سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی تھی۔ البتہ اس کی خوبصورت پیشانی پہ دو بل پڑے ہوئے تھے۔ ان بلوں کی تہہ میں جادو تو پرت در پرت داستانیں رقم تھیں۔ یکا یک وہ پرتیں عیاں ہوتی گئیں اور سنہری پیشانی' سنہری روشنی میں بدلتی گئی......

(دو ماہ پہلے)

ہارون عبید کے آفس کاریڈور میں تیز سنہری بتیاں روشن تھیں۔ آبدار ماتھے پہ سلوٹیں لئے' تیز تیز چلتی آ رہی تھی۔ آفس کا دروازہ...

سے کھولا۔ ہارون سیٹ پہ براجمان' سامنے بیٹھی دو خواتین سے محوِ گفتگو تھے۔ آبدار سرخ چہرے کے ساتھ اندر آئی' ہاتھ جھلا کر گویا تخلیہ کا اشارہ کیا۔ ہارون نے شدید ناپسندیدگی سے اسے دیکھا' پھر خواتین سے معذرت کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ آخری دفعہ تھا بابا۔ آئندہ میں آپ کے ہاتھوں کبھی استعمال نہیں ہوں گی۔" وہ دونوں تنہا رہ گئے تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی تلخی سے بولی تھی۔ ہارون کے ابرو بھینچ گئے۔

"مسئلہ کیا ہے؟ یہ میرے اہم مہمان تھے۔ تم نے....."

"ہاشم نہیں مانا۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ کیس نہیں لڑے گا۔"

چند لمحے کے لئے ہارون کچھ بول نہ سکے۔

"سنا آپ نے بابا.... ہاشم کہیں منا سکی میں۔ کوئی ٹرائل نہیں ہوگا اب۔"

"مگر...." وہ لاجواب ہو گئے تھے۔ "تم نے اس کو سمجھانا تھا کہ تم اس کے پرپوزل پہ غور کرو گی' اور....."

"بابا.... میں کیا ہوں آپ کے لئے؟ ہاں؟ میں کیا صرف آپ کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کا ایک ہتھیار ہوں؟ اوزار؟ میری ماں کے ساتھ بھی کیا آپ نے۔ مجھے بھی انہی کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔" اس کی آنکھوں کے کٹورے بھیگ گئے تھے۔

"بیٹے' میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں یہ سب تمہارے لئے ہی کر رہا ہوں۔" انہوں نے پینترا بدل کر نرمی سے کہنا چاہا مگر وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"مجھے اب یقین نہیں آتا۔ کیس واٹ بابا' اب اگر ٹرائل ہوا بھی تو میں بھی اس میں جاؤں گی اور آپ سب کے خلاف گواہی دوں گی۔ عدالت مجھے بھی سمن کرے گی۔ میں سچ بولوں گی۔ سب کچھ بتا دوں گی۔ آپ لوگ اسی قابل ہیں۔ یہ سب ٹرائل کے لئے کر رہے تھے نا آپ تو میں....."

"میں تمہارے لئے کر رہا تھا بچے۔ تم چاہتی تھی کہ اس کی بیوی اسے چھوڑ دے۔ اس نے اسے چھوڑ بھی دیا۔ تم نے میرا کام نہیں کیا' مگر میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔" وہ اس کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہہ رہے تھے' ساتھ میں جھک کر دراز بھی کھول رہے تھے۔ آبی کے آنسو پلکوں پہ ہی ٹھہر گئے۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔

"بابا" اس کا سانس رک گیا۔ "کیا کیا ہے آپ نے؟ میں نے منع کیا تھا آپ کو' آپ ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں دیں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔"

"اس نے اپنی مرضی سے یہ مجھے دی ہے' میں نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔" سادگی سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک ڈبی اس کے سامنے رکھی۔ آبدار نے تحیر سے انہیں دیکھا۔ "میں نے آپ کو اس کے بارے میں اس لیے تو نہیں بتایا تھا کہ آپ....."

"یہ اب تمہاری ہے۔ جیسے بھی اسے استعمال کرو۔"

(آج)

کوئی کاغذ سا اس کے ہاتھ سے ٹکرایا تو وہ گہرے خیال سے چونکی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھی تھی اور ساتھ بیٹھی حنین اس کی طرف ایک کاغذ بڑھائے ہوئے تھی۔ آبدار کی نظریں فارس کی طرف اٹھیں۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ حنین اپنی گود میں دیکھ رہی تھی۔ آبی نے کاغذ تھاما۔ اس پہ تحریر تھا۔

"آپ کا دل بیمار ہے' میں جانتی ہوں۔ میں اس سب سے گزر چکی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس میں اس مرض کی دوا ہے۔ اگر آپ نے اپنا علاج نہیں کیا تو بہت نقصان اٹھائیں گی۔"

ساتھ میں قلم بھی تھا۔ آبدار کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔ اس نے سرعت سے قلم تھاما اور لکھا۔ ''نہ میں بیمار ہوں نہ مجھے کسی علاج کی ضرورت ہے۔ جس کیفیت کا میں شکار ہوں' وہ دنیا کا سب سے خوبصورت جذبہ ہے۔ میں کیوں نکلوں اس سے؟ میں اسی میں خوش ہوں۔''

حسنین نے جب کاغذ واپس تھاما تو وہ تحریر پڑھ کر اس کا دل دور اندر ڈوب گیا۔

اس نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ ہر بیمار علاج کا سن کر شفایاب ہونے دوڑا چلا آئے گا۔ عشق تو وہ مرض ہے جس کے مریض کو یہ معاشرہ' اس کا میڈیا' اس کا لٹریچر میٹھی نیند سلا کر برسوں تھپکتے رہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں رواج میں آ جائیں ان کا غلط ہونا ذہنوں سے نکل جاتا ہے۔ اس نے کیسے سوچ لیا کہ ہر مریض عشق اپنی بیماری سے واقف بھی ہوتا ہے؟ کیا اسے بھول گیا تھا کہ ایسے مریضوں کے پاس ہر وقت خود کو دینے کے لئے ڈھیروں من گھڑت دلیلیں اور بہانے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی توانائی خود کو جسٹفائی کرنے میں ہی صرف کر دیتے ہیں' اور زندگی میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ قیس ہو یا رانجھا' یہ سب مجنوں بھی تھے اور فارغ بھی۔

''یور آنر.... سعدی یوسف سے ہی تیسرے دتیسرے میرے موکل کا خاندان برگشتہ ہوتا گیا۔'' ساحر کے جادوئی بول جاری تھے۔ وہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑا جج کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔ ''قریباً ڈیڑھ سال تک سعدی یوسف کے گھرانے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ نوشیرواں سے میرے باپ اور ماں کو بدظن کرنے کے لئے ایک رات یہ اچانک سے ہمارے گھر آیا اور اس نے کہا کہ نوشیرواں دو دن سے رابطے میں نہیں ہے' یقیناً وہ اغوا ہو چکا ہے۔ نوشیرواں ساؤتھ کوریا میں تھا اور دو دن تک کسی سے کوئی رابطہ اس نے نہیں رکھا تھا تو اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سعدی یوسف نے میرے باپ سے کہا' بلکہ ان کو ایک فیس بک میسج بھی دکھایا جس میں لکھا تھا کہ شیرو اغوا ہو چکا ہے اور تاوان کی رقم اس اکاؤنٹ نمبر تک پہنچا دیں۔ تب سعدی یوسف ماشاء اللہ اتنا محتاط اور شاطر نہیں ہوا تھا۔ اس کی بات پہ وقتی طور پہ یقین کرنے کے باوجود میں نے جانچ پڑتال کروائی تو معلوم ہوا یور آنر کہ شیرو کو سعدی نے یہ پریک کھیلنے کو کہا تھا۔ رقم کا تو ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ جب نوشیرواں کو علم ہوا تو وہ فوراً ملک واپس آ گیا۔ اس کو سامنے دیکھ کر شرمندگی سے بچنے کے لئے سعدی نے الزام لگایا کہ یقیناً وہ خود روپوش ہو کر خود ہی اپنے آپ کو اغوا کرنے کا ڈرامہ کر کے باپ سے رقم بٹورنا چاہتا ہے۔ ہم نے اس کا یقین نہیں کیا' اور اس کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اکاؤنٹ نمبر بھی اسی کا تھا' اور یہی نہیں یور آنر موقع کا فائدہ اٹھا کر اس رات جب میں لاؤنج میں بیٹھا تھا تو یہ میرے کمرے میں گیا' میرا لاکر کھولا اور اندر سے ایک خطیر رقم نکال لی۔ میرے لاکر کا کوڈ میری ڈیٹ آف برتھ ہے' اس کے لئے گیس کرنا آسان تھا۔ اس واقعے کے بعد میرا دل اس سے بہت برا ہوا۔ اور میں نے اس سے ترک تعلق کر لیا۔ جب کاروارز سے کچھ نہ ملا تو یہ میری سابقہ بیوی شہرین کاردار کے پاس گیا' اور اسے مختلف حیلوں بہانوں سے بلیک میل کرتا رہا اور رقم بٹورتا رہا۔''

''کیا میں تالیاں بجاؤں؟'' زمر پیچھے سے اونچا سا بڑبڑائی تھی۔ جج صاحب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ احمر سر جھکائے گردن کھجانے لگا اور سعدی.... وہ بس ہاشم کو دیکھتا رہا۔ اب اسے گویا ہاشم پہ افسوس ہو رہا تھا۔

''اس کے پاس اپنے دفاع کے لئے کچھ بھی نہیں ہے' سو وہ مدعی کا کردار اتنا مسخ کر دے گا کہ اگر نوشیرواں پہ جرم ثابت ہو بھی جائے تو جج کو لگے' سعدی جیسے لڑکے کو مار کر اس نے اچھا ہی کیا تھا۔ قتل کے کیس سے بچ نکلنے کا یہ سب سے اچھا طریقہ ہوتا ہے۔ مقتول یا زخمی کا کردار مسخ کر دو۔'' زمر نے اس کا ہاتھ دبا کر سرگوشی کی پھر سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور ناک کی لونگ چمک رہی تھی۔ وہ مسلسل بائیں انگوٹھے سے تیسری انگلی میں پہنی بڑے سے نگینے کی خوبصورت انگوٹھی اوپر نیچے کر رہی تھی۔ اس میں جڑا نگینہ دور سے نیلا ہیرا لگتا تھا۔ اس کی روشنی مدھم' مگر شفاف تھی۔ ایسی شفاف کہ گویا سیاہ رات میں چمکتے تارے ہوں' جو ٹوٹ کر جڑے ہوں' اور ان کی دودھیا روشنی زندگی

کی ساری سچائیوں کو منعکس کرتی جائے.....

(دو ماہ پہلے)

اس صبح فوزی ایورآفنز کی بالائی منزل کی دیوار گیر کھڑکیوں سے بھی تیز روشنیاں اندر آ رہی تھیں۔ زمر اداسی سے بیٹھی، ٹھنگریائی لٹ انگلی پہ لپیٹتی، شیشوں کے پار سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ فائلز سامنے بکھری پڑی تھیں، اور وہ ان سے لاتعلق لگتی تھی۔ یکایک وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ نیچے پارکنگ میں اس نے کار سے اسے نکلتے دیکھا تھا۔ سرخ رومال والی لڑکی کو۔ زمر تیزی سے فائلز اٹھا کر نیچے لپکی۔

جس وقت آبی نے ریسٹورانٹ کا دروازہ کھولا، زمر کچن کے دروازے کے قریب کرسی پہ بیٹھی محویت سے کتاب سے نوٹس بنانے میں مگن نظر آتی تھی۔ آبدار کی نظریں اس کی ناک میں پہنی سونے کی نتھ پہ اٹھ گئیں۔ ایک ہلکی سی مسکان اس کے لبوں پہ ابھری۔ پھر وہ زمر کو نظر انداز کیے، کاؤنٹر تک آئی۔ وہاں گاہکوں کی طرف پشت کیے سعدی کھڑا رجسٹر کھول کر کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پرانی زندگی میں دوبارہ پرانے کام کرنے کے باوجود پرانے سعدی جیسا نہیں لگتا تھا۔

''کہو پھر، تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں؟'' وہ مسکرا کر بولی تو سعدی نے چونک کر گردن موڑی۔ آبدار کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

''تم؟ ادھر؟'' پھر آس پاس دیکھا۔ زمر کام میں منہمک نظر آتی تھی۔ گاہک آگے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے مصروف تھے۔

''ویلکم ہوم۔ اچھا لگا تمہیں دیکھ کر۔ سنا ہے کل تمہارا انٹرویو آ رہا ہے۔ انٹرویو میں تو کہو گے نہیں، مگر مجھے سامنے دیکھ کر شکریے کا ایک بول کہہ ہی سکتے ہو۔ آخر میں نہ ہوتی تو تم گھر کیسے آتے؟'' تفاخر سے مسکرا کر وہ بولی تھی۔

''بہت شکریہ۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر واپس گھوم گیا۔ آبی کے ابرو خفگی سے بھنچے۔

''سعدی یوسف خان، میرا ادھار ہے تم پہ۔''

وہ پھر اچنبھے سے واپس مڑا۔ ''کیا؟''

''تمہارا انٹرویو لینا تھا میں نے۔ اپنا کام تو نکلوا لیا تم نے، میرے کام کا کیا ہو گا؟'' اس نے یاد دلایا۔

''میرے پاس بتانے کو کوئی کہانی نہیں ہے۔'' مگر آبدار نے پرس سے کارڈ نکال کر اس کی شرٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا۔

''میں اپنے کلینک میں تمہارا انتظار کروں گی۔ تمہاری نیند کی حالت کی مسافت کا قصہ سننا ہے میں نے۔'' اداسی سے مسکرا کر وہ جنید کی طرف گھومی۔ ''فارس کہاں ہیں؟'' سعدی سر جھٹک کر واپس کام کرنے لگا۔ جنید نے کچن کا بتایا تو وہ ادھر ہی چلی گئی۔ زمر کی کرسی کے ساتھ سے گزری۔ نہ نظر ملائی نہ رخ پھیرا۔ بس اندر چلی گئی۔

زمر کے لکھتے ہوئے ہاتھ سست پڑ گئے۔ چہرے پہ بے بسی در آئی۔ کوفت اور غصہ۔ اس نے زور سے قلم بند کیا۔ اور ایک عزم سے اٹھی۔ کچن سے ورکرز باہر آ رہے تھے۔ فارس نے شاید ان کو نکالا تھا۔ وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی تو وہ دونوں دوسری جانب تھے۔ درمیان میں اونچے ریکس تھے۔ وہیں رک گئی۔ اندھیر ریک کی اوٹ میں۔

''جی آبدار کہیے۔ آپ کیوں ملنا چاہتی تھیں۔'' وہ دونوں برنر کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ باربی کیو کا دھواں اور اشتہا انگیز خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔ فارس گرمی کے باعث پوری آستینوں کو موڑے دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سادگی سے پُر تھا۔ نہ کوئی وحشت، نہ شکوہ۔ وہ جیسے اسے سننا چاہتا تھا۔ زمر کا دل برا ہوا۔ (مجھے نہیں بتایا کہ اس کو ملنے کے لیے بلا رہا ہے۔ ہونہہ۔)

''بابا نے ایک کام کہا تھا مجھے۔'' وہ چیئر پہ بازو لپیٹے مسکرا کر رسان سے بولی تھی۔ ''کہ ہاشم کو مناؤں، وہ کیس کے لیے راضی ہو جائے۔''

''کس کیس کے لیے؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔ زمر کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے اس پہ بھروسہ تھا مگر پھر بھی۔ وہ سب بتا چکی تھی

پھر بھی۔

''سعدی یوسف بنام نوشیرواں کا زورا۔ واٹ ایور! اور میں نے اپنے آپ کو بہت خطرے میں ڈال کر ہاشم سے کہا کہ میں اس سے شادی کروں گی اگر وہ خود کو بے گناہ ثابت کردے عدالت میں اور اس گند سے ہمیشہ کے لئے نکل آئے۔ آپ کے لئے... آپ کے خاندان کے لئے میں نے یہ رسک مول لیا۔''

''ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ اپنے بابا کے کہنے پہ یہ کر رہی تھیں۔'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ آبی لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

''انہوں نے کہا تھا' مگر کیا تو میں نے آپ کے لئے۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو نہیں کہا تھا' آپ نہ کرتیں۔ خیر تھی۔'' فارس نے شانے اچکائے۔ ''میں تو ویسے ہی عدالت وغیرہ کے چکر کے خلاف ہوں۔ یونہی آپ نے اپنا وقت ضائع کیا۔''

آبدار پھر سے لاجواب ہوئی۔ ''بہر حال وہ نہیں مانا۔''

زمر نے چونک کر سر اٹھایا اور ریکس کے پار دور کھڑے ان دونوں کو دیکھا۔ اس کے دل میں بے پناہ مایوسی اتر آئی۔ یعنی ہاشم نہیں مانا؟ وہ اس کیس کو لٹکاتا جائے گا؟

''اچھی بات ہے۔ ملک و قوم کا بہت سا پیسہ بچ گیا۔ یہی بتانے آئی تھیں آپ؟'' فارس غازی پہ تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ آبدار نے گہری سانس لی۔

''فارس..... یہ بات زمر نے کہی تھی بابا سے۔''

وہ چونکا۔ ''کیا بات؟''

آبدار کی رکی سانس بحال ہوئی۔ ہمت بڑھی۔

''یہی کہ اگر میں راضی کرلوں ہاشم کو تو وہ آپ کو چھوڑ دیں گی۔ میرے لئے۔''

آخری دو الفاظ نے یکدم چھناکے سے جیسے بہت سا بھرم اور لحاظ توڑ دیا تھا۔ فارس غازی لاجواب ہو گیا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ اپنے منہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ زمر نے بے اختیار ریک کو تھاما۔ بہت کچھ اپنی گرفت سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''میرے بابا اور زمر کی ڈیل ہوئی تھی۔ آپ کے اوپر۔ اور زمر نے کچھ گروی بھی رکھوایا تھا۔ مجھے دو روز پہلے پتہ چلا تو میں فوراً یہ واپس لے آئی۔ بابا کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پرس سے اس نے سیاہ مخملیں ڈبی نکالی اور فارس کی طرف بڑھائی۔ فارس سنجیدگی سے لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس رخ پہ کھڑا تھا کہ زمر کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا در آیا تھا۔ اور اس کی ان آنکھوں کو دیکھ کر زمر کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ تیزی سے وہاں جانا چاہتی تھی' یہ ڈبی اس لڑکی کے ہاتھ سے چھیننا چاہتی تھی' مگر قدموں میں جان ہی نہ رہی تھی۔

''آپ یہ زمر کو واپس دے دیں۔ یہ ان کی ہے۔ انہی کی رہنی چاہیے۔''

اس نے فارس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے' بنا پلک جھپکے ڈبی بڑھا کر کہا تھا۔ فارس نے آہستہ سے ڈبی اس کے ہاتھ سے اٹھائی۔ پھر کھولی۔ اندر رکھا ہیرا زمانوں کی داستانیں خود میں سموئے جگمگا رہا تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے وہ ہیرا نکال کر دیکھا۔ بدلتی روشنی میں وہ مزید خوبصورت لگنے لگا تھا۔

''آپ کو برا تو لگا ہوگا۔ مجھے بھی لگا۔ معذرت کے ساتھ مگر مسز زمر کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ معصومیت سے افسوس کر رہی تھی۔

''اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ دو انگلیوں میں لونگ پکڑے دھیما سا بولا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو دکھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے شاید۔ یا شاید.....'' وہ اس کی آنکھوں پہ نظریں

جانے کہہ رہی تھی۔ "شاید.... مسز زمر نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ آپ برا محسوس نہ کریں۔ ہر شخص میں قربانی دینے کا جذبہ نہیں ہوتا۔ وہ... آپ کے لیے.... وہ سب کبھی نہیں کریں گی جو قربانی دینے والے کرتے ہیں۔"

اندھیرے ریک کے اوٹ میں کھڑی زمر نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

"نہیں میرا دل نہیں دکھا۔" اس نے گہری سانس لے کر آبدار کو دیکھا۔ آبی کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ زمر نے بے اختیار ریک زور سے تھاما۔

"اس نے آپ کا تحفہ یوں کسی کو دے دیا' آپ کا دل نہیں دکھا۔"

"یہ تو ایک چیز ہے۔ چیزوں کا کیا ہے؟ آتی جاتی رہتی ہیں۔" وہ دو انگلیوں میں مسل کر اسے دیکھ رہا تھا۔ "میں یا زمر چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگتے۔" یہ کہنے کے ساتھ وہ دائیں جانب گھوما' برنر کا بٹن گھمایا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ تو اس نے ہیرے کی لونگ آگ میں ڈال دی۔ آبدار کا منہ کھل گیا تھا۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ تو آپ کو بہت عزیز تھی۔ آپ نے خود مجھے بتایا تھا' جب ہم کولمبو جا رہے تھے۔" بے اختیار منہ سے پھسلا۔

"یہ تو ایک پتھر ہے۔ اور مجھے یہ عزیز نہیں ہے۔ میں اسے پہلے بھی ایک دفعہ پھینک چکا ہوں۔ مجھے وہ عزیز ہے جس کو میں نے یہ دیا تھا۔" وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا' الفاظ میں گویا کاٹ سی تھی۔ آبدار کے گال سرخ ہوئے۔ آنکھوں میں برہمی ابھری۔ حیرت بھری برہمی۔

"بات چیز کی نہیں ہے۔ اس نے "آپ" کو تین دن تک گروی رکھا ہے۔"

"اس نے مجھے چار سال تک جیل میں بھی رکھا تھا۔ میں اس کو ہزار دفعہ معاف کر سکتا ہوں۔"

کچن میں کوئلوں کے دہکنے کی بو زور سے محسوس ہوئی تھی۔

"آبدار آپ کو اگر لگتا ہے کہ ایک پتھر کے پیچھے ہم ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو آپ ہم دونوں کو نہیں جانتیں۔ ہم نے آگ اور خون کا دریا ایک ساتھ پار کیا ہے۔ ہم اچھے اور برے وقت کے ساتھی ہیں۔ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز ایک دوسرے سے دور نہیں کر سکتی۔"

زمر سے مزید سنا نہیں گیا۔ شدت ضبط سے اس نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل جانے کو بے تاب تھے مگر وہ ان کو روکے ہوئے تھی۔

آبدار نے آنکھیں جھکا کر اپنی پٹی شدہ کلائی کو دیکھا' پھر شعلہ بار نگاہیں اس تک اٹھائیں۔ "وہ تمہارے لیے.... یہ کبھی نہیں کرے گی۔"

طرز تخاطب بدلا' جذبات بدلے۔ انداز بدلا۔ وہ کہہ کر رکی نہیں۔ تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ دروازے تک پہنچ کر اس نے دیکھا۔ زمر وہاں کھڑی تھی۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ بس سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ آنکھیں ذرا بھیگی ہوئی تھیں۔ آبدار پیر پٹخ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ اب برنر کی طرف گھوم چکا تھا۔ بھڑکتے شعلے میں وہ جلتی لونگ کو دیکھ رہا تھا جس کے سونے کی تار پگھل پگھل رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ نرمی سے اس کا بازو تھاما۔ وہ چونک کر مڑا۔ اسے دیکھ کر حیرت ہوئی۔ فوراً دروازے کو دیکھا۔

"میں سمجھا تم اوپر ہو۔ تم کب آئیں۔" برنر تیزی سے بند کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ واقعی اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"جب تم اسے کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" فارس نے گرم چولہے سے ننھا ہیرا اٹھانا چاہا' مگر تیز تپش لگی تو جھٹکے سے ہاتھ واپس کھینچا اور انگلی ہونٹوں سے لگائی۔ پھر چونک کر اسے دیکھا۔

"ایک منٹ۔ میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔"

"تم نے کہا تھا۔ میں نے سنا ہے۔ میں نے صرف یہی سنا ہے۔"

"اپنے کانوں کا علاج کرواؤ۔" وہ خفگی سے بازو چھڑا کر اب کپڑے سے لونگ چھ لپے سے اتار رہا تھا۔

"میں نے خود سنا ہے۔ تم بار بار یہی الفاظ دہرا رہے تھے۔ مجھے ہر لفظ ایسا ہی لگ رہا تھا۔" آنسو اب کے اس کی آنکھوں کو بھگونے لگے تھے۔ "میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتی۔ میں بہت بری ہوں فارس۔"

"میرا ابھی یہی خیال ہے۔" وہ ابھی تک خفا تھا۔ وہ روتے روتے ہنس دی۔ پھر ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھے۔

"اس کا کیا کرو گے اب؟"

"تم نے میرا تحفہ پھینک دیا' میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کالک زدہ ہیرا کپڑے میں اٹھا کر ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اسے یہ کرتے ہوئے دیکھے گئی۔

"تم مجھ سے کبھی خفا تھے ہی نہیں۔ موقع ملنے پہ تم نے خود بھی اسے پھینک دیا۔ تم نے اچھا کیا فارس۔ ہمارے گھر والے' ہمارے ملازم' آبدار' یہ سب لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری محبت کی نشانی ہے۔ صرف میں اور تم جانتے ہیں کہ یہ ہمارے راستے کا وہ پتھر تھا جو ہر خوبصورت لمحے کے آخر میں ہمارے پاؤں میں آ کر چبھتا تھا۔ یہ ایک اچھا تحفہ نہیں تھا۔ اس میں دھوکہ تھا۔ دنیا سے چھپا کر کچھ کرنے کا عنصر تھا۔ یہ ہم دونوں کے لئے ڈھیروں شرمندگی کا باعث تھا۔ تم نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔ میں نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔" وہ ڈسٹ بن میں گرے ہیرے کو دیکھ کر بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔ فارس کی پیشانی کی شکنیں کم ہوئیں۔ وہ گہری سانس لے کر اس کی جانب گھوما۔

"ٹرائل نہیں ہوگا۔" وہ لونگ کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ذکر کبھی بھی ندامت اور عجیب سے اجنبی پن سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ اور میں کوشش کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔" وہ واقعی تھکی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔ "لیکن میں پھر سے کسی ایسے شخص کو ڈھونڈوں گی جو ہاشم کو منا سکے۔ اس کے لئے مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"چلو... مل کر سوچتے ہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مل کر کیسے؟"

"دو تین دن کے لئے کسی لمبی مسافت پہ نکل جاتے ہیں۔ اس سارے شور ہنگامے سے دور۔ ان مسئلوں' تھانے کچہریوں اور ان لوگوں سے دور۔ تم تھک گئی ہو۔ کچھ دن آرام کرو گی تو دماغ سے ساری آلودگی چھٹ جائے گی۔"

"جو تم کہو۔" وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر بولی تھی۔

"مگر یاد رکھنا' میں نے تمہیں معاف نہیں کیا۔" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے ہوئے بولا تھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"تمہاری معافی کی پرواہ ہے کسے؟ تم تو شکر کیا کرو کہ میں نے تمہیں معاف کر کے تم سے شادی کر لی ورنہ تم جیسے دو نمبر آدمی کو میں ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔"

"مجھے ایک کورٹ رپورٹر کو ساتھ لے کر گھومنا چاہیے جو تمہاری ہر بات ساتھ ساتھ لکھ کر ریکارڈ کرتا جائے' تم وکیلوں کا کیا بھروسہ جب چاہو مکر جاتے ہو۔" وہ جل کر بولا تھا۔ وہ جواب میں چہک کر کچھ کہہ رہی تھی مگر آوازیں مدھم ہو رہی تھیں.... گویا دور کسی کنویں سے آ رہی ہوں.... ڈسٹ بن میں گری لونگ کا ہیرا کالک کے باوجود مدھم سا جگمگا رہا تھا......

(آج)

"21 مئی سے چند دن پیچھے آئیں یور آنر۔" ہاشم کی آواز نے اسے عالمِ تنویم (گہری سوچ' نیند' hypnosis) سے نکالا۔ وہ

چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ کمرہ عدالت میں سب کے سامنے کھڑا ہاشم پورے اعتماد سے جج کو بتا رہا تھا۔

''یور آنر سونیا کاردار کی سالگرہ کے موقع پہ سعدی یوسف کو کاردار خاندان نے مدعو نہیں کیا۔ ہمارے تعلقات اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے لیکن جب کورٹ میں مجھے مسز زمر ملیں (زمر نے ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر اس کی سچائی کو سلام کیا) تو ان کی درخواست پہ میں نے سعدی یوسف اور زمر یوسف کے لیے کارڈ بھجوا دیے۔ ہم نے سوچا یور آنر کہ شاید اب یہ نوجوان توبہ تائب ہو چکا ہو۔ مگر یہ ہماری خام خیالی تھی۔ عین پارٹی کے وقت' جب میں باہر مہمانوں میں تھا' سعدی یوسف میرے کمرے میں گیا' اور میرا لاکر کھولنا چاہا۔ پاسورڈ بدل چکا تھا' وہ اسے تو نہ کھول سکا مگر میرے دراز میں رکھا میری بیٹی کا نیکلیس جو اسے میری ماں نے سالگرہ کے تحفے کے طور پہ دیا تھا اور جو اس نے میرے دراز میں ڈال دیا تھا' بچوں کی لاپرواہی یونو' سعدی یوسف نے وہ نکال لیا اور یور آنر اس کے میرے کمرے سے چوروں کی طرح نکلنے کی پوری فوٹیج موجود ہے ہمارے پاس۔ جب وہ باہر آیا تو نوشیرواں نے اس سے باز پرس کی' جس پہ دونوں کی تلخ کلامی ہوئی۔ سعدی کو ایک دم جانے کی جلدی ہو گئی۔ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ایگزٹ تک آیا تو گارڈ نے ایکسٹرسیز الارم کے باعث اس کو روک کر تلاشی لینی چاہی جس پہ زمر یوسف نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ میں اس وقت صورتحال سے ناواقف تھا۔ یہ سب دیکھ کر میں نے گارڈز کو جھڑکا اور سعدی کو جانے دیا۔ چند دن بعد جب ہم ایک شادی کی تقریب میں اس سے ملے تو میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نیکلیس واپس کر دے۔ وہ میری بیٹی کو بہت عزیز ہے۔ مگر سعدی یوسف نے نہ صرف صاف انکار کیا بلکہ مجھے بھی بے عزت کیا۔ اس دن کے بعد میں نے سعدی یوسف کی شکل صرف اخبارات اور ٹی وی پہ دیکھی۔ اگلے آٹھ نو ماہ تک ہم نے اس کو نہ دیکھا' نہ اس سے ملے۔ یہ فرعون کے دربار والی کہانی مجھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ من گھڑت ہے۔ سعدی یوسف 21 مئی کو ہمارے آفس نہیں آیا تھا۔ یور آنر ہماری بلڈنگ کی لاگ بک' انٹری ڈیٹا' سی سی ٹی وی فوٹیج' سب ہم عدالت میں جمع کرا چکے ہیں۔ استغاثہ کے پاس ایک بھی گواہ یا ثبوت نہیں ہے جو ثابت کرے کہ ہم نے اس روز سعدی سے ملاقات کی تھی یا شیرو اور سعدی کا کوئی جھگڑا ہوا تھا۔ یور آنر ہم نے تو اتنا عرصہ صرف یوسفز کی مدد کی' ہر مشکل میں ان کے ساتھ کھڑے رہے' فارس غازی کو جیل سے نکلوانے میں کتنا ساتھ دیا ان کا' یہ جانتے ہیں (''جی بالکل۔ بجا فرمایا۔'' گال پہ ہتھیلی جمائے بےزاری سے سنتے ہوئے زمر بولی تھی) یور آنر ہمارے لیے ان کا ایک دم ہمارے خلاف اٹھ آنا شدید دکھ اور صدمے کا باعث ہے۔ فارس غازی نے ہماری ایکسی ہمیں ہی فروخت کی مارکیٹ سے تین گنا زیادہ قیمت پر۔ شاید وہ رقم بھی کافی نہیں تھی' جواب یہ ایک ایسا کیس کر رہے ہیں جس کے درمیان میں ان کو لگتا ہے ہم لوگ ان کو منہ بند کرنے کے لیے ایک خطیر رقم دیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوگا یور آنر۔ نوشیرواں کاردار ایک معصوم اور بے گناہ لڑکا ہے' اس کی عزت' اس کی نیک نامی' اس کی کریڈیبلٹی ہر شے کو اس الزام نے ٹھیس پہنچائی ہے۔ میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کاردار کو نہ صرف باعزت بری کیا جائے بلکہ سعدی یوسف کی ملک دشمن سرگرمیوں کا بھی نوٹس لیا جائے۔ یہ آٹھ ماہ کہاں تھا اور کون سے جرائم پہ پردہ ڈالنے کے لیے الزام ہمارے سر تھوپ رہا ہے' اس سب کی تحقیقات ہونی چاہئیں۔ اور یہ کام جلد سے جلد ہونا چاہیے۔ کیونکہ میرا خاندان' میرے دوست' میرا کاروبار' ہماری ساکھ' ہمارے رشتے' ہر چیز اور ہر شخص کو اس بے بنیاد الزام نے شدید دھچکا لگایا ہے۔ ہمیں ہمارے امیر ہونے کی' برسوں کی محنت کے بعد حلال رزق سے یہ ایمپائر کھڑی کرنے کی' اپنا پیٹ کاٹ کر خون پسینہ اس کمپنی کے لیے لگا کر اس کو اس مقام تک پہنچنے کی سزا دی جا رہی ہے یور آنر۔ میں معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ تمام گواہوں اور ثبوتوں کو اچھی طرح پرکھ کر انصاف کے عین تقاضے پورے کر کے فیصلہ سنائے اور عدالت جو بھی فیصلہ سنائے گی ہمیں وہ قبول ہوگا۔ تھینک یو یور آنر!''

سر کو خم دے کر وہ واپس اپنی کرسی تک آیا تھا۔ جواہرات اب مطمئن سی مسکرا رہی تھی اور زمر' سعدی' حنین ہاشم کو بھوکے شیروں والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ ویسے میں صرف نوشیرواں تھا جس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں' اور وہ ایک نقطے پہ پتلیاں ساکت کیے' بنا پلک جھپکے بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ جج صاحب کچھ کہہ رہے تھے مگر نوشیرواں کا دماغ اس کی نگاہوں کی طرح ایک ہی نقطے پہ آ کر جم گیا تھا گویا برف کا کوئی

تو وہ ہو جس کی تہہ در تہہ برف میں یادیں اور قصے ثبت ہو کر امر ہو گئے ہوں... ٹھنڈے... یخ.....

(دو ماہ پہلے)

برف کی موٹی موٹی ڈلیاں مشروب کے گلاس کی سطح پہ تیر رہی تھیں جب بارٹینڈر نے کاؤنٹر پہ وہ گلاس اس کی جانب دھکیلا۔ اونچے اسٹول پہ بیٹھے شیرو نے اسے اپنی طرف کیا اور اندر ذرا سا اسٹرا ہلایا۔ ساتھ ہی وہ موبائل چیک کر رہا تھا۔

"تمہاری اینکل اسٹریپ کہاں ہے شیرو؟" دو نوجوان وہیں قریب میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے اونچی سی آواز کسی۔ دوسرا ہنسا۔ (امریکہ میں اس طرح اگر کسی کو ضمانت پہ رہا کیا جائے اور ہاؤس اریسٹ کر دیا جائے تو اس کے ٹخنے پہ ایک پٹا باندھا جاتا ہے جو اس کی پوزیشن کو مانیٹر کرتا رہتا ہے۔) نوشیرواں نے چہرہ اٹھا کر تندہی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"تمہارے باپ کو جب نیب والے پکڑ کر لے گئے تھے تو میری اسٹریپ ادھار میں ساتھ لے گئے تھے۔" دوسرا نوجوان پھر سے ہنسا۔ مگر پہلے نے ابرو اچکائے۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یہ جیل جانا، عدالتوں سے گزرنا یہ تو شان کی باتیں ہوتی ہیں۔" آگے بڑھ کر اس نے شیرو کا کندھا زور سے تھپکا۔ نوشیرواں نے (ہونہہ) کندھا جھٹکا اور موبائل کی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا.....

اور پھر یہ تبھی تھا جب سارے میں ایک شناسا سی آواز گونجنے لگی۔ کسی ڈراؤنے خواب کی سی کیفیت میں اس نے سر اٹھایا۔ کسی نے لاؤنج کی دیوار پہ لگی وہ پورے انسان کے سائز کی ایل ای ڈی کی آواز تیز کر دی تھی۔ مدھم بتیوں کے باعث سارے میں نیم اندھیرا سا تھا اور اسکرین کسی سینما کا ماحول پیش کر رہی تھی۔ نوشیرواں کی نگاہیں وہاں جا کر ٹھہریں تو واپس پلٹنا بھول گئیں۔

معروف اینکر کے سامنے صوفے پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا، وہ ویران مگر سنجیدہ چہرے والا لڑکا... ٹھہرے ہوئے مگر مضبوط لہجے میں وہ کتھا بیان کر رہا تھا۔ "میں اسے وہاں اس زیر تعمیر گھر میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔"

"اور پھر اس نے آپ کو گولی ماری؟" آگے کو ہو کر بیٹھا اینکر تاسف اور ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔ سلور گرے ڈریس شرٹ میں ملبوس سعدی کے بال ذرا بڑے ہو گئے تھے۔ گھنگریالے بل اب نظر آنے لگے تھے۔ ان کو جیل لگا کر اس نے پیچھے کو جما رکھا تھا۔ بھوری آنکھوں میں یہ سنتے ہی گہرا درد ابھرا۔ آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ کبھی صوفے کے ہتھے پہ جمائے وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم مسل رہا تھا۔

"میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نہ کرے۔ نہیں۔ میں نے اس کی منت نہیں کی۔ مگر میں نے کہا کہ وہ اپنے بھائی جیسا نہیں ہے۔" نیم روشن لاؤنج میں لڑکے لڑکیاں گلاس چھوڑ کر سننے لگے تھے۔ موسیقی بند ہو گئی تھی۔ پلیٹوں میں چلتے چمچ کانٹے رک گئے تھے۔ دم سادھ کر گویا اسے سنا جا رہا تھا جو بڑی اسکرین پہ بیا اتنا بڑا سا لگ رہا تھا۔ خود زندگی سے بھی بڑا۔

"میں نے اسے کہا کہ میں جانتا ہوں، وہ یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں وہ اندر سے ایک اچھا انسان ہے۔ اور پھر میں نے وہی کہا جو ہابیل نے قابیل سے کہا تھا۔ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہو تب بھی میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ وہ میرا مسلمان بھائی تھا۔ مجھے آخری لمحے تک یقین نہ تھا کہ وہ مجھ پہ گولی چلا سکتا ہے۔ وہ high تھا (نشے میں تھا)۔ اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ مجھے اس پہ ترس بھی آ رہا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ وہ میرے اوپر گولی نہیں چلائے گا۔ میں نے اس کی جان بچائی تھی۔ مجھے لگا وہ کبھی نہیں بھول سکے گا کہ جب وہ ڈرگز کی زیادتی کے باعث مر رہا تھا تو میں اسے ہسپتال لے کر گیا تھا۔ مجھے لگا وہ یاد رکھے گا کہ کبھی ہم دوست تھے۔ مگر نوشیرواں کا کردار نے تجھ یاد نہیں رکھا۔ میں ان آخری لمحوں میں بھی اسے شیرو کہہ کر پکار رہا تھا۔ اور پھر اس نے مجھے تین گولیاں ماریں، اور کہا کہ میرا.....نام...نوشیرواں.....ہے۔"

شو کے سیٹ پہ چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ گویا سانسیں تک رک گئی ہوں۔

"گولی کھانے کے بعد کیا ہوا؟ آئی نو یہ آپ کے لئے تکلیف دہ ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ ملک بھر میں بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں

بھی بی این نیوز کی نشریات جاری تھیں' اور لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔"

سعدی نے ایک گہری سانس لی۔" مجھے تین گولیاں ماریں اس نے۔ پیٹ میں۔ کندھے میں۔ ٹانگ میں۔ میں نیچے گر گیا۔ زمین پہ۔ مجھے لگا اب وہ بھاگ جائے گا' مگر وہ نہیں بھاگا۔ میں اب تک بے یقین تھا۔ شاک میں تھا۔ پھر وہ میری طرف آیا۔ شاید مجھے لگا کہ اب یہ مجھے اٹھائے گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ وہ میرا اچھا دوست رہا تھا۔ مگر اس نے مجھے بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ وہ میرے منہ پہ....." رک کر سانس لیا۔" وہ میرے منہ پہ جوتے سے ٹھوکریں مارتا رہا۔ ساتھ میں وہ مجھے گالیاں بھی دے رہا تھا' وہ کہہ رہا تھا کہ میری وجہ سے وہ ہمیشہ outshine ہو جاتا ہے۔ میرے سامنے وہ بیسٹ نہیں لگ سکتا۔ وہ مجھے مارتا گیا۔ بری طرح۔ گولی سے زیادہ تکلیف دہ وہ ٹھوکریں تھیں۔ وہ بوٹ کی ٹھوکریں جو میرے منہ پہ آ لگی تھیں۔" اسکرین پہ اب زخمی سعدی یوسف کی پولیس فوٹوز دکھائی جا رہی تھیں۔ زخم زخم چہرہ۔ زخمی جسم۔ بند آنکھیں۔ رستا خون۔

"لوگ کہتے ہیں روحانی اذیت زیادہ ہوتی ہے مگر میں آپ کو بتاؤں' جسمانی اذیت زیادہ بدحال کرتی ہے۔ اسی لئے تو قیامت کے بعد برے لوگوں کے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔ جسمانی اذیتوں کی جگہ۔ یہ نہیں وعدہ کیا گیا کہ مشرکوں کو ڈپریشن ہوگا' یا ان کے دل ٹوٹ جائیں گے' ان کو طنز و طعنے سے اداس کیا جائے گا بلکہ جسمانی عذاب کی وعید سنائی گئی۔ وہ تکلیف' وہ اذیت...... وہ بہت زیادہ تھی' اور اس لمحے میرے منہ سے ایک ہی بات نکلی تھی...... "اللہ حساب لے گا۔"

اینکر اب بریک پہ جا رہا تھا۔ کوئی ٹرانس سا ٹوٹا تھا۔ گردنیں مڑیں۔ نگاہیں اٹھیں۔ سب نوشیرواں کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی کچھ نہیں بولا۔ بس نظریں اس پہ گاڑھ دیں۔ وہ ملامتی' وہ اندر تک اتر جانے والی غصیلی نظریں' وہ نفرت انگیز نظریں.... وہاں موجود ہر شخص مدھم زرد بتیوں میں صاف نظر آتے اسٹول پہ بیٹھے شیرو کو دیکھ رہا تھا۔

نوشیرواں چیخ چلا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ دم توڑ گئے تھے۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ والٹ اور چابیاں اٹھائیں' فون جیب میں ڈالا۔ سب اسے گھور رہے تھے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ نظریں انی کی طرح اس کے سارے وجود میں اتر رہی تھیں۔ اسے پسینہ آنے لگا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ دروازہ دور تھا۔ نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس کا تنفس تیز' بے ترتیب ہو رہا تھا۔ نفرت' ملامت' غصہ' وہ سارے جذبات آگ کی لپٹوں کی طرح اس کا پیچھا کر رہے تھے.... گویا یہ لپٹیں اس کو کھا جائیں گی.... بدقت وہ باہر نکل پایا تھا.... مگر اس ساری تپش نے کاؤنٹر پہ رکھے گلاس میں تیرتی برف کی ڈلیوں کو پگھلا دیا تھا۔ برف کی جمی پرتیں پانی بنتی جا رہی تھیں۔

(آج)

"استغاثہ اگلی پیشی پہ گواہوں کو پیش کرے گا' تمام کاغذات عدالت میں جمع کرا کے....." جج صاحب کی سخت کھردری آواز نے نوشیرواں کو چونکایا تھا۔ وہ ایک دم بے اختیار گردن موڑ کر استغاثہ کی کرسیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں سعدی اسی طرح اداس سا بیٹھا تھا۔ زمر اب اٹھ کر جج صاحب کے ڈیسک تک جا کھڑی ہوئی تھی۔ ہاشم ہاتھ میں کاغذ پکڑے کچھ کہہ رہا تھا اور احمر فائل سے کاغذ نکال نکال کر اسے تھما رہا تھا۔ مگر شیرو کی نظریں اس کے اداس چہرے پہ جم سی گئیں.....

سعدی وہاں نہیں تھا۔ اس کا گہرا خیال اسے یہاں سے دور کسی جنگل بیاباں سے گزار کر.... برف کے سمندر اور سنہری ریت کے محل عبور کرا کے.... نیلی جھیل اور سفید چوٹیوں کے اوپر سے اڑا کے.... اونچی آبشاروں کی سطح پہ تیرا کے.... اس کا خیال اس وقت اسے پیچھے لے جا رہا تھا.....

(دو ماہ پہلے)

مور چال کی دیواروں سے چپٹی سبز بیلیں اداس اور ویران لگتی تھیں۔ زمر اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ بیڈ پہ سفری بیگ کھلا تھا اور وہ

اس میں کپڑے تہہ کر کے ڈالے جا رہی تھی۔ انداز سے شدید اکتائی ہوئی لگتی تھی۔ دفعتاً سر کو اٹھا کر کونے میں کھڑے' خفا اور برہم سعدی کو دیکھا۔ "میں نے یہ تمہارے لئے نہیں کیا۔ دسویں دفعہ بتا رہی ہوں۔"

"آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے؟" وہ فوراً بے بس پریشانی میں قریب آیا۔ "اگر آپ ٹرائل کے لئے فارس ماموں کو چھوڑ دیں گی تو کیا میں یوں خوش ہوں گا۔"

"میں ان ٹیپیکل عورتوں میں سے نہیں ہوں جو ہر دوسرے دن کسی ٹی وی ڈرامے میں شوہر کو قربانی کر رہی ہوتی ہیں۔ میں تو صرف...." سر جھٹکا اور بیگ کی زپ بند کی۔ "میں صرف ایک کوشش کر رہی تھی۔ مگر بہر حال اب کوئی ٹرائل نہیں ہوگا۔ کیس فائلوں میں دب جائے گا۔ اس لئے میں.... کچھ دن کے لئے یہاں سے جا رہی ہوں۔ پلیز مجھے مت روکنا۔"

وہ خفگی سے اسے دیکھتا رہا۔ "آپ جا رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں آپ کو نہ روکوں؟" پھر گہری سانس لی۔ "آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ کو روکوں گا؟ کب سے لگنے لگا میں آپ کو اتنا خود غرض۔ کیا میں آپ کو سکون سے چند دن نہیں گزارنے دوں گا؟ نہیں چاہیے مجھے ایسا ٹرائل جس کے لئے مجھے آپ دونوں کی قربانی دینی پڑے۔"

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔ "مگر مجھے تو چاہیے تھا نا۔ خیر' جب میں واپس آؤں گی تو ہم مل کر کچھ حل نکالیں گے اور پھر....."

"اور پھر کوئی کیس نہیں لڑ رہے ہم۔ کم از کم آپ کے واپس آنے تک میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"او کے!" زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دی۔ "اب میں پیکنگ کر لوں۔"

"اور یہ آبدار صاحبہ کب سے آپ کو تنگ کر رہی ہیں؟ اس کو میں کل فکس کرتا ہوں۔" وہ شدید غصے میں تھا۔ زمر ایک دم ہنس پڑی۔

"ہنسیں کیوں؟"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے کوئی غنڈہ بدمعاش مجھے بس اسٹاپ پہ روز تنگ کرتا ہو۔ ارے یار وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور اس کو تمہارے دو نمبر ماموں اچھے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کوئی ہمت بڑھائی ہوگی ان صاحب نے جو بات یہاں تک پہنچی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی آخر میں لہجہ ذرا جل سا گیا۔ سعدی کے ماتھے کے بل ڈھیلے پڑے۔ ذرا سا مسکرایا۔

"ایک وقت تھا' وہ آپ کو زہر لگتے تھے۔"

"شہد اب بھی نہیں لگتا۔ زہر ہی ہے۔" سر جھٹک کر وہ پرس میں چیزیں ڈالنے لگی۔ پھر اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے چہرہ اٹھایا۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟"

"کچھ نہیں۔" ہنس کر سر جھٹکا۔ "آپ آرام سے جائیں۔ اب ہم کسی ٹرائل کا نہیں سوچیں گے۔" زمر اسے چند لمحے تک دیکھے گئی۔ جیسے کنفیوز ہو۔ پھر امید بندھی۔ "تم سچ کہہ رہے ہو نا۔ میرا مطلب ہے۔ تم ٹھیک ہو نا؟"

"اب ہو گیا ہوں ٹھیک۔ آپ کو خوش دیکھ کر ٹھیک ہوں میں۔ اور وہ جو باتیں گروپ پہ آپ میرے لئے لکھتی ہیں نا' ان کو پڑھ کر مزید ٹھیک ہو گیا ہوں۔ فکر نہ کریں اور آرام سے جائیں۔" وہ مسکرا رہا تھا اور تسلی بھی دے رہا تھا۔ زمر کا دل جیسے ہلکا سا ہو گیا۔ وہ سکون سے پیکنگ کرنے لگی۔

پھر باہر سے استری والے کپڑے اٹھانے آئی تو کمرے کے سامنے لاؤنج کے صوفے پہ حنہ بیٹھی تھی۔ یقیناً وہ کھلے دروازے کے باعث سب دیکھ اور سن چکی تھی۔ (گھر میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔ سب سارہ خالہ کی طرف گئے تھے۔ ندرت کو بہت گلے تھے ان

لوگوں سے۔)

"اس کو جج مت کریں۔" زمر کو استری اسٹینڈ سے تہہ شدہ کپڑے اٹھاتے دیکھ کر وہ بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ بیمار ہے۔ آبدار۔ اس کو جج مت کریں۔"

زمر نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس کپڑے اٹھاتی رہی۔ دونوں کے بیچ سعدی کے آنے کے بعد سے در آنے والا تناؤ ایک دم زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ پھر حنین شکستگی سے بولی۔ "سوری مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میرا مقام ایسا نہیں ہے کہ میں آپ کو غلط یا صحیح بتا سکوں۔"

زمر ایک جھٹکے سے اس کی طرف گھومی۔ پیر اوپر کر کے بیٹھی اس اداس لڑکی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"تم سعدی کی جگہ نہیں لے سکتیں حنین۔ تم.... سعدی.... کبھی نہیں بن سکتیں۔ جو میرے لیے سعدی ہے وہ تم نہیں ہو سکتیں کبھی بھی!"

حنین ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ دل اتنا زور کا ٹوٹا تھا کہ اسے اپنے کانوں میں کرچیاں بکھرنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"ہر شخص کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ تم سعدی نہیں بن سکتیں نہ تم اس کی طرح ہو۔ تم حنین ہو۔ اور جو تم میرے لیے ہو وہ سعدی میرے لیے نہیں بن سکتا۔ اسی طرح فارس سعدی یا دنیا میں کوئی بھی شخص خواہ اس سے میں کتنی ہی محبت کروں یا وہ مجھ سے محبت کرے وہ میرے لیے حنین نہیں ہو سکتا۔ حنین کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ خونی رشتوں میں موازنہ اور مقابلہ نہیں کرتے۔ کر ہی نہیں سکتے۔ ہر شخص کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ تمہاری بھی ہے اور اس جگہ کو کوئی نہیں بھر سکتا۔"

آنسو حنین کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔ لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"اور ایسے ہی تمہاری زندگی میں کوئی زمر کی جگہ نہیں لے سکتا جس کے جانے کے بعد تم کھڑکی پہ کھڑی ہو کر اس کے واپس آنے کا انتظار کرو۔ جس کی بھولی ہوئی چابیاں اور گلاسز لوٹانے کے لیے تم اس کا بیچ راستے سے مڑنے کا انتظار کرو۔ جب تم زمر کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی تو میں بھی حنین کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی۔"

حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں پہ چھائی گرد کو زمر نے پانی ڈال کر جیسے دھو دیا تھا۔ زمر کپڑے لے کر آگے بڑھ گئی اور وہ ایک خوشگوار احساس میں گھری بیٹھی رہ گئی۔ ایک محبت کھوئی تو کیا ہوا۔ بہت سی مل بھی تو گئیں۔ سعدی آہستہ سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھا تو حنہ چونکی۔ اس کی مسکراہٹ غائب تھی۔ اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ "ہم نے ٹرائل لڑنا ہے حنہ' مجھے بتاؤ کیسے!"

حنین کے دل کو دھکا سا لگا۔ "تو وہ سب جو ابھی کہا۔"

"یہ میری جنگ ہے' مجھے لڑنی ہے' ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"

سوری مگر میں ٹیم فارس ہوں' اور میرا خیال ہے آپ کو بالکل بھی انصاف نہیں ملے گا۔ یہ سب بے کار ہے بھائی۔" وہ الٹا اسے سمجھانے لگی تھی۔ سعدی بنا تاثر لیے بس اسے دیکھے گیا۔

(آج)

اپنے عالم تنویم سے وہ نکلا تو خود کو عدالتی کمرے میں پایا۔ پھر سر جھٹک کر وہ اٹھا اور جانے والوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اس کی کرسی وہیں پڑی رہی۔ دیوار پہ لگی گھڑی کی سوئیاں اپنی مسافت طے کرتی رہیں۔ روشنی' اندھیرا' روشنی' بارش' آندھی' پھر اندھیرا' پھر روشنی۔ کھڑکی سے باہر آسمان کے سارے بدلتے عکس اس کرسی پہ پڑتے رہے یہاں تک کہ وہ واپس آ کر اس پہ بیٹھا' آج سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تو یوں لگتا تھا گویا بالخصوص تیار ہوا ہو۔ تازہ شیو' تازہ قلموں سے تراشے بال' نیا کرتا شلوار' پیروں میں پشاوری چپل' وہ گویا تیار تھا۔

گواہی دینے کے لیے۔

نظر اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ تو سب اپنی معمول کی کرسیوں پہ آبیٹھے تھے۔ ہلچل اور آوازوں کے بیچ بھی، وہ دیکھ سکتا تھا نوشیرواں چپ چاپ ہاشم کے پہلو میں بیٹھا ہے۔ اس کا چہرہ ویران اور آنکھیں رتجگے کے باعث سرخ تھیں۔ وہ بالکل لاتعلق سا سامنے، دیکھ رہا تھا۔ کسی غیر مرئی نقطے کو.... شاید اس کی نظروں میں بہت سے نقطے تھے.... سفید نقطے.... ٹی وی اسکرین کے سفید شور کی طرح....

(دو ماہ پہلے)

اس نے چینل بدلا تو اسکرین پہ سفید دانے سے آ رہے تھے۔ (White noise) ہاشم نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اگلا چینل لگا لیا۔ وہ اس وقت آدھی آستین کی شرٹ اور نرا زر میں بیٹھا' بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے ہوئے اور پاؤں میز پر رکھے ہوئے تھا۔ یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔ بیڈ روم کی بتیاں بھی مدھم تھیں۔ ایسے میں دروازہ دستک کے بعد کھلا تو اس نے چونک کر دیکھا۔ چوکھٹ میں شیرو نظر آ رہا تھا۔ نیم روشن ماحول میں بھی وہ اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ سکتا تھا۔

''تم نے ہرگز لی ہیں کیا؟'' ہاشم بولا تو لہجہ نہ سخت تھا نہ نرم۔ بس وہ جاننا چاہتا تھا نوشیرواں خاموشی سے اندر آیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔ لاک کے چوکھٹ میں گھس کر ''کلک'' ہونے کی آواز آئی۔ شیرو، ہاتھ پیچھے دروازے پہ رکھے یونہی کھڑا رہا۔

''میں انٹرویو نہیں دے سکتا۔''

ہاشم نے نہ ابرو بھینچے نہ برہمی ظاہر کی۔ بس سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے گیا۔

''میں سعدی کی طرح انٹرویو نہیں دے سکتا۔ آپ نے جو انٹرویو میرے لیے رکھوایا ہے اس کو منسوخ کر دیں۔''

''کیوں؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔ سیاہ آنکھیں نوشیرواں کی سنہری آنکھوں پہ جمی تھیں۔

چند پل سرکے۔ زرد روشنیوں کا نیم اندھیرا مدھم سی ٹی وی کی آواز' کھڑکی کے باہر بہتی' بھیگتی رات.... سب خاموش تھے۔

''مجھ سے وہ سب.... وہ اسکرپٹ نہیں بولا جائے گا۔ بھائی لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''جب سے اس کا انٹرویو آیا ہے' میں جس جگہ جاؤں' لوگ یا تو مجھے باتیں سناتے ہیں یا نفرت سے دیکھتے ہیں۔ میں کسی پارٹی میں کسی ٹیبل پہ بیٹھوں تو لوگ وہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔ میں قابل نفرت' قابلِ حقارت بن کر رہ گیا ہوں۔'' اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ ''اس نے ساری زندگی میرے ساتھ یہی کیا۔ مجھے ہمیشہ اندھیروں میں دھکیل کر ساری روشنی خود سمیٹنی چاہی، وہ اب بھی میرے ساتھ یہی کر رہا ہے۔ جو بوٹ میں نے اس کے منہ پہ مارے تھے' وہ میرے ہر دوست' ہر عزیز' پبلک کے ہر آدمی سے میرے منہ پہ لگوا رہا ہے۔ میں قید ہو کر رہ گیا ہوں۔''

''ملک سے باہر چلے جاؤ۔''

''اس سے کیا ہوگا؟ میرا سوشل سرکل تو وہی رہے گا نا۔ میں ایک دفعہ بھاگا تھا' اب نہیں بھاگوں گا۔'' ایک عزم سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں انٹرویو نہیں دوں گا' کچھ نہیں بولوں گا۔ کیونکہ میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔ برڈن آف پروف الزام لگانے والے پہ ہوتا ہے' انہیں ثابت کرنے دیں۔ عدالت میں ان کے خلاف میرا دفاع کریں بھائی۔ مجھے بری کروا دو تاکہ میں فخر سے کہہ سکوں کہ میں بے گناہ تھا تبھی مجھے بری کیا گیا ہے۔''

ہاشم چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ شیرو کے چہرے سے واضح تھا کہ وہ بہت مشکل سے اس فیصلے پہ پہنچا ہے۔

''ہم ٹرائل پہ نہیں جا رہے شیرو۔ میں اس کیس کو ٹاکلوں میں دبا دوں گا۔''

''مگر بھائی' ہم.....''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟'' ہاشم ریموٹ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا لہجہ تند ہو گیا تھا۔

''کیا؟''

''یہی۔ بار بار کہنا میں ٹرانکل پہنچ جاؤں گا۔''

نوشیرواں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ہاشم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے سامنے آرکا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں یہ تمہیں بچانے کے لیے نہیں کر رہا تھا۔ میں یہ خود کو بچانے کے لیے کر رہا ہوں۔''

''مگر آپ کا تو نام ہی نہیں.....''

''میں یہ اپنی روح بچانے کے لیے کر رہا ہوں۔ جانتے ہو ٹرائل میں جائیں گے تو کیا ہوگا؟'' وہ تیزی اور درشتی سے بولا تھا۔ ''مجھے ان کے خاندان کے ایک ایک شخص کو عدالت میں گھسیٹ گھسیٹ کر بے عزت کرنا ہوگا۔ مجھے زمر کو ایک کرپٹ وکیل اور ایک منافق عورت ثابت کرنا ہوگا جو اپنے شوہر کے خلاف بھی پلاننگ کرتی رہی ہے۔ مجھے سعدی کو دہشت گرد اور مجرم اور ہوس پرست لالچی نوجوان ثابت کرنا ہوگا، حسین کو بدکردار اور فارس کو قاتل ثابت کرنا ہوگا۔ جب ہم ان سب کے کردار مسخ کر چکے ہوں گے، فائلیں کھول کھول کر جج کو دکھائیں گے کہ ندرت یوسف نے ناجائز زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور ان کے بڑے ابا اپنی ملازمت کے دوران کتنی دفعہ رشوت لے چکے ہیں، اور جب یہ کہانیاں اخباروں میں چھپیں گی اور ٹی وی پہ دکھائی جائیں گی، تب..... تب عدالت سعدی کی بات پہ یقین کرنا ختم کرے گی۔ تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لیے یا تو میں اس پورے خاندان کو نئے سرے سے تباہ کروں یا اس کیس کو ہی دبا دوں۔ دونوں صورتوں میں جیتیں گے ہم ہی۔ تو پھر میں کیوں کروں ان کے ساتھ دوبارہ ایسے؟ کیا ہم نے کم نقصان کیا ہے پہلے ان کے خاندان کا؟ کتنے لوگ مارے، کتنے ابھی تک ہماری وجہ سے بیمار ہیں، اور سعدی..... کیا میں اسے دہشت گرد ثابت کر دوں؟ کیا یہ اس کو مار ڈالنے کے برابر نہیں ہوگا؟ تم کیوں چاہتے ہو کہ میں سو آن نہ کروں؟ اس سب کو چھوڑ کر نئی زندگی نہ شروع کروں؟ بہت دفاع کر لیا میں نے تمہارا، اب نہیں کروں گا اور تم چپ چاپ وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ یہ میں اپنے مفاد کے لیے نہیں کر رہا۔ مجھے..... عدالت..... میں..... کوئی نہیں ہرا سکتا نوشیرواں۔ زمر اور سعدی مل کر بھی نہیں۔ مگر یہ سب میں اپنی روح اور ان کی زندگیوں کے لیے کر رہا ہوں۔''

نوشیرواں حق دق سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس سب کی امید نہ تھی.....

ٹی وی اسکرین ہنوز چل رہی تھی۔ سگنل پرابلم کی وجہ سے اس چینل پہ رنگ برنگے دانے سے ابھرتے نظر آنے لگے تھے..... ساتوں رنگ کے دانے.....

(آج)

''ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیے۔'' کسی مقناطیس نے لوہے کے ان سارے ذرات کو کٹہرے کنویں سے باہر کھینچ نکالا۔ نوشیرواں سنبھل کر اپنے گرد موجود عدالتی کمرے کا احساس کر کے کٹہرے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سعدی کھڑا تھا۔ کٹہرے کے اندر۔ وہ حلف لے چکا تھا اور اب اس کے سامنے تین قدم نیچے کھڑی زمر گردن اٹھا کر اسے دیکھتی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

''سعدی ذوالفقار یوسف خان۔'' اس نے کٹہرے کی ریلنگ پہ دونوں ہاتھ جمائے پوری طمانیت سے کہا تھا۔

''آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟''

''اسلام آباد۔''

''مذکورہ واقعے سے پہلے آپ کیا کرتے تھے؟'' سب خاموشی سے ان دونوں کو سن رہے تھے۔

''میں..... کیمیکل انجینئر تھا۔''

''ذرا اونچا بولیں۔'' زمر نے اشارہ کیا۔ وہ ہلکا سا کھنکار کر بولا۔ ''میں کیمیکل انجینئر ہوں، یونیورسٹی آف لیڈز سے میں نے تعلیم

حاصل کی ہے۔ اور میں ہیکام میں بطور سائنسدان کام کرتا تھا۔ تھرکول پاور پراجیکٹ کا میں سینئر انجینئر تھا۔" سعدی کے چہرے پہ طمانیت تھی۔ وہ اٹھی گردن اور ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ بتا رہا تھا۔ جج صاحب رخ اس کی جانب ترچھا کیے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"سعدی یوسف! آپ کے والد کیا کرتے تھے؟" زمر دونوں ہاتھ باہم پھنسائے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"وہ ایک ٹیچر تھے۔ میں تیرہ سال کا تھا جب ان کی ڈیتھ ہوئی۔"

"اور آپ کی والدہ؟"

"ابو کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ٹیچنگ شروع کی۔ ہمیں بڑا کیا۔ پھر بعد میں انہوں نے ریسٹورانٹ کھول لیا۔ کرایے پہ شاپ حاصل کی تھی۔ ہمارا گھر بھی کرایے کا تھا۔" زمر نے ذرا چہرہ موڑ کر جج صاحب کے تاثرات دیکھے، پھر واپس اس کی طرف گھومی۔ جج صاحب عینک کے پیچھے سے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔

"تو آپ پھر لیڈز پڑھنے کیسے گئے؟"

"میں نے ایک اسکالرشپ اپلائی کی تھی، مجھے بتایا گیا کہ مجھے اسکالرشپ ملی ہے، ایک امیر آدمی مجھے اسپانسر کرے گا۔"

"کیا واقعی ایسا ہی تھا؟"

"میں کئی برس تک سمجھتا رہا کہ ایسا ہی ہے، مگر بہت دیر سے مجھے معلوم ہوا کہ میری فیس زمر یوسف دیتی ہیں۔"

"اور میں نے آپ کو اس بات سے کیوں آگاہ نہیں کیا تھا۔"

"کیونکہ میں آپ کو آپ کا واحد پلاٹ اپنے لئے نہ بیچنے دیتا کبھی۔ آپ نے مجھے بتائے بغیر اسے بیچا، اور پھر میری فیس بھری۔ پانچ سال تک بھری۔"

وہ اداسی سے مسکرایا۔ زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔ ماحول میں ایک نرم سے، خلوص بھری محبت کی خوشبو آنے لگی۔

"Too poetic" پیچھے کرسی پہ براجمان ہاشم نے اونچی آواز میں تبصرہ کیا تھا۔ زمر اس کی طرف گھومی ہی تھی کہ جج صاحب بولے۔

"آپ کو کوئی اعتراض کرنا ہے کاردار صاحب؟"

"نہیں یور آنر۔ میں تو محض اونچا سوچ رہا تھا۔" سادگی سے شانے اچکائے۔ اس خوشبو کا اثر ایک دم ٹوٹ سا گیا۔ زمر واپس گھومی۔ سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

"سو جب بھی آپ یہ کہتے تھے کہ آپ اسکالرشپ پہ گئے ہیں، آپ اس اسکالرشپ کی حقیقت سے ناواقف ہوتے تھے!"

"جی۔"

"اور جب تم کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے کبھی "شو آف" نہیں کیا۔"

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جہاں تک مجھے یاد ہے، ایسا ہی ہے۔"

نوشیرواں فوراً ہاشم کی طرف جھکا۔ "جب میں اس کے ریسٹورانٹ گیا تھا، اور ایک بچہ میری کار کے نیچے آتے آتے بچا تھا، تب اس نے بھرے مجمعے کے سامنے اسکالرشپ کی بات کی تھی۔ تب تو اس کو پتہ تھا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔"

"وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ اسے یاد نہیں ہوگا۔"

"تو آبجیکٹ کریں نا۔" شیرو جھنجھلایا۔ ہاشم نے اسے گھورا۔

"تاکہ ثابت ہو جائے کہ تم اس کے ریسٹورانٹ گئے تھے! چپ کر کے بیٹھو!" شیرو کڑوا سا منہ بنا کر پیچھے کو ہو گیا۔

دوسری جانب والی کرسیوں پہ پیچھے پیچھے آبدار بیٹھی تھی۔ آج اس کی قطار خالی تھی۔ حنین اگلی قطار میں تھی اور فارس نہیں تھا۔ آبدار گود میں رکھے سیل فون کی سیاہ اسکرین پہ بے خیالی میں انگلی پھیر رہی تھی۔ اس کا ذہن منتشر خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سیاہ اسکرین پہ نظریں مائن کیے وہ اس میں جھلملاتا اپنا عکس دیکھنے لگی......

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کلینک میں کرسی پہ بیٹھی اور سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی سیاہ بجھی ہوئی اسکرین میں اسے اپنا عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم لگتی تھی۔ اس کے عین پیچھے دیوار گیر کھڑکی سے سورج کی تیز روشنی کے علاوہ اوپر سے نیچے لٹکتی سبز بیلیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ تبھی دروازہ دھیرے سے کھلا۔ آبدار نے نظریں اٹھائیں۔ ذرا سا مسکرائی۔

ایک متذبذب مگر سنجیدہ سا سعدی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ آبی اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ بس سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا آپ اپنے مریضوں کو کاؤچ نہیں پیش کرتیں؟'' وہ سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ مریض نہیں ہیں۔ subject ہیں میرے لیے۔ کچھ پئیں گے؟'' انٹرکام پہ ہاتھ رکھتے اس نے استفسار کیا۔

''اونہوں...صرف بولوں گا۔''

''کہیے۔ میں سن رہی ہوں۔'' سعدی چند لمحے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ وہ ہلکی سی سفید سویٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔ سویٹر کے اندر سے کالر بھی جھلک رہے تھے۔ چہرے سے سوگوار لگتا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے سعدی یوسف کا کوئی ghost بیٹھا ہے۔ تم وہ شخص نہیں رہے۔'' آبدار کو افسوس ہوا۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ جو لڑکا میں تھا، اگر وہ لڑکا اب مجھے دیکھے تو کیا کہے گا۔ کیا سوچے گا۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ کھڑکی سے باہر لان میں ٹہلتے مور درختوں پہ بیٹھے پرندے.....

''یہی سوچے گا کہ تمہیں راہ راست پہ لانے کو کون سا لیکچر دیا جائے۔ وہ لڑکا ہر وقت دوسروں کو فکس کرنے والی باتیں سوچتا تھا۔'' پھر شرارت سے مسکرا کر آگے ہوئی۔ ''کہیں مجھے بھی فکس کرنے تو نہیں آئے۔''

''سوچا یہی تھا، مگر تم میرے لیے میری بہن کی طرح ہو۔ اور اس نے کہا تھا کہ تمہیں جج نہ کیا جائے۔ سو میں یہاں تمہارا شکریہ کرنے آیا ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کوئی لمبا چوڑا NDE نہیں ہے۔''

آبدار حیران ہوئی۔ ''مگر تم تو نیئر ڈیتھ سے نکل کر آئے ہو۔ ہے نا۔''

''یہ صرف میرے ڈاکٹرز کا اندازہ تھا، ورنہ میں گہرے خواب سے نکل کر موت تک نہیں گیا تھا۔ میں پہلے بھی بتا نہیں سکا، مگر میں اس لیول تک نہیں جا سکا۔ میں نے صرف ایک خواب دیکھا تھا۔''

''آہاں۔'' وہ توجہ سے سننے لگی۔ ''کیا خواب؟ یہ کرسی آرام دہ ہے، تم ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔'' سعدی نے ہلکی سی ٹیک لگائی، مگر سر پیچھے نہیں لگایا۔ وہ کھڑکی سے باہر نظر آتے مور کو دیکھ رہا تھا۔ مور اپنے بھدے پیروں کے ساتھ دھیرے دھیرے ٹہل رہا تھا۔ اس کے پنکھ دھنک کے ساتوں رنگ اپنے اندر سموئے اس کے وجود کے گرد پھیلے تھے۔

''تم نے کیا دیکھا تھا؟'' اسے آبدار کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ نگاہوں کے سامنے بس وہ مور تھا۔ اس کے پیروں کے رنگ تھے۔

''میں نے....خواب دیکھا تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ ہم لوگ گئے تھے کسی پہاڑی وادی میں۔ نام یاد نہیں۔ وہاں ایک چشمے پہ بیٹھے ہوئے زمر نے مجھے کہا تھا کہ.....'' مور ڈھلتا ٹہلتے ٹہلتے رک گیا تھا۔ گویا غور سے کسی کو دیکھنے لگا ہو۔ سامنے سے مورنی چلتی آ رہی

تھی۔ وہ سفید تھی' پرانگر مرغی جیسی سفید اور واجبی سی۔ بلکہ بدصورت سی۔

"زمر نے کہا تھا کہ زندگی میں چاہے کچھ بھی ہو جائے' وہ میری keeper بنیں گی۔ میرا خیال رکھیں گی۔ میری حفاظت کریں گی۔ مگر کوئی بھی میری حفاظت نہیں کر سکا۔"

"تم غصہ ہو سب پہ؟" مورنی اب مور کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ گول' گول۔

"میں دکھی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے..... جیسے....."

"جیسے یہ سب پھر سے دہرایا جائے گا اور تم اس دفعہ سروائیو نہیں کر پاؤ گے۔"

وہ چونک بھی نہیں سکا۔ اس کی توجہ موروں پہ تھی۔ مور کسی راجکمار کی طرح پر پھیلائے اکڑ کر کھڑا تھا اور مورنی اس کے گرد گھومے جا رہی تھی۔

"ہاں۔ مجھے اندر سے یہی خوف لاحق ہے۔ کہ میں پھر سے کسی ٹریجڈی کا شکار ہو جاؤں گا۔"

"کیا تم نے اس خوف کو اپنے اندر سے نکالنے کے لیے کچھ کیا ہے؟"

"کیا کروں؟"

"سوچو۔ کوئی راستہ نکالو۔" وہ آواز گو کہ دور سے آ رہی تھی مگر اس میں رعب تھا۔ اثر انگیزی تھی۔ ایسی مضبوطی کہ وہ اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ جیسے اس کا حکم ماننے پہ مجبور ہو۔ نظریں موروں پہ تھیں۔ مورنی اب مور کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"کیسے نکالوں راستہ؟"

"صرف تم نکال سکتے ہو راستہ۔"

"مجھے انصاف چاہیے۔"

"ہم زندگی میں اکثر چیزوں کی تمنا کر کے سوچتے ہیں کہ جب مجھے یہ مل جائے گا تو میں بہت خوش ہو جاؤں گا۔ غلط۔ خوشی ہمارے اندر ہوتی ہے۔ اگر کچھ نہ ہو کر بھی ہم خوش نہیں ہیں تو کچھ پا کر بھی نہیں ہوں گے۔ ابھی سے ٹھیک ہونے کی مشق کرو گے تو ٹھیک ہو بھی جاؤ گے۔"

"کیا کروں؟" اس کا وجود کمزور پڑ رہا تھا۔ آواز کمزور تھی۔

"انصاف ڈھونڈو مگر یہ بھی سوچو کہ اگر انصاف نہ ملا تو کیا تم سنبھل سکو گے؟ کیا دوبارہ اٹھ کھڑے ہو سکو گے؟"

"کیا ہو جاؤں گا؟"

"ہاں۔ ہو جاؤ گے۔" آواز میں یقین تھا' مضبوطی تھی۔ دھونس تھی۔ اس کا اثر دل تک ہوتا تھا۔ اس کا اثر دماغ پہ بھی ہوتا تھا۔

"کیا کرنا ہو گا مجھے انصاف کے لیے؟"

"جو کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہے۔ نہ میں کچھ کر سکتی ہوں' نہ بابا' نہ زمر' نہ فارس۔ سب نے اپنی اپنی کر کے دیکھ لی۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے ہاشم کو اس مقام تک لانا چاہا کہ وہ تمہارا مقابلہ کورٹ میں کرے' مگر کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔ صرف تم یہ کر سکتے ہو۔"

اب چپ چاپ اپنی مورنی کے قریب بیٹھ گیا۔ پروں کو سمیٹ لیا تھا۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں خود گنہگار ہوں۔" اس کی آواز کانپی۔

"یہاں سب گناہگار ہیں سعدی۔ ہر ایک کو برے کاموں اور بری لتوں نے جکڑ رکھا ہے۔ کوئی اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرتا رہتا ہے اور کوئی سیاہ کاریوں کے اندھیرے میں بھی ننھا سا دیا جلائے رکھتا ہے۔ سب ہی گناہگار ہیں۔ تم ہو تو کیا بڑی بات ہے؟"

''میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ جو کوئی نہ کر سکا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں؟''

''کیونکہ تم ہمیشہ وہی کرتے آئے ہو جو کوئی اور نہیں کر سکا۔ میں نے عرصہ پہلے تمہیں کہا تھا' تمہارے اندر ایک ہی خوبی ہے۔ تمہاری باتیں۔ اس کو استعمال کرو۔ ایک دفعہ پھر......''

موروں کے جوڑے نے یکا یک کسی شے کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں اٹھ کر آگے کو بھاگے۔ کھڑکی سے نظر آتے لان کے حصے سے وہ غائب ہو گئے۔ سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ دھیرے دھیرے اس کے شل اعصاب بیدار ہونے لگے تھے۔ اس نے آنکھیں مسلیں۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اسی طرح سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں......؟'' وہ پوچھ بھی نہیں سکا۔ وہ حیران تھا۔ وہ اچنبھے میں تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے ساتھ۔ تم معمولی سے hypnosis (عالم تنویم) میں تھے۔ جیسے کوئی کتاب پڑھتے ہوئے' کوئی فلم دیکھتے ہوئے ہم اس میں کھو جاتے ہیں۔ تم بھی گہرے خیال میں تھے۔'' سعدی چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں چلتا ہوں۔''

''میری باتوں پہ غور کرنا!'' اس نے تاکید کی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر سر ہلا رہا تھا......

(آج)

''پہلی دفعہ آپ کا ہاشم کاردار سے تعارف کب ہوا تھا؟'' آبدار نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ کورٹ روم میں بیٹھی تھی اور دور سامنے' کٹہرے کے پیچھے کھڑی زمر سوالات کر رہی تھی۔ وہ سنبھل کر سیدھی ہوئی۔

''آٹھ سال پہلے' جب وہ اپنے مرحوم والد کے ساتھ میرے گھر آئے تھے اپنے ولیمے کا کارڈ دینے۔'' اسٹینڈ میں کھڑا اسعدی بتا رہا تھا۔

''آپ کا ان کے بارے میں پہلا تاثر کیا تھا؟''

''یہی کہ وہ ایک بہت اچھا آدمی ہے۔''

''اور اب آپ کو لگتا ہے کہ آپ غلط تھے۔''

''آبجیکشن یور آنر!'' پیچھے بیٹھا ہاشم پکارا تھا۔ ''مسز زمر گواہ سے رائے مانگ رہی ہیں۔'' (گواہ سے گواہی یعنی fact مانگے جاتے ہیں' رائے نہیں۔) ہاشم نے ایک دو وجہ سے اعتراضات کے علاوہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

''Sustained'' جج صاحب نے زمر کو اشارہ کیا' اس نے سر کو خم دیا۔

''نوشیروان کاردار سے آپ کی پہلی ملاقات کب ہوئی؟''

''چند دن بعد جب میں ہاشم کاردار کے گھر گیا۔''

''ابھی آپ کو ان سے ملے چند دن ہی تو ہوئے تھے اور آپ ان کے گھر بھی چلے گئے۔''

''میں اس لئے گیا تھا کیونکہ وہاں میرے ماموں رہتے تھے۔ واپسی پہ میں ہاشم کی طرف چلا گیا۔''

''اور پھر؟''

''میں اسٹڈی میں تھا جب میں نے کراہنے کی آواز سنی۔ دیکھا تو ساتھ والے کمرے کی بالکونی میں نوشیروان گرا پڑا ہے۔ وہ ڈرگز کی اوور ڈوز کی وجہ سے قریب المرگ لگتا تھا۔ میں نے میری انچیو کو کار نکلوانے کا کہا اور پھر ہم اسے ہاسپٹل لے گئے۔ بہر حال وہ جلد ٹھیک ہو گیا۔''

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اسکی جان بچائی!''

''میں کہہ نہیں رہا۔ سب گواہ ہیں اس کے۔''

''او کے!'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ انکھیوں سے وہ مسلسل جج صاحب کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ اب تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے' کہنی ڈیسک پہ ٹکائے' متوجہ مگر سپاٹ چہرے کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''مسز کاردار سے آپ کا کیسا تعلق تھا؟''

''میں اپنی اور مسز کاردار کی تمام ای میلز کا ریکارڈ کورٹ میں جمع کرا چکا ہوں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجھے اپنے بیٹے کی جاسوسی کرنے کے لئے کہتی تھیں اور میں محض اس کی بھلائی کے لئے ان کو بتا دیتا تھا اگر نوشیرواں کسی غلط کام میں ملوث ہوتا تو۔ بہت دفعہ میں نے نوشیرواں کا پردہ بھی رکھا' مگر یہ ایک ماں کا حق تھا۔''

''لیکن جب نوشیرواں کو آپ کے سامنے یونی میں مارا پیٹا گیا تو آپ نے اسے کیوں نہیں بچایا؟''

''میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ میں نے اس لئے نہیں بچایا کیونکہ ہاشم کاردار نے مجھے منع کیا تھا' کیونکہ اس نے خود اپنے بھائی کو پٹوایا تھا تاکہ وہ اس کی دوست آبدار عبید کو تنگ نہ کرے۔''

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' جواہرات بے یقینی سے ہاشم کے قریب ہوئی۔ ''تم نے اس کو نہیں بتایا تھا۔''

''کیا اس کو پتہ تھا بھائی!'' شیرو ہلکا سا غرایا۔ ہاشم خود بھی چونکا تھا۔ ''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔'' وہ حیران تھا۔

''سو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہاشم جس لڑکی کو پسند کرتا تھا نوشیرواں اس کو ہراساں کرنے لگا تھا' سو ہاشم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا؟'' زمر کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ ہاشم ابرو اکٹھے کیے آگے کو ہوا۔ وہ متحیر تھا۔

''جی۔ جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' ہاشم کی میل ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے' اور میں اس کی کاپی آپ کو دے رہا ہوں۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتی ہیں کہ ہاشم ہی اپنے بھائی کا دشمن تھا' میں نہیں۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

جب زمر نے ایک کاغذ جج صاحب کو اور ایک ہاشم کو پکڑایا تو ہاشم نے تیزی سے ناک پہ عینک لگائی اور اسے پڑھا۔ جواہرات اس کے کندھے سے جھک کر اسے پڑھ رہی تھی۔ سعدی اور زمر نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا۔ یوں لگتا تھا دفاع کی کرسیوں پہ کھلبلی سی مچ گئی ہو۔

''یہ تمہارا لکھنے کا اسٹائل ہے۔ ای میل بھی درست لگ رہی ہے۔ فارنزک میں بھی درست ثابت ہوگی ورنہ زمر اس کو جمع نہ کراتی۔ ہاشم یہ کیا ہے۔'' جواہرات نے تلملا کر اسے گھورا۔ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''یہ درست ہے مگر یہ کسی نے بیک ڈیٹ میں جا کر اب بھیجی ہے' کوئی جس کو ان امور میں مہارت ہو اور.....'' چونک کر اس نے گردن موڑی۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ پیچھے بیٹھی حنین کو دیکھا۔ وہ (جج صاحب سے نگاہ بچا کر) ہاتھ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ پھر ہاتھ اٹھا کر' ہتھیلی ہاشم کو دکھائی۔ BINGO۔ ہاشم نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر شانے اچکا کر سامنے دیکھنے لگی۔

ہاشم گہری سانس لے کر سیدھا ہوا۔ ''وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔'' اس نے مدھم سرگوشی کی۔ ''وہ کہہ رہا ہے کہ یہ سب میں نے انٹرویو میں کہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ یہ سب انٹرویو میں کہہ چکا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا کہ ایسا ہوا بھی تھا۔ technically یہ جھوٹ نہیں ہے اور وہ پکڑا نہیں جا سکتا۔ لعنت ہے۔''

''تو اس نے انٹرویو دنیا کو ایموشنل کرنے کے لئے نہیں دیا تھا؟ بلکہ عدالت میں اپنے الفاظ کی ہیرا پھیری کرنے کے لئے دیا تھا!''

''میں نے ایک دفعہ بھی اس کا انٹرویو نہیں سنا۔ ڈیم اٹ۔'' ہاشم کاغذ لے کر اٹھا۔

''یور آنر یہ ای میل خود ساختہ ہے' میں نے ایسی کوئی میل سعدی کو نہیں کی۔''

''ریلی ہاشم؟ کیا تم پرو کر سکتے ہو؟'' زمر نے سادگی سے آنکھیں جھپکائیں۔ ہاشم گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔ ایک تیز نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے بھی مسکرا کر کندھے اچکائے تھے۔

زمر واپس سعدی کی طرف گھومی۔ استغاثہ کے بینچ میں واضح تبدیلی آئی دکھائی دیتی تھی۔ مسکراہٹیں بڑھ چکی تھیں۔ آرام دہ ماحول بن چکا تھا۔ زمر نے اگلا سوال پوچھنے سے پہلے غیر ارادی طور پہ انگلی میں پہنی انگوٹھی کو گھما کر پیچھے جھکیلا۔ اس کا نیلا ہیرے جیسا چمکتا نگینہ ڈھیروں روشنیاں چھوٹنے لگا۔ ایسی خوبصورت روشنیاں کہ اگر تم ان میں دیکھنے لگو تو تمہاری آنکھیں چندھیا جائیں' اور پھر تم کچھ اور نہ دیکھ سکو.....ہیروں جیسی روشنیاں.....

(دو ماہ پہلے)

اور جب یہ روشنیاں چھٹیں تو سامنے ایک خوبصورت وادی تھی۔

سبز پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی نیلی سڑک کسی آبشار کی طرح اونچائی سے نیچے گر رہی تھی۔ سڑک پہ چہل قدمی کرتے سیاح' دکانوں کارش' اپنا اپنا سامان بیچتے خوانچہ فروش' اوپر تیرتے بادل' ان سب سے بے نیاز وہ دونوں سڑک کنارے چلتے اوپر سے نیچے آ رہے تھے۔ فارس نے اپنی بھوری جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے' سر پہ پی کیپ تھی' اور زمر سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بال ڈھیلے جوڑے میں باندھے گردن جھکائے قدم قدم نیچے اتر رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھایا اور پوچھا دائیں سے بائیں طرف چلتے فارس کو دیکھا۔

''ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ بلکہ میں ادھر کیا کر رہی ہوں؟ مجھے تو اس وقت کورٹ میں ہونا چاہیے تھا۔''

فارس کے چہرے پہ خفگی ابھری۔ کیپ والا سر موڑ کر اور آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کم از کم ان تین چار دنوں میں ہم نوشیرواں کے ٹرائل کی بات نہیں کریں گے۔''

''میں اس ٹرائل کی بات نہیں کر رہی۔ کل اس کی پیشی تھی اور نہ ہاشم گیا نہ میں۔ میں اپنے کورٹ کیسز کی بات کر رہی ہوں۔ میں ایسے ہی ادھر آ گئی۔ میرا اتنا کام پڑا تھا پیچھے۔'' اس نے سر کو ذرا جھٹک کر گال کو چھوتی گھنگریالی لٹ پرے ہٹانی چاہی۔ (گرم جیبوں سے ہاتھ نہیں نکالے۔) لٹ کان تک گئی اور پھسل کر واپس گال پہ آ گئی۔

''جی ہاں۔ جانتا ہوں۔ پتہ ہے مجھے آپ وکیل کیا کرتے ہیں۔ لمبی لمبی فیسیں لے کر تاریخ پہ تاریخ دیتے جاتے ہیں۔ آپ کی چند دن کی غیر حاضری سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ویسے بھی عدالت میں جا کر آپ نے جھوٹ ہی بولنا ہوگا۔ اچھا ہے نا' چند دن آپ کے اس بائیں کاندھے والے نگہبان کو ریسٹ ملے گا۔''

''ہاں ہاں تم تو جیسے جیل میں نعتیں پڑھتے تھے۔ لنگر بنوایا کرتے تھے۔'' وہ مسکرا کر گرمجوشی سے بولی تھی۔

فارس نے جیبوں سے ہاتھ نکال کر جیکٹ کا کالر جھٹکا۔

''سوشل ورک کرتا تھا میں۔''

''ہاں کسی کی پسلی توڑی تو کسی کا جبڑا۔ سوشل ورک رائٹ!''

''استغفراللہ۔ کیوں میری مقبولیت سے جلتی ہیں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ٹھنڈی سی سرمئی سڑک کے اردگرد پھیلے سبز پہاڑوں سے قطعاً بے نیاز وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ ''جیل میں لوگ مجھے پسند کرتے تھے۔''

''غلط۔ تم سے ڈرتے تھے۔''

''کچہری میں لوگ آپ سے نہیں ڈرتے کیا؟''

''میری عزت کرتے ہیں۔''

''جی ہاں! بڑی عزت سے آپ کو چڑیل کہتے ہیں۔''

''فارس غازی!'' وہ خفگی سے ایک دم گھوم کر اس کے سامنے آئی۔ فارس کے قدم رک گئے۔ مسکراہٹ دبا کر اس کے چہرے کو دیکھا جو برہمی سے تمتمانے لگا تھا۔

''ہم تین دن کی پکنک پہ آئے ہیں اور تم اس طرح کی باتوں سے باز نہیں آئے جو مجھے غصہ دلاتی ہیں۔''

''آپ کو کون سی باتیں غصہ نہیں دلاتیں'' مگر اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

''وعدہ کرو مجھ سے کہ تم از کم ان تین دنوں میں اب تم کوئی بدکلامی نہیں کرو گے۔'' فارس نے تابعداری سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''رئیلی سوری۔ میں واقعی چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ سفر خوشگوار رہے۔ اس لیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان تین دنوں میں.... کوئی سچ نہیں بولوں گا۔''

اسے پھر سے غصہ آیا مگر ہنس دی اور سر جھٹک کر واپس چلنے لگی۔ وہ بھی مسکرا کر نیچے اترنے لگا۔ دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ کندھے سے کندھا' کہنی سے کہنی۔ برابر۔ ہم قدم۔

رش بڑھ رہا تھا۔ وہ جس گلی میں اتر آئے تھے، وہاں دونوں اطراف میں دکانیں تھیں۔ لوگوں کا شور کہما گہمی عروج پہ تھی۔ کہیں سے پکوڑوں اور باربی کیو کی مہک بھی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ زمر نے شاپس کی قطار کو دیکھ کر کہا۔

''ویسے تم نے مجھے کبھی گفٹ نہیں دیا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔ فارس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''اور وہ جسے آپ میرے تھیرے سسر کے حوالے کر آئی تھیں' وہ کیا تھا؟''

''اونہوں!'' زمر نے ناک سکوڑی۔ ''تب میں تمہاری بیوی نہیں تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اب مجھے کچھ لے کر دو۔ ڈھیر سارے پیسے خرچ کر کے ایک قیمتی سا گفٹ۔''

''مفت تو وہ لونگ بھی نہیں تھی' اس میں solitaire ڈائمنڈ تھا۔ پتہ ہے کتنے کا آتا ہے؟'' وہ جل کر بولا تھا۔

''اُف فارس!'' اس نے شدید خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں وادی کے بازار کے بیچ میں سڑک پہ آمنے سامنے رک کھڑے ہوئے تھے۔

''اب کیا تحفے کی قیمت بتاؤ گے؟''

''بل بھی دکھا سکتا ہوں۔''

''کتنے کنجوس ہو۔ ایک تحفہ تک نہیں لے سکتے میرے لیے۔ پہلی بیوی کو تو بہت تحفے دیتے تھے۔ ساڑھیاں' ہینڈ بیگز۔''

''اس کو شوق تھا۔''

زمر نے پلکیں جھپکا کر کھولیں۔ ''مجھے نہیں ہے کیا؟''

''تمہیں؟'' فارس ہنسا اور ناک سے مکھی اڑائی۔ ''تمہیں ساڑھیاں اور ہینڈ بیگز کون دے۔ تمہارے لئے سب سے بڑا تحفہ پتہ ہے کیا ہو گا؟ کسی وکیل کے کمپیوٹر کا ڈیٹا چرا کر دے دو تا کہ تم اسے بلیک میل کر سکو۔ کسی کے غیر قانونی پلاٹ قبضے کے خلاف ثبوت اکٹھے کر کے، تا کہ تم اس کو جیل بھیج دو۔ تمہیں میں اس طرح کے بہت سے تحفے دے سکتا ہوں۔ چلو بتاؤ شروع کہاں سے کریں؟''

زمر نے خفگی سے اس کی کہنی پہ ہتھیلی بند کر کے ماری اور پھر آگے بڑھ گئی۔ وہ تیزی سے پیچھے آیا۔ ''یار میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔'' پھر رکا۔ آنکھوں میں چمک اتری۔ ہلکا سا مسکرایا۔ ''بلکہ میرے پاس پیسے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے' میرے پیسے۔''

"وات ایور۔ تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے۔" اس کے انداز پہ وہ رکی' گردن گھما کر ابرو اٹھا کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔ فارس نے سر کو خم دیا۔

"مجھے؟" اس نے لب آپس میں مس کیے' اوپر نگاہیں اٹھا کر سوچا۔

"مجھے ڈائمنڈز چاہئیں۔ بہت خوبصورت اور قیمتی ڈائمنڈز۔ بلکہ ادھر مارکیٹ میں آگے جا کر بہت اچھے اچھے جیولرز ہیں۔ چلو میرے ساتھ' اور مجھے کچھ لے کر دو' میں بہت خوش ہوں گی۔"

"جو حکم!" وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ (ہاں یہ خوش ہو لیں' اگلا بندہ چاہے کنگال ہو جائے۔ ڈائمنڈز چاہئیں۔ ہونہہ۔) چہرے کے زاویے بگڑے بگڑے سے تھے۔

چند ثانیے دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ مختلف بولیاں اور شور سنتے رہے۔ پھر وہ بولا۔ "ویسے تم نے اس سب سے پہلے کبھی میرے بارے میں سوچا تھا؟ برسوں پہلے۔"

"ان باتوں کا اب کیا فائدہ فارس؟"

"بتاؤ نا۔" وہ مصر تھا۔ پھر ایک سمجھنے والے انداز میں بولا۔ "ویسے میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے یہ یاد کرنا مشکل ہوگا' کیونکہ تم فطرتاً ایک انتہائی خودغرض' سیلف سینٹرڈ' اور خود پرست لڑکی واقع ہوئی ہو لیکن پھر بھی۔ کبھی موقع ملا کسی دوسرے انسان کے بارے میں سوچنے کا؟"

زمر چپ رہی۔ تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے چلتی رہی۔

"تم مجھے برے کبھی نہیں لگے۔ بلکہ میں تمہاری بہت عزت کرتی تھی۔ ہمیشہ تمہیں ہاشم سے کمپیئر کرتی تھی۔ تمہاری سب کے سامنے تعریف کرتی تھی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تمہارا میرے لیے پرپوزل آیا ہے تو میں کبھی انکار نہ کرتی اور سوچنے کے لیے ایک دن سے زیادہ وقت نہ لیتی۔"

"اچھا۔" وہ مسکرایا۔ "مجھے نہیں پتہ تھا تم شروع سے مجھ سے محبت کرتی تھیں۔"

"ایک منٹ۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ غصہ ہوئی تھی۔

"مجھے تو صرف یہی سنائی دیا ہے۔"

وہ اور بھی بہت کچھ کہنے لگا' پھر رک کر ساتھ چلتے ایک ریڑھی بان کی ریڑھی کو دیکھنے لگا۔ اس پہ رنگ برنگی ڈھیروں چیزیں رکھی تھیں۔ کلپ' پنیں' جیولری۔ زمر نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

"تمہیں اچھی لگی یہ فارس؟" وہ ایک انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ چونکا' پھر سنبھل کر مسکرایا۔ "نہیں میں اس لیے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اور میں مذاق کر رہا تھا۔ میرے پاس ہیں پیسے۔ میں تمہیں کسی اچھی سی جیولری شاپ سے قیمتی ڈائمنڈز لے دوں گا۔ چلو۔"

مگر وہ نہیں ہلی۔ آگے بڑھ کر ریڑھی سے پلاسٹک ریپر میں لپٹی انگوٹھی اٹھائی اور الٹ پلٹ کر دیکھی۔ پھر فارس کو دیکھا۔ "تم مجھے یہی لے دو۔"

"مذاق اڑا رہی ہو کیا؟" وہ دبی آواز میں خفگی سے بولا۔

"اونہوں۔" وہ طمانیت سے مسکرائی۔ "مجھے قیمتی زیور چاہیے تھا۔ مہنگا نہیں۔ اتنا تو پڑھ سکتی ہوں تمہیں کہ معلوم ہو جائے یہ اچھی لگی ہے تمہیں۔ تحفوں کی قیمت نہیں دیکھی جاتی' ان کے ساتھ جڑی فیلنگز دیکھی جاتی ہیں۔ فرمائشیں قیمتی چیز کی کرنی چاہئیں' ضروری نہیں ہے کہ وہ مہنگی ہی ہو۔" اس نے ریپر فارس کی طرف بڑھایا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر والٹ نکال کر ریڑھی بان کو ادائیگی کرنے لگا۔

چند لمحے بعد وہ دونوں وہیں ٹھیلوں اور اسٹالز کے ساتھ کھڑے تھے اور فارس وہ نیلے پتھر والی ہیروں کی سی چمک لیے انگوٹھی اسے پہنا رہا تھا جو دوسو پچاس روپے کی تھی۔ زمر نے اسے پہن کر ہاتھ اوپر اٹھا کر دیکھا۔

سورج کی کرنوں کے نقلی ہیرے سے ٹکرانے پر اصلی روشنیاں پھوٹنے لگی تھیں۔ یوں کہ سارے پہ روشنی چھا گئی.... تیز نیلی روشنی.....

(آج)

جب وہ نجھی تو انگوٹھی زمر کی انگلی میں تھی اور ہاتھ سے اوپر کلائی پہ سیاہ کوٹ کی آستین جھلکتی تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھو تو وہ اس روشن کمرہ عدالت میں کٹہرے کے سامنے کھڑی تھی اور سعدی یوسف سے پوچھ رہی تھی۔

"قید کے دوران آپ سے کون کون ملنے آتا تھا؟"

"ہاشم کاردار جواہرات کاردار کرنل خاور جس کو بعد میں میرے ساتھ قید کر دیا گیا اس کے علاوہ چند ایک بار آبدار عبید آئی تھیں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتا گیا۔ حاضرین میں بیٹھی آبدار سر جھکا کر موبائل دیکھنے لگی۔

"میں جانتی ہوں یہ آپ کے لیے تکلیف دہ ہوگا سعدی لیکن کیا آپ قید کے پہلے روز سے آخر روز تک کی داستان مختصراً یہاں سنانا چاہیں گے۔"

"جی بالکل یہ میرے لیے تکلیف دہ ہے۔" سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں۔ "مگر اپنی کہانی کا ان کہا یا ان سنا رہ جانا زیادہ تکلیف دہ ہے۔ بہر حال جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا مجھے سب سے پہلے ایک ہسپتال لے جایا گیا وہاں ایک دفعہ میں نے باتھ روم کے روشن دان کو....."

اور ہاشم نے تپ کر نفی میں سر جھٹکا تھا۔ "واہ۔ اب یہ انٹرویو کے نام پہ اپنی مرضی کی کہانی کانٹ چھانٹ کر کے سنائے گا۔"

سعدی کو دیکھو تو وہ کٹہرے پہ ہاتھ رکھے کھڑا کہانی سنا رہا تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے مگر اسے خود کو اپنی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی.... بھوری آنکھوں میں بھورے شعلے سے جل بجھ رہے تھے۔ ہر دفعہ پلکیں جھپکنے پہ نیا منظر ابھرتا اور ایسے تیزی سے ابھرتا کہ دیکھنے والا اندر ڈوب جائے..... دور اندر.....

(دو ماہ پہلے)

مورچال میں زمر اور فارس کی غیر موجودگی نے عجیب ویرانی کر رکھی تھی۔ حنین کو نت نئے شوق چڑھ گئے تھے۔ ہر وقت گھر کے کسی کونے میں کھڑی ہوتی گردن اٹھائے تنقیدی نگاہوں سے در و دیوار کا جائزہ لیتی نظر آرہی ہوتی تھی۔ بلکہ نظر کہاں آتی تھی۔ وہ تو مصروف ہو گئی تھی۔ بیٹھ کر خاکے بناتی رہتی یا ہوم امپرومنٹ اور ہوم ڈیکور کی ویب سائٹس دیکھتی رہتی۔ اب وہ لوگوں سے بات کم کرتی تھی ان کے پیچھے کھڑی دیواریں زیادہ دیکھتی تھی۔ یہاں ایسا فریم لگاؤں یہاں ایسا تھری ڈی آرٹ ٹھونکوں۔ یہاں وال مورال ہونا چاہیے۔ یہ وہ۔

ایسے میں سعدی اپنے کمرے میں یونہی اداس سا بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلا تھا اور سامنے والے کمرے سے ندرت کی لتاڑنے ڈانٹنے اور پھر رک کر سمجھانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ مخاطب اسامہ تھا جو کھڑا کھڑا سا بیٹھا تھا۔ قد لمبا ہوا مگر سمجھ نہیں۔ ندرت کا موقف تھا کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے سیدھا گھر آئے گا "اور اگر تمہارا کوئی دوست کبھی گھر کے دروازے تک آیا نا تو میں نے جوتا اٹھا کر اسے مار مار کر وہیں گنجا کر دینا ہے۔ یہ گھروں تک لانے والی دوستیاں ذرا پسند نہیں مجھے۔" آگے سعدی کی مثالیں۔ اسامہ کو برا لگ رہا تھا۔ "میں کوئی برے لڑکوں سے دوستی تو نہیں کرتا۔ اور سعدی بھائی کا زمانہ اور تھا۔ اور آپ مجھ پہ شک کیوں کرتی ہیں۔"

سعدی آرام سے اٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ آوازوں کا راستہ رک گیا۔ جانتا تھا یہ مسئلے اگلے پانچ چھ سال تک چلیں گے۔ بچوں کی آنکھوں پہ بندھی پٹی اترنے کے لیے کم از کم بھی بیس سال کی عمر کو پہنچنا ہوتا ہے۔ کھینچنے اور نوچنے یا سوراخ چھیدنے سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ بس دھیرے دھیرے پٹی ڈھیلی کرنی ہوتی ہے' بہت سی باتوں سے صرفِ نظر اور ڈھیر ساری توجہ۔ مگر ابھی وہ امی کو سمجھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی وہ خود کچھ سمجھنا چاہتا تھا۔ اپنا دماغ سوچوں سے خالی کرنا چاہتا تھا۔ کوئی روزن کھلے' کوئی روشنی آئے۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھا۔ یہ اس کے چھوٹے باغیچے والے گھر سے مختلف اور زیادہ خوبصورت تھی۔ مگر اجنبی لگتی تھی۔ کونے میں چند کتابوں کے اوپر قرآن مجید رکھا تھا۔ سعدی نے اسے اٹھایا اور چند لمحے اس کتاب کو ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ وہ بھاری تھی مگر دلوں کو ہلکا کر دیتی تھی۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے صفحے پلٹائے۔

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔''

''اور کہا انہوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ جب ہو جائیں گے ہم مٹی اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہم (پھر قبروں سے) نکالے جائیں گے؟ بلاشبہ ہوتا رہا ہے ہم سے یہ وعدہ۔ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے اس سے پہلے۔ نہیں ہیں یہ مگر پہلوں کی کہانیاں۔ کہہ دو کہ چلو پھرو زمین میں پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا مجرموں کا اور نہ غم کرنا ان پر اور نہ تنگی میں ہونا اس سے جو چالیں یہ چل رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ پورا اگر تم سچوں میں سے ہو۔ کہہ دو شاید کہ آپہنچا ہو نزدیک تمہارے کچھ اس میں سے جس کی تم جلدی کر رہے ہو۔''

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''اللہ تعالیٰ' میرا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے' بہت ویران ہے اور اب میں امید بھی کھوتا جا رہا ہوں کہ کبھی مجھے بھی انصاف ملے گا کیا؟ دور اندر مجھے لگتا ہے کہ میں بھی تو گناہگار ہوں۔ کسی پہ قتل کا الزام لگایا ہے' دو قتل بھی کیے ہیں۔ یہی تو ہاشم کے جرائم تھے۔ قتل کا الزام فارس پہ اور دو لوگوں کا قتل۔ گناہ ویسے ہی ہیں تو کیا گناہگار بھی ویسا ہی ہوں؟'' ہولے سے سر جھٹکا۔ ''پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہوگا لیکن کیا ان کے ساتھ بھی کچھ ہوگا یا نہیں؟ کیا مجھے انصاف ملے گا اللہ؟ مجھے قیامت والے حساب سے پہلے یہاں کا حساب چاہیے۔ تاکہ کوئی تو عبرت پکڑے۔ مگر اللہ تعالیٰ' جب انسان کے باپ دادا کو سزا نہیں ملتی' والدین کو ان کی سیاہ کاریوں کے باعث کوئی نہیں پکڑتا یا خود ہمارے ماضی میں ہمارے گناہوں پہ کوئی پکڑ نہیں ہوتی' تو ہمیں لگتا ہے کہ وہ گناہ justified تھے۔ اللہ کو وہ برے نہیں لگے۔ ہم نئے گناہ کرتے جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ ایسے فتوے اور ایسی نصیحتیں پہلے بھی سن رکھیں مگر اللہ راضی ہے ہم سے۔ لیکن اللہ کی شریعت flexible تو نہیں ہے نا۔ کہ ہر کسی کے لیے الگ الگ رخ پہ مڑ جائے۔ اصول تو برابر ہیں۔ سب کے لیے۔ پھر ہم اتنے لاپرواہ کیوں ہوتے جاتے رہتے ہیں؟ پھر وہ لوگ اتنے لاپرواہ کیوں ہیں؟''

اور پھر وہ چونکا۔ ''لیکن اگر میں یہ سمجھوں کہ ان کو سزا نہیں ملے گی ان کے باپ دادا کی طرح' تو یہ ''کفر'' ہے۔ امید چھوڑنا کفر ہے۔ تو پھر.....''

اس نے اچنبھے سے کلامِ مجید کے اوراق کو دیکھا۔ ''کیا میں امید رکھوں؟ کیا میں زمین میں چل پھر کر دیکھوں؟ ان تمام کیسز کو دیکھوں جن کے فیصلے آئے تھے؟ ان تمام لوگوں کا انجام دیکھوں جو عدالتی حکم کے بغیر ہی قدرتی آفات کا شکار ہوئے تھے؟ تو کیا ہمیں کبھی امید نہیں چھوڑنی چاہیے؟ میں غم کو ترک کر دوں' دل کی تنگی سے خود کو نکالوں اللہ؟ ان آیات پہ غور کرو تو میرے کرنے کا کوئی کام نہیں ہے' انصاف اور عذاب اللہ دے گا' مجھے بس وہ یہ کہتا ہے کہ غم نہ کرو۔ دل کی تنگی کا شکار نہ ہو۔ کیونکہ یہ چیزیں امید لے جاتی ہیں۔ ان لوگوں کی مدت شاید قریب ہو' بہت قریب۔ میں نے کچھ نہیں کرنا۔ صرف ترکِ غم کرنا ہے۔ یہ وسائل' پیسہ' تعلقات' عدالتی کارروائی کی جنگ نہیں ہے۔ یہ اعصاب کی جنگ ہے اور غم مجھے گھول دے گا۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی بات ماننی ہے۔ اللہ

تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اپنی اپنی کشادگی کا انتظار کرتے ہم لوگ اپنے آپ کو غموں اور ڈپریشن سے نکالیں۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ تب ہی حل نظر آئے گا۔" وہ بے خودی کے عالم میں بولتا جا رہا تھا۔ لب ہل رہے تھے' آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے مگر اپنی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

(آج)

کٹہرے میں کھڑے سعدی نے بھوری آنکھیں زمر پہ جمائے گہرا سانس لیا۔ خواب سا ٹوٹا۔ وہ اب پوچھ رہی تھی۔

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"میں یہ بات انٹرویو میں بھی کہہ چکا ہوں' سب جانتے ہیں کہ پھر مجھے کینیڈی میں دوبارہ پکڑا گیا' مگر ہاشم کو اطلاع ابھی نہیں کی گئی تھی' یا شاید وہ پہنچا نہیں تھا۔ اگلی صبح ایک آدمی میرے پاس آیا' اور اس نے مجھے بتایا کہ چند دن بعد مجھے پاسپورٹ اور پیسے دے دیے جائیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ مجھے پاسپورٹ دے دیا گیا اور مجھے جانے دیا گیا۔ غالباً وہ لوگ ہاشم سے دغا کر رہے تھے۔ ہاشم کے اپنے پارٹنرز جیسے کہ ہارون عبید چاہتے تھے کہ میں آزاد ہو کر ہاشم کے خلاف بولوں۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کہا گیا تھا۔ میں پاکستان آ گیا اور یہاں آ کر اپنی ویڈیو ریلیز کر دی۔ اب چونکہ میں مشہور ہو گیا ہوں اس لیے یہ لوگ مجھے مار نہیں سکتے۔"

"آبجیکشن یور آنر!" ہاشم نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے بے زاری سے کہا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "کس بنیاد پہ؟ ویسے آپ اپنی باری کا انتظار کیوں نہیں کرتے؟ گواہ کو کراس کرتے وقت سب پوچھ لیجیے گا۔" ہاشم خاموش ہو گیا۔ زمر واپس مڑی۔

"کیا پاکستان واپس آنے کے بعد آپ سے ہاشم کاردار نے کسی قسم کا رابطہ کیا؟" سوالات' الفاظ' سب مدھم ہوتے گئے۔ کمرہ عدالت میں گونجتی ساری باتیں گڈمڈ ہو کر عجیب سا ملاپ بنانے لگیں..... یوں کہ حرف حرف الگ ہو گیا اور نئے لفظ بننے لگے......

(دو ماہ پہلے)

ہوٹل کے خوبصورت سے بیڈ روم کے بیج کلر کے پردے دیوار گیر کھڑکیوں کے سامنے سے ہٹے تھے اور جالی دار سفید پردے شیشوں کے آگے لہرا رہے تھے۔ پردوں کی جالی نے منظر کو قدرے دھندلا دیا تھا۔ مدھم سا دکھائی دیتا تھا کہ باہر بالکونی ہے اور نیچے دور تک پھیلے سبز پہاڑ اور ان کے بیچ بستی وادیاں۔ کھڑکی کے آگے دو آمنے سامنے رکھی کرسیاں پڑی تھیں۔ زمر اور فارس مقابل بیٹھے تھے۔ درمیان میں چھوٹی میز تھی جس پہ scrabble کا کالج کا بورڈ کھلا پڑا تھا۔ لکڑی کے ننھے ننھے چوکور ٹکڑوں پہ لکھے حروف ان دونوں کے سامنے اسٹینڈز پہ پڑے تھے۔ زمر ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی' پیر جھلا رہی تھی۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا' غور سے کبھی بورڈ کو دیکھتا' کبھی اپنے پاس موجود حروف کو۔

"مان لو ہار۔ میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔" زمر نے مسکراہٹ دبائے فیاضی سے کہا تھا۔ آگے کو جھکے فارس غازی نے محض ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ سے ہار مانی جائے۔ مجھے سوچنے دیں۔"

"ویسے اتنے سال تم نے جیل میں سوشل ورک کرنے کی بجائے تعلیم کی طرف توجہ دی ہوتی تو پڑھی لکھی بیوی کے سامنے شرمندہ نہ ہو رہے ہوتے۔" وہ مسکرا کر پیر جھلا رہی تھی۔

"آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیت رہی ہیں' پڑھی لکھی ہونہہ۔" خفگی سے سر جھٹکا۔ پھر حروف کو دیکھنے لگا۔

"چچ چچ۔ ہر ہارنے والا یہی کہتا ہے۔"

فارس نے جواب دیے بنا چند حروف اٹھائے اور پہلے سے ..... rise کے پیچھے لگا دیے۔ اب وہ یوں بن گیا zumarise۔ زمر ایک دم سیدھی ہوئی۔ "یہ کوئی لفظ نہیں ہے۔"

''نہیں نہیں۔یہ ایک لفظ ہے۔'' وہ بتانے والی مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ اٹھا کر بولا۔''اور اس کا مطلب ہوتا ہے' جھوٹ کو سچ کے پردے میں لپیٹ کر پیش کرنا' محتاط الفاظ کا چناؤ کر کے عدالت میں حلف دلوا کر گواہ سے جھوٹ بلوانا مگر کہنا technically یہ سچ ہے۔ ہر دوسری بات پہ کسی شریف انسان کو بلیک میل کرنا اور دھمکانا۔ باتوں کی ہیر پھیر سے اپنا مطلب نکالنا' اور جونس جمانا۔ یہ واقعی ایک لفظ ہے۔''

زمر اب آنکھیں تیکھی کر کے اسے گھور رہی تھی۔''یہ چیٹنگ ہے۔''

''نہیں زمر بی بی' یہ ڈبل ورڈ اسکور ہے جو میرے کھاتے میں لکھا جائے گا۔'' اب وہ قلم اٹھا کر نوٹ پیڈ پہ بنے کالمز میں سے ایک میں لکھ رہا تھا۔ زمر نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''فارس' یہ آخری دفعہ تھا' اب اگر تم نے کوئی لفظ بنایا جو ڈکشنری میں نہ ہوا تو تم ہار جاؤ گے۔''

''مجھے یقین ہے یہ ڈکشنری میں ہوگا۔ چیک کر لیں بے شک۔'' ساتھ رکھی' بیز ڈکشنری کی طرف اشارہ کیا۔ زمر ناک سکوڑ کر آگے ہوئی اور اپنی پلیٹ میں لگے حروف پہ غور کرنے لگی۔ وہ ایک محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ گھنگریالے بال کھول کر چہرے کے ایک طرف ڈالے' اس کی پلکیں پلیٹ پہ جھکی تھیں' اور بار بار حروف کو چھوتی انگلی میں انگوٹھی موجود تھی۔ اس نے چند حروف کو دیکھا جو بورڈ پہ سجے تھے' اور پھر مسکرائی۔ ان کے درمیان چند حروف گھسا دیے اور فاتحانہ نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔

Farcissism

''یہ کوئی لفظ نہیں ہے' پراسیکیوٹر صاحبہ۔'' اس کا موڈ خراب ہوا۔

''ہے نا۔'' وہ ہتھیلی پہ تھوڑی گرائے' دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔''اس کا مطلب ہوتا ہے ایک خاص قسم کا برتاؤ۔ اور جانتے ہو ایسا برتاؤ کرنے والا کون ہوتا ہے؟ انتہائی اکھڑ' ریزرو' کسی پہ اعتبار نہ کرنے والا' غصیلا' بدمزاج' ہر بات چھپا کر رکھنے والا' اداکار......''

''اور گڈ لکنگ!'' اس نے لقمہ دیا۔

''اور گڈ لکنگ' اور ہر وقت لڑنے کو تیار' گہرے راز رکھنے والا' خود کو عقلِ کل سمجھنے والا' arsonist' جیل یافتہ' بلیک میلر.... یہ سب ہوتا ہے اس کا مطلب۔'' وہ انگلیوں پہ گنواتی گئی۔

''استغفر اللہ۔ میں آپ کو ایک شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی خاتون سمجھتا تھا۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لفظ بناؤ' غازی۔ باتیں نہ بناؤ!'' اس نے چیلنج کیا۔ وہ سر جھٹک کر اگلا لفظ بنانے لگا۔ m سے اس نے mat بنایا تھا۔ زمر کی نظریں ابھی تک زمرائز کے 'زی' پہ تھیں جس کے نیچے ڈبل ورڈ اسکور کا خانہ تھا اور ذرا نیچے ٹرپل ورڈ اسکور۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے چوکور ٹکڑے بورڈ پہ رکھے۔ زی کے اوپر نیچے حروف سجائے۔

Ghazi

''یہ چیٹنگ ہے۔ یہ لفظ ڈکشنری میں نہیں ہے' اور یہ اصول تھا کہ ہم نام نہیں بنائیں گے۔''

''دنیا تمہارے نام کے گرد نہیں گھومتی۔ یہ ڈکشنری میں ہے۔'' وہ گردن اکڑا کر بولی تھی۔

''زمر بی بی اگر یہ ڈکشنری میں نہ نکلا تو؟'' اس نے ڈکشنری پہ ہاتھ رکھا۔ زمر نے جھٹ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''اگر یہ نہ نکلا تو میں ہار جاؤں گی' تم جیت جاؤ گے۔ نکل آیا تو میں جیت جاؤں گی اور تم ہار و گے۔'' فارس کے ہاتھ پہ اس کا ہاتھ تھا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''یہ ڈکشنری میں نہیں ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولا' کتاب کھینچی اور اسے کھولا۔ صفحے پلٹائے۔ انگلی دوڑتا گیا۔ اوپر سے نیچے۔

''جی اچھ.....جی اچھ.....'' وہ مطلوبہ کالم تک آیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چونک کر سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھتی مسکرا رہی تھی۔ اودھر صفحے پہ لکھا غازی (مسلم، وار ہیرو) اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

''کہا تھا نا' تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا جیل میں تو آج کام آ جاتا۔ خیر' میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔'' وہ آگے کو جھکی' اور بازو لمبا کر کے ہاتھ سے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ فارس نے ''اونہوں'' اپنا چہرہ جھٹک کر پیچھے ہٹایا۔ ماتھے پہ خفگی سے بل پڑ گئے تھے۔

''آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیتتی ہیں۔ ہر دوسری باری پہ آپ مجھے اسکریبل کا نیا اصول بتاتی ہیں جو میرے باپ دادا نے بھی نہیں سنا۔ جبکہ میں پوری ایمانداری سے کھیلتا رہا ہوں۔''

''ہاں' ایک اس بات کا تو یقین ہے مجھے کہ اب تم میرے ساتھ پورے ایماندار ہو۔ اور یہ بھی کہ کم از کم اب تم مجھ سے کوئی بات چھپا نہیں رہے۔'' وہ مسکرا کر سارے ٹکڑے بورڈ سے اٹھا رہی تھی۔ حروف بکھر گئے۔ الفاظ ٹوٹ گئے۔

فارس بالکل سُن سا بیٹھا رہا۔ اندر تک اس کا وجود ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ جیسے کوئی انسان برف تلے صحرا میں ٹھنڈ سے مر جائے۔ سفید.....نیلا.....

لمحے بھر میں وہ پیچھے چلا گیا.....

وہ ڈاکٹر قاسم کے کلینک میں بیٹھا تھا..... اور وہ کہہ رہے تھے۔

''مگر میں..... برا آدمی نہیں ہوں۔'' فارس اٹھنے لگا۔

''میں اب چلتا ہوں۔ مگر یاد رکھیے گا کہ زمر کو آپ وہی کہیں گے جو میں نے آپ کو سمجھایا ہے' ورنہ میرا اسنائپر آپ کو کسی بھی وقت نشانہ بنا سکتا ہے۔'' وہ موبائل جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا تھا۔

''کیا آپ جانتے ہیں فارس غازی کہ اس ملک میں بلکہ اس دنیا میں ہر سال ہزاروں عورتوں کو جبراً seterlize کیا جاتا ہے؟''

وہ بالکل ٹھہر گیا تھا۔ بہت سے چکر لائے ہوئے تھے۔ ''سوری؟''

''امریکی جیلیں ہوں یا پاکستان کے ہسپتال' یا دیہات میں لگے فری کیمپ' یہاں زخم کسی اور شے میں ہوتا ہے' اور سرجری کے بہانے اس عورت کو seterlize (بانجھ) کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں کہا جاتا ہے کہ آپریشن کے دوران یہ ناگزیر تھا۔ بعض عورتوں کے رشتے دار بھی یہ کام کرواتے ہیں۔ صرف ایک ڈاکٹر ڈھونڈ و اسے پیسے دو اور یہ ہو جاتا ہے۔''

وہ بالکل سُن رہ گیا تھا۔ ''کاردارز نے پیسے دیے تھے اس کی غلط سرجری کرنے کے لیے؟ وہ ان گولیوں کی وجہ سے ایسی نہیں ہوئی تھی' بلکہ اس کو بعد میں یہ نقصان پہنچایا گیا تھا۔'' وہ سفید پڑ رہا تھا۔ متحیر' بے یقین۔

''مسز کاردار چاہتی تھیں کہ وہ شادی نہ کر سکے تاکہ وہ ایک مضبوط گواہ کے طور پہ آپ کو جیل بھیج دے۔ ان کے گردے واقعی گولیوں کی وجہ سے خراب ہوئے تھے مگر اس سرجری کے لیے ڈاکٹرز کے پینل کو مسز کاردار نے خریدا۔ اس کے بعد بھی مسز زمر صرف ان ڈاکٹرز کے پاس گئیں جن کی طرف ہم ان کو ریفر کرتے تھے۔ مسز کاردار چاہتی تھیں کہ ہم ان کو بالکل تباہ کر کے.....''

ڈاکٹر قاسم اپنی بات مکمل نہیں کر سکے تھے۔ وہ کسی بھوکے شیر کی طرح ان پہ جھپٹا تھا۔ گریبان سے پکڑ کر زمین پہ گرایا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ دھند سی چھا گئی۔ وہ دیوانہ وار اس کو مار رہا تھا' پیٹ رہا تھا' جس کا کتنا خون نکلا' کون سی ہڈی ٹوٹی' کتنے دانت خون میں لتھڑ کر باہر گرے' اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ مگر اس سرخ دھند میں اس نے ان کی وبی سی کراہ سنی۔

''میری پوری بات سنو۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں نے صرف رپورٹس

میں ادل بدل کیا تھا۔ مسز کاردار کو نہیں معلوم۔ کسی کو نہیں معلوم۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔" وہ خون آلود منہ اور اکھڑی سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اب یہ بات کھل جائے گی۔ وہ ٹھیک ہے وہ ماں بن سکتی ہے۔ ہاں.... مشکل سے ہوگا۔ اس کے گردوں کی وجہ سے کافی مشکل ہوگا۔ مگر ممکن ہے۔ بہت زیادہ ممکن ہے۔ میں نے صرف رپورٹس اور دوائیاں بدلی تھیں اور......"

وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے سفید سوئیٹر پہ خون لگ گیا تھا... سرخ تازہ خون.....

فارس نے زمر کو دیکھا جو اسٹریچر کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے جھکے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر جڑتے گئے۔ جڑ جڑ کر ٹوٹتے گئے......

(آج)

"سعدی یوسف' کیا آپ کی ہاشم کاردار سے پاکستان آنے کے بعد اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں کوئی ملاقات ہوئی ہے؟" زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔ کٹہرے میں کھڑے سعدی نے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے ہاشم کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پرانے دنوں کے بہت سے سایے لہرائے۔

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ ہاشم ہلکے سے مسکرایا۔ بس ایک لمحے کو اس نے آنکھیں بند کیں تو اندھیرا چھا گیا۔

(دو ماہ پہلے)

نیم اندھیر کلب میں لاؤنج کی طرح کی جگہ بنی تھی۔ مدھم رنگ برنگی بتیاں سارے میں محو رقص تھیں۔ کچھ بھی صاف نظر نہ آتا تھا۔ بڑے صوفے پہ ادھر ادھر کھاتے پیتے ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز ہاشم کاردار ڈنر جیکٹ میں ملبوس' موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ ٹائی ندارد۔ کالر کا اوپری بٹن کھلا تھا۔ وہ آرام دہ سا بیٹھا تھا۔ پس منظر میں بجتی موسیقی اعصاب کو سکون دے رہی تھی۔ ایسے میں کوئی اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ وہ اپنی اسکرین کو دیکھتا رہا۔ بلا تک نہیں۔ نظر بھی نہیں اٹھائی۔ بس اسکرین پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ "قانوناً تم اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں مجھ سے نہیں مل سکتے۔ تم سے کورٹ میں اس بارے میں پوچھا جا سکتا ہے۔ سعدی یوسف!"

"میں یہاں سے گزر رہا تھا' تو ادھر آ گیا۔ اور اب یہاں ایک پبلک پلیس میں بیٹھا ہوں۔ اتفاق سے تم میرے ساتھ بیٹھے ہو۔ اس میں میرا کیا قصور ہوا؟" ہاشم نے اب کے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے سیاہ آدھی سلیو کی ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اب اس نے گردن موڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

وہ آنکھیں اندر تک زخمی تھیں۔ مگر ان زخموں کے کھرنڈ لگتا تھا بننے لگ گئے ہیں۔

"کہو۔ کیا چاہتے ہو؟" ہاشم نے فون رکھ دیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کبھی سوچا تھا تم نے ہاشم' کولمبو کے اس تہہ خانے میں جب ہم ملتے تھے' کبھی وہاں بیٹھے سوچا تھا کہ ایک روز ہم یوں بھی ملیں گے؟"

"اگر تو تم مجھ سے کوئی اعتراف جرم کروانا چاہتے ہو تو....."

"وہ میں کروا چکا ہوں۔ وہی دکھانے آیا ہوں۔ میں تمہارے آفس 21 مئی کو اسی لئے آیا تھا۔" اس نے موبائل اسکرین پہ ویڈیو چلائی اور موبائل ہاشم کو دے دیا۔ اندھیرے کمرے میں اتنے رش اور شور کے باوجود بھی وہ اس ویڈیو میں چلتی آواز صاف سن سکتا تھا۔ اسکرین پہ وہ پاور سیٹ پہ بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ اور دو بدو لے جا رہا تھا۔ بہت سے اعترافِ جرم۔ HD کوالٹی ویڈیو۔ صاف آواز۔

ہاشم کاردار کی گردن پہ پسینہ آنے لگا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا ٹائی ڈھیلی کرنے کو گریبان تک ہاتھ لے گیا مگر ٹائی تو گردن کو

کے ہی نہیں ہوئے تھی۔ پھر؟

''تم اسے کورٹ میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ سونی کی آنکھیں نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔

''مگر میں اسے یوٹیوب پہ لیک تو کر سکتا ہوں۔ ایڈٹ کر کے۔ دیکھو نا' تمہارا اعتراف جرم کتنا دلچسپ ہے۔ juicy اور سنسنی خیز۔ میڈیا کتنے ہی دن اس کو چلائے گا'' وہ اب مزے سے مسکرا کر کہہ رہا تھا'' اور پھر میں اس ویڈیو کو سونیا کے ٹیب پہ اپ لوڈ کر دوں گا۔ تم وہاں سے مٹاؤ گے تو میں سونیا کے ہر کلاس فیلو کے فونز اور ٹیب پہ اسے بھیج دوں گا۔ میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ تمہاری بیٹی اس ویڈیو کو دیکھ لے اس کو زبانی رٹ لے۔ وہ اس ویڈیو کے ساتھ بڑی ہوگی۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلی جائے' یہ ویڈیو اسے ڈھونڈ لے گی۔ وہ اس سے کبھی بھاگ نہیں سکے گی۔ اور وہ جتنی دفعہ اسے دیکھے گی' تم پہ بے یقینی اور اس ویڈیو پہ یقین بڑھتا جائے گا۔ وہ اگلے دس سال تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی۔'' وہ اس کے ساتھ بیٹھا' گردن موڑ کر اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سرد تھیں' مسکراہٹ بھی سرد تھی' اور ہاشم کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ وہ کوئلے جیسی رات میں سونے کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔ تنفس تیز ہو گیا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہاری بیٹی کو اس سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو give اپ کر دوں گا۔ اپنی زبان دیتا ہوں۔ نہ عدالت میں استعمال کروں گا۔ نہ انٹرنیٹ پہ ڈالوں گا۔ تم میری اور سونیا کی ویڈیو کو اپ کر دو' جس میں میں نے اسے اغوا کیا تھا۔ ہم دونوں اپنے سب سے بڑے ثبوت گنوا کر آؤ نہتے اس میدان میں لڑتے ہیں۔ اپنی زبانوں' اپنے سچ اور جھوٹ کے ساتھ۔ تم اپنی دلیلیں دو' میں اپنی دوں گا۔ آؤ اس کیس کو ختم کرتے ہیں مگر لڑ کر۔ بھاگ کر نہیں۔''

ہاشم کتنی دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ کبھی بے چینی سے۔ کبھی ترحم سے۔

''مجھے تمہیں عدالت میں ذلیل کرنا ہوگا'' اس کی آواز دھیمی تھی'' میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں ایک دفعہ تمہاری زندگی برباد کر چکا ہوں۔ دوبارہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم شاید یقین نہ کرو لیکن تم مجھے سونی اور شیرو اور ممی اور آپی کی طرح اب بھی اتنے ہی عزیز ہو۔'' سعدی کے لبوں پہ زخمی سی مسکراہٹ گویا بلبلائی تھی۔

''عزت اور ذلت وکیلوں کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ جس کے ہاتھ میں ہوتی ہے' وہ چاہے تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے چاہے تو سب بگڑ سکتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں رہنے دو عزت کو۔ اور تمہیں جو کرنا پڑے تم کرو۔''

''مجھے ہر حد تک جانا ہوگا۔ سب سے پہلے تم گواہی کے لئے پیش ہو گے۔ میں ایک فقرے میں تمہیں تباہ کر دوں گا۔ میں جیت جاؤں گا' سعدی۔ میں کیس سے نہیں ڈرتا۔''

''تمہیں جس حد تک جانا ہے' تم جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ مگر اس کیس کو لڑو۔ ایک اسپیڈی ٹرائل لڑو تا کہ چند ماہ میں فیصلہ آ جائے۔ آر یا پار۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔ ہاشم اسے دیکھے گیا۔ پھر اس نے چہرہ واپس موڑ لیا۔ سامنے دیکھنے لگا۔ سعدی موبائل جیب میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو؟'' سعدی یوسف کے قدم زنجیر ہوئے اس نے چہرہ موڑا۔

''ہاشم!'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''یہ کیس میں تمہارے خلاف نہیں لڑ رہا۔ یہ میرے اور نوشیرواں کے درمیان ہے۔ اور وہ مجھ سے معافی مانگے بھی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ سی یو ان کورٹ!'' وہ اب دور جا رہا تھا۔ نیم اندھیرے میں وہ گم ہو گیا تھا۔

ہاشم کاردار نے موبائل اسکرین روشن کی۔ فوٹو گیلری کھولی۔ اس نوٹ کی تصویر نکالی جو اس نے چند دن پہلے لے کر محفوظ کر لی تھی۔ ان پہ لکھا نمبر زبانی ازبر کیا' اور پھر ٹوئٹر کھولا۔

''ہر حد!'' اس نے تازہ ٹویٹ میں وہ نمبر ''گڈ ایوننگ پاکستان!'' لکھ کر آگے ڈالا اور ٹویٹ پبلک کر دی۔ ابھی اس نے موبائل واپس رکھا ہی تھا کہ وہ تھرتھرایا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ بلاکڈ نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔

''اپنے کمرے کی سنگھار میز کی سب سے نچلی دراز کھولو۔ سعدی یوسف کا پاسپورٹ.... مکمل پاسپورٹ تمہیں وہیں ملے گا۔'' ہاشم والٹ اور چابیاں اٹھا کر تیزی سے باہر کو لپکا تھا۔

(آج)

''مجھے یاد نہیں۔'' سعدی یوسف ایک اور سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔ سب حاضرین تماشائیوں کی طرح خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان میں حنین بھی بیٹھی جو مسلسل دانت سے ناخن کتر رہی تھی۔ سوچتی نظریں زمر پہ تھیں جو سعدی سے سوال در سوال پوچھ رہی تھی۔ اس کی ناک کی لونگ سونے کی بنی تھی اور پچھلی لونگ سے ذرا مختلف تھی۔ مگر ہیرا ہو بہو تھا۔ حنہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی.... اور اسے یوں لگا گویا ارد گرد پھولوں کی پتیاں بکھر گئی ہوں۔ خوشبو سی خوشبو تھی۔

(دو ماہ پہلے)

زمر اپنے کمرے سے نکلی تو حنین سامنے کھڑی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں لپیٹ کر گول مول باندھتی زمر نے چونک کر حنہ کو دیکھا۔ اور چال میں صبح کی مخصوص گہما گہمی تھی۔ کچن سے سیم اور سعدی کی آوازیں آرہی تھیں' مگر حنین یہاں کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''جنید کو خالی ڈبی کچن کے فرش پہ ملی تو اس نے پورا کچن چھان مارا۔ کچرے کی ٹوکری سے آپ کی لونگ ملی۔ سونا ذرا پگھل چکا تھا۔ میں آپ کے پیچھے.....'' اس نے کمر پہ کیا ہاتھ سامنے کیا تو اس پہ سفید مخملیں ڈبی رکھی تھی۔ ''اس کو جیولر پہ لے کر گئی۔ اس نے ڈائمنڈ کو نکال کر نئی لونگ میں جڑ دیا۔ یہ وہی لونگ ہے' اور وہ نہیں بھی ہے۔ اندر وہی ہے' مگر بیرونی سانچہ فرق ہے' احساس وہی ہے' مگر گلٹ اور بوجھ جیسی الائشوں سے پاک ہے۔ میں نیا ڈائمنڈ نہیں لینا چاہتی تھی۔ کوئی کسی کی جگہ نہیں لے سکتا زمر!'' مسکرا کر اس نے وہ ہیرا پیش کیا۔ زمر کے ہاتھوں نے جوڑے کو چھوڑ دیا۔ بال پھسل کر نیچے بہتے گئے۔ وہ متحیر سی اس ڈبی کو کھول کر دیکھ رہی تھی......

ادھر کچن میں سیم سعدی سے ناخوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کو وہ ویڈیو ان کے خلاف استعمال کرنی چاہیے تھی۔''

''یہ میرا طریقہ ہے اسے استعمال کرنے کا ہاشم کے خلاف۔ یقین کرو سیم' ہم ان کو ویسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ہر گیند کھیلنے والی نہیں ہوتی۔ کسی کسی گیند کو روکنا بھی ہوتا ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ اسامہ مسکرا دیا۔

''انسان کو کوئی چیز نہیں ہرا سکتی جب تک کہ وہ خود ہار نہ مان لے۔''

سعدی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''یہ کس کا ڈائیلاگ ہے؟''

''عمران خان کا ہے بھائی!'' اس نے برا سا منہ بنا کر بتایا تھا۔ وہ ان سب کی آوازوں سے بے نیاز اپنی سنگھار میز کے سامنے کھڑی اس لونگ کو اپنی مغرور ناک میں سجا دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا اور فارس باہر نکلا تو وہ اس کی طرف گھومی اور شانے اچکائے۔ فارس کی نظریں ٹھہر گئیں۔

''وہی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے چہرے سے ہی سب ظاہر تھا۔ وہ مبہوت ہوا تھا۔ گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح نظر آئی تھی۔ آنکھوں میں ایک چمک بھی اتری تھی جو شاید زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ خفیف تائید میں سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔ ان تاثرات کے لیے وہ جان بھی دے سکتی تھی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا۔ مسکرا کر وہ بال برش کرنے لگی تھی۔

(آج)

''your witness'' زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی۔ دو لفظوں میں ہاشم کو اشارہ کیا۔ اب گواہ ہاشم کا روادار کا تھا۔ وہ جیسے چاہے اس کو کراس کرے۔ (جرح کرے۔)

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتا' دو کاغذ ہاتھ میں لیے قدم قدم چلتا آگے آیا۔ سب ہنوز خاموش تھے۔ سب کی نظریں ہاشم پہ جمی تھیں۔ پرسکون کھڑے سعدی کی بھی۔

سامنے آکر ہاشم مسکرایا۔ دونوں پرنٹ آؤٹ سعدی یوسف کے سامنے لہرائے۔

''کیا آپ کمار نامی اس سنہالی باشندے کو جانتے ہیں؟ یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف! کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔ کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟''

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔

باب 26:

فرزندِ نازنین!

ایک دفعہ ایک کشتی میں
سوار ہوا ایک بادشاہ'
ساتھ ایک عجمی غلام کے۔
اور غلام نے نہ دیکھا تھا کبھی دریا'
اور نہ کبھی اٹھائی تھی کشتی کی تکلیف۔
لگا وہ رونے دھونے'
اور کانپنے لگا اس کا بدن۔
کرکرا ہو گیا اس سے بادشاہ کا سارا مزہ'
کہ نہیں سہہ سکتی تھی اس کی نازک طبع ایسی باتوں کو۔
لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی کوئی تدبیر۔
تھا اس کشتی میں ایک عقلمند بھی۔
بولا وہ بادشاہ سے اگر ہو حکم....
تو خاموش کراؤں اس کو ایک طریقے سے؟
کہا بادشاہ نے' بڑی مہربانی ہوگی۔
سو مطابق اس دانا آدمی کے حکم کے'
لوگوں نے پھینکا غلام کو دریا میں۔
کھائے غلام نے چند غوطے۔
پھر پکڑا لوگوں نے اس کو سر کے بالوں سے۔
اور لائے کشتی کے آگے۔
وہ غلام لٹک گیا دونوں ہاتھوں سے کشتی کے دنبالے میں
پھر جب نکلا دریا سے تو ایک گوشے میں

بیٹھ گیا اور اس کو سکون ہو گیا۔

ہوا بادشاہ کو تعجب' پوچھا اس نے۔

کیا تھی دانائی اس عمل میں؟

جواب دیا عقلمند نے کہ

غلام نے اس سے پہلے نہ اٹھائی تھی

تکلیف ڈوبنے کی۔

اور وہ ناواقف تھا

کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر سے۔

آرام کی قدر وہی کرتا ہے

جو پھنس جائے کسی مصیبت میں۔

اے پیٹ بھرے تجھے اچھی معلوم نہیں ہوتی

جو کی روٹی۔

جو چیز تجھے بری معلوم ہوتی ہے وہ ہی میرے لئے بھلی ہے

بہشت کی حوروں کے لئے

اعراف دوزخ ہے۔

دوزخیوں سے پوچھ

کہ اعراف بہشت ہے!

(ایک رائے کے مطابق اعراف جنت اور جہنم کے اس درمیانی مقام کو کہا جاتا ہے جہاں وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہو جائیں گی۔)

(حکایتِ سعدی از کتاب گلستانِ سعدی)

آسمان پہ سورج سنہرے تاروں کا جال بن کر سب کے سروں پہ تانے کھڑا تھا۔ مور جال کی سبز بیلیں اس دھوپ میں جھلس رہی تھیں۔ حالانکہ ابھی صبح بھی پوری طرح باسی نہیں ہوئی تھی۔ کچن کی کھڑکی سے جھانکو تو بلائنڈز کے پیچھے سے گول میز دکھائی دیتی تھی جس کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ زمر سیاہ کوٹ پہنے' گھنگریالے بال آدھے باندھے' چائے کے گھونٹ بھرتی غور سے سعدی کو دیکھ رہی تھی جو قدرے گم صم سا بیٹھا تھا۔ کٹہرے میں کرتے میں ملبوس گیلے بال برش کیے وہ تازہ دم اور تیار تھا' البتہ آنکھیں اداس تھیں۔ غائب دماغی سے کپ کے منہ پہ انگلی دائرے میں پھیر رہا تھا۔ زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ "سعدی!" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آج تم کٹہرے میں کھڑے ہو گے اور تم سے جرح کی جائے گی۔ تم نروس ہو؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ موقع آنا تھا' جب تم نے اس عدالتی جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کیا تھا میں نے تب ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ موقع آئے گا' تمہیں کٹہرے میں جانا ہو گا۔ پہلے میں تم سے سوال کروں گی' پھر وہ تم سے جرح کرے گا۔ تم خود کو کیسے پریزنٹ کرتے ہو' یہ تم پہ منحصر ہے۔"

''میں ٹھیک ہوں۔اور میں ٹھیک ہی رہوں گا۔'' وہ ذرا سا مسکرایا۔

''کوئی بھی سوال جس کا جواب مشکل لگے' تو کہنا' مجھے یاد نہیں۔جس سوال کے جواب میں سچ نہ بولنا ہو تو کہنا' جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا.....اور پھر انٹرویو والی لائن دہرا دینا۔''

''یہ غلط بیانی تو ہوگی نا۔پتہ نہیں مجھ میں اور ہاشم میں کیا فرق رہ جائے گا جب ہم دونوں جھوٹ بولیں گے؟'' وہ تلخی سے بولا۔

''محتاط الفاظ کا چنا ؤ جھوٹ بولنا نہیں ہوتا قانون میں۔اور ہمیں ایک پورے معاشرے کو ایسے لوگوں سے پاک کرنے کے لئے ان چھوٹے موٹے Lesser Evils کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔''

''صحیح! خود کو بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔خیر۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے گہری سانس لی۔''اور اگر اس نے مجھ سے کچھ ایسا پوچھا ہو.....جو میں نے آپ کو بھی نہ بتایا ہو' تب؟''

زمر چند لمحے اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔''تم نے مجھے کیا نہیں بتایا؟''

سعدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکائے۔''مجھے یاد نہیں۔'' اور وہ دونوں ہنس پڑے۔مگر وہ ذرا فکر مند ہو گئی تھی۔

''وکیل سے کچھ نہیں چھپاتے سعدی! مجھے بتاؤ۔''

وہ آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر کپ رکھ کر بولا۔''جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' مجھے یاد نہیں۔''

''اگر تم سے کچھ ایسا ہوا ہے جو جرم کے زمرے میں آتا ہے تو تم مجھے بتا سکتے ہو۔''

''میں نہیں بتانا چاہتا۔لیکن اگر اس نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تو مجھے کیا کہنا چاہیے؟''

''سچ بولنا۔بالکل سچ۔'' وہ تاکید کر کے اٹھ گئی۔

جب وہ بیگ اور فون لئے لاؤنج میں آئی تو سامنے کھلتے ندرت کے کمرے میں کھڑی حنین تیار ہوتی نظر آ رہی تھی۔فارس بھی قریب ہی ندرت کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا تھا۔زمر چوکھٹ پہ ٹھہری تو حنین نے اسے دیکھا۔فوراً بولی۔''میں آج بھی کورٹ جاؤں گی' پلیز کوئی منع نہیں کرے گا۔جب آپ وہ جعلی ای میل دکھائیں گی تو مجھے ہاشم کا چہرہ دیکھنا ہے۔'' اور وہ جانتی تھی وہ اس موقع پہ اپنے ہاتھ پہ کیا لکھ کر اسے اٹھائے گی۔سوچ کر ہی مزا آتا تھا۔سوچ کر ہی تکلیف ہوتی تھی۔

''ہاں آ جاؤ۔'' پھر فارس کو دیکھا۔''تم نہیں آ ؤ گے۔''

''موڈ نہیں ہے۔'' اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

زمر نے گہری سانس لی۔''پتہ نہیں تم کب اس ٹرائل کو سنجیدہ لو گے۔''

''جس دن تم لوگ یہ ٹرائل ہار جاؤ گے!'' وہ جتانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔زمر ہونہہ کر کے باہر نکل گئی۔ندرت نے خفگی سے اسے دیکھا۔''منہ سے بدفال نہ نکالا کرو۔کیوں ہاریں وہ مقدمہ؟ دعا کیا کرو کہ جیت جائیں۔''

''ہاں جی! بالکل۔ایسا ہی ہوگا۔'' وہ برا سا منہ بنا کر چپ ہو گیا۔ندرت اٹھ گئیں تو بال برش کرتی حنین اس کی طرف گھومی۔وہ پیر میز پہ رکھے نیم دراز سا' آنکھیں چھت پہ مرکوز کیے کسی سوچ میں لگتا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ ہم ہاشم کو عدالت میں کبھی مات نہیں دے سکتے؟'' فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مجھے لگتا نہیں ہے' مجھے یقین ہے۔یہ جو کورٹ میں سارے جج بیٹھے ہوتے ہیں نا' یہ اس بات کا فیصلہ نہیں کرتے کہ کون سچا ہے۔اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کون زیادہ اچھا جھوٹ بولتا ہے۔''

''مگر بجائے ان کی مخالفت کرنے' ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔''

''تم کرو۔ میں دیر سے آؤں گا۔'' اس نے سر جھٹکا۔ باہر کورٹ جانے کی تیاری کا شور مچ چکا تھا۔

.... ٭٭٭ ....

اتنی شہرت بھی کہاں چاہی تھی خود سے میں نے ...... اپنے ہی شہر کا ہر شخص عدو میرا ہے

قصر کاردار کا لان اس صبح بارونق لگ رہا تھا۔ ملازموں کی آمد و رفت لگی ہوئی تھی۔ شہرین گھوم پھر کر ایونٹ آرگنائزر کو سمجھا رہی تھی کہ اسے کون سی چیز کہاں چاہیے۔ اس کے سنہری بال پچھلے سال کی بہ نسبت لمبے ہو گئے تھے اور اونچی پونی کی صورت گردن کی پشت پہ جھول رہے تھے۔ ماتھے پہ بل لئے اور ناک چڑھائے وہ سونیا کی سالگرہ کی دعوت کے تمام انتظامات دیکھ رہی تھی۔

اندر ڈائننگ ہال میں بیٹھی جواہرات چمچ سے پیالے میں ہلاتی مسکراتی نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ایک فاتحانہ نظر اپنے مقابل بیٹھے نوشیرواں پہ ڈالی (ہاشم اب سربراہی کرسی پہ بیٹھتا تھا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں۔) نوشیرواں سوٹ میں ملبوس بے دلی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ جواہرات کو پچھلے برس کے یہ دن یاد آئے۔ تب شہری کے سلے کیسے وہ بے چین رہتا تھا۔ شکر یہ بھوت تو اترا۔

''تو آج سعدی یوسف کٹہرے پہ آئے گا اور اس سے جرح کی جائے گی۔'' اس نے سعدی کا ذکر چھیڑا۔ آج بھی نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہوا مگر وہ اظہار نہیں کر سکا۔ آج اسے گولی مارنے کی خواہش بھی نہیں ہوئی۔ گولی مار کے دیکھ لی تھی۔ کوئی فائدہ نہ تھا۔

''ہاں' آج ہم حکایت سعدی سنیں گے۔'' ہاشم نے طنزاً کہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ جھوٹ نہیں بولے گا؟''

''وہ سعدی ہے۔ وہ اسٹینڈ پہ جھوٹ نہیں بولے گا۔'' ہاشم فون دیکھتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔ ''اور اسے ضرورت بھی نہیں ہے۔''

ڈائننگ ہال عبور کر کے لاؤنج تک آیا تھا جب سامنے سے رئیس آتا دکھائی دیا۔ اس کے تاثرات دیکھ کر ہاشم رک گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کرسی پہ بیٹھے لیپ ٹاپ سامنے رکھ کر کام کرتے احمر شفیع کی حسیات بھی ابھریں متوجہ ہو گئیں۔

''سر یہ دیکھیں۔ یہ کولمبو سے ہماری ٹیم کو ملا ہے۔'' ہاشم نے کاغذ پکڑتے ہوئے جیب سے عینک نکالی۔ ''کیا ہے یہ؟''

''فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ گواہوں کے مطابق وہ سعدی یوسف کو قتل کرنے گیا تھا۔ مگر سعدی نے اسے مار ڈالا۔ فصیح اب صرف غائب نہیں ہے' وہ مر چکا ہے۔''

رئیس کی آواز نے جہاں ہاشم کو چونکایا وہاں دلیہ مزے اور اطمینان سے کھاتی جواہرات کے ہاتھوں سے چمچ پھسلا۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔ نوشیرواں بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''ویل ازگڈ!'' ہاشم دلچسپی سے کاغذ دیکھ رہا تھا۔ ''لیکن فصیح کو اسے زندہ گرفتار کرنے کا حکم تھا' اس نے اسے مارنے کی کوشش کیوں کی؟''

''ہارون صاحب سے بات کی ہے۔ وہ خود شاکڈ ہیں۔ فصیح ان کا دایاں ہاتھ تھا۔ وہ کبھی بھی اس کو موت کی طرف نہیں دھکیلیں گے۔''

''پھر فصیح کیوں مارنا چاہتا تھا سعدی کو؟ سیلف ڈیفنس کے علاوہ تو سعدی اسے کبھی قتل نہیں کرے گا۔'' وہ سر جھکائے کاغذ پڑھتا سوچتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''کوئی ٹھوس ثبوت ہے کہ فصیح کو سعدی نے ہی مارا ہے؟''

''کافی شاپ کی مالکن نے بتایا ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکلا تھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں بھی فصیح اس کو یرغمال بنا کر آگے لے جاتا دکھائی دیا تھا۔ مگر بعد میں سعدی زندہ سلامت واپس آ گیا اور فصیح کی مسخ شدہ لاش کھائی سے ملی۔'' احمر چہرہ اٹھائے ہکا بکا سا دیکھ رہا تھا۔

دور بیٹھی جواہرات بے اختیار اپنی گردن کی پشت ہاتھ سے دبانے لگی۔ پھر اس نے سیل اٹھایا اور آبدار کو میسج لکھا۔ "مجھے میری امانت آج رات تک مل جانی چاہیے۔"

ہوا کے دوش پہ وہ پیغام اڑتا ہوا.... پہاڑ.... جھیل.... سرسبز میدان عبور کرتا.... ہارون عبید کی رہائش گاہ کی دیواروں کے پار گھسا اور آبدار کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھے موبائل کو چمکا گیا۔

تھرتھراہٹ سے اس نے لحاف ہٹایا۔ سرخ سنگی بال تکیے پہ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ان کو چہرے سے ہٹاتی اٹھی اور موبائل ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔ پیغام پڑھ کر اس نے کچھ نہیں لکھا۔ جیسے توجہ ہی نہ دی ہو۔ عادتاً کونٹیکٹ لسٹ کھولی۔ اور عادتاً فارس کے نام پہ کلک کیا۔ اس کا last seen دیکھا۔ اندازہ لگایا کہ وہ اب کیا کر رہا ہوگا اور مسکرا کر فون رکھنے لگی۔ یکدم ایک خیال آیا۔ بلی سی آنکھوں میں چمک ابھری۔ لب دانتوں میں دبا کے اس نے پیغام لکھا۔

"یاد ہے فارس میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ملکہ نے دونوں قیدیوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ میرے پاس ثبوت ہے۔ اگر چاہیے تو آج رات میں آپ کا انتظار کروں گی۔" اور پیغام بھیج دیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اب تو وہ ضرور آئے گا۔ اسے یقین تھا۔

.... ✣ ✣ ✣ ....

میں اپنے روٹھے ہوئے قبیلے کی سازشوں میں گھرا ہوا ہوں ..... تم اجنبی ہو تو میرے آنگن کی وحشتوں سے ڈرے نہ رہنا

کورٹ روم میں اواخر اپریل کی دھوپ کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔ سعدی یوسف کٹہرے میں کھڑا تھا اور زمر اس کے سامنے تھی.... چند قدم پیچھے.... اس سے سوالات پوچھ رہی تھی۔

"پلیز ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیے۔"

"سعدی ذوالفقار یوسف خان۔"

"آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟" وہ سنجیدگی سے رسمی کارروائی دہرا رہی تھی۔ ہاشم خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اس کے ساتھ رکھی احمر کی کرسی خالی تھی۔

باہر کچہری کے ہجوم میں ایک راہداری میں احمر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تیز تیز۔ ہجوم میں بالکل گم۔ احتیاط سے آگے پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا۔ پھر تیزی سے ایک موڑ مڑ کر وہ کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ایک خالی کورٹ روم تھا۔ کرسیاں اور میز بالکل سیدھی پڑی تھیں۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور پھولے سانس کے ساتھ واپس گھوما۔ سامنے ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے فارس بیٹھا تھا۔ منہ میں مسلسل کچھ چبا رہا تھا۔ سر سے پیر تک ہانپتے ہوئے احمر کا جائزہ لیا۔

"اتنی کیا ایمرجنسی تھی اسٹینی؟ تمہارے مالک آس پاس ہی ہیں۔"

"ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ بلکہ دو مسئلے۔" وہ کرسی کو فارس کے سامنے رکھتا اس پہ بیٹھا اور آگے کو جھک کر ہاتھ باہم پھنسائے پریشانی سے بتانے لگا۔

"کیا ہوا ہے؟" فارس نے گہری سانس لی۔

"ہاشم کے پاس عدالت میں پیش کرنے کے لیے خطرناک مواد ہے۔"

فارس نے ہاتھ جھاڑ کر گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ "عدالت کی پروا کسے ہے؟"

"غازی تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔ ہاشم کے پاس ثبوت ہے کہ سعدی نے دو قتل کیے ہیں۔ اور کچھ دیر بعد وہ عدالت میں سعدی سے یہ بات پوچھے گا۔"

فارس کا مسلسل ہلتا منہ رکا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''دو قتل؟'' اسے دھچکا لگا تھا۔

''ہارون عبید کے ملازم فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ عینی شاہدین نے سعدی کو اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسے سعدی نے مارا ہے۔''

''ایسا نہیں..... ہو سکتا۔'' وہ شدت حیرت سے ہکلایا۔

''ایسا ہو چکا ہے۔ تم لوگوں کو سعدی کو یہ بات بتانی ہوگی تاکہ وہ ذہنی طور پہ تیار رہے۔''

''دو قتل!'' وہ اب بھی بے یقینی سے دہرا رہا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے جانے کے بعد ہوا ہوگا۔ مجھے اسے وہاں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔''

''اور تم نے اسے مشورہ دیا تھا افغانستان کے راستے سے ملک میں آنے کا؟''

فارس بالکل ساکن رہ گیا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟''

کسی نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو بھیجا ہے۔ اس پہ سعدی کا نام حیدر ہمایوں خان ہے۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ افغانستان کے راستے سے آیا ہے واپس۔''

فارس بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''یہ ناممکن ہے۔ سعدی اپنا پاسپورٹ ڈسپوز آف کر چکا ہے۔''

''کسی نے اس کے پاسپورٹ کے ٹکڑے جمع کر کے ہاشم کو بھیج دیے ہیں۔ افغانستان کے ذریعے آنے کا فیصلہ درست تھا لیکن اب یہ چیز اس کو دہشت گرد بھی ثابت کر سکتی ہے۔ تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بار بار پیشانی چھوتا تھا۔ نفی میں سر ہلاتا تھا۔ ''سعدی کا پاسپورٹ ان کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ سعدی نے خود مجھے بتایا ہے کہ وہ اسے ختم کر چکا ہے۔ سعدی ایسا غیر ذمے دار نہیں ہے۔''

''مگر اب ایسا ہو چکا ہے۔ میں نے خود وہ پھٹا ہوا پاسپورٹ دیکھا ہے۔ اور ہاشم نے مجھے اس کا میسج دکھا کر اسے ٹریس کرنے کا کہا مگر میں نہیں کر سکا۔ اس شخص کا نمبر مکمل طور پہ انکرپٹڈ ہے تمہیں اب کچھ کرنا ہوگا۔ کیونکہ کوئی ہے جو اسے سعدی کے بارے میں معلومات دے رہا ہے۔ اور یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ناگواری سے اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ اسے جیسے برا لگا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی بندہ نہیں ہے جو ہمارے ساتھ یوں دھوکہ کرے۔''

''سب کے قریب دھوکے باز ہوتے ہیں۔ میں بھی تو ہاشم سے اس وقت دھوکہ ہی کر رہا ہوں نا۔''

''نہیں۔'' اس نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ شدید ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی نہیں ہے۔ یہ ہاشم کا کوئی بندہ ہے۔''

''مسز زمر نے مجھے بتایا تھا کہ دو ماہ پہلے تمہاری بھانجی کے کمرے سے وہ میموری کارڈ چوری ہو گیا تھا جس میں میرا اعمال نامہ موجود ہے۔''

''وہ یقیناً کاردارز کا بھیجا ہوا کوئی بندہ ہوگا۔ میں نے بہت ڈھونڈا مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔ لیکن میں نہیں مان سکتا کہ ہمارے گھر میں سے کوئی ایسا کر سکتا ہے۔''

''ہاں ہو سکتا ہے یہ باہر کا کوئی بندہ ہو۔ مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسے کیسے پتہ چلا ہوگا کہ کارڈ تمہاری بھانجی نے کہاں رکھا ہے۔'' اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''حنین نے کارڈ کی فائلز دیکھتے ہی مجھے کال کی تھی۔ کاردارز کے علاوہ بھی یقیناً کوئی تمہارے فون ٹیپ کر رہا ہوگا۔

اس کال کے بعد ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے حنین کے لیپ ٹاپ کو rat کر کے اس کا ویب کیمرہ آن کر لیا ہو۔ آج کل یہ بہت آسان ہے۔ اور اس نے دیکھ لیا ہو کہ حنین اپنے کمرے میں وہ کارڈ کہاں رکھ رہی ہے۔''

اب کے فارس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کہیں یہ سب تم تو نہیں کر رہے۔'' پھر سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''حنین نے کہا تھا اس سرخ مفلر والے آدمی کا قد چھوٹا تھا۔''

''اللہ کو مانو۔ مجھے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' احمر برا مان گیا تھا۔ ''اور اگر میں یہ کرتا تو پھر اپنی جان پہ کھیل کر تمہیں آگاہ کرنے کیوں آتا؟ سعدی کہتا ہے کہ اس کی یو ایس بی کی فائلز ڈیلیٹ کر دی گئیں' اب اس میں صرف فروزن پڑی ہے۔ سعدی کا ائیر پورٹ سے پیچھا کیا جاتا ہے اور اس کا پاسپورٹ چوری کیا جاتا ہے۔ حنین کے کمرے سے ایک کارڈ چوری ہو جاتا ہے۔ غازی' یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔'' وہ پر یقین تھا۔

فارس کے کان سرخ ہو گئے اور وہ شدید بے بس اور غصے میں نظر آ رہا تھا۔ ''وہ جو بھی ہے میں اسے ڈھونڈ لوں گا اور میں واقعی اس کی جان لے لوں گا۔''

''اور کیس کا کیا کرو گے؟ تو شیرواں کو سزا دلوانی ہے یا نہیں؟'' فارس چند لمحے چپ رہا' پھر گہری سانس لے کر ایک عزم سے بولا۔

''پہلے مجھے اس کیس میں دلچسپی نہیں تھی لیکن اب... اگر ہاشم اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آیا ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم سب مل کر اس کیس میں اس کو فائٹ دیں گے۔''

''گڈ!'' احمر نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔ فارس نے اپنا کندھا بے زاری سے پیچھے کیا۔

''اب جاؤ۔ تمہاری مالکن تمہیں مس کر رہی ہوگی۔'' احمر جاتے جاتے مڑا اور تنگ کر اسے دیکھا۔

''ظاہر ہے۔ ملازم پیشہ آدمی ہوں۔ مگر سوری سوری... تم جیسے جاب لیس فارغ لوگ کیا جانیں کہ ملازمت کیا چیز ہوتی ہے۔''

''جا... جا۔ دماغ نہ خراب کر میرا۔'' اس نے غصے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ شدید مضطرب نظر آ رہا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

چلے جو ذکر تو فرشتوں کی پارسائی کا ..... تو زیر بحث مقام بشر بھی آتا ہے

''your witness'' زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی' اور ہاشم کو اشارہ کیا تھا۔ اب گواہ اس کا تھا۔ جیسے چاہے جرح کرے۔

جب وہ نیچے آکر بیٹھی تو پیچھے سے کسی نے اسے ٹہوکا دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ پچھلی نشستوں پہ فارس آ بیٹھا تھا اور اس کے کہنے پہ حنین اٹھ کر جنگلے تک آئی تھی اور پین سے زمر کے کندھے کو چھو کر اس طرف توجہ دلا رہی تھی۔ زمر نے فارس کو دیکھا۔ وہ قدرے مضطرب سا اسے اشارے میں کچھ بتا رہا تھا' زمر نے لبوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور واپس گھوم گئی۔

''چڑیل۔'' وہ بے بسی سے بڑبڑایا تھا۔ زمر پرواہ کیے بغیر سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہی تھی جہاں ہاشم سعدی کے مقابل مگر چند قدم نیچے کھڑا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے چند کاغذ لہرائے۔

''کیا آپ کمار نامی اس نیپالی باشندے کو جانتے ہیں؟ یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف؟ کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔ کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟''

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔ حنین بالکل سن ہو گئی۔ اسامہ شل ہو گیا۔ احمر نے فکر مندی سے گہری سانس لی۔ جواہرات

مسکرائی۔ شیرواں بے چین ہوا۔ فارس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ ایسے میں زمر نے گردن موڑ کر فارس کو دیکھا اور پلکیں جھپک کر اسے تسلی دی۔ صرف وہ پرسکون تھی یا سعدی جو کٹہرے میں گردن تنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔ پھر وہ دھیرے سے بولا۔

''کیا آپ اپنا سوال دہرائیں گے کاردار صاحب؟''

کمرہ عدالت میں پھر سے مقدس سناٹا چھا گیا۔

''سعدی یوسف' کیا آپ نے ان دو افراد کا قتل کیا ہے؟'' ہاشم نے تصاویر پھر سے دکھاتے ہوئے چبا چبا کر پوچھا۔ زمر کھڑی ہوئی۔

''آبجیکشن یور آنر۔ اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''تعلق ہے یور آنر۔ ہمیں عدالت کو دکھانا ہے کہ الزام لگانے والا خود کیسے کردار کا حامل ہے۔''

''یور آنر اگر وکیل وفاع کو سعدی یوسف پہ قتل کا الزام لگانا ہے تو اس کے لئے وہ الگ سے پٹیشن دائر کر سکتے ہیں۔ لیکن قانون شہادت کے تحت وہ گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لئے اس کے اوپر بغیر ثبوت کے ایسے الزام نہیں لگا سکتے۔'' وہ بلند آواز میں بولی تھی۔

جج صاحب نے جواباً ہاشم کو دیکھا۔ وہ فوراً بولا۔

''یور آنر.... قانون شہادت کے تحت اگر گواہ کا کردار کیس کی سچائی جاننے کے لئے ضروری ہے تو ایسے سوال پوچھے جا سکتے ہیں۔ مس زمر کو قانون شہادت دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔''

''یور آنر کیا ہمارا قانون آرٹیکل تیرہ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی شخص سے زبردستی self-incriminating سوال نہیں پوچھا جا سکتا؟'' وہ بحث کر رہی تھی۔ (یعنی ایسا سوال جس کے جواب میں اس کو اعتراف جرم کرنا پڑے۔) ہاشم دو بدو بولا۔

''مگر یور آنر وہ ملزم کی دفعہ ہوتا ہے۔ جیسے نوشیرواں کے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔ سعدی یوسف اس کیس میں ملزم نہیں ہے۔ گواہ ہے۔ اور جہاں تک گواہ کی بات ہے تو قانون شہادت آرٹیکل 9 کے تحت کسی گواہ کو self-incrimination کے باوجود خاموشی کا حق نہیں ہے۔ گواہ جواب دے گا۔ بھلے جواب میں اسے اعتراف جرم ہی کرنا پڑے۔ گواہ کو جواب دینا ہے۔''

''مگر یور آنر....'' زمر مزید کچھ کہنے لگی تھی کہ جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''سعدی یوسف ملزم نہیں ہے' گواہ ہے' اور گواہ کا کردار جاننا واقعی ضروری ہے۔ اس لئے میں چاہوں گا کہ سعدی یوسف جواب دے۔ اعتراض رد کیا جاتا ہے۔'' انہوں نے سعدی کو اشارہ کیا۔ زمر گہری سانس لے کر بیٹھی۔ حنین نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ مسکراہٹ لبوں پہ جمائے وہ فکرمندی سے سامنے کھڑے سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی نے گہری سانس لی اور پھر وہ الفاظ ادا کیے۔

''میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔''

''اور یہ بات آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں؟'' ہاشم نے آواز میں تعجب بھر کے دہرایا۔

''جی ہاں۔ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے ان دونوں آدمیوں کو قتل نہیں کیا۔''

''آپ کو معلوم ہے perjury کیا ہوتی ہے سعدی یوسف؟ کورٹ میں جھوٹ بولنا کتنا بڑا جرم ہے؟'' ہاشم اب تاسف سے پوچھ رہا تھا۔

''جی مجھے معلوم ہے۔ پرجری وہ ہوتی ہے جو ہاشم تم اپنے ہر گواہ سے یہاں کرواؤ گے مگر میں جھوٹ نہیں بول رہا۔'' اس نے اسی اعتماد سے چہرہ اٹھا کر جج صاحب کو دیکھا۔ ''میں نے اپنی پوری زندگی میں کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔''

ہاشم نفی میں سر ہلاتا کاغذات لے کر جج کے چبوترے کی طرف آیا۔ ''یور آنر' یہ دونوں قتل سعدی یوسف نے ہی کیے ہیں اور....'' مگر سعدی کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے ان دو انسانوں کی جان ضرور لی ہے یور آنر! مگر میں نے انہیں قتل نہیں کیا۔''

بہت سی سانسیں ایک دفعہ پھر رکی تھیں۔ چند لمحے کو تو ہاشم بھی سناٹے میں رہ گیا۔ جج صاحب ذرا مزید تر چھے ہو کر بیٹھے۔ وہ اب پوری طرح سے سعدی کی طرف متوجہ تھے۔

''یور آنر نمار نامی گارڈ نے مجھے قتل کرنا چاہا تھا قید کے دوران۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لیے اس کو مارا تھا۔ نصیح بھی مجھے قتل کرنے آیا تھا' اور میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس کو مارا۔ یور آنر سیلف ڈیفنس کی عالمی تعریف کے مطابق یہ قتل نہیں ہوتا۔ دین میں یہ گناہ نہیں ہوتا۔ سو میں نے گناہ کیا ہے نہ قتل' میں نے صرف ان کو مارا ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا مگر میں ان کا قاتل نہیں ہوں۔ اپنی جان بچانے کے لئے مجھے ان کو مارنا تھا۔ یہ میرا حق تھا۔''

کمرہ عدالت میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ ہاشم نے بہت بار لب کھولے پھر بند کیے۔ اسے ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ زوشیر وہاں بالکل سن سا سعدی کا چہرہ ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ (وہ کیسے اتنے لوگوں کے سامنے کسی کو مارنے کا اعتراف کر سکتا ہے؟ اتنا بہادر وہ کیسے تھا؟)

بالآخر ہاشم جج کی طرف متوجہ ہوا۔

''مگر ہم کیسے مان لیں کہ یہ سیلف ڈیفنس ہی تھا۔ یور آنر سعدی یوسف ایک پاکستانی شہری ہے اور وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی جرم کرے گا پاکستان پینل کوڈ کا اطلاق اس پہ ہوگا۔ ملک واپس آنے پہ قانون کے مطابق اس سے تفتیش کی جائے گی اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو سزا بھی سنائی جائے گی۔ یہ سیلف ڈیفنس تھا یا نہیں' اس کا فیصلہ بھی عدالت کرے گی۔ یور آنر میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ سعدی یوسف کے اس اعتراف جرم کی بنا پہ ایک جے آئی ٹی تشکیل دی جائے جو اس کے ان جرائم کی تفتیش اور تحقیق کرے اور پھر اسے پراسیکیوٹ کیا جا سکے۔''

''یور آنر!'' زمر مسکرا کر کھڑی ہوئی اور چبوترے کی طرف بڑھی۔ ''میرا خیال ہے کاردار صاحب کو اپنا کرمنل لاء دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔''

سب کی نگاہیں سعدی سے ہو کر زمر کی طرف اٹھیں۔

''ایکسکیوزمی؟'' ہاشم نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

زمر نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔ ''قانون شہادت کے جس آرٹیکل 9 کو مد نظر رکھتے ہوئے عدالت نے گواہ کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے' جناب عالی اسی آرٹیکل 9 میں لکھا ہے کہ گواہ.... ملزم نہیں گواہ.... کو خاموشی کا حق حاصل نہیں ہے چاہے اس کا بیان اس کے اپنے وجود کو ملوث بہ جرم ظاہر کرے.....'' اس نے مسکرا کر ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے وقفہ دیا۔ ''بشرطیکہ اس بیان کی بنیاد پہ..... اگر دوسرے کوئی ثبوت یا گواہ نہ ہوں تو... اس شخص کو prosecute نہیں کیا جا سکتا۔'' پھر جج کی طرف چہرہ کر کے فاتحانہ انداز میں بولی۔ ''یور آنر ہمارا قانون کہتا ہے کہ گواہ کے اپنے اعتراف جرم پہ اس کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔ ہاشم کاردار یا کسی کے پاس ایسے کوئی ثبوت یا گواہ نہیں ہیں جو سعدی یوسف کو مجرم ظاہر کریں۔ سعدی یوسف کے خلاف کہیں بھی کسی بھی قسم کا کوئی کیس اس ایک اعترافی بیان پہ نہیں کھولا جا سکتا۔ دراصل ہاشم کاردار اس بات کو صرف ایک اسکینڈل بنا کر سعدی کو ڈس کریڈٹ کرنا چاہتے ہیں' تو اس لئے میں چاہوں گی کہ معزز عدالت کاردار صاحب کو یہ یاد دلائے کہ عدالتی حکم نامے کے تحت کئی ہفتے سے اس ٹرائل پہ میڈیا میں بحث منع ہو چکی ہے اس لئے وہ ان باتوں کو میڈیا پہ نہیں اٹھا سکتے۔''

ہاشم کا چہرہ بے بسی بھرے غصے سے متغیر ہو چکا تھا۔ ''یور آنر ایک آدمی اپنے منہ سے دو بندے مارنے کا اعتراف کر رہا ہے اور.....''

''نہ نہ نہ!'' جج صاحب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ ''مسز زمر کا پوائنٹ ویلڈ ہے۔ گواہ کو پروٹیکشن حاصل ہے۔ آپ نے اپنے منہ سے کہا ہے کہ سعدی یوسف اس کیس میں گواہ ہے۔ ملزم نہیں۔ اگر نوشیرواں کاردار اپنے منہ سے اعتراف جرم کرتا تو عدالت اس کو پھانسی کی سزا فوراً سنا دیتی کیونکہ وہ اس کیس میں ملزم ہے۔ سعدی یوسف گواہ ہے اور گواہ کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔''

''مگر یور آنر کم از کم.....''

''آپ کو کوئی اور سوال پوچھنا ہے کاردار صاحب؟'' اب کے جج صاحب نے تلخی سے پوچھا تھا۔ ہاشم چند لمحے غم و غصے سے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گہری سانس لی اور سر جھٹکتا سعدی کے سامنے آیا۔

زمر مسکرا کر مڑی اور ایک چٹ بنگلے کے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی حنین کی طرف بڑھائی۔ حنہ جس کو اب سانس آئی تھی' اس نے وہ چٹ فوراً سے فارس کو پاس کی جو بظاہر تنے تاثرات کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ اس نے کاغذ کھولا۔ اندر زمر نے لکھا تھا۔

''ہز بینڈ ڈیئرسٹ.... یونیورسٹی کلاسز میں ہر وقت مجھے دیکھنے اور میری محبت میں گرفتار رہنے کی بجائے اگر تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا تو آج یہ قانون معلوم ہوتا تمہیں.... چچ چچ!''

فارس نے استغفراللہ کہہ کر سر جھٹکا تھا۔ منہ کا ذائقہ تک کڑوا ہو گیا تھا۔ بازو بڑھا کر حنین کا قلم اچکا اور نیچے کچھ لکھا۔ پھر کاغذ تہہ کر کے آگے پاس کیا۔ ادھر ہاشم کی آواز گونج رہی تھی۔

''سونیا کی پچھلی سالگرہ پہ یعنی ایک سال پہلے کیا یہ درست ہے کہ آپ سب سے نظر بچا کر میرے کمرے میں گئے تھے؟''

''یہ درست نہیں ہے۔ میں نظر بچا کر نہیں' سب کے سامنے کھلم کھلا گیا تھا۔''

''کیوں؟''

زمر تک کاغذ پہنچا تو اس نے اسے کھولا۔ آدھی توجہ سعدی کی طرف تھی۔

''میں نے قانون پڑھ کے کرنا ہی کیا ہے؟ دنیا جہان کے لوگوں کو انصاف دلانے کے لیے آپ موجود ہیں نا۔ میں تو آرام سے ڈنر کرنے جا رہا ہوں اپنے سے پیچھے بیٹھی خوبصورت لڑکی کے ساتھ۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اسے ایک ثبوت دینا ہے مجھے۔'' زمر نے اب کے گردن موڑ کر اسے گھورا تو آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ فارس نے آنکھوں میں سادگی لیے شانے اچکا دیے۔ زمر نے ''ہونہہ'' کر کے سر واپس پھیر لیا۔ ادھر سعدی کہہ رہا تھا۔

''میں باتھ روم گیا تھا اور چند منٹ میں واپس آ گیا تھا۔''

''تو آپ میرے گھر سے کچھ چرا کر نہیں نکلے تھے؟''

''میں نے کوئی نیکلیس یا زیور نہیں چرایا تھا۔ نہ کوئی نقدی وغیرہ۔''

''سعدی یوسف خان' مجھے صرف اتنا بتائیں کہ جب آپ نے گھر جا کر اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نکلا یا نہیں؟''

''چونکہ میں نے کوئی نیکلیس نہیں چرایا تھا اس لیے میں نے جب کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نہیں نکلا۔'' اس نے مزے سے دہرا دیا۔ حنین نے گہری سانس لی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ نیکلیس حنہ نے اس کے کوٹ سے نکالا تھا' خود اس نے نہیں۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ خیر میں کیا کر سکتا ہوں۔ چلیے۔ یہ تصویریں' دیکھیے سعدی۔'' ہاشم اب اس کو پروجیکٹر اسکرین پہ چند شاٹس دکھا رہا تھا۔ ''یہ ہارون عبید کے اس ہوٹل کی بیسمنٹ کی تصاویر ہیں جہاں مبینہ طور پہ آپ کو قید رکھا گیا' بقول آپ کے' لیکن جب میڈیا کے نمائندے وہاں گئے تو یہاں جالے لگے تھے اور برسوں کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ اس بارے میں کیا کہیں گے؟'' سعدی نے ایک نظر اسکرین کو

دیکھا۔

''میرے یہاں سے نکلنے کے قریباً ایک ماہ بعد میڈیا کے نمائندے یہاں گئے ۔ایسا سیٹ اپ کرنے کے لئے ایک دن بھی بہت ہوتا ہے۔''

''تو آپ ابھی بھی مصر ہیں کہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو یہاں قید رکھا؟''

ہاشم نے مصنوعی تعجب ظاہر کیا۔وہ کنکھیوں سے زمر کو دیکھتا رہا'اس کے اٹھ کر objection چلانے کا انتظار کرتا رہا'مگر وہ اطمینان سے بیٹھی قلم دانتوں میں دبائے رہی۔

اس نے اپنا گواہ تیار کر کے بھیجا تھا۔

''ذرا اس تصویر کو زوم کیجئے کاردار صاحب۔یہ اس طرف سے۔''سعدی اطمینان سے انگلی اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ہاشم نے سر کو خم دیا اور متعلقہ جگہ سے زوم کیا۔

''یہ کونے میں دیوار پہ...''سعدی اشارہ کر کے بتانے لگا۔''جی بالکل ان گندے کاٹھ کباڑ کے ڈبوں کے پیچھے دیوار پہ چند لکیریں نظر آ رہی ہیں۔عدالت میں جمع کردائی تصاویر میں بھی یہ لکیریں واضح ہیں۔ہارون عبید کے آدمیوں نے ان کو اس لئے چھوڑ دیا کہ شاید یوں یہ دیوار مزید خستہ لگے مگر یور آنر یہ پوری 247 لکیریں ہیں۔21 مئی سے 22 جنوری تک کے دن میں نے گن رکھے تھے۔میں روز ایک لکیر کا اضافہ کرتا تھا۔آپ ان کو گنوا کر دیکھ لیں۔یہ اتفاق نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی اتنی ہی ہوں جتنے دن میں قید میں رہا ہوں۔''وہ اعتماد اور سکون سے بول رہا تھا۔ہاشم ایک دم لاجواب ہو گیا تھا۔جج صاحب اب دلچسپی سے اس تصویر کو دیکھ رہے تھے۔پھر انہوں نے فائل میں ایک نقطہ نوٹ کیا۔

''سعدی یوسف آپ کا کہنا ہے کہ آپ کو کاردارز کے آدمی نے پاسپورٹ دیا اور یوں آپ ملک واپس آ گئے۔''ہاشم نے موضوع بدلا۔

''جی کاردارز میں سے ہی کوئی تھا۔''

حنین نے فوراً سے فارس کو دیکھا۔(آدھا کاردار۔)وہ ڈھٹائی سے سامنے دیکھتا رہا۔

''لیکن آپ کے پاسپورٹ کے مطابق آپ افغانستان میں بھی رکے تھے۔کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہاں آپ کا کیا کام تھا؟''اور یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی فائلوں کے درمیان سے ایک شفاف پیکٹ نکالا اور اوپر جج صاحب کے سامنے رکھا۔سعدی بالکل سن رہ گیا۔پاسپورٹ ٹکڑے ٹکڑے تھا۔یہ وہی تھا جو اس نے پھینکا تھا۔اب کے ہاشم نے فاتحانہ نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

''کیا آپ کے افغان طالبان گروہوں سے تعلقات ہیں سعدی یوسف اور یہ سارا ڈرامہ آپ فساد پھیلانے کو کر رہے ہیں؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''سعدی بولا تو اس کی آواز غصے سے کانپی تھی۔

''آبجیکشن یور آنر۔اس بات کا کیس سے کیا تعلق؟''وہ فوراً کھڑی ہوئی۔

''اوور رولڈ۔تعلق تو ہے۔''جج صاحب نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''یور آنر سعدی یوسف نے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔اگلی سماعت پہ دفاع اس بات کے خلاف rebuttal ثبوت پیش کرے گا جو یہ ثابت کریں گے کہ سعدی یوسف طالبان کے آلہ کار کے سوا کچھ نہیں ہے۔''ہاشم نے سرد مہری سے جج صاحب کو اطلاع دی۔

''یور آنر میں دہشت گرد نہیں ہوں۔میں ہیسکام کا ایک انجینئر ہوں۔میرے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں۔''وہ پھٹ پڑا تھا۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔''میں انصاف مانگنے آیا ہوں اس عدالت میں'یہ مجھے ایسے دہشت گرد برانڈ کیسے کر سکتے ہیں؟''اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔زمر نے اسے کٹہرے سے اترنے کا اشارہ کیا۔ہاشم نظر انداز کر کے اب اختتامی فقرے دہرا رہا تھا۔وہ

دل برداشتہ سا وہاں سے اترا۔

فارس اپنی نشست سے گھوما اور مڑ کر آبدار کو دیکھا۔

"آپ کے پاس واقعی کچھ ہے مجھے ڈنر پہ دینے کے لیے؟" سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ تفاخر سے مسکرائی۔

"جی۔ ایک ٹائی پن کیمرے میں ریکارڈ مسز کاردار کا وہ حکم نامہ جو ثابت کرتا ہے کہ فصیح سعدی کو مارنے گیا تھا۔ چاہیے تو جو وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کر رہی ہوں ادھر آ جائے گا۔ میں دو لوگوں کی ٹیبل بک کروا چکی ہوں۔"

"مجھے اپنی زبان دیں کہ آپ اسے ڈنر پہ ساتھ لائیں گی۔"

"وعدہ!" اس کی آنکھیں بہت محبت سے چمکی تھیں۔ وہ خاموش رہا۔

کورٹ روم سے سب سے پہلے آبدار نکلی تھی۔ پھر کاردارز۔ نوشیرواں نکلتے ہوئے بالکل شل سا کہہ رہا تھا۔ "اس نے دو قتل کا اعتراف کیا مگر اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ کیا پاگل پن ہے یہ؟"

"سوری سر مگر اسے Law of the land کہتے ہیں۔" احمر اس کو سمجھاتا ہوا باہر جا رہا تھا۔ "یہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ پولیس یا کوئی اور کسی سے جبری اعتراف جرم نہ کروا سکے۔ اور...." ان کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔

وہ پانچوں ایک ساتھ باہر نکلے تھے۔ راہداری میں تیز بہتے ہجوم کے باوجود وہ رک کے کھڑے تھے۔

"آپ نے بھائی.... وہ لوگ...." حنین کہتے کہتے رک گئی۔ یہ وقت نہیں تھا ایسی باتوں کا۔ کیونکہ پہلی دفعہ سعدی پریشان لگ رہا تھا' اور فارس کو از سر نو غصہ چڑھ گیا تھا۔ "تم نے مجھے کہا تھا کہ تم نے وہ پاسپورٹ ڈسپوز آف کر دیا ہے۔ یہ ڈسپوز آف کیا ہے تم نے؟" وہ دبا دبا سا غرایا' ساتھ میں اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور بھی رہا تھا۔

"میں نے کر دیا تھا۔ مختلف جگہوں پہ پھینکا تھا۔ کسی کو کیا پتہ میں ادھر آ رہا ہوں۔ کیسے کسی نے اس کو اٹھایا۔ پھر جوڑا۔" وہ سخت پریشان ہو گیا تھا۔

"اٹس او کے۔ اتنا مسئلہ نہیں ہے۔" زمر نے سبھاؤ سے کہتے ہوئے تسلی دی۔ "یہ تمہاری سیلف ڈیفنس موو تھی۔ تمہیں کوئی اس پہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ ہمیں اس وقت ڈاکٹر سارہ پہ فوکس کرنا ہے۔ ان کو گواہی دینی ہوگی ہر حال میں۔"

فارس نے ایک ملامتی نظر ان دونوں پہ ڈالی اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ حنین اس کے پیچھے لپکی۔ شور' ہجوم اور اس ساری چہل پہل کے درمیان میں سے گزرتی' وہ بالآخر اس کی رفتار سے جا ملی۔

"تو ہاشم اب اس پاسپورٹ کے ذریعے بھائی کو دہشت گرد ثابت کرے گا؟ بھائی بہت ہرٹ ہو گا یوں ماموں۔ ہم اس کا ہرٹ کیسے کم کریں؟" وہ فکرمند اور ناخوش لگتی تھی۔ فارس نے رفتار ہلکی کر دی' پھر چند گہری سانسیں اندر کھینچیں۔

"ہمیں اب اس بات کو یقینی بنانا ہوگا حنین کہ تمام گواہ درست گواہی دیں۔ اور سب سے پہلے ہمیں سارہ کو راضی کرنا ہوگا۔ ہمیں زمر اور سعدی کی مدد کرنی ہوگی اور اس ٹرائل کو سنجیدہ لینا ہوگا۔" وہ اب اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حنہ سر ہلاتی سن رہی تھی۔

"نیم زمر کی مدد کرنا.... سو بورنگ۔" وہ ناراضی سے بولی تھی۔

کچہری کے باہر لمبی سیاہ شیشے والی کارز کی طویل قطار لگی تھی۔ جواہرات کو گو کہ ہر پیشی پہ آنے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ ہر دفعہ نیا سیاہ ڈیزائنر ڈیئر اور نئی جیولری پہن کے ضرور آتی۔ اسے معلوم تھا کہ ہاشم جیت جائے گا' سو وہ اس سارے دورانیے میں بھرپور میڈیا attention سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھی تو احمر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔ جواہرات نے ایک نظر نوشیرواں اور ہاشم کی

گاڑیوں کو آگے نکلتے دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ آبدار فارس وغیرہ کے ساتھ کیوں بیٹھی تھی؟"

"وہ تو دو ماہ سے ہر پیشی پہ آ کر ادھر ہی بیٹھ جاتی ہیں۔ ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھنا ان کو۔" وہ موبائل سے کھیلتا ہوا بولا تھا۔ کار اب سڑک پہ دوڑ رہی تھی۔

"اور تم کہاں تھے؟ آتے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ پھر تم اور فارس باری باری کورٹ روم میں داخل ہوئے۔ ہاں احمر؟" وہ نرم مگر گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ احمر نے پورے سکون سے چہرہ موڑا۔

"غازی نے بلایا تھا مجھے۔ وہ بات کرنا چاہتا تھا۔" وہ پورے اعتماد سے اسے بتا رہا تھا۔ "وہ اس مقدمے سے خوش نہیں ہے۔ آپ کے لئے پیغام بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سارہ کو تنگ نہ کیجئے گا ورنہ وہ ہر حد تک جائے گا۔"

"تمہارا دوست رہا ہے۔ کچھ اور پوچھا نہیں اس نے تم سے؟"

"اگر میں اتنی آسانی سے بتانے والوں میں سے ہوتا تو آپ کی کار کی فرنٹ سیٹ پہ نہ بیٹھا ہوتا۔" مسکرا کر تابعداری سے بولا تھا۔ جواہرات کے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ سر کو خم دیا اور باہر دیکھنے لگی۔ اسے احمر پہ پورا اعتبار تھا۔

......................☆☆☆......................

جو سیلابوں کی رو میں بہہ گئے ہیں ...... کرے گا کون ان قبروں کا ماتم؟

سارہ کے گھر کے لونگ روم میں اس وقت شدید تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ ایسے جیسے ہر شخص کی گردن سے ڈوریاں بندھی ہوں اور ان ڈوریوں نے ساری فضا میں کھنچاؤ پیدا کر دیا ہو۔ کوئی ڈھیلا پڑنے کو آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔

"سارہ اگر تم نے وہ سب کچھ دیکھا تھا تو تمہیں کسی سے تو کہنا چاہیے تھا۔" ندرت ملال سے کہہ رہی تھیں۔ پچھلے ڈھائی ماہ میں وہ یہ بات کئی دفعہ دہرا چکی تھیں۔ سامنے صوفوں پہ موجود زمر، فارس، حنین اور خود زکیہ بیگم سب خاموش تھے۔ جب ندرت بولتیں تو وہ اسے دیکھتے جب سارہ بولتی تو اسے۔ ٹینس کے میچ کی طرح نگاہیں دائیں سے بائیں سے دائیں واپس آتیں۔

"آپا آپ سب کچھ جاننے کے باوجود ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں۔" سامنے والے سنگل صوفے پہ فکرمند اور بے بسی بھرا اور با غصہ لئے بیٹھی سارہ نے شاکی انداز میں کہا تھا۔ وہ ابھی آفس سے آئی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے۔ پرس بھی ساتھ ہی رکھا تھا۔ چہرے پہ تھکان تھی مگر آنکھوں میں خفگی بھی تھی۔ "خاور نے مجھے ہراساں کیا تھا۔ وہ لوگ میرے بچے مار دیتے" کیا یہی چاہتے ہیں آپ لوگ؟"

"اچھا ٹھیک ہے وہ سب پیچھے رہ گیا۔ لیکن اب تو سارہ تم عدالت میں پیش ہو جاؤ ورنہ سعدی کا کیس بہت کمزور ہو جائے گا۔" ندرت نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

"میں کیسے عدالت میں کھڑے ہو کر یہ سب کہوں؟ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ آپ لوگ مجھے سمجھانے کے بجائے خود کیوں نہیں سمجھتے؟" وہ ڈری ہوئی نہیں تھی وہ ان کی عقلوں پہ متعجب تھی۔

"سارہ انہوں نے جو سعدی کے ساتھ کیا تم اس کے لئے کوئی گواہی نہیں دو گی کیا؟"

"تاکہ جو سعدی کے ساتھ کیا ہے وہی میرے بچوں کے ساتھ کریں؟ کیا اب بھی آپ لوگوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔" حیرت سے ان سب کو دیکھا۔

"میرا شوہر مرا۔ فارس کی بیوی مری۔ زمر کے ساتھ جو ہوا۔ سعدی کے ساتھ جو ہوا۔ اب بھی آپ لوگ ان کے خلاف جانا چاہتے ہیں؟" وہ حیرت سے سبز آنکھیں پھیلائے کہہ رہی تھی۔

''سارہ!'' فارس ہلکا سا کھنکارا۔ پھر ذرا آگے کو ہو بیٹھا۔ ''ہم چاہتے ہیں کہ دوبارہ کسی کے ساتھ ایسا نہ ہو اس لئے ان کو سزا دلوائی جائے۔''

''یہی وارث کی منطق تھی' یہی زمر' سعدی اور تم نے کیا۔ تم لوگ میرے بچوں کو اب ایک نئے تجربے کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو؟'' وہ صدمے سے بول رہی تھی۔

''ڈاکٹر سارہ آپ کو کورٹ نے سمن کیا ہے' آپ کو آنا تو پڑے گا۔ اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر حلف تو لینا ہوگا۔ پھر جھوٹ بولیں گی کیا آپ؟'' زمر جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی مسلسل نیلی انگوٹھی کو انگلی میں گھما رہی تھی' رسان سے بولی تھی۔

''سوری زمر' لیکن میں کسی عدالت میں نہیں جا رہی۔ اور پلیز مجھے ان جج مینٹل نظروں سے نہ دیکھیں۔ آپ میری جگہ نہیں ہیں۔ اس لئے نہیں سمجھ سکتیں۔''

''ڈاکٹر سارہ میں آپ کی جگہ پانچ سال پہلے تھی اور میں نے کورٹ میں گواہی دی تھی۔ میں چھپ کر گھر میں نہیں بیٹھ گئی تھی۔ گواہی چاہے غلط تھی یا صحیح تھی' چھپائی نہیں تھی میں نے!''

''آپ نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی' کاردارز کے خلاف نہیں۔ بھری عدالت میں کاردارز کو قاتل نہیں کہا تھا آپ نے؟''

''میں پچھلے دو ماہ سے بھری عدالت میں کاردارز کو ہی قاتل بول رہی ہوں سارہ' اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔ مجھے ایک دفعہ بھی انہوں نے دھمکی نہیں دی۔ اتنے ہائی پروفائل کیس میں ہاشم جیسے لوگ گواہوں یا وکیلوں کو نہیں نقصان پہنچاتے۔ وہ ہم سے ڈرے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سے نہیں ڈرنا۔''

زمر اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔ سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔ ''آپ نہیں سمجھ سکتیں زمر۔ آپ کے دو چھوٹے چھوٹے بچے نہیں ہیں جن کے لئے آپ کو ڈرنا پڑے۔''

لاؤنج میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ فارس نے بے اختیار نگاہیں چرائی تھیں۔ پتہ نہیں کس سے۔ حنہ کے دل کو کچھ ہوا۔ ندرت نے پہلو بدلا۔ مگر زمر اسی طرح آرام سے بیٹھی رہی۔ آنکھوں کے تاثرات پرسکون رہے۔

''جی سارہ' آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میرے دو بچے نہیں ہیں۔ میرے تین بچے ہیں اور میں یہ سب انہی کے لئے کر رہی ہوں۔''

حنہ مسکرا دی۔ بہت سی ڈوریاں جیسے ٹوٹ گئیں۔ تناؤ گویا فضا میں گھل گیا۔ بہت سے لوگوں نے سکون کی سانس لی۔ سارہ چند لمحے کو تو بول نہیں سکی' پھر اٹھ گئی۔

''مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ اور میں مزید یہ بات نہیں کرنا چاہتی۔'' پھر ایک ملامتی نظر فارس پہ ڈالی۔ ''اب تم بھی مجھے سیف راستہ نہیں دینا چاہتے کیونکہ تمہیں بھی اب اس ٹرائل والی منطق سے اتفاق ہو گیا ہے' ہے نا۔''

''آپ کے لئے گواہی دینا بہتر ہے سارہ۔'' وہ نرمی سے بولا تھا۔ سارہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ سب خاموش رہ گئے۔ ماحول افسردہ ہو گیا۔ پھر فارس کھنکھارا' ''میں بھی چلتا ہوں۔ مجھے بھی....'' زمر کو دیکھا' ''کسی کے ساتھ ڈنر کرنا ہے۔''

زمر یوسف جو چند لمحے پہلے تک پرسکون سی بیٹھی تھی' اب کے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ان میں آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔

''تو ڈنر کے ٹائم جانا۔ ابھی سے کیوں جا رہے ہو؟''

''اچھا ہے نا۔ ذرا گپ شپ لگانے کا وقت مل جائے گا۔ کبھی کبھی تو ایسا بہانہ ملتا ہے۔'' تھوڑی کھجاتے ہوئے وہ سادگی سے بولا تھا۔

(دو نمبر آدمی!) وہ بڑبڑا کر رخ موڑ گئی۔ سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اب اپنا والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔ زمر کا بہت دل چاہ رہا

تھا کہ وہ اسے روک لے مگر اب منت تو کر نہیں سکتی تھی۔

(اب یہ اس کے ساتھ ڈنر کرے گا۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے۔ اچھا بہانہ ہے۔ ہونہہ ثبوت مانگ رہا ہے۔ دو نمبر قسم کے بہانے۔) وہ کتنی ہی دیر خاموش بیٹھی کلستی رہی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

سوچ کا آئینہ دھندلا ہو تو پھر وقت کے ساتھ ...... اُن چہروں کے خدوخال گمتے جاتے ہیں

ہوٹل کی لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ دیوہیکل، دیواروں اور عالیشان ستونوں سے مزین لابی میں اونچے فانوس لٹک رہے تھے' زرد روشنیوں نے خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ ایک طرف اونچے شیشے کے پار مصنوعی آبشار بہہ رہی تھی۔ پانی اوپر سے نیچے آ کر حوض میں گرتا بہت دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ شیشے کی دیوار کے قریب جہاں بہت سے سیاح رک رک کر آبشار کے ساتھ تصاویر بنوا رہے تھے وہاں نوشیرواں بھی کھڑا تھا۔ مگر اس کی پشت شیشے کی طرف تھی۔ وہ آبشار نہیں اپنے فون کو دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً سامنے سے شہرین آتی دکھائی دی۔ اس کے سنہری بال اونچی پونی میں بندھے تھے' اور مسکرا رکے باوجود آنکھوں میں شدید بے چینی کا تاثر تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس کے قریب آئی۔

''تھینک گاڈ تم آگئے۔'' شور کے باعث اسے بلند آواز میں نوشیرواں کو مخاطب کرنا پڑا تھا۔ شیرو نے بے گانگی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم نے کہا تھا کہ اس کا تعلق میرے کیس سے ہے' اسی لیے آیا ہوں بولو۔''

شہرین نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تم ہاشم کی طرح ہوتے جا رہے ہو۔ ابھی ایک سال پہلے کی بات ہے جب تم مجھ سے....''

اس نے سر جھٹکا۔ ''اچھا آؤ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

''بیٹھ کر بات کرنے سے تمہاری کڑوی باتوں میں مٹھاس نہیں گھل جائے گی۔ جو بتانا ہے یہیں بتاؤ۔''

شہرین نے سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور تندہی سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں مجھ سے ذرا احتیاط سے بات کرنی چاہیے۔ یہ مت بھولو کہ تم میرے سامنے اعتراف جرم کر چکے ہو اور کورٹ نے مجھے گواہی کے لیے بلایا ہے۔''

''تو جاؤ دے دو گواہی۔'' اس نے شانے اچکائے تھے۔ اس کے انداز میں کچھ عجیب سی بے پروائی تھی۔

''میں نے گواہی دی تو تم جیل میں پڑے ہو گے۔ ذرا اس وقت سے۔''

نوشیرواں نے فون سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' وہ بھی ابرو اچکانے والے انداز میں۔

''اعتراف جرم اتنی بڑی بات نہیں ہوتی شہرین۔ میں نے آج دیکھا سعدی کو.... اپنی آنکھوں سے دیکھا....'' وہ انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس نے بھری عدالت میں کہا کہ اس نے دو لوگ قتل کیے ہیں۔ لیکن کسی نے اس کو اس disgust اور نفرت سے نہیں دیکھا جیسے اس روز کلب میں لوگوں نے مجھے دیکھا تھا۔ میری گولیوں سے وہ مرا تو نہیں تھا' میں اقدام قتل کا مجرم ہوں' قتل کا تو نہیں۔ اس نے تو دو لوگ.... دو انسان مار دیے اور کسی نے اس کو ایسے نہیں دیکھا۔ قانون' پولیس' سب اس کو پروٹیکٹ کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ میں نے کسی کو مارا ہے' اتنی بڑی بات نہیں تھی شہری۔ گناہوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ان کو فیس کرنا چاہیے۔ یا تو ہاشم بھائی کی طرح ان کے لیے ایک ہزار تاویلیں گھڑ لینی چاہئیں یا پھر.... سعدی کی طرح ان کا اعتراف کر کے ان کو own کرنا چاہیے۔ اپنے خوف اور ڈر کو own کرنا چاہیے۔''

شہرین نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی۔ ''شیرو میں تمہارے خلاف گواہی نہیں دوں گی' اگر تم مجھے اپنی کمپنی میں شیئرز دو اور....''

''پتہ ہے شہری میں کتنے مہینوں سے' بلکہ ایک سال سے مختلف قسم کے واہموں اور خوف کا شکار رہا ہوں۔ سرخ شربت دیکھوں تو

خون نظر آتا تھا۔" وہ سر اٹھائے اوپر جھولتے فانوس پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا۔ وہ عجیب سی ذہنی کیفیت میں تھا۔" کتے کو مارو تو لگتا انسان کو مار دیا ہے۔ ہاتھوں پہ سرخ دھبے نظر آتے تھے۔ گیلے دھبے۔ خون ہر جگہ تھا۔ میں برے خواب دیکھتا تھا۔ شاید مجھے بائی پولر ہو گیا تھا یا شاید Obssesive compulsive disorder ہو گیا تھا۔ ہونہہ۔ گوروں نے بھی دل کی بیماریوں کے کیسے کیسے نام رکھ دیے ہیں۔ مگر پتا ہے کیا شہری... آج میں نے دیکھ لیا ہے۔" اوپر اٹھی اس کی آنکھوں میں فانوس کی جھلملاتی روشنیاں اتر آئی تھیں۔" میں نے دیکھ لیا ہے کہ بہادر وہی ہوتا ہے جو اپنے خوف کو دبوچ لے اور پھر پھونک مار کر اس کو راکھ کی طرح اڑا دے۔ خوف سے بھاگنا مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ خوف کے اندر غوطہ کھانا اور پھر اس سے نکل آنا انسان کو اصل آزادی دیتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں آزاد ہونے جا رہا ہوں۔ مجھے بالآخر..." دائیں سے بائیں وہ ہوٹل کی طویل لابی کی اونچی چھت سے لٹکتے فانوس پہ نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔" مجھے بالآخر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ اور جب تک میں اپنے آپ سے سچ نہیں بولوں گا' میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے روشنی نظر آنے لگی ہے۔ ہاں اب... اب کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے۔"

شہرین منہ کھولے اسے یوں دیکھ رہی تھی گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"شیرو' دیکھو میری بات سنو' تم خواہ مخواہ گلٹی ہو کر اپنا کیس مت خراب کرو۔ یوں تم....."

"تھینک یو میری بات سننے کے لیے۔ اب میرا دماغ کلیئر ہوا ہے۔" وہ سر ہلاتا' اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک کسی دوسری دنیا میں تھا۔ جیسے دل و دماغ بہت سی آلائش سے پاک ہو گیا ہو۔

عرصے بعد اسے ایک روشنی کی امید نظر آئی تھی۔

اور یہ روشنی دکھانے والا بھی سعدی تھا۔

ایک دفعہ پھر وہ اس سے آگے نکل گیا تھا۔

مگر آج حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔

❖❖❖

سخن ورو اس منافقت سے تو خودکشی کا شعار سیکھو ...... زبان کا زخم زخم ہونا' حروف کا کھردرے نہ رہنا

ہارون عبید کی رہائش گاہ شام کے مبہم اندھیروں سے ڈھکی دکھائی دیتی تھی۔ مرکزی ڈرائنگ روم سے گفتگو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کو نظر انداز کر کے تم گول سیڑھیوں کو پھلانگتے اوپر جاؤ اور آبدار کے دروازے کے کی ہول سے اندر جھانکو تو وہ اس طرف پشت کیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ آئینے میں اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ سرخ بال... سیدھے سرخ بال کمر پہ گرے ہوئے تھے اور اس نے سرخ چھوٹا سا رومال ہیئر بینڈ کی طرح ماتھے سے ذرا اوپر سر پہ لپیٹ رکھا تھا۔ وہ کلائی میں چوڑا سا وائٹ گولڈ بریسلٹ پہنے ہوئی تھی' لباس سلور سلک کا تھا' اور دیگر جیولری بھی وائٹ گولڈ کی تھی۔ اس سارے سفید پن میں سرخ اس کا رومال تھا یا پھر لپ اسٹک۔ وہ مسکرا کر چہرہ مختلف زاویوں سے موڑتی آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی.... دفعتاً اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ فارس کا پیغام سامنے ہی چمک رہا تھا۔

"آٹھ بجے تک آ جاؤں؟" اور جواب میں آبدار کا "لیس" لکھا نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے گھڑی دیکھنے لگی۔ ابھی پورا گھنٹہ پڑا تھا۔

نیچے واپس آؤ تو لاؤنج میں مخالف صوفوں پہ ہاشم اور ہارون بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ ہارون صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بغور ہاشم کو دیکھ رہے تھے جو ذرا ڈھیلا ہو کر بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کسی غیر مرئی نقطے کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی انجان شخص کو پہچاننے کی سعی کر رہا ہو۔

"تمہاری پوزیشن دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے ہاشم!" ہارون ہمدردانہ لہجے میں گویا ہوئے۔ گھاگ نگاہیں ہاشم کے چہرے سے

ہمت نہیں رہی تھیں۔'' ہمارے دوست تمہارے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں۔''

ہاشم نے چونک کر ان کو دیکھا' بھنویں سکڑیں۔ ''کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''بہت سے لوگ بہت سی باتیں کہہ رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ اب وہ مزید نہیں کام کریں گے۔ اسلحہ خریدنے کے لیے پیسہ وہ کسی اور سے لانڈر کروانے کے آپشن پہ غور کر رہے ہیں۔ تم... ایک... ڈوبتا ہوا... ٹائی ٹینک ہو... ہاشم!''

ہاشم کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ آ بکھری۔ ''ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''مجھے ڈبونا اتنا آسان نہیں ہے' ہارون۔''

''سنا ہے تمہارے اور سعدی یوسف کے کیس کا جج کافی ایماندار اور سخت ہے۔ بڑے بڑے فیصلے کیے ہیں اس نے ماضی میں۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ کم از کم سعدی اسے خرید یا ڈرا نہیں سکتا۔''

''پھر تو تم بھی اسے نہیں خرید سکتے۔'' ہارون کے لہجے میں تعجب در آیا۔

''اوہ ہارون۔ تم کس دنیا میں رہتے ہو۔ مجھے جج کو خریدنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ قانون نوشیرواں کے ساتھ ہے۔ قانون ملزم کا ساتھ دیتا ہے ہمیشہ۔ ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔ قانون کے جھول اسے بری کروا دیں گے بہت جلد۔ رہے ہمارے دوست' تو ان سے کہنا' اگر میں ڈوبا تو سب کو لے کر ڈوبوں گا۔'' کالر کھڑا کر وہ رعونت سے بولا تھا۔

''خیر' تم سعدی کو فصیح کے قتل کے جرم میں پکڑوا نہیں سکتے کیا؟''

''انکوائری تو ہو گی مگر ایک بات مجھے تنگ کر رہی ہے۔ سعدی نے کہا تھا کہ اس نے سیلف ڈیفنس میں قتل کیا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔ ''یعنی فصیح نے اس کو مارنے کی کوشش کی۔ پہلے گارڈ کمار نے بھی اس کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ میری ناک کے نیچے دو لوگ اس کو کیوں قتل کرنا چاہیں گے ہارون؟'' اور چبھتی ہوئی آنکھیں ہارون کے چہرے پہ جما دیں۔ ہارون اسی طرح ٹھنڈے انداز میں اسے دیکھے گئے۔

''ہو سکتا ہے سعدی جھوٹ بول رہا ہو۔''

''مجھے لگتا ہے مجھ سے کوئی اور جھوٹ بول رہا ہے۔''

''تو پھر اپنی ناک کے نیچے رہنے والوں سے سوال کرو۔ مجھ سے نہیں۔'' ہارون مسکرا کر بولے تھے۔ ہاشم اپنی چبھتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔

''اگر تمہاری کوئی انوالومنٹ نکلی ہارون تو...''

''وہ وقت گزر گیا جب تم میرے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مجھے دھمکاتے تھے ہاشم۔ جاؤ' اپنے بھائی کو بچانے کی فکر کرو۔'' ہارون کے چہرے پہ اب بھی وہی سپاٹ پن' وہی سرد مسکراہٹ تھی۔ ہاشم کار دار کو اندر تک جیسے کسی نے جلا ڈالا تھا مگر اس بات کا جواب وہ دے نہیں پایا تھا۔

وہ جس وقت باہر پورچ کی طرف جا رہا تھا' اسے لان عبور کر کے آتی آبدار دکھائی دی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔ دونوں کے قدم ٹھہر گئے تھے۔ نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ کافی تیار اور سجی سنوری لگ رہی تھی۔ سرخ لپ اسٹک سب سے زیادہ واضح تھی۔

''ریڈ۔'' وہ مسکرایا۔ زخمی سا انداز تھا۔ آبدار سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی۔ ہاتھ میں کلچ تھا' سامنے تیار کار تھی جس کا دروازہ کھولے کھڑا ڈرائیور جس نے چابی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی گویا آبی کے حوالے کرنی ہوتا کہ وہ خود ڈرائیو کر کے جائے۔ ہاشم نے ہر تفصیل کو غور سے دیکھا۔ وہ اس کے کندھے کے قریب سے گزرنے لگی تو وہ بولا۔

''پوچھ سکتا ہوں اتنا خاص کون ہے جس سے ملنے جا رہی ہو؟''

آبدار لمحے بھر کو ٹھہری۔ چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ رہا۔ ''نہیں۔'' کار کی طرف دیکھتے ہوئے خشک مزاجی سے بولی اور آگے بڑھ گئی۔
ہاشم کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس کے اندازے کے عین مطابق وہ اکیلی ڈرائیو کر کے جارہی تھی۔

❖❖❖

وہ بھی کیا لوگ ہیں محسن جو وفا کی خاطر! ..... خود تراشیدہ اصولوں پہ بھی اڑ جاتے ہیں

اطالوی ریسٹورانٹ کے برآمدے میں بچھی میزوں میں سے ایک پہ آبدار عبید بیٹھی تھی۔ کمر پیچھے لگائے اور کبھی کرسی کے ہتھے پہ جما کر اپنے ایئر رنگ سے کھیلتی وہ منتظر نظروں سے داخلی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لان میں لگی میزوں پہ موجود افراد پہ بھی بار بار اس کی نظر بھٹکتی۔ کبھی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا مگر ابھی وقت پڑا تھا۔ ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ کھیل رہی تھی۔

مور چال میں آٹھ بجے والے ڈرامے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ ندرت مسلسل او نچا او نچا ڈانٹ کر اسامہ کو خاموش ہونے کے لئے کہہ رہی تھیں جو سارا اسکول کا کام لاؤنج میں بیٹھ کر ہی کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا۔ ساتھ میں مسلسل بڑے ابا کو بتا رہا تھا کہ حسینہ کو صداقت نے کتنا قیمتی samsung کا اسمارٹ فون لے کر دیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ یہ چائنہ والا نہیں بلکہ خالص اصلی والا ہے۔ ندرت نے چپل اٹھائی تو وہ خاموش ہوا۔

سعدی قانون کی موٹی سی کتاب اٹھائے لاؤنج کے ایک کونے میں بیٹھا خاموشی سے پڑھ رہا تھا۔ اور ان سب سے لاتعلق زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ بار بار گھڑی دیکھتی۔ چہرے پہ بے چینی بھی تھی اور غصہ بھی۔

''کیا اب وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوگا؟ ڈز منگوا رہا ہوگا۔ ثبوت کے تو بس بہانے ہیں۔ موقع چاہیے فارس کو بس۔'' وہ سخت خفا لگ رہی تھی۔ بار بار موبائل اٹھاتی پھر رکھ دیتی۔

''میں کیوں فون کروں؟ مجھے پرواہ تھوڑی ہی ہے۔ ہونہہ۔'' وہ مسلسل خود سے بولے جارہی تھی.....

ریسٹوران میں واپس آؤ تو وہاں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ آبدار اسے داخلی دروازے سے ہی نظر آگئی۔ اس نے گہری سانس لی اور قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔

آبی نے یقیناً اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مگن سی مسکراتی ہوئی سوچ میں گم بیٹھی نظر آرہی تھی۔ اس نے آبدار کو نگاہوں میں رکھے لان پار کیا بہت سی میزوں کے درمیان سے راستہ بنایا اور پھر برآمدے کے زینے عبور کیے۔ چند ڈگ مزید اٹھائے یہاں تک کہ آبدار کی میز سامنے آگئی۔ اس نے قدم روک لئے۔ آبی کے بالکل سامنے۔

وہ جو مگن سی بیٹھی تھی کسی کے آنے کی آہٹ پہ چونکی۔ پھر مسکراتی نظریں اٹھائیں مگر جیسے ہی آبدار نے سامنے موجود ذی نفس کو دیکھا اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں الجھن سی ابھری۔

''سوری..... آپ کون؟'' جانتے بوجھتے بھی اس نے سوال کیا۔

سامنے کھڑی حنین نے مسکرا کے کرسی کھینچی۔

''میں حنین یوسف ہوں مجھے فارس غازی نے بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کیس میں ہماری مدد کرنا چاہتی ہیں کسی اہم ثبوت کے ساتھ۔ میں وہی لینے آئی ہوں آپ سے۔'' اپنا پرس نیچے رکھا اور دونوں کہنیاں میز کی سطح پہ رکھ کر چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے وہ معصومیت سے بولی۔

''اور..... فارس!'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''وہ تو مجھے ڈراپ کر کے چلے گئے۔ وہ اکثر اسی طرح مجھے ڈراپ کرتے ہیں اور عموماً اسی وقت کسی کا قتل ہو جاتا ہے۔ بس خدا

آج کوئی جان سے نہ جائے۔" جھرجھری لے کر وہ بولی تھی۔

آبدار کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ماتھے پہ سلوٹیں ور آئیں۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اندر غصے کے ابال اٹھنے لگے تھے۔

"میں نا اچھی خاصی اپی کیور ہوتی ہوں۔ فوڈی! صحیح قسم کی فوڈی۔ اس لئے اپنا آرڈر تو میں فوراً کر رہی ہوں۔ آپ کیا لیں گی؟"

مینو بک اٹھا کر ویٹر کو اشارہ کرتے سادگی سے پوچھ رہی تھی۔ آبدار نے تندہی سے اسے دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال اور لمبے بالوں کی فرنچ

چوٹی بندھے، وہ لیمن کلر کے لان کے نفیس سے جوڑے میں ملبوس سادہ سی لڑکی تھی۔ گندمی رنگت کی حامل مگر چمکتی سیاہ آنکھوں والی۔ آبدار سر

جھٹک کر موبائل اٹھا کر کال ملانے لگی۔ حنین اسی بے نیازی سے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہی تھی۔

"آپ آرڈر نہیں کریں گی؟" معصوم حنین نے پلکیں جھپک کر پوچھا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"کیونکہ آپ کے پاس کوئی اہم ثبوت ہے جو آپ ہمیں دینا چاہتی ہیں۔ ماموں نے کہا، جا کر ان سے لے لو۔ میں آ گئی۔"

"جو دینا ہے وہ ان کو ہی دوں گی۔ تمہیں نہیں۔ خیر تمہیں کچھ اور نہیں کہنا تو میں چلتی ہوں....." وہ اٹھنے لگی۔

"ویسے تو میں اپنا بل خود ادا کروں گی۔ جی ایس ٹی ملا کر پورے دو ہزار پچاس بنیں گے۔ دو ہزار ہیں میرے پاس۔ آپ پچاس

روپے ادھار دے دیں، فراکل پہ جب آپ سے ملوں گی تو دے دوں گی واپس۔ پھر آپ بے شک چلی جائیں۔" پھر سے آنکھیں جھپکائیں۔

آبدار نے ایک تیکھی نظر اس پہ ڈالی، کلچ کھولا، اندر سے کریڈٹ کارڈ نکالا اور میز پہ رکھ دیا۔ نظر اٹھا کر ویٹرز کو دیکھا جو سرد رنگ کی

وردیوں میں نظر آتے تھے۔ چونکہ ہدایات کڑی تھیں اس لیے اس کے "مہمان" کے آتے ہی وہ چوکنے ہو گئے تھے۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ

ان کا مطلوبہ شخص نہیں ہے۔

"ٹھنڈا ہو جائے گی۔ تم کھانا کھاؤ۔!" وہ بے زاری سے بولی تو حنین نے شانے اچکائے۔

"آپ کی مرضی!" اور نیپکین گود میں بچھایا۔ چھری کانٹا درست کر کے رکھا۔ "ویسے چاہیں تو ماموں سے ایک دفعہ پوچھ لیں۔ وہ

تو پر یقین تھے کہ آپ بغیر وہ فلیش ڈرائیو دیے نہیں جائیں گی۔" آبدار کو اس کے کیو کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی موبائل پہ نمبر ملا کر

ٹھہری ہوئی تھی۔ جیسے ہی فارس نے کال پک کی، وہ میز کے پیچھے سے نکل کر ذرا دور چلی آئی۔

"آپ کہاں ہیں؟" ریستوران کے برآمدے میں کھڑے ناراضی سے وہ فون میں بولی تھی۔

"کام سے نکلا ہوا ہوں۔ کیوں؟"

"آپ کو خود یہاں آنا تھا۔ اس کو کیوں بھیجا؟" گردن موڑ کر ایک خفا نگاہ حنین پہ ڈالی جو چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے بیٹھی مسکرا مسکرا کے

دیکھ رہی تھی۔ آبی کو نئے سرے سے غصہ آنے لگا۔

"اگر کچھ واقعی ضروری ہے آپ کے پاس تو اسے دے دیں۔ آگے آپ کی مرضی۔"

"ڈر گئے کیا مجھ سے؟" وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا۔

"میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ صرف یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کسی مصیبت میں پڑیں۔"

"مصیبت میں تو میں پڑ چکی ہوں۔" تلخی سے مسکرا کر بولی۔ "بہر حال میں اس کو کچھ نہیں دے رہی۔ بلکہ میں جا رہی ہوں یہاں

سے۔"

"مرضی آپ کی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" دوسری طرف سے لائن ڈیڈ ہو گئی۔ آبدار واپس آئی تو ماتھے کے بل گہرے ہو چکے تھے۔

کھانا سرو ہو چکا تھا اور حنہ مزے سے شروع بھی کر چکی تھی۔

"میرے بھائی کا انٹرویو کرنے کے بعد بھی آپ کو اصل گیم نہیں سمجھ آئی ہے نا؟" لزانیہ کا بڑا سا پورشن اپنی پلیٹ میں نکالتی حنین نے تمکنت سے انداز میں پوچھا تھا۔

"سوری؟" وہ کھڑے کھڑے کلچ میں موبائل رکھتی چونکی۔

"نہیں آیا سمجھ میں؟" حنہ نے حیران نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند لمحے لے کر منہ کا لقمہ چبایا۔ پھر سافٹ ڈرنک کا گھونٹ بھرا۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ آبدار اسی طرح ششدر سی کھڑی تھی۔

"یہی تو سارا مسئلہ ہے آبدار صاحبہ۔ فارس غازی ہم سے اپنا کام ایسے نکلواتے ہیں کہ ہمیں لگتا ہے یہ ہمارا ہی تو آئیڈیا تھا۔ آپ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ چچ چچ۔ میں سمجھاتی ہوں آپ کو۔" رک کر کانٹے میں پھنسا پنیر، پاستا اور قیمے کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ لذیذ اشیاء زبان کو چھوتے ہی گویا اندر گھل گئیں۔ اس نے نوالہ تسلی سے کھایا۔ پھر بولی۔

"آپ ہارون عبید کی بیٹی ہیں نا اور فارس ماموں کو معلوم تھا کہ ہارون صاحب کا سعدی بھائی کے اغوا میں ہاتھ ہے تو انہوں نے بس اتنا کیا کہ بھائی کے میموریل ڈنر پہ میری تقریر سے پہلے ڈاکٹر توقیر بخاری سے کہا کہ اپنی تقریر میں اتنا کہہ دیں کہ سعدی یوسف کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوا تھا۔ فارس غازی کو پتہ تھا کہ یہ فقرہ ہارون عبید کی بیٹی کو کلک کر جائے گا۔ وہ سعدی یوسف کو ڈھونڈے گی اور اس کو فالو کرتے ہوئے ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔ آپ کو بھائی نے بتایا کہ وہ نہیں گیا کسی کلینکل ڈیتھ میں صرف خواب دیکھا تھا اس نے مگر آپ نہیں مانیں۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اغوا کے وقت سعدی یوسف تو ہوش میں آیا ہی نہیں تھا، پھر ڈاکٹر توقیر بخاری کو کیسے پتہ کہ اس نے کچھ دیکھا یا نہیں؟ آپ کرتی ہیں نا ایسے لوگوں کا انٹرویو۔ یوں آپ نے بھائی کو ڈھونڈا اور ہم بھی بھائی تک پہنچ گئے۔ اب آیا سمجھ میں؟ آپ کو استعمال کیا ہے فارس غازی نے۔" وہ کھاتے ہوئے بولتی جا رہی تھی جیسے خبر نامہ پڑھ کر سنا رہی ہو۔ آبی بالکل متحیر سی کھڑی تھی۔ سُن۔ پھر وہ آہستہ سے بیٹھی۔

"تو وہ ہمیشہ سے مجھ پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔" وہ بولی تو آواز میں تفاخر سا تھا۔ حنین نے ہاتھ روک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اسے برا نہیں لگا تھا۔ اسے ناز ہوا تھا۔

"آپ تو کسی اور کی بھی نظر میں ہیں۔"

"کس کی؟" وہ چونکی۔

"ہاشم کی!" وہ بولی تو اندر دل گیلی لکڑی کی طرح سلگ گیا۔ آواز کانپی۔ آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔ دل کھویا تھا اور واپس حاصل بھی کر لیا تھا مگر کھونے کا درد اور واپسی کے جتن کی اذیت آج بھی ویسی ہی تھی۔

"ہاشم کا کیا ذکر؟" آبدار نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ حنین چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ انہی کھوجتی رشک بھری نظروں سے۔ پھر لبوں سے پھسلا۔

"کیا ہے آپ میں، جو اسے کہیں اور دیکھنے ہی نہیں دیتا۔"

آبدار ہلکا سا مسکرائی، پھر آگے کو ہوئی اور حنہ کی سادہ چمکدار آنکھوں میں جھانکا۔ "چھوٹی لڑکی، کیا تمہیں ہاشم پہ کرش ہے۔"

حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ البتہ اس کے رخسار گلابی ہوئے تھے۔

"ہاشم کو متاثر کرنے کے لئے سامنے والے میں 'کلاس' ہونی چاہیے۔" وہ پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے خبردار کرنے کے سے انداز میں گویا ہوئی۔ "خوبصورتی ہونی چاہیے۔ متاثر کن اسٹائل ہونا چاہیے۔ ذہانت اور اعتماد ہونا چاہیے۔ ایسی لڑکی جو اس کی کہنی تھام کر جب چلے تو ایک دنیا اس کو دیکھے۔ وہ ڈھیروں دولت اور جاہ کی مالک ہو۔ اس کا اعلیٰ خاندان ہو۔ وہ شاہزادیوں جیسی ہو۔ وہ کیریئر وومن ہو۔ بڑے بڑے میدان مارے ہوں اس نے۔ سیمینارز اور ورکشاپس میں تقریر کرتی ہو تو ایک دنیا اس سے متاثر ہوتی ہو۔ اس سے کم پہ وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔

شہرین اپنی جوانی میں ایسی ہی تھی۔"

"اور آپ بھی ایسی ہی ہیں۔" وہ اسے تکتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ آبدار نزاکت سے مسکرائی۔

"میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتی' مگر تم ایسی بالکل بھی نہیں ہو۔ وہ تمہیں کبھی نہیں چاہے گا۔ وہ ہر کسی کو نہیں چاہ لیتا۔"

حنین ہلکا سا مسکرائی۔ "مجھے اس کی خواہش بھی نہیں ہے' میرے لیے یہی کافی ہے مجھ سے فارس غازی محبت کرتے ہیں' اور وہ ہر کسی سے محبت نہیں کر لیتے۔ بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں ان کی محبت' دوستی اور اعتماد جیتنے کے لیے۔ وہ مجھے اپنی "ٹیم" کہتے ہیں۔ میں اداس بیٹھی ہوں تو محسوس کر لیتے ہیں اور میں خوش بیٹھی ہوں تو میری خوشی ہمیشہ بانٹتے ہیں۔ مجھے ایسی باتیں بھی بتا دیتے ہیں جو زمر کو نہیں بتاتے۔ میں خوش ہوں کہ میرے پاس زیادہ اچھے محبت کرنے والے ہیں۔"

آبدار کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی تھی مگر اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ "تم ان کی بھانجی ہو۔ یہ نیچرل ہے۔"

"آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ میرے اندر محبت لینے والی کوئی خوبی نہیں ہے؟"

"میرا تم سے کیا مقابلہ ہے!" وہ مسکرا دی اور پھر شانے اچکائے۔ عجب ادائے بے نیازی تھی۔

"تو پھر مجھے وہ ثبوت نہیں دیں گی آپ؟" حنین پلیٹ پرے دھکیل کر ٹشو سے ہاتھ اور لب صاف کرتے ہوئے بولی۔ آبدار نے مسکرا کر نفی میں گردن ہلائی۔

"فارس غازی سے کہو اگر وہ اسے چاہیے تو مجھ سے خود آ کر لے۔ میں دے دوں گی مگر صرف اسی کو۔ تم میرے پیر بھی چھوؤ تو میں تمہیں نہیں دوں گی۔"

"آپ کی مرضی ورنہ میں تو آپ کے پیر چھونے والی تھی!" حنین مایوسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پرس کندھے پہ لٹکایا۔

"کھانا اچھا تھا مگر اتنا اچھا نہیں۔ اٹالین میں دیسی ٹچ آ رہا تھا۔ بل آپ ادا کر دیجیے گا۔ میں تو ویسے بھی کسی قابل نہیں۔" اور کندھے اچکا کر مڑ گئی۔ آبدار نے سر جھٹکا۔ اس کی نظروں نے دور جاتی حنین کا آخر تک پیچھا کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں آخری باتوں میں طنز سا محسوس ہوا تھا۔

بل پے کرنے کے بعد اس نے کریڈٹ کارڈ واپس رکھنے کے لیے پرس کھولا تو ایک دم ٹھٹک گئی۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

پرس کی اندرونی زپ کھلی تھی اور وہ خفیہ جیب خالی تھی۔ وہ خفیہ جیب جس میں اس نے وہ ٹائی پن ڈرائیو رکھی تھی۔

"کدھر گئی!" آبدار بدحواسی سے پرس کو کھنگالنے لگی۔

باہر پارکنگ میں فارس کی کار کا فرنٹ ڈور کھول کر حنین اندر بیٹھی اور ٹائی پن کیمرہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"چار منٹ بھی نہیں لگے مجھے۔ پہلے اس کا پرس کھلوایا۔ پھر جب وہ آپ سے بات کرنے کے لیے سائیڈ پہ گئی تو اسے نکال لیا۔ مجھے لگا تھوڑی احتیاط سے چھپائے گی اسے مگر وہ محترمہ تو اپنے شاہانہ زعم میں کافی لاپرواہ ثابت ہوئی ہیں۔ اب بیٹھ کر سوچ رہی ہو گی کہ کون کتنا قابل ہے۔ ہونہہ۔" خفگی سے بڑبڑاتی وہ بولی تھی۔ فارس نے ایک ہاتھ میں ننھا کیمرہ پکڑا اور دوسرے سے ڈرائیو کرتا کار آگے لے گیا۔

تھوڑی دور جا کر اس نے گاڑی کی چھت پہ لگی لائٹ آن کی اور غور سے اس ڈیوائس کو دیکھا۔ پھر جیب میں رکھ دی۔

"ویسے آپ خود بھی ان سے مل کر یہ لے سکتے تھے۔" کافی دیر بعد حنین ونڈ اسکرین کے پار نگاہیں جمائے سوچتے ہوئے بولی۔

"جب آپ کو یہ معلوم ہو حنین کہ کسی سے آپ کا ملنا یا بات کرنا آپ دونوں کو فتنے میں مبتلا کر سکتا ہے تو پھر ان راستے سے ہی احتراز برتنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ بہانے بہانے سے اس سے ملا جائے اور خود کو صفائیاں دی جائیں کہ یہ آخری بار ہے' اس دفعہ بات کر کے اس قصے کو ختم کرنا ہے میں نے۔ ایسے نہیں ہوتا۔ جب تعلق توڑنا ہوتا ہے تو کسی خدا حافظ' کسی الوداع کے بغیر اسی لمحے توڑا جاتا ہے۔" وہ سادہ سے انداز

میں کہہ رہا تھا۔ حنین کو بہت کچھ یاد آیا مگر بظاہر بشاشت سے بولی۔

"صاف کہیں نا۔ بیوی سے ڈرتے ہیں آپ۔"

"بیوی سے کون نہیں ڈرتا یار!" اس نے جھرجھری سی لی۔ وہ ہنس دی۔ پھر سڑک کو دیکھ کر بولی۔ "اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"تمہیں گھر ڈراپ کر کے میں فاطمی صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔"

حنین بالکل ٹھہر گئی۔ "الیاس فاطمی۔ وارث ماموں کا باس؟" یہ نام ذہن میں پانچ سال سے بیٹھا ہوا تھا۔

"ہوں۔ وہ witness list میں ہے۔ اس لئے مجھے اس سے ملنا ہے مگر سنو۔ گھر جا کر زمر کو مت بتانا کہ میں اس سے ملنے گیا ہوں۔" یاد دہانی کرائی۔

"تو نہیں کیا بتاؤں آپ کس سے ملنے گئے ہیں۔"

"جس سے تم مل کر آ رہی ہو۔" وہ محظوظ ہوا تھا۔

حنین کے ابرو خفگی سے بھنچے۔ "اس mean حرکت کو کیا کہوں میں؟"

"اسے تم Farcisissm کہو۔ خیر سے زمر بی بی یہی ڈیز رو کرتی ہیں۔ اب اترو۔" گھر آ گیا تھا۔ فارس نے اس کو مسکرا کر اترنے کا اشارہ کیا۔ حنین خفا سی اتر گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے کار آگے لے گیا۔ اسے جیسے سوچ کر ہی مزہ آ رہا تھا۔

❖❖❖

شدت غم میں بھی زندہ ہوں تو حیرت کیسی؟ ...... کچھ دیے تند ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں

وہ ایک عجیب رات تھی۔ بے چین۔ مضطرب۔ ذہیر سارا ذہنی دباؤ لئے ہوئے۔

وہ سونیا کی سالگرہ میں جانے سے پہلے وارث سے ملا تھا۔ حنین اس کے ساتھ تھی۔ اسے حنین کو اس کی کسی دوست سے ملوانے جانا تھا۔ یہ بھی ایک بہانہ تھا۔ زمر سے ملنے کا بہانہ نہ ڈھونڈنے کا بہانہ۔ جب کوئی تعلق نہیں رکھنا تو کیا بار بار اس کا سامنا کیا جائے؟ یہی سوچ کر وہ فرار اختیار کر رہا تھا۔ حنین کار میں بیٹھی تھی اور وہ باہر کھڑا تھا۔

وارث سے اس کی بات تب ہی ہوئی تھی۔ وہ کچھ پریشان تھا۔ ظاہر نہیں کر رہا تھا مگر پریشان تھا۔

"میرا باس مجھ سے استعفیٰ مانگ رہا ہے۔"

اس وقت لوگ آس پاس تھے۔ وہ جلدی میں تھا۔ اس کو سمجھا نہیں سکتا تھا۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا۔ مگر اس نے بار بار کہا تھا۔

"تم انتظار کرو۔ میں کراؤں گا سب کچھ ٹھیک۔ بس تم استعفیٰ نہیں دو گے۔"

آخری دفعہ جو اس نے وارث کا چہرہ دیکھا' اس پہ ایک تسلی سی تھی۔ سخت پریشانی کے درمیان موہوم سی تسلی۔ ایک مان۔ اعتبار سا تھا کہ فارس سنبھال لے گا۔ اور وارث سر کو اثبات میں خم دیتے ہوئے اپنی کار کی طرف مڑ گیا تھا۔ یہ وہ آخری دفعہ تھا جب اس نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ زندہ چہرہ۔

وہ حنین کو ہوٹل لے آیا۔ اس کی دوست سے پے در پے سوالات کرتے ہوئے بھی اسے مسلسل کوفت ہو رہی تھی۔ ذہنی طور پہ وہ پیچھے تھا۔ وارث کے مسئلے میں اٹکا تھا۔ سالگرہ کی تقریب میں واپس آ کر بھی وہ ایسا ہی الجھا ہوا تھا۔ زرتاشہ کو ہاشم نے کچھ کہہ دیا تھا' وہ اس پہ خفا ہو رہی تھی۔ فارس کا کھولتا دماغ مزید ابلنے لگا تھا۔ اسے خود بھی نہیں یاد اس رات اس نے کس کس کو جھڑکا تھا۔ علیشا' حنین' زرتاشہ' ہاشم۔ سارا غصہ اور چڑچڑا پن اس لئے تھا کہ وہ وارث سے نہیں مل سکا تھا۔ اسے ٹھیک سے سمجھا نہیں سکا تھا۔

زرتاشہ آف موڈ کے ساتھ سو گئی تھی۔ وہ مسلسل وارث کو کال کر رہا تھا مگر اس کا فون آف تھا۔ اس رات وہ نہیں سویا۔ بالکونی میں بیٹھا

رہا تھا۔ پیر لمبے کر کے میز پر رکھے وہ سوچے جا رہا تھا۔ سامنے ہاشم کے کمرے میں ایک لیمپ آن تھا۔ پردوں کی جھری سے صاف دکھائی دیتا تھا' ہاشم بھی صوفے پہ لمبے پیر کر کے بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ کسی اور ہی حالت میں لگتا تھا۔

فارس پھر بالکونی میں ٹہلنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ بائیں سے دائیں۔ وہ بے چین تھا۔ جانے کون سی چیز سکون نہیں دے رہی تھی۔ دل خراب تھا۔ دماغ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کیا کرے۔ کس سے کہے۔

وہ عجیب بھاری سی رات تھی۔ گویا دل پہ کوئی بھاری سل پڑی ہو جس کو اٹھائے تو کیسے اٹھائے؟ گرائے تو کیسے گرائے؟ کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا۔ صبح صادق ابھی ٹھیک سے طلوع بھی نہیں ہوئی تھی جب اس نے بنا کچھ کھائے پیئے' حتیٰ کہ منہ دھوئے بغیر چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔ اسے وارث سے ملنا تھا۔ جلد از جلد۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ عجیب سے واہمے آتے تھے ذہن میں۔

مگر وارث اپنے ہاسٹل کے کمرے میں نہیں تھا۔ صرف اس کا جسم تھا۔ پنکھے سے جھولتا۔ وہ بھاگا اور اس کے پیر پکڑ لیے' گردن کو سہارا دیا' مگر یہ گردن ٹوٹے کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔ وہ اب نہیں رہا تھا۔

اگلے چند دن یوں گزرے گویا آنکھوں کے سامنے لال دھند سی چھائی ہو۔ عجیب کرب تھا' عجب درد تھا۔ پہلے دن وہ صدمے سے چپ رہا تھا۔ وارث کی بیٹیوں کو روتے دیکھتا رہا۔ ویران آنکھوں سے سب دیکھتا رہا۔ ویران دل سے سنتا رہا۔ پھر جب وہ وارث کی بیٹی کے ساتھ اس کی قبر کے سامنے بیٹھا تو اس روز سارے احساسات جاگنے لگے تھے۔ غم پہ غصہ غالب آنے لگا تھا' اتنا کہ لگتا تھا دل پھٹ جائے گا۔ تب اس نے عہد کیا تھا۔ قسم کھائی تھی۔ کہ وہ انتقام لے گا۔ شاید تب وہ انتقام کو انصاف کے مترادف سمجھتا تھا۔ وہ ضرور اپنے بھائی کے خونیوں کو کیفر کردار تک پہنچائے گا' اس کا عہد تھا خود سے۔ اور جتنا وہ اس بارے میں سوچتا تھا' ازلی غصہ عود آتا تھا۔ دل چاہتا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ جلا کر راکھ کر دے۔ کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ عقل پہ پڑا سرخ پردہ اتنا گھنا تھا کہ سارا منظر دھندلا دیتا تھا۔

وہ اور سعدی زمر کے پاس گئے۔ اب اسے پرواہ نہ تھی کہ وہ اس کی کون تھی۔ اب صرف یہ اہم تھا کہ وہ کون تھی۔ وہ پراسیکیوشن آفس میں ایک اہم عہدے پہ تھی۔ وہ اس کیس کو دیکھ سکتی تھی' وہی کچھ کر سکتی تھی۔ مگر اس کا رویہ بھی خشک سا تھا۔ وہ جیسے چھٹی لے کر جانے کے بعد زبردستی واپس بلائی گئی تھی۔ اس کے لیے تو یہ روز کی بات تھی۔ آج ایک قتل ہوا تو آج دو۔ وہ بے تاثر انداز میں معمول کا کام کرتی رہی۔ ابتدا اس نے فارس پہ شک سے کی۔ اس وقت وہ غصے میں اتنا اندھا ہو جانے والا آدمی تھا کہ زمر بی بی کے انداز پہ اس کا دماغ کھول کھول اٹھ رہا تھا۔ وہ غیر جانبداری سے اپنا کام نپٹا رہی تھی مگر وہ مضطرب تھا' بے چین تھا۔ وہ چاہتا تھا جلد از جلد قاتل پکڑا جائے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ پولیس آفیسر نہیں ہے' جسے چودہ دن میں تفتیش مکمل کرنی ہو اور چالان جمع کروانا ہو' وہ وکیل ہے اور وکیلوں کی تفتیش تو مہینوں' سالوں چلتی ہے۔

ان دنوں وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کوشش کے باوجود بھی نہیں۔ دماغ پہ چڑھی سرخ دھند نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تک سلب کر دی تھی۔ اسے سب سے زیادہ غصہ زمر پہ آ رہا تھا۔ ملال یا صدمہ نہیں۔ صرف غصہ۔ وہ اس پہ کیوں شک کر رہی تھی؟ ٹھیک ہے وہ اسے اپنی ایلی بائی سے ملوا دے گا' مگر وہ اس پہ شک کر کے اچھا نہیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ زمر سب سے پہلے اس کو ہر شک اور شبہ سے پاک کر کے آگے بڑھنا چاہتی ہے تاکہ کوئی اس پہ انگلی نہ اٹھائے کیونکہ وارث کا موبائل اور پھندا اسی کی کار سے ملا تھا' مگر سرخ دھند اسے کچھ سوچنے نہیں دیتی تھی۔ کوئی اس پہ شک کیسے کر سکتا ہے؟ سب اندھے ہیں کیا؟ وہ اپنے بھائی کا قاتل کیسے ہو سکتا ہے' یہ ایسا ''ربش'' تھا جس پہ فارس غازی کے خیال میں کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے اس امکان کو ذہن سے خارج کر رکھا تھا۔ مگر یقین کرنا کسے تھا؟ صرف شک ہی کافی ہوتا ہے۔ آدمی کو ''ملزم'' صرف شک بناتا ہے۔ یقین تو مجرم بناتا ہے۔ وہ ملزم بنتے جا رہا تھا اور وہ خود اپنی قسمت سے لاعلم تھا۔ سارا دھیان صرف ایک چیز میں اٹکا تھا۔ وارث کا باس۔ الیاس فاطمی۔ صرف وہی جانتا ہے کہ وارث کو کس نے اور کیوں مارا ہے۔

............✤✤✤............

کشتیِ جاں ہے کہ ڈوبے چلی جاتی ہے فراز ...... اور ابھی درد کا دریا نہیں طغیانی پہ

الیاس فاطمی اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔ کمپیوٹر کے سامنے فائلوں کا انبار لگا پڑا تھا جس کے صفحات کا وہ اسکرین پہ نظر آتے بندشوں سے موازنہ کر رہا تھا۔ اسٹڈی میں سفید بتیاں جلی تھیں۔ کھڑکی کے بلائنڈز بند تھے۔ پیچھے ریکس میں ترتیب سے رکھی کتابیں نظر آتی تھیں۔ وہ عینک لگائے کام میں پوری طرح منہمک تھا مگر اس آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ کوئی آہٹ سی تھی شاید۔

وہ چونک کر آگے پیچھے دیکھنے لگا۔ پھر عینک اتار کر فائل پہ دھری اور کرسی سے اٹھا۔ احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھتا باہر آیا۔ راہداری اور سیڑھیاں نیم روشن تھیں۔ سارا گھر خاموش تھا۔ گہرے سناٹے میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج، کچن، ٹاپ اس نے باری باری ہر جگہ دیکھی۔ دروازوں کے لاکس اور کھڑکیوں کے بولٹس چیک کیے۔ سب مقفل اور پرسکون تھا۔ وہ سر جھٹکتا واپس اسٹڈی میں داخل ہوا، دروازہ بند کیا اور جیسے ہی واپس گھوما، اس کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

سامنے اس کی کرسی پہ وہ بیٹھا تھا۔ پیر لمبے کر کے اس کی اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے تھے یوں کہ جوگرز فائلوں کو چھو رہے تھے اور ٹیک لگائے بازوؤں کا تکیہ بنا کر گردن کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں اور جب اسے متوجہ پایا تو سر کو خم دے کر سلام کیا۔

"کیا حال ہیں فاطمی صاحب؟"

فاطمی کی نظریں اس کے وجود سے ہوتی ہوئیں میز تک گئیں، جہاں بریٹا پستول رکھا تھا۔ فارس نے نظروں سے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فاطمی نہیں ہلا۔ وہ کھڑا رہا۔ اس کا ذہن ممکنہ آپشنز پہ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ہاتھ ڈورناب پہ ہنوز جما تھا۔

"اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو چپ چاپ یہاں آ کر بیٹھ جاتا کیونکہ اگر تم شور کرو گے، کسی کو بلاؤ گے تو بات پھیلے گی۔ ہاشم سنے گا تو سمجھے گا کہ تم اور میں ملے ہوئے ہیں اور یہ صرف ایک کور اَپ تھا، ایک بھونڈی کوشش جس سے تم اس پہ یہ ثابت کر رہے تھے کہ تم مجھ سے نہیں ملے ہوئے۔ وہ مزید تم پہ شک کرے گا۔"

فاطمی نے ڈورناب چھوڑ دیا۔ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا ہوا وہ سامنے آیا اور کرسی کھینچی۔ "کیا چاہتے ہو تم؟ ہاشم کو اپنی اور میری کورٹ میں ہونے والی ملاقات کا جانے کس ڈھنگ سے بتایا ہے تم نے کہ وہ میری ایک ایک موو پہ نظر رکھنے لگا ہے۔ اب کیا چاہتے ہو تم!"

"بیٹھ جاؤ۔ اپنا ہی گھر سمجھو۔" فارس نے پھر سے اشارہ کیا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں سکون تھا اور بے نیازی بھی۔ فاطمی چند لمحے کھڑا رہا، پھر بیٹھ گیا۔ ایک گہری سانس لی۔ "کیا چاہتے ہو تم!"

"تم نے پرسوں کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں بیچ بدل لو۔"

"میرا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ جھڑک کر بولا تھا۔

"تعلق تو ہے، اور تم کورٹ میں اس کے بارے میں بتاؤ گے اور پھر تم...." فارس نے جوگرز نیچے اتار لیے، آگے کو ہو کر بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تم اپنی جاب سے استعفیٰ دے دو گے۔"

فاطمی کی آنکھیں پہلے حیرت اور پھر ناگواری سے پھیلیں۔ "میں استعفیٰ کیوں دوں؟"

"کیونکہ میں ایسا کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میں ایسا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں تمہارے کیس کا جج، جیوری اور جلاد ہوں۔" وہ سرد تپش سے لدی آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑے بولا تھا۔ "آج میں تم سے استعفیٰ مانگ رہا ہوں الیاس فاطمی۔"

"اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تو کیا کرو گے تم؟ مجھے زہر دو گے؟ میری بیٹی کو مارو گے؟ تمہاری اطلاع کے لیے میں اسے باہر سیٹل کروا چکا ہوں۔ وہ تمہاری پہنچ سے اب بہت دور ہے۔" وہ حقارت سے بولا تھا۔

"مجھے تمہاری بیٹی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مگر ہاں، تمہارے بیٹے سے ہے۔ تمہارا لاڈلا بیٹا جس کی کار کے لیے تم نے میرے

بھائی کو مصلوب کیا تھا۔ جو باوجود کوشش اور سفارشوں کے مقابلے کا امتحان پاس نہیں کر سکا اور آج کل اسی پرائیوٹ فرم کو چلا رہا ہے جسے اس نے دو ڈھائی سال پہلے بنایا تھا۔ مجھے تمہارے بیٹے سے سروکار ہے۔"

"کیا کرو گے تم میرے بیٹے کا؟" وہ چونکا تھا مگر ڈرا نہیں۔

"سمپل۔ میں اس کے کمرے میں اسے پنکھے سے لٹکا کر اس کی گردن توڑ دوں گا۔ جان کے بدلے جان۔ گردن کے بدلے گردن۔ اب فیصلہ تم نے کرنا ہے۔" پستول اٹھا کر جیب میں اڑسا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کے لیے بھی الیاس فاطمی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"تم ایسا نہیں کرو گے۔ میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں ہے۔" وہ بے تابی سے بولا مگر ڈر اب بھی نہیں تھا۔

"میں نے کہا نا' فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ عدالت میں سچ بولو ورنہ تمہیں تمہارے لاڈلے بیٹے کی لاش بہت جلد پنکھے سے جھولتی ملے گی۔" پھر ہاتھ ماتھے تک لے کر سلام کیا۔

"پھر ملتے ہیں۔" اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے بعد ویسا ہی سناٹا چھا گیا۔ الیاس فاطمی اسی طرح بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پہ غصہ بھی تھا' اور تفکر بھی۔ مگر خوف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

فارس اس ہاؤسنگ سوسائٹی کی تاریک اسٹریٹ میں قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا جب جیب میں رکھا فون تھرتھرایا۔ اس نے چلتے چلتے اسے نکالا۔ اسکرین دیکھ کر لب مسکرا اٹھے۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

"جی۔ حکم!"

"کہاں ہو؟" خفا خفا سا پوچھا گیا۔

"اسی کے ساتھ ہوں۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

زمر خاموش ہو گئی۔ پھر لہجہ سرسری سا بنایا۔ "مجھے پوچھنا تھا کہ....."

"بڑا اچھا ریسٹورانٹ ہے یہ۔ پہلے بھی آیا ہوا ہوں میں یہاں' مگر آج زیادہ خوبصورت لگ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیوں۔ ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ "میں تم سے پوچھ رہی تھی کہ تمہاری بلیو والی شرٹ....."

"یار ویسے بہت اچھا کھانا ہے ادھر کا۔ اور یہ کینڈلز بھی بہت اچھی ہیں۔ یا شاید میرا موڈ اچھا ہے۔ پتہ نہیں کیوں میں کافی انجوائے کر رہا ہوں۔"

"فارس!" اس نے بمشکل ابلتے غصے کے اوپر بند باندھا۔ "کل کے لیے تمہارے کون سے کپڑے استری کروانے ہیں' اگر تم بتا دو تو میں صداقت کو....."

"تم ایسے ہی اس لڑکی کو اتنا غلط سمجھتی ہو۔ ایک معصوم سی خواہش تھی اس کی یہاں کھانا کھانے کی۔ اور وہ میں نے پوری کر دی۔"

"اس نے تمہیں وہ ثبوت دیا یا نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اوہ۔ وہ تو میں بھول گیا۔ اصل میں باتوں میں اتنا مگن ہو گیا تھا کہ....."

"تم!" زمر کا بس نہیں چل رہا تھا اس کو فون کے اندر سے ہی شوٹ کر دے۔ "تم نا آج رات گھر نہ آنا۔"

"مطلب اجازت دے رہی ہو اس کے گھر رکنے کی۔" سادگی سے پوچھا تھا۔ زمر نے آنکھیں میچ کر کنپٹی سہلائی۔ پھر آنکھیں کھولیں اور پنکھے نیچے میں گویا ہوئی۔

''تمہارے کپڑے اب میں کوئی استری دستری نہیں کروا رہی۔ خود کرنا۔ ہونہہ۔'' اور فون کھٹ سے رکھ دیا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔

''دو نمبر آدمی!''

❖❖❖

اب کیا فریب دیجیے اور کس کو دیجیے ..... اب کیا فریب کھائیے...اور کس سے کھائیے

اگلی صبح شہر پہ اتری تو ایسی گرم اور حبس آلود کہ گویا پتھروں کو بھی پگھلا دے گی۔ مقامی چھٹی کی وجہ سے سارہ کو آفس نہیں جانا تھا۔ وہ یونہی سستی سے بستر میں لیٹی رہی۔ اے سی بھی بند نہیں کیا۔ امل اور نور کب کی اٹھ چکی تھیں اور یقیناً اس وقت ناشتہ کر رہی تھیں۔ سارہ تکیے پہ سر رکھے چھت کو تکتی رہی۔ رہ رہ کر زمر اور فارس پہ غصہ آ رہا تھا۔ کوئی بھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ سب خود غرض بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی، کبھی خفگی سے کسی دور غیر مرئی نقطے کو دیکھتی، کبھی سر جھٹکتی۔ اسے ساری دنیا سے شکایتیں ہو رہی تھیں۔

وہ ست سی صبح قریبی شہروں پہ بھی طلوع ہو رہی تھی۔ البتہ پشاور کے جس پلازہ پہ سورج اس وقت اپنی ساری حدت برسا رہا تھا، اس میں موجود لوگ کہیں سے بھی ست نہیں لگتے تھے۔ زیرِ تعمیر پلازہ کے سیمنٹ زدہ ستون، اور پے در پے منزلوں پہ لگے مٹی اور بجری کے ڈھیر۔ ایک طرف نظر ڈالو تو ایک بالائی منزل پہ ہاشم کاردار کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ وہ پلازے کے ایک وسیع و عریض ہال کے دہانے پہ کھڑا تھا جس کی کھڑکی کی جگہ خلا تھا۔ (ابھی چار دیواری، دروازے، کھڑکیاں تعمیر نہیں ہوئے تھے، صرف ڈھانچہ سا ستونوں کے ذریعے کھڑا تھا۔) اور اس وسیع خلا سے گویا نیچے سارا شہر دکھائی دیتا تھا۔

ہاشم نیچے نظر آتے منظر سے بے نیاز، برہم موڈ میں کھڑا تھا۔ نیوی بلیو کوٹ پہنے بال جیل سے جمائے وہ ماتھے پہ بل لیے سامنے والے شخص کو گھور رہا تھا جو کان کھجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا کہ ہم آپ پہ اعتماد نہیں کرتے یا آپ کا متبادل ڈھونڈ رہے ہیں؟''

''لوگ باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ دانت پہ دانت جما کر بولا تھا۔

''کاردار صاحب ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہمیں آپ کے ساتھ ہی کام کرنا ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس سعدی یوسف ٹرائل سے آپ کی پوزیشن خراب ہوئی ہے لیکن ہم آپ کے دوست ہیں، آپ کو مشکل سے نکالنے کے لیے ہر ممکن تعاون کریں گے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''مجھے اس لڑکے سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کرنا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کوالٹی یہ ہے کہ وہ صرف تھرکول کا انجینئر نہیں تھا، وہ ایک راکٹ سائنٹیسٹ تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میزائل ٹیکنالوجی کے معاملے میں بہت اچھا ہے۔ ایسے لوگ ماچس کی ڈبی سے بھی بم بنا سکتے ہیں۔ مجھے اس کو ٹی ٹی پی کا بم میکر ثابت کرنا ہے، اور آپ کو میری مدد کرنی ہوگی۔''

''ہو جائے گا ثابت، آپ فکر ہی نہ کریں۔ آپ بتائیں آپ کو ہم سے کیا چاہیے۔'' وہ پوری ذمہ داری سے اسے یقین دلا رہا تھا.....

سینکڑوں میل دور.....اسلام آباد میں سارہ اپنے کمرے سے بے دلی سے نکلی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں باندھا اور پیروں کو نرم فر کے بنے چپلوں میں گھسیٹتی وہ سست روی سے ڈائننگ ٹیبل تک آئی۔ ذکیہ بیگم پچھلے چند دنوں سے کسی فوتگی کے باعث گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ آج کل میں واپسی تھی۔ ان کے بغیر گھر اداس لگتا تھا۔

ملازمہ اسے دیکھتے ہی ناشتہ پوچھنے لگی۔

''بچوں نے ناشتہ کیا ہے؟'' وہ پھلوں کی ٹوکری سے مطلوبہ پھل ڈھونڈتے ہوئے بولی تھی۔

''جی کر لیا تھا۔''

"ابھی کہاں ہیں؟"

"باہر لان میں کھیل رہی ہیں۔"

"اتنی گرمی میں کون سا کھیل کھیل رہی ہیں؟ ویسے تو سارا دن موبائل اور ٹیبلیٹ ہوتے ہیں ہاتھ میں۔ جاؤ ان کو اندر لے کر آؤ۔" وہ خفا ہوئی تو ملازمہ فوراً باہر کو لپکی۔

سارہ سیل فون پہ انگلی نیچے پھیرتی ای میلز دیکھنے لگی۔ دوسرے ہاتھ میں سیب تھا جسے وہ کھا رہی تھی۔ تبھی ملازمہ دوڑتی ہوئی آئی۔

"ڈاکٹر صاحب... ڈاکٹر صاحب...." سارہ نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وحشت زدہ بوکھلائی ہوئی ملازمہ ہانپتی کانپتی اس کی طرف آ رہی تھی۔ سارہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ سارے واہمے سارے ڈر درست ثابت ہونے والے تھے۔

"بچیاں باہر نہیں ہیں۔ چوکیدار کہہ رہا ہے وہ ذرا دیر کو باتھ روم گیا تھا' پھر واپس آیا تو بچے نہیں نظر آئے' اس نے سمجھا اندر چلی گئی ہیں۔"

سیب' سیل فون' ہر شے اس کے ہاتھ سے پھسلی تھی۔ وہ اسی طرح باہر بھاگی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' اور سانس رک رک کر آ رہی تھی۔

لان ویران پڑا تھا۔ برآمدہ خالی تھا۔ پورچ میں کھڑا چوکیدار افسوس سے ہاتھ مل رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کچھ تھا بھی سہی۔ سارہ حواس باختہ سی اس کی طرف بھاگی۔

"کہاں ہیں امل اور نور؟" آواز گھٹی گھٹی سی نکلی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح آگے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا بیگم صاحب۔ یہ دیکھیں' یہ گیٹ کے اندر پڑا ملا ہے۔"

سارہ نے تقریباً جھپٹنے کے سے انداز میں وہ کاغذ تھاما۔

"آپ کے بچوں کو آپ کی اجازت کے بغیر لے کر جانے کے لیے بہت معذرت مگر پرسوں کی تاریخ کو یادگار بنانے کے لیے یہ ضروری تھا۔

H. y. y̆"

"آج! پرسوں.... تاریخ!" سارہ کا دل ڈوبا اندر ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کی بیٹیوں کو کون لے کر گیا تھا۔۔۔ سب عیاں ہو گیا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

تو اگر سن نہیں پاتا تو مجھے غور سے دیکھ ..... بات ایسی ہے کہ دہرائی نہیں جائے گی

مور چال میں بھی وہ صبح سست سی طلوع ہو رہی تھی۔ چھٹی کے باعث ندرت کو ریستوران جلدی جانا تھا اس لیے وہ کچن میں کھڑی حسینہ کو تیز تیز ہدایات دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی ہاتھ میں موبائل اور بٹوہ بھی اڑس رہی تھیں۔

"آج ایک اہم برنچ اور پھر دو سالگرہ کی تقاریب ہیں۔ میں گھر چکر نہیں لگا سکوں گی۔ تم یوں کرنا کہ۔"

ان کی آواز باہر ڈائننگ روم تک آ رہی تھی۔ جہاں زمر لاتعلق سی کرسی پہ بیٹھی چائے کے گھونٹ بھرتی اپنا موبائل دیکھ رہی تھی۔ اور وہ اس کے مقابل کہنیاں میز پہ ٹکا کر بیٹھا مگ ہاتھ میں لیے آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔ پھر وقفتاً وہ کھنکارا۔ وہ نظر انداز کیے رہی۔

"کل رات میں...."

"ابا آپ نے اخبار پڑھ لیا تو مجھے دے دیں۔" وہ کرسی پہ پیچھے کو گھومی اور لاؤنج میں بیٹھے ابا کو پکارا۔ وہ عینک ناک پہ لگائے اخبار کھولے سر جھکائے جواباً بولے۔

''تم کب سے صبح صبح اخبار پڑھنے لگیں۔ ساری خبریں تو موبائل پہ پڑھ لیتی ہو۔''

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ ''یہ دیکھنا چاہ رہی ہیں کہ شاید میری تیسری شادی کی خبر لگی ہو۔'' جہاں زمر نے مڑ کر اسے گھورا' وہاں ابا نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ فارس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ''مذاق کر رہا تھا۔'' اور ذرا رخ موڑ کر چائے پینے لگا۔ (سارا خاندان ہی....)

دفعتاً اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے عام سے انداز میں موبائل اٹھایا' پھر ذرا ٹھہرا۔ ''سارہ کا فون ہے۔'' ہلکا سا بڑبڑایا۔ زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''شاید وہ witness prep کے لئے آنا چاہتی ہوں۔'' زمر کو اب بھی امید تھی۔

فارس نے موبائل کان سے لگایا اور بشاشت سے ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے اس کے الفاظ سن کر اس کی رنگت بدلی۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ چونک کر زمر کو دیکھا۔ پھر ''جی.... جی۔'' کرتا اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کسی انہونی کا احساس تھا یا کیا' زمر اس کے پیچھے لپکی۔ جب تک وہ اندر آئی' وہ فون رکھ چکا تھا' اور والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔ چہرے پہ شدید پریشانی تھی۔

''کیا ہوا؟'' فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر دبی آواز میں بولا۔

''وارث کی بیٹیاں.... صبح صبح کوئی ان کو لے گیا ہے۔ سارہ بہت رو رہی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس جانا ہوگا۔''

''اوہ میرے اللہ!'' اس کا دل دہل گیا تھا۔ ''میں ندرت بھابھی کو....'' وہ مڑنے لگی تھی کہ فارس نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

''ان کو اور بڑے ابا کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حنین اور اسامہ ویسے بھی سو رہے ہیں۔ خوامخواہ بات مزید بگڑے گی۔ صرف سعدی کو بلاؤ' اور ہم تینوں وہاں جاتے ہیں۔ میں پولیس کو کال کرتا ہوں۔'' پھر وہ چابیاں اٹھائے باہر کو لپکا تھا۔

.... ※ ※ ※ ....

کیا سانحہ ہوا ہے' یہ آنکھوں کو کیا خبر ..... منظر نہیں رہا کہ اجالا نہیں رہا

دوپہر کا سورج آگ برسا برسا نہیں تھک رہا تھا۔ گویا سب کے دل اندر تک جلا ڈالے تھے۔ لاؤنج میں صرف سارہ کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم مسلسل اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں' مگر وہ روئے جا رہی تھی۔ زمر سامنے مغموم سی بیٹھی تھی اور سعدی بالکل خاموش سر جھکائے ہوئے تھا۔ وہ سارہ سے نظریں تک نہیں ملا پا رہا تھا۔

دفعتاً فارس موبائل جیب میں رکھتا اندر داخل ہوا۔

''ہمیں پولیس اسٹیشن جانے کی ضرورت نہیں ہے' پولیس اپنی پوری کوشش کر رہی ہے۔ مختلف جگہوں پہ ناکہ بندی کی جا رہی ہے' سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج کے ذریعے پتہ چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ کس کار میں سوار تھے۔ ایک دفعہ کار مل جائے' تو پھر ان کو ڈھونڈنا آسان ہوگا۔'' پھر وہ اس کے سامنے بیٹھا جس کی آنکھیں رو رو کر گلابی ہو رہی تھیں۔

''سارہ' ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم ان کو شام سے پہلے ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔''

سارہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''فارس میں اپنے بچوں کے بغیر کیا کروں گی۔ کیا اسے اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟ وہ میرے بچے کیسے لے جا سکتا ہے۔''

''ہاشم سے ہر چیز کی امید کی جا سکتی ہے۔'' زمر نے جھرجھری لی تھی۔

''نہیں!'' سعدی نے سختی سے نفی میں سر ہلاتے چہرہ اٹھایا۔ ''ہاشم کسی کے بچے نہیں اٹھا سکتا۔ ہاشم.... میرا مطلب ہے.... وہ چھوٹے بچوں کو اس سب میں انوالو نہیں کرے گا۔''

''تمہیں اب بھی ہاشم سے امید ہے۔'' زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ بچوں کو یتیم کر سکتا ہے' دوسروں کی بہنوں کو استعمال کر سکتا ہے' کسی کے بچے کو ہسپتال سے اغوا کر سکتا ہے' مگر ہاں وہ بچوں کو اغوا نہیں کر سکتا۔''

''پتہ نہیں۔'' سعدی نے سر جھکا۔

''اس نے نوٹ پہ اپنے نام کا حرف سائن کیا ہے سعدی'' سارہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔ ''اور وہ نوٹ پہ ثبوت ہے' ہم اس سے کچھ ثابت نہیں کر سکتے' مگر وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ پھر اس نے فارس کو دیکھا۔ ''پلیز میرے بچے واپس لا دو مجھے۔ کچھ کرو فارس۔''

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں؛ سارہ وہ شام سے پہلے گھر ہوں گی۔ آپ تھوڑا سا حوصلہ کریں۔'' وہ اسے مسلسل تسلی دے رہا تھا۔

سعدی اٹھ کر ایک دم باہر نکل گیا۔ زمر چند لمحے بعد اس کے پیچھے گئی۔

وہ برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھا' دور آسمان کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ بہت اداس لگتا تھا جیسے اس کا بہت کچھ سورج کی حدت میں بھاپ بن کر اڑ گیا ہو۔ کھو گیا ہو۔

''ہاشم ایسا کر سکتا ہے سعدی۔''

''ہاں واقعی۔ اس دنیا میں کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' سعدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے کھڑی رہی' بیٹھی نہیں۔ اور وہ اسی طرح دور آسمان کو دیکھتا رہا۔

''تو تم نے ... لوگوں کی جان لی تھی!'' اس نے موضوع چھیڑا۔ سعدی کے اندر تک اداسی اتر گئی' مگر بہت ضبط سے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سیلف ڈیفنس۔''

''ہاشم تم پہ حملہ کروا سکتا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

''وہ سب ہاشم نے نہیں اس کی ماں نے کروایا تھا۔''

''کیوں؟'' وہ چونکی۔ یہ بات اس کے لیے نئی تھی۔

''وہ مجھ سے خوفزدہ تھیں۔ میرے پاس ایک راز ہے ان کا۔''

''کیسا راز؟'' عقب سے آتے فارس نے پوچھا۔ وہ بھی اس بات پہ چونکا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ دونوں نے حیران نظروں کا تبادلہ کیا' مگر سعدی اسی طرح بیٹھا رہا۔

''ابھی بتانے کا فائدہ نہیں ہے۔ اور اس وقت تو قطعاً نہیں۔'' پھر اس نے آنکھوں کو انگلیوں سے مسلا۔ ''مجھے سارہ خالہ کو بھی یوں نروس نہیں کرنا چاہیے تھا' گواہی کے لیے۔ یہ سب میری غلطی ہے۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں ذمہ دار ہوں اس سب کا...''

فارس نے اکتا کر اسے دیکھا۔ ''Will you pleaseshutup?'' اور واپس اندر کی طرف مڑ گیا۔ ماحول ہنوز بوجھل تھا اور وہ دونوں بالکل چپ کھڑے تھے۔ کہنے کو گویا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

کوئی بھی زعم' کوئی بھی دعویٰ نہیں رہا ..... خود پہ مجھے کسی کا بھی دھوکہ نہیں رہا

اس شام قصر کاردار میں رنگ و بو کا سیلاب سا نظر آتا تھا۔ سارے گھر اور سبزہ زار کے درختوں کو خوبصورت روشنیوں سے سجایا گیا تھا۔ وسیع و عریض لونگ روم اور ڈرائنگ ہال میں سونیا کی سالگرہ کی themed party زور و شور سے جاری تھی۔ اگلے ہفتے سونیا کو اسکول ٹرپ کے ساتھ باہر جانا تھا اس لیے سالگرہ آٹھ دن پہلے منعقد کی گئی تھی۔ کیک کٹ چکا تھا۔ مہمان ٹولیوں کی صورت گھر کے اندر ادھر ادھر پھیل

رہے تھے۔ احمر کان میں لگے آلے کو درست کرتا سیکیورٹی کے امور کا جائزہ لے رہا تھا۔ غرض معمول کی مصروفیات جاری تھیں۔ ایسے میں جواہرات مسکرا کر چند حضرات کو کہہ رہی تھی۔

''میں یقیناً اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہوں۔ جس کے دو جوان بیٹے اس کے دونوں باز و بنے ہوں، اس کا سہارا ہوں، اور ماشاءاللہ دونوں اپنے بزنس میں سیٹ بھی ہوں، اس سے زیادہ لکی کون ہوگا؟'' تفاخر سے وہ کہہ رہی تھی اور سامنے والے تائید کر رہے تھے۔

ادھر ہاشم دو افراد سے ہنستے ہوئے باتوں میں مگن تھا۔ آنکھ کے کنارے سے وہ آبدار کو بھی دیکھ رہا تھا جو سب لوگوں کے درمیان بھی الگ تھلگ سی کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ وہ بار بار اپنے موبائل کو یوں دیکھتی جیسے بور ہو رہی ہو۔ Aqua تھیم کی پارٹی میں جہاں ہر شخص نے سمندری مخلوق جیسے کپڑے پہن رکھے تھے۔ (کیونکہ سونیا کا نیا کرش finding dori کے ٹریلر کے بعد سمندری مخلوق تھی) آبدار نے nemo کا نارنجی رنگ زیب تن کر رکھا تھا' مگر سر کا رومال سرخ ہی تھا۔ وہ اداس اور بور نظر آتی تھی۔ ہاشم گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے انکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ خود مکمل سفید سوٹ میں ملبوس تھا اور سونی کے پوچھنے پہ اس نے کہا تھا کہ وہ آئس برگ ہے۔ برف کا تودہ جو نیلے سمندر میں سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے۔ نہ پگھلتا ہے نہ ڈوبتا ہے اور بڑی بڑی کشتیوں کو ڈبو دیتا ہے۔ سونی اسے کافی دیر خاموش ہو کر دیکھتی رہی تھی۔

''میرا میسج ملا آبدار؟'' جواہرات کی آواز پہ آبی چونک کر مڑی۔ سامنے بنی سنوری مسکراتی ہوئی جواہرات کھڑی تھی۔ لباس شارک کے جیسا سلور تھا۔ اور آنکھوں میں بھی ویسی ہی تندہی تھی۔

''مل گیا تھا۔ اور میں نے اس ویڈیو کو تباہ کر دیا ہے۔ مکمل ختم۔ اب کوئی آپ کو اس کے ذریعے بلیک میل نہیں کر سکتا۔ اس لئے بے فکر رہیے۔'' وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' جواہرات بظاہر مسکرا کر بولی تھی۔

''تو میں کیا کروں؟'' وہ شانے اچکا کر اکھڑے انداز میں بولی تھی۔

یہاں سے ہاشم کو آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں مگر انداز سارے عیاں تھے۔ وہ ان دونوں کے بیچ کی ساری حدت محسوس کر سکتا تھا۔ سو اپنے مصاحبین سے معذرت کر کے آبی کی طرف آیا۔

''ریڈ۔ تم ٹھیک ہو؟'' نرمی سے اسے پکارا۔ جواہرات اس کی آواز سنتے ہی آگے بڑھ گئی۔ البتہ آبی اسے دیکھ کر جبراً ذرا سا مسکرائی۔

''ہاں۔ بالکل۔'' پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''سونیا کی سالگرہ کی تقریبات کی بہت شہرت سنی تھی کراچی میں۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ میں اس میں شرکت کر رہی ہوں اور۔ کافی لطف اندوز ہو رہی ہوں۔''

''مگر..... '' وہ مسکراتے ہوئے اسے غور سے دیکھ کر بولا۔ ''مجھے ایسا لگتا ہے تم بار بار کسی کے میسج یا کال کے انتظار میں ہو۔''

آبی کی رنگت ذرا بدلی' مگر سنبھل کے مسکرائی۔ ''بابا نہیں آئے نا۔ تو سوچ رہی ہوں ان کے آنے کی امید رکھوں یا نہیں۔''

''اچھا۔'' اس نے سر کو خم دیا۔ مگر اسے یقین نہیں آیا تھا..... یہ تڑپ یہ بے تابی سب بہت عیاں تھا۔

دور کھڑی شہرین نے گلاس سے گھونٹ بھرتے ہوئے تیکھی نظروں سے اس منظر کو دیکھا تھا۔ ہاشم ایک نئی اڑان کی تیاریوں میں تھا۔ یوں شہری کا تعلق اس محل سے ٹوٹنے کے قریب تھا۔ یہ شاہزادی اسے کہاں داخل ہونے دے گی دوبارہ؟ اب وہ کیسے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹے' اس کا ذہن ناکام قسم کے تانے بانے بن رہا تھا۔ فرسٹریشن سی فرسٹریشن تھی۔ وہ کیا کرے؟

............❖❖❖............

میں چاہتا ہوں، دل بھی حقیقت پسند ہو ..... سو کچھ دنوں سے میں اسے بہلا نہیں رہا

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ سارہ کے لاؤنج میں بیٹھے افراد کی سوگواریت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کسی نے بتیاں نہیں

جلائی تھیں۔ پورچ اور ٹی وی کی روشنی نے ہی کمرے کو مدھم سا روشن مدھم سا اندھیر کر رکھا تھا۔ ایسے میں فارس بیرونی دروازے سے داخل ہوا تو سعدی بے اختیار کھڑا ہوا۔ سارہ نے بھی امید سے اسے دیکھا۔ اس کے آنسو اب خشک تھے مگر آنکھیں سرخ تھیں۔ ان میں امید بھی تھی اور خوف بھی۔

''کیا ہوا؟ کچھ پتہ چلا۔''

فارس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''کسی نے انہیں جاتے نہیں دیکھا' کسی جگہ نہیں ہیں وہ۔''

سارہ اسے دیکھتی رہی۔ پلکیں گرائیں نہیں۔ بس خشک آنکھیں اس پہ جمائے رکھیں۔ وہ سعدی کو کیس کی پراگریس بتا رہا تھا۔ پولیس کے ناکے' سی سی ٹی وی ٹریل یہ وہ۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' ایک دم سارہ پھٹ پڑی تھی۔ سب نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم سب ذمہ دار ہو۔'' وہ گلابی آنکھوں سے نفرت سے فارس اور سعدی کو دیکھ رہی تھی۔

''تم لوگوں نے میرے بچوں کو ایک اور تجربے کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی لئے نہیں رکھتی تھی میں تم سے کوئی تعلق۔ اسی لئے تمہاری طرف آنا جانا چھوڑ رکھا تھا' کیونکہ تم لوگوں کی وجہ سے میں مصیبت میں پڑوں گی' میرے بچے نقصان اٹھائیں گے۔ تم لوگوں نے دھکیلا ہے ہمیں اس سب میں۔''

لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی کچھ نہیں بول پا رہا تھا۔

''سارہ' وہ بچوں کو نقصان نہیں دے گا' تھوڑا سا صبر کریں' ہم....'' فارس نے کہنا چاہا۔

''صبر؟'' وہ ایک دم اٹھی' کشن پرے پھینکا اور فارس کو دیکھ کر غرائی۔ ''کتنا صبر؟ آٹھ ماہ صبر کروں جیسے سعدی کی ماں نے کیا؟ آٹھ ماہ سے پہلے تو نہیں چھوڑیں گے وہ میرے بچوں کو۔ نہ کوئی کال آئے گی' نہ تاوان مانگا جائے گا۔ میں تو پہلے ہی نہیں دے رہی تھی گواہی' پھر کیوں اٹھایا میرے بچوں کو۔'' آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہنے لگے تھے۔ ''میں نے تو بار بار کہا تھا سب کو کہ میں گواہی نہیں دوں گی۔ پھر کیوں کی میری گود خالی؟''

''آپ کوئی گواہی مت دیں سارہ' بس دعا کریں' ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے۔'' زمر نے کہنا چاہا مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ اب کسی کی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کا غم اب غصے میں بدلنے لگا تھا۔

فارس جو ابھی تک کھڑا تھا خاموشی سے واپس مڑا تو سعدی بول اٹھا۔

''آپ کدھر جا رہے ہیں؟''

''ہاشم سے ملنے۔'' وہ سپاٹ سرد سے انداز میں بولا تھا۔

''میں بھی آؤں گا۔'' وہ اس کی طرف لپکا تو زمر دہل کر آگے آئی۔

''پاگل ہو تم سعدی؟ اس کے گھر دعوت ہے آج' ایک دنیا ہوگی وہاں۔ تم نہیں جا سکتے ادھر۔ تم اس سے نہیں مل سکتے۔''

''مگر مجھے جانا ہے!'' وہ دکھی لگتا تھا۔

''تم یہیں رکو' صرف میں جا رہا ہوں۔ میں نے کہا واپس بیٹھو....'' فارس نے سختی سے منع کیا تو سعدی برے موڈ کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا۔

وہ باہر نکلا ہی تھا کہ اپنے پیچھے قدموں کی آواز آئی۔ وہ اکتا کر گھوما۔

"سعدی میں نے بولا ہے نا تم....." وہ ٹھہر گیا۔ سارہ پیروں میں چپل ڈالتی آنکھیں رگڑتی آ رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"ہرگز نہیں سارہ!" وہ تیزی سے پریشان ہو کر بولا تھا۔ سارہ نے رک کر اسے دیکھا تو آنکھوں سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

"تم مجھے روک سکتے ہو؟ تم مجھے روک سکتے ہو کیا؟"

اور فارس کو احساس ہوا وہ واقعی اسے نہیں روک سکتا۔ وہ اس وقت صرف ایک ماں تھی۔

❖❖❖

یوں پھر رہا ہوں کانچ کا پیکر لیے ہوئے ..... غافل کو یہ گمان ہے کہ پتھر نہ آئے گا

قصر کاردار کے لونگ روم میں اونچے سروں میں بجتی موسیقی اپنے عروج پہ تھی۔ کھانا کھایا جا رہا تھا۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ ایسے میں اس سب سے بے نیاز نوشیرواں اپنے کمرے میں بے سدھ لیٹا چھت کو تک رہا تھا۔ باہر کا ماحول اسے بے زار کر رہا تھا۔ وہ تیار تک نہیں ہوا تھا۔ یونہی شب خوابی کے لباس میں لیٹا تھا۔ دراز آدھی کھلی نظر آتی تھی اور اندر رکھی پڑیاں ملفوف دکھائی دیتی تھیں گویا سفید پاؤڈر کی طلب سے دراز کھولی مگر بے زاری سے وہیں چھوڑ دی۔ آج اس سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اب کوئی غم یوں منانے سے نہیں منتا تھا۔ اب کیا دوا کی جائے اس مرض کی؟

نیچے لاؤنج میں آؤ تو ہاشم ایک دفعہ پھر آبدار کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں نے ہاتھوں میں پلیٹیں اٹھا رکھی تھیں اور وہ بات کرنے کے ساتھ کھا بھی رہے تھے۔

"میں...کیس لڑ رہا ہوں۔" اس نے نگاہیں آبی کے چہرے پہ جمائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ آبی نے نگاہیں چرائیں۔

"میں...نکال رہا ہوں اپنے خاندان کو اس میں سے۔" وہ اسے باور کروا رہا تھا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں اب آگے بڑھ چکی ہوں۔" وہ ادھر ادھر دیکھتی ایک دم غیر آرام دہ سی لگنے لگی تھی۔

"مگر یہ سب تم چاہتی تھیں۔" آبی نے آنکھوں میں ایک دم تندی بھر کے اسے دیکھا۔

"لیکن کیا تم نے میرے کہنے پہ یہ کیا؟ ہرگز نہیں۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ تم نے یہ کیوں کیا مگر تم نے مجھے صاف انکار کر دیا تھا مائی ڈیئر گریم ریپر۔ اور اب تم خود کو اس اسکینڈل سے نکال لو تو بھی کیا۔ تمہاری پارٹی میں اس دفعہ اتنے لوگ نہیں آئے کہ تم لان بھر سکو۔ اور جو آئے ہیں وہ مسلسل زوائل کی باتیں کر رہے ہیں۔"

ہاشم کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔ اس سے پہلے کہ وہ بہت ضبط سے کچھ کہتا' کان میں لگا آلہ کچھ بولا۔ ہاشم کے تاثرات اچنبھے میں بدلے۔

"فارس؟ آر یو شیور؟ وہ ادھر کیوں آیا ہے۔" کان پہ ہاتھ رکھ کے وہ کف لنک میں لگے آلے میں بولا تھا۔ وہ جتنا حیران ہوا تھا' آبی اتنی ہی چونکی تھی۔

"فارس آیا ہے؟" وہ بے اختیار بولی تھی۔ ہاشم تیزی سے باہر کو لپکا۔ وہ چند لمحے تو ہکا بکا کھڑی رہی پھر اس کے پیچھے بھاگی۔

گیٹ کے باہر نیچے کو جاتی سڑک پہ کار کھڑی تھی اور دو افراد دروازے کے ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان کے گرد آدھ درجن گارڈز چوکنے سے کھڑے تھے۔ گویا ادھر وہ کوئی حرکت کریں' ادھر وہ انہیں شوٹ کر دیں۔ ہاشم تیز قدموں سے چلتا اگلی چوکی تک آیا۔ اسے دیکھ کر سب اس طرف متوجہ ہوئے۔

''کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟'' گھر کی بیرونی چار دیواری کی تیلیوں کے باعث سارا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ ہاشم گیٹ کے قریب آیا اور اسے کھولا۔

فارس اس کے پکارنے پہ اس طرف گھوما۔ ہاشم کے کندھے کی اوٹ سے آبی نے دیکھا۔ وہ دھف سی جینز اور پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا اور ماتھے پہ گہری سلوٹیں۔ وہ تیر کی سی تیزی سے ہاشم کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے پکڑا۔

''کدھر ہیں امل اور نور؟ ہاں؟'' وہ غرایا تھا۔ جہاں آبی سن رہ گئی وہاں بہت سی گنز اس کی طرف تن گئیں۔

''Hands off!''

ہاشم نے جھٹکے سے اس کے ہاتھوں کو نیچے جھٹکا۔ اور ایک قدم پیچھے گیا۔ ایک گارڈ نے گیٹ بند کر دیا۔ اتنے میں سارہ بھی گیٹ کے قریب آئی۔

ہاشم اب سلاخوں والے دروازے کے پار کھڑا تھا۔ وہ اس سے دو فٹ فاصلے پہ رکی اور سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے بلند سا غرائی۔

''میرے بچے کہاں ہیں؟''

ہاشم نے کالر جھاڑتے ایک نظر اسے دیکھا دوسری اپنے کندھے کے پیچھے کھڑی حیران سی آبدار پہ ڈالی۔ پھر چہرے پہ برہمی لاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔''

''ہاشم کاردار... تمہارے آدمی صبح میری بچیوں کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ میں... ان کی ماں... ان کے باپ کے قاتل سے پوچھنے آئی ہوں کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔'' وہ چلا کر بولی تھی۔ فارس اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک گارڈ اس کے چلانے پہ برہمی سے اس طرف بڑھنے لگا تو فارس نے فوراً جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک دم سے بہت سی گنز کے لوڈ ہونے کی آواز آئی۔ فارس نے آہستہ ہاتھ باہر نکالا تو اس میں سیل فون تھا۔

''اگر تم لوگوں نے ہمارے ساتھ ذرا سا بھی غلط سلوک کرنے کی کوشش کی تو میں ایک بٹن دبا دوں گا اور سوشل میڈیا پہ یہاں کی live feed جانا شروع ہو جائے گی۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کے سامنے تم اور تمہارے بندے آن ایئر ہوں گے' اس لئے بندوقیں... نیچے... کرو۔'' وہ جھڑک کر بولا تھا۔ آبی صرف اس کا چہرہ تک رہی تھی۔ وہ ابھی تک سُن تھی۔

''ہوا کیا ہے؟'' ہاشم نے بےزاری سے اس کی بات کاٹی' ساتھ ہی گارڈز کو اشارہ کیا' انہوں نے اسلحہ نیچے کر لیا۔

''ہاشم میرے بچے کہاں ہیں؟'' وہ پھر حلق کے بل چلائی تھی۔

''میں آپ سے پوچھ رہا ہوں ڈاکٹر صاحبہ کہ ہوا کیا ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

''ہاشم!'' وہ ایک قدم مزید آگے آئی اور ان آہنی سلاخوں کو تھاما جو دونوں کے بیچ حائل تھیں۔ نگاہیں لمحے بھر کے لئے بھی اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر وہ غرائی تھی۔ ''تم کیا سمجھتے ہو؟ میں کوئی ڈرپوک عورت ہوں۔ بزدل ہوں؟ تم نے سمجھا کیا ہے مجھے؟ ایک کم ہمت عورت؟'' حقارت سے اس نے سر جھٹکا۔ ''ہاشم کاردار' میں وہ عورت ہوں جس کے نیچے دو ہزار مربع فٹ کے ان صحراؤں میں کام کرتے ہیں جہاں تمہارا یہ ایئر کنڈیشنڈ پہ پلنے والا جسم دس منٹ میں پگھل جائے۔ میں وہ عورت ہوں جو میزائل بناتی ہے' bombs بناتی ہے۔ میں اگر محتاط تھی' تمہاری طرف سے مصلحت سے کام لے رہی تھی' تو اس کو تم میری کمزوری مت سمجھنا۔ میری انگلیوں کے چند clicks اور ایک ڈرون کی مار ہے تمہارا یہ سارا محل۔ میں اس قابل ہوں ہاشم کہ تمہیں تمہارے اس محل سمیت زمین بوس کرنے میں مجھے چند کلکس اور ایک ڈرون کی ضرورت ہوگی۔ اور یقین مانو میرے خلاف کوئی ایف آئی آر بھی نہیں کٹے گی' کیونکہ میں حساس ادارے کی سائنسدان ہوں۔ میرے پاس

بہت سی پروٹیکشنز ہیں۔ سو میری بات سنو! اگر.... "انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "میرے بچے ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس گھر نہ آئے تو تم دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔"

"Sorry to Interrupt" ہاشم پرسکون سا کھنکھار کر بولا۔ "مگر آپ لوگ یہ ڈرامہ کہیں اور جا کر کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سوشل میڈیا پہ چند hits لینے کے لئے اس طرح کے ناٹک کرنا انتہائی گری ہوئی حرکت ہے۔ میں.... بچوں سے جنگ کرنے والا آدمی نہیں ہوں۔" حقارت سے ان کو دیکھا اور پھر ہاتھ جھلا کر اشارہ کیا۔ "نا ؤ گیٹ لاسٹ پلیز۔ میں ذرا مصروف ہوں۔" اور واپس مڑ گیا۔ سارہ ابھی تک اونچی آواز میں کچھ بول رہی تھی' شاید وہ بددعائیں دے رہی تھی۔ فارس اب اسے واپس لے جا رہا تھا مگر وہ غصے سے چلائے جا رہی تھی۔

ہاشم چند قدم چل کر رکا۔ اور چونک کے آبی کو دیکھا۔ وہ پیچھے آتے آتے رک گئی تھی۔ بالکل ششدر۔ گم صم۔

"تم نے ان کے بچے اغوا کر لئے؟" وہ بے یقین تھی۔

"اوہ کم آن۔" وہ کراہا تھا۔ "یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں نے کسی کو اغوا نہیں کیا۔"

آبی نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی اور نفی میں سر ہلایا۔ "سعدی کی دفعہ بھی تم نے یہی کہا تھا۔"

ہاشم چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ اس کے منہ پہ جیسے آبی نے ایک دفعہ پھر طمانچہ دے مارا تھا۔ وہ اس کو تاسف سے دیکھتی آگے بڑھ گئی تھی' اور وہ بالکل منجمد کھڑا رہ گیا تھا۔ برف کے مجسمے جیسا۔ ٹھنڈا اور بے جان۔

.... ☆☆☆ ....

جو بھی آتا ہے بتاتا ہے نیا کوئی علاج ...... بٹ نہ جائے تیرا بیمار مسیحاؤں میں

سارہ جب واپس گھر میں داخل ہوئی تو وہ کافی تھکی تھکی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس خاموشی سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ رات اتر نے لگی تھی اور ساری امیدیں دم توڑتی جا رہی تھیں۔ انہیں آتے دیکھ کر سعدی اور زمر بے اختیار کھڑے ہو گئے تھے۔

"کچھ پتہ چلا؟ کیا کہا اس نے؟" سعدی نے پوچھا تھا۔ زمر چپ رہی۔ بالکل چپ۔

فارس نے محض نفی میں سر ہلایا۔ سارہ چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گئی۔ گھٹنوں پہ ٹھوڑی جمائی اور خشک آنکھوں سے دور خلاء میں دیکھنے لگی۔

سب خاموش ہو گئے۔ لاؤنج میں عجیب وحشت زدہ سا سناٹا چھا گیا۔ سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی یا خشک آنسوؤں کی۔

"پولیس....." زمر نے فارس پہ نگاہیں جمائے یک لفظی استفسار کیا۔ اس نے گہری سانس لی۔ "کچھ معلوم ہوگا تو وہ بتائیں گے۔ ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چلا۔" زمر بس اسے دیکھتی رہی۔ کچھ بولی نہیں۔ وہ کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

جانے کتنے منٹ گزرے' کتنی گھڑیاں بیتیں جب باہر آوازیں سنائی دیں۔ ہلچل۔ بولنے کی آوازیں۔ گاڑی کے کھلتے بند ہوتے دروازے۔ انجن کے چلنے رکنے کی آواز۔ اٹل کی آواز۔ فارس تیزی سے اٹھا مگر سارہ اس سے پہلے ہی ننگے پیر باہر بھاگ گئی تھی۔ برآمدے میں آ کر وہ رک گئی۔ گویا منجمد ہو گئی۔

گیٹ سے اٹل اور نور اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ ساتھ میں مسلسل بولتی جا رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں گفٹ پیکس تھے' اور شاپنگ بیگز بھی۔ سارہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی۔ پھر کوئی سکتہ سا ٹوٹا۔ وہ بھاگی اور ان دونوں کو خود سے لپٹا لیا۔ ان کے چہرے چھوئے۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ پریشانی سے وہ ان کو جیسے ٹٹول رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟ تم لوگ کدھر تھے؟ انہوں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔ بچیاں اس کے انداز سے ایک دم الجھن کا شکار ہو گئی تھیں۔ اور تبھی سارہ کو احساس ہوا کہ گیٹ سے کوئی اور بھی اندر داخل ہو رہا ہے۔ بجلی کی سی تیزی سے اس نے چہرہ

اٹھایا۔

"ہم ان کو نقصان کیوں پہنچائیں گے سارہ خالہ؟" اندر داخل ہوتی حنین بہت برا مان کر بولی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی شاپنگ بیگز اور گفٹ ریپر کی رول شدہ sheets تھیں۔ سارہ نے بچیوں کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ متحیر سی کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے حنین اور اس کے پیچھے آتے ہیم کو دیکھا۔

"حنین..... بچے تمہارے ساتھ تھے؟" پیچھے سے سعدی حیران سا آگے آیا تھا۔ زمر اور فارس ناسمجھی کے عالم میں برآمدے میں ہی رک گئے تھے۔

"با!" سعدی کو دیکھ کر بچیوں نے خوف سے چیخ ماری۔ "اوہ نو۔"

"آپ ادھر کیا کر رہے ہیں بھائی۔" حنین پریشانی سے چلائی تھی۔ پھر ان تینوں کزنز نے اپنے ہاتھ میں پکڑے گفٹس کو دیکھا۔ "سارا سرپرائز خراب کر دیا۔"

"تم..... تم لے کر گئی تھیں ان کو حنین؟" سارہ کے لب بے یقینی سے پھڑپھڑائے تھے۔

"کیا مطلب؟ آپ کو میرا نوٹ نہیں ملا؟ سوری میں نے آپ سے پوچھا نہیں مگر صبح صبح پوڈ کہاں ماما اور ہم لوگ جلدی میں تھے۔ کل بھائی کی سالگرہ ہے نا۔ ہم نے سرپرائز برتھ ڈے پارٹی کی تیاری کرنی تھی۔ صبح سے شاپنگ کر رہے ہیں اور پھر ریسٹورانٹ کے اوپر ہال کو سجا رہے ہیں۔ اف پورے دن کی محنت اور سارا سرپرائز ختم ہو گیا۔" وہ روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی۔

"حنین تم میرے بچوں کو مجھ سے پوچھے بغیر کیسے لے جا سکتی ہو؟" سارہ حلق کے بل چلائی تھی۔ حنہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ ایک دم سعدی اور سارہ اس پہ ایک ساتھ غصہ کرنے لگے تھے۔

"حنین تم اتنی غیر ذمہ دار ہو۔ حنین تمہیں احساس ہے تم نے کیا کیا ہے۔"

"کیا یار۔ میری کزنز ہیں۔ میں لے جا سکتی ہوں۔ اور ابا تھیں ریسٹورانٹ میں ہمارے ساتھ۔ وہ تو آج سگنل نہیں آ رہے تھے تو مال میں تھے ریسٹورانٹ میں ورنہ میں کال کر دیتی۔ کیا ہوا؟ آپ لوگ غصہ کیوں کر رہے ہیں؟"

"ماما آج اتنا مزا آیا۔"

"لیکن اب تو سارا سرپرائز خراب ہو گیا۔" وہ تینوں لڑکیاں ایک ساتھ بول رہی تھیں۔ اور اسامہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

"آپ کو چوکیدار چاچا نے نہیں بتایا؟ شاید یہ اس وقت ادھر تھے نہیں۔ ورنہ ہمارے ساتھ ریسٹورانٹ کا ڈرائیور تھا اور....."

وہ چاروں بچے اس وقت بڑوں کے شدید عتاب اور لعن طعن کے زیر اثر تھے۔ وہ لوگ روہانسے ہو رہے تھے کہ آپ نے ہمارا سارا سرپرائز خراب کر دیا۔ مگر سارہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ڈانٹے جا رہی تھی۔ اس کو تو اس نے ایک تھپڑ بھی لگا دیا تھا۔ فارس کچھ کہنے کے لیے آگے بڑھا تو زمر نے اسے بازو سے تھام کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ قدرے حیران ہوا مگر اس کے انداز میں کچھ تھا جو وہ اس کے پیچھے آیا۔

لاؤنج میں آ کر وہ اس کی طرف گھومی اور سینے پہ بازو لپیٹ کر تندہی سے اسے دیکھتی بولی۔ "یہ کیا تھا؟"

"کیا مطلب کیا تھا؟ ایک غلط فہمی تھی۔" وہ حیران ہوا تھا۔

"پتہ ہے میں صبح سے سوچ رہی تھی کہ تم ایسے بھاگ دوڑ نہیں کر رہے جیسے تمہیں کرنی چاہیے۔ ہر چیز پولیس پہ چھوڑے بیٹھے ہو مگر تمہارے اور سارہ کے جانے کے بعد میں نے ایس پی صاحب کو کال کی اور پھر متعلقہ تھانے میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے مرے سے پولیس کو کال کی ہی نہیں تھی۔ اور صبح آپ نے مجھے منع کیا کہ میں ندرت بھابھی کو نہ بتاؤں۔ اور ماشاءاللہ تہجد کے وقت سے آپ جاگے ہوئے تھے آج اور آپ نے بولا کہ حنین اور اسامہ سو رہے ہیں جبکہ وہ تو صبح سے نکلے ہوئے تھے۔ سو میرا نہیں خیال کہ یہ کوئی غلط فہمی تھی۔"

"اچھا تو مجھے گرفتار کر لیں' پرانسپکٹر صاحب!" وہ اس کی طرف جھک کر تپانے والے انداز میں بولا تھا۔

"یہ سب تمہارا پلان تھا' ہے نا۔" وہ دبا دبا سا غرائی تھی۔ احتیاط سے دروازے کو بھی دیکھ لیتی جس کے باہر وہ سب ابھی تک بول رہے تھے۔ "تم سارہ کو اتنا خوفزدہ کر کے کیا کرنا چاہ رہے تھے۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ کیوں؟ آپ نے نہیں کہا تھا کہ آپ چاہتی ہیں سارہ گواہی دیں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے بچے اغوا کر لو۔"

"اغوا کس نے کیے؟ وہ اپنے زمر اور رافی پھپھو کے ساتھ تھے۔ اور وقت پہ واپس بھی آ گئے۔"

"اگر سارہ کو ٹینشن سے کچھ ہو جاتا تو؟ کون ذمہ دار ہوتا؟" وہ صدمے میں تھی۔ "تم اتنے بے حس کیسے ہو سکتے ہو... وہ تمہارے بھائی کی بچیاں ہیں۔"

"جس سارہ کو میں جانتا تھا' جو وارث کی موت سے پہلے کی سارہ تھی' وہ بہت بہادر اور باہمت عورت تھی۔ مگر اس کے خوف نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ جو ڈوبنے سے ڈرتا ہو نا زمر' اسے پانی میں پھینک دینا چاہیے اور پھر چند ڈبکیاں دے کر نکال لینا چاہیے۔ اس کا سارا خوف زائل ہو جائے گا۔ پھر اسے پتہ چلے گا کہ پانی اس سے زیادہ طاقتور نہیں تھا۔ اور تب ہی اسے کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر کا احساس ہو گا۔ وہ جان جائے گا کہ وہ خود کتنا خطرناک ہے' کتنا بڑا سروائیور ہے۔ میں صرف سارہ کو اس خوف سے نکالنا چاہتا تھا۔"

"تم پاگل ہو گیا؟ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو؟" وہ شدید غصے سے بولی تھی۔ دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ دونوں فوراً سے سیدھے ہوئے۔ سارہ مسلسل برہمی سے بولتی اندر آ رہی تھی۔

"انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ تھا یہ تمہارا حنین۔ اور تم دونوں' کیا تم ماں سے پوچھے بغیر کہیں بھی چلی جاؤ گی؟" وہ ڈپٹ رہی تھی۔ کتنے کتنے خیالات آتے رہے تھے۔ اور وہ شاپنگ کر رہی تھیں؟ سالگرہ کا وینیو سجا رہی تھیں؟ نور نے منمنانے کی کوشش کی (حنہ نے کہا تھا ماما کو نہیں بتانا) مگر اہل نے اسے کہنی مار کے چپ کروا دیا۔ (گرلز سیکریٹس۔ یو نو)

"ماما سارا سرپرائز خراب ہو گیا ہمارا۔" اہل اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھی۔ سارہ ان کو لے کر آگے چلی گئی تھی' اور سعدی باہر کھڑا ندرت کو فون کر کے ان کی خیر لے رہا تھا۔ ایسے میں حنین ان دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی اور معصومیت سے بولی۔

"سوری' بس وہ سگنلز کا پرابلم رہا آج تو..." زمر نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"اے ہاں' تم کتنی معصوم ہو' تمہیں تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ یہ جو دو چار آدمی کو جوڑ کر تم لوگ جیمرز بنا لیتے ہو' وہ تو لگائے ہی نہیں ہوں گے تم نے ریسٹورانٹ میں تاکہ سگنلز بند ہو جائیں۔" حنین نے فوراً فارس کو دیکھا' اس نے آنکھوں میں اشارہ کیا۔ وہ پھر سر جھکاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اصل میں زمر....."

"چپ!" وہ گھرک کر بولی تھی۔ سارہ واپس آ رہی تھی۔ اور وہ بیک وقت غصے' ریلیف اور اکتاہٹ کا شکار تھی۔

"کل ہم سالگرہ پہ آئیں گے فارس' لیکن میں....." وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حتمی لہجے میں بولی۔ "گواہی' کورٹ' ٹرائل' ان الفاظ کو سننا بھی نہیں چاہتی دوبارہ۔ میرا نام تم لوگ گواہوں کی فہرست سے خارج کرو' اور آئندہ مجھے کوئی کورٹ سمن نہ جاری ہو' سنا تم نے۔"

"ایسا ہی ہو گا۔" فارس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے بھرپور تسلی والی تھی۔ سارہ نے گہری سانس لی۔ "میں کھانا لگواتی ہوں۔ بہت ہی hectic دن رہا آج کا۔ اب بیٹھ جاؤ۔ اس سب کو بھول کر کھانا کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔" وہ جھنجلائی ہوئی سی کچن کی طرف گئی۔

سعدی فون بند کرتا ان کی طرف آیا اور ایک نظر سارہ کو آگے جاتے دیکھا۔ پھر سوالیہ نظروں سے فارس کو دیکھا۔ "کیا کہہ رہی تھیں وہ؟"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ گواہی دیں گی، لیکن ابھی ان سے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔" سعدی تو سعدی، زمر اور حنین نے بھی بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"انہوں نے یہ نہیں کہا فارس!"

"انہوں نے یہی کہا ہے۔ ٹرسٹ می!" اس نے مطمئن سے انداز میں یقین دلایا تھا۔

"اب تو وہ بالکل گواہی نہیں دیں گی، تھینکس ٹو یو۔" غصے سے حنین کو دیکھا۔ "ہمارا سب سے اہم گواہ گنوا دیا ہے تم نے۔" اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

حنین نے ناک سکوڑ کر "ہونہہ" کیا اور فارس کی طرف گھومی۔ "میرا خیال ہے آپ کو تیسری شادی کر ہی لینی چاہیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے!" وہ گہری سانس لے کر ملال سے بولا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ "میں ایک فون کر لوں۔" اور موبائل نکالتا آگے بڑھ گیا۔

❖❖❖

ماحول میرے گھر کا بدلتا رہا ہو اب ..... میرے مزاج کا تو ذرا سا نہیں رہا

قصر کی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ جواہرات اپنے کمرے میں بیٹھی زیور اتار رہی تھی۔ شارک کا سلور گاؤن پیروں کو ڈھانپتا فرش پہ پھول کی مانند بکھرا پڑا تھا۔ باہر ملازم کیٹرنگ کا سامان سمیٹ رہے تھے اور گھر کو درست حالت پہ لا رہے تھے۔ ایسے میں ہاشم اپنے کمرے کو جاتی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ انداز میں تکان تھی۔ تبھی اس کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے نکال کر دیکھا تو لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ فارس غازی کالنگ۔

"کل جب میں جج صاحب کو بتاؤں گا تمہاری اس حرکت کا، کہ کیسے تم لوگوں نے میرے گیٹ پہ ڈرامہ مچایا، تو تمہارا کیس مزید خراب ہو گا۔" وہ فون کان سے لگائے مسکرا کر بولتا کمرے میں داخل ہوا۔ اور دوسرے ہاتھ سے کوٹ اتارنے لگا۔

"نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔" فارس غازی مطمئن سا بولا تھا۔ "بلکہ پولیس جو فصیح کے قتل کی انکوائری کر رہی ہے، اس کو بھی تم رکوا کے اپنا دعویٰ واپس لے لو گے۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گا، فارس؟" اس نے گہری سانس لے کر پوچھا تھا۔

"کیونکہ ایک ثبوت ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ سعدی یوسف نے وہ قتل سیلف ڈیفنس میں کیا تھا۔"

"تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے۔" اس نے کوٹ پرے ڈالا اور حقارت سے بولا۔

"میرے پاس نہیں ہے واقعی۔ کیونکہ اب وہ تمہارے پاس ہے۔"

"کون سا کھیل کھیل رہے ہو تم؟" ہاشم بے زار ہوا تھا، مگر وہ چونکا بھی تھا۔

"شاید تم نے اپنی ٹائی پن نہیں دیکھی۔ کیا پارٹی ابھی تک ختم نہیں ہوئی؟"

ہاشم نے بری طرح چونک کر گردن نیچے جھکائی۔ اس کی سلور ٹائی پہ سیاہ ٹائی پن ٹنکی تھی جو کافی اوپری لگ رہی تھی۔ اس نے تو آج ٹائی پن سرے سے پہنی ہی نہیں تھی، تو یہ.....؟ اسے فارس کا اپنا گریبان پکڑنا یاد آیا۔

"میں تمہیں یہ فائل ای میل بھی کر سکتا تھا، لیکن وہ کیا ہے کہ احمر شفیع سے خطرہ رہتا ہے، وہ ہر آنے جانے والی میل پہ نظر رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ تم سے زیادہ تمہاری ماں کا وفادار لگتا ہے مجھے، اس لئے مجھے امید تھی کہ وہ اسے تم تک پہنچنے نہیں دے گا۔ لیکن چونکہ میں تمہارا کزن ہوں، اور مجھے تم سے ہمدردی ہے، سو میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ضرور دیکھو۔"

"کیا ہے یہ؟" وہ سختی سے بولا تھا۔ ٹائی پن اتار کر اب وہ اسے انگلیوں میں ٹٹول کر دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری ماں کا اعمال نامہ!" اور لائن ڈیڈ ہو گئی۔ ہاشم کے کان سرخ ہوئے ابرو بھینچ گئے۔ اس نے غصے سے دو چار گالیاں، سے ڈالیں گو کہ وہ نہیں سن سکتا تھا' پھر تیزی سے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا' ٹیبلیٹ اٹھایا اور یو ایس بی کا پلگ اس میں گھسایا۔ وہ کوئی پھندا' کوئی وائرس کچھ بھی ہو سکتا تھا' مگر اس کا ماتھا کسی اور شائبے کی بنیاد پہ ٹھنک رہا تھا۔

اسکرین روشن ہوئی اور اس پہ جواہرات کاردار کے آفس کا منظر عیاں ہوا۔ وہ اندر آنے والے کیمرہ مین کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ آواز سے وہ نصیح لگتا تھا۔ ہاشم ہم سادھے سنتا گیا۔ اس کا سانس گویا رک چکا تھا۔

"خاور کی زنجیریں کھول دو' اسے سعدی کے ساتھ گھلنے ملنے دو۔ وہ دونوں ہمارے لئے بے کار ہیں' میرا بیٹا یہ بات نہیں سمجھ رہا' اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ ہم خود کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ میرا تجربہ کہتا ہے وہ دونوں فرار کا سوچ رہے ہوں گے۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جواہرات کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ سارے الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"مگر ہو سکتا ہے نصیح کہ کسی دن خاور' سعدی کو قتل کر دے اور پھر خودکشی کر لے۔" اسکرین پہ مسکراتی ہوئی جواہرات کہہ رہی تھی۔ ہاشم اپنی جگہ سے اٹھا۔ ٹیب ہاتھ میں تھا اور ہاتھ گلابی سرخ پڑ رہا تھا۔

"تم کرو گے نصیح! اور اتنی صفائی سے کرو گے ایک رات یہ سب' کہ اگلی صبح ان دونوں کی لاشیں ملنے کے بعد تم یہ کہہ سکو گے کہ تم تو اس جگہ تھے ہی نہیں۔ میرے بیٹے کو خبر بھی نہیں ہو گی۔"

ہاشم کو سانس نہیں آ رہی تھی۔ اس کی رنگت غیض و غضب سے سرخ پڑ رہی تھی۔ وہ ٹیب ہاتھ میں لئے دھڑ دھڑ زینے اتر رہا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی صاف کرتا۔ اسے پسینہ بھی آ رہا تھا۔

جواہرات کے کمرے کا دروازہ اس نے جوتے کی ٹھوکر سے کھولا تھا۔ وہ جو سنگھار میز کے سامنے بیٹھی تھی' چونک کر گردن گھمائی۔ حیرت سے اسے دیکھا۔ "تمہیں کیا ہوا؟"

ہاشم نے ٹیبلیٹ اس کے سامنے جا کر پٹخا۔ "یہ کیا ہے ممی؟" اس کے سر پہ کھڑا اسے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔

گردن پہ موئسچرائزر ملتے جواہرات کے ہاتھ سست ہوئے۔ اس نے ایک نظر ٹیبلیٹ کی اسکرین پہ چلتی ویڈیو کو دیکھا' اور پھر چہرہ اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

"کیا ہے یہ؟" اس کی رنگت دھیرے دھیرے بجھ رہی تھی۔

"آپ نے نصیح کو حکم دیا تھا' ان دونوں کو مارنے کا؟"

جواہرات نے بہت سا تھوک نگلا اور ٹشو نکال کر ہاتھ پونچھنے لگی۔

"میں نے جو بھی کیا تھا' بہت سوچ سمجھ کر تم دونوں کے لئے کیا تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ جب سے آپی نے پاس اس ویڈیو کی موجودگی کا اسے پتہ چلا تھا' وہ خود کو اس لمحے کے لئے تیار کرتی آئی تھی۔

"ممی!" ہاشم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "آپ یہ سب کیسے کر سکتی ہیں؟"

"اگر یہ سب ہو جاتا تو ہم آج اس میس میں نہ ہوتے۔" وہ جواباً جھڑک کر بولی تھی۔ "نہ کوئی گواہ بچتا نہ کوئی ثبوت۔ یہ سب تمہیں کرنا چاہیے تھا مگر تم نے نہیں کیا تو اس خاندان کی حفاظت کے لئے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ اور مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ اپنے خاندان کے لئے مجھے جو ٹھیک لگے گا' میں کروں گی۔"

"آپ نے مجھے دھوکہ دیا۔ آپ نے میری پیٹھ پیچھے اتنا بڑا کام کر دیا۔ ہارون کو راز دار بنایا مجھے نہیں۔" وہ غصے اور صدمے سے ٹی

میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سی ٹوٹی کرچیاں تھیں۔

"آپ دھوکے میں اس حد تک جا سکتی ہیں' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

جواہرات کا دل کانپا' مگر وہ بظاہر خود کو سنبھالے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کا بازو تھامنا چاہا۔ "ہاشم' میں نے یہ تمہارے لیے کیا تھا۔"

"ہاتھ مت لگائیں مجھے۔" وہ اپنا بازو پیچھے کرتے ہوئے غرایا تھا۔

"میں نے ممی' آپ لوگوں کے مسئلے حل کرنے میں اپنی خوشیاں اپنی محبت سب کو ثانوی کر دیا ممی' آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا' یوں دھوکہ نہیں دیا' اور آپ.... آپ میرے ساتھ اس حد تک خیانت کی مرتکب ہو سکتی ہیں۔"

"ہاشم' میری بات ٹھنڈے دماغ سے سنو۔" اب کے اس کی آواز بھی کانپی تھی۔ آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔ مگر ہاشم نے نفی میں سر ہلایا۔

"سعدی سچ کہتا تھا۔ وہ دونوں جیل سے اس لیے بھاگے تھے کیونکہ آپ ان کی جان لینا چاہتی تھیں۔ اور کیا کیا جھوٹ بولے ہیں آپ نے مجھ سے؟ کیا میرے باپ کو بھی خاور نے مارا ہے یا خاور کی ڈھال تلے کسی اور کو بچا گئی ہیں آپ؟" وہ حلق کے بل چلایا تھا۔ غصہ' پسینہ' آنکھوں میں اترا خون۔ جواہرات اندر تک دہل گئی۔

"ہاشم! تم اپنی ماں پہ شک کر رہے ہو؟"

"یقین تو اب کبھی نہیں کروں گا آپ پہ۔ کبھی نہیں۔" وہ غصے سے چیخا تھا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھی۔ "ہاشم! ایک دفعہ میری بات سنو' میں....."

"میں نے کہا مجھے ہاتھ مت لگائیں۔ اکیلا چھوڑ دیں مجھے۔" غصے سے بازو چھڑاتا وہ باہر نکل گیا۔ جواہرات کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہاشم کا موبائل تھرتھرایا۔

وہ تہی دست' تہی داماں کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کی ساری دنیا لمحوں میں بکھر گئی تھی۔

وہ جو کچہری میں روز سجتی تھی' تو وہ ڈرامہ تھی۔ اصل عدالت تو اب لگی تھی۔ جہاں نہ وکالت چلی تھی' نہ صفائیاں۔ اور وہ سارے فیصلے سنا کر جا چکا تھا۔ وہ دل تھام کر زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔

.............⁂⁂⁂.............

کہتے نہ تھے ہمیشہ رہے گا نہ اتنا رنج ..... گزرے ہیں چند سال ہی' دیکھا' نہیں رہا

اگلی صبح فوڈی ایورآفٹر پہ ٹھنڈی سی اتر رہی تھی۔ ساری رات بارش ہوتی رہی تھی' اور اس بارش نے گویا ساری زمین دھو ڈالی تھی۔ ریسٹوران کے اوپری ہال کے شیشے کی دیوار پہ بوندوں کے سوکھ جانے کے نشان اب بھی موجود تھے۔ وہ ہال غباروں اور دیواروں پہ لگے خوبصورت بیک ڈراپ سے سجا تھا۔ میز پہ تحفے' کیک کا بچا کھچا حصہ' برتن وغیرہ رکھے تھے۔ آگے پیچھے بہت سی کرسیاں رکھی تھیں جن پہ وہ لوگ ٹولیوں کی صورت بیٹھے تھے۔ تقریب گویا ختم ہونے کے قریب تھی' اور کھانا کھایا جا چکا تھا۔ خیر کھانا کیا تھا' سنڈے برنچ تھا۔ پرسوں کے بجائے آج ہی کر لی گئی تھی' دعوت' یوں اس برس نہ سونیا کی سالگرہ اصل تاریخ پہ منائی گئی نہ سعدی کی۔

ایک طرف دو کرسیاں ترچھی کر کے رکھی تھیں۔ ایک پہ زمر بیٹھی پلیٹ اٹھائے کیک کو کانٹے سے توڑنے میں مگن تھی۔ دوسری پہ فارس ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' سوفٹ ڈرنک کے گھونٹ بھرتا' دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں اس رات...." ذرا کھنکھار کر گویا ہوا۔ "آبدار سے ملنے...." زمر نے نظریں اس کی طرف پھیریں۔ بس اس کے تاثرات

دیکھنے کی دیر تھی وہ سادگی سے بولا۔ ''آبدار سے ملنے ہی گیا تھا۔''

''معلوم ہے۔ بار بار کیا جتانا چاہ رہے ہو؟'' وہ سخت بیزار ہوئی۔

''نہیں میں تمہارے کپڑے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ اس نے بھی یہی رنگ پہن رکھا تھا۔'' اب کے زمر نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔ ''پچھلے دو دن میں تم اس کے کپڑوں کے پانچ رنگ بتا چکے ہو مجھے۔ اب تو مجھے اس بات پہ یقین بھی نہیں آرہا۔ تم سچ مچ گئے بھی تھے یا.....'' کچھ سوچ کر مسکرائی۔ ''ہاشم نے دروازے سے ہی بھگا دیا؟''

''ہونہہ۔ اس کی اتنی مجال۔'' وہ بڑبڑا کر گویا برا مانتا ہوا رخ پھیر گیا۔

''ویسے ہے تو وہ تمہارا کزن' لیکن ایک بات ہے۔ اس کی کلاس' اس کا گریس' اس کا مخالف کو مسکرا کر چت کر دینے کا انداز' یہ سب تم میں اس جیسا نہیں ہے۔ میں سوچتی ہوں ہاشم اگر اچھا آدمی ہوتا تو میں اس کی سب سے بڑی فین ہوتی۔'' فارس نے سافٹ ڈرنک کا گلاس ہی میز پہ پٹخ دیا اور خفگی سے اسے دیکھا جو معصومیت سے بولے جا رہی تھی۔

''اگر تم نے ہاشم کی باتیں ہی کرنی ہیں تو میں اٹھ کر جا رہا ہوں۔''

''جلتے ہو اس سے؟'' ایک اور سوال۔ وہ جواب دیے بنا اسے گھورتے ہوئے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ زمر مسکراہٹ دبائے کیک کا بقیہ حصہ کھانے لگی۔ اب آیا تھا اصل مزا۔

ان سے ہٹ کر دیکھو تو ایک طرف نولی بنا کر حنین اور اس کی دونوں کزنز بیٹھی تھیں اور دی کے نشان بنا کر سیلفی لے رہی تھیں۔ سارہ' ندرت اور ذکیہ بیگم بھی خوشگوار موڈ میں گفتگو میں مگن تھیں۔ ایسے میں صرف سعدی تھا جو ایک ٹیبل کے گرد اکیلا بیٹھا موبائل پہ لگا تھا۔ وہ ذرا اداس تھا اور خاموش تھا۔ فارس اس کے قریب آ کر بیٹھا تو اس نے محض سر اٹھا کر اسے دیکھا' پھر دوبارہ فون کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''پراسیکیوشن آفس سے کال آئی تھی۔ مجھے اب کسی قسم کی انکوائری کے لیے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً ہاشم نے اپنا جو بیان دیا تھا' وہ واپس لے لیا ہے۔ وہ فصیح کی لاش تھی یا گواہوں نے میرے بارے میں کچھ کہا' سب واپس لے لیا ہے اس نے۔ تھینک یو۔''

فارس نے محض سر کو خم دیا' گویا شکریہ قبول کیا' پھر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مسز کاردار کا کون سا راز ہے تمہارے پاس؟''

''میں اس طرف جانا نہیں چاہتا۔ کچھ راز دوسروں کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔''

''ہم نے ایک فیصلہ کیا ہوا ہے سعدی کہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔''

''میں اس فیصلے کے وقت آپ کے ساتھ نہیں تھا۔'' وہ مغموم سا مسکرایا تھا۔ فارس خاموش ہو گیا۔

پیچھے سے ندرت کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تینوں لڑکیوں کو ظہر کی نماز کے لیے اٹھا رہی تھیں۔

''اٹھتے ہیں نا امی۔'' حنین نے تابعداری سے کہتے ہوئے ایک اور تصویر بنائی۔

''تم لوگ تو جوان ہو۔ جلدی جلدی اٹھ سکتے ہو' پھر اتنی دیر کیوں لگاتے ہو؟'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ ''جوانی میں دین بائی چوائس ہونا چاہیے' بائی چانس نہیں۔ یہ جس جذبے اور دل سے تم لوگ اس عمر میں عبادت کر سکتے ہو نا' یہ بڑھاپے میں نہیں ہو گا۔ غلط لگتا ہے تم لوگوں کو کہ بوڑھے ہو کر عبادت کی ساری کمی پوری کر لو گے۔ بڑھاپے میں روز کیلشیم کھانا جوانی کے دنوں کے دو تین گلاس خالص دودھ پینے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ روح بھی ہڈیوں کی طرح ہے۔ جوانی سے اسے عبادت پہ مائل کرو گے تو بڑھاپے میں درد اور تکلیف کم ہو گی۔''

''اٹھ جاؤ حنہ' اس سے پہلے کہ امی یہ مہذب زبان بدل کر اپنی نارمل ٹون میں واپس آ جائیں۔'' سیم نے حنہ کی طرف جھک کر سرگوشی کی تو' جو امی نے سن لیا تھا۔ وہ جوتا اتارنے جھکی تھیں۔

''بے غیرت' بے ہدایتے' تجھے تو میں ابھی بتاتی ہوں۔'' سیم فوراً نیچے کی طرف بھاگا تھا۔ بہت سے قہقہے بلند ہوئے تھے۔

''سوری۔ میں کل کچھ زیادہ ہی بول گئی۔'' سارہ سعدی کے ساتھ آکر بیٹھی اور نرمی سے بات شروع کی۔ وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ پس منظر کی ساری آوازوں سے بے نیاز' وہ اس کے سامنے بیٹھی اب سادگی سے اپنا مدعا بیان کرنے لگی تھی۔ تمارہ اٹھ گیا۔

''مجھے لگا میں جو کر رہی ہوں' وہ زیادہ بہتر ہے۔ خاموش رہ کر اپنا کام کیے جاؤ' اور اپنے پراجیکٹ کو کامیاب بنا کر کار دارز کو اس مقام پہ شکست دو۔ پازیٹو انرجی سے greatergood کے لئے کام کرو۔ مصلحت پسندی' احتیاط' تھوڑی سی بزدلی یہ سب تھا میرے اندر' مگر مجھے ہمیشہ لگا کہ میں صحیح انتخاب کر رہی ہوں۔''

''سارہ خالہ!'' وہ اسی اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔'' ویسے تو اللہ کا قرآن سارے کا سارا بہت خوبصورت ہے لیکن کچھ آیات دل پہ کسی اور ہی طرح سے اثر کرتی ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں میری سب سے پسندیدہ آیت کون سی ہے؟''

اگر حنین سامنے ہوتی تو ہر روز اپنی پسند بدلنے پہ اس پہ دو چار فتوے تو ٹھونک ہی دیتی مگر سارہ مسکراتے دیکھتی سنتی گئی۔

''سورۃ الاعراف کی 16 اور 17 ویں آیت۔ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت کے باغوں سے دھتکار کر دنیا میں بھیجا اور اسے مہلت دی تو اس نے کہا' جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پہ بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے آگے' ان کے پیچھے ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر کو ان میں سے شکر گزار نہیں پائے گا۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ سارہ اسے سنے گئی۔ بالکل توجہ سے۔

''میں سوچتا ہوں' ابلیس جب جانتا تھا کہ اللہ کا راستہ سیدھا ہے تو اس نے کیوں چھوڑا اسے؟ اور اگر چھوڑ نا ہی تھا تو اسے سیدھا راستہ کہا!!

کیوں؟'' آپ کے درست راستے پر'' بھی کہہ سکتا تھا مگر اس نے کہا' آپ کے سیدھے راستے پہ بیٹھوں گا۔ شاید ابلیس نے مستقیم سے مراد درست نہیں بلکہ straight (سیدھا) لیا ہو۔ سیدھے راستے کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ذرا سا ترچھا چلو تو شروع میں تو بس سیدھی لائن سے ذرا سا فاصلہ پیدا کر لیتا ہے انسان لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتے جاؤ' آپ سیدھی لائن سے مزید دور ہٹتے جاتے ہیں۔ 90 ڈگری کی لکیر سے ایک ڈگری ہٹو تو آگے جا کر آپ سیدھی لائن سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔ پھر آپ کو صراط مستقیم والی منزل نہیں ملتی۔ راستہ بدلتا ہے تو منزل بدل جاتی ہے۔ اور اس راستے سے ہمیں ادھر ادھر ہٹانے کے لئے شیطان نئی طریقوں سے ہم پہ حملہ آور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ آگے سے آتا ہے۔ آگے مستقبل ہوتا ہے۔ وہ ہمیں مستقبل کا خوف دلاتا ہے۔ یہ کرو گے تو تمہارا کریئر نہیں بنے گا' تمہاری فیملی کا کیا ہوگا۔'' (سارہ کا چہرہ جھک گیا۔) ''تمہاری شادی نہیں ہوگی' تم یہ اچھا کام کرو گے تو بالکل anti-social ہو جاؤ گے۔ پھر وہ ہمارے پیچھے سے آتا ہے۔ ہمیں ماضی کے کام یاد دلا کر ان کے گلٹ میں ایسا مبتلا کرتا ہے کہ ہم کوئی اچھا کام کرنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔ وہ کہتا ہے' تمہارے تو ماضی میں اتنے افیئر رہے' اب تو تمہاری شادی بھی اپنے جیسے بدکردار سے ہوگی۔ تم نے ماں باپ کا اتنا دل دکھایا' اب تو تم کبھی ہدایت پا ہی نہیں سکتے۔ تم نے نمازیں چھوڑ دیں' اب تو تم کبھی واپس نیک ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کے بعد وہ دائیں سے آتا ہے۔ ہمیں اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور ہم سے گناہ کرواتا ہے۔ ثواب کا جھانسہ دے کر بدعتیں کرواتا ہے۔ نئے نئے دین میں داخل ہونے والوں کو کہتا ہے' اسلام تو ساری خواہشات مارنے کا نام ہے' سونا ت پہ سوؤ اور روکھی سوکھی کھاؤ۔ جو رشتہ دار حرام کا کھاتا ہے اس سے قطع تعلق کر لو۔ سب سے پہلے ماں باپ کو ان کے گناہوں پہ ٹوکو' ہر وقت دوسروں کے عیوب پہ ان کو نصیحت کرو' اور ایسے کئی غلط کام وہ ہمیں ''دین'' کہہ کر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان تینوں راستوں کے بعد وہ آتا ہے بائیں سے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ صرف آتا ہی بائیں سے ہے' مگر شیطان کا یہ آخری راستہ ہوتا ہے۔

وہ ہمیں برے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جھوٹ چوری قتل فحش کام یہ سب وہ آخر میں کرتا ہے جب اس کو ہمارے بگڑنے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ وہ ان کاموں سے شروع کبھی نہیں کرتا۔ آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کے پاس بھی وہ "آگے" سے آیا تھا۔ ان کو مستقبل کا ایک دلفریب خواب دکھایا تھا۔ سو شیطان والے کام صرف "غلط" کام نہیں ہوتے' بلکہ مستقبل کا خوف' ماضی کا غم اور نیکی میں انتہا پسندی بھی شیطان کا جھانسہ ہوتی ہے۔"

"تو پھر قصور ہمارا ہوا یا شیطان کا؟" وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"شیطان تو صرف کہتا ہے' کرتے تو ہم خود ہیں۔ ہم سب آپ کو کہتے رہے' گواہی دیں' آپ نے نہیں بات مانی۔ انسان اپنے آپ کو خوب جاننے والا ہوتا ہے۔ لیکن اس سب کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان کے آگے ہم بے بس ہیں۔ کیا آپ نے نوٹ نہیں کیا کہ شیطان نے چار سمتوں کو ذکر کیا ہے۔ آگے' پیچھے' دائیں' بائیں۔ مگر دو راستے اس نے کھلے چھوڑ دیے۔ اوپر اور نیچے کا راستہ۔" اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر ہے دعا کا راستہ اور نیچے..." اس نے نیچے کی جانب انگلی موڑی۔ "نیچے ہے سجدے کا راستہ۔ وہ ان دو راستوں پہ نہیں بیٹھ سکتا۔ جانتی ہیں اس نے اپنے چار راستے کہہ کر کیا کہا اللہ سے؟ اس نے کہا' آپ انسانوں کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔ تو سارہ خالہ' سارے مسئلوں کا حل ہے شکر۔ اور شکر کہتے ہیں قدر دانی کو۔ جو کشتی میں بچے رہنے کی عافیت کی قدر کرتا ہے' اسے ڈوبنے کا خوف نہیں ہوتا۔ جو گمراہی کے بعد ہدایت پا لینے کی قدر کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے' ماضی کے گناہ اس کو غمزدہ نہیں کرتے۔ جو اپنے دین کی آسانیوں کی قدر کرتا ہے' شیطان اس کو دین کے نام پہ بہکا نہیں سکتا' اور چونکہ قدر دان انسان دوسرے انسانوں کی ایک خامی کو دیکھ کر اس کی ساری خوبیوں کی قدر کرنا نہیں چھوڑتا' تو وعظ و نصیحت کے نام پہ شیطان اس سے دوسرے انسانوں کے جذبات نہیں مجروح کروا سکتا۔ اور جس کو اللہ کی قدر ہوتی ہے' وہ برے اور فحش کاموں کی طرف نہیں لپکتا کیونکہ ایسی تسکین کا کیا فائدہ جس کو لے کر بندہ اللہ کو کھو دے۔ تو جو قدر کرنا جانتا ہے' جان کی' امان کی' رشتوں کی' دولت اور وقت کی' ہدایت کی' اس کے اوپر اور نیچے کے راستے کھلتے رہتے ہیں اور وہی اس کی ڈھال بن جاتے ہیں۔ جو ہے' اس کی قدر کیجیے۔ پھر جو نہیں ہے' وہ نہ آپ کو ڈرائے گا نہ غمزدہ کرے گا۔" اور یہ کہہ کر وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ "میں نے اپنے ہاتھوں سے دو لوگ مارے ہیں سارہ خالہ' اور یہ کرنے کے بعد میں ماضی کے گلٹ میں اتنی دور تک گھر گیا تھا کہ مجھے لگتا تھا اب میں خود کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکوں گا۔ اور میں سوچتا تھا کہ جولڑکا میں چند سال پہلے تھا' وہ مجھے اب دیکھے گا کیا سوچے گا؟ مگر سارہ خالہ' وہ لڑکا اس سب سے نہیں گزرا تھا جس سے میں گزرا ہوں' اس لیے میں اب اپنے فیصلوں کی قدر کرنا چاہتا ہوں۔ دو انسانوں کی جان نہیں لی میں نے بلکہ ایک انسان کی یعنی اپنی جان بچائی ہے ان سے۔ یہ برا کام نہیں تھا۔ میں اپنے غم سے نکل رہا ہوں۔ آپ بھی اپنے خوف سے نکل آئیں۔"

سارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی پہ جمی اس کی نظروں میں ننھے تارے چمک رہے تھے۔ "میں گواہی دوں گی سعدی!" وہ ایک عزم سے بولی تھی۔ "میں سچ بولوں گی کورٹ میں۔ اور میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد ہاشم میرے اور میرے بچوں کے ساتھ کیا کرے گا' لیکن اگر بہت سی ماؤں کے بچوں کو بچانے کے لیے یہ قدم ضروری ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم جگر آزماتے ہیں۔"

"اور اسے تیر آزمانے دیتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ بہت سا بوجھ کندھوں سے ہٹا تھا۔ روشنی بس تھوڑی دور دکھائی دے رہی تھی۔

اب تم ان دونوں کو چھوڑ کر قصر کاردار میں جاؤ تو ڈائننگ روم میں سربراہی کرسی پہ ہاشم بیٹھا اتوار کا لیٹ ناشتہ کر رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی بجھی بجھی سی جواہرات صرف چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ اور دوسری جانب بیٹھا نوشیرواں الجھنے سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔

"سو آپ ممی سے اس لیے خفا ہیں کیونکہ ممی نے سعدی کو مروانے کا حکم دیا؟ اسی سعدی کو بھائی جسے میں نے گولیاں ماری تھیں'

اور آپ نے ہسپتال سے اغوا کروایا تھا۔" وہ جتا کر بولا تھا۔

"ممی نے مجھے دھوکہ دیا' اور یہ بھولنے میں مجھے کچھ وقت لگے گا۔" وہ ماں کو نظر انداز کر کے درشتی سے بولا تھا۔ جواہرات کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا۔

"میں نے ساری عمر تم دونوں کے لیے لگادی اور آخر میں مجھے یہ صلہ ملا۔ بہت اچھا' میرے بیٹے!" وہ دکھی صورت بنائے کہہ رہی تھی۔

"یہ victim card کھیلنا میرے اوپر اثر نہیں ڈالتا مسز کاردار۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

جواہرات نے گیلی آنکھوں سے نوشیرواں کو دیکھا۔ "کیا تم بھی مجھ سے خفا ہو؟ میں نے جو کیا تمہارے لیے کیا۔"

"میرے لیے؟ اگر ایسے سعدی مر جاتا تو کل کو؛ اگر سارہ تو یہی گواہی دیتیں نا کہ نوشیرواں نے اسے گولیاں ماری ہیں۔ میں تو قاتل بن جاتا۔ اپنے گناہوں پہ دوسروں کو "وجہ" بنانے کی بجائے ان کو خود فیس کریں ممی۔" وہ بھی اکھڑا اکھڑا سا کہہ کر رہا تھا کرنے لگا۔ جواہرات ابھی اسے سخت سست سنانے ہی لگی تھی کہ ہاشم زینے پھلانگتا واپس آتا دکھائی دیا۔ چند کاغذ اور قلم اس نے جواہرات کے سامنے لا پٹخے۔

"ان پہ دستخط کریں۔"

"یہ کیا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"آپ کمپنی میں اپنے شیئرز میرے نام منتقل کر رہی ہیں' آپ بورڈ آف ڈائریکٹرز سے استعفیٰ دے رہی ہیں' اور آپ اپنے بینک اکاؤنٹس میں مجھے جوائنٹ ہولڈر بنا رہی ہیں۔ آج کے بعد آپ آفس نہیں آئیں گی' نہ ہی میری اجازت کے بغیر ایک دھیلا بھی خرچ کر سکیں گی۔ اپنی تمام جائیداد کا پاور آف اٹارنی آپ میرے نام منتقل کر رہی ہیں۔" وہ ایک ایک کاغذ کی تفصیل بتاتا گیا۔ جواہرات کا چہرہ سرخ ہوا۔ آنکھوں میں غصہ در آیا۔ آنسو وغیرہ سب عنقا ہو گئے۔

"تم میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتے ہو؟"

"آپ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کے لیے میں زیادہ اہم ہوں یا یہ سب مادی چیزیں تو دستخط کریں اور ثابت کر دیں۔" ہاشم اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ وہ اس کے سر پہ کھڑا تھا' اور جواہرات ششدر سی بیٹھی ان کاغذوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ان کو سائن نہیں کروں گی۔" وہ غرائی تھی۔ "کیا کر لو گے تم' ہاں؟"

"میں یہ کروں گا۔" ہاشم ہتھیلی میز پہ رکھ کر جھکا' پین اٹھایا اور دھڑا دھڑ ان کاغذات پہ دستخط کرتا گیا۔ ہو بہو جواہرات کے دستخط۔ جواہرات کا سانس رک گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔

"تم....."

"تھینک یو ممی۔ آج کے بعد آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کاغذ سمیٹتا سیدھا ہوا اور پلٹ گیا۔ جواہرات نے بے یقینی سے نوشیرواں کو دیکھا۔ "یہ غیر قانونی ہے۔"

"تو گرفتار کروا دیں بھائی کو۔" وہ بھی بے زاری سے بولتا اٹھ گیا تھا۔ جواہرات یک ٹک اس کی شکل دیکھے گئی۔

اس کو جائیداد سے بے دخل کرنے کی پاداش میں جان سے مارا تھا نا اس نے اورنگزیب کو؟ کیا اس اولاد کے لیے؟ کیا یہ دن دیکھنے کے لیے؟ وہ ششدر سی بیٹھی تھی۔

..............❖❖❖❖..............

عہد انصاف آ رہا ہے منیر ..... ظلم دائم ہوا نہیں کرتا

اس روز پھر کرمی کا زور کم ہوا نوٹ سا گیا تھا۔صبح پھر بارش ہوئی تھی اور موسم ٹھنڈا مگر حبس آلود ہو گیا تھا۔ایسے میں کمرہ عدالت میں بھی گھٹن سی تھی مگر کارروائی اتنی دلچسپ جاری تھی کہ محسوس نہ ہوتا تھا۔زمر کٹہرے میں کھڑی سارہ سے سوال پوچھ رہی تھی اور فارس پچھلی نشستوں پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔کبھی وہ سارہ کو دیکھتا' کبھی اپنے قریب مگر دوسرے کالم میں بیٹھے الیاس فاطمی کو۔آج دو اہم گواہ پیش ہونے تھے اور فارس غازی کافی مطمئن نظر آتا تھا۔

''اور آپ کو یقین ہے کہ وہ کرنل خاور ہی تھا جس نے آپ کے گھر آ کر آپ کو دھمکایا۔'' زمر پوچھ رہی تھی۔کٹہرے میں کھڑی سارہ نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور چہرہ بھی سفید مگر سپاٹ سا لگ رہا تھا۔نظریں اعتماد سے زمر پہ جمائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی...وہ ہی تھا۔''

زمر واپس گھومی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔''your witness'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا اٹھا اور اپنے چمکتے ہوئے جوتے فرش پہ آگے بڑھاتا سارہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ڈاکٹر سارہ...ہم نے آپ کا پورا بیان بہت تحمل سے سنا۔'' وہ رسان سے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔''اب آپ سے میں کچھ سوال پوچھنا چاہوں گا تاکہ عدالت خود فیصلہ کر سکے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔کیا آپ جواب دینے میں کمفرٹیبل ہیں؟''

''ایسے ظاہر مت کرو ہاشم جیسے تمہیں میری بہت پروا ہے' میرے بچوں کے باپ کو جیسے سنگ دلی سے مروایا تھا' اسی سنگ دلی سے جرح کرو۔میں تیار ہوں۔'' وہ رکھائی سے بولی تھی۔ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔''خیر...آگے چلتے ہیں۔'' ہاتھ باہم پھنسا کر کھڑے سارہ کو دیکھتے ہوئے اس نے چہرے پہ سنجیدگی طاری کی۔

''آپ کا کہنا ہے کہ سعدی یوسف کے ساتھ اس رات آپ نے میرے موکل کو دیکھا تھا۔''

''جی ہاں۔یہی تھا۔'' سارہ نے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے شیرو کی طرف اشارہ کیا جو سپاٹ شکل بنائے بیٹھا تھا۔آج جواہرات موجود نہیں تھی۔

''جس وقت آپ کے بقول نوشیرواں نے سعدی کو گولی ماری' کیا آپ نے اس وقت اس کے ہاتھ میں پستول کو جھٹکا کھاتے دیکھا تھا؟''

''میں وہیں تھی ہاشم' میں کبھی خوف سے سر اندر کر لیتی' اور کبھی باہر نکالتی' اس کو پستول پکڑے' اس کو بولتے' سعدی کو بوٹ سے مارتے' میں نے سب دیکھا تھا۔''

''ڈاکٹر سارہ جب گولی پستول سے نکلتی ہے تو آگ کا شعلہ سا ساتھ نکلتا ہے اور پستول جھٹکا کھاتا ہے۔میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کیا آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟''

سارہ نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں۔''وہاں کوئی اور نہیں تھا' اور نوشیرواں کی ساری باتیں سنی تھیں میں نے' وہی تھا سعدی کا حملہ آور اور.....''

''ڈاکٹر سارہ' آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟ ہاں یا ناں؟'' وہ درشتی سے اونچا سا بولا تھا۔زمر نے بے اختیار لب کاٹے تھے۔

''نہیں!'' سارہ کی آواز دھیمی ہوئی۔

''اوکے بات ختم۔آپ نے نوشیرواں کو گولی چلاتے نہیں دیکھا تھا۔'' وہ سر ہلا کر کہہ رہا تھا۔''ڈاکٹر سارہ آپ بائی پروفیشن ایک اہم پراجیکٹ کی ہیڈ ہیں' ایک حساس ادارے کی سائنسدان ہیں' آپ کی انگلیوں کے چند کلکس کی مار ہے ڈرون پروگرام' آپ تو راکٹ سائنٹسٹ

ہیں۔ آپ جیسی عورت کیوں اتنے ماہ خاموش رہی؟" وہ حیرانی سے کہہ رہا تھا۔

"کیونکہ آپ اور آپ کا خاندان مجھ سے زیادہ طاقتور اور بااثر ہے۔ اور چونکہ آپ کے دستِ راست نے مجھے میرے گھر میں گھس کر ہراس کیا تھا اس لئے میں خوفزدہ ہوگئی تھی۔"

"اچھا اب آپ خوفزدہ کیوں نہیں ہیں؟"

سارہ ہلکا سا مسکرائی۔ "اب بھی ہوں۔ بہت زیادہ۔ اگر کیس کا فیصلہ سعدی کے حق میں نہ ہوا تو تم ہمارے ساتھ کیا کرو گے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ لیکن اب میں ڈر ڈر کے بھی تھک چکی ہوں۔ اس لئے میں تمہیں اور تمہارے بھائی کو ان کے منطقی انجام تک پہنچانا چاہتی ہوں۔"

وہ اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے شوہر کی مبینہ طور پہ خودکشی کے بعد ڈاکٹر مہرین وقار سے سائیکریک سیشن لیتی رہی ہیں؟"

"ڈیم اٹ!" زمر نے سر جھکا کر پیشانی مسلی تھی۔ سعدی نے پریشانی سے اسے دیکھا مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"کبھی کبھار۔ جی ہاں۔ میں بیوہ ہوئی تھی۔ میری جاب تھی۔ بچے چھوٹے تھے اور مہرین میری فرینڈ ہے۔" سارہ حیران ہوئی تھی۔

"کیا یہ بھی سچ ہے کہ ڈاکٹر مہرین نے آپ کو چند اینٹی ڈپریسنٹ prescribe کیے تھے جو آپ باقاعدگی سے لیتی ہیں۔"

"آج کل کون سا پراجیکٹ ڈائریکٹر سائنسدان یا کون سی کیریئر وومن ہے جو اینٹی ڈپریسنٹ نہیں کھاتی؟"

"آپ اینٹی ڈپریسنٹ لیتی ہیں یا نہیں لیتیں؟"

"ہاں ٹھیک ہے میں لیتی ہوں مگر۔"

"اور اینٹی ڈپریسنٹ کے سائیڈ ایفیکٹس میں paranoia' blurry vision' یہ سب شامل ہوتا ہے۔ اس رات بھی آپ کے جسم کے اندر اینٹی ڈپریسنٹ کا مادہ گھلا ہوا تھا۔ نوشیرواں کو گولی چلاتے آپ نے نہیں دیکھا' پھر بھی مصر ہیں کہ وہی مجرم ہے۔ ایک عورت جس کی ذہنی حالت اور بصارت مکمل طور پہ درست نہیں ہے' وہ رات کے اندھیرے میں' جبکہ اس کالونی میں بجلی بھی نہیں تھی' ڈاکٹر سارہ کا کسی کو دیکھ کر پہچان لینا' انتہائی احمقانہ بات لگتی ہے یور آنر۔" وہ اب جج صاحب سے مخاطب تھا۔ زمر ایک دم کھڑی ہوئی۔

"ہاشم آپ کیسے پتہ؟"

"کیا؟" ہاشم اس کی طرف گھوما۔

"یہی کہ اس کالونی میں اس وقت بجلی نہیں تھی؟ کیونکہ جب سعدی کو وہاں سے اٹھایا گیا' تب تو بجلی آ گئی تھی' اور اس کالونی کے تمام گھر زیرِ تعمیر تھے' آس پاس کی کئی گلیاں زیرِ تعمیر اور ویران تھیں' وہاں کوئی.....! تو تھا نہیں' تو آپ کو کس نے بتایا کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی؟"

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا تھا' البتہ ہاشم کے اطمینان میں فرق نہیں پڑا۔ "سعدی یوسف نے اپنے بیان میں کہا تھا شاید۔"

"میں نے اپنے بیان میں ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

"بجلی والی بات ہاشم کہیں mention ہی نہیں ہوئی' تو آپ کو کیسے معلوم؟" وہ دوبدو کہہ رہی تھی۔ ہاشم نے ہلکا سا ہنس کر سر جھکا۔

"میں اپنا ہوم ورک مکمل کرتا ہوں مسز زمر۔ مجھے معلوم ہے کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی جب نیاز بیگ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا۔"

"تمہارے بھائی نے بتایا ہے تمہیں ہاشم' مان لو۔" سارہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ جج صاحب کو اپنا ہتھوڑا بجانا پڑا تھا۔

ایک دم شور سا جو اٹھ گیا تھا۔ ایسے میں کافی لطف اندوز ہوتے فارس کے تاثرات بدلے۔ وہ چونک کر بائیں طرف دیکھنے لگا جہاں چند کرسیاں چھوڑ کے ایک شخص آکر بیٹھا تھا۔ اس نے نسواری رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا' آنکھوں پہ لیاقت علی خان کے جیسا چشمہ لگا یا ہوا تھا اور بال گیلے کر کے سر پہ جمے تھے۔ ہاتھ میں ایک لائٹر تھا جسے وہ بار بار کھول بند کر رہا تھا۔ نشست سنبھال کر وہ اب تسلی سے ساری کارروائی ملاحظہ کر رہا تھا۔

فارس فوراً اپنے فون پہ جھکا۔ "یہ آدمی کون ہے؟" لکھ کر احمر کو بھیجا۔ ہاشم کی نشست کے قریب بیٹھے احمر کی جیب تھرتھرائی تو اس نے فون نکالا اور ذرا ترچھا ہو کر میسج دیکھا۔ پھر آہستہ سے گردن موڑی اور پچھلی نشست سے کچھ اٹھا کر اپنے سامنے رکھا۔ ایک بھرپور نگاہ نوارد پہ بھی ڈال دی۔

"کوئی رپورٹر ہو شاید۔"

"اس کی تصویر لے کر بھیجو میں پتہ کرواتا ہوں۔ رپورٹر نہیں ہے۔ رپورٹرز تو اس جانب بیٹھے ہیں۔"

"راجر باس!" احمر نے چند منٹ بعد اسے اپنی ایک سیلفی بھیجی جو اس نے ابھی ابھی اتاری تھی۔ پیچھے وہی شخص نظر آ رہا تھا۔ فارس نے وہ تصویر ایک نمبر پہ سینڈ کی اور ساتھ لکھا۔ "یہ شخص کون ہے؟ اس کی تصویر فیشل recognition میں ڈالو۔ اور اس سے منسلک کوئی پاسپورٹ یا شناختی کارڈ ملے تو مجھے بھیجو۔" ساتھ میں وہ گاہے بگاہے اس شخص پہ بھی ایک الجھی ہوئی نظر ڈال لیتا تھا۔ کون ہو سکتا تھا یہ؟

"شاید وہ پاسپورٹ اور میموری کارڈ..." وہ بار بار کچھ سوچتا' پھر نفی میں سر ہلاتا۔ پھر بمشکل اس نے دھیان سامنے جاری کارروائی کی جانب مبذول کیا۔ سارہ اب اتر آئی تھی اور اب فاطمی کٹہرے میں کھڑا تھا۔ گردن کو اکڑا کر سیدھا اٹھائے وہ رعونت سے زمر کو دیکھ رہا تھا جو کاغذات کا پلندہ لیے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"فاطمی صاحب' ہاشم کاردار سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

پیچھے کرسی پہ بیٹھا ہاشم تھوڑی تلے ہاتھ رکھے اب دلچسپی اور غور سے جاری مکالمہ دیکھ رہا تھا۔

"میرا ان صاحب سے کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔" زمر جو مصروف سے انداز میں اگلا سوال پوچھنے جا رہی تھی' بے اختیار رکی۔ جیسے حیران ہوئی ہو۔ اس جواب ہوئی۔ جیسے وہ اس جواب کی توقع نہ کر رہی ہو۔ اس نے مڑ کر فارس کو دیکھا جو اب سیدھا ہو کر بیٹھا تھا اور خفگی سے فاطمی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ ذاتی طور پہ ہاشم کاردار کے دوست نہیں ہیں؟ کیا آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوتی رہتی؟" اس کے انداز میں بے چینی سی تھی۔

"نہیں' میں ان صاحب سے یکسر ناواقف ہوں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے وکیل صاحبہ کہ میری ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے؟"

"فاطمی صاحب کیوں جھوٹ بول رہے ہیں؟ آپ نے خود ہمیں یہ معلومات دی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ پچھلے ایک سال میں آپ اور ہاشم ان مقامات پہ ان تاریخوں میں ملے تھے؟" وہ اب ایک کاغذ ہاشم کے سامنے رکھتے ہوئے چند تاریخیں بتا رہی تھی۔ ہاشم نے کاغذ اٹھا کر غور سے پڑھا پھر نظریں اٹھا کر اتنے ہی غور سے فاطمی کو دیکھا۔

"یہ غلط ہے۔ اور میں نے آپ کو کوئی معلومات نہیں دیں۔"

"مگر آپ نے خود ہمیں بتایا تھا کہ آپ کے بیٹے کا spyware استعمال کر کے کرنل خاور نے اس کیس کی اہم سی سی ٹی وی فوٹیجز مختلف اداروں کے ریکارڈز سے مٹائی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟"

''میرے بیٹے کا ایسا کوئی سافٹ ویئر نہیں ہے۔ یہ سب الزام ہے۔'' زمر نے پلٹ کر پھر سے بے بسی سے فارس کا دیکھ کر شانے اچکائے جیسے وہ سخت خفا ہو۔ وہ بس تند و تیز نظروں سے فاطمی کو گھورے جا رہا تھا۔

''اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہاشم نے اس کیس میں گواہی نہ دینے کے لئے آپ کو caymans میں ایک نیا اکاؤنٹ کھلوا کر دیا تھا اور...''

''آپ کے پاس کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔ آپ لوگ صرف شہرت کے طالب ہیں۔'' وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ زمر فوراً تیزی سے جج صاحب کی طرف رخ کر کے بولی۔ ''یور آنر میں الیاس فاطمی کو بطور ایک پراسیکیوشن witness give up کرتی ہوں۔ فاطمی صاحب آپ جا سکتے ہیں۔''

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا جو اب بھی بہت غور سے اس سارے تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ زمر کی پریشانی' اس کا واپس جا کر سر جوڑے سعدی سے گفتگو کرنا' دونوں کا جھنجھلاہٹ سے نفی میں سر ہلانا' پیچھے بیٹھے فارس کا فاطمی کو گھورنا۔ وہ ایک ایک مائیکرو ایکسپریشن دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے' الیاس فاطمی ان سے ملا ہوا ہے اور مکر رہا ہے۔'' احمر نے اس کے قریب سرگوشی کی۔ ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ''نہیں۔ وہ ان کے ساتھ نہیں ملا ہوا۔ یہ سب اداکاری کر رہے ہیں۔ مجھے یہ امپریشن دے رہے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہے ہیں۔ یہ معلومات ان کو میرا کمپیوٹر وغیرہ ہیک کر کے آسانی سے مل گئی ہوں گی۔ رہی آخری اکاؤنٹ والی بات' تو ہو سکتا ہے وہ تم نے ان کو بتائی ہو۔'' مسکرا کر احمر کو دیکھا۔ وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہیں سکا تھا۔ ''سر' میں آپ کے والد کے ساتھ۔''

''میرا والد مر چکا ہے' اور میں آئندہ سے اپنی gut feeling پہ بھروسہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں پریقین نہیں ہوں کہ تم تھے یا نہیں لیکن تم فائرڈ ہو۔ اپنا سامان اٹھاؤ اور آج کے بعد مجھے میرے گھر یا میری ماں کے گرد بھی نظر نہ آؤ۔'' مسکرا کر مگر چبا چبا کے کہتا وہ احمر پہ گویا ٹھنڈا پانی ڈال گیا۔ احمر بالکل شل بیٹھا رہ گیا۔ ہاشم نے چہرہ واپس جج صاحب کی طرف موڑ دیا تھا۔ اس کے انداز کی سختی اور قہر... احمر اپنی چیزیں ابھی سے سمیٹنے لگا تھا۔

الیاس فاطمی اب کٹہرے سے اتر کے نیچے آ گیا تھا اور کرسیوں کے ساتھ سے گزرتا دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جس لمحے وہ فارس کی کرسی کے قریب آیا' لمحے بھر کو ٹھہرا۔ فارس نے صرف خشمگیں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ اتنے اتنی ہی تندہی سے گھور رہا تھا۔

''تم میرے بیٹے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ یہ ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں نہ تم اس کا پیچھا کر سکتے ہو نہ اس کو بال برابر نقصان پہنچا سکتے ہو۔'' ٹھنڈے انداز میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ کمرۂ عدالت سے نکل کے وہ راہداری میں چلتا جا رہا تھا جب اسے اپنے پیچھے مانوس آہٹ کا احساس ہوا۔ فاطمی پلٹا تو دیکھا' فارس اس کے عقب میں کھڑا ہے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ عدالتی کمرے والے تاثرات کے برعکس بالکل پرسکون سا لگ رہا تھا۔

''کیا ہے؟''

''میں قاتل نہیں ہوں' نہ میں تمہارے بیٹے کو مارنا چاہتا تھا۔''

''اچھا۔ اور کچھ؟'' وہ خشک سے انداز میں بولا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''میرا ایک بھائی تھا الیاس صاحب' اور وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ وہ سچ بولتا تھا۔ ایمان داری سے اپنا کام کرتا تھا۔ لیکن پھر اس کو اس دنیا سے جانا پڑا۔ اس کو پنکھے سے لٹکا کر ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کی گردن توڑی گئی کیونکہ تمہارا بیٹا' تمہارا لاڈلا بیٹا ایک مہنگی کار کا خواہشمند تھا۔'' وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی اور اس میں زمانوں کا دکھ سمویا تھا۔ ''اس کا نازنخرہ اٹھانے والے باپ نے میرے بھائی کو بیچ دیا' اور کار خرید لی۔ یہ

سب کچھ... آج جہاں ہم ہیں اور جہاں تم ہو یہ سب تمہارے بیٹے کی ایک کار کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کی ایک اندھی خواہش کی وجہ سے۔ تو... تو اس کو بھگتنی ہوگی۔"

"تم... میرے خاندان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ اب اس ملک میں نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ وہ امریکہ پہنچ چکا ہے۔ وہی امریکہ جس کی ریاست ورجینیا میں اس کی کمپنی کا ڈیٹا سینٹر موجود ہے۔" اب نے... مسکرایا تھا۔ لمحے بھر کو فاطمی سمجھ نہ سکا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

"میں اس کو مارنا نہیں چاہتا تھا' وہ بس بہت عرصے سے امریکہ واپس نہیں جا رہا تھا میں صرف اسے واپس بھیجنا چاہتا تھا تاکہ جب غیر قانونی سپائی ویئر کے لئے امریکی مٹی استعمال کرنے پہ ایف بی آئی اس کو گرفتار کرے تو وہ امریکہ میں موجود ہو۔ جس وقت تم اپنی گواہی دے رہے تھے اس سے تین گھنٹے پہلے تمہارا بیٹا گرفتار ہو چکا ہے۔ چند گھنٹوں میں تم تک آفیشل خبر بھی پہنچ جائے گی۔ ایف بی آئی کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی tip کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔"

"وات دا..." الفاظ اس کے لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ وہ بالکل سُن سا فارس غازی کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ فارس دو قدم آگے آیا' ہمدردی اور تاسف سے فاطمی کے شانے کی گرد جھاڑی' پھر اس کی ٹائی کی ناٹ ذرا کسی' نادیدہ سلوٹ ہاتھ پھیر کے دور کی' اور اسی ملال سے کہنے لگا۔

"وہ تمہارا اکلوتا بیٹا ہے اور فیڈرل کورٹ میں اس پہ ایک طویل مقدمہ چلنے والا ہے۔ اس کا مسلمان ہونا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اب تمہیں وہاں جانا ہوگا' یہاں سے استعفیٰ دے کر' اور وہ ساری دولت جو تم نے میرے بھائی کو بیچ کر بنائی تھی' الیاس فاطمی اب تم اس کی

ایک ایک پائی جوڑ کر امریکہ کے مہنگے وکیلوں کی فیسیں بھرنے میں لگے رہو گے۔ اور اس کے بعد بھی اس کے رہا ہو جانے کی امید کم ہوگی۔ سو اب تم اپنے آفس جاؤ اور وہ کرو جو میں نے کہا تھا۔" اس کے کان کے قریب چہرہ لے جا کر وہ دھیرے سے بولا۔ "اپنا استعفیٰ لکھو الیاس فاطمی! مجھے تمہارا استعفیٰ چاہیے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو' بکواس کر رہے ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ غصے سے اس پہ غرایا اور پھر موبائل نکالتا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اب وہ پریشانی سے کسی کو کال ملا رہا تھا۔ اس کی رنگت بدل رہی تھی اور وہ بار بار بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتا تھا۔ پسینے کے ننھے قطرے اس کی پیشانی پہ بکھرے تھے اور فارس غازی سینے پہ بازو لپیٹے' ملال سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا تھا کہ وہ یہ منظر دیکھ کر اچھا محسوس کرے گا۔

اور وہ کچھ بھی محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔

..................❖❖❖..................

کیوں دل جلائیں کر کے کسی سے بھی اب سخن ...... جب گفتگو کا کوئی سلیقہ نہیں رہا

وہ شام جب شہر پہ اتری تو اس میں بارش کے بعد کی گیلی مٹی کی سوندھی سی خوشبو رچی بسی تھی۔ ایسے میں سعدی یوسف فوڈ کی ایور آفنر کے نیچے والے ریسٹورانٹ ایریا میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا' اور سامنے لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔ کل سے اپنی جاب پہ واپس جانا تھا' اور وہ اس وقت اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ ریسٹورانٹ کے باہر اب ایک اور لڑکا پھولوں کا اسٹال لگاتا تھا۔ گل خان اور اس کا خاندان دو ماہ قبل بہت سے افغان باشندوں کے ساتھ ڈی پورٹ کر دیا گیا تھا۔ سعدی کام کرنے کی بجائے کتنی دیر باہر نظر آتے ان پھولوں کو دیکھتا رہا تھا۔ پرانے لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے' نئے لوگ آ رہے تھے' اور ہر گزرتے دن ہم سب بھی تو ایک نئے انسان میں ڈھلتے جاتے ہیں۔ وہ انسان جس کو بعض دفعہ پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان جس کے بارے میں ہمیشہ سوچا تھا کہ ہم یہ تو نہیں بنیں گے۔ مگر قسمت کے آگے سب بے

اہی تھے۔

اونہوں۔غم نہیں کرنا۔سعدی نے نفی میں سر ہلا کر خود کو ٹوکا۔پھر کام کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہی۔مگر فون بجنے لگا۔اس نے اٹھا کے دیکھا۔ایک نیوز چینل کے رپورٹر کی طرف سے پیغام آیا تھا کہ آٹھ بجے والے شو میں اس کو لائیو لائن پہ لیں گے۔اسے عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں' اس موضوع پہ بات کرنی ہوگی۔

چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا اداسی سے اس پیغام کو دیکھے گیا۔کیا عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا' اپنے اور اپنے خاندان والوں

کو سرِعام رسوا کرنے کا' ان کو کتنے لوگوں کی بندوقوں کی تان پہ لے آنے کا کوئی فائدہ تھا؟ کیا ساحر وکلاء کے دلائل کا کوئی توڑ تھا؟ سچ اور حق پہ ہونے کے باوجود کیس مسلسل ہارنے کی پوزیشن میں ہونا' اور اپنے ہر ثبوت کا ہاشم کے ہاتھوں مشکوک بنائے دینا۔کیا اس سب سے نجات کا کوئی راستہ تھا؟

اس کے پاس ان سوالوں کے کوئی جواب نہ تھے۔اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا اور لیپ ٹاپ کی طرف توجہ مبذول کر دی۔

اسے خاموشی سے اپنا کام کرنا تھا۔

....

ہجر ہے میرے چار سو، ہجر کے چار سو خلا ...... میں بھی نہیں میرے قریب، تیرا تو خیر ذکر کیا!

ڈاکٹر اسمٰعیل حسن اپنے گھر میں بنی چھوٹی سی لائبریری میں اس وقت بیٹھے تھے۔ان کے سامنے مطالعے کے لئے چند کتب کھلی تھیں اور وہ بہت انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھے جب ان کی بیٹی نے اندر جھانکا۔

''بابا....'' انہوں نے سر اٹھایا۔وہ سفید داڑھی اور صاف ستھری شلوار قمیص پہنے' شفیق اور مہربان چہرے والے انسان لگتے تھے۔بیٹی کو دیکھ کر مسکرائے۔''جی بیٹا؟''

''میرا ایک پرانا کلاس فیلو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ قدرے متذبذب تھی۔''لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کو جج نہ کریں۔وہ آج کل پوری دنیا میں اتنا تماشا بنا ہوا ہے کہ بہت مشکل سے میں نے اس کو راضی کیا کہ وہ آپ سے بات کر لے۔'' وہ ان کو سمجھا رہی تھی۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ نوجوان اندر داخل ہوا تھا۔ڈاکٹر اسمٰعیل نے اسے ایسے دیکھا جیسے ہر نئے ملنے والے کو دیکھتے تھے۔مسکرا کر اٹھے اور اسے خوش آمدید کہا۔وہ متذبذب لگتا تھا۔لباس اچھا تھا اور بال او پر اسپائکس کی صورت ابھار رکھے تھے۔آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے۔کلائی میں چند بینڈز پہن رکھے تھے۔وہ اسی تذبذب سے ان کے سامنے بیٹھا تو انہوں نے پوچھا۔''کیا نام ہے آپ کا؟''

''نوشیرواں کاردار۔'' اس نے جھجک کر بتایا۔''ٹی وی پہ ذکر تو سنا ہوگا آپ نے میرا۔'' ذرا تلخی سے بولا۔

''نہیں' میں نے واقعی آپ کا ذکر نہیں سنا۔نوشیرواں آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے' آپ مجھے بتائیں۔شاید میں کوئی مدد کر سکوں۔''

اس نوجوان نے سر نیہوڑا دیا' پھر کان کھجایا۔پھر اسی طرح بولا۔''میں نے ایک گناہ کیا ہے۔''

''اگر گناہ راز ہے تو اسے راز رہنے دیں۔'' انہوں نے اسے روکا مگر وہ چہرہ اٹھا کر تلخی سے بولا۔''بچے بچے کو پتہ ہے' میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔پھر میرے بھائی نے اسے اغوا کیا' اور اس سے پہلے میرے بھائی نے.....''

''آپ مجھے وہ بتائیں جو آپ نے کیا ہے۔بھائی کو چھوڑیں۔''

وہ ٹھہرا۔پھر نظریں ان پہ جمائے ذرا مدھم آواز میں بولا۔''میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔''

''وہ مر گیا؟''

''نہیں بچ گیا۔''

''آپ کیا چاہتے تھے؟ کہ وہ مر جائے۔''

''پتہ نہیں۔ میں اسے....''

''پتہ ہوتا ہے سب انسان کو۔ آپ کیا چاہتے تھے؟''

''میں اسے اذیت دینا چاہتا تھا' شاید معذور کرنا چاہتا تھا۔ مارنا بھی چاہتا تھا۔ میں سب کچھ چاہتا تھا۔''

''اب وہ کیسا ہے؟ انہوں نے دھیمے انداز میں پوچھا تھا۔

''وہ میرے ساتھ مقدمہ لڑ رہا ہے۔''

''آپ نے اعتراف جرم کیا۔''

''نہیں کر سکتا۔ قانون کی محبوب اولاد ہوں' خاموش رہنے کا حق ہے مجھے۔''

''اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں اس سب سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز میں کرب در آیا۔'' میں نادم ہوں۔ شرمندہ ہوں۔ دکھ میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ مجھے معاف کر دے۔''

''ایسے جرائم میں توبہ پکڑے جانے سے پہلے ہوتی ہے' پکڑے جانے کے بعد معافی ہوتی ہے۔ اور چونکہ مقدمہ چل رہا ہے تو فیصلہ آنے کے بعد یا تو آپ کو اپنی سزا بھگتنی ہوگی یا آپ کو اس سے معافی مانگنی ہوگی۔''

''میں سزا نہیں بھگت سکوں گا۔''

''معافی مانگ سکتے ہو؟''

''مجھے نفرت ہے اس سے۔''

''محبت کرنے کو کہہ بھی نہیں رہا۔ کسی کو معاف کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو گلے سے لگایا جائے' اس کو دوست بنا لیا جائے۔ صرف ایک عہد کرنا ہوتا ہے کہ جو اذیت اس نے مجھے دی وہ میں نے اس کو نہیں دینی۔ اور اگر دوبارہ اس پہ ظلم کرنے کا موقع آئے تو اب میں نے وہ نہیں کرنا جو پہلے کیا تھا۔''

''کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟'' اس کی آنکھیں گیلی ہوئیں۔ وہ اس وقت شدید بے بس نظر آ رہا تھا۔'' میں نے اس کی زندگی تباہ کر دی۔''

''اگر آپ اللہ سے معافی مانگیں تو اللہ لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کے لئے رحم ڈال دیتا ہے۔ آپ کے اندر ایک اچھا انسان ہے اور آپ کو اسے باہر نکالنا ہے۔''

''سوری مگر یہ pep talk مجھے نہ دیں۔ میرے اندر کوئی اچھا انسان نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان بچانے والے دوست کو گولی ماری۔ اپنے بھائی کی بیوی پہ نظر رکھتا تھا میں۔'' وہ زہر خند سا گویا ہوا۔ آنکھیں اب تک گیلی تھیں۔

''نوشیرواں یہاں ہر کوئی گناہگار ہے۔ گناہ کرنا' پھر توبہ کرنا' پھر گناہ کرنا پھر توبہ کرنا پھر گناہ پھر توبہ.... یہ مومنین کے اخلاق میں سے ہے۔ اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ کرتے ہیں اور برے وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ نہیں کرتے۔''

''یعنی دونوں برابر گناہ کرتے ہیں۔ تو پھر اچھے لوگ جنت وغیرہ میں کیسے جائیں گے؟''

''جنت میں ہمیں ہمارے اعمال نہیں اللہ کی رحمت لے جائے گی۔ اللہ پہ توکل لے جائے گا۔ توکل ہوتا ہے اللہ سے اچھی امید باندھنا۔ اگر آپ کے گناہ بڑے ہیں تو آپ کو مایوس نہیں ہونا۔ ہر چیز معاف ہو سکتی ہے اگر آپ معافی مانگیں۔ بڑے گناہوں کے بعد بڑی نیکیاں کریں۔ بڑے بڑے اچھے کام۔ یوں آپ کے گناہ دھل جائیں گے۔''

''اور کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''جب آپ اپنے دوسرے گناہ دھوتے جائیں گے' اور اللہ سے معافی مانگیں گے تو اس کا دل بھی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا' وہ اسے آپ کی طرف سے پھیر دے گا' لیکن اس سے پہلے آپ کو اچھے کام کرنے ہوں گے۔ ایسے اچھے کام جو آپ کے چہرے کی ساری کالک دھو دیں۔''

''مثلاً کیا؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ الجھ گیا تھا۔ اسے دور دور تک کوئی ایسی نیکی نظر نہ آئی تھی جو اسے اپنا لائق سمجھے۔ وہ جواب میں گہری سانس لے کر اسے سمجھانے لگے تھے۔ انہیں وہ لڑکا بھلا معلوم ہوا تھا اور وہ اس پہ کچھ وقت صرف کرنا چاہتے تھے۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

اس صبح ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائے' وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ فون پہ لیاس فاطمی کے لاتعداد پیغام' اور کالز کو وہ مکمل طور پہ نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ وہ اس شخص سے کسی بھی قسم کا تعلق فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

''سر!'' رئیس نے اندر جھانکا۔ ہاشم چونک کر سیدھا ہوا' پھر اسے بلایا۔

''عدالتی سماعت کا وقت ہونے والا ہے۔ لیکن اگر آپ کے پاس چند منٹ ہوں تو....'' وہ ایک موبائل ہاتھ میں لیے اندر آیا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ آپ کو بس آبدار کا موبائل چاہیے۔ ان کے ایک ملازم نے یہ کام کر دیا ہے۔ ہو بہو اس سے جیسا موبائل ری پلیس کر دیا ہے' مگر وہ ڈیڈ ہے۔ اور یہ میں آپ کے لیے لے آیا تھا۔ پاسورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا۔'' اس نے موبائل ادب سے اس کے سامنے رکھا۔ ہاشم نے ہاتھ جھلا کر اس کو واپس جانے کو کہا اور پھر موبائل اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسکرین روشن کی۔

واٹس ایپ سامنے ہی تھا۔ اس نے chats کھولیں۔ فہرست میں اوپر ایک نام جگمگا رہا تھا۔

فارس غازی۔ اس نے انگوٹھا اس نام پہ دبایا۔ سامنے ایک طویل گفتگو کھل گئی' جس میں نیچے نیچے آپی کے ان گنت پیغام تھے جن کا اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ گفتگو اوپر کرتا گیا۔ اس کے جبڑے کی رگیں کھنچتی گئیں۔ پیشانی کی سلوٹیں بڑھتی گئیں۔ سانس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

قریباً گھنٹے بھر بعد وہ کمرہ عدالت میں داخل ہوا تو اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ ڈگ اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ اسے ان کا سارا خاندان نظر آیا تھا۔ آج سعدی' زمر اور فارس کے ساتھ حنین اور اسامہ کے علاوہ ندرت بھی بیٹھی دکھائی دے رہی تھیں۔ آبدار بھی ان کے قریب ہی موجود تھی۔ اس نے اپنی طرف کی کرسیوں پہ نگاہ دوڑائی۔ نوشیرواں اور جواہرات وہاں خاموش بیٹھے تھے۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔ عدالتی کارروائی شروع ہونے میں چند منٹ رہتے تھے' وکلاء اپنی فائلوں کو پڑھ رہے تھے' کورٹ رپورٹر نا پنگ کے لیے تیار ہو رہا تھا' صحافی حضرات فون پہ لگے تھے۔ ایسے میں وہ تمام لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ کمرہ عدالت میں موجود ایک شخص بہت جلد اسی کمرے میں موجود ایک دوسرے شخص کا قتل کرنے جا رہا ہے۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

باب 27:

میں حنین ہوں اور میں عام ہوں!

میرے اور تمہارے اندھیروں میں جانتے ہو کیا فرق ہے؟
میں اپنی برائی کا سامنا کر کے اس کو قبول کر سکتی ہوں
جبکہ تم اپنا آئینہ سفید چادر سے ڈھکنے میں مصروف ہو!
میرے اور تمہارے گناہوں میں فرق یہ ہے کہ
جب میں گناہ کرتی ہوں تو جانتی ہوں کہ یہ گناہ ہے
جبکہ تم اپنے من گھڑت سرابوں کا شکار ہو چکے ہو۔
میں ایک جل پری ہوں۔
میں جانتی ہوں کہ میں سمندر کی لہروں پہ رقص کرتے
کتنی حسین دکھتی ہوں۔
مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اسی سمندر کی تہہ میں
میں ہڈیاں اور گوشت چیر پھاڑ کے کھا سکتی ہوں۔
تم ایک جادوگر ہو۔ ایک شعبدہ باز۔
تمہارے منتر تمہاری ہیر پھیر کی باتیں ہیں
جہنم کے ابلتے کڑاہوں جیسی باتیں!
پھر بھی تم اپنے گرد سفید چادر لپیٹے پھرتے ہو۔
پھر بھی تم انصاف کی سفید وگ لگائے گھومتے ہو!
(سی جوائے بیل سی)

ہاشم کاردار قدم بقدم کمرہ عدالت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ہر شے سست روی سے ہوتی دکھائی دے رہی تھی جیسے کوئی گونگی سلوموشن فلم پردے پہ چل رہی ہو۔ آوازیں بند ہوں۔ بس لب ہلتے دکھائی دے رہے ہوں۔ ہاشم اجنبی گم صم نگاہوں سے سب کو دیکھتا اپنی کرسی پہ بیٹھا۔ کمر کرسی کی پشت سے لگائی۔ بائیں گھٹنے پہ دائیں ٹانگ رکھی۔ وہ ابھی تک ذہنی طور پہ شل تھا۔ سن تھا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے پس منظر میں کوئی اداس گیت گنگنا رہا ہو۔ اس گیت میں اعتبار ٹوٹنے کا کرب تھا۔ ارمانوں کا لہو تھا۔

جیسے کوئی اپنا ساتھ چھوڑ کے غیروں کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ انہی گم صم نگاہوں سے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی آبدار کو دیکھے گیا۔ وہ وقت کاٹنے کو اپنے سیل فون کے ساتھ لگی تھی' اور مسلسل جھنجھلائی ہوئی تھی۔ وہ آن ہو کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ ارد گرد کا غذ کھڑ کنے 'سرگوشیوں' جج صاحب کی ہتھوڑی' ہر شے کی آوازیں یوں سنائی دیتی تھیں گویا دور کسی گہری کھائی سے آرہی ہو۔

اس کا دل ٹوٹا تھا اور ایسے لگتا تھا ابھی تک سینے سے خون رس رہا ہو۔

کٹہرے میں موجود میری انجیو کے سامنے زمر کھڑی تھی۔ ہاشم نے بدقت توجہ ادھر مبذول کرنی چاہی۔ یہاں سے اسے سیاہ کوٹ والی زمر کی پشت پہ کھنگریالی پونی دکھائی دیتی تھی جو اس کے بولتے ہوئے بار بار چہرہ ہلانے کے باعث جھول رہی تھی۔ یا پھر چند قدم اوپر کھڑی سپاٹ چہرہ لیے میری دکھائی دیتی تھی۔ ان دونوں کے بیچ خلا تھا۔ ہاشم کا دماغ خلا میں اٹکنے لگا۔

''میری انجیو آپ کتنے سال سے جواہرات کاروار کی ملازمہ ہیں؟'' شل ہوتے ذہن سے اس نے زمر کو سپاٹ انداز میں پوچھتے سنا۔

''بارہ سال سے۔''

''آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟''

''فلپائن سے۔''

''کیا آپ کی ایجنسی' جس کے توسط سے آپ کاروار صاحب کے پاس آئی تھیں' آپ کو کسی دوسرے گھر میں کام کرنے کی اجازت دیتی ہے؟''

''نہیں۔ یہ قانوناً جرم ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی گھر میں کام کرسکتی ہوں میں۔'' وہ سپاٹ انداز میں سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔

''میری' کیا آپ اس نوجوان کو پہچانتی ہیں؟'' زمر نے بازو لمبا کر کے ادھر بیٹھے سعدی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آج نیلی جینز پہ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا' اور بھوری آنکھوں میں شدید چبھن لیے میری کو دیکھ رہا تھا۔ میری نے ایک سرسری سی نظر اس پہ ڈالی۔

''یہ سعدی یوسف ہے۔'' چہرہ زمر کی طرف پھیر لیا۔

''آپ کی سعدی یوسف سے پہلی ملاقات کب ہوئی؟''

''آٹھ سال پہلے۔ یہ قصر آیا تھا اور میں نے اس کے آگے دروازہ کھولا تھا۔''

''اس کے بعد آپ کی کب کب ملاقات ہوئی تھی اس سے؟''

''جب بھی یہ قصر آتا۔ میں ہیڈ ہاؤس کیپر تھی تو ظاہر ہے ملاقات ہو جاتی تھی۔''

''کیا آپ دونوں کبھی ذاتی نوعیت کی گفتگو کرتے تھے؟''

میری نے لمحے بھر کا توقف کیا اور نیچے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ پھر نظریں زمر پہ جما دیں۔

''جی نہیں۔''

''یعنی آپ نے اپنے بیٹے کے کینسر اور علاج کے بارے میں سعدی یوسف سے کبھی گفتگو نہیں کی تھی؟''

''جی نہیں۔ میرا اس سے ایسا تعلق نہ تھا کہ اپنے ذاتی معاملات اس سے ڈسکس کرتی۔'' سعدی بس اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔ ملامت سے۔ افسوس سے۔

''اوکے!'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میری انجیو کیا یہ درست ہے کہ آپ نے مسز کاروار کا نیکلیس چرایا تھا جس کی بنا پہ

انہوں نے آپ کو نوکری سے برخاست کر کے ڈی پورٹ کرنے کا حکم جاری کیا تھا؟"

"یہ غلط ہے۔ میں نے کبھی چوری نہیں کی' نہ مجھے نوکری سے نکالا گیا تھا۔"

"اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ ڈی پورٹ کرنے کی بجائے غیر قانونی طور پہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو کولمبو بھجوا دیا تھا جہاں آٹھ ماہ تک آپ سعدی یوسف کی کیئر ٹیکر رہی تھیں؟"

"یہ غلط ہے۔ میں زندگی میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔ میرا پاسپورٹ اس بات کا ثبوت ہے۔" وہ گردن کڑا کے بولی تھی۔ بار بار وہ تائیدی نظروں سے ہاشم کو بھی دیکھتی تھی مگر وہ اس وقت غائب دماغی کے عالم میں بیٹھا تھا۔

"تو آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ کبھی کولمبو کے اس ہوٹل میں گئی ہی نہیں ہیں نہ اس کے تہہ خانے میں جہاں میرے موکل کو قید رکھا گیا تھا۔"

"جی ہاں۔ میں کبھی وہاں نہیں گئی۔"

"اور نہ ہی آپ سعدی یوسف کو حبس بے جا میں رکھنے کے بارے میں جانتی ہیں؟"

"جی نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تو پھر آپ 21 مئی سے 22 جنوری تک.... ان آٹھ ماہ میں کہاں تھیں میری انجیو؟"

"میں قصر کاردار میں ملازمت کر رہی تھی۔ اور میں آفس کی پارٹیز کی پلاننگ بھی کرتی تھی۔ سب نوکر گواہ ہیں کہ میں قصر میں تھی اس دورانیے میں۔"

زمر اپنی میز کی طرف آئی اور کاغذات کا ایک پلندہ اٹھا کر اوپر جج صاحب کے ساتھ کھڑے آدمی کو تھمایا جس نے اسے ڈیسک پہ لا رکھا۔ "یہ قصر کاردار کی پچھلی آٹھ ماہ کی ان تمام پارٹیز کی تصاویری کہانی ہے جو مختلف فوٹو گرافرز نے کور کی تھیں۔ یہ ان فوٹو گرافرز کے میموری کارڈز کا ڈیٹا ہے۔ اور ان میں کسی ایک تصویر میں بھی میری انجیو نظر نہیں آتیں۔ جبکہ یہ دوسری فائل۔" اس نے اشارہ کیا۔ "اس میں سعدی کے اغوا سے ایک سال قبل کی پارٹیز کا ڈیٹا ہے اور ہر پارٹی میں میری پس منظر میں کہیں نہ کہیں نظر آ جاتی ہیں۔ میری انجیو آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ ان آٹھ ماہ میں پاکستان میں ہی تھیں؟"

"آبجیکشن یور آنر!" ہاشم قدرے سست روی سے کھڑا ہوا۔ "قانون کے مطابق برڈن آف پروف استغاثہ کے اوپر ہے۔"

(یعنی جو شخص الزام لگاتا ہے اسے ہی ثبوت ڈھونڈ کر لانے ہیں۔)

"یور آنر پھر میں کورٹ سے استدعا کروں گی کہ ہاشم کاردار کے گھر کے تمام سی سی ٹی وی ریکارڈ کو عدالت میں منگوایا جائے اور ہمیں تاریخوں کے ساتھ دکھایا جائے کہ میری انجیو اس وقت گھر میں تھی۔"

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا ہی تھا کہ وہ کھنکھار کے بولا۔ "یور آنر فروری میں ہمارے کنٹرول روم میں شارٹ سرکٹ کے باعث آگ لگی تھی۔ گھر کے ملازم اور میرے خاندان والے گواہ ہیں اس بات کے۔ ہمارا ڈی وی آر جل چکا ہے۔ اسی بات کا استغاثہ فائدہ اٹھا رہی ہیں۔"

"ریلی ہاشم؟" زمر ابرو حیرت سے اٹھاتی اس کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "آپ کی creativity اس سے زیادہ اچھا بہانہ ڈھونڈ سکتی تھی۔ اتنا پرانا حیلہ کیوں؟" ہاشم نے شانے اچکائے۔

"واقعی۔ میں زیادہ اچھا بہانہ کر سکتا تھا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اب سنبھل کے سرگوشی میں بولا تھا۔ زمر نے ستائش سے سر کو خم دیا اور واپس جج صاحب کی طرف آئی جو اس کے اعتراض پہ رولنگ دے رہے تھے۔

''کیا آپ کبھی زرنگار عبید سے ملی ہیں؟'' زمر نے واپس میری سے سوال پوچھا تو ہاشم نے چونک کے فوراً آبدار کی طرف دیکھا۔ آبی سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہاشم کو نظر انداز کر رہی تھی۔

میری نے جواب دینے میں چند لمحے لیے۔ ''جی۔''

''ان کی بیماری کے دوران میں نے سنا ہے آپ نے ان کی بہت خدمت کی۔ بلکہ یہ تصویر بھی ہے ہمارے پاس جس میں آپ ان کو سرو کرتی نظر آ رہی ہیں۔'' زمر نے ایک تصویر کی کاپی اس کے سامنے لہرائی پھر جج صاحب کی میز پہ جا رکھی۔ میری نے ہاشم کو دیکھا۔ وہ آبی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ایک بات سمجھائیں میری انجیو۔ آپ کو یہاں آئے نو دس سال ہوئے ہیں۔ زرنگار عبید پچھلے دس سال میں ایک دفعہ بھی پاکستان نہیں آئی تھیں۔ وہ اپنے اسکینڈل کے بعد سے سری لنکا میں رہائش پذیر تھیں' وہیں مقیم رہیں' اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ ان کی خدمت کے لئے' اور ان پہ نظر رکھنے کے لئے ہارون عبید اور جواہرات کاردار نے آپ کو وہاں بھیجا تھا۔''

''میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''اپنے پاسپورٹ کے مطابق آپ کولمبو نہیں گئیں۔ لیکن یہ تصویر کولمبو میں لی گئی ہے اور آبدار عبید اس بات کی گواہ ہیں۔'' اور اب تک خاموشی سے ساری کارروائی دیکھتے فارس نے اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر مڑ کے آبی کو۔ آبی نے اس کے دیکھنے پہ مسکرا کر شانے اچکائے تھے۔

''اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کوئی دوسرا پاسپورٹ بھی ہے جو آپ ملک سے باہر جانے کے لئے استعمال کرتی آئی ہیں' کیونکہ آپ کی ایجنسی کی طرف سے ایک مالک کے ہوتے ہوئے دوسرے کی خدمت کرنا غیر قانونی ہے۔ تو بتائیے عدالت کو میری انجیو صاحبہ' کہ آپ کس پاسپورٹ پہ سری لنکا جاتی تھیں؟''

میری کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا' وہ بار بار ہاشم کو دیکھتی تھی جو اب اپنے سامنے رکھی فائلز کو دیکھ رہا تھا۔ بنا پلک جھپکے۔ زمر بھی آنکھوں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہوا تو میری ذرا کھنکھاری۔

''یہ تصویر پاکستان کی ہے۔ میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔''

''جب مسز عبید عدالت میں اپنا بیان دیں گی تو آپ کا یہ بیان پر جری کے زمرے میں آئے گا۔ میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ وہ میری انجیو کے پاسپورٹ پہ کوئی مہر نہ دیکھ کر یہ نہ سمجھے کہ سعدی یوسف جھوٹ بول رہا ہے۔ جیسے میری پہلے کولمبو جا چکی ہیں۔ یہ اس دفعہ بھی گئی تھیں۔ اور آٹھ ماہ ادھر رہی تھیں۔ یور آنر!'' وہ مڑی اور ہاشم کو مخاطب کر کے کہا' پھر سیدھی اپنی میز پہ آ گئی۔ ہاشم اٹھا نہیں اس نے بیٹھے بیٹھے سوال کیا۔

''میری انجیو.... استغاثہ نے جو تصاویر عدالت کو دکھائی ہیں' پارٹیز والی.... کیا ان پارٹیز کی ایونٹ پلاننگ آپ نے کی تھی؟''

''جی ہاں۔''

''اور ان پارٹیز کو ممکن بنانے کے لیے تقریباً کتنے ملازم کام کرتے تھے؟''

''ساٹھ سے زیادہ۔''

''اور کیا وہ ساٹھ کے ساٹھ ملازم ہمیشہ فوٹوگرافر کی کھینچی ان تصاویر میں نظر آتے ہیں؟''

''نہیں۔ مشکل سے پانچ دس نظر آتے ہیں۔ فوٹوگرافر کو ملازموں کی نہیں مہمانوں کی تصاویر کھینچنے کی ہدایت ہوتی ہے۔''

''اور ان ساٹھ میں سے کتنے لوگ صرف کچن میں کام کرتے ہیں اور پارٹی کی جگہ پہ نہیں آتے؟''

''تقریباً تین سال'' کیس ملازم۔''

''اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ اپنے بیٹے کی بیماری کی وجہ سے آپ کچن اور اس کے ساتھ بنے اپنے کمرے میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگی تھیں؟ اور باہر کم ہی نکلتی تھیں؟''

''آبجیکشن یور آنر۔'' زمر بے زاری سے بولی۔ ''ہاشم کاردار لیڈنگ کوئسچن پوچھ رہے ہیں۔''

(گواہ کی کسی جواب کی طرف راہنمائی کرنا' سوال میں ہی جواب بتا دینا یا اس کے منہ میں الفاظ ڈالنا ''leading question''

پوچھنا کہلاتا ہے۔)

''یور آنر' یہ مسز زمر کا گواہ ہے۔ میں تو اس کو ''کراس'' کر رہا ہوں۔ میں لیڈنگ کوئسچن کر سکتا ہوں۔''

''اوور رولڈ۔ وہ کراس کے دوران لیڈنگ سوال پوچھ سکتے ہیں۔'' جج صاحب نے اعتراض رد کیا تو زمر سر جھٹک کے رہ گئی۔ میری بولنے لگی۔

''جی میں زیادہ تر پیچھے کچن میں ہی رہتی تھی اور پارٹیز میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔''

''میری اینجیو کیا یہ درست ہے کہ سونیا کاردار کی سالگرہ پہ یعنی سعدی کے اغوا سے چند دن قبل آپ کی سعدی سے ملاقات ہوئی تھی؟''

''جی۔ وہ پارٹی میں آیا تھا اور میں چونکہ کچن میں ہوتی تھی اور کچن گھر کی پچھلی طرف ہے تو میں نے اسے وہاں ٹہلتے دیکھا تھا۔ وہ کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔''

''اور کیا آپ بتائیں گی کہ وہ کیا بات کر رہا تھا؟'' سعدی حیرت سے آگے کو ہوا۔ میری فرفر بولنے لگی۔

''وہ ایک نمبر دہرا رہا تھا اور وہ جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ جلد ہی چند ماہ کے لیے منظرِ عام سے غائب ہو جائے گا اور آرام سے جے کے فائیو facility پہ آ کر پوری لگن سے کام کرے گا اور اس نے کچھ ایسا بھی کہا تھا کہ: ''ٹریننگ مکمل ہو گئی ہے' اب صرف ان کو اس میزائل کی میکنگ پہ کام کرنا ہے' اور یہ بھی کہ وہ رقم کا انتظام کر رہا ہے۔'' وہ بے چینی سے اٹھی۔

''یور آنر ہاشم کاردار کیس کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔ ان بے بنیاد باتوں کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''نہیں جنابِ عالی۔ میں صرف وہ وجہ عدالت کے سامنے رکھ رہا ہوں جس کی بنیاد پہ سعدی یوسف نے میرے گھر سے نیکلیس چرایا اور چونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ میری اس کی باتیں سن چکی ہے' اس لیے اس نے میری کو اس کیس میں گھسیٹنا چاہا' اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ ایک بیمار بچے کی ماں ہے۔ اور عدالت کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جے کے فائیو شوال میں واقع ایک مسجد کے اندر گراؤنڈ ایک دہشت گردوں کی آماجگاہ ہے جہاں وہ اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ دفاع آج بھی اپنی اس بات پہ قائم ہے یور آنر کہ سعدی یوسف نے صرف اپنی غیر قانونی سرگرمیوں پہ پردہ ڈالنے کے لیے اور لوگوں کی ہمدردی لے کر ایک اسٹار بن جانے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ اب سعدی ایک اسٹار ہے۔ اس کو بڑے بڑے فورمز پہ بلایا جاتا ہے جہاں جانے کے لیے پہلے اس کے پاس کوئی سیکیورٹی کلیرنس نہیں تھی' مگر جس دن ایسے کسی حساس نوعیت کے فنکشن میں کوئی دھماکہ یا ٹارگٹ کلنگ ہو گی تو یور آنر اس دن دفاع کی ساری باتیں سچ ثابت ہو جائیں گی۔''

وہ اب گواہ کو واپس بھیج رہا تھا اور زمر اور سعدی ایک دوسرے کو چھبتے سے دیکھ رہے تھے۔

پیچھے بیٹھا فارس نگاہیں آخر میں بیٹھے شخص پہ جمائے ہوئے تھا۔ وہ لیاقت علی خان کی سی عینک والا ادھیڑ عمر شخص' زنانہ انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

اب ایک دوسرے گواہ کو پیش کیا جا رہا تھا۔ ایسے میں فارس اٹھا اور موبائل پہ بٹن دباتا، سر جھکائے اس آدمی کے قریب آ بیٹھا۔ اس شخص نے محض ایک دفعہ فارس کو دیکھا، پھر سامنے دیکھنے لگا۔

زمر اس گواہ سے سوالات پوچھ رہی تھی جبکہ فارس جیب سے قلم کاغذ نکال رہا تھا۔ پھر وہ گھٹنے پہ کاغذ رکھے موبائل اسکرین سے چند نمبرز دیکھ کر اتارنے لگا۔ غیر آرام دہ سی پوزیشن میں رکھنے کے باعث یکایک قلم اس کی انگلیوں سے پھسلا اور اس شخص کے قدموں میں جا گرا۔

''اوہو!'' فارس جھنجلایا تھا۔ اس آدمی نے سرسری سی نظر اس پہ ڈالی، پھر جھکا اور قلم اٹھا کر فارس کی طرف بڑھایا۔

''جزاک اللہ خیراً کثیرا!'' وہ مشکور سا قلم کنارے سے تھامتا اٹھ کھڑا ہوا، اور اپنی چیزیں سنبھالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

باہر نکلتے ہی اس نے اور ایک پلاسٹک بیگ جیب سے نکال کر احتیاط سے قلم اس میں ڈال کر سیل کیا۔ پھر موبائل پہ میسج لکھا۔

''اس آدمی کے فنگر پرنٹس لے لیے ہیں، فیشل ریکوگنیشن سے کچھ نہیں ملا تو شاید فنگر پرنٹ سے مل جائے۔ میں کچھ دیر میں تمہاری طرف لا رہا ہوں یہ سب۔ مجھے پتہ کر کے دو کون ہے یہ۔'' اپنے ایک پرانے کولیگ کو پیغام لکھ کر اس نے احتیاط سے قلم کا پیکٹ جیب میں ڈالا اور پھر مڑا ہی تھا کہ ٹھٹک گیا۔

آبدار اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ سرخ رومال سر پہ باندھے، اور اس سے نکلتے سید ھے سرخ بالوں کو چہرے کے ایک طرف ڈالے، بلی جیسی گرے آنکھیں اس پہ جمائے، وہ مسکرا رہی تھی۔

''آپ!'' وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔

''میری انچیو والی فوٹو میں نے صبح مسز زمر کو دی تھی۔'' اس نے مسکرا کے اطلاع دی۔

''دیکھیں آبدار اگر تو آپ...''

''میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔'' وہ اتنی سادگی سے گویا ہوئی کہ فارس کے الفاظ لبوں پہ آ کر لوٹ گئے۔ وہ اس شے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ ناسمجھی سے اسے دیکھے گیا۔

''اس روز جو میں نے کیا وہ بہت غلط تھا۔ یا اس کا طریقہ غلط تھا۔'' وہ ندامت سے کہہ رہی تھی۔ نظریں نہ جھکی تھیں نہ ہاتھ مل رہی تھی، بلکہ سینے پہ بازو لپیٹے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''میں نے آپ کو یوں بلایا اور آپ کو مجھے avoid کرنے کے لیے حنین کو بھیجنا پڑا۔ آئی ایم سوری کہ میں نے اپنا اتنا غلط امپریشن دیا۔ آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے۔'' اس نے افسوس سے ''چچ'' کیا تھا۔ ''اصل میں میری زندگی میں، فارس، بہت لوگ نہیں ہیں۔ صرف بابا ہیں اور ان کے پاس میرے لیے وقت نہیں ہوتا، تو میں دوسرے لوگوں سے خود کو زبردستی انیچ کرنے لگ جاتی ہوں۔ ذرا مجھ سے کوئی ہمدردی سے بات کرے تو میں اس کو اپنا گاڈ، اپنا دوست مان لیتی ہوں۔ کتنی کوئی بے چاری ہوں نا میں۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ خفت سے بولا تھا۔ آبدار زخمی سا مسکرائی۔

''ایسی ہی بات ہے۔ مجھے اگر شہرت ریتا تھا تو مجھے بدلے میں آپ سے آپ کا وقت نہیں مانگنا چاہیے تھا۔ میں صرف اپنے بابا کے متعلق چند باتیں کرنا چاہتی تھی مگر میری اپروچ غلط تھی۔ اس لیے میں نے صبح جو ٹپ دی وہ ڈائریکٹ زمر کو دے دی اور بدلے میں کسی چیز کی امید نہیں رکھی۔ آپ سے بھی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ پلیز میرے امیچور رویے کے لیے مجھے معاف کر دیجئے گا۔ آئندہ آپ کو میں کبھی تنگ نہیں کروں گی۔''

ماحول کا تناؤ دھیرے دھیرے فضا میں گھل کے ختم ہو گیا تھا۔ فارس کے تنے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس نے رسان سے سر ہلا کر بس اتنا کہا۔ ''گڈ۔ اب آپ کو یوں سر راہ مجھ سے ملنا نہیں چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو مجھ سے کسی بھی قسم کے تعلق کی وجہ سے

نقصان پہنچے۔!'' وہ دامن بچانے والے انداز میں کہہ کر ایک طرف سے نکل گیا۔ قوی امید تھی کہ وہ پیچھے سے پکارے گی' کوئی نئی بات کرے گی' نیا موڑ دے گی' مگر اس نے نہیں پکارا۔ وہ راہداری میں آگے بڑھتا گیا۔ سماعت ختم ہو چکی تھی اور تمام افراد باہر آ رہے تھے۔

ہاشم بھی سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ فارس اس سے لاتعلق سا ساتھ سے گزرنے لگا تھا کہ جب ہاشم نے اس کے کندھے سے اپنا کندھا چھوا۔ فارس ٹھہر گیا۔

''یہ مت سمجھنا کہ مجھے خبر نہیں ہے یا یہ کہ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ جو تم کر رہے ہو نا' اس کا حساب دو گے تم!'' اور ایک سرخ انگارہ سی نظر فارس پہ ڈالی۔

''اوہ! '' فارس نے فکرمندی سے لب سکیڑے ''میں ڈر گیا۔ دیکھو میرے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔'' ہاشم خاموشی سے آگے بڑھ گیا تو فارس نے سر جھٹکا اور موبائل نکالتے ہوئے قدم مخالف سمت بڑھا دیے۔

پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتی آبدار مسکراتی ہوئی' سوچ میں گم چلتی جا رہی تھی جب پیچھے سے کسی نے اسے کہنی سے پکڑ کے موڑا۔ وہ جھٹکا کھا کے مڑی۔ سامنے جواہرات سرخ انگارہ آنکھوں کے ساتھ اسے گھور رہی تھی۔

''جو تم نے کیا ہے نا اس پہ تمہاری جان بھی لے سکتی ہوں۔'' وہ زخمی سا غرائی تھی۔ آبدار نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''ہنومت۔ مجھے کہا کہ وہ ویڈیو ضائع کر دی اور خود ہاشم کو دے دی۔ مجھے میرے بیٹے سے دور کرنا چاہتی ہو؟''

''اوہ!'' آبدار نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''ہاشم نے دیکھ لی وہ؟ مگر میں نے اسے نہیں دی۔''

''سنو تم!'' وہ نفرت سے انگلی اٹھا کے پھنکاری تھی۔ جواہرات کے پیچھے آبی دیکھ سکتی تھی کہ دور راہداری کے دوسرے سرے پہ زمر سعدی حنین اور فارس' ندرت کے ساتھ کھڑے تھے۔ سب سے زیادہ نمایاں زمر نظر آ رہی تھی۔ اونچی گھنگریالی پونی کے باعث جو اس کا سر ہلانے سے جھولنے لگتی' وہ مسکرا کر فارس سے کچھ کہہ رہی تھی' کوئی جلا کٹا تبصرہ اور وہ بھی شاید جواب میں کوئی برابر کا جملہ کس رہا تھا' اور حنین ہنس رہی تھی۔

''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں تمہارے ساتھ وہ کروں گی اب کہ تم...''

''وہ ویڈیو ہاشم کو زمر نے دی ہے۔ میں نے نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی تھی۔ ''میں نے تو اس کو ضائع کر دیا تھا مگر زمر اور اس کی وہ چھوٹی بھتیجی' ان دونوں نے مجھے ٹریپ بلایا' میرا لیپ ہیک کیا' ڈیٹا کاپی کیا اور چلتی بنیں۔ یہ میری کی تصویر بھی دیتیا سے ملی ان کو۔ میں ان کی مجبر نہیں ہوں' ان لوگوں نے مجھے استعمال کیا ہے۔''

جواہرات ٹھہری تھی مگر پھر نفرت میں ڈوبی بے یقین نظروں سے اسے دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے یقین نہیں ہے۔''

''تو ہاشم سے پوچھ لیں۔ میں نے اسے ایسا کچھ نہیں دیا۔ ان لوگوں نے ہی دیا ہو گا۔ جان لینی ہے تو شکار سامنے کھڑا ہے۔'' وہ شانے اچکا کے' اپنا بازو چھڑاتی واپس مڑ گئی۔ جواہرات غصے سے پھنکارتی کھڑی رہ گئی۔ ایک نظر مڑ کے اس دور نظر آتی خوش باش فیملی کو دیکھا اور پھر پیر پٹختی آگے بڑھ گئی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے حکم صادر کیا تھا' ''کلب چلو۔'' مگر چونک کے ڈرائیور کو دیکھا۔ پھر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے لحیم شحیم گارڈ کو۔

''بخت خان کہاں ہے؟ اور تم دونوں آفس سے یہاں کیوں آئے ہو؟''

بیٹھے گئے گارڈ نے رخ موڑ کے اسے دیکھا' ''ہم آپ کی نئی سیکیورٹی ٹیم کا حصہ ہیں۔ کاردار صاحب نے کہا ہے کہ آپ کی زندگی کو خطرہ ہے' ہمیں آپ کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔''

"مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ نکلو میری کار سے اور میری ذاتی ٹیم کو واپس بلاؤ۔" وہ تلملا کر بولی تھی۔

"ہمیں اس کا حکم نہیں ہے میم۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ رات آٹھ بجے سے پہلے ہمیں آپ کو گھر پہنچانا ہوگا۔ اس سے زیادہ باہر رہ کر خطرہ مول لینے کی اجازت سر نے ہمیں نہیں دی۔ چلو!" وہ ڈرائیور کو اشارہ کر کے بولا۔

جواہرات نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا۔ ایک دم اپنا آپ بے حد کمزور اور ناتواں لگنے لگا تھا۔ لیمو کی گاڑی کے سیاہ شیشے کسی قید خانے کی سلاخوں سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

.... ❀❀❀ ....

اب کوئی چاند میرا ہے نہ ستارہ محسن ..... اب کہاں جاؤں گا میں درد کا مارا محسن

مورچوال کی سبز بیلیں اس کھلتی ہوئی صبح میں فخر سے سارے گھر کو ڈھانپے سورج کے سامنے تن کر کھڑی نظر آتی تھیں۔ اندر آملیٹ کی خوشبو، چائے اور کافی کی مہک کے ساتھ فضا میں رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل سے زمر اٹھ چکی تھی اور اب کورٹ کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ فارس کو جاب لیس ہونے کا طعنہ دینا اور نئی نوکری ڈھونڈنے کے لیے غیرت دلانا بے کار تھا۔ وہ ڈھٹائی سے ست انداز میں اپنی کافی پی رہا تھا جب سعدی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ سعدی تیار سا کھڑا تھا۔ "چلنا نہیں ہے؟"

"کار اسٹارٹ کرو، میں آ رہا ہوں۔"

"ڈرائیور کب سے ہو گیا میں آپ کا؟" وہ خفا سا کہتا جیسے ہی پلٹا، سامنے بیٹھی ندرت نے آنکھوں سے فارس کو اشارہ کیا۔ فارس نے جواباً سر کو خم دے کر تسلی دینے والا اشارہ کیا۔ چائے کے گھونٹ بھرتی حنین نے مشکوک نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ پھر سعدی کو پکارا۔ "بھائی! امی اور ماموں آپ کے بارے میں اشاروں میں..... آہ جی۔" ندرت نے ہلکی سی مگر اس کی سر کی پشت پہ چپت لگائی تھی۔ سعدی ایڑیوں پہ گھوما اور باری باری امی اور ماموں کو دیکھا۔

"امی اور ماموں کیا؟" حنہ نے اپنے سر کو سہلاتے ہوئے فارس کو دیکھا جس نے اسے صرف گھورا تھا، پھر خفگی سے بولی۔ "امی اور ماموں ہم سے بالکل پیار نہیں کرتے۔ مجھے یقین ہے انہوں نے مجھے کسی ہسپتال سے چرایا تھا۔ امی کسی زمانے میں وہاں نرس ہوں گی، وہ جو لوگوں کے بچے ایکسچینج کرتی ہیں....." وہ بولتی ہوئی کرسی سے اٹھی اور آگے بھاگ گئی۔

"بے غیرت، بدتمیز۔" ندرت نے برے موڈ کے ساتھ جوتا اس سمت میں پھینکا جہاں وہ گئی تھی۔ حنہ اندر مڑ گئی۔ جوتا راہداری میں گر گیا۔ لمحے بھر بعد حنہ نے ستون کے پیچھے سے گردن نکالی۔ "امی! آپ ہماری ون ڈے ٹیم میں کیوں نہیں چلی جاتیں؟ نشانہ آپ کا بالکل ان کے جیسا ہی ہے۔" اور جھپاک سے اندر غائب ہو گئی۔

فارس اور سعدی نکل گئے تو امی حنہ کو دو ہزار صلواتیں سنا کر (دوسروں کی بیٹیاں دیکھی ہیں کتنی تمیزدار، سگھڑ، صوم و صلوٰۃ کی پابند ہوتی ہیں، منہ میں زبان نہیں ہوتی، اور ایک یہ بے غیرت اولاد میرے ہی حصے میں آئی تھی۔) کچن میں جا چکی تھیں اور اب نشانہ صحینہ تھی۔

"ٹھیک سے گوندھو آٹا۔ اور یہ روز روز نیا سونے کا زیور چڑھا کے کام کرنے نہ آیا کرو۔ آیا بڑا تیرا میاں، اگر لے کر دیتا ہے تو یہاں سے جا کر پہنا کرو شوخی نہ ہو تو۔" یہ ندرت کی روٹین کی ٹون تھی اور اس پہ صحینہ نے دل ہی دل میں روٹین کے کئی کوسنے ان کی نذر کیے تھے، مگر بظاہر سر جھکائے آٹا گوندھتی رہی۔

ایسے میں حنہ دوبارہ لاؤنج میں آ گئی تھی اور اب دوپٹہ کس کے، بال باندھ کے جوش سے کھڑی گردن اٹھائے چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا نے اخبار سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اب کیا ارادے ہیں تمہارے؟ پھر سے گھر کی صفائی؟"

''جتنی صفائی کرنی تھی کرلی۔اب میں وہ کروں گی ابا جو آج کل کی نکمی' سست' اور لاپرواہ یعنی 'عام' لڑکیاں بالکل نہیں کرتیں۔''

''اور وہ کیا ہے؟'' مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''میں عام لڑکی نہیں ہوں' یہ تو آپ جانتے ہیں۔اس لیے میں اب DIY گرل بن رہی ہوں ابا۔ DoItYourself۔ عام لڑکیوں کو پکی پکائی کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ نکمی نہ ہوں تو! میرے جیسی ہر چیز خود کرتی ہیں۔ وہ گھر ڈیکوریٹ کرنے کے لئے انٹیریئر ڈیکوریٹر نہیں ہائر کرتیں' گھر پینٹ کرنے کے لئے مستری مزدور نہیں بلواتیں۔ دیواروں پہ فریم ٹھونکنے کے لئے یا پردوں کی ریلنگ لگانے کے لئے لمبے بھائیوں یا ملازموں کی منتیں نہیں کرتیں۔ مجھے کسی مستری مزدور' ترکھان' پردوں والے' پینٹ والے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب یہ سارے کام خود کرسکتی ہوں۔ صرف چند دن کی محنت سے ابا ہم لڑکیاں اپنے گھروں کو اتنا خوبصورت' اور اتنا آرام دہ بنا سکتی ہیں جتنے امیر لوگوں کے اونچے اونچے قصر بھی نہیں ہوتے۔ میں سمجھتی تھی بڑے گھر خوبصورت ہوتے ہیں' مگر نہیں ابا۔ خوبصورت گھر ہی خوبصورت ہوتے ہیں' پھر وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ مگر یہ عام لڑکیاں ان کو نہیں خوبصورت بنا سکتیں۔ صرف میرے جیسی خاص لڑکیاں یہ کر سکتی ہیں۔'' وہ ایک عزم سے کہہ رہی تھی۔ ابا نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تمہارا مطلب ہے اب تم دیواروں پہ اوپر چڑھ کے خود کیل ٹھونکتی پھرو گی؟ ہرگز نہیں۔ ایسے تو چوٹ لگ جائے گی۔'' انہیں بات پسند نہیں آئی تھی۔

''دیکھا!'' حنین نے چٹکی بجائی۔'' یہ آپ مرد ہی ہوتے ہیں جو ہم لڑکیوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا مطلب بس مردوں میں بیٹھ کے مردوں کی طرح قہقہے لگانا' اور رات دیر دیر تک باہر گھومنا نہیں ہوتا۔ بلکہ مردوں کے جیسے کام خود کرنا ہوتا ہے۔ دوسروں کی محتاجی سے بچنا ہوتا ہے۔ آج سے میں ابا اپنے سارے گھر کو ری ماڈل کرنے جا رہی ہوں۔ اور مجھے کوئی نہیں روکے گا۔'' پھر چہرے کے گرد ہاتھوں کا پیالہ بنا کر آواز لگائی۔'' ندرت بھن آپ بھی نہیں۔''

''ہاں ہاں تجھے میں کرنے دیتی ہوں اپنے گھر کا بیڑہ غرق!'' وہ جواباً وہیں سے غرائی تھیں۔ حنین نے افسوس سے ابا کو دیکھا۔

''چچ چچ۔ پتہ نہیں جب یہ نرس تھیں تو مجھ جیسے کتنے بچے اپنے اصلی ماں باپ سے جدا کیے تھے۔''

''بڑے موڈ میں ہو آج!'' زمر باہر آئی تو مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ کوٹ پہنے' بال بنائے' وہ کچہری کے لئے نکل رہی تھی۔ ہاتھ کی انگوٹھی اور ناک کی لونگ جگمگا رہی تھی۔ حنہ نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

''میری زندگی کے سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں' اور اب میری زندگی میں مزید کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لئے میں خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی ہوں۔'' اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور وہ کھلی کھلی تازہ دم لگ رہی تھی۔ کہہ کر وہ مڑ کے پھر سے در و دیوار کو دیکھنے لگی اور چونکہ سوچ بھی رہی تھی تو عادتاً ناخن چبانے لگی۔

''خاص لڑکی' پہلے اپنی اس عادت کو تو بدلو۔'' زمر نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی تو وہ چونکی۔ جلدی سے ناخن دانتوں سے نکالے۔

''تمہیں اندازہ ہے تم بچے منہ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے کتنے برے لگتے ہو؟ اور ناخن چاہے کھا رہی ہو یا دانتوں سے کتر کے پھینک رہی ہو' یہ تمہارے جسم کا حصہ ہے اور اس کو یوں چیرنے کی اجازت اللہ نے تمہیں نہیں دی۔ سوال ہوگا اس کے بارے میں بھی۔ اپنی اس عادت کو تمہیں خود ختم کرنا ہوگا۔ کم از کم اتنی کمزور نہیں ہو تم کہ اپنے دانتوں سے ہار مان جاؤ۔ ناخن کترنے سے دماغ کمزور ہوتا جاتا ہے حنہ لیکن سب سے زیادہ ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں اللہ ہم ناخن کھانے والوں کو مردہ انسانوں کا گوشت کھانے والوں کے ساتھ ہی نہ کھڑا کردے قیامت کے دن۔ کیونکہ بات تو ایک ہی ہے نا۔''

''اچھا اچھا نہیں کھاتی۔'' اس نے تو گھبرا کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ لیے تھے۔ ڈور بیل بجی تو زمر باہر کی طرف بڑھ گئی۔

''حنین!'' زمر واپس آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ سا تھا۔ حنہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کون ہے؟''

''حنین میری بات غور سے سنو!'' وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ ''اگر میں یہ نہ کرتی تو ہاشم کر دیتا اس لیے میں نے سوچا کہ میں ہی کر دوں۔''

''باہر کون ہے؟'' حنہ کا ماتھا ٹھنکا۔

''وہ جو بھی ہے' اور اس کے پاس جو کچھ بھی ہے' اگر تم چاہو تو ہم اس کو روک سکتے ہیں۔ تمہیں ملک سے باہر بھجوا دیں گے۔ لیکن اگر تم اسے وصول کرنا چاہو تو...'' زمر کی آواز پس منظر میں چلی گئی۔ حنین بالکل سن سی کھڑی رہ گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ باہر کون تھا۔ وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

''حنین... مجھے نہیں پتہ تھا وہ آج ہی آ جائے گا۔ پہلے سوچ لو۔'' زمر فکر مندی سے کہہ رہی تھی مگر حنین کے کان' آنکھیں' سب بند ہو چکا تھا۔ وہ ہوا میں قدم رکھ رہی تھی' بادلوں پہ چل رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ پورچ خالی تھا۔ وہ گیٹ تک آئی اور چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

سامنے کورٹ کا ملازم کھڑا تھا۔ ''حنین یوسف خان آپ ہیں؟'' اس نے نام پڑھ کر دہرایا۔

حنین نے بنا پلک جھپکے سر اثبات میں ہلایا۔ اس کا بدن دھیرے دھیرے کانپنے لگا تھا۔ ملازم نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''.You are being served'' حنین نے کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذ تھاما اور پھر قلم سے اس جگہ دستخط کرنے لگی جہاں وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کو اس درج کی گئی تاریخ پہ کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ آپ کو بطور گواہ طلب کیا گیا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور حنین اس کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

ماضی کو دفن کر کے شہد کی مکھی نے راستہ بھی بدل لیا تھا' رنگوں اور خوشبوؤں سے بھرے رس سے اپنی زندگی کو سجانے بھی لگی تھی' دل کو شفا بھی مل رہی تھی' لیکن آج معلوم ہوا تھا کہ..... ہاشم اور حنین کی کہانی ابھی باقی تھی۔

دھوپ میں کھڑی لڑکی نے حکم نامہ پکڑے ہوئے' آنکھیں کرب سے بند کر لیں۔ آخر کب ختم ہو گی ان بے لذت غلطیوں کی داستان؟

............❖❖❖............

سنا ہے شہر میں زخمی دلوں کا میلہ ہے ..... چلیں ہم بھی مگر پیرہن رفو کر کے

گالف کلب کے سرسبز میدان دور تک پھیلے نظر آتے تھے۔ اندرونی سٹنگ ایریا میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھی خواتین بے فکری سے باتیں کرتی نظر آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک جواہرات کاردار بھی تھی جو بظاہر مسکراتی مسلسل بولتی خاتون کو سن رہی تھی اور اضطراب سے گلے کا لاکٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ قریب میں دو مستعد گارڈز ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

''ویسے جواہرات یہ تمہاری عمر نہیں تھی ریٹائرمنٹ کی۔ اب تو تم کسی ایگزیکٹو گیدرنگ میں نظر تک نہیں آتیں۔'' ایک بھورے سنہری بالوں والی عورت شکوہ کر رہی تھی۔

''اور یہ Paranoia!'' دوسری نے ناک سکوڑ کر گارڈز کی طرف اشارہ کیا۔ ''تمہیں ہر وقت ان کی موجودگی سے الجھن نہیں ہوتی؟''

''جتنا اعلیٰ خاندان' اتنے ہی سیکیورٹی تھریٹ!'' جواہرات نے بظاہر بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''ہاں مگر لوکیشن کو گارڈ کرنا زیادہ بہتر ہے پرسن کو گارڈ کرنے سے۔ ان کو سارا ایریا کور کرنا چاہیے نہ کہ تمہارے سر پہ کھڑے ہو کے ہماری باتیں سننی چاہئیں۔'' ایک ذرا فنس کر طنزاً بولی۔ جواہرات نے بہت سے کڑوے گھونٹ مسکرا کر اندر اتارے۔

''ان کو ہوشیار رہنا پڑتا ہے عائلہ' کہ کہیں کوئی فرسٹریٹڈ سوشلائیٹ اپنے botox gone wrong کا غصہ میرے کھانے میں زہر ملا کے نہ اتارے یا کوئی...'' دوسری خاتون کا چہرہ دیکھا۔ ''زیادہ فرسٹریٹڈ aging عورت اپنے شوہر کے اس کی نائنشل ایڈوائزر سے چلتے افیئر سے تنگ آ کر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ Paranoia؟ اونہوں۔ سیکیورٹی کھریٹ!'' مسکرا کے اس نے گلاس اٹھایا اور چیئرز کے انداز میں اوپر لہرایا' مگر دونوں متعلقہ خواتین کے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے' کوئی گلاس نہ ٹکرایا تو وہ مسکرا کے اپنے مشروب کے گھونٹ بھرنے لگی۔ اس کا اندر ابھی تک جل رہا تھا۔

ان سے دور... قصر کاردار میں ہاشم اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔ گھر کے کپڑوں میں ملبوس شرٹ کی آستین اوپر چڑھائے' وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔ دو انگلیوں کے درمیان سگریٹ دبا تھا جسے وہ ہولے ہولے ایش ٹرے پہ جھٹک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اداس تھیں اور جیسے دور کہیں قید ہو چکی تھیں۔ چہرے پہ عجب مردنی چھائی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔ دن کے باوجود اتنا اندھیرا تھا کہ اسے چند لمحے لگے ہاشم کو دیکھنے میں۔ پھر وہ کھنکھارا۔

''سر؟''

''اس کا موبائل واپس رکھ دیا؟'' وہ بھاری کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا تھا۔ اس کے چہرے کے سامنے دھوئیں کے مرغولے رقص کرتے اڑ رہے تھے۔

''جی سر!''

''کیا فارس غازی کا نام جنوری اور فروری میں سری لنکا کا سفر کرنے والوں کے نام میں شامل ہے؟''

''نہیں سر۔ اس کی سفری دستاویزات کہیں بھی موجود نہیں۔''

''اس کا چہرہ تو ہے نا۔ اس کی تصویر سے چیک کرو۔'' وہ اب ایش ٹرے پہ سگریٹ جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اس نے کہا تھا وہ کولمبو گیا تھا۔ کولمبو جانے والے ہر پاکستانی کی سفری دستاویزات سے اس کا چہرہ میچ کرو۔ ہمارے ایئرپورٹ سیکیورٹی فورس کے کانٹیکٹس تمہاری مدد کریں گے۔ اگر اس کا چہرہ کہیں نظر آتا ہے تو دیکھنا...'' اس نے سرخ پڑتی متورم سی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ ''کہ اس کے ساتھ ہارون عبید کا کوئی ملازم تو نہیں ہے؟ یا کوئی ایسا شخص جس کا تعلق ہارون یا آبدار سے ہو۔ مجھے ایک ایک بات معلوم کر کے دو خاور!''

''رئیس سر!'' اس نے دھیرے سے تصحیح کی۔ ہاشم نے نہیں سنا۔ وہ اب اسی منہمک انداز میں سگریٹ جھٹک رہا تھا۔ راکھ کی راکھ ایش ٹرے میں بھرتی جا رہی تھی یا شاید یہ اس کی سانسیں تھیں جو راکھ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

⁂

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے ...... میں کہ صحرا نظر آتا تھا' سمندر نکلا

فوڈلی اپوآفز کی بالائی منزل کی شیشے کی دیوار سارے زمانے کی روشنی اندر لے آئی تھی۔ ہال کمرہ پورا منور سا تھا۔ ایک طرف ایک چینی نقوش کی حامل درمیانی عمر کی چینی عورت بیٹھی ایک کمپیوٹر اور ٹیبلیٹ سامنے رکھے کام کر رہی تھی۔ اس کے سر پہ کھڑا سعدی بار بار اس کو انگریزی میں لقمے دے رہا تھا۔

''نہیں یوں نہیں۔ کمان کی طرح آنکی بروز بناؤ۔ ہاں اس طرح۔ اور ناک ذرا...'' دفعتاً اس نے سر اٹھا کے سامنے کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھے فارس اور احمر کو دیکھا جو کافی پیتے نظر آرہے تھے اور احمر کو مخاطب کیا۔

"اس کو اردو نہیں سمجھ آتی؟"

"بالکل بھی نہیں۔" اس نے گویا تسلی کروائی۔ سعدی سر ہلا کے اس کی اسکرین کو دیکھنے لگا۔ وہ باوجود کوشش کے جاب پہ دوبارہ اپائنٹ نہیں کیا جا رہا تھا۔ دو دفعہ جوائننگ کروا کے اسے گھر واپس بھیج دیا گیا تھا۔ سرکاری رکاوٹوں کا بہانہ۔ ہونہہ۔

ادھر احمر سفید ٹی شرٹ پہنے سر پہ الٹی پی کیپ رکھے عام دنوں سے مختلف لگ رہا تھا۔ فارس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

"تمہاری مالکن تمہیں اس حلیے میں برداشت کر لیتی ہے؟"

"اور ان کو تمہیں یوں دیکھ کے فلو نہیں ہوتا؟" مسکراہٹ دبائے کہتا سعدی فارس کے ساتھ کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ اب وہ دونوں ساتھ تھے اور احمر ان کے مقابل۔ چینی عورت لاتعلق سی اپنا کام کر رہی تھی۔

"آہم!" احمر کھنکھارا، مگ نیچے کیا۔ "ہاشم صاحب نے مجھے... آ... میری خدمات کو سراہتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کے لیے ظاہر ہے اتنا کام کر چکا ہوں تو اب مجھے اپنی فری لانس جاب دوبارہ سے کر لینی چاہیے ہیں تو انہوں نے مجھے..."

"فارغ کر دیا ہے، ہے نا؟" فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"اور تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے؟" سعدی نے لقمہ دیا۔

"اور تمہیں ان تین کپڑوں میں سڑک پہ دھکیل دیا ہے؟" فارس کہنے کے ساتھ ہنس رہا تھا۔ احمر نے سنجیدگی سے کہنا چاہا۔

"انہوں نے بہت سلیقے سے میرا استعفیٰ وصول کیا، میرے چیک کلیئر کیے اور..."

"اور پھر تمہیں باہر دھکیل دیا۔ ہاہاہا۔" وہ گردن پیچھے پھینک کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ سعدی بھی مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"ایکسکیوزمی! اتفاقی کیا ہے اس میں؟" احمر دانت پہ دانت جمائے خفگی سے بولا تھا۔ فارس نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا، پھر سعدی کی طرف چہرہ موڑے کہنے لگا۔

"یار مجھے کوئی چند دن پہلے جاب لیس کہہ رہا تھا۔"

"اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ وہ کاردارز کے ساتھ کام کر کے بہت بہتر جا رہا ہے..." سعدی تیزی سے بولا۔

"اور یہ کہ ہم اس کی ترقی سے جل رہے ہیں..."

"اور میں نے سنا ہے وہ کاردارز کے لیے کیے گئے اپنے سارے کام جسٹفائی بھی کر رہا تھا۔" سعدی اس کے فقرے مکمل کر رہا تھا۔

"اور میں نے اسے کہا کہ کاردارز کی نوکری چھوڑ دو کیونکہ یہ تمہیں اس طرح ایک دن پھینک دیں گے..."

"تو اس نے کہا کہ وہ خاور کی جگہ لے چکا ہے اور اپنی پیاری مالکن کے لیے ناگزیر ہو چکا ہے۔"

"اور وہ بڑی ڈیزائنر شرٹس اور سلک ٹائی پہننے لگا تھا۔"

"جوتے بھی بڑے چمکدار ہوتے تھے ماموں، ہمیں تو اپنی شکلیں بھی ان میں صاف نظر آتی تھیں!"

"اور... آ... آج وہ بھی جاب لیس ہے۔"

"بالکل ہماری طرح!" اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے قہقہہ لگا کے ہنس پڑے تھے۔ اتنے عرصے بعد سعدی اتنا کھل کے ہنسا تھا۔ احمر نے یہ ساری بکواس بہت خاموشی سے سنی اور برداشت کی تھی۔ پھر بہت تحمل سے بولا "تھینک یو ویری مچ غازی! بہت نوازش آپ کی۔ لیکن میں ان کی جاب ویسے ہی چھوڑ دیتا، میرا مقصد تو پورا ہو چکا تھا۔"

"یار سعدی وہ کیا چیز تھی جو مجھے سمجھ نہیں آئی اس کہانی میں؟" وہ تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے مسکراہٹ دبائے سعدی سے پوچھنے لگا۔

''انگور، ماموں انگور!'' وہ اب آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔

''ہاں صحیح۔ اچھا تم کیا کہہ رہے تھے؟'' پھر احمر کی طرف متوجہ ہوا۔ (سعدی اب رخ پھیر کے بیٹھا چینی عورت کو دوبارہ سے ہدایات دینے لگا تھا۔)

''میں.... کہہ رہا تھا کہ....'' وانت پہ دانت جمائے وہ برداشت سے بولا تھا۔ ''کہ اس آدمی کا پتہ چلا؟ وہ چشمے والا؟''

''صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ وہ ایک ''گھوسٹ (ghost)'' ہے۔'' فارس سنجیدہ ہوا۔ احمر توجہ سے سننے لگا۔ ''اس کی تصویر ریکارڈ میں نہیں ہے۔ اس کے فنگر پرنٹ ریکارڈ میں نہیں ہیں۔ وہ عدالت میں داخلے کے وقت جو آئی ڈی کارڈ دکھاتا ہے وہ بھی جعلی ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی آدمی ہے جس نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو دیا ہے۔ اور ہمارا میموری کارڈ بھی اس کے پاس ہے۔''

''کیا یہ ہاشم کے لیے کام کر رہا ہے؟'' سعدی نے گردن پھیر کے پوچھا تھا۔

''ہاشم اس کو نہیں جانتا۔'' احمر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''اس کے کسی انداز سے شناسائی کی ذرا سی جھلک بھی نہیں دکھتی۔ یہ آدمی کوئی تیسرا فریق ہے۔''

''اور یہ تیسرا فریق ہاشم کی مدد کر رہا ہے سعدی کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لیے۔'' فارس سوچتے ہوئے بولا تھا۔ ''یہ یقیناً ہمارا کوئی دشمن ہے۔''

''میرا تو نہیں ہو سکتا۔ ہاں آپ کے کام ایسے ہوتے ہیں دشمنی والے۔'' سعدی نے شانے اچکا کے کہا تھا۔ فارس نے بس گھور کے اسے دیکھا۔

''وہ صحیح کہہ رہا ہے۔ یہ تمہارا کوئی جیل کا دشمن ہو سکتا ہے۔''

''میں کسی کا چہرہ نہیں بھولتا اور یہ آدمی جیل میں نہیں تھا میرے ساتھ۔''

''تو ہو سکتا ہے یہ کسی اور کے لیے کام کر رہا ہو مگر زیادہ ضروری یہ ہے کہ تمہارے گھر میں اس کے لیے کون کام کر رہا ہے۔''

''ہمارے گھر میں ایسا کوئی نہیں ہے۔'' سعدی نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ فارس البتہ خاموشی سے کچھ سوچتا رہا تھا۔

''سعدی میں تمہاری فیملی کی بات نہیں کر رہا۔ کوئی ملازم، کوئی ہمسایہ، کوئی کالونی کی کسی شاپ والا، کوئی بھی ہو سکتا ہے یہ۔''

''ہو تو سکتا ہے۔'' فارس نے کہا تو سعدی نے قدرے برہمی سے اسے دیکھا۔

''ہمارے گھر میں کم از کم کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے دہشت گرد ثابت کروانے کی کوشش کرے۔ کوئی ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟ ریسٹورانٹ کے ملازم بھی بہت پرانے ہیں، گھر کے ملازموں کی تو بات ہی نہ کریں۔ ہم ان سب کو جانتے ہیں۔''

''جانتے تو ہم ہاشم کو بھی تھے۔'' وہ اداسی سے مسکرا کے بولا تھا۔ سعدی چپ ہو گیا۔

''ٹھیک ہے سعدی، ہم کسی کے بارے میں خواہ مخواہ غلط گمان نہیں کریں گے اب، مگر ہمیں اپنی آنکھیں اور کان اب کھلے رکھنے ہوں گے۔ اوکے! اور یہ مت بھولنا کہ ہم اس سچویشن میں اس لیے ہیں کیونکہ تم نے اپنا پاسپورٹ لاپرواہی سے پھینک دیا تھا۔'' وہ سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔ سعدی خفیف تھا سو گردن موڑ کے چینی عورت کا کام دیکھنے لگا۔

''فیس کٹ ذرا گول تھا۔ ہاں کچھ اسی طرح کا۔ نہیں تھوڑا کم کرو۔''

''تو پھر....'' فارس نے مسکراہٹ دبا کے احمر کو دیکھا۔ ''تم آج کل بے روزگار ہو اسٹنی!''

''ہاں بالکل، سوچ رہا ہوں جیل چلا جاؤں، وہاں دو وقت کی روٹی تو مل ہی جاتی ہے۔'' وہ جل کے بولا تھا۔ فارس ہنس کے سر جھٹکتا اپنا موبائل نکال کے دیکھنے لگا۔ سعدی اب چینی عورت کو مزید ہدایات دے رہا تھا اور وہ اسی طرح اسکیچ بناتی جا رہی تھی۔

''سنیے محترمہ!'' غازی مسکراہٹ دبائے موبائل پہ ٹائپ کرنے لگا۔ مخاطب زمر تھی۔ ''آج رات ڈنر پہ چلیں گی میرے ساتھ؟''

چند لمحوں میں جواب آیا تھا۔ ''آپ کون؟''

فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''آپ کا نکما' بے روزگار' دو لوگوں کا قاتل' جیل پلٹ شوہر جس نے آپ کی دولت کے لیے آپ سے شادی کی تھی۔ آٹھ بجے کی بکنگ کروا دوں؟''

''بل کون دے گا؟''

''ظاہر ہے آپ... میں تو کماتا ہی نہیں ہوں۔''

''کروا دو۔ ہونہہ۔'' اور وہ اس کا چہرہ تصور کر سکتا تھا۔ سر جھٹک کر لکھتی۔ (ہونہہ)۔

''یہی ہے۔ بالکل یہی ہے۔'' سعدی اب اس عورت کے ساتھ جھک کے کھڑا اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ بالآخر امید نظر آنے لگی تھی۔ چینی عورت نے اسکرین کا رخ ان دونوں کی طرف پھیرا تو وہ بھی غور سے دیکھنے لگا۔ وہاں ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اسکن ٹون بھی مناسب حد تک ابھر چکی تھی' اور وہ اسکیچ کسی اصلی تصویر کے قریب قریب ہی تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اس کے نقوش ایسے ہی تھے؟'' فارس نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ سعدی نے پورے وثوق سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''اس کا نام ڈاکٹر مایا تھا' وہ روز میری پٹی کے لیے آتی تھی اور گڈ کاپ جیسی باتیں کرتی تھی۔ مجھے اس کی شکل یاد ہے۔ 90 فیصد یہی شکل تھی اس کی۔ اب کیا کرنا ہے ہمیں؟ اس اہم گواہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے؟''

''اگر تو وہ پاکستانی ہوئی تو مل جائے گی۔'' احمر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ پاکستانی ہی تھی۔ جتنی اردو اس کی صاف تھی' اور جتنی جلدی وہ مجھے بات بات پہ antibiotic کے کورس پہ لگا دیتی تھی' وہ پاکستانی ڈاکٹر ہی تھی۔'' وہ بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''اسے ہاشم یہاں سے لے کر گیا تھا۔ دوبارہ وہ نظر نہیں آئی۔ یقیناً واپس آ گئی ہو گی۔ لیکن تم اسے کیسے ڈھونڈو گے احمر؟''

''بالخصوص اب جب کہ تم جاب لیس ہو۔'' فارس نے دھیرے سے فقرہ مکمل کیا۔ احمر نے صرف ایک تند و تیز نظر اس پہ ڈالی اور پھر سعدی کو دیکھا۔

''یہ کم عمر لڑکی ہے۔ گریجویٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہو گا۔ پی ایم ڈی سی کے پچھلے دس سال کے ریکارڈ میں اسے ڈھونڈ لوں گا میں جب تم یہ رقم...'' ایک کاغذ پہ چند ہندسے لکھ کر اسے فارس کی طرف بڑھایا۔ ''میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دو گے' دوسری صورت میں نہ تو تمہیں اس جیسی اسکیچ آرٹسٹ ملے گی' اور نہ ہی یہ جو اسکیچ بنایا ہے اس کا ایک بھی پرنٹ آؤٹ ملے گا۔ جس کو بھی ہائر کرو گے وہ ہاشم کو بتا دے گا' سو اب فیصلہ کرنے کے لیے تمہارے پاس دس سیکنڈ ہیں' اور وائر ٹرانسفر کے لیے ایک منٹ۔'' پھر گھڑی دیکھی۔ ''59 سیکنڈ... 58 سیکنڈ۔''

''اچھا اچھا۔'' فارس نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا اور موبائل آن کرتے ہوئے اس کاغذ کو پکڑا۔ نقوش تن گئے تھے اور ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا موبائل پہ بٹن دبانے لگا۔ احمر نے ایک دوسرا کاغذ سعدی کی طرف بڑھایا۔

''میری کنسلٹنسی فیس جو آپ ادا کریں گے' کیونکہ آن لائن بینکنگ تو آپ کی بھی ایکٹو ہے۔'' جب سعدی اسے گھورتا رہا تو اس نے زور دے کر کہا۔ ''مطلب میں اس اسکیچ کو ڈیلیٹ کروا دوں؟'' سعدی نے جھٹ چھینا' اور اسے گھورتے ہوئے موبائل نکالا۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد احمر کے موبائل پہ یکے بعد دیگرے دو نوٹیفیکیشن موصول ہوئے۔

''اب بے فکر ہو جاؤ۔ میں اس لڑکی کو ڈھونڈ لوں گا۔'' اس نے چینی عورت کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھی اور باہر

نکل گئی۔ وہ دونوں اسی طرح تندہی سے اسے گھور رہے تھے۔

احمر شفیع نے کافی کا آخری گھونٹ حلق کے اندر انڈیلا مگ سامنے رکھا اور پھر گہری سانس لے کر مسکرا کر ان کو دیکھا۔

''میں جاب لیس نہیں ہوں۔ فری لانسر ہوں۔ تم لوگوں کے ساتھ ''جاب'' ہی کر رہا تھا جس کی مجھے اچھی بھاری تنخواہ تم دونوں میرے دو بے روزگار دوستوں نے دے دی ہے۔ بہت شکریہ۔ اب چلتا ہوں۔'' کالر جھٹک کے کہتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں ابھی تک بالکل چپ ہو کر اسے گھور رہے تھے۔ (پیدائشی فراڈ!)

..................☆☆☆☆..................

میرا چہرہ میری آنکھیں ہیں سلامت ابھی ...... کون کہتا ہے وضاحت نہیں کی جا سکتی

جواہرات کاردار اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ اہانت سے تمتما رہا تھا۔ کلب کی عورتوں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ان گالوں پہ چھپکے ایئر رنگر کوچ کے اتارے۔ پھر اپنے سراپے کو قد آدم آئینے میں دیکھا۔ یہ جھریاں' یہ لکیریں' یہ کہاں سے نظر آنے لگی تھیں؟ غصے اور پریشانی سے اس نے گالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ مضطرب تھی' شکست خوردہ تھی۔ وہ کیا کرے؟

کھلے دروازے سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ لاؤنج میں میری اینجیو اور فیونا ایک ساتھ کھڑی ہو کر کوئی بات دھیمی آواز میں کر رہی تھیں۔ موضوع یقیناً مالکن کی دلچسپ حالت تھی۔

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جاؤ اپنا کام کرو۔ جاؤ۔'' وہ چلا کر کفن پھاڑ انداز میں بولی تھی۔ میری پلٹ گئی۔ فیونا رہ گئی۔

''ہاشم صاحب کا حکم ہے کہ آپ کی طبیعت درست نہیں۔ آپ کو اکیلا نہ چھوڑوں۔ مجھے آپ کے بیڈ روم کے دائرہ کار میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے مجھے آپ کے کمرے کے باہر رہنا پڑے گا۔ میں معذرت چاہتی ہوں' میم!'' مگر اس کا انداز معذرت چاہنے والا نہیں تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی تھی اور لبوں پہ مسکان جلوہ گر تھی۔

''دفعہ ہو جاؤ' اس سے پہلے کہ میں تمہاری جان لے لوں۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔ فیونا نے ادب سے سر کو خم دیا اور اس کے دروازے کے ساتھ رکھے اسٹول پہ جا بیٹھی۔ اس کا انداز فاتحانہ تھا۔ جو کرنا ہے اب کر لو۔

جواہرات اس پہ جھپٹنا ہی چاہتی تھی' گویا اسے ناخنوں سے نوچ کھانے لگی مگر اوپر سے زینے اترتا نوشیرواں نظر آیا تو وہ رکی۔ وہ بے زار سا ٹراؤزر شرٹ حلیے میں نیچے آتا دکھائی دے رہا تھا۔

''شیرو!'' وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اس کی طرف لپکی۔ وہ آخری زینے تک پہنچ گیا تھا۔ ایک بے زار نظر اس پہ ڈالی۔'' آپ کو کیا ہوا

''دیکھ رہے ہو تمہارا بھائی کیا کر رہا ہے میرے ساتھ؟'' اب اسے پروا نہ تھی کہ کون سنتا ہے' کون نہیں۔'' وہ مجھے سزا دے رہا ہے۔ وہ مجھے اذیت دے رہا ہے۔ میرا قصور کیا ہے؟ میں نے صرف وہی کرنا چاہا جس سے اس کے مسئلے کم ہوں۔''

''تو میں کیا کروں ممی؟'' وہ اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔ اور سینٹر ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کیا۔ دیوار پہ نصب وہ بڑی اسکرین چمک اٹھی۔ جواہرات ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کے جلدی جلدی بولی۔ ''تم اس سے بات کرو۔ اس سے کہو کہ وہ اپنا رویہ بدلے۔''

''بھائی میری نسبت آپ کی زیادہ مانتا ہے ممی۔ آپ دونوں کا آپس میں زیادہ اچھا رابطہ ہے۔ مجھے پتا نہ ہونے دیا علیشا کے شیئرز والیس خرید کے مجھے کمپنی سے کک آؤٹ کرنا ہو' ہر چیز آپ دونوں جیسے پہلے طے کرتے تھے' ویسے ہی کر لیں۔''

''نوشیرواں.... میں تمہاری ماں ہوں۔'' وہ بے یقینی سے چلائی تھی۔

''اور آپ نے مجھے یہی سکھایا ہے۔'' وہ ترحم زدہ نظر اس پہ ڈال کے بولا تھا۔'' کہ ہمیشہ اپنا مفاد دیکھو۔ کبھی بڑے بھائی کی غلط
توں پاس کو نوٹو نہیں۔ بس پیسہ خرچ کرو، سکون سے عیش کرو، بزنس کے معاملات، کس کو کب قتل کرنا ہے، کس کو اغوا کرنا ہے، یہ سب ہمیں ہینڈل
کرنے دو۔ آپ نے مجھے کبھی کچھ ہینڈل کرنا سکھایا ہی نہیں۔ کبھی بڑا ہونے ہی نہیں دیا، تو اب میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ آپ کا مسئلہ حل کر
سکوں۔''

''تم.....'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔'' تم اس سے بات تو کر سکتے ہو۔ اس کو اتنا تو کہہ سکتے ہو کہ وہ بے حس نہ بنے۔''

''اسے یہ سب کچھ آپ نے بنایا ہے۔ ظالم، بے حس۔ اب اس کا دل پتھر کا ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ بھائی کو پتھر
کا مجسمہ آپ نے بنایا ہے۔ سنگ مرمر کی طرح اس کو رگڑ رگڑ کے پالش کیا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے پتھر سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں ممی۔ میں
کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ مجھے کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ میں ایک ٹوٹل Failure ہوں، اور اب جب کہ میں اپنی روشنی
چھوڑنے جا رہا ہوں تو مجھے اتنا خود غرض بنا دیا ہے ان گزرے سالوں میں آپ نے کہ میں خود اکیلا ہی منور ہونا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں کے
گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ مجھے معاف رکھیں اپنے معاملوں سے۔ ہم Yousufs نہیں ہیں، چھوٹے گھر میں رہنے
والے عام لوگ نہیں ہیں ہم جن کا بچہ بچہ اپنے مسئلے خود حل کر سکتا ہے۔ میں نہیں کر سکتا۔ جانتی ہیں کیوں؟'' وہ کہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں گلابی
پڑ رہی تھیں۔'' کیونکہ کٹھن وقت میں اپنے مسئلے صرف وہی شخص خود حل کر سکتا ہے جو اچھے وقتوں میں دوسروں کے مسئلے حل کرتا آیا ہو۔ ان کی ماں
نے ان کو دوسروں کے مسئلے دور کرنا سکھایا ہے، اور میں تو کسی قابل نہیں ہوں۔ مجھے آپ نے کبھی کسی قابل ہونے ہی نہیں دیا۔'' سر جھٹک کے
اس نے ٹی وی بند کیا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بے بسی سے آنکھوں میں آنسو لیے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

.................❁ ❁ ❁.................

بولوں گا جھوٹ تو مر جائے گا ضمیر ..... کہہ دوں اگر میں سچ تو مجھے مار دیں گے لوگ

اس پرسکون سی کالونی میں سبز بیلوں سے ڈھکے مور چال کے اندر تناؤ زدہ ماحول چھایا تھا۔ لاؤنج کے ایک کونے میں فارس اور
سعدی آمنے سامنے کھڑے تھے، اور سعدی برہمی سے کہہ رہا تھا۔'' میری بہن گواہی نہیں دے گی۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟''
''سعدی، زمر اسے نہیں بلائے گی تو ہاشم اسے بلائے گا۔ اسے پیش ہونا پڑے گا۔'' فارس اس کو دھیمی آواز میں سمجھانے کی کوشش کر رہا
تھا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں بے غیرتوں کی طرح اس کو بے عزت ہوتے دیکھوں؟ وہ آدمی ہر طرح کے سوال پوچھے گا۔'' سعدی کا
چہرہ گلابی پڑ رہا تھا اور وہ بار بار نفی میں سر ہلاتا تھا۔
''آہستہ بولو۔ تمہاری امی سن لیں گی تو ان کو کیا وضاحتیں دیتے پھرو گے۔'' اس نے دبی آواز میں جھڑکا تھا۔ ندرت کچن میں کھڑے
ہو کے چولہا اپنی نگرانی میں حسینہ سے صاف کروا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ لاؤنج کے پرلے کونے میں کھڑے وہ دونوں کس بات پہ بحث کر
رہے تھے اور زمر اندر کمرے میں حنین کو کن سوالات کی تیاری کروا رہی تھی۔ وہ زخمی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔'' یہ
اولاد کیا سمجھتی ہے؟ ماں کچن میں مصروف ہے اور باپ دفتر میں تو ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا؟ اس اولاد کو کون سمجھائے کہ ماں باپ کو ان کی رگ رگ
کی خبر ہوتی ہے۔ یہ رات کو کمبل میں موبائل جلا کے کیا کر رہے ہیں، یا باتھ روم موبائل ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں، کس کتاب میں رکھ کے کون
سا رسالہ پڑھتے ہیں، سب طرف نظر ہوتی ہے ماں کی۔ ماں کے سینے میں کتنے راز دفن ہوتے ہیں، یہ بچے کب جان پائیں گے آخر؟ بس جب
نظر آ رہا ہو کہ بچہ بگڑ رہا ہے تو ہر وقت کی روک ٹوک سے معاملہ خراب کرنے کی بجائے اسے مزید توجہ اور پیار دینے کی کوشش کرتے ہیں میرے
جیسے والدین۔ اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو پلٹا لائے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ماں کو کبھی نہیں پتہ چلے گا کہ کیا کیا گل کھلائے ہیں انہوں

نے ۔ بے غیرت نہ ہو تو ۔) وہ ساتھ ساتھ چیزیں اٹھا پٹخ بھی کر رہی تھیں۔

''میں پھر سماعت پہ نہیں آؤں گا۔'' وہ خفا اور برہم سا کہہ رہا تھا۔ فارس نے مزید کوفت سے اسے دیکھا۔ ''مطلب اپنی بہن کو اکیلا کر دو گے؟ اس سے ہاشم کو کیا پیغام ملے گا ہاں؟'' سعدی خاموش ہو گیا مگر ابرو ہنوز بھینچے ہوئے تھے۔

اوپر حنین کے کمرے میں آؤ تو وہ بیڈ پہ سر جھکائے اکڑوں بیٹھی تھی۔ ہاتھ باہم پھنسائے وہ لب کاٹے جا رہی تھی۔ سامنے کرسی پہ بیٹھی زمر نوٹ پیڈ ہاتھ میں لیے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ کھنکھاری۔ ''ایک دفعہ پھر سے شروع کرتے ہیں۔ لیکن تم نے اب نہیں رونا۔ اگر فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس سب کا سامنا کرو۔'' حنین نے جھکے چہرے کے ساتھ گیلی آنکھیں رگڑ لیں۔

''مجھے اندازہ ہے کہ ہاشم کی اپروچ کیا ہو گی۔ دیکھو تم میری گواہ ہو' جب حلف لو گی تو میں پہلے سوال کروں گی۔ اسے Examination in chief کہتے ہیں۔ پھر وہ آئے گا اور تم سے جرح کرے گا (جرح کو کراس کرنا کہتے ہیں) اور ضروری نہیں کہ ان سوالوں کا تعلق میرے سوالوں سے ہو۔ وہ تمہارا کردار مسخ کرنے کی کوشش کرے گا...'' (حنین نے کرب سے آنکھیں بند کیں) ''تمہاری کریڈیبلٹی کو ٹھیس پہنچائے گا' تم نے جواب میں صرف سچ بولنا ہے۔ عزت صرف سچ دلایا کرتا ہے۔ محتاط سچ۔ پھر میں دوبارہ تمہیں re-exmanie کر سکتی ہوں لیکن اب میں صرف ان باتوں کی وضاحت کے لیے سوال کر سکتی ہوں جو اس نے پوچھی تھیں۔ نئی بات نہیں ایڈ کر سکتی۔ پھر وہ دوبارہ میری بات کا تاثر زائل کرنے کے لیے کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہے۔ اسے re-cross کہتے ہیں۔'' حنین کچھ نہیں بولی' چہرہ جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

''میں تم سے سوال پوچھ چکی ہوں' تم جو جانتی تھی کاردارز کے بارے میں' سب بتا چکی ہو' اب سمجھو کہ میں ہاشم کاردار ہوں اور میں یہاں تمہیں cross کرنے لگی ہوں۔ اوکے!''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ نظریں اب بھی جھکی تھیں۔

''حنین یوسف خان۔'' زمر نوٹ پیڈ دیکھ کر بولی۔ ''ملزم نوشیرواں کاردار کو آپ کتنے عرصے سے جانتی ہیں؟''

''تقریباً آٹھ سال سے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''اور یقیناً آپ مجھے بھی جانتی ہوں گی؟'' حنہ نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایک دم لگا وہ کٹہرے میں کھڑی ہے اور سامنے قیمتی سوٹ میں ملبوس' تیز پرفیوم کی خوشبو سے مہکتا ہوا وہ کھڑا ہے اور مسکرا کے اسے دیکھ رہا ہے۔

''جی!'' اس کی آواز پست تھی۔ دل کانپا تھا۔

''ابھی آپ نے کہا کہ آپ کئی ماہ سے میرے خاندان کی اصلیت سے واقف تھیں' لیکن کیا آپ نے میرے منہ پہ مجھے بھی ایسی بات کہی؟''

''نہیں!'' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ''مجھے دیر سے پتہ چلا تھا۔''

''کتنا دیر سے؟ کیونکہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ کئی ماہ آپ مجھ سے واٹس ایپ پہ رابطے میں رہی تھیں' دن میں کئی دفعہ میسج کرتی تھیں؟''

''یہ درست ہے مگر مجھے اس وقت آپ کی اصلیت نہیں پتہ تھی۔''

''اور وہ باتیں آپ اپنی فیملی سے چھپ کے کرتی تھیں۔ کیا معلوم ہونے پہ آپ کی فیملی اس بات کو پسند کرتی؟''

''مجھے نہیں پتہ!''

''اور جیسا کہ آپ نے Examination in chiet کے دوران کہا... ایک جمعے کی دوپہر بریانی کھاتے ہوئے آپ کے گھر

میں میں نے وہاں بیٹھ کے آپ لوگوں سے معافی مانگی تھی!"

"جی۔ آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔"

"حنین! کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر ہیں؟"

"جی!" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔ سارے منظر دھندلا رہے تھے۔

"اور کیا آپ کے فیملی اینڈ فرینڈز آپ سے فیورز مانگتے رہتے ہیں؟"

"میں ناجائز کام نہیں کرتی۔"

"چلیں اپنے دوستوں کو کسی کرائسز سے نکالنے کے لئے اپنی ہیکنگ skills تو آزمائی ہوں گی آپ نے؟"

"جی!" وہ بولی تو زمر کی آواز پس منظر میں سنائی دی۔ "احمر نے بتایا ہے کہ وہ جانتا ہے اوسی پی صاحب کے بارے میں سب کچھ۔ اب وہ leading سوال پوچھے گا۔" پھر جیسے اسے ہاشم کی آواز سنائی دینے لگی۔ ہر سو دھند تھی اور وہ خود کو کٹہرے میں کھڑا محسوس کر رہی تھی۔

"کیا کبھی کسی بارسوخ عہدے پہ موجود آدمی نے آپ کی خدمات کے لئے آپ سے رابطہ کیا؟"

"جی۔" اس کی آواز کپکپائی۔

"اور کیا مدد مانگی تھی انہوں نے آپ سے؟ اب یہاں حنہ میں آب جیکٹ کروں گی کہ وہ موضوع سے ہٹ رہا ہے مگر جج میرا اعتراض رد کر دیں گے۔ پھر تم جواب دو گی۔"

"ان کی بیٹی کی عزت خطرے میں تھی' وہ اس کو بچانا چاہتے تھے۔"

"اور یہ کام کرنے کے لئے آپ نے بدلے میں کوئی فیور مانگا تھا ان سے؟"

"جی۔ مانگا تھا۔"

"آپ ان صاحب کا نام اور اس کام اور فیور کی تفصیل کورٹ کو بتائیں گی تاکہ کورٹ کو معلوم ہو سکے کہ آپ کس کردار کی حامل ہیں۔"

"وہ مر چکے ہیں' میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔" اس نے ہچکی لی۔

زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔ "ایسے نہیں حنہ۔ تمہیں جواب دینا ہوگا' لیکن احتیاط سے۔" پھر وہ ٹھہری۔

"آپ ہاشم کاردار نہیں ہیں۔" وہ ایک دم گیلا چہرہ اٹھا کر بولی تو زمر نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ "اس لئے آپ یہاں سے جائیں۔"

"حنہ' پھر witness prep کیسے کرو گی؟ تمہاری وکیل ہونے کی حیثیت سے...."

"آپ میری وکیل نہیں ہیں۔ آپ سعدی یوسف کی وکیل ہیں۔ میں اپنی وکیل خود ہوں۔ میں اپنا مسیحا خود ہوں۔ یہ میری غلطی تھی۔ میں اسے خود فکس کروں گی۔ پلیز آپ جائیں۔" زمر گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔ باہر آئی تو فارس سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا تھا۔

"ہمیں اسے ہی بھیج دینا چاہیے۔" وہ اسے دیکھ کے ناخوشی سے بولا تھا۔ سعدی کو جو کہا سو کہا' مگر وہ خود بھی خوش نہیں تھا۔

"میرا بھی یہ خیال ہے۔" وہ آزردگی سے سر ہلا کے رہ گئی۔ پھر چونک کے اسے دیکھا۔

"وہ ڈنر...." ابھی یاد آیا۔

"ڈیک اینڈ پہ۔" وہ تکان سے مسکرایا۔ "مگر بل آپ دیں گی۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔" وہ خفگی سے آگے بڑھ گئی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

ہاتھوں کا ربط حرف خفی سے عجیب ہے ...... ملتے ہیں ہاتھ راز کی باتوں کے ساتھ ساتھ

وہ رات قصر کاردار پہ پہلے سے زیادہ ویران اور بوجھل سی اتر رہی تھی۔ لاؤنج میں ٹی وی چلنے کی مدھم آوازیں آرہی تھیں۔ ایسے میں جواہرات بڑے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ وہ پہلے سے بہت بہتر اور سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ دوا کا اثر تھا' موڈ بھی ٹھیک تھا۔ ساتھ سونیا پیر اوپر کرکے بیٹھی ٹیبلٹ گھٹنوں پہ رکھے' گیم کھیل رہی تھی۔

"ممی!" دفعتاً اس نے سر اٹھا کے جواہرات کو مخاطب کیا۔ وہ چونکی' پھر مسکرا کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ہوں۔" اور نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"بابا اب اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟"

"بابا کے کچھ پرابلمز ہیں نا۔ اس لیے۔" وہ پیار سے بولی تھی۔ سونی چونکی۔ آنکھیں اٹھا کے اسے تعجب سے دیکھا۔ بالکل ہاشم کی آنکھوں جیسی تھیں وہ۔ چمک دار اور ذہین۔

"بابا کے کیا پرابلمز ہیں؟"

"کچھ برے لوگ ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ فارس غازی جیسے۔"

"فارس انکل؟" سونی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "وہ برے نہیں ہیں۔"

"وہ بہت برے ہو گئے ہیں اب چندا۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجھے' تمہیں' تمہارے بابا' شیر اسب کو ماردیں۔ ہمیں جیل میں ڈال دیں۔ وہ ہمارے دشمن بن گئے ہیں۔ انہوں نے ہمارے پلانٹ میں آگ لگوائی' شیر دکو اتنے دن جیل میں قید رکھا' وہ بہت خطرناک ہیں۔"

سونیا حیرت اور تعجب سے اس کو دیکھے گئی۔

"اور بس تم نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ تمہارے بابا سب سے اچھے ہیں' اور ان کے دشمن بہت برے۔ کبھی بھی اپنے بابا' مجھے' شیرو پہ doubt نہیں کرنا۔ اور اگر کبھی فارس سے ملاقات ہو تو ان سے بات تک نہیں کرنی۔ وہ گندے لوگ ہیں۔ دہشت گرد اور قاتل۔ آئی سمجھ۔"

سونی نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا ننھا دماغ ان باتوں کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ گم صم سی ہو گئی۔

"سونیا۔ کھانا کھالیں۔" فیونا کی آواز آئی تو سونی اٹھ کے اس کی طرف بھاگ گئی۔ فیونا نرالی' جھلملی ڈائننگ ہال میں جارہی تھی۔ ایسے میں جواہرات نے دیکھا' سونی کا ٹیب وہیں صوفے پہ رکھا تھا۔ جواہرات نے کشن اٹھایا' اس کے اندر ٹیب بھی (اس سمت سے جہاں سی سی ٹی وی کیمرہ اس کو نہیں پکڑ سکتا تھا) اور اسے لیے اندر کمرے میں آگئی' گویا سونے کے لیے جارہی ہو۔

دروازہ بند کرتے ہی اس نے ٹیب کھولا' اور تیز تیز کیز دبانے لگی۔ ٹیب کی چمکتی اسکرین کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی اور نیلاہٹ بھری سفیدی سے روشن لگ رہا تھا۔ ایسا نیلا سفید جو زہر سے بھرے وجود کا ہوتا ہے۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر میں ...... آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو!

اس صبح یوں لگتا تھا پورا شہر پسینے سے چپ چپ کر رہا ہو۔ ایسے میں جیل کے ملاقاتی ہال میں شدید گھٹن اور حبس محسوس ہوتا تھا۔ ہال کے دونوں اطراف میں انسانوں کی قطاریں لگی تھیں۔ باری باری قیدی اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کر رہے تھے۔

چار سال تک وہ سوراخوں والی اسکرین سے مزین بوتھ کے دوسری طرف ہوتا تھا آج وہ اس طرف بیٹھا تھا اور نگاہیں سامنے ٹیپ

نیاز بیگ پہ جمی تھیں۔ قیدیوں کا لباس پہنے بڑی مونچھوں والا تیوریاں چڑھائے نیاز بیگ ناخوش لگتا تھا۔

"تمہاری بی بی چکرا گئی ہے۔ میرا بیان نہیں بدلے گا۔ میں نے ماری تھیں سعدی یوسف کو گولیاں۔"

"شاید تم مجھے جانتے نہیں ہو۔" وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا مگر دوسری طرف کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ نیاز تلخی سے مسکرایا تھا۔

"جانتا ہوں صاحب..... بہت قصے سنے ہیں تمہارے اس جیل میں۔" اور ناک سے مکھی اڑائی۔

فارس نے غور سے اسے دیکھتے لہجے کو دھیما کیا۔ "دیکھو تم دو کیسز میں نامزد ہو۔ شہزا ملک اغوا کیس میں تم بے قصور ہو اور اگر میں چاہوں تو شہزا کو منا سکتا ہوں وہ تمہارا نام واپس لے لے گی۔ سعدی یوسف اغوا کیس میں تم اغوا کے مجرم ہو اقدام قتل کے نہیں۔ لیکن ہم تمہارا نام خارج کردیں گے اور تم آزاد ہو جاؤ گے اگر....." اس نے وقفہ دیا۔ نیاز بیگ غور سے اسے دیکھتا سن رہا تھا۔

"اگر تم عدالت میں سچ بول دو۔"

"میں نے سعدی یوسف کو گولی ماری تھی یہی سچ ہے۔"

"نیاز بیگ۔" فارس نے افسوس سے سر ہلایا۔ "کتنے پیسے دینے کا کہا ہے ہاشم کاردار نے؟ وہ میرا کزن ہے۔ خون ہے میرا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ ادھر تم نے گواہی دی ادھر تم اس کے لیے خطرہ بن جاؤ گے۔ وہ تمہیں جیل میں ہی ختم کروا دے گا۔"

نیاز بیگ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر وہ انہی تخت تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

"ہم سب جانتے ہیں کہ تم نے یہ نہیں کیا۔" اس نے میز پہ رکھے پرنٹ آؤٹس اٹھائے اور شیشے کی اسکرین کے سامنے کیے۔ پہلے پہ سعدی یوسف کا خون میں لت پت وجود پڑا تھا۔ "یہ تم نے نہیں کیا۔ اتنے پیارے نوجوان کو تم نے نہیں مارا۔ وہ بھی چند ڈالرز کے پیچھے۔ یا اس کے اس سیل فون کے پیچھے جسے تمہارے بیان کے مطابق تم نے بیچ دیا تھا۔" اس نے دوسرا کاغذ سامنے کیا۔ نیاز بیگ خاموشی سے شیشے کے پار لہراتے کاغذ دیکھنے لگا۔

"کوئی کیسے یقین کرے گا کہ تم ایک لڑکے کو اتنی بری طرح پیٹ سکتے ہو اس کو اتنی گولیاں مار سکتے ہو وہ بھی صرف اس سیم سانگ گلیکسی ایس 6 کے لیے؟ کتنے کا بک گیا ہوگا یہ فون؟ عدالت کو کیا اس فون کی قیمت نہیں معلوم ہوگی؟" کاغذ پہ اب سیاہ رنگ کا موبائل نظر آ رہا تھا۔ اس نے کاغذ نیچے رکھے اور ترحم سے اسے دیکھا۔ "تمہارا بیان کمزور ہے کوئی یقین نہیں کرے گا۔ اور وقت پڑنے پہ ہاشم کاردار تم سے چھٹکارا حاصل کر لے گا۔ اس لیے اس کی باتوں میں مت آؤ۔ عدالت میں کم از کم اتنا کہہ دو کہ تم نے سعدی کو گولیاں نہیں ماری تھیں۔"

"اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟" وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ فارس کے چہرے پہ بالآخر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"پیسے چاہییں؟ میں دوں گا اور تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔ کیا سمجھے؟" نیاز بیگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ فارس نے اب ایک اور کاغذ سامنے کیا۔ "تمہاری بیرک کا سپاہی تمہیں یہ کاغذات دے دے گا۔ یہ چند فقرے یاد کر لینا۔ یہ بولو گے تم عدالت میں۔"

"تم واقعی مجھے پیسے دو گے؟" وہ اب مشکوک لگتا تھا۔

"آزما کے دیکھ لو۔" نیاز بیگ نے اب کے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔ وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

فارس وہاں سے باہر آیا تو جیل کی حدود سے نکل کر اس نے زمر کو فون ملایا۔

"کام ہو گیا ہے۔ نیاز بیگ مسئلہ نہیں کرے گا۔ اس کی جرح ہمارے حق میں جائے گی۔"

"پکی بات ہے نا؟" وہ مشکوک تھی۔ "وہاں جا کر وہ تمہاری ہر بات بھول گیا تو؟"

"نہیں میں تو بے کار آدمی ہوں مجھے تو کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ جاب لیس نکما ہوں میں۔"

"ساتھ میں بدتمیز بھی ہو۔" اور وہ دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

اور، پھر اس کے جاتے ساتھ ہی نیاز بیگ، اوس آ کر ایک بڑے کمرے میں آیا جہاں موبائل جیمرز اثر نہیں کرتے تھے۔ وہاں لمبے لیئے آدمی سے اس نے موبائل مانگا اور پھر کونے میں جا کر کال ملائی۔ فون کان سے لگاتے ہی وہ بولا تھا۔ ''کاردار صاحب۔ نیاز بیگ بول رہا ہوں۔''

''اتنی صبح فون کرنے کا مطلب ہے فارس غازی آیا تھا تمہارے پاس؟'' ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا چند فائلز دیکھ رہا تھا' انداز میں اطمینان تھا۔

''جی۔ ابھی ابھی گیا ہے۔''

''کیا کہا اس نے؟ وہی جو میں نے کہا تھا؟ کہ ہاشم کاردار تمہیں مروا دے گا' میں تمہیں زیادہ پیسے دوں گا وغیرہ وغیرہ۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''ایک ایک حرف وہی کہا اس نے۔'' وہ آگے سے ہنسا تھا۔

''گڈ۔ تم نے کیا کیا؟''

''وہی جو آپ نے کہا تھا۔ اسے سوچنے کا تاثر دیا ہے' مگر اسے یقین ہے کہ میں مان گیا ہوں۔''

''ویری گڈ۔ اب وہ عدالت میں جرح کی تیاری غلط رخ سے کریں گے۔ تم اپنی تیاری پوری رکھو۔''

''جو حکم صاب۔ ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' نخوت سے کہہ کر ہاشم نے فون میز پہ ڈال دیا۔ پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔ ''میں شہر بھر کے گواہوں کو خرید سکتا ہوں' جانتا نہیں ہے یہ کیا؟'' منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ کاغذات پلٹ کر رہا تھا۔

❖ ❖ ❖

جی میں آئے جو کر گزرتا ہے..... تُو کسی کا کہا نہیں کرتا!

مور چال کے لاؤنج میں چھٹی والے دن کی رونق تھی۔ زمر' فارس' اور سعدی مخالف صوفوں پہ بیٹھے تھے' اور تینوں اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔ نیچے کشن پہ سیم لیٹا تھا اور وہ بھی ٹیب پہ کچھ کھیل رہا تھا۔ ایک کونے میں ڈسٹنگ کرتی حسینہ کام چھوڑ کے اپنا فون دیکھ رہی تھی۔ ایسے میں وہیل چیئر پہ بیٹھے خاموشی سے بڑے ابا باری باری سب کے جھکے چہرے تک رہے تھے۔

''کیا ہم یہ طے نہیں کر سکتے کہ جب سارے گھر والے ساتھ بیٹھے ہوں تو کوئی اپنے موبائل کو نہیں دیکھے گا؟ (سب کے موبائل ایک ساتھ نیچے ہوئے۔) اور اسامہ' کیا تمہیں ایسے گیمز کھیلنے کا شوق نہیں ہے جو تمہیں باہر جا کے کھیلنے ہوں۔ چل پھر کے۔ بھاگ دوڑ کے۔'' ابا نے اسے پکارا تو سیم اسکرین پہ نگاہیں جمائے خوشی سے بولا تھا۔ ''ہے نا بڑے ابا۔ لیکن پتہ نہیں Pokemon Go پاکستان میں کب آئے گی۔'' (اس نے اس موبائل گیم کا نام لیا جس کو کھیلنے کے لیے موبائل ہاتھ میں لے کر چلنا پھرنا پڑتا ہے۔)

''ابا صحیح کہہ رہے ہیں۔'' زمر اپنا فون رکھتے ہوئے بولی تھی۔ ''جب ساری فیملی ساتھ بیٹھی ہو تو کوئی موبائل استعمال نہیں کرے گا اور حسینہ آپ کی ڈسٹنگ نہیں ہوئی۔'' ساتھ میں خفگی سے اس کو بھی لتاڑا۔ وہ جلدی سے فون رکھ کے ہڑبڑا کے کام کرنے لگی۔ فارس جو اپنا موبائل جیب میں رکھ ہی رہا تھا' ایک دم چونک کے حسینہ کو دیکھنے لگا جس نے ابھی ابھی ایک چمکتا ہوا اسمارٹ فون سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔ پھر اس نے سعدی کو دیکھا۔ وہ فون رکھ کے بڑے ابا سے بات کرنے میں مصروف تھا' متوجہ نہیں تھا۔ فارس نے پھر سے حسینہ کے فون کو دیکھا۔

''حسینہ..... یہ نیا ہے؟ کافی مہنگا لگتا ہے۔ کس نے لے کر دیا؟ آپا نے؟'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔ سعدی بھی چونک کے اس طرف دیکھنے لگا۔ حسینہ نے ایک دم سب کو اپنی طرف متوجہ پایا تو اس کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

''نہیں فارس بھائی۔ صداقت نے لے کر دیا ہے۔''

''ماشاء اللہ صداقت لگتا ہے پیسے جوڑ جوڑ کے رکھنے لگ گیا ہے۔ دو ماہ پہلے تک تو نیا جوتا خریدنے سے پہلے بھی سو بار سوچتا تھا۔'' اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے حسینہ کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''نہیں جی' کمیٹی ڈالی تھی ہم نے۔ ابھی قسطیں دینی ہیں۔'' وہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔ فارس 'ہوں' کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''احمر کی باتوں پہ نہ جائیں' ماموں۔ ہمارے ملازم ایسے نہیں ہیں۔'' وہ انگریزی میں تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتہ ہے' میں تو یونہی۔'' اس نے سر جھٹکا۔ زمر اور بڑے ابا بھی تادیبی نظروں سے اسے دیکھنے لگ گئے تھے۔

''اس نے واقعی کمیٹی ڈالی ہے' اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں ڈالی ہے۔'' زمر نے اسے گھور کے دبی آواز میں کہا تھا۔ بڑے ابا کو بھی برا لگا تھا شاید۔ اور حسینہ کو بھی احساس ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم دکھی نظر آنے لگی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' فارس نے جان چھڑانی چاہی۔

''ہم صداقت کو عرصہ دراز سے جانتے ہیں' فارس۔ وہ بہت ایماندار اور شریف لڑکا ہے۔'' ابا نے سبھاؤ سے اس کو گویا سمجھایا' یا شاید بہت کچھ واضح کیا۔

''جی' مگر......'' وہ گہری سانس لے کر اٹھا' ''ہم اس کی بیوی کو تو عرصہ دراز سے نہیں جانتے۔ خیر میں بس ایک بات کر رہا تھا۔'' انگریزی میں کہہ کر معذرت کرتا وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔ فارس سے کون بحث کرتا' لیکن حسینہ کے لئے بھی سب کو برا محسوس ہو رہا تھا۔ بے چاری بے گناہ غریب لڑکی پہ وہ شک کرنے لگا تھا۔ یونہی خواہ مخواہ میں۔ اسے ایسے نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ زمر' ابا اور سعدی سب یہی سوچ رہے تھے۔

اوپری منزل پہ آؤ تو حنین اپنے کمرے کے بند دروازے کے اندر' آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ پژمردہ چہرہ' حلقوں والی آنکھیں لئے' وہ اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گردن کڑا کر کہنے کی کوشش کی۔

''یور آنر' یہ مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے ان سے کبھی موبائل پہ باتیں نہیں کیں۔'' آواز کپکپاتی ہوئی اور لہجہ کمزور تھا۔ مگر اس نے پھر سے کہنے کی سعی کی۔

''جی نہیں۔ میں کسی اوسی پی کو نہیں جانتی۔ جی نہیں' میرے پاس کبھی فرینڈز اینڈ فیملی فیورز لینے نہیں آتے۔ آپ بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں۔ میں آپ کو sue کر سکتی ہوں۔'' آواز پھر سے کانپی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر آنکھیں رگڑیں اور اپنا موبائل اور پرس اٹھا کے کمرے سے باہر نکلی۔ اسے سیم کے ساتھ وال پیپر لینے بلیو ایریا جانا تھا۔

حنین اور سیم کو صداقت ڈرائیو کر کے ابھی کالونی کے اختتام تک ہی لایا تھا جب ایک لمبی چمکتی ہوئی کار سامنے سے آتی دکھائی دی۔ جب دونوں گاڑیوں نے ایک دوسرے کو پاس کیا تو حنین نے دیکھا' پچھلی سیٹ پہ آبدار عبید بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ (کار کے شیشے سیاہ تھے' مگر اس نے شیشہ گرا رکھا تھا اس لئے دکھائی دیتی تھی۔) زندگی میں پہلی بار حنین جان گئی تھی کہ جواہرات جوانی میں کیسی ہوتی ہوگی۔

وہ برآمدے میں کرسی پہ ٹیک لگائے سوچ میں گم بیٹھا تھا جب کھلے گیٹ کے پار وہ آتی دکھائی دی۔ فارس چونک کے سیدھا ہوا۔ وہ بال چہرے کے ایک طرف ڈالے' سر پہ سرخ ریشمی رومال لپیٹے' سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ اسے بیٹھے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سر کو خم دیا۔ آبدار اس کے بالکل مقابل آ رکی۔ سبز سرمئی آنکھوں سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ آپ ادھر کیسے؟'' آج تیوری نہیں چڑھی تھی۔

''اس دن بات ادھوری رہ گئی تھی' میں اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتی تھی ذرا۔ اگر آپ مجھے چند منٹ مزید برداشت کر سکیں تو بیٹھ کے بات کر لیں؟'' کہنے کے ساتھ اس نے کرسی کھینچی۔ وہ ''جی بیٹھیے۔'' کہتا، ہر کی کرسی کی طرف آیا۔ بار بار غور سے اس کو دیکھتا بھی تھا۔ گویا الجھن کا شکار ہو۔

''میری وجہ سے آپ کو مشکلات پیش آ رہی ہیں' میں جانتی ہوں۔'' وہ کرسی پہ ٹیک لگا کے اپنے ازلی شاہانہ انداز میں بیٹھ گئی اور، انگلیوں سے کان کی بالی چھیڑتے ہوئے نظروں کے حصار میں اس کا چہرہ مقید کیے گویا ہوئی۔

''میری ہر وقت آپ کی توجہ کھینچنے کی خواہش سے آپ کی وائف ان سیکیور رہنے لگی ہیں۔ پھر میری اس معصوم خواہش کو غلط رنگ دے کر بابا نے جو کیا' میں اس کے لیے بھی شرمندہ ہوں اسی لیے وہ ہیرے کی لونگ واپس کرنے آ گئی تھی' ہاں مگر تب مجھے لگا تھا کہ آپ کی وائف آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں' وہ آپ کو ڈیزرو نہیں کرتیں۔ لیکن میں غلط تھی۔ میں ان کو سمجھی نہیں تھی شاید۔ ایک دوست کی حیثیت سے صرف آپ کو خبردار کرنا چاہتی تھی' مگر ان کے خلاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور اب جب کہ مجھے احساس ہو چکا ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں' تو میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی غلط فہمی در آئے۔ امید ہے میری طرف سے آپ کا دل صاف ہو گیا ہو گا۔''

فارس نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔ ''آپ یہ سب پہلے کلیئر کر چکی ہیں۔''

''مجھے آپ سے ایک گلہ بھی کرنا تھا۔'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اداس مسکراتی نظریں اس پہ جمائے کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے مجھے استعمال کیا سعدی تک پہنچنے کے لیے۔ مجھے برا نہیں لگا مگر اچھا بھی نہیں لگا۔''

''چلیں۔ کولمبو میں' میں نے آپ کو ایڈونچر تو دیا نا۔''

''کون سا ایڈونچر؟ آپ تو فرار ہو گئے تھے' میں تو اکیلی رہ گئی تھی۔ آپ بار بار بھول جاتے ہیں کہ میں اتنے مسائل کا شکار آپ کی وجہ سے ہوں۔''

اور پہلی دفعہ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ چہرے پہ افسوس در آیا۔ اس نے سر جھکایا۔ پھر گہری سانس لی۔ ''آئی ایم سوری۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''مسز کاردار مجھے مسلسل نفرت انگیز پیغامات بھیج رہی ہیں۔'' اس نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھایا جسے فارس نے قدرے بھاری ہوتے دل کے ساتھ تھام لیا۔ وہ عجیب کیفیات کا شکار ہو رہا تھا۔ ''آپ نے وہ ویڈیو ہاشم کو دے دی' میرا نہیں سوچا' اب وہ اس کا انتقام مجھ سے لیں گی۔''

''آپ خود ہی تو وہ ثبوت ہمیں دینا چاہتی تھیں' یہ بات آپ کو پہلے سوچنی چاہیے تھی۔'' آواز پہ ان دونوں نے چونک کے دیکھا۔ زمر باہر آتے ہوئے ٹھنڈے سے انداز میں بولی تھی۔ آبدار بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مسز زمر!'' مسکرا کے گویا ہوئی۔ ''میں آپ سے معذرت کرنے آئی تھی۔ میں نہیں چاہتی آئندہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہو۔''

زمر نے فارس کے برابر میں کرسی کھینچی اور اس پہ بیٹھی۔ ''آپ کو کیوں لگا آپ کی وجہ سے ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گی؟ ہم outsiders کی وجہ سے آپس میں نہیں جھگڑا کرتے۔'' فارس نے کچھ نہیں کہا' وہ موبائل پہ میسجز دیکھ رہا تھا۔ آبدار کے چہرے پہ افسوس اتر آیا۔ ''لگتا ہے آپ ابھی تک خفا ہیں۔ مگر چلیں' میں خوش ہوں کہ فارس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اور ہاں۔ یہ میں آپ کے لیے لائی تھی۔'' اس نے پرس کے ساتھ پکڑا ننھا سا باکس میز پہ رکھا۔

فارس نے خاموشی سے فون اسے واپس کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے باکس کو دیکھا۔

"یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ پرفیوم۔ مجھے اچھا لگا' میں نے لے لیا۔"

"سوری' میں یہ تحفہ نہیں لے سکتا۔" وہ شائستگی سے معذرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ (زمر نے برہمی سے اس تحفے کو دیکھا تھا۔)

"مجھ سے میرے پلین میں رائیڈ لے سکتے ہیں' میری اینجیو کے خلاف ٹپ لے سکتے ہیں' مسز کاردار کی ویڈیو لے سکتے ہیں' میرا اپارٹمنٹ لے سکتے ہیں' مگر تحفہ نہیں لے سکتے؟" وہ مسکرا کے بولی تھی۔ "اگر آپ نہیں لیں گے تو مجھے لگے گا کہ آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔"

"اوکے!" اس نے سر کو خم دیا۔ زمر نے چونک کے بے یقینی سے اسے دیکھا' مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ اب اس کو سی آف کرنے اس کے ساتھ گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ "مگر آئندہ آپ کوئی چیز نہیں ا! نہیں گی یوں۔ اور مسز کاردار کو جواب نہ دیں۔ بس اگنور کریں۔ چند گارڈز مزید رکھ لیں۔ تنہا گھر سے نہ نکلیں۔" وہ ہدایات دے رہا تھا' انداز میں فکر مندی تھی۔ گیٹ تک وہ اس کے ساتھ گیا پھر وہ چلی گئی تو فارس واپس گیا۔ ابھی تک سوچ میں گم تھا۔ جیسے افسردہ ہو۔

"تم اس کا تحفہ کیسے لے سکتے ہو؟ تم جانتے نہیں ہو اس کو؟" وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔ پہلی دفعہ وہ بے زار سا ہوا۔

"زمر' وہ اچھی لڑکی ہے' معافی مانگ رہی تھی' رویہ بدل لیا ہے اس نے اپنا۔ تو تم اس سے یوں بات کیوں کر رہی تھیں؟"

"رویہ نہیں بدلا اس نے۔ تکنیک بدلی ہے۔ تمہیں نظر کیوں نہیں آ رہا؟"

"اچھا تو تکنیک بدل کے وہ کیا کر لے گی؟ وہ تمہارا اتنا نقصان نہیں کر سکتی' جتنا میں اس کا کر چکا ہوں۔" تلخی سے کہتا وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"اس نے کوئی احسان نہیں کیا ہم پہ ہماری مدد کر کے۔ یہ سب اس کے باپ اور اس کے ہاشم کاردار کا کیا دھرا ہے۔ اس کو تو اپنے خاندان والوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے تھا۔ سارے نقصان ہمارے ہوئے ہیں۔ مجھے تو تم پہ حیرت ہو رہی ہے تم....."

"اگر تمہیں یہی باتیں کرنی ہیں تو میں جا رہا ہوں۔" اکتاہٹ سے کہتے اس نے جیب سے چابی نکالی اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"تم اس کی وجہ سے مجھ سے لڑ رہے ہو؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا گلا رندھ گیا۔ وہ تیوری کے پلٹا۔

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت اس کو اپنا کمپٹیشن سمجھنے کی بجائے اسے ایک انسان سمجھو جس نے ہماری مدد کی ہے' اور جس کو میں نے بہت سی مشکلوں میں ڈال دیا ہے۔ اور اب مجھے ہی اس کو اس سب سے نکالنا ہوگا۔ کھانے پہ میرا انتظار مت کرنا۔ میں دیر سے آؤں گا۔" تلخی سے کہتا وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ زمر ہیبت اور خفگی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی۔

.... ❖❖❖ ....

اتنی جلدی تو بدلتے نہیں ہوں گے چہرے ...... گرد آلود ہیں آئینے انہیں دھویا جائے

شاپ میں کھڑی حنین بے دھیانی سے وال پیپرز دیکھ رہی تھی۔ سیم قریب میں کمپیوٹر شاپ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کو اپنا لیپ ٹاپ ٹھیک کروانا تھا (اسی لیے وہ بنا چوں چراں حنین کے ساتھ آ گیا تھا۔) صداقت باہر کار میں انتظار کر رہا تھا۔

حنین کی توجہ وال پیپر کی بجائے اندر کے گہرے منجدھار میں گول چکر کھا رہی تھی۔ بار بار وہ سر جھٹکتی تھی مگر سوچیں... اُف... ہاشم کاردار کی متوقع جرح کی آوازیں اس کے کانوں میں بار بار گونج رہی تھیں۔ وہ جتنا دھیان بٹانے کی کوشش کرتی' اتنا وہ سر پہ سوار ہونے لگتا' یہاں تک کہ وہ اس کی خوشبو تک محسوس کرنے لگی تھی۔

کرنٹ کھا کے حنین مڑی تو گویا اگلا سانس لینا بھول گئی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاشم کاردار۔ مسکراتا ہوا تیار سا' قیمتی پرفیوم کی

خوشبو میں بسا۔ وہ واقعی اس کے سامنے تھا۔ حنین کے ہاتھ سے وال پیپر چھوٹ کر نیچے جا گرا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''کیسی ہو؟'' اس کا انداز اتنا نرم' اتنا مسحور کن تھا' وہ بنا پلک جھپکے اس پہ نظریں جمائے کھڑی رہی۔ لب آدھے کھلے تھے۔ جسم برف ہو رہا تھا۔

''تمہارے سیل فون سے ٹریس کیا تمہیں' اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا جہاں تمہارے خاندان کے وہ سیلفش لوگ آس پاس نہ ہوں۔ پتہ ہے وہ سیلفش کیوں ہیں' پیاری لڑکی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

وہ سن نہیں رہی تھی' بس اسے دیکھ رہی تھی۔ پیاری لڑکی کی صدائیں بار بار دیوار سے ٹکرانے لگی تھیں۔ پیاری لڑکی.... پیاری لڑکی....

''ان کو صرف اپنی فکر ہے۔ زمر اور فارس کو اپنی شادی پہ محنت کرنے کی فکر ہے۔ سعدی کو کیس جیتنے کی پڑی ہے تاکہ وہ سچا ثابت ہو' وہ آگے بڑھ سکے۔ ایسے میں کسی کو بھی تمہاری فکر نہیں ہے۔ حنین کٹہرے میں کھڑی ہو' ایک دنیا اس کی باتیں سنے' اس کی باتیں لکھے۔ وہ اخباروں کی سرخیوں کی زینت بنے۔ اس کا کردار تار تار ہو جائے' یہ سب باتیں ان کو ثانوی لگتی ہیں۔ ان کا انتقام پورا ہو جائے' باقی سب خیر ہے۔

وہ موم کا مجسمہ بنے اس کو دیکھے گئی۔ ٹھنڈے پسینے سے اس کا وجود گویا موم کی طرح پگھل پگھل رہا تھا۔

''کسی کو تمہاری فکر نہیں حنین۔'' وہ ہمدردی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں کبھی سمن نہ کرتا۔ زمر غلط کہتی ہے کہ میں تمہیں سمن کرتا۔ میں بچوں سے نہیں مقابلہ کرتا۔ بچوں کو درمیان میں نہیں لاتا۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں جرح بھی نہیں کرنا چاہتا تمہاری۔ مگر زمر اور سعدی تمہیں درمیان میں لائے ہیں۔ انہوں نے تمہیں صلیب پہ چڑھایا ہے؟ تم اپنا سوچو حنین۔ میرا نہیں' کسی کا نہیں۔ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ دیکھو۔ شادی کیسے کرو گی؟ سر اٹھا کے کیسے جیو گی؟ لوگ میرے اور تمہارے افئیر کی باتیں زمانوں تک کریں گے' یہ سب جرح میں کہنا پڑے گا اور یقین کرو میں نہیں کرنا چاہتا یہ سب' میں تو آگے بڑھنا چاہتا تھا' لیکن سعدی نے مجھے اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔ اب تم میری مدد کرو۔''

وہ سن تھی۔ مجسمہ تھی۔ موم کی طرح پگھل رہی تھی اور وہ آگ کے شعلے کی طرح اس کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھا۔

''تم کورٹ میں کہو کہ تمہیں کچھ یاد نہیں۔ جو پولیس کو تم نے حلیمہ سے متعلق بیان دیا ہے نا' اس کو واپس لے لو پیاری لڑکی۔ تم اتنی ارزاں نہیں ہو کہ تمہیں کورٹ میں کوئی استعمال کرے۔ تم میرے خلاف کوئی بات مت کہو' میں جرح نہیں کروں گا۔ کوئی تمہارے کردار کے بارے میں بات بھی نہیں کر سکے گا۔ تمہیں صرف اتنا کہنا ہے کہ سعدی جھوٹ بول رہا ہے' اور تمہاری رائے میں شیرو ایسا نہیں کر سکتا۔ یوں تم محفوظ رہو گی' کیونکہ یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی نا حنین' تو واپس نہیں آئے گی۔''

ایک آنسو حنین کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میری بات سمجھ میں آئی ہے نا؟''

''جی!'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ ''یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی تو واپس نہیں آئے گی۔'' وہ کسی روبوٹ کی طرح بولی تھی۔

''گڈ۔ تم جب کٹہرے میں کھڑی ہونا تو مجھے فور دینا۔ میں تمہیں ووں گا۔ اور اپنے خود غرض خاندان سے ڈرنا نہیں۔ ان کو شرمندہ ہونا چاہیے' تمہیں نہیں۔ کیونکہ اگر میں نے ادیب پی صاحب والی باتیں جرح کے دوران کہہ دیں' اور یقین مانو میں نہیں کہنا چاہتا' تو تمہارے خلاف انکوائری ہو گی۔ تم نے ابھی بی اے کیا ہے نا؟ ایف ایس سی کا رزلٹ کینسل ہو گا۔ تین سال تک تمہیں کوئی تعلیمی ادارہ داخلہ نہیں دے سکے گا۔ تین سال بعد تم دوبارہ سے ایف اے' بی اے کرو گی کیا؟ تین سال بعد سات سال پیچھے چلی جاؤ گی کیا؟ تم جس یونیورسٹی یا کالج میں جاؤ گی' وہاں بے عزت ہو کر رہو گی۔ سب تمہیں چیٹر کہیں گے' حقارت سے دیکھیں گے۔ اس لیے تمہیں اس وقت صرف اپنا سوچنا چاہیے۔ ہوں۔'' وہ کوٹ کی نادیدہ شکن درست کرتا اس پہ ایک نرم سی آخری

نظر ڈال کے مڑ گیا۔ سیلز مین اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ چلا بھی گیا اور وہ ہنوز بت بن کے کھڑی تھی۔ موم کے قطرے پگھل پگھل کے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ آگ جا چکی تھی۔ تپش باقی تھی۔

..............❖❖❖..............

اُبھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ ...... میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں

وہ گھر آئی تو اس کا جسم یوں جل رہا تھا گویا اردگرد ایک ہزار تنور جل رہے ہوں۔ وہ لاؤنج میں خاموش بیٹھی زمر کے سامنے پل بھر کو رکی۔

"میں گواہی دوں گی لیکن میں بس وہی کہوں گی جو میری مرضی ہوگی۔ کوئی میرے منہ میں الفاظ نہیں دے گا۔ آپ میں سے کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں وہی کہوں گی جو میرے لیے ٹھیک ہوگا۔" درد سے پھٹی آواز میں کہہ کر وہ آگے بڑھی تو دیکھا، سامنے سعدی کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم گواہی دو حنہ۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ تمہیں یوں اذیت دیں۔"

"تو پھر آپ کو یہ سب ہمارے سارے خاندان کو کچہری میں گھسیٹنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" شاکی انداز میں چیخ کر بولتی وہ دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

پھر کمرے میں آ کر وہ جو سر منہ لپیٹ کے لیٹی تو کتنے ہی گھنٹے نہ اٹھی۔ مغرب کی اذانیں ہوئیں تو اٹھ کے نماز پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔ جسم بخار میں دہک رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو ابل ابل کر گر رہے تھے۔ کب تک وہ یوں سزا کاٹتی رہے گی ان کچی عمر کی پکی غلطیوں کی؟ خدایا وہ کیا کرے؟ عشاء بھی یونہی پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔ رات تاریک ہوتی گئی۔ شہر اندھیرے میں ڈوبتا گیا۔ جانے وہ کون سا پہر تھا جب اس نے محسوس کیا کوئی دروازے میں آ کھڑا ہوا ہے۔ وہ فارس کی چاپ پہچانتی تھی مگر اسی طرح کروٹ لیے لیٹی رہی، ہلی تک نہیں۔ وہ آگے آیا اور پائنتی پہ بیٹھا۔

"اگر تم نہیں دینا چاہتی گواہی تو مجھے بتاؤ۔ ہم کوئی راستہ نکال لیں گے۔"

"پتہ ہے کیا ماموں۔" وہ اندھیر خلاء میں تکتی ہوئی عجیب خالی پن سے بولی تھی۔ "میں سمجھتی تھی کہ میں ذہین ہوں۔ کئی ممالک کے پاپ کلچرز ڈراموں اور کتابوں سے واقف ہوں تو عام لڑکیوں سے مختلف ہوں۔ برتر ہوں۔ مگر میں غلط تھی۔" گرم گرم آنسو ابل کے گالوں پہ لڑھکتے تکیے میں جذب ہونے لگے۔ "ہم مڈل کلاس لڑکیاں جتنا پڑھ لکھ لیں، جتنا کمپیوٹر استعمال کر لیں، دنیا بھر کی سیاست پہ تبصرے کر لیں، ہم رہتی وہی مڈل کلاس ہی ہیں۔ عام شکل وصورت کی بے بس لڑکیاں جن کو عزت کے نام پہ کوئی بھی بلیک میل کر سکتا ہے۔ جن کی عزت ایک دفعہ چلی جائے تو اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ ہم بہت بے چاری لڑکیاں ہیں فارس ماموں۔ ہم کچھ نہیں کر سکتیں۔ ہم ٹوٹل Failure ہوتی ہیں۔"

"جب میں جیل میں گیا تھا تو میں نے بہت سی باتیں سیکھی تھیں، جن کا مجھے زندگی میں پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔ "میں نے سیکھا تھا کہ اگر کوئی آپ کے عقائد پہ حملہ کرے تو زبان سے جواب دو، اگر کوئی آپ کے جسم پہ حملہ کرے تو ہاتھ سے جواب دو، اگر کوئی آپ کے خلوص نیت پہ شک کرے، تو اپنے اچھے عمل سے جواب دو، اگر کوئی آپ کی دیانتداری پہ انگلی اٹھائے تو دلائل سے جواب دو، لیکن ....." وہ ٹھہرا۔ اندھیر کمرے میں اس کی آواز گونج گونج کر پلٹ پلٹ آتی تھی۔ "لیکن اگر کوئی آپ کے کردار پہ، آپ کی عزت پہ حملہ کرے، تو کوئی جواب نہ دو۔"

"تو پھر کیا کرو؟" وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ چند لمحے کچھ نہ بولا پھر جب لب کھولے تو اس کی آواز بہت دھیمی اور سرد سی محسوس ہوئی تھی۔

"Then you make them bleed!" (تو ان کو تڑپا تڑپا کے مار دو۔)

وہ کب کمرے سے گیا' اسے پتہ نہ چلا۔ بس وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔ پھر بدقت تمام وہ اٹھی' اور باتھ روم جا کے وضو کیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں' جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔ بمشکل دوپٹہ سر پہ لپیٹتی وہ کمرے میں آئی۔ جائے نماز بچھائی اور دو رکعت نفل کی نیت باندھی۔

"کیا ہم لڑکیاں ٹوٹل فیلیئر ہیں اللہ تعالیٰ؟" سلام پھیر کے وہ دوزانو بیٹھی' دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے گم صم سی پوچھ رہی تھی۔ "کیا ہم لڑکیاں واقعی اتنی بے بس اور لاچار اور بے چاری ہوتی ہیں؟ کیا عزت کے نام پہ کوئی بھی ہمیں بلیک میل کر سکتا ہے؟ کیا ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے "مرد" کرداروں کے ہاتھوں میں ہماری عزت ہوتی ہے یا آپ کے ہاتھ میں؟ کیا آپ کی مرضی کے بغیر کوئی بھی کسی کو بے عزت اور ذلیل و رسوا کر سکتا ہے؟ مجھے بتایئے اللہ تعالیٰ۔ آپ کہتے ہیں نا کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں خیر معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا (سورۃ الانفال: 70) تو اگر میرے اندر کوئی خیر ہے تو کیا میری عزت مجھے واپس مل سکتی ہے؟ کیا دنیا والوں کی نظر میں میرا پردہ رہ سکتا ہے کہ وہ تو واقف ہی نہیں ہیں' اور میرے گھر والے جو واقف ہیں' ان کی نظر میں پھر سے معتبر ہو سکتی ہوں میں؟ کیا سعدی کو جھوٹا کہنے کی بجائے کوئی اور راستہ ہے؟"

وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی' الجھ رہی تھی' تعجب کا شکار ہو رہی تھی۔ ہاں اب وہ رو نہیں رہی تھی۔

سیڑھیوں سے نیچے آؤ تو فارس اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ زمر جو بے مقصد سی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی' اس کو نظر انداز کیے برش اٹھا کے بالوں میں چلانے لگی تھی۔ خفا نظریں آئینے پہ جمائے وہ لب بھینچے ہوئے تھی۔

"آہم!" وہ ذرا سا کھنکھارا۔ انداز بے چارے شوہر والا تھا۔ زمر برش کرتی رہی۔ وہ اس کے قریب آیا اور سنگھار میز کے کنارے بیٹھا۔

"سوری۔ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا۔" ایک انگلی سے گردن کھجاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"کیا اس نے گھر سے نکال دیا جو آپ کو بالآخر اپنے گھر کی یاد آئی؟" وہ سلگتی نگاہیں اٹھا کے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"احمر سے ملنے گیا تھا۔ سعدی کی ڈاکٹرز کا پوچھنا تھا کہ وہ ملی یا نہیں۔ اس کے پاس نہیں گیا تھا۔"

"تو وہیں رہ جاتے' واپس آنے کی کیا ضرورت تھی؟" برش زور سے پٹخا تھا۔ اس کی وضاحت پہ بالکل یقین نہیں کیا۔

"آ گیا ہوں تو کیا گھر سے نکالو گی؟" زمر نے جواباً محض سر جھٹکا۔ خوب غصہ آ رہا تھا اس پہ۔

"اچھا سنو۔" وہ مصالحتی انداز میں اس کی طرف ذرا سا جھکا۔ نظروں کے حصار میں اس کا خفا چہرہ لیے مسکراہٹ دبائے بولا تھا۔ "چلو ڈنر پہ چلتے ہیں۔"

"یہ ڈنر کا نہیں سحری کا وقت ہے۔" وہ اسے گھور کے بولی تھی۔

"اب ایسی بھی کوئی رات نہیں بیتی کہ ایک آدھ ڈھابہ ہی نہ کھلا ہو۔"

"ہاں بس مجھ پہ پیسہ خرچ نہ کرنا۔ ڈھائی سو کی انگوٹھی دلانا' اور کھانا ڈھابوں سے کھلانا۔" وہ مارے تاسف کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ فارس نے افسوس سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ "تم ہمیشہ سے اتنی لالچی تھیں یا وکالت پڑھنے کے بعد ہوئی ہو۔"

"تم نا واپس اسی کے پاس چلے جاؤ۔"

"ارے یار نہیں جاتا میں اس کے پاس۔ میں تو عرصے سے اس کے گھر بھی نہیں گیا۔ اور وہ اس رات ڈنر پہ میں نہیں خشین گئی تھی وہ ویڈیو بھی اس سے حنہ نے لی تھی۔ اب بس کرو' شک کرنا۔" وہ مسکراہٹ دبائے صفائی دے رہا تھا۔

"ہاں ہاں' مجھے یقین آ گیا۔ ہونہہ۔" اس نے بدقت چہرے کو ویسا ہی سپاٹ رکھا البتہ دل سے بوجھ سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

"اچھا اب موڈ تو ٹھیک کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو مجھے کچھ ہو جائے اور تم یہ وقت ضائع کرنے پہ پچھتاتی رہو۔" وہ ازراہ مذاق کہہ رہا تھا مگر بالوں میں سے برش گزارتا اس کا ہاتھ کانپا۔ اس نے پلٹ کر فارس کو دیکھا۔

"تم کتنا فضول بولتے ہو۔"

"بس؟" اسے مایوسی ہوئی۔ "میں تو امید کر رہا تھا کہ تم "میری عمر تمہیں لگ جائے" جیسا مکالمہ بولو گی۔"

"کتنا شوق ہے تمہیں مجھ سے چھٹکارا پانے کا۔" اسے از سر نو غصہ آنے لگا۔

"یہ تو بہت زیادہ، لیکن ...." اس نے برش بالآخر اس کے ہاتھ سے لے کر میز پہ رکھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "لیکن تم اس بات کا یقین رکھو کہ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز یا کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔"

وہ ادا سی سے مسکرائی۔ ساری کلفت، ساری تلخی زائل ہوگئی۔ اس کا مضبوط انداز .... پر یقین لہجہ .... وہ آنکھوں سے چھلکتا عزم .... بس اس سرکس نما زندگی میں ایک یہی چیز تو اسے بہادر بنائے رکھتی تھی۔

"تم مجھ سے واقعی اتنی محبت کرتے ہو نا فارس!"

"ہوں!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اصلی والی محبت نا؟" زمر نے ابرو اٹھایا۔

"نہیں۔ چائنہ والی۔" وہ جل کے بولا تو وہ ایک دم ہنس پڑی۔ ساری اداسیاں فضا میں گھل کے ختم ہو گئی تھیں جیسے۔

❖❖❖

ضمیر مرتا ہے احساس کی خاموشی سے .... یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی

اس صبح ہاشم کاردار کے آفس میں ہوا بالکل ساکن تھی۔ ایک ذرا وُنی سی خاموشی چھائی تھی اور ہاشم بالکل سانس روکے بیٹھا سامنے میز پہ رکھے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سی سی ٹی وی سے نکالے گئے still امیج تھے اور رئیس ایک ایک کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"نہ صرف فارس غازی نے سری لنکا جانے کے لیے ہارون عبید کا طیارہ استعمال کیا' بلکہ جس آبدار ان کے ساتھ گئی تھیں۔ یہ دیکھیے۔ وہ تصاویر میں جس اپارٹمنٹ سے نکلتا دکھائی دے رہا ہے' وہ بھی آبدار عبید کے نام پہ ہے۔" ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ وہ اس جگہ کو پہچانتا تھا۔

"گارڈ کمار کی موت سے پہلے آبدار صاحبہ سعدی سے ملنے گئی تھیں' اور اس سے بھی پہلے وہ پاکستان میں فارس غازی سے ملتی رہی تھیں' جس سے ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ....."

"وہ سرنج آبدار نے ہی سعدی کو دی تھی۔ میں سمجھ گیا۔ تھینک یو رئیس تم جا سکتے ہو۔" ایک دم خشک سے انداز میں کہتا وہ کاغذ سمیٹنے لگا۔ رئیس چپ ہو گیا اور پھر سر کو خم دے کر باہر نکل گیا۔

اب وہ کمرے میں تنہا تھا۔ وہ تنہائی جان لیوا تھی۔ وحشت سی وحشت تھی۔ دکھ سا دکھ تھا۔ وہ بار بار ایک ایک تصویر کو دیکھتا تھا۔ کبھی بے یقینی سے' کبھی ملال سے۔ کبھی آنکھوں میں کرب سمٹ آتا' کبھی غصہ۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ بلڈ پریشر بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

"بھائی!" زُشیرواں کی آواز پہ وہ چونکا اور چہرہ اٹھایا۔ وہ جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔ ہاشم نے ڈھیلے سے انداز میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ بیٹھا تو اس کا چہرہ بھی شدید اندرونی خلفشار کا شکار لگتا تھا۔

"بولو۔" وہ سنبھل کے پوچھنے لگا۔ پچھلے دو تین ماہ سے وہ مقدمے میں یوں الجھے تھے کہ آپس میں اب نہ پیار رہا تھا نہ ماضی کے اختلافات۔ بس نارمل ہو گئے تھے دونوں۔

"میری وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میری وجہ سے ہمارا خاندان اس اسکینڈل میں پھنسا ہوا ہے۔"

"بالکل ایسا ہی ہے۔ پھر؟"

"میں.... میں اعتراف جرم کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے الفاظ تھے کہ کیا' ہاشم کرنٹ کھا کے سیدھا ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ندامت سے سر جھکائے۔ "میں خدا سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں سعدی سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں جج صاحب کو سچ بتا دینا چاہتا ہوں' میں...." وہ فقرہ مکمل نہیں کر سکا۔ ہاشم کاردار نے پانی کا بھرا ہوا ٹھنڈا ٹھار گلاس اس کے منہ پہ پھینکا۔ ٹھنڈے یخ پانی نے اس کا چہرہ گردن اور بالوں کو نہلا دیا تھا۔ اس نے ہکا بکا سا چہرہ اٹھایا۔

"اگر نیند سے آنکھ کھل گئی ہو تو میری بات سنو۔" برہمی سے کہتا وہ آگے کو ہوا۔

"تم نے سعدی کے ساتھ یہ اس لئے کیا کیونکہ وہ یہ ڈیز رو کرتا تھا۔ کیونکہ تم ہمیشہ سے ایک نالائق اور کم عقل لڑکے تھے مگر تم میں بھی کچھ کوالٹیز تھیں۔ ان دونوں بہن بھائی نے تمہیں ہمیشہ ڈی گریڈ کیا۔ تمہارے راز کھولے۔ تمہیں احساس کمتری کا شکار کیا۔ ان کو وہ ملا جو انہوں نے بویا تھا۔ وہ اپنے احساسِ برتری سے نکل پاتے تو ان کو سمجھ آتا کہ کسی کا اتنا مذاق نہیں اڑاتے جتنا وہ تمہارا اڑاتے تھے۔ تم نے نوشیرواں اگر کچھ غلط کیا ہے تو اس لئے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ غلط کیا تھا۔"

"میں اس سارے کرب سے نکلنا چاہتا ہوں بھائی۔ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا۔" وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔ گیلے چہرے پہ آنسو کہاں تھے' اندازہ نہ ہوتا تھا۔

"چپ کر کے میری بات سنو۔" ہاشم اٹھا' میز پہ ہتھیلیاں رکھے' اس کی طرف جھکا۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا۔ "میں نے اغوا کیا اسے' میں نے قید میں رکھا اسے۔ پھر وہ تمہیں کیوں نامزد کر رہا ہے؟ وہ لوگ تم پہ غلط الزام لگا رہے ہیں اور میں تمہیں وہاں سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ میں ہوں جو تمہیں اس سے نکال لوں گا۔"

"لیکن اگر میں ان سے معافی مانگ لوں؟ اگر خدا ان لوگوں کے دل میں میرے لئے رحم....."

"ڈیم اٹ!" ہاشم نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "انہوں نے تمہیں معاف کرنا ہوتا تو یہ سب کرتے ہی کیوں؟ وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ انصاف نہیں چاہتے۔ وہ انتقام چاہتے ہیں۔" پھر وہ واپس کرسی پہ بیٹھا' چند ٹھنڈے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا۔ اور بولا۔ "دیکھو شیرو۔ تمہارے اعتراف سے ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ تم یاد کرو جیل کے وہ چند دن جو تم گزار کے آئے ہو۔ تم نہیں سہار سکو گے۔ تم پھندے سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔ تم میرے بھائی ہو شیرو' میں تمہیں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا۔" اس کا لہجہ آخر میں بالکل ٹوٹ سا گیا۔ شیرو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے کرب سے دونوں کنپٹیاں تھامیں۔

"میں کیا کروں بھائی؟"

"تم اپنے بھائی پہ بھروسہ رکھو۔ مجھے اپنا کیس لڑنے دو۔ ان لوگوں نے ہمارے خاندان کو مذاق بنا دیا ہے۔ میں ان کو مذاق بنا دوں گا۔ تم دیکھنا میں عدالت میں کیا کرتا ہوں اس کے خاندان کی عورتوں کے ساتھ۔" ایک نظر اس نے سامنے رکھے کاغذات کو دیکھا۔ آنکھوں سے نفرت جھلک رہی تھی۔ (اس نے مجھ سے وہ عورت چھین لی جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ میں اس سے وہ عورت لے لوں گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔)

"میں کیا کروں بھائی!" نوشیرواں بھیگی آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلاتا پوچھ رہا تھا۔

"تم خاموش رہو۔ اور مجھے میرا کام کرنے دو۔" وہ پورے وثوق سے بولا تو شیرو نے شکستگی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ عجیب دوراہے پہ آ کھڑا ہوا تھا جہاں ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا دکھائی دیتا تھا۔

ان سے کئی کوس دور ایک ہوٹل کے ڈائننگ ایریا میں زرد روشنیوں نے پرفسوں خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ ایسے میں ایک ٹیبل کے گرد دو مرد اور تین خواتین بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ سربراہی کرسی پہ جواہرات بیٹھی تھی اور مسکراتی ہوئی بظاہر دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی مگر گاہے بگاہے موبائل کی گھڑی پہ نظر ڈالتی تھی۔ تنکھیوں سے اسے قریب کھڑے گارڈز بھی دکھائی دے رہے تھے۔

دفعتاً جواہرات کی آنکھیں چمکیں۔ دور سے ویٹر دھوئیں اڑاتی ٹرے اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ وہ مسکرا کے اب ساتھ والی خاتون سے بات کرنے لگی۔ جیسے ہی ویٹر قریب آیا اور تیزی سے ان کے قریب جھک کے ٹرے کے لوازمات نیچے اتارنے چاہے جواہرات نے اپنا پیر اس کے راستے میں رکھا۔ وہ جو عادتاً تیز تیز کام کر رہا تھا، غیر متوقع رکاوٹ سے اس کا پیر رپٹا اور ٹرے ٹیڑھی ہوئی وہ سنبھل جاتا مگر جواہرات چلا کے کھڑی ہوئی اور یوں گریوی کا باؤل اس کے کپڑوں پہ لڑھک گیا۔

اگلے چند لمحے وہاں عجب کہرام سا مچا رہا۔ جواہرات کا سفید لباس داغدار ہو گیا تھا اور وہ چلا چلا کر اس غریب لڑکے کی بے عزتی کر رہی تھی۔ دوسرے ویٹرز اور گارڈز ٹوٹی بکھری چیزوں کو درست کرنے اس طرف لپکے تھے۔ لڑکا سہم کے دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ایسے میں وہ نیپکین سے اپنے چہرے کے چھینٹے صاف کرتے ہوئے گارڈ سے غرا کے بولی تھی۔

"میں جب تک یہ صاف کر کے نہ آؤں اس ویٹر کو بھاگنا نہیں چاہیے یہاں سے۔ تم اس کو سنبھالو اور مینیجر کو بلا کے لاؤ۔ کیا مہمانوں کو اذیت دینے کے لیے کھول رکھا ہے یہ ہوٹل؟" وہ غصے میں بڑبڑاتی پرس اٹھائے آگے بڑھ گئی اور گارڈز فوراً سے انہی کاموں میں لگ گئے جن کا وہ حکم دے کر گئی تھی۔

لیڈیز ریسٹ روم کا پہلا دروازہ کھولا تو سامنے قطار در قطار سنک نظر آ رہے تھے اور ان کے پیچھے شیشے کی بڑی سی دیوار۔ اور وہاں وہ کھڑا تھا۔ پی کیپ پہنے بار بار گھڑی دیکھتا۔

"اوہ احمر۔ شکر تمہیں میرا پیغام مل گیا تھا۔" وہ گہری سانس لے کر اندر آئی تو احمر نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور ہینڈل میں کچھ پھنسا دیا۔ پھر متعجب سا اس کی طرف پلٹا۔

"مسز کاردار! اتنا بھی کیا کہ آپ مجھے کال تک نہیں کر سکتی تھیں؟"

"میں خطرہ نہیں لے سکتی تھی۔ ابھی زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہاشم مجھ پہ شک کرنے لگا ہے، میں اسے مزید خود سے متنفر نہیں کر سکتی۔" وہ تیز تیز بے ربط سا بول رہی تھی۔

"او کے او کے۔ آرام سے بتائیں۔ کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟" وہ رسان سے اسے تسلی دینے لگا۔

"تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے۔ یہ میرے ایک خفیہ اکاؤنٹ کی تفصیلات ہیں۔ اس میں ایک لاکر ہے جس میں کچھ زیور ہے اور بہت سی رقم۔ تمہیں وہ سب کچھ میرے پاس پہنچانا ہے۔" وہ اب چند کاغذات نکال کے اسے دکھا رہی تھی۔ احمر غور سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ واپس آئی تو لباس کا داغ ہنوز موجود تھا البتہ چہرہ تر و تازہ اور دھلا ہوا لگتا تھا۔ مسکرا کے وہ واپس بیٹھی تو دیکھا، سامنے مینیجر، عملے کے چند نمائندے اور گارڈز کھڑے تھے۔ متعلقہ ویٹر کو انہوں نے پکڑ رکھا تھا۔ مینیجر سینے پہ ہاتھ رکھے ندامت سے بار بار معذرت کر رہا تھا۔ جواہرات ٹیک لگا کے بیٹھی اور فخر و غرور سے اس غریب نوجوان کو دیکھا۔

"اس نے نہ صرف میرا لباس خراب کیا، بلکہ میری دوپہر برباد کر دی۔ اس کو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔ نہ صرف اس کو نوکری سے فارغ کیا جائے بلکہ یہ ایک بھاری جرمانہ بھی بھرے گا۔"

"مجھے معاف کر دیں، میری غلطی نہیں ہے، میرے آگے...." وہ نوجوان بے بسی سے کہنا چاہتا تھا مگر گارڈ زاس کو کچھ بولنے سے پہلے ہی خاموش کرا دیتے تھے۔ جواہرات اب مزید حکم صادر کر رہی تھی۔

..................☆☆☆..................

ہر شخص با اصول ہے، ہر شخص با ضمیر..... پر اپنی ذات تک، ذاتی مفاد تک!

کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکی سے مئی کا سورج اندر جھانک رہا تھا۔ جج صاحب اپنی کرسی پہ قدرے ترچھے ہو کر بیٹھے رخ کٹہرے کی جانب کیے ہوئے تھے جہاں نیاز بیگ موجود تھا اور اس کے سامنے... پرتنیب میں... زمر کھڑی تھی۔ نیچے بیٹھا سعدی فکرمندی سے گواہ کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم البتہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔ آج وہ چشمے والا آدمی نہیں آیا تھا' اس لئے پیچھے بیٹھے فارس کی توجہ کا مرکز صرف نیاز بیگ تھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ ہسپتال میں سعدی یوسف کا اسٹریچر لے کر جانے والے آپ ہی تھے؟" زمر پوچھ رہی تھی۔

"جی ہاں۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ نے سعدی یوسف کے اغوا کا الزام قبول کیا تھا؟"

"جی۔"

"آپ نے سعدی یوسف کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے کا الزام بھی اپنے سر لیا تھا لیکن استغاثہ ایک دفعہ پھر آپ سے حلف دلوا کر.... پوچھ رہا ہے۔ کہ نیاز بیگ صاحب...." زمر ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ "کیا آپ اپنے بیان پہ قائم ہیں؟"

عدالتی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سناٹا ذرسناٹا۔ نیاز بیگ نے ہاشم کو دیکھا' پھر پیچھے بیٹھے فارس کو۔ دونوں اسے مختلف قسم کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ زمر کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں سچ بولوں گا۔ میں اپنے بیان پہ قائم ہوں۔ میں نے ہی سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں۔"

"واٹ؟" سعدی نے بڑبڑا کے سر جھٹکا تھا۔ ہاشم نے مسکرا کے زمر کو دیکھا جس کی یہاں سے پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ ہی سعدی کے ساتھ اس زیر تعمیر گھر میں اس رات تھے؟"

"جی۔ میں ہی تھا۔" ہاشم نے مڑ کے فارس کو دیکھا۔ وہ بالکل خاموش اور سپاٹ سا دکھائی دے رہا تھا۔

"عدالت کو بتائیے کہ آپ کا سعدی یوسف سے کس بات پہ جھگڑا ہوا تھا؟"

"یہ لڑکا میرے سے کوکین خریدتا تھا' کافی دن سے پیسے پورے نہیں دیے تھے اس نے۔ میں نے کہا بدلے میں اس کا ریسٹورانٹ قسطوں پہ خرید لوں گا' یہ اس پہ مجھ سے لڑنے جھگڑنے لگا۔ اس نے مجھے گالی دی تھی۔ پھر میں نے...." وہ وہی واقعہ دہرانے لگا۔

"اسے ایمبولینس میں ڈال کے کوڑے کے ڈھیر پہ پھینکنے کے بعد آپ نے کیا کیا نیاز بیگ صاحب؟"

"میں اپنے گھر گیا۔ کپڑے بدلے۔ اس کا موبائل جو اٹھایا تھا وہ اسی رات اپنے دوست کو بیچ دیا' اس کی دکان اسی علاقے میں ہے جہاں آپ کا گھر ہے۔"

"مگر سعدی کے فون کے سگنل اس رات وہاں ملے تھے جہاں قصر کاردار واقع ہے۔"

"میرے دوست کی دکان بھی اسی علاقے میں ہے۔" نیاز بیگ نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔ زمر نے ہاشم کو دیکھا اور ستائشی انداز میں سر کو خم دیا۔ "امپریسیو ٹینس پریپ!" اس نے مسکرا کے تعریف وصول کی۔ زمر فوراً سے واپس گھومی۔

"اور اس فون کا ماڈل کون سا تھا؟"

لمحے بھر کو کمرے میں سکوت چھا گیا۔ ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"آبجیکشن یور آنر۔" ہاشم تیزی سے اٹھا۔ "اس بات کو ایک سال گزر گیا ہے اب....."

"اوور رولڈ۔ کاردار صاحب بیٹھ جائیں اور گواہ کو جواب دینے دیں۔" جج صاحب نے ناپسندیدگی سے اسے ٹوکا۔

"وہ سیم سانگ کا اسمارٹ فون تھا۔ جلدی میں پچیس ہزار کا پکا تھا۔ ایس سکس تھا۔" نیاز بیگ فر سے بولا۔

"اور اس کا رنگ کیا تھا؟" وہ ترنت بولی

"سیاہ رنگ تھا۔" وہ اعتماد سے بولا۔ (اُف) نوشیرواں نے سر گرا دیا۔

زمر نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ جج صاحب کے سامنے رکھے۔ "یور آنر سعدی یوسف کے زیر استعمال ایک ہی فون تھا اور وہ آئی فون تھا' سفید رنگ میں۔ یہ اس فون کی خریداری کی سلپ ہے اور یہ ابتدائی ایف آئی آر کی کاپی ہے جس میں میں نے فون کا رنگ اور ماڈل مینشن کیا تھا۔ استغاثہ عدالت سے درخواست کرتا ہے کہ نیاز بیگ کی گواہی پہ یقین نہ کیا جائے کیونکہ جس فون کے پیچھے سعدی کو مارنے اور وہ بھی دو ڈھائی لاکھ کے امپورٹڈ پستول سے مارنے کا یہ دعویٰ کر رہا ہے وہ فون اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"یور آنر وہ ایک عام آدمی ہے۔" ہاشم تیوری کے اٹھا۔ "عام آدمی نے سیم سانگ اور آئی فون دیکھے تک نہیں ہوتے' اور اس بات کو ایک سال گزر چکا ہے۔"

"کاردار صاحب۔" زمر مسکرا کے اس کی طرف گھومی۔ "آپ بہت خاص آدمی ہیں' بڑے آدمی ہیں۔ امیر۔ بادشاہ لوگ۔ کبھی اپنے محل سے نکل کر اس ملک کی سڑکوں پہ دیکھیں۔ ماشاء اللہ سے روٹی ہو یا نہ ہو ہر دوسرے عام آدمی کے پاس یا تو اسمارٹ فون ہے یا سیل فون کے متعلق تمام اپ ڈیٹس ہیں۔ خود نیاز بیگ کی گرفتاری کے وقت ان کے پاس سے دو قیمتی اسمارٹ فونز نکلے تھے۔ یو نو واٹ....." وہ نیاز بیگ کی طرف گھومی جو اب جلدی جلدی وضاحت دے رہا تھا۔ "آپ موقع پہ نہ تھے نہ آپ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا۔ مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔"

اب ہاشم اور زمر ایک ساتھ بول رہے تھے۔ مچھلی منڈی کی سی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں سعدی پیچھے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"تھینک یو۔" اس نے فارس کا شکریہ ادا کیا۔

"یور ویلکم۔" اس نے سعدی کا کندھا تھپتھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھر زمر اب اگلی تاریخ مانگ رہی تھی تاکہ جنین یوسف کو پیش کر سکے جو ناسازیٔ طبع کی وجہ سے آج پیش نہیں ہو سکی تھی۔ نیاز بیگ کے چہرے کے سارے رنگ اڑ چکے تھے اور وہ بار بار گھبراہٹ سے خود کو گھورتے ہاشم کو دیکھتا تھا۔ اسے اب ہاشم سے کون بچائے گا' یہ سوچ جان لیوا تھی۔

..............❖❖❖..............

مستقل صبر میں ہے کوہِ گراں ...... نقشِ عبرت صدا نہیں کرتا!

فوڈ لی ایور آفٹر شام کے نیلگوں اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ ندرت کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کر فون پہ جھنجھلا کر کسی وینڈر سے کچھ کہہ رہی تھیں' جب ان کی نگاہ دروازے پہ پڑی اور لمحے بھر کے لئے وہ منجمد ہو گئیں۔

چوکھٹ میں ہاشم کاردار کھڑا تھا۔ اپنے تھری پیس کی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مسکراتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ندرت نے فقرہ سست روی سے مکمل کیا۔ وہ قدم قدم چلتا آگے آیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ان کے بالکل ساتھ سے گزرا تھا وہ۔ ان کو نظر انداز کر کے۔ وہ پلٹ کے اسے جاتے دیکھنے لگیں۔ وہ واقف تھا کہ زمر کہاں ملے گی مگر پہلی دفعہ آنے کے باعث گردن گھما گھما کے وہ ریسٹورانٹ دیکھ رہا تھا۔

مدرت کی نگاہوں نے تب تک اس کا پیچھا کیا جب تک وہ اوپری ہال کے دروازے کے پیچھے گم نہ ہو گیا۔

زمر اپنی مخصوص میز کرسی پہ موجود تھی۔ ٹیبل لیمپ جلا ہوا تھا' چھت پہ لگا فانوس بھی روشن تھا اور وہ کہنیاں میز پہ جمائے کام کر رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ آنکھیں اٹھائیں۔ ہاشم کو وہاں دیکھ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی۔ وہ مسکراتا ہوا' "گڈ ایوننگ۔" کہتا سامنے آیا اور کرسی کھینچی۔

"آیئے کاروار صاحب۔ بیٹھیے۔ کیا خدمت کر سکتی ہوں میں آپ کی۔" وہ بظاہر خوش دلی سے بولی' قلم بند کر کے پیچھے ہو بیٹھی۔

"پہلے تو چائے منگوائیں' لیکن بغیر شوگر کے۔"

زمر نے انٹرکام اٹھایا اور بولی۔ "جنید! اوپر دو کافی بھیجیں۔" اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ گھنگریالے بال اونچی پونی میں باندھے وہ کورٹ کے صبح والے سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ (کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔) باہم پھنسے ہاتھوں میں نیلے پتھر والی انگوٹھی دمک رہی تھی۔

"اچھا ہے ریسٹورانٹ۔" وہ ستائشی انداز میں سر کو خم دے کر کہہ رہا تھا۔ "انٹیریر اچھا ہے' ٹریڈیشنل ہے۔ تھوڑا سا ماڈرن ٹچ بھی آ رہا ہے' جو کہ نہیں آنا چاہیے' لیکن خیر ہے۔ وال کلر بدلنا چاہیے۔"

"ایک دفعہ کیس سے فارغ ہو جائیں' پھر ری ماڈلنگ کریں گے اس کی۔"

"اوہ زمر!" وہ افسوس سے گہری سانس لے کر بولا۔ "I miss old times" آواز میں ملال بھی تھا۔ اس پہ نگاہیں جمائے وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "آپ ڈی اے تھیں' سوری پراسیکیوٹر۔ میں آپ کے آفس میں آتا تھا' ہم ایک ساتھ چائے پیتے تھے' بہت سے کیسز کی ڈیل فائنل کرتے تھے' حکومت کا وقت اور پیسہ بچاتے تھے۔ اچھے دن تھے وہ۔"

"آپ کو کبھی افسوس ہوا ہاشم؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "جو آپ نے میرے ساتھ کیا' اس پہ؟"

"بہت زیادہ!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھا' وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مجھے زندگی میں سب سے زیادہ ملال اسی بات کا ہے' میں نے آپ سے وہ خوشی لے لی جو مجھے سونیا کو پانے سے ملی تھی۔ آئی ایم سوری زمر!"

"بہت شکریہ۔ خیر۔ یہ اچانک آپ کیوں آئے ادھر؟" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"میں کافی بور ہو چکا ہوں ٹرائل سے۔" اس نے تھوڑی پہ ناخن رگڑتے ہوئے سوچنے والا انداز اپنایا۔

"یا شاید چیزیں آپ کے خلاف جانے لگی ہیں۔"

"ڈیل کر لیتے ہیں زمر! اس کیس کو ختم کر دیتے ہیں۔ چلیں' صلح کرتے ہیں۔"

"مجھے سوچنے دیں۔" زمر نے کنپٹی پکڑ کے سر جھکا کے آنکھیں بند کیں' پھر دو سیکنڈ بعد ہاتھ نیچے گرایا اور آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ "میں نے بہت سوچا' مگر نہیں۔ میں اس کیس کو جیتنے میں انٹرسٹڈ ہوں۔"

"میں دیت دینے کو تیار ہوں۔ خون بہا۔ name a price"

"جتنی آپ دے سکتے ہیں اس سے دگنی رقم میں آپ کو دیتی ہوں' بدلے میں نوشیرواں کو ہمارے حوالے کر دیں۔"

"صرف شیرو کیوں؟ میں کیوں نہیں؟"

"اس کا جواب میں فیصلہ آنے کے بعد دوں گی۔ اور کچھ کہنا ہے آپ نے؟"

"زمر میں ہار نہیں رہا۔" وہ سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "میں جیت جاؤں گا۔ آپ کے پاس ایک بھی کریڈیبل گواہ نہیں ہے۔ لیکن.... فیصلہ آنے تک آپ لوگ بہت کچھ کھو چکے ہوں گے۔ چاہے وہ عزت ہو' نیک نامی ہو یا جان ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کا مزید نقصان کروں۔"

"اگر آپ کا دل اتنا ہی افسردہ رہتا ہے ہمارے مستقبل کا سوچ سوچ کے تو آپ ہمارا نقصان کرنے کا سوچتے ہی کیوں ہیں؟ یا شاید یہ باتیں کہہ کر آپ خود کو تسکین دیتے ہیں' کہ میں کتنا اچھا ہوں' بس یہ لوگ مجھے برا کرنے پہ مجبور کر رہے ہیں۔"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ "آپ نہیں مانیں گی؟"

"آپ کو میرا جواب معلوم ہے۔ اور آپ اس ڈیل کے لیے یہاں آئے بھی نہیں۔ کیوں نا اب آپ وہ بات کریں جس کے لیے آپ یہاں آئے تھے۔"

ہاشم مسکرا کے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "میں نے آپ کو ہمیشہ بہت admire کیا ہے۔ گو کہ آپ کے پیچھے آپ کو گھمنڈی اور مغرور کہتا رہا ہوں' مگر آپ کے ساتھ کام کر کے اچھا لگتا ہے مجھے۔ میں یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ میں ان اچھے پرانے دنوں کو کبھی کبھی مس کرتا ہوں۔ میں چاہتا تھا ایک آخری بار ان دنوں کی یاد تازہ کروں۔ شاید پھر دوبارہ آپ کے ساتھ اس طرح بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔"

"کیا آپ مجھے قتل کرنے جا رہے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں کرنا چاہتا زمر۔ آپ مجھے مجبور کریں یہ الگ بات ہے۔ آپ کی کافی نہیں آئی!" وہ اٹھتے ہوئے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولا تھا۔ چہرہ پرسکون تھا۔ اور آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

"جب میں جنید کو دو کافی لانے کا کہتی ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک دس منٹ بعد دروازے پہ آ کر کہے کہ میرے چند اہم مہمان آئے ہیں تا کہ میں جلدی جان چھڑا سکوں۔" تبھی دروازہ کھلا اور جنید نے اندر جھانکا۔ "میم! آپ کے مہمان آئے ہیں۔"

زمر نے مسکرا کے ابرو اچکا کے ہاشم کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں آپ کو مس کروں گا۔" اس کی آواز میں کچھ ایسی ٹھنڈک سی تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ مگر بظاہر مسکراتی رہی۔ "اور کچھ؟"

ہاشم نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کے سامنے رکھا۔

"کچھ دن سے میں اپنی ماں کی کی گئی تمام فنانشل transanctions کا حساب کتاب کر رہا تھا تو فارس کی دوسری گرفتاری کے وقت' جب آپ اس کا کیس لڑ رہی تھیں' مجھے چند بے ضابطگیاں ملیں۔ معلوم کروانے پہ علم ہوا کہ.... خیر جو علم ہوا وہ آپ کے ڈاکٹر نے اس کاغذ پہ لکھ دیا ہے۔ میں اس سب سے ناواقف تھا۔ پھر بھی معذرت کرتا ہوں۔ اور صرف یہ چاہتا ہوں کہ جدا ہونے سے پہلے آپ اپنے بارے میں ساری حقیقت جانتی ہوں۔" لفافہ رکھ کے وہ اسے چونکتا چھوڑ کے مڑ گیا۔ دروازے تک پہنچ کے وہ مڑا۔

"taupe۔ ان دیواروں پہ taupe کلر کا پینٹ ہونا چاہیے۔" خلوص سے مشورہ دیا اور باہر نکل گیا۔ زمر تیزی سے لفافہ چاک کر رہی تھی۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے اور لب بھینچے ہوئے تھے۔

ندرت ابھی تک کاؤنٹر کے قریب کھڑی تھیں۔ بس چپ سی۔ وہ ان کے قریب سے گزرنے لگا تو رکا۔

"آپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو عدالت کی بھینٹ نہ چڑھائیں' اس کی عزت ایک دفعہ چلی گئی نا تو واپس نہیں آئے گی۔" نرمی سے ان کو دیکھ کر دھیرے سے بولا تھا۔ ندرت کی آنکھیں اسی طرح اس پہ جمی رہیں۔

"اکثر رات کو تسبیح پڑھتے پڑھتے میں سوچتی ہوں تمہارا انجام کیسا ہوگا' ہاشم۔ پھر میں کوشش کرتی ہوں کہ اس انجام کی نسبت سے تمہارے لیے بددعا کروں' مگر نہیں کر پاتی۔ تمہاری سب سے بڑی سزا پتہ ہے کیا ہونی چاہیے؟ تمہیں ہدایت مل جائے' اور پھر تم ساری زندگی اپنے گناہوں کو یاد کر کے پچھتاتے رہو۔"

"تھینک یو۔ واٹ ایور!" وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ ریسٹورانٹ کے مہمان مڑ مڑ کے اس کو دیکھ رہے تھے۔ متاثر سے۔

مرعوبیت سے۔ تحیر سے۔ سب کی نظریں مختلف تھیں۔ مگر پھر سب کی نظریں ایک سی ہوتیں تو یہ دنیا تو جنت ہوتی!

❖❖❖

اجاڑ بن میں اترتا ہے ایک جگنو بھی ..... ہوا کے ساتھ کوئی ہم سفر بھی آتا ہے

سڑک رات کے اندھیرے کے باعث تاریک بھی تھی مگر جابجا لگے اسٹریٹ پولز کی تیز روشنی کے باعث روشن بھی تھی۔ وہ سامنے دیکھتا توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا جب موبائل اسکرین چمکی۔ فارس نے مصروف انداز میں اسے اٹھایا' مگر اگلے ہی لمحے تیزی سے بریک پہ پاؤں رکھا۔ آبی نے لکھا تھا۔

''ہاشم نے مجھے یہ تصویر بھیجی ہے۔ ساتھ لکھا ہے He cannot protect his women۔ میں کیا کروں؟'' اور نیچے تصویر میں وہ دونوں.... فارس اور آبی.... ایئر پورٹ سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ فارس نے آنکھیں بند کیں۔ (میں نے اس لڑکی کو کتنا نقصان پہنچا دیا۔ اف) پھر وہ جلدی جلدی لکھنے لگا۔

''کہاں ہیں آپ؟ میں آ رہا ہوں۔''

قریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ ہارون عبید کی رہائش گاہ میں بنے لان میں کھڑا تھا۔ سامنے اداس نظر آتی آبدار موجود تھی' اور وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بتا رہا تھا۔

''میں نے آپ کی سیکیورٹی ٹیم ری اسیمبل کر دی ہے۔ آپ کے فون میں ایک ایپ بھی ڈال دی ہے' جس کے ذریعے آپ جہاں بھی ہوں گی' مجھے خبر ملتی رہے گی۔''

آبدار نے اثبات میں سر ہلایا۔ نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''میں نے آپ کو اس مصیبت میں ڈالا ہے' میں نکال بھی لوں گا۔ ڈونٹ وری۔''

''اگر اس نے مجھ سے کچھ پوچھا تو؟'' وہ ڈری ہوئی نظر آتی تھی۔

''تو سارا الزام میرے اوپر ڈال دیجیے گا۔ میں نے آپ کے والد کی زندگی کو نشانہ بنا کر آپ کو بلیک میل کیا۔ کچھ بھی کہہ دیجیے گا۔ مگر یہ نہیں کہنا کہ آپ نے اپنی خوشی سے سب کیا۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''میں آپ پہ الزام ڈال دوں؟ اتنی خود غرض لگتی ہوں میں آپ کو؟''

''بس وہی کریں جو میں نے کہا ہے۔ مجھ پہ الزام ڈالیے گا۔ بس۔'' وہ ہاتھ اٹھا کے قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں عجیب بے بسی بھری فکرمندی بھی تھی۔

''وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا فارس۔ اس نے آپ سے منسوب عورتوں کی بات کی ہے۔ میں تو آپ سے منسوب نہیں ہوں۔''

''جو بھی ہے۔ میں اس دفعہ اس کو اپنے سے جڑے لوگوں کو نقصان نہیں دینے دوں گا۔'' اس کی آواز میں برہمی در آئی۔ آبدار ہلکا سا مسکرائی۔ (تو یہ تھی فارس غازی کی کمزوری جس پہ وہ دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کی حمیت۔ بے بسی کا وہ احساس کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکا تھا پہلے۔)

''کاش میرے بابا بھی آپ جیسے ہوتے۔ اپنی عورتوں کے لیے اتنے ہی کیئرنگ ہوتے۔ جبکہ وہ تو اندر بیٹھے اس بات پہ خوش ہیں کہ مجھے آپ کی شکل میں ایک باڈی گارڈ مل گیا۔ اب وہ اس بات کو بھی کسی طرح ہاشم پہ دباؤ ڈالنے کے لیے استعمال کریں گے۔''

فارس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر بند کر دیے۔ آبدار کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ہاں وہ سب سچ ہے۔" وہ چونکا۔

"میں نے تو کچھ نہیں پوچھا۔"

"مگر پوچھنا تو چاہتے تھے نا۔ بیٹھئے میں بتاتی ہوں۔" اس نے لان چیئر کی طرف اشارہ کیا تو وہ دھیرے سے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ وہ ہر آخری موڑ پہ ایک نئی سڑک کھول دیتی تھی اور وہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھنے پہ مجبور تھا۔

اب وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی اور نظریں کیاریوں میں لگے پھولوں پہ جمائے ہوئے تھی۔

"وہ اسکینڈل سچا ہے۔ میری ماں کے بارے میں مسز کاردار نے خبریں چھپوائیں تھیں اخبار میں۔ کہ وہ فلاں شخص کے ساتھ۔" اس نے تکلیف سے سر جھٹکا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ "پھر بابا نے میری ماں کو قید کر دیا۔ کولمبو کے اسی تہہ خانے میں۔ کرنل خاور نے اس جیل کو بنایا تھا اور اس میں جھول رکھے تھے تا کہ ضرورت پڑنے پہ وہ ان کو نکال کر لے جا سکے۔ ہم لوگ کراچی چلے گئے۔ بابا نے سیاست ترک کر دی۔ ہم گمنامی کی زندگی رہنے لگے۔ فون نمبرز بدل دیے۔ سوشلائزنگ چھوڑ دی۔ مگر ماں کو نہیں چھوڑا بابا نے۔ اس کے سوئس اکاؤنٹ میں کافی رقم پڑی تھی۔ بلیک منی جو لانڈر کر کے ادھر بھیجی گئی تھی۔ مگر ماں کو پتہ تھا کہ جس دن اس اکاؤنٹ کا کوڈ ان کو دے دیا، یہ لوگ ان کو مار دیں گے۔ انہوں نے ہر تشدد سہا مگر اکاؤنٹ نہیں دیا۔ پھر ایک دن خاور ان کو نکال کر لے گیا مسز جواہرات کے پاس۔ جو کام اتنے عرصے کا تشدد نہ کرا سکا وہ مسز کاردار کے چند میٹھے بولوں، ہمدردی اور اعتماد نے کروا دیا۔ میری ماں نے ان کو ساری معلومات دے دیں اور کہا کہ وہ پیسے ان کو نکلوا دیں تا کہ وہ روپوش ہو سکیں۔ وہ زخمی تھیں ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتی تھیں۔ مسز کاردار نے اس اکاؤنٹ کو اپنے قبضے میں کیا۔ ان سے مختلف کاغذات پہ دستخط کروائے اور پھر ان کو مروا دیا۔ وہ بہت بڑی رقم تھی اور وہ آج بھی انہی کے پاس ہے۔ نہ صرف رقم بلکہ میری ماں کے لاکر میں جیولری بھی بہت تھی۔ مسز کاردار صرف ان سے بدلہ لینا چاہتی تھیں۔ انہوں نے بابا کو مسز کاردار سے چھینا تھا نا۔ اس دن سے بابا ان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔" وہ بولے جا رہی تھی اور وہ سنے جا رہا تھا۔ غور سے توجہ سے۔

"مجھے بابا کا ان کی طرف التفات دیکھ کر ڈر لگتا تھا کہ بابا ان کو اپنا ہی نہ لیں مگر اب میں جان گئی ہوں کہ وہ صرف ان کو اذیت دینا چاہتے تھے۔ مسز کاردار مجھے پسند کرتی تھیں ہاشم کے لئے مگر جب سے میں نے ان کو بلیک میل کرنا شروع کیا ہے وہ میری سب سے بڑی دشمن بن گئی ہیں۔"

"ہاشم کو آپ کب سے جانتی ہیں؟" اس نے اپنائیت سے پوچھا تھا۔ آبدار ابھی تک کیاری کو دیکھ رہی تھی، اداسی سے ذرا سا مسکرائی۔ "اس نے میری جان بچائی تھی۔ میں سمندر میں ڈوب گئی تھی۔ وہ مجھے باہر لایا تھا، اس نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔"

"اور تب سے ہی آپ دوسروں کے NDEs میں دلچسپی رکھنے لگی ہیں؟ آپ خود بھی چند لمحے کے لئے کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوئی تھیں شاید۔"

آبی نے چونک کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ بہت سے رنگ آ کر گزر گئے۔ جیسے وہ ہیجان کا شکار ہوں۔

"آپ کلینکل ڈیتھ کے تجربات پہ یقین رکھتے ہیں؟"

"نہیں آبدار۔ مجھے لگتا ہے یہ لوگ خواب دیکھتے ہیں اور اس کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔"

"وہ خواب نہیں تھا۔" آبی نے آنکھیں بند کیں۔ "وہ حقیقت تھی۔ میں نے پہلی دفعہ جانا تھا کہ روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ میری روح میرے جسم سے نکل گئی تھی۔ پانی کے اندر سے ہوتی ہوئی وہ ایک گہری تاریک سرنگ سے گزری تھی۔ سرنگ بہت لمبی تھی۔ اختتام پہ روشنی تھی۔ میں بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ ہوا سے ہلکی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں اپنے جسم سے اوپر اٹھ گئی ہوں۔ اور نیچے میں نے دیکھا وہ مجھے پانی سے باہر لا رہا تھا۔ اس کی شرٹ کی پشت پہ بیل چپکی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے وہ منظر....."

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر ایک آ رہی تھی.... سفید لکیر.... مگر وہ لکیر نہیں تھی وہ کچھ اور تھا۔ اس کے پار میری ماں کھڑی تھی۔ اور ایک کزن جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوا تھا۔ وہ مجھے واپس مڑنے کا کہہ رہے تھے۔ شاید وہیں میں نے اسے دیکھا۔ وہ ایک روشنی سے بنا وجود تھا۔ انسان نہیں۔ بس ایک وجود تھا۔ سراپا نور۔ A being of light۔ اس سے پھوٹتے رنگ بدل رہے تھے۔ سرخ ہو رہے تھے جیسے وہ غصے میں ہو۔ وہ مجھ سے خفا تھا۔ میں نے بہت لوگوں کے انٹرویو دیکھے' یہودی' عیسائی' ہندو' حتیٰ کہ athiests کے بھی۔ وہ کسی سے خفا نہیں تھا۔ کسی نے ان کے بدلتے رنگ نہیں دیکھے۔ تو میں نے کیوں دیکھے؟ سب کو اس نے علم حاصل کرنے کا اور لوگوں سے محبت کرنے کا پیغام دیا۔ میرے اوپر اس نے غصہ کیا۔ کچھ کہا نہیں۔ بس غصہ' طیش.... غضب.... یہی محسوس ہوا مجھے۔ کیوں؟"

"کیونکہ آپ نے خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔" وہ ہلکا سا مسکرا کے بولا۔ وہ بالکل ٹھہر گئی۔ یک ٹک ساکت سی اسے دیکھے گئی۔

"آپ اپنے والد کی توجہ کے لیے خودکشی کرنے جا رہی تھیں۔ آپ نے پہلے بتایا تھا ایک دفعہ۔ یہ جان اتنی ارزاں نہیں ہوتی کہ اسے یوں ضائع کیا جائے۔ کبھی کسی خودکشی کر کے واپس آنے والے مریض کا انٹرویو کیا آپ نے؟"

آبی نے نفی میں سر ہلایا۔ "جو اپنی جان کو بے مقصد ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں یا دوسروں کی جانوں کے ساتھ کھیلتے ہیں وہ توبہ کیے بغیر مر جائیں تو قابل معافی نہیں ہوتے۔ اس لیے شاید اس نے آپ پہ غصہ کیا ہو۔" پھر گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اب چلتا ہوں۔ کوئی مسئلہ ہو تو بتایئے گا۔"

آبی نے بدقت اثبات میں سر ہلایا۔ "تھینک یو۔ مسز زمر کو میرا سلام کہیے گا۔"

"شیور۔" وہ گہری سانس لے کر پلٹ گیا۔ آبدار کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

..................☆☆☆☆☆..................

خالی دامن سے شکایت کیسی؟ ..... اشک آنکھوں میں تو بھر جاتے ہیں!

حنین نے آج پھر سبق نہیں سنایا تھا۔ میمونہ کا فون آیا تو اس نے سر درد کا بہانہ کر دیا لیکن وہ اصرار کرنے لگی کہ تھوڑا سا قرآن سے دیکھ کر ہی سنا دو' بس ناغہ نہ ہو۔ تب وہ وضو کر کے اپنے بیڈ پہ آ بیٹھی اور قرآن کھول لیا۔ سورہ مریم آج کل وہ حفظ کر رہی تھی۔ صفحے سے دیکھ کر سنانے لگی۔ چند آیات کے بعد ہی اس کی سانس اتھل پتھل ہونے لگی مگر وہ تلاوت کرتی رہی۔

"(کہا ابراہیم نے) اے میرے باپ بے شک مجھے خوف ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے پھر شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔ کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے؟ البتہ اگر تو باز نہ آیا میں تجھے سنگسار کروں گا اور مجھ سے ایک مدت تک دور ہو جا۔ کہا (ابراہیم نے) تیری سلامتی رہے اب میں اپنے رب سے تیری بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ اور میں تمہیں چھوڑتا ہوں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔ پھر جب ان سے علیحدہ ہوا اور اس چیز سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ہم نے ان کے لیے "لسان الصدق" (نیک نامی) بنائی۔" (42-50)

سانس مزید پھول گیا تو اس نے بس کر دی۔ اور اجازت مانگی۔ فون بند کرنے کے بعد وہ ٹیرس پہ آ بیٹھی اور کتنی ہی دیر یونہی بیٹھی رہی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا' ڈپریشن سا ڈپریشن تھا۔ اور تب اس کی نظر کالونی میں دور ایک درخت سے ٹیک لگائے شخص پہ پڑی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس عام سے مدور جال کو بہت حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ تاریکی کے باوجود وہ اس کی آنکھیں پڑھ سکتی تھی۔ وہ تیزی سے نیچے کو بھاگی۔

"شیرو بھائی!" چند منٹ بعد وہ اپنا گیٹ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کے سیدھا ہوا مگر خاموش

ویران آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

''آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟ جانتے ہیں نا' کورٹ میں یہ بات آپ کے خلاف جا سکتی ہے؟ اس لئے چلتے ہیں۔'' درشتی سے وہ بولی تھی۔

''لوزر... سپر لوزر... یہی کہا تھا نا تم نے مجھے۔ اگر پیچھے مڑ کے دیکھو تو یہ سب تمہاری زبان کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔'' وہ تلخی سے بولا تھا' ایسی تلخی جس میں ملال زیادہ تھا۔ حنین چونک کے واپس گھومی۔ ''کیا؟''

''تم دونوں کو کبھی احساس ہوا حنین کہ تم لوگ اپنے احساس برتری میں مجھے کتنا ہرٹ کر جاتے تھے؟ میری کتنی بے عزتی کرتے تھے؟ اور آئی ڈونٹ کیئر اگر تم یہ سب ریکارڈ بھی کر لو۔ لیکن میں نے جو کچھ کیا وہ اس لئے کیا کیونکہ تم دونوں نے مجھے ہمیشہ بے عزت کیا۔ کبھی میری عزت نہیں کی۔''

''صحیح؟'' حنین نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور سر کو خم دیا۔ ''میں نے واقعی آپ کو بہت ڈی گریڈ کیا ہے۔ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''لیکن اس کے باوجود میں پورے ملک میں بدنام ہو چکا ہوں' اور تمہارا بھائی دو قتل کر کے بھی بدنام نہیں ہوا۔ اس کے خلاف انکوائری نہیں ہوتی۔ وہ ہر دفعہ بچ جاتا ہے۔ کوئی ایک لمحے کے لئے بھی کیوں نہیں سوچتا کہ وہ' اور تم... تم دونوں بھی میرا دل دکھاتے تھے۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہا تھا' گویا پھٹ پڑا تھا۔

''کیونکہ ہم ''لوگ'' تھے اور ''لوگ'' باتیں کرتے ہیں نوشیرواں بھائی۔ لوگوں کا کام ہی باتیں کرنا ہے۔ آپ کو لوگوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن آپ بھی کیسے پروا نہ کرتے۔'' وہ تلخی سے ہلکا سا مسکرائی تھی۔ ''جب لوگ ہمارے بارے میں باتیں کرتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہمیں لگتا ہے ہماری عزت خراب ہو گئی ہے۔ ہم دوبارہ سر اٹھا کے نہیں جی سکیں گے۔ ہمارا خاندان ہمیں رسوا کر دے تو لگتا ہے ساری زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔ بدکاری کی سزا سنگسار کرنا ہوتا ہے۔ سر عام پتھر مار کر ہلاک کرنا۔ یہ ایک توہین آمیز سزا ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے یہی سزا سنائی تھی۔ ان کی عزت ختم کرنے کے لئے۔ کیونکہ لوگ ان کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ ان کے بتوں کو زمین بوس کرنے والا ہے ایک نوجوان... کہتے ہیں جسے ابراہیم۔ وہ بچے تھے مگر زمانے بھر نے ان کے خلاف باتیں کیں' سازشیں کیں۔ ان کو تنہا کر دیا۔ ان کی عزت ختم ہو کر رہ گئی۔ ان کو ان کے گھر سے نکال دیا گیا' جب آگ میں نہ جلا سکے تو ملک سے نکال دیا۔ پھر کیا ہوا؟'' وہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔ شیرو یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''پھر یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسحٰق بھی دیے' اسمٰعیل بھی' اور یعقوب بھی۔ ان کو اللہ نے کعبہ بنانے کا شرف بھی دیا اور ان کے نام کو رہتی دنیا تک ہماری نمازوں کا' ہمارے درود کا حصہ بنا دیا۔ تین بڑے ادیان کے پیروکار یہود... عیسائی... مسلمان... اس بات پہ جھگڑتے ہیں کہ ابراہیم ہمارا ہے۔ سب انہی کو اپنانا چاہتے ہیں' ان کو اپنے دین میں داخل دکھانا چاہتے ہیں' جن کو ان کے گھر والوں نے نکال دیا تھا۔ جن کی وہ لوگ عزت نہیں کرتے تھے۔'' وہ بول رہی تھی اور اس کا سانس مزید پھولتا جا رہا تھا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ کے تمتمانے لگی تھی اور آواز بلند ہو رہی تھی۔ ''اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے لسان الصدق بنائی۔ سچی زبان۔ سچی تعریف۔ نیک نامی۔ جو رہتی دنیا تک اور اس کے بعد بھی قائم رہے گی۔ مگر ہم نوشیرواں بھائی' ہم کتنے کھوکھلے لوگ ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمیں بے عزت کریں گے تو ہماری عزت اور نیک نامی چلی جائے گی؟ ہم رسوا ہو جائیں گے؟ لوگ ہمارے بارے میں باتیں کریں گے تو ہم کبھی سر اٹھا نہیں سکیں گے؟ تو پھر کون تھا وہ شخص جس نے اپنے وقت کے بڑے بڑے خداؤں کو کلہاڑا مار کے توڑا تھا' جس کے بارے میں سب لوگ بری بری باتیں کرتے تھے مگر آج اس جیسا نیک نام کوئی نہیں؟ نہیں نوشیرواں بھائی... لوگوں کا کام تو ہوتا ہے باتیں کرنا۔ کسی انسان کی عزت لوگوں کی زبانوں سے نہیں بندھی ہوتی کہ وہ زبان کھولیں گے اور عزت گر جائے گی۔ اللہ....'' اس نے انگلی اٹھا کے اوپر اشارہ کیا۔ ''صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے ہر انسان کی

عزت۔ وہ نہ چاہے تو کوئی رسوا نہیں ہو سکتا۔ اور جانتے ہیں کیوں اچھے بھلے دیندار لوگ ایک دن اچانک سے ہماری نظروں سے گر جاتے ہیں؟ جب ان کی سیاہ کاریاں سامنے آتی ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بدل گئے ہیں، مگر وہ پہلے بھی اچھے نہیں تھے۔ ان کی نیت شروع سے خراب تھی اور شروع میں اللہ نے ان کو چانس دیا مگر جب انہوں نے اپنی نیت درست نہ کی تو اللہ نے ان کی تمام محنتوں اور کوششوں کو انہی کے ہاتھوں برے کاموں میں لگایا یوں ان کی نیتیں سب پہ کھل گئیں۔ انسان بری نیت نہ رکھے تو اللہ اسے کبھی رسوا نہیں کرتا۔ یہی پوچھنا چاہتے تھے نا آپ۔ یہی ہے آپ کا جواب۔ کسی کی عزت کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہمارا سارا خاندان ہماری بے عزتی کرے گا تو اللہ اس سے کئی زیادہ لوگ پیدا کر دے گا جو ہماری عزت کریں گے۔ اگر ہم نے اپنے گناہوں پہ معافی مانگ لی ہے، اور دوسروں کا بھلا سوچنے لگ گئے ہیں نا، ہماری نیت درست ہے نا، تو اللہ ہمیں کسی انسان کے ہاتھوں رسوا نہیں کرے گا۔ اگر ہم انسانوں کی بھلائی سوچیں، اور اپنی نیت کو نیک کر لیں تو ملے گی ہمیں وہ عزت جسے کوئی انسان واغدار نہیں کر سکے گا۔ اسلئے ان بتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ کلہاڑا مار کے ان کو توڑ دینا چاہیے۔ کوئی ہمارے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھے تو اس کی آنکھ کو تیر مار کے پھوڑ دینا چاہیے۔ کسی کو نقصان دینے میں پہل کرنے کا نہ سوچنا ہے نہ یہ کرنا ہے۔ لیکن ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے مرو کردار اگر ہم عام! کیوں کو یہ کہہ کے دھمکائیں کہ وہ ہماری تصاویر یا ہمارے راز پوری دنیا کو دکھا دیں گے تو ان کو کہنا چاہیے کہ جاؤ جاؤ... دکھا دو سب کو... تم پھر بھی مجھے رسوا نہیں کر سکتے۔ دنیا کے سارے بدکردار مرد اکٹھے ہو جائیں، وہ تب بھی تائب ہوئی ہم عام لڑکیوں کو رسوا نہیں کر سکتے۔ یہ ہوتی ہے توبہ اور اچھی نیت۔ عزت پانا چاہتے ہیں نا آپ؟ تو لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرنا شروع کریں۔ میں بھی عزت پانا چاہتی ہوں، اس لئے میں اب ڈرے

بغیر دوسروں کا سوچوں گی۔ اپنے بھائی کا سوچوں گی جس کے لئے مجھے گواہی دینی ہے۔ پھر تیر مارنا پڑے یا کلہاڑا، اللہ شاہد ہوگا کہ میری نیت بری نہیں تھی۔'' اس کی گلابی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ چہرہ دہک رہا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سن سا ہوا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ اب اندر کی طرف مڑ گئی تھی مگر وہ ہنوز وہیں کھڑا تھا۔ اس کے الفاظ کی بازگشت ابھی تک کالونی کے درختوں سے ٹکرا ٹکرا کے پلٹ رہی تھی۔

............❖❖❖............

کرب چہرے سے ماہ و سال کا دھویا جائے ...... آج فرصت سے کہیں بیٹھ کے رویا جائے

فارس جس وقت کمرے میں آیا، وہ بیڈ پہ کروٹ لئے لیٹی تھی۔ رخ دوسری طرف تھا۔ آنکھوں پہ بازو رکھے ہوئے تھی۔

''محترمہ... وہ دن کب آئے گا جب میں گھر آؤں گا اور آپ میرے کسی جرم کی پاداش میں مجھ سے خفا نہیں بیٹھی ہوں گی؟'' وہ سنگھار میز کے قریب کھڑا، گھڑی اتارتے ہوئے مسکراہٹ دبائے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا جو ہنوز کروٹ لئے لیٹی نظر آ رہی تھی۔ ''تو پھر پاکستان پینل کوڈ کی کونسی دفعہ کے تحت میرے اوپر آج چارجز فریم کیے جائیں گے؟ میں آپ سے بات کر رہا ہوں زمر بی بی۔''

گھڑی اتار کر رکھی اور آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے شرٹ کے آستین موڑنے لگا۔

''نہیں لگا میں نے اس کا دیا ہوا پرفیوم۔ پھر کیا ہوا ہے؟ کس بات پہ ناراض ہو؟'' وہیں سے اسے پکارا۔ وہ نہیں ہلی۔ نہ کوئی جنبش، نہ آواز۔ وہ پہلے قدرے حیران ہوا، اور پھر گھوم کے اس کی طرف آیا۔ وہ چہرے پہ دونوں بازو رکھے ہوئے تھی، مگر جتنا چہرہ نظر آ رہا تھا وہ... گیلا تھا... بے حد گیلا۔

''زمر... کیا ہوا ہے؟'' وہ ششدر سا اس پہ جھکا، اور اس کے بازو ہٹائے۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ چہرہ سامنے آیا تو وہ نیچے فرش کو دیکھتی روئے جا رہی تھی۔ پلکوں پہ اتنا پانی لدا تھا کہ حد نہیں۔

''کیا ہوا ہے؟ اٹھو بیٹھو۔'' وہ حیران پریشان سا سہارا دے کر اسے بٹھانے لگا۔ اس نے پھر کوئی مزاحمت نہیں کی، بس ڈھیلی سی اٹھ

کے بیٹھ گئی۔ گھنگھریالے بالوں کی پونی ڈھیلی پڑ چکی تھی اور شدت گریہ سے ناک اور آنکھیں گلابی ہو کے دھک رہی تھیں۔

''مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟'' کبھی وہ اس کو شانوں سے تھام کر اپنی طرف موڑتا' کبھی ان کا چہرہ تھپتھپاتا۔''ادھر دیکھو۔ مجھے بتاؤ' کیا ہوا ہے؟''

''مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ میں عام نہیں ہوں۔ بلکہ عام لوگوں سے بہت مختلف ہوں۔ برتر ہوں۔'' وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے دوران بولی تھی۔ وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے لگتا تھا میں چونکہ پراعتماد ہوں' مضبوط ہوں' ایک کریڈیبلٹی ہے میری' تو ہاشم مجھے کچھ تو سمجھتا ہوگا۔ کورٹ میں مجھے لائٹ نہیں لیتا تو ایسے بھی نہیں لیتا ہوگا۔ مجھے لگتا تھا کوئی تو اہمیت ہوگی میری۔ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے۔ ایک باہمت بہادر عورت ہونے کی حیثیت سے۔ مگر نہیں۔ میں تو ان لوگوں کے لئے ایک چیونٹی سے بڑھ کر نہیں ہوں۔''

''کیا ہوا ہے زمر؟ مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔'' وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔ زمر نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔''اس لئے مارا تھا تم نے میرے ڈاکٹر کو؟ اسی لیے نا؟''

فارس ایک دم بالکل گنگ سا ہو گیا۔''کیا؟''

''مجھے پتہ ہے تم نے اسے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ آج ہاشم نے بتا دیا ہے۔''

''کیوں مارا تھا؟'' وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ کے بولا تھا۔

''جب تم جیل میں تھے تو اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ میرا کڈنی ناکارہ ہو چکا ہے۔ تم سمجھ گئے تھے' میں نہیں سمجھی تھی۔ مجھے لگتا تھا میں بہت عقلمند ہوں' مگر میں عام سی بے وقوف سی عورت ہوں۔'' وہ پھر سے بلک بلک کے رونے لگی تھی۔

''یہ..... یہ بتایا ہے اس نے تمہیں؟ بس یہی کیا اس نے یا اس نے کچھ اور بھی؟'' وہ سانس روکے پوچھ رہا تھا۔

''اس سے زیادہ وہ کیا کر سکتا تھا؟ فارس اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا تھا؟'' وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے چہرہ جھکائے روئے جا رہی تھی۔''میں نے کیا بگاڑا تھا ان لوگوں کا۔ میں نے ان کو کب نقصان دیا؟ کبھی ان کا دل بھی نہیں دکھایا پھر کیوں مذاق بنا دیا انہوں نے میری زندگی کو؟'' فارس نے گہری سانس لی اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''آئی ایم سوری' مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا' مگر میں نہیں بتا سکا۔ میرے اندر ہمت نہیں تھی تمہیں پھر سے توڑنے کی۔'' وہ اس کا سر نرمی سے تھپکتے ہوئے ملال سے کہہ رہا تھا۔

''تماشا بنا دیا میری زندگی کو۔ میں کیا ہوں ان کے لئے؟ فارس میں کیا ہوں ان کے لئے؟'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی جا رہی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''وہ دن بہت برے تھے۔ تم جیل میں تھے۔ میں اکیلی تھی۔ میں کسی سے اپنا مسئلہ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ میں کتنی پریشان تھی۔ مجھے لگا میں مرنے جا رہی ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے پھر بھی خود کو مرنے کے لئے تیار کر لیا تھا۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا' دور کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا' اور وہ آنکھیں اس کے کندھے پہ رکھے رونے جا رہی تھی۔

''ہر روز مجھے لگتا تھا کہ میں مرنے والی ہوں۔ انہوں نے میری ساری امیدیں توڑ دیں۔ مجھے خواب دیکھنے کا موقع بھی نہ دیا۔ میں نے کیا بگاڑا تھا ان کا؟ مجھے کیوں یہ ہر دفعہ پیر تلے مسل کر چلے جاتے ہیں۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میرے سر پہ تلوار لٹک رہی تھی۔ زمر مرنے والی ہے۔ ہر روز یہ الارم بجتا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ٹھیک سے اندر سے خوش بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ اندر ہی اندر مجھے ڈپریشن کھا رہا تھا۔ میں نئی زندگی کو پلان بھی نہیں کر پاتی تھی۔ کیوں کھیلتے رہے وہ میری صحت کے ساتھ؟''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ٹھیک ہو۔ تمہیں اب کچھ نہیں ہوگا۔''

''اب میں کیسے یقین کروں کہ اب میں زندہ رہوں گی؟ میں مرنے کے لئے تیار تھی۔ میں اپنی تیاری کو کیسے بدلوں فارس؟ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔'' وہ اسی طرح روئے جا رہی تھی۔ سسکیوں اور ہچکیوں کے باعث اس کی آواز مدغم تھی۔ الفاظ بے ربط اور گڈمڈ سے ہو رہے تھے۔ وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

کیا وہ اسے بتائے؟ کیا وہ اسے ایک دفعہ پھر سے توڑے؟ اونہوں۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ زمر کے آنسو ہنوز آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

..................☆☆☆..................

تو میرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب مجھے ...... شوقِ کمال بھی نہیں، خوفِ زوال بھی نہیں!

عدالتی کمرے میں آج عجیب تناؤ زدہ ماحول تھا۔ جواہرات کا روار مطمئن سی سیاہ لباس اور ہیروں کی جیولری پہنے شاہانہ انداز میں بیٹھی تھی۔ نوشیرواں بھی ہر دفعہ کی طرح تیار ساویران چہرہ لئے موجود تھا۔ ساتھ بیٹھا ہاشم چھبتی مسکراتی نظروں سے کٹہرے میں کھڑی حنین کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک پلندہ بھی تھا۔

اس نے کھلتے ہوئے گلابی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ گلابی دوپٹہ سر پہ لپیٹے وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف اٹھا رہی تھی۔ آن ماتھے کے کٹے بال ماتھے پہ گرنے کی بجائے پن لگا کر پیچھے کو چوٹی میں کس دیے تھے اور وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ تروتازہ چہرے کے ساتھ بہت اطمینان سے کھڑی تھی۔ جج صاحب کرسی پہ پورا گھوم کے اس کو دیکھ رہے تھے۔ زمر کے قریب بیٹھا سعدی سر جھکائے ہوئے تھا' بار بار اٹھنے کا ارادہ کرتا مگر زمر روک دیتی۔ ''اسے اکیلا چھوڑ دو گے؟'' اور وہ بیٹھ جاتا۔ آخری کرسیوں پہ بیٹھے فارس نے گردن موڑ کے ہیم کو دیکھا جس کی نظریں کٹہرے پہ جمی تھیں۔ فارس غیر آرام دہ سے انداز میں بولا۔

''تمہیں آج نہیں آنا چاہیے تھا اسامہ۔''

اسامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''اسے مورل سپورٹ نہ دوں؟ اکیلا چھوڑ دوں؟ ٹھیک ہے' جب وہ میری الماری سے چاکلیٹس کھا جاتی ہے اور میری کاپی پہ کور نہیں چڑھا کے دیتی تو دل کرتا ہے اس کی گردن مروڑ دوں' لیکن ہے تو وہ میری بہن نا۔''

''او کے ٹھینک یو اسامہ!'' وہ خفگی سے سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔

''اچھا آپ کی عمر کیا ہے؟'' جج صاحب نے اس نازک' دبلی پتلی' دراز قد مگر کم عمر لڑکی کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ عام شکل و صورت کی تھی اور کمزور سی دکھتی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں چمکدار تھیں اور پیشانی روشن تھی۔ سوال پہ اس نے نگاہوں کا رخ ان کی طرف پھیرا۔ ''بائیس سال یور آنر۔'' مگر جج صاحب کو وہ اب بھی ''مائنر'' لگ رہی تھی سو سمجھاتے ہوئے بولے۔ ''اچھا ایسا ہے کہ ابھی پہ مسز زمر آپ سے سوال کریں گی' اس کے بعد وکیل صفائی آپ سے جرح کریں گے اور......''

''جی یور آنر' قانونِ شہادت آرٹیکل 132 کے تحت پہلے جس وکیل نے مجھے بلایا ہے وہ میری examination in chief کریں گی' پھر وکیلِ صفائی مجھے کراس کریں گے' پھر مسز زمر مجھے دوبارہ سے re-examine کر سکتی ہیں مگر صرف ان باتوں کی وضاحت کے لئے جو کراس کے دوران سامنے آئی ہیں' اس کے بعد ہاشم کاردار مجھے دوبارہ سے ری کراس کر سکتے ہیں لیکن وہ نئے سوال پوچھنے کا

بھی حق رکھتے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔" وہ ایک ہی سانس میں بولے چلی گئی۔

سیم نے فارس کے قریب سرگوشی کی (اب یہ زیادہ اوور ہو رہی ہے۔) مگر فارس اب غور اور اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا جو غیر معمولی طور پہ کمپوزڈ نظر آ رہی تھی۔ جج صاحب اب پورا گھوم کے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"بہر حال' کاردار صاحب آپ سے جرح کے دوران متعلقہ سوالات کے علاوہ کوئی ایسا سوال بھی پوچھ سکتے ہیں جو..." وہ پھر سے اسے وارن کرنے لگے مگر......

"جو قانون شہادت آرٹیکل 141 کے تحت میری veracity چیک کرنے کے لیے ہو' میرا بیک گراؤنڈ' کام وغیرہ جاننے کے لیے ہو یا..." نظروں کا رخ ہاشم کی طرف موڑا۔ "میرا کردار مسخ کرنے کے لیے ہو۔ اور کورٹ ان سوالوں کی اجازت دے گی میں جانتی ہوں۔"

جج صاحب نے کھلے لب بند کیے' پھر بولے۔ "میں صرف یہ تسلی کر رہا تھا کہ آپ کو اپنے رائٹس معلوم ہیں یا نہیں۔"

"I know my rights more than i know my wrongs . your honour!"

وہ اسی انداز میں بولی تھی۔ جیسا' شائستہ' مسکرا کے بولنے والا انداز۔ ہاشم محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سیم نے پھر سے منہ بنایا (اوور)۔ فارس غیر آرام دہ تھا اور سعدی فکر مند۔ "یہ کیا کر رہی ہے زمر؟"

"وہ حنین ہے اور اس کے دماغ میں کیا چلتا رہتا ہے' میں نہیں جانتی۔" وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے سامنے آ ٹھہری۔

"ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتایئے۔"

"حنین ذوالفقار یوسف خان۔" وہ زمر کو دیکھ کے گردن اکڑا کے بولی تھی۔

"مدعی سعدی یوسف سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"وہ میرا بھائی اور brother in arms (اچھا ساتھی) ہے۔" سعدی کو دیکھ کے مسکرا کے بولی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

اب زمر اس سے چند چھوٹے موٹے سوالات کرنے لگی۔ وہ اعتماد اور سبھاؤ سے جواب دیتی گئی۔

"تیس مئی کی شام جب آپ میرے کمرے میں موجود تھیں' تو آپ نے باہر کیا دیکھا؟"

"میں نے دیکھا' سعدی یوسف گھر کی پچھلی گلی میں چلتا آ رہا تھا' اور وہ فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ مخاطب کو حلیمہ کے نام سے پکار رہا تھا' اور کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے باس سے ملنے کل آنا چاہتا ہے۔ یعنی وہ اپائنٹمنٹ لے رہا تھا۔"

"اور آپ کے عزیز و اقارب میں حلیمہ کس کی سیکرٹری کا نام ہے؟"

"ہاشم کاردار کی سیکرٹری ہے وہ۔ ہاشم نے مجھے اور آپ کو خود بتایا تھا جب ہمارے سامنے ان کی سیکرٹری کا فون آیا تھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ آپ نے یہی نام سنا تھا؟"

"جی۔ سو فیصد۔"

"ہمیں نوشیرواں کاردار کے اغوا کے بارے میں بتایئے' تاکہ عدالت کو معلوم ہو کہ وہ کس کردار کا حامل ہے؟" زمر سوال پوچھ رہی تھی اور وہ جواب میں پورا واقعہ بتا رہی تھی کہ کس طرح اس نے نوشیرواں کا ڈرامہ پکڑا۔ شیرو زخمی نظروں سے اسے دیکھے گیا مگر اسے جیسے حنہ سے اب کوئی گلہ نہیں رہا تھا۔

"آخری دفعہ جب ہاشم کاردار آپ کے گھر آئے تھے' بریانی فرائیڈے پہ' تو کیا کہا تھا انہوں نے؟"

''انہوں نے سب کے سامنے معافی مانگی تھی اور اقرار کیا تھا کہ نوشیرواں اور وہ ذمہ دار ہیں سعدی بھائی کے اغوا اور ارادہ قتل کے۔ انہوں نے ہم سے سب بھول کر آگے بڑھنے کی بات کہی تھی۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتی گئی۔

''حنین آپ کو یقین ہے کہ انہوں نے اعتراف جرم آپ کے سامنے کیا تھا؟'' زمر جج صاحب پہ ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے' انہوں نے اعتراف جرم کے ساتھ افسوس کا اظہار بھی کیا تھا۔''

''your witness!'' زمر مڑی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا' عادتاً کوٹ کا بٹن بند کیا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سعدی کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ چاہ کر بھی چہرہ اٹھا نہیں پا رہا تھا۔ نظریں زمر کے کاغذات پہ رکھے کھلے پین پہ جمی تھیں جس کی نب تیز دھار پھل کی طرح چمک رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے اس پین کو مٹھی میں دبا لیا۔ نظریں ہنوز جھکی تھیں۔

''حنین یوسف!'' ہاشم مسکرا کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کا آغاز کرنے لگا۔ ''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ....''

''اور لینگویج کا کیا؟'' وہ تیزی سے بولی۔ ہاشم رکا۔ جج صاحب نے بھی گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''قانون شہادت کے تحت آپ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے کہ میں کس زبان میں زیادہ کمفرٹیبل ہوں اور میرا بیان اسی زبان میں ریکارڈ ہونا چاہیے۔ یہ میرا حق ہے اور آپ نے مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔''

''اوکے جی۔ آپ کس زبان میں آرام دہ ہیں؟''

''اردو یا انگلش۔ کسی میں بھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ہاشم نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''حنین آپ کے بیان کے مطابق آپ نے سعدی کو مبینہ طور پہ کسی کی سیکرٹری کا نام لیتے سنا تھا۔ حلیمہ۔ کیا یہ درست ہے؟''

''جی!''

''اور کیا آپ نے سرنیم بھی سنا تھا؟ حلیمہ کون؟ اگلا نام؟''

''بھائی نے صرف حلیمہ بولا تھا۔''

''حنین آپ ماشاء اللہ ایک ذہین لڑکی ہیں' اتنا تو جانتی ہوں گی کہ آفیشل capacity میں ایمپلائز کو عموماً ان کے سرنیم کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ مس یوسف' مسز کاردار۔ فرسٹ نیم ترم نہیں یوز کی جاتیں۔ کیا ایسا نہیں ہے؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ باسز عموماً اپنی سیکرٹریز کے ساتھ فرینک ہوتے ہیں اور ان کو فرسٹ نیم ترم کے ساتھ ہی بلاتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ میرے سامنے اپنی سیکرٹری کا فون اٹینڈ کرنے کے بعد آپ نے ہمیں اس کا نام حلیمہ ہی بتایا تھا۔ نو سرنیم!''

''لیکن کیا آپ نے سعدی کو فون پہ میرا نام لیتے سنا؟ یا نوشیرواں کا؟''

''نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اور وہ حلیمہ کوئی بھی حلیمہ ہو سکتی تھی۔ کسی کی بھی سیکرٹری' رائٹ؟''

''آبجیکشن یور آنر۔'' زمر تیزی سے اٹھی۔ اس سے پہلے کہ زمر اعتراض کی وجہ بتاتی یا جج صاحب رولنگ دیتے' حنین نے جج صاحب کی طرف رخ پھیر کے کہا۔

''کیا آپ مسز زمر کو کچھ دیر کے لئے خاموش رہنے کا کہہ سکتے ہیں کیونکہ مجھے ان کے سوالوں پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں ہر سوال کا جواب دوں گی۔''

''وہ آپ کی وکیل ہیں۔ اور....''

"وہ میری وکیل نہیں ہیں۔ میں اپنی وکیل خود ہوں۔ اب میں جواب دوں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔ زمر سے نظر بچائی۔ وہ برہمی سے واپس بیٹھی۔ سعدی ابھی تک پین ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔

"جی وہ کوئی بھی حلیمہ ہو سکتی تھی' میں نے صرف فرسٹ نیم سنا تھا۔"

"اور آپ پورے وثوق سے کہتی ہیں کہ آپ کے سامنے میں نے اعتراف جرم کیا تھا؟"

"جی۔" اس نے ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کے کہا۔ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ گویا ننھی لڑکی کو دیا آخری موقع بھی ضائع چلا گیا ہو۔

"اور کیا سعدی کے واپس آنے سے قبل کیا کبھی آپ نے میرے سامنے ذکر بھی کیا کہ آپ میری سو کالڈ اصلیت سے واقف ہیں۔"

"نہیں۔" وہ قدرے آہستہ سے بولی تھی۔

"آپ کے بیان کے مطابق آپ بہت پہلے سے واقف ہو گئی تھیں' لیکن کیا آپ نے کبھی مجھے کھل کے کہا کہ میرے بھائی نے آپ کے بھائی کو اغوا کر رکھا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ لوگ ایک ہم سے وہ سب ہمارے خاندان کو مجرم ٹھہرانے لگے کیونکہ آپ مجھ سے بدلہ لینا چاہتی تھیں؟"

وہ اس کے سامنے کھڑا بے رحمی سے جرح کر رہا تھا۔

"کس چیز کا بدلہ؟" سعدی کی گرفت پین پہ سخت ہوئی۔ جھکی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

"آپ کو اگنور کرنے کا بدلہ۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"کس طرح اگنور کرنے کا بدلہ؟" اس نے سپاٹ انداز میں دہرایا۔

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ چند ماہ تک مجھ سے واٹس ایپ پہ بات کرتی تھیں؟ (سعدی نے آنکھیں زور سے میچیں۔ زمر نے اس کی اکڑی ہوئی مٹھی پہ ہاتھ رکھا۔) اور میری توجہ چاہتی تھیں۔"

"میں آپ سے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھتی تھی جیسے علینا اپنے کلاس فیلوز سے بات کرتی ہے۔"

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ اپنی فیملی سے چھپ کے مجھ سے بات کرتی تھیں۔"

"میں آپ سے فیس بک پہ بھی سب کے سامنے بات کرتی تھی جیسے علینا اپنے کولیگز سے کرتی ہے۔"

"مگر کیا یہ درست نہیں ہے کہ یہ آپ کی فیملی میں غلط سمجھا جاتا ہے؟"

"میری فیملی میں یہ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا علینا کی فیملی میں سمجھا جاتا ہے مگر جیسے علینا ضرورت کے تحت فیس بک پہ اپنے کولیگز وغیرہ سے بات کر لیتی ہے' میں بھی کر لیتی ہوں۔"

"ایکسکیوزمی یہ علینا کون ہے؟" ہاشم نے اکتا کے بات کاٹی۔

"جج صاحب کے ریڈر کی بیٹی۔" اس نے معصومیت سے کہہ کر چند کاغذ جج صاحب کی طرف بڑھائے۔ جہاں ریڈر صاحب چونکے' وہیں ہاشم ٹھہرا اور زمر نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ (اف۔ اف)

"یور آنر ریڈر صاحب کی بیٹی کے فیس بک کے کچھ اسکرین شاٹس ہیں اور یہ میری ہاشم بھائی سے کی بات کے اسکرین شاٹس۔ علینا اپنی یونیورسٹی میں ایک نہایت باعزت اور برائیٹ اسٹوڈنٹ ہیں اور جیسے وہ بولتی ہیں' میں بھی ویسے ہی بولتی تھی۔ اب ہمارے بڑے اس

بارے میں کیا سوچتے ہیں مجھے نہیں پتہ۔ آپ یورآنر کے ریڈر سے پوچھ لیں کیا وہ اس طرح بات کرنے کو برا سمجھتے ہیں؟"

ہاشم نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ جج صاحب نے کاغذات پہ ایک نظر ڈالی اور عینک کے پیچھے سے گھور کے حنین کو دیکھا۔

"آپ ریڈر کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کرسکتیں۔" انہوں نے تنبیہہ کی۔

"یور آنر قانون میں کہیں بھی کوئی بھی شق مجھے منع نہیں کرتی اس چیز سے سو میں یہ لے آئی۔" معصومیت سے شانے اچکائے۔

"میری بیٹی کا یہاں کیا ذکر؟"

"میں بھی تو کسی کی بیٹی ہوں۔ میرے ذکر کی اجازت بھی تو آپ لوگ دے رہے ہیں نا۔" پھر ہاشم کو دیکھا۔ "آپ کیا پوچھ رہے تھے؟ اس چیز کو کیسا سمجھا جاتا ہے ہم جیسی عام فیملیز میں؟" ریڈر صاحب کی طرف اشارہ کیا جن کے چہرے پہ برہمی تھی۔

"میں آپ کی انٹرنیٹ ایڈکشن کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" ہاشم نے تیزی سے پینترا بدلا۔ وہ ایک جج کے ریڈر کی طرف جانے والی گفتگو کا رخ موڑنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتا تھا، پھر ابھی بہت سے تیر ترکش میں باقی تھے۔

"کیا یہ درست ہے حنین یوسف کہ آپ کمپیوٹرز وغیرہ میں بہت اچھی ہیں؟"

"بالکل!" مسکرا کے سر کو خم دیا۔ جج صاحب اب کاغذ رکھ کے واپس ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"اور کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر بھی ہیں؟" وہ دوبارہ سے روانی پکڑ چکا تھا۔

"جی۔"

"حنین کیا آپ کے اردگرد کے لوگ آپ کے پاس hacking سے متعلق فیورز لینے آتے ہیں؟"

"لوگ میرے پاس فیورز لینے کیوں آئیں گے؟"

"کیونکہ آپ بہترین ہیں اور وہ آپ پہ زیادہ بھروسہ کر سکتے ہیں۔"

"جی۔ لوگ مجھ سے فیورز لیتے رہتے ہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔ وہ پرسکون تھی۔ زمر بار بار اعتراض کرنے اٹھنے لگتی، پھر رک جاتی۔ کمرہ عدالت میں تناؤ ہر پل بڑھتا جا رہا تھا۔

"کیا 2013 میں ایسا ہوا کہ کسی دوست کے والد نے آپ سے کوئی فیور مانگا؟"

"جی ہاں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ ہاشم کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

"اور کیا اس فیور کا تعلق ان کے خاندان کی کسی عورت کے کسی اسکینڈل سے تھا؟"

"جی ہاں۔"

"اور ان کی مدد کرنے کے لیے آپ کو غیر قانونی ہیکنگ کرنی پڑی؟"

"میرے جواب کے بعد آپ مجھے sue تو نہیں کریں گے نا؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔ جیسے کوئی بچہ پوچھتا ہے۔ ہاشم نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔ "میں آپ کو sue نہیں کروں گا، حکومت کا کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میری طرف سے بے فکر ہو کر جواب دیجیے۔"

"جی۔ مجھے ان دوست کے والد کے لیے غیر قانونی hacking کرنی پڑی تھی۔"

"اور کیا یہ درست ہے کہ بدلے میں آپ نے ان صاحب سے کوئی فیور مانگا تھا؟"

فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ زمر فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سعدی کا سر جھکا تھا مگر وہ گردن اکڑائے جواب دے رہی تھی۔

"جی میں نے ان سے فیور لیا تھا۔"

''اور یقیناً وہ فیور خاص قسم کا ہوگا کیونکہ میری اطلاع کے مطابق وہ صاحب ایک انتہائی بااثر عہدے پہ فائز تھے۔''

''ایسا ہی ہے۔'' حنہ نے اعتراف کیا۔

''کیا آپ کورٹ کو بتانا پسند کریں گی کہ وہ کون تھے اور ان کے کس کام کے بدلے میں آپ نے ان سے ایک خاص فیور لیا تھا؟''

''وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس بات کا تعلق ان کے خاندان کی ایک عورت کی عزت سے ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا بتانا۔''

''یور آنر میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ گواہ کو جواب دینے کا حکم دے کیونکہ ان سوالوں سے گواہ کا کردار عدالت کے سامنے واضح کرنا بہت ضروری ہے' کیونکہ یہ وہ گواہ ہے جو کہہ رہا ہے کہ اعتراف جرم اس کے سامنے ہوا ہے۔''

''گواہ کو جواب دینا ہوگا۔'' جج صاحب نے اسے ہدایت کی۔

''اور اگر میرے جواب سے ایک عورت کی عزت خراب ہوتی ہے تو ہو جائے؟ وہ فوت ہو چکے ہیں تو کیا ہم ان کا پردہ نہ رکھیں؟'' وہ جذباتی سے انداز میں بولی۔

''یہ سب آپ کا کردار جاننے کے لئے ہو رہا ہے حنین یوسف اس لئے اپنی فکر کیجئے اور جواب دیجئے۔'' وہ مسکرا کے بولا تھا۔ چہرے پہ فاتحانہ چمک تھی۔

''کیا آپ واقعی اس عورت کے ضمیر کو یوں ایکسپوز کرنا چاہتے ہیں؟ اس مرے ہوئے آدمی کی ساکھ کو داغدار کرنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟'' وہ دکھ سے بولی تھی۔

''I don't give a damn!'' اس نے چیخ کی آواز نکال کے شانے جھٹکے تھے۔ ''لیکن آپ اگر چاہیں تو ان کے ناموں کی جگہ ان کا عہدہ بتا دیں تو بتایئے عدالت کو کہ وہ صاحب جن کا ایک کام کیا تھا آپ نے' وہ کون تھے عہدے کے اعتبار سے۔''

حنین نے اس کی آنکھوں پہ آنکھیں جمائے تین حرف بولے۔

''آئی پی پی۔''

سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ادھر ہاشم نے بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے آپ کہنا چاہ رہی ہیں او ایس پی۔''

''جی نہیں کاردار صاحب۔ میں کہنا چاہ رہی ہوں وہ ایک آئی پی پی تھے۔ اور نگزیب کاردار نام تھا ان کا' اور 2013 کے دسمبر میں وہ ایک ذاتی کام لے کر میرے پاس آئے تھے۔ جب نوشیرواں کے اغوا کا پول کھولنے کے بدلے میں انہوں نے مجھے وہ لیپ ٹاپ اور دوسرے gadgets گفٹ کیے تھے تب انہوں نے مجھے ایک اور کام بھی کہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں مسز جواہرات کاردار کا موبائل ہیک کر کے ان کے اپنے لندن سے چلتے افیئر کا پتہ چلاؤں اور.....''

کمرہ عدالت کا منظر ایک دم بدلا تھا۔ سارے رنگ بدلے۔ موسم کا امتزاج بدلا۔ جہاں جواہرات کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں وہاں ہاشم نے تیزی سے اس پٹ پٹ بولتی لڑکی کو چپ کروایا۔ ''او کے تھینک یو' دیٹس آل حنین۔''

''نہیں مجھے بتانے تو دیں' میرے کردار کو واضح کرنا چاہ رہے تھے نا آپ۔ تو پھر مجھے کرنے دیں نا اپنا کردار واضح۔''

''ٹھیک ہے بہت ہو گیا۔ آپ جا سکتی ہیں۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر درشتی سے اسے خاموش کروا کے اپنی کرسی کی طرف پلٹ گیا۔ اس کے ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ کنپٹی کی رگ پھڑک رہی تھی۔ ایک دم سے لوگ پرجوش انداز میں چہ مگوئیاں کرنے لگے تھے۔ پیچھے بیٹھے رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ حنین کٹہرے سے ہلی تک نہیں۔ اسی ہٹ دھرمی سے پکار کے بولی۔

''نہیں کاردار صاحب میں آپ کی گواہ نہیں ہوں' آپ مجھے نہیں بھیج سکتے۔ مجھے re-examine کرنے کا حق اس وکیل کو ہے

جس نے مجھے بلایا تھا..."

"میں گواہ کو re-examine کرنا چاہوں گی۔ یور آنر۔" زمر تیزی سے کھڑی ہوئی۔ حنین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شانے اچکائے۔ جیسے اجازت دی ہو۔

جواہرات کا ہاتھ اپنی گردن پہ تھا اور وہ بالکل نیچے دیکھ رہی تھی۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ہاشم کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور وہ بڑبڑا کے احتجاج کر رہا تھا مگر جج صاحب نے اسے خاموش کرا دیا۔ صورتحال ایک دم دلچسپ ہو گئی تھی۔

"حنین یوسف' کیا آپ وضاحت کریں گی کہ اورنگزیب کاردار نے آپ کو کیا کام کہا؟"

"یہ ہمارے دوست ہاشم کاردار کے والد اورنگزیب کاردار اور میری ای میلز کا ریکارڈ ہے اور یہ ٹیکسٹ میسجز کا۔" وہ کاغذات جج صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے بولی تھی۔ "وہ چاہتے تھے کہ میں ان کی بیوی کا فون rat کر کے ان کو دے دوں' یعنی وہ اپنے فون پہ کیا کر رہی ہیں' اورنگزیب کاردار یہ دیکھ سکیں۔ ان کو شک تھا کہ ان کی وائف کا اپنے ایک کزن کے ساتھ جو افیئر رہا ہے ماضی میں' وہ شاید دوبارہ شروع ہو چکا ہے۔ سو مسز کاردار کے فون تک میں نے ان کو ایکسس دی' پھر اورنگزیب انکل کے اصرار پہ ان خبیب مطیع نامی صاحب کے فون تک بھی ان کو ایکسس دی۔ یہ خبیب مطیع اور مسز کاردار کی ای میلز کا ریکارڈ ہے اور چونکہ ہاشم کاردار کو تو ایک "damn" جتنی پرواہ بھی نہیں ہے اس لئے میں یہ بھی آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں۔ میں نے غلط کام ضرور کیا تھا مگر ان کی مدد کر رہی تھی میں۔" آخری چند کاغذات ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ جواہرات خاموشی سے اٹھی تھی' ہینڈ بیگ اٹھایا اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گئی۔ چند رپورٹرز اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ نوشیرواں سرخ چہرہ جھکا کے بیٹھا تھا اور ہاشم برہم بے بس سا اسے بولتے دیکھ رہا تھا۔

"یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے یور آنر۔" وہ آخر میں چلایا۔ غیظ و غضب سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں ان محترمہ پہ ہتک عزت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ بلکہ آج ہی میں آپ کو نوٹس بھیجوں گا۔" انگلی اٹھا کے تنبیہ کی تو زمر فوراً بولی۔

"یور آنر اِٹس..." مگر حنین کی آواز نے اس کا فقرہ اچک لیا۔

"Estoppel کے قانون کے تحت آپ چونکہ مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ آپ میرے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کریں گے تو اب اگر آپ کوئی دعویٰ کریں' تب بھی عدالت آپ کو estop کر سکتی ہے۔" حنین اپنی ہینڈس پر بیپ کر کے آئی تھی۔ زمر گہری سانس لے کر خاموش واپس جا بیٹھی۔ اب حنین جج صاحب کو مزید اس واقعے کی تفصیل بتا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے زمر کو پیچھے سے ٹہوکا دیا۔ تو وہ مڑی۔ پیچھے بیٹھے وکیل نے چٹ سی اس کی طرف بڑھائی۔ وہ سیدھی ہوئی اور کاغذ کھولا۔

"میرا خیال ہے آپ کو وکالت چھوڑ کے کوئی اور کام شروع کر دینا چاہیے زمر بی بی۔ سلائی کڑھائی' یا کوکنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے مڑ کے دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے بظاہر سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر نے چند الفاظ کاغذ پہ گھسیٹے اور اسے مروڑ کے واپس بھیجا۔ جب فارس نے اسے کھولا تو اس پہ لکھا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ کو یہ دنیا ہی چھوڑ دینی چاہیے۔"

وہ چہرہ جھکا کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ دو چار افراد نے مڑ کے اسے دیکھا بھی تھا۔

حنین اب اپنی بات ختم کر چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ نیچے اترتی' جج صاحب نے اسے روک کے پوچھا۔ "آپ وکیل ہیں؟" اس نے سادگی سے ان کا چہرہ دیکھا۔ "نہیں یور آنر!"

"لاء اسٹوڈنٹ ہیں؟!"

''نہیں یور آنر!''

''پھر کیا ہیں؟''

''میں حسین ہوں۔ اور میں ایک عام لڑکی ہوں۔'' وہ اداسی سے مسکرا کے نیچے اتری ایسے کہ اس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور سعدی اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔ اکڑی ہوئی مٹھی میں پکڑا قلم وہ کب کا چھوڑ چکا تھا۔

باہر نکلتے ہوئے حنہ ہاشم کے قریب ٹھہری جس کا چہرہ اہانت سے ابھی تک تمتمایا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

''میں ناڈرامے بہت دیکھتی ہوں۔ ہاں اب میں اتنے ڈرامے دیکھنے کو اچھا نہیں سمجھتی مگر جو دیکھ رکھے ہیں ان میں ایک دفعہ ایک قصہ سنا تھا۔ کہ ایک آدمی کے پاس ایک بدروح آئی اور اسے ڈرانے لگی۔ جب وہ نہیں ڈرا تو وہ بولی۔ جانتے نہیں ہو میں تمہاری جان لے سکتی ہوں۔ وہ آدمی بولا' سارا غم اسی جان کا ہی تو ہے' جس دن یہ نہ رہی' اس دن میں تم سے بڑی بدروح بن جاؤں گا۔ آپ جیسے بلیک میلرز کو یہ جان لینا چاہیے ہاشم کاردار' کہ سارا غم اسی عزت کا ہی تو ہے' کیونکہ جس دن ہم لڑکیوں کی عزت چلی گئی نا' اس دن آپ سے بڑی بلا بن جائیں گی ہم!'' اور آگے بڑھ گئی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ بس اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ سب اس کو دیکھ رہے تھے۔ وہ نظریں ..... وہ چہ گوئیاں ..... قیامت سی قیامت تھی۔

حنہ اپنے گروہ کی طرف آگئی۔ زمر اسے ریڈ روالی بات پہ ڈانٹ رہی تھی۔ سیم اسے اوور کہہ رہا تھا اور سعدی اسے گلے سے لگا کے اسے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے کبھی بھی اس سب میں نہیں گھسیٹنا چاہتا تھا۔ مگر اب حنہ کے ہر طرف سناٹا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور وہ بہت ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی۔

عام لڑکیوں کی طرح۔

⁂

عجب چیز ہے ..... یہ گردشِ زمانہ بھی ..... کبھی زمیں پہ، کبھی مثلِ آسماں گزری

قصر کاردار میں ایسا ہولناک سناٹا چھایا تھا گویا کوئی مر گیا ہو۔ جواہرات سپاٹ چہرے اور جھکی نظروں سے آگے چلتی جا رہی تھی اور وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا۔ غیض و غضب سے سرخ پڑتا چہرہ لیے وہ بے بسی اور نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اندازہ ہے آپ کو میں نے کورٹ روم سے پارکنگ ایریا تک کا سفر کیسے کیا ہے ممی!'' ہاشم کی چنگھاڑتی غراتی آواز پہ بھی وہ نہیں رکی' دھیرے دھیرے آگے بڑھتی گئی۔

''مجھے رسوا کر دیا آپ نے پورے زمانے میں۔ وہ ہمارے قرابت دار نہیں تھے' ہمارے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں تھے جو ایسی باتوں کو مسکرا کے ہضم کر جاتے۔ ممی وہ ''عام'' لوگ تھے۔ وہ وکیل تھے' جج تھے۔ ان کی نظریں... ان کی باتیں۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں لیے پاگل ہو رہا تھا۔ جواہرات چپ چاپ آگے بڑھتی گئی۔ رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔

''میرا ان دو ٹکے کے نیچ لوگوں کے ساتھ روز کا ملنا تھا ممی۔ مجھے ان کا ہر دن سامنا کرنا ہوتا ہے۔ وہ میری ورک پلیس تھی۔ میں بار ایکشنز کے بارے میں سوچ رہا تھا اور آپ نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں ان کو منہ دکھا سکوں۔ آپ نے مجھے رسوا کر دیا۔''

جواہرات نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔ وہ پیچھے بولتا جا رہا تھا۔

''اور میں جانتا ہوں طیب مطیع کے بارے میں۔ اسی لیے ڈیڈ نے مجھ سے کہہ کر اسے جیل کروائی تھی کیونکہ.....'' شدت جذبات سے وہ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔ جواہرات نے دروازہ بند کر دیا اور وہیں نیچے فرش پہ بیٹھتی گئی۔ وہ گم صم سی لگتی تھی۔

''میرے مرے ہوئے باپ کو آپ روز رسوا کرتی ہیں۔ کبھی ہارون عبید کے ساتھ' کبھی کسی تھرڈ کلاس کزن کے ساتھ۔ کیا ہیں آپ

ممی! کیا ہیں آپ؟" وہ باہر کھڑا اسی طرح چلا رہا تھا۔

سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑی سونیا اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اس کا وجیہہ بہادر سا باپ اپنے کیوں اپنے حواس کھو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

اندر بیٹھی جواہرات کا فون مسلسل تھر تھرا رہا تھا۔ اس نے اسی بے جان سے انداز میں نکال کے دیکھا تو ہارون کا نمبر اسکرین پہ چمک رہا تھا۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو!" تھکی تھکی شکست خوردہ سی آواز نکلی۔

"میں افسوس کرنا چاہتا تھا۔ سنا ہے آج چھوٹے چھوٹے بچے تمہیں رسوا کر گئے جواہرات۔ مجھے واقعتاً افسوس ہے۔ کیا میں تمہارے لیے کچھ کر سکتا ہوں؟" ان کی آواز میں آنچ سی تھی۔ مسکراہٹ فاتحانہ مانانہ۔

ہاں۔ تم بولتے جاؤ۔ میں سنتی جاؤں گی۔ جو غلاظت' جو باتیں کہنی ہیں' کہہ دو۔" انہوں نے فون کان سے زور سے دبایا' تاکہ صرف ہارون کی آواز سماعت سے ٹکرائے اور باہر چیختے بیٹے کی باتیں اس شور میں دب جائیں۔ تاکہ تکلیف کم ہو۔

"میری بیوی کے ساتھ بھی یہی کیا تھا تم نے۔ ان کو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔"

وہ آنکھیں بند کیے سنتی گئی۔ گرم گرم آنسو آنکھ سے نکل کے چہرے پہ گرتے رہے۔

"اب بھی وقت ہے جواہرات۔ مجھے میری بیوی کے اکاؤنٹ تک ایکسس دے دو۔ ان کی رقم' اس کے زیورات مجھے دے دو۔ میں تمہیں اس سارے اسکینڈل سے نکال لوں گا۔"

"تمہیں لگتا ہے میں ڈھے گئی ہوں؟ ہار گئی ہوں؟ اونہوں۔ ابھی جواہرات کا رداز" باقی" ہے۔ اس سے بڑے طوفان سے گزری ہوں۔ ابھی تمہیں ہاروں گی مگر تم بولتے رہو۔ میں سن رہی ہوں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تھی۔ دوسری طرف سے انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔ باہر سے بولتے' چلاتے ہاشم کی آواز پھر سے آنے لگی تھی۔ جواہرات نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

پچھلے سارے طوفان میں اس کا یہ بیٹا اس کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور آج....؟؟؟

.... ❀❀❀ ....

کچھ تو ہو رات کی سرحد میں اترنے کی سزا ...... گرم سورج کو سمندر میں ڈبویا جائے!

مارکیٹ میں معمول کا رش تھا۔ مصروف سے لوگ آگے پیچھے گزر رہے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ ایسے میں پارکنگ میں ایک کار کھڑی تھی اور وہ دونوں اگلی نشستوں پہ بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

"امیر کیانی ہر ہفتے کی شام اس میڈیکل اسٹور سے دوا خریدنے آتا ہے۔ اس کی ماں کو کوئی chronic بیماری ہے۔ آج ہفتہ ہے اور آج وہ آئے گا مگر مسئلہ یہ ہے سعدی کہ وہ کل صبح کی فلائٹ سے عمرے کے لئے جا رہا ہے اور حج سے پہلے نہیں آئے گا۔ ان لوگوں کے پاس عمرہ دینہ کو حج تک بڑھانے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔" احمر سامنے دکانوں پہ نظر جمائے کہہ رہا تھا۔ سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یعنی ہمارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں اس سے بات کرنے کے لئے۔"

"ہمارے نہیں' تمہارے پاس۔ کیونکہ مجھے سخت نفرت ہے ان PMDC والوں کو۔" احمر نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

"کیوں؟ تمہارے پاس کوئی ایم بی بی ایس کی جعلی ڈگری بھی ہے؟" احمر نے جواباً صرف گھورا۔ تردید نہیں کی۔

"اوکے۔ تو پھر اس سے بات مجھے ہی کرنی ہوگی۔" سعدی نے گہری سانس لی۔

"نہ صرف بات کرنی ہے بلکہ اسے راضی کرنا ہے' پیسے بہت لے گا مگر یہ پی ایم ڈی سی کا واحد کلرک ہے جو خفیہ طریقے سے نہیں

پاکستان کے تمام ڈاکٹرز کا ڈیٹا فراہم کر سکتا ہے اور ہم Facial recognition سافٹ ویئر کے ذریعے ڈاکٹر بابا کو ان لاکھوں ڈاکٹرز میں ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن اس شخص کے علاوہ کوئی کلرک ایسا نہیں جو کارداد کو نہ بتائے۔ ان کے بہت جاننے والے ہیں پی ایم ڈی سی میں۔ وہ محتاط ہو گئے تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔"

"اگر آپ کی نصیحتیں بند ہو گئی ہوں تو میں جاؤں اور عمرے پہ جانے والے شخص کو رشوت کی پیشکش کروں تاکہ وہ میرا سچ ثابت کرنے میں میری مدد کر سکے۔"

"ایک تو تم لوگوں کی اخلاقیات سے میں بہت تنگ ہوں۔" احمر نے برا سا منہ بنایا۔ "اس ملک میں کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا بھائی۔"

"میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس لیے پہلے میں اسے باتوں سے منانے کی کوشش کروں گا' خدا کرے مجھے رشوت نہ دینی پڑے۔" اس نے کان میں آلہ لگاتے ہوئے دروازہ کھولا اور پھر سر پہ پی کیپ جماتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اندر بیٹھے احمر نے اپنے کان میں آلے کو جمایا اور بولا۔

"شاپ کے قریب کھڑے ہو جاؤ۔ وہ جیسے ہی آئے گا' میں تمہیں خبردار کر دوں گا۔"

"آہستہ بولو۔ میرے کان درد کرنے لگے ہیں۔" وہ کراہا تھا۔ احمر ہتھیلی پہ لگا مائیک منہ کے بالکل قریب لے کر گیا اور مزید زور سے بولا۔ "تم سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا' انگلی سے کان میں لگے آلے کو ذرا ڈھیلا کیا اور ناخوشی سے پوچھا۔ "کیا بات؟"

"تمہاری امی نے غازی سے کہا ہے کہ تمہیں سمجھائے اب شادی کر لو مگر اس کا خیال ہے' بندے کو ایک نہیں تین شادیاں کرنی چاہئیں اس لیے تمہیں سمجھانے کی ذمہ داری اس نے مجھے دی ہے۔"

سعدی ہلکے سے ہنس دیا۔ سر جھکائے وہ قدم آگے کو بڑھا رہا تھا۔

"شادی؟ کیا چاہتی ہیں امی؟"

"یہی کہ سارے پرانے تجربات بھلا کر شادی کر لو اور ان کو خوش کر دو۔"

"جب تک میں نوشیرواں کو سزا نہیں دلوا دیتا' تب تک نہیں کرنی مجھے شادی۔" اب کہ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ اس دکان کے قریب ایک اسٹال پہ رکھے میگزین دیکھنے وہ اب رکا کھڑا تھا۔

"یار کیا مل جائے گا تمہیں اس بے چارے کو سزا دلوا کے؟ اس کی شکل نہیں دیکھی تم نے؟ مجھے تو لگتا ہے وہ بہت افسردہ اور نادم ہے۔"

"ندامت کافی نہیں ہوتی۔ اگر اتنا ہی نادم ہے تو اعتراف جرم کیوں نہیں کر لیتا؟"

"انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا سعدی یوسف خان۔"

"اسی لیے میں انصاف لینے گیا ہوں' انتقام نہیں۔" وہ تلخی سے میگزین کے صفحے پلٹاتے' سر جھکائے بولا تھا۔

"خیر تمہاری والدہ جاننا چاہتی ہیں کہ اگر وہ تمہارے لیے کوئی لڑکی پسند کریں تو تم قبول کر لو گے؟ نہیں اگر قید میں کوئی ایک آدھ پسند آ گئی ہے تو بتا دو ہم نے یہ آپشن اوپن رکھا ہوا ہے۔"

"آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر ساری ڈیلنگ اس آدمی سے میں نے ہی کرنی تھی تو پیچھے کس چیز کے لیے تھے آپ نے؟" وہ میگزین میں چہرہ دیے بول رہا تھا۔

"بات مت بدلو۔ خیر... اس تک لے کر تو میں ہی آیا ہوں نا۔ اچھا وہ ابھی آنے والا ہے۔ اس کا فون اسی ایریا میں آ گیا ہے۔"

احمر کار میں بیٹھا ٹیبلٹ پہ جی پی ایس چیک کر رہا تھا۔ سعدی اب نگاہیں ادھر ادھر دوڑاتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ میگزین ہاتھ میں تھا۔ پی کیپ نے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔

اور یہ تبھی تھا کہ اس نے وہ آواز سنی۔ سیٹیوں کی۔ قہقہوں کی۔ اس نے چونک کے گردن پھیری۔ پلازے کے کونے والی دکان کے عین سامنے ایک لڑکا بیساکھی کا سہارا لیے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹ نیڑھے تھے اور وہ نفی میں سر ہلاتا کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کے گرد گھیرا کیے کھڑے تین لڑکے اس کو بولنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے البتہ ایک لڑکا اب نہیں بول رہا تھا بولنے لگا تھا۔ معذور لڑکے نے جواباً کچھ کہا تو اس نے کھینچ کے اس کے منہ پہ تھپڑ دے مارا۔

"ادھر مت دیکھو۔ اپنے کام پہ فوکس کرو۔" کان میں احمر کی محتاط آواز آئی تو وہ سر جھٹک کے آف کورس کہتا دوسری جانب دیکھنے لگا۔ البتہ چہرے پہ اضطراب سا پھیل گیا تھا۔ کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ معذور لڑکا اب پیچھے ہٹنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس کی طرف تینوں اطراف سے بڑھ رہے تھے۔ معذور لڑکے نے سامنے والے کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اسے پرے ہٹانا چاہا مگر جواباً دوسرے نے اس کی بیساکھی کو پاؤں سے دھکیلا۔ وہ دور جا کے گرا۔

"سعدی... وہ آنے والا ہے۔ فوکس کرو۔ یہ آدمی آج ہمارے ہاتھ سے جانا نہیں چاہیے۔"

"مجھے پتہ ہے۔"

"بار بار ان کی طرف مت دیکھو۔ وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارا کیس اور اس کی گواہیاں زیادہ اہم ہیں۔" احمر اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ سر ہلا کے خاموشی سے کھڑا رہا۔ کبھی کوئی کتاب اٹھا لیتا، کبھی کوئی رسالہ۔ کنکھیوں سے جھلکتا منظر شدت پکڑ رہا تھا۔ لوگ نظر انداز کر رہے تھے اور وہ تینوں اب اسے زمین پہ گرا کے مار رہے تھے۔

"وہ آ گیا ہے۔ وہ دیکھو۔ براؤن شرٹ میں عینک والا۔"

"ہوں!" سعدی سامنے دیکھنے لگا مگر اس کا دماغ فوکس نہیں کر پا رہا تھا۔ لڑکے اسی طرح معذور لڑکے کو مار رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ ایسے میں اسے آنکھ کے کنارے پہ نظر آیا ایک لڑکے نے اپنے بوٹ سے اس کے ٹیڑھے منہ پہ ٹھوکر ماری تھی۔

بس بہت ہو گیا۔ وہ تیورا کے گھوما اور جارحانہ انداز میں ان کی طرف بڑھا۔

"سعدی... نو... واپس مڑو... سعدی یوسف!" احمر اس کے کان میں غرا رہا تھا۔

"یو نو واٹ...." اس نے کان میں لگا آلہ دو انگلیوں سے پکڑ کر باہر نکالا اور ہاتھ منہ کے قریب لے جا کر بولا۔ "تم میرے باس نہیں ہو۔" اور اسے جیب میں ڈالتا تیزی سے ان کی طرف لپکا۔ (احمر نے بے اختیار اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔)

"کمزور سے کیوں لڑ رہے ہو؟ ادھر آؤ، مجھ سے مقابلہ کرو۔" پی کیپ کا رخ پیچھے کو موڑا تاکہ چہرہ سامنے واضح نظر آئے اور آستینیں اوپر چڑھاتا وہ ان کی طرف آیا۔ وہ چونکے تھے۔ ایک نے منہ بھر کے اسے گالیاں دیں۔ دوسرا اس کی طرف بڑھا، مگر اب اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اور خاور قید خانے کے کمرے میں تھے، وہ کمرہ جس کی دیوار پہ ان گنت لکیریں لگی تھیں۔ اور خاور اس کو بتا رہا تھا کہ اسے لیٹ کر مارنا ہے۔ صرف بے ہوش کیسے کرنا ہے۔ اپاہج کیسے کرنا ہے۔ قتل کیسے کرنا ہے۔ اس کے سامنے صرف خاور تھا۔ اور وہ اپنا ہاتھ اور پاؤں گھما کر اس کو مار رہا تھا۔ ارد گرد خاموشی تھی۔ صرف وہ دونوں تھے اور ان کے ہاتھوں کی مہارت تھی۔ سر جھکا کے ایک طرف سے نکل جانا اور پھر کک سے مارنے کا انداز تھا۔ ارد گرد اور کچھ نہیں تھا۔

سرخ دھند چھٹی تو سامنے وہ تینوں اب قدرے زخمی حالت میں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔ بس چند لمحے لگے تھے ان کو بھگانے میں۔ چند راہگیر جو تماشہ دیکھنے رکے تھے اب وہ بھی مڑ گئے تھے۔ اپاہج لڑکا زمین پہ گرا ہوا تھا' اور اس کے جسم سے جا بجا خون نکل رہا تھا۔ منہ کی چوٹیں سب سے زیادہ تکلیف دہ تھیں۔ وہ جھکا اور اسے ایک ہاتھ کے سہارے سے اٹھانے لگا۔

لڑکا نیم بے ہوش مندی آنکھوں سے اسے یک ٹک دیکھتا سہارا لے کر اٹھنے لگا۔

"مجھے اس کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔" وہ دوسرے ہاتھ سے کان میں آلہ دوبارہ لگا چکا تھا۔

"ٹیکسی کر کے جاؤ کیونکہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔" وہ جلا بھنا سا بولا تھا۔ سعدی نے چونک کے دور رکھے میگزین اسٹینڈ کو دیکھا۔

"وہ چلا گیا؟"

"نہیں۔ اس نے یہاں اعتکاف میں بیٹھنا تھا' اس لئے دیکھو شاید ابھی تک ہو۔" وہ سخت تپ چکا تھا۔ "یا تو مجھے کام نہ کہا کرو اور اگر کہا کرو تو میرے طریقے سے عمل بھی کیا کرو۔"

"احمر!" وہ لڑکے کو سہارا دے کر چلا رہا تھا۔ "میں نے یہ جنگ یہ صرف ایک کیس جیتنے کے لئے یا ایک امیر لڑکے کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کی خواہش کے لئے نہیں شروع کی تھی۔ میں نے یہ لڑائی اس لئے مول لی تھی تاکہ کوئی مغرور اور بددماغ لڑکا کسی عام کمزور لڑکے کو یوں نہ مار سکے۔ کوئی اپنے گھمنڈ میں کسی کو bully نہ کر سکے۔ اور جب بھی کوئی یہ کرے تو اس کا ہاتھ روکا جائے' اور اگر رکنے سے تمرد کرے تو اس کا ہاتھ توڑا جائے۔ تاکہ خاص لوگ عام لوگوں کو اپنے پیروں تلے نہ روندیں۔ اگر میں یہ ہونے دوں تو میں کیسا انسان ہوا؟" وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بیڑہ غرق تمہاری اخلاقیات کا۔ میں بتا رہا ہوں' آج سے میں نوشیرواں کے ساتھ ہوں۔ کم از کم وہ میری بات تو مان لیتا۔" وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا تھا۔ کم از کم اس وقت وہ اسے اس زخمی کے ساتھ ہسپتال نہیں لے جا رہا تھا۔ خود جائے اب ٹیکسی میں۔ ماں نہیں ہوں میں اس کی۔ ہونہہ۔

اس شام ہاشم کاردار ابھی تک اپنے آفس میں موجود تھا۔ کھڑکیوں کے آگے اندھیرا پھیل چکا تھا اور آفس کی عمارت ملازموں سے تقریباً خالی ہو چکی تھی مگر وہ قطعاً تھکا ہوا نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سیٹ پہ ٹیک لگائے وہ پورے یقین اور عزم سے سامنے بیٹھے رئیس سے کہہ رہا تھا۔ "چھ دن ہیں ہمارے پاس۔ چھ دن میں تمہیں فول پروف اور ٹھوس منصوبہ بنانا ہے۔"

"میں کر لوں گا' سر... آپ بے فکر رہیں۔" وہ جو ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پہ کھٹ کھٹ ٹائپ بھی کیے جا رہا تھا' تسلی آمیز انداز میں بولا۔

"مجھے خاور کی کمی محسوس نہ ہونے دینا۔" ہاشم نے تنبیہہ کی تھی' اس نے صرف سر کو خم دیا۔ تب ہی دروازہ افراتفری کے عالم میں کھلا اور ہڑبڑائی ہوئی سی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔ "سر..."

"تم ابھی تک یہیں ہو؟ اب چلے جانا چاہیے تمہیں۔" وہ نرمی سے بولا تھا مگر حلیمہ چہرے پہ دوڑتی ہوائیوں کے ساتھ سامنے آئی۔

"سر! وہ... ہم سیکرٹریز ایک دوسرے سے ان ٹچ ہوتی ہیں' اور بہت سی باتیں شیئر کرتی ہیں۔" وہ چھوٹے تنفس کے ساتھ بول رہی تھی۔

"آگے بولو۔" وہ تمہید سے بےزار ہوا۔

"سر... نوشیرواں صاحب کی سیکرٹری کی کال آئی ہے مجھے۔ ابھی ابھی۔ انہوں نے... نوشیرواں نے... ایک ہوٹل میں میڈیا کے نمائندوں کو بلایا ہے' اور وہ ایک ہنگامی پریس کانفرنس کرنے جا رہے ہیں۔" ہاشم بجلی کی سی تیزی سے کھڑا ہوا۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔

''کیسی پریس کانفرنس؟'' فون اور والٹ اٹھاتے ہوئے وہ چیخا تھا۔

''کچھ نہیں معلوم' سر' وہ بس کوئی اہم انکشاف کرنے جا رہے ہیں۔'' اگلے الفاظ ہاشم نے نہیں سنے۔ اسے بس یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ دوڑ رہا ہے۔ رئیس اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ راہداریاں... آفس کیبن... لفٹ... وہ پسینہ پسینہ ہوتے جسم کے ساتھ عبور کرتا بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ یوں لگ رہا تھا ساری عمارت اس کے سر پہ گرنے والی ہو... ہر شے ملیامیٹ ہو کر زمین بوس ہونے والی ہو... ساری دنیا جل کر راکھ ہونے والی تھی.....

سڑکوں پہ گاڑیاں... لوگ... درخت بھاگ رہے تھے... اور اس کی زندگی پیچھے کو دوڑ رہی تھی۔ برسوں کی محنت... ساکھ... عزت ... سب کچھ ذشیرواں کے اعتراف جرم سے مٹی میں ملنے والی تھی۔ وہ اپنے بھائی کو کھونے جا رہا تھا۔ وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ رئیس اسے رفتار ہلکی کرنے کو کہہ رہا تھا' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ اسے پسینے آ رہے تھے۔

اس کا بھائی اپنی زندگی ختم کرنے جا رہا تھا... نظروں کے سامنے اس کے بچپن کے مناظر گھوم رہے تھے... وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بار بار لڑھک کے گر جاتا' تو وہ جھک کے اسے اٹھاتا... اسے سنبھالتا... اس کی انگلی پکڑ کے اسے دشوار زینے پار کرواتا... یہ انگلی کیسے چھوٹ گئی؟ کیسے فیصلہ کر لیا اس نے اس بے وقوفی کا؟ اوہ نہیں شیرو۔ پلیز نہیں.....''

ہال میں رش تھا۔ بے پناہ رش۔ اسے پوڈیم پہ ڈائس کے پیچھے شیرو کھڑا نظر آیا تھا۔ وہ تھری پیس سوٹ اور ٹائی میں تیار کھڑا تھا۔ بال بھی جیل سے جما رکھے تھے اور ایک ہاتھ ڈائس پہ رکھے وہ مائیک پہ چہرہ ذرا جھکائے بول رہا تھا۔ سامنے بیٹھا مجمع ادھر ادھر اٹھا' تصویر کھینچ رہا تھا' ویڈیو بنا رہا تھا۔ ہاشم سفید چہرے کے ساتھ آگے بڑھنے لگا مگر رئیس نے اسے بازو سے تھام کے روکا۔

''سر! ایسے مت کریں۔ تماشا بن جائے گا پوری دنیا کے سامنے۔''

''اسے روکو۔ بند کرو یہ سب۔ بجلی کاٹو' سگنلز جام کرو' کچھ کرو۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ غرا تھا۔

''سر میں کچھ کرتا ہوں' مگر آپ پرسکون رہیں۔'' رئیس اسے روک کر خود دوسری طرف بھاگا تھا۔ ہاشم ٹھہرے ٹھہرے سانس لیتا بے یقینی اور خوف سے پوڈیم پہ کھڑے شیرو کو دیکھے گیا۔ وہ آج بہت اونچا دکھائی دے رہا تھا' شاید اسٹیج کی اونچائی کافی زیادہ تھی۔ اس نے زینے کیسے چڑھے' وہ کیوں نہیں لڑکھڑایا؟ وہ بس اسے دیکھے گیا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے پہلا سوال یہی پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا یا نہیں۔ ان لیے بتاتا چلوں کہ کیس عدالت میں ہے اور اس پہ بات کرنا منع ہے لیکن میں صرف وہی کہوں گا جو میں کہہ سکتا ہوں۔'' بولتے ہوئے اس کی نظریں نیچے مجمع کے درمیان کھڑے ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے دہکتے' گیلے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ گویا منت کی۔

(مت کرو شیرو۔ خدارا مت کرو میرے بھائی)

''اور میں آپ کو اس کیس کے بارے میں وہی کچھ کہہ سکتا ہوں جو میں نے پہلے دن عدالت میں کہا تھا۔ میں بے گناہ ہوں' اور میں نے سعدی یوسف پہ حملہ نہیں کیا تھا۔ عدالت کیا فیصلہ کرے گی' یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہاں آپ کو اس بات کے لیے نہیں بلایا۔''

ہاشم کا رواں رواں بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت لیے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ رپورٹرز ادھر ادھر لکھے جا رہے تھے۔ کلک کلک تصاویر اتاری جا رہی تھیں۔

''میں آج... اعلانیہ طور پہ اپنی کمپنی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ کمپنی ہم نے اچھی نیت سے شروع کی تھی اور اس کو جاپان میں رجسٹرڈ کروایا تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم turbines بنا کر حکومت کو بیچیں تاکہ وہ ان کو تھرکول پاور پراجیکٹ میں کوئلے سے گیس بنانے کے عمل میں استعمال کر سکے۔ میری کمپنی آج اس آسامی کے لیے حکومت کی نظر میں ایک مضبوط امیدوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہم یہ ٹینڈر لے بھی

جائیں مگر....."

ہاشم بالکل سن سا کھڑا تھا۔ یکدم بجلی بند ہوگئی۔ ہال میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شور سا بلند ہوا۔ ہا ہو کی آوازیں آئیں۔ مگر ایونٹ آرگنائزر جلدی جلدی سب کو خاموش کرانے لگا۔ کیمروں کے فلیش آن کر لیے گئے۔ اندھیرے میں پھر سے سفید روشنی ہوگئی۔ صرف مائیک کا مسئلہ تھا مگر پوڈیم پہ کھڑے نوشیرواں کو پرواہ نہ تھی۔ وہ سر اٹھا کے بولے جا رہا تھا۔ مزید بلند آواز میں۔

"مگر میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کمپنی جو پاور بائن بنا رہی ہے اور جس میں میرے خاندان نے کروڑں روپیہ لگایا ہے' وہ پاور بائن ناقص ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ اس لوڈ شیڈنگ سے لڑنے کے لیے...." انگلی اٹھا کر اندھیرے ہال کی طرف اشارہ کیا۔ "اس اندھیرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تھر کے جس کوئلے کو زمین کے اندر ہی گیس بنایا جانا تھا' اس عمل کے لیے اگر کسی کمپنی کی تربائنز کارگر ہیں تو وہ shell ہے۔ شیل کے علاوہ اس خطے کی تمام کمپنیز کی تربائنز ناکارہ ہیں' اور وہ UCG یعنی زیر زمین کوئلے کو گیس بنانے کے عمل (یعنی کوئلے کو کھود کر نکالے بغیر اندر ہی گیس میں تبدیل کر دینے) کے لیے مکمل طور پہ ناکارہ ہیں۔ یہ پراجیکٹ اگر کسی کمپنی کو ملنا چاہیے تو وہ شیل ہے۔ شیل کے علاوہ حکومت اگر کسی اور کمپنی کو یہ کام سونپتی ہے تو وہ اپنی عوام کے ساتھ دھوکہ کرے گی' اور Tax payer's money کو غلط جگہ استعمال کرے گی۔" پسینے پسینے کھڑا نوشیرواں موبائلز اور فلیش لائٹس کی روشنی میں سارے ہال سے الگ اور روشن نظر آ رہا تھا۔ آگے پیچھے ہر جگہ اندھیرا تھا۔ بس اس کا چہرہ روشن تھا۔ چمکتا ہوا۔ ساری مداخلت اور بدانتظامی کے باوجود اب سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

"میں اس کمپنی کے سی ای او کی حیثیت سے آج ریزائن کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں اتنے بڑے پراجیکٹ کا اہل نہیں ہوں۔ میرے خلاف چلنے والے ٹرائلز سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ میں ابھی تک کچھ نہیں سیکھ پایا۔ اس لیے میں باعزت طور پہ اپنی کمپنی سے الگ ہو کر ایک ملٹی نیشنل میں جاب کے لیے اپلائی کر رہا ہوں۔ جیسے میرے باپ اور بھائی نے محنت کر کے اپنا راستہ بنایا اس طرح میں بھی مشکل راستہ چن رہا ہوں۔ اگر میں لوڈ شیڈنگ کو ختم نہیں کر سکتا' تو کم از کم میں ان طریقوں کی حمایت بھی نہیں کروں گا۔ جو اس مسئلے کو بڑھاتے ہیں' گھٹاتے نہیں۔ اس لیے نہ صرف میں اپنی کمپنی سے مستعفی ہو رہا ہوں بلکہ اپنی پیرنٹ کمپنی جو کہ ایک IPP ہے سے بھی ریزائن کر رہا ہوں۔ اور آخر میں ایک بات۔" بلند آواز میں کہتے ہوئے اس نے کاغذات کا ایک پلندہ ان کو دکھایا۔ "میں اس paper کو پبلش کر رہا ہوں' اور اس کی ایک کاپی آپ سب کو دس منٹ پہلے ای میل کر دی گئی ہے۔ اس میں میں نے آئی پی پیز کے حکومت سے معاہدوں پہ روشنی ڈالی ہے' کیونکہ میں مزید اب اس نظام کا حصہ نہیں بننا چاہتا جس میں ہم آئی پی پیز پورے پیسے لے کر آدھی بجلی بناتے رہیں۔ میں اس کو بدل نہیں سکتا' مگر اس کے خلاف آواز ضرور اٹھا سکتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ مجھے اب Whistleblower کہا جائے گا اور مجھے شاید کوئی کمپنی جاب نہ دے اور کوئی میرے ساتھ کاروبار نہ کرے' کیونکہ رات تک لوگ میری کمپنی سے پیسہ نکال کر اسے دیوالیہ کر دیں گے' لیکن میں اب مزید خاموش نہیں رہوں گا۔ میں اپنی تمام کمپنی پوزیشنز سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔ شکریہ۔"

اب وہ پوڈیم سے اتر آیا تھا مگر ہاشم یک ٹک پتھر کا بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ رپورٹرز شہد کی مکھیوں کی طرح اس پہ سوالوں کے لیے جھپٹے

تھے مگر وہ خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ زینے خود چڑھا تھا' اور وہ زینے خود اتر رہا تھا۔ ہاشم کے ہاتھ برف ہو رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

............❖❖❖............

مجھے سکون میسر نہیں تو کیا غم ہے ..... گلوں کی عمر تو کانٹوں کے درمیاں گزری

چھے دن بعد۔

مورچال پہ رات گہری ہو کر اتر رہی تھی۔ سب سو چکے تھے مگر حنین لاؤنج میں موجود تھی۔ آستین اوپر چڑھائے' وہ اسٹول پہ کھڑی' دیوار پہ stencil لگا کر اس کو پینٹ کر رہی تھی۔ (stencil پلاسٹک کا بڑا سا ٹکڑا ہوتا ہے جس میں ڈیزائن کی جگہ خالی ہوتی ہے جیسے عموماً ہاتھ پہ مہندی لگانے کے لیے ہتھیلی پہ رکھ کر اوپر مہندی لگا دی جاتی ہے اور جب پلاسٹک اٹھاؤ تو نیچے نقش و نگار بن چکے ہوتے ہیں۔) اس کے stencil پہ بڑا سا درخت کٹا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

اندر زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر گھڑی کو بھی دیکھ لیتی۔ گیارہ بجنے کو آئے تھے اور فارس نہیں آیا تھا۔ اور اسی پل اچانک سے اس کا فون بجا۔

فارس کالنگ دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی۔ مگر جب موبائل کان سے لگایا تو لہجہ خشک بنا لیا۔

''جی کہیے۔''

''آہم۔'' وہ کھنکھارا تھا۔ ''کدھر ہو؟''

''گھر پہ۔ اور کہاں ہو سکتی ہوں؟''

''ایک ایڈریس ٹیکسٹ کر رہا ہوں' ادھر آ جاؤ۔''

''اس وقت؟ مگر کیوں؟''

''ایک اہم گواہ سے ملوانا ہے۔ زیادہ سوال مت پوچھو' بس ایک گھنٹے کے اندر اندر پہنچو اور سنو۔ صرف تم آنا۔ ساتھ میں پورے گھر کو مت لے آنا۔''

زمر نے چونک کے گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں ایک گھنٹہ تھا۔ ایک بھرپور مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''اور اگر میں نہ آؤں تو؟'' لمحے بھر کے توقف سے وہ بولا۔

''پتہ بھیج رہا ہوں۔ جلدی آؤ۔'' اس کی توقع کے خلاف اس نے کوئی تپانے والا جملہ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ زمر نے مسکرا کر اسکرین کو دیکھا جہاں اس کا پیغام جگمگا رہا تھا۔ پتہ پڑھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

حنین نے ابھی درخت کی پہلی شاخ مکمل پینٹ کی تھی جب کھلتے دروازے کی آواز پہ وہ چونکی۔ زمر آہستہ سے کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر رہی تھی۔ سیاہ ڈیزائنر ویئر پہنے' ہلکا میک اپ' ایئر رنگز' کہنی پہ پرس۔ حنین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟''

''اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔'' زمر نے بہت سکون سے تصحیح کی۔ حنین چونکی۔

''کل نہیں تھی؟ ایک سال ہو گیا؟''

''کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے تھی۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے نظر انداز کرنے کے بعد بالآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔''

حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ ''کہاں بلایا ہے؟''

''ہم دونوں کے لئے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔''

"وہ تو گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بلا رہا ہے' مگر اکیلے آنے کا کہنا' اور وہ بھی تین مئی کی رات... ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ او کے اللہ حافظ۔" وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے اور واپس آئے' مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر' حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔

درخت کی اوپری چار شاخیں بہت محنت اور احتیاط سے وہ پینٹ کر چکی تھی جب بیرونی دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ پھر اندر آنے کی آہٹ۔ حنہ چونک کر پلٹی۔ فارس چابیاں دروازے کے قریب ٹوکری میں ڈالتا اب ابھر رہا تھا۔ حنین نے فوراً گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں دس منٹ تھے۔ اسے شدید غصہ آیا۔

"یعنی آپ نے واقعی گواہ سے ملوانا تھا۔ اور وہ اتنی خوش کہ آپ ان کو ڈنر پہ بلا رہے ہیں۔ ویسے کون سا گواہ تھا یہ؟"

اندر آتے فارس نے رک کر اسے دیکھا جو اسٹول پہ کھڑی تھی اور ہاتھ میں stencil برش اور پینٹ کی پلیٹ تھی' دوسرے ہاتھ میں ٹشو تھا۔

"وعلیکم السلام حنین۔" وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"تاریخ بھول گئی تھی کیا؟ ڈنر پہ کیوں نہیں گئے؟"

"کیا شروع ہو گئی ہو گھر آتے ہی؟" وہ ناسمجھی اور اکتاہٹ سے بولا۔ حنین نے ٹھہر کے پہلے اسے دیکھا۔ پھر اس کے کندھے کے پیچھے۔

"زمر آپ کے ساتھ نہیں آئیں؟" اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"وہ میرے ساتھ تو نہیں تھی۔ میں تو ابھی آ رہا ہوں۔" وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے قدموں سے زمین سرکنے لگی۔

"آپ نے ابھی ابھی ان کو کال کی تھی اور کہا تھا کہ آپ نے ان کو کسی گواہ سے ملوانا ہے... ہے نا۔" وہ ہکلائی۔ چند لمحے لگے فارس کو اس کی بات سمجھنے میں اور ایک دم اس کا پورا دماغ سنّا اٹھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"حنہ میں نے اسے کوئی کال نہیں کی۔ کہاں ہے وہ؟"

حنین کے ہاتھ سے پینٹ برش سب پھسل گیا۔

"آپ نے ان کو کہا کہ اکیلے آنا۔ وہ اکیلی چلی گئی۔ وہ خوش تھیں۔ بہت زیادہ۔" اس کا گلا رندھا۔ وہ دم بخود کھڑی تھی۔

"کدھر... کدھر گئی ہے وہ؟" وہ حواس باختہ سا پوچھ رہا تھا۔ شل سی حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ نہیں بتایا۔" فارس بے اختیار پیچھے کو بھاگا۔ ٹوکری سے چابی اٹھائی اور موبائل پہ نمبر ڈائل کرتے اس نے دروازہ کھولا۔

زمر کا فون آف جا رہا تھا.....

اس کی سماعتوں میں ایک فقرہ گونج رہا تھا

He cannot protect his women!

او خدایا... وہ اتنے دنوں سے غلط عورت کی حفاظت کر رہا تھا؟ او خدایا...

باب28:

آبزیدان(The Aquarium)

(حصہ اوّل)

زندگی کے اس سفر میں
ہر چیز کا دایاں اور بایاں "پر" ہے
محبت کے پنکھ کے لئے غصہ ہے
قسمت کے پنکھ کے لئے خوف ہے
درد کے پنکھ کے لئے شفا ہے
زخم دینے والے پنکھ کے لئے معافی ہے
غرور کے پنکھ کے لئے عاجزی ہے
آنسوؤں کے پنکھ کے لئے خوشی ہے
وقار کے پنکھ کے لئے ذلت ہے
چھوڑ دینے کے پنکھ کے لئے سنبھالے رکھنا ہے
ہم صرف دو پروں کے ساتھ اڑ سکتے ہیں
اور دونوں پر ہوا میں تب ہی ٹھہر سکیں گے
جب ان میں ہوگا توازن!
دو خوبصورت پر ہی ہیں اصل کاملیت!
مگر
انسانوں کی ایک نسل ہے جو سمجھتی ہے کہ
کاملیت ان میں سے ایک پر کے
ہر وقت موجود ہونے کا نام ہے
لیکن مجھ سے پوچھو تو
ایک پنکھ والا پرندہ نامکمل ہے

ایک پر والا فرشتہ نامکمل ہے
ایک پر والی تتلی مردہ ہے
سو یہ لوگ جو کاملیت کو پانے کے لئے
اپنے ایک پر کو کاٹ کر پھینک دینے میں لگے ہیں
انہوں نے بنا ڈالی ہے
ایک معذور نسلِ انسانی!

(سی جوائے بیل ہی)

..............✦✦✦✦✦..............

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا محسن ..... وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے!

"چھ دن قبل۔"

قصر کاردار کی ساری بتیاں رات کے اس پہر بھی روشن تھیں۔ اندر داخل ہوتے نوشیرواں نے گہری سانس لی اور پھر قدم اٹھانے لگا۔ جیسے جیسے وہ چلتا آیا لاؤنج قریب آتا گیا اور بالآخر وہ بڑے صوفے کے بالکل سامنے آٹھہرا جہاں ہاشم بیٹھا تھا۔ اس نے کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور ٹائی ڈھیلی تھی۔ آہٹ پہ اس نے صرف آنکھیں اٹھائیں جو بے تاثر سی لگتی تھیں۔ مردہ سی۔ پریس کانفرنس کے چند گھنٹے بعد اب ان دونوں کی ملاقات ہو رہی تھی۔

"ویلکم ہوم!" وہ شیرو پہ نظریں گاڑھے بولا تو آواز ایسی سرد تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"آپ کو جو بھی کہنا ہے میری پریس کانفرنس کے بارے میں بھائی' وہ آپ....." وہ ہاتھ اٹھا کے کہنے لگا مگر.....

"یہ ایکوریم دیکھ رہے ہو اپنے پیچھے؟" وہ ٹھنڈے سے انداز میں شیرو پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ نوشیرواں نے گردن موڑ کر دیکھا۔

لاؤنج کی ایک دیوار کے ساتھ نصب وہ ایک خوبصورت سا ایکویریم (آبِ زیدان) تھا جو برسوں سے اس گھر کا حصہ بنا تھا۔ اس کی شیشے کی مستطیل دیواروں میں ڈھیروں پانی جمع تھا' مصنوعی پودے اور پتھر اندرونی فرش پہ بچھے تھے' اور چند مچھلیاں دائیں سے بائیں تیر رہی تھیں۔ روشنیاں یوں اس طرح لگی تھیں کہ اندرونی ماحول کو منور کیے ہوئے تھیں۔

"تمہیں یاد ہے یہ ایکویریم کون لایا تھا؟ نہیں....." اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ "تمہیں کہاں یاد ہو گا۔ مگر بیٹھو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" اسے اشارہ کر کے وہ خود اٹھا اور قدم قدم چلتا ایکویریم کے قریب آرکا۔ وہ نوشیرواں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی اداس آنکھیں شیشے کے پچھلی طرف پہ جمی تھیں۔ شیرو نہیں بیٹھا۔ اسی طرح کھڑا رہا۔ متذبذب' خفا سا۔

"تم سترہ سال کے تھے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ ایک ایگزیکٹو میٹنگ میں لے گیا تھا' تمہیں تھری پیس میں ڈریس اپ کروا کے۔ تم اپنی عمر سے بڑے اور اچھے لگ رہے تھے۔ ڈیڈ کو بھی خوشی ہوئی تھی تمہارے آنے سے مگر حسبِ عادت وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ تم البتہ بے نیاز سے تھے۔ ہمارے ساتھ جا کر بیٹھ گئے تھے اور ہماری باتیں سننے لگ گئے تھے۔ ہم ایک ڈیل کرنے جا رہے تھے اور ہمیں معلوم تھا کہ دوسرا فریق بعد میں تھوڑے بہت ہیر پھیر سے کام لے گا' مگر یہ بات ان کے منہ پہ نہیں کہی تھی ہم نے۔ ہمیں سمجھوتہ کرنا تھا' صرف نظر سے کام لینا تھا۔" وہ اب ہولے ہولے شیشے کی دیوار پہ دستک دے رہا تھا۔ اندر تیرتی مچھلیاں مزید تیزی سے بل کھاتی ادھر ادھر چکر کاٹنے لگی تھیں۔

"مگر..... جب تمہیں اس دوران اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بعد میں چیزوں کو manipulate کر سکتے ہیں تو تم نے ایک دم

چڑھ کے بولنا شروع کر دیا۔ ہمارے جی ایم نے تمہیں آنکھیں دکھائیں' ڈیڈ کھنکھارے' مگر تم نے اپنی بات مکمل کر کے دم لیا۔ وہ لوگ Offended ہو گئے' اور انہوں نے ہم سے معذرت کر لی۔ ڈیڈ تم پہ بہت غصہ تھے اور مجھ پہ بھی کہ میں تمہیں لایا ہی کیوں' مگر مجھے اطمینان تھا۔ دو باتوں کا اطمینان۔ ایک تو یہ کہ تم میں اتنی سمجھ ہے کہ غلط اور صحیح کا فرق کر سکو۔ بے شک ''عقل'' نہیں ہے کہ کس وقت بولنا ہے کس وقت نہیں' مگر چلو' سمجھ تو ہے۔ اور دوسرا یہ کہ تم ''درست فیصلہ'' کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اس دن میں تمہارے لئے یہ ایکویریم لایا تھا۔ اور اس کو ہمارے لاؤنج میں رکھوایا تاکہ تم گزرتے ہوئے اس کو دیکھتے رہو اور تمہیں اپنا بزنس میں دلچسپی لینا بھول نہ جائے۔''

وہ اب بولتے ہوئے آبزیدان کی کانچ کی دیوار کے کنارے پہ انگلی پھیر رہا تھا' گویا کوئی لکیر کھینچ رہا ہو۔ شیرو کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے اور وہ خاموشی سے کھڑا تھا۔

''مگر تم بھول گئے۔ بزنس میں دلچسپی لینا' اپنی سمجھ بوجھ' درست فیصلے کرنے کی طاقت' تم سب بھول گئے۔ میں نہیں بھولا۔ میں اس کی مچھلیاں بدلواتا رہا۔ جب کوئی مر جاتی تو اس سے ملتی جلتی مچھلی اندر ڈلوا دیتا۔ کوئی دن ایسا نہ گزرا جب اس کی مچھلیوں کی خوراک کا میں نے ملازموں سے پوچھا نہ ہو۔ میں تمہیں اکثر بزنس میٹنگز میں جانے سے پہلے یہ ایکویریم یاد کرواتا تھا' تاکہ تم سمجھ پاؤ کہ کاروبار کے سمندر میں تم ڈوب نہیں سکو گے اگر تیرنا سیکھ لو۔ میں نے اپنی امید نہیں کھوئی۔ تم نے سعدی کو گولی ماری' تم نے علیشا کو واپس بلایا' اس کو کمپنی میں سے حصہ دیا' ملک سے بھاگنے کی بجائے زوال کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا' میں اس کی مچھلیوں کی حفاظت کرتا رہا۔ تم مجھ سے دور ہوتے گئے' زمر سے قریب ہوتے گئے' ممی سے بدتمیزی کرتے رہے' میں نے اپنی امید نہیں کھوئی' مگر آج شام.....'' اب کے وہ پورا گھوما تو نوشیرواں نے اس کا چہرہ دیکھا' اس کی خود پہ جمی ملال بھری آنکھیں دیکھیں' اور اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''آج جب تم نے پریس کانفرنس کر کے اپنی کمپنی کو دیوالیہ کر دیا' ہماری پیرنٹ کمپنی کو نقصان پہنچایا' تم نے اپنے ہی خاندان کے کاروبار کے خلاف whistleblowing کی' تم نے ہمارے کاٹریکس پہ تنقیدی پیپر لکھ کے پبلش کر دیا' آج تم نے میری کمر میں خنجر گھونپا تو شیرو میں نے تم سے آخری امید بھی کھو دی۔ تم نوشیرواں اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں تو اچھے فیصلے کر سکتے ہو' مگر کاروبار میں تم ہمیشہ فیل رہو گے' اور اسی لئے اب سے تم صرف میرے بھائی ہو۔ کل آفس آ کر اپنی چیزیں لے جانا اور دوبارہ اس بلڈنگ میں قدم نہ رکھنا۔''

''کیا آپ اب بھی میرا کیس لڑیں گے؟'' اس سوال پہ ہاشم تلخی سے مسکرایا۔

''میں اب تمہارا کیس پہلے سے زیادہ جانفشانی سے لڑوں گا شیرو کیونکہ تم میرے بھائی ہو' اور اپنی عقل سمجھ سب کھو چکے ہو۔ میرے لئے تمہیں بچانا اب زیادہ ضروری ہو گیا ہے' مگر ہاں' تم نے مجھے آج بہت بڑا دکھ دیا ہے۔ میں نے کیا نہیں کیا اس سارے خاندان کے لئے اور تم سب نے مجھے ہر طرف سے نقصان پہنچایا۔ کیا اپنے بھائی کے ساتھ ایسے کیا جاتا ہے' شیرو؟''

نوشیرواں نے سر جھکا دیا۔ ''آئی ایم سوری آپ کو ہرٹ کرنے کے لئے' مگر میں اپنے فیصلوں پہ ''سوری'' نہیں ہوں۔ میں نے وہ کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔''

''اور میں اب وہ کروں گا جو مجھے ٹھیک لگے گا۔ بہت ہو گیا میرا نقصان اب جوابی حملہ کرنے کا وقت ہے۔''

شیرو نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''آپ کیا کریں گے؟''

''تم جا کر سو جاؤ۔'' اس نے ہاتھ جھلا کے ذرا رکھائی سے اس کو جانے کا اشارہ کیا۔ شیرو بھی نہیں رکا۔ خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑی جواہرات اس کے جاتے ساتھ ہی بولی تھی۔

''جب تم اپنے خاندان کو خود سے دور کرو گے تو یہی ہو گا ہاشم!''

ہاشم نے گردن موڑ کے ایک سرسری نظر اس پہ ڈالی۔ ''میں ابھی تک کچہری میں وکیلوں کے سامنے اپنی بے عزتی بھولا نہیں

ہوں۔ مجھے کچھ وقت لگے گا مگر تب تک میرے سامنے نہ آئیں تو اچھا ہے۔ میری انجیو'' آخر میں وہ اتنی بلند آواز میں دھاڑا تھا کہ جواہرات کا جسم تھرا اٹھا۔

''یس سر!'' میری دوڑتی آئی۔

''اس ایکویریم کو میرے آفس میں منتقل کروا دو۔ اب اس کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اور میں پانی میں سانس لیتی مچھلیوں کو بے گھر نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ اب مدھم آواز میں ہدایت دے رہا تھا اور جواہرات بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اجنبی ہوتا جا رہا تھا۔

❖❖❖

تمام عمر جلاتے رہے چراغ امید ..... تمام عمر امیدوں کے درمیان گزری

اگلی شام میں وہ دوبارہ ہسپتال آیا تا کہ اس اپاہج لڑکے کی خیریت اور طبیعت دریافت کر سکے۔ آج اس کو ڈسچارج کیا جانا تھا اور سعدی اس سے پہلے ایک دفعہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ ہسپتال کی راہداریوں میں وہ خاموشی سے آگے بڑھتا گیا۔ دواؤں اور اسپرٹ کی بو اور عجیب سی ویرانی در و دیوار سے چپکی تھی۔ ابھی اسے چند طویل راہداریاں عبور کر کے مطلوبہ وارڈ تک پہنچنا تھا۔ راستہ طویل تھا اور دل پہ بوجھ ڈالنے والا بھی تھا۔ اس نے رفتار سست کر دی۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتا وہ ہولے ہولے قدم اٹھانے لگا۔

ہسپتال بھی عجیب جگہ تھی۔ یہاں آ کر عجیب سے احساسات ہوتے تھے۔ لوگوں کی آوازیں' شور' پکاریں' اور ساتھ میں خاموشی۔ وہ سب مل کر کان میں سیسہ گھول دیتیں۔ اس نے ہینڈز فری کانوں میں ٹھونس لی اور موبائل کی اسکرین کو سر جھکا کے دیکھتا' مطلوبہ آیات کو چھوتا آگے بڑھتا گیا۔

دل کو مریض کی عیادت بھی نرم کرتی ہے' اور قرآن کی تلاوت بھی۔ وہ ان دونوں کو ملانے لگا' شاید کیا اثر بڑھ جائے۔

میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اب وہ پھر سے اطراف میں دیکھنے لگا تھا۔ قطار در قطار بیڈ..... کھلے دروازوں سے جھانکتے بے حال' زرد چہروں والے لوگ۔ وحشت سی وحشت تھی۔

''اور بے شک آپ کا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے
لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔'' (النمل۔73)

''شکر کیا ہے اللہ تعالیٰ؟'' وہ بول نہیں رہا تھا' سوچ رہا تھا اور اسی طرح قدم بڑھا رہا تھا۔ ''آخر یہ شکر کہتے کس کو ہیں؟ جب کچھ نہ ہو پاس تو وہ آنکھ رکھنا جو 'وہ' دیکھ لے جو کبھی نہ کبھی ضرور ملے گا۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو ہر پل پاس ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں پہ فضل کرتے ہیں۔ فضل ''زائد'' دینے کو کہتے ہیں۔ حق سے' اوقات سے بڑھ کر دینے کو۔ جیسے آپ ہمیں نعمتیں دیتے ہیں' ویسے ہی آپ ہمیں ''مواقع'' بھی دیتے ہیں۔ صرف مادی چیزوں' دولت' اولاد' کامیابی پہ شکر کرتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمیں 'مواقعوں' پہ بھی شکر کرنا ہے۔ chances پر۔ ہم میں سے جن کے ماں باپ گزر چکے ہوتے ہیں اور وہ ان کی خدمت نہیں کر سکے ہوتے' وہ برسوں پچھتاووں اور ملال میں گھرے رہتے ہیں کہ کیا تھا اگر اللہ ان کو زندہ رکھتا اور وہ ان کی خدمت کر پاتے؟ مگر ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ ہمیں دوبارہ موقع ضرور دیتا ہے' کسی بوڑھے کو ہمارے قریب لا بساتا ہے' چاہے ساس سسر ہوں' کوئی لاچار بزرگ' ہمسایہ ہو' یا کوئی بوڑھا ملازم کوئی ہوتا ہے ہمارے گرد جس کی خدمت کی جا سکتی ہے' مگر اپنے پچھتاووں میں ہم مواقع ضائع کر دیتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے ماں باپ کی طرح نہیں سمجھ سکتے' مگر سارا مسئلہ یہی ہے کہ ان کو والدین نہیں سمجھنا۔ نہ ان سے والدین کی طرح محبت کرنی ہے۔ صرف ان کی عزت اور خدمت کرنی ہے۔ شادی سے پہلے

لڑکیاں چھوٹے بہن بھائیوں کو بہت جھڑکتی ہیں' بعد میں پچھتاتی ہیں' مگر صرف پچھتانے کا کیا فائدہ جب اپنے اندر، ویسے ہی چھوٹے بچے دیکھنے اور ان سے نرمی کرنے والی بصیرت ہی نہ ہو۔ تھکے انسان۔ ہم مسلسل رونا روتے ہیں کہ ہمیں کوئی بری لت پڑی ہوئی ہے' کوئی ایسا گناہ، ہم چھوڑ نہیں پا رہے' بار بار اس کو کر بیٹھتے ہیں۔ بڑے وعدے کیے اللہ سے' بڑی معافی مانگی' مگر پھر سے کر دیا۔ کمزور پڑ گئے۔ نفس کے آگے ہار گئے۔ اب روتے ہیں کہ سارا وقت مایوسی.... ڈپریشن.... میں تو کسی اچھائی کے قابل نہیں۔ ہاں۔ یہ نہیں دیکھیں گے کہ گناہوں کے بعد احساس ہونا اور خود کو ٹھیک کرنے کا اور توبہ کرنے کا موقع دیا ہے اللہ نے۔ یہ ہے اللہ کا فضل جس کو اپنے پچھتاووں میں ہم ضائع کر دیتے ہیں۔ پچھتاوا ہونا چاہیے مگر پچھتاوے کا ڈپریشن لے کر مایوس ہو جانا ان مواقعوں کی ناقدری ہے۔ اور ہم یہ ناقدری روز کرتے ہیں۔ آخر کب ہم اپنے ارد گرد وہ تمام "موقع" دیکھنے کی آنکھ پیدا کریں گے خود میں جو اللہ نے ہمارے پچھتاووں کے بدلے میں replace کر کے ہمارے سامنے لا رکھے ہیں۔ آخر کب؟" وہ سفید فرش پہ قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ چہرے پہ ملال سا تھا۔ اردگرد چھائی وحشت ویسی ہی تھی اور طبیعت کو عجیب مکدر کر رہی تھی۔ پھر مریضوں کی آوازیں' ہسپتال کے عملے کا شور سب سے بڑھتا گیا تو اس نے ہینڈز فری کانوں سے نکال لی۔ مطلوبہ وارڈ قریب آ چکی تھی۔

اس لڑکے کا نام شہزاد تھا اور وہ بستر پہ ٹیک لگائے اٹھا بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ چہرہ کھل اٹھا۔ سعدی مسکراتا ہوا اس کے سامنے بستر کی پائنتی پہ آ بیٹھا۔ وارڈ میں آگے پیچھے لوگوں کا شور اور رش ہر پل بڑھ رہا تھا' ایسے میں جب وہ لڑکا اٹک اٹک کے اس سے مخاطب ہوا تو اس کی بات سننے کے لئے سعدی کو آگے جھکنا پڑا۔ "اس کی ماں دوائیاں لینے گئی ہے' اور وہ جلد ڈسچارج کر دیا جائے گا" یہ بات وہ بدقت سمجھ پایا تھا۔

"وہ لڑکے کون تھے' تمہیں کیوں مار رہے تھے؟"

"وہ اسٹور سے چیزیں چرا رہے تھے... میں نے... میں نے شاپ کیپر کو بتا دیا تو باہر نکل کے وہ مجھے مارنے لگے...." وہ زخمی ہونٹوں کے ساتھ زور لگا لگا کر بولتا تھا۔ سعدی مسکرا کے سنتا رہا' لڑکا بے چینی سے پھر سے گویا ہوا۔

"آپ.... ٹی وی والے ہو نا.... سا.... سعدی یوسف؟" سعدی نے اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا اب وہ لڑکا اس کا شکریہ ادا کرے گا' کہ اس نے کمزور کی مدد کی طاقتور کے مقابلے میں اور....

"آپ لوگ.... آپ سب.... بہت.... بے وقوف ہو" وہ ہکلا کے بولا تو سعدی کی مسکراہٹ تھمی۔ پھر یکلخت وہ دل کھول کے ہنس دیا۔ وہ غور سے اس کم عمر لڑکے کو دیکھا۔ سانولی رنگت اور سیاہ آنکھوں والا شہزاد کافی مضطرب اور بے چین نظر آتا تھا۔

"اچھا.... کیوں ہوں میں بے وقوف؟" وہ جواباً زور لگا کے کچھ بولنے لگا تھا مگر سعدی کی بات جاری تھی۔ "کیونکہ میں امیر اور طاقتور لوگوں کے خلاف کھڑا ہوا ہوں؟" لڑکے نے نفی میں سر ہلایا۔

"یا میں اس ملک کے گلے سڑے عدالتی نظام سے انصاف کی امید وابستہ کیے ہوئے ہوں؟"

"نہ.... نہیں...."

"یا میں چپ کر کے ان سے پیسے لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یا میں ان کے ڈر سے دبک کر بیٹھ نہیں گیا؟ کیوں شہزاد تم جیسے نوجوان کو سعدی یوسف بے وقوف کیوں لگتا ہے؟"

"میں...." مگر وہ اس کو نہیں سن رہا تھا۔

"کیا میں اس لئے بے وقوف ہوں کیونکہ میں ایک بے سود کوشش کر رہا ہوں؟ قید میں اپنے پراجیکٹ کے راز ان کے حوالے کر دیتا' تیس کروڑ لے لیتا اور نئی زندگی شروع کر دیتا تو عقلمند ہوتا؟ قصاص مانگ رہا ہوں میں۔ اتنا وقت اور پیسہ برباد کر رہا ہوں۔ اس لئے بیوقوف

لگتا ہوں نا میں سب کو....'' اس کے لہجے میں جذباتی سا دکھ ابھر آیا تھا۔ لڑکا جو بار بار بے چینی سے نفی میں سر ہلاتا تھا' اب کے پورا زور لگا کے بولا۔

''تم لوگوں نے آپریٹر سے پوچھ گچھ نہیں کی۔'' پورا فقرہ بول کے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ سعدی یوسف بالکل ٹھہر گیا۔

''کیا؟''

''ائیر پورٹ... کنٹرول روم آپریٹر... میری امی ائیر پورٹ پہ کام کرتی ہے... آپریٹر نے بولا تھا کہ اس نے امیگرز کے کی فوٹیج ڈیلیٹ کر دی ہے....''

''کون نوشیرواں؟'' وہ تیزی سے بولا مگر آواز دھیمی کر لی۔ ''مگر ہم نے ائیر پورٹ کی ساری فوٹیجز چیک کی تھیں' اکیس مئی کی اور اگلے ایک ہفتے کی... نوشیرواں کہیں نہیں تھا۔''

''مگر آپریٹر نے خود بولا کسی کو کہ اس نے فوٹیج مٹائی ہے.... فوٹیج میں وہ تمہارے گم ہو جانے کے 'بعد' ملک سے جاتا نظر آ رہا تھا۔ ائیر پورٹ پہ سب کو پتہ ہے یہ بات۔ تم بہت مشہور ہو۔ مگر تم نے کسی سے پوچھا نہیں۔ خاموشی سے چلے گئے....''

ٹھنڈی برف کی آبشار تھی جو سعدی یوسف پہ اوپر سے آ گری تھی۔ وہ بے یقینی سے اس کے قریب آیا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ ثبوت نہیں ہے' مگر اس ثبوت کو دیکھنے والا گواہ موجود ہے!''

لڑکے نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ بالآخر وہ اپنی بات سمجھا پایا تھا۔

''اور تمہاری ماں کو یقین ہے کہ اس نے اس آپریٹر کو یہ سب کہتے سنا ہے؟''

''ہاں... ہاں... میری امی جھوٹ نہیں بولتی۔'' سعدی چند لمحے بس اسے دیکھے گیا۔ اندر بہت سے طوفان برپا تھے۔

❖❖❖

ہر آبلے پہ درج ہے تفصیلِ زندگی ..... مجھ سے نہ پوچھ میرے سفر کی اذیتیں

وارث کی موت کے بعد اس کی آنکھوں پہ چھائی سرخ دھند ابھی ویسی ہی تھی۔ اس روز اس نے زمر کو اپنے واحد گواہ سے ملوانے کے لیے اس کے ہوٹل بلایا تھا' جو گواہی دے سکے کہ فارس غازی قتل کے وقت اس کے ساتھ تھا۔ حنین بھی ان کے ہمراہ تھی اور وہ زمر کو وقت اور جگہ بتا کر اب ہوٹل روم میں بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ فارس خاموش تھا۔ علیشا خاموش تھی۔ حنین خاموش تھی۔ وہ ایسی خاموشی تھی جس میں ہر شخص اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سب کو خود کو بچانے کی فکر تھی۔ خود غرضی نہیں تھی یہ' بے بس سا سیلف ڈیفینس تھا۔ حنین اپنی جگہ شرمندہ دکھائی دیتی تھی۔ اسے فارس کو اس دن سب سے دور علیشا کے پاس لے جانے میں اپنی غلطی لگ رہی تھی۔ امی جب سے غم سے نڈھال تھیں' اٹھتے بیٹھتے اسے انٹرنیٹ فرینڈز کے نقصان گنوا رہی تھیں۔ زمر اس سے مل لے تو سارا مسئلہ ختم ہو جائے۔ اور سب اس قصے کو بھول بھال جائیں۔

علیشا کو اپنی فکر تھی۔ وہ یہاں ہاشم اور اپنے باپ کے دانتوں سے چند نوالے کھینچنے آئی تھی۔ اسے اپنا جائز حصہ چاہیے تھا مگر ایسے میں

ایک قتل کیس کے مشتبہ شخص کی ایلی بائی بن چکی تھی جو اس کے باپ کا رشتے دار تھا۔ وہ جلد سے جلد اس مشکل سے نکلنا چاہتی تھی۔

فارس الگ پریشان تھا۔ زمر پہ غصہ ابھی تک ویسا ہی تھا۔ وہ اپنا کام تیزی سے کیوں نہیں کر رہی؟ وہ وارث کے باس سے ملنے کب جائے گی؟ وہ وکلاء اور پراسیکیوشن آفس کی ازلی سست رفتاری سے واقف تھا' مگر اس وقت کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ہر چیز غصے' فرسٹریشن اور پریشانی میں مبہم دکھائی دیتی تھی۔

جب وہ کافی دیر تک نہیں آئی تو فارس اسے فون کرنے لگا۔ کال بار بار ٹوٹ جاتی۔ ''رابطہ ممکن نہیں۔'' ''اس نمبر سے جواب موصول

نہیں ہو رہا۔'' اسے اب زمر پہ افسوس ہونے لگا تھا۔ غصے بھرا افسوس۔ وہ کتنی دیر اس کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹتا رہا۔ حنین درمیان میں ایک دو بار نیچے سنا پس سے پھر بھی آئی (وہ اب بور ہونے لگی تھی۔) مگر زمر نہیں آئی۔

زرتاشہ نے موبائل اٹھایا اور فارس کو کال ملائی۔ ایک گھنٹی بجی پھر دوسری۔ اس نے فون اٹھالیا۔

''ہاں زرتاشہ بولو؟''

''آپ کدھر ہیں؟'' قدرے ہچکچاہٹ سے اس نے پوچھا۔ ساتھ میں اسے خود پر افسوس ہونے لگا' وہ کیسے کسی اجنبی کی کال پہ اعتبار کر سکتی تھی؟

''میں کام سے آیا ہوا ہوں باہر۔ کوئی کام ہے؟''

''نہیں۔ بس میں آپ کا پتا کرنا چاہ رہی تھی۔ آج آپ نے پراسیکیوٹر سے ملوانا تھا اس لڑکی کو وہ سب ہو گیا خیر سے؟''

''ہاں مگر میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اور حنین علیشا نے کمرے میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوٹل میں یعنی کہ......؟'' اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ فارس نے ''بائے'' کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ ایک دم کلس کر رہ گئی۔ پھر موبائل رکھ کر ایک نئے ارادے سے اٹھی۔

غصہ افسوس میں بدلا اور افسوس مایوسی میں۔ سہ پہر طویل ہوتی گئی اور امید چھوٹی ہوتی گئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ بس اب وہ پراسیکیوشن آفس کے چکر نہیں لگائے گا۔ ساری عدالتیں گئیں جہنم میں۔ اب جو کرنا ہے وہ خود کرے گا۔ اس نے حنین کو چلنے کو کہا۔ وہ اس وقت اتنے تنے ہوئے تاثر لئے ہوئے تھا کہ وہ چوں چراں کیے بغیر اس کے ساتھ آ گئی۔ علیشا کی جان چھوٹی تو اس نے ان دونوں کے جانے پہ آیا سکھ کا سانس لیا تھا۔

اس نے حنین کو ابھی گھر ڈراپ کیا ہی تھا کہ موبائل پہ کال آنے لگی۔ نمبر غیر شناسا تھا۔ فارس نے کال وصول کر لی۔

دوسری طرف جانے کون تھا' اس نے کبھی رک کے نہیں سوچا۔ پیشہ ورانہ انداز میں اطلاع دی گئی تھی' جسے سن کر اس کا سارا جسم کانپ اٹھا تھا۔ وہ ششدر رہ گیا تھا۔ ساری آوازیں' ساری آہٹیں دم توڑ گئی تھیں۔ وہ کچھ کہہ بھی نہ سکا' بس کار کا رخ موڑ دیا۔ وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا مگر ہر شے سلو موشن میں ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ارد گرد لوگ ہارن بجا بجا نہیں تھک رہے تھے' کار کی کھڑکی سے سر نکال کر اسے گالیاں دے رہے تھے' وہ روڈ کے غلط سمت میں تھا' اسے کچھ پتہ نہ تھا' کوئی ہوش نہ تھا۔

اس کی بیوی ہسپتال میں تھی۔ اس کی بیوی کو گولیاں لگی تھیں اور اس کے سیل فون میں ''ہزبینڈ'' کے نام محفوظ شدہ نمبر ہسپتال والوں یا شاید پولیس والوں نے ڈائل کیا تھا۔ کوئی نام' کوئی نِک' کوئی اور حوالہ نہ تھا' صرف ہزبینڈ۔ ایسا جیسے کہ جیسے سب کو پتہ ہو بس یہی بچانے آئے گا۔

وہ پارکنگ لاٹ میں زنجیریں پھلانگتا' گملے گراتا' بھاگم بھاگ دوڑ رہا تھا۔ اس کی رنگت سفید تھی اور سانس رک رک کے آتی تھی۔ زندگی ایک دفعہ پھر وارث کے ہاسٹل کے کمرے کے باہر جا پہنچی تھی' ایک دروازہ تھا جسے وہ ہاتھ پاؤں مار مار کے کھولنے توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دروازے کے پار ایک اور بے جان جسم منتظر تھا یا......؟ وہ نفی میں سر ہلاتا راہداری میں آگے بھاگتا جا رہا تھا۔ کس سے کیا پوچھا' کون اس کو راستہ بتاتا رہا تھا' ذہن رہا تھا نہ دیکھ رہا تھا۔ بس اس سمت میں بھاگ رہا تھا۔

وہ کمرہ ٹھنڈا تھا۔ ایسے جیسے برف کی دیواریں ہوں' پانی کا فرش ہو اور گویا آنکھوں کے سامنے سفید دھند ہو۔ وہاں کچھ بتا رہے تھے۔ بہت سے لوگ تھے' ابتر' اور وہ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ فارس کے قدم اب ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔ وہ اس اسٹریچر کے ساتھ جا کھڑا ہوا جس پہ سفید چادر ڈالی گئی تھی۔ اس کی نظریں چادر پہ جمی تھیں مگر ہاتھ اٹھا کر چادر ہٹانے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کا تذبذب دیکھ کر سامنے کھڑی سفید کوٹ والی عورت نے چادر چہرے سے ہٹائی۔

کسی اپنے کا مردہ چہرہ پہچاننا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ ایسا سفید' پیلا' اور ٹھنڈا ہوتا ہے' ایسے تو وہ سوتے ہوئے بھی نہیں لگا کرتے۔ ایسے آنکھیں تو وہ مذاق میں بھی بند نہیں کرتے۔ ایسے پتھر تو وہ ناراضی میں بھی نہیں بنتے۔ وہ بھی ایسی ہی لگ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پہ سیاہ دھبہ تھا۔ سفید دھند کے باعث اسے وہ دھبہ ہی دکھا تھا۔ وہیں اسے گولی لگی تھی۔ اور ایک سینے میں۔ وہ ہسپتال آنے سے پہلے ہی مر چکی تھی' پھر بھی (اسے بتایا جا رہا تھا) کہ اس کو بچانے کی کوشش کی گئی مگر یہ انسانوں کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ تو کیا انسانوں کے ہاتھ میں صرف جان لینا ہوتا ہے؟ زندگیاں اجاڑنا ہوتا ہے؟ وہ تھکا ہارا زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔ پانی کا فرش یخ ٹھنڈا تھا مگر اس کا اپنا جسم بھی برف بن چکا تھا۔ سر جھکائے وہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ وارث کی موت پہ اسے غصہ محسوس ہوا تھا' زرتاشہ کی موت پہ خوف محسوس ہوتا تھا۔ ایسا ڈر جو پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔

اس خوف سے رگوں کا خون تک جم کے جم گیا تھا۔ کوئی اسے کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ دوسری لڑکی بھی تھی' جس کی شناخت پراسیکیوٹر زمر کے طور پہ ہوئی ہے اور وہ سرجری میں ہے مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ کون زمر؟ کیسی زمر؟ اسے اب پروا نہیں رہی تھی۔ پیشانی پہ ہاتھ رکھے وہ سر جھکائے وہاں بیٹھا تھا اور گویا پانی کا فرش دھیرے دھیرے اسے نگل رہا تھا۔ وہ ڈوبتا جا رہا تھا۔ ٹھنڈے پانی سے یخ برف بنتا جا رہا تھا۔ سفید پڑ رہا تھا مگر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

...............❖❖❖...............

موجِ سراب دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال ..... ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آب دار تھا

وہ رات قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔ آسمان تاریک ہو چکا تھا' اور تاروں کا جہاں ماحولیاتی آلودگی کی گہری تہہ کی وجہ سے شہر کی سڑکوں سے نظر نہیں آتا تھا۔ ایسے میں ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ وہ دونوں خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ہارون عبید گاہے بگاہے اس پہ نظر ڈال لیتے جو کھانے کے ساتھ بار بار اپنے موبائل کی اسکرین کو دیکھتی تھی۔

ملازم کو جانے کا اشارہ کر کے ہارون اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''آبی.....'' اس نے نہیں سنا۔ سرخ رومال سر پہ اوڑھے ان کی خوبصورت بیٹی رک کر موبائل اسکرین پہ انگلی پھیرنے لگ گئی تھی۔

''آبی۔'' دوبارہ پکارنے پہ وہ چونکی۔ موبائل بجھا کے ان کی طرف سنبھل کے متوجہ ہوئی۔ ''سنا ہے مسز کاردار اینٹی سوشل ہوتی جا رہی ہیں۔''

''مجھے نہیں خبر!'' اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔

''تو خبر رکھا کرو نا۔ مجھے وجہ جاننی ہے۔ تم یوں کرو کل ہاشم سے ملنے چلی جاؤ۔ اس سے پوچھو کہ.....''

''بابا۔'' وہ اکتا کر بولی تھی۔ ''اگر آپ کو مسز کاردار کی حالت زار میں اتنی دلچسپی ہے تو خود چلے جائیں یا اپنے کسی جاسوس کو بھیج دیں۔ مجھ سے یہ کام نہ کروایا کریں۔''

''بیٹا تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ہاشم سے کہنا ہے تم اس کے پرپوزل پہ غور کر رہی ہو' لیکن تمہاری کچھ شرائط ہیں۔''

آبی نے چونک کے ان کو دیکھا۔ ''کیسی شرائط؟''

''کچھ بھی نہیں' تم نے ان پہ ہاشم کے دستخط لینے ہیں لیکن ایسے کہ اسے یقین ہو جائے کہ تم اس کے ساتھ مخلص ہو اور.....'' آبدار نے زور سے کانٹا پلیٹ میں پٹخا' اور موبائل اٹھا کے کرسی دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ غصے اور توہین سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ان کو دیکھ کے وہ بس افسوس سے اتنا بولی تھی۔ ''میں آپ کی بیٹی ہوں یا کٹھ پتلی' آپ ایک دفعہ بتا کیوں نہیں دیتے؟ اور میں مزید آپ کے ہاتھوں استعمال نہیں ہوں گی۔ مجھے ہاشم سے نہ شادی کرنی ہے نہ اسے کوئی امید دلانی ہے۔ آئندہ میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' برہمی سے بولتی وہ نیپکین پرے جھٹکتی ساتھ سے نکل کے باہر چلی

گئی۔ ہارون اثر سلیٹے بنا اسی طرح سکون سے لقمہ چباتے رہے۔ ان کا ذہن اب اگلا لائحہ عمل سوچ رہا تھا۔

جس وقت وہ کمرے کی طرف جا رہی تھی' اس کا موبائل تھرتھرانے لگا تھا۔ اس نے رک کر اسکرین دیکھی تو چہرے پہ ہیجان سا نمودار ہوا' پھر ہچکچاتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

''ہاشم!'' آج پورے نام سے پکارا۔

''زمر...'' وہ جیسے زخمی سا مسکرایا تھا۔ ''مل سکتی ہو؟''

''کیوں؟ خیریت؟''

''مل کے بتاؤں گا۔'' انداز میں عجیب سی وحشت تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ احتجاج کرتی' وہ لائن کاٹ چکا تھا۔ وہ متذبذب سی کھڑی رہ گئی۔

.... ☆☆☆ ....

چلتی ہے اب تو سانس بھی اس احتیاط سے ...... جیسے گزر رہی ہو کسی پل صراط سے

مبر چال پہ رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔ زمر کے کمرے میں آؤ تو وہ صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی اپنے موبائل پہ لگی تھی۔ فارس دوسرے کنارے پہ بیٹھا اپنے فون پہ لگا تھا۔ مصروف سی خاموشی کمرے میں حائل تھی۔ تبھی دروازہ زور سے بجا تو وہ دونوں چونکے۔ زمر تیزی سے اٹھی اور دروازہ کھولا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا' ہانپتا کانپتا' جیسے بھاگ کے آیا ہو۔

''فوٹیج تھی۔ نوشیرواں کی فوٹیج۔''

''سعدی آرام سے۔ بیٹھو' پانی پیو۔'' وہ اسے کہنی سے تھامے اندر لائی جس کا چہرہ اور بال پسینے سے تر تھے۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' فارس اسے یوں آتے دیکھ کے حیرت سے اٹھا۔

''نوشیرواں کی فوٹیج ایئر پورٹ سیکیورٹی فورس کے پاس تھی جس میں وہ 22 مئی کی صبح دبئی کے لیے بورڈنگ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔'' وہ بے چین سا صوفے کے کنارے بیٹھا۔

''ایسی کوئی فوٹیج نہیں ہے' ہم نے سب پتہ کروایا تھا۔''

''فارس ٹھیک کہہ رہا ہے' ایسی کوئی فوٹیج نہیں ہے' ہوتی تو ہمیں مل جاتی۔''

''ایئر پورٹ پہ ملازم ایک خاتون سے بات ہوئی ہے میری۔ ان کا کہنا ہے کہ فوٹیج آپریٹر نے منادی تھی جب ٹرائل شروع ہوا تھا...'' وہ پھولی سانس کے دوران سب کچھ کہتا گیا۔

''مطلب تم پی ایم ڈی سی والے کلرک کے پیچھے نہیں گئے۔'' فارس نے اسے دھیمے سے دیکھا تو جواباً سعدی نے صرف سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ ''کتنا اچھا ہو کہ آپ اس بات پہ فوکس کریں کہ اب ہمیں وہ فوٹیج کیسے نکلوانی ہے۔''

''چوری کروا سکتا ہوں میں' مگر پھر....'' زمر کو دیکھا تو اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

''چوری کی فوٹیج کورٹ میں قابل قبول نہیں ہوگی فارس۔ صرف وہی فوٹیج قابل قبول ہوگی جو ایئر پورٹ سیکیورٹی فورس خود ہمارے حوالے کرے۔ قانونی طور پہ۔ اور اگر وہ ڈیلیٹ کر چکا ہے تو نہیں ملے گی۔''

''تو اس آپریٹر کو گواہ کے طور پہ بلائیں۔'' سعدی نے بے چینی سے بات کاٹی۔

''وہ تو ہو جائے گا' عدالت کہے گی اگلی پیشی پہ آپریٹر کو حاضر کرو۔ مگر ہاشم کو چند دن مل جائیں گے اور وہ گواہ کو غائب کرا دے گا یا خاموش کرا دے گا۔''

فارس ہلکا سا کھنکھارا۔ ”جس شخص نے ہاشم کے پیسے کھا کے فوٹیج مٹائی ہے' وہ ہمارے حق میں گواہی دے گا ہی کیوں؟“

”تو اب ہم کیا کریں؟“ وہ ان دونوں سے پوچھ رہی تھی اور دونوں جواباً اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

..................❖❖❖❖..................

مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا ..... میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر

”قتل سے پانچ دن قبل۔“

وہ صبح بارش سے نہائی ہوئی تھی۔ قصرِ کاردار کا سارا سبزہ اپنی میل کچیل سے پاک نکھرا اور دھلا دھلایا لگ رہا تھا۔ لاؤنج میں ملازم معمول کی صفائی کر رہے تھے۔ فیونا جواہرات کے کمرے کے باہر کھڑی حکم چلا رہی تھی۔ اب وہ میری سے نہ الجھتی تھی' نہ برے موڈ میں رہتی تھی۔ بس مسکراتی رہتی تھی۔

جواہرات اپنے کمرے میں سست سی آرام دہ کرسی پہ بیٹھی اپنا فون دیکھ رہی تھی۔ بال کیچر میں باندھ رکھے تھے' اور چہرے پہ بے زاری تھی۔ دفعتاً دروازہ کھٹکھٹا کر فیونا نے اندر جھانکا۔ جواہرات نے اکتائی ہوئی نظر اٹھائی۔

”میری اجازت کا انتظار کیا کرو۔“

”سوری مسز کاردار' مگر مسز رفیع کا ملازم آیا ہے' آپ کا ڈریس لے کر۔ وہ آپ ہی کا ڈریس ہے نا؟“ احتیاطاً پوچھا۔ جواہرات چونکی پھر اثبات میں سر ہلایا۔ ”اسے اندر بھیجو۔“

”گارڈز اس کو چیک کر لیں' پھر بھیجتے ہیں۔“ ایک مسکراہٹ کے ساتھ فیونا غائب ہو گئی۔ وہ صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔

چند لمحے بعد مسز رفیع کا ملازم ایک کھلا ہوا پیکٹ اس کے سامنے میز پہ رکھ رہا تھا۔ (پیکٹ گارڈز نے کھول کے چیک کیا تھا۔) البتہ اس وقت کمرے میں صرف فیونا تھی۔ ایسے میں جب مسز رفیع کے ملازم نے جھک کے پیکٹ میز پہ رکھا تو جواہرات نے دیکھا اس نے پیکٹ تلے بھی کوئی شے رکھ دی تھی۔ ایک گہری نظر اس پہ ڈال کے وہ سیدھا ہوا اور ادب سے باہر نکل گیا۔

فیونا کے جاتے ہی جواہرات نے کمرے کا دروازہ مقفل کیا اور پیکٹ ہٹایا۔ نیچے چھوٹا سا سیاہ پیکٹ رکھا تھا۔ اس نے وہ جلدی جلدی کھولا۔ اندر ایک موبائل تھا۔ اس نے اسکرین آن کی۔ اسی پل کال آنے لگی۔

”احمر ..... یہ کیا طریقہ تھا موبائل بھیجنے کا؟ اگر گارڈز چیک کر لیتے تو؟“

”تو میرا آدمی کہتا کہ یہ اس کا موبائل ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ کم از کم آپ سے رابطے کا کوئی ذریعہ تو ملا۔“ وہ دوسری طرف اطمینان کی سانس بھر کے بولا تھا۔

”خیر ..... یہ صحیح کیا تم نے۔ میں تو بالکل قید ہو کر رہ گئی ہوں۔“ وہ واپس ہیر پیار کے صوفے پہ بیٹھی اور تلخی سے فون میں بولے گئی۔ ”میری ہر حرکت پہ نظر ہے ان دو ٹکے کے ملازموں کی۔“

”کیا کوئی ایک بھی ملازم آپ کا وفادار نہیں ہے۔“

”تم ہی ہو۔ باقی یہاں تو سب یوں لگتا ہے مجھ سے کوئی پرانا انتقام لے رہے ہیں۔ خیر تم بتاؤ' میرے کام کا کیا بنا؟“

”ابھی تک نہیں ہو پایا۔“ احمر مایوسی سے کہہ رہا تھا۔ ”مگر آپ بے فکر رہیں میں جلد کر دوں گا۔“ جواہرات چونکی۔

”ابھی تک ہو جانا چاہیے تھا۔ کہیں تم میری ساری رقم لے کر فرار ہونے کا تو نہیں سوچ رہے۔“

"توجہ کریں مسز کاردار۔" وہ برا مان کے بولا تھا۔"میں آپ کا وفادار ہوں۔ آپ نے مجھے نوکری دی' مجھے عزت دی' میرے لئے ایک مضبوط اور پُرعزم mentor کا کردار ادا کیا' مجھے اتنا کچھ سکھایا' اور آپ کو لگتا ہے کہ میں اتنا احسان فراموش' گھٹیا اور کمینہ ہوں کہ آپ کی دولت اور زیورات لے کر بھاگ جاؤں گا؟" وہ اب افسوس سے کہہ رہا تھا۔"مجھ پہ اعتبار کیا ہے تو پورا کریں۔ مجھے وقت دیں اور بے فکر ہو جائیں۔ آپ کی ساری چیزیں بحفاظت آپ تک پہنچ جائیں گی۔ وہ آپ کی امانت ہیں اور ان کو آپ تک پہنچانے کے لئے مجھے اپنی جان بھی دینی پڑی تو دے دوں گا' مگر اپنی کمٹمنٹ نہیں توڑوں گا۔" آخر میں وہ جذباتی ہو گیا تھا۔ جواہرات کے ماتھے کی سلوٹیں ڈھیلی ہوتی گئیں۔ وہ نرمی سے مسکرائی۔

"مجھے تم پہ فخر ہے احمر' کیونکہ تم میرا انتخاب تھے۔ اگر قسمت مجھے مہلت دیتی تو میں آنے والے برسوں میں تمہیں تراشتی' تمہیں سکھاتی اور تمہیں ایک بہترین سیکیورٹی آفیسر بنا دیتی۔ خیر ایک دفعہ یہ ٹرائل گزر جائے' تو میں تمہیں واپس لے آؤں گی۔"

اور اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں بیٹھا احمر سر ہلاتا ہوا سن رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے فون کان پہ لگا رکھا تھا اور دوسرے سے وہ میز پہ رکھے زیورات اٹھا اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔ پلاٹینم اور ہیروں سے جڑے زیورات کی چمک اس کی آنکھیں خیرہ کر رہی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں بہت جلد آپ کے زیورات اور نقدی لے آؤں گا' اور آپ کی امانت آپ کے حوالے کر کے سرخرو ہو جاؤں گا۔" فون بند کر کے وہ ایک دفعہ پھر سے ان کو نٹوں کے دیکھنے لگا۔ پھر احتیاط سے میز پر رکھے سیاہ بیگ میں بھرنے لگا۔ بیگ میں پہلے سے چند نوٹوں کی گڈیاں' چیک بکس' ٹریولر چیکس رکھے دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان کے اوپر وہ پلاسٹک میں سیل کر کے زیور ڈال رہا تھا۔

تبھی گھنٹی بجی۔ وہ چونکا' پھر تیزی سے بیگ میں سارا سامان بھرنے لگا۔ دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ احمر کے ہاتھوں کی رفتار میں مزید تیزی آ گئی۔ پھر لاک کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے بیگ کی زپ بند کر کے جلدی سے اسے صوفے تلے دھکیلا اور فق چہرہ اٹھایا تو..... سامنے دروازہ کھول کے فارس اندر آ رہا تھا۔ احمر کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔

"تم.....!" پھر غصہ آنے لگا۔"کسی مہذب آدمی کے گھر اس طرح تالہ توڑ کے داخل نہیں ہوتے۔ کوئی شرم ہوتی ہے' کوئی حیا ہوتی ہے' مگر تمہیں کیا پتہ وہ کیا ہوتی ہے۔"

فارس حسب معمول ماتھے پہ بل لئے' گرے شرٹ میں ملبوس' آستین ذرا چڑھائے چلا آ رہا تھا۔ اس کے سامنے آ کر رکا اور سنہری آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

"رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟" پھر اندرونی کمرے کے دروازے کو دیکھا۔"اندر کوئی ہے؟"

"نہیں یار۔ آؤ بیٹھو۔" اس نے جھلا کے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ خود وانستہ کھڑا رہا۔ جس صوفے کے آگے کھڑا تھا اسی کے نیچے سیاہ بیگ رکھا تھا۔

"اتنی صبح صبح کون سی آفت آن پڑی تھی؟" برے موڈ سے وہ کہتے اب خود بھی بیٹھا کیونکہ فارس سامنے بیٹھ چکا تھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی تھی۔

"پی ایم ڈی سی کے ریکارڈز access کرنے ہیں' ایئر پورٹ پہ ایک گواہ ڈھونڈنا ہے' رات سے میسج کر رہا ہوں تمہیں۔ کہاں ہو تم؟" فارس خفگی سے کہتا بار بار مشکوک انداز میں اس کو سر سے پیر تک دیکھتا تھا۔

"میں نے سعدی کو موقع دیا تھا۔ اس نے نہیں فائدہ اٹھایا۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ ہاتھ مسلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ فارس کچھ لمحے سوچتا رہا' پھر ایک دم جھک کے نیچے سے کچھ اٹھایا اور اوپر لایا۔ احمر کا سانس رک گیا۔ وہ ایک سبز پاسپورٹ تھا۔

"تم کہیں جا رہے ہو سلطان بخش؟" پاسپورٹ کھولتے ہوئے اس نے نام پڑھا' پھر ابرو سے احمر کے صوفے تلے جھلکتے بیگ کی

طرف اشارہ کیا' جو اسے جانے کیسے نظر آ گیا تھا۔ احمر نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ "شہر سے باہر جا رہا ہوں' کچھ دن کے لئے۔"

"تو پاسپورٹ کس لئے؟"

"تم میری ماں ہو؟"

فارس نے پاسپورٹ میز پہ ڈال دیا اور سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو احمر شفیع کی شناخت کا یہ اختتام تھا؟ تم کوئی لمبا ہاتھ مار کے بھاگ رہے ہو' ہے نا؟" پھر وہ مسکرایا۔ "اس بیگ میں ہوگا کسی کا لوٹا ہوا مال' ہے نا؟"

"دیکھو' میں تم لوگوں کی جتنی مدد کر سکتا تھا میں نے کی۔ لیکن اب مزید یہاں ٹھہرنا میرے مفاد میں نہیں ہے۔ مجھے اپنا بھی سوچنا ہوگا اور....."

"جس دن ہم جس منا دوست بنے تھے میں جانتا تھا کہ تم ایک پیدائشی فراڈ ہو اور میں نے تمہیں تمہاری ان کوالٹیز کے ساتھ قبول کیا تھا' اس لئے میرا خیال ہے تم درست فیصلہ کر رہے ہو۔" وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔ نہ کوئی ناراضی' نہ کوئی شکوہ۔ احمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"تم نے اس شہر میں جتنے لوگوں کو مسز کاردار کی وجہ سے خفا کر لیا ہے' اس لحاظ سے تو تمہیں بہت پہلے یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔"

"سوری' میں مزید تم لوگوں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ ہلکے سے افسوس سے بولا۔ فارس اداسی سے مسکرایا۔

"آدمی تم انتہائی گھٹیا ہو' مگر دوست اچھے ہو۔ جاؤ معاف کیا۔" اور وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

............❖❖❖............

تم سے پہلے جو شخص یہاں تخت نشیں تھا ..... اس کو بھی اپنے خدا ہونے پر اتنا ہی یقیں تھا

لوڈی ایوار آفس کی چھت کے عین اوپر آسمانوں پہ سورج سنہرے انگارے کی مانند دہک رہا تھا۔ بارش کے پانی کو اس نے سکھا دیا تھا۔ بالائی منزل کے خالی ہال کے کونے میں زمر اپنی کرسی پہ بیٹھی ایک فائل کے مطالعے میں مصروف تھی۔ سامنے میز کے ساتھ لینڈ لائن کا ریسیور اٹھائے کھڑا جنید دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"مس حلیمہ سیل نہیں اٹھا رہیں۔"

"گھر پہ فون کیا؟" زمر سر جھکائے فائل پہ کچھ لکھتے ہوئے بولی۔

"جی۔ انہوں نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ آفس فون کیا تو میری آواز سے آپ کا نام سن کے رکھ دیا۔ اب سیل ٹرائی کر رہا ہوں۔"

"اور جو خط میں نے اسے بھیجا تھا' اس کی وصولی کی رسید آ گئی؟"

"جی۔ آپ کی دراز میں رکھ دی تھی۔" جنید فون رکھ کے بتانے لگا۔

"تھینک یو جنید۔" پھر اس نے سر جھکائے کام کرتے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ "اس سے ٹرائی کریں۔"

جنید اب موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ جیسے ہی دوسری طرف سے ہیلو سنائی دیا اس نے جلدی سے فون زمر کی طرف بڑھایا۔ زمر نے اسی مصروف انداز میں اسے کان سے لگایا۔

"حلیمہ میں زمر یوسف بات کر رہی ہوں' آپ چند لمحے کے لئے میری بات سن لیں گی؟" اب وہ بولتے ہوئے کاغذ پہ لکیر لگا

رہی تھی۔

''میں آپ کے اسسٹنٹ کو بتا چکی ہوں کہ مجھے آپ لوگوں سے بات نہیں کرنی' میں اپنا بیان صرف عدالت میں دوں گی۔''

''حلیمہ مجھے آپ کو ڈرانا دھمکانا نہیں ہے' نہ ہی آپ کو اپنا بیان بدلنے پہ مجبور کرنا ہے مجھے صرف آپ سے 21 مئی کی دوپہر کے متعلق چند سوالات پوچھنے ہیں' تاکہ میں کیس کو زیادہ اچھے سے سمجھ سکوں۔ کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہیں؟''

''نہیں' مجھے کوئی بات نہیں کرنی' آپ قانوناً مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔'' وہ درشتی سے بولی اور فون رکھ دیا۔ زمر نے اسی مصروف انداز میں موبائل رکھ دیا اور اپنا کام کرنے لگی جیسے اس سے زیادہ اسے اس معاملے میں دلچسپی نہ ہو۔

چند میل دور' واقع اس بلند عمارت کے ٹاپ فلور کے کارز آفس میں حلیمہ ہاشم کے سامنے بیٹھی تھی اور جھرجھری لے کر اپنا موبائل میز پہ رکھ رہی تھی۔ اور ہاشم مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

کونے میں ایک اونچی میز پہ وہ بڑا سا ایکویریم مصنوعی روشنیوں میں چمکتا جھلملاتا دکھائی دے رہا تھا۔ خوبصورت رنگ برنگی مچھلیاں اندر تیر رہی تھیں۔ کھیل رہی تھیں۔ ڈبکیاں لے رہی تھیں۔

''اب' سر؟''

''اب کچھ بھی نہیں۔ اس سے تم نے بات نہیں کرنی اور اپنی تیاری مکمل رکھنی ہے۔ اب جو کہنا ہے عدالت میں کہنا ہے۔'' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا تھا' اور کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ لٹکا رکھا تھا۔ جیسے ہوئے بال' خوشبو میں بسا وجود' وہ مکمل تر و تازہ اور ہشاش بشاش دکھ رہا تھا۔ شیرو کی پریس کانفرنس سے ہونے والے مالی نقصان کا شائبہ تک چہرے پہ نہیں تھا۔

''تیاری تو آپ نے مجھے کروا دی ہے۔ 21 مئی کو سعدی یوسف ادھر نہیں آیا تھا' اور اس سے پہلے جو میں نے اس کو کالز کی تھیں' وہ بھی ذاتی وجہ سے کی تھیں۔'' وہ پُراعتماد تھی۔

''میں نے تمہیں Examination in Chief کی مشق کروائی ہے۔ اس کے بعد cross (جرح) ہو گی۔ وہ کراس کے ذریعے تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرے گی۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''اور میں کیا کروں گی پھر' سر؟''

''بے وقوف وکیل وہ ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کراس کے دوران ان کا گواہ مخالف وکیل کو ہرا دے اور اسے خود کو جھوٹا ثابت کرنے ہی نہ دے' مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ہرانے والی باتیں ڈائریکٹ ایگزامینیشن میں کہی ہوتی ہیں۔ کراس میں صرف سروائیو کرنا ہوتا ہے۔ دفاع کرنا ہوتا ہے۔ کم سے کم نقصان کرنا ہوتا ہے اپنا۔''

''اور میں اس کے سوالوں کا مقابلہ کیسے کروں گی؟'' اس کی آواز میں فکرمندی در آئی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''اور اچھا وکیل وہ ہوتا ہے جو اپنا کیس تو تیار کرے مگر ساتھ میں مخالف کا کیس بھی تیار کرے۔ کبھی کبھی میں اپنے مخالف کے لیے جتنے اچھے دلائل اور نقطے ڈھونڈ کر لکھتا ہوں' کورٹ روم میں وہ اتنے اچھے نقطے پیش نہیں کرتے۔ خیر' اب میں زمر کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات بتاتا ہوں تمہیں۔'' وہ اب میز کے کونے پہ آ بیٹھا تھا اور سامنے بیٹھی توجہ سے سنتی حلیمہ سے کہہ رہا تھا۔

''مس حلیمہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ نے اس تاریخ کو اس وقت سعدی یوسف کو کال کی تھی؟

کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ پچھلے کئی سال سے اس فرم میں ملازمت کر رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے مالک کا ساتھ دیتی آئی ہیں' اور اب بھی اس کے لیے جھوٹ بول رہی ہیں۔ ایسے سوالات پہ میں اعتراض کروں گا تو وہ ٹون بدل کے یہی سوال مختلف انداز میں پوچھے گی۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ نے ہاشم کاردار کی کمپنی سے قرضہ لے رکھا ہے جو قسطوں میں ادا کرنا ہے۔ اور آپ ان کے احسان تلے دبی ہوئی ہیں۔

کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ رات دیر تک آفس میں کام کرتی ہیں اور آپ کی اپنے باس سے کافی فرینک نیس ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ کے اپنے باس سے تعلقات ہیں؟"

"کیا وہ اس طرح کا الزام بھی لگا سکتی ہیں؟" اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"عدالت میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ اسے تمہیں جھوٹا ثابت کرنا ہے' اس لیے وہ سخت سے سخت زبان استعمال کرے گی' تلخ انداز اپنائے گی' تیز تیز سوالوں کی بوچھاڑ کر کے تمہیں کنفیوز کر دے گی۔ اس لیے اب میں تمہیں ان سوالوں کے جوابات کی مشق کروانے لگا ہوں۔ او کے!" وہ اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

"شیور سر!" حلیمہ ذرا ٹھہری پھر آنکھیں اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "سر! ایک بات پوچھوں؟"

"یہی کہ میں نے اور شیرو نے یہ سب واقعی کیا ہے یا نہیں؟"

حلیمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں' میں نے یہ کیا ہے' اور مجھے موقع ملے تو میں دس بار یہ کروں گا۔ اب ہم ریپ کر لیں؟"

حلیمہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ جھٹ اثبات میں سر ہلا کے "یس سر!" بولی تھی۔ وہ اب کاغذ اٹھا کے سوالات پھر سے دہرانے لگا تھا۔ چہرہ سپاٹ اور مطمئن تھا۔

واپس فوزیہ ایور آفرز کی بالائی منزل پر آؤ تو زمر اسی انداز میں بیٹھی نوٹ پیڈ پہ سوالات لکھے جا رہی تھی۔ سامنے کھڑے جنید نے بے چینی سے پوچھا۔ "اس کی سیکرٹری تو ملنے پہ راضی ہی نہیں ہوئی' اب آپ اس کا بیان اپنے حق میں کیسے کروا ئیں گی؟"

"مجھے جرح کے دوران گواہ کو سوالات سے مار دینے کا فن آتا ہے' جنید' آپ اپنا کام کیجئے۔" وہ اب بھی سر جھکائے لکھے جا رہی تھی۔

.... ☆☆☆ ....

ذرا سی دیر کا ہے یہ عروج مال و منال ...... ابھی سے ذہن میں سب زاویے زوال کے رکھ

"قتل سے تین دن قبل۔"

قصر کاردار کا سبزہ زار اس شام برقی قمقموں اور روشنیوں سے منور تھا۔ اونچے درختوں کے گرد روشنیاں لپیٹ کر ان کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ مرکزی اسٹیج پہ فنڈ ریزنگ تقریب کے بعد اب گلوکار اپنے ساتھیوں سمیت بیٹھے' غزل گا رہا تھا۔ ایسے میں جواہرات یہاں سے وہاں ٹہلتی' مسکرا مسکرا کے مہمانوں سے چند پل ٹھہر کے گپ شپ کر رہی تھی۔ سیاہ جھلملاتی ساڑھی اور نگینوں سے مزین وہ بے حد تر و تازہ اور خوبصورت دکھ رہی تھی۔ اور اس اچھے موڈ کو برقرار رکھنے کے لیے وہ قریب ٹہلتے دونوں گارڈز کو دیکھنے سے خود کو باز رکھے ہوئے تھی۔

محفل موسیقی ابھی جاری و ساری تھی جب جواہرات برآمدے کے زینے عبور کر کے اندر جاتی دکھائی دی۔ جیسے کوئی بھولی چیز اٹھانے جا رہی ہو۔

لاؤنج کا دروازہ کھول کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھٹھک گئی۔ وہاں چند ہی لوگ تھے جو یا تو موبائل پہ لگے صوفوں پہ نیم دراز تھے' یا ٹی وی دیکھ رہے تھے' مگر دیوار کے سامنے کھڑی عورت کو دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ قدم وہیں جیسے جم گئے۔ اس نے اس کو نہیں بلایا تھا تو پھر.....؟

وہ سفید چادر سر پہ جمائے' اس کی طرف پشت کیے کھڑی دیوار پہ نصب فوٹو فریمز دیکھ رہی تھی۔ فریمز ڈیجیٹل تھے' ان کے اندر تصاویر ہیری پوٹر کی دنیا کی طرح چل پھر رہی تھیں۔ چند چند سیکنڈز کے ویڈیو کلپس اور پھر سلائیڈ شو۔ دس منٹ کھڑے ہو کر دیکھو تو ہاشم اور شیرو

کی ساری زندگی کی تصویری کہانی سامنے آجاتی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ بھی وہی دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ پلٹی۔ گوری رنگت اور گہری آنکھیں۔ مسکرا کے جواہرات کو دیکھا۔

جواہرات سست روی سے قریب آئی۔

''خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔ اگر آنا چاہتی تھیں تو مجھے کہلوا دیتیں۔ میں دعوت نامہ بھجوا دیتی۔'' جبری مسکراہٹ کے ساتھ کہتی وہ اس کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔ چادر والی عورت ذرا سا مسکرائی۔

''لوگ اب مجھے خوشی سے دعوتوں میں نہیں بلاتے جواہرات۔ جب سے تمہارے اس پالتو نے میری زندگی کی جھوٹی کہانیاں زبان زد عام کی ہیں' لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔''

''میں کبھی نہیں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' جواہرات حیرت سے بولی تھی۔

''تمہیں نہیں پتہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کے اس اسکینڈل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

عورت نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی' پھر ٹھنڈی سانس بھر کے مڑ گئی۔ اور گردن ذرا اٹھا کے اوپر تک پھیلے فوٹو فریمز کو دیکھنے لگی۔

''تمہارے دونوں بیٹے کتنے خوبصورت ہیں ماشاء اللہ۔ ایک دنیا تم پہ رشک کرتی تھی' حسد کرتی تھی' مگر پھر اسی دنیا نے دیکھا کہ تمہارے بیٹے نے تمہیں کاروبار سے بے دخل کر دیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ تلملا کر بولی' مگر عورت بولے جا رہی تھی۔ ''اور جب عدالت میں ایک چھوٹی سی لڑکی تمہاری عزت کا تماشہ بنا کے چلی گئی تو مائیک تمہارے چہرے کے آگے کرتے رپورٹرز کے سامنے تمہارا کوئی بیٹا ڈھال بن کے نہیں آیا۔''

''بہت ہو گیا' آپ یہاں سے جا سکتی ہیں۔'' وہ دبا دبا سا غرائی تھی۔

''ٹھہرنے آئی بھی نہیں تھی میں۔'' وہ اب پوری اس طرف گھومی اور جواہرات کی سلگتی آنکھوں میں جھانکا۔ ''صرف یہ بتانے آئی تھی کہ مجھے اسی وقت کا انتظار تھا۔ کبھی لگتا تھا اس کو آنے میں برسوں لگیں گے' مگر یوسف کا شکریہ' یہ تو جلد آگیا۔''

''گیٹ آؤٹ!'' وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے دروازے کی طرف بازو لمبا کر کے بولی۔

''جواہرات!'' سفید چادر والی عورت دو قدم قریب آئی اور تاسف سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''آج کل تمہاری تباہی میں سب اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ تمہارے بیٹے' یوسفز' ہارون عبید' سب سیر ہو کر اپنا حصہ ڈال لیں' تب بھی میرا حصہ پورا نہیں ہو گا۔ تمہاری آنکھوں میں دیکھ کے بس اتنا کہنا تھا کہ آخری حصہ میں ڈالوں گی' اور تم اسے یاد رکھو گی۔'' پھر وہ اس کے ساتھ سے نکل کے چلی گئی اور جواہرات غصے اور بے بسی سے کانپتی کھڑی رہ گئی۔ باہر سے اونچے سروں میں بجتی موسیقی کی آوازیں ہنوز سنائی دے رہی تھیں۔

لاؤنج کے مہمانوں کو وہیں چھوڑ کے بغلی راہداری میں آگے آؤ تو سامنے زینے تھے جو نیچے جاتے تھے۔ ان کو پھلانگ کر اترتے جاؤ تو آگے ایک طویل راہداری تھی۔ دونوں اطراف میں کھلے دروازے تھے جو ملازموں کے کمروں میں کھلتے تھے۔ مزید آگے آؤ تو آخر میں کچن تھا۔ قصر کی پشت پہ سبزہ زار نشیب میں تھا اس لیے گو کہ کچن بیسمنٹ میں بنا لگتا تھا' مگر اس کی پچھلی طرف سبزہ زار میں ہی کھلتی تھی۔

کچن کے کھلے دروازے سے اندر جھانکو تو وہاں ملازم ندارد تھے۔ صرف دو نفوس موجود تھے۔ ایک ہاشم جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا تھا اور بلینڈر کے جگ میں کٹے ہوئے پھل کین سے نکال کے انڈیل رہا تھا۔ شرٹ کے آستین پیچھے کو موڑ رکھے تھے' اور کوٹ سامنے کرسی کی پشت پہ ڈال رکھا تھا۔ اور دوسری آبدار جو کاؤنٹر کے اس طرف اونچے اسٹول پہ بیٹھی اسے سکون سے دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی ڈر تھا نہ کوئی خوف۔

کان میں لٹکتے آویزے کو وہ انگلیوں سے مسل بھی رہی تھی۔ آویزے سبز تھے اس کے لباس اور آنکھوں کی طرح 'اور سرخ رومال ماتھے سے اوپر بندھا تھا۔ نظریں ہاشم کی پشت پہ جمی تھیں۔

"میں چاہتا تھا ہم ڈنر کریں 'مگر تم اسی پارٹی میں ڈنر ایڈجسٹ کرنا چاہتی ہو تو میں یہی کر سکتا ہوں۔" وہ اب بلینڈر کا ڈھکن بند کر کے اس پہ ہاتھ رکھے 'بٹن آن کر رہا تھا۔ یکدم زوں کی آواز آئی تو آبدار کچھ کہتے کہتے رکی۔ پھر بلینڈر رکا تو وہ بولی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ یم ریپرا تنا ماہر بار ٹینڈر بھی ہے۔"

ہاشم دھیرے سے ہنسا۔ زخمی سی ہنسی۔ سر جھکائے وہ ابھی تک بلینڈر کے ساتھ لگا تھا۔

"زیادہ نہیں 'مگر تھوڑا بہت آتا ہے۔ اب تو لگتا ہے کہ جو سیکھا تھا 'وہ بھی بھول گیا۔" آواز میں آنچ تھی۔

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" آبی کی آواز ذرا مدھم ہوتی۔ نظریں سامنے کھڑے ہاشم پہ جمی تھیں۔ وہ چونکی تھی مگر خوفزدہ نہیں تھی۔

"جب میں چھوٹا تھا تو مجھے ایک بری عادت پڑ گئی تھی۔" وہ اب اوپر بنے اسٹینڈ میں الٹے لٹکے گلاس نکال نکال کے کاؤنٹر پہ رکھ رہا تھا۔ نظریں آبی کی بجائے اپنے کام پہ تھیں۔ "مجھے جب کوئی کھلونا پسند آتا 'کوئی کتاب اچھی لگتی 'میں اسے لینے کی ضد کرتا 'روتا جھگڑتا 'بس کسی طرح وہ مجھے مل جائے۔ ڈیڈ کو یہ بات سخت ناپسند تھی۔ کچھ عرصہ انہوں نے برداشت کیا 'پھر ایک دن انہوں نے مجھ سے میری ساری جمع کی ہوئی کوائن کولیکشن لے لی۔" اب وہ گردن جھکائے جگ سے گلاسوں میں رس انڈیل رہا تھا۔ "اور انہوں نے کہا کہ محبوب شے کو چھین کر لینے یا چرانے سے چیز تو مل جائے گی 'مگر محبت ختم ہو جائے گی۔ جن سے محبت ہوتی ہے ان کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ ان کو earn کیا جاتا ہے۔ انہوں نے وہ البم کہیں چھپا دیا تھا 'مجھے چند پہیلیاں بتائیں یا نہیں کیا تھیں 'مگر میں نے پھر اس کو خود ڈھونڈا 'شاید کسی دوست کو دے آئے تھے میں نے اس آدمی کو کنوینس کیا کہ وہ مجھے وہ البم دے دے۔ شائستگی سے 'نرمی سے 'دلیل سے۔ اور وہ مجھے مل گئی۔ شیرو میں ڈیڈ بھی یہ عادت نہیں ڈال سکے۔ مجھ سے کبھی نکال نہیں سکے۔ اب مجھے فتح کو محنت کر کے حاصل کرنا اچھا لگتا ہے 'یہی وجہ ہے کہ چاہوں تو سعدی یوسف کے سارے خاندان کو ایک بم بلاسٹ میں ختم کر دوں 'مگر نہیں 'مجھے اپنے بھائی اور اپنے خاندان کے حق میں فیصلہ "حاصل" نہیں کرنا 'بلکہ "جیت" کے آنا ہے۔"

آبدار کے چہرے کے کئی رنگ بدلے 'بالی کو مسلتے ہاتھ میں تیزی آگئی۔ وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "میرے اور تمہارے راستے الگ ہیں۔"

"اونہوں۔ ابھی نہیں۔" اس نے ایک گلاس آبی کے سامنے رکھا 'اور دوسرا اپنے سامنے۔ پھر بیٹھا نہیں۔ ہتھیلیاں کاؤنٹر پہ رکھے وہ اسے نرم سے زخمی پن سے دیکھے گیا۔ "ابھی تمہارے پاس چند دن ہیں۔ اس کے بعد تم جو بھی فیصلہ کرو گی 'مجھے قبول ہو گا۔"

"تم نے جو اس روز مجھے ٹیکسٹ بھیجے تھے 'ان کا کیا مطلب تھا؟" اس نے جی کڑا کے پوچھا۔ ہاشم اسی طرح اس کی آنکھوں میں جھانکے گیا۔

"مطلب تو صاف ظاہر تھا۔ میں نے تمہاری اور فارس کی ایک تصویر دکھا کے پوچھا تھا کہ کیا یہ سچ ہے؟ تم نے جواب نہیں دیا تو میں نے وہ تصویریں بھیج کر یہ بتایا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ وہ وہ تصویریں زرتاشہ اور زمر کی تھیں۔"

"زمر کی کیوں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ (ریس میں رکھے اس کے فون کی اس چیٹ میں سے اس نے "کیا یہ سچ ہے" والا پیغام اور زرتاشہ اور زمر کی تصویر مٹا دی تھی 'صرف "وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا" والا پیغام اور اپنی اور فارس کی تصویر رہنے دی تھی۔ اسی طرح اس نے وہ چیٹ فارس کو دکھائی تھی۔)

"تم جلد جان جاؤ گی 'میں نے کہا نا 'مجھے ایسے کھیل پسند ہیں۔ کیا تم نے فارس کو بتایا؟" گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے اس نے

مسکرا کے پوچھا۔

"یہی کہ تم نے زمر کو دھمکی دی ہے؟ ہاں بتایا تھا۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر اپنے گلاس سے گھونٹ بھرنے لگی۔ دل زور سے دھڑکا۔

"گڈ۔" ہاشم مسکرایا۔ زخم زخم مسکراہٹ۔

"وہ مشہور ہو چکے ہیں' تم ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاشم!" وہ اسی بے نیازی سے بولی تھی۔

"میں ہمیشہ سے unpredictable رہا ہوں۔" اس نے شانے اچکائے اور گلاس اٹھا لیا۔

"مجھے کیوں بلایا ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

"یہ بتانے کے لیے کہ میں تمہیں حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ جیتنا چاہتا ہوں۔ اس کی اصلیت دکھانا چاہتا ہوں' اور..." ہتھیلیاں کاؤنٹر پہ رکھے اس کی طرف جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اور تمہاری اصلیت سے بھی واقف ہوں۔"

آبدار کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ ہاشم کی نظریں ساکت ہو گئیں۔ "تم نے میرے مقابلے میں فارس کا ساتھ دیا... سعدی کو زہریلی سرنج دی... اس کی فرار میں مدد کی... فارس کو اپنے ساتھ لے کر گئیں... تم نے ہر قدم پہ مجھ سے جھوٹ بولا اور میں ہر قدم پہ تم پہ اعتبار کرتا رہا۔"

آبدار کی گردن میں تھوک نگلنے سے گھٹی ابھر کے معدوم ہوتی دکھائی دی۔

"کیوں کیا تم نے یہ آبی؟" وہ دکھ سے پوچھ رہا تھا۔ "اس کو مجھ سے اوپر کیوں رکھ دیا؟"

"میں... صرف ایڈونچر چاہ رہی تھی۔" وہ ذرا سا ہکلائی۔

"تو پھر اب میرا ایڈونچر بھی دیکھنا۔"

"مجھے نقصان... نقصان دو گے کیا؟"

"تمہیں؟ کبھی نہیں۔ مگر اسے کہنا کہ وہ... اپنے خاندان کی... عورتوں کی... حفاظت نہیں... کر سکتا!" چبا چبا کے ایک ایک لفظ ادا کیا' پھر سیدھا ہوا' کاؤنٹر کے پیچھے سے نکلا' کوٹ اٹھایا اور باہر چلا گیا۔ اس کا گلاس ان چھوا بھرا ہوا میز پہ رکھا رہ گیا۔

آبدار ابھی تک ٹھنڈے گلاس کو پکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ مشروب کی ٹھنڈک نے اس کی ہڈیوں کو اندر تک جما دیا تھا۔

.... ☆☆☆ ....

تیرگی نے کماں سنبھالی ہے ..... چاند اور کہکشاں کدھر جائیں!

رات اس اپارٹمنٹ بلڈنگ پہ پر پھیلائے' اس کے سارے بھید ڈھانکے ہوئے تھی۔ اپارٹمنٹ کے اندر نیم اندھیرا سا تھا۔ اوپن کچن کی بتی جل رہی تھی' یا پھر احمر کے کمرے کا نائٹ بلب۔ وہ بیڈ پہ لمبا لیٹا' موبائل دونوں ہاتھوں میں لیے ٹھک ٹھک ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ساتھ میں جمائی روکنے کو منہ پہ ہاتھ بھی رکھتا۔ یہ تو طے تھا کہ نیند تب آنی تھی جب بیٹری ختم ہو جاتی' سو وہ بنا کسی فکر کے لگا ہوا تھا۔

فیس بک پہ مختلف لوگوں کی زندگیوں میں جھانکتا' صفحہ نیچے کرتا جا رہا تھا جب باہر آہٹ سی محسوس ہوئی۔ پہلے وہ چونکا' پھر کسی خیال کے تحت گہری سانس بھری اور تیزی سے بستر سے نیچے اترا۔

"شریف لوگوں میں کوئی تمیز تہذیب ہوتی ہے فارس غازی۔ چاہے آپ کا بیسٹ فرینڈ بھی ہو تو اس کے گھر یوں بنا پوچھے نہیں داخل ہو جاتے۔" سلیپر پہنتے ہوئے وہ زور سے چلایا تھا۔ پھر دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔

"میرے گھر کے باہر گھنٹی شکل دیکھنے کے لیے نہیں لگی۔ اس پہ انگلی رکھ کے اسے بجایا جاتا ہے غازی۔ آخر کب سیکھیں گے آپ؟ کیا تیسری دفعہ جیل جانے کے بعد؟" غصے سے بولتا وہ لاؤنج میں آیا اور بتی جلائی۔

لاؤنج سنسان پڑا تھا۔ کچن کی بتی ہنوز جل رہی تھی۔ مرکزی دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ احمر قدرے چوکنا سا آگے آیا۔ احتیاط سے دروازہ پورا کھولا۔ باہر اہلی خالی تھی۔ سنسان۔ ویران۔ اسے نئے سرے سے غصہ آیا۔

"کیا تلاشی لینے آئے ہو فارس؟" بےزاری سے زور سے دروازہ بند کر کے لاک کیا اور جیسے ہی واپس مڑا کوئی نوکیلی سی شے اس کی گردن میں کھبتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ جھٹکا کے پیچھے ہٹا۔ اثر تیز تھا۔ فوری تھا۔ بصارت دھندلاتی گئی مگر اتنا نظر آیا کہ سامنے دو بجے کٹے آدمی کھڑے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں بریٹا پستول تھے۔ احمر پوری قوت لگا کے مڑا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ دو قدم بعد ہی اسے ٹھوکر لگی... اور وہ اوندھے منہ فرش پہ آن گرا... اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا جسم سن ہوتا جا رہا تھا... بصارت دھندلی ہو رہی تھی اور ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا.....

..................☆☆☆☆..................

ہم کو ہر دور کی گردش نے سلامی دی ہے ..... ہم وہ پتھر تھے جو ہر دور میں بھاری نکلے

"قتل سے دو دن قبل۔"

پارکنگ ایریا عمارت کی بیسمنٹ میں بنا تھا اور دوپہر کے باوجود اندھیر پڑا تھا۔ گو کہ مدھم سفید بتیاں روشن تھیں مگر عجب ہولناکی سی چھائی تھی۔ ایسے میں ایک ادھیڑ عمر آدمی سامنے سے چل کر آتا دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے بوٹوں کی دھمک سناٹے کو چیر رہی تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ قطار میں کھڑی گاڑیوں تک آیا اور جیب سے چابی نکالتے ایک سفید کار کے قریب رکا۔

تبھی اس کے پیچھے آہٹ سی ہوئی۔ قدموں کی چاپ۔ جیسے کوئی کسی ستون کی اوٹ سے نکلا ہو۔ ریموٹ کا بٹن دبا کے کار ان لاک کرتے اس نے مڑ کے پیچھے دیکھا تو ٹھہر گیا۔

ستون کے ساتھ کھڑا نوجوان جیبوں میں ہاتھ ڈالے فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مدھم اندھیرے مدھم روشنی کے ملے جلے ماحول کے باعث ادھیڑ عمر آدمی نے آنکھیں سکوڑ کے دیکھا۔ وہ چہرہ شناسا سا لگتا تھا مگر کون....؟

"جب میں ٹین ایج میں تھا تو میں نے ایک ریسرچ پڑھی تھی۔ اس کے مطابق بچہ اپنی پیدائش سے لے کر پہلے چھے ماہ تک بلیک اینڈ وائٹ دیکھتا ہے اسے رنگ نظر نہیں آتے۔ بائی دا وے میں سعدی یوسف ہوں اور آپ ایئر پورٹ سکیورٹی میں موجود وہ آپریٹر ہیں جن کو کل صبح عدالت سمن جاری کرے گی۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ..." قصہ سناتے رک کے سینے پہ ہاتھ رکھے اس نے اپنا تعارف دیا اور پھر بات جاری رکھی۔ "چند سائنسدانوں کی ایک تحقیق کے مطابق انسان پہلے چھے ماہ تک بلیک اینڈ وائٹ دیکھتا ہے۔ لیکن اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو ہم ایک عمر تک بلیک اینڈ وائٹ ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ بچپن میں اور پھر ٹین ایج میں ہر انسان بلیک یا وائٹ لگتا ہے ہمیں۔ bad guys اور good guys۔ نیک لوگ۔ گناہ گار لوگ۔ ہم اگر کسی ایکٹر اسکالر یا سیاستدان سے محبت کرنے لگیں تو اس کو ایسا سفید مجسمہ بنا دیتے ہیں کہ ان میں خامی نظر نہیں آتی اور جب خامی دکھ لیں تو اسے دیکھنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن مسعود صاحب جب ہم میں سے اکثر لوگ میچور عمر کو پہنچتے ہیں تو جان پاتے ہیں کہ یہاں نہ کوئی سفید ہے نہ سیاہ۔ سب سرمئی ہیں۔ کوئی گہرا سرمئی۔ کوئی ہلکا سرمئی۔ کوئی میالہ کوئی کم گندا۔ مگر بےداغ کوئی نہیں ہے۔" مسعود ادھیڑ عمر بن میں کھڑا یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ چابی ہاتھ میں تھی اور نظریں اس پہ گڑی تھیں۔ سعدی بولتے بولتے قریب آنے لگا۔ قدموں کی چاپ نے پھر سے خاموشی کو چیرا۔

"لوگ کہتے ہیں۔ ہماری choices ہمیں define کرتی ہیں۔ وہ انتخاب جو ہم کرتے ہیں وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ ہم ہلکے سرمئی ہیں یا گہرے سرمئی اس کا فیصلہ وہ کام کرتے ہیں جو ہم نے کیے ہوتے ہیں مگر نہیں۔" وہ اب ان کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا تھا اور نفی میں سر ہلا کے اس کی آنکھوں میں جھانک کے کہہ رہا تھا۔

''میں نے دو انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔ میرے مدِ مقابل جو شخص ہے اس نے میرے خاندان کے دو انسانوں کو قتل کروایا ہے۔ یہ وہ انتخاب ہیں جو ہم دونوں نے کیے۔ کیا یہ ہمیں ڈیفائن کر سکتے ہیں؟ ہمیں ڈسکرائب کر سکتے ہیں؟'' سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کے وہ بول رہا تھا۔ ''نہیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے ہمارے اچھے یا برے ہونے کا تعین ہمارے چنے گئے راستے نہیں کرتے' بلکہ وہ راستے کرتے ہیں جو ہم نے نہیں چنے ہوتے۔ وہ فیصلے' وہ انتخاب کرتے ہیں جو ہم نے میسر ہونے کے باوجود نہیں لیے ہوتے۔ ہاشم کاردار نے دو انسانوں کو قتل کرنے کا ''انتخاب'' کیا' مگر اس کے پاس دوسرے راستے بھی تھے۔ نیب میں کیس لڑتا اور خود کو بری کروالیتا' یا پھر اگر فیصلہ اپنے خلاف آتا تو پلی بارگین کر لیتا۔ پیسے واپس کرتا' اور رہائی مل جاتی۔ یا پھر وارث غازی پہ چند الزامات لگوا کے اس کو جاب سے نکلوا دیتا۔ یا پھر دہشت گردوں کے خلاف وعدہ معاف گواہ بن جاتا اور اس کو فوج خود پروٹیکشن دیتی' یہ وہ راستے تھے جو اس نے نہیں چنے۔ اس نے قتل کا راستہ چنا۔ مگر جب میں نے دو قتل کیے تو میرے پاس دوسرا راستہ یہی تھا کہ خود کو مرنے دوں۔ میں نے اپنی جان بچائی۔ سروائیول کو چنا۔ ان دونوں آدمیوں کو قتل کر دینے کو چنا' بہ نسبت ہلاکت کے دوسرے راستے کے۔ آپ مجھے اور ہاشم کو ایک ہی ترازو میں نہیں تول سکتے۔ کیونکہ اس کے پاس آپشنز تھے میرے پاس نہیں تھے۔ اسی لیے میں یہاں آپ کو کچھ کہنے آیا ہوں!''

آدمی نے شانے اچکائے' جیسے ناسمجھی سے پوچھا ہو کہ ''کیا؟'' اس کی چابی ابھی تک ہاتھ میں تھی' اور ہاتھ بیچ ہوا کے رکا ہوا تھا۔

''عین ممکن ہے کہ اگلی پیشی پہ آپ کو پیش ہونا ہو۔ درمیان میں جتنے دن آئیں گے' ان میں ہاشم کاردار آپ کو اپروچ کر کے آپ کو خریدنا چاہے گا۔ وہ آپ کو بہت سے راستے دکھائے گا۔ چناؤ کے لیے بہت سے انتخاب۔ میں آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے' اور جو فیصلہ آپ نہیں کریں گے' وہ ساری زندگی کے لیے آپ کے کردار کا تعین کرے گا۔ آپ کیسے انسان بننا چاہتے ہیں' آپ کیسے مسلمان رہنا چاہتے ہیں اور آپ کیسے پاکستانی بن کر دکھانا چاہتے ہیں' اس سب کا فیصلہ آپ کا وہ انتخاب کرے گا جو آپ نہیں لیں گے۔ ساری زندگی مسعود صاحب وہ آپ کو haunt کرے گا۔ کبھی پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے کورٹ میں آیئے گا تو سچ بولیے گا۔ اگر آج جھوٹ بول دیا' تو ساری زندگی آپ خود بھی اپنے کسی سچ پہ اعتبار نہیں کر سکیں گے۔ جھوٹے لوگوں کی ایک بہت بڑی سزا یہ ہوتی ہے کہ ان کو اپنی باتوں اور دعووں پہ خود بھی یقین نہیں آتا۔ کہہ کے بھول جاتے ہیں' اور بھول کے کہہ جاتے ہیں۔'' پھر وہ خاموش ہوا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس آدمی نے سر جھٹکا اور اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔ دروازے کو ہینڈل سے باہر کھینچتے اس نے پھر سے مڑ کے دیکھا۔

پارکنگ ایریا سنسان پڑا تھا۔ ستون نیم اندھیر نظر آ رہے تھے۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

کبھی منظر بدلنے پر بھی قصہ چل نہیں پاتا ...... کہانی ختم ہوئی ہے کبھی انجام سے پہلے

کچہری کی راہداری میں وہی دانتے کی جہنم جیسا رش' شور اور افراتفری کا عالم تھا۔ ایسے میں کمرہ عدالت کے دروازے کے باہر کھڑا سعدی شہزاد کو سمجھانے کے لیے قدرے اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ ''مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے اپنی امی کو سپورٹ کیا ہے اور وہ گواہی دے رہی ہیں۔'' انداز میں تشکر تھا۔ جیسا بھی تھا' سامنے کھڑا لڑکا سر کو بار بار ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''صحیح' صحیح۔''

''اب اندر چلتے ہیں۔'' سعدی نے اس کو اشارہ کیا اور پھر یکے بعد دیگرے وہ دونوں آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں کسی کلاس روم کی طرح کی خاموشی چھائی تھی۔ جج صاحب خاموشی سے کٹہرے میں کھڑی خاتون کو دیکھ رہے تھے جس نے سر پہ دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور وہ سامنے کھڑی زمر کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔ اس کے نقوش اپاہج لڑکے کی مانند بنگالی سے تھے اور رنگت گہری سانولی۔ سعدی اس کو لیے پچھلی کرسی پہ آ بیٹھا۔ آج فارس نہیں آیا تھا' البتہ۔۔۔ سعدی نے گردن موڑ کے دیکھا۔۔۔ قریب میں چشمے والا آدمی خاموشی سے بیٹھا ساری

کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر عجیب سی الجھن ہوتی تھی۔

''مسز عصمت' آپ کو پورا یقین ہے کہ آپ نے آپریٹر مسعود عالم کو یہ کہتے سنا تھا؟'' زمر پوچھ رہی تھی۔

''جی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے یہی الفاظ سنے تھے جو میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ جب آپ لوگ سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنے آئے تھے تو آپ کے جانے کے بعد وہ اپنے ایک کولیگ سے کہہ رہے تھے کہ فکر کی کوئی بات نہیں انہوں نے کاردارز کے لڑکے کی فوٹیج ہینڈل کر لی تھی پہلے ہی۔''

''اور ہینڈل کرنے سے ان کی مراد ڈیلیٹ کرنا تھا؟''

''آبجیکشن۔ گواہ سے رائے مانگی جا رہی ہے۔'' وہ پیچھے سے اکتا کے بولا تھا۔ زمر امپریشن بنا چکی تھی سو ''میں سوال واپس لیتی ہوں۔'' کہہ کر واپس مڑ گئی۔

ہاشم فوراً سے تاثرات بدل کے مسکراتا ہوا اٹھا' کوٹ کا بٹن بند کیا' اور کٹہرے کے سامنے آیا۔

''مسز عصمت۔'' مسکرا کے اس کو مخاطب کیا۔ ''کیا آپ نے مسعود عالم صاحب کو مجھ سے یا میرے خاندان کے کسی فرد سے بات کرتے سنا؟''

''نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''کیا آپ نے ان کو نوشیرواں کاردار کا نام لیتے سنا؟''

''نہیں مگر انہوں نے کاردارز کا لڑکا کہا تھا اور....''

ہاشم نے جیب سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور اس کے سامنے کیا۔

''اس پہ گورنر اسٹیٹ بینک شاہد کاردار کے دستخط موجود ہیں۔ کیا آپ کو کبھی یہ خیال آیا کہ ہم اس ملک کے واحد کاردار نہیں ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن انہوں نے یہ بات ان کے (زمر کی طرف اشارہ کیا) جانے کے بعد کی تھی۔''

''اور اس بات کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟'' نوٹ واپس جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

''تین ماہ شاید۔''

''اور ان تین ماہ میں آپ نے کبھی مسعود صاحب کی شکایت اوپر کی؟''

''میں نے کی تھی' لیکن کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔''

''آف کورس آپ نے کی تھی۔'' وہ مڑا اور اپنی میز سے چند کاغذ اٹھائے اور جب واپس عصمت بی بی کی طرف گھوما تو لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ ''اور اس سے پہلے آپ ڈیپارٹمنٹ میں تین مختلف لوگوں کی شکایت کر چکی ہیں۔ اور ان میں سے ایک کے خلاف کارروائی کی گئی تھی' نام یاد ہے آپ کو ان کا؟''

''آبجیکشن یور آنر۔ مسز عصمت کے ریکارڈ کا گواہی سے کیا تعلق ہے؟''

''اوور رولڈ۔ جواب دیجیے۔'' جج صاحب نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

''طارق محمود۔'' عصمت کی آواز پست تھی۔

''جی بالکل۔ طارق محمود صاحب جن کے خلاف آپ نے ہراسمنٹ ایٹ ورک پلیس کی شکایت کی تھی اور ان کو معطل کر دیا گیا تھا' اور.... اوہ واؤ... اور ان کی سیٹ کا چارج آپ سنبھالتی ہیں آج کل۔''

''آبجیکشن یور آنر۔'' زمر بے زاری سے کھڑی ہوئی۔ ''کاردار صاحب گواہ کی کردار کشی کر رہے ہیں۔''

”اوور رولڈ مسٹر زمر۔ عدالت کو ان کا جواب سننے دیجئے۔ جی بولیے۔“ جج صاحب نے خشک لہجے میں خاتون گواہ کو اشارہ کیا۔

”جی۔ ان کا چارج میں سنبھالتی ہوں‘ مگر انہوں نے واقعی ہر اس منت کی تھی اور دوسرے کولیگز گواہ ہیں۔“ مگر ہاشم ان کے ساتھ ہی جج صاحب کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔ ”یور آنر! یہ صرف ایک heresay (سنی سنائی بات) ہے‘ ایک ایسی خاتون جن کا کام ہی دوسرے کولیگز کی ٹانگ کھینچنا ہے‘ ان کے بیان پہ عدالت ایئر پورٹ سیکیورٹی کے کنٹرول روم آپریٹر کو مِس نہیں کر سکتی۔ خاتون ان کی جگہ لینے کے لیے جھوٹ بول رہی ہیں۔“

”یور آنر! اگر یہ heresay ہے تو اس کو ثابت کرنے کے لیے ہمیں اس آفیسر کو کورٹ میں پیش کرنا پڑے گا۔ ورنہ کاردار صاحب کا یہ الزام ہم کیسے رد کر سکیں گے؟“

”بس بس!“ ان دونوں کے ایک ساتھ بول اٹھنے کے باعث جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کے ان کو خاموش رہنے کا کہا پھر ہاشم کو دیکھا۔

”بات تو ان کی ٹھیک ہے‘ اگر انہوں نے فوزیہ کے ساتھ ٹیمپرنگ نہیں کی تو ان کو کورٹ میں آ کر اپنی صفائی دینی پڑے گی۔ اس لیے اگلی پیشی پہ......“ وہ اب حکم جاری کر رہے تھے۔ کٹہرے میں کھڑی عورت مغموم نظر آتی تھی اور اس کا اپاہج بیٹا حیران پریشان سا سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

”مم...... میری امی جھوٹ نہیں بولتی کبھی۔ وہ کسی جاب لینے کک...... کے لیے تو ایسا نن...... نہیں کر رہی۔“

”سب کو پتہ ہے۔“ سعدی نے اداسی سے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔

”مگر یہ زیادتی ہے۔“

”یہ انصاف کی عدالتیں نہیں ہیں میرے دوست۔ یہ قانون کی عدالتیں ہیں۔“ سر جھٹک کے وہ قریب بیٹھے چشمے والے آدمی کو دیکھنے لگا‘ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا‘ مگر فوراً سے رخ پھیر گیا اور سر جھکا کے اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھنے لگا۔ سعدی نے گھڑی دیکھی اور سوچا کہ اگر فارس یہاں ہوتا تو کیا کہتا‘ مگر وہ تھا کہاں؟

............☆☆☆............

میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا ...... میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا!

ہارون عبید کی رہائش گاہ کا آہنی اونچا گیٹ اس کی کار کے نزدیک آتے ہی میکانکی انداز میں سلائیڈ ہو کے کھلنے لگا۔ اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے فارس چند لمحے انتظار کرتا رہا۔ اس کے چہرے پہ معمولی سی فکرمندی تھی اور ماتھے پہ بل۔ آنکھیں بہ سوچ انداز میں سکڑی ہوئی تھیں۔ گیٹ پورا کھل گیا تو اس نے کار آگے بڑھا دی۔

چند منٹ بعد وہ لان عبور کر کے آبدار کے کلینک کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ جینز پہ سرمئی وی گلے کی شرٹ پہنے آستینیں ذرا موڑ رکھی تھیں۔

کلینک کے اندر وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی جب دروازہ کھلا۔ آبی فوراً گھومی۔ آنکھوں میں چمک در آئی۔ ”شکر آپ آ گئے۔“

”کیا ہوا ہے؟ آپ نے اتنی ایمرجنسی میں بلایا۔ میں کورٹ جا رہا تھا۔“ وہ حیرت بھری فکرمندی سے کہتا آگے آیا اور اس کی میز کے سامنے والی کرسی کھینچی۔ ساتھ ہی اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بدقت مقابل کاؤچ پہ آ گئی۔ دونوں کے درمیان چند فٹ کا خلا تھا۔

”اب بتائیے‘ کیوں پریشان ہیں؟“ وہ نرمی اور ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔ آبدار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”میں بہت خوفزدہ ہوں۔“

''مسز کاردار نے کچھ کہا ہے؟''

آبی نے نفی میں گردن ہلائی۔

''پھر؟''

''ہاشم ملا تھا۔ اس سے میں نے پوچھا کہ میری اور آپ کی تصویر بھیج کر اس نے ساتھ یہ کیوں لکھا کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا؟''

فارس ذرا چوکنا ہو کے بیٹھا۔ ''پھر؟''

''پھر اس نے کہا کہ... کہ فارس تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا اور یہ کہ... وہ مجھے آپ کی عورتوں میں شمار کرتا ہے۔'' وہ روانی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

''اور کیا کہا اس نے؟ حنین یا زمر کا ذکر کیا؟'' وہ بے چین ہو گیا تھا۔

''نہیں' ان کا نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''آپ کے خاندان والے اتنے مشہور ہو چکے ہیں' ان کو وہ نقصان پہنچائے گا تو پہلا شک اسی پہ جائے گا' اسی لئے وہ ایسا نہیں کرے گا۔ مگر میں...'' اس کا گلا رندھا۔

فارس نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہوا۔ ''وہ کچھ نہیں کرے گا۔''

''ارے واہ۔'' آبی کی گیلی آنکھوں میں شکوہ در آیا۔ ''آپ نے اپنی عورتوں کی خیریت جان لی تو کیسے ریلیکس ہو گئے۔ اور میرا کیا' جسے آپ نے اس سب میں دھکیل دیا۔ یاد رکھیے اس سب میں میں آپ کی وجہ سے آئی ہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' اس کے چہرے پہ معذرت خواہانہ سا تاثر ابھرا۔ ''میں اتنے دن سے آپ کی حفاظت کر رہا ہوں نا' آگے بھی کرتا رہوں گا۔ آپ کے گارڈز کے ساتھ ان ٹچ ہوں' دن میں کئی دفعہ ان سے آپ کی خیریت پوچھتا ہوں' ہر دو گھنٹے بعد آپ کو فون کرتا ہوں' آپ کی کالونی کے سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ چیک کرتا رہتا ہوں۔ آپ سے کئی کلومیٹر کے فاصلے پہ رہتا ہوں آبی' دور سے جتنا کر سکتا ہوں' وہ کر رہا ہوں نا۔''

''اگر آپ دور نہ ہوتے تو زیادہ آسان ہوتا۔ ہے نا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی تھی۔ وہ ہلکا سا چونکا۔

''سوری؟''

''ضروری تو نہیں ہے کہ آپ دور رہیں۔ آپ قریب بھی تو ہو سکتے ہیں۔''

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر موبائل پہ وقت دیکھا۔ ''مجھے چلنا چاہیے۔'' آواز میں خشکی سی تھی مگر وہ اسی بے خودی کے عالم میں اسے تکتے ہوئے بولی تھی۔

''اگر آپ مجھ سے شادی کر لیں تو وہ مجھے نقصان نہیں دے سکے گا۔''

کمرے میں ایک دم عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ فارس غازی کی پیشانی کی رگیں ابھر آئیں' آنکھوں میں برہمی در آئی اور ایک گہری سانس لے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے چلنا چاہیے۔''

وہ تیزی سے اٹھی۔ ''اصلی والی شادی نہیں' صرف پیپر میرج۔ صرف اس ٹرائل تک۔ تاکہ وہ مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ میں آپ کی بیوی ہوں تو وہ مجھے کبھی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ وہ آپ سے ڈرتا ہے۔ آپ... آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ سچ میں۔ ورنہ وہ اور اس کی ماں مجھے مار دیں گے۔''

فارس نے آنکھیں میچیں' انگلی اور انگوٹھے سے بند آنکھوں کو مسلا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔ پھر آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ ''چار سال

کی جیل ایک سال سے مدِ مقابل مسائل... اور مجھے لگتا تھا آبدار صاحبہ کہ میں بہت گھاگ ہو چکا ہوں اب کسی کی باتوں میں نہیں آ سکتا۔ مگر آپ نے ثابت کر دیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔" نفی میں افسوس سے سر ہلاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے جس عورت سے محبت ہے اور جو میری بیوی ہے وہ ٹھیک کہتی تھی۔ آپ نہیں بدلیں' آپ نے صرف اپنی تکنیک بدلی ہے۔"

"کیا میری حفاظت کے لیے آپ مجھ سے ایک پیپر کانٹریکٹ بھی نہیں کر سکتے؟ میں یہ صرف اپنی حفاظت کے لیے کہہ رہی ہوں۔" آنسو آبی کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

"نہیں' میں نہیں کر سکتا' اور میرا نہیں خیال کہ آپ کو کسی حفاظت کی ضرورت ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ آپ کو بلانے کے طریقے آتے ہیں مگر اب میں نہیں آؤں گا۔ بہت ہو گیا۔" برہمی سے کہتا وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

"اور مجھے جس دلدل میں آپ نے دھکیل دیا' اس کا کیا؟"

"آپ نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا تھا۔" وہ خشک لہجے میں کہہ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ آنکھوں میں بے زاری اور برہمی تھی۔ وہ تیز تیز اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ شاید رو بھی رہی تھی۔

"میرے احسان ہیں آپ کے اوپر۔"

"اور میں کب سے ان کی قیمت چکا رہا ہوں۔ زمر سے میرا ریلیشن بار بار بدظنی کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے کیونکہ میں ان احسانوں کی قیمت اتار رہا ہوں مگر اب بہت ہو چکا۔" گردن موڑ کے غصے سے اس کو دیکھا۔ "اب میں مزید آپ کی ان گیمز کا حصہ نہیں بن سکتا۔"

"میں نے ایسا کیا کہا ہے جو آپ غصہ ہو رہے ہیں؟ صرف اتنا ہی تو کہا ہے کہ مجھے سہارا دیں' مجھ سے شادی کر لیں' صرف میری حفاظت....."

وہ جو اپنی کار کا دروازہ کھول رہا تھا' ایک دم آواز سے دروازہ بند کیا اور غصے سے اس کی طرف گھوما۔ "کیا آپ میں تھوڑی سی بھی عزت نفس ہے؟ ذرا سی بھی گریس؟ معمولی سی سیلف esteem؟ کیا اپنی خواہشات کے پیچھے خود کو اتنا گرانا ٹھیک بنتا ہے؟ یو نو واٹ' مجھے فخر ہے اس بات پہ کہ جو عورت میری زندگی میں ہے' وہ عزت اور وقار کا پیکر ہے' کبھی کسی کے سامنے' حتیٰ کہ میرے سامنے بھی خود کو نہیں گرائے گی۔ اور آج مجھے اس پہ زیادہ فخر ہو رہا ہے۔" اس نے غصے سے کہہ کر دروازہ کھولا۔

"اور اگر وہ نہ رہے؟" وہ جو اندر بیٹھ رہا تھا' اس کے الفاظ پہ لمحے بھر کو ٹھہرا' پھر سر جھٹک کے اگنیشن میں چابی گھمانے لگا۔ دروازہ نہیں بند کر سکتا تھا' اس پہ آبی کے ہاتھ تھے۔ وہ آنکھوں میں دکھ' غصہ' نفرت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ "اگر وہ مر جائے' کیا تب آپ دیکھ پائیں گے کسی دوسرے کی طرف؟ کیا تب احساس کر سکیں گے کہ کون آپ کے لیے خود کو کتنا گرا چکا ہے؟"

فارس نے نظر انداز کرتے ہوئے کار اسٹارٹ کی' اور دروازہ زور سے کھینچ کے بند کیا۔ "اب مجھے کال مت کیجیے گا۔" درشتی سے تنبیہہ کر کے ریورس کرنے لگا۔

"آپ نے میرا دل توڑا ہے فارس غازی۔ میں آپ کے لیے اتنا گری' اتنا جھکی اور آپ اتنے سنگدل ہیں۔ ٹوٹے دل کی بددعا سے آپ کو ڈر نہیں لگتا' تو پھر ٹھیک ہے۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ اور دکھ سے اسے کار پیچھے کرتے دیکھا۔ "خدا کرے وہ مر جائے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے مر جائے۔ خدا کرے آپ اسے مرتے ہوئے' ٹوٹے بکھرتے ہوئے دیکھیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے۔ پھر آپ کو میرے دل کے کرب کا انداز ہو گا۔" اسے دور جاتے دیکھ کے وہ چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔ اور وہ جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا' کار وہاں سے نکال رہا تھا۔ اس کی چیخوں کی آوازیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔ جس لمحے کار باہر سڑک پہ آئی' اس نے ریس کو پوری قوت سے دبایا

اور کار کو سڑک پہ بھگاتا آگے لے گیا۔

عرصے بعد اسے لگا تھا کہ وہ آبدار کے احسانوں کی زنجیر سے آزاد ہو گیا تھا۔ ہلکا اور آزاد۔

☆☆☆

خزانہ زرو گوہر پہ خاک ڈال کے رکھ ..... ہم اہل مہر و محبت ہیں دل نکال کے رکھ

مور چال میں اس رات دس بجے کے ڈرامے کا وقت ختم اور اسامہ کی کلاس کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ لاؤنج ویران تھا' بتیاں بجھی ہوئی تھیں' مگر ندرت کا کمرہ روشن تھا۔ اندر وہ بیڈ پہ بیٹھیں' خفگی سے اسامہ کو لتاڑ رہی تھیں جو بڑی ہی مشکل ضبط کیے سن رہا تھا۔ حسینہ تماشائی کی طرح باری باری دونوں کے چہرے دیکھتی تھی۔

''اس عمر میں سعدی مغرب کے بعد گھر سے باہر نہیں رہا' عشاء پہ نماز پڑھنے جاتا اور سیدھا گھر آتا۔ پھر بھی میں' ذاتی' مجال ہے جو اس نے برا مانا ہو۔ ہمیشہ سر جھکایا' اور اس شہزادے کو کچھ کہہ دو تو موڈ آف ہو جاتا ہے۔''

''امی آپ مجھ پہ ہر وقت شک کیوں کرتی رہتی ہیں؟'' وہ بگڑ کے بولا۔ ''شاہزیب کا گھر ساتھ والی اسٹریٹ میں ہے' میں اس سے نوٹس لینے ہی گیا تھا نماز کے بعد۔''

''مجھ سے پوچھتے ہوئے منہ ٹوٹ جاتا تھا؟ ہاں؟ مجھ سے کیوں نہیں پوچھا۔''

''نہیں نہیں آپ کو لگتا ہے میں نشہ کرنے لگ گیا ہوں یا شاید سڑک پہ کھڑے ہو کر لڑکیاں تاڑتا ہوں یا لوگوں سے موبائل چھینتا ہوں۔''

''دیکھو دیکھو اس کی زبان۔ ماں کے آگے بڑا بولنا آ گیا ہے۔ سب جانتی ہوں میں' یہ جو اس کے دوست ہیں نا' یہی سکھاتے ہیں اس کو۔''

''ہر وقت میرے دوستوں کے پیچھے پڑی رہا کریں آپ بس۔'' وہ سرخ چہرہ اور آنکھوں میں آنسو لئے تیزی سے باہر نکلا اور دروازہ ٹھاہ مارا۔

''امی آپ اس کے دوستوں پہ مت آیا کریں۔'' حنہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ندرت نے اتنی ہی اکتاہٹ سے اسے دیکھا۔

''زیادہ بک بک نہ کرو' مجھے پتہ ہے تم بے غیرتوں کو کیسے پالتا ہے۔ اب جاؤ سر نہ کھاؤ میرا۔ باپ ہوتا نا سر پہ تو میں دیکھتی کیسی زبانیں چلتی ہیں تم لوگوں کی۔ ماں کو دیکھ کر شیر ہو جاتے ہو۔''

''چلیں جی ہو گیا میلو ڈرامہ شروع۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اوپر آئی تو تیم کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور وہ منہ پہ تکیہ رکھ کے لیٹا ہوا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر اندر آئی اور اس کے سر پہ آن کھڑی ہوئی۔

''امی تم پہ شک نہیں کرتیں۔''

''جاؤ سوئی' مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔'' وہ رندھی آواز میں تکیے کے نیچے سے بولا تھا۔

''امی صرف تمہاری حفاظت چاہتی ہیں۔ سب مائیں چاہتی ہیں۔ اگر ماں باپ بچوں کے آنے جانے کے اوقات پہ تختی کرتے ہیں' پوچھ گچھ کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ان پہ شک کرتے ہیں' یا ان کو ان کے دوستوں سے کوئی خطرہ ہے۔ وہ صرف ایکسیڈنٹ' دہشت گردی' چوری چکاری کی وارداتوں سے ڈرتے ہیں' جسمانی نقصان سے ڈرتے ہیں۔ اگر شک کرتے ہوتے تو پوچھ گچھ نہ کرتے' خاموش ہو جاتے یا دوسری انتہا یعنی مار پیٹ پہ چلے جاتے۔ یہ پوچھ گچھ نہ ہوں تو ہماری مائیں' مائیں نہ لگیں' نوکرانیاں لگیں۔ کھانا' کپڑے' آرام وہ سب تو نوکرانی بھی دیتی ہے۔ تم نین ایجرز کو خود فیصلہ کرنا ہے کہ تم ماں کو نوکرانی کی جگہ دینا چاہتے ہو یا ماں کی؟''

تیم نے تکیہ ہٹا کے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "ہاں تمہیں جیسے بڑا پتہ ہے' تمہارے کون سے دس بچے ہیں جو تمہیں پتہ ہو۔ اور..." وہ رکا اور پھر تنک کے بولا۔ "تمہارا تو کوئی ہیرو بھی نہیں ہے۔"

"اسامہ یوسف۔" وہ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھ کے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ کے بولی۔ "میں خود کسی ہیرو سے کم ہوں کیا؟"

اسامہ نے کچھ بڑبڑا کے تکیہ منہ پہ رکھ لیا اور کروٹ بدل لی۔ حنہ آگے بڑھی' الماری دھیرے سے کھولی' اندر سے کچھ نکال کے کمر کے پیچھے چھپایا اور اونچا سا بولی۔ "مجھے ایسے بھی بہت کچھ پتہ ہے۔ زندگی بہت کچھ سکھا دیتی ہے۔" پیچھے پلٹی گئی اور دروازے تک پہنچ کے رکی۔ "اور چاکلیٹ بھی۔" دروازہ کھولا اور چاکلیٹ کا پیکٹ پکڑے جھپاک سے باہر غائب ہوگئی۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا' تیم کا جو گڑ بھاد سے اکراس پہ آ کے لگا تھا۔

حنہ اب ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ جہاں کھلی لیپ ٹاپ اسکرین ڈھیروں stencils کے آئیڈیاز لئے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ہوم ڈیکوریشن آرٹ چیز تھی' مگر اچھی چیز تھی۔۔۔

نچلی منزل پہ آؤ تو زمر کے کمرے کی بتی جلی تھی۔ وہ ٹیبل پہ تہہ شدہ جائے نماز رکھ کر اب دوپٹہ کھول رہی تھی۔ پھر ایک نظر صوفے پہ لیٹے فارس کو دیکھا جو مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دن کیسا گزرا؟" زمر نے پوچھا تو اس کے چہرے پہ مزید طمانیت بکھر گئی۔ آزادی اور اطمینان۔

"بس آج تمہاری یاد آتی رہی۔ تمہاری قدر ہوتی رہی۔ تم سے محبت بڑھتی رہی۔"

"پیسے چاہئیں؟" زمر نے مڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر اس کا موڈ نہیں بدلا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو آج۔"

"شکریہ۔" وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی بال جوڑے میں لپیٹ رہی تھی۔

"تم کتنے دن سے ذکر کہہ رہی تھیں نا' اگر آج چاہو تو... بلکہ نہیں..." فارس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم بتاؤ' تمہیں کیا چاہیے۔"

"ہیں؟" زمر نے پونی میں بال مقید کر کے حیرت سے آئینے کو دیکھا جس میں اس کا عکس نظر آ رہا تھا۔ "طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

وہ صوفے سے اٹھا اور اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ پھر بہت اپنائیت سے اسے دیکھ کے بولا۔ "کوئی خواہش کرو' کچھ مانگو' کوئی ڈیمانڈ سامنے رکھو۔ جو کہو گی پورا کروں گا۔ ڈائمنڈز' ڈنر' گفٹ' کیا چاہیے تمہیں؟" عادتاً ڈریسر کے کنارے بیٹھا اور محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ زمر نے پہلے اسے دیکھا' پھر اپنے ہاتھوں کو' پھر دوبارہ اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ایسے پوچھ رہے ہو جیسے مرنے والے سے آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔"

"اونہوں۔ وقت نہ ضائع کرو۔ کچھ مانگو۔"

"اچھا۔ جو کہوں گی کرو گے کیا؟" وہ مسکرا کے بولی۔ فارس نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہوں!"

"تو پھر..." وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔ "میں یہ چاہتی ہوں کہ... میرا شوہر... میرے لئے' میرے ساتھ مل کر... برتن دھوئے!"

وہ چند لمحے تو سمجھ نہ پایا۔ "سوری؟"

"صداقت اور حسینہ گاؤں گئے ہیں چھٹی پہ۔" اس نے ہاتھ چھڑائے اور آستینیں اوپر چڑھانے لگی۔ "اور حنین کو کوئی نیا ہوم ڈیکور آئیڈیا مل گیا ہے اور اس کو کچن کی فکر نہیں ہے' سو میں سوچ رہی تھی کچن صاف کرلوں تا کہ بھابھی کو نہ کرنا پڑے' مگر بھابھی کا بھائی چونکہ تعاون کرنے والا اور ہمدرد ہے' تو میرا آدھا بوجھ تو کم ہوا۔"

اور بھابھی کے ہمدرد بھائی نے بھنویں اکٹھی کر کے خفگی سے اسے گھورا۔ "تمہارے خیال میں۔ میں اتنا زن مرید اور بے وقار ہے

غیرت مرد ہوں جو تمہارے کہنے پہ تمہارے ساتھ... اوہ خدایا... کچن میں برتن دھلواؤں گا؟"

"ہاں!" اس نے سادگی سے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

قریباً پانچ سات منٹ بعد وہ کچن سنک کے آگے کھڑا تھا' آستین چڑھے ہوئے تھے' نل کھلا تھا' اور وہ جھاگ بھرے اسفنج کو ایک پلیٹ پہ رگڑ رہا تھا۔

"ویسے اتنا برا کام نہیں ہے یہ۔" نارمل سے انداز میں ساتھ کھڑی سلیب صاف کرتی زمر سے بولا تو اس نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

"جیسے کہ تم نے تو کبھی ہاسٹلز اور بیچلر فلیٹس میں برتن دھوئے ہی نہیں ہوں گے۔"

"کبھی نہیں۔ مجھے ہمیشہ خوبصورت نوکرانیاں مل جاتی تھیں۔" فارس نے سر جھکائے پلیٹ پہ پانی گراتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

ٹھک سے زمر نے پلیٹس کا انبار اس کے سامنے دھرا' فارس نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ آنکھوں میں خفگی لیے اسے گھور رہی تھی۔ وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں' تمہارے مزاج میں اتنی سختی نہ ہوتی' تم واقعی کنٹرولڈ' ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہوتیں تو کتنا اچھا تھا۔"

"میں کہاں سخت ہوں؟" حسبِ توقع وہ برا مان گئی۔ اب وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی اپنا اسفنج بھگو رہی تھی۔

"ہر وقت غصہ کرتی رہتی ہو' ہر وقت کام کرتی رہتی ہو' بے چارے شوہر کا تو خیال ہی نہیں تمہیں۔ اب اس وقت بھی تم مجھ سے ہیرے جواہرات مانگ سکتی تھیں' پھول یا ڈنر وغیرہ بھی' مگر نہیں' کام ختم کرنے کی پڑی ہوئی ہے تمہیں۔"

"ہیرے جواہرات کے لیے ساری عمر پڑی ہے' کیونکہ تھینکس ٹو ہاشم' میں مرنے نہیں لگی' اس لیے ابھی خاموشی سے برتن دھوئو۔"

فارس نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔ وہ چہرہ جھکائے' آستین چڑھائے' مگن سی ایک ڈونگے کو صاف کرنے میں لگی تھی۔ بال جوڑے میں مقید تھے اور دو گھنگریالی لٹیں چہرے کو چھو رہی تھیں۔ اس کے مسلسل دیکھنے پہ زمر نے پلکیں اٹھا کر بھوری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

"یہی کہ میں کتنا خوش قسمت ہوں' جو تم میری زندگی میں ہو۔"

"نشہ تو نہیں کرنے لگ گئے؟" اسے اب واقعی فکر ہونے لگی تھی۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"یونہی بس۔ پتہ ہے جب میں جیل سے آیا تھا تو ساری دنیا سے بے زار تھا۔ بس یہی مقصد تھا زندگی میں کہ ان سب گناہگاروں کو تڑپا تڑپا کے ماروں' اپنا انتقام لوں' اور پھر.... پھر جو بھی ہو.... جیل جاؤں' مر جاؤں' کوئی فکر نہیں۔" اس کی آواز میں کرب در آیا۔ "مگر پھر... تم نے مجھ سے شادی کرنے کی ہامی بھری۔ تم مجھے اذیت دینا چاہتی تھیں' اور میں تمہیں۔ تب لگتا تھا ہمارے درمیان کبھی کچھ ٹھیک نہیں ہوگا' مگر تم نے میرے مردہ دل کو زندہ کر دیا۔ اب میں خوش ہوں اور خوش رہنا چاہتا ہوں مگر....." اس نے کھلے نل تلے ڈش کی تو پانی کی دھار نے سارے جھاگ کو بہا دیا۔ "مگر مجھے اپنے مکافاتِ عمل سے بھی ڈر لگتا ہے۔ میرا کارما۔ میرے اعمال کے نتائج۔"

"فارس!" اس نے تحیر سے اسے پکارا۔ "ایسے مت کہو۔"

"نہ کہنے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی۔" وہ اداسی سے مسکرایا تھا۔ "میں نے بھی غلط کام کیے ہیں۔ غلط لوگوں سے انتقام لینے کے لیے۔ ان لوگوں کی زندگیاں تباہ کی ہیں۔ کسی کی زندگی کی ساری جمع پونجی جلائی' تو کسی کو ایکسپوز کر دیا' کسی کو لاپتہ کرا دیا' ان کی بھی تو اولادیں تھیں' اور میں اب بھی وہی کر رہا ہوں' میری مجبوری ہے۔ میں اپنے ہر کام کو جسٹفائی کر سکتا ہوں مگر اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے بھی اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔"

''اتنا مت سوچا کرو۔ تم قصوروار نہیں ہو۔ تم برابر کا' بلکہ ان کے اعمال سے بہت کم کا بدلہ لے رہے تھے۔'' اس نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا۔

''انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ میں وہ قبریں کھود کے نکلا تھا' بس میں نہیں چاہتا کہ میرے نام کی قبر میں میری وجہ سے کسی اور کو جانا پڑے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''میں نا اب تمہاری چیزوں کی تلاشی لوں گی' اگر مجھے ذرا سی بھی کوکین یا سگریٹ مل گئی تو اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ غصے سے بولی تھی۔ وہ پھر ہنس دیا۔ ''اب فضول باتیں مت کرو اور کام کرو۔'' دھونس سے کہتی وہ اس کے سامنے مزید برتن سرکانے لگی۔ ''اور پھر تم نے مجھے اینورسری پہ ڈنر بھی کرانا ہے۔''

''اب کوئی ڈنر نہیں ہوگا۔ آپ نے ان برتنوں کی خاطر موقع مس کر دیا۔ سوری!'' وہ واپس اپنی جون میں آ کے بولا تھا۔

''ڈنر تو تم مجھے کرواؤ گے' وہ بھی اینورسری والی رات۔ یاد رکھنا۔'' نل بند کرتے ہوئے وہ دھمکاتے ہوئے بولی تھی۔ اسے پتہ تھا وہ ابھی یونہی کہہ رہا ہے' مگر بعد میں ضرور ڈنر پہ لے جائے گا۔

وہ اس رات کو یادگار بنانا چاہتی تھی۔ بہت خوبصورت اور یادگار۔

...................❖❖❖...................

جیتے جی مارتی ہے بے چینی ...... وہ سکوں ہو عطا کہ مر جائیں!

''قتل سے ایک دن قبل.''

سورج کی تپتی گرم شعاعیں اس بلند عمارت کو دہکا رہی تھیں۔ ہاشم اپنے آفس میں تیار سا کھڑا موبائل پہ بات کر رہا تھا' سامنے رئیس بیٹھا لیپ ٹاپ پہ لگا تھا۔ بات کر کے ہاشم اس کی طرف آیا۔

''کام صحیح ہو رہا ہے؟''

''جی سر۔ میں ان کے فونز بگ کر رہا ہوں' ریکارڈنگ سن رہا ہوں۔ فارس کی بہت سی آڈیو نکال لی ہے۔ اور voice modulation کے ذریعے میں اس کو.....''

''کوئی کام کی بات معلوم ہوئی یا نہیں؟'' اس نے بےزاری سے بات کاٹی۔

''یس سر۔ وہ دونوں فون پہ۔ فارس اور زمر... آج صبح مسلسل ڈنر کا ذکر کرتے رہے تھے۔ وہ کئی دن سے اسے کہہ رہی ہے کہ وہ اسے اینورسری پہ ڈنر پہ لے کر جائے اور وہ بات ٹال دیتا ہے۔''

''گڈ۔ ہم اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔'' ہاشم نے اس کا شانہ تھپکا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ راہداری پار کی اور لفٹ میں داخل ہو گیا۔

جس وقت وہ لفٹ سے نیچے لابی میں اترا' سامنے سے آفس بلڈنگ کے استقبالیے کے قریب.... زمر یوسف آتی دکھائی دی۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے رک گیا۔

''میں کورٹ آ رہا تھا' آپ کیا مجھے لینے آ گئیں؟''

''نہیں' میں یہ دیکھنے آئی ہوں کہ کہیں آپ ملک سے فرار تو نہیں ہو گئے۔'' وہ اسی طرح مسکرا کے بولی اور لفٹ کے اندر چلی گئی۔ دروازے آپس میں مل گئے تو ہاشم نے موبائل نکال کے نمبر ملایا۔

''حلیمہ... وہ تمہیں سمن دینے آ رہی ہے۔ سعدی کی وکیل۔ تم وہی کرو جو میں نے کہا تھا۔ اوکے گڈ۔''

زمر بالائی منزل پہ اتری' اور آگے بڑھتی گئی۔ گھنگریالے بالوں کو پونی میں باندھے' سیاہ کوٹ پہنے' وہ کورٹ کے لیے مکمل تیار تھی۔
بس حلیمہ کو سمن کی کاپی دینے آئی تھی' اور توقع کے مطابق حلیمہ اپنے ڈیسک پہ نہیں تھی۔ اس نے کسی ایک کولیگ کے حوالے کیا' دستخط لیے' ساتھ میں اپنا کارڈ اور ایک نوٹ بھی دیا' اور لفٹ کی طرف واپس آئی۔ جیسے ہی دروازے کھلے اور وہ اندر داخل ہوئی' کوئی عجلت میں چلتا آیا اور دروازے کے بند ہونے سے قبل اندر آگھسا۔ اس کے ہاتھ میں ایک باکس تھا جس میں چند فائلز' فوٹو فریم اور ایک ننھا سا پودا رکھا تھا۔ کہنی سے اس نے گراؤنڈ فلور پریس کیا اور دروازے آپس میں ملنے لگے۔ تب زمر نے دیکھا' وہ نوشیرواں تھا۔ وہ بھی اسی پل مڑا تو اس کا چہرہ دیکھا۔
زمر رخ موڑ کے کھڑی ہوگئی۔ سنجیدہ اور سپاٹ۔ وہ بھی ایک دم ہچکچا سا گیا۔ لفٹ نیچے اترنے لگی۔
''آپ مجھے ہمیشہ اپنے لیے اسٹینڈ لینے کو کہتی تھیں۔'' وہ اسے دیکھ کے آزردگی سے بولا تھا۔
''نوشیرواں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ بےزاری سے چہرہ پھیرے بولی تھی۔
''مجھے اپنی فیملی کے خلاف آپ نے کھڑا کیا تھا۔ میں سمجھتا تھا آپ مختلف ہیں' شاید آپ کو میرا خیال ہے' مگر... آپ بھی ان سب کی طرح ہی نکلیں۔''
''اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ سعدی کو تین گولیاں آپ نے ماری تھیں۔'' وہ اس کو دیکھ کے تیزی سے بولی تھی۔
''اور اب میں اپنی غلطیوں کو فکس کر رہا ہوں تو آپ مجھے کورٹ میں پراسیکیوٹ کر کے مجھ سے میرے تمام چانسز چھیننا چاہتی ہیں۔''
''اعمال کے نتائج ہوتے ہیں اور وہ بھگتنے پڑتے ہیں۔ اگر میں سونیا کو تین گولیاں مارتی' تب آپ مجھے کورٹ میں گھسیٹتے یا مجھے مواقع فراہم کرتے' کبھی فرصت ملے تو سوچئے گا۔''
وہ ایک دم چپ ہوگیا تھا۔ لفٹ نیچے اتر آئی تھی' دروازے کھل گئے تھے۔ زمر باہر جانے لگی۔
''مگر میں سب کچھ فکس کرنے کی کوشش کر تو رہا ہوں۔'' وہ کرب سے بولا تھا۔ زمر اس کی طرف گھومی۔ اور سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کیسے؟ استعفیٰ دے کر؟ اپنی کمپنی کی سیاہ کاریاں بتا کر؟ وہ آپ کے دوسرے گناہ ہیں جن سے ہمارا تعلق نہیں ہے۔ سعدی کے لیے کیا کیا آپ نے؟ کورٹ میں اعتراف جرم کر سکتے ہیں؟ نہیں نا۔ ساری دنیا کے سامنے معافی مانگ سکتے ہیں؟ اپنے بھائی کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں؟ نہیں نا۔ پھر میں کیسے مانوں کہ آپ کو موقع ملنا چاہیے؟'' سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ باکس اٹھائے باہر آیا اور افسوس سے اسے دیکھا۔
''میں سمجھتا تھا آپ کو میری پرواہ ہے۔ صرف آپ کی عزت کرتا تھا میں آپ کے سارے خاندان میں۔ مگر آپ کو میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ ان سنا کر کے آگے بڑھ گئی۔ لابی میں گزرتے چند لوگوں نے مڑ مڑ کے دیکھا تھا' مگر نوشیرواں کو کوئی فکر نہیں تھی۔

***

گردشِ وقت مجھے خاک ڈرا پائے گی ..... تجربے جتنے بڑھیں اتنا ہی ڈر جاتا ہے

دوپہر کے باوجود کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ تین افراد وہاں موجود تھے۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی ٹہل رہا تھا۔ ایک ادھر گرد چیزوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ سامان بکھرا ہوا سا تھا۔ تکیے' گدا' کھلے دراز... ہر شے الٹ پلٹ کر دی گئی تھی۔ سامنے ایک بیگ کھلا پڑا تھا جس میں سے زیورات' احمر کے پاسپورٹ اور نوٹوں کی گڈیاں جھانک رہی تھیں۔
اور اسی کمرے کے ایک کونے میں بیڈ کی پائنتی کے ساتھ وہ بندھا ہوا دوزانو پڑا تھا۔ شدید تشدد کے باعث اس کی شرٹ پھٹی ہوئی

تھی، سر سے خون رس رس کر گردن اور کان پہ جم گیا تھا۔ گردن نیچے ڈھلکا کے وہ نقاہت زدہ سا بیٹھا تھا۔ دفعتاً اس نے چہرہ اٹھایا تو اتنا نظر آتا تھا کہ چہرے پہ کوئی زخم وغیرہ نہ تھا۔ پھر اس نے پھٹی ہوئی آواز میں ان کو مخاطب کیا۔ "سب کچھ تو لے لیا ہے تم لوگوں نے۔ اب جان چھوڑ دو میری۔"

سامنے کھڑا آدمی اس کی طرف جھکا اور زور کا چھانپڑ اس کے منہ پہ رسید کیا۔

"مزید مال چاہیے۔ بتاؤ کہاں رکھا ہے ورنہ آج میں تمہیں دفن کر کے سوؤں گا۔" احمر کا چہرہ تھپڑ کے باعث دوسری جانب لڑھک گیا۔ منہ سے کراہ نکلی۔ پھر چہرہ اٹھا کے صوفے پہ بیٹھے آدمی کی طرف دیکھا جو مسلسل فون پہ کسی اجنبی علاقائی زبان میں بات کر رہا تھا۔

"مار تم مجھے نہیں سکتے....." گہری گہری سانس لیتے اپنے بدقت اندر کے خوف پہ قابو پاتے اس نے کہنا چاہا۔ "کیونکہ تم یہ زیور تقسیم نہیں کر رہے۔ جب بھی فیصلے کا وقت آتا ہے.... مجھے کیا کھانے دینا ہے، مجھے کدھر باندھنا ہے، مجھ سے کیا چاہیے.... تم تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہو، تم میں کوئی لیڈر نہیں ہے۔ تم میں سے کوئی ان چارج نہیں ہے۔ اس لئے.... میری بات اس سے کرواؤ.... جو تمہارا ان چارج ہے۔" بدقت کہہ کے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ ان تینوں نے پھر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب کی بار کوئی اسے مارنے کو نہیں جھکا۔ بس وہ خاموش رہے۔ پھر موبائل والا اٹھا اور باہر نکل گیا۔ احمر گردن جھکا کے پھر سے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

میز پہ زیورات ابھی تک کھلے پڑے تھے۔ نیم اندھیرے میں بھی وہ جگر جگر چمک رہے تھے۔

.... ◆◆◆ ....

اجل خود زندگی سے کانپتی ہے ..... اجل کی زندگی پہ بس کیا

کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکیاں تیز دھوپ کے لئے بانہیں کھولے کھڑی تھیں۔ سارا ہال سنہرا روشن نظر آ رہا تھا۔ فارس غازی حسب معمول آخری نشست پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، وہ عادتاً کان کی لو مسلتے ہوئے، انکھیوں سے قریب بیٹھے چشمے والے آدمی کو دیکھ رہا تھا جو سفاری سوٹ میں ملبوس تھا اور نسوانی انداز میں، ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھا تھا۔ فارس نے سر جھٹک کے توجہ سامنے مبذول کرنی چاہی جہاں وہ ادھیڑ عمر ایئرپورٹ سیکیورٹی کنٹرول روم کا آفیسر کٹہرے میں کھڑا تھا۔ زمر اس کے سامنے، چند قدم پیچھے کھڑی تھی۔ فارس کی طرف اس کی پشت تھی اور وہ ہاتھ میں کاغذ پکڑے، سنجیدگی سے سوال پوچھ رہی تھی۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ 22 مئی کی صبح ایئرپورٹ کنٹرول ٹاور میں موجود تھے؟"

"جی ہاں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ پہلی رو میں بیٹھا سعدی آگے کو جھکا، غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک لفظ پہ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

"اور کیا آپ نے نوشیرواں کاردار کو 22 مئی کی صبح اسکرین پہ دیکھا تھا؟ یعنی 22 مئی کو کیا وہ ایئرپورٹ پہ موجود تھے؟"

"ایئرپورٹ پہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں، مجھے ہر ایک کی شکل یاد نہیں رہتی۔"

"پلیز اپنے جوابات کو ہاں یا ناں تک محدود رکھیں۔ کیا آپ نے نوشیرواں کو دیکھا تھا یا نہیں؟"

"جی نہیں۔" سعدی نے تھک کر سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔ پھر ذرا سا چہرہ موڑ کے دیکھا تو ہاشم مسکرا کے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی کے دیکھنے پہ اس نے اپنی فائل کا ایک صفحہ یوں ترچھا کیا کہ سعدی کو اس پہ بڑے بڑے لکھے الفاظ صاف نظر آئے۔

"Money Talks" سعدی نے بےزاری سے رخ پھیر لیا۔

"آپ کو یہ شخص نوشیرواں کاردار اس فوٹیج میں بالکل یاد نہیں؟" زمر سپاٹ سا پوچھ رہی تھی۔ اشارہ سامنے بیٹھے شیرو کی طرف تھا۔

"جی نہیں۔" آپریٹر نے شانے جھٹکے۔

''اور کیا آپ نے اپنے دوست کو کہا تھا کہ کاردار زکے لڑکے کی فوٹیج آپ نے غائب کر دی ہے؟''

''جی نہیں ۔ میں ان لوگوں کو جانتا تک نہیں ہوں۔''

''مسعود عالم صاحب۔'' زمر نے ایک کاغذ سامنے کیا۔ ''یہ تصویر میں نے آپ کے فیس بک سے لی ہے' اس میں کیا یہ آپ ہی ہیں؟''

مسعود نے جھک کے تصویر دیکھی۔ ''جی۔''

''اور ساتھ میں کون ہے؟''

''یہ حمزہ علی عباسی ہیں۔''

''آبجیکشن یور آنر۔'' ہاشم نے بیٹھے بیٹھے پکارا۔ ''فین فوٹوز کا اس اہم گواہی کے درمیان ذکر کرنا؟''

''اوور رولڈ مگر مسز زمر آپ کنکشن جلد واضح کریں' ورنہ عدالت کا وقت ضائع نہ کریں۔'' جج صاحب نے اسے تنبیہہ کی۔ زمر نے سر کو خم دیا اور چند مزید تصاویر سامنے کیں۔ ''یہ آپ کے ساتھ چند دوسری مشہور شخصیات کی تصاویر ہیں۔ یہ قمر الزمان کائرہ ہیں' یہ راحت فتح علی خان ہیں' اور یہ.....؟''

''مصباح الحق۔'' مسعود عالم نے بتایا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو آپ جب بھی کنٹرول روم میں بیٹھے اسکرین پہ ائیر پورٹ پہ کسی شناسا چہرے کو دیکھتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ تصویر لے لیں۔''

''جی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ اسکرین کو غور سے دیکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کوئی چہرہ unnoticed نہ رہے۔''

''جی ہاں' یہ میرا فرض ہے۔''

''مگر آپ کو نوشیرواں کاردار نہیں یاد؟ نہ 22 مئی کو' نہ 21 مئی کو۔''

''جی نہیں۔''

''کیونکہ ان سیلبریٹیز کو آپ پہچانتے تھے مگر نوشیرواں کو نہیں۔''

''جی بالکل۔'' وہ اعتماد سے بولا۔

''اور آپ نے کبھی اس سے پہلے نوشیرواں کو نہیں دیکھا تھا؟''

''جی نہیں۔''

''اور آپ ان کے نام تک سے واقف نہیں تھے؟''

''جی نہیں۔ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''مسعود صاحب' آج سے ڈھائی سال پہلے کیا یہ درست نہیں ہے کہ ایک رات نوشیرواں کاردار کی تصویر اور پاسپورٹ کی کاپی ہاشم کاردار نے ائیر پورٹ کے عملے کو بھیجی تھی۔'' اس کے سوال پہ فارس قدرے دلچسپی سے آگے ہوا۔

''آبجیکشن یور آنر۔'' ہاشم تیزی سے اٹھا مگر جج صاحب نے اسے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''بات جاری رکھیں۔'' زمر نے تشکر سے سر کو خم دیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''یہ اس ای میل کی کاپی ہے جو تین مختلف آفیسرز نے ہمیں فراہم کی ہے۔ یہ وہ رات ہے جب مبینہ طور پہ نوشیرواں اغوا ہوا تھا' کوریا میں' اور ہاشم نے یہ تصاویر اور پاسپورٹ کی کاپی بہت سے آفیسرز کو بھیجی تھی تاکہ جیسے ہی یہ شخص واپس پاکستان

آئے اسے فوراً اطلاع کی جائے۔ اس ای میل کے ہیڈر میں بہت سے پتے لکھے ہیں۔ یہ آپ کی ای میل کا پتہ ہے نا؟" اس نے کاغذ اس کے سامنے کیا۔

"جی مگر......"

"اور یہ آپ کا جواب ہے جو آپ نے ریپلائی آل کلک کر کے دیا تھا جس میں لکھا ہے 'On it , Sir' یوں یہ جواب سب کو چلا گیا تھا۔"

"مجھے.... یاد نہیں۔" اس نے پست آواز میں بولا۔

"آپ کے ای میل ریکارڈ کو سب ذرہ ذرہ یاد ہے۔ اس کا مطلب ہے آپ نے وہ ای میل کھولی تھی اور آپ نے نوشیرواں کا نام بھی سنا تھا اور شکل بھی دیکھی تھی۔"

"دیکھیں اس بات کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ مجھے یاد نہیں تھا۔" وہ سنبھل کر بولا۔

"کیا آپ اس شوٹنگ کلب کے ممبر ہیں؟" اس نے ایک کارڈ کی کاپی اس کے سامنے رکھی۔

"جی۔"

"اور آپ تقریباً ہر ہفتے وہاں جاتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ تقریباً۔"

"تو کیا آپ نے اس کی لابی میں سال کے بہترین شوٹرز کی تصاویر اور نام نہیں دیکھے؟ پچھلے دو سال سے نوشیرواں کا رود دوسرے نمبر پہ آ رہے ہیں اُن کی تصویر وہاں نمایاں لگی ہے جسے آپ ہر ہفتے دیکھتے ہیں۔ تو پھر مجھے صرف اتنا بتایئے کیا آپ نے نوشیرواں کو اسکرین پہ مس کر دیا، یہ بات تو سمجھ آتی ہے مگر آپ کا حلف لے کر یہ کہنا کہ آپ نے اسے کبھی دیکھا نہیں ہے یہ نا قابلِ فہم ہے۔ مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔" وہ سختی سے کہہ کر پلٹ آئی۔

ہاشم نے جھک کر ساتھ بیٹھے نوجوان وکیل سے سرگوشی کی۔ "ویڈیو بنائی؟"

"جی سر۔ اب حلیمہ کو بھیج رہا ہوں۔ اسے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیسی وکیل ہے اور اسے کیسی تیاری کرنی ہے۔" ہاشم سر کو خم دے رہا تھا۔

"مسعود صاحب آپ روز کتنے لوگ سی سی ٹی وی فیڈ کی اسکرینز پہ دیکھتے ہیں؟"

"سینکڑوں۔"

"اور کیا صرف ایک اسکرین کو دیکھنا ہوتا ہے آپ نے؟"

"نہیں سر، بہت سے مانیٹرز ہوتے ہیں۔"

"اور ایگزٹ کنٹرول لسٹ کے لئے وزارت داخلہ سے اور اس کے علاوہ پولیس اور دیگر ایجنسیز کی طرف سے ریڈ الرٹ کے طور پہ ایک ماہ میں کتنی تصاویر آپ کو بھیجی جاتی ہیں؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"آرام سے بھی دو سو سے اوپر۔"

"جب میں نے وہ تصویر ایئرپورٹ بھیجی صرف اس لئے کہ میرے بھائی کو آنے میں تاخیر ہو گئی تھی تا کہ وہ اغوا وغیرہ ہوا تھا تو اس واقعے کو آج کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟"

"ڈھائی سال!"

"اور سعدی یوسف کے اغوا کے وقت اس بات کو قریباً ڈیڑھ سال گزر چکا تھا۔"

"ایسا ہی ہے۔"

"اور اس ڈیڑھ سال کے دوران آپ نے دو ہزار تصاویر بطور الرٹ دیکھی ہوں گی۔"

"اس سے بھی زیادہ۔" آپریٹر اعتماد سے مسکرایا تھا۔

"تو کیا اسی لیے آپ کے لئے دیکھے ہوئے چہرے کو بھی یاد رکھنا مشکل ہے۔"

"آبجیکشن یور آنر۔ گواہ سے رائے بھی مانگ رہے ہیں کاردار صاحب اور ان کو لیڈ بھی کر رہے ہیں۔" وہ بے زاری سے بولی تھی۔

"Sustained" جج صاحب کی رولنگ کے بعد ہاشم سر جھٹک کے اب سوالات کا رخ موڑ کر عصمت بی بی کی طرف لے آیا۔ ذاتی عناد پروفیشنل جیلسی وغیرہ وغیرہ اور مسعود صاحب اب اعتماد سے بتا رہے تھے کہ یہ خاتون پہلے کتنے لوگوں کے ساتھ یہ کر چکی ہے۔

سماعت کے بعد زمر باہر آئی تو فارس دروازے کے ساتھ اس کا منتظر کھڑا تھا۔ چہرے پہ حیرانی اور قدرے الجھا سا تھا۔ وہ فائلز سینے سے لگائے آگے بڑھنے لگی تو وہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"تمہیں اس کی ای میلز کا کیسے پتہ چلا؟ اور تم نے ائیر پورٹ کے اتنے سارے لوگوں سے ان کے انفی ڈیوٹ اور ای میلز کیسے لیں؟" وہ واقعی متحیر تھا۔

"اسے oppo research کہتے ہیں اور چونکہ میں وکیل ہوں تو مجھے وہ کرنی آتی ہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے چلتی جا رہی تھی۔

"مگر تمہیں کیسے پتہ کہ وہ بھی اسی کلب کا ممبر ہے جہاں نوشیرواں بھی جاتا ہے؟"

"کیونکہ میں ایک اچھی وکیل ہوں۔ تم کیا مجھ سے متاثر ہو رہے ہو؟"

اس کے ساتھ چلتے فارس کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔" زمر نے چہرہ موڑ کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ "میری زندگی میں وہ وقت پتہ نہیں آئے گا بھی یا نہیں!"

"مجھے تو آثار نہیں نظر آ رہے۔" وہ بھی مسکراہٹ دبا کے بولا تھا۔

"ماموں!" سعدی پیچھے سے پکارتا ہوا آ رہا تھا۔ فارس نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟ پریشان لگ رہے ہو؟"

"یہ احمر شفیع کہاں ہے؟ فون آف ہے اس کا اتنے دن سے۔" وہ جھنجھلایا ہوا بھی تھا۔ فارس کی نظروں کے سامنے وہ بیگ زیور پاسپورٹ گھوم گئے۔ اس نے گہری سانس لی۔

"وہ کہیں شہر سے باہر گیا ہوا لمبے عرصے کے لئے۔ اس کو تنگ مت کرو۔"

"ایسے کیسے چلا گیا؟ میرے ساتھ اتنے کام کرنے تھے اس نے۔"

"اس کے پیچھے مت پڑو۔ اس کو اپنی مرضی سے جانے دو۔" زمر نے بھی نرمی سے کہا تھا۔

سعدی شش و پنج میں مبتلا کھڑا رہ گیا اور وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ پتہ نہیں کیوں وہ مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔ احمر کچھ بھی کر سکتا تھا مگر جتنا موشل وہ تھا وہ اپنا فون اور واٹس ایپ یوں بند نہیں کر دیتا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟

............❖❖❖❖............

یہ مری عمر کا صحرا مرے جلوں کا سراب ...... سرِ مژگاں نہ رہے گا تو کدھر جائے گا!

وہ ایک گرم صبح تھی۔ حبس آلود' گھٹن زدہ۔ فضا میں کوئی ان دیکھی سی نمی تھی۔ جیسے کوئی خاموش آسیب تاک میں بیٹھتا ہے اور دلوں کی دھڑکن سنتا رہتا ہے۔

مورچال کے پورچ میں اندر سے اُڑ اُڑ کے آتی ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں محسوس ہو رہی تھیں۔ زمر اپنی کار کا دروازہ کھولے کھڑی تھی' کوٹ پہنے' پرس کاندھے پہ ڈالے تیار اور مصروف سی اور بس آخری منٹ میں گویا فارس کو ہدایات دے رہی تھیں۔

''گھر جلدی آنا۔ پھر تم نے مجھے ڈنر پہ لے کر جانا ہے۔''

''اینورسری کل ہے مادام' اور جہاں تک ڈنر کا تعلق ہے تو کل حسینہ بنائے گی ناکدو گوشت۔'' وہ سادہ سی شرٹ پہنے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا' ہشاش بشاش سا مسکراتا کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم آج رات بارہ بجے نہیں سلیبریٹ کر سکتے؟'' وہ خفا ہوئی۔

''کس چیز کو سلیبریٹ کرنا ہے؟ آپ نے مجھ سے انتقام کے لئے' میری زندگی کو جہنم بنانے کی نیت سے جو عقد کیا تھا اس کو سلیبریٹ کرنا ہے کیا؟''

''نہیں' تمہاری دولت اور اس شاندار جاب کو سلیبریٹ کرنے کے لئے جس پہ تم روز جاتے ہو' اور جس کے لئے میں نے تم سے شادی کی تھی۔'' وہ جل کر بولی تھی۔ وہ جیسے ہنس دیا۔ گرم صبح بھی خوشگوار لگنے لگی تھی۔

''میں تمہیں کسی ڈنر پہ نہیں لے جا رہا۔ تم نے موقع ضائع کر دیا مجھ سے برتن دھلوا کے۔'' ابھی وہ اور بھی کچھ کہتا جب گیٹ کے باہر ٹائر رگڑ کر رکنے کی آواز آئی۔ وہ دونوں چونکے۔ ایک کار رکی' دروازے کھلے اور پھر بیل بجی۔ فارس آگے آیا اور دروازہ کھولا۔

''شہرین!'' وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ زمر نے اس کے کندھے کے پیچھے سے جھانکا۔ باہر شہری کھڑی تھی۔ باب کٹ سنہرے بالوں کو کھلا چھوڑے' گلے میں اوٹ پٹانگ مالائیں ڈالے' ایک کان میں بالی پہنے' دوسرا کان خالی' وہ ہیجان کا شکار نظر آتی تھی۔ اسے دیکھ کر بے چینی سے بولی تھی۔

''فارس تم میرے لئے کیا کرو گے اگر میں تمہارے کیس میں تمہاری مدد کروں؟''

''وعلیکم السلام شہری' مجھے بھی تم سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔'' وہ تحمل مگر غور سے اسے دیکھ کے بولا تھا۔

''مجھے کسی ایک سائیڈ پہ ہونا ہے کیونکہ جلد ہی گواہی کے لئے بلائی جاؤں گی۔ اس لئے مجھے بتاؤ' تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟''

شہرین نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتے ہوئے سوچتا رہا۔

''یہ منحصر ہے اس پہ کہ تمہارے پاس کیا ہے۔''

''نوشیرواں کا لائسنس' جو اس کی گلاک گن کا ہے۔''

فارس کے ابرو بے یقینی سے اٹھے' اس نے مڑ کے زمر کو دیکھا جو اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''اندر آجاؤ۔''

''تمہارا گھر وائرڈ ہو سکتا ہے' میں خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تمہیں باہر آنا ہوگا۔''

''او کے۔'' اس نے ایک نظر زمر پہ ڈالی..... اس وقت کی ایک آخری نظر..... اور باہر نکل گیا۔ زمر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ گلاک گن میں اٹکا ہوا تھا' مگر دل فارس میں۔ ابھی وہ اس پہ خفا ہو رہی تھی' مگر ایک دم وہ گھر سے گیا تو لگا جیسے سب کچھ خالی ہو گیا ہے۔ کاش وہ نہ جائے' آج کا دن اس کے ساتھ گزارے' مگر ادھوں۔ وہ سر جھٹکتی واپس کار کی طرف آئی۔ وہ ضرور کسی کام سے گیا ہے' اتنا خود کو

کسی کا عادی نہیں کرنا چاہیے زمر بی بی۔ خود کو دل میں پکارا اور خود ہی ہنس دی۔ (زمر بی بی؟ واؤ!)

..............٭٭٭..............

بندہ پرور جو ہم پہ گزری ہے ..... جو ہم بتائیں تو کیا تماشا ہو

سورج سوا نیزے پہ تھا جب سعدی اس فلیٹ بلڈنگ کی لفٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ ساتھ میں گردن ادھر ادھر گھما کر اندازہ بھی کر رہا تھا کہ درست جگہ پہ ہے یا نہیں۔ عمارت تو یہی تھی' فلیٹ نمبر بھی اسے مدھم مدھم سا یاد تھا۔ فلور کے بارے میں وہ قدرے متذبذب تھا۔ پھر اندازے سے ایک بٹن پہ انگلی رکھی تو لفٹ کے دروازے بند ہونے لگے۔

مطلوبہ فلور پہ اتر کے وہ غیر شناسا نظروں سے اطراف میں دیکھتا آگے آیا۔ پودا' راہداری' فلیٹ کا دروازہ۔ غالباً یہی تھا احمر کا فلیٹ مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہاں ہر فلور ایک سا لگتا تھا۔ ایک سے پودے۔ ایک سے دروازے۔ خیر۔ وہ آگے آیا اور دروازے کے ساتھ لگی بیل بجائی۔ پھر سر پہ جی پی کیپ درست کرتا' ذرا ہٹ کے کھڑا ہو گیا' تاکہ دروازے کے سوراخ سے دیکھنے والا اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ (شاید احمر اس کو avoid کر رہا ہو تو کم از کم یوں وہ کسی اور کے دھوکے میں دروازہ تو کھول دے گا۔)

اندر فلیٹ نیم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ صرف کمرے کی بتی جل رہی تھی جس میں وہ تین آدمی اس کے سر پہ کھڑے تھے۔ وہ ہنوز بندھا ہوا نیچے بیٹھا تھا' اور سر نیہوڑا رکھا تھا۔ گھنٹی کی آواز پہ سب چونکے۔ احمر نے بھی سر اٹھایا۔ وہ پہلے سے زیادہ نقاہت زدہ دکھتا تھا۔

"اس وقت کون آ گیا؟ ہاں؟ بول۔" ان کے سرغنہ نے اس کو بالوں سے پکڑ کے جھٹکا دیا۔

"جا کر خود کیوں نہیں دیکھ لیتے؟" وہ تلخی سے بولا تھا تو اس نے جھٹکے سے اس کا سر چھوڑا۔ پھر باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد واپس آیا۔

"کوئی آدمی ہے' شکل نہیں دکھائی دے رہی۔ اس طرف منہ کر کے کھڑا ہے۔ سر پہ کیپ پہن رکھی ہے۔" اس نے موبائل پہ میجک آئی سے تصویر بنائی تھی اور اب احمر کو دکھا کے پوچھ رہا تھا۔ "کون ہے یہ؟"

احمر نے ایک بے نیاز نظر تصویر پہ ڈالی۔

"یہ! یہ تو پیزا والا ہے۔ اس کے آؤٹ لٹ کا بل دینا تھا مجھے۔ دو ہزار روپے۔"

پھر سے گھنٹی بجی۔ تیز چنگھاڑتی آواز۔ تینوں نے باری باری ایک دوسرے کو دیکھا۔

"خود ہی تھک کے چلا جائے گا۔ بجانے دو گھنٹیاں۔" ایک نے مشورہ دیا۔

"ویسے بھی کوئی اور تو اس کے پاس آتا جاتا نہیں ہے۔ سو کسی کو نہیں شک ہو گا۔"

"اور ہم نے اس کو یہیں رکھنا ہے' یہاں سے لے جا بھی نہیں سکتے۔" ان کی مدھم آوازیں احمر شفیع کو سنائی دے رہی تھیں۔

"میری کار پارکنگ میں کھڑی ہے۔ اس پیزا والے نے وہ دیکھ لی ہو گی۔ اسے پتہ ہے کہ میں گھر پہ ہوں۔ اس نے اپنی طرف سے پیسے دے کر کھانے میں غلط اعداد و شمار لکھے تھے اور اب وہ پیسے لیے بغیر نہیں جائے گا۔ دروازہ نہ کھولا تو پارکنگ میں جا کر میری کار کے شیشے توڑ دے گا' نتیجتاً گارڈز اوپر مجھے بلانے آئیں گے' پھر کیا کرو گے تم لوگ؟"

"چپ کر کے بیٹھو۔" ایک غرایا تھا۔

"میرے ہاتھ کھولو اور مجھے دو ہزار روپے دو' تاکہ میں اسے پکڑا کے چلتا کروں۔ مجھے پتہ ہے تم لوگوں نے مجھے مارنا نہیں ہے۔ اور تمہارے مالک سے ملنے کا مجھے خود بھی کافی شوق ہے تو میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ پکڑے جاؤ۔ میرے ہاتھ کھولو میرا منہ دھلواؤ' تاکہ میں اس کو چلتا کروں۔" ان تینوں نے پھر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ گھنٹی ہنوز بج رہی تھی۔

چند منٹ بعد دھلے چہرے والا احمر دروازے کے ساتھ کھڑا تھا' اس کے ہاتھ میں ہزار ہزار کے دو نوٹ تھے اور اس کی پشت سے

ایک آدمی نے پستول کی نال لگا رکھی تھی۔ اندر کی ساری بتیاں بجھا دی تھیں تاکہ وہ دروازہ کھولے تو باہر والا اندر سے نہ جھانک سکے۔

"پہلے پوچھو کون ہے اور کوئی چالاکی مت کرنا۔" وہ ابھی تک مشکوک تھا۔ احمر نے گہری سانس لی اور کھنکھار کے آواز لگائی۔

"اے.... پیزا بوائے ہو تا؟"

"ہاں جی' پیزا بوائے ہوں۔ اب دروازہ کھولو۔" وہ خفگی سے بولا تھا۔ احمر نے فاتحانہ نظروں سے اغوا کار کو دیکھا اور پھر آگے بڑھا۔ دروازہ ذرا سا کھولا اور سر باہر نکالا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا۔

"مرے کیوں جا رہے ہو دو ہزار روپے کے لیے؟ گھنٹی بجا بجا کے دماغ خراب کر دیا ہے میرا۔ دو پیزے نیا منگوا لئے' تم لوگ تو جان کو آجاتے ہو۔ یہ پکڑو۔" غصے سے بولتے اس کے ہاتھ میں نوٹ تھمانے۔ سعدی ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ "خبردار جو اب گھنٹی کی۔ دفع ہو جاؤ ادھر سے۔ اور اگر اب دروازہ بجایا' تو کان کھول کر سن لو' میں سیکیورٹی والوں کو بلا لوں گا۔"

"کیا.... کیا....؟" وہ سنبھل نے کچھ بول بھی نہ پایا تھا کہ احمر نے اس کے منہ پہ دروازہ بند کر دیا۔ سعدی نے بے اختیار دروازہ بجایا۔ "احمر.... ایک منٹ میری بات سنو۔"

"دفع ہو جاؤ' خاور ورنہ میں سیکیورٹی کو بلا لوں گا۔" وہ حلق پھاڑ کے چلایا تھا۔ سعدی کا ہاتھ رک گیا۔ ساکت۔ شل۔ (خاور؟) وہ چند لمحے کھڑا ہاتھ میں پکڑے نوٹ دیکھتا رہا' پھر شل سا پلٹ گیا۔

ان کا سرغنہ میجک آئی سے باہر جھانک رہا تھا۔ وہ چلا گیا تو اسے سکون آیا۔ وہ واپس مڑا اور احمر کے ہاتھ پیچھے باندھ کر ہتھکڑی لگانے لگا۔ احمر نے کوئی مزاحمت نہیں کی' خاموشی سے خود کو بندھواتا رہا۔

سعدی اسی شل سی کیفیت میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ لفٹ کی بجائے دو زینوں سے جا رہا تھا' جانے کیوں۔ بار بار الجھ کر احمر کے الفاظ پہ غور کرتا۔ شاید اندر کوئی لڑکی ہو اور وہ اسے بھگانا چاہ رہا ہو۔ مگر.... پیزا بوائے.... جب پہلی بار ادھر آیا تھا تو احمر اسے پیزا بوائے سمجھا تھا۔ آج برسوں بعد اس لقب سے پکارا تھا۔ مگر "خاور؟" اور یہ نوٹ۔ اس نے وسط سیڑھیوں پہ رک کر ان دونوں کو دیکھا۔ وہ لپٹے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو کھولا۔

دونوں نوٹوں کے درمیان.... تازہ خون لگا تھا۔ بالکل تازہ سرخ بوندیں۔ سعدی یوسف سناٹے میں رہ گیا۔

اوپر اب وہ احمر شفیع کو اندھیرا لاؤنج سے گزار کے روشنی والے کمرے میں لے جا رہے تھے۔ جیسے ہی وہ اندر آیا' روشنی میں اس کے ہاتھ کی پشت عیاں ہوئی' جس پہ ایک کٹ لگا تھا (جو اس نے اندھیرا زابداری میں دروازے کے لاک کے ساتھ رگڑ کے لگایا تھا) اور یہاں پہنچنے تک اس کو مسلسل دوسرے ہاتھ سے دبا کر رکھنے کے باعث اس سے خون رسنا رک گیا تھا۔ اندر خون وہ کپڑوں سے رگڑ کر صاف کر چکا تھا اور جس لمحے ان تینوں نے اسے واپس بیڈ کے قریب باندھا' اس کے ہاتھ پہ ان کو ایسا کچھ نہ دکھا جو ان کو کسی شک میں ڈالتا۔ اب وہ ٹولی کی صورت کھڑے باتیں کر رہے تھے' اگلا لائحہ عمل طے کر رہے تھے اور احمر خاموشی سے بیٹھا وال کلاک کو دیکھ رہا تھا۔ گھڑی لحہ بہ لحہ وقت کو گن رہی تھی۔ ٹک ٹک.... ٹک ٹک......

....❖❖❖..............

کیا بہاروں نے نئے عہد کی دستک دی ہے ...... شہریاروں کی خزاؤں کا سحر جاتا ہے

اس چھوٹے سے آفس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ کمپیوٹر کے سامنے ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ماؤس چلا رہا تھا اور فارس اس کے کندھے پہ جھکا اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ شہرین دوسری طرف کھڑی تھی۔

"ملا کچھ؟" وہ بے چینی سے بولی تو فارس نے سنجیدگی سے اسکرین کو دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "نوشیرواں کے نام سے کوئی

ریکارڈ نہیں آرہا۔"

"ہاشم کاردار کے نام سے کچھ نظر آرہی ہیں میڈم۔" آفیسر نے اطلاع دی۔

"نوشیرواں کا ریکارڈ وہ مٹا چکے ہوں گے۔ جب ہمیں اتنی آسانی سے منسٹری کے ڈیٹا بیس تک ایکسس مل گئی ہے جھینکس ٹو یو رفادر شہری' تو ان کو بھی مل گئی ہوگی۔" فارس افسوس سے کہتا سیدھا ہوا۔ "تمہارا شکریہ مگر وہ ریکارڈ مٹا چکے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔"

"ہارڈ کاپیز کہاں ہوتی ہیں؟" شہری نے افسر کو سوچتے ہوئے مخاطب کیا۔ فارس ایک دم چونکا۔ "ہاں واقعی' ہارڈ کاپیز کا ریکارڈ تو ہو گا نا۔"

"وہ تو میم..." وہ ذرا ہیجان سے بولا۔ "ایک دوسری بلڈنگ میں ہیں' اور وہاں آپ کو میں یوں نہیں لے کر جا سکتا۔" شہری نے تندہی سے اسے گھورا' اور پرس کھولا۔ چند گلابی کڑک دار نوٹ نکالے اور اس کے سامنے میز پہ ڈالے۔

"ہمیں وہ فائل چاہیے' اس لیے اب تم ہمیں اس بلڈنگ میں لے کر جاؤ گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے میم' مگر..." اس نے ڈھیرے سے نوٹ اٹھائے۔ "شفٹنگ کے دوران فائلز کو ڈبوں سے نکال لیا گیا تھا۔ ان کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔ اتنے بڑے تین کمرے فائلز سے بھرے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں پورا دن لگ جائے گا۔"

"یعنی اگر ہاشم نے وہ فائل نکالنی ہوتی تو اسے بھی کئی بندے لگا کے کئی گھنٹے کام کروانا پڑتا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ اتنا خوار کون ہو' اور صرف سافٹ کاپی مٹانے پہ اکتفا کیا ہو۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شہری کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

"یعنی فائل مل جانے کے چانسز زیادہ ہیں۔ گڈ۔ فاروقی ہمیں ادھر لے چلو۔ چلو نا' اب شکل کیا دیکھ رہے ہو؟" شہری نے آنکھیں دکھائیں تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"سنو۔" پھر وہ اس کے قریب آئی۔ "اگر لاکیس ڈھونڈ دیا میں نے تمہیں تو تم بھی میرا ایک کام کرو گے' اچھا۔" اسے یاد دلایا۔

فارس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"پہلے لاکیس مل جائے پھر دیکھتے ہیں۔"

.................❖❖❖.................

ہوا کی زد پہ ......ہمارا سفر ہے کتنی دیر ...... چراغ ہم کسی شامِ زوال ہی کے تو ہیں

مورچال پہ رات اتر آئی تھی۔ حنین یہ تسلی کرنے کے بعد امی سو چکی ہیں' اور اب اس کو ڈانٹ نہیں سکتیں' اپنی الماری سے وہ سارا سامان نکالنے لگی جو stencil پینٹ کرنے کے لئے اسے چاہیے تھا۔ صبح یا تو امی لاؤنج کی دیوار پہ ایک خوبصورت شاہکار دیکھیں گی یا صرف "شاہکار!" تب تک جو بھی ہو' وہ اپنا کام اچھا یا برا کر چکی ہوگی۔ بہت جوش سے چیزیں اکٹھے کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

زمر اپنے کمرے میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے فون اٹھا کے دیکھ لیتی۔ فارس صبح کا گیا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وال کلاک پہ سیکنڈ والی سوئی ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

باہر حنین اب stencil کے خاکے کو دیوار پہ چپکا رہی تھی۔ اس کی خالی جگہوں پہ اس نے رنگ بھرنا تھا......

فارس ایک نیم اندھیرے آفس میں کھڑا تھا۔ بتیاں بند تھیں' اور وہ الماری سے فائلوں کا تھبا نکال کے زمین پہ رکھ رہا تھا۔ قریب میں اسٹول پہ بیٹھی شہری فائلوں کے ڈھیر میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ افسر بھی ساتھ بیٹھا ایک ایک صفحہ کھول کے دیکھ رہا تھا۔ بتیاں بند تھیں اور وہ تینوں پینسل ٹارچز کی مدد سے کام کر رہے تھے۔ فضا میں گرد اور گھٹن تھی۔ سست روی تھی۔ وقفے وقفے سے شہری کھانستی پھر ناک رگڑتی' اور کام کرنے لگ جاتی......

احمر شفیع کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر کار میں موجود سعدی خاموش سا بیٹھا تھا۔ بالکل چپ۔ جیسے کسی کا منتظر ہو۔
اوپر فلیٹ میں وہی گھٹن زدہ ماحول چھایا تھا۔ اغوا کاروں کا ایک کارندہ دوسرے سے بے چینی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ "اسے پنڈی والے گودام لے چلتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ کوئی اور آجائے اس کا پوچھنے۔"
"نہیں اس کو کہیں نہیں لے کر جانا۔ باہر موو کرنے میں بہت خطرہ ہے۔ یہیں کرنا ہے جو کرنا ہے۔"
پیچھے بندھے احمر کی نظریں ہنوز گھڑی پہ جمی تھیں۔ دل بھی اسی آواز کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ ہر گزرتے سیکنڈ پہ ایک دفعہ ڈوب کر ابھرتا۔ کیا کوئی آئے گا اس کی مدد کے لیے؟ کیا سعدی سمجھ پائے گا؟ یا وہ بے نام و نشان یہیں مر جائے گا؟
مورچال کے لاؤنج میں حنہ اسٹول پہ کھڑی دیوار پہ پینٹ کر رہی تھی جب آہٹ پہ چونکی۔ تیار سی زمر کمرے سے نکل رہی تھی۔ حنہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟"
"اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔"
"کل بیس مئی ہے؟ ایک سال ہو گیا؟"
"کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے بیس مئی ہے۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے ڈنر ڈیو کرنے کے بعد بالآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔"
حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ "کہاں بلایا ہے؟"
"ہم دونوں کے لیے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"
"ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔"
"وہ گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بار بار ہے مگر اکیلے آنے کا کہا اور وہ بھی بیس مئی کی رات.....ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ اوکے اللہ حافظ۔" وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے اور واپس آئے مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔
حنہ مسکرا کے واپس پینٹ کرنے لگی۔
اندھیر آفس میں وہ تینوں زمین پہ بیٹھے فائل چیک کیے جا رہے تھے جب فارس نے جیب سے موبائل نکالا۔ نو سگنل۔ شاید یہاں جیمر لگے تھے۔ وہ موبائل واپس ڈال کے کام کرنے لگا۔
چند لمحے گزرے تھے جب شہری کا موبائل بجا۔ سر جھکائے کام کرتے فارس کے ہاتھ بالکل تھم گئے۔
"ہاں ٹھیک ہے تم اس کو دوا دے دو اور..... سونی کو بخار تھا اور وہ فون پہ ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھی۔ فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے وہ ساتھ ہی فائل کے صفحے بھی الٹ رہی تھی۔ فارس دم سادھے بیٹھا رہا۔ شہری نے فون بند کیا تو فارس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کے پھر دیکھا۔ نو سگنل۔
اب کی بار اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ مختلف نظریں تھیں۔ غور سے چبھتے ہوئے انداز میں شہری کو دیکھا۔ "تم بہت سست روی سے کام کر رہی ہو۔ جلدی ہاتھ چلاؤ۔" بظاہر مصروف سے انداز میں بولا تھا۔ شہری "کر تو رہی ہوں۔ ڈسٹ بہت ہے۔" کہہ کر نزاکت سے کھانسی اور پھر اگلی فائل اٹھالی۔
وہ فائلز اٹھائے کھڑا ہوا اور دروازے کے ساتھ نصب الماری کے سامنے جا رکا۔ فائلز اندر رکھیں اور یونہی الماری میں سر گھسا ے

چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ کنکھیوں سے وہ دونوں کو دیکھ بھی رہا تھا۔ شہری کی اس طرف پشت تھی' البتہ آفیسر بھی ابھر جاتا' کبھی ادھر۔ ساتھ ہی بار بار کلائی کی گھڑی پہ بھی نارچ مارتا۔ شہری کے ہاتھ بھی سست روی سے چل رہے تھے۔ دونوں کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر کس کا؟

وہ چند ثانیے الماری میں سر دیے کھڑا رہا۔ جیسے ہی اس نے دیکھا کہ آفیسر کی اس طرف پشت ہوئی ہے وہ سرعت سے پیچھے ہٹا اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ بنا چاپ پیدا کیے وہ راہداری عبور کر کے زینوں کی طرف لپکا۔ جوتے اتار کے ہاتھ میں پکڑ لیے اور تیز تیز سیڑھیاں اترنے لگا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ماتھے پہ پسینہ تھا۔

اندھیرے کمرے میں شہری اسی طرح جھکی ٹارچ کی روشنی فائلز پہ ڈال رہی تھی۔ دفعتاً وہ سیدھی ہوئی اور گردن تھکاوٹ کے انداز میں دائیں بائیں موڑی تو چونکی۔ تیسری ٹارچ کی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس نے جلدی سے ٹارچ الماری پہ ڈالی۔

وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ حواس باختہ سی اٹھی اور باہر دوڑی۔ راہداری' دوسرے آفس کے مقفل دروازے' زینے' سب سنسان پڑے تھے۔ اس نے بے اختیار ماتھا چھوا۔

''اوہ نو۔'' پھر پیچھے کھوئی اور چلائی۔ ''وہ بھاگ گیا ہے جاؤ اسے ڈھونڈو۔'' آفیسر بڑبڑا کے اٹھا اور باہر کو لپکا۔ وہ اب پریشانی سے فون کان سے لگائے ہوئے تھی۔

''ہاشم..... پولیس مت بھیجو۔ وہ جا چکا ہے۔ میرا کیا قصور؟ مجھے واقعی نہیں علم ہو سکا۔'' وہ جھنجھلا کے کہہ رہی تھی۔

.............❖❖❖.............

تمہیں باغی ہیں خاک کر دینگی ..... آندھیوں سے کہو سدھر جائیں

احمر شفیع کے فلیٹ کی بلڈنگ اسی طرح سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کے اوپر..... آسمان پہ چمکتا ہوا تھال جیسا چاند نظر آ رہا تھا۔ زیرِ زمین پارکنگ میں کار کھڑی کر کے سعدی باہر نکلا۔ سر پہ کیپ تھی' آنکھوں پہ گلاسز تھے' اور دونوں ہاتھوں میں گروسری کے شاپرز پکڑ رکھے تھے۔ مصروف سے انداز میں' جیسے کوئی تھکا ہارا مکین گھر کو لوٹتا ہے' وہ سیدھا لفٹ تک آیا اور گارڈز کو نظر انداز کر کے اندر سوار ہو گیا اور مطلوبہ بٹن دبائے۔

لفٹ منزل بہ منزل فضا میں اوپر سفر کرنے لگی۔ احمر کا فلور آیا تو وہ باہر نکلا۔ سامنے مخالف سمت میں کئی دروازے بند پڑے تھے۔ سعدی جلدی سے نیچے زمین پہ بیٹھا' اور دونوں لفافوں سے پیکٹ نکالے' پھر ان کو کھول کے زمین پہ الٹنے لگا۔ ان میں سرمئی سفید سا سفوف تھا جس کی عجیب سی بدبو تھی۔ سفوف کا ڈھیر لگا کے اس نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں کوئی آ تو نہیں رہا؟ مگر راہداری سنسان پڑی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے دوسرے لفافے سے ایک بوتل نکالی' ڈھکن کھولا' دوسرا ہاتھ ناک پہ جمایا اور مائع سفوف پہ الٹ کر ایک دم پیچھے ہٹا۔ سرسر کی آواز آئی اور نہ کوئی آگ لگی' نہ شعلے بلند ہوئے' مگر سفوف جلنے لگا' اور سیاہ دھواں فضا میں بلند ہونے لگا۔ شاپرز وغیرہ کو ڈسٹ بن میں پھینکا' وہ تیزی سے دیوار پہ لگے فائر الارم تک آیا اور اسے کھینچ دیا۔ پھر بھاگ کے چاروں دروازوں کو کھٹکھٹانے لگا۔ مگر فائر الارم کی آواز اتنی بلند تھی کہ دستک کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پوری بلڈنگ ایک دم جاگ اٹھی تھی۔ ساری راہداری دھوئیں سے بھر گئی تھی' گویا نچلے فلور پہ آگ لگی ہو اور دھواں اٹھ کے یہاں تک آ رہا ہو اور سعدی یوسف ناک پہ ہاتھ رکھے ایک ایک دروازہ بجا رہا تھا۔

''باہر نکلو۔ آگ لگی ہے۔ جلدی نکلو۔'' احمر کا دروازہ بجا کے وہ دھڑکتے دل سے چلایا تھا۔

.............❖❖❖.............

یہ جو ٹھہراؤ بظاہر ہے اذیت ہے مری ..... جو تلاطم مرے اندر ہے سکوں ہے میرا

وہ خوبصورت ہوٹل آج بھی روشنیوں سے منور اور عالیشان دکھتا تھا جیسا کہ ماہِ کامل کی ان حسین راتوں میں اسے لگا تھا۔ رات کے

گیارہ بجنے کے باوجود لابی میں خاصی گہما گہمی تھی۔ زمر لبوں پہ مسکراہٹ سجائے سیاہ جھلملاتے لباس میں تیار ادھر ادھر چہرہ گھماتی آگے بڑھ رہی تھی۔ نظریں فارس کو تلاش کر رہی تھیں۔ سارا دن اس کو دیکھا نہیں تھا' وہ واقعی اسے مس کرنے لگی تھی۔

"فارس غازی کے نام سے ٹیبل ریزروڈ ہے؟" اس نے استقبالیہ پہ کھڑے باوردی افسر سے پوچھا۔

"جی ادھر آجایئے۔" وہ اسے مودب سے انداز میں آگے لے گیا۔ وہ مسکراہٹ دبائے آگے چلتی گئی۔

ہاشم کاردار کے آفس میں صرف ایک بتی روشن تھی۔ یا پھر کونے میں رکھے ایکویریم کی بتیاں جل رہی تھیں۔ عجیب نیم اندھیرا پراسرار سا ماحول بنا ہوا تھا۔ وہ شرٹ کے کف موڑے کھڑا' نبیں کے کندھے کے اوپر سے جھک کر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں چمک تھی۔

"وہ ہوٹل میں آگئی ہے سر!"

"گڈ۔ تمہیں کیسے پتہ چلا وہ اس ہوٹل کا ہی کرمان جائے گی؟"

"کیونکہ وہ چند دن پہلے غازی سے فون پہ کہہ رہی تھی کہ اسے اس ہوٹل میں ڈنر کرنا ہے۔ شاید وہ اس سے پہلے بھی یہاں آچکے ہیں۔"

"ویری گڈ۔ اب اس کو کال ملاؤ۔ اور ہاں فارس کے سگنلز کھول دو۔ اب تک وہ گھر پہنچ گیا ہوگا' اس کو پریشان ہونے دو۔" کھیل شروع ہو چکا تھا' وہ دلچسپی سے کہہ رہا تھا۔ مزا تو اب آنے لگا تھا۔

"راجر باس!" نبیں نے سر کو خم دیتے چند کلکس کئے اور پھر اسپیکر پہ گھنٹی جانے کی آواز سنائی دینے لگی.....

آبدار عبید اپنے کمرے میں بیٹھی لیپ ٹاپ پہ کام کر رہی تھی جب دروازہ زور سے بجا۔ اس کے ابرو بھنچے۔ گردن موڑ کے دیکھا۔

"اندر آجاؤ۔" تحکم مگر ناگواری سے پکارا۔ دروازہ کھلا اور سامنے ملازمہ نظر آئی۔

"ہاشم کاردار صاحب نے آپ کے لئے کار بھیجی ہے۔ آپ کو آفس بلوایا ہے۔" وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذرا حیران' ذرا پریشان۔

"بابا کہاں ہیں؟"

"وہ گھر نہیں آئے۔"

"میری کار نکلواؤ' ڈرائیور اور دو گارڈز کو بولو تیار رہیں' میں آرہی ہوں۔" ملازمہ کے جاتے ہی اس نے تیزی سے موبائل اٹھایا۔ اوپر ہاشم کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

"It's about Faris Ghazi۔" چار الفاظ میں ساری بات ہی ختم کر دی تھی اس نے۔ وہ چند لمحے متذبذب سی کھڑی رہی۔ پھر پلٹ کے خود کو آئینے میں دیکھا۔ سفید لمبی قمیص کے ساتھ سفید ٹراؤزر پہنے' وہ سرخ بالوں کو کیچر میں اونچا باندھے ہوئے عام سے حلیے میں نظر آتی تھی۔ دل اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ لباس بدلنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے سرخ رومال اٹھایا' ماتھے کے اوپر باندھا' بالوں کو پھر سے کیچر میں کسا اور باہر کو لپکی۔

ہوٹل کا ریستوران ایریا زرد روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ پس منظر میں بجتی مدھم سروں کی موسیقی جا بجا سجے خوشبودار پھول' اور اس کی میز کے وسط میں رکھی موم بتی سب مل کر خوبصورت پرفسوں ماحول بنائے ہوئے تھے۔ وہ کہنیاں میز پہ رکھے' ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرائے منتظر سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ انتظار کی خوشی اب بے چینی اور فکر میں بدلتی جا رہی تھی.....

احمر کے اپارٹمنٹ کا دروازہ دھڑا دھڑ کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ دروازے کی درز سے دھواں اندر بھی داخل ہو رہا تھا۔ باہر لوگوں کی چیخ و

پکار اٹھی تھی۔ کمرے میں نیچے بندھے احمر نے چونک کر وہ فقرہ سنا تھا' پھر اس نے تینوں کی طرف سر گھمایا جو ایک دم پریشان ہو گئے تھے۔

''بلڈنگ میں آگ لگ گئی ہے۔''

''ہوسکتا ہے یہ فائر الارم ہو۔'' سرغنہ مشکوک تھا۔

''کیا کر رہے ہو؟ نکلو یہاں سے۔ ہم سب ورنہ جل کر مر جائیں گے۔'' احمر شفیع چلایا تھا۔ سرغنہ ابھی تک متذبذب دکھائی دیتا تھا مگر دوسرے دونوں اغوا کار جلدی جلدی سامان نقدی' چیک بکس' کارڈز وغیرہ زیورات والے بیگ میں بھرنے لگے۔ باہر کا شور وغل پہلے سے مزید بڑھ گیا تھا۔ سرغنہ چند لمحے کھڑا دیکھتا رہا' پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ لاؤنج عبور کیا اور بیرونی دروازہ کھولا۔ پھر ایک دم پیچھے کو ہٹا۔ باہر دھواں ہی دھواں تھا۔ سیاہ گھنا دھواں۔ وہ کھانستے ہوئے ذرا سا آگے بڑھا۔

''کیا ہوا ہے۔ کدھر آگ لگی ہے؟'' اس نے ادھر ادھر بھاگتے لوگوں سے پوچھا۔ چیخ و پکار اور افراتفری میں ایک جملہ کان میں پڑا تھا۔ ''آگ نہیں ہے' کسی نے کوڑا جلایا ہے شاید' دھواں ہے اس کا۔'' وہ لوگ بالٹی بھر بھر کے اس پر تے سفوف پہ ڈال رہے تھے جس سے دھوئیں کا رنگ مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

''اوہ۔'' سرغنہ فوراً اندر کو لپکا اور دروازہ بند کیا۔ اپارٹمنٹ کے اندر بھی کافی دھواں بھر چکا تھا۔ وہ کھانستا ہوا آگے آیا۔ وہ احمر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ احمر بندھا پڑا تھا اور وہ دونوں جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے میں لگے تھے۔

''کوئی آگ واگ نہیں لگی۔ ذرا سا دھواں ہے بس۔ واپس رکھو سب کچھ۔ ہم کہیں نہیں جا رہے۔'' وہ ڈپٹ کے بولا تو احمر کی رنگت پھیکی پڑنے لگی۔ اس نے بے چینی سے گھڑی کو دیکھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔

سرغنہ کرسی کھینچ کے پھر سے اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''چلو پھر سے تفتیش شروع کرتے ہیں۔ ہاں تو مزید کتنا پیسہ ہے تمہارے پاس؟''

.... ☆☆☆ ....

آدمی کو خدا نہ دکھلانے ..... آدمی کا کبھی خدا ہونا

روشنیوں سے مزین ہال کی چند میزیں ہی بھری تھیں' باقی سب خالی تھیں۔ لوگ اٹھ اٹھ کے اب جانے لگے تھے۔ زمر اداسی سے بیٹھی کھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی جب اس کا فون تھرتھرایا۔ اس نے گہری سانس لے کر اسے کان سے لگایا۔

''کہاں ہو تم فارس؟''

''تم کہاں ہو؟ میں کب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔''

''انتظار تو میں کر رہی ہوں۔ ریسٹورانٹ ایریا میں بیٹھی ہوں۔ تم بتاؤ تم کہاں ہو' میں وہیں آ رہی ہوں۔''

''اوہ میں سمجھا ابھی تم پہنچی بھی نہیں ہو گی میں اوپر ہوں۔ ففتھ فلور پہ۔ روم نمبر 507 میں۔ تم ادھر ہی آ جاؤ۔ ہمارا گواہ یہاں ہی ہے۔''

''ہم واوہ۔'' وہ پرس اٹھاتے ہوئے ٹھٹکی' پھر ایک نظر میز پہ سجے پھولوں کو دیکھا۔ ''گواہ سے ملوانا تھا؟ واقعی؟ تو یہ ٹیبل کیوں ریزرو کروائی تھی؟''

''آ جاؤ پھر بتاتا ہوں۔ جلدی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

زمر چہرے پہ خفا سے تاثرات سجائے فون کان سے لگائے اٹھی اور آگے بڑھنے لگی۔ ''ویسے کون ہے یہ گواہ؟''

''تم خود دیکھ لو گی۔''

"اچھا مگر یہ ہوٹل میں کیوں ہے؟" وہ لفٹ کے سامنے جا رکی۔ تین لفٹس کے بند دروازے نظر آ رہے تھے۔ سب اوپر تھیں۔ اس نے باری باری تینوں کو نیچے آنے کا بٹن پریس کیا۔ جو جلدی آ جائے غنیمت ہو گی۔

"کچھ فائلز تھیں اس کے پاس' اس سے لینے کے لئے یہاں آنا پڑا۔ آرام سے وہ نہیں رہا تھا تو... کمپرومائزڈ پوزیشن میں لانا پڑا۔" لفٹ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ تبھی اس نے دیکھا' کونے والی لفٹ آ چکی تھی اور دروازے کھل گئے تھے۔ اندر سے وہ خالی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

"اور گاڈ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ؟ اچھا مجھے مت بتاؤ" لفٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے '5' کا ہندسہ دبایا اور فون کان سے لگائے بولی۔ "مجھے اپنے جرم پہ گواہ مت بنانا۔"

"تم میرے خلاف گواہی نہیں دے سکتیں۔"

"اچھا' وہ کیوں؟" وہ مسکراہٹ دبائے پوچھ رہی تھی۔ لفٹ کی دیوار سے ٹیک لگائے نظریں' دو شیشوں سے لفٹ کی دو مخالف دیواروں کو دیکھ سکتی تھی جو آئینے سے ڈھکی تھیں۔ دائیں بائیں' گویا دو بڑے آئینے لگے ہوں۔ پیچھے کی دیوار لوہے کی تھی۔

"ابھی تم میری بیوی ہو' اور Spousal privilge کے تحت تم میرے خلاف گواہی نہیں دے سکتی۔ اب آ جاؤ' میں انتظار کر رہا ہوں۔"

زمر ایک دم بالکل ٹھہر گئی۔ لفٹ فضا میں اوپر کو اٹھ رہی تھی۔

"Spousal privilge?" اس نے دہرایا۔ (یہ قانونِ شہادت میں ایک آرٹیکل ہے جس کے تحت میاں بیوی کو دوران شادی کی گئی گفتگو کے بارے میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا' ماسوائے اس کے کہ کیس وہ دونوں آپس میں لڑ رہے ہوں' جیسے طلاق' بچوں کی کسٹڈی یا کوئی اور کیس۔)

"ہاں ہزبینڈ وائف پریولیج۔"

"اور آرٹیکل نمبر کیا ہے اس کا؟" زمر کی سوچتی نظریں لفٹ کی ننھی اسکرین پہ لگی تھیں جس پہ ہندسے بدل رہے تھے۔ دوسرا فلور' تیسرا.....

"کیا؟" وہ جواباً بولا تھا۔

(رئیس نے ٹائپ کرتے ہوئے گڑبڑا کے ہاشم کو دیکھا' "اس کو شک ہو گیا ہے شاید۔")

"تم عموماً آرٹیکلز کو ان کے نمبرز کے ساتھ کوٹ کرتے ہو' مجھے متاثر کرنے کے لئے' آج نہیں کیا تو میں پوچھ رہی ہوں کہ اس کا آرٹیکل یاد ہے یا بھول گیا؟ آخر ٹیچر رہی ہوں میں تمہاری۔" وہ مشتاق سا پوچھ رہی تھی۔

(ہاشم تیزی سے کی بورڈ پہ جھکا اور ٹائپ کرنے لگا۔)

"میں اس وقت کافی فکر مند ہوں' اور تمہارا منتظر بھی اس لئے کہہ نہیں سکا۔ قانونِ شہادت آرٹیکل نمبر 5۔ خوش؟" خفگی سے بولا تھا۔ وہ لفٹ کا نمبر '4' سے بدل کر اب '5' ہو گیا تھا۔ دروازے کھلے مگر زمر باہر نہیں نکلی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ بولی تھی۔

"اور جس فارس غازی کو میں جانتی ہوں' وہ انتہائی بے کار اسٹوڈنٹ تھا (اس نے دروازے بند ہونے کے بٹن پہ انگلی رکھی اور گراؤنڈ فلور پریس کیا۔) اور اس کو اس قانون کا آرٹیکل نمبر یاد ہونا تو دور کی بات' اس کو یہ تک معلوم نہیں ہو گا کہ قانونِ شہادت میں ایسا کوئی آرٹیکل ہے بھی یا نہیں۔ مگر وہ واحد شخص جو انگلیوں پہ آرٹیکلز یاد رکھتا ہے' وہ ہاشم کاردار ہے' اس لئے بہت شکریہ میری اینورسری برباد کرنے کے لئے ہاشم' مگر میں اب مزید تمہاری اسکیم کا حصہ نہیں ہوں گی۔ سنا تم نے؟" وہ صدمے اور دکھ سے چلائی تھی۔ دوسری جانب چند لمحوں کی خاموشی

چھا گئی۔ لفٹ نیچے اتر رہی تھی۔۔۔۔۔3۔۔۔2۔۔۔1۔۔۔۔

''اب بہت دیر ہو چکی ہے ڈی اے۔'' فارس کی آواز میں کہا گیا۔ اور لائن مردہ ہو گئی۔ زمر کی رنگت سرخ دہکنے لگی تھی۔ اس نے فون پرس میں ڈالا اور لفٹ کے دروازے کو دیکھنے لگی۔ دل و دماغ میں طوفان برپا تھے۔

1 سے 6 ہوا اور پھر۔۔۔ لفٹ ہنوز نیچے اتر رہی تھی۔ وہ چونکی۔ جلدی سے بٹنوں پہ ہاتھ مارا۔ دروازہ کھولنے کا بٹن دبایا۔ ایگزٹ۔ بار بار مگر بٹن مردہ تھے۔ لفٹ نیچے کا سفر کرتی جا رہی تھی۔ B1 اور پھر۔۔۔ B2۔۔۔ اور ایک دم وہ ایک جھٹکے سے رک گئی۔ لفٹ کی بتی جلنے بجھنے لگی۔ ہر طرف سکوت چھا گیا۔ زمر نے پریشانی سے بار بار ایگزٹ دبایا' مگر لفٹ مردہ ہو چکی تھی۔ زمین سے دو منزل نیچے' وہ یقیناً پارکنگ ایریا۔ وہ بھی تہہ خانے کی اندھیر پارکنگ میں رکی پڑی تھی۔ وہ تیزی سے لفٹ کے فون کی طرف لپکی' ریسیور کان سے لگایا اور کال کا بٹن دبایا۔ رابطہ ملنے کی ٹون پہ وہ جلدی سے بولی۔ ''پلیز ہیلپ می' میں بی او میں لفٹ میں ہوں' لفٹ جام ہو گئی ہے اور۔۔۔۔''

''اور میں نے کہا نا' اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب آپ کی کسی عقلمندی کا فائدہ نہیں' مسز زمر!'' وہ ہاشم تھا اور وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔ زمر سناٹے میں رہ گئی۔

''کتنے اعتماد' اور ڈھٹائی سے اتنے ماہ آپ کورٹ میں میرے خلاف بولتی رہیں' آپ کو کیا لگا تھا؟ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا؟ میں تو سب کچھ ٹھیک کرنے جا رہا تھا' میں تو غلطی تھا' مگر آپ کو انصاف چاہیے تھا۔ یو نو واٹ زمر اب میں غلطی نہیں ہوں۔ اب مجھے افسوس نہیں ہو رہا۔ اب میں جان گیا ہوں کہ میں نے تم لوگوں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کیا جو تم ڈیزرو نہیں کرتے۔ تم سب کا یہی انجام ہونا چاہیے۔''

''فارس تمہیں جان سے مار دے گا' ہاشم۔ مجھے باہر نکالو۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلائی تھی۔

''فارس کی جان ہی تو لے رہا ہوں۔ یہ اوپر کونے میں کیمرہ دیکھ رہی ہو؟ سی سی ٹی وی کیمرہ؟'' زمر نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ سر اوپر اٹھایا۔ ''اس میں تمہاری فوٹیج بنتی جائے گی۔ تمہیں مرنے میں ابھی ایک یا سوا ایک گھنٹہ لگے گا۔ تمہارے مرنے کے بعد میں یہ فارس کو دے دوں گا' وہ اسے روز دیکھے گا' اور وہ اس کو دیکھ دیکھ کے پاگل ہو جائے گا' مگر اب مجھے افسوس نہیں ہوگا۔ وہ اسی قابل ہے۔''

''اللہ پوچھے گا تم سے ہاشم۔'' اس نے ریسیور واپس پٹخا اور اپنا موبائل نکالا۔ موبائل پہ نو سگنل نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کی سم کو ڈس ایبل کر چکے تھے۔ اس نے ایس او ایس بھیجنے کی کوشش کی' ایمرجنسی کال کرنے کی کوشش کی۔ سب بے سود۔ موبائل ناکارہ ہو چکا تھا۔

وہ اسے پرس سمیت نیچے فرش پہ رکھے دروازے تک آئی اور اسے پیٹنے لگی۔ ''کوئی ہے؟ ہیلپ می۔ کوئی ہے؟ مجھے باہر نکالو۔'' دونوں ہاتھوں سے وہ بار بار دروازہ بجا رہی تھی' بلند آواز میں چلا رہی تھی' مگر کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اندھیر۔ سنسان پارکنگ ایریا میں۔ سطح زمین سے کئی فٹ اندر۔ آئینوں سے ڈھکے ایک ڈبے میں وہ مقید تھی' اور اس سے دو منزلیں اوپر زمین پہ ٹہلتے لوگوں کو معلوم بھی نہ تھا کہ وہ یہاں ہے۔۔۔۔

''کوئی ہے؟ پلیز مجھے کوئی باہر نکالے۔'' گھٹن سے اس کو پسینے آ رہے تھے۔ اس کا سانس بوجھل ہو رہا تھا' مگر وہ پوری قوت سے چلا رہی تھی۔ آنکھ سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے تھے۔ فارس آ جاؤ۔ پلیز آ جاؤ۔ فارس پلیز۔۔۔ آواز ڈوب رہی تھی' دل ڈوب رہا تھا۔۔۔

❖❖❖

وہ ابھی ابھی گھر آیا تھا اور حنین جو اسے بتا رہی تھی' وہ اس کے قدموں سے زمین کھینچ لینے کے لیے کافی تھا۔ لمحے بھر میں ذہن میں سارے

پزل کے ٹکڑے آپس میں مل گئے تھے۔ شہری۔۔۔ پولیس۔۔۔ اس کا نو سگنل دیتا فون۔۔۔ وہ بے اختیار باہر کو بھاگا۔ فون آن کر کے دیکھا تو اب سگنل آ رہے تھے۔ اس نے تیزی سے زمر کا نمبر ڈائل کیا مگر آگے سے رابطہ ممکن نہیں کی ٹیپ چلنے لگی تھی۔ وہ چابی لیے باہر کو دوڑا۔

اسٹول پہ کھڑی حنین کے ہاتھوں سے پینٹ برش سب گر گیا تھا۔ وہ چند لمحے تو حق دق شل سی کھڑی رہی پھر ایک دم جست لگا کر نیچے اتری اور ننگے پیر باہر کو بھاگی۔

"ماموں رکیں۔ میری بات سنیں۔"

وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا جب وہ تیزی سے آئی اور اس کا بازو تھام لیا۔ "ہنو سامنے سے حنین۔" اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا پورا جسم پسینے میں نہا رہا تھا اور یوں لگتا تھا گویا جان نکل رہی ہو۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"یہ سب ہاشم نے کیا ہے میں اسے جان سے مار دوں گا۔" وہ غرایا تھا۔

"کیا اس کو نہیں پتہ ہو گا کہ آپ یہی کریں گے؟ اگر یہ سب اسی نے.... یقیناً یہ سب اسی نے کیا ہے تو وہ آپ کے انتظار میں ہو گا وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔" وہ کہنے کے ساتھ رو بھی رہی تھی ابھی تک اس کی کہنی تھام رکھی تھی۔

"تمہارا دماغ درست ہے؟ زمر مشکل میں ہے زمر ٹھیک نہیں ہے اور تم کہتی ہو میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہوں؟ ہٹو۔" اس نے بازو چھڑایا اور کار کا دروازہ کھولا۔

"نہیں.... نہیں....." حنہ نے پوری قوت سے دروازہ واپس دھکیلا۔ فارس کی انگلیاں درمیان میں آ گئیں مگر اس نے دروازے کو دھکیلے رکھا۔

"اس طرح زمر تو نہیں ملیں گی۔ اس نے زمر کو کسی جگہ پہ بلایا تھا۔ جو آپ دونوں کے لئے یادگار ہے۔ اپنے گھر نہیں۔ ہاشم سے بعد میں نپٹ لیجئے گا پہلے زمر کو ڈھونڈیں ماموں۔ زمر زیادہ اہم ہیں۔ ہر انتقام ہر بدلے سے زیادہ اہم۔"

فارس نے آنکھیں بند کیں اور چند گہرے سانس اندر کھینچے۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تو حنہ نے بھی دروازہ چھوڑ دیا۔

"کسی جگہ کا نام لیا تھا اس نے؟" وہ اب ذرا سنبھل کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں مگر ہم ان کے فون کی آخری جی پی ایس لوکیشن چیک کر سکتے ہیں۔" وہ تیزی سے اندر کو بھاگی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا۔ شاک میں ملال میں۔ اس کو کیوں لگتا تھا کہ اب وہ لوگ مشہور ہو چکے ہیں تو ہاشم ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا؟ وہ غلط تھا۔ اور وہ غلط عورت کی حفاظت کر رہا تھا۔

سر جھٹک کے اس نے چند مزید گہرے سانس لئے اور اندر آیا۔ حنہ اوپر اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے الجھی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے سے آ کر جھکا اور اسکرین دیکھی۔

"کچھ پتہ چلا؟"

"انہوں نے زمر کے فون کی لوکیشن کلون کی ہوئی ہے۔ تقریباً پچاس پچپن مختلف جگہوں پہ زمر کے فون کے سگنل اس وقت آ رہے ہیں۔" اس نے خوفزدہ سی ہو کر فارس کو دیکھا۔ "اب کیا کریں؟"

وہ اب پہلے سے ٹھنڈا اور سنبھلا ہوا لگ رہا تھا۔ چند لمحے سوچتی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتا رہا پھر سیدھا ہوا۔

"میں اسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔"

"مگر کہاں؟" وہ فکر مندی سے بولی تھی۔

"ہاشم کے گھر!" اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ اب کی بار وہ غصے میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ صرف کچھ سوچ رہا تھا۔

.... ❖❖❖ ....

اپارٹمنٹ بلڈنگ کی راہداریوں میں چھایا دھواں اب ختم ہوتا جا رہا تھا۔شور غل کی آوازیں بھی ماند پڑ گئی تھیں۔احمر کے فلیٹ کے اندر سیاہ مرغولے بھی بیٹھتے جا رہے تھے۔ایک آدمی ان کے سر پہ کھڑا تفتیش کر رہا تھا' بے معنی سوالات جو صرف اس کو تھکانے کے لیے دونوں سے پوچھے جا رہے تھے' جبکہ باقی دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

یہ تب ہی تھا جب ایک نے آواز سنی۔کھانسنے کی مردانہ آواز۔

وہ ایک دم چونک کے بیٹھا۔پستول نکال لیا۔آواز دوبارہ بلند ہوئی۔ایک فوراً دروازے کی طرف آیا اور کان لگا کر سننا چاہا۔مگر آواز باہر سے نہیں آ رہی تھی' وہ اپارٹمنٹ کے اندر سے آ رہی تھی۔لاؤنج میں کھلتے گیسٹ باتھ روم کے دروازے کے پار۔

دوسرے نے آواز کا منبع پہلے ہی تلاش کر لیا تھا۔وہ دونوں ہاتھوں میں پستول پکڑ کر سیدھا تانے دبے قدموں باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔باتھ روم کے اندر کوئی کھانس رہا تھا۔اور کھانسے جا رہا تھا۔اغوا کار باتھ روم کے دروازے کے سامنے' پستول تانے رکا' اور پیر سے دروازہ دھکیلا۔وہ کھلتا چلا گیا۔

اندر سنک پہ جھکا نوجوان بری طرح کھانس رہا تھا۔بار بار نل سے منہ پہ پانی ڈالتا' پھر کھانسنے لگ جاتا تھا۔اغوا کار کو چند لمحے سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ اسے کیا کرنا چاہیے۔یہ گھر میں کیسے گھسا؟ اور اسے دیکھتے ہی گولی مار دینی چاہیے یا نہیں؟ مگر وہ نقاہت سے کھانس رہا تھا۔اسے گولی نہیں ماری جا سکتی تھی۔وہ تیزی سے آیا اور اسے شرٹ کی پشت سے دبوچ کر باہر کی طرف کھینچا۔

''اے…کیا کر رہے ہو…کیا کر رہے ہو'' وہ نوجوان چلایا تھا' مگر وہ پستول اس کی گردن سے لگائے' ڈپٹ کر خاموش رہنے کا کہتا اسے اپنے ساتھ گھسیٹ کر آگے لے جانے لگا۔دوسرا ساتھی سامنے سے آ گیا' اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔سعدی نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔''گولی مت چلانا۔پلیز گولی مت چلانا۔میں بیمار ہوں۔''

چند لمحوں بعد اسی اغوا کار نے سعدی یوسف کو احمر شفیع کے ساتھ فرش پہ پھینکا تھا۔ان کے مرغنہ نے بے یقینی سے نوارد کو دیکھا اور پھر اپنے دونوں ساتھیوں کو۔''یہ کون ہے؟'' اور احمر نے اس سے زیادہ بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ دھوئیں کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔وہی ہے جس کو اس نے دو ہزار روپے دیے تھے۔'' مرغنہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔اس نے گریبان سے پکڑ کے سعدی کو کھڑا کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا۔''کون ہو تم؟''

سعدی نے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔''میں احمر کا دوست ہوں۔اس نے جو نوٹ دیے تھے' ان میں خون لگا تھا' میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔مگر اس سے پہلے میں نے ڈھائی گھنٹے پارکنگ ایریا میں بیٹھ کر تم لوگوں پہ نظر رکھی تھی' اور تمہارا یہ ساتھی…'' اس نے انگلی سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔''کھانا لینے جب باہر نکلا تھا تو میں نے اس کی تصویر کھینچ لی تھی' اور اپنے ایک دوست کو بھیجی تھی' اس نے اس کا شناختی کارڈ نکال دیا تھا مجھے' اور وہاں پہ موجود پتے کے خانے میں تمہاری مالکن صاحبزادی صاحب کے الف تھمن والے گھر کا پتہ لکھا تھا' اور چونکہ میں بہت مشہور ہوں' تو مجھے پولیس کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔میں ایک نیوز اینکر کو کہہ آیا ہوں کہ اگر میں ایک گھنٹے تک اس سے رابطہ نہ کروں تو وہ چینل پہ چلا دے کہ صاحبزادی صاحبہ نے مجھے اغوا کر کے مار دیا ہے۔مرنے سے پہلے قاتل کا نام بنا دینا قانونی طور پہ بہت اہمیت رکھتا ہے نا' اس لیے تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے۔ہم دونوں کو اپنی مالکن کے پاس لے چلو اور مجھے ان سے بات کرنے دو۔ٹھیک!'' سنجیدگی سے کہتے جھٹکے سے گریبان چھڑایا۔وہ تینوں ڈرائیور اور گارڈ لیول کے غنڈے ایک دوسرے کو تکنے لگ گئے تھے۔پھر ایک آگے بڑھا اور ان کے ہاتھ پیچھے موڑے۔سعدی نے مزاحمت نہیں کی۔چپ چاپ خود کو بندھواتا رہا۔پھر وہ تینوں تیزی سے باہر نکل گئے۔

احمر ابھی تک بے یقینی سے اسے گھور رہا تھا۔''اور تم پولیس کو فارنزک کو کسی کو نہیں لے کر آئے؟ کوئی اسٹرا کوئی چیز ساتھ نہیں لائے؟''

''ریلیکس۔ میں اپنی زبان ساتھ لایا ہوں۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''لعنت ہے تم پہ سعدی۔ وہ ہمیں مار دیں گے۔'' وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔

''بے فکر رہو مجھے اغوا ہونے کی عادت ہے۔ میرا تجربہ اس فیلڈ میں تم سے زیادہ ہے۔ اس لئے چپ کر کے انتظار کرو۔'' کہنے کے ساتھ اس نے گھڑی کو دیکھا۔ وہ اب بھی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ لمحہ لمحہ ریت کی مانند پھسل رہا تھا۔

............☆☆☆............

زمر لفٹ میں ادھر ادھر ٹہل کر دروازے پہ ہاتھ مار مار کے اب تھک چکی تھی۔ وہ دروازے کے بالکل ساتھ ٹھنڈے فرش پہ اکڑوں بیٹھ گئی تھی اور بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لئے تھے۔ وقفے وقفے سے وہ مٹھی سے دروازہ بجاتی تھی۔

''کوئی ہے؟ کھولو اسے۔ مجھے باہر نکالو۔'' آواز بیٹھ گئی تھی اور آنسو چہرے پہ لڑھک لڑھک کر خشک ہو چکے تھے اور اپنے نشان چھوڑ گئے تھے۔ وہ بار بار ذہن سے اپنے ڈر کے خیال کو جھٹکتی تھی۔ ہاں اسے ڈر تھا، مگر آج وہ کوئی ٹینک خود پہ نہیں ہونے دے گی۔ وہ چند گھنٹے گزارا کر لے گی اور صبح تک کوئی اسے نکال ہی لے گا۔ ہاشم اس کی موت کو حادثاتی دکھانا چاہتا ہے تو اب بم سے تو نہیں اڑانے لگا نا اسے۔ بس چند گھنٹے اور......

ٹپ.....ٹپ.....کوئی عجیب سی آواز تھی جس پہ اس نے چونک کے گردن گھمائی۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں.....ہر طرف دیکھا۔ یہ کس شے کی آواز تھی؟ پھر گردن اٹھائی تو منہ کھل گیا۔ لفٹ کے اوپر کسی ننھے سے سوراخ سے پانی کی باریک سی دھار نیچے گر رہی تھی۔ زمر کی نگاہوں نے دھار کا نیچے تک تعاقب کیا۔ وہ لفٹ کے فرش پہ پانی گرا رہی تھی۔

ایک گھنٹہ لگے گا تمہیں مرنے میں! اس نے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ ایک گھنٹے میں وہ لفٹ پانی سے بھر جائے گی۔ وہ اسے ایک زندہ انسان کا آبزیدان بنانے جا رہا تھا۔ وہ اسے ڈبو کے مارنا چاہ رہا تھا۔ او خدایا۔ وہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور پھر سے دروازہ پیٹنے لگی۔

''مجھے باہر نکالو۔ پلیز کوئی ہے.....پلیز میری مدد کرو۔'' اس دفعہ آواز میں خوف اور وحشت تھی۔

اندھیرے آفس میں بیٹھا ہاشم سنجیدگی سے اسکرین پہ نظر آتی فوٹیج کو دیکھ رہا تھا۔ پانی فرش پہ گرنا شروع ہو گیا تھا اور وہ لڑکی اب بدحواس ہو رہی تھی۔

''لیکن پھر.....یہ مرنے کا کتنا شاندار طریقہ ہوگا، فارس غازی! ایکوریم میں مرنا۔'' اس نے زیر لب تبصرہ کیا۔ رئیس نے صرف ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور اپنا کام کرنے لگا۔

............☆☆☆............

آبِ زیدان(The Aquarium)

(حصہ دوئم)

کچھ اور بڑھ گئے جو اندھیرے تو کیا ہوا ..... مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

مورچال پہ رات طویل ہوتی جا رہی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ایسے میں حنین بے چینی سی دائیں سے بائیں لاؤنج میں چکر کاٹ رہی تھی۔ دیوار پہ آبشار کی صورت بجتے پینٹ اور فرش پہ لڑھکے ننھے برش اور ڈبے سے بے نیاز وہ بار بار گھڑی دیکھتی تھی۔ فارس کہاں ہے زمر کہاں ہے۔ یہی دو سوال پچھلے پون گھنٹے سے ہر طرف گونج رہے تھے اور اب ایک دم بجلی کا ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔

سعدی کہاں ہے؟

وہ تیزی سے اوپر بھاگی۔ اس کا کمرہ کھولا۔ خالی اندھیر کمرہ۔ وہ کھڑکی تک آئی اور پردے سرکائے۔ نیچے پورچ میں اس کی کار بھی نہیں تھی۔ کہاں گیا وہ؟ کب سے گھر نہیں آیا؟ اسے احساس کیوں نہیں ہوا؟ وہ وہیں کھڑی جلدی جلدی اسے فون ملانے لگی۔

گھنٹی جا رہی تھی اور جاتی جا رہی تھی مگر جواب ندارد۔ اسے اب نئی پریشانی نے آن گھیرا تھا۔

احمر شفیع کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی پارکنگ میں موجود کار کے ڈیش بورڈ پہ رکھا سائلنٹ موبائل جل بجھ رہا تھا مگر اس کو دیکھنے کے لئے کوئی وہاں موجود نہ تھا۔

اوپر عمارت میں آؤ اور احمر کے فلیٹ میں جھانکو تو باہر پھیلی گھپ رات کے برعکس اندر اب روشنی تھی۔ لاؤنج روشن تھا اور وہ تینوں وہاں کھڑے دبی آواز میں بحث کر رہے تھے۔ پھر ان کا سرغنہ وہاں سے ہٹا اور اندر آیا۔ دروازہ کھولا۔ یہ کمرہ بھی روشن تھا اور بیڈ کے قریب وہ دونوں بندھے ہاتھوں کے ساتھ زمین پہ اکڑوں بیٹھے نظر آتے تھے۔ آہٹ پہ دونوں نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر تروتازہ چہرے اور چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا بولا۔

''پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔ پون گھنٹے میں یہاں پولیس آ جائے گی۔ رپورٹرز الگ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان سے بھی جلد آ جائیں۔ میری بات کرواؤ تا اپنی مالکن سے۔''

''زیادہ ہوشیار مت بنو۔ قریب کے کسی تھانے میں تم نے رپورٹ نہیں درج کی۔ کوئی پولیس نہیں آ رہی۔ ہم نے پتہ کروا لیا ہے۔'' وہ نخوت سے بولا تھا۔ احمر نے بے اختیار سعدی کا چہرہ دیکھا مگر سعدی حیران نہیں ہوا تھا۔

''میں تمہیں پکڑوانا نہیں چاہتا۔ بس تمہاری مالکن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے بات کرواؤ ہماری یا ہمیں ان کے پاس لے چلو پولیس کے آنے سے پہلے۔''

''کہہ رہا ہوں نا، ہم نے پتہ کروا لیا ہے، کوئی پولیس نہیں آ رہی۔ اب تم سیدھی طرح بتاؤ تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔'' وہ

اس کے سر پہ کھڑا ہو کے غرّایا۔ احمر نے پھر سعدی کو دیکھا، اب کی بار غصے سے۔

"تمہاری مالکن سے بات کرنی ہے۔ اس کو صرف اتنا کہو کہ وہ اپنی ای میل چیک کر لے۔ آگے وہ سمجھ جائے گی۔"

وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا، پھر بوٹ سے زور سے اس کے کندھے پہ ٹھوکر ماری، تو سعدی توازن برقرار نہ رکھ سکا اور دوسری جانب لڑھکا۔ سرغنہ تن فن کرتا باہر نکل گیا اور سعدی دانت پہ دانت جما کے ضبط کرتا واپس سیدھا ہو کے بیٹھا۔ احمر وہیں سے غصے سے اس آدمی کو پکار کے لعن طعن کرنے لگا تھا۔ پھر اس کی طرف گھوما۔

"تم نے پولیس بلائی نہ ریپورٹرز۔ خود کو بھی مشکل میں ڈالا۔ پاگل۔"

گرنے سے اس کی کہنی رگڑ دی گئی تھی، وہ دونوں ہاتھوں سے شرٹ اور آستین جھاڑتے ہوئے تلخی سے مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

"جن لوگوں نے تین دن سے تمہیں بند کر رکھا ہے، جن کو تمہیں سرے سے مارنا ہی نہیں ہے جو ڈرائیور اور مالی کے لیول کے گارڈز ہیں، اور صرف تمہیں کنگال کرنے، سبق سکھانے، اور مار پیٹ کرنے آئے ہیں، انہوں نے مجھے مار کے کیا کرنا ہے؟ میں ایسے ہی نہیں آ گیا۔ بلڈنگ کی سی سی ٹی وی چیک کی تھی۔ تمہارا ٹریک ریکارڈ بھی یاد ہے۔ یہ خاتون خاندانی قاتلوں کے جیسی نہیں ہیں۔ یہ تنہا ہیں۔ تمہاری حرکت کی وجہ سے ان کا خاندان ان کو abandon کر چکا ہے، اور ان کی سیاسی سیٹ ان سے چھن گئی ہے۔ یہ اپنے آبائی گاؤں تک واپس نہیں جا سکتیں۔ نہ ان کے پاس خاندان کے مردوں کی سپورٹ ہے۔ ایسی عورت نے کسی کو قتل نہیں کروانا۔ وہ صرف اپنی فرسٹریشن نکالنا چاہ رہی ہیں، ایسی عورت سے ہم نپٹ سکتے ہیں۔"

"کب؟ جب تک وہ ہم دونوں کو مار چکے ہوں گے؟"

"دیکھی ہیں میں نے ٹریش کین میں خالی سرنجز۔ پستول کا دستہ تک نہیں مار سکے تمہیں وہ۔ ٹرینکولائزر گن سے بے ہوش کیا۔ یہ قاتل نہیں ہیں۔ ایک ڈپریشن کی ماری ہوئی عورت کے احکامات کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں صرف نکالنا نہیں چاہتا، اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یہاں سے بہت پہلے بھاگ جانا چاہیے تھا۔" وہ افسوس سے سر دائیں بائیں جھٹک کر کہہ رہا تھا۔ "میں نے اس شہر میں بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ میرے اپنے اعمال ہیں سعدی!"

"ایسا ہی ہے۔" سعدی نے رتی تردید بھی نہ کی۔ احمر نے سر جھکا کر پیشانی تھام لی۔ "میں اتنا فراڈ، اتنا دھوکے باز، اتنا Complusive liar بن چکا ہوں سعدی کہ اب چاہوں بھی تو ٹھیک نہیں ہو سکتا۔"

"اپنے چاہنے سے کوئی ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔ اللہ کا چاہنا زیادہ ضروری ہے۔ اور پھر کوشش کرنا۔"

"اب کیسی کوشش؟ مسز جواہرات نے اعتبار کیا مجھ پہ، میں وہ بھی خاک میں ملا کر ان کا زیور لوٹ کر جا رہا تھا۔ ایسا آدمی ہوں میں۔ ایسے آدمی کے دوست ہو تم۔" وہ تلخی سے چہرہ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ تین دن سے بند ہونے کے باعث وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھا۔

"جانتا ہوں مگر ہر شخص خطا کار ہوتا ہے اور بہترین خطا کار وہ ہوتا ہے جو توبہ اور رجوع کرتا ہے۔"

"خطا کار اور گناہگار میں فرق ہوتا ہے۔" وہ پھر زہر خند ہوا۔

"ہاں۔ سب گناہگار نہیں ہوتے، مگر خطا کار سب ہوتے ہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرا کے سر جھکائے، فرش پہ ناخن سے رگڑ کر لکیریں بنانے لگا۔ "میں ایک عمر تک یہ سمجھتا تھا کہ انسان آزمائش آنے پہ دو طرح سے ردعمل دیتا ہے۔ یا وہ پاس ہوتا ہے یا فیل۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام ہر آزمائش پہ پورا اترتے تھے، یا جیسے ہم لوگ جو بار بار فیل ہو جاتے ہیں۔ ہر دفعہ تہیہ کرتے ہیں اب یہ غلط کام نہیں کرنا، ماں باپ سے غصے سے بات نہیں کرنی، بری عادت کی طرف واپس نہیں جانا۔ مگر اللہ آزماتا ہے، اور ہم پھر وہی کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آزمائش کے دو ہی نتیجے

ہوتے ہیں۔ پاس کرو تو درجے بلند اور فیل کرو تو درجہ وہی رہے گا یا نیچے جاؤ گے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ احمر خاموشی مگر مایوسی سے سنے گیا۔ وہ اس طرح کی باتوں سے خود کو ریلیٹ نہیں کر پاتا تھا۔

"میں بہت عرصے سے قرآن بھی پڑھتا آ رہا تھا، مگر کبھی سورۃ ص کے اس واقعے پہ غور نہیں کیا۔ قید میں ایک دفعہ موقع ملا تو اس واقعے کا مطلب ہی بدل گیا میرے نزدیک۔ وہ داؤد کا واقعہ ہے، مشہور سا۔ داؤد علیہ السلام اپنی ذاتی زندگی میں کوئی غلطی، کوئی کمی بیشی کر رہے تھے، یہود نے تو بہت سی بے ہودہ کہانیاں گھڑ رکھی ہیں مگر چونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اس لیے ہم مسلمانوں کو اس واقعے کی گہرائی میں نہیں جانا چاہیے بلکہ اصل سبق جو لینا ہے وہ لینا چاہیے۔ تو ہوا یہ کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کے لیے دو فرشتے انسان کے روپ میں اللہ نے بھیجے۔ وہ ان کے پاس دیوار پھاند کے آئے اور ایک نے کہا کہ میرے پاس ایک دنبی ہے اور اس کے پاس 99۔ یہ اب میری ایک بھی ہتھیانا چاہتا ہے۔ قصہ مختصر، داؤد علیہ السلام نے ان کا مسئلہ حل کروایا، اور ان کو نصیحت کی۔ نصیحت کے اس عمل کے دوران ان کو احساس ہوا کہ ان کو خود بھی کوئی ایسا ہی معاملہ درپیش ہے اور اللہ ان کو آزما رہا تھا۔ ہوتا ہے نا بعض دفعہ ہمارا ہی مسئلہ کوئی اور آ کے ہم سے بیان کرتا ہے اور ان کو جواب دیتے دیتے ہمیں اپنے مسئلے کا حل نظر آ جاتا ہے۔ تو داؤد کو احساس ہوا کہ وہ آزمائش پہ پورے نہیں اترے۔ بات ختم نا؟ آزمائش آئی، وہ پورے نہیں اتر سکے، بات ختم؟ مگر نہیں۔ ساری بات ہی یہی ہے کہ آزمائش کا مقصد اس کو پاس یا فیل کرنا نہیں ہے، ہمیں کچھ سکھانا ہے۔ ہم کبھی وہ فیل ہو کر سیکھتے ہیں کبھی پاس ہو کر۔ داؤد کو جب اپنی کمی کا احساس ہوا تو وہ اللہ کی طرف پلٹے اور توبہ کی۔

آگے اللہ فرماتا ہے، ہمارے پاس اس کے لیے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس آزمائش کے ذکر کے ساتھ ہی درجے کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آزمائش ہوتی ہی درجوں کی بلندی کے لیے ہے، تو کسی کوتاہی کے باوجود ان کو اعلیٰ درجہ کیوں مل گیا؟ آزمائش کے ذکر کے فوراً بعد درجے کا ذکر ظاہر کرتا ہے کہ یہ درجہ ان کی توبہ سے منسلک ہے۔ یعنی احمر شفیع، اگر ہم آزمائش میں فیل ہو جائیں، مگر سبق سیکھ لیں اور توبہ کر لیں تو ہمیں پاس ہونے جیسا درجہ مل جاتا ہے۔ آزمائش اللہ اذیت دینے کے لیے نہیں کچھ سکھانے کے لیے ڈالتا ہے، جتنی جلدی سیکھ لیں گے اتنی جلدی وہ دور ہو گی۔" احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم اچھے آدمی ہو۔ میں نہیں ہوں۔ سمپل۔"

سعدی ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دروازہ زور سے کھلا تو ان دونوں نے چونک کر دیکھا وہ تینوں تیزی سے اندر آ رہے تھے۔

"چلو۔ بی بی نے بلایا ہے۔" ایک جھک کر اس کے ہاتھ کھولنے لگا۔ احمر نے چونک کے سعدی کو دیکھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "تجربہ بولتا ہے۔" اور سر کو خم دیا۔ احمر نے گہری سانس لی اور خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔

❖❖❖

میری شناخت کے پتھر میں شکل باقی ہے ..... میرے وجود کے ذروں میں زندہ ہے کوئی

رات گہری مہیب سی اس ہوٹل بلڈنگ کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔ زمین سے دو منزلیں نیچے.....اس لفٹ میں زمر ایک کونے میں اکڑوں بیٹھی تھی، بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے اور تھوڑی ان پہ جما دی تھی۔ چہرہ زرد تھا۔ نظریں پانی کی دھار پہ لگی تھیں۔ فرش پہ ایک دو انچ جتنا گہرا پانی جمع ہو چکا تھا۔ اس کا لباس بھیگ رہا تھا، مگر اب وہ مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔ بس دھار کے بیتے قطروں کو دیکھ رہی تھی۔ ٹپ ٹپ.....وہ گویا اس کے دل پہ گر رہے تھے.....وہ بار بار چہرے پہ ہاتھ پھیرتی، ناخن دانتوں میں دباتی۔ وہ خوفزدہ تھی، ہراساں تھی۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کوئی ایسی شے نہ تھی جس کے سہارے وہ اوپر چڑھ جاتی اور انگریزی فلموں کی طرف لفٹ کا ڈھکن کھول لیتی۔ وہ بس ساکن بیٹھی تھی۔ سانسیں گن رہی تھی۔

قصر کاردار اس وقت رات کی تاریکی میں ڈوبا تھا۔ کہیں کہیں مدھم بتیاں جلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ فارس سڑک پہ رکی کار کے

ساتھ کھڑا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ اور سرد سا تھا۔

دفعتاً گیٹ کھلا اور کوئی باہر آتا دکھائی دیا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس' نیند سے پُر آنکھیں لئے' نوشیرواں۔ ادھر ادھر دیکھتا سامنے آیا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

"مینونا نے مجھے اٹھایا کہ تم.... فارس تم ادھر کیا کر رہے ہو؟" وہ اس کے عین سامنے کھڑا ہوا تو چہرہ چاند کی روشنی میں واضح ہوا۔ شیرو حیران اور الجھا ہوا لگتا تھا۔ "دیکھو اگر تم مجھے مارنے آئے ہو تو یاد رکھنا' عدالت تم پہ...." اس کے سنگین تاثرات دیکھ کر شیرو نے احتیاط سے بات شروع کی۔

"ہاشم نے زمر کو اغوا کر لیا ہے۔" وہ چبا چبا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا تھا۔ شیرو گنگ رہ گیا۔ "کیا؟"

"تمہارے بھائی نے زمر کو کہیں بلوایا ہے' میرے دھوکے میں اور وہ چلی گئی ہے' اور اس کا اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ وہ اسے مار دے گا' صرف مجھے اذیت دینے کے لئے۔"

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم لوگ مشہور ہو' ہاشم بھائی کبھی...." فارس نے جھٹکے سے اس کو گریبان سے پکڑا اور گاڑی سے لگایا۔ "بکواس بند کرو۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے۔"

وہ ایک دم اس جارحیت پہ ڈر گیا تھا۔ "مجھے نہیں پتہ' مجھے سچ میں نہیں پتہ۔" فارس نے جھٹکے سے اس کو چھوڑا۔

"مجھے پتہ کر کے دو۔ ہاشم کے پاس جاؤ اور مجھے پتہ کر کے دو۔ وہ اس وقت آفس میں ہے۔ اس کے فون کے سگنلز وہیں سے آ رہے ہیں۔"

شیرو کو چند لمحے لگے بات سمجھنے میں۔ "مجھے کچھ نہیں پتہ۔ یہ میرا معاملہ نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے مسئلے خود سنبھالو۔" اب کے وہ رکھائی سے ہاتھ جھلا کے بولا تھا۔

"نوشیرواں!" فارس نے بہت ضبط سے اس کو مخاطب کیا۔ "تم نے اگر کچھ نہ کیا تو وہ مر جائے گی۔"

"وہ مجھے کورٹ میں پراسیکیوٹ کر رہی ہیں' ان کی وجہ سے میں مرنے جا رہا ہوں۔ میں ان کی مدد کیوں کروں گا؟ اور تمہیں کیا لگتا ہے' میں بھائی کو دھوکہ دوں گا اور تمہارے ساتھ مل جاؤں گا تو بھائی مجھے چھوڑ دے گا؟ بھائی مجھے جان سے مار دے گا۔" وہ برہمی سے بولا اور سر جھٹک کر واپس گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"اگر آخر میں تم نے مرنا ہی ہے' تو کسی کے اقدام قتل کے جرم میں مرنے سے بہتر کسی کی جان بچا کر مرنا نہیں ہے کیا؟"

اس اندھیری رات' سڑک پہ آگے بڑھتے شیرو کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ بالکل سن رہ گیا۔ گویا پتھر کا ہو گیا ہو۔

"اگر تمہیں مرنا ہی ہے تو کیا تم کسی لوزر کی طرح مرنا چاہتے ہو؟ کیا تم ساری عمر ایک لوزر رہو گے یا تم واقعی اپنے نام جیسے بننا چاہتے ہو؟ کیا تم "نوشیرواں"...ہیرو...سپر ہیرو کی طرح مرنا چاہو گے' شیرو؟ اگر مرنا ہی ہے تو کیا تم اس زمر کے لئے مرنا چاہو گے جس نے تمہیں تمہارے کمپلیکسز سے نکال کر دنیا کے سامنے اٹھ کھڑا ہونا سکھایا؟ کیا تم اس زمر کو بچانے کے لئے کچھ کرنا چاہو گے' جو اس سب میں تمہارے کیس کی وجہ سے پھنسی ہوئی ہے؟"

کسی خواب کی سی کیفیت میں نوشیرواں اس طرف واپس گھوما۔ ٹکر ٹکر وہ فارس کا چہرہ دیکھے گیا جو اس وقت بہت دکھی نظر آ رہا تھا۔

چاندنی زدہ اندھیر ماحول میں اداسی کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔ اور نوشیرواں اورنگزیب کاردار نے خود کو کہتے سنا۔ "مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"دو آپشنز ہیں تمہارے پاس۔" وہ چند قدم طے کر کے اس کے سامنے.... بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تو شیرو نے دیکھا' اس کی آنکھیں سرد تپش سے بھری تھیں اور چہرے پہ بلا کی سختی تھی۔

''یا تو میں تمہیں گن پوائنٹ پہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور ہاشم سے کہوں کہ وہ زمر کو چھوڑ دے ورنہ میں تمہیں مار دوں گا۔''

''تم مجھے اغوا کر کے نہیں لے جا سکتے۔'' وہ ششدر سا بولا تو آواز حلق میں پھنسی۔

''لے جا سکتا ہوں مگر لے کر نہیں جاؤں گا کیونکہ ہاشم پھر بھی اسے مار دے گا' کوئی بھی مغوی کو زندہ واپس نہیں کرتا کہ وہ جا کر پولیس کو بیان دے دے اور بدلے میں مجھے تمہیں مارنا پڑے گا' اور زمر یہ کبھی نہیں چاہے گی۔ اس لیے دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم میری مدد کرو' ہاشم کے پاس جاؤ' اور پتہ چلاؤ کہ وہ کدھر ہے' مجھے اس جگہ کا بتاؤ' اور پھر میں اسے وہاں سے نکال لاؤں گا۔ نوشیرواں تمہارے پاس کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے کیونکہ اگر ہاشم نے اسے نقصان پہنچایا تو خدا کی قسم' میں تمہارے اس محل کو آگ لگا دوں گا۔'' وہ غصے سے بول رہا تھا۔ اس کا چہرہ اذیت سے پُر تھا۔

شیرو اسے یک ٹک دیکھے گیا۔ فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔

............❖❖❖............

اک بے کسی کا جال ہے پھیلا چہار سُو ..... اک بے بسی کی دُھند ہے دل سے نگاہ تک

ہاشم کاردار کے آفس میں نیم اندھیرا تھا۔ دو کمپیوٹرز کی اسکرین روشن تھیں اور ہاشم ٹیک لگائے بیٹھا' سرد مہری سے اس اسکرین کو دیکھ رہا تھا جس میں وہ لفٹ کے کونے میں بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ خوفزدہ' سہمی ہوئی۔ پانی سے بھیگتی' اس کے پاؤں تقریباً ڈوب گئے تھے۔ موبائل گھٹنوں کے گرد لپٹے ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا اور پرس بھیگنے سے بچانے کو گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔

''سر' پانی کا فلو زیادہ نہیں ہونا چاہیے؟ اس طرح تو اسے ڈوبنے میں گھنٹہ لگ جائے گا۔'' رئیس نے اسے پکارا۔ ہاشم نے دائیں بائیں نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔ اسی طرح چلنے دو۔ یہ زیادہ دلچسپ ہے۔ میں بعد میں یہ ویڈیو فارس کو دکھا دکھا کر پاگل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ محظوظ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس پُرتپش نگاہیں اسکرین پہ گاڑے ہوئے تھا۔ انتقام کی آگ تھی کہ بجھائے نہ بجھتی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ ہاشم نے سر اٹھایا' پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ اُبھری۔ چوکھٹ میں آبی کھڑی تھی۔ حیران' الجھی ہوئی۔

''ہاشم' کیا ہوا ہے؟ فارس کہاں ہے؟'' وہ ایک قدم اندر آئی۔ ہاتھ ڈور ناب پہ تھا۔ رئیس اٹھا اور ایک کرسی اٹھا کر سامنے رکھی' گویا اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا ہو۔ ہر حرکت' ہر جنبش گویا طے شدہ تھی۔ وہ الجھن سے ان دونوں کو دیکھے گئی۔

''آؤ رئیڈ۔ تمہارے لیے تو سجائی ہے یہ بساط۔ تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا جری مرد ہے۔''

وہ متحیر سی کھڑی رہی۔ نیم اندھیرا آفس..... کونے میں اونچی میز پہ رکھا روشنیوں سے جگمگاتا ایکویریم..... اسکرینز کی نیلی روشنی سے دمکتے ہاشم اور رئیس کے چہرے۔ ماحول عجیب پُراسرار سا تھا اور آبی کے قدم جم گئے تھے۔ پھر بدقت وہ آگے بڑھی۔ قدم قدم اٹھاتی ہاشم کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ چہرہ اسکرین کی طرف موڑا۔ آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ ذرا جھک کر دیکھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''دیکھو' وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ زمر ایک لفٹ میں قید ہے' اور وہ لفٹ جلد ایکویریم بننے جا رہی ہے' مگر وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں بیٹھو اور میرے ساتھ یہ تماشا آخر تک دیکھو۔ یہ بے چاری عورت اس کا آخری سانس تک انتظار کرے گی مگر وہ نہیں آئے گا۔ اس کی ساری بہادری' اس کی ساری جرأتمندی اور دلیری آج تم دیکھ لو گی۔ بیٹھو رئیڈ' کھڑی کیوں ہو۔''

آبدار کی نظریں اسکرین پہ ساکن ہو چکی تھیں گویا پتلیاں حرکت کرنا بھول گئی ہوں۔ بدقت ان بے یقین نظروں کا رخ اس نے ہاشم کی طرف پھیرا۔

''تم پاگل ہو چکے ہو۔'' وہ اسے واقعی اس وقت ذہنی مریض نظر آ رہا تھا۔

''عجیب بات ہے ریڈ' مگر پاگلوں نے اس دنیا کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ذہین لوگوں نے پہنچایا ہے۔ سارے بم' سارے ہتھیار' ساری جنگیں' یہ سب ذہین لوگوں کے ذہنوں کی کارستانی ہیں۔ بیٹھو اور تماشا دیکھو۔''

وہ شل سی کرسی کے کنارے بیٹھی۔ لب ادھ کھلے تھے' اور اسکرین پہ جمی آنکھیں پلک تک نہ جھپک پا رہی تھیں۔ ''تم اس کے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہو؟''

''تمہارے فیصلے آسان کرنے کے لیے۔ اس کی اصلیت تمہیں دکھانے کے لیے۔ اس کے بعد تم اس پہ کبھی اعتبار نہیں کر سکو گی۔ وہ کبھی اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا آبدار۔''

آہستہ آہستہ آبدار کا ذہن جاگنے لگا۔ اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا۔

''تم واقعی اسے مار دو گے؟ صرف فارس کو نیچا دکھانے کے لیے؟''

''میرے اس کی طرف بہت سے حساب نکلتے ہیں' میں سب کو ایک ہی دفعہ میں بے باک کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم اس کے خاندان سے آخری بدلہ لے رہے ہو۔ اگر زمر کو کچھ ہوا تو..... وہ سب.....'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ''وہ سب..... مر جائیں گے۔ مگر فارس اس کے بعد کیا کرے گا؟ وہ بدلہ لے گا۔'' وہ ٹیک لگائے' مطمئن سا بیٹھا تھا۔

''کیا تمہارے خیال میں میں اسے بدلہ لینے کے قابل چھوڑوں گا؟'' اس کی آواز کی سنگینی..... آبدار کی ہڈیوں کے اندر تک سرد لہر دوڑ گئی۔

''تم ایک تیر سے اپنے دشمنوں کو ختم کرنا چاہتے ہو۔ تباہ و برباد۔'' اس کی آواز میں دکھ سا ابھر آیا' پھر جیسے وہ نیند سے جاگی۔ شل ذہن بیدار ہونے لگا۔ اس نے ہاشم کی طرف چہرہ گھمایا۔ ''ایسے مت کرو۔ وہ اچھی عورت ہے۔ زمر۔ اس کے ساتھ یہ مت کرو۔''

''اچھا' میرا خیال تھا تم اس کو ناپسند کرتی ہو۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔ اس نے بہت سے ذہنی مریض دیکھے تھے' یہ ان سے بھی الگ لگ رہا تھا۔

''ہاشم..... یہ مت کرو۔ پلیز۔ تم اس کو نہیں مار سکتے۔ لفٹ کھول دو۔ اسے نکالو۔'' وہ منت کرنے کے انداز میں آگے بڑھی' کی بورڈ پہ کچھ دبائے' اسے نہیں معلوم کیا مگر کچھ دبا دے' لیکن ہاشم نے کہنی سے پکڑ کر اسے واپس کرسی پہ بٹھایا۔ ''آرام سے بیٹھو۔'' وہ غرایا تھا اور وہ سہم گئی۔ تنفس تیز ہو گیا۔

''ہاشم..... پلیز.....'' پھنسی پھنسی سی آواز حلق سے نکلی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''اسے چھوڑ دو۔''

''یہ تو تمہارے فارس غازی پہ منحصر ہے۔ کہاں ہے وہ آبدار؟ کیوں نہیں آیا وہ؟ کیا اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' ساتھ ہی اس نے رئیس کو اشارہ کیا جو سامنے گونگوں بہروں کی طرح بیٹھا تھا۔ اس نے سر کو خم دیا اور کی بورڈ پہ کیز دبانے لگا۔ وہ زمر کے نمبر کی لوکیشن آن کر رہا تھا۔

مور چال میں حنین دل مسوس کر بیٹھی تھی۔ لاؤنج پہ پیر اوپر کیے۔ بار بار آنسو صاف کرتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ ہاتھ میں زمر کا انکرپٹڈ فون تھا جس سے وہ بار بار فارس اور سعدی کو کال کر رہی تھی۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ تبھی نوٹیفکیشن کی آواز آئی۔ وہ چونک کر میز کی طرف جھکی۔ کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ زمر کے فون کی لوکیشن جو پہلے مختلف جگہوں پہ بکھری نظر آ رہی تھی' اب صرف ایک جگہ موجود تھی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جلدی سے فون پہ ٹائپ کرنے لگی۔ (یہ وہ فون تھا جو انکرپٹڈ تھا' اس کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا تھا۔)

''زمر کے فون کی لوکیشن مل گئی ہے۔ وہ آپ کی پرانی یونیورسٹی میں ہیں۔''

اندھیر سڑک پہ وہ کار دوڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی مسلسل اندر ابلتے غصے کو جھٹک کر دماغ کو آلودہ ہونے سے بچاتا تھا۔ وہ اور زمر ایک دفعہ

ر ہاشم کی بساط کے مہرے بن گئے تھے اور وہ ان کی ڈور بہ کھینچ رہا تھا۔ ایسا ایک دفعہ پہلے بھی ہوا تھا۔ یا شاید کئی دفعہ۔ وہ ہمیشہ اس سے مار کھا تا تھا۔ مگر آج نہیں۔ آج وہ زمر کو کچھ نہیں ہونے دے گا۔ آج وہ ہاشم کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

جیب میں رکھا ہوا موبائل بجا تو اس نے چونک کر کار آہستہ کی۔ وہ کتنی دیر سے بج رہا تھا اس نے خیال نہیں کیا تھا۔ اس نے فون نکال کر دیکھا۔ حسین کا پیغام تھا۔ ایک دم اس نے بریک لگائی اور پھر فون فرنٹ سیٹ پہ ڈالتے کار کا رخ موڑا۔ اسے لائبریری جانا تھا۔ یونیورسٹی کی لائبریری۔ وہ یادگار جگہ تھی۔ ان دونوں کے لیے۔

نیم اندھیرے آفس میں وہ تینوں اسی پوزیشن میں بیٹھے تھے۔ آبی ہراساں نظر آتی تھی۔ اسکرین کے منظر سے زیادہ وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھ کر سہم جاتی تھی۔ وہ ایسا سفاک تو نہ تھا ایسا ابنارمل بھی نہیں۔ یہ سب کیا ہوتا جا رہا تھا؟

تبھی باہر آوازیں آئیں۔ شور سا اٹھا۔ جیسے کوئی گارڈز سے بحث کر رہا ہو۔ رئیس چونک کر اٹھا ساتھ ہی اسکرین کو بھی دیکھا۔ "فارس نہیں ہو سکتا اس کے موبائل کے جی پی ایس کے مطابق وہ تو لائبریری جا رہا ہے۔" رئیس عجلت میں دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ ہاشم چونکا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔

"شیرو؟ کیا ہوا؟" ہاشم جگہ سے اٹھا۔ آنکھوں میں حیرت تھی۔ نوشیرواں ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس تھا آنکھیں ہنوز خوابیدہ تھیں' اور منہ دھوئے بغیر آ گیا تھا غالباً۔ بس الجھا ہوا لگتا تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "کیا ہو رہا ہے بھائی؟"

"تم ادھر کیسے؟" ہاشم کرسی کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف گیا۔ آبدار ذرا سا اسکرین کی طرف جھکی۔ کوئی ایسی کمانڈ جو وہ دبا سکے لفٹ کا دروازہ کھولنے کو۔ "آ ہم۔" مقابل بیٹھا رئیس کھنکھارا اور پستول جیب سے نکال کر میز پہ رکھ دیا۔ آبی سست سی پڑ کے واپس پیچھے کو ہو گئی۔

"کیا آپ نے واقعی ڈی اے کو..... زمر کو غائب کروا دیا ہے؟" وہ حیران تھا۔

"تمہیں کس نے کہا؟"

"فارس نے۔ وہ گھر آیا تھا۔"

"وہ گھر آیا تھا؟ گارڈز نے نہیں بتایا۔ اس نے نقصان تو نہیں کیا کوئی؟" ہاشم تیزی سے بولا۔ "ممی ٹھیک ہیں؟ اور سونی؟" اس سارے میں وہ پہلی دفعہ مضطرب ہوا۔

"او ہو بھائی سب ٹھیک ہے۔ اس نے مجھے باہر بلایا تھا۔ کہہ رہا تھا میں زمر کو بچانے کے لیے اس کی مدد کروں' آپ سے پوچھوں کہ وہ کہاں ہے اور اس کو بتا دوں۔" وہ ایسا کہتا آگے آیا اور جھک کر اسکرین کو دیکھا۔ آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا۔ "یہ لفٹ میں بند ہے؟ یہ کیسے کیا آپ نے؟"

"نوشیرواں درست کہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھیں۔" رئیس جلدی سے فارس کی لوکیشن چیک کرنے لگا۔ کچھ دیر پہلے وہ واقعی ان کے گھر والے علاقے میں موجود تھا۔

"اور کیا کہا اس نے؟" ہاشم سنجیدگی سے پوچھتا واپس کرسی پہ بیٹھا۔

"یہی کہ اگر میں اس کی مدد کروں اور زمر کو بچا لوں تو وہ لوگ میرے خلاف کیس واپس لے لیں گے۔" وہ جھک کر غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ "آؤچ! مگر اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ یہ واقعی مر جائے گی کیا؟"

"تم نے اس کو کیا کہا؟" ہاشم نے سپاٹ سے انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ وہ اپنی شکل گم کرے کیونکہ مجھے اس عورت کو بچانے میں دلچسپی نہیں ہے جو کورٹ میں مجھے پراسیکیوٹ کر رہی ہے۔ وہ چلا گیا' مگر بھائی...." وہ الجھن سے سیدھا ہوا۔ "اس کو مار کے ہمیں کیا ملے گا؟"

"زمر مر جائے گی' فارس جیل چلا جائے گا۔ سعدی کے لیے ایک اور پلان ہے میرے پاس۔ ان کا خاندان ایک دفعہ پھر الٹ پلٹ ہو جائے گا اور وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ سمپل۔" وہ اب گہرا سانس لے کر اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"گڈ۔ کہاں ہے یہ ویسے؟"

"کل کی نیوز میں دیکھ لو گے۔" وہ تلخی سے بولا۔ شیرو "وات ایور" کہہ کر سیدھا ہوا اور کندھے اچکائے۔ پھر آبدار پہ نظر پڑی تو چونکا۔ "آپ بھی انوالوڈ ہیں؟ واؤ۔"

"میں نہیں انوالوڈ۔" وہ چبا چبا کر بولی اور ایک ملامتی نظر ہاشم پہ ڈالی۔

شیرو نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا' پھر چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ "میں ذرا.... فریش ہو لوں۔" ذرا سا کھسیا کر بولا۔

"بالکل!" ہاشم نے ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔ شیرو باہر نکل گیا۔ راہداری عبور کی اور اپنے پرانے آفس میں آیا۔ دروازہ بند کیا۔ تیزی سے باتھ روم میں داخل ہوا' یہ دروازہ بھی مقفل کیا' اور جیب سے فون نکالا' پھر ایک نمبر ڈائل کر کے اسے کان سے لگایا۔ ساتھ ہی بے چینی سے سنک کے اوپر آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ اس کو اپنا چہرہ سخت مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"بولو۔" فارس کی آواز سنائی دی۔

"یو شیور تمہارا یہ نمبر ٹیپ نہیں ہو رہا کیونکہ دوسرا تو ہو رہا ہے؟"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ تم بتاؤ' وہ کیا جو میں نے کہا تھا؟"

"ہاں۔ میں آفس آیا ہوں۔ بھائی کو بتایا تمہارے آنے کا۔ جو تم نے کہا وہ بھی۔ مگر....." وہ الجھا۔ "اس طرح تو وہ تجھ پہ شک کرے گا' نہیں؟"

"یہ ضروری تھا' ورنہ وہ اچانک تمہارے بغیر وجہ کے آنے پہ شک کرتا۔ بتایا اس نے وہ کدھر ہے؟"

"نہیں۔ آبدار بھی یہیں ہے۔ کسی hostage کی طرح۔ بھائی نے زمر کا مجھے نہیں بتایا۔ مگر وہ اسکرین پہ نظر آ رہی ہے۔ سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ میں۔" فارس نے جھٹکے سے بریک لگائی۔ سارا جسم دہل کر رہ گیا تھا۔

"کیا؟ کدھر ہے وہ؟ وہ ٹھیک ہے؟"

"وہ کسی لفٹ میں ہے۔ اور اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ وہ کونے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ خوفزدہ سی۔" شیرو نے جھرجھری لی۔ "اگر تم نے اسے نہ نکالا تو وہ مر جائے گی۔ ڈوب کر۔"

"کیسی لفٹ ہے؟ کوئی نشانی' کوئی سائن؟"

"دو طرف مرر لگے ہیں۔ آئینے۔ اور بیک پہ براؤن سی وال ہے۔ اور کچھ نہیں سمجھ آیا۔ میں اپنے بھائی کو دھوکہ دے رہا ہوں' بس اتنا کر سکتا ہوں۔" وہ تلخ ہو گیا۔

"کچھ اور سمجھ آئے تو بتانا' اور میرے اوپر کوئی احسان نہیں کر رہے تم۔ اپنے اور اپنے بھائی کے گناہوں کو دھونے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ تلخی سے بولا تھا اور فون بند کر دیا۔ شیرو نے سر جھٹکا' فون جیب میں ڈالا اور منہ دھونے لگا۔

وہ واپس آیا تو سب اسی طرح بیٹھے تھے۔ آبی کہہ رہی تھی۔ "میں ان کو پسند نہیں کرتی۔ بالکل بھی نہیں' مگر یہ وحشیانہ سلوک ہاشم۔ ایبا مت کرو۔ پلیز۔" وہ منت کر رہی تھی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے آپی۔ تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا قابل ہے۔ میرے لئے اسے اپنی انگلیوں پہ نچانا کبھی مشکل نہیں رہا۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"مگر وہ تو آزادگھوم رہا ہے' ہمارے گھر تک آ گیا۔" شیرو کرسی سنبھالتے ہوئے بولا تھا۔ "وہ زمر کو ڈھونڈ لے گا پھر؟"

ہاشم نے دقت سے اسے دیکھا۔ "تم گھر جا سکتے ہو۔"

"اب مجھے نیند نہیں آئے گی اور میں یہ تھیٹر مس نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اطمینان سے رئیس کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔ "سو فارس اسے کیوں نہیں بچا سکے گا؟" سرسری سا پوچھا۔

"کیونکہ سر! اسے منسٹری کے ایک آفس سے غیر قانونی طور پہ فائلز نکالتے ہوئے گرفتار ہو جانا تھا۔ ہم رات گہری ہونے کا انتظار کر رہے تھے' مگر وہ وہاں سے نکل گیا۔ پلان بی۔ وہ اب لائبریری جا رہا ہے' وہاں پولیس کی ایک وین اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ وہاں سے گرفتار ہو جائے گا۔"

شیرو کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسکرین پہ وہ فارس کی لوکیشن دیکھ سکتا تھا۔ جی پی ایس سگنل سڑک پہ آگے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ نوشیرواں نے بظاہر "واؤ" کہتے پہلو بدلا۔ (اب وہ کیسے دوبارہ اپنے آفس جائے اور اسے فون کرے؟)

"سر آپ اپنا فون مجھے دے دیں۔" رئیس نے ایک دم اسے مخاطب کیا تو وہ چونکا۔ "مگر کیوں؟"

"کیونکہ آپ فارس سے مل کر آئے ہیں۔ وہ آپ کے علم میں لائے بغیر آپ کو ٹیگ یا بگ کر سکتا ہے' اور آپ کی سیکیورٹی کے لئے مجھے آپ کے تمام gadgets لینے ہوں گے۔ مسز آبدار کا فون بھی ہم نے اینٹرنس پہ رکھ لیا تھا۔"

"اوکے!" بظاہر بے پروائی سے کہتے ہوئے اس نے فون میز پہ رکھ دیا۔ رئیس اسے اٹھا کر باہر چلا گیا۔ (وہ لاکڈ تھا' اور شیرو کال ریکارڈ مٹا چکا تھا۔) اب نوشیرواں ان دیکھی رسیوں سے بندھا ہوا تھا اور فارس کو لائبریری تک جاتے اور ایک اور پھندے میں پھنستے دیکھنے پہ مجبور تھا۔

ہاشم اب اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ اردگرد سے بے نیاز۔ منتقم آنکھیں گویا اسکرین میں چبھ چبھ رہی تھیں۔ آبی صدمے اور ترحم سے زمر کو دیکھ رہی تھی۔ گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی وہ بے بس نظر آتی تھی۔

زمر اسی طرح لفٹ کے کونے میں بیٹھی تھی۔ گٹھری بنے۔ سمٹی ہوئی۔ ٹھنڈے پانی میں اس کا آدھا وجود ڈوب چکا تھا' مگر جائے تو جائے کہاں۔ سو بیٹھی رہی۔ پرس اور موبائل ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے دروازے پہ بند ہتھیلی مار دیتی۔ چند آوازیں بھی لگائی مگر اندھیرپارکنگ ایریا میں رات کے اس پہر کسی نے نہیں آنا تھا غالباً۔

ساری زندگی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح سے گھوم رہی تھی۔ کوئی بہری فلم۔ لوپ نے چھوٹے سین۔ وہ فارس کو کتنی اذیت دیتی تھی' اس سے کتنی تلخی سے پیش آتی تھی۔ ساری بری باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ساری اچھی باتیں بھول گئی تھیں۔

وہ موبائل روشن کر کے دیکھنے لگی۔ ایس او ایس ایمرجنسی کالنگ کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس نے گیلری کھولی۔ اپنی اور فارس کی نئی پرانی تصویریں دیکھیں..... سعدی حنین..... مور چال..... اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ سگنل ہنوز بند تھے۔ ایمرجنسی کال تک نہ جاتی تھی۔ نوٹیفکیشن بار نیچے کیا تو ذرا ٹھہری۔ وائی فائی کا بٹن عادتاً آن تھا۔ اس نے اسے زور سے دبایا تو وائی فائی کا خانہ کھل گیا۔ موبائل از سر نو قریبی وائی فائی نیٹ ورکس کو ڈھونڈنے لگا۔ زمر کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ سر اٹھا کے اوپر دیکھا۔

کیمرہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے موبائل ذرا ترچھا کر کے پکڑ لیا۔

وفعتاً فون نے اطلاع دی۔ قریب میں ایک نیٹ ورک آن تھا۔ شاید کہیں اپنی کار میں کوئی تھری جی ڈیوائس رکھے ہوئے تھا جو آن

تھی اور اس کے سگنل لفٹ تک آتے تھے۔ اس نے اسے دبایا۔ پاسورڈ؟

وہ کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کرنے لگی۔ 12345678۔ یہی سب سے کامن پاسورڈ تھا۔ "غلط" نشان ابھرا۔ اس نے لب کاٹتے ہوئے ایک سے نو اور پھر ایک سے دس تک گنتی لکھی۔ غلط۔ دل بار بار ڈوب رہا تھا۔ ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ پانی اس کے گھٹنوں تک آ گیا تھا اور آنکھوں سے پانی دھیمے بھی بہہ رہا تھا۔ "پاکستان" اس نے دوسرا سب سے کامن پاسورڈ ٹائپ کیا۔ غلط۔ مگر وہ تھکی نہیں۔ بار بار ٹائپ کرتی رہی۔ الفاظ، ہندسے۔ اپنے گھر والوں کے نام۔ یونہی بے کار میں زمر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وائی فائی کنکشن کے نام میں جو بارہ ہندسے لکھے تھے وہی اس کا پاسورڈ تھے۔

..................٭٭٭..................

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ ..... اب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

حنین لاؤنج میں اداس سی بیٹھی تھی۔ ایک ہی پوزیشن میں پاؤں رکھنے کے باعث وہ سن ہو گئے تھے۔ وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن دانتوں میں دبا کر کترے جا رہی تھی۔ وہاں زمر کی لوکیشن لکھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے دوسری ونڈو میں فارس کی لوکیشن چیک کی۔ وہ یونیورسٹی کے قریب تھا۔ اسے کچھ تسلی ہوئی۔ شکر ہے وہ اس قابل تھی کہ کسی کی موبائل لوکیشن چیک کر سکے اور حالات کا اندازہ کر سکے ورنہ تو مارے ٹینشن کے اس کا برا حال ہو جاتا اور......

یکدم وہ ٹھہر گئی۔ ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔ اس نے تیزی سے فون اٹھایا اور کال ملائی۔

"کیا ہوا حنہ؟" وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا تھا۔

"ماموں! مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہے۔ دیکھیں پہلے ہمیں زمر کی لوکیشن مل نہیں رہی تھی پھر اچانک سے مل گئی اور اگر مجھے آپ کی لوکیشن معلوم ہو سکتی ہے تو ان کو بھی ہو سکتی ہے۔ آپ..... آپ وہاں نہ جائیں۔"

"میں وہاں جا بھی نہیں رہا۔"

وہ ٹھہر گئی۔ "ہیں؟ کیوں؟"

اور اس بلند و بالا ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترتے ہوئے فارس نے فون کان سے لگائے والٹ سے چند نوٹ نکال کر ٹیکسی والے کو تھمائے اور آگے چلتا آیا۔ اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں نظر آتا تھا۔ صرف سنجیدگی اور ٹھہراؤ۔

"کیونکہ میں ہمیشہ اس کے داؤ میں اس لیے پھنس جاتا ہوں کیونکہ میں اس کی طرح نہیں سوچتا۔ وہ صرف جرم کرنے کا نہیں سوچتا وہ کور اپ کا بھی سوچتا ہے۔ جرم کے بعد الزام کس کے سر جائے گا، یہ طے کر رکھتا ہے۔" وہ تیز تیز چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "پہلے اس نے سوچا کہ وہ شہری کے ذریعے مجھے گرفتار کروا دے' لیکن اسے اندازہ تھا کہ عین ممکن ہے میں گھنٹے بھر میں چھوٹ جاؤں' تو اس نے یقیناً پلان بی بھی رکھا ہوگا۔ اب وہ چاہتا ہے میں یونیورسٹی جاؤں' اور میں چلا بھی جاتا اگر میں اپنے کریڈٹ کارڈ کا ریکارڈ نہ دیکھ لیتا۔"

"کریڈٹ کارڈ کہاں سے آ گیا؟"

"میرے بلز کو وہ عموماً مجھے پھنسانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اسے گمان ہوگا کہ اتنی افراتفری میں مجھے اپنا اکاؤنٹ دیکھنے کا ہوش کہاں ہوگا۔ مگر زمر نے تمہیں کہا تھا کہ وہ ڈنر پہ جا رہی ہے۔ وہ یقیناً کسی ہوٹل یا ریسٹورانٹ گئی ہوگی۔ لائبریری نہیں۔ اور چند گھنٹے پہلے میرے کارڈ سے اور دن کے لیے اس ہوٹل میں روم بک کیا گیا ہے' جہاں زمر اور میں ایک دفعہ آئے تھے' اور جو ہارون عبید کی ملکیت ہے۔" وہ ہوٹل کے داخلے کی طرف تیز قدموں سے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اور ہاشم ہمیشہ ہارون عبید کے ہوٹلز استعمال کرتا ہے' جیسے سعدی بھائی کی دفعہ کیا تھا۔" وہ جوش سے بولی۔

"بالکل۔"

"اور یقیناً آپ نے کسی کے ہاتھ اپنا فون یونیورسٹی بھجوا دیا ہوگا کیونکہ وہ مسلسل اسی طرف جا رہا ہے۔" وہ اسکرین کو دیکھتے کر بولی۔

"نہ صرف فون بلکہ کار بھی۔"

"تو آپ زمر کو اتنے بڑے ہوٹل میں کیسے ڈھونڈیں گے۔ کیا پتہ وہ اب تک وہاں نہ ہوں۔"

"کسی نے بتایا ہے کہ وہ لفٹ میں ہے۔" اور یہ کہہ کر اس نے میری نظر میں اپنے سارے گناہ دھو ڈالے ہیں۔" اس نے موبائل بند کر کے جیب میں ڈالا اور داخلے کے قریب آیا۔

"میرا روم بک ہے۔ مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔" اس نے شناختی کارڈ نکالتے ہوئے سیکیورٹی آفیسر سے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا۔

نہ کوئی روک ٹوک' نہ کوئی پوچھ پچھ۔ اسے ادب اور خوش دلی سے اندر جانے دیا گیا۔

البتہ داخلے کے قریب موجود گارڈ کو اس کی شکل دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

لابی میں داخل ہوتے ہی اس کے قدموں میں تیزی آگئی۔ وہ ریسپشن کی طرف بھاگا۔ سیکیورٹی آفیسر نے فوراً ہتھیلی لبوں تک لے جا کر کچھ کہا۔ ہوٹل کے کنٹرول روم میں بیٹھے اہلکاروں میں سے ایک نے کان میں لگا آلہ دبا کر غور سے سنا اور پھر آگے کو ہو کر کی بورڈ پہ بٹن دبائے۔ اسکرین پہ چوکھٹے ابھرے۔ لابی اور ریسپشن کا منظر اور ایک طرف بھاگتا غازی۔ اس نے برق رفتاری سے فون اٹھایا۔

نیم اندھیرے آفس میں وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ اسکرین پہ لفٹ میں نظر آتی زمر پانی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سکری' سمٹی' اور مسلسل موبائل پہ بٹن دبائے جا رہی تھی۔ پانی اس کے کندھوں سے بالشت بھر نیچے تھا اور وہ ہاتھ اٹھا کر موبائل اوپر پکڑے ہوئے تھی۔ چہرے پہ آنسوؤں کے نشان تھے' جیسے ہر شے ختم ہو چکی تھی اور وہ بار بار پاسورڈ ٹائپ کر رہی تھی۔ فوٹیج میں اتنا دکھائی دیتا تھا کہ وہ ٹائپ کیے جا رہی ہے۔ کیا؟ یہ سمجھ نہ آتا تھا۔ یکدم اس کے ہاتھ سے موبائل پھسلا اور اس نے سنبھل کر اسے تھامنا چاہا مگر وہ پانی میں ڈبکی کھا کر ڈوبتا چلا گیا۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ نہیں مارے۔ بس سر بند دروازے سے لگا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ پرس' موبائل سب ڈوب چکا تھا۔ پانی اب اس کے کندھوں کے قریب پہنچتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کھڑی نہیں ہوئی۔ آنکھیں موندے' زیر لب کوئی دعا پڑھے گئی۔ (میرے بعد میرے خاندان والے کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائیں اللہ تعالیٰ۔ میرے خاندان والے.....)

"یہ تو ہارون عبید کی ہوٹل لفٹ ہے نا؟" نوشیرواں کو بالآخر یاد آ ہی گیا۔ "آپ کو کیسے پتہ تھا کہ وہ اسی لفٹ میں داخل ہوگی جس کو آپ لوگ کنٹرول کر سکیں گے؟"

"نہیں سر۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ اوپر روم تک جائیں۔ ہم نے وہاں ان کو ہراساں کرنے کے لیے کچھ لوگ اکٹھے کر رکھے تھے۔ وہ فوراً بھاگتیں اور دونوں ایلی ویٹرز کو مصروف پا کر اسی میں سوار ہو جاتیں۔ ان کو لگتا کہ وہ بچ جائیں گی مگر ایسا نہ ہوتا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ پہلے ہی اسی لفٹ میں سوار ہو گئیں۔"

تبھی فون کی بیل پہ وہ رکا اور موبائل کان سے لگایا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ فارس غازی ہوٹل کیسے پہنچ سکتا ہے؟ وہ تو کہیں اور جا رہا تھا۔" رئیس ششدر سا فون پہ بولا تھا۔ ہاشم لمحے بھر کو بالکل سن سا رہ گیا۔ پھر اس نے فون رئیس کے کان سے کھینچا۔ "کہاں ہے غازی؟ فوٹیج مرر کرو ہمارے سسٹم پہ۔" وہ غرایا تھا۔

آبدار نے پہلے اسے دیکھا' پھر نوشیرواں کو۔ شیرو آگے ہو کر بیٹھا تھا' دم سادھے۔ آبی کو دیکھتے پا کر نظریں چرا گیا۔ وہ اسے چند لمحے دیکھے گئی۔ پھر رخ موڑا۔

اسکرین پہ وہ لابی عبور کرتا نظر آ رہا تھا۔ دائیں سے بائیں بھاگتا۔ وہ ایک طرف جاتا' پھر دوسری طرف۔ ہاشم سانس روکے اسے

دیکھے گیا۔فون کان سے لگا تھا۔

"سنو.....اسے نہیں معلوم کہ وہ لڑکی کدھر ہے۔تماشا نہ بننے دینا کیونکہ بعد میں مرڈر کیس بنے گا تو کورٹ بھی کرنا ہے۔آرام سے اپنے سیکیورٹی آفیسرز لے کر جاؤ' اور اس کو detain کر لو۔بس چند منٹ کے لئے اسے تاڑ وہیں رکھو پھر چھوڑ دینا۔"

"مگر اسے پتہ کیسے چلا کہ زمر کہاں ہے؟؟" شیر و سر سری سا لہجہ بنا کر بولا۔آبی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ہاشم نے فون نیچے کیا اچھنبے سے کہا۔"ہو سکتا ہے زمر نے گھر سے نکلتے ہوئے کسی کو بتایا ہو' بہر حال وہ ہمیں دھوکہ دینے کے لئے کسی کے ہاتھ اپنا موبائل یونیورسٹی بھجوا کر خود یہاں آیا ہے' لیکن اتنے بڑے ہوٹل میں وہ اسے اتنی جلدی نہیں ڈھونڈ پائے گا۔" پھر فون کان سے لگایا۔"وہ سیکیورٹی کی مدد مانگے گا' کنٹرول روم کے کیمروں تک رسائی چاہے گا' اس کو روک کر رکھ لینا۔" وہ تیز تیز ہدایات دے رہا تھا۔چہرے پہ غیض و غضب چھایا تھا مگر وہ بار نہیں مانے گا' یہ طے تھا۔آج وہ فارس کو کچھ نہیں کرنے دے گا۔

"سر.....میرا نہیں خیال اس کی ضرورت ہے۔" رئیس اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔"وہ سیکیورٹی سے مدد مانگ بھی نہیں رہا۔"

واپس ہوٹل کی لابی میں آؤ تو روشنیوں اور فانوسوں سے مکمل روشن تھی۔اونچی چھت' مرمریں فرش' درمیان میں فوارہ۔آگے پیچھے ٹہلتے لوگ۔غالباً وہاں کوئی کنسرٹ ہو رہا تھا اور ابھی ختم ہوا تھا تو رش کافی تھا۔فارس پہلے ایک رخ سے دوسرے رخ تک دوڑا' پھر واپس آیا۔اب وہ لابی کے وسط میں کھڑا تھا۔نگاہیں تیزی سے چاروں طرف دوڑا رہے تھے۔اس نے لمحے بھر میں دیکھ لیا تھا کہ دور کھڑے سیکیورٹی اہلکار اسے دیکھ کر آپس میں بات کر رہے تھے۔زمر کے پاس وقت کم تھا۔اسے جو کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔

"سنو.....میری بات سنو۔" وہ کنسرٹ سے لوٹتے لڑکوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھا' ایسے کہ اس کی سانس پھولی تھی' چہرے پہ سے تر شدید پریشان لگتا تھا۔اپنے اپنے موبائلز پہ سر جھکائے گزرتے لڑکے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"میری بیوی.....میری بیوی لفٹ میں پھنس گئی۔اس کی کال آئی ہے۔وائر اتن پھٹ گئی ہے' اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔اور یہ ہوٹل والے مدد نہیں کر رہے۔پلیز سنو.....رکو.....میرے ساتھ چلو.....بات سنو....." وہ ان کے ساتھ ساتھ قریبی گزرتے لوگوں سے بھی التجا کر رہا تھا۔چلا چلا کر۔بہت سے چہرے مڑے' بہت سے قدم اس کی طرف اٹھے۔چند لپکے۔چند دوڑے۔

"او گاڈ یہ کیسے ہوا؟"

"کہاں ہیں آپ کی وائف؟" وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتا تھا کہ سیکیورٹی گارڈز تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے' مگر ایک دم سے لابی میں کہرام مچ گیا تھا۔جیسے ہی وہ اس طرف دوڑا جہاں لفٹس لگی تھیں' انسانوں کا ایک ریلا اس کے ساتھ بھاگا۔

"کوئی ریسکیو کو کال کرے۔"

"میں کر رہی ہوں آپ لوگ ادھر جائیں۔" شور۔آوازیں۔بہت کم لوگ تھے جو بیٹھے رہے' یا دیکھتے رہے' مگر ایک رش سا تھا جس میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی' جو اپنے موبائل اور ہینڈز فری جیبوں میں اڑستے فکر مندی سے اس کی طرف دوڑ رہے تھے۔سیکیورٹی گارڈز کا راستہ رک گیا۔کسی کو دھکے لگے۔کسی کو ٹھڈا آیا۔کوئی کچن کی طرف بھاگا کسی اوزار کی تلاش میں' کوئی آگ بجھانے والا آلہ اٹھا لایا۔

فارس دوڑتے ہوئے لفٹس تک طرف آیا تھا۔"کون سی لفٹ میں ہے وہ؟" کوئی اس سے پوچھ رہا تھا۔وہ تیز تنفس اور دھڑکتے دل کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔"انہی میں سے کوئی ہے۔" ایک لفٹ کو نیچے بلانے کا بٹن دبایا۔پھر دوسری کی طرف بھاگا' پھر تیسری کی طرف۔سب کو نیچے بلایا۔لوگ آگے پیچھے جمع ہو گئے تھے۔کسی نے پولیس کو بلایا' کسی نے فائر بریگیڈ کو۔ہوٹل کے ریسکیو کے اہلکار (جو ہاشم کے احکامات تلے نہیں تھے) اطلاع ملنے پہ لفٹ کھولنے کا سامان لے کر اپنے آفس سے باہر کو دوڑے تھے۔اور وہ اتنے رش اور شور میں کھڑا ان

...ں لفٹس کے باری باری نیچے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ دفعتاً کچھ لمحے بعد لفٹ کے دونوں دروازے کھلے۔ پہلی... دوسری... دونوں ٹھیک تھیں۔ تیسری
...ٹ کی بتی جل چکی تھی۔ وہ B2 پہ تھی۔ مگر اوپر نہیں آرہی تھی۔
”یہی ہے۔ یہی ہے۔ بی ٹو۔ کہاں ہے بی ٹو؟“ وہ مڑ کر چلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کسی نے بیسمنٹ کا بولا تو وہ سیڑھیوں کی طرف
...ھاگا۔

بہت سے نوجوان اس کے ساتھ بھاگے۔ سیکیورٹی اہلکار بے بسی سے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

اور اسکرینز پہ یہ مناظر دیکھتے ہوئے ہاشم کی رنگت بالکل سیاہ پڑ گئی تھی۔ وہ چپ تھا۔ بالکل چپ۔ رئیس چلا چلا کر فون میں ہدایات ...ے رہا تھا۔ گالیاں نکال رہا تھا۔

”ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ریسکیو اہلکار ہر وقت ایسی ٹریجڈیز کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ان کو یہ کہیں کہ وہ لفٹ میں پھنسی لڑکی کو بچانے نہ ...جائیں؟ یہ کہنے پہ وہ رکیں گے تو نہیں، البتہ ہم پہ شک کریں گے۔“

”ان کے کام میں تاخیر ڈالنے کی کوشش کرو۔“ رئیس بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ بار بار خائف نگاہ ہاشم پہ بھی ڈالتا۔ جس کی خاموش نظریں اسکرین پہ گڑی تھیں۔

”سر، پولیس کو بلایا گیا ہے، ہوٹل کی سیکیورٹی ٹیم کے درجنوں ممبران موجود ہیں ادھر، اور وہ سب تو ہمارے ساتھ نہیں ملے ہوئے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

ہاشم نے فون رئیس کے کان سے کھینچا اور سختی سے اس میں بولا۔ ”وائپ آؤٹ کرو سب۔ ساری ویڈیوز۔ ثبوت۔ ریکارڈ۔ کال ریکارڈ۔ سب کلین کرو۔ جلدی۔“

”یس سر!“ اور اس نے فون میز پہ پھینک دیا۔ پرتپش نظریں اسکرین پہ جمی تھیں اور تنفس تیز ہوتا جا رہا تھا۔

فارس دھڑکتے دل کے ساتھ تیز تیز زینے پھلانگ رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے بہت سے مناظر گھوم رہے تھے۔ مگر وہ بار بار انہیں جھ...ٹلاتا۔ وہ اسے بچا لے گا۔ وہ وقت پہ پہنچ جائے گا۔ محسوس ہو رہا تھا کہ اس شور شرابے میں بہت سے نوجوان، ملازم، سیکیورٹی گارڈز اس کے ...آگے پیچھے دوڑ رہے ہیں، مگر وہ کسی کا نہ انتظار کر رہا تھا، نہ جواب دے رہا تھا۔ دیوانہ وار زینے پھلانگتے ہوٹل کی سب سے نچلی بیسمنٹ میں داخل ہوا۔

وہاں طویل اور نیم اندھیر پارکنگ ایریا تھا۔ ایک کونے میں لفٹس لگی تھیں۔ وہ ان کی طرف دوڑا۔ تیسرے نمبر کی لفٹ کے دروازے پکے بند تھے۔ جڑے ہوئے، یوں لگا جیسے قدیم وقتوں کا کوئی زندان ہو۔ وہ اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ بھاگتا ہوا دروازے تک پہنچا اور اسے دھڑ دھڑایا۔ ”زمر... زمر...“ وہ زور سے چلایا۔ آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ خوف تھا۔

دوسری جانب خاموشی تھی۔ کوئی آواز، کوئی آہٹ نہیں۔ وہ دیوانہ وار دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ ”زمر جواب دو۔ زمر...“ اس کے ہاتھ سرخ پڑ رہے تھے۔ اور وہ لوہے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ لوگ قریب آ چکے تھے۔ رش کے درمیان سے راستہ بناتے ریسکیو اہلکار آئے اور اسے ہٹانا چاہا، تاکہ وہ دروازے کو مشینری کی مدد سے کھول سکیں۔ کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر پرے دھکیلنا چاہا، مگر وہ کندھا جھٹک کر مڑا اور ریسکیو اہلکار کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ ”یہ مجھے دو اور پیچھے ہٹو۔“ غصے سے غراتے اس کے ہاتھ سے آلہ لیا اور اسے پرے ہٹایا۔ دوسرے اہلکار نے پیچھے سے اور اس نے پھر اوپر سے آلہ لفٹ کے دروازوں کی درمیانی درز میں زور سے گھسایا۔ اندر سے پانی رسنے لگا۔ ذرا ذرا۔ اب وہ دونوں ایک سمت میں زور لگانے لگے۔ بلیڈ پکڑے اس کے زور لگاتے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی، بے قرار نظریں دروازے پہ جمی تھیں، سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ ایک دفعہ پہلے بھی دروازہ توڑا تھا۔ وہ ایسا منظر دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ لوٹے

دروازوں کے پار جھوٹے رشتے دیکھ دیکھ کر تھک چکا تھا۔ اب نہیں' اللہ' اب نہیں۔

لوگ اونچا اونچا بول رہے تھے' ہمت بندھا رہے تھے' اور وہ دونوں زور لگا رہے تھے۔ دروازے کو دائیں طرف دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک...... دو...... تین...... عجیب سی آواز کے ساتھ دروازہ ذرا سا دائیں طرف دیوار میں گھسا۔ ایک دم پانی کا ریلا سا باہر کو چھلکا۔ سب بے اختیار پیچھے کو ہٹے۔ آلے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ بس وہ پیچھے نہیں ہوا۔

پانی پوری قوت سے باہر کو گر رہا تھا۔ وہ مکمل بھیگ چکا تھا۔ مگر ابھی کچھ نظر نہ آتا تھا کہ دوسری طرف کیا ہے۔ دروازہ بھی بالشت بھر ہی کھلا تھا۔ اس نے آلہ چھوڑ دیا اور آگے بڑھا۔ دونوں ہاتھوں سے دروازے کا کنارہ پکڑ کر زور سے اندر کو دھکیلا۔ دانت جما لیے..... بازوؤں کی رگیں ابھر آئیں۔ تکلیف ہونے لگی۔ شاید اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا' اور خون نکل رہا تھا۔ ہر شے گیلی تھی۔

پانی کا سیلاب اسی طرح باہر نکل رہا تھا۔ سب پیچھے ہٹ چکے تھے۔ صرف وہ کھڑا تھا۔ بھیگتا ہوا۔ لبوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا۔ اس کا نام' اس سے کی جانے والی منتیں۔ دھیرے دھیرے بھاری دروازہ اندر کو گھستا گیا۔ ایک فٹ تک۔ دو فٹ۔ اس نے دروازہ چھوڑ دیا۔ گہرے گہرے سانس لیتا وہ بھیگا ہوا چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اور آدھ کھلے دروازے سے نظر آتا تھا۔

اندر گیلے فرش پہ وہ اوندھے منہ گری پڑی تھی۔ اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ بس ایک لمحے کو پیر زنجیر ہوئے' پھر وہ اندر کو لپکا۔ اس کو سیدھا کیا۔ وہ بھیگی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی یخ۔ آنکھیں بند تھیں۔ گیلی لٹیں چہرے کے ساتھ چپکی تھیں۔ ہونٹ جامنی تھے۔

"زمر..... "اس پہ جھکتے فارس نے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ وہ اتنی ٹھنڈی تھی کہ اس کے اپنے ہاتھ پیر بھی ٹھنڈے پڑنے لگے۔ "زمر..... "اس نے پکارنے کے ساتھ اس کی گردن پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چہرے پہ۔ سانس محسوس کیا۔

وہ زندہ تھی۔ اوہ خدایا۔ وہ زندہ تھی۔ زمین پہ بیٹھتے' تھک کر اس نے چہرہ اوپر کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ گہرے گہرے سانس لیے۔ وہ زندہ تھی۔ اس نے دیر نہیں کی تھی۔

ریسکیو اہلکار اس کے پاس آ گئے تھے' کسی نے اسے ٹراما بلینکٹ تھمایا' کسی نے کندھا تھپکا۔ کوئی اسٹریچر لانے کی اطلاع دے رہا تھا۔ وہ کسی کو نہیں سن رہا تھا۔ بس اسے کمبل میں لپیٹ رہا تھا۔ خود بھی بھیگا ہوا تھا' چہرے پہ بہت سے قطرے تھے' بالوں سے قطرے ٹپک رہے تھے' آنکھوں سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ "وہ زندہ ہے..... وہ ٹھیک ہے۔ "وہ اسے اٹھا کر اب اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا اور خود کو کہتے ہوئے سن رہا تھا۔ وہ لوگ اس کو مبارکباد دے رہے تھے' اس کا کندھا تھپک رہے تھے۔ وہ ہنس بھی رہا تھا' وہ شاید رو بھی رہا تھا' مگر وہ کسی کو جواب نہیں دے رہا تھا۔ وہ احتیاط سے اسے اسٹریچر پہ لٹا رہا تھا۔

بیسمنٹ کی سی سی ٹی وی فوٹیج نیم اندھیرے آفس میں رکھی اسکرین پہ مرر ہو کر آ رہی تھی۔ ہاشم دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ رئیس رکے بیٹھا تھا۔ نوشیرواں منہ میں ناخن ڈالے انہیں کتر رہا تھا۔ اور آبدار..... اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ وہ بس اسکرین پہ پہلے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ گیلے بالوں' گیلے کپڑوں والا مرد' اپنی آنکھیں انگلیوں سے رگڑتا' کسی کے شانہ تھپکانے پہ سر جھٹک کر ہنستا' کمبل میں لپٹے وجود کو اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا۔ پانی آیا تھا تو سب پیچھے ہٹ گئے تھے۔ بس وہی کھڑا رہا تھا۔ بس اسی نے لمحے بھر کی غفلت نہیں کی تھی۔ اور اب وہ اسٹریچر کو آگے دھکیل رہا تھا۔ لوگ اسے مبارکبادیں دے رہے تھے' خوش ہو رہے تھے' آوازیں نہ سنائی دیتی تھیں مگر چہروں کے تاثرات اور مسکراہٹیں سب کہہ رہی تھیں کچھ لوگ ان پہ رشک کر رہے تھے۔ ایسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے' خیال رکھنے والے شوہر۔ یہ ہوتی ہے محبت۔ اور آبدار نے ڈبڈبائی آنکھیں اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔ یہ ہوتی ہے محبت؟

وہ ماتھے پہ بل لیے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ کوٹ پرے پھینکا پڑا تھا اور آستین اونچے چڑھے تھے۔ وہ سخت غصے میں' سب سے نا نظر آتا تھا۔ بار بار پیشانی مسلتا۔ نفی میں سر ہلاتا۔ رنگت سیاہ پڑ رہی تھی۔

"یہ کیسے ہوا؟ اسے ہوٹل کا کیسے پتہ چلا؟"

"شاید مسز زمر نے گھر میں بتا رکھا ہو۔"

"مگر اسے یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ لفٹ میں ہے؟" ہاشم چونکا۔ "وہ جیسے ہی ہوٹل میں داخل ہوا وہ فوراً لفٹ کی طرف بھاگا تھا۔ اس نے لوگوں کا اکٹھا بھی لفٹ کی طرف کیا۔"

نوشیرواں نے بہت سا تھوک بدقت نگلا اور سرسری سا بولا۔ "شاید اس نے اندازہ لگایا ہو۔" ہاشم نے چونک کے اسے دیکھا۔ اور پھر ٹھہر کے پوچھتا گیا۔

"تمہارے پاس آیا تھا وہ۔ کیا وعدہ کیا تھا اس نے تم سے؟ زمر کو بچا لو تو کیا دے گا وہ؟ کیس میں معافی؟" نوشیرواں سناٹے میں رہ گیا۔ پھر بدقت بولنا چاہا۔

"بھائی' کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ مسز زمر کہاں ہیں۔ میرا تو فون بھی رئیس نے لے لیا۔ اور یاد کریں' آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ وہ ہوٹل میں ہے۔ اور پھر میں اسے کیوں بتاؤں گا؟ میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔" وہ جلدی میں غیر ضروری صفائیاں دینے لگا۔ مگر ہاشم مشتبہ نظروں سے اسے گھورے جا رہا تھا۔

"The lady doth cry too much!"

رئیس نے بھی شیرو کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"آپ میرے موبائل لینے سے پہلے باتھ روم گئے تھے۔ تب موبائل آپ کے پاس تھا۔"

"اے تم چپ کرو۔" وہ ڈپٹ کر بولا۔ "اگر اپنا پلان فیل ہوا ہے تو مجھے ذمہ دار نہ ٹھہراؤ۔ پہلے ہی ساری رات برباد کی میری۔" اکتا کر کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ "میرا فون واپس کرو تاکہ میں جاؤں۔ ایک تو تم لوگوں کا ساتھ دو' اوپر سے باتیں بھی سنو۔"

"کیا کسی انسان کے لئے مرنا صحیح ہوتا ہے؟! Is that worth it?" ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ذرا دائیں کندھے کی طرف جھکائے' سر کے اوپر سرخ رومال بندھا تھا جس سے سرخ بال کانوں اور گالوں پہ نکل نکل کر گر رہے تھے۔ رنگت سفید زردی پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔ دکھ تھا۔ صدمہ تھا۔

(ہاشم نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے گھٹنوں کے قریب' میز کا نچلا دراز کھول رکھا تھا اور اس میں رکھی کسی کے موبائل یا ٹیب کی ناکارہ پینڈ ڈرائیو دونوں ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔ البتہ جس جگہ نوشیرواں کھڑا تھا' اسے آبی کے گود میں رکھے ہاتھ صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ متحیر ہوا تھا۔)

"شاید نہیں!" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ گرنے لگے۔ شیرو کی نظریں ان کے ہاتھوں پہ پھسلیں۔ آبدار نے ائیر بڈ کو ایک ہاتھ سے کھینچا تو وہ تار سے الگ ہو گیا۔ اس نے ننھا ائیر بڈ مٹھی میں دبا لیا اور ٹوٹا ہوا پینڈ ڈرائیو دراز میں ڈال کر اسے اندر دھکیلتی کھڑی ہوئی۔ گیلی آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو بالکل ٹھہر کے' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(میں آبدار عبید ہوں اور میں ایک بری لڑکی نہیں تھی۔ میرا بھی ایک دل تھا جیسے آپ سب کا ہوتا ہے۔) مگر زبان سے وہ کہہ رہی تھی۔

"میں نے اس کے لئے کیا کیا نہیں کیا؟ اپنا پیسہ خرچ کیا' وقت صرف کیا' جان کو خطرے میں ڈالا' جو اس نے مانگا میں نے ادا کر دیا۔" انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دیتی وہ گلابی آنکھوں کے ساتھ چلائی تھی۔ "میں نے اس کے لئے سب کچھ کیا۔ صرف یہی منظر دیکھنے کے لئے؟" ہاشم اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا اور رئیس اور نوشیرواں بالکل سانس روکے۔

(اور کیا برا کیا میں نے اگر ہمیشہ دل کی سنی؟ دل کی مانی؟ کیا عشق مرضی سے کیا جاتا ہے؟ نہیں۔ یہ تو مرض ہے جو یوں لگتا ہے جیسے کسی کو فلو لگ جاتا ہے۔ اور کسی کا فلو کینسر بن جاتا ہے۔)

"میں نے سعدی کو نکلوایا۔ میں نے ان کو میری ایجنیو کے خلاف ثبوت لا کر دیئے فارس کو سری لنکا میں سہولیات میں نے فراہم کیں۔ مگر اسے اس وقت صرف زمر نظر آ رہی ہے۔ وہ کسی اور کو دیکھ ہی نہیں پا رہا۔ وہ اس کے لئے وہ سب نہیں کرے گی جو میں کر رہی ہوں۔ مگر اس کے لئے فارس نے خود کو خطرے میں ڈال دیا۔"

ہاشم کی آنکھوں میں بربمی ابھری۔ لب کھولے پھر بھینچ لیے۔ وہ اب قدم قدم آگے آ رہی تھی۔ (وہ میرا کبھی نہیں ہو سکے گا اور میں نہیں جانتی کہ کسی انسان کے لیے جان دینا یا جان لینا صحیح ہے یا نہیں مگر میرا دل کہتا ہے... آج میں سب ختم کر ہی دوں۔) اس کے چہرے پہ بالوں کا دکھ اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ "یہ میں تھی جو اس کی "جان" بچانے کے لئے رات کے اس پہر تین قاتلوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔" بند مٹھی سے ایک انگلی نکال کر تینوں کی طرف اشارہ کیا۔ "مگر وہ اس وقت میرے بارے میں نہیں سوچ رہا ہوگا۔ وہ زمر کا ہے اور وہ زمر کا رہے گا۔ پھر میں نے اس کی غلامی کیوں کی؟"

ہاشم کی آنکھیں ذرا سکڑیں۔ "تم نے بتایا اس کو؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

(آج میرا من کہتا ہے کہ جہاں اتنا کیا ہے اس کے لیے وہاں ایک آخری بازی بھی لگا دوں۔)

"مگر میم میں نے آپ کا فون پہلے ہی لے لیا تھا۔" رئیس بھی چونکا۔

"مجھے اپنے ہوٹل کی لفٹ پہچان کر فارس کو زمر کی لوکیشن بتانے کے لئے کسی فون کی ضرورت نہیں جب کہ میرے پاس اس کا دیا گیا ٹیگ موجود تھا۔" یہ کہہ کر اس نے مٹھی کھولی، ائیر بڈ دو انگلیوں میں پکڑ کر ان کو دکھایا اور اس سے پہلے کہ کوئی حرکت کرتا، آبی تیزی سے ایکویریم تک آئی، ائیر بڈ دانتوں میں ڈال کر چبایا پھر ایکویریم پہ چہرہ جھکا کر اندر تھوک دیا۔ ٹوٹا ہوا ائیر بڈ پانی میں ڈوبتا گیا۔

ہاشم دھک سے رہ گیا۔ "تم... تم یہاں ہوئی ساری گفتگو اس تک پہنچا رہی تھی؟" اسے یقین نہیں آیا۔

(اگر میں ہمیشہ بری ہی تھی تو آج میرا دل کہتا ہے کہ ایک برا کام اور کر دوں۔ عجیب بات... میں اب بھی اپنی دنیا اور اپنی آخرت نہیں سوچ رہی۔ میں اس انسان کا سوچ رہی ہوں۔ یہ عشق تو غلامی ہے غلامی۔)

نوشیرواں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر آواز پھنس گئی۔ وہ ٹیگ نہیں تھا، وہ تو اس شکل کا عام سا ائیر پیس تھا مگر وہ نہیں کہہ سکا۔

"ہاں۔ اسے شیرو نے نہیں، میں نے بتایا ہے کہ زمر کہاں ہے۔ میں نے فارس کی "جان" بچائی ہے۔ میں نے!" سینے پہ مٹھی سے دستک دیتی وہ زور سے چلائی تھی۔ رئیس اٹھا، تاکہ ایکویریم سے بڈ نکالے، مگر وہ دونوں اس ایکویریم کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ کچھ نہیں آیا کہ کیا کرے۔

"آبی!" اس کے مقابل کھڑے ہاشم کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ تحیر بھرا صدمہ۔ "تم نے کیوں...؟"

"کیا میں نہیں جانتی تم نے مجھے کیوں بلایا ادھر؟ تم مجھے انتخاب کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ تم میرے سامنے ایک عورت کو مار کر مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔ تم اس طرح مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مجھے ساری زندگی کے لئے خوف میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے۔ تم ہاشم... تم مجھے اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ آج وہ مر جاتی تو میں تمہاری دہشت اور رعب کی غلام بن جاتی۔" اس نے ہتھیلی سے گیلا چہرہ رگڑا اور نفرت سے اسے دیکھا۔ "تم میری فارس کے لئے محبت کو خوف کی تھپکی دے کر سلانا چاہتے تھے۔ کیا یہ تمہیں اتنا آسان لگتا ہے؟ محبت کو undo کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا ہاشم۔ مگر میں نے اس سے محبت نہیں کی۔" وہ دو قدم مزید قریب آئی۔ ہاشم لب بھینچے، گو کہ مگر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہولے ہولے سانس لے رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر غرائی۔

''میں نے اس سے عشق کیا ہے۔ عشق غلامی ہے۔ مجھے اس زندگی میں اس سے کبھی آزادی نہیں مل سکتی۔ تم مجھے اس سے آزاد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تم مجھے ایک دوسری غلامی میں ڈالنا چاہتے تھے۔ او وہ ہاشم! تمہیں کیا لگا تھا؟ میں ڈر جاؤں گی؟ تمہاری غلام بن جاؤں گی؟ اس کو سوچنے اور اس سے بات کرنے سے بھی ڈرنے لگوں گی؟ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا! اسی خوف سے اس کو چھوڑ دوں گی؟''

چنگاریوں سے دہکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے آبی نے نفی میں سر ہلایا۔

(اور آج میں یہ جان گئی ہوں کہ انسان کی غلامی نہیں کرنی چاہیے مگر میں اس چھوٹی لڑکی جیسی بہادر نہیں ہوں۔ میں خود کو اس پھندے سے آزاد نہیں کر سکتی۔)

وہ اسی طرح دھیرے دھیرے سانس لیتا اسے دیکھے گیا۔ بنا پلک جھپکے۔ بنا ہلے۔ بنا بولے۔

''تم نے میری جان بچائی تھی، مجھے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ مگر میں نے تمہیں مسیحا نہیں مانا۔ موت کا فرشتہ مانا۔ گریم ریپر۔ جو موت بانٹتا ہے۔ ایک عجیب سا موت کا احساس تھا جو تمہارے ساتھ نتھی ہو گیا تھا۔ ہم ایک تکون بن گئے تھے۔ میں، تم اور موت۔ جب بھی تم بیمار ہوتے، میں تمہیں دیکھنے آتی، تاکہ موت بھاگ جائے۔ ہم تینوں اس تکون میں قید تھے۔ میں، تم اور موت۔ پھر وہ آیا اور میں نے اس کو اپنی تکون میں ڈالنا چاہا۔ پر وہ چلا گیا۔ نہ تم جانے پہ تیار تھے، نہ موت جانے پہ تیار تھی۔ اسے ہی نکلنا پڑا۔'' اس نے بازو لمبا کر کے میز پہ کھلی اسکرینوں کی جانب اشارہ کیا۔ ''وہ چلا گیا۔ وہ اپنی زندگی کے ساتھ اس تکون میں سے نکل گیا۔ ہم تینوں پھر سے اس میں رہ گئے۔ قید۔ مگر آج میں اس قید کو توڑ کر آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں ہاشم کہ ہماری فیری ٹیل کے بھیڑیے تم ہو!'' وہ درد سے بھری آواز سے چلائی تھی۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔ وہ ہلکے ہلکے سے سانس لیتا سنتا گیا، اسے دیکھتا گیا۔

(اور کتنی عجیب بات ہے کہ میں اسے بھیڑیا کہہ رہی ہوں مگر اندر سے وہ مجھے عزیز بھی تھا تب ہی تو میں نے کبھی اسے اپنی قید سے آزاد نہیں ہونے دیا۔ قیدی کیسے برے لگتے ہیں؟!)

ایکویریم کے پانی میں جگمگاتی روشنیوں کا عکس آبدار کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ وہ عجیب سی لگ رہی تھی۔ ''تم ہو ہر مسئلے، ہر فساد کی وجہ۔ تم نے ہم سب کو برباد کیا ہے۔ وہ تمہاری ماں تھی جس کی وجہ سے میری ماں مری۔ اور جیسے سعدی نے کورٹ میں بتایا۔ کرنل خاور کی زندگی بھی تم لوگوں نے برباد کی۔ باقی سب سے زیادہ تم قصوروار ہو۔ مجرم ہو۔ تم نے وارث غازی کو مارا۔ ڈاکٹر سارہ اور اس کی بیٹیوں کو تباہ کیا۔ تم نے زمر کو تباہ کیا۔ فارس کو تباہ کیا۔ نوشیرواں نے تو سعدی کو زخمی کیا تھا، مگر تم نے اس کو اتنے مہینے قید رکھ کے ذہنی مریض بنا دیا۔ تم نے خاور کو بھی برباد کیا۔ تم نے ہی اس چھوٹی لڑکی کا دل دکھایا ورنہ وہ کورٹ میں یوں نہ بولتی۔ تم نے سعدی کی ماں کا دل دکھایا۔ تم نے میرا دل توڑا۔ تم نے اپنے ہی بھائی کو بگاڑ کے رکھ دیا۔ مجھے کہتے ہو کہ فارس اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ نہیں ہاشم۔ انسانوں کے بس میں حفاظت کرنا نہیں ہوتا، مگر عزت کرنا تو ہوتا ہے۔ وہ اپنی عورتوں کی عزت تو کرواتا ہے نا۔ تم نہیں کروا سکتے۔ تم نے اپنی ماں کو کچہری میں رپورٹرز کے سوالوں کے سامنے تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بیوی کو تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بہن کو جیل میں سڑنے کے لیے چھوڑ دیا۔ پورا شہر جانتا ہے کہ اصل بھیڑیے تم ہو۔ اصل قاتل، اصل گناہگار تم ہو۔ بس کر دو یہ گلٹ کی باتیں۔ مجھے افسوس ہے، مجھے دکھ ہے، بس کر دو یہ سب کہنا۔ تم جھوٹ بولتے ہو کہ تمہیں افسوس ہے اپنے گناہوں کا۔ تمہیں کبھی افسوس نہیں تھا۔ تم جھوٹے ہو۔ عدالت میں جھوٹ بول بول کر اپنے جھوٹ تمہیں سچ لگتے ہیں۔ خود سے بھی سچے نہیں ہو تم۔ تمہیں... کوئی... گلٹ... نہیں ہے ہاشم۔ تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اور تم نے کبھی بھی اپنے خاندان کو بچانے کے لیے، خاندان کی حفاظت کرنے کے لیے نہیں کیا۔ تم نے جو بھی کیا، اپنی طاقت قائم رکھنے کے لیے کیا۔ جاہ کے لیے کیا۔'' وہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

(اور میں نے جو کیا سب چاہ کے لیے کیا۔ جاہ اور چاہ میں فرق ہوتا ہے۔ مگر دونوں کی ہوس انسان کو ہراتی ہے۔ میں ہار گئی ہوں مگر

جیتنے ہاشم کو بھی نہیں دوں گی۔ آج میں اگر کامیاب ہوئی تو فارس کے سارے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔)

''تم بھیڑیے ہو' اور تمہاری ساخت ہی ایسی ہے کہ تم بھیڑ بکریوں کو ہی کھا سکتے ہو' تم معصوموں کا خون پینے' ان کا دل نکالنے' اور ان کا جگر کاٹنے والے بھیڑیے ہو' تم ایک ایسے شیطان ہو جس کو اب وقت آ گیا ہے کہ ختم کر دینا چاہیے....'' چلا چلا کر ہذیانی انداز میں بولتی آبدار ایک دم میز کی طرف لپکی' پیپر نائف اٹھایا اور ہاشم کے سینے میں گھسانا چاہی مگر ہاشم نے چابکدستی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا۔ وہ پورا زور لگا رہی تھی مگر ہاشم نے اسے موڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کو گردن کی پشت سے دبوچا اور اس کا چہرہ ایکویریم میں پوری قوت سے ڈبو دیا۔

(اور اگر میں ناکام ٹھہرتی ہوں تو بھی فارس کے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ پھر کیا ہو جو میں اپنے دل کی مان لوں؟ اس دل کی جو میری مانتا ہی نہیں۔)

نوشیرواں چلا کر بڑھا تھا' مگر رئیس نے فوراً سے اسے دبوچ کر روک دیا۔

''بھائی.... اسے چھوڑو.... وہ مر جائے گی۔'' وہ بدقت رئیس کو ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا جو اسے آگے نہیں بڑھنے دے رہا تھا۔ مگر اس کی مزاحمت شاک کے زیر اثر ہلکی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھیں اس طرف جمی تھیں' جہاں وہ آپی کو گدی سے پکڑے' پانی میں اس کا سر ڈبوئے ہوئے تھا۔

آبدار کے ہاتھ ایکویریم کی دیواروں پہ سختی سے جمے تھے اور وہ سر ادھر ادھر پانی میں ہلانے کی کوشش کر رہی تھی' مگر اس پہ جھکے' اس کو اندر کی طرف دھکیلتے ہاشم کی قوت زیادہ تھی۔ چاقو کب کا نیچے گر چکا تھا۔

(اور میں کبھی نہیں تسلیم کروں گی کہ میں ایک بری لڑکی تھی۔ میں بری نہیں تھی۔ میرا دل برا ہو گیا تھا۔ اور دیکھو.... میں اب بھی اسی آدمی کو سوچ رہی ہوں۔ کیا یہ عشق ہے یا کوئی آسیب؟)

''سب کچھ کیا میں نے تمہارے لیے.... اور تم نے اس کے لیے مجھے دھوکہ دیا....'' وہ سرد' سرخ آنکھوں سے غراتے ہوئے اس کا سر پانی میں ڈبوئے ہوئے تھا۔ نوشیرواں اب پھڑپھڑا نہیں رہا تھا۔ ششدر ساکت کھڑا تھا۔ آپی چلا رہی تھی۔ ہاتھ پیر مار رہی تھی مگر سب بے سود تھا۔

''میں نے تمہاری جان بچائی تھی....'' اس کے ڈوبے سر کے قریب جھک کر' مسلسل نیچے کی طرف زور لگاتے' وہ زور سے چیخا تھا۔ ''تمہاری زندگی پہ سب سے بڑا حق میرا تھا۔ اور تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ تم نے اس کے لیے مجھے دھوکہ دیا۔'' آبدار کی دبی دبی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ پانی میں ادھر ادھر ہلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

(اور میں کوئی پہلی دفعہ مرنے نہیں جا رہی۔ میں آبدار ہوں۔ پانی سے بنی۔ میں ایک دفعہ پانی میں پہلے بھی مر چکی ہوں۔ مگر اس وقت چند سوال ادھورے رہ گئے تھے۔ آج ان کے جواب مل جائیں گے۔ کم از کم اب میں نیوٹرل نہیں رہی۔ میں نے ایک سائیڈ چن لی تھی۔ میرے دل کی سائیڈ۔ کم از کم اب وہ نورانی وجود مجھ سے ناراض نہیں ہوگا.... اور دیکھو میں اپنی ماں کی روح کو یہاں سے بھی دیکھ سکتی ہوں۔ ہاں اب میں اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ رہی ہوں....)

پھر اس کے شیشے کی دیواروں پہ جمے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ جسم کو ہلکے سے جھٹکے آئے۔ مزاحمت کم ہوتی گئی۔ ہاتھ نیچے گر گئے۔ ایکویریم کے پانی میں خون کی بوندیں شامل ہوئیں۔ آپی کا سرخ رومال کھل کر پانی میں بہہ گیا۔ اس کا سر بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

(لیکن میں تمہیں بتاؤں.... انسان کے عشق میں جان دینا صحیح ہوتا ہے یا نہیں.... مگر اس کی اُجرت کسی جہان میں نہیں ملتی۔)

ہاشم نے اسے گریبان سے کھینچ کر باہر نکالا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔ ہونٹ جامنی تھے۔ آنکھیں ساکت تھیں۔ ہاشم نے اس کی گردن

چھوڑ دی۔ وہ پورے قد سے زمین پہ آ گری۔ بے جان... ساکت......

نوشیرواں پلٹا اور باتھ روم کی طرف لپکا۔ دیواروں کا سہارا لیا۔ لیمپ کو تھاما۔ لیمپ نیچے گر گیا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ پکڑتے' ٹٹولتے' وہ ڈگمگاتے قدموں سے سنک کے قریب آیا' اس پہ جھکا تو منہ سے قے نکلنے لگی۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکلنے لگے......

نیم روشن آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ رئیس بالکل ششدر' چپ کھڑا تھا۔ اور ہاشم کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس کی شرٹ اور بازو گیلے ہو چکے تھے۔ پھر وہ میز تک آیا۔ ٹشو باکس سے ٹشو باہر کھینچے۔ چہرے پہ گرتے چھینٹے صاف کیے۔ گردن اور گریبان سے پانی کی بوندیں صاف کیں۔ ٹشو پرے اچھالا۔ تہہ شدہ آستین آگے کو کھولنے لگا۔ کلائی تک لایا۔ کف کے بٹن بند کیے۔ اس کی رنگت سفید تھی' برف جیسی۔ سارے تاثرات جم گئے تھے' گلیشیر ہو گئے تھے۔ سپاٹ' سرد۔ اس نے گردن جھکائے' ٹائی کی گرہ کسی۔ پھر اسٹینڈ سے کوٹ اٹھا کر پہنا۔ نادیدہ شکنیں درست کیں۔ ذرا سا کالر جھاڑا۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ان کو گویا درست کیا۔ موبائل جیب میں ڈالا۔ اب کے مڑا تو آبدار کا بے جان وجود فرش پہ گرا نظر آیا۔

"کیا اس کے گارڈز باہر ہیں؟" اس نے بدلی ہوئی ٹھنڈی ہموار آواز میں پوچھا۔ رئیس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی۔ ان کی کار ان کے ساتھ آئی تھی۔"

"کتنے ہیں؟" وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا اور نہیں بھی لگ رہا تھا۔

"تین۔"

"اور گھر میں کتنے لوگوں نے اسے ہماری کار میں بیٹھتے دیکھا تھا؟"

"چار ملازموں نے۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔"

"ٹوٹل ہوئے سات۔ ان ساتوں کا بندوبست کرو۔ ان کو خرید لو یا خاموش کرا دو۔ آبدار آج رات یہاں نہیں آئی۔ وہ راول لیک گئی تھی۔ اسے موت اور ڈوبنے کی obsession تھی۔ وہ راول لیک میں ڈوب کر خودکشی کر لیتی ہے اور وہ آدمی... تمہارے کوئی سادہ دکھنے والے آدمی.... اس کی لاش ہسپتال لے کر جاتے ہیں۔ سرکاری ہسپتال۔ وہاں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر آفتاب واسطی اس کا پوسٹ مارٹم کرے گا اور لکھے گا کہ موت جھیل میں ڈوبنے سے ہوئی۔ ہارون شہر سے باہر ہے اس کے آنے سے پہلے رپورٹ تیار ہو جانی چاہیے۔ کل دوپہر میں جنازہ ہو جائے گا۔ میرا سیاہ شلوار سوٹ تیار کروا دینا۔ اور اب تم اس سارے میس کو صاف کرو۔" اشارہ فرش پہ گری آبی' پانی' الٹ جھکے فلور لیمپ وغیرہ کی طرف کیا۔ پھر آبدار کے ساتھ سے نکل کر ایکویریم تک رکا۔ اس کی سطح پہ تیرتا سرخ ریشمی رومال اٹھایا' مٹھی میں بھینچ کر نچوڑا' اور اسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ قدم قدم چلتا دروازے تک آیا تو نوشیرواں باتھ روم سے نکلتا دکھائی دیا۔ اس کا گیلا چہرہ یرقان کے مریض جیسا دکھتا تھا' اور آنکھوں میں بہت سا غم تھا۔ "اس کی جان کیوں لی؟" وہ باؤلا سا چیخا تھا۔ ہاشم نے کندھے اچکائے۔

"کیونکہ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے افسوس نہیں ہے۔ دس دفعہ موقع ملے' میں دس دفعہ یہی کروں گا!" وہ جان چکا تھا' سو سرسری سے انداز میں اطلاع دی اور باہر نکل گیا۔ لفٹ کی طرف جاتے اس کے قدموں میں ذرا سی لرزش تھی' اور چہرہ مردوں کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں بے جان تھیں۔

قصر کاردار کے لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ سونی کے کمرے کے باہر رکا' اور دروازہ کھولا۔ وہ اندر لحاف میں دبکی سوتی دکھائی دے رہی تھی۔

"تم اور میں۔ ہم اکیلے ہیں سونیا۔ مجھے سب نے دھوکہ دیا ہے۔ ممی' شیری' سعدی' آپی۔ سب نے مجھے میری محبت کی سزا دی ہے۔

انہوں نے مجھے بھیڑیا بنا دیا ہے۔ اور اب میں ان کو دکھاؤں گا کہ بھیڑیا کیا ہوتا ہے۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے' مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے خود کو دریافت کر لیا ہے۔ میں نے سارے رشتے کھو دیے ہیں' سوائے تمہارے سونی۔ مگر اب مزید میں ان کو جیتنے نہیں دوں گا۔ یہ مجھے جتنا ہرا سکتے تھے' انہوں نے ہرا لیا۔" سونی کو دیکھتے ہوئے وہ زیرلب بڑبڑا رہا تھا۔

"But I am not going down without a fight"

اس نے ایک عزم سے دروازہ بند کیا' اور اپنے کمرے میں آیا۔ کوٹ اتارا اور وہ گیلا مربع رومال بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ پھیلا دیا۔ پھر میڈیسن کیبنٹ کھولی۔ نیند کی گولیوں کی ڈبی نکالی' چند گولیاں پھانکیں' اور بغیر پانی کے نگل گیا۔ اب وہ بیڈ پہ بیٹھا جھک کر جوتے اتار رہا تھا۔ اس کے لب ایک ہی فقرہ بڑبڑا رہے تھے۔

"I am not going down without a fight"

باب29:

شہ مات

"میں تمہیں ایک پتے کی بات بتاتی ہوں لڑکی!"

ملکہ نے بہت تفاخر سے کہا تھا۔

"اور وہ یہ ہے کہ....

ہر فیری ٹیل کا

خوشگوار انجام

نہیں ہوتا۔"

وہ چند قدم چل کر قریب آئی

اور ملکہ کے کان میں بولی۔

"آپ نے درست فرمایا تھا ملکہ عالیہ!

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ

ہر فیری ٹیل کا

خوشگوار انجام ہو

لیکن ایک بات طے ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ....

ہر فیری ٹیل میں....

ہر ظالم ملکہ....

اپنے برے انجام کو

ضرور پہنچتی ہے۔"

(شونڈا ازاکسٹر)

صبح کی نیلی روشنی سارے میں پھیل رہی تھی۔ اس پرتعیش ڈائننگ روم کی کھڑکیوں سے نیلا بہت سے ڈھکا ادن نظر آتا تھا جس میں پرندوں کے بولنے کی آوازیں کسی مدھر نغمے کی مانند گونج رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں وہی تینوں ملازم احمر اور سعدی کو ناشتہ کرا کر ان کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اور اب وہ دونوں وہاں تنہا تھے۔

احمر کا لباس داغدار اور میلا کچیلا لگ رہا تھا۔ آستین چڑھائے 'بکھرے بال' تین راتوں سے جاگتے رہنے اور تشدد سہنے کے آثار چہرے پہ شدید تھکن اور اضطراب کی صورت نمایاں تھے۔ سعدی بھی تھکا ہوا تھا' مگر احمر کی نسبت کافی بہتر تھا اور چوکنا سا بیٹھا ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

"سو پلان کیا ہے؟" تھکے تھکے بے زار سے احمر نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"پلان ہے تو آیا ہوں نا' ورنہ اتنا اچھا نہیں ہوں کہ کسی کے لیے یوں خطرے میں کود پڑوں۔"

بار بار کے ایک ہی سوال سے وہ بھی اکتا گیا۔ احمر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے شدید پریشانی ہو رہی تھی۔ سر الگ پھٹ رہا تھا۔

جب کھٹ پہ آہٹ ہوئی تو دونوں چونکے۔ پھر بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

صاحبزادی صاحبہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ قیمتی چادر سلیقے سے سر پہ اوڑھے' ایسے کہ بالوں کا ہیئر اسٹائل' کانوں کے بندے اور گردن کا زیور صاف نظر آ رہا تھا' (آخر یہ سیاسی عورتیں دوپٹہ کرتی ہی کیوں ہیں اگر کچھ بھی ڈھکنا نہیں ہوتا؟) وہ شاہانہ سے انداز میں مقابل بڑے صوفے پہ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اور تمکنت سے ساتھ کھڑے ملازم کو اشارہ کیا جس نے ڈسیاہ بیگ میز پہ رکھ دیا اور پھر باہر نکل گیا۔

"یہ زیورات نے کر میں تمہیں چھوڑ دوں گی' کیا یہی سمجھا تھا تم نے؟" سرمئی آنکھوں میں چبھن لیے احمر کو دیکھا تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ شرمندگی سے نہیں' شاید مصلحت سے۔ صاحبزادی صاحبہ نے نظروں کا رخ سعدی کی طرف پھیرا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ سادگی تھی' البتہ آنکھوں میں چمک بھی تھی۔

"آپ یہ زیورات رکھ سکتی ہیں' لیکن ہم دونوں کو آپ کو چھوڑنا ہی ہوگا۔"

"ہوں!" اس نے غور سے سعدی کو سر سے پیر تک دیکھا۔ "تم نے اپنی ای میل میں لکھا تھا کہ تم احمر کے قلب میں جا رہے ہو جہاں بے آدمی نادانستگی میں تمہیں یرغمال بنا لیں گے اور چونکہ تم مشہور ہو چکے ہو تو مجھے تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ بلکہ تمہاری آفرسنی چاہیے۔ سو بولو' تمہیں کیا کہنا چاہیے؟"

"احمر کو جانے دیں۔ حفاظت اور امن سے اور دوبارہ اس کا کبھی پیچھا نہ کریں۔" وہ سنجیدگی سے شرائط سامنے رکھ رہا تھا۔ احمر نے پوری گردن گھما کر سعدی کو دیکھا۔ پلان کیا تھا آخر؟

وہ دھیرے سے ہنس دی۔ "اس کو جانے دوں؟ جس نے میرے خلاف میڈیا مہم چلائی۔ مجھے میرے خاندان نے شہر بدر کر دیا۔ میرا کیریئر ختم ہونے پہ آ گیا۔ اور تم کہتے ہو کہ میں اس کو جانے دوں؟"

"سیاست کوئی ہفتہ وار کھیل نہیں ہوتا کہ کسی اسکینڈل' کسی کیس سے کوئی تباہ ہو جائے۔ آپ کا کھیل جاری رہے گا۔ اور اس نے جو بھی کیا' وہ اپنی مالکن کے کہنے پہ کیا۔ آپ اس کی مالکن سے حساب کیوں نہیں لیتیں؟ اگر میں آپ کو اس کی مالکن کا پتہ لا کر دوں تو؟"

"یہ زیور۔ یہ وہی مشہور زمانہ زیورات ہیں نا جو ہارون عبید کی بیوی کے تھے اور غائب ہو گئے تھے؟ یہ اب جواہرات کو چاہیے ہیں؟ ان زیورات کے بدلے میں تمہارے دوست کو کیوں چھوڑوں گی جبکہ میں ان کو حاصل کر چکی ہوں۔" اس نے تفاخر سے کندھے اچکائے تھے۔ احمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ (گھامڑ یک بھی دے پلان کیا ہے؟)

"میں نے کہا نا' زیورات آپ رکھ سکتی ہیں' میں ان کی بات نہیں کر رہا۔" وہ احمر کی گھبراہٹ کو نظر انداز کر رہا تھا۔

"پھر؟"

"مسز کاردار آج کل ہاشم کے زیر عتاب ہیں اور ہاشم ان سے متنفر ہے۔ وہ اس کا دل دوبارہ جیتنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

احمر نے پھر مضطرب سے ہو کر سعدی کو دیکھا۔ (یہ سب تو تجھے رات کو میں نے بتایا ہے بے غیرت۔ اپنا کیا لایا ہے تو؟) مگر وہ کہہ رہا تھا۔ ”وہ اس وقت ہاشم سے ذرا سا بھی بگاڑ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ مال ہے نہ اولاد۔ وہ بالکل بے بس ہیں تو آپ ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیں۔“

صاحبزادی صاحبہ کی بھنویں دلچسپی سے اکٹھی ہوئیں۔ ”اور وہ کیسے؟“

”آپ کوئی پیشہ ور مجرم ہیں نہیں۔ یہ اپنے ڈرائیور اور مالی ٹائپ لوگوں سے آپ نہ لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں نہ اغوا اور قتل۔ آپ ایک معذرت کے ساتھ ٹپیکل خاتون ہیں تو عورتوں والی لڑائی لڑیں نا جو زبان سے لڑی جاتی ہے۔ طعنوں، طنز اور چیخ و پکار کر کے۔“

”تم کچھ جانتے ہو جواہرات کے بارے میں؟“ وہ ذرا آگے کو ہوئی۔

”میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے کچھ ایسا کیا ہے جو اس کے بیٹوں کو نہیں معلوم اور اگر پتہ چل گیا تو وہ ان دونوں کو کھو دے گی۔“

احمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھی مزید دلچسپی سے آگے ہوئی۔

”ہوں۔ ایسا کیا ہے؟“

”آپ کے قبیلے کے لوگ اپنے وعدے سے نہیں پھرتے۔ پہلے ہم سے وعدہ کریں کہ اگر میں وہ بتا دوں تو آپ ہمیں جانے دیں گی۔“ پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ”زندہ سلامت۔“

”اگر وہ معلومات کسی لائق ہوئی تو ضرور۔ میرا وعدہ ہے۔“

”صاحبزادی صاحبہ۔“ سعدی ہلکا سا مسکرایا۔ ”ہر معلومات کی اچھی بھلی قیمت ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے وعدے سے پھریں تو میں نے غازی کو بھی میل کر دی تھی، وہ ہم دونوں کو ویسے بھی نکلوا لے گا یہاں سے۔ مگر میں اس تسلی کے ساتھ جانا چاہتا ہوں کہ آپ احمر کو کچھ نہیں کہیں گی دوبارہ۔“

”چلو۔ وعدہ کیا۔ اب بتاؤ۔“

کمرے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ احمر کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا سعدی کیا کہنے جا رہا ہے۔

”جواہرات کاردار نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ ہاشم اور زوشیرواں کے باپ اور نگزیب کاردار کا۔“

لمحے بھر کو کمرے میں ہوا کے ساتھ سانسیں بھی ساکن ہو گئیں۔

”اور اس کے بیٹے نہیں جانتے؟“ وہ سانس روکے بولی۔

”نہیں!“ وہ دونوں ایک ساتھ بولے اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دوسرا کیسے جانتا تھا؟ دونوں نے سوچا۔ صاحبزادی صاحبہ کی آنکھوں میں ایسی چمک ابھری جو میز پر رکھے زیورات سے زیادہ آنکھیں چندھیا دینے والی تھی۔

”طور خان.....“ اس نے جذبات سے مخمور آواز میں زور سے آواز لگائی۔ ملازم بھاگتا ہوا آیا۔

”ناشتہ تیار کرواؤ اور پھر گاڑی لگواؤ۔ ہمارے مہمان ناشتے کے بعد واپس چلے جائیں گے، تب تک میں ان سے کچھ بات کر لوں۔“ خوشگوار موڈ میں اس کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً مؤدب سا پلٹ گیا۔ اب وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

”کیا ثبوت ہے اس کا؟“

”ثابت تو نہیں کرنا آپ نے عدالت میں۔ صرف اس کے بیٹوں کو بتانا ہے۔ آگے جواہرات کا چہرہ بتا دے گا کہ وہی قاتل ہے۔“ سعدی نے اطمینان سے کہا تو احمر نے جلدی سے اضافہ کیا۔ ”مگر ہم آپ کو وہ واقعات بتا سکتے ہیں جو ان قتل کے آس پاس یا اس کی وجہ سے

ہوئے" آپ ان کا ذکر کر دیں گی ہاشم کے سامنے وہ مان جائے گا۔"

"گڈ۔" وہ مسکرا کے پیچھے ہوئی۔ "میں سن رہی ہوں۔ تم بولتے جاؤ۔"

ڈیڑھ گھنٹے بعد جب صبح پوری طرح روشن اور چمکدار ہو چکی تھی' وہ دونوں احمر کی فلیٹ بلڈنگ کے سامنے کھڑے تھے اور جو کار ان کو عزت و اکرام سے ادھر چھوڑ کے آئی تھی' وہ اب نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ احمر اس کی طرف گھوما اور ایک دم غصے سے اسے دیکھا۔

"اب جواہرات سے کیسے بچیں گے ہم؟ ان کا اتنا بڑا راز کھول دیا ہے تم نے۔ میں کبھی بھی ان کو ایسا دغا نہ دیتا اگر تم نہ بات شروع کرتے۔"

"اوہ بالکل' تم ان کو لوٹ سکتے ہو' ان کا مال لے کر بھاگ سکتے ہو' مگر ان کو دغا نہیں دے سکتے۔ ٹھیک ٹھیک۔"

"بک بک نہ کرو۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور جیسے اضطراب کم کرنا چاہا۔ "اب میں جواہرات کا کیا کروں گا؟"

"جیسے کہ میں جانتا ہی نہیں کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ ویسے ایسے موقعوں پہ جان بچانے والے کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔" سعدی نے قدرے خفگی سے یاد دلایا۔ احمر کے ستے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ آئی۔ "شکریہ۔ اب کیا کچھ کھلاؤں تمہیں؟ صبح والا ناشتہ؟ نہ کہ وہ خوف والے ماحول جیسا ناشتہ۔" "جھر جھری لیتے اس نے جیب پہ ہاتھ رکھا۔

"جو والٹ انہوں نے تمہارا واپس کیا تھا احمر' وہ تمہاری اس پاکٹ میں نہیں ہے' بلکہ دوسری میں ہے۔"

احمر کا ہاتھ رک گیا' مگر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "تم بدل گئے ہو' بڑا ہو گئے!"

"I learned from the best!"

وہ بھی سادگی سے مسکرایا تھا۔ دونوں اس خوشگوار صبح میں کھلے آسمان تلے عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔

"پھر تم یہاں سے بھاگ رہے ہو یا نہیں؟" سعدی نے پوچھ ہی لیا تھا۔ وہ جوتے سے زمین کو مسلتا سر جھکا کے بولا۔

"There are three ways for a person to disappear. The first is to die. The second is to lie. And the last is to be reborn."

اور پھر ٹھہر کے بولا۔ "ولیم شیکسپیئر۔" سعدی نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں سمجھ گیا۔ اپنا خیال رکھنا۔ اب میں چلتا ہوں۔" احمر نے اس کا شانہ جوابا" تھپتھپایا اور مسکرا کے بولا۔ "تم بھی شادی کر لینا۔"

وہ الوداعی ملاقات کسی بھی جذباتی سین کے بغیر ختم ہوئی اور وہ دونوں محض گلے ملے' پھر ہاتھ ملایا' اور سعدی پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔ اپنی کار میں آکر بیٹھا تو دیکھا' موبائل زوں زوں کر رہا تھا۔

"امی' میں آرہا ہوں گھر اور نہیں' میں نے کورٹ میرج نہیں کر لی' آپ بے فکر رہیں۔" کار اسٹارٹ کرتے ہوئے خوشگوار سے انداز میں بولا تھا' مگر دوسری طرف کے الفاظ سن کر وہ ھک سے رہ گیا۔ "زمر؟ کیا ہوا زمر کو؟ کس ہاسپٹل میں؟"

..........❖ ❖ ❖..........

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ نہیں ہوتی ...... وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

ہسپتال کا وہ کمرہ خاموش سرد سا لگتا تھا۔ میز پہ رکھے تازہ پھولوں کی خوشبو نے کمرا سے معطر کر رکھا تھا۔ یہ پھول حنین لائی تھی' اور خود جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا اس وقت کوئی نہیں تھا۔ وہ یوں چت لیٹی تھی کہ سرہانے سے بیڈ اٹھا ہوا تھا' سو تکیوں پہ رکھا سر اونچا دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ پہلو میں رکھے تھے اور ان پہ نالیاں لگی تھیں۔ چند ایک خراشیں' گلا خراب' بخار' شاک۔ اس سے زیادہ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ دیکھنے میں ذرا زرد مگر پرسکون نظر آرہی تھی۔

بیڈ پہ اس کے قریب بیٹھا اسے دیکھتا فارس' تھکا تھکا سا چہرہ لیے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھامے فکرمندی سے اسے دیکھ رہا

تھا۔ "زمر!" پھر نرمی سے پکارا۔ زمر نے نظریں پھولوں سے ہٹا کر اس کی طرف موڑیں۔ ملائمت سے مسکرائی۔ بولی کچھ نہیں۔

"شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔" جانے کس دل سے اس نے کہا اور وہ بھی کس دل سے مسکرائی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ رات والے لباس میں تھا۔ آستینیں اسی طرح چڑھا رکھی تھیں۔ چہرے پہ تھکن سے زیادہ فکر تھی۔

"ہوں!" اس نے لیٹے لیٹے سر کو ذرا سی جنبش دی۔

"میں بہت ڈر گیا تھا۔ مجھے لگا میں تمہیں کھو دوں گا۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ برقرار رہی۔

"تم بھی ڈر گئی تھیں؟"

"ہوں!" اس نے پھر سے سر کو خم دیا۔

"اب ذہنی طور پہ کیسا محسوس کر رہی ہو؟" فارس نے بات کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

"ہوں!" اس نے ساتھ ہی ذرا سے شانے اچکائے۔ "گویا 'ٹھیک ہوں' کہہ رہی ہو۔ فارس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"تمہاری آواز تو ٹھیک ہے نا؟ کیا گلا بیٹھ گیا ہے؟ تمہیں بہت چلانا پڑا ہوگا' ہے نا۔"

"اونہہ!" اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ جانے وہ تین میں سے کس بات کا جواب تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے فضا میں خاموشی پھولوں کی مہک سے لپٹی' ساکن کھڑی رہی۔ وہ بار بار لب کھولتا' پھر ٹھہر جاتا۔ وہ ایسا کیا کہے کہ آگے سے وہ کچھ بولے؟ کوئی بات کرے؟

"کچھ بولو۔ کچھ کہو۔"

وہ اسی طرح خاموش رہی۔ اسے زمر کو شاک سے نکالنا تھا۔ کچھ تو اسے خود کہنا پڑے گا۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا۔ بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھا مگر نہیں بتا سکا۔ کل رات مجھے پہلے سے زیادہ یہ بات محسوس ہونے لگی تھی۔" وہ اب کے نظریں جھکا کر بولا تھا۔ تکیے پہ سر رکھے لیٹی زمر اسی سادگی سے اسے دیکھے گئی۔

"مسز کاردار نے صرف تمہاری کنڈنی رپورٹ میں رد و بدل نہیں کیا تھا۔ وہ تمہاری منگنی تڑوا کر تمہیں کولیٹرل ڈیمج بنانا چاہتی تھیں' تاکہ تم میرے خلاف گواہی دو۔ اس لیے انہوں نے......" اس نے سر جھٹکا۔ "وہ سب ایک جھوٹ تھا۔ کہ تم ماں نہیں بن سکو گی۔ کہ تمہاری کبھی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ تمہاری فیملی ہوگی زمر! تمہاری...... ہماری فیملی ہو سکتی ہے زمر!" وہ اب بھی نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ "مجھے یہ بات تب معلوم ہوئی جب ہم نے زندگی ابھی شروع کی تھی۔ اسی لیے میں نے تمہارے ڈاکٹر کو بیچا تھا۔ اور میں شاید تمہیں بتا بھی دیتا مگر اسی رات سعدی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ مجھے لگا ابھی اپنے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔ پھر بعد میں' میں نے کافی عرصہ تمہیں یہ سب نہیں بتایا' کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم ایک خاندان بنانے کی آرزو میں اپنی صحت داؤ پہ لگا دو۔ یہ ممکن ہے مگر مشکل ہے اور میں تمہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ آئی ایم سوری' مجھے یہ سب نہیں چھپانا چاہیے تھا مگر میں نے وہی کیا جو مجھے تمہارے لیے بہتر لگا۔" اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ اسے اسی طرح دیکھ رہی تھی۔ نرمی' اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے۔ اسے شک سا گزرا۔

"تم جانتی تھیں؟"

"اونہوں۔" اس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ نہیں جانتی تھی مگر جان کر بھی کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ فارس نے گہری سانس لی۔

"تمہیں برا لگا میرا تم سے چھپانا؟"

اس نے پھر نفی میں گردن کو جنبش دی۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کچھ تو بولو زمر۔ کبھی تو بات کرو۔ کل رات کی کوئی بات کرو' کچھ کہو۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے لب کھولے۔ "قانونِ شہادت میں وہ کون سا آرٹیکل ہے جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا؟" اس کی آواز صاف تھی۔

فارس بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔ اچنبھے اور پریشانی سے۔ "کیا؟"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایسا آرٹیکل موجود ہے جس کے تحت میاں بیوی ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے پابند نہیں ہوتے؟"

فارس نے تحیر سے نفی میں سر ہلایا۔ تو زمر نے مسکرا کے اثبات میں گردن ہلائی۔

"دیکھا! میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"تم..... میرا خیال ہے تم آرام کرو۔ میں ابا اور حنین کو دیکھتا ہوں۔" وہ الجھا ہوا سا اس کا ہاتھ چھوڑ کے کھڑا ہو گیا۔ زمر نے اطمینان سے آنکھیں بند کرلیں۔

"وہ ذہنی طور پہ ٹھیک نہیں ہے۔" باہر آکر وہ حنہ کے ساتھ آرکا اور دھیرے سے بولا۔ "مجھ سے قانونِ شہادت کے آرٹیکلز کا پوچھ رہی ہے۔ استغفر اللہ۔"

"ہیں!" حنہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ پھر اسے افسوس ہوا... اس ساری ٹریجڈی میں قانونِ شہادت کو لانے کا کیا مطلب تھا؟ یقیناً وہ ذہنی طور پہ شدید ہل کر رہ گئی تھی۔

"تم لوگ اس سے اب ایسی کوئی بات نہ کرو۔" ندرت ان دونوں کو ڈپٹتیں اندر بڑھ گئیں اور اسی پل دوسری جانب سے سعدی آتا دکھائی دیا۔ فارس اور حنین جو سرگوشی میں بات کر رہے تھے' اس کو دیکھ کر اسی جانب گھوم گئے۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"زمر ٹھیک ہیں نا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے' تم کیسے ہو؟ اور یہ کیا ای میل کی ہے تم نے مجھے؟" وہ برہمی سے بولا۔

"احمر مشکل میں تھا' ساری تفصیل بتاتا ہوں' پہلے میں زمر سے مل لوں۔" پریشانی سے کہتا وہ دور جاتی ندرت کے پیچھے لپکا۔ فارس آنکھیں مشکوک انداز میں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس تلخ اور اندھیری رات کا اختتام ہو چکا تھا اور یہ صبح کافی امید افزا لگتی تھی۔

............❖❖❖............

جلا ہے جسم جہاں' دل بھی جل گیا ہوگا ..... کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

قصرِ کاردار پہ عجیب سی مردنی چھائی تھی۔ صبح طلوع ہو چکی تھی اور ملازم نئے سرے سے اس محل کو سجانے سنوارنے میں لگ گئے تھے۔ مگر کوئی عجیب ویرانی اور ہولناکی سی در و دیوار سے ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں جواہرات شب خوابی کے لباس میں ملبوس لاؤنج کی کرسی پہ تمکنت سے بیٹھی' اخبار سامنے پھیلائے ہوئے مطالعے میں منہمک تھی۔ تبھی دروازہ زور سے کھلا تو اس نے عینک کے پیچھے سے نگاہیں اٹھا کے دیکھا۔

دروازہ واپس دے مار کے شیر دانند ر آیا تھا۔ چال میں عجیب سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ رات کا ملگجا لباس' اور سرخ آنکھیں' بکھرے بال۔ جواہرات نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"تم ساری رات سے کدھر تھے؟ اور کیا منہ دھونے کا وقت بھی نہیں ملا تھا؟"

وہ جو چلتا جا رہا تھا آواز پہ رکا اور سرخ آنکھیں گھما کر تنفر سے اسے دیکھا۔
"کیا آپ کے بڑے بیٹے نے بتایا نہیں کہ اس نے کیا کیا ہے؟" جواہرات نے چونک کر اخبار نیچے کیا۔ "ہاشم؟ کیا ہوا؟ وہ ٹھیک تو ہے؟"
"بھائی نے...... ممی...... زمر کو ہوٹل کی لفٹ میں بند کر دیا...... تاکہ...... تاکہ وہ مر جائے۔" وہ درد سے تنفر سے غصے سے دبی دبی آواز میں غرایا تو وہ سکتے میں آ گئی۔ "مگر وہ نہیں مری۔ فارس نے اسے بچا لیا تو پتہ ہے بھائی نے کیا کیا؟ آبی کو...... آبدار کو مار دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کو میرے سامنے مار دیا۔ آبدار مر گئی ممی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کے چہرے پہ لڑھک گئے۔ جواہرات سن سی بیٹھی رہ گئی۔
"آبدار...... مر گئی؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا۔
وہ اب دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھتا اوپر جا رہا تھا۔ مگر ملکہ ابھی تک برف بنی بیٹھی تھی۔

.... ❖❖❖ ....

ابھی بادباں کو تہہ رکھو ابھی مضطرب ہے رخ ہوا ...... کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا...!!
مور چال میں شام اتری تو گھر کی رونقیں پھر سے جاگ اٹھیں۔ زمر ڈسچارج ہو کر آ گئی تھی اور اپنے کمرے میں صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ بیڈ پہ لیٹے رہنا اسے گوارا نہیں تھا۔ بال آدھے بندھے تھے اور ناک سرخ لگتی تھی۔ پانی میں پڑے رہنے کے باعث اسے بخار اور فلو ہو گیا تھا۔ سو ہاتھ میں ٹشو بھی پکڑ رکھا تھا۔ البتہ چہرے پہ بس مسکراہٹ تھی۔ بالکل ساتھ بڑے ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی اور وہ فکرمندی سے اس کی طرف جھکے اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھ رہے تھے۔ اور وہ ہلکی سی آواز میں جواب دے رہی تھی۔ کسی نے کسی سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ سوائے ملازموں کے سب ہی جان گئے تھے کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا۔
"آخر یہ ہاشم کب ہماری جان چھوڑے گا؟" ابا نے نم آواز میں اس سے پوچھا تھا۔ "یہ سب کب ختم ہوگا؟"
زمر نے گہری سانس لے کر ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "پتہ نہیں۔"
"زمر!" حنہ دروازے سے اندر آئی۔ زمر نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ قدرے جھجک کر داخل ہو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں ایک سی ڈی پکڑ رکھی تھی۔ پریشان، مرجھائی ہوئی لگتی تھی۔ "صرف ہاشم نہیں، اور بھی لوگ شامل تھے اس میں۔ مثلاً وہ شہرین۔" اس کی آواز بے بسی سے ذرا کانپی۔ "اس کا بھی کچھ کرنا ہوگا۔"
"چھوڑو حنین۔" زمر نے سر جھٹکا مگر اس نے وہ سی ڈی اس کی طرف بڑھائی۔
"یہ شہری کی ویڈیو ہے، جواھر نے دی تھی بہت پہلے۔" بڑے ابا کی موجودگی کے باعث اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (کارڈ گیم، کلب والی ویڈیو!) "آپ اس کو شہری کے خلاف......"
زمر نے سی ڈی اس کے ہاتھ سے لی اور کھٹ کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ حنین کچھ بول نہیں سکی۔
"انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا حنہ۔ چھوڑ دو۔ جانے دو۔" اس نے دونوں ٹکڑے بے نیازی سے میز پہ ڈال دیے۔ حنہ نے سر جھکا دیا۔ چند لمحے تینوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر حنہ نے آنکھیں اٹھائیں۔ "آپ کچھ بات تو کریں۔" گویا شکایت کی۔
زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ "تمہاری آنکھیں اب کیسی ہیں؟"
"میری...... آنکھیں؟"
"ہوں...... آپریٹ ہوئی تھیں نا۔ لیزر سرجری۔ عینک اتارنے کو۔ اب نظر ٹھیک آتا ہے؟"

"جج.....جی۔" ایک عجیب حیران سی نظر اس پہ ڈالی اور "میں آتی ہوں" کہہ کر باہر نکل گئی۔

کچن کے کھلے دروازے سے دیکھا تو فارس اور سعدی کھڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی۔

"زمر کو واقعی کچھ ہو گیا ہے۔ عجیب باتیں کرنے لگی ہیں۔" وہ فکر مندی سے بولی تھی مگر وہ دونوں متوجہ نہیں تھے۔ ندرت نے ان کے تاثرات دیکھے۔

"آپ لوگ زمر کی فکر کریں' نا کہ مسز جواہرات کی۔ مار دیا انہوں نے اپنے شوہر کو اب قصہ ختم کریں ان کا۔" صبح سے وہ ساری کتھا سن کر وہ بے زار آ گئی تھی۔

"ہم اس بات کو زیادہ اچھے طریقے سے استعمال کر سکتے تھے۔" کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا فارس افسوس سے بولا تھا۔ ساتھ ہی بار بار نفی میں سر ہلاتا پھر سعدی کو گھورتا۔ "اگر تم مجھے وقت پہ بتا دیتے....."

"جیسے آپ تو کبھی کچھ چھپاتے ہی نہیں ہیں۔"

"زیادہ بک بک مت کرو۔" ان کے اپنے مسئلے تھے۔

اندر کمرے میں ابا زمر سے سوال کر رہے تھے۔ "تم اتنی چپ چاپ کیوں ہو؟"

"کیونکہ میں ہمیشہ بولتی ہی رہتی ہوں' ابا۔" وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔ "آوازیں ہوا کی لہروں پہ اوپر اٹھتی ہیں' دائیں بائیں بکھرتی ہیں۔ پانی میں دب جاتی ہیں۔ اتنا سارا پانی دیکھا ہے میں نے کہ میں اب بولنا' لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتی۔" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "میں سکون' صلح صفائی سے رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ہر بات کے سو جواب نہیں دینے' مجھے بحث نہیں کرنی۔ بہت گزار لی زندگی لڑتے جھگڑتے بحث کرتے۔ اب میں تھک گئی ہوں۔ میں سکون چاہتی ہوں۔"

"ماموں..... بھائی.....زمر....." اسامہ کی لاؤنج سے چلاتی ہوئی آواز پہ وہ چونکی' دل زور کا دھڑکا' پھر ایک دم اٹھ کر باہر کو دوڑی۔ اٹھو کہیں نیچے گر گیا۔

لاؤنج میں سب بھاگم بھاگ جمع ہوئے تھے۔ اسامہ دیوار پہ نصب ٹی وی اسکرین کے سامنے کھڑا تھا جہاں خبر چل رہی تھی' نیوز کاسٹر بول رہی تھی' تصویریں چمک رہی تھیں' مگر اسامہ سکتے سے صرف ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

"آبدار عبید..... ڈوب کر..... مر گئی....." لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور بمشکل صوفے پہ بیٹھتی چلی گئی۔ حنین نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ سعدی نے پریشانی سے کچھ بڑبڑاتے جلدی سے موبائل نکالا تھا اور فارس.....وہ..... خالی خالی نظروں سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈوب کر مری تھی۔ وہ پانی میں مری تھی۔ وہ آبدار تھی۔ پانی سے بنی.....کانچ سے بنی..... وہ اسکرین کو دیکھ رہا تھا اور اس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔

❖❖❖

قبریں ہی بتا سکتی ہیں..... اس شہر جبر میں ..... مر کر دفن ہوئے ہیں.....کہ زندہ گڑھے ہیں لوگ

دو دن بعد:۔

ہارون عبید کی رہائش گاہ کے سبزہ زار پہ گزشتہ دو روز سے عجیب سناٹا چھایا تھا۔ سارے پرندے سہم کر اڑ گئے تھے۔ مور اپنے پنجروں میں دبک کر بیٹھے تھے۔ جانور ساری ساری رات عجیب سی آوازیں نکالتے تھے' اور ایک سفید ایرانی بلی تھی جو درد سے چلاتی سارے میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔ ہر شے پہ جھپٹتی' ہر کونا سونگھتی' مگر قرار کہیں نہیں تھا۔ اس وقت بھی وہ سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر بھاگتی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ راہداری عبور کی اور اسٹڈی کے ادھ کھلے دروازے کے سامنے جا رکی۔ درد سے عجیب آوازیں نکالتی وہ وہیں ڈورمیٹ پہ بیٹھ گئی اور سر اپنے

کھال میں دے دیا۔

اسٹڈی میں نیم اندھیرا تھا۔ ہارون آرام دہ کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دو انگلیوں میں سگار دبا تھا جس سے دھوئیں کے مرغولے اڑ اڑ کر فضا میں گم ہو رہے تھے۔ سارے میں سفید دھواں سا بھرا محسوس ہوتا تھا اور نکوٹین کی بو۔ ان کا لباس بے داغ، کلف لگا، نفیس سا تھا، بال شیو سب بنے تھے۔ بس چہرے پہ گہری ویرانی تھی۔ آنکھوں میں خالی پن تھا۔ ایسا درد دل کو کاٹتا تھا جو نہ کبھی پہلے محسوس ہوا تھا نہ کبھی محسوس کرنا چاہا تھا۔ میز پہ ایک فوٹو فریم رکھا تھا جس میں سرخ رومال سر پہ باندھے مسکراتی ہوئی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ ہارون کی ویران نظریں اس شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔

ساتھ رکھا موبائل زوں زوں کرنے لگا تو وہ گہری سانس لے کر سیدھے ہوئے۔ سگار ایش ٹرے میں ڈالا اور کھنکھار کے خود کو کمپوز کیا، پھر فون کان سے لگایا۔

"تمہاری بیٹی کا مجھے بہت افسوس ہے۔" جواہرات کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ "جنازے میں سرسری ملاقات ہوئی تم سے۔ تفصیل سے بات ہی نہیں ہو پائی۔ سوچا چوٹ ذرا ٹھنڈی پڑ جائے تو کال کروں گی۔"

"سن رہا ہوں، بولو۔" ان کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"ظاہر ہے، میں نے ہی بولنا ہے کیونکہ تم ہر لحاظ سے سننے کی پوزیشن میں ہو۔"

"میں جانتا ہوں یہ سب تمہارے بیٹے نے کیا ہے۔" ان کی آواز کانپی۔

"کیوں خود کو تھکا رہے ہو یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی؟ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم اسے استعمال کرنا چاہتے تھے، اس کے گارڈز میں اضافہ بھی اس لئے کیا تھا کہ کوئی اس کو تمہاری کمزوری سمجھ کر تمہارے خلاف استعمال نہ کر سکے۔ تم اس کے ذریعے ہماری دولت اور طاقت میں شراکت چاہتے تھے، اور یوسفز کے ذریعے ہمیں تباہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ دونوں کام تم خود کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اس لئے....." وہ رکی۔ سانس لی۔ "اب تمہارا غم ہلکا ہو ہی گیا ہو گا تو میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی چلوں۔ میں اور ہاشم تمہیں تمہارے منہ مانگے شیئرز اور کمپنی assets دینے کے لئے تیار ہیں۔"

وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ بولے کچھ نہیں۔ آنکھیں مزید سرخ پڑ رہی تھیں۔

"تم ایک سیاستدان ہو ہارون، اور سیاستدانوں کی طاقت کے لئے ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تم ہم سے بگاڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکو گے۔ اور ہمارے وہ دوست جن کے پیسے کو وزیرستان سے آگے جانے کے لئے ہماری مدد چاہیے ہوتی ہے، ان کو بھی اچھا نہیں لگے گا اگر تم اور ہم آپس میں بگاڑ لیں۔ تو یوں کرو، ہمارے گھر آ جاؤ۔ آج ہی ہم ڈیل کر لیتے ہیں۔"

"مجھے ہر چیز کاغذات پہ چاہیے، بلکہ اینڈ واٹنگ میں۔ اور زرنگار کے زیورات بھی۔" وہ سرد مہری سے بولے تھے۔

"وہ بھی مل جائیں گے، مگر شیئرز اور دوسرے اثاثہ جات کی بات پہلے ہو گی۔ میں لنچ پہ انتظار کر رہی ہوں۔" خوشگوار سے انداز میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو ہارون نے موبائل بے زاری سے میز پہ ڈال دیا اور آنکھیں میچ لیں۔

قصر کاردار میں واپس آؤ تو ہاشم کے کمرے کے پردے بند تھے، اور وہ رف سی جینز ٹی شرٹ میں ملبوس صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ دوپہر کے باوجود اندھیرا لگتا تھا، مگر ہاشم کا ویران چہرہ، بڑھی شیو، بکھرے بال، سب نجیل لیمپس کی زرد روشنی میں نظر آ رہا تھا۔

کھڑکی کے قریب کھڑی جواہرات نے موبائل میز پہ رکھا اور اپنائیت سے مسکراتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھتا رہا۔ سپاٹ۔ سرد سا۔ جواہرات نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے دبایا۔ "میں تمہیں سمجھ سکتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تھینکس۔" اس کے چہرے پہ چھائی سرد برف میں دراڑ پڑی۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟ دو دن سے کمرے سے نہیں نکلے۔"

"ٹھیک ہوں' ممی!" وہ دھیرے سے بولا۔

"تمہیں گلٹ ہے؟" وہ نرمی سے کہتی اس کے ساتھ بیٹھی۔

"نہیں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے جو کیا' ٹھیک کیا۔" وہ گردن کڑا کے بولا تھا۔ "اور اب جو بھی مجھے دکھ دے گا' میں ان کو اپنے ہاتھوں سے عبرتناک شکست دوں گا۔" اس کی آنکھوں میں آگ کی لپٹیں سی اٹھ رہی تھیں۔ جواہرات مسکرائی۔

"گڈ۔ امید ہے اب تم مجھے سمجھ سکو گے۔ میں نے خاور اور سعدی کی موت کا حکم نامہ اس لئے جاری کیا تھا کیونکہ میں تمہیں مزید تکلیف سے بچانا چاہتی تھی۔ اگر وہ دونوں مر گئے ہوتے تو اس دن کی نوبت نہ آتی۔"

ہاشم نے محض سر کو خم دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ جواہرات غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ اسے تسلی ہوئی۔ سرد دیوار پگھل رہی تھی۔

"کل سے میں تمہارے ساتھ آفس آؤں گی۔ ان کاغذات کو واپس لے لو۔ ہارون سے متعلق بہت سے معاملات مجھے ہی سنبھالنے ہوں گے۔" ملکہ کو اپنا تخت واپس مل گیا تھا۔ ولی عہد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اسے دیکھا۔

"ہارون....کیا مجھے یونہی جانے دے گا؟" وہ ذرا حیران تھا۔ جواہرات بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی گوری رنگت میں گلابیاں سی گھل گئیں۔

"ارے تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ ہر انسان کو اپنی اولاد سے اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی مجھے ہے؟ نہیں ہاشم۔ ہر طاقت ور اور دولت مند انسان اپنی اولاد کی میری طرح پرستش نہیں کرتا۔ ہم اس کے غم کا مداوا کر دیں گے تو وہ ہمارے سامنے آواز تک نہیں نکال سکے گا' اور پھر جو بھی ہو' تمہاری ماں...." اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"تمہارے ساتھ ہے!" ہاشم نے اب کے نرمی سے شکریہ کہا تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آ رہا تھا۔ اور جواہرات کسی ایسی فیری ٹیل ملکہ کی طرح لگ رہی تھی جو کسی نوجوان خوبصورت لڑکی کا خون پینے کے بعد پھر سے جوان ہو جاتی ہے۔

سائیڈ ٹیبل پہ رکھا...ابھی تک گیلا محسوس ہوتا سرخ رومال....اسی خاموشی سے وہاں پڑا رہا۔

.... ✤✤✤ ....

سوداگری سے ہم کو سودا نہیں ہے کچھ بھی ...... کوئی پیچ پیچ کھانے کا کیک بدل بدل کے

سورج سوا نیزے پہ تھا۔ اور فوڈ لیور آفس کی اونچی کھڑکیاں دھوپ سے چمک رہی تھیں۔ پارکنگ لاٹ میں کار روک کر فارس باہر نکلا تو وہ سنجیدہ سا دکھائی دیتا تھا۔ جوگری شرٹ پہنے' بال تازہ چھوٹے کئے تھے بھنویں بھینچے وہ دروازہ لاک کر رہا تھا جب نوشیرواں اس سے قریب جا رکا۔ وہ احساس ہونے پہ پلٹا۔ اس سے نگاہ ملی تو خاموشی سے واپس مڑ کے کار کا لاک پھر سے چیک کرنے لگا۔

"آبدار مرگئی' فارس!" شیرو کے الفاظ ٹوٹے ہوئے تھے مگر حلیہ آج ٹھیک تھا۔ وہ ڈریس شرٹ اور کوٹ میں ملبوس تھا' اور شیو بھی بنی ہوئی تھی مگر ناک گلابی تھی' اور آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔

"جانتا ہوں۔" وہ سپاٹ سا واپس گھوما' ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔ "کیوں آئے ہو؟"

"وہ وہیں تھی۔ اس رات.... میں نے لفٹ کا بتایا تمہیں مگر اس نے الزام اپنے سر لے لیا۔ ہاشم بھائی نے میرے سامنے اس کو مار دیا۔"

"تم کیوں آئے ہو؟" وہ دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں نے زکام زدہ انداز میں ناک سے

سانس اندر کھینچی۔

"خیر...." اس نے سر جھٹکا۔ "ہماری ڈیل کا کیا؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ کیس واپس لے لو گے۔"

"اچھا۔ مجھے ایسا کوئی وعدہ یاد نہیں۔"

"کیا؟" شیرو کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"میں نے کہا تھا' سعدی سے کہوں گا کہ تمہیں معاف کر دے۔ وہ میں کہنے کی کوشش کروں گا' جب عدالت تمہیں سزا سنا دے گی.... تب!!! اور کچھ؟"

"میں نے تمہاری...." وہ زور سے بولنے لگا' پھر ارد گرد آتے جاتے لوگوں کا احساس کر کے قریب آیا اور دبا دبا سا غرایا۔ "میں نے تمہاری مدد کی۔ زمر کو بچایا۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ تم صرف کوشش کرو گے؟ اور اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو؟"

"تم نے آبدار کو بچانے کی کوشش کی؟ کیا تم اس میں کامیاب ہوئے؟" وہ تندہی سے بولا تھا۔ شیرو لمحے بھر کو کچھ کہہ نہیں سکا۔

"وہ میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔"

"اور یہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔" وہ رکھائی سے کہتا پلٹ گیا مگر شیروان تیزی سے اس کے سامنے آیا۔

"میرے خلاف کیس واپس لے لو' مجھے باعزت بری ہونے دو' میں ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا' نئی زندگی شروع کر لوں گا اور میں آبدار کے قتل کیس میں گواہی دینے کو بھی تیار ہوں۔ میں نے خود ہاشم بھائی کو اسے مارتے دیکھا ہے۔"

فارس نے افسوس اور ترحم سے اسے دیکھا۔ "ہمیشہ اپنا ہی سوچتے ہو تم۔ جو بھائی تمہیں بچانے کے لیے سب کر رہا ہے' اس کے خلاف کھڑے ہونے کو تیار ہو؟ واہ۔"

"مگر آبدار کے قتل کیس میں تم لوگوں کو اس سے بڑی گواہی کہاں سے ملے گی؟"

"اے.... کون سا قتل کیس؟ کہاں کا کیس؟ ہم کوئی کیس نہیں کر رہے کسی پہ۔ ہم آبدار کی فیملی نہیں ہیں۔ جو کیس ہوگا' وہ اس کا باپ کرے گا۔ ہم نہیں کر سکتے۔ اس لیے میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں نے کہا نا' سعدی سے بات کروں گا' آگے اس کی مرضی۔"

"میں نے زمر کی جان بچائی ہے فارس!"

"یہ مت بھولو کہ وہ اس سب کا شکار بھی تمہاری وجہ سے ہوئی تھی۔ کوئی احسان نہیں کیا تم نے اس پر۔ اور یہاں سے چلتے بنو۔ تمہارے بھائی کے ہرکاروں نے دیکھ لیا تو تمہاری جان لے لے گا۔" اور ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ شیروان دبے دبے غصے سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ فارس بے حس نہیں ہے۔ وہ بس غضب ہے۔

اور قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال میں اشتہا انگیز مہک پھیلی تھی۔ طویل میز انواع و اقسام کے طعام سے سجی تھی۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھی جواہرات دائیں ہاتھ بیٹھے جہان ہارون کی طرف کاغذ بڑھا رہی تھی جنہیں وہ انہماک سے پڑھنے لگے تھے۔ پھر مقابل بیٹھے 'شیو بنائے' بال جمائے' تازہ دم سے ہاشم نے قلم ہارون کی طرف بڑھایا تو انہوں نے اسے تھامتے ہوئے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی' پھر دستخط کر دیے۔ وکلاء نے اٹھ کر ہاتھ ملائے' جواہرات نے مبارکباد دی اور ہاشم نے فاتحانہ نگاہوں سے ہارون کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا جسے انہوں نے بدقت مسکرا کے تھاما۔ سارے سودے طے ہو گئے' سارے حساب ختم ہو گئے۔ اور ملکہ اپنی سربراہی کرسی پہ لوٹ آئی تھی۔ کیا زندگی اس سے بھی زیادہ حسین ہو سکتی تھی؟ جواہرات نے سوچا تھا۔

.... ❖❖❖❖ ....

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ..... ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

نوشیرواں کے جانے کے بعد فارس کچھ دیر فوڈ لی ایور آفٹر کے کاؤنٹر پہ بے مقصد حساب کتاب چیک کرتا رہا' پھر باہر نکل آیا۔ وہ بہت خاموش تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ۔ جیسے ہر طرف سکوت ہو۔ سناٹا ہو۔ وہ اسی خاموشی سے کار میں بیٹھا اور اسے بے مقصد سڑکوں پہ دوڑاتا گیا۔ تارکول کی گرم چمکتی سڑکیں.... ساتھ سے بھاگتے درخت.... اور زندگی بھی پیچھے کو بھاگنے لگی تھی.....

زرتاشہ کے قتل کو دو دن ہوئے تھے شاید۔ وہ اب روز زمر کی خیر بت پوچھنے جانے لگا تھا۔ بار بار۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس روز وہ اور زرتاشہ وہاں کیا کر رہی تھیں۔ جب زمر ہوش میں نہ آئی اور اسے کوئی جواب نہ مل پایا تو وہ دوسرے رشتے داروں سے جواب مانگنے لگا۔ اس کی دوستیں' گھر والے' کسی کو کچھ بتایا ہو گا زرتاشہ نے۔ مگر کوئی بھی باخبر نہ تھا۔ سفید دھندلی آنکھوں سے ہی تو اس کی ساری حسیات جاگنے لگیں۔ وہ زرتاشہ کی موت کا سراغ لگا کر رہے گا' یہ تو طے تھا۔ مگر کہاں سے اور کیسے؟ اس نے زرتاشہ کا کمرہ کھنگالا۔ ہر شے تلپٹ کر دی' اور تب ہی اس کو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے وہ سی ڈی ملی۔ وہ ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ کی مووی تھی' وہ کیپشن پڑھ کر رہی رکھ دیتا مگر یونہی باکس کھولا تو اندر ایک پیلا پوسٹ اٹ نوٹ لگا تھا۔ زرتاشہ کی عادت تھی' گھر میں ہر جگہ بالخصوص فریج پہ پیلے نوٹس لگا کر رکھتی تھی۔ گروسری میں کیا لانا ہے' کس کی سالگرہ آنے والی ہے۔ یہ بھی اس نے لگایا تھا۔ وہ ٹھہر کر دیکھنے لگا۔ اس میں دو مختلف نمبرز لکھے تھے۔ دو اوقات۔ دونوں کے درمیان قریباً دو گھنٹے کا وقفہ تھا۔ وہ مووی اٹھا لایا اور اسے لیپ ٹاپ میں لگا کر دیکھنے لگا۔ وہ پارٹی کے ہی اوقات کار تھے (ویڈیو کے کونے میں وقت لکھا آ رہا تھا۔) اس نے متعلقہ وقت تک ویڈیو فارورڈ کی۔ وہ لاؤنج کا منظر تھا۔ اس نے دوسرے وقت تک فارورڈ کی۔ وہ بھی لاؤنج کا منظر تھا۔ ان دونوں مناظر میں کچھ خاص نہ تھا۔ تقریب کے عام سے مناظر تھے۔ ان میں سب ہی مہمان موجود نظر آتے تھے۔ پھر زرتاشہ نے ان دونوں اوقات کو نوٹ کیوں کیا؟ وہ دوبارہ دیکھنے لگا۔ پہلے وقت میں خاور سیڑھیاں اترتا دکھائی دے رہا تھا' اور دوسرے پوائنٹ پہ وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ باقی سب ویسے ہی تھے۔ البتہ ان دونوں نقاط کے درمیان ڈیڑھ دو گھنٹے کے لیے خاور کہیں نظر نہ آتا تھا۔ تب پہلی دفعہ اسے شک سا ہوا' مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ مگر پھر زیادہ موقع نہ ملا کیونکہ اگلے روز پولیس اس کو گرفتار کرنے آن پہنچی۔ زمر یوسف نے بیان میں نہ صرف اس کو نامزد کیا تھا بلکہ لمبی سی کہانی بھی سنائی تھی۔ فارس نے کبھی امید نہیں کی تھی کہ وہ گرفتار بھی ہو سکتا ہے۔ اس گرفتاری نے اسے شدید دھچکا لگایا تھا۔

سعدی بار بار آتا' صفائیاں دیتا' امیدیں دلاتا' مگر اسکا غصہ اور فرسٹریشن بڑھتی جا رہی تھی۔ تھانے کا حوالات عجیب سا تھا۔ گھٹن زدہ جگہ جہاں مستقبل تک تاریک نظر آتا تھا۔ اور انہی تاریک راتوں میں وہ بیٹھ کر زرتاشہ کی سی ڈی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اگر وہ پارٹی میں نہیں تھا تو خاور بھی نہیں تھا۔ اور خاور کو تو ہاشم چلاتا تھا۔ تو کیا ہاشم.....؟ لیکن پھر اور کون ہو سکتا تھا؟ کون اس کے گھر سے اس کی گن نکال سکتا تھا' اس کی کار میں ثبوت رکھوا سکتا تھا۔ اتنا قریب کون تھا آخر؟

اس روز سعدی اسے جیل میں دیکھنے آیا تو وہ پھٹ پڑا۔ کہہ دیا کہ اسے ہاشم پہ شک ہے۔ سعدی الگ اسے ملامت کرنے لگا اور اندر آتا ہاشم الگ طریقے سے شروع ہو گیا۔ وقتی طور پہ وہ چپ ہو گیا۔ کیا حوالات اسے ذہنی طور پہ اتنا پست بنا چکے تھے کہ وہ اپنوں پہ شک کرنے لگا تھا؟ اس نے پھر سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔

سارا خاندان ایک طرف اور زمر ایک طرف۔ زمر نے بیان واپس نہیں لیا' نتیجتاً اس کو چودہ روز بعد جیل بھیج دیا گیا۔ تھانے کا حوالات مختلف شے تھی۔ دنیا میں تمام ملزموں کو تھانے کے حوالات میں رکھا جاتا ہے' ملزم یعنی وہ جس کے کیس کا ابھی فیصلہ نہیں آیا۔ مگر پاکستان وہ ملک ہے جہاں ملزموں کو بھی 'مجرموں' کے ساتھ جیل میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور جیل حوالات جیسی نہیں ہوتی۔ جیل ایک بہت بڑی تاریک مہیب سی دنیا تھی جس کے اندر عجیب لوگ بستے تھے' عجیب داستانیں پنہچتی تھیں۔

جیل میں اے' بی' اور سی کلاس تھی۔ ہر کلاس کے اپنے بلاک تھے۔ تعلیم یافتہ اور دولتمند لوگوں کو اے یا بی کلاس میں بھیجا جاتا تھا۔ اس کو بھی اے کلاس الاٹ ہوئی تھی۔ یہ الاٹمنٹ عدالت نے کر کے دی تھی' مگر جس لمحے وہ جیل میں داخل ہوا' وہ ساری کہانیاں جو اس نے "قراطین" کے بارے میں سن رکھی تھیں' وہ سچ ثابت ہونے لگیں۔ اسے ڈرایا گیا' سمجھایا گیا کہ جیل کا Quarantine آفیسر جس کو دیسی انداز میں قراطین کہا جاتا تھا' جیل کے سیاہ اور سفید کا مالک ہے کیونکہ یہاں کوئی سفید نہ تھا۔ وہ طے کرے گا کہ آپ کس بلاک میں جائیں گے' وہ طے کرے گا کہ آپ کو جیل کا کھانا کھانا ہے یا آپ کے رشتے داروں کا بھیجا من وسلویٰ آپ کو مل سکتا ہے۔ وہ طے کرے گا کہ آپ چار پانچ افراد کے ساتھ مل کر خفیہ چولہا رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ ہانڈی دال آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے' اور آپ کے رشتے داروں کو ہر ملاقات پہ اسے 25 ہزار رشوت دینی ہے یا 50 ہزار' یہ سارے فیصلے قراطین کرے گا۔ اسے قراطین سے نہیں بگاڑنی تھی۔ اسے قراطین کو خوش رکھنا ہے۔ اور قراطین نے اسے دیکھتے ہی پہلی بات یہ کہی تھی کہ تم وہی ہو نا جس کی بیوی اور جس کا بھائی..... اور دوسری بات کا موقع وہ اسے دے نہیں سکا۔ حوالات کی ساری فرسٹریشن اس نے قراطین پہ نکالی۔ وہ اسے دبوچ کر' گرا کے مارنے لگا۔ اتنا پیٹا' اتنا پیٹا کہ آنکھ کے قریب سے خون ندی کی صورت بہنے لگا۔

اس کے بعد قراطین نے چند ہفتے کسی کو اس سے ملنے نہ دیا' اور اس کو سی کلاس عنایت کر دی۔ اس کو کھانے میں سب سے گھٹیا نسل کا کھانا ملتا اور بات بات پہ رشوت طلب کی جاتی۔ اس قراطین کا نام جلال الدین آتش تھا اور اس سے ہر شخص خار کھاتا تھا۔ کوئی اس کے تعلقات سے جلتا تھا تو کوئی اس کی طاقت سے خائف تھا۔ آتش اس جیل کا بادشاہ تھا۔ وہ جان کر فارس غازی کے سامنے ایسے مواقع پیدا کرتا' ایسی باتیں کہلواتا کہ فارس اس کو غصے میں آ کر مارنے لگ جائے' مگر وہ اسے دوبارہ نہیں مار سکا۔ قراطین کو پہلے دن مارنے اور پھر جیل میں آگے پیچھے آوے درجن قیدیوں کو مختلف مواقع پہ پیٹنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اکیلا ہوتا جا رہا ہے۔ اسے ہر وقت اپنی نگرانی خود کرنی پڑتی تھی۔ اس کا کوئی دوست نہ تھا' اور وہ ہر ایک سے چوکنا تھا۔ اسے تنہا دیکھ کر کوئی بھی اسے مار دیتا' یہ خوف اس کے اندر جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔ چند دن بعد اسے احساس ہوا تھا کہ جیل کے کسی قیدی کی شکایت کسی پولیس اہلکار سے نہیں کی جاتی۔ چاہے دنیا کا کوئی بھی ملک ہو' اور چاہے وہ قیدی آپ کو چاقو بھی نہ کیوں مار دے' بس اتنا کہو کہ حادثہ تھا' بس اتنا بتاؤ کہ میری اپنی غلطی تھی۔ کیونکہ اس قیدی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا' مگر بعد میں آپ دونوں کو ایک ساتھ ایک ہی جیل میں گزارا کرنا ہے۔ جب کوئی قیدی کسی دوسرے کی شکایت کرتا ہے تو سارے قیدی اس کے خلاف ہو جاتے ہیں' اور کوئی اس پہ اعتماد نہیں کرتا۔ ایک ایسی جگہ جو عادی مجرموں' قاتلوں' غنڈے اچکوں سے بھری ہوئی ہے' وہاں دوستوں کے بغیر گزارا نہیں ہے اور دوست اس کے کوئی تھے نہیں۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' وہ مزید غیر محفوظ اور فکر مند رہنے لگا۔ اس نے لڑنا جھگڑنا بالکل ترک کر دیا۔ خاموش رہتا۔ چوکنا رہتا۔ پریشان رہتا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ دوست کیسے بنائے۔ ساتھی کہاں سے ڈھونڈے۔ اسے ایک دوست چاہیے تھا۔ ایک مضبوط طاقتور ساتھی۔

سیکرٹری صاحب جیل کے دورے پہ آئے تھے۔ ایک دن پہلے سے سارے میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پروٹوکول' نمود و نمائش' چھوٹے ریکارڈز۔ وہ خاموشی سے اپنے حصے کا کام کرتا رہا۔ جس وقت سیکرٹری صاحب اس کے قریب سے مع اپنے مصاحبین کے گزرے' اس نے ان کو انگریزی میں مخاطب کیا اور کہا۔

"سر لوگ میرے بارے میں جھوٹ گھڑ رہے ہیں' میڈیا رپورٹرز کو ایئر فورس بیس حملہ میں ملوث عناصر کی اس جیل میں موجودگی کی خبر میں نے نہیں دی۔ نہ ہی میں نے پولیس حکام کے اس دہشت گردی کے واقعے میں ملوث ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ میں تو صرف اپنے گھر والوں کو خط لکھتا ہوں۔ پولیس کے عملے کو منع کریں مجھے تنگ نہ کرے۔"

سیکرٹری صاحب اس کو آفس میں لے گئے۔ اس کو چائے پلوائی گئی اور اس سے نرمی سے پوچھا کہ وہ کیا جانتا ہے' اور اگر اس نے میڈیا والوں کو اس جیل میں دہشت گردوں کے سہولت کاروں کا بتایا بھی تھا تو خیر ہے وہ ان پہ اعتماد کر سکتا ہے۔

یہ ایک ایسا کیس تھا جس پہ گرفتاری سے پہلے وہ کام کر رہا تھا اور اس کے کچھ اہم نکات جانتا تھا۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا مگر جتنے تردد سے وہ انکار کر رہا تھا' سامنے بیٹھے اعلیٰ افسران کو گمان ہوا کہ پولیس اس کا منہ بند کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس سب کے دو نتائج نکل سکتے تھے۔ یا اس کو رہا کر کے کیس پہ کام کرنے دیا جاتا۔ یا ملوث اہلکاروں کو بھی جیل میں پھینک دیا جاتا۔ دونوں آپشن اچھے تھے۔

وہ بار بار انکار کرتا رہا' کہ وہ اس سب خبر کے لیک کرنے میں شامل نہیں تھا' اور نہ ہی اس نے قراطین آتش کا نام لیا ہے۔ آتش بالکل بے قصور ہے اور وہ تو ایسا آدمی ہے ہی نہیں جو شوال کی فلاں مسجد سے تعلق رکھتا ہو۔ اس وقت تو اس کو عزت سے واپس بھیج دیا گیا' مگر اگلے روز سے کسی نے آتش کو جیل میں نہیں دیکھا۔ اسے سادہ کپڑوں والے اٹھا کر لے گئے تھے' اور کافی عرصہ اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر جب تفتیش کے دوران وہ دہشت گردی کے سہولت کاری کے الزام سے بری ہو گیا' مگر دوسرے کئی جرائم قبول کرنے پڑے تو اس کو واپس اسی جیل بھیج دیا گیا۔ مگر ایک قیدی کے روپ میں اور جس وقت وہ جیل میں داخل ہو رہا تھا' اس کی آنکھ کے زخم کے نشان کو دیکھتے ہوئے فارس غازی مسکرایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جیسا ایک اکیلا مسافر بھی اس جہنمی مسافر خانے کا مہمان بننے آ چکا ہے۔ یہ وہ جیل تھی جہاں آتش ہر قیدی کا قرض دار تھا۔ کسی کے جسم پہ چوٹیں لگوانے' کسی کو معذور کرنے' اور کسی کو کنگال کرنے کا مجرم تھا وہ۔

اس وقت کے قراطین نے اس کو بی کلاس میں بھیجا تھا۔ نہ پولیس اس کی رہی تھی' نہ قیدی اس کے ہمدرد تھے۔ اس کا غرور' اکڑ' طنطنہ سب خاک میں مل چکا تھا۔ وہ خاموشی سے آیا اور فارس غازی کے قریب بیٹھ گیا۔

اس روز سے وہ دونوں ساتھی بن گئے۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بھولا کہ دوسرے نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا' مگر جیل میں سروائیول سب سے زیادہ اہم تھا۔ اور جب جلال الدین اس کا دوست بنا' تو اس نے فارس کو ایک نئی دنیا سے روشناس کروایا۔ گر وہ بتا کر جھتے کی صورت کیسے رہنا ہے' جیل کے باقی بدمعاشوں سے کیسے مقابلہ کرنا ہے' اپنی دھاک کیسے بٹھانی ہے' بڑے بڑے گروہوں کی خوشنودی کیسے حاصل کرنی ہے' اسے جلال الدین سکھاتا تھا۔ وہ قراطین رہ چکا تھا' بہت سوں کو پیچھے سے جانتا تھا' اور اپنی ڈھال کے لئے ایک تنومند' زور آور آدمی درکار تھا اسے۔ فارس اس کے لئے وہ ڈھال بن گیا اور وہ دونوں ایک ساتھ جیل میں ایڈجسٹ کرتے گئے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برابر کا برا کر چکے تھے' سو وقت کے ساتھ ساتھ کینہ بھی نکل گیا۔ عجیب سیاستیں تھیں جیل کی۔

وہ فارس کو کہتا تھا' اپنے غصے کو قابو میں رکھو۔ اپنی ذات کے لئے نہ لڑو۔ بھائی اور بیوی کے متعلق ہر بات خاموشی سے سن جاؤ اور پی جاؤ' انسان کا ذہن تب کھلتا ہے جب وہ غصے کو مہار ڈالنا سیکھ لیتا ہے۔ مگر وہ آگے سے کہتا تھا کہ وہ انتقام ضرور لے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جلال الدین کو اس سے ہمدردی ہوتی گئی۔ وہ پولیس میں رہ چکا تھا' اے ایس پی سرمد شاہ سمیت بہت سے لوگوں کو جانتا تھا۔ وہ اسے کہتا' سارے میں یہی کہا جا رہا ہے کہ تمہارے ماموں زاد نے تمہیں پھنسوایا ہے۔ اور فارس اندر سے جانتا تھا' کہ اس کا دل گواہی دیتا تھا یہ ہاشم ہی ہے' مگر پھر جلال الدین نے اسے خاموش رہنا بھی سکھا دیا تھا۔ جب ایک دن سعدی اس سے پوچھنے آیا کہ وہ مشتبہ افراد کی فہرست دے جو زرتاشہ اور وارث کے قتل میں ملوث ہو سکتے ہیں تو اس نے ہاشم کا نام نہیں لیا۔ وہ ہاشم کا راز نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ اسے پہلے باہر نکلنا تھا' پھر جلال الدین کی توسط سے بنے دوستوں کو استعمال کر کے اپنا انتقام پورا کرنا تھا' پھر ساری دنیا جان ہی لے گی کہ اصل مجرم کون تھا۔ مگر ابھی نہیں۔

چار سال اس جیل میں گزارنے کے بعد وہ وہاں کا عادی ہو چکا تھا۔ جب نکلنے لگا تو محسوس ہوا' ایک زیادہ بڑی جیل میں جا رہا ہے اس روز جلال الدین نے اسے کہا تھا' کہ اب چونکہ وہ اس سے ہمدردی کرنے لگا ہے تو اس کو ایک نصیحت کرے گا اور وہ یہ کہ وہ انتقام چھوڑ دے اور اگر لینا ہی ہے تو اسے دو قبریں کھودنی پڑیں گی۔ فارس غازی کے پاس انتخاب کا وہ آخری موقع تھا۔ اس نے دو قبریں چن لیں۔

کار قبرستان کے قریب روک کر چند لمحے وہ خالی خالی نظروں سے دور نظر آتی قبروں کو دیکھتا رہا۔ یہیں آبدار کو دفن کیا گیا تھا۔ وہ ایک دفعہ بھی ادھر نہیں آ سکا تھا' کیونکہ وہ اندر' وہ یہ جانتا تھا کہ ہاشم کے بعد اگر کوئی اس کی موت کا ذمہ دار تھا تو وہ خود تھا۔ زمر ان گزرے تین دنوں میں بار بار کہتی رہی تھی کہ وہ گلٹی محسوس نہ کرے' اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا' مگر وہ جانتا تھا' جس کارنامے سے وہ دور اندر ڈرتا آیا تھا' یہ اس کی پہلی قسط تھی۔

وہ باہر نہیں نکلا۔ شیشہ اوپر چڑھایا اور ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ چہرہ ابھی تک سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔

................*................

پندار کے خوگر کو ناکام بھی دیکھو گے؟ ..... آغاز سے واقف ہو' انجام بھی دیکھو گے؟

آج بھی عدالتی احاطے میں ویسا ہی رش تھا جیسا وہ پچھلے کئی ماہ سے دیکھتے آ رہے تھے۔ گرمی اور حبس میں اضافہ ہو گیا تھا۔ زمر سب سے تاخیر سے پہنچ رہی تھی' اور اس کے اندازے کے مطابق باقی سب اس وقت کورٹ روم کے باہر پہنچ چکے تھے۔ وہ گھڑی دیکھتی راہداری میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سینے سے فائلز لگا رکھی تھیں۔ گھنگریالے بال آدھے باندھ رکھے تھے' اور سن گلاسز ماتھے پہ ٹکی تھیں۔ چہرہ سنجیدہ مگر پرسکون نظر آتا تھا۔ ایک موڑ مڑی تو بے اختیار ٹھٹکی۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا اور اسی کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں آمنے سامنے رک گئے۔ زمر نے ساتھ موجود دونوں وکلا کو آگے جانے کا اشارہ کیا اور خود گہری سانس لے کر فرصت سے شیرو کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''آپ کو اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مجھ سے بات.....''

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زمر نے لب بھینچ لیے۔ پھر اثبات میں سر کو خم دیا۔ ذرا سا مسکرائی۔ ''ٹھیک ہوں۔'' مسکراتی بھوری آنکھوں کو اس کے چہرے پہ جمائے' وہ عادتاً گال سے ٹکراتی لٹ انگلی پہ لپیٹنے لگی تھی۔ ''اور اس سب کا بھی تھینک یو جو آپ نے میرے لیے کیا۔''

''اچھا۔'' وہ تلخی سے ہنس دیا۔ ''مجھے لگا آپ لوگ ایکنالج تک نہیں کریں گے۔''

''میں ایکنالج کر رہی ہوں۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں' تھینک یو۔''

''اور کیا کوئی میرے خلاف کیس واپس لینے کا سوچے گا بھی نہیں؟''

''شیرواں!'' زمر نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔ ''آپ نے میرے اوپر ایک احسان کیا ہے۔ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں آپ کے ساتھ ایک اچھے مشورے کی صورت بھلائی کرنا چاہوں گی۔ آج سے ہاشم کا اپنے گواہ پیش کرنے ہوں گے' مگر اس سے پہلے جج صاحب آپ کو کٹہرے میں بلائیں گے۔''

شیرو کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔ ''مگر میں کہہ چکا ہوں کہ حلف لے کر اپنے خلاف گواہ نہیں بنوں گا۔''

''وہ اور چیز ہوتی ہے۔ یہ اور چیز ہے۔ اس میں حلف نہیں لینا' اور سچ بولنے کی پابندی بھی نہیں ہے۔ جھوٹ بولیں گے تو بھی سزا نہیں ہوگی۔ چاہیں تو خاموش بھی رہیں۔ جج صاحب کو اختیار ہوگا کہ آپ سے چند سوالات پوچھیں اپنی کنفیوژن کلیئر کرنے کے لیے' اور آپ کے جوابات حتیٰ کہ آپ کی خاموشی سے بھی وہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ سچ بول دیں۔ یہ آپ کی اپنے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ہوگی۔''

''سچ بولا تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔'' وہ دبا دبا سا غرایا تھا۔

''آپ کا دن اچھا گزرے!'' وہ ساتھ سے نکل کر چلی گئی۔

کورٹ روم کے باہر ہاشم کھڑا موبائل پہ ٹیکسٹ کر رہا تھا۔ ساتھ چند دوسرے افراد کے ہمراہ حلیمہ بھی کھڑی تھی۔ دفعتاً حلیمہ' ہاشم

کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "میرے اوپر جرح مسز زمر کریں گی؟ کیونکہ پانچ روز پہلے جب اچانک پیشی ملتوی ہو گئی تھی اور اس دن میں گواہی نہیں دے سکی تھی تو آپ نے کہا تھا کہ مسز زمر اب مجھے کراس نہیں کر سکیں گی۔"

"اوہ سوری!" اس نے پیشانی چھوئی۔ "میں بتانا بھول گیا' اس روز ہی تمہاری گواہی ہو جاتی لیکن زمر نے اپنے کسی گواہ کو پیش کرنے کے لیے مہلت مانگ لی تھی' اور پھر... میرا خیال تھا' کسی لمبے سفر پہ جانے والی ہیں' مگر...." اس نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لیے آج وہی تمہارے اوپر جرح کریں گی۔" وہ ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ بات کرتے کرتے مڑا تو دیکھا' زمر سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ہاشم مسکرا کے آگے بڑھا۔ "مسز زمر... میں نے سنا تھا' کسی حادثے میں پھنس گئی تھیں۔ پھول بھجوائے تھے میں نے ہاسپٹل۔ اب ٹھیک ہیں آپ؟"

وہ اس کا تر و تازہ چہرہ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی۔ "مارنے والے سے بچانے والا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔"

"گڈ!" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ "مگر مجھے مایوسی ہوئی کہ آپ نے پولیس میں رپورٹ تک نہیں کروائی۔ چچ۔"

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ "وہ کیا ہے نا ہاشم کہ پانچ سال سے رپورٹ رپورٹ کھیل کر اب تھک گئی ہوں۔ اس دفعہ جس عدالت میں رپورٹ کروائی ہے نا' وہ زیادہ قابلِ بھروسہ ہے۔ آپ کا بھی دن اچھا گزرے۔" نرمی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

جواہرات آج کورٹ نہیں گئی تھی۔ وہ کاردار گروپ آف کمپنیز کے ہیڈ آفس میں اپنے مصاحبین کے ساتھ ادھر ادھر چکر کاٹ' نئے احکامات دے رہی تھی۔ گردن کا سریا واپس آ چکا تھا۔ لباس پہلے سے زیادہ شوخ رنگ کا ہو چکا تھا۔ لپ اسٹک زیادہ سرخ تھی۔ دو تین معمولی ملازموں کو جاب سے فارغ کیا' دو' چار پہ کام کا زیادہ بوجھ ڈالا' کسی کو جھاڑا' کسی کو سراہا' اور ہر ایک کو احساس دلا کر کہ وہ واپس آ چکی ہے' وہ اپنے آفس میں چلی آئی تھی۔ اور اب گھومنے والی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھی مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

کوئی فنڈ ریزر منعقد کرے؟ کوئی گالا؟ تاکہ جب وہ دونوں بیٹوں کے ہمراہ شان سے کھڑی ہو تو سارے میں اس کی مجروح ہوئی دھاک پھر سے بیٹھ جائے۔ مگر گالا کا تھیم کیا ہو؟ لیکن اس سے پہلے ایک معمولی سی پلاسٹک سرجری کروالی جائے؟ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ حسین دکھنا چاہتی تھی۔

اس نے ٹیبلیٹ اٹھایا اور اسے چہرے کے قریب لائے' سر کرسی کی پشت سے ٹکائے انگلی اس پہ پھیرنے لگی۔ چند ایک سرجریز کو کھوجا۔ پھر سوشل نیٹ ورکس دیکھنے لگی' اور تب ہی ایک جھٹکے سے وہ سیدھی ہوئی۔ شیرنی جیسی بھوری آنکھیں پہلے حیرت سے اور پھر غضب سے پھیلیں۔

اسکرین پہ کسی دعوت کی تصویر میں صاحبزادی صاحبہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکے چہرے کا نیم رخ واضح تھا۔ ڈی ایس ایل آر کی تصویر جہاں اس کی جلد کے ہر مسام تک کو دکھا رہی تھی' دہاں کان میں موجود زمرد اور ہیرے جڑے ایئر رنگز بھی دکھا گئی تھی' جس پہ وہ اپنی دو انگلیاں پھیر رہی تھی اور.... جواہرات کی نظریں انگلی پہ پھسلیں.... ایک انگلی میں نیلاہٹ بھرے ہیرے والی خوبصورت سی انگوٹھی دمک رہی تھی۔ ایک زیور ہوتا تو وہ کاپی کہہ سکتی تھی' مگر یہ دو مختلف زیورات ایک ساتھ.... زرنگار کے یہ زیور تو اس کی ملکیت میں تھے.... مگر یہ صاحبزادی کے ہاتھ میں.... جواہرات کے ہاتھوں سے ٹیبلیٹ میز پہ لڑھک گیا۔ وہ شل سی بیٹھی رہ گئی۔

احمر.... لب پھڑپھڑائے اور پھر شیرنی کی آنکھوں میں غصے بھری سرخی ابھری....

احمر نے اس کی سب سے قیمتی متاع اس کی دشمن کو دے دی تھی' مگر کیا اس نے صرف یہی متاع دی تھی؟ یا کچھ اور بھی؟ کوئی راز.... کوئی بھید....

وہ تیزی سے احمر کو فون ملانے لگی۔ مگر ریکارڈنگ نے خبر دار کیا کہ مطلوبہ نمبر اب نہیں مل پائے گا۔ جواہرات نے فون رکھ دیا۔ اور کسی بت کی طرح وہیں بیٹھی رہ گئی۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بہت برداشت کر لیا اس نے دوسروں کو خود کو دباتے ہوئے۔ اب وہ نہیں رہے گی۔ دفاع نہیں جارحیت۔ بہترین حکمت عملی۔ شیرنی کی آنکھیں آگ کی طرح لپٹوں سے بھری سوچ میں گم دکھائی دیتی تھیں۔

کمرہ عدالت میں واپس آؤ تو ہر شخص اپنی مخصوص نشست پہ براجمان تھا۔ سعدی پہلی کرسیوں پہ بیٹھا تھا اور گاہے بگاہے دور پیچھے بیٹھے گول چشمے والے آدمی کو دیکھتا تھا جو آج بھی خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا۔

جج صاحب کے سامنے ہاشم اور زمر قریب قریب کھڑے تھے اور وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ "مسز زمر نے آج بھی اپنا آخری گواہ پیش نہیں کیا نہ اس کی کوئی معلومات مہیا کی ہیں۔ کیا اب یہ عدالت کا وقت یونہی ضائع کرتی رہیں گی یا ہم آگے چلیں گے یور آنر!"

"یور آنر مجھے آخری گواہ کو پیش کرنے کے لیے وقت درکار ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ایک نظر پیچھے بیٹھے سعدی پہ ڈالی جس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ وہ ابھی تک ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔

"آپ پہلے بھی کافی تاخیر کر چکی ہیں' بہر حال ہم کارروائی شروع کرتے ہیں' آپ ڈیفنس کے کلوزنگ آرگومنٹ تک گواہ پیش کر دیں گی تو میں قبول کر لوں گا' ورنہ یاد رکھیے گا مسز زمر!" جج صاحب نے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھتے ہوئے تنبیہہ کی۔ "اگر کاردار صاحب کے اختتامی دلائل تک آپ نے گواہ پیش نہ کیا تو عدالت یہی سمجھے گی کہ آپ تاخیری حربہ استعمال کر رہی ہیں۔"

"تھینک یو یور آنر۔ میں اس سے پہلے گواہ لے آؤں گی۔" اس نے تابعداری سے سر کو خم دیا۔

(زمر کے گواہ مکمل ہو چکے تھے' اب ہاشم کے گواہان کی باری تھی۔ اس کے بعد اختتامی دلائل تھے اور پھر جج نے فیصلہ سنانا تھا۔)

"مزید آگے چلنے سے پہلے' عدالت نوشیرواں کاردار سے حلف کے بغیر چند سوالات کرنا چاہے گی۔" جج صاحب نے مصروف سے انداز میں حکم دیا۔ ہاشم نے شیرو کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھا اور سپاٹ سے انداز میں کٹہرے میں آ کھڑا ہوا۔ زمر اب واپس جگہ پہ بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی' غور سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"نوشیرواں' آپ 21 مئی کو کہاں تھے؟" جج صاحب رخ اس کی طرف موڑے نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

"سر میں دبئی میں تھا۔" وہ خشک سے انداز میں بولا۔ زمر سر جھٹک کر اپنے کاغذات پلٹ کرنے لگی۔

"کیا آپ نے سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں؟"

"نہیں یور آنر' یہ محض ایک بہتان ہے۔ میں تو اس وقت ملک میں بھی نہیں تھا۔ ہاں میرا سعدی سے جھگڑا ضرور ہوا تھا' اور کئی جھگڑے ہو چکے تھے' مگر وہ لی...... نیور......" وہ اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ سعدی بس چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور سعدی کے اغوا میں آپ کا ہاتھ تھا؟"

"سعدی اغوا ہی نہیں ہوا' یور آنر۔ مجھے یونیورسٹی کے پرانے دوستوں نے بتایا تھا کہ وہ شوال میں رہتا رہا ہے اتنا عرصہ' وہاں وہ دہشت گردوں کی تنظیم......" وہ رٹے رٹائے انداز میں بولتا رہا۔ جب وہ کٹہرے سے اترا تو بس ایک ملامتی نظر زمر پہ ڈالی اور واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ اپنے فیصلے خود لے گا' اس نے ثابت کر دیا تھا۔

"تو آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ اکیس مئی کو سعدی یوسف آفس بلڈنگ میں نہیں آیا تھا؟" ہاشم کٹہرے میں کھڑی حلیمہ سے جس وقت پوچھ رہا تھا' اسی وقت پچھلی نشستوں پہ فارس غازی آ کر بیٹھا۔ اس نے شرٹ کی آستینیں چڑھا رکھی تھیں اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

"جی نہیں' وہ نہیں آیا تھا۔" حلیمہ اعتماد سے بولی۔

"اور اس سے پہلے متعدد بار آپ کے نمبر سے سعدی کو کال کی گئی تھی۔ وہ کس سلسلے میں تھی؟" ہاشم پوچھ رہا تھا۔

''سونیا کی پارٹی میں سعدی سے میری ملاقات ہوئی تھی' وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی ملاقات اپنے ایک انکل سے کرداؤں جو ملٹری انٹیلی جنس میں کام کرتے ہیں اور آج کل شوال میں تعینات ہیں۔''

''تو آپ وہ کالز مجھ سے اپائنٹ لینے کے لئے نہیں کر رہی تھیں جیسا کہ سعدی نے کہا ہے بلکہ معاملہ شوال کا تھا؟'' (شوال ایک علاقہ ہے جو ضرب عضب کے بعد جو آج بھی دہشت گردوں کی جنت ہے اور میڈیا رپورٹس کے برعکس وہاں طالبان کا مکمل کنٹرول ہے۔)

''جی۔ انکل سے رابطہ نہیں ہو پار ہا تھا' اور جب ہوا تو انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہی بتانے کے لئے سعدی کو کال کی تھی' اس نے الٹا مجھے بھی اپنے کیس کا حصہ بنا دیا'' وہ ناخوشی مگر پورے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ ہاشم نے مڑ کر ایک مسکراتی نظر سعدی پہ ڈالی اور پھر ''یور ونٹنس'' کہتا ہوا واپس اپنی جگہ پہ آ گیا۔ زمر نشست سے اٹھی تو پیچھے بیٹھے فارس نے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پہ فکر مندی نظر آتی تھی۔ (زمر جرح کیسے کرے گی' اور کیا اس ذہنی حالت میں وہ حلیمہ پہ کردار کش تابڑ توڑ حملے ٹھیک سے کر پائے گی' کہیں وہ غصے میں نیپر لوز کر کے سب خراب نہ کر دے!)

زمر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' ہاتھ میں چند کاغذ پکڑے' کٹہرے کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی۔ حلیمہ نے پورے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھا' گویا وہ تیار تھی۔ صبح ہاشم نے اس کی مٹھی میں چند کافی beans ڈالے تھے' اور پھر اسے مٹھی بند کرنے کو کہا۔ ''یہ تمہارا سرمایہ ہیں۔ جرح میں وکیل تمہاری مٹھی خالی کروانے کی کوشش کرے گا' مگر تم نے کوشش کرنی ہے کہ کم سے کم دانے گریں' اور زیادہ سے زیادہ تمہارے پاس محفوظ رہیں۔'' اور اس مثال سے وہ سمجھ گئی تھی۔

''تھینک یو حلیمہ' عدالت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔ چمکدار بھوری آنکھیں حلیمہ پہ جمی تھیں۔ ''مگر مجھے آپ سے ایک گلہ بھی ہے۔''

حلیمہ اس نرمی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ قدرے تذبذب سے بولی۔ ''جی؟''

''یہ سچ ہے نا کہ میں نے آپ کو متعدد بار کالز کیں اور ملنے کی کوشش کی' تا کہ آپ سے آپ کی طرف کی کہانی سن سکوں' کیونکہ ابھی تک تو مجھے صرف سعدی یوسف کی طرف کی کہانی معلوم ہے' مگر آپ مجھ سے نہیں ملیں۔''

''یہ میرا قانونی حق ہے' میم!'' وہ گردن کڑا کے بولی۔

''آف کورس یہ آپ کا حق ہے۔ ارے نہیں آپ غلط سمجھیں۔ آپ کا حق سلب کرنے کی بات نہیں کر رہی میں۔ بلکہ'' وہ یاد کر کے ہلکا سا ہنسی۔ ''ایک کیس میں' میں خود جب گواہ پیش ہوئی تھی' فارس غازی کے خلاف' تو میں نے بھی مخالف وکیل سے بات کرنے سے یا ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں آپ کی پوزیشن سمجھ سکتی ہوں' اور مجھے کبھی اچھا نہیں لگتا کہ ہم کسی لڑکی کو اس کٹہرے میں لا کر کھڑا کریں۔ اس لئے میں چاہوں گی کہ آپ بالکل کمفرٹیبل ہو جائیں' بس آپ کو میرے چند سوالات کے جواب دینے ہیں' اور پھر آپ جا سکیں گی۔''

حلیمہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ زمر کے پیچھے ہاشم کو دیکھنے کی کوشش کی مگر زمر نے جیسے ہی اس کی نگاہوں کا رخ دیکھا' وہ ذرا دائیں طرف سرکی۔ راستہ بلاک ہو گیا۔ حلیمہ اب ہاشم کو دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

''مگر یہ تو سچ ہے نا کہ میں پہلی دفعہ آپ سے اس کیس کے بارے میں بات کرنے جا رہی ہوں؟''

''جی!''

''مگر ہاشم کاردار سے کئی گھنٹے تک آپ نے گواہی ڈسکس کر کے تیاری کی ہو گی تو آپ برا تو نہیں مانیں گی اگر میرے سوالات لمبے ہو جائیں' کیونکہ مجھے پہلے وقت نہیں' یا آپ نے تو وہ کمی بھی تو پوری کرنی ہے نا۔'' وہ نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ حلیمہ نے تھوک نگلی۔ پھر ذرا دائیں طرف ہوئی مگر زمر اس کے ساتھ اسی طرف سرک گئی۔ راستہ ابھی تک بلاک تھا۔ ''جی شیور'' وہ مجبوراً بولی۔

"آپ آب جیکٹ کریں۔" نوشیرواں نے بے چینی سے ہاشم کو مخاطب کیا' جو خود بھی قدرے اچنبھے کا شکار لگتا تھا مگر جواب میں شیرو کو کاٹ کھانے کو دوڑا۔

"کس بات پہ؟ کہ وہ شائستگی سے کیوں بات کر رہی ہے؟"

"او کے تھینک یو حلیمہ۔ بس میں آپ کے چند منٹ اوں گی۔" وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔

"میں نے سنا ہے آپ بہت قابل سیکریٹری ہیں' اور بہت جانفشانی سے اپنا کام کرتی ہیں!" زمر توصیفی انداز میں شروع ہوئی۔

"جی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اور آپ کبھی بھی چھٹی نہیں کرتیں' بیماری کی حالت میں بھی آفس جاتی ہیں۔"

"جی۔" وہ کردار پہ حملوں کی تیاری کر کے آئی تھی اور یہاں اس کی تعریف ہو رہی تھی؟

"گڈ۔ تو آپ بیس مئی کو آپ آفس میں ہی تھیں؟"

"جی میں سارا دن ڈیسک پہ تھی۔"

"اور آپ بیس مئی کو نیچے لابی میں کتنے لوگ سارے دن میں آئے تھے؟"

"میں لابی میں آنے جانے والوں سے ناواقف ہوں' میں صرف ان کا بتا سکتی ہوں جو میرے سامنے لفٹ سے اتر کر ہاشم کاردار کے آفس میں جاتے ہیں۔"

"یعنی کہ آپ بلڈنگ میں داخل ہونے والے ہر شخص کا حساب نہیں رکھتیں' صرف انہی کا حساب رکھتی ہیں جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں۔"

"جی۔"

"جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں' رائٹ؟" اس نے زور دیا۔ سب ہمہ تن سن رہے تھے۔

"جی۔"

"اور سعدی کو آپ نے نہیں دیکھا تھا؟"

"نہیں۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے پتہ ہوتا۔"

"کیسے پتہ ہوتا؟"

"کیونکہ لفٹ میرے سامنے ہے' اور مجھے کراس کر کے ہی کوئی کاردار صاحب کے آفس میں جا سکتا ہے۔"

"وہ تو اسٹاف لفٹ ہے نا۔" زمر نے چند کاغذات اس کے سامنے رکھے جن پہ آفس فلو زپرنٹ کی گئی تھیں۔ "ایک پرائیوٹ لفٹ بھی تو ہال کے کونے میں ہے' اور اس سے کاردار صاحب کے خاص مہمان اترتے ہیں' اس کے ایک طرف گلاس وال لگی ہے جو معمولی سی دھندلی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی وہاں سے اترے تو آپ کو کراس کیے بغیر ہی سیدھا کاردار صاحب کے آفس میں چلا جائے؟"

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ہاشم کو دیکھنے کی راہ بھی بلاک تھی۔ "وہ گلاس بہت معمولی سا دھندلا ہے اور کسی انسان کے کندھوں تک آتا ہے۔ کوئی وہاں سے گزرتا تو اس کا سر نظر آ ہی جاتا ہے۔ چند فٹ دور ہی تو میرا ڈیسک ہے۔"

"اور آپ کی آنکھیں کیسی ہیں؟"

"سوری!"

"کیا یہ سچ نہیں ہے مس حلیمہ کہ بیس اپریل کو آپ کی آنکھوں کی Laser سرجری ہوئی تھی' پی آر کے' مگر آپ نے صرف دو دن

کا آف لیا تھا اور تیسرے دن آپ جاب پہ واپس آ گئی تھیں۔"

"جی۔ یہ درست ہے۔"

"اور آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا تھا کہ 'پی آر کے' کے بعد آنکھ کھلتی ہی دو دن بعد ہیں اور بصارت دھندلی ہوتی ہے۔ کم از کم چار سے پانچ ماہ لگتے ہیں دونوں آنکھوں کی نظر شارپ ہونے میں۔ آپ کا نمبر منفی چار اعشاریہ پانچ تھا' جو کافی کمزور ہے۔ آپ کی نظر واپس آنے میں کم از کم بھی دو ماہ لگنے تھے۔"

حلیمہ نے بے چینی سے اس کے پیچھے دیکھنا چاہا مگر بے سود۔ ہاشم نے کوفت سے پہلو بدلا۔ وہ اعتراض کرتا تو وہ مزید کنفیوژ ہو جاتی۔

"میری نظر بالکل ٹھیک تھی۔"

"مگر کیا ان دنوں آپ اسٹیرائڈ ڈراپس آنکھوں میں نہیں ڈال رہی تھیں؟"

"جی مگر......"

"اور آپ نے ۵ جون کو اپنے ڈاکٹر کو پوسٹ آپ چیک اپ میں کہا تھا کہ اس ہفتے جب سے آپ نے اسٹیرائڈ چھوڑے ہیں آپ کی نظر بحال ہونے لگی ہے۔ یعنی اکیس مئی تو اس سے پہلے آیا تھا۔ اکیس مئی تک تو آپ ڈاکٹر کے حروف تہجی بورڈ کی آخری چار سطور نہیں پڑھ سکتی تھیں۔"

"میری نظر ذرا سی کمزور تھی' مگر میں سارا کام احسن طریقے سے......"

"آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ بیماری میں بھی آ جاتی تھیں آفس' تو ان دنوں آپ کو دو میٹر سے آگے نظر نہیں آ رہا تھا' مگر آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا اور کام کرتی رہیں۔"

"مگر میں......" وہ مضطرب ہو کر بولنا چاہ رہی تھی مگر......

"اور یہ عین ممکن ہے کہ قریباً بارہ میٹر دور موجود پرائیوٹ لفٹ سے سعدی جب اترا ہو' تو آپ نے فاصلے کے باعث اسے پہچانا نہ ہو۔"

"مگر وہ پرائیوٹ لفٹ سے نہیں اترا تھا۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"یعنی وہ اسٹاف لفٹ سے اترا تھا؟" وہ تیزی سے بولی۔

ہاشم نے آنکھیں میچ لیں۔ (اُف)

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ "وہ کسی بھی لفٹ سے نہیں اترا تھا۔"

"مگر یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے اسے نہ دیکھا ہو' کیونکہ آپ آنکھوں میں ان دنوں steroids ڈالتی تھیں اور پرائیوٹ لفٹ سے آنے والے کو نہیں دیکھ سکتی تھیں یوں وہ آپ کو بائی پاس کر کے ہاشم کے آفس میں جا سکتا تھا۔ آپ جھوٹ نہیں بول رہیں۔ آپ میں دراصل دیکھنے کی اہلیت ہی نہیں تھی۔ تھینک یو' مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔" اب کی بار ایک دم تیزی اور درشتی سے کہہ کر زمر واپس ہولی۔ حلیمہ نے بے بسی سے ہاشم کو دیکھا جواب نظر آیا تھا اور اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔ وہ ری ایگزامن کے لیے بھی نہیں اٹھا۔ مزید کوئی گل افشانی نہ کر دے وہ اور گواہ کو جانے دیا۔

"زمر!" وہ واپس بیٹھی تو سعدی نے آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کے قریب ہوئی۔

"فارس ماموں کی رہائی سے پہلے' جب میں نے ایک ہوٹل میں حلیمہ کے ہاتھ میں موجود ہاشم کے ٹیپ ٹاپ کو یو ایس بی لگا کر ہیک کرنے کی کوشش کی تھی تو وہ مجھے نوٹس نہیں کر پائی تھی۔ یقیناً اس لیے کہ اسکی نظر خراب تھی۔"

"ہاں۔"

"مگر زمر' میں تو ریگولر اسٹاف لفٹ سے اترا تھا۔" اس نے جلدی سے تصحیح کی۔

"سعدی یوسف خان۔ کورٹ روم میں جھوٹ کو سچ سے نہیں ہرایا جاتا۔ جھوٹ کو اس سے بڑے جھوٹ سے ہرایا جاتا ہے۔" مسکرا کر کہتے وہ واپس سیدھی ہو گئی۔

جب وہ باہر نکلی تو راہداری میں اپنے باس کے ساتھ چلتی حلیمہ اسے صفائیاں دے رہی تھی اور وہ غصے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرا کے آگے بڑھ گئی۔ تب احساس ہوا کہ کوئی اس کے ساتھ آ کر چلنے لگا ہے۔ وہ رکی نہیں' مڑی نہیں' قدم اٹھاتی رہی۔

"بڑے عرصے بعد کنسرولڈ' شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی لگی ہیں آپ۔" مسکراہٹ دبائے وہ بولا تھا۔ زمر نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔

"میں تو وکالت کر رہی تھی۔"

"اور یقیناً اس کے ڈاکٹر کی فیس وغیرہ کا آپ کو ہاشم کے کمپیوٹر سے چوری کی گئی فائلز سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"وکیل اپنا سورس نہیں بتاتے' اور دونمبر لوگوں کو تو بالکل بھی نہیں۔" وہ دو قدم آگے بڑھ گئی' مگر وہ رکا رہا۔ پھر مسکرا کے بولا۔ "میں متاثر ہوا ہوں۔" زمر کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ گھومی تو آنکھوں میں حیرت تھی۔

"مجھ سے؟"

"ہوں۔ تم سے۔ کیونکہ اچھا وکیل وہ ہوتا ہے جو وہاں سے آئے جہاں سے تصور بھی نہیں کیا ہو۔ ہم سب سمجھ رہے تھے تم اس کے کردار اور قابلیت پہ حملہ کر کے اس کو جھوٹا کہو گی' مگر تم نے یہ ثابت کیا کہ وہ سچ بول رہی ہے' بس بے چاری کو نظر ہی نہیں آیا تھا۔" مسکرا کے بولتے ہوئے وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ "مجھے کافی اچھا لگا یہ سب دیکھ کر۔ مگر ڈر بھی لگا۔ سوچ رہا ہوں آئندہ معلوم نہیں باتوں میں تم سے جیت بھی سکوں گا یا نہیں۔"

"استغفر اللہ!" وہ خفگی سے کہتی سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی اور وہ اداس مسکراہٹ سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

..................✤✤✤..................

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے ...... ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا

رات شہر پہ اتری تو بلند و بالا عمارتوں کی ساری روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ ایسی ہی ایک روشن پرشکوہ عمارت ایک سیون اسٹار ہوٹل کی تھی جس کے اندر جاؤ' تو لابی میں رنگوں' روشنیوں اور خوشبوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ ہنستے ہوئے بے فکر خوبصورت لوگ.... اور ان سب کے درمیان سے گزرتی صاحبزادی صاحبہ' جس کے کانوں کے نگینے جگمگا رہے تھے' اور انگلیوں کی انگوٹھیاں نگاہیں خیرہ کر دیتی تھیں۔ اس کے پیچھے دو باڈی گارڈز چل رہے تھے' اور وہ تینوں لفٹ کی سمت جا رہے تھے۔ صاحبزادی صاحبہ کی مسکراہٹ ویسی ہی چہرے پہ جمی رہی جب وہ بالائی منزل پہ ایک راہداری سے گزر کے ایک سوئیٹ کے باہر آ ٹھہری۔ گارڈز نے دروازہ کھٹکھٹایا' تو اگلے ہی لمحے وہ کھل گیا۔ کھولنے والی خود جواہرات تھی۔ سرخ لباس میں ملبوس' سرخ لپ اسٹک لگائے' بالوں کو کرل کر کے چہرے کے ایک طرف ڈال رکھا تھا' اور مسکرا رہی تھی۔

"آپ کو میرے لیے دروازہ خود کھولنا پڑا؟" صاحبزادی صاحبہ طنز سے مسکرائی۔

"چونکہ آپ نے کسی حساس موضوع پہ ملنے کے لیے کہا تھا تو میں نے اپنے اسٹاف کو بھیج دیا۔ آئیے نا۔" خوش دلی سے کہتے ہوئے اس نے راستہ چھوڑا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں شاہانہ طرز کی کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں' درمیان میں میز تھی جس پہ پھول رکھے تھے۔ (گارڈز باہر

تھے۔)

"آپ کے زیورات بہت خوبصورت ہیں۔" جواہرات مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے آپ کی طرح لمبی لمبی اداکاریاں نہیں آتیں جواہرات بیگم۔" وہ اب کے بولی تو مسکراہٹ سمٹ گئی تھی اور آنکھوں میں تپش در آئی تھی۔ "یہ مجھے احمر شفیع نے دیے ہیں۔ آپ کی ملکیت تھے یہ۔ اور اب میری ملکیت ہیں۔"

"احمر!" وہ ہلکا سا ہنسی۔ پھر کہنی کرسی کے ہتھ پہ رکھے ایک انگلی گال تلے رکھے وہ دلچسپی سے صاحبزادی کو دیکھنے لگی۔ "اور کیا دیا ہے احمر نے آپ کو؟"

"مجھے تو آپ پہ ترس آ رہا ہے۔" وہ واقعی ترحم سے بولی تھی۔ "بہت دنوں بعد آپ آفس اور سوشل گیدرنگز میں نظر آئی تھیں، اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ، مگر کون جانتا تھا کہ یہ تخت و تاج محض چند دن کا محتاج ہے۔ بس چند الفاظ اس کو الٹنے کے لیے کافی ہیں۔"

"اچھا! اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میرا تخت الٹنے والا ہے؟"

"کیونکہ آپ کے تخت کو اٹھانے والے آپ کے دو بیٹے ہیں، اور جس دن وہ آپ کی حقیقت جان گئے، آپ تباہ ہو جائیں گی۔"

"اور کیا ہے میری حقیقت؟"

"مسز کاردار!" وہ ذرا سا مسکرائی۔ "کہا تھا نا میں نے آپ کو۔ جیسے آپ نے میری زندگی برباد کی ہے، میں بھی کروں گی۔ کہا تھا نا میں انتقام ضرور لوں گی۔ آپ سوچیں اس وقت آپ پہ کیا گزرے گی جب ہاشم جان لے گا کہ آپ نے... اس کے باپ کا... قتل کیا ہے۔"

جواہرات مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے انگلی پہ گھنگریالی لٹ لپیٹتی رہی۔

"اور یہ بتانے کے احمر نے کتنے پیسے لیے ہیں آپ سے؟" کوئی حیرت کوئی شاک نہیں۔

"آپ خود کو جتنا بھی کمپوزڈ ظاہر کر لیں، آپ کا چہرہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اورنگزیب کاردار کی قاتل ہیں۔"

"اور یہ بھی اس نے کہا ہوگا کہ میرے پاس ثبوت نہیں ہے مگر مسز کاردار کا چہرہ اس گواہی کے لیے کافی ہے۔" وہ ہلکا سا ہنسی۔

صاحبزادی صاحبہ کے اعصاب تن گئے۔ اس کو یہ امید نہیں تھی۔ قدرے بے چینی سے بولی۔ "سعدی یوسف سب جانتا ہے کہ کس طرح تم نے اپنے شوہر کو مارا، اور میری اینجیو بھی گواہ ہے۔"

"اوہ ڈارلنگ، تم بھی کن لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنے قد سے بڑی باتیں کرنے آ گئیں۔" جواہرات نے افسوس سے گہری سانس بھری۔ صاحبزادی صاحبہ کو اب غصہ چڑھنے لگا۔

"جس دن میں نے ہاشم کو بتا دیا نا، وہ تمہاری جان لے لے گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ تمہارے ڈرائیور کو جو صبح چھٹی لے کر گیا ہے، کل شام میں نے خرید لیا تھا، اور اس نے مجھے سب بتا دیا کہ کس طرح سعدی اور احمر نے اپنی جان بچانے کے لیے تمہارے ساتھ یہ جھوٹ بولا، اور تم بی بی یتیم چلی آئیں میرا تخت گرانے۔"

یہ کہتے ہوئے جواہرات اٹھی اور ساتھ والے کمرے کا نیم وا دروازہ کھول دیا۔ صاحبزادی صاحبہ نے چونک کر گردن موڑی، اور اگلے لمحے وہ سانس تک لینا بھول گئی۔

وہاں سے وہ دونوں اندر داخل ہوئے تھے۔ ہاشم اور نوشیرواں۔ سوٹ میں ملبوس چبھتی ہوئی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔ وہ اپنی ماں کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے تھے اور جواہرات مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"میں جانتی تھی تم مجھے بلیک میل کرنے آؤ گی، اس لیے میں نے اپنے بیٹوں کو بھی بلا لیا۔ اور دیکھو، وہ میرے ساتھ کھڑے ہیں، ان کو مجھ پہ پورا اعتماد ہے۔"

صاحبزادی فق چہرہ لیے کھڑی ہوئی۔ تھوک نگلا۔ باری باری ان دونوں کے سپاٹ چہرے دیکھے۔ ''تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو مارا ہے۔'' وہ دبا دبا سا چلائی۔

''اچھا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ اور سعدی کا نام مت لینا' آپ کے ڈرائیور سے سن چکا ہوں۔ سعدی تو کل تک خاور کو میرے باپ کا قاتل کہتا تھا۔'' ہاشم تلخی سے گویا ہوا۔ وہ نارمل نظر آ رہا تھا۔

''تمہاری ملازمہ گواہ ہے' اس نے تمہارے باپ کے باتھ روم سے جواہرات کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔''

''جسٹ گیٹ آؤٹ!'' ہاشم نے بے زاری سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں.... میں ساری دنیا کو بتاؤں گی کہ تم کیسی عورت ہو۔ اپنے بیٹوں کو دھوکا دے رہی ہو۔ پوسٹ مارٹم والے ڈاکٹر کو بھی تم نے سری لنکا سے احمر کے ذریعے کال کروائی تھی اور جب اس کے پاس گئی تو اس کو اتنا ڈرایا کہ اس نے خاور کا نام....'' (شیرو نے بہت آہستہ سے سر اٹھایا۔)

''نکل جاؤ یہاں سے۔'' جواہرات حلق کے بل چلائی تھی۔ وہ سہم کر خاموش ہوئی۔ جواہرات قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی اور سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورا۔

''سعدی کو کہنا ہمارا فیملی یونٹ وہ کبھی نہیں توڑ سکتا۔ رزق اور راج صرف کوشش سے نہیں ملتا۔ یہ ادھر (پیشانی پہ انگلی رکھی) ادھر لکھا ہوتا ہے۔ میرا بخت ادھر لکھا ہے۔ یہ سب یہ زیورات تو تم یہ رکھ سکتی ہو۔ یہ cursed ہیں۔ جلد ہی تمہیں دلدل میں دھکیل دیں گے اور تم مجھ سے بڑی ڈائن بن جاؤ گی۔ اب دفع ہو جاؤ۔'' اور صاحبزادی کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ باری باری سب کو دیکھا اور پھر تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔ جواہرات اب سے مڑی تو آنکھوں میں آنسو تھے۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں نے صبح میری ساری بات سن کر میرا ساتھ دیا اور سعدی یوسف کے پلان کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ مجھے تم دونوں پہ فخر ہے۔''

ہاشم نے کندھے اچکائے اور صوفے پہ بیٹھ گیا۔ وہ بے زار لگ رہا تھا۔ نوشیرواں البتہ ابھی تک بت بنا کھڑا تھا۔ ہاشم اسی بے زاری سے کہنے لگا۔ ''سعدی بار بار ڈیڈی کی موت کو بیچ میں کیوں لے آتا ہے؟ اب تو مجھے بھی شک ہونے لگا ہے کہ خاور اصل قاتل ہے بھی یا نہیں۔''

جواہرات کا دل بری طرح کانپا۔ وہ بہت بڑا جوا کھیل گئی تھی مگر اس کے سوا اور چارہ نہ تھا۔ ''آف کورس خاور قاتل ہے ہاشم۔ اب میں یا تم تو قاتل ہو نہیں سکتے۔ کہیں تم بھی اس کی باتوں میں تو نہیں آ گئے؟''

''او ہو نہیں ڈی۔ میں تو بس سوچ رہا ہوں کہ وہ اب اس بات کو ہر جگہ استعمال نہ کرنا شروع کر دیں اور.....''

''احمر کو کیسے پتہ ڈاکٹر کے گھر والی بات؟'' نوشیرواں کسی خواب کی سی کیفیت میں بولا تھا۔ وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔

''پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر کے گھر 'میں' آپ اور بھائی گئے تھے۔ احمر تو تب ہمارا ملازم بھی نہیں تھا۔ تو اسے کیسے پتہ چلا کہ آپ نے ڈاکٹر کو ڈرانے والی باتیں کی تھیں؟'' شیرو عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بپھر گئی۔

''کیونکہ احمر کے ذریعے خاور کا پتہ صاف کیا تھا ہم نے' شاید میں نے ہی بتایا ہو۔ اب کیا تم مجھے ایسے دیکھو گے؟''

''اور اس نے میری کا نام کیوں لیا؟ آپ میری کو ڈی پورٹ کرنا چاہتی تھیں' آپ میری سے ڈیڈ کی موت کے بعد سے خوش نہیں تھیں۔''

''نوشیرواں ممی پہ شک مت کرو۔'' ہاشم اکتا کر کھڑا ہوا۔ ''ان کی باتوں کو اپنے ذہن پہ سوار مت کرو' چلو ڈنر کرتے ہیں۔'' اس نے اس کا شانہ تھپتھپایا تو شیرو نے سر جھٹکا۔ جیسے بہت سے خیالات بھی جھٹکے۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ اچھے نظر آتے تھے اور جواہرات بظاہر پرسکون

سی اندر عجیب طوفانوں میں گھری تھی۔ صاحبزادی کے بتانے سے بہتر تھا وہ خود ان کو بتا دے یہ حکمت عملی اس کا آخری آپشن تھا۔ آخری ہوا۔ اور اس کا نتیجہ اتنا حوصلہ افزا نہیں تھا جتنا وہ چاہتی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اسے اور کیا چاہیے تھا؟

.... ✿ ....

امید کے صحرا میں جو برسوں سے کھڑا ہے ...... حالات کی بے رحم ہواؤں سے لڑا ہے

مئی، جالی پہ دہ حبس زدہ رات مغموم سی پھیلی تھی۔ لاؤنج کی دیوار کو نئے سرے سے صاف پینٹ کر کے حنین فارغ ہو چکی تھی۔ وہ نقش و نگار چھپ گئے تھے اور اب وہ چند روز میں اس پہ stencil پینٹ کر سکتی تھی۔ شکر۔ وہ گلوز اتارتی 'برش اور ڈبے اٹھاتی' سیڑھیاں چڑھنے لگی تاکہ اپنے کمرے میں جا کر اس سامان کو ٹھکانے لگائے پھر سعدی کے کمرے کی جلتی بتی دیکھ کر ادھر چلی آئی۔

وہ اسٹڈی چیئر پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا' اور پر سوچ نظریں چھت پہ ٹکی تھیں۔

''پریشان نہ ہو بھائی ہم پھر سے ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔'' اس کے نرمی سے پکارنے پہ وہ چونکا' پھر اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ ''پتہ ہے حنین' صرف ایک بات مجھے تسلی دیتی ہے کہ ہمارے جج صاحب ایماندار آدمی ہیں۔''

''اور مجھے صرف ایک بات خوف دلاتی ہے کہ بڑے فیصلے کرنے کے لئے صرف ایماندار ہونا کافی نہیں ہوتا۔'' وہ سوچ کر رہ گئی' مگر بولی تو صرف اتنا۔'' چاہے ہم جنگ جیتیں یا ہاریں' حق کے لئے لڑنا ہمیشہ درست ہوتا ہے۔''

پھر وہ چلی گئی اور وہ وہیں بیٹھا سوچتا رہا۔ مایوسی' اداسی اور امید کے درمیان وہ کہیں ہوا میں معلق تھا۔ کسی کچے دھاگے سے لٹکا' کسی کچی زنجیر سے بندھا۔ پھر وہ اٹھا اور وضو کر کے آیا۔ تولیے سے ہاتھ منہ خشک کیے' اور اسٹڈی ٹیبل پہ قرآن لئے واپس آ بیٹھا۔ ایک یہی کلام اللہ تو تھا جو ہر اندھیرے میں تسلی دیتا تھا' کہ خیر ہے' جہاں اتنا چل لیا وہاں کچھ اور چلتے جاؤ' روشنی مل جائے گی۔ تمہارے حصے کی روشنی تمہیں ضرور ملے گی۔ بس تھوڑا صبر اور۔ بس تھوڑا فاصلہ اور۔ ''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام سے ساتھ جو رحمن اور رحیم ہے۔'' اس نے مطلوبہ آیت سے اپنی محبوب سورۃ کھولی۔

''اور بے شک تیرا رب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (جو ان کے سینے چھپاتے ہیں) اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

''اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ بات نہیں جو روشن کتاب میں نہ ہو۔'' (سورۃ النمل: 75-74)

''یہ آیت' اللہ تعالیٰ' آپ نے قرآن میں کتنی دفعہ دہرائی ہے؟ ان گنت۔ اور اس کے ان گنت رموز ہر دفعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا یہاں کہ تم چھپاتے ہو' یہ فرمایا' جو ان کے سینے چھپاتے ہیں۔'' یہاں جو گلٹی پارٹی ہے' وہ انسان نہیں ہے۔ وہ اس کا سینہ ہے۔ دل بھی سینے کے اندر رہتا ہے۔ اور ہم خود کیوں نہیں؟ اگر غور کرو تو آیت کے شروع میں فرمایا'' آپ کا رب'' صرف رب بھی کہا جا سکتا تھا مگر'' آپ کا رب'' کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ جس کے دل کی بات ہو رہی ہے' وہ تو اللہ کا بندہ ہے۔ میں اور آپ' ہم اللہ کے ہیں' اسی لیے شاید اللہ تعالیٰ ہمیں رعایت دے دیتے ہیں۔ صرف نظر کر جاتے ہیں ہماری غلطیوں سے... مگر یہ ہمارے دل ہیں جو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ کبھی compulsive liars کو دیکھا ہے؟ وہ بات بے بات بغیر سوچے سمجھے جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا دماغ ابھی سامنے والے کا سوال سمجھا ہی نہیں ہوتا کہ زبان جھوٹ بول دیتی ہے۔ تو یہ دل کیسے انسان کو بے بس اور مجبور کر دیتا ہے؟ جب ہم اس میں غلط خزانے بھرتے جائیں اور اس کو کسی شے کا عادی کر دیں۔ ہم غلط کام اس میں چھپاتے ہیں تو یہ عادی ہو جاتا ہے' پھر خود سے' ہم سے پوچھے بغیر اپنے اندر غلط چیزیں' غلط خیالات' غلط ارادے' غلط محبتیں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ پھر یہ قابو میں نہیں رہتا۔ اور اس کا حل کیا ہے؟ حل وہی ہے کہ جب کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے تو اللہ ایسے دل میں کیوں اپنی محبت ڈالے گا جس میں جھوٹ دھوکے' غلط راز اور غلط لوگ بسے ہوئے ہوں؟'' وہ اپنی نوٹ بک پہ لکھتا بھی جا رہا تھا۔ ذہن کی آلودگی دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی۔ ایک یہی کتاب تو ساری کثافت دور کر دیتی تھی۔

"بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور بے شک وہ ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ بے شک تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا اور وہ غالب علم والا ہے۔" (سورۃ النمل: 78-76)

"مجھے آج اس آیت کو پڑھ کر یہ لگ رہا ہے اللہ تعالیٰ کہ قرآن ہر ایک کے لئے مختلف کردار ادا کرتا ہے۔ کچھ لوگ جو اس کو بھلا بیٹھے ہوتے ہیں' ان کی عبرت کی مثالیں یہ ان کو سناتا ہے جو اس کو بار بار پڑھتے ہیں۔ ہمارے آپس کے سارے جھگڑوں اور اختلافات کا حل اس میں موجود ہے' اور جن کا نہیں ہے' ان کا فیصلہ آپ قیامت کے روز کر دیں گے اللہ تعالیٰ مگر مجھے اپنی امت کی فرقہ واریت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ اختلافات کے نام پہ ہمارے ہاں اتنی تقسیم ہے کہ حد نہیں۔ ہم اختلاف کرنے والوں کو ڈانٹ کیوں دیتے ہیں؟ کسی کی جنت یا جہنم کی کوئی گارنٹی نہیں ہے سوائے انبیاء کرام اور عشرہ مبشرہ صحابیوں' یا بدر کے مجاہدوں اور چند دیگر صحابہ کے یا چند ایسی ہستیوں کے جن کے بارے میں احادیث میں بتایا گیا ہے۔ کسی امام' کسی پیر' کسی اسکالر' کسی لیڈر' کسی کی جنت کی گارنٹی نہیں ہے۔ تو پھر ہم اپنی جنت پکی کر کے دوسرے کی جہنم کا ٹکٹ کیوں ہاتھ میں لیے گھومتے ہیں؟"

"سو اللہ پر بھروسہ کر بے شک تو صریح حق پر ہے۔ البتہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر لوٹیں اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی دور کر کے ہدایت کر سکتا ہے تو ان ہی کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔" (سورۃ النمل: 81-79)

"لیکن پھر یہ ساری باتیں ہر ایک پہ اثر کیوں نہیں کرتیں؟ کیوں بہت سے لوگ اندھے گونگے بہرے بن کر کفر کے فتوے دوسروں پہ تھوپے چلے جاتے ہیں؟ انسانوں کی پیروی میں اندھے ہو جاتے ہیں؟ کیونکہ شاید قرآن سے ہدایت اور رحمت ایمان والوں کو ملتی ہے' اور ایمان ہوتا کیا ہے بھلا؟ خوف اور غم سے نجات پا لینا۔ کھلا ذہن رکھنا جس میں نرمی ہو' تنگی نہ ہو۔ سختی نہ ہو۔ ایمان کیا ہوتا ہے؟ حیا۔ دوسروں کا دل دکھانے سے شرم کرنا۔ سخت باتیں سنا دینے سے شرم کرنا۔ سامنے والے کے احساسات کا خیال کرنا۔ اور کیا ہوتا ہے ایمان؟ قرآن و حدیث کو ثبوت ماننا اور اپنی رائے سے اوپر سمجھنا۔ یہ جب انسان میں آ جاتا ہے نا' یہ خیال کہ میں اور میرا مسلک غلط ہو سکتے ہیں' مگر اللہ کی بات حرف آخر ہے' تب انسان کا ذہن کھلتا ہے اور وہ سنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ میں نے بڑے بڑے مدرسوں اور یونیورسٹیز سے پڑھنے والے علماء کو دیکھا ہے' وہ اتنی سختی سے دوسروں پہ کھٹا کھٹ فتوے لگاتے ہیں کہ عام زندگی میں بھی ان کا یہی رویہ بن جاتا ہے۔ مزاج میں سختی' ہر وقت دوسروں کو جج کرنا اور بدکلامی۔ ان چیزوں سے دل سخت ہوتا ہے اور پھر وہ ہدایت نہیں لیتا۔ اور میں نے انہی مدرسوں اور یونیورسٹیز سے نکلنے ایسے علماء کو بھی دیکھا ہے جو گو کہ اپنی اٹل رائے رکھتے ہیں' مگر دوسروں کی بھی سنتے ہیں' اور نرمی سے سمجھانا بھی جانتے ہیں۔ دلیل سے بات کرتے ہیں' غصے سے نہیں۔ حقارت اور نفرت سے نہیں۔ اللہ ایسے نرم خو لوگوں کا نام ہمیشہ بلند کرتا ہے' کیونکہ یہ "اللہ کے دشمنوں" سے سخت بات بھی سختی اور بدکلامی سے نہیں کرتے۔ سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنی رائے اور دلیل بیان کرتے ہیں مگر دوسرے کے کان میں سیسہ نہیں گھولتے۔ ہمیں ضرورت ہے ایسے لوگوں کی طرح بننے کی' اور اس کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا ہو گا کہ کوئی دو انسان ہر چیز کے بارے میں ایک جیسا نہیں سوچ سکتے۔ ہمارے گھر والے بھلے سیاسی اور مذہبی خیالات ہمارے جیسے رکھتے ہوں مگر کئی جگہ ان سے بھی ہماری رائے مختلف ہو سکتی ہے۔ مگر مزاج کی یہ نرمی صرف تب آئے گی جب ہم "ایمان" لے آئیں گے' اور جان لیں گے کہ سب سے زیادہ درست صرف اللہ ہے۔ باقی ہم سب غلط ہو سکتے ہیں اور اگر اپنے غلط وجود سے بھی ہمیں اتنی محبت ہے تو دوسروں سے کراہت کیوں کریں؟ لوگوں کی کچھ باتوں کو نظر انداز کرنا اور کچھ کو درگزر کرنا..... یہ ایمان کا حصہ ہے۔"

لکھتے لکھتے اس کے ہاتھ درد کرنے لگے۔ شاید وہ کافی دن بعد قلم سے لکھ رہا تھا۔ مگر یہ کتاب تھی ہی ایسی جو ہر درد کا مرہم بن جاتی

تھی۔ یہ نہیں تھا کہ درد نہیں ہو گا' بس ہر درد کے بعد سکون بھی مل جائے گا۔ اس نے قرآن کو ادب سے چوما اور بند کر کے رکھ دیا' پھر انگلیاں کھولنے بند کرنے لگا' تاکہ سکون آئے۔

''بھائی بھائی۔'' پرسکون ماحول کا بلبلہ ایک دم سے پھٹ گیا۔ حنین دھاڑ سے دروازے کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ٹیب تھا اور چہرے پہ بلا کا افسوس۔ ''وہ آپ لڑکوں کا دوست.... احمر شفیع.... اس کے بارے میں سوشل میڈیا پہ خبر دیکھی آپ نے؟''

سعدی نے گہری سانس لی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''ہاں دیکھی تھی۔ ایک کار حادثے کے بعد ایک جلی ہوئی لاش ملی ہے جو اسی کی عمر کے بندے کی ہے اور اتفاق سے اس کے ساتھ جو احمر شفیع کے نام کا شناختی کارڈ' پاسپورٹ وغیرہ تھے' وہ بالکل بھی نہیں جلے۔'' حنہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''آپ کا دوست ہلاک ہو گیا اور آپ آرام سے بیٹھے ہیں؟''

''اسے غائب ہونے کے طریقے آتے ہیں' ایک فیک ڈیتھ اسٹیج کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مگر ہو سکتا ہے یہ سب ڈرامہ نہ ہو۔ بلکہ اس کو مسز کاردار نے مروا دیا ہو۔'' اسے فکر ہوئی۔

''مجھے نوے فیصد یقین ہے کہ ایسا نہیں ہے' کیونکہ اس نے مجھے کہا تھا کہ ولیم شیکسپیئر نے کہا ہے۔

"There are three ways for a person to disappear. The first is to die. The second is to lie. And the last is to be reborn."

اسی طرح اس نے کہیں اور کسی نئے نام سے جنم لے لیا ہو گا۔

حنین نے گہری سانس لی۔ ''ربا نا ہمیشہ کی طرح آخر میں بھی فراڈ ہی۔ یہ ڈائیلاگ شیکسپیئر کا نہیں ہے۔ دکٹوریا گرے سن نے Revenge میں بولا تھا۔ شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' یہ بھی اس کا ایک فراڈ ہو سکتا ہے' لیکن اگر نہیں بھی ہے تو جو میرے ایگزام والی بات ہاشم کو بتائی تھی نا' اسی کا بدلہ ملا ہے اسے۔''

''حنین!'' وہ خفگی سے بولا مگر وہ مزے سے کہتی باہر جا چکی تھی۔ وہ اسے پہلے ہی دن سے برا لگتا تھا۔ پہلی دفعہ جب اس نے حنین کو دیکھا تھا تو اسے اس کی اخبار میں چھپی تصویر یاد آ گئی تھی اور لگ گیا تھا اس کے بارے میں کھوج لگانے.... ہونہہ.... کہ اس نے ایف ایس سی میں ٹاپ کرنے کے باوجود انجینئرنگ کیوں نہیں پڑھی۔ وہ اس کا سیاہ راز تھا اور اسی لیے اس احمر شفیع سے وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کرتی تھی۔ مگر اب نہ وہ راز غیر آرام دہ کرتا تھا نہ وہ فراڈ ان کی زندگیوں میں رہا تھا۔ اور ویسے بھی اسے کل سے ڈرائنگ روم کی پینٹنگ بھی شروع کرنی تھی' سو آج رات گوگل کے آئیڈیاز کے نام!

.... ❖ ....

عجب سوال کیا آندھیوں نے پتوں سے ...... شجر سے ٹوٹ کے گرنا بتاؤ کیسا لگا

بہت دن بعد آج سر شام ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ اوپر سے جیسے پانی کے تھال کے تھال انڈیلے گئے تھے۔ پہاڑی علاقے کی اس بل کھاتی سڑک کے اوپر.... چوٹی پہ بنے پتھروں کے گھر کی کھڑکیوں پہ بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ باہر مئی کے باوجود ٹھنڈ ہو چکی تھی اس سٹنگ روم میں ذمر لڑکا آتش دان میں ہیٹر جلانے لگا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر صوفے پہ بیٹھے ہاشم کو وضاحت دی۔ ''ابا کو ٹھنڈ نہ لگ جائے اسی لئے جلا رہا ہوں۔'' ہاشم نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہیل چیئر پہ بیٹھے خاور کو دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد لگ رہے تھے۔ جہاں ہاشم تر و تازہ' تیار' تھری پیس میں ملبوس چاق و چوبند بیٹھا تھا' وہیں خاور لاغر کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ لگتا تھا۔ اس کے بال سفید ہو چکے تھے اور شیو بھی سفید تنکوں جیسی تھی۔ گردن ایک طرف ڈھلکی تھی اور نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

"تم جاؤ بیٹا۔ میں کچھ وقت تمہارے ابو کے ساتھ اکیلے میں گزارنا چاہتا ہوں۔" لڑکا بیڈ ریسٹ کر کے تابعداری سے سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ باہر برستی بارش کی تڑتڑاہٹ بھی معدوم ہونے لگی۔

"پچھلے ہفتے جب میں نے دو دن ایک سرخ رومال کو دیکھتے کمرے میں بند گزارے' تو ایک دفعہ ایسا موقع بھی آیا کہ فون کھول کر اپنے کانٹیکٹس کے گروپس دیکھے۔ فرینڈز' فیملی' کولیگز' شناسا فرینڈز کے خانے میں بہت سے نام تھے۔" وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے خاور پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ "مگر کوئی بھی کام کا نہیں تھا۔ میں سوچتا رہا کہ دوست کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی وفا غیر مشروط ہو۔ جو آپ سے بھلے اختلاف رکھتا ہو مگر آپ کو سنتا ہو' آپ کو سمجھتا ہو اور اس کو جب مدد کے لئے پکارو' وہ حاضر ہو اور جس کے لئے آپ بھی ہمیشہ حاضر ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ جو ہمارے لئے ہمیشہ حاضر ہوتے ہیں' وہ ہم سے ہماری ان کے لئے حاضری کی توقع نہیں رکھتے مگر خاور.... مجھے احساس ہوا کہ شاید تم میرے سب سے اچھے دوست تھے۔"

بوندیں تڑتڑ شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ خاور کی آنکھیں اوپر کہیں جمی تھیں۔ جسم سے نالیاں لگی تھیں اور وجود میں ذرا سی جنبش بھی نہ ہوتی تھی۔ سوائے پلکیں جھپکنے کے۔

"اب تک میں تم سے غصے میں تھا۔ ناراض تھا۔ سوچتا تھا' کیا اتنی نفرت تھی تمہیں میرے باپ سے کہ ان کو مار دیا؟ مگر اب میں ناراض نہیں ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں اب سمجھنے لگا ہوں۔ تمہیں بھی اور خود کو بھی۔ اپنے ہاتھوں سے ایک محبوب انسان کو مارنے کے بعد مجھے لگنے لگا ہے کہ قتل صرف نفرت اور دشمنی میں نہیں کیے جاتے۔ محبت میں بھی ہو جاتے ہیں۔ مجبوری سے بھی ہوتے ہیں۔ شاید تمہیں میرے باپ سے کوئی نفرت نہ ہو' شاید تمہاری مجبوری ہو' مگر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اب تمہیں سمجھ سکتا ہوں۔"

وہ اداسی سے کہہ رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔ خاور اسی طرح ایک طرف دیکھے گیا۔

"مجھے آج کہنے دو کہ میں تمہیں مس کرتا ہوں۔ تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ تمہارے جانے کے بعد ہر چیز میرے لئے خراب ہونے لگی ہے۔ سب بگڑ رہا ہے۔ مگر میں آخری دم تک لڑوں گا' لیکن مجھے کہنے دو کہ کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا' کاش تم میرے ساتھ ہوتے ان دنوں۔

کاش تم نے میرے باپ کو نہ مارا ہوتا۔" پھر وہ آگے ہوا اور قریب سے اس کو دیکھا۔ "کیا واقعی تم نے ڈیڈ کو مارا تھا؟" اس کی آواز میں ایک شبہ سا تھا۔ ایک شک۔ ہیجان۔ خاور دوسری جانب دیکھتا رہا۔ وہ اٹھا اور گھوم کر اس کی وہیل چیئر کے سامنے آیا' دونوں ہاتھ وہیل چیئر کے بازوؤں پہ رکھے' اور اضطراب سے اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا جو کہیں اور دیکھ رہی تھیں۔

"اور اگر تم نے ہی ان کو مارا تھا' تو کس کے کہنے پہ؟ کیا میری...." آواز کانپی۔ "میری ماں کے کہنے پہ؟ ہاں' بتاؤ مجھے۔" اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی' اور وہ تڑپنے کے سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ "مجھے بتاؤ پلیز' کیا میری ماں نے میرے باپ کو مارا ہے؟ میں وجہ نہیں پوچھتا۔ صرف ہاں یا ناں پوچھ رہا ہوں کیونکہ میں...." وہ سیدھا کھڑا ہوا اور پیشانی تکان سے مسلی۔ "میں دو دن سے اس کشمکش میں ہوں کہ میری ماں اس وقت صرف کور اپ کر رہی ہے' یا وہ واقعی بے قصور ہے۔ اور میرا دل دونوں باتوں کو نہیں مانتا۔"

"مگر ایک بات میں جانتا ہوں کہ.... شاید اب میں ممی کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں تمہیں بھی سمجھ سکتا ہوں۔ اپنے ہاتھ سے پہلی جان لی ہے میں نے' اور بہت کچھ کھو دیا ہے۔ اگر یہ سچ ہوا تو خاور.... اگر واقعی ممی نے یہ سب کیا ہے' تو میں.... میں ان سے راستہ الگ کر لوں گا۔ ان کو چھوڑ دوں گا۔ ان سے محبت کرنا ترک نہیں کر سکتا لیکن۔ اور ہاں' ان کو ہر حال میں سمجھتا رہوں گا۔ قتل مجبوری میں ہوتے ہیں۔ شاید ان کی بھی کوئی مجبوری ہو۔" پھر وہ تلخی سے ہنسا۔ "چند ماہ پہلے تک میں ایسا نہیں تھا۔ اب میں بدلتا جا رہا ہوں۔ میں بے حس ہوتا جا رہا ہوں۔ لیکن شاید یہ سعدی کی کوئی نئی گیم ہے۔ اگر ممی انوالوڈ ہوتیں تو ہم دونوں کو صاحبزادی جیکم کے ملازم کا بیان نہ بتاتیں۔ اس بات کو چھپاتیں۔ وہ بے قصور ہیں اسی

لئے تو...!" اس نے سر جھٹکا۔ "کیا تم مجھے سن رہے ہو؟" اس نے امید سے پکارا' اس سے پکارا۔ مگر دوسری طرف وہی خاموشی تھی۔

"شاید تم سن نہیں سکتے۔ تمہاری سماعت متاثر ہوئی ہے۔ مگر اچھا لگا تم سے بات کر کے۔" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے' ایک آخری نظر اس پہ ڈالتا' مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ خاور نے آنکھوں کا رخ پھیر کر دروازے کو دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔

❖❖❖

نہ وہ رنگِ فصلِ بہار کا، نہ روش وہ ابرِ بہار کی ...... جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاج بادِ صبا گیا

کالونی کے بنگلوں کی بتیاں رات میں جلتی ہوئی بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ حبس اور گرمی کے بعد بارش نے سارے میں رونق بخش دی تھی۔ کچھ لوگوں کے گھروں میں بنتے ہوں گے پکوڑے اور چپس مگر مور جال میں حسین پینٹ کی بو ہی پھیلائے بیٹھی تھی۔ سارا گھر اس سے بے زار تھا' مگر چونکہ وہ اپنا ہیرو خود تھی' تو اس کا دماغ عرصے سے آسمان سے اترنا بھول گیا تھا۔ فارس اس ساری چخ چخ جو ندرت' ندہ اور حسینہ کے درمیان جاری تھی' سے تنگ آ کر اوپر ٹیرس پہ آ بیٹھا تھا۔ موسم خوشگوار تھا' اور ٹھنڈی ہوا بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھے' آنکھیں بند کیے' ٹیک لگا کر بیٹھا' خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

"Knok knock!" آواز پہ چونک کر آنکھیں کھولیں۔ زمر اس کے سر پہ کھڑی تھی۔ سبز رنگ کے لباس میں' گھنگریالے بال آدھے باندھے' وہ کھلی کھلی سی لگ رہی تھی' ساتھ میں بھاپ اڑاتی چائے کا مگ بھی بڑھا رکھا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "تھینک یو۔" اور مگ لے لیا۔ وہ اس کے ساتھ کرسی پہ آ بیٹھی یوں کہ اس کی طرف گھومی ہوئی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"ہوں؟ کچھ نہیں۔" فارس نے سر جھٹکا۔ اور مگ ہونٹوں سے لگایا۔

"اور میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ سوچو بھی نہیں۔" وہ چونکا۔ "کیوں؟"

زمر کی اس پہ جمی بھوری آنکھوں میں فکرمندی دکھائی دیتی تھی۔ "تم خود کو مت پریشان کرو۔ مت تھکاؤ۔ گلٹی فیل مت کرو۔ آبدار کے ساتھ جو ہوا اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔" وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ فارس ہلکا سا مسکرایا۔

"پھر کس کا قصور ہے؟"

"ہاشم کا۔ اس کے باپ کا۔ وہ لوگ ذمہ دار ہیں۔ تم نہیں۔"

"مگر میں نے اس کو استعمال کیا تھا' مزید سوچے بغیر کہ وہ مشکل میں پڑ سکتی ہے۔"

"تم نے سری لنکا تک اس کو استعمال کیا تھا' وہاں تو وہ مشکل میں نہیں پڑی نا؟ جس مشکل میں تمہارا ہاتھ نہیں' تمہاری نیت نہیں' اس کے لئے دل بھاری مت کرو۔"

"اچھا۔ کوشش کروں گا۔" وہ زخمی سا مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"اور یہ سب مت سوچو جو سوچ رہے ہو۔ اور میں جانتی ہوں کہ کیا سوچ رہے ہو۔ تم ضبط کیے بیٹھے ہو۔ اور چاہتے ہو ایک ہی وقت میں جا کر ان سب کو مار ڈالو۔ آبدار اور میرے ساتھ جو ہوا اس رات اس کے ذمہ داروں کو سزا دینے کا مت سوچو فارس۔" وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ چپ چاپ چائے پیتے سنے گیا۔ "میں جانتی ہوں تم فرسٹریٹڈ ہو۔ بہت چپ رہنے لگے ہو۔ تمہیں یہ ساری بھڑاس ان لوگوں پہ نکالنی ہے' مگر میں چاہتی ہوں تم درگزر کر جاؤ۔ معاف کر دو نہیں تو صبر کر لو۔ ہمارا کیس عدالت میں ہے۔ ہمیں وہ جیتنے دو۔ اور پھر میں تو ٹھیک ہوں بالکل۔"

''تم ٹھیک ہو نا؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''ہوں۔'' اس نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اس وقت نہیں تھی۔ شاک میں تھی۔ شل تھی' مگر اب ٹھیک ہوں۔ وعدہ کرو تم کچھ نہیں کرو گے ان کے خلاف؟''

''او کے۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے آخری گھونٹ پیا اور کپ اسے تھمایا۔ زمر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اتنی شریفانہ شکل بنا کر جب حکم مانتے ہو تو مجھے پتہ نہیں کیوں یقین نہیں آتا۔''

''تمہاری سوچ ہی خراب ہے۔''

''اور تمہاری نیت۔''

''اف۔'' وہ کراہا۔ ''اچھا بھلا میں تیسری شادی کرنے کے قابل ہو رہا تھا' اب پچھتا رہا ہوں کہ کیوں بچانے گیا تمہیں۔''

''تمہیں سچ میں تیسری شادی کا اتنا شوق ہے یا صرف میرے سامنے بنتے ہو؟''

''تم کہتی ہو تو تجربہ کر کے دکھاؤں تمہیں؟''

''ہونہہ!'' وہ ناک سکوڑ کر سیدھی ہوئی اور ٹیک لگا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ نیچے سے حنین اور ندرت کی بحث کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''میں سوچ رہا ہوں' ہم نیا گھر لے لیں۔''

''چیونٹی کا گھر چھوڑ دو گے تم؟'' زمر کو یقین نہیں آیا۔

''بی بی یہ چیونٹی کا گھر نہیں ہے۔ یہ پورا چڑیا گھر ہے۔'' تڑپ کر جیسے وہ بولا تھا۔ وہ ایک دم ہنسنے لگی۔

''میں سنجیدہ ہوں۔ چلو اب ہم اپنا گھر لیتے ہیں۔ جہاں ہم سکون سے رہ سکیں۔ ہر وقت یہ سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں جہاں اور ہر دوسرے دن کوئی دہشت نہ بنا کرے۔''

''تم اتنا تنگ ہو میرے گھر والوں سے؟'' وہ خفا ہوئی۔

''میں اس سے بھی زیادہ تنگ ہوں۔'' وہ سخت اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ ''مجھے تو یہاں کوئی اپنا سمجھتا ہی نہیں ہے۔''

''میں تو سمجھتی ہوں نا۔ اچھا واقعی..... میں تمہیں سمجھنے بھی لگی ہوں۔ سنو پھر سے بتانا' تمہیں واقعی نہیں معلوم تھا کہ قانون شہادت میں ایسا آرٹیکل بھی ہے جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا؟''

''بیڑہ غرق ہو قانون شہادت کا۔ یہ ہماری ہر بات میں کیوں آ جاتا ہے۔''

اور وہ ہنستی چلی گئی۔ ''میں اس کا جواب تمہیں نہیں دوں گی مگر میں صحیح تھی۔ تمہیں واقعی اس آرٹیکل کا نہیں علم تھا۔ کاش تم نے کلاس میں مجھے دیکھنے کے سوا بھی کچھ کیا ہوتا۔''

''کیوں نہیں کیا تھا؟ دو لڑکیاں بہت پسند تھیں مجھے۔ ایک کا نام رباب تھا' اس کے گھر کا پتہ تک یاد ہے مجھے۔ اور دوسری.....'' اور جواب میں وہ خفگی سے کچھ کہنے لگی تھی۔ مگر وہ اثر لیے بغیر ٹیک لگا کر بیٹھا' باؤں میز پہ رکھے' بولے جا رہا تھا۔ اس پانی کی ساری تلخی اور تکلیف بالآخر دھل گئی تھی اور وہ پہلے جیسا ہو کر پہلے جیسی باتیں کرنے لگا تھا۔

وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

زمر کے خیال میں۔

..................❁❁❁..................

(ڈیئر علیشا کاردار' تمہارا خط ڈھائی سال پہلے مجھے ملا تھا' مگر جواب لکھنے آج بیٹھی ہوں۔)

عدالت اور موسم' دونوں پہ گرما گرمی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا' ریت کی طرح انگلیوں سے پھسل رہا تھا' آبشار کے پانی کی طرح پتھروں سے سر پٹخ رہا تھا.....

(دراصل علیشا ان ڈھائی سالوں میں بہت کچھ بدلا ہے۔ اور میں نے جان لیا ہے کہ تم غلط تھیں۔)

کمرہ عدالت میں کٹہرے میں جواہرات کھڑی تھی اور زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ 21 مئی کو نوشیرواں پاکستان میں ہی تھا' مگر اس کو دیکھنے والے تمام ملازم آپ نے چند دنوں میں فارغ کر دیے تھے؟''

''ملازم دوسری وجوہات پہ فارغ کیے تھے' سب کے ٹرمینیشن لیٹرز کی کاپیز میں آج ہی جمع کروائے دیتی ہوں۔'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔ ''نوشیرواں دبئی میں تھا' اور آپ کی اس شادی کے بعد ہی چلا گیا تھا جس کو کروانے کے لیے آپ نے میری منت کی تھی زمر صاحبہ!''

''شادی کے بارے میں آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے مسز کاردار' آپ پہ تو ویسے بھی آج کل اپنے ہی شوہر کو قتل کروانے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔'' وہ بھی تپا نے والی مسکراہٹ سے بولی۔ ہاشم کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔ دھاڑ سے وہ ''آبجیکشن'' بولا تھا۔

''ود ڈران!'' (واپس لیا۔) زمر نے سادگی سے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ جواہرات نے تلخ مسکراہٹ سے سر جھٹکا تھا.....

(میں نے یہ بھی جان لیا ہے علیشا کہ صرف میرے اندر وہ بھیڑیے نہیں ہیں نیکی اور بدی کے۔ یہ ہر شخص کے اندر ہوتے ہیں۔ ہر شخص گلٹی ہے۔ لیکن تمہاری طرح میں اب دوسروں کو جج کر کے ان کو گلٹ میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ کتنا بہتر ہوتا اگر تم اپنے اعمال پہ زیادہ غور کرتیں بجائے میری فکر کرنے کے۔)

لیبارٹری میں کھڑا ڈاکٹر نوازش تکان سے اپنا بیگ سمیٹ رہا تھا۔ چیزیں الٹ پلٹ کرتے' اس نے اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا۔ چند پیغام تھے۔ ان کو پڑھتے وہ کھڑا ہو گیا۔ تب ہی اچانک سے لیب کی بتی بند ہو گئی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ادھر ادھر دیکھا' مگر اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' پیچھے سے کسی نے اس کو دھکا دیا تھا۔ موبائل پھسلا' اور خود وہ نیچے لڑھکا۔ پھر یکا یک بوکھلا کر سر اٹھایا۔ اس کے ساتھ وہ جو گزرا آر کے تھے۔ اس نے حیران نظریں اٹھائیں۔ اوپر جینز اور سرمئی شرٹ پہنے' آستین چڑھائے' چھوٹے کٹے بالوں والا فارس غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

''کون ہو؟ اندر کیسے آئے؟'' مگر فارس جواب دینے کی بجائے جھکا' اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا' اور اس کا چہرہ اپنی سرخ آنکھوں کے قریب لے جا کر غرایا۔

''آبدار عبید کا پوسٹ مارٹم تم نے کیا تھا؟''

''کون.... آب دا....'' وہ ہکلایا مگر بات مکمل نہیں ہوئی۔ فارس نے اسے میز پہ یوں دھکیلا کہ بہت سا سامان' شیشے کی بوتلیں' فلاسک وغیرہ نیچے گرتی گئیں۔ ہر طرف ٹوٹتے کانچ کی آوازیں اور کرچیاں بکھر گئی تھیں۔ ڈاکٹر کا سر پھٹ گیا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔

''یادداشت آئی ہے واپس تو اب بتاؤ۔'' اسے گدی سے پکڑ کر اٹھایا اور کھڑا کیا۔

''کیا کیا لکھنا بھول گئے تھے اس کی رپورٹ میں؟؟''

''بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔'' وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ چہرے پہ خوف و ہراس تھا' اور ماتھے سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔'' اس کے جسم پہ تشدد کے نشان تھے۔ بازو' ہاتھ اور گردن پہ۔ اور پھیپھڑوں سے ملنے والا fluid کسی جھیل یا.... یا سمندر کا نہیں تھا' اگر ہوتا تو اس میں diatoms....''

"کس کے کہنے پہ بنائی تھی رپورٹ؟ بتاؤ!" وہ غرایا تو اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتا تخنی سا ڈاکٹر کانپ اٹھا۔ "ڈاکٹر آفتاب واسطی ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ!"

آئندہ... تم کسی کی بھی رپورٹ بنانے کے قابل نہیں رہو گے۔" اور یہ کہہ کر اس نے اس کے دائیں ہاتھ کو مروڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ عجیب سی آواز آئی اور ڈاکٹر کی چیخیں نکل گئیں۔ فارس نے نفرت سے اسے پرے پھینکا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر مڑا اور بڑی میز کو دھکیلتے ہوئے سامان سمیت اس کے اوپر گرا دیا۔ ایک کرسی کو ٹھوکر ماری اور پھر نفرت سے اسے دیکھتا باہر نکل گیا.....

(تم جیسے لوگ علیشا خود تو ناکام اور تلخ ہوتے ہی ہیں مگر دوسروں کو ہر وقت عقابی آنکھ تلے رکھتے ہیں۔ اصل میں کچھ لوگوں کو بڑا دکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ ان کو اپنے دوستوں کے سامنے بڑا لگنے کے لیے دوستوں پہ جا بجا تنقید کی عادت پڑ جاتی ہے۔)

کمرۂ عدالت میں سب دلچسپی اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑی شہرین کو سن رہے تھے جو ڈھٹائی سے کہہ رہی تھی۔ "میرے علم میں نوشیرواں کے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اسے کبھی گلاک کا یہ ماڈل چلاتے دیکھا ہے۔"

"مگر کیا اس دن آپ میرے اور فارس کے پاس نہیں آئی تھیں یہ کہنے کہ ہم آپ کو کیا دیں گے اگر آپ اس گن کا لائسنس ڈھونڈ دیں ہمیں؟" زمر سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ صریح بہتان ہے۔ میں آپ کے گھر کبھی نہیں آئی۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

(اور اگر تم جیسوں کا کوئی دوست میرے جیسا ہو جس کا دل ایسا ہی حساس ہو تو وہ تم نقاد دوستوں کی باتوں کو دل سے لگا کر ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ تم جیسے لوگ دوستوں کی سب سے بری قسم سے تعلق رکھتے ہو۔)

دفاع کی کرسیوں پہ موجود ہاشم کا موبائل بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ بلاکڈ نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔ "اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ ہندسے لکھ کر ٹوئیٹ کر دو۔ میں سمجھ جاؤں گا۔" ہاشم نے ٹوئیٹر کھولا اور "پر امید" کے نیچے وہی ہندسے لکھ کر ٹوئیٹ کر دی۔ پھر مسکرا کے فون جیب میں رکھا۔ ذرا سا مڑا تو پیچھے گول چشمے والا آدمی اپنا موبائل دیکھ رہا تھا۔

ہاشم مسکرا کے سیدھا ہوا اور نوشیرواں کی طرف جھکا۔ "تم بے فکر رہو۔ سعدی یوسف کے دوسرے دشمن ہم سے زیادہ اس خاندان کی تباہی کے خواہشمند ہیں۔" شیرو خاموش رہا تھا۔

(میں اس امت سے تعلق رکھتی ہوں علیشا، جس کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو برے حلیے میں دیکھا تو خود کچھ نہیں کہا مگر اس کے جانے کے بعد صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس کو کہہ دیتے تو اچھا تھا۔ مگر ساری بات یہ ہے کہ انہوں نے خود کچھ بھی کہنے سے حیا کی۔ ہمارا اللہ ہمیں حیا سکھاتا ہے۔ یہ خود کو صاف گو اور منہ پھٹ کہنے والے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اچھے دوست نہیں بن سکتے اور اپنی بدکلامی کی وجہ سے آخر میں اکیلے رہ جائیں گے۔)

موروچال گرمی بھری رات میں ڈوبا تھا اور سرونٹ کوارٹر میں بیٹھا صداقت افسوس سے سامنے بیٹھی حسینہ کو کہہ رہا تھا۔ "مجھے بڑا ارمان لگا کہ فارس بھائی اس دن ہم پہ شک کر رہے تھے۔ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"اصل میں، میں نے جو بول دیا کہ تم لائے ہو تو وہ اس لیے شک کرنے لگے۔" وہ جلدی سے بولی۔ وہ چونکا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ یہ تمہاری امی جی نے تمہیں تحفے میں دیا ہے۔"

"ایسے ہی بتاتی؟ نظر لگ جاتی ہے۔"

(سچے لوگ بدکلام نہیں ہوتے اور منہ پھٹ اور تلخ کلام لوگ سچے نہیں ہوتے۔ منافقین کہتے تھے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ حالانکہ جو بات وہ کہہ رہے تھے وہ تو سچ تھی۔ مگر وہ جھوٹے اس لیے تھے کہ ان کا دل اس کی گواہی نہیں

دیتا تھا۔)

رات مزید گہری ہوئی تو وہ سرونٹ کوارٹر سے نکل کر سیج سیج چلتی چار دیواری کی پچھلی سمت جانے لگی۔ یہاں کونے میں ایک بڑا سا درخت تھا۔ وہ کسی بلی کی طرح اس پہ چڑھی اور پھر چڑھتی گئی' دیوار تک پہنچی' پھر وہاں سے دوسری طرف پھلانگ گئی۔ سامنے اندھیرے میں وہ شخص کھڑا تھا اور اس نے سرخ سا مفلر چہرے پہ لپیٹ رکھا تھا۔

''اب اور کیا کرنا ہے مجھے؟ بہت مشکل سے آئی ہوں۔ اگر میرے مالکوں کو معلوم ہو گیا نا تو میری جان لے لیں گے...''

''بس... ایک آخری کام!'' وہ آہستہ سے بولا تھا اور پھر دھیمی آواز میں اس کو کچھ سمجھانے لگا تھا۔

(سچے لوگ وہ ہوتے ہیں جو وہ کہیں جس کی گواہی ان کا دل دے۔ اور آپ کا دل جب آپ کو بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے سے آپ کے دوست کا دل دکھ جائے گا اور آپ پھر بھی اسے کہہ ڈالیں تو آپ نے سچ نہیں کہا۔ آپ نے بدکلامی کی۔)

کمپیوٹر اسکرین روشن تھی اور سعدی اور حنین اس کے سامنے پورے انہماک سے بیٹھے تھے۔ حنہ ساتھ ساتھ ٹائپ بھی کیے جا رہی تھی۔

''مزے کی بات یہ ہے کہ پی ایم ڈی سی نے سارے پاکستان کے ڈاکٹرز کا ڈیٹا اپنی ویب سائٹ پہ ڈال رکھا ہے۔ معمولی سی ہیکنگ اور یہ دیکھیں....'' حنہ مزے سے کہہ رہی تھی۔ ''میرا فیشل ریکوگنیشن سافٹ ویئر اپنا کام چند منٹ میں کر لے گا' اور اگر ڈاکٹر مایا کی شکل کی کوئی لڑکی یہاں ہوئی' تو وہ نکل آئے گی۔''

''ویری گڈ جاب بیڈ گرل!'' اس نے حنہ کا شانہ تھپکا تھا۔ وہ مسکرا کر اور سعدی فکرمندی سے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

(اور علیشا انسان کو ایسا دوست نہیں بننا چاہیے جو اپنے دوست کو صرف اس لیے خط لکھے کہ جب وہ خود جیل میں اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچا ہے تو دوسرے کو بھی کہنے لگے کہ حنین تم بھی کچھ برا ضرور کر رہی۔ یہ دوسروں کے بارے میں فتوے پتہ نہیں تم جیسے دوست کیوں دے لیتے ہیں جن کو اپنے کل کا نہیں پتہ ہوتا۔)

سرخ نشان ابھرا تو حنین اور سعدی' دونوں کے منہ کھل گئے۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ مایوسی سارے میں پھیل گئی تھی۔ ''یعنی مایا پاکستان میں رجسٹرڈ ہی نہیں ہے۔ اسے کسی اور ملک سے بلوایا گیا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''یعنی اب ہمارے پاس اور کوئی گواہ نہیں ہے۔ اب بند کر دو ان کی ویب سائٹ۔''

''ارے واہ۔ ایسے ہی بند کر دوں؟ تھوڑی سی editing تو کرنے دیں۔'' اس کی آنکھیں چمکیں اور اس نے کی بورڈ سنبھال لیا۔ سعدی حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کا ونسل کا ''اباؤٹ'' سیکشن ایڈٹ کر رہی تھی۔

''ہم سے ملیے۔ ہم ہیں پاکستان مینٹل اینڈ ڈپریسڈ کمیونٹی۔ ہم نے صرف پرائیویٹ میڈیکل کالجز کو کھلی چھٹی دے کر بچوں کا بیڑہ غرق نہیں کیا' بلکہ ہم نے انٹری ٹیسٹ کے نام پہ دنیا کا سب سے منافع بخش کاروبار بھی شروع کر رکھا ہے۔ آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ انٹری ٹیسٹ کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کو ہم اس لیے ختم نہیں کر رہے کیونکہ ہمارے بہت سے دوست اور رشتہ دار انٹری ٹیسٹ پریپ کی اکیڈمیاں چلا کر ہر سیزن میں اربوں روپے بنا لیتے ہیں۔ ورنہ باقی اس کا صرف ایک مقصد ہے۔ اٹھارہ انیس سال کے بچوں کے ذہن کو مفلوج کرنا۔ ان کو خوفزدہ کرنا۔ میٹرک سے ان کے ذہن پہ سوار کر دینا کہ انہوں نے تعلیم نہیں حاصل کرنی بلکہ ایک ہزار سے اوپر نمبر لینے ہیں۔ اور وہ بچے اپنے سینئرز کو ان کے ناموں سے نہیں ''998 نمبر والا'' اور ''1021 نمبر والی'' جیسے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے پاس سیٹیں تھوڑی ہوتی ہیں' اور ہم ہزاروں بچوں کو کامیاب نہیں کرا پاتے' تو ہمیں فخر ہے کہ جس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہ ہو' اس کو معاشرہ ''نالائق'' سمجھتا ہے۔ وہ بچہ کسی بھی فیلڈ میں چلا جائے' وہ اس احساس کمتری اور ڈپریشن میں رہتا ہے کہ اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ہوا اور

ان ہزاروں ناکام بچوں کو ہماری کوشش ہے کہ کبھی یہ نہ پتہ چلنے دیا جائے کہ انٹری ٹیسٹ پاس یا فیل کرنا اہم نہیں ہے۔ اس کی تیاری کرنا اور اس کو دے ڈالنا' یہی سب سے بڑی جدوجہد ہے جسے اگر آپ نے کرلیا ہے' تو بھلے آپ کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہ ہو' آپ دنیا کی ہر اچھی فیلڈ میں کامیابی کے جھنڈے گاڑھ سکتے ہیں اگر آپ خود پہ اعتماد رکھیں۔ آپ نالائق نہیں تھے۔ یہ آپ کی حکومت کا ناانصافی پہ مبنی نظام تھا۔"

"بس کرو وحنہ۔ سابر کرائم میں پکڑی جاؤ گی۔" وہ اس کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اوپس!"

(علیشا تمہارے اس ایک خط نے مجھے ذہنی طور پہ بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔ دوستوں کو تم جیسا نہیں ہونا چاہیے۔ دوستوں کو دوستوں کی خامیاں نرمی اور پیار سے بتانی چاہئیں۔ اور خامی سے زیادہ ان کا حل بتانا چاہیے۔ "تم پہ سیاہ رنگ بالکل سوٹ نہیں کر رہا" کی بجائے "تم پہ سیاہ سے زیادہ سبز سوٹ کرتا ہے۔" کہہ دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔)

"پلیز گولی مت چلانا۔ میری بات سنو' میں تمہیں سب سچ سچ بتادوں گا۔" وہ نیم اندھیرا کمرہ تھا اور اوپر بلب جھول رہا تھا۔ نیچے ایک میز رکھی تھی جس کے سامنے کرسی پہ بندھا ہوا ڈاکٹر آفتاب پسینہ پسینہ ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کو ہتھکڑی سے بند تھے' اور گریبان کے دو بٹن کھلے تھے' کہیں سے شرٹ پھٹی تھی اور جلد چھلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ بال بکھرے تھے اور چہرے پہ خوف تھا۔

آستین چڑھائے کھڑے فارس نے پستول میز پہ رکھا' اور اس کے سامنے جا ٹھہرا۔ تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک جوتا اس کے گھٹنے پہ رکھا اور دبایا۔ گھٹنے پہ شاید کوئی زخم تھا' جس سے خون رسنے لگا اور وہ کراہنے لگا۔

"رکو۔ پلیز میری بات سنو۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"میرے بھائی کی رپورٹ تم نے بنائی تھی نا۔ وہ اینٹی ڈپریسنٹ کھاتا تھا' یہ بھی لکھا تھا تم نے۔ اس کے جسم پہ تشدد کے نشان نہیں تھے' میرے جری بھائی نے خودکشی کی تھی' یہ سب لکھا تھا نا تم نے۔ آبدار کی رپورٹ بھی تم نے بنوائی ہے نا۔"

"میں نے ہاشم کے کہنے پہ...." وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک ہی سانس میں سب کہتا گیا۔

"اور کس چیز سے جواہرات نے تمہیں مجبور کیا کہ تم اس کے شوہر کی رپورٹ بدلنے پہ مجبور ہوگئے؟" ڈاکٹر آفتاب چپ ہوگیا تو اس نے پستول اٹھایا اور اس کے دوسرے گھٹنے کی طرف تان لیا۔ اس کا چہرہ اتنا سرد تھا' اور اتنی تپش لیے ہوئے تھا کہ ڈاکٹر کا سانس اٹکنے لگا۔

"میں بتاتا ہوں۔ طوبیٰ.... میری بیوی کی بہن تھی۔ میری بیوی اور اس کا بیٹا.... طوبیٰ کا بھائی.... نہیں جانتے کہ طوبیٰ نے میری وجہ سے خودکشی کی تھی۔ میں نے...." وہ جلدی جلدی بتاتا گیا۔ اس عمر میں وہ ہڈیوں میں لگنے والی گولی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ چپ ہوا تو فارس نے جوتا اٹھالیا۔

"میں چاہتا تھا تمہارے بازو کی اس نس میں چھرا گھونپ دوں جو تمہاری انگلیوں کو سن کردے گی' اور تم کبھی دوبارہ سرجری نہیں کرسکو گے' مگر نہیں۔" اس نے یہ کہتے ہوئے گریبان پہ لگا پین اتارا' اس کی کیپ کو پریس کیا اور اسے دکھایا۔ "میں نے تمہاری طوبیٰ والی کہانی ریکارڈ کرلی ہے اور میں اسے تمہاری بیوی اور اس کے بیٹے کو دے دوں گا۔ وہ دونوں خود فیصلہ کریں گے کہ انہیں تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔"

"نہیں...." اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ "ایسے مت کرو۔"

"یہ رہی تمہاری ہتھکڑی کی چابی۔" اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی اور جب اس نے امید سے دیکھا تو فارس نے چابی اس کے قدموں میں گرادی۔

"جب تک تم اپنی ہتھکڑی کھول کر آزاد ہو پاؤ گے' وہ یہ ویڈیو دیکھ چکے ہوں گے۔" اور ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر بولا۔ "الوداع۔"

بازو بڑھا کر لیمپ کھینچا۔ بلب بجھ گیا۔ اب اس کے دور جاتے قدم سنائی دے رہے تھے....

(جو دوست اپنی بات کا آغاز "سوری مجھے کہتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا مگر ایسا ہے کہ.....'' یا ''دیکھو برا تو نہیں مانو گی ایک بات کہوں'' کی طرح کے فقروں سے کرتے ہیں' وہی سب سے برے دوست ہوتے ہیں۔ ایسی بات کہی ہی کیوں جائے جس سے دوست برا مانے؟ بلکہ کیوں نہ بری لگنے والی باتیں بھی اچھے انداز میں کی جائیں؟ اللہ کے رسول ﷺ تو کسی کو کچھ کہنے سے پہلے ''برا تو نہیں مانو گے؟'' نہیں پوچھا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ دوسرے کی مدد کرنا چاہتے تھے' اسے شرمندہ کرنا نہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہی نہیں تھے جس سے کوئی برا فیل کرے بلکہ اسے حل بتاتے تھے۔)

''گواہوں کے بیانات اور شواہد سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے یور آنر کہ.....'' زمر چبوترے کے سامنے کھڑی' دونوں ہاتھوں میں قلم کو گھماتی بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''کہ ملزم نوشیرواں کاردار نے میرے موکل سے ذاتی عناد کے باعث پہلے اس کا پیچھا کیا' پھر اس کو تنہا پا کر اسے گولیاں ماریں۔ پھر بھی اس کی جان نہیں گئی تو اسے ہسپتال سے اغوا کرالیا۔ اور ملک سے باہر بھیج دیا۔ ملزم کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر یہ یقین کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے کہ یہ سب اس کے لئے بہت آسان تھا۔ میرے موکل کو قید میں نو ماہ شدید اذیتیں دی گئیں اور اب تک ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ نہ صرف ملزم کو مجرم قرار دیا جانا چاہیے بلکہ اس کو سزائے موت بھی سنائی جائے۔'' اور وہ ٹھہرے ہوئے سرد آواز میں بولی۔

''Prosecution pleads for death penalty''

(اور دوستوں کو سیری طرح بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اسکول کالج میں کوئی دوست' یا انٹرنیٹ پہ کوئی فرینڈ بات بات پہ صاف گوئی کی آڑ میں ہمیں طنز کا نشانہ بناتا ہو اور ہم اس کی باتیں سن کر دکھی پہ دکھی ہوتے چلے جائیں' یہ بھی درست نہیں۔)

اسکول کے آڈیٹوریم میں عجیب ہنگامہ سا مچا تھا۔ جہاں چند منٹ پہلے بچے اسٹیج پہ پرفارم کر رہے تھے' وہاں اب وہ سہم کر ایک طرف کھڑے تھے' اور انہی میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑی سونی بھی تھی۔ پروجیکٹر اسکرین پہ ایک ویڈیو چل رہی تھی جس میں شہرین کارڈز کھینچتی اور پیسے ہارتی نظر آ رہی تھی۔ ڈی جے پاگلوں کی طرح کیز دبا رہا تھا' کسی طرح اس ویڈیو کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اسٹاپ نہیں ہو رہی تھی۔ انتظامیہ ندامت سے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی اور حاضرین میں کھڑی شہرین کا چہرہ مارے خفت کے سرخ پڑ رہا تھا۔ والدین مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے' چہ مگوئیاں کر رہے تھے' اور ساتھ کھڑی جواہرات تلخی سے بڑبڑا رہی تھی۔ ''آج کے بعد تم سونی کے دوبارہ قریب بھی نہیں آؤ گی۔ ایک لفظ مت بولنا' تم قابل حقارت عورت ہو۔ اس قابل نہیں ہو کہ اس بچی کی پرورش کر سکو۔ ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ سونی کو گھر میں لے جاؤں گی۔'' اور شہری نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا پرس اٹھایا تھا۔

(میں نے جان لیا ہے علیشا کہ انسان کو رشتے دار چننے کا اختیار بھلے نہ ہو مگر دوست چننے کا ضرور ہوتا ہے۔ اور ایسے دوستوں سے انسان کو خود ہی دور ہو جانا چاہیے جو بات بہ بات آپ کو اپنی تلخی کا نشانہ بناتے ہوں۔)

''میں اس کی گارجین اینجل ہوں' پتہ ہے آپ کو مادام شہرین!'' شہری خفت سے چہرہ جھکائے' پرس ہاتھ پہ رکھے تیز تیز باہر چلتی جا رہی تھی جب آڈیٹوریم کے باہر سے کسی نے اسے پکارا۔ وہ ٹھٹک کر مڑی۔ حنین کو دیکھا تو بے اختیار پرس والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا' اور پھر بے یقینی در آئی۔ ''تم نے کیا ہے یہ؟''

''میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ ہر بری گھڑی میں' میں فارس غازی کے ساتھ کیوں ہوتی ہوں؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے' اپنا ٹیبلیٹ ایک ہاتھ میں پکڑے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ ''جب وارث ماموں کو مارا گیا تب میں ان کے ساتھ تھی۔ جب زرتاشہ کو گولی لگی تو وہ میرے ساتھ ہوٹل میں تھے۔ جس قمرالدین کے قتل کا الزام لگا ان پہ' اس کے قتل کے وقت اس صبح بھی وہ میرے ساتھ تھے۔ پھر اس رات جب تم نے اور تمہارے سائیکو شوہر نے زمر کو مارنا چاہا' تب بھی میں فارس غازی کے ساتھ تھی۔ پتہ ہے کیوں؟'' وہ دو قدم قریب آئی۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیونکہ میں فارس غازی کی گارجین اینجل ہوں۔ اور میرا کام ہے ان کے راستے کی چھوٹی موٹی جڑی بوٹیوں کو صاف کرنا۔'' اور وہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



آگے بڑھ گئی۔ شہری مارے غصے کے پیر پٹخ کر رہ گئی مگر اس کے پیچھے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہیں سے سارے والدین نکل کر آ رہے تھے۔

(اور علیشا میں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو تبدیل نہیں کر سکتے' صرف ان کو بدل سکتے ہیں۔ ہم ان کا رویہ اور ان کی عادات نہیں تبدیل کروا سکتے ان سے اس لیے دوست بدل لینا زیادہ بہتر ہے ہر وقت کی دل آزاری سے۔)

''یور آنرز مسز زمر کے افسانوں کے برعکس.....'' ہاشم اب چبوترے کے سامنے دائیں سے بائیں چلتا' ہاتھ ہلا ہلا کر متانت سے کہہ رہا تھا۔ ''اس کیس میں فی الحال تک صرف یہی بات ثابت ہو پائی ہے کہ سعدی یوسف کو کسی نے اغوا نہیں کیا تھا۔ وہ واقعی زخمی ہوا تھا' اور یہ اس کے ساتھ زیادتی تھی' ہم بھی چاہتے ہیں کہ اس کے مجرم نیاز بیگ کو' جو جرم قبول کر چکا ہے' واقعی سزا ملنی چاہیے۔ مگر انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس gold-digger لڑکے نے اپنی زخمی حالت کا ناجائز فائدہ اٹھایا' اور شوال میں مقیم اپنے دہشت گرد سہولت کاروں سے کہلوا کر خود کو خود غائب کروایا۔ ہر گواہ چیخ چیخ کر بتا چکا ہے کہ سعدی یوسف کی سرگرمیاں مشکوک تھیں اور وہ شرپسند عناصر کے ساتھ میل جول رکھتا تھا۔ اب چونکہ وہ واپس آ چکا ہے' تو اپنے اتنے مہینوں کی گمشدگی کو کور اپ کرنے کے لیے اس نے ایک امیر خاندان کو نشانہ بنایا۔ تاکہ کیس کے دوران وہ خاندان سیٹل منٹ کے نام پہ اس کو بھاری رقم ادا کر دے اور تیسرے فریقین کے ذریعے بارہا اس نے کیس سیٹل کرنے' اور پیسے لینے کا عندیہ بھی ظاہر کیا' مگر ہم نے ٹھان لی تھی کہ پیسے نہیں دیں گے' بلکہ انصاف لیں گے اور.....'' اس کی آواز عدالت میں گونج رہی تھی اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔

(میں یہ نہیں کہتی کہ دوستوں کو ان کی خامیوں سے آگاہ ہی نہ کیا جائے بلکہ ان کی ہر وقت جھوٹی تعریفیں کی جائیں۔ میں صرف یہ کہتی ہوں علیشا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا مگر جب وہ سچ بول کر بھی اپنے ساتھیوں کا دل نہیں دکھاتے تھے تو ہمارے سچ ہمارے دوستوں کو آزردہ کیوں کر دیتے ہیں؟ ہم سچ بولنے سے پہلے ''برا نہ ماننا'' کہہ کر کیوں اقرار کرتے ہیں کہ بات برا ماننے والی ہی ہے؟)

قصر کاردار کی عقبی بالکونی میں ہاشم کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ سامنے دور پہاڑوں پہ سورج غروب ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' شرٹ کے آستین موڑے' مغموم سے انداز میں اس نارنجی تھال کو دیکھ رہا تھا جو بس کسی پل لگتا تھا زمین پہ الٹ جائے گا' مگر بادل اس کو سنبھالے ہوئے تھے۔ سہارا دیے ہوئے تھے۔

''تم نے شہری کو بےدخل کر کے اچھا کیا۔ اس کی وجہ سے سونی کی بہت انسلٹ ہوئی۔ سونیا تب سے ڈپریشن میں ہے۔'' ساتھ بیٹھی جواہرات کہہ رہی تھی۔

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرا۔ نظریں ڈوبتے سورج پہ جمی تھیں۔ ''سونی کو اس کی ماں کے غلط کاموں کی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتا میں۔ ایسی ماں کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہیے جو اولاد کی پرواہ کیے بغیر اتنے غلط کام کرتی رہی ہو۔''

جواہرات کا دل زور سے دھڑکا مگر بظاہر مسکرائے گئی۔ ''صحیح کیا۔ ہر ماں تمہاری ماں جیسی نہیں ہوتی جو اولاد کے لیے ہر شے قربان کر دے۔''

ہاشم نے نظریں پھیر کر اجنبی سے انداز میں اسے دیکھا۔ ''ہمارے لیے کیا آپ کو کچھ بہت مشکل کام بھی کرنے پڑے تھے؟'' اور وہ جان گئی کہ وہ جان گیا ہے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بہت مشکل کام ہاشم۔ بہت ہولناک کام۔'' ہاشم اسے دیکھتا رہا۔ گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی صاف دکھائی دی۔

''اور ایسے کام کرتے وقت کیا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا آپ کے پاس تب شاید..... آپ وہ نہ کرتیں؟''

''دوسرے راستوں میں میرے بیٹوں کی تباہی تھی۔ میں نے بیٹوں کو چنا۔'' اس کی آنکھ سے آنسو ٹپ سے گرا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔ سانس بند تھے۔ ایک دوسرے کو کھوجنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''اور کیا آپ نے سوچا کہ آپ کے کسی ایسے قدم سے... ہولناک قدم سے... آپ کے بیٹوں کو کتنی تکلیف ہو سکتی ہے؟''
''تکلیف کا علم تھا' مگر تباہی سے بچانے کے لئے ذرا سی تکلیف دینا بہتر تھا۔''

(میں چاہتی ہوں کہ ہم دوسروں سے ایسی دوستی کریں کہ ہمارے دوستوں کو ہمارے منہ کھلنے پہ کچھ کرڈر نہ لگا کرے کہ ابھی ان کی زبان سے کچھ ایسا کہا جائے گا جس پہ میرا دل برا ہو جائے گا۔ عجیب بات ہے مگر ان صاف گو منہ پھٹ دوستوں کے اپنے بارے میں جب کچھ کہا جائے تو آگ بگولہ ہو کر زمین آسمان ایک یہی کرتے ہیں۔)

''ذرا سی... تکلیف؟'' اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔ وہ بس دکھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ ''ہو سکتا ہے کہ آپ کی اولاد کا دل اس ذرا سی تکلیف سے باہر اب تک نہ نکلا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بیٹے کے ہر تلخ فیصلے کے پیچھے آج بھی اسی تکلیف کا اثر امابسا ہو۔ پتہ نہیں اگر یہ ''تکلیف'' ایسی ہے تو ''تباہی'' کیسی ہوگی؟'' پھر سر جھٹکا اور سامنے نظر آتے سورج کو دیکھنے لگا۔

''ٹرائل کا فیصلہ آجائے' پھر میں اور سونیا یہاں سے شفٹ کر جائیں گے۔ میں نے آفس کے قریب ایک گھر لیا ہے۔ جب تک ہمارا نیا گھر تعمیر نہیں ہوتا' ہم وہیں رہیں گے۔''

جواہرات کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ ''میں... تمہارا گھر دیکھنے آسکتی ہوں؟''
''نہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ گیا اور اندر چلا گیا۔ وہ دل مسوس کر بیٹھی رہ گئی۔

اندر ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل پہ دو کاغذات پڑے تھے۔ ایک اورنگزیب کی پوسٹ مارٹم رپورٹ جس میں موت کا وقت لکھا تھا۔ ایک اندازہ کہ اتنے سے اتنے بجے کے درمیان موت واقع ہوئی ہے اور دوسرا... اس نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک ای میل تھی۔ جب اس رات جواہرات کمرے سے باہر آئی تھی' تو اس نے ہاشم سے کہا تھا کہ اس کا جی میل کام نہیں کر رہا' تب ہاشم نے جواہرات کے فون سے اپنے فون پہ' یہ ہاشم ہے ام کے فون سے'' لکھ کر ای میل بھیجی تھی۔ اس کے کوئی آدھے گھنٹے بعد انہوں نے اورنگزیب کو مردہ پایا تھا۔ اس ای میل کا وقت پوسٹ مارٹم میں لکھے موت کے وقت سے اوپر تھا۔ (جواہرات اورنگزیب کو قتل کر کے' خود کو سنبھال کر' کمپوز ڈ کر کے' میک اپ کر کے باہر نکلی تھی۔ اس سب میں وقت لگا تھا۔) اس ٹائم اسٹیمپ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اورنگزیب کی موت اس وقت ہوئی' جب وہ کمرے میں تھی۔ ہاشم نے کرب سے آنکھیں موند لیں اور اس کاغذ کو مٹھی میں مروڑ دیا۔

(میں چاہتی ہوں علیشا کہ ہم انسان اپنے خود ساختہ سچائی کے ملمع کو چہرے سے نوچ پھینکیں اور جان لیں کہ بدگوئی اور حق گوئی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ حق اور سچ میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ حق کہتے ہیں سچی بات کو درست موقعے اور درست جگہ پہ درست انداز میں کرنا۔ اسی لیے ظالم حکمران کے سامنے کلمہ سچ نہیں' کلمہ حق لگائے جانا جہاد ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے محل کے سامنے جا کر دہائیاں دینے لگ جاؤ' بلکہ اس کے دربار میں کھڑے ہو کر اچھے انداز میں دلیل کے ساتھ اپنی بات پیش کر دو اور اسے اس کے ظلم کا احساس دلاؤ۔)

فرش پہ ایک لکڑی کے پھٹے کے اوپر شاہ فرمان چت لیٹا تھا۔ اس کا جسم ڈکٹ ٹیپ سے بندھا نظر آرہا تھا۔ سامنے ڈرل چارجنگ پہ لگی تھی اور وہ بار بار ضبط کرتا فارس کو دیکھ رہا تھا جو اب کرسی ڈالے اس کے قریب آبیٹھا تھا۔

''تم دن میں ہوٹل سیکیورٹی دیکھتے ہو اور رات میں فری لانس کنٹریکٹر کے طور پہ کام کرتے ہو۔ بڑے بڑے لوگوں کے برے برے کام کر کے دیتے ہو۔ میری بیوی کو لفٹ میں ڈبونے کے کتنے پیسے دیے تھے کاردار نے؟''
''پیسے کام کے... بعد ملنے تھے۔''
''جیسے مجھے تو علم ہی نہیں کہ سارے کنٹریکٹرز آدھے پیسے پہلے لیتے ہیں۔''
''تم وہ پیسے لے لو۔ مجھے جانے دو۔'' وہ کرسی سے اٹھا اور بوٹ سے اس کے منہ پہ ٹھوکر ماری۔

''مجھے تمہارے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔'' اس کے دانت پہ آگئی تھی۔ بھل بھل خون بہنے لگا۔ ''میرا دل چاہتا ہے' اس رات کی اذیت کے بدلے... میں تمہارے جسم میں اس ڈرل سے اتنے سوراخ کردوں کہ...'' مارے ضبط کے اس نے زور سے آنکھیں میچیں۔ پھر گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ''مجھے بتاؤ' میں کیوں نہ کروں تمہارے ساتھ یہ سلوک؟''

''تم... تم میرے کلائنٹس کی لسٹ لے سکتے ہو۔ میں نے ان کے جو بھی کام کیے ہیں' تم وہ دیکھ سکتے ہو۔'' وہ تیز تیز ہانپنے لگا تھا۔ فارس واپس کرسی پہ بیٹھا اور ڈرل مشین اٹھالی۔ ہوا میں بلند کر کے ٹریگر دبایا۔ زوں کی آواز سے وہ چلنے لگی۔ اس نے الٹ پلٹ کر اس کا جائزہ لیا۔ پھر اسے بند کر کے دیکھا' ''اور تم نے ''رسیدیں'' سنبھال کر رکھی ہیں تاکہ بوقت ضرورت اپنے کلائنٹس کو بلیک میل کرسکو؟ واہ۔'' وہ تلخی سے ہنسا تھا۔

''ہر کوئی ڈاکومنٹس سنبھال کر رکھتا ہے۔ اگر کبھی پکڑے جاؤ تو سیاستدان بچانے آجاتے ہیں۔''

''مجھے تمہارے سیاستدانوں میں دلچسپی نہیں ہے۔ ہاشم کاردار کے بارے میں بتاؤ۔'' اس نے ڈرل مشین سامنے رکھ دی۔ شاہ فرمان کی نظریں ڈرل پہ جمی تھیں۔

''اس کی ماں کا.... ایک کام کیا تھا میں نے۔'' وہ تیزی سے بول اٹھا۔ فارس رک گیا۔ پھر سیدھا ہوا۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ''اچھا... کیسا کام؟ کسی کا قتل؟ اغوا؟''

''نہیں.... چھوٹا سا کام تھا۔ ڈاکومنٹس forgery۔'' اس کی آواز جیسی ہوئی۔

(اس لیے جاتے جاتے میں تمہیں ایک نصیحت کروں گی کہ تلخ لوگوں کو دوسروں پہ نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ میں آج خود کو اس خط کی قید سے آزاد کر رہی ہوں۔ ہر شخص میں ہوتے ہیں وہ بھیڑیے اور بدی کا بھیڑیا کبھی غالب آ بھی جائے اور بھلے انسان کا ماضی کتنا ہی داغدار کیوں نہ ہو جائے' مگر دوست وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کو یہ بتائے کہ تمہارا مستقبل اب بھی کورا ہے۔ بلینک۔ اس کو تم اب بھی پاکیزہ روشنائی سے لکھ سکتی ہو۔ کاش تم نے مجھے اس وقت یہ بتایا ہوتا۔)

اس رات فوڈی ایورآفٹر کا اوپری ہال تاریک تھا اور اس میں صرف ٹیبل لیمپ کی روشنی جلتی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس میز پہ چند کاغذ پھیلائے پرسوچ' الجھی ہوئی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ بار بار کوئی تعلق بنانے کی کوشش کرتا۔ بار بار وہ ٹوٹ جاتا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ اب کرسی پہ بیٹھا تھا اور سر ہاتھوں میں گرائے سوچ رہا تھا۔

گھڑی اب رات کے تین بجا رہی تھی۔ وہ کاغذات' دیوار پہ چسپاں کیے' ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں قلم تھا اور مختلف نقطوں پہ نشان لگاتا پھر نفی میں سر ہلاتا۔

باہر صبح طلوع ہو چکی تھی۔

(اور میں چاہتی ہوں کہ تم جیسے دوست اپنے دوستوں کی نام نہاد بہتری اور بھلائی سوچنے کے بجائے اپنے آپ پہ توجہ دینے لگیں تو زیادہ اچھا ہو۔ میں حنین یوسف' یہ عہد کر چکی ہوں کہ اب میں کبھی اپنے دوستوں کے رویوں کو خود پہ طاری نہیں ہونے دوں گی اور ان کی وجہ سے اپنے آپ کو برا نہیں سمجھوں گی۔ میں اپنا ہیرو خود ہوں۔

حنین۔)

...............❀❀❀...............

انہیں کی شہ سے انہیں مات کرتا رہتا ہوں ...... ستم گروں کی مدارات کرتا رہتا ہوں

مور چال میں آج ٹی وی کا شور نہیں تھا۔ حنین اور ندرت کا بالآخر اس بات پہ اتفاق ہو گیا تھا کہ کچھ عرصے کے لئے ٹی وی کو پیک کر کے رکھ دیا جائے' اور اسامہ سخت ناخوش تھا۔ فیصلہ بھی اسی کی پڑھائی کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ اس کا ٹیب بھی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

مگر جب سے ٹی وی خاموش ہوا تھا' اس سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں کوئی انوکھا سا سکون در آیا تھا۔ سب کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ ذہن توانا تھے۔ آنکھیں تکان زدہ نہیں تھیں۔ سب لاؤنج میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور صد شکر کہ موبائلز پہ نہیں لگے تھے۔

''اس شیطان کے ڈبے کو واقعی کچھ عرصے کے لئے پیک کر دینا چاہیے۔'' ابا بڑے ہی خوش تھے' بار بار اظہار کرتے۔ ''عجیب ڈپریشن پھیلا کر رکھتا ہے گھر میں۔ اور اب دیکھو وقت میں برکت سی محسوس ہونے لگی ہے۔''

''بالکل۔'' اسامہ برے دل سے بڑبڑایا تھا۔ ابا نے نہیں سنا۔ وہ کچھ اور سوچنے لگے تھے' پھر زمر کو دیکھا۔ ''فارس کہاں ہے؟''

''پتہ نہیں۔ میں نے تو کل سے اسے نہیں دیکھا۔ فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کچھ کام کر رہا ہے۔'' اس نے رسان سے بتایا۔

''زمر...... وہ ٹھیک تو ہے؟'' ندرت نے اس کے پاس بیٹھتے پوچھ لیا۔ وہ چپ ہو گئی۔

''لگ تو ٹھیک رہا تھا۔'' اندر سے کچھ اس کو بھی کھٹکتا تھا۔

''مگر مجھے وہ ایسا لگا جیسا جیل سے آنے کے بعد لگتا تھا۔ اور سعدی کی گمشدگی کے دنوں میں۔ اسی طرح خاموش' عجیب سا۔'' وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

''کچھ معاملات ہمیں اتنے پریشان کرتے رہتے ہیں بھابھی کہ کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں پاتا۔ یا تو انسان ان کی وجہ سے گھل گھل کر ختم ہو جائے یا پھر اللہ تعالیٰ سے کہے' کہ یہ پریشانی میں نے آپ کے حوالے کر دی۔ جب تک میں آپ کے دوسرے بندوں کی مدد کروں اور لوگوں کے لئے اچھے کام کروں' تب تک آپ اس مسئلے کو خود سلجھا دیجئے گا۔'' وہ اندرونی خلفشار پہ قابو پا کر متانت سے بولی تھی۔ سب خاموش ہو گئے۔ گھر میں ویسے ہی بہت خاموشی محسوس ہونے لگی تھی۔

چند میل دور...... آفس بلڈنگ کے بالائی فلور پہ ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا' کام میں مصروف تھا۔ جب انٹرکام بجا۔ اس نے کان سے لگایا۔ چہرے پہ چونکنے کے آثار نظر آئے۔

''فارس آیا ہے؟'' ذرا ٹھہرا۔ ''ٹھیک ہے اندر بھیجو۔'' اور عینک اتار کر رکھی' اور ٹیک لگا لی۔ ٹائی ڈھیلی کیے' آستین موڑے' آنکھوں میں سپاٹ پن لئے' وہ منتظر سا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور چوکھٹ میں فارس نظر آیا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ سرسری نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہاشم کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آٹھہری۔

''کیسے آنا ہوا' کزن؟''

فارس قدم قدم چلتا' گردن موڑ موڑ کر دیکھتا آگے آیا اور میز کے قریب آٹھہرا۔ پھر ہاشم کو دیکھا۔ ''بےفکر رہو' تمہاری سکیورٹی مجھے چیک کر چکی ہے۔ کوئی خفیہ کیمرہ' وائر یا ہتھیار نہیں ہے میرے پاس۔'' ذرا رکا اور مسکرایا۔ ''میں آج تمہیں اپنی زبان سے مارنے آیا ہوں۔'' ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھو نا۔'' مگر فارس گردن موڑ کر ایکویریم کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا اسی میں مارا تھا تم نے آبدار کو؟'' سرد سی ہوا کا جیسے تھپیڑا سا کمرے میں آ کر ساکن ہو گیا تھا۔ ہاشم نے بھی رخ موڑ کر آب

زیدان کو دیکھا۔

"اس دن اس کی ساری مچھلیاں بھی مر گئیں۔ میں نئی مچھلیاں لایا بھی نہیں۔ شاید اس کا کانچ تک زہریلا ہو چکا ہے۔" فارس کرسی کھینچ کر بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا لئے۔ پھر افسوس سے ہاشم کو دیکھا۔ "تمہیں ترس نہیں آیا اس پر؟"

ہاشم نے شانے اچکائے۔ "وہ خود چاہتی تھی کہ میں اسے مار دوں۔ میں نے صرف اس کی خواہش پوری کی۔ مگر اسے اس سب میں تم نے دھکیلا تھا۔ تم مجھ سے زیادہ قصوروار ہو۔"

"ویسے اس سے فرق نہیں پڑتا مگر میرے اور اس کے درمیان کچھ بھی نہیں تھا۔"

"بعد میں سب یہی کہتے ہیں۔"

"وات ایور!" فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ چند لمحے کی خاموشی دونوں کے بیچ حائل ہوگئی۔

"خیر.....تم ابھی سے کیوں آئے ہو؟ حالانکہ ابھی تو تم لوگوں کو عدالتی فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ ویسے بھی میں نے ابھی اپنا آخری پتہ کھیلا نہیں ہے۔"

"تم پتے کھیل رہے تھے؟ میں تو شطرنج کھیل رہا تھا۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے' آج کل آگے پیچھے لوگوں کو ٹارچر کرتے پھر رہے ہو۔ کیوں میرا غصہ ان غریبوں پہ نکال رہے ہو؟" وہ دونوں ہنا سانس لئے بات پہ بات پھینک رہے تھے۔

"غصہ تو بہت تھا مجھے' اور چند دن نکالتا بھی رہا۔ مگر اب..... ٹھنڈا ہو گیا ہوں' ویسے بھی اصل انتقام ٹھنڈا کر کے کھانے کا نام ہے۔"

"ہوں۔ سو کیوں آئے ہو؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تمہیں کچھ خاص بتانے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولا۔ "میں جانتا ہوں تمہارے باپ کو کس نے قتل کیا ہے۔"

ہاشم ایک دم زور سے ہنس دیا۔ "یہ تم اور سعدی میرے باپ کے قتل کے گرد سیاست کرنا کب چھوڑو گے؟"

"ہاشم میں واقعی تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے باپ کا اصل قاتل کون ہے۔" وہ اب سنجیدہ ہوا۔

"تم نے دیر کر دی۔ سعدی یہ کارڈ بہت پہلے کھیل چکا ہے اور اس کی وجہ سے میں نے خاور کو....."

"خاور نے نہیں مارا تمہارے باپ کو۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔ اور تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ کیونکہ میں جان گیا ہوں کہ میرے باپ کو میری ماں نے مارا ہے' صاحبزادی صاحبہ نے بتایا تھا مجھے۔" تلخی سے اسے دیکھتے وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ "مگر تم لوگ زیادہ خوش نہ ہو۔ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اور میں نے مووآن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاشم!" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھکا۔ ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔"

کمرے میں ایک دم بھیانک سناٹا چھا گیا۔ ہاشم کا سانس تھما۔

"سعدی' صاحبزادی صاحبہ' احمر' سب غلط تھے۔ جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔"

"اوہ پلیز!" اس نے اکتا کر ہاتھ اٹھایا۔ آنکھوں میں بے پناہ بےزاری تھی۔ "اب کس تیسرے فریق پہ الزام ڈالنے آئے ہو؟ میرے پاس تمہاری کہانیوں کے لئے وقت نہیں ہے۔"

"مجھے تم پہ ترس آرہا ہے مگر تم واقعی بے خبر ہو۔ میں تمہاری بے خبری دور کرنا چاہتا ہوں۔ آگہی عذاب ہے' اور میں چاہتا ہوں تم یہ

عذاب چکھو۔"

"اچھا!" اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا" پھر بتاؤ اب کی دفعہ کس نے مارا ہے میرے باپ کو۔" فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں ترحم سے دیکھتا رہا پھر لب کھولے۔

"تم نے خود!"

ہاشم پل بھر کو الجھا' پھر ستائش سے ابرو اٹھائے۔ "واؤ۔ اس سے اچھا طریقہ نہیں ملا تمہیں کسی کو ذہنی ضرب کرنے کا؟" پھر افسوس سے سر جھٹکا۔ "واقعی فارس۔ میرے جیسے آدمی کو تم اب آ کر یہ کہو گے کہ مجاور بننا میری کسی حرکت کا دکھ لے کر میرا باپ مرا' یہ وہ..... تاکہ میں ڈپریشن میں چلا جاؤں اور خود کو اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار سمجھوں؟ واٹ رش!"

"تم نے اپنے باپ کا قتل کیا ہے۔ ہاشم!" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ آنکھیں ہاشم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ "تم ہو اپنے باپ کے اصل قاتل۔"

"اور اس ساری بے تکی کہانی کا کیا مقصد ہے؟ مطلب کس طرح مارا ہے میں نے اپنے باپ کو؟ ہاں؟" اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

"جیسے مارا جاتا ہے۔ قتل کر کے۔" فارس نے شانے اچکائے۔

"میں جانتا ہوں میرے باپ کو کس نے مارا ہے۔ میری اپنی ماں نے۔ اور اس سارے معاملے کو میں کھوج رہا ہوں مگر تمہاری اس ساری بکواس سے....."

"جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔" ہاشم دھاڑ سے اٹھا اور میز کی چیزیں پرے گرائیں۔

"ممی نے ہی اورنگزیب کاردار کو قتل کیا ہے۔ جانتا ہوں میں۔" میز پہ مٹھیاں رکھے وہ اونچی آواز میں غرایا تھا۔ رنگت سرخ تھی اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ سکون سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "ہاں انہوں نے ہی مارا ہے اورنگزیب کاردار کو..... مگر یہ کس نے کہا کہ وہ تمہارا باپ تھا؟"

اور ہاشم کاردار کے جسم کا ہر عضو سن ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکن ہو گئیں۔ ہاتھ میز پہ رکھے رکھے جم گئے۔ نگاہیں اس پہ ہی پتھر ہو گئیں۔

"کس نے کہا ہاشم کاردار کہ اورنگزیب کاردار تمہارا باپ تھا؟" فارس اٹھ کھڑا ہوا۔ "جواہرات نے بے شک اسے مارا ہے مگر وہ تمہارا باپ نہیں تھا۔ تمہارا باپ جواہرات کا کزن طیب مطیع تھا۔"

ہاشم کے لب پھڑپھڑائے' مگر آواز نہ نکلی۔ اس کی سانس رک چکی تھی۔ جسم پتھر تھا۔ آنکھوں میں سرخی دوڑ رہی تھی مگر وہ کسی سکتے کے عالم میں فارس پہ جمی تھیں۔

"ایک پرائیوٹ کانٹریکٹر کو ایک کام دیا تھا جواہرات بیگم نے۔ جب تم نے اور تمہارے..... کیا کہنا چاہیے..... نقلی باپ اورنگزیب کاردار نے..... مالی بدعنوانی کے باعث جواہرات کے کزن کو جیل بھجوایا تھا اور خاص تمہارے حکم پہ اس کے اوپر تشدد کروایا گیا تھا تو تمہیں یاد ہو گا کہ اس تشدد سے وہ ہسپتال جا پہنچا تھا۔ جہاں گو کہ وہ مر گیا' مگر اس کے جو بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ آئی تھی' وہ درست نہیں تھی۔ کیونکہ جواہرات بیگم نے ایک کانٹریکٹر کو کہہ کر اصل بلڈ سیمپل لیب سے غائب کروا کے کسی اور مریض کی رپورٹس جمع کروا دی تھیں۔ مگر ان کانٹریکٹرز کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ یہ رسیدیں ضرور سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اس نوجوان نے اس بلڈ سیمپل کو ضائع کرنے سے پہلے اس کی بہت ساری رپورٹس نکلوائی تھیں'

کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ امیر عورتیں عموماً ڈی این اے رپورٹس بدلوایا کرتی ہیں۔ اس نے مجھے رپورٹس دیں' اور میں نے ان کو تمہارے بلڈ بینک میں جہاں تم غریب لوگوں کے لیے خون کا عطیہ ہر چند ماہ بعد دیتے ہو اور ساتھ میں فوٹو شوٹ کرواتے ہو' تمہارے سیمپل کے ساتھ میچ کروا لیا۔ واٹ اے پرفیکٹ میچ۔ یقین نہیں ہے تو خود دیکھ لو۔'' اس نے جیب سے ایک تہہ شدہ لفافہ نکال کر میز پہ رکھا۔ آنکھیں ہنوز ہاشم پہ جمی تھیں جو ابھی پتھر ہوا کھڑا تھا۔ اسے لگا وہ سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔ پلک بھی نہیں جھپک رہا تھا۔

''سو اورنگزیب تمہارا باپ نہیں تھا۔'' فارس ٹہلتے ہوئے اب کہہ رہا تھا۔ ہاتھ ہلاتے ہوئے جیسے خود کو سمجھا رہا تھا۔ ''مگر طیب کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس جیسے بے کار' گھٹیا اور کنگال آدمی کا ایک شاندار سا بیٹا بھی ہے۔ کسی زمانے میں وہ امیر اور خوش شکل تھا مگر آخری وقت میں تو کافی رذیل سا ہو گیا تھا۔'' وہ اب ٹہلتے ٹہلتے ایکویریم کے قریب آ رکا تھا۔ انگلی اس نے شیشے کی دیوار پہ اس جگہ پھیری جہاں کبھی آبی نے سفید پڑتے ہاتھ رکھے تھے۔ ''اسی لیے وہ آخری وقت تک جواہرات کو بلیک میل کر رہا تھا اور وہ تمہیں روکتی تھی کہ اس کو جیل میں نہ پھنکواؤ' مگر زیادہ کوشش اس نے بھی نہیں کی کیونکہ وہ اس کا اصل راز نہیں جانتا تھا۔ نہ ہی اورنگزیب کا کردار جانتے تھے۔'' وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا' اور باہر تاریک رات اور شہر کی روشنیوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ ''اورنگزیب کو ہمیشہ نوشیرواں پہ شک ہوتا تھا مگر اس کی مشابہت ان سے بہت تھی۔ تم پہ کبھی شک نہیں کیا۔ لیکن تم ان جیسے نہیں تھے۔ اپنی ماں پہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اور نوشیرواں .....ہماری شکلیں اور آوازیں ملتی ہیں۔ ہم اورنگزیب جیسے ہیں۔ تم ویسے نہیں تھے۔ تم ہمیشہ مختلف تھے۔ تم علیشا جیسے بھی نہیں تھے۔ تم سب سے الگ تھے۔ کیونکہ تم کاردار تھے ہی نہیں۔'' پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ سن کھڑا تھا۔ اس کی پیشانی تر تھی' قطرے کنپٹی سے نیچے ٹپک رہے تھے.....مگر اسے سانس نہیں آتی محسوس ہوتی تھی۔ فارس اس کے قریب چلا آیا۔

''دوسروں کے باپ کو مارتے یہ خیال آیا تھا کبھی ہاشم کہ اپنے باپ کے بھی قاتل نکلو گے ایک دن؟ اور جس کو تم ساری زندگی اپنا باپ مانتے رہے' جس کی سیاست بچانے کے لیے تم نے احل اور نور سے ان کا باپ چھینا' وہ آدمی تو تمہارا کچھ لگتا ہی نہیں تھا۔'' پھر اس پہ ایک تاسف بھری نظر ڈالی۔ ''تم تاش کھیلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اور میں شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور اسے.....'' اس نے میز پہ رکھا لفافہ اٹھایا۔

''اسے شہمات کہتے ہیں!'' کاغذ زور سے ہاشم کے اوپر دے مارا۔ وہ اس سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ مگر برف اور آگ کے بت میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ فارس نے سر جھٹکا' اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایسے ہی کھڑا تھا اور اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

اگلا سفر کیسے تمام ہوا' کوئی اندازہ نہ تھا۔ کتنے دن بیتے' کتنی راتیں کاٹیں' کوئی احساس نہ تھا۔ بس من من بھر قدم اٹھاتا وہ چل رہا تھا۔ بال بکھرے تھے' حلیہ بے ترتیب تھا۔ اور وہ قصر کے سبزہ زار پہ قدم رکھتا جا رہا تھا۔ ملازم اسے دیکھ کر حیرت سے پیچھے ہٹنے لگے۔ اس کے ہاتھ میں ایک شیشے کا جار تھا جس کا منہ بند تھا اور وہ سامنے دیکھتا اس بھری دوپہر میں قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سیڑھیوں کے اوپر وہ دونوں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ جواہرات فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ ''تم دوبارہ اس کے دوستوں سے پتہ کرو۔ وہ چار دن سے گھر نہیں آیا شیرو۔'' وہ روہانسی لگتی تھی۔ شیرو ''کرتا ہوں دوبارہ'' کہہ کر فون پہ نمبر ملانے لگا تھا۔ تبھی جواہرات کی نظر نیچے پڑی جہاں لاؤنج کے کھلے دروازے کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سفید اور آنکھیں سرخ تھیں۔ جواہرات کی آنکھوں میں نمی در آئی' تیزی سے زینے اترنے لگی۔

''ہاشم تم کہاں تھے؟ او گاڈ.....ہم سب کتنے پریشان تھے تمہارے لیے۔ تم ٹھیک ہو بیٹا؟'' وہ پریشانی سے اسے دیکھتی قریب آئی۔

وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ جار میز پہ رکھ دیا۔

''کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔ مت سنو لوگوں کی باتیں۔ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔'' وہ اس کے سامنے کھڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا ہوا قدم قدم قریب آنے لگا۔ جواہرات کو عجیب خوف سا آیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''میں نے نہیں مارا اورنگزیب کو۔ جھوٹ بولتے ہیں سب۔ اور تم.....تم اورنگزیب کی محبت میں مجھے بھلا بیٹھے ہو کیا؟'' وہ آنسو بہاتی

کہہ رہی تھی۔ اوپر کھڑا انوشیرواں ناگواری سے اسے دیکھے گیا۔ ہاشم اس کے قریب آرہا تھا اور وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔

''کیا کیا اورنگزیب نے تم لوگوں کے لیے جو میں نے نہیں کیا؟ تمہارے ہر راز کی پردہ دار میں تھی۔ جو بھی کیا تمہارے لیے کیا میں نے۔ تم مجھے سب سے عزیز تھے۔ ہاشم میں نے تمہاری پرستش کی۔ تم مجھے سب سے عزیز ہو۔ شیرو سے بھی زیادہ۔ تم مجھے ایسے نہ دیکھو۔'' وہ اب رونے لگی تھی۔ وہ اس کے بالکل قریب آرکا۔ اسے گھورتے ہوئے ایک دم سے.... اس کی گردن دبوچی۔ جواہرات کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

''ایک ہی دفعہ پوچھوں گا۔ سچ سچ بتانا۔'' سرخ انگارہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ رکھی تھی۔

''میرا باپ کون تھا؟ میرے ڈیڈیا تمہارا وہ کزن طیب؟''

اور وہ! ایک ایسا لمحہ تھا جب جواہرات کے سارے آنسو ختم گئے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔ وہ ایک عجیب ششدر سا لمحہ تھا۔ وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گئی۔

''کیا وہ میرا باپ تھا؟ بولو۔'' وہ دبا دبا سا غرایا۔

اوپر کھڑا انوشیرواں سن ہو گیا۔ گردونواح کے کونوں میں کان لگائے کھڑے ملازموں نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیے۔ جواہرات کے لب پھڑپھڑائے۔ اس نے تھوک نگلا۔

''I can explain!'' اور ہاشم نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ ہاتھ نیچے گرا دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا درد ابھرا تھا جو جواہرات کی جان نکالنے لگا۔

وہ مڑ گیا۔ اور چند قدم آگے گیا۔ ابھی سب سن کھڑے تھے۔ دم سادھے۔ سانس روکے۔

وہ میز تک گیا' جار اٹھایا' اس کا ڈھکن اتارا اور واپس اس کی طرف گھوما۔ ''آج تم نے.... میرے ڈیڈ کو.... دوسری دفعہ مار دیا۔'' اور یہ کہہ کر اس نے جار میں موجود پانی اس کے چہرے پہ پھینک دیا۔

یہ جواہرات کاردار کی چیخیں تھیں جنہوں نے وہاں کھڑے ہر شخص کو بتایا تھا کہ وہ پانی نہیں تھا۔

وہ تیزاب تھا۔

.........❖❖❖❖.........

باب 30:

ایڈس مارزِیے ابھی بیتے نہیں!

ایک دن جب آیا
جولیس سیزر اپنی رعایا کے سامنے!
تو اسے پکار کے بولا ایک نجومی...
''اے سیزر! خبردار رہنا
ایڈس مارزِیے سے۔''
پوچھا سیزر نے مصاحبوں سے
''کیا کہتا ہے یہ آدمی؟''
بتایا کسی نے۔''یہ کہتا ہے کہ خبردار رہیے
مارچ کی درمیانی تاریخ (ایڈس مارزیے) سے۔''
جب آئی مارچ کی پندرہ تاریخ
اور داخل ہوا سیزر اپنے دربار میں
تو نظر آیا اسے وہ نجومی۔
اس کو دیکھ کر بولا سیزر اطمینان سے مسکرا کے۔
''ایڈس مارزِیے تو آچکے ہیں!''
اس پہ کہا نجومی نے سر جھکا کر۔
''بجا فرمایا سیزر۔
وسط مارچ کے دن شروع ہو چکے ہیں
مگر ابھی ختم نہیں ہوئے۔'' (ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے ''جولیس سیزر'' سے ماخوذ)
(اور پھر اسی دن ایڈس مارزِیے یعنی مارچ کی پندرہ تاریخ کو ہی سیزر کو بروٹس اور دوسرے باغیوں نے قتل کیا تھا۔)

رات کا اندھیرا ہر شے کو سالم نگل کر سادگی سے دنیا والوں کو دیکھ رہا تھا۔ سرخ ٹدم میں اس کا بستر خالی تھا اور وہ گھر کی پچھلی طرف لگے درخت پہ چڑھ کر دیوار کے پار اتر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ زمین پہ اتری سرخ مفلر والا آدمی کسی کونے سے نکل کر سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ جھنجلائی

ہوئی سی سیدھی ہوئی۔ ”اس درخت پہ چڑھتے اترتے میرے جسم پہ دس بار زخم آئے ہیں۔ کیا تم مجھ سے کسی اور طرح سے نہیں مل سکتے؟“

”بات سنو لڑکی!“ وہ اندھیرے میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے خدوخال نظر نہیں آتے۔ ”تمہارے نام کا مطلب ہوتا ہے پری چہرہ لڑکی۔ سپید جلد والی حسین لڑکی۔ تمہاری اپنے مالکوں سے غداری کے بدلے میں تمہیں جتنے پیسے میں دے رہا ہوں ان سے تم اپنے نام کی طرح خوبصورت زندگی گزارو گی۔“

اس بات پہ اس کی آنکھیں چمکیں اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

”تمہاری یہی باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔“ پھر گردن کڑا کر بولی۔ ”بتاؤ۔ اب مجھے کیا کرنا ہے۔“

.... ❀❀❀ ....

دشتِ ہستی میں شبِ غم کی سحر کرنے کو ..... ہجر والوں نے لیا رختِ سفر سناٹا

فارس ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور بغیر تمہید کے اس نے وہ تکلیف دہ خبر سنا دی تھی۔

لاؤنج میں سناٹا طاری ہو گیا۔ سب شل سے اسے دیکھے گئے۔ وہ اسی طرح کھڑا رہا۔

”ہاشم نے اپنی ماں پہ....؟“ زمر کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں۔ حنین سے کچھ بولا نہیں گیا۔ ندرت نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

”اس کو حیا نہیں آئی؟ وہ اس کی ماں تھی۔“ ان کا دل کانپا۔

”کوئی اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟“ بڑے ابا انگشت بدنداں تھے۔

”کیونکہ اس کی ماں نے اسے یہی سکھایا ہے۔“ سعدی نے افسوس سے سر جھکا تھا۔ ”میں اسی لئے ان کی اصلیت ہاشم کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ مجھے ڈر تھا وہ ان کو مار ڈالے گا۔“

”مارا ہی تو نہیں ہے اس نے ان کو۔“ فارس سپاٹ سے انداز میں کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ زمر اٹھ کے اس کے پیچھے آئی۔ وہ کمرے میں آ کر چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

”تمہیں افسوس نہیں ہوا؟“ وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

فارس نے وہی بے تاثر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”ایک انسان ہونے کی حیثیت سے ہاں ہوا ہے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ماں کو خود سزا دے۔ وہ دونوں میرے بھائی اور بیوی کے قتل میں شریک جرم تھے۔ البتہ میں اس سے اتنی سفاکی کی توقع نہیں کر رہا تھا، مگر یہ وہ عورت ہے جس نے نوشیرواں کی ایسی تربیت کی کہ وہ سعدی کو گولیاں مار کے چلا گیا۔ جس نے ہاشم کی ایسی تربیت کی کہ وہ ہماری زندگیاں اجاڑتا رہا۔ جس نے سعدی کے قتل کا حکم نامہ جاری کیا۔ تمہاری صحت کے ساتھ کھیلتی رہی۔ اس لئے سچ پوچھو تو مجھے کوئی زیادہ افسوس نہیں ہے۔ میں نے کئی برس جن دنوں کا انتظار کیا تھا۔ بالآخر وہ دن آ گئے ہیں۔“ اس کی آواز سرد ہو گئی تھی۔

زمر اداسی سے اسے دیکھتی رہی۔ ”کیا انتقام پا کر سکون ملتا ہے فارس؟“

وہ زخمی سا مسکرایا۔ ”تم نے وہ تین قدیم چینی بددعائیں سن رکھی ہیں؟ خدا کرے تم جیو دلچسپ زمانوں میں.... خدا کرے تمہیں اعلیٰ عہدوں پہ فائز لوگ پہچاننے لگیں.... اور تیسری.....“ اس نے گہری سانس بھری۔ ”خدا کرے تمہیں وہ مل جائے جس کی تمہیں تلاش تھی۔“

”یہ بددعائیں ہیں؟“

”پتہ نہیں مگر مجھے لگتا ہے میری طرف آتی ساری بددعاؤں کی قبولیت کا وقت آ پہنچا ہے۔“ اور وہ اٹھ گیا۔

”کتنا شوق تھا مسز کاردار کو پلاسٹک سرجریز کروانے کا۔“ باہر بیٹھی حنین خلاء میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ”اب ان کو ساری زندگی جانے کتنی سرجریز کروانی پڑیں گی۔“

''ہاشم ایسا تو نہیں تھا۔'' سعدی افسوس سے بولا تو سب نے اسے دیکھا۔ آنکھیں نکال کر۔ ابھی زمر کو لفٹ میں ڈبونے والے واقعے کو دن ہی کتنے ہوئے تھے؟

''میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ جب میں اس کی قید میں تھا' تب وہ پچھتاتا تھا۔ اس کا دل ایسا نہیں تھا۔ اب وہ ہر حد پار کرتا جا رہا ہے۔'' وہ ترحم سے کہہ رہا تھا۔ حنین کے دل کے اندر.... کچھ آج بھی ڈوبتا تھا۔ شاید وہ یادیں تھیں۔ شاید کچھ اور....

''وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا بیٹا۔'' بڑے ابا نے تلخی سے مسکرا کے کہا۔ ''تم یہ نہ سمجھو کہ وہ شروع میں اچھا تھا۔ یاد کرو' تب اس نے وارث کو قتل کروایا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تب وہ پچھتانے والی باتیں کر کے تمہاری ہمدردی سمیٹ لیتا تھا۔ تمہیں لگتا تھا وہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ مگر اب اس نے سچ بولنا شروع کر دیا ہے۔ وہ کبھی نہیں بدلے گا۔''

سعدی خاموش ہو گیا۔ شیشے کی دیواروں والی قصرِ کاردار کی لائبریری یونہی یاد آ گئی تھی۔

❖❖❖

جنہیں غرور تھا اپنی ستمگری پہ بہت ..... ستم تو یہ ہے کہ وہ بھی ستم رسیدہ ہوئے

''ایک ہفتے بعد۔''

ہسپتال کے اس پرتعیش کمرے میں جابجا پھول رکھے تھے۔ کوئی عزیز رشتے دار ایسا نہ تھا جس نے پھول نہ بھجوائے ہوں۔ وہ جیسے خوشی کے پھول تھے۔ اب ملنے کوئی نہیں آ رہا تھا۔ پہلے دو دن جو لوگ آئے' سو آئے۔ اب سکوت تھا۔

جواہرات کے بیڈ کے آگے پردے گھیرے تھے۔ نوشیرواں اس طرف کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ ان پھڑپھڑاتے پردوں کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی کسی درز سے وہ لیٹی ہوئی نظر آ جاتی۔ آنکھیں چھت پہ جمی تھیں' اور چہرہ پٹیوں میں جکڑا تھا۔ اس کا صرف دایاں گال اور کان بچ پائے تھے۔ باقی چہرہ بائیں طرف اور سامنے سے جل گیا تھا۔ چل پھر سکتی تھی کام کر سکتی تھی مگر بینائی پہ اثر پڑا تھا۔ ناک غائب ہو گئی تھی۔ آنکھوں کا نور بھی بجھ سا گیا تھا۔

''ان کو گھر کب لے جا سکتے ہیں؟'' شیرو نے دھیمی آواز میں پیچھے کھڑی میری سے پوچھا۔

''بہت جلد۔''

''کیا جو نقصان ہوا ہے وہ ٹھیک ہو سکے گا؟''

''نہیں سر۔ سرجریز سے تھوڑا بہت فرق پڑے گا۔ باقی میڈم کو اب ان زخموں کے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔'' وہ ٹھنڈے انداز میں بتا رہی تھی۔

''کیا کوئی بات کی انہوں نے تم سے؟'' شیرو کی نظریں پردوں پہ جمی تھیں۔

''وہ صرف ہاشم کا نام لیتی ہیں۔ ان کو پکارتی ہیں۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ یہ وقتی صدمہ ہے۔ وہ جلد شاک سے نکل آئیں گی۔'' شیرو نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''تم جانتی تھیں انہوں نے میرے باپ کو مارا' پھر بھی ہمیں نہیں بتایا؟'' اس کی آواز میں دبا دبا غصہ اور کرب در آیا۔

''ہاشم مجھ سے یہ بات پوچھ چکے ہیں اور میں بتا چکی ہوں۔ میں ایک وفادار ملازمہ ہوں' اور جیسے کورٹ میں آپ کے اور ہاشم کے راز کی حفاظت کی' اسی طرح میڈم کے راز کی بھی حفاظت کی۔ اس تیزاب والے واقعے کے بعد جب سب ملازم استعفیٰ دے رہے ہیں میں اسی لیے یہاں موجود ہوں کیونکہ میں اب بھی مسز کاردار کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ اسے چند لمحے دیکھے گیا۔ کمرے میں پھولوں کی خوشبو میں کافور کی بو گھلنے لگی تھی۔

"بھائی نے بہت ظلم کیا۔ مگر میں ممی کو معاف نہیں کر سکتا۔ اگر ڈیڈ مجھے عاق کر رہے تھے تب بھی ان کو ڈیڈ کو... میرے ڈیڈ کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سن رہی ہیں آپ ممی۔" اس نے چہرہ پھڑپھڑاتے پردوں کی طرف موڑا۔ "ڈیڈ اس حالت میں مرے کہ وہ مجھ سے ناراض تھے۔ میں ان سے معافی نہیں مانگ سکا۔ میں ساری عمر اس گلٹ میں رہوں گا کہ میرا باپ مجھ سے ناراض تھا۔" وہ گیلی آنکھوں کے ساتھ الٹے قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ "اب عدالت مجھے جیل میں ڈال دے یا سولی چڑھا دے میں دوبارہ آپ سے ملنے نہیں آسکوں گا۔ باپ تو وہ میرا تھا مگر منہ پہ آپ کے اب بھی ہاشم کا نام ہے۔ شیرو تو آپ کو یاد ہی نہیں۔" وہ اب پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔

اور بستر پہ پٹیوں میں جکڑا وجود اسی طرح چھت کو تک رہا تھا۔ ہونٹوں سے صرف ایک آواز نکل رہی تھی۔ "کوئی ہاشم کو بلانے ... میرے ہاشم کو..."

شیرو کے جانے کے بعد میری کاؤچ پہ بیٹھ گئی اور اطمینان سے میگزین کھول لیا۔

..........❖❖❖..........

جن پر ستم تمام قفس کی فضا کے تھے ..... مجرم وہ لوگ اپنی شکستِ انا کے تھے

ہاشم کے بیڈروم کی ساری بتیاں روشن تھیں، اور وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے کھڑا رئیس کہہ رہا تھا۔

"نیا اسٹاف آج سے کام شروع کر دے گا۔ چھوڑ جانے والے ملازموں کو میں نے سنبھال لیا ہے۔ یہ صرف گیس ہیٹر کا حادثہ تھا اور ہر جگہ یہی بتایا گیا ہے۔ اور سر..." وہ رکا۔ "آپ کی مدر کے علاج کے لیے ڈاکٹرز نے..." ہاشم نے جھٹکے سے ٹائی کی آخری گرہ کھینچی۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے باپ اورنگزیب کاردار کی بیوی کے علاج کے لیے تمام رقم کمپنی ادا کرے گی۔ اب مزید میں اس معاملے پہ کچھ نہیں سننا چاہتا۔" اس نے درشتی سے کہتے ہوئے کالر سیدھے کیے۔ رئیس خاموش ہو گیا۔

"اس غیر شناسا نمبر سے پھر میسج آیا سر؟"

"دو روز پہلے آیا تھا۔ وہ سعدی کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے ہماری کوششوں پہ خوش تھا۔ میں نہیں جانتا وہ لوگ سعدی کو دہشت گرد کیوں ثابت کروانا چاہتے ہیں لیکن اتنا یقین ہے کہ وہ ہماری قابلیت جانچ رہے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ کام کرنے کا خواہشمند لگتا ہے..."

رئیس نے کوٹ اٹھا کر اس کی پشت پہ کیا تو وہ اس میں بازو ڈال کر اسے پہننے لگا۔

"سر میں نے کوٹ روم والے آدمی کا... وہ چشمے والا آدمی... اس کا پیچھا کیا تھا۔ مگر وہ ہر دفعہ چکمہ دے کر نکل جاتا ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ یہ پیغام بھیجنے والا اور سعدی کا پاسپورٹ دینے والا دراصل وہی آدمی ہے۔"

"ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے۔ میں نے سعدی پہ تمام الزامات لگا کر اس کا اعتماد خرید لیا ہے۔ یہاں تمام عسکری گروپ اسی طرح اپنے سہولت کاروں کا اعتماد جانچتے ہیں اور پھر پارٹنرشپ شروع کرتے ہیں۔ جرائم کے سفر کا آغاز ہمیشہ ایک چھوٹے سے فیور سے شروع ہوتا ہے۔"

"سعدی کو دہشت گرد ثابت کر کے ان کو کیا ملے گا؟"

"اس سے میری کریڈیبلٹی بڑھے گی۔ جج اسے دہشت گرد مان نہیں لے گا لیکن لوگ مجھے دہشت گردوں کا مخالف سمجھیں گے اور کوئی بھی عسکری تنظیم ایسے سہولت کار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ ہمیں بہت جلد نئے بزنس پارٹنرز ملنے والے ہیں۔" اب وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کمرے سے نکل رہے تھے۔

لاؤنج میں فیونا کھڑی صفائی کر رہی تھی۔ میری اور وہ... بس دو ملازم رہ گئے تھے۔ ہاشم جب سیڑھیوں سے اترتا ہوا اس کے سامنے

سے گزرا تو وہ بولی۔

''سر... میں نیکسٹ منتھ سے چلی جاؤں گی۔'' اس کی آواز میں تذبذب تھا۔

''جو چاہے کرو۔'' وہ نخوت سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

باہر صبح تازہ اور خوبصورت تھی۔ مگر قصر اداس لگتا تھا۔ وہ موسم سے بے نیاز کار کے قریب آیا ہی تھا کہ....

''کاردار صاحب۔'' بے چین سی نسوانی آواز پہ وہ ٹھٹکا اور مڑا۔ ڈاکٹر ایمن چند گارڈز کے ہمراہ چلی آرہی تھی۔ ہاشم کے ماتھے پہ بل پڑے۔ ''بی بی میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

''میں نے اور میرے شوہر نے ان جج صاحب اور کرنل خاور کے کہنے پہ آپ کے لئے اتنا کچھ کیا۔'' وہ تیز تیز چلتی قریب آئی اور غصے سے انگلی اٹھا کر بولنے لگی۔ ''اور اب جب ہم کنگال ہو چکے ہیں' تو آپ ہماری مدد بھی نہیں کر سکتے۔''

ہاشم نے تندہی سے اسے گھورا۔ ''کیا چاہتی ہو تم؟''

''مجھے کوئی نیا کام لیں یا ہمیں مالی طور پہ سپورٹ کریں۔ ہمیں... ہمارا... ریوارڈ چاہیے۔ آپ اپنے سہولت کاروں سے یوں منہ نہیں موڑ سکتے۔''

ہاشم چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر تاثرات نرم ہوئے۔ آگے آیا اور نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''آئی ایم سوری' میں کچھ پریشان ہوں آج کل۔ بس کچھ روز میں... یہ کیس ختم ہو جائے... میں آپ سب کو نوازوں گا۔ میں مدد کرنے والوں کو بھولا نہیں کرتا۔ مگر تب تک آپ کو خاموشی سے انتظار کرنا ہوگا۔'' ڈاکٹر ایمن کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ اس نے سر ہلا دیا' مگر ابھی تک اضطراری انداز میں انگلی میں پہنی ڈیکلے ہیرے والی انگوٹھی مروڑ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھے زبان دے رہے ہیں؟''

''بالکل۔'' وہ چند لمحے نرمی سے اس کی تسلی کراتا رہا پھر اس کے جانے کے بعد... وہ رئیس سے آہستہ سے بولا تھا۔ ''ان سب کا بھی کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ تو میری جان کو آ رہے ہیں۔''

.... ❖❖❖ ....

اِک خواب ہے کہ بار دگر دیکھتے ہیں ہم ...... اِک آشنا سی روشنی سارے مکاں میں ہے

مورچال پہ رات گہری چھائی تھی۔ گرمی اور حبس دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ لاؤنج نیم روشن تھا۔ فارس ابھی ابھی آیا تھا اور چابیاں کھونٹی پہ لٹکا رہا تھا جب دیکھا' ندرت تن فن کرتیں کچن سے نکلی ہیں اور دھاڑ سے سیم کے کمرے کا دروازہ کھولا ہے جو اندھیرے میں ڈوبا تھا اور حسین اور اسامہ اپنے اپنے بستر پہ لحاف اوڑھے گھپ سو رہے تھے۔

''کوئی انسانیت ہے تم لوگوں میں؟'' وہ حلق کے بل چلائیں۔ ''میں نے کہا تھا آدھے گھنٹے بعد دودھ کے نیچے چولہا بند کر دینا مگر جب تک دودھ کی آبشار نہ بہہ جائے' تم لوگوں کی تسلی نہیں ہوتی۔''

''آپا!'' وہ اکتا کر ان کے قریب آیا۔ ''وہ سو رہے ہیں' ان کے سر پہ آپ کیوں چلا رہی ہیں؟'' ندرت نے اتنے ہی غصے سے مڑ کر اسے دیکھا۔

''بس کرو۔ بڑے سو رہے ہیں۔ ان بے غیرتوں کا واٹس ایپ کا last seen تو تین منٹ پہلے کا نظر آ رہا ہے۔ بس ماں کو دیکھ کر فرعون کی میاں بن جاتے ہیں۔ ہونہہ۔'' وہ غصے سے بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ فارس نے بے اختیار ان دونوں کے پلنگ دیکھے جن میں جنبش تک نہ ہوئی تھی۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''یا رحمٰ!'' سیم نے جھٹ منہ نکال کر اسے پکارا۔ وہ بھی فوراً اٹھ بیٹھی۔

''ہاں ہاں میں بھی وہی سوچ رہی ہوں جو تم سوچ رہے ہو۔ ای کا انٹرنیٹ بند کرنا پڑے گا۔ یہ تو بگڑتی جارہی ہیں۔''

''بالکل۔ ماں باپ کو اتنی آزادی دینا اچھی بات نہیں ہے۔ آج کل کے زمانے کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

فارس اپنے کمرے میں آیا تو وہ ہمیشہ کی طرح بہت سی فائلز کے درمیان بیٹھی نظر آرہی تھی۔ اسے دیکھ کر سر اٹھایا' اور مسکرائی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

''کام ہو رہا ہے؟'' آدمی گھر آئے اور بیوی مسکراتی ہوئی ملے تو.....

''ظاہر ہے' اب کسی بے روزگار کو کیا پتہ جاب کے بکھیڑے۔ خیر کھانا لاؤں یا کسی پرانی دوست کے ساتھ کھا آئے ہو؟''

اور فارس کا حلق تک کڑوا ہو گیا' ''بہت مہربانی۔ کھا چکا ہوں۔'' اور اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھا۔

زمر نے مسکراہٹ دبائی۔ ''مجھے پتہ ہے میں تمہاری ویسی خاطر مدارت نہیں کرتی جیسی کسی بیوی کو کرنی چاہیے۔ بس یہ کیس ختم ہو جائے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں۔ تم مجھے جیل بھیج سکتی ہو' میرے خلاف بیان دے سکتی ہو' مگر تم مجھے کھانا نہیں پوچھ سکتیں۔'' وہ اب جھک کر جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔ زمر بے اختیار ہنس دی۔ گھنگریالے بال آدھے باندھے' آدھے سامنے کو جھول رہے تھے۔ وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ ناک کی لونگ' انگلی کی نیلے رنگ والی انگوٹھی اسے مزید حسین بناتی تھیں۔

''تم ہمیشہ سے اتنے ہی ظالم تھے یا اب ہوئے ہو؟''

''آپ کی صحبت کا اثر ہے مادام' ورنہ میں تو چند ماہ پہلے تک ایک شریف آدمی تھا۔ ویسے...'' وہ اس کے سامنے نیم دراز ہو گیا۔ ''اس چڑیا گھر سے ہم کب نکل رہے ہیں۔''

''نکلنا کیوں چاہتے ہو یہاں سے؟''

''میں چاہتا ہوں ہمارا اپنا علیحدہ گھر ہو۔ جہاں ہم نارمل انسانوں کی طرح رہیں۔''

''ابھی ہم نارمل نہیں ہیں کیا؟''

''آپ کے بارے میں تو شک ہے بی بی۔'' اس کے سامنے' کہنی کے بل لیٹے' کان تلے ہاتھ کا سہارا دیے وہ مسکرا کے اسے دیکھتے بولا تھا۔

''اور نئے گھر میں جا کر تم کوئی نوکری شروع کرو گے یا نہیں؟''

''آپ نا مجھے اپنا ذاتی خدمتگار رکھ لیجئے گا۔ اس سے بڑی نوکری کیا ہو گی؟ ماشاء اللہ' وکیل ہیں آپ' لوگوں کی کھال کھینچ کر پیسے لیتی ہیں۔ مجھے بھی تنخواہ تو اچھی دیں گی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اور وہ ہنستی جارہی تھی۔

''ہمیشہ جاب کی بات ٹال دیتے ہو۔ مگر میں بھی ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ پیچھے پڑی رہوں گی۔'' قلم سے تنبیہہ کرتے وہ دو ٹوک بولی اور پھر سے لکھنے لگی۔ پھر سر اٹھا کر بولی۔

''اگر فارس' ہمارے پاس وارث غازی کی فائلز ہوتیں' یا حنین کا میموری کارڈ ہوتا جس میں کاردارز کے خلاف کچھ مواد تھا' تو ہم یہ کیس بہت آسانی سے جیت لیتے۔''

''ہمارے پاس ایک انتہائی قابل وکیل ہے' جو بے شک انتہائی بے مروت اور سفاک واقع ہوئی ہے' مگر میں اچھی امید رکھتا ہوں۔'' اور اب بہت ہو چکا تھا۔ زمر نے فائل اٹھا کر اسے دے ماری تھی۔

''کیا کہا تھا میں نے ابھی؟ سناک اور بے مروت وکیل۔'' فارس نے فائل پکڑ کر سامنے سے ہٹائی اور افسوس سے سر جھٹکا۔ وہ ہنس کر سر جھٹکتی دوبارہ سے کام کرنے لگی تھی۔

.................❖❖❖.................

آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں ...... وہ بھی اس دور میں سچ بولیں تو مارے جائیں

کمرہ عدالت میں ہمیشہ سے زیادہ گھٹن تھی۔ مگر کم از کم آج کے دن موسم ثانوی شے بن کر رہ گیا تھا۔ کیا بادلوں کی سیاہی' اور کیا درختوں کا سبزہ' سب بے اثر تھا۔ لوگ آ رہے تھے۔ نشستیں بھری جا رہی تھیں۔ آوازیں' شور' حرکت۔

دفاع کی کرسیوں پہ رش کم تھا۔ چند ایک کاروباری دوستوں کے ہمراہ ہاشم اور نوشیرواں موجود تھے۔ شیرو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ ہاشم البتہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اطمینان سے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ طنزیہ سرد مسکراہٹ۔

استغاثہ کی کرسیوں پہ ان کا سارا خاندان یوں اکٹھا ہو رہا تھا جیسے کوئی تہوار ہو۔ وہ بنی اسرائیل کی مانند ایک جھتہ لگ رہے تھے۔ فارس جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا' مسکرا کے ساتھ کھڑی سارہ کی بات سن رہا تھا' جو سر پہ سفید دوپٹہ اوڑھے' ہری آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اپنی بیٹیوں کی کوئی بات بتا رہی تھی۔ زمر کرسی پہ بیٹھی' گھنگریالے بال آدھے باندھے' بدستور فائلوں پہ جھکی تھی' اور سیاہ ڈریس شرٹ میں ملبوس سعدی اس کے کندھے پہ جھکا' اس کے ساتھ ہی کاغذات پڑھنے میں لگا تھا۔ شاید کوئی نکتہ مل جائے جو کیس کو لمبا کر سکے۔ کچھ وقت' گواہ ڈھونڈنے کا اور مل جائے۔ ندرت ایک کرسی پہ بیٹھیں' تسبیح کے دانے گراتی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔ ایسے میں حنین اور اسامہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

''حمہ..... اگر ہم ہار گئے تو؟''

''اور اگر ہم جیت گئے تو؟'' وہ چہک کر بولی تھی۔

پچھلی نشستوں پہ موجود تماشائی اور رپورٹرز مرعوب' اور کچھ تنقیدی نگاہوں سے اس خاندان کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سب ایک ساتھ کھڑے' ایک جتھے کی صورت..... دور بیٹھے' قیمتی ملبوسات' اور مصنوعی مسکراہٹوں والے'' کاردارز'' اور ان کے دوستوں سے زیادہ متاثر کن لگ رہے تھے۔ جنگیں لڑ کر آیا خاندان..... زخموں کو اپنے ہاتھوں سے بغیر نشہ لیے سی کر آیا خاندان..... پانی میں ڈوب کر ڈر اور خوف کو ختم کر کے آیا خاندان..... ظالم کے خوف سے ایک دوسرے کو چپ کروا کے چھپ جانے کی بجائے انصاف اور انتقام کی ایک طویل جنگ لڑ کر آیا خاندان..... وہ یوں کھڑے تھے' اٹھی گردنوں اور فاتحانہ مطمئن مسکراہٹوں کے ساتھ کہ لگتا تھا آج وہ انصاف سے کم کسی شے پہ راضی نہیں ہوں گے..... وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور ایک دوسرے سے ہزار اختلاف رکھتے تھے مگر وہ ظلم کے خلاف کھڑے ہو کر ایک اونچی دیوار لگنے لگے تھے۔

''کیا استغاثہ کے پاس کوئی مزید گواہ ہے؟'' جج صاحب کی آمد کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی اور انہوں نے پہلا سوال یہی پوچھا۔

زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یور آنر' ہمارا گواہ ملک سے باہر ہے' ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایک تاریخ اور دی جائے۔''

''مزیکسلی مسز زمر!'' جج صاحب نے تحیر سے اسے دیکھا۔

''Delaying Tactics!'' ہاشم نے بلند سا تبصرہ کیا۔

''مسز زمر!'' جج صاحب کی آواز میں سرزنش تھی۔ ''آپ کے پاس ابھی گواہ ہے یا نہیں؟''

''یور آنر' کاردار صاحب نے گواہوں کو غائب کروا دیا ہے' مگر.....''

''آب جیکشن یور آنر' مسز زمر بغیر ثبوت کے الزام لگا کر خود ہی testify کر رہی ہیں۔'' وہ بیٹھے بیٹھے بولا تھا۔

''آپ کے پاس گواہ ہے یا نہیں؟'' جج صاحب نے زور دے کر پوچھا۔

''نہیں یور آنر' لیکن اگر عدالت وزارت داخلہ کو حکم دے تو ہمیں گواہ کو ڈھونڈنے میں مدد مل سکتی ہے اور.....''

''مسز زمر عدالت اپنی حدود میں رہ کر کام کرتی ہے' ثبوت لانا جج کا نہیں استغاثہ کا کام ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس کچھ پیش کرنے کو نہیں ہے تو ہم آج اس کیس کا فیصلہ کر دیں گے۔'' وہ قدرے ناگواری سے کہہ رہے تھے۔ سب خاموشی سے دم سادھے کبھی زمر کو دیکھتے' کبھی جج صاحب کو۔

''یور آنر اگر آپ ہمیں ایک موقع اور دیں تو.....''

''آپ عدالت کا وقت ضائع کر رہی ہیں۔ آپ تمام ثبوت اور گواہ پیش کر چکی ہیں اب بہت ہو گیا۔'' انہوں نے اب کے قدرے نرمی سے اسے اشارہ کیا اور فائل کھول لی۔ زمر نے گہری سانس لی۔ فیصلے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

''عدالت فیصلہ سنانے کے لئے تیار ہے۔'' جج صاحب کا یہ کہنا تھا کہ سب نشستوں سے اٹھ گئے۔ دونوں فریق اب برابر کھڑے تھے۔ اور جج صاحب اوپر اونچے چبوترے پہ بیٹھے' عینک ناک پہ لگائے کاغذ سے پڑھ کر کہہ رہے تھے۔

''سرکار بنام نوشیرواں کاردار میں مدعی سعدی یوسف نے نوشیرواں کاردار ولد اورنگزیب کاردار.....(ہاشم نے تھوک نگلی۔) کے اوپر اقدام قتل' تشدد' اغوا' اور حبس بے جا میں قید رکھنے کا الزام لگایا تھا جو کہ تعزیرات پاکستان آرٹیکل 350, 307,365 کے تحت آتے ہیں۔''

فارس سب سے پیچھے کھڑا تھا۔ سب کی طرح وہ بھی بھنویں بھینچے سانس روکے سن رہا تھا۔ البتہ گردن بھی گھما لیتا تھا۔ چشمے والا آج نہیں آیا تھا۔

''عدالت نے ان سنگین الزامات کو دیکھتے ہوئے ان کے اوپر کارروائی شروع کی اور دونوں فریقین کو اپنے اپنے ثبوت اور گواہ لانے کا حکم دیا۔'' جج صاحب پڑھتے ہوئے گا رہے لگا ہے ان کو' کبھی لیتے جو دم سادھے سن رہے تھے۔ (اسامہ بور ہو رہا تھا۔ ڈراموں میں تو ایک ہی فقرے میں فیصلہ کر دیتے تھے' یہ اتنی لمبی تقریر کیوں کر رہے ہیں؟)

''استغاثہ نے ڈاکٹر سارہ غازی کو عدالت میں عینی شاہد کے طور پہ پیش کیا۔'' (سارہ نے نروس سے انداز میں کان کے پیچھے بال اڑسے۔) ''سعدی یوسف کی بہن نے گواہی دی کہ ملزم کے بھائی نے ان کے سامنے اعتراف کیا تھا۔ مگر اس واردات کے دوسرے مبینہ ملزم نیاز بیگ نے گواہی دی کہ اس نے سعدی کو گولی ماری ہے' البتہ اس کے بیانات میں تضادات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ قابل بھروسہ نہیں ہے۔ (سعدی نے بے چینی سے پہلو بدلا) ملزم کے ملازموں اور گھر والوں کے بیانات استغاثہ کے دعوؤں سے بالکل برعکس تھے' اور وہ قابل اعتبار تھے یا نہیں' ہمیں یہاں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ کیا عینی شاہد کا بیان قابل بھروسہ ہے؟''

سب کی سانسیں رک رک کر چل رہی تھیں۔ دل بند ہو رہے تھے۔

''ڈاکٹر سارہ صرف اقدام قتل کی گواہ ہیں۔ اغوا' اور حبس بے جا میں رکھنے کا استغاثہ نے کوئی گواہ پیش نہیں کیا۔ میری انجیو کولیبو کی کسی جیل میں سعدی کے ساتھ تھی؟ جواہرات کاردار وہاں سعدی سے ملنے گئی تھیں؟ آبدار عبید کی وہاں سعدی سے ملاقات ہوئی تھی؟ ان باتوں کے حق میں کوئی گواہ یا ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔ آلہ واردات سے ملزم کے تعلق کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ اس لئے سارا کیس آخر میں عینی شاہد ڈاکٹر سارہ کی گواہی کے گرد آ کھڑا ہوتا ہے۔''

وہ سانس لینے کو رکے۔ بہت سے حلق خشک ہو رہے تھے۔ ہاشم لب کاٹ رہا تھا۔ نوشیرواں کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ سعدی کو پسینے آ رہے تھے۔

"وفاع نے اپنی باری پہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سعدی یوسف ایک دہشت گرد ہے مگر اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں دیا گیا کہ یہ نو ماہ سعدی نے دہشت گردوں کے ساتھ گزارے۔ عدالت سعدی یوسف کے اس دعوے سے اتفاق کرتی ہے کہ اس کو واقعی اغوا کیا گیا اور حبس بے جا میں رکھا گیا' گو کہ سعدی یوسف کی واپسی کے بارے میں اور وہاں ہوئے چند واقعات جیسے دو افراد کا سیلف ڈیفنس میں قتل خود سعدی یوسف کے کردار کو بھی مشکوک بناتا ہے مگر یہ باتیں اس کیس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ عدالت میں استغاثہ کا کام یہ ثابت کرنا تھا کہ اغوا کرنے والا اور گولی مارنے والا ایک شخص نوشیرواں کاردار تھا۔ استغاثہ ملزم کے گواہوں جیسے کاردار صاحب کی سیکرٹری حلیمہ یا ملازمہ میری انجیو کو جھوٹا ثابت کر دے' تب بھی کیا نوشیرواں حملہ آور اور اغوا کار ثابت ہوتا ہے؟ اگر سعدی ایکس مئی کو ہاشم کاردار کے آفس گیا بھی تھا' تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کئی گھنٹے بعد اسے گولیاں نوشیرواں نے ہی ماریں۔ آفس میں تو نہیں مارا گیا تھا سعدی کو۔ گھوم پھر کے ہم واپس ڈاکٹر سارہ کی گواہی کی طرف آ کر رک جاتے ہیں۔"

اب تو دل کی دھڑکنیں بھی رک گئی تھیں۔

"ڈاکٹر سارہ ایک طرف ایک پروفیشنل سائنسدان ہیں اور اعلیٰ عہدے پہ فائز ہیں' ایسے عہدے انسان کو باہمت اور بہادر بناتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ایک سال تک ایسا کوئی بیان نہیں دیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ عینی شاہد ہیں۔ ان کا بیان آخری وقت آیا اور اگر اس کو درست مان لیں تو یہ بات کہ وہ ذہنی سکون کے لئے دواؤں کا استعمال کرتی ہیں' سائیکیٹرسٹ کے پاس زیرِ علاج ہیں' اور سعدی کی نہ صرف باس بلکہ رشتے دار ہیں' یہ بات ان کی گواہی کو جانبدار بنا دیتی ہے اور کیس میں شک پیدا ہو جاتا ہے' اور قانون کہتا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے اس لئے.... یہ عدالت.... آج نوشیرواں کاردار کو.... ان تمام الزامات سے جو سعدی یوسف نے ان پہ لگائے تھے.... باعزت بری کرتی ہے۔"

اور سارے میں ایسا سناٹا چھایا تھا جیسے کسی کے مرنے پہ چھا جاتا ہے۔

چند لمحے کے لئے تو ہر شخص پھٹی پھٹی آنکھوں سے جج صاحب کو دیکھے گیا۔ خود ہاشم بھی۔ پھر ایک دم دفاع کی کرسیوں پہ شور سا بلند ہوا۔ "مبارک سلامت" کے نعرے۔ قہقہے۔ خوشی کی چہکار۔ سعدی نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ گردن موڑ کر دیکھا۔ ہاشم خوشی سے مسکراتے ہوئے نوشیرواں کو گلے لگا رہا تھا' جو شل کھڑا تھا۔ پیچھے سے سب مبارک بادیں دے رہے تھے۔

زمر سر جھٹکتی اپنے کاغذ سمیٹنے لگی۔ ندرت نے سر جھکا کر آنسو پونچھے۔ سیم نے آسمان کو دیکھا۔ فارس زخمی سا مسکرا دیا۔

"یہ سب میرا قصور ہے۔" سارہ نے گیلی آواز میں کہتے سر جھکا دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سارہ کا سر تھپکا۔

"آپ نے اپنی بساط سے بڑھ کر جدوجہد کی ہے۔ یہ انصاف کی عدالتیں نہیں ہیں' یہ قانون کی عدالتیں ہیں۔"

"ہم اپیل کریں گے۔ خیر ہے سعدی!" زمر نے باہر نکلتے ہوئے اسے تسلی دی جو شل سا تھا۔ فکرمندی حنین نے بھی دوسری طرف سے پکارا۔ "ہاں بھائی' ہم اپیل کریں گے۔"

"فائدہ کیا ہوا اس سب کا پھر؟" سیم ذہویں سے بول اٹھا تھا۔ وہ اب راہداری میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ سعدی ابھی تک سن تھا۔

ششدر۔ جامد۔

"کاردار صاحب' مبارک ہو۔" ہاشم وکلاء کے جھرمٹ میں مسکراتا ہوا' لوگوں سے ہاتھ ملاتا باہر نکل رہا تھا۔ نوشیرواں کے حواس بحال ہو رہے تھے' اور وہ اب وکیلوں کے بڑھے ہاتھوں سے مصافحہ کر رہا تھا۔ ہر شخص فاتح وکیل سے ہاتھ ملانے اور مبارک باد دینے کا خواہاں تھا۔ سب چاہتے تھے کہ ہاشم ان کو یاد رکھے۔ وہ جو کچھ عرصے سے نیچے جا رہا تھا' آج اس کا گراف پوری شان و شوکت سے بلند ہو گیا تھا۔

دونوں گروہ ساتھ ساتھ احاطے سے باہر آئے تھے۔ رپورٹرز کے مائیک تیزی سے سب کے سامنے آئے تو زمر مختصر "ہم اپیل کریں

گے" جیسے چند فقرے کہہ کر سعدی کا بازو تھامے آگے بڑھ گئی۔ فارس سمیت باقی گھر والے پارکنگ کی طرف جا رہے تھے، مگر سعدی نے بازو چھڑا لیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

وہاں ہاشم اور شیرو کھڑے تھے۔ ان کی پشت پہ مجمع تھا اور سامنے مائیکس۔ ہاشم دن کی روشنی میں کھڑا مسکرا کر بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ "آج انصاف اور قانون کی فتح ہوئی ہے۔ آج معزز عدالت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کوئی گولڈ ڈگر مشکوک کردار کا مالک غریب لڑکا اٹھ کر کسی باعزت شہری کو اس کی امیری کی سزا نہیں دے سکتا۔" وہ فاتحانہ انداز میں اطراف میں نظریں دوڑاتا کہہ رہا تھا۔ کیمرے کلک کلک کرتے اس کی تصاویر اتار رہے تھے۔ ساتھ کھڑے شیرو کی نظر سعدی پہ پڑی تو وہ نظریں چرا گیا۔ وہ خود بھی اتنا ہی بے یقین تھا جتنا کہ سعدی۔

"سعدی یوسف نے کیس کے دوران متعدد بار ہم سے بھاری رقوم کا مطالبہ کیا مگر ہم جانتے تھے کہ عدالت میں فتح سچ اور حق کی ہی ہو گی۔ ہم ان وکلاء میں سے ہیں جنہوں نے چیف جسٹس کی بحالی اور عدلیہ تحریک کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ ہم نے اس ملک میں جمہوریت کی بقا کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ اب وہ زمانے چلے گئے جب لالچی لوگ اس طرح غریب کارڈ کھیلتے تھے۔ اب عدالتیں آزاد ہیں۔"

"سعدی چلو۔" زمر اسے کہنی سے کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس نے پھر سے بازو چھڑا لیا اور پتلیاں سکیڑے ہاشم کو دیکھے گیا۔ فارس آدھے راستے سے مڑ کر واپس آیا اور برہمی سے اسے پکارنے لگا۔ "سعدی! کیا کر رہے ہو؟"

ادھر ہاشم کہہ رہا تھا۔ "میں اعلیٰ حکام سے درخواست کرتا ہوں کہ بھلے ہم نے سعدی یوسف کو معاف کر دیا ہو مگر کیس کے دوران جو سعدی کے دہشت گردوں کی معاونت کے ثبوت اور گواہ سامنے آئے ہیں، ان کے بارے میں مکمل تحقیقات ہونی چاہئیں۔"

"کاردار صاحب۔ آپ کے اپنے ہی بھائی نے آپ کی کمپنی کے خلاف پریس کانفرنس کی تھی اور پیپر شائع کیا تھا جس سے آپ کی کمپنی کو کافی نقصان ہوا۔ اس بارے میں کیا کہیں گے؟"

"اسی سے آپ اندازہ لگالیں کہ کیا اتنا سچا اور مخلص انسان کسی کو گولی مار سکتا ہے؟" وہ شیرو کی طرف اشارہ کر کے ترکی بہ ترکی بولا تھا۔

"کاردار صاحب آپ اپنی والدہ کے حادثے کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

مگر وہ سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی "ابھی کے لیے اتنا ہی کافی ہے" کہہ کر مسکراتا ہوا آگے آنے لگا۔ رپورٹرز بکھرنے لگے اور وہ دونوں بھائی جمگھٹے میں راستہ بناتے چلتے ہوئے اس طرف آنے لگے۔ سعدی اسی طرح کھڑا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا، ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چہرہ دھوپ کی تمازت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ وہ سامنے سے آتے فاتح ہجوم کو دیکھ کر چلایا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم لوگ۔"

ہاشم نے دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر مسکرا کے اسے دیکھا۔ رپورٹرز اب اس طرف گھوم گئے تھے۔

"اللہ قہر نازل کرے تم پہ۔ اللہ غارت کرے تمہیں۔" کیمرے دھڑا دھڑ سعدی کی تصاویر اتار رہے تھے، ویڈیو بنا رہے تھے۔

ہاشم مجمع کی طرف گھوما اور تبصرے کے سے انداز میں کہنے لگا۔ "شکست کے بعد بہت سے لوگوں کو نفسیاتی امراض کے ہسپتالوں میں داخلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے افسوس ہے اس بچے کے لیے۔ لیکن میں نے اس کے جھوٹوں کے لیے اس کو معاف کیا۔" ہاشم پھر سے چلنے لگا۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ اسے آگے بڑھنے کے لیے سعدی کے پاس سے گزرنا تھا۔

اور سعدی مٹھی بھینچ کر آگے بڑھا، کہ اس کے منہ پہ دے مارے، مگر فارس نے پیچھے سے اس کو کہنی اور بازو سے جکڑ لیا۔

"چلو یہاں سے۔" وہ دبے دبے سختی سے بولا تھا۔ "وہ تمہیں اکسا کر تماشہ کرنا چاہتا ہے، چلو یہاں سے۔" ہاشم اب مسکراتا ہوا قریب آ چکا تھا۔ آخری بات پہ بھی سعدی نہ رکتا، اگر فارس اسے زبردستی کھینچتا ہوا وہاں سے نہ لے جاتا۔ ساتھ ہی وہ اس کو ڈانٹ بھی رہا

تھا۔ ''کیا کر رہے تھے تم؟ اس کو مکا مارتے تو وہ اقدام قتل کا مقدمہ کر دیتا اور اس کے پاس ثبوت بھی ہوتے اور گواہ بھی۔ وہ یہی تو چاہتا ہے۔''

سعدی لڑکھڑاتے قدموں سے چلنے لگا۔ چلتے چلتے کندھا جھٹک کر اس نے بازو چھڑا لیا۔ چہرہ سرخ تھا' آنکھوں میں پانی تھا۔ سب گھر والے کار پارکنگ میں رکے کھڑے تھے اس نے کسی کو نہیں دیکھا... کسی سے بات نہیں کی۔ بس آگے بڑھتا گیا... بڑھتا گیا...

نوشیرواں اور ہاشم کافی دیر بعد اپنی اپنی کار کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ مبارکبادوں اور تعریفوں کو سمیٹنے میں وقت لگا تھا۔ نوشیرواں اب سنبھل چکا تھا اور صرف سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔

''تم آزاد ہو۔ آج سے نئی زندگی شروع کر سکتے ہو۔''

''آپ کو یقین تھا ہم جیت جائیں گے؟''

''اگر میں شروع میں اسے نہیں لڑنا چاہتا تھا تو اس لئے کہ ہم بدنام ہوں گے' کاروبار کو نقصان پہنچے گا مگر مجھے معلوم تھا کہ یہ کیس وہ نہیں جیت سکتے۔ قتل کرنا آسان ہے شیرو! اسے ثابت کرنا بہت مشکل۔'' اس نے مسکرا کے شیرو کا شانہ تھپکا۔ نوشیرواں جوابا" اس کے گلے لگ گیا۔

''مجھے بچانے کا شکریہ بھائی۔'' اس کے کان کے قریب شیرو بولا تھا۔ ''مگر مجھے افسوس ہے کہ دوسروں کی طرح میں نے بھی آپ کو استعمال کیا۔ یہ جو ٹوٹی ہوئی ہینڈز فری میں آپ کی جیب میں ڈال رہا ہوں' یہ وہ ہے جس کا ائیر بڈ آبدار نے اس روز توڑ کر جھوٹ بولا تھا کہ وہ گم ہے۔'' ایک ہاتھ سے اس کی جیب میں ٹوٹی ہوئی تاریں ڈالتے' وہ دھیرے سے زہر اس کے کانوں میں انڈیل رہا تھا۔ ''زمر کو اس نے نہیں' میں نے بچایا تھا۔ جس جرم کی آپ نے اس کو سزا دی' وہ اس نے کیا ہی نہیں تھا۔'' یہ کہہ کر وہ اس سے الگ ہوا تو دیکھا... ہاشم کی تلخ مسکراہٹ ویسی ہی قائم تھی۔

''میرے بے وقوف بھائی!'' اس نے شیرو کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو سرد سی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی گئی۔ ''تمہیں لگتا ہے مجھے یہ نہیں معلوم؟ تم ہمیشہ بیوقوف رہو گے شیرو۔ فارس کو لفٹ کا علم پہلے سے تھا' یہ دیکھ کر ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ تم نے کیا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا بھی تھا' تم نے انکار کر دیا' لیکن میں تمہارے ساتھ وہ نہ کرتا جو آبی کے ساتھ کیا۔ میں نے اس کو اس لئے مارا کیونکہ وہ مجھے اکسا رہی تھی' وہ خود اپنا قتل چاہتی تھی۔ وہ بیچ ہاتف سے مجھے نہیں مار سکتی تھی' وہ صرف چاہتی تھی کہ میں اسے مار ڈالوں۔ میں نے اس کی خواہش پوری کی۔ میں نے اس پہ احسان کیا۔ اس کا جرم وہ تمام دھوکے تھے جو وہ مجھے اس سے پہلے دے چکی تھی۔ مجھے اب کسی شے کا کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اور میں تمہارا کیس تمہیں بچانے کے لئے نہیں لڑ رہا' صرف اپنے نام کو کلیئر کرنے کے لئے لڑ رہا ہوں۔''

نوشیرواں شل ہو گیا تھا۔ یہ عدالتی دھچکے سے زیادہ بڑا دھچکا تھا۔

''اگر وہ الزام اپنے سر نہ لیتی تو میرے... میرے ساتھ کیا کرتے آپ؟''

''وہی جواب کرنے جا رہا ہوں۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں واپس جائیں گے' الگ زندگیوں کی طرف۔ سونیا کے ساتھ میں قصر سے شفٹ ہو رہا ہوں۔ تم اور تمہاری ماں وہاں رہ سکتے ہو۔'' پھر ایک ملائمت مسکراہٹ کے ساتھ اسے چند لمحے دیکھتا رہا۔ ''تم سب نے مجھے تباہی کی طرف دھکیلا ہے شیرو۔ تم... ممی... سعدی... شہرین... آبی... تم سب سے محبت کی تھی میں نے۔ تم سب نے مجھے میری محبت کی سزا دی۔'' کہہ کر اس نے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے... ان کی سرخی اور نمی چھپالی اور کار میں بیٹھ گیا۔ کالا شیشہ بند ہو گیا تو شیرو اسے دیکھنے کے قابل بھی نہ رہا۔

چند لمحے بعد وہاں سے دو کاریں دو الگ راستوں پہ روانہ ہوئی تھیں۔ اور عدالت کی اونچی عمارت کی قدیم دیواریں خاموشی سے اپنے جہنمی شور کو سن رہی تھیں۔

……………❖❖❖……………

دیکھا نہ کسی نے بھی مری سمت پلٹ کر ...... محسن میں بکھرتے ہوئے شیشوں کی صدا تھا

وہ کن قدموں سے گھر پہنچا اسے معلوم نہ تھا۔ سب خاموشی سے اندر آئے تھے صرف وہ تیزی سے آگے بھاگتا گیا تھا۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ لاک کر دیا۔ پردے گرے تھے اور دوپہر کے باوجود روشنی نہ تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ قانون کی کتابیں رکھی تھیں۔ سعدی چند لمحے گلابی پڑتی آنکھوں سے ان کتابوں کو دیکھتا رہا۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' اس نے موٹی کتاب اٹھا کر زور سے دیوار پہ دے ماری۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' اس نے بوٹ کی ٹھوکر سے میز لڑھکا دی۔ اسٹڈی لیمپ نیچے آ گرا۔ فرش سے ٹکرا کر بلب چکنا چور ہو گیا...

''میں سچ بول رہا تھا۔'' وہ اب ریک میں رکھی کتابیں نکال نکال کر زمین پہ پھینک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' وہ روتے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پہ گرتا گیا۔ سر جھکائے' آنکھیں سختی سے میچے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ سامنے کتابوں کا ڈھیر لگا پڑا تھا جن میں ہزاروں قوانین اور دستور درج تھے۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' اس نے گیلی آنکھیں کھولیں۔ پھر غصے اور بے بسی سے ایک کتاب اٹھائی اور کھول کر صفحے پھاڑنے چاہے۔ مگر ہاتھ کانپ گئے۔ وہ یہ نہیں کر سکا......

''میں سچ بول رہا تھا۔'' وہ سیاہ جلد والی سیاہ و سفید کی مالک کتابوں کے سامنے اکڑوں بیٹھا تھا اور سر گھٹنوں میں دیے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ''مگر کیا فائدہ ہوا سچ بولنے کا؟ سچ کے لیے لڑنے کا؟''

باہر سب خاموشی سے اس کی توڑ پھوڑ اور اب سسکیوں کی آوازیں سن رہے تھے مگر ایک دوسرے سے نظریں چرائے ہوئے تھے۔ بڑے ابا نے کسی سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ چہرے بتا رہے تھے کہ جو انصاف مانگنے گئے تھے وہ مصلحتوں میں لپٹے نظریہ ضرورت جیسے فیصلے کو اٹھا لائے تھے۔

ادھر اپنے آفس کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہاشم نے رئیس سے پوچھا تھا۔ ''آخری کارڈ کھیلنے کا وقت آ گیا ہے۔ پارٹی کی تیاری مکمل ہے؟''

''جی سر۔ سب تیار ہے۔''

''اچھا۔ میں نیا گھر دیکھنے جا رہا ہوں۔ انٹیریئر ڈیزائنر نے آج کام ختم کر لینا تھا۔ کیا وہ ہو گیا؟'' وہ سیل فون دیکھتے تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ زندگی کی مصروفیت پھر سے شروع ہو چکی تھی۔

''یس سر۔ آپ کیس کے سلسلے میں بزی تھے' میں نے اس کو سنبھال لیا تھا۔''

''تم نے نہیں۔'' اس نے مسکرا کے ٹوکا۔ ''میں نے.... ہاشم نے سنبھالا ہے ہر شے کو۔'' اور آگے بڑھ گیا۔۔۔۔

..........❁❁❁❁..........

ناشناسائی کے موسم کا اثر تو دیکھو ..... آئینہ خال و خد آئینہ گر کو ترسے

اس تپتی صبح لگتا تھا سارے شہر پہ سونے کا ملمع چڑھا دیا گیا ہو۔ شاید زمین کے اندر بڑے بڑے جہنم دہک رہے تھے جس سے اوپر چلنے والے بے خبر تھے۔ ایسے میں ہسپتال کی مرمریں راہداری میں وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ زمر سبز رنگ کے لباس میں ملبوس تھی اور سن گلاسز بالوں پہ ٹکا رکھے تھے۔ فارس سیاہ شرٹ پہنے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''تم واقعی ان سے ملنا چاہتی ہو؟''

ایک دروازے کے سامنے وہ رک گئی اور مڑ کر اسے دیکھا۔ ''تم اپنی آنٹی سے نہیں ملو گے؟''

''میرا دل تمہاری طرح نہیں ہے۔ میں ابھی کچھ نہیں بھولا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر وہیں رک گیا۔ زمر گہری سانس لے کر آگے

بڑھ گئی۔

زمر اندر آئی ہی تھی کہ شہرین باہر آتی دکھائی دی۔ اس نے سونی کی انگلی پکڑ رکھی تھی اور میری انجیو تحکم سے اسے کہہ رہی تھی۔

''ہاشم کا حکم ہے کہ آپ آخری دفعہ سونی کو ساتھ لے جا رہی ہیں' ویک اینڈ پہ جب آپ اسے چھوڑنے آئیں گی تو اس کے بعد...''

زمر کو دیکھ کر وہ چپ ہوئی۔ شہری نے بھی دیکھا' تو سر جھٹک کر سونی کو لیے آگے بڑھ گئی۔

میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری پہنے کھڑی میری نے ملکہ کی شان سے گردن کڑا کے اسے مخاطب کیا۔ ''خوش آمدید مسز زمر۔ اندر آئیے۔ مسز کاردار آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

وہ اندر چلی آئی۔ آج کمرے میں کوئی پھول نہ تھا۔ پردے ہٹے تھے اور چمکیلی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ کھڑکی کے سامنے آرام کرسی پہ جواہرات بیٹھی تھی۔ رخ موڑ رکھا تھا' اور سر پہ شال لے کر چہرہ ڈھک رکھا تھا۔ زمر کافی پیچھے بیٹھ گئی تاکہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

''تم جاؤ میری!'' جواہرات نے گلا خراب کی سی آواز میں میری کو کہا' مگر میری زمر کے قریب صوفے پہ بیٹھ چکی تھی۔ ''نہیں مسز کاردار' مجھے یہاں ہونا چاہیے۔'' اس کی آواز میں تمکنت تھی' ایسی تمکنت جسے جواہرات رد نہ کر سکی۔ خاموش ہو گئی۔

''کیوں آئی ہو زمر؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے آزردہ ہو کر پوچھنے لگی۔

''آپ کی خیریت لینے آئی تھی۔'' توقف کیا۔ ''میں جانتی ہوں کہ میری رپورٹس' میری صحت' میری زندگی کے ساتھ آپ کیسے کھیلتی رہی ہیں۔ شاید آپ مجھ سے حسد کرتی تھیں۔ حالانکہ میں آپ جیسی خوبصورت بھی نہ تھی' مگر آپ کو اپنے سامنے کسی کی تمکنت اچھی نہیں لگتی۔ بہر حال۔'' اس نے سر جھٹک کر گہری سانس لی۔ آنکھیں جواہرات کی پشت پہ جمی تھیں۔ ''میں آپ کو معاف کرنے آئی ہوں۔ دل سے ابھی تک بھولی کچھ بھی نہیں ہوں' مگر میں آپ کو معاف کرنا چاہتی ہوں۔ ہاشم کا معاملہ میں نے اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔''

ایک آنسو جواہرات کی آنکھ سے ٹپکا اور چہرے پہ پھسلتا گیا۔

''میں نے تم جیسے بہت سے لوگوں کو اجاڑا ہے زمر۔ مجھے کون کون معاف کرے گا؟''

''آپ معافی مانگ لیں' یہی اہم ہوتا ہے۔''

''ہاشم مجھے معاف نہیں کرے گا' شیرو مجھے معاف نہیں کرے گا۔ اب کچھ پہلے جیسا نہیں ہوگا۔ ہاشم سے کہو' مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے ملنے آ جائے۔''

''میں یہ نہیں کر سکتی مسز کاردار' مگر میں آپ کو اپنے اوپر کیے گئے تمام مظالم کی قید سے آزاد کرتی ہوں۔ میرے اور میرے خاندان کا کوئی حساب اب آپ پہ ادھار نہیں ہے۔''

جواہرات اسی طرح باہر دیکھتی رہی۔ آنسو گر رہے تھے۔ ''میں تم سب سے بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ میری مدد کرو۔ مجھے اکیلا مت چھوڑو۔ مجھے اپنے سارے گناہوں کا احساس ہے۔''

زمر پھیکا سا مسکرائی' اور پرس کندھے پہ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''نہیں مسز کاردار۔ آپ نہ شرمندہ ہیں' نہ آپ کو احساس ہے۔ آپ اب بھی مجھے استعمال کرنا چاہتی ہیں ہاشم کو منانے کے لیے۔ اکثر انسان نہیں بدلتے۔'' جواہرات بالکل چپ ہو گئی۔ آنسو بہنا رک گئے۔

''یعنی تم لوگ اب مجھے دشمنی کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔'' پھر اس کے لبوں سے سرد آہ نکلی۔

''اللہ آپ کو صحت دے اور آپ پہ رحم کرے۔ میں چلتی ہوں۔'' وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

فارس راہداری میں دیوار کے ساتھ کھڑا تھا' ہاتھ جیبوں میں ڈال رکھے تھے' اور چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ یونہی نگاہ پھیری تو سامنے سے شہری اور سونی آتی دکھائی دیں۔ شہرین نے اسے دیکھ کر فوراً نظریں چرا لیں۔ فارس نے سونی کو دیکھا' وہ چھوٹے

قدم اٹھائی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ انتہائی خوبصورت بچی تھی وہ۔ وہ بڑی سے مسکرایا۔ تو سونیا نے غصیلی آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں کو بنا آواز کے ہلا کے کہا۔ ''آئی ہیٹ یو۔'' اور منہ موڑ کے آگے بڑھتی گئی۔

فارس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ آنکھوں میں اچنبھا بھر آیا۔ کچھ دور اندر زخمی بھی ہوا تھا۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔ چند لمحے بعد مڑ آتی دکھائی دی تو وہ ان کی طرف بڑھ گیا۔ مگر وہ سیاہ خوبصورت آنکھیں' ان کا یک ٹک اسے دیکھنا' اور ہونٹوں کا ہلا کر بنا آواز کے تین الفاظ بولنا' وہ دماغ سے زیادہ دل کے اندر تک پیوست ہو گیا تھا۔

.... ☆☆☆ ....

وقت رکتا ہی نہیں خواب ٹھہرتے ہی نہیں ..... پاؤں جمتے ہی نہیں بہتے ہوئے پانی پہ

کتنی راتیں اتریں' کتنے دن ڈھلے' زندگی میں گھل جانے والی مایوسی سعدی کو ہر شے سے بے نیاز کر چکی تھی۔ وہ تمام گھر والوں سے نظر بچا کے صبح جلدی نکل جاتا۔ پھر یونہی سڑکوں پہ پھرتا رہتا۔ یا سارا سارا دن کمرے میں پڑا رہتا۔ اس روز سے اس کا جیسے دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔ ملک' قانون' انصاف کے اداروں ہر شے سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ پاکستان کا کوئی مستقبل نہیں ہے' وہ جان گیا تھا۔

آج پھر وہ کمرے میں پڑا تھا۔ صوفے پہ لیٹا' موبائل پہ انگلی پھیرتا سوشل میڈیا دیکھ رہا تھا۔ سیو سعدی یوسف پیج کے علاوہ۔ وہاں تو شرمندگی سے وہ جاتا ہی نہیں تھا۔

باہر لاؤنج میں آؤ تو زمر ہنوز غائب تھا' اور بڑے ابا' اسامہ اور حنین سے محو گفتگو دکھائی دیتے تھے۔ اسی اثناء میں ندرت سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھیں' اور میز پہ کبابوں کے کچے آمیزے کا برتن رکھا۔ ساتھ میں پانی کا پیالہ' اور بڑی ٹرے جس میں ٹکیاں بنا بنا کر رکھی تھیں۔ چند لمحے گزرے اور دونوں اولادیں ان کے دائیں بائیں آ بیٹھیں۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی لالچ تھی۔

''امی صبح جو آپ نے حلیم بنایا تھا وہ بہت مزے کا تھا۔''

ندرت نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا۔ ''کسی کا ہاتھ کبابوں کے ایک فٹ بھی قریب آیا تو میں نے جوتے مار مار کر شکل بدل دینی ہے۔''

''یہ دھمکی اب پرانی ہو چکی ہے ماما ڈارلنگ!'' حنہ نے دو انگلیوں سے مصالحہ اچک کر منہ میں رکھا۔ ای کی ناک کے نیچے سے کچے کبابوں کا آمیزہ کھانا... آہ ooo... من وسلویٰ تھا یہ۔

ایک زور کا تھپڑ اس کے ہاتھ پہ آ لگا۔ ''ہزار دفعہ کہا ہے درمیان سے مت اچک لیا کرو۔ بے برکتی ہوتی ہے۔'' مگر ان کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

''ندرت'' ابا کو کچھ یاد آیا۔ ''فارس کہہ رہا تھا وہ لوگ نیا گھر لینا چاہ رہے ہیں۔''

''حالانکہ یہ اتنا بڑا گھر کافی ہے سب پہ۔'' ندرت کو بات پسند نہیں آئی تھی۔

''امی آپ کیوں اسٹار پلس والی دادی بننا چاہ رہی ہیں؟ ان کو رہنے دیں جہاں وہ چاہتے ہیں۔'' حنہ نے ناک سکوڑی تھی۔

''لو... میں تو ایک بات کہہ رہی تھی۔''

''امی آپ نا بھائی کی شادی کر دیں۔ یوں رونق آ جائے گی گھر میں۔'' اس نے چٹکی میں حل بتایا۔ ندرت نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے سعدی کے کمرے کو دیکھا۔ (تیم نے آنکھ بچا کر ذرا سا آمیزہ اٹھا کر منہ میں رکھا۔ من وسلویٰ۔) ''پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے بیٹے کو۔''

''چلو جی۔'' حنہ نے منہ بنایا۔ ''ساری دنیا کے لوگوں کو مسئلے ان کے اعمال کی وجہ سے پیش آتے ہیں' ایک ہم پاکستانیوں کو ہر بات میں یا تو نظر لگتی ہے یا جادو ہوتا ہے۔''

"نظر برحق ہے بیٹا۔" ابا نے تنبیہہ کی۔

"جی ابا! بالکل برحق ہے' یہ اونٹ کو ہانڈی اور انسان کو قبر تک پہنچا دیتی ہے' مگر جب قرآن میں اللہ تعالیٰ لوگوں پہ آنے والی مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے تو فرماتا ہے کہ نمبر ایک' وہ ان کو ان کے اعمال کے سبب پہنچیں' نمبر دو' وہ لوح محفوظ میں اللہ نے ایسی ہی لکھ رکھی تھیں۔ مجھے لگتا ہے ابا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم پاکستانی نظر اور جادو سے نکل آئیں' اور اپنے مسئلوں اور اعمال کو own کرنا سیکھیں۔ نظر لگتی ہے اور جادو بھی ہوتا ہے مگر ذرا ذرا سی باتوں میں نہیں ہوتا۔ رہا آپ کا بیٹا تو والدہ ماجدہ اب کے ساتھ' مگر آپ کے بیٹے اور بھائیوں کے اعمال ہی ایسے تھے۔ انہوں نے برے لوگوں کے ساتھ پنگا لیا' گو کہ انہوں نے اچھا کیا تھا' مگر برا چھے کام کے نتیجے میں اچھائی تو نہیں ملتی نا۔"

سر پہ ندرت کا تھپڑ لگا تو وہ چپ ہوئی۔ "زیادہ بک بک نہ کرتی رہا کرو ہر وقت۔ بس ماں کی غلطیاں نکالنے پہ لگتا ہے انعام ملنا ہوتا ہے تم لوگوں کو۔ اب جاؤ' بھائی کو بلا کر لاؤ' کھانے کا بتاؤ' کیا کھائے گا' میں وہی بناؤں۔"

"امی یہ کباب فرائی کر دوں۔" اسامہ چہکا۔

"یہ مہمانوں کے لیے ہیں۔ جواب۔" اور جب حنین بھائی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو پیچھے سے یہ "مہمانوں" کی شان میں قصیدے سن سکتی تھی۔ (کسی کے گھر جاؤ تو نہیں کھانے دیتیں... اور اپنے گھر میں ہر اچھی چیز مہمانوں کے لیے رکھ دیتی ہیں۔)

سعدی اندھیرا کیے صوفے پہ بیٹھا فون دیکھ رہا تھا۔

"بھائی۔" حنہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی' پھر جھک کر دیکھا۔ وہ ہاشم کا کونسرٹ دیکھ رہا تھا۔ تصویر میں ہاشم تھا' اسٹاف اس کے کوٹ کا کالر درست کر رہا تھا' اور آگے پیچھے لوگ کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔ "وکٹری پارٹی۔ کاردارز کا جج۔ تھینک یو پاکستان۔ سرکار بنام نوشیرواں کاردار" یہ تمام الفاظ Hashtag کر کے لکھے گئے تھے۔

"اس کو مت دیکھا کریں بھائی۔ اب بس نکل چکے ہیں یہ لوگ ہماری زندگی سے۔"

"یہ مایا ہے... ڈاکٹر مایا..." وہ تیزی سے بولا تو حنین سناٹے میں رہ گئی۔

"یہ جو لڑکی کونے میں نظر آ رہی ہے' سائیڈ پوز!" وہ زوم کر کے دیکھ رہا تھا۔ بے یقینی سے۔ حیرت سے۔ "یہ مایا ہی ہے۔ یہ ہے وہ گواہ جو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔" مگر حنہ نے اسکرین پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"مگر اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس کو بند کریں اور باہر آ کیں۔ امی بلا رہی ہیں۔"

وہ کہہ کر خود تو آ گئی' مگر جب کافی دیر گزر جانے کے بعد سعدی نہ آیا تو حنہ دوبارہ اس کے کمرے میں گئی۔

کمرہ خالی تھا۔ بیرونی گیلری کو جاتا دروازہ کھلا تھا۔ الماری کے پٹ کھلے تھے' ہینگر بیڈ پہ پڑا تھا۔ گویا اس نے لباس بدلا تھا۔ حنین دم بخود سی کھڑی رہ گئی۔ پھر میز پہ نظر پڑی جہاں سیاہ فون بک کھلی نظر آ رہی تھی۔ یہ زمر کی تھی' جس میں وہ عرصے سے وکلاء اور ججز کے گھر کے پتے لکھ کر محفوظ کرتی تھی۔ حنہ نے صفحے پلٹائے۔ ایچ نکالا۔ ہاشم کاردار۔ اس کے دو تین پتے لکھے تھے۔ تیسرا کاردارز کا جج کا تھا... اس کا فارم ہاؤس جو چک شہزاد کی طرف تھا۔

وہ فوراً باہر بھاگی۔ اس کا دل بری طرح سے کانپ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کیس مئی کی صبح پھر سے آن پہنچی ہو... وہ تب بھی تیار ہو کر... سوٹ پہن کر گھر سے گیا تھا... بغیر بتائے... نہیں... آج نہیں...

.... ❖❖❖ ....

منظر جو آنکھ میں ہے گنوا دیجیے اسے ..... پتھر جو دل پہ ہے اسے کیسے ہٹایئے

ذرا سی بارش ہوئی تھی مگر درخت اور پودے نہا کر سر سبز نکل آئے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو سارے میں رچ بس گئی تھی۔ زمر کار سے

نیچے اتری اور گردن اٹھا کر، دھلے دھلائے خوبصورت بنگلے کو دیکھا تو ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ سن گلاسز آنکھوں سے اوپر لے جا کر ماتھے پہ ٹکا لیں۔ فارس ڈرائیونگ ڈور بند کر کے باہر نکلا اور مسکراتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''کیسا لگا ممکنہ طور پہ ہمارا نیا گھر؟''

''اچھا ہے۔'' اس نے مسکرا کے سراہا۔ وہ دونوں اب کار کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے بنگلے کو دیکھ رہے تھے۔

''اس چڑیا گھر سے تو بہت ہی اچھا ہے۔'' وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ زمر نے خفگی سے آنکھیں گھما کر اسے دیکھا۔

''میرے گھر والوں کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟''

''کیونکہ بی بی آپ سے زیادہ وہ میرے گھر والے ہیں۔''

''مس کرو گے تم ان کو۔'' زمر نے واپس گھر کی طرف چہرہ موڑ لیا۔

''میں انشاء اللہ تعالیٰ کسی کو بھی مس نہیں کروں گا۔'' وہ جھرجھری لے کر بولا تھا۔

''مگر میں ان کے بغیر رہوں گی کیسے؟'' وہ مصنوعی اداسی سے بولی۔ فارس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''جی جی۔ آپ تو جیسے بڑی خدمت گزار بہو ہیں۔ جن میں پچھتّر قسم کے کھانے بناتی ہیں اور بڑا لگاؤ ہے آپ کو جوائنٹ فیملی سے۔''

''یہ تم ہمیشہ سے اتنے ہی طنز کرتے تھے کیا؟'' وہ اب سچ مچ برا مان گئی تھی۔

''آپ کی صحبت کا اثر ہے۔''

''ہم گھر دیکھنے آئے ہیں یا لڑنے؟''

''جو آپ کا موڈ ہو آپ بتا دیں۔''

''ہونہہ۔'' ناک سکوڑ کر اس نے سر جھٹکا اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ آگے گئی تو فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی، مگر جلدی سے سنجیدہ چہرہ بناتا اس کے پیچھے لپکا۔

''تم خوش ہو؟'' اس کے ساتھ اندر جاتے اس نے پھر سے اسے چھیڑا۔

''ہم کیس ہار گئے۔ مجھے کیسا ہونا چاہیے۔'' وہ واقعی اداس ہوئی۔

''جیت کر کیا ہوتا۔ وہ اپیل کرتے اور شیرو بری ہو جاتا۔ یا ہاشم اسے جیل سے غائب کروا دیتا اور ملک سے باہر بھجوا دیتا۔ سب کا وقت بچ گیا۔ اب نئی زندگی کا سوچو۔'' وہ اس نئے تعمیر شدہ مکان کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ وہ آگے تھی اور وہ پیچھے چل رہا تھا۔

''نئی زندگی میں تم اچھے اور شریف ہو جاؤ گے کیا؟'' وہ مڑ کر سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''استغفراللہ۔'' وہ بڑبڑایا۔ دو چار فقرے زبان تک آئے تھے مگر فون کی گھنٹی.... اس نے برے موڈ سے موبائل نکال کر دیکھا۔ حنین کالنگ۔ اس کا دماغ گویا بھنا اٹھا۔

''حنین تم آخر پیدا کیوں ہوئی تھیں ہمارے گھر؟ کیا تم پہ لازم ہے کہ جب آدمی مصروف ہو تم کوئی نہ کوئی کال کر کے ضرور دماغ خراب کرو گی۔'' وہ واقعی غصے سے بول رہا تھا مگر دوسری طرف کے الفاظ سن کر اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے پڑنے۔ چہرہ پھیکا پڑا۔

''کب گیا ہے وہ؟ ہم آ رہے ہیں۔'' ساتھ ہی فون بند کرتے زمر کو دیکھا جو چونک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ ''کیا ہوا؟''

''سعدی....'' اور وہ نیچے دوڑا۔ وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔ ایک دم سے سب کچھ بدل گیا تھا۔

یہ اہلِ ہجر کی بستی ہے احتیاط سے چل! ...... مصیبتوں کی یہاں انتہا گزرتی ہے

کارنارز کا نیچ چھوٹا سا تھا مگر اس کے چاروں اطراف کھلے سبزہ زار بکھرے تھے۔ کا ٹیج کی چاردیواری لکڑی اور شیشوں کی بنی تھی۔ دروازے کھڑکیاں.... سب اونچے شیشوں سے مرصع تھے۔ دعوت شروع ہو چکی تھی اور ائیر کنڈیشنڈ لاؤنج میں کھڑے مہمانوں کو شیشے کی کھڑکیوں سے اطراف میں پھیلا سبزہ زار صاف دکھائی دیتا تھا۔ اندر میوزک کا شور کافی تھا' لوگ ہاتھوں میں گلاس لیے' ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ کاٹیج کے کچن میں آؤ تو اس کے ساتھ ایک اور کمرہ بنا تھا۔ اس میں دیوار گیر آئینہ لگا تھا اور سامنے کھڑا ہاشم ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔

''سب ٹھیک جا رہا ہے؟'' اس نے اپنے عکس کے پیچھے نظر آتے رئیس کو دیکھ کر پوچھا۔

''یس سر! آپ کے ٹوئیٹر پہ دو فوٹو شاپڈ پکچر لگا دی ہے۔ سعدی دیکھے گا تو سمجھے گا کہ یہ ڈاکٹر مایا ہے اور وہ دیکھنے ضرور آئے گا....'' پن اسٹرائپ کوٹ پہنتے ہوئے وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر مسکرایا۔ ''سیکیورٹی سے کہا ہے آرام سے اندر داخل ہونے دیا جائے۔ وہ مایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا' جو یہاں ہے ہی نہیں۔'' وہ اب دھیمی آواز میں مزید ہدایات دے رہا تھا.....

فارس جس وقت دھاڑ سے دروازہ کھول کر مور چال کے لاؤنج میں داخل ہوا' حنین بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی اور پیچھے ابا' ندرت اور سیم پریشان سے بیٹھے تھے۔

''کون سی ڈائری ہے' دکھاؤ۔'' وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ راستے میں جتنا سن چکا تھا' وہ بہت تھا۔ آگے بڑھ کر حنہ سے ڈائری خود ہی جھپٹ لی اور صفحے پلٹائے۔ بار بار بالوں میں انگلیاں چلاتا' آستین سے پیشانی پونچھتا۔

''اس کا فون کیوں آف ہے؟'' پیچھے پریشان سی زمر فون کان سے لگائے اندر آ رہی تھی' وہ سارا راستہ اسے کال کرتی رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' حنہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''میرے بھائی کو واپس لائیں۔''

''فارس.... وہ کیا کرنے گیا ہے ادھر....'' ندرت نے کچھ کہنا چاہا مگر گلا رندھ گیا۔ انہوں نے سر پکڑ لیا۔ مگر وہ کسی کو نہیں سن رہا تھا۔ اس نے بس ڈائری سے ایک صفحہ پھاڑا اور باہر کو بھاگا۔ ''میرے آنے تک کوئی گھر سے نہیں نکلے گا۔ میں اس کو لے کر آتا ہوں۔'' جاتے جاتے ایک نظر زمر پہ ڈالی۔ ''میں آ رہا ہوں۔ بس اس کو لے کر۔'' کوئی وعدہ تھا جو اس نے کیا۔ ایسا ہی ایک وعدہ ندرت کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر بائیس مئی کی صبح بھی کیا تھا۔ وہ سب پرامید آنکھوں سے اسے دیکھے گئے اور وہ کسی الوداع' کسی سلام کے بغیر باہر نکل گیا۔

''او سعدی.... تم ایسا کیوں کرتے ہو؟'' زمر سر ہاتھوں میں لیے صوفے پہ بیٹھتی چلی گئی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

پتھر ہو تو کیوں خوفِ شبِ غم سے ہو لرزاں؟ ...... انسان ہو تو جینے کی ادا کیوں نہیں آتی

وہ خوبصورت سا بنگلہ شام کے اس پہر تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ سعدی ملازم کی معیت میں اندر داخل ہو رہا تھا۔ کوٹ کے نیچے سفید شرٹ پہنے' بال بنائے' وہ کافی سنجیدہ اور سوبر دکھائی دے رہا تھا۔ ملازم اسے اسٹڈی روم کے دروازے تک لے آیا اور پھر رخصت ہو گیا۔ اس نے گہری سانس لے کر دروازہ دھکیلا۔

اندر میز کے پیچھے جج صاحب عابد آغا بیٹھے تھے۔ دونوں ہاتھ باہم ملائے' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تمہارا یہاں آنا' کیونکہ میں عدالت میں فیصلہ دے چکا ہوں۔ تمہارا مجھ سے ملنا ہر طرح سے غلط ہے۔ لیکن تم نے درخواست کی تھی' اس لیے میں نرمی برت رہا ہوں۔ بیٹھو۔'' وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

سعدی دروازہ بند کر کے ان کے سامنے آ کر بیٹھا۔ کمرے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ شیلف میں رکھی موٹی موٹی قانون کی کتابیں اور بیت سے اس خاموشی کو سننے لگیں۔

''آج ہاشم کاردار وکٹری پارٹی دے رہا ہے یور آنر۔ اور اس میں وہ گواہ بھی شامل ہے جس کو میں ڈھونڈ رہا تھا۔'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''پہلے میں نے سوچا کہ وہیں جاؤں۔ زمر کی ڈائری کھولی تا کہ اس کے کانج کا ایڈریس دیکھوں مگر وہاں آپ کا نام دیکھا تو یہیں چلا آیا۔'' وہ غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں یہاں آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں یور آنر۔ کیا میں واقعی ساری دنیا کو جھوٹا لگتا ہوں؟''

''سعدی!'' ہاتھ باہم پھنسائے جج صاحب نے گہری سانس لی۔ اسٹڈی میں پھیلی مدھم روشنی نے ماحول کے تناؤ کو بڑھا دیا تھا۔ ''جس وقت تم لوگ.... پہلے دن.... میرے کورٹ روم میں داخل ہوئے تھے.... میں کیا' کچہری کا ہر ریڈر' پورٹر' ہر وکیل' جج' حتیٰ کہ جھاڑو لگانے والا خاکروب اور جو باہر فوٹو کاپی کرنے والے بیٹھے ہوتے ہیں' وہ بھی یہ جانتے تھے کہ تمہیں کس بھائی نے گولیاں ماریں اور کس بھائی نے اغوا کر کے سری لنکا بھیجا۔ سب کو پہلے دن سے معلوم تھا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔''

سعدی ہم سا دھے بیٹھا رہا۔ ''آپ سب جانتے تھے؟''

''آج تمہیں ایک بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا ہوگا۔'' وہ قدرے آگے کو جھکے۔ ''عدالت میں دو طرح کے مقدمے ہوتے ہیں۔ یعنی جرائم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کرمنل کیسز۔ اور کرپشن کیسز۔ کرمنل کیسز جیسے قتل' چوری' اغوا وغیرہ کے مقدمے۔ اور کرپشن کیسز جیسے کسی سیاستدان یا سرکاری افسر نے اپنے عہدے کا فائدہ اٹھا کر ملک کی ترقی کے لئے جو فنڈز ہوتے ہیں ان میں سے رقم ہیر پھیر کر کے اپنے اکاؤنٹس میں بھری ہو۔ جب کسی پہ کرپشن کا الزام لگتا ہے تو ساری دنیا میں قانون یہی ہے کہ بارِ ثبوت ملزم پہ ہوتا ہے۔ یعنی جس سیاستدان پہ الزام لگا ہے' اس کو خود ثبوت دے کر اپنے پیسے کو حلال کا پیسہ ثابت کرنا ہے۔ کرپشن کیسز میں الزام لگانے والا ثبوت نہیں دیتا۔ سمجھ آ گیا؟''

سعدی کا سر اثبات میں ہلا۔

''اسی طرح پوری دنیا میں.... جب کرمنل کیس چلتا ہے.... قتل' چوری' اغوا وغیرہ کے مقدمے.... تو ثبوت الزام لگانے والے کو دینا ہوتا ہے۔ کرپشن کیس کے برعکس۔ ٹھیک؟''

''ٹھیک!'' وہ جانتا تھا' مگر سر کو خم دیے گیا۔

''تمہارے کیس میں سب کو معلوم تھا کہ تم سچے ہو' وہ جھوٹے ہیں' مگر سعدی یوسف خان! تمہارے پاس ثبوت نہیں تھے۔ میں نے سنا ہے تمہارے پاس کوئی ویڈیو بھی تھی ہاشم کے دفتر کی مگر تم نے اور ہاشم نے ڈیلنگ کر کے اس کو دبا دیا کیونکہ اس میں تمہاری بہن پہ انگلی اٹھنے کا خطرہ تھا۔ یہ باتیں کچہری میں کبھی نہیں چھپتیں۔ سب کو سب پتہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہر سو میں سے ننانوے قتل جب ہوتے ہیں تو چوبیس گھنٹوں میں سب کو قاتل کا پتہ چل جاتا ہے۔ مگر سزا اس لئے نہیں ملتی کیونکہ قانون کمزور ہے۔ یہ قانون ججز نے نہیں بنائے' ہم نے صرف اس قانون کو مدنظر رکھ کر فیصلے کرنے ہیں۔ یہ جن کو تم ووٹ دے کر اسمبلیوں میں بھیجتے ہو' انہوں نے بنانے ہیں قانون۔ قانون کہتا ہے کیس میں reasonable doubt تک نہ آئے مگر تمہارے کیس میں شک تھا۔ جج انتظار کرتا ہے کہ ثبوت لاؤ' ثبوت لاؤ' گواہ لاؤ' گواہ لاؤ۔ تم لوگ گواہ اور ثبوت نہیں لاتے تو جج کا کیا قصور؟ ڈاکٹر سارہ اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر ہاشم سے کہتی ہیں کہ تم میرے شوہر کے قاتل ہو۔ مگر تم لوگ ہاشم کے خلاف کوئی کیس پرسو ہی نہیں کر رہے تھے۔ تمہارا سارا زور نوشیرواں پہ تھا' اور میں جانتا ہوں کہ وہ مجرم تھا' accompile تھا لیکن اگر تم اسی کیس کو ہاشم کے خلاف لڑتے تو شاید ثبوت مل جاتے۔ میرا کام اپنی معلومات' اپنے دل کی گواہی اور سنی سنائی باتوں پہ فیصلے کرنا نہیں ہے۔ مجھے ان چیزوں کو دیکھنا ہے جو تم لائے ہو' وہ کمزور تھیں اور پھر مجھے مجبوراً ملزم کو فائدہ دینا پڑا۔''

''بھلے آپ کو اندر سے معلوم ہو کہ وہ مجرم ہے؟''

''بھلے مجھے معلوم ہو کہ وہ مجرم ہے' مجھے فیصلہ اپنے اندر کی گواہیوں پہ نہیں کرنا۔ تم نے دو قتل کیے' تمہارے خلاف کارروائی کیوں نہیں

ہوئی؟ کیونکہ قانون شہادت تمہیں پروٹیکٹ کرتا ہے۔ اگر ملزم قانون کی محبوب اولاد نہ ہو تو فارس غازی جیسے بے گناہ بھی کبھی جیلوں سے نہ نکل سکیں۔ یہ ''شک کے فائدے'' کا قانون جہاں نوشیرواں جیسے لوگوں کو بچا لیتا ہے' وہاں فارس غازی جیسوں کو بھی بچاتا ہے۔ اب پوچھو اور کیا پوچھنا ہے۔''

''یور آنر!'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور آگے کو ہو، آنکھیں ان کی آنکھوں میں ڈالے اس نے بات کا آغاز کیا۔ ''آپ نے واللہ بہت اچھی تقریر کی' چند لمحوں کے لیے تو میں بھی کنوینس ہو گیا' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں ہوں اکیسویں صدی کا پاکستانی نوجوان۔ آپ میں اور مجھ میں فرق ہے۔ آپ کے زمانے کی یوتھ نے اس ملک کو لوٹ کھایا تھا' ہماری یوتھ ویسی نہیں ہے۔ اس لیے اب میری بات تحمل سے سنیں' اور سمجھیں' اور میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ آگے جا کر اپنے تمام ججز کو بھی بتا دیں۔ اور جو میں کہنے جا رہا ہوں اس کے کسی لفظ پہ توہین عدالت لاگو نہیں ہوتی۔ اب وہ وقت آ گیا ہے جب ججز کو توہین عدالت کے پیچھے چھپنے کی بجائے اپنے اوپر ہونے والی تنقید برداشت کرنی چاہیے۔ آپ کہتے ہیں' بار ثبوت میرے اوپر تھا۔ ٹھیک۔ مگر میں ثبوت لایا تھا۔ میں گواہ لایا تھا۔ جانتے ہیں سب سے بڑا گواہ کون تھا؟ میں تھا۔ میں سعدی یوسف سب سے بڑا گواہ تھا۔ ڈاکٹر سارہ اگر نفسیاتی مریض تھیں تو اتنے بڑے عہدے پہ کیسے کام کر رہی تھیں۔ پھر بھی' اگر وہ کریڈیبل نہیں تھیں' تو میں تو تھا نا۔ میری گواہی کا کیا ہوا سر؟ مجھ پہ تو دو قتل ثابت بھی نہیں ہوئے تھے۔ مجھ پہ دہشت گردی ثابت بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہاشم نے تو صرف الزام لگائے' اس نے کوئی ثبوت تو نہیں دیا میرے خلاف۔ اس کے گواہ بھی کریڈیبل نہیں تھے' پھر میں کیسے ڈس کریڈٹ ہو گیا سر؟ آپ کی جگہ اگر یہ کیس کسی امریکی یا مغربی عدالت میں لڑا جاتا تو میری گواہی پہ فیصلہ ہو جاتا تھا۔ لیکن میرے ملک کے ججز جو ''ثبوت'' سے کہتے ہیں کہ خود کو ثابت کرو' کیا یہ ججز بچے ہیں؟ کیا اس ملک میں اندھے قانون' بہرے جج اور گونگے ملزموں کا ہی راج رہے گا؟ اندھا قانون جو دیکھ نہیں سکتا کہ کون کریڈیبل ہے اور کون نہیں۔ بہرہ جج جو مدعی کی بات نہیں سنتا.... اور ملزم جو اپنا خاموشی کا حق انجوائے کرتے ہوئے گونگا بنا رہتا ہے۔ یور آنر آپ بے شک ایک ایماندار جج ہیں لیکن سارا مسئلہ یہی ہے کہ میرے ملک کو ایماندار ججز کی نہیں' بہادر ججز کی ضرورت ہے۔ ججز قانون نہیں بناتے' ٹھیک.... قانون سیاست دان بناتے ہیں' ٹھیک۔ مگر ججز Precedents تو سیٹ کر سکتے ہیں نا۔ ججز کے فیصلے قانون بن جاتے ہیں' اگر اس ملک کو بہادر جج مل جائیں اور وہ فیصلے کرنے پہ آ جائیں تو انہی فیصلوں کی بنیاد پہ کمزور ثبوت کے باوجود آئندہ فیصلے درست دیے جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ایماندار ججز بہت زیادہ' مگر بہادر ججز بہت کم ہیں سر۔ مجھے آج یہ کہہ لینے دیجیے یور آنر' بہت ادب سے' کہ ججز کا کام ہے پہ بیٹھ کر گھمنڈ ظاہر کرنا یا مزاحیہ ریمارکس دے کر کے ہیڈلائن بننا نہیں ہوتا۔ یہ اینکرز اور سیاست دانوں کا کام ہوتا ہے۔ آپ کا کام ہے آخر میں درست فیصلہ کرنا۔ انصاف نہیں کرنا' بلکہ عدل کرنا۔ عدل اور انصاف میں فرق ہوتا ہے یور آنر۔ انصاف کہتا ہے کہ دو لوگ ہوں اور روٹیاں تین تو دونوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ روٹی دو' مگر عدل کہتا ہے کہ دونوں آدمیوں پہ غور کرو۔ جو کئی دن سے بھوکا ہے' اس کو دو روٹیاں دو' اور جو پہلے ہی سیر ہے اس کو ایک دو۔ انصاف کہتا ہے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹو' مگر عدل کہتا ہے' جو قانون روٹی نہیں دے سکتا وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ انصاف کہتا ہے سعدی یوسف قاتل ہے' عدل کہتا ہے' سعدی یوسف کو اس راستے پہ نہ چلنا پڑتا اگر قانون فارس غازی کو چار سال تک لٹکا کر نہ رکھتا۔ ہمیں منصف جج نہیں چاہئیں۔ ہمیں عادل جج چاہئیں۔ اگر ہارون عبید جیسے سیاستدان' ہاشم جیسے وکیل اور جواہرات کاردار جیسے کاروباری لوگ کرپٹ ہیں تو آپ ججز ان سے زیادہ کرپٹ ہیں کیونکہ آپ کی ذمہ داری دہری تھی۔ آپ کہتے ہیں سر' ملزم کو شک کا فائدہ دیا جاتا ہے' درست' مگر یہی فائدہ غریب ملزم کو کیوں نہیں دیا جاتا؟ امیر ملزم کی ضمانت کیوں منظور ہو جاتی ہے؟ فارس غازی کی چار سال تک کیوں نہیں منظور ہوئی تھی؟ آپ نے جو فیصلہ دیا' بالکل قانون کے مطابق دیا' میں مانتا ہوں' مگر یہ انصاف کیا آپ ججز قانون کے لیے کرتے ہیں یا اسلیے کہ ٹی وی پہ اینکرز نکتے نہ اٹھائیں؟ سر میں تب اٹھارہ سال کا تھا جب ججز کی بحالی کی تحریک چلی تھی۔ میں تب انگلینڈ نہیں گیا تھا۔ اور جتنا ہو سکا' میں اس تحریک میں شامل رہا تھا۔ مجھے آج بھی اپنے کردار پہ فخر ہے' کیونکہ ہم نے عدلیہ کے لیے تحریک چلائی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ سابق چیف

جسٹس اپنے الگ ایجنڈے پہ چل پڑے لیکن آج مجھے یہ کہہ لینے دیجئے کہ عدلیہ تو آزاد نہیں ہوئی مگر دو چیزیں دیں جمیں اس تحریک نے۔ دو باقیات۔ "اس نے انگلیوں کی وی بنا کر دکھائی۔" متکبر جج اور متشدد وکلاء!"

اسٹڈی میں ایسا گہرا سناٹا چھا گیا کہ سوئی گرنے سے بھی آواز پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جج صاحب سنجیدہ چہرے سے اسے دیکھے گئے۔ وہ وکٹری کی وی دکھا کر کہہ رہا تھا۔ "متکبر اور متشدد۔ یہ بنا دیا ہے اس تحریک نے آپ ججوں اور وکیلوں کو۔ آپ لوگ تو جانتے ہیں کہ اس ملک میں ثبوت اور گواہ کیسے غائب کرا دیے جاتے ہیں، پھر کیوں آپ کی ناک پہ ممکنہ ثبوت نہیں تکتے؟ کیوں ناممکن ثبوت مانگتے ہیں آپ ملزموں کو سزا دینے کے لیے؟" جج صاحب نے گہری سانس لی اور ٹھنڈے انداز میں کہا۔

"تم اگر جج ہوتے تو قانونی پیچیدگیاں اور باریکیاں زیادہ بہتر سمجھ سکتے۔ میں مجبور تھا۔"

"اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا، اور وہ اپنے ظلم کی داستان سناتا، اور اپنے زخم دکھاتا، کیا تب بھی آپ اس کو کریڈیبل گواہ تصور نہ کرتے؟"

اور وہ کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکے۔ لب کھولے، پھر بند کیے۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ سعدی نے ایک آخری ملامتی نظر ان پہ ڈالی، وہ الفاظ بولے۔ "متکبر جج اور متشدد وکلاء، یہ الفاظ آپ سب ججز اور وکلاء کو یاد رکھنے چاہئیں ہیں۔"

جب وہ کار میں آ کر بیٹھا تو چند لمحے گہرے سانس لے کر خود کو ٹھنڈا کیا۔ جج صاحب کو اتنا سب سنا کر بھی ایک سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پایا تھا وہ۔ آخر فائدہ کیا ہوا اس سب کا؟ اتنی جدوجہد، اتنی خواری، عدالتوں کے دھکوں کے بعد ہار جانے کا؟ شاید یہ سب واقعی بے کار تھا جیسے فارس کہتا تھا۔ اس نے فون اٹھایا اور ایئر پلین موڈ آف کیا۔ جو اس نے عادتاً لگا دیا تھا کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ فون کی جان واپس آئی تو فوراً چیخنے لگا۔

"جی زمر۔" اس نے آواز کو ہموار کر کے فون کان سے لگایا۔

"اوہ شکر سعدی... تم....." وہ پہلے خوشی اور نڈھال انداز میں بولی پھر آواز میں غصہ در آیا۔ "تم کیوں جا رہے ہو ادھر؟ فوراً واپس آؤ۔"

"کدھر گیا تھا میں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"تم ہاشم کی پارٹی میں جا رہے ہو نا؟ جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔ فوراً واپس آؤ۔"

"میں ادھر نہیں گیا۔" آواز دھیمی ہوئی۔ "میں جج صاحب سے ملنے گیا تھا۔ گھر واپس آ رہا ہوں۔ ہاشم کی طرف جا کر کیا کرنا ہے میں نے؟"

ادھر زمر نے فون بند کیا تو سب خوشی اور فکرمندی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ ٹھیک ہے۔ واپس آ رہا ہے۔" وہ تھک کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔ "شکر!" لاؤنج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور ابھی وہ ٹھیک سے پرسکون بھی نہ ہو پائی تھی جب.....

"فارس کو کال کرو، اسے کہو کہ وہ واپس آ جائے۔" بڑے ابا کی آواز نے اس کے کانوں میں صور پھونکا۔ وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی اور جلدی جلدی نمبر ملایا۔

"کچھ پتہ چلا؟" وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

"وہ آ رہا ہے۔ میری ڈائری سے جج صاحب کا پتہ لے کر گیا تھا۔ تم واپس آ جاؤ۔"

"اچھا۔" وہ اب کار روک چکا تھا اور باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کار دارز کا گیٹ سامنے تھا۔

''فارس تم فوراً واپس آؤ۔ ہاشم سے کچھ بعید نہیں ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی۔

''میں... آ رہا ہوں۔'' اس نے فون بند کیا' اور اسے سائیلنٹ کر کے جیب میں ڈال دیا۔ چند لمحے اسٹیئرنگ کو دیکھتا رہا۔ واپس جائے یا... نگاہیں دور نظر آتے گیٹ اور مہمانوں کی گاڑیوں کی طرف اٹھائیں... آخر وہ کرنا کیا چاہتا ہے؟ ڈاکٹر بابا کی تصویر پوسٹ کرنے کا مقصد سعدی کو مدعو کرنا تھا۔ وہ عموماً ہاشم کے پلان دیر سے سمجھا کرتا تھا۔ آج جلدی سمجھ گیا تھا۔ تو کیا وہ واپس مڑ جائے؟

ایک فیصلہ کر کے وہ باہر نکل آیا۔

بالائی منزل پہ کھڑے رئیس نے کوٹ کی آستین چہرے کے قریب لے جا کر کہا۔ ''سر فارس آیا ہے۔''

اندر مہمانوں کے درمیان کھڑے ہاشم نے کان میں لگا آلہ دبایا۔ ''خیر... ایک ہی بات ہے۔ سعدی نہیں' تو فارس سہی۔ اسے اندر آنے دو۔''

''راجر باس!'' وہ مسکرایا۔

............⁂............

میں نہ کہتا تھا کہ سانپوں سے اُلٹے ہیں رستے ...... گھر سے نکلے تھے تو ہاتھوں میں عصا رکھنا تھا

گیٹ پہ مستعد کھڑے گارڈز غیر معمولی طور پہ کسی کا دعوت نامہ چیک نہیں کر رہے تھے۔ جو آ رہا تھا اس کو اندر جانے دے رہے تھے۔ اسے بھی کسی نے نہیں روکا۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر آئی۔ (سو ہاشم چاہتا ہے کہ میں اندر آؤں؟ انٹرسٹنگ۔ اتنے لوگوں کے سامنے گولی تو مار نہیں سکتے یہ مجھے۔ کیا کر لیں گے زیادہ سے زیادہ۔) کچھ دلچسپی تھی' کچھ تجسس تھا' وہ اسی طرح چلتا پتھریلی روش پہ آگے بڑھتا گیا۔ آنکھیں سکوڑ کر ساری اطراف کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ سبزہ زار خالی تھا۔ اندر شیشے اور لکڑی کے کاٹیج میں مہمان ہی مہمان بھرے تھے۔ آخر کیا ہونے جا رہا ہے پارٹی میں؟ اچنبھا سا اچنبھا تھا۔

وہ کاٹیج کے شیشے کے دروازے کے باہر آ کھڑا ہوا۔ اندر نہیں گیا۔ اندھیرا اچھل رہا تھا' جس کے باعث چلتا ہوا الاؤ نج صاف نظر آ رہا تھا۔ جا بجا لوگ ٹولیوں کی صورت کھڑے تھے۔ ویٹرز ٹرے اٹھائے سرو کر رہے تھے۔ تبھی ہاشم برآمدے کی سیڑھیاں اتر کے باہر آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر بھی مسکراہٹ چہرے سے جدا نہیں ہوئی۔

''تم کیسے آئے؟'' ہلکے سے طنز سے فارس کے قریب آ کر بولا۔

''میں ڈاکٹر بابا کو ڈھونڈنے آیا ہوں۔ تم نے ہی تھلم کھلا دعوت نامہ دیا تھا نا' کزن!'' وہ بھی ہلکا سا مسکرایا۔ ہاشم آگے بڑھا' اس کا کندھا تھپتھپایا' کان کے قریب جا کر Happy Searching بولا' اور واپس مڑ گیا۔ فارس نے نگاہ اٹھا کر اوپر فضا میں اڑتے ڈرون کیمرے کو دیکھا جو کسی بڑی مکڑی کی طرح اس کے آس پاس چکر کاٹ رہا تھا۔ دور ایک سیکیورٹی کا نوجوان ڈرون کا ریموٹ اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ بھی فارس کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں ملنے پہ دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

(یہ میری فلم بنا کر مجھے پھر سے فریم کرنے جا رہا ہے۔ ہوں۔ گڈ۔) وہ ہلکا سا محظوظ ہوا اور اندر داخل ہو گیا۔ آنکھیں متلاشی انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ خوش باش مہمان۔ مصنوعی قہقہے۔ خوبصورت سجاوٹ' باربی کیو کی خوشبو۔ سب نارمل تھا۔

''وہاٹ اے سرپرائز!'' شناسا آواز پہ وہ پلٹا' پھر منجمد ہو گیا۔ ڈاکٹر ایمن مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ انگلی کا ہیرا ہمیشہ کی طرح دمک رہا تھا۔

''آپ؟ ادھر؟'' وہ حیرت چھپا نہ سکا۔

''ہاں آخر ہاشم کاردار نے وفاداری کا صلہ دینے کے لیے ہمیں بلا ہی لیا۔ تم بھی یہاں ہو گے' امید نہیں تھی۔ انجوائے دی پارٹی!'' جتا

کر کہتے ہوئے اس نے جاتے جاتے اس کی کہنی کو ہلکا سا چھوا۔ نوکیلی انگوٹھی اسے چبھی تھی اور اس کی چبھن نے اس کے دماغ کی ساری گرہیں کھول دی تھیں۔ سحر زدہ سی کیفیت میں اس نے چہرہ مشرق مغرب شمال غروب۔

سب نارمل تھا۔ سوائے مہمانوں کے۔ ان میں شناسا چہرے بھی تھے۔ بہت ہی شناسا۔ وہ الیاس فاطمی تھا جو کونے میں کھڑا کافی کمزور سا لگ رہا تھا اور سر ہلاتے ہوئے کسی مہمان سے بات کر رہا تھا۔ وہ نیاز بیگ تھا جو ایک طرف کھڑا مشروب پی رہا تھا۔ (وہ ضمانت پہ رہا ہو چکا تھا۔) ڈاکٹر ایمن اور اس کا شوہر۔ سیکرٹری حلیمہ.... پراسیکیوٹر بصیرت.... جس کی وکالت نے چار سال فارس کو جیل سے نہیں نکلنے دیا تھا۔ وہ مزید گھوما.... جسٹس سکندر.... چند پولیس افسران جن کا سعدی کی گمشدگی سے تعلق رہا تھا.... ڈاکٹر آفتاب.... پوسٹ مارٹم کا ماہر.... کرنل خاور اور اس کا بیٹا جو بجھا بجھا سا باپ کی وہیل چیئر کے ساتھ کھڑا تھا۔ زندگی اور فارس کی دی گئی سزاؤں کے بعد بھی وہ زندہ سلامت کھڑے تھے۔ اجڑے اجڑے مگر زندہ تھے۔ ان کے علاوہ چند مہمان اور بھی تھے مگر یہ شناسا چہرے.... وہ سناٹے میں رہ گیا۔

وہ واقعی وکٹری پارٹی تھی۔ وہ ان کو.... اپنے مددگاروں کو اکٹھا کر کے انعام سے نوازنا چاہتا تھا۔ مگر وہ فارس کو ان کے درمیان گھومنے سے روک بھی نہیں پا رہا تھا۔ اس کی چھٹی اور ساتویں آٹھویں حس سب نے سرخ بتی دکھانا شروع کی۔ یہاں مایا نہیں تھی اگر ہو بھی تو اس کو ڈھونڈنا بے سود تھا۔ اسے یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔

وہ آگے بڑھا۔ داخلی دروازہ لاؤنج کے دوسرے آخری کنارے پہ تھا۔ وہ دروازے کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ راستے میں بہت لوگ تھے۔ گھٹن، پھنس جانے کا احساس.... انکھیوں سے نظر آیا ایک ویٹر باری باری مخصوص لوگوں کے پاس جا رہا تھا۔ ان کے کان میں کچھ کہتا اور وہ سر ہلا کر ایک طرف چلے جاتے۔ یہ مخصوص لوگ وہی شناسا مجرم تھے۔ فارس آگے بڑھتا گیا۔ ڈاکٹر ایمن اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ تبھی ویٹر ادھر آنکلا اور سرگوشی کی۔ ”کاردار صاحب.... بلا رہے ہیں....“ ایمن نے زخمی سا مسکرا کر سر ہلایا اور ویٹر کی معیت میں ایک طرف بڑھ گئی۔ وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتا گیا۔ بڑھتا گیا، دروازہ قریب تھا۔ اس نے جھپٹ کر کھولا اور باہر نکلا۔ گویا سانس میں سانس آئی۔

باہر تاریکی تھی۔ وہ کانچ کی کھڑکیوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ لاؤنج گزر گیا تو وہ کچن کی کھڑکی پہ رکا۔ کچن روشن تھا۔ فارس نے چہرہ جھکا کر جھانکا۔

وہاں بڑے بڑے کریٹ پڑے تھے اور ان میں غیر ملکی الکحل کی بوتلیں رکھی تھیں ان کے منہ کھلے تھے اور سر پہ کھڑا ایک گارڈ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا اور دوسرا بوتلوں کے گرد ڈوری سی لپیٹ رہا تھا۔ ایک گارڈ کی نظریں فارس پہ پڑی مگر اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ سر جھکا کر کام کرتا رہا۔ فارس کی نگاہیں کچن کی دیوار تک اٹھیں۔ وہاں ایک دروازہ تھا جو آگے ایک اور کمرے میں کھلتا تھا۔

وہ کانچ کی دیوار کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ اب اگلا کمرہ نظر آیا۔ اونچی شیشے کی کھڑکیوں سے سارا کمرہ روشن نظر آتا تھا۔ وہاں ہاشم ان تمام شناسا چہروں کو اکٹھا کیے کھڑا تھا۔ اور مسکرا کر ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ شیشے ساؤنڈ پروف تھے۔ وہ آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔ مگر جس طرح وہ فائلز ان میں تقسیم کر رہا تھا، جس طرح ان کے چہرے دمکنے لگے تھے، وہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ اس کی ہاؤسنگ اسکیم کی فائلز تھیں۔ پلاٹس۔ گھر۔ وہ تحفے بانٹ رہا تھا۔ اس کمرے کا ایک دروازہ لاؤنج کو جاتی گیلری میں کھلتا تھا اور دوسرا کچن میں۔

ہاشم کا فون بجا تو وہ اسے نکال کر دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر مہمانوں سے معذرت کی اور کچن کے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر اسے عبور کر کے کچن میں چلا گیا۔ فارس اچنبھے سے واپس آیا اور کچن کی کھڑکی کے سامنے ٹھہرا۔

ہاشم اب وہاں اپنے دونوں گارڈز سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ سر ہلا کر کچن سے لاؤنج کی طرف باہر چلے گئے۔ اب وہ کچن میں تنہا کھڑا تھا۔ اس نے لائیٹر اٹھایا اور انگوٹھے سے دبا کر شعلہ جلایا۔ پھر وہ کھڑکی کی طرف گھوما۔ باہر کھڑے فارس کو دیکھا اور مسکرایا۔ پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے لائیٹر ڈوری کے قریب لے گیا۔ فارس کا سانس تھم گیا۔ دل رک گیا۔ ہاشم نے ڈوری کو آنچ دکھائی تو اس نے شعلہ پکڑ لیا اور

وہ شعلہ ڈوری کو کھاتے بوتلوں کی طرف دوڑنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہاشم نے ایک انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''You did this!'' آواز نہ سنائی دیتی تھی مگر ہلتے لب بتا رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر اس نے لائیٹر جیب میں ڈالا اور لاؤنج میں کھلتے دروازے سے باہر نکل گیا۔

بس لمحے بھر کا عمل تھا اور سارا کھیل اس کی سمجھ میں آ گیا۔

وہ تقسیم انعامات نہیں تھی۔ وہ کوراپ تھا۔ وہ تمام گواہوں کو ایک کمرے میں جمع کر کے ان کو آگ لگا کر مارنا چاہتا تھا۔ کچن کے دروازے بند تھے۔ الکحل کی بوتلیں باری باری آگ پکڑ رہی تھیں۔ (الکحل مٹی کے تیل کی طرح جل جاتی ہے۔) کچن کے اوپر وینٹ تھا جو شناسا مجرموں کے کمرے میں کھلتا تھا جہاں وہ ہاشم کا انتظار کر رہے تھے۔ کچن میں دھواں بھرنے لگا۔ اب دھواں وینٹ سے اس کمرے میں جائے گا اور وہ مر جائیں گے۔ دم گھٹنے سے۔ جبکہ لاؤنج کے مہمان سلامت رہیں گے۔ چند مہمانوں کے مرنے سے شک نہیں ہوگا کسی کو۔ اور الزام؟ فارس غازی وہاں موجود تھا اس کی توضیح تھی یہاں وہاں ٹہلنے کی۔

''خدا کا قہر نازل ہو تم پہ ہاشم!'' وہ ہکا بکا سا چند قدم پیچھے ہٹا۔ پھر الٹے قدموں سبزہ زار کی طرف دوڑا۔ اسے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔ جلد از جلد اسے وہاں سے نکلنا تھا۔ وہ چند قدم ہی چل پایا۔ پھر مڑ کر دیکھا۔ شناسا مجرموں کے کمرے میں سیاہ دھواں بھرتا دکھائی دے رہا تھا۔ پہلے لوگ حیران ہوئے' پھر ادھر ادھر دوڑے۔ گیلری میں کھلتے دروازے کو ڈاکٹر ایمن نے پیٹا۔ مگر وہ لاک تھا۔ لاؤنج میں میوزک تیز تھا۔ اب مزید تیز ہو گیا۔ چند افراد شیشے کی کھڑکیوں کو پیٹ رہے تھے۔ مگر وہ unbreakable glass کی بنی تھیں۔ فارس کی جیب میں اس کا فون تھرتھرا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ زمر ہو گی' وہ اسے واپس بلا رہی ہو گی مگر اسے سب بھول گیا۔ وہ تیزی سے اس دھواں بھرتے کمرے کی طرف لپکا۔ اسے ان لوگوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔

اور تب اس نے دیکھا... گھاس پہ اس کے سامنے ایک سایہ سا آ کھڑا ہوا۔ سفید سایہ۔ عینک لگائے۔ اس کا بھائی... وارث... وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم گھر جاؤ فارس... وہاں کیا جا رہے ہو؟ یہ گناہگار لوگ ہیں۔ ان کو مرنے دو۔ کیا تم بھول گئے کس طرح انہوں نے مجھے پنکھے سے لٹکایا تھا؟'' وہ ملامتی انداز میں بولا تھا۔ فارس کے قدم لڑکھڑائے۔ سانس تیز تیز چلنے لگی۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا تو ایک اور سایہ سامنے نمودار ہوا۔

''آپ نے کہا تھا آپ میرے لیے لڑیں گے۔'' وہ سفید سی زرتاشہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں گلہ تھا۔ ''ان لوگوں کو ان کا بدلہ ملنے والا ہے۔ انہوں نے عدالت میں میرے اوپر کیچڑ اچھالا۔ میرے کردار کو اخباروں کی زینت بنایا۔ مجھے گولیاں ماریں۔ ان کو مرنے دیں' میرا سوچیں۔''

اس نے سر جھٹکا مگر سائے غائب نہیں ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان سعدی چلتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ سفید سایہ... ہیولہ سا۔

''یہ میرے گناہگار ہیں۔ آپ ان کی فکر کیوں کر رہے ہیں۔ جائیں' اپنی جان بچائیں۔ بھاگیں۔''

اس نے چہرہ موڑا۔ ایک احمر کا سایہ بھی ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

''انہوں نے میرا خاندان تباہ کر دیا۔ غازی۔ ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دو۔ تم ان کو نہیں بچا سکتے۔ جاؤ' نئی زندگی شروع کرو۔ نئے گھر میں۔''

اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔ بھاری بھاری بیڑیوں سے کس دیے گئے تھے۔ وہ کسی طرف نہیں مڑ پا رہا تھا۔ وہ پتھر کا ہو گیا تھا۔

''چلے جاؤ فارس۔''

''ان کو مرنے دو غازی۔'' وہ سارے سایے ایک ساتھ بولنے لگے تھے۔ چیخنے لگے تھے۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹا۔ تیز ہوتے تنفس سے ان سب کو دیکھا۔

''ہاں' یہ سب... گناہگار ہیں... قاتل ہیں۔'' اس کی آواز کپکپائی۔ آنکھیں سرخ پڑ کے بھیگ رہی تھیں۔ ''ہاں یہ میرے دشمن ہیں... برے لوگ ہیں۔'' وہ ٹھہرا۔ پھر گردن تن کر ان سایوں کو دیکھا۔ ''مگر میں... میں ان جیسا نہیں ہوں۔'' اور وہ اس کمرے کی طرف سرپٹ دوڑا تھا۔ سایے فضا میں تحلیل ہو گئے۔ ایسے جیسے خدا کا نام لینے پہ آسیب بھاگ جاتے ہیں۔

اب اسے کچھ یاد نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ انسان تھے۔ اور وہ تکلیف میں تھے۔ سارے انتقام' سارے زخم' سارے جرائم... وہ سب بھول گیا تھا۔ وہ انسان تھے اور وہ تکلیف میں تھے۔

ہاشم تیز چلتا... راہداری عبور کرتا کاٹیج کے آخری کمرے میں آ پہنچا تھا۔ دونوں گارڈز اس کے ہمراہ تھے اور رئیس اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

''کتنے منٹ ہیں ہمارے پاس؟'' اس نے آتے ساتھ ہی اپنی ٹائی کھینچی۔

''زیادہ نہیں ہیں۔ جس وقت دوسرے مہمان اور فائر بریگیڈ کا عملہ جل جانے والے افراد کو نکالنے آئے گا' آپ کو ان کے درمیان ہم پہنچا دیں گے۔ یہ ادھر...'' وہ اب ہاشم کی شرٹ کا گریبان پھاڑ رہا تھا۔ دوسرے لڑکے نے کمال مہارت سے اس کے ماتھے کے اوپر چاقو سے چیر لگانا شروع کیا جس سے بھل بھل خون بہنے لگا۔

''اس کو sterlize کیا تھا؟'' اس نے درد کی شدت سے آنکھیں بند کر کے پوچھا۔

''یس سر۔'' وہ فرمانبرداری سے کہتا اسے تیار کر رہا تھا... حادثے والے کمرے کے واحد سروائیور کو اچھا خاصا زخمی لگنا چاہیے تھا۔ وہ شناسا مجرم مر جائیں گے تو کون بتائے گا کہ ہاشم اس وقت کمرے میں نہیں تھا؟ اور چونکہ لاؤنج کے سہمانوں کو بچ جانا تھا اس لیے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہاشم واحد بچنے والا انسان تھا۔ کوئی اس پہ شک نہ کرتا اور وہ ہیرو بننے جا رہا تھا...

کمرے میں دھواں بھر رہا تھا... درمیانی دروازے کو آگ نے پکڑ لیا تھا اور وہ جل رہا تھا... لوگ کھانس رہے تھے' اوندھے منہ گر رہے تھے... ہلچل مچی تھی... کوئی کھڑکیوں کو کھٹکھٹا رہا تھا' کوئی لاکڈ دروازہ پیٹ رہا تھا۔ مگر وہ دونوں توڑے نہیں جا سکتے تھے۔

فارس تیزی سے دوڑتا ہوا کھڑکی تک آیا۔ حلیمہ کھانستی ہوئی اس کے ساتھ کھڑی شیشے کو زور زور سے تھپڑ مار رہی تھی۔ فارس نے ایک گملا اٹھایا اور زور سے کھڑکی پہ دے مارا۔ چند خراشیں آئیں مگر بے سود۔ گملا ہاتھ سے چھوٹ گیا' اس کا اپنا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ وہ پروا کیے بنا آگے کو دوڑا۔ کاٹیج کی دیوار کے ساتھ بھاگتا ہوا مرکزی دروازے تک آیا۔ لاؤنج کی شیشے کی کھڑکیوں سے اندر مگن' خوش باش ٹہلتے لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ میوزک بہت تیز تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس نے شیشے کا دروازہ زور زور سے بجایا۔

''دروازہ کھولو... اندر آگ لگ گئی ہے۔ کھولو...'' مگر دروازے کے اندر کھڑے گارڈ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ریموٹ ہوا میں بلند کر کے بٹن دبایا۔ تمام شیشوں کے اوپر لگے بلائنڈز کھل کر نیچے گرنے لگے۔ وہ آگے دوڑا۔ چند مہمانوں کے قریب موجود کھڑکی کو زور زور سے پیٹا مگر وہ متوجہ ہوئے' باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ بلاک آؤٹ بلائنڈز بالکل نیچے گر گئے اور اب وہ اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''اللہ کا قہر ہو تم پہ ہاشم۔'' وہ غصے سے چلاتا واپس اسی جلتے ہوئے کچن کی طرف بھاگا۔ اس کو پسینہ آ رہا تھا اور سانس بے ترتیب تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ آج وہ الف کی طرح ادگوں کو اٹھا نہیں کر سکتا تھا... آج اسے خود کچھ کرنا تھا...

کچن کے سامنے رک کر اس نے چند گہرے سانس لیے اور سوچنے کی کوشش کی۔ جلتے کمرے میں لوگ ابھی تک چیخ چلا رہے تھے مگر مدد نہیں آ رہی تھی۔ دونوں دروازے بند تھے اور کھڑکیاں توڑی نہیں جا سکتی تھیں۔

مگر وہ کھولی تو جا سکتی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے آیا کھڑکی کے فریم کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ وہ اندر سے لاکڈ تھیں اور افراتفری کے عالم میں آگے پیچھے بھاگتے لوگ کالے دھوئیں کی زیادتی کے باعث انہیں کھول نہیں پا رہے تھے.... کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کھڑکی کہاں سے کھلتی ہے۔ اسے معلوم تھا۔ وہ اس کالج میں نوجوانی کے دنوں میں آتا رہا تھا۔ اور نگزیب لائے تھے اسے ایک دفعہ۔ یہ عام سلائیڈنگ ونڈو تھی مگر یہ اندر سے کھلتی تھی۔ اور اس جلتے کمرے کو جاتے دونوں دروازے بند تھے۔ تیسرا دروازہ جل رہا تھا۔

تیسرا دروازہ.... وہ چونکا، پھر کچن کی کھڑکی تک آیا۔ یہ بند تھی مگر لاکڈ نہیں تھی۔ ہر پلان میں جھول ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کوئی جلتے کچن کے راستے بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ کوئی باہر سے یہاں آ سکتا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر اس کے شیشے کو دائیں طرف دھکیلا۔ وہ سرکنے لگا۔ اندر سے بہت سا دھواں باہر نکلنے لگا۔

محفوظ کمرے میں بیٹھے رئیس نے ٹیب اسکرین دیکھ کر ہاشم کو مخاطب کیا۔ "وہ کچن کی کھڑکی سے اندر جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم نے اسے بند کیوں نہیں کیا؟" اس نے دونوں گارڈز کو گھورا۔

"جانے دو۔ اسے بھی ان کے ساتھ جلنے دو۔" وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بے نیازی سے بولا تھا....

کھڑکی آدھی کھل گئی تھی وہ منڈیر پہ چڑھ کر اندر پھلانگ گیا۔ فوراً سے کھانسی آئی۔ دھواں..... مرغولے.... کالک.... وہ جھک کر ذرا سا کھانسا.... پھر گہرے گہرے سانس لے اودھر ادھر دیکھا۔ دروازہ جل رہا تھا.... شعلے درمیان میں حائل تھے۔ کاؤنٹر سے دروازے تک سب جل رہا تھا۔ وہ کیا کرے؟ وقت نہیں تھا.... او خدایا وہ کیا کرے؟

چولہے کے قریب سلنڈر پڑے تھے۔ اس نے جلدی سے ایک سلنڈر اٹھایا۔ وہ اندر سے غالباً خالی تھا۔ تبھی ہلکا تھا۔ وہ لوگ دھماکے افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ کچن کی گیس بھی کٹی ہوئی تھی۔ اسے زور کی کھانسی آئی، مگر بدقت سلنڈر کو اٹھا کر اس نے پوری قوت سے دروازے پہ دے مارا۔ سلنڈر مارتے مارتے وہ خود بھی نیچے گر گیا۔ شاید ماتھے پہ چوٹ بھی آئی، مگر جب بمشکل ہتھیلیوں کے بل اٹھا تو دیکھا۔ سلنڈر دروازے سے ٹکرا کر ریڑھتا ہوا واپس آ رہا تھا۔ دروازے کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ اف۔ اس نے سلنڈر کے قریب آتے ہی اس کو واپس دھکیلا۔ اب کی بار وہ دروازے سے قریب سے ہی واپس پلٹ گیا۔ مگر تب تک فارس اٹھ چکا تھا۔ ہاتھ جھاڑتے وہ کھڑا ہوا اور جیسے ہی سلنڈر قریب آیا، اس نے پوری قوت سے کسی بولنگ بال کی طرح اس کو دروازے کی جانب ریڑھ دیا۔ وہ تیزی سے آگے گیا، اور دروازے سے ٹکرایا اور پھر.... جلتا ہوا دروازہ.... درمیان سے ٹوٹ کر نیچے آن گرا۔ ٹکڑے، چنگاریاں اسے بھی آ کر لگی تھیں۔ تکلیف ہوئی تھی.... مگر.... اب چوکھٹ خالی تھی، وہ دیکھ سکتا تھا.... اس کے پار.... جلتا ہوا کمرہ.... جس میں دھواں بھرا تھا اور لوگ چیخ چلا رہے تھے....

اس نے شرٹ اتار کر ناک کے گرد لپیٹی اور تیزی سے دوڑا.... لکڑی کے جلتے شہتیر پھلانگے، شعلوں کے اوپر سے گزرتا، وہ دھوئیں سے بھرے کمرے میں دوڑتا گیا۔ لوگ کچن سے کافی دور کونے میں جمع تھے، ایک دوسرے کو پرے ہٹا رہے تھے۔ دعائیں پڑھ رہے تھے.... وہ تیزی سے کھڑکیوں کی طرف لپکا۔ شرٹ کہیں گر گئی۔ ناک میں پھر سے دھواں اندر جانے لگا مگر اس کو پرواہ نہ تھی۔ وہ فریم کے کنارے ٹٹولنے لگا۔ لاک یہیں کہیں تھی۔ یہیں کہیں....

اس کے ہاتھوں نے کھڑکی کے کنڈے کو چھوا۔ اندر تالہ پڑا تھا۔ مقفل تالہ۔ ڈیم اٹ۔ اسے پھر سے کھانسی آنے لگی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بھاری چیز مل جائے جس کو وہ تالے پہ دے مارے۔ ساتھ کھڑی حلیمہ روتے ہوئے ابھی تک کھڑکی کا شیشہ پیٹ رہی تھی۔ چند افراد بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ آگ اب کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اس میں ایک پن بھی تھی جسے کئی سالوں سے وہ جاب کے حصے کے طور پہ ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے تیزی سے وہ تالے میں گھسائی۔ تالا نیا تھا اور غالباً پولیس کے آنے سے پہلے گارڈز نے اتار لینا تھا۔ دھوئیں کے باعث وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا

تھا' مگر آنکھیں بند کر کے اس نے محسوس کرنا چاہا۔ چھے pins... دن ٹو تھری...وہ باریک باریک پک کی مدد سے سب کو چھو رہا تھا... فور فائیو سکس۔

''کلک!'' اس کے لبوں سے نکلا۔ تالہ کھل گیا۔ اس وحشیانہ انداز میں تالہ نوچ کر اتارا اور شیشہ زور سے پرے دھکیلا۔

کھڑکی کھلتی گئی۔ حلیمہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے گر گئی' مگر وہ لپک کر آگے آیا اور اسے کھینچ کر باہر نکال لایا۔ وہ فرنچ ونڈوز تھیں۔ پوری دیوار کی جگہ پہ حائل تھیں۔ اس کو لا کر باہر گھاس پہ ڈالتے ساتھ وہ اندر کی طرف لپکا۔

''اس طرف آؤ...کھڑکی کی طرف آؤ...'' اب وہ چلا چلا کر دھوئیں میں پھنسے لوگوں کو کہہ رہا تھا۔ وہ سب اس کے دشمن تھے...وہ سب اس کے مجرم تھے...وہ سب اس کے گناہگار تھے...مگر وہ ان جیسا نہیں تھا...وہ ان کو پکڑ کر گھسیٹ کر شیشے کی کھلی دیوار کے باہر لا رہا تھا۔

کچھ نے کھلا روزن دیکھ لیا...کچھ نے نہیں دیکھا۔ دھکم پیل پھر سے مچ گئی تھی...بے ہوش ہوئے لوگوں کو اٹھانا اور کھینچنا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ آگ کمرے میں داخل ہو چکی تھی اور فرنیچر کو پکڑ چکی تھی۔ وہ درمیان میں ایک دفعہ گرا بھی تھا' کہیں درد بھی ہو رہا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ بے ہوش ہوئے فاطمی کو کندھوں سے گھسیٹ کر باہر لا رہا تھا...

لاؤنج کے مہمانوں میں سے کوئی کچن کی طرف آیا تھا...جلتا بند دروازہ دیکھا تو شور مچا دیا...لاؤنج کا میوزک تھم گیا...لوگ دیوانوں کی طرح باہر لان میں بھاگے...

محفوظ کمرے میں بیٹھے ہاشم کو رئیس نے تسلی دی...''لوگ بچ جائیں یا مر جائیں...الزام فارس پہ ہی آئے گا...''

مگر ہاشم کی تیوریاں چڑھ رہی تھیں اور وہ شدید برہم نظر آتا اسکرین پہ لائیو فوٹیج دیکھ رہا تھا' ''اس کو یوں کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔''

فرنیچر کو شعلے اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ بہت سے لوگ باہر نکل چکے تھے اور اب سبزہ زار پہ گرتے ہوئے بھاگتے آگے جا رہے تھے...وہ بدقت الیاس فاطمی کو کھینچ کر باہر لایا' پھر اسے گھاس پہ ڈالا اور وہیں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکے کھڑے گہرے گہرے سانس لئے۔ تمام شناسا مجرم باہر آ چکے تھے...لاؤنج کے محفوظ مہمان وہاں سے نکل کر اس طرف نہیں آ رہے تھے...وہ پارکنگ کی طرف بھاگ رہے تھے...اپنی جان بچانے...اپنی گاڑیوں کی طرف...عجب قیامت کا عالم تھا...افراتفری دھکم پیل...

کمرہ جل رہا تھا۔ دھوئیں کے مرغولے اٹھ کر فضا میں گم ہو رہے تھے' ایسے میں وہ اس دہکتے جہنم کے سامنے کھڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ نڈھال۔ زخمی۔ مگر اس کے اندر اطمینان بھر رہا تھا۔ اس نے ان کو بچا لیا تھا...سب ٹھیک ہو گیا تھا...

''ابا...ابا...'' اور تب اس نے وہ حلق پھاڑ کر چیخنے کی آواز سنی۔ شناسا آواز۔ اس نے گردن موڑی۔ لاؤنج کے بھاگتے مہمانوں میں سے صرف ایک مہمان دوڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ نوجوان لڑکا جو اپنے باپ کو پکار رہا تھا...خاور کا بیٹا...

فارس غازی کا سانس تک رک گیا۔

''میرے ابو کہاں ہیں...'' وہ دوڑ دوڑ کر ایک ایک شخص کے پاس بھاگ رہا تھا۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں فارس نے گردن گھمائی۔ لوگ بھاگ رہے تھے...نجات کی طرف...بچاؤ کی طرف...وہاں کوئی ڈاکٹل چیئر نہ تھی...وہاں کوئی خاور نہ تھا...وہ تیزی سے لڑکے کی طرف بھاگا۔

''خاور کہاں ہے؟'' وہ شور کے باعث چلا کر لڑکے کو کندھوں سے جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا...

''ابو کو کاردار صاحب نے اس کمرے میں بلوایا تھا...مجھے نہیں جانے دیا...میرے ابو اندر ہیں...میرے ابو کو نکالو...'' وہ اونچا اونچا رو رہا تھا۔ ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ ''میرے ابو چل نہیں سکتے...میرے ابو چیخ نہیں سکتے...''

اور اس نے مزید کچھ نہیں سنا... وہ پلٹا اور جلتے کمرے کی طرف دوڑا... کسی نے آواز لگا کر اسے روکا... منع کیا... شاید وہ ڈاکٹر ایمن تھی... وہ اسے کہہ رہی تھی کہ سب آ چکے... ایک شخص کے پیچھے وہ اندر نہ کودے... وہ شخص شاید مر چکا ہو... وہ واپس آ جائے... مگر اس نے کچھ نہیں سنا... وہ دھوئیں سے بھرے کمرے میں بھاگتا چلا گیا۔

''خاور... خاور...'' وہ چلا رہا تھا... جانتا تھا وہ آواز نہیں دے سکتا' مگر پھر بھی اور ادھر ادھر دوڑتا چلا رہا تھا۔ شروع میں کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ مزید آگے بڑھا اور تب اسے دھوئیں کی گھنی چادر میں وہیل چیئر نظر آئی۔ وہ کونے میں تھا... بالکل کونے میں... فارس اس کی طرف دوڑا... چھت سے لکڑی کے ٹکڑے جل جل کر نیچے گر رہے تھے مگر اس نے پرواہ نہیں کی... وہ جلتے فرنیچر کو ٹھوکریں مارتے... دوڑتے ہوئے وہیل چیئر کے قریب آیا... خاور کا چہرہ سرخ' پسینے میں بھیگا تھا۔ آکسیجن ماسک منہ پہ لگا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے... وہ سفید سائے ایک دفعہ پھر سے آگے پیچھے نظر آنے لگے تھے۔ وہ اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر دل کی سفیدی سارے کالے دھوئیں پہ حاوی آ گئی۔ اس نے وہیل چیئر کو زور سے آگے دھکیلا۔ وہ آگے دوڑتی گئی۔ خاور کا بیٹا دھوئیں کی چادر کے پار کھڑا تھا... اس نے بھاگ کر وہیل چیئر کو تھاما اور باہر نکالتا لے گیا... فارس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک گہری کالی سانس لی اور اسی پل...

اسی پل پیچھے سے کسی نے اسے ٹھوکر ماری تھی۔ وہ لڑکھڑا کے آگے کو گرا۔ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ سنبھل نہ پایا۔ بدقت اٹھنے کی کوشش کرتے گردن موڑی... پیچھے زخمی' سیاہ کالک چہرے پہ لگائے' پھٹے جلے کپڑوں والا ہاشم کھڑا تھا... اس کے عقب میں راہداری میں کھلتا دروازہ اب کھلا تھا۔ (غالباً وہ ابھی اندر آیا تھا۔) فارس کے بازوؤں میں ایک دم قوت سی بھر گئی' وہ اٹھا اور زور سے ہاشم کا گریبان پکڑا۔

''گھٹیا آدمی۔'' مکا مارنا چاہا مگر نہیں مار سکا۔

''نکلو یہاں سے اس سے پہلے کہ تم جل جاؤ۔'' اس نے ہاشم کو کھلی کھڑکی کی طرف دھکیلا۔ گریبان ہاتھ سے چھوٹ گیا... چھت سے لکڑی کا بڑا سا جلتا ہوا ٹکڑا دھماکے سے نیچے کی طرف آیا... ہاشم نے دیکھ لیا تھا' وہ فوراً سے دائیں طرف کو لپک گیا... فارس نے وہ نہیں دیکھا تھا... وہ بھاگ نہیں سکا... جلتا ہوا تارہ... شہاب ثاقب کی طرح... اس کے اوپر آن گرا...

ساری ہمت ساری طاقت دم توڑ گئی... وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گرا... اور پھر منہ کے بل فرش پہ آن لگا... ساری دنیا اندھیر ہوتی گئی... ساری آوازیں... سارے رنگ... ساری روشنیاں دم توڑ گئیں... سفید سائے اور کالا دھواں... سب ختم ہو گیا...

............❖❖❖............

اب اپنا دل بھی شہرِ خموشاں سے کم نہیں ...... سن ہو گئے ہیں کان صدا پر دھرے دھرے

مورچال رات کے اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج میں سب جمع تھے۔ بے چین' فکرمند' منتظر۔ سعدی بار بار فارس کو کال ملا رہا تھا اور زمر مسلسل دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ اس کی رنگت زرد پڑ رہی تھی اور اب دل گھبرا رہا تھا لگتا تھا ابھی سینہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔

''وہ کیوں نہیں آیا؟ وہ کہاں رہ گیا ہے؟'' وہ مسلسل آگے پیچھے چلتے کہے جا رہی تھی۔

''زمر بیٹھ جاؤ۔ وہ آ جائے گا۔'' ابا نے اسے تسلی دینی چاہی۔

''ماموں نے وعدہ کیا تھا' وہ واپس آئیں گے۔'' حنہ گھٹنوں پہ سر رکھے عجیب سے انداز میں بولی۔

''مجھے نہیں پتہ۔ سعدی چلو ہم وہاں چلتے ہیں۔'' زمر نے ایک دم اسے کہنی سے پکڑا اور آگے لے جانے لگی۔

''میں کب سے جانا چاہ رہا ہوں آپ مجھے جانے نہیں دے رہیں۔ اب آپ ادھر بیٹھیں' میں خود جاتا ہوں۔'' وہ نرمی سے کہنی چھڑا کر اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ نہیں رکی۔ وہ اسی طرح آگے دوڑتی گئی۔ سعدی اس کے پیچھے لپکا۔ ابا نے آواز دی۔ ندرت نے منع کیا۔ مگر اس پہ کوئی وحشت طاری تھی۔ کوئی جنون سوار تھا۔ اب نہ گئی تو شاید دل پھٹ جائے گا۔ یہیں کھڑی رہی تو پیروں سے خون بہنے لگے گا۔

اب نہ گئی تو.....

شہرین کے گھر آؤ تو ٹی وی لاؤنج کی ایل سی ڈی اسکرین خوب شور مچاتی روشن نظر آرہی تھی۔ سامنے صوفے پہ سونی لیٹے ہوئے اپنے ٹیب پہ بٹن دبارہی تھی جب کانوں میں آواز گونجی۔ ہاشم کاردار۔ کسی نے اس کے باپ کا نام لیا تھا۔ اس نے چونک کر گردن موڑی۔ اسکرین کو دیکھا۔ چند لمحے کو اس کی سانس تھم گئی اور پھر وہ ٹیب پھینک کر چیخ مارتی اٹھی۔

''ماما...ماما...'' اب وہ روتے ہوئے زور زور سے چلا رہی تھی۔ شہرین جو اپنے کمرے میں سیل فون پہ لگی تھی ہڑبڑا کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی باہر آئی۔

''ماما...میرے بابا...میرے بابا...'' بچی روتے ہوئے اسکرین کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور جب شہرین نے اس طرف دیکھا تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''کاردار زکا نیج میں آتشزدگی۔ ہاشم کاردار کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ بارہ افراد زخمی ایک شخص جاں بحق۔''

''میرے بابا...میرے بابا...'' سونیا اب زار زور سے چیخ رہی تھی...

سعدی ڈرائیو کر رہا تھا' اور زمر ساتھ بیٹھی' مسلسل انگلیاں اضطرابی انداز میں مروڑ رہی تھی۔ دو لبوں میں کچھ پڑھ بھی رہی تھی مگر ہر شے بار بار دھندلی ہو جاتی۔ پھر منظر صاف ہوتا۔ پھر کالے دھوئیں جیسی دھند چھا جاتی۔ آنسو بس آنکھوں کے کنارے پہ ٹھہرے تھے۔ گرنے کو بس ایک دھکا چاہیے تھا...

سعدی کا فون بجا تو اس نے تیزی سے کان سے لگایا۔ ''ہاں حنہ۔'' بات سنتے ہوئے وہ چونک کر زمر کو دیکھنے لگا۔ رفتار آہستہ کی۔ زمر نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے فون بند کیا اور اسٹیئرنگ تھمایا۔

''کیا کہہ رہی تھی حنین؟'' وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

''وہ...کہہ رہی تھی کہ...ہم ذرا بھی...''

''مجھے چکر مت دو...میں ایک فٹ کے فاصلے پہ بیٹھی ہوں۔ مجھے...مجھے تمہارے فون سے آواز آرہی تھی۔ کیا دکھا رہے ہیں نیوز میں؟ کہاں لگی ہے آگ؟'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر چہرے پہ گرنے لگے۔

''کچھ نہیں پتہ زمر۔ آگ لگی ہے اور زخمیوں کو قریبی ہسپتال میں شفٹ کیا گیا ہے۔ میں اے ایس پی صاحب کو کال کرتا ہوں۔ ہسپتال کا پوچھتا ہوں۔'' وہ پریشانی سے حواس باختہ نمبر ملانے لگا۔

''جلدی کرو۔'' اس نے کہنے کے ساتھ لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں کو بھینچ لیا۔ گرم گرم پانی گالوں پہ بہنے لگا...

سرکاری ہسپتال میں پولیس اور میڈیا کے نمائندوں کا جم غفیر لگا تھا...شہری سونیا کی انگلی پکڑے پریشانی سے رش کو چیرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ سونی مسلسل روئے جا رہی تھی۔ خاموش سسکیوں ہچکیوں کے باعث اس کا بدن آہستہ آہستہ ہچکولے لیتا تھا...

زمر اور سعدی دوڑتے ہوئے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ زمر نے آنسو صاف کر لیے تھے اور اب وہ ہراساں انداز میں ادھر ادھر گردن گھماتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس یونٹ میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ رپورٹرز' کیمرے' پولیس...رش ہی رش...جانے سعدی نے کس کو روک کر کچھ پوچھا تھا اس نے نسوانی آواز کو کہتے سنا۔ ''آپ ادھر آئیں۔'' وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس سعدی کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ کوئی عجیب وحشت زدہ سی مسافت تھی جو طے کر رہی تھی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ایک کمرے کے سامنے رک کر اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔ شور بہت تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ

دیتی تھی۔ وہ اس کی طرف مڑا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' مگر بظاہر خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔

''وہ کہہ رہے ہیں کہ ایک باڈی ہے پہلے دیکھ لیں' پھر ہم زخمیوں کو.....''

''نہیں۔'' وہ بدک کر پیچھے ہوئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''اس کو ایمرجنسی میں ڈھونڈو... ادھر کیوں؟ نہیں۔''

''ہاں ہاں وہ کوئی اور ہوگا۔'' وہ اس کو کندھوں سے تھام کر تسلی دینے لگا۔ ''مگر اس کے لواحقین نہیں آئے اور ان کو اس کی شناخت کرنی ہے' اس لئے میں ایک دفعہ دیکھ لوں۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی امید سے کہتا آگے بڑھنے لگا مگر زمر نے زور سے اس کی کہنی دبوچی۔

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ آنسو بھل بھل بہنے لگے تھے۔ ''میں کہہ رہی ہوں' وہ فارس نہیں ہوگا۔ اس کو کہیں اور ڈھونڈتے ہیں۔''

''میں آتا ہوں۔'' وہ بمشکل اپنا بازو چھڑا پایا تھا۔ زمر نے پیچھے جانے کو قدم اٹھائے مگر پیر لڑکھڑا گئے۔ اس نے دیوار کا سہارا لیتے خود کو سنبھالا۔ پھر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی ہو گئی۔ آنکھیں بند کیے' گہرے گہرے سانس لینے لگی... مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ آنکھیں بند کرنے پہ وہ فوراً آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا.....

''زمر بی بی... آپ.....'' وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ بھی رہا تھا... نئے گھر کی باتیں... چڑیا گھر میں ندر سے کی باتیں... یونیورسٹی کی دولڑکیاں جو اس کو پسند تھیں... ان کی باتیں... اس نے آنکھیں کھولیں... یہاں بھی قیامت سی قیامت تھی... وہ کہاں جائے؟

سعدی دروازہ کھول کر باہر نکلا تو وہ ہل نہیں سکی۔ آواز نہیں نکال سکی۔ آنسو نہیں روک سکی۔ وہ اس کے قریب آیا۔ زمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ... وہ فارس نہیں تھا نا... مجھے مت بتاؤ... مجھے کچھ نہیں سننا...'' وہ اسے کچھ بھی کہنے سے روکنا چاہتی تھی مگر وہ آگے آیا' اور اسے گلے لگایا۔ زمر کا سانس تھم گیا۔ پھر اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

''مرنے والا نیاز بیگ تھا... وہ فارس غازی نہیں تھا...''

وہ کرنٹ کھا کر اس سے علیحدہ ہوئی... بے یقینی سے اسے دیکھا...

''وہ فارس نہیں تھا؟ تو فارس کہاں ہے؟''

''آئیں' ان کو وارڈ میں ڈھونڈتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے آگے چلنے لگا۔ اسے لگا وہ پانی پہ چل رہی ہے... جسم' دماغ ہر شے سن ہو گئی تھی... آنسو بہنا رک گئے تھے...

''مسز زمر؟'' وہ آگے جاتے جاتے پلٹی۔ راہداری کے اختتام پہ ڈاکٹر ایمن کھڑی نظر آ رہی تھی۔ شال لپیٹے' ویران چہرہ لئے' جیسے ابھی بستر سے اٹھی ہو۔

''فارس کہاں...'' الفاظ ٹوٹ گئے.....

''وہ زخمی ہے' مگر ٹھیک ہے۔ اس کو میں نے منع بھی کیا تھا' مگر وہ....'' وہ قریب آتے ہوئے تلخی سے ہنسی۔ ''مگر وہ خاور کو بچانے کے لئے آگ میں کود پڑا...''

''وہ ٹھیک ہے؟'' زمر دوڑ کر اس کے پاس گئی۔ وہ سخت ہراساں تھی۔

''ہاں' اس کی کمر اور ٹانگ پہ زخم آئے ہیں' اس کے اوپر لوہے کا ٹکڑا آ کر لگا تھا۔ چند burns بھی ہیں' مگر اسی وقت چھت پہ لگے آگ بجھانے والے شاور پانی گرانے لگے' جو پہلے بالکل کام نہیں کر رہے تھے... تو اس کی بہت بچت ہو گئی۔'' زمر نے گہری سانس لی۔

''آپ... ٹھیک ہیں؟'' سعدی نے رسماً پوچھ لیا۔

"میں؟" وہ زخمی پن سے مسکرائی۔ "میں ہر آگ سروائیو کر جاتی ہوں' ٹھیک ہوں۔ آپ فارس کو وارڈز میں ڈھونڈیے۔" وہ دونوں پوری بات سنے بغیر آگے کو بھاگے۔ ایمن اسی زخمی مسکراہٹ سے ان کو بھاگتے دیکھتی رہی' پھر وہ مڑی تو کسی پہ نگاہ پڑی۔ زخمی مسکراہٹ خوشی بھری مسکراہٹ میں ڈھل گئی... اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو اپنے پاس بلایا....

"ادھر آؤ....."

.................❖ ❖ ❖.................

مجھ سے کیا پوچھتے ہو شہر وفا کیسا ہے ..... ایسے لگتا ہے صلیبوں سے اتر کر آیا

وارڈ میں کسی نے کس طرف اشارہ کیا' کسی نے کس طرف۔ وہ دونوں تیز تیز قدموں سے چلتے آگے بڑھتے گئے۔ بیڈز کی طویل قطار میں جا بجا پردے لگے تھے۔ سعدی نے ایک پردہ ہٹایا... تو... بالآخر وہ بستر پہ لیٹا نظر آیا۔

آنکھیں بند تھیں... غالباً نشہ آور ادویات کے زیر اثر تھا۔ چہرے پہ زخموں کے نشان تھے..... وہ زمر سر پہ موجود تھیں۔ سعدی نے گہری سانس لی اور مڑ کے دیکھا۔ زمر پیچھے آرہی تھی۔ اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ تیزی سے آگے آئی۔ فارس کو دیکھ کر قدم زنجیر ہو گئے۔ بے جان۔ پتھر کا بت۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا دکھ اترا۔ اسے کبھی بیمار' کبھی یوں بے ہوش نہ دیکھا تھا اور آج پتہ چلا تھا کہ ایسے دیکھنے میں کتنی اذیت تھی.....

"فارس....." وہ لپک کر اس کے قریب آئی' پھر اضطراری انداز میں سر پہ کھڑی نرس سے بولی۔ "یہ ٹھیک ہے نا؟ اور ٹھیک ہو جائے گا نا؟"

"آہستہ بولیں۔ مریض کے سر پہ شور نہ کریں۔" نرس نے بے زاری سے کہا تھا۔ "وہ ہوش میں آرہا تھا مگر تکلیف میں تھا۔ اسے انجکشن لگایا ہے۔" زمر کچھ دیر بھیگی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر آنسو رگڑ کر صاف کیے' اور غصے سے سعدی کی طرف گھومی۔

"کیا کہا تھا میں نے تمہیں؟ ہاں؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے پہ زور سے مار کر اسے پرے دھکیلا۔ "کیا کہہ رہی تھی میں؟ اس کو زخمیوں میں ڈھونڈو' مگر تم..... تم..... پہلے ادھر ڈیڈ باڈی کے پاس چلے گئے.... تمہیں شرم نہیں آئی؟ ہاں؟ تمہیں کوئی احساس نہیں ہوا؟" وہ اب غصے اور بے بسی سے اس کے سینے کو تھپڑوں اور مکّوں سے مار رہی تھی۔ آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

"اچھا... اچھا... اب تو ٹھیک ہیں نا وہ۔" وہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اسے بہلانے والے انداز میں بولا۔ "آپ کو انہیں میرے پیچھے جانے ہی نہیں دینا چاہیے تھا۔"

"کیسے نہ جانے دیتی' ہاں؟ تم "ہمارے سعدی" ہو' ہمیں ہمیشہ تمہاری حفاظت کرنی ہوتی ہے۔" اور ساتھ ہی زور سے اس کے کندھے پہ تھپڑ مار کر اسے پرے ہٹایا۔ سعدی نے برا سا منہ بنایا۔

"واہ... یہ صاحب تو آپ کو زہر لگا کرتے تھے۔"

"اب بھی لگتا ہے۔" آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے ناک سکوڑ کر سانس اندر کھینچی۔ "مگر تم نے مجھے اتنا ڈرا دیا۔ اور سعدی میں اتنی ڈر گئی تھی۔" وہ اب نڈھال سی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ وہ تھکان سے مسکرایا۔

"چلیں آپ بیٹھیں' میں ان کو روم میں شفٹ کروانے کا بندوبست کرتا ہوں اور گھر فون کرتا ہوں۔"

زمر نے تیزی سے سر اٹھایا۔ "سب کو مت بتانا کہ وہ زخمی ہے۔ یونہی وہ پریشان ہوں گے۔"

"زمر!" وہ اسی طرح مسکرایا۔ "ہمیں ایک دوسرے سے اب کچھ نہیں چھپانا۔ میں اگر کاردار ز کا نج بھی جاتا تو بتا کر جاتا۔ آپ بیٹھیں میں آتا ہوں۔" اسے تسلی دیتا وہ باہر نکل گیا' اور وہ گردن موڑے فکرمندی سے فارس کو دیکھنے لگی.... جو آنکھیں بند کیے.... غنودگی کے عالم

میں تھا.....

"آئی ہیٹ یو فارس غازی۔ آئی ریکلی ریکلی ہیٹ یو۔" وہ بے بسی بھرے دکھ سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تھی۔ وہ بے خبر سو رہا تھا.....

..................❖❖❖..................

کیسے ہیں لوگ ان کی تمہیں کیا مثال دوں ..... جا کر مجھے کہیں پتھر کے دیکھ لو

اسی ہسپتال کے پر تعیش اور نفاست سے سجے اک پرائیوٹ روم میں ہاشم کاردار صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے براجمان تھا۔ ہسپتال کی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس، وہ بظاہر زخمی دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ پہ پٹی بھی بندھی تھی، ماتھے اور سر پہ بینڈیج بھی تھی مگر چہرے پہ سکون تھا اور دلچسپی سے دیوار پہ لگی ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا.....

"وہ لوگ بچ گئے مگر it worked۔ ہے نا؟" مسکرا کے ساتھ ہاتھ باندھے کھڑے رئیس کو دیکھا۔

"جی سر..... مگر انہوں نے آپ کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا تھا۔" اسے خیال آیا۔

"اتنی افراتفری میں کسے یاد رہتا ہے کہ میں کمرے میں تھا یا نہیں۔ ٹی وی چینلز کو دیکھو۔ وہ مجھے پروموٹ کر رہے ہیں۔"

"یس سر!" رئیس جوش سے بتانے لگا۔ "ہمارے پاس غازی کی فوٹیج ہے۔ وہ بھی وہاں موجود تھا' الزام اس کے سر ڈال دیں گے یا اس کو حادثہ کہیں گے۔ آپ پہ کوئی شک نہیں کرے گا۔ میڈیا آپ کو ہیرو بنا کر پیش کر رہا ہے۔ بار بار اینکرز گلا پھاڑ کر کہہ رہے ہیں کہ ہاشم کاردار نے ابھی چند دن پہلے عدالت میں اپنے خاندان کی بے گناہی ثابت کی تھی۔"

"ویری گڈ۔" وہ محظوظ ہو کر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ "ہم ہر کرائسز سے نکل آئے۔" پھر تصحیح کی۔ "میں ہر کرائسز سے نکل آیا..... کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ نہ عدالت' نہ قانون' نہ میری ماں..... میں نے ہر شے کو سروائیو کر لیا۔ میں رئیس سب سے بڑا سروائیور ہوں۔ فیصلے کی گھڑی آ بھی گئی مگر میں اپنے قدموں پہ کھڑا ہوں۔" وہ گردن اکڑا کر کہہ رہا تھا۔ "اور اب ہم نئی شروعات کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نئے کاروباری دوست بنانے جا رہے ہیں۔ نئے پارٹنرز' نئے مواقع..... نیا گھر!" وہ طمانیت سے بولا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ "کتنی دیر ہے؟"

"بس سر' میڈیا کو آپ کا انتظار کروا رہا ہوں۔ گھنٹے بعد آپ باہر نکلیں گے' اور میڈیا کے سامنے علی الاعلان کہیں گے کہ یہ سب فارس غازی نے عدالتی شکست کا بدلہ لینے کے لیے کیا ہے۔ اور فی الحال عوام کو آپ سے ہمدردی ہے' میڈیا کو آپ سے ہمدردی ہے' سب آپ کا یقین کریں گے۔"

"زبردست!" وہ مسکرا کے ٹی وی کو دیکھنے لگا۔ "It did work after all!"

فیصلے کی گھڑی آ چکی تھی۔

مگر ابھی بیتی نہیں تھی۔

..................❖❖❖..................

جو نفس تھا خار گلو بنا، جو اٹھے تو ہاتھ لہو ہوئے ..... وہ نشاط آہ سحر گئی، وہ وقار دست دعا گیا

بالائی منزل پہ نوشیرواں کے کمرے کی بتی روشن تھی۔ بیڈ پہ بیگ کھلا پڑا تھا اور وہ اس میں کپڑے رکھ رہا تھا۔ پاسپورٹ' سفری دستاویزات' لیپ ٹاپ سب بکھرا پڑا تھا۔ صبح اس کی فلائیٹ تھی اور وہ جلد از جلد تیاری مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اسے ایک منٹ بھی اس گھر میں اضافی رہنا منظور نہ تھا۔ دستک ہوئی تو اس نے بے زار سا "یس" کہا اور خود کپڑے تہہ کرتا رہا۔

"سر' شہرینا اندر داخل ہوئی۔" "کاردار صاحب ہسپتال میں ہیں۔" اطلاع دی۔

''معلوم ہے۔ سارا شہر جانتا ہے۔ میرے بھائی کا کوئی نیا ڈرامہ۔''

''کیا فارس کو بھی زخم آئے ہیں؟ نیوز میں بتار ہے تھے۔''

''مجھے ان میں دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے بیگ کا ڈھکن دے مارنے والے انداز میں بند کیا۔

''آپ کہاں جارہے ہیں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''مجھے امریکہ میں نوکری مل گئی ہے۔ اب زیادہ سوال نہ کرو اور جاؤ یہاں سے۔'' اس نے ہاتھ جھلا کر اسے اشارہ کیا۔ وہ فوراً سر جھکا کر باہر نکل گئی۔ اب وہ جھک کر سفری دستاویزات اٹھا اٹھا کر دستی بیگ میں ڈال رہا تھا۔ آخر میں چونکا۔ بیگ کے اندر اس کا ایک گلاک پستول رکھا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جس سے اس نے سعدی کو مارا تھا۔ یہ اس کی کلیکشن میں سے ایک اور تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر اسے نکالا اور سائیڈ ٹیبل کے دراز میں ڈال کر مقفل کر دیا۔ پھر ہاتھ صاف کیے۔ جیسے بہت سا ان دیکھا مائع صاف کیا ہو۔

نئی زندگی میں اس کی جگہ نہیں تھی..... ہرگز نہیں.....

.... ❖❖❖ ....

ورنہ یہ تیز دھوپ تو چبھتی ہمیں بھی ہے ..... ہم چپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تو سائباں میں ہے

فارس نے آنکھیں کھولیں تو سفید دیواریں خوب روشن نظر آرہی تھیں۔ اس نے نقاہت سے پلکیں جھپکیں۔ منظر واضح ہوا۔ ہسپتال کا کمرہ..... اس نے کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو.....

''ایزی..... ایزی!'' سعدی اس کے سرہانے کھڑا' دونوں ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ فارس نے بدقت اسے دیکھا' پھر گردن موڑی۔ ندرت' حنین' زمر' اسیم..... سب کمرے میں موجود تھے۔ اونچی آواز میں خوش گپیاں جاری تھی۔ وہ اٹھ نہیں سکا۔ کمر اور ٹانگ میں درد کی لہریں اٹھی تھیں۔ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے واپس سر تکیے پہ رکھ دیا۔

''تھوڑی بہت مکافات عمل والی فیلنگ آرہی ہے؟'' سعدی اس کے قریب جھکا مسکراہٹ دبائے پوچھنے لگا۔ ''وہ جو میرے ساتھ کیمپ میں کیا تھا..... یاد ہیں وہ زخم جو مجھے دیے تھے۔''

''زیادہ بک بک مت کرو۔'' فارس نے ناگواری سے کہہ کر آنکھیں شدت ضبط سے میچ لیں۔ سعدی مسکرا کر سیدھا ہوا۔ ''اسی لیے کہتے ہیں کسی معصوم کی بددعا نہیں لیتے۔''

''فارس!'' وہ اسے جاگتے دیکھ کر صوفے سے اٹھ کر سامنے آئی۔ گھنگریالے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے' اور ناک گلابی پڑ رہی تھی۔ البتہ اب وہ خوش اور فریش نظر آرہی تھی۔ ''کیسا محسوس کر رہے ہو؟ جیسے جیل میں دوبارہ پہنچ گئے ہو ہوں؟''

ندرت نے خفگی سے بڑبڑا کے اسے ٹوکا تھا مگر ان چاروں کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ فارس نے بھنویں بھینچ لیں اور ادھر ادھر دیکھا۔ ''بلاؤ کسی ڈاکٹر کو۔''

''ڈاکٹرز والی بریفنگ ہم دے دیتے ہیں نا۔'' حنین پیکٹ سے چپس نکال نکال کر منہ میں رکھتی سامنے آتے ہوئے بولی۔ ''آپ کو چند زخم آئے ہیں۔ زیادہ گہرے نہیں ہیں۔ بے ہوش آپ دھوئیں کی وجہ سے ہوئے تھے۔ اس لیے ہم سے خاطر کی توقع مت رکھیے گا۔''

''اور یہ سارے پھل ہم اپنا ٹائم پاس کرنے کے لیے لائے ہیں۔'' اسیم چہکا۔

''ہوشیار!'' وہ بے زاری سے ہاتھ جھلا کر کہتا پھر سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ سعدی فوراً آگے بڑھا اور اسے سہارا دیتے ہوئے تکیے پیچھے جوڑے' پھر لیور کی مدد سے بیڈ کو سرہانے سے اوپر اٹھایا۔ وہ اب ٹیک لگا کر بیٹھا تو شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔ کندھے کا زخم درد کرنے لگا تھا جس سے چہرے پہ شدید بے زاری اتر آئی تھی۔

''اور باقی لوگ...... وہ ٹھیک ہیں؟'' اس نے پھر ندرت کو مخاطب کیا مگر جواب میں حنین چہک کر بولی تھی۔ ''ارے واہ۔ ان لوگوں کا کتنا خیال ہے آپ کو۔ کیا آگ میں کودتے وقت تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ایک بہن' ایک بیوی' ایک بھانجی اور..... '' سعدی اور سیم کو دیکھا... ''اور ڈیڑھ بھانجوں کا خیال نہیں آیا تھا' ہاں؟''

''یار تم لوگ اپنا چڑیا گھر لے کر میرے سر سے چلے کیوں نہیں جاتے۔'' وہ کروٹ لینے کی کوشش میں شدید بے زار ہو رہا تھا مگر سعدی کے بدلے ابھی پورے نہیں ہوئے تھے۔

''واہ ماموں' مجھے تو خوب لیکچر دیتے تھے' میری کے بیٹے کو بچانے کیوں خطرے میں کود پڑے۔ اپنی دفعہ تو کوئی خود غرضی یاد نہیں آئی۔''

اب کے فارس نے صرف غصیلی آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ فوراً مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھائے قدم قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ ''جا رہا ہوں.... جا رہا ہوں۔''

ندرت اب ان تینوں کو گھرک رہی تھیں۔ پھر بڑے ابا کو فون کرنے اٹھ گئیں۔ کمرے میں شغل اچھے نہیں آتے۔ باری باری سب باہر کھسک گئے۔ اب وہ دونوں تنہا رہ گئے۔ وہ اس کے قریب کھڑی گلاس میں چمچ ہلاتی کچھ مکس کر رہی تھی۔ ساتھ ہی مسکرا کے اسے دیکھ بھی رہی تھی۔

''باقی سب..... '' وہ قدرے پرسکون ہوا تو نقاہت زدہ نظروں سے اسے دیکھتا' دھیمی آواز میں پوچھنے لگا۔

''نیاز بیگ ایکسپائر ہو گیا۔ سانس گھٹنے کی وجہ سے۔ باقی سب ٹھیک ہیں.... '' پھر گہری سانس لی۔ ''ہاشم ہیرو بن چکا ہے۔ جو بھی زخمی ہو جائے عوام کی ہمدردی سمیٹ لیتا ہے۔''

''اور یقیناً سارا الزام میرے سر ڈال چکا ہو گا۔''

''ابھی دیر کتنی ہوئی ہے حادثے کو۔ ابھی تو وہ باہر بھی نہیں نکلا۔ اور وہ ڈال بھی دے تو بھی کیا..... وہاں سب نے تمہیں لوگوں کو نکالتے اور بچاتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''وات ایور!'' اس نے سر جھٹکا۔ وہ گلاس پکڑے اس کے قریب آئی۔ اور اس کے کندھے کو چھوا۔

''گڈ جاب غازی!'' وہ کراہا۔

''یہ بات آپ تندرست کندھے کو بھی تھپک کر کہہ سکتی تھیں۔''

''اوہ سوری۔ مجھے تو بھول گیا تھا۔'' وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

''مجھے پتہ ہے تم ناراض ہو۔ کب نہیں ہوتیں۔ خیر۔ میں وہاں سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔ میں ایسا نہیں ہوں۔'' وہ گردن موڑ کر دوسری دیوار کو دیکھنے لگا تھا۔

''اور اگر تمہیں کچھ ہو جاتا۔ تو میں کیا کرتی؟'' اس کی آنکھیں پھر سے بھیگیں۔

''اچھا۔ تم پریشان ہوئیں؟'' فارس نے چونک کے اسے دیکھا' پھر مسکرایا۔ تنے اعصاب یکلخت جیسے سکون میں آنے لگے۔

''پریشان؟ ہونہہ۔'' اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔ ''بس اتنا اندازہ ہوا کہ نفرت کتنی کرتی ہوں تم سے۔''

''اچھا۔ کتنی کرتی ہو؟'' اس نے سر پیچھے کو نکالیا اور دلچسپی سے زمر کو دیکھا۔

''اتنی کہ میں ہاشم کی جان لے لیتی۔''

''کیا فائدہ ہوتا؟ میں تو نہ واپس آ سکتا۔''

"جو کہنا ہے کہہ لو۔ میں سچ میں بہت پریشان ہو گئی تھی۔" وہ ناک سے سانس اندر کھینچتی زکام زدہ آواز میں بولی تھی۔

"اچھا لگا سن کر۔"

"بہت برے ہو تم۔"

"کیوں میں نے کیا کہا ہے؟ کم از کم ہسپتال کے بیڈ پہ تم سے قانونِ شہادت کے آرٹیکلز نہیں پوچھ رہا۔" اور اس بات پہ وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

"وہ...وہ تو....." پھر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ "خیر میں نہیں بتا رہی کہ وہ کیوں پوچھا تھا میں نے۔ بس اتنا جان لو کہ میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"صرف جاننا کافی ہے یا کوئی خدمت بھی کرو گی؟"

"کیا خدمت کروں۔"

"کیا کرتے ہیں ایسی سچوئیشنز میں؟" وہ یاد کرنے لگا۔ "یہ سوپ پلاؤ نا مجھے اپنے ہاتھوں سے۔"

"شیور۔" اس نے تپائی پہ دھرا گلاس اٹھایا' اس میں چمچ ہلایا اور پھر چمچ باہر نکال کر رکھتے ہوئے بولی۔ "میں ضرور تمہیں سوپ پلاتی مگر یہ سوپ نہیں ہے۔" گلاس سامنے کیا تو اس نے دیکھا' اندر نارنجی جوس تھا۔ "یہ instant drink ہے جو میں نے تمہارے لئے ہلکان ہو کر اپنی ضائع شدہ توانائی کو بحال کرنے کے لئے بنائی ہے۔ سوری فارس' یہ میری ڈرنک ہے۔" سادگی سے کندھے اچکا کر وہ اس کے عین سامنے گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگی اور وہ خفگی سے اسے دیکھے گیا۔

"میں سمجھا تھا موت کے منہ سے واپس آنے کے بعد میری عزت میں شاید کوئی اضافہ ہوا ہو مگر....." اور ناگواری سے سر جھٹک دیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ ہنس دی تھی۔ وہ ایسی گھڑیاں تھیں جب آنسو اور ہنسی ایک ساتھ نکلنے کو بے تاب لگ رہے تھے۔

اور تب ہی باہر عجیب سا شور بلند ہوا۔ وہ دونوں چونک کر دیکھنے لگے۔ پھر زمر نے سر جھٹک دیا۔ اب باہر چاہے قیامت بھی آ گئی ہو' وہ فارس کو چھوڑ کے کہیں نہیں جا رہی تھی۔

.................☆☆☆☆.................

جب ظلم و ستم کے کوہ گراں ..... روئی کی طرح اڑ جائیں گے

ہاشم کاردار.....اسی ہسپتال کے بہترین پرائیوٹ روم میں لگژری کاؤچ پہ بیٹھا تھا اور مسکرا کے موبائل پہ سوشل میڈیا پہ برپا طوفان دیکھ رہا تھا۔ اس کی زخمی حالت کی تصاویر وائرل ہو چکی تھیں۔ دعائیں' نیک تمنائیں' محبت بھرے سندیسے ہی سندیسے موصول ہو رہے تھے۔ دروازے پہ آوازیں سنائی دیں تو کونے میں کھڑا رئیس فوراً باہر گیا۔ چند لمحے چوکھٹ پہ تکرار ہوتی رہی' یہاں تک کہ بے زاری سے ہاشم نے پکارا۔

"کون ہے یار؟"

"سر' شہرین میڈم ہیں۔ میں بتا رہا ہوں کہ آپ ابھی مل نہیں سکتے' لیکن....."

"اچھا بھیج دو۔" اس نے ہاتھ جھلا کر کہا اور سر جھکا کر موبائل دیکھنے لگا۔ رئیس چلا گیا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ ہیل کی آواز سے مانوس تھا' آج وہ آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اس کی نگاہیں شہرین کے قدموں تک گئیں تو منجمد ہو گئیں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ ہاشم نے نظریں اٹھائیں۔ وہ پریشان سی آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی تھی۔

"واؤ.....تم میرے لئے اتنی پریشان؟ یا یہ کوئی اسٹنٹ ہے؟" وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔

''ہاشم!'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ ''ہم نے تمہیں ٹی وی پہ دیکھا... تم زخمی تھے... سونی رونے لگ گئی تھی...''

''او، یار تمہیں سونی کو نہیں دکھانے تھے وہ منظر۔ اچھا' اب گھر جاؤ' آرام کرو۔ میں صبح تک آجاؤں گا۔ سونی سے کہو میں ٹھیک ہوں...''

''ہاشم...'' اس کی رندھی آواز کپکپائی۔ ''میں اور سونی ایک ساتھ آئے تھے۔ میڈ بھی ساتھ تھی... مجھے نہیں پتہ کیا ہوا...''

سیل فون ہاشم کاردار کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ کرنٹ کھا کے کھڑا ہوا۔ ''کیا ہوا سونیا کو؟''

''ہاشم...'' شہری نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''سونی نہیں ہے... سونی ہسپتال میں کھو گئی ہے...''

کیا تم نے کبھی روح نکلنے کی آواز سنی ہے؟

وہ چیخوں سے زیادہ دلدوز ہوتی ہے۔

وہ بے اختیار آگے بھاگا۔

''کہاں ہے سونیا؟ کہاں ہے میری بیٹی؟'' وہ حواس باختہ سا باہر آ کر چیخا تھا۔

''وہ ابھی میرے ساتھ تھی... رش بہت تھا... میں کال کرنے رکی... میڈ اس کے ساتھ تھی... میں کاریڈور میں آگے نکل گئی وہ پیچھے رہ گئیں... میڈ سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا... میں نے پولیس کو بتایا ہے... وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں... مگر وہ نہیں مل رہی... وہ کہہ رہے ہیں اس ہسپتال سے ایک ماہ میں تین بچے پہلے بھی اغوا ہو چکے ہیں... سی سی ٹی وی بھی خراب...''

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگ رہا تھا۔ سفید چہرہ لیے' سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ کاریڈور میں چلاتے ہوئے بھاگ رہا تھا...

''میری بیٹی مسنگ ہے... اسے ڈھونڈ کر لاؤ... رئیس...''

اور رئیس کو بھی ابھی خبر ملی تھی۔ راہداری میں ہاشم کے گارڈز آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ پولیس کے افسران اسی طرف آ رہے تھے... ہر چہرے پہ مایوسی تھی... شکستگی تھی... نفی میں ہلتی گردنیں... جھکی آنکھیں... وہ کچھ نہیں دیکھ پا رہا تھا... وہ اس ہسپتال کی گرین شرٹ میں ملبوس راہداری میں آگے بھاگتا جا رہا تھا... دل تھا کہ ڈوب ڈوب رہا تھا... گردن بار بار بے یقینی سے نفی میں ہلتی تھی... روح قبض ہو رہی تھی... جان نکل رہی تھی...

''سونیا کہاں ہے؟'' وہ ایک ایک شخص کو روک کر پوچھ رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ راہداری سے گزرتے ہر بچے کا منہ موڑ کر دیکھتا۔ سونی نہیں تھی۔ کہیں نہیں تھی۔

''وہ کہاں جا سکتی ہے۔ وہ اتنی جلدی کہاں جا سکتی ہے۔ میری بیٹی کو ڈھونڈ کر لاؤ... تم باہر دیکھو... تم اس طرف جاؤ...'' وہ ڈھیروں لوگوں کے درمیان کھڑا چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا... پسینے سے تر چہرہ... اس پہ اڑتی ہوائیاں... آنکھوں میں جلتی بجھتی امید... وہ ایک دفعہ پھر سے آگے کو دوڑنے لگا تھا...

رپورٹرز اسی طرف آ گئے تھے... کیمرے دھڑا دھڑ اس کی تصاویر اور فلم اتار رہے تھے... اور وہ ایک ایک کو روک کر پوچھ رہا تھا... ''میری بیٹی... وہ سات سال کی ہے...'' وہ ہاتھ سے اپنے گھٹنے تک اشارہ کرتے اس کا قد بتاتا۔ ''کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟'' وہ امید اور خوف سے ہر دروازہ کھول کر اندر دیکھتا' پھر آگے کو دوڑتا... لوگ ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے...

''کس نے اٹھایا ہے میری بیٹی کو؟ بتاؤ مجھے۔ کہاں جا سکتی ہے وہ...'' راستے میں اسے پولیس کا اعلیٰ افسر نظر آیا تو وہ تیر کی طرح اس پہ جھپٹا اور اس کا گریبان پکڑ لیا۔ ''کس لیے ہو تم لوگ؟ تمہارے ہوتے ہوئے وہ کیسے غائب ہو سکتی ہے؟''

وہ ویٹنگ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا اور پولیس آفیسر کا گریبان جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے ندامت اور افسوس سے

نظریں جھکالیں۔ "سر ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو قرار واقعی سزا دلوائیں گے۔"

"سزا مائی فٹ!" وہ اس کو پرے دھکیل کر چلایا تھا۔ "مجھے میری بچی چاہیے۔ میری بچی کو لے کر آؤ۔ ایسے کیسے وہ کہیں جا سکتی ہے؟" وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا۔ لوگ ہجوم کی صورت وہاں کھڑے خاموشی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان میں ندرت بھی تھیں اور سعدی' حنین' اسامہ ان کے ساتھ کھڑے شکل سے نظر آ رہے تھے۔

ہاشم کو اپنا سر گول گول گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔ رئیس پھولے سانس کے ساتھ بھاگتا آ رہا تھا۔ "سر... سی سی ٹی وی کیمرے بھی عرصے سے خراب پڑے ہیں' ہسپتال کی بہت سی exits ہیں' شاید وہ اب تک بچی کو لے کر نکل گئے ہوں گے۔" ہاشم تیزی سے آگے بڑھا اور پوری قوت سے ایک مکا اس کے منہ پہ دے مارا۔ رئیس تیورا کے پیچھے کو گرا۔

"مجھے میری بچی چاہیے.... مجھے میری بچی لا کر دو...." وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ چلایا تھا۔ دو سپاہیوں نے اسے "آرام سے سر آرام سے" کہتے کندھوں سے تھام کر روکا ورنہ وہ شاید رئیس کے ٹکڑے کر دیتا۔

"کون لے کر گیا ہے میری بچی کو..." چاروں طرف دیکھ کر... اب کے پریشانی اور صدمے سے شکست خوردہ سے انداز میں چلا رہا تھا... "ایسے کون کرتا ہے؟ ہسپتال سے کسی کا بچہ کون غائب کراتا ہے؟"

اور ندرت ذوالفقار یوسف نے آنکھیں بند کر کے ایک کرب میں ڈوبی آہ بھری تھی کہ ان کے تینوں بچوں نے ان کے کندھوں اور بازوؤں سے خود کو لگا لیا تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں ترحم تھا' خوف تھا... ہاشم کے لیے... اعمال کے نتائج کے لیے.....

"ایسے کون کرتا ہے؟" ہاشم سرخ گیلی آنکھوں سے ایک ایک کا چہرہ دیکھ کر ٹوٹے دل سے پوچھ رہا تھا... اس کو ابھی تک سپاہیوں نے تھام رکھا تھا... اس کے گارڈز ادھر ادھر بھاگ رہے تھے... فون ملا رہے تھے......

"کسی کا بچہ ایسے کون اٹھاتا ہے... بچوں سے کون دشمنی کرتا ہے..." وہ نڈھال سا ایک کرسی پہ گر گیا تھا... آنسو اس کے چہرے پہ گر رہے تھے اور صدمے سے چور آنکھیں اب بھی ہر طرف دیکھتی تھیں... رپورٹرز اس سے پوچھ رہے تھے کہ آگ والے واقعے کا ذمہ دار کون ہے... مگر ہاشم نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا... اسے معلوم تھا اغوا ہوئے بچے واپس نہیں ملتے... اور یہی جان کر وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے... ٹوٹا بکھرا سا... رونے لگ گیا تھا.....

"Sonia was all i had!" ایسے کون کرتا ہے۔" وہ یہی دو فقرے دوہرا رہا تھا۔ ندرت کے تینوں بچے ان کے مزید قریب ان سے تقریباً لپٹ گئے تھے.....

اور شہر کی ایک سنسان خاموش سڑک پہ ڈرائیو کرتی ایمن فون پہ کسی سے کہہ رہی تھی۔ "آپ کی مدد کا شکریہ۔ آج ہاشم سے تمام انتقام ہم نے لے لیے ہیں۔ اب آگے....."

فون پکڑے اس کے ہاتھ میں اب وہ ہیرے کی انگوٹھی نہیں تھی۔

.... ❖ ❖ ❖ ....

ہم محکوموں کے پاؤں تلے ..... یہ دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی

زمر نے کھڑکی کے سامنے سے پردے ہٹائے تو گرم چمکیلی دھوپ چھن کر کمرے میں گرنے لگی۔ باہر ایک روشن خوبصورت صبح دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مسکرا کے گھومی اور فارس کو دیکھا جو آئینے کے سامنے کھڑا ڈریس شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ گیلے بال برش کیے وہ باہر جانے کے لیے تیار لگ رہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ اس کی طرف آئی... پھر اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی شرٹ کے کھڑے کالر درست کرنے لگی۔

''جاب ڈھونڈنے۔'' زمر نے مسکراہٹ دبا کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''پانچ دن بعد چلنے پھرنے کے قابل ہوئے ہو تو باہر جانے کا اچھا بہانہ ڈھونڈا ہے۔''

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں' اس خدمت کے طفیل جو آپ نے میری بالکل نہیں کی۔''

''اچھا۔ ٹائی نہیں پہنو گے؟''

''اونہوں!'' اس نے بے نیازی سے کندھے جھٹکے' آئینے میں دیکھ کر بال دوبارہ درست کیے پھر چابی اٹھاتے ہوئے اس کی طرف مڑا اور مسکرایا۔ ''اچھی لگ رہی ہو۔''

''تم بھی۔''

''میں کب نہیں لگتا؟'' بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''اچھا مجھ سے وعدہ کرو' جب ہم نئے گھر' نئی زندگی میں سیٹل ہو جائیں گے' تو تم مجھے ڈنر پہ لے کر جاؤ گے۔ عرصے سے وہ ڈنر ادھار ہے تم پہ۔''

''کتنی لالچی ہو تم!'' افسوس سے سر جھٹکتا وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ زندگی نارمل ہو گئی تھی مگر وہ دونوں کبھی نارمل نہیں ہو سکتے تھے' یہ طے تھا۔

وہ پورچ میں آیا تو گھنٹی بجی۔ گاڑی کی طرف جانے کے بجائے وہ گیٹ تک آیا اور اسے کھولا۔ پھر سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ کر گہری سانس لی۔ کالے دھوئیں والا کمرہ.... آگ کے شعلے.... سب ذہن میں تازہ ہو گیا تھا۔

وہ خاور کا بیٹا تھا اور ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

اندر واپس جاؤ تو سعدی کچن کی گول میز پہ موجود ناشتہ کرتا' کھائی دے رہا تھا۔ فارس کو رخصت کر کے زمر ادھر آئی تو اس کے پاس ٹھہر گئی۔

''سعدی!'' نرمی سے پکارا تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا' ہلکا سا مسکرایا۔ ''جی!''

''تم کیسے ہو؟''

''میں؟'' اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ ''پہلے غصہ تھا' پھر ڈپریشن' پھر میں نے عدالتی شکست کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ انسان کے ہاتھ میں صرف کوشش کرنا ہے' کامیابی تو اللہ دیتا ہے۔''

''پھر میری بات مان لو۔ سیو سعدی یوسف پیج کے کچھ ممبرز تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان سے مل لو۔'' وہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔ مگر سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ان لوگوں کو کیسے فیس کروں گا جنہوں نے اتنے مہینے اپنے جذبات اور آوازیں میری جدوجہد میں انویسٹ کیں؟ میں ہار گیا ہوں۔ یہ کیسے explain کروں گا؟''

''تم جاؤ تو سہی! ملنے اور بات کرنے سے بہت کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یاد ہے' میں اور تم.... ایک زمانے میں بات کرنا چھوڑ چکے تھے مگر ہم ٹھیک تب ہوئے جب بات کرنا شروع کی۔'' پھر رک کر بولی۔ ''آئی ایم سوری.... ان چار سالوں کے لیے۔''

''نہیں زمر!'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ ''خونی رشتوں کی لڑائیوں اور کٹ آف میں غلطیاں مشترکہ ہوتی ہیں۔'' وہ آزردگی سے مسکرا دی۔

باہر لان میں واپس آؤ تو وہ دونوں ابھی تک پورچ میں کھڑے تھے۔ نہ فارس نے اسے بیٹھنے کو کہا' نہ وہ اتنا وقت لے کر آیا تھا۔

''کاردار صاحب کی بیٹی کا کچھ پتہ چلا؟ پانچ روز ہو چکے ہیں۔''

''نہیں!'' فارس جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے' جوتے سے گھاس کو مسلتے ہوئے بولا تھا۔ ''میں نے اپنے تمام اسٹریٹ کانٹیکٹس کو متحرک کیا ہے' مگر ڈاکٹر ایمن' اس کا خاندان اور سونیا تینوں اب تک اس ملک سے بہت دور جا چکے ہوں گے۔ میں اب بھی کوشش کر رہا ہوں کہ کسی طرح ہم سونی کو ڈھونڈ لیں۔''

''وہ لوگ تو آپ کے دشمن ہیں۔''

''مگر بیٹیاں سب کی برابر ہوتی ہیں۔'' فارس اس لڑکے کو دیکھ کر زخمی سا مسکرایا۔ ''خیر تم کیسے آئے؟ والد صاحب ٹھیک ہیں تمہارے؟'' لڑکا چپ ہو گیا۔ پھر سر جھکا لیا۔

''میں چاہتا ہوں آپ میرے ابو کو معاف کر دیں۔''

''معاف!'' فارس نے ایک سرد سانس دھیرے سے خارج کی۔ ''میں لوگوں کو جسمانی اذیت دے کر انتقام لینے کو برا سمجھتا ہوں۔ خاور کے ساتھ یہ سب میں نے نہیں کیا تھا۔ خاور نے میرے بھائی' میری بیوی' زمر... سب کو جسمانی اذیت دی' مگر میں نے اتنا کیا کہ سعدی سے کہا' وہ خاور کو ہاشم سے الگ کر دے۔ اس نے خاور کی نوکری ختم کروا دی اور اسے ہاشم کے زیرِ عتاب لے آیا۔ اس وقت میرا انتقام پورا ہو گیا تھا۔ اب معافی کے لیے کچھ بچا ہی نہیں۔''

''پھر بھی...''

''میں دل صاف کرنے کی کوشش کروں گا' لیکن وعدہ کروں تو یہ جھوٹ ہو گا۔ میں اپنے بھائی اور بیوی کی لاشیں نہیں بھول سکتا۔'' اس نے لڑکے کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ یہ ملاقات ختم ہونے کا عندیہ تھا.....

مور چال کی بالائی منزل تک جاؤ تو اپنے کمرے میں حنین اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ یہاں کھڑکی سے نیچے لان میں کھڑا فارس دکھائی دے رہا تھا' مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی عزیز کتاب کے صفحے پلٹ رہی تھی.... کافی دن بعد حنین کو وہ بھاری آبنوسی دروازہ دکھائی دیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ کھلتا چلا گیا.....

سامنے تاحدِ نگاہ سنہرا صحرا تھا' مگر جس جگہ وہ کھڑی تھی' وہاں اونچے گھنے کھجور کے درخت ہی درخت تھے.... نخلستان نے صحرا کی گرمی اور تپش کو شکست دے دی تھی۔

بوڑھا استاد ایک درخت تلے بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ سامنے چند تختیاں رکھی تھیں جن کے اوپر وہ قلم کو سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھ رہے تھے۔ وہ قدم قدم اس طرف بڑھنے لگی تو انہوں نے سر اٹھائے بنا مسکرا کر کہا۔ ''بہت دن بعد آئی ہو۔''

''مگر میں نے یہ دن بے کار نہیں گزارے شیخ!'' وہ ان کے سامنے آ بیٹھی۔ دو زانو ہو کر۔ وہ سر جھکائے لکھتے رہے۔ ''کیا کیا تم نے ان دنوں میں۔''

''میں نے جو آپ کی کتاب سے سیکھا تھا' اسے اپنی زندگی پہ اپلائی کیا۔ جس علم کو اپلائی ہی نہ کیا جائے' وہ تو ایسے ہے جیسے گدھے پہ کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ ایسا علم بوجھ بن جاتا ہے۔ میں نے' اے شیخ' آپ کی کتاب ختم کر لی اور میں اب اس کے آخری باب کے متعلق بات کرنے آئی ہوں۔''

کھجور کے درختوں کے بیچ سرسراتی ہوئی ٹھنڈی ہوا نے ماحول کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا۔ ایسے میں جہاں ہر طرف سیاہ سفید منظر نامہ تھا' وہ رنگین دکھائی دیتی تھی۔

''پھر... کیا سیکھا تم نے میری کتاب سے؟''

''میں نے یہ سیکھا کہ ہر انسان vulnerable ہے۔ اس کے ارد گرد کا موسم ایک سا نہیں رہتا۔ کبھی موسم بدلتا ہے تو ہوا میں گردش

کرتے مختلف وائرس اسے آکر جکڑ لیتے ہیں۔ ایسے ہی ماحول بھی بدلتا رہتا ہے۔ نئے ماحول نئی یونیورسٹی کالج نیا موبائل فون ان سب عناصر کے باعث اسے مرض عشق کا وائرس آن لگتا ہے۔ اس میں اس کا قصور نہیں ہوتا۔ پھر وہ کیا کرتا ہے یہاں سے اس کا امتحان شروع ہوتا ہے۔"

"تو تمہارے خیال میں پھر اسے کیا کرنا چاہیے؟" درس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور امتحان شروع ہو چکا تھا۔ استاد نے تختیاں پرے ہٹا دیں اور پوری توجہ سے اس کا جواب سننے لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"اسے دو کام کرنے چاہئیں۔ پہلا غض بصر۔ نظر جھکانا۔ وہ شخص جس کی وجہ سے دل ڈسٹرب ہے اس سے اگر کوئی حلال تعلق نہیں ہے تو اسے اپنی زندگی سے نکال باہر پھینکنا۔ سارے تعلق سارے روابط کاٹ دینے چاہئیں۔ پھر اس کی یادوں اس کی تصویروں اس کے میسجز ای میلز کسی کو بھی دوبارہ نہ پڑھیں۔ یوں نظر محفوظ ہوگی تو دل بھی محفوظ ہوگا۔"

"اور دوسرا طریقہ؟"

"صرف نظر کی حفاظت کرنا کافی نہیں۔ دل کا دھیان بھی بٹانا ہوگا۔ عشق عشق کو کاٹتا ہے محبت محبت کو کاٹتی ہے۔ آپ کی کتاب کا آخری باب کہتا ہے کہ اپنے دل میں سب سے بڑی محبت... اللہ کی محبت بسائی جاسکے وہ ہمارے دل کو اتنا مضبوط کردے گی کہ ہم اس شخص کی طرف نہیں لپکیں گے۔"

"کیا تمہیں اس بات سے اختلاف ہے؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ لیکن مجھے ایک اعتراف بھی کرنا ہے۔ کئی سال پہلے علیشا نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا مجھے خدا سے محبت ہے؟ میں نے کہا تھا پتہ نہیں۔ آج اتنی ٹھوکریں کھا کر بھی میں نہیں جان سکی کہ اللہ سے محبت کیسے کہتے ہیں۔ وہ کیسے کی جاتی ہے۔ میں نمازیں پڑھتی ہوں اور لوگوں کو دھوکے نہ دینے کی کوشش بھی کرتی ہوں مگر ابھی تک میں اللہ تعالیٰ سے وہ محبت نہیں کرسکی جو کرنا چاہیے تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ آخر میں جا کر میں اس محبت کو سمجھ جاؤں گی مگر ایسا نہیں ہوسکا۔ اور میں یہی بتانا چاہتی ہوں آپ کو۔ اللہ کی طرف جاتا راستہ بہت طویل ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کے آخر تک پہنچ جائیں اس کو پار کرلیں۔ ضروری صرف یہ ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہم اسی راستے پہ ہوں چاہے لڑکھڑا رہے ہوں چاہے گر پڑ کر آگے بڑھ رہے ہوں مگر اس سیدھے راستے پر رہیں۔ اپنے گناہوں کو دلیلیں دے دے کر جسٹی فائی نہ کرتے پھریں۔ جب دل میں کچھ کھٹک رہا ہو تو بدل کرکے اپنے اعمال درست کرلیں اور راستہ سیدھا کرلیں۔ ہمارا مستقبل کورا ہے ماضی جیسا بھی داغدار ہو بھلے۔ مستقبل کو ہم اپنی مرضی سے لکھ سکتے ہیں۔"

"اور اللہ سے محبت؟" انہوں نے یاد دلایا۔ حنین نے گہری سانس لے کر... سر اٹھائے دور تک پھیلے کھجور کے درختوں کو دیکھا۔

"وہ ویسی نہیں کرسکی جیسے کرنی چاہیے۔ مگر مجھے ان چیزوں سے محبت ہوگئی ہے جن سے اللہ کو محبت ہے۔ مجھے نماز اور قرآن سے محبت ہوگئی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے بات کرنا دعا مانگنا اچھا لگنے لگا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ سے محبت میں ولیوں اور نیک لوگوں جیسی نہ بھی ہو سکی تب بھی میں ایسے اچھے کام کرتی رہوں گی جن سے کم از کم وہ تو مجھ سے محبت کرے گا نا۔" وہ مسکرا کر امید سے کہہ رہی تھی اور شیخ نے بھی اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو خم دیا تھا۔

کھجور کے درخت غائب ہوگئے۔ اس نے سر اٹھایا تو دیکھا کمرے میں بیٹھی تھی اور اسٹڈی ٹیبل پہ کتاب کھلی رکھی تھی۔ اس نے صفحے پلٹائے۔ پہلے صفحے پہ واپس آئی۔ وہاں آج بھی ہاشم کا ردار کا نام لکھا تھا۔

کینسر رہے نہ رہے وہ بھولتا کبھی نہیں ہے۔ اور بھولنا ضروری بھی نہیں ہے۔ اس نے گہری سانس لے کر کتاب بند کردی۔ ایک سفر تمام ہوا تھا۔

❖❖❖

اور اہل حکم کے سر اوپر ...... جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی

قصر کاروار کا لاؤنج دوپہر کے باوجود اندھیرے میں ڈوبا لگتا تھا۔ کھڑکیوں کے آگے بلاک آؤٹ بلائنڈز گرے تھے... گویا روشنی کے سارے راستے کاٹ دیئے گئے ہوں۔

وہ بڑے صوفے پہ لمبا لیٹا تھا۔ رف ٹراؤزر اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ پہنے۔ بڑھی شیو اور سرخ آنکھیں لئے وہ چھت پہ جھلملاتے فانوس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدموں کے قریب ہاتھ باندھے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کھڑا تھا اور ساتھ رنیں۔

''وہ ملک سے فرار ہو چکے ہیں۔ مگر ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے۔ تاوان کے لئے کوئی کال بھی نہیں کی۔ ان کا مقصد آپ کو اذیت دینا تھا۔'' پولیس افسر سر جھکائے ڈرتے ڈرتے اطلاع دے رہا تھا ''اور ہم یہ معاملہ فارس غازی پہ بھی نہیں ڈال سکتے کیونکہ وہ اس وقت زخمی حالت میں ہسپتال داخل تھا... اور...''

ہاشم نے بے زاری سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا ''وہ ایسے کام نہیں کرتا۔ بیٹیاں سب کی برابر ہوتی ہیں۔'' سرخ آنکھوں سے اس نے پولیس والے کو گھورا تھا۔

''سر آپ نے بہت غلطی کی۔ اتنے شاطر مجرموں کو ایک کمرے میں بند کر کے آگ لگانی چاہی... انہوں نے جوابی حملہ تو کرنا تھا۔''

''بکواس مت کرو میرے سامنے۔'' وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھا۔ ننگے پیر زمین پہ اتارے۔

''میں ان میں سے ایک ایک کو دوبارہ اسی طرح جلا کر ماروں گا' اور اگر مجھے سونیا نہ ملی تو تم لوگوں کے بچے بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔'' انگلی اٹھا کر وہ اسے تنبیہہ کر رہا تھا۔ ''تم لوگوں کو بھی جو زیادہ پیسہ دے اس کے ساتھ مل جاتے ہو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ پولیس کے ہوتے ہوئے ایک بچی کو وہاں سے نکال کر لے جائے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہو۔ میں صرف سونی کے ملنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر دیکھنا میں تم سب کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔'' اسے گھورتے ہوئے وہ جھٹکے سے اٹھا' اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سیڑھیاں تاریک تھیں' ساری دنیا تاریک تھی۔

اپنے کمرے میں آکر وہ کار کی چابیاں ڈھونڈنے لگا۔ روز کی طرح آج بھی اسے شہر کے کونے چھان مارنے جانا تھا۔ میز سے چابیاں اٹھاتے ہوئے وہ رکا۔ وہاں ڈیجیٹل فوٹو فریم لگا تھا جس میں تصاویر کا سلائیڈ شو مدھم موسیقی کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہاشم رک کر دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں یاسیت سی اتر آئی.....

اس کے بچپن کی تصاویر..... وہ اور ڈیڈ..... اسٹین فورڈ کے دنوں کی تصاویر..... اس کی ڈگری..... اور اس پہ بڑا بڑا سا ''کاردار'' لکھا..... ہر دوسری ہر تصویر میں اور نگزیب اس کے ساتھ تھے..... اس کا شانہ تھپکتے' اس کو دیکھ کر مسکراتے..... وہ اسے کہا کرتے تھے' وہی ان جیسا ہے..... وہی ان کے کاروبار' ان کی وراثت کا اصل حقدار ہے..... جواہرات بے اعتبار اور شیرو نکما تھا۔ علیشا کچھ تھی ہی نہیں..... سب ہاشم تھا..... ہاشم سنبھال لے گا..... اور اب آہستہ آہستہ یہ حقیقت اس کے اوپر عیاں ہو رہی تھی کہ اس کی ساری زندگی ایک جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہ تھی..... ہر وہ شے جس پہ اس نے فخر کیا تھا..... جس سے اس نے محبت کی تھی..... کچھ بھی اس کا نہ تھا..... کچھ بھی اس کا نہ رہا تھا..... اس نے آنکھیں بند کیں۔ گرم گرم آنسو گال پہ لڑھکنے لگے۔

پھر اس نے دراز کھولی۔ اندر اس کا پستول رکھا تھا۔ اس کی ہر شے کی طرح بیش قیمت اور برانڈڈ۔ اس نے پستول نکالا اور لوڈ کیا۔

اندھیرے لاؤنج میں رئیس اور پولیس آفیسر کھڑے دھیمی سرگوشیوں میں سونی کو ڈھونڈنے کے بارے میں بات کر رہے تھے جب انہوں نے وہ ہولناک فائر سنا۔ دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہاشم!" رئیس کے لبوں سے نکلا۔ وہ دونوں دیوانہ وار اوپر بھاگے.... سیڑھیاں عبور کیں.... اور کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولا۔ کمرے کے کونے میں رکھا ایکویریم (جو وہ کئی دن پہلے ادھر لے آیا تھا) چکنا چور ہوا پڑا تھا۔ پانی گر گیا تھا۔ سامنے ہاشم کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"سر آپ ٹھیک ہیں؟" رئیس نے بدحواسی سے پوچھا۔ ہاشم کاردار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟ اتنا کمزور نہیں ہوں کہ ہار مان لوں گا۔ میں صرف اپنے پچھتاووں کی آخری نشانی ختم کر رہا تھا۔ جو کیا، بالکل ٹھیک کیا۔ دس بار پھر کروں گا۔ ایک دفعہ مجھے سونی مل جائے، پھر میں سب کو بتاؤں گا کہ میری بیٹی کو ایذا دینے والوں کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔ اب چلو۔" گن جیب میں اڑستے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔ رئیس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا تھا۔ آج پھر انہیں شہر کا ہر کونا رات گئے تک چھاننا تھا.... ایمن کے رشتے داروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے گھروں میں دھاوا بولنا تھا، ان کو ہراساں کرنا تھا.... وہ کہاں جاسکتی ہے.... کوئی تو بتا دے گا۔

............❖❖❖............

جب ارض خدا کے کعبے سے.... سب بت اٹھوائے جائیں گے

ایئرپورٹ پہ مختلف اطلاعات کی آوازیں اسپیکرز پہ گونج رہی تھیں۔ رش کافی تھا۔ آوازیں۔ شور۔ ایسے میں وی آئی پی لاؤنج میں ایک صوفے پہ نوشیرواں بیٹھا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ اکیلا تھا۔ سارے مجمعے میں بھی اکیلا۔

قریب آتے قدموں کی آہٹ محسوس کی تو سامنے دیکھا۔ سعدی یوسف وہاں سے چلا آ رہا تھا۔ سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک چڑھائے، وہ سنجیدہ چہرے اور چبھتی ہوئی نظروں کے ساتھ اس کے عین سامنے آ رکا۔ شیرو بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

"پبلک پلیس پہ بلایا تم نے نوشیرواں لیکن میں اس وقت گھر والوں کو بتا کر آیا ہوں۔ ورنہ سیکیورٹی سسٹم....." نظر گھما کر سی سی ٹی وی کیمروں کو دیکھا "اور سیکیورٹی اہلکاروں کا بھروسہ نہیں ہے مجھے۔" پھر اپنی گھڑی دیکھی۔ "میرے پاس صرف دس منٹ ہیں۔ جو بھی کہنا ہے بغیر تمہید کے کہو۔"

نوشیرواں چند لمحے تذبذب سے اسے دیکھے گیا۔ سلک کی گرے شرٹ اور.... سیاہ کوٹ پہنے، وہ بال چھوٹے کٹوا کر پہلے سے بہت مختلف نظر آ رہا تھا۔ "سونیا ابھی تک نہیں ملی۔"

"مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔ ہم بھی تلاش کر رہے ہیں اپنے طور پہ جتنا ہو سکا کریں گے۔ اور کچھ؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"سعدی کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟" وہ ایک دم جذباتی سا ہو کر بولا۔ "کیا تم مجھے اس بوجھ سے آزاد نہیں کر سکتے؟ میں جیل گیا، میں عدالتوں کے چکر لگاتا رہا، ہمارا خاندان ٹوٹ گیا، اپنے سوشل سرکل میں میں مذاق بن کر رہ گیا۔ کیا تم میری سزا ختم نہیں کر سکتے؟" اس کی آواز آخر میں گلوگیر ہو گئی تھی۔ سعدی نے ایک گہری سانس لی، صوفے پہ بیٹھا اور اسے اشارہ کیا۔ "بیٹھو۔" وہ کسی معمول کی طرح سامنے بیٹھ گیا۔ دم سادھے۔ اب سعدی نے آگے جھکے، ہاتھ باہم پھنسائے، غور سے اسے دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ "میں تمہارا کون تھا نوشیرواں؟"

نوشیرواں سے کچھ بولا نہیں گیا۔

"میں تمہارا دوست تھا۔ جس نے تمہاری جان بچائی تھی۔ جو یونیورسٹی میں تمہاری ہر طرح سے اخلاقی طور پہ مدد کیا کرتا تھا مگر تم نے پہلے مجھ سے لڑائی کی، پھر مجھ سے حسد شروع کیا۔ کیا تھا اگر تم اس بات کو ایپریشیئٹ کر لیتے کہ ایک مڈل کلاس کا لڑکا اتنا پر اعتماد ہے مگر تم جلنے لگے۔ تم نے ہر موقع پہ مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ لوگ کہتے ہیں پہلا قتل عورت پہ ہوا تھا۔ غلط کہتے ہیں۔ پہلا قتل حسد کی وجہ سے ہوا تھا۔

قابیل نے تب نہیں مارا ہابیل کو جب یہ فیصلہ ہوا کہ ہابیل اس لڑکی سے شادی کرے گا جس سے قابیل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے تب مارا اسے جب اللہ نے ہابیل کے حق میں فیصلہ دیا۔ پہلے اس کا ہابیل سے مقابلہ تھا۔ اب وہ ہابیل سے جیلیس ہوا تھا۔ تم نے جب مجھے مارنا چاہا تو میں نے وہی کہا جو ہابیل نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ لیکن تم نے مجھے گولیاں ماریں' مجھے زوٹ مارے۔ کیا میں وہ بھول سکتا ہوں؟'' شیرو کا چہرہ جھک گیا۔ کان گلابی پڑ رہے تھے۔

''جب میں قید سے رہا ہو کر آیا تو روز سوچتا تھا' کیا میں وہ بھول سکتا ہوں؟ تمہیں معاف کر سکتا ہوں؟ پھر مجھے احساس ہوا کہ ہاں' میں یہ کر سکتا ہوں۔''

نوشیرواں نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ پر تپش نگاہوں سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں اتنا بے رحم اور انتقام میں اندھا ہو گیا تھا کہ ہر قیمت پہ تمہاری پھانسی چاہتا تھا؟ نہیں نوشیرواں' حالانکہ قصاص میرا حق تھا' مگر میں چاہتا تھا تم اپنی اصلاح کرو۔ تم نے زمر کو بھی بچایا' تم اپنی معافی' اپنی نجات کہاں کہاں نہیں ڈھونڈتے رہے' مگر تم میرے پاس نہیں آئے۔ تم آتے بھی تو میں تمہیں معاف نہ کرتا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا تم دنیا کے سامنے مانو' عدالت میں اعتراف کرو' یا عدالت اس بات کو مانے کہ میں سچ کہہ رہا تھا۔ اگر تم اصلاح چاہتے ہوتے تو مان لیتے' یا اپنے بھائی کو روکتے کہ مجھ پہ اور میرے خاندان پہ کیچڑ نہ اچھالتا رہے' مگر تم خاموش رہے۔ تم برادرانِ یوسف کی طرح سمجھتے ہو کہ' اس گناہ کے بعد ہم نیکوکار ہو جائیں گے'' والا طریقہ درست ہے۔ نہیں نوشیرواں اصلاح کے سفر کی بنیاد جھوٹ پہ نہیں رکھی جاتی۔ سچ پہ رکھی جاتی ہے۔ عدالت میں جھوٹ کو بڑے جھوٹ سے بے شک ہرایا جائے مگر زندگی میں جھوٹ کو سچ سے ہی ہرانا چاہیے۔''

''میں اعتراف کرتا تو مجھے پھانسی ہو جاتی!'' وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔ آنکھیں پھر سے گلابی پڑنے لگی تھیں۔

''میں نے کہا نا' میں فیصلہ کر چکا تھا۔ اگر تم اعتراف کر دیا اگر عدالت تمہیں مجرم مان لے تو میں بھی تمہیں معاف کر دوں گا۔ مگر تم اصلاح والی زندگی نہیں چاہتے تھے۔ تم صرف زندگی چاہتے تھے۔ تم ایک دفعہ اعتراف کر کے تو دیکھتے۔ میں خود سارے الزام واپس لے لیتا۔ ایک دفعہ پھر تم نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی۔ میں صرف اس ملک میں ایک precednet سیٹ کرنا چاہتا تھا کہ ہاں طاقتور بھی قانون کے ہتھوڑے تلے آ سکتا ہے مگر تم بزدل نکلے.....'' وہ سپاٹ انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اس لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں وہ تین گولیاں بھی بھول سکتا ہوں مگر تم نے ایک زخمی پڑے دوست کو بوٹ سے ٹھوکریں ماری تھیں۔ میں وہ نہیں بھول سکتا۔'' پھر رک کر بولا۔ ''ہابیل کو مارنے کے بعد قابیل کو پھانسی نہیں دی گئی تھی۔ مقدس کتابوں میں آتا ہے کہ اس کے ماتھے پہ خدا تعالیٰ نے ایک مہر لگا دی تھی اور بنی نوع انسان پہ اس کا قتل حرام کر دیا تھا۔ وہ ساری عمر اس نشان کو لیے بھٹکتا رہا' مگر لوگ ان کو اس نشان کے سبب پہچان لیتے اور اس کو قتل نہ کرتے۔ وہ سینکڑوں سال زندگی کی قید میں رہا۔ ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں تم بھی قابیل کی طرح بھٹکتے رہو۔ کیونکہ ہاشم پھر بھی اپنے پیاروں سے مخلص ہے۔ ان کو مار سکتا ہے' ان کو جلا سکتا ہے' قید کر سکتا ہے' مگر ان کو دھوکہ نہیں دیتا ہے۔ تم نے تو ہاشم کو بھی صرف استعمال کیا۔ ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا شیرو!'' وہ رکا اور تصحیح کی۔ ''مگر تمہارا نام نوشیرواں ہے؟''

سعدی یوسف نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی اور مڑ گیا۔ نوشیرواں بھیگی آنکھوں سے اس کو دور جاتے دیکھتا رہا۔ اپنے ماتھے پہ لگی دہکتی مہر کو وہ ابھی سے محسوس کرنے لگا تھا۔

ہم اہلِ صفا مردود حرم ...... مسند پہ بٹھائے جائیں گے

اور اسی وقت قصر کاردار میں بنے جواہرات کے پرتعیش کمرے میں کوئی اور بھی حساب کتاب لیے بیٹھا تھا۔
وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے بیٹھی' چہرے کی صورت بد سر پہ گرائے' درشتی سے پیچھے کرسی پہ بیٹھے ہارون سے کہہ رہی تھی۔" کیوں آ جاتے ہو ہر روز مجھے کچوکے لگانے؟"

"تمہاری ملازمہ مجھے آنے دیتی ہے۔ میں کیا کروں؟" وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' تھری پیس میں ملبوس تھے۔ اس بات پہ مسکرا کے شانے اچکاتے بولے تھے۔ "اور پھر مجھے اچھا لگتا ہے تمہارے ساتھ بیٹھ کر آبی کو یاد کرنا۔ ویسے کیا اب احساس ہوا ہاشم کو کہ کسی کی بیٹی کو چھیننا کیسا ہوتا ہے؟"

"ہونہہ۔" وہ تلخی سے ہنسی۔ "جیسے تمہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی۔ ہرگز نہیں۔ کسی کو اپنی اولاد سے اتنی محبت نہیں ہو سکتی جتنی مجھے اپنے بیٹوں سے ہے۔"

"ہر کسی کو اپنی اولاد پیاری ہوتی ہے جواہرات۔ مجھے بھی تھی۔" وہ درشتی سے بات کاٹ کر بولے تھے۔ "مگر میں ہاشم کی طرح دیوانہ وار ایک ایک کا گریبان نہیں پکڑ سکتا تھا۔ میں تم لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں خود کو مزید طاقتور بنانا چاہتا تھا تاکہ کبھی تو تم سے انتقام لے سکوں۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا آبی کے ساتھ۔ ہاشم نے کیا جو بھی کیا۔"

"تم نے اور بہت کچھ کیا ہے۔ پہلے میری بیوی پہ الزام لگایا' اس کا سکینڈل بنوایا' میں نے اسے قید میں ڈال دیا تو تم اس کو نکال کر لے گئیں۔ تم نے میری بیوی کو مروایا' اس کے زیور چھپا لیے۔ وہ antique نادر جیولری... اس کی وجہ سے میری بیٹی تباہ ہو گئی۔" وہ کہہ رہے تھے اور ایک ایک لفظ میں درد سا بسا تھا۔ "میں اسے کبھی وقت نہیں دے سکا۔ وہ موت سے obssessed ہوتی گئی۔ میں نے اس کی حفاظت کرنی چاہی' اس کو باڈی گارڈ خرید کر دینا چاہا۔ مگر کوئی میرے اشارے پہ نہ چلا۔ نہ تم لوگ' نہ زمر اور فارس۔ یہاں تک کہ ہاشم نے اسے چھین لیا۔"

"چلے جاؤ تم یہاں سے۔ میری... میری۔" وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ "اس آدمی کو نکالو یہاں سے۔" مگر وہ خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولے تھے۔ "ایک دفعہ پھر... تمہاری حالت پہ بہت افسوس ہوا جواہرات!"

باہر آ کر کار میں بیٹھتے ہوئے ہارون عبید نے موبائل نکال کر ای میلز کھولیں تو تیسری میل دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ انہوں نے اس میں موجود نمبر دیکھ کر اس کو کال ملائی۔ تھوڑی دیر بعد وہ فون میں کہہ رہے تھے۔

"آپ کو بقایا رقم' آسٹریلوی شہریت اور سفری دستاویزات آج مل جائیں گے ڈاکٹر ایشن۔ اس رات آپ نے مجھے کال کر کے اپنی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ کیا تھا۔" پھر رک کر سنتے گئے۔ "بے فکر رہیں۔ بچی کہاں ہے' زندہ بھی ہے یا نہیں' یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اس رات کے بعد سے میرا مسئلہ ہے۔" اور مسکرا کے فون بند کر دیا۔

سیاہ شیشوں والی کار تیزی سے سڑک پہ دوڑتی رہی اور وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ باہر دیکھتے رہے۔

........❖❖❖........

سب تاج اچھالے جائیں گے ...... سب تخت گرائے جائیں گے

رات گہری ہو رہی تھی اور شہر کی ایک پر رونق سڑک پہ ہاشم کی کار دوڑتی جا رہی تھی۔ وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا تھا اور کھڑکی سے باہر ویران نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ رئیس کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس کو سونیا کے اغوا کی تفتیش کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا۔ مگر وہ بس دکھی نظروں

سے باہر دیکھے جا رہا تھا۔ شہر روشنیوں سے منور تھا، نیا اس کی ذہنی حالت سے بے نیاز اپنی روش پہ چل رہی تھی، بہہ رہی تھی، جل رہی تھی اور وہ کتنا پیچھے رہ گیا تھا۔ زندگی میں ایک ہی تو بچ بچا تھا۔ سونیا... اور اس نے اسے بھی کھو دیا تھا۔ وہ کہاں جائے، وہ کیا کرے؟ وہ آنکھیں بند کرکے کنپٹیاں سہلانے لگا۔

کار رکی تو اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

"سر یہاں مارکیٹ میں ڈاکٹر ایمن کے بھائی کی شاپس ہیں۔ میں بندے لے جا کر ان سے ذرا... بات کرتا ہوں۔ آپ بیٹھیں۔ مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ہاشم نے محض سر ہلا دیا۔ اور سر ہاتھوں میں گرا کے وہیں بیٹھا رہا۔ آگے پیچھے رکتی گاڑیوں کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ پھر گارڈز کے دور جانے کی چاپ سنائی دیتی رہی۔ وہ آنکھیں موندے بیٹھا رہا۔

"ٹھک ٹھک!" شیشہ کھٹکا تھا۔ اس نے بے زاری سے آنکھیں کھولیں اور گردن موڑی۔ کھڑکی پہ ایک شخص جھکا ہوا تھا اور اسے باہر آنے کو کہہ رہا تھا۔ گول چشمے والا شخص... وہ اسے فوراً پہچان گیا تھا۔ یہ وہی تھا جو ہر روز عدالت آیا کرتا تھا۔ ہاشم ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ پھر اچنبھے سے اس کے ساتھ کھڑے دو افراد کو دیکھا۔

"جی؟" خشک آواز میں پوچھا۔

"ہاشم کاردار... آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"اچھا... مگر کیوں؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"ہمیں آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔ آپ کو ہمارے آفس آنا ہوگا۔" چشمے والا بے تاثر انداز میں کہہ رہا تھا۔ اندھیرے میں کار کے ساتھ کھڑے ان تینوں کو اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"کون ہو تم لوگ؟"

چشمے والے نے اپنے کوٹ میں ہاتھ ڈالا اور ایک بیج نما کارڈ سے اس کے سامنے لہرایا۔ ہاشم کے جبڑے کی رگیں تن گئیں۔ اس نے تھوک نگلا۔

"سو... تم لوگ سرکاری خفیہ ایجنسی کے آفیسرز ہو۔ گڈ۔ گڈ۔" اس نے کمال ضبط سے سر کو دو، تین دفعہ اثبات میں ہلایا۔ "مجھ سے کیا بات کرنی ہے۔"

"مسٹر کاردار! آپ کے خلاف terror financing کے الزام ہیں۔ ہمیں آپ سے اس حوالے سے بات کرنی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنی بیٹی کے لیے کافی پریشان ہیں مگر وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں آپ کو یہاں سے لے جانا ہے۔"

"پہلی بات۔ مجھے اریسٹ وارنٹ دکھاؤ۔" وہ انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے بولا۔ "دوسرا... میں امریکی شہری ہوں، میرے پاس مرینڈا رائٹس (خاموش رہنے کے حقوق) ہیں۔ میں اپنے وکیل کی موجودگی کے بغیر کچھ نہیں کہوں گا۔ تیسرا، مجھے اپنی ایمبیسی کال کرنی ہے، اور ایک امریکی شہری کو حراست میں لیتے وقت تم لوگوں کو لازمی میری ایمبیسی سے ڈیل کرنا ہوگا، اور چوتھی بات، میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں اگر تم مجھے اپنے وکیل کو کال کرنے دو، اور ہاں، میں ہتھکڑی نہیں لگواؤں گا۔ کوئی مجھے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔"

"مسٹر کاردار!" چشمے والا دو قدم آگے آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ہم آپ کو گرفتار نہیں کرنے آئے۔ ہم ایجنسی کے لیے کام کرتے ہیں۔ پولیس گرفتار کرتی ہے، ہم صرف اغوا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم وکیلوں، عدالتوں اور سفارت خانوں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑتے؛ ہمارے ہاں ملزم نہیں ہوتے، صرف مجرم ہوتے ہیں۔ اور ہم... مجرم کو... صفائی کا حق... نہیں دیا کرتے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاشم کو گریبان سے پکڑا، گاڑی سے لگایا، دوسرے آفیسر نے اس کا جبڑا رخ موڑا، پھر اس کے بازو پیچھے لے جا کر زبردستی کلائیاں قریب لے کر آیا،

اوران میں ہتھکڑی ڈال کر کلک کے ساتھ بند کی۔ ہاشم سرخ پڑتا چہرہ لیے ضبط سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے اپنی ایمبیسی کو کال کرنی ہے۔ میں اپنے رائٹس جانتا ہوں۔"

"ہاشم کاردار....." اس نے ہاشم کے کان کے قریب جا کر کہا۔ "آج سے آپ ایک بسنگ پرسن ہیں۔" اور دوسرے نے اس کے منہ پہ سیاہ بیگ گرا دیا۔ ساری دنیا جیسے بجھ گئی تھی۔ اندھیرا... تاریکی... ہر سو تاریکی...

انٹروگیشن روم میں چھت پہ ایک تیز... سورج جیسی تیز اور آگ جیسی جھلساتی روشنی والا بلب جھول رہا تھا۔ باقی کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ ایک میز بچھی تھی جس کے اوپر ہاشم بیٹھا تھا۔ کہنیاں میز پہ جمار کھی تھیں اور وہ چندھیائی ہوئی آنکھیں مل رہا تھا۔ سامنے چشمے والا آفیسر بیٹھا تھا مگر اب اس نے چشمہ نہیں پہن رکھا تھا۔ وہ ایک کھلی فائل کو دیکھتے ہوئے کڑے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"تم نے ہاشم کاردار کورٹ میں آن ریکارڈ عسکری گروپس کے بارے میں ایسی معلومات دی ہیں جو حساس ہیں۔ تمہیں کیسے معلوم ہوئیں وہ باتیں اگر تم ان کا حصہ نہیں ہو تو؟"

ہاشم ٹیک لگا کر بیٹھا اور نفی میں سر ہلایا۔ "اپنے وکیل اور بائی کمشنر کی غیر موجودگی میں میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔"

"تم نے شوال کی مسجد کے نیچے واقع عسکری ٹریننگ سینٹر کا ذکر کیا تھا۔ وہ انتہائی حساس معلومات تمہیں کیسے ملیں؟" پھر وہ آگے ہو کر طنز سے بولا۔ "کیا تم نے غلطی سے بول دیا تھا؟"

"Oops!" ہاشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شانے اچکائے۔ وہ بہت ڈھیٹ تھا۔ آفیسر مسکرایا۔

"ہم شروع ٹارچر سے کرتے ہیں!" بلب کی طرف اشارہ کیا۔ (جس سے ہاشم کے سر میں درد ہونے لگا تھا مگر وہ ضبط سے مضبوط اعصاب کا مظاہر کرتا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔) "پھر مختلف اقسام کے ٹارچرز اپلائی کرتے ہیں۔ کچھ نہیں بولو گے تو کسی بے نشان قبر میں دفنا آئیں گے لیکن اب تم سورج نہیں دیکھ سکو گے کاردار۔"

"مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر عدالت میں پیش کرنا ہے تمہیں۔"

"تمہارے پاس فی الحال ایسا کوئی حق نہیں۔"

"ہے۔ میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔ "میں امریکی شہری ہوں، میرے پاس مرینڈا رائٹس ہیں اور میں پاکستانی شہری بھی ہوں، میرے پاس آرٹیکل تیرہ موجود ہے۔"

"تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ تم نے کورٹ میں بہت کچھ بولا ہے۔ اپنے منہ سے تم نے اپنے لیے گڑھا کھودا ہے۔"

"تب میں ملزم نہیں تھا، اب ہوں۔ تب میرے پاس خاموشی کا حق نہیں تھا۔ اب ہے۔" ہاشم نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "جب بھی کوئی انسان ملزم بنتا ہے تو یہ حق اس کو فوراً مل جاتا ہے اور....." وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ لب کھل گئے... آنکھوں میں شاک سا ابھرا... "انہوں نے مجھے میرا حق نہیں استعمال کرنے دیا۔ اسی لیے...." وہ چونکا تھا۔ ایک دم سے سارے پزل حل ہو گئے تھے...

..........❖❖❖..........

بس نام رہے گا اللہ کا

وہ اپنے سرونٹ روم سے خاموشی سے نکلی اور بلی کی چال چلتی ہوئی گھر کی پچھلی سمت جانے لگی۔ آج اسے درخت پہ چڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف انیکسی کے عقب میں موجود پرانا چھوٹا دروازہ کھول دیا تو دیکھا..... وہ سرخ مفلر اوڑھے سامنے کھڑا تھا اور جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

"میرے پیسے لائے ہو؟" ملازمہ نے اشتیاق اور دلچسپی سے پوچھا۔ اس نے پینٹ کی جیب سے خاکی لفافہ نکالا اور اس کی طرف

بڑھایا۔" گن لو۔ پورے ہیں۔"

وہ لفافہ تھامتے ہوئے مسکرائی۔" مجھے تمہارا یقین ہے فارس! تم میرے مالکوں جیسے نہیں ہو۔" اور یہ کہہ کر فیونا نے گردن موڑ کر دور نظر آتے قصر کاردار کو دیکھا۔

سرخ مفلر والا شخص دو قدم قریب آیا تو اس کا چہرہ چاند کی روشنی میں واضح ہوا۔ وہ زخمی انداز میں مسکراتا ہوا فارس تھا۔" تھینک یو فیونا۔ تم نے میری بہت مدد کی۔ تم نہ ہوتیں تو میں سعدی کا پاسپورٹ ہاشم تک نہ پہنچا سکتا' اور پھر' مجھے اس کے لاکر سے اس کے قیمتی کاروباری کاغذ کون لا کر دے سکتا تھا بھلا۔"

"میں نے یہ سب صرف پیسوں کے لئے کیا ہے فارس۔ میری کے ہوتے ہوئے میں یہاں راج نہیں کر سکتی تھی' میں نے جان لیا تھا۔ اور اب...." اس نے لفافہ اٹھا کر دکھایا۔" میں اپنے ملک واپس جا رہی ہوں' اور وہ کیا کہا تھا تم نے' کیا ہے میرے نام کا مطلب؟"

"فیونا... یعنی گوری' خوبصورت لڑکی۔" وہ مسکرا کے بولا۔

"ہاں' اب میں اپنے نام کی طرح خوبصورت زندگی گزاروں گی۔ اور میں کوشش کروں گی کہ مسز کاردار کی طرح نہ بن جاؤں۔"

"بس ختم ہو جاتا ہے فیونا' اچھے کام باقی رہتے ہیں۔" پھر اس نے گھڑی دیکھی۔" میں چلتا ہوں۔ زمر نے نئے گھر میں سب کو ڈنر پہ مدعو کر رکھا ہے اور میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ بون وایج۔" مسکرا کے ہاتھ اٹھا کر الوداع کہتا وہ مڑ گیا۔ پھر اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے' دور جاتا گیا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئی۔ بالآخر وہ اب اس اونچے محل اور اس کی سازشوں سے آزاد ہونے جا رہی تھی.....

دور انٹروگیشن روم میں بیٹھا ہاشم جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ ایک دم چونک کر تفتیشی افسر کو دیکھنے لگا۔" انہوں نے مجھے میرا خاموشی کا حق استعمال نہیں کرنے دیا۔ میں مجرم تھا' سعدی کے اغوا کا' مگر انہوں نے مجھے نامزد نہیں کیا' کیونکہ جس لمحے میں ملزم بنتا' میں خاموش ہو جاتا۔" وہ خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا۔" میں اپنا وکیل کر لیتا۔ مگر وہ چاہتے تھے.... کہ میں بولتا رہوں۔" گویا کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔" وہ تم نہیں تھے۔ تم نے مجھے سعدی کا پاسپورٹ نہیں دیا تھا۔ وہ گمنام میسج کرنے والے.... وہ تم نہیں تھے.... وہ.... وہ فارس تھا۔ ڈیم اٹ۔ اس نے مجھے سیٹ اپ کیا ہے۔" اس نے بے بسی بھرے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔

"کاردار' تمہاری نوٹیفس کو بھی ہم نے decrypt کر لیا ہے' تمہاری وہ رینڈم نمبرز والی نوٹیفس ہر دہشت گردی کی واردات کے بعد آتی تھی' اور وہ خفیہ کوڈز پہ مشتمل ہوتی تھی۔ اور جواب میں ایک معروف عسکری ونگ کا سربراہ شوال سے ٹوئیٹ کیا کرتا تھا' وہ بھی اسی شفٹ سائفر پہ مشتمل ہوتی تھیں جو تم استعمال کر رہے تھے...."

"ڈیم اٹ میں نے کوئی نوٹیفس نہیں کیں۔" اس نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔" دیکھو وہ مجھے پھنسا رہا ہے۔ اس نے بولا کہ وہ میرے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے' میں صرف اسکے کہے پہ عمل کر رہا تھا۔ میں کسی کوڈز کے بارے میں نہیں جانتا۔ اوہ ڈیم اٹ!" اس نے پیشانی انگلیوں سے دبائی۔ سر پہ جھولتا تیز بلب.... اردگرد کا اندھیرا.... اس کا سر پھٹنے کو تھا....

"تم نے دہشت گردوں کے بارے میں جو باتیں کہیں وہ سچ تھیں' مگر ہم جانتے ہیں کہ سعدی اس وقت سری لنکا میں تمہاری قید میں تھا۔ سارا ملک جانتا ہے۔ تو پھر وہ معلومات تمہیں کون دے رہا تھا؟" وہ بے تاثر انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"وہ.... وہ.... سب جھوٹ تھا۔ سعدی دہشت گرد نہیں ہے۔ وہ تو میں اس کو پھنسانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ نہیں نہیں میری بات سنو.... یہ سب غازی نے کیا ہے۔ اس نے مجھے پھنسایا ہے۔ تمہیں.... تمہیں وہ پہلے دن سے جانتا تھا۔ تمہیں اس نے بولا تھا نا کہ عدالت میں آؤ اور دیکھو ہاشم کیسے حساس معلومات آن ریکارڈ کہتا ہے۔ ڈیم اٹ۔" وہ چکرا کے رہ گیا تھا۔

''ہمارے پاس وارث غازی کے لیپ ٹاپ کی فائلز بھی ہیں اور ایک میموری کارڈ اور بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا فرنٹ مین کرنل خاور ایک اعلیٰ فوجی افسر اور اس کے خاندان کی ہلاکت میں ملوث تھا۔ جانتے ہو یہ کتنے سنگین جرائم ہیں؟''

مگر ہاشم پیشانی پکڑے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''اس نے مجھے ٹریپ کیا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ لائٹ بند کرو۔ میں کچھ نہیں بولوں گا....'' وہ آخر میں چلایا تھا۔ سارے جسم پہ پسینہ آ رہا تھا اور دماغ درد سے پھٹنے کو تھا......

❖❖❖

جو غائب بھی ہے حاضر بھی ...... جو ناظر بھی ہے منظر بھی

وہ بنگلہ چھوٹا سا' خوبصورت سا تھا اور اس کے لان میں ایک اونچا سا بائبل پام کا درخت لگا تھا۔ فارس نے کار روکی' مسکراتے ہوئے میرون مفلر اتارا اور تہہ کر کے ڈیش بورڈ کے اندر رکھ دیا۔ یہ اس نے وارث کے اس سویٹر سے کاٹ کر بنایا تھا جو جیل میں امل اور سارہ اس کے لیے لائی تھیں۔ اس کا اون اسے وارث کی یاد دلاتا تھا۔ اور اتنے مہینوں سے ہاشم کے خلاف شطرنج کی ایک ایک چال چلتے ہوئے' یہ پہن کر اسے لگتا تھا' وہ اس قرض کو اتار رہا ہے جو وارث اس کے اوپر چھوڑ گیا تھا۔ آج سارے قرض اتر گئے تھے۔ سارے حساب پورے ہو گئے تھے۔

گھر کے اندر جا بجا پیک شدہ کارٹن رکھے تھے۔ ندرت اور حنہ سارا دن کام کرواتی رہی تھیں۔ اور اب کھانا کھایا جانا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل تک آیا تو زمر کھانا لگا چکی تھی اور سب نشستیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

''اتنی دیر لگا دی۔'' زمر نے آنکھوں میں خفگی لیے گھورا۔

''نوکری کی تلاش میں نکلا تھا' دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔'' وہ خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ندرت نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''اتنا مسکرا کیوں رہے ہو؟'' (فارس نے فوراً منہ سیدھا کیا۔)

''نہیں تو۔'' اور سنجیدہ شکل بنائے پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ زمر نے ایک گہری نظر ڈالی' پھر میز کو دیکھنے لگی۔ سب کھانا شروع کر چکے تھے۔ اسے خیال آیا کہ پانی نہیں رکھا۔

''میں پانی لاتی ہوں۔'' وہ اٹھی اور پانی لا کر رکھا۔ پھر دیکھا نشو نہیں۔ دوبارہ گئی اور نشو کا ڈبہ لا کر میز پہ سجایا۔ پھر کسی اور خیال سے اٹھی۔

''بیٹھ جاؤ زمر!'' ندرت نے ٹوکا تھا۔ ''گھر کی مالکن کا کام کھانے کے دوران میز سے بار بار اٹھنا نہیں ہوتا۔ اس کا کام ہے کھانا بنانا' اور کھانا لگانا۔ چاہے مہمان ہوں' گھر والے یا سسرال والے' اگر تم کھانے کے دوران بار بار اٹھ کر تازہ پھلکے لا کر دو گی یا ان کے نخرے اٹھاؤ گی تو تمہاری تو آہستہ آہستہ ڈائننگ ٹیبل سے جگہ ہی ختم ہو جائے گی۔ ان کو تمہارے بغیر کھانے کی اور تمہیں اٹھانے کی عادت پڑ جائے گی۔ عادتیں عورتیں خود بگاڑتی ہیں اور پھر جب سسرال والے سر پہ چڑھ کر ناچنے لگتے ہیں تو شکایت کرتی ہیں۔ نئے گھر نئی زندگی میں سیٹل ہونے کے بعد لڑکیوں کو بہت اچھا بننے اور جی حضور کر کے بڑھ چڑھ کر خدمت کرنے کی بجائے صرف اتنا کام کرنا چاہیے جتنا وہ اپنے گھر میں کرتی تھیں' کیونکہ وہ اتنی ہی ذمہ داری آگے بھی نبھا سکتی ہیں۔ ذمہ داری اتنی لو جتنی نبھا سکتی ہو۔'' زمر آہستہ سے واپس بیٹھ گئی۔

''بس کر دیں امی۔ آپ پہ یہ مخلصانہ مشورے سوٹ نہیں کر رہے۔'' حنین نے بے زاری سے لقمہ دیا۔ اور ندرت نے صرف گھورا۔ (پرایا گھر دیکھ کر جوتے تک ہاتھ لے جانے سے خود کو روکے رکھا۔)

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ سارے دورانیے میں فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگتی رہی۔ ساری اداکاری ایک طرف' وہ اس مسکراہٹ کو نہیں چھپا پا رہا تھا۔

کھانے کے بعد سیم ٹی وی لاؤنج میں زمر فارس کا ٹی وی دیکھنے چلا گیا۔ (بڑے ابا کے گھر سے دو شیطان کا ڈبہ غائب تھا تو یہاں ٹی وی دیکھنے میں مزا آ رہا تھا۔) ابا کو بھی ساتھ لے گیا۔ ندرت نماز پڑھنے کمرے میں چلی گئیں۔ اور وہ چاروں میز پہ بیٹھے رہ گئے۔ سویٹ ڈش کھائی جا چکی تھی اور وہ یونہی بیٹھے تھے۔

"آج میں نوشیرواں سے ملا۔" سعدی نے خالی کپ میں چمچ ہلاتے سر اٹھا کر کہا۔ ساتھ بیٹھی حنین نے جہاں چونک کے دیکھا وہیں سامنے بیٹھے زمر اور فارس بھی حیران ہوئے۔

"فکر نہ کریں۔ وہ بس معافی مانگ رہا تھا۔ وہ امریکہ جا رہا تھا۔ جاب مل گئی ہے اسے ادھر۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ سو نہیں کیا۔ مگر میں خود کو مجبور نہیں کر سکتا۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے وارثوں کو خون معاف کرنے کے لئے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تو پھر میرا اپنا خون تھا۔" اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ سب خاموش ہو گئے۔

"اگر عدالت اس کو سزا دے دیتی تب تم معاف کر دیتے اسے؟" زمر نے نرمی سے پوچھا۔ سب غور سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

"جی۔ میں تیار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ عدالت میرے حق میں فیصلہ دے گی۔ لیکن شاید ہمارا کیس کمزور تھا۔" پھر شکوہ کناں نظروں سے زمر کو دیکھا۔ "میں آپ کو کہتا رہا کہ کیس ہاشم کے خلاف ہونا چاہیے۔ مگر آپ لوگوں نے میری بات نہیں مانی۔"

"میں نے تو صرف مشورہ دیا تھا۔" فارس نے کان کھجاتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"اگر ہمارے پاس وہ فائلز ہوتیں جن کا میموری کارڈ ہوتا یا ہاشم کو میرا پاسپورٹ نہ ملتا تو ہمارا کیس کمزور نہ ہوتا۔" وہ افسوس کر رہا تھا۔ حنین اور فارس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور زمر نے باری باری ان دونوں کو پھر سعدی کو مخاطب کر کے بولی۔

"ویسے سعدی..... غلطی تمہاری ہے۔ پاکستان آ رہے تھے تو کسی کو اپنی فلائیٹ کا علم نہ ہونے دیتے۔ اس کو معلوم تھا تمہاری فلائیٹ کا اسی لئے تو اس نے تمہارا پاسپورٹ چرا لیا۔"

"کسی کو بھی میری فلائیٹ کا علم نہیں تھا زمر۔" وہ تنگ کر بولا۔ "کسی کو نہیں معلوم تھا کہ میں آ رہا ہوں سوائے....." اور وہ بولتے بولتے رک گیا۔ چونک کے فارس کو دیکھا۔ "آپ کو معلوم تھا۔ صرف آپ کو۔" حنین نے گڑبڑا کے اور زمر نے بڑے مزے سے مسکرا کے اسے دیکھا۔ فارس شدید غیر آرام دہ ہوا۔ کرسی پہ پہلو بدلا۔

"ہاں تو؟"

"اور سعدی..... شاید فارس نے ہی تمہیں کہا تھا کہ تم افغانستان کے راستے آؤ۔ ہے نا؟" زمر محظوظ انداز میں مسکراہٹ دبائے بولی تھی۔ فارس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ (یہ جانتی تھی؟) مگر سعدی سن بیٹھا تھا۔

"اور وہ فائلز..... اور میموری کارڈ..... وہ تو کسی چھوٹے موٹے سرخ مفلر والے آدمی نے چرائے تھے جو وہ سب لیا تھا؟" وہ اس کی طرف گھوما۔

حنین تیزی سے کھڑی ہوئی۔ "میری نماز کا وقت ہو رہا ہے۔" سعدی نے ہاتھ سے کھینچ کر اسے واپس بٹھایا۔ وہ شرمندگی سے آنکھیں میچ کر بیٹھی۔ "میرے پاس آرٹیکل تیرہ کے تحت خاموش رہنے کا حق ہے۔"

"تم نہ بتاؤ حنین میں بتاتی ہوں۔" زمر یوسف تھوڑی تلے ہتھیلی رکھے دلچسپی سے مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔ "جب گواہ جھوٹ بولتے ہیں.... عدالت اور پولیس کے سامنے..... انہیں کسی شخص کو بچانا ہوتا ہے..... تو اس کا حلیہ الٹ بتاتے ہیں کہ جی موقع سے فرار ہونے والا ملزم چھوٹا موٹا تھا جبکہ وہ....." دائیں طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "کافی اسمارٹ اور قد آور سا تھا۔"

''بہت شکریہ۔'' وہ جل کر بڑبڑایا۔ (چڑیل نہ ہو تو۔)

''آپ نے چرائے تھے وہ سب حنین کے کمرے سے؟'' سعدی دنگ رہ گیا تھا۔

''کسی نے کچھ نہیں چرایا سعدی ڈیئر۔ میرے شوہر اور تمہاری بہن نے ہم سے جھوٹ بولا۔ فارس نے گھر سے جاتے وقت حنین سے وہ چیزیں لیں اور اس کو کہا کہ کہے وہ کھو گئی ہیں۔ حنین اوپر گئی، کھڑکی کھولی، اور چیخ ماری۔ ہم لوگ اوپر گئے تو اس نے ہمیں لمبی سی کہانی سنا دی جو مجھے اسی وقت سمجھ آ گئی تھی کیونکہ ایک ننھا سا میموری کارڈ اگر میز پہ چور نے پلٹر بھی رکھا ہو تو وہ اتنی دور سے حنہ کو کیسے نظر آ سکتا ہے؟ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وارث غازی کی فائلز بھی حنین کھول چکی تھی، لیکن ہمیں اس نے کہا کہ اس میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اصل فائلز کہیں اور منتقل کر دیں۔''

''میں نے سچ کہا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''ماموں نے مجھ سے پہلے وہ ادھر سے ڈیلیٹ کر کے اپنے پاس منتقل کر لی تھیں۔ اور باقی ساری باتوں پہ آرٹیکل تیرہ کے تحت مجھے خاموش رہنے کا حق ہے۔''

''واؤ!'' سعدی نے غصے سے فارس کو دیکھا جو گردن موڑ کے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ برے برے منہ بھی بنا رہا تھا۔ ''آپ میرا کیس کمزور کرتے رہے۔'' فارس نے تنگ کے اسے دیکھا۔

''ان سب کے باوجود بھی کیس ثابت نہ ہو پاتا سعدی۔ میں نے صرف ان چیزوں کا اچھا مصرف ڈھونڈا۔ ان ثبوتوں کو عدالت میں داخل کرنے کی بجائے کیس کو نوشیرواں تک محدود رکھا تا کہ ہاشم خاموشی کا حق استعمال نہ کرے، اور بولتا رہے۔ وہ جیتنا چاہتا تھا، ہر قیمت پہ۔ میں نے اسے جیتنے دیا۔''

''آپ نے اسے کہا کہ وہ مجھے دہشت گرد ثابت کرے!'' اس نے میز پہ زور سے ہاتھ مارا۔

''حالانکہ اصل دہشت گرد کوئی اور ہے۔'' (خفگی سے زمر کو گھورا جس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے) پھر بات جاری رکھی۔ ''تم پہ کچھ بھی ثابت نہ ہو پاتے مگر وہ جینوئن انفارمیشن استعمال کر کے خود کو پھنسا لیتا۔ میں نے صرف ایک ایجنسی سے ڈیل کی کہ وہ آ کر خود دیکھ لیں ہاشم کیا کہتا ہے اور.....''

''وہ چشمے والا آدمی..... وہ ایجنسی کا تھا، مگر آپ تو اس کو جانتے تک نہیں تھے۔'' سعدی نے طنزیہ کہا تھا۔ فارس نے بے بسی سے ایک انگلی سے تھوڑی کھجائی۔

''مجھے کیا معلوم تھا وہ کس کو بھیجتے ہیں۔ شروع میں تو میں نہیں پہچانتا تھا اسے، مگر اس کے شگر پرنٹ سے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کون ہے۔''

''مگر ہمارے سامنے آپ اداکاری کرتے رہے کہ آپ اس کو نہیں جانتے۔''

''نوازش!''

''اور جب احمر کو شک ہوا کہ کوئی قریب کا بندہ انوالوڈ ہے تو آپ نے میرا شک حسینہ پہ ڈلوانا چاہا۔''

''بے چاری حسینہ!'' زمر نے بیچ کی آواز نکالی۔

''تو کیا اپنے اوپر ڈلواتا؟ پھر تم لوگ قانون کی سربلندی کی چلتی پھرتی مثالیں مجھے کہاں کچھ کرنے دیتے؟'' وہ خفا خفا لگ رہا تھا۔

''اور کون کون انوالوڈ تھا آپ کے ساتھ؟'' سعدی زیادہ خفا تھا۔ فارس اب کوئی فرار نہیں اختیار کر سکتا تھا۔

''ہاشم کی ملازمہ فیونا..... وہ چھوٹے موٹے کام کر دیتی تھی۔ میرا جیل کا دوست جلال الدین۔ اس کی مدد سے میں ہاشم کو کچھ کوڈز بھیجتا تھا جن کو وہ نئے کاروباری مواقع کی لالچ میں ٹویٹ کر دیتا تھا۔''

''تھا؟'' سعدی نے ابرو اٹھائی۔ پہلی دفعہ فارس کھل کر مسکرا دیا۔

''ہاں... تھا۔ کیونکہ آج اسے ایجنسی والے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اور وہ اب دوبارہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے گا۔''

''مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔'' زمر محظوظ ہوئی تھی۔ ''تم اتنے مسکرا جو رہے تھے۔ نوکری ڈھونڈنے کے بہانے۔''

''محترمہ آپ نے غور نہیں کیا شاید۔ میں نے ڈیل کی تھی۔ میں ان کو ایک دہشت گردی کا سہولت کار دوں گا اور وہ جواب میں میری ایجنسی میں میری نوکری واپس بحال کروائیں گے۔'' زمر کے چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ امڈ آئی۔

''مطلب اب تم بے روزگار نہیں رہے۔''

''جی ہاں، اب میں بے روزگار نہیں رہا۔'' وہ طنزیہ مسکرا کے بولا۔ سعدی نے اسی خفگی سے میز بجائی۔ ''اپنے مسئلے بعد میں سلجھایئے گا۔ پہلے میرے سوالوں کے جواب دیں۔''

''سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔ اور کیا رہ گیا ہے؟'' وہ اکتا گیا۔

''ماموں آپ نے ہمیں ایک بات بھی نہیں بتائی۔'' حنین فوراً چہکی۔ سعدی نے اسے خفگی سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ اس نے ناراضی سے بھائی کو دیکھا۔

''کیا بھائی۔ اگر آپ دونوں پہ ماموں نے اعتبار نہیں کیا اور مجھ پہ کیا تو پلیز جیلس نہ ہوں۔ اچھا'' اور سنجیدگی سے فارس کی طرف گھومی۔ ''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ سعدی بھائی کو نوشیرواں نے گولی ماری ہے اور یہ کہ وہ ہاشم کی قید میں ہے!''

اب وہ تینوں اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ ڈائننگ ہال پہ سناٹا طاری ہو گیا اور وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کرنے لگا تھا۔

''میں ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہوں۔'' وہ تینوں خاموشی سے اسے گھورتے رہے۔ فارس نے تھک کر گہری سانس لی۔

''وہ نیکلیس!'' اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔ ''جب سعدی غائب ہوا تو میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی۔ پولیس زمر سب اس لئے تلاشی لے رہے تھے کہ کوئی کام کی چیز مل جائے۔ میں اس لئے تلاشی لے رہا تھا کہ اور کیا کیا نہیں موجود۔ تب میں نے دیکھا کہ وہ نیکلیس غائب ہے جو اس روز ہاشم نے سعدی کی جیب میں پلانٹ کروایا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ صبح وہ ہاشم کے آفس ہی گیا ہوگا نیکلیس واپس کرنے۔ زمر اور حنین کسی حلیمہ کا نام لے رہے تھے۔ میں نے پتہ کیا اور معلوم ہوا کہ ہاشم کی سیکرٹری کا نام حلیمہ ہے۔ کچھ عرصے بعد میں نے نیئونا کو چند پیسے اوپر دے کر خرید لیا۔ اب سارا معاملہ واضح تھا کہ یہ کاردارز کا کام ہے۔'' پھر رک کر خفگی سے زمر کو دیکھا۔ ''اور آپ کب سے میری سرگرمیوں سے واقف تھیں؟''

''آخری اطلاعات تک میں آپ کی بیوی ہوں اور جس مفلر کو آپ کے کار کے ڈیش بورڈ میں چھپا کر رکھتے ہیں وہ کار میں کئی دفعہ ڈرائیو کرنے کا شرف حاصل کر چکی ہوں۔''

''استغفر اللہ۔ کسی شریف انسان کی ذاتی چیزوں کی تلاشی لینا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔''

''نہیں میں نے سوچا شاید آپ کی کسی پرانی کلاس فیلو کی کوئی باقیات مل جائیں ادھر سے۔''

''یار آپ دونوں لڑ بعد میں لینا' پہلے مجھے حساب دیں۔ مجھے اتنے مہینے اندھیرے میں کیوں رکھا آپ نے۔'' وہ جھنجھلا کر کہہ رہا تھا' مگر میز کی دوسری طرف بیٹھے زمر اور فارس ایک دوسرے کی طرف رخ موڑے شروع ہو چکے تھے۔ اس نے بے بسی سے حنین کو دیکھا جو فوراً گڑبڑا کے کھڑی ہوئی' دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ''آرٹیکل تیرہ!!'' بولا اور اندر بھاگ گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے ندرت کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ''ویسے امی یہ حسینہ نے اتنا قیمتی موبائل لیا کیسے؟'' امی نے نماز سے ابھی ابھی سلام پھیرا تھا۔ اس کو دیکھ کر کہنے لگیں۔ ''اس نے یا تو اپنا زیور بیچا ہے۔ یا اپنے ماں باپ سے پیسے لے کر لیا ہے۔ اس لئے اس سوال پہ

پھیکی پڑ جاتی ہے۔"

"لو اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیونکہ تم لوگ اپنے موبائل' ٹیبلیٹ' اور لیپ ٹاپ جب اس کے سامنے استعمال کر رہے ہوتے ہو' تو کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہوگا؟ ہم لوگوں کو احساس ہی نہیں ہوتا حنین کہ ہم قیمتی شاپنگ اور بھرے فریج سے اپنے ملازموں کو کتنے احساس کمتری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔" اور وہ سر جھٹک کر نوافل کی نیت باندھنے لگیں۔ حنین گہری سانس لے کر رہ گئی۔

.... ❖❖❖ ....

اٹھے گا انا الحق کا نعرہ

آئس کریم پارلر میں بجتی موسیقی کسٹمرز کے شور میں دب سی گئی تھی۔ ہر میز پہ رش لگا تھا۔ ایسے میں بمشکل حنین نے دو افراد کی ایک میز قابو کی' اپنا بیگ ادھر رکھا' اور پھر ساتھ کھڑی زمر کو مسکرا کے دیکھا۔ "میں ہماری جگہ رکھتی ہوں جب تک کہ آپ آئس کریم لے آئیں۔" پھر ذرا جتا کر بولی۔ "ظاہر ہے' اتنے عرصے بعد جو آپ نے میرے لیے وقت نکالا ہے تو آئسکریم بھی آپ لائیں گی۔" اور مسکرا کے اپنی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ وہ بالوں کو فرنچ چوٹی میں باندھے ہوئے تھی اور ماتھے پہ گرتے بال تازہ کٹے لگ رہے تھے۔

"شیور۔" زمر جو سامنے سینے پہ بازو لپیٹے اور بالوں پہ پن لگا' سر لگائے کھڑی تھی' مسکرا کے کندھے اچکا کے بولی۔ "تمہارے لیے کون سا فلیور لاؤں؟" آج واقعی عرصے بعد وہ دونوں سارے جھمیلوں سے آزاد ہو کر فرصت سے مل بیٹھی تھیں۔

"جو اپنے لیے لیں' اس کے بالکل الٹ۔" وہ ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرائے بیٹھی مزے سے بولی تھی۔ زمر سر ہلا کے آگے بڑھ گئی۔ پھر جب واپس آئی تو ہاتھ میں دو کپس تھے۔

"دیکھ لو۔ اندر سے دونوں آئس کریمز ایک جیسی ہیں' مگر اوپر سے ایک دوسرے کے بالکل الٹ ہیں۔" حنہ ہنس دی اور کندھے اچکا کر اپنا کپ قریب کھسکا لیا۔ وہ بھی اب سامنے بیٹھ چکی تھی۔ ارد گرد شور اور رش ویسا ہی موجود تھا' مگر وہ دونوں چونکہ فراغت سے ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھیں تو دھیرے دھیرے اطراف سے دھیان ہٹتا گیا یہاں تک کہ ان کو لگا وہ تنہا بیٹھی ہیں۔

"سوزمر یوسف.... کیسا جا رہا ہے آپ کا نیا گھر؟" حنین چمچ سے پھل کے ٹکڑوں کو آئس کریم میں مکس کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"مجھے لگتا تھا سعدی کا کیس ختم ہوگا تو مجھے بہت وقت مل جائے گا' میں فارغ ہوں گی مگر ورکنگ ویمن کے لیے فراغت ایک خیالی پلاؤ ہے۔ یا شاید مصروفیت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ تم سناؤ۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ اور ہاں' میں ہوم ڈیکور اور ہوم امپرومنٹ پہ ایک کتاب لکھ رہی ہوں۔ کیا میں نے آپ کو بتایا؟"

"غالباً تم مجھے پچھلے دو ہفتوں میں دو سو دفعہ بتا ہی چکی ہو۔"

حنہ نے برا منہ بنا کر اسے دیکھا۔ "روز تو ملتے ہیں ہم اب' سمجھ ہی نہیں آتا کہ 'اور سناؤ' کا جواب کیا دے انسان۔"

"تمہیں یاد ہے حنین.... میں اور تم.... انیکسی کے تہہ خانے میں زمین پہ بیٹھ کر.... رات کے اندھیرے میں.... ایک دوسرے سے سچ بولا کرتے تھے؟" زمر آئس کریم کھاتے ہوئے مسکرا کے یاد کر رہی تھی۔ حنہ کی آنکھیں چمکیں۔

"چلیں آج پھر ایک دوسرے سے سچ بولتے ہیں۔ پہلے آپ کی باری۔"

"ہوں!" وہ منہ میں کریم سے بھرا چمچ رکھ کر نگاہیں اوپر کیے سوچنے لگی۔ پھر حنہ کو دیکھا اور مسکرائی۔ "جب تم چھوٹی تھیں تو میں اکثر

تمہارے گھر میں چابیاں بھول جاتی تھی۔ جان کر۔"

"اور مجھے کئی سال بعد مگر سمجھ آ گئی تھی کہ آپ وہ جان کر بھولتی ہیں' اور میں کھڑکی سے آپ کو دیکھا کرتی تھی۔" حنہ خفیف سا ہنس دی۔ "مجھے یقین تھا کہ آپ پلٹ آنے والوں میں سے ہیں۔"

"اور تم بھی!" چند لمحے کے لئے دونوں کے درمیان آزردہ سی خاموشی چھا گئی۔ پھر حنہ نے اداسی دور کرنے کو مسکرا کے سر جھٹکا۔ "اب سب ٹھیک ہے۔ اب ہم نے اداس نہیں ہونا۔ چلیں... اب پھر سے آپ کی باری۔"

"مجھے تو اور کچھ یاد نہیں آ رہا۔" زمر نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

"اچھا ایک بات بتائیں۔" وہ درمیان میں چمچ کو لبوں کے اندر رکھے کورکی اسے منہ میں گھوا کر پھر بولی۔ "آبدار کے بعد... کیا آپ پرسکون ہیں؟ میرا مطلب ہے' آپ کو فارس ماموں کی طرف سے بھلے آپ کو چڑانے اور جلانے کے لئے ہی سہی' دوسری عورت والا دھڑکا تو نہیں لگا رہتا۔"

"ہرگز نہیں۔" زمر نے فخر سے گردن اکڑائی۔ "مجھے یقین ہے کہ آئندہ وہ مجھے تنگ کرنے کے لئے بھی کسی دوسری عورت کا نام نہیں لے گا۔"

چند ثانیے دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ پھر حنہ نے زبان کھولی۔ "یہ سچ نہیں تھا۔"

"بالکل۔ یہ سچ نہیں تھا۔" زمر نے گہری سانس لی اور وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"ویسے تم خوش ہو؟ میرے اور فارس کے جانے سے؟"

"اوں..." حنہ نے ابرو اچکا کے بے نیازی سے ادھر ادھر دیکھا۔ "میں اب کافی میچور ہو گئی ہوں۔ آپ سعدی بھائی کو زیادہ توجہ دیں یا فارس ماموں کو' میں اب بالکل بھی جیلس نہیں ہوتی۔"

"اوکے' مگر یہ جھوٹ تھا۔"

"آف کورس یہ جھوٹ تھا۔" حنہ جھرجھری سی لے کر اپنے کپ پہ جھک گئی اور جلدی جلدی کھانے لگ گئی۔

"سنو حنہ... ہمیں یہ سب..." آئس کریم کے کپس کی طرف اشارہ کیا۔ "زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے' تاکہ ہم ایک دوسرے سے سچ بولنا سیکھ لیں۔"

"کیا یہ سچ تھا؟" حنہ نے اس کو دیکھ کر پلکیں جھپکائیں تو وہ ہنس پڑی اور اپنے کپ میں چمچ گھمانے لگی... موسیقی اب بھی انسانوں کے شور اور قہقہوں نے اندر دبی ہوئی تھی... اور آئس کریم پارلر میں رش بڑھتا ہی جا رہا تھا.....

.............❖❖❖.............

جو میں بھی ہوں' اور تم بھی ہو

فوڈی ایورآفٹر میں اس وقت پیرزادہ جوانوں کا ایک ہجوم جمع تھا۔ چند میزوں پہ ایک طرف انہوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور وہ پرجوش انداز میں ایک دوسرے سے باتوں میں مگن تھے۔ بار بار گھڑیاں بھی دیکھتے' موبائل بھی چیک کرتے۔ جیسے انتظار میں تھے۔

بالائی منزل کے ہال میں سارا سامان سمیٹا جا چکا تھا' بس ایک میز پہ کچھ باکس رکھے تھے جن میں سے فارس کھڑا جھک کر کچھ کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ سفید ڈریس شرٹ اور سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا' بال اب بھی پہلے کی طرح چھوٹے تھے' مگر چہرے سے ساری کلفت' بے زاری اور اکتاہٹ دور ہو چکی تھی۔ اس پہ ہمہ وقت ٹھنڈے اور خوشگوار تاثرات رہا کرتے تھے۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا اور سعدی اندر داخل ہوا۔ وہ نہیں ہلا' اپنا کام کرتا رہا۔ سعدی اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا اور برہمی سے اسے گھورا۔ ''ان لوگوں کو کس نے بلایا ہے؟''

''ہر غلط کام میں میرا ہاتھ نہیں ہوتا سعدی یوسف۔'' وہ مصروف انداز میں چند کاغذ ایک فائل میں لگا رہا تھا۔

''یہ مختلف شہروں سے آئے سیو سعدی یوسف جیج کے ایکٹو ممبرز ہیں ماموں۔ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ میں شرمندہ تھا۔''

''میں نے نہیں بلایا یار ان کو۔ تمہاری امی کا ہاتھ ہوگا اس میں۔ میں اپنے کام سے آیا ہوں ادھر۔'' وہ سادگی سے اسے دیکھ کر بولا تو سعدی نے خفگی سے سر جھٹکا۔

''اب میں ان سے جا کر کیا بات کروں؟ کیسے ان کو تسلی دوں کہ اس ملک میں قاتل بچ جاتے ہیں مگر پھر بھی اس کا مستقبل روشن ہے؟''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ مجھے الزام نہ دینا۔''

''ٹھیک ہے' میں مانتا ہوں کہ ہم وہ ثبوت استعمال کر لیتے تب بھی نوشیرواں نہ پکڑا جاتا' لیکن .... ہاشم ہم اس کو سزا دلوا سکتے تھے ....عدالت کے ذریعے.... تاکہ ایک مثال قائم ہوتی۔ یوں بیک ڈور سے کسی ایجنسی کے ذریعے نہیں۔''

''واٹ ایور۔'' وہ اپنے بیگ میں چند فائلز ڈال کے سیدھا ہوا' بیگ اٹھایا اور اسی سادگی سے اسے دیکھا۔ ''اب وہ تمہارے مہمان ہیں۔ تم ان کے پاس جا کر ایک اچھی سی تقریر کر دو۔ مجھے کام ہے۔ میں جا رہا ہوں۔'' اس کے کندھے کو دبایا' اور آگے بڑھ گیا۔

سعدی یوسف جس وقت ریسٹورانٹ کے لاؤنج میں داخل ہوا' سب اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سیاہ شرٹ نیلی جینز کے اوپر پہنے ہوئے تھا' اور سنجیدہ مگر متذبذب نظر آ رہا تھا۔ کسی نے سیٹی بجائی' کسی نے کلک کلک کر کے تصاویر اتار دیں۔ وہ جبراً مسکرا کے سب کو ہاتھ ہلاتا ایک مرکزی میز تک آیا' اور کرسی کھینچی۔ سب اس کے ساتھ ہی بیٹھے۔ خاموشی سی چھا گئی۔ سعدی کی نظریں جھکیں اور گلاس پہ جمی تھیں۔ وہ اس سے تسلی لینے آئے تھے' اس سے جواب مانگنے آئے تھے' انہیں کن الفاظ میں اچھی امید تھمائے؟

''آپ لوگوں کا شکریہ کہ آپ یہاں آئے۔'' کھنکھار کے اس نے کہنا شروع کیا۔ نظریں اب بھی جھکی تھیں۔ وہ کتنا اچھا مقرر تھا' بہترین بولتا تھا' مگر آج سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ وہ کیسے لوگوں کو بتائے گا کہ حق کے لئے اتنے مہینے لڑنے کا کوئی فائدہ تھا اگر وہ خود اس سوال کا جواب نہیں جانتا تھا۔ وہ کیسے اپنی اتنے مہینوں کی خواری کو جسٹی فائی کر پائے گا۔

''میں... دراصل مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں آپ سے کیا کہوں۔'' اس نے بدقت نظریں اٹھائیں۔ میزیں باہم جوڑ کر وہ لوگ ان کے گرد بیٹھے اس پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔ سعدی یوسف کو گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

''ہم نے کئی مہینے کورٹ میں لڑائی لڑی مگر آخر میں....''

''میں ایک سکول ٹیچر ہوں' سر!'' دائیں قطار میں بیٹھی اسکارف والی لڑکی ایک دم بولنے لگی۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔ سب اس کو دیکھنے لگے۔ وہ سانولی سی تھی اور اس کی آنکھیں بہت سنجیدہ تھیں۔ ''اور میں بغیر کسی شرمندگی کے آپ لوگوں کو بتا سکتی ہوں کہ میرے اسکول کا ایک کلرک پچھلے پانچ سال سے مجھ سمیت کئی ٹیچرز کو اپنی پرائیوٹ پراپرٹی سمجھتا تھا۔ اس کا جب دل چاہتا وہ کسی کو بھی ہراس کر سکتا تھا' مگر اسے کوئی روکنے والا نہیں تھا۔'' شدت جذبات سے بولتے اس کو چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ ''لیکن جس دن میں نے آپ کو دیکھا... وہ انٹرویو دیتے ہوئے... وہ قانونی جنگ لڑتے ہوئے... روز عدالت میں سر بہادری سے اٹھا کر چل کے جاتے ہوئے... تب میں نے جانا تھا کہ اپنے حق کے لئے اور ظلم کے خلاف کیسے لڑا جاتا ہے۔ اس دن سر' میں اٹھ کھڑی ہوئی' میں نے ٹیچرز کو اکٹھا کیا' اور ہم نے اس کلرک کو دن کی روشنی میں سب

کے سامنے بے عزت کیا' اس کی شکایت کی' اس کو....''

''یونو.... مجھے یونیورسٹی میں دولڑکے bully کرتے تھے۔'' اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ایک دوسرا لڑکا بول اٹھا۔ ''اور میں اتنے مہینے سے ان کا errards boy بنا ہوا تھا۔ میں ان کے کام کرتا' ذاتی بھی اور نصابی بھی.... میں ان سے ڈرتا تھا.... میں ان سے ہراساں ہوتا تھا مگر جب آپ نوشیرواں کار دار کے خلاف کھڑے ہوئے تھے نا سعدی بھائی' تب میں نے بھی اپنے خوف کا بت توڑا' میں نے انگلی اٹھا کر ان کو بھرے مجمعے میں کہا کہ آج کے بعد وہ مجھ پہ حکم چلا کر تو دیکھیں' میں انہیں کورٹ میں گھسیٹوں گا' میں ان کو....'' مگر ساتھ ہی ایک دوسرے نوجوان نے تیز تیز بولنا شروع کر دیا تھا۔

''میرے دوست کی بہن کو اس کا کالج ٹیچر بلیک میل کر رہا تھا' اور یقین کریں سعدی' اگر آپ کو میں نے وہ انٹرویو دیتے نہ دیکھا ہوتا.... اگر آپ کی بہن کی گواہی نہ سنی ہوتی' تو میں کبھی اپنے دوست کو نہ سمجھا سکتا کہ اسے بلیک میل کا کیسے بہادری سے مقابلہ کرنا ہے' اسے کیسے اپنی عزت کی حفاظت....''

''میرے والد انکم ٹیکس میں کام کرتے ہیں' ان کا باس ان کو ہر وقت....''

''میں جب ہاسٹل میں تھی تو جانتے ہیں میری وارڈن نے کیا کیا؟''

''میں نے جب آپ کو ان امیر بدمعاشوں کے سامنے کھڑے ہوتے دیکھا تھا نا سعدی بھائی' تب میرے اندر ہمت آئی اور....''

وہ دم بخود بیٹھا تھا.... کبھی ٹکر ٹکر ایک ایک کی شکل دیکھتا' کبھی دوسرے کی طرف رخ پھیرتا.... وہ کچھ بول نہیں پا رہا تھا.... وہ ان کو ٹوک بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ اس سے تسلی سننے نہیں آئے تھے.... وہ اس کو سنانے آئے تھے.... داستانیں.... کہانیاں.... ہمت اور بہادری سے لڑی جانے والی جنگیں.... اور وہ یک ٹک سن رہا تھا.... پلک جھپکے بغیر.... وہ ایک ایک کا چہرہ تک رہا تھا.... وہ صرف ان کی بہادری کی جدوجہد کی کہانی سن پاتا' مگر پھر دوسرا بول اٹھتا اور وہ جان ہی نہ پاتا کہ اس کلرک کو کیا سزا ملی' ہراساں کرنے والے دوستوں کا کیا بنا' بلیک میلر کالج ٹیچر کو نکالا گیا یا نہیں' انکم ٹیکس والے باس اور ہاسٹل کی وارڈن کی نوکری گئی یا نہیں.... اور اس سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا.... نہ انہیں اس بات سے فرق پڑتا تھا کہ نوشیرواں بچ گیا اور بھاگ گیا۔ وہاں سب کے لیے صرف جدوجہد اہم تھی.... اپنے خوف کے بت توڑ دینا.... آزاد ہو جانا.... وہاں صرف مقتل میں اترنے کی دھج کا ذکر تھا' اس شان کا ذکر تھا.... وہ شان جو ایک کی ہوتی ہے مگر کئی ہزاروں کو ہمت دے جاتی ہے.... سب کو کچھ سکھا جاتی ہے.... وہ اس سے تسلی لینے نہیں آئے تھے.... وہ اس کو تسلی دینے بھی نہیں آئے تھے.... وہ تو اپنی داستانیں سنانے آئے تھے.... اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولا پھنس رہا تھا.... وہ اسی طرح رونا چاہتا تھا جیسے فیصلے کے دن رویا تھا.... مگر آج وجہ وہ نہیں تھی۔ آج وجہ یہ تھی کہ اسے اب معلوم ہوا تھا کہ فیصلے کی گھڑیاں شاید تب بجی نہیں تھیں.... فیصلہ تو اب ہوا تھا.... وہ ہارا نہیں تھا.... وہ جیت گیا تھا.... اور جو جیتا تھا' وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو اس نے ہارا تھا.... اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ریسٹورانٹ کی شیشے کی دیوار کو دیکھا۔ جہاں پارکنگ میں فارس اپنی کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔ اور اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سعدی کو دیکھتے پا کر وہ مسکرایا' ایک آنکھ دبائی اور پھر اندر بیٹھ گیا۔

بہت سے آنسو اندر ہی اتار کے سعدی یوسف بڑبڑایا تھا۔ ''دو نمبر آدمی!''

❖❖❖

چھے ماہ بعد

دسمبر 2016

پورا چاند آسمان پہ یوں جگمگا رہا تھا جیسے چاندی تھال ہو۔ وہ آج اتنا بڑا' اتنا قریب نظر آ رہا تھا کہ لگتا' ابھی پگھلی ہوئی چاندی زمین پہ انڈیلنے لگے گا۔ اس کے گرد سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے۔ ہلکے' ہر بوجھ سے آزاد بادل.....

نیچے دیکھو تو ہوٹل کے سبزہ زار میں' نیلے سوئمنگ پول کے پانی میں چاند کا عکس تیر رہا تھا۔ ہچکولے کھا رہا تھا۔ پول کے ایک طرف دو آرام کرسیاں بچھی تھیں اور وہ دونوں ساتھ ساتھ ان پہ بیٹھے تھے۔ سردی اپنے جوبن پہ تھی اور اسی مناسبت سے فارس نے بھوری جیکٹ پہن رکھی تھی اور گردن اٹھائے چاند کو دیکھ رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی زمر سفید جیکٹ پہنے ہوئے تھی اور اس کا چہرہ بھی اوپر کی طرف اٹھا تھا۔

''تمہیں پورے چاند کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے' فارس غازی؟'' وہ اس سحور کن لمحے کے زیر اثر چاندنی کے تھال کو تکتے بولی تھی۔ وہ اس کے منہ سے کچھ خوبصورت سننا چاہتی تھی۔

''یہی کہ اگر نیل آرم اسٹرانگ نہ مرتا تو کم از کم ہمیں یہ تو بتا دیتا کہ انسان چاند پہ گیا بھی تھا یا وہ صرف ایک امریکی ڈرامہ تھا؟'' سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ زمر کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ خفگی سے نظریں موڑ کے فارس کو دیکھا۔ وہ مطمئن' ہشاش بشاش سا نظر آتا' سر پیچھے ٹکائے اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے' تم نے کتنے عرصے سے مجھے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں کتنی اچھی لگتی ہوں اور.....''

''کس نے کہا تم مجھے اچھی لگتی ہو؟'' (اونچی بڑبڑاہٹ)

''.....اور نہ ہی میری تعریف کی ہے۔''

''کس چیز کی تعریف کروں؟ ان بالوں کی جو تم ڈائی کرتی ہو' یا اس چہرے کی جس پہ ہر وقت غصہ دھرا رہتا ہے؟''

''ارے واہ۔ ایک زمانے میں تو سات سال تک قید میں ڈالنے کی باتیں کرتے تھے اور اب دیکھو..... کتنے عرصے بعد تمہیں ڈنر کروانے کا وقت ملا ہے۔'' وہ خفگی سے بولی تھی۔

''وہ بھی اس لیے تمہیں لایا ہوں کیونکہ تم نے کہا تھا کہ بل تم دو گی۔'' وہ چڑانے والے انداز میں مسکرایا تھا۔ (وہ باہر اس لیے بیٹھے تھے کیونکہ ابھی ڈائننگ ایریا میں کوئی میز خالی نہ تھی۔)

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ ویسے بھی میرے سارے پیسے تم نے رکھ لیے تھے۔''

''بی بی.. ایک منٹ...'' وہ حیران سا سیدھا ہوا۔ ''میں آپ کو ساری رقم واپس کر چکا ہوں چھے ماہ پہلے ہی۔''

''کوئی ثبوت؟'' اس نے سنجیدگی سے ابرو اٹھائی۔ فارس نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''تم جج بننے کے لیے امتحان کیوں نہیں دے دیتیں۔ بہت اچھی جج بنو گی تم۔'' اور وہ بے اختیار ہنس دی۔ پھر دوبارہ سے گردن اٹھا کے چاند کو دیکھنے لگی۔

''میں خوش ہوں فارس!''

''میں بھی خوش ہوں۔''

''تم کیوں خوش ہو؟''

''کیونکہ میرے آفس میں دو بہت خوبصورت لڑکیاں کام کرتی ہیں اور.....''

''فارس غازی!'' اس نے زور سے پیر زمین پہ پٹخا تو وہ مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھا کر جلدی سے بولا۔ ''میں.....میں اس لیے خوش ہوں کیونکہ میری زندگی اب stable ہوگئی ہے۔ میرے پاس ایک بہت اچھی.....دل کی اچھی بیوی ہے۔ میرا خاندان مجھ سے خوش ہے.....عزیزوں رشتے داروں میں مجھے اب کوئی قاتل یا مجرم نہیں سمجھتا۔ ہاشم اور اس کا خاندان ہماری زندگیوں سے جا چکا ہے.....میرے بھانجے اپنی زندگیوں میں صحت مند شہری بن کے بالآخر سیٹل ہو چکے ہیں۔ میرے پاس ایک اچھی گاڑی ہے جاب ہے گھر ہے اور میرے آفس میں دو بہت خوبصورت لڑکیاں کام کرتی ہیں۔''

اور اس دفعہ آخر میں وہ دونوں ہنسے تھے۔

''آئی ریکلی ہیٹ یو فارس!''

''لو یو ٹو!'' وہ مسکرا کے بولا تھا۔ وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ سفید جیکٹ سے ڈھکے کندھوں پہ گرتے گھنگریالے بھورے بال اور بھوری آنکھوں کی مسکراتی چمک.....وہ واقعی خوش تھی.....اور وہ بھی تھا.....

دھماکے کی آواز آئی تو وہ چونکا۔ وہ بھی چونکی۔ لمحے بھر کو دل گھبرایا' مگر پھر دیکھا.....ساتھ سے گزرتی ایک لڑکی سیل فون پہ کوئی فلم دیکھ رہی تھی۔ یا کسی فلم کا ٹریلر۔ زمر نے اس کا پہلے لمحے بھر کو ششدر رہ جانے والا چہرہ دیکھا' اور پھر اسے ریلیکس ہوتے دیکھا تو نرمی سے بولی۔ ''فارس۔ اب سب ٹھیک ہے۔ کوئی سازش نہیں.....کوئی قتل و غارت اب ہماری زندگیوں میں نہیں ہوگی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔ پھر جھرجھری سی لی۔ ''بس کبھی کبھی.....ایک خیال سا ذہن سے گزرتا ہے.....جیسے دور کہیں.....کوئی کارداہے جو میری گھات میں بیٹھا ہے۔''

''یہ صرف تمہارا وہم ہے۔ میں جانتی ہوں ہم سے بھی غلط کام ہوئے ہیں مگر ہم سروائیول کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اصول یہ ہے کہ اگر بدلہ لو تو اتنا لو جتنا ظلم کیے گئے تھے اور اگر اس کے بعد کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو پھر اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ سو تم.....'' ہاتھ بڑھا کے اس کے گھٹنے پہ رکھا۔ ''ریلیکس ہو جاؤ اور اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ اللہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔''

''میں اب اتھیئسٹ نہیں رہا۔ میرا ایمان اور یقین اب واپس آ چکا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''اب میں پرسکون رہنے کی کوشش کروں گا۔''

''اور جب تک زندہ ہو یہ یاد رکھنا کہ ہم سب ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑے ہیں اور میں جب تک زندہ ہوں یہ یاد رکھوں گی کہ تم میرے سب سے اچھے دوست ہو۔''

وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''آج بہت عرصے بعد تم چڑیل نہیں لگیں۔''

''او کے اب ذرا ہم ڈزبال کی طرف جاتے ہیں.....اور راستے میں تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ میرا یہ نام کس نے رکھا تھا.....'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''احمر نے۔'' وہ بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔

''اور تم نے اسے ایک دفعہ بھی ٹوکا؟''

''بالکل نہیں۔ میں نے تو اسے شاباش دی تھی.....''

''اور تھوڑی سی شرم آئی تمہیں شاباش دیتے ہوئے۔''

''دیکھو میں ایک شریف آدمی ہوں اور.....'' وہ دونوں ماؤ کال کی اس سرد رات میں قدم اٹھاتے چلتے جا رہے تھے.....دور ہوتے جا رہے تھے.....اور ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھیں.....دور سے یہی دکھائی دیتا تھا کہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا غازی اس کی طرف

جھک کر مسلسل کچھ کہہ بھی رہا تھا اور وہ نفی میں افسوس سے سر ہلائے جا رہی تھی... مسلسل لرز رہی تھی... چاندی کے تھال سے چاندی اب بہہ بہہ کر ساری دنیا پہ گرنے لگی تھی... سب کچھ چمکنے لگا تھا...

.... ❖ ❖ ❖ ....

اور راج کرے گی خلق خدا ..... جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو

اور چند میل کے فاصلے پہ بنی عمارت کے وسیع آڈیٹوریم میں کرسیاں اوپر سے نیچے تک بھری تھیں۔ پہلی قطار سے ایک طرف کیمروں اور فلیش لائٹس کی چکا چوند روسٹرم پہ کھڑے سعدی کی آنکھیں چندھیائے دے رہی تھی مگر وہ اب ان کا عادی تھا۔ سیاہ تھری پیس سوٹ ٹائی کف لنکس پہنے بالوں کو جیل لگا کر پیچھے کیے وہ ڈائس پہ ہاتھ رکھے کھڑا مائیک پہ چہرہ جھکائے آنکھیں لوگوں پہ مرکوز کیے کہہ رہا تھا۔

"میرا نام سعدی یوسف خان ہے۔ لوگ مجھے پیار سے سعدی کہہ کر بلاتے ہیں، اور غصے سے بھی یہی کہتے ہیں۔"

ہال میں کھلکھلاہٹ سی گونجی تھی۔ وہ مسکراہٹ بھرے پرسکون چہرے کے ساتھ کہنے لگا۔

"چھ ماہ پہلے جب میں کیس ہارا تھا تو مجھے لگا تھا میں ہار گیا ہوں۔ ختم ہو گیا ہوں۔ مجھے لگا تھا اب اس ملک کا کچھ نہیں ہو سکے گا۔ جب اتنا بڑا مجرم جس کے خلاف عینی شاہد ہوں جب جج اس کو بری کر دیں یا پولیس دباؤ ڈال کر مقتول کے وارثوں سے ملزم کو معافی دلوا دے تو انسان سوچتا ہے اس ملک کا کیا بنے گا۔ جب ججوں کی بحالی اور عدلیہ کی آزادی کی تحریک چلانے والے ججوں کو متکبر اور وکلا کو متشدد بنے دیکھیں تو سوچتے ہیں کہ ہماری ریاضت رائیگاں گئی مگر مجھے کچھ عرصہ لگا یہ سمجھنے میں کہ ایسا نہیں ہوا...." اس کی آواز سارے ہال میں گونج رہی تھی.... اور لگتا تھا اوکامل کی اس برف رات میں وہ آواز دنیا کے ایک ایک کونے تک جا رہی تھی....

(میں سعدی یوسف آپ سب لوگوں کے سامنے بآنگ دہل یہ بات کہتا ہوں کہ جب کوئی پاکستانی شہری کسی قاتل امیر آدمی یا کسی کرپٹ سیاستدان کے خلاف عدالت میں کیس لے کر جاتا ہے.... تو اگر مصلحت کے مارے جج فیصلہ دیتے وقت مجرم کو فائدہ دے بھی جائیں... ہاں تب بھی مدعی نہیں ہارتا.... انصاف کے لیے لڑنے والا نہیں ہارتا.... وہ تو اسی دن جیت گیا تھا جب اس نے ہمت اور بہادری دکھاتے ہوئے امیر قاتلوں اور ڈاکوؤں کو عدالت میں گھسیٹا تھا.... جب ایسے مصلحت میں لپٹے فیصلے آتے ہیں تو جج ہارتے ہیں.... قانون ہارتا ہے.... ملک کے انصاف کے ادارے ہارتے ہیں.... مدعی نہیں ہارتا.... ایسے فیصلے ہونے سے انصاف کے مدعی کا کچھ نہیں جاتا.... وہ تو جیتا ہوا تھا.... ایکسپوز تو جج ہوتے ہیں.... ہماری ناکام، کمزور اور کرپٹ عدلیہ اپنے آپ کو ایسے فیصلے کر کے خود بے عزت کر دیتی ہے.... یاد رکھیے گا.... انصاف کے لیے لڑنے والا کبھی نہیں ہارتا....)

اس تنگ و تاریک کوٹھڑی کے دروازے میں ایک چھوٹا سا چوکھٹا بنا تھا۔ جس میں شیشہ لگا تھا۔ ہاشم اس دروازے کے ساتھ کمر لگائے بیٹھا تھا۔ قیدیوں کا لباس پہنے اس کی شیو بڑھی تھی اور وہ گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازہ کھلا اور ایک سیاہ وردی والا سپاہی نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

"میری بات سنو۔" ہاشم بے بسی اور غصے بھری دبی آواز میں بولا تھا۔ "تم میری بات پہ غور کر کے تو دیکھو۔ میرے پاس اب بھی بہت سے خفیہ بینک اکاؤنٹس ہیں، جن کا نہ میرے گھر والوں کو علم ہے نہ ان سکیورٹی انچارج والوں کو۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں تمہیں بہت امیر کر سکتا ہوں۔"

گارڈ نے ٹرے اندر رکھی اور ایک غصیلی خاموش نظر اس پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔ دروازے کے آہنی تالے چڑھنے کی آواز آئی تو ہاشم نے زور سے دیوار پہ مکا دے مارا۔

"میرے اعصاب بہت مضبوط ہیں، یہ جیل میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نکلوں گا اس سے ایک دن۔ پھر میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔"

اور تابڑ توڑ مکے دروازے پہ مارنے لگا یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔ "مجھے نہیں معلوم اس وقت میں کس ملک میں ہوں لیکن تم لوگ پچھتاؤ گے۔ مجھے میری بیٹی کو نہیں ڈھونڈنے دیا تم نے... تم سب پچھتاؤ گے۔"

(اور چونکہ مجھے آج اس سیمینار میں آپ سے بات کرنے کا موقع ملا ہے تو میں آپ کو سورۃ النمل کی چند آیات سنانا چاہوں گا۔ قرآن کی آیات کے معانی ہر دفعہ نئے سرے سے ہم پہ کھلتے ہیں۔ سورۃ النمل کی آخری آیات بھی مجھے یوں لگتا ہے آج مجھے پہلی دفعہ سمجھ آئی ہیں۔)

قصر کاردار رات کے اس پہر اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اب اس کی بتیاں رات گئے تک جلا نہیں کرتی تھیں۔ بس بجھی رہتی تھیں۔ تاریک بالکونی میز پہ چیکس بکس، آفس ڈاکومنٹس اور عینک رکھی تھی اور ریلنگ کے ساتھ ایک ہیولا سا کھڑا نظر آتا تھا... سلور رنگ کا چغہ پہنے، بدسر پہ گرائے وہ جلتے ہوئے ہاتھ ریلنگ پہ جمائے دور کہیں پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی... اور اتیسی اس کو دیکھ کر زخمی سا مسکرا رہی تھی۔

("میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور جب ان پر وعدہ پورا ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔" وہ سانس لینے کو رکا اور ایک نظر خاموش ہال کو دیکھا۔ "النمل کی آخری آیات میں ایک زمین کے جانور کا ذکر ہے جو قرب قیامت زمین سے نکلے گا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ ویسے تو یہ ایک قیامت کی نشانی ہے مگر یہ اس سورۃ کے اختتام میں آئی ہے جو چیونٹیوں کی سورۃ ہے... جس کے ہر واقعے میں ایک ایک چیونٹی اکیلی سارے عالم سے ٹکراتی ہے ان کو اصلاح کی طرف پکارتی ہے ان کا ہاتھ ظلم سے روکتی نظر آتی ہے... مگر ہر کوئی اسے نہیں سنتا... ہم چیونٹیوں جیسے لوگوں کی جب متکبر لوگ بات نہیں سنتے تو آخر میں زمین پھٹتی ہے اور بڑے بڑے جانور نکل کر... انہی جیسے خوفناک جانور نکل کے انہیں عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں... جب چیونٹیوں کو قدموں تلے پیسا جاتا ہے تو وہ کائیں یا نہ کائیں زمین کے اندر چھپے جانوروں کو باہر نکال لاتی ہیں وہ....")

کانفرنس روم میں متعدد غیر ملکی مہمان بیٹھے تھے اور ان کے میزبان بھی مسکراتے ہوئے سامنے موجود نظر آ رہے تھے۔ ادھر ادھر مختلف یادداشتوں پہ دستخط ہو رہے تھے اور ڈاکٹر سارہ مسکرا کے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ قریب بیٹھی لڑکی نے جھک کر سرگوشی کی۔ "تھر کول بالآخر ایک حقیقت بننے جا رہا ہے۔ کیا سعدی اب بھی واپس نہیں آئے گا؟"

سارہ نے اس کے کان کے قریب آہستہ سے کہا۔ "وہ پرائیویٹ سیکٹر میں چلا گیا ہے۔ اب جب راستہ کھل گیا ہے تو وہ آنے پہ راضی نہیں۔ کہتا ہے وہ سرکاری عہدہ لے کر مصلحتوں کا شکار ہو کر نہیں کام کر سکتا۔ وہ زیادہ daring کام کرنا چاہتا ہے۔"

(اور آگے اللہ فرماتا ہے..." اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی ہوگی یہاں تک کہ جب سب حاضر ہوں گے کہے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم انہیں سمجھے بھی نہ تھے یا کیا کرتے رہے ہو۔ اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہو جائے گا پھر وہ بول بھی نہ سکیں گے۔" یہ آیات ہر مظلوم کے دل کو ٹھنڈک دیتی ہیں۔ ان کو پڑھ کے ان کو سمجھ کے میں نے یہ جانا ہے کہ آج عدالتوں میں ٹی وی پہ چور اہوں اور چوک میں یہ ظالم، بارسوخ کرپٹ لوگ کتنا مرضی جھوٹ بول لیں، ابھی قیامت نہیں آئی۔ اور جب آئے گی تو وہ بول بھی نہیں سکیں گے۔ اس دن ان کی کوئی صفائی، کوئی توجیہہ نہیں سنی جائے گی۔ ہاں کبھی تو ان ظالموں کی بھی زبان بندی ہوگی۔ اس لئے ان کی زبانوں سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔)

سفید دیواروں والے کمرے میں خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں... گھومنے والی کرسی پہ سفید کوٹ پہنے بیٹھی ڈاکٹر پیڈ پہ قلم سے چند الفاظ گھسیٹ رہی تھی۔ اور سامنے بیٹھا آنکھوں تلے حلقے لئے نوشیرواں پژمردگی اور اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا اب میں یہ دوا چھوڑ نہیں سکتا؟ کیا ان دواؤں کے بغیر مجھے کہیں سکون نہیں ملے گا؟"

"آئی ایم سوری، لیکن آپ کی ذہنی حالت کے لئے یہ بہت ضروری ہیں۔" وہ صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی

تھی...شیرو نے اذیت سے آنکھیں موند لیں۔دوائیاں....نیند کی...ڈپریشن کی...سکون کی...قابیل کی مہر ماتھے پہ دکھنے لگی تھی...

(''کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات بنائی تاکہ اس میں چین حاصل کریں اور دیکھنے کو دن بنایا البتہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب ہی گھبرا ئیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔'' یہ آیات سن کر میرے دوستو...کیا ہم صرف اپنے دشمنوں کی عاقبت کا سوچتے ہیں یا اپنا بھی سوچتے ہیں؟ کیا ہم اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ رہنے والے کام کرتے ہیں؟)

ہارون عبید ایک ٹاک شو کے سیٹ پہ بیٹھے مسکرا مسکرا کے مقابل موجود مہمانوں سے بحث کر رہے تھے....ان کے انداز میں بے نیازی تھی...آگے بڑھنے کی لگن...عنقریب پالینے والی فتح کی چاہ....اور وہ کہہ رہے تھے۔''ہم نے اس ملک میں جمہوریت کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ہماری منزل قریب ہے...آپ دیکھئے گا کہ ہم کیسے...''

(''اور تو جو پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھ رہا ہے یہ تو بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اس اللہ کی کاریگری سے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے اسے خبر ہے جو تم کرتے ہو۔'' درست فرمایا اللہ نے۔چاہے وہ ظالم لوگ ہوں یا ظالم حالات یوں لگتا ہے وہ پہاڑ جیسے ہیں۔جمے ہوئے۔کبھی ہماری زندگیوں سے ہمارے راستوں سے نہیں ہٹیں گے...مگر ایسا نہیں ہے۔میں نے ان ظالم لوگوں اور ظالم حالات کو روئی کے گالوں کی طرح دھنکے جاتے دیکھا ہے....باقی رہ جانے والا صرف اللہ ہے....باقی سب کو زوال آتا ہے....خود ہمیں بھی....)

صاحبزادی صاحبہ اپنے لاکر کو کھولے کھڑی تھی۔اس میں بڑا ایک بڑا ڈبہ کھلا ہوا تھا....اور اس کی سیاہ مخمل پہ جگمگاتے ہیرے پڑے نظر آرہے تھے۔آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے زیورات...ان کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی...وہ جب سے زندگی میں آئے تھے وہ بے رحم فیصلے کرنے لگی تھی مگر اب پروا نہیں رہی تھی....وہ زیورات...ان کی چمک.....

(''جو نیکی لائے گا سو اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں اس آیت میں یہ بتاتا ہے کہ ہمیں سکون' انعام' جنت' یہ چیزیں اپنی نیکیوں کے ''بدلے'' کے طور پہ نہیں ملیں گی' بلکہ جو بھی نیکی کرے گا اس کو اس کی اچھی سے ''بڑھ کے'' بدلے میں یہ سب ملے گا۔پھر جب فیصلے کی گھڑی آئے گی' تو یہ ہماری چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہوں گی جو ہمارے دل کو دنیا اور آخرت میں گھبراہٹ سے بچائیں گی۔اگر آپ کا دل بات بے بات گھبرا جاتا ہے تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نیکیاں کیا کیجئے۔کسی کا دل رکھ لینا' کسی کو پانی پلا دینا' زبان پہ طنز آ جانے کے باوجود کسی کو ہرٹ نہ کرنے کے لئے اس کو لبوں سے نہ نکالنا' خاموش رہنا....اور ایسے ان گنت کام آپ کے دل کو بہادر بنائیں گے....یاد رکھیں....ہر نیکی دوسری نیکی کا راستہ کھولتی ہے....)

بک شاپ کے اس اونچے ریک پہ کتابیں ترتیب سے سجی تھیں اور حنین ان کے سامنے کھڑے مسکرا کے انہیں دیکھ رہی تھی۔ساتھ کھڑے اسامہ نے تفاخر سے کہا تھا۔

''تمہاری بک یہاں دیکھ کر میں یہ فخر سے کہہ سکتا ہوں حنہ کہ تم صرف اپنی ہیرو نہیں ہو' بلکہ تم میری ہیرو بھی ہو....''

اور اس نے فِس کریم کے سر پہ چپت لگائی تھی....

(''اور جو برائی لائے گا سو ان کے منہ آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم کرتے تھے۔'' یعنی اللہ انسان پہ ظلم نہیں کرے گا۔اس دنیا میں تو ہمیں ہمارے اعمال سے کم یا زیادہ مل جاتا ہے مگر اس بڑے دن ہمیں اس کا بدلہ ملے گا جو ہم کرتے تھے۔ہم پہ کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔وہ وعدہ کرتا ہے تو اسے سچ کر کے دکھاتا ہے۔جب وہ کہتا ہے کہ دعا مانگو میں قبول کروں گا' تو ہم اس وعدے کو سچ کرنے کے لئے دعا میں شدت کیوں اختیار نہیں کرتے؟ ہاں ہمارے ارد گرد کا معاشرہ بدل رہا ہے' لوگ بدل رہے ہیں' زمانہ بدل رہا ہے' مگر اللہ نہیں بدلے گا۔اللہ کا وعدہ نہیں بدلے گا۔اللہ اپنے سارے وعدے پورے کرے گا۔کیا ہم کریں گے؟)

کال کوٹھڑیوں کے دروازے کھلے تھے اور تمام قیدی باہر نکل رہے تھے۔ وہاں ایک تاریک سا بڑا کمرہ تھا جس میں وہ دن بھر جمع رہتے تھے۔ ایسے میں ایک گارڈ ہاشم کے قریب آیا اور موپ اسے تھمایا۔ "کیا تمہیں روز بھول جاتا ہے؟ اس جگہ کی صفائی تم نے کرنی ہے۔"

ہاشم نے درشتی سے اس سے موپ پکڑا اور پھر اس کے قریب آیا۔ "تمہیں جتنے پیسے چاہئیں میں دوں گا' بس مجھے اتنا پتہ کروا دو کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ میری بیوی' ماں یا بھائی' کسی کو ملی وہ یا نہیں؟ صرف اتنا بتا دو مجھے...."

"خاموشی سے یہ فرش صاف کرو۔" وہ اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ ہاشم نے ایک نظر میلے فرش کو دیکھا... پھر اپنے آپ کو... بدرنگ جمپنگ سوٹ (قیدیوں کا لباس) پہنے... میلے کچیلے حلیے میں... وہ اب اس غلیظ فرش کو... صاف کرے گا؟؟... اس نے سارے خیال ذہن سے سر جھٹک دیے اور ضبط کرتے ہوئے موپ کو فرش پہ رگڑنے لگا... آنکھوں میں بار بار دردسا ابھرتا تھا... مگر نہیں... وہ آخری دم تک ان لوگوں سے لڑے گا... کبھی تو وہ آزاد ہوگا... کبھی تو... اس کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں مگر اس نے سختی سے خود کو جھڑکا۔ "مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ سب نے میرے ساتھ زیادتی کی۔ سب سے زیادہ ظلم میرے ساتھ ہوا۔ وہ سب ایک ساتھ تھے۔ ایک میں اکیلا رہ گیا تھا... میں اکیلا لڑتا رہا... میں کب تک لڑ سکتا تھا۔" بھیانک اندھیرے آس پاس اس کی گھات میں کھڑے تھے... اس کو نگلنے کے لیے تیار...

("مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں جس نے اسے عزت دی ہے اور ہر ایک چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ اور یہ بھی کہ قرآن سنادوں پھر جو کوئی راہ پر آگیا تو وہ اپنے بھلے کو راہ پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اور کہہ دو سب تعریف اللہ کے لیے ہے تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھادے گا پھر انہیں پہچان لو گے اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔")

ریسٹورانٹ کی اس میز پہ خوبصورت گلاب کے پھول رکھے تھے' دو موم بتیاں روشن تھیں... زمر اور فارس آمنے سامنے بیٹھے تھے... اشتہا انگیز خوشبو لیے کھانا ان کے سامنے سجا تھا... اور وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"تو بالآخر آج ایک پرامن اور پرسکون ڈنر کا قرض تم نے اتار ہی دیا!"

"بالکل۔ تو پھر کیا خیال ہے؟ اب میں تمہیں اپنے آفس کی خوبصورت لڑکیوں کے بارے میں بتا سکتا ہوں؟" اور وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیے تھے۔

"اور ان آیات کو سنانے کے بعد... میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں۔" وہ ڈائس پہ ہاتھ رکھے کھڑا مجمعے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کہ میں نے یہ جان لیا ہے کہ میرا کام تھا صرف پہنچا دینا۔ ہمارا کام پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے۔ اسلام کو زبردستی لوگوں کے اوپر نافذ کرنا نہیں ہوتا۔ آپ دین کو جبر اور سختی سے کسی کے عمل میں شامل نہیں کر سکتے۔ آپ جبر سے زبردستی انصاف بھی نہیں کروا سکتے۔ ہم نے صرف سچ کے لیے آواز بلند کرنی ہے' اس کے لیے لڑنا ہے' کوشش کرنی ہے۔ ہمارے ہاتھ میں صرف کوشش ہے۔ کامیابی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر دفعہ کامیاب بھی ہوں' ہم ہر دفعہ جیتیں بھی سہی۔ ہم نے صرف اپنا ہنڈرڈ پرسنٹ دینا ہے۔ کیونکہ ہمارا یہی کام ہے۔ خود عمل کرنا اور صرف دوسروں کو پہنچا دینا۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے' میں تو ہوں صرف پہنچا دینے والوں میں سے!" وہ بات ختم کر کے خاموش ہوا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا... لوگ اپنی جگہوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے لیے ہاتھ بلند کیے تالیاں بجا رہے تھے اور وہ مسکرا کے ان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ فیصلے کی گھڑی آنے سے پہلے ہی جیت گیا تھا اس کو بس علم دیر سے ہوا تھا۔

.... ✤✤✤ ....

سولہ سال بعد:

وہ اوپر سے دیکھنے سے کسی امریکی ریاست کا کوئی مصروف شہر لگتا تھا۔ خوبصورت اونچی عمارتیں' صاف ستھری سڑکیں... مصروف سے تیز تیز چلتے لوگ... ایسے میں وہ مخالف سمت سے چلتی ہوئی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ تیز ہوا کے باعث سیاہ بال اڑ اڑ کے چہرے پہ آ رہے تھے اور وہ بار بار ان کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ خوبصورت چہرہ' سیاہ شفاف آنکھیں اور ایک بے نیاز مسکراہٹ... وہ مگن سی چلتی آ رہی تھی... جب قریب سے گزرتے ایک آدمی سے ٹکرا گئی۔

''سوری... سوری۔'' مسکرا کے معذرت کی تو وہ آدمی ''نو پرابلم'' کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اب کہ وہ واپس مڑی اور قدم بڑھاتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا مردانہ والٹ کھولا۔ اس آدمی کا آئی ڈی کارڈ... چند ویزا کارڈ... کڑکڑاتے ہوئے ڈالرز کے نوٹ... ہوں گڈ... اس نے اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ کارڈز جیب میں رکھے' والٹ قریبی بن میں اچھالا اور نوٹ مٹھی میں دبائے آگے بڑھ گئی۔

ایک بیکری کے قریب وہ رکی اور اندر چلی گئی۔ جب واپس آئی تو ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا۔ کیک کا ڈبہ۔ اب تک اس کی مسکراہٹ سوگوار پڑ چکی تھی۔

وہ ڈبہ لیے سڑک کنارے چلتی گئی... چلتی گئی... یہاں تک کہ زیر زمین ٹرین اسٹیشن کو جاتی سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔ وہ نیچے اترتی آئی...

وہاں کونے میں ایک بوڑھا سیاہ فام آدمی بیٹھا تھا۔ شکل سے وہ ڈاؤن سنڈروم کا شکار لگتا تھا۔ دنیا مافیہا سے بے خبر... وہ اس کے پاس آ بیٹھی... وہیں زمین پہ... اور ڈبہ کھول کے درمیان میں رکھا۔ اندر ایک چھوٹا سا کیک تھا۔ اس پہ ننھی سی موم بتی رکھی تھی۔ اس نے لائٹر نکال کر جلایا' موم بتی روشن کی اور سیاہ فام کو دیکھا۔ وہ غائب دماغی سے اسے گھور رہا تھا۔

لڑکی نے اپنے ٹخنے سے جینز اوپر کی' وہاں بندھا چاقو نکالا اور کیک کے قریب لائی۔ پھر پھونک ماری۔ شعلہ بجھ گیا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو می... ہیپی برتھ ڈے ٹو سونیا...'' وہ اب کیک کو دیکھتے ہوئے مدھم... اداس سا گنگنا رہی تھی۔ ساتھ میں چاقو سے اسے کاٹ بھی رہی تھی۔

''جب میں چھوٹی تھی تو میرے بابا میری سالگرہ ایسے مناتے تھے کہ ساری دنیا دیکھا کرتی تھی... شہر کی سب سے زیادہ شاندار سالگرہیں شاید میری ہوتی تھیں۔ اور اب...'' اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''اور اب میں ان کے ساتھ سالگرہ نہیں منا سکتی۔ میں نے کتنے سال ان کے ساتھ سالگرہ نہیں منائی۔ اوہ تم کیا جانو... میرا باپ کتنا عظیم انسان تھا...'' پھر آنکھیں اٹھا کر بوڑھے بھکاری کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''اتنا عرصہ کھوئے رہنے... بک جانے... ظلم سہنے کے بعد بھی... میری دادی نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا... مگر میری قسمت میرے بابا سے الگ ہے البرٹو... میری دادی نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح بڑا نہیں کیا... انہوں نے مجھے ایک ہتھیار کی طرح تراشا ہے...'' اس کی آواز سرد ہوتی گئی۔ ''میں نے اتنے دھکے کھائے ہیں کہ اب میں ہر قسم کے لوگوں سے لڑنا' اور ان کو ہر طرح سے مارنا سیکھ چکی ہوں۔ اور میں یہ تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کیونکہ آج صبح معلوم ہوا ہے کہ میرے بابا زندہ ہیں... اور اب البرٹو مجھے اپنے ملک واپس جانا ہے۔ اپنے بابا کو ڈھونڈنے' ان کو واپس لانے' اور اپنے خاندان کو جوڑنے کے لیے...'' کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جذبہ جاگا... چمک... پرتپش برف جیسی چمک... سلگتی ہوئی لکڑی کی سی حدت... ''اور آج شاید میں آخری دفعہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کیک کھا رہی ہوں۔ اب شاید میں واپس نہ آؤں۔ میرا سفر بہت طویل ہے' اور مجھے صرف اپنے خاندان کو اکٹھا نہیں کرنا' بلکہ مجھے...'' آنکھیں سلگنے لگیں۔ ٹرین قریب آ رہی تھی... اور اس کی آواز میں سونیا کی آواز دب سی گئی... مدھم سرگوشی میں بدل گئی...

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

''مجھے اس ایک شخص اور اس کے خاندان سے بھی اپنا انتقام لینا ہے۔ میں اس کا نام کبھی نہیں بھولی.... میں اس کی آنکھیں نہیں بھولی....وہ آخری دفعہ مجھے ہسپتال کے کاریڈور میں نظر آیا تھا...فارس غازی....میں نے اس دن کا برسوں انتظار کیا ہے البرتو....جب میں پوری طرح تیار ہوں گی..اور میں اس کے خاندان کے ایک ایک فرد کو ہر اس ظلم کی سزا دوں گی جو انہوں نے میرے خاندان پہ ڈھایا تھا...میں ایک ایک زخم کا بدلہ لوں گی...اس آدمی نے میری ساری دنیا تاریک کر دی...وہی وجہ ہے ہر چیز کی...چودہ سال...چودہ سال اس نے اور اس کے خاندان نے سکون سے گزار دیے....مگر اب اور نہیں....'' اس نے کیک کا ڈبہ البرتو کی طرف بڑھایا اور خود بیگ کندھے پہ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھیں پرتپش تھیں اور چہرہ برف کی طرح سفید.....

''اب وہ اپنے ایک ایک جرم کا حساب دے گا۔ میرے محبت کرنے والے عظیم باپ کے ساتھ اس نے جو کیا....وہ اس کا حساب دے گا....میں اپنے باپ کو ڈھونڈ نہ بھی سکی تو فارس غازی سے ضرور ملوں گی اور وہ اس ملاقات کو یاد رکھے گا۔ ویسے مجھے ابھی بھی امید ہے کہ وہ مجھے کبھی بھولا نہیں ہوگا۔ اسے بھی میری آنکھیں یاد ہوں گی۔'' اور وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ کیک کا ڈبہ یونہی پڑا رہا گیا۔ البرتو نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔

وہ کہیں نہیں تھی۔ ایسے جیسے بھیڑ میں غائب ہو گئی ہو۔

کسی جن کی طرح۔

کسی پری کی طرح۔

اور اگر کبھی تمہیں کوئی کہے

کہ انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا

تو یقین کر لینا

کیونکہ

ہر انتقام کے آخر میں

نئے سرے سے بدلہ لینے کے لئے

اور اس چکر کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے

ایک سروائیور

ضرور باقی بچ جاتا ہے.....

(ختم شد)

نمل کے بارے میں

چند اہم سوالات کے جوابات

1- نمل کے تمام کردار دوہری شخصیت کے حامل نظر آئے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ کے تمام ناولز کے برعکس اس ناول کے کردار قاری کو پل پل میں رنگ بدلتے نظر آئے؟

ج۔ یہ دانستہ ایسے ہی لکھا گیا تھا۔ مجھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ڈارک کریکٹر لکھنا زیادہ پسند آرہا ہے۔ ایک سیدھے سادھے سفید کردار میں سیکھنے کا کوئی مارجن ہی نہیں ہوتا اور ایک بالکل سیاہ کردار کو اتنا قابل نفرت بنا دیا جاتا ہے کہ لوگ اس سے ریلیٹ ہی نہیں کرنا پسند کرتے۔ جب آپ کا مقصد تبلیغ ہو، کچھ سکھانا ہو تو آپ کو کرداروں میں عام انسانوں کی مختلف خامیاں ڈالنی پڑتی ہیں۔ مجھے ان گنت ای میلز اور خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں قارئین اور عموماً نوجوان بچیاں اپنے اپنے مسائل کا ذکر کرتی ہیں۔ ان کا حل ان کو نہیں مل رہا ہوتا۔ تو میں ایسا کچھ لکھنا چاہتی تھی جو آج کے انسانوں جیسا ہے۔ ہر اچھے کردار کو بھی وہی بری لتیں پڑی ہوں جو آپ کے اردگرد کے لوگوں میں ہیں۔ یا جو عموماً اب پائی جاتی ہیں۔ جب قاری اچھے کرداروں کی اچھائی دیکھتے ہوئے ان کو ان بری عادتوں سے ڈپریشن سے ماضی کے گناہوں سے لڑتے ہوئے دیکھتا ہے صرف تبھی وہ سیکھتا ہے۔ ورنہ برے کرداروں کے بارے میں تو ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ میں تو اس جیسا نہیں ہوں۔ وہاں سے کتھارسس اور سیکھنے کا مارجن پھر بالکل گھٹ جاتا ہے۔

2- آپ کے نزدیک نمل کا سب سے پیچیدہ کردار کونسا اور کیوں ہے؟

ج۔ ویسے تو تمام مرکزی کردار پیچیدہ تھے لیکن سب سے زیادہ ہاشم کا کردار کو لکھنا چیلنج تھا۔ ہاشم میرا ان دس سالوں میں لکھا گیا پسندیدہ کردار ہے۔ وہ بیک وقت اچھا بھی تھا اور برا بھی تھا یہاں تک کہ اس کی برائی اس پہ غالب آجاتی ہے۔ ایسے کردار سے آپ اچھے کام بھی کرواتے ہیں اور برے بھی۔ اس میں لکھنے کا مارجن بہت زیادہ تھا۔ میں اس کو کہیں بھی موڑ سکتی تھی۔ اچھے کرداروں میں تو چند برائیاں ڈال کے ہم ان سے پھر بھی اچھے فیصلے کروا لیتے ہیں لیکن ہاشم میں ہر طرف جانے کی لچک تھی۔ اور قارئین کو اس سے ہمدردی بھی تھی۔ اس کا کردار آپ کے لیے ایک سوالیہ نشان بھی تھا۔ اس کو جج کرنا اور اس کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا... یہ سب میں نے آپ پہ چھوڑ دیا ہے۔

3- اگر غیر جانبداری سے پوچھا جائے تو آپ کے نزدیک بہترین وکیل زمر یوسف تھی یا ہاشم کاردار؟ (بطور ایک قاری کے!)

ج۔ مجھے لگتا ہے وہ دونوں آخر میں آ کر برابر ہو گئے تھے اور زمر بالکل آخر میں ہاشم سے ایک دو قدم آگے نکل گئی تھی کیونکہ اس کا زور

ناول کی پرچھا اور ہاشم کا گواہ خریدنے پہ جو چلیں... میں کیسے بتی ہوں... زمر آخر میں قدرے بہتر تھی...

4. ہاشم بمقابلہ زمر... ہاشم بمقابلہ فارس... ہاشم بمقابلہ سعدی۔ آپ ان میں سے کن دو مقابلے کا اہل سمجھتی ہیں؟

ج۔ کسی کو بھی نہیں۔ ہاشم ان سب سے زیادہ اسمارٹ اور زیادہ شاطر تھا۔ لیکن وہ ایک طرف اکیلا کھڑا تھا اور یہ سارا خاندان اس کے خلاف اکٹھا ہو گیا تھا۔ اسے شکست تب ہوئی جب ان تینوں نے اکٹھے اس کا مقابلہ کیا۔ ہاشم بمقابلہ زمر فارس سعدی۔

5. نمل میں بہترین منصوبہ کاروان سرا کا تھا جس کی محنتی اور ظاہری منصوبہ بندی آپ کے خیال میں لاجواب رہی؟

ج۔ میرے نزدیک وہ فارس تھا۔ کیونکہ وہ قاری سے ایک قدم آگے ہوتا تھا اور اس کے منصوبے سرپرائز کا عنصر لیے ہوتے تھے۔ ہاشم کے منصوبے کھلنے سے قاری خوش نہیں ہوتا تھا۔ پریشان ہوتا تھا۔ فارس کے منصوبے زیادہ موثر رہے تھے۔

6. سعدی اور زمر کا مدبر اور حنین کا وہ اسے شانی کا سفر... کیا کہانی کی ضرورت بھی تھا؟

ج۔ ان کے بغیر کہانی میں وہ تینوں کردار بڑے بڑے فیصلے نہیں لے سکتے تھے۔ بجائے کسی قانونی کردار سے مشورہ کرنے کے وہ اپنی کتابوں کے سفر پہ نکل جاتے تھے اور اپنا کتھارسس کر لیتے تھے۔ ہر باب کا مدبر قرآن یا حنین کا سفر اس باب کے کئی واقعات سے جڑا ہوتا تھا۔

7. نمل کو لکھنے کی انسپائریشن کہاں سے ملی؟

ج۔ شاہ زیب خان اور کامران فیصل کا قتل... ایک تکنے پہ آ کر مجھے کسی نے مشورہ بھی دیا کہ سعدی یوسف کو مار دیا جائے مگر اس کو مارنا ایسے تھا جیسے شاہ زیب خان کو دوبارہ قتل کر دینا۔ اس کے علاوہ ادب سے انسپائریشن ڈھونڈوں تو کاؤنٹ آف مونٹے کرسٹو کا ناانصافی مجھے ہمیشہ سے پسند رہا ہے لیکن میں اس کی طرح کہانی کو آگے لے کر نہیں چلنا چاہتی تھی۔ میں انجام ذرا مختلف کرنا چاہتی تھی۔

8. آبدار کی موت قتل تھی یا خودکشی؟

ج۔ قتل بھی تھی اور خودکشی بھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہاشم اسے مار دے لیکن ہاشم نے اسے اپنی محبت سے مارا اس کی وجہ سے نہیں۔

9. کیا نمل کے اختتام کے بعد قاری اس کے اگلے حصے کی امید رکھیں جس میں سونیا کردار کو انتقام لیتے ہوئے دکھایا جائے؟

ج۔ نہیں۔ نمل الحمدللہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اگلے ناول کی تیاری کر رہی ہوں۔ مجھے اس کا پارٹ ٹو نہیں لکھنا۔ اس طرح کے موڑ پہ میں کہانی اس لیے ختم کرتی ہوں تا کہ قاری یہ جان لے کہ کہانی کا اختتام زندگی کا اختتام نہیں ہے۔ انسان بہت بڑا مجبور ہے۔ وہ جب تک زندہ ہے جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ کم از کم کتاب بند کرتے وقت کچھ دیر آپ سوچیں کہ سونیا اب کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ آپ کی سوچ آپ کو کس طرف لے جاتی ہے یہ آپ کا بھی امتحان ہے کہ آپ نے نمل سے کیا سیکھا۔ اور پھر میں نہیں دکھا سکتی کہ آپ انتقام کے سفر پہ نکلیں اور آپ سے کوئی اور انتقام نہ لے۔ یہ چکر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

.... ⁘ ⁘ ⁘ (ختم شد) ⁘ ⁘ ⁘ ....